مہرالنساء شاہ میر کے قلم سے

بھرمِ بقاء باطل؟

انتساب

اللہؒ کے نام، وہ جس نے لکھوایا اور وہی جو لکھوا رہا ہے۔

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں، تمام عزت، تمام کامیابیاں اللہ کے نام۔

بھرم، بقا، باطل؟ میری پانچویں تحریر ہے اور کہیں کہیں مجھے لگتا ہے یہ میری پہلی تحریر ہے کیونکہ اس کہانی کو لکھتے وقت میں کئی مراحل سے گزری ہوں جن سے گزرتے ہوئے مجھے لگا کیا میں پہلی بار کچھ لکھ رہی ہوں؟

یہ کہانی آج سے تین سال قبل میرے ذہن میں آئی تھی تب جب میں بخت کے آخری ابواب لکھ رہی تھی۔ کہانی کا پہلا منظر وہ تھا جسے آپ باب نمبر تین کے آخری سین کی صورت پڑھ سکیں گے۔ میں نے تین سال اسے لکھنے کا انتظار کیوں کیا؟

اس ناول کی پہلی قسط میں نے انہی دنوں لکھی تھی جب میں بخت لکھ رہی تھی اور آدھی قسط لکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کہانی کافی مشکل ہے، اس کے لیے مجھے ڈھیر ساری ری سرچ چاہیے اور ان دنوں میرے پاس ذرائع محدود تھے میں نے اسے چھوڑ دیا لیکن دل سے نہ نکال سکی۔ بخت کے بعد میں نے تین مزید ناول لکھے اور بسمل ختم کرتے ہی مجھے خالی پن کا احساس ہوا۔ ایسے جیسے کرنے کو کوئی کام ہی نہ رہا ہو۔

قصہ کوتاہ میں نے ایک روم کوم لکھنا شروع کی (عجیب لگ رہا ہے ناں؟) اچھی کہانی تھی لیکن مزہ نہیں آرہا تھا پھر یونہی بیٹھے بیٹھے بھرم، بقا، باطل کی وہ ادھوری قسط کھول لی یہاں میں یہ واضح کردوں کہ ان

تین سالوں میں جب جب میرے حوصلے پسپا ہوئے میں نے اس آدھی قسط کو پڑھا ہے، کہیں نہ کہیں میں خود کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ میں تب تک نہیں گر سکتی جب تک اس ناول کو لکھ نہ لوں۔ مجھے کبھی بھی اسے پڑھنے پر اکتاہٹ نہیں ہوئی۔ ادھوری قسط کی چند غلطیاں درست کرتے کرتے کب مجھے اس کے کردار پسند آنے لگے، کب قسط نمبر دو کا ڈرافٹ بنا اور کب میں نے اس قسط کو محض بیس دن میں ختم کیا کچھ سمجھ نہیں آیا مجھے بس یہ پتا تھا کہ مجھے لطف آرہا ہے یہ وہ کہانی تھی جسے میں تین برس سے لکھنا چاہتی تھی لیکن یہ تب لکھی گئی جب اس کا وقت تھا، قلم کو تب روانی ملی جب ملنا مکتوب تھی۔

بھرم، بقا، باطل کی پہلی قسط پڑھنے کے بعد میری الفا ریڈرز کے الفاظ اور انداز ستائش بے حد مختلف تھی۔ مجھے اندازہ تھا میں نے کچھ مختلف کیا ہے مگر ان دونوں نے مجھے جو حوصلہ دیا وہ میرے لیے آگے بڑھنے کی امید اور حوصلہ ثابت ہوا۔ اس کہانی کو میں نے خون جگر دیا ہے، میں کئی کئی راتیں جاگی ہوں، کئی دفعہ ہمت اور حوصلہ چھوڑ کر بس خالی سکرین کو دیکھا ہے، میں اس کے ساتھ ایک مختلف انسان بنی ہوں اور جو کچھ میں نے اس سے حاصل کیا ہے اسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔

میں اگر اس کتاب کے عنوان کو ایک سطر میں سمیٹنا چاہوں تو "یہ کتاب معاشرے اور اس کے بوسیدہ اقداروں سے بغاوت ہے" ہر وہ جاہلانہ رسم جس سے جوڑ کر ہم سے پہلی اور موجودہ نسلوں کا منہ بند کروایا گیا، حوصلے پست کیے گئے یا پھر "مصلحت کی پٹی پڑھائی گئی یہ کتاب آپ کو ہر اس رواج اور رسم کے خلاف نہ بھی کر سکی تو ایک لمحے کے لیے آپ کو سوچ میں مبتلا ضرور کرے گی۔ یہ کتاب آپ کو ہر چھوٹے بڑے ظلم کے خلاف بولنا سکھائے گی۔

بقیہ تمام تفصیل آپ کتاب میں پڑھ سکیں گے اور اس کے بعد "حرف آخر" میں۔

بھرم، بقا، باطل تین حصوں میں تقسیم میرا پہلا کرائم تھرلر ہے اسے پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا یہ وہ کہانی ہے جسے میں لکھنا چاہتی تھی۔ وہ موضوعات جن پر قلم اٹھانے کے لیے میں نے ایک عرصہ انتظار کیا۔ ایک سال تین ماہ میں مکمل ہونے والی اس کہانی میں آپ ذہنی بیماریوں کی مختلف اقسام دیکھیں گے، طاقت کے نشے میں چُور چند امراء اور تخت نشینوں کا عروج اور زوال دیکھیں گے۔ میں ہیروز نہیں لکھتی لہٰذا اس کہانی میں آپ ولنز کی نئی اقسام دیکھیں گے۔ یہ کہانی آپ کے ذہن میں کئی سوال اٹھائے گی اور اسے پڑھ کر آپ ایک دفعہ ہی سہی مگر معاشرے کو نئی نظر سے ضرور دیکھیں گے۔

بھرم، بقا، باطل جتنا میرا ہے اتنا ہی مریم مظفر کا بھی ہے۔ مریم۔۔۔۔۔۔۔ میری پچھلی چار کتابوں کے پیش لفظ میں اسی نام کو پڑھنے کے بعد اب یہ محض نام تو نہیں رہا ہو گا؟ اس نے ہر قدم پر میری رہنمائی کی، ہر دفعہ مجھے بتایا میں صحیح کر رہی ہوں، یہ کہانی میرا درست فیصلہ ہے اور یہ کامیاب ہو گا میں اس کے بارے میں جتنا لکھوں اتنا کم ہو گا، میں اسے جتنا سراہوں اتنا ناکافی ہو گا مریم میری زندگی کے مثبت فیصلوں میں سے ایک ہے اور میں اس سفر میں اس کے ساتھ رہنے پر شکر گزار ہوں۔ میں اس کے میری زندگی میں آنے پر شکر گزار ہوں۔

گُل جان وہ لڑکی جس نے اس کتاب کا غیر ایڈٹ شدہ مسودہ پڑھا اور مجھے بتایا کہ یہ کہانی چھپنے کے لائق ہے۔ جس کے ساتھ میں نے کئی گھنٹے منصوبے بنائے، جس نے مجھے کئی الجھنوں سے نکالا اور جس کی تعمیری تنقید میرے لیے ہمیشہ اہم رہی ہے (یہ الگ بات ہے کہ بعض دفعہ اس کا سر پھاڑنے کا دل کرتا ہے) گُل میرے ہر لفظ کو دھیان سے پڑھتی ہے، ہر سطر کا حق ادا کرتی ہے اور میری پریشانی کو تب تک نہیں چھوڑتی جب تک اسے اپنی پریشانی سمجھ کر حل نہ کر لے۔ بہن، تم ہمیشہ میرے لیے اہم رہو گی۔ شکریہ والا حساب تو نہیں ناں؟

ایمن محمود آپ کے پاس کمال کے حوصلے ہیں۔ میری ہر دن کی مایوسی، نا امیدی اور سیلف ڈاؤٹنگ کو جس احسن طریقے سے آپ نے سنا ہے کوئی اور ہوتا تو اب تک بے زار آچکا ہوتا۔ آپ کے اپنی زندگی میں ہونے پر میں زیادہ بات نہیں کرتی وجہ آپ جانتی ہیں لیکن یہاں آپ کا نام لکھنا، آپ کی بات کرنا تمام شکوے)جو شاید تھے ہی نہیں(ختم کر دے گا۔ مجھے سننے کے لیے، میری باتیں برداشت کرنے کے لیے اور لوگوں کو بھاڑ میں جھونکنے کے مشورے دینے کے لیے، اور میرے ساتھ رہنے کے لیے شکریہ۔

اس کے علاوہ میں عائشہ جمالی کی بہت شکر گزار ہوں جس کے یک لفظی تبصرے بھی میری ہمت بڑھاتے تھے۔ میرے بڑے بھائی کا شکریہ جس نے ریسرچ کے کام کو میرے لیے سہل کیا۔ میرے آن لائن قارئین۔۔۔۔۔۔۔میں آپ کی محبتوں کا قرض محض ایک شکریہ سے نہیں اتار سکتی۔ آپ سب میری بیک بون ہیں، آپ سب میرے لیے بہت اہم، بہت قیمتی ہیں۔ میرے ساتھ جڑے رہنے کے لیے اور تمام محبتوں کے لیے ڈھیر سارا شکریہ۔

علی میاں پبلیکیشنز کا شکریہ جنہوں نے ہر دفعہ میری کتابوں پر محنت کی، اور انہیں درست انداز میں پیش کیا۔

مجھے امید کہ اسلان یمن (aslan yamin)، شاہ ویر بنگش، انارا طارون(inara taroon) سہراب یمن، عالمگیر یمن، تمکنت بنگش، یافث طارون، اور اسفندیار انصاری کی یہ کتاب آپ کی زندگی میں جگہ ضرور بنائے گی آپ ان کرداروں سے بہت کچھ سیکھیں گے اور اپنی زندگی میں ایک مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔ انشاءاللہ۔

دعاؤں کی طلبگار!

مہرالنساء شاہ میر

بلوچستان، پاکستان

انتباہ

یہ کہانی پر تشدد مناظر، قتل، ذہنی دباؤ، جسمانی استحصال، اور خون ریزی پر مبنی ہے۔ نیز اس کہانی میں خودکشی کا ذکر، جنسی اور دماغی تشدد چند قارئین کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

اگر یہ موضوعات آپ کی ذہنی صحت یا شوق مطالعہ متاثر کر سکتے ہیں تو براہ کرم احتیاط کریں۔

شکریہ۔

درخواست

تمام قارئین اور ایڈیٹرز سے درخواست ہے کہ کمنٹس اور اسٹوریز پر اسپوائلرز دینے سے گریز کریں۔ آپ کے احباب یا دوستوں میں اگر کوئی آپ سے اینڈنگ یا اسپائلر کے متعلق دریافت کرنا چاہے تو آپ انہیں کچھ بھی نہ بتائیں۔ میں چاہتی ہوں ہر قاری اس کہانی کو خود کھوجے، پرکھے اور سمجھے۔ ایڈیٹرز سے مزید یہ درخواست کہ اگر آپ کی پوسٹ پر کوئی بھی اسپائلر کمنٹ ہو تو برائے مہربانی اسے ڈیلیٹ کر دیں۔

شکریہ۔

جزء اول : بهرم

باب نمبر ایک

تاریکی اور برف

آسمان پر چمکتے ہوئے ہلال کی نقرئی روشنی مدھم تھی۔ رات تاریک تھی، ایسے جیسے کسی سیاہ کار کی غیر روشن قبر۔ ایسی سیاہ راتیں محض آسیب زدہ کہانیوں میں ہوتی ہیں، یا پھر یہ وہ رات تھی جب قدرتی سیاہی سے زیادہ کسی کے اعمال ناموں کی سیاہی آنکھوں کو چندھیانے والی تھی؟

کسی عمارت کی سنسان راہداریوں میں اس پہر جو واحد آواز تھی وہ اس لڑکی کے سفید اونچی ایڑھی والے بوٹوں کی تھی۔ یہ آواز ایک پل کو پر سراری کا اعلان تھی تو اگلے پل دغا بازی کا پیغام دیتی، ایک لمحہ اعلانِ امن تو اگلا لمحہ اعلان رزم۔ قدیم عمارت کی دیواروں میں لگے فانوس کی روشنیوں میں اس لڑکی کا چہرہ روشن ہوتا، پھر نقوش دھندلے، پھر مدھم، پھر روشن۔ اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا۔ بوڑھی عمارت کی قدیم دیواریں رازداری کا تہیہ کیے پوری شان سے کھڑی تھیں۔ ان پر ٹنگی قدیم مصوری رات کے اس پہر خوف کی پہرے دار لگ رہی تھیں۔ اور راہداریوں کی تنہائی کسی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ۔

لکڑی کے ایک بھاری دروازے کے باہر قدموں کی چاپ تھمی تو اگلے ہی لمحے دروازہ کھلنے کی چرچراتی کانوں کو چبھنے والی آواز گونجی۔ بھاری بوٹوں والی لڑکی اندر داخل ہوئی اور کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ بھاری مخملی پردے کھڑکیوں پر گرے ہوئے تھے، اگر اٹھے ہوتے تب بھی باہر محض اس شہر کی تاریکی دکھائی دیتی یا پھر برف۔

پلنگ کی بے ترتیب چادر کے اوپر کئی چیزیں کھلی پڑی تھیں۔ کپڑے، کاغذ، قلم، دوات، لیپ ٹاپ، کوٹ۔ یہ کمرہ اپنے مکین کے اندرونی خلفشار کی داستان سنا رہا تھا۔ لڑکی چند لمحے چوکھٹ پر جمی کھڑی رہی پھر اس نے نگاہیں اٹھا

کر کمرے کی دائیں طرف رکھی لکڑی کی میز کی طرف دیکھا جہاں ایک فانوس جل رہا تھا۔ فرش پر جا بجا کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ بھورے فرش پر اس کے سفید جوتے واضح نظر آ رہے تھے۔ وہ کتنے ہی پل وہیں کھڑی اس کمرے کا جائزہ لیتی رہی اسے وقت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ کمرے سے ملحقہ غسل خانے سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ شاید کوئی اندر تھا۔ وہ چند پل یونہی کھڑی رہی پھر کہنی پر ٹنگا سفید پرس پلنگ پر رکھا، بوٹ سے بے ترتیب قالین درست کیا پھر چند قدم آگے بڑھ کر اس نے فرش پر گرے مڑے تڑے صفحات میں سے ایک صفحہ اٹھایا اور اسے کھولا۔

بھورے کاغذ پر سیاہ روشنائی سے انگریزی میں ایک تحریر درج تھی۔ کسی کہانی کا کوئی منظر، کوئی ٹکڑا۔ نوارد ایک قاری تھی اور قاری لکھا ہوا چھوڑ دے؟ ناممکن۔ اس نے زیر لب لکھا ہوا پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا کہ۔۔۔۔

وہ بلیک آؤٹ کی رات تھی۔ بلیک آؤٹ یعنی روشنی کا ہر منبع اس رات سرد اور تاریک تھا۔ عمارات غیر روشن، گھروں کے چراغ گُل، بتیاں بجھ چکیں یا کسی سازش کے تحت بجھائی گئیں؟

اگر آسمان پر چمکتے ہلال کی بغیر ثقل والی زمین پر ہواؤں میں تیرتے ہوئے کُرہ ارض کی طرف نگاہ ڈالو تو ساری زمین روشن تھی بس ایک خطہ تھا جو تاریک تھا۔ سیاہ۔ وہ خطہ اس رات بلیک آؤٹ کا شکار تھا۔ سارے میں اندھیرا محض اندھیرا، اور اندھیرے میں دنیا کیا کرتی ہے؟

گناہ، گمراہ، جرم، قتل۔

اسی تاریک اور سرد رات میں کوئی وجود تھا جو گلیوں میں پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا۔ اس کا تنفس پھولا ہوا تھا۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، سانس بھاری تھا۔ اور آنکھوں میں دہشت رقم تھی۔ سیاہ رنگ کے چغے سے اس کی آنکھیں بمشکل اپنا منظر دیکھ پا رہی تھیں۔ مگر وہ وجود جیسے بس دوڑنا جانتا ہو۔ فروری کی اس تاریک رات میں، خوف و ہراس سے بھاگتے ہوئے اس کا سارا بدن پسینے میں ڈوب رہا تھا، مگر اسے بھاگنا تھا۔ کہیں بہت دور تک۔ جہاں کوئی بھی اس کے جرائم کا پیچھا کرتے ہوئے اس تک پہنچ نہ سکے۔

گلی کے دہانے پر رک کر اس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور جھک کر گہری لمبی سانسیں لیں۔ اسے سانس نہیں آ رہی تھی۔ سردی سے اس کا سارا جسم اکڑ رہا تھا۔ اس کی ہراساں نگاہیں آس پاس کچھ تلاش کر رہی تھیں، کیا؟ اسے خود بھی علم نہیں تھا۔ اسی لمحے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی اس کے وجود پر پڑی تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ روشنی میں اس کا سیاہ چغہ دکھائی دے رہا تھا، اس کی ہراساں آنکھیں بھی مگر اس نے جو چھپانا چاہا وہ سینے پر لگا خشک ہو چکا خون تھا، پیچھے بندھے ہوئے ہاتھوں کو اگر گیلا ہونا چاہیے تھا وہ قرمزی سیال سے گیلے تھے۔ قتل، اس نے ایک قتل کیا تھا اور۔۔۔۔۔۔۔۔

"آگے کچھ نہیں لکھا۔"

بھاری مردانہ آواز پر کاغذ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا۔ ایک لمحے کو وہ باقاعدہ بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ گیلے بالوں والا وہ مرد آگے آیا کاغذ اٹھا کر میز پر واپس رکھا اور خود پلنگ کے دہانے پر آکر بیٹھا۔ لڑکی اب بھی کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔ ساکن، بے سانس۔ اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں تھا۔

"یہ کیا تھا؟"

"یہ کلائمکس تھا شروعات بہت مختلف تھی۔" اس نے بے حد سکون سے جواب دیا۔

"مجھے شروعات جاننی ہے۔" اس نے بے دیر بعد بے حد ہمت کے ساتھ کہا تھا۔ مرد نے اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ بے حد پر سکون اور سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے سب سوچ کر آیا ہو، جیسے اسے علم ہو کب کہاں، کیا کہنا ہے۔

"اس کہانی کی ایک شرط ہے۔"

"منظور ہے۔"

"پہلے شرط سن لو۔" مرد نے تنبیہہ کی۔ شاید وہ اسے بچانا چاہ رہا تھا۔ مگر کس چیز سے؟

”زیادہ سے زیادہ کیا؟“

مرد نے سر ہلایا۔ ایسے جیسے کسی سوچ میں ہو۔ ”تم پارسائی کھو دو گی اور اس کہانی کے بعد تم لوگوں پر کبھی اعتبار نہیں کر سکو گی۔“

لڑکی کی آنکھوں میں کوئی عجیب سی چمک ابھری۔ ”پارسائی اور لوگوں پر یقین؟ میں پیدائشی طور پر ان دونوں چیزوں سے محروم ہوں۔“

مرد کچھ دیر کھوجتی نگاہوں سے اسے تکتا رہا۔ پھر جیسے اس نے فیصلہ کر لیا ہو۔

”ٹھیک ہے، پھر شروع کرتے ہیں۔“۔ زرد روشنی میں ڈوبے کمرے میں واحد آواز ان دونوں کے سانس لینے کی تھی۔ مگر اگلے ہی پل مرد کی بھاری مگر، دلسوز آواز اس کمرے کی دیواروں سے ٹکرائی۔

”کہانی کا پہلا حصہ بھرم ہے۔“

نوارد مرد اور کمرے کے وسط میں منجمند عورت کے ساتھ ایک نئی داستان کا قصہ شروع ہوا چاہتا ہے۔ کیا تم تیار ہو؟

★★★★★★★★★★

برف کی تہوں کو چیرتی، کہیں کسی مقام پر ایک پل کو بھی نہ رکتی ہوئی سیاہ ہیوی بائیک مری سے اسلام جانے والی سڑک پر پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ اسے چلانے والے کا چہرہ ہیلمٹ میں ڈھکا تھا۔ سرد ہوا کے تھپیڑے اس پر بے اثر تھے۔ دستانے میں ڈھکے ہاتھ مضبوطی سے ہینڈلز پر جمے تھے۔ وہ بعض دفعہ دونوں ہاتھ سردی کے باعث سینے پر باندھ کر گرم کرتا اور بائیک چلتی رہتی شاید وہ اس کام میں ماہر تھا۔ اسلام آباد کے مضافات میں داخل ہوتے ہی جیسے اس بائیک کو پَر لگ گئے۔ رفتار اتنی تیز ہو گئی جیسے بہتی ہوائیں۔

رات کے گیارہ سے بارہ بجے کا وقت تھا جب ایک مصروف سی شاہراہ پر بائیک روکتے ہوئے وہ ہیلمٹ سمیت سڑک کنارے بنی ایک عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں دو محافظ کھڑے ہوئے نظر آرہے تھے۔ باہر بتیاں روشن تھیں۔ وہ آس پاس دیکھے بغیر عمارت کی طرف آیا۔ روشنیوں میں اس کا سراپا ہلکا واضح تھا۔ مضبوط جسامت اور بلند قد کاٹھ کا حامل وہ کوئی نوجوان تھا۔

"پاس کارڈ؟" داخلی دروازے پر اسے روک کر پوچھا گیا۔ لڑکے نے ہیلمٹ اتارا، ہیلمٹ اترنے سے اس کے سیاہ بال ماتھے پر بکھر گئے اور چہرہ دکھائی دیا۔ عامیانہ نقوش جو کہ تنے ہوئے تھے۔ ماتھے پر بل تھے۔

"نہیں ہے۔" اکھڑ دو لفظی جواب۔

"پاس کارڈ نہیں ہے تو اندر داخلہ ممنوع ہے۔" دروازے کے باہر معمور محافظ نے اس سے کہا۔

نوجوان نے ان دونوں سے کچھ نہیں کہا بس اپنی جگہ کھڑے کھڑے موبائل نکالا اور ڈائلز میں سے سب سے پہلے نمبر کو ایک کال ملائی۔ دوسری طرف گھنٹی جاتی رہی۔ کئی لمحے بیتے، پھر کال اٹینڈ ہو گئی۔

"اپنے دربانوں سے کہو میرا راستہ نہ روکا کریں۔ یا پھر مجھے ایسی جگہ نہ بلایا کرو جہاں مجھے روکا جائے۔" چھوٹتے ہی سرد مہری سے کہا۔ دوسری جانب کچھ لمحے کی خاموشی آئی۔ پھر اس نے بغیر کچھ کہے کال کاٹ دی۔

"سر آپ یہاں سے ہٹ جائیں ہمارے باس نے دیکھ لیا تو بہت بُرا ہو گا۔" محافظین میں سے کسی نے کہا۔ ہیلمٹ ہاتھ میں لیے کھڑے لڑکے نے تندہی سے اسے دیکھا۔ "آپ ایک طرف ہو کر انتظار کر لیں۔"

"دو منٹ رک جاؤ۔ اگر تب تک مجھے اندر بھیجنے کے احکامات نہ آئے تو ہٹ جاؤں گا میرے یہاں کھڑے ہونے سے زمین سکڑ نہیں جائے گی۔" اس کا انداز دو ٹوک اور بے زار بیک وقت تھا۔

”کیوں تم کہیں کے راجہ لگے ہو جو دو منٹ میں تمھیں بلا لیں گے؟“ دوسرے محافظ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ اس کا لباس، جوتے، خوشبو اور انداز وہ کہیں سے بھی امراء کا شناسا نہیں لگتا تھا لہٰذا اس سے زبان چلا کر ان کا کوئی نقصان ہونا تو نہیں تھا۔

ابھی وہ کوئی جواب دیتا کہ محافظ کا موبائل تھرتھرایا۔ لڑکے کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔ جس میں طنز کی ہلکی سی رمق بھی تھی۔ محافظ نے کال اٹینڈ کی اس کے بھدے موبائل سے آواز اس نوجوان کے کانوں تک آ رہی تھی۔

”کسے روک کر رکھا ہے تم نے؟“ دوسری طرف موسیقی اور ہلچل کے شور کے درمیان ایک مردانہ آواز ابھری۔ ”تم ایسے کیسے میرے مہمانوں کو روک رہے ہو؟ میں نے تم سے کہا تھا ناں اس کو مت روکنا۔ تمہیں اس کا نام بتایا تھا ناں؟“

”صاحب وہ....“ محافظ ہکلایا پھر لڑکے کی طرف دیکھا۔ موبائل پر ہاتھ دے کر وہ اب مدھم لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ ”آپ کا نام؟“

لڑکا چند پل اسے تکتا رہا پھر دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ”اسلان شجاع یمن۔“

”سر کوئی اسلان یمن صاحب ہیں۔ اندر جانے دوں؟“

”آنے دو۔“ دوسری طرف سے حکم آیا اور کال بند ہو گئی۔ محافظوں میں سے ایک اب اسلان یمن کو اندر جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ ایک متذبذب تھا کہ تلاشی لے کہ نہ لے؟ یہ نہ ہو کہ اس کا صاحب پھر ناراض ہو جائے۔ چند پل بعد وہ عمارت کے اندر داخل ہو چکا تھا۔ ایک طویل سی راہداری تھی جس کے دونوں اطراف نیلی بتیاں جل رہی تھیں۔ موسیقی کا بے ہنگم شور اس کے کانوں پر ہتھوڑوں کی طرح برسنے لگا۔ راہداری کے اختتام پر بڑا سا ہال تھا جہاں جلتی بجھتی، رنگ بدلتی بتیاں اور ناچتے تھرکتے نوجوانوں سے بے نیاز وہ رش میں اپنا راستہ بناتا ہوا ایک

طرف کو جا رہا تھا۔ کسی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکا اور دو ساشے دکھائے، شاید منشیات کی کوئی نئی قسم۔ اس نے کوفت سے اسے پرے ہٹایا۔

کوئی جھومتی گاتی لڑکی اس کے ساتھ رقص کی خواہش رکھتی آگے آئی، اس کے سینے پر ایک ادا سے ہاتھ رکھا تو وہ اسے بھی جھٹک کر آگے بڑھا۔ چبوترے پر کھڑے ناچتے لوگوں سے ذرا فاصلے پر بنے ایک نجی کمرے میں داخل ہوتے اس نے سامنے دیکھا تو وہی منظر تھا جو وہ کئی بار دیکھ چکا تھا۔ جو ہر بار کی طرح آج بھی اپنا اثر کھو چکا تھا۔

گہرے شوخ رنگ کے لباس پہنے، گلے میں زنجیریں اور مالائیں ڈالے ہوئے کئی لڑکے اور لڑکیاں وہاں موجود تھے۔ شراب اور منشیات کی زیادتی سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بدن لڑکھڑا رہے تھے۔ شراب کی بُو نتھنوں میں داخل ہو رہی تھی اسلان یمن چوکھٹ پر کھڑا رہا یہاں تک کہ ان میں سے ایک کا دھیان اس کی طرف پڑا۔ اور وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

”ارے ارے ذرا دیکھو تو کون آئے ہیں۔“ صوفے پر پھیل کر بیٹھا، شراب کا گلاس ہاتھوں میں لیے ہوئے شاید وہ ان سب کا آقا تھا۔ ”آنے میں کوئی تکلف تو نہیں ہوا ناں سر؟“ اس کے گھٹنے پر پستول رکھی تھی۔ میز پر تیز دھار چاقو یقیناً شرافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

”یہاں کیوں بلوایا؟ ڈیلوری تمہارا کام ہے میرا نہیں۔“ وہ بے تاثر لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ گردن ہنوز اکڑی ہوئی تھی۔ چہرے پر بےزاری اور ماتھے پر بل تھے جو اس کی کشش میں اضافہ کر رہے تھے۔

”آپ کی امانت آپ تک پہنچانی تھی، اب ہم تو مری آنے سے رہے آپ کے افسر چچا دھر لیں گے ناں۔“ وہ کچھ طنز سے کہہ رہا تھا۔ اسلان کے اکھڑ تاثرات ویسے ہی رہے۔ ”ڈیلوری باقاعدہ ہماری ذمّہ داری ہے لیکن پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانا کون چاہے گا؟“

”میرا سامان؟“

"ابھی دے دیتے ہیں۔" باس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا وہ تیزی سے اٹھے اور صوفوں کے عقب سے ایک سفید رنگ کا بستہ لے کر آئے۔ میز پر رکھ کر اسے کھولا اور اسلان نے بس اپنے "سامان" کی جھلک دیکھی پھر زپ چڑھائی گئی اور بستہ اس کے حوالے کیا گیا۔ جسے وہ تھام گیا۔ وہ بھاری نہیں تھا مگر اس کے پٹھوں میں کھنچاؤ اترا۔

"کچھ پینا چاہو گے؟" میز پر قطار در قطار رکھی بوتلوں کی طرف اشارہ کرتے باس نے اسے پیشکش کی۔ "ابھی رات جوان ہے جانے کی اتنی بھی کیا جلدی ہے؟"

"میں پیتا نہیں ہوں۔" بستہ اٹھا کر کسی ناپسندیدہ شے کی طرح کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ شراب، خوبصورت لڑکیاں، منشیات وہ ہر شے سے بے زار جیسے آیا تھا ویسے ہی باہر نکل گیا۔ باہر وہی شراب اور افیم کی ناگوار بو اور وہی دنیا ومافیہا سے بے خبر نوجوان۔ اسلان کا موبائل تھرتھرایا۔ شور کے باعث وہ رنگ ٹون تو نہیں سن سکا البتہ تھرتھراہٹ پہچان گیا تھا۔ عمارت سے باہر آکر بستہ دونوں بازوؤں سے سینے تک لا کر اس نے موبائل جینز کی جیب سے نکال کر کان سے لگایا۔

"بکو....." اکتاہٹ سے کہا۔

سامنے سے اگر کوئی خوشگوار انداز سے کچھ کہنے لگا تھا تو اس کا سارا مزاج اکارت ہو گیا۔ چند لمحے خاموشی رہی شاید وہ اسلان کی بدتمیزی ضبط کرنا چاہ رہا تھا۔ جو کہ ہر دفعہ کی طرح امرِ محال تھا۔

"اس ماہ کی پانچ تاریخ آخری تھی تم نے اب تک کام مکمل نہیں کیا؟"

اسلان کی گرفت ہیلمٹ پر مضبوط ہوئی۔ بازوؤں کی رگیں پھول گئیں اور کنپٹی کی رگ جیسے پھڑک رہی ہو۔ اس کی آنکھوں سے شعلے لپکنے لگے تھے۔ "تم پیسہ دے کر مجھے خرید نہیں سکتے۔ میں تمہارا غلام نہیں ہوں۔"

"بالکل تم میرے غلام نہیں ہو لیکن شاید تم وہ دو قتل....." وہ جو کوئی بھی تھا اسے اسلان کی دُکھتی رگ کا علم تھا۔

”اپنی بکواس بند کرو۔“ اسلان چبا چبا کر اس کی بات کاٹ گیا۔ سانسیں غیر ہموار ہو گئیں۔ دسمبر کی سرد رات میں بھی اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمودار ہوئے۔”اس سب میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔“

”بالکل۔“ سامنے والے نے ٹھنڈے لہجے میں اس کی تائید کی۔”لیکن جو میں کروں گا اس میں سارا قصور تمہارے اس ایک انکار کا ہو گا۔ بہتر ہے کہ تم وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں، ورنہ نتائج کے ذمہ دار ایک بار پھر تم خود ہو گے۔“

وہ اسلام آباد کی اس سڑک پر چند لمحے جمود کا شکار رہا۔ دکانوں کے گرے ہوئے شٹرز اور اجلی روشنیوں میں موبائل کان سے لگائے وہ کتنے ہی لمحے خاموش رہا۔ کندھے ڈھیلے پڑ گئے، ماتھے کے بل غائب ہوئے۔ اب وہاں کوئی انجانا خوف تھا۔

”میں اسے نہیں ماروں گا۔“ بلاخر اس نے فیصلہ کر لیا۔ کندھوں سے ہر بوجھ سرک گیا۔ سوائے خوف کے۔”اگر مجھے لگا یہ ضروری ہے تب..... میں تم سے اجازت نامہ لینے نہیں آؤں گا لیکن تمہارے کہنے پر میں اسے نہیں ماروں گا۔ جو تمہارے اشاروں پر ناچے وہ انسان کوئی اور ہو گا۔“

دوسری طرف کوئی بھی جواب سنے بغیر اس نے موبائل بند کیا۔ دل تیز رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے موبائل جینز کی جیب میں واپس ڈال دیا۔ ہیلمٹ واپس چڑھایا تو چہرہ چُھپ گیا اور بس اس کی گہری بھوری آنکھیں نظر آئیں۔ کلائی پر بندھی گھڑی پر اس نے وقت دیکھا، ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ وہ جلد گھر پہنچ جائے گا، اپنے چاچا کی آمد سے پہلے اسے یقین تھا۔

دوسری طرف موجود انسان اس انکار پر اس کی زندگی تباہ کر سکتا تھا اسے یہ بھی یقین تھا۔ مگر وہ نہیں "مارے" گا، ہر گز نہیں۔

★★★★★★★★★★★

کوہ مری

سیاہ ستاروں سے خالی آسمان سے روئی کے سفید گولے تواتر سے زمین پر گرتے جا رہے تھے۔ درختوں نے سفیدی اوڑھ لی، عمارتیں جو سیاہ، سرمئی، سبز، نارنجی رنگ کی تھیں اب سفید دکھائی دے رہی تھیں۔ ہر طرف خاموشی اور سکون تھا۔ **ایسی** خاموش اور پر اسرار رات میں اس وقت دور کہیں سے بس کُتوں کے بھونکنے کی آوازیں آتی تھیں۔ آج وادی بجلی کی قلت کا سامنا کرنے پر مجبور تھی۔ کہیں کسی گھر سے کوئی مدھم زرد روشنی جلتی نظر آجاتی تو زندگی کا گمان ہوتا ورنہ کمبخت جاڑا ہڈیوں میں گھس کر اعضاء جامد کر دینے کے درپے تھا۔

ایسے میں وادی کی ایک اپر مڈل کلاس کالونی کی طرف آؤ تو قطار میں بنے پکے خوب صورت مکان اپنی تمام تر شان کے ساتھ کھڑے تھے۔ کہانی بھی اسی کالونی کے ایک خوب صورت دو منزلہ بنگلے سے شروع ہوتی ہے، جہاں گھر کے باہر پولیس کی خاص نفری بھاری تعداد میں جمع تھی۔ گاڑیوں کے سائرن جاری تھے۔ بتیاں جل ُبجھ رہی تھیں۔ زرد پٹیاں جن پر do not cross درج تھا گاڑی سے نکالی جا رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل جو کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دی تھیں ان کتوں کو اب دو اہلکار آدمی ان کے لمبے پٹے سے کھینچ کر کھڑے تھے۔ وہ ُبو سونگھنے والے کتے تھے چیر پھاڑ کر محسوس کرنے والے، اور کبھی کبھی چیر پھاڑ دینے والے بھی۔ ہاتھوں میں ٹارچ لیے ان کے پیچھے چلتے اہلکار ان کتوں کے لیے روشنی کا ذریعہ تھے۔

بنگلے کا جنگلہ پار کرتے ہوئے اندر آؤ تو یہاں درجن بھر پولیس والے تھے۔ کوئی یہاں ٹارچ لگا کر کچھ ڈھونڈ رہا تھا، تو کوئی وہاں۔ گھر کے اندر تک جانے کے لیے ایک پتھریلی روش تھی۔ جس کے دونوں اطراف میں سبز گھاس، پتھریلی روش کے عین بیچ و بیچ ایک آدمی پڑا تھا۔ ساکت، بے جان۔ ختم۔ اس کے گرد چاک کے نشان لگے ہوئے تھے۔

اسے مرے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ بیت چکا تھا۔ گولی عین اس کے ماتھے پر لگی تھی رات کی تاریکی میں وہ نظر نہیں آئے گی، لیکن وہ تھی جو کہ دماغ کو پھاڑ کر خون کے ساتھ کچھ دماغ کا حصہ بھی نکال کر دوسری جانب سے سالم نکل آئی تھی یہ لوہے کا ذرہ بھی کیسی چیز تھا انسان کو چیر دیتا تھا اور خود سلامت رہتا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ شاید بے یقینی سی تھی۔

لاش کے پاس ایک آدمی پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ جہاں خون جم چکا تھا اس سے محض ایک انچ کے فاصلے پر۔ اس کے لمبے بوٹ روش کے پاس گری برف میں دھنسے ہوئے تھے۔ وہ پولیس کی وردی میں نہیں تھا اس نے بس سیاہ سوئیٹر کے اوپر اوور کوٹ پہن رکھا تھا ہاتھوں میں دستانے، اور ایک ہاتھ میں ٹارچ پکڑے وہ سردی سے نیلی پڑ چکی لاش کا معائنہ کر رہا تھا۔ آنکھیں، منہ، گردن، اس نے لباس کے باہر نظر آتے سارے جسم کا معائنہ کیا۔

اسی لمحے سارا گھر روشن ہوا تھا شاید کسی نے مین جنریٹر چلا دیا تھا۔ اسی روشنی میں وہ پنجوں کے بل بیٹھا آدمی نظر آیا تھا۔ اس کا جسم مضبوط اور کندھے چوڑے تھے۔ بھوری نگاہیں زیرک، اور پر سکون۔ وہ سہراب یمن تھا۔ سینیئر پولیس انسپکٹر!

دستانہ پہنے ہاتھوں سے وہ لاش کی کھلی آنکھوں کو اپنی انگلیوں کی مدد سے مزید کھول کر دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں سرد اور خالی تھیں۔ تاثر بے پرواہ۔ چند لمحے زخم دیکھتے رہنے کے بعد دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھا، ساتھ چند لوگوں کو اشارہ کیا وہ اب لاش کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈال رہے تھے۔ سفید اوور کوٹ والا آدمی اب بنگلے کے پچھلے حصے کی جانب جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ مقتول کا بھائی بھی تھا، جو بار بار اپنی نم ہوتی آنکھوں کو رگڑ رہا تھا۔ بنگلے کے عقبی حصے میں بھی ایک چھوٹا سا باغ تھا۔ بالکل ویسا جیسا داخلی حصے میں۔ لان کے دائیں طرف چھوٹا سا لوہے کا دروازہ تھا جو شاید کئی سالوں سے بند تھا سہراب غور سے اب اس دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر قدم قدم چلتا وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ چونکہ برف باری تھم چکی تھی اس لیے اس کے پیروں کے نشان بنتے جا رہے تھے، مٹ نہیں رہے تھے اب وہ غور سے دستانہ پہنے ہاتھوں سے دروازے پر لگے تالے کو ٹٹول رہا تھا ایسے جیسے پوچھ رہا ہو قاتل کون؟ تالا ہلکا سا چکنا تھا اس کا سوراخ بھی چکنا تھا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس میں تیل ڈالا گیا ہو۔ سفید اوور کوٹ والے آدمی نے مڑ کر سامنے کھڑے مقتول کے بھائی کو دیکھا۔ تیس پینتیس برس کا خوش شکل احد خان۔ جس کی آنکھیں سرخ نظر آ رہی تھیں اور چہرے پر ملال تھا۔

”تو آپ کہہ رہے تھے کہ چور آپ کے گھر میں داخلی دروازے سے داخل ہوئے؟“ وہ اب احد کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اس کا لہجہ بھاری تھا۔ بارعب اور مرعوبیت طاری کرنے والا۔

اس نے نیچے جھک کر ایک بھاری پتھر اٹھایا۔ "کیا آپ سارا قصہ دوبارہ سنا سکتے ہیں؟" اس نے پتھر سے تالہ ایک ہی ضرب میں توڑتے، پتھر ایک طرف اچھالتے ہوئے پوچھا۔

احد نے اپنی نم آنکھیں ایک بار پھر رگڑ کر صاف کیں اور کئی بار سنایا جانے والا قصہ ایک بار پھر کہنا شروع کیا۔

"ہم لوگ آج جلدی سو گئے تھے لیکن پھر کچھ دیر بعد شور سے میری آنکھ کھل گئی۔" اوور کوٹ والا افسر چھوٹے سے دروازے سے باہر گلی میں نکل آیا۔ احد اس کے پیچھے ہی تھا۔ "جب میں اٹھا تو میں نے دیکھا کہ تین چار لوگ بندوقوں کے ساتھ ہمارے گھر میں داخل ہو رہے ہیں، انہوں نے چوکیدار کو بھی مار گرایا تھا۔ آپ نے چوکیدار کو دیکھا ناں؟" اس نے تائید چاہی تھی۔

سہراب نے بس سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ احد نے کہنا جاری رکھا۔

"میرا بھائی...." وہ سوگواری ایک مرتبہ پھر طاری ہونے لگی، آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔ "میرے بھائی کو رات میں باہر بیٹھ کر کام کرنے کی عادت تھی۔ یا پھر وہ لان میں ٹہلتا رہتا تھا۔ وہ آج بھی لان میں بیٹھا اپنا کام کر رہا تھا، جب ڈاکو اندر داخل ہوئے۔ میرے بھائی نے ان کو روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ شاید پکڑے جانے کے خوف میں تھے اور.........." پھر وہ رکا گلا رندھ گیا۔ "اور پھر اسی مزاحمت میں انہوں نے میرے بھائی کو مار ڈالا۔ انہوں نے مار ڈالا۔" وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ افسر پر کوفت طاری ہونے لگی تھی۔ وہ اب دوبارہ سے پنجوں کے بل زمین پر بیٹھا۔ بوٹوں کی سطح اب بھی برف کو چھو رہی تھی۔ وہاں کچھ نشان تھے، بھاری بوٹوں کے یہاں سے گزر جانے کے نشان۔ ثابت واضح نشان۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔ چھوٹے سے دروازے کے اوپر ایک چھجا بنا تھا اور یہ نشان چھجے کے عین نیچے، یعنی برف باری ان نشانات کو نہیں مٹا سکی کیونکہ یہاں برف ٹھیک سے گری ہی نہیں۔

سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس نے احد کے جوتوں کو دیکھا اس نے سفید جاگرز پہن رکھے تھے۔ بے داغ کورے، لیکن....

"آپ کے جوتے بہت اچھے ہیں۔" زمین پر پنجوں کے بل بیٹھے اس نے ٹھنڈی ستائش سے کہا تھا۔ احد کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا تھا۔ چہرے پر یکدم سختی در آئی۔

"انسپکٹر سہراب یمن!" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا۔ "بہتر ہو گا آپ وہ کام کریں جس کے لیے یہاں لائے گئے ہیں میرے جوتوں سے زیادہ میرے بھائی کی لاش اہم ہے۔" وہ جتاتے ہوئے کہتا آگے بڑھ گیا۔ سہراب ہاتھ جھاڑ کر اٹھتا اس کے پیچھے گیا تھا۔ اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کی نگاہیں پر سکون ہو گئیں۔ ایسے جیسے کوئی اہم ثبوت ہاتھ لگا ہو۔

کچھ دیر بعد لاؤنج میں رکھے سفید رنگ کے مخملی صوفوں میں سے ایک پر سہراب بیٹھا تھا۔ اسکے سامنے احد اور اس کی بیوی بیٹھے تھے۔ تیسرے صوفے پر مقتول فہد کا بوڑھا لاغر باپ، اس کے ساتھ ہی فہد کا چار سالہ بیٹا اور فہد کی بیوہ بیٹھی تھی۔ جو اب تک بے یقین تھی۔

سہراب گہری نظروں سے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ آس پاس تلاشی اور کاروائی جاری تھی۔ دفعتاً اس نے اپنے ایک ساتھی کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا چلا آیا۔ سہراب نے اس کے کان میں کچھ کہا۔ ساتھی نے سر ہلا دیا اور جب کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں پانی کی دو بالٹیاں تھیں۔ اس کے پیچھے ایک تیسرا آدمی بھی تھا اس کے ہاتھ میں بھی اسی طرح کی بالٹیاں تھیں پانی سے لبالب بھری ہوئی۔

احد نے اچھنبے سے پہلے ان بالٹیوں کو دیکھا تھا۔ اور پھر صوفے پر آگے کو ہو کر بیٹھے سہراب کو اس کی سانولی رنگت اور عام نقوش بھی اس وقت گہرے اور پر سرار لگتے تھے۔

"آپ سب ان بالٹیوں میں اپنے ہاتھوں کو دھوئیں گے، یہ تفتیش کا حصہ ہے اور پلیز تعاون کیجئے گا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ "ورنہ مجھے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں جو کہ میں اس وقت آزمانا نہیں چاہتا۔" سہراب ایک ہاتھ میں بالٹی اٹھا کر سب سے پہلے بوڑھے باپ کی طرف آیا تھا۔

"پلیز تعاون کریں، نقیب صاحب۔" اس نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ بوڑھا نقیب اپنے لاغر وجود کے ساتھ ہلکا سا جھکا، زمین پر پڑی بالٹی میں اپنے دونوں ہاتھوں کو ڈبویا اور پھر ذرا سا رگڑ کر باہر نکال لیا۔ اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔ جوان موتیں بہت بُری ہوتی ہیں۔

خاتون اہلکار اب فہد کی بت بنی بیٹھی بیوی کے ہاتھ دھلوا رہی تھی۔ پانی کورا صاف تھا اس نے احد کی بیوی کے ہاتھ دھلوائے، پانی اب بھی صاف تھا۔ البتہ وہ ذرا غیر آرام دہ ہوئی تھی۔ اب کے سہراب یمن نے بالٹی احد کے آگے رکھی، اور خود سامنے رکھی میز پر بیٹھ گیا۔ اسکی آنکھیں سخت تھیں۔ جسم کے آر پار سے گزرتی ہوئی۔ افسر اور مقتول کے وارث کے درمیان ان دیکھی جارحیت تھی۔ احد کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ چار و نہ چار اس نے بالٹی میں ہاتھ ڈالے۔ ہلکا گرم پانی اس سردی میں بھلا لگا۔ اس نے ہاتھوں کو اچھی طرح پانی کے اندر رگڑا، اور پھر باہر نکالا۔

سہراب نے جھک کر بالٹی میں پڑا پانی دیکھا۔ یوں لگا جیسے وہ مسکرایا ہو۔ پانی کورا صاف نہیں تھا۔ وہ میلا بھی نہیں تھا۔ اس کے اوپر بس ہلکی سی، بہت ہلکی سی چکنائی کی پرت تھی۔ اب جھک کر احد کے کورے سفید جوتے دیکھو تو ان پر تیل کے تین بس تین ہی چھوٹے چھوٹے دھبے تھے۔ سہراب اپنی جگہ سے اٹھا اور مڑ کر اپنے ساتھ کھڑے اہلکاروں کو اشارہ کیا۔

"احد خان کو گرفتار کر لو یہ قاتلوں کا تعاون کار ہے۔" وہ کہتے ہوئے اپنے اوور کوٹ سے نادیدہ گرد جھاڑتا ایک بھی نگاہ غلط کسی پر ڈالے بغیر باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

پیچھے تین چار اہلکار احد کو ہتھکڑی پہنا رہے تھے۔ اس کی کی بیوی چیخ رہی تھی، رو رہی تھی بوڑھا نقیب اب کے بے بسی کے آنسو بہا رہا تھا ایک بیٹا جائیداد کی خاطر قتل ہو گیا۔ اور دوسرا جائیداد کی خاطر قاتل بن گیا تھا۔ کوہ مری کا یہ بنگلہ اس وقت گہری تباہی کا مرکز تھا۔

★★★★★★★★

"شہر لاہور"

"جنے لہور نئیں ویکھیا او جمیا ای نئیں"

جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ مشہور مقولہ سچ پر مبنی ہے۔لاہور مختلف ثقافتوں کا گڑھ ہے۔تہذیبوں کی آمجگاہ اور درس و تدریس کا مسکن۔لاہور شہر نہیں دنیا ہے۔ادب، موسیقی، کھیل، شوبز، علم، سیاست، گلیمر، اور صدیوں قبل بنے ہوئے محلوں کا امین۔ہزاروں برس پہلے جب بادشاہ اس سرزمین کی اور آئے تھے تب سے لے کر اب تک لاہور نے تاریخ کو محفوظ کر لیا تھا۔

جہاں لاہور جدت کو سینے سے لگائے آگے بڑھ رہا ہے وہیں اس شہر نے اپنا قدیم حصہ بھی ماتھے پر چسپاں کر رکھا ہے۔پرانا لاہور اور اس کی تنگ و تاریک گلیاں، نیا لاہور اور اس کی جدید سڑکیں، عالیشان عمارتیں غرض کہ لاہور دلوں میں گھر کرنا جانتا ہے۔

رات کے اس پہر شہر کے ایک پوش حصے میں اونچے عالیشان مکانات کے درمیان "آشیانہ بنگش" اپنی تمام تر شان سمیٹے غرور سے گردن اٹھائے کھڑا تھا۔آشیانہ بنگش اپنے گرد و پیش کے تمام گھروں سے مختلف نظر آتا تھا وجہ؟وجہ وہ جدید و قدیم کا امتزاج تھا۔سرمئی دیواریں کسی محفوظ قلعے کا پتا دیتی تھیں تو دیواروں کے پار چاروں طرف بچھی گھاس کے قالین کے عین بیچوں بیچ سیاہ رنگ کی وہ جدید طرز پر بنی عمارت کھڑی تھی جسے دیکھنے والے ایک مرتبہ ٹھٹھکتے ضرور تھے۔

دیوار گیر شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیوں سے اندر جلتی سفید بتیوں کا منظر پر سرار اور مرعوبیت کا تاثر دے رہا تھا۔سارا گھر لتاڑ کر سلائیڈنگ ڈور ہاتھ لگا کر کھولتے ہوئے، چھتوں کی سیلنگ پر بنے کوئی نفیس ڈیزائن کو حیرت سے تکتے مدھم، باریک آوازوں پر کان دھرتے گھر کے لاؤنج میں قدم رکھو تو وہاں چند لوگ بیٹھے دکھائی دیں گے پر

تعیش قیمتی سجاوٹی نمونوں سے بھرا ہوا شاہانہ طرز کے صوفے اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیوں والا لاؤنج۔ اس وقت ان صوفوں پر تین لوگ براجمان تھے۔

"شاہ زید کتنی دیر ہو گئی ہے پروگرام کب شائع ہو گا؟"

صوفے پر غیر آرام دہ انداز میں بیٹھی کوئی ادھیڑ عمر عورت جھنجھلاہٹ سے کہہ رہی تھی۔ وہ کافی تندرست اور ڈھلتی عمر کے باوجود پرکشش لگ رہی تھی۔ انگوٹھیوں والے ہاتھ باہم ملائے وہ پرجوش نظر آ رہی تھی۔

"مام اتنے بڑے چینل پر آ رہا ہے آپ کا بیٹا، اتنی کامیابی کے لیے اتنا انتظار تو بنتا ہے۔"

فرشی کشن پر بیٹھا ٹراوزر اور ٹی شرٹ والا لڑکا رسان سے کہہ رہا تھا۔ لاؤنج میں عجیب سا اضطراب اور جوش بھرا ہوا تھا ایسا ہر دفعہ ہوتا تھا جب جب "شاہ ویر بنگش" کو سکرین کے چوکھٹے میں نمودار ہونا ہوتا تھا۔ گو کہ یہ پہلی بار نہیں تھا لیکن جوش کا یہ عالم ادھیڑ عمر اداکارہ پر ہر دفعہ یونہی طاری ہوتا تھا۔

"مام قریشی صاحب سے بات ہوئی آپ کی؟" یہ آواز لاؤنج کے نسبتاً کونے والے اکلوتے صوفے پر بیٹھے آدمی کی تھی۔ وہ اس جوش سے یکسر بے نیاز تھا۔ چہرہ موبائل پر جھکا رکھا تھا۔ "آپ مل لیں مجھے ان کا کام اچھا لگا ہے۔ کہانی تھوڑی دقیانوسی ہے لیکن پاکستان میں یہی بِکتا ہے۔"

عورت کا چہرہ پل بھر میں سخت ہوا۔ جوش بر طرف ہوا اور تاثرات میں ناگواری گھلی۔ "رئیس میرا خیال ہے اس وقت کاروبار سے زیادہ اہم تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔"

رئیس نے سر اب بھی نہیں اٹھایا، موبائل پر انگلیاں چلاتے ہوئے وہ بے حد مصروف تھا۔ وہ کچھ تصاویر "تمکنت بنگش" نامی عورت یعنی اپنی ماں کو ای میل کر رہا تھا۔ اور تمکنت اب سر جھٹک کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

اسی لمحے سکرین نے ایک نئے پروگرام کا پیغام دیا۔ مخصوص آواز، تعاون کے شکریے، پروگرام کے ساتھیوں کے نام اور مختلف انتباع کو آگے بڑھاتے پروگرام شروع کرنے والا شاہ زید ہی تھا۔

ان تینوں کی نگاہیں اس وقت دیوار گیر ٹی وی پر مرکوز تھیں شاید انہیں کسی کا انتظار تھا اس گھر کے سب سے اہم فرد کے جلوہ گر ہونے کا انتظار اور پھر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ ماں بنگش دھڑکتے دل کے ساتھ صوفے سے مزید آگے ہو کر بیٹھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ ٹی وی کے عین سامنے جا کر کھڑی ہو جائے اسی لمحے ٹی وی پر ایک منظر ابھرا ایک انٹرویو دفتر کا منظر۔ دو لوگ تھے جو ایک دوسرے کے آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ درمیان میں شیشے کی میز جس پر کافی کے کپ دھرے تھے۔

”کیا آپ اپنا تعارف کروائیں گے؟“ ایک سیاہ فام امریکی عورت اپنے سامنے صوفے پر بیٹھے پاکستانی مرد سے کہہ رہی تھی۔

”آپ کروائیں، میں سننا پسند کروں گا۔“ وہ جواباً مسکراتے ہوئے بولا۔

شاہ زید بھی ہولے سے مسکرایا۔ وہ دونوں جڑواں تھے ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے بے حد مختلف مگر پھر بھی ایک۔ ٹی وی کے چوکھٹے میں نظر آتا لڑکا زیادہ پر اعتماد زیادہ روشنیوں میں گھرا اور زیادہ مقبول تھا۔ اب اس کا تعارف کروایا جا رہا تھا۔ انٹرویو والی انگریز لڑکی مسکراتے ہوئے فخر سے اس کی شان میں کچھ کلمات کہہ رہی تھی۔

”آج ہم آپ کو ملوائیں گے ایک بہت ہی خاص انسان سے۔ ستائیس سال، صرف اور صرف ستائیس سال کی عمر میں جناب ”شاہ ویر بنگش“ نے اتنی کامیابی، اتنی شہرت، اور اتنی قدر سمیٹی ہے کہ اسے زندگی کے بقیہ تمام سالوں کے لیے کہیں محفوظ کر کے رکھا جائے تب بھی یہ خزانہ کم نہ ہو۔“

سفید رنگ کے ہائی نیک سوئیٹر کے ساتھ، سیاہ جیکٹ اور ہم رنگ پینٹ پہنے، بھورے بالوں کو جیل سے سمیٹ کر ایک طرف کیے وہ کیمرے کی آنکھ میں دیکھتے ہوئے بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کے گلے میں ایک باریک سی سفید سونے کی زنجیر نظر آ رہی تھی۔ پیروں میں برانڈڈ سفید بوٹ۔ اس کی گہری کتھئی آنکھیں بے حد چمکدار تھیں۔ اجلی رنگت پر سیاہ، سفید لباس کِھل رہا تھا۔

”شاہ ویر بنگش ایک ناولسٹ اور سکرین رائیٹر ہیں۔پانچ سالہ رائٹنگ کیریئر میں انہوں نے اگر کچھ دیکھا ہے تو وہ ”معجزہ“ ہے۔شاہ ویر کی لکھی پانچ کہانیوں میں سے تین پر اس وقت ہالی وڈ ویب سیریز بن چکی ہیں اور چوتھی کی شوٹنگ جاری ہے۔ جس کے سلسلے میں لکھاری صاحب آج کل کبھی لندن اور کبھی نیویارک میں مقیم ہیں۔“

لمبا چوڑا تعارف ختم ہوا تو میزبان نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ شاہ ویر کو دیکھا۔

”سو شاہ ویر کیسے ہیں آپ؟“ مسکراتے ہوئے پوچھا گیا۔

”میں خوب صورت ہوں۔“ اس کے برجستگی سے کہنے پر اس کی ماں فخر سے مسکرائی تھیں۔شاہ ویر بھی مسکرایا۔

”میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ طبیعت کیسی ہے، مزاج کیسا ہے، حالات کیسے ہیں؟“ بیلا محظوظ ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔شاہ ویر سے اس کی اچھی خاصی دوستی تھی۔

”طبیعت اور مزاج کو میں خاطر میں نہیں لاتا، اور حالات کا مت پوچھو یہ بدلتے ہی رہتے ہیں۔“

”میں تم سے لفظوں کے معاملے میں نہیں جیت سکتی۔“ اس نے ہاتھ اٹھا لیے۔

”کیونکہ تمھارے سامنے ایک لکھاری ہے۔“

شاہ ویر کی مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔اب کے اس کا بھائی بھی مسکرایا تھا۔اداس مسکراہٹ۔وہ کتنے دنوں سے مل نہیں سکے تھے، کتنے دن ہوئے اس کے ساتھ وقت گزارے، اور اب وہ اسے اس طرح ٹی وی پر دیکھ رہا تھا۔وہ سامنے تھا لیکن فاصلہ سات سمندر کا تھا۔

سکرین پر نظر آتی بیلا اب کوئی اور سوال کر رہی تھی۔”آپ نے سولہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا، آج آپ ستائیس سال کے ہیں اور آپ کی کتابیں نیویارک ٹائم کی بیسٹ سیلر کہلاتی ہیں۔آپ کا سکرین پلے کمال ہے۔“ بیلا کہہ رہی تھی اور شاہ ویر سر ہلاتے سنجیدگی سے اسے سن رہا تھا۔

”آج آپ اپنے ملک، بھارت اور بنگلہ دیش کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے لکھاریوں میں شمار ہوتے ہیں اور عالمی سطح پر آپ کی کتابیں سب سے زیادہ بکتی ہیں اور آپ تقریباً چار فلموں کے لیے منظر بندی (cinematography) کر چکے ہیں کیا آپ کو خود پر فخر محسوس ہوتا ہے؟ کیا کبھی ایسا لگا کہ آپ سے بہتر کام کوئی نہیں کر سکتا؟“

شاہ ویر نے بیلا کو ایک نظر دیکھا۔ اپنی کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے ایک گھونٹ بھرا۔

”میری کتابیں جتنا بکتی ہیں، میرے سکرین پلے پر جتنے تبصرے ہوتے ہیں یا پھر میرے فالوورز جتنے بڑھتے ہیں ان سب کی وجہ سے میرے اندر مزید عاجزی بھر جاتی ہے۔ مجھے خود پر نہیں ان لوگوں پر فخر ہے جو مجھے پڑھتے ہیں میں اپنے لفظوں سے جو دنیا بناتا ہوں، میرے قارئین اس دنیا میں جیتے ہیں، اور میرے لیے یہ بات قابل فخر ہے۔ لوگوں کے زخموں پر میرے لفظ مرہم ہیں یہ میرے لیے بہت ہے۔“ اس نے مگ رکھتے ہوئے ٹانگ پر ٹانگ چڑھالی۔ سکرین پر اسے تکتے ہوئے رئیس کی آنکھوں میں کچھ تھا تو بس ناگواری۔ ”اور جہاں تک بات ہے بہتر کی تو میں خود کو بہترین سمجھتا ہوں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

”اس سفر کا آغاز کیسے ہوا؟“

شاہ ویر نے سادگی سے کندھے اچکائے۔ ”یقین مانیں تو آج بھی یہ ایک خواب لگتا ہے، یوں لگتا ہے جیسے کل ہی کی بات ہو جب میں اپنے مسودے ہاتھوں سے جلا دیا کرتا تھا کہ کون پڑھے گا؟“

تمکنت نے آنکھوں میں بے تحاشا پیار سمو کر اسے دیکھا۔ شاہ ویر آشیانہ بنگش کا وہ پرندہ تھا جس کی اڑان بے حد اونچی تھی۔ وہ کندھوں پر اس آشیانے کے ہر مکین کو لے کر پرواز بھر رہا تھا۔

”لیکن پھر ایک دن میرا ایک مسودہ کسی دوست کے توسط ایک ایجنسی تک پہنچا۔ وہ ایجنسی شارٹ فلمز بناتی تھی۔ انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور کہا کہ کیا میں اس کہانی کو دنیا کے سامنے لانے کے لیے تیار ہوں؟“

"آپ تیار تھے؟"

"واللہ میں نہیں تھا۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ بات کرتے ہوئے وہ ہاتھ بہت اٹھاتا تھا۔ "میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ میں وہ کہانی نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے کچھ وقت بعد میں نے اور میری ٹیم نے۔۔۔۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکا۔ "یہاں میں واضح کر دوں میں فلم میکنگ پڑھتا رہا ہوں۔ میں نے سکرین رائٹنگ بھی پڑھا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میں ایک cinematographer بھی ہوں۔"

سکرین پر اسے دیکھتے شاہ زید کی نگاہوں میں اب بھی فخر تھا، جبکہ رئیس کی ناگواری بڑھ گئی تھی۔ اسے سننے اور دیکھنے والے کچھ لوگ اس نئی اطلاع پر حیران اور خوش ایک ساتھ ہوئے۔

"میں یونیورسٹی میں تھا جب ہمیں اپنے پراجیکٹ کے لیے ایک شارٹ فلم بنانی تھی اور اس میں میرے دوستوں کے مشورے سے میں کہانی کا استعمال ہوا۔ خیر اس کے بعد کا قصہ تو سب جانتے ہیں۔" اس نے بے نیازی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ سب جانتے تھے اس ایک شارٹ فلم کے بعد کیا ہوا تھا، کامیابی، ستائش، جنون۔

بیلا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل بالکل اس فلم کا لندن کے سب سے بڑے فلم میلے میں لگنا اور اس کے بعد اس پر کتاب چھپنا، پھر اسی کتاب کو ذرا لمبا کر کے فلم بننا ہم سب جانتے ہیں۔" وہ پر خلوص مسکراہٹ سے کہتی رہی۔ چند مزید سوالات کے بعد بیلا اپنے ٹیبلٹ پر کچھ دیکھتے ہوئے ایک بار پھر کوئی خاص سوال کرنے لگی تھی۔

"شاہ ویر کیا آپ نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اپنے جلائے ہوئے مسودے دوبارہ لکھیں؟"

شاہ ویر نے اب کے بے چارگی سے اسے دیکھا۔ "ایک لکھاری کے لیے اس کا جلایا ہوا ڈیلیٹ شدہ، یا پھر مسخ شدہ مسودہ دوبارہ لکھنا ایک ناممکن کام ہوتا ہے۔ اور یہ بات ہم کسی کو سمجھا نہیں سکتے۔" وہ آگے کو ہو بیٹھا۔ اس کے سفید جوتے روشنی پڑنے پر دمک رہے تھے۔ چہرہ روشنی میں مزید اجلا نظر آیا۔

”دیکھیں بیلا الفاظ ہمارے منہ سے ایک ہی بار نکلتے ہیں، ذہن میں ایک ہی بار آتے ہیں، اور لکھے بھی ایک ہی بار جاتے ہیں۔ یہ الفاظ کی ایک انا ہوتی ہے، وہ دوسری بار پہلے والی طاقت کے ساتھ نہیں آتے۔“ اس نے اعتماد کے ساتھ کہتے ہوئے پتے کی بات بتائی۔

تمکنت بنگش کی گردن اس کے ہر ہر جواب پر اکڑ جاتی۔ پاکستان اور دنیا بھر میں اسے دیکھنے والے لوگ ایک سحر کے زیرِ اثر اسے سن رہے تھے۔ کوئی کشش، کوئی جادو کچھ تو تھا اس میں وہ دیکھنے اور سننے والوں کو باندھ رہا تھا۔

بیلا کی آنکھوں میں اب کے شرارت ابھری۔ ”آپ کی کہانیوں میں تو محبت کو ایک ڈارک فینٹسی کی طرح لکھا گیا ہے لیکن کیا حقیقت بھی یہی ہے، یا پھر آپ کی کوئی ”سنڈریلا“ ہے؟“

اور یہاں کئی آنکھیں یک ٹک سکرین پر جم گئیں۔ اکثریت ان میں صنفِ مخالف کی تھی۔ بنگش خاندان کو چھوڑ کے لاہور کے ایک چھوٹے سے محلے میں رہنے والی ہیزل آنکھوں والی لڑکی کی آنکھیں بھی سکرین پر جمی تھیں۔ اس نے آدھا کمبل اپنے وجود پر ڈال رکھا تھا۔ آدھا پلنگ سے لٹک رہا تھا اور نگاہیں سکرین پر جمی تھیں۔ وہ اس کے کچھ کہنے کی منتظر تھی۔

شاہ ویر کی یہ مسکراہٹ صرف ہونٹوں تک محدود نہیں رہی۔ اس مسکراہٹ نے اس کی آنکھیں بھی منور کیں، کندھے ڈھیلے ہوئے، چہرہ کھل اٹھا۔ ”آپس کی بات ہے مجھے ایلسا زیادہ پسند ہے۔“

وہ جس بے فکری سے مسکرا رہا تھا زید کے چہرے پر ویسا ہی تفکر تھا۔ کیا مطلب وہ واقعی بتائے گا؟ ایک منٹ عالمی سطح پر؟

”میری زندگی میں کوئی ہے جس سے میں کہہ آیا ہوں کہ وہ پھولوں کا موسم آنے تک میرا انتظار کرے، اور برف سے ڈرنا چھوڑ دے کیونکہ یہ اس کی طاقت ہے، کمزوری نہیں۔“

دیکھنے والوں میں بس وہ ہیزل آنکھیں پرسکون تھیں۔ باقی سب تو خاکستر ہوئے۔

"کوئی ہے جس کی خاطر میں محبت کو امر، اور عشق کو حیات لکھوں گا۔ وہ جو تاریکی میں میرا اجالا ہے، وہ جس کے آگے میرے الفاظ ختم ہونے لگتے ہیں۔ اسے دیکھ کر جی چاہتا ہے دنیا کے سارے کرائم تھرلر، ساری نفرت بھری کہانیاں مٹا دی جائیں اور اگر کچھ لکھا جائے تو بس محبت۔" وہ آنکھوں میں الوہی سی چمک لیے بے خودی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"اس کا ملنا زندگی ہے اور اس سے دوری موت۔ اسے دیکھ کر افسانوں پر یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ وہ بلکل افسانوں جیسی ہے، بیلا۔" آخر میں وہ جیسے بے بسی سے بولا تھا۔ جیسے الفاظ "اسے" بتانے کو ختم ہو گئے ہوں۔ وہ ہر دفعہ شاہ ویر کو یونہی بے بس کر دیتی تھی ایسے کہ وہ برف کا بھاری تودہ اس کے سامنے پگھل جاتا تھا۔

"افسانوں جیسی مطلب خیالی؟"

"اونہوں خوش گوار اور خوبصورت۔"

بیلا اس سے اور بھی بہت کچھ پوچھ رہی تھی۔ مگر تمکنت بنگش کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ رئیس ششدر تھا اور زید اب تک ٹی وی سے نگاہ نہ ہٹا پایا تھا۔ آشیانہ بنگش اس راز کے لیے تیار نہیں تھا۔

ہیزل آنکھوں والی وہ لڑکی اب موبائل بند کر کے واپس رکھ رہی تھی۔ شاہ ویر نے بالکل وہی کہا تھا جو اسے کہنا تھا اور وہی جو اسے سننا تھا۔

★★★★★★★★★★

مری کی سفاکیت کا قصہ برطرف کرتے ایک چھوٹی سی رہائشی کالونی کی طرف آؤ تو سہراب یمن اپنی سیاہ کلٹس گلی میں کھڑی کر رہا تھا۔ برف باری کچھ دیر پہلے ہی شروع ہو چکی تھی مگر وہ اس سفیدی سے بے نیاز دکھ رہا تھا۔ گاڑی کی ڈگی سے اس نے گاڑی کو ڈھکنے کے لیے شیٹ نکالی اور اب وہ بڑی پھرتی سے گاڑی کو ڈھک رہا تھا۔ گاڑی ڈھک

کر اس نے اوور کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا ڈھائی بجنے والے تھے، وہ آج پھر دیر سے آیا تھا۔ ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

اپنے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اس نے زور زور سے دروازہ بجانا شروع کیا۔ ساتھ وہ موبائل پر "بیٹا" کو کال ملا رہا تھا۔ اس کے منہ سے اب دھواں نکلنے لگا تھا۔ سردی میں وہ جم رہا تھا، مگر دروازہ تھا کہ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ سہراب نے واٹس ایپ کھولا اور اسلان کی چیٹ کھول کر وائس پیغام ریکارڈ کرنا شروع کیا۔

"یمن صاحب اگر تمھارے آرام میں خلل نہ پڑے تو آ کر دروازہ کھول دو۔" بغیر غصے کے ٹھنڈے لہجے میں کہہ کر اس نے پیغام روانہ کر دیا۔ سٹریٹ لائٹ بند ہونے کے باعث گلی میں اندھیرا اور خاموشی تھی۔ سہراب نے ایک بار پھر دروازہ بجانا چاہا۔ مگر رک گیا کہ محلے والوں کی نیند کا خیال آ گیا تھا۔

دفعتاً دروازہ بھی کھل گیا۔ کھولنے والے کی تیوری چڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں ناگواری تھی۔ اتنی سردی میں بھی وہ صرف ایک ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔ چہرے پر سہراب ہی کی جیسی بے زاری لیے شاید وہ اسلان ہی تھا۔ سہراب یمن کا بھتیجا۔ اس کے ہاتھ میں آئی پیڈ تھا جس میں بجتے کسی واہیات انگریزی گانے کی آواز بند کرنے کی زحمت نہیں کی گئی تھی۔

"اتنی دیر کیوں لگا دی دروازہ کھولنے میں؟" سہراب اپنی بھاری آواز میں کہتا چوکھٹ پار کرتا اندر آیا۔ اور دروازے کا لاک چڑھایا۔

"ابھی تک میں نے پَرفِٹ نہیں کروائے جس دن کروالوں گا اس دن اڑ کر آؤں گا۔" وہ اکتاہٹ سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ گانا اب بھی بج رہا تھا۔ سہراب نے لب بھینچ لئے۔ وہ اس کی بدتمیزی کا کیا کرتا جو کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ گہری سانس لیتے اس نے دروازہ بند کیا۔ گھر چھوٹا سا تھا دروازہ کھلتے ہی پکے فرش کا صحن تھا، سامنے چھوٹا سا برآمدہ جہاں سردی کی وجہ سے بھاری دروازہ تھا۔ جس سے ٹھنڈی ہواؤں کا اندر داخلہ ممنوعہ تھا۔ کنڈی چڑھا کر اس نے دائیں طرف بنی کیاریوں کی طرف دیکھا تو وہاں پائپ پڑا ہوا تھا جس سے نکلتا پانی اب

برف میں تبدیل ہو رہا تھا۔ سہراب نے قہر آلود نگاہ بند دروازے پر ڈالی اور کیاری کے سامنے ہی بنے چھوٹے سے اسٹور کی طرف بڑھا جہاں موٹر، پائپ، کچھ کباڑ رکھا تھا۔ اسی سٹور کی دیوار پر نصب بورڈ کے سارے بٹن بند کیے (بجلی اگر زیادہ پاور کی آئی تو بلب جل بھی تو سکتے ہیں) باہر آ کر اس نے واش بیسن کے نلکے سے جڑا پائپ نکالا۔ اس سارے وقت میں سردی اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ ہاتھ باقاعدہ سُن ہو رہے تھے۔

پائپ اٹھا کر اندر سٹور میں رکھتے جوتے برآمدے کے باہر اتار کر وہ اندر داخل ہوا اور اسے ایک بار پھر طیش چڑھا۔ اسلان کی سیاہ ہیوی بائیک برآمدے نما ٹی وی لاؤنج میں کھڑی تھی۔ جس کے ٹائروں سے اتری مٹی قالین کے اوپر پڑی تھی۔

"تمہاری محبوبہ کے لیے صحن کم ہے جو اسے بھی یہاں کھڑا کر دیا؟"

"آپ کی گاڑی کی طرح کھٹارا ہوتی تو اسے باہر ہی کھڑا کرتا افسوس یہ اس ڈبے سے تین گنا زیادہ مہنگی ہے۔"

اندر سے وہی تلخ جواب آیا۔ سہراب نے ضبط کیا، ڈھیر سارا ضبط۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ تھا کیا؟

گھر اندر سے کافی چھوٹا تھا۔ برآمدہ ہال اور ٹی وی لاؤنج کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ دو کمرے اور ہال کے ہی اندر ایک جانب کو پتھر کی دیواروں والا باورچی خانہ بنا تھا۔ اسلان یمن اس وقت باورچی خانے میں اپنے چچا کے لیے کھانا گرم کر رہا تھا۔ برتنوں کی اٹھا پٹخ جاری تھی۔ سہراب اپنے کمرے سے منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گیا تھا۔ اب اس نے سادہ شرٹ کے ساتھ رف سا ٹراؤزر پہن رکھا تھا کیونکہ ہال میں انگیٹھی جل رہی تھی۔ یو پی ایس کی کرم نوازی سے بتیاں روشن تھیں۔ اسی روشنی میں اس کا سراپا واضح نظر آیا۔

لمبی چوڑی جسامت شاید یہ انہیں وراثت میں ملی تھی۔ کندھے مضبوط اور قد بلند۔ نقوش عام مگر ہمہ وقت سنجیدگی میں ڈھلے رہتے، آنکھیں بھوری تھیں، عمر سینتیس یا اڑتیس کے قریب۔

لاؤنج میں رکھی چھوٹی سی گول میز پر آکر اسلان نے کھانا پٹخنے کے انداز میں رکھا اور پھر اندر غائب ہو گیا۔ ساتھ ساتھ وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ سہراب جانتا تھا وہ کیوں ناراض اور اکھڑا اکھڑا ہے، کل وہ اسے "لعلِ یمن" لے کر جا رہا تھا ناراض تو اس نے ہونا ہی تھا اِنارا طارون عرف آراہ اپنی چھوٹی بہن سے ملاقات کا نام ہی اس کے اندر آگ کے گولے بھر دیتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے آج میں نے قاتل کس طرح پکڑا؟" خالی خاموش گھر میں اس کی آواز پلٹ کر واپس آئی۔ اس کی ہانک پر بھی اسلان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایسا ہی تھا ناراض ہو گیا تو آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دے گا۔ بس منہ ہی منہ بڑبڑاتا رہے گا۔ سہراب اس سے بے نیاز وہیں چھوٹی میز کے گرد بیٹھا ہانک لگاتا رہا۔

"مقتول کے بھائی نے مجھ سے کہا کہ اس کے گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے اور وہ سو رہا تھا لیکن شور سن کر باہر آیا مگر جب وہ باہر آیا تو ڈاکوؤں نے اس کے بھائی کو گولی ماری تھی اور وہ موقع پر جاں بحق ہو گیا۔"

چولہے پر چائے کا پانی چڑھاتے اسلان کے ہاتھ ذرا دیر کو تھمے، سہراب کہتا رہا۔

"اس نے مجھے بتایا کہ اس کا بھائی رات کو روز اسی طرح لان میں ٹہل رہا ہوتا ہے۔ میں نے مان لیا، لیکن لاش کے پیروں میں سادہ کولاپوری چپل تھے تم سوچو یمن (وہ اسے پیار سے یمن بلاتا تھا) جو انسان اس قدر ٹھنڈ میں باہر ٹہل رہا ہوگا تو کم از کم گرم جوتے تو پہنے گا ناں؟ یا پھر کوئی گرم سوئیٹر؟ یہاں ثابت ہوا اس کا پہلا جھوٹ اس کا بھائی جاگ نہیں رہا تھا وہ اندر سے باہر آیا تھا کیونکہ اس نے نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا۔"

اسلان اب پانی کے نیچے آگ لگا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔ آگ کے نارنجی شعلوں نے اس کے نقش واضح کر دیے تھے، مگر بس ایک لمحے کے لیے اگلا لمحہ پھر نیم اندھیرا۔ اسلان کو چچا کی کہانیاں ہمیشہ ڈرایا کرتی تھیں، وہ اِنارا نہیں تھا جو ان کہانیوں سے محظوظ ہوتا۔

"اس نے کہا کہ چور داخلی دروازے سے آئے تھے، لیکن جب میں پچھلے دروازے کی طرف گیا تو وہاں دروازے پر لگے تالے کو تازہ تیل ڈال کر کھولنے کی کوشش کی گئی تھی اور دروازے کے باہر بوٹوں کے نشان تھے، تین چار

لوگوں کے بوٹ اور یہ نشان داخلی دروازے پر نہیں تھے۔ یعنی جو بھی لوگ تھے گھر کے پچھلے دروازے سے آئے تھے۔"

پانی ابلا تو اس نے چینی پتی ایک ساتھ شامل کی۔ سہراب نے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔

"یہاں سب چھوڑ کر اب ہم گھر کے اندر گئے میں نے گرم پانی کی بالٹی منگوائی اور سب گھر والوں کے ہاتھ باری باری دھلوائے۔"

"ہاتھ دھلوانے کا کیا فائدہ؟" وہ سارے عرصے میں اب بولا تھا۔ سہراب ہلکا سا بالکل ہلکا سا مسکرایا تھا وہ اسلان کا دھیان بٹا چکا تھا۔ اسلان نے اب چائے میں دودھ ڈالا۔

"جس نے قاتل کو اندر آنے دینے کے لیے تالے میں تیل ڈالا ہو گا تو اس کے ہاتھوں پر لگنے والے تیل کی چکنائی بھی تو ہو گی ناں؟ گھر میں ڈاکہ پڑا اور قتل ہوا یا پھر قتل کو خودکشی بنانے کی کوشش کی جائے تو ایسے میں فوری طور پر ملنے والے چھوٹے چھوٹے شواہد پر غور کرنا چاہئے اور فوری شواہد اس کے جوتوں پر موجود تھے۔"

اسلان اب باہر آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں دو کپ رکھے تھے۔ ان سے اٹھتی بھاپ اس کے چہرے تک آ رہی تھی۔ اس کے نقوش سہراب سے بہت ملتے تھے۔ رنگت بھی وہی، قد کاٹھ سب اپنے چچا جیسا۔

"مطلب قاتل کو اس کی کم عقلی نے مروایا؟"

سہراب جس نے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا، اب اسلان کے بیٹھنے کے بعد اس نے نوالا بنایا اور ساتھ ساتھ کہنا جاری رکھا۔

"اسے اس کی آرام طلبی نے مروایا.... اس کے پیروں میں جاگرز تھے، جبکہ اس نے کہا تھا کہ چوروں کی آواز سن کر وہ نیند سے جاگا تھا اور اپنے بھائی کو قتل ہوتا دیکھ فوراً بھاگ کر نیچے آیا تھا ایسے میں اسے جوتے پہننے کا وقت کب

ملا؟ بات یہ تھی کہ وہ کافی وقت سے نیچے تھا اور سردی کی وجہ سے اس نے جاگرز پہن رکھے تھے۔ جس پر تالا کھولتے وقت تیل کے تین قطرے گر گئے تھے۔ انسانوں کی آرام طلب ہونا بعض دفعہ انکا سب سے بڑا دشمن بن جایا کرتا ہے۔" اب اس نے نوالا منہ میں رکھا۔

کھانا کھاتے ہوئے اس نے غور سے اسلان کو دیکھا۔ سفید شرٹ کے اوپر سیاہ اپر پہنے وہ رف ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ جسامت سہراب کی طرح چوڑی اور مضبوط تھی۔ پچیس چھبیس کی عمر میں وہ اٹھائیس انتیس کا لگتا تھا۔ بال گھنے تھے اور رنگت گندمی۔ اس کی آنکھیں گہری بھوری تھیں مگر بجھی ہوئی۔ کچھ تھا اس میں جو کھٹکتا تھا۔ اس کا مکمل خاکہ ایک عام سے لڑکے کا بنتا تھا۔ ہاں اگر وہ اپنے آپ پر توجہ دینے لگے تو "پرکشش" بھی کہلایا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسی کوئی زحمت وہ کرتا ہی نہیں تھا۔

"کل میری چھٹی ہے لعل یمن چلیں گے آراہ ملنا چاہتی ہے۔" سہراب نے اس کی چپ کو بھانپتے اسے بتایا تھا انارا کا نک نیم آراہ تھا سہراب سمیت باقی گھر والے اسے یہی پکارتے تھے یکدم اس کے چہرے کا رنگ تاریک ہوا۔

"میں بزی ہوں میرا کچھ کام ہے آپ چلے جاؤ۔" وہ نظریں چرا رہا تھا۔

"میں تم سے پوچھ نہیں رہا بتا رہا ہوں۔ آراہ کو ناں نہیں کہہ سکتا میں، اور تم اب بڑے ہو جاؤ بچوں کی طرح اپنے مسائل سے بھاگنا بند کر دو۔" اس کی آواز میں سختی تھی وہ ہمیشہ سے اسے اپنے جیسا بنانا چاہتا تھا۔ مضبوط، رف ٹف، ایک دیوار جس کے آر پار کوئی نہ جھانک سکے، لیکن وہ ہر بار اپنے ماموں والی حرکتیں کر جایا کرتا تھا۔ (ماموں والی حرکتوں کا خلاصہ پھر سہی)

"عالمگیر کے وکیل سے بھی ملنا ہے اور بھی بہت کام ہیں۔"

اگلے کئی منٹ اسلان چپ چاپ بیٹھا میز کی سطح کھرچتا رہا۔ اس کی بدتمیزی ایک طرف ہو گئی۔ وہ اب مضمحل نظر آ رہا تھا۔ سہر اب کھانا کھا چکا تھا۔ برتن وہیں رہنے دیے۔ باورچی خانے کی کھڑکیاں اور دروازہ بند کرتے اب وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب اسلان کی آواز نے اس کے قدم روک دیے تھے۔

"ماموں کہتے ہیں آپ کو آراہ کی جائیداد میں دلچسپی ہے اسی لیے آپ کو اسے ناں کہنا مشکل لگتا ہے، اور مجھے جھڑک دینا آسان کیونکہ میرے نام چند چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اگر نانو نے اپنی جائیداد میرے نام کی ہوتی تو شاید میں بھی اہم ہوتا۔"

اسلان کی آواز ہلکی تھی بے حد ہلکی۔ نہ اس میں کوئی طنز تھا نہ غصہ وہ بس بتا رہا تھا۔ ایک اطلاع کی طرح۔ سہر اب کے قدم چند لمحے چوکھٹ پر جمے رہے۔ چہرے پر کچھ نہ تھا۔ "اپنے ماموں سے کہنا جنت سے اترا فرشتہ تو وہ خود بھی نہیں۔ عدالت میں رو رو کر وہ آراہ کی ہی تحویل کیوں مانگ رہا تھا جبکہ تم بھی تو اس کے بھانجے ہو؟" اسلان اور انارا کی نانی نے وفات سے قبل اپنی جائیداد کا مخصوص حصہ آراہ کے نام کر دیا تھا۔ اس وراثت کے پیچھے محض محبت تھی جو ان کو آراہ سے تھی۔ مگر اس جائیداد کے لیے آراہ سے کس کس کو محبت تھی یہ بُوجھنے کے قصے ہیں۔

اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ اسلان نے زخمی انداز میں سر جھٹکا۔ نہ اس کا ماموں اس سے محبت کرتا تھا نہ چچا اور ماں باپ تو کسی کھاتے میں نہیں آتے تھے۔ اس کی خود ترسی اور انارا طارون سے اس کی ناپسندیدگی کا گراف بڑھ گیا۔

★★★★★★★★★★

اسی رات میں چند گھنٹے پیچھے

شہر لاہور، وقت رات دس بجے۔

سردیاں آتے ہی لاہور شہر کی فضاؤں میں جیسے بھاپ بھرنے لگتی تھی۔ صبح سویرے جو دھند اترتی تو رات کی سیاہی اترنے تک دھند کا پیش خیمہ لاہور ہی رہتا۔ دسمبر کی اس ٹھٹھرتی رات میں لاہور کی ایک چھوٹی سی رہائشی کالونی کے باہر چوڑی سڑک پر دو ہیولے چلتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"ماموں آج کا میچ تو بے کار تھا۔ سارا کام تو اوپنرز نے خراب کر دیا۔" ایک ہاتھ میں آئس کریم کا کون پکڑے دوسرے ہاتھ میں موبائل تھامے سکرین پر نگاہ دوڑاتے نسوانی ہیولے نے کہا۔ سٹریٹ لائٹ کی تیز روشنی میں چوڑی سڑک صاف اور واضح نظر آرہی تھی۔

"پاکستان کی ٹیم کا ہر روز کا قصہ ہے اس لیے میں میچ دیکھتا ہی نہیں۔" یافث نے سرسری تبصرہ کیا۔ اس کا دماغ کہیں الجھا ہوا تھا۔ پاکستان کے ہر دسویں انسان کی طرح اسے کرکٹ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اور اس کے ساتھ چلتی لڑکی وہ مداح تھی جو سانس لینا چھوڑ سکتی تھی ٹیم کی حمایت کرنا نہیں۔

"بڑے ہی کوئی بدذوق انسان ہیں آپ۔" موبائل سے نگاہیں اٹھا کر اس نے اپنے ساتھ چلتے آدمی کو دیکھ کر تاسف سے کہا۔ "سہراب چاچو ہوتے تو آپ دیکھتے ہم نے کس طرح میچ کے شجرہ نسب سے لے کر بالر کے ماضی تک کا سفر طے کر لینا تھا۔"

"میرے پاس تمھارے چچا جتنا فضول دماغ نہیں ہے، آراہ۔" اس نے گردن پھیر کر لڑکی کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔ پرکشش نقوش اور مہربان مسکراہٹ والا یافث طارون مزاج پر ایک خوشگوار تاثر چھوڑتا تھا۔

"یہ کہیں کہ آپ کے پاس دل نہیں ہے۔" اس نے اسی مصروفیت سے کہا۔ "یا اللہ کبھی ہمیں بھی جتوا دو۔ کب تک دل جلائیں؟" یافث نے جواب پر دھیان دیا۔ وہ آئرہ سے چھ قدم آگے کھڑا تھا اور وہ اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ آئس کریم کا ایک بڑا حصہ بغیر کھائے پھینک چکی تھی اور اب موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ سردی اتنی زیادہ نہیں تھی لیکن یافث جم گیا تھا۔ جانے کیوں؟ وہ لکھتے ہوئے مسلسل مسکرا رہی تھی۔

”آراہ؟“اس نے مدھم آواز میں پکارا۔ آراہ کا دھیان اس طرف نہیں گیا وہ اب بھی کچھ لکھ رہی تھی۔ پھر ہلکا سا ہنسی، چہرہ سرخ ہوا۔ ”آراہ؟ ہم چلیں؟“

دفعتاً وہ چونکی اپنی بے اختیاری پر اسے جیسے شرمندگی ہوئی۔ ”جی.. جی چلیں۔“

یافث نے غور سے اس کا ہر ہر تاثر دیکھا۔ وہ ہڑبڑاہٹ، وہ مدھم مسکان، وہ رخساروں کی سرخی اس نے بہت کچھ نوٹ کیا تھا مگر چپ ہو رہا۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں یونہی ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ البتہ یافث کا چہرہ بدل گیا تھا۔

”ماموں آپ نے مجھے ایک ہی آئس کریم کیوں دلوائی یار، ختم ہو گئی۔“ وہ نروٹھے پن سے شکوہ کر رہی تھی۔ ”اپنے لیے بھی نہیں لی ورنہ میں وہیں کھا لیتی۔“

”اپنے لیے بھی لیتا تاکہ تم وہ بھی کھاؤ اور تم یہاں جم جاؤ۔ ویسے تمھیں برف سے ایسا بھی کیا جنون ہے؟ کون سردیوں میں آئس کریم کھاتا ہے؟“ اس کے ساتھ چلتے ہوئے مرد نے ناگواری سے کہا۔

انارا نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ ”بد ذوق آدمی، حصہ دوئم۔“

”ہاں بھئی یہ ذوق تمھیں اور تمھارے چچا کو مبارک ہو۔ غلط کسٹڈی لے لی ہم نے، تمھیں وہاں بھیجنا تھا۔ اور اسلان کو یہاں لانا تھا۔“

”شکر ہے ایک عرصہ بعد آپ نے مان لیا۔“ وہ اسی انداز میں بولی۔ یافث نے گھور کر اسے دیکھا۔ ”اچھا یہ بتائیں ماموں ہم کل لعل یمن جائیں گے ناں؟“ وہ گلی میں ایک جگہ رک گئی تھی۔ لہجے میں اب شوخی نہیں تھی وہ یکدم بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ یافث اس کے ساتھ ہی ٹھہر گیا۔ اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو غور سے دیکھا۔

سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کا سراپا پہلی بار بہت واضح تھا۔

سانولی سی رنگت، واجبی نقوش اور بھرا بھرا جسم وہ بہت زیادہ موٹی نہیں تھی لیکن صحت مند تھی۔ گال پھولے پھولے تھے اور سیاہ رنگ کے کڑھائی والے کرتے کے ساتھ جینز پہن رکھی تھی۔ بال لمبے تھے جو کندھوں سے آگے ڈھلک رہے تھے۔ نہ زیادہ گھنگریالے نہ سیدھے rough curls ایک بہتر لفظ ہوگا۔ وہ بہت زیادہ خوبصورت نہیں تھی، نہ بے حد پرکشش عام بہت ہی عام چہرہ تھا اس کا جو کبھی بھیڑ میں نظر آئے تو یاد نہ رہے۔

یافث قدم قدم چلتے ہوئے آگے آیا اور اس کے سامنے آکر رکا۔ اس کی شال کا ڈھلکتا پلو اٹھا کر اس کے کندھوں پر درست کیا اور اس کی آنکھوں کے خوف کو بھانپتے اس کا کندھا ہلکے سے تھپتھپایا۔ "کیا کبھی یافث طارون نے انارا طارون سے جھوٹا وعدہ کیا ہے؟" وہ اسے سن رہی تھی لیکن سماعتوں میں کوئی اور اعلان بھی جاری تھا۔

(تمہارا ماموں جھوٹا ہے وہ اگر وعدے نبھانے والا ہوتا تو اسلان کے کے ساتھ کئے ہوئے وعدے بھی نبھاتا۔ تمھارے ساتھ نہیں تمہاری جائیداد کے ساتھ مخلص ہے وہ۔" سہراب کی چبھتی آواز نے اس کے کانوں کو سن کر دیا تھا۔)

"ہم کل جائیں گے جب جب تم چاہو گی ہر دفعہ جائیں گے پریشان کیوں ہوتی ہو؟"

آراہ محض پھیکا سا مسکرائی، اور وہ دونوں دوبارہ ایک ساتھ چلنے لگے۔ اب کے ان کا رخ گھر کی طرف تھا۔ اس نے یافث سے آج تک یہ نہیں پوچھا تھا کہ جب ان کے والدین کے درمیان طلاق ہوئی تب اسلان سے ہوئے وعدے کے مطابق یافث اسلان کی تحویل لینے والا تھا پھر اس نے اور اس کی ماں نے آراہ کی تحویل کیوں مانگی؟

اس کے پاس رشتوں کے نام پر یہی چند تعلقات تھے، وہ ان کو کسی بھی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں کھونا چاہتی تھی۔ یہ تین مرد چاہے وہ لالچ سے ساتھ رہیں چاہے محبت سے بس اس کے ساتھ رہیں۔ ہمیشہ۔

"تم اس سے بات کرنے کی کوشش کرو، آراہ وہ تمہارا بھائی ہے کیا پتہ وہ پگھل جائے۔ دلوں پر جمی برف جیسی بھی ہو ایک نہ ایک دن اسے پگھلنا ہی ہوتا ہے۔" یافث نے ایک بار پھر بات شروع کی تھی۔ آراہ نے شال کندھوں پر

جمائی اور ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ چہرے پر ڈھیر ساری سنجیدگی تھی۔ ایک اور آئس کریم اور میچ ہارنے کا غم یاد ہی نہیں رہا۔

"اسلان کے دل پر برف کا سحر ہو گیا ہے۔ اور برف اپنے سحر زدہ لوگوں کو جلدی آزاد نہیں کرتی۔" وہ یاسیت سے کہہ رہی تھی پھر یکدم اس کے لبوں کو ایک اداس مسکراہٹ نے چھوا۔ "کوئی ہے ماموں جسے لگتا ہے ساحر برف کو بس ایک ہی چیز پگھلا سکتی ہے۔"

"محبت؟" سوال ہوا۔

"محبت۔" جواب ملا۔ پھر ایک لمبا وقفہ خاموشی کا آیا۔ "میں تو بھائی سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن اس کا سحر ٹوٹتا ہی نہیں ہے۔ وہ دن بہ دن گلیشیئر بنتا جا رہا ہے اور میں کچھ نہیں کر پا رہی۔ اس کو پتا نہیں کیوں مجھ سے اتنی چڑ ہے۔" بہت دیر بعد جب وہ بولی تو اس کی آواز میں واضح ملال تھا۔

وہ دونوں اب ایک رہائشی عمارت کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ اسی عمارت کا فلیٹ نمبر ۳۷ آراہ اور یافث طارون کا گھر تھا آراہ اور اسلان کی ماں دونوں اولادوں کے ساتھ نہیں رہتی تھی اس نے اپنے مسکن کہیں اور بنا لیے تھے۔

"یہ سب تمہارا چچا کر رہا ہے۔" فلیٹ کا دروازہ چابی سے کھولتے ہوئے وہ بہت دیر بعد بولا۔ "وہ چاہتا ہے اسلان تم سے بغض پال لے وہ اتنا بے زار ہو جائے کہ جائیداد میں حصہ تک مانگے بغیر یہاں سے کہیں دور چلا جائے تاکہ بعد میں وہ تمہارا وارث بن کر تمہاری جائیداد کو اپنا کر سکے۔ حالانکہ یہ سارا ترکہ میری مری ہوئی ماں کا ہے۔ اس پر سہراب کا کوئی حق نہیں۔"

اندھیری راہداری اندر سے آتی روشنی میں اجاگر ہوئی۔ انارا اس روشنی میں ٹھہر سی گئی۔

"پتا نہیں کب سدھریں گے یہ لوگ، اصل کمینہ انسان تو تمہارا باپ ہے۔ بے غیرت آدمی۔"

اندر داخل ہوتے ہوئے یافث زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا۔ آراہ کی آنکھوں کے آگے منظر بدل گیا ایک ہی لمحے میں وہ ادھ روشنی، ادھ اندھیرے سے مکمل اندھیرے میں آ گئی۔ مری کا وہ چھوٹا گھر، بند بتی اور اب وہ سہراب کے سامنے بیٹھی تھی۔ ان دونوں کی رنگت ایک جیسی تھی۔ وہ چہرے پر فکرمندی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آراہ دیکھو اسلان اور میرے درمیان مسائل رہتے ہیں۔ لیکن یافث اور اسلان کا جو تعلق ہے ہم سب جانتے ہیں۔ اسلان کو اگر کوئی سمجھا سکتا ہے تو وہ یافث ہے میں نہیں۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا جانتی ہو کیوں؟"

انارا نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ ان میں کئی سوال تھے۔ جن کے جواب اسے کبھی نہیں مل سکے تھے۔ "وہ تم دونوں کا تعلق ٹھیک نہیں ہونے دینا چاہتا، کیونکہ اس طرح اسلان تمہارا اصل وارث بن جائے گا اور طارون کو تمہاری جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور تمہیں کیا لگتا ہے وہ لالچی آدمی ایسا چاہے گا؟ وہ......وہ....

وہ......"

سہراب کے الفاظ ٹوٹ گئے تھے۔ وہ اپنے موبائل کے پیغام کی آواز پر خیالوں سے جاگی۔ یافث اپنی بات مکمل کرتا کب اندر گیا اسے علم بھی نہیں ہو سکا۔ وہ غائب دماغی سے چوکھٹ پار کرتی اندر داخل ہوئی اور اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔ سوئیٹر کی جیب سے اپنا موبائل نکال کر دیکھا اور اس کی افسردگی لمحے بھر میں غائب ہوئی۔ چند لمحوں کے لیے وہ ہر رنج بھول گئی۔

"میں آج سارا دن مصروف رہا یار۔ ابھی بھی تھکا ہوا ہوں لیکن تمہارے ساتھ ایک فیس ٹائم بُرا سودا نہیں۔ مجھے کال کر لو، ورنہ میں کر رہا ہوں۔"

"میں ماموں کے ساتھ ہوں۔"

"انہیں بھی کال پر لے لو آج ملاقات ہو ہی جائے۔"

"کیوں وقت سے پہلے مرنا چاہتے ہو؟" وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔

"تمھارے ماموں فرعون کے زمانے میں جلاد تھے کیا؟"

"انسان بنو۔۔۔۔" آراہ نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

اس کی ساری فکریں زائل ہو چکی تھیں۔ وہ اب کھٹا کھٹ ٹائپ کرنے لگی تھی۔ رنگت بحال ہو رہی تھی اور ہیزل آنکھوں میں رنگ اتر آئے تھے۔ اپنے کمرے کی چوکھٹ پر کھڑے یافث کی پرسوچ نگاہیں اس پر جمی رہیں۔

★★★★★★★★★

نیویارک امریکا کا دل ہے۔ روشنیاں، بڑی بڑی عمارات، کلبز، کیفے، لائبریری، بڑے بڑے شاپنگ مالز، اور فیشن کا مرکز۔ اس شہر کی راتیں دلکش اور دن معطر ہوتا ہے۔ نیویارک میں مقامی اور غیر مقامی لوگوں کی بہتات راتوں کو کسی تقریب، کیفے، یا کلبز کا رخ کرتی ہے ایسے میں ایک شخص تھا جو Manhattan کے ایک مہنگے کیفے سے کافی کا کپ خرید کر باہر نکل رہا تھا۔ سڑک پر جابجا گاڑیاں کھڑی تھیں اور انہی گاڑیوں کے چمکدار شیشوں میں اس کا عکس ابھر رہا تھا۔ وہی جو کافی شاپ سے باہر نکل رہا تھا۔ سفید رنگ کے وی نیک بٹنوں والے سوئیٹر سے اس کی سفید کف شرٹ کے کالر نظر آ رہے تھے۔ پیروں میں سیاہ اسنیکرز تھے۔ اور ہاتھ میں فیروزی رنگ کا کافی کا کپ۔ گلے میں پڑی چین دمک رہی تھی۔

"میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں کوئی اندازہ ہے؟"

گاڑی کے شیشے میں بنتا اس کا عکس مٹ گیا کہ اب وہ کیفے کے باہر سرخ رنگ کے چھجے تلے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے موبائل پر کسی لڑکی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ جو مسکراہٹ دبائے ہوئے تھی۔ اس کے عقب میں نظر آتا سارا کمرہ بکھرا ہوا تھا۔

"سچ سچ بتادو ایلسا کہیں میں تمہارا سوتیلا پیار تو نہیں؟" joe coffee کا فیروزی کپ دھپ سے میز پر رکھتے شاہ ویر بنگش نے بے حد خفگی سے کہا تھا۔ دوسری جانب مدھم سی ہنسی سنائی دی۔

”سوتیلی ماں ہوتا ہے، سوتیلا باپ، سوتیلے بہن بھائی بھی یہ سوتیلا پیار کیا ہوتا ہے؟“ وہ اپنے بکھرے ہوئے کمرے کے سامان سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”وہی جو تمھارے اور میرے درمیان ہے۔ بلکہ صرف تمہاری طرف سے ہے۔“ اس کی خفگی ہنوز برقرار تھی، البتہ ماتھے کے بل غائب ہو رہے تھے۔ ”اچھا ذلیل کرتی ہو تم مجھے یہاں میں کالز اور میسجز کرتا رہتا ہوں یہاں تم غائب رہتی ہو۔“

جو کافی کے باہر لوگوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ نیویارک کی تازہ صبح میں لوگ دفتر اور مکتب روانہ ہونے سے پہلے کسی کافی کی دکان کے باہر ضرور رکتے تھے۔ انہی لوگوں میں سے کسی لڑکے نے اس کے موبائل کی طرف دیکھا شاہ ویر نے چہرہ بگاڑتے ہوئے موبائل اونچا کر لیا۔

”میں مصروف تھی، شاہی۔ بتایا بھی تھا مجھے ”سخن ساز“ میں نوکری مل گئی ہے۔“

ماتھے کے غائب ہوئے بل دوبارہ نمودار ہوئے، اس بار چہرے پر تناؤ بھی در آیا تھا۔ جہنم میں گئی کافی یہاں تو اس کا دل جل کر رہ گیا تھا۔

”میں نے تم سے کہا تھا تم اس جیولری شاپ میں کام نہیں کرو گی اور وجہ بھی بتائی تھی۔ میں نے بتائی تھی ناں؟“ اسے کیا برا لگ رہا تھا؟ کافی، صبح، سامنے والے کا اس کی کال دیر سے اٹھانا، یا پھر یہ نوکری شاہ ویر اندازہ نہیں کر سکا۔

ایلسا کے چہرے کے زاویے سخت ہوئے۔ ”میں کسی کی اجازت کی پابند نہیں ہوں، شاہی۔“ ہاتھ میں پکڑی کتاب شیلف میں اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے اطلاع دی۔

شاہ ویر نے خود کو کچھ سخت سست کہنے سے روکا وہ اسے منع کرتا بھی تو کیسے؟ دنیا کی نظر میں ان دونوں کا تعلق کیا تھا؟ اگر وہ یہاں امریکہ کے اس شہر میں بیٹھ کر سوچے تو ”گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ“ اور اگر خود کو گھسیٹ کر لاہور

نامی کسی خطے میں جا کر بیٹھے اور ایک بار پھر اپنے اور اس کے تعلق کا موازنہ کرے تو اسے کوئی مہذب لفظ نہ مل سکے۔

"بالکل تم کسی کی پابند نہیں۔ لیکن ہمارے درمیان ایک وعدہ تھا۔" اس کے انداز میں چبھن تھی۔

"میں دہرائے دیتی ہوں۔" سکرین کے چوکھٹے میں شاہ ویر نے اسے کھڑے ہوتے پھر الماری کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے پر پابندی نہیں لگائیں گے ہاں البتہ "صورتحال" کا جائزہ ہم دونوں پر لازم ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ کوئی ایسی صورتحال، یا کوئی ایسی چیز ہے جو مجھے اس کام کو کرنے سے روکے۔" الماری سے مختلف جوڑے الٹ پلٹ کرتے ہوئے اس نے مصروفیت سے جواب دیا۔

شاہ ویر نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ اپنے ذہن کی سکرین پر ابھرتی اس چھ فٹ چوڑی اور اپنی ہم جنس شبیہہ کو خیال ہی خیال میں آنکھوں سے نگلا، اور بہ دقت مسکرایا۔

"اگر تم اس جاب سے خوش ہو تو ٹھیک ہے۔ میں "صورتحال" کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

" well and good" اسے سراہا گیا۔ اس لمحے شاہ ویر نے اندازہ لگایا کہ مرد کو محبت نہیں کرنی چاہیے اور کر لے تو اظہار کے معاملے میں کنجوسی کا مظاہرہ کرنا چاہیے ورنہ عورت دل سے سر چڑھ جاتی ہے اور یہ محبت میں مبتلا مرد کا دل ہوتا ہے کہ وہ سر چڑھی عورت کو بھی اُف نہیں کہہ سکتا۔

"خیر یہ بتاؤ۔ this or that?" وہ واپس کیمرے کے فریم میں نظر آئی۔ اس کے ہاتھ میں دو جوڑے تھے جو وہ شاہ ویر کو دکھا رہی تھی۔ کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے شاہ ویر نے ایک جوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ ایلسا نے وہی جوڑا کرسی پر رکھا اور دوسرا جوڑا گود میں لیے کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر خالص فکر تھی۔

"تم ناراض ہو؟"

شاہ ویر کچھ لمحے غور سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ”میں انسکیور ہو رہا ہوں۔ تم وہاں "اس" کے ساتھ کام کرو گی مجھے اچھا نہیں لگے گا۔“ اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ”لیکن مجھے تم پر یقین ہے اس لیے آگے بڑھتے ہیں۔“ کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی اس نے کپ اٹھایا اور اٹھ کر سڑک کنارے بنے کچرے دان میں ڈال دیا۔ موبائل یونہی چہرے کے آگے تھا۔ وہ کم از کم اسے ناراض کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ”گھر میں کب بات کرو گی؟“

اس نے دیکھا وہ نچلا ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم جڑ گئیں اور یہ ہوا اس کا اضطراب شروع۔ ”پہلے تم اپنی مام سے بات کرو ناں۔“

”مام اب خود مجھ سے بات کریں گی۔“ وہ لاپرواہی سے کہتے ہوئے سڑک کے کنارے کھڑی اپنی سفید پورشے کا دروازہ کھولتے اندر بیٹھ رہا تھا۔ آنکھوں پر چشمہ چڑھایا اور ڈرائیور سے گاڑی آگے بڑھانے کو کہا۔ ”اگر میں مام سے بات کرتا تو انہیں لگتا شاہ ویر کو ایک اور بار کرش ہوا ہے لیکن اب۔۔۔۔۔“ پچھلی نشست پر بیٹھے نیویارک کی تازہ صبح کو تکتے وہ مسکرایا۔

”اب مام جان گئی ہیں اگر میں ٹی وی پر کچھ کہہ رہا ہوں تو اس کا مطلب ہے میں سیریس ہوں۔ تم بتاؤ کب ملواؤں تمھیں تمہاری ساس سے؟“

وہ جتنی لاپرواہی سے کہہ رہا تھا ایلسا کے رونگٹے اسی تیزی سے کھڑے ہو رہے تھے۔ ”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

”لگنا تو مجھے چاہیے تم ساری زندگی کے لیے گلے پڑنے والی ہو۔“

”میں سنجیدہ ہوں یار۔“

”قسم لے لو میں نے نشے کر کے انٹرویو میں تمہارا نام نہیں لیا، میں بھی سنجیدہ ہوں۔“

”میں گھر پر کیسے بات شروع کروں؟“

”زبان سے ڈھائی گز لمبی تو ہو گی ناں؟“

”تم سے بات کرنا ہی فضول ہے، مجھے تم سے کوئی شادی نہیں کرنی۔“ اس نے غصے سے لیپ ٹاپ کی سکرین گرا دی۔ شاہ ویر کے چہرے پر محظوظ کن مسکراہٹ قائم رہی مگر صرف ایک لمحے تک اگلے ہی لمحے اس کی نظر اپنی دائیں طرف نشست پر پڑے ایک چھوٹے سے ڈبے پر پڑی۔ اس کی مسکراہٹ لمحے کے ہزارویں حصے میں غائب ہوئی۔ وہ کتنے ہی لمحے پھٹی پھٹی نظروں سے لکڑی کے اس ڈبے کو دیکھتا رہا جس پر چاقو یا کسی تیز دھار آلے سے لکیریں کھینچی گئی تھیں۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ آواز کانوں تک آئے۔

”یہ ڈبہ یہاں کیسے آیا؟“ اس نے سراسیمگی کی کیفیت میں ڈرائیور سے پوچھا۔

”مجھے نہیں پتا سر جب آپ گئے تو یہ یہیں تھا۔“

شاہ ویر نے ڈھیر سارا تھوک نگلا، چہرے کے تاثرات بمشکل معتدل رکھے اور ہاتھ بڑھا کر ڈبہ اٹھالیا۔ اس کی سفید لمبی انگلیاں ہلکا سا کپکپا رہی تھیں۔ ڈبے کی دائیں طرف سفید رنگ کا چھوٹا سا نوٹ چسپاں تھا جس پر انگریزی میں ”تم اکیلے نہیں ہو، میری موجودگی محسوس کرو۔“ درج تھا۔ لکھائی عجیب طرز کی تھی۔ ایسی جیسی کسی پرانی انگریزی کتاب کی ہو۔ اس کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ نوٹ پھاڑ کر اپنی مٹھی میں دبوچتے ہوئے اس نے تیزی سے ڈھکن ہٹایا اور اگلے ہی لمحے شاہ ویر بنگش حلق کے بل چیخا تھا۔ اس کا سانس اٹک گیا تھا۔

ڈبے سے کئی چھوٹے چھوٹے بچھو نکل کر اس کی ٹانگ، بوٹ، سوئیٹر اور بازو پر رینگ گئے۔ ڈرائیور نے بوکھلا کر گاڑی روکی۔ شاہ ویر نے تیزی سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں اس کی کروڑوں کی گاڑی کا قیمتی دروازہ سڑک کے کنارے کھڑی موٹر گاڑی سے ٹکرایا اور اس پر کئی داغ پڑے۔

گاڑی کا دروازہ دوسری طرف سے کھولتے ہوئے وہ باہر آیا نوچ کر سوئیٹر اتار کر وہیں سڑک پر پھینکا اور اپنے سارے جسم سے ان بچھوؤں کو جھٹکنے لگا۔ اس کا ڈرائیور بھی یہی کام کر رہا تھا۔ کبھی وہ شاہ ویر کے بازو پر نادیدہ کیڑے کو بھگاتا، کبھی سینے سے۔ کبھی گردن سے، اور کبھی ہاتھوں سے۔

اگلے چند لمحے یہی ہوتا رہا۔ کچھ بچھو شاید گاڑی کے اندر رہ گئے تھے، اکا دکا سڑک پر کہیں بھاگ گئے اور باقیوں کا ٹھکانہ خدا جانے۔ شاہ ویر وہیں کھڑا بے یقینی سے کبھی اپنے ہاتھ دیکھتا، کبھی سینہ مسلتا اور کبھی اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارتے ہوئے اس احساس کو جھٹکتا، خوف اس کے رگ و پے میں خوف بھر گیا تھا۔ وہ بغیر سانس لیے تحیر زدہ سا وہاں کھڑا تھا۔ کتنے لوگ اسے دیکھ رہے تھے؟ چند لمحوں کے اندر وہ کس جہنم سے گزر کر آ گیا تھا؟

وہ جو کوئی بھی تھا شاہ ویر اسے محسوس کر چکا تھا۔ اور اگلے کئی ہفتے اسے یہ بچھو اپنے ارد گرد محسوس ہونے والے تھے۔ خوف سے اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔ یہ پہلی دفعہ نہیں تھا۔ اور یہ آخری بار بھی نہیں تھا۔ اس کا تعاقب کار حدیں پار کر چکا تھا۔

★★★★★★★★★★★★

آشیانہ بنگش کے منظر پر لگی تابناک روشنیاں اور سبزہ زار کے درمیان کھڑی سیاہ عمارت یہ کوئی الگ ہی امتزاج تھا۔ سیاہی اور سفیدی کا ایک بے عیب ملن۔ یا شاید ایک پر اسرار ملن۔ رئیس بنگش اپنے کمرے میں پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یوں کہ کمر پلنگ کے تاج سے جوڑ رکھی تھی اور پیر لمبے کر رکھے تھے۔ اس کی دائیں طرف اس کا بیٹا سو رہا تھا جس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسکی نگاہیں دور کہیں جمی تھیں۔ پر سوچ اور، متفکر نگاہیں۔

پلنگ کے عین سامنے سنگھار میز کے آگے رکھی کرسی پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ اٹھائیس انتیس برس کی خوش شکل عورت، جس کی رنگت بے حد صاف تھی اور بال لمبے جو کہ اس وقت پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کافی خوبصورت تھی۔

”حسین سو گیا ہے لائٹ بند کر دو، نایاب۔“ رئیس نے اپنی بیوی کو ہلکی آواز میں مخاطب کیا۔ آئینے میں ان دونوں کا عکس ساتھ ساتھ بن رہا تھا۔ رئیس اچھا دکھتا تھا، اپنی ماں سے یکسر مختلف۔ آنکھیں سیاہ تھیں اور رنگت گندمی مائل۔ ناک اٹھی ہوئی، چوڑا ماتھا اور بال سیاہ۔

"حسین کو اس کے کمرے میں لٹا کر آئیں، کتنی بار کہا ہے اب وہ بڑا ہو رہا ہے اسے اپنے کمرے میں سونا چاہیے۔" اس کی بیوی نے خفگی سے کہا۔ اس کے مزاج خراب معلوم ہوتے تھے۔

رئیس نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ شب خوابی کے لباس وہ اپنے گورے بازوؤں پر لوشن مل رہی تھی۔ اس کے انداز میں جارحیت تھی چہرے پر دبا دبا غصہ بھی۔

"تمھیں کیا ہوا ہے؟"

پوچھنے کی دیر تھی اور وہ پھٹ پڑی۔

"رئیس.. آپ نے دیکھا تھا ناں آج کس طرح مام نے مجھے مہمانوں کے سامنے ذلیل کیا۔" وہ آئینے میں اپنے شوہر کے عکس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں نے کہا ہی کیا تھا آخر؟ یہی ناں کہ میرے بیٹے کا نام حسین مخدوم ہے بنگش نہیں۔ اور اس میں غلط ہی کیا ہے آخر تو تم مام کے پہلے شوہر کے بیٹے تو ہو۔ آپ رئیس بنگش نہیں رئیس مخدوم ہو۔ اپنا اصل مان لینے میں برائی ہی کیا ہے؟ بابا نے آپ کی شادی مجھ سے اس لیے کروائی تھی کیونکہ آپ ان کے مرحوم بھائی کی نسل ہیں اور اس لیے کہ ہم اپنی نسل کی حفاظت کرتے ہیں پھر میں کس طرح اپنے بیٹے کو بنگش بنا دوں؟" وہ بھرائے ہوئے انداز میں کہتی رہی۔ اس کے شوہر نے چند لمحہ نرم نظروں سے اسے دیکھا۔ رئیس کی آنکھوں میں اب تھکن بھی تھی۔ شاید وہ خود بھی اپنے نام کے ساتھ بنگش لگا کر تھک گیا تھا۔ شاید یہ بس ایک نام نہیں تھا ایک بوجھ تھا۔ یا شاید اس سے اب ماں کی بے اعتنائی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"تم فکر مت کرو، نایاب۔ جس نام پر مام کو فخر ہے وہ چند دنوں میں مٹی ہو جائے گا۔ بس کچھ دن اور۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" نایاب نے لوشن کی ڈبیا بغیر ڈھکن کے وہیں چھوڑ دی اور اس کے قریب آ کر بیٹھی۔ آنکھیں متفکر انداز میں چھوٹی ہوئیں۔

"میں نے ساری زندگی غلامی کی نایاب۔ مام کی ان کے شوہر کی، ان کے بچوں کی بھی۔ لیکن مجھے میری ریاضت کا کوئی صلہ نہیں ملا۔ ہر بات شاہ ویر سے شروع اور شاہ ویر پر ختم ہوئی۔ ہر فکر شاہ زید کی اور ہر پرواہ تاجور کی۔ رئیس کہاں ہے؟ کہیں نہیں؟" اس نے استہزاہ سے سر جھٹکا۔ آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔ اس کی بیوی اسے بس سنے گئی۔ آج پہلی بار تھا جب وہ اس کی شکایات کے جواب میں بھی کچھ بولا تھا۔ شاید وہ ماں کی بے اعتنائی سے واقعی بد دل ہوا تھا۔

"تمھیں پتا ہے نایاب رئیس وہ ہے جس نے ان کے پروڈکشن ہاؤس کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچایا۔ رئیس وہ ہے جس نے مام کی ڈوبتی ساکھ اور ان کے شوہر کا ڈوبتا کاروبار بچایا۔ میرے باپ کے خاندان میں آج تک کسی نے ٹی وی کے لیے کام نہیں کیا میں نے وہ بھی کر دیا لیکن مجھے بدلے میں بس حقارت ملی۔ وہ آج بھی مجھے اپنا بیٹا کم اور اپنے بے وقار ایکس کی نشانی زیادہ سمجھتی ہیں حلانکہ تاج بھی اسی شخص کی بیٹی ہے، لیکن تم بہت جلد دیکھو گی رئیس کیا ہے اور کون ہے۔ مام کو ان کی غلطی کا احساس ہونا چاہیے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔ اب اس سے اگر بنگش خاندان کو کوئی فائدہ ملے گا تو وہ ہر فائدے کو خسارے میں بدلے گا۔

نایاب کو ایک لمحے کے لئے اس سے خوف آیا تھا وہ کوئی انتقام نہیں چاہتی تھی، اسے تو بس اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ ایک پر سکون گھر چاہیے تھا۔ وہ تو بس یونہی ساس، بہو کا ایک جھگڑا بتا رہی تھی لیکن خیر... اس نے سر جھٹکا اور رئیس کے بازو پر سر رکھ لیا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ کو وہ سب ملے گا جس کے آپ حقدار ہیں۔"

رئیس چپ چاپ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ اس کا ارادہ تھا جو اس نے بنایا ہے وہی وہ تباہ کرے گا۔

★★★★★★★★★

سہراب یمن کی گاڑی اس وقت لاہور کی سرحدوں میں داخل ہو چکی تھی۔ سڑکوں پر بے تحاشا رش اور فضا میں پھیلی دھند کی وجہ سے اسے مری سے لاہور آتے آتے دیر ہو گئی تھی۔ اور اب بلاخر کوئی ایسی سڑک آئی تھی جہاں رش قدرے کم تھا۔

"میں نے یزدانی صاحب سے بات کی ہے اب کچھ دنوں تک میرا تبادلہ لاہور ہو جائے گا۔" اس نے گاڑی چلاتے ہوئے ساتھ والی نشست پر بیٹھے اسلان سے کہا۔ جواب ندارد۔ وہ موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

"تمھیں اندازہ ہے کتنی بھاری فیس دی تھی میں نے لارنس کالج کی، تم نے اسے بھی چھوڑ دیا۔ پھر نمل میں تمہارا داخلہ کروایا تم نے اسے بھی لات مار دی۔ اب میں لاہور میں تمہاری ایک بھی بات نہیں سنوں گا۔" سڑک کا موڑ کاٹتے ہوئے اس نے حتمی انداز میں کہا۔ اسلان ہنوز اپنی بڑی بڑی آنکھیں موبائل پر گاڑے بیٹھا تھا۔ "اسلان ۔۔۔۔۔۔" سہراب نے ناگواری سے پکارا۔ "میں تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"مت کرو کوئی ضرورت نہیں۔"

"تم مجھ سے کیوں ناراض ہو؟"

"ناراض نہیں ہوں مجھے اس وقت کسی کی شکل نہیں دیکھنی چپ رہو بس۔" ٹکا سا جواب دیتے ہوئے اس نے موبائل کی آواز بڑھا دی۔ یہ اشارہ تھا کہ اس سے بات نہ کی جائے۔ گاڑی میں جو آواز گونج رہی تھی وہ کچھ کچھ شناسا تھی۔

"آپ اس بار اپنی کتاب کی ساری کمائی ایک یتیم خانے کو دے رہے ہیں کیا آپ اپنی کتاب کی "قیمت" اور اس کی "بِکری" سے واقف نہیں ہیں؟" موبائل کی سکرین پر دو لوگ نظر آ رہے تھے۔ سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھا اپنی بلی کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا شاہ ویر اور اس سے سوال کرتا ہوا ایک آدمی۔

سوال پر شاہ ویر نے نگاہیں اٹھا کر سادگی سے اسے تکا۔ اس کی کتھئی آنکھیں دھوپ کی وجہ سے سیاہ رنگ میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ سرخ سپید رنگت پر سیاہ لباس پہنے وہ جاذب نظر لگ رہا تھا بعض دفعہ وہ ٹھٹھکا دینے کی حد تک پرکشش لگتا تھا۔

"میرے نزدیک وہ انسان بہت بے وقوف ہے جسے یہ نہیں معلوم کہ اس کی قدر و قیمت کیا ہے۔ اور میرے نزدیک میں بہت سمجھدار اور زیرک آدمی ہوں۔" اس نے بلی کو اٹھا کر اپنے کندھے پر لٹایا اور میزبان کے ساتھ کھڑا ہوا۔ "میں جانتا ہوں جس زمین پر میں کھڑا ہوں اس کی وسعت کیا ہے، جو آسمان میرے سر پر ہے اس کی چوڑائی کتنی اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری کتاب کا کاروبار کتنا ہے۔" کیمرہ مین ان کے دائیں اور بائیں چل رہے تھے، روشنی محض شاہ ویر کے چہرے پر تھی، اور بولتے ہوئے وہ جیسے نگینے اٹھا اٹھا کر انہیں تاج میں درست جگہ نصب کرتا جا رہا تھا۔ یہ منظر مزید چل پاتا کہ سہراب نے اسلان کے ہاتھ سے اس کا موبائل لے کر سکرین تاریک کر دی۔ خلاف توقع مزاحمت اس نے بھی نہیں کی۔ وہ بس لب بھینچ کر رہ گیا۔

"اگر تم بھی اپنی لکھائی پر اتنی محنت کر لیتے تو آج یوں کسی کے انٹرویوز دیکھ کر دل نہ جلا رہے ہوتے۔" گاڑی لعل یمن جانے کے راستے پر ڈالتے ہوئے سہراب نے کہا۔ اسلان بے بسی سے لب کاٹنے لگا۔ اس کے چہرے پر اب کے جھنجھلاہٹ تھی۔

"میں کبھی بھی اس کے جیسا نہیں بن سکتا تھا۔ کیا نہیں ہے ہے اس کے پاس؟ وہ میر کارواں ہے۔ اس کے آگے پیچھے لوگ ہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے اسے، دنیا کی ہر این جی او اس کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہے لیکن وہ؟ اسے کسی کی ضرورت نہیں۔ ماتھے پہ سیاہ پٹی پہن کر جب وہ کسی بھی مظلوم کے لیے انصاف مانگنے سڑک پر نکلتا ہے اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف لوگ ہوتے ہیں۔" ستائش تھی، پچھتاوا تھا کہ گلہ سہراب سمجھ نہ سکا۔

”یہ سب اس کا کمال ہے۔ وہ الگ انسان ہے اس کے پیچھے ایک مضبوط خاندان ہے۔ جانتے بھی ہو اس کے چھوٹے تایا کیا کرتے ہیں؟ ایمبیسڈر رہیں۔ اس کے بڑے تایا ڈی سی ہیں، ماں اس ملک کی سب سے دلدادہ اداکارہ بہن ماڈل بہنوئی صنعت کار۔ اس کی راہیں شروع سے ہموار رہی ہیں۔“

”شاہ ویر کو ان سب کے نام اور کام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں وہ کھڑا ہو اس کی حیثیت ہی الگ ہوتی ہے۔“ اسلان نے اس کی بات کاٹی۔ سہراب نے مزید بحث نہیں کی۔ اسے اس خاندان کے نام سے ہی چڑ تھی۔

”میں یہاں اس کی شان میں قلابے ملانے کے لیے نہیں بیٹھا نہ وہ میرا باپ لگتا ہے۔ میں صرف یہ سمجھا رہا ہوں کہ وہ ایک الگ انسان ہے۔ اور تم دونوں کا یانرا الگ تھا وہ کرائم تھرلر لکھتا ہے تم محبت لکھتے تھے تمہارا اور اس کا کیا مقابلہ؟“

راستے میں ایک پھولوں کی دکان نظر آئی تو سہراب نے گاڑی روک دی۔ پھر اس کی طرف مصلحت آمیز انداز سے دیکھا۔

”اسلان تم اس سے مقابلہ مت کرو۔“

”میں اس سے مقابلہ نہیں کرتا میں جانتا ہوں میں کبھی بھی اس کے جیسا نہیں بن سکتا۔“

”بالکل وہ تمہارا پسندیدہ لکھاری جو ٹھہرا۔“ گاڑی کا دروازہ کھولتے وہ باہر نکلا، پھر کچھ سوچ کر رکا۔ کہنیاں شیشے پر جمائیں اور ٹھہر کر اسلان کو دیکھا۔ ”اگر تم آراہ سے اس بار ٹھیک طریقے سے بات کر لو تو شاہ ویر کی ہر کتاب کا ہر نیا ایڈیشن تمھیں تحفے میں دوں گا وعدہ۔“

اسلان نے استہزائیہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور نشست پر ترچھا ہو کر سہراب کی آنکھوں میں جھانکا۔ آنکھیں میں کچھ تھا تو محض طیش۔

”پیسے زیادہ ہو گئے ہیں تو سڑک پر کھڑے بھکاریوں کی تعداد دیکھ لیں اور اگر پھر بھی کوئی نہ ملے تو میرا باپ شجاع یمن تو ہر وقت میسر ہے۔“ وہ جس سرد لہجے میں بولا سہراب کے جبڑے اسی تیزی سے بھینچ گئے۔”جو آدمی ایک عورت کی ملی ہوئی بھیک پر اولاد اور بیوی چھوڑ سکتا ہے وہ چھوٹے بھائی کی طرف سے ملا ہوا صدقہ خیرات بھی نہیں بخشے گا۔ یہ حربے ان پر آزمائیں جن پر انکا اثر ہوتا ہو۔“ وہ رکا سہراب کی آنکھوں میں مطلوبہ طیش نظر نہ آیا۔”چاچو اسکار۔“(the lion king فلم میں سمبا نامی شیر کے کردار کا دغاباز چچا جس نے اپنے بھائی کو مروادیا تھا اس کا نام اسکار تھا اور اسلان سہراب کو زچ کرنے کے لیے اسے اسی نام سے بلاتا تھا)

سہراب کئی لمحے وہاں کھڑے ہو کر اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس بچے سے طاقت اور تعلق میں بڑا تھا چاہتا تو دو تھپڑ مار کر اس کا منہ بند کروادیتا، سزا دے دیتا مگر۔۔۔۔۔۔۔ نہیں مسئلہ اس کی زبان نہیں تھی مسئلہ احمد اسلان ولد شجاع یمن کا دل تھا جو برف ہو چکا تھا۔ کوئی تعلق کوئی جذبہ اس پر اثر ہی نہیں کرتا تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★

دبیز پردوں والے کمرے میں رات کی اس سیاہی میں لکڑی کے بھورے فرش پر دوزانو بیٹھی لڑکی آتش دان کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھے ہوئے مرد کو گردن اٹھائے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آگ کا عکس بن رہا تھا۔ کہانی دلچسپ تھی یا نہیں اسے نہیں پتا تھا مگر وہ اٹھ کر یہاں سے جا نہیں سکتی تھی، یہ جانا جان سے جانے کے مترادف تھا۔ آتش دان کی چٹختی لکڑیوں کی آواز میں لڑکی کی سرسراتی آواز ابھری۔

”اسلان شجاع یمن، اس لڑکے کو اپنی بہن سے نفرت کیوں تھی؟ وہ ساری دنیا سے ناراض کیوں تھا، اسے اپنے سگے خونی رشتوں سے کیا اختلاف تھے؟“

مرد نے گردن جھکادی۔ کافی دیر تک وہ یونہی بیٹھا رہا پھر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”آئے دن خبروں میں سنتے ہیں فلاں فلاں کی طلاق ہو گئی۔ فلاں عورت نے شوہر کے تشدد سے تنگ آکر خلع لے لی۔ شوہر نے بیوی کی بدزبانی سے تنگ آکر دوسری شادی کرلی۔“ وہ ہلکا سا ہنسا، طنزیہ تلخ مسکراہٹ۔”دنیا مرکزی

کردار کو یاد رکھتی ہے۔ دنیا کو یہ یاد نہیں رہتا کہ جو جوڑا الگ ہو گیا ان کے بچے بھی تھے۔ ٹوٹی شادی میں سب سے زیادہ مشکلات جنہیں پیش آتی ہیں وہ بچے ہوتے ہیں۔ اسلان یمن وہی بچہ تھا۔ اس کے دائیں بائیں مضبوط سہارے ہٹ گئے اور تیز طوفان میں وہ تنہا رہ گیا۔ طوفان میں تنہا رہ جانے والے بقا کا سفر طے نہیں کر پاتے۔"

لڑکی مزید آگے ہو کر بیٹھی لڑکے نے گردن جھکائی۔ نارنجی آگ ان کے چہرے کے داہنے رخ جھلسا رہی تھی۔ کہانی کے جھلسانے کا وقت شروع ہوا چاہتا ہے۔

★★★★★★★★★★

"موجودہ وقت سے کئی برس قبل"

"شہر: کوہ مری"

پاکستان میں جب بھی کوئی جوڑا یا خاندان چھٹیاں منانے یا گھومنے کا منصوبہ بناتا ہے ان کے ذہن میں سب سے پہلا خیال کوہ مری کا آتا ہے۔ برف میں نہائی کھڑی یہ وادی سیاحوں کے دل میں گھر کرتی ہے۔ اونچی نیچی ڈھلوانوں والی گلیاں اور برف سے اٹے ہوئے درخت آنکھوں کو لبھاتے ہیں۔ "یمن خاندان" جو کہ لاہور کے رہائشی تھے ان دنوں مری کی سیر کو آنکلے تھے۔ برف باری نے سارے مری کو کسی ہندو بیوہ کی طرح سفید چادر اوڑھادی تھی۔ سٹریٹ لائٹ اور گھروں کی کی جلتی ہوئی بتیوں میں یہ منظر بے حد خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ کسی بنچ پر بیٹھے جوڑے کی گفتگو سنتے، کسی کیفے میں آتش دان کے گرد بیٹھے لوگوں کا گیت سنتے لکڑی کے ایک کاٹیج کا رخ کرو تو بڑے سے ہال میں اس وقت کئی لوگ جمع تھے۔ ایک جوڑا ناخوش سا بحث کرتا ہوا، دوستوں کا ایک جوڑا صوفے پر براجمان اس "بحث" کو ملاحظہ کرتا ہوا۔

"دل آراہ... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ مجھے امریکا سے جاب کی آفر آئی ہے اور یہ کوئی عام بات نہیں ہے۔" آتش دان کے پاس ٹہلتا مرد بے حد ضبط سے کہہ رہا تھا۔ اس کی رنگت سانولی تھی، نقوش عام سے۔ ہاں مگر اس کی ہیزل آنکھیں پرکشش تھیں۔ وہ شجاع یمن تھا۔ اسلان اور آراہ کا باپ۔

"ہر دفعہ دل آراہ ہی کیوں سمجھے؟" اس کے سامنے کھڑی اس کی بیوی بلند آواز میں بولی۔ "میں نے اپنی آدھی زندگی تمھیں دی ہے، شجاع۔ اب یہ میرا وقت ہے اب تمھیں چاہیے تھا کہ تم حوصلہ دو۔ یہ بچے صرف میرے نہیں ہیں۔ تم مردوں نے گھر کی ہر ذمہ داری کو عورتوں پر ہی کیوں تھوپنا ہوتا ہے؟" دبلی پتلی جسامت، بے تحاشا گوری رنگت اور تیکھے نقوش والی عورت نے تنک کر کہا۔ "میں پیرس جاؤں گی۔ یہ فیشن شو میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش رہا ہے تلوے گھسا دیے اس کے لیے اور تمھیں لگتا ہے میں اس سے دستبرداری دوں گی؟ تم بہت غلط کر رہے ہو۔"

شجاع ذرا دھیما پڑا اس نے ٹہلنا بند کیا اور اپنی بیوی کے قریب آ کر رکا۔ "دیکھو دل آراہ ... عورت صرف گھر گرہستی کرتی اچھی لگتی ہے، تم پیرس جاؤ گی تو پیچھے ہمارے بچوں کا کیا ہوگا؟ اسلان کس طرح رہے گا؟ اور آراہ وہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے تم...."

"تم قربانی دے دو ہے نا؟" اس نے تندہی سے اپنے شوہر کی بات کاٹی۔ اس کا چہرے غصے سے سرخ پڑ رہا تھا۔ تنفس پھول رہا تھا۔ "ہر بار دل آراہ طارون ہی کیوں قربانی دے؟ ہر بار میرا کیریئر ہی کیوں قربان ہو؟ تم اپنی طرف سے کوئی ایفرٹس کیوں نہیں دکھاتے؟"

جواب میں اس کا شوہر کچھ کہہ رہا تھا کچھ سمجھا رہا تھا، لیکن اگر یہاں سے نظر اٹھا کر ذرا فاصلے پر دیکھو تو اسی کمرے میں شیشے کی گلاس وال کے سامنے رکھے ایل شیپ صوفے پر دو مرد بیٹھے تھے۔ یوں کہ ایک صاف رنگت اور خوبصورت نقوش والا لڑکا نیم دراز تھا۔ اور اس کے پیر کمر سیدھی کیئے بیٹھے سانولی رنگت والے لڑکے کی گود میں رکھے تھے۔ سینے پر خشک میوہ جات کا پیالہ رکھا تھا جس میں سے وہ اپنے خشک میوہ نکال نکال کر کھا رہا تھا، ساتھ

ساتھ سامنے بیٹھے اونچے لمبے لڑکے کو بھی دے رہا تھا۔ ان دونوں کی آنکھیں پنڈولم کی طرح یہاں سے وہاں جھول رہی تھیں۔

جس تنفر اور طیش سے شادی شدہ جوڑا لڑتا ہوا نظر آ رہا تھا اسی سکون کے ساتھ وہ دونوں یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کی گہری دوستی لگتی تھی یوں جیسے دو جسم ایک جان، یا یوں جیسے کبھی کوئی غلط فہمی کوئی دراڑ ان کو چھو کر بھی نہیں گزرے گی۔ (واقعی؟) کافی دیر تک اسی طرح جھگڑا دیکھتے رہنے کے بعد نیم دراز لڑکے نے کہنا شروع کیا۔

"دیکھو ذرا ان کو کیسے لڑ رہے ہیں اور پھر ہمیں دیکھو کیسی محبت پھوٹ رہی ہے کوئی کہے گا کہ ہم ان دونوں جانوروں کے بھائی ہیں؟" یافث طارون کے انداز میں ناپسندیدگی تھی۔ نو عمری میں اس کا چہرہ مزید پرکشش نظر آ رہا تھا۔

سہراب نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے بادام لیے اور ایک بار پھر غور سے اپنے بھائی بھابی کو دیکھنے لگا۔ "وہ دونوں میاں بیوی ہیں دنیا کے سب سے بڑے جانور، اور ہم دوست ہیں دنیا کے سب سے امن پسند پرندے۔ فرق ہے طارون بہت فرق۔" وہ اب بھی گردن ترچھی کیے ان کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا ہاں البتہ ان دنوں اس کے چہرے پہ وہ سختی اور بے زاری نہیں تھی جو مستقبل کے سہراب کے چہرے پر تھی۔ "بھائی کو بھی کس ناگ نے کاٹا تھا جو دل آراء جیسی ناگن سے شادی کر لی۔" اس نے اضافہ کیا۔

"آپا کے اسکرو بھی ڈھیلے تھے جو اسے شجاع یمن سے محبت ہو گئی۔" سہراب چپ رہا۔

یافث مسکرایا، لیٹے لیٹے باچھیں کھول کر مسکرایا۔ "سوچو اگر میں عورت ہوتا اور تمہاری بیوی ہوتا تو؟"

سہراب نے گردن نہیں موڑی۔ "اگر تم میری بیوی ہوتے تو تم اگلے دن عدالت میں میرے خلاف گھریلو تشدد کا مقدمہ دائرے کرتے۔ ناک کی ہڈی ٹوٹی ہوئی، بازوؤں پر نیل اور کمر پر بیلٹ کے نشان کیا اب بھی ایسی کوئی خواہش باقی ہے؟" اب کے اس نے گردن موڑ کر یافث کو دیکھا وہ ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

"تم چاہے میرے سر کو قلم کردو میں تمھارے خلاف کبھی عدالت نہیں جا سکتا۔"

"جانا بھی مت راستے میں کتے کی موت مروادوں گا۔"

"تمہاری دوستی میں مارا گیا تو بازی مات نہیں۔"

"پہلے ان دونوں کو چپ کرواؤ ورنہ آج ان میں سے ایک کے قتل میں تمھیں فریم کرواؤں گا۔" سہراب بگڑا۔

یافث نے اس کی بات پر کڑوا منہ بنایا تھا لیکن خود کو بولنے سے باز نہیں رکھ سکا۔"ویسے ان دونوں جانوروں کو سمجھاؤ اس طرح اگر میرے سامنے لڑتے رہیں گے تو میں شادی کے بارے میں کیا خاک سوچوں گا؟ میرے دل سے تو محبت کی شادی اور لڑکی کا خیال ہی ختم ہو رہا ہے۔" اسے تو بھئی صدمہ ہی لگ گیا تھا۔

سہراب نے ناک سے مکھی ہٹائی۔"ان دونوں کو دیکھنے کے بعد میرا دل تو زندہ رہنے کو نہیں چاہتا تم شادی کی بات کر رہے ہو، اور یہ ہٹاؤ اپنے پیر تمھیں گود نہیں لیا ہے۔" اس نے کہتے ساتھ اس کے پیر دور ہٹائے تھے لیکن وہ یافث ہی کون جو مان جاتا اس نے دوبارہ اپنے پیر اسی طرح اس کی گود میں دھر دیے اور رشوت کے طور پر اسے چند اضافی بادام دیے۔ پس منظر میں اب بھی ان دونوں کے لڑنے اور چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں جنھیں سن کر پلنگ پر لیٹے دونوں بچے اٹھ گئے تھے۔اور اب ان کا رونا بھی بے سرے راگ کی طرح منظر میں شامل ہو گیا۔خاندانی تفریح بے سرے راگ، جھگڑے کی آواز میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"یار اب ان جانوروں کے لیے کوئی آئے گا یا نہیں؟" یافث بے اختیار کراہا۔

"جنگ ختم کرنے کے لیے امن کے پرندوں کو میدان میں آنا ہوتا ہے۔" سہراب یمن اس کے پیر اپنی گود سے ہٹاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ پرندہ اب نہیں اٹھ سکتا ان کے جھگڑے میں ہمیشہ میرے پر کاٹے اور جلائے جاتے ہیں۔" اس کے ٹکے سے جواب کی پرواہ کیے بغیر سہراب اب سنجیدگی سے پلنگ کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس کے برداشت کی ہر حد تب ختم ہوتی تھی جب بات "بچوں" پر آجاتی تھی۔

"طلاق دے دو مجھے یہ آسان ہے ناں تمھارے لیے دو طلاق۔" دل آرا اب چیخ رہی تھی۔ جواباً شجاع اس سے زیادہ بلند آواز میں چلایا۔ سہراب نے پلنگ پر بیٹھی رونی صورت بناتی آراہ کو گود میں اٹھالیا۔ ساتھ ہاتھ بڑھا کر اسلان کو اپنے قریب کیا اور اسے بھی اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔

"تمھیں مجھ سے اور بچوں سے زیادہ اہم اپنا کیریئر لگتا ہے؟" شجاع دھاڑا تھا۔ آراہ سہم کر اپنے چچا کے ساتھ لپٹ گئی تھی۔ پلنگ پر گھٹنوں کے بل بیٹھے، سہراب کے بازو کی گرفت میں موجود اسلان خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ جب یافث نے اس کے عقب سے آکر اسے بازوؤں میں اٹھالیا تھا۔ اسلان نے نامحسوس انداز میں یافث کے بازو کے گرد اپنے دونوں ہاتھ باندھ لیے۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"بھائی بھابی اب بس بہت ہو گیا۔" سہراب کی سنجیدہ آواز پر ان دونوں نے مڑ کر دیکھا تھا۔ "آپ دونوں کو کوئی نہیں روک رہا بھائی آپ امریکا جائیں اور بھابی آپ پیرس چلی جائیں۔"

"اور بچے۔۔۔؟ بچوں کا کیا ہو گا؟" شجاع تندہی سے بولا تھا۔ البتہ اس کی آواز بلند نہیں تھی۔ سچ تھا کہ سہراب کے سامنے وہ دونوں بول نہیں پاتے تھے۔

"بچوں کی پرواہ ہے آپ کو؟ واقعی؟ اتنی فکر دیکھ کر تو میری آنکھیں بھر آئیں۔" اب کے یافث بولا اسکی آواز میں تمسخر تھا شجاع نے پہلو بدلا، دل آرا کلس کر رہ گئی۔ "صبح کے نکلے ہوئے رات دیر تک آپ دونوں گھر آتے ہیں۔ بچے بیمار ہیں تو یافث ہے ناں، بچوں کو بھوک لگی ہے تو سہراب جو ہے۔ رات کو پڑھتے ہوئے بھی ہم ان کو کندھے پر لٹکا کر پھر رہے ہوتے ہیں کیونکہ آپ دونوں کو گھر آنے کا وقت نہیں ملتا۔"

"تو کیا کریں؟ جاب چھوڑ دیں؟"

”بچوں سے تم دونوں کا بھی تعلق ہے اگر ذرا سا کام کر لیا تو کونسی قیامت آ گئی؟“ دونوں میاں بیوی چڑھ دوڑے۔ یافث نے مزید کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر سہراب نے اپنی گردن کے گرد آراہ کے بازو سختی سے بندھتے محسوس کر لیے تھے سو اس نے یہ قصہ ختم کرنا مناسب سمجھا۔ وہ معصوم ذہنوں پر پڑتے اثر دیکھ رہا تھا۔

”بس اب بحث نہیں چاہیے مجھے۔ آپ دونوں جہاں جانا چاہتے ہیں چلے جائیں بچے میں اور یافث سنبھال لیں گے۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے گا واپسی پر اپنے اختلافات ختم کر کے آئیے گا میرے لیے آپ کی اس سڑی ہوئی شادی سے زیادہ اہم بچے ہیں۔ اور میں نہیں چاہتا ان پر کوئی برا اثر پڑے۔“ وہ ہنوز آراہ کو سینے سے لگا کر بیٹھا تھا۔ شاید وہ ڈری ہوئی تھی۔ اسلان یک ٹک پلک جھپکے بغیر اپنے ماں باپ کو دیکھ رہا تھا۔

اسلان شجاع یمن نے ماں باپ کی کئی قسمیں دیکھی تھیں۔ کچھ جو اپنے بچوں کو اسکول چھوڑنے اور لینے آتے تھے، کچھ جو انہیں گھمانے لے جاتے تھے، کچھ وہ جو انہیں اپنے ہاتھوں سے کھلاتے تھے، رونے پر انہیں سینے سے لگاتے تھے اور ان کے ہنسنے پر ان کے ساتھ ہنستے تھے۔ اس کے ماں باپ بہت مختلف تھے۔ وہ ساتھ ہوتے تو لڑتے، ان میں سے کوئی ایک گھر ہوتا تو دوسرے کے متعلق مغلظات بکتا۔ ایک بے جوڑ شادی کا حرجانہ وہ دونوں بچے اپنی ذہنی صحت مار کر ادا کر رہے تھے۔

”ڈیڈ....“ بلاخر اس نے اپنے باپ کو پکارا تھا۔ سب مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس کو گود میں لیے کھڑے یافث نے اسے پلنگ پر بٹھایا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں امید تھی۔ ”کیا آپ دونوں ہمارے ساتھ نہیں رہو گے؟ آراہ آپ کو بہت مس کرے گی۔“

دونوں ماں باپ کا دل ایک ساتھ پگھلا۔

وہ صاف صاف نہیں کہہ سکتا تھا کہ "وہ" ان دونوں کو بہت یاد کرے گا۔ دل آراہ آگے بڑھی اور محبت سے اسلان کو گلے لگایا۔ شجاع اس کی دائیں طرف آ کر بیٹھا اور محبت سے بیٹے کے بال سہلائے۔

”ہم جلدی آجائیں گے۔“ تسلی، آہ اسے تسلی نہیں ساتھ چاہیے تھا۔ جو شاید ہمیشہ کے لیے چھننے والا تھا۔

★★★★★★★★★

"موجودہ دن"

لعل یمن لاہور کے ایک نسبتاً بہتر علاقے میں واقع اس گھر کا نام تھا جسے سہر اب، عالمگیر اور شجاع کے والد افتخار یمن نے بنایا پھر دل آراہ طارون اور شجاع یمن نے محبت کی مثال کے طور پر سجایا۔ کالج سے لے کر یونیورسٹی تک اور پھر یونیورسٹی کے درمیان تک ان دونوں کی محبت کے چرچے آدھے لاہور میں ہوتے رہے۔ جب محبت کے نام پر ہر حد پار ہوئی، غلط و صحیح کی تفریق نہ رہی، جب ملاقاتیں عروج پر پہنچیں تب ان دونوں نے شادی کرنے کا سوچا۔ لیکن جن جوڑوں نے شادی سے پہلے حرام کی لذت چکھ لی ہو, حلال پھر ان کے دلوں پر بہت مشکل سے اترتا ہے۔ دل آراہ اور شجاع کی شادی ایک بدترین شادی ثابت ہوئی اور شادی کے بارہ سال بعد ان کے درمیان طلاق ہوگئی۔ تعلق ٹوٹ گیا، لیکن ریت بجری اور کنکریٹ کے گھر یونہی نہیں ٹوٹتے۔ لعل یمن اپنے سینے میں کئی راز سمیٹے خاموشی سے کھڑا تھا۔

سہر اب نے گاڑی لاک کی اور اسلان کے ساتھ چلتا ہوا اندر آیا۔ لعل یمن اندرون لاہور کے گھروں کی طرز پر بنا تھا۔ بھوری سرخ ابھری ہوئی اینٹوں والی دیواریں، لکڑی کی گرل والی بالکانیاں، چپس کا سیاہ فرش اور روش کے دونوں اطراف میں بچھے گھاس کے قالین۔ لان میں دائیں طرف ایک تناور درخت کھڑا تھا جس سے سبز، سرخ، نارنجی بوتلیں لٹک رہی تھیں۔ بوتلوں کے گرد فیری لائٹس لپٹی تھیں، اور اسی درخت کے نیچے بھاری لکڑی کی میز اور کرسیاں لگی تھیں۔ لعل یمن خوبصورتی کا دوسرا نام تھا۔ یہ گھر پہلے بھی خوبصورت تھا لیکن سہر اب کے مری جانے کے بعد جب اس کے تمام مالکانہ حقوق عالمگیر کو ملے تو اس نے اس گھر کی خوبصورتی کو مزید نکھار دیا۔ زینوں کی گرل، کھڑکیاں، بالکنی کی لکڑی نئی پالش کے نکھر گئی۔

سہراب اور اسلان چلتے ہوئے خاموشی سے اسی درخت کی جانب چلے آئے۔ اِنارا نے انہیں دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھی اور تیز تیز قدم لیتی ہوئی ان کی طرف چلی آئی۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا وہ قریب آئی تو سہراب نے اسے کندھے سے لگا کر اس کے بال سہلائے۔

”میں نے آپ کو بہت یاد کیا چاچو۔“

”بیٹا دن کا آدھا حصہ تو تم فون پر میرے ساتھ رہتی ہو یاد کب کیا۔“ سہراب نے نرمی سے اسے الگ کیا۔ اس کے لبوں کے کنارے مدھم مسکراہٹ تھی جو اس سارے وقت میں پہلی بار نظر آئی تھی۔

”قدر کیا کریں میری محبت کی ہونہہ۔“ سر جھٹک کر کہتے اس نے اسلان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ چہرے پر وہی پر خلوص مسکراہٹ قائم تھی۔ انداز میں ہلکی جھجک۔ ”کیسے ہو بھائی؟“

”جیسا پچھلی بار تھا اب بھی ویسا ہوں، کوئی سرخاب کے پَر نہیں لگ گئے مجھے۔“ اس نے ہاتھ نہیں تھاما۔ مناسب لہجے میں کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔ آراہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی، آنکھوں کی جوت ماند پڑ گئی تھی لیکن وہ پھیکا سا مسکرائی۔ سہراب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے اس کے ساتھ چلتے ہوئے میز کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ اس سے کچھ چھوٹے موٹے سوال بھی کر کے اس کا دھیان بھی بٹا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسلان کے ساتھ درخت کے کٹے ہوئے تنوں پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ سیاہ ہائی نیک سوئیٹر کے ساتھ سیاہ ہی پینٹ پہنے اسلان بے زار دکھائی دے رہا تھا۔ آراہ اس کی بے زاری سے یکسر بے نیاز مسلسل اس سے کچھ کہہ رہی تھی اور اسلان اپنے چچا اور ماموں کی نظروں کی وجہ سے ہوں ہاں میں جواب دے رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی آراہ کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا، یہ آنکھیں اسے بہت کچھ یاد دلاتی تھیں۔ اور اس وقت وہ کسی تلخ یاد کو اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنانا چاہ رہا تھا۔

"تمھیں پتا ہے بھائی مجھے جہاں نوکری ملی ہے ناں وہ لاہور کا بہت بڑا جیولری بنانے والا اسٹور ہے۔" دور حاضر کی نوجوانوں کی طرح آراہ مشکل الفاظ یاد کر کے نہیں بولتی تھی۔اس کی زبان سادہ رہتی۔ jewelry making shop اس کے لیے زیور بنانے والا اسٹور تھا، فیشن ہاؤس اس کے لیے کپڑے بنانے والی دکان تھی۔

"مس انارا طارون، میں تمہاری کامیابیوں میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" اسلان نے اس کی باتوں کے جواب میں اکتا کر کہا تھا۔انارا طارون پر زور دیا۔ دل آراہ جعلی فیمینسٹ تھی۔یعنی وہ فیمینسٹ جسے حقوق "معاشرے" سے نہیں "مردوں" سے لینے تھے۔اور اس کے حقوق لینے میں جنسی تشدد، گھریلو تشدد، یا پھر کم عمری کی شادی جیسے موضوعات کو چھوڑ کر جوتا خود ڈھونڈنے اور موزا خود پہننے جیسے موضوعات شامل تھے۔اس نے آراہ کی تحویل ملنے کے بعد ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر اس کے نام سے یمن ہٹا کر طارون لگا دیا تھا، اسلان کے متعلق بھی اس کا ارادہ یہی تھا لیکن اس کی تحویل جس کے پاس تھی اس آدمی سے آدم خور بھی خوف کھاتے تھے۔دل آراہ تو پھر کل کی ڈائن تھی۔

"اپنی معصومیت اور کامیابیوں کے لیے تمہارے پاس گھر کے دو مرد کم پڑ گئے ہیں؟"

وہ سلگ کر بولا اب کے آراہ کی رنگت واضح طور پر پھیکی پڑی۔ان سے ذرا فاصلے پر گھاس کے قطعے پر بیٹھے سہراب نے اس کو کو دیکھا وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے پوچھ رہا تھا آل گڈ؟

انارا نے اپنا انگوٹھا بلند کر کے مسکرا کر اسے دیکھا اور سب صحیح ہونے کا اشارہ کیا سہراب گو کہ مطمئن نہیں ہوا لیکن اس نے رخ پھیر لیا تھا۔ آراہ اب بھی اسلان کو دیکھ رہی تھی جو اب اپنا موبائل نکالے اس پر بلاوجہ انگوٹھے چلا رہا تھا۔اس کے بڑے بڑے ہاتھوں میں موبائل ایک انوکھی چیز لگ رہا تھا۔ آراہ بار بار کچھ کہنے کو منہ کھولتی لیکن پھر چپ کر جاتی۔ اسلان یوں بیٹھا تھا جیسے اسے کوئی پرواہ ہی نہ ہو کہ اس کے سامنے بھی کوئی بیٹھا ہے جو اس سے بات کرنا چاہتا ہے، جو اس کا خونی تعلق ہے۔اسے تکلیف ملی تھی اب وہ بھی وہی تکلیف واپس لوٹاتا تھا۔ آراہ نے اپنا گلا کھنکھارا، ہمت مجتمع کی اور ایک بار پھر اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔

"بھائی... تمھیں پتہ ہے جب زیور سازی کا یہ کورس پورا ہو جائے گا تو میں ۔۔۔۔۔۔"

"انارا طارون، کیا تم پلیز اپنی بکواس بند رکھ سکتی ہو؟" وہ مدھم سا غرایا۔ آراہ دم سادھ گئی۔ وہ منہ پھیر لیتا تھا، کڑوے جواب دیتا تھا لیکن ایسی سختی؟ اس نے کبھی ایسی سختی تو کبھی نہیں دکھائی تھی۔ یہ کڑواہٹ نہیں نفرت تھی۔

"تم بار بار اتنی حقارت سے میرا نام کیوں لیتے ہو؟ ہر بار میرے نام میں طارون جوڑ کر کیا جتانا چاہتے ہو؟" وہ بمشکل خود کو رونے سے باز رکھ سکی۔ اسلان نے موبائل میز پر پٹخنے والے انداز میں رکھا اور دونوں کہنیوں پر زور دیتے آگے ہوا۔

"کیونکہ میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے نام کے ساتھ میرے خاندان کا نام نہیں آتا۔ تم ممی کی بیٹی ہو، میری بہن نہیں۔ میں تمھیں بہت واضح طور پر جتا رہا ہوں کہ تم اس عورت کی بیٹی ہو جو ڈیڈ کو چھوڑ کر اپنے کسی بوائے فرینڈ کے پاس چلی گئی۔"

"وہ ہماری ماں ہیں بھائی۔"

"پیدا کر دینے سے کوئی ماں نہیں بن جاتی، وہ تمہاری ماں ہے تم رہو اس کے ساتھ، جوڑو اپنا نام اس کے نام کے ساتھ کیونکہ اگر مجھے ماں کی ضرورت ہو گی تو میں دل آراہ طارون جیسی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔" وہ تنفر سے کہتا رہا۔ "مجھے نفرت ہے تم سے۔ تمہاری وجہ سے چاچو مجھے اگنور کرتے ہیں، ماموں اور ممی نے تمہاری کسٹڈی مانگی، ڈیڈ تمھیں نیویارک بلواتے ہیں اور میں؟ ہر کوئی تمہارے لیے مجھے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔"

آراہ خاموشی سے اسے سنتی رہی، اسے سننے کی عادت ہو چکی تھی۔ اسلان کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کا یہ رویہ برداشت کر لیتی اگر وہ شروع سے ایسا ہوتا لیکن آراہ کو اچھی طرح یاد تھا اسلان اس سے ملنے کے لیے آجایا کرتا تھا، وہ دونوں باتیں بھی کرتے تھے، وہ آراہ کو اپنی روداد سناتا اس کی سنتا بھی تھا۔ پھر چند سال پہلے کچھ ہوا تھا اور ۔۔۔۔۔۔ اور اس دن کے بعد سے اسلان کی ناپسندیدگی نفرت بن گئی۔ وہ اسی نفرت کو سینے میں

بھرے آگے بڑھ گیا لیکن آراہ کا کیا؟ وہ زندگی کے انہی چند خوشحال سالوں میں اٹک کر رہ گئی تھی۔ اور اب بس اسے انہی سالوں میں واپسی چاہیے تھی۔ افسوس کہ انسانوں کے پاس اختیار کم ہوا کرتے ہیں۔

"مجھے ہر ماہ یہاں تم سے ملنے کے لیے آنا پڑتا ہے کیوں؟ تمھیں کیا لگتا ہے میں تمھارے لیے آتا ہوں؟" وہ رکا، اس کی زخمی آنکھوں میں دیکھا اور پھر۔۔۔۔۔ "مجھے.... تم.. سے.. نفرت ہے۔" اس نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ "اور میں بہت جلد تم سب کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

چند لمحوں کے لیے آراہ کچھ کہہ نہ سکی۔

"تم کیا کرنے والے ہو؟" بہت دیر بعد وہ بولی تو اس کی آواز بہت ہلکی تھی۔ آنکھوں میں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔

اسلان کے جبڑے یونہی تنے رہے۔ "میں یہ ملک چھوڑ رہا ہوں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔"

وہ بس ٹکر ٹکر اسلان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا تھا ایک دن آئے گا جب اسلان اس کا سرپرست ہونے کی حیثیت سے اسے اپنے ساتھ رکھے گا، اور پھر کوئی عدالت اس سے اس کا واحد خاندان نہیں چھین سکے گی لیکن جو وہ کہہ رہا تھا وہ انارا طارون نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"پلیز اگر تمھیں مجھ سے ذرا بھی محبت ہے تو اگلی دفعہ مجھے اور چاچو کو یہاں نہ بلوانا، میں تھک گیا ہوں روز روز کے اس ڈرامے سے۔" بےزاری اور کوفت سے کہتے ہوئے وہ اٹھا جب انارا نے کچھ کہا اور اس کا سارا وجود ایک لمحے کے لیے منجمد ہو گیا۔

"I am seeing someone"

اسلان نے بےیقینی سے گردن موڑ کر اس کو دیکھا تھا۔ کچھ تھا جو بری طرح چبھا تھا کچھ تھا جس نے اسے غیر آرام دہ کیا تھا۔ کچھ تھا کہ اس کا دل کیا وہ کہیں آگ لگا دے۔ وہ وضاحت طلب نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

"دو سال ہونے والے ہیں۔ میں اسے بہت پسند کرتی ہوں بھائی۔" اس کا دل تیز رفتار سے دوڑ رہا تھا سانس اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ مگر وہ کہہ دینا چاہتی تھی۔ "وہ میرا رشتہ لانا چاہ رہا ہے لیکن میں اسے پہلے تم سے ملوانا چاہتی ہوں۔"

"کون ہے وہ؟" کرسی پر جمے اس کے مضبوط ہاتھ کی رگیں پھول رہی تھیں۔ کوئی طیش تھا جو اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا۔ اس نے دانت پر دانت جما کر ضبط کرنے کی کوشش کی۔ گو کہ ان دونوں کی پرورش خاصے کھلے ماحول میں کی گئی تھی مگر پھر بھی اسلان سے طیش قابو نہ ہوا۔

"تم اس سے مل لو، وہ بہت اچھا ہے۔" اسلان سمجھ نہیں پایا اسے غصہ آرہا تھا؟ برا لگ رہا تھا؟ کیا تھا یہ کونسا احساس تھا جس کے تحت وہ اس آدمی کا گلا دبا دینا چاہتا تھا۔ یا شاید وہ آراہ مزید سوال کرنا چاہ رہا تھا۔

"اس نے کہا وہ رشتہ لائے گا اور تم نے اعتبار کر لیا؟" وہ کہنا یہی چاہتا تھا مگر انا آڑے آگئی۔ کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر بے نیازی سے شانے اچکائے۔ "بھاڑ میں جاؤ تم، اور بھاڑ میں جائے وہ۔ جہنم میں جائے یہ تعلق۔"

"وہ بہت اچھا ہے بھائی۔ وہ کہتا ہے میں ایلسا ہوں اور۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ تیز تیز کہنے لگی۔

"بالکل سہی کہتا ہے وہ۔۔۔۔۔" کرسی کے ہتھے پہ دونوں ہاتھ جمائے وہ آگے کو جھکا۔ "ایلسا کرسٹڈ تھی۔ اس عورت نے اپنی ہی بہن کا دل برف کر دیا تھا تم بھی تو وہی ہو۔" اس کی آواز میں چھلکتی نفرت نے آراہ کا اگلا ہر لفظ زبان پر ہی روک دیا۔ اسلان اب اٹھ کر دور جا رہا تھا آراہ کتنے ہی منٹ اس کی پشت کو گھورتی رہی۔ جب وہ چلا گیا تو اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ میز پر دھرا اپنا موبائل اٹھایا اور کسی کو پیغام بھیجا۔

"تم مجھے ایلسا کیوں کہتے ہو حالانکہ وہ تو کرسٹڈ تھی؟"

وہ میسج چھوڑ کے بے تابی سے جواب کا انتظار کرنے لگی۔ اور اگلے ہی لمحے اس کے موبائل کی سکرین جل کر بجھی۔ آراہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ پیغام کھولا۔

”ایلسا کبھی بھی کرسڈ نہیں تھی وہ بس اپنی طاقت سے خوف زدہ تھی۔ اس نے کبھی اپنے خاندان کا برا نہیں چاہا۔ الگ ہونا کرس نہیں ہوتا۔“ پیغام بس یہیں تک تھا، اس کا دل شدت سے چاہا تھا کہ دلجوئی کا یہ سلسلہ کاش دراز ہوتا۔ مگر سامنے والا لکھاری تھا اتنا لکھے گا جتنا وہ چاہے گا۔

”میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں تم کب آؤ گے؟“

لفظوں نے کئی سرحدیں پھلانگیں، کئی ملک گھومے، کئی سمندر دیکھے، اور پھر امریکا کے شہر نیویارک کے ایک کیفے میں بیٹھے لڑکے کے موبائل پر نوارد ہوئے۔ وہ کوئی کتھئی آنکھوں والا بے حد خوبصورت، اور پرکشش نوجوان تھا۔ ایک ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے سامنے رکھے لیپ ٹاپ پر کچھ محفوظ کرتے اس نے موبائل اٹھایا۔

”تم چاہے مجھے اپنی سوتیلی محبت سمجھو لیکن میں تو تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔ حکم کرو کب آؤں؟“

”تمھارے کام کا حرج نہیں ہو گا؟“

”یہاں محبت داؤ پر لگی ہے میں کام دیکھتا رہوں؟“

”میں واقعی تمھیں مس کر رہی ہوں۔“

”رہنے دو ایک شہر میں رہتے ہوئے ہمارا لانگ ڈسٹنس رہتا ہے۔“

آراہ ہلکا سا ہنسی۔ ”کوئی حل نکالو نا۔“

”حل ایک ہی ہے تم تین بار میرے لیے اقرار نامہ دو اور پھر میں دیکھتا ہوں یہ لانگ ڈسٹنس کیسے ختم نہیں ہوتا۔“ میسج بھیجتے ہوئے وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ آراہ ٹائپ کرتی تو وہ اس کی پروفائل دیکھنے لگتا، پھر لکھتا پھر پروفائل دیکھتا۔ وہ ایک لمحے کو بھی اس سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ ”پھر میں دیکھتا ہوں کون دنیا، کون چچا، کون سی ظالم پھوپھی۔“

"تم اپنا کام کر لو، میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ دل سے بوجھ سرکنے لگا۔ شاہ ویر بنگش کا ساتھ انارا طارون کی زندگی کا وہ قصہ تھا جسے وہ سنہری لفظوں میں لکھتی تھی۔ واضح، بے حد خوش خط۔

★★★★★★★★★★★

جس وقتِ انارا اور اسلان یمن آپس میں گفتگو کر رہے تھے عین اسی وقت ان سے ذرا فاصلے پر پتھریلی روش کے دائیں طرف بچھی گھاس پر انگیٹھی جل رہی تھی۔ یافث دہکتے ہوئے کوئلوں پر رکھی سیخیں پلٹ رہا تھا، سہراب چھوٹی چھوٹی بوٹیوں کو سیخ میں پھنسا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ یافث بار بار کچھ کہنے کا ارادہ کرتا پھر رُک جاتا۔ اس کی یہ مشکل سہراب نے آسان کر دی۔

"آراہ کا وزن دیکھ رہے ہو؟ اگر تم اپنی بے کار کی مصروفیات ترک کر کے اس پر دھیان دینا شروع کر دو تو اس بچی کی صحت بہتر ہو سکتی ہے۔ کل جب اس کا رشتہ ہو گا اور بات اس کے وزن کی وجہ سے نہ بن سکی تو تم جانتے ہو اس پر کیا گزرے گی؟" سہراب ہر شے میں کاملیت ڈھونڈتا تھا اسے یہاں بھی وہی چاہیے تھی۔

"آراہ اکیس سال کی ہے اور۔" یافث نے کچھ کہنا چاہا۔

"اگلے دو ماہ میں وہ بائیس سال کی ہو جائے گی۔" سہراب نے اسی دوٹوک انداز سے کہا۔ سیخ میں گوشت کا ٹکڑا ابھی اسی جارحیت سے پھنسایا۔ "اس کے ماں باپ کی جگہ ہم ہیں اور میں چاہتا ہوں اس کی شادی جلد کر دی جائے۔"

یافث نے گہری سانس لی، بازو سینے پر باندھے اور تندہی سے اسے دیکھا۔ فضا میں باربی کیو کے "جلنے" کی بُو شامل ہو رہی تھی۔

"اگر ایسی بات ہے پھر اسلان کے گریڈز بھی دیکھو، کیا کیا ہے اس نے پچھلے دو سالوں میں؟ وہ دو سالوں سے اپنے ماسٹرز میں سپلیاں لے رہا ہے۔ کتنے ادارے تم بدل چکے ہو کتنی بار اسے اسموکنگ کرتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے اور کتنی بار وہ۔۔۔۔۔۔۔۔" یافث کہتے کہتے رکا۔ ایسے جیسے ہچکچایا ہو۔

"وہ اب بھی اسلام آباد جاتا ہے۔ اور وہ آج بھی "اسے "نہیں بھولا۔"

سہراب تھم گیا۔ وہ واقف تھا مگر کسی اور سے یہ سننا الگ بات تھی۔ کتنی ہی دیر وہ کچھ کہہ نہیں سکا۔

"تم جانتے ہو اس کا وہاں جانا کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے؟"

"یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ میں اسے منع نہیں کر سکتا۔" بہت دیر بعد وہ کچھ سنبھل کر بولا۔ سنہرا گوشت اب سیاہ ہو رہا تھا لیکن وہ دونوں آپس میں بحث کر رہے تھے۔

"بالکل اسی طرح آراہ کا وزن اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ وہ دو سال کی بچی نہیں ہے میں اس کے پیچھے پیچھے نہیں گھوم سکتا۔ یہ اس کا وقت ہے اسے چاہیے کہ اپنے فیصلے خود لے۔ میں اسے ایسے فیصلے لینے کے لیے ہرگز مجبور نہیں کروں گا۔" جو وہ گھوم کر آگے آیا سہراب کی بے تاثر آنکھوں میں دیکھا۔ "وہ فیصلے جو اسے چار سال کے لیے گھر میں قید کر دیں۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا۔ لعل یمن کی فضاؤں میں اب تنفر اور طیش بھی پھیل چکا تھا۔

"تم اگر یہ سب کہہ کر مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ تمھیں آراہ اور اسلان کی پرواہ ہے تو تم بہت غلط ہو۔ تمہارے مرتے ہوئے ماں باپ نے غلطی سے کچھ جائیداد آراہ کے نام کر دی تھی اور اب اس کی تحویل سے لے کر اس کا خیال سب محض دولت ہتھیانے کے حربے ہیں۔" کئی سال قبل جو دو جسم ایک جان تھے آج کئی سال بعد وہ ایک دوسرے کی جان لینے کے درپے تھے۔ دو دوستوں کے درمیان کیا آ گیا تھا؟

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ اسلان پر تمہارا بس نہیں چلتا اور آراہ۔۔۔۔۔" اس کی زبان کو جانے کیوں لقوہ لگا تھا۔ چہرہ سرخ ہوا۔ "وہ کسی سے فون پر باتیں کرتی ہے اور وہ باتیں کسی "مرد" سے ہوتی ہیں۔"

اگر یافث کو لگا تھا کہ سہراب کوئی شدید رد عمل دے گا تو ایسا نہیں ہوا۔ وہ اب بھی انہی سپاٹ سنجیدہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایسے جیسے کہہ رہا ہو کچھ نیا بتاؤ۔

''تمہاری بھتیجی کسی کے ''ساتھ'' تعلق میں ہے۔'' یافث نے زور دے کر کہا۔ سہراب اس کے آگے سے گزر کر انگیٹھی کی طرف آیا۔ جلی ہوئی سیخیں اتار کر میز پہ ایک طرف رکھیں۔ اور پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

''جانتا ہوں۔'' مدھم اعتراف۔ ''دو سال ہو چکے ہیں تمہیں اب پتا چلا ہے کیونکہ تم نے اب غور کیا ہے مجھے دو سال سے اس کا بدلا ہوا چہرہ اور انداز نظر آرہے ہیں۔'' اس نے تازہ سیخیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر رکھیں۔ یافث بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میں یہ معاملہ خود دیکھ لوں گا۔''

''مجھے جیسے اندازہ ہوا میں نے تمھیں بتا دیا اور تم۔۔۔۔۔ تم نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی؟''

''میں تمھارے باپ کا نوکر یا تمہارا زر خرید غلام نہیں ہوں جو تمھیں ہر بات بتائے۔'' وہ اب بے نیازی سے اپنا کام کرتا ہوا نظر آرہا تھا جبکہ یافث ملال سے اسے تک رہا تھا۔ اس کے پیٹھ پیچھے غصے یا مقابلے بازی میں کچھ کہہ دینا الگ تھا اس کے سامنے اس کی نفرت دیکھنا مشکل۔

''میں ہم دونوں کو بہت یاد کرتا ہوں۔'' یکدم اس کی آواز میں ڈھیر سارے جذبات سمٹ آئے سہراب کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ''میں واپسی چاہتا ہوں اس سیاہ رات سے دن کے اجالے والی واپسی۔ تمھارے دل پر جمی برف کیا کبھی پگھل نہیں سکتی؟'' ہر انا پر پیر دھرتے اس نے پہل کرنی چاہی۔

سہراب نے سرد نگاہیں اٹھا کر اسے تمسخر سے دیکھا۔ ''بھرے عدالتی کمرے میں میرے کردار کو مشکوک بنانا وہ واحد جرم ہے جس کے لیے میں تمھیں کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ یہ برف اب روز قیامت بھی نہیں پگھلے گی۔''

یافث طارون اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کاش جذبات میں آکر اس نے وہ سب نہ کیا ہوتا، کاش۔

★★★★★★★★★★★★★

''شام کا کوئی باسی پہر''

لان میں برقی انگیٹھی جل رہی تھی اور سیاہ چمڑے کے صوفوں پر دو عورتیں ایک دوسرے کے روبرو بیٹھی تھیں۔ بیچ میں شیشے کی میز رکھی تھی جس پر کافی اور باقی لوازمات رکھے تھے۔ ایک طرف ملازم تابعداری سے کھڑا تھا۔

"تمھارے ڈاکٹر نے کیا کہا، تاج؟" تمکنت نے اپنے سامنے بیٹھی عورت سے پوچھا۔ بوڑھی عورت کے کندھے سے جھانک کر دیکھو تو اس کے سامنے بیٹھی عورت کا چہرہ بالکل اسی سے مل رہا تھا۔ وہی آنکھیں، وہی پرکشش سراپا، وہی ساحر ادا۔ اسے دیکھ کر تمکنت کی جوانی بغیر کسی وقت کے سفر کے دیکھی جا سکتی تھی۔ اور یہ سفر بلا کا خوبصورت تھا۔

"ابتسام نہیں مانتا ماما۔" افسردگی سے کہتے ہوئے اس نے بھورے بال ہاتھ سے پیچھے کیے۔ "وہ کہتا ہے جب مجھے بچے کی خواہش ہے ہی نہیں تو تم خود کو کیوں تھکا رہی ہو۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہا کہ چند سال بعد میرا کیریئر ختم ہے۔ چالیس کے بعد اداکارہ کو کون پوچھتا ہے؟" سیاہ کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے وہ تکان زدہ لگتی تھی۔ "اب مجھے بچہ چاہیے تاکہ میں گھر پر مصروف رہوں۔ اس سب کے علاوہ بھی مجھے بچے پسند ہیں۔"

تمکنت نے ہنکارا بھرا۔ انگوٹھیوں والا ہاتھ جھلایا۔ "تم کہو تو میں بات کروں؟ یہی وقت ہے تاجور اگر تم ابھی اپنے بارے میں نہیں سوچو گی تو وقت نکل جائے گا۔" تاج کی پرسوچ نگاہوں سے آسمان میں کچھ کھوجتی رہی۔ اداس تو وہ تھی مگر اداسی سے بڑھ کر کوئی ایک احساس تھا جو اس کے رگ و پے میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ کیا وہ کبھی ماں نہیں بن سکے گی؟ کیا وہ ہمیشہ یونہی خالی ہاتھ رہ جائے گی؟

اسی پل اس کا موبائل بجنے لگا۔ تمکنت نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا تو "ویر کالنگ" لکھا آ رہا تھا اس کے چہرے پر بہت کچھ آ گیا تھا۔ رنگ، چمک، شادمانی۔ اور اگلے ہی پل سب رخصت بھی ہوا۔ وہ انٹرویو والی بات نہیں بھولی تھی۔ بات نہیں شاید خود کو بے ضرر کیا جانا۔

چند پل بعد موبائل کی جگہ لیپ ٹاپ پر شاہ ویر کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے وی نیک سوئیٹر اور ہم رنگ ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ چہرے پر مدھم مسکراہٹ تھی، جو کہ کھوکھلی لگ رہی تھی۔ تمکنت نے غور کیا تھا کہ وہ اپنے کندھے، سینے اور گردن سے بار بار کوئی نادیدہ شے جھٹک رہا ہے، صرف شاہ ویر اور تم جانتے ہو کیا؟

"میں خود بھی تمھیں بہت مِس کر رہی ہوں، ویر۔" تاج اداس سی سکرین پر نظر آتے اپنے چھوٹے بھائی سے کہہ رہی تھی۔

شاہ ویر بہ دقت مسکرایا۔ "میں اس قابل ہوں کہ مجھے یاد کیا جائے۔ کچھ الگ بتاؤ۔" بشاشیت سے کہنا چاہا مگر وہ مفقود رہی۔ پھر وہ ذرا ر کا آگے کو ہو کر اپنی بہن کو دیکھا۔ "تم نے چہرہ کیوں بگاڑ رکھا ہے؟" اپنی زندگی بگڑ رہی تھی لیکن اسے دوسروں کی تکلیف ختم کرنے کا جنون چڑھا۔

"ابتسام علاج کے لیے راضی نہیں ہو رہا۔" تاج کی جگہ تمکنت ناک سے مکھی ہٹاتے ہوئے بولی۔ "تاج نے ہی اسے سر چڑھا رکھا ہے۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے مام۔" تاج نے اسے ٹوکا۔ ان دونوں عورتوں نے شاہ ویر کی گردن کی رگوں کا تناؤ اور اس کا سخت ہوتا جبڑا نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھرتی ناگواری بھی نہیں۔ "آبی تمہارا پوچھ رہا تھا۔" اس کی بہن نے بات جاری رکھی۔ اس ذکر پر نہ جانے کیوں مگر شاہ ویر کی آنکھوں میں ناگواری سی اتری تھی۔ "اسے تم سے کچھ بات بھی کرنی ہے لیکن تم تو جانتے ہو نا وہ ایک بار اپنی ماں کے پاس جاتا ہے تو مہینے لگا کر لوٹتا ہے۔"

"اس کی ماں کا اپنے بیٹے پر حق ہے۔ کیوں تم ہر وقت جلتی ہو؟" شاہ ویر کی آواز پر اس کی ماں سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ "ہر وقت تمھیں بچے کی پریشانی ہے جو وقت بچتا ہے اس میں ساس اور نندوں کا سوچتی رہتی ہو اپنے دماغ کو سکون دو۔ یہ مڈل کلاس عورتوں کی طرح اپنا خون نہ جلاؤ۔" طلال بنگش کی موت کے بعد وہ اس گھر کے حالات اور لوگوں کا سربراہ خود ہی بن گیا تھا۔ اور اب اس گھر کا ہر فرد اسے اسی حیثیت سے دیکھتا تھا۔

تاجور چند پل مزید اس سے بات کرتی رہی پھر وہ اٹھ گئی۔

وہ چلی گئی اور پیچھے دو لوگ رہ گئے تو ان کے درمیان ایک گہری خاموشی پہرہ دار بنی۔ وہ خاموش تھا، چاہتا تھا بات وہاں سے شروع ہو، وہ پر سوچ تھیں نہیں جانتی تھیں سلسلہ کلام کہاں سے جوڑیں؟ پھر موضوع تبدیل کیا گیا۔

"تمھیں ابتسام سے کوئی مسئلہ ہے، ویر؟"

اس سوال پر شاہ ویر نے بے اختیار مٹھیاں بھینچی۔ ذہن میں کسی فلم کی طرح ایک منظر ابھرا۔

"تم نے جھوٹ کیوں بولا؟" شاہ ویر اپنی عمر سے دگنے مرد کو دیوار سے لگائے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سالم قہر تھا اور لہجہ چٹانوں کی سی سختی لیے ہوئے تھا۔ "تم جانتے بھی ہو تم نے ایک عورت کی زندگی برباد کر دی ہے تم اتنے گھٹیا کیسے ہو سکتے ہو؟ میں اب اس میس کو کیسے سنبھالوں گا؟"

"پلیز، شاہ ویر پلیز میری مدد کرو۔"

"مدد؟ میں تم پر تھوکتا ہوں۔ ملعون انسان۔" وہ غرایا۔ اس کی گریبان پر سختی سے گرفت باندھے وہ منہ سے کف نکال رہا تھا اور سامنے والا بس نگاہیں جھکائے سرخ چہرے سے سب سن رہا تھا۔ جس ملاقات کی تاجور بنگش کو خواہش تھی، وہ ایک ہفتہ قبل ہو چکی تھی۔ مگر خوش گوار؟ ہرگز نہیں۔ پر اسرار یقینی طور پر۔

"میں نہیں جانتا مجھے اس سے مسئلہ ہے یا وہ خود مسئلے میں ہے۔ یا پھر اس کی وجہ سے سارا بنگش خاندان مسئلے میں ہے۔"

"تم مجھ ڈرا رہے ہو، ویر۔" وہ آگے کو ہوئی، آنکھوں میں یکدم فکر امڈ آئی۔ شاہ ویر نے نگاہیں اٹھا کر سادگی سے اسے تکا۔ اس کی ماں جو ایک مایا ناز اداکارہ تھی بیٹے کی آنکھوں میں ڈر کی پرچھائی تک نہ دیکھ سکی۔ ہاہ۔۔۔۔ وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

"میں واپس آ کر اس بارے میں بات کروں گا۔" وہ بھی اسی کا بیٹا تھا، پوچھا نہیں جائے گا تو بتانے والے پر تُف ہو۔ اگلے چند لمحے دوبارہ خاموشی۔ ڈھٹائی تھی تو پھر ڈھٹائی سہی۔

"ہمارے درمیان بہت سے راز آ گئے ہیں، ویر۔ تم جانتے ہو ناراز تعلق کے لیے دیمک ثابت ہوتے ہیں۔"

شاہ ویر نے ٹھنڈی گہری سانس بھری۔ اس کا چہرہ یکدم سپاٹ ہو گیا تھا۔ بلاخر بات شروع ہو گئی تھی۔

"آپ جانتی ہیں لفظوں میں آپ مجھ سے جیت نہیں سکتیں۔ مدعے پر آئیں مام۔"

"وہ لڑکی کون ہے؟"

"میرا امیلٹنگ پائنٹ۔" اس نے تین لفظوں میں بات سمیٹ کر رکھ دی۔ "میں اس کے سامنے جیت چھوڑ سکتا ہوں۔ میں اس کے لیے اپنے طرز بدل سکتا ہوں، وہ جو چاہے گی میں اس کی خوشی کے لیے ہر وہ چیز کر سکتا ہوں۔ وہ میرے لیے سانس لینے جتنی ضروری ہے۔"

تمکنت بنگش کی رنگت بدل رہی تھی۔ ہر دوسری ماں کی طرح اسے لگ رہا تھا اس کا بیٹا چھن رہا ہے۔ اس کا محبوب بیٹا اس سے باغی ہو رہا تھا۔

"تم اس سے کب ملے؟"

"نیویارک میں، ڈھائی سال قبل۔" وہ جواب دیتا گیا۔

"اور یہ سب کب شروع ہوا؟"

"یہ سب؟ یہ سب کیا مام۔ آپ پوچھیں کہ مجھے اس سے محبت کب ہوئی۔"

تیرہ سالہ شاہ ویر کے "کرش" سے لے کر پندرہ سالہ شاہ ویر کی پہلی "دل لگی" اور بیس سالہ شاہ ویر کی "محبت" وہ اس کی زندگی میں آنے والی ہر عورت سے واقف رہی تھی۔ اور سچ یہ تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی ٹکنے نہیں دیا گیا لیکن ڈھائی سال؟ وہ ڈھائی سال سے جسے خاندان سے چھپائے بیٹھا تھا تمکنت اس اثاثے کی موجودگی سے

کس طرح لاعلم رہی؟ خنجر کب اس کی پیٹھ میں لگنا شروع ہوا اسے علم کیوں نہ ہوا؟ وہ تو بس رستا ہوا خون دیکھ رہی تھی۔

"تمھارے اور اس کے درمیان یہ تعلق کب بنا؟" اس نے سوال بدلا۔

"دو سال پہلے۔"

"اتنا وقت کیوں لگا؟"

"معجزے وقت لیتے ہیں مام۔" وہ بے حد تابعداری، بے حد تحمل سے کہہ رہا تھا۔ ہاتھ نامحسوس انداز میں گردن سے کچھ جھٹک رہے تھے۔ اس کی رگوں میں خوف خون کی طرح گردش کر رہا تھا۔ جسے وہ لاشعوری طور پر بھی چھپا نہیں پا رہا تھا۔

"میں بہت جلد ہی اس کے گھر والوں سے ملوں گا، آپ کو بھی ملواؤں گا۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کو بے حد پسند آئے گی۔" اس نے یقین دہانی کروائی تھی۔

"اور اگر مجھے پسند نہ آئی تو؟"

شاہ ویر چند لمحے بہت سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ ہلکا سا، بہت ہلکا سا مسکرایا۔ تنبیہی مسکراہٹ۔ یا شاید اپنے اندر کا خوف زائل کرنے کو طاری کی گئی اداکارانہ مسکراہٹ۔

"میں زندگی میں زندگی نہیں چھوڑ سکتا، مام۔" تمکنت کے سینے میں کوئی تنگی سی ہوئی۔ "وہ آپ کو اچھی نہ لگی تو کوئی بات نہیں میں آپ کا واحد بیٹا نہیں، آپ شاہ زید سے امیدیں لگا لیجیے اور یوں سمجھیئے گا کہ میں نافرمان نکلا۔" بظاہر وہ مذاق کر رہا تھا مگر اس کی ماں جانتی تھی معاملات بہت آگے نکل چکے ہیں۔

"تم اس کے لیے نافرمان بننے کو تیار ہو؟" تمکنت کی آنکھوں میں کچھ در آیا تھا۔

شاہ ویر نے کندھے اچکائے۔ ”یہ تو کم سے کم ہے۔“

”اور زیادہ سے زیادہ؟“

وہ ہنس پڑا۔ ”آزما رہی ہیں؟“

تمکنت اس کے ساتھ مسکرائیں۔ ”تمہاری گردن پر کچھ ہوا ہے؟“

شاہ ویر کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے اپنی گردن پر ساکت ہوا۔ چہرے کی رنگت تبدیل ہوئی۔

”تم بار بار اپنی گردن اور سینے پر کچھ جھٹک رہے ہو کیا ہوا ہے؟“

کیا وہ انہیں بتا دے کہ ”وہ“ اسے تقریباً قتل کر چکا تھا، کسی نے زہریلے بچھو اس کی گاڑی میں چھوڑ دیے، کوئی مسلسل چند ماہ سے اسے قریب دکھائی دے رہا تھا، ڈرا رہا تھا، چھوٹے چھوٹے نقصان پہنچا رہا تھا اور وہ اتنا بے بس تھا کہ اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکا تھا۔

”مجھے خارش ہو رہی ہے۔ شاید الرجی ہو گئی ہے۔“ بتانے کا ارادہ ترک کرتے اس نے وہ کہا جو مناسب تھا۔ ”زید کہاں ہے؟ وہ میری کالز نہیں اٹھا رہا۔“

”آج صبح ایک کیس کے معاملے میں شیخوپورہ گیا ہے۔“

”دنیا کے سارے کام چھوڑ کر اسے کرائم اینالسٹ ہی بننا تھا؟“ شاہ ویر چڑا۔ ”جب کال کرو کہیں نہ کہیں گیا ہی ہوتا ہے۔“

”کہہ کون رہا ہے؟ وہ جو خود آدھا سال ملک سے باہر ہوتا ہے۔“

”خیر وہ سب چھوڑیں یہ بات یاد رکھیں کہ میں اس بار سنجیدہ ہوں۔“

موضوع جس تیزی سے بدلا گیا تھا وہ اسے واپس اسی ڈگر پر لے آیا۔ تمکنت ہولے سے مسکرائیں۔ کم پر جوش مگر حوصلہ افزاء مسکراہٹ۔ دل کی کیفیت الگ کہانی ہے۔

"میں جانتی ہوں بچے۔ اور میں بہت جلد اس سے ملنا چاہوں گی۔ تمھاری واپسی والے دن کیسا رہے گا؟"

"یہ تو وہی طے کرے گی۔" وہ بازو پیچھے لے جاتے گردن کے کس بل نکالنے لگا۔

"تم اور کسی کے اتنے تابعدار؟"

"میلٹنگ پائنٹ یار، سمجھا کریں مام۔"

★★★★★★★★★★

"آج رات ہم یہیں رکنے والے ہیں۔"

سہراب کے اس اعلان پر وہ احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن انارا کی بات نے اس کا ذہن جیسے مفلوج کر دیا ہو۔ وہ اس کے سامنے غصہ کر آیا تھا، لیکن اب۔۔۔۔۔۔اب جیسے اسے بہت کچھ برا لگ رہا تھا۔ ابھی وہ اس معاملے میں زیادہ سوچتا کہ اس کے موبائل پر کسی نئے پیغام کی نوید سنائی دی۔

اسلان اینٹی سوشل قسم کا آدمی تھا۔ لوگ، دوست، رشتے دار، سوشل میڈیا وہ ان سب چیزوں سے دور تھا۔ موبائل پر آنے والے ان چند پیغامات کے اوقات سے ہی وہ بتا سکتا تھا اس وقت کس نے کیا پیغام بھیجا ہو گا۔ اس وقت بھی وہ جان گیا تھا سامنے کون ہو گا۔

"کام ہوا یا ڈیمو دوں؟"

جس نمبر سے پیغام آیا تھا وہ نمبر موبائل میں محفوظ نہیں تھا وہ کتنے ہی لمحے ساکت رہا۔ ایسے جیسے بس ایک پیغام اس کا سکون اکارت کر چکا ہو۔ اس کی رنگت باقاعدہ اڑ گئی۔ کافی دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا تیزی

سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف آیا اور الماری سے ایک بستہ نکالا۔ دروازے کا لاک اچھی طرح چڑھایا۔ سفید رنگ کا چمڑے کا بستہ۔ اس نے احتیاط سے دروازہ بند کیا اور بستہ لا کر پلنگ پر رکھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے، ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں۔ انہی لرزتی انگلیوں سے اس نے بستہ کھولا اور اگلے کئی لمحے وہ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔ وہ ہر دفعہ یونہی کھڑا رہ جاتا تھا۔ بستے کے اندر کا سامان اسے ہر دفعہ یونہی ساکت کیا کرتا تھا۔

اندر جو تھا وہ بہت کچھ تھا اور شاید کچھ نہیں بھی۔ اس سے زندگی بدلی جاسکتی تھی، اس کے لیے زندگی ختم بھی کی جا سکتی تھی۔ اندر جو تھا اسلان کو اس سے نفرت تھی۔ بے تحاشا نفرت۔

”مجھے دیر سے جواب دینے والوں سے نفرت ہے، اسلان۔ کام ہوا یا نہیں؟“

موبائل کی سکرین پر ایک پیغام نظر آیا۔ اس نے بغیر جواب دیے موبائل جینز کی جیب میں ڈالا، بستے پر زپ چڑھائی اور الماری کو اپنی جگہ سے سرکایا۔ اس کی بھاری قامت اور اونچے سراپے کے آگے یہ الماری کسی کھلونے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس نے زور لگا کر الماری کو اس کی جگہ سے سرکایا۔ دوپٹ والی لکڑی کی الماری اپنی جگہ سے ہٹنے لگی، اسلان کے بازوؤں کی رگیں ابھر کر واضح ہو رہی تھیں۔ چہرے پر مشقت کے آثار نمایاں تھے۔ الماری ہٹی تو چپس کا سیاہ سفید فرش دکھائی دینے لگا۔ اس نے ایک محتاط نگاہ دروازے پر ڈالی پھر ہاتھ بڑھا کر فرش کے ٹائلز کو دو انگلیوں کی مدد سے سرکایا۔ وہ اس مہارت سے یہ کام کر رہا تھا کہ حد نہیں تھی۔

لعل یمن جو پہلے ایک بد قسمت گھر لگ رہا تھا اب وہ رازوں کی پٹاری نکلا۔ ٹائلز سرکانے پر فرش کے نیچے ایک گہرا گڑھا نظر آ رہا تھا جہاں کئی سفید، سیاہ اور بھورے بستے پڑے تھے۔ وقت کی ساعتیں مٹی بن کر ان پر گرتے ہوئے انکا اصل رنگ دھندلا گئی تھیں۔ اسلان نے بھاری بیگ بغیر کھولے نیچے پھینک دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

ٹائلز واپس سیدھے لگا کر، الماری کو اس کی جگہ پر رکھ کر اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا۔ صوفے پر بیٹھ کر اس نے نمبر پر ایک پیغام لکھا۔

"مجھ سے نہیں ہو رہا، وقت چاہیے۔" پیغام بھیج کر اس نے موبائل کے ساتھ VPN جوڑا اور گوگل پر کچھ سرچ کیا۔ کمرے میں اس کا انٹرنیٹ کام نہیں کر رہا تھا اور یہاں کسی کے آجانے کا خوف تھا۔

لال یمن اس وقت چہل پہل سے بھرا تھا۔ باہر کی نسبت اندر خاصی گرماہٹ تھی۔ یہ گھر باہر سے جتنا نازک لگتا تھا اندر سے اتنا ہی مضبوط اور مختلف تھا۔ لکڑی کے پینٹ والی دیواریں خطاطی سے سجی تھیں۔ کہیں کہیں اسلان اور انارا کی بچپن کی تصاویر بھی لگی تھیں۔ جن میں وہ دونوں خوش تھے۔ ان کے ماں باپ ساتھ تھے۔ اب تو خیر دونوں باتیں نہ رہی تھیں۔ لاؤنج میں صوفوں پر ڈھکے رنگ برنگے کپڑے دیواروں پر لگی مختلف ثقافتوں کی تصاویر اور ایک دیوار تو پوری کی پوری مختلف ثقافتی رنگوں سے بھری پڑی تھی۔ کوئی سندھی ٹوپی تو کوئی رانجھے کی بانسری۔ کوئی اٹالین نوادرات تو کوئی ایرانی قالین کے ٹکڑے۔ یہ گھر دل آرا اور شجاع یمن نے کئی سال کی منصوبہ بندی کے بعد سجایا تھا۔ گھر پیچھے رہ گیا اور وہ دونوں پنچھی اونچی اونچی اڑان بھر گئے۔ گھر کے ساتھ انہوں نے بہت کچھ برباد کیا تھا، تفصیل پھر سہی۔

"تمھیں تمہاری بہن سے ملوانے لائے ہیں یہاں کونے کھدروں میں چھپنے نہیں۔" یافث کی آواز پر اسلان بری طرح چونک گیا۔ ہاتھ میں پکڑا موبائل نیچے جا گرا اور وہ سفید چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔ یہ حرکت یافث کے لیے نئی نہیں تھی۔ اسلان کی انگزائٹی اور ڈرے ڈرے رہنے والی عادت سے اب تو سارا گھر عادی تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے چلتا ہوا اس کے قریب آنے لگا۔ اسلان نے جھک کر موبائل اٹھانا چاہا لیکن برق رفتاری سے یافث اسے پہلے ہی اچک چکا تھا۔ موبائل کو پلٹ کر سکرین سامنے کرتے ہوئے یافث کی آنکھیں مشکوک تھیں۔ لیکن اگلے ہی پل ان میں ملامت اتری تھی۔ اس نے تیزی سے موبائل بند کیا۔ اور بے اختیار دروازے کی طرف دیکھا کہ انارا یا سہر اب نہ آجائیں۔

"تم ایسی غلیظ سائٹس وزٹ کرتے ہو؟" وہ بمشکل یہی کہہ سکا۔ اسلان کا بس نہیں چلتا تھا کہ زمین میں گڑ جائے۔ اس کے جسم میں کپکپاہٹ شروع ہو گئی۔ رنگت تاریک پڑی۔

”میں وزٹ نہیں..... میں بس... میں نہیں دیکھتا یہ سب، ماموں اللہ کی قسم میں نہیں دیکھتا میں۔۔۔“ اس کے الفاظ بے ربط تھے گردن شرم سے جھکی جا رہی تھی۔ کیا اسے یہ دن بھی دیکھنا تھا؟

”اگر تم دیکھتے بھی ہو تو کیا یہ جگہ ہے؟ باہر تمہاری بہن موجود ہے تمھیں شرم نہیں آ رہی؟“

”ماموں میں نہیں دیکھتا۔ یہ سب میرا یقین کرو، پلیز۔ اللہ کی قسم میں نہیں دیکھتا۔“ وہ کسی بچے کی طرح صفائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں، وہ قابل ترس لگتا تھا۔ لیکن جو کچھ یافث نے دیکھا تھا جھٹلایا تو اسے بھی نہیں جا سکتا تھا۔

”بیٹھو..“ اب کے وہ نرمی سے بولا تو اسلان لب کاٹتے ہوئے بیٹھ گیا۔ یافث اس کی دائیں طرف بیٹھا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”یہ سب تمہارے اپنے لیے نقصان دہ ہے بچے۔ میں آج تمھیں بے عزت کروں گا ڈراؤں دھمکاؤں گا لیکن اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کل میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا اور تم پھر یہی سب دیکھو گے۔ میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر تم سے وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ تم اپنی صحت، زندگی اور آخرت ان غلیظ ویب سائٹس پر کیوں برباد کر رہے ہو؟“

اسلان نے نگاہیں اٹھا کر شکوے سے اسے دیکھا۔ ”میں کہہ رہا ہوں میں نے نہیں دیکھا اور آپ میری بات نہیں مان رہے۔ آپ نے آراہ پر نظر رکھی ہے؟ وہ آج کل کیا کر رہی ہے کیا آپ یہ جانتے ہیں؟“ نا چاہتے ہوئے بھی وہ مقابلے بازی پر اتر آیا۔ ”میں۔۔۔۔۔“

”اپنے کارنامے اس کے سر تھوپنا بند کرو۔“ یافث نے درشتی سے ڈپٹا۔ ”آراہ تمہاری طرح ہر دفعہ مجھے مایوس نہیں کرتی۔“

”یہ کہیں کہ آپ مایوس ہوتے نہیں، ورنہ آراہ وہی لڑکی ہے جو کسی لڑکے سے رابطے میں ہے۔ یہ تربیت کی آپ نے اس کی؟“ اس کی آنکھوں کی سرخی، اس کی گردن کی ابھرتی رگیں اور نگاہوں کا سوال۔

یافث کو رخ پھیرنا پڑا۔ ”مجھے یقین ہے وہ ہمیں مایوس نہیں کرے گی۔“

”اور میں؟ آپ کو مجھ پر یقین کیوں نہیں ہے۔“

یافث نے سخت سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تم یقین کا موقع کب دیتے ہو؟ بے کار۔“ اس نے اضافہ کیا۔

اسلان کے حلق میں آنسوؤں کا کوئی گولہ سا اٹک گیا۔ چند سال پہلے وہ بھی کسی کو ملوانے لایا تھا۔ وہ بھی اسی طرح کے لفظ سننا چاہتا تھا جو آراہ کے بارے میں کہے گئے مگر اس سے نہیں کہے گئے اس گھر میں کسی سے نہیں کہے گئے۔ جب کسی کو اس کی پرواہ ہی نہیں تو وہ کیوں کرے؟

★★★★★★★★★★

وہ رات یمن اور طارون خاندان نے ایک چھت کے نیچے گزاری تھی۔ انارا اور اسلان کی دوبارہ کوئی ملاقات نہیں ہو سکی کہ وہ کھانا کھائے بغیر سونے چلا گیا تھا۔ سہراب نے کھانا ختم کر کے اس سے بس یہ کہا۔۔۔

”صبح پانچ بجے تم اور میں جاگنگ کے لیے جائیں گے تیار رہنا۔“

وہ اگر کل کی پیدا ہوتی تو یقیناً ”جاگنگ“ کے لیے تیار رہتی لیکن گھر سے باتیں چھپانے والی لڑکی کی حسیات اور عقل تیزی سے کام کرتی ہے وہ جانتی تھی یہ بات اب اس کے دو سالہ تعلق شاہ ویر بنگش کے متعلق ہونی تھی۔ اور سہراب سے یہ بات کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

”چاچو مجھ سے تمہارے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں میں کیا بتاؤں؟..... شاہ ویر میرے میسجز دیکھو..... شاہی کہاں ہو؟...... تم اب مجھے پریشان کر رہے ہو..... مجھے پتا تھا تم ایک دن مجھے دھوکہ دے جاؤ گے۔“

سہراب کے جانے کے بعد اس نے لگاتار پیغامات بھیجے تھے لیکن جواب ندارد۔ اسے فطری پریشانی لاحق ہوئی۔ شادی کا ذکر ہر لڑکی کے لیے سب سے پہلے پریشانی کا سبب بنتی ہے انارا طارون کے لیے بھی یہ ذکر پریشانی ہی لایا۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق وہ ساری رات کی جاگی۔ شاہ ویر کو ڈی ایم بھیجا، میسج کیے، کال کیں یہاں تک کہ ای میل بھی لکھ دی لیکن جواب نہ آنا تھا نہ آسکا۔ بلاخر اس پر دھوکے باز ہونے کی مہر لگادی۔

صبح ساڑھے چار بجے لعل یمن کے لان میں موجود تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکلتا ہوا سہراب اسے دیکھ کر ٹھٹھکا۔ سرمئی رنگ کے ٹراؤزر اور اوور سائز شرٹ کے اوپر سفید رنگ کی مردانہ ہڈی پہنے وہ کوئی نمونہ ہی لگ رہی تھی۔ سیاہ لمبے بالوں کا جوڑا بنا تھا اور چہرے کی بشاشیت غائب تھی۔ اگر کچھ تھا تو بس تفکر۔

"تمہارے پانچ پہلے ہی نہیں بج گئے؟" سیاہ ٹراؤزر اور سویٹر میں ملبوس آدمی آگے آیا اور آراہ کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ "یہ تھیلا کس کا ہے؟" اس کا اشارہ ہوڈی کی طرف تھا۔

"عالمگیر یمن کا۔"

"اوہ۔۔۔۔۔۔" سہراب نے ستائشی انداز میں بھنویں اٹھائیں۔ "suits you"

"چرا کر گھر لے جاؤں؟" وہ یکدم ساری فکریں بھول گئی۔ اپنے چچا، بھائی اور ماموں کے کپڑوں پر ہر ڈاکہ اسی کا پڑتا تھا۔

"پولیس کے سامنے چوری کی بات؟"

"اونہوں، چچا سے اجازت نامہ۔" سہراب نے سر نفی میں ہلایا پھر محبت سے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھ گیا۔ دروازہ کھولا، پھر تالا چڑھایا اور تھوڑی دیر بعد وہ دونوں دھند آلود پارک کے ٹریکنگ ایریا پر بھاگتے دکھائی دے رہے تھے۔

”تم نے کب سے جاگنگ نہیں کی؟“ دو منٹ کے اندر اندر وہ بری طرح ہانپنے لگی تو سہراب نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ دو منٹ بھی بھاگ نہیں سکی۔ آہ۔

”بس۔۔۔۔۔۔۔کوئی۔۔۔۔۔دو۔۔۔تین ماہ ہوئے ہیں۔“

”یعنی چھ سات ماہ؟“ نامحسوس انداز میں وہ اپنی رفتار سست کر چکا تھا۔ ”وزن کیا ہے تمہارا؟“

”ساٹھ کلو۔“ اس نے پھولے تنفس سے بامشکل جواب دیا۔

”یعنی ستر کلو؟“ آراہ اپنی جگہ ٹھہر گئی تو سہراب کو بھی ٹھہرنا پڑا۔ وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”آپ اس سردی میں مجھ سے میرا وزن اور ورزش کا اسٹمینا پوچھنے آئے ہیں تو یقین کریں یہ انتہائی احمقانہ حرکت ہے۔“ سہراب اور اس کے درمیان ہلکی سی دھند تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

”تم مجھے احمق کہہ رہی ہو؟“

”یار چاچو کیا ہے یار۔“ وہ روہانسی ہوئی۔ سہراب دھند کا سفر پار کر کے آیا اور اس کا ہاتھ پکڑا، سنجیدہ نگاہوں سے چندپل اسے دیکھتا رہا پھر یونہی اس کا ہاتھ پکڑے سست رفتار سے دوڑنے لگا۔ یعنی دوڑنا بند نہیں ہو گا۔

”بھائی کیسا ہے چاچو؟“ پھولی سانسوں کے درمیان پوچھا۔

”میرا یا تمہارا بھائی؟“ اس نے عالمگیر کے متعلق پوچھا۔

”آپ کے بھائی کے چھوٹنے میں فلحال وقت باقی ہے میں اپنے والے کا پوچھ رہی ہوں۔“

"ہیں تو دونوں پرلے درجے کے خبیث لیکن اب ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو سنو۔۔۔۔۔" وہ دوڑنا چھوڑ بس چلنے لگا تھا۔ "انتہائی اکھڑ، بدتمیز، گھٹیا اور بے غیرت ہے تمہارا بھائی۔ یونیورسٹی سے ایکسپیل ہونے والا تھا میں نے بچایا ہے۔ اب بس میرا تبادلہ ہو جائے لاہور، یا تو کہیں پرائیویٹ نوکری پر لگوادوں گا یا پھر دوبارہ یونیورسٹی۔"

دھند میں یکدم بھاری بوجھل پن بھی شامل ہو گیا۔ ہوائیں اسی بوجھ سے وزنی ہونے لگیں۔

"پرائیویٹ نوکری؟ چاچو وہ شہر کے ٹاپرز میں شمار ہوتا رہا ہے وہ اس سب کا حقدار نہیں ہے۔"

"پڑھائی تیاگ کر محبوبہ کا غم سینے سے لگا کر وہ بیٹھا ہے میں نہیں۔" سہراب غصے میں نہیں تھا وہ بس کہہ رہا تھا۔ "تمھارے باپ کو بیٹے کی خبر لینے کی فرصت نہیں ہے اور سچ کہوں تو اسلان اب وہ بچہ نہیں ہے جسے میں ڈپٹ کر چپ کروا دوں۔" وہ متانت سے بولا۔ سختی اور کرختگی آراہ کے سامنے مفقود تھی۔ "خیر۔۔۔۔۔۔" اس کی اترتی رنگت دیکھ اس نے بات بدلی۔ "میرا ایک دوست ہے اس کے چھوٹے بھائی کا رشتہ آیا ہے تمہارے لیے۔"

ہواؤں میں بوجھل پن کے ساتھ ساتھ ڈھیر سارا ان دیکھا خوف بھی بھر گیا۔ آراہ کے گلے میں ایک گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے بے اختیار یہاں سے وہاں دیکھنا شروع کر دیا۔ دل ہی دل میں شاہ ویر کو ڈیڑھ ہزار القابات سے نوازا اس کے واپس پیغام نہ بھیجنے پر دینے والے طعنے بھی سوچ لیے۔

"میں چاہتا ہوں تم ایک بار لڑکا دیکھ لو پھر ہم بات آگے بڑھاتے ہیں۔"

"لڑکے والی لڑکی کو دیکھنے آتے ہیں چاچو۔"

"ابھی کسی لڑکے کی اتنی اوقات نہیں ہوئی کہ میں تمھیں ان کے سامنے لاؤں۔"

آراہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھا۔ ورزش، وزن، ہوڈی، اسلان، عالمگیر سب ایک طرف ہو گئے جو بات وہ کرنا چاہ رہی تھی وہ مشکل تھی، بہت مشکل۔

"کچھ کہنا ہے؟" سہر اب اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ "بلکہ مجھے لگتا ہے اب تمھیں کہہ دینا چاہیے۔ میں جاننا چاہتا ہوں تم ہم سب کے درمیان بیٹھے ہوئے کس کو میسجز کرتی ہو۔" آراہ کا دل سکڑ کر پھیلا۔ چچا سے لاکھ دوستی سہی لیکن وہ اپنے منہ سے کیسے یہ بات کرے؟ شاہ ویر اسے بتا سکتا تھا بات کیسے شروع کی جائے لیکن اسے تو پیغام کا جواب دینے کی فرصت نہیں۔ آہ شاہ ویر آہ۔

"ایسا کچھ نہیں ہے چاچو۔"

"تم اگر مجھے خود بتا دو تو بہتر ہے ورنہ تفصیل نکلوانا میں جانتا ہوں۔" وہ ٹریک سے ہٹ کر ایک طرف بچھی گھاس پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا لہجہ نہ نرم تھا نہ زیادہ سخت۔ وہ بس ایک مڈل کلاس مرد کا لہجہ تھا جسے اپنی چار دیواری کے گرد ایک بھنک پڑی تھی اور اب وہ بال کی کھال اتارے بغیر چپ نہیں رہ سکتا تھا۔

"آپ مجھ پر غصہ ہوں گے؟" وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھی۔

"کیا کوئی ایسی بات ہے جس پر مجھے غصہ ہونا چاہیے؟" اس کی بھوری آنکھیں بیک وقت سنجیدہ اور نرم تھیں۔ "میں تمہارے ہر درست فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں، آراہ۔" انارا نے سر جھکا لیا۔ وہ یہاں وہاں کی ہانک سکتی تھی۔ ڈھیروں ڈھیر بکواس کر سکتی تھی لیکن سامنے والے کو یہ بتانا کہ اس نے کوئی درست فیصلہ کیا ہے یہ ایک مشکل کام تھا اور وہ مشکل سے بھی نہیں کر پاتی تھی۔ کیا تھا اگر وہ خود پر بھروسہ کرنا سیکھ لے۔

"میں ایک لڑکے کو پسند کرتی ہوں۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "وہ بہت اچھا ہے چاچو وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے اور مجھ سے شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا ہے۔۔۔۔۔۔"

"کیا کرتا ہے؟" کوئی کھنچاؤ تھا جو اسے اپنی ہڈیوں میں اترتا محسوس ہوا۔

"لکھاری ہے۔"

"کھلانے پلانے کی اوقات والا لکھاری یا جس کے مسودے مسترد ہو کر آتے ہیں ویسا؟"

”اس کی کتابیں نیویارک ٹائمز کی بیسٹ سیلرز ہیں۔ اور اس کا سکرین پلے؟ آپ جانتے ہیں انگریز اس کے لکھے ہوئے کے دیوانے ہیں۔“

”اوہ پھر کنورٹ کون ہو رہا ہے وہ یا تم؟“

”چاچو وہ مسلمان ہے۔“ آراہ نے اپنی بات پر زور دیا۔

”اندھا، کانا، لنگڑا، گونگا؟“

”وہ بالکل ٹھیک ہے یار ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ اچھا خاصا خوبصورت ہے۔“

سہراب نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ ”تم نے دن میں خواب دیکھنا کب شروع کیے بچا؟ اب تم کہو گی وہ پاکستانی بھی ہے اور اس کا نام شاہ ویر بنگش بھی ہے اور۔۔۔۔۔۔“ وہ بولتے بولتے رکا۔ آراہ کی نگاہوں میں شاہ ویر بنگش کے نام پر کچھ آیا تھا۔ سہراب کئی لمحے سانس نہیں لے سکا۔ اس نے یہ نام یونہی لے لیا تھا کیونکہ کل اس کی اسلان سے اسی آدمی کے متعلق بات ہوئی تھی مگر۔۔۔۔

”اس کا نام شاہ ویر بنگش ہی ہے۔“ وہ محبت میں سرشار محبوب کے الفاظ تھے۔ سہراب یمن کے چہرے سے کچھ واضح نہیں ہوتا تھا لیکن اس کا دل باقاعدہ اپنی جگہ سے پھسل کر ایک طرف ہوا تھا۔ بنگش خاندان لاہور کے بڑے بڑے گھرانوں میں شمار ہوتا تھا اور یمن خاندان؟ لاہور کے نقشے پر ان کا چھوٹا سا گھر دکھائی دے جائے یہ بھی غنیمت تھا۔ اس خاندان سے کدورت کئی برس پرانی اور راسخ تھی۔ یہاں تعلق نہیں جڑ سکتا تھا کیونکہ ان سے تو جنگ تھی۔

”وہ تم سے کہاں ملا تھا؟“ اس سارے میں آراہ پہلی بار مسکرائی۔ یہ سوال اسے دو سال پیچھے لے گیا تھا۔ دو سال قبل جب اسے زندگی میں ”زندگی“ ملی تھی۔

★★★★★★★★★★★★★★

"کیا ہم دو سال پیچھے سفر کریں گے؟" لکڑی کے فرش پر بیٹھی لڑکی جوش سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے گال دہک رہے تھے۔

"ہاں، کیونکہ اس کی ضرورت ہے۔ تمھیں نہیں لگتا کہانی میں کچھ مسنگ ہے؟" مرد نے سوال کیا۔ کافی پیتی لڑکی نے ایک گھونٹ بھرا اور چند لمحے پر سوچ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر بہت ٹھہر کر، تول تول کر جواب دیا۔

"رومانس، اس کہانی میں رومانس کی کمی ہے۔"

"اب نہیں ہو گی۔" یقین دہانی۔

★★★★★★★★

"دو سال قبل۔"

"نیویارک، ٹائم اسکوائر۔"

"کڑی نوں کلا لہور توں امریکا بیج دتا، دسو وھلا اے وی کوئی گل ہوئی؟"

(لڑکی کو اکیلے لاہور سے امریکا بھیج دیا، لو بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی؟)

انارا طارون کے امریکا اپنے باپ اور اس کی دوسری بیوی اور بچوں کے پاس جانے کی خبر محلے والوں پر تو بجلی بن کر ہی گری تھی۔ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ لاکھوں روپے کا خرچہ کر کے لاہور سے امریکا جانا کوئی چونچلا نہیں، ایک بیٹی کا اپنے باپ سے ملنا تھا۔ لوگوں کی باتوں پر کان بند کر کے وہ زندگی میں پہلی بار نیویارک قدم رکھ چکی تھی۔ لیکن جس طرح نئی ڈائن دل نکالنے کے فعل سے نابلد ہوتی ہے اسی طرح انارا طارون اپنے باپ کی "حرکتیں" سمجھنے سے نابلد تھی۔ بیٹی کو اپنے پاس بلوا کر وہ سارا سارا وقت باہر رہتا اور بیچاری بیٹی باپ کے آدھے

انگریز، آدھے پاکستانی بچے دیکھ دیکھ کر دل میں کڑھتی رہتی۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اسے سمجھ آگئی تھی کہ نیو یارک آنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطیوں میں سے ایک تھی۔ لیکن پیسہ تو لگ چکا تھا اب گوروں کے چونچلے دیکھنے اور انسٹاگرام کے لیے چند تصاویر لینے سے کیوں باز رہا جائے؟

ناک میں بالی جیسی نتھ پہنے ہوئے سفید شرٹ کے ساتھ ہلکا آسمانی اوور کوٹ پہنے وہ اس روز نیو یارک کی سڑکوں پر بلا ارادہ چہل قدمی کرنے نکل آئی۔ رات کے وقت نیو یارک کی مشینی زندگی "پرلطف" زندگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دفتر اور مکتب سے لوٹے جوڑے کیفے یا کلبز کا رخ کرتے نظر آتے ہیں، بار میں رش بڑھ جاتا اور نیو یارک کی ایلیٹ کلاس اس سمے پیسے کا بے دریغ استعمال کرتی نظر آتی ہے۔

ٹائم اسکوائر کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر چھائی سوگواری بڑھ گئی۔ ذہن میں مختلف مناظر ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔

("وہ تمہاری بیٹی ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں مجھے مجبور مت کرو کہ میں اسے یہاں سے روانہ کر دوں۔" اس کی سوتیلی ماں انگریزی میں چیخ چلا رہی تھی۔ اس کا باپ کھسیانے بلے کی طرح گردن جھکائے کھڑا تھا۔

"میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا کہ اس کا خیال رکھو، اس کے کھانے پینے کا دھیان رکھو میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم ہمارے باقی بچوں کی طرح تھوڑی بہت توجہ اس پر بھی دے دو۔"

"کیا میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں؟" عورت مزید بدتمیزی سے چیخی۔ شجاع یمن جواباً ضرور چیختا، اس کا منہ بند کرواتا لیکن مرد کی خالی جیب اس کا گلا بٹھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ اس معاشرے میں اپنی امیر بیوی کے پیسے اور نام سے جانا جاتا تھا۔ چند دن کے لیے باپ سے ملنے آئی بیٹی کے لیے وہ دربدر نہیں ہو سکتا تھا سو چپ ہی رہا۔)

ٹائم اسکوائر لمبی تاحد نگاہ پھیلی ہوئی گلیوں پر مشتمل ہے۔ جہاں سڑک کے دونوں اطراف اونچی اونچی عمارتیں کھڑی ہیں جن پر ہمہ وقت کسی فیشن شو، فلم، تھیٹر، موسیقی، اداکاروں یا آرٹس کے متعلق اشتہار چلتے رہتے ہیں۔

یہ جگہ نیویارک کے ڈاؤن ٹاؤن کی حیثیت رکھتی ہے۔ انارا مختلف دکانیں، ان کے باہر سجی کرسیاں دیکھتی چلتی جا رہی تھی۔ کرسمس کے دن نزدیک تھے ہر دکان کے باہر کرسمس کا درخت لگا تھا۔ کہیں تہوار کی پریڈ ہو رہی تھی۔ غرض کہ ہر طرف رونق تھی، لوگ تھے، خوشیاں اور طمانیت تھی۔ مگر کوئی وجود تھا جس کے چہرے پر محض اداسی تھی۔ اس زندگی کا کیا مقصد تھا جس میں خاندان ہی آدھا ادھورا ملا۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آمجگاہ بنا ہوا تھا۔

بہت کم عمری سے اس نے ماں باپ کے درمیان جھگڑا دیکھا، پھر جھگڑا طول پکڑتا گیا اور بات طلاق تک آگئی۔ ماں باپ لڑیں جھگڑیں اس بات کو بچے کسی نہ کسی طرح برداشت کر لیتے ہیں۔ ماں باپ الگ ہو جائیں، یہ بات کوئی کوئی ہی برداشت کر سکتا ہے۔ انارا طارون آج تک عدالت کے وہ چکر، نان ونفقہ کے فساد اور ہر روز کے مسائل نہیں بھولی تھی۔

نیویارک ٹائم اسکوائر ہوتا ہوگا لوگوں کی جنت مگر اس کے لیے یہ جگہ اور لوگوں کی خوشی دم گھونٹنے جیسی تھی۔ اسے لوگوں کی خوشیوں سے نفرت ہو رہی تھی۔ کیا وہ لوگوں سے جل رہی تھی؟

(''ڈیڈ۔۔۔۔۔'' اسے نیویارک آئے دو سے زائد ہفتے ہو گئے تھے جب اسے پہلی بار اپنے باپ سے اکیلے میں بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ ''ڈاکٹر سے کب کا اپائنٹمنٹ لیا ہے؟'' لان میں رکھی سفید رنگ کی کرسیوں میں سے ایک پر وہ اپنے باپ کے سامنے آ کر بیٹھی۔ شجاع ہلکا سا مسکرایا اور اس کی کرسی اپنے قریب کھینچی۔

''بس کچھ دن رک جاؤ مجھے ایک کام سے واشنگٹن جانا ہے وہ کر کے آجاؤں پھر چلتے ہیں۔''

نیویارک آنے کی پہلی وجہ آراہ کا طبی معائنہ تھا۔ اس کا دایاں بازو پیدائشی طور پر کہنی کی جگہ سے جامد تھا۔ ایسے کہ وہ اسے اونچا نہیں کر سکتی تھی۔ پاکستان میں علاج کے لیے مارے مارے پھرنے کے باوجود بازو کسی طور ٹھیک نہ ہو سکا تو شجاع نے اسے اپنے پاس بلوا لیا۔ یہاں اس کے جاننے والوں نے ایک دو ڈاکٹر کا پتا بتایا تھا اور وہ پر یقین تھا کہ آراہ کا علاج بہت اچھی طرح ہو جائے گا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟" وہ امید سے پوچھ رہی تھی۔ جواباً شجاع کی مسکراہٹ دھیمی پڑ گئی تھی۔ یہ صاف انکار تھا، یعنی وہ اسے اپنی انگریز بیوی اور چار عدد آدھے انگریز آدھے دیسی بچوں کے پاس چھوڑ کر واشنگٹن جانے والے تھے۔ جانے کیوں مگر آراہ کے دل میں باپ کی طرف سے لگی گرہیں مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔)

وہ چلتے چلتے ایک جگہ آ کر رکی تھی۔ ایک اونچی عمارت کے اوپر لگی سکرین پر کسی کریم کا اشتہار چل رہا تھا۔ گلابی اور سنہری روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ناک کی بالی دمک رہی تھی۔ سانولے بھرے بھرے چہرے پر روشنی پڑتی تو وہ چمکنے لگتا۔ آنکھوں کی افسردگی مگر الگ قصہ تھا۔

وہ ٹائم اسکوائر کی سرخ سیڑھیوں کے قریب رکی تھی آس پاس ہنستے مسکراتے گاتے جھومتے لوگ تھے۔ اسی پہر ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو گئی۔ سرما کی پہلی برف باری۔ ٹائم اسکوائر کے لوگوں کو گویا جنت کے اندر دوسری جنت مل گئی ہو۔ تصاویر بناتے لوگ اب دھڑا دھڑ تصاویر اتار رہے تھے۔ آسمانی لباس والی لڑکی سفید برف باری اور روشنیوں میں گھری آس پاس دیکھ رہی تھی۔ یکدم سب بدل گیا تھا۔

نئی دنیا، نئے لوگ، خوشی، قہقہے، محبت روشنیاں، برف باری، آسمانی اوور کوٹ والی لڑکی نے چہرہ آسمان کی جانب اٹھا لیا تھا۔ برف کے ذرے اس کے چہرے پر گرتے تھے۔ اور وہ بچوں کی طرح کھکھلا دیتی۔ بے ہنگم شور، لاتعداد لوگ، کئی ملک کئی مختلف تہذیبوں سے آئے لوگ، بے انتہا روشنیاں، اور ان سب کے درمیان وہ بھی تھا، وہ جس کے گلے میں سفید سونے کی زنجیر تھی۔ ڈھیلی پینٹ کے اوپر لمبا سفید برف جیسا سفید اوور کوٹ پہنے وہ اپنے سے ذرا فاصلے پر کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ اس سردی میں بھی اس کے سفید ہاتھوں کی لمبی خوبصورت انگلیاں دستانوں سے پاک تھیں۔

وہ اسے چھ ماہ بعد دیکھ رہا تھا لیکن آج بھی وہ پہلی ملاقات اس کے ذہن پر کسی سنہری یاد کی طرح درج تھی۔ کچھ تھا اس میں، یا اس ملاقات میں کہ وہ اسے بھول نہیں پایا تھا۔ ٹائم اسکوائر کی برف باری غائب ہوئی، عمارتیں سمندر برد

ہوئیں، رونقیں راہزن لے اڑے۔ وقت کے دھارے میں تیز بہاؤ کے چپوؤں پر سفر کرتے ہوئے وہ چھ ماہ قبل کی ایک ملاقات میں فلم کے کسی کردار کی طرح ٹھہر گیا۔ چھ ماہ قبل، جب وہ اس سے پہلی بار ملا تھا۔

(کوہ مری میں سیاحوں کے آنے کا موسم آ گیا تھا۔ ہر کیفے، ہوٹل اور ریستوران کے باہر مقامی لوگوں سے زیادہ سیاحوں کا رش تھا۔ رونقیں عروج پر تھیں، برف باری نے الگ ہی سماں باندھ رکھا تھا۔ یہی برف باری کئی جگہ بتیوں کے گُل ہونے کا سبب بھی تھی۔ وادی کی رونقیں بڑھ گئی تھیں۔

"کیا چاہیے تمھیں۔ دیکھو جتنا کیش تھا میں سب دے چکا ہوں اب کیا؟"

نیم تاریک گلی سے آتی اس آواز پر لڑکیوں کے ایک غول کے ساتھ جاتی لڑکی ٹھہر گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا اسپیکر تھا غالباً وہ اس کے ذریعے غول سے جدا ہوئی لڑکیوں کو بلانے والی تھی۔

"بدتمیزی کیوں کر رہے ہو؟ تمھیں جو چاہیے وہ میں دے رہا ہوں نا؟" آواز کے ساتھ ایک بھاری تھپڑ کی آواز بھی آئی، وہ جو آگے بڑھنے ہی لگی تھی بالکل دیوار کے ساتھ لگ گئی اور گلی کی طرف آدھا چہرہ نکال کر دیکھا، اس کے کھلے ہوئے بال دائیں کندھے سے نیچے لٹکنے لگے۔

"زیادہ ہوشیاری مت دکھا، جو جو ہے سب نکال۔" چاقو کی نوکیلی دھار ایک لڑکے کے اوپر تانے دوسرا لڑکا بدمعاشی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ بھی نکال چل جلدی کر۔۔۔۔" اس کی بائیں طرف کھڑے ہوئے لڑکے نے گلے کی چین کی طرف اشارہ کیا جس پر کتھئی آنکھوں والے نوجوان نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں یہ نہیں دے سکتا۔" وہ پیچھے ہوا۔ "تم کیش لے لو میرا موبائل لے لو لیکن یہ نہیں۔۔۔۔" قطعیت اور سختی سے کہہ کر وہ پیچھے ہوا جب لڑکوں میں سے ایک نے اس کے منہ پر گھونسا دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوا اور یہی وہ وقت تھا جب دیوار کی اوٹ میں کھڑی لڑکی نے جھک کر برف کی چادر سے ڈھکے ایک پتھر کو اٹھایا اور وہیں جھک

کر بدمعاشوں میں سے کسی ایک کے گھٹنے کا نشانہ لیا۔ ہیزل آنکھیں ہلکی سی چھوٹی کیں اور پوری قوت سے وہ پتھر اس کے گھٹنے پر دے مارا۔ سردیوں کی چوٹ تھی گھٹنے سے دل تک سرایت کر گئی۔ لڑکا گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ شاہ ویر کی نگاہ اس طرف پڑی تو وہ جلدی سے دیوار کی اوٹ میں ہو گئی۔

"اے یہ پتھر کس نے مارا؟"

لڑکی نے تین چار پتھر اٹھائے اور پے در پے ان کے گھٹنوں اور سینے کے نشانے لیتی گئی۔ گلی کے عین بیچوں بیچ کھڑا اوور کوٹ اور سفید زنجیر والا لڑکا حیران تھا۔ اگر یہ پتھروں کی کوئی بارش تھی تو وہ محفوظ کیونکر تھا؟

اسی لمحے لڑکی نے موبائل پر تیزی سے یوٹیوب کھول کر پولیس کی گاڑی کے سائرن لکھ کر سرچ کیا، گلی کے اندر اب وہ شاہ ویر کو دیوار کے ساتھ لگائے کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے اسے زمین پر پھینکا اور اس کی چین اتارنے کی کوشش کرنے لگے۔

"دیوار کے پیچھے دیکھ کون ہے ادھر۔" باس کے حکم پر دوسرا لڑکا اس طرف بڑھا اسی لمحے انارا نے چلتے ہوئے سائرن کی آواز سپیکر سے جوڑی، یوں کہ اب سارے میں پولیس کی گاڑی کے سائرن بجنے لگے۔ ایسے جیسے پولیس موبائل آس پاس ہو۔

اناڑی سے لڑکے تھے ... جلدی میں موبائل سمیت پرس اٹھایا اور بھاگ گئے۔ انارا کافی دیر تک وہیں کھڑی رہی۔ شاہ ویر وہیں زمین پر گرا ہوا تھا۔ بہت دیر بعد اس نے دیوار کی اوٹ سے جھانکا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اور شیر ہو گئی۔ لائٹ آ گئی تھی اور اب آس پاس کئی لوگ بھی گزر رہے تھے۔ تب ہی وہ گلی کے اندر بڑھی۔ شاہ ویر کے سامنے آ کر رکی۔ ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، وہ ہلکا سا زور دیتے ہوئے اٹھا۔ گرنے کی وجہ سے اس کی کمر پر شدید چوٹ لگی تھی۔

"کچھ کھایا پیا کرو۔" تہہ دل سے سامنے والے کو مشورہ دیا اور پھر وہ گلی سے باہر نکل گئی۔

شاہ ویر چند لمحے وہیں کھڑا رہا جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو اس نے جھک کر بٹوے سے نکلے کارڈز اٹھائے اور آگے بڑھ گیا۔ اسی لمحے اسے ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ اس نے آس پاس دیکھا اور پھر گلی کے موڑ کی طرف بڑھا۔

اسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا وہ گلی سے نکلتے ہی کسی چیز پر پھسل کر نیچے گر گئی تھی اور اس کا پیر بجری اور سیمنٹ میں اٹک گیا تھا۔ یہاں روشنی تھی شاہ ویر اس کا چہرہ بھی دیکھ سکتا تھا۔ ناک کی بالی بھی، اس کا آسمانی اوور کوٹ بھی اور اس کی ہیزل آنکھیں بھی۔ وہ سب دیکھ رہا تھا سوائے اس ان دیکھی گرفت کے جو اس کے گرد بندھ گئی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت نہیں تھی پھر اسے کیوں لگ رہی تھی؟

اپنے بھرے بھرے سراپے کی وجہ سے وہ اٹھنے کی کوشش کرتی اور پھر رپٹ کر گرتی۔ ہلکی سی روشنی میں شاہ ویر نے دیکھا کہ وہاں کچھ چکنا مائع گرا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ زمین پر ٹک نہیں رہے تھے اور وہ پھسل رہی تھی اس پر تضاد کہ اس کا پیر پھنسا ہوا تھا۔ شاہ ویر نے جھک کر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پہلے اس کا بوٹ والا پیر آزاد کروایا پھر اپنا ہاتھ اس کی طرح بڑھایا۔

انگلیاں کسی ماہر مصور کی انگلیوں جیسی تھیں۔ ناخن تراشے ہوئے، ہاتھ پر بال نہ ہونے کے برابر۔ آراہ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، چکنے ہاتھ نے اس کا سارا ہاتھ چکنا کر دیا۔ شاہ ویر نے جھک کر مضبوطی سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور پھر کھینچ کر اسے کھڑا کیا تو وہ کھڑی ہو گئی البتہ اس کا چہرہ بتا رہا تھا چوٹ زبردست تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مسکراہٹ دباتے ہوئے اس سے کہا۔

”کچھ کم کھایا کرو۔“ سیاہ رات میں سفید اور آسمانی رنگ گھلنے لگا۔ ماسک کے باعث آراہ اس کا پورا چہرہ نہیں دیکھ سکی لیکن اس کی کتھئی آنکھیں مسکراتی ہوئی لگیں۔

”تم باڈی شیمنگ کر رہے ہو۔“ آس پاس گزرتے لوگوں سے بے نیاز وہ تیز لہجے میں بولی۔

”شروع کس نے کی تھی؟“

"میں نے تمھیں بچایا ہے۔"

"ابھی دو منٹ پہلے سرکس کا کرتب میں نے بھی نہیں دکھایا۔"

"تم۔۔۔۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا کہ عقب سے آتی آواز پر ٹھہر گئی۔ "تم تو ایک ناشکرے انسان نکلے۔"

"اور تم بے عمل۔ جو بس دوسروں کو مشورے دیتی ہے اپنی باری پر عمل نہیں کرتی۔"

"انارا۔۔۔۔۔؟ تم یہاں ہو ہم پریشان ہو گئے تھے سر بھی تمھیں ڈھونڈ رہے تھے۔" وہ کالج کے جس سیاحتی غول کے ساتھ آئی تھی اس کی چند لڑکیاں تشویش سے آگے آئیں۔

"اوہ.. ہاں میں راستہ بھٹک گئی تھی۔" اس نے شاہ ویر کو دیکھتے ہوئے چبا چبا کر کہا اور پھر مڑ گئی۔ شاہ ویر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کے کوٹ کی پشت پر، ہاتھوں اور دامن پر گریس کے دھبے لگ گئے تھے لیکن وہ اس سب سے بے نیاز اپنی ساتھیوں کے ساتھ اس کی شان میں کچھ کہتی ہوئی واپس جا رہی تھی۔ اس کے لیے ماسک والا یہ لڑکا مسیحائی کا ایک قصہ تھا لیکن شاہ ویر بنگش کے لیے وہ یادگار کہانی بن کر جا رہی تھی۔ اسے اس وقت علم نہیں تھا کہ انارا طارون کو وہ بھول نہیں سکے گا۔ مری کا یہ واقعہ اس کی داستان حیات پر نقش ہو جائے گا۔

حال میں ٹائم اسکوائر کی رونق، لوگوں کا رش، بھانت بھانت کی بولیاں، وہ سب کو نظر انداز کرتا اس لڑکی کی جانب بڑھ رہا تھا وہ جو اب تک گردن پیچھے پھینکے اپنے چہرے پر گرتی برف سے محظوظ ہو رہی تھی۔ لڑکے کے قدم اس کی جانب اٹھ رہے تھے کوئی کشش سی تھی جو اسے کھینچ رہی تھی اور وہ کھنچتا چلا آیا تھا۔ اس کے قریب دائیں طرف کھڑے ہو کر اس نے بس ایک لفظ کہا تھا۔

"ایلسا..." انارا تھم گئی۔ یہ پکار کیا یہ اس کے لیے تھی؟

وہ اس پکار پر مڑی اب کہ اس کا چہرہ مکمل طور پر شاہ ویر کے سامنے تھا۔ اس نے ناک میں بالی پہنے ہوئی لڑکی کو دیکھا۔ اور وہ کئی لمحے ہل نہیں سکا۔ ٹائم اسکوائر کی ساری روشنیاں، سارا حسن، ساری رونق، سارے قہقہے، سب

بے معنی تھے۔ یہ لڑکی اور اس کا چہرہ شاہ ویر اب اسے اگلی کئی زندگیوں تک بھول نہیں پاتا۔ برف اب بھی ذرہ ذرہ گر رہی تھی۔

★★★★★★★★★

برف باری مزید تیز ہوتی جارہی تھی۔ روئی کے گولے اس کے سیاہ بالوں میں جگہ جگہ اٹک کر رہ گئے تھے۔ وہ اچھنبے سے اپنے سامنے کھڑے مرد کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا قد آراہ سے چند انچ لمبا تھا، چہرے پر ماسک لگا تھا اور پی کیپ سے اس کی آنکھیں بمشکل نظر آرہی تھیں۔ گردن میں مفلر، اور سفید اوور کوٹ والا شخص اسے اجنبی اور (امیر) لگا۔

''آپ مجھ سے بات کر رہے ہیں؟'' آراہ نے انگریزی میں پوچھا۔ ساتھ ذہن میں جمع تفریق کرتی رہی، کیا وہ اسے جانتی تھی؟ (یاد کر آراہ، بعد میں بے عزتی نہ ہو جائے)۔

''تم اس رنگ میں ہمیشہ مجھے ایلسا کی یاد دلاتی ہو!'' اس کے اردو میں کہنے پر آراہ الجھی۔ آواز جانی پہچانی تھی، وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے اسے جانتا ہو۔ کیا وہ واقعی جانتا تھا؟ کہیں یہ کوئی انڈین تو نہیں جو پاکستانی ہونے کی وجہ سے ۔۔۔۔۔۔ آہ آراہ آہ چپ کرو پلیز۔ اس نے دماغ میں ابھرتے بے کار خیالوں کو ڈپٹا۔

''کیا آپ مری سے ہیں؟'' شاہ ویر کے دوبارہ پکارنے پر وہ چونکی تھی۔ وہ شاید بات کرتے ہوئے مسلسل مسکرا رہا تھا کیونکہ اس کی آنکھیں چھوٹی ہو رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری شاید میں آپ کو نہیں جانتی اور میں اجنبیوں سے بات نہیں کرتی۔'' وہ رکھائی سے کہتی آگے بڑھنے لگی۔ دل میں ہزار وسوسے، ہزار اندیشے تھے۔ اس کی سوتیلی ماں نے اسے بتا رکھا تھا کہ نیویارک کی سڑکوں پر آج کل کچھ عجیب لڑکوں کا گروہ آوارہ گردی کرتا ہے۔ لڑکیوں سے پرانکس کر کے ان کی ویڈیوز سوشل میڈیا پر بھی ڈال دیتے ہیں۔ کچھ تو لوٹ بھی لیتے ہیں۔ آہ اسے کسی راہزن سے نہیں ملنا تھا۔

کیا وہ۔۔۔۔؟ کہیں یہ ان میں سے ایک تو نہیں؟ آج تو میں اچھی بھی نہیں لگ رہی اگر وڈیو بنا لی تو۔ کیا مطلب؟ اچھی لگنے کا کیا تعلق ہے؟ آہ آراہ کم سوچو۔

وہ دل ہی دل میں خود کو ڈپٹتی تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ سرخ سیڑھیاں پیچھے رہ گئی تھیں اب وہ ہلال فوڈ پوائنٹس سے گزر رہی تھی۔ شاہ ویر ہنوز چند قدم کے فاصلے سے اس کے پیچھے تھا۔ وہ ایک مہذب تعاقب کار لگ رہا تھا۔ گو کہ کوئی بھی تعاقب کار مہذب نہیں ہوتا لیکن نہ جانے کیوں اسے اپنے پیچھے آتا دیکھ آراہ کے جی میں آیا تھا کہ رک کر پوچھے۔۔۔۔۔

"تمہاری آواز اتنی شناسا کیوں ہے؟" وہ دل ہی دل میں اپنی تمام دوستوں کے "بھائی" اور "بوائے فرینڈز" کے چہرے دماغ کی سکرین پر لاتی پھر رد کرتی۔ اونہوں یہ ان میں سے ایک نہیں تھا۔ سارے ہی شوخے اور الگ ہی نمونے تھے۔

آراہ کے تیز تیز قدم ذرا فاصلے پر ایک جگہ رک گئے تھے۔ وہ سیاہ ماسک والا لڑکا کہاں تھا اسے خبر نہیں تھی وہ بس گرتی ہوئی برف، آنکھوں کو خیرہ کرتی روشنیوں اور ہنستے مسکراتے لوگوں کے درمیان ٹھہر گئی تھی۔ مبہوت سی وہ اپنے سامنے ایک پرفیوم سٹور کو دیکھ رہی تھی۔ پرفیوم کی بوتلیں ہی اس کے لیے لمحہ جمود ثابت ہوتی تھیں، چند پل کے لیے بس سب کچھ بھول کر کھو جاؤ۔ اس کے پاس تقریباً دو سو بوتلیں جمع تھیں لیکن دل تھا کہ بھرتا نہیں تھا۔ استعمال وہ ایک بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن۔۔۔۔۔۔ محبت تو پھر محبت ہے۔

"کیا تم واقعی مجھے نہیں جانتیں؟" عقب سے آتی آواز پر وہ ٹھٹھکی۔ ڈھیر سارا تھوک نگلا، پرس دبوچ کر سینے سے لگایا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہی تھا۔ وہی برف جیسا سفید اوور کوٹ، سیاہ پی کیپ، وہی مسکراتی آنکھیں۔ اور اس سے اٹھتی مسحور کن خوشبو۔

"میں یہاں سے پرفیوم لینے آیا ہوں لیکن ۔۔۔۔۔ میں تم سے دو بار مل چکا ہوں۔ کیا تم واقعی مجھے نہیں جانتیں؟" وہ پچھلے چھ ماہ اس کے حصار سے نہیں نکل سکا تھا۔ کچھ تھا اس میں کہ وہ شاہ ویر کی زندگی میں ایک حصہ

بنا گئی تھی۔ اسے یہاں کھو دینا، ہمیشہ کے لیے کھو دینے جیسا تھا اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ (لیکن اگر وہ احمد اب بھی اس کا بوائے فرینڈ ہے تو میں موو آن کر جاؤں گا) اس نے دل میں سوچا۔

"کیا تم مجھے اسٹالک کر رہے ہو؟" بھاڑ میں گیا لحاظ مروت، وہ سلگ کر پوچھ رہی تھی۔ نامحسوس انداز میں اس نے پرس کھول کر پیپر اسپرے ہاتھ میں دبوچ لیا تھا۔ (آج تو اس کی آنکھیں میں سرخ گلاب سے زیادہ سرخ کروں گی)۔

"اسٹالکنگ کا ایک سنہری اصول یہ ہوتا ہے کہ اپنے ہدف کو بھیڑ سے دور تلاش کرو۔"

"اور اس اصول کے باوجود تم مجھے اتنے سارے لوگوں کے درمیان ہراساں کر رہے ہو؟" (آج تو پیپر اسپرے کے دس ڈالرز کا حساب چکتا ہو کر رہے گا، انشاءاللہ)۔

"میرے سر پر اگر بے وقوف لکھا ہوتا تو میں ایسا ضرور کرتا لیکن میں ماشاءاللہ سے جینیس پیدا ہوا تھا۔"

"اس لیے تم نے اسٹالکنگ کے پرانے اصولوں پر لعنت بھیجتے ہوئے چند دیدہ دلیر اصول ایجاد کر دیے؟" (اچھی خاصی window shopping ہو رہی تھی پتا نہیں کہاں سے یہ نمونہ ٹپک پڑا۔)

"میرے اصولوں سے تم بہت جلد واقف ہو جاؤ گی لیکن میں تمھیں اسٹالک نہیں کر رہا۔ ہم پہلے مل چکے ہیں۔ کتابوں کے درمیان۔ جانتی ہو جو لوگ کتابوں کے درمیان ملتے ہیں وہ بالکل کتابوں جیسے ہو جاتے ہیں۔" آس پاس کے رش سے بے نیاز وہ اسے باتوں میں الجھا کر اس کے ساتھ کچھ وقت گزار رہا تھا۔ کیوں یہ تو وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

"کتابوں جیسے کیسے؟" (تو ذرا کچھ بول اور دیکھ میں کیسے تیری آنکھیں لال کرتی ہوں)۔

"ان مٹ، یادگار، خوشگوار۔" اس نے گنوایا۔ "پیپر اسپرے کی جان چھوڑ دو مجھ جیسے شرفاء پر ضائع ہو گا استعمال نہیں۔" پرس دبوچے کھڑی آراہ پر مانو اوس پڑ گئی۔ مگر وہ گردن تانے کھڑی رہی۔

”میں آپ کو نہیں جانتی۔“ وہ اپنے سابقہ روکھے اور بے لچک انداز میں بولی۔ ”اپنے ذہن پر زور دینے کے باوجود مجھے آپ یاد نہیں آ رہے اس لیے برائے مہربانی مجھ سے فاصلہ رکھیں۔“ وہ رکی۔۔۔۔ ”اتنے مہذب تو آپ ہوں گے ہی کہ کسی کے منع کرنے کے بعد آپ اس کے پیچھے نہ جائیں۔“

شاہ ویر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ہاتھ سینے پر رکھا، اور گردن کو ہلکا سا خم دیا۔ ”آف کورس محترمہ!“

”اور اس سٹور کے قریب بھی نہ جائیں جہاں آپ کو میں نظر آؤں۔“

”آپ بس حکم کریں۔“

”اور مجھے دیکھ کر راستہ بدل لیں۔“

”جو آپ کہیں۔“ تابعداری سے کہا۔ آراہ چند لمحے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر اس کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔

”پیشگی معذرت مگر میں آپ کو دیکھ کر نگاہ نہیں ہٹا سکوں گا، اور اس کے لیے مجھے مجبور بھی مت کیجیے گا۔“

اس کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا وہ بغیر جواب دیے آگے چلی گئی۔ پرفیوم سٹور کی روشنیاں شاہ ویر بنگش کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔ وہ مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی اور شاہ ویر دل سے ہنس رہا تھا۔ انارا طارون اس شخص سے غیر محفوظ ہو رہی تھی جس نے چھ ماہ اس کے خیال کی بھی حفاظت کی تھی۔

حال میں واپس آؤ تو سہراب کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا۔ رشتہ آیا نہیں تھا لیکن اس کی طرف سے نامنظور تھا۔ وجہ؟

انارا کا مسیحا مستقبل کا مقتول بننے جا رہا تھا، جلد بہت جلد۔

★★★★★★★★★★★★

"نیویارک"

ہمہ وقت کسی کے تعاقب کا خوف، گاڑی سے بچھوؤں کے ڈبے ملنا، موبائل پر غیر شناسا نمبرز سے اس کی اپنی ہی تصاویر اور دھمکیاں بھیجے جانا، کبھی اس کے کمرے کی کھڑکی کے باہر دھمکی آمیز خطوط چھوڑ جانا، کبھی ہڈیوں کا سورما اور کبھی کچھ انسانیت سے گئی گزری، تشدد اور زیادتی کی ویڈیوز بھیجنا یہ سلسلہ پچھلے چند ماہ سے شروع ہوا تھا۔ لاہور سے لندن اور لندن سے نیویارک اس نے تین شہر بدلے مگر بے سود۔۔۔۔۔۔ کوئی تھا جو سرحدوں کی قید سے آزاد تھا، جس کے پاس پیسہ تھا، تعلقات تھے، عقل تھی اور جس کے پاس شاہ ویر بنگش کی کمزوری تھی۔ "زندگی" سے بڑی کمزوری کیا ہو سکتی ہے؟

عین ممکن تھا کہ وہ ان فکروں میں دنیا سے بے نیاز ہو جاتا مگر اس نے خود کو دنیا میں غرق کر لیا فلحال وہ ان فکروں کو ترک کیے بیٹھا تھا۔ (فکر کرنے سے کونسا کوئی مسئلہ حل ہو رہا تھا)۔

نیویارک اپنی روشن راتوں اور ہمہ وقت جاگتی زندگی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ یہ شہر سیاحوں کو کبھی بور نہیں ہونے دیتا۔ انہی روشنیوں میں گھرے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی بالکنی اس وقت ایک شخص کی موجودگی لیے ہوئی تھی۔ بالکنی کے اطراف میں شیشے کی دیواریں تھی۔ یہ ایک شاہانہ سویٹ تھا۔ شاہ ویر بنگش نے اپنی زندگی میں اعلیٰ اور عظیم سے کم کچھ نہ پایا تھا۔ بالکنی see through تھی۔ دیواریں اور فرش دونوں شیشے کے۔ اگر نیچے کی طرف دیکھو تو ہوٹل کے باہر آتے جاتے لوگ یہاں سے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ اس شیشے کی بالکنی میں رکھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ گود میں تھا اور خود وہ نیم دراز تھا۔ ساتھ رکھی چھوٹی سی شیشے کی میز پر اس کے کھانے کے برتن رکھے تھے اور ذرا ہٹ کر ایک ادھ کھلا جوس کا ڈبہ۔ وہ کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہا تھا۔ دماغ سارا اس سین کی طرف تھا جس میں ہیرو نے ہیروئن کو گلاب بھیجے تھے۔ (تُو صبر کر بیٹا ابھی یہ جب دھوکہ دے گی تب پتا چلے گا) وہ اپنے ہی کردار کے مستقبل کا سوچتے ہوئے محظوظ ہو رہا تھا۔

اس کا موبائل بند تھا اور اس نے چارج کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ (چارج کروں گا تو پھر سے ریلز دیکھنے لگوں گا، کام گیا بھاڑ میں) اسی ایک سوچ کے چلتے اس نے موبائل کونے میں ڈال دیا۔ ماشاءاللہ۔

وہ لکھنے میں مکمل طور پر غرق تھا جب اسے ایک مانوس سی آواز آئی۔ اس کی لکھتی انگلیاں تھم گئیں شاہ ویر نے کان لگا کر سنا۔ آواز دوبارہ آئی۔ اس نے فوراً مسودہ محفوظ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ بالکنی سے سارا ان شہر نظر آتا تھا لیکن وہ اس منظر کو لاکھوں بار دیکھ چکا تھا۔ اس وقت وہ اس آواز کے تعاقب میں تھا۔ جلد ہی اس نے سراغ لگالیا۔

اس کی ساتھ والے سویٹ کی بالکنی اور اس کے اپنے سویٹ کی بالکنی کے درمیان کرسمس کے موقعے کی مناسبت سے کچھ سجاوٹی تاریں لگی تھیں۔ رنگین روشنیاں پیدا کرتی تاریں۔ لیکن اس وقت اس کی توجہ کا مرکز ان تاروں پر بیٹھا بلی کا چھوٹا سا بچا تھا۔ اگر وہ یہاں سے گرتا تو اس کی موت یقینی تھی۔ اس کی آنکھوں کا خوف، اس کا کپکپانا، شاہ ویر کا دل پسیجا۔

”ڈونٹ وری، تم ہلنا مت میں تمھیں سنبھال لوں گا۔“ اس نے انگریزی میں کہا۔ بلی کا بچہ زور زور سے آوازیں نکالنے لگا تھا۔ شاہ ویر کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کس طرح اسے بچائے۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی، کہ شاید اس کی پریشانی کم ہو۔ سفید بلی کا بچہ گھبرایا ہوا تھا۔

شاہ ویر نے بالکنی سے آدھا باہر لٹک کر اپنا ہاتھ تاروں کے اوپر یوں پھیلا لیا جیسے ہتھیلی پر اسے بیٹھنے کی پیش کش کی ہو۔ بچہ سہما گھبرایا سا آگے آیا۔ شاہ ویر کے سینے پر شیشے کا دباؤ تھا۔ ہاتھ بری طرح سرخ پڑ رہا تھا۔ گردن پر زور پڑ رہا تھا اور صبیح پیشانی پر بل تھے اس کی گردن یوں جیسے گردن چھل رہی ہو لیکن cat parents عجیب مخلوق ہوتے ہیں۔ وہ بالکنی سے آدھا لٹک کر بھی مسکرا رہا تھا۔ یہاں تک کہ بلی کا وہ بچہ اس کی ہتھیلی پر آ بیٹھا۔ شاہ ویر اپنی فتح پر مسکرایا تھا۔ اس نے بچے کی ٹانگ کو انگلیوں میں دبوچا اور جلدی سے اسے اوپر اٹھالیا۔ اور بالکنی کے فرش پر گر گیا۔ گھبرایا بچا اس سے لپٹنے کی کوشش میں اس کی گردن زخمی کر گیا۔

”ریلکس، سب ٹھیک ہے ریلکس۔“ شاہ ویر نے اسے سہلایا۔ وہ اسے بچا چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سی تھرو شیشے کے اوپر لیٹا تھا۔ جمبو (بلی کے بچے کو نام مل چکا تھا۔) اس کے سینے پر دراز تھا۔ دور بیڈ پر شاہ ویر کا ڈیڑھ برس کا بلا "شاہ جہاں" موجود تھا۔ اس کے اٹھنے کی دیر تھی جمبو کی درگت بننے والی تھی۔ لیپ ٹاپ اپنی ناقدری کو رو رہا تھا۔ شاہ ویر جمبو کے ساتھ کھیلتے ہوئے اپنے مسودے کو کہہ رہا تھا۔

"دیکھو میں نے تمھیں لکھنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن کسی کی جان بچانا بھی ضروری تھا۔ تم اتنے ظالم تو نہیں ہو ناں؟" بس ایک موقعہ صرف ایک موقع، ایک بہانہ چاہیے ہوتا ہے لکھاری کو کہ وہ اپنے کام سے بھاگ سکے۔ پانچ منٹ کے کام کو پہلے وہ پندرہ منٹ کا بنائے گا، پھر سوچے گا اب کچھ کھالیا جائے، یا پھر تھوڑا ٹہل لیا جائے۔ مسودہ چاہے منہ پھلائے ایک کونے میں پڑا رہے۔ وہ اگلے چند مزید گھنٹے یونہی لیٹے لیٹے گزار دیتا اگر اس کے لیپ ٹاپ پر اس کے بھائی کی کال نہ آرہی ہوتی۔ وہ کھیلتے ہوئے سخت بدمزہ ہوا۔ لیکن نظرانداز نہیں کرسکا۔

بازو کو موڑ کے جمبو کو اس پر بٹھایا اور دوبارہ آکر صوفے پر گر گیا۔ کال اٹینڈ کرلی اور بلے کے ساتھ لیپ ٹاپ بھی سینے پر دھر دیا۔ سکرین کو دیکھتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے دل پر ٹھنڈک پڑی ہو۔ کال شروع ہو چکی تھی لیکن اپنے کمرے میں کھڑا زید اپنے کاغذات جوڑتے ہوئے بس اسے گھورے جا رہا تھا۔ وہ ہاتھ میں تھامے کاغذات جوڑ کم انہیں دبوچ زیادہ رہا تھا۔

"ایسے مت دیکھو یار، مانا میں پیارا ہوں لیکن شرم بھی تو آتی ہے۔"

"بکو مت بے غیرت نہ ہو تو۔" زید گرجا۔

شاہ ویر ڈھٹائی سے ہنسا۔ "اچھا اس سے ملو یہ۔۔۔۔۔"

"یہ تمہارا باپ طلال بنگش ہے نا؟" وہ بگڑا۔

"استغفر اللہ، کیسی باتیں کر رہے ہو؟" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ کسی کا ضبط آزمانا اس کے پسندیدہ کاموں میں صف اول پر آتا تھا۔ "باپ کو کیوں بیچ میں لا رہے ہو یہ میرا بیٹا ہے، جمبو بنگش۔" اس نے محبت سے بلی کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"خبردار جو تم نے اس گلی کے بلے کو میرے خاندان کا نام دیا۔"

"تمہارا خاندان؟ میں لاٹری میں نکلا تھا کیا؟" شاہ زید نے تین چار موٹی موٹی گالیاں زبان پر آنے سے روکیں اور مزید جارحیت سے کاغذات اکٹھا کرنے لگا۔

"مقصد کی بات پر آؤ گے یا روٹھی محبوبہ کی طرح دیکھتے رہو گے؟" شاہ ویر نے گردن پر انگلیاں تھپتھپائیں۔ خراشیں جل رہی تھیں۔

"مجھے یہ بتاؤ تم نے سستے نشے کب سے شروع کر دیے ہیں؟ عالمی سطح پر بیٹھ کر اپنے معشقوں کا اقرار کون کرتا ہے؟"

"شاہ ویر طلال بنگش۔" اس نے نادیدہ کالر چڑھائے۔ "اور معاشقے میں کئی برس پہلے چھوڑ چکا ہوں یہ والی تو میری محبت ہے۔ تمہاری بھابی۔ میری ہونے والی بیوی۔ بنگش خاندان کی بہو۔"

"کتنے سال تک؟"

"کیا ہے یار۔۔۔" شاہ ویر بگڑا۔ "دو سال سے میرے ساتھ ہے وہ کئی بار تم سے ملوا چکا ہوں۔ اس کے گھر اس کی فیملی سے ملنے جا رہا ہوں اور تمھیں لگتا ہے میں سیریس نہیں ہوں؟"

شاہ زید لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔ اس کے دماغ کی سکرین پر کوئی اور منظر ابھر رہا تھا۔

"تم اس لڑکی کو جانتے ہوناں، زید؟" رات کے کھانے پر جب تمام بنگش مل بیٹھے تب تمکنت نے کانٹے چمچ سے پاستا لبوں تک لے جاتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔ وہ اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ رہی تھیں اس کی نظریں کھانے پہ جمی تھیں۔ ایک پل کو تو زید نہیں سمجھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ لیکن اگلے ہی پل اس کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ ایک جھٹکے سے اسے اس لڑکی اور اس سے جڑی ساری باتیں یاد آگئیں۔

"کیسی لڑکی ہے وہ؟" تمکنت نے پھر پوچھا۔

"خوبصورت، وفادار، اور اونچی ناک والی۔" شاہ زید نے بغیر دقت کے گنوایا۔ وہی جو وہ جانتا تھا، یا اسے لگتا تھا۔

"کیا وہ میر کارواں کے ساتھ چل سکتی ہے۔؟ کیا وہ لوگوں کے معاملے میں اچھی ہے؟" دوسرا سوال انداز ہنوز مصروف۔ اب کے رئیس کے کان بھی اسی طرف لگ چکے تھے۔ اوہو خاندان میں ایک نیا ڈرامہ ہونے والا تھا۔

"میر کارواں کے ساتھ چلنے والوں کی پہچان میر کارواں بناتا ہے مام۔ جہاں تک مجھے لگتا ہے "وہ" اس کے چلتے رہنے کا حوصلہ ہے۔" تمکنت نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔

"ماں باپ کیا کرتے ہیں اس کے؟"

"مام وہ میری نہیں ویر کی گرل فرینڈ ہے آپ کو یہ سب اس سے پوچھنا چاہیے۔" وہ اکتایا۔

شاہ زید نے اب کے الجھ کر اپنی ماں کو دیکھا تھا پہلے تو کبھی اتنے سوال نہیں کیے گئے تھے۔ "خیر اس کے پیرنٹس علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ میں بس اتنا جانتا ہوں۔" تمکنت نے محض سر ہلا دیا۔

"مام آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" وہ پوچھ ہی بیٹھا۔ البتہ رئیس پوچھے بغیر بھی جانتا تھا اب اس کی ماں کیا کرے گی۔ وہ واقعی اپنی ماں کا بیٹا تھا۔ شاہ زید کے سوال پر اس کی ماں نے نگاہیں اٹھائیں۔

"وہی جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ شاہ ویر سے علیحدگی۔ وہ بہتر کا حقدار ہے۔"

”شاہ ویر اسے کبھی نہیں چھوڑے گا مام۔“

”میں نے کب کہا ویر اسے چھوڑے گا؟“ وہ نزاکت سے کہتی اٹھ گئی۔ رئیس نے آسودگی سے صوفے سے ٹیک لگا لی۔ مٹھی لبوں پر رکھے وہ مسکراہٹ روکنا چاہ رہا تھا۔ ایسی کمینی خوشی ہوئی تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ جہنم میں جائے ڈرامہ انڈسٹری اصل شو تو آشیانہ بنگش میں لگنا تھا۔

”مام کیا کریں گی بھائی؟“ زید اب بھی پریشان تھا۔

رئیس نے اس کا کندھا تھپکا۔ ”مام وہی کریں گی جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔“

”مثلاً کیا؟“ اس نے دانت کچکچائے۔ سخت غصہ آرہا تھا اسے۔

”وہ اونچی ناک والی بغیر ماں باپ کے رہنے والی لڑکی ہے۔ مام اس کی ناک نیچے کریں گی۔ one dollar girl کو اس کی اوقات یاد دلائیں گی اور پھر شروعات ہوگی اس کی کمزوری سے۔“

زید نے بے یقینی سے اپنے بھائی کو دیکھا۔ رئیس نے اثبات میں سر ہلاتے کہنا جاری رکھا۔

”مام اس کے سامنے شاہ ویر کا وہ امیج رکھیں گی جو اس لڑکی کے باپ کا تھا۔“ شاہ زید کا دل دھک سے رہ گیا۔ ”کوئی بھی انسان اپنے برے ماضی کو اپنے پسندیدہ انسان کی شکل میں دوبارہ نہیں دیکھے گا۔ مام ٹھیک کہہ رہی ہیں شاہ ویر اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہ شاہ ویر کو چھوڑے گی۔ I am so excited“ زید کتنے ہی لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔

”زید کیا ہوا ہے؟“ جمبو کو صوفے پر ڈالے لیپ ٹاپ اپنے ہاتھ میں اٹھائے وہ کچن کی طرف آیا۔

”مجھے لگتا ہے مام اسے قبول نہیں کریں گی۔“ زید دھپ سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

”وہ مام کی پروڈکشن ہاؤس میں کام کرنے والی دو ٹکے کی اداکارہ نہیں، میری ہونے والی بیوی ہے اس کی طرف اٹھتی نظر، اور اٹھتے ہاتھ کیسے روکنے ہیں یہ آتا ہے مجھے۔“ اس نے کافی میکر چلاتے ہوئے کہا۔ چہرے پر اگر کچھ تھا تو سنجیدگی۔

”تم اپنے ساتھ ساتھ اس کے مسائل بھی بڑھا دو گے۔“

”میں بذات خود ایک بہت بڑا مسئلہ ہوں۔ دو سال سے مجھ سے نباہ کر رہی ہے آگے بھی ہر مسئلے سے کر لے گی۔“ اس کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔ سوال ختم ہو سکتے تھے مگر شاہ ویر کے جواب نہیں۔ سارے وقت میں زید پہلی بار پر سکون ہوا۔

”یعنی میں اسے بھابی مان لوں؟“

”یہ لو، میں نے بچوں کے نام تک سوچ لیے ہیں اور تم اب تک کہاں اٹکے ہو؟“ شاہ ویر مسکراتے ہوئے بولا۔ زید نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ ”ویسے شیروانی کس رنگ کی پہنوں؟“

”تم سوٹ میں زیادہ اچھے لگو گے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں شیروانی کینسل۔“ کافی کا کپ بھرتے شاہ ویر نے تائید کی۔

شاہ زید مسلسل ہنس رہا تھا۔ ”تم نے سب بتا دیا یہ نہیں بتایا کہ تم دونوں ملے کہاں تھے؟“

یہ سوال شاہ ویر بنگش کو ڈھائی برس پیچھے لے گیا۔ ”وہ خود بھی نہیں جانتی میں نے اسے پہلی بار کب دیکھا تھا۔ دوسری بار کب، اور تیسری بار کب۔“

★★★★★★★★★★★★★★

”ڈھائی سال قبل، مری۔“

اخبار کے تراشوں والی چھت اور گلاس وال والا برطانوی طرز کا کیفے اس وقت لوگوں کی موجودگی سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ کیفے کے بڑے سے ہال میں قطار در قطار کرسیاں لگی تھیں اور جہاں کرسیاں ختم ہو رہی تھیں وہاں ذرا سا اونچا چبوترا بنا تھا جہاں لکڑی کی میز کے پیچھے رکھی کرسی پر اس محفل کا سب سے خاص انسان بیٹھا تھا، اس کی لمبی سفید انگلیاں کتابوں پر دستخط کرتی جا رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے گردن اٹھا کر لوگوں کو دیکھا۔

ملک کا مشہور ترین انسان ایک چھوٹے سے کیفے میں لوگوں کے درمیان گھرا ہوا، باتیں بگھار رہا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر خوش تھے، اسے سن کر محظوظ ہو رہے تھے۔ کوئی اس کے ساتھ تصاویر کھنچوانے آتا تو اس کی ہلکی، حوصلہ افزاء مسکراہٹ کا مداح ہوئے بغیر نہ رہ پاتا۔ غرور اور تنفر تو اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

”شاہ ویر سر آپ نے اپنی زندگی میں سب سے بڑا سبق کیا سیکھا ہے؟“ لوگوں میں سے کسی ایک نے پوچھا۔ شاہ ویر نے انہی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

”یہی کہ دسمبر کے مہینے میں کتاب دستخط تقریب نہیں رکھنی چاہیے کتابیں تو بک جائیں گی میرے ہاتھ اگلے کئی دن کام نہیں کر سکیں گے۔“

کچھ دیر بعد وہ اس کیفے سے باہر نکل کر جا رہا تھا۔ دونوں طرف باڈی گارڈ تھے جو اس کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ یخ بستہ ہواؤں سے اس کا اوور کوٹ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ گارڈز اس کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو اس تک رسائی چاہتا تھا۔ اسی پل اس ہجوم میں ایک چہرے پر اس کی بلا ارادہ نظر پڑی۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ چند پل کے لیے وہ ٹھٹھکا۔ پتہ نہیں کیوں اسے لگا کہ یہ چہرہ وہ دیکھ چکا ہے، یا شاید دیکھتے رہنا چاہتا ہے؟

اس کی نگاہ جس پر ٹھہری وہ ایک لڑکی تھی جو فیروزی رنگ کی لمبی مخملی اسکرٹ کے اوپر ہم رنگ اوور سائز سویٹر پہنے ہوئی تھی۔ جس کے بازو پھولے ہوئے تھے۔ لمبے ہاف کرلز کھلے ہوئے تھے۔ گردن میں سفید رنگ کا مفلر لپٹا تھا اور پیروں میں لمبے بھورے بوٹ۔ شاہ ویر بلا ارادہ بے وجہ چند پل اسے دیکھے گیا۔ وہ اس ہجوم میں کھڑی رو رہی تھی، لیکن لوگوں کو دھکا دے کر آگے نہیں آ رہی تھی۔ شاہ ویر ایک لمحہ مزید اسے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ

گیا۔ لوگ اس کا نام پکار رہے تھے۔ عقیدت سے اس کی گاڑی کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ لیکن وہ لڑکی اس کے پیچھے نہیں آئی۔ بیک ویو مرر میں شاہ ویر نے اس لڑکی کو آنکھیں رگڑتے ہوئے، پھر مجمعے سے ہٹتے ہوئے دیکھا۔ اسے بُرا لگا۔ ضرورت اور حد سے زیادہ برا۔

"کمال ہو گیا، شاہ ویر مجھے نہیں پتا تھا سب کام اتنے اچھے سے ہو جائیں گے۔" شاہ ویر کے ساتھ بیٹھی اس کی مدیر صالحہ پر جوش انداز میں کہہ رہی تھی۔ "یہ جگہ چھوٹی تھی لوگ باہر کھڑے رہ گئے۔ لیکن ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا اتنے سارے لوگ سنبھالنا بھی مشکل کام ہوتا ہے۔"

گاڑی ذرا آگے گئی ہو گی جب شاہ ویر نے ایک نیا حکم صادر کیا۔ "گاڑی واپس موڑو۔"

"کہاں واپس؟" صالحہ فوراً سیدھی ہوئی۔

"واپس کیفے۔" شاہ ویر مطمئن تھا۔

"سر رش بہت ہے ہم پھنس جائیں گے۔" ڈرائیور نے اسے باز رکھنا چاہا۔ (دل ہی دل اسے جو گالیاں دیں ان کا قصہ الگ ہے)۔

"مجھے لگتا ہے ہم واپس نہ گئے تو میں پھنس جاؤں گا، گاڑی موڑو ابھی۔" وہ تیزی سے بولا۔

یہ وہی تھی باخدا یہ وہی لڑکی تھی جو کچھ عرصہ قبل مری کی کسی سنسان گلی میں اس کی مدد کو آئی تھی۔ شاہ ویر اسے پہچانتا تھا، وہ چہرے کبھی بھولتا ہی نہیں تھا۔ یہ چہرہ تو وہ آدھی زندگی نہیں بھول سکتا تھا۔ وہ صورت منفرد نہیں تھی، لیکن وہ اس کے تعاقب میں جانا چاہتا تھا۔

چند منٹ کے اندر اندر گاڑی واپس اسی شیشے کی دیواروں والے کیفے کے باہر آ کر رکی۔ فیروزی اسکرٹ والی لڑکی اب کیفے کے باہر رکھے بنچ پر بیٹھی تھی۔ شاید برف باری سے بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ فیری لائٹس کی روشنی میں اس کی ناک کی بالی اور رو رو کر سرخ ہو چکی ناک واضح دکھائی دے رہی تھی۔ شاید وہ اندر داخلہ نہ ملنے

پر رو رہی تھی۔ اور اب یہی غم لے کر گھر جانا تھا۔ شاہ ویر شیشے کے پار سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں چھوٹی کیے غور سے۔ پھر اپنے ساتھ بیٹھی اپنی مدیر کو دیکھا۔

"اسے یہاں بلاؤ میں اس کی کتاب دستخط کر دیتا ہوں۔" صالحہ نے غور سے اسے دیکھا وہ مہربان تو تھا، یوں بھی نہ تھا کہ عورتوں کے معاملے میں پارسا تھا لیکن اس کی مقناطیسی کشش صنف نازک کو اپنی طرف خود کھینچ لاتی تھی یہ پہلی دفعہ تھا جب اصول، اور کشش دھری کی دھری رہ گئی۔ اور وہ راستے بدل کر کہیں کھنچا چلا آیا تھا۔

"جاؤ، صالحہ۔" اس کے سنجیدگی سے کہنے پر صالحہ گاڑی سے اتر گئی اور بنچ پر بیٹھی لڑکی کی اور بڑھ گئی۔

چند پل بعد وہ واپس آتی دکھائی دی، شاہ ویر کو حیرت ہوئی جب صالحہ کے ہاتھ میں صرف ایک کتاب تھی انارا طارون وہیں بنچ پر بیٹھی رہی۔ شاہ ویر کی گاڑی تاریکی میں تھی، انارا کا وجود روشنی میں۔ مگر وہ شاہ ویر کی گاڑی میں موجودگی سے تو واقف ہو گی۔

"وہ کہہ رہی ہے آپ بس سائن کر دیں۔" گاڑی کے شیشے سے صالحہ نے کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ شاہ ویر لاکھ خوش گفتار سہی مگر صالحہ کو لگا تھا وہ اس کتاب پر دستخط نہیں کرے گا۔ (کرنا بھی نہیں چاہیے یہ اس کا ذاتی خیال تھا) لیکن اس نے کتاب لی اور اپنے گھٹنے پر رکھی۔ متحیر نگاہوں سے ایک بار اسے دیکھا، پھر کتاب کو۔

"نام؟"

"نام؟۔۔۔۔۔۔" صالحہ ہڑبڑائی۔ "سوری میں نے تو پوچھا ہی نہیں۔" وہ معذرت کرتے ہوئے واپس انارا تک گئی اور اس سے نام پوچھ کر واپس آئی۔

"اس کا اپنا نام انارا طارون ہے یہ کتاب اس کے کسی عزیز کے لیے ہے "احمد" یہی نام بتایا۔" شاہ ویر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"احمد اس کا کون ہے؟"

"شاید بوائے فرینڈ۔" صالحہ اندازہ لگاتے ہوئے جزبز ہوئی۔ شاہ ویر اس سے کسی لڑکی کے بارے میں وہ تفصیل پوچھ رہا تھا جو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ ہاں مگر اسے اتنا پتا چل گیا تھا کہ یہ "اطلاع" اس کے باس کو ذرا نہیں بھائی۔ اس نے کتاب پر دستخط کیے اور پہلی بار بغیر کسی دعا یا سلامتی کی سطر کے کتاب اس کی طرف بڑھا دی۔

"عمریں دیکھو اور بوائے فرینڈ بنانا دیکھو، ہونہہ۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ ایسے جیسے اپنی دل لگی اور محبت کے قصے یاد ہی نہ ہوں۔ کمبخت نہ ہو تو۔

صالحہ نے گاڑی کے شیشے کے پار سے کتاب لے لی۔ اور بینچ پر بیٹھی لڑکی کے ہاتھ میں دی۔ شاہ ویر نے انتظار کیا کہ وہ کب مڑ کر اسے دیکھے گی، ایڈیٹر سے منت کرے گی اسے میر کارواں سے ملنے دیا جائے۔ صرف ایک بار ہی سہی بس اسے قریب سے دیکھنے دیا جائے۔ لیکن اس کی حیرت کی انتہا تب نہ رہی جب وہ بغیر گاڑی کی طرف دیکھے کتاب کو ہاتھ میں لیے چلی گئی۔ وہ ششدر رہ گیا۔ یہ تو پہلی بار ہوا تھا۔ صالحہ نے مسکراہٹ دبائی، شاہ ویر کے باڈی گارڈز ہنسی روکنے کی خاطر مزید تن کر کھڑے ہو گئے، ڈرائیور بیچارہ قہقہے کا گلا گھونٹنے کے چکر میں کھانسنے لگا۔ شاہ ویر اب تک صدمے میں تھا۔ یوں نہیں تھا کہ لوگ اسے صرف لکھاری کے حوالے سے جانتے تھے۔ کبھی کسی لڑکی نے شاہ ویر کو دیکھا ہو اور پھر چند لمحے ٹھہر کر دیکھا نہ ہو، یا ایک عدد مسکراہٹ سے اس کو نوازا نہ ہو یہ کبھی نہ ہوا تھا۔

وہ صدمے سے جاں بحق ہو جائے اس سے پہلے کہانی کے دوسرے رخ کی طرف جانا چاہیے۔

واپس نیویارک کے اس ہوٹل سویٹ میں قدم رکھو تو شاہ ویر سارا قصہ سنانے کے بعد اب الوداعی کلمات کہتے ہوئے کال بند کر رہا تھا۔ جمبو کو بازو میں اٹھائے وہ بالکنی سے نکل کر کمرے میں آیا تو پلنگ کے عین بیچوں بیچ ایک لکڑی کا ڈبہ پڑا تھا۔ بالکل ویسا جیسا اس روز گاڑی میں ملا تھا۔ شاہ ویر کا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ آنکھیں چند لمحے متحیر رہیں۔ پھر تاثرات بدلے۔ غصہ، بے بسی، الجھن تینوں ایک ساتھ آن وارد ہوئے۔ پھر بے بسی نے جیسے ہر دوسرے جذبے کو ساکن کر دیا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا پلنگ کی طرف بڑھ آیا۔ لکڑی کا بھورا ڈبہ جس کے اوپر چاقو سے کٹ کے نشان تھے۔ ڈبہ اونچا اور چوڑا تھا۔ جس کے اوپر سرخ ربن بندھا تھا۔ اس نے جمبو کو نیچے چھوڑا، شاہ جہاں کو بازوؤں میں بھر کر پلنگ سے اٹھا کر صوفے پر سلایا اور خود ڈبہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کانوں میں کوئی آواز گونج رہی تھی۔ جو یقیناً اس کے حواس معطل کر رہی تھی۔

(پریویلیج کلر یہ اصطلاح نئی نہیں ہے۔ پچھلے بیس سالوں میں ہونے والے سترہ قتل اور ایک ہی طریقہ کار۔ قتل سے چند ماہ پہلے ملنے والے لکڑی کے ڈبے، کسی گڑیا کے جلے ہوئے یا زخمی مجسمے، سڑی ہوئی بدبودار کھوپڑی، قتل سے پہلے ہونے والا مسلسل تعاقب۔ اور پھر قتل۔ ایک بے حد بھیانک اور روح فرساں قتل۔)

اس نے مرے مرے ہاتھوں سے اس ڈبے پر لگی ربن کو کھولا۔ ڈھکن ہٹایا۔ اندر ایک انسانی شکل کا ڈھانچہ تھا۔ بری طرح مسخ شدہ۔ آنکھیں نکلی ہوئی، چہرے پر جابجا زخم اور ہونٹ ادھ کٹا۔ شاہ ویر آنکھوں میں وحشت لیے پیچھے ہوا۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا خوف تھا، چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ رہا تھا۔ وہ اٹھا اور واشروم کی طرف بڑھا۔ اندر آ کر دروازہ بند کیا، چند لمبے گہرے سانس لیے اور نل کھول کر پانی ہتھیلیوں میں بھرتا چلا گیا۔ اسی لمحے عین اسی لمحے اس کا سانس اس کے سینے میں کہیں اٹک گیا۔ کسی نے باتھ روم کا دروازہ اس کے عقب میں زور سے بند کر دیا تھا۔ وہ سانس نہیں لے سکا۔ نل سے گرتے پانی کا شور اس کے لیے اعلان قتل تھا۔

(سترہ قتل.... سترہ لڑکوں کے قتل وہ جن کی عمریں بائیس سے ستائیس سال تھی۔ اور ان کے خاندان ملک کے امیر کبیر خاندان تھے۔ تمام لڑکے کسی اونچے مقام پر تھے۔ سب کا طریقہ قتل ایک ہی۔ سینے پر چاک، گردن ادھ کٹی ہوئی۔ اور موسم بہار کا۔ کیا یہ کوئی اتفاق ہے یا واقعی کسی سیریل کلر کا کام؟ اور اگر وہ کوئی سیریل کلر ہے تو اس کا اگلا شکار کون ہے؟)

وہ دیوانہ وار دروازہ بجا رہا تھا، چیخ رہا تھا۔ اس کے چہرہ پر ہراساں تاثر تھا۔ اس نے کندھے سے دروازے کو دھکے دینے شروع کیے مگر دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اسی لمحے عین اسی لمحے کسی نے باہر سے کھڑے ہو کر ہاتھ

روم کی دراڑ سے اندر کی طرف کچھ اچھالا تھا۔ شاہ ویر کے قدموں کے نیچے چپچپاہٹ ہوئی۔ اس نے بے اختیار نیچے دیکھا۔ خون کی ایک ندی اس کے پیروں میں بہہ رہی تھی دونوں پیر خون سے بھر گئے، قرمزی سیال ہر طرف پھیلتا چلا گیا۔ دل اچھل کر حلق میں آیا تھا اور وہ مزید دیوانگی سے دروازہ پیٹنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے اب آنسو بہہ رہے تھے۔ اسے موت سے ڈر لگ رہا تھا۔ اسے بس یہاں سے باہر آنا تھا بس یہاں سے نکلنا تھا۔ اسے جینا تھا۔ زندگی یوں اس طرح ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔

(حیرت کی بات یہ قتل نہیں ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ وہ تمام وکٹمز ملک چھوڑ گئے مگر پھر بھی دھمکائے گئے۔ وہ پاکستان کے باہر بھی ان تک پہنچ چکا تھا اور لا کر مارا اس نے انہیں ان کے آبائی شہر میں ہی۔ یہاں تک کہ تین وکٹمز اس حد تک عاجز آ چکے تھے کہ انہوں نے خود کو ختم کرنے کے مختلف طریقے ڈھونڈنے شروع کر دیے۔ موت نہیں، انہیں موت کے خیال نے ہی مار دیا تھا۔)

اس نے شاور کھولا، باتھ ٹب کے نلکے کھولے، واش بیسن کا نل کھولا وہ ہاتھوں میں پانی بھر بھر کر فرش پر گرا رہا تھا۔ اسے بس کسی طرح اس خون سے چھٹکارا چاہیے تھا۔ یہ وہ شاہ ویر نہیں تھا جو لوگوں کے درمیان چلتا تھا تو لوگ اسے ٹھہر کر دیکھتے تھے۔ یہ جان کے خوف سے مرتا ایک عام سا انسان تھا جس کے خواب ملیامیٹ ہو رہے تھے۔۔ باتھ روم میں سنک کے اوپر بنے دراز سے کوئی چابی نکالتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا اور اگلے لمحے وہ جنونی انداز میں چہرے پر سفیدی لیے ہوٹل کی راہداریوں میں بھاگتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دہشت رقم تھی اور پیر خون آلود۔ شاہ ویر طلال بنگش اگر کسی شے سے خوف زدہ تھا تو وہ اس کی متوقع موت تھی۔

(پولیس کی تفتیش، نجی جاسوسوں کی کاروائی کوئی بھی انسان کوئی شے ایسی نہ تھی جس سے اس قاتل کا پتا لگایا جا سکے۔ ہر قتل کے بعد ایک سال کا وقفہ اور ایک سال بعد ایک اور قتل۔ کیا یہ قتل یونہی ہوتے رہیں گے؟ کیا ان کی روک تھام کے لیے کوئی آئے گا؟)

اس کے پیروں پر خون کے دھبے اب بھی تھے۔ کئی لوگوں کو دھکے دیتا، سیکورٹی، اسٹاف کو ہاتھوں سے ہٹاتا وہ استقبالیہ میز کے عقب میں بیٹھی عورت پر غرا رہا تھا۔ اس کے منہ سے الفاظ نہیں کف نکل رہا تھا۔ وہ اس سے پوچھ رہا تھا اس کے کمرے میں کون آیا؟ وہ اس سے کہہ رہا تھا ہوٹل کے مینجر کو بلوایا جائے، وہ بہت بری طرح خوف زدہ تھا۔ وہ طاقت ور تھا کوئی اس سے بڑھ کر طاقت کہاں سے لایا؟ وہ زیرک تھا کوئی اس کے دماغ سے کیسے کھیل رہا تھا؟ زندگی میں وہ پہلی بار زندہ ہو رہا تھا کوئی اس زندگی کو چھین کیسے سکتا ہے۔

میز والی لڑکی کرسی سے اتر کر اس کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ ہوٹل کا عملہ یہاں وہاں سے آتا اس کے قریب جمع ہونے لگا تھا شاہ ویر انگلی اٹھا اٹھا کر انہیں تنبیہہ دے رہا تھا۔ عملے کے کچھ لوگ اسے اپنے سویٹ کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس کی چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ سویٹ کے کمرے میں آکر اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک طرف اشارہ کیا اور کسی نے جیسے اس کے منہ پر جوتا دے مارا۔ وہ کتنے ہی لمحے شل رہا۔ نہ وہاں جمبو تھا، نہ وہ ڈبہ، نہ خون اور نہ کسی کے آنے جانے کا کوئی نشان۔ وہ چوکھٹ پر کھڑا رہ گیا۔ ساکت، شل۔

کیا وہ hallucinate کر رہا تھا؟ یا پھر کوئی اس سے دو قدم آگے تھا؟

کیا یہ سب کوئی برا خواب تھا یا حقیقت اسے نگلنے کو تیار کھڑی تھی؟

کیا وہ پھنس رہا تھا، یا پھر وہ پھنس چکا تھا؟

(قتل اور طریقہ واردات میں اس نے آج تک کوئی تبدیلی نہیں کی لیکن پھر بھی وہ ہر دفعہ بے حد صفائی سے نکل کر بچ جاتا ہے۔ وہ اپنے پیچھے ثبوت نہیں چھوڑتا لیکن ایک ہنٹ چھوڑتا ہے۔ مقتول کے سینے پر ضرب کا نشان۔ اور اس کے بعد کوئی ثبوت ڈھونڈ نہیں پاتا۔ پریولیج کلر سے آج تک اس کا شکار بچ نہیں سکا۔ اس کے پچھلے قتل کو ایک سال مکمل ہو چکا ہے۔ کیا وہ واپس آئے گا؟ یہ سوال اہم نہیں۔ اہم یہ ہے کہ کیا اس کا اگلا شکار اس سے بچ پائے گا؟)

وہ یونہی ننگے پیر سیکورٹی روم میں کھڑا تھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیجز اس کے لیے کھول دیے گئے تھے۔ وہ دیوانگی سے، بے قراری سے سکرین کو تک رہا تھا۔ ناخن چباتے ہوئے، سینہ مسلتے ہوئے وہ اب تک کسی آسیب زدہ خواب کا شکار معلوم ہوتا تھا۔

"یہاں سے پیچھے کرو شام پانچ پینتیس تک لاؤ۔" اس نے ایک جگہ نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔

سرپرست نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ "آج شام پانچ پینتیس؟"

"کیا تم اونچا سنتے ہو؟"

"معذرت سر مگر ہم نے دو دن پہلے الرٹ دے دیا تھا کہ تین دسمبر شام پانچ سے سات تک سی سی ٹی وی کام نہیں کرے گا۔ دراصل ہمارے نیٹ ورک میں کچھ۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ اپنی شان میں مزید قلابے ملا رہا تھا لیکن شاہ ویر جیسے پتھر ہو چکا ہو۔ کوئی آواز اس کی سماعتوں کے پردے سے گزر کے یادداشت کا حصہ بننے سے انکاری تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا اس کے بے حد قریب تھا۔ اسے اس کے کمرے میں جانے کی اجازت تھی، اس کے پاس الرٹ کا پیغام موجود تھا، وہ کمرے سے سب صاف کر کے منٹوں میں غائب ہو سکتا تھا، وہ شاہ ویر کی گاڑی، اس کے سویٹ تک رسائی رکھتا تھا۔ سرپرست کی مزید کوئی بکواس سنے بغیر وہ مرے مرے قدم لیتا ہوا اپنے کمرے میں واپس آیا، دروازہ بند کیا اور۔۔۔۔۔۔۔ کئی لمحے اسی طرح دروازے سے پشت جوڑے کھڑا رہا۔ اس نے ایک بار پھر نگاہ اٹھا کر کمرے کو دیکھا۔

لکڑی کا وہ ڈبہ وہیں پڑا تھا جہاں وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ باتھ روم کی چوکھٹ پر خون اب بھی تھا۔ انسانی چہرہ فرش پر گرا تھا اور جمبو۔۔۔۔۔۔۔ وہ اپنی سبز جگمگ کرتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاہ ویر دروازے کے ساتھ لگتا نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ اس کے سارے بدن پر کپکپی طاری تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، شاہ ویر کے حوصلے پست کر چکا تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★★★★

”دو دن بعد“

اگلے دو دن عجیب بے کلی میں گزرے وہ لعل یمن سے واپس اپنے اپارٹمنٹ آگئی تھی۔ چاچو اور اسلان واپس مری چلے گئے تھے لاہور جیسے سُونا سُونا ہو گیا ہو۔ صبح یونیورسٹی کے بعد آج اس کا سخن ساز آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن کام مرضی سے ہونے لگیں تو دنیا کے سارے ملازمین ہر فکر سے نبرد آزما ہو جائیں۔ سخن ساز لاہور کے ڈاؤن ٹاؤن میں واقع ایک زیور سازی کا ادارہ تھا جہاں مصنوعی زیور بنتا اور ملک کے ہر حصے میں بیچا جاتا تھا۔ آراہ کو اس جگہ ملازمت دلوانے میں اس کے ماموں کا بڑا کردار ہے۔

اس وقت انارا اپنے ڈیسک پر بیٹھی بے زاری سے آس پاس دیکھ رہی تھی۔ بڑا سا ہال جہاں مختلف میز لگے تھے اور ان کے گرد لگی شیشے کی باڑ انہیں دوسری میز سے الگ کر رہی تھی۔ ہر میز پر زیور سازی کے مختلف سامان پر ملازم سر جھکائے اپنے آلے اٹھائے مصروف تھے۔ چائے کی مہک دماغ کو بیدار رکھنے میں معاون ثابت ہو رہی تھی۔

”اتنا فضول سا دفتر بنانے کی تُک کیا تھی؟...... کہیں میں نے غلط نوکری تو نہیں شروع کر دی؟..... کیا فائدہ عورتوں کی خود مختاری کا یار، مرد کمائے نا۔..... کہیں شاہ ویر کو کچھ ہو تو نہیں گیا؟..... ایک منٹ وہ میری کسی بات سے ناراض تو نہیں؟..... مر مرا تو نہیں گیا؟“

اس کے خالی دماغ میں فضول سے زیادہ فضول مشورے آ رہے تھے اور میز پر پھیلا زیور سازی کا سامان اپنا سا منہ لیے اسے تک رہے تھے۔ سیاہ رنگ کی کڑھائی والے سفید کرتے پر انارا نے سفید وی نیک بٹن سوئیٹر پہنے بالوں کی لمبی چٹیا بنا رکھی تھی۔

”تم نے چاچو سے بات کی؟“ اس کی دائیں طرف کندھے کے پاس جھک کر کسی نے کہا تو آراہ اچھل کر سیدھی ہوئی۔ بے اختیار ہاتھ دل تک گیا۔ وہ چیخ مارتے مارتے رہ گئی تھی۔

”اف تم نے ڈرا دیا یار۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ہاتھ اب تک دل پر تھا۔ سانس اتھل پتھل ہو گئی۔

"میں نے ڈرایا؟ تم خود ذرا حاضر دماغ رہا کرو بی بی۔" ہانیہ نے جوابی وار کیا۔ "مجھ سے پوچھو میں کل رات سے کتنی بے چین ہوں جب سے تم نے بتایا ہے کہ تم نے اسلان سے بات کرلی ہے میں تو سوچ رہی تھی کہ۔۔۔"

"اس دن کہاں غائب تھیں تم؟ یہ نہیں ہوا کہ گھر آکر چاچو کو سلام کرلو مجھ سے مل لو۔" وہ اپنا پرس اور اسکوٹی کی چابیاں میز سے اٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ بھاڑ میں گیا کام اسے گرما گرم کافی چاہیے تھی۔ گو کہ یہ آفس کے کام کرنے کے گھنٹے تھے مگر چائے اور کافی کے لیے ملازمین کو کچن تک جانے کی اجازت تھی۔ اور انارا اس اجازت کا بلا دریغ استعمال کرتی نظر آتی تھی۔

"میرے پیٹ میں سخت درد تھا۔" اس نے بہانہ گڑھا۔ چلتے چلتے آراہ نے گھور کر اسے دیکھا اور سر جھٹکا۔ ہانیہ کا گھر لعل یمن کے عین سامنے تھا اور جب جب انارا وہاں جاتی ہانیہ کو ضرور بلواتی تھی۔ دو دن پہلے بھی اس نے ہانیہ کو پیغام بھیجا لیکن وہ نہیں آسکی آراہ اس کا عذر بلکہ اس کی ماں کی پھٹکار سمجھ سکتی تھی۔

"ناں تو مینوں اے دس، اکو اک کڑی اے اوتھے تے تِن تِن چھڑے گبھرو جوان۔ تو جاندی چنگی لگیں گی؟ میں محلے آلانوں نو کے جواب دواں گی؟ (ناں تم مجھے یہ بتاؤ ایک ہی ایک لڑکی ہے وہاں اور تین جوان مرد۔ تم اس گھر جاتی اچھی لگو گی؟ میں محلے والوں کو کیا جواب دوں گی؟" ان کا عذر اپنی جگہ درست تھا سو آراہ زیادہ اصرار نہیں کرتی تھی۔

"بتاؤ نا تم نے چاچو سے بات کی؟" وہ دونوں باورچی خانے میں داخل ہوئیں۔ سفید و سیاہ ٹائلز کے امتزاج سے بنا یہ چھوٹا سا باورچی خانہ اپنے چوڑے سینے پر ایک لمبی میز، چند کرسیاں، دو کافی مشین اور ایک عدد چولہے کا بوجھ سہے ہوئے تھا۔ آراہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھی، اس کا انداز تھکا تھکا تھا۔ جیسے وہ کسی گہرے سوچ بچار سے تنگ آگئی ہو۔

"چاچو سے بات کی ہے اور اس کے بعد وہ بات ہی نہیں کر رہے دو دن ہو گئے۔" اس نے ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان دبائی۔ "شاہ ویر میرا فون نہیں اٹھا رہا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی میں کیا کروں۔ اس کے گھر پر کال کروں؟"

"میں تے پہلے ای کہیا سی۔ منڈے نے لارے لائے نے۔ اونے ویاہ نئی کرونڑاں۔(میں نے پہلے ہی کہا تھا لڑکے نے لارے لگائے ہیں۔ اس نے کوئی شادی نہیں کرنی۔)" اس کے اندر کی بیسٹ فرینڈ جاگ اٹھی جسے لگتا تھا کہ دنیا کا کوئی لڑکا ان کی دوست کے ساتھ تب تک مخلص نہیں ہو سکتا جب تک نکاح کے چھوارے نہ بٹ جائیں۔"تم اس نے بھائی کو فون کرو۔" کافی میکر سے کافی کا کپ بھرتے ہوئے مشورہ چپکایا۔

"وہ کیا سوچے گا میں مری جا رہی ہوں۔ اور اگر اس نے شاہ ویر کو بتایا تو شاید وہ بُرا مان جائے۔"

"لو، یہاں سانس حلق میں اٹکا ہے اور تم اپنے نہ ہونے والے دیور کے تیوروں کو رو رہی ہو۔" دبلی پتلی جسامت اور چھوٹے کٹے بالوں والی ہانیہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تم نے کبھی محبت کی ہوتی تب میں تم سے پوچھتی۔" آراہ نے گلوگیر انداز میں کہتے چہرہ میز پر ٹکا دیا۔

"ہاں میں محبت کر لوں تاکہ جس رسی میں تم نے لٹکنا ہے اس میں اگلی باری میری آئے۔ میں بتا رہی ہوں یہ محبت نرا چونچلا ہے۔یہودی سازش ہے۔ اور۔۔۔۔۔۔" کافی کی دھار اور ہانیہ کی زبان نامی تلوار دونوں ایک ساتھ رک گئے جب اس نے آراہ کو اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے دیکھا۔وہ کپ وہیں رکھ کر تیزی سے اس کی طرف آئی۔ چہرے کی رنگت فوراً بدل گئی۔

"آراہ یار رو کیوں رہی ہو؟" اس کے قریب کھڑے ہو کر اس کی پشت سہلائی۔ انارا مزید تیزی سے رونے لگی۔ کافی بینز کی خوشبو اب اسے زہر لگ رہی تھی۔ اسے ساری دنیا ہی زہر لگنے لگی۔ "یار میں بس ویسے ہی کہہ رہی تھی ہر لڑکا بے غیرت نہیں ہوتا، سچ کہہ رہی ہوں تمہارا والا نہیں بھاگے گا تم۔" آراہ روتے روتے ہنس پڑی۔ ہانیہ تسلی دینے میں بری تھی۔ حد سے زیادہ بری۔ "سچ کہہ رہی ہوں شاہ ویر باقی لڑکوں سے مختلف ہے۔"

"رہنے دو تم۔ میرا دماغ ہی خراب کرتی ہو اور اپنا بھی۔ میں کوئی مری نہیں جا رہی۔ نہیں اٹھاتا تو نہ اٹھائے کالز۔ میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔" اس نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ پھولے پھولے گال سرخ ہو رہے تھے۔

"ہاں چھوڑو دفع کرو میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی ضارم بہتر۔۔۔"

"پلیز یار۔۔۔۔۔" آراہ چڑ گئی۔ "شاہ ویر ویسے ہی اس سے اتنا جلتا ہے۔اوپر سے وہ یہاں میرے ساتھ کام کرے اور پھر سونے پر سہاگہ تمہاری تعریفیں۔"

"اچھا اچھا آئی ایم سوری۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ اٹھا لیے۔ آج اس کا ہر مشورہ، ہر کام ہی غلط ہو رہا تھا۔اسے کچھ نیا سیکھنا ہو گا۔ "تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے میرے پاس۔"

آراہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کافی میکر تک جانے لگی لیکن ہانیہ اسے کہنی سے پکڑ چکی تھی۔ آنکھوں میں کچھ تھا، کوئی تنبیہہ سی۔وہ الرٹ ہوئی۔لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ جوش سے اچھلنے لگے۔اسے معلوم ہو گیا تھا کہ سرپرائز کیا ہو گا۔

"ڈونٹ ٹیل می تم "وہ" لے آئی ہو؟" ہانیہ نے فخریہ انداز میں نادیدہ کالر چڑھائے۔اور آگے بڑھ کر کچن کا دروازہ ہلکا سا بند کیا۔اسی لمحے باہر سے کوئی چلتا ہوا آیا مگر دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ آراہ پرجوش سی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملائے بڑی مشکل سے اپنی چیخوں کا گلا گھونٹے کھڑی تھی جب ہانیہ نے بیگ سے کچھ برامد کیا۔نیم وا دروازے کی درز سے جھانکتی گہری نیلی آنکھیں بھی بیگ سے نکلتا وہ پرزہ دیکھ سکتی تھیں۔

"اومائی گاڈ۔" جوش سے اس کی آواز بدل گئی۔

پرس سے نکلنے والی شے ایک پسٹل تھی۔سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی پستول۔ آراہ نے جس مہارت سے اسے ہاتھوں میں لیا، جس انداز سے اسے انگلیوں کے درمیان گھمایا یہ وہ انداز تھا جو نہاں تھا، پھر اب تلک کہانی سے اوجھل کیوں؟ وہ چمکتی آنکھوں سے اس پسٹل کو دیکھتے ہوئے اسے مختلف اندازوں میں گھما رہی تھی۔ پھر اس نے پسٹل آنکھ کے قریب کی اور کافی میکر کا نشانہ لیا۔اس کے ہر ہر انداز میں ایک عجیب سی خوشی، دیوانگی، اور آنکھوں میں والہانہ چمک تھی۔

"اس کے کاغذات بھی بن جائیں گے اور پتا ہے یہ پسٹل کتنی مشکل سے منگوایا ہے؟ لاہور کے چور بازار سے ملا ہے جب ہی تو اتنا سستا ہے۔ چاچو نے لا کر دیا۔" آراہ نے اس سے بے نیاز چائے کے کپ کا نشانہ لیا اس کی انگلیوں میں ٹرگر دبانے کے لیے بے قراری بڑھ رہی تھی۔ مگر یہاں ٹرگر دبانے کا مطلب تھا خود پر ایف آئی آر کٹوانا۔

"یہ چھٹی بار ہے آراہ، کیوں اپنی دولت اس موئے شوق پر نچھاور کر رہی ہو۔ کہیں اس شاہ ویر کو پھڑکانے کا ارادہ تو نہیں؟" آراہ ایڑھیوں کے بل گھومی اور اب کے اس کا نشانہ ہانیہ کا ماتھا تھا۔ کوئی اندھا بھی اس مہارت کو دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ اگر وہ گولی چلائے گی تو سامنے والے کی سانس بس آخری بار ہی باہر آئے گی۔ ہاں البتہ دفتر کا کچن اس شوٹنگ کے لیے مناسب جگہ نہیں تھی۔

"آج کل نظر انداز کر رہا ہے مجھے کیا خیال ہے پھڑکا دوں؟"

"میں مدد کروں؟" درز دراڑ بنی اور دراڑ ایک شگاف، پھر دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا۔ جہاں ہانیہ کی جان حلق میں اٹکی وہیں انارا طارون پستول کو اسی طرح ہانیہ کے سر پہ تانے کھڑی تھی۔ نوارد دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ بازو سینے پر باندھے پر شوق نظروں سے یہ مظاہرہ دیکھتا ہوا۔

اونچا قد، پرکشش نقوش، نیلی آنکھیں اور باوقار لباس۔

آراہ نے پستول نیچے کی اور چہرہ اس کی طرف موڑا۔ وہ بے حد سنجیدگی سے آراہ کو تک رہا تھا یوں جیسے اگر وہ کہہ دے تو یہ شخص ابھی کے ابھی شاہ ویر بنگش کو صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ خالص حوصلہ، خالص جذبہ۔

"امید ہے تم باس کے سامنے اپنا منہ بند رکھو گے، ضارم خان۔" انارا نے پستول اپنے پرس میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔ چہرے پر ایک عجیب سی تلخی تھی۔ عورت "چاہی" جائے تو مغرور ہو جاتی ہے۔ وہ بھی ہو رہی تھی۔ یا شاید ہو چکی تھی۔ ضارم نے اپنے چہرے پر گویا زپ چڑھائی ہو۔

"میں اس غیر قانونی اسلحے کی غیر قانونی ترسیل پر اپنا منہ بند رکھوں گا، مس طارون۔"

کافی بینز کے ساتھ کوئی سازش کی بُو بھی بھر گئی۔ پھر رفتہ رفتہ پر سراریت نے بھی یہیں کا رخ کیا اس سے قبل کہ یہ سب مل کر انارا کا گلا گھونٹتے وہ بیگ کندھے پر لٹکاتی، اپنے ایک ہاتھ میں ہانیہ کا ہاتھ پکڑتی ضارم کے سامنے سے گزر کر باہر نکل گئی۔

اس کا جانا، ضارم کا آ جانا، کافی کا بھرے ہوئے رہ جانا....... اونہوں سوال یہ نہیں تھے۔ بیگ میں بھرا وہ بھاری لوہا۔ اس کی موجودگی سوال تھی اور انارا طارون کی موجودگی پہلی بار مشکوک۔

★★★★★★★★★★★★★★★★★★

نیویارک!

پاکستان میں جس وقت شام کے سات بج رہے تھے وہیں نیویارک میں اس سمے صبح کے پانچ ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ نیویارک کے ایک علاقے مینہٹن میں لوگ صبح صبح ورزش کے لیے بیدار ہوئے تھے۔ کچھ امراء کی بگڑی اولادیں ساری رات کی پارٹی کے بعد اب نشے کی زیادتی سے جھومتے، لڑکھڑاتے ہاتھ میں کوئی بوتل یا خود کسی کا ہاتھ پکڑے گھروں کو آ رہے تھے۔ مینہٹن ابھی مکمل بیدار نہیں ہوا تھا۔

سفید رنگ کے ٹریک سوٹ میں ملبوس کانوں پر بڑے ہیڈ فونز چڑھائے وہ مختلف گلیوں میں بھاگتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اندھیرا ابھی چھٹا نہیں تھا، ایسے میں سفید ٹریک سوٹ والا شخص کسی کہانی کے منظر کا حصہ معلوم ہوا۔ سماعتوں میں بجتے انگریزی گانے سے یکسر بے نیاز وہ کل رات کے واقعے کو سوچ رہا تھا۔ مستقبل یکدم ہر مصنوعی و قدرتی روشنی سے زیادہ روشن نظر آ رہا تھا۔ کامیابی کے سب سے اونچے زینے پر موجود وہ آج بھی زوال کے اندیشہ سے خوفزدہ تھا۔

مینہٹن کی عمارات کہیں غائب ہوئیں اور ان کی جگہ شاہ ویر بنگش کے لیے مختص اس سویٹ نے لے لی جو اسے پروڈکشن ہاؤس کی طرف سے ملا تھا۔

"شاہ ویر تم یہ کام پہلے بھی کرتے رہے ہو تمہارے کیریئر میں تین فلمیں آتی ہیں جن کی cinematography تم کر چکے ہو۔ اب اتنا سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟" سویٹ کے اندر بنے ایک چھوٹے سے ملاقاتی کمرے میں اس وقت رابرٹ کی آواز گونج رہی تھی۔ سیاہ چمڑے کے دو صوفوں کے درمیان رکھی میز کے شیشے میں شاہ ویر کا عکس بن رہا تھا۔ جو کہ مضطرب تھا۔ ہر دفعہ کی طرح۔

"یہ فلم ایک سیکوئیل ہے اور تم جانتے ہو کہ پچھلی فلم سے کتنی کمائی ہوئی ہے؟ یہ ایک سنہری موقع ہے تم ساری دنیا میں جانے جاؤ گے مجھے نہیں لگتا اس پر سوچنے کی ضرورت ہے۔" رابرٹ امریکی تھا اور ہر دوسرے امریکی کی طرح اسے لگتا تھا کہ "ایشینز" کو کوئی بھی پیشکش دینا "احسان" کے زمرے میں آتا ہے۔

"اگر یہ کوئی عام فلم ہوتی تو میں واقعی سوچنے کے لیے ایک لمحہ نہیں لگاتا لیکن۔۔۔۔۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا انگوٹھے سے کنپٹی کھجائی۔ ہلکی بڑھی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ "یہ ڈارک رومانس ہے۔" اس نے بوجھل انداز میں کہا۔ "میرے معاشرے میں اسے بُرا سمجھا جاتا ہے میں خود بھی اسے برا سمجھتا ہوں۔۔"

سیاہ سوٹ والے امریکن نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ ایسے جیسے یقین نہ کر پا رہا ہو۔ "مجھے یقین نہیں آرہا کہ کوئی اس آفر کو اس وجہ سے ٹھکرا رہا ہے کیونکہ اس کے "کلچر" میں اسے بُرا سمجھا جاتا ہے۔" وہ واقعی بے یقین تھا۔ "شاید تم نے ابھی تک میری طرف سے ہونے والی رقم کی ادائیگی کی آفر نہیں سنی اس لیے ایسا کہہ رہے ہو۔" انگریزوں کا دوسرا اینترا، بات سہانے خوابوں سے نہ بن سکے تو پیسہ بڑھا دو۔

"تم نے پچھلے چار سالوں میں جتنی فلموں کے لیے کام کیا ہے میں اس سے دگنا دے سکتا ہوں۔" شاہ ویر کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ کسی کو خود سے مایوس کرنا وہ آخری کام ہوگا جو وہ کبھی کر سکتا ہوگا۔ لوگوں کو نہ کرنا کتنا مشکل تھا کوئی اس سے پوچھے۔

"پیسہ شاہ ویر کو خرید نہیں سکتا، رابرٹ۔" اس نے تحمل سے کہا۔ دل ہی دل خود کو ڈپٹا بھی۔

"تم سال کا آدھا حصہ یہاں اس ملک میں گزارتے ہو اور تمھیں نہیں لگتا کہ یہ کلچر بھی تمہارا حصہ ہے؟"

"ڈارک رومانس کوئی کلچر نہیں ہے۔ یہاں بعض دفعہ assault کو جسٹفائی کیا جاتا ہے۔ زیادتی کو رومانس کہا جاتا ہے اور جنسی تعلقات کو ایک فینٹسی دکھایا جاتا ہے میرا نہیں خیال یہ کسی بھی قوم کا کلچر ہے اور اگر ایسا ہے تو میں اس کلچر سے باغی ہوں۔" ہاں ٹھیک ہے اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا، اسے لوگوں کی ناراضگی کا خوف تھا لیکن غلط کو غلط تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر بھی کہے گا۔

رابرٹ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔ اس کے تاثرات یکسر تبدیل ہو چکے تھے اب وہ شاہ ویر کو ایک سطحی ایشین سمجھ رہا تھا۔ دور کہیں شاہ ویر جانتا تھا یہ "سمجھ" صرف اس ایک انسان تک نہیں رہے گی رابرٹ آدھی انڈسٹری میں جھوٹ اور سچ کی آمیزش کے ساتھ یہ بات اچھالے گا لیکن پاکستان میں لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے، وہ ڈارک رومانس کو کیا سمجھتا ہے یہ بات زیادہ اہم تھی۔ وہ خود اس بات کو کیا سمجھتا ہے یہ بھی اہم تھا۔

"میں چاہوں گا تم اپنی فیملی یا دوستوں سے مشورہ کر لو بچے۔ میری آفر اگلے دو ماہ تک موجود رہے گی۔"

"میں ستائیس سال کا ہوں رابرٹ، اپنے فیصلوں میں آزاد۔ جس شے کو میں آج انکار کر رہا ہوں دو ماہ بعد بھی وہی کروں گا۔ میں اپنی فیملی کو بتاتا ہوں کہ میں یہ کر رہا ہوں ان سے پوچھتا نہیں۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ گردن اٹھی رہی، اور لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے۔ (بھاڑ میں گیا ادب گورے کو تمیز نہیں تو شاہ ویر بھی بدتمیزی میں تمغہ حاصل کر سکتا تھا)۔

رابرٹ نے سر کو ہلکا سا خم دیا اور پلٹ گیا۔ جاتے جاتے زیر لب انگریزی میں کوئی گالی بھی دی تھی۔ اس کے جانے کے بعد شاہ ویر کتنے ہی لمحے اضطراب میں مبتلا رہا۔ وہ یہاں اس صوفے پر بیٹھ کر بغیر کسی ٹائم مشین کے اپنا مستقبل دیکھ سکتا تھا، مسائل اسے آج سے مسائل کا سامنا کرنا تھا یہ وہ جانتا تھا۔ امریکا میں بیٹھ کر اگر کیریئر بنانا تھا تو گوروں کو "جی جی" کہنا تھا۔ اور ضمیر والا تو یہ کہنے سے رہا۔

منظر ٹوٹ گیا تو وہ گلی کے بیچوں بیچ ٹھہر گیا۔ سانس دھونکنی کی مانند پھولا ہوا تھا۔ سفید رنگت میں سرخیاں گھل رہی تھیں۔ اس کا موبائل بج رہا تھا۔ جیب سے موبائل نکال کر اس نے پیغامات کی فہرست کو نظر انداز کرتے ہوئے مطلوبہ چیٹ کھولی اور واٹس ایپ اسے چودہ نئے پیغامات کی نوید سنا رہا تھا۔ آخری پیغام میں کوئی دھمکی تھی۔

”اب اگر تم نے میرے میسج کا جواب نہیں دیا تو خدا کی قسم میں تمھیں بلاک کر دوں گی۔“ آراہ کا بس ایک پیغام ہی اس کے سارے وجود میں بے چینی گھول گیا۔ اس نے جوابی پیغام ریکارڈ کرنا چاہا مگر وہ ٹھہر گیا۔ کوئی اس کے عین سامنے آ کر رکا تھا۔ ملگجے اندھیرے میں ابھی شاہ ویر اس کی طرف دیکھتا کہ اس آدمی نے شاہ ویر کو گریبان سے کھینچ کر اپنے قریب کیا اور ہاتھ میں پکڑے چاقو سے اس کی پسلیوں کے درمیان وار کیا۔

وہ چیخا، کراہا، موت کو اپنے بے حد قریب دیکھا۔ مگر یہ وار اتنا تیز اور برق رفتار تھا کہ جیسے آتی جاتی سانس۔

”کہیں تم میری موجودگی بھولے تو نہیں، پرنس چارمنگ؟“ چاقو کا لوہا اس کی پسلیوں میں گھماتے ہوئے اس نے ایسے ٹھنڈے انداز میں پوچھا کہ شاہ ویر سانس نہیں لے سکا۔ وہ متحیر سا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے پورے جسم میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ اس کے سامنے کھڑا آدمی اب بھی سرد نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔ شاہ ویر کا ہاتھ بے اختیار اپنی پسلیوں تک گیا، پھر اس نے وہی ہاتھ آنکھوں کے آگے کیا۔ سرخ، لال، قرمزی۔ خون بس خون۔ اسے سمجھ نہ آیا لمحوں کے اندر اندر ہوا کیا۔

درد اتنا شدید ہوا کہ وہ گھٹنوں کے بل سڑک پر گر گیا۔ کتنے ہی لمحے وہ گردن جھکائے، سانس روکے متحیر اور شل سا اپنے بہتے خون اور سفید سے سرخ ہوتے ٹریک سوٹ کو دیکھتا رہا۔

”کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟“ پسلیوں پر ہاتھ رکھے، درد بمشکل سہتے اس نے نگاہیں اٹھا کر سوال کیا۔ سیاہ لباس والے آدمی نے اس کے سینے پر بھاری بوٹ سے ٹھوکر مار کر اسے گرایا، مگر شاہ ویر نے برق رفتاری سے اس کا بوٹ پکڑ کر اس کی ٹانگ کو گھمایا، توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے وہ گرا۔ شاہ ویر نے اس کے منہ پر چڑھا مفلر ہٹانا

چاہا مگر سامنے والے نے جمی ہوئی مٹھی کا ایک مکا اس کے جبڑے پر دے مارا، شاہ ویر تیورا کر سڑک پر گرا۔ درد جیسے ہی دو منٹ کی عمر سے گزرا اس نے ایسی شدت پکڑی کہ شاہ ویر بنگش حلق کے بل چیخا۔

پسلیوں سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے منظر دھندلے پڑ رہے تھے اور جسم سے جیسے روح قبض ہو رہی ہو۔ مگر اس نے اٹھنے کی سعی کی اور اس کے چہرے پر ایک اور ضرب پڑی۔ شاہ ویر بے اختیار بلند آواز میں کراہا۔ اسے کوئی گالی بھی دی۔ وہ دونوں گلی کی ایسی جگہ پر تھے جہاں اونچی عمارت کے عقب میں کوئی ان کو دیکھ نہیں سکا۔

”تم... کون . . . . . ہو؟ کیا.... چاہتے ہو؟“ وہ سرمئی سڑک پر گرا ہوا تھا۔ اسے گھائل کرنے والا اس کے سر پر کھڑا تھا اور وہ ہار ماننے سے انکاری تھا۔ سیاہ جینز، سیاہ شرٹ اور اوپر فر والی جیکٹ پہنے اس نے چہرے پر کوئی کپڑا باندھ رکھا تھا۔ سیاہ آنکھوں میں کوئی سرد و تاریک تاثر تھا۔

”کون ہو تم؟ چاہتے کیا ہو؟“ سیاہ لباس والا آدمی چہرہ اس کے چہرے کے قریب لایا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں تنفر تھا، سرد مہری تھی۔

”میں تمہاری موت ہوں، تمہارا خوف، تمہارا درد، زندگی کے بقیہ چند ماہ میں اگر تم کسی کو یاد کرو گے تو وہ میں ہوں۔ تمہارا سب سے عزیز۔ تمہارا واحد ساتھی۔“ شاہ ویر چند لمحے اسے تکتا رہا۔ اس کے جسم میں کوئی جنبش نہیں ہو رہی تھی۔ دھیرے دھیرے درد سینے تک آ رہا تھا۔ آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ چہرے اور سینے پر لگنے والے بوٹ سے جلن بڑھ رہی تھی۔ مگر اس نے گردن اٹھائی، چند لمحے مزید اسے دیکھا اور پھر شاہ ویر طلال بنگش نے اس کے منہ پر تھوکا۔

”تمہارے خوف کی میرے آگے یہ اوقات ہے۔“ سامنے والا ساکت رہ گیا۔ اگلی کئی ساعتیں مینہٹن کی اس گلی میں شاہ ویر بنگش کے اونچے قہقہے گونجتے رہے۔ وہ گردن دائیں سے بائیں ہلاتے تکلیف اور ایک عجیب سے احساس کے تحت حلق کے بل ہنس رہا تھا۔ ایسے جیسے وہ ہارا نہیں، یا پھر ایسے جیسے وہ خود کو فاتح سمجھتا ہو۔ یا ایسے جیسے وہ کوئی

ذہنی مریض ہو۔ چند لمحے وہ نقاب پوش بے حد ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں جیسے خون کے شعلے لپکے۔ شاہ ویر اب بھی ہنس رہا تھا۔ آنسو آنکھوں سے نکل کر کنپٹی میں جذب ہو رہے تھے۔ درد سے اس کی جان جا رہی تھی مگر وہ ہار نہیں مان رہا تھا۔ وہ محض سامنے والے کو چڑا رہا تھا۔

"تم سے کھیل کر مزہ آئے گا۔" وہ بغیر کسی وار کے اسی سفاکیت سے بولا اور چند لمحے مزید اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے بھورا بوٹ پوری قوت سے شاہ ویر کے جبڑے دے مارا۔ ہنسی تھم گئی، کراہیں اور چیخیں بلند ہوئیں۔ اگلا بوٹ اس کی پسلیوں کے درمیان پڑا۔ وہ اور اونچا چیخا۔

قرمزی سیال سڑک کو تر کر رہا تھا اور شاہ ویر دھندلاتی بصارت سے بس یہ سوچ رہا تھا کیا یہ انت ہے؟ ماتھے پر سیاہ پٹی باندھے، ہاتھوں میں سیاہ جھنڈا اٹھائے وہ میر کارواں ہر ناانصافی کے لیے سڑک پر نکل آتا تھا اور آج جب کوئی اس کی پسلیوں کے قریب گوشت میں خنجر مار گیا تھا تب کیا کوئی اس کے لیے نہیں آنے والا تھا؟

شاید نہیں۔ کبھی نہیں۔

★★★★★★★★★★★★★

مری کی ٹھنڈ کا وہی عالم تھا۔ برف باری جوں کی توں۔ پولیس سٹیشن میں عجب ہنگامہ آرائی کا سماں تھا۔ وردی میں ملبوس پولیس افسران چائے کے دور چلا رہے تھے۔ سہراب یمن کا تبادلہ تین سال قبل ایک پیچیدہ اور ہائی پروفائل قتل کیس کی کامیابی کے بعد مری ہوا تھا۔ اور ان تین سالوں میں لاہور کو خیر آباد کہہ کر اس نے اپنا ڈیرہ یہیں بسا لیا تھا۔ لیکن اب ....اب اسے واپس لاہور جانا تھا۔ وہ اس سرد شہر میں تنگ آ رہا تھا اور آج کل اپنے تبادلے کی کوششوں میں سرگرداں تھا۔

"لاہور پولیس کے اسپیشل کرائم برانچ سے مری کے اس سڑے ہوئے تھانے تک کا سفر کیسا رہا؟" تھانے کے احاطے میں ایک مکمل دفتر کے بجائے محض دو میز اور تین کرسیوں پر مشتمل سہراب یمن کی جاگیر میں تھانے دار صاحب نے قدم رکھتے ہوئے زہر بھی اگلا۔ سہراب نے ایک نظر اسے دیکھا پھر سر جھکا کر دوبارہ اپنے سامنے

پھیلے کاغذات کے پلندے دیکھنے لگا۔ موبائل پر واٹس ایپ کھلا تھا جہاں وہ "وائف" نامی کسی رابطے کو مسلسل پیغام بھیج رہا تھا۔ جواب ندارد دو بجے عدالت بھی جانا تھا۔ وہ مکمل طور پر مصروف تھا۔

"سنا ہے تم تبادلے کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہے ہو۔ کیا ہوا کام ہو نہیں رہا؟"

"سرکاری کاموں میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" مصروفیت سے جواب دیا۔

"یار تم نے مجھ سے کہا ہوتا۔" ایس ایچ او نعیم آگے آیا۔ سہراب کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ "مجھ سے بات ہی نہیں کی۔"

"آپ لاہور پولیس میں ڈی آئی جی لگے ہیں؟" سہراب نے اسی جھکی ہوئی گردن سے جواب دیا۔ اپنی زبان ایسی تھی پھر بد تمیز پوچھتا تھا اسلان یمن کی زبان کیوں تیز ہے۔ "پاکستان میں اپنا کام نکلوانے کے لیے عہدہ چاہیے ہوتا ہے۔" اس نے اضافہ کیا۔

"صحیح کہا تم نے۔ لیکن اس ملک میں ایک عہدیدار آدھے خاندان کے کالے چٹھوں کا امین ہوتا ہے میرے سسر لاہور پولیس میں ڈی آئی جی ہیں۔" وہ فخر سے کہہ رہا تھا۔ ساتھ سہراب کی میز پر رکھے تھرماس سے ایک کپ میں اپنے لیے چائے نکالی۔ سہراب جانتا تھا۔ (اگر اس کے ماموں یعنی سسر کی اتنی چلتی ہوتی تو خود آج مری کی برف میں سفید گولہ نہ بن رہا ہوتا)۔

"تم کہو تو میں بات کروں تمہارے لیے؟" اس نے کاغذات پرے دھکیلے کہ یہ ڈھیٹ یہاں سے ٹلنے والا تو تھا نہیں۔ بھوری سنجیدہ نگاہیں اٹھا کر سامنے بیٹھے آدمی کو دیکھا۔

"بدلے میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

نعیم مسکرایا۔ "تمہاری ذہانت کا میں مداح ہوں۔" وہ آگے کو ہوا۔ "پہلی بات، یہ جو باہر آدمی آیا بیٹھا ہے نا۔" اس نے ہاتھ اونچا کر کے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ ڈیڑھ ہفتے سے یہیں آ رہا ہے اس کے گھر سے پندرہ لاکھ نقدی

اور بیس تولہ سونا چوری ہوا ہے۔ ایک ہفتے سے ہر جگہ ڈھونڈ لیا لیکن کچھ مل نہیں رہا۔ سال کے اختتام پر میری رپورٹ اوپر جائے گی اور اسی کی بنا پر میرا تبادلہ ہونا ہے اگر تم اسے سنبھال لو تو۔"

"ڈی آئی جی لاہور آپ کا کام نہیں کر سکتے کیا؟"

"عجیب خبطی اور اصول پسند آدمی ہے وہ۔" نعیم نے منہ بنایا۔ "تمہارے تبادلے کے لیے پھر بھی مان جائے گا کیونکہ تم قابل ہو۔" اگر اس تعریف کا اس پر کوئی اثر ہونا تھا تو نہیں ہوا۔ وہ اب تک اسے انہی سابقہ "سوالیہ" نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ البتہ وہ سمجھ گیا تھا سسر صاحب رشتے داری سے زیادہ قابلیت پر کھتے ہیں۔

"دوسرا کام؟" اب کے نعیم ٹھہر گیا۔ انداز میں ایک محتاط سا تاثر آیا اور اس نے گردن گھما کر اطراف کا جائزہ لیا۔

"اصل میں میری بیٹی کے رشتے دیکھ رہا ہوں میں۔" وہ رکے سہراب کو جاننا اور اس کے ساتھ کام کرنا الگ بات تھی یہ الگ بات۔ "وہ تمہارا بھتیجا، سنا ہے وہ دراصل وہ میری بیٹی کا ہم عمر ہے اور سلجھا ہوا۔"

"ناہنجاز ہے وہ اپنی بیٹی کے لیے اگر اس کا سوچ رہے ہیں تو بہت غلط ہے۔" ان کی بات پوری ہونے سے قبل ہی سہراب نے انہیں ٹوک دیا۔ نعیم شل ہی تو رہ گئے۔ مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

"میں نے سوچا تمہارا بھتیجا ہے اس کی تربیت اچھی ہی ہو گی۔ اور وہ قابل بھی۔"

"بالکل میرا بھتیجا ہے اور بہت قابل بھی رہا ہے۔ لیکن فلحال وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کسی کی زندگی جوڑی جائے۔" سہراب کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا۔ "میں یہ والا معاملہ دیکھ لوں گا لیکن آپ کے دوسرے کام میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ میری بھی ایک بھتیجی ہے کسی اور کی اولاد کے ساتھ برا نہیں کر سکتا۔"

نعیم چند لمحے بالکل خاموش رہ گیا۔ اسلان یمن کے لیے سنے ہوئے کئی مفروضے ذہن کے کواڑوں پر بھاری دستک دینے لگے، اس لڑکے کی سپاٹ آنکھیں بے اختیار عجیب سی نظر آئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سہراب کے برابر آ کر کھڑے ہوا۔

”کیا یہ سب ۔۔۔۔یعنی چار سال پہلے جو ہوا ۔۔۔۔“اس نے آس پاس دیکھا پھر آواز سرگوشی کی مانند دھیمی کرلی۔”کیا یہ سچ ہے کہ پنار سکندر کا اغوا اور قتل اسلان نے کیا تھا؟“

قتل کوئی نیا لفظ نہیں تھا مگر سہراب ایک پل کے لیے جامد ہوا تھا۔اگلے لمحے جمود ٹوٹا اور اس کی جگہ کسی لاوے نے لیتے ہوئے اس کا سارا بدن جلانا شروع کیا مگر جب وہ بولا تو بے حد ٹھہرے ہوئے اور مستحکم لہجے میں بولا۔

”سہراب یمن غیب کا علم نہیں رکھتا۔“وہ رکا۔”اور اس لڑکی کی لاش آج تک نہیں ملی۔اس واقعے کو "قتل" نہیں کہا جاسکتا۔“اپنی میز سے دوسری میز تک جاتے ہوئے اسے کئی کلو کی بھاری زنجیریں جیسے پیروں کے ساتھ گھسٹنی پڑ رہی ہوں۔اسلان کے لیے اس کا دل جلتا تھا۔

”آپ کا لڑکا ہر وقت کسی سوچ میں رہتا ہے۔......اسے ڈاکٹر کو دکھائیں،بال نہ دینے پر میرے بچے کو پاگلوں کی طرح مارا ہے اس نے۔.....میرا خیال ہے اس پر کسی آسیب کا سایہ ہو گیا ہے،کمبخت ہے بھی تو خوبرو۔“

”ہو نہ ہو اس لڑکی کے اغواء میں اس کا کوئی نا کوئی تعلق تو ہے۔“پندرہ قدموں کا فاصلہ پندرہ صدیوں پر محیط لگا۔ہر مفروضہ،ہر ممکنہ توجیہہ سر سے جھٹکتا وہ میز کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھا۔ٹانگ پر چڑھائی اور اپنے سامنے بیٹھے باریش بوڑھے کو دیکھا۔

”آپ کے بیان کے مطابق پندرہ لاکھ کیش اور بیس تولہ سونا آپ کے گھر سے غائب ہے درست ہے؟“ بوڑھے نے مڑ کر اسے دیکھا اور اور جلدی جلدی اثبات میں سر ہلایا۔

”تجوری کا پاس کوڈ آپ کے علاوہ کس کو پتہ تھا؟“

”میری بڑی بہو اور بڑے بیٹے کو لیکن میرا بیٹا اس وقت شہر سے باہر تھا۔“

”ٹھیک۔“اس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ساتھ ساتھ وہ رپورٹ کو پڑھتا بھی رہا جس میں بوڑھے کا پتا،نام اور کام لکھا تھا۔سہراب نے اس پرچے سے بس تین لفظ اپنے ذہن میں بٹھائے۔

”بہو، ذات سید، پیشہ اسلامیہ کالج لیکچرر۔“

”دیکھیں جناب بات کچھ یوں ہے کہ پولیس کو اپنی ساری تفتیش کے دوران اگر کوئی مشکوک لگا ہے تو وہ آپ کی بڑی بہو ہیں۔“ بوڑھے آدمی کے چہرے سے گویا کسی نے سارا خون نچوڑ لیا اور اگر کچھ پیچھے بچا تو وہ سفید ماس تھا۔ سہراب بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔”اس لیے ہمیں یہ کرنا ہو گا کہ آپ کی بڑی بہو کو تھانے لا کر تفتیش کرنی ہو گی۔“

”ہماری عورتیں بلاضرورت گھروں سے باہر نہیں نکلتیں۔“ بوڑھے کا چہرہ سرخ ہوا۔

”یہ بھی تو گھر کی ضرورت کا معاملہ ہے چچا۔ فکر نہ کریں پردے کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا ہاں بس محلے والوں کی نظروں کی ذمہ داری میں نہیں لیتا۔“ وہ کس دیدہ دلیری سے، کیسے اپنے علم و فن کو استعمال کرتے ہوئے سامنے والے کو عاجز و بے بس کر رہا تھا یہ ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔ سارا تھانہ چائے کے کپ اور بسکٹ کی پرچ لیے آس پاس جمع ہو گیا۔”لیکن محلے کا کیا ہے پیسہ اور زیور بہت قیمتی ہے۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک طرف دیوار میں ٹنگی ہتھکڑی اٹھائی، میز پر پڑا پولیس کا ڈنڈا اٹھایا اور ایک ہانک لگائی۔”اجمل پولیس موبائل تیار کرواؤ اور لیڈی کانسٹیبل گاڑی میں بٹھاؤ۔ شاہ صاحب کی بڑی بہو کو تفتیش۔“

”میں ایف آئی آر واپس لیتا ہوں۔“ بوڑھا تڑپ کر بولا۔”میرا معاملہ، میرا پیسہ سب اللہ کے حوالے مجھے پولیس سے کچھ نہیں چاہیے لیکن میری بہو تھانے نہیں آئے گی۔“ وہ دلگیری اور قطعیت سے کہہ رہے تھے۔

سہراب نے سادگی سے انہیں تکا۔”سوچ لیں شاہ صاحب پندرہ لاکھ نقدی اور سونا کوئی کم رقم نہیں۔ اس کے علاوہ اگر آپ نے اعلیٰ حکام سے کوئی شکایت کی تو میں یہ کہتے ہوئے بالکل نہیں ہچکچاؤں گا کہ آپ کی بہو اس تخریب کاری میں معاونت کار تھی۔“

بوڑھے نے بغیر کچھ کہے بس ایک لمحے کو نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور سہراب کو یوں لگا جیسے ان نگاہوں میں ڈھیر ساری ملامت تھی۔۔۔۔۔۔ لیکن خیر۔ اسے اب ملامتیں باضمیر نہیں کر سکتیں تھیں۔ ہمیشہ کی طرح وہ مسئلہ حل کر چکا تھا۔ ہمیشہ کی طرح دامن صاف، گردن کسی قسم کے طوق سے خالی۔ اور ہاتھ بے عیب۔

"اب تو سمجھو تمہارا تبادلہ ہو گیا۔" شاہ صاحب کے جانے کے بعد نعیم نے بے حد والہانہ پن سے کہا تھا۔ "اب تمھیں مزید اس شہر میں رہنے کا جبر نہیں برداشت کرنا پڑے گا۔" وہ خوش نظر آ رہا تھا۔ سہراب کا چہرہ ہر تاثر سے پاک۔ "اب واپس لاہور۔ تم اپنے گھر جاؤ گے، سہراب۔"

"آف کورس۔" سہراب یمن نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ ذہنی خرافات کے قصے پھر سہی۔

★★★★★★★★★★★★★★

"نیویارک"

اس کی آنکھیں نقاہت سے بند ہو رہی تھیں جب اس نے کسی گاڑی کو اپنے پیروں کے بالکل قریب رکتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بہ دقت آنکھیں کھلی رکھنے کی سعی کی لیکن اب یہ کام بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اسے اپنا نچلا دھڑ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا اور اس کا موبائل وہ آخری کال کے بعد اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر وہیں کہیں گر گیا تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھلا اور کوئی مرد تیزی سے باہر آیا۔

"جوزف ....." شاہ ویر نے دکھتے ہوئے حلق سے بمشکل آواز نکالی۔ اس کا سفید ٹریک سوٹ اس وقت سارے کا سارا سرخ پڑ گیا تھا۔ جوزف اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"یہ کیا ہوا ہے شاہ ویر؟ یہ کس نے کیا ہے؟ کیا میں پولیس کو کال کروں؟" وہ اپنی جیب سے موبائل نکال رہا تھا۔

شاہ ویر کے ہاتھوں میں اس وقت طاقت نہیں تھی ورنہ رکھ کر ایک طمانچہ اسے مارتا اور کہتا ”پولیس والے تو تم بھی ہو گدھے۔“ لیکن فلحال اس نے بس تین انگلیوں کے اشارے سے اسے اپنے قریب جھکنے کو کہا۔ سانس لینے میں اب مشکل ہو رہی تھی۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

”یہ خون صاف کرواؤ، اور ابھی اس وقت مجھے ایک جگہ لے کر جاؤ۔ میں تمھیں ایڈریس بتاتا ہوں۔“ جوزف نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

”تمہارا دماغ خراب ہے اپنی حالت دیکھو یہ سیدھا سیدھا پولیس کیس ہے۔ میں ابھی اپنی ٹیم کو بلواتا ہوں جس نے بھی حملہ کیا ہے اس نے ضرور کوئی نشان پیچھے چھوڑا ہو گا۔“ وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔ وہ اب تک نا محسوس انداز میں شاہ ویر سے فاصلے پر تھا۔ ہک ہاہ گورے اور ان کے چونچلے۔ اگر یہاں کوئی پاکستانی ہوتا تو پہلے دوست کو کندھے پر ڈالتا اور پھر اس موئے ادھ قاتل کا پتا ڈھونڈتا۔

”جوزف پلیز میری بات سمجھو۔“ اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی کچھ بھی کہنے کی کوشش کرتا تو جیسے سارا جسم اکڑنے لگتا۔ ”مجھے ایک پتے پر چھوڑ کر آؤ میں وعدہ کرتا ہوں شام تک تمھیں سب سمجھا دوں گا۔ پولیس کو شامل مت کرو۔“ جوزف لب کاٹنے لگا۔ اسے کہیں بھی لے کر جانا اپنی نوکری سے دغا ہوتی اور کرائم سین کے ثبوت مٹانا دغا کے اوپر مہر لگانے کے برابر۔ لیکن شاہ ویر بنگش کے احسان اتنے تھے کہ وہ تمام عمر کا پچھتاوا سہہ سکتا تھا۔

وہ people person تھا۔ لوگ اس کے لیے جان ہتھیلی پر سجا کر رکھتے تھے۔ ساحر تھا وہ سفید کو سیاہ کہے تو تُف ہے ان پر جو انکار کریں۔

اگلے چند پلوں میں اس نے سڑک صاف کر دی تھی، گاڑی کی پچھلی نشست پر شاہ ویر کو بٹھا دیا تھا۔ جو اب بھی موبائل سے کسی کو کال ملاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جوزف نے ڈگی کھول کر خون آلود کپڑے اس میں ڈالے اور ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا۔ اگلے چند لمحوں میں اس کی گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ شاہ ویر سیٹ سے ٹیک لگائے گہرے لمبے سانس لے رہے تھا۔ چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ رنگت نچڑ کر رہ گئی تھی۔

"تم ہسپتال کیوں نہیں جارہے، شاہ ویر؟"

"دو دن بعد میں ایوارڈ شو میں شرکت کرنے جارہا ہوں۔ چھ دن بعد میں ایک بہت بڑے بجٹ کی فلم کے لیے منظر بندی کا معاہدہ دستخط کرنے جارہا ہوں، اس ماہ کے آخر میں میری کتاب لانچ ہورہی ہے تمھیں لگتا ہے اس وقت تمھارے ملک میں شاہ ویر بنگش ایک اسکینڈل افورڈ کرسکتا ہے؟" وہ نقاہت سے بولا۔

"تم وکٹم کہلاؤ گے یار۔" وہ موڑ کاٹ رہا تھا۔

"مجھے وکٹمز سے نفرت ہے کہانی کی لائم لائٹ غلط وقت پر لے جاتے ہیں۔"

"یہ ہیرو بننے کا وقت نہیں ہے۔"

"میں ایسی کوشش کرتا ہی نہیں۔" اس نے خون سے لتھڑے ہوئے ہاتھوں سے موبائل کان سے لگایا۔ کال اٹینڈ ہوگئی تھی۔ "اپنے فلیٹ پر کسی اچھے ڈاکٹر کو بلواؤ پیسے کی فکر مت کرنا بس رازداری شرط ہے۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔ میں پہنچ رہا ہوں۔"

جوزف اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کیا یہ وہی آدمی ہے جس کا جسم ادھڑا ہوا ہے، خون جسم سے پانی کی طرح بہہ رہا ہے اور وہ اس وقت اپنے کیریئر اور ذات کو کسی قسم کے دھبے سے بچانے کی تگ و دو کررہا تھا۔ کیا وہ ذہین تھا؟ یا کوئی ذہنی مریض؟

"اس ایڈریس تک چلو۔" اس نے موبائل کو سینے والی جگہ پر رگڑتے اس پر لگا خون صاف کرتے لوکیشن بتائی۔

چند منٹ پر لگا کر اڑے اور اب وہ ساؤتھ برانکس کے ایک چھوٹے سے گھر میں موجود تھا۔ ساؤتھ برانکس نیو یارک کا قدرے خطرناک اور غیر محفوظ علاقہ ہے۔ جیب کترے، کرائے کے غنڈے اور چھوٹی موٹی چوریوں سے لے کر بڑے بڑے ڈاکے مارنے والے مجرم اسی علاقے میں اپنا بسیرا رکھتے ہیں۔ فلموں اور ٹی وی ڈراموں میں

جہاں امریکا اور نیویارک کی صرف سیاحتی طرف دکھائی جاتی ہے وہیں ساؤتھ برانکس جیسے علاقے کیمرے کی آنکھ سے اوجھل رکھے جاتے ہیں۔

عمارت کے اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں سیاہ صوفے پر وہ بمشکل کمر سیدھی کیے بیٹھا تھا۔ جوزف اس کی دائیں طرف بیٹھا مینہٹن کی اس گلی کی سی سی ٹی وی فوٹیجز اپنے پاس منگوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فرش پر جابجا خون پھیلا تھا۔ سفید روئی کے سرخ ہو چکے کئی گولے فرش کی زینت بنے ہوئے تھے اور وہ گہرے لمبے سانس لے رہا تھا۔ چہرہ پیلا پھٹک ہو رہا تھا۔ ہونٹ خشک۔

"تم ڈرنک کرتے ہو؟" جامنی بلاؤز اور منی اسکرٹ والی لڑکی انجکشن پر انگلیوں سے "ٹک ٹک" کرتے ہوئے اسے جانچتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "اگر کرتے ہو تو بتاؤ مجھے نشے کی مقدار بڑھانی پڑے گی۔"

"صرف بیئر پیتا ہوں۔" شاہ ویر گہری سانسوں کے درمیان بولا۔ اس کی معالج کندھے اچکا گئی۔

"دیکھ لیتے ہیں۔" وہ ادھڑا جسم جوڑنے کے کئی سامان لے کر آئی اور اس کے قریب آکر بیٹھی۔ ہاتھ شاہ ویر کے بازو کی طرف بڑھایا جب اس نے روکا۔ آنکھیں بند سی ہو رہی تھیں۔

"تم مکمل ڈاکٹر ہو؟" جامنی اسکرٹ والی جینیفر رک گئی۔ اس کے جامنی بال جو ماتھے پر کٹے ہوئے تھے آنکھوں میں گھسنے سے بمشکل بچے ہوئے تھے۔ ہونٹ کثرت سگریٹ نوشی سے سیاہ پڑ رہے تھے۔ اور منہ سے شراب کی بُو آرہی تھی۔

"تمھیں کیا لگتا ہے؟"

"اگر تم ڈاکٹر نہیں ہو تو مجھے ہاتھ بھی مت لگانا۔" جینی نے تمسخر سے سر دائیں بائیں ہلایا اور پھر شاہ ویر کا بازو کھینچ کر اپنی طرف کیا۔ وہ نقاہت کا مارا مردبس کراہ سکا۔ بازو چھڑوانے کی سعی کی مگر وہ گرفت مضبوط کر گئی۔

"مکمل ڈاکٹر ہوں میں۔ زیادہ پیسہ بنانا چاہتی تھی اس لیے منشیات فروشی کی طرف آگئی اور۔۔۔۔۔۔ پھر پکڑی گئی اور پھر پولیس اور معاشرے کے لیے میں ایک مجرم بن گئی۔ اس لیے اب میں مجرموں کا علاج کرتی ہوں۔" اس نے سوئی چبھونی چاہی مگر شاہ ویر نے اپنا بازو کھینچ کر اس کی گرفت سے نکالا۔

"بغیر anesthesia کے کام کرو۔" وہ بے لچک انداز میں بولا۔ موبائل پر بات کرتے ہوئے جوزف بری طرح ٹھٹھکا، ولیم نے اپنی گردن اتنی تیزی سے موڑی کہ گردن چٹخنے کی آواز آئی۔ "مجھے ہوش میں رہنا ہے."

"لوکل بھی نہیں؟"(لوکل نشہ آور سوئی تب لگائی جاتی ہے جب محض زخم کی جگہ سن کرنی ہو)۔

"لوکل بھی نہیں۔" وہاں دو لوگ تھے جو اس کے بہترین دوستوں میں سے تھے ایک جو اسے سڑک سے اٹھا کر اپنی ملازمت خطرے میں ڈال کر اسے یہاں لایا تھا دوسرا وہ تھا جس نے اس غیر امن علاقے میں اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی اسے اپنا گھر دیا مگر وہ غنودگی میں چلا جاتا تو یہ تینوں لوگ "انسان" ہوتے اور شاہ ویر بنگش انسانوں پر بھروسہ نہیں کیا کرتا تھا۔ دوست، بھائی، خاندان اسے اپنے معاملے میں کسی پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ جینی نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باقی اوزار اکھٹا کیے اور گھٹنوں کے بل شاہ ویر کے قدموں کے قریب آکر بیٹھی۔ ہاتھوں پر دستانے چڑھائے اور ایک نظر شاہ ویر کو دیکھا۔ ایسے جیسے پوچھ رہی ہو "تیار ہو؟"

شاہ ویر نے اپنا ہاتھ دانتوں کے درمیان دبایا۔ پسینے سے تر بال ماتھے سے ہٹائے اور تھکی آنکھوں سے "ہاں" میں جواب دیا۔ اس نے گردن پیچھے صوفے پر ڈھلکا دی۔ آنکھوں سے آنسو نکل کر کنپٹی میں جذب ہو رہے تھے، وہ ساکن سا چھت کو گھور رہا تھا۔ کیا تھا وہ کیا بن رہا تھا؟ لوگ، خوشبو، طاقت، مشہوری، فن وہ کس کس شے کا بادشاہ تھا اور کہاں آکر قسمت اس سے کج ادائی کر رہی تھی؟

اسی پل اس کا موبائل تھرتھرایا۔ مخصوص آواز۔ شاہ ویر تیزی سے سیدھا ہوا۔ اس کی بھیگی تکان زدہ آنکھوں میں کوئی بے اختیاری سی اتری۔ جس سخت خول میں وہ بند تھا وہ چٹخ گیا۔ بس ایک کال، صرف ایک نام نے اسے پگھلا دیا۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے موبائل اٹھایا۔ کال اٹینڈ کی اور انگلی لبوں پر رکھتے باقیوں کو خاموش رہنے کو

کہا۔ اسی لمحے جینی نے پہلا ٹانکا لگایا۔ شاہ ویر نے دانتوں پر دانت جما لیے جسم جیسے کسی نے دہکتے ہوئے کوئلے میں ڈال دیا ہو۔

”ہیلو شاہی؟ تم مجھے سن سکتے ہو؟“

”ہاں.... ہاں، آراہ بولو۔“ درد پر بمشکل قابو پاتے لہجے کی لرزاہٹ کو روکتے اس نے بہ دقت کہا۔ جینی بے رحمی سے ٹانکے لگاتی جا رہی تھی۔ اسے جیسے کسی بات سے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا ہاں مگر اس کے انداز میں بلا کی مہارت تھی۔

”تم اتنے دنوں سے مجھے اگنور کر رہے ہو تم آخر ہو کہاں؟“ وہ رو پڑی۔ ”میں نے ماموں اور چاچو سے بات بھی کر لی۔ میں نے بھائی سے بات کر لی اور تم نے کہاں آ کر مجھ سے منہ موڑا ہے کیا میں یہ ڈیزرو کرتی ہوں؟“ وہ بری طرح رونے لگی تھی۔ شاہ ویر ہنوز ہتھیلی دانتوں میں دبائے ہوئے تھا ہر ٹانکے کے ساتھ اس کی رنگت زرد پڑتی جاتی دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا اور سانس کہیں سینے میں اٹک جاتی۔ اس نے گردن پیچھے صوفے پر ڈھلکا دی۔ اسے حیرت تھی وہ اب تک بے ہوش کیوں نہیں ہوا؟

”آراہ.....“ اس نے بے حد تحمل سے اسے پکارا۔ ساتھ ہی جینی کو ہاتھ کے اشارے سے رکنے کو کہا۔ ”آئی لو یو، آئی ریئیلی ڈو۔ (میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں واقعی کرتا ہوں) کوئی چچا، ماموں یا بھائی تمھیں مجھ سے الگ نہیں کر سکتا اوکے؟“

دوسری طرف محض اس کے سسکنے کی آواز آ رہی تھی۔ شاہ ویر کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ جینی نے گھڑی کو دو انگلیوں سے بجاتے ہوئے اسے اپنا وقت ختم ہونے پر مطلع کیا۔ شاہ ویر نے گہری سانس لی اور اسے کام شروع کرنے کا اشارہ کیا۔ جوزف ہنوز متفکر کھڑا تھا۔

”ڈارلنگ کیا میں دس منٹ بعد کال کر سکتا ہوں؟“ محبت، چاہت، منت کیا نہیں تھا اس کے لہجے میں؟ ”پلیز؟“

سسکیوں کے درمیان دوسری طرف اجازت دی گئی۔ اور اسی لمحے جینی نے سوئی چبھوئی۔ مٹھیاں بھینچتے ہوئے شاہ ویر حلق کے بل چیخا۔ درد، تڑپ، جلن وہ زور زور سے کراہنے اور، بلند آواز میں چیخیں مارنے لگتا۔

"ریلیکس شاہ ویر ریلیکس۔" جوزف اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے تسلی دے رہا تھا۔ شاہ ویر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خود کو ختم کر دے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ سیاہ صوفے پر لمبا لیٹا ہوا تھا۔ آراہ سے بات کرنے کے بعد اس پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی اور وہ دس منٹ قبل ہوش میں آیا تھا۔ پین کلرز کی کثیر مقدار نے اس کا درد کم کر دیا تھا لیکن خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ہونٹ پیڑھی زدہ معلوم ہو رہے تھے وہ لمبے لمبے سانس لیتا بمشکل اپنا تنفس بحال کر رہا تھا۔ فلیٹ تقریباً صاف ہو چکا تھا۔ اس کا سفید ٹریک سوٹ اب کچرے کی زینت تھا اور وہ اس وقت عام سے سیاہ رنگ کے ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ سیاہ ہی رنگ کی ہڈی ایک طرف پڑی ہوئی تھی۔ جسم فلحال کسی بھی شرٹ سے خالی تھا۔ اور ٹانکوں کے اوپر پٹی بندھی تھی۔ اس کے جسم پر بندھی پٹیاں اسے کمزور ظاہر کر رہی تھیں۔

"اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟" ولیم اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سیاہ رنگت اور بھاری بھر کم جسم والا مرد متفکر دکھائی دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔ پھر آنکھیں کھول کر جوزف کو دیکھا۔ "سی سی ٹی وی سے کچھ ملا؟"

"نہیں گلی کے دونوں سی سی ٹی وی بند کیے گئے تھے۔ آگے ایک کافی شاپ تھی اس کا فوٹیج ڈیلیٹ ہے میں اپنے تئیں پھر بھی۔"

"رہنے دو کچھ نہیں ملے گا۔" اس نے قطعیت سے کہا۔ "یہ بات ہمارے درمیان رہنی چاہیے پولیس، میڈیا یا پھر میرے گھر والوں کو کوئی علم نہ ہو پائے۔" ولیم نے سر ہلا دیا۔ "یہاں آ کر میری مدد کرو۔" اس نے ہوڈی کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے ولیم سے کہا۔ وہ اٹھ کر شاہ ویر کے قریب آیا اور ہوڈی پہننے میں اس کی مدد کرنے لگا۔ جوزف چپ چپ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے شاہ ویر کے لیے فکر ہو رہی تھی۔ کھٹکا بھی۔

"یہ کب سے ہو رہا ہے؟" اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے پوچھا۔

"تین ماہ۔"

"اور تمھیں کیا لگتا ہے یہ سب کیا ہے؟"

"قتل سے پہلے مجھے ذہنی مریض بنانے کے حربے۔"

"تمھیں نہیں لگتا وہ کامیاب ہو رہا ہے؟ کوئی نارمل انسان اپنے خاندان سے ایسی باتیں نہیں چھپاتا۔"

"کیا میں نے کبھی نارمل ہونے کا دعوی کیا ہے؟" ابرو اکھٹے کیے اس نے سپاٹ انداز میں پوچھا۔ جوزف نے مزید کچھ نہیں کہا۔ "میں یہ سارا معاملہ خود دیکھ لوں گا۔ میرے گھر والے میلوڈرامہ کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

"اوکے۔" جوزف نے ہر بحث ختم کرتے ہوئے کہا۔ البتہ وہ کچھ سوچ چکا تھا۔ شاہ ویر چاہے اس پر شک کرتا ہو چاہے خود کو ہر فن مولا سمجھتا ہو مگر وہ اس کا دوست تھا۔ اس کی انگلیاں اب اسی دوست کے گھر والوں کو ایک اہم خبر سے مطلع کر رہی تھیں۔

"تین ماہ سے شاہ ویر کسی سے ہراس ہو رہا ہے اور آج اس نے شاہ ویر پر جان لیوا حملہ کیا ہے۔ اگر اپنے بھائی کی زندگی چاہتے ہو تو کچھ کرو اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔" جس وقت شاہ ویر ولیم سے اپنی دوائی اٹھا کر دینے کو کہہ رہا جوزف ریچرڈ اسی پیغام کو "شاہ زید" نامی شخص کی طرف ارسال کر چکا تھا۔

★★★★★★★★★★★★★

”دو سال قبل“

نیویارک، ٹائم اسکوائر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ملکوں، قوموں اور ثقافتوں کا سنگم۔

ٹائم اسکوائر کی سرخ سیڑھیاں سڑک کے کنارے ہیں جہاں روز لاکھوں سیاح آتے ہیں۔ یہاں بینڈ بجتے، آگ اُگلنے والے آرٹسٹ اور رقص کرنے والے گروپس نظر آتے ہیں۔ یہ دنیا بھر کے لوگوں کا ملاپ ہے، جسے "world wide meetup place" کہا جا سکتا ہے۔ بلند عمارات پر چلتے روشن اشتہاریں ٹائم اسکوائر کی رونق ہیں، جہاں لوگ گزرتے، رک کر دیکھتے اور خوشی سے ہنستے ہیں۔

اس وقت بھی سرخ سیڑھیوں پر کئی مقامی اور غیر مقامی لوگ بیٹھے تھے۔ سامنے ہی ایک بینڈ گانا بجا رہا تھا۔ سیاہ فام امریکی نوجوانوں کا بینڈ گٹار پر دھن بنا رہا تھا۔ ان کے بال چھوٹی چھوٹی چوٹیوں میں گوندھے تھے، لباس ایک جیسا اور گلے میں زنجیریں لٹکی تھیں۔ آٹھ لڑکے اور دو لڑکیوں کا یہ گروپ رونق بڑھائے ہوئے تھا۔ انارا طارون سرخ سیڑھیوں پر بیٹھی دکھائی دے سکتی تھی۔

It's the most wonderful time of the year، کئی برس پرانا کرسمس گیت قدیم طرز میں گنگنایا جا رہا تھا۔ اس گیت کا نیا طرز بھی آ چکا تھا۔ لیکن شاید لوگوں کو اب بھی وہی قدیم طرز پسند تھا۔

سرخ سیڑھیوں پر بیٹھی آراہ نے چہرہ بگاڑا، جمائی بمشکل روکی۔ ”پتہ نہیں کس کی ماں مری ہے جو ایسا گانا گا رہے ہیں منحوس نہ ہوں تو۔“

اس کی آواز اگلے زینے پر بیٹھے ماسک والے لڑکے کے کانوں تک گئی۔ اس نے ٹھہر کر، بے یقینی سے گردن موڑ کر دیکھا وہ بلکل اس کے سامنے تھی۔ جس زینے پر وہ بیٹھا تھا اس سے عین اوپر والے زینے پر۔ شاہ ویر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اب قسمت بار بار ان کے راستے ملا رہی ہے تو اس کی سن لینی چاہیے۔

ماسک پہنے لڑکے کی آنکھیں ایک بار پھر چھوٹی ہوئیں۔ وہی مسکراہٹ۔

"میں تمہاری تائید کرتا ہوں۔" بینڈ کے بے سرے راگ میں بھی آراہ اس آواز کو پہچان گئی۔ اس نے کرنٹ کھا کر نیچے دیکھا، وہ گردن پیچھے ڈھلکائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے آراہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ شاہ ویر نے سر جھٹکا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ساتھ ذرا فاصلے پر آکر بیٹھا۔ درمیان میں آراہ کا سیاہ بیگ تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ کسی فریم میں نظر آتے تو یقیناً بہترین لگتے۔

"اگر تم سوچ رہی ہو کہ میں تمہارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آیا ہوں تو تم غلط ہو۔" وہ بلند آواز میں بولا تھا تاکہ اس چلتے گیت کے باوجود آراہ اس کی آواز سن لے۔ وہ آواز سنتی یا نہ اس کی مسحور کن خوشبو محسوس کر سکتی تھی۔

"تو پھر میں اسے کیا سمجھوں؟؟" لڑکی کا اشارہ اس کی یہاں موجودگی کی جانب تھا۔

شاہ ویر نے گردن موڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی ہیزل آنکھیں جن کے گرد سیاہ لکیر بنتی تھی۔ مری کی برف باری، کتاب دستخط کی وہ تقریب، برف میں پھنس جانا اور وہ ٹھنڈا لمس شاہ ویر کو اس اتفاقاً ملاقات نے سب کو یاد دلایا تھا کہ وہ ان آنکھوں کو کبھی بھول نہیں پایا تھا۔ یہ لڑکی اس کی زندگی کی کتاب میں کسی پسندیدہ باب کی طرح محفوظ تھی۔ ان مٹ، یادگار۔

"تم اسے ایک اتفاق کہہ سکتی ہو۔" وہ نگاہیں ہٹا کر سنبھلا۔

آراہ نے تھکی تھکی سانس خارج کی۔ "جانے ساری دنیا کے سارے اتفاقات تمہارے ساتھ ہی کیوں ہوتے ہیں۔"

"میرے ساتھ اتفاق نہیں ہوتے میں خود ایک چلتا پھرتا اتفاق ہوں۔"

"ایک اسٹالکر اتفاق۔"

"ایک stunning اتفاق۔" شاہ ویر نے بھی جتایا۔ آس پاس لوگ تصاویر کھینچنے لگے۔ بینڈ ممبران اب اپنے اوپر وارے ہوئے پیسے سمیٹ رہے تھے۔ ٹائم اسکوائر جھلملا رہا تھا۔

بینڈ جانے لگا تو اب ان کی جگہ کوئی ایشین غول گٹار اور مائیک لیے آ گیا۔ آس پاس شور بڑھ گیا۔ ہندوستانی، پاکستانی اور بنگلہ دیشیوں نے ہوٹنگ کر کے سارا ٹائم اسکوائر سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ ”مجھے لگتا ہے میں تم سے لفظوں میں نہیں جیت سکتی۔“ آراہ نے باقاعدہ ہاتھ اٹھا لیے۔

”لفظوں میں مجھ سے جیتنے کے لیے سامنے والے کو میرے جیسا ہونا چاہیے۔“ شاہ ویر اس سے نگاہ نہ ہٹاتے ہوئے اپنے برادران کے لیے تالیاں بھی بجا رہا تھا۔

”تمہارے جیسا کیسا؟ زیادہ بولنے والا؟“

”اونہوں زیادہ لکھنے والا۔“ اس نے جتا کر کہا۔ آراہ گہری سانس لیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ بال چہرے سے ہٹائے۔ کوٹ درست کیا، اور مٹھیوں کے درمیان پھونکیں مار کر خود کو گرمائش پہنچانی چاہی۔ دوسری طرف کوئی پاکستانی گانا گایا جا رہا تھا۔ آس پاس کھڑے پاکستانی اور ہندوستانی ساتھ گانے لگے۔

”خیر مجھے چلنا چاہیے کافی وقت ہو گیا۔“ اس نے سیڑھیوں پر رکھا اپنا نیلا پرس جھک کر اٹھایا۔ اس کی پٹی کندھوں پر درست کی۔ شاہ ویر اس کے ساتھ اٹھا۔

”کیا میں تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟“ اس نے مہذب انداز میں سوال کیا۔ آراہ نے ابرو استہفامیہ انداز میں اٹھائے۔ شاہ ویر نے کہنا جاری رکھا۔ ”اگر کل شام تم مصروف نہیں تو کیا تم میرے ساتھ براڈوے چلو گی (ایک قسم کا تھیٹر)۔“

انارا طارون کو نیویارک آئے دو ماہ ہو چکے تھے۔ فرنگی ثقافت میں کسی مرد کا ایک لڑکی سے کافی، براڈوے یا ڈرنک کا پوچھنا وہ اس کا مطلب بہت خوب سمجھتی تھی۔ یا تو وہ میل جول بڑھانا چاہتا ہے، یا پھر وہ سامنے والی کو مستقبل کی ”گرل فرینڈ“ دیکھنا چاہتا ہے۔ ایسی پیشکش یہاں معیوب نہیں سمجھی جاتی۔

"میں کسی اجنبی کے ساتھ براڈوے کیوں جاؤں گی؟" اس کے لہجے میں مکمل اجنبیت تھی۔ "کل کلاں کو تم میرا گلا کاٹ کر سڑک پر پھینک گئے تو؟" شاہ ویر گردن جھکا کر مسکرایا۔ واللہ یہ پہلی بار تھا۔ صنف مخالف سے بات کرنے میں پہل کرنا، اسے اپنے ساتھ چلنے کی پیش کرنا اور پیش کش رد ہونے کی صورت میں وہی بات دوبارہ کہنا یہ واقعی پہلی بار تھا۔ وہ اس سے چار زینے اوپر کھڑا تھا۔ ان کے درمیان بس تین زینے تھے اور ان پر بیٹھے لوگ تھے۔ کسی عمارت کی سرخ روشنی شاہ ویر کے چہرے پر پڑ رہی تھی وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جس کا خیال پورے چھ ماہ اس کے ذہن و دل پر قابض رہا تھا۔ اسے کوئی الہام ہوا تھا کہ اس خیال، اور اس وجود کو وہ اگلی چھ زندگیوں میں بھی ذہن سے رفع نہیں کر پائے گا۔

"اگر میں شناسا نکلا تو؟ کیا تب میرے ساتھ براڈوے چلو گی؟" بازو سینے پر باندھے خوشگواریت سے کہا۔

"تم شناسا نکلے تو آدھا نیویارک تمہارے ساتھ دیکھوں گی۔" وہ مقابلے کی دعوت دے رہی تھی آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ماسک ہٹانے کا کہہ رہی تھی۔ شاہ ویر نے جیسے اس مقابلے کو قبول کیا چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور اسی لمحے پی کیپ پہنے لڑکے نے ماسک کو ایک انگلی سے نیچے کیا تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔ وہ صاف رنگت، اٹھی ہوئی ناک، اور بڑھی ہوئی شیو۔ وہ یقیناً وجیہہ مردوں میں سے تھا۔ آراہ جہاں تھی وہیں تھم گئی۔ ایک لمحے کے لیے وہ سانس تک نہ لے سکی۔ وہ اس چہرے کو پہچانتی تھی۔

شاہ ویر نے پی کیپ بھی اتار دی۔ بھورے بال بکھر سے گئے۔ اب وہ گلے میں لپٹا مفلر بھی اتار رہا تھا۔ اس کی اونچی گردن، اور اس میں پڑی سفید سونے کی چین۔ آراہ اس آدمی کو کہاں بھول سکتی تھی؟ تین زینے اوپر ٹھہرا یہ شخص وہ تھا جسے بس ٹی وی، موبائل میں دیکھا تھا۔ وہ جو دسترس سے بہت دور رہا تھا۔ وہ جس کی کتابیں لینے کے لیے اس نے کتنے ہی روپے خرچ کر ڈالے تھے۔ وہ شخص شاہ ویر بنگش تھا۔ انا راطارون کیا اسے تو سارا پاکستان جانتا تھا۔ وہ مشہور لکھاری، عوامی خادم، وہ غریبوں کا رہنما، وہ جو پیدا ہی کیمرے کے لیے ہوا تھا۔

”شاہ... ویر... شاہ ویر... بن... گش۔“ کئی لمحے بعد اس کے لبوں سے چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بے ساختہ دل کے مقام پر ہاتھ رکھا شاہ ویر مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا محظوظ سا۔ گانے اور ہوٹنگ کی آواز تیز ہو گئی۔

کئی لمحے یونہی بے یقینی میں گزرے، پھر وہ آگے آئی ایک انگلی بڑھا کر اس کے کندھے کو چھوا۔ یہ وہی تھا کوئی بھرم نہیں، کوئی برف سے اٹی مصوری نہیں۔ وہ سالم حقیقت کی طرح سامنے موجود تھا۔

”کیا اب تم میرے ساتھ براڈوے چل سکتی ہو، کل شام پانچ بجے کیسا رہے گا؟“ وہ اپنی دلکش مسکراہٹ کے درمیان بولا تھا۔ اسے یوں اچانک سامنے دیکھنا یہ اتفاق تو بہترین تھا، خواب تھا تو اسے ختم نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آراہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ وہ جھپکنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

”مس انارا طارون کیا آپ کل شام پانچ بجے میرے ساتھ براڈوے چلنا چاہیں گی؟“ وہ دوبارہ پوچھ رہا تھا۔ وہ انکار کرے تو بدبخت کہلائے۔ منہ پھیرلے تو پچھتاوا ہو۔

★★★★★★★★★

سیاہ رنگ کی ہیوی بائیک اسلام آباد موٹروے پر اس تیزی سے فراٹے بھر رہی تھی کہ دیکھنے والی ہر نظر کے ساتھ اس کا کھیل آنکھ مچولی کا تھا۔ سیاہ رنگ کی جینز کے ساتھ ہم رنگ شرٹ اور سیاہ ہی چمڑے کی جیکٹ پہنے ایک اونچے لمبے، اور کسرتی قامت والے مرد نے بائیک کے دونوں ہینڈل مضبوطی سے جکڑ رکھے تھے۔ سیاہ دستانوں سے نظر آتی اس کی آدھی انگلیاں قوت لگانے کے باعث سرخ پڑ رہی تھیں۔ ہیلمٹ کے ادھ کھلے شیشے سے نظر آتی اس کی گہری بھوری آنکھیں کسی سوچ میں تھیں۔ انگلیوں کی ہڈیوں میں ہلکی ہلکی خراشیں تھیں شاید اس کا حادثہ ہوا تھا۔ حادثہ پہلے بھی ہوا تھا، اسلان یمن آج تک ان چار سالوں کی قید میں تھا۔ اور نہ جانے کتنے سال مزید اس سزا کو جھیلتا۔

وہ اس بائیک پر اکیلا تھا مگر اس کے تصور میں دکھائی دیتا ایک اور وجود بھی تھا جس نے تصور سے حقیقت میں قدم رکھا، اسلان کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔ اور اسلان نے اپنے کندھوں پر کسی کا لمس محسوس کیا۔ وہ ہر دفعہ آجاتی تھی، اس کی تنہائی کی ساتھی، وہ جو بھرم جیسی حقیقت تھی۔ اس کے سفید نیل پالش میں ڈوبے ہاتھ اسلان کے کندھوں پر تھے۔ وہ نشست سے اٹھ کر کھڑی تھی، ہیلمٹ اتارے وہ جوش سے چلا رہی تھی۔ سیاہ جینز کے ساتھ سیاہ جیکٹ میں وہ بائیکر کی ہمسفر لگ رہی تھی۔ کس اور دنیا کی، یا شاید کسی اور دنیا جا چکی۔

"میں سپیڈ بڑھا رہا ہوں، پنار گرفت مضبوط کرو۔" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ہواؤں میں اس کی آواز دب گئی۔

"فل تیز چلاؤ، اور سپیڈ بڑھاؤ۔"

"پنار نیچے بیٹھو تم گر جاؤ گی۔" وہ رفتار کے باعث حلق کے بل چیخ رہا تھا۔ دونوں کی آوازیں فضاؤں میں معلق ہو رہی تھیں، یا شاید مستقبل کے لیے امر ہو رہی تھیں۔

"مجھے یقین ہے تم مجھے گرنے نہیں دو گے تیز چلاؤ۔" وہ نیچے بیٹھی۔ اسلان کو مضبوط سے تھاما اور گردن پیچھے کی طرف گرا دی۔ اس کے چھوٹے کندھوں تک آتے بال ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ ہیلمٹ سر پر واپس ٹکاتے ہوئے اب وہ ہنستے ہوئے پیٹ میں ابھرتی تتلیوں کو قابو کر رہی تھی۔ گول مٹول چہرا اور چھوٹی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔ بائیک چلاتے ہوئے اسلان یمن کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ ان دنوں وہ خوش رہا کرتا تھا۔

ہواؤں سے باتیں کرتی ہیوی بائیک اب نظر کا دھوکہ بن گئی اور اسی دھوکے میں اسلان یمن بھرم سے حقیقت میں آگیا۔ اب کوئی اس کے عقب میں نہیں تھا۔ اب نشست خالی تھی۔ اب کوئی نیل پالش کے مختلف رنگوں والے ناخن اسے اپنے قریب نہیں دکھائی دیتے تھے، اب کسی کے بال بائیک چلاتے ہوئے اس کے کندھوں

پر نہیں پھسلتے تھے۔ اب تو بہت کچھ بدل گیا تھا۔ شوق بھی، لوگ بھی، زندگی بھی اور اسلان یمن خود بھی۔ بدلاؤ بھلا ہر دفعہ راس تھوڑی آتے ہیں؟

شام رات میں ڈھل گئی تھی۔ اسلام آباد کی سڑکوں پر سٹریٹ لائٹس جلنے لگی تھیں۔ اسلان کی بائیک کی رفتار اب بہت کم تھی کہ وہ ایک رہائشی علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ ہیلمٹ اب اتر چکا اور اس کے بال بکھر کر ماتھے پر پھیل چکے تھے۔ اس کالونی میں قطار در قطار خوبصورت اور عالی شان گھر بنے تھے۔ اسلان ایک سیاہ رنگ کے بنگلے کے گیٹ سے کچھ فاصلے پر آکر بائیک روک چکا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ یہاں کھڑے ہو کر بالکنی کو دیکھتا رہا۔ اسے معلوم تھا اب وہاں کوئی نہیں آئے گا جو اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا کرے، کبھی غصہ کرے یا کبھی اسے دیکھ کر مسکرائے لیکن وہ خود کو یہاں آنے سے روک نہیں پاتا تھا۔ اب تو آدھی دنیا اس کے یہاں آنے کے خلاف تھی اور دل اس آدھی دنیا کے خلاف۔ وہ شاید دل کے ساتھ تھا۔

وہ ہیلمٹ ہاتھ میں لیے اوپر دیکھ رہا تھا جب سیاہ بنگلے کے عین سامنے والے بنگلے کا دروازہ کھلا۔ کوئی لڑکا ہاتھ میں کتے کا پٹا تھامے باہر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسلان کی ہیوی بائیک اور اس کی اٹھی ہوئی گردن دیکھ وہ رک گیا۔ ایسے جیسے کوئی ٹھٹھک کر رکتا ہو۔

"اب یہاں آنے کا کیا فائدہ؟" اسے ہنوز بالکنی کی طرف دیکھتا پا کر کسی نے اس کے عقب سے کہا۔ اسلان مڑا نہیں لیکن وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔ "کتنے سال ہو گئے ہیں اب موو آن کرو۔ اس کے بھائی نے تمھیں یہاں آنے سے منع کیا تھا نا؟" اسلان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس تاریک بالکنی کو دیکھتا رہا۔ نگاہیں سپاٹ اور خالی تھیں۔ "سکندر صاحب یہاں سے شفٹ ہونے کا سوچ رہے ہیں۔ یہ چند سال ان کی زندگی میں بہت بڑا طوفان لائے ہیں۔ ان کی جان سے پیاری بیٹی مر گئی اور۔۔۔"

"کیا تم نے اس کی لاش دیکھی ہے؟" اسلان کا لہجہ کھوکھلا تھا۔

"لاش نہیں دیکھی تو کیا ہوا کوئی اتنے سال غائب رہے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟"

"یہ کہ وہ اس وقت بہت بہتر جگہ موجود ہے۔" اسلان کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ وہ بمشکل خود سن سکا۔ عاقب کو غصہ آیا۔ پنار سکندر اس کی چچازاد بہن اس کی پہلی دوست تھی۔ اسلان سے اسے کوئی نفرت یا انتقام نہیں تھا لیکن اب بس وہ اسے یہاں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"وہ چار سال سے غائب ہے، اسلان۔ چار سال سمجھتے ہو تم؟ اور غائب ہونے سے پہلے اس کی آخری لڑائی تم سے ہوئی تھی، وہ آخری بار تم سے ملی تھی اور اس کا واحد مسئلہ تمہارے ساتھ تھا۔ تم کیسے انسان ہو؟" وہ بولتے بولتے جیسے ہانپ گیا۔ "اگر تم نے اسے مار دیا ہے تو کم از کم ورثاء کو اس کی لاش تو دے دو۔"

اب کے وہ دھیرے سے مڑا۔ گہری سپاٹ نظروں سے عاقب کو سر تا پیر غور سے دیکھا۔ وہ جو کسی جواب کا متمنی تھا۔ "وہ بہتر جگہ پر ہے، مجھے یقین ہے۔ وہ جہاں بھی ہے پر سکون اور آزاد ہے۔"

اسی لمحے اس کا فون بجنے لگا۔ اسلان نے جیکٹ کی جیب سے موبائل نکالا۔ "چاچو اسکار کالنگ" کے الفاظ جل بجھ کرنے لگے۔ اسلان نے گہری سانس لیتے ہوئے کال کا جواب اثبات میں دیتے موبائل کان سے لگایا۔

"کہاں ہو تم؟" دوسری طرف وہ درشتی سے بولا۔ ہاتھ میں پکڑے موبائل پر اسلان کی لوکیشن تھی۔ اسلام آباد کا وہی علاقہ جہاں جانے پر اسے پابندی تھی۔ ("تم 107 دفعہ کے خلاف جا رہے ہو۔ اگر کسی انسان کو دوسرے سے کوئی جانی خطرہ ہو تو فریق اول عدالت میں جا کر فریق دوئم یعنی جس سے خطرہ ہے اس سے عدالت کے ذریعے نقص امن کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔" پنار سکندر کی گمشدگی کے بعد سکندر خاندان نے اسلان یمن سے ۱۰۷ لیا تھا۔)

"میں جہاں بھی ہوں آپ کا موبائل بتا رہا ہو گا۔" وہ تلخی سے بولا۔ "دنیا چاہے جو کہے لیکن آپ تو مجھے کرمنل مان چکے ہو اسی لیے میرے پیچھے لوگ لگاتے ہو؟ اسی لیے میرے موبائل میں خفیہ ایپس ڈلواتے ہو؟" اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں جیسے لہو اتر رہا ہو۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ دنیا کو آگ لگا دے۔

"میں کہہ رہا ہوں واپس گھر پہنچو۔" سہراب اسی سختی سے بولا۔

”میں آپ کے باپ کا نوکر ہوتا تو ضرور آپ کی بات پر عمل کرتا۔“

”اسلان.....“ سہراب نے بے حد تحمل سے اسے پکارا۔ ”اگر تم اگلے پانچ منٹ میں وہاں سے نہیں نکلے تو.....“

”میں نے کہا ناچاچو اسکار میں آپ کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔“

”اسلان... ہیلو.. ہیلو اسلان میں کچھ کہہ رہا ہوں۔“ سہراب کہتا رہ گیا مگر کال کٹ چکی تھی۔ موبائل ہاتھ میں لیے وہ بل کھا کر رہ گیا۔ طیش اس کی ساری رگوں میں خون کی طرح دوڑنے لگا۔ وہ ابھی ابھی گھر آیا تھا اور ایک نیا مسئلہ تیار کھڑا تھا۔ بعض دفعہ وہ سوچا کرتا تھا کہ اگر وہ یافث کی طرح نرم ہوتا تو کیا مسائل اس سے کنارہ کر لیتے, یا اگر وہ عالمگیر کی طرح بے حس ہوتا تو ہر فکر سے نبرد آزما ہو جاتا لیکن وہ سہراب یمن تھا۔ وہ ان دونوں کی طرح نہیں بن سکتا تھا۔

کتنے ہی لمحے وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے راہداریوں میں کھڑا رہا۔ اسلان کو کتنی دفعہ میسج اور کال کیے مگر جواب ندارد۔ اس نے کنپٹی کو مسلا، ہونٹ کاٹے پھر ڈھیر ساری انا کو برطرف کرتے خود پر دس دفعہ لعنت بھیجتے ہوئے اس نے یافث طارون کا نمبر ملایا۔ گھنٹی جا رہی تھی، اور یہی گھنٹی اس کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ چند پل بعد کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔ سہراب بس گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

”ہیلو، سہراب؟“ دوسری طرف یافث کی آواز مصروف تھی۔ اس کے پاس بے تحاشا شور تھا۔

”کہاں ہو تم؟“

”اسلام آباد آیا تھا ایک کام کے لیے ابھی نکل....“

”اسلان پنار سکندر کے گھر کے باہر موجود ہے۔ اسے دس منٹ کے اندر اندر وہاں سے نکالو۔“

”اوہ اوکے۔“ وہ سنبھلا۔ ”تمہاری اس سے بات ہوئی ہے، کیا کہہ رہا ہے؟“

”ظاہر ہے میری بات ہوئی ہے اور اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے اسی لیے تمھیں کال کر رہا ہوں۔ کیا جتانا چاہتے ہو کہ وہ مجھ سے زیادہ تمہاری سنتا ہے؟“ سہراب پھٹ پڑا۔ یافث کے سامنے اسے غصہ بھی آتا تھا اور اس کا اظہار بھی۔ کم از کم یافث کے سامنے وہ خوامخواہ کے ملمع نہیں چڑھاتا تھا۔

”تمھارے پاس دس منٹ ہیں وہ مجھے اس ایریا سے باہر چاہیے ورنہ ابھی تم دونوں مجھے جانتے نہیں ہو۔“

”میں بات کرتا ہوں، ڈونٹ وری۔“ وہ اس وقت بِھڑنے کے مزاج میں ہرگز نہیں تھا سو ہتھیار ڈال دیے۔ موبائل بند کر کے یافث اب اپنے راستے بدل رہا تھا۔ سہراب موبائل وہیں میز پر رکھے کرپر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں۔ بھوک الگ لگی تھی، سر شدید درد کر رہا تھا مگر جب تک اسلان واپس نہ آجائے اسے چین کسی پل نصیب نہیں ہونا تھا۔ دوسری طرف انارا طارون تھی جو بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ مار چکی تھی۔ وہ کرے تو کیا کرے؟

★★★★★★★★★★★★★★★

شہر: راولپنڈی

وقت: شام چھ بجے۔

اندرون راولپنڈی پرانے طرز کی عمارتوں کا مرکز ہے۔ تنگ و تاریک لمبی لمبی گلیاں، عمارتوں کی خوبصورت بالکنیاں، اور لوگوں کا بڑھتا ہوا رش کسی ساحر جادوگر کی طرح اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے۔ یہاں پہلی بار آنے والا کوئی بھی شخص یہ ضرور سوچتا ہو گا کہ اسی نوے برس قبل یہ شہر کس جاہ و جلال کا مالک رہا ہو گا، یا پھر شاہی دور کیسا عالیشان رہا ہو گا؟ لوگوں کے اس رش میں، بھیڑ بھاڑ کے اس جم غفیر میں ہماری کہانی کا ایک کردار بھی شامل ہے۔ جو اسی بھیڑ کا حصہ ہے۔

سیاہ شلوار قمیض میں خاکی شال کندھوں پر ڈالے اس نے ایک بستہ کندھے پر ٹانگ رکھا تھا۔ ہاتھ میں آئی پیڈ تھا جس پر کوئی لوکیشن کھلی تھی سبز لائن اور سبز ہی نقطہ اسے راہ دکھا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ہدف پر جمی تھیں۔ دوسرے بازو پر کیمرے کا بستہ لٹکا تھا۔

"ہم دوبارہ وہاں کیوں جا رہے ہیں؟ یار مجھے نہیں لگتا وہ کچھ بتائے گا۔" اس کے ساتھ چلتی باب کٹ بالوں والی لڑکی بگڑ کر کہہ رہی تھی۔ شاہ زید سنجیدگی سے چلتا رہا۔ اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔

"پنڈی کے چھوٹے سے محلے کا وہ لڑکا پاکستان کی سب سے بڑے ڈاکے میں ملوث رہا ہے۔ مجھے یقین ہے اس کا شیطانی دماغ اب بھی سکون سے نہیں بیٹھا ہوگا وہ کچھ پلان کر رہا ہوگا اور اس سے بات کرتے ہوئے مجھے کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور ملے گا۔" زید نے تفصیلی جواب دیا۔ پھر لمبی گلی میں ایک جگہ رک گیا۔ لوگ آتے اس کے کندھے پر کندھا مار کر چلے جاتے، کوئی تیزی میں بوٹ سے پیر کچل کر آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ علاقہ وقت میں پیچھے لے جاتا تھا لیکن یہاں سے گزرنے والے وقت کی تیز رفتاری سے آگے تھے۔

"یہ تمہاری رپورٹ ہے کہ وہ لڑکا اس ڈاکے میں ملوث رہا ہے تم سچ نہیں جانتے، زید۔" لڑکی اس کے ساتھ رک گئی۔ زید اب اپنا کیمرہ آنکھ سے لگائے گردن اونچی کیے نیلے پینٹ میں ڈوبی قدیم عمارت کی تصویر اتار رہا تھا۔ "مجھے تو لگتا ہے تم صرف اور صرف اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"اور تم میرا دماغ۔" سہولت سے کہتے اس نے کیمرہ آنکھ سے نیچے اتارا۔ پھر اسے دیکھا جو ساتھ تھی۔

"اگر میرا آنا اتنا ہی برا لگ رہا تھا تو ساتھ لائے کیوں؟"

"مجھے اپنا دماغ خراب کروانے کا شوق تھا۔"

"لعنت ہو تمہارے شوق پر۔"

"تھینکیو سو مچ۔" جواباً وہ اتنی ہی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

”ایک رپورٹ بنانے کے لیے اور کتنا خوار ہونا پڑے گا۔“ گلی کے اختتام پر ایک قالینوں کی دکان تھی۔ شاہ زید نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو اوپر وہی سبز رنگ کی لکڑی کی عمارت تھی۔ دوبارہ نگاہ جھکائی تو موبائل کا سبز نقطہ اب پیر پسارے گوشہ نشین ہو چکا تھا کہ اس کا کام اب ختم ہوا۔ دکان کے ساتھ جڑی اندر کو جاتی تنگ گلی میں ایک گھر کا چھوٹا سا دروازہ تھا۔ شاہ زید اب مدیحہ کی طرف مڑا۔

”میری بات غور سے سنو تم باہر کھڑی رہو گی اگر میں دس منٹ تک باہر نہ آؤں تو تم اندر آؤ گی۔ شوٹ کرنے کی نوبت آجائے تو تم پیٹ، بازو اور پیر میں گولی مارو گی۔ کوئی مرنا نہیں چاہیے۔ ?are we clear“ چہرے پر ماسک چڑھاتے ہوئے وہ جتنی سنجیدگی سے بولا اس کے سامنے کھڑی لڑکی کے ماتھے پر اسی تیزی سے بل آئے۔ ساتھ ساتھ اشتعال بھی۔ وہ شاہ زید بنگش کے ہاتھوں ایک بار پھر استعمال ہو چکی تھی۔ کیا مطلب وہ ڈاکہ مارنے والے لڑکے سے سوال کرنے نہیں آئے تھے؟

”گولی، شوٹ، دس منٹ تک ہونے والی جنگ؟ آر یو سیریئس؟ یہ کام آفیشل تھا نا؟ تم ایک رپورٹ بنا رہے تھے اور باس نے تمھیں میرے ساتھ بھیجا تھا۔ ہم لوگوں کو شوٹ کب سے کرنے لگے، زید؟“ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شاہ زید کو ابھی کھڑے کھڑے ختم کر دے۔ اتنی ہتک.... اُف اُف۔

اس نے گہری سانس لی بازو سینے پر باندھے اور اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ ”اگر یہ آفیشل ہوتا تو اپنے ساتھ لانے کے لیے میرے پاس دس ذہین لوگ موجود ہیں۔ یہ ”ذاتی“ ہے اور تم جانتی ہو میں اپنے ذاتیات میں تمہارے علاوہ کسی کو شامل نہیں کر سکتا۔“

”یعنی میں ذہین نہیں؟“

”میں گاڑی میں آکر سب بتاتا ہوں یار پلیز۔“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کی موجودگی یقینی بنائی۔ کیمرہ کندھے پر ڈالا اور دروازہ بجایا۔ متواتر ہوتی دستک پر اندر سے ایک بے زار آواز آئی۔

”بوہا توڑ کے فیر منا اے؟ آرئی آں کھلو جاؤ۔ (دروازہ توڑ کر پھر ماننا ہے؟ آرہی ہوں ٹھہر جاؤ)۔“

”تم اندر کتے کی موت مر جانا اور میں نہیں آؤں گی دیکھ لینا۔“

”اپنا نقصان کرواؤ گی مجھے کیا۔ مجھ جیسا دوبارہ کہاں ملے گا؟“ وہ الرٹ سا کھڑا رہا۔ دروازہ ایک بار پھر بجایا۔

”تم زندہ بچ کر آئے تو تمہیں میں ماروں گی۔“

”اپنا نقصان پارٹ ٹو۔“ دروازہ کھلا اور جس تیزی سے کھلا زید کا منہ دیکھ کر اسی تیزی سے اس کے منہ پر بند ہونے والا تھا جب اس نے برق رفتاری سے اپنا پورا زور لگایا اور دروازے کو کھلا رہنے پر زور دیا۔ اور آدھا دروازے کے بیچ میں آگیا۔

”پنج منٹ دی گل اے۔ پنجاں ہزار، تے تیرے پتر دے پنج منٹ۔ سودا بُرا تے نئیں (پانچ منٹ کی بات ہے۔ پچاس ہزار اور تمھارے بیٹے کے پانچ منٹ سودا برا تو نہیں)۔“

دوسری طرف عورت بکتے جھکتے دروازہ اس کے منہ پر بند کر رہی تھی مگر وہ پوری قوت لگائے دروازہ تھوڑا سا کھولنے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ عورت اب بھی پنجابی میں اسے گالیاں بک رہی تھی اسے بار بار یہاں آنے پر کوسنے دے رہی تھی اور پھر جب اگلے چند منٹ کوئی مصالحت کام نہ آئی تو اس نے شاہ زید کی پسلیوں کے درمیان بندوق رکھ دی۔ مدیحہ جیسے کسی نیٹ فلیکس سیریز سے محظوظ ہو رہی تھی۔ دل تو کر رہا تھا چار پانچ مکے رکھ کر دے۔

”اگر تم زندہ نہیں جانا چاہتے تو میرے پاس تمھیں بھیجنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔“ شاہ زید نے تحیر زدہ ہو کر مدیحہ کو دیکھا جیسے کہنا چاہ رہا ہو۔ "بی بی تمھیں یہاں ماڈلنگ کے لیے نہیں لایا مدد کرو"۔

مدیحہ نے شانے اچکائے۔ ”تم نے کہا تھا گھر کے اندر مدد کرو، گھر کے باہر میری طرف سے مر جاؤ۔“

شاہ زید نے دانت پر دانت جمائے اور عورت سے ایک بار پھر منت کی۔ ”پانچ منٹ کا کام ہے ایک دو سوالوں سے تمہارا بیٹا مر نہیں جائے گا۔ اندر آنے دو مجھے۔“

مگر وہ بھی ایسی تھی کہ کسی ماں نے ایسی ڈھیٹ جنی نہ ہو۔ اس نے سائلنسر لگی پستول سے نیچے فائر کیا۔ شاہ زید دروازے کا پٹ چھوڑ کر جیسے اچھل کر پیچھے ہوا اور یہی مدیحہ کے صبر کی حد تھی۔ وہ آگے آئی شاہ زید کو کندھے سے ہٹا کر پیچھے کیا اور دروازے کی درز سے نظر آتے عورت کے ہاتھ کو بجلی کی سی تیزی سے پکڑا اور اس طرح سے مروڑا کہ پستول نیچے گر پڑا۔ ساتھ ملامتی نظروں سے شاہ زید کو دیکھا۔

"تمھیں اتنا بھی نہیں آتا؟" شاہ زید نے جھک کر پستول ہاتھ میں لی۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

"میں نامحرم عورتوں کو ہاتھ نہیں لگاتا۔" مدیحہ سر جھٹک کر عورت کی طرف متوجہ ہوئی جو اب لاتوں سے وار کر رہی تھی۔ مدیحہ نے دروازے پر لات مار کر اسے پورا کھول دیا، خود اندر آئی، عورت کے چہرے پر بغیر رکے تین چار تھپڑ دے مارے، پھر لات مارتے ہوئے اسے نیچے گرایا اور نیچے گری ہوئی عورت کی گردن اپنے بازو کے شکنجے میں لی۔ دروازے پر کھڑا شاہ زید تعریفی نظروں سے اسے تکتا رہا۔ وہ اسے کیوں ساتھ لایا تھا اتنا تو سمجھ آ گیا تھا۔

"ویلکم سر، پچاس ہزار ذرا کم ہیں۔ آپ ستر ہزار دیں اور ڈیل ڈن۔" مدیحہ اسی عورت کی نقل اتارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عورت نے مزاحمت کی تو گرفت سخت ہو گئی۔ ساتھ مدیحہ نے اس کے بالوں کو دو سے تین جھٹکے دیے۔ زید نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ اور ہلکا سا ہنسا۔

"انسان کی بچی بن جاؤ ابھی کچھ مل رہا ہے اگر زیادہ آئیں بائیں کی تو اگلی بار ہم پولیس کے ساتھ آئیں گے اور پھر بیٹا تو کیا تم سے بھی وہ سوال کریں گے جن کے جواب تمھاری ماں کو بھی نہیں پتا ہوں گے۔" عورت کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ راضی ہے پیسے بڑھ گئے تھے، وہ راضی ہو گئی تھی۔ (اتنی وہ بیٹے کی سگی)۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد زید اور مدیحہ ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے تھے جہاں قدیم طرز کا پھٹا ہوا صوفہ رکھا تھا۔ کمرے میں بدبو کے بھبوکے الگ اٹھ رہے تھے۔ ایک طرف پڑی الماری سے کپڑے باہر نکلے ہوئے تھے اندر کیا تھا شاہ زید سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

”ریکارڈنگ آن رکھنا۔“ اس نے کمرے کا جائزہ لینا چھوڑ مدیحہ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

”بنگش خاندان کے ملازموں میں مدیحہ رضا کا نام شامل نہیں ہوتا۔“

”اتنا کیا بھڑک رہی ہو اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔“ اب کے وہ سلگا۔

”میرا دماغ نہ چاٹو، زید۔ ورنہ۔۔۔“ ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی جب دروازے کی چوکھٹ پر گھر کی مالکن عورت کے ساتھ ایک لڑکا نمودار ہوا۔ لمبا، پتلا جس کے چہرے پر مردنی چھائی تھی اور صحت تقریباً برباد ہو چکی تھی۔ وہ مشینی تاثرات لیے اندر آیا۔ شاہ زید کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا۔ زید کچھ لمحے خاموشی سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر دھیرے سے کھنکھارا۔

”تمہارے ساتھ جو ہوا مجھے اس کا افسوس ہے۔“

”سوال پوچھو صاحب۔“ وہ اسی بے تاثر انداز میں بولا۔ انداز میں ان کہا شکوہ تھا۔ زید نے ایک نظر مدیحہ کو دیکھا۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے لڑکے کے کمزور ہڈیوں کے ڈھانچہ ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

”برہان کا قتل تمہارے سامنے ہوا تھا رائٹ؟“ لڑکے نے سر ہلا دیا۔ اس کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ آنکھیں عجیب تاثرات میں ڈھل رہی تھیں۔ ”تم وہ واحد انسان ہو جس نے چہرہ دیکھا ہے کیا تم مجھے بتا سکتے ہو وہ کیسا دکھتا ہے؟ اس کا قد، اس کے بارے میں کچھ بھی۔ میں تمہیں۔“ لڑکے نے نگاہیں اٹھا کر شاہ زید کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ زخمی پن تھا۔ وہ کئی لمحے زید کو تکتا رہا۔ پھر دھیرے سے کہا۔

”وہ ایک عورت تھی۔“ اس نے زید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کر کہا۔ ”پولیس، انتظامیہ، جاسوس سب غلط انسان کے پیچھے ہیں۔ وہ مرد نہیں تھا وہ ایک عورت تھی۔“ اس نے محض اتنا کہا اور تیزی سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے عقب میں بیٹھا شاہ زید کتنے لمحے بت بنا رہا اسے علم نہ ہو سکا۔

★★★★★★★★★★★★

وہ کب ہوٹل آیا اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ اپنے دونوں اطراف تکیوں کی باڑ بنا کر وہ نیند کی گولیاں کھا کر سو گیا۔ کئی گھنٹے سوتے رہنے کے بعد بھی اس کے وجود سے تھکن اور درد ختم نہ ہو سکا۔ درد اور تھکن کا قصہ پھر کبھی کوئی جان کے خوف کا کیا کرے؟ اس نے متعدد دفعہ سوچا کہ اپنے گھر میں سب بتائے لیکن ہر دفعہ وہ اس خیال کو رد کر دیتا تھا، وہ نہیں بتانا چاہتا تھا کیونکہ اسے سامنے والوں کے پاس کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن شاہ زید ۔۔۔۔وہ شاہ زید سے کبھی کچھ چھپاتا نہیں تھا۔ درد کے ساتھ اب گلٹ اور سوچیں بھی آن وارد ہوئیں۔

بہت دیر بعد وہ جب اٹھا تو درد شدت پکڑ چکا تھا۔ اس نے شرٹ ہٹا کر دیکھا تو جسم پر لگے ہوئے ٹانکے واضح نظر آئے۔ کیا وہ یہ سوچ کر سویا تھا کہ اٹھنے کے بعد یہ زخم، اور ان کے نشان نہیں رہیں گے؟ دو پین کلرز مزید پھانکنے کے بعد اس نے اپنا موبائل اٹھایا تو کچھ محسوس ہوا۔ کوئی خالی پن جو اس کا سینہ جکڑ رہا تھا۔

"تم نے مجھے دو ہفتے سے کوئی ڈرافٹ نہیں بھیجا شاہ ویر۔"

"تم ایوارڈز میں کیا پہن رہے ہو؟"

"تمھیں واشنگٹن literary festival میں بلایا ہے؟"

سب اس سے وہ پوچھ رہے تھے جو وہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ دنیا یونہی چل رہی تھی وہ جس جہنم سے گزر کر آیا تھا وہاں اگر جل کر راکھ بھی ہو جاتا تو کارِ دنیا نہ رکتا۔ کسی کو پرواہ نہ تھی کہ وہ کہاں تھا۔ کیا ایسے ہوتے ہیں لوگ؟

"تم ٹھیک ہو، شاہی؟" ایلسا نامی رابطے کی طرف سے میسج سکرین پر دمک رہا تھا۔ شاہ ویر نے ٹھنڈی سانس بھری اور سر کو پلنگ کے تاج سے ٹکا دیا۔ "تم نے ایسے اچانک کال بند کر دی پلیز کچھ بتاؤ کیا ہوا ہے۔ مجھے تمہاری فکر ہو رہی ہے۔" وہ کتنی ہی دیر سکرین سے نگاہیں نہیں ہٹا سکا۔ کم از کم زندگی کا یہ فیصلہ اسے سربلند کرے گا وہ جانتا تھا۔ یہ عورت آندھی اور طوفانوں میں اس کا ہاتھ مضبوط سے تھام کر کھڑی رہے گی۔ یہ دنیا نہیں تھی یہ دل تھی اور دل تو خالص ہی ہوتا ہے۔

"مجھے کال کرو، آراہ۔ پلیز۔" اس نے لکھ کر بھیجا۔ وہ خود بھی کال کر سکتا تھا لیکن اس وقت وہ اس نہج پر تھا کہ دل چاہتا تھا کوئی بس فکر کرے، سنبھال لے۔ اور وہ صحیح انسان کے پاس گیا تھا۔

پیغام جونہی نیویارک سے لاہور پہنچا کمرے میں پریشانی سے ٹہلتی ہوئی لڑکی تیزی سے موبائل تک آئی اور جلدی جلدی اسے کال ملائی۔ دوسری طرف شاہ ویر بس سکرین تکتا رہا۔ چاہے جانے کا احساس اگر انسان کو فخر بخشتا ہے تو شاہ ویر بنگش کا قلب تفاخر سے بھر گیا تھا۔ "ہیلو۔۔۔" کال کا جواب دیتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"

"اگر میں تم سے کہوں کہ میرے سارے پیسے کہیں غرق ہو گئے۔ ساری دنیا میرے خلاف ہو گئی لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں تو تم کیا کرو گی؟" وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے بے حد مدھم اور ہارے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ دوسری طرف وہ ٹھہر گئی۔ چندپل خاموشی سے لب چباتے رہنے کے بعد اس نے رازداری سے کہا۔

"پھر میں تم سے کہوں گی کہ فکر مت کرو میری نانی نے میرے حصے کچھ جائیداد چھوڑی تھی میں وہ تمہیں دے دوں گی۔ پیسے کا مسئلہ حل۔ دنیا کی پرواہ مجھے ہے ہی نہیں اور لوگ؟ . . . . . لوگ کبھی کسی کے سگے نہیں ہوتے۔ اس لیے تم کسی کی فکر مت کرو۔"

وہ بے تکی باتیں کرتی تھی اور شاہ ویر کو کسی عقلمندی کی کوئی حاجت تھی بھی نہیں۔

"اگر میں تمہارا پیسہ لے کر بھاگ گیا تو؟"

"گھاٹے کا سودا ہو گا۔ چند ٹکوں کی خاطر انارا طارون کو کھو دینا حماقت ہے۔"

شاہ ویر ہنس پڑا۔ "تم کتنی سیلف آبسیسڈ ہو۔"

"بات مت بدلو مجھے یہ بتاؤ تم پریشان کیوں ہو؟"

”جانتی تو ہو میں نہیں بتاؤں گا۔“ وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔”اچھا وہ چھوڑو یہ بتاؤ آج کیا ہوا؟“

”اوہ گاڈ آج پتا ہے کیا ہوا۔۔۔۔۔“ وہ بولنا شروع ہو چکی تھی۔شاہ ویر آنکھیں موندے، موبائل چہرے پر رکھے اسے سن رہا تھا۔کچھ وقت تک کے لیے اسے جائے فرار مل گئی تھی۔یہ کافی تھا۔وہ بولتی رہے شاہ ویر سنتا رہے، بس بہت ہے۔

★★★★★★★★★★★

”اسلان؟“ یافث نے کچھ زور دے کر اسے پکارا تو اسلان خیالوں سے باہر آیا۔چونک کر اپنے سامنے بیٹھے یافث کو دیکھا۔وہ دونوں اسلام آباد کی حدود سے باہر ایک ڈھابے پر موجود تھے۔ذرا ذرا سے فاصلے پر بچھی چارپائیوں کے درمیان آگ کا الاؤ دہک رہا تھا۔ان کی چارپائی کے بے حد نزدیک ایک الاؤ تھا جس کی حدت کے باعث اسلان نے جیکٹ اتار کر ایک طرف رکھی تھی۔اب وہ سادہ سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔”کچھ کھانا چاہو گے؟“

یافث الگ انسان تھا وہ اسلان سے کبھی ضد نہیں باندھ لیتا تھا، اسے حکم نہیں سناتا تھا، نہ ہی اسے بیٹھ کر سرزنش کرتا تھا۔وہ انارا اور اسلان کے لیے ماں کی طرح تھا۔نرم اور ان کے کھانے اور خوشی کی فکر کرنے والا۔کچھ دیر قبل اسے سہراب نے کال کی تو اس نے محض اسلان کو کال کر کے یہ کہا تھا کہ کیا وہ پندرہ منٹ میں اس سے ملنے آ سکتا ہے؟ اور وہ آ گیا تھا۔وہ یافث کے سامنے پگھل جاتا تھا۔ہر بچہ ماں کے سامنے نرم پڑ ہی جاتا ہے۔

”ہونہہ! بھوک تو لگی ہے۔“ اس نے اعتراف کیا۔یافث نے سر ہلاتے ہوئے بیرے کو بلوایا۔آرڈر نوٹ کروایا اور ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔”آراہ نے تم سے کوئی بات کی ہے؟“

”اس لڑکے کے بارے میں؟“ اسلان بغیر تمہید کے سیدھا مدعے پر آیا۔

”ہاں وہی۔“

”سب سے پہلے مجھے ہی بتایا تھا۔“ رکھائی سے کہہ کر اس نے منہ پھیر لیا۔”عجیب پتا نہیں کون ہو گا وہ؟“

”غصہ آرہا ہے یا غیرت؟“ جگ سے پانی گلاس میں ڈالتے یافث نے غور سے اسے دیکھا۔ مسکراہٹ دبائی۔

”دونوں۔ اور آپ کو؟“ یافث نے ہنستے ہوئے شانے اچکائے۔

”سمجھ نہیں آرہی یار۔ دل کر رہا ہے اتاروں جوتا اور رکھ رکھ کر اس لڑکے کے سر پر ماروں۔ بے غیرت آدمی۔“

اسلان ہولے سے ہنسا۔ مدتوں بعد۔”اس کا کیا قصور؟ ظاہر ہے آراہ سے جوابی سبز سگنل ملا ہو گا اسے۔ ہر بار لڑکے کا قصور نہیں ہوتا۔“

”پھر بھی مجھے غیرت جو آرہی ہے اس کا کیا کروں؟ کیا اس نے لڑکے کی کوئی شناخت وغیرہ بتائی ہے؟“

”مجھے نہیں اسکار کو بتائی ہو گی۔“

”تم اسے اسکار کہنا کب چھوڑو گے؟“ یافث ہنس رہا تھا۔ سہر اب اس نام سے جتنا چڑتا تھا اسلان اسے اتنا ہی اسی نام سے پکارتا تھا۔”اسے تنگ مت کیا کرو کسی دن رگڑ کر رکھ دے گا۔“

”میں ان کے باپ کا ملازم نہیں ہوں۔“

”اگر ایسا ہے تو پھر جانے دو۔“ یافث نے بات کو طول پکڑتے دیکھ مصلحت کو چنا۔”میں تو عالمگیر کے باہر آنے کا انتظار کر رہا ہوں اصل مزہ تو تب آئے گا جب اسے پتا چلے گا۔“

اسلان نے بھنویں اکھٹی کر کے خفگی سے اسے دیکھا۔”کیا مطلب مزہ آئے گا؟ یہ آراہ کی شادی ہے کوئی فیملی شو نہیں۔“ ایک لمحے کو اس کا لہجہ بالکل مختلف ہو گیا۔ یافث نے نوٹ کر لیا مگر کچھ کہا نہیں۔

”عالم کب آئے گا؟“ کھانا آگیا اور اسلان بھنے ہوئے قیمے کے ساتھ چپاتی کا نوالہ بنا رہا تھا۔ یہ تو وہ لڑکا تھا ہی نہیں جو اکھڑ اور بد تمیز تھا یہ کوئی بہت سادہ سا لڑکا تھا جس کا دائرہ چھوٹا اور ذہنی وسعت لا محدود تھی۔ جو باتیں کر بھی لیتا تھا اور بنا بھی لیتا تھا۔ وہ بالکل الگ انسان لگ رہا تھا۔

”چھ ماہ کی سزا لگی ہے اسے ابھی کچھ وقت رہتا ہے۔“

”آپ ملنے گئے؟“

”ایک بار گیا تھا کچھ ماہ پہلے۔“ یافث نے کہتے ہوئے بیرے کو اشارہ کر کے بلایا اور ایک بریانی کا آرڈر نوٹ کروایا۔ پھر وہ دوبارہ اسلان کی طرف متوجہ ہوا جو جلدی جلدی کھا رہا تھا۔ ”اس کو بھی پتا نہیں کیا شوق ہے یہ تیسرا سال ہے جب وہ مسلسل جیل کی شکل دیکھ کر آ رہا ہے۔ کبھی دو تو کبھی چھ ماہ۔ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ سہراب بھی تنگ ہے، پچھلی دو بار چکر لگا آیا تھا مگر اس بار وہ جان بوجھ کر نہیں گیا۔“

”شکر کریں وہ ان کارناموں کی سزا میں جیل نہیں جا رہے جو لوگوں نے ان سے منسوب کر رکھے ہیں۔“

”اپنی تین بیویوں کا قتل؟“ وہ دونوں ساتھ مسکرائے۔ اسلان اب اسے کچھ بتا رہا تھا یافث سن رہا تھا ساتھ اس نے آنکھ بچا کر سہراب کو میسج بھیج دیا۔ ”کام ہو گیا۔“ اسلان نے اسے میسج بھیجتے ہوئے دیکھا تھا لیکن وہ چپ چاپ کھانا کھاتا رہا۔ یافث طارون کے معاملے میں وہ کافی فراخ دل تھا۔ یا شاید یافث بے وقوف تھا؟

ڈھابے کی روشنیوں سے دور مری کے اس دو کمروں والے کوارٹر میں سہراب یمن برف باری کے دوران چھت پر بنے سٹور روم نما کمرے میں داخل ہو رہا تھا جب اس کے موبائل پر یافث کا میسج جگمگایا۔ اس نے پیغام پڑھا اور موبائل جینز کی جیب میں ڈالا پھر کمرے کا سوئچ بورڈ جلایا۔ سارا کمرہ سرخ روشنی میں نہا گیا۔ اور اسی سرخ روشنی میں سہراب یمن قدم قدم چلتا ہوا آگے آیا۔ ذہن کے خانوں پر کئی معنی خیز آوازیں کسی بلند و بانگ دستک کی طرح گونج رہی تھیں۔ چہرہ یکدم بے حد مختلف نظر آ رہا تھا۔ پر سوچ، پر فکر۔

”بھلا اس خاندان میں کوئی عورت سکون کا سانس کیوں نہیں لے پاتی؟...... دیکھو ذرا کس طرح دیدہ دلیری سے باہر گھوم رہا ہے عالم۔ تین عورتوں کا قتل کوئی چھوٹی بات ہے بھلا؟..... اور ثبوت تو دیکھو کس صفائی سے مٹائے ہیں؟..... ارے اسلان بھی تو مشکوک ہے وہ سکندر کی بیٹی والا معاملہ بھول گئے؟..... سارا خاندان ہی کرمنلز کا

ہے۔.......... انتظامیہ کی نااہلی ہے ورنہ یہ سارے یمن اب تک جیل میں چکی پیس رہے ہوتے۔...... مجھے توان بیچاری عورتوں پر ترس آتا ہے جو اس خاندان کی بھینٹ چڑھ گئیں۔"

ہر آواز، ہر بہتان، ہر جملے بازی کہیں غرق ہو گئی جب سہراب یمن ایک دیوار گیر بورڈ کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ اخبار کے تراشے، کئی ایسی لاشوں کی تصاویر جن کے گلے کٹے ہوئے تھے، پریولج کلر کے نام کی تمام ہیڈ لائنز اس کے تمام وکٹمز، اور آلہ قتل۔ مختلف بیان، مختلف لوکیشنز، ثبوت، ٹکڑے، سرخ دھاگے۔

بورڈ کے عین بیچوں بیچ تین تصاویر لگی تھیں۔ پہلی سہراب کی۔ ایک سرخ دھاگہ اس کی تصویر کو ایک اور تصویر سے جوڑ رہا تھا جو نظر نہیں آ رہی تھی کہ اس پر سہراب کا سایہ پڑ رہا تھا۔

دوسرا وہ تھا جس کی تصویر کے اوپر عالمگیر لکھا تھا۔ سانولی رنگت، بے حد وجیہہ نقوش، کھڑی ناک اور گھنے بال۔ یہ اس کے چہرے کا کلوز اپ تھا۔ وہ یقیناً پر کشش تھا۔ اس کی تصویر سے جڑے دھاگے تین مختلف تصاویر تک جاتے تھے۔ تینوں عورتیں، اور وہ تینوں تصویریں تین لاشوں سے ملتی تھیں۔ عالمگیر یمن کی تین بیویاں۔

تیسری تصویر اسلان یمن کی تھی جس کا سرخ دھاگہ پِنار سکندر کی تصویر سے جڑ رہا تھا۔ تصویر کے اوپری حصے پر "گمشدہ" لکھا تھا۔ سہراب یمن کا خاندان اور اس کے الجھے بکھرے کردار۔ یا شاید سفاک ذہنی امراض کے مارے کردار۔

بورڈ کے اوپری حصے میں ایک کونے پر وہ شہر لکھے تھے جہاں جہاں اسے "اپنے مقصد" کے لیے جانا پڑا تھا۔ لاہور، ایبٹ آباد، پنڈی، مری، اور آخری شہر تھا...... شہر لاہور۔ ایک مقدمے نے سہراب کو کوہ مری آنے پر مجبور نہیں کیا تھا، وہ یہاں اپنے لیے آیا تھا اور وہ اپنے لیے یہاں سے جائے گا۔

★★★★★★★★★★★★★★★

"راولپنڈی"

پنڈی کا راجہ بازاروہ علاقہ ہے جہاں رش دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے آدھا پنڈی اسی جگہ بستا ہو۔رکشے، گاڑیاں، منچلوں کی موٹر سائیکلیں اور پیدل چلنے والوں کا رش ہمہ وقت راجہ بازار کی رونق،اور مصروفیت کالبادہ اوڑھے رکھتا ہے۔

"میری آخری اطلاعات کے مطابق ہم پنڈی خریداری کرنے نہیں آئے تھے۔"قطار در قطار دکانیں،لوگوں کے دھکے اور مختلف کھانوں کی مکس ہوتی خوشبوئیں شاہ زید بے اختیار کراہا۔ہونہہ انوکھالاڈلانہ ہوتو۔

مدیحہ مڑی چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔"جہاں تک مجھے یاد تھاتم مجھے ایک آفیشل کام کا کہہ کرلائے تھے مگر یہاں ہم نے غیر قانونی طریقے سے لوگوں کو زدوکوب کیااور ایک غیر قانونی حرکت کی جس کے لیے میرا ضمیر مجھے تب معاف کرے گاجب تم کچھ کپڑے،شال اور سوئیٹر بطور رشوت دلواؤ گے۔"

مدیحہ اور شاہ زید کالج کے زمانے سے ساتھ تھے۔اکھٹے پڑھے،اکھٹے بڑے ہوئے،کئی تلخیاں اور تنگیاں دیکھیں مگر ساتھ رہے۔یہاں تک کہ اب وہ دونوں اکھٹے کام کر رہے تھے۔ذہنی ہم آہنگی ایک چھوٹا لفظ تھاوہ چہرے کا تاثر اورایک دوسرے کی آنکھ کا اشارہ بھی سمجھتے تھے۔

"اب بتاؤوہ عورت کون تھی۔اس کے بیٹے سے تمھیں کیاپوچھنا تھا،کیوں پوچھنا تھااور۔۔۔۔"سوئیٹر اور شالوں سے بھری ایک دکان میں داخل ہوتے ہوئے مدیحہ پوچھ رہی تھی۔"تم یہ کام کر کیوں رہے ہو؟"

"جس کے گھر ہم گئے وہ عورت اور اس کا شوہر drug paddler ہیں۔دونوں کرمنلز ہیں۔اور ان کا بیٹا برہان الدین کے گھر میں کام کرتا تھابرہان وہ لڑکا ہے جو تین سال پہلے پریوج کلر کا شکار تھا۔اس کے بعد بھی کلر نے ایک شخص مارا مگر اس کے ثبوت کمزور ہیں۔میرے سورسز سے پتا چلا ہے کہ اس لڑکے نے برہان الدین قتل دیکھا تھا اور تب سے یہ حواس کھو بیٹھا۔"وہ دونوں انگریزی میں بات کر رہے تھے زیادہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

”اوہ لیکن تم تو ایک سولہ سالہ ڈاکو پر ریسرچ کرنے نکلے تھے یہ بیچ میں سیریل کلر کہاں سے آ گیا؟ ڈونٹ ٹیل می تم واقعی اسے ڈھونڈنے نکل پڑے ہو۔“ مدیحہ نے ایک سوئیٹر اٹھا کر کاؤنٹر پر دھرا اور اس کا بل بنوانے لگی۔ زید کچھ الجھا ہوا تھا۔ وہ مسلسل شاہ ویر کا نمبر ملا رہا تھا جو مصروف آ رہا تھا۔ جوزف کے پیغام کے متعلق اسے اب فکر ہونے لگی تھی۔ ”خیر اس سب سے یہ تو فائدہ ہوا کہ ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ وہ لڑکا واقعی ذہنی مریض بن چکا ہے۔“ وہ کہہ کر اب دکاندار سے دو سو روپے کم کروانے لگی تھی۔ دونوں کی کھچ کھچ سے شاہ زید کا سر دکھنے لگا۔

”ہو سکتا ہے وہ سچ کہہ رہا ہو۔ آفٹر آل وہ عینی شاہد ہے۔“ مدیحہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”تم ایک معمولی سے کرائم اینالسٹ ہو اور تمھیں معلوم ہو گیا کہ اس لڑکے نے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ گدھے کا بچا سیریل کلر جس نے سترہ لڑکوں کو جان سے مار دیا اسے اس لڑکے کے متعلق نہیں پتا ہو گا؟“

”تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟“

”یہی کہ یہ سب اس بچے اور اس کی ماں کا ڈرامہ ہے۔ اس نے کوئی سیریل کلر نہیں دیکھا اگر دیکھا ہوتا تو اب تک وہ مر چکا ہوتا۔ ڈرگز بیچتے ہیں تو یقیناً ڈرگز لیتے بھی ہوں گے اور صاف ظاہر ہے کہ نشے کے پیسے پورے نہ ہوئے تو انہوں نے بیٹے کو کہانی کا ربنا دیا۔“ وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔ ”آٹھ سو روپے میں دینا ہے تو دو ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ دوسری بات دکاندار سے کہی۔

”مجھے نہیں لگتا کہ یہ مکمل جھوٹ ہے ہاں وہ لڑکا مسجد کا پیش امام نہیں ہے لیکن۔۔۔۔۔۔“ وہ رکا الجھن سے ایک نظر موبائل پر آتے اس پیغام کو دیکھا۔ کیا شاہ ویر ٹھیک ہو گا؟ کہیں وہ کسی ہسپتال میں تو نہیں؟ کوئی درد سا اس کے سینے میں دھیرے دھیرے ابال اٹھا رہا تھا۔ ”لیکن تم نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟ وہ کسی اداکار کا چہرہ نہیں تھا۔“

”اوہ ہاں اداکاروں کی پہچان تو اب تمھیں ہو گی خود جو اداکار ٹھہرے۔“ وہ بگڑ کر کہتے ہوئے دکان سے باہر نکل آئی۔ پیچھے دکان دار صدائیں لگا رہا تھا۔

"اوباجی واپس آؤ آٹھ سو کر دوں گا ناراض کیوں ہوتا ہے؟" وہ آگے چلی گئی مگر شاہ زید نے جیب سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر دکاندار کو دیا اور سوئیٹر اٹھا کر باہر آیا۔ مدیحہ تب تک آگے جا چکی تھی۔ زید کے موبائل پر شاہ ویر کی کال آنے لگی تو وہ موبائل پر ہاتھ رکھتا ایک طرف کو ہو گیا۔ یہاں کم لوگ تھے۔ مگر شور یہاں تک آرہا تھا۔ اس سے گھر جانے کا انتظار تک نہیں ہوا۔

"ویر؟ تم ٹھیک ہو یہ جوزف کس حملے کی بات کر رہا ہے۔؟ تمھیں کہاں چوٹ آئی ہے؟"

سات سمندر پار شاہ ویر کا حلق تک خشک ہو گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اس تازہ زخم تک گیا اور اس کا جی چاہا کہ دل کھول کر اس فرنگی کو گالیاں بکے۔ وہ خود بتا دیتا ایک دو دن میں لیکن نہیں۔۔۔۔ آہ۔

"یار میں سڑک پار کر رہا تھا اور ایک گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ تھوڑی سی چوٹ آئی ہے اور بس۔۔۔۔"

"تم یہاں کھڑے ہو میں تمھیں ڈھونڈ رہی تھی۔" مدیحہ وہاں آدھمکی۔ اس کے پیچھے وہی دکاندار چلا آرہا تھا شاہ زید نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ وہ چپ ہو گئی مگر جھپٹ کر جیکٹ اس سے لیا۔

"تم سفید جھوٹ بول رہے ہو مجھے سچ سچ بتاؤ کیا ہوا ہے؟ اور کہاں ہو اس وقت تم؟" شور کے باعث وہ چلایا۔

"ہم کو تمہارا پانچ ہزار نہیں چاہیے ہم کوئی بھکاری ہے؟" دکان دار بھی کڑکتا نوٹ لیے وہیں آ گیا تھا۔ زید نے کنپٹی مسلی۔ رش، شور، فکر سب گڈمڈ ہونے لگا۔

"تم نے اسے پانچ ہزار دیے تھے؟ یا اللہ اس سڑے ہوئے پیس کے پانچ ہزار؟ دماغ لاہور چھوڑ کر آئے ہو؟"

"میں گاڑی میں جا رہا ہوں ویر مجھے ویڈیو کال کرو ابھی۔"

"آٹھ سو والا سوئیٹر پانچ ہزار میں بیچتے ہو؟"

"او بی بی تمہارے آدمی نے خود پانچ ہزار دیا ہے۔"

"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ مدیحہ؟" ایک تو جسم کا درد اوپر سے کانوں کے پردے پھاڑتی آوازیں شاہ ویر اکتایا۔ "کہاں ہو یار تم آواز ہی نہیں آ رہی۔"

"میں گاڑی میں جا کر تمھیں فیس ٹائم کرتا ہوں۔" اس نے کال کاٹی اور قہر آلود نظروں سے مدیحہ کو دیکھا۔ "کنجوس عورت اس پانچ ہزار سے اپنا جہیز اور کفن پورا خرید کر آنا۔ جاؤ اب۔"

"ہاں ہاں تم دیکھنا آدھا راجہ بازار انھی پیسوں سے خرید کر آؤں گی۔" وہ بھی سلگی۔

وہ گاڑی میں آ کر بیٹھا اور دوبارہ شاہ ویر کو کال ملائی۔ اب کی بار وہ اپنا لیپ ٹاپ نکال چکا تھا۔ گاڑی کے شیشے چڑھے ہوئے تھے وہ باہر سے آتی آوازیں سننے سے نابلد تھا۔ سکرین کے چوکھٹے میں جو چہرہ نظر آ رہا تھا اسے زید چند لمحوں کے لیے پہچان نہیں سکا۔ آنکھ کے نیچے اور گال کے اوپر جامنی نیل بن گیا تھا۔ وہ کمزور نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا حالت بنوا کر آئے ہو؟ کسی... گالی... گالی نے تمھیں مارا ہے؟" شاہ ویر جانتا تھا اب وہ اگر کچھ چھپائے گا تو زید کا اگلا سفر نیویارک ہو گا۔ وہ دونوں جڑے ہوئے تھے، ایک دوسرے کے متعلق انہیں شبہات رہے ہی نہیں تھے۔ سو اس نے سچ کو چنا۔

"بتاتا ہوں۔" لیپ ٹاپ پلنگ پر رکھتے ہوئے وہ الماری تک گیا۔ اور جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں لکڑی کے تین ڈبے تھے۔ وہ کوئی عام ڈبے نہیں تھے۔ شاہ زید بنگش کی اگلی سانس اس کے سینے میں کہیں مقید ہو گئی۔ وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ سکرین کو دیکھ رہا تھا۔ ساکت، شل۔

"تین ماہ ہو چکے ہیں۔ وہ ہر جگہ آتا ہے۔ میرا پیچھا کرتا ہے، مجھے ڈراتا ہے۔ وہ مجھے پاگل بنا رہا ہے۔ لوگ اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور۔" وہ خاموش ہوا، گیلی نگاہیں اٹھا کر سکرین کے پار اپنے بھائی کو دیکھا۔ "وہ میرے بہت قریب ہے، زید۔ مجھے یہ بھی نہیں پتا میرے پاس کتنا وقت ہے۔ پہلے مجھے یہ وہم لگا لیکن یہ وہم نہیں ہے۔ کوئی سیریل کلر مجھے مارنا چاہ رہا ہے۔"

راجہ بازار سارے کا سارا صم بکم ہو گیا۔ سانسوں کا شور اتنا مدھم ہوا کہ ان کے چلنے پر شبہ ہونے لگے۔ شاہ ویر نے اپنی ہُڈی پیٹ سے ذرا سا اوپر کی۔ اور شاہ زید کو یکدم گاڑی کے شیشے کھولنے پڑے۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ وہ وہی زخم تھا، وہی نشان۔ دائرے کی صورت بنا ہوا زخم۔ یہ اتفاق اور پرینک نہیں تھا یہ کوئی بھرم بھی نہیں تھا۔ یہ بدصورت حقیقت تھی۔

"پریولج کلر۔" شاہ ویر نے وہ کہا جو زید اس زندگی میں سننا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے بھائی کے منہ سے ہرگز نہیں۔ "جسے تم آٹھ مہینوں سے ڈھونڈ رہے ہو وہ مجھے ڈھونڈ چکا ہے۔" اس کی آواز میں اپنے لیے بس خالی پن تھا۔ ایسے جیسے وہ بس اپنا قصور پوچھنا چاہ رہا ہو۔ "I don't want to die"

شاہ زید نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر سکرین تاریک کر دی۔ سب گڈ مڈ ہو رہا تھا۔ سب سلو موشن میں چلا گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں سے جان قطرہ قطرہ باہر نکل رہی تھی۔ آسمان اس کے سر پر آ گرا تھا۔

★★★★★★★★★★★★★

سہراب یمن کے کرائم بورڈ کو چھوڑ کر دیوار پر ایک اور بورڈ لگاؤ اور وہاں مختلف تصاویر اور منظر چسپاں کرو تو کہانی رخ ہی بدل چکی تھی۔

انارا طارون الماری کا آخری خانہ کھولے جوتے کے ڈبوں سے جوتے نکال کر وہاں اپنی نئی پسٹل چھپا رہی تھی۔ جہاں پہلے ہی سات ایسی ہی چھوٹی چھوٹی پسٹلز موجود تھیں۔

شاہ زید بنگش جس سفر میں نکلا تھا اس کے درمیان میں ہی کسی نے اس کے سارے اعضاء جامد کر دیے تھے۔ ہر سفر ساکن ہو گیا۔

سہراب یمن جو دنیا کو یقین دلا رہا تھا اس کا تبادلہ حکومتی مرضی تھی، وہ بھلا کس مقصد کے تحت اس شہر آیا تھا؟

اسلان شجاع یمن بستے کے اندر جو دیکھ رہا تھا تمہیں اپنے منہ پر حیرت سے ہاتھ رکھنا پڑے گا۔ بیگ میں ڈھیر سارے نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ پیسہ، بے تحاشا، بے حساب پیسہ۔ وہ مری کے کاٹیج سے کپڑے اور ضرورت کا سامان نہیں پیسہ لایا تھا۔ اتنا پیسہ اس کے خاندان کے مردوں نے اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا ہو گا جسے وہ بے نیازی سے گاڑی کی ڈگی میں ڈال کر لے آیا تھا۔ اور وہ اسی پیسے کو دفن کر رہا تھا وجہ؟

لکڑی کے ٹکڑوں پر بار بار کلہاڑی سے ضرب لگی تو ایک عجیب سی آواز پیدا ہوتی گئی۔ جیل کے احاطے میں کئی ایک مجرمین لکڑی کے ٹکڑوں سے مختلف نوادرات بناتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان میں سے ایک وہ بھی تھا۔ جو گردن جھکائے، مضبوط بازوؤں سے مسلسل لکڑی کے ٹکڑوں پر وار کر رہا تھا۔ اس کی دائیں طرف اس کے بنائے ہوئے شاہکار رکھے تھے جو کہ لکڑی کے چھوٹے بڑے ڈبے تھے اور ان کے اوپر چاقو سے ایڑھی ترچھی لکیریں لگی تھی۔

"عالمگیر" کسی نے اس کا نام پکارا تو اس نے گردن اٹھائی، اور یہیں اسی اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ ایک آخری تصویر بھی بورڈ کا حصہ بن گئی۔

★★★★★★★★★

"یہ سب کیا ہے؟" وہ کافی پینا چھوڑ کر اپنے سامنے بیٹھے مرد کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

مرد مسکرایا۔ "یہ بُوجھنے کے قصے ہیں۔ یہ تو مجھے تم بتاؤ گی کہ یہ کیا ہے بھرم؛ بقا، یا باطل؟"

عورت کے پاس جواب کے نام پر کچھ نہیں تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★

باب نمبر دو

"اٹس پرسنل"

(”جب ہم بچے تھے تب ہمیں جو کہانیاں سنائی جاتی تھیں ان میں آرام سے پتا چل جاتا تھا یہ برا یہ اچھا ۔۔۔۔“ آتش دان والے کمرے میں لڑکی کی آواز گونجی۔ ”تب کہانیاں اتنی پیچیدہ نہیں تھیں۔ اب ایسا کیوں ہے؟“

”کیسا؟“ مرد نے سوال کیا۔

”سب کچھ بہت بھاری بھاری ہے۔ ایسے جیسے ہضم کرنا بہت مشکل ہو۔“

”اب میں تمہارے لیے نونہال پڑھنا شروع کروں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مکمل سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ جیسے اگر وہ کہہ دے تو وہ واقعی پڑھ لے گا۔

لڑکی نے ناک چڑھائی۔ ”تم جو کر رہے تھے وہی کرو، ہونہہ۔ مجھے یہ بتاؤ عالمگیر کس قسم کا آدمی ہے؟“

اس کے اس سوال پر مرد ہلکا سا مسکرایا۔ (”جان لیتے ہیں۔“)

★★★★★★★

”عالم یہ تیسری دفعہ ہے اب باہر جا کر سدھر جانا ورنہ اب تمہاری وکالت پر بھی حرف آئے گا۔“ جیل کے وسیع و عریض احاطے میں جہاں کئی قیدی اونگھنے، تاش کے پتے کھیلنے میں مصروف تھے وہیں عالمگیر افتخار یمن زمین پر

جھکا، ہتھیلیوں اور پیروں کی انگلیوں کے زور پر پُش اپس لگانے میں مصروف تھا۔ قیدیوں والے لباس میں اس کے پھولے ہوئے پٹھے تنے ہوئے تھے۔ ”مرد کو اپنی ساکھ کا بھی سوچنا چاہیے۔“

”میرا کوئی قصور نہیں، راہب۔ جب برا وقت چل رہا ہو تو سانس دینے والی ہوائیں بھی گھٹن سے بھر جاتی ہیں۔“ اس نے اپنا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔ آواز بھاری اور کانوں کو بھلی معلوم پڑتی تھی۔

”کہہ کون رہا ہے؟ کیا میں نہیں جانتا ان ہواؤں میں دم گھونٹنے والے اجزاء کی ملاوٹ کون کرتا ہے؟“ اس کے پاس لیٹا راہب استہزائیہ انداز میں بولا۔ عالم کے ہاتھ رک گئے، اوپر سے نیچے ہوتی ہر حرکت بھی رکی۔ گردن ترچھی کر کے اس نے اپنی بائیں طرف نیم دراز سیگریٹ کے دھوئیں سے چھلے بناتے راہب کو کاٹ دار نظروں سے دیکھا۔

”تمہیں تو اردو دان ہونا چاہیے تھا یہ تم جیل کن چکروں میں آ گئے؟“

”شاید میرے لیے بھی ہواؤں میں سازشیں بھری گئی تھیں۔“ وہ اسی کے لہجے میں بولا تو عالم سر جھٹک کر ایک بار پھر کسرت کرنے لگا۔ چہرے پر سوچ کی پرچھائیں تھیں۔ اس کی چھوٹی ہیزل آنکھیں احاطے میں کھڑے باقی قیدیوں اور ان کی حرکات کا معائنہ کر رہی تھیں۔

”ایک بات پوچھوں، عالم؟“ یکدم راہب سیدھا ہوا۔ عالم بھی اب کسرت چھوڑ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ سانولی سی رنگت والا یہ مرد ایسا تھا کہ اسے دیکھنے والا کوئی بھی شخص چند پل کر لیے ٹھٹک سکتا تھا۔ مضبوط کسرتی جسم، ہیزل آنکھیں، کھڑی ناک اور چہرے پر ہلکی داڑھی۔ اس کی آنکھوں کا ٹھہراؤ اور چہرے پر ہمہ وقت رہنے والی بے زاری اسے مزید جاذب نظر بنا رہی تھی۔ سیاہ سفید پٹیوں والے لباس میں اس کا توانا جسم واقعی قید تھا۔ اس کے متعلق اس کے خاندان والے کہتے تھے کہ "عالمگیر، یمن خاندان کا سب سے خوبرو مرد ہے" سچ کہا جائے تو یہ کچھ غلط بھی نہیں تھا، وہ واقعی وجیہہ تھا۔

”اپنی حد میں رہو، عالمگیر ہے میرا نام۔ عالم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے تمہارا اور میرا سالوں پرانا یارانہ رہا ہو۔“ پاس رکھے اپنے بستے سے صاف ستھرا سا تولیہ نکالتے ہوئے وہ اکتاہٹ سے بولا۔ ”خیر پوچھو کیا پوچھنا ہے۔“ سفید تولیے سے چہرہ اور گردن صاف کرتے ہوئے کہا۔

”تم ناراض ہو جاؤ گے۔“

”انارکلی کی آخری نسل نہیں ہوں جو نخرے کر کے ناراض ہوتا پھروں۔ کچھ برا لگ گیا تو۔۔۔۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک طرف اشارہ کیا جہاں اس جیل کے سب سے بدمعاش قیدی ریحان اور اس کا گروپ گپے ہانک رہا تھا۔ ”ان لوگوں سے کہہ کر تمہاری پھینٹی لگواؤں گا۔“

”مجھے لگا تھا ہم دوست ہیں۔“ وہ خفا ہوا۔

”ایک اور نوابی چونچلا؟ عالم صرف اپنا دوست ہے۔“

”رہنے دو یار مجھے کوئی بات ہی نہیں کرنی۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا ساتھ اپنے لیے دوسری بیڑی سلگائی۔

”اگر تم نے نہیں بتایا تو میں تمہیں شاہ نواز کے گروپ سے پٹواؤں گا۔“ گردن اور چہرے سے ہلکا ہلکا پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے جیل کے نسبتاً کم خطرناک گروپ کا نام لیا۔ ہاتھ تو خیر ان کے بھی خوب چلتے تھے۔ راہب اس سے بات کر کے پچھتایا۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا "کیا تم نے واقعی اپنی تین بیویوں کا قتل کیا؟" لیکن چونکہ اس سوال سے لاٹ صاحب کے ناراض ہونے کا خدشہ تھا تو ذرا سی تراش خراش کے بعد اس نے سوال بدل دیا۔

”تم پہلی بار جیل کیوں آئے تھے؟ اور کتنے عرصے کے لیے؟“

عالم دونوں بازو گردن تک لے گیا، ٹھیک سے کس بل نکالے پھر راہب کو دیکھا۔ دھوپ پڑنے پر اس کی آنکھیں چھوٹی ہو رہی تھیں۔ ”پہلی بار میں جیل اس لیے آیا تھا کیونکہ میں نے ایک جھوٹی گواہی دلوائی تھی۔ کچھ ماہ کی سزا لگی، مزہ آیا یہاں آکر۔“

راہب نے اسے اپنی بیڑی کی پیشکش کی جسے اس نے ہر دفعہ کی طرح ٹھکرایا۔ قانون کو جوتی کی نوک پر رکھنے والا حفظان صحت کے سارے اصولوں پر پورا اترتا تھا۔ (سستی بیڑی نہیں وہ مہنگا سیگریٹ پیتا تھا)۔

"دوسری بار؟" عالم نے ٹھوڑی کھجائی۔ ہیزل آنکھیں دھوپ پڑنے پر مختلف رنگوں میں منعکس ہو رہی تھیں۔ رنگت چمک رہی تھی۔

"دوسری بار میں انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے آیا تھا۔ (جیل میں بیٹھ بیٹھ کر بالی وڈ دیکھنے کا انجام) جب میں پہلی بار آیا تھا تو ایک قیدی سے میرا جھگڑا ہو گیا تھا اور اس کے اگلے دن میری رہائی تھی لیکن ابھی اس کی رہائی میں چار سال باقی تھے۔ میں تازہ شروعات کرنا چاہتا تھا دل میں کُدورت رکھ کر کیسے کرتا؟" وہ بولتے بولتے رکا۔ راہ داریوں میں ایک طرف کھڑا حوالدار اسے کچھ اشارہ کر رہا تھا۔ عالم نے سمجھ کر سر ہلا دیا تو وہ پلٹ گیا۔ کسی نے نظروں کا یہ ملنا اور پلٹنا نہیں دیکھا۔

"مجھے واپس آنا پڑا۔" کھڑے ہوتے ہوئے، اپنا صاف ستھرا بستہ کندھے پر ٹانگتے ہوئے کہا۔ اس کے جوتے جو ایک طرف رکھے تھے وہ بے داغ اور مہنگے تھے۔ راہب اس کے ساتھ اٹھا۔ جانتا تھا کہ عالمگیر نے یقیناً کچھ رشوت دے کر اچھا کھانے کو منگوایا ہو گا اور بچا کچھا اسے ملے گا۔ "تیسری دفعہ یعنی اب ...... اب میں اس لیے آیا ہوں کیونکہ مجھ پر توہین عدالت کا مقدمہ ہے۔"

"کیا توہین کر دی تم نے؟"

"کچھ نہیں جج نے پوچھا کہ میں اپنے مقدمے کے لیے پچھلی تاریخ پر عدالت کیوں نہیں آیا تو میں نے سچ بتا دیا۔" وہ راہداریوں میں مڑتا ہوا جا رہا تھا۔ کئی ایک دفعہ اس نے کسی شناسا کو ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام بھی کیا۔ بدلے میں اسے سلام کیا گیا۔ یہاں اس کے دوست نہیں تھے یہ سچ نہیں تھا، وہ کسی کو دوست مانتا نہیں تھا یہ سچ تھا۔

"تم نے کیا کہا تھا؟"

”میں نے کہا، جج صاحب اس دن میرا موڈ نہیں تھا۔“ وہ جتنی سنجیدگی سے بولا اس کے ساتھ چلتے راہب نے اسے اتنی ہی بے یقینی سے دیکھا۔ اتنے میں وہ دونوں عالمگیر کی کوٹھری تک آ گئے تھے۔ حوالدار وہیں کھڑا تھا۔ عالم نے آس پاس محتاط نگاہ ڈالی پھر جیب سے ہزار کا نوٹ نکال کر اسے دیا۔ شاید اسے لگتا تھا وہ عالمگیر یمن نہیں کسی مغل بادشاہ کی چھوڑی ہوئی میراث کا واحد وارث ہے۔ عیاشی کا جیل میں یہ عالم تھا باہر یہ آدمی کیا کرتا ہوگا؟

”تم نے جج کو یہ بول دیا؟“ راہب نے اس کے لیے کوٹھری کا دروازہ کھولتے حیرت سے کہا۔

”جج میرا باپ نہیں تھا جس سے میں لگی لپٹی رکھوں۔“ وہ گردن جھکائے اندر داخل ہوا۔ جیل کی ایک یہی بات اسے بری لگا کرتی تھی اسے اپنی گردن جھکانا پسند نہیں تھا۔ ”جج کو سمجھنا چاہیے تھا ان دنوں میری بیٹی بیمار تھی۔ بیوی پہلے ہی مر چکی تھی، میں پریشان رہا کرتا تھا۔ عورت کے بغیر گھر مکان لگ رہا تھا۔ میرے کام اور چیزیں بے ترتیب تھیں۔“ وہ زمین پر پڑے نرم گدے پر آ کر بیٹھا۔ ایک طرف رکھے صاف ستھرے برتنوں میں سے ایک پلیٹ نکالی اور اس میں فرائیڈ چکن نکال کر سجایا۔ کولڈ ڈرنک کا گلاس بھرا، پھر سفید چاولوں کا ڈبہ کھولا۔

”خیر تم صرف یہ نہیں پوچھنا چاہتے تھے اصل مقصد پر آؤ کیا بات تھی؟“ جیسے کہ پہلے سوال کا جواب درست تھا ہو نہ ہو۔ راہب نے اسے نوالہ بناتے ہوئے دیکھا پھر فرائیڈ چکن کا بڑا حصہ منہ میں منتقل کرتے اور ساتھ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے بڑے ہی غور سے دیکھا۔ خشک لبوں کو تر کیا اور پھر اس نے وہ پوچھا جو اسے واقعی پوچھنا تھا۔

”سب کہتے ہیں تم نے اپنی تین بیویوں کا قتل کیا ہے کیا یہ سچ ہے؟“ عالمگیر یمن بڑی دلفریبی سے مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی پر اسراریت تھی۔ لب سچ کہنے کے لیے مقفل، مگر کہانی گڑھنے کو تیار۔ وہ چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا، پھر بے حد مدھم لہجے میں کہا۔

”ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا۔" وہ اب راہب کی پلیٹ میں کچھ کھانا نکال رہا تھا۔ کوٹھری کے ایک کونے میں پڑے لکڑی کے ڈبے، جن کے اوپر چاقو کی عجیب سی ضربیں تھیں اپنی ذات پر ہونے والے سوال کو سراب میں بدل رہے تھے۔ آخر وہ کیا کھیل ترتیب دے رہا تھا؟

★★★★★★★★★★

"ایک ہفتہ بعد"

"کیا اسے ایک بار پھر دیر ہو جائے گی؟" یہ وہ واحد خیال تھا جو پورے ایک ہفتے سے شاہ زید بنگش کے دل و دماغ میں کہیں اٹک کر رہ گیا تھا۔ ملازمت، منصوبے، دوست، کسی ڈاکے کی تفتیش یا کسی سیریل کلر کی تلاش سب بھرم تھا، حقیقت منہ کھولے اس کے سب سے قیمتی تعلق کو نگلنے کے لیے کھڑی تھی۔ بالکل ویسے جیسے چار سال قبل۔ وہ منظر آنکھ سے ہٹا کب تھا؟ اس نے آنکھیں جھپکیں تو منظر پھر تازہ ہوا، وہ باسی ہوا کب تھا؟

تیز آنکھوں کو چبھنے والی روشنیوں میں کتنے ہی لوگوں کو ہٹاتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ دل کسی انجانے خدشے میں گھرتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس کے گھر میں بہت سارے لوگ جمع ہو رہے تھے۔ ڈھیر ساری باتیں، چہروں پر تاسف، ہمدردی اور ملال بھی۔ وہ آگے بڑھ رہا تھا، کیوں کیسے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ سیاہ سفید زینوں پر اس کے پیر جیسے پھسل رہے ہوں۔ سیلنگ کی اجلی بتیاں آنکھوں میں چبھ رہی تھیں۔ مدھم سی آوازیں، کسی کونے سے بلند ہوتا بین وہ کچھ سننا نہیں چاہ رہا تھا۔ کوئی کال کر کے اس کی بڑی پھپھو سے کہہ رہا تھا۔

"اِنا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ کی چیز تھی، صبر کرو۔"

ابا کے کمرے کے باہر شور بلند ہو رہا تھا۔ اس کی ماں رو رہی تھی۔ اس کی بہن بلند آواز میں چیخ رہی تھی۔ شاہ ویر کے الفاظ ہمدردی لیے ہوئے تھے اور رئیس مخدوم چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ خالی تھا۔ شاہ زید چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا آگے آیا۔ دروازے کی چوکھٹ پر آ کر وہ تھم گیا۔ آگے بڑھنا زندگی اور موت دونوں تھا۔

تمکنت، تاج، شاہ ویر، حسین، نایاب، رئیس سب وہیں تھے۔ بستر پر ایک وجود تھا جس کے اوپر سفید چادر پڑی تھی۔ اس نے بے اختیار دہلیز کا سہارا لیا کسی نے اس کے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے نفی میں سر ہلانے لگا۔ شاہ ویر نے اسے دیکھا تو تیزی سے اس کی طرف آیا۔ شاہ زید کی نگاہوں کی بے یقینی تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”بابا نے مجھے..... بابا نے کال کی تھی، ویر۔“ وہ اٹک اٹک کر بتا رہا تھا۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ ”ان کو مجھ سے ضروری بات کرنی تھی..... میں........ بابا...... ان کو بولو زید آ گیا ہے۔ بابا کو بتاؤ زید آ گیا ہے۔“

”تم نے دیر کر دی، زید۔“ نم، سرخ آنکھوں والے شاہ ویر نے کھینچ کر اسے گلے لگایا اور بلند آواز سے اس کے ساتھ لگ کر رونے لگا۔ شاہ زید ہذیانی انداز میں خود کو آزاد کروا رہا تھا، بار بار اپنے باپ کو پکار رہا تھا لیکن جواب اب کبھی آنا ہی نہیں تھا۔ شاہ ویر اگر سختی سے اسے خود میں بھینچے نہ کھڑا ہوتا تو وہ اس وقت پلنگ پر پڑے وجود کو جھنجھوڑ چکا ہوتا۔ اس کی آنکھوں کا تحیر اس دن سے لے کر آج تک آنکھوں کا مکین تھا۔

باپ صرف ایک انسان یا ایک تعلق نہیں ہوتا باپ سائبان ہوتا ہے، شاہ زید بنگش نے اس روز باپ یا تعلق نہیں سائبان کھو دیا تھا۔ وہ شاہ ویر کی طرح رو نہیں رہا تھا۔ وہ رئیس بنگش کی طرح بے تاثر بھی نہیں تھا۔ رئیس کا باپ تو عرصہ پہلے مر چکا تھا۔ شاہ ویر کے لیے باپ تعلق تھا لیکن شاہ زید کے لیے..... اس کے لیے اس روز زندگی بدل گئی تھی۔ پچھتاوے نے اس روز جو اس کے دل کا رستہ دیکھا تو بھولا وہ آج بھی نہیں۔ اس روز چوکھٹ سے لوگ ہٹ گئے، تدفین ہو گئی لیکن زید اس فون کال کے درمیان اٹک کر رہ گیا تھا، باپ کے ساتھ ساتھ اس کی روح کا ایک حصہ بھی مر گیا تھا۔

ملگجے لباس میں نیم تاریک کمرے میں اپنے پلنگ پر بیٹھے ہوئے اس کا دماغ کہیں خلاؤں میں تھا۔ دفعتاً اس کا موبائل تھرتھرایا۔ زید نے گہری سانس لیتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

”کون؟“ دوسری طرف سے کوئی جواب آیا۔ ”اوکے کمرے میں بھیج دو۔“ بے زاری سے کہہ کر موبائل پرے ڈال دیا۔ سر دوبارہ ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسے امید تھی نوارد اس کی اس حالت پر باتیں نہیں بنائے گا، کم از کم آنے والا اسے سمجھے گا۔

کچھ دیر بعد دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی، پھر دروازہ کھلا۔ اندر آنے والی مدیحہ تھی۔ زید نے ریموٹ اٹھا کر ایک بٹن دباتے ہوئے کمرہ روشن کیا تو وہ آس پاس دیکھتی آگے چلی آئی۔ کچھ روز قبل کی شوخی مفقود تھی۔ آج اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس لڑکی اچھی دکھتی تھی اگر وہ اپنے بال لمبے رکھے تو مزید اچھی دکھے گی۔

”تم باس کی کالز نہیں اٹھا رہے۔“ وہ محتاط انداز میں کہتی آگے آئی۔ سیاہ آنکھوں میں کچھ تھا۔ پلنگ کی چادر بے ترتیب تھی۔ الماری سے کپڑے نکل کر فرش پر گرے ہوئے تھے۔ باتھ روم کے جوتے کمرے کے وسط میں پڑے تھے شاید وہ بے دھیانی میں جوتے یہاں تک لے آیا تھا۔ ”باس کو بات کرنی ہے، زید۔“ پرس میز پر رکھتے ہوئے اس نے زید کا چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا جہاں مُردنی تھی۔

”گالیاں دینی ہوں گی یا پھر مجھے یہ بتانا چاہتا ہوگا کہ میں تمکنت بنگش کا بیٹا اس کی خواری والی نوکری کے لائق نہیں تھا اور میرے بارے میں اس کا ہر اندازہ درست تھا کہ مجھ جیسے امیر لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

”تم ہر وقت اتنا منفی کیوں سوچتے ہو؟“ مدیحہ آگے آئی۔ کمفرٹر ایک طرف کیا اور شاہ زید کے قریب آکر بیٹھی۔ ”ہم اس سے نکل آئیں گے فکر کیوں کر رہے ہو؟“

زید کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ دل جیسے زخم زخم ہوا۔ ”ہم کیوں کسی سیریل کلر کے ٹراما کا شکار بنیں؟ کیوں کسی کے ذہنی عارضے ہمارے دشمن بن جائیں۔ میرے بھائی نے اس مقام کے لیے کتنی محنت کی ہے کوئی جانتا ہے؟ وہ کلر جانتا ہے کہ میرا بھائی کتنی راتیں جاگا ہے کتنا خوار ہوا ہے، کیا وہ یہ جانتا ہے کہ مجھے اس سے

کتنی محبت ہے؟ کیا وہ یہ جانتا ہے کہ میں ویر کے بغیر نہیں رہ سکتا؟" اس نے بے دردی سے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ وہ بے حد آزردہ لگتا تھا۔

"فکر نہ کرو کوئی نہ کوئی راستہ تو ہو گا۔" مدیحہ نے تسلی دی۔ زید نے محض سر ہلا دیا۔ مدیحہ کے موبائل پر باس کی کال آنے لگی تو اس نے سوالیہ نگاہوں سے زید کو دیکھا۔ جو چہرے پر ہاتھ پھیرتا اپنا چہرہ معتدل کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کھڑکیوں کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ زید سنجیدگی سے سکرین پر نظر آتے آدمی کو دیکھ رہا تھا جو کافی دیر سے زید کی ٹھنڈی، میٹھی بے عزتی کر رہا تھا۔ ڈھیٹ تو وہ تھا جو بغیر کسی تاثر کے سن رہا تھا، سر بھی ہلا رہا تھا۔ صدقے۔

"ایک رپورٹ بنانے کو کہا تھا تم سے اور تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ نہ تم کوئی اپ ڈیٹ دیتے ہو نہ آفس آتے ہو معذرت لیکن شاید تمہیں لگتا ہے یہ دفتر تمہارا ہے اور ہم تمہارے ملازم۔" بالوں سے خالی سر اور بڑھے ہوئے پیٹ والا باس سخت خفا تھا۔ "تمہارے پاس دو دن ہیں زید یا تو رپورٹ جمع کرواؤ یا پھر استعفیٰ۔ میرے پاس کام آنا چاہیے تم۔"

"باس مجھے ایک فیور چاہیے۔" مدیحہ نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا اور باس جیسے آگ بگولہ ہوئے۔

"تمھیں لگتا ہے اس وقت تم کسی فیور مانگنے پوزیشن میں ہو؟"

"پوزیشن خراب ہے اسی لیے فیور مانگ رہا ہوں۔" وہ اسی ڈھٹائی سے بولا۔ "مجھے کچھ معلومات چاہیے۔" سکرین کے پار باس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"تمہیں جوائن کیے ہوئے ایک سال ہوا ہے اور تم نے اس ایک سال میں بغیر کارکردگی دکھائے اس نوکری کو کئی بار اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا ہے اور۔"

"بس ایک بار اور کرنا چاہتا ہوں۔" اعتماد اس پر ختم تھا۔ یا شاید ڈھٹائی۔ "اس سال کا آخری فیور۔"

"کہیے جناب۔" انہوں نے دانتوں پر دانت جما لیے۔"اب کیا چاہیے بادشاہ سلامت کو؟"

"کچھ عرصہ پہلے آپ کو ایک رپورٹ ملی تھی۔ کوئی ایجنٹ ہے جو پریولج کلر کو پکڑنا چاہتا ہے اور۔"

"ایک منٹ یہ بات تم تک کس نے پہنچائی؟" باس نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ مدیحہ نے مسکراہٹ دبائی۔

دراصل قصہ کچھ یوں تھا کہ باس یعنی ارمغان صاحب کے پاس پریولج کلر کے متعلق کچھ معلومات تھیں اور ایک "نجی جاسوس" کو یہ تمام معلومات چاہیے تھیں، جناب نے معلومات دینے سے انکار کیا تو مجبوراً ایجنٹ صاحب کو ارمغان کے چہرے کے نقشے بگاڑنے پڑے (مگر یہ بات تو صرف پرانا عملہ جانتا تھا۔ سارے کے سارے دغاباز۔ لعنت ہو)۔

"آپ کو میری صلاحیتوں پر شک ہے لیکن میں تو خود کو ایک بہترین جاسوس سمجھتا ہوں اس لیے۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔ "خیر چھوڑیں باس۔ مدعے پر آتے ہیں مجھے اس ایجنٹ کی معلومات چاہیے۔"

"کیوں چاہیے؟"

"اٹس پرسنل۔" ارمغان دوسری طرف کئی لمحے خاموش رہے۔ پھر انہوں نے ایک شرط رکھی۔

"اگر تم دو دن کے اندر مجھے اس ڈاکے کی تمام تفصیل دے دو تو میں تمھیں ایجنٹ کی معلومات دے سکتا ہوں۔" کاروبار تھا تو وہی سہی۔

"اوکے باس ہو جائے گا۔" سوچنے کا ایک لمحہ لیے بغیر اس نے کہہ کر جلدی سے کال کاٹ دی۔ مدیحہ اسے دیکھتی رہی۔ وہ اب اٹھ کر پھرتی سے الماری سے اپنے سامان نکال رہا تھا۔ پھر اپنے کپڑے دیکھے، کچھ خاص نہیں تھے اور اب وہ رک گیا۔ مڑ کر مدیحہ کو دیکھا جو اس کے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ کتنے ہی لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ یہاں اس طرح بیٹھی کتنی اچھی لگ رہی تھی یہ زید کو پہلی بار اندازہ ہوا۔ اسے دیکھتے ہوئے اس نے بہت سہولت سے پوچھا۔ "ساتھ آنا ہے؟"

"پیش کش ہے یا سوال؟"

"التجا!" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ تمام دنوں کی کلفت زائل ہوئی۔ "تمہارے بغیر بور ہو جاؤں گا۔"

مدیحہ کا چہرہ بتا رہا تھا وہ انکار نہیں کر سکتی۔ اس نے کبھی زید کو انکار نہیں کیا تھا۔

★★★★★★★★

"اسلان جلدی کرو سہراب اپنی گاڑی چھوڑ کر گیا ہے ہمیں تھوڑی دیر تک چلنا چاہیے۔" باورچی خانے سے نکلتے یافث نے جلدی سے کہا۔ ساتھ ساتھ وہ اسلان کے ناشتے کی طشت میں سامان رکھ رہا تھا۔ اسلان آج اس کے اپارٹمنٹ پر موجود تھا۔ "آملیٹ میں سبز مرچ ڈال دوں یا ہاف فرائیڈ چاہیے؟"

لاؤنج میں صوفے پر پیر پسارے اسلان نے جماہی روکی۔ کتاب بند کر کے سینے پر رکھی۔ بکھرے سے حلیے میں وہ سست سا دکھائی دے رہا تھا۔ "ہاف فرائیڈ انڈا اور بل والے پراٹھے جلدی کرو بھوک لگی ہے۔" وہ یافث کے سامنے کوئی چھوٹا بچہ بن جایا کرتا تھا۔ "ماموں یار چائے گندی بنی تھی آپ مجھے کافی بنا دو۔"

باورچی خانے کے اندر کھڑے یافث نے سر جھٹکا۔ "سہراب غصہ ہو جائے گا ہم لیٹ ہو چکے ہیں۔"

"سہراب کہیں کا ولی عہد ہے جو میں اس کے غصے کی پرواہ کروں؟" اسلان حسب توقع بگڑا۔

پراٹھوں کے لیے آٹا نکالتے ہوئے یافث تھم گیا۔ اسلان واقعی بدتمیز ہوتا جا رہا تھا اور یہ بات یافث اور سہراب کے درمیان جھگڑے سے زیادہ بڑی تھی۔ وہ چولہا بند کرتے ہوئے باہر آیا۔ میز پر پڑی گاڑی کی چابی اٹھا کر اسلان کے سینے پر اچھالی۔ وہ بدمزہ ہو کر سیدھا ہوا۔

"باہر سے ناشتہ کر لینا مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ عالمگیر کو لینے بھی تم اکیلے جاؤ گے۔" اس کا انداز روکھا اور بے لچک تھا۔ "اور دوبارہ سہراب کے بارے میں بکواس نہ سنوں۔" اسلان کا چہرہ لمحے بھر میں سرخ ہوا۔

"یہ ڈرامے آپ کسی اور کے ساتھ کرنا کوئی کام نہیں ہے آپ کو صاف صاف کہو سہراب سے ڈر رہے ہو۔"

یافث اپنے ہاتھ صاف کرتا آگے آیا۔ ٹھنڈی پر سکون نظروں سے اسے دیکھا۔ "اپنی زبان کو لگام دینا سیکھو، اسلان۔ مرد بنو مرد۔ عورتوں کی طرح طعنے دے کر اور لڑ جھگڑ کر کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟"

"آپ خود کو مرد سمجھتے ہو؟ واقعی؟ اگر ایسا ہی ہے تو سہراب سے ڈر کیوں رہے ہو؟" وہ جواباً بلند آواز میں بولا۔ چہرے پر غصہ اب بھی تھا۔

"میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں۔ میں صرف اور صرف عالمگیر کی واپسی کے دن کو خراب نہیں کرنا چاہتا اور تم ابھی کے ابھی یہاں سے نکلو، عالم کو لے کر لعل یمن پہنچو ورنہ۔"

اسلان اپنی جگہ سے اٹھا۔ وہی تندہی، وہی سختی، وہی تنفر۔ "ورنہ مجھے ایک بار پھر شبہ ہونے لگے کہ آپ مرد ہو یا عورت؟" حد درجہ بد تمیزی سے کہتے ہوئے وہ چابی اٹھائے باہر نکل گیا۔ یافث مٹھیاں بھینچ کر ضبط کرتا رہ گیا۔ وہ اگر یافث سے اس قدر بد تمیزی کر سکتا ہے تو سہراب کے سامنے کیا کرتا ہوگا وہ بس سوچ سکا۔

باہر آکر اس نے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور اسی سرخ چہرے کے ساتھ سینٹرل جیل کی جگہ اسے اپنی مرضی کی منزل کی طرف موڑا۔ نہیں کرنی اسے کسی کی چاکری، نہ ہی وہ ان میں سے کسی کا غلام تھا۔ اس کے گھر والے اس پر جو حکم چلائیں وہ مان لے گا کیا؟ وہ کتنی ہی دیر سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا اسے اندازہ نہیں رہا۔ رفتار جان بوجھ کر تیز رکھی تاکہ ٹائرز گھستے رہیں، ذہن کے دریچوں پر بار بار کوئی منظر دستک دے رہا تھا جسے وہ جتنا چاہے نظر انداز کرتا منظر کسی زنجیر کی طرح اس کے جسم اور روح سے چمٹتا ہی چلا جاتا۔ بالآخر اسلان یمن نے خود کو اس منظر کے حوالے کر دیا، اسے ہر دفعہ ایسا کرنا پڑتا تھا۔

وہ کوئی بہار کی شام تھی۔ جب اسلان یمن پنار سکندر سے پہلی بار، روبرو متعارف ہوا تھا۔

کھلی فضا والے ریستوران کے احاطے میں اسلان اور اس کے کئی دوست جمع تھے۔ اس نے بیچ میں اولیولز میں ٹاپ کیا تھا۔ آسمانی سفید شرٹ کے ساتھ سفید پینٹ والا اسلان سربراہی کرسی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ سے کانٹا تھامے دوسرا ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے کوئی قصہ سنا رہا تھا جب سامنے سے اسے کوئی آتا دکھائی دیا۔ ہر دفعہ کی طرح اسے دیکھ کر وہ بولتے بولتے رک گیا، کانٹا واپس پلیٹ میں رکھا بال درست کیے اور ایک بار پھر چور نگاہوں سے سامنے دیکھا۔

سفید رنگ کے لمبے، سیاہ سفید پٹیوں والے ٹاپ کے ساتھ جینز پہنے وہ چھوٹے کھلے بالوں کو ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑستی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔ ٹک ٹاک کی مشہور ترین شخصیت، مناسب قد اور خوبصورت نقوش والی پنار سکندر۔ اسلان نے اسے کئی دفعہ اپنے امیر دوستوں کی دعوت میں دیکھا تھا آج وہ پہلی دفعہ اس کے ساتھ والی کرسی پر آکر بیٹھی۔ اس کی تیز خوشبو، آہ اسلان بے اختیار گردن پھیر کر کسی دوست سے بات کرنے لگا۔ اس کے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہوئی تھیں۔

"یہ کھانا تمہارے اعزاز میں ہے تو تمہیں سربراہی کرسی پر بیٹھنا چاہیے تھا۔" شیشے کے بڑے برتن سے پاستا اپنی پلیٹ میں منتقل کرتے پنار نے بڑے ہی اعتماد کے ساتھ اسے براہ راست مخاطب کیا۔ اسلان کتنی ہی دیر بالکل تھم گیا۔ ساکت، بے سانس۔ "تم وہاں کیوں نہیں بیٹھے؟" اس نے دوبارہ مخاطب کیا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر پلیٹ پر جھک گیا۔ اتنی سی بات تھی اور وہ ابھی سے لاجواب ہو رہا تھا۔

"تمھیں لائم لائٹ نہیں پسند، اسلان؟" اپنی کرسی کا رخ اس کی طرف موڑتے ایک کہنی میز پر جمائے، ایک ہاتھ میں پلیٹ اٹھائے، وہ بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسلان کے حلق میں بہت کچھ اٹکنے لگا۔ ٹک ٹاک کرش، دوستوں کی دعوتوں میں لگنے والا سب سے حسین چہرہ یہاں تک سب درست تھا۔ مگر وہ یوں اس طرح اس

کے پاس بیٹھ کر اس کا نام لے گی تو معاملہ اسلان یمن کے اختیار سے باہر نکل جائے گا۔ معاملہ اس کے اختیار سے نکل "رہا" تھا۔

"نہیں مجھے لائم لائٹ کچھ خاص پسند نہیں۔" بمشکل کہتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹا غٹ سارا پانی حلق میں اتارا۔ برقی قمقموں کی روشنی میں اس کا چہرہ روشن تھا۔ آس پاس چہل پہل اور برتنوں کی آوازیں تھیں۔

"اچھا!" وہ جیسے محظوظ ہوئی۔ "صرف لائم لائٹ نہیں پسند یا لائم لائٹ میں رہنے والے لوگ بھی؟" اسلان کے چہرے پر چوری پکڑے جانا کا تاثر آیا۔ "اگر تمہیں واقعی لائم لائٹ نہیں پسند تو میر سے کہہ کر مجھے انوائٹ کیوں کروایا؟" اسلان نے بے اختیار چہرہ پھیر کر اسے دیکھا۔ گہری بھوری آنکھوں کا، سنہری آنکھوں سے پہلا تصادم ہوا۔ اس کی ناک میں چمکتا ننھا ہیرا، بیوٹی بون کو چھوتے ریشمی سیاہ بال اور گول مٹول سا چہرہ اسلان چاہ کر بھی نگاہ نہیں پھیر سکا۔ برقی قمقموں کی روشنی تلے، موم بتیوں کی ٹمٹماہٹ اور اشتہا انگیز خوشبوؤں کے درمیان وہ دونوں یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ اسلان دیکھنے کا عادی، مگر مقابل کی نظر کرم سے غیر آشنا۔

"دراصل میں نے بورڈ میں ٹاپ کیا ہے اور۔"

"اور تمہارے دوستوں نے تمہیں یہاں ایک اعزازی ڈنر پیش کیا۔ چونکہ میں تمہارے میزبان کی خاص دوست ہوں اس لیے تم نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے یہاں بلا لے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کیوں؟" اس نے کہنی میز سے ہٹا لی اور اب اسی ہاتھ سے وہ پلیٹ میں نکالا ہوا پاستا چن رہی تھی۔ رخ مکمل اسلان کی جانب تھا۔ نظریں گہری۔

اسلان نے گلا کھنکھارا۔ "میں چاہتا تھا آپ بھی آئیں۔" اس نے مدھم انداز میں کہا۔

"کیوں؟" سوال جوں کا توں۔ اسلان نے مدد طلب نظروں سے آس پاس کرسیوں پر بیٹھے اپنے دوستوں کو دیکھا۔ سب باتوں میں مصروف تھے یا شاید مصروف دکھ رہے تھے۔ وہ اندازہ نہیں کر سکا۔ بورڈ میں اول آنا اگر مشکل تھا تو یہ امر ناممکن۔ یہ صنف مخالف سے اس کا پہلا ٹکراؤ تھا۔

"مجھے لائم لائٹ نہیں پسند اس لیے میں نے سوچا اس کا رخ کسی اور طرف پلٹ دوں، اور مجھے آپ سے زیادہ حقدار کوئی اور نہیں لگا۔" پنار مدھم سا ہنسی۔ ایسے جسے محظوظ ہوئی ہو۔ اسلان کی سماعتوں میں یہ ہنسی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔

"مجھے لائم لائٹ بہت پسند ہے دیکھو میں آ گئی۔" اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اندر سے بے تحاشا گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی مگر وہ اس وقت اگر کسی عمل سے ناگریز ہو سکتا تھا تو وہ پنار سکندر کو ناراض کرنا ہوتا۔ وہ اسی بااعتماد انداز میں اس سے بات کرتی رہی۔ اسلان بعض دفعہ جھینپ جاتا، کبھی دائیں بائیں دیکھتا اور کبھی وہ پنار کی ناک میں دمکتے اس ہیرے کو دیکھنے لگتا۔ کوئی چمک کوئی موتی اگر کسی درست جگہ پر تھا تو وہ یہی تھا۔ وہ اپنی زندگی کا "مانگا ہوا" لمحہ جی رہا تھا۔

"آپ کو میرا نام کیسے یاد رہا؟" کافی دیر بعد کافی کا مگ ہاتھ میں لیے اس نے پوچھا، اس کی گھبراہٹ زائل ہو چکی تھی۔

"مجھے تمہاری ذہانت یاد رہی۔" اس نے جوس کا گلاس اسلان کے کپ سے ٹکرایا۔ اسلان کو یوں لگا جیسے کسی نے ذرا سا زور لگا کر اس کے دل کی گرد بنی باڑ گرا دی ہو۔ "ایک اور بات جن تقریبات میں تم مجھے دیکھتے رہتے تھے وہاں میں آنکھیں گھر چھوڑ کر نہیں جایا کرتی تھی۔" ٹوٹی گری ہوئی باڑ سے وہ اندر داخل ہو چکی تھی۔ "تم اگر چاہتے تو مجھے خود بھی بُلا سکتے تھے میر کو شامل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" باڑ دوبارہ بن گئی۔ دل کا مکین دل میں رہا اور باہر سے اب ہر متعلقہ اور غیر متعلقہ شخص کے لیے داخلہ ممنوع ہو گیا۔

”میرے پاس آپ کا نمبر نہیں تھا۔“توجیہہ۔

”ہاں کیونکہ تم نے کبھی مانگا نہیں تھا۔“

”آپ مانگنے پر نمبر دے دیتیں؟“اس نے نگاہیں جھکالیں اور اپنے گلاس کو دیکھنے لگا۔

پنار نے ایک لمبا گھونٹ بھرا اور اپنی جگہ سے اٹھی۔”اسلان یمن مانگتا تو دے دیتی۔“

اسلان نے نگاہیں اٹھائیں اور کتنے ہی لمحے وہ بس اسے دیکھتا رہ گیا۔اس نے ہمیشہ اس لمحے کو ذہن میں سوچا تھا کہ کبھی تو وہ ٹھہر کر اس سے بات کرے گی، اس کا نام لے گی، اس کی بات کرے گی یا تو یہ لمحہ معجزاتی تھا یا پھر اسلان یمن آج قسمت اپنے ہاتھوں سے لکھ کر آیا تھا۔جو بھی تھا وہ چاہتا تھا یہ لمحات یہیں قید ہو جائیں۔

اس نے میز پر پڑا موبائل اٹھایا، قفل ہٹایا اور پنار کی طرف بڑھایا۔”پلیز!“

”پلیز وہاٹ؟“وہ امتحان لینے پر ہی تُل گئی تھی۔

اسلان نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔پھر بڑی ہمت کر کے اسے تکا۔نظر کا یہ ملنا اسے گھائل کر رہا تھا۔
”مس پنار سکندر کیا مجھے آپ کا رابطہ نمبر مل سکتا ہے؟“یکدم تیز میوزک بجنا شروع ہوا، روشنیاں مزید تیز ہو گئیں۔سیاہ سفید لباس والی لڑکی اپنے سفید نیل پالش لگے انگوٹھوں سے اسلان کے موبائل پر اپنا نمبر لکھ رہی تھی۔پھر نام لکھنے لگی مگر کچھ سوچ کر رک گئی اور موبائل اسلان کی طرف بڑھایا۔اسلان نے نمبر کو دیکھا، بجلی کی سی تیزی سے وہ نمبر نہ جانے کیوں یاد کیا پھر پنار کو دیکھا۔

”آپ نے نام نہیں لکھا؟“

”مجھے کیا پتا تم مجھے کس نام سے یاد رکھتے ہو؟“دلکش مسکراہٹ سے کہتی وہ ایک آخری نظر اس پر ڈالتی، اپنا گلاس اونچا کرتی وہاں سے ہٹ کر اس طرف چلی گئی جہاں میوزک کی تال پر کچھ دوست رقص کر رہے تھے۔اسلان

کتنی ہی دیر اس کی پشت کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سکرین کو دیکھا، وہ ہلکا سا مسکرایا بھی اور اب اس کی انگلیاں کچھ لکھ رہی تھیں۔ ہندسوں کے اوپر نام کی جگہ پر.....

”لائم لائٹ!“ اس نے بس یہی لکھا، وہ اسی طرز تخاطب کی حقدار تھی۔

لاہور سینٹرل جیل کے باہر اِکا دُکا گاڑیاں کھڑی تھیں جن میں سے ایک سہراب یمن کی کلٹس بھی تھی۔ جس کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا اسلان بے زاری اور اکتاہٹ سے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ میں ایک انگریزی کتاب تھی، جس کے درمیان میں انگلی پھنسا رکھی تھی تاکہ جو صفحہ وہ پڑھ رہا ہے اس پر نشانی رہے۔ دفعتاً وہ چونکا کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اسلان چونک کر مڑا تو عالمگیر اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ تو ساکت ہی رہ گیا۔ لب کھل گئے۔

”اتنی غور سے کیا دیکھ رہے تھے؟ اندر تمہاری کوئی محبوبہ ہے کیا؟“ اسلان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”خیر اب تمہاری محبوبہ یہاں سے آنے سے تو رہی۔“ کوئی اور موقعہ ہوتا تو اسلان بھی اپنی زبان کے جوہر دکھاتا مگر یہ الگ وقت تھا۔ ”چلیں؟“

اسلان ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔ ”آپ کو تو اندر سے آنا تھا نہیں؟“

”جس کے خاندان والے تمہارے اور سہراب جیسے ہوں وہ کسی قسم کے ویلکم کی امید نہیں رکھتے۔“ بے زاری سے کہا پھر آس پاس دیکھا۔ ”اسکار کہاں ہے؟“

”آنے والا ہے، کال آئی تھی کہ یہیں انتظار کروں، ساتھ گھر جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے یہیں نزدیک چلو کہیں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔“ اسلان سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اب تک اس کی موجودگی سے حیران تھا، کیا عالم واقعی جیل میں تھا؟

★★★★★★★★★

سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ گہرے نیلے کوٹ اور پینٹ والا شاہ ویر گلے سے ٹائی نوچ کر اتار رہا تھا۔ پلنگ پر ایک طرف لیپ ٹاپ رکھا تھا جس پر آراہ کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ باورچی خانے میں کھڑی آٹا گوندھ رہی تھی اور وہ خود ابھی ابھی کسی تقریب سے واپس آ رہا تھا۔ چہرے کی رنگت میں سرخیاں گھل رہی تھیں۔ نیل قدرے مندمل تھا۔

"جب بھی کال کرتا ہوں تم ہوتی کدھر ہو؟" وہ بگڑ کر کہہ رہا تھا۔ "جب سے تم نے یہ جاب شروع کی ہے سارا مسئلہ تب شروع ہوا ہے۔ اب تمہارے پاس میرے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔"

" رونے چھوڑ کر مدعے پر آؤ۔" اس نے اشارہ کیا تو ہانیہ اس کے قریب آ کر رکی اور اس کے چہرے پر آتے بال پیچھے کیے۔ اب چونکہ وہ سکرین میں نظر آ گئی تھی تو لگے ہاتھوں ہونے والے بہنوئی کو سلام کر دیا۔

"ہائے، کیسے ہو شاہ ویر؟" ایک تو آراہ کے رویے کی بے زاری اور دوسرا ہانیہ کی اس وقت یہاں موجودگی شاہ ویر نے مسکرانے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ تاثرات تنے رہے۔

"ٹھیک۔" بھاڑ میں گئی مروت، جہنم میں گیا وقار۔

"اور کام کیسا چل رہا ہے پاکستان کب آ رہے ہو؟" ہانیہ نے ہمت نہ ہاری۔ ہاں البتہ عقب میں کھڑی انارا طارون کے غصے کا گراف آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا۔ کیا مطلب اب وہ اس کی بہترین دوست کو نظر انداز کرے گا؟

"جب آؤں گا تو آدھے پاکستان کو پتا چلے گا۔ آراہ سے بات کرواؤ کام ہے مجھے اور ہمیں تھوڑی پرائیویسی چاہیے۔" ہانیہ پھیکی پڑتی رنگت کے ساتھ سکرین سے ہٹ گئی۔ انارا سکرین کے سامنے آئی۔ شاہ ویر کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا اور بغیر ہاتھ دھوئے لیپ ٹاپ دونوں ہاتھوں میں لیے باورچی خانے سے باہر نکل کر کمرے میں آئی۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ یہ سارے نخرے کس کو دکھا رہے ہو؟ اور ہانیہ کے ساتھ کس طرح بات کر رہے تھے تم؟" وہ بلند آواز میں بولی۔

”تمہارا مسئلہ کیا ہے جب ایک بار کہہ دیا ہے۔ ضارم سے بات نہیں کرنی تو وہ کیوں میسج کرتا ہے تمھیں؟“ جواباً شاہ ویر بھی اسی سختی سے بولا۔ ”تم نے اس سے گن منگوائی ہے تمہارے ذہن میں بیٹھ رہا ہے یہ کتنی بڑی بات ہے؟“ بالآخر بلی تھیلے سے باہر آگئی تھی۔

آراہ پر مانو اوس پڑ گئی۔ ”میں نے۔“ وہ رکی۔ ”تمھیں یہ سب کس نے بتایا؟“

رات کے دو بجے کے بعد انارا کے اندر کوئی اور عورت داخل ہو جاتی تھی۔ جو عقل ایک طرف رکھ کر کبھی کسی دوست کی تھیراپی کر رہی ہوتی، کبھی خوامخواہ رونے لگتی اور کبھی اپنے راز بتا دیتی پھر اگلے دن دوبارہ اس پر روتی۔ کل رات شاہ ویر سے بات کرتے ہوئے اس نے بتا دیا کہ اس نے ہانیہ سے ایک گن منگوائی تھی اور ہانیہ نے وہی کام ضارم خان سے کروایا۔ رات کے وقت تو خیر شاہ ویر چپ رہا (بول پڑتا تو پوری بات کہاں سن پاتا؟) مگر آتش فشاں اب پھٹ رہا تھا۔ اسے ضارم سے نفرت تھی۔

”میں نے بتایا کیونکہ مجھے گلٹ ہو رہا تھا میں تم سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتی۔ میں نے وہ گن ہانیہ کے چچا سے منگوائی تھی اور تم اچھی طرح جانتے ہو اس کے چچا کس قسم کے آدمی ہیں ان کے لیے یہ سب روزمرہ کا کام ہے۔ دوسری بات ان سے یہ گن میں نے نہیں! ہانیہ نے منگوانی تھی۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ ہانیہ یہ کام ضارم سے کروائے گی؟“ یاد آنے پر وہ بولی۔

”تمہیں لگتا ہے میرے ماتھے پر گدھا لکھا ہے؟“ وہ غرایا۔ آراہ بے اختیار سہمی۔ ”اس کا چچا، اس کا ماموں تمہارا دماغ خراب ہے یا میرا دماغ خراب کرنا چاہتی ہو؟ عمر دیکھو اپنی، خاندان دیکھو اپنا تم ایک جیولری آرٹسٹ ہو، گنز سے تمہارا تعلق کیا ہے؟“ وہ ہنوز بلند آواز میں پوچھ رہا تھا۔ آراہ نے اس کو اس قدر غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”مجھے یقین نہیں آرہا تم میرے پیٹھ پیچھے کیا کرتی پھر رہی ہو۔“کوٹ اتار کر وہ فرش پر پھینک چکا تھا۔”اگر تمہیں کچھ بھی چاہیے تو تمہیں مجھ سے کہنا چاہیے گنز یا بم جو بھی ہے، میں لا کر دوں گا وہ ضارم، وہ آدمی میری ہونے والی بیوی کے لیے یہ سب کیوں کرے گا؟“

”یہ تو میں طے کروں گی کہ میں تمہاری بیوی بنانا چاہتی ہوں یا نہیں۔“وہ چیخ کر بولی۔

”دو سال میں تم یہ فیصلہ بھی نہیں کر سکیں؟“شاہ ویر کے ابرو طنزیہ انداز میں اکھٹے ہوئے۔

”فیصلہ کر لیا تھا اب لگتا ہے غلط کر لیا۔“وہ بمشکل رونے پر قابو پائے ہوئے تھی۔”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم مجھ سے ایسے بات کرو گے۔“شاہ ویر نے بے اختیار ماتھا مسلا۔اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہوا تو وہ اگلے ہی منٹ نرم پڑا۔

”آئی ایم سوری میں بس غصے میں تھا اور۔“وہ کہنا چاہتا تھا کہ کوئی اسے قتل کرنا چاہتا ہے، اس کا اپنا بہنوئی ایک دھوکے باز ہے، اس کا کیریئر اور ساکھ صرف ایک انکار کی وجہ سے خراب ہونے کو ہیں مگر وہ رونے لگی تھی شاہ ویر کی ہر تاویل، ہر عذر، ہر رنجش جیسے دم توڑ گئی۔اب وہ اگر قاتلہ بھی ہے تو وہ اندھا قانون بننے کو تیار۔”آئی ایم سوری مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔آئی ایم سوری۔آراہ ادھر دیکھو یار۔میری طرف دیکھو۔“

”مجھے یہ رعب نہیں پسند دوبارہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا میں چاہے گنز منگواؤں، چاہے لوگ قتل کروں، میری اپنی بھی ایک زندگی ہے تم اس میں دخل نہیں دے سکتے۔“

”اب تم غلط بات کر رہی ہو۔غیر قانونی غیر لائسنس شدہ اسلحہ کون سی لڑکی رکھتی ہے؟ تمہارا دماغ واقعی خراب ہو رہا ہے سوری بٹ نو سوری مجھے لگتا ہے ہمیں اس معاملے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔تم ضارم پر اتنا یقین کیسے کر سکتی ہو کہ اس سے غیر قانونی گنز لینے لگو؟“آراہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس بخوبی ہو رہا تھا لیکن جھگڑے کے عین درمیان میں یہ مان لینا کہ وہ غلط ہے وہ ایسا کر دے تو تُف ہے اس کے من چاہی عورت ہونے پر۔

"تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟" یہ گیا مدعا دوسری طرف۔

"شک؟" اس نے ناگواری سے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ "یہاں شک کی کوئی گنجائش کہاں نکل رہی ہے ڈارلنگ۔ میں ثبوتوں کے ساتھ بات کر رہا ہوں۔ ضارم تمہارا لگتا کیا ہے، صرف ایک کولیگ اور تم اس سے اسلحہ لے رہی ہو؟"

"تم کیا لگتے ہو میرے؟ تم ہوتے کون ہو مجھ پر اس طرح کی پابندیاں لگانے والے۔"

"تمہارا مستقبل کا شوہر۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔

"اچھا واقعی اسی لیے اب تک تمہاری ماں میرا رشتہ لینے نہیں آئی؟" شاہ ویر نے ابرو اٹھائے ایسے جیسے کہہ رہا ہو واقعی؟ اب ہم اس بات پر لڑیں گے؟

"میری ماں نہیں آئی واہ یعنی تمھیں واقعی لگتا ہے تم اس طرح کے ڈرامے کر کے مجھے مدعے سے ہٹاؤ گی؟" آراہ نے ناگواری سے بھنویں بھینچ لیں۔ (ایک تو لکھاری سے پالا نہ پڑے کمبخت انسان کو کتاب کی طرح پڑھتے ہیں۔ اس پر تو کوئی داؤ پیچ ہی نہیں چل رہا تھا۔)

"ٹھیک ہے میں بری۔ ہر قصور میرا ہے تم تو بہت اچھے اور سچے ہو نا، پھر مجھ سے بات کیوں کر رہے ہو پھر جاؤ کوئی اپنے جیسی پارسا ڈھونڈ لو۔" جب کوئی حربہ کام نہ آیا تو جذباتی دھمکیاں کام آئیں۔ "اللہ کرے میں ہی مر جاؤں۔"

"خبر دار جو تم نے کال کاٹی، آراہ میں۔" اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی وہ کال کٹ چکی تھی۔ شاہ ویر بنگش جیسے کھول کر رہ گیا۔ اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ مٹھیاں بھینچے وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرنے لگا۔ یہ لڑکی اس کے صبر کی ہر حد آزماتی تھی۔

"صبر شاہ ویر صبر۔" خود کو تسلی دی۔

★★★★★★★★★★

"تم سے ایک بات کہوں؟"

"میرے منع کرنے پر نہیں کہو گی؟" آتش دان کے اندر جلتی لکڑیوں کو لوہے کی سلاخ سے ترتیب دیتے ہوئے قصہ گو نے پوچھا۔

"یہ عورت تمکنت بنگش۔ یہ صرف اداکاری تو نہیں کرتی ہو گی۔"

"وہ صرف اداکاری ہی کرتی ہے۔" قصہ گو نے اپنی بات پر زور دیا۔ "وہ بس ایک اداکارہ ہے۔"

"تمہیں وہ اتنی نیک کیوں لگتی ہے؟" قاری سلگ اٹھی۔

مرد نے یکدم پلٹ کر اسے تکا۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی سادگی تھی۔ "میں نے کب کہا وہ نیک تھی؟"

"ابھی تم نے کہا کہ وہ صرف اداکاری کرتی ہے۔"

"بالکل وہ صرف اداکاری کرتی ہے سیٹ پر بھی۔" وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔ "بیک اسٹیج بھی۔ تمکنت بوڑھی ہو رہی تھی۔ اداکاری کے مواقع ختم ہونے لگے تب۔" اس کے دائیں گال پر آگ کی وجہ سے تپش سی ہونے لگی۔ "تب اس نے بیک اسٹیج اداکاری شروع کر دی۔ اس کا کردار ایک رہنما کا تھا۔"

"رہنما؟"

"عورتوں کے حقوق کی رہنما۔" قصہ گو نے اضافہ کیا۔

★★★★★★★★★★

سفید حویلی لاہور کے خوبصورت ترین گھروں میں شمار ہوتی تھی۔ چمچماتا ہوا سفید رنگ جو دن کی روشنی میں آنکھوں کو چندھیا رہا تھا۔ ساری حویلی اسی ایک رنگ میں ڈوبی تھی۔ کہیں کہیں گہرا کتھئی رنگ بھی نمایاں تھا مگر سفید رنگ کی جاذبیت اس ایک رنگ کو دبا رہی تھی۔

لمبی سرمئی گاڑی سفید حویلی کے گیٹ پر آکر رکی تو دربانوں نے دروازے کھول دیے۔ یہ دروازہ کسی کسی کے لیے ہی کھلتا تھا۔ روش پر آکر رکتی سواری میں سے تمکنت بنگش باہر نکلی۔ ارغوانی لباس میں ملبوس، اونچی ایڑھیوں کے جوتے، گلے میں مالا اور کانوں میں ہیرے کے ٹاپس سمیت بال نفیس جوڑے میں اور چہرہ ہلکے میک اپ تلے تھا۔ عمر کے اس دور میں بھی وہ خوبصورت اور تازہ دم تھی۔

کچھ دیر بعد اسے مہمان خانے میں لا کر بٹھایا گیا۔ وہ یہاں آتی جاتی رہتی تھی اس گھر کا شاہانہ پن، آس پاس سے گزرتے ملازم، وہ بڑے بڑے گھروں کی گمبھیر خاموشی تمکنت ہر شے سے بے نیاز اپنے موبائل کی سکرین پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ جب اسے ایک مانوس آواز سنائی دی۔

"مجھے نہیں پتا تھا آج صبح صبح آپ کا دیدار ہو جائے گا۔" مسکراتا، کھنکتا لہجہ اور ایک مدھم مسحور کن سی خوشبو تمکنت کو اپنے آس پاس محسوس ہوئی تو اس نے چہرہ اٹھا کر سامنے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کبھی سوچا ہے آپ اتنی خوبصورت کیسے ہیں؟" دروازے کے چوکھٹے میں وہ ایستادہ تھا وہ جو کہانی کا گمشدہ حصہ تھا۔ چھتیس، سینتیس کے ہندسے کو پار کرتا ہوا "اسفندیار انصاری"۔ نوجوان نسل کا پسندیدہ رہنما، ہر کسی کا دلدادہ۔ دیوار پر لگے آرائشی آئینے میں اس کا عکس بن رہا تھا۔ مناسب قد، ذہین چہرہ، گندمی رنگت اور شفاف جلد۔ سرمئی شلوار سوٹ پر سیاہ ویسٹ کوٹ پہنے وہ کسی ملاقات کو تیار دکھائی دے رہا تھا۔

"مجھے بھی نہیں پتا تھا کہ صبح صبح مجھے اتنا حسین مرد دیکھنے کو ملے گا۔ بغیر کسی فلٹر کے۔" وہ قدم قدم چلتے ہوئے آگے آیا اور اپنا سر اس کے سامنے ہلکا سا جھکایا۔ تمکنت نے اس کے بال ذرا سے بگاڑے پھر وہ سیدھا ہوا۔ مسکراہٹ ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔ گال کا گڑھا بے حد واضح تھا۔

"نہ کریں پھر میں مغرور ہو جاؤں گا یار۔"

"تم آلریڈی مغرور اور خوش لگ رہے ہو کیا ہوا ہے؟" وہ تمکنت کے ساتھ والے صوفے پر آکر بیٹھا۔ ان دونوں کے درمیان گہری شناسائی لگتی تھی۔ کندھے جوڑ کر بیٹھے ہوئے وہ دو دوست معلوم ہوئے۔

"ہوا تو بہت کچھ ہے اور میں خوش نہیں ہوں، بہت پریشان ہوں۔" اسفند اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "آپ کو یاد ہے کچھ دن پہلے کسی اینکر نے اماں سے پوچھا تھا کہ طلاق کا ریشو کیوں بڑھ رہا ہے۔ اماں کا جواب تو آپ کو یاد ہو گا؟"

"طلاق یافتہ عورتوں میں جن کی شرح زیادہ ہے وہ سب پڑھی لکھی عورتیں ہیں۔" بغیر کسی طنز کے تمکنت نے ہو بہو اس کے الفاظ دہرائے۔ "آپس کی بات ہے یہ جواب مجھے بھی بُرا لگا تھا۔"

اسفند نے گردن نفی میں ہلائی پھر ماتھا مسلا۔ "اب ٹویٹر اور باقی سوشل میڈیا پر عجیب نفرت اور ہتک بازی شروع ہو گئی ہے۔ ہر کوئی اماں اور ان کی سیاست پر تبصرے کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اچھا خاصا بیک لیش آیا ہے۔ عوام کو لگتا ہے کہ اماں عورتوں کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ آج جلسہ بھی ہے سمجھ نہیں آرہا کیا کریں۔"

تمکنت نے اس کا کندھا تھپکا۔ "یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے اسکینڈل کو اسکینڈل کے ساتھ دبایا جاتا ہے۔ تمہاری اماں نے اگر یہ بات کر دی ہے تو اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ ہاں لیکن اسی پیمانے کا ایک اور معاملہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔"

"مثلاً؟"

"اسفندیار خان کا کوئی معاشقہ۔" تمکنت مسکرا کر بولی۔ اسفند بے ساختہ ہنس دیا۔ آنکھیں چمکیں۔ وہ محظوظ ہوا۔

"میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔"

"ہونے میں وقت کتنا لگتا ہے؟"

”مجھے معاف رکھیں۔“ اس نے با قاعدہ ہاتھ جوڑے۔ ”آپ یہ بتائیں کہ شاہ ویر آج کل کیا کر رہا ہے؟ مجھے کوئی بتا رہا تھا کہ وہ شادی وغیرہ کر رہا ہے۔ بے وفا ہو گئیں آپ ذکر ہی نہیں کیا۔“

تمکنت کی آنکھوں میں کچھ ابھرا۔ لب البتہ بہ دقت مسکراتے رہے۔ ”میں تمہاری طرح بے خبر رکھی گئی ہوں۔“ آواز میں نہ چاہتے ہوئے بھی کرچیاں تھیں۔

”ڈونٹ ٹیل می۔“ اسفند متحیر رہ گیا۔ ”آپ کو بھی علم نہ ہوا؟“

”کوئی مڈل کلاس لڑکی ہے جیولری آرٹسٹ۔ ماں باپ کی طلاق ہو گئی اور اب ماموں کے ساتھ رہتی ہے۔ مجھے شاہ ویر سے یہ امید نہیں تھی۔“

”مجھے بھی۔“ وہ بری طرح متاسف ہوا۔ ”میں اس سے بات کروں؟“

”کر سکتے ہو؟“ وہ یکدم مشکور ہوئی۔

”آپ کے لیے کچھ بھی۔“ وہ دونوں ابھی اس بات پر مزید چرچا کرتے کہ سامنے سے آتی عورت کو دیکھ کر چپ ہو گئے۔ ہلکے آسمانی رنگ کے چکن کاری سوٹ کے ساتھ دوپٹہ کندھوں سے سر تک اوڑھے وہ باوقار سی چال چلتی ہوئی عورت تمکنت کی ہم عمر معلوم ہوتی تھی۔ چہرہ ہر قسم کی جھریوں اور بڑھتی عمر کے آثار سے پاک تھا۔ وہ روبینہ انصاری تھی، پچھلے انتخابات میں چند ووٹوں سے ہاری ہوئی، مگر اس دفعہ مکمل تیاری کے ساتھ ایک بار پھر سیاست کے میدان میں اترتی ہوئی۔

”میں آپ دونوں کی باتوں میں مخل تو نہیں ہوئی؟“ مہمان خانے سے یکدم ساری چاشنی رخصت ہو گئی اور کچھ کڑوا سا اندر آ گیا۔ روبینہ کی آنکھوں میں ان دیکھا طنز تھا۔

”نہیں اماں ہم بس یونہی بات کر رہے تھے۔“ اسفند کھڑا ہو گیا، اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

”حالانکہ یہ کچھ "کرنے" کا وقت ہے۔“ وہ بیٹھی نہیں۔ بس کھڑی رہی اور چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ ”تمھیں باتوں سے فرصت کب ملے گی، اسفند؟“

”روبینہ آرام سے۔“ تمکنت نے اسے ٹوکا۔ ”کیا مسئلہ ہے ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی اگر تم کسی ایک عمارت کو اسکول کے لیے وقف کر دو یا پھر چند پیسے بانٹ دو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”تمھیں کیا لگتا ہے میں اس مسئلے کے لیے پریشان ہوں؟“ اس کی آواز تھوڑی بلند ہوئی۔ ”الیکشن آنے والے ہیں میں وہ سب دیکھوں یا روز روز کی یہ ڈرامہ بازی؟ الکحل کمپنی کی تعمیر رک گئی ہے۔ ہماری این جی او کے فنڈز نہیں آ رہے، کیا مطلب ہے پاکستان میں فیمی سائیڈ ختم ہو گیا ہے، کوئی شوہر بیوی کو قتل نہیں کر رہا، جہیز کے مسائل پر کوئی ماں باپ خودکشی نہیں کر رہے یا کوئی عورت بچے پیدا کرتے ہوئے مر نہیں رہی؟“

”اماں راجن پور میں واجبہ بی بی کو اس کے شوہر نے قتل کر دیا کیونکہ وہ صرف بیٹیاں پیدا کر رہی تھی اگر ہم یہ مسئلہ۔“

”اسٹاپ اٹ، اسفند۔“ وہ بگڑی۔ ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔ ”راجن پور؟ کوئی راجن پور کو جانتا بھی ہے؟ مجھے کچھ تگڑا کیس بتاؤ۔ کوئی ایسی کہانی جس کے ذریعے عورتوں کے حقوق پر ہمارا بولنا اچھا بھی تو لگے۔ کسی امیر اور ورکنگ وومن کا قصہ لاؤ۔ گاؤں دیہات کی عورتوں کے مسائل لائیں گے تو لوگ کہیں گے حکومت نے ان کی بہتری کے لیے کیا کیا؟ اور ہمارے پاس کیا اتنا وقت ہے جو ان جاہل عورتوں پر صرف کریں؟“

ابلیس اگر انہیں دیکھے تو اپنے پھیلائے ہوئے شر پر تفاخر کرتے جیے۔ انسانی جان اور ایک عورت کا حق ان کے لیے سب سیاست تھی، محض ڈھکوسلہ۔ ”یہ سارے فنڈز الیکشن کے لیے استعمال ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھے تم سے ایک فیور چاہیے، تمکنت۔“ کرسی کے ہتھے پر ہاتھ رکھے روبینہ اب دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔ ”یہ الیکشن بے حد ضروری ہیں اور الیکشنز کے لیے پیسہ چاہیے۔ پیسہ کیسے آئے گا؟“

”میں کوشش کر رہی ہوں جلد ہی ہماری اینجیو کے لیے فنڈز آ جائیں گے اور۔“

”لعنت ہو ان فنڈز پر، ٹکے ٹکے پر انتخابات نہیں لڑے جاتے۔ وقاص گیلانی سے بات کرو گی تم۔ ہم اس کا کام کروائیں گے اور وہ ہمیں تین گنا زیادہ رقم دے گا۔“

اسفندیار نے پہلی بار اپنی ماں کو بے بسی بھری ناگواری سے دیکھا۔ ”اماں اب ہم ایسے لوگوں کے ساتھ جڑیں گے جو آرگن ٹریفکنگ کرتے ہیں؟ ڈسگسٹنگ۔ وہ بچوں تک کو نہیں بخشتا۔ اسے فری ہینڈ دینا غلط ہو گا۔ ہم اسے تحفظ دیں گے تو وہ آگ لگا دے گا۔“

”تمہارے اندر کا مسیحا جاگ رہا ہے تو میری جگہ تم بیٹھ جاؤ۔“ وہ اسی بلند بے لچک لہجے میں بولی۔ ”اور آج کا جلسہ تم دیکھو گے۔“ یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی۔ اسفند لب بھینچ کر رہ گیا۔ روبینہ اب تمکنت سے کچھ کہہ رہی تھی جو غور سے اس کی بات سننے لگی۔ اسفندیار کے برعکس تمکنت اپنے ”کردار“ کے ساتھ مکمل وفادار نظر آتی تھی۔ جبکہ اسفند ان دونوں عورتوں کی تخریب کاری سے بے حد متنفر۔

★★★★★★★★★★

آفتاب کی طلائی روشنی شیشے کی دیواروں سے چھن کر آ رہی تھی۔ کیفے میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ بیرے کافی اور چائے کے کپ میزوں پر دھرتے نظر آ رہے تھے۔ کافی کے دانوں کی کڑوی مہک اور لوگوں کی کھسر پھسر سب روزمرہ کے مطابق تھا۔ شیشے کی دیوار کے قریب بیٹھے عالم کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا۔ اسلان اس کے سامنے بیٹھا تھا، کتاب میز پر دھری تھی۔ جہاں چھوڑی تھی وہاں سے شروع کرنے کا بڑا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی تو کلائمیکس کے سین آئے تھے۔

”آپ کو نہیں لگتا ہمارے لحاظ سے یہ جگہ زیادہ مہنگی ہے؟“ آس پاس نگاہیں دوڑاتے اس نے تبصرہ کیا۔

”سہراب نے اپنے اندر کا چِندی آدمی تمہارے اندر بھی منتقل کر دیا کیا؟“

”ایسا نہیں ہے لیکن اگر چائے پینی تھی تو ہم کسی اور جگہ بھی جا سکتے تھے۔“ اسلان نے مدافعانہ انداز اپنایا۔

”یہ دیکھ رہے ہو۔“ عالم نے نگاہیں ترچھی کر کے اسے ایک طرف بیٹھے لوگ دکھانے چاہے۔ ”یہ کلاس، پرسکون ماحول، یہ ادب، صفائی، یہ کہیں اور مل سکتا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر ان لوگوں کی نظریں۔ یہ ہمارا معائنہ کر رہے ہیں۔ تمہاری شرٹ کا کپڑا اور میرے پیروں کے جوتے یہ امیر اسی بات کو ڈسکس کر رہے ہوں گے۔ پاکستان میں امیروں نے اپنا "امیر یہ ٹاؤن" بنا رکھا ہے جہاں ان کو لگتا ہے مڈل کلاس کا داخلہ ممنوع ہے۔“

اس نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔ ”میری انا کو تسکین ملتی ہے جب میں، ایک اپر مڈل کلاس آدمی چند پیسوں کے بل بوتے پر ان کے امیر یہ ٹاؤن میں آجاتا ہوں اور ان کے اندر جرات نہیں کہ مجھے یہاں سے نکال سکیں۔ کیونکہ ان کے منہ پر مارنے کے لیے میرے پاس پیسہ ہے۔“ اسلان نے ہاتھ اٹھا لیے۔ عالمگیر کے اندر کا امیر مخالف اس وقت جاگ چکا تھا اور اس کی منطق وہ خود سمجھ جائے یہ بڑی بات ہے۔

وہ دونوں چائے پی کر نکلنے والے تھے جب سہراب نے کال کر کے انہیں کچھ دیر وہیں رکنے کو کہا۔ وہ قریب ہی تھا دس منٹ میں پہنچ جاتا اور سب اکٹھے گھر جاتے۔ عالم نے فی الحال فرمان برداری کا شاید کوئی نیا کورس کیا تھا کہ بلا چوں چراں وہ بات مان گیا۔ اسلان کچھ وقت کتاب پڑھتا رہا، کبھی وہ باہر دیکھنے لگتا۔ کیفے میں موجود کئی لڑکیوں کی نظریں اسے عالم کے اوپر پڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ دونوں اس بات سے واقف تھے اور ان دونوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن کوئی شناسا نگاہ بھی تھی جو عالم کو غیر آرام دہ کر رہی تھی۔

”تم عبیر سے آخری بار کب ملے تھے؟“ گلاس وال سے باہر دیکھتے عالمگیر نے پوچھا۔ اسلان نے کتاب میز پر رکھ دی۔ نہیں پڑھ سکتا وہ۔ اُف اُف۔

”ایک ہفتہ پہلے ہمارا لاہور آنا ہوا تھا، تب ملا تھا۔ چاچو اسکار آج صبح بھی ملے ہیں۔“

"اس کی خالہ نے زیادہ مسئلہ تو نہیں کیا؟" وہ ہنوز باہر دیکھ رہا تھا اسلان اس کے کپڑے، جوتے اور میز پر دھرے اس کے موبائل کو۔ جب وہ جیل گیا تھا تب اس کے پاس یہ موبائل نہیں تھا۔ وہ یہ جوتے پہن کر بھی نہیں گیا تھا۔ پزل باکس کا کوئی ٹکڑا جڑ کر نہیں دے رہا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ کوئی پہیلی وجود نہیں رکھتی۔ عالم کیا چھپا رہا تھا؟

"نہیں وہ بہت اچھی ہے۔ کافی تعاون کرتی ہے۔" بہت دیر بعد وہ رسان سے بولا۔

"تم سے چھ سال بڑی ہے کوئی جوڑ نہیں ہے۔" اسلان اول تو سمجھا نہیں اور جب سمجھا تو جیسے کھول کر رہ گیا۔

"لاحول ولا" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر اپنی کتاب کھولنی چاہی مگر عالمگیر وہ کتاب اٹھا چکا تھا۔ اس بے دردی سے کہ اسلان کو سرورق کی فکر پڑ گئی۔

"ایک بات بتاؤ۔" اسلان کو دیکھتے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں اگر چوتھی شادی کروں تو اس کے لیے عبیر کی خالہ کیسی رہے گی؟"

"آپ اپنی بیٹی کی خالہ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"جب بھی جیل جاتا ہوں اسے اس کی خالہ کے پاس چھوڑنا پڑتا ہے کیوں نہ خالہ کو ہی گھر لے آؤں، کیسا رہے گا؟"

"چوتھا قتل کرنے کا موڈ ہو رہا ہے؟" عالمگیر بدمزگی سے پیچھے ہوا۔

"تمھیں یقین ہے وہ تین قتل میں نے کیے ہیں؟" انکار، اقرار کے معاملے برطرف ہوئے کمبخت کی آنکھیں بھی ایسی بے تاثر تھیں کہ کھوجی کھوج نہ لگا سکے۔

"انکار تو آپ نے کبھی کیا نہیں محض ثبوتوں کی قلت ہے۔ آپ وکیل ہیں جرم سے بچنے کے طریقوں سے واقف تو ہوں گے۔" اسلان خلاف توقع خوش مزاجی نہ سہی مگر اکھڑ اندازی بھی نہیں اپنائے تھا۔ عالم کے سامنے وہ جھاگ

کی طرح بیٹھ جاتا تھا یا شاید عالم اسے پسند تھا۔ وہ میز پر ذرا سا آگے کو ہوا، نگاہوں میں رازداری کا پیام تھا۔ ”کیا آپ نے واقعی وہ قتل نہیں کیے؟“

”تم میرے باپ نہ بنو۔“ عالمگیر نے چائے کا لمبا گھونٹ بھرا، نگاہیں ایک بار پھر باہر جما دیں۔ ”میں کارپریٹ وکیل ہوں میرا کام قتل سے بچنا بچانا نہیں ہے۔“

”پھر بھی کتنی خوبی سے یہ کام کر رہے ہیں۔ کمال ہے۔“ اسلان نے اپنے کپ پر تین انگلیاں بجائیں۔ یوں جیسے سراہا ہو۔ عالم ہولے سے ہنس دیا۔ اس کی آنکھیں ساتھ چمکیں۔ اس نے ایک نظر اسلان کو دیکھا اور دوبارہ ہنس دیا۔ اسلان ہولے سے بس اس کا ساتھ دینے کو مسکرایا۔ کئی لوگ بلاارادہ ان دونوں کو دیکھنے لگے تھے۔

”گدھے مجھے چھوڑو اپنا قصہ سناؤ کہاں پہنچے، تمہاری اور اسکار کی بنی یا نہیں؟“

اسلان نے شانے اچکائے۔ ”ان کو لگتا ہے میرے باپ بنیں گے اور میں سدھر جاؤں گا۔ وہ یہ نہیں جانتے سدھرا تو آج تک میرا باپ بھی نہیں۔“

”وہ ہے کہاں، اب تک لینے کیوں نہیں آیا مجھے؟“

”مجھے نہیں بتایا کسی کام سے گئے ہوں گے۔“ وہ واقعی لاعلم تھا۔ ابھی وہ مزید کچھ کہتا کہ اسلان کا فون جل کر بجھ گیا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو سہراب کی طرف سے پیغام تھا۔ وہ باہر آ گیا تھا۔ گلاس وال سے وہ کیفے کے باہر کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ عالم اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بٹوے سے چند نوٹ نکال کر میز پر رکھے، مگ ان کے اوپر رکھا۔ اسلان دیکھ سکتا تھا کہ نوٹ ضرورت سے زیادہ تھے۔ یمن بادشاہ کی شاہ خرچیاں۔ جاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر متلاشی نگاہوں سے آس پاس تکا، نہ اس شناسا نگاہ کی کھوج لگنی تھی نہ عالم لگا پایا۔ لیکن کچھ تھا جو اسے محسوس ہوا تھا یہ اس کا وہم ہرگز نہیں تھا۔

وہ دونوں ایک ساتھ باہر نکل آئے سہراب ان کے سامنے آکر رکا۔ بھائی کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا اور پنجہ عالمگیر کی طرف بڑھایا جسے وہ مضبوط سے تھام کر اب وہی پنجہ بازو سے گزارتے اسے گلے لگا رہا تھا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کا کندھا تھپکا۔ چند لمحے یونہی ایک دوسرے سے لگے رہے۔ بڑے طویل عرصے کے بعد آج دل کو ٹھنڈک ملی تھی۔

"ویلکم بیک۔" سہراب نے دھیرے سے کہا۔ پھر اسے الگ کیا اور اس کا کندھا ایک بار پھر تھپکا۔ عالم کی واپسی کا دن وہ خراب نہیں کرتا تھا لیکن آج اس کی آنکھوں میں کوئی سختی تھی۔ "گھر چلیں یا عبیر کو لینے؟"

"پہلے میری بیٹی!" عالمگیر گاڑی کی طرف بڑھا جب اسلان نے چابی سہراب کے آگے لہرائی۔

"میں فی الحال گھر نہیں آ رہا کچھ کام ہے۔" جینز کی جیب میں ایک ہاتھ ڈالے ٹکا سا جواب دیا۔ سہراب اسے روکنا چاہتا تھا لیکن روکا نہیں۔ عالم کی واپسی کے دن وہ کسی بدمزگی کا متحمل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے چابی لے لی۔ یوں بھی اسے اپنے بھائی سے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔ جو اکیلے میں ہو سکتی تھی۔

"جلدی گھر آجانا میں کھانے پر تمہارا، انتظار کروں گا۔" اسی انداز میں اسلان کا کندھا تھپکا جیسے کچھ دیر قبل عالمگیر کا۔ "آج ہم سب ساتھ کھانا کھائیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک رہائشی علاقے میں آکر رکی جہاں قطار در قطار گھر بنے تھے۔ عالم نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، بال درست کیے۔ شرٹ کا اوپری بٹن بند کیا اور گاڑی سے اترا۔ باہر نکل کر اس نے قطار میں بنے گھروں میں سے ایک گھر کی گھنٹی بجائی۔ گاڑی کے شیشے کے پار سہراب دیکھ سکتا تھا کہ عالمگیر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی، انداز میں تھوڑی سی عجلت بھی۔

دروازہ کھلا پہلے ایک عورت نظر آئی۔ اس نے عالمگیر پر کچھ طنز کسے جواباً اس نے بھی زبان کے جوہر دکھائے، پھر دروازہ اس کے منہ پر بند ہوا اور کچھ دیر بعد عورت کے ساتھ ایک چھوٹی بچی بھی دروازے پر نمودار ہوئی۔ چھ سے

سات سال کی عمر، لمبے بال جن کی دو چٹیا بنی تھیں، آنکھیں ہو بہو عالم کی آنکھوں جیسی رنگت بھی وہی۔ وہ عکس عالمگیر تھی۔ عالم گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھا، بانہیں پھیلا دیں۔

سات آٹھ سالہ بچی نے ہنستے ہوئے اس کی گردن کے گرد بازو باندھے۔ کسی نے عالمگیر کے سینے پر ٹھنڈی سل رکھ دی۔ سب بہتر سے بہترین ہو گیا۔ اس کی بیٹی اس کے گلے لگ رہی تھی یہ احساس کامل تھا۔ وہ الگ ہو کر اس کے دونوں گال چوم گئی تو وہ سرشار ہوا۔

"میرا بچہ، بابا کو مس کیا؟" وہ محبت سے اس کا کندھا چوم رہا تھا، پھر ماتھا، پھر اس کے دونوں ہاتھ۔ اور پھر اس کے بال سہلائے، اسے بازوؤں میں بھر کر اٹھایا۔ "بابا نے کال کی تھی آپ نے بولا آپ کو بابا سے بات نہیں کرنی؟" اس نے بچی کی خالہ سے بستہ لیتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کال؟ کب میں نے تو ایسا نہیں کہا۔" عبیر عالمگیر نے فوراً جواب دیا۔ عالم پر تپش نگاہوں سے چوکھٹ پر ایستادہ اس عورت کو دیکھتا رہا، آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کئی دھمکیاں دیں مگر عبیر کی موجودگی میں خاموش رہا۔ صبیحہ یونہی ڈھٹائی سے دروازے پر جمی کھڑی رہی۔ تاثرات وہی اکھڑ۔ ایک دور میں عالمگیر اس کی بڑی بہن کا شوہر ہوا کرتا تھا، اس کی بھانجی کا باپ اب وہ بس ایک قاتل تھا۔

"اگر بیٹی سے اتنا پیار تھا تو اس کی ماں کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"درست۔ اس کی ماں کی جگہ تمہیں جہنم بدر کرنا بنتا تھا۔"

"تم مجھے میلی نظر سے دیکھو میں تمہاری آنکھیں نہ نکال دوں؟"

"میلی نظر؟ آج جا کر آئینے میں اپنی شکل دوبارہ دیکھنا میں تمھیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔" وہ سختی سے بولا۔ جواباً صبیحہ نے دوبارہ کچھ کہا جسے وہ نظر انداز کرتا واپس گاڑی کی طرف آیا۔ پچھلی نشست پر بیگ رکھا اور خود عبیر کے ساتھ آگے آ کر بیٹھا۔

"ہائے بڑے ابا۔" سہراب کو دیکھتے اس نے چہک کر کہا۔ وہ بس مسکرایا۔ (چلو کسی کو دیکھ کر تو مسکرایا)۔

"بچے، سلام کرتے ہیں ہائے نہیں بولتے۔" عالمگیر نے فوراً ٹوکا۔

"خالہ نے بولا تھا ہائے بولو۔" وہ اس کے سینے میں گھستے ہوئے بولی۔

"تمہاری خالہ کے اقوال زریں تو میں بند کرواؤں گا۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ "ذرا اس سے پوچھوں تو اس کی اماں ہائے بولتی تھیں کہ ابا؟"

"بابا آپ پھر ٹرپ پر کب جائیں گے؟" عبیر اس کی ٹھوڑی کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ سہراب ہنس پڑا۔

"تمہارے بابا ٹرپ کے شوقین ہیں بہت جلد دوبارہ جاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ انشاءاللہ۔"

عالمگیر نے آنکھیں گھمائیں۔ "بیٹا اس ٹرپ کے چکروں سے تو اب ایک ہی بار باہر آؤں گا۔ مجھے سادات فرم چھوڑ دو۔" پہلی بات عبیر سے اور دوسری سہراب سے کہی۔

"وہاں کیا کام ہے؟"

"دفتر کوئی ناچنے جاتا ہے کیا؟"

"چھ ماہ کی جیل کاٹنے والوں کو بھی دفتر میں واپس لیا جاتا ہے؟"

"وکیلوں میں مورلز کی بہت کمی ہے ہماری کمیونٹی میں سب جائز ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ عین اسی لمحے اس کی نگاہ سڑک پر لگے جدید بینر پر پڑی۔ نگاہ ساکت اور دل ساکن ایک ساتھ ہوا۔ ہیزل آنکھیں کتنے ہی پل وہیں جمی رہیں۔ سہراب نے اس کی نگاہوں کی تقلید میں دیکھا بینر پر ایک خوش شکل ماڈل کی تصویر لگی تھی جس میں وہ کسی مشروب کی تشہیر کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ عبیر کے بالوں میں چلتی اس کی انگلیاں تھم گئی تھیں۔ بس ایک

گھڑی تھی جس میں اس کی آنکھیں لاتعداد رنگوں اور جذبوں میں منعکس ہوئیں اور لمحہ بعد واپس سکوت، سگنل کھل گیا گاڑی آگے بڑھ گئی لیکن کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔ شاید قلبِ عالمگیر۔

"تمہیں کچھ بتانا تھا۔" سہراب نے سڑک پر نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔ وہ اس کی چند لمحہ قبل کی بے اختیاری دیکھ چکا تھا۔ "اس خاندان کے ساتھ ایک نیا تعلق جڑنے والا ہے۔" وہ جو شیشے کے پار تک رہا تھا ایک لمحے کو جامد ہو گیا۔ سوالیہ نظروں سے سہراب کو دیکھا۔ "ہماری انارا اور تاجور کا بھائی۔" الفاظ کسی پھن والے سانپ کی طرح عالمگیر کے اندر تک زہر بھر گئے۔ وہ کتنے ہی لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔ زبان مقفل، نگاہ جامد اور دل ساکن۔

"انارا کا دماغ خراب ہے یا تمہارا؟" بہت دیر بعد الفاظ غراہٹ کی صورت اس کے حلق سے باہر آئے۔

سہراب نے شانے اچکائے۔ "دل، عالمگیر دل۔ بگڑے دماغ درست ہو جاتے ہیں دل نہیں۔"

"بنگش خاندان کے پاس پتھر ہے دل نہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔ "میں گھر آ کر دل اور دماغ سب درست کرتا ہوں۔ تم لوگ پاگل ہو گئے ہو یہ تعلق تو میری موت کے بعد بھی نہیں جڑے گا۔ یہ ہو کیا رہا ہے؟ آراہ اس لڑکے سے ملی کہاں؟"

سہراب نے کچھ نہیں کہا بس چپ چاپ گاڑی منزل کی طرف موڑی اور چند پل بعد وہ سادات لاء فرم کے سامنے گاڑی روک چکا تھا۔ عالم نے عبیر کو نشست پر بٹھایا اور اسے اپنے تایا کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتے ہوئے گاڑی سے اتر کر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پر بے تحاشا غصہ اور کوئی بے بسی تھی۔ قدموں میں تیزی اور تنفر۔ غور سے دیکھنے پر اس کی آنکھوں میں ہنوز بے یقینی بھی تھی۔

گاڑی میں سہراب یمن بنگش خاندان سے اپنے خاندان کے پرانے تعلق کو یاد کرنے کے لیے تنہا رہ گیا۔

★★★★★★★★★★★★★

"چند برس قبل"

یہ اس دور کا ذکر ہے جب زندگی میں نوٹس، اسائمنٹس، پریزنٹیشن اور حاضری پوری کروانے کی فکریں ہوا کرتی تھیں۔ ان دنوں زندگی حسین تھی۔ یمن خاندان کے عالمگیر کے لیے۔ اس حسن میں مزید اضافہ تب ہوا جب اس کا دل محبت نامی وبا سے متاثر ہوا۔ یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں باتیں، چائے، کافی اور دوستوں کی حرکتیں تھیں۔ عالمگیر کی بے فکری بھی، اس کا محبت سے نیا نیا متاثر شدہ دل بھی۔

انہی باتوں اور قہقہوں کے درمیان اس کہانی کا ایک تکون بھی تھا۔ سہراب، عالمگیر اور یافث طارون۔ ایک دوسرے کے بہترین دوست۔ عالمگیر ان دنوں بھی یونیورسٹی میں اپنی وجاہت اور دلکشی کے لیے مشہور تھا۔ وہ مقبول تھا اور اس بات سے باعلم بھی۔ بعض دفعہ وہ اسی شے کو اپنے مقصد کے لیے استعمال بھی کیا کرتا تھا۔ اپنی وجاہت کو استعمال میں لا کر اپنے کام نکلوانا اسے کچھ خاص بُرا نہیں لگتا تھا۔

”اس سیمسٹر کے بعد بی ایس سی ختم اور پھر میں لاء کالج کے لیے پڑھائی کروں گا۔“ چائے کا کپ لبوں تک لے جاتے عالمگیر نے مستقبل کی پیشن گوئی کی۔ کم عمری میں اس کا چہرہ اتنا ہی پرکشش تھا۔ بال گھنے اور سلیقے سے سجے ہوئے۔

”تم صرف لاء کالج کے لیے پڑھتے ہو جب تک یہاں ہو ہماری عزت بچانے کے لیے ہی پڑھ لو۔“ یافث نے اسے غیرت دلوانی چاہی۔ ”ویسے ایک اور آئیڈیا بھی ہے۔“ وہ میز پر آگے کو ہوا۔ سہراب اور عالمگیر بھی آگے ہوئے۔ ”میم آمنہ کی بیٹی تمہیں دیکھ دیکھ کر بلش کرتی ہے۔ تم اسے دیکھ کر مسکرا دو تو وہ اپنی ماں سے پیپر چوری کر کے ہمیں دے سکتی ہے۔“ سہراب تاسف سے نفی میں سر ہلاتے پیچھے ہوا۔

”میم آمنہ کی بیٹی کو دیکھ کر مسکرا دیا نا تو وہ اگلے دن رشتہ لے کر گھر آئے گی۔“

”تو لے آنے دو۔“ یاسف نے میز پر بے فکری سے تالی بجائی۔ ”پیپر میں بھی پاس اور اچھے خاصے خاندان میں بات بھی پکی۔ مسئلہ کہاں ہے؟“ عین اسی پل کینٹین کے دروازے سے تاجور بنگش اپنی کچھ دوستوں کے ساتھ آتی

ہوئی دکھائی دی۔ گوری گلابی رنگت، جدید تراش خراش کا لباس، اس کی ذات کا اعتماد اور اونچے شملے سے اس کا تعلق یہ وہ خصوصیات تھیں۔ جن کی بنا پر ہر لڑکا اس کی جانب متوجہ ہوتا تھا۔ ”دل“ یہ واحد وجہ تھی جس کی بنا پر عالمگیر یمن تاجور بنگش کی جانب متوجہ ہوتا تھا۔

”عالم سے پوچھو اسے کوئی مسئلہ تو نہیں؟“ سہراب اپنے سنجیدہ چہرے کو بمشکل سنجیدہ رکھے عالمگیر کی نگاہوں کے بدلتے ہوئے زاویے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے چہرہ میز سے اٹھایا۔

”مسئلہ تو واقعی ہے۔ حل کرواؤ نا یار۔“ اس نے سہراب کی طرف دیکھ کر لاڈ سے کہا۔

”کتنا پسند کرتے ہو؟“ یافث نے پوچھا۔

عالم گردن جھکا کر مسکرایا۔ ”بہت۔“

”پھر بھی کتنا؟“

”وکالت کے بعد عالم کی دوسری محبت۔“ سہراب نے لقمہ دیا۔

”عالم کی پہلی محبت، مائنڈ یو۔“ عالمگیر نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ ”تم لوگ یہاں سڑتے رہنا میں تو ڈگری کے ساتھ تم دونوں کی بھابی بھی لے کر جاؤں گا۔“ سہراب اور یافث کے لیے اس کی یہ وارفتگی اور والہانہ پن نیا ہرگز نہیں تھا لیکن آج پہلی بار سہراب کو لگا وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ ”اس کو اور مجھے ایک ساتھ دیکھو، بالکل پکچر پرفیکٹ۔“ کم از کم اس معاملے میں وہ درست تھا۔

”عالم۔“ جوس کا گلاس ہاتھ میں ہلاتے، مائع پر نگاہیں جمائے سہراب نے سنجیدگی سے اسے پکارا۔ ”تمھیں نہیں لگتا یہ ہمارے بیچ یعنی تمھارے ساتھ مس فٹ ہو گی۔“ عالمگیر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”تم اور یافث ہوتے تو وہ واقعی مس فٹ ہوتی۔ لیکن مجھے دیکھو، ذرا غور سے دیکھو تو تمہیں پتا چلے میں تم دونوں سے بہت مختلف ہوں۔“ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ جہاں یافث اور سہراب کو پڑھائی اور نوکری کی فکر ستاتی تھی وہیں عالمگیر کو اپنی ”انویسٹ“ کی گئی چھوٹی موٹی رقومات کا غم ستاتا۔ وہ اونچے خواب رکھتا تھا اور ان کی تعبیر کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو راضی نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں لنڈے بازار کے کپڑوں پر راضی ہو جاتے اور عالم ہزاروں روپے کپڑے، جوتے، خوشبو اور کھانے پر لگا دیتا۔ وہ خوبصورت تھا اور اس بات سے بخوبی واقف بھی۔ ذرا سی تراش خرش اسے ایک مڈل کلاس مرد سے کسی رئیس زادے میں تبدیل کر دیتی تھی اور اس بات سے انکاری کون تھا؟

”میں تم دونوں کی طرح محدود خواہشیں نہیں رکھتا اور نہ محدود وسائل۔ عالمگیر کو محبت اگر پیسہ کمانے سے ملے گی تو وہ اتنا کما کر لائے گا کہ گنتی ممکن نہ ہو۔“ بھورے بال ماتھے پر بکھیرے وہ مستقبل کے نقشے کھینچ رہا تھا۔ ”تم دونوں کنگلے محبت بھی سوچ سمجھ کر کرنا۔“ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

”یہ اپنی محبت کے قصے سنا رہا ہے یا ہماری بے عزتی کر رہا ہے؟“ یافث کو اعتراض ہوا۔

”دونوں۔“ سہراب بولا۔

”اور باقاعدہ دونوں میں کامیاب بھی ہو رہا ہوں۔“ یافث اور عالم اب کسی بات پر الجھ رہے تھے۔ سہراب ٹھنڈی چائے کے گھونٹ بھرتا لاشعوری طور پر مستقبل میں اپنے بھائی کی محبت کو ناکام ہوتے دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ وہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن اب جو ہے سو ہے۔ اس کی زندگی میں ”کہا تھا نا“ ایسے لمحات آتے رہتے تھے ایک اور عنقریب آنے والا تھا۔

★★★★★★★★★★

”کیسے کیا؟“ یہ آواز ایک بوڑھے مرد کی تھی جو گاڑی کی پچھلی نشست پر اسفند کے برابر، براجمان تھا۔ بال سارے پیچھے کی طرف کیے ہوئے، چوڑا ماتھا، بے شکن اور پختہ نقوش سختی کے ساتھ آپس

میں گھلے ہوئے۔ اس کے آس پاس کافور کی بو جیسی گھٹن تھی۔ ٹانگیں معذور تھیں ، اس سے وہ نشست پر نیم دراز اور سارا دھیان سامنے تھا۔

کیا کیسے کیا؟ ""نک سک سے تیار ان کی دائیں طرف بیٹھا مرد موبائل چلاتے مصروف سا بولا۔ سجاد انصاری نے نگاہیں سامنے جما کر رکھیں، آنکھوں کی پتلیاں جیسے ایک ہی جگہ منجمد ہوں۔

"اپنی ماں، یعنی ایک ناکام سیاست دان کو اس جلسے میں آنے سے کیسے روکا؟" اس عورت کی بات کرتے ہوئے ان کے لہجے میں ہتک تھی۔ اسفند نے سادگی سے اپنے باپ کو تکا۔ نگاہوں میں جہان بھر کا بھولپن تھا۔

"کیا میں نے ایسا کیا؟ وہ نہیں آنا چاہتی تھی ابا اور ان کا نہ آنا ہی ہمارے حق میں بہتر تھا۔ سیاست کو وہ انسان چاہیے جسے زبان پر قابو اور اعصاب پر اس سے دگنا قابو ہو۔" سجاد نے ہلکی سی گردن پھیر کر اسے تکا، چند لمحے وہ دونوں اسی طرح ایک دوجے کو تکتے رہے اور اگلے لمحے ان دونوں کے لب ہلکی سی مکروہ، شاطر مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"کام مشکل تھا ابا لیکن کیا کریں کرنا پڑتا ہے۔ اماں بوڑھی ہوگئی ہیں اور نئی نسل کی قیادت اب ان کے بس کی بات نہیں رہی ویسے بھی چند سال قبل وہ ہماری پارٹی کی ساکھ کو بہت بری طرح نقصان پہنچا چکی ہیں۔ دوبارہ موقع دینا غلط ہوگا۔" سجاد نے گہری سانس لی، گردن اثبات میں ہلائی وہ اب دوبارہ سامنے دیکھنے لگے۔

"پیسہ! اسفند انتخابات بے دریغ پیسہ مانگتے ہیں۔ ایک ہی کاروبار تھا ہمارا جس کا حساب سرکار کو نہیں جاتا تھا تم نے وہاں بھی اس دو ٹکے کی اداکارہ کو شراکت فراہم کر رکھی ہے، اوپر سے تمہاری ماں اسے الگ پیسہ چاہیے سوچا ہے اپنی تخریب کاری اور اپنی ماں کا منہ بند کروانے کا پیسہ کہاں سے لاؤ گے؟" لاہور کی بھیڑ بھری سڑکوں پر ان کی گاڑی اسی مڈ بھیڑ میں کہیں ٹھہر گئی۔ اسفند اپنا موبائل گود میں رکھے لبوں پر مٹھی جمائے اب سوچ میں پڑ گیا تھا۔

”ایک طریقہ ہے تھوڑا مشکل مگر۔“ وہ کھل کر مسکرایا۔”میں کر لوں گا ابا۔ یہ انتخابات میرے ہیں، فتح بھی میری، آپ فکر نہ کریں۔“سجاد نے اسے نہیں دیکھا،ماتھے کی شکن برقرار رہیں وہ خوش تھے، مطمئن یا غیر مطمئن یہ ان کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔

کچھ دیر بعد اگر آسمان کے کسی اڑن کھٹولے سے نیچے جھانک کر دیکھو تو ایک وسیع قطعے پر لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے۔ عوام کا ایک سمندر تھا جو اسفند انصاری کو سننے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اس کے ایک اشارے پر یہ مجمع جان تک دے سکتا تھا۔ مائیک تھامے وہ چبوترے پر کھڑا لوگوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلا رہا تھا۔ ہوئے اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ پارٹی کا، لوگوں کا، ملک کا سب سے دلدادہ اسفند سجاد انصاری۔۔۔

”روٹی، کپڑا، مکان۔ یہ دعویٰ، یہ عہد اقتدار میں آنے والی ہر جماعت نے کیا اور اسے بھولے یوں گویا یہ الفاظ منہ سے کبھی نکلے ہی نہ ہوں۔“ مائیک تھامے وہ عوام سے مخاطب تھا۔”ہم ذرا اس دعوے میں ترمیم کرتے ہیں۔ تعلیم، روزگار، صحت۔۔۔ ہمارا وعدہ آپ سے ان تمام بنیادی سہولیات کا ہو گا کیونکہ روٹی، کپڑا، مکان تو پچھلی سرکار دے چکی نا؟“ وہ مسکرا کر بولا۔

اپنے گھر کے لاؤنج میں ٹی وی پر نشر ہوتا یہ براہ راست جلسہ دیکھتی روبینہ انصاری کی نگاہوں میں کوئی چبھن اور ناپسندیدگی تھی۔ کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا لیکن وہ پارٹی کے سب سے بڑے سرمایہ کار کو کھونے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

★★★★★★★★★

دفتر کی راہداریوں میں چلتے ہوئے اس کا چہرہ خطرناک حد تک سپاٹ تھا۔ ہاتھ میں ڈھیر سارے کاغذات کے پلندے لیے جب وہ ارمغان علی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہاں پہلے سے کوئی موجود تھا۔ شاہ زید کو دیکھتے ہی ارمغان کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

”دفتر کے اصل مالک تشریف لے ہی آئے عالی جاہ آپ کی کرسی یہاں لگوا دوں یا آپ کو اپنی کرسی پیش کروں۔“

زید بغیر کچھ کہے آگے آیا۔ اس کی آنکھیں شب خوابی کے باعث سرخ پڑ رہی تھیں۔ میز پر کاغذات دھر کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ ارمغان نے دوسرے ملازم سے جانے کو کہا۔ ”جو آپ کو چاہیے تھا وہ اس میں موجود ہے اور اگر کچھ بھی پوچھنا ہو یا پھر بتانا ہو تو مدیحہ موجود ہے اب اس معاملے کو سربراہ کی حیثیت سے دیکھے گی۔“

”اور آپ جناب کیا کریں گے؟“ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس امیر زادے کو اٹھا کر دفتر سے باہر نکال پھینکیں۔ وہ اس کی یہاں تقرری سے ہی بے زار تھے۔

”میرے کچھ ذاتی کام ہیں باس، میں وہی کروں گا۔“ تحمل سے کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ”مجھے ایجنٹ کا نمبر چاہیے یا پھر کوئی بھی ایسی شے جو مجھے اس تک پہنچا سکے۔“ ارمغان کافی دیر تک چبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ زید کے صبر کا اچھا خاصا امتحان لیا جا رہا تھا لیکن فی الحال وہ کسی قسم کے فساد کا متمنی نہیں ہو سکتا لہٰذا بازو سینے پر باندھے وہ پر تپش نظروں سے اپنے باس کو دیکھ رہا تھا۔

”میرے پاس اس کا کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے لیکن۔“ لبوں کے کونے اٹھائے وہ پر اسراریت سے مسکرائے۔ ”ایجنٹ خود تم تک آنا چاہتا ہے۔ کیا خوب اتفاق ہے جس خبر کے پیچھے تم ہو وہ تمھیں ہیڈ لائن سمجھ کر تمھارے پیچھے ہے۔ معاملہ کیا ہے، شاہ زید؟“ وہ واقعی جاننا چاہ رہے تھے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بلا کے محظوظ ہوئے تھے۔

زید جو اس نئی خبر سے متحیر ہوا تھا تاثرات دبا کر رکھے۔

”جیسا کہ میں نے کہا۔ اٹس پرسنل۔“ کچھ تھا جو ارمغان کو کھٹکا۔ یہ لفظ یہ دو لفظ انھوں نے کل ہی سنے تھے۔ کس سے، کب، کیوں؟ ابھی معلوم کیے دیتے ہیں۔

کل یہ دفتر اس طرح تابناک نہیں تھا۔ بتیاں مدھم تھیں۔ دفتر خالی اور ارمغان صاحب جو اس وقت چھاتی چوڑی کیے شاہ زید کو رگڑ رہے تھے۔ ان کا ایک پسینہ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ سامنے کوئی دیو ہیکل انسان بیٹھا تھا۔

"وہ آپ کے پاس کام کرتا ہے، رائٹ؟" نیم اندھیرے میں کرسی پر بیٹھا شخص بھاری آواز میں پوچھ رہا تھا۔ میز پر پیپر ویٹ گھمانے سے دفتر میں ہلکا سا شور پیدا ہو رہا تھا۔ "اس کے بھائی تک جانا ہے مجھے۔ کیوں؟ یہ مت پوچھیں۔ کیسے یہ آپ بتائیں گے اور کب یہ میں طے کروں گا۔" اس نے مدعا سامنے رکھا۔ وہ مکمل سنجیدگی اور دو ٹوک لہجے میں کہہ رہا تھا۔

ارمغان نے گہرا سانس بھرا۔ اچھے خاصے جرائم پیشہ افراد سے ان کا روز کا واسطہ تھا اور ایک یہ تھا جو سادہ ہو کر خوف دلا رہا تھا۔ کمبخت منہ سے بات کرتے کرتے کب ہاتھوں کی زبان شروع کر دیتا تھا، پتہ بھی نہیں چلتا تھا۔ "شاہ زید؟ اس کے بھائی سے تمہارا کیا تعلق ہے یعنی اس سے کیا چاہیے تمھیں؟" ایجنٹ نے گہری سانس لی۔ پیپر ویٹ کی ہر حرکت تھم گئی۔

"اٹس پرسنل!" وہی دو لفظ، وہی پراسراریت، وہی مخفی راز۔ کسی نے کل کے منظر پر تیزی سے سرخ پردہ تان دیا، پردے کے اس پار آج کا منظر تھا۔

"باس؟" زید کی پکار پر وہ حال میں آئے۔ اندھیرے سے روشنی میں۔ خوف سے بے خوفی میں۔ "اسے مجھ سے کیا چاہیے؟ میں اس تک کیسے پہنچوں؟" ارمغان صاحب نے ٹھوڑی کھجائی اور شاہ زید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ غیر آرام دہ سا کرسی کے کنارے پر ٹک گیا۔ چہرے پر کچھ تھا تو محض بھائی کی محبت۔

"اسے پتا ہے تم پنڈی گئے تھے اسے معلوم ہے کہ تمھیں اس سیریل کلر کا راز جاننا ہے۔ وہ چاہتا ہے تم اسے کوئی ایسی اطلاع دو جو اس کیس کو نیا رخ دے یا پھر نئی جان اور اس کے بعد وہ تمھارے لیے وہ کام کرے گا جس کی تمھیں ضرورت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اٹس پرسنل!" ابھی شاہ زید کچھ کہتا کہ۔ "ایسا اس نے کہا۔" انہوں نے فوراً صفائی دی۔ شاہ زید کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے اور انہی جھکڑوں کے درمیان اس کے ذہن میں ایک جملہ آیا۔

"وہ مرد نہیں، عورت ہے!" زید اس نشست پر بیٹھے ہوئے کتنی دیر تک شل رہا اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہاں سے اٹھتے ہوئے اس کے ذہن میں بہت کچھ تھا۔ دفتر کی راہداریوں میں بھاگتے ہوئے ساری رات کا جاگا ہوا ہونے کے باوجود پنڈی کی طرف جاتے ہوئے اس کے ذہن میں بس ایک بات تھی۔ اسے دیر نہیں کرنی۔ اسے کسی سے یہ نہیں سننا تھا کہ۔

"تم نے دیر کر دی، شاہ زید۔"

★★★★★★★★★

"ایک منٹ ایک منٹ۔" ہوٹل روم کی قاری اپنے قصہ گو کو روک چکی تھی۔ "تم آگے نہیں بڑھ سکتے پہلے تمہیں وہ گتھیاں سلجھانی ہوں گی جنہیں تم پیچھے نامکمل چھوڑ کر آئے ہو۔"

"یہ گتھیاں بُننے کا وقت ہے مادام۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے لیکن پہلے مجھے یہ بتاؤ۔" وہ آگے کو ہوئی۔ آنکھوں میں کوئی شیطانی سی چمک ابھری۔ "اسلان یمن اس روز کہاں گیا تھا؟"

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ یہ کوئی خاص قصہ ہے؟"

"گٹ فیلنگز۔" اس نے آنکھیں گھمائیں۔

"اوکے پھر وہیں سے شروع کرتے ہیں۔" تابعداری کی انتہا۔

★★★★★★★★★★★

"اسلان یمن اس روز کہاں گیا تھا؟"

اندرون لاہور کی تنگ و تاریک گلیوں میں سرمئی پینٹ کے ساتھ سرمئی ہی ہڈی والا اسلان یمن تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ شام کی سیاہی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی گھروں کی بتیاں جلنے لگیں تو اندرون کی یہ گلیاں مصر کے قدیم ادوار کی سی کہانی سنانے لگیں۔ وہ چلتے چلتے بازار کی طرف نکل آیا۔ رش، شوروغل اور لوگوں کے درمیان وہ موبائل پر نظر آتی ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ چھوٹی سی شیشے کے دروازوں والی دکان جس پر موٹی موٹی لکھائیوں میں "ریاض پبلیکیشنز" لکھا تھا۔ اسلان یمن نے نگاہیں آس پاس دوڑائیں اور نسبتاً ایک کونے والی دکان ریاض پبلیکیشنز کی تھی۔ وہ ہڈی سر پر درست کرتے رش کے درمیان راستہ بناتے ہوئے دکان کے اندر داخل ہوا جہاں کئی مرد پہلے ہی جمع تھے۔ پرنٹر کا شور اور سیاہی کی خوشبو بھی۔ آس پاس کتابوں کی کئی اور دکانیں بھی تھیں۔

کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا بڑی بڑی مونچھوں والا شخص غالباً ریاض تھا۔ نیا لڑکا آتے ہوئے دیکھ اس نے اپنے ایک لڑکے کو اشارہ کیا جسے سمجھ کر اس نے سر ہلا دیا۔

"ریاض بُک ایجنسی میں خوش آمدید، کہیے جناب ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

اسلان آگے آیا۔ اس کی نگاہیں سیدھ میں جمی ریاض کی آنکھوں میں گڑھ رہی تھیں۔ "وہی مدد جو آپ کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔"

"آپ خود لکھاری ہیں یا پھر کسی عزیز کے لیے تشریف لائے ہیں۔ مسودہ، تفصیل، یا نرا سب تفصیل سے بتائیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے یقین دلانا چاہ رہا تھا کہ ریاض بُک ایجنسی میں واقعی کتابیں شائع ہوتی ہیں جی بالکل اور ہم اُلو کے پٹھے ہیں۔ "آپ اندر تشریف لے جائیں باقی کی تفصیلات ہم طے کر لیتے ہیں مسودہ اگر قابل اشاعت ہوا تو۔" وہ بولتے بولتے رک گئے۔ اسلان نے ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ جیب سے نکال کر ان کے سامنے رکھا اور ذرا سا آگے ہو کر سرگوشی کی۔

"مجھے خرگوش بہت پسند ہیں۔" خاکی لفافہ اور وہ ذو معنی سطر۔ وہ ایک پل کو تھم گیا۔ غیر قانونی مہاجر کو سفری دلالوں کی زبان میں "خرگوش" کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ زیر زمین مختلف راستے بناتا ہے اور غیر قانونی مہاجر کسی کے بنائے ہوئے راستوں پر خرگوش کی طرح چھپ چھپ کر چلتا ہے۔

ریاض کے اشارے پر ایک آدمی آگے آیا اور اسلان کا بازو پکڑ کے اسے دکان کے اندرونی حصے کی طرف لے گیا۔ دیواروں پر جابجا پوسٹرز لگے تھے جن پر مختلف ممالک کی تصاویر لگی تھیں۔ روزگار کے مواقعوں کی یقین دہانی اور ہر طرح کے سہانے خواب۔ اسلم اسے اندر لایا دروازہ بند کیا اور اسے دیوار سے لگایا۔ آنکھوں میں کرختگی تھی۔

"کون ہے تُو؟ کس مقصد سے آیا ہے پولیس والا ہے؟"

"شکل سے پولیس لگتا ہوں؟" وہ اپنے ازلی سپاٹ انداز میں بولا پھر ایک جھٹکے سے خود کو چھڑوایا۔ اسے لوگوں کا خود کو چھونا سخت ناپسند تھا۔ "جتنے پیسے چاہیے اس سے دگنے دوں گا۔ وہ کام کرو جو تم کرتے ہو۔"

"کیا کرتے ہیں ہم؟" اسلان دیوار کے ساتھ لگی کرسی پر آ کر بیٹھا۔ ٹھنڈی ٹھار نظروں سے اسے دیکھا۔

"لوگوں کی ڈنکی لگواتے ہو، کامیابی کے پچاس فیصد کے دعوے دار ہو تم، رقم کی فکر مت کرو مجھے میرا کام جلدی چاہیے۔" وہ رکا۔ "میرا کیس تمہارے بس کا نہیں اپنے باس کو بھیجو۔" اسلم چند لمحے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو ریاض کے ساتھ دو اور لڑکے بھی آ رہے تھے۔

"اس کی تلاشی لو۔" ریاض نے آتے ہی حکم صادر کیا۔ "اگر تم سے کوئی خفیہ کیمرہ یا ریکارڈنگ ڈیوائس نکلی تو اچھا نہیں ہو گا۔" اس نے انگلی اٹھا کر اسلان کو دھمکی دی۔ موبائل کی کھلی ہوئی سکرین پر ایک نمبر چمک رہا تھا۔ یہاں کوئی مشکوک حرکت نکلی اور یہاں وہ اس نمبر سے رابطہ کرے گا۔ تلاشی لی گئی مگر ایک اور لفافے کے علاوہ اس

کے پاس سے کچھ اور نہیں نکلا۔ ریاض اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ اب اداکاری بے کار تھی وہ ان کے متعلق جانتا تھا۔ ان کے متعلق جاننے والے بہت لوگ تھے لیکن یوں منہ اٹھا کر کوئی نہیں آیا کرتا تھا۔

"رپورٹر ہو، پولیس سے ہو یا پھر وکیل؟"

اسلان نے شانے اچکائے۔ "اسلان شجاع یمن، بس یہی تعارف ہے میرا۔"

"ریفرنس؟" ریاض احمد گھاک آدمی تھا۔ جانتا تھا غلط پکڑا جائے تو اسے چھپایا نہیں جاتا غلط کے صحیح اصول سامنے لائے جاتے ہیں۔ "ٹھیک ہے تم سے کسی نے کہہ دیا ہو گا کہ ریاض احمد یعنی میں استغفراللہ لوگوں کو ڈنکی لگواتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو تم اتنا جانتے ہو گے کہ ایسا کام ہم یونہی ہر کسی کے لیے نہیں کریں گے ریفرنس کیا ہے؟"

"تمہارا تعلق کس چیز سے ہے؟ پیسے سے ہے نا۔ پیسہ میں دے رہا ہوں جتنا چاہیے اتنا دے رہا ہوں اس سے دگنا بھی دے سکتا ہوں۔ لاہور سے یورپ بس صرف یہ کام ہے۔" وہ ہاتھوں کو باہم باندھے آگے کو ہوا۔ "میری ایک شرط ہے مجھے اس قافلے کے ساتھ جانا ہے جو پچیس فروری کو جا رہا ہے۔ نہ میں کوئی افسر ہوں، نہ وکیل اور نہ جاسوس۔" ریاض کے چہرے کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں سیاہ پڑی۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ کچھ بول نہیں سکا۔ وہ پچیس فروری والے قافلے کے متعلق بھی جانتا تھا؟

"کون ہو تم؟" اب کی بار سختی سے استفسار کیا۔ البتہ آواز اب ویسی کڑک نہیں تھی۔ وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"اسلان یمن۔" رٹا رٹایا جواب۔

"جب اتنا پیسہ ہے تو ڈنکی مارنے کی کیا نوبت آ گئی ہے پیسہ دو میرے کئی جاننے والے ہیں، سیدھے صاف راستے سے بھیجیں گے خرگوش بننے کی کیا تک ہے؟"

”سیدھا صاف راستہ سرکار کو میرا ریکارڈ دے گا اور میرا خاندان اس ریکارڈ کے ذریعے میرے پیچھے آئے گا۔ مجھے اپنا ہر نشان مٹا کر کہیں غائب ہونا ہے۔“ اس نے تفصیلی جواب دیا۔ ”میں غائب ہونا چاہتا ہوں ایسے کہ کوئی میرا نام و نشان نہ ڈھونڈ پائے۔“

”اول تو میں ایک عام سا ناشر ہوں اور دوئم اگر تمہارے نزدیک میں کوئی ٹریول ایجنٹ ہوں اور لوگوں کو ڈنکی کے ذریعے ملک کے باہر بھجواتا ہوں تو ریفرنس لاؤ۔ اگر کسی پکے آدمی کا ریفرنس آگیا تو میں تمہارا کام کر دوں گا۔ ورنہ تم مجھے دوبارہ یہاں نظر بھی آئے تو بہت برا ہو گا۔ پولیس میں میرے بڑے تعلقات ہیں ایسی دفعات لگوا کر اندر کرواؤں گا کہ ضمانت بھی نہیں ہو گی۔“

وہ ظاہر نہیں کر رہا تھا لیکن اعتماد اور بے نیازی کا وہ خول جو وہ چڑھا کر آیا تھا وہ چیخ رہا تھا۔ ریفرنس؟ یعنی تعلق۔ وہ تعلقات سے ہی تو بھاگ رہا تھا۔ ”تمہارا مقصد پیسہ ہے میں دگنا چھوڑو تین گنا بھی دے سکتا ہوں۔“ اس کے لہجے میں زور شامل ہوا۔ ریاض کے کندھے چوڑے ہوئے یہ بچہ محض پیسے کے دم پر آیا تھا۔ ہاہ۔

”دھندے کا اصول ہوتا ہے۔ اصول تو پھر اصول ہوتا ہے۔“

”میں پیسہ۔“

”پیسہ اگر زیادہ ہے تو غرباء کی فہرست میں تمہیں بھیج دیتا ہوں۔ لیکن اصول نہیں ٹوٹیں گے۔ ریفرنس لاؤ، کاغذات لے جاؤ۔“ ریاض نے کہتے ہوئے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا وہ تیزی سے آگے آئے اور اسلان کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔ وہ بغیر مزاحمت کے اٹھ گیا۔ لیکن کندھے اکڑے ہوئے تھے۔ لب بھینچ گئے۔

”میں ریفرنس لے آؤں گا میری جگہ تمہیں رکھنی ہو گی۔“ جاتے جاتے وہ تنبیہہ کرنا نہ بھولا۔ البتہ اس کے پاس ایسا کوئی شخص نہیں تھا یہ الگ قصہ ہے۔

★★★★★★★★★★★★★

عورت کتنے ہی لمحے بے یقینی سے اس قصہ گو کو تکتی رہی۔ سانس جیسے آ اور جا رہا ہو۔اسے کہانی کے "اس" کردار سے "یہ" امید نہیں تھی۔

"اسلان کیا کر رہا تھا؟ اپنے ہی خاندان کو بغیر بتائے وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا؟"

مرد نے گہری سانس لی اور جھک کر فرش پر پڑے کاغذات اٹھانے لگا۔ "جو زخمی ہوتا ہے وہ پہلے زخم دیتا ہے، زخمی ہوتا رہتا ہے مگر کچھ لوگ ہوتے ہیں جو زخمی ہو کر تھک جاتے ہیں اور جائے فرار اختیار کرتے ہیں۔ دنیا کی نظروں سے او جھل ہونے سے بہتر فرار کیا ہو سکتا ہے؟"

"یہ تو سیدھا سیدھا suicide attempt ہے۔ کوئی اس حد تک کیسے جا سکتا ہے؟"

"کسی کے ضبط، صبر اور امتحان کی حد کوئی اور کہاں جان سکتا ہے۔"

"یہ بے وقوفی کی انتہا ہے۔"

مرد ہنسا۔ "یہ ذہانت کی انتہا ہے۔" اس کی آنکھوں میں الوہی چمک آئی۔ "صحیح کام کرنے والوں کی ذہانت کو سراہا جاتا ہے ٹھیک، درست۔" سر ہلا کر سراہا۔ "لیکن غلط کام کو غلط طریقے سے پرفیکشن سے کرنا یہ بھی تو ذہانت ہے۔ ہم ذہانت کو ہمیشہ درست کام سے کیوں منتھی کر دیتے ہیں؟"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو کسی کرمنل کا بہترین ڈاکہ، کسی سیریل کلر کا اپنے پیچھے نشان نہ چھوڑنا ذہانت ہے؟"

زمین پر پنجوں کے بل بیٹھے مرد نے گردن اثبات میں ہلائی۔ "بالکل یہ ذہانت ہے۔"

"ڈسگسٹنگ۔" عورت منہ ہی منہ بڑبڑائی۔ مرد محض مسکرایا، کہا کچھ بھی نہیں۔

★★★★★★★★★

ایک ہفتہ قبل پنڈی کی ان گلیوں میں جاتے ہوئے وہ کئی ایک جگہ رکے تھے۔ کہیں سے بھٹہ کھایا، کسی ڈھابے سے رک کر چائے پی، کہیں رک کر ونڈو شاپنگ کی اور کہیں سے آٹھ سو کا سوئیٹر پانچ ہزار میں خریدتے بچے۔ وقت کو بدلتے بس ذرا سا ہی دیر لگتی ہے اور آج ایک ہفتہ بعد وہ دو دن کا بھوکا گلیوں میں بغیر رکے سمت کا تعین طے کیے بنا چلے جا رہا تھا۔

"مجھے اب بھی لگتا ہے کہ وہ سب ایک نری بکواس تھی۔" آٹھ سو کا سوئیٹر پہنے بقیہ چار ہزار دو سو اپنے پرس میں اڑسنے والی لڑکی بس ایک وہی تھی جسے وقت نے نہیں بدلا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ قدم اٹھا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ دو دنیاؤں کا سفر کر سکتی تھی، بغیر رکے، بغیر تھکے۔ "اور اگر تمھیں ایجنٹ کو کچھ ایسا دینا ہے جس سے کیس کا رخ بدل جائے تو وہی ڈرامائی جملہ سنا دو جو اس لڑکے نے سنایا تھا۔"

"پچھلی بار شاید میں نے تمہاری باتوں پر دھیان نہیں دیا اس بار چپ رہنا۔ میرا میٹر ویسے ہی گھوما ہوا ہے۔" چھوٹے سے دروازے کے باہر رک کر اس نے دروازہ بجایا، پستول شال کے اندر چھپے بازو میں ڈھانپ لی۔ آج اس عورت کی بکواس بھی نہیں سننی۔

"اس بار کوئی ہدایات نہیں دو گے؟" مدیحہ نے آستین چڑھاتے ہوئے ہلکی سی سرگوشی کی۔

"اس بار چارج میں لے رہا ہوں تم فالو کرنا۔" وہ ٹھنڈے انداز میں بولا۔

"تمھارے مورلز کا کیا ہوا؟"

"جہنم میں گئے۔"

"ہونہہ جیسے......" ابھی وہ کچھ کہتی کہ دروازہ کھلا اور گھر کے اندر سے کوئی سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی نظر آئی اس کے عقب میں وہی عورت تھی جو پچھلی بار ملی تھی۔ ہاتھ میں برش اور کندھے پر تولیہ ڈالے غالباً وہ نہانے جا رہی تھی۔ دو انگلیوں کے درمیان مسواک دبا تھا، دانتوں کی صفائی جاری و ساری تھی۔

”توفیر آ گیا ایں؟ناں تو دس دے میرے پتر دی جان لے کے منڑاں جے؟(تم پھر آ گئے ہو؟نہیں آج تم بتا دو میرے بیٹے کی جان لے کر ہی مانو گے؟)“

شاہ زید نے دروازے کے پٹ چوپٹ کھولے اور پستول کی نال لڑکی کے ماتھے پر رکھی۔ عورت تھم گئی، مسواک والا ہاتھ پہلو میں گرا۔ مدیحہ کو جیسے چالیس والٹ کا جھٹکا لگا۔شاہ زید نے معذرتی انداز میں اسے دیکھا۔ بنا آواز کے اس کے لب پھڑ پھڑائے ”اٹس پرسنل!“ وہ جو پہلی بار یہاں آتے ہوئے کسی عورت کے ساتھ زور آزمائی کے حق میں نہیں تھا آج ایک کمسن لڑکی کے اوپر بندوق تانے ہوئے تھا۔وقت اگر بدلا تھا تو بہت تیزی اور سفاکی سے۔

”پنج منٹ تے پنجاں ہزار ڈیل اوہی آ، اصول وی اوہی۔ نتائج بدل گئے نے۔ گل تے میں کرنی اے تُو راضی ہو ویں یا نہ ہوویں میری جوتی نوں وہ فرق نئی پیندا(پانچ منٹ اور پچاس ہزار ڈیل وہی، اصول بھی وہی نتائج بدل گئے ہیں۔ بات تو میں نے کرنی ہے تم راضی ہو یا نہ ہو میری جوتی کو بھی فرق نہیں پڑتا۔)“شاہ زید اسی کی طرح بولا۔

عورت جو متحیر سی کھڑی تھی اس نے بہ دقت گردن ہلاتے ہوئے اجازت دی۔شاہ زید نے سر کو خم دیا اور پستول ہٹالی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں دوبارہ اسی کمرے میں تھے۔ یہاں، اس کمرے میں وقت سست رفتار تھا۔

شکیل کو جب اندر لایا گیا تو وہ پچھلی بار کی نسبت ڈرا ہوا لگ رہا تھا۔زید کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس پر کپکپی طاری ہوئی۔وہ دونوں بازو سینے کے گرد باندھے دانتوں پر دانت جمائے اپنے خوف کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دبلا پتلا نوجوان عجیب سے خوف میں مبتلا تھا۔

”وہ عورت ہے تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟“ شکیل کی کپکپاہٹ بڑھ گئی۔ ہاتھ، بازو، پیر ہر طرف خون ہی خون نظر آنے لگا۔وہ سیاہ آنکھیں، وہ دہشت اس کی آنکھوں میں بہت کچھ بدل رہا تھا۔وہ آج تک اسے بھولا کب تھا؟”اگر تم آرام سے بتا دو تو آسانی رہے گی مجھے بار بار تمھارے پاس نہیں آنا پڑے گا لیکن اگر تم اس طرح کرتے رہے تو

ہم دونوں کے لیے مشکل بڑھ جائے گی۔" زید آگے ہوا، اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔ لمس میں کوئی رعایت نہیں تھی۔

شکیل ہذیانی انداز میں چیخنے لگا تھا۔ خون، خون، خون اسے ہر طرف ہر کہیں خون نظر آرہا تھا۔ اسے برہان کی ادھ کٹی ہوئی گردن اور خوف سے پھیلی ہوئی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔ "تعاون کرو دیکھو میں بہت بڑے مسئلے میں ہوں میرا چھوٹا بھائی وہ بہت معصوم ہے اس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو برہان کی طرح کرپٹ بھی نہیں۔ وہ مرناڈیزرو نہیں کرتا۔ پلیز۔۔"

"جاؤ۔۔۔۔ نکل جاؤ۔۔۔۔ جہنم میں جاؤ۔۔۔۔ وہ تم سب کو مارے گی کسی کو نہیں چھوڑے گی جاؤ۔۔۔۔" کانوں پر دونوں ہاتھ رکھے وہ حلق کے بل چیخ رہا تھا۔ اس کی ماں دوسرے کمرے میں بیٹھی ان پیسوں کو گن رہی تھی جو زید کی طرف سے ملے تھے۔ باپ باہر صحن میں کسی کونے میں نشے کی زیادتی سے بے ہوش ہو رہا تھا۔ غلط کاموں میں مبتلا لوگ کہاں درست زندگی گزار پاتے ہیں؟

زید کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پستول شکیل کی گردن پر رکھی۔ ایک ہاتھ سے اس کی گُدی پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے وہ شکیل کے کان کے پاس غرایا۔ "اگر دو منٹ کے اندر اندر تم نے مجھے وہ سب نہیں بتایا جو تم جانتے ہو تو یہیں تمہارا کام ختم کر دوں گا اور مجھے افسوس بھی نہیں ہو گا۔"

"زید پاگل ہو گئے ہو؟" مدیحہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ہٹانا چاہا مگر وہ ہاتھ جھٹک چکا تھا۔ "زید وہ پہلے ہی ذہنی مریض ہے پاگل مت بنو۔" اس سے پہلے کہ وہ پیچھے ہٹتا اس کی گردن لڑھک کر گری اور شکیل ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا۔ زید تنفر سے سر جھٹکتے پیچھے ہوا۔ جی تو چاہ رہا تھا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے مگر خود پر اور پستول پر ضبط کا ڈھکن چڑھائے رکھا۔ اس کا دماغ کھول رہا تھا۔ فشار خون تیز تر ہو گیا۔

”تم پاگل ہو گئے ہو تمہارا بھائی خطرے میں ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم لوگوں پر چڑھ دوڑو اور اگر تمھیں یہی جہالت دکھانی تھی تو مجھے ساتھ کیوں لائے؟“ وہ خون آشام نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بالکل چپ کھڑا تھا۔ جسم کا رواں رواں غیض سے لرز رہا تھا۔ ”اب چلو یہاں سے ورنہ۔“

”میں کہیں نہیں جا رہا۔ یہ اگر دس بار بے ہوش ہوا میں دس بار اس کے سر پر کھڑا رہوں گا۔ جب تک یہ سچ سچ نہیں بتائے گا میں یہاں سے کہیں نہیں جا رہا۔“ وہ پستول انگلیوں میں گھماتے ہوئے اس کے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھا۔ مدیحہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

”جنس عورت، لمبے بال، سیاہ آنکھیں، اونچا عہدہ، شہر لاہور۔“

آواز پر ان دونوں نے پلٹ کر دیکھا دروازے پر وہی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرچہ تھا۔ شاہ زید تیزی سے آگے آیا اور جھپٹنے کے انداز میں اس کے ہاتھ سے پرچہ لیا۔ وہاں کئی خاکے تھے۔ کہیں پشت پر لمبے بال تھے، کہیں سیاہ آنکھیں، کہیں کوئی تخت، کوئی کرسی، کہیں لاہور شہر کی کوئی عمارت اور کچھ نہیں اور کچھ بھی تو نہیں تھا۔ یہ خاکے اتنی نفاست سے بنے تھے کہ وہ چند پل کے لیے ٹھہر گیا۔

”وہ صرف یہی جانتا ہے۔ شکیل صرف یہی جانتا ہے اگر اسے کچھ اور پتا ہوتا تو وہ اسے بھی بنا لیتا اسے اور کچھ نہیں پتا۔“ وہ روئی روئی سی آنکھیں لیے منت کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”آپ کو اپنا بھائی معصوم لگتا ہے اور میرا بھائی جھوٹا؟ آپ کو غلط لگتا ہے صاب۔ اسے دورے پڑتے ہیں وہ جب جب اس سب کو یاد کرتا ہے اسے دورے پڑتے ہیں۔ اسے بخش دو۔ میرے بھائی کی جان بخش دو۔“

زید نے کاغذ مٹھی کے درمیان دبوچے، مدیحہ کو ایک اشارہ کیا اور اگلے کئی لمحوں میں وہ دونوں پنڈی کے اس چھوٹے سے محلے سے باہر جا رہے تھے۔ جو تھا جتنا تھا کافی ہوا۔ وہ اپنے اندر کے انسان کو جتنا مار سکتا تھا اتنا مار لیا، اب بس۔ ہوش کے لمحوں میں آتے ہی اسے اندازہ ہوا وہ غلط تھا۔

اب ایجنٹ سر کے بل آئے یا اسے گھسیٹ کر لانا پڑے شاہ زید طلال بنگش اسے لائے گا۔

★★★★★★

سادات ایک نجی لاء فرم کا نام ہے جہاں سے عالمگیر یمن نے اپنی وکالت کی شروعات کی تھی۔

سفید سرمئی امتزاج کے ماربل پر اپنے مضبوط قدم دھرتا وہ تیز تیز ڈگ بھرتا گراؤنڈ فلور سے جلدی چلے جانا چاہتا تھا۔ کئی ایک نے رک کر اس سے احوال پوچھا، کئی ایک نے کانوں میں کھسر پھسر شروع کر دی، وہ ہر کسی سے بظاہر بے نیاز لفٹ تک آیا۔ جہاں پہلے ہی دو لوگ موجود تھے۔ عالم نے مطلوبہ بٹن دبائے اور اگلے ہی لمحے لفٹ چل پڑی۔ اس کا دماغ جیسے کھول رہا ہو۔ وہ بار بار مٹھی بند کرتا پھر کھول لیتا، بالوں میں ہاتھ چلا کر انہیں پیچھے کرتا اور گہرے سانس بھرتا۔ سہراب نے اس کے تن بدن میں آگ ہی آگ بھر دی تھی۔ ایک دو بار اس کا جی چاہا اپنے کام پر لعنت بھیج کر گھر جائے اور اپنی بھتیجی کا دماغ درست کرے۔ پھر خود پر ضبط کر گیا۔

”ٹرپ کیسا رہا، عالمگیر؟“ وہ چہرہ سیدھ میں رکھے لفٹ کے رکنے کے انتظار میں تھا لیکن شاید لوگوں کو عالمگیر خاموش پسند نہیں تھا سو اس کے بٹن دبا دبا کر اسے بولنے یعنی آگ اگلنے پر مجبور کرتے رہتے تھے۔ ”اب تو ہیٹ ٹرک بھی ہو گئی ویسے تم ہیٹ ٹرک کے کافی شوقین معلوم ہوتے ہو۔“ فصیح صاحب مہنگے داموں کے وکیل تھے اور عالم سے ان کی ان بن کچھ نئی نہیں تھی۔ وہ ذو معنی انداز میں کیا کہہ رہے تھے عالم سمجھ رہا تھا۔ ”جیل کے تین چکر، تین بیویوں کا قتل۔“

”ٹرپ بہترین رہا۔“ وہ مڑا اور خوش مزاجی سے جواب دیا۔ ”تین دفعہ جیل چلا گیا ہیٹ ٹرک بھی ہو گئی اور جس دوسری ہیٹ ٹرک کی آپ بات کر رہے ہیں، میں سوچ رہا ہوں اس میں کچھ ردو بدل کیا جائے۔“ ایک انگلی ٹھوڑی پر رکھے وہ کچھ سوچنے لگا۔ ”سنا ہے آپ اپنی بڑی بیٹی کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہے ہیں مجھے نظر میں رکھیے گا ہیٹ ٹرک کا ریکارڈ توڑنا ہے۔“ آہ عالم آہ۔ بے لگام آدمی۔

فصیح صاحب کا چہرہ سرخ ہوا اور باقی دو نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔ توبہ، استغفار عالمگیر سے وہ بات کرے جسے عزت عزیز نہ ہو۔ "تم بہت بدتمیز ہو، عالم۔" وہ غرائے۔

"جیل میں مجھے اخلاقیات کے درس پڑھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اسی لیے آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگ رہا ہوں۔" فصیح صاحب سرخ چہرے کے ساتھ بڑبڑا کر رہ گئے۔ آتے ہی وہ ارد گرد کے لوگوں کا دماغ درست کرنا شروع کر چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ آخری منزل پر، فرم کے مالک جواہر سادات کے دفتر میں موجود تھا۔ گہری سیاہ دیواروں پر سفید پینٹنگز ٹنگی تھیں، ایک طرف کتابوں کا ریک اور دیوار کے ساتھ کرسی و میز موجود تھی۔ کمرے کے وسط میں لمبی میز اور اس کے اطراف کئی کرسیاں سجی تھیں، جو غالباً کانفرنس روم کے طور پر بھی استعمال ہوتیں تھی۔

"تمہیں واپس یہاں دیکھ کر مجھے کتنا اچھا لگ رہا ہے، عالم۔" کرسی پر بیٹھا آدمی ساٹھ کے ہندسے کو چھو رہا تھا۔ داڑھی اور بالوں میں اب چاندی اتر آئی تھی۔ سیاہ سفید کوٹ پینٹ میں وہ اچھا لگ رہا ہو یا نہیں امیر اور بارعب ضرور لگ رہا تھا۔ "اس بار تم دیکھنا میں تمھیں کسی بھی مسئلے میں پڑنے سے پہلے ہی بچا لوں گا۔ تم سادات سے ہو اور سادات تم سے۔"

گلاس وال کے باہر پھیلتی نارنجی شام کی روشنی عالم کے داہنے رخ پر پڑ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں کوئی گِلا تھا۔ "لگتا تو مجھے بھی یہی تھا کہ میں سادات سے ہوں اور سادات مجھ سے لیکن اب لگتا ہے شاید میں غلط سوچتا رہا ہوں۔ تین سالوں میں میں تیسری دفعہ جیل گیا ہوں۔" اس نے تین انگلیاں دکھائیں ماتھے پر بل تھے۔ "میری ساکھ خراب ہو رہی ہے۔ میری ساری جمع پونجی ان مقدموں پر لگ رہی ہیں اور میری بیٹی۔۔" یہاں آکر وہ رک گیا۔ جیل سے کی جانے والی ہر ایک کال یاد آنے لگی جب اسے اپنی ہی بیٹی سے بات کرنے کے لیے ایک متعین

کردہ وقت دیا جاتا تھا۔ اس وقت میں وہ کیا کہے اور کیا سنے؟" اس سب میں میرا اور میری بیٹی کا تعلق متاثر ہو رہا ہے۔ یہ وقت میں اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں کسی جیل میں نہیں۔"

"اس سب میں میرا یا سادات کا کیا قصور ہے، عالم؟" جواہر کے چہرے پر برہمی در آئی۔ "کیا میں نے تم سے کہا تھا اپنی تین تین بیویوں کا قتل کرو؟"

"ان سب کا یہاں کیا ذکر؟" عالم بگڑا۔

"ان کا ذکر کیسے نہیں آئے گا۔ تم جب تک زندہ ہو جہاں جہاں جاؤ گے یہ ذکر تو آئے گا اور تم کیا بات کر رہے ہو کہ سادات تمہارے پیچھے نہیں کھڑا رہا، یہ سادات ہی ہے جس کی وجہ سے کوئی تمہیں لمبے ٹرپ پر نہیں بھیج رہا اور یہ بھی سادات ہی ہے جس کے لیے تم نے پچھلے ڈیڑھ سال سے کوئی مقدمہ نہیں جیتا لیکن وہ پھر بھی تمہیں سپورٹ کرتا ہے۔ فنانشلی بھی اور ایموشنلی بھی۔" عالم نے سر جھٹکا۔ جواہر بھی دھیمے پڑے۔

"تم بہت قابل ہو، عالم۔ لیکن یہ بچوں والی باتیں چھوڑ دو کہ ہم تمہارے پیچھے نہیں کھڑے۔"

"کھڑے ہوتے تو چھ ماہ میں۔"

"چار ماہ۔۔" انہوں نے انگلیاں دکھا کر اس کی درستگی کی۔ انداز میں کوئی جتاتا تاثر تھا۔ "کریکٹر سے نکل آؤ عالم۔ چار ماہ اور دو دن۔ اس کے بعد میں نے تمہارے اصل ٹرپ کو بھی اسپانسر کیا حالانکہ نہ میں نے تمہیں گود لیا ہے اور نہ ہی تم میرے باپ ہو۔" باس نے اپنا ازلی جاہ و جلال دکھایا۔ وہ کس ٹرپ کی بات کر رہے تھے، چار ماہ کا کیا قصہ ہے یہ حساب پھر سہی۔ "لیکن تم اور میں یہاں لڑنے کے لیے نہیں بیٹھے تم نے اس فرم کے لیے جوتیاں گھسائی ہیں میں مانتا ہوں اور قدر بھی کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں کبھی ایک ماتحت نہیں سمجھا۔ اگر میرا کوئی بیٹا مجھ پر گیا ہوتا تو وہ تمہارے جیسا ہوتا۔"

"اور وہ جو تین بیٹے آل ریڈی ہیں ان کی جنس بدلنے کی عرضی دے آئے ہیں آپ؟" وہ اب بھی خفا خفا تھا۔

جواہر صاحب نے مسکراہٹ دبائی۔"وہ تینوں مل کر بھی عالمگیر نہیں بن سکتے۔ بدبخت ایک بھی کامیاب وکیل نہیں بن سکا۔ جی تو چاہتا ہے چوک پر کھڑا کر کے سب کو سو سو کوڑے ماروں۔"

"یار آپ پہلے میرا مسئلہ حل کریں۔" عالم اس داماد کی مانند تھا جو جہیز میں ٹرک بھر کر سامان لے گیا اور اب اسے آلٹو گاڑی کا نیا ماڈل چاہیے تھا۔ جواہر صاحب وہ سسر جن کو بیٹی سے زیادہ داماد عزیز تھا۔ اب آلٹو تو آئے ہی آئے گی۔

"مسئلہ بتاؤ۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔ عالم کرسی سے اٹھا اور ان کے سامنے میز پر آکر بیٹھا۔ انداز میں عجلت اور بے تکلفی سی تھی۔

"اول تو آپ یہ کریں کہ میرے لیے کل تک ایک تگڑا مقدمہ ڈھونڈ کر رکھیں جس سے پیسہ بھی آئے اور عالمگیر لوگوں کی نظروں میں بھی آئے اور دوسرا۔" وہ ایک پل کو رکا، چہرے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔"مجھے اس روز روز کی گرفتاریوں سے نکلنے کا حل بتائیں۔ نہ یہ کوئی اتفاق ہے اور نہ کوئی جرم۔ کوئی مجھے بار بار فریم کر رہا ہے کون یہ آپ پتا لگائیں گے۔"

"ایک شرط۔"

"قبول ہے۔" وہ جھٹ سے بولا۔

"پہلے شرط تو سن لو۔"

"مجھے چوتھی شادی کرنی پڑی تو بھی قبول ہے آپ بس میرا کام کریں بدلے میں عالمگیر ہر وہ کام کرے گا جو آپ کو خوش کرے۔" جواہر صاحب نے تاسف سے نفی میں سر جھٹکا پھر اس کے کندھے پر دھپ رسید کی۔

"کس کے لیے کر رہے ہو یہ سب؟ جہاں تک مجھے یاد ہے تمھیں اپنی ذات پر لگتے دھبوں سے فرق نہیں پڑا کرتا تھا۔" غور سے اسے جانچا، نتائج غیر حتمی غیر سرکاری۔

عالمگیر کی رنگت تھوڑی پھیکی پڑی۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی اور جب وہ بولا تو اس کی آواز میں بہت کچھ تھا، سب سے اول درجہ ایک باپ کی اپنی بیٹی کے لیے فکر تھی۔

"عبیر عالمگیر۔ میری ذات کی مثبت تبدیلیوں کی واحد وجہ!"

ہاتھوں پر تین اقتال کے الزام لیے اسے پرواہ تھی تو اپنی بیٹی کی۔ صرف اور صرف اسی کی۔

★★★★★★★★★★★★★★

"تم ایک بار پھر مجھے گھمانا چاہتے تھے لیکن میں وہیں اٹکی ہوں۔" تیز ہوا سے کھڑکی کھل گئی تھی۔ سرد ہوا کے تھپیڑے چہرے پر تھپڑ کی مانند لگ رہے تھے۔ وہ بار بار چٹخنی لگانے کی کوشش کرتی مگر ہوا کے باعث نہ لگا پاتی۔ کھڑکی پر جمے اس کے پتلے نازک ہاتھ برف ہو رہے تھے اور ناک سرخ۔

"تم بہت ڈھیٹ ہو جہاں جم گئیں وہاں سے ہٹتی نہیں۔" وہ اس کے عقب میں آکر کھڑا ہوا، اس کی چوڑی جسامت کے آگے وہ چھپ گئی۔ قصہ گو نے کھڑکی کے پٹ کھڑاک سے بند کیے۔ سرد ہوا کھڑکی کے پٹ سے سر پٹختے پلٹ گئی۔ یکدم عورت کے ہاتھوں کو گرمائش محسوس ہوئی۔ مرد کی نرم نگاہوں میں تقویت اتری۔

"کیا جاننا ہے؟" کھڑکی سے ٹیک لگائے بازو سینے پر باندھے اسے تکا۔

"سہراب یمن اس روز کہاں گیا تھا؟ عالمگیر کو محسوس ہوتی وہ شناسا نگاہیں کس کی تھیں؟" وہ گردن اکڑائے پوچھ رہی تھی۔

"پہلے کیا جاننا ہے؟"

"جو تم بتانا چاہو۔"

★★★★★★★★★★★★★★

"سہراب یمن اس روز کہاں گیا تھا؟"

وہ دو مختلف شہروں میں "ایک" ہی کام سے گیا تھا۔ پہلے شہر اس کی روانگی کا قصہ کہانی پر ادھار رہا اور دوسرے شہر کا قصہ زیر بیان ہے۔ ڈی آئی جی لاہور کے دفتر کے باہر لوگوں کی آمدورفت جاری و ساری تھی۔ اندر کا ماحول قدرے مختلف تھا۔ کھڑکی کے بلائنڈز ہٹے ہوئے تھے۔ ڈی آئی جی خادم بٹ صاحب وردی کے کف موڑے ہوئے اپنی کرسی پر بیٹھے سہراب یمن کو غور سے تک رہے تھے۔ ان کی وردی پر لگے ستارے، تمغے اور سینے پر لگا نام فخر سا فخر تھا جو اس آدمی کے آس پاس محسوس ہو رہا تھا۔

"نعیم نے تمہاری بہت تعریف کی ہے لیکن میں کہے سنے پر یقین نہیں رکھتا۔" سگار لبوں میں دباتے ہوئے انہوں نے میز پر دھرا لائٹر اٹھایا۔ "اس شہر کے لاء اینڈ آرڈر کو درست کرنے میں میرے کتنے سال لگ گئے جانتے ہو؟" ان کے چہرے پر کرختگی تھی، انداز دوٹوک۔

سہراب کو یہ نظریں اپنے آر پار گڑھتی محسوس ہو رہی تھیں لیکن وہ ان نگاہوں سے بے نیاز تھا۔ خوف وہ کھائے جس کے اعمال سیاہ ہوں یا جسے سیاہ اعمالوں پر سفید چادر ڈھکنی نہ آتی ہو۔

"پولیس کی نوکری میں رشوت نہ لینے کے دعوے کرنا بڑی بات نہیں لیکن میں ایسے دعوے نہیں کرتا کیونکہ ظاہر ہے مجھے گھر چلانا ہے تم راشی ہوتے تو مجھے فرق نہ پڑتا مجھے صرف اور صرف ایک بات سے فرق پڑتا ہے اور وہ ہے قابلیت۔ اگر تم قابل ہو تو رشوت پر، اسکینڈل پر، مکاری اور عیاشی پر تمہارا حق ہے۔"

سہراب نے سر کو خم دیا۔ "ان میں سے کوئی بھی شے ایسی نہیں ہے جس کی مجھے ضرورت ہو۔"

"تمہیں ضرورت کس شے کی ہے؟" سگار کو لائٹر کا شعلہ دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنے گھر واپس آنا چاہتا ہوں۔ (سفید جھوٹ۔) یہاں میرا خاندان ہے میری بیوی، میری بھتیجی، میرا بھائی، میرا گھر۔ (اور سب سے بڑھ کر میرا ادھورا جنون۔) میں اب ایک نارمل زندگی چاہتا ہوں (بس ایک

ابنارمل کام کے بعد) میں اپنی ڈیوٹی پوری ایمانداری سے کروں گا (یعنی بس تھوڑی سی بے ایمانی) میری اس شہر میں موجودگی آپ کے لاء اینڈ آرڈر کو متاثر نہیں کرے گی (شاید اسے مسخ کر دے) کیا آپ مجھے ایک موقع دے سکتے ہیں ؟ (ایک موقع، یعنی میرے مقصد کو پانے کا یہ آخری موقع)۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا (بس خود کو سرخرو کروں گا)۔ ''

''تمہارا ریکارڈ بہت اچھا ہے، سہراب۔'' سگار کی راکھ شیشے کی طشت میں جھاڑتے انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ''لیکن میرا ایک مسئلہ ہے۔ تم جانتے ہو اس شہر میں تمہارا تبادلہ کتنا مشکل کام ہے؟ تین سال پہلے تم نے جس آدمی کو قاتل ثابت کیا تھا وہ روبینہ انصاری کا بڑا بیٹا تھا۔ مقتول کا بھائی اس شہر کا سب سے بڑا کاروباری ہے اور اس کی ماں بہت جلد اقتدار میں آنے والی ہے بھلا وہ کہاں چاہے گا کہ تم اس کی حکومت میں اس شہر آؤ؟'' وہ ظاہر کرنا چاہ رہے تھے کہ یہ بات کہتے ہوئے وہ متامل ہیں مگر سہراب قسم کھا کر کہہ سکتا تھا وہ نہیں ہیں۔ ''میں تمہاری راہیں ہموار کر سکتا ہوں اگر تم میرا ایک کام کر دو۔ ''

''اوکے۔'' سر کو خم دیا، ہر شرط قبول۔

''دو سال پہلے ایک واقعہ ہوا تھا۔ لاہور کے جوہر ٹاؤن میں چار عورتیں جو کہ طلاق یافتہ تھیں اور عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرتی تھیں اپنے مشترکہ فلیٹ میں مردہ پائی گئیں۔'' انہوں نے سہراب کے سامنے ایک فائل رکھی۔ کمرہ دفتر میں اب بس دو آوازیں تھیں۔ صفحات پلٹنے کی اور ڈی آئی جی صاحب کے بولنے کی۔ فائل میں چند تصاویر تھیں۔ چار عورتیں، ان کے چہروں کا کلوز اپ۔ اگلی تین تصاویر اور ان کے جلے ہوئے چہرے۔ ناقابل شناخت چہرے۔ ''سوشل میڈیا پر اچھا خاصا واویلا ہوا دو گروپس بن گئے کچھ کے مطابق وہ عورتیں دین کے احکامات کے خلاف تھیں اس لیے ان پر عذاب آیا اور دوسرے گروپ کے مطابق وہ چار انسانی جانیں تھیں جو ضائع ہوئیں اور یہ ایک مرڈر تھا۔ ''

سہراب بغیر کوئی رائے پیش کیے صفحات پلٹ رہا تھا۔ کہیں سوشل میڈیا پر جاری ہونے والے بیانات کے سکرین شاٹس تھے، کہیں تنقیدی، کہیں ہمدردانہ جملے۔

"چھ ماہ کی لمبی تفتیش کے بعد اس مقدمے کو شارٹ سرکٹ کا واقعہ قرار دیا گیا اور مقدمہ بند ہو گیا۔ لیکن۔" ہر سادہ اور عام سی کہانی میں جب لیکن آ جائے وہیں سے کہانی کا ایک سیاہ باب شروع ہوتا ہے اس کہانی کا سیاہ باب بھی شروع ہو چکا تھا۔ "ان چار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی بہن اپنی بڑی بہن کی موت کو قتل گردانتی ہے اور وہ کسی صورت اس سے ہٹنا نہیں چاہتی۔ وہ پاکستان میں یونیسیف کے لیے کام کرتی ہے اور پچھلے دو سال سے اس نے اس مقدمے کو ہوا بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ایسی زہریلی ہوا جو نہ حلق میں اتاری جائے اور جس کے بغیر زندہ بھی نہ رہا جائے۔" سہراب یمن کو اب یہ قصہ کچھ کچھ سمجھ آ رہا تھا۔ وہ آگے سننا چاہتا تھا۔ اسے مزہ آ رہا تھا۔

"ان چاروں میں سے ایک لڑکی کے پاس امریکن نیشنیلٹی بھی ہے اور تم تو بہت اچھے سے جانتے ہو امریکا خاندان کے امیر تایا کی حیثیت رکھتا ہے اس کے گھر کے کانٹے کو بھی پھول سمجھنا ہوتا ہے۔ اب ان دو کے قتل باقی دوسے بھی تو جڑے ہیں۔ دباؤ بہت ہے اور قابلیت مجھے کہیں نظر نہیں آ رہی۔"

وہ صفحات پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ کہیں وہ چاروں ایک ساتھ عورت مارچ کے پوسٹرز اٹھائے کھڑی تھیں، کہیں وہ کسی کلب میں موجود تھیں۔ کہیں حق کے نعرے بلند کرتی ہوئیں اور کہیں ہنستی مسکراتی ہوئیں۔ "کیا موجودہ حکومت چاہتی ہے کہ اس مقدمے کو میں دیکھوں؟"

"میں چاہتا ہوں کہ یہ مقدمہ تم دیکھو۔" وہ ترکی بہ ترکی بولے۔

"اس سب میں آپ کا فائدہ؟" خادم بٹ کئی لمحے بغیر کچھ کہے اسے دیکھتے رہے۔ سہراب انہیں نہیں دیکھ رہا تھا ورنہ وہ ان کی آنکھوں میں ابھرتی بے بسی بھی دیکھتا، کوئی شکوہ بھی اور رنج بھی اور شاید کسی باپ کی مجبوری بھی اور شاید ایک مقصد بھی۔

”اٹس پرسنل!“ انہوں نے دو لفظوں میں بات سمیٹ دی۔ سہراب نے اس کے بعد کچھ نہیں پوچھا۔ اس نے فائل بند کر کے میگزین ایک طرف رکھ دیا اور مکمل طور پر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

”میرے کام کرنے کا طریقہ بہت مختلف ہے، سر۔ لاء اینڈ آرڈر میں مانتا ہی نہیں۔ اصول وضوابط میں خود طے کرتا ہوں۔ صحیح غلط کا استعمال میں مرضی کے مطابق کرتا ہوں اور رحم میرے پاس ہے نہیں۔“ سہراب نے گردن اور کرسی ایک ساتھ پھیر کر انہیں دیکھا۔ ”سب سے اہم بات اگر میں کوئی کام شروع کرلوں تو اسے پورا کر کے ہی چھوڑتا ہوں۔ اس لیے میں چاہوں گا کہ آپ سوچ لیں کیونکہ یا تو میرا کام ختم ہو گا یا پھر ہر وہ چیز اور انسان جو مجھے اس کام کو کرنے سے روکے گی۔ شاید ایک وقت ایسا بھی آئے کہ میں آپ کی بھی سننا چھوڑ دوں۔“

”کام کے مکمل ہونے کی یقین دہانی کروا سکتے ہو؟“

”مستقبل کس نے دیکھا ہے؟ نہ میں کاہن ہوں جو ستاروں کا حال دیکھ کر وقت کی چال بتا دوں۔ یہاں آپ اور میں دونوں بے بس ہیں۔ مجھے نہیں پتا کہ آپ میرا تبادلہ یہاں کروا کر اپنا کام نکلواتے ہی مجھے یہاں سے پھینک نہیں دیں گے اور آپ کو بھی یہ یقین نہیں کہ یہاں آنے کے بعد میں آپ کا کام کروں گا یا نہیں اس لیے۔“ سہراب اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا اور ان کے سامنے آکر رکا۔ ”گٹ فیلنگز پر اعتبار کرنا زیادہ بہتر رہے گا۔ میری گٹ فیلنگ کہتی ہے میں اپنے گھر ہمیشہ کے لیے واپس آرہا ہوں۔“

خادم نے بہ دقت سر اثبات میں ہلایا۔ ”میری گٹ فیلنگ کہتی ہے تمہارے لیے اپنی کشتیاں جلانا ایک درست فیصلہ ہے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر تمہارا تبادلہ لاہور ہو جائے گا۔“

سہراب اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے سامنے آکر رکا۔ چند پل وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر ہاتھ ملایا۔ مصافحہ یعنی معاہدہ۔ ایک وقت بعد وہ دونوں اس معاہدے پر پچھتانے والے تھے۔

”شکریہ۔“ سہراب نے کہا۔ اور ایک انگلی سے فائل کی طرف اشارہ کیا جیسے اب وہ اس کی ملکیت جاننا چاہتا ہو خادم بٹ نے اجازت دے دی۔ فائل اٹھا کر وہ باہر کی طرف جانے لگا ابھی اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر تھا جب خادم نے اسے پکارا۔

”عالمگیر یمن، وہ جو کارپریٹ لائیر ہے تمہارا بھائی ہے نا؟“ وہ جیسے کچھ یاد آنے پر بولے۔

”جی سر وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔“ ہاتھ ہینڈل پر جمائے وہ رک گیا۔ ”آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟“

”میں جیل گیا تھا دو ماہ پہلے۔ کچھ قیدی چھوٹنے والے تھے وہ ان میں سے ایک تھا۔ میرا ایک مسئلہ تھا اس سے مشورہ کیا اور اس۔“

”سر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ سہراب نے ان کی بات کاٹی۔ ”میرا بھائی آج رہا ہوا ہے اور میں اس وقت اسے ہی لینے جا رہا ہوں۔“ خادم رک کر اسے دیکھے گئے۔ پھر ذرا دھیمی آواز میں بولے۔

”میں جہاں، جس نشست پر بیٹھا ہوں وہاں غلط فہمیوں کی گنجائش نہیں نکلتی۔ لیکن اگر تم کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہے یہ واقعی کوئی غلط فہمی ہو گی۔“ خادم بٹ اب اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ جتا رہے تھے کہ سہراب اپنی زندگی میں ایک جھول چھوڑ آیا ہے۔ وہ اپنے کام میں جھول قبول نہیں کریں گے سہراب یمن متحیر رہ گیا۔

کیا عالمگیر اسے دھوکہ دے سکتا ہے؟ اس کا سر سائیں سائیں کرنے لگا۔

★★★★★★★★★

نیویارک کی ایک مصروف سی شاہراہ پر بنا یہ سٹوڈیو ان دنوں شاہ ویر بنگش کا دفتر تھا۔ سڑک پر چلتی تیز رفتار گاڑیاں، مصروف لوگ، موبائل پر نگاہیں جھکا کر چلتے ہوئے نوجوان اس کی کتھئی آنکھیں گلاس وال کے پار یہی سب دیکھ رہی تھیں۔ میز پر کئی پیپر رنگز پڑی تھیں۔ ایک کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا جسے وہ مروڑ تروڑ رہا تھا۔ شاید ایک اور پیپر رنگ بنانے کی تیاری۔ انداز بوجھل تھا، دل بھاری۔

"شاہ ویر تمھیں نہیں لگتا یہاں امینڈا کا رد عمل بہت زیادہ دکھایا جا رہا ہے؟ دوسری شادی کے بعد بھی وہ اگر اپنے پہلے شوہر کے لیے ایسے احساسات رکھے گی تو صاف سرخ جھنڈا کہلائے گی۔" اس کی میز سے ذرا سے فاصلے پر دو اور میزیں اور کرسیاں لگی تھیں۔ لیپ ٹاپ ان کے بھی کھلے ہوئے تھے۔ وہ بغیر اس کی طرف دیکھے باہر نگاہیں جمائے ہوئے بیٹھا رہا۔ ذہن میں بہت کچھ تھا۔ پسلیوں کے درمیان کا زخم، انارا کا رویہ، ایوارڈ شو میں نہ جانے کے بعد اس کے متعلق ہونے والی چہ میگوئیاں۔ وہ چلا جاتا اگر اس کمبخت نے شاہ ویر بنگش کا چہرہ نہ بگاڑا ہوتا۔

"شاہ ویر تم سن رہے ہو؟" لیپ ٹاپ پر اپنی انگلیاں روکے انجلینا نے اب کے زور دے کر پوچھا۔ "ہم یہاں ساتھ کام کرنے بیٹھے ہیں تم کیا سوچ رہے ہو؟"

یہ تیسری دفعہ تھا کہ شاہ ویر کی غائب دماغی کی وجہ سے مسودے میں ہوتی تبدیلیاں تاویل کا شکار ہو رہی تھیں۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا تب سے کام کرنے کی بجائے وہ اس کام میں بے زاری دکھا رہا تھا۔ کبھی پیپر رنگز بناتا، کبھی باہر دیکھتا اور کبھی بیٹھ کر اپنا محبوب کام "overthinking" کرتا۔ شاہ زید ہمیشہ اس سے کہا کرتا تھا کہ وہ زیادہ نہ سوچا کرے اور شاہ ویر پھر اس بات پر سوچتا کہ وہ زیادہ سوچنا کیسے بند کرے؟

"کیا ہم اس کو کل کر سکتے ہیں؟" لیپ ٹاپ کی سکرین گراتے ہوئے وہ اکتاہٹ سے بولا۔ "میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے کچھ سمجھ بھی نہیں آ رہی۔" انجلینا اور ہینری چند پل اسے دیکھتے رہے پھر سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ شاہ ویر جیسا آدمی جو کہ کام کی مشین تھا وہ کام سے جان چھڑوا رہا تھا۔ وہ تینوں ایک ہی اسکرپٹ پر کام کر رہے تھے۔ یہ شاہ ویر کا پہلا کام تھا جس میں اس نے دو مزید لوگوں کو شامل کیا تھا وہ اجتماعی کام کے ساتھ اچھا یا برا نہیں تھا۔ اس وقت اس کا دور بُرا تھا۔

"سب ٹھیک ہے نا، شاہ ویر؟" وہ لیپ ٹاپ بستے میں ڈال رہا تھا جب انجلینا کی آواز پر رکا۔ "تم ایوارڈز میں بھی نہیں آئے۔ لٹریری فیسٹیول تھا آج تم وہاں بھی نہیں گئے۔ تمھارے چہرے پر بھی کچھ ہوا ہے۔" وہ ایک لمحے کو

چپ ہوئی، پھر اس کے اور دوسرے لکھاری کے درمیان کچھ نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ ”کہیں کوئی پولیس کیس تو نہیں؟“ شاہ ویر نے مڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔ دل اتھل پتھل ضرور ہوا مگر نگاہیں خالی رہیں۔

”اگر ہوا تو تم دونوں پولیس تھوڑی ہو؟“ اس نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا لیکن لہجے میں ٹھنڈک تھی۔ کندھے پر لیپ ٹاپ کا بیگ ٹانگے وہ باہر نکل آیا۔ لیپ ٹاپ گاڑی میں رکھتے ڈرائیور سے جانے کا کہا اور خود سڑکوں پر نکل آیا۔ معاً اس کا موبائل بجا۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا۔

”کدھر ہو تم؟“ گاڑی پنڈی کے راستے سے اسلام آباد کی طرف ڈالتے ہوئے شاہ زید نے مصروف انداز میں پوچھا۔

”سٹوڈیو میں تھا ابھی باہر نکلا ہوں۔“

”تم حواس میں ہو، باہر کیا کرتے پھر رہے ہو؟“ زید گرجا۔

”تم چوڑیاں بھجوا دو پہن کر گھر بیٹھ جاؤں گا۔“ شاہ ویر جواباً سلگا۔ کانوں میں ایئر پوڈز لگائے ہوئے تھے جن پر کال چل رہی تھی۔ دوسری طرف وہ انسٹاگرام کھول رہا تھا۔ اپنے اور آراہ کے جھگڑے کو جب تک وہ ایک کنارہ نہ دے دیتا سکون اس پر حرام تھا۔ آس پاس دکانیں، بیکریز اور شاپنگ اسٹورز تھے جو آج اس کی توجہ کھینچنے میں ناکام رہے۔ نیویارک کی زندگی دوڑ رہی تھی، جمود کا شکار محض وہی تھا۔

”تمھیں چوڑیوں کی نہیں جوتیوں کی ضرورت ہے وہ بھی لگیں سو اور گنی ایک جائے۔“ مدیحہ نے ان دونوں کی بکواس سے تنگ آتے دونوں انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں۔ سر نشست کی پشت سے ٹکا دیا۔ ”سب ٹھیک ہے نا کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟“

"مسئلہ تو ہے۔" شاہ ویر نے سانس لینے کا وقفہ لیا اور مڑ کر کوئی کافی شاپ تلاشنی چاہی۔ زید کا دل ڈوب کر ابھرا۔ "آراہ اور میرا جھگڑا ہو گیا ہے۔" اس نے جھنجھلا کر اطلاع دی۔ پھر انارا طارون کی تازہ ترین پوسٹ پر رک گیا۔ دوسری طرف شاہ زید دانت کچکچا کر رہ گیا۔ "وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی۔"

"عاشق کی اولاد دنیا میں تمہاری اس لڑکی کے علاوہ ہزار مسائل اور بھی ہیں۔" انارا نے اپنی کچھ تصویر پوسٹ کی تھیں اور ان کے نیچے اس کے کچھ کلاس فیلو اور دوستوں کے تبصرے تھے جن میں سب سے اوپر ضارم خان تھا۔ شاہ ویر کا رقیب اول۔

"کیا لڑکی لگا کر رکھا ہوا ہے تم نے، کتنی بار کہا ہے اس کا نام انارا طارون ہے، وہ میری ہونے والی بیوی ہے۔ تم عزت سے اس کی بات نہیں کر سکتے؟" اسے کافی شاپ نظر آ گئی تھی۔ وہ اسی طرف چلا آیا۔ ساری بھڑاس زید پر نکلی۔

"عزت کیسے دوں؟ لڑکی کو مرد بولوں؟"

"اپنی بکواس بند کرو تم۔" شاہ ویر سختی سے بولا پھر آراہ کو پیغام بھیجنے لگا مگر رک گیا۔ بیچ سڑک پر بھی اور پیغام بھیجتے ہوئے بھی۔ "یار زید میں کیا کروں؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" کافی کی دکان کے باہر رکھی بینچ پر وہ دھپ سے بیٹھا۔ "میں جان کی پرواہ کروں یا دل کی؟ کام دیکھوں یا دنیا تیاگ کر کہیں گوشہ نشین ہو جاؤں۔ سب خراب ہو رہا ہے۔ i can't take it anymore"

شاہ زید نے گاڑی سے جڑے موبائل کا جوڑ توڑا۔ عام باتیں، ڈانٹ ڈپٹ تک سب ٹھیک تھا لیکن شاہ ویر کی ایسی حالت وہ کسی مدیحہ کے سامنے بیان نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بھی آنکھیں موندے نیند کی تیاریوں میں تھی۔ "ویر ہم دونوں ایک ہیں۔ تمہاری تکلیف میری تکلیف ہے اور تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔ ہمارے جسم الگ ہیں روحیں جڑی ہوئی ہیں۔ تم میری حفاظت میں ہو اللہ نے مجھے اس دنیا میں تم سے پہلے بھیجا تھا تم اس کا مطلب سمجھتے ہو؟" وہ

جس ڈھارس دینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ شاہ ویر جوتوں کو دیکھتے لب کاٹتے ہوئے اسے سن رہا تھا۔ ”میں تمہیں محفوظ کرنے کے لیے آیا ہوں۔ کسی نے اگر تمھیں نقصان پہنچانے کا سوچا بھی تو میں شاہ زید بنگش تمہارے لیے ہر سیاہ کو سفید کر سکتا ہوں۔ تمھیں مجھ پر یقین ہے نا؟“

”مجھے لگتا ہے میں مر جاؤں گا۔“ وہ گیلی آواز میں بولا۔ زید کا دل کٹ کر دو حصے ہوا۔

”میں نے اتنی مشکل کے بعد یہ زندگی حاصل کی ہے میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ میں اتنی جلدی مرنا نہیں چاہتا۔ ابھی تو میرے سارے خواب ادھورے ہیں۔“ لوگ کیفے سے نکل رہے تھے، سڑکوں پر روزمرہ کا رش تھا، کوئی ہنس رہا تھا کوئی گھر جا رہا تھا، کسی کے کان سے موبائل لگا تھا، کوئی پاکستان کے کسی چھوٹے سے گھر میں بیٹھ کر شاہ ویر بنگش کی زندگی پر رشک کر رہا تھا اور وہ....وہ یہاں بیٹھ کر اپنی متوقع موت سے خوف زدہ ہو رہا تھا۔ اسے آج معلوم ہوا تھا کہ اس پر رشک کرنے والے اس کا اصل جان لیں تو دم دے دیں۔

”مرد بنو، ویر۔“ وہ جس کا اپنا دل کسی تیز بحر میں ڈوب رہا تھا وہی شخص سامنے والے کو حوصلے کی تلقین کر رہا تھا۔ ”میں تمہارے ساتھ ہوں میں نے کہا نا جب تک میں ہوں کوئی تم تک نہیں آسکتا۔ میں تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ تم میری حفاظت میں ہو۔“

شاہ ویر نے محض سر ہلا دیا۔ ایک زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔ آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ ”ایک بات بتاؤ زید۔ اگر کوئی لڑکی آپ سے ناراض ہو پھر آپ کا منع کیا ہوا کام کرنے لگے۔“ نگاہیں سکرین پر جمائے آراہ کی ہنستی مسکراتی تصویر دیکھتے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ”آپ کو اور غصہ آئے لیکن پھر ایک خوف بھی ہو کہ آپ اسے کھو دو گے اس کا کیا مطلب ہوا؟“

”یہی کہ تم الو کے پٹھے ہو۔“ وہ جس سنجیدگی سے بولا، شاہ ویر گردن جھکائے نم آنکھوں سے ہنس پڑا۔

”اور اگر اس کا قصور ہوتے ہوئے اس سے غصہ ہوتے ہوئے میں اسے منانا چاہوں تو اس کا مطلب کیا ہوا؟“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمھیں تھیراپی کی اشد ضرورت ہے۔“

”محبت کے ماروں کا کوئی طبیب ملے تو بتانا۔“ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور کیفے کے اندر داخل ہوا۔ زندگی کے درد تو ختم ہو نہیں سکتے، سر کے درد کا ہی علاج کیا جائے۔ ”میرا ایک کام کرو تم۔ ایک کتاب اور ایک پھولوں کا گلدستہ لو اور اسے آراہ کے گھر دے کر آؤ، ساتھ معذرتی پیغام بھی لکھنا۔“ زید نے موبائل کان سے اتار کر اسے گھورا۔ کیا یہ شخص حواس کہیں چھوڑ آیا تھا؟ ”میں خود کر دیتا لیکن انٹرنیشنل پے منٹ میں وقت لگتا ہے اور کسی دوست کو میں یہ کام کہہ نہیں سکتا۔“

”تم پاگل ہو چکے ہو، ویر۔ تم واقعی پاگل ہو چکے ہو۔“ وہ مارے طیش کے بس اتنا کہہ سکا۔

باریستا کو اپنا آرڈر لکھواتے شاہ ویر میز کے گرد آ کر بیٹھا۔ گردن کے کس بل نکالے۔ ”تم کر رہے ہو یا نہیں؟“

”تم اب مجھے دھمکیاں دو گے؟“ وہ سلگا۔ ”تم اس لڑ۔“ وہ کہتے کہتے رکا۔ لفظوں میں تھوڑا بہت ردو بدل کیا۔ ”تم آراہ کے لیے مجھ سے لڑ رہے ہو؟“

”درخواست کر رہا ہوں۔“

”معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔“

”میں پیدا ہی وہی ہوا تھا۔“

”تمھیں کسی نے بتایا ہے تم کتنے بڑے ذلیل اور manipulator ہو؟“

”تم ہو نا، بتاؤ مجھے میں تمہارا لاڈلا بھائی، تمھارے جگر کا ٹکڑا ہونے کے علاوہ اور کیا کیا ہوں؟“ شاہ زید کتنی ہی دیر چپ رہا۔ اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور بے بسی بھی محسوس ہوئی۔ انارا سے اس کا کوئی ذاتی مسئلہ نہیں تھا بلکہ اسے تو شاہ

ویر اور انارا ایک ساتھ بہترین لگتے تھے لیکن حالات کا گھیراؤ ایسا تنگ تھا کہ وہ چاہ کر بھی سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ گہری سانس لیتے اس نے ہمیشہ کی طرح اس کے آگے ہار مانی۔

"اوکے کر دوں گا۔ کارڈ پر لکھنا کیا ہے؟"

"ٹیکسٹ بھیج دوں گا۔"

"میری ایک شرط ہے۔" زید نے کہتے ہوئے گاڑی کا گیئر گھمایا۔ "تم دو دن کے اندر اندر پاکستان آ رہے ہو۔"

"کیوں تم لڑکی بھگا کر شادی کر رہے ہو اور مجھے اس میں شرکت کرنی ہے؟" شاہ ویر نے اپنی ایسپریسو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"لڑکی، شادی یہ چاہ تو تمہارے ہیں مجھے کوئی شادی نہیں کرنی۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔ "میں نے ایک حل ڈھونڈا ہے کل کسی بھی وقت کی فلائٹ لو اور پاکستان پہنچو۔"

"تم بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو، زید۔ میرا کام ہے اور میں چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ معاہدہ بھی کسی چیز کا نام ہے۔"

"سِک لیو مل سکتی ہے؟ یا تمہارا معاہدہ مردہ ہونے تک ختم نہیں ہو گا۔"

"کس بات کی سک لیو میں بیمار نہیں ہوں۔"

"وہ تو آج نہیں ہو تم ایک بار کہو کل تک پاکستان کا بڑے سے بڑا ہسپتال تمھیں بستر مرگ پر منتقل کرنے کے لیے بے قرار نظر آئے گا۔" شاہ ویر سر جھٹک کر رہ گیا۔ منہ ہی منہ کچھ بڑبڑایا بھی۔

"تم مجھے مرنے سے نہیں بچا سکتے اگر میری موت لکھی ہے تو آ کر رہے گی۔"

"تمہیں جو کہا ہے کرو میرا باپ بننے کی کوشش مت کرو۔"

”اوکے آجاؤں گا۔“ اس نے ہر بحث ختم کی۔ ”تم میرا کام کر کے میسج کر دینا۔ پھول بھیجنے سے پہلے مجھے دکھا دینا اور چاکلیٹس میں کوکونٹ فلنگ والے چاکلیٹس لینا۔ کتاب pirated نہ لے جانا گدھے۔“

”تم کہو تو چاکلیٹ کے ٹکڑے اسے توڑ کر کھلا دوں یا کتاب پڑھ کر سنا بھی دوں؟“

”اس کام کے لیے میں آرہا ہوں ناں۔ تم سے بہتر کر لوں گا۔“

”جانتا ہوں میں رن مرید نہ ہو تو۔“ شاہ ویر ابھی کوئی جواب دیتا کہ کال کٹ گئی۔ اس نے بڑبڑا کر موبائل ڈیش بورڈ پر ڈالا اور پسنجر سیٹ پر نیم دراز مدیحہ کو دیکھا جو شیشے سے گال ٹکائے سو چکی تھی۔ زید چند پل اسے تکتا رہا، پھر سر جھٹک کر گاڑی چلانے لگا۔ البتہ اب رفتار ہلکی تھی کہیں وہ نیند سے اٹھ نہ جائے بس اسی لیے۔ گاہے بگاہے وہ اس پر نظر بھی ڈالتا، لب مسکراہٹ میں بھی ڈھلتے، جانے کیوں ذہن فلوقت پر سکون تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★

”عالمگیر پر پڑنے والی وہ شناسا نگاہیں کس کی تھیں؟“

قصہ گو کی کلائی میں بندھی گھڑی میں چلتے وقت کو شام سے صبح کے کانٹے پر لاؤ، آسمان پر تنی سیاہ چادر کھینچ کر اتارو تو اجالا دکھائی دے گا۔ ایسا اجالا جس میں کئی اسرار چھپے ہوئے ہیں۔ کیفے میں جہاں عالمگیر یمن پر کئی غیر شناسا نگاہیں تھیں وہیں ایک شناسا نگاہ بھی تھی جو بے اختیار، بلاارادہ اس پر ٹک کر رہ گئی تھی۔ وہ نگاہ تاجور مخدوم کی تھی، وہ جسے بنگش بنا دیا گیا تھا۔

”تاج یہ عالمگیر ہے نا؟“ کیفے کی دوسری منزل پر چھوٹی سی شیشے کی دیوار کے عین ساتھ والی میز کے گرد بیٹھی تاجور بنگش سے کسی نے پوچھا۔ جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے وہ یکلخت ٹھٹکی۔ ”دیکھو ذرا مجھے تو وہی لگ رہا ہے۔“ اس کے ساتھ بیٹھی اس کی دوست اب تک اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ تاج نے اس کی تقلید میں دیکھا تو وہ وہی تھا۔ وہی قد کاٹھ، وہی ہیزل آنکھیں، وہی بھورے بال جو بکھرے ہوئے تھے۔ ہاں بس قلموں سے کچھ کچھ سفید ہو گئے تھے۔

گزرے برسوں کے برعکس وہ سوبر اور سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا یا شاید بے زار۔ وہ کئی لمحے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وقت کی ساعتیں اس کی وجاہت کو دھندلا نہ سکی تھیں، ایک لمحے کے اندر اندر کیا کیا یاد آ گیا تھا۔

”شکر کرو تم نے درست وقت پر درست فیصلہ لے لیا، ورنہ آج اس قاتل کی بیوی ہوتی۔ تم۔“ تاج اس کی بات نہیں سن رہی تھی وہ ماضی کے اوراق کھولے کسی پہلی ملاقات کی لہر میں مدغم تھی۔ وہ دور جب عالمگیر یمن سیاہ کاریوں سے دور تھا، وہ دور جب تاجور بنگش ایک مختلف عورت تھی۔ وہ دور جب ان دونوں کے درمیان تعلق بنا تھا۔ وہ دور جب وہ دونوں مسرور تھے۔

ماضی میں وہ کتنی دیر سے خود پر پڑتی عالمگیر کی نگاہوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں ہوا۔ ہاں وہ اسے دیکھا کرتا تھا۔ لاہور کی دھند آلود صبحوں میں وہ جلدی جامعہ آ جایا کرتا، کلاس میں اساتذہ کی بات سے زیادہ اس کا دھیان تاجور کی باتوں کی طرف ہوتا۔ کیفے ٹیریا میں اگر وہ چار بار جاتی تو عالم پر بھی فرض تھا کہ وہ اس کی دائیں بائیں طرف کسی میز کے گرد آ کر بیٹھے۔ جو وہ منگوائے وہی آرڈر کرے۔ اسے غیر آرام دہ کیے بغیر اسے گاہے بگاہے اسے تکتا رہے۔

اس وقت جب وہ اپنے ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھی تب عالم اور یافث کی باتیں بھنبھناہٹ کی صورت اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔

”کیا ارادہ ہے آج بات کرنی ہے؟“ یافث اپنے تئیں بڑی راز داری سے پوچھ رہا تھا۔

”مجھے نہیں لگتا آج وہ صحیح موڈ میں ہے میرا خیال ہے تمہیں موقع دیکھ کر بات کرنی چاہیے۔“

”مرد موقع دیکھتا نہیں پیدا کرتا ہے۔“ بالوں میں انگلیاں چلاتے کسی گاڑی کے شیشے میں خود پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے وہ پہلی بار تاجور کو اپنی جانب سے مخاطب کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ وہ جو تین چار ہم مکتب ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھڑی تھی۔ عالم کو اپنے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر ذرا حیران ہوئی لیکن ظاہر نہیں کیا۔

"کیا تم مجھے گھر تک لفٹ دے سکتی ہو؟" عالمگیر آس پاس کھڑے لوگوں کو یکسر نظر انداز کرتے مکمل سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ تاجور نے بے اختیار یہاں سے وہاں دیکھا۔ پھر دوبارہ اسے۔ "ان کی طرف کیا دیکھ رہی ہو؟ میں تم سے بات کر رہا ہوں، مس تاجور۔ کیا تم مجھے لفٹ دے سکتی ہو؟" اگر یہ اعتماد تھا تو تاج کو بھایا اور اگر غرور تھا تو ....اس کی آنکھیں، اس کا چہرہ نظر بھر کر دیکھا پھر......اس پر بنتا تھا۔ اس فتوے پر مہر لگا دی۔

"مجھ سے بات کرنے کی اچھی کوشش ہے لیکن شاید تمہیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ تم مجھے لفٹ دے سکتے ہو۔" تاج کی طرف سے اسے سبز سگنل مل گیا تو آس پاس کھڑے سب لوگ آہستہ آہستہ ہٹ گئے۔ یوں بھی اس ملاقات نے ہونا تھا، کبھی نہ کبھی تو ہونا ہی تھا۔ یہ وجدان نصف جامعہ کو تھا۔

"میرے پاس یہ ہے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک طرف کھڑی بائیک کی طرف اشارہ کیا۔ "ویسے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے لیکن شاید پہلی بار میں تمہیں اس کی پیشکش کروں تو تمھیں برا لگ سکتا ہے اور میں ایک ڈیسنٹ آدمی ہوں۔" تاج نے بالوں کی ایک لٹ کان کے پیچھے اڑسی، مسکراہٹ گہری ہوئی۔ کوئی اگر دور سے انہیں ساتھ کھڑے ہوئے دیکھ لے تو ان دونوں کو کسی مصور کی بہترین مصوری قرار دے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مکمل تھے۔

"میں تمھیں کیوں ڈراپ کروں؟ کیا تم راستے میں مجھے انٹرٹین کر سکتے ہو؟"

"میں کوئی مسخرہ نہیں ہوں، تاج۔"

"پھر میں تمھیں گھر کیوں چھوڑوں؟"

"تاکہ راستے میں تمھیں معلوم ہو سکے کہ عالمگیر کے ساتھ سفر کتنا اچھا کٹ سکتا ہے۔ اپنے اس سڑے ہوئے ڈرائیور کے ساتھ بور نہیں ہو جاتیں تم؟" تاج نے مسکراہٹ دبائی۔ آدھا جامعہ جانتا تھا کہ عالمگیر یمن تاجور میں دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ خود بھی اس بات سے بہت اچھی طرح واقف تھی اور کوئی تفاخر تھا جو اس میں بھر گیا

تھا۔عالمگیروہ مرد جسے کئی لڑکیاں ٹھہر کر دیکھتی تھیں وہ اگر کسی پر نگاہیں ٹکانے کو تیار تھا تو وہ صرف اور صرف تاجور بنگش کا چہرہ تھا۔

”بور تو ہوتی ہوں لیکن کیا کر سکتے ہیں عالمگیر صاحب آپ جیسا اکھڑ اور مغرور آدمی ہمارا ڈرائیور بھی تو نہیں بن سکتا اب۔“ اسی لمحے تاجور کی گاڑی وہاں آکر رکی۔ ڈرائیور تاخیر کے لیے معذرت کرنے لگا مگر تاج نے بس اس سے چابی لی اور اسے گھر جانے کو کہا۔ ڈرائیور حیران ہوا مگر اسے کچھ کہنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ عالم کے سامنے رکی۔

”اوکے سو۔ تم ڈرائیو کرو گے؟“

”میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ کر تم سے بات کرنا پسند کروں گا۔“ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اعتماد سے کہا۔ تاج جان گئی کہ وہ ڈرائیور بننے سے کترا رہا ہے۔ اس نے سر کو خم دیا کچھ دیر بعد وہ اگلی نشست پر بیٹھی تھی عالم اس کی دوسری طرف۔ وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن عالم جامعہ کے باقی مڈل کلاس لڑکوں سے مختلف تھا۔ اندر بیٹھتے ہوئے اس نے گھور گھور کر گاڑی کو نہیں دیکھا تھا، نہ ہی اس کی نظریں تاج کے موبائل، گھڑی یا پھر ہیرے کی انگوٹھیوں پر جمی رہیں۔ اس کا انداز، گفتگو کی وہ مہارت، موضوعات کی بھرمار اور اپنی رائے پیش کرنے کا انداز کسی دن وہ اعلیٰ سطح تک جائے گا اس میں کوئی شک نہیں تھا۔

”میں نے تمہارا ایڈ دیکھا تھا۔“ انڈسٹری کی نئی اداکاراؤں کی صحت پر بات ختم ہوئی تو عالمگیر نے نیا قصہ چھیڑا۔

”میں خوبصورت لگ رہی تھی، اچھی لگ رہی تھی میری فٹنس اور۔“

”تمہارا چہرہ تاثرات سے خالی تھا۔“ بڑی تمیز سے بدتمیزی کر دی۔ تاج کا چہرہ سرخ ہوا اس نے گردن گھما کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ”اگر تم خود بھی غور کرو تو تمھیں پتا چلے گا کس طرح تم شیمپو کی تشہیر کم اور اپنے میک اپ کی وجہ سے زیادہ ان ہو۔ تمہاری تعریف ہزار لوگوں نے کی ہوگی، میں وہ ایک ہی ہوں گا جو اصلاح کر رہا ہے۔“

”اصلاح یا بے عزتی؟“ اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت سخت ہوئی۔

"بے عزتی کرنی ہوتی تو دس لوگوں کے سامنے یہ بات کہتا۔ لوگوں نے وہاں تمکنت بنگش کی بیٹی دیکھی اور میں نے تاجور کو دیکھا۔ اگر تم اپنی ماں کے نام سے آگے بڑھنا چاہتی ہو تو ٹھیک اور اگر کچھ اپنا کرنا ہے تو محنت کرو۔" وہ واقعی مختلف تھا۔ خود آکر لفٹ مانگ لیتا تھا، اپنی پسند کی جگہ پر آکر بیٹھ جاتا اور اپنی پسند سے کوئی بھی بات کہہ دیتا تھا۔ کوئی اگر اپنی شخصیت کے سحر سے واقف ہو تو عالم کی طرح ہو۔ وہ بس سوچ سکی۔ غصہ البتہ کم نہ ہوا۔

"خیر تمھیں پتا ہے ایک نیا کیفے کھلا ہے تمہارے علاقے کے بالکل نزدیک۔ اگر کل تم فارغ ہو تو ہم شام کو چل سکتے ہیں۔"

"میں مصروف ہوں۔" وہ رکھائی سے بولی۔ خوش گفتاری دم توڑ گئی۔

"اوکے۔" تاجور کے تو سر پر لگی اور تلوؤں میں بجھی۔ کمبخت ایسا کوئی یوسف ثانی بھی نہیں تھا، غرور بھلا کس چیز کا تھا؟ "تمھارے پاس لائسنس ہے، تاج؟" ٹریفک میں گاڑی رکی تو عالم نے سامنے دیکھ کر سوال کیا۔ تلاشی جاری تھی۔ ٹریفک پولیس کے ساتھ تھانے کا عملہ بھی گاڑیاں روک روک کر لائسنس چیک کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ ایک پل کو غائب دماغ نظر آئی پھر چونکی۔ سامنے دیکھا اور ٹھٹکی۔

"نہیں۔ میں نے تو کبھی بنوایا ہی نہیں۔" پولیس والوں نے کسی لڑکی کو خاتون اہلکار کے حوالے کیا اور یہاں تاجور کی سٹی گم ہوئی۔

"چہ چہ چہ۔ اس ملک کی نوجوان نسل آخر قانون کی پاسداری کب سیکھے گی؟" وہ تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگا۔ افسران سے دو گاڑیوں کی دوری پر تھا اور تاجور کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ رہی تھیں۔ اس مغرور اور منہ پھٹ آدمی سے کوئی بعید نہیں تھی کہ منہ پھاڑ کر خود بتا دے۔ "جناب اس کو لے جائیں اس کے پاس لائسنس نہیں ہے اور اندر لے جا کر تین چار دُرے تو ضرور ماریں" اور گاڑی کے دستاویزات اس کے اپنے پاس ہونا اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہوتا۔

"تاج پیچھے جا کر بیٹھو جلدی۔" پولیس افسر نے ایک لڑکے کو نکال کر اپنے عملے کے حوالے کیا جب عالمگیر نے سامنے دیکھتے نیا حکم صادر کیا۔ "چہرے کے سامنے کتاب یا موبائل رکھو جلدی کرو۔" وہ بازو کے کف موڑتے ہوئے بولا۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق وہ اسی طرح بند گاڑی میں اپنی سیٹ سے اٹھ کر پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھی اور عالمگیر تیزی سے اگلی نشست، یعنی ڈرائیونگ سیٹ پر۔

ٹھک ٹھک ٹھک! گاڑی کا شیشہ بجا۔ تاجور کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ افسر غصیل معلوم ہو رہا تھا وہ جب تک اپنی ماں یا بھائی کو بلانے کی بات کرتی تب تک وہ اسے گاڑی سے باہر نکال کھڑا کرتا۔ بے عزتی اُف اُف اُف۔ شاید اس کا دماغ خراب تھا جو وہ عالمگیر جیسے دماغ سے خالی اور غریب آدمی کے ساتھ گاڑی میں چلی آئی۔

"لائسنس؟" افسر ماتھے پر بل اور چہرے پر ناگواری لیے پوچھ رہا تھا۔ عالمگیر نے بڑی بااعتمادی سے اپنا بیگ کھولا اور لائسنس نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ تاجور کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ افسر نے لائسنس دیکھا پھر عالم کو اور پھر ایک دفعہ پھر تاجور کو۔ "اس خاتون کے کیا لگتے ہو تم؟"

عالم نے بیک ویو مرر میں تاج کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھا۔ وہ جسے لگتا تھا انا کا مارا مرد کوئی زہر ہی اگلے گا۔ اس نے غرور ماتھے سے اتار کر پھینکا اور افسر کو دیکھ کر "میں بی بی کا ڈرائیور ہوں۔" بڑی ہی تابعداری سے کہا۔

"ٹھیک ہے نکلو چلو۔" افسر کھڑکی سے ہٹ گیا۔ تاج کے سینے میں مقید سانس آزاد ہوئی۔ اس کا تنفس تیز ہو گیا۔

"تم لائسنس کہاں سے لائے؟" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"جعلی ہے تین سو روپے دے کے بنوایا ہے۔" وہ گیئر ڈالتے ہوئے بے نیازی سے بولا۔

"تم نے خود کو میرا ڈرائیور کیسے بتا دیا؟"

"منہ سے۔" اس نے بے پر کی اڑائی۔ "تمھیں کیا لگتا ہے میں تنگی میں راستہ نکالنے کی بجائے ساتھ چھوڑوں گا؟" بیک ویو مرر میں تاجور کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اپنی کہنی ہلائے جانے پر وہ ہوش میں آئی۔ ”کیا کر رہی ہو تاج وہ اسی طرف ہی دیکھ رہا ہے۔“ رامین کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔ عالمگیر واقعی چہرہ اونچا کیے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن درمیان میں ستون ہونے کے باعث شاید وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔ ”اس سے سو گز کے فاصلے پر رہنا۔ اپنی تین تین بیویوں کو قتل کر چکا ہے۔“

”اس کی بیویاں کیسے مری تھیں؟“ اس نے بہ دقت خود کو ماضی سے نکالا۔

”پہلی بیوی اور عالم کی بیٹی ساتھ سفر کر رہے تھے اور حادثہ ہو گیا۔ گاڑی عالم چلا رہا تھا بیوی کو مار دیا اور بیٹی بچ گئی۔“ رامین نے کہنا شروع کیا۔ تاج بے اختیار چونکی۔

”اس کی بیٹی بھی ہے؟“ دل میں کوئی ہوک اٹھی۔

”ہاں بھئی چھ سات سال کی ہو گی۔ بیٹی کے لیے تو اچھا خاصا پاگل ہے۔ دوسری بیوی کچن میں جل کر مر گئی تھی۔ محلے والوں کا کہنا تھا کہ اس کے جلنے سے پہلے انہوں نے عالم اور اس کی بیوی کی لڑائی کی آواز سنی تھی اور تیسری بیوی۔“ عورت نے جھر جھری لی۔ ”وہ سات ماہ کی پریگنٹ تھی۔ عالم نے اسے بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔“ تاجور دم سادھ کر رہ گئی۔

”بہت ظالم ہے وہ۔ اگر جواہر سادات اس کے پیچھے نہ ہوتے تو آج یہ کسی جیل میں چکی پیس رہا ہوتا۔“ رامین تنفر سے بولی۔

”گھٹیا آدمی!“ عالمگیر کو دیکھتے ہوئے تاج نے نفرت سے تبصرہ کیا اور چہرہ پھیر لیا۔ یہ الگ بات تھی کہ تشنہ نگاہیں سیرابی کی معراج نہ پا سکی تھیں۔

★★★★★★★★★

ہڈی سر پر گرائے وہ شیشے کے دروازے سے باہر نکلا تو اس کے چہرے پر خالی پن تھا۔ تاثر سپاٹ۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اسلان یمن کا چہرہ بتا دے وہ کس عمل کی تیاری میں ہے یا کس سیاہ کاری میں شریک کار ہے۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں اس معاملے میں بس دو ہی لفظ کہتی تھیں۔ "اٹس پرسنل"

"لائیٹر ہے؟" شور، رش، مختلف لوگوں کے درمیان پکارے جانے والی آواز میں بھی بعض دفعہ انسان کو الہام ہوتا ہے کہ یہ پکار اس کے لیے تھی۔ اسلان بھی اسی پکار پر مڑا۔ "بیڑی جلانی ہے لائیٹر ملے گا؟"

"میرے پاس لائیٹر نہیں ہے۔" وہ رک گیا۔ چبھتی آنکھیں اپنے سامنے کھڑے خاکی رنگ کے بھدے پینٹ کوٹ والے آدمی پر جمائے رکھیں۔ میلے بال اور گھسے ہوئے بوٹوں والا شخص بھی نگاہوں سے اس کا معائنہ کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"ماچس بھی نہیں ہے؟"

"پانچ سو روپے کا سیگریٹ پیکٹ خرید سکتے ہو اور پانچ روپے کا ماچس نہیں ہے؟ بے وقوف بننے کے لیے کسی ماں نے اور بچے جنے ہوں گے مجھ سے کام کی بات کرو۔" اسلان اکتایا۔ ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔

سفاری سوٹ والے آدمی کے لبوں کے کونے ہلکے سے اوپر کو اٹھے۔ "اچھے خاصے ذہین معلوم ہوتے ہو یہاں کیسے آنا ہوا؟"

"رشتہ کروانے آیا تھا تمہیں بھی کروانا ہے؟" اب کے سامنے والا آدمی زور سے ہنس پڑا۔

جیب سے ماچس نکال کر بیڑی سلگائی اور اکتائے کھڑے اسلان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ "کلیم سفری!"

"اسلان شجاع یمن۔" اس کا ہاتھ تھامے بغیر سنجیدگی سے جواب دیا۔ پھر ایک نظر اس پہ ڈال کر آگے بڑھا۔ کلیم اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگا تھا۔ بازار میں گرم گرم کباب، بھٹے اور مختلف پکوانوں کی خوشبو بھر رہی تھی۔

”کسی اچھے خاندان کے معلوم ہوتے ہو پیسوں کا کوئی مسئلہ ہے؟ کوئی پولیس کیس، یا پھر عورت وغیرہ کا چکر؟ یہاں کئی لوگ آتے ہیں، مایوس جاتے ہوئے بہت کم کو دیکھا ہے۔“

”تمہیں میں شکل سے مایوس لگ رہا ہوں؟“

”مطمئن بھی نہیں لگ رہے۔“ ڈھلتی شام میں اس کے لبوں سے نکلتا دھواں اور بازار کا رش ایک الگ ہی سماں باندھ رہا تھا۔ ”اگر کوئی کام اٹک گیا ہے تو میں مدد کر سکتا ہوں۔“

”مجھے ملک سے باہر جانا ہے یورپ، مڈل ایسٹ کہیں بھی۔“ چلتے چلتے اسلان نے رکھائی سے جواب دیا۔ ”پچیس فروری کو جو قافلہ پاکستان سے یورپ جا رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ جانا چاہتا ہوں لیکن ریاض کہتا ہے کہ میرے پاس کوئی ریفرنس نہیں۔“ اس نے کوفت سے سر جھٹکا۔ ”مجھے اصول بتا رہا ہے بے غیرت آدمی۔“

”اگر پولیس، فوجی، وکیل نہیں ہو تو کلیم سفری تمہارا ریفرنس بن سکتا ہے۔“ اسلان کو اندازہ تھا کہ کلیم بھی اسی گروہ کا فرد ہے جو دکان اندر بند کمرے میں نہیں چلتی اسی دکان کو وہ باہر چلاتا تھا۔ ”ویسے تم کون ہو اور کیوں ملک چھوڑ رہے ہو وہ بھی غیر قانونی؟“

اسلان چلتے چلتے رکا۔ گہری ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”میری مرضی۔“

”ٹھیک ہے جو تم کہو۔“ کلیم نے بھاری سا دھواں ہوا میں خارج کیا۔ ”جتنا ریاض لیتا ہے اس سے دگنا لوں گا لیکن کام پکا ہو گا۔ اگر منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہم دونوں آج ملے ہی نہیں تھے۔“

”آدھا پیسہ کل اور آدھا کام ہونے کے بعد۔“ ہیل وجحت وہ پیش کر تا ہے جسے حفاظت کا خوف ستائے اسلان یمن اپنی کشتیاں اپنے ہاتھوں سے جلا کر جا رہا تھا۔ اسے کیا فرق پڑنا تھا؟ ”پیسہ کہاں لانا ہے؟“ کلیم کو اگر اس پر تھوڑا بہت شبہ تھا تو اب وہ بہت بڑا ہو گیا۔ کوئی بھی مجبور اور بے روزگار نوجوان یوں پیسہ ہتھیلی پر لیے نہیں گھومتا کوئی

پولیس والا یا وکیل اتنی جلدی بغیر بارگیننگ کے پیسہ دے کر خود کو مشکوک ثابت نہیں کرواتا۔ اگر وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں تھا تو کیا تھا؟

"شالیمار ہوٹل، رات بارہ بجے۔" اسلان نے سر کو اثبات میں ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے بھیڑ میں گم ہونے تلک اس کے عقب میں کھڑا آدمی اسی کے متعلق سوچتا رہا۔ کوئی اسے بتائے قانون، بے روزگاری، اصول ان سب سے اوپر بھی ایک چیز ہوتی ہے۔ خود پر دستبرداری۔ رش میں گم ہونے والا نوجوان خود سے دستبردار تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★★

لعل یمن پر آج کی شام کافی ہلچل اور رونق سے بھرپور تھی۔ باورچی خانے میں کھڑی ہانیہ اور انارا یافث کے بنائے ہوئے اور کچھ باہر سے منگوائے ہوئے کھانے طشت اور ڈونگوں میں نکالتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ چھوٹے سے باورچی خانے میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔

"کل آفس آؤ گی نا؟" سلاد کے لیے فرج سے کھیرے نکالتے ہوئے ہانیہ نے پوچھا۔

"نہیں یار موڈ نہیں ہے۔" بریانی کی طشت کے اوپر دھنیا سجاتے ہوئے انارا کوفت زدہ تھی۔ "مجھے تو لگتا ہے میں غلط فیلڈ میں چلی گئی ہوں۔ ڈراموں اور فلموں میں ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی کو پتا ہوتا ہے اسے زندگی سے کیا چاہیے اس کا مقصد کیا ہے اور ایک میں ہوں۔" طشت ایک طرف دھکیل کر اس نے موبائل کی سکرین پر نگاہ ڈالی۔ تصاویر اپلوڈ ہونے کے بعد بھی شاہ ویر کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔ کیا یہ طریقہ بھی ناکام گیا؟ "مجھے نہیں پتا کہ میرا ٹیلنٹ کیا ہے۔"

"بہن جب پتا لگ جائے تو مجھے بھی بتانا۔" سلیقے سے کٹے ہوئے پیازوں کے گرد اب وہ کھیرے رکھتی جا رہی تھی۔ "میں یہ سلاد بنا کر گھر جاؤں گی۔ شام کے سات بجنے والے ہیں، اچھی خاصی دیر بھی ہو گئی ہے۔"

”کیا ہے، یار؟ یہ سامنے تمہارا گھر ہے اگر تھوڑی دیر کے لیے رک جاؤ گی تو کونسی قیامت آجائے گی۔ کبھی کبھی ہی میرا العل یمن آنا ہوتا ہے، میں اکیلی بور ہو جاتی ہوں۔“

چھری والا ہاتھ پسلیوں پر رکھے ہانیہ نے تندہی سے اسے گھورا۔ ”تمہارے گھر میں تین تین غیر شادی شدہ مرد ہیں لوگ باتیں بناتے ہیں یار اور اگر تمھیں اتنا ہی شوق ہے۔“ کھیرا ایک طرف رکھ کر آنکھیں پٹپٹائیں۔ ”ان تین خوبرو نوجوانوں میں سے مجھے کسی ایک کی بیوی ہی بنوا دو۔“

آرا ہلکا سا ہنسی۔ پھولے پھولے گال سرخ ہوئے۔ ”اچھا بتاؤ کس کی بیوی بننا پسند کرو گی تم؟ سہراب چاچو؟“

”ہیں تو وہ بہت اچھے انسان لیکن نہیں یار ابا جیسے لگتے ہیں اور وہ غیر شادی شدہ نہیں بس بیوی دور ہے۔“

”اچھا پھر اسلان بھائی؟“

”وہ تو نظروں سے ہی کھا جائے گا مجھے، نمونہ۔“

”عالم چاچو کیسے رہیں گے؟“

”کیوں مجھے وقت سے پہلے جہنم بھیجنا چاہتی ہو؟ ہیٹ ٹرک کر چکے ہیں وہ، میں ان کا چوتھا شکار نہیں بننا چاہتی۔“ اس نے جھرجھری لی۔

”تم ہاں کہو وعدہ ہے تمھیں اُف تک نہیں کہوں گا۔“ آواز تھی کہ صور ان دونوں لڑکیوں نے کرنٹ کھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ جہاں سبز سوئیٹر اور سفید سلیکس والا عالمگیر بازو سینے پر باندھے کھڑا تھا۔ کتنے ہی لمحے ان کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ خالی سپاٹ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ”کیا ارادہ ہے پھر کل سہراب کو بھیجوں تمہارے گھر؟“

اُف اُف ہانیہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا وہ تیزی سے باہر بھاگ گئی اور عالمگیر سر جھٹکتے ہوئے آگے آیا۔ انارا اب کے کھل کر مسکرائی۔ عالم کے قریب آ کر دونوں بازو اس کے گرد پھیلائے اور سر اس کے کندھے سے لگایا۔ عالم نے جھک کر اس کے بال چومے، سر تھپتھپایا اور ذرا زور سے گلے لگایا۔

”جیل سے آ رہا ہوں میں چوتھی شادی کر کے نہیں آیا جو تم سب اتنا خوش ہو رہے ہو۔“

”کیوں ایسی حرکتیں کرتے ہیں آپ؟“ اس کے گرد بازو سختی سے باندھے وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔ آپ اب پلیز ایسا کچھ مت کرنا۔ آرام سے یہیں رہیں۔“

عالمگیر نے اسے دھیرے سے خود سے الگ کیا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ بدلے میں اسے مزید سختی اور محبت سے گلے لگاتا۔ معتدد مرتبہ اس کا ماتھا چومتا، یا پھر اسے ساتھ کہیں چلنے کا کہتا لیکن آج اس کے خون کا خلفشار تیز تھا۔ آج وہ عالمگیر کہاں؟ وہ چند لمحے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا، انارا کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

”بنگش خاندان کے ساتھ کیا معاملہ ہے تمہارا؟“ آواز کی ٹھنڈک لڑکی کی ریڑھ کی ہڈی تک گئی۔ اس کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں فق ہوئی۔ وہ متغیر ہوتی رنگت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ عالم کی آنکھوں میں ڈھونڈنے سے بھی رعایت نہیں مل رہی تھی۔ ”جو بھی قصہ ہے اسے ختم کرو ورنہ میں قسم لیتا ہوں اس خاندان کا ہر ہر بندہ میرے ہاتھوں سے ختم ہو گا۔ عالمگیر یمن اس خاندان کا واحد وکٹم ہو گا اگر انہوں نے تمہارے نزدیک آنے کی کوشش کی تو بہت برا پیش آؤں گا۔ ان کے ساتھ بھی اور تمہارے ساتھ بھی۔“

انارا کی زبان کو لقوہ لگا جواباً عالم نے کچھ حد تک نرمی سے اضافہ کیا۔ ”بنگشوں کے پاس دل نہیں ہے، انارا۔ میں نہیں جاننا چاہتا تم اس سے کہاں ملی، کیا ہوا کیسے ہوا کچھ بھی نہیں۔ لیکن اگر تم نے اس گھر میں شادی کا سوچا تو میں چوتھی بار جیل جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں اُس خاندان کے مردوں کی لاشیں گرانے سے بھی ہچکچاؤں گا نہیں۔“

شاہ ویر نے اسے چاہے جتنا حوصلہ دیا ہو چاہے جتنے دعوے اور وعدے کیے ہوں اس کی لکھی ہوئی کتاب تک ردی تھی اور گھر کے مرد کا کہا لفظ بھی پتھر پر لکیر۔ وہ ساکن ہی تو رہ گئی۔ ”چاچو.......... وہ ......“ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر حلق سوکھ رہا تھا۔ ”آپ ایک بار اس سے مل لیں۔ وہ بہت اچھا ہے۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔“ وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ اس گھر کے ہر فرد سے وہ کئی سال پہلے مل چکا ہے اور ان میں سے ایک کو تو بہت اچھے سے پرکھ بھی چکا ہے۔ ”شاہ ویر یا شاہ زید؟“ اس کا لہجہ نہیں بدلا بس بات کا رخ بدلا۔

”شاہ۔“

”عالمگیر تم کب آئے؟“ وہ نام پورا لے پاتی کہ چوکھٹ پر کھڑے یافث کی بلند آواز میں اس کی آواز دب گئی۔ سارے وقت میں عالم کے چہرے سے پہلی بار کھنچاؤ ہٹ گیا۔ بھینچے جبڑے آزاد ہوئے، ماتھے کے بل غائب۔ وہ مڑا یافث تیزی سے آگے آیا۔ وہ دونوں بغل گیر ہوئے۔ نوارد کتنی ہی دیر اسے سینے سے لگائے کھڑا رہا۔ اسلان اور سہراب بھی اسی طرف چلے آئے اور محبت کے یہ مظاہرے دیکھے۔

سہراب اور یافث کی دوستی جیسے بھی ٹوٹی ہو۔ عالمگیر کا دوست آج بھی یافث تھا اور اتنا عرصہ بعد اسے قریب محسوس کر کے وہ دل سے خوش تھا۔ اس گھر نے بہت کچھ برباد کیا تھا اور بہت کچھ برباد کرنے کی تگ ودو میں تھا۔ اس گھر میں ایک شادی ٹوٹی تھی۔ عالمگیر یمن کی محبت ختم ہوئی تھی، یافث اور سہراب کی دوستی خاکستر اور تین معصوم عورتوں کی موت بھی۔ قدرتی یا پھر سوچی سمجھی یہ بات بھی خدا کے بعد اس گھر کی دیواریں جانتی تھیں۔ یہاں اسلان یمن نے محبت اور والدین بھی کھوئے، لیکن یہ گھر آج بھی ویسا تھا۔ مستقبل میں بھی ویسا رہتا۔ گھروں کا کیا جاتا ہے؟

کچھ دیر بعد تمام لوگ میز کے گرد جمع تھے۔ بریانی، کوفتے، فرائیڈ رائس کی خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ عالمگیر بظاہر سنجیدگی سے یافث کی ہر بات سن رہا تھا لیکن اس پر جمی باقی تینوں کی نگاہیں مشکوک تھیں۔

اسلان کی آنکھیں اس کے حلیے، انداز، سامان پر جمی تھیں۔ جیل سے پلٹنے کا پہلا دن ایسا تو نہیں ہوتا۔

ہیزل آنکھیں بار بار ڈبڈبائے جا رہی تھیں۔ کیا عالمگیر اس کی زندگی کی واحد خوشی ختم کر دے گا؟

سہراب یمن کی نگاہیں نہ مشکوک تھیں، نہ بے بس۔ ان میں ایک ملال سا تھا۔ چھوٹا بھائی اتنا بڑا کب ہوا کہ دھوکے دینے لگے؟ ابا نے کہا تھا اس کا خیال رکھنا ابا نے یہ نہیں بتایا کہ اگر وہ خیال رکھنا چھوڑ دے تو سہراب کیا کرے؟

"کیا ہوا تمہارا موڈ کیوں خراب ہے؟ کھانا بھی سونگھ سونگھ کر کھا رہے ہو؟" باورچی خانے میں کچھ لینے کی نیت سے آئے عالم کو فریج کھولے کھڑے یافث نے مخاطب کیا۔ عالمگیر کی نگاہوں کے سامنے ایک بار پھر وہی کیفے تھا۔ ستون کی اوٹ سے نظر آتا "اس کا" نیم رخ۔ کم از کم تاجور بنگش کو پہچاننے میں اسے کبھی مشکل نہیں ہو سکتی، ہرگز نہیں۔

"کیا ہوا ہے اس بار جیل میں زیادہ مار پڑی ہے کیا؟"

"میں نے آج "اسے" دیکھا۔" اس نے انگلی سے کنپٹی سہلائی۔ آواز مدھم تھی۔

"کسے دیکھا؟ تینوں کو ماشاءاللہ سے جنت پہنچا چکے ہو اب کسے دیکھ لیا؟" غیر سنجیدگی سے فریج میں جھانکا۔ آوازیں دونوں کی مدھم رہیں۔ عالمگیر نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔

"تاجور بنگش...... میں نے...... آج...... اسے دیکھا۔" الفاظ توڑ توڑ کر ادا کیے۔ نام نہیں تھا، ماضی کا تھپڑ تھا جو آج بھی اتنی ہی زور سے لگا۔ یافث کا ہاتھ رک گیا، نگاہوں میں ناسمجھی ابھری۔ "وہ وہی تھی میں اسے نہیں بھول سکتا، مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔"

"کہاں دیکھا؟" وہ اب کے سنبھل گیا تھا۔

"کیفے میں۔"

”تمھیں کیا ضرورت ہے ایسی جگہوں پر جانے کی جہاں وہ جاتی ہے۔“ اس نے جواب نہیں دیا البتہ پلیٹ میں چلتا چمچ رک گیا تھا۔ یافث اسے کسی قسم کی تسلی دینا چاہتا تھا لیکن اس معاملہ میں بے سود تھا۔ ”اب میں کیا ہی کہوں۔“

”یہ سب اسی کی سازش ہو گی۔“ عالم کچھ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ یافث اس سازش کا پوچھ پاتا اسی پل دروازہ بجنے لگا۔ یافث کھولنے کے لیے بڑھا مگر اس سے پہلے ہی عالمگیر ”میں دیکھتا ہوں“ کہتے باہر چکا تھا۔ باورچی خانے سے نکل کر ہال اور پھر دروازے تک آتے ہوئے وہ تاجور کا خیال جھٹک چکا تھا لیکن دروازے پر کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ جبڑے تن گئے، آنکھوں میں سختی اتری اور ماضی ایک بار پھر بیلچے کی طرح منہ پر آ کر لگا۔ دروازے کے سامنے گاڑی کے ساتھ کھڑے مرد کے ہاتھوں میں پھول تھے، لبوں پر مسکراہٹ۔

”ہیلو...... میں شاہ زید بنگش ہوں۔“

★★★★★★★★★

اگر وہ ٹھنڈے اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو اس وقت تک وہ شاہ زید کا جبڑا ضرور توڑ چکا ہوتا۔ جو ہاتھوں میں زرد رنگ کے پھول اور ان کے درمیان سجی ہم رنگ سرورق کی کتاب لیے کھڑا تھا۔ عالمگیر کی سخت نظروں اور بھینچے ہوئے جبڑے دیکھ کر اسے اتنا اندازہ تو ہو چکا تھا کہ یہاں آ کر اس سے غلطی ہوئی ہے۔ اس کا شاہ زید پر یہ ردعمل تھا تو شاہ ویر کی باری پر کیا کرتا؟ زید یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ زبردستی مسکرایا۔

”انارا، وہ میری دوست ہے۔“ گلا کھنکھار کر اس نے کہنا شروع کیا۔ ”یہ میں اس کے لیے لایا تھا۔“ اس نے پھول اس کی طرف بڑھائے۔ (لعنت ہو شاہ زید) وہ دل ہی دل خود کو ڈپٹ رہا تھا۔

"انارا میری بھتیجی ہے۔" اس نے پھول لیے اور دوسرے ہاتھ سے انہیں نوچ کر سڑک پر پٹخا۔ نگاہ ایک لمحے کے لیے بھی زید سے ہٹی نہیں۔ "اور مجھے تمہارا اس کے لیے یہ لانا بہت برا لگا ہے۔" عالم نے جوتوں سے پھولوں کو بری طرح مسلا۔ انداز میں ایسی جارحیت تھی کہ زید بے اختیار ٹھٹکا۔ ایک نظر اسے دیکھا پھر پھولوں کو۔

"اگر تم دوبارہ مجھے اس محلے میں یا میری بھتیجی کے کہیں آس پاس بھی نظر آئے تو تم چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہو گے یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" زید نے ایک نظر سڑک پر پڑے ہوئے پھولوں کو دیکھا اور دوسری نظر عالمگیر کو۔ اسے طیش بھی آیا اور تاسف بھی ہوا مگر کچھ بھی کہہ کر وہ اپنے بھائی کے لیے مشکلات نہیں کھڑی کر سکتا تھا۔ (پہلے ہی اتنی کر دی تھیں)۔

"آپ کو بُرا لگا ہے تو آئی ایم سوری۔ میرا ایسا کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"مجھے حد سے زیادہ برا لگا ہے اور جب مجھے برا لگے تو مجھ پر معذرت بھی اثر نہیں کرتی۔" مفاہمت، مصلحت یہاں تو کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ زید کرے تو کیا کرے؟ اس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ پھر وہ ٹھٹک گیا۔ عالم کا چہرہ یہ چہرہ جانا پہچانا کیوں تھا؟

"مجھے لگتا ہے میں آپ کو جانتا ہوں۔"

"مجھے آدھا لاہور جانتا ہے۔ وجہ شہرت تین بیویوں کا قاتل تین دفعہ جیل جانے والا عالمگیر یمن۔" زید ٹھہر گیا۔ ذہن میں یکدم جھماکا سا ہوا اور اسے ہر تفصیل یاد آتی چلی گئی۔ اس نے دفتر میں متعدد مرتبہ یہ نام سنا تھا۔ اس آدمی کی تصاویر دیکھی تھیں اور کئی مفروضے بھی سنے تھے۔ چند منٹوں کے اندر اندر وہ دو مرتبہ شاہ ویر سے مایوس ہوا تھا۔ ایک تنگ نظر اور دقیانوس خاندان کچھ حد تک قابل قبول تھا مگر ایک کرمنل؟ اس خاندان کا ایک فرد کرمنل بھی تھا؟

"کوئی تمہاری بھتیجی کے لیے پھول لائے تو تم کو بُرا لگ رہا ہے اور تم تین تین عورتوں کا قتل کر دو یہ فیئر ہے؟"

عالم آگے آیا۔ اپنا بھاری ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا اور دو سے تین بار تھپتھپایا۔ "مجھ سے عمر میں چھوٹے لوگ اگر مجھے تم کہیں تو مجھے برا لگتا ہے۔"

"اور میں یقیناً یہاں تمہارے اچھے اور برے لگنے والے معاملات کی تفصیل پوچھنے نہیں آیا۔" بھاڑ میں گئی بھائی کی محبت اب اس کے وہ کرمنلز سے بھی ہاتھ ملائے؟ ہرگز نہیں۔ "تمہیں میرا یہاں آنا برا لگا ہے اور اب میں اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ میرے گھر کا کوئی اور فرد یہاں قدم نہ رکھے۔"

"تمہارے خاندان کے لیے بہت محفوظ فیصلہ یہی ہے۔ مجھے سن کر اچھا لگا۔" کوئی عجیب سا مضمحل پن تھا کوئی کڑواہٹ اور تپش تھی جو ان دونوں کے درمیان آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ شاہ ویر بنگش اور انارا طارون اگر اپنے خاندانوں کے درمیان تعلق بنانا چاہ رہے تھے تو تعلق بن رہا تھا۔ تعصب، نفرت، طیش اور کدورت کا۔ محبتیں تو پھر ہیر رانجھا کی بھی ناکام ہی ہوئی تھیں۔

"ڈسگسٹنگ!" تنفر سے کہہ کر ایک بھی نگاہ غلط اس پر ڈالے بغیر زید اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اندر بیٹھ کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈالتے ہوئے اس نے شاہ ویر کو کال ملائی۔ رابطہ جڑ گیا تو زید کے منہ سے ایک موٹی گالی نکلی۔ غصے سے اس کے جبڑے تن رہے تھے اور خلفشار خون تیز ہو رہا تھا۔

"تمہیں پورے لاہور میں یہی گھر ملا تھا رشتے جوڑنے کے لیے؟"

"میں اپنے سسرال کی شان میں القابات بعد میں سنوں گا، تم یہ بتاؤ کام ہوا؟"

اس کی زبان کو لقوہ لگا۔ غصہ اور تنفر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ "میں نے کیا لیکن۔۔" وہ رکا۔ لب کاٹے۔ "دراصل میں فلاور شاپ پر گیا لیکن انہوں نے کہا کہ ان کا ڈیلوری بوائے آج چھٹی پر ہے۔ میں نے سوچا میں خود پھول دے آتا ہوں۔ دروازے پر آراہ کو بلوا لوں گا اور..................اور میں وہاں گیا۔"

"لعنت ہو تم پر، زید۔ لعنت ہو۔" شاہ ویر کا دماغ بھک سے اڑا۔ وہ تیزی سے بستر سے باہر نکلا۔ "تم وہاں کیوں پہنچ گئے وہ لوگ ایسی باتوں کا برا مناتے ہیں۔"

"ان کی بیٹی کو پھول ہی دینے گیا تھا ایسی کیا قیامت آگئی ہے اور ایسے ہی لوگ تھے تو تم نے رشتہ جوڑا کیوں؟" جواباً وہ بھی تلخ ہوا۔ "میں نے آراہ کو کتنی کالز کیں مجھے لگا وہ آجائے گی دروازے پر لیکن مجال ہے جو اس نے میری کوئی کال اٹھائی ہو۔"

"دروازے پر کون آیا تھا؟" انا ایک طرف کرتے وہ لیپ ٹاپ پر چلتی کال کے ساتھ ساتھ موبائل پر آراہ کو پیغام لکھنے لگا۔ چہرے پر بے تحاشا اضطراب تھا۔ "یا اللہ ساری مشکلیں میرے لیے کیوں؟"

"اس کا چچا تھا۔ تمھیں پتا بھی ہے وہ کیا کرتا ہے؟ کیا کیا کر چکا ہے؟"

"چاہے اس نے تمہارے باپ کا قتل بھی کیا ہو مجھے اس وقت اس سے بھی فرق نہیں پڑتا۔" شاہ ویر بنگش غرایا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ زید کا گلا دبا دے۔ "اوہ خدایا تم کیا کر کے آگئے ہو؟"

"ایک لڑکی کے لیے تم ہمارے باپ تک کو درمیان میں لے آئے؟ میری طرف سے جہنم میں جائے وہ لڑکی اور اس کا خاندان۔ جہنم میں جاؤ تم۔ دوبارہ مجھے کال مت کرنا۔" مارے غیض کے اس نے کال کاٹ دی۔ شاہ ویر نے لیپ ٹاپ وہیں رہنے دیا اور آراہ کو کالز ملانے لگا۔ موبائل بج بج کر تھک گیا مگر دوسری طرف سے نہ رابطہ ملنا تھا اور نہ ہی ملا۔ وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا رہ گیا۔ ساری دنیا ہی اس کے خلاف ہو گئی تھی۔

واپس لعل یمن آؤ جہاں دروازے پر عالمگیر ہنوز اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں شاہ زید گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی تلخی اور کدورت تھی۔ اسی لمحے اسلان نے دروازے سے جھانکا۔

"چاچو کون آیا تھا؟" اسے اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے دیکھ کر وہ آگے آیا۔ اب وہ سڑک پر گرے پھول اور ایک انگریزی کتاب بھی دیکھ سکتا تھا۔ "یہ کون لایا چاچو؟" وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا اور پھولوں کے درمیان پھنسی

کتاب باہر نکالی۔ پھول گھٹنے پر رکھ لیے۔ چہرے پر تجسس تھا۔ یہ کتاب تو کافی اچھی تھی۔ کافی عرصے سے اسے خریدنی تھی۔

"تمہاری بہن کا کبھی نہ ہونے والا شوہر آیا تھا۔" پھول یکدم اسلان کو کانٹے کی طرح چبھے۔ اس نے گھٹنے پر رکھا گلدستہ واپس زمین پر پھینکا۔ ایک نظر کتاب کو دیکھا اسے پھینکنے ہی لگا تھا کہ رک گیا...... بچپن میں لڑائی یا مذاق میں بیگ پھینکنے وقت اس نے بھی سنا تھا کہ اس میں اسلامیات کی کتاب ہے۔ گو کہ یہ کتاب اسلامیات کی نہیں تھی لیکن اس میں اللہ کا نام تو ہو گا نا؟

"اندھوں کی طرح بیٹھے رہے تم لوگ گھر میں ایک بچی تھی اس پر بھی نظر نہیں رکھ سکے۔" اس کے انداز میں اگر کچھ تھا تو محض ملامت۔ اسلان اٹھا، کتاب کو ہاتھ میں یونہی دبوچے رکھا۔ "میرا دل چاہ رہا تھا اسے قتل کر دوں۔"

"اندر چلیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" اسلان نے بات بدل دی۔

"آگ لگے اس کھانے کو۔" عالم پھاڑ کھانے کو دوڑا وہ مڑا اور اس کی طرف دیکھے بغیر تیز تیز ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔ اسلان اندر جانے سے پہلے پھولوں کو اپنے بوٹ سے مسلنا اور لات مار کر دور اچھالنا نہیں بھولا تھا۔ چہرہ اس کا بھی عالم ہی کی طرح سرخ تھا۔

میز پر بات بدل دی گئی۔ اسلان کے ہاتھ میں موجود کتاب کی بابت کوئی سوال نہیں ہوا۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا اور اس کے بعد آراہ باورچی خانے میں چلی آئی۔ اسلان کتاب لیے اس کے پیچھے گیا۔

"یہ "اس" نے بھجوائی ہے۔" کتاب پٹخنے والے انداز میں سلیب کی طرف اچھالی۔ وہ جو شاہ ویر کی طرف سے بیان کیا سارا قصہ پڑھ رہی تھی۔ اس افتاد پر اچھل کر سیدھی ہوئی، ہراساں نگاہوں سے اسلان کو تکا۔ "یہ کوئی طریقہ تو نہیں ہے۔ عالم ناراض ہو کر گیا ہے تمہیں کسی چیز سے کوئی فرق پڑ بھی رہا ہے؟" وہ چیخ نہیں رہا تھا البتہ اس کے انداز میں ایک کاٹ سی تھی۔ "اگر اسے شادی ہی کرنی تھی تو اس کو بولو اپنے گھر والے بھیجے یہ قصہ ختم کرواؤ۔ یہ

روز روز کی کیا ڈرامے بازی ہے؟" شاہ ویر سے ہوا جھگڑا، عالم کا ردعمل اور اب یہ کتاب اوپر سے اسلان کے انداز کی یہ کاٹ۔ آراہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر یکدم بلند آواز میں رونے لگی۔

"عالم چاچو نے کہا ہے یہ سارا قصہ ختم کرو۔ وہ یہ نہیں سمجھ رہے یہ کوئی قصہ نہیں ہے۔" اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور مزید تیزی سے روئے گئی اسلان چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ "کم از کم تم تو میرا ساتھ دو۔ میں نے پنار اور تمہارا ساتھ دیا تھا۔" اس نے رندھی ہوئی گیلی آواز میں شکوہ کیا۔ اسلان کی نگاہیں نرم ہوئیں۔ اس نے پانی کا گلاس آراہ کی طرف بڑھایا، اس نے نہیں تھاما تو اسلان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گلاس ہاتھ میں دیا۔

"میری بات سنو اگلی بار عالم یا اسکار کوئی بھی تم سے کچھ کہے ان سے کہنا اسلان سے بات کریں اور رونا بند کرو، اس سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔" وہ کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا۔ نہ اسے کوئی دلاسا دیا، نہ آنسو صاف کیے بس منظر سے ہٹ گیا۔ لہجے کی نرماہٹ وہیں کہیں بھٹکتی رہی۔

★★★★★★★★★★

کچھ دیر بعد جس وقت عالمگیر اور یافث کھانے کی میز کے گرد کافی کے کپ لیے یقیناً کسی کی غیبت میں مصروف تھے اسی لمحے ان کے عقب میں بیٹھے سہراب کا موبائل جل کر بجھا۔

"مجھے آپ کے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔" کوئی بے ساختہ مسکراہٹ تھی جو اس کے لبوں پر دوڑ گئی۔ سہراب نے اپنا کام چھوڑ کر چیٹ کھولی جہاں آخری کال ڈیڑھ ہفتہ قبل کی تھی اور اس کے بعد دوسری طرف سے بھیجی گئی رقم کی کوئی رسید مگر وہاں کچھ اور بھی تھا جسے دیکھ کر ایک پل کو رکا جائے۔ پیغام بھیجنے والے کی شناخت۔ جس سے وہ ہر دفعہ سرشار ہوتا تھا۔ "وائف!"

”مجھے پتا ہے تمہارے کلرک ابا کی پنشن کافی بھاری ہے لیکن تم میری ذمہ داری ہو۔“اس نے واپس لکھ کر بھیجا۔ دوسری طرف فوراً ٹائپنگ کا اشارہ آیا۔”میں تمہارا شوہر ہوں۔“

”آپ کو پتا بھی ہے کسی کا شوہر ہونا کیا ہوتا ہے؟ کوئی ذمہ داریاں، کوئی حقوق؟“

سہراب نے گہری سانس لی اور مسکراہٹ دبائی جو کہ کسی صورت چہرے سے غائب ہوتی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔”میں "کسی" کا کیوں سوچوں مجھے صرف یہ پتا ہے آمنہ شیرازی کا شوہر ہونا کیسا ہوتا ہے۔“ دوسری طرف ٹائپنگ چھوڑ کر اسے کال آنے لگی۔ سہراب نے فوراً کال اٹینڈ کی۔ ہاتھ اٹھا کر عالم سے آہستہ بات کرنے کو کہا۔ جیسے کہ اس نے مان لینا تھا۔

”آپ جان بوجھ کر میرا مذاق اڑاتے ہیں؟“ وہ چھوٹتے ہی غصے سے پھنکاری۔

”ایک منٹ یہ لاعلمی میں کون سا مذاق اڑایا جاتا ہے؟“ سہراب اسے مکمل طور پر زچ کرتا نظر آیا۔”میں کل آتا ہوں تمہاری طرف پھر تفصیل سے بتانا، مذاق کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں۔ آجاؤں؟“

”عالم آگیا ہے نا؟“ سہراب کی پچھلی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ دوسری طرف اب عالم اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سہراب کی آنکھیں بتا دیتی تھیں رابطہ کس طرف سے ہوا ہے۔

”اس نے آنا ہی تھا۔“ وہ سنبھل کر بولا۔

”آپ کی زندگی میں سب آجاتے ہیں، ایک میں ہوں جسے چھوڑ کر آپ بہت خوش ہیں۔ اپنے بھائی کی بہت پرواہ ہے آپ کو اپنا بھتیجا بھی عزیز ہے کبھی میرے بارے میں سوچا؟ یہ چند ٹکے بھیج کر کیا جتانا چاہ رہے ہیں آپ؟“ وہ جو بھری بیٹھی تھی بولتی ہی چلی گئی۔

"یہ تمہارے لیے چند ٹکے ہوں گے میرے لیے میرا فرض ہے۔ تم بیوی ہو میری، میرے علاوہ کسی اور سے رقم کیوں لو گی؟ اور جہاں تک بات ہے پرواہ کی تو مجھے اور اپنے گھر کو چھوڑ کر تم گئی تھیں۔ میں نے تمھیں نکالا نہیں ہے۔" سہراب تحمل سے بولا۔

"تو کیا کروں اس گھر میں رہوں جہاں میری بہن کا قاتل رہتا ہے؟" وہ بلند آواز میں بولی۔ "اس نے کس بے دردی سے میری بہن کو مار دیا آپ اب بھی اسے ہی درست سمجھتے ہیں۔ وہ تین تین عورتوں کا قاتل آپ کو صحیح لگتا ہے؟"

"اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔" سہراب کا لہجہ مضبوط تھا۔

"ثبوت تو اس بات کا بھی نہیں ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔ آپ اپنے اندر کے پولیس والے کو چھوڑ کر ہمارے تعلق کو کیوں نہیں چن لیتے؟"

"آمنہ میرا دماغ خراب مت کرو۔ میں اپنے بھائی کی سائیڈ نہیں لے رہا لیکن اگر اس کے خلاف ثبوت نہیں ہیں تو وہ قاتل نہیں ہے۔ چاہے اس نے تمہاری بہن کو مارا ہو چاہے آدھی دنیا کو۔" سہراب نے تلخی سے کہہ کر بغیر کچھ سنے کال کاٹ دی۔ اب وہ انگلیوں کے پوروں سے اپنی کنپٹی سہلا رہا تھا۔ وہ کچھ تلخ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے کال کاٹ دی مگر اب غصہ بھی آ رہا تھا۔ عالم اسے دیکھ کر شیطانی انداز میں مسکرایا۔

یافث کی اپنی جرات تو تھی نہیں اس نے عالم کو ٹھوکا دیا۔ "پوچھوناں کیا بات تھی؟"

"کیا کہہ رہی تھی آمنہ؟" عالم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"ہر دفعہ کی ڈرامے بازی۔ اب میں اسے کال ہی نہیں کروں گا۔" وہ فیصلہ کرتے ہوئے اٹھا اور کمرے کی طرف بڑھا۔ "زندگی عذاب ہو کر رہ گئی ہے۔"

"یہ قیام کیسا ہے راہ میں، تیرے ذوق عشق کو کیا ہوا؟

ابھی چار کانٹے چبھے نہیں، تیرے سب ارادے بدل گئے؟"

عالم کے شعر کہنے پر سہراب بل کھا کر پلٹا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

"بیوی پر تو چلتی نہیں عالم کا منہ توڑے گا۔" وہ چمک کر بولا۔ "اچھا ایک اور شعر سنتے جاؤ۔" اس وقت سہراب کو احساس ہوا اگر عالمگیر اس کا بھائی نہ ہوتا تو وہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ ضبط کرتے ہوئے اندر کمرے کی طرف جاتے، آمنہ کا غصہ چھوڑ وہ عالمگیر پر سیخ پا ہو چکا تھا۔ اس کے عقب میں عالم اپنے مقصد میں کامیاب۔ یافث اور وہ اب ٹھٹھے لگا رہے تھے۔ پولیس والا چڑ جاتا تھا۔

★★★★★★★★★★★★

"تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ ان دونوں نے ایک غلط فیصلہ کیا؟" وہ اداس اداس دکھائی دے رہی تھی۔

"فیصلہ نہیں وقت غلط تھا۔ کوئی دور تھا، جب وہ دونوں ہر قید سے آزاد تھے۔" کافی کا کپ لیے وہ کمرے میں ایک طرف رکھے ہوئے صوفے پر آ کر بیٹھا۔

"اچھا وہ کیسا وقت تھا؟" وہ اشتیاق سے آگے کو ہوئی۔ (قصہ گو اپنی کہانی کی اوراق پلٹنے لگا۔)

★★★★★★★★★★★

ان دونوں کے مابین سرخ سیڑھیوں کی ملاقات کے بعد کوئی ایسا معاہدہ نہیں طے پایا تھا کہ انارا طارون اور شاہ ویر بنگش براڈوے کے تھیٹر ساتھ جائیں گے یا پھر شاہ ویر بنگش اسے لینے آ جائے گا، یا انارا اس کا انتظار کرے گی۔ ہر عہد و معاہدے سے بر طرف شاہ ویر شام چار بجے سرخ سیڑھیوں پر موجود تھا اور انارا طارون اسے بھیڑ میں سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اسے علم نہیں تھا وہ آئے گی۔ وعدہ اس کی طرف سے بھی نہیں تھا اور یہاں آنے پر اختیار بھی نہیں۔

”مجھے لگا تم نہیں آؤ گی۔“ وہ شاہ ویر کے سامنے آ کر رکی تو وہ گہرا مسکراتے ہوئے بولا۔

”اور مجھے لگا آپ نہیں آئیں گے۔“ آراہ مضمحل سی ہوئی۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے، ہاتھ چہرے پر پھیرا اور اسے دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ لُو دیتی نظریں، انارا بے اختیار نظریں ہٹا گئی۔

”تمہیں بلوا کر خود نہ آؤں یہ تو بہت غلط ہو جائے گا۔“ وہ اس کے ساتھ آ کر ٹھہرا پھر اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ٹائم اسکوائر کے ہجوم میں ایک ساتھ قدم اٹھانے لگے۔ آس پاس وہی معمول کی رونق اور شور تھا۔ شاہ ویر نے آج آسمانی رنگ کا وی نیک سوئیٹر پہنا تھا، ساتھ سفید سلیکس۔ ”تم کہاں رہتی ہو؟“

”اپنے بابا کے ساتھ، یہاں سے کافی دور ہے میرا گھر۔“ اس گھر کو میرا گھر کہتے ہوئے بھی برا لگ رہا تھا۔ ”میں یہاں ایک میڈیکل ٹریٹمنٹ کے لیے آئی ہوئی ہوں۔“

”اوہ! سب ٹھیک ہے؟“ آراہ نے اپنی کہنی اٹھا کر اسے دکھائی۔ جو پوری طرح اوپر نہیں اٹھ پا رہی تھی۔ شاہ ویر نے ٹھہر کر دیکھا۔ ایسی مکمل توجہ، ایسا متفکر انداز انارا طارون کے لیے یہ مرد ایک الگ ہی قسم تھا۔ چچا، ماموں، اسلان وہ اچھے تھے۔ خیال رکھتے تھے لیکن ایسی مکمل توجہ تو اسے کبھی نہیں ملی تھی۔ وہ ٹھہر کر اسے دیکھے گئی۔

”کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟“ وہ ایک بار پھر اسی مہذب انداز میں اجازت مانگ رہا تھا۔ آراہ نے محض سر ہلا دیا۔ شاہ ویر نے اس کا بازو کہنی سے ہلکا سا اٹھایا۔ پھر اسے اوپر کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”درد ہو رہا ہے؟“

”نہیں درد نہیں ہوتا۔“ الفاظ سینے میں کہیں مقید رہے تھے آج انہیں آزادی ملی۔ ”بس اوپر نہیں اٹھتا میرا بازو۔“ لوگ آ جا رہے تھے، کام ہو رہے تھے لیکن یہ شخص جو ساتھ کھڑا تھا اس نے ایک لمبا عرصہ یہیں رہنا تھا قریب، بے حد قریب۔

”اور ایسا کب سے ہے؟“ شاہ ویر تھوڑا سا پیچھے ہوا اور اس کا بازو لمبا کر کے دیکھنا چاہا لیکن نہ ہو سکا۔ وہ ایک جگہ جامد تھا۔ اس نے زندگی کے اتنے سال ایک معذوری کے ساتھ کیسے گزارے ہوں گے؟

”پیدائشی طور پر۔“ تین الفاظ دقت سے گھسیٹے۔

شاہ ویر نے دھیرے سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ ”تمہارے ڈیڈ نے کسی ڈاکٹر سے بات کی ہے؟“ وہ اب دوبارہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔ شو شروع ہونے میں ابھی بھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔ وہ دونوں آرام سے تھیٹر جا سکتے تھے۔

”ایک دو دن میں کر لیں گے۔“

”اگر تمھیں برا نہ لگے تو کیا میں ایک مشورہ دے سکتا ہوں؟“ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے اس نے گردن پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ گہری کتھئ آنکھیں ہیزل آنکھوں سے ملیں۔ ان میں بہت کچھ تھا۔ پرواہ، ملال، شاید ملائمت بھی۔ آراہ نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

”نہیں مجھے کیوں برا لگے گا آپ کہیں۔“

”میں ایک ڈاکٹر کو جانتا ہوں کل میں تمہارے گھر آجاتا ہوں۔ پھر تمہارے فادر اور میں دونوں اس کے پاس چلتے ہیں۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔“

”آپ کو خوامخواہ زحمت ہو گی میں مینج کر لوں گی۔“ ہر لکھاری کی طرح شاہ ویر بنگش کی چھٹی حس اور لوگوں کو پڑھنے کی صلاحیت اچھی تھی۔ اس کا چہرہ، اپنی معذوری کے بارے میں بات کرتی ہوئی اس کی آنکھیں نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئیں۔ لکھاری سے راز چھپا کر دکھا دے کوئی۔

”مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا، اگر تم چاہو تو مجھے تمہارے ساتھ چل کر اچھا لگے گا۔“ وہ اس قدر مان اور اعتماد سے کہہ رہا تھا کہ انارا طارون اسے انکار کر ہی نہ سکی۔

(”لڑکیاں چاہے جتنا مرضی کہہ لیں کہ وہ پریکٹیکل ہیں آگے بڑھ آئی ہیں۔اب ان کے اندر بچپنا نہیں رہا لیکن اندر کہیں نہ کہیں وہ ایسا شخص ڈھونڈ رہی ہوتی ہیں جو بغیر بور ہوئے انہیں سنے۔جج نہ کرے، وہ روئیں تو دلاسا دے، عورت ہمیشہ ایک مرد کی ”کل کائنات“ بننا چاہتی ہے اور شاہ ویر بنگش نے اسے بتایا کہ کسی مرد کی کُل کائنات ہونا کیا ہوتا ہے۔“

(”کیا ہوتا ہے؟“ وہ ٹھوڑی ہتھیلی تلے ٹکائے دلچسپی سے پوچھنے لگی۔)

شو شروع ہونے میں بس دس منٹ باقی تھے۔وہ دونوں اگلی رو میں بیٹھے تھے۔بچپن سے لے کر اب تک اس کے کچھ صنف مخالف دوست رہے تھے، کچھ کلاس فیلوز سے اب بھی رابطہ تھا لیکن شاہ ویر کے ساتھ یہاں تک آجانا عجیب اور خوبصورت ایک ساتھ تھا۔

عجیب یوں کہ جنس مخالف کے دوستوں سے اس کا رابطہ محض چند پیغامات یا پھر سارے دوستوں کے ایک ساتھ ملنے تک تھا اور اس کا یہ میل ملاپ بھی سہراب اور یافث کو کچھ خاص پسند نہیں تھا۔

خوبصورت یوں کہ وہ لڑکا جس کے لیے آدھے ملک کی لڑکیاں پاگل ہو رہی تھیں وہ اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز کیے، اسے سنتا اور اسے بہت کچھ سناتا ہوا۔اس کی پسند کے پاپ کار نزلا تا ہوا۔انارا اتنی سمجھدار تو تھی کہ اس نظر التفات کا مطلب سمجھ سکے، وہ کچھ بھی سمجھنے کی بجائے بس ہواؤں میں تھی۔

”آپ کے پاس دو ٹکٹس ہیں دوسری کس کی تھی؟“ شاہ ویر بے ساختہ ہنس پڑا۔اس کے ذہن میں شاہ زید آیا۔جو دونوں بازو پہلوؤں پر رکھے خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم ہر دفعہ لڑکی کے چکر میں مجھے ڈاج دیتے ہو۔یہ میری ٹکٹ ہے یار۔“

”میرے بھائی کی ٹکٹ ہے وہ آج مصروف تھا۔“ اسے کہنا یہی چاہیے تھا لیکن لکھاری کو لفظوں میں ملکہ حاصل ہوتا ہے۔”میں نے ایک ایکسٹرا ٹکٹ لیا تھا شاید مجھے الہام ہوا تھا کہ مجھے ایک بہترین کمپنی ملے گی۔“

وہ جھینپ گئی۔ رخسار بے اختیار گلابی پڑے۔ اسی پل روشنیاں مدھم کر دی گئیں یہاں تک کہ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ چبوترے کے عین درمیانے حصے پر روشنی کا دائرہ آ گیا۔ براڈوے کا تھیٹر آرٹس کے شوقینوں کے لیے نری جنت ہے۔

"تم نے میری کتنی کتابیں پڑھی ہیں؟" شاہ ویر ہلکی آواز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ انہیں ملے ہوئے تین سے زائد گھنٹے ہو چکے تھے اور آراہ نے اب تک اس سے اس کی کسی کتاب کے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا۔ یہ پہلی بار تھا۔

"میں نے۔" وہ اٹکی۔ "تقریباً ساری۔"

"میں نے کتنی کتابیں لکھی ہیں؟" اس کا چہرہ نیم اندھیرے میں بھی خوبرو دکھائی دیا۔

"تین۔" آراہ کا جھجکنا، اٹکنا اور بار بار اپنے بال کان کے پیچھے اڑسنا اس کی زیرک آنکھوں سے کچھ بھی مخفی نہ رہ سکا۔ شاہ ویر چپ ہو گیا۔ اب وہ دونوں چبوترے پر چلتا شو دیکھ رہے تھے۔ ہر شے با کمال تھی۔ جملے، اداکاری، ہنسی، رونا، سب کچھ اتنا خوبصورت تھا کہ وہ مبہوت رہ گئی۔ اس نے زندگی میں بہت ساری ایسی چیزیں دیکھی تھیں جو اسے مسمرائز کریں لیکن یہ تجربہ اتنا بہترین تھا کہ وہ اسے آدھی زندگی نہیں بھولنے والی تھی۔

شو دیکھنے کے بعد جب وہ دونوں باہر آئے تو شاہ ویر نے اسے کھانے کی پیشکش کی جسے اس نے محتاط انداز میں ٹھکرا دیا۔ "تم نے میرا سینما پلے دیکھا ہے؟"

"بہت بار، آپ کا کام بہت اچھا ہوتا ہے۔" شاہ ویر نے سر کو خم دیا۔ رات اتر آئی تھی اور روشنیاں بے تحاشا بڑھ گئی تھیں۔ ہلکی ہلکی برف باری بھی ہونے لگی تھی۔ سڑکوں کے کنارے لگے فون بوتھ پر برف کی تہہ لگتی جا رہی تھی۔

"تمہارا پسندیدہ کونسا ہے؟"

"سڈنی اینڈ سوئیزر لینڈ۔" آراہ نے اس کی ایک مختصر فلم کا نام لیا۔

”اس پر کافی تنقید ہوئی تھی لیکن وہ میری پسندیدہ فلم ہے۔“

”لوگوں کا کام ہے تنقید کرنا آپ اس پر دھیان نہ دیا کریں۔“ شاہ ویر نے ایک بار پھر محض سر ہلا دیا۔ وہ بے حد مطمئن انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا، باتیں کر رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنے کے لیے ذہن میں جوڑ توڑ کر رہا تھا۔ کہیں کسی پرفیوم سٹور کے باہر کسی کافی شاپ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے کتنی دفعہ ان کی شان میں بہت کچھ کہا۔ آراہ یا شاہ ویر ان دونوں کو ایسا محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ ان کی باقاعدہ طور پر پہلی ملاقات ہے۔

”میری گاڑی یہیں نزدیک پارک ہے، میں تمھیں گھر چھوڑ دوں؟“

”میں ٹیکسی لے لوں گی۔“ اس نے اپنے پرس سے چھوٹا سا نوٹ پیڈ اور ڈائری نکالی۔ ”کیا مجھے آپ کا آٹوگراف مل سکتا ہے؟ اور ایک تصویر بھی۔“ وہ دونوں چلتے چلتے بس اسٹاپ کی طرف آ گئے تھے۔

”شیور۔“ شاہ ویر نے آٹوگراف لکھ دیا۔ پھر اس کا موبائل ہاتھ سے لیا۔ وہ دونوں روڈ پیومنٹ پر کھڑے تھے۔ شاہ ویر نے کیمرہ کھولا اور اس کے سامنے آکر ٹھہرا۔ وہ قد میں اس سے کافی چھوٹی تھی تصویر میں وہ اس کے کندھے تک آ رہی تھی۔ شاہ ویر پیومنٹ سے ہٹ کر سڑک پر آ گیا۔ اب اس کا اور شاہ ویر کا چہرہ ایک بہترین زاویے پر دکھائی دے رہا تھا۔ موبائل کے چوکھٹے میں ایک ساتھ نظر آتے وہ کتنے اچھے لگ رہے تھے؟

پھولے گالوں والی لڑکی اور اس کے ساتھ کھڑا وجیہہ نقوش والا لڑکا۔ اس نے دو سے تین تصاویر اتاریں۔ سارے میں وہ پہلی بار بہت دل سے مسکرائی، آنکھیں چمکیں، گال مارے مسرت کے دہکنے لگے۔ وہ لوگوں سے کدورت اور جلن رکھتا تھا لیکن آراہ کی یہ مسکراہٹ جس کے لیے بھی تھی شاہ ویر بنگش اس سے حسد کا دعویدار تھا۔

"سڈنی اور سوئیزر لینڈ میرا واحد کام تھا جس پر کبھی کوئی تنقید نہیں ہوئی۔" موبائل اسے واپس دیتے ہوئے وہ بے حد عامیانہ انداز میں بولا۔ آراہ دھک سے رہ گئی۔ دل ایک پل کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔ "اور یہ میرا واحد کام ہے جس سے مجھے چڑ ہے اور میں نے اپنے ہر انٹرویو میں اس پر تنقید کی ہے۔"

موبائل لیتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ شاہ ویر انہی نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جن میں محض اطلاع تھی۔ "تم میری فین نہیں ہو نا، انارا طارون؟"

سڑک پر گزرتا ٹریفک، سٹریٹ لائٹس کی روشنیاں، ڈھیر سارا شور سب ساکت ہو گیا۔ سب، سب، سب۔

("کیا وہ واقعی اس کی فین نہیں تھی؟" عورت ٹھٹک سی گئی۔

قصہ گو نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔"

"پھر شاہ ویر نے کیا کیا؟"

"وہی جو ہر محبت میں مبتلا مرد اپنی کُل کائنات کے لیے کرتا ہے۔")

اس رات براڈوے شو کے بعد وہ اسے گھر چھوڑ آیا۔ راستے میں انارا کی زبان تالو سے چپکی رہی۔ شاہ ویر نے گاڑی سے اترنے سے پہلے اس کا نمبر مانگا تو اس نے خاموشی سے دے دیا۔ اس رات ان کی رات گئے تک بات ہوتی رہی۔ وہ ہر فن مولا تھا۔ فلم، ڈرامہ، آرٹس، فیشن، گوسپ، طب وہ کسی بھی معاملے میں کوئی بھی بات کر سکتا تھا۔ بات کرنا کوئی کمال نہیں وہ کمال تحمل سے، بے حد توجہ سے اس کی ہر بات سن بھی رہا تھا۔ ایک دو بار جب وہ اٹکی تو شاہ ویر نے اسے ایسی روانی دی کہ کئی لمحے وہ یہ نہیں سمجھ پائی کہ یہ شخص محض چند گھنٹوں میں اس کے اتنے قریب کیسے آ گیا تھا؟ یہ پہلی ملاقات اور چند گھنٹوں کا ساتھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

چند دن بعد وہ انارا کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جب اس نے فون پر یہ بتایا تو انارا کی سٹی گم ہوئی۔ وہ اپنی سفید پورشے سے ٹیک لگائے، موبائل کان سے لگائے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ آراہ کے ہاتھ پیر تو اب صحیح معنوں میں پھول گئے۔ وہ اس جگہ کھڑا اتنا شاہانہ کیوں لگ رہا تھا؟

وہ واپس کمرے میں آئی۔ نائٹ سوٹ بدل کر جلدی جلدی سادہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنا۔ بالوں کو یونہی کھلا چھوڑے نیچے چلی آئی۔ ”تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم آرہے ہو۔“ وہ بوکھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ جلدی جلدی میں منہ دھوتے وہ کل رات والا مسکارا ابھی نہیں مٹا سکی تھی۔ وہ شاہ ویر بنگش کو ہر گزرتے لمحے زیر کر رہی تھی۔

”تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم بے مروت ہو۔ اب کیا گھر بھی نہیں بلاؤ گی؟“ وہ چشمہ اتار کر گلے میں اٹکاتے ہوئے بشاشیت سے بولا۔ وہی جو اس کا خاصہ تھی۔ آراہ اسے نہیں اس کے کندھے پر پڑی بِلی کو دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں ہول بھی رہی تھی۔ ”تم نے خوامخواہ چینج کر لیا، اسٹرابری والا نائٹ سوٹ تم پر زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔“

آراہ جھینپ گئی۔ شاہ ویر کھڑے کھڑے اس کا بسمل ہوا۔

”ڈیڈ تمھیں جانتے نہیں ہیں۔“ انگلیاں چٹخاتے ہوئے اس نے جھجک کر کہا۔

”ایک بار ملوا دو اس کے بعد بھولیں گے نہیں۔“ وہ اپنے کندھے پر سوئی بلی کو تھپکتے ہوئے بولا۔

”میرا مطلب ہے کہ انہیں یہ نہیں پتا کہ تم اتنے مشہور آدمی ہو۔ وہ فلمز اور کتابوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔“ وہ کہہ شاہ ویر سے رہی تھی مگر اس کی ناگوار نظریں اس سفید بلی پر جمی تھیں۔ ”تم پلیز انہیں کچھ مت بتانا ورنہ۔ پھر وہ ہر وقت تمہارا پوچھتے رہیں گے۔ تم صرف یہ کہنا کہ تم میرے دوست ہو۔“

”اوکے جو تم کہو۔“ وہ کہہ کر چپ ہوا۔ پھر آراہ کو دیکھا وہ شاید اسے گھر نہیں بلانا چاہ رہی تھی۔ شاہ ویر سمجھ سکتا تھا۔ ”اپنے ڈیڈ کو بلوا لو، میں نے ڈاکٹر سے آج کا اپائنٹمنٹ لیا ہے۔“

”تم سے ایک بات پوچھوں؟“ وہ اس کی پچھلی بات نظر انداز کر گئی۔

"میں تمہارے لیے یہ سب کیوں کر رہا ہوں یہی نا؟" شاہ ویر بھانپ گیا۔ انارا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم شاید بھول گئی ہو لیکن مجھے یاد ہے مری کی وہ گلی جس میں تم نے میری مدد اور باڈی شیمنگ کی تھی۔"

چند لمحوں کے لیے وہ باقاعدہ سناٹوں میں آ گئی۔ "اوہ مائی گاڈ وہ تم تھے؟"

"جی مادام وہ میں تھا۔ اسی دن سوچا تھا کسی دن ضرورت پڑی تو میں تمہاری مدد ضرور کروں گا۔" وہ بالکل متحیر سی اسے تک رہی تھی۔ "تم مجھے چھ ماہ پہلے سے یاد ہو۔ اس کے بعد مری کی وہ بک سائننگ یاد ہے؟ نہیں یاد ہو گی مجھے یاد ہے کیونکہ تم نے وہاں بھی مجھے نظر انداز کیا تھا۔ کسی احمد کے لیے۔" احمد کا نام آتے وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں سکا۔ آراہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ "کیا ہوا ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

اس نے بہ دقت آنسوؤں پر بند باندھا۔ "تھینکیو۔"

شاہ ویر مدھم سا مسکرایا۔ "جاؤ لڑکی اپنے ابا کو بلا کر لاؤ۔ لوگ دیکھ رہے ہیں مجھے بدنام کرواؤ گی۔" وہ اس کے لیے ہر وہ کام کر رہا تھا جس سے اس معاشرے میں اشارہ دیا جاتا ہے کہ مرد آپ کے ساتھ سنجیدہ ہے اور کسی قسم کا تعلق استوار کرنا چاہتا ہے۔ انارا جس معاشرے سے تھی وہاں تو نکاح ہو جانے تک بے یقینی ہی رہتی تھی۔ لیکن یہ آدمی نرا تحفظ تھا۔ وہ قریب آ چکا تھا۔ اتنا کہ اب اگر اسے کسی تقدیر یا خطے نے دور کیا تو زندگی میں خلا رہ جائے گا۔

"میں ڈیڈ کو بلا کر لاتی ہوں۔" بہت کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے بس اتنا کہہ کر وہ ہٹ گئی۔ اندر ہی اندر اسے حد درجہ شرمندگی ہو رہی تھی۔ کاش وہ اسے گھر بلا سکتی۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا؟ کیا وہ تھوڑا سا تیار ہو کر نہیں سو سکتی تھی، سٹار پلس کی بہوئیں بھی تو چار چار کلو میک اپ مل کر سویا کرتی تھیں۔ اسٹرابیری والے سوٹ میں کیا وہ واقعی اچھی لگ رہی تھی؟ گھر کے اندر جاتے جاتے وہ بلش کر گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ شجاع کے ساتھ واپس آئی تو ڈھنگ کے کپڑے پہنے تھے۔ شاہ ویر اچھے سے ان سے ملا، بات چیت ہوئی اور شاہ ویر کا تعارف انارا کے دوست کی حیثیت سے ہوا۔ شجاع اس ملک میں رہتے ہوئے یہیں کے

خیالات دماغ میں بٹھا گیا تھا۔ ان کی دوسری بیٹیوں کے بوائے فرینڈ تو گھر تک آتے تھے۔ یہ تو پھر دوست تھا اور مدد کر رہا تھا۔ انہیں شاہ ویر سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی گاڑی اور امارات دیکھنے کے بعد تو بالکل نہیں۔

ڈاکٹر نے اسے چند ہفتے بعد سرجری کی تاریخ دی۔ جس کام کے لیے وہ تین ماہ سے خوار ہو رہی تھی شاہ ویر نے اسے تین دن میں کر دیا۔ شجاع کی جس توصیفی نگاہ کے لیے وہ ہمیشہ ترستی رہی۔ وہ آج شاہ ویر کے توسط اسے نصیب ہو چکی تھی۔ ہاں وہ اس کی مداح نہیں تھی، لیکن آج وہ اس کی احسان مند ہو گئی تھی۔ وہ اس کی زندگی کے ایسے ایسے خانے پُر کر رہا تھا جن کے خالی پن سے بھی وہ ناواقف تھی۔ مڈل کلاس لڑکیوں کو بچپن سے ان کی زندگی کا bare minimum بھی نہیں ملا ہوتا اور جب کوئی انگوٹھے کے ناخن جتنا احسان یا محبت جتا دیں تو ان کا دل اس شخص کے تابع ہو جاتا ہے۔

ہسپتال سے واپسی پر وہ سارا راستہ خاموش رہی۔ شاہ ویر اور شجاع کی اچھی خاصی بن چکی تھی۔ جب اس نے ان دونوں کو گھر کے باہر چھوڑا تب آراہ اس کی طرف سے کھڑکی کے شیشے کی طرف آن کھڑی ہوئی۔ شجاع آگے بڑھ گیا مگر آراہ کو لگا تھا ان کتھئی آنکھوں سے آگے بڑھ جانا غلط ہو گا۔ ”سمجھ نہیں آ رہی کس کس چیز کے لیے شکریہ کہوں۔“ گیلی ممنون نگاہیں اٹھائے وہ اسے جس طرح دیکھ رہی تھی شاہ ویر سارے کا سارا اسیر ہوا۔

”کل میرے ساتھ ڈنر کرنے چلو، مجھے بتاؤ تم میری فین کیوں نہیں ہو، مجھے بتاؤ احمد کون ہے یقین مانو میرے جیسا اچھے آدمی کے ہر احسان کا مداوا ہو جائے گا۔“ وہ اپنی بلی کی پیٹھ سہلاتے ہوئے بولا۔ شاید وہ بیمار تھی اس لیے شاہ ویر اسے اپنے ساتھ لیے گھوم رہا تھا۔ ”کل شام پانچ بجے؟“

وہ ہولے سے ہنس پڑی۔ شاہ ویر اس کے ساتھ مسکرایا۔ نیویارک کی ساری روشنیاں ان کے گرد حالہ بناتی گئیں۔ ”پلیز مسکراتی رہا کرو۔ کچھ لوگوں کا دن بن جاتا ہے۔“

”کل شام پانچ بجے۔“ وہ مسکراتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

”کیا میں اسے ہماری ایک نارمل کپل میٹنگ سمجھ سکتا ہوں؟“ اسٹیئرنگ وہیل پر انگلیاں گھماتے وہ آراہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ”کوئی بات نہیں اگر تم صرف ایک کافی سمجھنا چاہتی ہو تو کوئی بات نہیں، میں بس اپنی نیت واضح کر رہا ہوں یہ نہ ہو کل میری ایفرٹس کے بدلے تم مجھے بھائی بنالو۔“ وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔ شاہ ویر اب اس سے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا اور وہ گاڑی کے شیشے پر ہاتھ رکھے ہنستی چلی گئی۔

(”مجھے نہیں پتا تھا مرد اپنی محبت کے لیے اتنا کچھ کر سکتا ہے۔“ عورت نے جھرجھری لی۔

”محبت تجسس اور خوش آمد کی ایک نئی ”فارم“ ہے۔ مرد ہو یا عورت جو کوئی بھی اس نشے میں مبتلا ہوتا ہے اس کے لیے باقی ساری دنیا بے معنی نہ بھی ہو تو اہمیت کے دائرے مختصر ہونے لگتے ہیں۔“)

ٹھنڈی کافی کے تین چار مگ گاڑی میں رکھے وہ اگلے دن انارا کو لیے بروکلین برج کی طرف آ گیا تھا۔ شام کا سمے تھا۔ جگمگ کرتی روشنیوں نے ہر طرف اجالا پھیلا رکھا تھا۔ انارا سفید شرٹ پر بھورے رنگ کا ٹرینچ کوٹ پہنے ہوئے تھی جبکہ شاہ ویر نے سیاہ شرٹ کے ساتھ وی نیک بٹن سوئیٹر اور سفید جینز پہنی تھیں۔ تیز ہوا ان کے لباس اڑا رہی تھی۔ کافی کے مگ تھامے وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے تھے۔

”تم نے اس دن کوئی پرفیوم کیوں نہیں خریدا؟ حالانکہ تم باہر کھڑے ہو کر دیکھ بھی رہی تھی۔“ وہ اس دن کا حوالہ دے رہا تھا جب وہ دونوں ٹائم اسکوائر پر پہلی مرتبہ ملے تھے۔

”مجھے پرفیومز سے الرجی ہے، لیکن میں خریدتی بھی ہوں کیونکہ مجھے پرفیومز جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔“ ذرا فاصلے پر کہیں کسی میدان میں ایک شادی کی تقریب ہو رہی تھی۔ وہ دونوں یہاں اونچائی پر کھڑے ہو کر تقریب دیکھ پا رہے تھے۔ دلہن دولہے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آسمان میں آتش بازی ہونے لگی۔ سارا آسمان روشن اور تاریک ہونے لگا۔

"انارا۔" رخ مکمل اس کی طرف موڑے اس نے مدھم آواز میں پکارا۔ "احمد کون ہے؟" کافی کا گھونٹ بھرتے ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے وہ ترچھا ہو کر کھڑا تھا۔

انارا نے آتش بازی سے نگاہیں ہٹا کر اسے تکا۔ "میرا بڑا بھائی۔" کہتے ہوئے بھی حلق رندھ گیا۔ لب کاٹے اور گردن جھکا دی۔ شاہ ویر کے سینے سے ہر بوجھ ہٹ گیا۔ "ہمارے درمیان بہت مسائل ہیں۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔ تمہیں اور تمہارے کام کو کرتا ہے۔" اپنے جوتے مسلتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔

"ہم دونوں بہت چھوٹے تھے جب ہمارے والدین کی طلاق ہو گئی۔ بھائی اماں اور ماموں کے ساتھ رہنا چاہتا تھا لیکن تحویل کی وقت مقدمہ کچھ اس طرح پھر گیا کہ اس کی تحویل بابا کو ملی۔ بابا کو ہم دونوں سے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا تھا انہوں نے یہاں نیویارک آکر دوسری شادی کر لی اور بھائی کی ذمہ داری چاچو پر آگئی۔" وہ شاید رو رہی تھی۔ شاہ ویر کو اس کی آواز گیلی لگی۔ اس کے کھلے بال کندھوں سے آگے ڈھلک کر گرے۔

"بھائی کو لگتا ہے سارا مسئلہ میں ہوں کیونکہ چاچو اور ماموں دونوں مجھے پسند کرتے ہیں۔ ڈیڈ نے مجھے نیویارک بلوا لیا اور اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ اس کے دل پر میری طرف سے ایسی برف جم گئی ہے جو میں چاہ کر بھی ہٹا نہیں پا رہی۔" آتش بازی زور و شور سے ہونے لگی۔ سیاہ آسمان قوس قزح کے ہر رنگ سے بھر گیا۔ بروکلین برج افسردگی سے اس لڑکی کی نم آنکھیں دیکھتی رہی۔ شاہ ویر چپ چاپ اسے سن رہا تھا۔ نیچے بہتے ہوئے پانی میں کئی روشنیاں منعکس ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ نہیں دیکھ رہا تھا سوائے آراہ کے۔

"تم اب کیا چاہتی ہو؟" نرمی سے استفسار کیا۔

"میں چاہتی ہوں میرا بھائی میرے ساتھ ٹھیک ہو جائے۔ میرا خیال رکھے، میرے ساتھ رہے عام بہن بھائیوں کی طرح مجھ سے لڑے باتیں کرے۔ آفٹر آل وہ میرا واحد خاندان ہے۔"

”یہ تو غلط ہے۔“ آراہ کو لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔ ”تم بہت خود غرض ہو رہی ہو۔ یہاں تمھاری ہر خواہش تم سے جڑی ہے۔ دلوں پر جمی برف ان لوگوں کے لیے پگھلتی ہے جن کے دل میں لالچ اور خود غرضی نہ ہو۔ کسی قسم کی نمود و نمائش کی خواہش بھی نہیں۔ دل اللہ کا گھر ہے تم اچھے دل سے اپنے بھائی کے لیے ہر وہ کام کرو جو ایک اچھی بہن کو کرنا چاہیے، میرا وعدہ ہے اللہ اس دل کو تمھارے لیے نرم کرے گا۔“

”تم اللہ کو مانتے ہو؟“ وہ متحیر سی اسے تکتی رہ گئی۔

”تمھیں ایسا کیوں لگا کہ میں نہیں مانوں گا؟“ وہ اس سے زیادہ حیران تھا۔ انارا نے آنکھیں رگڑ کر صاف کیں اور ایک بار پھر آسمان کو دیکھنے لگی جہاں اب ہوا میں مختلف رنگ بھر رہے تھے۔ ”تمھاری کتابوں میں کوئی شخص کسی بھی قسم کے عقائد سے ہٹ کر چلتا ہے۔ وہاں تم ایسی موٹیویشنل باتیں بھی نہیں لکھتے۔“

”ساری باتیں بچا کر رکھیں تھیں ایک دن تم سے جو کرنی تھیں۔“

”مجھ سے فلرٹ کرو گے تو پیپر اسپرے آنکھوں میں ماروں گی۔“ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

”اپنے ساتھ زیادتی کرو گی۔ میری آنکھوں کو کچھ ہو گیا تو کون تمھیں میری نظر سے دیکھے گا؟“ وہ ایک پل کو رکا، آنکھیں اس کی آنکھوں سے نہ ہٹائیں۔ ”انارا طارون کو کوئی شاہ ویر کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔“ جتایا، بتایا، اطلاع دی۔ وہ چند لمحوں کے لیے ٹھہر گئی۔

”تم..... تم کتنے بڑے فلرٹ ہو۔ حد میں رہو لڑکے۔“ مسکراہٹ دبائے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ شاہ ویر نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان اس کی اٹھی ہوئی انگلی پکڑی پھر ہاتھ پلٹا کر دیکھا۔

”مجھے یہ انگلی نہ دکھاؤ، میرا مقصد تو رنگ فنگر تک آنا ہے۔ بتاؤ پھر تم راضی ہو تو تمھارے ابا سے بات کروں؟“ آراہ نے بے اختیار رخ پھیرا۔ گال دہک اٹھے۔ شاہ ویر بنگش اتنے دن بعد ہیزل آنکھوں میں کتھئی رنگ گھلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ سرشار، سرخرو۔

(”محبت اتنی جلدی ہو جاتی ہے کیا؟“ میز کے گرد رکھی کرسی پر بیٹھی عورت پر سوچ نظروں سے اسے تکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”محبت بس ایک جذبہ ہے۔ اتنی جلدی یا اتنی دیر سے اس کا کیا تعلق۔ کبھی سڑک کنارے کھڑے کسی گداگر کو دیکھ کر ترس آتا ہے نا؟ روتے بچے کو دیکھ کر دل پسیجتا بھی ہے اور کسی جوڑے کی بے ضرر ہنسی ہنساتی بھی ہے، یہ سب بھی تو جذبات ہیں۔ فوراً آتے ہیں، فوراً جاتے ہیں۔ محبت بس ایک مضبوط جذبہ ہے۔ جو ایک بار دل میں جگہ بنا لے تو بہت مشکل سے نکلتا ہے۔“

”شاید!“ مرد کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ الجھ کر بولی۔ ”پھر کیا ہوا؟“ وہ اگلے ہی لمحے کہانی کا اگلا حصہ جاننے کو بے تاب ہوئی۔)

”تم نے بتایا نہیں تم میری فین کیوں نہیں ہو؟“ وہ ہسپتال کے پلنگ پر نیم دراز تھی۔ شاہ ویر کسی کتاب سے کچھ پڑھتے پڑھتے اسے سناتے ہوئے رکا۔ اس کی آنکھوں پر کھڑکی کے بلائنڈز سے آتی روشنی پڑ رہی تھی۔ چہرہ سنہری ساد کھائی دے رہا تھا۔ انارا نے اسے دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

”تم صرف کرائم تھرلرز اور مرڈر مسٹریز لکھتے ہو۔ انتقام، جنگ، قانون، خونریزی۔“ اس نے جھرجھری لی۔ ”میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم یہ سب نہ لکھو لیکن محبت کا کیا؟ ہیپی اینڈنگ کو اوور ریٹڈ کرنے کے چکر میں ہم اسے انڈر ریٹڈ کر رہے ہیں۔ تمھیں نہیں لگتا کہ قاری ایک خوبصورت سا روم کوم، دشمن سے محبت، نخریلا ہیرو اور زندہ دل ہیروئن کی محبت کی داستان پر حق رکھتا ہے؟“ اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا، آنکھوں کے نیچے حلقے بن رہے تھے۔ رف کرلز کی لٹیں چہرے پر پھسل رہی تھیں۔ اس لمحے دواؤں کی بو، چھن سے آتی روشنی اور تنگ حالات میں شاہ ویر کو معلوم ہوا کہ اگر اس نے کبھی کوئی محبت کی کہانی لکھی تو انارا طارون کے لیے، اسے دیکھ کر لکھے گا۔

”تم کبھی محبت کی کہانی ضرور لکھنا، شاہ ویر۔ ایک سادہ سی کہانی۔ old school type جہاں ڈھیر سارے مسائل ہوں۔ خاندان نہ مان رہے ہوں اور ہیرو ہیروئن کو وقت ملوا دے۔“ شاہ ویر بنگش پلکیں جھپکے بغیر دم سادھے اسے تک رہا تھا۔ الفاظ حلق کی دیواروں میں کہیں چُن دیے گئے۔

”محبت کی کہانی کون پڑھتا ہے؟“ اس کی آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔

”میں پڑھوں گی۔ مجھ جیسے ہزار لوگ پڑھیں گے۔ پڑھنے والوں کے لیے لکھو گے تو لکھ نہیں پاؤ گے۔ لکھنا اپنے لیے ہوتا ہے، پڑھنے والے اپنی کہانی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ کہانی کو قاری مل ہی جاتا ہے۔ کبھی بھی یہ سوچ کر مت لکھو کہ کون پڑھے گا؟ آرٹ پر صرف آرٹسٹ کا اختیار ہوتا ہے لوگوں کی پسند کی بندشیں آرٹ کو مار دیتی ہیں۔ تم کیوں اپنا آرٹ دفن کرنا چاہتے ہو؟“

”اگر میں کوئی محبت کی کہانی لکھوں تو تم پڑھو گی؟“ وہ کتاب ایک طرف رکھ کر اس کے پلنگ کے کونے پر آ کر بیٹھ گیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ وہ ہر ادب و آداب بالائے طاق رکھ گیا۔ وہ جیسے کسی خواب سے جاگا ہو۔ وہ کچھ بے قرار لگ رہا تھا۔

”بالکل پڑھوں گی، کیا تم واقعی لکھو گے؟“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دھوپ اب ان دونوں کے چہروں کے درمیان سے گزر کر کہیں غرق ہو رہی تھی۔ شاہ ویر نے بہ دقت اثبات میں سر ہلایا۔

”تم دیکھنا انارا میں ایک دن محبت کی کہانی لکھوں گا اور اسے تمہارے نام کروں گا۔“ اس نے وعدہ کیا۔

”as you should“ وہ نقاہت زدہ لڑکی مسکرا کر بولی۔ اس روز وہ مری کی انجان لڑکی نہ رہی، ٹائم اسکوائر پر ملنے والا کوئی تجسس بھی نہیں اور سینے میں مقید کوئی محفوظ خیال بھی نہیں۔ اس روز کے بعد انارا طارون شاہ ویر بنگش کا لازم و ملزوم جز بن گئی۔

★★★★★★★★★★★★★★★★

سرجری کامیاب ہوئی تھی۔ شجاع ایک طرف بیٹھ کر کمرہ کھلنے کا انتظار کرتا رہا مگر شاہ ویر جس کتاب سے انارا کو پڑھ کر کچھ سناتا رہا تھا۔ اس کی کتاب کے صفحے پھاڑ کر پیپر رنگز بنا رہا تھا۔ اضطراب دور کرنے کا یہ اس کا طریقہ کار تھا۔ چند گھنٹے بعد سب ٹھیک ہو گیا۔ آئی سی یو کے باہر کھڑے ہو کر دھندلے شیشے سے وہ اندر لیٹی لڑکی کو کتنے ہی منٹ تکتا رہا۔ اس کی آنکھیں نم ہوئیں پھر بے ساختہ ہنس پڑا۔ وہ کہانیوں میں محبت کی کہانی پڑھنا چاہتی تھی اور ایک لکھاری محبت کی تمام کہانیاں اس کے لیے لکھنے کو تیار تھا یا تو وہ خوش قسمت تھی، یا شاہ ویر کی قسمت۔

پھر دن اور رات بہت بدل گئے۔ وہ چند دن ہسپتال میں داخل رہی۔ شاہ ویر ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتا۔ صبح کی پہلی پو پھوٹنے سے رات کا اندھیرا آنے تک وہ اسے کہانیاں سناتا، کتابوں پر تبصرے ہوتے۔ وہ اسے منظر بندی کی کئی تکنیک بتاتا۔ گندی بُو والی گولی کھانے پر جب وہ منہ بناتی تب وہ ایک بار پھر اسے بہلا لیا کرتا۔ اس شخص میں شفقت تھی جس سے آراہ محروم نہیں رہی تھی لیکن حق سے حاصل بھی نہیں کر سکی۔ وہ دونوں ہسپتال کی کھڑکی سے ہر روز نیو یارک کا ڈھلتا سورج دیکھتے، بعض دفعہ گرتی برف اور آتی رات بھی۔ وہ اسے ہر روز نئی پیپر رنگز بنا کر دیا کرتا، انارا ہر روز ایک نئی رنگ پہنتی۔ کبھی کبھی وہ اس کی دس کی دس ہاتھ کی انگلیوں میں پیپر رنگز پہنا دیتا۔

”میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں میرے علاوہ کسی اور کے لیے زندگی میں گنجائش نہ رکھنا۔“ اس کی ساری انگلیاں بھر کر وہ ہر دفعہ یہی کہتا۔ وہ کافی پرانے مزاج رکھتا تھا۔ کوئی ایک ایسا لمحہ نہیں تھا جب انارا کو اس سے عدم تحفظات محسوس ہوئے ہوں لیکن وہ ایک عہد چاہتی تھی، جسے کرنے کے لیے وہ تیار نظر آ رہا تھا۔ سب کہانیوں جیسا تھا، اسے انت میں بس سب ٹھیک چاہیے تھا۔ سب ٹھیک ہی تو ہونا تھا۔

کسی کیفے میں بیٹھ کر جب وہ لکھتا تو انارا کو سامنے بٹھا لیتا، وہ ہر دفعہ پوچھتی تھی۔ ایسا کیوں اور وہ ہر دفعہ کہا کرتا۔ ”محبت کی کہانی ہے تمھیں دیکھے بغیر نہیں لکھی جائے گی!“ شاہ ویر نے انارا طارون کو کسی بے رنگ مصوری

سے قوس قزح میں تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن پھر وہ دن آیا جب کھوئی ہوئی شہزادی کو اپنے وطن واپس جانا تھا۔ یہ سب سے مشکل لمحہ تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★

موجودہ روز۔

لعل یمن کی تیز روشن بتیاں قدرے مدھم پڑ گئی تھیں۔ وہ شام جسے پر رونق ہونا تھا وہ عجیب مردنی سے بھرپور تھی۔ سہراب زیادہ وقت رکا نہیں۔ کچھ اس کا دماغ عالم کی وجہ سے پھرا ہوا تھا کچھ آمنہ کی کال، کھانا کھا کر وہ مری کی طرف روانہ ہو گیا۔ یافث انارا کو لیے اپنے فلیٹ چلا گیا جبکہ اسلان اور عالمگیر آج ایک ساتھ تھے۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے عبیر کو سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ اس کے بال تھپکتے ہوئے وہ اسے سلانے کی کوشش کر رہا تھا جب اسلان اپنی کتاب اور کافی کے دو مگ لیے نیم اندھیرے لاؤنج میں داخل ہوا۔ جہاں واحد روشنی وہی تھی جو ٹی وی کی جلتی سکرین سے ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ اس کی کتاب اب اختتام کی طرف تھی۔ مسئلے سارے ایک طرف اس نے کہانی شروع کر دی تو اب مکمل کیے بغیر اسے نیند نہیں آنی تھی۔

"اسکار کو مری جانے کی اتنی کیا جلدی تھی؟" عالم نے اسے بیٹھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"اپنا تبادلہ لاہور کروا رہے ہیں انہی کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔" اس نے کتاب اور مگ میز پر رکھا اور عالمگیر کی طرف آیا۔ اسلان دیکھ سکتا تھا کہ عبیر غیر آرام دہ انداز میں سو رہی تھی۔ "لائیں میں اسے اس کے کمرے میں سلا کر آتا ہوں۔" اس نے ہاتھ بڑھائے۔

"میرے کمرے میں سلاؤ اسے، پلنگ پر دیوار والی طرف سلانا اور کمبل مت ڈالنا اسے الرجی ہو جاتی ہے۔ کمفرٹر ڈالنا۔ زیرو بلب جلا کر آنا ورنہ ڈر جاتی ہے۔" اس نے ہدایات دیں۔

اسلان نے عبیر کو دونوں بازوؤں میں بھرا اور کمرے میں جا کر لٹایا۔ کمبل کے بجائے نرم سا کمفرٹر اس کے اوپر ڈالا اور باہر آ گیا۔ اب لاؤنج میں دوسری روشنی جلتے ہوئے سگریٹ کی تھی۔ جو عالمگیر کے لبوں میں دبا تھا۔ اس کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیں تھیں۔ ”تبادلہ کیوں؟“

”آپ کا بھائی ہے آپ خود پوچھ لو۔“ ٹی وی کی روشنی اب اسلان کی پشت پر تھی۔

”تو تمہارا ماننا ہے کہ بہن بھائی ایک دوسرے کو سب بتاتے ہیں؟“ اس نے گہرا کش بھرتے ہوئے سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔ ”اگر ایسا ہے تو تم اپنی بہن پر نظر کیوں نہیں رکھ سکے؟“

”میری بہن نے کیا گناہ کر دیا ہے؟“ کافی کا مگ اٹھاتے اسلان نے عالمگیر کی توقع کے برخلاف جواب دیا۔ ”جس لڑکے کو پسند کرتی ہے اسے ہم سے ملوانا چاہتی ہے اور ہمیں یہ اختیار دیا ہوا ہے کہ اگر ہم اسے پسند نہیں کر سکے تو وہ اسے چھوڑ دے گی۔ حالانکہ یہ اختیار بھی ہمارا نہیں ہے زندگی اس کی ہے۔ دوسری طرف آپ نے اور میں نے بھی کسی کو پسند کیا تھا۔ ہاں لیکن خاندان کی پرواہ ہم دونوں نے نہیں کی تھی۔ وہ تو پھر بھی سب کا بھرم رکھ رہی ہے۔“ عالمگیر نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں الگ ہی سرخی تھی۔

”میں آج اور ابھی اس کی پسند کو ناپسند کرتا ہوں اب آگے؟“

”کوئی بات نہیں۔ ایک آپ کے ناپسند کرنے سے کچھ نہیں ہو جائے گا۔ اصل مسئلہ میرا ہے انارا کا اصل وارث تو میں ہوں۔ ویسے بھی آپ کی اپنی پسند چند سال بعد مقتولہ کہلاتی ہے۔“

”تم مجھے قاتل کہہ رہے ہو؟“

”آپ انکار کریں۔ کہہ دیں ایسا نہیں ہے۔“ وہ دوبدو بولا۔ خوف تو اسے کسی کا تھا ہی نہیں۔

عالم چند پل پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر سر ایک بار پھر پیچھے گرا دیا۔ منہ ہی منہ کچھ بڑبڑایا بھی۔ ”تمہارا اپنا کیا ارادہ ہے آگے؟“

”پتا نہیں۔“ یکدم وہ اس موضوع سے اکتایا اور میز پر دھری کتاب اٹھالی۔ میٹرک کرلو تب پوچھا جاتا ہے آگے کیا ارادہ ہے؟ پھر آگے چند جماعتیں پڑھ لو تو ایک بار پھر پوچھا جاتا ہے، آگے کیا ارادہ ہے۔ سوال برا نہیں لیکن یہ سوال ہر کسی کے لیے نہیں ہوتا۔ آگے کے ارادے بعض دفعہ خاندان روند دیتا ہے، بعض مرتبہ کوئی شخص اور کئی مرتبہ کم مائیگی۔ اسلان کو کس وجہ نے رسن دار میں باندھا یہ سوال وہ خود سے نہیں کیا کرتا تھا۔

”شادی کرلو، اسلان۔“ کافی کا گھونٹ اس کے منہ سے فوارے کی صورت نکلا۔

”کیا؟“

”فارسی میں تو نہیں کہا میں نے۔“ میز پر رکھا اپنا مگ عالم نے اٹھایا اور انہی سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ”چھبیس سال کے ہو تم۔ مجھے یہ نہیں پتا تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ میں جاننے کی کوشش بھی نہیں کروں گا لیکن جب تم بتاؤ گے، میں اس کا حل نکال کر دوں گا۔“

”شادی ہر مسئلے کا حل نہیں ہے۔“

”عورت ہر مسئلے کا حل ہے۔“ وہ اب بھی اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا۔ ”اسکار الُو کا پٹھا ہے اور تمہارا باپ نرا گدھا۔ میں تمھیں سمجھ سکتا ہوں۔ پنار اب نہیں ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس طرح خود کو برباد کردو۔“

”کس زاویے سے میں آپ کو برباد لگ رہا ہوں؟“ عالم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔

”ماسٹرز آدھے میں چھوڑ کر بیٹھے ہو، دوست کوئی تمہارا ہے نہیں۔ بہن اور خاندان سے بنتی نہیں، ماں باپ سے تم ملتے نہیں۔ تمہارے پاس ہے کیا اسلان؟ اس عمر میں ہر انسان پرواز کرتا ہو اور تم فرش پر رینگ رہے ہو۔ تم خاک بھی نہیں ہو۔“ اس کا ہر ہر لفظ اسلان یمن کے دل میں کسی کانٹے کی طرح کھبتا جارہا تھا۔ ”کامیابی کی عمر میں تم ناکام ہو۔ میری بات مانو شادی کرو عورت سنبھال لیتی ہے۔“

”آپ کو کیوں نہیں سنبھالا؟“ وہ گردن پھیر کر ایسے کاٹ دار لہجے میں بولا کہ عالمگیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔”اب آپ بتاؤ گے کہ کامیاب ہونا اور اچھا ہونا کیا ہوتا ہے؟ آپ ایک کرپٹ آدمی ہیں۔ تین عورتوں کے قاتل، تین دفعہ جیل جاچکے اور کتنی ہی بار صرف پیسوں کی خاطر غلط کام کرنے والے۔ میرے تھیراپی سیشن پر وقت برباد کرنے سے بہتر ہے اپنے بڑے بھائی پر غور کرو۔“

”اسے کیا ہوا ہے؟“ اسلان اپنی جگہ سے اٹھا۔ آنکھوں میں تلواروں سی کاٹ لیے اسے دیکھا۔”ایک مری ہوئی عورت سے موو آن نہ کرنے والا مرد اس گھر میں صرف میں تو نہیں ہوں۔“

وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اندھیرے لاؤنج میں عالمگیر کتنی ہی دیر سناٹوں میں گھرا رہا۔ کیا سحر اب بھی؟

★★★★★★★★★★

آسمان پر ہنوز سیاہ بادلوں کی چادر تنی ہوئی تھی۔ بائیک چلاتے ہوئے اس کے ذہن میں مختلف واقعات اُبھر اُبھر کر آرہے تھے۔ جنہیں وہ جھٹکتا تو ان کا گھیرا مزید تنگ پڑتا۔ وہ کسی خاندانی بیٹھک میں تھا۔ دور کے ایک رشتے دار اس سے پوچھ رہے تھے۔

”ارے اسلان تم نے تو بورڈ ٹاپ کیا تھا نا؟ اب کیا کر رہے ہو؟ سنا ہے پڑھائی وغیرہ چھوڑ دی؟“ وہ انہیں کیا بتاتا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اپنی زندگی ضائع یا جامد۔ وہ انہیں کیا بتائے کہ ذہانت کو زنگ لگ چکا تھا، کتابیں اب زہر تھیں اور لوگ؟ وہ لوگوں سے ملنے سے کترایا کرتا تھا۔ اسے چپ رہنا پڑا۔

”تم نے اپنے ماں باپ سے ملنا کیوں چھوڑ دیا، اسلان؟“ یافث نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔”سب کے ماں باپ اچھے نہیں ہوتے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان انہیں چھوڑ دے؟“ وہ چیخ چیخ کر بتانا چاہتا تھا کہ اس کے ماں باپ نے اسے ہر اس موڑ پر چھوڑا جب جب اسے ان کی ضرورت پڑی۔ ان لوگوں نے ہمیشہ اپنا کیوں سوچا؟ اور اگر انہوں نے اپنا سوچا تو اسلان یمن بھی انہی کی اولاد تھا۔ خودغرضی میں ان جیسا خودغرض، کدورتیں پالنے میں

ان سے بڑھ کر کدورت پسند اور سچ یہ تھا کہ زندگی کے اس مقام پر اسے کسی ماں یا باپ کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی۔

وہ چپ رہا۔ بتاتا تو ملزم سے مجرم بنتا۔ کچھ کہتا تو کونسا یقین کر لیا جاتا۔ بعض دفعہ وہ سوچا کرتا تھا، زندگی میں سب سے بُری چیز کیا ہے؟ کم مائیگی، احساس محرومی، خراب تعلیمی ریکارڈ؟ پھر وہ ایک نقطے پر آ کر رک جاتا۔۔۔ چند لمحے سوچتا رہتا اور پھر فیصلہ کرتا۔۔۔ خود پر لوگوں کا اعتبار نہ رہنا۔ آپ دیواروں سے سر ٹکرائیں یا ہاتھ میں قرآن اٹھا کر کھڑے ہو جائیں، آپ بے اعتبار اور منکر ہی ٹھہرائے جائیں یہ ہوتی ہے زندگی میں زندہ رہتے ہوئے موت، یا جذبات پر چڑھایا جانے والا جمود۔

"جو اس نے کیا وہ غلط تھا لیکن وہ تمہاری محبت تھی، اسلان۔ کوئی اپنی محبت کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" اس کا دوست میر اس کے سینے پر دھکا دیتے ہوئے اس پر غرا رہا تھا۔ اسلان لڑکھڑایا، نگاہ جھکائی مگر لبوں سے کچھ بھی کہے بغیر چپ چاپ کھڑا رہا۔

ذہن کے تاریک خانوں میں کہیں دور پار سے پڑتی ماضی کی روشنی میں وہ دیکھ سکتا تھا کہ پنار کی گردن پر بازوؤں کا سخت گھیرا ہے، وہ مدد کے لیے چیخ چلا رہی ہے مگر کوئی اس کے لیے نہیں آیا۔ اسلان یمن کے نزدیک وہ گنہگار تھی لیکن وہ اسے ایسی سزا نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں، مزاحمت دم توڑ رہی تھی۔ وہ خالی خالی آنکھیں لیے کھڑا رہا۔ وہ گر گئی، اسلان نے اسے فرش پر گرتے ہوئے دیکھا، اس کی نبض چھوئی سب ساکن تھا۔ وہ اسے مار چکا تھا۔ وہ اس سب کی حقدار نہیں تھی، لیکن۔

منظر پانی کے بلبلے کی طرح فضا میں غائب ہو گیا اور حقیقت غالب آئی، وہ حقیقت جس میں اسلان یمن کی بائیک نیم اندھیرے میں ایک قبرستان کے باہر آ کر رک گئی تھی۔ باڑ کے قریب لگے چند پودوں میں سے اس نے رنگین

پھول توڑے، انگلیاں زخمی ہوئیں۔ قبرستان کا جنگلہ پار کیا اور اندر داخل ہوا۔ اسی لمحے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ آسمان پر تنی دھند لکے کی چادر سیاہ بادلوں میں بدل گئی۔ یوں جیسے اسلان شجاع یمن کا ماضی۔

”میں معافی مانگ رہی ہوں اسلان ہو گئی غلطی اب کیا کروں؟.... کیا تم نے کبھی کچھ غلط نہیں کیا؟......اب کیا اتنی سی بات پر میری جان لے لوگے؟......تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، اسلان۔“

”تم فکر مت کرنا، تمہارے ہر غم کا مداوا ہو گا۔“ نسوانی آواز ایک بھاری مردانہ آواز دونوں آپس میں گڈ مڈ ہونے لگیں۔ وہ ان کا گنہگار تھا اور یہ سائے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ اس کا ماضی سیاہ تھا، مستقبل میں کسی تابناکی کی کوئی امید نہیں تھی۔ وہ کیا کرتا کہ اس ماضی سے پیچھا چھڑوالیتا؟

”مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، پنار۔“ وہ شاکی چہرہ لیے پیچھے ہو رہا تھا۔ یہ ایک مکمل مسخ شدہ مرد کا چہرہ تھا۔ جہاں سانس تھی زندگی نہیں۔ لفظ تھے ہمت نہیں۔ جہاں محبت تھی، مگر اب سے دھتکاری ہوئی۔ ”یہ تم نے میرے ساتھ کیا کیا؟“ وہ دیوانہ ہونے لگا۔

ماضی کے فلیش بیکس، حال کے زور دار تھپیڑے، برستی ٹھنڈی ٹھار بارش اور پھر چمکتی بجلی میں اس کے قدم ایک جگہ رک گئے۔ ساکن و جامد۔ وہ ایک مٹی کا ٹیلہ تھا۔ مہذب لفظوں میں ایک قبر۔ اسلان شجاع یمن مجرمین کی طرح سر جھکائے وہاں کھڑا تھا۔ بوچھاڑ یکدم تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اس کی سفید شرٹ پوری طرح بھیگ گئی۔ انگلیوں کے پوروں پر کانٹے لگنے کے باعث قطرہ قطرہ خون گر رہا تھا۔ چہرے پر ننھے ننھے قطرے ٹھہر گئے۔ ہر ہر قطرہ ماضی کا عکس تھا۔ ہر ہر عکس موت تھا۔

”آئی ایم سوری۔“ ذرا سا جھک کر ہاتھوں میں پکڑے پھول قبر پر رکھتے وہ سیدھا ہوا۔ پانی اور خون کے قطرے بھی وہیں گرے۔ ”کسی کی زندگی پر میرا حق نہیں تھا۔“ حلق میں بہت کچھ اتارا، نمی قلق، حزن اور پشیمانی۔ ”کسی کی زندگی چھیننے پر بھی نہیں۔ آئی ایم سوری۔“

وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ کیچڑ، گیلی مٹی، اندر کی چبھن وہ ایک انسان اس وقت کیا کیا سہہ رہا تھا۔ کوئی جان جائے تو سہہ نہ پائے۔ اسے ہر وہ لمحہ یاد آیا جب اسے اپنا آپ طاقت ور اور پر اعتماد لگا اتنا کہ اس نے کسی کی زندگی کی پرواہ تک نہیں کی۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ عذاب مسلسل تھا جو کسی صورت اس کی جان بخشنے پر راضی نہیں تھا۔

"میں تا عمر اس غم سے نہیں نکل سکوں گا۔ یہ میں نے کیا کر دیا؟" اس نے چہرہ ہاتھوں میں گرا دیا۔ بارش تڑاتڑ برستی رہی۔ "کسی کی زندگی پر میرا کوئی اختیار نہیں تھا۔" طاقت بھرم نکلی۔ وہ اتنا کھوکھلا تھا کہ محض چھونے پر ہی ٹکڑے ہو کر گرے اور وہ گر گیا تھا۔ "آئی ایم سوری۔" برستی بارش اور اس کی گردان جاری رہی۔ یوں جیسے چھینی ہوئی زندگیاں پشیمانی ظاہر کرنے سے واپس آسکتی ہوں۔ ہک ہاہ۔

★★★★★★★★★★★

یہ وقتِ وداع تھا۔ چھ ماہ کے طویل قیام کے بعد اس کی اگلی پرواز اب اپنا "گھر" تھا۔ کمرے کی بتیاں گُل کیے وہ پلنگ سے نیچے فرش پر بیٹھا تھا۔ پائنتی سے کمر جوڑے لیپ ٹاپ چھوٹی سی میز پر دھرے شاہ ویر بنگش وہی کہانی لکھ رہا تھا۔ جس کی خواہش انارا طارون نے چند برس قبل کی تھی۔ یہ کہانی اس کا سکون تھی۔ وہ جب جب دنیا اور لوگوں سے تھک جاتا تب اسے لکھنے لگتا۔

یکدم اس کا موبائل تھرتھرایا۔ وہ جی بھر کر بد مزہ ہوا۔ اپنے مسودے کو دیکھ کر کوئی بہانہ کر کے اس سین کو ادھورا چھوڑنا چاہا لیکن لیپ ٹاپ پر لگے اسٹکی نوٹ پر لکھی خود ساختہ ڈیڈ لائن نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ آخری تاریخ تک کام نہ لٹکائیں تو کوئی لکھاری کیسے کہلائے؟

"بجتا رہے میں تو نہیں اٹھا رہا۔" آراہ نے فی الحال کال کرنی نہیں تھی اس کے علاوہ کوئی اور اتنا اہم تھا نہیں۔ وہ دوبارہ لکھنے لگا۔ ساتھ ساتھ زیر لب مکالمے پڑھنے بھی لگا کہ کہیں کچھ زیادہ نہ ہو جائے۔ ابھی وہ ایک ہی سطر لکھ پایا تھا کہ موبائل پھر بجنے لگا۔ "کیا مصیبت ہے پیچھے ہی پڑ گئے ہو کون ہے۔؟" وہ بدمزگی سے کہتے ہوئے مڑا اور

کمفرٹر کے اوپر دھرا موبائل اٹھایا۔ کسی غیر شناسا نمبر سے موصول ہونے والی کال پر وہ ٹھٹکا اب یہ سب یونہی خوف زدہ کیا کرتا تھا۔ یکدم مزاج خراب ہو گیا۔ اس نے دروازہ دیکھا جس پر لاک چڑھا تھا۔ کال کا جواب دیتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگایا اور ایک محتاط سا ہیلو کہا۔

”تم مجھے بھول تو نہیں گئے تھے، پرنس چارمنگ؟“ اس کی آواز مشینی تھی۔

شاہ ویر کی مٹھی بھینچ گئی۔ آنکھوں میں لہو اترا۔ ”بزدل اور بے غیرت مردوں کو یاد نہیں رکھتا میں۔“

”کس نے کہا میں مرد ہوں؟“ وہی کھردری، ہزار فلٹرز میں چھپی آواز۔

”پھر کون ہو تم؟ میں تم سے مل چکا ہوں تم۔۔“ وہ کہنا چاہتا تھا تم مرد ہو لیکن نہیں کہہ سکا۔ ضروری نہیں کہ جس نے اسے زخمی کیا تھا وہ ”وہی“ ہو۔ شاید وہ کرائے کے لوگ رکھتا ہو۔ شاید وہ اکیلا کام نہ کرتا ہو۔

”مرد، عورت یہ جنس تم لوگوں نے ایجاد کی ہے۔ میں جنسوں کی تفریق کو نہیں مانتا۔ میں خود کو مرد یا عورت نہیں محض ایک انسان مانتا ہوں۔ وہ انسان جسے قدرت نے ایک ذمہ دیا ہے۔“

”افسوس کہ میں تمہیں ایسا کچھ نہیں سمجھتا۔“

”فرق کسے پڑتا ہے، تمہارے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں تو میں اب یوں بھی مفلوج کرنے والا ہوں۔“ وہ کہہ رہا تھا اور شاہ ویر نے موبائل کان سے ہٹا کر نمبر نوٹ کیا، مسودے کو ہٹا کر تیزی سے لیپ ٹاپ پر اپنا واٹس ایپ کھولا۔ ”سنا ہے تم اپنے شہر واپس آ رہے ہو؟ اچھا ہے بہت اچھا۔ یہاں تو بہت آسانی رہے گی۔“

”میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں۔“ اسے بات میں الجھانے کی خاطر شاہ ویر نے بات کو طول دی۔ موبائل کان اور کندھے کے بیچ اٹکائے اب وہ شاہ زید کو پیغام لکھ رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔ اسی لیے اس دن تمہیں مارا نہیں کیونکہ تمہاری آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ تم نے فی الحال اپنا گناہ بھی تسلیم نہیں کیا مجھ سے معافی بھی نہیں مانگی اور۔"

"کس بات کی معافی؟ یقین کرو تمہاری ماں کے ساتھ میرا کوئی معاشقہ نہیں ہے۔" چیخ کر کہا۔

دوسری طرف وہ ہنسا۔ "اب تمہارے کھاتے میں میری غیرت پر وار کرنا بھی شامل ہو گیا ہے۔ میں چاہتا تھا تمہیں آسان موت دوں لیکن تم سے کھیل کر اتنا مزہ آ رہا ہے کہ اب میں اس قصے کو مزید کھینچنا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز میں کوئی جذبات نہیں تھے لیکن ایک جنونیت، ایک پاگل پن ضرور تھا جسے شاہ ویر محسوس کر سکتا تھا۔ جو اس کے اعصاب شل کر رہا تھا۔

"اس نمبر کی تفصیل نکلواؤ، کال پاکستان سے آ رہی ہے۔" اس نے زید کو پیغام بھیجا جو فوراً آن لائن آ گیا تھا اور اب "اوکے" لکھ کر کام پر لگ رہا تھا۔

"اپنے بھائی کو میرا نمبر بھیج رہے ہو؟" کندھے اور کان کے بیچ موبائل اٹکائے وہ ساکت رہ گیا۔ بے ساختہ اپنے اطراف میں نگاہیں گھمائیں۔ دل ایک پل کے لیے دھڑک نہ سکا۔ "یار چھوڑ دو یہ حرکتیں اس طرح تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گا میں۔ تم مجھ سے میری جنس پوچھ رہے ہو حالانکہ میں تمہیں خود ہی اپنی جنس بتا چکا ہوں۔ مجھ سے میرا شہر پوچھتے ہو میں وہ بھی بتا چکا ہوں اور میرا نام۔" اس نے گہری سانس لی۔ شاہ ویر کا سانس لینا محال تھا۔ سینے میں بہت کچھ مقید ہوا۔ "تعاقب میرا کام ہے تمہارا نہیں۔ تم اس طرح مجھے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ غور کرو پھر شاید تمہیں مل جاؤں۔ میں نے تمہاری موت کا دن بھی تمہیں بتا دیا ہے۔ اب ڈھونڈو، کھیلو میرے ساتھ۔"

کال کٹ گئی تھی۔ سکرین پر اب شاہ زید کے کئی پیغامات آ رہے تھے وہ اسے تسلی دے رہا تھا، بتا رہا تھا کہ وہ دونوں جلد از جلد کوئی حل ڈھونڈ لیں گے، اس نمبر کا مالک بھی مگر شاہ ویر نے کھٹ سے سکرین گرا دی۔ اب کمرہ اندھیرا تھا۔ شاہ ویر بنگش کے مستقبل کی طرح۔

★★★★★★★★★★★

اسلان یمن اگلے دو دن بعد اسی ڈھابے نما ہوٹل پر موجود تھا۔ کلیم سفری اس کی جرات اور زبان کی پابندی کو داد دیے بنا نہ رہ سکا۔ وہ دونوں پلاسٹک کی کرسیوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے موجود تھے۔ اس نے آج شلوار قمیض کے اوپر سردی کے باعث شال لے رکھی تھی جبکہ کلیم اپنے پرانے حلیے میں تھا۔ شاید وہ اس سوٹ کو پروفیشنل دکھنے کے لیے پہنا کرتا تھا۔ سگریٹ کے مرغولے ہوا میں اڑاتے وہ بے نیاز دکھ رہا تھا۔ اس کے برعکس اسلان نے ایک دو بار نگاہ گھما کر ہر طرف دیکھا تھا اسے اپنے اوپر کسی کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔

"پیسہ تو مل گیا اب اس کی فکر ختم کر دو۔" بیگ کو اپنی طرف کھینچتے کلیم باچھیں کھول کر مسکرایا مگر ابھی اس بستے پر اسلان یمن کی گرفت بھی پکی تھی۔ آنکھوں میں ٹھنڈک اور خالی پن۔

"تمہاری فکر ختم ہوئی میری تو اب شروع ہوئی ہے۔ اگر تم یہ پیسہ لے کر بھاگ گئے تو میں کیا کروں گا؟" وہ ٹھنڈی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "میں تم پر یقین کیوں کروں؟" کلیم حیران ہوا۔ وہ پیسے دینے کو تیار بیٹھا تھا اور اب یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہر پیسے کا حساب لے گا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں پیسے لے کر بھاگ جاؤں گا؟" اس نے چڑھائی کی۔

"جا بھی سکتے ہو فرشتے تو تم ہو نہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر رکھو اپنے پیسے اپنے پاس۔" وہ دھاک بٹھانے کو واقعی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسلان مطمئن نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "میں واقعی چلا جاؤں گا۔"

"ضرور جاؤ۔ اسلان یمن بہت کم ہیں لیکن اس شہر میں کلیم سفری بہت ہیں۔" وہ دھاک پر لعنت بھیجتے واپس بیٹھا۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ تھی۔

”سچ سچ بتاؤ تم کون ہو اور کیا کرتے ہو؟ جاسوس وغیرہ تو نہیں ہو؟“

”ہوتا تو ڈنکے کی چوٹ پر بتاتا۔ میں جو ہوں وہ تمھیں بتا چکا ہوں۔“

”کون؟“

”اسلان یمن۔“ کلیم نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ کچھ بھی اتنا سادہ اور آسان نہیں تھا جتنا نظر آ رہا تھا۔ اس لڑکے کے متعلق اس کی چھٹی حس سینہ کوبی کرتے ہوئے خبر دار، خبر دار کہہ رہی تھی۔ اور اب اسے خبر دار ہونا بھی چاہیے تھا۔

”مجھے تھوڑا وقت دو۔“ کنپٹی مسلتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا۔ ”میں ریاض سے بات کر کے ایک ہفتے کے اندر سب ٹھیک کرتا ہوں، پھر تمہیں ریاض کے دفتر بلواؤں گا۔ مجھے بیک گراؤنڈ چیک کرنا پڑے گا۔“

اسلان سمجھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”تمہارے پاس صرف اور صرف ایک ہفتہ ہے ایک ہفتے بعد ہمارے راستے الگ الگ۔“ چند نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔ ”یہ تمہارا چائے پانی۔“ کلیم نے نوٹ تھام لیے اسلان نے اپنا ہیلمٹ اور چابی اٹھائی، ایک بار کلیم کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ مشکوک نظروں سے اسلان کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

★★★★★★

”ایک ہفتہ بعد“

وہ دستک دے کر اندر داخل ہوا تو باس پہلے ہی فائلز کا انبار لگائے بیٹھے تھے۔ زید کو دیکھ کر ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔ ”آیئے سرکار آیئے۔ ہم آپ کے ملازم اسی انتظار میں تھے کہ آپ آئیں اور آپ کو آپ کی خبر دی جائے۔“ ایجنٹ انہیں زچ کرتا تھا اور وہ زید کو۔ یہ تو ہونا تھا۔ ایک سیر تو دوسرا سوا سیر۔

”باس ذرا جلدی بولیں میرا بھائی آج واپس آ رہا ہے اسے لینے ایئرپورٹ جانا ہے۔“

"تمہارا ہی کام ہے ورنہ یہ جو "آ" رہا ہے "وہاں" جائے گا جہاں سے کبھی آ نہیں سکے گا۔" انہوں نے طنز کیا۔

"آپ کے منہ میں خاک۔" وہ سلگ کر زیر لب بڑبڑایا۔ اتنا اونچا کہ وہ آرام سے سن لیں۔

"ایجنٹ آیا تھا۔" ارمغان نے تین لفظ کہے۔ زید بے اختیار کرسی پر ٹک گیا۔ سماعتیں ہمہ تن گوش، جسم کا ہر عضو کان۔ "اسے تم سے کوئی بات نہیں کرنی جو بات کرنی ہے وہ تمہارے بھائی سے کرنی ہے۔ تمہیں بیچ سے ہٹنا ہوگا۔"

"لیکن کیوں؟" وہ بے قرار ہوا۔

"میں نے بھی یہی پوچھا تھا۔"

"کیونکہ مجھے وقت ضائع کرنا نہیں پسند۔" ایجنٹ کی وہی جذبات سے خالی آواز فون کے دوسری پار سنائی دی۔ ارمغان نے تھوک نگلا۔ "اسے واپس پاکستان بلواؤ ہر اس چیز کے ساتھ جو جو اسے موصول ہوئی، ہر بات جو اس نے محسوس کی سب اسے یاد رہنا چاہیے۔ میں سالوں کی محنت کسی قسم کے بچگانہ رویے کی نظر نہیں کر سکتا۔"

"وہ اسے بچا تو لے گا نا؟"

"میں کسی کو نہیں بچا سکتا۔" منظر پھر بدلا۔ ایجنٹ کا جواب اور رویہ نہیں۔ "میرا کام کسی کو بچانا نہیں ہے میرا کام صرف اور اور صرف اس قاتل کی گردن پکڑنا ہے اور یہاں میں کسی کی زندگی کی ذمہ داری نہیں لے رہا۔"

ارمغان نے آگے کو ہو کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "تم اس قاتل کو کیوں پکڑنا چاہتے ہو؟"

"اٹس پرسنل۔" وہ سنبھل کر بولا۔ کرسی پر بیٹھا زید کتنی دیر سوچوں میں غرق رہا۔ اس کی کم سوچنے سمجھنے کی عادت بہت بری اور اچھی بیک وقت تھی۔ شاہ ویر کے معاملے میں کسی پر بھروسہ کرنا مشکل امر تھا لیکن جب تریاق نہ ملے تو زہر کو منہ میں بھر کر بھی تھوکنا پڑتا ہے۔

"اوکے۔" وہ ہارے ہوئے انداز میں کندھے ڈھلکا گیا۔ "کوئی پتا کوئی ملنے کی جگہ اس نے کچھ بتایا؟"

”میں میسج کر دوں گا، جب بھی اس نے کچھ بتایا۔“

شاہ زید نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ وہ جس تیزی سے آیا تھا۔ واپسی پر اس کے انداز میں اتنی ہی سست روی تھی۔ جتنی امید سے آیا تھا۔ واپسی پر اس سے زیادہ ناامیدی لیے جا رہا تھا۔ وہ دروازے تک پہنچا، پھر پلٹ کر ارمغان کو دیکھا۔ انداز ہارا ہارا تھا۔ ”وہ میرے بھائی کو نقصان تو نہیں پہنچائے گا؟“

”وہ خود خساروں کا مارا ہے۔ ایسے لوگ مدد نہ بھی کریں تو نقصان نہیں کرتے۔“ زید نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ایک پل کو ان پر پیار آیا، پھر لاحول ولا کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

★★★★★★★★★★★

سادات لاء فرم میں معمول کی چہل پہل تھی۔ وکلاء سیاہ سفید کا امتزاج بنے ہوئے عدالت جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بعض بُرے مزاج سے کسی موکل سے موبائل پر بات کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہر کسی کی زندگی متحرک تھی، سوائے عالمگیر یمن کے۔ ڈیڑھ دو لاکھ کا مہنگا سوٹ پہنے بالوں کو جیل سے پیچھے جمائے ہلکی بڑھی داڑھی والا کارپوریٹ وکیل تیز تیز قدم اٹھاتا کانفرنس روم کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جواہر صاحب کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ کوٹ کا ایک بٹن کھلا ہوا تھا۔ گزرے چند ماہ والا تکبر مفقود تھا۔ آج وہ ایک ایسے مرد کی طرح یہاں موجود تھا جس کی بنک کے کھاتے کا نمبر تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ جس کے پاس مواقع کم پڑ رہے تھے اور جو تین بار قید دیکھنے کے بعد معاشرے میں مقام بنانے آیا تھا۔ ہاہ! دیوانے کا خواب۔

”میرے پاس تمہارے لیے تین کام ہیں۔“ جواہر صاحب کے چہرے پر شادمانی تھی۔ ”لیراز آفیشلز چاہتے ہیں کہ تم ان کی کمپنی جوائن کر و اور۔“

”بچوں کی کینڈیز بنانے والی کمپنی ہے وہ اب میں ان کے لیے کام کروں؟“ وہ ان کی بات پوری ہونے سے قبل بھڑکا۔ جواہر صاحب نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

”اچھا پیسہ دے رہے ہیں وہ ان کا ایک مسئلہ اٹکا ہوا ہے۔“

”نیکسٹ۔“ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے ہاتھ جھلائے بڑی کوفت سے کہا۔ ساتھ انٹرکام اٹھا کر اپنے لیے کافی منگوائی۔ اس کا تو سر ہی دُکھ گیا تھا۔

”ایک اور کمپنی ہے وہ تین سال کا معاہدہ کرنا چاہتی ہے۔“

”آپ نے ان کو یہ بتایا کہ میں قید نہیں ہو کر رہوں گا؟ ان کے سارے مسئلے میں دیکھ لوں گا لیکن میں آزاد ہوں جس کے لیے چاہوں کام کروں۔ اگر وہ اس بات پر راضی ہیں تو ٹھیک ہے۔“

جواہر صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کوئی گدھے کی اولاد ہو گا جو تمہیں تین سالہ معاہدے کے پیسے بھی دے اور تمہیں باہر کام بھی کرنے دے۔ اگر ایک ہی دن میں دو دو سماعتیں ہوئیں تو کیا کرو گے؟ ایک ہی وقت میں دو جگہ کیسے پہنچو گے؟“

”وہ میری صلاحیت ہے آپ اس پر شبہ چھوڑ دیں۔“ ڈھٹائی سے کہا۔

”تم جب جب واپس آتے ہو میرا شوگر لیول اور بی پی بڑھا کر جاتے ہو، عالم۔“ شکوے سے کہتے ہوئے سربراہی کرسی پر آکر بیٹھے۔ تنفس پھول رہا تھا۔

”ایک بار مجھے واپس کام پر لگنے دیں آپ کا سیروں خون بھی میں ہی بڑھاؤں گا۔“

”گزر چکا تیرے اعتبار کا موسم۔“ طنزیہ انداز میں کہتے انہوں نے ریسیور اٹھایا اور ریسیپشن پر کسی کو ایک پیغام دیا۔ ”مسز ابتسام آگئی ہیں تو انہیں اندر بھیجیں۔“ انہوں نے ریسیور واپس رکھا اور عالم کی طرف دیکھا جو جھنجھلایا ہوا الگ رہا تھا۔ ”کیوں فکر کرتے ہو مل جائے گا کام۔“

”جہنم میں جائے کام مجھے پیسہ چاہیے۔ آپ کو پتا ہے نا میرا پیسہ کم ہونے لگے تو میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور مجھے عبیر کو اس اسکول سے نکالنا ہے اس کے لیے بھی رقم چاہیئے۔“ اسی پل اس کی کافی لا کر رکھی گئی۔ ”سہراب واپس آرہا ہے مجھے اوپر شفٹ ہونا پڑے گا اور وہاں کام رہتا ہے وہ کیسے ہو گا؟“

”پیسے کا اتنا جنون بھی اچھا نہیں ہوتا۔“ جواہر نے نصیحت کی۔ عالم کوئی جواب دینے لگا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ گھڑی کی طرف اشارہ کر کے جواہر صاحب کو بتایا کہ اسے جلد فارغ کرنا ہے۔ دستک دوبارہ ہوئی، جواہر نے اندر آنے کی اجازت دی تو ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ لمبی میز کے دونوں اطراف سربراہی کرسیوں پر وہ براجمان مرد اٹھ کھڑے ہوئے، میز کی دائیں طرف کمرے کے وسط میں کھڑی عورت کو دیکھ کر عالمگیر یمن جو کہ کچھ کہنے لگا تھا بالکل ساکت ہو گیا۔ کمرے میں دھوپ نہیں تھی لیکن اس کا سارا وجود جھلس کر رہ گیا۔

”یہ مسز ابتسام ہیں۔“ جواہر صاحب کہہ رہے تھے۔ ”انہوں نے ایک ماڈلنگ ایجنسی کے ساتھ دو سالہ معاہدہ کیا تھا اور معاہدے کے مطابق شوٹس کی کوئی تعداد طے نہیں تھی لیکن اب دو سال بعد چھ ماہ کی بقیہ پے منٹ دیتے وقت ایجنسی کا کہنا ہے کہ چونکہ چالیس سے کم شوٹس ہوئے ہیں اس لیے پیسے کم ملیں گے۔ دھوکہ ہو گیا ان کے ساتھ۔“ وہ آج بھی ویسی ہی تھی یا شاید عالمگیر کو ویسی نظر آ رہی تھی۔ وہی لمبے بھورے بال، کتھئی آنکھیں، خوبصورت نقوش اور پرکشش سراپا۔ عالم چبھتی ہوئی نظروں سے اسے تک رہا تھا، نظریں تو تاجور کی بھی مختلف نہ تھیں۔ دفتر میں یکدم عناد، کدورت، سراسیمگی بھر گئی۔

"کتنے پیسے؟"

"ستر لاکھ کے قریب کچھ۔" انہوں نے جھرجھری لی۔ "دنیا بڑی دغا باز ہو گئی ہے۔" عالمگیر چند قدم آگے آیا۔ تاجور کے عین سامنے نگاہوں کی وہ تپش، وہ بھینچے ہوئے جبڑے اور ان دونوں کے درمیان دکھائی دیتی کوئی آگ سی آگ۔ جواہر صاحب ٹھٹکے۔

"دغابازوں کے ساتھ دغا ہی ہوتی ہے، جواہر صاحب۔" تاجور کی آنکھوں میں دیکھتے چبا چبا کر کہا۔ "ابھی تو ان کے ستر لاکھ گئے ہیں جب ستر کروڑ ڈوب جائیں تب بھی میں اس عورت کا مقدمہ نہیں لڑوں گا۔"

"تم آج بھی اتنے ہی گھٹیا ہو، عالمگیر۔" پرس کی اسٹرپ مٹھی میں دبوچتے اس نے نفرت سے کہا۔

"بالکل تمہارے خاندان کی طرح، تاجور۔"

سادات صاحب بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھے۔ "عالم آرام سے کیا ہو گیا ہے کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"اسے میری نظروں سے دور کر دیں ورنہ میری چوتھی گرفتاری اسی کے قتل میں ہو گی۔" سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ اس کی رگ رگ میں لاوا ابھر گیا۔

"مجھے ہراس کر رہے ہو تم۔" وہ چیخی۔

"یہ تو تم لوگوں کا خاندانی پیشہ ہے میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"عالم گیٹ لاسٹ۔" سادات صاحب حلق کے بل غرائے۔ "کلائنٹ کے ساتھ بدتمیزی مت کرو۔"

"اس کی وجہ سے آپ مجھ پر چیخ رہے ہیں؟"

"تم ایک کلائنٹ کے ساتھ بدتمیزی کر کے ہماری ساکھ تباہ کر رہے ہو۔"

"ایسے اوچھے ہتھکنڈوں میں تو یہ شروع سے ماہر رہا ہے۔" تاجور تنفر سے بولی۔

”تم سے ہی سیکھے ہیں اور اوچھے ہتھکنڈے تو تم آزمارہی ہو، ایک میری زندگی تباہ کر کے دل نہیں بھرا جو اب تمہارا بھائی میری بھتیجی کی زندگی میں داخل ہورہا ہے؟“

تاجورنا سمجھی سے اسے دیکھے گئی۔ ”کیا بک رہے ہو تم؟“

”اسے سمجھادو اگر اگلی بار وہ میری بھتیجی کے آس پاس بھی دکھائی دیا تو اس کی لاش گھر جائے گی۔ میں تمہارے سارے خاندان کو چوک پر الٹا لٹکاؤں گا اگر تم لوگ میری بھتیجی کے قریب بھی آئے۔“

”عالمگیر اگر تم اگلے ایک سیکنڈ میں یہاں سے دفع نہ ہوئے تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔“ سادات صاحب سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھائے لرزتی آواز میں اسے تنبیہہ کر رہے تھے۔ عالمگیر نے زہر خند نظروں سے تاجور کو دیکھا اور ایک پر شکوہ نگاہ سادات صاحب پر ڈالتا باہر نکل گیا۔ اس کے سارے جسم میں آگ ہی آگ بھر گئی۔ اب وہ خاکستر ہو یا کرے؟

★★★★★★★★★★★★

سہراب سے گاڑی لے کر وہ مری سے لاہور کے لیے نکل رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اپنے لیے سیاہ سفید کے امتزاج کا لباس منتخب کیا اور نشست پر براجمان ہوا۔ اس کا ذہن منتشر تھا۔ ابھی وہ کالونی سے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے سٹریٹ پول سے ٹیک لگائے ہوئے کوئی کھڑا دکھائی دیا۔ اسلان کی آنکھیں پھیل کر سکڑیں، بیک ویو مرر میں اس نے بے حد غور سے وہ چہرہ دیکھا یہ وہی تھا اس کیفے میں نظر آنے والا۔

عالمگیر کے ساتھ بیٹھے اسے کسی کی مشکوک نظر خود پر محسوس ہوئی اور یہ آج نہیں کافی دنوں سے ہو رہا تھا۔ احمد اسلان نے گردن پھیری تو کونے والی میز پر ہڈی کی ٹوپی سے سر ڈھکے کوئی اسی کا ہی ہم عمر لڑکا تھا جو بار بار اس طرف دیکھ رہا تھا۔ بغیر کسی ردِ عمل کے چہرہ موبائل پر جھکا لیا اور کیمرہ کھول کر ہلکا سا زوم کیا جہاں وہ لڑکا چھپ کر

اسی کی تصویر بنا رہا تھا۔ ”آہ جاسوس؟“ وہ بس سوچ سکا اور بتاثر چہرے سے جاسوس کے پُرزے بعد میں توڑنے کا فیصلہ کرتے وہ اپنی کافی گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

واپس حال میں آؤ تو اب وہ گاڑی روک چکا تھا۔ دوسری طرف وہ جو کوئی بھی تھا اس اچانک افتاد پر بھاگتے ہوئے پکڑے نہیں جانا چاہتا تھا لہٰذا مجبوراً ٹھہر گیا۔ اسلان اس کے چہرے پر بے آرامی دیکھ سکتا تھا۔ گاڑی کا دروازہ زور سے بند کرتا ہوا وہ باہر نکل آیا۔ چہرے پر سخت کر ختگی تھی۔

”ارے اسلان تم یہاں؟“ وہ مصنوعی خوشگواری سے کہتے ہوئے آگے آیا۔ یہ انہی لڑکوں میں سے ایک تھا جن سے چند دن قبل اسلان ڈانس کلب میں ملا تھا۔ ”میں یہاں گھومنے آیا ہوا تھا سوچا تم سے مل لوں تم گھر پر نہیں تھے اور میں بس نکل ہی رہا تھا۔ دیکھو تم مل بھی گئے۔“

”کہاں جا رہے ہو؟“ سیاہ چمڑے کی جیکٹ میں گاڑی پر بازو ڈالے اسلان اپنے سامنے کھڑے لڑکے کا مکمل جائزہ لیتے مشینی آواز میں بولا۔ انداز اکھڑا اکھڑا تھا۔

”میں تو بس گھر جا رہا تھا۔“

”یاسر مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم باس کا کوئی پیغام لے کر آئے ہو اور میرا پیچھا کر رہے ہو؟“ لگی لپٹی اس نے پہلے کب رکھی تھی جو اب رکھتا۔

یاسر پہلے چونکا پھر سنبھل گیا۔ ”تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟“

”میرے سامنے یہ ڈرامے بازیاں مت کرو، یاسر۔“ اسلان اگر زیرک تھا تو سامنے والا ماہر اداکار۔

”تم مجھے عنقریب ان کا پیغام لاتے ہوئے دیکھو گے اسلان۔ کیونکہ تم ان کی کالز نہیں اٹھا رہے، ان کے میسجز کا جواب نہیں دے رہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“ وہ دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ مگر لہجے میں کچھ ایسا تھا جو سر سراتا ہوا ریڑھ کی ہڈی تک جائے۔

"اسی لیے اس نے تمہیں میری نگرانی پر لگا دیا؟ تم کیفے میں بھی تھے پھر یہاں آ گئے ہو اور۔" وہ ایک پل کو رکا اور اسلان کے سامنے آکر ٹھہرا۔

"تم کسی سفری دلال سے بھی ملتے ہوئے نظر آ رہے ہو اگر میں تم پر نظر رکھ رہا ہوں تو مجھے بتاؤ ایسی صورت میں مجھے باس کو کیا رپورٹ دینی چاہیئے؟" اس کی نظریں مقابلے کی دعوت دے رہی تھیں۔

"کیا رپورٹ دینا چاہتے ہو تم؟" وہ بغیر اثر لیے بولا۔ لہجہ وہی دوٹوک۔

"دیکھو اسلان میں تمہیں سمجھا رہا ہوں سمجھ جاؤ جو باس چاہتے ہیں وہ کر لو۔ یہ پہلی بار نہیں ہے تم پہلے بھی ان کے ہزار کام کر چکے ہو، ایک اور بار اگر کر لو گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر تم چاہتے ہو میں اوکے "رپورٹ بھیجوں تو آئندہ مجھے ریاض کے دفتر میں نظر نہ آنا اور نہ ہی باس کو نظر انداز کرنا تمہارے اور میرے لیے یہ بہتر ہے کہ تم۔"

"اوکے۔" اس کی بات پوری ہونے سے قبل اسلان یمن پوری تابعداری سے بازو سینے پر باندھتے ہوئے بولا۔ یاسر ٹھہر کر اچھنبے سے اسے دیکھے گیا۔ پھر ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔

"میں تمہیں اضافی رقم بھی دے سکتا ہوں، باس نے کہا ہے اپنے کام پر فوکس کرو۔" وہ کام سے لاعلم تھا بس پیغامات لانا اس کا کام تھا۔

"اوکے۔" وہ ایک بار پھر اسی تابعداری سے بولا۔ خود پیچھے ہوا یوں کہ یاسر کا ہاتھ خود بخود نیچے گرا۔ اس کے کندھے ڈھیلے پڑے اس نے اسلان کا بازو تھپتپایا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی، اسلان۔"

"تم میری نگرانی چھوڑ دو یہ میری طرف سے آخری مشورہ ہے۔ورنہ پھر کچھ ہو گا اور تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔" اسلان نے بازو جھٹکا تو یاسر کا ہاتھ ایک بار پھر اس کے پہلو میں آ کر گرا۔"میں "کاز" اور "افیکٹ" پر یقین رکھتا ہوں۔وجہ تم دے رہے ہو اور اثر تمہیں پسند نہیں آئے گا۔"

"اسلان باس نے کہا۔"

"تمہارا باس میری جوتی کی نوک پر۔۔۔۔" اس کی سپاٹ آنکھوں میں کچھ کرخت سا ابھرا۔"دوبارہ میرے یا میرے خاندان کے قریب نظر مت آنا ورنہ تم ابھی مجھے جانتے نہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میں کسی کو کوئی نقصان پہنچاؤں۔تمہیں تو بالکل نہیں۔" سختی سے کہہ کر یاسر پر ایک سخت نگاہ ڈالتے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔چہرہ سردی نہیں طیش کے سبب سرخ پڑ رہا تھا۔وہ خاموش تھا، پرسکون تھا، کہاں کچھ کر رہا تھا؟ لیکن یہ دنیا اسے یقین تھا یہ دنیا اسے مجبور کرے گی کہ وہ کچھ کرے اور وہ "کچھ" مہذب تو ہرگز نہ ہوتا اتنا اسے بھی یقین تھا۔گاڑی دوبارہ سڑک پر ڈالتے جیکٹ کی چڑھی آستین سے دکھتی اس کی مضبوط بازوؤں کی رگیں اُبھری ہوئی تھیں۔طیش سے، تنفر سے۔

★★★★★★★★★★

"لاہور ایئرپورٹ"

وہ پنجوں کے بل اوپر کو ہوتے ہوئے رش میں اسے تلاش کر رہا تھا۔ڈھیر سارے ہجوم اور لوگوں میں بلاخر اسے وہ نظر آ گیا۔سیاہ رنگ کے سلیکس کے ساتھ سفید کف شرٹ پہن رکھی تھی جس کے کف سرمئی سوئیٹر سے نظر آ رہے تھے۔وہ شاہ زید کے سامنے آیا تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔شاہ ویر نے بیگ وہیں گرا دیا اور اس کی طرف دوڑا۔زید اسی تیزی سے اس کے قریب آیا اور اس نے شاہ ویر کو گلے سے لگا کر اوپر اٹھایا۔دنیا کا سارا سکون مٹھی میں بھر کر زید کے دل پر رکھ دیا گیا۔سکون، سلامتی سب یہی بھائی ہی تو تھا۔

"کوئی مجھ سے ناراض تھا؟" اسے یونہی گلے سے لگائے شاہ ویر نے ہنس کر کہا۔ گرفت اس پر بڑھائی، یہ دوری اس پر بھی تو بھاری تھی۔ "کیا کریں لوگوں میں تو غیرت ہی نہیں رہی۔"

"غیرت اور دماغ کے اسکرو تو اب میں ٹھیک کروں گا۔ ذلیل نہ ہو تو۔" زید نے اسے نیچے اتارا اور خفگی سے اس سے دور ہوا۔ شاہ ویر ہنوز مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو اس کے کندھے تھپک رہا تھا۔ چھ ماہ کی دوری تھی، چھ سیکنڈز میں ختم کیسے ہوتی؟ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

"کیا ہوا ڈارلنگ اب بھی ناراض ہو؟" شاہ ویر نے اسے کھینچ کر دوبارہ گلے لگایا۔ زید نے دھکا دے کر اسے دور ہٹایا۔

"اب ناراضگی چھوڑ دو یار۔" زید کا چہرے دونوں ہاتھوں میں تھامتے اس کی گردن ہلکی سی اپنی طرف جھکاتے شاہ ویر نے اس کا ماتھا چوما۔ "دیکھو اب تو مان جاؤ یار اپنی آراہ سے پہلے تم سے مل رہا ہوں۔" زید نے اس کے کندھے پر تھپڑ جڑا پھر بازو اس کے گرد پھیلایا۔ سر نفی میں ہلاتے شاہ ویر کو مغلظات بکتے وہ دونوں اپنی گاڑی کی طرف جانے لگے۔ زید اسے تمکنت کے متعلق کچھ بتا رہا تھا۔ شاہ ویر سنتے ہوئے آس پاس دیکھتا ہوا جا رہا تھا۔ لوگ ان کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ وہ لوگوں میں "اپنی" توجہ کا چہرہ تلاش کر رہا تھا۔

"پھر میں نے ہی مام کو کہا کہ وہ نہ آئیں۔ میں تمہیں لے آؤں گا۔ حسین بھی آنا چاہتا تھا۔"

شاہ ویر چلتے چلتے رک گیا۔ جہاں زید کی گاڑی کھڑی تھی وہیں ذرا سے فاصلے پر وہ بھی تھی۔ لباس ہلکا گلابی، بال کھلے ہوئے اور مدھم میک اپ میں بھی وہ عام سا چہرہ شاہ ویر کو سب سے نمایاں نظر آیا۔ وہ اسی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ ہر تھکن اتر گئی، ہر کوفت غائب ہو گئی۔

"یہ یہاں بھی آ گئی؟" شاہ زید نے اس کی نظروں کی تقلید میں دیکھا تو ٹھٹکا۔ "اس دن اس کے چچا اتنے غصے میں گئے تھے مجھے تو لگا اسے دوبارہ تم سے ملنے نہیں دیں گے۔"

”کسی کی اتنی جرات کہ انارا طارون کو مجھ سے دور کرے؟“ ہلکی سی دھوپ میں وہ دمکتے چہرے کے ساتھ اسی طرف تک رہی تھی۔ شاہ ویر کو دیکھتے اس کے رخسار سرخ ہوئے، پھر اس نے ہاتھ ہلایا۔

”ویر تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں جلدی مل لو پھر ہم گھر چلیں گے۔“

”ہم آراہ کو اس کے گھر بھی چھوڑیں گے۔“ فیصلہ سناتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔ شاہ زید کے لب "اوہ" کے انداز میں گول ہوئے۔ بات تو پتے کی تھی۔ قدم قدم چلتے ہوئے وہ اس کے سامنے آ کر رک گیا۔ گہری کتھئی آنکھیں، ہیزل آنکھوں سے ملیں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ انارا بھی اس کے ساتھ ہلکا سا مسکرائی۔ وہ اس طرح کھڑی تھی کہ ایئرپورٹ کے اندر جاتے اور باہر نکلتے لوگوں کی نگاہ سے اوجھل تھی۔

”میں پاکستان آنے پر سب سے پہلے تمھیں ہی دیکھنا چاہتا تھا۔“ اس نے جھک کر آراہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، وہ پہلے جھینپ گئی پھر دھیرے سے ہاتھ چھڑوایا۔ جسے شاہ ویر نے دوبارہ تھاما اور اب کے گرفت مضبوط تھی۔ اسے یہ ہاتھ چھڑوانا ناگوار گزرا تھا۔

”ویلکم ہوم!“ اس نے آسمانی رنگ کے پھولوں کا گلدستہ اس کی طرف بڑھایا جسے شاہ ویر نے تھام لیا۔ ہلکا سا سونگھا، پھر دوبارہ اسے دیکھا۔

”واقعی اب تم یہ کہہ سکتی ہو۔“

”کیا؟“

”ویلکم ہوم۔“ وہ اب بھی اسی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ نگاہیں مسلسل اسی کے چہرے پر جمی تھیں۔ باقی ساری دنیا تو غیر ضروری اور اضافی ہو گئی تھی۔ ہر طرف شور تھا اور شاہ ویر کے ارد گرد ایک آواز، ایک چہرہ۔

”میں یہاں تک آ گئی ہوں وہ بھی تمہارے بلانے پر اب میں گھر جاؤں گی ورنہ چاچو غصہ ہوں گے۔“

”یہ تمہارے چاچو تم پر اتنا حکم کیوں چلاتے ہیں؟“ پھول گاڑی کے اوپر رکھتے شاہ ویر نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آراہ نے بے اختیار رخ بدلا، شاہ ویر محظوظ ہوا۔

”وہ سرپرست ہیں میرے۔“

”اچھا پھر شادی کے بعد تمہارا سرپرست کون ہوا؟“ اس کا ایک ہاتھ چھوڑ گلدستے سے ایک چھوٹا سا پھول نکال کر اس کے بالوں میں اٹکاتے مکمل توجہ سے پوچھا۔

”تم۔“ آراہ نے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

”ویری گڈ، چاچو سے کہو تیار رہیں۔ گن گن کر بدلے نہ لیے تو شاہ ویر بنگش نام نہیں اور تم شادی کے بعد میکے کو بھول جانا اچھا؟“

”ریڈ فلیگ ہے یہ، اب بھی وقت ہے جان چھڑوا لو۔“ شاہ ویر کا بیگ اٹھاتے وہ کب ان کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا دونوں دیکھ نہیں سکے۔ آراہ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔

”اب تو دیر ہوگئی۔ اسی کے ساتھ گزارا کرنا پڑے گا۔“

”صاف صاف کہو تم مجھ سے بڑا ریڈ فلیگ ہو۔“ شاہ ویر خفا ہوا۔ ”چلو گاڑی میں بیٹھو باقی حساب وہیں ہو گا اور میں تمہیں گھر بھی چھوڑ دوں گا۔ کافی پینے چلیں؟“

”نہیں میں مینج کر لوں گی اور کافی آج نہیں۔“

”مجھے لگتا ہے تمہیں پروپوز کرتے وقت وہ آخری ہاں تھا جو میں نے سنا تھا۔“ اس نے انارا کے لیے دروازہ کھولا۔ ”اس کے بعد تو میری ہر بات پر تم نے انکار ہی کیا ہے۔“

"آؤنا۔ انا راہم چھوڑ دیں گے۔" زید نے شائستگی سے پیشکش کی تو چاروناچار اسے گاڑی میں بیٹھنا پڑا۔ شاہ ویر سے اسے یوں بھی مسئلہ نہیں تھا اسے معلوم تھا شاہ ویر ضرور اسے کچھ کھلانے یا خرید کر دینے کے لیے رکے گا۔ وہ منع کرتی رہ جائے گی لیکن وہ مانے گا نہیں اور زید کے سامنے اسے یہ سب بُرا لگنے والا تھا۔ وہ کیا سوچے گا؟

"کل شام کہیں کافی پینے چلیں؟" گاڑی گھر کے راستے پر تھی اور پچھلی نشست پر بیٹھا شاہ ویر اسے دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ "فکر مت کرو کہیں نہیں رکے گی گاڑی تمہیں غیر آرام دہ نہیں کروں گا۔" وہ بار بار اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی تب شاہ ویر نے بہت محبت سے اسے تسلی دی۔ "کیا کہتی ہو؟"

"کل ممکن نہیں ہو گا۔ کل۔۔۔۔ دراصل۔۔۔۔۔۔" وہ بولتے بولتے پھر چپ ہو گئی۔

"اچھا جانے دو۔ یہ بتاؤ تم نے وہ سیریز مکمل کر لی جو کل شروع کی تھی؟" وہ اس کی بے آرامی محسوس کر گیا تب ہی بات بدل گیا۔ ملے گا تو وہ کل ہی، اب بہانے ردی تھے، رکاوٹیں خاک۔

★★★★★★★★★★★★★★

تھانے میں اسے ایک چھوٹی سی دعوت دی گئی جس میں اس کے لیے وہی روایتی پہاڑی کھانا بنا۔ باتیں ہوئیں، قہوے کے دور چلے اور پھر وہ رخصت لے کر گھر آیا۔ گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ گلی میں ایک ٹرک کھڑا تھا جس میں دو لوگ سامان اندر سے لاتے ہوئے ٹرک میں بھرتے جا رہے تھے۔ سہراب گاڑی کا دروازہ لاک کرتے اندر آیا تو اسلان کو صحن کے بیچوں بیچ کھڑے پایا۔ وہ ابتر سے حلیے میں مٹی مٹی بال لیے سامان اٹھا اور اٹھوا رہا تھا۔ وہ خوش تھا یا نہیں سہراب اندازہ نہیں لگا سکا۔ بس مصروف نظر آ رہا تھا۔

"تم نے کھانا کھا تو نہیں لیا؟" سہراب آگے آیا۔ اسٹیل کا ایک ٹفن اس کی طرف بڑھایا۔

"گھر میں جو مرغ مسلم پڑے تھے انہیں کھانے کا دل نہیں کیا۔" وہ ہمیشہ کی طرح کوفت سے بولا اور ڈبہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ "اس کو سارے سامان کے اوپر رکھنا شیشے کے برتن ہیں۔" وہ پٹھان مزدور سے پشتو میں بولا۔

"باقی سامان میں اٹھوا لیتا ہوں تم اندر جاؤ کھانا کھاؤ پھر ہمیں نکلنا ہے دیر ہو رہی ہے۔"

"آپ چلے جاؤ میں گھر کی چابی مالک مکان کو دے دوں گا۔ ٹرک بھر گیا ہے بس ایک دو ڈبے رہ گئے ہیں، میں سامان کے ساتھ ہی آؤں گا۔" اس نے ایک ڈبہ اٹھا کر بوڑھے مزدور کو اٹھانے میں مدد دی۔ سہراب نے فکر سے اسے دیکھا۔ کل رات سے اب تک وہ ایک ایک سامان اکٹھا کرنے اور باندھنے میں جتا ہوا تھا۔ بغیر سوئے ساری رات جاگ کر کام کرنے کے بعد اب اگر وہ ٹرک کے ساتھ آتا تو یہ ناانصافی ہوتی۔ اس کے ساتھ بھی اور اس کی کمر کے ساتھ بھی۔

"ٹرک کے ساتھ میں آؤں گا تم میری گاڑی لے جاؤ۔"

"رہنے دیں کہیں ٹُھک گئی تو آپ وقت سے پہلے مرنے والے ہو جاؤ گے۔"

"کمال ہے تم گاڑی ٹھوکنے سے ڈر رہے ہو؟ تم وہ نہیں ہو جو کیس پراپرٹی پر اپنی گرل فرینڈ گھماتا تھا؟" وہ مسکرا رہا تھا۔ اسلان ایک لمحے کے لیے بالکل ساکت رہ گیا۔ دن کا اجالا ایک لمحے کے اندر اندر غائب ہوا، ماضی کی چادر آسمان پر اس تیزی سے تن گئی کہ اسلان یمن کو اگر کچھ نظر آیا تو وہ چند سال قبل کا منظر تھا۔ وہ منظر جو بھولے نہیں بھولتا تھا یا شاید اس نے کبھی بھولنا چاہا ہی نہیں تھا؟

ان دنوں سہراب یمن لاہور کے نزدیک ایک چھوٹے سے شہر بھکر میں تعینات تھا۔ تھانے کے نزدیک اسے ایک مکان ملا ہوا تھا جس میں اسلان اور وہ رہتے تھے۔ اس وقت اسلان چائے کا تھرماس اور شامی کباب تَل کر لایا تھا کہ سہراب نے آج تھانے میں عوامی خدمت کا ٹھیکا لیا ہوا تھا اور اس کی ذمہ داریاں بھتیجے کے سپرد کی تھیں۔

"تم سے دو تھرماس کہا تھا ایک کیوں لائے ہو؟" سامان اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر رکھتے ہوئے سہراب مدھم مگر غصیلی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"گھر میں دودھ اتنا ہی تھا اور میں بائیک پر دو دو تھرماس کیسے اٹھاتا؟"

"ٹھیک ہے اب جاؤ اور ڈھابے سے ایک اور چائے کا تھرماس بھروا کر لاؤ۔" اس نے جیب سے پیسے نکال کر اسلان کو دیے۔

"بائیک خراب ہے میں نہیں جا رہا۔" ٹکا سا جواب۔ ساتھ ساتھ وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کرتا رہا۔

"پانچ منٹ کا ہی فاصلہ ہے تم پیدل بھی جا سکتے ہو۔" وہ سختی سے بولا تو اسلان لب بھینچ کر رہ گیا۔ موبائل پر بار بار "لائم لائٹ" کے پیغامات آرہے تھے۔ "اپنی اس ماں کو کہو تھوڑی دیر صبر کر لے پیچھے ہی پڑ جاتی ہے۔"

پچھلے دو سال کے اندر اندر پنار اور اسلان ایک دوسرے کے کافی قریب آ گئے تھے۔ اس کی روح تک کانپ جاتی اگر وہ چند منٹ کے لیے بھی پنار کو لعل یمن لے جاتا لیکن یہاں الگ ہی معاملہ تھا۔ اسلان کئی دفعہ اس کے والدین سے مل چکا تھا وہ دونوں اکٹھے مری، سوات، کالام، کراچی، یا ملک کے کسی بھی حصے میں "چھٹیاں" گزارنے نکل جاتے تو پنار کے والدین کو اعتراض نہ ہوتا۔

ہاں ایسے کسی بھی دورے سے قبل اسلان شجاع یمن پوری طرح غیر آرام دہ ہوا کرتا تھا۔ شادی سے پہلے کسی لڑکی سے ملنا جہاں اس کے ماحول میں برا سمجھا جاتا تھا وہیں پنار کے ماحول میں "بوائے فرینڈ" کے ساتھ کہیں بھی آنا جانا ملک اور بیرون ملک کے دورے بھی "زمانہ بدل رہا ہے" کہہ کر قبول کر لیے جاتے۔

"آپ کا کام ہو رہا ہے نا؟ میرے کام میں مت پڑو۔ دوبارہ اس کے بارے میں کچھ مت کہنا۔" بے زاری سے کہتے کال اٹینڈ کرتے ہوئے وہ تھانے سے باہر آیا۔ احاطے میں ایک نئی ہیوی بائیک کھڑی تھی۔ اسلان کی آنکھیں چمکیں وہ اسی طرف چلا آیا۔ ہیوی بائیکس سے اس کا عشق سچا تھا، لیکن خریدنے کی استطاعت نہیں تھی۔ قریب آ کر نشست تھپتھپا کر دیکھی۔ ٹینکی پر کچھ داغ تھے بائیک کسی اور کی تھی لیکن دکھ اسے ہوا۔

"میں تمہارے لیے اسلام آباد سے یہاں آگئی ہوں اور تم تھوڑی دیر کے لیے ملنے نہیں آسکتے؟" پنار لاڈ سے کہہ رہی تھی۔ "پاپا بھی ساتھ آئے ہیں۔ وہ بھی تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔" اسلان یمن سے وہ جب جب کوئی فرمائش کرتی وہ دنیا یہاں سے وہاں کر کے اس کی ہر فرمائش پوری کرنے کی کوشش کیا کرتا۔

"تم کہاں ہو ابھی؟" بائیک کے دائیں بائیں ٹانگیں رکھ کے نشست نشین ہوتے اس نے پنار سے پوچھا۔ "میں پہنچ رہا ہوں۔" نشست کی پشت پر ٹنگا ہیلمٹ اتارتے ہوئے اطلاع دی۔ حوالدار نے اسے دیکھا اور روکنے کی کوشش کی مگر تب تک وہ تھانے کی حدود سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کیس پراپرٹی کو ہواؤں میں اڑاتے ہوئے پنار سکندر کو پیچھے بٹھائے بھکر شہر کو سر پر اٹھائے ہوئے گھوم رہا تھا۔ پنار اس کی زندگی کا سب سے حسین وقت تھی۔ وہ اسلان پر متعدد پابندیاں لگاتی، اسے زچ کرتی، بار بار بلاک کرتی، ذلیل بھی کرتی مگر وہ تھا کہ ہر شے سہے چلے جاتا کیونکہ اسے لگتا تھا اگر اس کا باپ بھی اس کی ماں کی باتیں برداشت کرتا تو گھر چل سکتا تھا۔ ان کا گھر ٹوٹ گیا لیکن اسلان یمن اپنا اور پنار کا تعلق نہیں توڑے گا۔ وہ دونوں ایک گھر بنائیں گے اور ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔

پنار کو واپس اس کے ہوٹل میں اتارتے وہ پول سائڈ اس کے والد کے ساتھ بیٹھے تھے۔

"آج رات یہیں رک جاؤنا۔" بے فکری اور لگاوٹ سے کہتے اس نے اسلان کے گھٹنے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ پنار کے والدین کی موجودگی میں سرخ ہوا، پہلو تہی چاہی۔

"میں کیسے رک سکتا ہوں؟" اس کا ہاتھ نامحسوس انداز میں ہٹاتے وہ جھجکا۔ "میں کل دوبارہ ملنے آجاؤں گا۔"

"تم رک بھی سکتے ہو۔" یہ پیشکش پنار کے والد سکندر کی طرف سے ہوئی۔ اسلان انہیں بے حد پسند تھا۔ کم گو، ذہین اور لامحدود علم رکھنے والا لڑکا۔ جسے وہ کسی بھی محفل میں متعارف کرواتے اور اسے ایک موضوع دے کر اس کی چابی بھر دیتے تو وہ اگلے کئی منٹ کسی رٹو طوطے کی طرح بولتا ہی چلا جاتا۔ ان کے دائرے میں خوش شکل

اور امیر لڑکے بہت تھے مگر ذہانت۔۔۔ انہیں اسلان کی ذہانت بہت بھاتی تھی۔ جس کی ان کے پورے دائرے میں کمی تھی۔ ”میں ویسے بھی آگے کراچی جا رہا ہوں کام کے لیے۔ میرا روم خالی ہو گا۔ پنار اکیلے یہاں کیا کرے گی۔“

”آفر کے لیے تھینکیو سر لیکن میں یہاں آرام دہ نہیں ہوں گا۔“ اس نے شائستگی سے معذرت کی۔ پنار کا ہاتھ جو کہ اس کے بازو کے پھولے ہوئے پٹھوں کے گرد لپٹ رہا تھا، اسے ہٹایا۔ اب کے انداز میں واضح ناگواری تھی۔ پنار نے اسے گھور کر دیکھا تو اسلان نے ”ابھی نہیں پلیز“ زیرِ لب انگریزی میں التجا کی۔

کچھ دیر بعد وہ اسے ہوٹل کی پارکنگ تک چھوڑنے آئی۔ پنار کے ایک ہاتھ میں کافی کا کپ تھا جبکہ دوسرے میں موبائل اٹھائے وہ کسی کو مسیج بھیج رہی تھی۔ لبوں پر شرمیلی سی مسکان تھی۔

”تم کیمرے سے اتنا گھبراتے کیوں ہو؟“ ایک قدم آگے چلتا اسلان ناگوار تھا۔ ”اتنے جینئیس ہو تم، اچھے خاصے گڈ لکنگ بھی ہو پتا ہے جب تمھیں اپنی ایک ویڈیو میں دکھایا تھا میں نے لوگ تب سے تمہارے بارے میں پوچھتے ہیں اور تم ہو کہ میرے ساتھ ویڈیوز ہی نہیں بناتے۔“ پارکنگ میں لگی اُجلی بتیوں میں اس کا دودھیا سراپا مختصر اور چست سے لباس میں واضح نظر آ رہا تھا۔ اسلان نے ہر دفعہ کی طرح نظریں ہٹائیں۔

”مجھے کیمرہ نہیں پسند، پنار۔ تمھیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آتی ہے؟“ اس کا انداز ناگوار تھا۔

”ایکسکیوزمی۔ یہ تم مجھ سے کس ٹون میں بات کر رہے ہو؟“ اس کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔

”میری ٹون نظر آ رہی ہے مگر اپنی حرکتیں نہیں؟ میں نے تمہیں کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ مجھے اس طرح کے پیچ پسند نہیں ہیں، خاص طور پر تب جب ہم ایک دوسرے کی فیملی کے ساتھ ہو۔“ اس کا چہرہ اب تک سرخ ہو رہا تھا۔ پنار اپنے والد کے سامنے اس کے کندھے پر سر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ کبھی وہ اس کے بازو کے گرد اپنا بازو باندھ لیتی اور کبھی اس کے بازو پر ٹھوڑی ٹکا لیتی۔ وہ آدھے گھنٹے کی ملاقات اسلان یمن کے لیے پُل صراط سے کم نہ تھی۔

”کم از کم ہم دونوں کے درمیان باؤنڈری ہونی چاہیے۔“

پنار نے اس کی گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کا چہرہ اپنی طرف جھکایا۔ اسلان مارے ضبط کے لب بھینچ کر رہ گیا مگر گردن جھکالی۔ یہ لڑکی اس کی عزت نہیں کرتی تھی۔ بھرے بازار میں اس کے سینے پر کافی کا کپ مار دیتی تھی، اسے ایذا دینے کی خاطر اپنی اونچی ایڑھی کی نوک اس کے پیر پر رکھ دیتی تھی، کئی دفعہ اسے تھپڑ مار دیتی، اس کے کہیں آنے جانے پر روک ٹوک لگاتی اور اگر وہ خلاف ورزی کرتا تو کئی کئی دن تک اسے ذہنی اذیت دیتی۔ اگر اسلان کے گھر میں اسے محبت کا بھرا ہوا پیالہ ملا ہوتا تو باہر آکر وہ اس طرح زہر پینے پر مجبور نہ ہوتا۔ اگر اسے کسی نے بتایا ہوتا کہ صحت مند تعلقات کی ظاہری شکل کیسی ہوتی ہے تو وہ اس طوق کو گلے سے ضرور اتار پھینکتا۔

”تم اچھی طرح جانتے ہو کتنے لڑکے مجھ پر مرتے ہیں۔ کتنے پروپوزلز ٹھکرا کر میں نے تمہیں چنا، دولت، فیم، خوبصورتی کیا نہیں ہے میرے پاس، اور اب تم مجھے بتاؤ گے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟“ اپنے سے کئی انچ بڑے اور جسامت میں دگنے لڑکے کے منہ پر طنز کرتی وہ لڑکی متکبر تھی۔ ”اور کس باؤنڈری کی بات کر رہے ہو تم، کیا تم میں اور مجھ میں کوئی باؤنڈری باقی ہے؟“ پارکنگ میں کچھ لوگ ان کی بات سنتے پلٹے۔ ان کی تمسخر بھری نگاہوں پر اسلان کا دل کیا وہ زمین میں دفن ہو جائے۔

”میرے شوٹس کے دوران جب میں کسی بھی دوسرے شہر جاؤں تو تم میرے ساتھ ہوٹل روم تک شیئر کرتے ہو اور اب تمہیں اخلاقیات کے درس یاد آرہے ہیں؟ ہمارے درمیان کونسا پردہ ہے؟“

”پنار آہستہ بولو سب سن رہے ہیں۔“ اسلان نے اس کی کہنی تھامنی چاہی مگر وہ بدک کر دور ہٹی۔

”میں آہستہ بولوں اور تمہارے ڈبل اسٹینڈرڈز کا کیا، اسلان؟ ہم دونوں اس تعلق میں بہت آگے نکل چکے ہیں اور اب گلے لگانا، ہاتھ لگانا اس سب سے تمہیں مسئلہ ہو رہا ہے، مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ تم اپنے خاندان جیسے دقیانوس ہو۔“

”تم جانتی ہو مجھے روز اول سے مسئلہ رہا ہے۔ اس قسم کے تعلق کے لیے میں پہلے دن سے ہی انکاری تھا تم ہر دفعہ مجھے فورس کرتی رہی ہو اور....“ وہ رکا اس کی مدھم سی آواز بھی پنار کے سر پر ہتھوڑوں کی طرح برس رہی

تھی۔ ”میں تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اب مجھ سے یہ سب نہیں ہو گا، یہ غلط ہے۔ تم بہت خاص ہو لیکن میں اب کوئی حد پار نہیں کرنا چاہتا۔“

”اس ملک میں ہر دوسرا تیسرا جوڑا یہی سب کر رہا ہے۔ تم کس زمانے میں جی رہے ہو، کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ وہ استہزائیہ ہنسی اور اپنی کافی کا گھونٹ بھرا۔

”یہ بے حیائی ہے۔“ گردن اٹھاتے پنار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بے حد ہلکی آواز میں کہا۔ ”it makes me uncomfortable“ مجھے کئی کئی دن نیند نہیں آتی۔ اپنا آپ غلیظ لگتا ہے تم سے محبت ہے، بہت ہے لیکن....“ اس نے پنار کو دیکھا۔ گہری بھوری آنکھوں میں التجا تھی۔ ”پلیز پنار ہم شادی کر لیتے ہیں۔“

وہ جیسے بے یقین ہو کر رہ گئی۔ ”تم پوری طرح پاگل ہو چکے ہو۔ ہماری عمریں دیکھو ہم شادی کر سکتے ہیں؟“

”ہم ساتھ گھوم سکتے ہیں، چوبیس گھنٹے کال پر بات کر سکتے ہیں، ہم کمرہ شیئر کر سکتے ہیں، ہم حدود پار کر سکتے ہیں تو ہم شادی کیوں نہیں کر سکتے؟“ وہ تلملایا۔

”کیونکہ کوئی نہیں کرتا اور جو چیزیں تم نے گنوائی ہیں وہ آج کل ہر دوسرا کپل کر رہا ہے تم اور میں کوئی نرالے نہیں ہیں۔“ وہ اب بھی ڈھٹائی سے اپنے موقف پر قائم تھی۔

”ساری دنیا غلط کرے تو کیا ہم بھی وہی کریں؟“ وہ اب غصہ میں آیا۔

پنار سر نفی میں ہلاتے ہوئے پیچھے ہونے لگی۔ ”یو نو واٹ اسلان؟ جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا یہ اسلامی درس۔“

”اسلام کو بیچ میں مت لاؤ، تم جانتی ہو، میں کتنا مذہب کو مانتا ہوں۔ یہ بس میرا ضمیر ہے۔“

”اپنے ضمیر کے ساتھ جہنم میں جاؤ۔“ وہ غرائی۔ ”شادی مائی فٹ۔“ یہ تعلق بڑا ہی یکطرفہ تھا۔ یہاں اصول پنار کے، فیصلے پنار کے، عزت اور وقار بس اسی کا۔

"پنار میری بات سمجھنے۔" اسلان نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا جب جواباً اس نے ہاتھ میں اٹھایا کافی کا کپ اس کی شرٹ پر اچھال دیا۔ ہر دفعہ جب وہ جبر کے اس تعلق میں اپنی طرف سے کسی ترمیم کی کوشش کرتا یونہی ذلیل ہو جاتا۔

"تم بہت پچھتاؤ گے، اسلان۔ تمہیں اندازہ ہو گا کہ تم نے کیا کیا ہے۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ "دوبارہ مجھے کال نہ کرنا اور میرے گھر آنے کی جرات تو ہرگز مت کرنا۔ it's over۔"

"میں بھی تمہارے لیے مرا نہیں جا رہا۔" اس نے کہہ تو دیا مگر وہ اس بات پر اچھا خاصا پچھتانے والا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اسی گندی شرٹ کے ساتھ وہ بائیک پر آ کر بیٹھا ابھی اس نے گیئر ڈالا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اسلان نے مڑ کر دیکھا۔ تیوری چڑھ گئی۔ "ہاں بھئی کیا مسئلہ ہے؟"

"یہ میری بائیک ہے تمہارے پاس کیسے آئی؟" دو لڑکوں میں سے ایک بولا۔ اسلان کے چودہ طبق روشن ہوئے مگر ڈھٹائی پر اس کا راج ہی راج تھا۔ "تم نے بائیک چوری کی ہے؟ تھانے چلو میرے ساتھ ابھی کے ابھی۔" آس پاس لوگ اسی طرف متوجہ ہونے لگے۔ سہراب کی کالز الگ آ رہی تھیں شاید حوالدار اسے اسلان کا کارنامہ بتا چکا تھا۔ صد شکر کہ وہ کوئی پڑھے لکھے خاندان کے لڑکے تھے۔ ورنہ چوروں کی درگت بناتے پاکستانی عوام کو وقت کب لگتا ہے؟

"تھانے کی بائیک ہے ایس ایچ او نے بھیجا ہے مجھے چلو تھانے چلتے ہیں۔" سہراب کا کہا ہوا کام اس نے کیا نہیں، پنار ناراض ہو گئی تھی اور اب یہ نیا قصہ گلے پڑ گیا۔ اسکار آج اسے اچھی طرح دیکھے گا اسے یقین تھا۔

تھانے میں تو جو عذاب ہوا سو ہوا۔ لڑکوں کی ضد تھی کہ اسلان یمن پر ایف آئی آر کاٹی جائے۔ سہراب کا زور تھا کہ کوئی بھی معاملہ وہ اس پر آنے نہیں دے گا۔ ایس ایچ او اور تھانے کا سارا عملہ سہراب کی طرف تھا۔

”آپ غلط کر رہے ہیں افسر۔ ہم نے چور کو آنکھوں سے دیکھا ہے ہماری بائیک پر بیٹھا ہوا، ہمارے سامنے دیدہ دلیری سے غائب کروا دیا آپ نے؟“

”میرا بیٹا ہے وہ۔ ایف آئی آر بڑی بات ہے اس پر شکایت بھی درج نہیں ہوگی۔ ابھی تو میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ بائیک ہمیں ایک ریڈ میں ملی ہے اگر آپ نے زیادہ زبان کھولی تو میں اسی بائیک پر ہونے والے دس ڈاکے آپ کے بیٹے پر ثابت کروں گا۔“ سہراب ان دو لڑکوں کے ساتھ آئے آدمی سے کہہ رہا تھا۔

”یہ غلط ہے آپ میرے بچے کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔“

”سوال میرا بھی یہی ہے۔ جب آپ کو بائیک مل رہی ہے تو آپ میرے بچے کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟“ وہ اپنی جگہ سے ہل جاتا تو نقصان اس کی اوٹ میں کھڑے بچے کا ہوتا۔ کچھ دیر بعد معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا تو سہراب گھر آیا۔ اسلان کو گدی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا اور مارے طیش کے بلند آواز میں غرایا۔

”تم پولیس پراپرٹی پر لڑکی گھما رہے تھے؟“

”میری لڑکی ہے گھماؤں گا آپ کو کیا تکلیف ہے؟“ وہ جواباً تلخ ہوا۔

”اسلان میں تھپڑ ماروں گا۔“

”کیوں جلن ہو رہی ہے؟ میرے پاس لڑکی ہے اور آپ کے پاس نہیں؟“ وہ اسی ڈھٹائی اسی ضد کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ سہراب کچھ دیر اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتا رہا اور پھر بھاری ہاتھ کا ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ اسلان ساکت رہ گیا۔ اس روز سہراب یمن نے پہلی بار اسے تھپڑ مارا تھا۔ یہ آخری بار ہرگز نہیں تھا۔

حال میں وہ خالی خالی نگاہیں لیے سہراب کو تک رہا تھا۔ اسے پنار یاد آئی تھی، وہ تھپڑ، پہلے والا سہراب یا کیا؟

★★★★★★★★★★★★

”ایک بات پوچھوں؟“ اسے گھٹن ہو رہی تھی سو کھڑکی کھول دی۔ سرد ہوا کے تھپیڑے مرد پر یوں بھی بے اثر تھے۔ وہ ہنوز آدھی آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اب یہی تھپیڑے ”اس“ پر بھی بے اثر رہے۔ ”اسلان یمن کو پنار سکندر سے محبت کیوں ہوئی؟“

”تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ محبت کی ہر دفعہ کوئی وجہ ہوتی ہے؟“

”مجھے لگتا ہے اگر آپ کسی بھی انسان کو اپنی زندگی میں اہمیت دیتے ہیں تو اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ اس کی کوئی ادا آپ کو بے حد پسند آجاتی ہے یا پھر اس کا چہرہ وہ چہرہ ہوتا ہے جو آپ کو اچھا لگنے لگتا ہے یا پھر وہ انسان آپ کی زندگی کا کوئی خلا بھر دیتا ہے اور بدلے میں آپ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔“

”تمہاری محبت میں تو بڑے حساب کتاب ہیں۔“ قصہ گو نے تبصرہ کیا، لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

”میں بس حقیقت بیان کر رہی ہوں۔“ کاغذات جمع کرتے وہ اس تک آیا۔

”ایک وجہ تم بھول گئیں۔“ لڑکی نے سوالیہ نگاہیں اٹھائیں۔ ”خوف.... کوئی انسان اگر ہمارا خوف ختم کر دے تو ہمیں اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ پنار سکندر نے اسلان یمن کا بھی خوف ختم کیا تھا۔ اکیلے رہ جانے کا، گھر ٹوٹ جانے کا۔ اسے لگا وہ مضبوط عورت ہے، ساتھ نبھائے گی۔“ وہ سو میں سے دو سو فیصد غلط تھا۔

★★★★★

آشیانہ بنگش میں ملازمین کی دوڑیں لگی ہوئی تھیں۔ میز پر کئی اقسام کے کھانے رکھے تھے۔ سربراہی کرسی پر تمکنت بیٹھی تھی اور اس کے دونوں اطراف شاہ زید اور شاہ ویر۔ رئیس، اس کی بیوی اور بیٹا بھی اسی میز کے گرد جمع تھے۔ ”جب میں کہہ رہی تھی واپس آؤ تب تو اتنے بہانے بنا رہے تھے اب کیسے آگئے تم؟“ تمکنت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بہت نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

”انارا کے گھر سے الٹی میٹم آیا ہے، رشتہ لایا جائے ورنہ ہیر کو کھیڑے لے جائیں گے۔“شاہ زید نے سر پلیٹ پر جھکائے جواب دیا۔

”ہیر، کھیڑے واٹ نان سینس۔ یہ تم کس طرح کی زبان استعمال کرنے لگے ہو؟“تمکنت یکدم بھڑکی۔”ایک لو کلاس کی طرح باتیں کرنا کب چھوڑو گے تم؟“شاہ زید کی عام سی زبان اور بولنا اس کے لیے ہمیشہ مسئلہ رہا تھا لیکن آج مسئلہ وہ ایک نام تھا۔"انارا"۔

زید کے جبڑے بھینچ گئے۔ مہنگی کٹلری والی پلیٹ پر جھکا سر اٹھا کر اس نے اپنی ماں کو دیکھا۔”ساری کلاس اور بادشاہت کے لیے آپ کا بیٹا ہے نا شاہ ویر طلال بنگش۔ مجھ معصوم کو بخش دیں مام۔ منہ ٹیڑھا کر کے نہ بولنا اگر لو کلاس ہونے کی نشانی ہے تو میں وہی سہی۔“ اس نے کہا اور پھر اپنی پلیٹ میں چاول نکالے، جلے پر نمک چھڑکتے ہوئے چمچ کی بجائے ہاتھ سے کھانے لگا۔ اپنی ماں کو چڑا کر اسے سکون ملتا تھا۔ جب اس کی ماں کو شاہ ویر اور تاج کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا تو وہ کیوں پرواہ کرے؟

”مام مجھے آپ سے اسی بارے میں بات کرنی تھی۔“کھانے سے ہاتھ روکے بیٹھے شاہ ویر نے ماں کو مخاطب کیا۔”دراصل انارا کے گھر والے چاہتے ہیں کہ ہماری طرف سے کوئی عہد ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔“

”تم پاکستان واپس آئے کیونکہ انارا چاہتی تھی۔ اب ہمیں پروپوزل لے کر جانا ہے کیونکہ اس کے گھر والے چاہتے ہیں اس سب میں ہم کہاں ہیں؟ وہ لوگ جو کہے جا رہے ہیں ہم مانتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا اس طرح ہوتے ہیں رشتے؟“اس کی سفید رنگت میں سرخیاں گھل رہی تھیں۔ وہ نرم سی عورت بلند آواز میں کہتے ہوئے ہانپ رہی تھی۔ رئیس ٹھوڑی تلے ہتھیلی ٹکائے دلچسپی سے سب سن رہا تھا۔”تم بالکل اس لڑکی کے غلام بن چکے ہو۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، شاہ ویر۔“

وہ جس نے مکمل توجہ سے ساری تقریر سنی۔ رومال سے لب تھپتھپاتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ کرسی گھسیٹنا بھی اسے لرزا گیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنی ماں کے خلاف جا رہا تھا۔ ”مجھے بھی آپ سے یہ امید نہیں تھی، مام۔“ اس نے بس یہی کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے ہال سے باہر نکل گیا۔ تمکنت دم سادھ کر رہ گئی۔ اس کا فرمان بردار بیٹا جو اتنی سانس لیتا تھا جتنی اس کی ماں کہے وہ اس طرح کتنے ہی لوگوں کے درمیان اسے رسوا کیے جا رہا تھا؟ متحیر تو وہاں بیٹھے باقی سب بھی ہوئے شاہ ویر کا ایسا ردعمل انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔

اب میز پر صرف کشیدگی نہیں تھی۔ اب حیرت تھی، تمکنت بنگش کی طرف سے۔ جتاتا تاثر تھا رئیس اور اس کی شریک سفر کی طرف سے۔ اور ناگواری تھی شاہ زید بنگش کی طرف سے۔

”کبھی تو انسان کو انسان سمجھ کر اسے اپنی مرضی کرنے دیا کریں مام۔ ہر کسی کو اپنا غلام سمجھ کر رکھا ہوا ہے۔“ زید نے کرسی دھکیلی اور اسی طرف چلا گیا جہاں شاہ ویر گیا تھا۔

”چونکہ اعزازی ڈنر کا مہمان خصوصی ہی یہاں نہیں رہا تو ہمیں بھی چلنا چاہیے۔“ نایاب مخدوم نزاکت سے پلیٹ ہٹاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی۔ رئیس پر فرض تھا کہ اس کی تائید کرے۔ ان کے جانے پر ان کے جوتوں اور ہلکی آواز میں ہوئے طنز کی آواز تمکنت تک آتی رہی۔

ہر کوئی جب چلا گیا تو وہ ہال میں اکیلی رہ گئی۔ ہر آواز بند، ہر چہرہ غائب۔ وہ تاریک پڑتی رنگت کے ساتھ اکیلی بیٹھی رہ گئی۔ یعنی شاہ ویر نہیں تو کوئی نہیں؟ یہ خیال اس کے ذہن میں اٹک کر رہ گیا۔ ہمیشہ کے لیے۔ اسی لمحے دروازے کے فریم میں اس کی جوانی کی تشبیہہ نمودار ہوئی۔ نم آنکھیں، بکھرے بال، رویا رویا چہرہ۔ وہ اذیت میں لگتی تھی۔ تمکنت شل تھی وہ اس سے کچھ پوچھ بھی نہ سکی۔

”آپ نے کہا تھا مام کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ نے کہا تھا میں اسے بھول جاؤں گی، وہ مجھے بھول جائے گا سب ٹھیک ہو گا۔ وہ آدمی کبھی میرے معیار تک نہیں آسکے گا۔“ آنکھیں رگڑ کر صاف کرتی وہ آگے آئی۔ ”آج وہ

وہیں ہے جہاں کئی سال پہلے تھا۔ اس کی اولاد بھی ہے کیریئر بھی۔ وہ آج مجھ پر چیخ رہا تھا ماں۔" انگشت شہادت سے سینے پر دستک دی۔ اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں دکھ کم، تنفر زیادہ۔ "آپ کو پتا ہے ایسا کیوں ہوا؟" تاجور اس کے قریب آکر رکی۔ تمکنت نے مردہ ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ شاہ ویر جس لڑکی کو اس گھر میں لا رہا ہے وہ عالمگیر یمن کی بھتیجی ہے۔" کوئی سیسہ تھا جو اس بوڑھی عورت کے کانوں میں انڈیلا گیا۔ اس کی دو اولادیں اسی خاندان کی وجہ سے اس کے خلاف ہو رہی تھیں اور تیسری کی تکلیف کا سرا بھی انہی سے جا کر مل رہا تھا۔ کئی برس بعد یہ خاندان اسے کہاں لا کر مار رہا تھا؟

★★★★★★★★★★

کچھ دیر بعد!

سوفٹ جوس کے دو کین ہاتھوں میں لیے وہ شاہ ویر کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آیا تو وہاں جو واحد روشنی تھی وہ دیوار پر پتھروں سے بنے آرائشی چاند کی تھی۔ اس کمرے میں واحد سرمئی رنگ اسی چاند کا تھا جس کے گرد سفید بتیاں جل رہی تھیں۔ باقی سارا کمرہ سفید رنگ کا تھا۔ پیر دھرو تو میلے ہو جانے کا خوف آئے۔ اس آدمی کو سفید رنگ سے جانے کیسا شغف تھا۔

"ابھی تمہارا بریک اپ نہیں ہوا جو اتنی گندی شکل بنا کر یہاں بیٹھے ہو۔ باہر چلیں کہیں؟ حمزہ کے فارم ہاؤس چلتے ہیں، پارٹی ہے۔" کمرے کی بتیاں روشن کرتے دروازہ لاک کیے وہ پلنگ پر اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ ایک کین اسے دیا دوسرا اپنے لیے کھولا۔

"بریک اپ ہوا تو نہیں ہے لیکن عنقریب ہو جائے گا۔ دنیا میں روز لاکھوں لوگ پسند کی شادی کرتے ہیں، کامیاب ہوتے ہیں، آسمان کی اونچائیوں تک جاتے ہیں اور ایک میں ہوں جس کا ایک کام سیدھا ہونے لگتا ہے تو آدھی دنیا روڑے اٹکاتی ہے۔" اس نے ایک ہی سانس میں آدھا کین خالی کر دیا۔

زید دھپ سے پلنگ پر لیٹ گیا۔ شاہ ویر کی شرٹ کو پشت سے پکڑ کر اسے اپنے ساتھ گرایا۔ ”اس طرح تو ہوتی ہے پھر اس طرح کے کاموں میں۔“ شاہ ویر ذرا سا آگے کو ہو کر اس کے بازو پر سر رکھ گیا۔ وہ دونوں اب چھت کو تک رہے تھے۔ ادھ کھلا اور پورا ابھرا کین بستر پر ایک طرف رکھا گیا۔

”تم نے کبھی محبت کی ہے، زید؟“

”یہ کیسے پتا چلتا ہے کہ آپ کو کسی سے محبت ہے؟“

”آسان ہے جب محبت کا نام آئے تو آپ کی آنکھوں کے آگے جس انسان کا چہرہ آئے آپ کو اسی سے محبت ہوتی ہے۔ تمہارے سامنے کس کا چہرہ آتا ہے؟“ چھت کی سیلنگ کو تکتے ہوئے سوال کیا۔ سر ہنوز اس کے بازو پر دھرا تھا۔

شاہ زید نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کے پردوں پر چند منظر ٹوٹ کر ابھرے۔ شاہ ویر اس کے ساتھ ہنس رہا تھا، وہ دونوں ایک ساتھ کہیں جانے کو تیار ہو رہے تھے، کسی سفر میں چلتے چلتے وہ تھک گیا تھا شاہ زید اسے پیٹھ پر لادے ہوئے تھا، شاہ ویر کچھ لکھ رہا تھا زید اس کے گھٹنے پر سر رکھے موبائل چلا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ طلال بنگش کے ساتھ بیٹھا تھا کسی معتقد مرید کی طرح ان کی بات سنتا ہوا۔ ایک آخری خیال مدیحہ کا تھا۔ وہ ہنسی تو زید اسے دیکھتے ہوئے ہنسا۔ اس کی محبتوں میں وہ کب حصے دار بنی اسے علم ہی نہ ہوا یا شاید ایسا کچھ نہیں تھا یہ بس ایک خیال تھا؟

”کس کا چہرہ تھا، زید؟“

”کیوں بتاؤں؟ اٹس پرسنل۔“

”جیسے کہ میں نہیں جانتا، مدیحہ ہوگی۔“ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔ زید کا دل یکدم زور سے دھڑکا۔ کیا واقعی ایسا تھا؟ ”تم سے ایک بات پوچھوں، ویر؟“ باپ کا چہرہ یاد آنے پر زید نے شاہ ویر سے پوچھا۔ شاہ ویر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اسے علم ہو گیا شاہ زید کیا پوچھے گا۔

”کیا بابا نے تم سے واقعی کچھ نہیں کہا تھا؟ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے خود مجھے کال کی تھی اور کہا تھا کہ ان کو مجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔ میں جلدی گھر آجاؤں، میں آگیا تھا یار۔“ چھت پر جمی اس کی آنکھیں کناروں سے نم ہوئیں۔ ”مجھے دیر ہوئی لیکن تم تو وہاں تھے۔ انہوں نے کچھ تو کہا ہو گا؟“

شاہ ویر کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ کیا وہ اسے بتا دے؟ اگر اسے بتا دیا تو اس کا دل کتنی بری طرح ٹوٹے گا یہ شاہ ویر بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ ”انہوں نے کچھ نہیں کہا، زید۔“ شاہ ویر نے بھائی کا دل چن لیا۔ جانے والا چلا گیا، جو پیچھے رہ گئے وہ اہم تھے۔ ”وہ کوئی عام سی بات ہو گی تم اس سب کو بھول کیوں نہیں جاتے؟“

وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ سچ شاہ زید کے گلے میں طوق کی طرح لٹک جائے گا۔ یہ "بار" شاہ ویر ڈھو رہا تھا تو اسے ڈھونے دیا جائے۔ تنہا، بے سہارا!

★★★★★★★★★★★★

”کہاں سے آرہی ہو تم؟“

فلیٹ کا داخلی دروازہ بند کرتے ہوئے ابھی اس نے ریک کے قریب جوتے ہی اتارے تھے کہ عالمگیر کی سخت آواز پر وہ دروازے کے درمیان ہی منجمند ہو گئی۔ وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جبڑے تنے ہوئے تھے۔ ہال میں جلتی زرد مدھم بتیوں میں آراہ اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔ ”تم سے سوال کر رہا ہوں۔ کہاں تھی تم؟“

”میں.....میں سخن ساز گئی تھی۔“ اس نے جھوٹ گڑھا۔

”جھوٹ بولنا آگیا ہے تمہیں؟ میں وہیں سے آرہا ہوں، تم وہاں تو نہیں تھیں۔“

آراہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کے چہرے کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ”میں... شاید.... اس وقت گھر کے لیے نکل چکی ہوں۔“

"شرم نہیں آرہی تمہیں جھوٹ گڑھتے ہوئے؟" وہ کبھی اتنی بلند آواز میں بات نہیں کیا کرتا تھا، کسی عورت پر چیخنا تو اس کے مزاج کے خلاف ہی رہا تھا مگر آج ماضی کا وہ زخم کھرچا گیا تو ادب و آداب پر پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے ڈھیروں ڈھیر لعنتیں بھیجیں۔

"چاچو آئی ایم سوری آپ ایک بار اس سے مل تو لیں پلیز۔" وہ روہانسی ہوئی۔ اس کا گھرانہ اتنا دقیانوسی نہیں تھا پھر آخر عالم کیوں ایسا ردعمل دے رہا تھا؟

"میں تمہارے سوری پر لعنت بھیجتا ہوں اگر تم دوبارہ اس سے ملنے کے لیے اس گھر سے نکلیں تو تمہاری ٹانگیں میں اپنے ہاتھوں سے توڑوں گا۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "وہ تمہارے لائق نہیں ہے تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟"

"تمہیں کس نے اجازت دی ہے کہ تم میرے گھر میں کھڑے ہو کر میری بھانجی سے اس انداز میں بات کرو۔" باورچی خانے سے آتے یافث نے کرختگی سے کہا۔

"ساری ڈھیل تمہاری دی ہوئی ہے ورنہ اس کی یہ جرات نہیں تھی کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولے۔"

"اس کے سارے معاملے مجھ سے ہیں۔ اس کی تحویل میری بہن کے پاس ہے یعنی میرے پاس اور یہ گھر میرا ہے یعنی اس کا۔ عالمگیر صاحب ہوتے کون ہو تم میری بھانجی سے اس طرح بات کرنے والے؟ تم تو تحویل کے اس قصے سے بھی بے زار تھے۔ تم وہی ہو جو آج تک سہراب اور مجھ سے اس بات پر خفا ہے کہ ہم نے بچوں کو کیوں ساتھ رکھا ایسا ہی ہے نا؟" وہ سرخ چہرہ لیے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ "اب جب میں نے اسے بڑا کیا تب بیس سال بعد تمہیں مجھ سے سوال کا کوئی حق نہیں۔"

"کس بات پر اکڑ رہے ہو؟ تحویل پر یا اپنے گھر پر۔ دو دن لگیں گے مجھے جج خرید کر اس کی تحویل تم سے لے کر دکھاؤں گا اور یہ گھر کھڑے کھڑے مسمار کر سکتا ہوں۔" وہ دونوں الجھ پڑے آراہ لب کاٹتی کھڑی رہ گئی۔

"جاؤ اجازت ہے جو مرضی کرو۔"

عالمگیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ایک بنگش کو سڑک پر کھڑا کر کے درے مارے اور یافث طارون کو تو باقاعدہ آگ میں جھونکے۔ "میں آراہ کا دشمن نہیں ہوں، سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"اس وقت تم شکل گم کرو۔"

"میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔ تم سب باقاعدہ پچھتاؤ گے۔" انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کرتے ہوئے وہ آراہ کے سامنے سے گزر کر باہر چلا گیا۔ انارا وہیں چوکھٹ پر جمی کھڑی رہ گئی۔ یافث نے اسے دیکھا۔ اس کی نظروں میں سختی نہیں تھی تو نرمی بھی نہیں تھی۔

"سہراب اور اسلان آدھے گھنٹے میں لاہور پہنچنے والے ہیں۔ ان کا انتظار کرنا، آج یہ معاملہ ختم ہو کر رہے گا۔" وہ کہہ کر دوبارہ باورچی خانے میں غائب ہو گیا۔ یہ چھوٹا سا گھر اس پر مزید تنگ پڑنے لگا۔

★★★★★★★★★★

چند گھنٹے بعد وہ بیٹھک لعل یمن کی جگہ یافث طارون کے فلیٹ پر سجی تھی۔ انارا مجرموں کی طرح سر جھکائے صوفے پر ایک طرف بیٹھی تھی۔ اسلان اب تک گھر نہیں پہنچا تھا۔ عالمگیر اور یافث بھی وہیں جمع تھے۔ ماحول میں تناؤ تھا۔ ہر کسی کے چہرے پر عجیب کھنچاؤ۔ آج آراہ کو اپنی ماں کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ اگر وہ ہوتی تو اس وقت گھر کے تین مردوں کے سامنے وہ بیٹھ کر انارا کے ثالثی ہونے کا کردار ادا کر رہی ہوتی۔ اب تک یافث "اس" لڑکے کا حسب و نسب جان چکا تھا اور وہ بری طرح ششدر تھا۔ عالم اسے "میں نا کہتا تھا؟" والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اب تو یافث خود بھی "چنگے پھسے آں" جیسا محسوس کر رہا تھا۔

"یہاں منہ میں دہی جمانے کے لیے بیٹھے ہیں ہم؟" سب سے پہلے عالم نے زہر اگلا۔ "اگر یہ گول میز کانفرنس اس لیے سجی ہے کہ میری رضامندی شامل کی جائے تو میں انکار کرتا ہوں، آج بھی، کل بھی اور ہمیشہ۔"

سہراب نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور اسے غور سے دیکھا۔ ”اپنی تین شادیوں میں تم نے ہمیں کتنی شادیوں میں مشورے کے لیے شریک کیا تھا؟“

”تیسری تم نے ہی کروائی تھی باقی دو۔“ وہ رکا۔ ”میں مرد ہوں میرا معاملہ مختلف ہے۔“

”انارا کا معاملہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔ تم اپنی بیٹی کی فکر کیا کرو۔“ یافث کی طرف سے بھی اس کی انا پر کاری وار ہوا۔ وہ بل کھا کر رہ گیا۔

”یعنی اب میں غیر خاندان ہوں؟“ سہراب نے ہاتھ بڑھا کر انارا کو اپنے قریب بلایا۔

”کسی کو پسند کرنا یا کسی سے شادی کی خواہش رکھنا غلط نہیں ہے۔“ آراہ اس کے قریب چلی آئی تو سہراب نے اسے بازو کے حلقے میں لیا اور اس کا بازو تھپتھپایا۔ بیچاری بچی کو ہراساں ہی کر دیا تھا۔ ”بس مجھے کچھ چیزیں کلئیر کرنی ہیں، تم دونوں کتنے عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟“

”تقریباً دو سال۔“ اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

”شراب، یا پھر کوئی اور نشہ؟“

”اسے نہیں پسند، نہ میں نے کبھی دیکھا۔“

”ماضی میں کوئی بُرا ریکارڈ؟“

”مجھے آج تک ایسا کچھ نہیں پتا چلا۔ وہ واقعی بہت اچھا ہے چاچو۔“ اس نے نم آنکھوں سے سہراب کو دیکھا۔

”دو دن دو مجھے اس کا کالا چٹھا نکال کر سامنے رکھا تو عالمگیر یمن ایک باپ کا نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر مداخلت کی۔

”تم اس وقت ہمارے درمیان نہیں ہو، عالم۔“ سہراب نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ”جب تم بچوں کو پالنے کے حق میں نہیں تھے تو اب بیٹھ کر چپ چاپ ہماری بات سنو یا پھر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“

”تم اس طرح مجھے خاندان سے نکال نہیں سکتے۔ مجھ سے اس گھر کے معاملات نہیں چھپا سکتے۔“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ بلند آواز میں تنبیہہ کر رہا تھا۔

”بالکل کیونکہ باتیں چھپانا تو صرف تمہارا شیوہ ہے نا؟“ وہ بھی جواباً اتنی ہی بلند آواز میں غرایا۔ ”تمہیں اس سارے معاملات میں انوالو ہونا ہے؟ تم چاہتے ہو فیملی راز نہ رکھے تو سب سے پہلے تمہاری طرف آتے ہیں بتاؤ پھر تم پچھلے دو ماہ کہاں گزار کر آرہے ہو؟“ کوئی لوہے کا بوٹ تھا جو عالمگیر کے منہ پر آکر لگا اور چھپاک سے اپنے نشان چھوڑ گیا۔

عالمگیر لب بھینچ کر رہ گیا۔ ”تم میرے باپ مت بنو۔“

”اور تم رازوں کی بات نہ کرو۔ تم جیسوں پر اچھی نہیں لگتیں ایسی باتیں۔ بے غیرت آدمی۔ یہاں میں تمہارے لیے خوار ہو رہا ہوں اور تم دو ماہ سے رہا ہو کر پتا نہیں کہاں جھک مار رہے ہو۔“ کتنے دنوں کا بھرا ہوا آتش فشاں آج پھٹ گیا۔ آراہ اور یافث تو چپ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ عالم ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”کوئی جھک نہیں ماری میں نے۔ صرف دو ماہ گھر سے دور گزارے ہیں کوئی گناہ نہیں کیا۔“

”اور تمہارے بینک اکاؤنٹس سے ایک خطیر رقم جو کہ امریکا بھیجی گئی ہے اس کا کیا؟ کس ماں کے لیے وہاں ہوٹل بک کروا رہے تھے؟“

”اٹس پرسنل!“ تھوک نگلتے چبا چبا کر کہا۔

”بالکل پرسنل کاموں کے لیے تم چار ماہ کی سزا کو چھ ماہ بتاتے ہو، دو ماہ خالی بینک اکاؤنٹ ہونے کے باوجود نیویارک جیسے شہروں میں پیسے بھیجتے ہو اور تمہاری واپسی پر اچانک تمہارے اکاؤنٹ میں پچاس لاکھ آجاتے ہیں لیکن اس

سب کو چھوڑ کر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ تمہاری بھتیجی کس سے ملنے گئی اور کیوں گئی؟" سہراب کے لہجے میں اب بھی سختی تھی۔

عالمگیر کے ابرو استہزائیہ انداز میں اوپر کو اٹھے۔"اس کی شادی اس گھٹیا خاندان میں کرواویا ساری زندگی کنوارہ رکھو۔ اب مجھے اس سارے معاملے سے کچھ سروکار نہیں۔i am out"

"تھینک یو سو مچ، اب آپ جہنم میں جاسکتے ہیں۔" سہراب پر تپش انداز میں بولا۔ وہ چلا گیا۔ ایسے جیسے طوفان آتے جاتے ہوں۔ اس کے جانے کے بعد سہراب نے آراہ کو دیکھا۔ یافث اب تک دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ عالم کو بات کرنے کا طریقہ نہیں تھا، لیکن اس معاملے میں وہ عالم سے متفق تھا۔

"کل شام پانچ بجے اسے کسی نزدیکی کیفے بلوالینا۔ باقی معاملات بعد میں طے کیے جائیں گے۔" وہ اٹھا، ایک نظر یافث کو دیکھا۔"پہلی ملاقات صرف میری اور اس کی ہوگی۔" صوفے پر بیٹھی انارا طارون کا دل اگر خوش ہونا تھا تو نہیں ہوا۔ ہر گزرتا دن اسے بددل کر رہا تھا۔ شادیاں اس طرح ہوتی ہیں؟ کیا اتنے مسائل؟ کیا اس کی ماں نے اپنی تلخ شادی توڑ کر واقعی اچھا کیا؟ اس وقت وہ یہ نہیں جانتی تھی کل کی ملاقات محض ایک فارمیلٹی ہوگی۔ اس خاندان کے متعلق خیال سہراب کے وہی تھے جو عالمگیر یمن کے، وہ بس ذہین تھا اصول اور پینترے بدل کر کھیل رہا تھا۔

★★★★★★★★

یافث کے فلیٹ پر ہوتی گھمسان جنگ سے بالکل بے خبر وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑی کر کے دودھ، دہی اور جمے ہوئے گوشت کے تھیلے ہاتھوں میں لیے باہر نکل آیا تو اپنی پشت پر کسی کی نظروں کی چبھن دوبارہ محسوس ہوئی۔ اسلان وہیں رک گیا۔ آنکھیں بند کر کے کھولیں ڈھیر سارا ضبط ہوا کے ذریعے سانسوں سمیت اندر انڈیلنا چاہا لیکن یہ بڑی برداشت کے قصے تھے اور اس کی برداشت کی حد بالکل ختم ہو چکی تھی۔ چند لمبے

گہرے سانس لیتے وہ وائٹ کڑاہی کا سوچتے پارکنگ لاٹ سے نکل آیا۔اب وہ کھانا کھائے گا لیکن اس سے پہلے اسے کچھ کھاتے چکتا کرنے تھے۔

اپارٹمنٹ کا جنگلہ پار کرتے ابھی وہ اندر داخل ہوتا کہ اس نے قریب ہی کھڑے یاسر کو بالکنی کی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔رات کا سمے تھا۔کئی بتیاں بجھی ہوئی تھیں لیکن اسلان کی بہن کے کمرے کے ساتھ ملحقہ بالکنی روشن تھی۔یاسر اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔پھر اسلان کو دیکھا۔

”تم نے بتایا نہیں اسلان تمہارے گھر میں تمہاری بہن بھی ہے؟“وہ دانت نکوستے ہوئے خباثت سے ہنس رہا تھا۔”اتنی اچھی اور”پیاری“ فیملی ہے تمہاری کیوں باس کو تنگ کر کے ان سب کو خطرے میں ڈال رہے ہو۔“ سگریٹ لبوں میں دباتے اسے شعلہ دکھایا کوئی ایسا ہی شعلہ اسلان کے دل کو بھی جھلسا گیا۔

اس نے ایک لمبی سانس اندر کھینچی، پھر یاسر کو دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ٹھنڈی، عجیب سی مسکراہٹ۔یوں جیسے وہ کوئی فیصلہ کر چکا ہو۔اس لمحے وہ کوئی مختلف انسان لگا۔”میں نے تم سے کہا تھا یاسر میرا پیچھا چھوڑ دو، اپنے باس سے کہو کہ میرے پیچھے نہ آئے لیکن تم نہیں سمجھے۔“وہ ایسے پوچھ رہا تھا جیسے کوئی انسان بار بار انکار کر کے بس تھک گیا ہو۔جیسے کسی نے اسے مجبور کر دیا ہو۔

”کیا کریں؟ نوکری کا سوال ہے بھئی۔تم نہیں کرو گے تو تمہارے پیچھے ہم سب بھی کام چھوڑ دیں کیا؟“ دھوئیں کے مرغولے فضا میں چھوڑتے ہوئے کمینگی سے کہا۔

اسلان نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔تمام تھیلے اٹھا کر چوکیدار کے سامنے رکھے۔”آپ دس منٹ تک ان کا خیال رکھیں میں بس ابھی آیا۔“

”جلدی آجانا بیٹے یہاں بلیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔“انہوں نے ہدایت کی اسلان سر ہلاتے ہوئے یاسر کی طرف آیا۔چہرے پر کوئی خاص تاثرات نہیں تھے۔

"چلو کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں؟" سنجیدگی سے کہا۔ "یہاں میرے جاننے والے لوگ ہیں۔" یاسر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر سر ہلا دیا۔ اسلان اسے ساتھ لیے آگے آیا۔ چند منٹ بعد وہ بلڈنگ سے آگے تاریک سی گلی میں تھے۔ جہاں ہلکی سی زرد روشنی تھی یا پھر یاسر کے لبوں میں دبے سیگریٹ کا شعلہ۔ چوڑی سڑک تاریک اور سنسان تھی۔ یاسر سارے راستے اسے سمجھاتا رہا اور غیر محسوس انداز میں اسے وہ پستول بھی دکھائی جو اس کی جینز کی جیب میں تھی۔ شاید وہ اپنی دھاک بٹھانا چاہ رہا تھا۔ اسلان سارا راستہ اسے یہ باور کرواتا رہا کہ واللہ وہ ڈر چکا ہے اور اب اپنی بقیہ تمام زندگی باس کے اشاروں پر ناچ ناچ کر گزارے گا۔

"مجھے پتا تھا تم میری بات مان جاؤ گے۔ باس نے آج تک تمہاری بہت مدد کی ہے اسلان۔ تمھیں ان کی ہر بات ماننی ہی چاہیے۔" گلی میں مڑنے کو ایک نکڑ آیا جہاں کچرے کے بڑے بڑے ڈرم رکھے تھے۔ اسلان چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی آنکھیں بدلیں، اعصاب تن گئے، لمحوں کا کھیل تھا وہ پورے کا پورا نیا انسان بن گیا یا شاید انسان ہی نہ رہا۔

"اگر تم باس کے آگے دم ہلانے کے علاوہ میری بات سن لیتے تو مجھے اس نہج پر نہ آنا پڑتا۔" وہ ہوڈی کے کف موڑ رہا تھا۔ تیوری چڑھ گئی تھی۔ "لیکن تم جیسے لوگ شرافت کی زبان سمجھ لیں تو مجھ جیسے شرفاء کو اس نہج پر کیوں آنا پڑے؟" چلتے چلتے اس نے اپنا بازو یاسر کی گردن کے گرد کسا اور گھٹنے کی ایک زوردار ضرب اس کی ریڑھ کی ہڈی پر دے ماری تضاد یہ کہ وہ اپنا بھاری ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر ہر آہ و بکا کا گلا گھونٹ چکا تھا۔ یاسر تڑپ کر رہ گیا۔

"کیا کر رہے ہو..... اسلان...... چھ.... چھوڑو..... باس تمہیں......" وہ جھٹپٹانے لگا۔

"تم نے اس دن پوچھا تھا کہ تم باس کو کیا رپورٹ دو گے؟" ایک اور ضرب مار کر اسے گھٹنوں پر لاتے ہوئے وہ اس کے کان کے پاس غرایا۔ "تم اوکے رپورٹ بھیجو گے، یاسر۔" ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد سختی سے کسے اسے پوری طرح سے اپنے شکنجے میں لیے وہ دوسرے ہاتھ سے یاسر کی جیب سے اس کی پستول نکال گیا۔ یکے بعد دیگر کئی

باراس کا سر کچرے کے ڈرم میں دے مارا، وہ چیخنے کی کوشش کرتا تو اسلان کا بھاری ہاتھ آڑے آجاتا۔ اسے بالوں سے گھسیٹ کر کچرے کے ڈرم میں اس کا منہ گھساتے اسلان ایک لمحے کے لیے بھی گرفت ڈھیلی نہیں چھوڑ رہا تھا۔

”تمہارے باس نے تمہیں بتایا تو ہو گا کہ میں کون ہوں؟“ پستول کا ٹھنڈا لوہا اس کی پسلیوں پر رکھے وہ اسی مشینی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر ڈھونڈنے سے بھی رحم کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ”تم اب باس کو او کے رپورٹ بھیجو گے اور اگر ایسا نہیں ہوا۔ “ اس نے پستول ہاتھ میں بھرتے ہوئے پوری قوت سے اس کی گردن پر دے ماری۔ یاسر دوہرا ہو کر سیدھا ہوا اسلان نے اس کا منہ کچرے کے ڈرم سے نکال کر سیدھا کیا اور ایک مکا اس کی ناک پر مارا۔ گرفت ڈھیلی چھوڑ دی یاسر سڑک پر گر گیا اور گہری سانسیں لینے لگا۔ خون کی ایک پتلی لکیر اس کی ناک سے بہہ نکلی۔ ”تو اگلی بار یہ پستول میں کہاں اور کیسے استعمال کر سکتا ہوں یہ بات ابھی تم نہیں جانتے۔“ کہتے ہوئے اس نے یاسر کی پسلیوں کے درمیان تین سے چار دفعہ لاتیں رسید کیں۔

”کیا کہو گے؟“ کھڑے ہو کر اس کی پسلیوں میں زور سے ایک لات مارتے ہوئے اس نے پستول سڑک پر پھینک دی۔ اس کی گردن سرخ ہو گئی تھی تنفس تیز۔ یاسر چہرے پر رندھا ہوا تاثر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ تو نہیں تھا۔ باس نے کہا تھا اسلان یمن ایک عام سالٹر کا ہے یہ عام تھا؟

”مجھے بار بار اپنی انرجی ضائع کرنا نہیں پسند جو کہا ہے وہ ہو جانا چاہیے۔“ انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کرتے ہوئے وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ایک اور لات اس کے منہ پر مارتا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ چلا گیا تو یاسر نے جی بھر کر اسے گالیاں بکیں۔ اس کا جوڑ جوڑ بری طرح دکھ رہا تھا۔ اسلان کپڑے جھاڑتے ہوئے واپس عمارت تک آیا۔ اپنا سامان لیا دہی، دودھ، ملائی اور گوشت چیک کیا پھر سنجیدگی سے چچا کو دیکھا۔ اس سنجیدگی میں کوئی عیاری نہیں تھی۔ وہ واقعی ایک شریف سا انسان نظر آ رہا تھا۔

"آج آپ گھر سے کھانا مت لانا میں وائٹ کڑاہی بنا رہا ہوں نیچے بھجوا دوں گا۔" چچا نے سر ہلا دیا اور اسے دعائیں دیں۔ بقول یاسر کے وہ شریف سالڑ کا گھر کا سامان لیے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ہاں اس کے بوٹ کے تسمے ڈھیلے ہو گئے تھے، اب اسے باندھنے پڑیں گے ہاہ۔

★★★★★★★★★★★★★

"کل شام پانچ بجے، کیفے چائے خانہ!" شاہ ویر بنگش کے موبائل پر پیغام جگمگایا تو اس کی نیم خوابیدہ آنکھیں پوری کھل گئیں۔ البتہ سینے پر زید کی ٹانگوں کا بوجھ تھا وہ ہمیشہ کی طرح عجیب بے ڈھنگے انداز میں کل رات یہی سو گیا تھا۔ زید کو لات مار کر ایک طرف کرتے وہ موبائل اٹھا کر سیدھا ہو بیٹھا۔ پیغام کا جواب دینے کے بجائے اسے کال ملائی۔ دھند زدہ صبح میں بالکونی میں کھڑی انارا کا موبائل بجا تو اس نے موبائل کان سے لگایا۔ کافی کے مگ سے نکلتا دھواں بھی اسی دھند کا حصہ بنا۔

"زہے نصیب آج ملکہ عالیہ ہمیں خود ہی شرف ملاقات بخش رہی ہیں؟" نیند میں ڈوبی اس کی خمار زدہ آواز سن کر اس نے چند پل آنکھیں موند کر اسے محسوس کیا۔ "میں بھی ملنا چاہ رہا تھا تم سے پوچھنا تھا کہ مام کو کب بھیجوں۔"

"میں فی الحال نہیں مل سکتی۔ اس کیفے میں تم چاچو سے ملو گے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔ شاہ ویر کی نیند بھک سے اڑی۔

"ایک دو دن ڈیلے نہیں کر سکتے؟" وہ بے ساختہ بولا۔ ("میں تمہاری کوئی ڈرامے بازی اس وقت افورڈ نہیں کر سکتا کل شام تم ایجنٹ سے مل رہے ہو اور یہ فائنل ہے۔" شاہ زید کی آواز اس کے کانوں میں ابھری۔)

"تم ایک بار پھر مجھے ٹالنا چاہ رہے ہو تو صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے؟"

"میں تمہیں کیوں ٹالوں گا یار؟" وہ بے اختیار کراہا۔ ایک بار پھر جھگڑا؟ اونہوں۔ "میں پہنچ جاؤں گا تم بالکل فکر مت کرو۔ اوکے؟" آراہ جواب میں کچھ نہیں بولی۔ "اچھا پرسوں مل سکتے ہیں ہم؟ ناں مت کہنا پلیز۔"

”چاچو نے منع کیا ہے۔“ وہ بے دل تھی۔

”اس کا حل میں نکال لوں گا۔ ڈونٹ وری۔“ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر نیچے بیٹھ گئی۔ بالکنی میں لگے آئینے میں وہ نہ جانے کیوں اپنا اور شاہ ویر کا موازنہ کر گئی۔ وہ ہر لحاظ سے اس سے بہترین تھا چہرہ، دولت، فن، شہرت سب تھا اس کے پاس۔

”تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو، شاہی؟“ وہ ٹانگوں سے کمفرٹر ہٹاتے ہوئے پلنگ سے نیچے اترا۔

”تم اگر لمبی چوڑی غزلیں سننا چاہتی ہو تو یہ سب میں کئی بار کہہ چکا ہوں۔ آج کھری بات کر لیتا ہوں۔“ واک ان کلازٹ میں داخل ہوتے ہوئے اس نے ہینگر میں لٹکے کپڑے یہاں سے وہاں کرتے ہوئے کہا۔ ”جب تمہیں پہلی بار مری میں دیکھا تھا اس دن سے مجھے یہ پتا تھا کہ ”تم ہی ہو“ وہ لڑکی جس کے ساتھ میں ساری زندگی گزار سکتا ہوں۔ لیکن پھر کچھ عرصہ بعد مجھے اپنی یہی سوچ بچکانہ لگی۔ میں امریکا آ گیا لیکن تم۔“ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”تمہارا خیال میرے ساتھ آیا۔ میں تمہیں بہت سوچتا تھا۔ پتا نہیں کیوں۔ مری کی وہ گلی، وہ بک سائننگ میں کچھ نہیں بھول سکا۔ وہ سب ایک بہانہ تھا میں تمہیں نہیں بھول سکا، انارا۔ اچھی یا بری تم یاد بن کر میرے ساتھ تھیں۔“

”اپنا نظر انداز کیا جانا بھی نہیں بھولے؟“

”وہ تو ہرگز نہیں۔“ اس نے ہمیشہ کی طرح سفید رنگ کا لباس نکال کر رکھا اور خود الماری کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ پیر قینچی کی صورت جوڑ لیے۔ ”میں نے زندگی میں کئی عورتیں دیکھی ہیں۔ خوبصورت، پرکشش، حسین لیکن کوئی بھی تم جیسی نہیں تھی۔“

”مجھ جیسی کیسی؟“ آنکھیں بند کیے اس نے جاننا چاہا۔

”شفاف اور مقدس۔“ اس نے دو الفاظ گنوائے۔ ”تمہارا مجھ سے بار بار ملنا طے تھا کیونکہ تم میرے لیے ہی تھیں۔ ہمیشہ سے۔ تم سے شادی کرنے کی وجہ صرف محبت نہیں ہے وہ احساس ہے جو مجھے تمہارے ساتھ محسوس ہوتا ہے۔ ہم الگ الگ ہیں تو دو انسان ہیں اور اگر ساتھ ہیں تو تم وہ رنگ ہو جو کسی بھی مصوری کو مکمل کر دے۔“

”یعنی؟“

”تم میری کاملیت ہو، انارا۔ یہ دنیا میں نہیں ملتی لیکن مجھے مل گئی ہے۔ اسی لیے تم سے کہتا ہوں، فکریں چھوڑ دو تمہیں تو خود سے میں خود بھی دور نہیں کر سکتا۔ یہ دنیا اور لوگ کون ہیں؟“

اس کے بے رونق چہرے پر اب چمک تھی، آنکھیں نم۔ ”تم نے کہا تھا تم میری شان میں غزلیں نہیں لکھو گے۔“

”کیا کروں محبت مزاج آدمی ہوں تمہارے سامنے ہر دعوی، ہر انا چھوڑ دیتا ہوں۔ قدر کیا کرو میری۔“

”کل چاچو کریں گے تمہاری قدر۔“ اس کا مزاج اچھا ہونے لگ گیا۔

”دیکھ لیں گے ایسے چاچے مامے، آپ بس خوش رہا کریں مسز بنگش ٹُوبی۔“ انارا نے جواب دیے بغیر فوراً کال کاٹی، دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ جو سرخ ہو رہا تھا۔ دوسری طرف شاہ ویر بنگش ٹھنڈی گہری سانس لیتے ہوئے سکرین پر اس تصویر کو دیکھ رہا تھا جو کئی برس قبل سڑک پیومنٹ کے قریب لی گئی تھی۔

اس کی زندگی کا بہترین وقت یہاں مقید تھا۔ اس کے موبائل کا وال پیپر۔

★★★★★★★★★★

اگلے دن وہ کندھے پر بستہ لٹکائے بوٹوں والے پیروں سے پتھروں کو ٹھوکر مارتے ہوئے سڑک کنارے چل رہی تھی۔ پیسے آج وہ گھر بھول آئی تھی اور رہانیہ کو اس کا بھائی لینے آ گیا۔ اس لیے آج یونی ورسٹی سے واپسی پر وہ پیدل آنے پر مجبور تھی۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے رکشہ کروانے کا سوچا تھا۔ لیکن فی الحال اسی طرح مزہ آ رہا تھا۔

چلتے چلتے دفعتاً وہ ٹھٹک کر رکی۔ سڑک کے کنارے کُتے کا چھوٹا سا بچہ زبان نکالے بیٹھا تھا۔ وہ اتنا چھوٹا اور کمزور تھا کہ بامشکل چل پاتا ہو گا۔ کتے، بلیاں اسے ان جانوروں سے عجیب کوفت ہوتی تھی۔ مگر کسی کی تکلیف دیکھ پانا یہ ہر کوفت کو مات دے دیتا تھا۔ اس نے بیگ سے دستانے نکال کر ہاتھوں پر چڑھائے، پھر بسکٹ کا پیکٹ نکالا۔ وہ پنجوں کے بل اس کتے کے قریب آ کر بیٹھی۔

"آجاؤ ادھر میرے پاس آجاؤ۔" وہ اسے پچکارنے لگی۔ پھر بسکٹ نکال کر اسے دکھائے۔ بچہ شاید بہت بھوکا تھا، مگر ڈرا ہوا ابھی وہ ہراساں نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "اب میں تمہیں ہاتھ بھی لگاؤں؟" وہ رونے والی ہوئی لیکن ہمت نہ ہاری، دستانے والے ہاتھ محبت سے اس کے سر پر پھیرے۔ یہاں تک کہ وہ پر سکون ہو گیا۔ تب آراہ نے اسے بسکٹ کھلائے۔ اسے یہاں بیٹھے بیٹھے پندرہ منٹ ہو گئے یہ یاد نہ رہا کہ وہ کتوں سے چڑتی ہے، یہ بھول گیا کہ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہے، اگر کچھ یاد تھا تو یہ کہ ایک سانس لینے والا جسم بھوکا ہے۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" اس میسج کے ساتھ اس کا موبائل بجا۔ "مجھے لگتا ہے تمھارے چچا نکاح کی تاریخ ہی رکھ دیں گے۔" نیلی رنگ کی پورے آستینوں والی شرٹ کے اوپر سفید اونی بغیر بازوؤں کا سوئیٹر پہنے اس نے چشمہ اسٹائل سے ناک پر ٹکا رکھا تھا۔ گلے کی چین اپنی جگہ سلامت۔ آراہ کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ کمبخت تھا تو خوبصورت۔

"ٹھیک ہی لگ رہے ہو اتنے کچھ خاص بھی نہیں۔ چاچو کہیں انکار ہی نہ کر دیں۔"

"چچا چھوڑو یہاں تو تم رخصتی کے لیے تیار لگ رہی ہو۔" اب کے اس نے وائس میسج بھیجا۔ "کہاں ہو تم تصویر بھیجو میرا موڈ تو اچھا ہو ذرا۔" آراہ نے کیمرہ کھولا اور چھوٹے سے کتے کے بچے کے ساتھ ایک تصویر بنا کر اسے بھیجی۔ شاہ ویر موبائل پر نگاہیں جمائے کیفے کے اندر داخل ہوا۔ اس کے اندر آنے پر ونگ چارمز اور شاہ زید کے میسج کی ٹون ایک ساتھ بجی۔ کیفے کے وسط اور کونوں سے کئی آوازیں بھی آئیں۔

”شام پانچ بجے، کیفے چائے خانہ۔ آدمی کا حلیہ۔ سرمئی سوئیٹر، نیلی جینز۔ نام "ایجنٹ اسکار"۔“ ساتھ ایک تصویر بھی بھیجی گئی۔ شاہ ویر بنگش کا دل دھک سے رہ گیا۔ سرمئی سوئیٹر اور جینز والا آدمی اسی میز پر بیٹھا تھا جہاں پہنچنے کے لیے اسے انارا نے کہا تھا۔ وہ اسے جانتا تھا۔ انارا کا چچا، سہراب یمن..........یا پھر؟ ایجنٹ اسکار؟ موبائل ایک بار پھر بجا شاہ زید کی چیٹ میں کوئی تصویر لوڈ ہو رہی تھی۔ اس کا دل شدت سے چاہا کہ یہ آدمی کوئی اور ہو......... محبت کی اس کہانی میں ایک اور مسئلہ نہ ہو مگر تصویر لوڈ ہو گئی اور وہ کھڑے کھڑے ساکت ہوا۔ موبائل اس کے ہاتھوں سے پھسلتے پھسلتے بچا۔ اس نے بے یقینی سے نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا۔

ایجنٹ اسکار وہی تھا، سہراب افتخار یمن۔

کوئی اس کے قریب سے گزر کر گیا۔ ونگ چارم ایک بار پھر بجے، آراہ اور زید کے پیغامات آنے لگے۔ اس کے موبائل کی تیز آواز پر لوگ اسے تادیبی نظروں سے گھور رہے تھے مگر وہ تو جیسے جم گیا تھا۔ نگاہیں ایک نقطے پر ساکت۔ سہراب آگے آیا اس کے سامنے رکتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا۔ ”شاہ ویر بنگش یا وکٹم نمبر اٹھارہ؟“ اس نے بہ دقت سانس لی اور اپنا سفید لمبی انگلیوں والا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔

”سہراب یمن، میرے مستقبل کے چچا سسر یا پھر ایجنٹ اسکار؟“ ہاتھ ملایا گیا۔ شاہ ویر کا ہاتھ گرم تھا، سہراب کا ہاتھ ٹھنڈا برف۔ اس کی آنکھوں کی طرح۔ ان دونوں کے درمیان اتنا تناؤ تھا کہ لوگ چائے کافی چھوڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ دونوں چند لمحوں کے اندر اندر موضوع گفتگو بن چکے تھے۔

”آپ یہ سب... میرا مطلب ہے کہ...... یہ سب؟“ اس کا اشارہ ”ایجنٹ اسکار“ ہونے کی طرف تھا۔

”اٹس پرسنل!“ اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے سہراب یمن نے کہا۔ شاہ ویر کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ یہ وہ واحد ہاتھ نہیں تھا جو چھوٹ رہا تھا، یہ اسے الہام ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں وہ گھنٹی بجی جس میں محبت سے جدائی کا پیغام تھا۔

★★★★★★★★★★★★★★★

شاہ زید نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ابتسام عباس اس کے سامنے کھڑا تھا۔اس کی آنکھوں میں کچھ ٹوٹ کر ابھر رہا تھا۔"پلیز شاہ ویر سے کہو مجھے معاف کر دے۔"اس کے لہجے میں منت تھی۔

"پیسہ لے کر دفتر پہنچو سمجھو تمہارا کام ہو گیا۔"اسلان کے موبائل پر جگمگاتا پیغام اس کے دل کو سکوت اور سکون ایک ساتھ دے گیا۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے تمہیں بار بار جیل کون بھیجتا ہے،جاننا ہو تو میرے دفتر پہنچو۔"عالمگیر کتنی ہی دیر موبائل آنکھوں کے آگے لیے کھڑا رہ گیا۔

"لوگ مریں یا جیئے مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا مجھے پیسہ چاہیے، تمکنت۔"روبینہ چیخ رہی تھیں۔

"مل جائے گا۔"بے تاثر لہجے میں دلایا یقین۔

"تمہارا وقت ختم ہونے والا ہے، پرنس چارمنگ!"اندھیرے میں کھڑے شخص کا میر کارواں کو بھیجا جانے والا پیغام۔چہرے،تاثر،خوف،بے یقینی،ازل،ابد سب کچھ سکرین پر چوکھٹوں کی صورت ٹھہر گئے۔ایک بار پھر،دوبارہ۔

★★★★★★★★★★

("پانی"دبیز پردوں والے کمرے میں بیٹھی قاری نے بس ایک لفظ کہا۔مرد ہولے سے ہنس پڑا۔

"کیا ہوا؟تم تو ابھی سے ڈر رہی ہو۔"

اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے گردن کڑائی۔"میں کیوں ڈروں گی؟تم آگے سناؤ۔"

"سنا دوں گا لیکن تم یہ بتاؤ تمہیں کیا لگتا ہے آگے کیا ہو گا۔"

وہ کتنے ہی لمحے خاموش رہی۔ پھر اس کے لب بے آواز پھڑ پھڑائے۔ ”بربادی“

یک لفظی تجزیہ۔)

★★★★★★★★★★★★★

باب نمبر تین

قاتل کا قتل!

(”تمہیں کیا لگتا ہے اب قاتل کیا کرنے والا تھا؟“ گلے میں ابھرتی، معدوم ہوتی گلٹی نظرانداز کرتے وہ ایک بار پھر اپنے قصہ گو کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ انگلیاں نامحسوس انداز میں آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔

مرد نے ٹھنڈی گہری سانس لی، بے بس سی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں ہلکا سا دبایا۔ ”میں اسپائلرز نہیں دیتا۔“ لڑکی کو لگا وہ ہلکا سا مسکرایا تھا، یا بس لبوں کے کونے ہلکے سے اٹھے۔ اسے طیش آیا، یہ بھلا کوئی بات تھی، یہ کیسا اصول تھا؟

”آگے سناؤ!“ تحکم سے کہا، ہاتھ چھڑوائے، اس نے دھیرے سے چھوڑ دیے۔

”ہم ایک بار پھر تاریک رات کا حصہ بنیں گے۔“ اس نے کہنا شروع کر دیا تھا۔)

‡★‡★‡★‡★‡

راولپنڈی کا وہ تنگ گلیوں میں بنا چھوٹا سا مکان گہری مہیب تاریکی میں مبتلا تھا۔ سنسان گلی میں کہیں کسی گھر سے ٹی وی کے چلنے کی ہلکی آواز آرہی تھی، کہیں جھگڑے کی آواز تھی مگر انتہائی مدھم۔ گلی کے وسط میں بنے ایک گھر کے باہر زرد بلب روشن تھا جو شاید وداع کہنے کے قریب تھا اور جل بُجھ کر اپنی آخری لمحات کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کے گرد کئی مچھر، پروانے چکر کاٹ رہے تھے۔

اسی ملگجے اندھیرے میں کوئی تھا جس نے سفید رنگ کا ٹریک سوٹ پہن رکھا تھا۔ پیروں میں سفید اسنیکرز تھے۔ چہرہ گردن اور بال سیاہ ڈھاٹے ڈھکے ہوئے یوں کہ محض اس کی سیاہ آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ جن میں ٹھنڈا اور

سفاک تاثر تھا۔ اس کے کندھوں پر ایک سیاہ بستہ تھا جو پھولا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ایک دروازے کے سامنے رک کر اس نے بستہ نیچے رکھا، بستے کی زپ "چر" کے ساتھ کھولی۔ دور کہیں کسی چھت پر بیٹھے سگریٹ کے دھوئیں کے چھلے بناتے ہوئے لڑکے کے ٹیپ ریکارڈر سے نصرت فتح علی خان کی قوالی کی آواز ابھر رہی تھی۔ جس پر نوارد سر بھی دھن رہا تھا۔

بستے سے اس نے پلاسٹک کے دستانے نکال کر ہاتھوں پر چڑھائے چہرے کا ڈھاٹہ درست کیا بستہ دوبارہ کندھے پر چڑھا کر اس نے بوٹوں والے پیر دروازے میں پھنسائے، اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر جمائے چھوٹی سی دیوار اس نے کسی ماہر بلی کی طرح پھلانگی اور گھر کے اندر داخل ہوا۔ مختصر سا صحن تھا جہاں ایک طرف ٹوٹی چارپائی پڑی تھی، ایک پانی کا ڈرم اور کونے میں ایک کچرا دان جس سے کچرا اُبل رہا تھا۔ ہر طرف ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے اس نے اپنے قدم صحن کے اندر بنے ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف بڑھائے۔ کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر اس نے اندر جھانکا تو کونے میں رکھی چارپائی پر وہی لاغر وجود لیٹا تھا جس کا قصہ دو مرتبہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ وہی جو قاتل کی شناخت سے واقف تھا۔ کہانی کا مظلوم اور مضبوط مہرہ۔

دوسری طرف رکھے کوئی بیس برس پرانے کمپیوٹر کے سامنے ایک لڑکی بیٹھی کھٹ کھٹ انگلیاں چلاتی ہوئی GTA vice city کھیل رہی تھی۔ لمبی چٹیا اس کی پشت پر ساکن پڑی تھی۔ دروازے کی طرف اس کی پشت تھی۔ نوارد وہی بغیر آواز کی چاپ چلتا اندر داخل ہوا، ہاتھ ران تک لے جاتے ٹریک سوٹ کی جیب سے ایک رومال نکال کر وہ لڑکی کے عین عقب میں آکر بیٹھا۔ کئی لمحے بیتے، چند سانسیں ہوا کے سپرد ہوئیں۔ کسی خیال کے تحت وہ جونہی مڑی ایک بھاری ہاتھ نے اس کی چیخ کا گلا اپنی ہتھیلی میں گھونٹا، خود کو چھڑوانے کی سعی کرتے ہوئے وہ ٹانگیں چلانے لگی۔ کمپیوٹر پر لات لگی، سی پی او اپنی جگہ سے ہلا، وہ جلد ہی اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

کھٹکے سے اٹھنے والا شکیل تو جیسے اپنی جگہ منجمند ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے غوں غاں کی آوازیں نکلنے لگیں۔ اپنے پاس پڑا برتن اس نے زمین پر دے مارا کہ شاید کوئی آواز سن کر اس کی مدد کو آجائے۔

”تمہیں چھوڑ دیا اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ تم میرے بارے میں افواہیں اڑاتے پھرو؟“اس نے کھینچ کر ایک ہی جھٹکے میں اپنا ڈھاٹہ اتارا۔ سیاہ ریشمی بال کندھوں پر پھیل گئے، آنکھوں کا کاجل اور ہونٹوں کی سرخی آہ وہ اسے بھولا کب تھا؟

”تمہیں چاہیے تھا تم میرے رازوں کی حفاظت کرو، تمہیں چاہیے تھا کہ تم اپنی بقیہ زندگی میرا پردہ رکھو لیکن۔“ بولتے بولتے اس کے لہجے میں ٹھہراؤ اور چہرے پر زخمی پن در آیا۔”تم سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہو، گھٹیا، کمینے اور بے غیرت۔“ اپنے لمبے ریشمی بال کندھے سے جھٹکتے اس نے قدم آگے بڑھائے، شکیل کے قریب بیٹھی اور بستے سے نکالا ہوا چاقو اس کی گردن کے عین قریب لے گئی۔

”تم ضرور جیتے اگر تم میرے کام کے بیچ میں نہ آتے۔“ شکیل بری طرح رونے لگا۔ ہاتھ پیر مارتے ہوئے وہ خود کو اس سے چھڑوانے کی کوشش میں تھا لیکن وہ جو آیا تھا یہ اس کی زندگی کا پہلا قتل نہیں تھا۔ اس نے شکیل کی سراسیمگی سے حظ اٹھایا۔ آنکھوں میں کسی جانور جیسا وحشی پن تھا۔

”یقیناً اگلی دنیا تمہارے لیے بہتر ہوگی، نہ بھی ہوئی تو کمینے مردوں کا ٹھکانہ جہنم تو ہے ہی۔“ کہتے ہوئے اس نے چاقو پوری تیزی سے اس کی گردن پر پھیرا۔ سر دھڑ سے جدا نہ ہوا مگر دراڑ پڑ گئی تھی۔ خون فوارے کی صورت باہر آیا۔ بستر پر بری طرح تڑپتے ہوئے شکیل کو دیکھ اس کی آنکھیں ایک جنونی رنگ میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ گلے پر ہاتھ رکھے پھڑ پھڑاتے ہوئے انسان کو دیکھ کر اسے سکون مل رہا تھا۔ خون کا بھرتا ہوا تالاب اسے تسکین سے دوچار کر رہا تھا۔

”تم سارے مرد! تم جانتے ہو مجھے تم سے کتنی نفرت ہے؟“اس نے اگلا وار شکیل کے سینے پر کیا۔ خون، آہیں، چیخیں ہر اور اس کی مرضی کا منظر تھا۔ ایک اور "مرد" جہنم بدر ہوا، ایک اور بار اس کی ذات جیت

گئی۔ ہر بار ایسا ہو گا اس نے عہد کیا اور چاقو مزید ایذا کے لیے صاف کیا، یہ رات بہت جلد ختم ہونے والی نہیں تھی۔

★★★★★★★★★★

(ہوٹل کا وہ کمرہ بے حد خاموش تھا۔ دیواریں چپ چاپ ان دو لوگوں کو یاسیت سے تکتی جا رہی تھیں۔ دبیز پردے اپنی جگہ ساکن تھے۔ ”تم آگے نہیں سننا چاہتی کیا؟“

”سننا ہے لیکن میرا دل بھاری ہو گیا ہے۔“ اس نے پہلو بدلا۔ ”ان سب کرداروں میں کون اچھا ہے، کون بُرا میں اس ساری بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ لیکن میں ان میں سے کسی کو بھی تباہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی۔“ اس کی آنکھیں ہلکی سی بھیگ گئی تھیں۔ ”دوبارہ شروع کرو لیکن....“ وہ رکی، آنکھیں رگڑیں۔

”تم نے کہا تھا تم تیار ہو۔“ پانی کا گلاس اسے تھماتے اور چہرے پر آتے اس کے بال ہٹاتے مرد نے نرمی سے شکوہ کیا۔ لڑکی نے گیلی آنکھیں اٹھا کر خفگی سے اسے دیکھا۔

”میں اب بھی تیار ہوں۔“ اس نے گردن اکڑا لی۔ مصنوعی مضبوطی کے ساتھ وہ مزید سننا چاہتی تھی۔

قصہ گو ”مزید“ کہنے کو تیار نظر آ رہا تھا۔)

★★★★★★★★★★

وہ ایک خوش شکل سا آدمی تھا، جس کے سیاہ بال گھنے اور اچھی طرح ترتیب شدہ تھے۔ چہرہ باعیب اور جسامت تندرست۔ اس کی جسامت اس کی آنکھوں کے تاثرات سے میل نہیں کھاتی تھی۔

”کس بات کی معافی؟“ نیم خوابیدہ آنکھوں سے شاہ زید نے اپنے بہنوئی ابتسام عباس کو دیکھا۔ جس کی سیاہ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ داڑھی بڑھی ہوئی اور لباس سلوٹ زدہ تھا۔ وہ شاہ زید کے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔ ”کیا ہوا ہے؟ کس بات کی معافی؟“

"وہ تاج کو سب بتادے گا میری زندگی برباد ہو جائے گی پلیز اسے کہو معاف کر دے۔ میں تو بس.... میرا یہ مقصد نہیں تھا۔" شاہ زید کا موبائل بجنے لگا ایک مخصوص آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اس کی ساری نیند بھک سے اڑی۔

"آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیں بھائی میں پانچ منٹ میں آرہا ہوں۔" اس نے ابتسام کا کندھا تھپتھپایا اور کمرے میں واپس گیا۔ موبائل اٹھایا اور کان سے لگایا۔ یہ کال از حد ضروری تھی۔

"بولو کیا خبر ہے؟" دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی رہی، پھر کسی نے بے تاثر آواز میں وہ خبر دی جسے سن کر شاہ زید بنگش کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ کوئی پھانس سی تھی جو اس کے سینے میں چُبھ گئی۔

"شکیل کا قتل ہو گیا ہے، بھائی۔" دوسری طرف اس کے خبری نے بتایا۔ "ابھی پولیس کو اطلاع نہیں ملی ہے لڑکے کے ماں باپ "کام" پر گئے ہوئے ہیں گھر میں صرف ایک بہن ہے آپ اگر جلدی پہنچ سکتے ہو تو میں مزید دو گھنٹے اس بات کو چھپا سکتا ہوں۔" شام کے چھ بجے کا وقت تھا مگر شاہ زید کو یوں لگا جیسے اس کی ساری دنیا اماوس کی مانند ہو گئی ہو۔ وہ کتنے ہی لمحے سانس لیے بغیر پلنگ کی پائنتی پر بیٹھا رہ گیا۔ انسان کا دماغ بڑی کمینی شے ہے ہاں وہ اس سمے متحیر تھا، مگر اس کا دماغ جوڑ توڑ بھی کر رہا تھا۔ پنڈی سے لاہور چار سے پانچ گھنٹے کی مسافت اور وہاں پہنچ کر بھی کیا حاصل ہونا تھا؟ خاک بھی نہیں۔

"میں آرہا ہوں، میڈیا اور فارنزک کے اندر اپنے بندے ڈھونڈ کر رکھو۔ ہو سکے تو کوئی پولیس افسر بھی دیکھو۔" اس نے بہ دقت کہا۔ سارے بدن پر لرزہ طاری تھا۔ "پیسے بھیج رہا ہوں، کام ہو جانا چاہیے۔" اس نے کال کاٹ دی اور سُن رہ گیا۔ دماغ اب بھی سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"میرا بھائی معصوم ہے۔.............. میرے پتر نوں مار کر دم لینا اے توں؟....... وہ کچھ نہیں جانتا۔............. وہ ایک عورت تھی.... "آوازیں اس کے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ بڑی دیر تک ساکن رہا، بڑی دیر تک

آنسوؤں کا کوئی گولا اس کے حلق میں اٹکا رہا پھر کچھ آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ یہ اس کی وجہ سے ہوا تھا، وہی تھا سرغنہ اور اسی کا جنون لایا ایک معصوم کو موت تک۔

"اب کیا ہو گا، اوہ خدایا اب کیا ہو گا؟" وہ روتے روتے بڑبڑا رہا تھا۔ شاہ زید بنگش قاتل کے ایک اور قتل کی وجہ تھا، یہ خیال ہی اسے مارے دے رہا تھا۔

★★★★★

چائے خانے، ریستوران، ہوٹلز، ڈھابے انسان ان جگہوں کو اس لیے منتخب کرتا ہے تاکہ اپنے عزیزوں اور پیاروں کے ساتھ ایک پر سکون، خوبصورت ماحول میں اچھا سا وقت گزارتے ہوئے زندگی میں چند پر مسرت لمحے شامل کر سکے، لیکن جو ملاقات ایجنٹ اسکار اور وکٹم نمبر اٹھارہ کے درمیان تھی اس میں نہ کسی قسم کی مسرت تھی اور نہ وہ دونوں ایک دوسرے کے عزیز تھے لہٰذا اس ملاقات کو ایک مسافت کے دوران طے کیا گیا۔

مسافری نشست پر بیٹھا شاہ ویر ہنوز متحیر تھا۔ انارا سے شادی کا فیصلہ لینے سے قبل اس نے ایک "بیک گراؤنڈ" چیک کروایا تھا۔ اپنے لیے نہیں اپنے خاندان کے لیے۔ ہاں ٹھیک ہے یمن خاندان کوئی بہت نیک اور سادھ نہیں تھا۔ یہاں ایک ہی آدمی کی تین بیویاں مر چکی تھیں، ایک لڑکے کا کردار مشکوک تھا اور تیسرے اور سب سے اہم مہرے کے متعلق اسے بس اتنا معلوم تھا کہ....

"کتنے مہینے ہو گئے ہیں؟" وہ اپنی اکٹھا کی ہوئی معلومات کے سمندر میں غوطہ زن ہو تاکہ سہراب اسے گردن کھینچ کر سطح زمین پر لے آیا۔ چند لمحے شاہ ویر کے لیے کچھ سمجھنا مشکل رہا۔

شاہ ویر بنگش نے گلا کھنکھارا۔ "تقریباً دو سال۔"

"میں تمہارے اور انارا کے متعلق نہیں پوچھ رہا۔" اس نے زور دے کر ناگواری سے کہا۔ "وہ تعاقب کار کتنے وقت سے تمہارے پیچھے ہے؟" سہراب نے گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔

"شاید تین ماہ، اس سے پہلے ہو سکتا ہے لیکن مجھے تین ماہ قبل محسوس ہوا ہے۔"

"غلط محسوس ہوا ہے وہ پانچ ماہ سے تمہارے پیچھے ہے۔" گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے اس نے مصروف انداز میں کہا۔ "وہ سیزنل (موسمی) قاتل ہے اس کے تمام قتل جنوری میں ہیں اور جنوری آنے والا ہے یعنی اس کے ٹارچر کی معیاد چھ ماہ پورے ہونے والے ہیں۔" گاڑی اب لعل یمن جانے والے راستے پر تھی شاہ ویر کا دل اچھل کر حلق میں آرہا تھا۔ ماتھے پر ہلکا ہلکا پسینہ تھا۔

"سہراب سر.... کیا میں آپ سے ایک درخواست کر سکتا ہوں؟" رخ مکمل اس کی طرف موڑے اس نے گزارش کی۔ "کیا آپ انارا کو اس سب سے دور رکھ سکتے ہیں؟" اس کا سارا دھیان سہراب کی طرف تھا اور وہ مصروف انداز میں گاڑی چلاتا ہوا نظر آرہا تھا۔ "میں اسے درست وقت پر سب بتادوں گا۔"

"انارا کے چچا سے تمہاری ملاقات میں ابھی وقت ہے اس وقت تم ایجنٹ اسکار کے ساتھ ہو میرا خیال ہے ہمیں اسی بارے میں بات کرنی چاہیے۔" وہ دوٹوک انداز میں اس کی بات کاٹ گیا۔ شاہ ویر دل مسوس کر رہ گیا۔

"اب بتاؤ مجھے تمہیں کتنی بار اور کیا کیا چیزیں موصول ہوئی ہیں؟" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ گاڑی میں ملنے والا بچھوؤں کا ڈبہ، ہوٹل کے کمرے میں آنے والا خون اور ایک انسانی کھوپڑی، اس سے قبل کچھ انسانی ہڈیاں، کچھ ڈراؤنے سے نوٹس، ہر وقت کا تعاقب اور پسلیوں کے درمیان لگنے والا وہ خنجر۔ شاہ ویر نے شروع سے لے کر آخر تک اسے سب بتادیا۔

"پہلا ڈبہ کب ملا تھا؟"

"دسمبر۔"

"اس سے پہلے کیا ملا تھا؟"

"آپ کو کیوں لگتا ہے کہ مجھے اس سے پہلے کچھ ملا ہو گا؟" بلا کی اداکاری کی۔

”یعنی تم یہ کہہ رہے ہو کہ کچھ نہیں ملا؟“ سہراب نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ شاہ ویر نے بڑے اعتماد کے ساتھ "نہیں" کہا تو اس نے گاڑی روک دی۔ ذرا سا آگے کو ہو کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ایک مصروف سی شاہراہ تھی۔

”تم جاسکتے ہو۔“ آس پاس گاڑیاں تیزی سے آ جا رہی تھیں لیکن شاہ ویر اس شور میں بھی اس کی آواز سن سکتا تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

”لیکن کیوں؟“

”کیونکہ تم انارا طارون کے چچا کو کہانی سنا رہے ہو مجھے تمہارا سچ چاہیے۔ اپنی کہانیاں کسی نئی اسکرپٹ کے لیے سنبھال کر رکھو لڑکے۔“ شاہ ویر اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا سینہ، بازو، ٹانگیں سب قفس زدہ ہو کر رہ گئے۔

”فائن۔“ تھکی ہوئی سانس لی۔ ”میں انارا سے پہلے کچھ تعلقات میں انوالو تھا ان کی کچھ ویڈیوز اور تصاویر تھیں۔“

”کس طرح کی تصاویر۔“ سہراب نے یوں پوچھا جیسے وہ کوئی دودھ پیتا بچا ہو یا پھر ایسے معاملات سے قطعی لاعلم۔

اس نے دانت پر دانت جما کر ضبط کیا پھر قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔ ”ایسی تصاویر جن کی وجہ سے میرا بریک اپ ہو سکتا تھا۔“ چبا چبا کر کہا۔ کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

”انسان کو غلط کام کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے کہ مستقبل میں اس کے اثرات کیا ہوں گے۔“

”کیا آپ نے کبھی کوئی گرل فرینڈ نہیں بنائی تھی؟“ وہ سلگ کر بولا۔ سہراب نے نفی میں سر ہلایا۔

”میں نے ایک شریف آدمی کی طرح شادی کی تھی اور پچھلے پانچ سال سے اسے نبھا رہا ہوں۔“ اس نے گاڑی دوبارہ سٹارٹ کی۔

”میں بھی وہی کرنے والا ہوں۔“

"تمہارے کہہ دینے سے نہیں ہو جائے گی۔"

"اس لیے تو میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ۔" دونوں ہاتھ اٹھا کر اسے سمجھانے کے انداز میں کہتے ہوئے وہ سیٹ پر ترچھا ہوا جب سہراب نے بڑی بے دردی سے اس کی بات کاٹی۔

"میں تمہاری مستقبل کی منصوبہ بندی میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ ان گھٹیا اور نازیبا تصاویروں کے موصول ہونے کے بعد تم نے کیا کیا؟" کیا اس نے ایک بار بھی گھٹیا اور نازیبا تصاویر کہا تھا؟ ہونہہ اپنی طرف سے باتیں کر رہا ہے۔ شاہ ویر بس سوچ سکا۔ کہنے کی جرات فی الحال نہیں تھی۔ ایک بار اس کی شادی ہو جائے پھر ان کو وہ دیکھ لے گا، تہیہ کیا۔

"میں نے اسے میسجز کیے پیسوں کی پیشکش کی۔ کچھ وقت خوف زدہ رہا اسے ٹریک کرنے کی کوشش بھی کی لیکن نہ اس نے ان تصاویر کو وائرل کرنے کی دھمکی دی تھی اور نہ ہی اس نے ایسا کچھ کیا اس لیے کچھ عرصہ بعد میں پر سکون ہو گیا۔"

"اوکے پھر؟" سہراب نے آگے آکر لعل یمن کے عقب میں گاڑی روک دی۔

شاہ ویر کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ "کیا ہم کہیں اور نہیں چل سکتے؟"

"وہ تمام چیزیں کہاں ہیں جو تمہیں موصول ہوئی تھیں؟" اس کے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے سہراب نے اپنا سوال کیا۔

"میں نے ڈسپوز آف کر دیں۔"

"تو خود یہاں کیوں آئے ہو؟"

”سمجھنے کی کوشش کریں، میں نیویارک سے آرہا ہوں۔ ائیر پورٹ پر چیکنگ ہوتی ہے۔ ہڈیاں، انسانی ڈھانچے اور اس قسم کی عجیب و غریب چیزیں لاتے ہوئے میں کیسا لگوں گا؟“ اس نے تاسف سے گہری سانس لی۔ ”شاید آپ کو علم نہیں لیکن میں عالمی سطح پر جانی جانے والی شخصیت ہوں۔“

”یعنی تم خالی ہاتھ آئے ہو؟“ ادھر ادھر کی بات تو اس نے کرنی ہی نہیں تھی۔

”میں ان چیزوں کی کہانی لایا ہوں۔“

سہراب گاڑی سے باہر نکل آیا۔ چاروناچار شاہ ویر بنگش کو بھی آنا پڑا۔ ”سناؤ۔“

”لمبی کہانی ہے کیا میں ایجنٹ اسکار سے پہلے انارا کے چچا سے مل سکتا ہوں؟“

سہراب نے شانے اچکائے۔ ”شیور۔“ ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا۔

”میرا نام سہراب یمن ہے۔“

”میں شاہ ویر طلال بنگش۔“ سہراب کا ہاتھ تھامتے گلی میں یہاں سے وہاں دیکھتے وہ بولا۔ جگہ ذرا غیر موزوں تھی لیکن انارا کے لیے کچھ بھی۔ ”آراہ اور میں ایک دوسرے کو بہت عرصے سے جانتے ہیں۔ اس کے لیے میرے احساسات خالص ہیں اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ رکا مگر سہراب ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک گیا۔

”یہ سب میں جانتا ہوں اپنے بڑوں کو لے آنا اس ہفتے باقی کے معاملات ہم ان سے بات کر کے دیکھیں گے۔“

”آپ نے میری پوری بات ہی نہیں سنی۔ آج ہم نے ملنا تھا، بات کرنی تھی اور آپ اس بات کو اس طرح کیسے ٹال رہے ہیں؟“

”مختلف کیا ہے تم میں؟ پیار، شادی، فیملی یہی سب نا؟ ہر لڑکا یہی کہتا ہے لیکن ہر لڑکا تمہاری طرح عنقریب قتل ہونے والا نہیں ہوتا لہٰذا تمہیں تو میری طرف سے انکار ہے۔ اب اپنی فیملی کو بھیجو تا کہ ہم ایک اچھا سا خاندانی انکار کریں اور یہ قصہ ختم ہو۔“ اس نے گاڑی مقفل کی اور شاہ ویر کے سامنے آکر رکا۔

”اندر چلیں؟ میں وہ کہانی سننا چاہتا ہوں جو تمہیں ایجنٹ کو سنانی ہے۔“ بے بسی، رنج، ملال کون کون سی بیڑی تھی جو اس کے پیروں کے گرد زور سے تن گئی۔

”آپ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔ انارا مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“

”اس کو میں دیکھ لوں گا تم اپنی بات کرو ہمیں اس کیس پر کام کرنا چاہیے اب سہراب یمن سے تمہاری ملاقات ختم ہوئی۔“ سہراب نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر انگلی سے ٹک ٹک کی۔ شاہ ویر لب بھینچ کر رہ گیا۔ اس کے اگلے الفاظ اس کا فیصلہ تھے۔

”اور میں دوبارہ کبھی ایجنٹ اسکار سے نہیں ملنا چاہوں گا۔ بہت شکریہ۔“ قطعیت سی قطعیت تھی اس کے لہجے میں۔

★★★★★★★★★★

ریاض کا دفتر بالکل ویسا ہی تھا جیسا پچھلی بار، مشکوک۔ چہرے اور تلخ سا ماحول بھی ویسا ہی۔ البتہ اسلان یمن آج ایک پختہ ارادے کے ساتھ وہاں آیا تھا اور آج ریاض بھی مختلف انسان لگ رہا تھا۔ ایک مکمل پیشہ ور مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کاغذی نقشہ میز پر پھیلایا اور اسلان کے سامنے آکر بیٹھا۔ میز پر تازہ سموسے اور چائے کے بھاپ اڑاتے کپ بھی رکھے تھے۔ ”کسی ایک ملک سے دوسرے ملک جانا تب آسان ہے جب آپ کے پاس اصل کاغذات ہوں، اپنے ملک کا پروازنامہ اور دوسرے ملک جانے کا اجازت نامہ۔ ڈنکی لگاتے وقت تمہیں یاد رکھنا ہے کہ تمہارے پاس یہ چاروں چیزیں نہیں ہیں۔“

"تینوں۔" اسلان نے ٹوکا۔

"چاروں۔" ریاض نے اپنی بات پر زور دیا۔ "پشت پناہی۔۔۔ چوتھی چیز پشت پناہی ہے تمہارے پاس وہ نہیں ہوگی۔ ہم باقاعدہ مکر جائیں گے کہ ہم میں سے کوئی تمہیں جانتا بھی ہے۔ میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر بھی کہہ دوں گا کہ میں نے تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

"اوکے۔" نشست پر پیچھے ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے ہر عذر قبول کیا۔

"میں تمہیں راستہ سمجھا دیتا ہوں۔" نقشے پر انگلی رکھتے اس نے کہنا شروع کیا مگر اسلان نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں مجھے سارا راستہ پتا ہے۔ مجھے یہ بتائیں کہ میرا غیر قانونی پروازنامہ کب تک آئے گا؟"

ریاض ٹھہر کر اسے دیکھے گیا۔ "پہلی میری پوری بات سن لو۔ کہیں بھی کسی بھی ملک کا بارڈر پار کرتے ہوئے تم مارے جاسکتے ہو، ہیومن ٹریفکنگ کا شکار ہو سکتے ہو ایک بے نام موت تمہاری تاک میں ہو سکتی ہے اور کوئی تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔ تمہاری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی اور کسی کو کوئی علم بھی نہیں ہوگا۔ ہر طرح کے شدید ردعمل کے لیے تیار رہو اور۔۔۔"

"اوکے!" اس نے ایک بار پھر ان کی بات کاٹی۔ جب بات اس کی تحمل مزاجی کے گراف سے اوپر ہو جائے تب وہ ہر بات کو اسی طرح ختم کرتا تھا یا شاید اب وہ لوگوں سے اور ان کی باتوں سے "اب" بے زار ہو چکا تھا۔

"تم واقعی تیار ہو؟" جانے کیوں اسے اس لڑکے کی طرف سو کھٹکا تھا۔

"آپ کو اب بھی کوئی شک ہے؟" ریاض نے جواب نہیں دیا لیکن اسے شک تھا۔ اگر کلیم نے اس لڑکے کی ذمہ داری نہ لی ہوتی تو وہ مر کر بھی اسے کسی قافلے کے ساتھ نہ بھیجتا۔ اس نے اس کام کو آدھی زندگی دی تھی وہ اس وقت لکھ کر دے سکتا تھا مشکوک پن اس لڑکے کی دوسری شناخت ہے۔ پہلی یقیناً۔۔۔ بھید۔

”آدھا پیسہ کام ہونے سے پہلے اور آدھا پیسہ کام ہونے کے بعد۔“ ریاض نے بالآخر اسلان کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے اس نے تھاما، پھر سر کو خم دیتے اس کا ہاتھ چھوڑ بھی دیا۔

”پیسہ کیش میں لیا جائے گا، کلیم کے ساتھ طے کر لو۔“ ریاض نے باقی کے معاملات کلیم کے حوالے کیے۔

اسلان اس کے ساتھ باہر آیا تو کلیم نے ریاض کی بتائی ہوئی رقم سے دگنی رقم مانگی۔ اس کا سفاری سوٹ آج بھی ویسا ہی تھا۔ ”مل جائیں گے۔“

”پوچھو گے نہیں کیوں؟“ بیڑی سلگاتے ہوئے پوچھا۔ اسلان نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

”اپنے مالک سے میرے بیک گراؤنڈ کے متعلق جھوٹ بول کر آئے ہو دگنی رقم بنتی ہے۔“

”تم یہ نہیں پوچھو گے کہ میں نے جھوٹ کیوں بولا؟“

”مجھے لوگوں کے مورلز کی اونچی نیچی سطح ماپنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ سپاٹ انداز میں کہہ کر اس نے پی کیپ سر پر درست کی۔ ”تمہارے پیسے تمہیں مل جائیں گے۔“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ رش میں گم، لوگوں کا ہجوم۔ اپنے پیچھے اگر کچھ چھوڑ گیا تو تجسس یا بوجھل پن۔

★★★★★

پولیس کی گاڑیوں اور ایمبولنس کی آواز آتی رات کی سفاکیت میں اضافہ کر رہی تھی۔ ”معذرت بھائی پولیس کو اطلاع مل گئی تھی۔“ وہ جب راولپنڈی پہنچا تب تک اس کا خبری جارج مسیح اس خبر کو منظر عام پر آنے سے روک نہیں سکا تھا اور اب وہ قدرے پشیمان تھا۔

”آلہ قتل؟“ پوچھتے ہوئے بھی اسے یوں لگا جیسے اس کی آواز کپکپا رہی ہو۔ وہ دونوں پرانے پنڈی کے اسی محلے کے باہر کھڑے تھے جہاں شکیل رہتا تھا۔ آس پاس لوگ اسی بارے میں کھسر پھسر کرتے، کن سوئیاں لیتے نظر آ رہے تھے۔ زید کو نہ جانے کیوں ان سب کی نظریں اپنے اوپر گڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ جیسے ہر کوئی اسے ہی

دیکھ رہا ہو اسے لگ رہا تھا جیسے ابھی کوئی اس کی گریبان پکڑے گا اور کہے گا۔ ”بتاؤ شاہ زید طلال بنگش تمہیں کس نے حق دیا کہ اپنا بھائی بچانے کی خاطر کسی اور کا بھائی قربان کر دو؟“ وہ بار بار ہاتھ مسلتا گردن جھٹکتا نامحسوس انداز میں پھندہ ہٹاتا۔

”آلہ قتل تیز دھار چاقو ہے، قتل کا طریقہ وہی گلا کاٹا گیا ہے اور اس کے بعد سینے پر متعدد زخم۔ ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں بھی کٹی ہوئی ہیں۔“ زید نے دانت پر دانت جما کر بہت کچھ روکا۔ اپنے کام کے دوران ڈاکیومنٹریز بناتے ہوئے کسی نجی چینل کے لیے ایک کرائم رپورٹ تیار کرتے ہوئے اس نے کئی قتل، قاتل اور مقتول دیکھے تھے لیکن یہاں، اس جگہ جہاں وہ خود کسی حد تک شامل تھا تو ہر شے سیدھی دل پر کیوں لگ رہی تھی؟

”وہ بچی اس کی بہن.... وہ تو ٹھیک ہے نا؟“ وہ آگے چلنے لگا جارج بھی اس کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ زید کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ وہ بار بار زبان پھیر کر خشک ہونٹوں کو گیلا کرتا۔

”بچی کو بے ہوش کر دیا تھا وہ کچھ دیکھ نہیں سکی لیکن وہ بھی ہسپتال میں داخل ہے پولیس کو لگتا ہے شاید اس نے کچھ دیکھا ہو۔“ وہ دونوں محلے میں داخل ہو گئے تھے آج محلہ غیر محسوس انداز میں ساکت تھا۔ کھڑکیوں کے کھلے ہوئے پٹ بند کر دیے گئے تھے۔ کہیں کسی چھت کی چار دیواری سے لٹکتا دھلا دھلایا قالین ندارد، گلی میں کھیلتے کودتے بچے بھی کونوں میں دبک کر بیٹھ گئے تھے۔

”ماں باپ سے کوئی بیان لیا ہے؟“

”جی...“ وہ رکا شاہ زید کو دیکھا۔ ”آپ کا یہاں آنا حذف ہو گیا ہے بھائی۔ میں نے بات کر لی تھی لڑکے کے ماں باپ ستر ہزار پر راضی ہوئے ہیں۔“ لمبی گلی میں چلتے چلتے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی زنجیر باندھ کر زور زور سے اسے کھینچ رہا ہو، کوئی اس کے ضمیر پر کوڑوں سے وار کر رہا ہو، شاہ زید بنگش کو آج سے قبل خود سے اتنی نفرت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ آج سے قبل اسے پیسے کی اہمیت کا علم بھی نہ ہوا تھا۔

”لڑکے کی بہن کا کیا؟ وہ ہوش میں آتے ہی میرا نام لے گی۔ مجھے فرق نہیں پڑتا نہ کسی اور کو پڑے گا لیکن میں پھر جھوٹ نہیں بول پاؤں گا مجھے بتانا ہو گا میں کیوں آیا تھا اور....“ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ پولیس، میڈیا، محلے کے کچھ افراد....

”سنا ہے بہن کے آشنا نے مارا ہے۔“ کوئی کہہ رہا تھا اور زید برف ہو گیا۔

”ہو بھی سکتا ہے ورنہ بھلا اس اللہ لوک بیبا کا کسی سے کیسا جھگڑا؟“

”ہو جائے گا بھائی۔ لڑکی کو سنبھال لیں گے، فکر کی کوئی بات نہیں اور اگر لڑکی نہ سنبھلی تو پولیس سے بات کر لیں گے۔ پیسہ لگے گا بہت۔“ جارج ان کھیلوں کا پرانا اور ماہر کھلاڑی تھا اسے فرق نہ پڑا مگر شاہ زید کا چہرہ پیلا پھٹک پڑ رہا تھا۔ وہ الٹے قدم پیچھے ہوا اسے اندر نہیں جانا تھا وہ اس گھر کو، شکیل کو، اس کی بہن اور اس کے قتل کو نہیں بھولے گا یہ طے تھا لیکن اگر وہ اندر چلا گیا تو.... تو اس کے اندر کا سچا شخص کوئی ناانصافی برداشت نہیں کر سکے گا۔

”فنگر پرنٹس وغیرہ تو کوئی ملے نہیں لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ کی کاپی میں آپ کو بھجوا دوں گا۔“

”میڈیا کو کس نے اطلاع دی؟“ اس کی آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔

”قاتل نے خود۔“ شاہ زید نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ ”جی بھائی اسی نے اطلاع دی کسی پبلک فون سے بات ہوئی ہے۔ پولیس وہاں کے سی سی ٹی وی چیک کر رہی ہے لیکن مجھے یقین ہے اس نے صفائی سے کام کیا ہو گا۔“ جارج کے لیے یہ عام قتل تھا، زید کے لیے وہ قتل جس میں وہ خود شریک کار۔

”واپس چلو ابھی۔“ اگر وہ سامنے آ گیا تو اس کی وجہ سے شاہ ویر منظر عام پر آئے گا اور یقیناً اس کا بھائی ایسا نہیں چاہے گا۔ خود غرضی تھی تو خود غرضی صحیح۔ لیکن وہ بھائی کو بچائے گا۔

★★★★★

ڈھٹائی اگر کسی سلطنت کا نام تھا تو عالمگیر افتخار یمن اس سلطنت کا بے تاج بادشاہ تھا۔ جواہر سادات نے اسے فون کر کے فرم بلایا تو وہ نہیں گیا، اس کے کام کی خبر دینی چاہی تو اس نے اس خبر پر بھی لعنت بھیجی۔ جواہر صاحب اس لڑکی کی وجہ سے اس پر چیخے تھے عالم عرف نخریلا داماد اس بات کو کہاں بھولنے والا تھا؟

"دروازہ بج رہا ہے، عالم۔ اگر تم کھول دو گے تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔" شام کا سمے تھا۔ لعل یمن کے صحن، لاؤنج اور کمرے میں سامان بے ترتیب پڑا ہوا تھا جسے اب سہراب اور اسلان نے ہی ٹھکانے لگانا تھا۔ سارا گھر بے ترتیبی کا شکار تھا عجیب کاہلی تھی جو اتر کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

"تمہیں زیادہ تکلیف اٹھ رہی ہے تو خود جا کر کھولو۔"

"میں کام کر رہا ہوں جاؤ جا کر دروازہ کھولو ہر دفعہ بدتمیزی نہ کیا کرو۔" اب کے سہراب کچھ بھڑک کر بولا۔ عالمگیر نے پلٹ کر قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم مری میں مرے ہوئے ہی اچھے تھے۔ میں دعا کروں گا تمہارا تبادلہ دوبارہ ہو جائے۔" سلگ کر کہتا وہ دروازہ کھولنے چلا گیا۔ "میں تو جیسے اس گھر کا ملازم بن کر رہ گیا ہوں۔" صحن پار کر کے وہ دروازے تک آیا اور دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے آدمی کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ تیوری چڑھ گئی اور دل کے زخم تازہ ہو گئے۔

"تاجور بنگش یہاں نہیں رہتی آپ غلط پتے پر تشریف لائے ہیں۔"

"بندے دا پتر بن عالمگیر۔" اسے گھوری سے نوازتے وہ اندر داخل ہوئے۔

"سہراب واپس آ گیا ہے کیا؟" لان میں بکھرے ہوئے سامان کو دیکھ کر جواہر نے پہلا سوال یہی کیا۔

"پتا نہیں اپنی تاجور سے جا کر پوچھیں۔" بے زاری سے کہتا وہ اندر چلا گیا۔ جواہر صاحب گہری سانس لیتے اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ روٹھے داماد کو اب منانا بھی تھا۔ عالم انہیں عزیز تھا۔

تھوڑی دیر بعد سہراب ان کے لیے چائے لا کر میز پر رکھ رہا تھا۔ عالمگیر اب بھی خفا تھا۔ بازو سینے پر باندھے وہ چبھتی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اگر تم نے مجھے بتایا ہوتا یا مجھے اپنے تیئں پتا ہوتا تو کیا میں کبھی بھی تمہارے ساتھ ایسا کرتا؟ تم ایک عورت پر چیخ رہے تھے، عالم۔ میرے لیے تم ایک ملازم نہیں ہو تم میرے بیٹے ہو، کیا میں اپنے بیٹے کو اس طرح بدتمیزی کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں؟"

"آپ اسے بھی نکال سکتے تھے۔"

"وہ کلائنٹ تھی۔"

"اور عالم کُتا ہے نا؟"

"تم مرد ہو یار عورتیں بولنے کی عادی ہوتی ہیں۔"

"میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو ذلیل ہو کر آ جائیں۔ میری بھی کوئی عزت ہے۔ عزت لینے کے لیے کیا جنس تبدیل کرواؤں؟" جواہر تاسف سے نفی میں سر ہلا کر رہ گئے۔

"جو میں بتانے آیا ہوں وہ سننا چاہو گے؟"

"سننا نہیں چاہتا لیکن پھر بھی کہیے۔"

"تمہیں بار بار جیل بھیجنے والے شخص کا نام ہے ڈی آئی جی خادم بٹ۔" کوئی چار سو چالیس والٹ کا کرنٹ تھا جو دونوں بھائیوں کو ایک ساتھ لگا۔ سہراب بے یقین تھا اور عالمگیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"خادم کے تمہارے سسر کے ساتھ اچھے تعلقات رہے ہیں۔"

"کونسا سسر؟" عالمگیر بول پڑا۔ اس کا مضحل ہونا بنتا تھا۔

"تم دونوں کے سسر شہروز علی۔" جواہر صاحب نے اضافہ کیا۔

"خادم بٹ اور تمہارے سسر کے درمیان کالج کے زمانے سے گہری دوستی رہی ہے اور چونکہ شہروز کو لگتا ہے کہ تم اس کی بیٹی کے قاتل ہو اس لیے خادم کی مدد سے وہ تمہیں جیل بھجواتا ہے۔ تاکہ تم سکون کی زندگی نہ گزار سکو۔" سہراب کتنی ہی دیر سناٹوں میں رہا۔ اس کی بیوی کو باپ اس کے بھائی کو جیل بھجوا تارہا ہے؟ یقیناً وہ اتنا جانتی ہو گی۔ سارے اختلاف عالمگیر اور شہروز کے تھے۔ کیا سہراب اس بات کا حقدار تھا کہ اس کی بیوی اس سے اتنی بڑی بات چھپا کر رکھے؟ وہ بیٹھے بیٹھے بے توقیر ہوا۔ میاں بیوی کے درمیان دوری محض بدگمانیاں پیدا کرتی ہے، وہ بھی بدگمان ہوا۔

"میں انکل سے بات کروں گا وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟"

"کیا بات کرو گے تم، سہراب؟" جواہر صاحب نے ٹوکا۔ "شہروز ایک عام سا ریٹائرڈ کلرک ہے۔ جو کر رہا ہے............ خادم کر رہا ہے۔ شہروز چاہے اس کا دوست ہو لیکن دنیا فی الحال مسیحائی کی ان حدود کو نہیں چھو رہی کہ کسی دوست کی خاطر ایک مہنگے اور ساکھ رکھنے والے کارپوریٹ لائیر سے دشمنی مول لے۔ اندر کا کھیل کچھ اور ہے خادم جو کر رہا ہے۔ اپنے لیے کر رہا ہے۔"

سہراب کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا اور عالم چپ چاپ بیٹھا تھا۔ سہراب غصہ کر سکتا تھا مگر عالمگیر چند لمحوں کے لیے ساکن ہو گیا تھا۔ وہ گھر جہاں ان دونوں بھائیوں کا رشتہ ایک ساتھ جڑا تھا وہاں اب اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ شہروز اس کے باپ کے بہترین دوستوں میں سے سہی، اس کے سابقہ سسر سہی لیکن بیٹی تو خون تھی نا؟ بیٹی کے قاتل کو کون بخشتا ہے؟

"خادم صاحب سے کل کا وقت مل سکتا ہے؟" چہرہ سیدھ میں رکھے جواہر کو دیکھتے ہوئے عالم نے پوچھا۔

"خادم سے کیوں ملنا ہے جو بھی بات ہے اب شہروز صاحب سے ہو گی۔" سہراب بگڑا۔

”کیا بات کرو گے تم؟ چار سال ہو گئے میری بیوی کو مرے ہوئے اور تین سال ہو گئے ہیں کہ انہوں نے تمہاری بیوی کو اپنے گھر پر بٹھا لیا ہے۔ کتنی دفعہ مصالحت کے لیے جا چکے ہو تم، اس بڈھے کی عقل میں کوئی بات گھستی ہے کیا؟ ایک ہی رٹ لگا کر بیٹھا ہے کہ یا تو عالمگیر کو قصوروار مانو یا پھر ثبوت لاؤ“ وہ پھٹ پڑا۔ تنفس تیز ہو گیا لہجہ بلند۔ ”اس سے کوئی بات نہیں ہو گی اب اس نے پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے تو میری طرف سے بھی تیار رہے۔ دو دن میں اسے سڑک پر نہ لے آیا تو عالم نام نہیں۔“ وہ تنفر اور طیش سے کہہ رہا تھا۔

”اس کے ساتھ سڑک پر آنے والی میری بیوی بھی ہو گی۔“ سہراب نے سختی سے کہا۔ ”اور تمہیں لگتا ہے میں تمہیں اس کی اجازت دوں گا؟“

”اچھا اب بس کل تم فرم آ جانا ہم دونوں ساتھ خادم کے پاس چلیں گے۔“

”میں فرم نہیں آ رہا۔“ ٹکا سا جواب۔ وہی بچوں والی ضد۔

”عالمگیر یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے جو اہر صاحب خود آئے ہیں اب کیا چاہتے ہو تم؟“ ان کی موجودگی میں سہراب تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا ورنہ جی چاہ رہا تھا کہ اس کے منہ پر تھپڑیں رسید کرے۔ ”جو بھی معاملہ تھا اب ختم کرو۔“

”ختم ہی ہے میں کل استعفیٰ جمع کروا رہا ہوں۔“ وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ ”سادات میرے بغیر چل سکتا ہے اور میں سادات کے بغیر۔ ہم دونوں آزاد ہیں۔“ وہ کیسی سفاکی سے کہہ رہا تھا۔ حوصلوں کو اس پر شک آیا۔ جواہر صاحب دکھ سے اسے دیکھے گئے۔ کیا وہ نو سال کا ساتھ نو گھنٹوں کے اندر اندر توڑ رہا تھا؟

”عالم تم کیا کہہ رہے ہو، یہ اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔“

”میرے لیے ہے، تمہارے لیے نہیں ہو گی کیونکہ تم اس بے عزتی کے عادی ہو۔ تمہارا سسر تمہاری بیوی گھر پر بٹھا لیتا ہے تم کچھ نہیں کرتے، بیوی کہتی ہے۔ بھائی کو قاتل مانو تم وہ بھی نہیں کر سکتے۔ میں تم جیسا نہیں

ہوں، سہراب۔ عالم نکالی ہوئی جگہوں پر نہیں جاتا۔" قطعیت سے کہتے ہوئے وہ ہال سے نکل گیا۔ جواہر صاحب اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ عالم کے دل کو کچھ ہو رہا تھا لیکن وہ پلٹا نہیں۔

"میں اس سے بات کروں گا سر وہ واپس آجائے گا۔" سہراب انہیں تسلی دے رہا تھا۔ دور کہیں وہ جانتے تھے پتھر اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے مگر عالمگیر کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ ہو کر رہے گا۔ چہرے پر کچھ رہ گیا تو محض ملال۔

★★★★★

آسمان پر گھنے سیاہ بادل امڈ آئے تھے۔ شام کے چھ بجے کا وقت تھا۔ جب اس نے شاہ ویر کو کال ملائی۔ سہراب اور عالمگیر اسے شاہ ویر سے ملنے سے منع کر چکے تھے لیکن اب اسے کچھ بُرا نہیں لگا کرتا تھا۔ وہ دو سال میں اتنی باتیں چھپا چکی تھی کہ ایک اور چھپا لینا یا ایک اور پر عمل نہ کرنا کوئی بڑی بات تھی ہی نہیں۔

وہ جو بگڑے تیوروں کے ساتھ تیز رفتار گاڑی چلا رہا تھا۔ نارا کی کال بھی اسی غصے سے موصول کی۔ البتہ بولا کچھ نہیں۔ بس لب بھینچے رکھے۔ وہ اس پر غصہ نکالنے سے احتراز برتتا تھا۔ "ہیلو؟ شاہی تم کہاں ہو؟"

شاہ ویر نے گہری سانس لی۔ غصہ ایک طرف رکھا اور بہ دقت اسے معتدل انداز میں جواب دیا۔ "گھر جا رہا تھا۔"

"چاچو سے مل لیے، کیا بات ہوئی؟"

"نارمل تھا سب، ہم نے کافی پی (لعنت ہو) پھر انہوں نے کچھ ضروری سوالات پوچھے (یعنی مجھے ہراساں کیا) میں نے بہت مُہذب لفظوں میں انہیں تمہارے اور میرے بارے میں بتایا (اور اس اُلو کے پٹھے نے کچھ نہیں سنا) اب وہ وقت مانگ رہے ہیں دیکھتے ہیں۔ آگے کیا ہوتا ہے (صاف انکار یقیناً)۔"

"اچھا۔" وہ دھیرے سے بولی، لبوں کو کترا۔ "ہم تھوڑی دیر کے لیے کہیں مل سکتے ہیں؟"

شاہ ویر جو گھر جا رہا تھا اس نے تیزی سے گاڑی گھمائی، چہرہ فوراً روشن ہوا۔ "کہاں آؤں میں؟"

آراہ نے اس کی پھرتیوں پر مسکراہٹ دبائی۔ "میں لوکیشن بھیج رہی ہوں جلدی آنا۔ دو گھنٹے کا وقت ہے پھر گھر بھی جانا ہے۔"

"بھیجو اور کال مت کاٹنا، میں تمہیں سنتے ہوئے تم تک آنا چاہتا ہوں۔" اس نے فرمائش کی۔ انارا نے کال نہیں کاٹی۔ قریباً پندرہ منٹ بعد شاہ ویر کی گاڑی اس مصروف شاہراہ پر نظر آئی۔ آراہ نے ہاتھ ہلایا۔ وہ گاڑی رش سے نکالتا اس کی طرف لے آیا۔ اس کے قریب گاڑی روک کر سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے وہ آگے کو ہوا اور انارا کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور اسی مسکراہٹ سے شاہ ویر کو دیکھا۔

وہ جو آگ اور خون کا دریا دیکھ کر آ رہا تھا انارا طارون کو دیکھتے ہی ہر کلفت، ہر بے زاری غائب ہو گئی۔ وہ بے بسی کی انتہا پر مسکرا رہا تھا۔ ایسے جیسے کوئی قیدی محبوب قفس میں جکڑا گیا ہو۔ آس پاس لوگ گاڑیوں سے نکل کر بک جھک رہے تھے اور وہ اسے دیکھ رہا تھا، ساتھ بے بسی سے ہنس رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"دیکھ رہا ہوں کیا ہے تم میں ایسا؟ کیسے مجھ جیسے مرد کو قابو کر کے بیٹھی ہو؟" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے پھر یونہی گیئر لگاتے ہوئے شاہ ویر ایک پل کے لیے بھی اس سے نگاہ ہٹا نہیں سکا۔

"میں نے کیا کرنا ہے تم تو شروع سے ایسے تھے۔"

"کیسا تھا؟"

"فلرٹی!"

"تمہیں دیکھ کر سب چھوڑ دیا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"تم نے سدھار دیا مجھے۔" ایک ہاتھ سے گاڑی چلاتے وہ ہنوز اس کا ایک ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

”مرد کبھی نہیں سدھرتے۔“ اس نے ناک چڑھائی۔ پھر ٹانگیں اوپر کر لیں۔ ہاتھ شاہ ویر کے ہاتھ سے نکالا۔ ”پتا ہے سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔“

”آراہ پلیز تم اب اپنے اندر کی فیمینسٹ عورت کو باہر نہ لانا۔“ شاہ ویر اکتایا۔ آراہ کی پڑھائی اور اس کا سخن ساز ایک طرف لیکن جس کام کے لیے وہ دیوانی تھی وہ تھی اس کی فیمنزم۔ عورت مارچ میں وہ بڑھ چڑھ کر حصے لیا کرتی اور مختلف آن لائن کیمپینز میں وہ پیش پیش ہوتی۔ سہراب کے توسط وہ ایک اینجیو کے ساتھ بھی منسلک تھی۔

”کیا تم فیمینسٹ نہیں ہو؟“ وہ توقع کے عین مطابق سنجیدہ ہو گئی۔ شاہ ویر بنگش پر لگانے کو فتوے بھی سوچ لیے لیکن وہ بھی کچی گولیاں کھیل کر تھوڑی بیٹھا تھا؟

”اگر تم فیمینسٹ ہو تو میں بھی ہوں، وہ سب چھوڑو یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟“

”تم میری بات پلٹ رہے ہو۔“ وہ خفا ہوئی۔

”دیکھو آراہ میں اس وقت ہم دونوں کا مزاج خراب نہیں کر سکتا لیکن مجھے ایک اور عورت اپنی ماں کی طرح نہیں چاہیے۔ ان کے نزدیک بھی مرد خاک نہیں کیونکہ وہ فیمینسٹ ہیں، حالانکہ فیمنزم کا اصل مقصد برابری ہے لیکن تم دونوں غلط مطلب اخذ کیے بیٹھی ہو اور تمہارے نزدیک بھی ایسا ہی ہے تم دونوں کے اندر کے اس دس فیصد حصے کو نظر انداز کر کے میں کسی اور موضوع پر بات کرنا پسند کروں گا۔“

”جیسے کہ؟“

”جیسے کہ یہ کہ تم ہماری منگنی پر کیا پہنو گی؟“ وہ اتنی تیزی اور اس قدر خوبصورتی سے بات کو پلٹ گیا کہ وہ شکوہ بھی نہیں کر سکی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

”کیا پہنوں؟“ نشست پر ترچھی ہو کر بیٹھی اب وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

”چاند جیسا سفید رنگ۔“ وہ بلا تامل بولا۔ ”چاند روشنی کا منبع ہے اور تمہاری حیثیت میری زندگی میں وہی ہے تم پلیز سفید ہی پہننا۔ سفید ساڑھی۔“ ایک نسبتاً کم رش والے اوپن ایئر کیفے کے سامنے اس نے گاڑی روک دی۔ اپنی طرف سے اتر کر انارا کا دروازہ کھولا۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے ایک ساتھ کھڑے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دھند بے تحاشا تھی کہ کوئی بھی منظر دکھائی نہیں دے رہا تھا، شاید ان دونوں کو دیکھنا بھی نہیں تھا۔

”مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا، انارا؟“ کافی کا کپ لبوں سے لگاتے وہ آہستگی سے بولا۔ ”تم سچ جواب دو گی تو ٹھیک ورنہ مجھے نہیں پوچھنا۔“

”میں جھوٹ بولوں گی تو تمہیں کیسے پتا چلے گا؟“

شاہ ویر ہولے سے ہنس دیا۔ پھر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”میں لکھاری ہوں چہرے پڑھنے آتے ہیں۔“

”اچھا یعنی تمہیں یہ بھی پتا چل جاتا ہو گا کہ میں کب غصہ ہوں اور کب اپنا غصہ تم پر اتار رہی ہوں؟ حالانکہ غلطی میری ہے؟“

”کیا کروں، تم میرا میلٹنگ پوائنٹ ہو، آراہ۔“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس قدر ملائمت اور نرمی سے بولا کہ انارا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ شاہ ویر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے برابر کھڑا کیا۔ یہ ہاتھ جب تک اس کے ہاتھ میں رہتا تھا زندگی سنبھلی سنبھلی لگتی تھی۔ ”میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اگر ہمارے درمیان کوئی بھی مسئلہ آ جائے تو تم مجھے بتا سکتی ہو۔“

”میں بتاتی ہوں....“ اس نے احتجاج کیا۔

”پانچ ماہ پہلے کیا ہوا تھا، آراہ؟“ ہر احتجاج یکدم ردی ہو گیا۔ چائے کی بھاپ ختم ہونے لگی آس پاس سب ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ اور جانچ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کی لرزش اپنے ہاتھ میں محسوس کر سکتا تھا۔

"کیا ہوا تھا؟" اس کی کٹھئی آنکھوں سے آنکھیں ہٹا کر وہ چور لہجے میں بولی۔

"مجھے نہیں پتا نہ میں پتا کرنا چاہتا ہوں، میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کیونکہ کچھ تو ہوا تھا۔ تم نے پورا ڈیڑھ مہینہ مجھ سے بات نہیں کی۔ میرا نمبر بلاک کر دیا، مجھ سے ہر قسم کا رابطہ ختم کر دیا۔ میں نے زید کو تمہاری یونیورسٹی بھیجا تو تم نے اس سے بات کرنے سے بھی انکار کر دیا اور پھر ایک دن مجھے کال کر کے تم نے صرف ایک ہی بات پوچھی۔"

وہ منظر آج تک ان دونوں کی آنکھوں میں قید تھا۔ زندگی کی کتاب میں روشن سا۔ وہ دونوں موبائل کان سے لگائے کھڑے تھے۔ شاہ ویر کی سرخ پڑتی آنکھیں بند تھیں۔ ان میں رتجگوں کا خمار تھا۔ انارا دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی تھی۔ آنسو چہرے پر بہتے چلے جا رہے تھے۔ شاہ ویر کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ اس کے لیے فون کی دوسری پار یہ موجودگی ہی زندگی کا حاصل وصول تھی۔ انارا چپ تھی کہ اسے اندیشے کھا رہے تھے۔

"شادی کرو گے مجھ سے؟" بہت دیر بعد وہ بولی تو اس کی آواز لرز رہی تھی۔ شاہ ویر بنگش کے اختیار میں نہیں تھا کہ سات سمندروں کا یہ فاصلہ سات لمحوں میں طے کرے اور اس کے لرزتے لہجے کو ایسا مان دے کہ وہ دوبارہ یہ سوال کرتے ہوئے کسی شش و پنج کا شکار نہ ہو۔

"تمہارے علاوہ اور کس سے کر سکتا ہوں؟" یہ مان تھا، عہد بھی، سر تسلیم خم بھی اور عہد بھی۔

"میں انسکیور ہو گئی تھی۔" ماضی کا عدم تحفظ معدوم ہوا تو مستحکم حال غالب آ گیا۔

"مجھے لگا تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔" کوئی تھپڑ تھا جو شاہ ویر کے منہ پر پوری قوت سے لگا۔ پانچ ماہ پہلے اسے پہلی بار کسی تعاقب کار کا خوف ستایا تھا۔ کیا وہ جان گئی تھی؟ "تم میرے لیے آئینہ رہے ہو، شاہی۔ آئینہ ہمیشہ سچ کہتا ہے۔ آئینے کے آگے آدھی دنیا اپنے راز کہہ دیتی ہے، رو دیتی ہے، خوشی بانٹ لیتی ہے کیونکہ وہ جج نہیں کرتا وہ ساتھی ہوتا ہے۔ سچا ساتھی۔ تم میرے لیے وہی رہے ہو لیکن تب مجھے لگا تم، تمہارا سچ، تمہاری محبت سب دھندلا ہو گیا ہے اور کچھ تھا جو تم نے مجھ سے چھپایا تھا کیونکہ۔۔۔"

”کیونکہ آئینہ کبھی جھوٹ نہیں کہتا۔“ وہ دونوں ایک ساتھ بولے شاہ ویر عجیب انداز میں اور آراہ بہ دقت۔

”کیا تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو، شاہ ویر؟“ رخ اس کی طرف موڑے نگاہوں میں ڈھیر ساری آس لیے وہ پوچھ رہی تھی۔ ہاتھ ہنوز شاہ ویر کے ہاتھ میں تھا۔ شاہ ویر کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس کا دل چاہا کہ سب بتا دے، سب کہہ دے۔ وہ تعاقب کا خوف، اس کا متوقع قتل، ہر پریشانی، ہر تکلیف۔۔۔ لیکن کیا اس سب کے بعد وہ اس کے ساتھ رہتی؟ بغیر ایک لمحے کے توقف اور سوچ کے شاہ ویر کہہ سکتا تھا۔ "ہاں" وہ رہے گی۔ لیکن وہ نہیں کہہ سکا۔

”میں تمہارا آئینہ ہوں سچ جھوٹ تلاش کر لو۔“ وہ چند پل اس کی آنکھوں میں تکتی رہی لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ چہرہ کھوج لگانا چاہا تو سب ٹھیک، سب درست۔ اس کا لمس اس میں کوئی لرزش نہیں۔ وہ سر جھٹک کر ایک بار پھر اس کے کندھے کے قریب کھڑے ہو کر دھندلکے کے پار چمکتے ستارے دیکھنے لگی۔

”تم جب چاہو تب بتا دینا۔ میں ہمیشہ تمہیں سننے کے لیے تیار رہوں گی۔“ شاہ ویر کے لیے ہر راہ ہموار کی۔ وہ کمبخت مگر دشواریوں کا عادی۔

★★★★★

لعل یمن نیم تاریکی میں ڈوبا تھا۔ بتیاں غیر روشن تھیں اور گھر میں سکوت تھا۔ ٹھٹھرتے ہوئے جاڑے میں عالمگیر اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ میز پر کافی کاغذات بکھرے ہوئے پڑے تھے، لیپ ٹاپ کی سکرین کھلی تھی اور وہ کام کرتا نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر البتہ بے چینی سی تھی۔ اسی پل اس کا موبائل تھر تھرایا۔ عالم نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو یافث کی کال تھی۔

”گھر کے باہر کھڑا ہوں آ جاؤ چائے پینے چلتے ہیں۔“

”میں کام کر رہا ہوں تم اندر آ جاؤ۔“

''سہراب ہے گھر میں؟'' دوسری طرف وہ ٹھہر کر پوچھنے لگا۔ چند سال ہوئے تھے کہ وہ کہیں جانے سے پہلے وہاں ایک دوسرے کی غیر موجودگی کی تصدیق ضرور کرتے تھے۔ پچھلے چند دنوں میں سہراب اور اس کا آمنا سامنا بہت ہوا تھا لیکن اب جب وہ واپس اس گھر آگیا تھا وہ سرد دیوار ایک بار پھر درمیان میں آکر ٹھہر گئی۔

''نہیں باہر گیا ہوا ہے اور سہراب تمہاری منگیتر تو نہیں ہے۔'' عالم ہر بار کی طرح ان دونوں کے مسئلے میں بے زار ہوا۔ ''آنا ہے تو آجاؤ میں باہر نہیں آرہا۔''

تھوڑی دیر بعد یافث اندر آگیا تھا۔ وہ دونوں اب عالمگیر کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ باقی گھر کی نسبت یہ کمرہ ایک شاہانہ انداز میں سجا تھا۔ قیمتی فرنیچر، دیواروں پر لگی عمدہ شیٹس، مہنگا اے سی اور نفیس سے پردے۔ عالمگیر صرف پیسہ کماتا نہیں تھا۔ اسے پیسے کا بے دریغ استعمال بھی آتا تھا۔ ''کہو کیا کہنا ہے؟'' مصروفیت سے بولا۔

''ضد چھوڑ دو، عالم۔'' اب کے عالم نے اسے ٹھہر کر دیکھا۔ پہلے دن کی طرح غصیلی یا انتقامی نگاہ نہیں، کل پرسوں والی ہٹ دھرم نگاہ بھی نہیں آج اس کی آنکھوں میں تکان تھی۔

''وہ اس کا دل توڑ دے گا، یافث۔'' وہ اتنے مدھم لہجے میں بولا کہ یافث بمشکل سن سکا۔ ''آراہ میری بچی ہے۔''

''تم کسی کا دل ٹوٹنے سے نہیں بچاسکتے سالوں پہلے میں اور سہراب بھی نہیں بچاسکے۔ بعض دفعہ ہم محض کاہن بن کر کسی کی زندگی میں ہونے والی متوقع بربادی کی نشاندہی کرسکتے ہیں۔ ہونے کو روک نہیں سکتے یہ صرف اور صرف اللہ کرسکتا ہے۔''

''تم چاہتے ہو، میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسے برباد ہوتے ہوئے دیکھوں؟'' وہ دبے دبے لہجے میں بولا۔ جبڑے تنے ہوئے تھے۔ ''تم اور سہراب ایسا کرسکتے ہو کیونکہ تمہارا دل نہیں ٹوٹا۔ دل ٹوٹنے کی تکلیف جانتے ہو تم؟'' کوئی کاٹ اور چبھن تھی اس کے انداز میں۔ ''ایسا نہیں ہوتا کہ آپ چند دن بعد اسے جوڑ لو گے، سالہا سال لگ جاتے ہیں۔ ٹکڑے جمع کرتے کرتے اور پھر ایک دن صرف ایک بات، ایک جھلک یا صرف ایک ذکر اور

ٹکڑے پھر ٹوٹ جاتے ہیں۔ دل ٹوٹنے میں صرف ایک لمحہ لگتا ہے اور اسے جوڑتے ہوئے ساری زندگی لگ جاتی ہے۔ میں نہیں چاہتا ایک اور انسان تباہ ہو۔ وہ انسان جو مجھے عزیز ہے۔ بنگشوں کا وکٹم، ایک اور یمن۔" کئی سال گزر چکے تھے۔ زندگی بدل گئی، لوگ آئے اور چلے گئے لیکن آج پہلی بار عالمگیر نے وہ کہہ دیا جو کئی سالوں سے سینے میں مدفن تھا۔

"تم اتنے ڈسٹرب کیوں ہو؟"

"کیونکہ "وہ" واپس آگئی ہے۔"

"میں اسے نہیں جانتا، عالم۔ میرا تعلق تم سے ہے۔ اس کا آنا مسئلہ نہیں ہے تمہیں اس کے آنے سے فرق پڑنا مسئلہ ہے۔ وہ آج بھی اتنے سال بعد بھی تم پر اثر کیوں رکھتی ہے؟"

عالم نے پہلو بدلا۔ "تمہاری کوئی دلیل مجھے راضی نہیں کر سکتی یہ شادی تو میری لاش سے گزر کر ہو گی۔"

"کون کہتا ہے یہ شادی ہو گی؟" یافث کے جملے نے اسے ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔ عالم نگاہیں اٹھائے اسے تک رہا تھا۔ "یہ شادی تو میں بھی نہیں چاہتا۔" ہاتھ جھلا کر کہا۔ عالم ذرا سا آگے ہوا، تخریب کاری میں اس کا حصے دار بننے کو جی جان سے راضی۔ "ہم صرف آراہ کی نظر میں اچھے بنیں گے۔ اسے فری ہینڈ دیں گے تم اور میں ہم دونوں جانتے ہیں یہ شادی نہیں ہو گی۔ تاجور اور اس کی ماں نیلا تھوتھا کھا کر مریں گی لیکن اس خاندان سے تعلق نہیں جوڑیں گی۔ تم خود سوچو عالم تم کیا چیز تھے؟ ایک روشن مستقبل والا مرد جب انہوں نے تمہیں ٹھکرا دیا تو آراہ کو اپنے ولی عہد کے لیے کیوں چنیں گی؟"

"واٹ ایور!" وہ بے زار ہوا۔ "میں کوئی سٹار پلس کی بہو نہیں جو ایسے منصوبے بناتا رہوں۔"

"عالم میری بات سمجھو یہ کام کرے گا۔" وہ جوش سے بولا۔ "میں تو کل پرسوں تک تمہاری ہاں کا انتظار کروں گا کیونکہ جس منصوبے کو تم پہلی دفعہ نہ کہتے ہو، وہی حرف آخر ہوتا ہے۔" کرسی پر پیچھے کو ہوتے وہ مکمل اطمینان

سے بولا۔ عالم سر جھٹک کر کام کی طرف بڑھ گیا لیکن اس کا دماغ باقاعدہ الجھ چکا تھا۔ وہ کیوں بُرا بنے جب وہ بنگش خاندان کو برا بنا سکتا ہے؟ مشورہ کام کا تو تھا۔

★★★★★

(”تمہیں ان سب پر ترس نہیں آ رہا؟“ آتش دان کے سامنے بیٹھی لڑکی متاسف ہوئی۔ میز پر کتابیں درست انداز میں سجا کر رکھتا قصہ گو اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔

”سچ کہوں تو کسی کو بھی ترس نہیں آتا۔ جو لوگ کہتے ہیں مجھے فلاں فلاں کردار پر، انسان پر ترس آیا وہ بڑے جھوٹے ہوتے ہیں۔“ وہ بے رحمی سے تبصرہ کر رہا تھا۔ ”لوگ کہتے ہیں فلاں کردار کا ماضی بُرا تھا مجھے اس کے لیے برا لگا مجھے یقین ہے اگر لکھاری اس کردار کے ماضی یا حال میں تکلیف نہ لکھتا تو یہی لوگ اٹھ اٹھ کر کہتے کہ اتنا بھی کیا ہو گیا؟ اس کہانی میں تو کوئی چارم ہی نہیں۔“

”تم کیسے ظالم فلاسفر ہو۔“ لڑکی بگڑ کر بولی۔ ”انسانی جذبات، احساسات ان سب کی تمہارے آگے کوئی قدر نہیں؟“

مرد ہلکا سا اس کی طرف مڑا اور سادگی سے کندھے اچکائے۔ ”نہیں۔“

”تم بہت ظالم ہو۔“

”میں بس ایک لکھاری ہوں۔“ اس نے تصحیح کی۔ ”کوئی ظالم ہوئے بغیر لکھاری نہیں بن سکتا۔“)

★★★★★

سہراب یمن کی گاڑی ایک مشہور نجی چینل کی عمارت کے پارکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا چھوڑے سی سی ٹی وی فوٹیج سے بچنے کی خاطر اس نے چہرے پر ہیلمٹ چڑھا رکھا تھا۔ نگاہیں سیدھ میں تھیں جہاں سے کوئی عورت آس پاس دیکھتی محتاط انداز میں چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کی اونچی ہیل کی بازگشت چہار سُو گونج

رہی تھی۔ وہ سہراب کے پاس آکر رکی نہیں۔ سیدھا گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی اس کی تقلید میں اپنی گاڑی کی اگلی نشست پر آکر بیٹھا۔ پارکنگ لاٹ بالکل خالی تھا۔

"کیوں بلایا ہے؟" وہ کوئی پینتیس چھتیس برس کی عورت تھی۔ تیکھی کمان جیسی بھنوئیں اور تندرست چہرے کے ساتھ وہ یقیناً اس چینل کا مرکزی حصہ ہوگی۔

"تمہارے لیے ایک خبر ہے، صابرہ۔"

"جلدی بولو۔" وہ مسلسل آس پاس دیکھ رہی تھی۔ "تمھارے ساتھ کوئی دیکھ لے گا اور خوامخواہ مجھ پر شک ہو گا۔ ہم کسی ایسی جگہ بھی مل سکتے تھے جہاں میرے جاننے والے نہ ہوں۔" وہ خفا تھی۔

"ایک بار ملے تھے نا یاد نہیں، میری بیوی آگئی تھی۔ دس دن لگے تھے اسے منانے میں۔"

"اوہ پلیز سب جانتے ہیں وہ تمہیں کتنا منہ لگاتی ہے۔" صابرہ نے چوٹ کی۔ "اب بتاؤ کیا خبر ہے؟"

"پہلے شرط سنو۔" اس نے ہیلمٹ اتار کر پچھلی سیٹ کی طرف اچھالا۔

"جوہر ٹاؤن میں جو چار عورتیں جل کر مر گئی تھیں۔ اس مقدمے کو تم لیڈ کر رہی تھیں، درست؟" صابرہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں۔

"جوہر فور زیرو؟" اس نے مقدمے کا نام لیا۔

"اس بارے میں تمہارے پاس جو جو خبر ہے، کاغذات ہیں وہ سب تم مجھے دو گی۔ ایف آئی آر کی پہلی کاپی، فارنزک، کرائم سین کا پہلا شوٹ اور سب سے بڑھ کر۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا۔ غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "مجھے ہر ثبوت raw چاہیے وہ نہیں جو تم نے لوگوں کو دکھایا یا جو تم سے دکھانے کو کہا گیا۔"

”کیا کر رہے ہو، سہراب؟“ وہ پوری کی پوری گھوم کر اس کی طرف دیکھنے گئی۔ چہرہ، انداز، نظر کیا نہیں تھا جو بدلا نہیں؟ ”تم شاید بھول رہے ہو لیکن میں تمہیں یاد کروا دیتی ہوں تم نے اس شہر کے سب سے بڑے خاندان کے چشم و چراغ پر ہاتھ ڈالا تھا۔ جس کی پاداش میں تین سال کے لیے تمہیں مری بھیجا گیا تھا۔ اس چھوٹے سے تھانے میں بیٹھ کر اپنا ٹیلنٹ ضائع کرنے کے بعد بھی تمہیں یہ نہیں سمجھ آیا کہ اپنی طاقت سے بڑے بڑے ماس خور جب حرام نوچیں تو انہیں دیکھ کر آگے بڑھ جانا چاہیے ان سے گوشت کا وہ ٹکڑا چھیننا نہیں چاہیے۔“

”نہ میں تب کسی کے باپ سے ڈرتا تھا نہ آج۔“

”لیکن میں ڈرتی ہوں، سہراب۔ میرے دو بچے ہیں میرا پورا خاندان ہے تم مجھ سے ثبوت لے کر جاؤ گے اور کسی کو کچھ علم نہیں ہو گا؟ آئی ایم سوری لیکن میں یہ نہیں کر سکتی۔“ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔

”میرے پاس تمہارے لیے بڑی خبر ہے، صابرہ۔“

”اور میرے پاس تمہارے لیے بہت بُری خبر ہے۔ اس مقدمے سے میں شوقیہ نہیں ہٹی۔ خاندان تباہ ہو جائے گا تمہارا بھی اور میرا بھی۔ جب یہاں آ ہی گئے ہو تو بہتر ہے کہ سکون سے رہو۔“ اس نے اپنی قمیض کا بازو اوپر کیا، کہنی سے ذرا اوپر دو گولیوں کے نشان تھے۔ ”یہ واحد نہیں، ایسے دو اور میری پیٹھ پر بھی ہیں۔ جو ہر فور زیرو میں گھسنے پر میرا انعام۔“ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ صابرہ نے صاف صاف سرخ جھنڈا دکھا دیا تھا۔ سہراب اعتراف کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس مقدمے کے پہلے ہی قدم پر وہ بری طرح رپٹ کر گرا تھا اور اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں پریویلیج کلر کا اگلا شکار کون ہے۔“ اس نے ایک آخری پتا پھینکا جو کہ درست جگہ گرا اگر جب بات زندگی اور خاندان پر آ جائے تو انسان درست صحیح بھول جاتا ہے۔ صابرہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھتی رہی۔ کیریئر یا خاندان؟

”No means No“ خاندان کو چنتے قطعیت سے کہتے ہوئے وہ پارکنگ لاٹ میں سہراب کو بے یقین چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کی اونچی ایڑھیوں والے جوتوں کی ٹک ٹک کتنی ہی دیر اس کے کانوں میں گونجتی رہی یا اس کا چہرے پر برستی رہی اسے اندازہ نہیں ہوا۔

وہ چلی گئی تھی۔ سہراب کتنی ہی دیر باقاعدہ شل رہا۔ لاہور میں اس نے سولہ سال سروس کی تھی اور اس دوران ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ صابرہ اس بری طرح سے اس کی پیشکش رد کر گئی ہو۔ تھوڑی دیر بعد پارکنگ سے گاڑی نکالتے ہوئے وہ کسی کو کال ملا رہا تھا۔ ایک کام نہیں ہو سکا اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ دوسرا کام لٹکا کر رکھے۔

”ہیلو معین کچھ بھیج رہا ہوں کل تک وائرل کروانا ہے، ہو جائے گا؟“ معین خان سوشل میڈیا مینجر تھا۔ جن بڑے بڑے پیجز کے بڑی تعداد میں فالورز ہوتے وہ ان کے ذریعے جو چاہے پوسٹ کروا دیتا اور اگلے دن وہ سوشل میڈیا کا ”گرم گرم تذکرہ“ یا پھر جین زی کی زبان میں "tea" ہوتی۔

”بیس ہزار لگیں گے۔“

”دس بھیج رہا ہوں۔“

”نہیں ہو سکے گا۔“ ٹکا سا جواب۔

”میں دوبارہ لاہور آگیا ہوں، معین۔“ وہ کچھ جتاتے ہوئے بولا۔ دوسری طرف خاموشی کا ذرا سا وقفہ آیا۔ لاہور میں اس کی واپسی یوں تھی جیسے کسی کافر کا مسجد میں داخلہ اور اگر یہ ہو ہی گیا تھا تو یقیناً قاضی وقت شامل تھا۔ کوئی وقت کے قاضی سے دشمنی لیتا ہے کیا؟

”ہو جائے گا، سر۔“ اس نے فون کاٹ دیا۔ سہراب اب ایک نئے معرکے کا سوچنے لگا۔ آہ ایک آدمی ہزار کام کہاں جائے وہ؟

★★★★★

ڈاکٹر اریبہ کے کلینک میں بیٹھے وہ دونوں میاں بیوی اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھے۔ تاجور کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا شخص تاجور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک حوصلہ افزاء مسکراہٹ تھی۔ آس پاس دیواروں پر ننھے بچوں کی تصاویر لگی تھیں۔ حمل کی یقین دہانی کی امید بھی۔

"پریشان مت ہو، تاج۔ تم دیکھنا اس بار سب اچھا اچھا ہو گا۔" ابتسام اس کے مومی ہاتھ کو ہولے ہولے تھپک رہا تھا۔ "سب ٹھیک ہو گا۔"

تاج نے بس سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ اس کا دل کوئی اچھی پیش گوئی نہیں کر رہا تھا۔ چند پل بعد ڈاکٹر اریبہ آتی ہوئی دکھائی دیں۔ شہر کی سب سے مشہور اور مہنگی گائنا کالوجسٹ۔ وہ ادھیڑ عمر تھی، چہرہ ذرا کرختگی لیے ہوئے تھا۔ اپنی نشست سنبھالتے وہ دونوں ہاتھ باہم ملائے آگے کو ہو کر بیٹھیں۔

"ہم نے آپ دونوں کے تمام معائنے کر کے دیکھے ہیں مسز ابتسام۔" وہ گویا ہوئیں۔ "بہت ہی افسوس کے ساتھ مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کبھی ماں نہیں بن سکیں گی۔" کچھ بے حد سرد سا تھا جس نے تاجور کی ریڑھ کی ہڈی کو سُن کر دیا۔ "میں آپ کو آپ کی میڈیکل حالت بیان کر دیتی ہوں، دیکھیں میڈیکل کی زبان میں...."

"بس ایک اور لفظ نہیں۔" وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابتسام اس کے ساتھ کھڑا ہوا تاج کو بازو کے حلقے میں لینے کی کوشش کی لیکن اس نے بڑی بے دردی سے اسے جھٹکا۔

"کیا اب آپ یہ طے کریں گی کہ میں ماں بن سکتی ہوں یا نہیں؟" وہ حلق کے بل غرائی۔ جسم جیسے شل ہو رہا ہو وہ بے یقینی سے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔ "میں اپنا علاج کسی اچھے ڈاکٹر سے کرواؤں گی اور آپ...." مارے غیض کے اس کے حلق سے الفاظ غراہٹ کی صورت باہر آ رہے تھے۔

"میں نہیں جو کہہ رہی میڈیکل رپورٹ کہہ رہی ہے۔ آپ ایک بار تحمل سے بیٹھ کر میری بات سنیں تو سہی۔ میڈیکل بہت ترقی کر چکا ہے آپ۔۔۔۔"

"ہم اگلی بار آئیں گے آئی ایم سو سوری۔" ابتسام نے اسے بازو کے حلقے میں لیا۔ "آئی ایم سو سوری ڈاکٹر۔ میرا سیکریٹری آپ کے بلز کلئیر کر دے گا۔ پلیز آپ بُرا مت منائیے گا۔" ابتسام معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ جھوٹ ہے، ابتسام۔ تم ان کی باتوں میں نہ آؤ۔" تاجور اب بھی دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بمشکل بول پا رہی تھی۔ کچھ تھا کوئی ملال اور تحیر سا جو اس کے دل میں میخیں لگا کر گڑھتا جا رہا تھا۔ کوئی برسوں کی امید تھی جو جل کر خاک ہو رہی تھی۔

اگلے کئی لمحے سست روی سے گزرے ابتسام اسے کلینک سے گاڑی تک لایا، وہ اس کے لبوں سے پانی کی بوتل لگا رہا تھا۔ اس کی پیٹھ تھپک رہا تھا مگر تاجور کی آنکھوں سے پانی بہتا جا رہا تھا۔ یہ صدمہ تھا لیکن چند دن قبل عالم کی بیٹی کی خبر سننے کے بعد یہ صدمے سے بڑھ کر تھا۔ یہ دل اور انا کا ایک ساتھ ٹوٹنا تھا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا، تاج۔ ڈونٹ وری۔" گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھے وہ اب اسے اپنے سینے سے لگائے متفکر سا کہہ رہا تھا۔ دور کہیں وہ جانتا تھا اس کی بیوی اب اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ برسوں سے جو ایک امید تھی وہ ٹوٹ گئی تھی۔

★★★★★

آشیانہ بنگش میں گہرا سناٹا تھا۔ حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ جن دنوں شاہ ویر گھر میں موجود ہو تب کہیں خاموشی یا اداسی ہو۔ وہ کبھی اپنے دوست بُلا لیتا، کبھی اپنے آنے کی دعوت میں لوگ بلواتا، کبھی کسی فلم، کسی ڈرامے کی کامیابی کا کھانا گھر پر رکھتا۔ لیکن اس بار اس کی واپسی بے حد خاموش سی تھی۔ طوفان سے قبل کی خاموشی۔

"زید کہاں ہے؟" زینے طے کرتے ہوئے وہ رکا اور طشت ہاتھ میں لیے نیچے جاتی سمانتھا کو دیکھ کر پوچھا۔ انداز میں بے حد تکان تھی۔

”وہ تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔“ وہ رکی، لہجہ مزید شیریں بنایا۔ ”مسز بنگش کھانے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ کھانا لگا دوں؟“

”میں زید کو لے کر آتا ہوں، تم لگا دو کھانا۔“

”مسز بنگش نے کہا ہے کہ صرف آپ اور وہ ایک ساتھ کھانا کھائیں گے۔“ شاہ ویر نے بہت کچھ حلق میں اتارا۔ وہ واقعی اپنی ماں کا فرماں بردار بیٹا تھا لیکن انارا کے لیے اس کی وابستگی کے درمیان وہ کسی کی مداخلت برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اسے یقین تھا اس کی ماں اب تک پگھل چکی ہو گی، نہ پگھلی تو مجبوراً بغاوت۔

”میں دس منٹ تک آتا ہوں۔“ وہ کہہ کر زید کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولتے وہ اندر داخل ہوا تو گھپ اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ شاہ ویر نے ہاتھ مار کر بتیاں روشن کیں اور اس کی نگاہ شاہ زید پر پڑی۔ وہ دھک سے رہ گیا۔ ”زید کیا ہوا ہے؟“ وہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بکھری سی حالت والا لڑکا اسے اپنا بھائی نہ لگا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔ اس کا چہرہ ہاتھوں سے نکال کر اپنے سامنے کیا۔ چہرے پر تشویش تھی۔ ”سب ٹھیک ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟“

”وہ میری وجہ سے مرا ہے، ویر۔“ وہ ایسی دلگرفتگی سے بولا کہ شاہ ویر کا دل کٹ کر رہ گیا۔

”اس قاتل نے اسے بخش دیا تھا۔ اس کی اب اپنی ایک زندگی تھی جہاں میں بار بار داخل ہوتا تھا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں بچانے کی خاطر اسے مرنے دیا۔“ اس نے ایک بار پھر سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔ ”شکیل مر گیا، ویر میری وجہ سے مر گیا۔“ شاہ ویر کا سارا وجود کتنی ہی دیر سناٹوں میں رہا۔ وہ یہاں زید سے اس بات پر لڑنے آیا تھا کہ ایجنٹ اسکار اور سحر اب یمن اگر ایک ہی انسان تھے تو اسے پہلے علم کیسے نہ ہوا؟ لیکن یہاں تو لڑنے یا سوال کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ وہ شاہ ویر سے زیادہ تکلیف میں تھا۔

”ادھر دیکھو، زید۔“ وہ اسے کندھوں سے تھام کر اس کا چہرہ اونچا کرنے لگا۔ ”تم کسی کو بچا نہیں سکتے۔ اس کی موت لکھی تھی اور اسی طرح لکھی تھی۔ تم نے کچھ نہیں کیا۔ اس کی زندگی ہی اتنی تھی۔“

”یہ ساری میری غلطی ہے، میں تمہارے لیے خودغرض ہو رہا تھا۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا، ویر۔“ وہ مزید رونے لگا۔

”مجھے کچھ نہیں ہوگا۔“ سارے عرصے میں وہ پہلی بار ایسے مضبوط اور مستحکم انداز میں بولا۔ ”وہ قاتل یا کوئی اور اٹھ کر مجھے مار نہیں سکتا، میں کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا۔ تم دیکھتے جاؤ زید۔ اگر وہ کسی قسم کا پریولج کلر ہے تو اس کی اس طاقت کا قتل میں کروں گا۔“

شاہ زید نے سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ”قتل؟“

”قاتل کا قتل۔“ تصیح۔ ”وہ کوئی اور ہوں گے جو اس کے ہاتھوں مر گئے۔ میرا یقین کرو زید اس نے غلط آدمی چن لیا ہے۔ میں اسے قبر تک چھوڑ کر آؤں گا۔“

”وہ بہت خطرناک ہے، ویر۔ وہ ٹرافی کلیکٹر ہے۔ (ٹرافی کلیکٹر ان قاتلوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے مقتول کی کوئی نشانی اپنے ساتھ رکھتے ہوں) وہ پورا سائیکو پیتھ ہے اس نے سترہ لوگوں کا قتل کیا ہے۔ وہ بہت خطرناک ہے ہم غلط جگہ پھنس گئے ہیں۔“

”صرف ہم نہیں، وہ بھی۔“ شاہ ویر نے اسے اعتماد دلایا۔ پھر نیچے بیٹھ کر اس کے جوتے اتارنے لگا۔ ”وہ بھی بہت غلط جگہ پھنس گیا ہے وہ غلطیاں کر رہا ہے، زید۔ وہ تو صرف ان لوگوں کو مارتا ہے جنہیں مارنے کے لیے اس کے پاس موٹِو ہو۔ شکیل کا قتل اس کی بوکھلاہٹ ہے۔ وہ پاگل ہو رہا ہے۔ وہ ہم سے ڈر رہا ہے۔ کھیل اور مہرے اب دو طرفہ ہیں۔“ اس کی آنکھیں، لہجہ، انداز لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے شاہ ویر بنگش ایک الگ انسان نظر آیا۔

“gather yourself it's time to fight back”

زید نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ شاہ ویر نے اسے لٹا دیا اور کمفرٹر اس کے اوپر ڈالا۔ خود وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ ”سو جاؤ صبح تک سب صحیح ہو جائے گا۔ تم نے کچھ نہیں کیا، کوئی تمہاری وجہ سے نہیں مرا۔“

”مجھے دیر نہیں کرنی، ویر۔ اس بار نہیں۔“ اس کے گرد اپنا بازو لپیٹتے کرب سے کہا۔ وہ کہاں، کس جگہ، کیا بات کر رہا تھا۔ شاہ ویر جانتا تھا مگر یہ آگاہی اسے شل کر گئی۔ کیا اس کا بھائی آج تک وہ بات نہیں بھولا؟ شاید اسی لیے غم اور خوشی میں سوچ سمجھ کر بولنے کو کہا جاتا ہے.........شاید۔ آج رات کا کھانا تو رد ہوا۔

★★★★★

”ماضی!“

”عالم اٹھو۔۔۔۔ عالمگیر اٹھ جاؤ بھائی۔“ نیند سے جھنجھوڑے جانے پر اس نے نیم خوابیدہ آنکھیں کھول کر یافث کو دیکھا جو بوکھلایا ہوا تھا۔ ٹی شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس وہ خود ابھی ابھی نیند سے جاگا ہوا لگ رہا تھا۔ حواس معطل تھے۔

”کیا ہے تمہاری ماں مر گئی ہے؟“

”بھائی تیری ماں باہر کھڑی ہے۔ تاجور بنگش ہمارے گھر کے باہر کھڑی ہے۔“ عالم کی نیند بھک سے اڑی۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ لائسنس والے واقعے کو تین دن ہو چکے تھے۔ دونوں کے درمیان تین دن کوئی بات نہیں ہوئی اور آج وہ اچانک باہر آگئی تھی۔ سبز سفید رنگ کے دھاری دار شب خوابی کے لباس والا مرد متحیر تھا۔

”تاج؟“

”ہاں اپنی گاڑی میں آئی ہے۔ تمہیں لینے آئی ہے۔“

”میرے کپڑے نکالو، میں پانچ منٹ میں آرہا ہوں۔“ یافث کو حکم دیتے ہوئے وہ باتھ روم میں غائب ہو گیا۔

”کون سے کپڑے نکالوں؟“ وہ پیچھے سے چلایا۔

”کوئی بھی نکال دو سب اچھے والے رکھے ہیں۔ دائیں طرف والی الماری میں دیکھو۔“ عالم نے اندر سے ہی ہانک لگائی۔ لعل یمن دو منزلہ گھر تھا۔ اوپری منزل پر سہراب، عالم اور یافث رہا کرتے تھے۔ گویا کہ یافث کا اپنا گھر تھا لیکن اپنی ماں کے اپنی خالہ کے پاس لندن جانے کے بعد وہ زیادہ تر یہیں رہتا تھا۔ ایک تو گھر کی تنہائی دوسرا عالمگیر کی ضد اوپری پورشن ان تینوں کے لیے مختص ہو گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر، برش کر کے وہ باہر آیا، کپڑے تبدیل کیے اور بٹوے میں کچھ پیسے رکھ کر تیزی سے نیچے آیا۔ جہاں محلے کے سارے بچے گاڑی کے گرد جمع تھے۔ دروازوں اور کھڑکیوں سے جھانکتی عورتیں کن سوئیاں لیتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھی تاج اسے دیکھ کر مسکرائی۔

عالم بھی گہرا مسکرایا۔ اس کی ہیزل آنکھیں اس کے ساتھ مسکرا رہی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھ گاڑی کے شیشے پر رکھ کر آگے کو جھکا تو بھورے بال ماتھے پر آ کر گرے۔ ”مجھے محلے میں بدنام کرواؤ گی کیا؟“

”تم تو بڑے بزدل نکلے مجھے لگا تھا تم ہر خوف سے آزاد ہو۔“ دوسری طرف سے گاڑی کا دروازہ کھولتے عالم اندر آ کر بیٹھا۔

”بے خوف کوئی نہیں ہوتا تاج بی بی۔ ہاں مگر میں خوف کو خود پر حاوی ہونے نہیں دیتا۔“ تاجور نے اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھتے گاڑی آگے بڑھائی۔ کئی نظریں اس کی طرف اٹھیں، کئی لوگوں نے نگاہیں پھیر پھیر کر اسے بڑی سی گاڑی میں کسی میم صاحب کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا۔ لعل یمن کے لان میں سہراب کے ساتھ کھڑی میرال شہروز شیرازی بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے وہ گیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ، اس کی عجلت، آنکھوں کی وہ چمک اس لڑکی کا دل سکڑ کر پھیلا۔

"تمہارے دل کی کرچیاں کوڑے دان میں پھینک کر آؤں؟" چائے کا کپ لے کر آتا سہراب مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ میرال کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

"یہ کون تھی؟"

"تاجور بنگش۔ چند سال بعد تاجور عالمگیر یمن۔" وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔ چائے گھونٹ گھونٹ پیتے وہ میرال کو دیکھ رہا تھا۔ "شادی میں آؤ گی نا؟"

"سہراب تم اپنی بکواس بند کرو۔" وہ بری طرح خائف ہوئی۔ دل پر کسی نے انگارے ڈال دیے تھے۔ "تم میرے دوست ہو یا دشمن؟"

"دوست ہوں اس لئے مشورہ دے رہا ہوں اسے بھول کر آگے بڑھو، عالم آسمانوں میں دیکھتا ہے اور تم زمین پر چلنے والوں میں سے ہو۔" چائے کا کپ لے کر وہ تو چلا گیا مگر اڑتی ہوئی بھاپ میں میرال کو عالمگیر کے ساتھ اپنا مستقبل دھندلا نظر آیا۔ کیا وہ واقعی کسی اور کی طرف مائل تھا؟

دوسری جانب عالمگیر اور تاجور کیفے میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پر کافی کے بھرے ہوئے مگ رکھے تھے۔ عالم ایک بار پھر دھیمے شائستہ انداز میں بول رہا تھا اور تاجور ٹھوڑی تلے ہتھیلی ٹکائے مکمل توجہ سے اسے سن رہی تھی۔

"تمہارا گھر کافی اچھا ہے۔ کلچرل سا، old school aesthetic type مجھے اچھا لگا۔"

"تھینکیو۔" عالم نے سر کو خم دیا۔ تاجور ٹھہر گئی وہ ہر دفعہ جب بھی کسی مڈل کلاس لڑکے سے اس کے گھر یا گاڑی کی تعریف کرتی تھی وہ آگے بچھنے کے لیے تیار ہو جایا کرتا تھا۔ یہ مختلف تھا۔ تعریفیں یوں سمیٹتا تھا جیسے پیدائشی حق ہو۔ "اگلی بار اس طرح جانے نہیں دوں گا۔ اندر آ کر کافی پینی ہو گی تمہیں۔"

"تم مجھے اپنے گھر لے جاؤ گے؟"

"کیوں تم نہیں آنا چاہتیں؟" اس نے مگ لبوں سے لگایا۔

تاجور خفیف سی ہوئی۔ "تم لوگوں میں برا نہیں مانا جاتا؟ ایسے کسی لڑکی کو اپنے گھر بلانا؟" وہ اپنے مگ میں موجود مائع ہلا رہی تھی۔

"لگتا تو ہے لیکن اگر کوئی اپنی مستقبل کی بیوی کو کافی پلانے گھر بلائے تب ہم برا نہیں مانتے۔" تاج بے اختیار کھکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے رخسار سرخ پڑ رہے تھے۔ عالمگیر مبہوت رہ گیا۔ وہ خوبصورت تھی یا بس اسے لگتی تھی؟

"تم مجھے پروپوز کر رہے ہو، وہ بھی دوسری ملاقات میں؟"

اب کے عالم نے اسی کے انداز میں ٹھوڑی ہتھیلی تلے ٹکائی اور فرصت سے اسے تکا۔ "تمہیں مسئلہ کس چیز سے ہے، میرے پروپوزل سے یا دوسری ملاقات سے؟" تاجور آگے کو ہوئی۔ اب وہ دونوں بغیر کسی دقت کے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ سکتے تھے۔ گہری کتھئی آنکھیں، ہیزل آنکھوں میں مدغم ہو رہی تھیں۔

"مسئلہ تمہاری اونچی ناک تھی۔ تین دن پہلے جب تم مجھے بچانے کے لیے میرے ڈرائیور بننے کے لیے تیار ہو گئے تھے تب سارے مسئلے حل ہو گئے۔ اسی لیے تو میں تمہیں بدنام کروانے چلی آئی۔" عالم ہنستے ہوئے محظوظ سا پیچھے ہوا۔ تاجور بھی مسکرائی وہ دونوں چند پل ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر ایک ساتھ ہنس دیے۔ مستقبل کے ہر خوف سے پاک قہقہے۔

★★★★★

"حال"

صبح صادق کا سمے تھا۔ آسمان کی سیاہی وداع لے رہی تھی۔ یافث طارون کے فلیٹ کے باہر دروازے پر کھڑا شخص گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ جو ساری رات ادھ جاگی اور ادھ سوئی حالت میں رہی تھی۔ گھنٹی کی آواز سن پیر تیزی سے بستر سے نیچے اتارے اور دوڑ کر باہر آ کر دروازہ کھولا۔

"آج تو تم ہواؤں سے بھی تیز آئی ہو۔" سہراب اسے دیکھتے ہوئے اندر آیا۔ وہ شاید جاگنگ سے لوٹا تھا۔ ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔

"اور تم کس خوشی میں روز روز آرہے ہو؟" کلائی پر گھڑی باندھتے یافث اپنے کمرے سے باہر آرہا تھا۔ وہ اب جم جانے کو تیار تھا۔ "عدالتی احکام کے مطابق تمہارا خاندان انارا سے مہینے میں صرف ایک دن مل سکتا ہے اور وہ دن ہم دونوں طے کرلیتے ہیں۔ اب بار بار یہاں آ کر کیا فائدہ؟" بہت دنوں بعد ان دونوں کے درمیان آج پھر تلخ کلامی ہوئی تھی۔

"انارا بچے تمہاری ماں نے کل کوئی کال کی تھی کیا؟" یافث کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک لفظ تحقیر سے کہا۔

"میری بہن کا یہاں کیا ذکر؟"

"درست کہا صبح صبح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یاد کرتے ہیں میں ابلیس کو کیوں یاد کر رہا ہوں؟"

"چاچو پلیز وہ میری ماں ہیں۔" یافث سے پہلے اسے آراہ نے ٹوکا۔

"مائیں ایسی نہیں ہوتیں بیٹا۔"

"باپ بھی ویسے گھٹیا نہیں ہوتے جیسا شجاع یمن ہے۔" یافث نے کہا۔

"totally agreed" سہراب بے حد سہولت سے بولا۔ اس نے انکار کیا ہی کب تھا؟ یافث کو بہت اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے انکار کب کیا تھا۔ تب جب وہ اپنی بہن کا زخمی چہرہ دیکھ کر شجاع کی شکایت لے کر سہراب کے پاس آیا تھا اور تب بھی جب۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے، آراہ۔ کپڑے بدل کر آؤ باہر چل رہے ہیں۔" اس کے خیالات کی رو بھٹکی۔

"آراہ کہیں نہیں جائے گی۔" یافث درمیان آیا۔ بھاڑ میں گئی مروت، پرانی دوستی اور رشتے داری۔ "تم عدالتی احکامات کے خلاف جارہے ہو۔" سہراب نے ٹھنڈی ٹھار نظروں سے اسے دیکھا۔ فشارِ خون انتہائی تیز ہو گیا تھا۔

"عدالت نے بچوں کی تحویل ان کے ماں اور باپ کے درمیان بانٹی تھی اور وہ دونوں بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ عدالت نے کبھی بھی یہ نہیں کہا تھا کہ یمن اور طارون صاحب آپ مسیحائی کے سرغنہ بن کر بچے آپس میں بانٹ لیں اس لیے۔" وہ آگے آیا۔ "مجھے مت بتاؤ عدالت کیا کہتی ہے اور کیا نہیں ورنہ میں عدالت کو بتاؤں گا کہ تم نے تحویل کے قصے میں کیا کیا اور کیا نہیں۔ مجھے مجبور مت کرو، طارون۔"

یافث نے لب بھینچ لیے۔ کہنے کو اس کے پاس بہت کچھ تھا لیکن عدالت اور قانونی معاملات میں سہراب سے بحث بازی کے لیے اسے دس ہزار بار پیدا ہو کر آنا پڑے گا۔ سو ایک قدم پیچھے لینا سمجھداری تھی۔

"یہ آخری بار ہے، سہراب۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ سہراب پر خاک اثر نہ ہوا۔ "جو بھی بات کرنی ہے یہیں بیٹھ کر کرو، آراہ گھر سے باہر نہیں جائے گی۔"

"اور اسے کون روکے گا؟"

"چاچو پلیز، ہم یہیں بات کر لیتے ہیں۔" وہ روہانسی ہوئی۔ سہراب نے پلٹ کر اسے دیکھا پھر ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالتے انارا کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف آیا۔ چند پل بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے تھے۔ کھلی کھڑکی سے ہلکی سی روشنی اندر داخل ہو رہی تھی۔ سہراب اس کے سامنے سنگل بیڈ پر ایک ٹانگ لٹکائے اور گھٹنا موڑے بیٹھا تھا۔ "تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے مجھے۔" سہراب نے نرمی سے کہنا شروع کیا۔

"آپ پہلے یہ بتائیں آپ کو شاہ ویر کیسا لگا؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔ سہراب نے ٹھہر کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ محبت سے ایک دو بار تھپکا۔

”وہ اگر اس دنیا کا سب سے بہترین مرد بھی ہوا تب بھی تمہاری شادی اس سے نہیں ہو سکتی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور تم جانتی ہو اگر میں فیصلہ کر لوں تو اس گھر میں وہی کام ہوتا ہے۔“ انارا بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ آنکھوں کا گیلا پن غائب ہو گیا وہ بس شل تھی۔

”آپ۔......... آپ اتنی جلدی فیصلہ کیسے لے سکتے ہیں؟“ اس نے بمشکل خود کو شدید ردعمل دینے سے روک رکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کسی نے اس کی آتی جاتی سانس بند کر دی ہو۔ ”وہ بُرا نہیں ہے چاچو آپ نہیں جانتے، وہ ہر کام ہر تعلق ٹھیک کر دیتا ہے وہ....“ الفاظ ختم ہو گئے اور اب آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سہراب نے مزید سختی سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ”وہ بہت اچھا ہے چاچو۔“

”میں جانتا ہوں تم اس کے بارے میں کیا سوچتی ہو۔ میں شجاع سے پوچھ چکا ہوں وہ نیو یارک میں تمہارے لیے کیا کیا کر تا رہا ہے۔ تمہاری زندگی کے برے وقت میں جو آدمی فرشتے کی طرح آیا تھا لیکن اس کا اپنا برا وقت شروع ہو چکا ہے۔“ وہ کیا کہہ رہا تھا، کیوں کہہ رہا تھا آراہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

”تمہیں لگتا ہے تمہارے والدین کی شادی ناکام تھی کیونکہ شجاع ”ذمہ دار“ نہیں تھا اور تم ایک بہترین زندگی گزارو گی کیونکہ شاہ ویر بنگش ایک بہترین مرد ہے تو اس بھرم سے نکل آؤ انارا۔ تمہاری فیری ٹیل پہلے دن سے جھوٹ اور ردی ہے۔“ کوئی اسے سکھائے کہ الفاظ ضرورت سے زیادہ سخت تھے۔

انارا نے ہاتھ چھڑوائے، سہراب کی گرفت مگر ہلکی نہیں تھی۔ ”وہ تمہارا پرنس چارمنگ تمہیں بچانے نہیں آ رہا کیونکہ وہ خود کسی دیو کی قید میں ہے۔“ سہراب ایک پل کو رکا، چند مہذب لفظ تلاشے۔

”وہ مر رہا ہے، انارا۔ کسی سیریل کلر کا وکٹم نمبر اٹھارہ ہے شاہ ویر بنگش۔“ کوئی صور تھا جو اس کے کانوں میں پھونک دیا گیا۔ وہ بہت دیر تک بنا پلکیں جھپکے، بغیر سانس لیے ساکن سی اسے دیکھتی رہی۔ ”وہ جو خود مر رہا ہے تم اس کے ساتھ جینے کی بات کر رہی ہو؟“

”آپ اسے بچا نہیں سکتے؟“آس، منت، لجاجت سب سمیٹ کر اس کا جملہ بنا۔ اس نے سہراب کے ہاتھ سختی سے تھام لیے۔ سہراب یمن نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

”میرا کام اسے بچانا نہیں ہے۔ سچ پوچھو تو میں اپنی آنکھوں کے سامنے اس کی موت دیکھنا چاہتا ہوں بس ایک بار میں ”اس“ کو اپنی زندگی میں دوبارہ دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ۔“

”کیونکہ آپ قاتل کا قتل کرنا چاہتے ہیں؟“تیزی سے ہاتھ چھڑاتے وہ تحیر زدہ سی پیچھے ہوئی۔ سانس رک رک کر آ رہا تھا۔ اس کا دل جل رہا تھا۔ ”آپ صرف اور صرف اپنی آبسیشن کے پیچھے ہیں؟“

”تم وقت لو ہم دوبارہ بات کریں گے۔“ وہ بغیر اثر لیے بولا۔ وہ کہہ کر اٹھ گیا لیکن انارا کی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔ وکٹم نمبر اٹھارہ۔۔۔ وہ تو اس لفظ سے آگے بڑھ ہی نہیں سکی۔ اس کی ساری زندگی یہیں اسی جگہ جمود کا شکار ہو گئی۔

★★★★★

عالمگیر یمن کی نئی گاڑی عدالت کے باہر آ کر رکی۔ وہ ایک لمبے عرصے بعد آج دوبارہ یہاں آیا تھا۔ آس پاس کافی شور تھا لوگ آ جا رہے تھے۔

”آپ ہو کر آجاؤ میں یہیں ہوں۔“ گاڑی کے اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ رکھے اسلان نے اکتاہٹ سے کہا۔ عالم اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نکلا اور اس کے لیے دروازہ کھولا۔

”باہر نکلو ابھی کے ابھی۔“ حکم دیا۔ لبوں سے گہری سانس خارج کرتا وہ باہر نکل آیا۔ سیاہ ہینلی میں خاکی پینٹس کے ساتھ آنکھیں چھوٹی کیے وہ لمبے لمبے گام بھرتا عالم کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ کوئی بے لاگ تبصرہ بھی کر دیتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک سنوائی کا حصہ تھے۔ چبوترے پر رکھی کرسی پر بیٹھی جج صاحبہ دفاع کے دلائل سن رہی تھیں۔ کرسیوں پر بیٹھے لوگ کھسر پھسر ترک کیے سامنے دیکھ رہے تھے۔ وکیل دفاع کوئی عورت تھی، جس کی آواز عدالت میں گونج رہی تھی۔

”جناب میرے موکل خالد حسن تیئیس جنوری کی صبح اس سیاسی جلوس کا حصہ ضرور تھے، انہوں نے مخالفت بھی کی لیکن صرف اور صرف ایک سیاسی جماعت کی مخالفت۔“ وکیل دفاع سفید شلوار قمیص کے اوپر سیاہ کوٹ پہنے ہوئے، بااعتماد انداز میں بول رہی تھی۔ اسلان کی طرف اس کی پشت تھی وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا لیکن اس کی کمر پر بکھرے بال کافی لمبے اور خوب صورت تھے۔ بات کرتے ہوئے ایک ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی۔

”ریاست کے خلاف نعرے بازی اور ریاست کی ملکیت کو نقصان پہنچانے کی ایف آئی آر ضرور ہے لیکن گواہ کوئی نہیں، سی سی ٹی وی فوٹیج کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی ایسے ثبوت جن کی بنا پر میرے موکل کو سلاخوں کے پیچھے رکھا جائے۔ جناب اعلیٰ کیا اس ملک میں ایک شہری کو آزادی رائے کا کوئی حق نہیں، کیا ایک شہری ایک پُرامن احتجاج کا حصہ نہیں بن سکتا؟“ وہ ہلکا سا مڑی تو اس کا داہنا رخ نظر آیا۔ اس کے کانوں میں نازک سی بالیاں تھیں جن پر دھوپ پڑنے سے طلائی چمک ابھر رہی تھی۔

”کیا استغاثہ کے پاس کوئی شواہد موجود ہیں؟“ جج نے دوسری طرف بیٹھے وکیل سے سوال کیا جو بڑا ہی پر سکون تھا۔ اس نے ایک نگاہ کٹہرے میں کھڑے ملزم پر ڈالی، دوسری وکیل دفاع پر۔ انجمن تاجران کا صدر، شہر کا معزز آدمی چار ماہ سے سلاخوں کے پیچھے تھا اور اسے لگ رہا تھا بنفشہ احسان اسے بچالے گی۔ استغاثہ کو اس پر ترس آیا۔

”جی جناب ثبوت ہیں۔“ وہ اٹھ کر آگے آیا، اس کی نگاہوں کی تضحیک ایسی تھی کہ اس کے سامنے کھڑی پستہ قد دبلی پتلی وکیل کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے موکل کو دیکھا...... اسے یقین تھا اس سے کچھ چھپایا نہیں گیا، کوئی اس سے کیا ہی چھپا سکتا تھا؟

"یہ رہا پہلا ثبوت۔" موبائل جج کے ریڈر کی طرف بڑھایا گیا جس میں ایک ویڈیو چل رہی تھی آواز اتنی تیز تھی کہ بنفشہ احسان اسے سن سکتی تھی۔ یہ خالد حسن کی آواز سے ملتی آواز تھی ہاں مگر یہ اس کے موکل کی آواز نہیں تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے موکل کو دیکھا، مگر اس کا چہرہ صاف تھا کوئی راز نہیں۔

یہ آواز کسی اور کی تھی یہ کوئی اور تھا جو عوام میں اشتعال اور طیش لگانے کو بڑھ چڑھ کر ریاست کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ خالد کی رنگت سفید پڑی۔ "جناب یہ شخص جسے آپ نعرے لگاتے ہوئے سن رہے ہیں یہ خالد حسن کا بیٹا ہے۔"

"آبجیکشن مائی لارڈ یہ کیس خالد حسن کے بیٹے کا نہیں ہے۔" وہ تندہی سے بولی۔ نگاہوں میں بے چینی ابھری۔ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے اسلان نے اس کا چہرہ سرخ پڑتے دیکھا۔ "استغاثہ کیس کا رخ بدل رہے ہیں۔"

اس کے عقب میں بیٹھے اسلان یمن کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ "وہ آہستہ بھی بول سکتی ہے۔"

"اسے غصہ آ رہا ہے۔" عالم نے تبصرہ کیا۔

"اسے اپنے غصے پر کنٹرول کرنا چاہیے عدالت میں جو ٹرگر ہوتا ہے وہ ہارتا ہے۔"

"agreed" سر کو خم دیا۔

"وکالت ڈھٹائی کا نام ہے۔" ایک اور تبصرہ۔ اسلان نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ "آپ کو دیکھ کر واقعی یقین آ جاتا ہے۔" عالم سامنے دیکھتا رہا۔

"میرے ہاتھ کے جوتے نہیں پڑے تمہیں ورنہ اور بھی بہت ساری باتوں پر یقین آ جائے گا۔" اسلان مسکرایا، بلا ارادہ، بے وجہ۔ اب وہ دوبارہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ جہاں بنفشہ احسان سخت غیض کے عالم میں استغاثہ کو اپنے موکل سے جرح کرتے ہوئے سن رہی تھی۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے درست؟" وہ ویڈیو دکھا کر سوال کر رہے تھے۔ "آپ ان کے لیے کام کرتے ہیں یا آپ کا بیٹا آپ کے لیے؟ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ کا بیٹا ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہے اور۔" لمحے بھر کا کھیل تھا، پل بھر کی دھمکی اور سازش اس کا بیٹا پھندے کے قریب تھا وہ تباہ ہو سکتا تھا اور ایک باپ یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا، کبھی نہیں۔ "بتائیے خالد صاحب یا تو آپ ان سرگرمیوں میں ملوث تھے اور اپنے بیٹے کو شامل کر لیا یا پھر یہ سراسر آپ کے بیٹے کا دماغی فتور ہے؟"

"میں نے وہ نعرے لگائے تھے جج صاحب۔" اور یہاں ان الفاظ پر بنفشہ احسان کا دماغ مکمل گھوم گیا۔ وہ بے یقینی سے اپنے موکل کو دیکھ رہی تھی وہ ڈر گیا تھا؟ اگر اسے یونہی ہار ماننی تھی تو اس نے عدالت کے چکر کیوں کاٹے، کیوں اس کے کیریئر کا چوتھا کیس اسے تقریباً ہرا دیا؟

عالم متاسف سا نفی میں سر ہلا رہا تھا، اسلان چپ تھا۔ بنفشہ اب ہلکی آواز میں اپنے موکل کو کچھ کہہ رہی تھی جو دور سے سخت الجھا لگ رہی تھی، اسلان اٹھ گیا وہ جانتا تھا جو ایک بار قدم پیچھے لے لیں ان کے لیے اگلا قدم مشکل ہوتا ہے۔ اسے یقین آگے یا قدم پیچھے لینے والا وہ واحد نہیں۔

★★★★★★★

آج موسم کافی اچھا تھا اسی موسم سے محظوظ ہوتے کچھ دیر بعد عالمگیر اور بنفشہ عدالت کے باہر ایک اسٹال کے قریب رکھی بینچ پر بیٹھے تھے وہ ہنوز غصے میں تھی۔ اسلان ذرا ہی فاصلے پر کوئی فون کال سن رہا تھا۔ بانفشہ عالمگیر کی سٹوڈنٹ تھی اور اسلان اس وقت کسی سٹوڈنٹ ٹیچر میٹنگ کا حصہ نہیں بن سکتا تھا۔

"کیسے ہیں آپ، جیل کیسی تھی؟" چائے کا کپ اسے تھماتے اس نے معتدل لہجے میں پوچھا۔ "ویسے آپ نے بھی کسی سے مدد مانگ لی ہوتی تو یہ نہ ہوتا، آپ خود بچنے کی آرزو نہیں رکھتے۔"

"کون کمبخت حالات کے ہاتھوں پسنا چاہے گا؟ میرا معاملہ وہی ہے جو شاعر نے کہا ہے۔

مت پوچھ عالم برگشتہ طالعی آتش

برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے"

وہ عالم کی بات پر کھکھلائی، اسی لمحے اسلان پلٹا۔ اس کی ہنسی مدھم سی تھی۔ "پھر تو شاعر یہ بھی کہتا ہے کہ۔۔۔۔

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے حالات کے خونی منظر سے

جس دور میں جینا مشکل ہو اس دور میں جینا لازم ہے"

عالم نے اپنے کپ پر دو انگلیاں بجا کر اسے داد دی، بنفشہ نے داد قبول کی۔ اسلان دوبارہ رخ پھیر گیا۔

"تم نے مجھے اس لیے بلایا تھا تاکہ میں تمہاری قابلیت جج کر سکوں اور مجھے لگتا ہے میں کر چکا ہوں۔" عالم مسکراہٹ دبائے اس سے کہہ رہا تھا۔ "تمہیں ذرا اپنے بولنے پر کنٹرول کرنا ہو گا لہجہ دیکھو ایسا لگتا ہے جیسے تم لڑ رہی ہو۔ عدالت میں ایسی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے وکیل کا دماغ تین سو ساٹھ ڈگری پر گھوم سکتا ہے مگر اسے ضبط کرنا ہوتا ہے کیونکہ جہاں تمہارا لہجہ بلند ہوا وہیں تمہارے دلائل نچلے درجے پر جائیں گے۔"

وہ تھم گئی۔ عالم کی باتیں اس پر گہرا اثر کرتی تھیں۔ دھوپ کی تمازت میں اس کے چہرے پر سرخی تھی۔ گول بڑی چندھیائی ہوئی آنکھیں، چھوٹی سی ناک اور بھرے بھرے ہونٹوں والی عورت اب قدرے متحمل نظر آ رہی تھی۔

"مجھے بہت برا لگتا ہے عالم سر جب لوگ کسی زمینی خدا سے ڈر کر اپنا حق چھوڑ دیتے ہیں۔" اس کی بات پر اسلان ٹھٹکا، موبائل کان اور کندھے کے درمیان اٹکائے اس نے گردن پھیر کر اسے تکا۔ وہ چائے کا کپ ہاتھوں میں گھماتے ہوئے افسردگی سے کہہ رہی تھی۔ ایک الجھی لٹ اس کے چہرے کے گرد طواف کر رہی تھی۔ "آپ کو پتا ہے ایک انسان کی بزدلی، ایک انسان کا ظلم کے آگے جھکاؤ صرف اس ایک انسان کا نقصان نہیں کرتا اس کے ساتھ کئی شہسوار گرتے ہیں۔ موت، زندگی، عزت، ذلت سب لکھی جا چکی ہے تو پھر خوف کس بات کا ہے؟ یہ

میرا چوتھا کیس تھا میں جیت سکتی تھی۔ میرا نقصان ہو گیا، عدلیہ کا وقت ضائع ہوا اور وہاں بیٹھے کتنے ہی لوگ جانتے تھے خالد کا کوئی قصور نہیں ان سب کے حوصلے مستقبل کے لیے پست ہو گئے یہ کتنا بڑا خسارہ ہے۔"

"بچے۔" عالم نے اسے سابقہ نرمی سے پکارا۔ "ہو جاتا ہے ایسا۔"

"نہیں ہونا چاہیے ایسے بزدلوں کو قطار میں کھڑا کر کے گولی مارنی چاہیے۔"

"کوئی شوق سے ایسا نہیں بنتا وکیل صاحبہ۔" فون مٹھی میں دبوچے وہ سخت نظروں سے اسے دیکھتے اس کی بات کاٹ گیا۔ بنفشہ نے گردن پھیر کر اسے دیکھا ان دونوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ تھا اور وہ اسے پہلے دیکھ ہی نہ پائی تھی۔ "کوئی بھی انسان اگر کسی پر اپنا حق چھوڑتا ہے تو اس کی کوئی مجبوری ہوتی ہے خالد حسن پچپن سال کا ہے اور اس کا بیٹا کم عمر کیا وہ اپنے بیٹے کو قید ہونے کے لیے چھوڑ دے؟"

"کیا آپ اسے لکھ کر دے سکتے ہیں کہ مستقبل قریب میں اس کے بیٹے پر کبھی کوئی تکلیف نہیں آئے گی؟" وہ دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کیے اپنے سے کم عمر لڑکے سے سوال کر رہی تھی۔

"نہیں میں لکھ کر نہیں دے سکتا لیکن کم از کم اس کے باپ کا اپنا ضمیر مطمئن رہے گا۔" چائے والا، عالم اور باقی دو تین افراد اب اس بحث و تکرار کو محظوظ ہو کر سن رہے تھے۔

"ہنسی آ رہی ہے مجھے آپ کے موقف پر ظلم سہہ کر کوئی مطمئن رہ رہا ہے تو اس کا ضمیر یا تو سو چکا ہے یا پھر کھوکھلا ہے۔"

"اس ملک میں آواز اٹھا کر بھی کچھ نہیں ملتا آپ اس لیے کہہ رہی ہیں کیونکہ ان لفظوں کے لیے آپ کو پیسے ملتے ہیں ورنہ آپ خود بھی ایسی صورت میں وہی کرتیں جو خالد نے کیا۔" وہ تلخی سے کہہ کر اس کے سامنے سے گزر کر جانے لگا جب میز کو ہلکی سی ٹھوکر لگی اور بنفشہ کی فائلز پھسل کر گر گئیں۔

"رکیے جناب بزدلوں کے علمبردار!" اس نے اسلان کو پکارا عالم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔ "آپ میری فائلز گرا کر جا رہے ہیں ذرا اٹھا دیجئے۔"

"کیوں انصاف کی جنگ لڑتے ہوئے آپ کے اپنے ہاتھ ناکارہ ہو چکے ہیں؟" اسلان نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"ظلم کو نہ دیکھنے کی کوشش کرتے کرتے آپ کی آنکھیں ناکارہ ہو چکی ہیں، میز دکھائی نہیں دی آپ کو؟" اس کا انداز ہنوز تپا تپا ہوا تھا۔ اسلان نے پھر عالم کو دیکھا جو کندھے اچکا گیا گویا کہہ رہا ہو "فائلز تو تم نے گرائی ہیں بیٹا"۔ وہ چپ چاپ آگے آیا فائلز اٹھا کر دھپ سے میز پر رکھیں۔

"دیکھیں مجھے پیسے نہیں ملے لیکن پھر بھی حق مل گیا۔" اس کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا، وہ عدالتی کمرے کے برعکس بے حد پرسکون لگی۔ "اپنا حق نہیں چھوڑنا چاہیے کسی اپنے کے لیے بھی نہیں کیونکہ غاصب محض آپ پر بس نہیں کرتا اس کا اگلا شکار آپ کا وہی اپنا ہو سکتا ہے۔"

اسلان نے کاٹ دار نظروں سے اپنے چچا کو دیکھا۔ "آپ نے ساتھ آنا ہے یا میں گاڑی لے جاؤں؟"

"آ رہا ہوں تم چلو۔" بنفشہ چونکی، مستفسر نگاہوں سے عالمگیر کو تکا۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ بٹوے سے چائے کے پیسے نکالے۔ "بھتیجا ہے میرا، بتایا تھا ناں؟"

بنفشہ کا منہ کھل گیا۔ وہ تحیر سی اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی جو لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ "یہ کس پر گیا ہے؟"

عالم ہنس پڑا۔ "فلحال ہم بھی سمجھنے کی کوشش ہی کر رہے ہیں۔ کوئی حتمی نتیجہ ملا تو ضرور بتائیں گے۔" وہ اب اس سے اگلے مقدمے کے لیے کوئی تجویز دے رہا تھا مگر بنفشہ جانتی تھی چار مقدمے ہارنے کے بعد اسے اگلے چھ سات ماہ تک کوئی کام نہیں ملنے والا تھا۔

★★★★★★★

بستر پر لیٹے ہوئے اس کے کانوں میں چبھنے والی تیز آواز پڑی تو نیند ٹوٹی۔ وہ رات کافی دیر سے سویا تھا اور اب یہ آواز.... شاہ ویر کسمسایا۔ اور تکیہ کانوں پر رکھ دیا۔ آواز پھر بھی بند نہیں ہوئی۔ آتی گئی اور آتی گئی۔ ایسی آواز جیسے دھڑا دھڑ پیغامات آرہے ہوں، کالز آرہی ہوں۔ اس نے ہاتھ سے ٹٹول کر موبائل اٹھایا اور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"شاہ ویر آر یو آل رائٹ، میں نے سب سنا مجھے بہت دکھ ہوا تمہارے لیے۔" وہ اسفند کی آواز تھی جس میں بے تحاشا پریشانی تھی۔ "میں نے اماں سے بات کرلی ہے تمہارے لیے سیکورٹی کا انتظام ہو جائے گا اور.... کیا میں گھر آؤں؟" دوسری طرف لمحے کا توقف آیا۔ شاہ ویر دم سادھے کئی پل بستر میں پڑا رہا۔ اس نے خواہش کی سامنے والا وہ لفظ نہ کہے جو شاہ ویر سننا نہیں چاہتا۔

"تم وکٹم نمبر اٹھارہ نہیں بنو گے میرا یقین کرو۔" اس کے جسم سے سانس رخصت ہوگئی۔ بازو، پیر، دل سب شل ہو گیا۔ وہ بستر سے اٹھ نہیں سکا۔

"شاہ ویر تم سن رہے ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا اور شاہ ویر کی آنکھیں ایک نقطے پر متحیر، لب مقفل۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے فون کاٹا اور بس یہی دیر تھی شاید کئی ہزار لوگ اسی انتظار میں تھے۔ موبائل چنگھاڑنے لگا۔ انسٹاگرام کے ڈی ایمز، فیسبک اور نمبر پر آنے والے میسجز، واٹس ایپ کے لاتعداد پیغامات۔

"تم ٹھیک ہو؟.......... فکر مت کرنا سب صحیح ہو جائے گا۔......... اوہ شاہ ویر اب کیا ہو گا؟...... کیا یہ سچ ہے؟...... شاہ ویر ہمیں بات کرنی ہے فون اٹھاؤ۔" اس کے امریکن ساتھی اس کی نئی فلم کا ہدایت ساز، کتاب کا ناشر، اس کی عوام، اس کے دوست ساری کی ساری دنیا وہ جان گئی تھی جسے وہ چھپانا چاہتا تھا۔ کوئی پیراہن جیسا راز تھا جو بھرے بازار میں کھل گیا اور اسے اپنا آپ برہنہ لگا۔ ہر کوئی اسے دیکھ رہا تھا، ہر نگاہ کا مرکز بھی وہی۔

اس نے انٹرنیٹ کھولا۔ انسٹاگرام کی ہر دوسری پوسٹ اس کے لیے تھی۔ لرزتی انگلیوں سے ٹویٹر دیکھا اس کا نام ٹرینڈ کر رہا تھا۔ یوٹیوب پر بنے نیوز چینلز ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے دکھائی دیے۔ شاہ ویر کتنے ہی لمحے پلنگ سے ٹیک

لگائے بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ بہت دیر بعد اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور متوحش انداز میں زید کے کمرے کی طرف بڑھا۔ "یہ کس نے کیا؟" کمرے کا دروازہ پورا کھولے سامنے کھڑے زید پر بلند آواز میں غراتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔ آنکھیں خون چھلکا رہی تھیں۔ اس کے برعکس زید کافی پر سکون تھا۔ رات والی پریشانی کا شائبہ تک اس کے چہرے پر موجود نہیں تھا۔ ہلکے سبز رنگ کی پولو شرٹ اور ٹراوزر پہنے وہ کہیں جانے کو تیار تھا۔

"ٹروتھ آف پاکستان نامی کسی پیج سے ایک پوسٹ ہوئی۔ پھر دھیرے دھیرے ہر چھوٹے بڑے پیج نے اسے ری پوسٹ کیا اور اب تک تم پورے پاکستان میں ٹرینڈ کر رہے ہو۔" زید آگے آیا۔ شاہ ویر کا کندھا تھپکا۔ "براوو بھائی۔ زبردست۔"

"میں پوچھ رہا ہوں یہ کس نے کیا ہے؟" وہ چلایا۔ وہ یقیناً شناخت کا تقاضا کر رہا تھا۔

"معین خان نام ہے لاہوری ہے گھر کا پتا لگا لیا ہے، ہم چلیں گے یا پولیس بھیجنی ہے؟"

"گاڑی نکالو میں آ رہا ہوں۔" اس کی سرخ و سپید رنگت میں سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔ اسے سکرین پسند تھی، اپنا چاہے جانا عزیز تر لیکن لوگ اس کے ساتھ ترس اور ہمدردی رکھیں اسے اس خیال سے ہی نفرت تھی۔ وہ اس پہ پاگل ہو رہا تھا۔

وہ دونوں جس وقت پتے پر پہنچے تب تک یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ شاہ ویر طلال بنگش بہت جلد کسی سیریل کلر کا نشانہ بننے والا ہے۔ "دماغ ٹھنڈا رکھو، ویر۔ کچھ غلط کرنے کا سوچ بھی رہے ہو تو حد پار مت کرنا۔" اس کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتا شاہ زید تادیبی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میں نے اسکار کو خبر دے دی ہے وہ جلد کچھ کرے گا۔"

"جانتے ہو اسکار کون ہے؟" شاہ ویر چلتے چلتے گلی کے وسط میں رک گیا۔ زید کو اس کے ساتھ رکنا پڑا۔ "جسے میری زندگی بچانے کے لیے ڈھونڈ کر آئے ہو وہ بس سانس بچا رہا ہے اور اس کے بعد وہی ڈوری کاٹ بھی رہا ہے۔ تمہارا ایجنٹ اسکار اور انارا کا چچا سہر اب دونوں ایک ہی انسان ہیں۔"

کوئی دھماکہ تھا جو سیدھا شاہ زید کے سر پر ہوا۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے وہ تو سرکاری افسر ہے اور۔۔۔"

"سرکار کیا اس کے پل پل کا ریکارڈ رکھتی ہے؟"

"مجھے نہیں پتا تھا یار میں تو۔" اس کے حلق سے باقاعدہ الفاظ حذف ہوئے۔

"جن کاموں میں تم پڑتے ہو انہی کی وجہ سے میری love life باقاعدہ تباہ ہوتی ہے۔ اسی لیے مہربانی کر کے اب اپنی طرف سے کوئی بندہ ڈھونڈ کر مت لانا۔" شاہ ویر کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ زید اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا البتہ چال میں اب پہلے والی تیزی نہیں تھی۔ اپنے بھائی کی محبت پر کیا قدغن اس سے لگی ہے؟

ایک چھوٹے دروازے والے گھر کا دروازہ بجاتے ہوئے شاہ ویر بار بار اپنا موبائل دیکھ رہا تھا۔ مارے اضطراب کے اس کے اعصاب شل ہوتے رہے۔ دروازہ کھلا اور کھلتے ہی ان دونوں کی شکلیں دیکھ کر بند کیا جانے لگا مگر وہ تیار تھے پورا زور لگا کر برق رفتاری سے اندر داخل ہوئے۔ شاہ ویر نے اپنے سامنے کھڑے معین کو دروازے سے لگایا۔ "تمہاری ماں کو الہام آیا تھا یا تمہارے باپ کو غیب کا علم ہوا تھا کہ میں مرنے والا ہوں؟" اس کا جبڑا دبوچے، دوسرے ہاتھ سے بازو مروڑتے ہوئے بے انتہا سختی سے پوچھا۔

"میرا.... میرا... کوئی قصور نہیں...." اس نے کہنے کی کوشش کی۔ شاہ ویر نے ایک لمحے کو اسے چھوڑا اور اگلے ہی لمحے اپنا گھٹنا اس کے پیٹ میں مارا۔ معین منہ سے تھوکتے نیچے گرا، شاہ ویر نے اس پر بس نہیں کی وہ نیچے گرے معین کا سر فرش میں مار رہا تھا۔ ایک... دو... تین.... چار اب کے فرش پر گول سرخ نشان پڑا اور اگلے ہی لمحے معین کے ماتھے سے خون قطرہ قطرہ فرش پر گرنے لگا۔ شاہ ویر بے حسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زید سامنے کھڑا رہا۔

"کس نے کہا تھا یہ کرنے کو؟"

"ایجنٹ... ایجنٹ.... اسکار.... "نام تھا کہ کوئی نوکیلی دھار؟ شاہ ویر نے گرفت چھوڑ دی۔ آنکھیں بے یقینی سے وا ہوئیں۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر شاہ زید کو دیکھا۔ ان نظروں میں کوئی ملامت تھی۔ وہ جو ڈھیر سارا آتش فشاں ساتھ لے کر آیا تھا۔ بالکل ٹھنڈا یخ پڑ گیا۔

معین ہنوز فرش پر گرا کراہ رہا تھا۔ شاہ ویر اٹھا، کپڑے جھاڑ کر صاف کیے۔ "وجہ؟" معین کے سر پر کھڑے ہو کر یک لفظی استفسار کیا۔

"وہ مجھے وجہ کیوں بتائے گا؟" معین کھانسنے لگا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ "بس پیسے دیے ہم اسی طرح پولیس افسروں اور سیاست دانوں کا کام کرتے رہتے ہیں۔" شاہ ویر کچھ دیر تک اس کے سر پر کھڑا چپ چاپ اسے دیکھتا رہا پھر باہر بھاری بوٹ سے اس کے منہ پر لات مارتے نکل گیا۔ مختصر چوکھٹ پار کرتے اب اس کا چہرہ خالی تھا۔ شاہ زید کی جگہ گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل اب اس نے خود سنبھالا۔

"ہم اب کہاں جا رہے ہیں؟ مام کی کالز آ رہی ہیں۔ گھر چلنا ہو گا۔"

"ابھی ہم میرے سسرال جا رہے ہیں۔ ان کا دماغ درست کرنا زیادہ ضروری ہے۔ بیٹی تو دی نہیں جا رہی، خبری بنے ہوئے ہیں۔"

"اب تمہاری لو لائف نہیں خراب ہو رہی؟" زید نے طنز کسا۔

"اپنی لگائی آگ سے کوئی نہیں جلتا۔" چند منٹ بعد لعل یمن کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے شاہ ویر نے زید کو دیکھا۔ وہ سنجیدہ اور سخت بیک وقت تھا۔ "میں اندر جاؤں گا تم یہیں رہو گے۔"

"میں ساتھ آؤں گا۔"

”زید پلیز....“ شاہ زید نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

”تمہارا مسئلہ میرا مسئلہ۔ اگر تمہیں لگتا ہے میں کسی قسم کے chaos میں تمہیں اکیلا چھوڑ دوں گا تو خوش فہمی نکال دو۔ میں ساتھ آ رہا ہوں۔“

”کسی دن یہ نہ کہہ دینا تمہارا اسرال میرا اسرال۔“ بگڑ کر کہتے وہ گاڑی سے باہر آیا۔ ”عجیب گلے پڑ گئے ہو۔“

”ضرور کہتا اگر آراہ کو کوئی دوسری بہن ہوتی۔ اکیلا تو تمہیں یہاں بھی نہ چھوڑتا۔“ ابھی ان میں سے کوئی ایک دروازہ بجاتا کہ کسی نے دروازہ کھولا۔ وہ جو موبائل پر کوئی بات کرتے ہوئے باہر آ رہا تھا۔ اپنے دروازے پر کھڑے ان دو مردوں کو دیکھ بُری طرح چونکا۔ شاہ ویر نے اسے دیکھا پھر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

”شاہ ویر طلال بنگش!“ وہ رکا، اسلان نے اس کا ہاتھ نہیں تھاما۔ وہ اب تک ٹکر ٹکر اس کا چہرہ تک رہا تھا۔ سانس لینا، سوال کرنا سب ثانوی ہو گیا۔ شاہ ویر بنگش؟ اوہ خدایا شاہ ویر بنگش؟

”مجھے سہراب صاحب سے ملنا ہے، کیا وہ گھر پر ہیں؟“ شاید وہ کسی مداحی لمحے میں بری طرح غرق تھا۔ شاہ ویر کو یاد تھا انارا نے اسے بہت مرتبہ بتایا تھا کہ اس کا بھائی شاہ ویر کا فین ہے۔ واٹ ایور! یہ آدمی دروازے سے ہٹ کیوں نہیں رہا؟ وہ جھنجھلایا۔

”ارسل.... میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔“ شاہ ویر زور دے کر بولا۔

”اسلان یمن نام ہے اس کا۔“ اپنے عقب سے آتی بھاری سنجیدہ آواز پر وہ دونوں ٹھٹکے۔ مڑ کر دیکھا تو سہراب یمن ان کے سامنے کھڑا تھا۔ دروازے پر کھڑا متحیر مرد، وہ دونوں بھائی اور ایجنٹ اسکار۔ ہاہ کہانی نئی کہانی لکھ رہی تھی۔

★★★★★

”چند گھنٹے قبل“

”سنا ہے تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے، عالمگیر؟“ ڈی آئی جی خادم بٹ کے بنگلے پر صبح نوخیز تھی۔ لان میں لگے پودوں پر دھند برس رہی تھی۔ گول دائرے میں لگی چار کرسیوں میں سے دو پر سہراب اور عالمگیر بیٹھے تھے۔ تیسری کرسی بٹ صاحب کی تھی۔ آس پاس ملازم کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ ناشتے کی مہک نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

”مجھے میل ملاقات کا کوئی شوق نہیں بٹ صاحب۔ مجھے کل معلوم ہوا ہے کہ آپ نے کچھ ایسے کام کیے ہیں جن کے لیے مجھے بذاتِ خود آپ سے ملنے کی ضرورت پڑ گئی۔“ اس کے چہرے کے کھنچاؤ سے ہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر ضبط سے خود کو روکے بیٹھا ہے۔ ”میں ایک ٹیکس دینے والا، قانون کی پاسداری کرنے والا شہری ہوں۔ کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آخر آپ نے مجھے تین مرتبہ جیل بھیجنا کیوں ضروری سمجھا؟“

”کیا تم بھی یہی پوچھنے آئے ہو، سہراب؟“ سگار کا کش لیتے انہوں نے محفوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”جی سر۔ میرے بھائی کا کوئی قصور نہیں۔ اگر ہے تو لائیں اسے جیل میں بند کرنے والا میں ہوں گا اور اگر نہیں ہے تو اس پر اٹھنے والی ہر انگلی مجھے جواب دہ ہے۔“ وہ دوٹوک انداز میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے بولا۔

عالمگیر نے باقاعدہ گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ (”یہ پھن والا سانپ آج زہر گھر چھوڑ کر آیا ہے کیا؟“)

”تم میرے شہر کا لاء اینڈ آرڈر خراب کر رہے تھے، عالم۔“ وہ بڑی سہولت سے جھوٹ بولے۔ ”تین عورتیں جو تمہارے نکاح میں تھیں۔ وہ یونہی مر گئیں۔ چوتھی عورت جو تمہارے بھتیجے کے ساتھ تھی اس کی تو لاش تک نظر نہیں آ رہی۔ تم لوگ عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھنے میں تو ماہر ہو لیکن یہ تعلقات موت کی صورت کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟“

”آپ خود کو کوئی جج سمجھتے ہیں، جو اصل زندگی میں بیٹھ کر فیصلے سنا رہا ہے۔ کوئی تازہ تازہ فلم دیکھ کر آ رہے ہیں، آپ؟“ وہ چیخ نہیں رہا تھا نہ اس کی آواز بلند تھی۔ ہاں مگر اس میں کاٹ اور ترشی تھی۔

”کافی بد تمیز واقع ہوئے ہو تم۔“

”میں یہاں تمیز کا سرٹیفکیٹ لینے آیا بھی نہیں۔“

خادم بٹ نے گہری سانس لی اور کرسی پر پیچھے کو ہو کر بیٹھے۔”جلال کو جانتے ہو تم؟“

”جلال کون؟“

”اپنی شخصیت کا زعم بھول کر کبھی قریبی لوگوں پر نگاہ ڈالی ہوتی تو معلوم ہوتا، جلال کون۔“خادم نے دونوں بھائیوں کو غور سے دیکھا اور اضافہ کیا۔”جلال میرا بیٹا ہے۔ تمہارا ساتھی وکیل اور حریف۔“

”جلال الدین؟“عالم جیسے کسی خواب سے جاگا۔ دماغ نے بجلی کی سی رفتار سے وہ چہرہ (عالم کے نزدیک منحوس چہرہ) یاد کیا۔”وہ خبیث آدمی آپ کا بیٹا ہے؟“

”عالم....“سہراب نے تادیبی انداز میں کہا لیکن وہ کوئی فرماں برداری کا علمبردار نظر نہیں آرہا تھا۔

”سو خنزیر مرے ہوں گے جب وہ پیدا ہوا ہو گا۔ وہ واقعی آپ کا بیٹا ہے؟“

”تمیز سے بات کرو۔“خادم نے ناگواری سے ٹوکا۔

”تمیز سے بات کروں، وہ آدمی مجھے ہر مقدمے کے دوران تنگ کرتا ہے۔ میرے لیے مشکلات پیدا کرتا ہے اور میں اس کے بارے میں تمیز سے بات کروں۔ باپ لگتا ہے وہ میرا؟“عالم ہتھے سے اکھڑ گیا۔ وہ شروع سے ہی ایسا بے خوف اور بے لحاظ تھا۔

”باپ نہیں لیکن اس سے تمہارا تعلق حریف کے علاوہ ایک اور بھی ہے۔“عالم نے کینہ توز نظروں سے انہیں دیکھا۔ خبطی اصول پسند بڈھا اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ اگر سہراب کی نگاہوں کی لگامیں نہ ہوتیں تو آج وہ یقیناً کچھ کر گزرتا۔

”تمہاری پہلی بیوی کی ایک بہن ہے۔ صبیحہ۔“ بھلا اسے عالمگیر کیسے بھول سکتا تھا؟ وہ ہر ماہ میں دوبار عبیر سے ملنے پہنچ جاتی تھی۔ عالم کی ”ٹرپ“ کے دوران بچی کو سنبھالتی بھی وہی تھی علاوہ ازیں وہ عبیر کو کچھ اقوال زریں بھی یاد کرواتی تھی۔ جن کے عالمگیر سخت خلاف تھا۔ ”وہ میرے بیٹے کی منکوحہ ہے۔“ عالم کے اوپر آسمان آ کر گرا۔ یعنی اس کے دو دشمن گٹھ جوڑ کیے بیٹھے تھے اور وہ جو خود کو عقل کا دیوتا سمجھتا تھا اسے کوئی علم ہی نہیں تھا؟ آہ عالم آہ۔

”یہ دونوں میری ناک کے نیچے چکر چلاتے رہے اور مجھے پتا بھی نہیں چل سکا؟“ وہ بڑبڑایا اور پھر سنبھل کر بولا۔

”مجھے یہ ڈرامے بازیاں، یہ گھما پھرا کر بات کرنا نہیں آتا بٹ صاحب۔ میری مرحومہ بیوی کی بہن کے معاشقے، میرا کوئی حریف، مجھے اس سب سے بھی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے میری ڈوبتی ساکھ اور میرا پیسہ بچانا ہے۔ میں یہاں پزل باکس کے ٹکڑے جوڑنے نہیں آیا۔ سیدھی اور کھری بات کرنے آیا ہوں۔“ وہ کرسی پر ذرا سا آگے کو ہوا۔ خادم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور چبا چبا کر کہا۔ ”کیوں کر رہے تھے آپ؟ اور کیسے بند ہو گا یہ سب؟“

”کیوں کر رہا تھا میں؟“ سوچنے کے انداز میں ٹھوڑی پر انگلی رکھی۔ ”آپس کی بات ہے میں نے نہیں کیا۔ جو کیا جلال نے کیا اور میں نے اسے روکا نہیں ساتھ دیا کیونکہ تم واقعی اس شہر کا لاء اینڈ آرڈر خراب کر رہے تھے۔“ وہ بک رہے تھے سہراب جانتا تھا۔ شہروز، جلال یہ محض بندوق چلانے کے لیے میسر کندھے تھے۔ اس پولیس والے کی پشت پناہی کوئی اور ہی کر رہا تھا۔

”اور کیسے رکے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم دونوں بھائی اس وقت معاشرے میں کوئی اچھی حیثیت نہیں رکھتے۔ تمہارا خاندان خبروں کی زد میں ہے۔ اپنی ساکھ ثابت کرنے کے لیے تم دونوں لڑ رہے ہو اور تیسرا مرد اس کے متعلق بھی مجھے کوئی اچھی رپورٹ نہیں ملتی۔ میں تم دونوں کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا ایک موقع دیتا ہوں۔“ سہراب نے سر نفی میں ہلایا۔ کرسی میں جیسے کانٹے لگ گئے ہوں۔ وہ جان گیا تھا خادم کی اگلی بات کیا ہو گی۔ ”میں چاہتا ہوں تم دونوں "جوہر فور زیرو (johar four zero)" پر کام کرو۔ خاطر خواہ نتائج لاؤ اور دونوں آزاد ہو جاؤ۔“

عالمگیر چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔ کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مارتے گردن جھکائے وہ ہنستا چلا گیا۔ آنکھوں میں پانی بھر گیا۔ چہرہ سرخ ہوا اور تب اس نے سر اٹھا کر مضحکہ خیز نظروں سے خادم کو دیکھا۔ ”میں کارپوریٹ لائیر ہوں بٹ صاحب۔ کمپنیز کے معاہدے، ان کے جھول، ان کے قانون کی ترمیم میں یہ سب دیکھتا ہوں۔ قتل، جلی ہوئی باڈیز، کوئی مخفی ایجنڈا یہ میرا کام نہیں ہے۔ جلال الدین نے آپ کو بتایا نہیں؟ یا وہ یہاں بھی ناکام رہا؟“

”وکیل کا سچ اور جھوٹ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کا فن جسے آتا ہو وہ ایک کامیاب وکیل بن سکتا ہے۔ یہ تم نے ہی تو کہا تھا۔“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے وہ اسے ماضی کے اس سفر پر لے گئے۔ جس سے عالمگیر کترا رہا تھا۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں منظر تبدیل ہوا۔ دھند آلود صبح چھٹ گئی جیل کی ایک بھاری شام غالب آئی۔ یہ وہ دن تھا جب جیل سے کئی قیدی رہا ہو رہے تھے۔ عالمگیر افتخار یمن ان میں سے ایک تھا۔ یہ وہی دن بھی تھا جس دن جیل میں ایک قیدی کا قتل ہوا تھا۔ تین سو دو کی سزا کاٹتے ایک قاتل کا قتل۔

جیلر کے کمرے میں تین قیدی جمع تھے۔ درمیان میں چوتھے قیدی کی لاش پڑی تھی۔ جسے ڈھکنے کی زحمت فی الحال نہیں کی گئی تھی۔ ڈی آئی جی خادم بٹ یوں تو قیدیوں کو نئی اور خوشگوار زندگی گزارنے کی تلقین کرنے گئے تھے مگر ان کے پہنچنے سے قبل جو قرمزی سیال بہہ چکا تھا۔ اس کا حساب بھی انہوں نے ہی کرنا تھا۔

”نہ میرے خلاف کوئی ثبوت ہے، نہ گواہ اور نہ وجہ قتل پھر مجھے یہاں روکنے کی کیا وجہ ہے؟“ سرمئی دیواروں اور زرد بلب کی روشنی والے کمرے میں اس کی بھاری سنجیدہ آواز پلٹ کر آئی۔ خادم جو کہ اپنے ساتھ بیٹھے جیلر سے کچھ کہہ رہے تھے۔ انہوں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ باقی دو کی نسبت اس کی وردی اجلی تھی۔ ماتھا بے شکن۔ چہرہ صاف اور بال سلیقے سے بنے ہوئے۔ وہ یقیناً کسی اچھے خاندان کا فرد تھا۔

”تمہیں یہاں رکھنے کا شوق ہمیں ہے بھی نہیں۔ لیکن یہ جو مرا پڑا ہے اس کا قتل تم لوگوں میں سے ایک نے ہی کیا ہے اور جب تک یہ ثابت نہیں ہو جاتا تم یہاں سے کہیں نہیں جاسکتے۔“

”اور اگر میں ثابت کر دوں کہ یہ سب میں نے نہیں کیا تو؟“ گردن ہنوز اٹھائے وہ مکمل اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ ”آپ مجھے پانچ منٹ دیں میں ثابت کر دوں گا کہ میں نے نہیں مارا۔“ خادم بٹ نے اس کا مکمل جائزہ لیا پھر اسے آگے آنے کو کہا۔ دو قیدی وہیں کھڑے رہے، درمیان والا نکل کر سامنے آیا۔ میز پر رکھے دستانے اٹھا کر ہاتھوں پر چڑھائے اور لاش کے قریب پنجوں کے بل آ کر بیٹھا۔

”اس کا وزن دیکھ رہے ہیں آپ؟ پچانوے یا سو کلو تو کہیں نہیں گیا۔ اول تو میں اکیلا اسے پکڑ نہیں سکتا اور دوئم اگر میں نے ایسا کیا ہو تو مجھے پہلے اس کے سارے جسم پر اتنے وار کرنے ہوں گے کہ یہ آدمی باقاعدہ غش کھا کر گرے یا پھر اتنے کہ مجھے اس پر غلبہ حاصل ہو۔“ اس نے ایک اشارے سے فارنزک افسر کو قریب بلایا۔ وہ چلا آیا۔ عالم نے چرکی آواز کے ساتھ مُردے کی قمیص پھاڑی۔ اس کے سینے پر بس خنجر کے زخم تھے اور دونوں کندھوں پر کچھ نشان، یوں جیسے کسی نے موت سے قبل اسے زور سے پکڑ رکھا ہو۔

”کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ نشان کیسے پڑے؟“ عالم نے افسر سے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”حتمی طور پر کچھ کہا نہیں جاسکتا لیکن یہ ایسے نشان ہیں جیسے دو لوگوں نے زبردستی اسے تھام رکھا ہو۔“

”اور میں دو لوگ کہاں سے لاؤں گا؟“ پنجوں کے بل لاش کے قریب بیٹھا شخص پوچھ رہا تھا۔ ”سارا جیل جانتا ہے عالم صرف اپنا دوست ہے۔ پھر یہاں دو لوگ میری مدد کیوں کریں گے؟“ اس نے زخم کو دو انگلیوں سے کھول کر دیکھا، پھر دوبارہ افسر کو دیکھا۔ ”یہ زخم کسی تیز دھار چاقو کا ہے اور آدھا جیل جانتا ہے کہ یہ دونوں۔۔۔“ انگلی اٹھا کر دونوں ملزمان کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ دونوں باورچی خانے میں کام کرتے ہیں اور میری کوٹھڑی وہاں سے کوسوں دور ہے۔ سب سے آخری بات یہ میں لیفٹی ہوں، اور یہ دونوں رائٹی زخم کس نے دیے فارنزک ثابت کر دے گا۔ اور اگر ان میں سے ایک بات بھی جھوٹ نکل آئے تو میں ملزم سے مجرم۔“ وہ اٹھ کر جیلر اور خادم کے سامنے آکر ٹھہرا۔ ”ایک آخری بات مجھے پتا ہے اس بات پر میں دوبارہ جیل جا سکتا ہوں کیونکہ میں نے قیدیوں کے حقوق کا غلط استعمال کیا لیکن۔۔۔۔“ اس نے ایک نظر جیلر کو دیکھا، پھر خادم صاحب کو اور اب وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھے آگے کو جھکا۔

”لاش غسل خانے سے ملی ہے اور میں قیدیوں والے غسل جاتا ہی نہیں سر۔ میں تو دن کے پانچ سو دے کر جیلر صاحب کے کمرے کا واش روم استعمال کرتا ہوں۔“ خادم صاحب نے اس کی آخری بات پر بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی، فارنزک افسر ہنس پڑا اور جیلر اب تک متعجب تھا۔ یعنی اس کا قیدی اس کی اتنی بڑی حکم عدولی کر تا رہا ہے؟ اور یہ پانچ سو روپے لینے والے کون کمبخت تھے؟

وہ بیٹھک برخاست ہوئی اگلے دو دن بعد فارنزک رپورٹ آئی جس کے مطابق زخم واقعی کسی سیدھے ہاتھ والے کے ہاتھ کا تھا اور کندھوں کے نشان دو لوگوں کے پکڑنے کے۔ عالم کی تیسری بات بھی سچ ثابت ہوئی نوے، سو کلو کے آدمی کو گرانے کے لیے اسے واقعی تشدد کرنا پڑتا مگر مقتول کے جسم پر ایسا کوئی داغ نہیں تھا۔ معاملہ جیل کے اندر ہی حل ہو گیا۔ اگلے دن جس وقت وہ اپنے سامان اکٹھا کر رہا تھا۔ اس وقت خادم صاحب اس کے قریب آکر رکے۔ ”مجھے امید نہیں تھی کہ ایک کارپوریٹ لائیر ایک قتل کیس سے اتنی آسانی سے نکل سکتا ہے۔“

”وکیل، وکیل ہوتا ہے سر۔ مقدمے کی نوعیت کوئی بھی ہو اسے سچ اور جھوٹ کے چکر میں پڑے بغیر سچ اور جھوٹ بنانا آنا چاہیے۔ جب چیزیں سینس بنانے لگ جائیں تو سچی اپنے آپ لگ جاتی ہیں۔“ اس روز جیل سے نکلتے وقت اپنے خاندان سے راز رکھتے سے عالمگیر یمن یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کسی کی نظروں میں آچکا ہے اور بہت جلد اس کا استعمال کیا جائے گا۔ اور ”وہ کسی“ کون تھا اس کا تعارف قرض سہی۔ حال میں وہ دھند آلود صبح اتنی بوجھل اور بھاری ہو گئی کہ عالمگیر کو سانس لینا امر مشکل لگا۔

★★★★★

”ماضی!“

امریکا سے واپسی پر شجاع یمن اگر بدلے ہوئے تیوروں کے ساتھ آیا تھا تو مزاج تو دل آراہ طارون کے بھی مل کر نہیں دے رہے تھے۔ کہتے ہیں سفر انسان کے مزاج پر اچھا تاثر چھوڑتا ہے لیکن یہ سفر ان دونوں کی زندگی کو ایک بے حد مختلف زاویے سے بدل گیا تھا۔ وہ دونوں نامحسوس انداز میں ایک دوسرے سے فاصلے پر ہو گئے تھے۔ وجوہات دونوں کی مختلف مگر یکساں سی تھیں۔

”وجہ نمبر ایک۔“

وہ کافی دیر سے لورین کو متورم آنکھوں سے گلاس وال کے باہر تکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ لورین شجاع کے بہترین دوست کی بیوی تھی جس کا دو ہفتے قبل انتقال ہوا تھا اور اس ناگہانی موت کے بعد شجاع کا داخلہ لورین کے گھر بڑھ گیا تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی کافی مرتبہ مل چکا تھا مگر آج کل ہونے والی ملاقاتیں بہت مختلف تھیں۔ وہ ریاست امریکا آیا تو اپنی کمپنی کے کام سے تھا لیکن آج کل کام کے بعد کا زیادہ تر وقت لورین کی دلجوئی کرتے ہوئے گزرنے لگا۔ وہ شخص جو اپنے دونوں بچوں سے صرف چند محبت کے بوسوں اور ان کی روداد پوچھنے کا تعلق رکھتا تھا اب وہ لورین کے دونوں بچوں کا بے انتہا خیال رکھتا، رات دیر ہو جایا کرتی تو وہ کئی بار ”ہوم بار“ میں بیٹھ کر اپنے دوست کی بیوہ کے ساتھ ”وائن“ کے گلاس پیا کرتا اور بوقت ضرورت اسے ہمدردانہ کندھا بخشتا۔ مختصر لفظوں میں اسلان یمن اور انارا کا باپ ان کی ماں سے بے وفائی کر رہا تھا۔

وہ بیوی کو نظر انداز کرنے لگا اور بچوں کی کالز کا دورانیہ بھی کم ہو گیا۔

”میں اگلے ہفتے پاکستان واپس جا رہا ہوں۔“ اس اعلان پر شیشے سے باہر دیکھتی وہ عورت پلٹی۔ یہ متوقع بات اسے بڑی غیر متوقع لگی۔ ”میرا کام ختم ہونے والا ہے۔“ شجاع نے اضافہ کیا۔ ”مجھے جانا ہو گا۔“

"تم جانتے ہو ہوٹل کا اتنا سارا کام میں اکیلے نہیں سنبھال سکتی پھر بھی؟" گلہ آمیز انداز میں کہتی وہ آگے آئی۔ "تم رک بھی تو سکتے ہو۔" یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس کی کہنی تھامے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہہ رہی تھی۔ شجاع تھم ہی تو گیا۔ "تم میرے لیے یہاں رک سکتے ہو، ہمیشہ؟" آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر واضح مطالبہ کیا۔

"پاکستان میں میرا گھر ہے، کاروبار ہے، میرے بچے ہیں۔" وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ پاکستان میں میری بیوی ہے۔ شاید وہ اس فہرست سے نکل گئی تھی۔ حق ہاہ۔ "میں یہاں کیسے رک سکتا ہوں؟"

"ہم گھر بنا سکتے ہیں۔ کاروبار تمہیں میں دوں گی۔ کب تک ہزار روپوں کے لیے محنت کرتے رہو گے؟ اور بچے...." لمس کہنی سے سرایت کرتا ہاتھ تک آیا اور انگلیاں دوسری جانب انگلیوں کے درمیان پھنس گئیں۔ "تم بچوں کو چھوڑ نہیں رہے، شجاع۔ تم انہیں سپورٹ کر سکتے ہو اور یہاں رہ کر بہت بہتر طریقے سے کر سکتے ہو۔" شجاع چپ چاپ اسے دیکھتا رہا اب کہ اس نے کوئی راگ نہ الاپا، اب اس نے مجبوریوں کے قصے نہیں کہے، نہ بیوی سے لازوال وفا کی داستان سنائی۔ یہ بے وفائی پر پہلی مُہر تھی۔

"میں تمہارے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کر رہی لیکن پھر بھی ایک بار سوچنا ضرور۔ یہاں میرے ساتھ رہ کر تم ہر وہ چیز حاصل کر سکتے ہو جس کے لیے تم ایڑھیاں رگڑ رہے ہو اور پاکستان واپس جانے پر تمہارے لیے کیا ہو گا یہ میں انگلیوں کے پوروں پر گن کر بتا سکتی ہوں۔" لورین نے روتے ہوئے سر اس کے کندھے پر رکھا اور شجاع اس کے گرد بازو باندھ لیا۔ شادی شدہ مرد جب کسی عورت کو اپنی طرف پہل کرنے سے نہ روکے تو اس کا دل منحرف ہو چکا ہوتا ہے اور جو دل منحرف ہو چکے ہوں ان پر کہاں کوئی اثر ہوتا ہے؟

لعل یمن سے ٹیلی فون پر بار بار اپنے باپ کا نمبر ملاتے اسلان کو علم ہی نہ ہو سکا وہ باپ کو کھو چکا ہے۔

"وجہ نمبر دو۔"

"میرا شوہر تو مجھے کہیں آنے جانے سے نہیں روکتا اور وہ روکنے والا ہوتا کون ہے؟ میں اس کی لائف پارٹنر ہوں، اس کی ماں نہیں جو گھر پر بیٹھ کر اس کا دھیان رکھے۔" ماہ روش ہاتھ اٹھا اٹھا کر بات کرتے ہوئے وائن کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ پیرس آ کر دل آراہ کئی متاثر کن شخصیات سے ملی۔ یہیں آ کر اسے "فیمنزم" نامی اصطلاح کی موجودگی کا علم ہوا اور یہیں آ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ اب تک کتنی عام اور بے کار زندگی گزارتی رہی ہے۔ ماہ روش انہی متاثر کن شخصیات میں سے ایک تھی۔ عورتوں کے حقوق کی علمبردار۔ اپنی زندگی میں آنے والے مرد کپڑوں کی طرح بدلنے والی۔

"تم اگر چاہو تو میرے ساتھ کام کر سکتی ہو لیکن ایک شرط پر، تمہیں پانچ سال کا معاہدہ کرنا ہو گا۔" اس رات دل آراہ کو گھر چھوڑنے جانے کے لیے گاڑی سڑک پر ڈالتے وقت ماہ روش نے اسے مشورہ اور پیشکش دی۔ "تم میرے ساتھ کراچی آ جاؤ۔ خود کو ضائع مت کرو تمہارا مستقبل بہت روشن ہے۔ میں نے ایسا ہنر پہلے کہیں نہیں دیکھا۔"

"ہاں لیکن میں کراچی نہیں آ سکتی۔ لاہور میں شجاع کی نوکری ہے۔ میرے دو بچے ہیں ان کا اسکول ہے اور وہاں سہراب اور یافث ہیں۔ بچے ان کے ساتھ بہت مانوس ہیں۔ ایک جاب کے لیے میں اپنا شہر نہیں چھوڑ سکتی۔" دل آراہ متانت سے بولی۔

"لیکن میں نے تمہیں صرف جاب آفر نہیں کی۔" گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل گھماتے ہوئے ماہ روش نے کہا۔ "میں تمہیں ایک پورا شعبہ دے رہی ہوں۔ جیولری ڈیزائننگ کا سارا کام تم دیکھو گی۔ تم بہت ہنر مند ہو مجھے تم جیسی ہی ایک عورت چاہیئے تھی اور جہاں تک بات ہے تمہارے بچوں کی انہیں ساتھ لے آنا۔ اگر نہ لا سکو تو شوہر چھوڑ دو تحویل میں تمہیں دلوا دوں گی۔ ابھی تم عورت کے حقوق سے واقف کہاں ہو؟"

("تو چھوڑ دو نا مجھے۔") یہ وہ جملہ تھا جو دل آراہ شجاع سے ہونے والی ہر لڑائی کے دوران بولتی تھی۔ یعنی تصور بھی کرتی تھی لیکن کسی اور کے منہ سے یہ سننا شاید عجیب تھا۔ "میں ایک جاب کے لیے شوہر چھوڑ دوں؟"

"کیا تم دونوں واقعی ساتھ ہو؟" ماہ روش نے گردن پھیر کر اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر چوری پکڑے جانے کا تاثر تھا۔ "تم دن کا آدھا حصہ میرے ساتھ گزارتی ہو اور اس دوران شجاع تمہیں کب کال کرتا ہے؟ تم بچوں سے کب بات کرتی ہو اور گھر کی کتنی فکر کرتی ہو مجھے سب پتا ہے۔ تمہارا اور شجاع کا کوئی جوڑ نہیں شکل دیکھو اس آدمی کی وہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو تو تمہارا ملازم لگتا ہے۔ سوائے ذہانت کے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"وہ میرے بچوں کا باپ ہے۔" دلیل کمزور ہوئی۔

"تو اسے باپ ماننے سے کون انکار کر رہا ہے؟ ہو گئی غلطی اب موو آن کرو یار، تمہارے لیے ایک ہزار مرد قطار میں کھڑے نظر آئیں گے۔ شجاع تم سے جلتا ہے کیونکہ تم اس سے زیادہ کماتی ہو اس بار جب جاؤ تب اس سے اپنی اس جاب کی بات کرنا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ وہ تمہیں صاف صاف انکار کرے گا۔ یہ صرف پہلی بار تھا جب تم پیرس آئی ہو ایسا ہر دفعہ ہوگا کیا وہ اگلی دفعہ تمہیں آنے دے گا؟"

وجوہات تو بے کار اور ردی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی عزت کرنا چھوڑ چکے تھے، وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت اور شفقت رکھنا بھی چھوڑ چکے تھے۔ آج ان دونوں کا رشتہ ڈھے کر کہیں گر چکا تھا۔ کیا یہ کسی جاب کی آفر سے ہوا؟ یا کسی حسن اور لالچ نے پیر باندھے؟ اونہوں.... جب بنیادیں کھوکھلی اور منافق ہوں تو لعنت ڈھے چکی عمارت کو نہیں دی جاتی۔

یافث کے بازو پر سر رکھے چھت کو تکتی انارا گھٹی گھٹی سسکیاں لے رہی تھی، اسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔

★★★★★

چہرہ میز پر گرائے اور قصہ گو کو دیکھنے کے بجائے اس کی یاسیت اور حزن میں ڈوبی آنکھیں فرش پر مرکوز تھیں۔ اس کے چہرے پر سے بال ہٹاتے مرد کی نگاہیں اور حرکات نرم تھیں۔ "مجھے والدین کی خود غرضی بہت کھلتی ہے۔" اس کی آواز پہلی بار کمزور پڑی۔ مرد کی انگلیاں تھم گئیں۔ "مجھے بہت برا لگتا ہے جب کوئی اولاد کو پیچھے

چھوڑ کر اکیلا آگے بڑھے، جب کسی بچے کے لیے اس کا گھر اس کی سب سے ناپسندیدہ جگہ بن جائے۔" وہ سیدھی ہو بیٹھی اور چند ثانیہ خاموشی میں گزر گئے۔

"کیا تم بھی؟" وہ بمشکل اتنا کہہ سکا۔

لڑکی آزردگی سے مسکرائی۔ "دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا بچہ ہو جسے پرفکٹ پیرنٹس ملے ہوں۔"

★★★★★

لعل یمن کے لاؤنج میں وہی کل والی بے ترتیبی تھی۔ مری کے کاٹیج کا سامان ہر جگہ پھیلا ہوا تھا۔ شاہ ویر اس وقت اگر احتساب کے لیے نہ آیا ہوتا تو اس وقت یہ ساری بے ترتیبی دیکھ کر ضرور بے زار ہوتا لیکن فی الحال وہ سہراب کے ساتھ چلتا ہوا آیا اور لاؤنج میں آکر وہ تینوں رکے۔ سہراب ان دونوں کی طرف مڑا۔

"یہ بات ہمارے درمیان ہوگی اس تیسرے کو نکالو۔" اس کا اشارہ شاہ زید کی طرف تھا۔

"میں کیوں جاؤں؟ اگر آپ بھول رہے ہیں تو میں یاد دلا دوں کہ آپ کو یہ جاب میری وجہ سے ملی ہے۔"

"وہ جاب جو مجھے تمہاری (تمہاری پر زور دیا) وجہ سے ملی تھی اس سے تمہارے بھائی نے مجھے نکال دیا تھا۔ اس وقت تم دونوں میری مدد لینے آئے ہو اور میں تمہاری مدد کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔" تمہاری پر دوبارہ زور دیا اور نگاہیں شاہ زید پر جمائے رکھیں۔ وہ کسی رعایت کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔

وہ جو کسی صورت ہٹنے کو تیار نہ تھا شاہ ویر نے اسے ایک نظر دیکھا اور آنکھوں کے اشارے سے اسے باہر جانے کو کہا۔ آہستہ آہستہ اس کا گرم دماغ ٹھنڈا ہو رہا تھا اور اس وقت اسے یہاں آنا بھی حماقت لگ رہا تھا۔ کیا ہوتا اگر وہ شام تک اپنا دماغ درست کرنے کے بعد یہاں آتا؟ "جاؤ زید!"

"یہ بھی تو کھڑا ہے اسے بھی تو جانے کا کہو۔" اس نے اسلان کی طرف اشارہ کیا جو کہ اب تک ٹکر ٹکر شاہ ویر کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ اس کا گھر ہے۔" سہراب نے کہا۔

"فائن ایک میں ہی سوتیلا ہوں یہاں۔" سلگ کر کہتے وہ باہر نکل گیا۔ زیر لب وہ بہت کچھ بڑبڑاتا رہا۔ سہراب نے دروازہ بند کیا اور شاہ ویر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اندر ہی اندر بہت پرسکون ہو۔ شاہ ویر اس سے زیادہ بے چین۔

"یہ سب آپ نے کیا ہے؟" اسلان پلٹ گیا، اس کا دماغ کہیں اور تھا۔

"ابھی ابھی جس کا سر پھاڑ کر آئے ہو اس سے بھی اسی طرح نرمی سے پوچھا تھا؟" ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اسے دیکھتے ہوئے سہولت سے پوچھا۔ "میرے سامنے یہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے، شاہ ویر۔ میں جانتا ہوں تم حقیقتاً کتنے "کالم" ہو۔" شاہ ویر پہلو بدلتے آگے کو ہوا۔

"میں نے کبھی ولی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لہٰذا مجھے فرق نہیں پڑتا آپ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ (سفید جھوٹ) میں صرف اور صرف یہ پوچھنے آیا ہوں...." اس نے آنکھیں سہراب کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ "کیوں؟" یک لفظی استفسار۔ "جس چیز کو میں اتنے ماہ سے چھپا رہا ہوں آپ نے وہ کیسے کر دیا؟ مجھے شک ہو رہا ہے کیا آپ واقعی مجھے بچانا چاہتے ہیں؟"

"کس نے کہا میں بچانا چاہتا ہوں؟" کندھے جھٹکے۔ "میں صرف اور صرف اپنا کام کر رہا ہوں اور اس کام میں تم ایک "مہرے" ہو۔ اس سے زیادہ تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"کیا میری حیثیت صرف یہی ہے، آپ کو واقعی ایسا لگتا ہے؟"

"بالکل کیونکہ جس دوسری حیثیت کے تحت تم نے یہاں آنا تھا وہ جواز کل میں ختم کر چکا ہوں۔" شاہ ویر کے دل کو دھکا سا لگا۔ کچھ تھا جو بے حد اندر تک کھب گیا۔ وہ بہ دقت پیچھے ہوا۔ "میں انارا کو سب بتا چکا ہوں اور اب تمہارے

پاس اس کی طرف جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہاں اگر تم ہمارے درمیان اپنی زندگی اور موت کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو ضرور بات کرو۔"

"میں آپ کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ چاہے آپ کا کام میرے حق میں نہ ہو لیکن کم از کم مجھے آپ سے نقصان نہ ہو۔" ایک ہی دن میں حوصلہ جبل کی طرح ٹوٹ گیا تھا۔ "میں مرنا نہیں چاہتا اور آپ اس قاتل کو پکڑنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر مجھے کچھ ایسا بتاؤ جس کے تحت میں تمہاری مدد کروں۔"

"کیا مطلب ہے کل تک...."

"کل تم ہی میرے منہ پر جوتا مار کر گئے تھے۔ تب تم شاہ تھے آج گداگر بن کر آئے ہو act accordingly"
کتھئی آنکھوں والے نوجوان نے ڈھیر سارا لاوا اندر انڈیلا بہ دقت اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ عورت ہے مرد نہیں۔ وہ مجھے زہر دے کر مارنا چاہتا ہے اور ہمارے پاس چودہ فروری تک کا وقت ہے۔"
سہراب نے ناک سے مکھی ہٹائی۔ "یہ الہام نہیں۔ میرے پاس ثبوت ہے، سر۔" اس نے زور دے کر مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ سہراب ایک پل کو رکا۔ اس کا مکمل جائزہ لیا، چند پل وہ اس کی آنکھوں میں کچھ کھوجتا رہا اور پھر فیصلہ ہو گیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہم کہیں باہر چل کر بات کر سکتے ہیں؟ میرا ایک فلیٹ ہے وہاں۔"

"جس کے آجانے کی تمہیں فکر ہے وہ یہاں نہیں رہتی۔" اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ سہراب کے ساتھ جب وہ لاؤنج سے باہر آیا تو لمبی راہداری میں سرخ اینٹوں والی دیواروں کے درمیان راہداری کے ایک سرے پر وہ تھا اور دوسرے پر اسلان یمن۔ وہ دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ اسی طرف تک رہا تھا۔ شاہ ویر نے ایک نظر

اسے دیکھا، یہ چہرہ دیکھ کر شاید اسے کچھ یاد آیا تھا لیکن اس وقت اس کا ذہن اتنی بری طرح الجھا ہوا تھا کہ اس نے نگاہ ہٹالی۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" اسلان کے عقب سے عالمگیر نمودار ہوا۔ تیوری ہمیشہ کی طرح چڑھی ہوئی اور ماتھے پر بل۔ سہراب کھونٹی سے لٹکتی چابیوں کا گچھا نکالتے ہوئے سرسری انداز میں بولا۔

"فکر مت کرو رشتے کی بات کرنے نہیں آیا۔"

"رشتہ؟" راہداری کے جامد وجود کے لبوں سے بس ایک لفظ آزاد ہوا۔ شاہ ویر بنگش کا یہاں آنا اس کے لیے اگر غیر متوقع تھا تو اس کے اور اس گھر کے درمیان رشتہ جڑنے کی بات سننا اس سے زیادہ غیر متوقع۔ لمحوں کے اندر اندر یہ کیا ہو رہا تھا؟

"قصہ مختصر سنو شاہ ویر وہی لڑکا ہے جس سے تمہاری بہن شادی کرنا چاہتی ہے۔" سہراب آگے آیا۔ ایک نظر عالمگیر کو دیکھا۔ "اور تمہارے لیے یہ اطلاع ہے کہ شاہ ویر بہت جلد مقتولین کی فہرست میں شامل ہونے والا ہے۔ تفصیل چاہیے تو وکٹم نمبر اٹھارہ سرچ کر لو۔" سہراب نے ایک دفعہ بھی اسلان یمن کی متغیر ہوتی رنگت نہیں دیکھی۔ عالمگیر نے ایک دفعہ بھی سامنے والے شخص کے لیے ہمدردی محسوس نہیں کی۔ جذبات اس راہ داری میں گڈمڈ ہوئے اور یہیں کہیں سر پھوڑ کر لہولہان ہوئے۔

"چلیں؟" سہراب نے شاہ ویر سے کہا۔ وہ تیز تیز قدم لیتا آگے آیا۔ راہداری میں شاہ ویر ایک پل کے لیے اسلان کے سامنے رکا۔ شاید اسے ہونے والے "سالے" کے ساتھ تعلقات بنانے کا خیال آ گیا تھا۔

"اسلان یمن رائٹ؟" وہ کچھ دیر قبل والی غفلت کی معذرت کرتا نظر آیا۔ "مل کر اچھا لگا۔ آراہ نے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔ کسی دن تفصیلی ملاقات ضرور ہو گی۔" اسلان نے بس نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ شاید وہ اب تک یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ اس کا آئیڈیل اس کے سامنے کھڑا اس سے ہاتھ ملا رہا ہے۔ اس سے ملاقات کا خواہشمند

ہے۔ شاہ ویر نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اسلان کو بے اختیار سب ٹھنڈا ہوتے محسوس ہوا۔ شاید اسے انگزائٹی ہونے لگی تھی یا شاید جذبات کا جمود رگوں میں دم توڑ رہا تھا۔ شاہ ویر چلا گیا۔ اس کے مہنگے پرفیوم کی مہک کئی لمحے وہاں موجود رہی۔ اسلان یونہی ساکت رہا۔

"کیا یہ سچ ہے؟" عالم بہت دیر بعد بولا۔ "یہ واقعی مر رہا ہے؟" اسلان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "مجھے لگا تھا شاہ زید اور آراہ لیکن..... " اس نے سر جھٹکا۔ "خیر اب مزہ آئے گا۔ کل کا مرتا آج مرے یہ بدبخت۔" بے زاری سے کہتا ہوا وہ اندر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ باہر سہراب اور شاہ ویر دروازے پر رک گئے تھے۔

"کم از کم آپ اتنا بتا سکتے ہیں کہ اس سب کی وجہ کیا تھی؟ یقیناً آپ مجھے internet sensation تو نہیں بنانا چاہتے تھے۔"

"تمہیں نہیں لیکن میں "اسے" انٹرنیٹ سینسیشن ضرور بنانا چاہتا تھا۔ اس کے پاس واحد ہتھیار اس کی گمنامی ہے۔ میں اس کی شناخت کُھلنے کا کھیل کھیل رہا تھا۔"

"آپ نے میری ساکھ کا قتل کر دیا ہے۔" شاہ ویر تاسف سے بولا۔

"قاتل کے قتل کے لیے یہ امر ضروری تھا۔" وہ کہہ کر شاہ ویر کو اشارہ کرتا لعل یمن کے ساتھ ملحقہ سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھ گیا۔

★★★★★

"چند گھنٹے قبل!"

"I am out" انگریزی میں دوٹوک مہذب انکار کر کے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر مفاہمت پر لعنت، ہر مصلحت کو ٹھوکر۔

"دھیرج رکھو، عالم۔ یہ نہ ہو کہ اگلی بار جب تم مجھ سے بات کرنا چاہو تو تم سلاخوں کے پیچھے ہو۔"

دونوں ہاتھ میز پر رکھے عالم آگے کو جھکا۔ "عالم دھمکیوں میں نہیں آتا۔ میری زندگی میں برباد ہونے کے لیے اب کچھ باقی نہیں ہے۔"

"یہ تنبیہہ ہے۔ اپنی بیٹی کا سوچو، عالمگیر۔ اب کی بار تم لمبے عرصے کے لیے جاؤ گے اور میرا یقین کرو میں مذاق نہیں کر رہا۔" کچھ ٹھنڈا سا تھا ان کے لہجے میں جو عالم کی ریڑھ کی ہڈی کو سنسنا گیا۔ "میرے لیے تم نہ صحیح کوئی اور صحیح لیکن تمہارے لیے میں نہیں تو کوئی بھی نہیں۔" سنسناتی ہڈی پر کوئی زوردار ضرب لگی۔ ہڈی نہ چٹخی، حوصلہ ضرور چٹخا۔ "جلال الدین تم پر مرڈر چارجز فائل کروائے گا۔" یعنی جلال کی جگہ وہ ابلیس جو اب تک نظروں سے اوجھل تھا؟

"میں نے جلال الدین کی ماں بھگائی ہے کیا؟" میز پر ہاتھ مارتے وہ بلند آواز میں غرایا۔

"اس کی ماں میری بیوی تھی حد میں رہو، عالمگیر۔" دھواں فضا میں چھوڑتے رسان سے کہا۔ شاید غصے والے جراثیم ان کے جسم میں ناپید تھے۔ سہراب نے اس کا گھٹنا تھپتپایا۔ یہ اشارہ تھا کہ دھیرج رکھو۔ عالم نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ داڑھی آج چبھی تھی، وجہ بےزاری تھی۔

"جلال.... یہ. سب... کیوں کر رہا ہے۔" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

"مرد بہت پریکٹیکل ہوتا ہے، عالم۔ لیکن "رقابت" اور "محبت" وہ واحد جذبے ہیں۔ جو اس کے حواس معطل کر سکتے ہیں۔ جلال کو تم سے رقابت ہے اور اس کی محبت کو تم سے نفرت۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق صبیحہ یعنی تمہاری پہلی بیوی کی بہن، تمہاری بیٹی کی خالہ تب تک رخصتی نہیں کرنا چاہتی جب تک تم جیسے "درندے" کو سلاخوں کے پار نہ دیکھ لے۔"

"یہ درندہ ضرور آپ نے ایڈٹ کر کے ڈالا ہو گا۔" عالم بگڑا۔ "جلال کو دو منٹ کے اندر اندر زیر کر سکتا ہوں میں اور رہی بات صبیحہ کی تو اسے بھی ٹھیک کر لوں گا۔ سہراب کو اس شہر میں آنا ہے لیکن میں میرے پاس آپ کے

تلوے چاٹنے کے لیے کوئی خاص وجہ ہے نہیں۔" وہ رکا۔ "آپ کے بیٹے کی بیوی چاہتی ہے کہ میں ایک ماس مرڈر کی چھان بین کروں۔ آپ کا بیٹا کاروباری حسد کے لیے مجھے جیل بھجوا رہا ہے آپ میرے ذریعے اپنا لاء اینڈ آرڈر درست کر رہے ہیں لیکن میں آپ کو حقیقت بتاؤں؟" اس کے لہجے میں تلواروں کی سی کاٹ در آئی۔

"اصل وجہ کچھ اور ہے۔ آپ کا کوئی ذاتی مفاد جس کے لیے آپ موجودہ حکومت سے لڑ کر سہراب کو یہاں لے آئے۔ پدری شفقت ایک طرف رکھ کر اپنے بیٹے کا دشمن ہوتے ہوئے مجھے یہاں شامل کر لیا اور اپنے لاء اینڈ آرڈر کا کیا؟ تھوک دیا اس پر؟"

"میں یہ سب دیکھ لوں گا اس کے لیے آپ کو عالمگیر کو شامل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سہراب نے پہلی بار مداخلت کی۔ "جوہر فور زیرو میں خود حل کر سکتا ہوں۔"

"تم خاندان کے معاملے میں جذبات سے کام لیتے ہو، سہراب۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم اس بات کا علم رکھتے کہ تمہارا بھائی دو ماہ سے آزاد ہے۔" کوئی بھاری جوتا تھا جو سہراب کے منہ پر اتنی زور سے لگا کہ اس نے دانتوں پر دانت جما لیے۔

"وہ میری آخری غلطی بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں اندازوں کی بنیاد پر سرکار سے دشمنی نہیں مول لے سکتا۔" انہوں نے ایک بار پھر عالم کو دیکھا۔ "میں تمہیں منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں، عالمگیر۔ میں سہراب اور تمہیں فری ہینڈ دوں گا کہ تم دونوں اپنے خاندان پر لگا بٹہ اتار سکو۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتے؟ صرف اپنا مت سوچو تمہیں اس الزام سے فرق نہیں پڑتا ہو گا تو نہ صحیح لیکن کل کو تمہاری بیٹی بڑی ہو گی اور جب اسے علم ہو گا کہ تم تین تین عورتوں کے قاتل ہو تو لعنت بھیجے گی تم پر۔ تمہارا سرمایہ تم کھو دو گے۔ دنیا کے لیے نہ سہی اپنی بیٹی کے لیے سوچو۔" سارا جوش، سارا طنطنہ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ عالم کا چہرہ بجھ گیا۔ گردن اکڑی رہی۔ "تمہارے پاس سوچنے کے لیے چوبیس گھنٹے ہیں۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا۔"

سچ یہ تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفلوج ہو چکی تھیں۔

مُہروں کی ڈوریاں کھینچنے والا شخص اسی گھر کی اوپری منزل پر کھڑا عالم کی بے بسی، سہراب کی ملامت اور اپنے مہرے خادم کی چال سے ناخوش سا اب کھڑکی کے پردے برابر کر رہا تھا۔

★★★★★

لعل یمن کی تعمیر کے وقت افتخار یمن (سہراب کے والد) نے گھر سے ملحقہ ایک چھوٹا سا کوارٹر بنوایا تھا۔ ان کے مستقبل کے خوابوں میں امیر ہو کر نوکر چاکر رکھنا بھی تھا اور جب نوکر رکھے جاتے تو ان کی ضرورت کے لیے سامان بھی پیدا کیے جانے تھے۔ وقت کی کرنی کچھ ایسی ہوئی کہ نہ مکین رہے نہ خواب اور گھر.... پھر گھر وہیں کا وہیں رہ گیا۔ کوارٹر کچھ عرصہ کرائے پر رہا پھر خالی کروالیا گیا کیونکہ نکاسی آب کا نظام خراب ہو گیا تھا اور اس گھر کی وجہ سے لعل یمن کی دیواروں کو سیلن کھا رہا تھا۔

اسی گھر کے لمبے رقبے پر پھیلے کمرے میں سہراب اور شاہ ویر موجود تھے۔ کمرے میں دیواروں پر جگہ جگہ اسٹکی نوٹس، اخبار کے تراشے، سرخ دھاگے اور مختلف مقامات پر تعلقات جوڑے گئے تھے۔ چند دن قبل جہاں سہراب سے جڑتے ہوئے تعلق پر اندھیرا تھا۔ آج اسی تصویر پر بے تحاشا روشنی پڑ رہی تھی۔ شاہ ویر گردن ترچھی کیے بورڈ کے سامنے آ کر رکا۔

"یہ آپ کی بیوی ہے؟" خالی کمرے میں اس کی آواز پلٹ کر واپس آئی۔ کمرے کے وسط میں رکھی میز پر گردن جھکا کر کھڑا سہراب پلٹا۔ شاہ ویر نے انگلی سے نشاندہی کی۔ (اپنی جان کے لالے پڑے تھے اور لکھاری کو یہاں بھی قصے اور تعلق جوڑنے کی پڑی تھی)۔

"اونہوں...." اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ حلق میں کانٹے سے اُگ آئے۔ "میری بیسٹ فرینڈ۔ میرال شیرازی۔" دہر کے چکر موڑے گئے، کیلنڈر پلٹے گئے، سال بدلے اور کہانی ماضی میں چلی گئی۔ پانچ

سال قبل چیزیں اتنی بُری نہیں تھیں جتنی موجودہ وقت میں ہیں۔ سارے یمن اور طارون شادی ہال میں جمع تھے۔ برقی قمقمے، پھول، خوشبو، رونقیں ہر طرف لوگ تھے، کھانے کی مہک اور مشروب کے گلاس ٹکرانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ سہراب یمن اور آمنہ شیرازی کے نکاح کی تقریب تھی۔ سفید کرتے کے ساتھ سیاہ کوٹ پہنے وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ ہر مبارک بعد وصول کر رہا تھا۔ ہر پانچ منٹ بعد اسے دانت بھی کچکچانے پڑتے، ساتھ وہ اپنی انگلیوں کو زحمت دیتا اور گھر کے چند لوگوں کا سکون برباد کرتا۔

"میں تمہیں دیکھ رہا ہوں، اسلان۔" اسلم چچا سے تمیز سے بات کرو۔

"انارا تم بے بی آنٹی کو کوئی گوسپ مت دینا یہ ایک کی دو لگائیں گی۔"

"عالم؟ عبیر کو اپنے ساتھ ساتھ رکھو یا پھر آراہ کے حوالے کرو بچی دو مرتبہ گری ہے۔"

"عالم کھانا کھولو تو دھیان رکھنا بد مزگی نہ ہو۔" اسے سب کچھ اچھا اچھا چاہیے تھا۔ منجھلی اولاد۔ حق ہاہ۔

"اب تمہیں مبارک بھی دوں؟" کھنکتی شوخ سی آواز پر سہراب نے موبائل سے نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا۔ ہلکے سبز رنگ کے لمبے جوڑے کے ساتھ چوڑی دار پجامے پہنے گھنگھریالے بالوں کو جوڑے میں باندھے وہ سہراب کو دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ ساری تقریب کے دوران وہ دوسری بار مسکرایا۔ پہلی دفعہ جب اس نے "قبول ہے" کہا تھا۔

"تم کہاں جہنم بدر ہو گئیں تھیں؟ اور میری بیوی کدھر ہے اسے لا کر بٹھاؤ یہاں میرے پاس۔"

"دھیرج رکھو سہراب صاحب۔ میری بہن فی الحال کھانا کھا رہی ہے۔ یہاں آکر اس نے ویسے ہی کمر اکڑوانی ہے۔" پھول اس کے گلے میں ڈالتے وہ دسنبھل کر اس کی دوسری طرف آکر بیٹھی۔

"انتظام اچھا کیا ہے ویسے۔" اس نے سارے میں نگاہ دوڑائی۔ پھر ایک طرف عالم کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ میرال کے ابا یعنی سہراب کے سسر کے ساتھ کھڑا باتیں بگھار رہا تھا۔ عبیر کو ایک ٹانگ پر بٹھائے وہ اس کے منّی

مٹی ہاتھ بھی صاف کر رہا تھا۔ عبیر واحد انسان تھی جو عالمگیر کو گھٹنوں پر بھی لا سکتی تھی، اور اس کی ساری سختی ایک پل میں ختم بھی کروا سکتی تھی۔

”سب عالم نے کیا ہے، شکر ہے اسے کچھ عقل آئی۔“ سہراب نے گلے سے پھولوں کا ہار اتارا۔ وہ اس تقریب سے اچھا خاصا بے زار ہو چکا تھا۔ اگر اس کی بیوی کو یہ شور شرابہ اور ”دھوم دھام“ کی شادی نہ کرنی ہوتی تو وہ ہر گز یہ سب نہ کرتا۔ لیکن اس کے لیے سب کچھ........ نگاہ بلا ارادہ اس طرف اٹھی جہاں سے اس نے آنا تھا، پھر وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

”عالم تو سب کچھ ہی اچھے سے کر لیتا ہے۔“

”اور تمہیں نظر انداز بھی۔“ سہراب نے سنجیدگی سے کہا۔ میرال کی نظروں کی وارفتگی، تیس کی دہائی پار کرنے کے بعد بھی شادی نہ کرنا یہ سب کم از کم سہراب سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ یمن اور شیرازی خاندان کے درمیان دوستی بہت پرانی تھی۔ سہراب کے والد افتخار یمن اور شہروز شیرازی اسکول کے زمانے کے دوست تھے۔ شادی اور ملازمت کے بعد بھی اس دوستی میں کوئی دراڑ نہیں آئی بلکہ یہ دوستی چلتی رہی۔ سہراب اور میرال ایک ہی اسکول میں پڑھے ساتھ یونیورسٹی گئے اور پھر سہراب کی شادی میرال کی چھوٹی بہن آمنہ سے طے ہو گئی۔ اس سب کے دوران ماہ و سال کی رنجشوں کے باوجود دو چیزیں تھیں جن میں دراڑ نہیں پڑ سکی۔

میرال اور سہراب کی دوستی۔ میرال کی عالمگیر کے لیے یکطرفہ محبت۔

”وہ مجھے نظر انداز نہیں کرتا۔ یکطرفہ محبت کی طاقت ہی کچھ اور ہوتی ہے...“

”یہ باقی رشتوں کی طرح دو لوگوں میں نہیں بٹتی۔ اس پر صرف میرا حق ہے۔“ سہراب نے ہاتھ اٹھا کر باقاعدہ اس کی بات کاٹتے اسی کے انداز میں یہ لائن کہی۔ ”یہ لائن تک شاہ رخ خان کی ہے۔ اتنی تم محبت کرنے والی ایک لائن تو اپنی ایجاد کر لو۔“

”ایک بار میری عالم سے شادی ہونے دو، دیوان لکھ دوں گی اس کے لیے۔“

”اوروہ سارے دیوان اپنی قینچی جیسی زبان سے کاٹ کر پھینکے گا۔“اس ذکر پر سہراب ہر دفعہ کی طرح بے زار ہوا۔ میرال اس کے لیے بہنوں جیسی حیثیت رکھتی تھی اور عالم کی طرف اس کا جھکاؤ شروعات میں سمجھ آتا تھا لیکن جب اس نے پہلی شادی کرلی۔ ایک بیٹی ہوگئی اس کے بعد دوسری شادی اور ان دونوں بیویوں کا مر جانا اس کے بعد بھی میرال کا آگے نہ بڑھ پانا سہراب کو سمجھ نہ آسکا۔

”کیا چاہتی ہو، میرال؟“ وہ رخ مکمل اس کی طرف موڑے آج بے حد متانت سے پوچھ رہا تھا۔ میرال نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں کوئی اٹل جذبہ تھا۔”میں نے تم سے کہا تھا۔ اس سے موو آن کرلو۔ تم اور وہ بہت مختلف انسان ہو۔ عالم میں برداشت نہیں ہے اور تم ماشاءاللہ سے لوگوں کو زچ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اس کے علاوہ۔“ سہراب نے شیرازی صاحب کے ساتھ کھڑے عالم کو دیکھا جو ہمیشہ کی طرح ماحول پر چھایا ہوا تھا۔”اس کی دو بیویاں مر چکی ہیں۔ موت کی وجہ عجیب ہے اور عالم کی۔“

”تمہیں کیا لگتا ہے یہ دونوں قتل عالم نے کیے ہیں؟“ مسکارے لدی آنکھوں سے سوال پوچھتی وہ سہراب کو ایک راہ چننے کا کہہ رہی تھی۔

”وہ میرا بھائی ہے، میرال۔ اگر یہ دونوں قتل اس نے کیے بھی ہوتے تو میں اس کے ساتھ کھڑا رہتا۔ غلط ہے یا صحیح وہ میرا چھوٹا بھائی ہے، میں ہر قیمت پر اس کی حفاظت کروں گا۔ ابا کا لاڈلا بیٹا تھا عالم۔ مرتے ہوئے انہوں نے اس کی ذمہ داری مجھے دی تھی۔“

”وہ تمہارا بھائی ہے اور تم اس کو قاتل نہیں مانتے، میرے لیے وہ بچپن کی محبت ہے۔ تم چاہتے ہو میں اس سے موو آن کر جاؤں؟“

”تو کیا کرو گی؟“

”آج کل وہ سنگل ہے، سوچ رہی ہوں اس سے شادی کر لوں۔“ شیرازی صاحب اس کا کندھا تھپک کر ہٹ گئے عالم اب اپنی بیٹی کو کرسی پر بٹھا رہا تھا۔ خود وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ سہراب کتنی ہی دیر بالکل چپ رہا۔ عالم اور میرال اسے ان دونوں لوگوں کا خیال تھا۔ دونوں اس کے لیے اہم تھے لیکن.... وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کب کیا کیا جائے؟

”تمہارے ابا نہیں مانیں گے۔“

”تم بات کرونا ان سے۔ ایک بار تم ذمہ داری لے لو۔ عالم تمہارا بھائی ہے تم اس کی ذمہ داری لو گے تو وہ مان جائیں گے۔ تم ان کے بہت نزدیک ہو، بابا تمہیں اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ تم اب سے ان کے داماد بھی ہو۔ تم سب سیٹل ہو گئے ہو، سہراب۔ میں بھی سیٹل ہونا چاہتی ہوں۔ عالم کے علاوہ کسی سے شادی کر لی تو وفادار نہیں رہ پاؤں گی۔“

ساری رونقوں اور خوشیوں کے درمیان وہ چند لمحوں کے لیے بالکل غیر آرامدہ ہو گیا۔ ابھی وہ کوئی جواب دیتا کہ سامنے سے بادامی رنگ کے سلک کے لہنگے میں ملبوس سنہری اور سبز رنگ کے امتزاج کے زیور پہنے وہ چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ بازو اپنے باپ کے بازو میں ڈال رکھا تھا۔ سر پر دعاؤں کی چادر تھی اور اس کی مسکراہٹ بہت گہری تھی۔ سہراب اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام یمن آس پاس کھڑے ہو گئے۔ ان کے گھر اب ایک عورت آ رہی تھی۔ (عالم کی بیویاں عارضی تھیں) سہراب تیسری دفعہ مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ سابقہ مسکراہٹوں سے زیادہ گہری تھی۔ وہ آمنہ شیرازی سے نگاہ نہ ہٹا سکا، نگاہوں کا یہ استحقاق اس عورت کو بھی محسوس ہو چکا تھا۔ وہ پلکیں جھکا گئی۔ سہراب تاعمر اس کا اسیر ہوا۔

”یہ اب ہیں یا....؟“ شاہ ویر بنگش کی آواز اسے ماضی سے کھینچ کر حال میں لے آئی۔

”عالم کی تیسری بیوی، وہ اب مر چکی ہے۔“ اس نے سرسری انداز میں کہا۔ پھر پلٹ کر شاہ ویر کو دیکھا۔ انداز بجھا بجھا تھا۔ ”شروع کریں؟“ شاہ ویر نے سر کو خم دیا اور کہنا شروع کیا۔

★★★★★

”گزشتہ روز کا قصہ!“

کانفرنس روم میں میٹنگ ہو رہی تھی۔ اسفندیار سربراہی کرسی کی دائیں طرف بیٹھا غور سے اپنی ماں کی بات سن رہا تھا۔ حالانکہ اسے دلچسپی خاک بھی نہیں تھی۔ وہ جماعت کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی اور وہ جماعت تنظیم کرنے کے عمل میں شریک کار۔

”آج یہ مشاورتی کمیٹی صرف اس لیے بیٹھی ہے تاکہ آپ سب مجھے کوئی ایسی حکمت عملی بتا سکیں جس کے ذریعے ہم اس بار انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکیں۔“ روبینہ گردن اکڑائے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر سختی تھی۔ آنکھیں رتجگے کے خماز سے سرخ پڑ رہی تھیں۔ ”مجھے کہیں سے کوئی پراگریس ہوتی نظر نہیں آ رہی۔“

”میرا خیال ہے سوشل میڈیا کیمپین سب سے زیادہ فائدہ مند ہے۔“ اختر نیازی سب سے پہلے بولے۔ ”اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ ہم سے جتنا ہو سکے عورتوں کے معاملات پر غور کیا جائے۔ زیادتی کے دو تین مقدموں پر احتجاج ریکارڈ کروائے جائیں۔ دفتروں میں کام کرنے والی عورتوں کے حقوق پر بات کی جائے اور photo opp سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اب ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ جعلی ہے۔ اس سے بس ہماری ساکھ خراب ہو گی۔“ روبینہ ان سے کچھ کہہ رہی تھی مگر ان کی آواز کو قدرے مدھم کر کے میز کی دائیں طرف کان لگاؤ تو شمیم نعمان اپنے ساتھ بیٹھے افتخار علوی سے کہہ رہی تھیں۔

”پچھلی دفعہ ہماری ہار کی واحد وجہ روبینہ بی بی کا بیٹا ہی تھا۔“ نخوت سے کہا۔ ”اول تو بی بی نے اس کی گرفتاری نہیں دی۔ دوئم جب اس افسر نے کیا نام تھا اس کا؟“ انہوں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

”سہراب یمن۔“ لقمہ دیا گیا اور سہراب یمن کو تو لاہور کی فضائیں بھی یاد رکھے ہوئے تھیں۔

”ہاں وہی بڑا ہی کوئی زیرک افسر تھا۔ اصل وجہ ہی یہ تھی کہ جب بی بی کا بیٹا پولیس موبائل سے اتر کر بھاگا تو سہراب نے اسے گولی مار دی۔“ انہوں نے کہہ کر جھرجھری لی۔ ”پھر کتنا غضب ہوا تھا روبینہ نے تو اینٹ سے اینٹ ہی بجا دی۔ سہراب کو کتنا گھسیٹا گیا۔ اس پر رشوت کے الزام لگائے، وہ سر راہ مارا پیٹا گیا، پورا سال وہ آدمی معطل رہا اور پھر اسے مری بھیج دیا۔ ظلم کیا اس کے ساتھ۔“ وہ دونوں اب بھی ہلکی ہلکی آواز میں ماضی کے پردے اوپر نیچے کر رہے تھے۔ ”سوشل میڈیا کا زمانہ ہے اب لوگ سب جان لیتے ہیں۔ کوئی بے وقوف ہی ہو گا جسے یہ نہ پتا ہو کہ اس افسر کا تبادلہ کس جرم کی پاداش میں ہوا تھا۔“

”علوی صاحب اگر آپ میری ذات اور خاندان پر تبصرے کرنا بند کر کے سیاست پر توجہ دیں تو میں آپ کی احسان مند رہوں گی۔“ روبینہ کی احساس سے عاری آواز پر افتخار صاحب کی چوری جیسے پکڑی گئی ہو، زبان کو لقوہ لگا۔ پانچ سال قبل کی عورت پر تبصرے کرنا آسان تھا آج پانچ سال بعد وہ کئی محاذ پار کر آئی تھی۔ اب وہ تبصرے کرنے والی زبانیں کاٹنا نہیں بند کروانے کا ہنر سیکھ کر آئی تھی۔ دونوں وزیر اپنا اپنا سا منہ لے کر چپ ہو رہے۔

محفل برخاست ہو گئی مگر تمکنت نے چند وزراء کو روک لیا۔ وہ ان سے بات چیت ہی کر رہی تھی جب اسفندیار کے موبائل پر کوئی پیغام جگمگایا۔ ”میں دروازے کے باہر کھڑی ہوں اپنی ماں کو بتائے بغیر باہر آؤ۔“

تمکنت کی طرف سے پیغام تھا۔ اسفندیار اٹھنے لگا جب روبینہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ ”تمکنت کو اندر بلاؤ، اسفندیار۔“ وہ باقاعدہ ٹھہر گیا۔ چہرے پر جبری تعظیم قائم رہی البتہ پہلو میں گری مٹھی بھینچ گئی تھی۔

”اماں آپ شاہ ویر والا قصہ جانتی ہیں۔ وہ فی الحال پریشان ہوں گی ان سے تحمل سے بات کیجئے گا۔“

”یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اس سے کاروباری معاملات طے کروں گی۔ کاروبار اور ذاتیات کو الگ الگ رکھنا چاہیے ورنہ بھاری نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں۔“ اسفند بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن زبان پر قابو رکھا۔ کچھ دیر بعد وہ

واپس آیا تو تمکنت اس کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں میز کے گرد آکر بیٹھے۔ گہری کتھئی رنگ کی دیواریں اور کھڑکیاں تازہ تازہ پالش کے باعث چمک رہی تھیں۔

”تمہیں یاد ہے تمکنت جب تم چند سال قبل میرے پاس آئی تھیں تب تم کیا تھیں؟“ پانی کی بوتل کا ڈھکن کھولتے سفید دوپٹے کے حالے والی عورت پرسکون انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”تمہاری فلمیں پٹ رہی تھیں۔ شوہر کا تازہ تازہ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ کاروبار تباہ تھا اور تب میں نے تمہیں کام دیا۔“

بوڑھی اداکارہ خاموش رہی۔ وہ یہ نہ کہہ سکی کہ.... ”تم نے مجھے کام نہیں دیا۔ تم نے مجھے اور میرے ایمان کو خریدا۔ مجھ سے غیر قانونی اسمگلنگ کروائی۔ میری وینٹیز کی گاڑیوں کو اپنے اسلحے کی غیر قانونی ترسیل کے لیے استعمال کیا اور میری جنس تک کو اپنے حق میں استعمال کیا۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر مجھے مختلف اینجیوز سے جوڑا میرا نام اور میری ساکھ استعمال کرتے ہوئے تم نے اپنی سیاست چمکائی۔“ وہ کیسے کہہ دیتی؟ اس کے گلے میں پڑی منافقت کی طوق اتنی بھاری تھی کہ تمکنت کا گلا بیٹھنے لگا۔ وہ بس سنتی رہی۔

”تمہارے پاس تین ماہ کا وقت ہے یا تو تم فنڈز لے آؤ یا پھر مجھے نئے لوگوں پر انحصار کرنا ہوگا۔ اور جب میں نئے لوگوں پر بھروسہ کروں گی تو ظاہر ہے میں پرانے لوگوں کے غیر قانونی کاروبار کی ذمہ دار نہیں ہوں۔“

”عین تاج پوشی کے وقت لباس میں نئے ہیرے نہیں لگاتے، روبینہ۔ ان کے جعلی ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔“

”تم درست کہتی ہو۔ لیکن تاج پوشی کا وقت تب آئے گا جب مہرے، وزیر اور عوام میری ہوگی۔ موجودہ دور میں کوئی بھی انسان بغیر پیسے کے کسی کے ساتھ ٹھہرنے کو حماقت سمجھتا ہے اور مجھے لگتا ہے دنیا میں آج کل احمقوں کی کمی ہوگئی ہے۔“

"کاروبار ٹھنڈا پڑ گیا ہے روبینہ۔ انتخابات کا وقت ہے تم اپوزیشن میں ہو کر بھی جب اس قدر جوش سے لڑ رہی ہو تو موجودہ حکومت بھی اپنی آنکھیں کھولے بیٹھی ہے۔ اسمگلنگ ایک ہنر ہے۔ بندوقیں یونہی نہیں بک جاتیں، وقت اور ذہانت لگتی ہے۔"

"لوکل بیوپاری ڈر رہے ہیں نا؟ انہیں بیچنا ہی کیوں ہے۔ انہیں کیوں نہیں بیچتے جو لوگ خود دہشت گرد ہیں۔"

"اماں پلیز۔ ہم ملک سے غداری کریں کیا؟" اسفند نے ناگواری سے مداخلت کی۔ "ہم کسی دہشت گرد تنظیم کو اسلحہ نہیں بیچیں گے اور یہ آخری بات ہے۔" اس نے میز پر دو سے تین بار ہاتھ مارا، یوں جیسے پارلیمنٹ میں اپنی رضامندی دی جاتی ہو۔ اس کی دیکھا دیکھی تمکنت نے بھی اپنا مومی ہاتھ اٹھایا اور دو سے تین بار میز پر بجایا۔

روبینہ لبوں پر مٹھی جمائے محظوظ سی ہوئی۔ پھر ہنس پڑی۔ "تین ماہ کے اندر اندر اگر میرے پاس میرا مطلوبہ پیسہ نہیں آیا تو میں تمام وزراء کو جمع کر کے یہ اعلان کروں گی کہ تمکنت بنگش سے میری جماعت کا کوئی تعلق نہیں رہا اور یقین مانو یہ...." اس کا اشارہ میز پر ہاتھ بجانے کی طرف تھا۔ "ایسی اداکاریاں کرنے والے میرے پاس تم دونوں سے بہتر لوگ ہیں۔" وہ کہہ کر اٹھ گئی تھی۔ اس کے پیچھے رہ جانے والے وہ دونوں لوگ ایک عجیب سے اضطراب کی گرفت میں آ گئے۔

"سہراب یمن واپس آ گیا ہے۔" روبینہ ابھی دروازے پر تھی جب تمکنت نے کہا۔ روبینہ کا سارا وجود زنجیر ہو گیا۔ چہرے پر کچھ آ گیا جسے نام نہیں دیا جا سکتا۔ "جوہر فور زیرو ری اوپن ہو گیا ہے اور لیڈ وہی کر رہا ہے، یہ ایک انڈر کوور آپریشن ہو گا۔"

"وہ واپس کیسے آ سکتا ہے۔ میں اسے تباہ کر دوں گی۔" وہ مڑی اس کی آنکھیں سرخ انگارا تھیں۔

"مر چکے بیٹے اور سیاست میں کسی اور چیز کو چننا ہے روبینہ اور مجھے امید ہے تم سیاست کو چنو گی۔ ایک کامیاب عورت کو یہی کرنا چاہیے۔" عورتوں کی ایک خصلت ہوتی ہے کوئی انہیں زبان کے وار سے زخمی کرے تو وہ اسے

اسی زبان سے چیر پھاڑ دیتی ہیں۔ تمکنت کی زبان نے بھی روبینہ کا دل چیر دیا تھا۔وہ آج تک اپنے بڑے بیٹے کی موت کو نہیں بھولی تھی۔

★★★★★

کمرے میں آکر وہ بستر پر چت لیٹ گیا۔ آنکھیں ساکن پنکھے پر جمی رہیں۔ دماغ اب تک دروازے پر ملنے والے اس شخص پر اٹکا تھا۔غالباً وہ اب تک اس کے سحر میں جکڑا تھا یا شاید اس کے اندر کا مداح اب بھی اس لمحے کے زیر اثر تھا۔یکدم اسے کل رات کا وہ منظر یاد آیا۔ جس میں اس نے وہ فیصلہ سنایا تھا۔ جس کے متعلق وہ اب بھی مضطرب تھا۔

بائیک کی چابی کھونٹی میں اٹکاتے موبائل پر یافث کو کال ملاتے ہوئے وہ باورچی خانے میں آیا۔ جہاں عالمگیر، عبیر کے لیے ملک شیک بنا رہا تھا۔ سہراب چند کاغذات لیے نظر کا چشمہ لگائے میز کے گرد بیٹھا چائے پیتے ہوئے کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔ اسلان نے موبائل میز پر رکھا دوسری طرف یافث کال پر موجود تھا۔

”آپ تینوں سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ سہراب اور عالم نے میز پر دھرے ”تیسرے“ کو دیکھا پھر اسلان کو جو تمہید باندھنے کا روادار نہیں لگ رہا تھا۔ ”مجھے جاب مل گئی ہے۔ فروری میں جوائننگ ہے آپ تینوں کو بتا رہا ہوں کہ میں بلوچستان جا رہا ہوں۔“

عالم اور سہراب کی نظریں ملیں۔ دونوں طرف سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ دودھ کی بوتل سلیب پر رکھتے ہوئے عالم آگے آیا۔ اسلان کے قریب کھڑے ہو کر اسے گردن کے قریب سونگھا۔ ”کوئی نیا مال پھونک کر آئے ہو؟“

اسلان نے جواب دیا۔ ”چالیس ہزار تنخواہ ہے رہائش ان کی طرف سے ملے گی اور کھانے پینے کے لے لیے میس کا انتظام ہے۔“

”میں نے جوتا تمہارے منہ پر مارنا ہے، اسلان۔“ یافث کی غصیلی آواز موبائل سے ابھری۔ سہراب نے زور سے انگوٹھا مار کر کال بند کر دی۔ انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو ”اطلاع مل گئی؟ اب دماغ مت خراب کرو۔“

”بلوچستان میں تمہاری ماں رہتی ہے یا باپ؟“ عالم بگڑا۔

”دونوں اگر وہاں ہوتے تو میں جہنم جانا پسند کرتا ان کی طرف نہیں۔“ وہ اپنے ازلی دوٹوک انداز میں بولا۔

”تم کہیں نہیں جا رہے۔ گھر بیٹھو چپ چاپ۔“ سہراب نے جھڑکا۔ عالم دوبارہ ملک شیک کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ سہراب اس کے پیچ درست کر لے گا اسے علم تھا۔

”آپ سے پوچھ کون رہا ہے، میں چھبیس سال کا ہوں اپنے فیصلے خود لے سکتا ہوں۔“

”میں تمہارا چچا ہوں میں نے تمہیں پالا ہے۔ تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔“ اس کی بلند آواز لرزی۔ میں تمہارا چچا ہوں یہ کوئی جذباتی دھمکی نہیں تھی۔ یہ کوئی گہرا تعلق نہیں تھا وہ اسے روکتا تو کس بنا پر؟ ”تم میرا حکم ماننے کے پابند ہو۔“ اٹھارہ سال کی عمر کے بعد وہ عدالت کی طرف سے آزاد تھا اگر سہراب اس کا باپ ہوتا تو یہ تعلق اور اسلان یمن پر اس کا حق دائمی ہوتا لیکن اسلان نے اسے وہاں مارا تھا جہاں عذر رد، معذرتیں خاک۔

”میرا باپ مجھے بہت کم عمر میں یتیم خانے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں اگر وہاں پلا بڑھا ہوتا تب بھی اٹھارہ سال بعد میں آزاد ہی ہوتا اور آج؟ میں آج بھی آزاد ہوں۔ مجھے روک کر یا ڈرا دھمکا کر اپنا وقت ضائع مت کرو۔ اطلاع دے رہا ہوں، بڑے بنو، ظرف کا مظاہرہ کرو۔ ورنہ آپ جانتے ہو میں کسی کی کتنی سنتا ہوں۔“

فون بجا۔ یافث کی کال تھی۔ اسلان نے موبائل کان سے لگایا۔ ”میں صبح آ رہا ہوں، ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں بچے۔“ وہ اسے پچکار رہا تھا۔ ”ابھی تم غصے میں ہو میں صبح آ رہا ہوں۔“

”صبح میں میرا فیصلہ بدلے گا نہیں ماموں اور آپ کی باتوں پر اعتبار کرنا بہت عرصہ پہلے چھوڑ چکا ہوں۔ آپ دونوں اپنی فیورٹ بچی کے ساتھ رہیں۔ اگر مجھے کسی نے بھی مجبور کرنے کی کوشش کی تو میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا

ہوں آپ میں سے کوئی بھی زندگی میں دوبارہ میری شکل دیکھنے کو ترس جائے گا۔" کال کاٹ کر وہ فریج کی طرف آیا۔ سوفٹ ڈرنک کے دو کین اٹھائے سہراب کی غیر ہوتی حالت پر غور کیے بنا وہ باہر نکل گیا۔ اس کے عقب میں کرسی پر ہاتھ جمائے کھڑے سہراب کی انگلیوں میں ہلکی سی لرزش واضح تھی۔ ایسے جیسے کچھ بہت قیمتی ہاتھ سے نکل کر جا رہا ہو۔ وہ کتنی دیر تک شل اور ساکت کھڑا رہا۔

"میں بات کرتا ہوں۔" عالمگیر کہہ کر باہر نکل گیا۔ مگر سہراب جانتا تھا۔ وہ نامراد لوٹے گا۔ اسلان کے فیصلے پتھر پر لکیر ہوتے تھے۔ وہ کیوں بھاگ رہا تھا؟ اسے علم نہیں تھا اور اگر تھا تو وجوہات کئی تھیں۔ یہ گھر اور اس کے مکین اس کی محبت کے قاتل تھے۔ کیا یہ وجہ تھی؟ ماضی چھن سے سامنے آیا۔

"چاچو یہ پنار ہے۔ پنار سکندر۔" اسلان نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا تھا۔

"السلام و علیکم۔" پنار نے سلام کیا۔ عالمگیر اور سہراب کی طرف سے مدھم لہجے میں جواب آیا مگر ان دونوں نے اپنی نظروں کی ناگواری چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ یہ لڑکی انہیں اسلان کے ساتھ فون پر قبول نہیں تھی کجا کہ اسے یمن خاندان کی بہو بنا لینا۔

"اور بچے آپ کے والدین کیا کرتے ہیں؟" چائے کے دوران سہراب نے اس سے سوال کیا تھا۔ پنار جو کہ اپنے ساتھ بیٹھے اسلان سے بات کر رہی تھی اس نے سہراب کو دیکھا۔

"میرے فادر فارن منسٹری میں ہیں اور میری مدر ڈاکٹر ہیں۔"

"تم اور اسلان ایک دوسرے کو کتنے عرصے سے جانتے ہو؟" سوال عالمگیر کی طرف سے ہوا جو میز پر پڑے لوازمات سے بھری پلیٹ لیے ایک طرف بیٹھا تھا۔ اس کی نظر اگر عورت اور اس کے مقصد نہ پہچانے تو لعنت ہو اس پر، اور اس کے تجربات پر۔

"ڈیڑھ سال ہو گیا ہے۔"

"اسلان میں کیا پسند ہے آپ کو؟" پنار واضح طور پر غیر آرام دہ ہوئی۔ اس سوال کا بھلا کیا جواب ہوا؟ اگر یہ سوال اسلان سے پوچھا جاتا تو وہ ہزار چیزیں گنواتا۔ پنار کیا گنوائے؟ اس کے پاس واقعی کچھ نہیں تھا۔

"کسی کو پسند کرنے کے لیے وجہ ہونا ضروری نہیں ہوتا۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"میرے لیے تو ہے۔ اب دیکھو میں کافی دیر سے سوچ رہا ہوں اسلان کے چچا کی حیثیت سے اگر میں تمہیں پسند کرلوں تو وجہ کیا ہوگی؟"

"چاچو...." اسلان نے تنبیہی انداز میں اسے پکارا۔

"سچ کہوں تو تمہیں پسند کرنے کے لیے مجھے کچھ خاص وجہ ملی نہیں۔" پنار کی رنگت پھیکی پڑی۔ عالمگیر کے اندر جلتا لاوا اب بھی ختم نہیں ہوا۔ ("اس کی یہ جرات کہ میرے بھتیجے کو ذلیل کر کے رکھے؟")

"آپ دونوں ملے کہاں تھے بچے؟" سہراب نے بہت نرمی سے اگلا سوال کیا۔

پنار نے چائے کا کپ نیچے رکھا اور سہراب کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اسلان کے دوستوں نے اس کے لیے ایک پارٹی رکھی تھی۔ مجھے اسی روز پتا چلا کہ اسلان بہت ذہین ہے۔ پھر ہماری چند ملاقات ہوئیں اسلان میرے ساتھ ایک ویڈیو میں بھی آیا تھا۔ لوگوں کو وہ ویڈیو بہت پسند آئی اور ہم دونوں ایک کپل کے حساب سے اچھے لگے۔"

"ذہانت، چہرہ، ویوز!" سہراب یمن نے انتہائی سفاکی سے ان دونوں کی محبت کا تجزیہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ اسلان کا چہرہ مارے خفت کے سرخ پڑنے لگا۔ وہ ان دنوں محبت کی وادیوں کا باسی تھا، محبوب کے دامن پر لگی کیچڑ اسے بھورا رنگ لگا کرتی تھی۔ سہراب نے محض تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر اسلان کو دیکھا۔

"چائے پی کر بچی کو گھر چھوڑ آنا، اسلان رات بہت ہو گئی ہے اچھی لڑکیاں زیادہ وقت گھر سے باہر نہیں رہتیں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

”بیٹے اگلی بار کسی بھی لڑکے کے ساتھ اس کے گھر مت جائیے گا، اچھا نہیں لگتا۔“ یہ تجویز عالمگیر کی طرف سے آئی۔ پنار نے تو جو ہنگامہ آرائی کی سو کی مگر اس روز اسلان یمن اپنے گھر والوں سے بد ظن ہو گیا تھا۔ اس روز کے بعد سے وہ حد سے زیادہ بد تمیز ہو گیا اور اسی روز کے بعد سے اس پر تھپڑ اور ڈانٹ اثر کرنا چھوڑ گئی۔

”تم کیا چاہتے ہو ایک عورت جو تمہاری صورت اور ذہانت کی وجہ سے تمہارے ساتھ ہے، میں اس کی عزت کروں؟“ سہراب اس پر گرجا تھا۔

”سوری ٹو سے لیکن اسلان یہ لڑکی انتہائی گھٹیا ہے۔ تم دیکھنا اسے جس دن تم سے بہتر لڑکا ملا یہ تمہیں دیکھے گی بھی نہیں۔“ عالمگیر نے کہا تھا۔ ”تم دونوں کا بریک اپ اس لڑکی کی بے وفائی کے نتیجے میں ہو گا۔“

”مجھے اس کی شخصیت سمجھ نہیں آئی۔ وہ گھر بنانے والیوں میں سے نہیں تھی۔“ یافث نے بے حد رسان سے کہا تھا۔ ”بہتر ہے کہ راستہ بدل لو۔“

چھت پر چلتا پنکھا حال اور ماضی کے درمیان چکر کاٹتا رہا۔ اسلان طیش میں نہیں تھا، افسردہ بھی نہیں اور نہ وہ خوش تھا۔ شاہ ویر بنگش کو یہاں اس گھر میں دیکھ کر وہ بس شل تھا۔ صرف شل۔

★★★★★

(”وہ عورت ہے مرد نہیں۔“ شاہ ویر نے کہا۔

”ثابت کرو!“ سہراب نے مقابلے کی دعوت دی۔)

اس رات اس قاتل کی کال اور کھلم کھلی دھمکیوں کے بعد شاہ ویر ساری رات میں بس چند گھنٹے ہی سو پایا تھا۔ اگلی صبح وہ وقت سے پہلے جاگا۔ وہ تمام سامان الماری سے باہر نکالا جو اسے موصول ہوتے رہے تھے۔ ذہن میں بار بار اس کی باتیں گونج رہی تھیں۔ ”میں نے تمہیں اپنی جنس بتا دی ہے۔“

شاہ ویر نے سارے سامان کو بھرپور نظر دیکھا۔ کوئی ہڈی جس پر خون جم چکا تھا۔ کوئی انسانی کھوپڑی، مرے ہوئے کیڑے، گول گول لکڑی کے ڈبے۔ ایسا ہی کراس وہ اپنے ہر وکٹم کے سینے پر بھی بناتا تھا۔ ایسا ہی کراس اس نے شاہ ویر بنگش کی پسلیوں پر بھی بنایا تھا۔ "میں نے تمہیں اپنی جنس بتادی ہے۔"

آنکھیں چندھیائے وہ کتنی ہی دیر چپ چاپ اس سارے سامان کو دیکھتا رہا۔ اس قاتل نے کبھی زبان سے اپنی جنس نہیں بتائی۔ نہ اس نے کبھی لکھ کر ایسا کچھ بتایا۔ یقیناً اس نے ان عجیب و غریب ڈبوں پر کچھ لکھ کر بھیجا ہو گا۔ لیکن کیا؟ اس نے وہ ہڈی اور کھوپڑی اٹھائی۔ انہیں ڈبوں میں ڈالا، پھر وہ لباس بدل کر آیا۔ سفید سوئیٹر کے ساتھ ہم رنگ جینز۔ اگلے چند لمحوں میں وہ یہ سارا سامان لیے جینیفر کی طرف جا رہا تھا۔ موبائل کان سے لگا رکھا تھا۔ انداز مصروف تھا۔ بہت ہو گیا یہ چوہے بلی کا کھیل۔

"میں جانتا ہوں تم فارنزک نہیں جانتیں لیکن تمہاری پہچان کا کوئی آدمی تو ہو گا جسے اس سب کا علم ہو؟" اس نے کوئی تیسری دفعہ جینی کے سامنے اپنی بات دہرائی۔

"فی منٹ دس ڈالرز لگیں گے۔" اس سے جتنا ہو ا بڑھا چڑھا کر رقم بتائی۔

"منظور ہے۔ بندہ بلوا کر رکھو۔" شاہ ویر نے کال کاٹ دی۔

دو گھنٹے بعد ساؤتھ برانکس میں موجود تھا۔ اپارٹمنٹ کی تیسری کھڑکی سے جھانکو تو جینیفر کا بوائے فرینڈ اب بلا آخر اپنی طرف کے نتائج لے کر شاہ ویر کے پاس تھا۔ "کیا پتا چلا؟" وہ تینوں گول میز کے گرد اکھٹا ہوئے۔

بیرڈ نے اپنے دستانے اتار کر ایک طرف رکھے اور کھوپڑی کو میز کے درمیان رکھا۔ "اس کے سر پر کسی بھاری کلہاڑ۔۔۔"

"جنس بتاؤ تم۔ مرد ہے یا عورت؟" شاہ ویر اکتایا۔ جینی اور بیرڈ کے درمیان نگاہوں کا تبادلہ ہوا۔ آنکھوں کے ذریعے رضامندی دی گئی۔

”پہلے ہمارے پیسے یہاں رکھو۔“ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ ہر دوسرے انسان کی طرح انہیں بھی پیسہ عزیز تر تھا۔ شاہ ویر نے جیب سے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر میز پر رکھیں اور بے حد تحمل سے انہیں دیکھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

”مرد یا عورت؟“ بیرڈ چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر بس ایک لفظ کہا۔

”عورت!“ وہ ڈھانچہ ایک عورت کا تھا، اس نے اپنے کام میں نشانی چھوڑی تھی شاہ ویر کو پہلا ثبوت مل چکا تھا۔

(”اگر تم سامان فلائٹ سے نہیں لائے تو پھر اب وہ سامان کب تک آرہا ہے؟“ سہراب نے پچھلا تذکرہ دہرایا۔

”میں نے ایسا تو نہیں کہا کہ سامان آئے گا۔“ شاہ ویر مسکرا۔

”کوئی اور کسی اور طریقے سے لا رہا ہو گا میں شیور ہوں۔“ بازو سینے پر باندھے وہ مکمل اعتماد سے نقشہ کھینچ گیا۔

”واٹ ایور۔۔۔“ شاہ ویر نے آنکھیں گھمائیں۔ ”خیر وہ مجھے زہر دے کر مارنا چاہتا ہے۔“)

اسے کل رات متلی محسوس ہوئی، پھر یکا یک قے آئی۔ وہ اسے معمولی سی فوڈ پوائزنگ سمجھتا اگر قے کے دوران اس کے منہ سے ہلکی ہلکی جھاگ اور خون نہ آتا۔ واش بیسن پر جھکے اس کا سر کتنی ہی دیر تک گھومتا رہا۔ سب دھندلا ہوتا رہا، معدے میں جھکڑ چلتے رہے۔ اس نے بمشکل خود کو آئینے میں دیکھا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ایسے جیسے جسم سے سارا خون نکلتا جا رہا ہو۔ جسم میں یکدم نقاہت کا گراف بڑھتا گیا۔

وہ اٹھا الماری سے کچھ کیش اٹھایا اور باہر آکر جوزف کو کال ملائی۔ وہ باہر راہ داریوں میں چل رہا تھا۔ قدم کہیں رکھ رہا تھا۔ پڑ کہیں رہا تھا۔ لوگ دُگنے دکھائی دے رہے تھے لیکن اس کی قوت مدافعت تھی کہ مات کھائے نہیں کھا رہی تھی۔ اس کا سر گھوم رہا تھا اور جو آخری بات اسے یاد تھی وہ یہ کہ رابرٹ اسے اپنے کندھے سے لگائے گاڑی کی طرف لے گیا تھا۔ جہاں اسے نہ جانے کب ہوش آیا۔ وہ کوئی ہسپتال کا کمرہ تھا۔ رابرٹ اس کی دائیں طرف

کھڑا ڈاکٹر سے کوئی بات کہہ رہا تھا۔ شاہ ویر دھندلی پڑتی بصارت سے ہسپتال کی کوری سفید چھت دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں گلابی پن ٹھہرا تھا۔

”آپ شیور ہیں یہ کوئی فوڈ پوائزننگ نہیں تھی؟“ رابرٹ بولا۔

”سو فیصد شیور۔“ ڈاکٹر اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ ”میں نے ان کا پورا باڈی اسکین کیا ہے۔ زہر ان کی انگلیوں کے پوروں سے منہ تک گیا ہے۔ شاید انہوں نے کسی ایسی چیز کو چُھوا ہے جس پر زہر لگا تھا۔ میں نے معدہ واش کر دیا ہے کچھ دوائیاں بھی لکھ دی ہیں آگے سے احتیاط کرنا اور پلیز اس کے بعد مجھ سے اس طرح کی فیورز مت مانگنا۔“ رابرٹ نے سر ہلا دیا۔ پھر اس نے شاہ ویر کو دیکھا جو نقاہت زدہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”تم کیا کر رہے ہو، شاہ ویر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟“ رابرٹ تکان سے بولا۔ شاہ ویر نے کہنیوں کے بل اٹھنا چاہا مگر نقاہت ایسی تھی کہ وہ واپس گر گیا۔ چھت کو دیکھتے ہوئے اسے یاد تھا کہ آج کے دن میں اس نے کس کس چیز کو چھوا ہے۔ اسے یاد تھا کہ جب یہ چیزیں اسے پہلی بار ملیں تو کبھی اس نے دستانے پہن رکھے تھے اور کبھی ان چیزوں کو ہاتھ لگانے کے فوراً بعد اس نے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھوئے تھے۔

”کیا یہ ڈاکٹر ہمیں اس زہر کی تفصیل دے سکتا ہے؟“ اس نے بہت دیر بعد رابرٹ سے سوال کیا، نہ کوئی خوف نہ کوئی بے بسی۔

”تمہارا دماغ واقعی اتنا خراب تھا یا اب ہو رہا ہے؟“

”پہلے منجمند تھا اب کھیل رہا ہے۔“ شاہ ویر نے مبہم جواب دیا۔ البتہ اسے واضح طور پر پتا چل چکا تھا اس کی موت کسی زہر سے ہی متوقع ہے۔ ”اب مزہ آ رہا ہے!“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ ”بہت مزہ۔“

(”وہ ایک اکیلا آدمی نہیں ہے اس کے پاس کئی لوگ ہیں۔ جو اس کے لیے کام کرتے ہیں۔“

”اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟“گویا کہ سہراب اس خبر سے کچھ خاص حیران نہیں تھا لیکن وہ شاہ ویر کا جواب سننا چاہتا تھا۔

”اس کے عمل نے بتایا۔“)

”تم نے اس نمبر کا پتا لگوایا یا نہیں؟“کال ختم ہونے کے بعد اس اندھیرے کمرے میں تنہا رہ جانے کے بعد شاہ ویر ایک بار پھر ہمت کرتا لیپ ٹاپ کھول کر شاہ زید کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ رات اتنی جلدی ختم نہیں ہوئی تھی۔ نہ وہ ختم کرنا چاہتا تھا۔

”لگوایا ہے پتا۔ لوکیشن قبرستان ہے اور جس آدمی کی نمبر سے کال آئی ہے وہ آدمی مر چکا ہے۔ سم شاید اس کے گھر والے استعمال کرتے رہے ہیں۔ میں ان سے ملا بھی مگر اس کے گھر میں کوئی کام کا ہے ہی نہیں۔“ وہ تھکے تھکے انداز میں بتا رہا تھا۔”ایک بوڑھی بیوہ عورت ہے جس کی عمر کوئی چھپن سال ہے لغزے کی مریض ہے اور آنکھیں نابینا ہیں۔ بھیک مانگ کر گزارا کرتی ہے۔ کہتی ہے کل ایک عورت نے فٹ پاتھ پر اس سے یہ موبائل لیا اور دو گھنٹے بعد واپس دے گئی۔“

”اس عورت کا حلیہ، گاڑی کا نمبر یا اس سڑک پر کوئی سی سی ٹی وی؟“

”کچھ نہیں ہے ویر۔“ وہ بےزار ہوا یا تھکا تھا؟”عورت برقعے میں تھی اور پیدل تھی۔“

”کیا معلوم وہ بوڑھی عورت جھوٹ بول رہی ہو؟“

”میں نے باقی لوگوں سے بھی پوچھا ہے سب کا بیان ایک جیسا ہی ہے۔“دوسری طرف شاہ ویر کچھ لمحوں کے لیے چپ ہو گیا۔ ایسے جیسے ذہن میں کوئی جوڑ توڑ کر رہا ہو۔

”وہ اکیلی نہیں ہے، زید۔ اس کے ساتھ بہت سارے لوگ ہیں۔ اگر وہ خود وہاں پاکستان میں ہے تو یہاں مجھ پر نظر کون رکھ رہا ہے؟ مجھے وہ نظریں اب بھی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ میرے آس پاس نہیں میرے دائرے میں ہے

اور میں مکمل اس کے شکنجے میں یا تو وہ میرے قریب ہے یا اس کے لوگ۔" وہ اس گتھی کو سلجھا چکا تھا۔ مگر یہ جوں جوں سلجھ رہی تھی شاہ ویر کی سانسیں سینے میں کہیں الجھ رہی تھیں۔ لیکن وہ ہار نہیں مان رہا تھا یہ خلاصہ تھا۔

("اور ہمارے پاس چودہ فروری تک کا وقت ہے۔"

"ایسا اس نے کہا؟" سہراب چونکا۔

"میں نے پتا لگوایا۔" شاہ ویر وثوق سے بولا۔ دنیا کے کسی خطے میں اگر کوئی قاتل اس کے قتل کے ارادے کیے بیٹھا تھا تو شاہ ویر بنگش اپنے حق میں بذات خود حفاظتی نیزے لیے کھڑا تھا۔ اپنی ڈھال بھی خود اور لشکر بھی خود۔ آر یا پار۔ اب جو بھی مگر جو اپنا محافظ خود ہو وہ جنگیں ہارتے نہیں۔)

وہ پورے تین دن ڈبوں پر لگی ان لکیروں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن پورے تین دن میں اسے یہ علم ہو گیا تھا کہ لکڑی کے اس ڈبے پر لگی ضربیں صرف چاقو سے لگی لکیریں نہیں ہیں۔ شاید ان میں کچھ لکھا تھا۔ کوئی راز، کوئی اسرار۔ کوئی ایسی زبان جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ محض چند گھنٹے سویا تھا، اس کا دماغ محض کام کر رہا تھا۔

"تم نے اگر یہ لکھائی گیس کر لی تو میں تمہیں ٹریٹ دوں گا۔" بالآخر اس نے ان ڈبوں کی اوپری حصے کی تصاویر نکال کر اپنے چند ذہین ترین دوستوں کو بھیجیں۔ کسی نے کہا.... "پاگل بنا رہے ہو؟ یہ تو تمہارے شاہ جہاں کی کھروچیں ہیں۔"

"بھائی تم گیس کر و ٹریٹ میں دے دوں گا!"

"شاید ہندی میں کوئی منتر لکھا ہے۔" ایک آخری پیغام اسے اس شخص کی طرف سے آیا جس سے کوئی امید ہی نہیں تھی۔ "الگ الگ کر کے پڑھنے پر یہ سب صرف لکیریں اور گول دائرے نظر آ رہے ہیں، ان تمام ڈھکن کو ساتھ رکھو پھر ترتیب سے پڑھو تو کوئی لفظ بنے گا۔ ہر ڈبے پر ایک ایک حرف لکھا ہے۔ قدیم یونانی لکھائی

ہے۔لفظ توڑ توڑ کر لکھے گئے ہیں۔ تم ان کو ترتیب سے رکھو لیکن ان کی ترتیب کیسے ہو گی؟" پیغام کے اختتام تک وہ اس پہیلی میں دلچسپی لے چکا تھا۔

اس سوال کا جواب شاہ ویر جانتا تھا۔ اس نے ایک ڈھکن رکھا جو اسے پہلی بار ملا تھا، پھر دوسری بار والا، پھر تیسرا اور پھر تمام ڈھکن رکھ کر چھری سے لگائے گول گول دائروں اور مستطیل کے کانٹوں کے درمیان وہ واقعی ایک ایک حرف لکھا ہوا دیکھ سکتا تھا۔ قدیم یونانی زبان اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ لیکن وہ حرف تھے بھاشا چاہے کوئی بھی ہو لکھاری لفظوں سے مات نہیں کھا سکتا، اسے بھی لفظوں نے بھید کہہ سنائے۔

اس کا اگلا پڑاؤ نیویارک کے اس علاقے کی طرف تھا جہاں کئی سو غیر قانونی مہاجرین رہائش پزیر تھے۔ نیویارک کا ایک اور رخ جسے میڈیا نہیں دکھاتا، جسے فلموں والے ہدایت ساز بڑی مہارت سے نظر انداز کر دیتے ہیں، اور اگر دکھاتے بھی ہیں تو کسمپرسی کو اپنے حق میں استعمال کر کے۔

"کچھ کچھ سمجھ تو آ رہا ہے...." ڈبے جوڑ جوڑ کر رکھتی وہ سرمئی بالوں والی عورت آنکھیں چھوٹی کیے پر سوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ وہ قدیم یونانی زبان کی ماہر تھی۔ چند ماہ پہلے اپنے سکرین پلے کے لیے شاہ ویر اس سے ملا تھا اور اس کے فن اور پتے کو یاد کر لیا۔ "مجھے لگتا ہے یہ....." اس نے تمام ڈبے ایک قطار میں رکھے۔ آس پاس اس کے پاکستانی، بنگالی اور سری لنکن ساتھیوں کا غُل بھی بلند ہو رہا تھا۔ "یہ ایک مہینے کا نام ہے۔"

اس نے پاس رکھا کاغذ اور قلم اٹھایا۔ شاہ ویر اب سمجھ رہا تھا کہ اس عجیب سی لکھائی جس سے وہ کوفت زدہ ہوتا تھا۔ وہ کیوں لکھی جاتی تھی۔ وہ بار بار اسے یونانی طرز کی لکھائی کا اشارہ دے رہا تھا۔ عورت نے کاغذ پر ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر لکھنا شروع کیا۔ قریباً پندرہ منٹ بعد وہ فتح مندی سے پیچھے ہوئی۔ آنکھیں چمک اٹھیں، گردن اپنے کارنامے پر فخر سے اکڑ گئی۔ اس نے کاغذ شاہ ویر کے سامنے لہرایا۔ جس پر لکھا تھا۔

یونانی زبان میں فروری کا نام۔

"یہ فروری لکھا ہے۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ ڈبوں کی تعداد چودہ تھی۔ جب اسے پہلی بار ایسا کوئی ڈبہ ملا تھا۔ وہ تاریخ چودہ تھی۔ ان ڈبوں پر بندھی ربن کا رنگ ہر دفعہ سرخ ہوا کرتا تھا۔ سرخ رنگ۔ محبت، جنگ، فتح کا رنگ۔ چودہ فروری، یوم محبت قاتل کے ایک اور قتل کا دن۔

"اس بار تمہاری محبت کا اظہار آخری اظہار ہو گا۔" اس کا پیغام۔ وہ سمجھتا رہا تھا کہ شاید وہ سیریل کلر آراہ کو نقصان پہنچانے کی بات کر رہا ہے لیکن وہ بس پہیلیاں سلجھا رہا تھا۔

"میں تمہارے اس ہوم ورک سے متاثر ہوا ہوں۔ ہم ساتھ کام کر سکتے ہیں۔" شاہ ویر نے سہراب کو کہتے سنا۔ وہ محض ہلکا سا مسکرایا اور آگے کو ہوا۔

"جان کے لالے مجھے پڑے ہیں سر۔ ہم ساتھ کام تب کریں گے جب آپ خود کو ثابت کریں گے۔ آپ کا وقت اب شروع ہوتا ہے۔" سہراب اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا مگر کچھ تو تھا۔۔۔ کچھ خاص تھا اس میں۔۔۔

★★★★★

"عبیر بیٹا آپ نے کب سونا ہے؟" پلنگ کے تاج سے ٹیک لگا کر بیٹھے عبیر کے بالوں کو تھپکتے وہ پوچھ رہا تھا۔ نگاہیں سامنے میز پر رکھے کاغذات اور کھلی ہوئی فائلز پر جمی تھیں اور یہاں عبیر کی باتیں تھیں کہ ختم نہیں ہو رہی تھیں۔ وہاں اس کے کام ادھورے پڑے تھے۔

"کل سنڈے ہے، بابا ہم سنڈریلا دیکھیں؟" اس کے سینے سے سر نکالے اب وہ بڑے لاڈ سے پوچھ رہی تھی۔ ہو بہو عالم جیسی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

"سنڈریلا؟" عالم چونکا۔ وہ شاید واحد باپ تھا جس نے عبیر کو ڈزنی لینڈ کے ہر خرافات سے بچا کر رکھا تھا۔ یہ شہزادیاں، ان کے قصے، ان کے مسائل عالم کا ماننا تھا یہ غیر حقیقی کردار اس کی بیٹی کو ہر مشکل میں جادو کے ذریعے

نکلنا سکھائیں گے۔وہ عبیر کو کمزور نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں تک کہ وہ سکرین سے ناآشنا تھی۔ اس کا وقت کہانیاں پڑھتے، مختلف قسم کے پزل حل کرتے اور عالم کے ساتھ کسرت کرتے ہوئے گزرتا۔ ''کون ہے سنڈریلا؟ اور تم نے کہاں دیکھی؟''

''خالہ نے دکھائی تھی۔ وہاں تو میں ہر روز دیکھا کرتی تھی۔ اب جب اگلی بار ٹرپ پر جاؤ تو مجھے خالہ کے پاس چھوڑ دینا ہم سنڈریلا اور راپنزل دیکھیں گے۔''

''تمہیں بہت شوق ہے مجھے ٹرپ پر بھیجنے کا؟'' باوجود کوشش کے وہ اپنی تلخی پر قابو نہیں پا سکا۔ عبیر چپ رہی۔ عالم کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس سے کچھ کھنچی کھنچی سی ہے۔ اس کی باتیں اب پہلے والی عبیر جیسی نہیں تھیں۔ اب اسے سکرین کا شوق ہو گیا تھا، اس کی وارڈروب میں سارے کپڑے عجیب سے تھے جنہیں عالم ہرگز قبول نہ کرتا۔ ہاں وہ کم عمر تھی لیکن اپنی بیٹی کے لیے اس نے ہمیشہ سادگی کو چنا تھا اور وہ اگلے چند سال یہی کام کرنا چاہتا تھا جب تک اسے اپنی پسند ناپسند کا شعور آ جائے۔

''میں اب کبھی ٹرپ پر نہیں جاؤں گا بچے۔'' عبیر کو اپنے قریب کرتے اس نے اپنے حصار میں لیا۔ گرفت نامحسوس انداز میں سخت تھی۔ ''اور اب تم کبھی خالہ کے پاس نہیں جاؤ گی۔ بابا اور عبیر ایک ساتھ رہیں گے۔ ہمیشہ۔'' اس لمحے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ عبیر اس کے وجود کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر وہ سانس لے سکتا ہے، جی نہیں سکتا۔ ایک ہاتھ سے اس کے گرد حصار بنائے دوسرے ہاتھ میں موبائل لیے وہ ایک میسج ریکارڈ کر رہا تھا۔

''مجھے آپ کی آفر قبول ہے۔ طریقہ کار میرا اپنا ہو گا اور میرے بھائی کے تلوے چاٹنے کی امید آپ مجھ سے مت رکھیے گا۔'' آواز مدھم اتنی تھی کہ عبیر کی سماعتیں محفوظ رہیں۔ گرفت اسی طرح سخت سی رہی۔

★★★★★

آشیانہ بنگش حسبِ معمول روشن تھا۔ تمکنت بنگش اندھیرے کمرے میں صوفے پر سمٹ کر بیٹھی بالکنی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور کمرے میں سسکیاں گونج رہی تھیں۔ وہ شدید آزردہ لگی۔ اسی اندھیرے میں کمرے کا دروازہ ہلکا سا وا ہوا۔ رئیس بنگش نے گردن آگے کر کے جھانکا جب حالت دیکھتے دل کو کچھ ہوا۔ غیر ماں نے کیا تھا اولاد تو آج بھی اس کے لمس کو ترس رہی تھی۔

"اندر جائیں رئیس اس وقت ان کو آپ کی ضرورت ہے۔" ساتھ کھڑی نایاب بھی متفکر نظر آئی۔ تمکنت سے اس کے ساس بہو والے اختلاف ایک طرف لیکن کسی کی تکلیف پر خوش ہونا اس کی تربیت کا حصہ نہیں تھی۔ "شاہ ویر کو کال کریں اس سے پوچھیں، وہ کہاں ہے۔ واپس بلوائیں اسے۔ اب اس کا باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

رئیس چند لمحے چپ چاپ اپنی ماں کی پشت کو دیکھتا رہا پھر پیچھے ہو گیا۔ وہ اندر نہیں جا سکا۔ بچپن سے اس کی ماں نے اسے ایک اضافی انسان کی طرف رکھا تھا۔ اس کا دل گو کہ اب بھی نرم تھا لیکن اندر جانے کے لیے اسے اپنا بچپن روندنا پڑتا شاید وہ اتنا ظرف اپنے اندر نہیں پاتا تھا یا شاید فی الحال نہیں۔ نایاب البتہ وہاں کھڑی رہی۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا اس وقت اس کی ساس کو اس کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ شاید دیکھنے پر ساس خود اس کو بلا لے؟

"کہاں ہو تم، ویر؟" باہر آ کر اسے فون ملاتے ہوئے رئیس نے حتی الامکان اپنا لہجہ لاپرواہ رکھنا چاہا لیکن اس کے گلے میں کوئی گولہ سا اٹک گیا، آواز نہ چاہتے ہوئے بھی مدھم تھی۔ "مام کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جلدی گھر آؤ۔"

"میں آ گیا سامنے دیکھیں۔" رئیس نے سامنے دیکھا اور گولہ کانٹے دار پودا بن کر اس کے حلق میں اٹکنے لگا۔ آنکھیں برسنے کو تیار اور دل میں کوئی شے چبھنے لگی۔ "مام کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہیں۔" جواب دے کر اس نے شاہ ویر کو دیکھا وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ رئیس اور اس کا تعلق بس سلام دعا تک ہی تھا۔ برسوں سے لاتعلقی کی ایک دیوار قائم تھی۔ وہ دونوں اسے یونہی نہیں گرا سکے۔

"سنو...." وہ قریب سے گزرنے لگا تو رئیس نے اس کا بازو تھاما۔ شاہ ویر ٹھہر گیا۔ تیز اجلی بتیوں کے درمیان بھی ان دونوں کے چہرے پر آتے تاثرات پڑھنا مشکل تھا۔ "اپنا دھیان رکھنا۔ میں تمہاری سیکورٹی بڑھا رہا ہوں ان کے بغیر کہیں مت جانا۔" شاہ ویر کے بازو کے اوپر اس کا ہاتھ ہلکا سا لرزا۔ "پریشان مت ہونا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارا بھائی تمہارے ساتھ ہے۔" اس سے پہلے کہ یہ لمس اور خون کی حدت ان دونوں کو کمزور کرتی رئیس نے اس کا بازو چھوڑا اور تیز تیز قدم لیتا وہاں سے غائب ہو گیا۔

شاہ ویر کئی لمحے اکیلے وہاں کھڑا رہا۔ لوگ اس کے لیے متفکر تھے، اس کی سیکورٹی بڑھائی جا رہی تھی۔ سرکار، پولیس سب اس سے تعاون کرنے کے لیے حاضر تھے لیکن.... اس نے موبائل چہرے کے آگے کیا۔ آراہ کی چیٹ کھولی۔ اس کی طرف سے کوئی پیغام نہیں تھا، کوئی کال نہیں۔ موبائل واپس جیب میں ڈال کر وہ ماں کے کمرے میں چلا آیا۔ دھیان اب بھی اس کی طرف اٹکا تھا۔

اندھیرا ہنوز اپنی چادر پھیلائے ہوئے تھا۔ شاہ ویر قدم قدم چلتا تمکنت کے عقب میں آ کر رکا۔ اس کی خوشبو محسوس کرتے وہ اب ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ بلند سے بلند آواز میں کرب زدہ سا گریہ۔ ساتھ وہ زور زور سے نفی میں سر ہلاتی۔ وہ شاید متوقع بربادی ماننے کو تیار نہ تھی۔

"میں آپ کو بتانے والا تھا مام۔" وہ سامنے آیا اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ تمکنت نے ماتھا اس کے ماتھے سے جوڑ لیا۔ دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا اور روئے گئی۔ اس کا پورا وجود ہچکولے کھا رہا تھا، شاہ ویر کو دلی رنج ہوا۔ "میں جانتا ہوں آپ تکلیف میں ہیں لیکن جس نے آپ کو یہ تکلیف دی ہے میں اسے معاف نہیں کروں گا آپ جانتی ہیں نا؟" وہ ماں کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرے بہت محبت اور ضد سے کہہ رہا تھا۔

"وہ تمہیں مار دے گا وہ تمہیں تکلیف دے گا یہ میری موت ہو گی، ویر۔ یہ میری موت ہو گی۔" دونوں بازو کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح اس کے گرد باندھتے وہ خوف اور رنج کی ملی جلی کیفیت میں بولی۔

"کوئی بھی کہیں سے اٹھ کر آئے گا اور مجھے مارنے کی کوشش کرے گا تو کیا میں اسے مارنے دوں گا؟" اس نے تمکنت کا حصار خود سے ختم کیا اور اس کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ بازو اس کے گرد پھیلا کر اسے سینے سے لگایا۔ "میں شاہ ویر طلال بنگش ہوں مام۔ اس دنیا سے اپنے حصے کے ستر اسی سال لیے بغیر کہیں نہیں جا رہا۔" اس کے چہرے پر اب خوف کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کا واحد خوف "اعلان" تھا اور وہ سامنے آ چکا تھا۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ تم مجھے ساری دنیا میں سب سے عزیز ہو تم جو چاہو گے، میں تمہارے لیے سب کروں گی تم پلیز مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا، شاہ ویر۔ میں تمہارے بنا کیا کروں گی۔" اس کا سوئیٹر زور سے اپنی مٹھیوں کے درمیان جکڑے وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی۔ اولاد کو کھونے کی تکلیف ہر درد پر بھاری ہوتی ہے۔

"زیادہ کچھ نہیں کرنا بس آراہ کے گھر والوں سے ملنا ہے، آپ مل لیں گی؟" تمکنت چپ ہو گئی۔ آنسو گرنا بند ہو گئے۔ اگلے کئی لمحے بس اس کی زکام زدہ سانسوں کی آواز آتی رہی۔ بہت دیر بعد اس نے سر اٹھا کر شاہ ویر کو دیکھا۔ آنکھیں ہنوز سرخ اور گیلی تھیں۔ دوسری طرف اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔

"جو تم کہو۔" شاہ ویر نے بے اختیار ماں کا ماتھا چوم لیا۔ نگاہیں تشکر سے بند کر لیں۔

"تھینکیو مام۔"

"اگر میں منع کرتی تو؟"

"مجھے مجبوراً نافرمانوں کی صف میں شامل ہونا پڑتا۔" وہ ہنس کر بولا۔ کمبخت کی ہنسی میں بھی کئی قسم کی کرچیاں تھیں۔ "میں فی الحال بہت پریشان ہوں مجھے اپنے سکون کی طرف جانا ہے۔" تمکنت اسے روکنا چاہتی تھی

مگر نہیں وہ آج تک کب رکا تھا؟ ابھی وہ کچھ کہتی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ شاہ ویر نے اپنی ماں کو یونہی خود سے لگائے رکھا۔ "کون؟"

"شاہ ویر سر آپ سے ملنے کوئی انارا طارون آئی ہیں۔ کیا انہیں اندر آنے دوں؟" دونوں ماں بیٹا اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے اور پھر تمکنت نے اپنے گرد حصار ٹوٹتا ہوا محسوس کیا، بیٹا اب محض اس کا نہیں رہا تھا۔ اس نے اسے دروازے کی اور بڑھتے دیکھا یہ راستہ محض دروازے کو تو نہیں جاتا تھا۔

★★★★★

اس کے سامنے کئی سکرینز لگی تھیں۔ ہر جگہ، ہر کہیں اس کی بات ہو رہی تھی۔ لکڑی کے وہ ڈبے، مردہ کیڑوں کی تصاویر، خون، اور اس کے سترہ وکٹمز کی تصاویر سکرین پر گردش کرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ پولیس اسے پکڑنے کے لیے پر یقین تھی۔ انسانی حقوق کی جماعتیں اس کے عمل کی مذمت کرتی نظر آ رہی تھیں۔ نفسیات کے ماہر اس کے ہر عمل کی psyche سمجھا رہے تھے۔ گردن ڈھلکائے اس تاریکی میں سکرین کی روشنی کو دیکھتے اس کے لبوں پر ایک پر سرار مسکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں دیوانگی اور جنون۔ اندر ہی اندر بہت کچھ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ کوئی جوش سا، کچھ ایسا جو اس کے اندر کھلبلی مچا رہا تھا۔

"عوام سے ہمارا وعدہ ہے کہ وہ قاتل بہت جلد سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔" ایس پی صاحب یقین دہانی سے کہہ رہے تھے۔ سکرین کے آگے کھڑا وہ وجود ہنس پڑا۔ ایس پی نے کچھ اور کہا وہ دوبارہ ہنسا۔ زور زور سے حلق کے بل ہنسا۔ اس کے ہنسنے کی کریہہ آواز در و دیوار سے لگتی پلٹ پلٹ کر کانوں میں آتی سماعتوں کے پردے چیر رہی تھی اور وہ کسی عقل سے عاری انسان کی طرح دیوانہ وار ہنستا چلا جا رہا تھا۔ جنون کو ہوا مل چکی تھی اب تو غضب آئے ہی آئے۔

★★★★★

”کیا تم خانہ جنگی کی اس صورتحال کچھ دیر کے لیے ختم کرسکتے ہو؟“ ناک کے ذریعے بھاری گیلی سانس کھینچتے ہوئے اس نے قصہ گو کو ٹکا۔ ”پلیز۔“

”جس کہانی کار نے خود سے زیادہ قاری کی رائے مانی ہے وہ ہمیشہ برباد ہوا ہے۔ کہانی پر اس کی گرفت ختم ہوئی ہے۔“

”میں رائے تھوڑی دے رہی ہوں۔“ قصہ گو کے ابرو استفہامی انداز میں اٹھے۔ ”میں تو بس فرمائش کر رہی تھی۔“

”اور لکھاری فرمائشیں ماننے میں بہت برے ثابت ہوتے ہیں۔“ ٹکا سا جواب، کاش کوئی اس مغرور لکھاری کا دماغ درست کرے۔

★★★★★

ان دونوں کے درمیان بس ایک دروازہ تھا ،ایک طویل روش بھی،چند دربان بھی اور سب سے بڑھ کر محبت۔ سفید رنگ کے سوئیٹر والا لڑکا بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے آگے آرہا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا کہ دیکھنے والے ٹھہر کر دیکھیں۔شاہی دروازے کے اس پار قرمزی رنگ کے لباس والی لڑکی دربان کے کندھے کے عقب سے اسے دیکھ کر باقاعدہ ٹھہر گئی۔اس کی نگاہیں شاہ ویر پر جم گئیں،وہ تو پہلے ہی نگاہ ہٹا نہیں سکا تھا۔دروازہ اس کے لیے کھولا گیا۔وہ بس اسے دیکھتے ہوئے آگے آیا، عین اس کے سامنے آکر رکا۔ آراہ نے گیلی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بے اختیار رو پڑی۔

”تم مجھ سے جھوٹ بولتے رہے اور میں اتنی مجبور ہوگئی ہوں کہ مجھے یہاں آنا پڑا۔ تم نے میرے ساتھ یہ کیا کر دیا ہے؟ کیوں مجھے اپنے آگے بے بس کر دیا ہے؟“ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ روتے روتے شکوہ کر گئی۔ تیز روشنیوں میں وہ سراپا بے بسی دکھائی دی۔

شاہ ویر نے لب کاٹے، آس پاس دیکھا۔ سب اسی طرف دیکھ رہے تھے مگر اس کے دیکھنے پر نظروں کے زاویے بدل لیے۔ دوبارہ آراہ پر نگاہیں جماتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ازلی نرمی تھی۔ ”معذرت کروں گا تو تمہارا شکوہ بے مول ہو جائے گا۔ میں عمل سے ثابت کروں گا، تم سے کس قدر شرمندہ ہوں۔“ اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہ بے چینی اور رنج سے بولا۔ ”تم تو آئینہ تھیں میرا بُوجھ نہ سکیں؟“

آراہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”پانچ ماہ پہلے؟“

وہ بمشکل مسکرایا۔ ”پانچ ماہ پہلے۔“ اس نے آراہ کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا۔ نگاہوں کی ملائمت قائم رہی۔ وہ ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑتے خائف ہوئی۔ شاہ ویر کھڑے کھڑے اس کا ہوا۔ ابھی آراہ کچھ کہتی کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ اسلان کی کال دیکھ اسے اچنبا ہوا۔ شاہ ویر نے اس کے موبائل کی جلتی سکرین اور اس پر ابھرتا ہوا نام دیکھ لیا تھا۔

”اندر چل کر بات کرتے ہیں۔ تمہیں مام سے ملاتا ہوں۔ یہاں عجیب لگ رہا ہے۔“ شاہ ویر نے اسے مشورہ دیا۔ آراہ کو بے اختیار شرمندگی نے آن گھیرا۔ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں چلی تو آئی تھی مگر اب ایسا لگ رہا تھا جیسے غلطی کر دی۔

”نہیں مجھے ابھی کسی سے نہیں ملنا۔“ ہاتھ میں تھاما فون دوبارہ بجا۔ انارا نے جھجکتے ہوئے بالآخر کال اٹینڈ کر لی۔

”کہاں ہو تم؟“ چھوٹتے ہی پوچھا گیا۔

”میں....“ اس نے ایک نظر شاہ ویر کو دیکھا۔ وہ اسے سچ بتانے کا اشارہ کر رہا تھا۔

”سچ سچ بتانا ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔“

”میں۔۔۔ وہ میں دراصل شاہ ویر کے گھر پر ہوں۔ میں اس کی خیریت معلوم کرنے آئی تھی اور اس نے....“ اس نے کراہ کر آنکھیں میچیں کچھ اور کہنے کو لب کھولے مگر۔

"میں تمہیں لینے پہنچ رہا ہوں۔" اس نے بات ہی ختم کر دی۔ آراہ کا ہاتھ بے دم سا ہوتے پہلو میں گرا۔ آنکھیں میچتے وہ اب خود کی جذباتیت کو س رہی تھی۔

"میں آج تمہارے گھر گیا تھا۔" شاہ ویر نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"میرے چچا کے گھر۔" اس نے تصحیح کی۔

"میں وہاں تمہارے بھائی اور چچا دونوں سے ملا، پھر تم بغیر کسی کی پرواہ کیے یہاں آگئیں۔ میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے خاندان سے اس طرح ملیں گے۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے تاسف سے کہہ رہا تھا۔ جیسے یہ تو بڑا غلط ہو گیا ہو۔ "تم یہاں میری خیریت پوچھنے آئی تھی۔ جاتے جاتے مجھے اپنا غم لگا کر جاؤ گی۔" وہ اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"تمہیں کچھ ہو گا تو نہیں نا؟" وہ دوبارہ اسی موضوع پر آگئی۔ آنکھوں کی وہ فکر، چہرے پر وہی آزردگی۔ وہ بڑی مشکل سے خود کو رونے سے روکے ہوئے تھی۔

"کچھ نہیں ہو رہا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں یہیں ہوں تم بھی یہیں ہو۔ ہم ساتھ رہیں گے۔ ہمیشہ۔ تمہاری اور میری شادی ہو گی، روز جھگڑے ہوں گے، تم مجھے مام کی چغلیاں کرو گی، میں روز تمہیں مناؤں گا۔ ہم نیو یارک شفٹ ہوں گے۔ میں اپنی کتاب مکمل کروں گا ایسے مروں گا تھوڑی؟" وہ بغیر کچھ کہے بس اسے دیکھتی رہی۔ ساتھ آنکھیں رگڑیں۔ آراہ نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر اس کی اگلی نگاہ دروازے پر پڑی۔ اسلان کی ہیوی بائیک وہاں کھڑی تھی۔ وہ ہیلمٹ اتارتے نیچے آیا۔ شاہ ویر اور آراہ اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے۔

"یہ ہر وقت اتنا سڑا ہوا کیوں رہتا ہے؟" اس کے چہرے پر اکھڑ تاثر دیکھ کر شاہ ویر نے پوچھا۔ آراہ جواب دیے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی دروازے کی طرف آئی۔ اسلان کی کنپٹی کی رگیں تک پھڑک رہی تھیں۔ سہراب اور یافث نے شروع سے ان دونوں کو "کھلا" ماحول نہ دیا ہوتا تو اس وقت اسلان کو کسی عام مڈل کلاس مرد کی طرح حد سے

زیادہ برا لگتا۔ اسے اب بھی برا لگ رہا تھا لیکن اس کے اندر ایک چیز تھی، وہ ہر اچھی اور بری بات کو جنس کی تفریق سے پرے کر کے سوچتا تھا۔ اگر آراہ کی جگہ اس وقت وہاں اسلان ہوتا تو کیا ہوتا؟ ایک عام سا ردعمل اس کے ذہن میں آیا اور چاہے وہ بالکل ویسا ردعمل نہ دے سکا ہو مگر اس نے کوشش کی تھی۔

"یہ پہنو۔" آراہ اس کے سامنے کھڑی ہوئی تو اسلان نے ہیلمٹ اسے تھمایا۔ وہ شاہ ویر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ مگر شاہ ویر اس کے ہاتھ کی پھولی ہوئی رگیں دیکھ رہا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ وہ بے حد پرسکون لگ رہا تھا۔ نگاہیں اسلان پر جمی تھیں۔

"اسلان.... اندر آؤ نا۔ کافی پیتے ہیں۔ تم اس طرح چلے جاؤ گے تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

"اپنی ماں سے کہو تمہیں اچھا اور برا لگنے کے لیے چند لوگ رکھے، میں تمہیں خوش رکھنے والا مسخرہ نہیں ہوں۔" بغیر اس کی طرف دیکھے آراہ کا ہیلمٹ اس کے سر پر درست کرتے ہوئے کرختگی سے کہا۔

شاہ ویر نے آراہ کو دیکھے ایسے جیسے کہہ رہا ہو "آپ اجازت دیں تو میں بھی اپنی زبان کے جوہر دکھاؤں۔"

"میں بس پیشکش کر رہا ہوں، تم مہمان ہو ہمارے اور...." اس کے اگلے الفاظ اس کے حلق میں گھٹ گئے جب اسلان نے پوری قوت سے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کر نیچے گرایا۔ پاؤں گھما کر ایک زوردار لات اس کی پسلیوں پر رسید کی۔ گارڈز کی بندوقوں کا رخ اسلان کی طرف ہو گیا۔ آراہ باقاعدہ سہم گئی۔ شاہ ویر نے ہاتھ اٹھا کر انہیں کسی قسم کی جارحیت سے روکا۔ آنکھوں کا پرسکون تاثر اب بھی ویسا کا ویسا۔

"تم اور تمہارا سارا خاندان میری بہن سے دور رہو۔ یہ آخری بار ہے جب میں ہاتھ سے بات کر رہا ہوں دوبارہ تم اس کے قریب نظر آئے تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" شاہ ویر اٹھا، دونوں ہتھیلیاں شرٹ سے صاف کیں اور ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔

”مجھے مارو گے؟ بالکل ویسے جیسے پنار کو مارا تھا؟“ کوئی کانچ کا ٹکڑا تھا جو شاہ ویر نے پوری قوت سے اسلان کے سینے میں اتار دیا۔ وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسلان کی خون آشام نگاہوں میں اپنی ٹھنڈی سخت نگاہیں گڑائیں۔ ”کیا دیکھ رہے ہو تمہیں کیا لگتا ہے میں یا کوئی اور اس چہرے کو بھول سکتا ہے؟ تم ایک لمبا عرصہ خبروں کی زینت رہے ہو۔ وہ بھی ایک قاتل کی حیثیت سے۔ میرا قصور تو صرف یہ ہے کہ کوئی جنونی آدمی مجھے مارنا چاہتا ہے۔“

”شاہ ویر پلیز تم اندر جاؤ۔“ انارا نے اس کی منت کی۔ اسلان نے ہاتھ سے آراہ کو اپنے پیچھے کیا اور اپنی سابقہ ٹھنڈی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”میری بہن سے دور رہو، شاہ ویر بنگش اور اسے میری آخری تنبیہ سمجھنا۔“

”ورنہ؟“ آنکھیں تو اس کی بھی ویسی ہی بے خوف رہیں۔

”میں دوبارہ خبروں کی زینت بن جاؤں گا۔ اس بار مقتول تم ہو گے اور لاش باقاعدہ چوراہے پر لٹکائی جائے گی۔“ سختی سے باور کرواتے آراہ کا ہاتھ پکڑے وہ بائیک پر آ کر بیٹھا۔ پھر اسے بیٹھنے کو کہا۔ لمحوں کا کھیل تھا۔ وہ آ کر جا بھی چکا تھا مگر شاہ ویر کی نظریں بہت دور تک اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ آخر اس کا مسئلہ کیا تھا؟

★★★★★

پنڈی صدر کے پولیس تھانے میں رات کے فرائض انجام دینے والے افسران جمع ہو گئے تھے۔ سنتری اب نیند سے اونگھتے ہوئے اپنے کاغذات سنبھال رہا تھا۔ سامنے والے ڈھابے سے چائے کا تھرماس بھر کر لایا گیا۔ رات کے گشت پر نکلنے والی پولیس موبائل کا ڈرائیور افسر کے آنے کا انتظار بڑی بے زاری سے کر رہا تھا۔ ایس ایچ او اپنے دفتر سے نکل کر اب گھر جا رہا تھا اور کوٹھری سے تین چار لوگوں کو پیٹنے کی بری آوازیں آ رہی تھیں۔ ان سے ذرا فاصلے پر کرائم برانچ کے افسر زکا آفریدی کی میز پر دستاویزات کا انبار لگتا چلا گیا۔

"شکیل کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آگئی ہے؟" فائلز پر سر جھکائے افسر نے تحکم سے پوچھا۔ انگلیاں ورق گردانی کرتی رہیں۔ ماتحت نے تعبداری سے "جی سر آگئی ہے" کہا۔

"پڑھ کر سناؤ ذرا۔" اس نے اپنے ماتحت کو حکم دیا اور خود کرسی پر ذرا سا پیچھے ہوا۔ میز پر پڑے روشنی کے آلے میں اس کے خدوخال دکھائی دیے۔ مناسب قد کاٹھ کا حامل پینتیس چھتیس کا آکڑا پار کرتا افسر۔

"آلۂ قتل کوئی تیز دھار چاقو تھا لیکن موت دل کے دورے سے واقع ہوئی ہے۔ سینے، بازو، اور انگلیوں پر چاقو کے زخم موت کے بعد دیے گئے ہیں۔ موت کا وقت رات ساڑھے دو سے ڈھائی بجے کے درمیان ہے۔" سلیم نے مرکزی نقطے پڑھ کر سنائے پھر اپنے افسر کو دیکھا۔ جو اب سگریٹ نکال رہا تھا۔

"آگے پڑھوں کچھ؟"

"نہیں اسے چھوڑو یہ بتاؤ جائے وقوعہ پر کس کے فنگر پرنٹس ملے؟ فورس انٹری کا کوئی سائن یا قریب کسی سی ٹی وی میں کوئی آیا کیا؟" سگریٹ لبوں میں دباتے وہ اب اسے لائیٹر کا شعلہ دکھا رہا تھا۔

"پلنگ کی چادر، کمرے کے گلاس، پلیٹ اور کچھ اور چیزوں پر جو فنگر پرنٹس ملے ہیں وہ شکیل کے باپ اور ماں کے ہیں۔ کوئی فورس انٹری نہیں ہے۔ یوں لگتا ہے کوئی چھلاوا تھا جو آیا اور آکر غائب ہو گیا۔ اور سی سی ٹی وی کی کیا بات کرتے ہیں سرکار چھوٹا سا علاقہ ہے، کون سا سی سی ٹی وی؟"

"ٹھیک ہے پھر بند کرو یہ مقدمہ۔ موت ویسے بھی ہارٹ اٹیک سے ہوئی ہے نا؟ اب اٹیک تو کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔ لکھ دو محلے والوں کے بیان کے مطابق شکیل کی بہن کا آشنا آیا کرتا تھا اور کل رات شکیل نے اسے دیکھ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ غیرت کے نام پر اسے مارتا اس آدمی نے شکیل کو مار دیا۔ ویسے بھی ڈرگ پیڈلر کی اولاد تھا۔ چوہڑا مر گیا تو کیا غضب آگیا؟" افسر بڑی اکتاہٹ سے بولا۔

سلیم نے احتجاج کے لیے زبان کھولنی چاہی مگر پھر بند کر دی۔ وہ ماتحت تھا۔ افسروں کے معاملات میں کیا ہی بولتا؟ دستاویزات اٹھائے جب وہ باہر نکل گیا تب افسر کی انگلیوں نے موبائل پر ایک پیغام لکھنا شروع کیا۔

”مقدمہ کمزور ہے۔ آپ بے فکر رہیں آپ کے بندے پر حرف بھی نہیں آئے گا۔“ پیغام شہروں کی فصیل ٹاپتا، فضاؤں سے سن گن لیتا، روبینہ انصاری کے موبائل پر جگمگایا۔ سینے میں مقید سانس خارج ہوئی، اور اس کا دھیان دوبارہ میٹنگ کی طرف ہو گیا۔ ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ کچھ ہوا تھا کیا؟

★★★★★

”میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔“ چند دن بعد صبح کے ناشتے کے وقت عالمگیر نے اعلان کرتے ہوئے کہا۔ یہ ناشتہ لعل یمن میں منعقد ہوا تھا۔ جس پر یافث اور انارا کو خاص دعوت بھیجی گئی تھی۔ ”شاہ ویر سے کہوا پنے گھر والوں کو لے آئے۔ ایک بار مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

نیم خوابیدہ آنکھیں لیے بیٹھی آراہ بے اختیار چونک گئی۔ عالمگیر بے نیازی سے ڈبل روٹی پر مربہ لگاتا رہا۔ اسلان نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ سہراب اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”آر یو شیور چاچو؟“ انارا کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ ساتھ اسلان کو دیکھا۔

”سو فیصد!“ وہ اٹھی اور تیزی سے اندر کی جانب بھاگی۔ اس کے جانے کے بعد سہراب نے چمچ پلیٹ میں پٹخا۔ دونوں ہاتھ باہم ملائے عالم کی طرف متوجہ ہوا۔

”یہ کیا بکواس تھی، عالم؟ اس گھر میں آراہ کی شادی نہیں ہو سکتی۔ شاہ ویر سے تو ہر گز نہیں۔“

”وہ میری بہن ہے، عالم چاچو۔ اس کا ہر فیصلہ میں کروں گا آپ نہیں۔“ اسلان نے اس گفتگو میں حصہ ڈالا۔

”کل رات وہ شاہ ویر کے گھر گئی تھی۔ پرسوں اگر وہ اسے کسی اور جگہ بھی لے گیا تو وہ جائے گی۔ اس کے نزدیک یہ غلط نہیں ہے۔ زمانہ بدل رہا ہے اسے اپنے طریقے سے چلاؤ گے تو منہ کی کھاؤ گے۔ آنے دو ان کو، یہ تم بھی

جانتے ہو اور میں بھی کہ اس گھر میں کوئی یمن قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر آراہ کا دل ٹوٹنا ہی ہے تو ہماری طرف سے کیوں ٹوٹے؟" اپنے تئیں وہ پتے کی بات بتارہا تھا۔ "آراہ کی ماں نے اسے آزادی دی ہوئی ہے اور ہم میں سے کسی نے کبھی اس پر روک ٹوک نہیں کی اچانک سے اسے پنجرے میں ڈالو گے تو اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی زخمی کرے گی۔"

"مجھے آپ کی اس تقریر میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آراہ کی شادی وہاں نہیں ہو گی، اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"اور اس بات کا فیصلہ لینے والے تم ہوتے کون ہو؟" یہ آواز آراہ کی تھی۔ اس کے عقب میں کھڑے ہوتے وہ بازو سینے پر باندھے تھی۔ "کل تک تو تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے اور آج اچانک تمہیں میرے رشتے کی پریشانی لگ گئی ہے؟" وہ پہلی بار دل آراہ والا تنفر لیے کہہ رہی تھی۔

"میں جو کہہ رہا ہوں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں۔" اسلان نے احتجاج کیا۔

"تم مت چاہو میرا بھلا اکیس سال تک اکیلے دیکھا ہے آگے بھی دیکھ لوں گی اور اگر آپ میں سے کوئی بھی اب میری زندگی کے فیصلوں میں مداخلت کرے گا تو میں اپنی ماں کے پاس کراچی چلی جاؤں گی۔ قانون نے میری تحویل میری ماں کو دی تھی، کسی بھائی، چچا یا ماموں کو نہیں۔ شریعت نے مجھے میری مرضی کی شادی کرنے کی اجازت فراہم کی ہے اور آپ محض "مرد" ہونے کی بنیاد پر میرا بنیادی حق نہیں سلب کر سکتے۔"

"اور اگر وہ شادی کا فیصلہ غلط نکلا تو؟" یافث نے پوچھا۔

دور کہیں اس کے دل کو دھکا لگا مگر ارادے متزلزل نہ ہوئے "میری زندگی، میرے پچھتاوے۔"

سہراب چپ کا چپ ہو کر رہ گیا۔ انارا نے آج پہلی بار اس کے سامنے بلند آواز میں بات کی تھی۔ اسلان اب تک اسے دیکھ رہا تھا جہاں وہ غائب ہوئی تھی اور عالمگیر اس نے آج سہراب کی آنکھوں کا تاثر چوری کر لیا جس میں صاف صاف لکھا تھا۔ "کہا تھا نا؟"

"میں اس شادی اور میل ملاقات کا حصہ نہیں ہوں۔" کرسی دھکیلتے سہراب اٹھ گیا۔ اسلان اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ اس کی سنجیدہ آنکھیں کسی گہری سوچ میں لگ رہی تھیں۔ چہرہ بے تاثر۔ وہ حصہ بنے گا تمام حصے کاٹنے کے لیے۔

★★★★★

سیاہ رنگ کی ایس یو وی فراٹے بھرتی ہوئی تارکول کی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مرد سفید رنگ کی ڈریس شرٹ میں ملبوس تھا۔ سیاہ کوٹ سیٹ کی پشت پر ڈلا تھا اور۔ اور کندھے پر اس کی منکوحہ سر ٹکائے یاسیت سے باہر جھانک رہی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا اور لاہور کی سڑکوں پر رش عروج پر تھا۔

"یہ سب کب تک چلے گا جلال۔ عالم عبیر کو مجھ سے ملنے نہیں دیتا۔ وہ شروع سے ہی اتنا گھٹیا ہے۔ میری بہن کو تکلیفیں دے دے کر مار دیا اور اب سمن کی بیٹی کو بھی مجھ سے دور رکھ رہا ہے۔" صبیحہ علی کا لہجہ شکوہ لیے تھا۔ "وہ نہ فون پر مجھے بات کرنے دیتا ہے۔ اور جب میں نے عبیر کو اس کا ذاتی فون دلایا تو وہ غائب کر دیا۔ یہاں تک کہ اس ذلیل آدمی نے سکول میں بھی بول رکھا ہے یمن خاندان کے علاوہ اس کی بیٹی کو کسی سے ملنے نہ دیا جائے۔" سٹرینگ ویل پر ہاتھ رکھے جلال الدین نرم پڑا۔ صبیحہ اس کی محبت تھی اور عالم دشمن۔ "فار گاڈ سیک میں اس کی خالہ ہوں۔"

"عبیر اس کی بیٹی ہے اور تم جانتی ہو عالم اسے لے کر بہت پازیسو ہے۔" جلال نے تبصرہ کیا۔

"پازیسو نہیں ہے۔ بھلا ایک قاتل کیوں چاہے گا کہ اس کی بیٹی کا ذہن کھلے۔ وہ اس زمانے کی بچی ہے اور عالم اپنے دقیانوسی خیالات تلے اسے دبا رہا ہے۔" صبیحہ تنفر سے بولی۔

"وہ اس حد تک کیوں جا رہا ہے؟" اب کے جلال کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ عالم سے لاکھ اختلاف سہی مگر وہ جانتا تھا۔ عالمگیر اس کا ہاتھ توڑتا ہے جس نے انگلی دکھائی ہو۔ "کیا تم نے عبیر سے کچھ اور بھی کہا ہے؟" صبیحہ کی رنگت پھیکی پڑی۔ مگر اس نے گردن کڑائے رکھی۔

”میں نے کیا کہنا ہے؟ وہ کم نسل اپنی اوقات دکھا رہا ہے۔ میں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلاخوں کے پار دیکھنا چاہتی ہوں۔ ایسا کب ہو گا، جلال؟“ یونہی کندھے پر سر ٹکائے اس نے نظریں اٹھا کر پوچھا۔ جلال نے گہری سانس بھرتے کچھ سوچ کر کہا۔

”بابا نے کوئی نہ کوئی حل نکالا ہو گا۔ اسی لیے تو آج ہمیں گھر پر ساتھ بلایا ہے۔ تم فکر مت کرو تم سے زیادہ اس مسئلے کو حل کرنے کی جلدی مجھے ہے کیونکہ انہی مسائل کی وجہ سے ہماری ذاتی زندگی متاثر ہو رہی ہے۔“ وہ بولتے بولتے رکا۔ ایک محتاط سی نگاہ صبیحہ کے نیم رخ پر ڈالی اور بڑے ہی عامیانہ انداز میں اسے اطلاع دی۔ ”جوہر فور زیرو ری اوپن ہو گیا ہے۔“ اس کے کندھے سے لگی وہ اپنی جگہ ساکت سی ہو گئی۔ نگاہوں کے سامنے بے اختیار بلا ارادہ ایک منظر ابھر آیا جس میں تین عورتیں مسکرا رہی تھیں۔

سمن علی۔۔۔۔ عالمگیر کی پہلی بیوی۔

عالیہ علی۔۔۔ فور زیرو کی وکٹم، صبیحہ کی بڑی بہن۔

اور تیسری۔۔۔ صبیحہ علی وہ تینوں بہنیں۔۔۔ ایک شوہر کے ہاتھوں ماری گئی، دوسری اپنے گھر میں جلی ہوئی مردہ پائی گئی اور تیسری رہ جانے والی صبیحہ پیچھے بہت پیچھے رہ جانے والی۔ مرچکوں کے غم ختم بھی ہو جاتے ہیں اور ساکن بھی ہو جاتے ہیں۔ پیچھے رہ جانے والوں کی مشکلات کاش کوئی سمجھ سکے۔

★★★★★

”ایک ہفتہ بعد!“

”this or that?“ کمرے میں رکھے پلنگ پر مختلف رنگ اور بُنت کے ڈھیر سارے کپڑے پھیلے ہوئے تھے اور جب وہ خود سے کچھ بھی منتخب نہ کر سکی (ہمیشہ کی طرح) تو سارے سرپرائز پر لعنت بھیجتے ہوئے اس نے شاہ ویر کو دو جوڑوں کی تصاویر بھیجیں ساتھ ہمیشہ والا پیغام۔

"یہ۔" اس کا جواب بھی فوری طور پر آیا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے آراہ کی الجھن لمحوں کے اندر اندر ختم کر دی۔ جوڑا منتخب ہو گیا تو اس نے اب کمرے کو دیکھا۔ یہ کمرہ بھی اب وہی صاف کرے؟ کل ہی محلے والے بیوٹی پارلر سے اس نے مینی کیور کروایا تھا پھر صبح اسے ہی برتن دھونے پڑے، اسے ہی صفائی کرنی پڑی اور اب وہی ایک بار پھر سارا کام کرے؟ اس کی ماں کراچی سے واپس آ گئی تھی لیکن مجال ہے جو وہ گھر تشریف لے آئے۔

"ہاں بھئی جوڑا سلیکٹ ہوا کہ نہیں؟" دروازے سے ہانیہ اندر آتی دکھائی دی۔ آراہ کو آج سے پہلے اس پر کبھی اتنا پیار نہیں آیا تھا۔ "جب سے تم نے فون کیا ہے میری تو سانس برابر نہیں ہو رہی۔" وہ پھولتی سانسوں کے درمیان کہتے ہوئے دوپٹہ گلے سے جدا کرنے لگی جب آراہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ بھری بھری آنکھیں چھلک گئیں۔

"تھینکیو یار.... تم نہ ہوتیں تو میرا کیا ہوتا؟ میں اکیلے کیا کیا کروں، کیا کیا دیکھوں؟"

"اچھا اب ہٹو بھی۔" ہانیہ نے اسے پرے کیا۔ بیسٹ فرینڈز کو محبت کے نظارے کچھ خاص پسند نہیں آتے۔ "اماں بھی آئی ہیں باہر لاؤنج میں کھڑی ہیں۔ میں صفائی کر لوں گی، اماں کچھ اچھا سا بنا دیں گی۔ کب تک آنا ہے انہوں نے؟"

"دو گھنٹے تک آ جائیں گے۔" اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے متانت سے کہا۔

"نی آراہ۔۔۔۔" اس سے قبل وہ کچھ کہتی دروازے پر ثمینہ بیگم نظر آئیں۔ دوپٹہ اچھے سے اوڑھے ہوئے وہ پنجابی خاتون خاصی خفا دکھائی دے رہی تھیں۔ "مجھے ہانیہ نے لڑکے کی تصویر دکھائی ہے یہ پسند کیا ہے تو نے؟ ہائیں اس کے تو جبڑے ہی دھنسے ہوئے ہیں۔ بیچارہ کمزور۔"

"خالہ یہ کمزوری نہیں jawline ہے۔" آراہ ہنس پڑی۔

"ہاں بس بات نہ بن سکے تو انگریزی میں کوئی بھی نام رکھ دو۔" وہ بڑبڑا کر پلٹ گئیں۔ آراہ کیا کہتی کہ ایسے جبڑوں کے لیے آدھی دنیا غذا اور کسرت کے منصوبے بناتی ہے اور بڑی مشکل سے کامیاب ہوتی ہے۔

"تمہارے اماں ابا نے کیا کہا؟" ہانیہ کی آواز سرگوشی جتنی ہلکی ہوگئی۔ اس نے آراہ کا بازو پکڑ کر اپنے سامنے بٹھایا۔ "وہ آ نہیں رہے؟"

"اماں آرہی ہیں۔" اس نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔

"اور سہراب چاچو، انہوں نے کیا کہا؟" پلنگ پر بکھرے کپڑوں کا ڈھیر سمیٹتے ہوئے ہانیہ نے اپنی آواز مدھم ہی رکھی۔ آراہ نے یاد کیا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ یاد کرنے سے ہی دل بری طرح دُکھا۔

سخن ساز کے باہر گاڑی کے سامنے کھڑے سہراب کے لب بھینچے ہوئے تھے۔ چہرے پر سنجیدگی کی جگہ کرختگی تھی۔ کندھے پر بھورے رنگ کا تھیلا لٹکائے جب انارا اسٹوڈیو سے باہر آئی تو اسے اپنا منتظر پایا۔ وہ اس کے قریب چلی آئی۔ "اسلام علیکم۔ چاچو۔"

"گاڑی میں بیٹھو۔" سختی سے کہتے اس نے دروازہ کھولتے اپنی نشت سنبھالی، آراہ دوسری طرف سے آکر بیٹھی تو سہراب نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھائی۔ اس کے جبڑے ہنوز بھینچے ہوئے تھے، ماتھے کے بل یونہی قائم۔ کافی دیر تک وہ ہر طرح سے ضبط کرتا رہا پھر بالآخر پھٹ پڑا۔ "وہ خاندان تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے، آراہ۔ تم وہاں شادی نہیں کرو گی۔"

"جس جنون کے پیچھے آپ تین سال سے بھاگ رہے ہیں درست تو وہ بھی نہیں ہے۔" وہ ترکی بات ترکی بولی۔ انداز میں قطعیت تھی۔ سہراب متحیر ہوا، مگر ظاہر نہیں کیا۔

"وہ مرنے والا ہے اور یقین جانو میں بھی اسے بچا نہیں رہا۔ وہ میرے لیے ایک مہرہ ہے جسے میں اپنے مقصد کے لیے استعمال کروں گا۔ وہ میرے قریب آئے گا، قاتل اس کے قریب آئے گا اور جس دن وہ قاتل شاہ ویر کے بے حد قریب آئے گا۔ میں اس کا قتل کر دوں گا۔" بغیر کسی رعایت کے بے حد سختی سے کہا۔

آراہ پلکیں جھپکے بغیر چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ "آپ قتل کریں گے؟"

"قاتل کا قتل۔" سہراب نے تصحیح کی۔ "وہ جو کوئی بھی ہے کتنے لوگوں کا قاتل ہے جانتی ہو؟"

"اسے سزا دینے والے آپ کوئی نہیں ہیں۔" آراہ نے گیلی آواز میں کہا۔ اسے برا لگ رہا تھا۔ لعل یمن میں کچھ لوگ مر گئے، کچھ زندہ ہوتے ہوئے زندہ نہ رہے اور اب ان میں سے کوئی ایک اٹھ کر کسی کو قتل کرنے کی باتیں کر رہا تھا۔ یہ اس کا بہترین گھر نہیں تھا جو اسے چاہیے تھا۔ "آپ مجھے شاہ ویر سے دور رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ مر رہا ہے لیکن اگر یہی سب میرے ساتھ ہو رہا ہوتا تو آپ چاہتے کہ شاہ ویر میرے ساتھ رہے ہے نا؟" وہ ایک پل کو رک گئی۔ آنسو روکنے کے باعث گلے میں جلن ہو رہی تھی۔

"تم مجھے انکار کرو گی؟" یہ تحیر تھا۔

آراہ نے گلہ آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "آپ اپنا جنون چھوڑ دیں، میں شاہ ویر چھوڑ دوں گی۔"

"ایسا اس زندگی میں تو کبھی نہیں ہو گا۔"

"جواب میرا بھی یہی ہے۔" ہاتھ گود میں دھرتے اس نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ سہراب کئی لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔ اس کا سارا طنطنہ دم توڑ گیا تھا۔ کندھے ڈھلک گئے آج پہلی دفعہ وہ آرا کو بے حد کمزور مرد لگا۔

"اگر تمہارا یہی فیصلہ ہے تو آج کے بعد تمہارا میرا تعلق ختم۔" وہ کس آسانی سے اس کے دل کو کاٹ کر حصے حصے کر گیا۔ اسے علم ہی نہ ہوا۔ پلنگ پر نئی چادر ڈالتے ہوئے ہانیہ نے تپائی پر بیٹھی لڑکی کو غور سے دیکھا۔ اس کی رنگت زرد لگ رہی تھی۔

”فکر نہ کرو۔ اللہ اچھا کرے گا۔“ وہ بس تسلی دے سکی۔ آراہ کے دل پر اثر ہوا کہ نہیں اسے پتا نہیں تھا۔

★★★★★

تمکنت بنگش آئینے کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھی تھی۔ گہرے جامنی رنگ کے لباس میں ہلکا پھلکا میک اپ کیے آئینے میں ابھرتا اس کا عکس ہمیشہ کی طرح تازہ دم اور خوبصورت تھا۔ اپنے بازوؤں پر لوشن ملتے ہوئے شیشے میں تکتے ہوئے اس نے پلکیں جھپکائیں اور انہی پلکوں کے جھپکتے، روشنی کی سی رفتار سے سفر کرتے تیزی سے چند دن قبل کے منظر میں جاؤ تو تمکنت کسی پرانی کھنڈر عمارت کے باہر گاڑی کھڑی کیے ہوئے تھی۔ عمارت کے اندر اس کی کسی فلم کی منظر بندی جاری تھی۔ شاہ ویر بھی سیٹ پر موجود تھا اور وہ اس وقت یہاں تھی، آنکھوں پر سیاہ فریمز چڑھائے گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھی وہ باہر دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً اس کی نگاہ ذرا فاصلے پر پڑی جہاں کوئی لڑکا اپنی ہیوی بائیک کھڑی کر رہا تھا۔ تمکنت کا دل جانے کیوں بے حد زور سے دھڑکا۔ وہ جانتی تھی یہ اس کا غلام ہے لیکن کچھ تھا۔ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک میں جو روح تک جامد کر دیتا تھا۔ ایسے جیسے اگر کبھی اس کو موقع ملا تو وہ تخت پلٹنے اور تختہ دار پر لٹکانے میں دیر نہیں لگائے گا۔

”شاہ ویر کو کچھ دیر مصروف رکھو، اسے باہر آنے مت دینا۔“ اپنے موبائل پر اس نے رئیس کو کوئی پیغام بھیجا اور اس طرف دیکھا جہاں سے وہ آرہا تھا۔ اس رات کے مقابلے آج وہ بے حد مختلف لگ رہا تھا۔ انداز میں سختی مفقود تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ اندر آبیٹھا۔ ہیلمٹ اتار کر گود میں رکھ لیا، غور کرنے پر اس کی آنکھوں میں سراسیمگی نظر آرہی تھی، وہی سراسیمگی جو چار برس قبل نظر آتی تھی۔ تمکنت نے مسکراتے ہوئے اس کا کندھا تھپکا۔

”لانگ ٹائم، اسلان۔“ انداز، لہجہ، تاثر ہر شے بتا رہی تھی ان دونوں کے درمیان گہری شناسائی رہی ہے۔ اسلان نے کندھا جھٹک کر اس کا ہاتھ ہٹایا۔

"مسز بنگش وہ نہیں پلیز وہ نہیں۔" اکھڑ، بدتمیز پھاڑ کھانے کو دوڑنے والا لڑکا کہیں غائب ہو گیا تھا۔ "میری بہن کو اس سب سے دور رکھیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے پلیز۔ آپ جو کہیں گی جیسا کہیں گی میں سب..... سب کرنے کو تیار ہوں۔"

"کیا واقعی؟ لیکن میرے آدمی کہہ رہے تھے کہ تم آج کل ٹف ٹائم دینے لگے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟" وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔ وہ کاٹ کھانے کو دوڑنے والا، وہ چہرے پر تلخی کے تھپڑ مارنے والا آج اتنا مختلف کیوں لگ رہا تھا؟

"نہیں میں کچھ نہیں کر رہا میں..... میں وہ سب کروں گا جو آپ کہیں گی۔ میری بہن بہت معصوم ہے۔ اسے اس سب کے درمیان مت گھسیٹیں۔ یہ سب ہمارے درمیان رہنا چاہیے۔ اگر آپ اسے بیچ سے نکال دیں تو میں دوبارہ آپ کے لیے کام کروں گا۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔ آنکھوں میں رعونت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔

"یقین مانو اس سب میں میرا کوئی ہاتھ نہیں اور اگر ہوتا تو شاہ ویر میرا وہ بیٹا ہے جو ان معاملات میں مجھے نہیں لاتا۔ تمہاری بہن واقعی معصوم ہے لیکن میرا بیٹا بھی معصوم ہے۔ ہم دونوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم دو معصوم لوگوں کی محبت کے درمیان آئیں۔ ہے نا؟"

"آپ اسے منع کر دیں آپ اس کو کہیں کہ یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے عالم کے ساتھ بھی تو یہی کیا تھا۔ ایک بار پھر کر دیں۔ آراہ کا دل ٹوٹ جائے گا اور وہ واپس آ جائے گی پھر سب صحیح ہو جائے گا آپ پلیز۔۔۔" اسلان بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"اسلان۔۔۔ اسلان۔۔۔ اسلان۔" اس کا کندھا سہلاتے وہ سرگوشی نما آواز میں اسے پچکارنے لگی۔ "اب میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اب کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ میرے بیٹے کا دل میں نہیں توڑ سکتی۔ وہ واقعی تمہاری بہن سے محبت کرتا ہے، بے انتہا محبت۔"

"میری بہن کی زندگی مت خراب کریں پلیز۔" اس نے دونوں ہاتھ تمکنت کے آگے جوڑ دیے۔ آنکھوں میں منت تھی۔ گیلا پن اور عاجزی بھی۔

"تم میرا کام کر دو پھر جو تم چاہو۔"

"میں نہیں مار سکتا یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا میری بات مانیں۔" وہ ابھی کچھ مزید کہتا کہ تمکنت نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروا دیا۔

"فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ کرو جو مجھے چاہیے اور تم آزاد، تمہاری بہن، تمہارا خاندان بھی آزاد۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے مرد کو اشارہ کیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر آیا۔ اسلان کا بازو دبوچ کر اسے اتارا۔ وہ پژمردہ اور کمزور لگ رہا تھا۔ کیا تھا اس بوڑھی عورت کے پاس جس نے اسلان یمن کو کمزور کیا؟

"پلیز مسز بنگش میری بات سنیں۔ میں آپ کے فائدے کی بات کر رہا ہوں۔" وہ التجا کرنے لگا، بات کرنے کے لیے آگے آنے لگا مگر تمکنت کا ملازم اسے گھسیٹ کر آگے لے جانے لگا۔ "میری بہن کو چھوڑ دیں پلیز، میں۔"

اسی لمحے عمارت کے اندر سے شاہ ویر باہر آتا دکھائی دیا۔ موبائل کان سے لگائے آس پاس نگاہ دوڑاتے وہ یکدم ٹھہر گیا۔ محافظ نے اسے دیکھتے ہی اسلان کا بازو چھوڑ دیا دیا۔ شاہ ویر نے اسے پکارنا چاہا پھر رک گیا۔ عجیب جنگلی سا آدمی تھا بات بات پر لڑنے مرنے کو آ جایا کرتا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنی ہتھیلی دیکھی وہاں اب بھی کئی خراشیں تھیں۔ یہ بھی اسلان ہی کی مرہون منت تھا۔ صرف ایک ملاقات میں وہ خود کو چند دنوں کے لیے یادگار بنا گیا تھا۔ جنگلی۔

"یہ یہاں کیوں آیا تھا مام؟" موبائل ہنوز کان سے لگائے ایک ہاتھ شیشے پر رکھے وہ جھک کر پوچھ رہا تھا۔

"تمہارا ہونے والا خاندان تم ہی جانو۔" خفیف سی جھرجھری لیتی وہ گاڑی سے اتر آئی۔ "پتا نہیں تم نے ان لوگوں میں کیا دیکھ لیا۔"

اسے یقین تھا یمن اور بنگش خاندان کے درمیان کچھ اچھا نہیں ہو سکتا۔ وہ بھلا ہونے دے سکتی تھی؟

★★★★★

گھر میں برتنوں کی اٹھا پٹخ جاری تھی۔ یقیناً عالمگیر ناشتے کے لیے باورچی خانے کے اندر گھسا ہو گا۔ اسے جب تک اپنے لیے نیا ملازم نہ مل جاتا وہ یونہی ہر یمن کی زندگی عذاب میں ڈالنے والا تھا۔ سہراب صبح سے گھر سے غائب تھا اور اسلان اپنے کمرے میں پلنگ کے کونے پر براجمان تھا۔ موبائل کی کھلی سکرین پر اس کا جعلی ویزہ تھا۔ غیر قانونی دستاویزات اور روانگی کا پروانہ بھی۔ بیٹھے بیٹھے اسے اندازہ ہوا وہ تو اونچی پرواز بھرنے والا تھا پھر کس نے اسے پوری قوت سے، طاقت کے بل پر آسمان سے نیچے پھینکا؟ جبر اور ظلم کی زندگی سے دور وہ خود سے دست برداری دے تو رہا تھا پھر کیوں کسی نے اس کے پیروں میں بھاری زنجیریں باندھ دیں؟ اتنی وزنی کہ آگے بڑھتا ہر قدم اس کی روح پر پڑنے لگتا؟

"اسلان باہر آؤ۔" عالمگیر کی چنگھاڑتی آواز پر اس کی سوچیں تھم گئیں۔ چہرہ اٹھا کر غائب دماغ سے باہر کی طرف دیکھا۔ دروازے کے فریم میں عبیر کھڑی تھی۔

"بابا کہہ رہے ہیں، باہر آجائیں۔" اس نے پیغام دیا اور باہر نکل گئی۔ اسلان نے موبائل چارج پر لگایا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں عالمگیر نے ہمیشہ کی طرح سارا کچن پھیلایا ہوا تھا۔

"مجھے انڈے مکس کر کے دو آملیٹ بنانا ہے۔" چولہے پر چائے کا پانی چڑھاتے وہ مکمل مصروفیت سے بولا۔ رف ٹراؤزر کے ساتھ وہ بنا بازوؤں والی سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ کسرت کے فوراً بعد شاید وہ ناشتہ بنانے کھڑا ہو گیا تھا۔

"عبیر بیٹے.... تمہارے لیے کیا بناؤں؟"

"میں اسے ناشتہ کروا چکا ہوں۔" اسلان نے دھیمے لہجے میں جواب دیا اور فریج سے انڈے نکالنے لگا۔ خلاف توقع آج اس نے کوئی زبان درازی نہیں کی۔ وہ کھویا کھویا تھا۔

"کیا کھلایا؟" دودھ کی ادھ بوتل ابلتے پانی میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ عبیر ان دونوں کو مصروف دیکھ کھسک گئی۔

"آپ نے سادات کیوں چھوڑ دیا؟" عالم کے ہاتھ ایک لمحے کو ساکت ہوئے اور اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ کام کرنے لگا۔ البتہ ماتھے پر بل آگئے تھے۔

"میری جاب میری مرضی۔"

"اپنے اندر کی فیمنسٹ کو ایک چماٹ مار کر سلائیں اور مجھے جواب دیں۔ اسکار آپ کی وجہ سے پریشان ہے۔ اوپر والے پورشن میں رینوویشن کروانی تھی آپ جاب چھوڑ کر بیٹھ گئے۔"

"تم سے پوچھ کر شروع کی تھی جو ختم کرنے کے بعد بتاؤں؟" اس نے چائے کی دیگچی نیچے رکھی اور پھینٹے ہوئے انڈوں کی پیالی لے کر چولہے کی طرف گیا۔ فریج کے ساتھ ٹیک لگائے اسلان کئی لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا، عالم جھنجھلاتے ہوئے مڑا۔

"ایک عزت دار اور خود دار مرد کو سامنے والے کا احسان نہیں لینا چاہئے، اسلان۔" بہت دیر بعد وہ انڈا توے پر ڈالتے ہوئے بولا۔ "اور اگر لے تو اگلی بار اس پر احسان کرنا چاہیے تاکہ ترازو کے دونوں پلڑے برابر رہیں۔ میں ڈیڑھ برس سے سادات پر بوجھ ہوں۔ تین کیس بہت بری طرح ہارا ہوں۔ جواہر صاحب کے بیٹے اپنے باپ سے میری وجہ سے لڑتے ہیں یار۔ میں home wrecker نہیں ہوں، میں عزت دار مرد ہوں۔ معاشرے میں میرا ایک مقام ہے، کام کروں گا تو پیسہ بھی لوں گا اور عزت بھی۔ نہیں کروں گا تو۔" تیار شدہ آملیٹ اتار کر پلیٹ میں ڈالا۔ "پھر گھر پر بیٹھوں گا، نیا کام ڈھونڈوں گا۔ لیکن کسی پر بوجھ نہیں بنوں گا۔"

"نیا کام نہ ملا تو؟"

"مل جائے گا مجھ جیسے مرد بھوکے نہیں مرتے۔ ہم دنیا کے پنجوں سے آزادی اور پیسہ نکالنا جانتے ہیں۔"

"مجھے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔" اسلان نے کہا۔

”یہی کہ میں آراہ کی شادی بنگشوں میں نہ کرواؤں؟“ اپنا ناشتہ لے کر وہ میز کے گرد آ کر بیٹھا۔ یہ میز کرسیاں، کچن کے دراز یہ سب عالم کی کمائی تھی۔ گھر کو جدید اور خوبصورت بنانا اس کا جنون تھا۔ پچھلے چند برسوں میں اس نے پیسہ کمایا تھا اور جتنا کمایا تھا۔ اس سے زیادہ خرچ کیا تھا۔ ”اس میں عالم کچھ نہیں کر سکتا، اسلان۔ میں جب آیا تھا اور اس رشتے کی مخالفت کر رہا تھا تب آراہ مجھ سے دور ہو رہی تھی۔ تم میری بات پتھر پر لکھ لو شاہ ویر اس کا دل توڑے گا بہت بری طرح توڑے گا اور میں اس وقت اس کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں دور نہیں۔ ویسے بھی تمہارے پیرنٹس اس بات پر راضی ہیں۔“

اسلان بالکل منجمند ہو گیا۔ کسی نے اس کے چہرے سے سارا خون نچوڑ لیا۔ فریج اس کی پشت پر تھی لیکن اسے لگا وہ بُری طرح زمین بوس ہوا ہے۔ ”ممی اور ڈیڈ، ان سے بات ہوئی تھی کیا؟“ اس نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔ دل پر کوئی چھری چل گئی تھی۔ برسوں پہلے چھینا گیا سہارا آج ایک بار پھر بے سہارا کر گیا۔

”کال کی تھی ہم نے۔ دونوں ہمیشہ کی طرح پیسہ دیکھ کر منہ سے رال ٹپکانے لگے۔“ عالم کو بے اختیار وہ کال یاد آئی۔ لعل یمن کے لاؤنج میں میز کے اوپر لیپ ٹاپ رکھا تھا جس پر بیک وقت دو مختلف لوگوں کو رابطے میں لیا گیا تھا۔ امریکا میں بیٹھا شجاع یمن، کراچی کے بنگلے میں ٹھاٹھ سے بیٹھی دل آراہ طارون۔

”کیا وہ لوگ رشتہ لا رہے ہیں؟“ دل آراہ نے انارا سے پوچھا۔ جو دائیں بائیں چاچوؤں کے نرغے میں بیٹھی تھی۔ سامنے اس کا ماموں بیٹھا تھا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس گھر میں تین چار عورتیں بھی ہوتیں۔

”جی۔ اسی ہفتے آنا چاہ رہے ہیں۔“

”تم نے کہا تھا کہ اس کا اور تمہارا جھگڑا ہو گیا ہے۔ لیکن تم اتنا عرصہ اس سے رابطے میں رہی ہو۔“ شجاع غصے سے بولا۔ کوئی اس فاسق سے سوال کرے کہ جب دو کمسن بچوں کو چھوڑ کر باؤلے کتے کی طرح رال ٹپکاتے ہوئے کسی فرنگن کی طرف چلا گا تھا تب احتساب کی یہ عدالت کیوں نہ لگی؟

"ڈیڈ اس وقت واقعی....."

"تمہیں اس آدمی کو صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہنی۔ تمہاری کسٹڈی میرے پاس ہے۔" اس کی ماں نے فوراً مداخلت کی۔ موضوع گفتگو بدلنے والا تھا اور عالم اس وقت یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا۔

" دل آراہ اور بھائی میں آپ دونوں کو اطلاع دے رہا ہوں، ساتھ آراہ آپ دونوں سے اجازت چاہتی ہے۔ اب آگے آپ جو چاہیں اپنی اولاد کے ساتھ کریں۔ حالانکہ آپ کو حق تو نہیں ہے۔" آخر میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"تو کیا سارے حقوق تمہارے پاس ہیں، عالمگیر؟" دل آراہ تنفر سے بولی۔

عالم طنزیہ ہنسا۔ "میرا نہ سہی سہراب اور یافث کا حق تو ہے۔ تمہارے بچوں پر انہوں نے سب انویسٹ کیا۔ پیسہ بھی اور ایموشنز بھی۔ تم لوگوں نے کیا کیا جو اب آکر، کریڈٹ لے رہے ہو؟"

"ہم نے انہیں پیدا کیا ہے۔"

"یہ کوئی معرکہ ہے؟ اگر ہے تو دس بچے میں پیدا کر کے دکھا دیتا ہوں۔"

"انہوں نے میرے بارے میں کچھ پوچھا؟" جھگڑے کی وہ آواز کہیں دم توڑ گئی۔ اسلان یمن کسی ننھے بچے کی طرح سوال کر رہا تھا۔ نوالہ عالم کے حلق میں کہیں اٹکا۔ یہ بالکل ویسا سوال تھا جب عبیر اس سے پوچھتی تھی۔ "بابا اماں کہاں ہیں؟"

عالم اسے گود میں بٹھا کر ستارے دکھا دیتا تھا۔ اسلان سے کیا کہے سمجھ نہ آیا۔ عبیر بچی تھی لہجے اور آنکھ کے تاثر سمجھ نہیں پاتی تھی مگر اسلان.... وہ بہت دیر کسی آس کے تحت کھڑا رہا پھر اس نے عالم کے گلے میں گلٹی ابھرتے ہوئے دیکھی اسے جواب مل گیا تھا. وہ حلق میں آنسوؤں کا گولہ لیے وہاں سے ہٹ گیا اور عالمگیر حلق میں اٹکے اس نوالے کو نہ اُگل سکا اور نہ نگل سکا۔

★★★★★

ایک ہاتھ سے گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل تھامے دوسرا ہاتھ گاڑی کی کھڑکی پر ٹکائے وہ غائب دماغی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ نشست پر پڑے موبائل کے تھرتھرانے پر اس نے نگاہ ڈالی۔ کال بجتی رہی، سہراب کا دماغ حال سے منقطع ہونے لگا یہاں تک کہ ماضی سے رابطہ جڑا اور وہاں پچھلے کسی شکنجے میں اس کا پیر، دل، دماغ سب زور سے جکڑا گیا۔

ماضی کا ذکر ہے اوائل ستمبر کے دن تھے۔ گھروں میں حبس بڑھ گیا تھا۔ دیواروں کی سیلن نتھنوں میں عذاب کی طرح داخل ہو رہی تھی۔ دو سے تین سوئچ بورڈز کو جوڑ کر ایک پنکھا لان میں چلا گیا تھا۔ جس کی ہوا بھی گرم تھی اور بدن جھلسا رہی تھی۔

”میں نے کہا تھا جنریٹر لے لیتے ہیں لیکن تم جیسا چِندی آدمی کہاں کسی کی بات سنتا ہے۔“ پنکھے کے آگے بیٹھے ہوئے، پسینے سے تر چہرہ سکھاتے ہوئے عالمگیر بڑی کوفت سے کہہ رہا تھا۔ ”اپنا نہیں تو کم از کم اس بیچاری کا ہی سوچ لو۔ بیویوں کو تکلیف دینے والے بڑے ذلیل ہوتے ہیں۔“ اس نے سامنے سے آتی سہراب کی بیوی کو دیکھ کر اسے غیرت دلانی چاہی۔

”بیویوں کو قتل کرنے والے کہاں جاتے ہیں؟“ سہراب نے اپنی معلومات کے اضافے کے لیے پوچھا۔

”جنت میں ان کے لیے الگ پورشن بنتے ہیں۔“ وہ بھی دوبدو بولا۔ آمنہ تب تک ان کے قریب چلی آئی۔ ٹرے میں رکھی چائے سہراب کے سامنے رکھی۔ جوس عالمگیر کو دیا۔

”تم میرے کام مت کیا کرو میں خود کر لوں گا۔ بچہ تھوڑی ہوں۔“ عالمگیر نے ہمیشہ کی طرح جزبز ہوتے نرمی سے کہا۔ آمنہ کو بچپن سے اپنے ساتھ دیکھا تھا، ساتھ بڑے ہوئے لہٰذا بھابی کہنے کا تکلف وہ نہیں کرتا تھا۔ اگر ساتھ نہ بھی بڑے ہوئے ہوتے وہ تب بھی بھابی نہ کہتا ایسا سہراب کا ماننا تھا۔

"کوئی بات نہیں مجھے مشکل نہیں لگتی۔" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "سہراب آپ فارغ ہو جائیں تو آج رات ابا کی طرف چلیں گے۔"

"میں اسلان کو کہتا ہوں تمہیں چھوڑ آئے۔"

"ابا نے ہم دونوں کو بلایا ہے۔"

"میں مصروف۔۔۔۔"

"تم جاؤ آمنہ تیار ہو۔ یہ چلے گا۔" عالم نے اس کی بات کاٹی۔ آمنہ نے سر ہلا دیا اور پلٹ گئی۔ "اچھی بیویوں کا اسٹاک آج کل ختم ہو رہا ہے۔ تمہیں مل گئی ہے تو قدر کرو۔ ہزار باتیں وہ تمہاری مانتی ہے اور تم جیسا سڑا ہوا آدمی ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ وہ تمہارے آگے پیچھے گھومے تمہیں اس کے ساتھ کہیں جانا نہ پڑے۔ آئندہ تمہارا یہ رویہ نہ دیکھوں۔"

"میری بیوی ہے میری عادت جانتی ہے۔" اس نے بحث ختم کی۔

"اور تمہاری بیوی کی عادات ان کا کیا؟ شادی کے بعد ختم کر دے وہ اپنی ہر عادت اور بس تمہاری جی حضوری میں لگ جائے؟ تم جیسے مردوں کی وجہ سے شادی کا ذکر عورتوں کا اذیت بن گیا ہے۔ ان کو لگتا ہے شادی کے بعد ان کی خواہش، زندگی، عادات سب ختم اور مرد اس کا کیا ہے وہ تو یہی امید رکھے گا کہ بیوی ہے تو سمجھے۔ ملازم ہے تمہاری؟"

"اچھا بس اب میں اتنا بھی ظالم نہیں۔" عالم مزید ذلیل کرنے لگا تھا مگر وہ چپ رہا اس کا دھیان بٹا ہوا تھا۔ آج کل وہ کافی سنجیدہ رہنے لگا تھا۔ اس نے جب آمنہ کے سامنے میرال اور عالم کی شادی کی بات چھیڑی تو وہ بری طرح ہتھے سے اکھڑ گئی کہ اب اس کی بہن کے لیے ایک قاتل رہ گیا ہے؟ دوسری طرف میرال تھی جس سے وہ وعدہ

کر آیا تھا کہ ایک بار عالم سے بات کرے گا اور اگر اس کی طرف سے انکار ہوا تو دوبارہ یہ ذکر چھیڑا نہیں جائے گا۔ وہ بیوی کی سنے یا دوست کی سمجھ سے باہر تھا۔

"ایک بات پوچھوں، عالم؟" پنکھے کی گڑگڑ کے ساتھ سہراب کی آواز اس کے کانوں کو چبھی۔ عالم نے ابرو اچھالی۔

"تمہیں میرال کیسی لگتی ہے؟"

مرد کچھ کوفت زدہ ہوا۔ "کیا مطلب کیسی لگتی ہے؟ بچپن سے مجھ سے لڑتی آئی ہے۔ اسکول اور کالج میں یہ ٹاپ کر لیتی تھی اور میں ابا سے گالیاں کھاتا تھا۔ ظاہر ہے زہر ہی لگتی ہے۔"

"بے وقوف شادی کے لیے کیسی لگتی ہے؟" سہراب نے دانت کچکچائے۔

عالم پلک نہ جھپک سکا۔ "شادی؟"

"ہاں میرال اور تمہاری شادی۔ تمہیں وہ شادی کے لیے کیسی لگتی ہے؟" عالم ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ میرال سے اس کے تھوڑے بہت اختلاف بچپن سے ہوتے آئے تھے لیکن جتنی لڑکیوں کو وہ جانتا تھا وہ ان میں سب سے بہترین تھی۔ ایک بچی کا باپ لوگوں کے بقول دو عورتوں کا قاتل کم از کم وہ اس کی حقدار نہیں تھی ایسا عالم کو لگا۔

"honestly she deserves better" بے لاگ انداز میں تبصرہ کیا۔ "میرا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں۔"

"وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔" سہراب نے اضافہ کیا۔

"اور یہ معجزہ کب ہوا؟" وہ باقاعدہ ہنس پڑا۔

"جب ہم کالج میں تھے۔" اب کے عالم چونکا۔ "تمہیں تاجور کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتی تھی ورنہ میں ہمیشہ سے چاہتا تھا کہ تم اور میرال ساتھ رہو۔" اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ "تم کہو تو میں بات چلاؤں؟" عالم گم صم سا

اسے دیکھتا رہا۔ وہ زندگی کے اس مقام پر تھا جہاں کسی کو زندگی میں شامل کرنے کے لیے اسے صرف محبت نہیں دیکھنی تھی۔

”میں ایک بار اس سے مل لوں پھر کوئی فیصلہ کروں گا۔ تم شیور ہو وہ واقعی مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے؟“

”اب کیا قسم کھاؤں؟“ سہراب جھلایا۔ یہی جھلاہٹ حال کے سہراب کے چہرے پر تھی مگر زیادہ دیر تک نہیں۔ اس کی گاڑی ایک چھوٹے سے کوارٹر کے باہر آکر رکی تھی جس کے دروازے کے ساتھ والی دیوار پر ”شہروز شیرازی“ کے نام کی تختی لگی تھی۔ کچھ دیر بعد سہراب چھوٹے سے ٹی وی حال میں بیٹھا تھا جہاں اسے ملازمہ بٹھا کر گئی تھی۔

”میں نے رشتے والوں کو لعل یمن بلایا ہے۔ یافث کا فلیٹ بہت چھوٹا ہے۔“ موبائل پر عالم کا پیغام پڑھتے وہ اکتایا۔ عین اسی لمحے چوکھٹ پر کوئی نمودار ہوا۔ آہٹ پر سہراب نے نظریں اٹھائیں۔ گہری بھوری آنکھیں، ہلکی سرمئی آنکھوں سے ملیں۔ وہ ہلکا بہت ہی ہلکا سا مسکرایا۔ ساری کلفت اور بےزاری ہوا ہو گئی۔ آمنہ کا چہرہ البتہ سنجیدہ رہا۔ وہ آگے آئی، سہراب کے سامنے سے گزر کر صوفے پر بیٹھنے لگی تھی کہ سہراب نے اس کا ہاتھ تھاما۔ پھر ابرو استفہامیہ انداز میں اٹھائے۔

”شوہر سے ملنے کا تکلف بھی نہیں کریں گی؟“

”شوہر کو میری کوئی پرواہ ہے؟“ نروٹھے پن سے کہتے ہوئے اس نے ہاتھ چھڑوانا چاہا مگر سہراب کی گرفت ہلکی نہیں تھی۔ اس نے آمنہ کا ہاتھ اپنے کندھے پر رکھا۔

”تمہاری فکر ہے اسی لیے یہاں آیا ہوں۔“ اب کے اس نے اسے اپنی طرف کرتے ہوئے نرمی سے گلے لگایا۔ دونوں بازو اس کے گرد باندھے ٹھوڑی اس کے سر پر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ قرار سا قرار تھا۔

”تمہارے ابا سے کہوں میری بیوی کو قبضے میں لینا بند کریں۔ میں اسے بہت مِس کرتا ہوں۔“ اسے یونہی گلے سے لگائے آنکھیں موندے وہ تکان سے بولا۔ آمنہ بغیر مزاحمت کے اس کے قریب کھڑی رہی۔ آنکھیں پانی سے بھر رہی تھیں۔ عالم سے نفرت اور مسئلے ایک طرف اس کے گناہوں کی وجہ سے وہ اپنے شوہر سے دور رہ رہی تھی، یہ کرب اسے کھا رہا تھا۔

”ابا غلط نہیں ہیں، سہراب۔ ایک بیٹی جس گھر میں قتل ہوئی ہو وہ اسی گھر میں دوسری بیٹی کیسے بھیج دیں؟“ وہ بہت دیر بعد بولی۔ میرال کی وفات کے بعد شیرازی صاحب آمنہ کو اپنے گھر لے آئے تھے۔ سہراب نے ہر طرح کی منت سماجت کر کے دیکھ لی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ جس دن سہراب یمن عالمگیر کو ان کی بیٹی کا قاتل مان لے گا اس دن وہ آمنہ کو ساتھ جانے دیں گے۔

”عالم قاتل نہیں ہے۔“ اس کی یہی بات کئی برس قبل بھی ان کے درمیان آگئی تھی اور آج بھی۔ آمنہ اس سے دور ہوئی، سہراب نے بھی گرفت ہلکی چھوڑ دی۔ اب وہ دونوں روبرو تھے۔ سہراب چہرہ جھکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

”چلیں اگر وہ نہیں بھی ہے آپ اگر ایک بار ابا کے سامنے ایسا کہہ دیں گے تو کیا ہو جائے گا؟“

”تمہیں لگتا ہے یہ بات صرف شیرازی صاحب تک رہے گی؟ معذرت مگر تمہارے ابا عورتوں سے زیادہ پیٹ کے ہلکے ہیں اور ان کی انا آسمان سے زیادہ بلند ہے۔ جس دن میں یہ کہہ دوں گا کہ عالم قاتل ہے وہ چوک پر ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور میں یہ نہیں کر سکتا۔ یہ بہتان ہے۔ میرا بھائی مسخ ہو جائے گا۔ تم اس کو بہت چھوٹی چیز سمجھ رہی ہو مگر یہ پلٹ کر آتا ہے، آمنہ۔ آج میں اسے تباہ کروں گا تو کل میں یا میری اولاد تباہ ہوں گے۔“

آمنہ یونہی شکوہ کناں نظروں سے دیکھے گئی۔

”آپ نے میری زندگی تباہ کر دی، سہراب۔“ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

"میں نے نہیں تمہارے ابا کی ناانصافی اور تمہاری بزدلی نے۔" وہ بھی ترکی بہ ترکی بولا۔ "تمہیں اپنے حق فوراً یاد آ جاتے ہیں میرے حقوق کا کیا؟ تم میری نافرمانی کرتی ہو اپنے باپ کی باتوں میں آ کر تم نے تین سال سے ہمارے درمیان لکیر کھینچی ہوئی ہے۔ پورے تین سال مری کی برف میں پڑا تمہارا شوہر سڑتا رہا اور تم یہاں باپ کی لاج رکھے بیٹھی رہیں؟ وہ تمہارا باپ ہے اور میں کچھ نہیں؟ ہم الگ گھر میں رہیں گے آمنہ۔ میرے ساتھ چلو۔" آمنہ نے پشیمانی سے کچھ کہنا چاہا مگر اپنے عقب میں آ کر کھڑے ہوتے شیرازی صاحب کو دیکھ کر رک گئی۔ رنگت پھیکی پڑی۔

"اگلی بار یہاں نہ آنا، سہراب۔" سخت آواز پر وہ پلٹا۔ "میری غلطی تھی کہ تمہیں یہاں آنے جانے کی اجازت دی لیکن اب سے تم یہاں نہیں آسکتے۔ اگلی بار جب آؤ تو فیصلہ کر کے آنا۔"

"فیصلے تو آپ کر رہے ہیں انکل۔ آپ نے خادم بٹ صاحب کے ساتھ مل کر عالم کو جیل بھیجا؟ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس حد تک جاسکتے ہیں۔" اس کی رنگت میں سرخیاں گُھل رہی تھیں۔

"میں جب تک اسے پھانسی کے پھندے پر نہیں چڑھاؤں گا۔ سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"پھندے تک جانے سے پہلے آپ کو مجھ تک آنا ہو گا شہروز صاحب۔ وہ میرا بھائی ہے گلی کا کوئی غنڈہ موالی نہیں جسے آپ اٹھا کر جیل میں پٹخیں گے تو کوئی اس کی وارثی کرنے نہیں آئے گا۔ میں ہر دفعہ اس کی پشت پر کھڑا نظر آؤں گا۔"

"تم بھائی بچاتے رہو اور میں اپنی بیٹی کو تم سے خلع دلوا رہا ہوں۔ اگلی ملاقات اب عدالت میں ہو گی۔" وہ غرائے۔ سہراب تو سہراب آمنہ تک بھونچکا کر رہ گئی۔ دو برس تک اپنے شوہر سے دوری اسے قبول نہ سہی مگر وہ صبر کر گئی تھی۔ لیکن خلع؟ اس کے پیروں سے زمین اور آسمان یکلخت غائب ہوئے۔ سہراب کئی لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ اس لفظ کے لیے تیار نہیں تھا۔

"کوشش کر کے دیکھ لیجیے خلع کے لیے آپ کی ضد نہیں میری بیوی کی رضامندی چاہیے ہو گی اور مجھے یقین ہے وہ مجھے نہیں چھوڑے گی۔ رہی بات آپ کے گھر کی.... " اس نے پلٹ کر آمنہ کو دیکھا۔ آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔ "اب میں یہاں تب آؤں گا جب میری بیوی مجھے بلائے گی اور اگر اس نے بلایا تو بھول جایئے گا کہ سہر اب کسی پابندی کو مانتا بھی ہے۔" یہ تنبیہہ تھی آمنہ کے لیے بھی اور شاید اس کے اپنے لیے بھی۔ واپس جاتے ہوئے اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ خلع؟

★★★★★

"ماضی!"

"اتنی رات میں کہاں سے آ رہی ہو تم؟" آراہ کو کندھے پر لٹائے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے وہ صحن میں ٹہل رہا تھا۔ رات کے ڈیڑھ بجے کا وقت تھا اور اس کی بیوی اب تک گھر سے باہر تھی۔ بات یہ تھی کہ اس کی جوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔ اس کے رابطے سات سمندر پار کسی عورت سے جڑ چکے تھے اور دل آراہ کو اپنی مدح سرائی کے لیے آج کل کئی مرد میسر تھے۔ آج رات بھی وہ معمول کی طرح دیر سے ہی آئی تھی۔

"میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ کمرے کی طرف جانے لگی جب شجاع نے بازو سے کھینچ کر اپنے سامنے کیا۔ "کیا جہالت ہے؟" وہ پھنکاری۔

"جہالت میں دکھا رہا ہوں یا تم؟ رات کے اس وقت باہر سے تم آ رہی ہو۔ آراہ بخار سے تڑپ رہی ہے شوہر اور بچوں کی کوئی پرواہ ہے تمہیں؟"

"نہیں ہے پرواہ اب؟"

"نہ تمہارا دھیان گھر پر ہے، نہ تم مجھے دیکھتی ہو، نہ ہمارے درمیان کوئی تعلق باقی بچا ہے تم چاہتی کیا ہو؟" اس کے بازو میں انگلیاں گاڑھتے وہ جارحیت سے بولا۔ دل آراہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ دیکھتی کیا رہی اس کا اور ملنے

والے نئے مردوں کا موازنہ کرتی رہی۔ کیا تھا اس میں؟ کیوں ساتھ تھے وہ؟ بھولی بسری محبت، دوان چاہے بچے، ایک چھوٹا سا بھدا گھر؟ اور اس سب کو چھوڑ کر اسے کیا کیا نہیں مل رہا تھا؟

”تم جاننا چاہتے ہو میں کیا چاہتی ہوں؟“ اس نے شجاع کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں۔ یہ آنکھیں ایک منحرف عورت کی تھیں۔ جسے اب بہتر دنیا، بہتر ماحول اور شجاع سے ہزار گنا زیادہ بہتر مرد میسر تھے۔ جس نے حقوق کا غلط مطلب اخذ کیا تھا۔ ”میں اب مزید اس چھوٹے گھر میں گھٹ گھٹ کر نہیں رہ سکتی۔ مجھے تم سے طلاق چاہیے، شجاع۔“

گو کہ شجاع خود بھی ایسا ہی چاہتا تھا لیکن اس کے منہ سے ہوئے مطالبے پر وہ چند لمحوں کے لیے سناٹوں میں رہ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کسی انسان کے لیے دل میں بغض، عناد یا تنفر پالے ہوئے ہیں تو سامنے والے کا دل بھی خود بخود منفقہ جذبوں میں گھر جاتا ہے۔ بالکل ایسا ہی ان دونوں کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ شجاع یمن اگر بے وفا ہوا تھا تو دل آراہ طارون نے بھی کج ادائی کی کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ لعل یمن نے در و دیوار میں اس روز پہلی بار دراڑ پڑی۔ یا پھر یہ دراڑ پہلی بار نظر آئی؟

★★★★★

موجودہ دن میں چلے آؤ جہاں شام کے ڈھلتے سمے چار سے پانچ بڑی بڑی گاڑیاں لعل یمن کے دروازے کے باہر آ کر رکیں۔ اگلی گاڑی سے محافظ اترے اور سب سے آخری گاڑی سے بھی تین چار مسلح افراد اتر کر آس پاس پھیل گئے۔ گاڑیوں کے دروازے بھی تابعداری اور سرعت سے کھولے گئے۔ منڈیر سے نیچے جھانکتی آراہ نے یہ شان و شوکت دیکھی تو آج پہلی بار اسے اندازہ ہوا کہ خاندان واقعی بہت بڑا ہے۔ شاہ ویر اس کے ساتھ ٹھیلوں سے کھا لیتا تھا، ونڈو شاپنگ کر لیا کرتا تھا، سستے کافی شاپس اور سستی دکانوں سے کپڑے لے لیا کرتا لیکن یہ لوگ؟ یہ باقاعدہ کسی محل سے آئے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ پھل، مٹھائیاں، تحفے تحائف جب لاؤنج میں لا کر رکھے گئے تو قدم دھرنے کو جگہ کم پڑ گئی۔ لاؤنج تو لاؤنج سارا گھر ان لوگوں کے لیے چھوٹا لگنے لگا۔

مہمانوں کو اندر لا کر بٹھانے والا سہراب یمن تھا۔ اسلان مارے طیش کے کمرے سے باہر ہی نہیں آ رہا تھا اور عالمگیر وہ کمبخت کسی تخریب کاری میں مصروف تھا۔ رئیس کی بیوی اور بیٹا تھری سیٹر پر آ کر بیٹھے۔ لمبے فور سیٹر پر تمکنت شاہ زید اور شاہ ویر کے درمیان بیٹھی تھی۔ یکدم ہر طرف الگ سی خوشبو پھیل گئی۔ تمام بنگش اس گھر میں بیٹھے ہوئے خطہ غیر کے باسی معلوم ہوئے۔ بے حد غیر آرام دہ، اور زبردستی بٹھائے گئے۔

"السلام و علیکم۔" چند منٹ بعد لاؤنج کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے سلام کیا۔ ہر ایک نگاہ اس پر ٹھہر گئی۔ تمکنت بظاہر بس اسے دیکھتی رہی لیکن اس کی آنکھوں میں کوئی بے حد ٹھنڈا تاثر ابھرا تھا۔

"قاتل....." شاہ زید بڑبڑایا۔ رئیس نے عالم کو دیکھا پھر تمکنت کو۔ وہ اسے جانتا تھا، جانتی تو وہ بھی تھی مگر ہمیشہ کی طرح رئیس بنگش لاعلم رکھا گیا۔ نایاب اور شاہ ویر کی نظریں البتہ پر سکون رہیں۔

وہ چلتا ہوا آیا اور سنگل سیٹر پر آ کر بیٹھا۔ اس کے عقب سے یافث اور دل آراہ آتے دکھائی دیے۔ لاؤنج بھر گیا۔ باتیں ہوئیں، حال احوال پوچھے گئے۔ "آنے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"کوئی تکلیف نہیں ہوئی، عالمگیر۔ اگر ہوتی بھی تو یہاں آنے کے لیے ہم برداشت کر لیتے۔" تمکنت نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے وقت کا کاسہ پلٹا ہے ورنہ آپ کے مزاج ساتویں آسمان پر رہا کرتے تھے ابھی کل ہی کی بات ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا مگر اس مسکراہٹ میں طنز کی رمق اور جلے ہوئے دل کی خاکستری شامل تھی۔ "تاجور نہیں آئی؟"

"آپ ان کے ساتھ فرسٹ نیم ٹرمز پر نہیں ہیں، عالم صاحب۔" شاہ زید کو اس کا اس طرح بات کرنا بہت کھلا۔ اسے تو شاہ ویر کی خاموشی بھی بُری لگ رہی تھی۔ عالم محظوظ سا اس کی طرف مڑا۔ یافث کی گھُوریاں اس نے بڑی دلفریبی سے نظر انداز کیں۔

”آج کل ہاں نہیں ہوں لیکن ہم نک نیم ٹرمز پر بھی رہے ہیں۔“ بڑے ہی عامیانہ انداز میں کہا۔ ساتھ کاٹ دار نظروں سے تمکنت کو دیکھا۔ جو پر سکون تھی۔ ”آپ نے انہیں بتایا نہیں؟ چلیں میں بتا دیتا ہوں۔ دراصل تاج اور میں ساتھ پڑھتے تھے پھر اس کے بعد چھ سال تک ہماری محبت رہی۔ جب شادی کا وقت آیا اور میں مسز بنگش سے ملنے گیا تب انہوں نے کہا کہ میں اگر دس دفعہ بھی پیدا ہو کر آجاؤں تو ہمارا کلاس ڈفرنس نہیں مٹ سکتا۔ اب میں نے کہا بھی کہ شادیاں کلاس سے تھوڑی چلتی ہیں؟ لیکن ان دنوں مسز بنگش بڑی مغرور ہوا کرتی تھیں مجھے باقاعدہ دھکے دے کر گھر سے نکالا گیا۔ حالانکہ انہوں نے خود بلایا تھا۔“

وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا۔ سارے لاؤنج پر سکتہ طاری تھا۔ زید بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ نایاب ششدر نظر آرہی تھی البتہ شاہ ویر ہنوز پر سکون تھا۔ کوئی اس کے سکون کا کچھ کرے۔ ”آج کلاس ڈیفرنس کہاں گیا مسز بنگش؟ آج میں بھی سوچ رہا ہوں roles reverse کر لیتے ہیں۔ اس روز آپ نے گارڈز کی بندوقوں کے زور پر مجھے باہر نکالا تھا۔ میں تو اکیلا ہی کافی ہوں۔“

سہراب نے گلا کھنکھارا۔ ”پچھلی باتیں بھول کر آگے بڑھتے ہیں۔“ انداز مدافعانہ تھا۔ ”عالمگیر گو کہ غلط نہیں ہے لیکن جو ہوا وہ ماضی کا حصہ تھا۔ مسز بنگش کا یہاں آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اب انہوں نے کلاس ڈیفرنس جیسی "غلیظ" ٹرم اپنی زندگی سے نکال دی ہے۔ کیوں مسز بنگش میں صحیح کہہ رہا ہوں؟“

”یقیناً۔“ تمکنت نے مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔ دل میں اٹھنے والے ابال سے وہ ساری دنیا کو آگ لگائے گی یہ طے ہوا۔ ”دراصل ہم یہاں ایک خاص مقصد سے آئے ہیں۔“ عالم سے نظریں ہٹا کر دل آراہ کو دیکھتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔ ”میرا بیٹا شاہ ویر اور آپ کی بیٹی انارا طارون ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ میں شاہ ویر کے لیے انارا کا ہاتھ مانگنے آئی ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ اسے بیٹی بنا کر رکھوں گی۔“

"بیٹی؟ ہاہ..." عالم زور سے ہنس پڑا۔ گردن صوفے کی پشت پر گرائے وہ کئی پل ہنستا ہی رہا۔ "سگی تو آپ اپنی سگی بیٹی کی بھی نہیں تھی مسز بنگش۔"

"اگر آپ کو اتنا ہی مسئلہ تھا میری ماں سے تو ہمیں یہاں بلانے کا مقصد؟" شاہ زید تندہی سے بولا۔ تمکنت نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا مگر اس نے ہٹا لیا۔ "اگر میری بہن کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق تھا بھی تو اب آپ کو اتنا گریسفل ہونا چاہیے کہ اس کا ذکر نہ کریں۔ وہ اب شادی شدہ ہے۔"

کہنی صوفے کے ہتھے پر جمائے، مٹھی لبوں پر جمائے عالم محظوظ ہوا۔ "یعنی تم امیر لوگ جس کا چاہے دل توڑو، جسے چاہے ذلیل کرو اور جب ہم احتساب کریں تو تین چار انگریزی لفظ بول کر ہمیں ہی خاموش کروا دو؟"

"اب آپ اپنی حد پار کر رہے ہیں۔"

"اول تو عالمگیر کسی حد کو مانتا ہی نہیں۔ دوئم لہجہ اونچا تو مجھے میرے باپ کا بھی نہیں پسند تھا۔ سوالی بن کر آئے ہو نظر نیچی اور لہجہ دھیما رکھو۔ ورنہ اٹھا کر باہر پھنکواؤں گا۔"

"ہم یہاں اپنی بے عزتی کروانے آئے ہیں کیا؟" زید بھڑکا۔ شاہ ویر نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔

"کئی برس قبل میں بھی بڑی عزت سے آیا تھا لیکن واپسی پر مجھے گارڈز کے دم پر نکالا گیا۔ تب کہاں تھی عزت؟"

"اچھا اب بس، عالم۔" سہراب نے کچھ سختی سے کہا۔ ساتھ آنکھ سے اشارہ کیا کہ اب واقعی بس۔ "انہوں نے وہ دیا جو وہ دے سکے، ہم وہ دیں گے جو ہمارے ابا نے سکھایا ہے۔ اب بس۔" دل آراہ کو اس کے بولنے سے تقویت ہوئی۔ عالم پر شاید اثر ہو گیا، شاید وہ بھڑاس نکال چکا سو چپ ہو گیا۔ البتہ اس کی آنکھوں سے مزید ڈرامہ دیکھنے کی چاہ ختم نہ ہوئی۔ وقفے کے بعد انشاءاللہ۔

"ویسے سہراب صاحب آپ ابھی ابھی واپس لاہور تعینات ہوئے ہیں۔" رئیس نے گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا۔ دل آراہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تمکنت کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی، شاہ ویر کی جگہ تبدیل ہو گئی۔ وہ عالم کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"میں پولیس کرائم برانچ میں افسر ہوں۔ تین سال سے مری میں تھا اب کچھ عرصہ ہوا ہے میں واپس لاہور آگیا ہوں۔"

"چلیں اب ہمارے سرکل میں ایک قابل افسر بھی ہو گا۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔ "آپ کا نام سن کر مجھے کچھ یاد آرہا تھا۔ اب جب آپ نے اپنا پیشہ بتایا تو مجھے مکمل طور پر یاد آگیا ہے۔ روبینہ انصاری کے بیٹے کا انکاؤنٹر آپ ہی نے کیا تھا نا؟" دل آراہ سے بات کرتی تمکنت کے چہرے پر کھنچاؤ پڑ گیا البتہ وہ مسکراتی رہی۔

"جی یہ کار خیر میرے ہی ہاتھوں ہوا تھا۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کے کیریئر کا سب سے پسندیدہ انکاؤنٹر۔ دوسری طرف شاہ ویر گاہے بگاہے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کلف زدہ سفید شلوار قمیض میں وہ جاذبِ نگاہ لگ رہا تھا۔ عالم نے اس کی نظروں کی تقلید میں دیکھا پھر واپس اسے دیکھا۔

"انارا کے بارے میں تمہیں کیا ارادہ ہے؟" شاہ ویر نے بھی اسے دیکھا۔ آواز دونوں کی ہلکی تھی ایسے کہ بس وہی دونوں سن سکیں۔

"درست ارادے رکھتا ہوں اسی لیے اپنا سارا خاندان یہاں لایا ہوں۔ آپ خوامخواہ میری نیت پر شک کر رہے ہیں۔" وہ بڑے بڑے مکالمے لکھ سکتا تھا مگر یہاں بیٹھ کر اپنی محبت کے گھر والوں کو منانے کے لیے اسے الفاظ کی قلت کا سامنا کرنا پڑا۔

"میں شک نہیں کر رہا مجھے یقین ہے کہ تمہاری ماں اپنے کسی بھی بچے کو سکون کی زندگی گزارنے نہیں دے گی۔"

"میری ماں پاکستان میں رہے گی اور میں مستقبل میں نیویارک شفٹ ہو رہا ہوں۔" ہاتھ اٹھا اٹھا کر بات کرتے ہوئے وہ ہمیشہ کی طرح بااعتماد نظر آرہا تھا۔ "یہاں میرا کوئی مستقبل نہیں۔ اگر آپ کو کوئی سیکورٹی چاہیے تو میں اپنا نیویارک والا فلیٹ آراہ کے نام لکھ دوں گا۔ اپنی جائیداد کا آدھا حصہ اس کے نام منتقل بھی کر سکتا ہوں۔" عالم کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ابھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر دیتا مگر وہ کمبخت ان فاسقوں سے خوب آشنا تھا۔

”تم ہاتھ پر قرآن بھی اٹھالو تو میں یقین نہیں کروں گا۔“ بے زاری سے کہتے اس نے تمکنت کو دیکھا جو مسلسل مسکراتے ہوئے دل آراہ کی بات سن رہی تھی۔ ساتھ ہی عالم کی نظر صوفے کے ساتھ رکھی چھوٹی میز پر پڑی۔ وہاں ایک پھولوں کا گلدستہ رکھا تھا جس میں چاکلیٹس سجے تھے۔ وہ مڑا، آنکھوں میں چمک لیے شاہ ویر کو دیکھا۔

”تمہیں شاید یاد نہ ہو لیکن تم چھوٹے تھے تب میں کئی بار تاجور کو لینے آتا تھا۔ کبھی پک کرنے بھی۔ چاکلیٹس کی خاصی شوقین تھی وہ میں ہمیشہ اس کے لیے لایا کرتا تھا۔“ یہاں شاہ زید ہوتا تو اس وقت اس کا جبڑا توڑ چکا ہوتا لیکن یہ شاہ ویر تھا۔ انگلی سے کنپٹی سہلاتے وہ ہلکا سا مسکرایا۔ آنکھوں کی چمک ویسی تھی جیسی عالم کی۔

”میں واقعی چھوٹا تھا مجھے یاد نہیں لیکن آپ کافی بڑے ہیں اور یادداشت اچھی ہو گی....“ اس نے کن اکھیوں سے میز پر پڑے گلدستے کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ آراہ کے فیورٹ چاکلیٹس ہیں۔ انہیں دیکھیں اور برانڈ یاد کر لیں، میں تو ہر دفعہ خوار ہوتا ہوں پھر یہی لاتا ہوں۔ وہ بھی چاکلیٹس کی کافی شوقین ہے لیکن خاص طرح کے۔ آپ کی بھتیجی مجھے بہت خوار کرواتی ہے یار۔“

عالم چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔ ”یہ اچھا تھا۔“

شاہ ویر جواباً ہلکا سا مسکرایا۔ ”آئی نو۔“ دل آراہ کی کسی بات پر تمکنت نے اثبات میں جواب دیا۔

پھر شائستگی سے پوچھا۔ ”کیا اب ہم انارا سے مل سکتے ہیں؟“

”شیور میں ابھی بلا کر لاتی ہوں۔“ دل آراہ کہتے ہوئے اٹھی۔ شاہ ویر بے اختیار سیدھا ہو بیٹھا۔ باقی سب یونہی باتوں میں مصروف رہے۔ سب کی موجودگی میں تمکنت بنگش کو اپنی بیٹی شدت سے یاد آئی۔

★★★★★

”دو دن قبل!“

کمرے کی حالت ابتر تھی۔ پلنگ کی چادر فرش نشین، کچھ چیزیں یہاں وہاں بکھری ہوئی تھیں۔ پردے اپنی جگہ ساکن۔ بتیاں گُل تھیں۔ مکمل اندھیرے میں پلنگ سے ٹیک لگائے تاجور کی آنکھیں خلاؤں میں تھیں۔ شاہ ویر کے متعلق سننے کے بعد بھی وہ آشیانہ بنگش نہیں آئی تھی۔ اس کی اپنی زندگی تباہ ہو رہی تھی اور وہ بچانے کو ہاتھ پاؤں چلا رہی تھی۔ مرمریں راہداریوں میں چلتے ہوئے شاہ ویر کا چہرہ خطرناک حد تک سپاٹ تھا۔ وہ ابتسام کو دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ البتہ تمکنت گاہے بگاہے ابتسام سے کچھ کہہ رہی تھی۔

"آنٹی میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ میں نے اس کی اور اپنی ٹکٹس بک کروالی ہیں کچھ دن تک اسے لندن لے جاؤں گا۔" ابتسام ہر وہ کام کر رہا تھا جو ایک ذمہ دار شوہر کو کرنا چاہیے تھا۔ لیکن شاہ ویر کی نظروں کا گلہ اور وہ تنبیہی انداز پلے پڑ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ "آپ پلیز اسے سمجھائیں۔ بچہ نہ ہونے سے قیامت تھوڑی آجائے گی؟" دروازے کے قریب شاہ ویر یوں رک گیا جیسے آگے جانے کی ہر راہ مسدود کر دی ہو۔

"میں اپنی بہن سے اکیلے میں ملنا چاہتا ہوں۔" صاف اشارہ تھا کہ وہ اس ملاقات میں ابتسام کی موجودگی نہیں چاہتا۔ اگرچہ تمکنت کو اس کی یہ حرکت پسند نہیں آئی لیکن وہ خاموش رہی۔ ابتسام ہٹ گیا۔ شاہ ویر کی سخت نظروں نے اسے بہت کچھ باور کروادیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں تاج کے سامنے بیٹھے تھے۔ تمکنت اس کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی شاہ ویر اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے اپنی یہ حالت بنالو گی تو بچہ مل جائے گا؟ شادی میں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ بس ایک بچہ تمہاری آبسیشن کیوں بن گیا ہے؟"

تاج نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔ "مجھے تمہاری اور مام کی کوئی جھوٹی تسلی نہیں چاہیے۔ تم جاؤ اپنی شادی کی تیاریاں کرو۔ بہن کے ساتھ اس خاندان نے جو کیا اس سے تمہارا کیا؟" اس کے لہجے میں غم ہلکورے لے رہا تھا۔

”اس بات کو کئی سال گزر چکے ہیں تاج۔ عالمگیر تمہارا واحد ایکس تو نہیں ہے۔ باقر سے تو تمہاری منگنی تک ہونے والی تھی لیکن پھر تمہارا بریک اپ ہو گیا تم اب بھی اس کی دوست ہو عالم میں ایسا کیا ہے؟“

”عالم مختلف تھا فار گاڈ سیک۔“ وہ یکدم چیخی۔ اس کے بالوں میں چلتا تمکنت کا ہاتھ تھم گیا۔ ”عالم کوئی عام ایکس نہیں ہے۔ مام جانتی تھیں عالم ہمیشہ سے میرے لیے مختلف تھا۔ عالم میری محبت تھا۔“ وہ اپنے شوہر کے گھر میں تھی اولاد نہ ہونے کا غم اس کا دل چیر رہا تھا لیکن وہ ماضی کے کسی سابقہ تعلق پر زیادہ رو رہی تھی۔ شاہ ویر اور تمکنت کو بے ساختہ اندازہ ہوا عالم واقعی اس کے لیے مختلف تھا۔

”تم آراہ سے شادی کرنا چاہتے ہو کرو۔ مام چاہتی ہیں وہ ان کی بہو بنے تو وہ بنے گی۔ تم میرے بھائی ہو میں تمہاری خوشیوں کی دشمن نہیں بننا چاہتی لیکن میں اس عورت کے بیٹے کی شادی میں نہیں آؤں گی جو میری خوشیوں کے درمیان آئی تھی۔“ اس کا اشارہ اپنی ماں کی طرف تھا۔

”میں نے ہمیشہ تمہارا بھلا چاہا تھا۔ میں نے تمہیں ابتسام جیسا اعلیٰ مرد دیا۔“

”میں نے تو نہیں مانگا تھا۔“ تمکنت کو دیکھتے ہوئے اس نے قلق سے کہا۔ ”آپ نے اس روز اس کا دل توڑ دیا تھا مام۔ مجھے اس کی بد دعا لگی ہے۔ آپ نے میری زندگی تباہ کر دی۔ نہ میں عالم کو حاصل کر سکی اور نہ میں اب خوش ہوں۔ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے، عالم کی بد دعا لگ گئی ہے۔“ وہ گھٹنوں میں سر دیے رونے لگی تھی۔ تمکنت محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔ یمن خاندان اب اس کا مزید کتنا نقصان کرے گا؟

★★★★★

حال میں لوٹ آؤ جہان باتوں کی مدھم سی آواز شاہ ویر کو تھمتی ہوئی محسوس ہوئی جب انارا طارون اپنی ماں کے ساتھ کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ ہلکے پستہ رنگ کی میکسی میں ملبوس، اچھا سا میک اپ کیے وہ معمول سے ہٹ کر

حسین لگ رہی تھی۔ کانوں چھوٹے چھوٹے جھمکے تھے۔ کلائیوں میں چوڑیاں، رف کرل بال کھول رکھے تھے۔ دوپٹہ سلیقے سے سر پر لیا ہوا تھا۔ شاہ ویر بنگش اس سے نگاہ نہیں ہٹا سکا۔

"ماشاءللہ آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔" تمکنت نے اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے محبت سے کہا۔ "کیا کرتی ہیں بیٹا آپ؟"

"میں سوشیالوجی میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔" اس کی آواز ہلکی تھی۔ اسے لگا سب اسے دیکھ رہے تھے۔

"ماشاءللہ۔"

"آراہ آنٹی کو چائے دو۔" دل آراہ اپنی اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ سہراب لب بھینچ کر رہ گیا۔ اسی لمحے اسلان یمن اندر آیا۔ باقی سب سے ہٹ کر وہ ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے اور نگاہوں میں سنجیدگی تھی۔

"سلام...." سپاٹ انداز میں کہا۔ آراہ جو چائے دینے کے لیے اٹھنے والی تھی۔ اسلان نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ "میں سرو کرتا ہوں۔ بیٹھو۔"

"ان کی تعریف؟" نایاب نے سوال کیا۔

"میرا بیٹا...."

"اسلان یمن۔ آراہ کا بڑا بھائی۔" اپنی ماں کی بات کاٹ کر وہ سرد لہجے میں بولا۔ ساتھ دل آراہ کو ایسی نظروں سے دیکھا جن میں تلواروں سی کاٹ تھی۔

"اوہ آپ اس دن گھر بھی آئے تھے شاید؟" نایاب کو یاد آیا۔

"گھر کے باہر آیا تھا اپنی بہن کو لینے۔" وہ میز کے گرد آ کر بیٹھا اور چائے ایک ایک کر کے کپ میں ڈالنے لگا۔ آراہ سر ہلکا سا جھکائے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ تمکنت اس سے چھوٹے موٹے سوال کرتی رہی اور وہ جواب دیتی رہی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی شاہ ویر کیسا لگ رہا ہے لیکن فی الحال سر اٹھا کر اسے دیکھنا مناسب نہیں تھا۔

عالمگیر نے اسی پل یافث کو ایک پیغام لکھا۔ "اللہ کے فضل سے یہ شادی تو انشاءللہ نہیں ہو گی۔ میں سوچ رہا ہوں آج یہ لوگ ملنے آئے ہیں کل پھر بات پکی کرنے آئیں گے۔ پھر منگنی کیوں نا ہم آج ہی ان کو یہاں سے دفعان کر دیں؟ اسی لیے آج کے آج بات پکی کر کے جان چھڑواتے ہیں۔"

"پاگل ہو گیا؟ وہ لوگ کیا سوچیں گے بیٹی بوجھ ہے۔"

"جو سوچنے والا ہے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں محبت مفلوج کر چکی ہے اور یہ بڑھیا کیا سوچتی ہے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں بار بار ان کو گھر نہیں بلا سکتا اور ویسے بھی ہم نے کونسا رشتہ رکھنا ہے؟ ان کا بیٹا آج مرا کہ کل...."

یافث نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ عالم کے مشینی دماغ سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے جو دل میں آئے کرو۔"

قریباً آدھے گھنٹے تک باتیں ہوتی رہیں۔ چائے پینے کے نام پر محض چکھی گئی۔ تمکنت اور دل آراہ کی گاڑھی جمنے لگی تھی۔ دوسری طرف سہراب اکتایا ہوا رئیس کا شجرہ نسب سن رہا تھا۔ زید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ منہ سے آگ نکالے یا پھر ابھی کے ابھی ماں سے سوال جواب شروع کرے۔ عالمگیر کی زبان کو بولنے سے روک دیا گیا۔ سو اب وہ بے زار ہو رہا تھا۔ ایک یافث تھا جو مہمانوں کی بکواس بھی مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔ چائے دینے کے بعد اسلان دوبارہ لاؤنج سے غائب ہو چکا تھا۔ نایاب کو اس کی شخصیت کافی پر اسرار لگی۔ اس نے کچھ نقطے یاد کر لیے تھے اب وہ گھر جا کر رئیس سے ان پر بات کرنے والی تھی۔

”میرا خیال ہے بچوں کو تھوڑی دیر آپس میں بات کرنے دینا چاہیے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟“تمکنت نے نیا شوشا چھوڑا جس پر شاہ ویر کے چہرے پر باقاعدہ چمک آئی۔ بالآخر اس کی ماں اس کے دل کا حال سمجھ گئی تھی۔

”بچوں نے بات کر کر کے ہی معاملات اس نہج پر لائے ہیں کہ ہم یہاں بیٹھے بات کر رہے ہیں۔“عالم بڑبڑایا۔ سہراب چپ بیٹھا تھا یوں جیسے وہ کسی فارمیلٹی کے تحت یہاں بیٹھا ہے۔

”آراہ بیٹا جاؤ شاہ ویر کو گھر دکھا کر لاؤ۔“ دل آراہ نے کہا۔ انارا بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ شاہ ویر سے ملنا اور بات کرنا ایک الگ چیز تھی مگر آج رشتہ ہونے والی دن اسے فطری شرم اور جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

”چھوٹا سا تو گھر ہے دیکھ کر کیا کرے گا شاہ ویر؟“ عالم نے دوبارہ اپنی ٹانگ اڑائی۔ سہراب نے اسے سخت گھوری سے نوازا مگر اس پر اثر نہ ہوا۔

”اسے مذاق کرنے کی عادت ہے۔ آراہ بچے تم جاؤ۔“ دل آراہ نے پہلی بات تمکنت سے اور دوسری آراہ سے کہی۔

آراہ اور شاہ ویر اس چڑیا گھر سے باہر نکل آئے۔ شاہ ویر نے بے اختیار سکھ کا سانس لیا۔ قمیص کا اوپری بٹن کھولا۔
”یہ کس طرح کے گھر والے پال رکھے ہیں تم نے؟“لاؤنج سے ذرا آگے جاتے ہی شاہ ویر نے کہا۔”میرا تو دماغ گھما دیا۔ اُف اُف۔“

”ایسا بھی کیا کہہ دیا انہوں نے؟“

”یہ پوچھو کیا نہیں کہا۔ جب تک تم اندر نہیں آئیں تب تک عالمگیر نے زہر اگلنا نہیں چھوڑا۔ یہ مانا کیسے؟“ وہ آراہ کے ساتھ لان میں آ گیا۔ چمبیلی کے پھولوں کی خوشبو بے اختیار ہر طرف پھیل گئی۔ یہ گھر اندرون لاہور کے گھروں کی یاد دلاتا تھا۔

”عالم چاچو کہو تم۔“

"تم بھی مجھے سرتاج کہنا شروع کر دو آج کے بعد سے کم از کم تم یہ نہیں کہو گی کہ میں ٹائم پاس کرتا ہوں۔" وہ دلکش سا مسکرایا۔ آراہ جھینپ گئی۔ شاہ ویر نے میز کے نیچے رکھی کرسی سیدھی کی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئی۔ شاہ ویر اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ کہنی میز پر ٹکائے چہرہ ہتھیلی تلے ٹکائے وہ اب فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے جھمکوں کے موتی، گلے میں پہنی باریک سی چین، انگلیوں کی انگوٹھیاں، بار بار چہرے پر آتے بال وہ لمحوں کے اندر جائزہ لے گیا۔ اسے بس لمحہ ہی درکار ہوتا تھا۔

"آراہ میں چاہ رہا تھا کہ جب تک شادی نہیں ہو جاتی، مام کو اسلان کے بارے میں نہیں پتا چلنا چاہیے۔"

آراہ اُلجھی۔ "کیا نہیں پتا چلنا چاہیے؟"

شاہ ویر نے انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی سہلائی۔ ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملائے وہ گویا ہوا۔ "آراہ دیکھو...." وہ رکا مناسب الفاظ تلاشنے چاہے۔ "پنار کا قتل، اسلان اس میں نامزد ہوا تھا۔ پرائم سسپیکٹ تھا وہ۔" آراہ ہل نہیں سکی۔ "پولیس نے اسے چھ ماہ حراست میں رکھا تھا۔ تم فیملی ہو تم چاہے کچھ بھی کہو لیکن عدلیہ اور لوگ ہمیں ان سب کو جواب دینا پڑتا ہے۔ پنار ہماری فیملی فرینڈ تھی۔ مام کو وہ بہت عزیز تھی۔ اب تو کافی وقت ہو گیا ہے شاید انہیں اسلان یاد نہ رہا ہو لیکن پلیز تم کوشش کرنا کہ اسلان کا ماضی میری فیملی کے سامنے نہ کھلے۔"

وہ کتنے ہی لمحے سانس لیے بنا شاہ ویر کو تکتی رہی۔ پھر بہ دقت اس کے لبوں سے نکلا۔ "یہ سب الزام ہے۔"

"اگر واقعی ایسا ہے تو پنار کے گھر والوں نے اسلان سے نقص امن کی دفعہ کیوں لے رکھی ہے؟" یہ کوئی طمانچہ تھا جو اس کے منہ پہ آ کر لگا۔ شاہ ویر ہنوز اسی نرمی سے کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں جانتا ہوں، آراہ۔ تمہارا سارا خاندان جب تمہارے ساتھ کھڑا ہو گا تو میں وہاں صرف تمہیں دیکھوں گا۔ میرے لیے تم اہم ہو لیکن مام شاید تمہیں اسلان کی وجہ سے جج کریں میں ایسا نہیں چاہتا۔"

”اگر میری بہن کو ورغلانے کا پروگرام ختم ہو گیا ہے تو میں کچھ کہوں؟“ وہ کب ان کے عقب میں آکر رکا، کب کیا سنا وہ دونوں سمجھ نہیں پائے۔ اسلان قدم قدم چلتا آگے آیا۔ شاہ ویر اور آراہ کے سامنے آکر رکا۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں خون چھلکا رہی تھیں۔ ”اگر انارا کو اس کے خاندان کے برے اعمال کی وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے تو یہی اصول تم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ تمہارا خاندان بہت نیک ہے کیا؟“

شاہ ویر نے بے حد ٹھنڈے انداز میں اسے دیکھا۔ ”تم ہر دفعہ مجھ سے لڑنے کیوں آجاتے ہو، اسلان؟ میں صرف ایک بات کرتا ہوں اور تم اسے الگ طرح لیتے ہو۔ تمہارا مسئلہ آخر کیا ہے؟“

اسلان چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر نظریں پھیر کر انارا کو دیکھا۔ ”تمہاری ماں اندر بلا رہی ہے آجاؤ۔“ سختی سے کہہ کر وہ چلا گیا۔

”تم تو کہتی تھیں یہ میرا فین ہے۔“ اسلان آگے بڑھ گیا تب شاہ ویر نے جھنجھلاتے ہوئے پوچھا۔

”ہے تو صحیح لیکن میں یہ بھی کہتی تھی کہ وہ مجھے کچھ خاص پسند نہیں کرتا۔ اپنی فیورٹ چیزیں میرے ساتھ بانٹنا اسے پسند نہیں ہے شاید اسی لیے ٹرگر ہو رہا ہے۔ تم زیادہ دل پر نہ لو۔“ وہ اب مزید شکایات کر رہا تھا اور اندر جاتی انارا کے چہرے پر الجھن تھی۔

انہیں ہٹتا دیکھتے ستون کے ساتھ لگ کر کھڑے اسلان یمن کے چہرے پر محض سرد مہری قائم رہی۔

★★★★★

”ہم چند دن پہلے آنا چاہ رہے تھے لیکن عالم صاحب نے بتایا کہ آپ دونوں کچھ مصروف ہیں۔ کس نوعیت کی مصروفیت تھی۔“ رئیس بنگش ہاتھ میں چائے کا کپ لیے رخ مکمل طور پر سہراب کی طرف موڑے ہوئے خوشگوار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ہدایت ساز کو یہ کم گو شخص بھا گیا تھا۔

سہراب لمحے بھر کو رکا، پھر اس نے مصروفیت کی نوعیت یاد کرنی چاہی۔ لمحے بھر میں وہ حال سے ماضی میں جا پہنچا، شام سے رات میں، لاؤنج سے لعل یمن کے لان میں اور ڈھیر سارے لوگوں کی موجودگی سے دور اپنے ماں جائے کے ساتھ اکیلا۔

''تمہارے ساتھ کام کرنا میری مجبوری ہے۔'' عالم ہاتھ میں ٹھنڈی کافی کا کپ لیے کھڑا انتہائی مغروریت سے کہہ رہا تھا۔ ناک پر غرور دھرا تھا۔ ''لیکن ہم دونوں بھائی ہیں معاملہ آپس میں دیکھ لیں گے۔ زیادہ حکم مت چلانا ورنہ مجھ سے بُرا کوئی ہے ہی نہیں چلو اب بتاؤ تمہیں پولیس سے کیا کیا پتا چلا ہے؟'' سہراب نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھا، عالم کی آنکھوں کی جگہ اسے کوئی اور آنکھیں نظر آئیں لان کی گھاس کی جگہ تھانے کا فرش آ گیا۔

سہراب یمن دو دن قبل تھانے میں موجود تھا۔ ایس ایچ او کے کمرے میں بیٹھے جہاں سامنے میز پر چائے کے کپ رکھے ہوئے تھے۔ باہر سے روزمرہ کے معمولات کا شور آ تا رہا۔

''بڑے دنوں بعد شہر واپسی ہوئی ہے سہراب کیوں اپنے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہو؟'' حمزہ نے بات کو ہلکے میں اڑایا۔ ''آج کل ڈی آئی جی صاحب کے دفتر میں تمہارے بہت چکر لگ رہے ہیں دھیان رکھنا یہ لوگ طاقت دے کر بے بس کر دیتے ہیں۔ تم ویسے ہی خبروں کی زینت بنے ہوئے ہو۔''

''میری مشکلات کی فکر نہ کریں، حمزہ صاحب۔ میں مری جیسے سرد علاقے میں افسر ہوتے ہوئے بھی سارا سارا دن فارغ بیٹھ کر آیا ہوں۔ کام مجھے نہیں تھکاتا۔ آپ میرے مطلب کی چیزیں بس مجھے ہینڈ اوور کر دیں۔''

''یار یہ کام تو سنتریوں کا ہے۔ میں بلواتا ہوں، دیکھتے ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں۔'' وہ جو ہر فور زیرو کی پرانی فائلز لینے آیا تھا اور اسے لگ رہا تھا اسے ٹرخایا جا رہا ہے۔ چند پل بعد رزاق سنتری ایس ایچ او کے دفتر میں تھا۔ چہرے پر ازلی بے زاری طاری کیے وہ سہراب کو دیکھ رہا تھا۔

"جو ہر چار صفر؟ ڈیڑھ سال قبل کا واقعہ ہے صاب۔ اور ابھی پانچ مہینے پہلے جب تھانے کی مرمت ہوئی تھی تب ساری فائلز، سارے دستاویزات ایس پی صاحب کے دفتر بھجوائے گئے تھے جب واپس تھانے میں شفٹ ہوئے تو کتنے ہی کھاتے غائب تھے۔ چار صفر کا قصہ بھی اسی میں غرق ہو گیا ہو گا۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پولیس ریکارڈ سے ایک ہائی پروفائل کیس کی ایف آئی آر کی کاپی غائب ہے؟" سہراب نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "اور آپ کو یقین ہے اہم کھاتوں میں زیرو صفر کی فائل لازمی غائب ہوئی ہے؟"

"جی صاب۔" کمال ڈھٹائی سے جواب آیا۔ سہراب نے ایک نظر اسے دیکھا دوسری نظر ایس ایچ او کو وہ دونوں ایک جیسے ڈھیٹ نظر آ رہے تھے۔

"آپ میرے ساتھ چلیں میں ڈھونڈ لیتا ہوں، ایسے کیسے کچھ غائب ہو سکتا ہے۔ یہ کیس کوئی عام کیس نہیں تھا۔"

"صاب آج تو میں کمرے کی چابیاں گھر رکھ کر آیا ہوں کل انشاءاللہ آپ کو دورہ کروا دوں گا۔" سامنے والا بھی پکا کھلاڑی تھا۔ سہراب جتنا حیران ہوتا اتنا کم تھا۔ یہ سب ہو کیا رہا تھا؟ ایک نڈر جرنلسٹ زندگی میں پہلی بار اس کے ساتھ کام کرنے کو تیار نہیں تھی۔ پولیس تھانے میں اسے ایف آئی آر کی کاپی اور مقدمے کی تفصیلات کے لیے منع کیا جا رہا تھا۔ یوٹیوب، اور ٹی وی چینلز پر اس کیس کے متعلق چل چکی خبروں کا کوئی ریکارڈ اسے مل کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ اسے مقتولین کے نام اور پتے کے علاوہ کچھ معلوم نہیں تھا۔ اور یہاں اس نہج پر معاملات سہراب کی مٹھی سے ریت کی مانند پھسل رہے تھے۔

لڑنے سے پہلے اگر کوئی ہار ہوتی ہے تو اس وقت اسے وہی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایک منٹ انہوں نے کہا ریکارڈ نہیں ہے اور تم مان گئے؟" عالم متحیر تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں وہاں کیا کرتا؟ اگر میں کوئی ضد کرتا تو ایس ایچ او مجھے آرڈر لانے کو بولتا اور سرچ وارنٹ بھی مجھے اگلے ہی دن تک ملنے تھے۔ ایویڈنس روم میں جا کر فائل گم کرنے کے لیے انہیں صرف پانچ منٹ درکار

تھے۔ میں ایک عرصہ یہاں سے دور رہا ہوں واپس آ کر چارج سنبھالنے میں وقت لگتا ہے، عالم۔ مجھے صرف کام نہیں کرنا تعلقات بھی درست کرنے ہیں۔ میں لڑنے نہیں جگہ بنانے آیا ہوں۔"

کافی کا مگ میز پر رکھ کر عالم ٹہلنے لگا۔ بڑھی ہوئی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے وہ پُرسوچ نظروں سے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ یکدم وہ سہراب کی طرف مڑا۔ "تمہاری ایک دوست بھی تو تھی وہ جو پرائم ٹائم شو کرتی تھی، صابرہ۔ اس نے شاید اس کیس کو دیکھا تھا؟ اس کے پاس تو تمام لیڈز ہوں گے۔ اس سے بات کی؟"

"کر چکا ہوں، صاف منع کر کے گئی ہے۔ اور اس دن کے بعد سے میرا نمبر بھی بلاک کر دیا ہے۔"

"کیوں تم کالز کر کے اسے چھیڑتے تھے؟"

"شٹ اپ۔" سہراب خفگی سے بولا۔ "وہ شادی شدہ عورت ہے۔"

"چھیڑنے کے لیے لڑکی کا غیر شادی شدہ ہونا کہاں کی شرط ہے؟" اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"اگر تم نے اسی طرح کی بکواس کرنی ہے تو میں تمہارے ساتھ کام نہیں کروں گا۔ اپنی حد میں رہا کرو۔" سہراب فوراً ہی غصے میں آ گیا تھا۔ "جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہو۔"

"تم ایسا کرو عبیر کی خالہ سے ملو۔ خادم صاحب نے بولا تھا کہ اس کے پاس کچھ ثبوت ہیں۔" ذرا توقف کیا اور سہراب کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ سہراب نے بے زاری سے گردن پیچھے کو گرا دی۔

"ملا چکا ہوں۔" وہ ناک کی ہڈی کو دو انگلیوں میں دبائے متفکر نظر آ رہا تھا۔ اس جواب کے پیچھے مایوسی کی کئی تہیں تھیں اور ان تہوں کو پرت در پرت کھولو تو مایوسی کی وجہ سر اٹھائے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

ڈی آئی جی خادم بٹ سے سہراب یمن کی ملاقات کے ٹھیک دو دن بعد کا ذکر ہے۔ سہراب کی گاڑی صبیحہ کے گھر کے باہر کافی دیر سے کھڑی تھی۔ وہ دروازہ بجا بجا کر بھی تھک گیا تھا۔ یہاں تک کہ اب محلے والے بھی

اسے اکتاہٹ سے دیکھ رہے تھے۔ وہ مایوس ہو کر پلٹ جاتا کہ اس کی نگاہ دروازے کے عین نیچے سے بہتی خون کی دھار پر پڑی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اب کے اس نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ بوٹ کی ٹھوکر اور ہاتھوں سے وہ دھڑ ادھڑ دروازہ بجا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ آوازیں لگا رہا تھا۔

"صبیحہ آپ ٹھیک ہیں؟ جواب دیں صبیحہ کیا آپ وہاں ہیں؟" اس نے دروازہ مزید زور زور سے پیٹا۔ "صبیحہ؟ دروازہ کھولیں۔۔۔۔۔۔ صبیحہ۔" چیخ چیخ کر اس کا گلا بیٹھ گیا مگر جواب ندارد اسی پل اس نے کف موڑے، کندھے اسٹریچ کیے اور جست لگا کر دروازے کے اوپر لگے سیمنٹ کے چھجے پر ہاتھ جما لیے، اس کی ٹانگیں لٹک رہی تھیں۔ لمحے بھر کے اندر تیزی سے اس کے پیر دروازے پر جمے اور اگلے ہی لمحے وہ دیوار کے اوپر سے گھر ٹاپ کر اندر آ گیا تھا۔ لمحوں کی مہارت تھی گلی میں کھڑے بچے اس کے لیے تالیاں پیٹنے لگے۔ صحن کے عین بیچوں بیچ صبیحہ اوندھے منہ گری پڑی تھی۔ ماتھے سے بہتا خون اب جمنے کے قریب تھا۔ ذرا سے فاصلے پر اس کی ماں وہیل چیئر پر بے ہوش پڑی تھیں۔ سہراب باورچی خانے تک گیا۔ اس کی واپسی پانی کے گلاس کے ساتھ ہوئی۔ صبیحہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر مارے، پھر اسے سیدھا کیا۔ اس کی نبض ٹٹولی جو کہ چل رہی تھی۔

"صبیحہ؟ آپ ٹھیک ہیں؟" سہراب نے نرمی سے پوچھا۔ وہ نقاہت زدہ آنکھیں کھول گئی۔ کئی لمحے وہ غیر شناسا نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔ آنسو بلا اجازت اس کی آنکھوں سے بہنے لگے سہراب کو بے اختیار کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ عالم کے حوالے سے وہ اسے کچھ خاص پسند نہیں کرتا تھا مگر اس وقت اسے ترس آیا۔ "صبیحہ کیا ہوا ہے؟"

"وہ سارے ثبوت لے گئے، سہراب۔ انہوں نے میرے سارے گیجٹس لے لیے، انہوں نے اماں کو مارا مجھے بھی مارا.... عالم.... یہ سب عالم نے کیا ہے وہ سب لے گیا۔ اللہ اسے غرق کرے۔" سہراب دھیرے دھیرے وہاں بیٹھتا چلا گیا۔ تابوت میں آخری کیل لگ چکا تھا اور تکلیف یہ تھی کہ اندر پڑی لاش اس کی اپنی تھی۔

”ایک منٹ صبیحہ پر حملہ ہوا تھا؟ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ عالم چونک گیا۔

”اس کا شک ہی تم پر تھا میں کیا بتاتا اور اس کی ماں نے کوئی پولیس رپورٹ ہی نہیں کی۔“

”شکر ہے میں عبیر کو لے آیا تھا اس دن۔“ وہ بس یہی بولا۔ سہراب نے تاسف سے اسے دیکھا۔

”تم کتنے خود غرض ہو، عالم۔“

”زمانہ ہی ہم جیسوں کا ہے۔ تم میری شان میں قصیدے مت پڑھو یہ بتاؤ کہ ہم آگے کیا کریں گے؟ کوئی ثبوت، کوئی گواہ کچھ تو لانا پڑے گا نا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ تو نہیں سکتے۔“ سہراب کچھ دیر تک چپ چاپ آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر مدھم لہجے میں کہنا شروع کیا۔

”ہم بچپن میں چور پولیس کھیلتے تھے یاد ہے؟“ سہراب کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”بڑا مزہ آتا تھا۔ میں ہمیشہ پولیس بنتا تھا اور تم چور۔“

”یافث بھی چور بنتا تھا۔ تمہیں چور بننا پسند نہیں تھا۔“ عالم بچپن یاد کر کے مسکرایا۔

”کیونکہ تب میں سمجھتا تھا میں ذہین ہوں اور ذہانت ہمیشہ اچھائی سے مشروط ہوتی ہے۔ دھیرے دھیرے سمجھ آرہا ہے ذہانت بس ذہانت ہوتی ہے جہاں، جس طرح موقع ملے استعمال کر لینی چاہیے۔“ عالم چونکا پھر متوجہ ہوا۔
”پولیس چور بننے کو تیار ہے، عالم۔ اب انتظامیہ بھی میں، اور اس میں بگاڑ بھی میں۔“ عالمگیر کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ جانتا تھا۔ سہراب کیا بات کر رہا ہے۔ آہ وہ کب سے یہی سننا چاہتا تھا۔ دل خوش ہو گیا۔

”کوئی خاص پلان نہیں تھا۔“ سہراب نے سنجیدگی سے رئیس کو جواب دیا۔ ”بس میں اور عالم بہت دنوں بعد کہیں آؤٹنگ کرنے گئے تھے۔ آپ یہ لیں۔“ وہ بڑی مہارت سے بات ٹال گیا ساتھ رئیس کو پلیٹ سے کچھ کھانے کو لینے کی فرمائش کرنے لگا۔

اسی لمحے انارا اور شاہ ویر ایک ساتھ لاؤنج میں داخل ہو چکے تھے۔ چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ، آنکھوں میں محبت کی چمک۔ بھلا کب تلک؟

★★★★

”ہم دونوں خاندان مل چکے ہیں۔ بچے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لہٰذا میرا نہیں خیال کہ ہمیں مزید دیر کرنی چاہیے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں انارا کو انگوٹھی پہنانا چاہتی ہوں۔“ جس وقت انارا اور شاہ ویر باہر لان میں موجود تھے تب دونوں خاندانوں نے لڑکا اور لڑکی کی پسند کو قبول کرتے ہوئے رشتہ طے کر دیا تھا۔ بنگش خاندان دوبارہ اس چھوٹے حبس زدہ گھر میں نہیں آنا چاہتا تھا اور یمن دوبارہ ان نک چڑھوں کو یہاں برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے لہٰذا سارا ملبہ "بچوں" پر ڈال کر دونوں نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کر لی۔

”بالکل آپ بسم اللہ کریں۔“ دل آراہ مسکراتے ہوئے بولی۔ آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ فخر سے بیٹی کا ماتھا چوم لے جو داماد وہ ڈھونڈ رہی تھی انارا طارون تو اس سے زیادہ اعلیٰ مرد لائی تھی۔

”آنٹی اگر آپ بُرا نہ مانیں تو کیا میں خود انگوٹھی پہنا سکتا ہوں؟“ شاہ ویر نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ مار لیا۔ انارا کے چہرے کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آ گیا۔ یہی حال عالمگیر، سہراب اور یافث کا بھی تھا۔ وہ تینوں اسے ایسی کاٹ دار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں نگل لینا چاہتے ہوں۔ سہراب نے مٹھی بھینچ لی۔

”ہمارے خاندان میں ایسا نہیں ہوتا۔ مسز بنگش آپ انگوٹھی پہنا سکتی ہیں۔“ یافث دوٹوک انداز میں بولا۔ دل آراہ نے کچھ کہنا چاہا مگر سہراب کی تادیبی نظروں کو دیکھ کر چپ ہو رہی۔

شاہ ویر نے مدد طلب نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔ اس نے شانے اچکائے یوں جیسے کہہ رہی ہو۔ ”یہ تمہارا اپنا بویا بیج ہے۔“ انارا کو تمکنت بنگش کے ساتھ بٹھایا گیا۔ شاہ ویر نے اپنا موبائل زید کے حوالے کیا ساتھ اسے ٹھوکا

دیا۔ زید نے سمجھ کر سر ہلایا اور ویڈیو بنانے لگا۔ تمکنت نے انارا کا ہاتھ آگے کیا، پھر سب کی طرف دیکھا ایسے جیسے اجازت مانگ رہی ہو۔ سہر اب نے سر کے خم سے اجازت دی تو اس نے انگوٹھی پہنا دی۔

شاہ ویر کے لبوں پر گہری مسکراہٹ در آئی، دو سالوں کی ریاضت ٹھکانے لگی۔ تمکنت نے انارا کا ماتھا چوما پھر شاہ ویر کو اپنے قریب بلایا۔ اپنے بیٹے کی آنکھ کا ہر تاثر وہ بہت خوب سمجھتی تھیں۔ ان دونوں کو ایک ساتھ بٹھا کر اس نے دعا دی اور میز پر دھری مٹھائی کی پلیٹ سے ان دونوں کا منہ میٹھا کروایا۔ محبت، خاندان کی مرضی، من چاہا ساتھ ان دونوں پر نعمتوں کی حد کر دی گئی۔ اگر زندگی کو کبھی ختم ہونا تھا تو اسے آج ہونا چاہیے یہ شاہ ویر کی خواہش تھی وہ آج مکمل تھا۔

رفتہ رفتہ ہر ایک فرد اٹھ کر آیا۔ سلامتی بھیجی گئی، منہ میٹھے کروائے گئے اور دعائیں دی گئیں۔ سفید کرتے والا لڑکا، پستہ رنگ کے لباس والی لڑکی کے پہلو میں بیٹھا اپنی زندگی کی سب سے قیمتی شے حاصل کر چکا تھا۔ قسمت شاہ ویر بنگش پر مہربان تھی مگر صرف کچھ وقت کے لیے، اس کے لیے الٹی گنتی گنی جا چکی تھی اور وہ لاعلم تھا۔ خوش تھا۔ آباد تھا۔ بس کچھ وقت تک۔

★★★★★

(آتش دان کے قریب کھڑی وہ چمکتی آنکھوں سے قصہ گو کو دیکھ رہی تھی۔ کرسی پر بیٹھے مرد نے اسے دیکھ کر سوالیہ انداز میں ابرو اچکائے۔ "کیا ہوا؟"

"یہ تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے کہ کیا ہوا؟" وہ زیادہ ضبط نہیں کر سکی، بس ہنس پڑی۔

"تمہاری ساری سیاہ کاریاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ محبت امر ہو گئی۔ برا تو لگ رہا ہو گا نا۔" پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ ہنستی چلی گئی۔

"نہیں مجھے کیوں بُرا لگے گا؟ میں صرف ایک کہانی کار ہوں۔ تم ہنس سکتی ہو، رو سکتی ہو، اداس ہو سکتی ہو مگر میں یہ سوچتا ہوں کہ آگے کیسے سناؤں؟ ہمارے مسائل مختلف ہیں۔ تم محظوظ ہو لو۔ میں تب تک اپنے جھول درست کر لوں۔" وہ دوبارہ کاغذات پر جھک گیا۔ اس کے کرنے کو بہت کام باقی تھا۔

"بعض دفعہ سننے اور پڑھنے والوں کے سوال بھی کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ کہو تو میں مدد کروں؟"

کہانی کار نے اسے ممنون نگاہوں سے دیکھا۔ "یس پلیز...."

"ٹھیک ہے پھر بتاؤ کہ اس شام جلال اور صبیحہ کی خادم بٹ سے ملاقات کیسی رہی؟ تمکنت نے فنڈز ریزنگ کے لیے کیا کیا؟ اور یہ بھی کہ سہراب اور شاہ ویر کا اگلا لائحہ عمل کیا رہا؟"

"تم عالم اور سہراب کی آؤٹنگ بھول گئیں؟" وہ کلس کر رہ گئی۔ ہونہہ جان بوجھ کر اپنا تسلط قائم کر رہا تھا۔ انا پرست لکھاری۔)

★★★★★

"قصہ تمکنت بنگش کی سیاہ کاریوں کا!"

کارخانے میں سے ٹھک ٹھک کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ باتوں کی آوازیں بھنبھناہٹ کی صورت کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ چمنیوں سے سیاہ دھواں آسمان کی سمت بلند ہو رہا تھا۔ دور دور تک آبادی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ دنیا کی نظروں میں یہ کارخانہ چمڑا بناتا تھا، درحقیقت یہاں اسلحہ بنتا تھا، پھر بھاری داموں میں فروخت ہوتا۔ اس اسلحے کی زیادہ تر فروخت سندھ، پنجاب اور بلوچستان کے دیہی علاقوں میں ہوتی تھی جہاں قبائلی دشمنی اور اسمگلنگ عام تھی۔ "پھر کیا سوچا ہے آپ نے؟" کھٹ پٹ سے دور کارخانے کے باہر رکھے پرانے بنچ پر بیٹھے ہوئے اسفندیار تمکنت بنگش سے پوچھ رہا تھا۔

"اماں تو مجھے بھی نہیں بخش رہیں۔" وہ طنزیہ ہنسا۔ "کبھی کبھی تو لگتا ہے میں ان کا بیٹا ہوں ہی نہیں۔" نیلگوں آسمان میں دیکھتے اس نے تبصرہ کیا۔

"تم کروڑوں روپوں کا غیر قانونی کاروبار کر رہے ہو۔ سارے ملک میں تم غیر لائسنس شدہ اسلحہ فراہم کر رہے ہو، اسمگلنگ تمہارا پیشہ ہے اور اس سب کو بقا حاصل ہے کیونکہ تمہاری پشت پر روبینہ ہے ورنہ قانون تمہارے ساتھ کیا کرتا تم بھی جانتے ہو۔" سامنے رکھی نئی تیار شدہ بندوقوں کا معائنہ کرتے ہوئے تمکنت نے کہا۔

"لیکن وہ جانتی ہیں کہ آج کل کام ٹھپ پڑا ہے۔ انتخابات کا وقت ہے سرکار کی طرف سے no violence الرٹ جاری ہے۔ سرحدوں پر سختی بڑھ گئی ہے۔ اسمگلنگ تو اب بس برائے نام رہ گئی ہے۔ سرکار کو نام صاف کرنا ہے اور ہمیں اپنا اسٹاک۔ مجھے نہیں لگتا یہ دونوں کام ایک ساتھ ہو پائیں گے۔" وہ تحمل مزاج تھا۔

"ایک اور بری خبر دوں؟" بندوق واپس رکھی تو لوہے کی آپس میں ٹکرانے کی آواز گونجی۔ اسفند سیدھا ہو بیٹھا۔ اس کی آنکھوں میں بے چینی سی بھر گئی۔ وہ سننے کو تیار تھا اور نہیں بھی۔ "جوہر فور زیرو بند کروانے کے لیے تمہاری ماں نے صبیحہ پر حملہ کروایا ہے۔"

اسفند ساکت رہ گیا۔ "اب تک خاموشی کی کوئی وجہ؟"

"سیاست، مصلحت، عقل۔" تمکنت نے تین الفاظ گنوائے۔ "یہ مقدمہ سرکاری طور پر ری اوپن نہیں ہوا۔"

"کیا مطلب سحر اب، اب انڈر کوور ایجنٹ ہے؟" وہ بگڑا۔ "اماں اس بار اسے جان سے مار دیں گی یقیناً۔"

"کیا ہی بہتر ہو کہ اس وقت ہم دونوں اپنی اپنی جانوں کی فکر کریں؟" تمکنت نے اس کی توجہ ایک اہم مسئلے کی جانب مبذول کروائی۔

”آپ پر ایک کڑا وقت آیا تھا اور آپ نے اس کاروبار میں حصہ ڈالا لیکن اب ایک اچھی زندگی آپ کے لیے میسر ہے۔ آپ کیوں خود کو ان غلط کاموں میں شامل کر رہی ہیں۔ چھوڑ دیں یہ سب اور ایک بار پھر ایک اداکارہ کی زندگی گزاریں۔“

”تم نے طاقت کا نشہ چکھا ہے؟“ کھٹ کھٹ اور زہریلے دھوئیں کے درمیان بھی وہ اس کی آواز سن سکتا تھا، اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ ”جس نے ایک بار طاقت کا سرور دیکھ لیا ہو وہ دوبارہ کبھی بے بس ہونا نہیں چاہتا۔ اس کاروبار نے مجھے مستحکم بنایا۔ اسی کاروبار نے میری اونچی گردن میں سریا ڈالا یہاں تھرل ہے اور جب کوئی انسان ایک بار تھرل کا مزا چکھ لے وہ دوبارہ ایک نارمل زندگی کی طرف نہیں جا سکتا۔ میں معاشی طور پر مستحکم ہوں لیکن اپنی طاقت برقرار رکھنے کے لیے مجھے اس کاروبار کی ضرورت ہے۔“

”پھر اب کہاں سے آئیں گے فنڈز؟“

”اسلحہ سندھ جائے گا اور سندھ میں عمر کوٹ سے بھارت۔“ وہ بے حد پرسکون لہجے میں بول رہی تھی۔ جیسے کسی فلم کی کہانی ہو۔ ”اس اسلحے کو عمر کوٹ پہنچانا ہمارا کام ہے۔ آگے میرے تعلقات دیکھ لیں گے۔“

”پنڈی سے عمر کوٹ؟ آپ حواسوں میں ہیں؟“ ایک پل کو اسے تمکنت کے چلتے حواسوں پر شبہ ہوا۔

”وینٹی وینز پر بھی کوئی شک کرتا ہے کیا؟“ اس کی آنکھوں کا بھروسہ، انداز کا مان، گردن کا کڑاؤ اسفند یار خان ہمیشہ کی طرح اس سے متاثر ہوا۔ مگر وہ جانتا تھا یہ کام اتنا آسان نہیں۔

★★★★★

”سہراب یمن اور عالمگیر کی "سیر و تفریح" کا قصہ۔“

سرونٹ کوارٹر جہاں آج کل سہراب رہائش پذیر تھا وہاں چھوٹے سے صحن میں ایک لمبی میز رکھی تھی۔ جس کے اوپر دو ہیلمٹ رکھے تھے، ایک نقشہ، ایک فہرست جس میں چرائی جانے والی چیزوں کی تفصیل تھی۔ دو بڑی بڑی ٹارچ لائٹس، اور چہرے پر خوفناک شکل کے دو مکھٹ۔

"یہ سب کیا ہے؟" عالم نے جماہی روکتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ "یہاں نیٹ فلکس کی کسی ویب سیریز کی شوٹنگ نہیں ہو رہی۔ ایک جرنلسٹ کے گھر میں گھس کر چھوٹی سی چوری ہی تو کرنی ہے۔"

سہراب نے ٹھنڈی ٹھار نظروں سے اسے دیکھا۔ "عالمگیر میں تمہیں آخری بار سمجھا رہا ہوں سنجیدہ ہو جاؤ۔ نہ یہ کوئی کھیل ہے اور نہ چھوٹی بات۔ چوری بھرم ہے لیکن اسی چوری سے ہمیں ہمارے باطل کا علم ہو گا اور باطل کی پکڑ ہماری اور ہمارے خاندان کی بقا ہے۔"

"اوکے اور کچھ؟" وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔ سہراب چند پل اسے دیکھتا رہا پھر سامان سمیٹنے لگا۔

"تمہارا اور میرا موبائل یہاں نہیں ہو گا۔ تمہارے دوست کا کیفے ہے نا؟ ہم داخلی دروازے سے وہاں جائیں گے موبائل آن کر کے اس کے کیفے میں رکھیں گے اور پچھلے دروازے سے نکل جائیں گے اور اپنا کام کر کے موبائل اٹھا کر دوبارہ داخلی دروازے سے باہر نکلیں گے تاکہ سی سی ٹی وی میں ہمارا چہرہ آ جائے۔ بعد میں ہم پر کوئی الزام آئے تو کم از کم ثبوت تو ہو۔" عالم نے دو انگلیوں سے ہتھیلی پر تالی بجائی۔

"براوو ایجنٹ اسکار براوو۔ اگر یہی چالاکیاں بیوی کو مناتے ہوئے دکھائی ہوتیں تو آج وہ یہاں ہوتی اسی گھر میں۔"

"جہاں تم جیسا سانپ بھائی ہو وہاں میرا گُلشن نہیں کھل سکتا۔" سہراب نے بیگ بھر کر کندھے پر ڈالا۔ دوسرا عالم کی طرف اچھالا، جسے اس نے تیزی سے پکڑ لیا "اس سے پہلے کہ میں تمہاری شکل بگاڑ دوں اور مجھے کوئی افسوس بھی نہ ہو میرے پیچھے آؤ۔"

"اسی رعب کی وجہ سے بیوی چھوڑ کر گئی ہے تمہیں۔" ہانک لگاتے ہوئے عالمگیر اس کے پیچھے گیا۔ تھوڑی دیر بعد سہراب کے ہاتھ میں یافث کا موبائل تھا اور عالمگیر اس کی گاڑی چلا رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے عالم ہم یافث کی گاڑی میں کیوں آئے ہیں؟"

"کیونکہ میری گاڑی غربت کی نذر ہو گئی اور تمہاری گاڑی کھٹارا ہے۔" وہ موبائل پر کھٹ کھٹ ٹائپ کرتے ہوئے مصروفیت سے بولا۔

سہراب ضبط سے گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ "سی سی ٹی وی میں اگر کوئی گاڑی آئے تو وہ یافث کی ہو، اگر کسی کے موبائل کی لوکیشن قریب ملے تو وہ بھی یافث کی ہو۔"

"میں اپنے دوست کے ساتھ غداری کرنے جا رہا ہوں؟" عالمگیر کی آنکھیں صدمے سے پھیل گئیں۔ وہ موبائل چلانا بھول گیا۔

"اس کے لیے بھی عقل چاہیے ہوتی ہے جو کہ تم میں نہیں ہے۔ یافث کلئیر آدمی ہے تمہاری اور میری طرح اس کی ریپوٹیشن خراب نہیں ہے لہٰذا اس پر کوئی شک نہیں جائے گا۔ تم اور میں، ہم میں جھول ہے اور شک کا دائرہ گہرا۔"

"وہی تو ختم کرنا ہے۔ تم دیکھنا سہراب بس ایک بار یہ سب ختم ہو جائے تو میں عبیر کا داخلہ بڑے اسکول میں کروں گا۔ اس کا ٹیوشن ختم کروا کر اسے خود پڑھاؤں گا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت میرے ساتھ رہے۔ میں بڑے بڑے مقدمے لڑوں گا اور جیتوں گا بھی۔ جواہر صاحب ایک بار پھر میری ذہانت کے بل بوتے پر مجھے سادات میں جگہ دیں گے۔"

"انہوں نے تمہیں اب بھی نہیں نکالا۔"

"بندے میں تھوڑی بہت اپنی بھی غیرت ہونی چاہیے۔ ہم مزاج میں چاہے جتنے مختلف ہیں لیکن اس وقت ہم دونوں ایک ہی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اپنے اپنے بقا کی جنگ۔ معاشرہ عورت کی حقوق کی بات بہت کرتا ہے کرنی بھی چاہیے لیکن اس کے بیچ میں ہم جیسے مظلوم مردوں کو کیوں بھول جاتا ہے؟" وہ بڑے افسوس سے بولا۔

صابرہ کے گھر سے ذرا فاصلے پر قریباً آدھا گھنٹہ گاڑی میں بیٹھے رہنے کے بعد جب انہوں نے دروازے پر کھڑے دربان کو اونگھتے ہوئے دیکھا تو دونوں الرٹ ہوئے۔ مکھٹ چہروں پر چڑھا لیے، اور سہراب گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ گاڑی کے شیشے پر جھک کر اس نے عالمگیر سے سامان سنبھالنے کو کہا اور خود دروازے کی سمت بڑھ گیا۔ جہاں دربان کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔

سہراب نے جیب سے عطر کی ڈبیا جتنی چھوٹی شیشی برآمد کی، ساتھ ہی جیب سے ایک رومال نکالا اور اب وہ کلوروفوم کی ہلکی سی مقدار رومال پر ڈالے دربان کے سر پر آکر کھڑا ہوا۔ جونہی کرسی پر بیٹھے دربان نے ہلکی سی آنکھیں کھولیں سہراب نے اس کی ناک پر رومال رکھ دیا۔ وہ ہلکا سا جھٹپٹایا پھر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور اگلے چند منٹوں میں بے ہوش ہو گیا۔ اگلا مرحلہ آسان تھا۔ اس نے دربان کے ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے سے سی سی ٹی وی توڑ دیا۔ عالم کو گاڑی سے باہر آنے کا اشارہ کیا اور اگلے چند لمحوں میں وہ دونوں گھر کے اندر موجود تھے۔

"اتنا اندھیرا کیوں ہے یہاں؟" بڑے سے ہال میں داخل ہوتے ہوئے عالم سرگوشی نما انداز میں بولا۔ ساتھ بوٹوں کے بل گھوم کر اطراف کا جائزہ لیا۔

"ڈسکو لائٹس چاہیئے تھیں تو کسی نائٹ کلب جاتے۔" سہراب نے مین سوئچ کے بٹن بند کرتے ہوئے سارے گھر کی بتی گُل کی۔

"تمہارا حُسن کسی کلب ڈانسر سے کم ہے کیا؟ جلوہ دکھاؤ نا اپنا۔" سہراب نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ماسک سے اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ جن میں تنبیہہ تھی۔ عالمگیر زبردستی ہنسا پھر اس کے دونوں کندھوں پر زور دے کر اس کا رخ واپس دوسری طرف پھیر دیا۔ "پھر کبھی سہی۔ غصہ کیوں ہوتے ہو؟"

ہال سے گزر کر زینے پھلانگ کر وہ دونوں اوپری کمروں کی طرف آئے۔ سہراب یمن کسی ہوم آفس کی تلاش میں تھا جس کے لیے اسے دروازے کھول کر چیک کرنے کی ضرورت تھی۔ اوپری منزل پر تین کمرے تھے جن میں سے دو وہ دونوں کھنگال چکے تھے اور اب سہراب تیسرے کمرے کو ہلکا سا کھول رہا تھا۔ ماسک کے پار اس کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔ یہ ہوم آفس ہی تھا۔ صابرہ میز پر سر ٹکائے سو گئی تھی۔ اس کا لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا اور کاغذات کچھ فرش پر کچھ میز پر بکھرے تھے۔

دیواروں پر اونچے ریک بنے تھے۔ ایک طرف میز اور کرسی رکھی تھی۔ کاغذات اور فائلز کے انبار تھے۔ سہراب نے ابھی اندر قدم رکھا ہی تھا کہ صابرہ نے سر اٹھایا، مندی مندی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھا تو پہلے چونکی پھر وہ بے اختیار چیخی۔

"کون ہو تم اندر کیسے آئے؟ ....." بجلی کی سی تیزی سے اس نے دراز کھولا اور چھوٹی سی پسٹل باہر نکالی، سہراب نے ہاتھ اٹھا لیے، عالمگیر نے اس کی تقلید میں ہاتھ سرینڈر کرنے والے انداز میں اوپر اٹھائے۔

"کون ہو تم؟ کیا چاہیے؟ ہلنا مت ورنہ گولی چلا دوں گی۔" سہراب جتنا سمجھتا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ نڈر ثابت ہوئی تھی۔ "اندر کیسے آئے تم؟ کس نے بھیجا ہے تمھیں؟" چہرے پر آئے بال ہٹاتے وہ سختی سے پوچھ رہی تھی۔ پستول پر گرفت خاصی مضبوط تھی۔ وہ دونوں کچھ نہیں بولے بس ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے رہے۔ "جو بھی ہتھیار ہے نیچے پھینک دو۔"

”اوکے اوکے.... “ سہراب لہجہ بدل کر بھاری آواز میں بولا۔ایک لمحے کو تو عالمگیر بھی اس کا لہجہ پہچان نہیں سکا۔”میں پھینک رہاہوں.... “ایک ہاتھ یونہی اوپر اٹھائے اس نے دوسرا ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالا اور چھوٹی سی پاکٹ نائف کے ساتھ شیشے کی ایک ڈبیا نکال کر اس کے پیروں کی طرف اچھالی۔صابرہ نے ایک نظر اسے دیکھا،دوسری نظر فرش پر اور۔۔۔۔

اگلے ہی لمحے وہ حلق کے بل چیخ رہی تھی۔شیشے کی ڈبی سے مختلف کیڑے نکل نکل کر اس کے پیر اور ٹانگوں پر تیزی سے چڑھتے جا رہے تھے۔کچھ دیر قبل جو عورت بے خوفی سے بندوق تانے کھڑی تھی اب وہ بندوق نیچے پھینکے اچھل رہی تھی۔ثابت ہوا کہ سہراب بہادر نہیں ذہین بھی تھا۔

اسی اثناء میں عالمگیر آگے بڑھا اور کلوروفوم والا رومال اس کے منہ پر رکھ دیا۔صابرہ چند پل جھٹپٹاتی رہی پھر بے دھم ہو کر اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔عالم نے اسے احتیاط سے کرسی پر لٹایا،اس کا چہرہ واپس میز پر رکھا اور سہراب کو دیکھا۔آنکھوں میں فخریہ سی چمک تھی۔

”ہور کچھ ساڈے لائق؟(میرے لیے اور کوئی کام؟)“ماسک اتارتے بڑی دلکشی سے سینے پر ہاتھ رکھتے سر جھکایا۔

”اس کا شوہر اسے بلانے کسی بھی وقت آ سکتا ہے،عالم۔جلدی کام کرنے پڑے گا۔بس اس تک آواز نہ گئی ہو۔“سہراب تیزی سے آگے آیا اور ٹارچ کی روشنی سے فائلز کا انبار دیکھنے لگا۔”کیا بکواس ہے بندہ سال یا کیس کی نوعیت ہی درج کر دیتا ہے۔“اس نے کئی فائلز اٹھا کر فرش پر رکھیں تو مٹی کا ڈھیر اڑا۔عالم نے سرعت سے رومال سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ہونہہ مٹی۔

”ان ساری فائلز کو تم چیک کرو جلدی کرو،عالم۔“اس نے آدھی فائلز عالم کی طرف سرکائیں اور آدھی اپنی طرف کیے نیچے بیٹھ گیا۔

”سہراب.... “یکلخت عالم نے اسے پکارا۔ اس کی آواز کہیں دور سے آرہی تھی۔ سہراب نے تیزی سے فائل کے ورق پلٹتے اس پر نگاہ ڈالی اور پھر وہ نگاہ ہٹا نہیں سکا۔ عالمگیر رومال کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ”میں نے یہ سونگھ لیا، سہراب۔“ یہ ادراک کا وقت تھا۔ ایک لمحے کو تو سہراب بھی شل رہ گیا۔ عالمگیر لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ وہ مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو اس وقت تک بے ہوش ہو چکا ہوتا کہ کلوروفوم کی مقدار کافی تھی۔

”لعنت ہو تم پر، عالمگیر۔“ سہراب کا بس نہ ہوا کہ اپنی پستول کی ساری گولیاں عالم کے دماغ میں اتار دے۔ یا پھر ابھی اسی وقت اس کا گلا دبا ڈالے۔

”سہراب میرا سر گھوم رہا ہے کچھ کرو.... “ وہ ریک کا سہارا لیتے ہوئے نیچے بیٹھ گیا۔ سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ابھی سہراب کچھ کہتا کہ دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔

”صابرہ دروازہ کھولو۔“ بے ہوش پڑی صابرہ، نیم بے ہوش عالمگیر، فائلز کا کھلا ہوا انبار اور دروازے پر آتی صدا۔ سہراب کو بے اختیار احساس ہوا کہ چور پولیس کھیلنے کے لیے اس نے غلط عمر چن لی، یا شاید غلط ساتھی؟

★★★★★

”جلال بٹ، صبیحہ علی کی خادم، بمع یمن خاندان کے ساتھ ملاقات۔“

وہ دونوں جس وقت دفتر پہنچے دفتر کی چھٹی میں آدھا گھنٹہ رہ گیا تھا۔ صبیحہ اور جلال کافی دیر سے کرسیوں پر بیٹھے اپنے سامنے براجمان دونوں یمن کو دیکھ رہے تھا جو ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے یوں بیٹھے تھے جیسے اس دفتر کی ملکیت ہی ان کی ہو۔ بھورے رنگ کی در و دیوار والے دفتر میں عناد اور سازش کی بُو بھر گئی تھی۔

”آپ کو پورے شہر میں یہی دو لوگ ملے تھے انکل؟“ وہ کافی دیر سے جو اشتعال دبائے بیٹھی تھی بالآخر وہ باہر آگیا۔ لہجے میں ایسا تنفر تھا جس کی حد نہیں تھی۔ ”ایک وائف کلر ہے جس نے تین معصوم عورتوں کی جان لی ہے اور دوسرا اپنے خاندان کے تمام قاتل اور اغواکاران کا رہنما۔“

"ایک منٹ اغوا؟" عالم بولا۔

"کیوں؟ کیا پنار سکندر کے والد نے اسلان یمن پر اغوا کی ایف آئی آر نہیں کروائی تھی؟ آخری بار دونوں کو ایک ساتھ ہی دیکھا گیا تھا، بھول گئے؟ انکل یہ خاندان نہیں کرمنلز کا ایک جُتھا ہے۔ ایک قاتل، دوسرا اغوا کار اور یہ تیسرا ماسٹر مائنڈ، محافظ۔ اپنے خاندان کے ہر کرمنل کو پروں میں چھپا کر رکھنے والا۔"

"اس دن جب تم سر پھڑوا کر پڑی تھی تو یہی بچا کر گیا تھا تمہیں۔ میں ہوتا تو دو اینٹیں مزید مار کر تمہیں جہنم بھیجتا۔" عالمگیر دانت کچکچا کر بولا۔ سہراب نے اسے گھوری سے نوازا جبکہ جلال بھڑک اٹھا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی میری بیوی سے اس طرح بات کرنے کی؟"

"تم تو زیادہ بولنا ہی مت یہیں سر کھول دوں گا۔ بیوی نہیں آدھی بیوی بولو۔ زندگی کے ہر مقدمے میں تمہیں پیچھے چھوڑا اور اب تمہاری بیوی بھی تمہاری بننے کو تیار نہیں اور وجہ کون ہے؟ عالمگیر افتخار یمن۔"

"ابا آپ نے مجھے اس کے ہاتھوں ذلیل ہونے بلایا تھا؟"

"کیا ابا ابا لگا کر رکھی ہے؟ مرد ہو تو مردوں کی طرح مجھ سے بات کرو۔ ابا کے ہاتھ سے ٹافی لینا کب چھوڑو گے؟"

جلال جواباً کچھ کہتا کہ خادم بٹ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ان کا چہرہ شدت غیض سے سرخ پڑ رہا تھا۔ عالم ان کی سوچ سے زیادہ بدتمیز، خودسر، اور نڈر تھا۔ "سہراب تم اپنے بھائی کی زبان بند کرواؤ۔"

"سوری سر میں آپ کا جونیئر ہوں میرا بھائی نہیں۔ آپ کا بیٹا اسے قتل کرنے کی دھمکی دے گا تو اس کی لاش بچھانے میں سہراب اپنے بھائی کا ہی ساتھ دے گا۔ اور بقول صبیحہ بی بی یعنی آپ کی بہو کے میں ماسٹر مائنڈ اور محافظ تو ہوں ہی۔" اس کے لہجے میں طنز کی آنچ تھی۔

خادم بٹ گہری سانس بھر کر رہ گئے۔ ”صبیحہ آپ کے پاس جو بھی ثبوت ہیں وہ سب آپ سہراب کے ہینڈ اوور کر دیں اور جلال تم اگلے آٹھ ماہ تک عالمگیر کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرو گے۔“

”ثبوت چوری ہو گئے انکل۔“ وہ پشیمان ہوئی۔

”میں ڈھونڈ لوں گا۔“ سہراب اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں سب خود دیکھ لوں گا اور اگر صبیحہ کی ضرورت پڑی تو میں ان سے معلومات لے لوں گا۔ بس ان سے کہیں کہ میرا نمبر ان بلاک کریں۔ کام کے علاوہ ہمارے درمیان کوئی تعلق نہیں کہ آپ میرا نمبر بلاک کرتی پھریں۔“ سہراب نے انگلی اٹھا کر اب جلال کی طرف دیکھا۔ ”اپنی نکیلیں مضبوط رکھو، جلال۔ عہدوں اور سازشوں کے رعب میں میں نہیں آتا میں۔ دوبارہ میرے سامنے میرے بھائی کو دھمکی نہ دینا ورنہ میں زبان سے بات نہیں کروں گا۔“

جلال مٹھی بھینچ کر رہ گیا۔ عالمگیر اور سہراب جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ پیچھے رہ جانے والے دونوں لوگ خادم بٹ صاحب کے اس فیصلے کے سخت خلاف نظر آ رہے تھے اور خادم صاحب کو ہر گزرتے لمحے اپنے باس کے فیصلے پر شک ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایک پیغام لکھا اور اسے بھیجا۔

”یہ دونوں مرد سنبھالنا میرے لیے مشکل ہوتا جا رہا ہے۔“ دوسری طرف کسی نے پیغام پڑھا اور جواب لکھا۔

”دونوں کو سنبھالنا ہے ہی نہیں تم غلط کوششوں میں کیوں لگے ہو؟ انہیں آزاد چھوڑو تاکہ وہ دونوں میرے پسندیدہ مجرمین کو قید کروا سکیں۔“ خادم بٹ گہری سانس بھر کر رہ گئے۔

★★★★★

”سہراب اور شاہ ویر بنگش کا اگلا لائحہ عمل!“

”سیریل کلرز کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔“ کوارٹر کے تہہ خانے میں کئی چیزیں بکھری ہوئی پڑی تھیں۔ سہراب سیاہ بورڈ پر چاک سے لکھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جبکہ پیچھے کرسی پر بیٹھا شاہ ویر بار بار اپنی جماہی روکتے ہوئے غیر سنجیدہ تھا۔

”نمبر ایک: visionary killers وہ نفسیاتی مریض جسے سننے والی آوازیں یا دکھنے والے مناظر قتل پر اکساتے ہیں عموماً ایسا جسے schizophrenia ہو۔ نمبر دو: mission oriented ان قاتلوں کو لگتا ہے کہ لوگوں کو مارنا ان کا مشن ہے اور یہ دنیا میں بھلائی لا رہے ہیں۔ نمبر تین hedonistic اور نمبر چار power oriented........“

وہ لکھتے لکھتے رکا۔ شاہ ویر گال ہتھیلی تلے ٹکائے چھوٹی چھوٹی سانسیں بھر رہا تھا۔ سہراب نے مارکر اس کی طرف اچھالا جو کہ عین اس کے ماتھے پر آ کر لگا شاہ ویر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سہراب سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”پریولج کلر کی اہم بات سنو! یہ باقی سیریل کلرز کی نسبت اکیلا کام نہیں کرتا۔ اس آدمی کے پاس ایک پورا ایک نیٹ ورک ہے۔ جو لوگوں کو ہراساں کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے اور جب آپ ایک پورے نیٹ ورک سے لڑ رہے ہوں تب آپ کارندوں کے درمیان اختلاف پیدا کرواتے ہیں۔ کیونکہ اختلاف جنگ کی شروعات ہے۔“

”ہم اس نیٹ ورک کے درمیان جنگ کیوں کروائیں گے؟“ سہراب بہت ہلکا سا مسکرایا۔

”ضدی بچے کو لڑتے ہوئے دیکھا ہے؟ جو کھلونا اس کے پاس نہ ہو وہ کھلونا بچہ توڑ دیتا ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں "نہ کھیڈاں گا، نہ کھیڈن دواں گا۔ (نہ کھیلوں گا نہ کھیلنے دوں گا)۔“

”یعنی؟“

”یعنی اگلی بار تم اسے شک دلواؤ گے کہ اس کی ٹیم صحیح کام نہیں کر رہی۔“

(جو اس نے کہا ویسا ہی ہوا۔ اگلی بار جب شاہ ویر کو ایک اور بار یونانی طرز کی تحریر والا وہ عجیب و غریب لکڑی کا ڈبہ ملا تو اس بار وہ ہمیشہ کی طرح خوف زدہ نہیں ہوا۔ ڈبہ نہایت عزت و احترام سے کوارٹر لایا گیا۔ وہیں اس کی افتتاحی تقریب ہوئی۔ اس بار سانپ بچھو یا شاہ ویر کی ذاتی ویڈیوز کی یو ایس بی بھی نہیں تھی۔ اس بار خالص خون بھیجا گیا تھا۔ خنزیر کا خون۔ یونانیوں میں شاید اس کے متعلق بھی کوئی myth ہو جسے ان دونوں نے تلاش نہیں کیا۔ وہ

دونوں کافی دیر تک اس کا معائنہ کرتے رہے پھر سہراب نے اس ڈبے کا ڈھکن چڑھا دیا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ ہوا، اور دونوں کو پتا تھا آگے کیا ہو گا۔

اگلی رات شاہ ویر کو ایک انجان نمبر سے کال موصول ہوئی تھی۔ ایک طرف سہراب کو کال پر لیا گیا اور دوسرے موبائل پر اس نے سہراب ہی کی ہدایت پر تین سے چار بار موبائل کے بج جانے کے بعد کال کا جواب دیا۔

"تمہیں میرا تحفہ پسند آیا، پرنس چارمنگ؟" بغیر جذبات کے وہی مشینی آواز۔ اپنے کمرے میں چلائے تیز میوزک کے درمیان شاہ ویر نے بہت مصروف ہونے کی اداکاری کی۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟ سنائی نہیں دیا۔" دوسری طرف کتنے ہی پل کے لیے خاموشی چھا گئی۔ یہ غیر متوقع تھا۔ "ہاں یار میں آرہا ہوں بس پانچ منٹ.... " وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے بہت مصروف ہو۔ "جلدی بولو میں ایک تقریب میں ہوں۔"

"تمہیں آج میری طرف سے کچھ موصول نہیں ہوا؟"

"کس نے آنا تھا تمہاری ماں یا بہن؟" سہراب نے بے اختیار مسکراہٹ چھپائی۔ "کیا موصول ہونا تھا مجھے کچھ نہیں پتا جاؤ اب میرا دماغ خراب مت کرو۔" دوسری طرف وہ شاید متحیر ہوا تھا۔ شاہ ویر نے اگلی کوئی بات سنے بغیر کال کاٹ دی، پھر سوالیہ نگاہوں سے سہراب کو دیکھا۔

"no appreciation "?

"دوبارہ ذاتی وار مت کرنا اسے لگے گا تم ضبط کھو رہے ہو۔" تنبیہہ کر کے فون کاٹ دیا۔ شاہ ویر کلس کر رہ گیا۔)

"کچھ قاتل ایک پیٹرن پر کام کرتے ہیں، کچھ ہر دفعہ کچھ نیا کرتے ہیں۔ کچھ صرف ایک موسم میں قتل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کچھ واقعات سے ٹر گر ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات جو ان کے لیے خوشگوار نہ رہے ہوں۔ یا پھر کچھ ایسا جو ان کو نہ مل سکا ہو۔ پریولج کلر کی بھی ایک سائیکی ہے۔" بورڈ کے آگے کھڑا افسر کہہ رہا تھا۔ "بچپن

میں ان کی ذات پر پڑنے والے اندھیرے ان کے دماغ پر اس قدر حاوی ہو جاتے ہیں کہ جوانی میں بھی وہ اس سے پیچھا نہیں چھڑوا سکتے۔"

شاہ ویر نے سامنے رکھے نوٹ پیڈ پر تین الفاظ درج کیے۔ "ٹراما، برا بچپن = فرسٹریشن!"

"پریویلیج کلر چیزوں میں نشان چھوڑتا ہے۔ مارتے وقت اپنے وکٹم کے سینے اور چہرے پہ ایک ہی طرح کے وار کرتا ہے کیونکہ اسے "نظر" آنا ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے اسے یاد کیا جائے۔ تم اس کی ٹیم کے ساتھ اس کے تعلقات برباد کرنے کے بعد اسے توجہ دینا بند کرو گے تو وہ بوکھلائے گا۔ اپنی ٹیم سے اس کا بھروسہ اٹھے گا، وہ خود منظر عام پر آئے گا اور اگر نہ آیا تو اپنا کوئی نشان چھوڑے گا، یا ارادہ قتل ملتوی کرے گا۔"

"ارادہ ملتوی ہونے سے ہمیں کیا ملے گا؟"

"ٹائم...." سہراب نے ایک ہی لفظ میں بحث سمیٹ دی۔

("شاہ ویر بنگش صاحب کہا جا رہا ہے کہ کوئی سیریل کلر آپ کو مارنا چاہتا ہے، اور آپ کو اس کی طرف سے مسلسل دھمکیاں مل رہی ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟" وہ کسی امریکن ٹی وی شو میں آن لائن مہمان تھا جہاں گورا صحافی اس سے سوال کر رہا تھا۔

شاہ ویر نے مکمل اعتماد کے ساتھ سکرین کی طرف دیکھا۔ "کچھ لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ انہیں توجہ لینے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے اپنانے پڑتے ہیں آپ سب جانتے ہیں میں کرائم فکشن لکھتا ہوں اسی لیے کوئی اٹھ کر میری ہی کہانیوں کا ملغوبہ بنا کر مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ اگر اسے لگتا ہے میں ڈر جاؤں گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔" انٹرویو میں ہونے والی باقی باتیں اس کی اگلی کتاب کے متعلق تھیں۔ کچھ باتیں اس کے سکرین پلے کے بارے میں بھی ہوئیں، ساری توجہ یکدم اس قاتل سے ہٹ کر شاہ ویر پر آ گئی تھی۔

لاہور کے کسی گھر میں بیٹھے، ٹی وی کو تکتے ہوئے کوئی غیر آرام دہ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چبھن بڑھ رہی تھی اور دماغی فشار تیز ہو رہا تھا۔ ذہنی مریض کا مرض بتدریج خرابی کی جانب گامزن تھا۔)

"کافی مل سکتی ہے؟" سہراب نے کچھ کہنے کو منہ کھولا اس سے پہلے شاہ ویر نے فرمائش کی۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے بن رہے تھے شاید وہ صبح صبح کافی کے بغیر یہاں آیا تھا۔ سہراب کچھ دیر چبھتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر وہاں سے نکل گیا۔ قریباً دس منٹ بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کافی کے دو مگ تھے۔ دونوں دھپ سے شاہ ویر کے سامنے رکھے اور خود بورڈ کے سامنے جا کر کھڑا ہوا۔

"قتل کرتے وقت یا تو سیریل کلر طاقت کے نشے میں چُور ہوتے ہیں یا پھر وہ سامنے والے کی آنکھ میں وہ بے بسی ڈھونڈنا چاہتے ہیں جو کبھی انہوں نے محسوس کی۔ سیریل کلر sadistic ہوتے ہیں۔"

"چینی زیادہ ڈال دی آپ نے۔" کافی کا گھونٹ بھرتا وہ بد مزگی سے بولا۔ اس کی نیند اب بھی نہیں اڑی تھی۔ "کونسی کافی استعمال کرتے ہیں آپ؟ یہ تو بہت لوکل سی ہے۔" وہ ہنوز منہ کے بُرے بُرے زاویے بنا رہا تھا۔ پھر سر اٹھا کر سہراب کو دیکھا۔ "گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا؟ ساتھ ہی لے آتے۔"

"بہت کچھ ہے کھانے کو سرفہرست میری پستول، میرے ہاتھوں کے وار، میرا چاقو ہے۔ زہر بھی موجود ہے، تمہیں کیا چاہیے۔ حکم کرو۔"

شاہ ویر زبردستی مسکرایا اور کافی کا کپ ہوا میں بلند کیا۔ "میں فی الحال کافی کے ساتھ گزارا کر لوں گا۔"

"بہت بہتر!" سرد لہجے میں کہہ کر سہراب بورڈ کی جانب متوجہ ہوا۔

"سیریل کلر کا موٹو کیا ہوتا ہے؟" شاہ ویر اب کے دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

"میری ذاتی رائے کے مطابق موٹو اس قتل کا ہوتا ہے جو بقا کے لیے کیا گیا ہو، یا پھر باطل کو ختم کرنے کے لیے۔ سیریل کلرز کے پاس موٹو نہیں جسٹیفکیشن ہوتی ہے۔"

"پریولج کلر کی جسٹیفکیشن کیا ہے؟" وہ بہت سوال کرتا تھا۔

"یہی کہ وہ غریب کی مدد کر رہا۔ خود کو رابن ہڈ سمجھتا ہے اور تم جیسے امراء کی کامیابی اسے غریب بچوں کا حق سلب کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ ان امیر لڑکوں کو مارتا ہے جنہیں کم وقت میں شہرت، پیسہ اور مقام مل گیا ہو۔"

"میری کامیابی میں میرا کیا قصور؟" کافی کا مگ میز پر دھرا رہ گیا۔ یہ طے تھا کہ معیار سے نیچے وہ آنے کا نہیں۔

"میں یہاں تمہارے قصور گنوانے نہیں بیٹھا۔ ہم سیریل کلر کی سائیکی اسٹڈی کر رہے ہیں۔ پریولیج کلر power oriented,اور missionary killer ہے۔ اس کا مشن پورا ہو یا نہ ہو وہ طاقت نہیں چھوڑ سکتا۔ تم "اسے" اس کا "ڈر" اور اس کی "موجودگی" محسوس کرنا چھوڑ دو اور وہ غلطی کرے گا۔"

"اگر نہ کی تو؟"

"تو وہ کچھ وقت کے لیے پیچھے ہٹ جائے گا۔" شاہ ویر کو سمجھ آرہی تھی۔ وہ باقاعدہ سر ہلاتا گیا۔ سمجھتا گیا۔

(اگلے چند ہفتوں میں مختلف واقعات ہوئے۔ شاہ ویر بنگش خوف پیچھے چھوڑ کر مقابلے بازی پر اتر آیا۔ وہ مختلف بیٹھکوں کا حصہ بننے لگا، بغیر کسی محافظ کے وہ کئی محفلوں میں جاتا، اپنی ماں کے ساتھ سیٹ پر کام کرتا، کہیں کسی چائے خانے میں بیٹھ کر لکھتا، انارا کے ساتھ لاہور کے کئی حصے گھومتا۔ اور جب اس قاتل کی جانب سے وہ دھمکی آمیز خطوط موصول ہوتے تو وہ دھیان نہ دیتا۔ غیر شناسا نمبرز سے آنے والی کالز وہ موصول کرنا چھوڑ چکا تھا۔

اس رات وہ نیم غنودگی میں تھا جب اسے اپنی گردن کے قریب چاقو کی نوک محسوس ہوئی۔ شاہ ویر طلال بنگش کی تمام حسیات یکدم بیدار ہوئیں، اس کا ہاتھ تکیے کے نیچے پڑی پستول کی طرف گیا۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

"تمہیں لگتا ہے میں تمہیں مار نہیں سکتا؟" اس کی آواز عجیب سی تھی۔ پچھلی بار سے بے حد مختلف۔ کیا اسے آوازیں بدلنے کا فن آتا تھا؟ "میں ابھی کے ابھی تمہیں مار کر تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہوں تمہیں میری صلاحیتوں پر کوئی شک ہے؟"

شاہ ویر کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس کا ایک پسینہ آ اور دوسرا جا رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں بلا کی اداکار آنکھیں تھیں بغیر اس کی اجازت کے ان میں تاثر آئے تو بے موت مرے۔ "نہ میں موت سے ڈرتا ہوں، نہ تم سے۔ میں تم سے کیوں ڈروں گا؟"

دماغ بڑی گندی شے ہے پھر جائے تو جگہ پر آتے آتے عمر لگ جاتی ہے، اور اس وقت سامنے والے کا دماغ پھر چکا تھا۔ اس نے ہلکے سے زخم کے بعد چاقو ہٹا لیا۔ آنکھیں بے حد مختلف ہو گئیں۔ سپاٹ اور عجیب۔ انتقامی بھی۔ "تم اب انتظار کرنا، بہت جلد تمہاری آنکھوں میں وہ خوف ہو گا جو میں چاہتا ہوں۔ بہت جلد۔"

وہ کہہ کر چلا گیا۔ شاہ ویر نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کوئی بُو سی تھی جو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ وہ شل رہ گیا۔ ناکارہ۔ معذور۔ شاید وہ بے ہوشی کا سامان تھا۔)

"میں بچ جاؤں گا؟" اس نے سہراب سے پوچھا۔

وہ رکا۔ فریبی نظروں سے مستقبل کے مقتول کو دیکھا۔ "آف کورس!"

★★★★★

"بلا آخر سب smooth ہو گیا۔ میں بہت خوش ہوں۔ کم از کم اس منحوس کلر سے تو جان چھوٹی۔"

کافی کا نیا بڑا سا مگ تھامے اس کے گال تمتما رہے تھے۔ "چھوٹ گئی؟" کہانی کار کے لہجے میں کوئی طنز تھا۔

"کیا نہیں چھوٹی؟" وہ مسکرایا اور سر کو ہلکا سا نفی میں ہلایا۔ کافی کا مگ تھامے کھڑی لڑکی ساکت رہ گئی۔

"یہ میری کہانی ہے شریہاں سے ہل جائے تو ختم ہو جائے۔"

★★★★★★★★★★★

"پچیس فروری!"

TT production کے پچیس سال پورے ہونے کی اعزازی تقریب کا تذکرہ سارے لاہور میں چھڑ گیا تھا۔ ٹی ٹی یعنی تمکنت اور طلال بنگش کا بنایا پروڈکشن ہاؤس۔ شوبز اداکار، ہدایت ساز، پروڈیوسرز، لکھاری، سیاست دان، کرکٹرز اور کاروباری شخصیات کون تھا جو اس تقریب کا حصہ نہیں تھا؟

چودہ فروری کو گزرے جیسے مدتیں ہو گئی ہوں۔ شاہ ویر سمیت باقی سب بھی اس قصے کو بھول بھال چکے تھے۔ سفید سلک شرٹ کے اوپر سیاہ کوٹ پینٹ والا مرد مہمانوں کے درمیان کھڑا کسی سے بات کرتے ہوئے چہرے پر وہی اعتماد اور مسکراہٹ لیے ہوئے تھا جو کسی کو بھی چاروں شانے چت کر دینے کے لیے کافی تھی۔ دفعتاً اسے اپنے اوپر کوئی نگاہ پڑتی محسوس ہوئی۔ ایسی نگاہ جو اسی کی متلاشی تھی۔ ایسی نگاہ جو اسے محسوس ہو جاتی تھی، جس میں کوئی اپنائیت تھی اور محض اسی کے لیے۔

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور پلٹ کر دیکھا۔ چاند جیسے سفید رنگ کی ساڑھی جس کے کٹاؤ دار بارڈر پر سنہری کام ہوا تھا اس کا پلو شانے سے آگے کیے۔ پلو کی نوک انگلی میں تھامے وہ آس پاس دیکھتی شاہ ویر ہی کی طرف آ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح لمحوں کے اندر اندر اسے حفظ کر گیا۔ اب اگر اب کوئی اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے اور پوچھے کہ انارا طارون آج کیسی لگ رہی تھی تو وہ بند آنکھوں کے ساتھ بھی بتا سکتا تھا۔

اس کے لمبے بال جوڑے میں مقید تھے۔ دو لٹیں گالوں پر جھول رہی تھیں۔ میک اپ ہلکا تھا اور ہمیشہ کی طرف بلش آن تیز۔ کانوں میں ننھے ٹاپس، ہتھیلی میں مردانہ زنجیر جسے دو بار بل دیا گیا تھا کیوں؟ اس کی کہانی پھر سہی۔ ناک کی بالی چاندی کے رنگ کی تھی، گلے میں نازک سی چین، اور ہیزل آنکھیں متلاشی۔

”اس کے ساتھ دو اور آدمی بھی ہیں انہیں بھی دیکھ لو۔“ تمکنت بنگش اس کے کان کے پاس جھکی۔ شاہ ویر بغیر اس کی طرف دیکھے آراہ، یافث اور عالمگیر کے قریب آ کر رکا۔ عالم سے ہاتھ ملایا گلے ملنے کی ضرورت دونوں نے محسوس نہیں کی۔ یافث البتہ گلے ملا۔

”آنے کے لیے بہت بہت شکریہ۔“ اس نے عالمگیر سے کہا۔ وہ جواباً بے زاری سے یہاں وہاں دیکھتا رہا۔ سرمئی رنگ کے مہنگے تھری پیس میں اپنی ازلی وجاہت کے ساتھ وہ لمحوں کے اندر اندر نظروں میں آ گیا تھا۔

”یہ ڈرامہ کب تک ختم ہو گا؟ آراہ کو لے کر آ گیا ہوں لیکن زیادہ وقت رُکوں گا نہیں۔“ یافث کے کان میں بڑبڑایا جس نے ٹہوکا دیتے اسے چپ ہونے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد عالم ذرا فاصلے پر کھڑا اپنے کسی ساتھی وکیل سے بات کر رہا تھا۔ شاہ ویر انارا کے ساتھ ایک میز کے گرد لگی کرسیوں پر بیٹھا تھا۔ اور یافث رئیس کے ساتھ تھا۔ ہر طرف مسکراہٹیں، روشنی اور خوشبو تھی۔

”اچھے لگ رہے ہو۔“ اس پر نگاہیں جمائے آراہ نے مدھم لہجے میں کہا۔ شاہ ویر بنگش بلا ارادہ مسکرایا۔ برقی قمقمے ان کے سروں پر سایہ کیے ہوئے تھے۔

”تمہارے حسن کا مقابلہ پھر بھی نہیں کر سکوں گا۔“

”کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں سب کہتے ہیں تم زیادہ خوبصورت ہو۔“ وہ مسلسل اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ اپنا آپ "بہت زیادہ" لگ رہا تھا۔ شاہ ویر سامنے تھا ورنہ وہ ابھی آئینہ دیکھتی۔

”لوگوں کے پاس میری والی نظر نہیں ہے، آراہ۔“ اس کی باتیں، اور انارا کو مکمل اپنی توجہ کا مرکز بنا لینا وہ ہر دفعہ کی طرح لمحوں کے اندر اندر آرام دہ ہو گئی۔ ”سہراب چاچو کیوں نہیں آئے؟“

”وہ اب تک ناراض ہیں۔ کتنا وقت ہو گیا ہے ہماری بات پکی ہونے کے بعد وہ مجھ سے بات نہیں کرتے۔“ وہ دلگرفتگی سے بولی۔ شاہ ویر کے دل کو کچھ ہوا۔ ”میں چاہتی تھی سب ٹھیک سے ہو جائے لیکن یہاں کچھ بھی مکمل نہیں ہوتا لیکن شاید مجھے کبھی کچھ مکمل نہیں ملے گا۔ تم مل گئے تو چاچو کو کھو دیا۔“ وہ رنجیدہ تھی۔

”انہیں میری وجہ سے کچھ تحفظات ہیں یقین کرو کچھ وقت تک وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم ان کی فکر کرنا چھوڑ دو۔“ وہ کچھ بولی نہیں بس شاہ ویر کو ایک حوصلہ افزاء مسکراہٹ سے نوازا اور اپنے سفید پوٹلی پرس میں کچھ تلاش کرنے لگی۔ اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی آسمانی رنگ کی مخملی ڈبیا تھی۔

”یہ میرا پہلا اور آخری ڈیزائن ہے۔ میں سخن ساز چھوڑ کر آئی ہوں۔“ شاہ ویر نے متحیر ہو کر اسے دیکھا۔

”چھوڑ دیا؟ لیکن کیوں؟“ اس نے ڈبیا کھولی تو اندر سے ایک چھوٹا سا بروچ نکلا۔ تاج کا ایک بروچ۔ جو سیاہ تھا اور اس میں سفید نگینے جڑے تھے۔ ان کی طلائی چمک بے حد روشن اور خوبصورت تھی۔

”تمہارے لیے۔ تمہیں پسند نہیں تھی نا میری جاب۔“ شاہ ویر کو ایک بار پھر اسے دیکھنا پڑا۔ آراہ نے ہنستے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ پس منظر میں اسے ایک منظر یاد آ رہا تھا۔

”آراہ بات سنو....“ شاہ زید نے اسے پکارا۔ آراہ مڑی، سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ یہ اس دن کا ذکر ہے جس دن شاہ ویر اور انارا کی بات پکی ہوئی تھی۔ بنگش خاندان گھر کی طرف روانہ ہونے لگا تھا جب زید کو کچھ یاد آ گیا۔ ”تم یہ عورت مارچ وغیرہ میں جاتی ہو نا؟ شاہ ویر بتا رہا تھا تم کوئی سوشل سروسز والی این جی او کے ساتھ ہوتی ہو؟“

”میری دوست وہاں کام کرتی ہے ان کے پاس کبھی والنٹیئرز کم پڑ جائیں تب مجھے ساتھ لے جاتے ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”پرفیکٹ۔ اچھا اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایک جگہ فٹ کروا سکتا ہوں۔ میری دوست ہے اس کی بھی ایک سوشل سروسز کی مہم ہے۔ عورتوں کے حقوق وغیرہ پر بات کرتی ہے۔ اس کے پاس والنٹیرز کی کمی ہے تمہاری بات کروں؟“

”ہاں اب تم اسے نئی خرافات میں گُھسا دو۔“ شاہ ویر ناگواری سے بولا۔ ”آراہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”مجھے بھی پتا ہے آراہ تمہیں کتنی گھاس ڈالتی ہے۔“ زید نے شاہ ویر سے کہا پھر آراہ کی طرف مڑا۔ ”آراہ میں تفصیلات بھیج دوں گا۔ جوائن کر لینا۔ بعض مرتبہ میں بھی وہاں ہوتا ہوں۔“

”اوکے!“ وہ خوش دلی سے بولی۔

”سو تم میری بات نہیں مانو گی؟“

”کون سی بات؟“

”میں نے تم سے کہا تھا تم ان خرافات میں نہیں پڑو گی۔“ آراہ کو یاد تھا۔ اس نے ایسا کب کہا تھا۔

”یہ پرفیکٹ ہے۔“ بروچ کو سینے پر لگاتے ہوئے اس نے ستائش سے کہا۔ آراہ بہ وقت حال میں آئی۔

”اس میں ہزار خامیاں ہیں، شاہی۔“

”تم نے بنایا ہے تو اس کو سب معاف ہے۔“ وہ اپنے سابقہ انداز میں بولا۔ ”تم نے زید کی پیشکش قبول کر لی کیا؟“

”جیسے کہ تمہیں نہیں پتا۔“

”تمہارے منہ سے سن کر اچھا لگے گا۔“ اس نے موبائل کا کیمرہ کھولا اور اپنی کرسی اٹھا کر آراہ کے ساتھ رکھی۔ موبائل اونچا کیے اب وہ اس کے ساتھ تصویر لے رہا تھا۔ تمام لوگ اسی طرف دیکھنے لگے۔ ”تھوڑا سا مسکراؤ۔“

”لوگ دیکھ رہے ہیں، شاہی۔“

”جب پوسٹ کروں گا تب اور لوگ دیکھیں گے۔“ اس نے تین سے چار تصاویر لیں اور اگلے ہی لمحے وہ انہیں پوسٹ کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ تصاویر اس رخ سے تھیں کہ آراہ کا مکمل چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے بعض دفعہ حیرت ہوتی تھی وہ کیسے، کس انداز سے اسے اپنا محور بنالیا کرتا تھا؟ وہ جب سے آئی تھی اس نے اپنے علاوہ شاہ ویر کی توجہ کہیں بٹتی محسوس نہیں کی۔

”زید کہاں ہے؟“ آراہ نے سوال کیا۔ شاہ ویر اب موبائل کے کیمرے کا رخ اس کی طرف کیے اس کی تصاویر بناتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے یاد آرہا تھا زید کہاں ہے؟

”تم اتنی بڑی پارٹی چھوڑ کر کہیں جارہے ہو؟“ شاہ ویر اس پر برس رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں زید کا سوٹ تھا۔ جو تھوڑی دیر قبل ڈیزائنر سے آیا تھا۔

”میرا جانا بہت ضروری ہے، ویر۔ میرے مخبر کو شکیل کے گھر سے فنگر پرنٹس ملے تھے، ان کا رزلٹ آگیا ہے۔“

”اس قتل کو ڈیڑھ ماہ ہوگیا ہے اب کیا حاصل ہوگا؟“

”فنگر پرنٹس پولیس کے پاس تھے اور رزلٹ بھی۔ میرے آدمی نے چرا لیے ہیں مجھے جانا ہوگا یار۔“ وہ اپنے سامان اٹھاتے ہوئے تیز تیز بول رہا تھا۔ انداز میں عجلت تھی۔ ”شاید وہ قاتل کے ہوں۔“

”مدیحہ ساتھ جائے گی؟“ اسے پتا تھا کرنی زید نے اپنی ہی ہے۔

”نہیں صرف میں جاؤں گا۔ سنبھال لینا بھائی۔“ دونوں ہاتھوں میں شاہ ویر کا چہرہ بھر کر اس کا ماتھا چومتے وہ ہمیشہ کی طرح اسے پگھلا گیا۔ اس وقت وہ یہ نہیں جانتا تھا اب سنبھالنے کو سارے کام اس کے ہونے والے ہیں۔

”ایک کام سے گیا ہے بس آتا ہی ہو گا۔“ اس نے مبہم سا جواب دیا اور ایک بار پھر کیمرے میں اس کی تصاویر اتارنے لگ گیا۔ ”تم اس طرف دیکھو میں تصویر بناؤں گا۔“ وہ آراہ کو ترچھے رخ پر دیکھنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ سنتا تو وہ بھی کسی کی نہیں تھا۔

★★★★★

وہ بڑی دلجمعی سے اپنے ساتھی وکیل سے اس کے نئے مقدمے کا قصہ سن رہا تھا۔ عالم ٹھہر ٹھہر کر کوئی تبصرہ بھی کر دیتا۔ جوش وخروش سے اسے اپنی بات بتاتے ہوئے وکیل یکدم رکا۔ عالم کے ماتھے پر کنپٹی کے قریب لگے ایک زخم کو دیکھا جو کہ بھر گیا تھا مگر ٹانکوں کے نشان تھے۔ جو کہ تازہ معلوم ہوتے تھے۔

”جیل میں پٹتے رہے ہو کیا، عالم؟“ گلاس انگلیوں کے درمیان گھماتے وہ محظوظ سا پوچھ بیٹھا۔

عالم نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ دو انگلیوں سے کنپٹی کو چھوا۔ اسے بے اختیار بہت کچھ یاد آیا۔ ”پٹا تو ہوں لیکن جیل میں نہیں، پولیس افسر سے۔“

”اتنی جرات کس افسر کی ہو گئی؟“ سامنے والے نے جوس کے گھونٹ بھرے۔ عالم نے ایک بار پھر کنپٹی کو چھوا اور وقت کے پروں پر ماضی کا سفر کرتے وہ ایک بار پھر صابرہ کے گھر میں موجود تھا۔ جہاں دروازہ بج رہا تھا، عالم کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں، سر چکرا رہا تھا اور سہراب ہراساں نظروں سے اپنے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ اس کا دماغ بجلی کی سی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اسے جلد از جلد سب ترتیب دینا تھا۔ وہ پکڑے جانے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔

”عالم ہوش میں رہو.... ادھر دیکھو میری طرف گرنا نہیں ہے۔“ وہ اسے بازوؤں سے جھنجھوڑ رہا تھا۔ دروازے پر ہوتی صدا بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔

”سہر.... سہراب .... کچھ کرو..... پلیز مجھے بے ہوش نہیں... ہونا۔“ اس کے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہونے لگے۔ اس نے ریک کا سہارا لیا تو لڑکھڑا گیا ساتھ ہی ریک میں رکھی کوئی اعزازی ٹرافی نیچے آکر دھڑام سے گری اور دوسری طرف صابرہ کا شوہر چوکنا ہوا۔

”صابی؟“ سہراب نے بے اختیار اپنا ماتھا مسلا۔ آنکھیں کراہ کر میچ لیں۔ ”صابی؟ تم ٹھیک ہو؟ یہ آواز کیسی تھی۔ کون ہے اندر۔ دروازہ کھولو صابی ورنہ میں توڑ دوں گا۔“ وہ اب فیصلہ کن انداز میں بولا تھا۔ ”صابی؟“

”سہراب۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ سہراب۔۔۔۔“

”میرا نام لینا بند کرو، عالم۔“ وہ دانت پیستے ہوئے دبی دبی آواز میں غرایا۔ ساتھ وہ رومال ڈھونڈنے لگا تاکہ عالم کو پورا بے ہوش کرسکے مگر ریک کی گری ہوئی فائلز میں وہ کہیں دب کر رہ گیا تھا۔ اُف اُف اُف۔

”میں چابی لے آیا ہوں صابی، ڈونٹ وری۔“ آواز دوبارہ آئی۔

”سہراب۔۔۔“ اس کے اگلے الفاظ اس کے حلق میں رہ گئے سہراب نے اس کا سر ریک میں دے مارا تھا۔ وہ جو نیم غنودہ تھا اس کی آنکھیں چند پل وا رہیں اور اب وہ مکمل بے ہوش ہو کر گر چکا تھا۔ اس لمحے سہراب کو اندازہ ہوا عالم محض ایک اندھا دھند پیسہ کمانے والا کارپوریٹ لائیر تھا، کوئی کرمنل یا پولیس افسر نہیں اس نے واقعی ایک غلط ساتھی چن لیا تھا۔

سہراب نے عالمگیر کے چہرے پر واپس وہی مکھوٹا چڑھایا، اپنی پستول ہاتھوں میں پکڑلی اور دروازے کی طرف بڑھا جیسے ہی صابرہ کے شوہر نے چابی گھسا کر دروازہ کھولا سہراب نے برق رفتاری سے اس کا بازو مروڑ کر پیچھے کرتے ہوئے اس کی پیشانی دیوار سے لگا دی۔ اور جیب سے ایک رسی نکالتے ہوئے اس کے ہاتھ پشت پر باندھے، وہ ذرا سا ہلا تو سہراب نے کہنی اس کی پیٹھ پر دے ماری۔ نوارد بلبلا کر رہ گیا۔ خوف کے مارے اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

”کون ہو تم؟ میری بیوی کے ساتھ کیا کیا ہے تم نے؟“ اس کے دونوں ہاتھ باندھتے سہراب نے اسے گھٹنوں کے بل بٹھایا اور فرش پہ گرا صابرہ کا دوپٹہ کستی سے اس کی آنکھوں کے گرد باندھ دیا۔ ساتھ جیب سے نیا رومال اور کلوروفوم کی ڈبی نکالی۔ وہ اب کچھ بھی دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں میاں بیوی اپنی اپنی جگہ بے ہوش تھے اب اگر ان کی خیریت معلوم کرنے ان کی اولادیں آ گئیں تو سہراب کیا کرے گا یہ اسے پتا بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا جانتا تھا کہ رحم اسے ان پر بھی نہیں آئے گا۔

واپس ریکس کی طرف آتے اس نے مطلوبہ فائلز آدھے گھنٹے کی سر توڑ کوششوں سے برامد کیں۔ ہر فائل کے ہر صفحے کی تصویر اتاری۔ جس میں مزید وقت لگ گیا اور اب صابرہ کے وجود میں ہلکی سی جنبش ہو رہی تھی۔ سہراب نے فائلز واپس رکھیں۔ اور کوئی غیر ضروری فائلز اٹھا لیں۔ وہ جن پر آج کل صابرہ کام کر رہی تھی۔ تاکہ اس کا شک جوہر فور زیرو یعنی سہراب پر نہ جائے۔ (ذہین)

جیب سے اس نے ایک چھوٹی سی پڑیا نکالی جس میں مٹی تھی ہتھیلی پہ وہی مٹی رکھ کے اس نے پھونک مارتے ہوئے ان فائلز پر گرائی تاکہ صابرہ یا اس کا شوہر جب ان فائل کو دیکھیں اور ان پہ چڑھی مٹی دیکھیں تب انہیں یہی محسوس ہو کہ ان فائلز کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی۔ (ذہین حصہ دوئم)

اگلے چند لمحے تیز رفتار تھے سہراب عالم کو اپنے کندھے پر ڈالے نیچے گاڑی تک لے گیا، پھر وہ واپس آیا۔ جہاں جہاں اس کے ماتھے سے نکلتا خون گرا تھا اسے صاف کیا۔ صابرہ ہوش میں آ گئی تھی البتہ اس کے جسم میں سانس اب بھی نہیں تھا۔ سہراب نے اسٹڈی کا دروازہ لاک کیا اور اپنے ہاتھوں کو دیکھا جہاں اس کے چھوٹے بھائی کا خون تھا۔ اسے کچھ چبھا۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ہر طرح سے فاتح یاب ہوا مگر یہ شکست تھی۔ عالم کو تکلیف دینا اس کے منصوبے کا حصہ نہیں تھا۔ وہ کس طرح بار بار اس کا نام لے رہا تھا سہراب کا دل جلنے لگا۔

حال میں عالم کے لبوں پر ہلکی سی افسردہ مسکراہٹ تھی۔"ہے ایک افسر اس کو میں نے اجازت دے رکھی ہے۔" وہ ہنوز مدھم مسکراہٹ کے ساتھ شائستگی سے کہہ رہا تھا۔"اور بتاؤ رضا ربانی کے مقدمے کا کیا بنا؟" اس کا ساتھی اب کچھ بتا رہا تھا۔ عالم مکمل توجہ سے سن رہا تھا مگر بس چند لمحوں تلک.... کیونکہ چند لمحوں بعد اسے تاجور کی ایک جھلک نظر آئی تھی بس ایک جھلک اور سب ابتر ہو گیا۔ اس کا مزاج بھی، اس کی نظر بھی اور توازن پر آئی ماضی کی تکلیف بھی۔

★★★★★

"آراہ میں کچھ سوچ رہا تھا۔" اسے کافی لوگوں سے ملوانے کے بعد وہ آراہ اور اپنے لیے جوس کا گلاس لیے ایک طرف آکر کھڑا ہو گیا۔ یہاں موسیقی کی آواز کم آرہی تھی اور روشنیاں بھی قدرے مدھم تھیں۔"تم اور میں نیو یارک شفٹ ہو جائیں؟" وہ گلاس لبوں تک لے جاتے رکی۔ بے آرمی سے اسے دیکھا۔"میں سوچ رہا تھا، ہم دونوں شادی کر لیتے ہیں۔ چھوٹا سا ایونٹ کریں گے اس کے بعد ہم امریکا چلیں گے۔" شاہ ویر نے اس کے گالوں پر جھولتی ایک لٹ اس کے کان کے پیچھے اڑسی جو بار بار چہرے پر آتی اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔"میں ڈر گیا ہوں، آراہ۔ لگتا ہے کہ اس بار جاؤں گا تو واپسی پر تم میرے لیے نہیں ہو گی۔ کیا تم میرا یہ خوف ختم کر سکتی ہو؟"

"تم نے سب کچھ اپنی طرف سے طے کر لیا؟"

"تم سے ڈسکس کر رہا ہوں۔ طے کیا ہوتا تو پوچھتا نہیں۔ تم میری اجازت کے بغیر ان سوشل ورکرز کے ساتھ چلی گئی تھیں میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ تم نے ضارم کو پستول بھی واپس نہیں کی۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"کیا تم میری جاسوسی کر رہے ہو؟" اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ شاہ ویر گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے آراہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کے سامنے کیا جہاں ہیرے کی انگوٹھی جگمگ کر رہی تھی۔

"میرے نام کی انگوٹھی پہن کر کھڑی ہو اور اب بھی تمہارا شک ختم نہیں ہو رہا؟"

”اتار دوں تو اور کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہن لو تو؟“

”ہے ہمت تو اتار کر دکھاؤ اگلی بار جس کے نام کی انگوٹھی پہنو گی نہ وہ رہے گا نہ اس کا نام، یہ میرا وعدہ ہے۔“ انارا کی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو گھماتے بے حد سہولت سے کہا۔

”کوئی زبردستی ہے؟“

”جو تم سمجھو، میری طرف سے ملکیت ہے۔“ آراہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر شاہ ویر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ”یہ بتاؤ تمہارا بھائی ارسل کیوں نہیں آیا؟“

”ارسل نہیں اسلان۔“ آراہ چڑ گئی۔

”یار وہ زیادہ ملتا ہی نہیں میں اس کا نام بھول جاتا ہوں۔ تم لوگ اس کا دھیان کیوں نہیں رکھتے؟ مجھے وہ کچھ ٹھیک نہیں لگتا۔ he needs help“ آراہ کا وجود سناٹوں کی زد میں تھا۔ بے اختیار کچھ دن قبل کا واقعہ یاد آیا۔

اس رات عالمگیر اسے اپنے ساتھ لعل یمن لایا تھا کہ شاید اس کی بات سن کر اسلان اپنا بلوچستان جانے کا ارادہ ترک کر دے۔ اس کے کمرے کا دروازہ بجاتے ہوئے وہ جب اندر داخل ہوئی تو اسلان آنکھوں پر بازو رکھے چت لیٹا ہوا تھا۔ آراہ پلنگ پر اس کے قریب آ کر بیٹھی۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا کھڑکیوں سے خانوں کی صورت آتی روشنی آراہ کے اوپر گر رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک چپ چاپ اس کے قریب بیٹھی رہی۔

”بھائی؟“ بہت دیر بعد اس نے ہلکی آواز میں پکارا۔ اس کے وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اس نے بازو آنکھوں سے ہٹا کر اسے دیکھا۔ بھوری آنکھوں میں سرخ ڈورے بن رہے تھے۔ یہ کوئی رتجگا نہیں تھا اس کی کہانی کچھ اور تھی۔ آنکھوں میں کوئی ملال پنہاں تھا۔

”پلیز مت جاؤ۔ تم اور میں چاہے ساتھ نہ رہیں لیکن کم از کم ہم ہفتوں اور مہینوں میں ایک دوسرے سے مل تو لیتے ہیں۔ مام ڈیڈ دونوں نے ہمیں چھوڑ دیا تھا۔ میں نے تب سے ان کی طرف نہیں دیکھا لیکن تم....“ کمرے میں اس

کے رونے کی آواز گونجی۔ "میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔۔ مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہو تم؟ میرا قصور کیا ہے؟ اگر میرا کوئی قصور ہے بھی تو تم مجھے معاف کیوں نہیں کر دیتے؟" اسلان چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی ابھری اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ روشنی اب آراہ پر آدھی پڑی، آدھی اسلان کی پشت پر۔

"میں تم سے نفرت نہیں کرتا، آراہ۔" کتنا عرصہ بعد وہ انارا طارون نہیں کہہ رہا تھا۔ آج اس کے لہجے میں کوئی حقارت بھی نہیں تھی۔ بہت عرصہ بعد وہ چند برس قبل والا اسلان یمن لگ رہا تھا۔ پنار کی گمشدگی سے قبل والا اسلان۔ "ہم دونوں نے ساتھ رہنا تھا ہر نارمل بہن بھائیوں کی طرح۔ لیکن ہمارے ماں باپ نے اپنے اپنے مفادات کی خاطر ہمیں الگ کر دیا۔ زندگی کا وہ فیز گزر گیا اب جو ہے وہ پریکٹیکل ہے۔ دنیا ختم ہو سکتی ہے، کائنات کی جمع تقسیم تبدیل ہو سکتی ہے لیکن میں کبھی تمہارے خلاف نہیں ہو سکتا یاد رکھنا۔" انارا چہرہ جھکائے بیٹھی تھی۔

"یہ شادی مت کرو، آراہ۔" منت، التجا، فریاد کیا نہیں تھا اس کے لہجے میں؟ آراہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "تم اس خاندان میں کبھی خوش نہیں رہ سکو گی۔ ایک جہنم سے نکل کر دوسری جہنم میں مت جاؤ۔ میں اس خاندان کو جانتا ہوں میری بات سمجھو پلیز....."

"کیسے جانتے ہو؟" اس کی بات کاٹ کر وہ پاٹ دار لہجے میں بولی۔ "ایسا کیا ہے جو تم جانتے ہو اور میں نہیں اور ایسا کیا ہے جو مجھے بتایا نہیں جا سکتا؟" اسلان لب کاٹ کر رہ گیا۔ وہ اسے کیسے بتائے اس خاندان نے اسے دو لوگوں کا قاتل بنا دیا تھا۔ اسی خاندان نے اس سے اس کی معصومیت چھین لی اور انہی کی وجہ سے وہ خطاکاروں کی صف میں پہلے درجے پر آ گیا، بزدلوں کی بھیڑ میں یہیں کہیں اور پچھتاؤں کے سمندر میں غرق۔ اپنا ماضی، اپنی غلطیاں زبان پر لانے کے لیے بڑے جگرے درکار ہوتے ہیں۔ جو فی الوقت اس کے پاس نہیں تھا۔

"میں تمہارا بھائی ہوں کیا تم میری ایک بات نہیں مان سکتیں؟"

"میں تمہاری بہن ہوں کیا تم مجھے وجہ نہیں بتا سکتے؟"

”میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔“

”اور میں بس وجہ پوچھ رہی ہوں۔“

”میں نہیں بتا سکتا۔“

”پھر میں رک نہیں سکتی۔“ وہ بس اسے تکتا رہا۔ نمی بڑھ گئی اتنی کہ آراہ کا وجود دھندلا ہو گیا۔ اسی نمی میں کچھ کچھ دل کا حزن بھی تھا۔ ”ہم دونوں کے درمیان رازوں کی یہ دیوار ختم کرو بھائی۔ جو بھی مسئلہ ہے مجھے بتاؤ۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑی رہوں گی۔ کسی نے تمہیں ہرٹ کیا ہے مجھے بتاؤ، کوئی تم پر جبر کرتا ہے مجھ سے کہو۔“

وہ چپ رہا کچھ نہ بولا۔ اس کے پاس چپ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ دفعتاً ایک مانوس سی چاپ اندر داخل ہوئی۔ اس چال کا زعم آج ٹوٹا ہوا تھا۔ کر ختگی غائب۔ وہ دھیرے سے سائیڈ دراز پر آ کر بیٹھا۔ ہاتھ بڑھا کر فانوس روشن نہیں کیا شاید اپنی آنکھوں کی تکان وہ دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اب کمرے میں بس اندھیرا تھا۔

”اگر تمہیں لگتا ہے میں تم پر زور زبردستی کرتا ہوں تو میں اس حساب سے رہنے کو تیار ہوں جیسے تم چاہو۔“ اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی قریبی سے شکست کھائی ہوئی۔ ”اپنی اولاد کیسی ہوتی ہے میں نہیں جانتا لیکن کوئی انسان اپنی اولاد سے بھی اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی میں تم دونوں سے کرتا ہوں۔ مجھے سزا دینا چاہتے ہو تو یہیں رہ کر دو۔ مت جاؤ، اسلان۔“ سہراب یمن کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے اس نے بے حد بھاری اعتراف کیا تھا۔ انکار اسے توڑ دیتا مگر وہ کوشش کرنا چاہتا تھا۔ ”مت جاؤ پلیز۔“

”بہت احسان ہیں آپ کے مجھ پر۔ اگر انہیں اتارنے کے لیے روک رہے ہیں تو رک جاؤں گا۔ اگر محبت میں روک رہے ہیں تو۔“ اس نے سر نفی میں ہلایا۔ ”مجھے آزادی چاہیے۔ آپ سے، اس گھر سے، تمام تعلقات سے۔“ وہ یہ نہیں کہہ سکا اس ذلت بھری زندگی سے، کہنا مشکل ہوتا ہے۔

سہر اب اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ اس کی آنکھیں پڑھنا اس سے زیادہ مشکل امر تھا۔ کسی نے اس کے پہاڑوں جیسے حوصلے مٹی مٹی کر دیے اور وہ کسی وہی تھا جسے خون جگر دیا تھا۔ "میں تمہارے بغیر کیا کروں گا؟"

"اس کے لیے مجھے روکنا خود غرضی ہے۔ میں جانا چاہتا ہوں اور میں جاؤں گا، کسی نے مجھے روکا تو میرے رک جانے پر پچھتائے گا یہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔" وہ بغیر ان دونوں کی طرف دیکھے کروٹ کے بل لیٹ گیا۔ بازو سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ وہ جو نمی تھی اب باقاعدے آنسو بن کر چہرے پر پھسلی۔ اسے بہت ڈر لگ رہا تھا اپنے لیے یہ دست برداری، یہ خاندان سے دوری اس نے کیسے چن لی۔

"جاتے ہوئے دروازہ بند کرتے جایئے گا۔" مفاہمت، ملاقات اور منت کا ہر دروازہ اس سنگدل نے منہ پر دے مارا، یا شاید دل پر؟ تکلیف کہاں کہاں سے اٹھی سمجھنا مشکل تھا۔ وہ ایسا کیوں بن رہا تھا آراہ کو نہیں پتا تھا، ایک دور میں وہ ہر غلط کے خلاف تھا، وہ بہادر تھا پھر اب ایسا کیوں؟ اسے وہ دور یاد آیا۔۔

وہ چند دن پہلے ہی پاکستان آیا تھا۔ اپنی پڑھائی اور مشاغل کے درمیان جیسے وقت کہیں اٹک گیا تھا آج وہ وعدے کے مطابق آراہ کے ساتھ اس کی مرضی کی جگہ آیا تھا۔ یہاں آکر وہ جیسے سناٹوں میں گھر کر رہ گیا۔ وہ دونوں اس وقت عورت مارچ کا حصہ تھے۔ لاہور کا ایک بہت بڑا پارک عورتوں اور مردوں کی موجودگی سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ایک طرف چبوترا بنا تھا جہاں اس وقت شام کے شو کی تیاری جاری تھی۔ ساتھ ساتھ کانوں میں کئی عورتوں کی آوازیں پڑ رہی تھیں۔ جو اسپیکر پر بلند آواز میں نعرے لگا رہی تھیں۔

"میری قبر پر لکھنا آزادی، میرے کفن پر لکھنا آزادی۔"

"سیریسلی؟" اسلان نے اپنے ساتھ بیٹھی آراہ کو دیکھ کر پوچھا۔ جو مسلسل ایک نئے انداز میں تالیاں پیٹ پیٹ کر اپنے سامنے ہونے والی پرفارمنس کو سراہ رہی تھی۔ وہ ایسی کئی چیزیں متحدہ برطانیہ میں دیکھ چکا تھا لیکن یہاں پاکستان میں۔؟" ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟"

میں مر بھی جاؤں آزادی، میں مٹ بھی جاؤں آزادی ....دائرے کی صورت بیٹھی عورتیں درمیان میں کھڑی عورتوں کے لیے تالیاں بجابجا کر انکا حوصلہ بڑھا رہی تھیں۔ مرد بھی کافی تعداد میں موجود تھے جو بینرز اٹھائے کھڑے تھے۔ ایک طرف کچھ خواجہ سرا بھی تھے۔

"میں تمہارے ساتھ تمہارے کاموں میں کیوں شامل ہوتی ہوں؟" آراہ نے جواباً سوال ہی کیا اور تالیاں بجاتے ہوئے ان عورتوں کی مزید حوصلہ افزائی کرنے لگی جو چلا چلا کر نعرے لگا رہی تھیں۔

"میں حق اور انصاف کی بات کرتا ہوں جہاں عورتوں کے ساتھ، مردوں، بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ غلط ہو میں وہاں ان کے ساتھ ہوتا ہوں۔ میں یہ نہیں کرتا جو یہاں ہو رہا ہے۔" چند ماہ قبل اسلان نے ایک نجی اینجیو کے ساتھ دیہی علاقوں میں شعور پھیلانے کی مہم میں حصہ لیا تھا آراہ اور وہ دونوں ایک ساتھ جاتے رہے تھے۔ آراہ نے پلٹ کر ناگواری سے اسے دیکھا۔ نعرے اب بدل گئے تھے۔ عورتیں اب بھی بلند و بانگ احتجاج کا حصہ تھیں۔ بعض نعرے حقوق تھے اور بعض مغرب کی نقل۔

"یہاں بھی عورت کے حق کی ہی بات ہو رہی ہے۔"

"عورتوں کے حق کی بات کیا واقعی؟ سامنے دیکھو آنکھیں کھول کر دیکھو....." اس نے ہاتھ کے اشارے سے آراہ کو سامنے دیکھنے کا کہا۔ سامنے تین سے چار عورتیں کھڑی سگریٹ پی رہی تھیں، ان کے لباس مختصر تھے۔ کچھ عجیب سے بے ڈھنگے انداز میں تصاویر کھنچوا رہی تھیں۔ گو کہ تمام کی حالت یہ نہ تھی مگر زیادہ تعداد انہی کی تھی۔

"تم انہیں ان کے لباس کے لیے جج نہیں کر سکتے۔"

"واللہ میں نہیں کر رہا میں انہیں ان کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی شے کے لیے جج کر رہا ہوں۔ آس پاس کیمرے دیکھو یہ سب ریکارڈ ہو رہا ہے اور جب یہ ٹی وی پر آئے گا تب چھوٹے چھوٹے علاقوں کی بچیاں اور ان کے ماں باپ بھی یہ دیکھیں گے اور اسے دیکھنے کے بعد کسی بھی عورت یا مرد پر "فیمنزم" کا کیا تاثر آئے گا تم جانتی ہو؟" دھوپ کی

وجہ سے اس کی رنگت سنہری پڑ رہی تھی۔ ”تمھیں لگتا ہے یہ عورتیں... یہ جو سامنے کھڑی ہیں یہ جن کی آزادی صرف نیم برہنہ ہونا ہے، یا جن کے نعرے محض مغربی آزادی کے ہیں یہ تم عورتوں کا پیغام سارے ملک تک لے جائیں گی؟“ اس نے آراہ کا رخ اب دوسری طرف کیا جہاں کچھ عورتیں ایک گروہ کی صورت ناچ رہی تھیں۔

”ان عورتوں کے پاس وہ تمام بنیادی حقوق ہیں جن کے لیے ملک کی ایک کثیر آبادی ترس رہی ہے۔ تعلیم ہے، خودمختاری ہے، مالی آزادی ہے، freedom of speech ہے۔ یہ عورتیں اپنے لیگل رائٹس سے بھی آگاہ ہیں۔ جس آزادی کو یہ مانگ رہی ہیں کیا یہاں سے کوسوں دور ایک بدحال سے علاقے میں جو تعلیم اور شعور کی کمی سے کمزور ہے وہاں بیٹھی لڑکی بھی کیا یہی چاہے گی۔ ایسے ہی آزادی سے آدھا لباس پہن کر ناچنا یا؟ وہ آگے پڑھنا مانگے گی، کم عمری میں شادی سے انکار مانگے گی، جنسی تشدد سے چھٹکارا مانگے گی۔“ وہ اب تک تاسف سے اس سارے گروہ کو تک رہا تھا۔

”میرے لیے عورت بے حد مقدم ہے کم از کم میں اسے سڑک پر ناچتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔“ اس نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ ”آزادی نہیں ہے، یہ تم جیسی معصوم عورتوں کو ورغلایا جا رہا ہے۔ تمہارے حقوق کہاں کہاں سلب ہو رہے ہیں تم جانتی بھی ہو؟ آدھی عورتیں تو اس بات سے بھی واقف نہیں ہوتیں کہ شادی کے وقت نکاح نامے پر کیا کیا لکھوانا ہے، طلاق کی صورت ان کے حقوق کیا ہیں۔ شوہر کے گھر اس کی ذمہ داریاں کیا اور اس پر ڈالے گئے بوجھ کیا۔“

”عورت سگریٹ پیئے تو غلط، مرد پیئے تو صحیح۔ عورت سڑک پر ناچے تو غلط مرد ناچے تو صحیح۔ مجھے تمہاری ذہنیت پر بہت افسوس ہو رہا ہے۔“ اس نے نخوت سے کہا۔

"تم نے کبھی سگریٹ کا پیکٹ دیکھا ہے؟" اسلان نے مکمل سنجیدگی سے سوال کیا۔ "جب وہاں وارننگ دی جاتی ہے تو ایک "انسان" کے جگر اور گردوں کی وارننگ ہوتی ہے۔ وہاں پر کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوتا کہ مرد پیے تو پھیپھڑے خراب، عورت پیے تو کردار خراب۔ غلط کام کی جنس نہیں ہوتی آراہ۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"صرف یہ کہ تم معصوم عورتوں سے زیادہ اچھے نمائندے سیگریٹ کمپنی کو ملے ہوئے ہیں جو عورت مرد کا نہیں ایک انسان کا سوچتے ہیں۔ بالکل اسی طرح تمہاری، میری اور ہر انسان کی جنگ غلط انسان سے ہونی چاہیے جنس سے نہیں۔"

"تم غلط ہو، اسلان۔" آراہ نے قطعی انداز میں اس کی بات کاٹی۔ اسے کئی سالوں سے اس کی ماں یہاں لا رہی تھی، اس نے ہمیشہ سے یہی سب دیکھا تھا وہ کیوں کسی مرد کی بات مان لے؟ "میرا جسم میری مرضی کا نعرہ عورت اس لیے لگاتی ہے تاکہ اس کو ورک پلیس پر ہراساں نہ کیا جا سکے، اسے اسی کے اسکول کالج میں مرد استاد کی غلیظ نظریں نہ دیکھنی پڑیں، بس اڈے، پارک اور بازاروں میں اسے اس کی مرضی کے بغیر نہ چھوا جائے۔ تاکہ اسے زیادتی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔"

" زیادتی کے لیے آواز یوں خود کو برہنہ کر کے اٹھائی جاتی ہے؟" آراہ ہل نہیں سکی۔ البتہ گردن کڑائے رکھی۔ اسلان نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "ہر چیز کو مانگنے کا ایک طریقہ ہے۔ یہ وہ نہیں مانگ رہیں جو تم چاہتی ہو۔ ان کے لیے وہ priority نہیں جو تمہارے لیے ہے۔ بلندی پر کھڑا انسان اگلے زینے کا سوچتا ہے، پچھلے زینے پر کھڑے شخص سے اس کو کیا لگے۔"

شور کے باعث آواز اس کے کانوں تک نہیں گئی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا آراہ کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ وہ بغیر اس کا ہاتھ پکڑے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اسلان کے ساتھ چلتی ہوئی ذرا فاصلے پر آ کر رک گئی۔ یہاں

آوازیں، نعرے، انقلاب سب معدوم ہو رہا تھا۔ ”ہماری ماں بھی ایسے احتجاج کا حصہ بنتی ہیں بلکہ وہ اس سب کو لیڈ کرتی ہیں تم ان سے تو کچھ نہیں کہتے۔“

”کیونکہ مجھے فرق نہیں پڑتا کہ وہ کیا کر رہی ہیں، یا وہ کیا کرنا چاہتی ہیں۔ پچاس ساٹھ سال کی عورت کو میں کیا سمجھاؤں گا تم اٹھارہ سال کی ہو تم کیا کر رہی ہو کیا سمجھ رہی ہو اپنے ارد گرد کے ماحول سے کیا سیکھ رہی ہو یہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ تم نے آگے ایک نسل کو بھی وہی سکھانا ہے۔“ اس کا لہجہ نرم تھا۔

”اور تم چاہتے ہو میں اپنی نسل کو عورت کے حقوق نہ سکھاؤں؟“ اسلان نے گردن استہزائیہ انداز میں جھٹکی۔

”سکھاؤ ضرور سکھاؤ۔ لیکن یہ کہ عورت کے حق محض مرد نہیں چھین رہا۔ یہ معاشرہ اور اس کے غلط اقدار تمہیں اور مجھے لڑوا رہا ہے۔ ہم لڑ کر بٹ جائیں گے تو کچھ درست نہیں ہو گا ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر کچھ نہیں ہیں۔ تم اور میں ہم میں جنگ نہیں ہے ہم میں سے کسی کے ساتھ بھی ظلم ہو گا تو ہم ساتھ کھڑے ہوں گے۔ جنس کی تفریق نہیں لائے بغیر عورتوں کو ان کے حقوق ملنے چاہیے۔“

میں مر بھی جاؤں آزادی

میں مٹ بھی جاؤں آزادی

عورت کیا چاہے؟ آزادی

میری قبر پر لکھنا آزادی ...... نعرے پھر بلند ہو گئے، اتنے بلند کہ آراہ کا ذہن دوبارہ بٹ گیا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے اور اس نے اسلان کو مصلحت آمیز انداز میں دیکھا۔

”ہم دوبارہ اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔“ یہ بہتر تھا، وہ اس بارے میں کبھی بات نہیں کریں گے اور بات ختم۔ وہ اس دور میں کتنا الگ تھا اور آج کیا بن گیا تھا؟

”آراہ آر یو او کے؟“ اس کے چہرے کی زرد پڑتی رنگت کو دیکھ شاہ ویر نے نرمی سے پوچھا۔ بہ دقت اثبات میں سر ہلاتے اس نے اپنا موبائل دیکھا۔ وہ جب سے گیا تھا کوئی رابطہ نہیں، کوئی پیغام نہیں۔ ایسے جانے والے سے کوئی کیا کہے؟

★★★★★

”تاجور کو جانتے ہو تم؟“ اپنے ساتھ کھڑے عارف کی بات پر وہ چونکا۔ تاج اب اپنی کسی سہیلی سے مل رہی تھی۔ گال ٹکراتے، مدھم مسکراہٹ کے ساتھ۔ روشنیوں میں گھری، مسکراتی ہوئی وہ آج بھی ویسی ہی تھی، لیکن عالم کی نظر بدل چکی تھی۔ وہ تھم گیا۔ لیکن یہ تھمنا کوئی عناد تھا، کوئی انتقام تھا یا شاید ماضی کا سوال یہ سب تھا... بس محبت نہیں۔ وہ ایک چہرہ اسے کیا کیا یاد دلاتا تھا؟

”آج کل یہ ذہنی مریض بن گئی ہے۔ مسز بنگش چھپا رہی ہیں لیکن اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔“ عارف رازداری سے بتا رہا تھا۔ عالم ہل نہیں سکا۔ ”ہر دوسری اداکارہ کی طرح پینتس کے بعد جب اسے اپنی عمر اور کیریئر ڈھلتے نظر آئے تب اس نے بے بی پلاننگ شروع کر دی....“

”اسے بچے شروع سے پسند تھے۔“ عالم بے اختیار بولا۔

”تمہیں کیسے پتا؟“ عارف چونکا۔

”انٹرویو سنا تھا۔“ وہ سنبھل کر بولا۔

”خیر ڈاکٹرز نے اس سے کہا ہے کہ وہ ماں نہیں بن سکتی۔ کتنے برس سے علاج چل رہا تھا لیکن اب تو باقاعدہ سرخ جھنڈا دکھا دیا ڈاکٹرز نے۔ تب سے یہ سیشنز لے رہی ہے لیکن اس کی حالت ہے کہ بگڑتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اب بھی دیکھو چہرہ کیسا عجیب لگ رہا ہے۔ کہیں سے لگ نہیں رہا ہے کہ یہ وہی اداکارہ ہے۔“ عالم منجمند ہو گیا۔ کوئی

سنسناہٹ تھی جو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ محبت نفرت سب ثانوی چیزیں تھیں، اولاد کا غم وہ جانتا تھا۔ اس لمحے اس کے دل کو باقاعدہ دھکا لگا۔ اسے میرال یاد آئی۔

"ایسی بے حیا عورتوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔" عارف نے اضافہ کیا۔ عالم نے پلٹ کر سختی سے اسے ڈپٹا۔

"کسی کو حیادار اور بے حیا کہنے والے تم کون ہو؟ کل اگر تمہارے یہاں بچہ نہ ہوا تو کیا تم بے حیا ہو گے؟"

"میں مرد ہوں۔"

"کردار کی کوئی جنس نہیں ہوتی۔"

"اوکے اوکے کالم ڈاؤن۔ ایسی عورتوں کو ویسے بھی بچوں سے فرق نہیں پڑتا۔"

"ہر والدین کو بچے سے فرق پڑتا ہے۔" اس کا ذہن منتشر ہونے لگا۔ نگاہوں کے آگے میرال کا چہرہ آ گیا۔ وہ سات ماہ کی حاملہ عورت جس کا مردہ وجود اس کے سامنے تھا۔ وہ جو اسی کے سامنے آخری سانسیں بھر رہی تھی۔ وہ مر رہی تھی اور اس کا ہاتھ معدے سے نیچے تھا۔ عالمگیر یمن نے اس روز دو جانوں کو مرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور اس کا دل بھی وہیں کہیں مر گیا۔ وہ فرش پر پڑا خون، دروازے پر ٹکی آنکھیں اس کی زندگی تو وہیں ٹھہر گئی تھی آگے تو کمبخت قدم بڑھے تھے۔

وہ مزید وہاں نہیں ٹھہر سکا۔ کسی فون کال کا بہانہ کر کے وہ ایک طرف نکل آیا۔ یہاں لوگ نہیں تھے۔ برقی قمقموں کی روشنی تھی اور تیز سرد ہوا کے تھپیڑے بھی۔ اس نے ویٹر کو بلوایا اور سگریٹ کا پیکٹ لیا۔ (ایسی تقاریب میں سگریٹ اور شراب کی بہتات ہوتی ہے) نیم اندھیرے میں سگریٹ جلائے وہ سارا دھواں اندر ہی اندر انڈیل رہا تھا۔ شرٹ کے اوپری بٹن کھول دیے۔ ماضی کی ناقدری آسیب کی طرح اعصاب پر حاوی ہوئی۔

ماضی

”مجھے تمہاری مام سے صحیح فیلنگز نہیں آ رہیں۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے آج کچھ غلط ہو گا۔ وہ شاید مجھے پسند نہیں کرتیں۔“ آشیانہ بنگش کے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے عالمگیر نے اپنے پہلو میں بیٹھی تاجور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آس پاس کام کرتے ملازمین آتے جاتے ان دونوں پر ایک نگاہ ضرور ڈالتے تھے۔ کوئی جوڑا یک وقت اتنا خوبصورت، کامل اور ایک دوسرے کے سنگ اس قدر حسین کیسے ہو سکتا ہے؟

”مام کی بیٹی نے پسند کر لیا ہے تو مام بھی کر لیں گی۔“ ہاتھ ہوا میں جھلایا۔ اسی ہاتھ کی چوتھی انگلی میں عالم کی دی ہوئی دو کیرٹ کی ہیرے کی انگوٹھی تھی جو اس نے اپنے پہلے تین مقدموں کی فیس سے دلوائی تھی۔ ”سب ٹھیک ہو گا ڈونٹ وری۔“ تاج نے تسلی دی۔ ابھی عالم کچھ کہتا کہ سامنے سے تمکنت اور اس کے ساتھ کوئی مرد چلا آ رہا تھا۔ تاج کے چہرے کی رنگت نچڑ گئی۔

”ان کی تعریف؟“ ابتسام کی تاج پر جمتی نظریں عالم کا خون کھولا رہی تھیں۔

”ابتسام عبّاس۔ لاہور کے سب سے بڑے صنعت کار عبّاس حیدر کا بڑا بیٹا۔“ اس نے عالم سے کہا اور تاج کو دیکھا۔ ”کچن میں جا کر ایک نظر انتظامات دیکھ آؤ بیٹے۔“ وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی مگر ماں کے سامنے اس کی زبان تالو سے ہی چپکی رہا کرتی تھی۔ ماں نے جو سمجھانا چاہا تھا شاید اس پر اثر انداز ہو گیا تھا۔ عالم نے ایک نظر تاج کو دیکھا جو بمشکل مسکرائی۔ پھر تمکنت کو جانے کیوں اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔

”اس وقت ان کی یہاں موجودگی کی وجہ جان سکتا ہوں؟“ سر جھٹکتے وہ دوبارہ مدعے پر آیا۔

”موازنہ عالمگیر یمن، موازنہ۔ تمہارا اور ابتسام عبّاس کا موازنہ۔ کیا تمہارے پاس ابتسام جیسا پیسہ، طاقت، ساکھ، خاندان ہے؟““ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا نگاہ بے اختیار اس طرف گئی جس جانب تاج گئی تھی۔ کیا آواز اس تک نہیں جا رہی؟ کیا وہ صورتحال میں اسے چھوڑ کر جا سکتی تھی؟

"میں نے ابتسام کو تاجور کے لیے چنا ہے۔" عالم کی مٹھی نامحسوس انداز میں تیزی سے بند ہوئی۔

"تاج اور میں نے ایک دوسرے کو چنا ہے۔" کہتے ہوئے عالم نے ایک بار پھر اس طرف دیکھا جہاں تاج گئی تھی۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا وہ اس ستون کے پیچھے کہیں کھڑی ہے۔ قلب عالمگیر کا کہنا تھا کہ وہ یہیں ہے سو اس کا یہاں ہونا لازم و ملزوم تھا۔

"تم ایک پنچ خاندان سے ہو، عالم۔"

"اپنی بات مت کریں مسز بنگش۔ ملازم سن رہے ہیں۔" وہ دوبدو اسی ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔ "اور یہ جو کاٹھ کا اُلو آپ نے بٹھا کر رکھا ہے۔ اس جیسے دس کو بیچ کر کھاؤں میں۔ مجھے یہاں بلا کر ذلیل کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔ تاج میری ہے اور ہماری شادی ہو گی۔ اب آپ نے جو کرنا ہے وہ آپ کر لیں۔"

"میں تمہیں عزت دار طریقے سے انکار کر رہی ہوں حالانکہ تم اس کے حقدار نہیں ہو۔ تم نے تاج کو کامیابی کی سیڑھی سمجھا ہے لیکن میرے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو گا۔" وہ غرور اور کروفر سے کہہ رہی تھی اور عالم بار بار اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں وہ گئی تھی۔ اتنے بڑے گھر میں وہ اتنی بڑی اداکارہ بھلا روز اپنی نگرانی میں کھانے تو نہیں بنواتی ہو گی۔ پھر وہ واپس آ کیوں نہیں رہی؟ "تاج میری بیٹی ہے وہ وہی کرے گی جو میں چاہوں گی۔ تم اتنے سال اس کے ساتھ رہے، اپنی ان خدمات کی قیمت بتاؤ۔"

"مسز بنگش...." دل میں کوئی احساس کچوکے لگا رہا تھا لیکن عالمگیر بے انتہا نرمی سے بولا۔ "میں مان لیتا ہوں اس آدمی کا خاندان میرے خاندان سے بڑا ہو گا۔ اس کے پاس پیسہ بھی ہو گا، شہرت بھی۔ لیکن تاجور سے مجھ جیسی محبت کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ وہ میری سیڑھی نہیں ہے۔ میری کامیابیوں کی موٹیویشن ہے۔ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں میں۔ پیسہ بھی کماؤں گا۔ آپ ایک بار اپنی بیٹی کی خوشی کا سوچیں۔ وہ میرے ساتھ خوش رہے گی وہ اتنے

سال سے میرے ساتھ خوش رہی ہے آپ۔۔۔" اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے اب کیا وہ منت پر اتر آئے؟ تاج آ کیوں نہیں رہی، دنیا سے لڑنا تو انہوں نے ایک ساتھ تھا پھر اس کے لشکر کا اکلوتا سپاہی کہاں چلا گیا۔

"آپ پلیز ایک بار اسے بلائیں اس سے پوچھیں۔" عالم کہہ نہیں رہا تھا گویا منت کر رہا تھا۔ "میں اسے بلا کر لاتا ہوں آپ...."

"میں نے تمہیں پیسے بنانے کا اچھا موقع دیا تھا لیکن تم کنویں کے مینڈک نکلے۔" بڑھاپے کی دہلیز پر قدم دھرتی بڑھیا متاسف ہوئی۔ "سیکورٹی...." اس کے کہنے کی دیر تھی کہ ستونوں کے آس پاس سے تین چار مسلح افراد نکل کر سامنے آئے ان کے آنے کی رفتار سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ وہیں تھے۔ سب وہیں تھے۔ وہ عدالت میں نہیں تھا مگر اس کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا کہ اسے بے وقوف بنایا گیا ہے۔

گارڈز اسے دونوں بازوؤں سے جکڑے ہوئے وہاں سے لے کر جا رہے تھے۔ وہ بار بار مڑ کر اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں وہ گئی تھی اور وہیں..... ستون کی اوٹ میں اسے وہ مومی ہاتھ نظر آیا۔ اس میں دمکتا وہ نیلا ہیرا ابھی جسے خریدنے کے لیے عالمگیر یمن نے زمین آسمان ایک کر دیے تھے۔ وہ سُن رہ گیا۔

"تاج۔۔۔" اس کے لبوں سے کپکپاتی آواز نکلی۔ قابل وکیل محبت کے مقدمے میں بری طرح ہار گیا تھا۔ اس کے گواہ بکے ہوئے تھے، اس کا حریف تیاری کے ساتھ آیا تھا اور اس کا موکل؟ اسے لگا وہ کبھی اس کا تھا ہی نہیں۔

"ماننا پڑے گا عالمگیر اگر کوئی بے غیرت ہو تو تم جیسا ہو۔" اپنے عقب سے آتی اس شناسا آواز پر وہ ٹھہر گیا۔ ماضی سے حال میں آتے چہرے پر جیسے کوئی سایا سا گزرا۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ "تمہارا خاندان کب تک کسی امیر کے ذریعے دولت حاصل کرنے کے حربے استعمال کرتا رہے گا؟" تاجور بنگش بولی نہیں پھنکاری تھی۔

"میں اس وقت تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا، تاج۔ جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔" عالم نے ضبط کیا۔ ایک بے اولاد عورت حساس ہوتی ہے وہ اسے کوئی تلخ بات نہیں کہے گا۔ صبر عالمگیر صبر۔ وہ اتنا بھی گھٹیا مرد نہیں ہے۔

"کام تو تم بھی بخوبی کر رہے ہو۔ پہلے خود کو میرے آگے پیش کیا پھر اپنی بھتیجی اور چند سال بعد مجھے لگتا ہے تم اپنی بیٹی پیش کرنے سے بھی نہیں ہچکچاؤ گے۔" عالم مڑا، مڑا کیا اس پر بندھا ہر بند ٹوٹا۔ شعلے برساتی نظروں سے اس نے تاج کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کی کلائی عالم کے سخت کھردرے ہاتھ میں تھی۔ گرفت آہنی۔

"دو منٹ نہیں لگیں گے مجھے میں تمہاری لاش یہاں ٹھکانے لگا دوں گا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ اپنی زبان پر قابو کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" ایک ایک لفظ زہر کی طرح اس کی سماعتوں میں انڈیلا۔ "ایک انسان کا ضبط اتنا آزماؤ جتنا اس کی ٹوٹتی حد بعد میں برداشت کر سکو۔"

"اپنی بیٹی پر غیرت آرہی ہے کیا؟" وہ اس کے چہرے کے قریب چلائی۔

"ہاں آرہی ہے غیرت کیونکہ وہ بیٹی ہے میری، لیکن تم جیسی بانجھ کو کیا پتا اولاد کیا چیز ہوتی ہے۔" عالم نے نخوت سے کہتے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی۔ تاجور نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر ایک تھپڑ مارنا چاہا جب وہ لڑکھڑائی، اس کا پیر میکسی کے گھیر میں اٹکا اور وہ منہ کے بل نیچے گری۔ لمحے بھر کا کھیل تھا دونوں ہی نہیں سمجھ سکے یہ ہوا کیا تھا؟

اسی لمحے مہمانوں میں سے کسی جوڑے نے انہیں یہاں دیکھا۔ عالمگیر ہنوز تندہی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "ڈرامے باز عورت۔" حقارت سے کہتے وہ آگے بڑھ گیا۔ مہمان جوڑے میں سے مرد نے آگے بڑھ کر تاج کو اٹھانے کی کوشش کی، وہ کراہ کر سیدھی ہوئی مگر.... اس کے ماتھے سے خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ تاجور ساکت و ساکن سی اپنی سفید میکسی پر گرتا قرمزی سیال دیکھ رہی تھی۔ اس کا سر کسی پتھر سے ٹکرایا تھا اور اب خون رواں تھا۔ یہ عالم کی غلطی نہیں تھی، یہ حادثہ تھا۔ وہ ششدر تھی۔

"اوہ مائی گاڈ!" عورت کے منہ سے بس یہی برامد ہوا۔ تاج کسی زخمی شیرنی کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا مگر وہ تن فن کرتی، لوگوں کو سامنے سے ہٹاتی شاہ ویر کے سر پر جا کر کھڑی ہوئی۔ وہ جو کسی مہمان سے انارا کا تعارف کروا رہا تھا تاجور کو دیکھ ساکت رہ گیا۔ اس کے ماتھے سے نکلتا خون اسے بے یقین کر گیا۔ ہر کوئی اسی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ دیکھ رہے ہو تم؟ یہ ہے اس خاندان کی حقیقت جن کے ساتھ تم تعلق جوڑنا چاہ رہے ہو۔ عالمگیر نے مجھے بانجھ ہونے کا طعنہ دیا۔ اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، مجھے ہراس کیا۔" وہ اپنے آپے میں نہیں لگ رہی تھی۔ ہر کوئی بے یقینی سے اسے دیکھتا پھر ذرا فاصلے پر کھڑے عالم کو۔ یافث نے اسے چیختے دیکھا تو اسی طرف چلا آیا۔ عالم خود بھی خون دیکھ حیران ہوا۔

"جھوٹ بول رہی ہے، یہ خود گری ہے۔" عالم نے اپنی صفائی دی۔ "اس نے میرے سامنے بکواس کی تھی۔ وہ تو شکر کریں میں نے صبر کیا۔" شاہ ویر متحیر سا اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا جس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے کوئی اور آواز نہیں سنی کوئی اور چہرہ نہیں دیکھا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی کہ تم میری بیٹی پر ہاتھ اٹھاؤ؟" تمکنت دھاڑی۔

"اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے شاہ ویر۔" تاج پاگل ہونے لگی۔

"مسز ابتسام سچ کہہ رہی ہیں ہم نے خود دیکھا تھا یہ آدمی ان کی کلائی مروڑ رہا تھا پھر اس نے تاج کو گرایا۔" مہمان عورت نے گواہی دی۔

"کوئی مغالطہ ہوا ہو گا میرے چاچو ایسا نہیں کر سکتے۔" آراہ سارے میں پہلی بار بولی۔

”اس نے مجھ سے کہا کہ تم بانجھ ہو اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا اس نے...“ وہ بولتے بولتے لڑکھڑائی سر ہاتھوں میں پکڑ لیا اور اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس ہوتی رئیس نے اسے تھام لیا۔ شاہ ویر کے سارے بدن میں آگ ہی آگ بھر گئی۔ آگے بڑھتے اس نے عالمگیر کو گریبان سے پکڑا۔ آنکھیں شعلہ باز تھیں۔

”تمہاری جرات کیسے ہوئی میری بہن کو ہاتھ لگانے کی؟“ گریبان چھوڑ کر اس نے ایک زور دار مکا عالم کے جبڑے پر دے مارا۔ وہ اسے ایک بار پھر مارتا کہ عالم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نگاہوں میں کوئی کاٹ سی تھی۔

”میں لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا لیکن دوبارہ ہاتھ اٹھایا تو تمہاری موت میرے ہاتھوں آئے گی۔“ سختی سے باور کروایا۔ شاہ ویر اسے دوبارہ مارتا کہ کئی لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور رام کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ عالم خون تھوکتے ہوئے اسے سرد نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ یافث اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کچھ پوچھ رہا تھا اور آراہ سُن سی کھڑی تھی۔ ”تمہاری بہن جھوٹی ہے۔ پہلے اس نے میری بھتیجی اور میری بیٹی کے بارے میں بکواس کی، میں نے اس پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ یہ خود گری ہے۔“

”گارڈز کہاں ہیں؟“ وہ آس پاس دیکھتے ہوئے چلایا۔ ”گارڈز.... یہ شخص یہاں سے جانا نہیں چاہیے۔ چھوڑو مجھے...“ اس نے خود کو کئی لوگوں کے نرغے سے آزاد کروایا اور موبائل نکالا۔ غصے اور طیش سے اس کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ لوگ باقاعدہ ٹھہر کر اسے دیکھنے گئے۔ آراہ سہمی سہمی سی شاہ ویر پر طاری جنونیت دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈھائی برس میں اس شخص سے پہلی بار مل رہی تھی۔ ”میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں عالمگیر تمہاری سات نسلیں یاد رکھیں گی۔ بنگشوں کی عورتوں پر ہاتھ اٹھانا کیا ہوتا ہے۔“

کال ملاتے موبائل کان سے لگایا۔ ”ہیلو؟ ایس پی صاحب مجھے میرے ہوٹل پر پولیس چاہیے۔ ایک شخص کے اریسٹ وارنٹ چاہئیں۔ میری بہن کو ہراساں کیا ہے اس نے۔“ اس نے سامنے سے کوئی بات سنی۔ ”دس منٹ

کے اندر اندر مجھے یہاں پولیس چاہیے اور میں کچھ بھی نہیں سن رہا۔" اس نے کال کاٹ دی۔ چہرہ غیض کی شدت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ ہاتھ اب تک لرز رہے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ عالم کو شوٹ کر دے۔

"بلاؤ پولیس ایسی پولیس کو میں جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔" عالم گارڈز کے نرغے میں پھنکارا۔ شاہ ویر نے اسے دیکھے بغیر اپنے وکیل کا نمبر ملایا۔ اس کے چہرے پر ایسا طیش، ایسا غضب تھا کہ کوئی اس کے قریب جائے تو بھسم ہو کر رہ جائے۔ آراہ نے چھوٹے چھوٹے قدم اس کی طرف بڑھائے، اس کی کہنی پر ہاتھ رکھا جسے شاہ ویر نے نہیں جھٹکا۔

"شاہ ویر پلیز پہلے تصدیق کر لو، پلیز ایک بار چاچو کی بات سن لو۔"

"آراہ خبردار جو تم نے اس کی منت کی۔" عالمگیر دھاڑا۔ "یافث تم اسے گاڑی میں بٹھا کر آؤ۔ میں کوئی بزدل نہیں ہوں یہیں کھڑا ہوں بلاؤ پولیس۔ پولیس کیا اکھاڑ لے گی؟" آراہ اسے نہیں سن رہی تھی وہ ایک بار پھر اسے جیل جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ یافث نے اسے دھیرج رکھنے کو کہا۔

"شاہ ویر وہ میرے چچا ہیں۔"

"ایسا کرمنل خاندان ہے تمہارا؟" وہ دبا دبا چلایا۔ "میری بہن کو ہراس کیا ہے اس نے، اس کا خون بہہ رہا ہے پتا نہیں اس آدمی نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے اور تم چاہتی ہو میں اسے چھوڑ دوں؟" اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔

"وہ میرے چچا ہیں۔"

"وہ صرف اور صرف ایک کرمنل ہے۔" شاہ ویر نے تنفر سے کہا، اس کا ہاتھ ہٹایا۔ ملازم نے اسے تمکنت کا پیغام دیا تو پلٹ کر گارڈز کو دیکھا۔ "اسے یہیں رکھو میں آ رہا ہوں، آج اس کا حساب بھی ہو کر رہے گا۔"

”سرتاج بی بی کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے۔“ کوئی دوسرا ملازم ہانپتے ہوئے اس کے سامنے آکر رکا۔ شاہ ویر بغیر کسی اور کی طرف دیکھے اندر کی طرف بھاگا۔ کئی لوگ تھے، کئی چہرے، کئی باتیں، کئی لہجے اسے بس ایک آواز آ رہی تھی۔ ”اس نے مجھے بانجھ ہونے کا طعنہ دیا، ویر۔“ اسے بس ایک رنگ نظر آ رہا تھا۔ سرخ، قرمزی، لال۔ جو اس کی بہن کے سر سے رواں تھا۔

”تم آراہ کو لے کر جاؤ میں اپنا وکیل بلوالوں گا تم جاؤ۔“ عالمگیر یافث سے کہہ رہا تھا۔ یافث منع کرتا کہ اس نے آراہ کی رنگت اڑتی ہوئی محسوس کی۔ وہ سفید پڑ رہی تھی۔

”میں اسے باہر لابی میں بٹھا کر یہیں واپس آرہا ہوں سہراب کو کال بھی کرتا ہوں وہ آجائے تو میں آراہ کو گھر لے جاؤں گا اوکے؟“ عالم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تقریب یکدم عجیب سی ہو گئی تھی۔

وہ لان سے کافی فاصلے پر عمارت کے سامنے والے حصے پر آکر رکا جب اس نے کسی سائے کو عقبی حصے کی طرف دیکھا۔ وہ مکمل سیاہ لباس میں تھا۔ شاہ ویر کے دل کو کچھ ہوا۔ کوئی شل کر دینے والا احساس جس نے اس کے رگ و پے کو اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ گیلری سے گزر کر اسی طرف جانے لگا، اس کے موبائل پر کوئی کال آرہی تھی، شاہ ویر نے موبائل کان سے لگایا اور اسی طرف چلا آیا۔ اس کے قدم بے حد محتاط تھے۔ روش کے اختتام پر گیلری کے عین سامنے وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے کچھ دیکھ لیا تھا، جو اسے نہیں دیکھنا تھا۔

یکبارگی ہر طرف لائٹس بند ہو گئیں۔ تاریکی گہری، مہیب تاریکی۔ اسی تاریکی میں شاہ ویر آگے بڑھا۔

عالمگیر نے موبائل پر کوئی بات سنتے ہوئے خود کو لوگوں سے چھڑوالیا۔ یافث نے انارا کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا اور راہ داریوں میں چلنے لگا۔ عالم محافظوں کے نرغے سے فرار ہوا.... گیلری میں کھڑا شخص جکڑا گیا..... انارا نے یافث کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی۔ بلیک آوٹ کی اس تاریک رات میں زندگیاں بدلنے کی شروعات ہو چکی تھی۔

★★★★★

لمحوں کا کھیل تھا، سیاہ لباس والے آدمی نے خنجر کتھئی آنکھوں والے مرد کے کندھے میں گھسا دیا۔ خون کا ایک فوارا نکلا اور قاتل کے منہ پر آکر گرا۔ اگلا خنجر اس کی پسلیوں کے درمیان گھُسا، اس سے اگلا پیٹ میں، وہ جھکا اور جھکتا چلا گیا۔ اگلے کئی خنجر اس کے سینے میں لگتے گئے۔ جن کی گنتی ختم ہو گئی۔

وہ آنکھیں واکیے بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سفید ہاتھ خون تھے۔ اس کا سینہ بھی خون۔ اس کا لباس بھی خون۔ اس کے آس پاس بھی خون۔ اس کا جسم خون، ہواؤں میں بس چکی خوشبو خون۔

★★★★★

اگلے کئی لمحات سلو موشن میں ہوئے۔ وہ کافی دیر تک واپس نہ آیا تو ملازم اسے تلاشنے نکلے۔ جنریٹر چلائے گئے۔ مصنوعی روشنی میں دونوں طارون ہوٹل کی لابی میں کہیں دیکھے جا سکتے تھے مگر وہ واحد یمن غائب تھا۔ وہ کہاں گیا؟

"شاہ ویر کہاں ہے؟" کہیں سے آواز ابھری۔

"میں نے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔" کسی نے کہا۔

"نہیں وہ اندر گیا.... وہ گیلری کی طرف گیا تھا.... شاہ ویر کدھر ہے؟" مختلف آوازیں تھیں۔ پریشان کن لہجے تھے، باتیں تھیں۔ عدم تحفظ تھا۔ لابی میں ہلچل مچی جسے سن کر انارا نے قدم واپس لیے۔ اسے بے اختیار کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"شاہ ویر بنگش کا قتل ہو گیا ہے۔" آواز تھی کہ صورِ قیامت؟ کئی لوگ جتھے کی صورت آواز کی سمت لپکے۔ رئیس سب سے آگے تھا۔ اس کے پیروں میں کچھ اٹکا وہ گرا، گر کر اٹھا اور اندھا دھند بھاگا۔ تمکنت بے یقین تھی۔ انارا ماموں کا ہاتھ چھڑا کر بھاگی۔ آنسو، بے یقینی، دھڑکن کی رفتار اور فشارِ خون بڑھتا ہی چلا گیا۔

سبزہ زار ختم ہوا، گیلری آئی، گیلری میں کوئی زرد بلب جل بجھ رہا تھا۔ وہ لمحے بھر کو جلا۔ سب گھپ اندھیرا۔ اگلا لمحہ نری قیامت۔ اندھیرا۔۔۔۔۔ پھر فرش پر پڑا ساکت وجود۔ اندھیرا۔۔۔۔۔۔ پھر فرش پر پڑا خون۔ اندھیرا۔۔۔ ۔۔۔۔ پھر قدموں کے نزدیک پڑا اس کا سیاہ کوٹ۔ اندھیرا۔۔۔۔۔۔ پھر اس کا بروچ۔۔۔۔ جس کے قریب خون کی پتلی لکیر بس پہنچ ہی گئی تھی۔

"شاہ ویر۔۔۔۔" انارا کے لبوں سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"میرا بھائی۔۔۔۔" رئیس اس کی طرف دوڑا۔

تمکنت سفید پڑتی رنگت کے ساتھ گھٹنوں کے بل فرش پر گری۔ بال چہرے کے دونوں اطراف پھیل گئے۔ ہر چال پلٹ گئی۔ ہر مہرہ پٹ گیا۔ ہر بازی ہاری گئی۔ ہر مصلحت جہنم بدر ہوئی۔ خون اب تاج والے بروچ کو بھگو رہا تھا۔ بلب جل بجھ رہا تھا اور فرش پر پڑا شخص بن چکا تھا۔ قاتل کا ایک اور قتل۔

★★★★★

بینکوئٹ کے باہر شاہ زید کی سیاہ بی ایم ڈبلیو آ کر رکی۔ سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ والا مرد گاڑی کے اندر اپنا کوٹ تلاش کرنے لگا۔ پچھلی نشست سے سلوٹ زدہ کوٹ اٹھا کر پہنا اور چہرے پر ہاتھ پھیرتا وہ اندر کی جانب بڑھنے لگا۔ نظریں موبائل پر جمی تھیں، ٹارچ لائٹ روشن تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ اندر کوئی افتاد اس کا انتظار کر رہی ہے۔ وہ راستے میں ہی تھا جب اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ بھگدڑ، شور، کچھ انہونا احساس۔

کوئی موبائل پر پولیس کو اطلاع کر رہا تھا، کوئی جلدی جلدی بینکوئٹ سے باہر جانا چاہ رہا تھا۔ کوئی انگزائٹی کا شکار ہو رہا تھا اور کوئی روتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ عمارت کے سبزہ زار کے قریب اسے بلند آواز میں چیخیں سنائی دیں یہ وہ لمحہ تھا

جب وہ بھاگا۔ من من بھر کے بھاری قدموں کے ساتھ راستہ پھلانگتے، لوگوں کو ہاتھوں سے ہٹاتے، آوازوں کا تعاقب کرتے وہ گیلری کے قریب پہنچا۔ اگلا قدم موت تھا، شاید زندگی بھی؟

چہرے پر سفیدی چھا رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے ساری سفیدی سرخی میں بدل گئی۔ اس کی نگاہ ایک جگہ اٹک کر رہ گئی۔ وہاں جہاں رئیس رو رہا تھا۔ وہاں جہاں کوئی ساکت وجود تھا۔ وہیں جہاں خون بھی تھا۔ وہاں جہاں بھائی تھا۔

تمکنت ماتھے پر ہاتھ رکھے گھٹنے سینے سے لگائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

انارا ساکت تھی۔

اور.... وہ؟ وہ بس وہیں کھڑا رہ گیا۔ یہ جمود اس صدی میں ٹوٹنے کا نہیں تھا۔

”شاہ ویر.... شاہ ویر تم ایسے نہیں جا سکتے۔ تم اپنے بھائی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ زید اسے کچھ کہو تم کچھ کہو اسے اٹھاؤ .... “ رئیس روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کوئی اس کا کندھا جھنجھوڑ رہا تھا۔ کوئی بازو ہلا رہا تھا۔ کسی نے پولیس کے آنے کی اطلاع دی، کسی نے کرائم سین سے ہٹنے کو کہا۔ مگر اس کی سماعتیں سن تھیں۔ خون کے سامنے کھڑا امر دپلک تک نہ جھپک سکا۔ جل بجھ کرتے بلب کی روشنی میں اس کی ساری دنیا تہہ و بالا ہو گئی تھی۔ آج کے بعد کیا کبھی کچھ پہلے جیسا ہونے والا تھا؟

بورڈ پر چہروں سمیت تصاویر لگنے لگیں۔

سنگ مرمر پر گرے خون میں لت پت سفید شرٹ والے آدمی کا۔ صدمے سے منجمند کھڑے نوارد بنگش کی۔ روتا ہوا رئیس اور ساکن تمکنت کی۔ گلیوں میں کھڑا ہراساں انداز میں سہراب کو کال ملاتا عالمگیر، جس کے ہاتھوں اور سینے پر خون لگا تھا۔ کہیں کسی گھر میں بیٹھے کھڑکی سے آسمان دیکھتے اسلان یمن کی۔ نیند سے اٹھ کر موبائل کان سے لگاتے سہراب یمن کی۔ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھتی انارا طارون کی جس کے آنسو اب رواں ہو چکے تھے۔

★★★★★

(وہ لرزتی ٹانگوں کے ساتھ بے دھم ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ چہرے پر اس سردی میں بھی بے تحاشا پسینہ تھا۔ "یہ کیا تھا؟" اس کے حلق سے گُھٹی گُھٹی آواز برامد ہوئی۔

کہانی کار نے شانے اچکائے۔ "پلاٹ ٹوئسٹ۔" وہ رکا، تفکر سے اسے دیکھا۔ "میں نے ٹرگر وارننگ دی تھیں یار...." وہ خفا ہوا۔ مگر لڑکی پر اثر نہ ہوا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے اپنی دھڑکنیں قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور بُری طرح ناکام ہو رہی تھی۔)

★★★★★

بخش دوم : بقا

باب نمبر چار

وجہ عناد

اس کی آنکھوں میں کوئی پانی سا آکر ٹھہرا۔ گلا گیلا ہوا، اور وہی نم آنکھیں اٹھا کر اس نے اس سفاک قصہ گو کو تکا۔ یہ اس کی بے بسی تھی، رنج یا ملال کہ وہ اس آدمی کو کچھ تلخ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ یہی وہ آدمی تھا۔ جس کے پاس بقیہ کہانی کے راز تھے، کرداروں کے وہ پہلو تھے۔ جن تک وہ کبھی رسائی حاصل کر ہی نہیں سکتی تھی۔

"تمہاری ٹرگر وارننگز میں کہیں یہ نہیں تھا کہ میرا دل بھی دُکھے گا۔" قصہ گو نے استعجاب سے اسے دیکھا۔

"کیا مجھے ایک ایک چیز بتانی تھی، یو نو واٹ تم وہی کہانیاں ڈیزرو کرتی ہو۔ اٹھو نو نہالو..."

"شٹ اپ!" وہ بری طرح خائف ہوئی۔ "آگے سناؤ۔"

"کچھ خوشگوار سا سناؤں؟" اس کی حالت کے پیش نظر پیشکش کی۔ جانے کیوں اسے سننے والی سے ہمدردی ہوئی۔

"جہاں چھوڑا تھا... وہیں سے سناؤ۔" الفاظ چبا کر ادا کیے۔ قصہ گو نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے معذرتی انداز میں ہاتھ اٹھائے، وہ اگر سننے کو تیار تھی تو وہ کہنے کو تیار تھا۔

★★★★★

بلیک آؤٹ کی اس رات آسمان ہنوز تاریک تھا۔ پولیس کی کئی گاڑیاں ہوٹل کے باہر جمع ہو رہی تھیں۔ جلتی ہوئی بتیاں، میڈیا کی گاڑیاں اور بجتے ہوئے سائرنز کے درمیان بس ایک چیز تھی جو مستقل تھی۔ گیلری میں جل بُجھ کرتا وہ بلب۔ بین اور ماتم کے بیچ پھٹی ہوئی آنکھوں اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ شاہ زید بنگش نے اپنے قدم آگے بڑھتے ہوئے دیکھے۔ وہ پنجوں کے بل اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ خون اتنا زیادہ تھا کہ.... اتنا زیادہ کہ جلتی بُجھتی روشنی میں جب اس کی آنکھیں ایک پل کے لیے اندھیرے کی عادی ہوتیں اور اسے کچھ دکھائی دیتا تو ایک بار پھر خون۔ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھتے دھڑکتے دل کے ساتھ زید نے دو انگلیاں اس کی شہہ رگ پر رکھیں، اس نے سانس روک لیا اور... دوسری طرف سانس تھی۔ اوہ خدایا، اوہ خدایا.... وہ رو پڑا.... جسم گرم تھا اور بے حد ہولے سے اس کا زخمی سینہ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ شاہ زید کو سمجھ نہیں آیا کہ اس لمحے وہ مزید اونچا اونچا روئے یا پھر ہنس پڑے، لوگوں سے کچھ کہے یا اسے گلے سے لگائے۔

"he is breathing" اس کے لبوں سے بمشکل ادا ہوا۔ زید اٹھا اور اپنے پہلو میں کھڑی مدیحہ کو دیکھا، وہ اس پر یقین کر سکتا تھا۔ "مدیحہ تم یہیں رکو گی کوئی کرائم سین کے قریب نہ جا پائے، تم دھیان رکھو گی۔" وہ مڑا۔ "رئیس بھائی گاڑی نکالیں۔" وہ چلا رہا تھا۔ "راستہ خالی کرواؤ۔" اس نے جھک کر اپنے بھائی کے زخمی وجود کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ "ایمبولینس بلاؤ، جلدی کرو۔"

اگلے لمحات سست تھے یا شاید تیز ترین۔ جنریٹر چلا دیا گیا تھا۔ ہر سو روشنی سی ہو گئی اور وہ اسی روشنی میں شاہ ویر کو بازو میں اٹھائے ڈھیر سارے لوگوں کے درمیان راستہ بنا رہا تھا۔ چہرے پر وحشت تھی، رنگت فق، اس تقریب میں آیا ہر انسان اس وقت خوف کے سائے میں تھا۔

سفید ساڑھی والی لڑکی حواس باختہ سی اس کے پیچھے قدم اٹھا رہی تھی۔ یافث اس سے کچھ کہہ رہا تھا، اسے روک رہا تھا مگر اس کی سماعتیں سُن تھیں۔ وہ بس اس کی سلامتی کی دعائیں کر رہی تھی۔ وہ شاہ ویر بنگش کی تکلیف کیسے دیکھ

سکتی تھی؟ پارکنگ لاٹ میں رئیس گاڑی نکال رہا تھا، آس پاس کھڑے کئی لوگ ویڈیوز بنا رہے تھے۔ تمکنت کو کندھے سے تھامے ابتسام اپنی گاڑی میں بٹھا رہا تھا۔ نایاب سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اپنے بیٹے کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ کسی نے ایمبولنس کے لیے شور مچایا مگر، بنگشوں کے پاس انتظار کا وقت نہ تھا۔

باہر پولیس کی گاڑیاں جمع ہو چکی تھیں۔ عالم وہاں نہیں تھا بات پھیلتی چلی گئی۔ محافظ کہیں لوگوں کو سنبھال رہے تھے، کہیں کوئی افسر بینکوئٹ کے دروازے بند کروا رہا تھا، کوئی واکی ٹاکی میں مزید نفری کا کہہ رہا تھا۔ اے ایس پی اسپیکر کے ذریعے لوگوں کو ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم دے رہا تھا۔ موبائل فونز کے کیمرے کھل گئے تھے، افرا تفری اور تاجور والے قصے کی ویڈیوز اپلوڈ ہونے لگیں۔ سوشل میڈیا پر تہلکا مچ چکا تھا۔

”چلاؤ بھائی، جلدی کرو۔“ گاڑی میں بیٹھا زید پھٹی ہوئی آواز میں چلا رہا تھا۔

چھوٹی گاڑی میں بیٹھے یافث کی کال بالآخر لگ گئی۔ لعل یمن سے ملحقہ ملازم خانے میں میز پر سر رکھ کر سوتے سہراب نے موبائل کان سے لگایا۔ بھاری خوابیدہ آنکھوں میں کچی نیند کا خمار تھا۔ یافث نے ایک نگاہ مسافری نشست پر بیٹھی آراہ پر ڈالی، جو دونوں آنکھیں بند کیے زیر لب دعائیں پڑھ رہی تھی۔ اس نے آواز مدھم رکھی۔

”مسئلہ ہو گیا ہے، سہراب۔“ وہ رکا، ہونٹ کاٹے۔ ”تحمل سے میری بات سنو۔“ دوسری طرف سہراب ہنوز نیند میں تھا۔ یافث نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ گاڑی میں چابی گھمائی انجن کو حرارت ملی۔ ”عالم اور تاجور کے درمیان کچھ جھگڑا وغیرہ ہو گیا تھا عالم نے اسے دھکا دیا اور وہ گر گئی۔ مجھے نہیں پتا اس نے دھکا دیا بھی ہے یا وہ فتنہ بس گڑھ رہی ہے۔ خیر اس کے سر سے خون بھی بہہ رہا تھا۔“

سہراب کی نیند بھک سے اڑی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ دل رفتار سے بھاگا۔ ”بہت کھینچا تانی ہوئی۔ شاہ ویر نے پولیس بلوائی تھی اور پھر پتا نہیں کیا ہوا لائٹ چلی گئی یا بند کی گئی ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہا اور اسی دوران عالم وہاں سے بھاگ گیا۔“

”لعنت ہو۔“ سہراب گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے غرایا۔ ”لعنت ہو عالم پر لعنت۔“

”اور تھوڑی دیر بعد بینکوئٹ کی گیلری سے شاہ ویر کی لاش ملی اور....“

”وہ زندہ ہے۔“ آراہ چلائی۔

”کیا بک رہے ہو؟“ سہراب جو تیزی سے آگے جا رہا تھا۔ اپنی جگہ بلکل تھم گیا۔ ”لاش؟ تم پاگل ہو گئے ہو تم؟“

” صحیح کہہ رہا ہوں۔ مجھے یہ نہیں پتا کہ وہ مر گیا ہے یا ابھی زندہ ہے لیکن.... تم پلیز ہسپتال پہنچو۔ میں اکیلے آراہ کو نہیں سنبھال سکتا۔ عالم کو کال کرو اس سے رابطہ کرو۔ وہ پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ یہاں سب عجیب ہو گیا ہے پلیز کچھ کرو۔ لوگ اسے قاتل سمجھ رہے ہیں۔“

”شاہ ویر کا آخری عناد عالم سے ہوا؟“ سہراب کے لبوں سے پھنس پھنس کر کوئی سوال نکلا۔ دل نے شدت سے خواہش کی کہ سامنے سے انکار کیا جائے مگر....

”ہاں!“ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ یافث اس معاملے کو جذباتی طور پر لے رہا تھا۔ سہراب قانونی طور پر۔ دوسری طرف واقعہ سنایا جا رہا۔۔۔ یہاں وہ انجام دیکھ رہا تھا۔ ”اس سارے واقعے کے وقت عالم وہیں تھا؟ تم سب کے ساتھ؟“ وہ یافث کی طرف سے ہاں سننا چاہتا تھا مگر....

”نہیں!“ یافث نے آگے بھی کچھ کہا۔ سہراب یمن نے آگے کچھ نہیں سنا۔ وہ اپنے سارے خاندان کو دلدل میں گھرتے ہوئے ابھی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ مستقبل تھا جو کسی کاہن کے چالیس روزہ عمل کی طرح سہراب پر منکشف ہوا تھا۔

"دعا کرو وہ بچ جائے۔" سہراب کا لہجہ عجیب تھا۔ اسے یقین تھا اگر وہ نہیں بچا تو صرف وہ نہیں سارا ایمن خاندان نہیں بچے گا۔

دوسری طرف سفید پورشے کی پچھلی نشست پر اپنے زخمی بھائی کا سر گود میں رکھے اسے سمجھ نہیں آیا کہاں کہاں سے کتنا خون بہہ رہا ہے۔ وہ ڈاکٹر ہوتا تو اسے اس اخراج کی روک تھام کا طریقہ آتا، کاش وہ کوئی ڈاکٹر ہوتا، کاش وہ کسی طرح اسے بچا سکتا۔ "تمہیں کچھ نہیں ہو گا سانس لو۔ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" وہ جھک کر بار بار اسے باور کرواتا، اس کا سر اونچا کر کے اسے سینے میں بھینچ لیتا۔ "ہم پہنچ جائیں گے تمہیں کچھ نہیں ہو گا ٹرسٹ می۔" وہ اسے یقین دلا رہا تھا یا شاید خود کو؟

"رئیس بھائی گاڑی جلدی چلاؤ۔" گاڑی کی رفتار سست ہوتے دیکھ اس نے بے چینی سے کہا۔ پارکنگ سے نکلتے ہی انہیں ہوٹل کے باہر کھڑی تین چار ایمبولنس کی گاڑیاں کھڑی دکھائی دیں۔ پھر عملہ آگے آیا، انہوں نے جلدی جلدی اسے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا۔ اس کے جسم کے ساتھ مختلف سوئیاں اور مشینیں جوڑ دی گئیں۔ ایمبولنس چل پڑی مگر تھوڑا آگے جاتے ہی اس کی رفتار سست ہوئی۔ پھر رفتار سست سے جام ہو گئی۔ رئیس اور شاہ زید نے ایک ساتھ سامنے دیکھا تو گاڑیوں کی کئی قطاریں تھیں جو رش میں جمع تھیں۔ ان دونوں کا دل بیک وقت بند ہوا۔

"باہر جا کر راستہ صاف کروائیں بھائی، میں ڈی آئی جی سے بات کرتا ہوں۔" اس نے جیب سے موبائل نکال کر کسی افسر کو کال ملائی، رئیس تیزی سے باہر نکلا۔ زید موبائل پر کسی سے کچھ کہہ رہا تھا افسر اسے تعاون کی یقین دہانی دلوانے لگا اسی لمحے، عین اسی پل زخمی وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ نقاہت سے لرزتی انگلیوں سے اس کی خون آلود انگلیوں نے زید کے بازو کا کف تھاما ہوا تھا۔ اس کے لب ہلکے سے وا تھے، سانس ٹوٹ رہی تھی۔

"کہو؟ کیا ہوا.... بولو کچھ چاہیے، درد ہو رہا ہے؟" موبائل یونہی کان پر رکھے وہ ایک ہاتھ میں اس کا چہرہ بھرے محبت سے پوچھ رہا تھا۔ اگلے نے آنکھ کے اشارے سے اسے نیچے جھکنے کو کہا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کیا؟ وہ اپنا

سر نیچے اس کے لبوں کے قریب لے گیا، اتنا قریب کہ اس کی کوئی بھی صدا، کوئی لفظ رائیگاں جانے کی کوئی امید نہ رہے۔ وہ اس وقت شاہ زید سے کہتا کہ دنیا جلادو تو وہ اس آگ کا ایندھن خود بن جاتا۔

گاڑی کے باہر رئیس کے کپڑوں پر خون اور اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں دیکھ کر کئی لوگوں نے اسے آگے کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ ایمبولنس کا ڈرائیور اور پچھلی نشست کا عملہ بھی اس کے ساتھ سڑک پر اتر آیا تھا۔ زید کا موبائل دوبارہ بجا، اس نے ایک نظر شاہ ویر کو دیکھا۔ کتنے ہی لمحے وہ اسے دیکھتا رہا۔ نہ جانے وہ اس کے چہرے پر کیا کھوج رہا تھا؟ وہ کچھ کہہ کر چپ ہو گیا تھا یا شاید شور کے باعث وہ کچھ سمجھ نہیں سکا۔ اس نے کیا کہا؟

"راستہ کلئیر ہے!" رئیس نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے اطلاع دی۔ زید اب موبائل پر کوئی بات سن رہا تھا۔ وہ دونوں بھائی شاید اس بات سے بے خبر تھے کہ خون بہاتا ہوا وہ شخص کچھ کہنے کی تگ و دو کر رہا ہے۔ اس نے شاہ زید کی شرٹ کا کف اب بھی دو انگلیوں میں تھام رکھا تھا۔

گاڑی دوبارہ چل پڑی تھی، راستہ صاف تھا، آگے جانے اور زخمی کے "بچ" جانے کی امید بڑھتی چلی گئی۔ مگر اس کی تگ و دو اب بھی جاری تھی۔ کیا وہ اپنے قاتل کی شناخت بتا رہا تھا، یا وجہ عناد یا پھر کچھ اور؟

★★★★★

ہسپتال کی راہداریوں میں وہ اسٹریچر کے ساتھ چلتا تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ رئیس کسی سے میڈیا کو دور رکھنے کا کہہ رہا تھا۔ اپنے محافظین کی معیت میں تمکنت مرے مرے قدم اٹھاتی آرہی تھی۔ ڈاکٹرز کی ایک جماعت ارد گرد جمع ہو گئی تھی۔ کسی نے جھک کر نبض ٹٹولی، نل، ساکن۔۔۔ خالی۔۔۔ گلے میں ابھرتی گلٹی کو دباتے انہوں نے آئی سی یو کے دروازے وا کروائے یا تو وہ اس خاندان سے پیسہ بٹورنا چاہتے تھے یا انہیں واقعی لگ رہا تھا سانس باقی ہے۔ زید سے اجازت نامہ پر دستخط کروائے گئے۔ زخمی کو آئی سی یو میں لے جایا گیا۔

انارا طارون اسی طرف چلی آ رہی تھی۔ آنکھیں رو رو کر سرخ اور میک اپ مٹا ہوا۔ "کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹرز؟" وہ زید کے قریب رکی جو آئی سی یو کا دروازہ بند ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس نے آراہ کو ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ اس کی نگاہیں بس دروازے پر جمی رہیں۔ بھانجی کے پیچھے آتے یافث کا فون کان سے لگا تھا۔ وہ سہراب سے عالم کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ "زید پلیز بتاؤ کیا کہا ہے انہوں نے؟" انارا کے لیے ضبط مشکل ہوا۔

"زندہ ہے اسے کچھ نہیں ہو گا، میرے بھائی کو کچھ نہیں ہو گا۔" وہ دھیرے سے بولا آراہ کو دیکھا اب بھی نہیں۔ آراہ کے دل کو تقویت ہوئی۔ ہاتھ باہم جوڑتے نامحسوس انداز میں انگوٹھی کو انگلی میں گھمایا۔ نہ وہ اس شخص کو کھو سکتی تھی، نہ اس کا نام، نہ اس کا دیا ہوا وعدہ۔ اس لمحے اسے اندازہ اپنی انگلی میں کسی اور کے نام کے انگوٹھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی۔ لہٰذا انگلیاں باہم ملائے انگوٹھی پر گرفت مضبوط کر لی۔ اسے کچھ نہیں ہو گا۔

★★★★★

"مجھے نہیں لگتا اس قاتل نے یہ سب اچانک کیا ہو گا۔" موبائل پر بات کرتے ہوئے سہراب ایک جگہ ٹھہر گیا۔ "وہ ہم سب کو بے وقوف بنا کر گیا ہے شاید وہ شہر سے باہر بھی جا رہا ہو۔" وہ یہاں سے وہاں دیکھتے ہوئے چل رہا تھا۔ کسی پولیس والے نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکا، سہراب نے کارڈ نکال کر سامنے کیا، راستہ دیا گیا۔ "جہاں جہاں ناکے لگائے گئے ہیں وہاں کھڑے اپنے آدمیوں کہو مجھے خبر دیں۔ کسی بھی مشکوک عورت یا مرد کو جانے نہ دیا جائے۔ ناکہ لگ گیا ہے نا؟" دوسری طرف سے تسلی بخش جواب آیا۔ پھر وہ کچھ پوچھتے ہوئے جھجکا۔

"سہراب صاب سب کہہ رہے ہیں یہ قتل...... میں شک نہیں کر رہا الزام بھی نہیں لگا رہا بس سب کہہ رہے تھے کہ عالم بھائی شامل ہیں۔" سہراب کا چہرہ بالکل خالی ہو گیا۔ جذبات سے عاری۔

"میرا بھائی قاتل نہیں ہے۔" اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"کیا انہوں نے خود انکار کیا ہے؟"

"ہاں!" بے حد مستحکم اور مضبوط لہجے میں گواہی دی۔ دوسری طرف بحث کی کوئی گنجائش بچی ہی نہیں۔ اس نے کہا تھا۔ اس نے واقعی ہر الزام سے انکار کیا تھا، کب، وقت کی کس پرت کے پیچھے، یہ جاننا باقی ہے۔

(ماضی)

آیہ لعل یمن کی اوپری منزل تھی جہاں عالم نے اپنے لیے ایک چھوٹا سا جم خانہ بنا رکھا تھا۔ اس وقت وہ ہال میں بچھائے سبز رنگ کے چھوٹے قالین پر عبیر کے ننھے ہاتھوں اور پیروں کی حالت درست کرتے ہوئے اسے پش اپس لگانا سکھا رہا تھا۔ ہر روز کی طرح وہ دو میں ہی تھک گئی تھی۔ عالم نے ہنستے ہوئے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور خود ایک بازو سے پش اپس لگانے لگا۔ چہرہ پسینے سے تر تھا بازو کی رگیں پھولی ہوئی۔

"ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔" تین سالہ بچی کو دس تک گنتی آتی تھی۔ وہ گنتی جا رہی تھی اور عالم مشق کرتا چلا گیا۔

"بابا اور تیز۔۔۔" وہ توتلا سا بولی۔ عالم کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا مگر عبیر کی کھکھلاہٹ سنتے رہنے کے لیے وہ نہ رکا۔

"اپنی بیٹی کو سکرین سے دور رکھنا اچھا فیصلہ تھا۔" چوکھٹ پر جم کر کھڑے دونوں بازو سینے پر باندھے سہراب نے تفصیلی معائنے کے بعد کہا۔ عالم نے نگاہ ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ رفتار سست ہوئی تھمی نہیں۔ "بچے آپ نیچے جا کر چچی کو بولو آپ کو ناشتہ بنا دے۔ بڑے ابا اور بابا کو کچھ بات کرنی ہے۔" عالم کی پشت سے اترتے سہراب نے جھک کر اس کے دونوں گال چومے۔ وہ باپ تھا تو سہراب بھائی۔ ایک خوشی کے لیے تکلیف برداشت کر رہا تھا دوسرا تکلیف ختم کرنے کو تیار۔

عبیر توتلا سا کچھ کہتے چلی گئی۔ عالم کی نظریں کافی دیر تک دروازے تک دیکھتی رہیں جہاں سے وہ گئی تھی۔ "وہ سیڑھیوں سے گر نہ جائے۔" اس نے اپنے خدشے کو زبان دی۔

”گرے گی تو بڑھے گی۔“ بے لاگ تبصرہ کرتے اس نے پانی کی بوتل اٹھا کر عالم کو دی۔ جس نے ہیرو بننے کے چکر میں اپنی سانس پھلا دی تھی۔ ”تم نے کیا سوچا؟“

”کس بارے میں؟“ وہ جانتا تھا کس بارے میں۔ لیکن میرال سے شادی یہ دیوانے کے خواب جیسا تھا۔

”تم میرال کو لے کر سنجیدہ ہو بھی یا ویسے ہی فلرٹ کر رہے ہو؟“ وہ ایک طرف صوفے پر آ کر بیٹھا۔

”فلرٹ؟ میں نے کوئی اسے خون سے لکھے خط بھیجے ہیں یا اسے پارک میں ملنے بلوایا ہے یا پھر میں نے اس کے نام دیوان لکھ ڈالے؟“ عالم ہتھے سے اکھڑ گیا۔ پانی غٹا غٹ حلق میں اتارا۔ ”میرال شیرازی ایک آئیڈیل عورت ہے۔ اس سے میرے لاکھ اختلاف سہی لیکن اسے ناپسند کرنے والا کوئی اندھا ہو سکتا ہے۔“

”پھر؟“ سہراب اپنے سوال سے ایک انچ بھی نہیں ہلا۔ وہ رکا۔ ہونٹ کاٹے۔

”میں فیصلہ نہیں کر پا رہا۔ وہ بہت اچھی ہے ملنسار بھی اور میں .... وہ مجھ سے کیوں شادی کرنا چاہے گی؟“

”کیا نہیں ہے تمہارے پاس؟ اچھا گھر، اچھی شکل، اچھا پیسہ، اچھا اخلاق (اخلاق کے آگے ایک نہیں دو سوالیہ نشان) معاشرے میں ساکھ۔“

”عبیر۔۔۔ میرے پاس عبیر بھی ہے۔“ بہت مدھم ہلکے لہجے میں بتایا، توجہ دلوائی۔

”وہ تمہارے وجود کا حصہ ہے اس کی موجودگی پر کیسی شرم؟“

”وہ میرا فخر ہے۔ لیکن میرال کا کیا قصور ہے کہ اس کی شادی ایک بچی کے باپ اور دو بیویوں کے قاتل سے ہو۔“

”تم نے وہ قتل کیے ہیں؟“ سہراب نے بے حد سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" سہراب کی نگاہ ایک لمحے کو بھی اس سے نہ ہٹی۔

"تم نے کبھی کچھ بتایا کب؟" عالم نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ سہراب وہیں تھم گیا۔ عالم کی آنکھیں اس پل مختلف تھیں۔ نرم، مان بھری، بھروسہ مند۔

"تم سے بھی کہنا پڑے تو ایسی بے گناہی پر لعنت۔" سہراب کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔ کتنی ہی دیر تک وہ اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ یہ بہت تھا۔۔۔ یہ انکار تھا ہر جرم سے، ہر الزام سے، ہر فریب کاری سے علی اعلان انکار۔ قاضی وقت نے گویا اسے ہر الزام سے بری کیا۔ "ثمن اور ساحرہ (دوسری بیوی) دونوں ایک حادثے میں مریں۔ نقصان میرا ہوا ہے، لوگوں نے بھرپائی نہیں کرنی تھی لہٰذا میں نے بھی خاموشی چنی۔ مگر تم شک نہ کیا کرو، تمہارا شک برا لگتا ہے۔" سہراب خاموش رہا، سینے سے البتہ بھاری وزن ہٹ گیا۔

"میں کل شیرازی صاحب کے پاس جاؤں گا۔ اگر بات بن گئی تو ہم اگلی دفعہ ساتھ چلیں گے۔" سہراب فیصلہ کرتے ہوئے اٹھا اور پنجوں کے بل عالم کے قریب آ کر بیٹھا۔ "مجھ سے وعدہ کرو عالم تم اسے محبت سے رکھو گے اور اس کی حفاظت کرو گے، تم اسے کبھی کوئی تکلیف نہیں دو گے۔"

عالم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"تم اسے خوش رکھو گے؟" اب کے عالم ہنس پڑا۔ محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔

"عالم کے ساتھ کوئی خوش نہیں رہتا۔ جیسے تمہیں رکھتا ہوں ویسے اسے بھی رکھوں گا۔" سہراب بھی اس کے ساتھ، اس کی اس بات پر ہنسا۔ کہتا تو وہ ٹھیک تھا۔ عالم کے ساتھ رہنا اور خوش رہنا دو الگ الگ باتیں تھیں۔

"کل تم دونوں کہیں مل لینا۔" سہراب کے کہنے پر عالم نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

”چلو ہٹو میں جا کر اپنی بیٹی کو دیکھ کر آؤں۔“ اس کا نظروں سے اوجھل ہونا وہ برداشت نہیں کر پاتا تھا۔ سہراب اب اسے کسی مقدمے کے متعلق بتا رہا تھا۔ عالم سنتا رہا مگر دھیان میرال کی طرف لگ گیا۔ کب کیسے یہ اسے پتا نہیں چل سکا۔ وہ ملاقات کے لیے ذہن میں کوئی موزوں جگہ سوچ رہا تھا۔

★★★★★

(”کیا عالم واقعی ملا تھا؟“ عورت اشتیاق سے مستفسر تھی۔

”اس کی زندگی اور اس کے واقعات چاہے جتنے فلمی تھے۔ وہ خود ایک عام سا مرد تھا جسے اپنی بیٹی کے لیے ایک ماں چاہیے تھی، اپنے لیے ایک ساتھی۔ عالمگیر یمن زندگی میں عورت کے کردار کا مداح تھا اسے یقین تھا یا شاید اس کی کوئی تھیوری تھی جس کے تحت وہ ایک مرد کو ایک عورت کے بنا زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔“

”womanizer?“

”ومنائزر مراسم بناتے ہیں بڑھاتے نہیں۔ عالم اس بات کو ماننے میں عار محسوس نہیں کرتا تھا کہ عورت کے بغیر گھر ”مکان“ ہو سکتا ہے۔ ”گھر“ نہیں۔ وہ عورت کی اہمیت مانتا اور سراہتا تھا۔“

”اچھا آدمی!“ اس نے دو لفظی تبصرے میں بات سمیٹ دی۔)

★★★★★

کلائی میں گھڑی باندھے اور اس پر نظر دوڑاتے وہ کافی دیر سے ریستوران میں بیٹھا میرال شیرازی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی تاخیر سے آئی تھی۔ عالمگیر اس کی اس عادت سے بخوبی واقف تھا۔ وہ بچپن سے ایسی تھی۔ کھیلنا ہوتا تو اس کے کھلونے دیر سے ملتے، کہیں ایک ساتھ جانا ہوتا تو اس کے کپڑے نہیں منتخب ہوتے، کالج میں وہ کلاس سے دیر نکلا کرتی اور اس کا انتظار کرتے سہراب کے ماتھے پر شکن نہ آتی البتہ عالمگیر آگ بگولہ ہو جایا

کرتا۔ جب جب شیرازی صاحب میرال کا کوئی کام عالم یا سہراب سے کہتے وہ دو چار گھنٹوں کا کام ایک مکمل دن لیا کرتا۔

بالآخر وہ سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ گہرے سرمئی رنگ کی لمبی قمیص کے ساتھ سفید ٹراوزر پہنے لمبے بالوں کا ڈھیلا جوڑا بنا رکھا تھا۔ چہرے پر ہلکا میک اپ تھا اور پیروں میں سفید رنگ کے کُھسے۔ رنگت گوری تھی۔ وہ خوبصورت یا بے حد حسین نہیں تھی۔ عالم جانتا تھا لیکن آج اسے ایک الگ نظر سے پہلی بار دیکھا تو وہ اتنی عام شکل بھی نہ لگی۔

”میں زیادہ خوبصورت ہوں۔“ اس فتوے پر مہر لگا کر وہ اپنی مہمان کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ کرسی گھسیٹ کر اسے بیٹھنے کا کہا اور جب وہ بیٹھ گئی تب عالم اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ گہرے نیلے رنگ کی ڈریس شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ والا مرد آج مناسب تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ داڑھی ہمیشہ کی طرح بڑھی ہوئی، بھورے بال سلیقے سے ترتیب شدہ تھے۔ ہاتھ تازہ تازہ مینیکیور کی داستان سنا رہے تھے اور چہرے کی چمک ویسی کی ویسی۔ کافی دیر تک وہ دونوں یہاں وہاں کی باتیں کرتے رہے پھر عالمگیر مدعے پر آیا۔

”میں نے آج تمہیں کچھ خاص بات کرنے کے لیے بلوایا ہے، میرال۔“ کہنیاں میز پر ٹکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ”سہراب چاہتا ہے تمہاری اور میری شادی ہو جائے۔ لیکن تم میرے ماضی اور حال سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔ تم تاجور کو جانتی تھی نا؟“ میرال اسے دیکھ کر رہ گئی۔ صرف تاجور کیوں؟ اس نے ساتھ اپنی بیویوں میں سے کسی کا نام کیوں نہ لیا؟

”ایسا نہیں ہے کہ میں اس سے موو آن نہیں کر سکا۔“ اس کے تمام خیالوں پر عالم نے بند باندھ دیا۔ ”لیکن میری دونوں بیویوں سے زیادہ تم تاج کو جانتی تھیں لہٰذا میں چاہوں گا کہ تم اسے اور اس کے میرے تعلق کو بھول کر میری زندگی میں شامل ہونا چاہو تو ٹھیک ہے۔ میں تم سے شادی کر سکتا ہوں۔“

میرال نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ”میں جانتی ہوں وہ قصہ ختم ہے، میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم دوبار شادی کر چکے ہو۔ تمہارے اور میرے درمیان راز تو نہیں تھے، عالم۔“ وہ بااعتماد سی تھی۔ اس سے محبت کرتی تھی مگر وہ جذبہ اتنا خالص اور پاک تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گردن اٹھائے بیٹھی تھی۔

”اگر ہمارے درمیان راز نہیں تھے تو مجھے یہ بات سہراب سے کیوں پتا چل رہی ہے کہ تم...“ وہ رکا۔ کیا کسی عورت سے ایسے الفاظ کہنا مناسب ہو گا؟

”رک کیوں گئے ہو کہو۔ میں میرال شیرازی عالمگیر یمن سے محبت کرتی ہوں۔“ وہ مکمل اعتماد کے ساتھ کہہ رہی تھی عالم ٹھہر گیا۔ بے اختیار مڑ کر آس پاس دیکھا۔ ”یہ کوئی راز نہیں تھا۔ میں زبان سے نہیں بولتی تھی مگر میرے برتاؤ سے تو اندازہ ہو جاتا تھا۔ کیا تمہیں کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا؟“ وہ چوڑا ہو کر بیٹھ گیا۔ اب کیسی شرم؟

”آدھی زندگی تمہاری وجہ سے مجھے ابا سے گالیاں پڑی حالانکہ میں ابا کی فیورٹ اولاد تھا۔ کالج میں تم مجھے نظر انداز کرتی رہی۔ ہر جگہ مجھ سے آگے ہوتی تھی۔ مجھے زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں اور ان سب کے درمیان تم چاہتی ہو، میں غور کرتا کہ کہیں یہ سب تم محبت میں تو نہیں کر رہیں، الو کا پٹھا ہوں میں؟“ میرال نے مسکراہٹ دبائی۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی تھی۔

”اسکول اور کھیل میں تم انکل سے اس لیے ذلیل ہوتے تھے کیونکہ میں زیادہ لائق تھی۔ کالج میں تمہیں نظر انداز نہیں کیا، فاصلہ رکھ رہی تھی کیونکہ ان دنوں مجھے تم خاص لگنے لگے تھے اور تمہیں زچ کرنا میرا پسندیدہ کام ہے جسے میں مستقبل میں مکمل تسلی اور فخر سے کرنا چاہوں گی۔“ عالم نے نفی میں سر ہلایا۔

”تم اس وقت شاید محبت میں ہو، میں محبت کو تم سے زیادہ اچھے سے جانتا ہوں۔ اس میں سامنے والے کی خامیاں دھندلی نظر آتی ہیں۔ تاج کے جانے کے بعد اگر تم مجھ سے شادی کا کہتیں تو میں بغیر کسی ایسی ملاقات کے ہاں کہہ دیتا۔ اب حالات مختلف ہیں تم جس آدمی کے ساتھ بیٹھی ہو اسے لوگ دو عورتوں کا قاتل کہتے ہیں۔ اس کی ایک

عدد بیٹی بھی ہے۔ جس کے لیے وہ پاگل پن کی حد تک جنونی ہے۔ اب تم عالمگیر سے نہیں ایک بچی کے باپ سے شادی کر رہی ہو میری ترجیح عبیر تھی، ہے اور رہے گی۔ اگر اس سب کے بعد بھی تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو تو میری طرف سے تمہیں شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔" بے حد سبھاؤ سے کہتے ہوئے وہ اس چڑچڑے اور باتیں منہ پر مارنے والے عالم سے بے حد مختلف لگ رہا تھا۔ سنبھلا ہوا، بے حد ٹھہراؤ والا۔

"جب تمہاری ترجیح تمہاری بیٹی رہے گی تو تم مجھے کہاں جگہ دے پاؤ گے؟" محض محبت کے پیچھے تو وہ بھی نہیں بھاگ رہی تھی۔

"مجھ سے محبت کرنے سے پہلے تم نے اتنا معلوم تو کروایا ہو گا کہ میں کھرا آدمی ہوں۔ ناانصافی نہیں کرتا۔ تمہارا الگ مقام ہو گا، تم میری بیوی کی حیثیت سے میرے گھر کی مالکن ہو گی۔"

"اور دل؟" چند لمحوں کے لیے عالمگیر بالکل چپ ہو گیا۔ ایک نظر میرال کو دیکھا پھر میز کی سطح کو۔ آس پاس چھری کانٹوں اور گلاسوں کے ٹکرانے کی آواز میں اس نے عالم کو کہتے سنا۔

"دل نے عالمگیر کو بس خوار ہی کروایا ہے۔" بے حد دھیرے سے کہا۔ نگاہ نہیں اٹھائی۔ "میں نے تاج سے محبت کی وہ مجھ سے دور ہو گئی۔ میں نے شادی کی، اپنی بیوی کو دل میں جگہ دی اور وہ مر گئی۔ دوسری بار پھر یہی ہوا۔ اس بار میں دل کو نہیں لانا چاہتا۔ اس نے مجھے ذلیل کروایا ہے، اس لیے اس کے نخرے میں بھی نہیں اٹھاؤں گا۔ دل نے میرے ساتھ نہیں نبھائی، اس لیے میں اسے اس کی اوقات میں رکھوں گا۔"

"پھر مجھے کس بنیاد پر گھر لے کر جاؤ گے؟"

”تمہارا دل.... میری تم سے اور اس تعلق سے مکمل وفا۔ انسانیت....، سبھاؤ، انڈرسٹینڈنگ اور کیا چاہیے؟“ چہرہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یقین دہانی کروائی۔ ”تم پر عبیر کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو گی، تم میرے لیے اس گھر میں آؤ گی۔ وہ میری بیٹی ہے، اس کا دھیان میرا فرض ہے۔ اس تعلق میں تم دل لاؤ گی اور میں انس۔“

میرال کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید اس پیشکش کو رد کر دیتی۔ اسے عالمگیر سے بے تحاشا محبت تھی مگر اس نے خود کو اتنا بلند رکھا تھا کہ تاجور کی بے وفائی کے بعد خود کو اس کے سامنے پیش نہیں کیا کہ کہیں اس کی ناقدری نہ ہو۔ عبیر کی ماں کی وفات کے بعد اس نے عالم سے کوئی اظہار نہیں کیا کیونکہ تب وہ خود کو ایک بچی کی ماں کی حیثیت سے نہیں دیکھ پائی تھی۔ آج جب وہ یہ سارے عہد و پیمان کر رہا تھا تب اسے محسوس ہوا وہ اس کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ دل شرط اول نہیں۔ ہر شادی میں دل اول تھوڑی آتا ہے؟

اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ ”بابا سے بات کرنے کون آئے گا، تم یا سہراب؟“

”تم شروعات کرو نا۔ بتاؤ انہیں کہ تم عالمگیر یمن کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوب چکی ہو۔“ ٹھوڑی تلے ہتھیلی ٹکائے وہ اسے تپا رہا تھا۔ آ گیا وہ اپنی جون میں۔

”تم سے اظہار کیا کر دیا تم نے تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔“

”تم سالوں سے مجھے دل میں رکھے ہوئے تھیں، میں نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں تو اب تمہیں شکوہ ہونے لگا؟“ اس کی آنکھوں کی چمک، اسے چڑاتی ہوئی زبان، اور محظوظ سا لہجہ۔ میرال شیرازی کو لگا وہ اس کے ساتھ زندگی گزار لے گی۔ اسے برداشت کرتی ہوئی میرال۔ آج تو وہ عالمگیر کو بھی اتنی بُری نہیں لگ رہی تھی۔

نئی زندگی کی شروعات میں ان دونوں نے پرانے تاثرات مدفن کر دیے۔ چند پل بعد ریستوران میں ان کی ہلکی ہلکی باتوں کی آواز آ رہی تھی۔

★★★★★

دو ہفتے بعد نکاح کی تقریب شیرازی صاحب کے گھر پر ہی منعقد ہوئی۔ چند احباب اور دوستوں کے درمیان ایجاب وقبول کے مراحل طے ہوئے، میرال شیرازی عالمگیر یمن کی بیوی بن چکی تھی۔ نکاح کے تقریباً دس منٹ بعد دلہن کو دولہا کے ساتھ لا کر بٹھایا گیا۔ نیلے رنگ کے صوفے پر، عقب میں لگی سجاوٹوں کے درمیان وہ دونوں اس محفل کے اہم ترین لوگ تھے۔

گہرے سرخ رنگ کے غرارے کے ساتھ ہم رنگ بھاری دوپٹہ سر پر لیے، بھاری زیور اور میک اپ والی لڑکی کو عالمگیر نے آج پہلی بار بے حد غور سے دیکھا۔ اس کے لبوں پر مدھم مسکان تھی، سنہرے آئی شیڈ والی آنکھیں وہ کبھی اٹھاتی کبھی جھکا لیتی۔ ہاتھوں میں پڑی کانچ کی چوڑیاں ہلتیں تو شور سا پیدا ہوتا یا شاید وہ صرف عالم کو سنائی دے رہا تھا۔ اس کی انگلیوں میں صرف ایک انگوٹھی تھی جو اسے عالم نے دی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر مہندی بھی تھی شاید کہیں عالم کا نام بھی ہو۔۔۔؟

"عالم۔؟" اس کے کانوں میں میرال کی ہلکی سی آواز پڑ رہی تھی۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا اور میرال کو دیکھا جو روہانسی ہو رہی تھی۔ "تم میرے دوپٹے پر بیٹھ گئے ہو، سارے بال کھنچنے سے خراب ہو رہے ہیں۔" عالم جلدی سے اٹھا، میرال کا دوپٹہ اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کے عقب میں پھیلایا۔ دو سے تین پنز اپنی جگہ سے اکھڑ رہی تھیں۔ عالم نے بڑی مہارت سے انہیں دوبارہ ٹھیک سے لگایا اور واپس اس کے قریب بیٹھ گیا۔ میرال تو میرال وہاں کھڑا ہر انسان بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ عالمگیر اور کسی کی پرواہ کرے؟ ناممکن، اونہوں نامنظور۔

" اچھی لگ رہی ہو!" اس کے پاس بیٹھے وہ بے ساختہ کہہ بیٹھا۔ میرال نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر وہ جھینپ گئی۔ عالمگیر مبہوت ہوا۔ اس کا یہ انداز آج اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سفید کرتا شلوار پہنے سہراب ایک طرف کھڑا موبائل پر بات کرتے ہوئے شاید کھانے کا پوچھ رہا تھا۔ اسلان بے زار سا ایک طرف بیٹھا تھا۔ انگلیاں

موبائل پر چل رہی تھیں اور آراہ اپنا بھاری غرارہ سنبھالتے دلہا دلہن کو تصاویر لیتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کو کہہ رہی تھی۔

"اصولاً تمہیں میری تعریف بھی کرنی چاہیے تھی۔" آراہ کے کہنے پر سرمئی شلوار قمیض والے مرد نے میرال کا ہاتھ تھامتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"کیا کہتی میں؟"

"جو دل میں آئے۔"

"جو دل میں ہے، وہ کہنے کو ساری زندگی کے لیے قبول ہے کہا ہے، فکر نہ کیا کرو وقتاً فوقتاً تمہارے اندر کا سیلف آبسیسڈ آدمی خوش ہوتا رہے گا۔" عالم محظوظ ہوا پھر رخ بدل کر سنجیدگی سے سامنے دیکھنے لگا۔ ہاتھ کے اشارے سے آراہ کو "بس" کرنے کو کہا۔ وہ کافی حد تک مطمئن لگ رہا تھا اور میرال سرشار۔

سہراب اور شیرازی صاحب کی نگاہ ملی۔ وہ غیر مطمئن تھے مگر ان کو سہراب کے الفاظ یاد تھے۔ "میں ذمہ داری لیتا ہوں انکل۔ میرال لعل یمن میں عالم کے ساتھ خوش رہے گی۔ اسے ذرا سی بھی تکلیف ہوئی تو میرا گریبان اور آپ کا ہاتھ۔"

"سہراب پلیز۔۔۔" آمنہ کی آواز پر وہ مڑا۔ اس کے کندھوں تک آتی وہ کب سے ساتھ تصاویر بنوانے کے لیے آگے پیچھے پھر رہی تھی۔۔ "بس دس تصویریں صرف دس۔" اس نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ آمنہ کو اپنے قریب کیا، ایک بازو اس کی کمر کے گرد باندھا اور بہت ہلکا سا مسکرایا۔ کیمرہ ہاتھ میں لیے کھڑی آراہ نے مسکرا کر تھمز اپ کا اشارہ کیا۔

شیر ازی صاحب اپنی جگہ سے اٹھے، آ کر بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا دوسرا ہاتھ عالمگیر کے کندھے پر رکھا اور دو سے تین بار تھپتپایا۔ ”میں نے اپنا سب سے قیمتی اثاثہ دیا ہے، مجھے امید ہے تم اس کی قدر کرو گے۔“ عالم نے ایک نظر انہیں دیکھا، پھر میر ال کو۔ یکدم اسے احساس ہوا اب میر ال محض شیر ازی صاحب کا قیمتی اثاثہ نہیں رہی تھی۔

اس کی نظریں ایک بار پھر میر ال تک گئیں اور پھر کر سہر اب پر پڑیں۔ ہلکی سی مسکان لیے وہ بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے عالم کو ادراک ہوا کہ سامنے کھڑا شخص اس کے لیے ڈھیر سارے محاذ لڑ چکا ہے۔ وجہ کیا تھی؟

ذہن پر زور دیے بنا ماضی میں آؤ جہاں عالمگیر پلنگ کی پائنتی کے قریب بیٹھا تھا۔ پلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے لاغر وجود افتخار یمن کا تھا۔ وہ ہو بہو اپنے باپ کا پرتُو تھا۔ ”عالم گھر جا کر آرام کر لے میرے بیٹے۔“ وہ نقاہت سے کہہ رہے تھے۔ عالم نے ضدی انداز میں سر نفی میں ہلایا۔ گردن جھکائے رکھی شاید وہ ضبط کر رہا تھا۔ ”دو دن سے یہیں ہو، جانتے ہو نا تم تکلیف میں ہو گے تو مجھے چین نہیں آئے گا؟“

”کہیں نہیں جا رہا میں۔ آپ کو گھر لے کر جاؤں گا۔ سارا علاج ہو گیا ہے بس گھر چلیں۔“

”ادھر آؤ۔“ بازو پھیلائے محبت سے اپنی سب سے چھوٹی اولاد کو قریب بلایا۔ وہ آگے کو ہوئے سر ان کے سینے پر رکھا اور پیر لمبے کر کے ایک ٹانگ ان کی ٹانگ پر رکھ لی۔ افتخار بہت دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے رہے اور وہ ان کے سینے سے لگ کر ان کے پاس پڑا رہا۔ ”زندگی کو زندگی سمجھنا شروع کر دے، عالم۔ میں نہیں رہا نا تو کسی نے تجھے پوچھنا بھی نہیں۔“ نامحسوس انداز میں عالم نے سینے سے ان کی قمیص مٹھی میں بھینچ لی۔ یہ بات اسے پسند نہیں آئی تھی۔ ماں کی وفات کے بعد وہ کسی اور کو کھونے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

”تم میری اولاد ہو، مجھ جیسی محبت کوئی نہیں کرے گا۔ میری طرح کوئی معاف نہیں کرے گا۔ یہ جو لوگ ہیں ناں، نوچ کھائیں گے۔ مرد صابر اور مضبوط اعصاب والا ہوتا ہے۔ سہر اب کو دیکھ کیسے ماتھے پر شکن لائے بغیر ہر کام کر دیتا ہے۔ سن لیتا ہے، سمجھ لیتا ہے۔ تو نے بس ضد لگانی ہوتی ہے۔ تو میرا دلیر بیٹا ہے تو لیکن بعض دفعہ بڑی

زیادتی کر جاتا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہے تھے ہر دفعہ کی طرح عالم سن رہا تھا۔ افتخار یمن کے لیے عالم بینائی تھا، عالم ہی روشنی اور وہی تندرستی۔ باپ کی محبت نے اسے حد درجہ خود سر اور ضدی بنا دیا تھا۔ اس کے برعکس سہراب اپنی ماں کا فرماں بردار بیٹا رہا تھا۔ ان ہی کی طرح کم گو، نرم۔

"ابا گھر کب جانا ہے؟" ان کی ساری تقریر کے دوران وہ احتراماً چپ رہا مگر یہاں انہوں نے بولنا بند کیا یہاں وہ اپنا مطالبہ پیش کر گیا۔ ابھی وہ کوئی جواب دیتے کہ سہراب سفید رنگت لیے اندر داخل ہوا۔ اس کے لب ہلکے وا تھے آنکھیں بے یقین۔ افتخار یمن نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا چند لمحے دیکھتے ہی رہے پھر دھکا سا لگا۔ کچھ تھا جو اپنی منجھلی اولاد کی آنکھوں میں وہ پڑھ چکے تھے۔ وہ جو اس نے ابھی کہا بھی نہیں تھا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" عالمگیر نے سیدھے ہوتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔ "گھر جائیں ہم، میں ابا کا سامان رکھ لوں؟"

"شام تک بتائیں گے۔" اس نے نپے تلے انداز میں کہا اور باپ کی دوسری طرف آکر بیٹھا۔ اس کا سارا بدن لرز رہا تھا۔

"ایسے کیسے شام کو بتائے گا ہم اس کے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا، بے زاریت عود کر آئی۔ "میں بات کر کے آتا ہوں۔ اس کے باپ کا راج ہے کیا؟" وہ دروازے کی طرف جانے لگا سہراب نے اسے نہیں روکا۔ بس تھک کر بے حد دھیرے سے سر جھکا کر باپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ افتخار یمن کے دل پر کسی نے ضرب دے ماری۔ گرم گرم آنسو ان کا کندھا بھگو رہے تھے۔ سہراب یمن رو رہا تھا۔ ان کا سب سے مضبوط بیٹا رو رہا تھا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" دیوار کو تکتے وہ مضبوط لہجے میں پوچھا۔ سہراب روئے گیا کہا کچھ نہیں۔

"سہراب۔۔۔" اب کہ انہوں نے کچھ قدر سختی سے پوچھا۔ "کیا کہتا ہے ڈاکٹر اور اس کی طب؟"

”آخری۔۔۔درجے کا۔۔۔۔سرطان۔“ وہ تکلیف سے بولا۔ ”آخری درجہ۔۔۔ ابا آخری درجہ۔کوئی علاج نہیں ہے ابا کوئی نہیں۔“ افتخار چپ کے چپ رہ گئے۔دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑے عالمگیر کے پیروں سے زمین نکل گئی اور سہراب نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

”کتنا وقت؟“ اب کے سہراب آنکھیں رگڑ کر سیدھا ہوا۔ آنسو بہہ رہے تھے مگر بے آواز۔دروازے کی ٹیک چھوڑ کر عالمگیر اندر آیا۔چہرہ بے رنگ، آنکھیں تاریک۔وہ یک ٹک ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”کتنا وقت، سہراب؟“ ان کی آواز لرزی۔وہ چہرہ پونچھتا رہا۔

”دو ماہ، یا شاید دو ہفتے۔مجھے نہیں پتا۔“ وہ لب بھینچ گیا۔عالمگیر کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔افتخار یمن بہت دیر تک خاموش رہے۔اپنے دونوں بیٹوں کو تکتے رہے۔۔۔تیسرا ان کے لیے کبھی موجود رہا ہی نہیں تھا۔

”عالم کا دھیان رکھنا، سہراب۔“ کہا تو بس اتنا۔سہراب نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔عالمگیر نے شور کر کے سارا ہسپتال سر پر اٹھا لیا۔اس سارے ہنگامے، شور اور قلق کے پار بھی سہراب نے ان کی بات سنی تھی، یاد بھی رکھی اور عمل بھی کیا اور آج تک کر رہا تھا۔ابا نے عالم کے لیے بڑا بھائی چھوڑا تھا مگر سہراب کے لیے کھوکھلی مضبوطی۔

★★★★★★★★

کہیں اندھیرا تھا کہیں روشنی۔شہر بلکہ سارا ملک بلیک آؤٹ کا شکار تھا۔جنریٹر چالو کر دیے گئے تھے مگر اتنے بڑے ہسپتال کے تمام کونوں میں بجلی کی ترسیل کا نظام بحال کرتے شاید انتظامیہ کو وقت درکار تھا۔”ہاں ناظم؟ تم کرائم سین پر موجود ہو؟“ موبائل کان سے لگاتے اس نے دوسری طرف پوچھا۔”میری بات غور سے سنو ایک ایک چیز پر دھیان دینا، ایک ایک شخص پر نظر رکھنا اور تمہارے سورسز سے کچھ علم ہوا؟ کیس کیسے ملے گا؟“

زینوں پر لمبے ڈگ بھرتا سہراب یمن بس ایک نام نہیں سننا چاہتا تھا۔ "سلطان راہی" مگر انتظامیہ اور قدرت اس کے زرخرید غلام نہیں تھے اور ستارے اس کے گردش میں لہٰذا اسے وہی سننے کو ملا۔

"کیس کا تو نہیں پتا لیکن تھانے سے سلطان راہی کو بھیجا ہے۔" راہداری میں چلتے ہوئے لفٹ کے قریب ایک طرف اسے ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ اس کے عین سامنے راہ داری کی دیواروں سے ایک دوسرے کے آمنے سامنے کئی لوگ موجود تھے۔ وہ اس منزل کو مزید ڈھونڈتے رہنا چاہتا تھا مگر وہ مل چکی تھی۔

سفید سنہری ساڑھی والی انارا طارون۔ اس نے پیٹھ دیوار سے جوڑ رکھی تھی۔ آنکھیں بند تھیں جن سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے عین سامنے سنہری گاؤن والی تمکنت بنگش کھڑی تھیں۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا البتہ آنکھوں میں مردنی تھی۔ بیٹا اندر نہیں تھا، اس کی کُل کائنات، اس کا صلاح کار، اس کا مُشیر، اس کا بازو، اس کا دل اندر تھا۔ رئیس ماں کے ساتھ کھڑا تھا۔ زید نے آکر کچھ کہنا چاہا مگر تمکنت نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"یہ تمہارے بس کا کام نہیں رہنے دو۔ تم اب بھی جاؤ اپنی دو ٹکے کی نوکری کرو۔" زکام زدہ آواز میں اسے سمجھایا کہ وہ کسی طوفان میں ان کے گرتے وجود کو سہارا نہیں دے سکتا۔ سہراب نے تھوک نگلتے محتاط قدم بڑھائے۔ اسی لمحے آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور باہر آنے والی ڈاکٹر نے دو انگلیوں سے سرجکل ماسک اتارا۔ پولیس سمیت ہر شخص آگے آیا۔ راہداریوں میں سکوت تھا، عجیب سی بے اختیاری۔ ہر ذی نفس دھڑکن روکے منتظر تھا۔

"زخم گہرے تھے، ہم نے کوشش کی لیکن خون زیادہ بہہ چکا تھا۔ جب آپ مریض کو لائے تھے۔ نبض ساکن تھی۔ ہم نے شاٹس دیے۔" اس نے تھوک نگلا۔ "اگر تھوڑی دیر پہلے.... " وہ رکی۔ "آئی ایم سوری۔ (he is no more) ہی از نو مور۔" کانوں کو سن کر دینے والا کوئی گھنٹہ بجا دیا گیا۔ کسی نے قدموں سے سارے سہارے کھینچ لیے، قیامت دور تھی پھر یہ کانوں کو چُھبتا صور کیسا تھا؟

کسی نے ماں کے جگر پر ہاتھ ڈالا اور کسی نے بڑے بھائی کا دل چیر دیا۔ محبت نے سرخ رنگ اوڑھنا تھا، مقدر میں سفید چادر آئی۔ رئیس، زید، آراہ ہر کوئی پتھر کا بت بن گیا۔ مرنے والا ان سب کی زندگیوں میں ایسی جگہ موجود تھا کہ اس کی موت نے بڑے بڑے خلا کھلے چھوڑ دیے۔ کتنے لمحے، کتنی صدیاں راہ داری میں کوئی آواز نہیں گونجی۔

اور پھر ایک سسکی ابھری۔ تمکنت حلق کے بل چیختے ہوئے پیچھے ہو رہی تھی۔ شاہ زید یک ٹک دیواروں کو تک رہا تھا اور انارا جیسے اب ہوش میں آئی۔ وہ آگے آئی ڈاکٹر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

”وہ مر نہیں سکتا آپ جھوٹ بول رہی ہیں نا؟“ سہراب آگے بڑھا۔ اس سے ہر تعلق ختم کرنے کا دعویٰ وہیں کہیں خاک نشین ہو گیا۔ اس نے آراہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”چاچو ان کو دیکھیں پلیز یہ جھوٹ ہے۔ ایسے کیسے مر سکتا ہے وہ، ان کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ ایسے نہیں مر سکتا آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔“ سہراب نے اسے بازو کے حلقے میں لیا مگر وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

”شاہی مر نہیں سکتا۔ وہ مر نہیں سکتا۔“ راہداری میں اس کی آہیں پلٹ پلٹ کر سہراب کے دل پر ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔ ”آپ سب جھوٹ بول رہے ہیں شاہ ویر نہیں مر سکتا۔ اسے کچھ نہیں ہوا، تم سب جھوٹے ہو۔“ وہ خود کو مرد کی گرفت سے آزاد کروا رہی تھی۔ ”کسی اور ڈاکٹر کو بلائیں جھوٹ بولنا بند کریں، شاہ ویر مجھے نہیں چھوڑ سکتا۔“ سہراب نے اسے دونوں بازوؤں سے کھینچ کر گلے لگاتے ہوئے قابو کیا۔ مگر وہ جنونی انداز میں چیختے ہوئے خود کو چھڑوا رہی تھی، ڈاکٹر پر جھپٹ رہی تھی۔

”ڈیڈ باڈی کب تک ملے گی؟“ ابتسام عباس سوال کر رہا تھا، کسی نے غور کیا ہو یا نہیں نہ اس کی آنکھ سے آنسو بہا، نہ اس کے چہرے پر کوئی ملال آیا۔

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں شاہی مر نہیں سکتا۔“

”میرا بیٹا.....“

”میرا بھائی.....“

”اللہ کی شے تھی بچے صبر کرو۔“

”پوسٹ مارٹم.....“ زید ٹکر ٹکر سب کو تک رہا تھا۔ کوئی آواز اس کے درد کو کم نہیں کر رہی تھی، کوئی چیز ذہن میں بیٹھ نہیں رہی تھی۔ کسی نے اس کے دل کو نکال کر پیروں تلے کچل دیا تھا۔ حلق سے حزن تو کیا آواز بھی باہر آنے کو تیار نہیں تھی۔ اس کا بھائی.....اسے دیر ہوگئی تھی۔ اسے دیر ہوگئی تھی..... کیا اسے واقعی دیر ہوگئی تھی؟

اسی لمحے سامنے سے کوئی آتا دکھائی دیا۔ سفید بتیوں میں اس کا سراپا نظر آیا۔ سرمئی تھری پیس، مضبوط قد کاٹھ، چوڑے شانے، ہیزل آنکھیں اور ہلکی بڑھی ہوئی داڑھی میں اکا دکا سفید بال۔۔۔ مگر ایک منٹ۔۔۔ کیا اس پر اٹھتی ہر نظر اس کے وجیہہ چہرے کی وجہ سے تھی؟ اونہوں، نہیں، ہرگز نہیں۔ جہاں ایک طرف صف ماتم تھیں وہیں دوسری طرف وہ ”وجہ ماتم“ معلوم ہوتا تھا اور بے خبر بھی۔

اس کی سفید شرٹ کے سینے پر خون کے خشک ہو چکے بڑے بڑے دھبے تھے، کالر پر بھی خون تھا، کف پر بھی خون تھا۔ ہر کوئی دم سادھ گیا۔ موبائل پر بات کرتا عالم ٹھٹکا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی دوائیوں کی پرچی لہرا کر ایک جگہ ساکن ہوئی۔ مقتول کے ورثاء اور مقتول کے ساتھ آخری عناد رکھنے والے شخص کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ قانون کے ٹھیکیدار اس نئی آمد سے کچھ کچھ مضمحل نظر آئے۔ سرخ آنکھوں اور چہرے پر قہر لیے تمکنت نے اسے کالر پکڑتے جھنجھوڑا۔

”تم نے مارا ہے۔ تم قاتل ہو، میرے ویر کے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ اس نے عالم کے چہرے پر ایک تھپڑ دے مارا۔ وہ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ تک رہا تھا۔ ”تم گھٹیا آدمی ہو۔۔۔ تم نے مارا ہے..... لعنت ہو تم پر، تم نے

مارا ہے۔ میرے بیٹے کو تم قاتل ہو۔" اس پر ہسٹریائی کیفیت طاری تھی۔ آراہ اور سہراب تمام صدمہ چھوڑ اس طرف بڑھے۔ تمکنت پے در پے اس کے چہرے پر تھپڑ مار رہی تھی۔ عالم ہنوز ششدر تھا۔ اس کے وجود میں ذرا سی بھی جنبش نہیں ہوئی۔ وہ کبھی تمکنت کو دیکھتا اور کبھی ایک طرف کھڑی پولیس اور ڈاکٹروں کی جماعت کو، پھر کبھی آراہ کو۔ کسی ایک انسان کے لیے اگر دل دکھا تو وہ آراہ تھی۔

"اسے گرفتار کرو یہ میرے بیٹے کا قاتل ہے۔ اس نے شاہ ویر کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ یہ وہاں سے بھاگ گیا تھا۔۔۔ اس کے کپڑوں پر بھی خون ہے۔۔۔ اس نے میرے بیٹے کا قتل۔۔۔" نیم دیوانی ہو چکی عورت بولتے بولتے غش کھا کر گری۔ رئیس نے بہ دقت اسے سنبھالا۔ افسر نے عالم کو دبوچا۔ دوا کی پرچی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری۔ الفاظ اب بھی حلق سے نہیں نکلے، وہ اب بھی کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"عالم تم خاموش رہو گے تم کچھ نہیں کہو گے۔" سہراب اس کی دائیں طرف کھڑا اسے سمجھانے لگا۔ یہ گرفتاری کسی صورت ٹل نہیں سکتی تھی لہٰذا وہ اس مقدمے کو کمزور پڑنے سے بچائے گا۔ "میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ تم چپ رہنا۔ تھانے جا کر کچھ مت کرنا، کچھ مت کہنا بس چپ رہنا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب تک میں تمہارا وکیل نہ لے آؤں تم چپ رہو گے۔"

"میری بیٹی۔۔۔ اندر وہاں میری بیٹی ہے۔" وہ مارے تحیر، سراسیمگی کے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتا رہا تھا۔ حلق میں پھندا لگ گیا تھا الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ "اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میری بیٹی کے پیر جل گئے ہیں۔ میں ہر الزام کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں بس مجھے میری بیٹی کو گھر چھوڑ کر آنا ہے۔ سہراب میری بیٹی۔ عبیر وہ اندر ہے۔" عالم مزاحمت کرنے لگا اسی پل سبز وردی والے افسر نے اس کا چہرہ دیوار سے لگایا۔ انداز اتنا سخت تھا کہ ماتھے پر دیوار کی ضرب لگی۔

”تم مجھے ایسے گرفتار نہیں کر سکتے۔ چھوڑو مجھے میری بیٹی اندر ہے۔ چھوڑو۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ وہ مسلسل مزاحمت کر رہا تھا۔ آراہ مزید بلند آواز میں رونے لگی تھی۔ سہر اب عالم کو سمجھا رہا تھا۔ اسے مزاحمت چھوڑنے کو کہہ رہا تھا۔ پولیس والوں سے نرمی کا کہہ رہا تھا۔ رئیس اور تمکنت اب بھی الزامات کی بارش کر رہے تھے مگر کوئی بھی آواز بنچ پر بیٹھے اس شخص کی سماعتوں میں نہیں جا پا رہی تھی۔ اس کی ساکت نگاہیں اب تک اپنے ہاتھوں پر جمی تھیں جہاں خشک خون لگا تھا۔ وہ چپ تھا بالکل چپ۔ سماعتوں میں گھنٹیاں بج رہی تھیں، منظر دھندلے اور زندگی ایک نقطے پر ساکن۔

“he is no more” راہ داری کے ایک سرے سے نرس عبیر کو وہیل چیئر پر بٹھائے اسی طرف لا رہی تھی شاید وہ شور سن کر اس طرف آئی تھی یا شاید بچی نے ضد کی تھی۔

”میری بیٹی اکیلی ہے چھوڑو۔“ اس کے باقی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ عبیر اسے دیکھ چکی تھی۔ افسر نے اس کی کمر پر ضرب مار کر نیچے گرایا۔ عدالت میں قانون کی جنگ لڑنے والا وکیل قانون ہی کے ہاتھوں بری طرح ذلیل ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر لا کر ہتھکڑی باندھی گئی۔

عبیر حیرت سے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی، عالم کی نگاہ اسی پر جم گئی۔ ”بابا۔۔۔“ اس کی آواز شور میں دب گئی۔

”قاتل۔۔۔ ڈیڈ باڈی۔۔۔ تھانے چلو۔۔۔ چاچو نے کچھ نہیں کیا۔“ مختلف آوازیں، مختلف کردار، مختلف حالات۔ زمین پر پڑی پرچی پر بچی کا نام لکھا تھا۔ عبیر عالمگیر۔ شور، نفرت، عداوتیں موت کا اعلان ان سب کے درمیان ”وہ“ اب بھی پتھر کا بت تھا۔ عالم کی نگاہیں اس کی بیٹی پر ساکت تھیں۔ وہ آج کے بعد اس سے جھوٹ نہیں بول پائے گا، آج کے بعد ٹرپ نامی کوئی حیلہ نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کے سامنے اپنا وقار کھو چکا تھا۔

بنچ پر ساکن بیٹھا شخص سمجھ نہیں پا رہا تھا، بھائی گیا یا دنیا؟

★★★★★

کچھ راتیں جلدی نہیں بیت جاتیں۔ چند گھنٹے چند صدیوں پر محیط ہوتے ہیں، چند پل چند سالوں جتنے طویل اور صبر آزما۔ یہ رات بنگش خاندان پہ اگر بھاری تھی تو یمن خاندان بھی ایک کڑے عذاب سے گزر رہا تھا۔

سہراب ہسپتال سے واپس گھر نہیں گیا۔ اس کا بھائی قتل کے مقدمے میں گرفتار ہو چکا تھا وہ تو سر راہ ذلیل وخوار ہو کر رہ گیا۔ اس کی بھتیجی کا منگیتر قتل ہو چکا تھا۔ وہ دل جوڑے یا دماغ چلائے سب سمجھ سے باہر تھا۔ آج پہلی بار اسے لگا وہ گھر کا بڑا مرد نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ آشیانہ بنگش پر گویا قیامت ٹوٹ چکی تھی۔ تقریب میں شرکت کو نکلے مکین گھر کا چراغ بجھا کر واپس آئے تھے۔ آنے جانے والوں کا تانتا بندھ گیا، گھر اور ہسپتال کے باہر شاہ ویر بنگش کے "لوگوں" کا آنا جاری و ساری تھا۔۔ میر مر گیا تھا، کارواں پیچھے رہ گیا۔ کمبخت پیچھے رہ جانے والوں کو کھڑے ہونے کا ہنر سکھا کر آیا تھا۔ وہ یوں کھڑے تھے کہ انتظامیہ کو ڈھا رہے تھے۔ ہسپتال کے باہر جہاں تک نگاہ جاتی وہاں تک لوگ تھے، بس لوگ اور محض لوگ۔

"وہ میر کارواں تھا، ہم اس کی موت پر چپ چاپ بیٹھ جائیں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" ...."اگر حکومت چپ چاپ بیٹھے گی تو ہم آدھے شہر کو آگ لگائیں گے۔" ...."مجھے یقین نہیں آ رہا وہ ایسے کیسے مر سکتا ہے؟ وہ لڑکی ایک آسیب تھی، کھا گئی ہمارے رہنما کو۔ وہ جب سے شاہ ویر کی زندگی میں آئی تھی وہ کبھی خوش نہیں رہا۔" .... "ہمیں انصاف چاہیے، کوئی بھی اٹھ کر یوں ہمارے رہنما کو کیسے مار سکتا ہے۔" ایسا اشتعال، ایسی نفرت، ایسا غیض وغضب آج شہر آگ کی روشنی میں جل اور جلا رہا تھا۔

واپس ہسپتال کی راہداری میں آؤ تو وہ اب بھی وہیں تھا۔ مگر اس کی زندگی یہیں منجمند ہو گئی تھی۔ ہاتھوں پر اب بھی وہ لمس تھا، لباس میں اب بھی اس کی مہک اور اس کی یہ حالت ہو تو کسی پر لازم تھا کہ وہ آئے۔ وہ آئی اور دھیرے سے اس کے پاس آ کر بیٹھی۔ بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

"زید۔۔۔" مدیحہ نے ہولے سے اس کا بازو ہلایا۔ آواز میں سارے زمانوں کا کرب تھا۔ "پوسٹ مارٹم کروانا ہو گا۔ ورثاء کی اجازت چاہیے۔ تمہیں ایف آئی آر کروانی ہو گی۔ تمہیں مضبوط رہنا ہو گا۔" زید نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے حد خشک تھیں۔ اماوس کی رات سی خالی اور خوفناک۔

"وہ اس کا جسم چیر پھاڑ دیں گے۔" بہت دیر بعد وہ بہ دقت بولا۔ "تم چاہتی ہو میں انہیں اجازت دوں کہ ان کا جیسے جی چاہے ویسے میرے بھائی کے جسم کو ادھیڑیں۔"

"کیا تم نے قاتل کو اجازت دی تھی کہ وہ آئے اور تمہارے بھائی کی یہ حالت کرے؟" زخم تازہ تھا چھیڑا گیا تو روح تک بلبلا اٹھی۔ شاہ زید بنگش نے نگاہ پھیر لی۔ لبوں سے سرد آہ خارج ہوئی۔ "ایف آئی آر درج کروانی ہو گی۔ وہ سیریل کلر۔"

"پارٹی میں کیا ہوا تھا؟" زید نے اس کی بات کاٹی۔ وہ سنبھلا ہوا تھا یا ساکن تھا سمجھنا مشکل امر ٹھہرا۔

"تم تھوڑا رو لو بہتر محسوس کرو گے۔" اس کی حالت کے پیش نظر مدیحہ نے مشورہ دیا۔

"میں رو گیا تو آگ ٹھنڈی ہو جائے گی، اندر جو جسم مردہ پڑا ہے وہ میرا بھائی ہے۔ اس کے قاتلوں کو جہنم بھیجے بغیر میں رو گیا تو میرے مرد ہونے پر تُف ہے۔" کوئی سنسناہٹ تھی جو سامنے بیٹھی لڑکی کی ریڑھ کی ہڈیوں تک اتر گئی۔ اس نے شاہ زید کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔ وہ آگے بڑھ کر ڈاکٹر سے کچھ کہہ رہا تھا۔

ڈاکٹر اسے سرد خانے لے گئے۔ خانہ نمبر ۱۰۶ کھولا گیا۔ وہ بے حد ٹھنڈی جگہ تھی مگر اس چہرے کو دیکھ کر اس کا لہو جوش مارنے لگا۔ وہ بہت دیر تک اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ اسے دیکھتا رہا۔۔۔ بس دیکھتا رہا۔ رونا آرہا تھا یا نہیں اسے علم نہیں تھا۔ بہت دیر بعد اس نے جھک کر اس کا یخ ماتھا چوما، پھر کندھا، پھر گال۔ اس کے ماتھے سے ماتھا جوڑے وہ کتنے ہی لمحے وہاں کھڑا رہا۔ سرد خانے کی ٹھنڈک اس کے اندر کی جلن بجھانے میں ناکام رہی۔

”تمہیں اس حال میں لانے کی وجہ جو بھی ہے میں جب تک اس پر زمین تنگ نہ کر دوں تب تک میں تمہارا بھائی نہیں۔“ ایک ایک لفظ اسے باور کروایا۔ ”تم بہت اچھے تھے، میں آج اچھائی یہیں جامد کیے جا رہا ہوں آج کے بعد میں آگ اور جو قریب آیا وہ راکھ۔“ چند لمحے مزید وہیں کھڑا رہا۔

”سر آپ کو باہر جانا ہو گا یہ جگہ نارمل درجہ حرارت نہیں رکھتی آپ بیمار ہو سکتے ہیں۔“ پولیس افسر نے اس سے کہا۔

”میرے لیے یہ جگہ ٹھیک نہیں؟ اور میرے بھائی کے لیے ٹھیک ہے؟“ وہ خود سے پوچھ رہا تھا۔ پولیس افسر سے یا ڈاکٹر سے؟ ”اس جگہ سے آشیانہ بنگش اور وہاں سے سیدھا قبر۔ کیا وہ جگہ میرے بھائی کے لیے ٹھیک رہے گی؟“ اس کے ساتھ کھڑی مدیحہ نے آنکھیں رگڑیں۔

”چند گھنٹے بعد میرا بھائی میرے ساتھ ”باڈی“ کے طور پر بھی نہیں ہو گا۔ میں اس وقت اس کے ساتھ رہوں۔ اس کی میت کا انتظام کروں؟ یا مقدمے درج کرواؤں؟“ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا کرب تھا۔ اس نے کتنی کوشش کی تھی کہ معاملات یہاں تک نہ آئیں۔ سب دھرا کا دھرا رہ گیا۔ وہ اس تقریب میں کیوں نہیں تھا، وہ کیوں گیا؟

اپنے ہاتھوں سے خانہ نمبر ایک سوچ کو اندر کی طرف دھکیلتے ہوئے اس نے زکام زدہ سانس ہواؤں کے سپرد کی اور قدم باہر کی جانب لیے۔ شکستگی، قلق، حزن کیا کیا تھا۔۔۔ اس چال میں؟ وہ یہاں کیا چھوڑے جا رہا تھا، یہ بس اس کا دل جانتا تھا۔

★★★★★

رات کا اندھیرا ابھی گہرا تھا۔ اپنے اپارٹمنٹ میں موجود یافث موبائل کان سے لگائے لاؤنج میں ٹہل رہا تھا۔ سرسراتے پردوں سے فروری کی ہوائیں آ رہی تھیں۔ عبیر ایک طرف صوفے پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ ہسپتال

سے اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ آراہ اندر کمرے میں تھی۔ سہراب اس کا فون نہیں اٹھا رہا تھا اور وہ اس وقت یہاں سے جا نہیں سکتا تھا۔ کافی گھنٹے ہو چکے تھے مگر رابطہ مفقود تھے۔ دفعتاً کال کا جواب آ گیا۔ یافث جلدی سے سیدھا ہوا۔ "سہراب تم کہاں ہو؟ عالم کہاں ہے، کیا بنا؟"

"تھانے آؤ تم بھی، یہاں کام ہے۔ پارٹی میں کیا ہوا تھا یہاں آ کر مجھے تفصیل بتاؤ۔ جلدی پہنچو۔" اس کے آس پاس بہت شور تھا شاید وہ کہیں رش میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی آواز کٹ کٹ کر آ رہی تھی۔

"میں کیسے آ سکتا ہوں، آراہ کا کیا؟"

"تم اس وقت اسے گلے لگا کر تسلیاں دے رہے ہو؟" وہ تڑخ کر بولا۔ "اس کا شوہر نہیں مرا اس لیے تسلی دیتے وقت تمہاری غیرت آڑے آنی چاہیے۔" یافث کی بھنویں بھینچ گئیں۔ دروازے کی ادھ کھلی درز سے وہ فرش پر بیٹھی انارا کو دیکھ اور سن سکتا تھا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ یہ وہی حالت تھی جو پنار کے بعد اسلان کی ہوئی تھی، وہی جو میرال کے بعد عالم کی اس نے تو ان دونوں کو تسلی دی تھی۔ کیا غیرت کی کوئی جنس بھی ہوتی ہے؟

"میری غیرت ہی مجھے اسے تسلی دینے کا کہہ رہی ہے۔ وہ گھر کی عورت سے پہلے انسان ہے اور مغموم بھی۔ میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے بغیر دوسری طرف سے کچھ سنے کال کاٹ دی اور آراہ کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ دیوار کے ساتھ رکھا اس کا شیلف جس پر متعدد انگریزی کتابیں پڑی تھیں۔ اس شیلف کے گرد لٹکتی فیری لائٹس کی روشنی بھی آج ماند تھی۔ یافث دھیرے سے اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ "یہ تمہارے اور میرے بس میں نہیں تھا، آراہ۔" اس کے قریب بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگایا اور بازو اس کے گرد پھیلا دیے، سہارا ملنے کی دیر تھی۔ اس کی ہچکیاں بلند ہوئیں۔

"میں آخری وقت میں اس سے لڑتی رہی تھی ماموں۔ اس نے مجھے کہا تھا۔ میں عالم کو ساتھ نہ لاؤں کیونکہ وہ ضرور کوئی نہ کوئی فساد کرے گا۔ میں نے اس کی کوئی بات نہیں مانی، میں نے کبھی اس کی کوئی بات نہیں مانی تھی۔" اس

کی آواز میں گہرا درد تھا، بے یقینی تھی۔ کوئی اس کی روح چھلنی کر رہا تھا۔ ”کاش میں نے اس کی باتیں مانی ہوتیں۔ کاش میں نے اسے نیویارک سے نہ بلوایا ہوتا۔“ موبائل دوبارہ بجا۔ جذبات اور عملی زندگی میں کسی ایک چیز کو چننا تھا۔ ”آپ پلیز دوبارہ چیک کروائیں اسے کچھ نہیں ہو سکتا، ڈاکٹر کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ آپ پلیز اپنے کسی جاننے والے ڈاکٹر سے بات کریں۔“ وہ اس کے سینے سے چہرہ نکالی منت کر رہی تھی۔ یافث کی گردن کے گرد پھندا کسا جا رہا تھا۔ اس نے بے حد دھیرے سے آراہ کو خود سے الگ کیا۔ جذبات ہار گئے، عملی زندگی مشکل اور ضروری تھی۔

”وہ مر چکا ہے، آراہ۔ کوئی طبیب، کوئی طلسم، کوئی وقت اسے کچھ واپس نہیں لا سکتا۔“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اسے ساکت کر گیا۔ وہ جو مسیحا بن کر گلے لگا رہا تھا۔ اس نے گلا کاٹنا کب سیکھا؟ ”تم صحیح کہہ رہی ہو، عالم کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا اور اس بات پر پچھتانے کے لیے اب ہم سب کے پاس بہت سارے مواقع ہوں گے۔ شروعات ہو چکی ہے۔ اختتام مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آراہ نے اسے اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ درازوں کی کھول بند کی آواز، پیسے جیبوں میں ڈالے، کھڑکیاں بند کیں، پھر آراہ نے اسے اپنے کمرے کے دروازے پر فریم کے درمیان ایستادہ دیکھا۔

”میں تھانے جا رہا ہوں۔ جانا نہیں چاہتا لیکن مجبوری ہے۔ میں صرف اس لیے نہیں جانا چاہتا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم خود کو نقصان نہ پہنچا دو۔ لیکن اتنے سال تمہاری تربیت کرنے کے بعد بھی اگر یہ خوف رہے تو لعنت ہو میری تربیت پر۔“ وہ کیا جتا رہا تھا آراہ جانتی تھی۔

”میں صبح تک آجاؤں گا۔ اوکے؟“ جواب نہیں آیا۔ وہ اگلے کئی لمحے وہاں کھڑا رہا جواب نہیں آیا اور پھر وہ پلٹ گیا۔ آراہ نے اسے پلٹتے ہوئے دیکھا۔ کوئی آراہ کو شاہ ویر کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے کہا تھا اور اس کی موت کے چند گھنٹوں کے اندر اندر یہ قول حقیقت کا تھپڑ بن کر منہ پر لگا۔

"تم اور میں۔۔۔۔ ہم اب الگ ہیں آراہ۔" سہراب کا کہا ہوا جملہ نشتر کی طرح کان میں کھبا تکلیف دوہری ہوگئی۔

"تم غلط کررہی ہو۔ بنگش تمہارا دل توڑیں گے اور اگر تم پھر بھی اپنے اس فیصلے پر قائم ہو تو عالمگیر سے کوئی امید مت رکھنا۔" یکلخت ایک اور ہاتھ بھی چھوٹا۔ وہ صحرا میں تنہا رہ گئی۔

"مرد کا کردار، اس کی ماں، خاندان نہیں دیکھتے۔ مرد کا پیسہ دیکھتے ہیں۔" اس کی ماں کی غیر انسانی لالچ میں پور پور ڈوبی آواز۔

"آراہ مجھے بار بار کال مت کیا کرو یہاں میرے ہزار کام ہوتے ہیں۔" شجاع یمن کا بے زار لہجہ۔ نیم اندھیرے میں اس نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں کے آگے کیے۔ ہیرے کی وہ انگوٹھی وہی تھیں۔ شلیف میں سجی کتابیں جو تحفتاً اس نے دی تھیں، وہی تھیں۔ سنگھار میز پر موجود چمکدار شیشے کے عطر، پرفیوم وہ ان کی خوشبو میں بھی تھا مگر وہ نہیں تھا۔ وہ نہیں تھا۔۔۔۔ کہیں نہیں۔۔۔۔ اب تو کبھی نہیں۔ تھر تھر کانپتے اس نے نزدیک رکھا اپنا موبائل اٹھایا۔ اس نے جسے کال ملائی وہ بچپن کا ساتھی تھا۔ کال بجنے لگی۔

"عالم یا سہراب دوبارہ تم سے کچھ کہیں تو ان سے کہنا اسلان سے بات کریں۔" کال جارہی تھی، آنسو متواتر بہے چلے جارہے تھے وہ کال نہیں اٹھارہا تھا۔ اس نے بھلا کب پشت پناہی کی تھی؟

"میں تم سے نفرت نہیں کرتا، آراہ۔" کال بند ہوگئی۔ ہونا ہی تھا وہ تو تمام رابطے توڑ کر گیا تھا پھر کیوں وہ کسی پکار پر لبیک کہے؟

"یہ شادی مت کرو۔" کال دوبارہ جانے لگی۔ یہ آخری موقع تھا، یہ آخری سہارا بھی۔ اسے یقین کرنا تھا کہ شاہ ویر کے بعد اگر وہ کسی سے بلا جھجک کچھ کہہ سکتی تھی تو وہ یہی مرد تھا۔ شاہ ویر سے پہلے بھی تو وہی تھا۔

بالآخر پکار کا جواب آ گیا تھا۔ اسلان شجاع یمن نے اگر کہا تھا وہ اس کے ساتھ ہے تو وہ کئی کوس دور رہ کر بھی ساتھ تھا۔ وعدے وفا کرنا کوئی اس سے سیکھے۔

"بولو بی بی، میں سو رہا تھا۔" اسپیکر کے پار اس کی بھاری مخمور آواز گونجی۔ وہی ازلی بے زاری اور اکھڑ لہجہ۔

"بھائی شاہ ویر۔۔۔۔" اس نے بولتے بولتے ہچکی لی۔ "شاہ ویر....."

"مر گیا کیا؟" ہنوز اکتاہٹ۔

"وہ مر گیا ہے بھائی۔ اسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔" دوسری طرف اسلان یکلخت سیدھا ہوا۔ موبائل فون کان سے ہٹا کر اس نے ایک بار پھر وہ نمبر دیکھا، دن دیکھا، وقت دیکھا۔ آنکھیں مسلیں۔ "کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں اسے کسی نے مار دیا۔ سب کہہ رہے ہیں عالم نے اسے مارا ہے۔ پولیس عالم چاچو کو لے گئی ہے۔ سہراب اور یافث ماموں بھی وہی ہیں۔۔۔۔ بھائی پلیز تم آجاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" کوئی جھٹکا تھا جو اسے لگ رہا تھا۔ عالم؟ پولیس عالم کو پکڑ چکی تھی، شاہ ویر مر گیا تھا، اس کا گھرانہ زلزلوں کی زد میں تھا۔

"تم کہاں ہو؟" اس نے تفکر سے سوال کیا۔

"میں یہاں اپارٹمنٹ میں۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ پلیز آجاؤ۔ میں تمہاری بہن ہوں۔ تم نے کہا تھا میں تمہاری حفاظت میں ہوں، آج ثابت کرنے کا وقت ہے۔" وہ جو ساری کشتیاں جلا کر آیا تھا۔ وہ جس نے آج سرکار سے دغاداری کا عندیہ دے کر غیر قانونی طور پر سرحدیں پھلانگی تھیں، وہ جو لمحہ بہ لمحہ اپنی زندگی سے دور اپنی پسندیدہ موت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ بھلا ان پکاروں پر ٹھہر سکتا تھا کیا، کیا اسے ٹھہرنا چاہیے تھا؟

”چاچو، ماموں، ڈیڈ کوئی میرے پاس نہیں ہے، بھائی پلیز تم آجاؤ۔“ اسلان کے سامنے ایک بستہ پڑا تھا، وہ یہاں سے جانے کو تیار تھا مگر اسے رکنا پڑا۔ ہاں شاید وہ واقعی اس سے نفرت نہیں کرتا تھا۔

”گھر کے دروازے کھڑکیاں لاک کر دو۔ کوئی فون کال اٹینڈ مت کرنا، کسی دوست کو اپنی اطلاع مت دینا۔ ہم اس صدی کے سب سے بڑے میس میں ہیں۔ میں آ رہا ہوں۔ میں چند گھنٹوں میں آ رہا ہوں۔“ یقین دہانی کروائی، دوسری طرف وہ اونچا اونچا رونے لگ گئی۔ ”کوئی بے وقوفی مت کرنا، آراہ اور ڈرنا مت تم میری حفاظت میں ہو۔“ فون کاٹنے کے بعد بھی اسلان یمن نے دل پر ہاتھ رکھا، وہ معمول سے زیادہ دھڑک رہا تھا۔

★★★★★

اگلا دن

چھبیس فروری کا سارا دن عجیب سی ہماہمی میں بیت گیا۔ آشیانہ بنگش میں صف ماتم بچھا تھا، لعل یمن خالی پڑا تھا۔ یافث طارون کے فلیٹ میں آراہ کو بیس سے زائد گھنٹے ہو چکے تھے اور سہراب مختلف لوگوں کے پاس جا رہا تھا۔ رات آٹھ بجے کا وقت تھا جب اسے بالآخر تھانے آنے کی اجازت ملی۔ قریباً ساڑھے آٹھ بجے کا وقت تھا۔ تھانے کے باہر میڈیا کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جن کے آگے نمائندے مائیک تھامے کھڑے تھے۔ مشتعل عوام باہر کھڑی نعرے بازیاں کر رہی تھی، جس میں کثیر تعداد نوجوانوں کی تھی۔ میر کارواں کا، کارواں۔ ماتھے پر وہی سیاہ سفید پٹیاں، ہاتھوں میں مختلف چارٹس اور بے تحاشا شور۔ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی تھی۔

”میرے بھائی کو بلواؤ۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“ عالمگیر جلے پیر کی بلی کی طرح اس تاریک کوٹھری میں یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہا تھا۔ کوٹ اتار کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔ لباس پر چپکا خون اور حلیہ بکھرا ہوا تھا۔ ”مجھے فون ملا کر دو۔ میں ابھی اپنا وکیل بلواتا ہوں تم لوگ اس طرح مجھے بند نہیں کر سکتے، میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں۔“ وہ چلا نہیں رہا تھا۔ تھانے کا اندر قدم رکھتے ہوئے اچھے سے اچھے لوگوں کے گلے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس

وقت وہ بھی ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ ”میرے بھی کچھ حقوق ہیں تم حق تلفی نہیں کر سکتے۔ میرے وکیل سے میری بات کرواؤ۔“

”وے وکیل چپ کر کے بے جا۔ جے میں تھانے دا بوہا کھول دتا ناں اے ساری عوام جیہڑی ملے بس نعرے بازی کر رئی اے اینانے تیری ہڈی پسلی توڑ دینی اے۔ (او وکیل چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔ اگر میں نے تھانے کا دروازہ کھول دیا تو یہ عوام جو ابھی صرف نعرے بازی کر رہی ہے اس نے تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دینی ہے۔)“ افسر اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ باہر کے حالات اس کے ہاتھ سے نکل رہے تھے۔ ایک رات میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔

عالم نے ابھی کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ سامنے سے آتے سہراب کو دیکھ کر تیزی سے آگے آیا۔ ایس ایچ او نے اسے دیکھ کر کڑوا منہ بنا لیا البتہ کچھ کہا نہیں۔ وہ جو روبینہ انصاری کے بیٹے کے قتل کے بعد دوبارہ لاہور آسکتا تھا۔ اس کی پہنچ یا اس کے پیچھے کے لمبے ہاتھوں کا اندازہ اسے بخوبی ہو رہا تھا۔

”مجھے عالمگیر کے ساتھ دس منٹ چاہیے سر۔“ حمزہ رؤف کے سامنے ٹھہر کر اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس کی شرٹ کندھے سے چاک تھی، گردن پر بے تحاشا کھروچوں کے نشان بھی۔ شاید وہ مجمعے سے یہاں تک آنے میں کافی مشقت کر چکا تھا۔

”ویسے یہ بنتا تو نہیں ہے۔ سیدھا سیدھا اوپن اینڈ شٹ کیس ہے۔ لیکن پھر بھی تم مل لو۔“ سہراب جبڑا بھینچ گیا۔

”ابھی تو کوئی کیس ہے بھی نہیں اور آپ نے اسے مجرم بنا دیا؟ ابھی وقت ہے سر۔“ حمزہ تمسخر سے ہنسا۔

”جو آپ کہیں سہراب صاحب۔ وئے دروازہ کھولو کوٹھری دا۔“ پہلی بات سہراب سے دوسری ایک سپاہی سے کہی۔ تھانے کے اندر عملہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ باہر شور بڑھ گیا تو حمزہ بھی باہر چلا گیا۔ سپاہی نے کوٹھری کا دروازہ کھولا تو سہراب اندر داخل ہوا۔ ابھی عالم کچھ کہتا کہ سہراب نے گھما کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے

مارا۔ عالمگیر تیورا کر پیچھے ہوا، پولیس والے کے بھاری ہاتھ کا تھپڑ تھا یا وہ تیار نہیں تھا۔ ”بے غیرت کیا سمجھ رکھا ہے تم نے؟“ عالم چہرے پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا مگر اگلے ہی لمحے اسے ایک اور چانٹا پڑا، پھر ایک اور، اور پھر ایک اور لگا تار چار تھپڑ اس پر تضاد کہ سہراب کے فولادی ہاتھ۔ عالم کیا کہنے والا تھا سب بھول گیا۔

”زندگی عذاب کر کے رکھ دی ہے تم نے میری۔ چاہتے کیا ہو تم ہاں؟“ سہراب نے دھکا دے کر اسے دیوار سے لگایا۔ عالم کے کانوں میں اس کی آواز نہیں جا رہی تھی، ایک اور تھپڑ نے اس کے سارے حواس بحال کر دیے۔ ”تمہارے لیے جتنے حفاظتی بند میں باندھتا ہوں، تم خود کو اتنا ہی غیر محفوظ کرتے چلے جاتے ہو۔ خاندان کی ساکھ، عزت، وقار کسی چیز کی پرواہ تمہیں ہے یا نہیں؟“ وہی چاک کندھا لیے سہراب پے در پے اس پر مکے برساتا گیا۔ ہانپ کر پیچھے ہوا تو کاٹ دار نظروں سے گھورا۔

”میرے منع کرنے کے باوجود تم اس تقریب میں گئے اور آراہ کو ساتھ لے کر گئے۔ جانے کی جھک مار ہی لی تھی تو وہاں تاجور کے منہ لگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر اس کے منہ لگے ہی تھے تو قتل کے وقت اس جگہ سے فرار کیوں ہوئے تم؟ وہیں رک کر میرے آنے کا انتظار کرتے۔ کونسی ایسی آگ تھی جو تمہیں ایک جگہ ٹکنے نہیں دے رہی تھی؟“ اس کی ٹھوڑی سینے سے جا لگی مگر وہ یونہی گردن جھکائے کھڑا رہا۔ وہ سہراب پر تب چیخ سکتا تھا جب وہ غصہ ہو تب نہیں جب سہراب غصہ ہو، اس وقت وہ آگ ہوتا تھا، سالم آگ۔ وہ چند لمحے مزید اس پر چیخا، جھڑکا اور تھک ہار کر وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھ گیا۔ سر ہاتھوں میں گرائے وہ شکست خوردہ نظر آرہا تھا۔ تھانے کی ساری نفری باہر تھی اسی لیے وہ کسی کے دیکھ لیے جانے کے خوف سے آزاد تھا۔

”عبیر کی کال آئی تھی۔“ عالمگیر مدھم لہجے میں بولا۔ گردن جھکی رہی، آواز ہلکی سی گیلی تھی۔ ”اس کے پیر جل گئے تھے، وہ تکلیف میں تھی۔“

”اس کے ساتھ میڈ تھی، عالم۔“

”تم نہیں سمجھو گے، سہراب۔ تمہاری کوئی اولاد نہیں ہے، اس لیے تم نہیں سمجھو گے کہ اگر کسی کی محبت مر جائے تو جیل جانے والے بھائی کے پاس جانے سے پہلے ”اس کے“ پاس جانا ہوتا ہے۔ تمہاری کوئی اولاد ہوتی تو تمہیں پتا ہوتا کہ ”وہ“ کیوں دنیا سے بے زار ہے، کیوں وہ مدد کا ہر ہاتھ جھٹک رہا ہے، کیوں وہ دربدر ہے۔ تمہاری اگر کوئی اولاد ہوتی تو تمہیں پتا ہوتا کہ جب آپ کی اولاد تکلیف میں ہو تو دنیاداری نہیں دکھتی۔ تمہاری کوئی اولاد نہیں ہے، تم کچھ نہیں سمجھ سکتے۔“ سہراب دم سادھے اسے دیکھے گیا۔ کیا اتنی قربانیوں کے بعد وہ اسے بے اولاد کہہ سکتا تھا؟

”میں اس سب سے نکل آؤں گا تم میرے ساتھ کھڑے رہو تب بھی اور اگر نہ کھڑے ہوئے تب بھی لیکن دوبارہ مجھے یہ مت کہنا کہ میں نے وہ جگہ کیوں چھوڑی۔ عبیر کے لیے میں ساری دنیا جلا اور دفنا سکتا ہوں۔ یہ پہلی بار تھا دس دفعہ موقع ملا، دس دفعہ یہی کروں گا۔“ وہ دیوار سے ٹیک لگائے نیچے بیٹھ گیا۔

سہراب بہت دیر تک کچھ نہیں بولا۔ عملے میں سے کچھ افراد واپس اندر چلے آئے تھے جو کہ زخمی بھی لگ رہے تھے۔ حمزہ طیش میں تھا۔ پرسکون ہوتے وہ کھڑا ہوا، اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔ ہاں نہیں تھی اس کی کوئی اولاد لیکن یہ چھتیس سال کا مرد، وہ چھبیس سالہ لڑکا اور بائیس سالہ لڑکی وہ سب بھی اس کی اولاد ہی تھے۔

”پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس مجھے اس تقریب میں اپنے ایک ایک سیکنڈ کا احوال بتاؤ۔“ عالم نے کہنا شروع کیا۔ سہراب سنتا گیا، اس نے ایک بار بھی عالم کو ٹوکا نہیں اسے یقین تھا عالمگیر دنیا سے دغا کر سکتا ہے اس سے نہیں کرے گا یا شاید اب یہ یقین نہیں تھا، مجبوری تھی، یہ جذبات کے گڈمڈ ہونے کا وقت تھا اور وہی ہو رہا تھا۔ ”بس یہی ہوا تھا اور کچھ نہیں؟ تمہیں یہ کب پتا چلا کہ وہ مر گیا ہے۔“

”وہیں ہسپتال میں جب سب رو رہے تھے۔ تم جانتے تو ہو میں سوشل میڈیا پر نہیں ہوں مجھے کیسے پتا چلے گا؟“

”یافث نے آخری کال میں تم سے کیا کہا تھا؟“

"میں نے سنا نہیں تھا شور تھا اور میں گھر جا رہا تھا اور...." اگلے الفاظ ادائیگی سے قبل حلق میں کہیں دم توڑ گئے۔ تمکنت بنگش اور شاہ زید بنگش بمع دو وکلاء اور سات مزید لوگوں کے تھانے میں داخل ہو چکے تھے۔ تمکنت کی آنکھیں سرخ اور سپاٹ تھیں۔ اس کے ساتھ آئے لوگ بڑے بڑے عہدیداران تھے۔

ان چند گھنٹوں میں پہلی بار عالم کو اندازہ ہوا وہ غلط جگہ پھنس گیا ہے۔ ایک بار پھر سہراب کی نگاہیں خاموش تھیں وہ اس کے لیے تیار تھا، اور نہیں بھی۔

★★★★★

موجودہ لمحے سے چند گھنٹے قبل!

اندھیرے کے باعث جگہ کا تعین کرنا مشکل تھا البتہ موبائل کی جلتی ہوئی ٹارچ کی روشنی میں دیکھا جا سکتا تھا کہ وہ کسی بس اڈے پر موجود ہے۔ سیاہ رنگ کا ایک بستہ اس کے کندھے پر تھا، سیاہ ٹراؤزر کے ساتھ سیاہ ہی ہڈی پہنے وہ چوڑے کندھوں والا مرد اس تاریکی میں بس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ آراہ کی کال کو تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس نے سب سے پہلے فلائٹ چیک کی، لیکن بلیک آؤٹ کی وجہ سے تمام پروازیں بند تھیں۔ اس کا موبائل بند ہونے والا تھا، سگنل کی خرابی کے باعث کال لگ ہی نہیں رہی تھی۔ اس علاقے کا موسم فروری اور مارچ میں بھی کافی سرد تھا۔ ہوائیں یخ بستہ تھیں جو اس کے بدن سے ٹکراتیں تو کپکپی طاری ہو جاتی۔ لیکن وہ مرد ٹھنڈ سے بے پرواہ مگر ناکامی ہوتی کال سے عاجز بے صبری سے بس کا انتظار کر رہا تھا۔

"فون اٹھائیں چچا۔۔۔" بار بار نمبر ملاتے وہ اکتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے کال اٹھالی۔ اسلان چھجے تلے نکل کر آگے آیا۔ "چچا میں اسلان بات کر رہا ہوں۔ یافث طارون کا بھانجا، اسلان۔" وہ قصداً اونچی آواز میں چلا کر بول رہا تھا تاکہ دوسری طرف آواز جائے۔ "چچا آراہ اندر ہے، باہر سے کوئی بھی جائے تو آپ نے اسے اندر جانے نہیں دینا۔ آپ سن رہے ہیں؟" وہ عمارت کے چوکیدار سے بات کر رہا تھا۔

”جی بیٹا میں یہیں باہر کھڑا ہوں، لوگ جمع ہو رہے ہیں یہاں رش بہت ہو گیا ہے۔“ اسلان جگہ پر ٹھہرا۔ لوگ جمع ہونا شروع ہو رہے تھے چند گھنٹوں کے اندر اندر وہ عمارت کے باہر کا منظر تصور کر سکتا تھا۔ انہیں یہ پتا ملا کہاں سے؟ ”میری بیٹی بتا رہی تھی کسی نے سوشل میڈیا پر خبر اڑا دی ہے کہ عالم کا گھر یہی ہے۔“ گارڈ کی آواز آئی۔

”میری بات غور سے سنیں چچا۔ اگر باہر زیادہ لوگ آ جائیں تو آپ آراہ کو فلیٹ سے نکال کر اپنے کوارٹر لے جائیں گے۔ آپ یہ کر سکتے ہیں؟“

”آراہ میری بھی بچی ہے بیٹے، میں یہاں سنبھال لوں گا تم بس جلدی آ جاؤ۔“ اسلان کو کچھ تسلی ہوئی تو اس نے کال کاٹ دی۔ موبائل اب دس فیصد چارجنگ کا عندیہ دے رہا تھا۔ اسلان نے یافث کا نمبر ملایا۔ جو کہ مصروف جا رہا تھا۔ تھک ہار کر وہ دوبارہ بس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ کافی جھلاہٹ کا شکار تھا، بار بار جی چاہتا تھا کہ سہراب کو کال کرے، اس سے کچھ کہے، کوئی تسلی کا وعدہ، کوئی پریشانی کم کرنے والا جملہ۔ مگر وہ ہر دفعہ رک جاتا نہ جانے کیوں؟

اس نے سوشل میڈیا کھولا تو ہر طرف عالم کی گرفتاری کی ویڈیوز تھیں۔ کہیں ہسپتال میں ہتھکڑیاں، کہیں اسے پولیس کے نرغے میں باہر لایا جا رہا تھا۔ پوسٹ تلے تبصرے زہر آلود تھے.... پھانسی یا زندہ جلانے کے مشورے۔ وائف کلر ہونے کے طعنے۔ کہیں آراہ اور یافث کی ویڈیو گردش کر رہی تھی، کہیں شاہ ویر اور آراہ کی آخری تصاویر جہاں مرد سیاہ میں تھی اور لڑکی سفید میں۔ گانوں کے سہارے جذبات بھڑکائے جا رہے تھے، اور پوری ریاست جنون، انتقام اور غم کے ہجوم میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد بس آ گئی۔ سیاہ بستے والا شخص بس میں سوار ہو گیا اب گھنٹے، لمحے، وقت گنا جا نا تھا۔ اسے بار بار آراہ کا چہرہ یاد آنے لگتا، یاد آنے والا چہرہ آراہ کے علاوہ کسی اور بھی تھا۔ کس کا بھلا؟

★★★★★★★★

"ماضی!"

دنیا کے نقشے پر کئی طاقت ور ریاستیں وجود رکھتی ہیں انھی میں سے ایک متحدہ مملکت برطانیہ (united kingdom) بھی ہے۔ کئی دہائیوں سے یہ ریاست طاقت، تعلیم اور ترقی کی مثال ہے۔ اونچی قدیم عمارات اور جدیدیت کا شمول اس ریاست کو قابل ذکر اور قابل تعریف بناتا ہے۔

اسلان یمن ان دنوں اسی مملکت کا باسی تھا۔ اسکاٹ لینڈ کا دارالحکومت ایڈن برگ یہ آج کل اس کا شہر تھا۔ یہاں آئے ہوئے اسے تقریباً چار ماہ ہو چکے تھے اور بالآخر وہ یہاں کی آب و ہوا کے ساتھ مانوس ہو چکا تھا۔ آج چھٹی کا دن تھا سو آج وہ گھومنے پھرنے کے لیے باہر نکل آیا۔ موبائل پر پنار کو کال ملائی اور رخ کیا ڈین ویلیج کا۔ وکٹورین سٹریٹ کے بعد اس کی سب سے پسندیدہ جگہ۔

"تم کہاں مصروف ہوتی ہو آج کل؟" خوش گواریت سے کہتے ہوئے وہ سرمئی پتھروں والی سڑکوں سے گزرنے لگا۔ آج کل وہ کافی خوش رہا کرتا تھا۔ پنار اس سے کم لڑتی تھی، اسکار اس پر حکم نہیں چلاتا تھا اور؟ اس کی خوشی کا ایک اور راز بھی تھا۔ فی الحال وہ راز سہی۔

"کہیں نہیں یار۔" اس کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ "یونیورسٹی، ٹک ٹاک اور کیا؟ یہ بتاؤ تم نے اسٹیکس کا کیا کیا؟" اسلان نے کوئی ایک سال قبل پنار کے چند لاکھ روپے آن لائن سرمایہ کاری میں سرمائے کے طور پر ڈالے تھے اور منافع دگنا ملا تھا۔ نمبرز، ڈیجیٹل مارکیٹنگ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ گو کہ آن لائن ٹریڈنگ قسمت کا کھیل تھا مگر اسلان کی چھٹی حس بہت مضبوط تھی چند ماہ میں اس نے پنار کا پیسہ دگنا کر دکھایا تھا اور اب اسے اس کھیل میں مزہ بھی آتا تھا۔ نمبرز، ذہانت کو استعمال کر کے جو ستائش اسے ملتی تھی وہ اسے مزہ دیتی تھی۔

"ایک خوش خبری دینی تھی تمہیں۔" کافی کا کپ لبوں سے لگاتے وہ گلیوں سے نکل کر اس طرف آیا جہاں ایک نہر بہہ رہی تھی۔ پانی کا ہلکا ہلکا شور گفتگو کا حصہ بن گیا۔ "جو کوئین میں نے تمہارے لیے خریدی تھی اس کی قیمت اب آسمان کو چھو رہی ہے۔ تم ملینئیر بننے والی ہو، پنار سکندر۔" پنار کی آنکھیں پھیلیں۔ وہ یک دم بستر پر سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیا کہہ رہے ہو، اسلان؟" بہت دیر بعد اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

"سچ کہہ رہا ہوں یار۔ میں نے تم سے کہا تھا مجھے کرنے دو۔ پورے چھ مہینے راتوں کو جاگ جاگ کر مناسب وقت کا انتظار کرتے ہوئے کس مشکل سے یہ کوئین ہاتھ آئی ہے، تم جانتی ہو؟" اس نے موبائل پتھر کی ٹیک کے ساتھ سامنے رکھا ایسے کہ اب وہ پورا فریم میں دکھائی دے رہا تھا۔ پنار کی آنکھیں فرط جذبات سے بھر آئیں۔

"آئی لو یو، اسلان۔ تم اس دنیا کے سب سے بہترین بوائے فرینڈ ہو۔ آئی لو یو سو مچ۔ تم دیکھنا میں ان پیسوں کا کیا کروں گی اب مجھے مام اور ڈیڈ کی کوئی بات سننے کی ضرورت نہیں ہے، میں کراچی میں ایک اپارٹمنٹ لے رہی ہوں اور اپنی ایک گاڑی بھی اور باقی کی انویسٹ میں پاشا کو دوں گی تم دیکھنا اسلان میں پاکستان کی سب سے کم عمر ڈائریکٹر بن کر دکھاؤں گی۔ میں ہر وہ کام کروں گی جس کی مجھے خواہش ہے۔" وہ بولتی جارہی تھی اور اسلان نے پہلی دفعہ غور کیا پنار اپنے گھر میں نہیں تھی۔ یہ اس کے بابا کا فارم ہاؤس بھی نہیں تھا اور لاہور والا گھر بھی نہیں۔ اس نے بے حد غور سے اس کے عقب میں نظر آتا کمرہ دیکھا۔

"تم کہاں ہو، پنار؟" اس کی پچھلی بات کا جواب دیے بغیر اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ جس موضوع پر سب سے زیادہ بحث ہوتی تھی وہ اب اس سے دور تھا۔ فاصلہ اسے کَھلتا تھا لیکن۔۔۔ اب کم از کم پنار سے ملنے کے بعد وہ خود سے گھن نہیں کھاتا تھا۔

"میں تمہیں بتانا بھول گئی تھی، میں آج کل کراچی میں ہوں۔ پاشا مجھے ہدایت سازی سکھا رہا ہے۔" اسلان کے چہرے کا سارا خون نچڑ کر اس کے چہرے پر آگیا۔ "فکر مت کرو، اس نے مجھے یہاں ایک اپارٹمنٹ دلوایا

ہے۔یعنی پیسے میں خود دیتی ہوں بس لینڈ لارڈ اس کا جاننے والا ہے۔" وہ بہت دیر تک بالکل گم صم سا اسے دیکھے گیا۔کافی کا ذائقہ بے حد پھیکا ہو گیا۔"میں مام ڈیڈ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اسلان۔ تمہاری طرح ان کو بھی جنون چڑھ گیا ہے کہ میں شادی کرلوں تم سے اور اگر نہیں کر رہی تو اس شوبز کی زندگی میں نہ جاؤں۔ تم جانتے ہو مجھے خود کو سکرین پر دیکھنے کا کتنا شوق ہے؟ چاہے سکرین نہ ہو مجھے کچھ نہ کچھ اپنا کام کرنا ہے۔"

"پنار۔" اسلان نے ضبط کرتے اسے ہلکی آواز میں پکارا۔"ہر کامیابی، ہر بلندی، ہر عیش و عشرت کے لیے محنت کرنی چاہیے۔ان تمام چیزوں پر تمہارا حق ہے لیکن انہیں پانے کے لیے حد سے نہیں نکلنا چاہیے۔ انسان ایک دفعہ حد سے نکل آئے تو۔"

"اوہ پلیز اسلان۔" پنار بری طرح خائف ہوئی۔اس کی ناک کا ہیرا دمک رہا تھا۔"میرا دماغ خراب مت کرو۔پہلے تمہیں ہمارے تعلق سے مسئلہ تھا اور اب تمہیں اس سے تم۔۔۔۔"

"پنار...." وہ اگلے کوئی الفاظ کہہ پاتی کہ کمرے کے باہر کسی نے اسے پکارا۔اسلان جیسے ساکت ہو گیا ہو۔رات کے دو بجے کوئی اس کے گھر میں تھا؟ یہ آواز اس کے بھائی کی نہیں تھی یہ آواز اس کے باپ کی بھی نہیں تھی۔اس نے پاشا کو سن رکھا تھا یہ وہی تھا۔یا خدا یہ وہی تھا اور یہ وہی تھا تو اس وقت پنار کے گھر پر کیوں تھا؟

سکرین کھٹ سے گرا دی گئی،مارے شرمندگی اور غیرت کے اسلان نگاہ نہیں اٹھا سکا۔کسی نے اس کے چہرے پر دُروں کی کئی ضربیں یک مشت ماری تھیں۔وہ اکیس سال کا لڑکا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی ذہن میں جوڑ توڑ کر رہا تھا۔

"میرا انٹرنیٹ کنکشن منقطع ہو گیا تھا۔کال کٹ گئی۔" قریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اس کا معذرتی پیغام آیا۔قدیم وکٹورین عمارتوں کو دیکھتے ہوئے اسلان نے گہری سانس لی۔

”یقیناً ایسا ہی ہوا ہو گا۔“لکھتے ہوئے اس کا دل اس کا ہم نشین نہیں تھا۔

”تم پاکستان کب آ رہے ہو، ہنی؟ مجھے تمہاری یاد آ رہی ہے۔“ اس نے یکدم پینتر ابدلا۔ اسلان نے ایک نظر بستے کے اگلے خانے پر ڈالی جہاں اس کی اگلے ہفتے کی ٹکٹس رکھی تھیں۔ اس کے دل میں جانے کیا سمائی کہ اس نے بتانے کا ارادہ ملتوی کیا۔ ”ابھی کوئی ارادہ نہیں۔“ وہ بھاری دل سے بولا۔ یکدم ایڈن برگ کی ہوائیں بھاری ہو گئیں۔۔ وہ جس خاندان سے تھا وہاں دھو کے سونگھ لیے جاتے تھے، اس باس کو وہ بھی سونگھ چکا تھا۔

★★★★★

وہ اگلے ہفتے پاکستان آ بھی گیا تھا۔ ایئرپورٹ پر اسے لینے کے لیے انارا، یافث اور سہراب آئے تھے۔ اگر وہ پنار کو پیغام بھیجتا تو شاید وہ آجاتی یا شاید نہ آتی وہ تو کراچی میں تھی نا؟ تھوڑی دیر بعد وہ تمام لوگ سہراب کی گاڑی میں تھے۔ گاڑی سہراب چلا رہا تھا یافث مسافری نشست پر اور پچھلی نشست پر بیٹھا اسلان انارا کی بات سن رہا تھا۔ جو شروع ہو چکی تھی اور اب اس کی بس کب ہو گی یہ اسلان بھی نہیں جانتا تھا۔

”ویسے تو آنٹی نزہت کو کبھی ہمارا خیال نہیں آیا اب جب بھائی تم باہر گئے ہو تو پتا ہے کہہ رہی تھیں؟ کہتی ہیں کہ اسلان کا رشتہ تو خاندان میں ہی دیکھنا۔“ وہ تیز تیز ہاتھ اٹھا اٹھا کر بول رہی تھی۔ اسلان اس کی ہر بات سنتا تھا۔ جواب کم دیتا تھا ہاں البتہ بات پوری سنتا۔ پھر چاہے وہ محلے کے کسی گھر کی شکایت ہو، کہیں کسی گھر میں ہوا نیا رنگ و روغن، کسی دوست کی منگنی کا قصہ، اس کی بڑی بہن کی شادی یا پھر اس کی پڑھی ہوئی نئی کتاب کا ہیرو۔ بس نئی کتاب کے ہیرو کے ذکر پر بعض دفعہ وہ سرخ پڑ جاتا۔

”بھائی تمہیں پتا ہے میں نے ایک نئی کتاب لی ہے اور اس میں جو ہیرو ہے وہ ویئر وولف ہے۔“ اب آنٹی نزہت کا قصہ چھوڑ کر اسے کچھ اور یاد آ گیا۔ اسلان سنتا گیا۔ ایسے جیسے اس سے زیادہ ضروری بات کوئی ہو ہی نہ۔ ”وہ کتنے سال کا ہے پتہ ہے؟“

"یہ سب چھوڑو تم مجھے یہ بتاؤ کالج کا کیا بنا، تمہارا داخلہ ہوا یا نہیں؟" آراہ کڑوی شکل بنا کر پیچھے ہوئی۔

"لے لیں گے داخلہ، ہماری کونسی عمر نکلی جا رہی ہے۔" اس نے بے فکری سے گردن ڈھلکا دی۔

"آپ بتائیں کیسی رہی پھر پڑھائی؟" اسلان کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس کی بات کا جواب دیے بنا اس نے آراہ کا پسندیدہ قصہ چھیڑا۔

"اچھا یہ بتاؤ یہ جو ویئر وولف ہے اس کی ہیروئن کی عمر کیا ہوگی؟"

"اٹھارہ سال۔۔۔" وہ ترنت بولی۔ "اس کے بال پتا ہے، کیسے ہیں؟ میرے جیسے رف کرلز۔ وولف جب بھی اسے دیکھتا ہے۔ اس کی ساری طاقتیں اسے واپس مل جاتی ہیں۔ وہ اس کا پاور پوائنٹ ہے۔"

"کیوں لڑکی ہے یا بجلی کا کھمبا؟"

"جی نہیں ویئر وولف اس سے محبت کرتا ہے۔"

"استغفر اللہ یہ بھیڑیے کن کاموں میں لگ گئے ہیں؟" اسلان نے مسکراہٹ دبالی۔

"اب یہ عاشقی کریں گے تو جنگل ان کے باپ نے سنبھالنا ہے؟"

"جنگل سنبھالنا شیر کا کام ہوتا ہے۔"

"اچھا یعنی بھیڑیا وہاں بھی مفت کی روٹیاں توڑتا ہے؟" آراہ نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اب وہ چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ گئی۔ تازہ تازہ کرش کی بے عزتی برداشت نہیں ہو سکی۔

"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ ناراض ہی سہی کم از کم اس کی زبان بند ہوئی تو اسلان نے سکھ کا سانس لیا۔ گھر پہنچ کر کھانا کھانے کے دوران وہ الجھا رہا۔ پنار اس کا فون نہیں اٹھا رہی تھی اور یہ کئی دنوں سے ہو رہا تھا۔ آج بالآخر اسلان نے اپنے کسی دوست کے توسط اس کی لوکیشن نکلوائی تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام آباد میں ہی ہے۔ مگر اسلام آباد میں ہوتے ہوئے اسے اپنے گھر کی بجائے کسی اور جگہ ہونے کی وجہ اسلان کو سمجھ نہیں آسکی۔ کیا وہ براہ راست اس سے سوال کرے، خاموش رہے یا پھر............یا پھر کیا؟

بالآخر وہ ایک نتیجے پر پہنچا۔ اسلام آباد پہنچتے اسے شام ہو گئی۔ بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ بائک ایک طرف لگاتے وہ لوکیشن کا سبز نقطہ دیکھ رہا تھا جو سامنے والے گھر کی نشان دہی کر رہا تھا۔

اسلان نے وہیں کھڑے ہو کر پنار کو کال ملائی، دل ہی دل میں وہ بہت بُرا محسوس کر رہا تھا اس نے آج تک پنار پر شک نہیں کیا تھا۔ پنار کیا اس نے اپنی بہن یا کسی بھی اور عورت پر کبھی کسی قسم کے شک و شبہات نہیں رکھے تھے۔ اسلان یمن کے نزدیک عورت کے وقار، کردار، اعمال کے متعلق فیصلہ سنانے والا وہ کوئی نہیں ہوتا۔ مگر آج۔۔۔ اس نے سر جھٹکا۔ جہاں اس کمسنی کی محبت نے کئی حدود تڑوائی تھیں وہیں ایک اور سہی۔

کال کا جواب خلاف توقع آ گیا۔ اس نے خود کو بے تحاشا ملامت کی۔ ہو سکتا ہے وہ یہاں کسی دوست کے گھر آئی ہو۔ اس کا اپنے والدین سے جھگڑا ابھی تو ہو سکتا ہے۔

"ہیلو۔۔۔ پنار تم کہاں ہو؟" موبائل فون ہاتھ میں لیے وہ بالکنی میں آ کر کھڑی ہوئی۔ اسلان کی نگاہ اوپر کی اور اٹھی تو پلٹنا بھول گئی۔ بارش کچھ ہلکی ہوئی اور وہ گہرے سرخ رنگ کے سلک گاؤن میں ملبوس بلندی پر دکھی۔ بازو ندارد، گلا گہرا اور گھٹنے کے قریب پنڈلیوں تک لباس چاک۔ اسلان یمن کو پانی کے قطرے تیزاب کی طرح جھلسا کر چلے گئے۔ وہ تو اونچائی پر تھی پھر اتنی گری ہوئی کیوں لگی؟

"میں گھر پر ہوں۔ مام اور ڈیڈ کے ساتھ کیا ہوا؟" اسلان کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی اس کی آنکھیں ایک جگہ پتھرا گئیں جب اس نے کمرے سے ملحقہ بالکنی کا دروازہ کھول کر پاشا کو پنار کے عقب میں کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس کے روم روم میں چیونٹیاں دوڑنے لگیں۔ ہاتھ موبائل پر سن ہوئے۔ سامنے منظر نہیں تھا آگ کا گڑھا تھا جس میں وہ سارے کا سارا ڈوب گیا۔

"اسلان جلدی بولو کیوں کال کی تھی؟" اس نے اسلان سے کہا پھر نزاکت سے اپنا ہاتھ پاشا کے ہاتھ میں دیا۔ وہ بغیر کچھ کہے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ تکتا رہا۔ وہ جس کی محبت میں اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پیچھے چھوڑ دیے وہ تو خود نری مُنکر تھی۔ آگ کا وہ گڑھا جہنم کا گڑھا تھا وہ جیتے جی جہنم سے ہو آیا۔

"یہ تم نے کیا کیا، پنار؟" اس کے حلق سے الفاظ نہیں آہ نکلی۔ پنار سکندر کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی، آس پاس دیکھا، گہرے اندھیرے میں اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ اسلان کو احساس ہوا۔ بروقت بے اختیار احساس ہوا جو محبت حد تڑوائے، ذلیل کروائے، زانی بنائے، والدین کے خلاف لے جائے یا موجودہ دور کا بُت بن جائے وہ ایک نہ ایک دن بخت میں خواری لکھے ہی لکھے ہے۔

"اس... اسلان؟ تم کیا کہہ رہے ہو؟" اس نے پاشا سے ہاتھ چھڑوایا۔ موبائل والا ہاتھ پہلو میں گرائے وہ قدم قدم چلتا اوٹ سے نکل کر سڑک کے عین بیچوں بیچ آکر کھڑا ہو گیا۔ بجلی زور سے چمکی اور جو دکھائی دیا وہ ایک عورت سے شکست کھایا ہوا مرد تھا۔ بارش نے اس کا بھرم رکھ لیا یا شاید آنکھیں صحرا ہو چکی تھیں۔ تین سال کا تعلق تین پل میں کوڑی کا ہو کر رہ گیا۔ "اسلان میں نے کچھ نہیں کیا۔۔۔ میں وہ۔۔۔۔ میں تمہیں سب سمجھاتی ہوں۔" وہ نیچے دیکھتی فق ہوتی رنگت کے ساتھ موبائل میں بولی۔

کوئی لاوا تھا جو اسلان کے اندر بھر گیا۔ وہ آگے بڑھا دروازے پر کھڑے محافظ نے اسے روکنے کی کوشش کی اسلان نے اس کے منہ پر زوردار مکا مارا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کسی زخمی شیر کی طرح اندر جا رہا تھا۔ اندر کمرے میں

آکر اس نے دیکھا کہ پاشا اپنا سامان اٹھا رہا تھا۔ وہ شاید کیمرے میں آجانے کے خوف میں تھا۔ اسلان نے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں لہو اترا۔ پاشا کی شرٹ کالر سے پکڑ کر اسلان نے اس کا سر پلنگ کے تاج پر دے مارا۔ خون کی پتلی لکیر اس کے ماتھے سے بہہ نکلی۔ مگر وہ یہاں نہ ٹھہرا۔ سرعت سے آگے بڑھ کر سنگھار میز سے پرفیوم کی بھاری بوتل اٹھائی اور پاشا کے چہرے پر دے ماری۔ وہ کراہ کر پیچھے ہوا تو اسلان نے اس کی پشت پر لات مار کر اسے گرایا۔ اس کے گرنے سے فانوس تار سمیت فرش بوس ہوا۔ وہی تار کھینچ کر فانوس سے جدا کرتے ہوئے وہ کوئی وحشی جانور لگ رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اسی تار سے پاشا کے سارے جسم پر اپنی پوری قوت سے ضربیں مار رہا تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ پاشا کی فلک شگاف چیخیں ابھرتیں۔

"ہاتھ کیسے لگایا، تم نے اسے ہاتھ کیسے لگایا؟" وہ مارے جاتا اور کہے جاتا۔ اس پر کوئی جنون طاری تھا۔ اس کا یہ روپ پنار نے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ تو چپ چاپ رہتا، اسے سنتا اور مسائل کے حل نکالتا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اسلان جب اسے مار مار کر ہانپ گیا تو تار ایک طرف پھینکی۔ پاشا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اس کا شب خواب کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ چہرے اور جسم پر نیل تھے۔

تیز تنفس کے ساتھ اسلان نے گردن پھیری۔ وہ کتنے ہی لمحے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اسلان کو دیکھتے ہوئے پیچھے ہو رہی تھی۔ اسلان آگے آیا۔ ایک قدم، دو قدم، تین قدم۔ عین اس کے سامنے اسے دیکھتے ہوئے، اس کی آنکھوں کے کنارے گیلے ہوئے۔ اسے کھونے کے درد میں نہیں، اپنے کئی اور خساروں کے لیے۔

"تم نے ذلیل کیا، میں نے برداشت کیا۔ تم نے دھتکارا میں نے برداشت کیا۔ تم نے کہا اسلان خدا کے احکامات کے خلاف جاؤ، میں گیا۔ تم نے مجھ سے دنیا اور آخرت کا سودا کروا دیا میں نے کیا۔۔۔" لمحے بھر کا توقف، آنکھوں کی کرچیاں، مان کا روندے جانا، اسلان کرے تو کیا کرے؟ "کیا میں نے کہیں کوئی کمی چھوڑی؟ کیا میں ایک اچھا مرد نہیں تھا، کیا میں نے تمہیں عزت اور محبت نہیں دی؟"

"اسلان۔۔۔ پاشا نے مجھے بہلایا تھا، اس نے مجھے بہکا دیا تھا، میں تم سے وفادار ہوں میں۔۔۔"

"دوبارہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا ورنہ میں اپنی تربیت میں یہ بات بھول جاؤں گا کہ تم ایک عورت ہو۔" چبا چبا کر کہتے وہ پیچھے ہوا، ہر جھگڑے ہر اختلاف، ہر بریک اپ کے بعد وہ مڑ مڑ کر اسے دیکھتا تھا۔ آج وہ یوں جا رہا تھا جیسے سامنے کھڑی لڑکی کوئی گند کا ڈھیر ہو اور اس سے اٹھتا تعفن اسلان یمن کے حواس سلب کر رہا ہو۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔ اس روز کے بعد اس نے کبھی پنار سکندر کا ماتم نہیں کیا۔

★★★★★

"تم خاموش کیوں ہو؟" آتش دان کے اندر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں ڈالتی لڑکی چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جب قصہ گو نے اسے پکارا۔ وہ اس کی غیر معمولی چپ سے عاجز آ گیا تھا۔

"مجھے کیا کہنا چاہیے؟"

"یہی کہ اس لڑکے کے ساتھ غلط ہوا۔" وہ مصر تھا۔

"لیکن مجھے لگتا ہے اس کو وہ ملا جو اس نے دیا تھا۔ ہاں اس کے ساتھ غلط ہوا، اس کا دل ٹوٹا، بے وفائی وہ واحد شے ہے جو مرد کو مسخ کر دیتی ہے۔ ایسی آگ جو دھیمی آنچ پر جلتی رہتی ہے ساری زندگی مرد اس آگ میں جلتا ہے اور بعض دفعہ جلاتا بھی ہے۔ لیکن میں وہی کہوں گی اس کے ساتھ وہ ہوا جو اس نے کیا تھا۔"

قصہ گو کو اس کی بات بے حد کھلی۔ "تم ایک بے وفا عورت کو درست کہہ رہی ہو؟"

گردن نفی میں ہلاتے اس نے قصہ گو کو تکا۔ "بے وفائی نہیں، بے حیائی۔ یعنی زنا۔ دین کے متعلق میں کچھ نہیں کہوں گی مگر میرے نزدیک زنا اس لیے حرام ہے کہ یہ حدود مٹا دیتا ہے۔ زانی انسان ایک رشتے تک محدود نہیں رہتا۔ اس کی ہر نگاہ میں غلاظت گھل جاتی ہے۔ وہ نہ کسی کی بیوی کو امانت سمجھتا ہے، نہ کسی کم عمر بچی کے ساتھ

جڑے والدین کے بھروسے کو۔ حدود ٹوٹ جائیں تو انسان نڈر ہو جاتا ہے، اور یوں زنا رفتہ رفتہ معمول بن جاتا ہے۔۔" عورت کہتی رہی۔ "ایک حد سے نکلی ہوئی عورت جو باپ بھائی کو دھوکہ دے کر کسی مرد کے ساتھ تعلقات قائم کرتی ہے۔ وہ بھی اپنی حد بھول جاتی ہے، اپنے شوہر کے ساتھ وفا نبھاتے ہوئے پھر اسے بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ زنا کو اس لیے غلط کہا گیا ہے کیونکہ یہ انسان کو بے حیا کر دیتی ہے، نڈر کر دیتی ہے۔ ہر گناہ میں لذت ہوتی ہے مگر یہ لذت ہر لذت سے بڑھ کر۔ جس معاشرے میں زنا اور pre marital تعلقات عام ہو جائیں اس معاشرے کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔ وہاں ناجائز بچے کچرے کے ڈھیر سے ملتے ہیں اور وہاں زیادتی کا رجحان بڑھ جاتا ہے، وہاں لڑکیاں اپنے ہی قریبی رشتے داروں سے ہراساں ہوتی نظر آتی ہیں۔" لمحے بھر کا توقف کیا۔

"آج ہمارے ملک میں کتنے ہی لڑکے لڑکیاں شادی سے پہلے ہوٹل کے کمرے، فلیٹ بک کروا رہے ہیں۔ کتنی ہی عورتیں اور مرد شادی شدہ ہونے کے باوجود اپنے ساتھیوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ وہ نڈر ہو چکے ہیں۔"

"انہیں نڈر کون کر رہا ہے؟"

"پورنوگرافی، فحش فلمیں جنسی تعلق کو ایک فینٹسی دکھانے والی کتابیں اور فلمیں، مختصر یہ کہ ڈارک رومانس کا یا نزا۔ چاہے یہ فلموں میں ہو چاہے کتابوں میں۔ گناہ عام ہو جائے تو کلچر کا حصہ بن جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی لوگ شادی سے قبل کے تعلاقات کو کلچر ہی بنانا چاہتے ہیں۔" مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دل معاشرے کی بدحالی کے لیے سلگ رہا تھا۔

★★★★★

<u>"حال"</u>

جنریٹر کی مصنوعی روشنی نے پورے بینکوئٹ کو اجال دیا تھا۔ عمارت کے گرد پولیس اور میڈیا کی گاڑیاں کھڑی تھیں، سائرن فضا چیر رہے تھے۔ اینکرز اندر گھسنے کی کوشش میں تھے اور باہر تازہ صورتحال چیخ چیخ کر بتا رہے تھے۔ کوئی قیاس آرائیاں، کوئی تجزیے۔ واقعے کو بیس گھنٹے گزر چکے تھے اور مہمان اب بھی اندر قید تھے۔ پولیس کی بھاری نفری سارے ہال میں پھیلی ہوئی تھی۔ تمام مہمانوں کے نام، تصاویر اور پتے لیے جا رہے تھے۔

ہوٹل کے عقبی حصے میں گیلری کی طرف آؤ تو جل بُجھ کرتا بلب اب بجھایا جا چکا تھا۔ اس کی جگہ کئی دوسری روشنیوں نے لے لی تھی۔ فارنزک کی مستعد جماعت دلجمعی سے اپنا کام کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ فرش پر وکٹم کا خاکہ چاک سے بنا ہوا تھا۔

”لڑکے کی محبوبہ کہاں ہے، تفتیش کا اہم حصہ تو اسے ہونا تھا نا۔“ آواز کی سمت کان دھرو تو بلب کے عین نیچے پلاسٹک کی کرسی ڈالے ہاتھ میں چائے کا بھرا ہوا کپ لیے کوئی افسر بیٹھا تھا۔ اس کے سینے پر لگی نام کی تختی پر ”سلطان راہی“ لکھا تھا۔ بال گھنے تھے اور مونچھیں بھری ہوئیں۔ وہ فارنزک جماعت کو کام کرتے ہوئے کم اور انسٹاگرام پر ریلز زیادہ دیکھ رہا تھا۔

”وہ ہسپتال گئی ہے سر۔“ کسی نے جواب دیا۔

”ظاہر ہے عاشقی کے آخری مراحل ہیں افسوس تو ہو گا۔“ وہ خاصا محظوظ ہوا۔ ”یہ سہراب کی بھانجی ہے یا بھتیجی؟“

”بھتیجی سر۔ بڑے بھائی کی بیٹی ہے۔ باپ امریکا ہوتا ہے یوں سمجھیں سہراب کی بیٹی ہے۔“ سلطان کا ماتحت اجمل بھی گردن جھکائے اس کے موبائل کی سکرین میں دیکھ رہا تھا۔ جہاں انارا طارون کی شاہ ویر کے ساتھ کئی تصاویر سوشل میڈیا کی زینت تھیں۔

”اتنی خوبصورت تو نہیں ہے۔“ اس نے آنکھیں چندھیا کر تصویر زوم کر کے دیکھی۔ ”مقتول زیادہ خوبصورت ہے اس لڑکی کا میک اپ ہٹاؤ تو بالکل عام لگے گی، وزن دیکھو اس کا۔“ اس نے ناگواری سے تبصرہ کیا۔ ”اچھا خاصا بندہ پاگل کر دیا ہے، کیا ہے اس میں؟“

”دل صاحب سارا مسئلہ دل کا ہے۔“ سلطان نے کوفت سے موبائل بند کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پنجوں کے بل چاک سے بنے مقتول کے جسم کے دائرے کے گرد وہ نہایت غور سے کچھ دیکھ رہا تھا۔ معاً وہ ٹھٹکا۔ جمے ہوئے خون کے پاس ایک ٹوٹا ہوا بٹن پڑا تھا۔ وہ چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے اشارے سے ایک فارنزک افسر کو بلایا اور بٹن کی جانب اشارہ کیا۔ آنکھوں میں الگ سی سختی تھی۔ ”یہ تمہارے باپ نے اٹھانا تھا یا میرے؟“ وہ چند پل قبل سوشل میڈیا کی تصاویر پر تبصرے کرتے ہوئے مرد سے بے حد مختلف لگا۔

”چاہے اگلے دو دن یہ کام جاری رہے لیکن یہاں سے بہتی ہوا اور گزرتے ہر انسان کی تفصیلات میری میز پر ہونی چاہئیں۔ کون آیا، کون گیا، کون ہے اور کون لاپتہ ہے سب۔ مجھے سب چاہیے۔ یہ جگہ سیل کرواد و اور دو افسر یہاں تعینات کر دو۔“ اس نے اٹھتے ہوئے اجمل کو حکم دیا۔ ”آس پاس کے سارے سی سی ٹی وی چیک کرواؤ اور جیو گرافک نیٹ ورک آن کرواؤ۔ مقتول اور اس کی معشوقہ کی کال ریکارڈز نکلواؤ۔ سوشل میڈیا کے چھوٹے بڑے پھڈے اور طوطا مینا کی اس جوڑی سے جلنے والوں کی فہرست بھی۔“ اجمل نے سب کچھ ڈائری پر نوٹ کیا۔ پھر کچھ تذبذب سے سلطان کو دیکھا۔

”سر آپ کو نہیں لگتا یہ اوپن اینڈ شٹ کیس ہے؟“

”اگر سہراب کا بھائی پھنستا ہے تو ہاں یہ وہی ہے اور اگر نہیں تو اسے درمیان میں لا کر یہ کیس اس طرح شٹ ہو گا کہ یمن خاندان ساری زندگی یاد رکھے گا۔“ اس نے دل ہی دل میں کہا مگر جب بولا تو ”یہ تو شواہد طے کریں گے۔“

مبہم سا جواب دیا اور ایک بار پھر پلاسٹک کی کرسی پر آ کر بیٹھا۔ وہ ایک ایک معاملہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ اس کے لیے کوئی عام مقدمہ نہیں تھا۔ سہراب یمن سے اپنے سابقہ انتقام لینے کا وقت آ گیا تھا۔

★★★★★

کئی لوگ موبائل فون نکالے سفید شرٹ والے اس مرد کی ویڈیوز بنا رہے تھے جو اپنے بھائی کے قتل ہونے کے بیس گھنٹے بعد تھانے میں افسر کے آگے بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی وحشت اور خشک خون کے دھبوں سے بھرا ہوا اس کی ماں کروفر اور تنفر سے کھڑی رہی۔ اس کے ساتھ کھڑے نک سک سے اسفندیار کی موجودگی نے سب کو مرعوب کر دیا تھا۔ ”میں شاہ ویر بنگش کی ماں ہوں اور مجھے اپنے بیٹے کے قتل کی ایف آئی آر درج کروانی ہے۔“ لہجے میں کرختگی لیے اس نے حمزہ سے کہا۔ وہ تو اسی کی راہ میں آنکھیں لگائے بیٹھا تھا۔ کاغذات پلٹے گئے، ایف آئی آر رجسٹر نکالا گیا اور ساری آنکھیں، سارا عملہ اسی طرف متوجہ تھا۔

”تم کچھ نہیں بولو گے، عالم۔ میں یہ سارا معاملہ خود دیکھوں گا۔ تم صرف اور صرف خاموش رہو گے اور خود پر قابو رکھو گے۔“ سارا قصہ سننے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ایک نظر باہر کھڑی تمکنت اور اس کے بیٹے کو دیکھا، پھر دوبارہ عالم کو۔ ”میں کیسا لگ رہا ہوں؟“

عالمگیر نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ ”واٹ؟“

”میں پریشان تو نہیں لگ رہا؟“

”تم برباد لگ رہے ہو۔“ سفاکی سے تبصرہ کیا۔ سہراب نے گہری سانس لی۔ بال درست کیے، چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اور باہر نکل کر سپاہی سے اس کی پہنی ہوئی شال لیتے اپنے گرد اچھے سے اوڑھ لی۔ ایسے کہ اس کا چاک کندھا ڈھک گیا۔ چند لمحوں بعد وہ تمام بنگش خاندان کے سامنے کھڑا تھا۔ ڈھال، وبال، سخت جان۔

”پانچ منٹ کے لیے بات ہو سکتی ہے شاہ زید؟“ نہایت سنجیدگی سے اپنا مدعا پیش کیا۔ وہاں کھڑا ہر شخص اس کے اس اعتماد اور ڈھٹائی کو دیکھ کر رہ گیا۔

”ہم قاتلوں کے خاندان سے باتیں نہیں کرتا۔“ تمکنت غرائی۔ ”تم اور تمہارا خاندان اب اپنے دن گننا شروع کر دو کیونکہ میں تم سب کو چوک پر پھانسی دلواؤں گی۔“ سہراب اب بھی زید ہی کو دیکھ رہا تھا۔ پاس کھڑے دو لڑکوں نے ویڈیو بنانی شروع کر دی۔

”تم شاید بھول رہے ہو لیکن میں تمہیں یاد کروائے دیتا ہوں۔ تمہارے بھائی کے پیچھے ایک سیریل کلر تھا اور یہاں میرے بھائی پر ایف آئی آر کروا کر اسے قاتل ثابت کرتے ہوئے تم اصل قاتل کو فرار کا موقع دے رہے ہو۔ تمہیں اس وقت یہاں نہیں کرائم سین پر ہونا چاہیے تھا۔ ثبوت مٹائے جا سکتے ہیں، وہاں کوئی تمہارا سگا نہیں ہے۔“ شاہ زید سے کہتے ہوئے وہ دو قدم آگے آیا دونوں ہاتھوں سے دو لڑکوں سے ان کے موبائل لیے اور پوری قوت سے دیوار میں دے مارے۔ مڑ کر حمزہ کو دیکھا۔ ”یہاں موبائل فون اور ویڈیو بنانا ممنوع ہے۔ رائٹ سر؟“ نگاہوں اور انداز میں سرد سی کاٹ تھی۔

رئیس طیش زدہ سا اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے سامنے تن کر کھڑا ہوا۔ ”یہ تھانہ تمہارے باپ کی جاگیر نہیں ہے، سہراب۔ یہاں یہ سب کر کے تم ہمارے اندر کا لاوا پگھلا نہیں سکتے۔“ سہراب کی آنکھوں کی ٹھنڈک جوں کی توں رہی۔ ”ہمارے پاس عینی شاہد ہے جس نے قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔“ رئیس نے اپنے ساتھ آئے ایک مرد کی طرف اشارہ کیا، سہراب نے اچھنبے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ پھر رئیس کو۔

”میں ابھی اور اسی وقت تمہیں اپنے خون سے لکھ کر دے سکتا ہوں کہ میرا بھائی قاتل نہیں ہے۔ یہ کام اسی سیریل کلر کا ہو گا تم ایک بار ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔ اپنے بھائی کا قتل رائیگاں مت جانے دو۔“

”اور کون کہتا ہے کہ وہ سیریل کلر تمہارا بھائی نہیں ہو سکتا؟“ اسفند کے اگلے الفاظ پر سہراب اپنی جگہ جم گیا۔ لوگوں کے لیے بھی یہ ایک نیا انکشاف تھا۔ اسفندیار لہجے میں زہر لیے بول رہا تھا۔ ”تمام وکٹمز میں مماثلت صرف یہ نہیں تھی کہ وہ امیر تھے۔ وہ سترہ لڑکے محبت کے معاملے میں بھی خوش قسمت تھے اور تمہارا بھائی آج تک اپنے سابقہ تعلق سے موو آن نہیں کر سکا۔ وہ تین عورتوں کا قاتل ہے، وہ تین عورتیں جو اس کی زندگی میں ایک خلا کو پُر کرنے آئی تھیں لیکن تمہارے گھٹیا، ماضی میں گھرے ہوئے، عورتوں سے نفرت کرنے والے بھائی نے ان تینوں عورتوں کو مار دیا۔“

”اوپن اینڈ شٹ کیس۔“ حمزہ نے ایک بار پھر لقمہ دیا۔ دونوں یمن اپنی اپنی جگہ ساکت تھے۔ ہر گزرتا لمحہ انہیں موت کے قریب کرنے لگا۔ ہر گزرتا لمحہ بربادی اور تباہی کے قریب تھا۔

”اگر اب تم میرے کسی بھی معاملے میں آئے تو ایف آئی آر میں تمہیں قاتل کا تعاون کار اور عدالت میں تمہیں اس قتل کا سرغنہ نہ کروایا تو میرا نام بدل کر رکھ دینا۔“ تمکنت نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی۔ اندر کھڑے عالم کو لگ رہا تھا کہ سہراب اس نئے انکشاف پر ساکت ہوا ہے۔ رئیس کو لگا سہراب اس کے رعب میں آچکے ہے۔ جبکہ سہراب جانتا تھا وہ خاموشی کیوں ہے۔

”جیل سے نکلنے کے دو ماہ بعد کہاں تھے تم؟“ ماضی میں سہراب اس سے پوچھ رہا تھا۔ ”تمہارے کارڈز سے نیو یارک میں ہوٹل بک ہوئے ہیں، پیسے بھیجے گئے ہیں، تم کیا کرتے رہے ہو؟“

”کوئی میرا کام کر رہا تھا۔ میں نے اسے پیسے بھیجے؟“ عالم چڑ کر جواب دے رہا تھا۔

”یہ ڈبے آنا، تمہیں خنجر مارا جانا، یہ سب کب انتہائی پیمانے پر آیا؟“ ماضی میں سہراب کا شاہ ویر سے سوال۔

”دو سے تین ماہ پہلے۔“ جواب آیا۔

کوئی خوف تھا یا آگاہی جو آہستہ آہستہ سرایت کرتی ہوئی آئی اور سہراب کے کندھوں پر اپنے نوکیلے پاؤں جما کر بیٹھ گئی۔ رئیس ایف آئی آر لکھوا رہا تھا، اس کا وکیل اسے لعل یمن کی تلاش کے وارنٹ نکلوانے کا مطالبہ بھی کر رہا تھا۔ سہراب کے موبائل پر آراہ کے پیغامات آرہے تھے وہ عبیر کے رونے اور اس کے پیر کے زخموں کا بتا رہی تھی۔ وہ خود بھی بری طرح رو رہی تھی۔ یافث نے لکھا تھا وہ رش میں کہیں پھنس گیا ہے۔ باہر انتہا پسندوں کا شور اور جارحیت جاری تھی۔ اگر وہ یہاں سے چلا گیا اور باہر سے لوگ اندر آگئے تو کیا ہو گا؟ خوف تھا کہ بزدلی وہ یہاں سے جانے پر بھی راضی نہیں تھا۔ اسے بھائی عزیز تھا کیسے اسے اغیار کے نرغے میں چھوڑا جائے؟

موبائل کی سکرین پر انگوٹھا چلاتے ہوئے وہ ایک نمبر پر آکر رکا۔ کچھ لکھ کر بھیجنے کا دل کیا، دل یہ بھی کیا کہ اس سے واپس آنے کی التجا کی جائے یا اسے.... خیر.... دل کے چاہ لینے سے کیا ہو جاتا ہے۔ اسلان یمن سہراب کی اولاد نہیں تھا وہ اس کے کسی بلاوے پر نہیں آئے گا، یہ اسے یاد رکھنا چاہیے تھا وہ یہی بات بھول جاتا تھا۔ اس نے دل کو ڈپٹا، شانے چوڑے رکھے۔ اسے کمزور نہیں پڑنا تھا۔

اس سارے ہنگامے کے درمیان کسی نے نہیں دیکھا کہ شاہ زید گم صم، چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس کے نقصان کا اندازہ کون لگائے؟

★★★★★

"ستائیس فروری!"

یافث طارون کے اپارٹمنٹ کی عمارت کے باہر تا حد نگاہ اشتعال میں ڈوبے لوگ ہی لوگ تھے۔ جہاں نگاہ جاتی وہاں لوگ۔ پولیس سمیت سیاہ وردی اور بھاری جسموں والے کمانڈوز خاص طور پر طلب کیے گئے تھے۔ ایک رات اور ایک دن کے اندر اندر شہر کا سارا نقشہ ہی تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔

بند ٹریفک اور ساری رات کی ذلالت کے بعد اسلان یمن لاہور پہنچا تھا اسلان یمن تو اس کے حواس جیسے پوری طرح معطل ہوئے۔ وہ خالی خالی نگاہیں لیے اس سارے مجمعے کو دیکھ رہا تھا۔ جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، پیٹرول کے ڈبے تھے، سب سے بڑھ کر وہ اشتعال تھا جو خاک کرے یا خاکستر کرے ہی کرے۔ وہ اسی وقت انارا طارون کو اس کے گھر سمیت جلا دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس لڑکی کی وجہ سے شاہ ویر اور عالمگیر کے درمیان چپقلش تھی، کیونکہ ان کے نزدیک یہی ان کے میر کارواں کے قتل کی وجہ۔

جان دو، حساب دو۔۔۔۔لالچ کا کاروبار بند کرو، بند کرو۔

خون کا بدلہ خون لیں گے۔ قاتل غاروں سے بھی ڈھونڈ لیں گے۔

وہ اس شور اور مجمعے سے ذرا سے فاصلے پر نکل آیا۔ موبائل نکال کر پہلی کال یافث کو ملائی۔ ”ماموں آپ کہاں ہو؟“ چھوٹتے ہی سوال کیا۔ لہجہ حتی المکان معتدل رکھنا چاہا۔ مگر وہ دیکھ سکتا تھا۔ تباہی اس کے خاندان سے محض چند کوس کی دوری پر ہے۔

”یار میں ٹریفک میں پھنسا ہوا ہوں، چھ گھنٹے ہو گئے ہیں نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ سامنے ہڑتال ہو رہی ہے کسی ایک گاڑی کو بھی جانے نہیں دے رہے۔“ وہ شور کے باعث اونچی آواز میں چیخ کر بول رہا تھا۔ ”تم کہاں تھے تمہارا فون کیوں نہیں لگ رہا تھا؟“

”فون بند تھا ابھی ایک جگہ چارج کیا ہے۔ آپ کے گھر پر کون کون ہے؟“

”آراہ ہے اور عبیر بھی ہے۔ تم ہو کہاں؟ اور یہ شور کس بات کا ہے؟“ اس نے ایک ہاتھ کان پر رکھا اپنی طرف سے آتے شور کو نظر انداز کیا۔ چند گھنٹوں سے انٹرنیٹ کی سروس بھی معطل تھی۔ اس معلوم نہیں تھا کہ بھانجی پر کیا عذاب ٹوٹنے کو تیار ہے۔

”میں آپ کے گھر کے باہر کھڑا ہوں یہاں ہجوم جمع ہے، ساری عمارت کو آگ لگائی جانے کی تیاری رہی ہے اور آراہ اندر ہے۔“ یافث کا دماغ بھک سے اڑا۔

”کیا بکواس کر رہے ہو، ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اندر لوگ ہیں آراہ ہے.... تم.... تم وہیں رکو میں آرہا ہوں یہ بھلا کیا جہالت ہے؟“ وہ گاڑی سے نکل کر رش کے درمیان راستہ بناتے ہوئے باہر نکلنے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ رنگت فق ہو کر رہ گئی۔ ”اسلان وہاں سے ہٹنا مت، تمہاری بہنیں اندر ہی ہیں۔“ اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی، اس نے سمجھ کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

”آپ گاڑی لے کر نواز صاحب کی بلڈنگ کے سامنے پہنچو میں آراہ اور عبیر کو لے آؤں گا۔“

”تمہارا دماغ خراب ہے، رکو مجھے سہراب سے بات کرنے دو۔ تم اکیلے اس رش سے کیسے نبٹو گے؟“ وہ بہت مشکل سے سڑک کے کنارے پہنچا گاڑی اب بھی کئی سو گاڑیوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔ ”اسلان کوئی بھی انتہائی قدم مت اٹھانا، سہراب پولیس کے ساتھ آجائے گا۔ تم اپنی طرف سے کچھ نہیں کرو گے۔“

اس نے ایک نظر سارے مجمعے کو دیکھا۔ مشتعل، بگڑے ہوئے حلق کے بل نعرے لگاتے، چیختے ہوئے لوگوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ ایک انگوٹھے سے عادتاً کنپٹی مسلی اور بڑی تابعداری سے بس ایک لفظ کہا۔ ”اوکے۔“

”تم بس وہاں کھڑے ہو کر نظر رکھو گے، سہراب اور میں آرہے ہیں۔“

اسلان نے سر ہلایا۔ ”اوکے!“

”اسلان۔۔۔ اسلان تم۔۔۔“ ٹوں ٹوں کی آواز سے کال کٹ گئی۔ یافث طارون کھول کر رہ گیا۔ اسلان یمن اس کی برداشت آزمانا اس صدی میں چھوڑ دے، ناممکن۔ دوسری طرف اس نے بستہ نیچے رکھ کر ماسک نکال کر پہنا اور مفلر سے چہرہ ڈھک لیا۔ سیاہ بھیڑوں میں اب وہ ان کا ہم قبیلہ تھا۔ وار کے لیے تیار بھیڑیوں میں ان کا کنبہ۔

”لاہور پولیس.... مردہ باد!“ اونچا نعرہ لگاتے وہ لوگوں کے درمیان گھس گیا۔ پولیس کے تمام افراد جو لوگوں کو عمارت کے اندر گھسنے سے روکے کھڑے تھے۔ اسلان اب ان لوگوں میں شامل تھا۔ ”غنڈہ گردی نہیں چلے گی.... نہیں چلے گی۔ جسٹس فار.... شاہ ویر بنگش۔ لالچ کا کاروبار بند کرو...بند کرو۔“ مجمعے کے نزدیک انارا طارون ایک لالچی عورت تھی جس نے اپنے چاچو کے ساتھ مل کر شاہ ویر بنگش کی میراث ہتھیانے کے لیے اسے قتل کروا دیا۔ ”لاہور پولیس مردہ باد!“ وہ چند لمحوں کے اندر اندر جوش کی آگ میں پیٹرول ڈالنے کا کام کر گیا تھا۔

”مردہ باد مردہ باد۔“ لوگ اس کے پیچھے اسی کی طرح حلق کے بل نعرے لگا رہے تھے۔

”پولیس ایسے نہیں مانے گی ہمیں دیواروں کے ذریعے اندر جانا ہو گا۔“ اس نے پلٹ کر دو سے تین لڑکوں سے کہا۔ ”کوئی ایسے کیسے ہمارے میر کارواں کو مار سکتا ہے؟ ایسی لڑکیوں کا انجام ہمیں خود لکھنا ہو گا۔“

” صحیح کہہ رہا ہے چلو دیوار سے چڑھ کر اندر جائیں گے۔“ ان میں سے ایک جس نے شاہ ویر کے چہرے والی شرٹ پہن رکھی تھی فوراً راضی ہوا۔

”میں اندر جاؤں گا، پیٹرول مجھے دو میں آگ لگاؤں گا اور پولیس کو اسے بجھانے کے لیے دروازہ کھولنا پڑے گا پھر تم سب اندر داخل ہو جانا۔“ وہ بلند آواز میں انہیں سمجھا رہا تھا۔ شور، انتشار، زخم، عناد، ہجوم یہ ایسا سمے ہوتا ہے جب انسان انتہائی سے انتہائی قدم اٹھانے کو بھی تیار ہو جاتا ہے، اسلان یمن ان کے دماغ سے کھیل رہا تھا۔

چند پل بعد پندرہ سے بیس لڑکے عمارت کی دائیں طرف دیوار کے قریب کھڑے تھے۔ دو جھک کر کھڑے ہوئے اور انھوں نے اسلان کو اپنی پشت اور ہاتھوں پر اس کے بوٹ برداشت کرتے اوپر چڑھایا۔ پولیس کی نظروں سے بچتے وہ دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ یک کے بعد دیگر باقی لڑکے بھی دیوار ٹاپ کے عمارت کے وسیع قطعے پر اتر آئے۔ اطراف میں نگاہیں گھمائیں تو ہر طرف سناٹا ہر کوئی گھروں میں دبک کر بیٹھا تھا۔

"یہ مجھے دے دو میں اندر جاؤں گا۔" اس نے پیٹرول کا ڈبہ ان سب سے لیا اور آگے بڑھا۔ "تم لوگ یہیں رکو، میں تھوڑا سا آگے جا کر اشارہ کروں گا تاکہ پولیس کا دھیان اس طرف نہ آئے ٹھیک ہے؟"

لڑکے رضامند تھے۔ وہ ذرا سا جھک کر احاطے میں کھڑی موٹر بائیکس اور گاڑیوں کے درمیان سے گزر کر آگے جا رہا تھا، کسی نے دیکھا ہو یا نہیں مگر تم دیکھ سکتے ہو کہ اسلان نے پیٹرول کے ڈبے کا ڈھکن کھول لیا تھا، اسے ہلکا سا جھکائے مائع آس پاس گراتے ہوئے وہ زینوں کے آگے بنے دروازے پر آکر رکا۔ لڑکوں میں سے ایک نے ایک انگلی سینے پر دوسری اس کی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔ "میں آؤں؟"

اسلان نے اسی لمحے سارے کا سارا مائع وہاں گرا دیا۔ چند قدم پیچھے لیے اور جیب سے لائٹر نکال کر ایک طرف اچھالا جہاں پیٹرول پھینکا تھا۔ دس سے پندرہ بائیکس جن کے ارد گرد آگ تھی وہ گویا اُبل پڑیں۔ لڑکے بے یقینی سے اسے دیکھتے رہے۔ وہ اندر نہیں جا سکتے تھے۔ درمیان میں آگ تھی۔ اسلان کسی چھلاوا کی مانند ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اپنے عقب میں اس نے اپارٹمنٹ کے زینوں والا دروازہ کھٹاک سے بند کر دیا۔ بیچ میں جلتی بائیکس اور دو گاڑیاں تھیں، پولیس کی ساری توجہ اسی طرف آگئی، لوگوں کا شور بڑھ گیا۔ کئی اہلکار ان لڑکوں کی طرف لپکے جو کہ ہنوز اپنے استعمال کیے جانے پر بے یقین تھے۔

ان سب سے دور اپارٹمنٹ کے اندر بیٹھی آراہ کھڑکی کے قریب کھڑی جی جان سے لرز رہی تھی۔ نے کھڑکی کا پردہ ہلکا ہی سرکایا تھا اور باہر کھڑے لوگوں کو دیکھ کر اس کے پیروں تلے زمین ہی نکل گئی تھی۔ ہزاروں لوگوں کا وہ مجمع اس کی تاک میں تھا۔ یہ لوگ اسے زندہ جلا سکتے تھے اور قصور؟ قصور یہ کہ وہ ایک عورت تھی، جس پر الزام دھر دینا آسان تھا۔ نقصان تو اس کا بھی ہوا تھا کسی نے اس سے تعزیت کیوں نہیں کی؟ کیوں سوشل میڈیا کی پوسٹس میں اس کا چہرہ ایک ولن کا چہرہ تھا؟ کیوں وہ لالچی، مفاد پرست، ڈائن اور نحوست بلائی جا رہی تھی؟ کیوں لوگ اس کی کردار کشی کر رہے تھے، اس کے بارے میں انسانیت سے گرے ہوئے پنچ جملے کہہ رہے تھے؟

وہاں کھڑے کھڑے اسے اندازہ ہوا معاشرہ ان کے تعلق کو عزت نہیں دیتا۔ ٹھیک، درست، سب صحیح مگر یہی معاشرہ اس سے انسان ہونے کا حق کیوں چھین رہا تھا؟ صرف اس لیے کہ وہ ایک عام شکل کی "لڑکی" تھی۔ کیوں اس کی تصاویر اٹھا اٹھا کر ان پر "اس لڑکی کے لیے؟" لکھا جا رہا تھا؟

"آراہ!" دروازے پر کسی نے پکارا۔ معاشرے کا ایک اور پہلو، درست، بہترین۔ "آراہ.... دروازہ کھولو۔" دھڑا دھڑ ہوتی دستک اسے واپس حواسوں میں لے آئی۔ "آراہ جلدی کرو۔" دوسری طرف اس کا تنفس پھولا ہوا تھا۔ "آراہ؟"

جانے کیسے اس کے وجود میں جنبش ہوئی، نہ جانے کس طرح اس کے قدم دروازے تک آئے، لرزتے ہاتھوں سے اس نے چٹخنی کھولی۔ اسلان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اس کے گلے لگنا چاہتی تھی، ارادہ ترک کیا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا تو کہہ نہیں سکا۔ ایک عجیب سا مضمحل لمحہ تھا جو آ کر گزر گیا۔ اس نے بس تین انگلیوں میں اس کی شرٹ کا کونہ دبوچ لیا، اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "بھائی۔"

"میں یہیں ہوں، ڈونٹ وری۔" وہ اندر آیا۔ "عبیر کہاں ہے؟" سنجیدہ تین لفظی استفسار۔ اندر آ کر دروازہ بند کیا، چٹخنی واپس چڑھائی۔ یہی بند اس نے جذبات پر بٹھایا۔ اپنے کندھے پر موجود اس کا کپکپاتا ہاتھ تک نہیں تھاما۔

"وہ.... سامنے رو رہی تھی۔" اسلان نے چھوٹے سے ہال میں نگاہ دوڑائی تو عبیر دونوں پیر نیچے کیے زکام زدہ ہچکیاں لے رہی تھی۔ اس کے دونوں پیروں پر پٹی بندھی تھی وہ شاید اس حادثے سے لاعلم تھا۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے بھائی۔"

"دومنٹ کے اندر اندر کپڑے بدل کر آؤ۔" عبیر کے قریب جاتے ہوئے اس نے بغیر مڑے کہا۔ "شش.... سب ٹھیک ہے۔ ڈونٹ وری بھائی آ گیا ہے نا؟" اس نے عبیر کو اٹھا کر سینے سے لگایا۔ وہ رونے لگی تھی۔ آراہ کو اپنے جذبات رد کیے جانے کا دھڑکا لگا۔

"آراہ جاؤ چینج کر کے آؤ۔ جلدی کرو۔" وہ چلایا۔ آراہ جیسے حواس میں آئی۔ تین سے چار منٹ بعد وہ واپس آئی تو ہلکے آسمانی رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس دوپٹہ سر پر لیا ہوا تھا اور چہرہ دھلا ہوا۔ ہاتھ میں ایک بستہ تھا جسے سینے سے لگا رکھا تھا، اس کی ادھ کھلی زپ سے سفید ساڑھی نظر آ رہی تھی۔ وہ اس پر دستبرداری نہیں دے سکی۔

"یہ لوگ ہمیں مار دیں گے۔"

"یہ لوگ مجھ سے گزر کر تم تک آئیں گے اور مجھ سے گزر جانا مشکل ہے۔" اس نے عبیر کا چہرہ صاف کیا، آراہ سے نگاہیں ہٹا لیں۔ وہ رو نہیں رہی تھی، آنکھیں گیلی تھیں۔ "تمہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔" ابھی اسلان اس سے کچھ کہتا کہ دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔ ایک ساتھ کئی لوگوں کے زینے چڑھنے کی آوازیں آئیں دونوں بہن بھائی اپنی اپنی جگہ منجمند ہوئے اور اسی پل ان پر اشکار ہوا۔ وار چاہے جس پر بھی ہو تکلیف سانجھی رہنی تھی۔

★★★★★

آشیانہ بنگش!

باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے اسے کچھ نہیں جاننا تھا۔ کل رات کیا ہوا یہ اب تک اس کے حواسوں میں جذب نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا کوٹ وہیں کہیں فرش پر تھا، جوتے کسی ملازم نے آ کر اتارے وہ جو عام حالات میں اس بات پر ٹوک دیا کرتا تھا۔ آج اس کے حلق میں الفاظ گولوں کی صورت اٹکے رہے۔ وہ کہاں، کس کمرے میں آیا اسے علم نہ ہو سکا۔ آنکھیں جھپک جھپک کر کھولنے پر اس نے دیکھا۔ اس کمرے کی دیوار پر چاند کا نمونہ تھا۔ پلنگ، دیواریں، چادر، الماری کا دروازہ سب سفید۔ یہ شاہ ویر بنگش کا کمرہ تھا۔

اس نے گھٹنے سینے سے لگائے، کہنیاں آپس میں جوڑ کر خود کو پلنگ پر گرا دیا۔ ساری دنیا رو رہی تھی، ہر کوئی غم زدہ تھا۔ وہ رو کیوں نہیں رہا تھا؟ کیوں اس کی آنکھ کا پانی پتھر کا ذرہ بن گیا تھا۔

"میں مرنا نہیں چاہتا، زید۔"

"جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔" کیا وعدوں کی عمر یہی تھی، کیا اتنی جلدی سب ختم ہو جاتا ہے، اب کیا ہو گا؟ کیا اب ساری زندگی کا الوداع؟ دفعتاً اس کے کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا۔ کسی بپھری بلا کی جیسی سرخ آنکھیں اور مردہ چہرہ لیے تمکنت اندر آئی۔ شاہ زید کا بازو پکڑ کر اسے سیدھا کر کے بٹھایا۔ وہ کٹی ڈال کی مانند اشاروں پر جھول گیا۔

"یہ غم منانے کا وقت نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ہم سے ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ چھینا ہے یہ وقت ہے کہ ہم انہیں تباہ کریں تم اس طرح خاموش ہو کر نہیں بیٹھ سکتے۔" وہ غرا رہی تھی۔ وہ بوڑھی عورت اس سے کیا کہہ رہی تھی، الفاظ اس کے ذہن کی سرحدوں سے اس کی سماعتوں میں کیوں نہیں اتر رہے تھے؟ اسے بس سامنے والی عورت کے لب ہلتے محسوس ہوئے۔ "لوگ ڈھونڈو، پتھر برساؤ ان کے گھروں پر، ان کی عورتیں اٹھواؤ۔ تم سمجھ رہے ہو، کیا ہوا ہے؟ میرا بیٹا مر گیا ہے۔ تمہارا بھائی شاہ ویر بنگش مر گیا ہے۔" غم و غصہ مل رہا تھا۔

وہ چند پل اسے دیکھتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا۔ بغیر کسی لباس کی پرت میں ڈھکا اپنی ماں کا سفید دودھیا بازو پکڑا اور دروازے تک لایا۔ اگلے ہی پل تمکنت دہلیز کے پار تھی۔ اس سے قبل دروازہ اس کے منہ پر بند ہوتا اس نے ایک ہاتھ سے روکا۔ "ہم اس طرح خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔" وہ چیخی۔

"میرا دماغ خراب مت کریں مام۔" ہاتھ ہٹاتے وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخا۔ "جو ہوا ہے آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ ہر چیز کی ذمہ دار آپ ہیں۔ شاہ ویر آپ کی وجہ سے مرا ہے، اسے تباہ کرنے والی عورت آپ ہیں۔ کاش میرے بھائی کی جگہ آپ مر گئی ہوتیں۔۔۔" طیش و تنفر سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ اس کے منہ پر بند کر دیا۔ تمکنت دم سادھے باہر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ان کا بیٹا غم و غصے میں پاگل ہو کر ہذیان بک رہا تھا یہ انہیں یقین ہو گیا۔ یمن خاندان نے اس کی ریڑھ کی ہڈی چٹخا کر رکھ دی تھی۔ وہ انہیں بھی زمین بوس کرے گی یہ فیصلہ ہوا۔

★★★★★

مجمعے کے درمیان سہراب اور یافث بھی جمع ہو چکے تھے۔ اس بپھرے ہوئے ہجوم میں ان کا واحد مقصد اپنے گھرانے کو بچانا تھا۔ لوگ فی الحال انہیں پہچانتے نہیں تھے۔ ورنہ اس وقت وہ ان دونوں کو کُچل کر جا چکے ہوتے حفاظت کے پیشِ نظر ان دونوں نے پھر بھی ماسک پہن رکھے تھے، نگاہیں متلاشی۔

"جب میں باہر جھک مار رہا تھا تو تمہیں چاہیے تھا گھر پر رہتے، اپنے گھر کی عورتوں کو ایسے لمحے میں اکیلا کون چھوڑتا ہے؟" سہراب سلگا۔

"اسلان کو فون کرو اس سے پوچھو وہ کہاں ہے۔ میں نے اسے کال کی تھی تب وہ یہیں تھا اب کہاں گیا؟" لوگوں کے ملتے ہوئے لب، پھٹتے ہوئے حلق سب شانت ہو گئے۔ کسی نے سہراب یمن کے سینے پر تمغے سجا دیے۔ وہ آیا تھا؟ وہ واقعی آیا تھا؟ اپنے خاندان، جان پر دستبرداری دینے کے بعد بھی وہ آیا تھا، وہ ثابت کر رہا تھا اسے یتیم خانے سے اٹھا کر اپنے گھر لانا غلط نہیں تھا۔ ہاں وہ اس کا بیٹا نہیں تھا لیکن وہ آیا تو اسے باپ کی طرح کا فخر ہوا۔ وہ کئی لمحے کچھ کہہ نہ سکا اور جب بولا تو آواز میں سرسراہٹ تھی۔

"اسلان.... اسلان یہاں ہے، لاہور میں؟" تربیت کے ساتھ اس نے انا بھی اسی سے لی تھی۔ آدھی دنیا کو اپنی موجودگی کی اطلاع خود دے دی مگر مجال ہے جو اپنے چاچو اسکار کو کچھ بتایا ہو۔ کمبخت۔

"ہاں کل آراہ نے کال کر کے بلایا تھا۔ اس نے بتایا تھا وہ آ رہا ہے۔ سہراب کچھ کرو دیکھو گراؤنڈ فلور پر آگ لگ گئی ہے یہ آگ اوپر چلی گئی تو وہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا اور ابھی کتنے سارے لوگ اندر گئے ہیں یہ کام پولیس نہیں سنبھال سکتی۔"

"اسلان نے تم سے کیا کہا تھا؟" سہراب ابھی وہیں اٹکا تھا۔ جنگ کے درمیان اسے اپنے امن کی پرواہ تھی۔

"اس نے کہا تھا میں نواز صاحب کی بلڈنگ کے باہر گاڑی لے آؤں۔" دھکم پیل کے دوران وہ بمشکل ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر کھڑے تھے۔ پولیس نے لاٹھی چارج شروع کر دیا تھا۔ آنسو گیس کی شیلنگ ہونے لگی۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔

"تم نواز صاحب کی عمارت کے باہر جا کر کھڑے ہو جاؤ یہ میری گاڑی کی چابی ہے، گاڑی تیار رکھنا میں اسلان اور بچوں کو لے کر آ رہا ہوں۔" شور، دھکے، نعرے، ٹائروں کے جلتے دھوئیں کے دوران وہ دھکے لگنے پر ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے جب یافث نے ہر جھجک کو دور جھٹکتے سہراب کا بازو مضبوطی سے پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھڑا کیا۔ دھکے اب بھی لگ رہے تھے، تپش اب بھی تھی، لوگوں کی کہنیاں اب بھی پسلیوں میں کھب رہی تھیں مگر اب وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے تھے، یک جٹ اور مضبوط۔ لوگوں میں سے کسی ایک کی لاٹھی سہراب کے کندھے پر آ کر لگی۔ اس نے ضبط سے دانت پر دانت جما لیے۔

"یہاں وقت ضائع مت کرو جاؤ۔ میں آ جاؤں گا، بچے لے آؤں گا۔ میں پہلے بھی لے آیا تھا شاید تمہیں یاد ہو۔" اسے یاد تھا بہت اچھی طرح بے حد واضح طور پر یاد تھا۔ اس نے سہراب کا بازو چھوڑا وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ مگر گرا نہیں۔ یافث لوگوں کے ہجوم سے نکلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ سہراب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی بھوری آنکھوں والے افسر نے جیب سے موبائل نکالا اور "بیٹا" نامی رابطے کو ایک پیغام لکھ کر بھیجا۔ انائیں محض اسلان کی جانب سے تھیں۔ بات اسلان پر آ جائے تو سہراب انا کے الف سے بھی نا آشنا، غرور کے "غ" سے بھی انکاری۔

"آراہ کی الماری کے سب سے نچلے خانے میں گنز رکھی ہیں۔ بلٹس جوتوں والے ڈبے میں ہیں۔ آراہ کو فائر کرنا آتا ہے۔ گنز اٹھاؤ، راستے میں جو بھی روکنے کی کوشش کرے، اس کے پیر یا بازو پر فائر کر دو۔ بقا امر ہے، اس کے لیے تم ہر حد سے گزر سکتے ہو۔" پیغام کے ساتھ سفر کرتے ہوئے یافث طارون کے اپارٹمنٹ میں واپس آؤ تو دستک

ہنوز جاری تھی۔ پیغام پڑھتے ساتھ ہی اسلان آراہ کے کمرے کی طرف بھاگا۔ اگلے چند منٹ یوں تھے گویا کوئی ہدایت ساز اپنی فلم کا سب سے بہترین سین فلمبند کر رہا ہو۔

اسلان یمن الماری الٹ پلٹ کر کے نچلے خانے سے پستول نکال رہا تھا۔ آراہ سہم کر اسے دیکھے گئی۔ اس کے نزدیک تو یہ اس کا راز تھا مگر ایک پولیس افسر سے راز ناممکن۔ اس نے لمحے بھر کے تردد کے بعد ایک پستول آراہ کے ہاتھ میں تھمائی، دوسری اپنے پاس رکھی اور اگلے ہی لمحے وہ اپنی دونوں بہنوں کے ساتھ آراہ کے کمرے کی بالکنی میں کھڑا تھا۔ دوسرے گھر کی بالکنی اس گھر کی بالکنی سے تقریباً جڑی ہوئی تھی۔ اسلان نے عبیر کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ آراہ سے اس کا دوپٹہ لے کر عبیر کی کمر سے گزار کے اپنی کمر اور کندھے پر دوپٹے سے گانٹھ باندھی۔

اگلے ہی پل اس نے مہارت سے بالکنی ٹاپی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب اپارٹمنٹ کا دروازہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ آراہ کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ بالشت بھر کا وہ فاصلہ اسے کئی میلوں کا لگا۔ وہ سراسیمہ نظروں سے اسلان کو دیکھ رہی تھی۔ ”آراہ جلدی کرو۔“ اسلان کہہ رہا تھا۔ آراہ نے اپنا ہاتھ ریلنگ پر رکھا، کمرے کا دروازہ زور سے بجا تو وہ لرز گئی۔ پستول چھوٹ کر نیچے گری اور وہ زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔ ہوتی ہیں لڑکیاں جو ایسے وقت میں بڑے حوصلے اور جذبے سے کام لیتی ہوں گی مگر اس کا دل ننھی چڑیا جتنا تھا جو بہت بری طرح سے لرز تا رہا۔

”میں تمہیں گرنے نہیں دوں گا، آرا پلیز ہمت سے کام لو تم کر سکتی ہو۔“ یقین دہانی کروائی۔ آراہ نے آنسو رگڑ کر صاف کرتے پستول اٹھا کر اس کی طرف اچھالی جسے اس نے پکڑ لیا۔ کانپتی ٹانگوں سے اس نے ایک پیر ریلنگ سے باہر نکالا اور اسی پل کمرے کا لاک ٹوٹنے کی آواز آئی۔ اسلان نے جلدی سے عبیر کو نیچے اتارا برق رفتاری سے وہ بالشت بھر کا فاصلہ پار کیا اور اگلے ہی لمحے وہ آراہ کو اٹھا کر دوسری طرف لے آیا۔ اس نے آنکھیں خوف سے میچ رکھی تھیں۔

ریلنگ کے اس پار دونوں کا دل رفتار سے دوڑ رہا تھا، وہ گر بھی سکتے تھے، کوئی آ بھی سکتا تھا مگر وہ لڑے۔ عبیر کو دوبارہ اٹھاتے اور آراہ کا لرزتا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے وہ اس اپارٹمنٹ کے اندر داخل ہوا۔

"کون ہو تم اندر کیسے۔۔۔" کمرے کے مالک کا منہ کھل گیا جب اس نے آراہ کو دیکھا۔ "انارا تم۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟" اسلان نے بغیر جواب دیے پستول اس پر تان لی۔ اگلے لمحے وہ مکینوں کو باقاعدہ بندوق دکھا کر ہراساں اور حق دق کرتا ان کا گھر پار کرتا باہر نکل آیا۔

آراہ کی یادداشت جیسے الجھ کر رہ گئی ہو اسے چچا کے سنائے گئے تھرلر واقعات پسند تھے آج وہ اپنی زندگی کا اصل کرائم تھرلر جی رہی تھی۔ جس کا مرکزی کردار بھی وہی تھی، ہیرو بھی وہی اور ولن بھی۔ "باہر لوگ ہیں اسلان۔" لفٹ کے اندر داخل ہوتے اس نے ایک بار پھر اسلان کا بازو پکڑ لیا۔

" تم میری حفاظت میں ہو۔ " اب کی بار اس نے آراہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ بس پانچ، صرف پانچ لفظ کہے اور آراہ کو لگا واقعی اب حفاظت میں آئی ہے ۔ وہ لفٹ سے آخری منزل تک آئے اور یہاں ایک بار پھر لوگ ہی لوگ۔ اسلان بغیر کسی اور طرف دیکھے آراہ کا ہاتھ تھامے جلتی ہوئی بائیکس اور گاڑیوں کی دائیں طرف سے نکل رہا تھا۔ مگر ایک جگہ اسے رکنا پڑا۔ سامنے خارجی دروازہ تھا جہاں لوگ تھے۔ دائیں طرف بھڑکتی آگ اور بائیں طرف اشتعال زدہ لوگ۔ اس نے سامنے دیکھا پولیس اور لوگ گتھم گتھا تھے۔ اسے اب سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کہاں جائے۔ دروازے کے باہر وہ سب آراہ کو پہچانتے تھے، یہاں آگ تھی اور پکڑے جانے کا خدشہ۔

"بھائی.... میرے پیر...." عبیر رونے لگی تھی۔ آگ کی تپش سے اس کے پیر جل رہے تھے۔ اسلان نے سامنے دیکھا۔ بھیڑ میں سہراب یمن اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے دو انگلیاں پستول کی شکل میں ترتیب دیں اور اسلان کو ایک حکم دیا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ سہراب اسے دیکھتا رہا۔ اشارے سے اسے بتاتا رہا کہ وہ مارا جائے

گا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس کا سر مسلسل نفی میں ہل رہا تھا۔ دونوں کے درمیان آگ اور لوگ تھے، دونوں بے حد مختلف انسان۔ ”لوگ.... مارے.... جا.... سکتے.... ہیں۔“ بغیر آواز کے لب ہلائے۔

ابھی سہراب کوئی مزید اشارہ کرتا کہ ایک فائر کی آواز گونجی۔ اسلان تیزی سے دونوں بہنوں کو ساتھ لیے نیچے جھکا مگر اس کی حیرت کی انتہا تب نہ رہی جب اس نے آراہ کو پستول نیچے کرتے دیکھا۔ نگاہیں کسی چیل کی طرح لوگوں پر جمی تھیں۔ اسلان ساکت رہ گیا یہ فائر آراہ کی جانب سے ہوا تھا۔

”سر نیچے رکھو بھائی۔“ چہرے سے بال ہٹاتے نگاہیں مجمعے پر جمائے اس نے سختی سے کہا۔ اسلان جھک گیا۔ آراہ نے پستول پر گرفت جمائی نشانہ لیا اور...... فائر کی آواز دوبارہ گونجی، لوگوں کی نظر سے بچتے یہ دو فائر سہراب یمن نے کیے تھے۔ اسی کی تقلید میں اگلے دو فائر انارا نے کیے۔ اس نے کسی انسان کا نشانہ نہیں لیا، دیکھ بھال کر محض خالی جگہ یا کسی پرزے کا نشانہ لیا۔ وہ اسلان پر حیرتوں کے پہاڑ گرا رہی تھی۔ اگر وہ ہاتھوں سے پیٹنا جانتا تھا تو وہ فائر کرنا جانتی تھی۔ دونوں کے ہنر الگ، نتائج یکساں۔

گیدڑوں کا مجمع جو عورت پر چڑھ دوڑنے آیا تھا۔ تربتر ہونے لگا۔ وہ جو ایک انسان کے خون کے بدلے ایک عورت کو ذلیل کرنے آئے تھے اب ایک دوسرے کو کچل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ اوقات تھی ان لوگوں کی جو دو طرفہ کہانی سنے بغیر وقت کے خدا بن کر فرمان قتل جاری کر دیتے ہیں۔ دروازے توڑ دیے گئے، پولیس رکھوالی چھوڑ کر ہٹ گئی۔ ہر کوئی اپنی اپنی جان بچانے میں کوشاں تھا۔

سہراب بغیر دقت کے آگے گیا۔ اپنے گھرانے کے تینوں لوگوں کو کسی طرح، کس مشکل سے عمارت کے عقبی حصے سے گاڑی تک لایا یہ بس وہ جانتا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھا یافث طارون اپنے عزیز دوست کی اکلوتی بیٹی کو باپ کے لیے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ آراہ کو ساکت اور غائب دماغ جبکہ اسلان کو بے چین اور گہرے سانس لیتے دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا قصور کیا ہے؟

نظریں پھیر کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے سہراب کی چپ جانچی۔ وہ اس گاڑی میں بیٹھے ہر شخص کی حالت سے واقف تھا اس پر نالاں بھی اور ہمدرد بھی اور اس سب سے بڑھ کر مستقبل کے لیے خوف زدہ بھی۔ زندگی اس گاڑی میں جمود اور تحیر کا شکار تھی۔

★★★★★

ستائیس فروری شام سات بجے۔ ڈی آئی جی خادم کے دفتر میں انتشار اور بے کلی کی کیفیت تھی۔ سامنے والی دیوار پر لگی سکرین میں شہر کی ابتر ہوئی حالت تصویروں میں دکھائی دے رہی تھی۔ ریموٹ سے تصاویر بدلتے ہوئے خادم بٹ کے چہرے کا اضطراب ایسا تھا کہ دیواریں تک ادل مسوس کر رہ گئیں۔

"لاء اینڈ آرڈر کی اگر یہی صورتحال رہی تو ہم سب ایک ہفتے کے اندر اندر یہاں سے دفعان ہوتے ہوئے نظر آئیں گے۔" سکرین کی طرف اشارہ کرتے خادم بٹ تلخی سے بولے جہاں کئی جگہ آگ سے اٹھتا دھواں تھا اور کہیں توڑ پھوڑ کے آثار۔ "جب میں نے کہا تھا میڈیا کی چونچیں اس معاملے سے دور رکھو تو تم سب کیا جھک مار رہے تھے؟" وہ اپنے ماتحتوں پر غرائے۔ "ایک کام دیا تھا صرف ایک کام اور وہ بھی نہ ہو سکا؟"

"جو مرا ہے وہ چلتی پھرتی ہیڈ لائن تھا سر۔ صبح کی کافی سے لے کر رات کے بستر کی سلوٹ تک سے عوام واقف تھی۔ نوجوانوں کے لیے وہ ان کا رہنما تھا۔ میڈیا سے اس کی خبر چھپانا ایسے ہے جیسے کسی آنکھوں والے سے کہنا کہ کہ وہ دیکھنے سے معذرت کر لے۔" ڈی ایس پی نے اپنی رائے پیش کی۔ "معذرت سر لیکن شاہویر بنگش اور سکرین الگ الگ نہیں رہ سکتے۔ اس کی موت کے بعد بھی نہیں۔ کبھی نہیں۔"

"وہ سارے پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ساکھ تباہ کر رہا ہے۔ انٹرنیشنل میڈیا اس کے قتل کو کوریج دے رہا ہے اور تمہارے لوگ کیا کر رہے ہیں؟ لاٹھی چارج.... اوہ خدا کے بندو موقع محل تو دیکھ لیا کرو۔" وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہے تھے۔ "پولیس کا ڈنڈا کیمرے کے سامنے محض تنبیہہ ہونا چاہیے، تباہی نہیں۔ ہم ولن بن گئے ہیں۔"

"ہم اپنی پوری جان لگادیں گے سر، انشاءللہ اب آپ کو شکایات نہیں ملیں گی۔" ایس پی صاحب نے یقین دہانی کروائی۔ وہاں بیٹھا ہر شخص جانتا تھا کہ کمبخت جھوٹ بک رہا ہے۔

"ایف آئی آر درج ہوئی ہے؟" اب کے انہوں نے قدرے تحمل سے پوچھا۔

"آج صبح ہی ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر سے بات ہو گئی ہے پوسٹ مارٹم چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہو جائے گا۔ تب تک کسی بھی قسم کی پریس کانفرنس نہیں ہو سکے گی۔"

"رپورٹ کب آئے گی؟"

"سر دو دن لگ جائیں گے۔ آج جمعہ ہے۔ ایف آئی آر آج کے دن میں گنی جائے گی کل ہفتہ اور پرسوں اتوار کو عدالت بند ہے۔ لہٰذا ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" ڈی ایس پی نے جواب دیا۔ خادم بٹ کا اضطراب کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔ ہاتھوں کو باہم ملا کر بیٹھے وہ کسی سوچ میں لگ رہے تھے۔ ایس پی صاحب اپنے علاقے کی صورتحال کے متعلق انہیں کچھ بتا رہے تھے جب خادم بٹ چونکے۔ نگاہ یہاں سے وہاں گھمائی۔ ہر ماتحت تھا مگر.....

"سلطان کہاں ہے؟" اس قتل کیس کا سینئر افسر سلطان راہی کہاں تھا؟ حکمت عملی یہاں تیار کی جا رہی تھی۔ حفاظت کی درجہ بندی یہیں طے ہونی تھی پھر وہ کہاں تھا؟ خادم بٹ کے دفتر سے دور پرے ایک مڈل کلاس کالونی کی لمبی چوڑی گلی میں "لعل یمن" نامی گھر کے باہر سہراب کی گاڑی آکر رکی تو اس سمیت اس کے ساتھ موجود تمام لوگوں کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی ہوں۔ باہر پولیس کی گاڑیاں تھیں اور کھلے دروازے کا ٹوٹا تالہ قریب ہی گرا تھا۔

سہراب تیزی سے اندر کی طرف بھاگا۔ یافث اور اسلان بھی اس کے پیچھے تھے۔ لان کی حالت ابتر تھی تو گھر کا صحن اور ٹی وی لاؤنج بھی پولیس کے عتاب سے بچ نہیں سکا تھا۔ ٹیلی فون اسٹینڈ نیچے گرا ہوا تھا، آرائشی اشیاء بے

دردی سے زمین بدر کی گئی تھیں۔ شاہکار مصوری جن پر عالم ہزاروں لٹا کر گھر کی دیواریں سجانے کو لایا تھا انہیں اس سفاکی سے نیچے پھینکا گیا تھا کہ وہ اپنے فریم سے جدا ہو کر رہ گئیں۔ سہراب کی آنکھوں سے شعلے لپکنے لگے۔
"سلطان...." وہ ہال میں کھڑے ہو کر حلق کے بل غرایا۔ عین اسی لمحے کسی نے عالمگیر کے کمرے سے ہانک لگائی۔

"یہاں آجاؤ، سہراب۔ میں قاتل کے کمرے میں ہوں۔" بڑی ہی بے نیاز آواز آئی۔ سہراب زینے طے کرتا عالم کے کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں سنگھار میز کے سامنے کوئی شخص کھڑا تھا۔ "مجھے یاد کر رہے تھے تم؟" وہ اس کی طرف مڑا۔ دراز قد اور سانولی سورت پر گھنی مونچھوں والا شخص مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ عمر یہی کوئی اڑتالیس چالیس کے قریب۔ میز پر نئے موزے رکھے تھے جو یقیناً اس کے نہیں تھے۔

"تم اس طرح میری غیر موجودگی میں میرے گھر کیسے گھس سکتے ہو؟" سرزمین لاہور پر اگر اسے کسی شخص سے انتہا درجے کی پرخاش تھی تو وہ یہی سامنے کھڑا شخص تھا۔

"تصیح کرو سہراب۔ میں تمہارے اور "قاتل" کے مشترکہ گھر میں کھڑا ہوں۔ میرے پاس سرچ وارنٹ ہیں۔ میں اس کیس کو لیڈ کر رہا ہوں اب بھی تمہیں لگتا ہے تم مجھ سے کوئی سوال کر سکتے ہو؟" اس نے نائیکی کے نئے برانڈڈ موزے پہن لیے تھے۔ "یہ اچھے لگ رہے ہیں نا؟" اس نے سہراب کو دیکھ کر پوچھا۔ عالم ویسے ہی معاملات بگاڑ چکا تھا۔ موقعے کی نزاکت یہی کہتی تھی کہ زبان خاموش رہے، گردن ہاں میں ہلتی رہے۔ بھینچی ہوئی مٹھی کا کوئی مکا اس افسر کا جبڑا نہ توڑے۔ صبر سہراب صبر۔

"ابھی عدالت نے اسے قاتل نہیں قرار دیا وہ صرف اور صرف ملزم ہے۔"

"رائی ہوتی ہے تبھی پہاڑ بنتے ہیں، انسپکٹر صاحب۔" وہ آگے آیا سہراب کا کندھا ہولے سے تھپتپایا اور ہاتھ میں تھاما ایک پیکٹ ہوا میں بلند کیا۔ جس میں لکڑی کے کئی ڈبے تھے۔ سہراب کتنی ہی دیر ساکن کھڑا رہا۔ یہ نقش، یہ

لکڑی، اوہ خدایا یہ وہی تھے یا ان جیسے؟" مجھے ان کی تحقیق کرنی ہوگی اور دوسرا یہ.... "اس نے پیچھے ہو کر سنگھار میز سے ایک اور پیکٹ اٹھالیا جس میں چند رسیدیں اور کاغذ تھے۔ "مقتول پر دوماہ پہلے ایک حملہ ہوا تھا اور قاتل اُن دنوں اسُی شہر کے کسی ہوٹل میں ٹھہرا تا رہا ہے۔ یہ اوپن اینڈ شٹ کیس ہے، سہراب۔ تمہارے بھائی کو اب کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"ہر کیس میں ثبوت، گواہ، آلہ قتل ان سب سے بڑی بھی ایک وجہ ہوتی ہے۔ وجہ عناد۔ تمہیں وجہ عناد ملی؟"

"ملی ہے ناں۔ زن، زر، زمین۔ مقتول عالم کی ایکس کا بھائی تھا، اس کی بھتیجی کا منگیتر، کروڑوں کی جائیداد کا مالک وہ جائیداد جسے عالم نہیں ہتھیا سکا تو بھتیجی کو آگے کر دیا اور جب بات وہاں بھی بگڑ گئی تو اس نے انتہائی قدم اٹھایا۔" سہراب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جتایا اور اس کے قریب سے نکل گیا پھر دروازے تک جاتے جاتے رکا۔ "ویسے تعاون کاروں میں تمہاری بھتیجی کا نام بھی آتا ہے۔ اگر کبھی ضرورت پڑی تو اس گھر کے دروازے میرے لیےُ کھلے رکھنا۔"

"ہمارے مسائل ہم دنوں تک رکھو اس بچی کو درمیان مت لاؤ۔"

"مسائل میں مورلز نہیں ہوتے یمن صاحب۔ برسوں پہلے تمہارے نہیں تھے آج میرے بھی نہیں۔" کاٹ دار انداز میں کہتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا۔ سلطان باہر جا رہا تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اسلان یمن آراہ کے کمرے کا دروازہ بند کر کے راہداری میں آنکلا۔ وہی راہداری جہاں کبھی شاہ ویر بنگش سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ سلطان نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر دھوئیں کے داغ تھے، کپڑے ملگجے اور گردن ہلکی سی جلی ہوئی۔

"اے! تم وہی ہو نا؟" کچھ سوچتے ہوئے اس نے اسلان کو پکارا۔ "وہ پنار سکندر کے قتل والے معاملہ میں تھے؟"

اسلان اس کے سامنے دونوں بازو سینے پر باندھ کر رکا۔ ”شامل نہیں تھا سر میں پرائم سسپکٹ تھا۔ ایف آئی آر ہوئی تھی مجھ پر، چھ ماہ جیل اور پیشیاں بھی بھگتتا رہا تھا، ثابت کچھ نہیں ہوا۔“

”یعنی سارا خاندان کرمنلز کا ہے؟“ سلطان محظوظ ہوا۔

”کرمنلز جیل میں ہوتے ہیں ہم سروائیورز ہیں۔ آزاد وہی ہوتے ہیں۔“ اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ ”دوبارہ مجھے اے اور اوئے کہہ کر مت بلانا مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔“ سلطان کی پرسوچ نظریں اس سے ہٹی نہیں۔ البتہ ان میں ایک الگ ہی چمک در آئی۔

”تم پچیس فروری کی رات کہاں تھے؟“ احمد اسلان بن شجاع یمن کے دل کے گرد کوئی سخت سا پھندا تن گیا۔ وہ کہاں تھا؟ سرحدیں پھلانگنے کے بے حد نزدیک، خود پر دستبرداری کے قریب۔

”نہ میں آپ کا ملزم ہوں نہ آپ کو جواب دینے کا پابند!“ رسان سے کہہ کر وہ واپس آراہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ سلطان کے لبوں کے کونے ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ سہراب کو زچ کرنے کا ایک اور طریقہ اسے مل چکا تھا۔ یہ مزید کارگر ثابت ہونے والا تھا۔

★★★★★

ستائیس فروری کی وہ رات تمام کرداروں پر بھاری ثابت ہوئی۔

شاہ ویر بنگش کے کمرے میں لیٹا ہوا وہ شخص اب تک بے یقین تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی، نیند غائب اور لباس پرسوں والا وہی خون آلود۔ وہ کیا کہے، کیا بولے، کیا کرے؟

اپنا کمرہ یافث کے ساتھ بانٹتے اسلان یمن پائنتی سے ٹیک لگائے تھا۔ ہاتھ میں موبائل تھا، جس پر وہ ایک دن میں ہوئی بربادی کے اثرات دیکھ رہا تھا۔ مکمل اندھیرے میں روشنی بس وہی جو سکرین سے نکل رہی تھی۔

فاصلے پر یافث چپ چاپ کروٹ کے بل لیٹا تھا۔ بہت ساری یادیں تھیں جو کہاں کہاں سے حملہ آور ہو رہی تھیں اسے سمجھ نہیں آئی۔

انارا طارون اپنے کمرے میں سمٹی ہوئی تھی۔ سینے سے وہ بیگ لگا تھا اور ہاتھوں میں ہیرے کی انگوٹھی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے اسے معلوم ہوا تھا کہ آج کے بعد وہ کبھی بے خوفی سے باہر نہیں نکل سکے گی، آج کے بعد وہ کوئی عام لڑکی بھی نہیں رہے گی۔

آشیانہ بنگش میں رئیس کے کمرے میں اس کی ماں پلنگ پر سو رہی تھیں۔ چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشانات تھے۔ رئیس اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ایک طرف بیٹھا تھا۔ نایاب اس کے سر پر گیلے کپڑے کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔ حسین مخدوم سہما سہما باپ کے کندھے سے ٹنگا تھا۔ اس کا ننھا ذہن صرف یہ جانتا تھا کہ اس کا پسندیدہ چاچو اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ کیوں یہ فی الحال اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

بکھرے ہوئے لان میں کہنیاں تکیے کی صورت سر کے نیچے کیے وہ چارپائی پر دراز آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ ابا نے اس پر ذمہ داریاں لاد دیں۔ عالم نے اسے ہمیشہ اپنے سے کم عقل سمجھا۔ اس کی بیوی اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں تھی، اس کی بھتیجی ساری زندگی کے لیے مسخ ہو چکی تھی۔ جس مقصد کے پیچھے اس نے اپنے دو سال لگا دیے آج وہ دو سیکنڈ میں اس کے ہاتھوں سے سرک کر کہیں دور چلا گیا۔ بہت دیر بعد کوئی دھیرے سے اس کے پاس آ کر بیٹھا۔ سہراب جانتا تھا وہ کون ہے البتہ کہا کچھ نہیں۔ خاموشی کا دورانیہ گہرا ہوا تو نوارد کو چپ توڑنی پڑی۔

”کسی چیز کی ضرورت ہے؟“ یافث طارون نے پیشکش کی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ آسمان کو تکتا رہا۔ یافث نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا سہراب نے بے دردی سے جھٹکا۔ انداز میں ایسی کراہیت تھی کہ یافث لب بھینچ کر رہ گیا۔ ”اگلے دو دن چھٹی ہے اس دوران ہمیں کوئی نہ کوئی حکمت عملی تیار کرنی ہو گی، سامنے کوئی عام خاندان نہیں ہے، سہراب۔ ہم اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ نہیں سکتے۔“

”جو جیل میں بند ہے وہ میرا بھائی ہے۔ جس پر قتل کا الزام ہے وہ میرا بھائی ہے۔ جس کا خاندان خطرے میں ہے وہ بھی میں ہوں اور جو تسلی دے رہا ہے میں اس پر اور اس کی تسلیوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔“ کوئی لچک، کوئی جھکاؤ اس کے انداز میں مفاہمت سرے سے تھی ہی نہیں۔

”کم از کم اس وقت تو پچھلا وقت بھول جاؤ۔ تکلیف میں ہو تم مجھے اجازت دو، میں تمہاری مدد کروں۔“

”کس کس تکلیف کا مداوا کرو گے تم؟ اس تکلیف کا جو عالم نے میری پیٹھ میں خنجر گھونپ کر دغا دینے کی، اسلان کے مجھے چھوڑ کر جانے کی، آراہ کے مجھے جھٹلانے کی یا پھر....“ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ نگاہوں کے آگے وہ چہرہ تھا جو اسے بے حد عزیز تھا، مگر وہ اس طرح اس کا ذکر نہیں کر سکتا تھا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے پچھتاوا ہوا۔ کسی کے سامنے دل کھول کر رکھنے کا مگر وہ کسی دور میں دوست رہا تھا۔ کیوں وہ آج برسوں بعد ڈھارس دے کر اسے ڈھا رہا تھا؟ ”یہاں سے جاؤ۔“ خود پر صبر رکھتے اس نے تحمل سے کہا۔ انداز دوٹوک تھا۔ پرت دوبارہ چڑھا لی۔

”میں جاؤں گا تو میرے ساتھ آراہ بھی جائے گی۔“

”تم اسے لے جا کر دکھانا پھر دیکھنا میں کیسے تمہیں زندہ زمین میں گاڑھتا ہوں۔ تمہاری اور تمہاری بہن کی بہت برداشت کر لی۔“ اس کی طرف دیکھے بغیر وہ اندر جا رہا تھا۔ یافث وہاں بیٹھے بیٹھے کسی غیر مرئی نقطے کو تکتے ماضی کے اس سفر میں چلا گیا جہاں سے حالات نے ان دونوں کے لیے کروٹ بدلی تھی۔

★★★★★

”ماضی!“

یافث طارون شل سا اپنے سامنے بلک بلک کر روتی ہوئی اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بری طرح زخمی تھی۔ آنکھ کے نیچے گہرا نیل تھا، موڑے ہوئے بازوؤں سے جسم کا جو جو حصہ نظر آ رہا تھا وہاں بھی زخم اور نیل کے نشان

تھے۔ چہرے پر تھپڑ کے نشان اور ماتھے پر لگے کٹ سے بار بار خون نکل رہا تھا۔ جسے وہ روئی سے جذب کر رہی تھی۔ وہ نقاہت زدہ تھی۔ ”وہ مجھے روز مارتا ہے۔ جب سے تم اور سحر اب اسلام آباد گئے ہو تب سے اس کی حرکتیں اسی طرح بڑھ گئی ہیں، یافث میں اب کبھی بھی اس آدمی کے پاس نہیں جاؤں گی۔ مجھے اس سے طلاق چاہیے۔ میں چاہتی ہوں تم میرا ساتھ دو۔“

شجاع اور دل آراہ کے جھگڑے کے دوران ہر دوسرا لفظ طلاق سے شروع اور طلاق پر ختم ہوتا تھا۔ عالمگیر، سحر اب اور یافث اس لفظ کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ اب وہ دونوں جب بھی لڑتے ”طلاق دے دو مجھے“ یہ سطر وہ تینوں زیرلب ہی کہہ دیا کرتے تھے۔ ”شجاع ایسا تو نہیں تھا آپا۔ تم دونوں کے درمیان آخر کیا مسئلہ تھا؟“ اس کی بات سنتے دل آراہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

”یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر کوئی مسئلہ تھا تو وہ مجھے مار سکتا ہے؟“ اس کی آواز بلند تھی۔ یافث نے اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر واپس بٹھایا۔ اس کے بال ہاتھوں سے کانوں کے پیچھے کیے۔

”کوئی تمہیں نہیں مار سکتا۔ نہ تمہارا شوہر، نہ باپ، نہ بھائی۔ یہ حق اس کو کسی نے نہیں دیا۔ جب مرد اپنے باس، ماں اور راہ چلتے کسی شخص پر غصہ نہیں نکال سکتا تو بیوی پر بھی نہیں نکال سکتا۔ آئی ایم سوری میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا قاضی نہیں ہے۔“

وہ ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے اس کے کندھے سے لگ گئی۔ ”وہ ہر روز مجھے مارتا ہے وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے، اس کے کسی اور عورت کے ساتھ تعلقات ہیں۔ میں اس کے پاس اب واپس نہیں جاؤں گی یافث۔“ اس کے گرد اپنا مضبوط بازو پھیلاتے ہوئے یافث نے اس کی یقین دہانی کروائی۔ وہ اپنے گھر کی عورت کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔ یقیناً اس کا شوہر اسے مارتا ہو گا وہ بھلا جھوٹ تھوڑی بولے گی؟

حق ہاہ۔ ایک اچھا مرد ایک بری عورت کے ہاتھوں بے وقوف بن چکا تھا۔

★★★★★

اسی دن شجاع یمن کے کمرے میں الگ ہی بیٹھک سجی تھی۔ عالمگیر اور سہراب کڑی، ملامتی نظروں سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھ رہے تھے جو پلنگ کی پائنتی پر نگاہیں جھکائے بیٹھا تھا۔ ابا کا سب سے نالائق اور نافرمان بیٹا۔ بھاگ کر شادی کرنے والا اور.... کہنے والوں کے منہ کون روک سکتا ہے وہ تو یہ بھی کہتے تھے کہ شجاع یمن اور دل آراہ طارون کی پہلی اولاد ان کی شادی سے پہلے ہی ان کے درمیان آگئی تھی اور یہ بھی کہ تیس بریک اپس کے بعد شادی کی واحد وجہ وہ اولاد ہی تھی۔

"کچھ تو حیا کو ہاتھ مار لیتے بھائی۔ بیٹی کے باپ ہیں آپ معاشقے کرنے کو یہی عمر ملی تھی؟" عالم نے اسے لتاڑا۔ وہ ابھی ابھی اپنے لاء کالج سے واپس آیا تھا اور سب سے پہلے جو خبر اسے سننے کو ملی وہ یہی تھی کہ شجاع یمن ذلت کے درجوں میں اعلیٰ درجے پر فائز ہو چکا ہے۔ زبردست۔

"مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ کوئی مرد اتنا کیسے گر سکتا ہے؟ اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے ایسی کونسی آپ کی ضروریات تھیں جو پوری نہیں ہو رہی تھیں؟ سہراب بھی اس سے بددل تھا۔ "شرم آرہی ہے آپ کو اپنا بھائی کہتے ہوئے۔" وہ یافث کا نمبر ملا رہا تھا۔ چند گھنٹے پہلے جب وہ دل آراہ کو لینے آیا تھا تب ان دونوں کے درمیان بات بڑھ گئی تھی۔ سہراب معذرت کرنا چاہ رہا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا اندھیرا اسی کے گھر کے چراغ کے آگے ہے۔ شجاع اس سے بڑا نہ ہوتا تو اس وقت وہ اس کا حشر بگاڑ چکا ہوتا۔

"میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ مرد کو چار شادیاں جائز ہیں۔" وہ کچھ دیر قبل جس کی گردن ٹھوڑی سے لگ رہی تھی اب چار شادیوں پر تن کر کھڑا ہو گیا۔ "جائز کام میں آخر کیا برائی ہے؟"

"بالکل جائز ہیں لیکن اسی مرد پر جوانی کے دنوں میں یہ بھی جائز تھا کہ کسی کی عزت کو بھگا کر اس سے شادی نہ کرتا۔ دن رات کتوں کی طرح اسی بیوی سے لڑتا، نہ اپنی اولاد کا خیر خواہ رہتا انہیں وقت دیتا اور اپنی بیوی کی تمام

ضروریات پوری کرتا۔ آپ جیسے مرد اسلام سے بس ایک چیز لیتے ہیں چار شادیوں کا حق۔" عالم سلگ کر بولا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا اپنے ہی بھائی کو سولی پر لٹکا دے اور عوام کو اختیار دے کہ وہ اسے بے دریغ درے رسید کریں۔ "شرم آنی چاہیے آپ کو کم از کم دین کو تو بخش دیں۔ اپنی ہوس کے درمیان دین نہ لائیں۔"

"میں اب دل آراہ کے ساتھ نہیں رہ سکتا اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" وہ تن گیا۔

"اب تو اسے آپ کے ساتھ رہنا بھی نہیں چاہیے صبر رکھیں خلع کا نوٹس آتا ہی ہو گا۔" سہراب تلخ ہوا۔ "اور میں خود دل آراہ کے ساتھ کھڑا رہوں گا۔ آپ جیسا مرد کوئی عورت ڈیزور نہیں کرتی۔"

"ایک بات بتائیں آپ نے اس پر ہاتھ بھی اٹھایا ہے؟" اب کے عالم نے سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔ میں پاگل ہوں جو اس پر ہاتھ اٹھاؤں گا وہ کل سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ سہراب نے خود دیکھا تھا۔" شجاع نے تڑپ کر صفائی دی۔ "سہراب بتاؤ نا۔"

"بھائی اس وقت نہ مجھے آپ کی شکل دیکھنی ہے نہ آپ کی بات سننی ہے۔ عالم تم گاڑی نکالو ہم یافث کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ دونوں کی وجہ سے ہم اپنا دوست نہیں چھوڑ سکتے۔" وہ اسی طرح فون ملاتا باہر نکل گیا۔ عالم منہ ہی منہ کچھ بڑبڑاتے ہوئے اس کے پیچھے گیا تھا۔ پیچھے رہ جانے والے شخص کا چہرہ غور سے دیکھنے پر معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنے کیے پر پشیمان نہیں ہے۔ ایک شادی نہیں چل سکی تو کیا ہوا۔ اس کا حق تھا دوسری شادی۔ ہاں مگر وہ اولاد کے حق وغیرہ۔۔۔ لعنت ہو ان پر۔

★★★★★

یافث، دل آراہ اور ہارون تین بہن بھائی تھے۔ دل آراہ سب سے بڑی، پھر ہارون اور یافث سب سے چھوٹا۔ انارا تین سال کی تھی جب دل آراہ اور یافث کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ہارون باہر جا کر بس گیا اور دل آراہ نے پہلے ہی

ماں کے خلاف جا کر عدالت میں شجاع سے نکاح کیا تھا۔ یافث، سہراب اور عالم اسکول کے ساتھی تھے۔ ان کی دوستی ذرا متاثر ہوئی مگر جب اسلان کی پیدائش ہوئی تب دل آراہ کی ماں چاہ کر بھی بیٹی کی طرف سے دل سخت نہ کر سکیں۔

"یار میں بس زیادہ بول گیا۔ تمہیں پتا ہے نا ہر مرتبہ ان دونوں کا قصور ہوتا ہے تو مجھے لگا اس بار بھی یہ دونوں ڈرامہ کر رہے ہیں۔" باورچی خانے کی سلیب سے پشت جوڑے سہراب رسان سے کہہ رہا تھا۔

"تم میری بہن کو ڈرامے باز کہہ رہے ہو؟" چائے کے لیے پانی چڑھاتا یافث تندہی سے مڑا۔ اس کے چہرے پر سختی تھی۔ سہراب ٹھہر گیا۔ یافث اور دل آراہ کا جھگڑا ان دونوں نے کبھی "میرا بھائی" اور "میری بہن" کی آنکھ سے دیکھا ہی نہیں تھا تو تحیر اس پر لازم تھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں بس یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اب ان دونوں کو الگ ہو جانا چاہیے۔ ہم دونوں کو ان کے معاملات میں نہیں پڑنا چاہیے۔"

"تم اپنے گھٹیا بھائی کو چھوڑ سکتے ہو تو چھوڑ دو۔ میری بہن کا میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں ہر جگہ، ہر معاملے میں اس کے ساتھ ہوں۔" سہراب نے ایک نظر اسے دیکھا پھر عالم کو۔ عالم نے لاعلمی سے شانے اچکائے یافث کے اس رویے سے وہ واقعی لاعلم تھا۔

"تم شاید میری بات کا غلط مطلب لے رہے ہو، میں بھابی کے خلاف نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے بھائی نے چیٹ کیا ہے وہ اسے چھوڑنا چاہتی ہیں تو درست فیصلہ ہے۔ میں اس کے ساتھ ہوں۔"

"صرف چیٹ نہیں کیا، مارا بھی ہے اور جانوروں کی طرح مارا ہے۔ گھر جاؤ جا کر سنبھالو اپنے جانور کو کیونکہ میں ایف آئی آر درج کروا کر آیا ہوں۔ کل تک تمہارے بھائی کو خلع کا نوٹس بھی مل جائے گا۔" وہ ایک لمحے کو

رکا۔ ٹھنڈی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔ ”اپنے بھائی کو یہ بھی بتا دینا کہ ہم نے بچوں کی تحویل کا مقدمہ بھی کروانا ہے۔ اس کے لیے تیار رہے۔“ سہراب کتنے ہی لمحے بس اسے دیکھتا رہا۔ آنکھیں چھوٹی کیے ماتھے پر بل ڈالے اس نے ایک ایک لفظ کو سمجھنے کی کوشش کی۔

”بچوں کی تحویل؟ تم پاگل ہو گئے ہو کیا۔ تمہاری بہن آدھی آدھی رات تک گھر سے باہر رہتی ہے۔ وہ کیا تربیت کرے گی اور شجاع نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ بھابی جھوٹ بول رہی ہے۔ میرے سامنے سیڑھیوں سے گری ہیں۔“

”تم تو اسی کے بھائی ہو نا اسی کی طرف داری کرو گے۔“ باورچی خانے کے دروازے پر وہ نمودار ہوئی۔ بکھرے بال، اجاڑ حلیہ۔ ”یہ حالت کی ہے شجاع نے میری اور تم چاہتے ہو میں بچے اس کے پاس رہنے دوں؟“

”بچے صرف شجاع کے پاس نہیں ہوں گے بھابی۔ یافث اور میں لعل یمن میں ایک ساتھ رہتے ہیں ہم دونوں ایک ساتھ ہی ان کا خیال رکھیں گے۔ اسلان یافث کے علاوہ کسی کی سنتا ہی نہیں اور آراہ تو میرے بغیر سوتی بھی نہیں۔ تحویل کے یہ معاملات بچوں کے ذہن پر بُرا اثر چھوڑتے ہیں۔ آپ بھی ہفتے میں دو تین بار بچوں سے ملنے آ جایا کیجئے گا۔ طلاق سے زندگی رکتی نہیں ہے، میں آپ کے ساتھ ہوں۔“ دل آراہ ان کے سامنے آ کر رکی۔ اس کی آنکھوں میں غضب ہلکورے لے رہا تھا۔

”میرے بچے میرے ساتھ رہیں گے اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے تمہارا گھٹیا بھائی ان کی شکل دیکھنے کے لیے بھی ترس جائے گا۔ اس نے مجھ پر چیٹ کیا ہے۔ میں اسے ایسی سزا۔“

”چیٹ تو پھر آپ نے بھی کیا ہے۔“ عالم نے پہلی مرتبہ مداخلت کی۔ ”کیا میں نہیں جانتا رات کے ایک ڈیڑھ بجے تک کونسا کام ہو رہا ہے، میرا منہ مت کھلوائیں بھابی۔“ انداز میں برہمی تھی۔ ”بچوں کی تحویل کا کوئی قصہ نہیں ہو گا۔ بچے لعل یمن میں رہیں گے۔ آپ دونوں ان کی co parenting کریں گے اور....“

”تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ میرے بچے ہیں میں جو چاہوں کروں۔ یافث انہیں یہاں سے نکالو۔ تم اب بھی اس شخص کے بھائیوں کو یہاں کھڑا کیے ہوئے ہو جنہوں نے میری یہ حالت کر دی ہے؟“ وہ رو پڑی۔ ”شجاع جیسے جنگلی کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے میں خود کو اور اپنے بچوں کو زہر دے دوں۔“ وہ یافث کی طرف مڑی۔ ”اگر مجھے میرے بچوں کی تحویل نہیں ملی تو میں زہر کھالوں گی مجھے اماں ابا کی قسم یافث میں خود کو مار دوں گی میں بتا رہی ہوں، میں مار دوں گی میں....“ وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی تھی۔ یافث کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ تیزی سے آگے آیا۔ سہراب جو اب تک محض اپنے بھائی کو بے وفا سمجھے کھڑا تھا وہ عالم کی بات کا اثر اب تک ختم نہ کر پایا۔

”یہ سارے ڈرامے ہیں ان کے میرے سامنے سیڑھیوں سے گری ہیں اور اب تک تو میں ان کا پردہ رکھ رہا تھا لیکن جب میں نے ان کو اٹھایا۔ ان سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ اپنی بہن کو سنبھال لو ورنہ ایک دن پچھتاؤ گے، یافث۔“ سہراب چبا چبا کر بولا۔ ”میں اپنے بھائی کی غلطی مان رہا ہوں لیکن آپ اپنے جھوٹ مت چھپائیں۔ آپ میرے دوست کو اس طرح اپنے مفاد کے لیے استعمال نہیں کر سکتیں۔ آپ آج کل بری صحبت کا شکار ہیں، بچوں کو بھی وہی دینا چاہتی ہیں؟“

یافث ٹکر ٹکر سہراب کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ ہزار بار پیدا ہو کر آجاتا تب بھی اس بات پر یقین نہ کرتا کہ اس کی بڑی بہن اس قسم کے خرافات میں شامل ہو چکی ہے۔ دل آراہ سفید پڑتی رنگت کے ساتھ مڑی اور اپنا بچھایا جال تنگ کیا۔ ”یہ دونوں ہمیں استعمال کر رہے ہیں، یافث۔ میرا بھائی دنیا جہاں کا گھٹیا آدمی ہے لیکن وہ کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا یہ عورت جھوٹ بول رہی ہے تم....“

”مجھے یافث کے سر کی قسم ہے۔ مجھے میرے باپ اور قرآن کریم کی قسم ہے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ شجاع مجھے مارتا ہے مجھے ایذا دیتا ہے اور.... اور وہ...“ چھوٹے بھائی کے سر پر ہاتھ رکھے وہ آگے کچھ کہہ نہیں سکی بس پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ خود سری کی یہ کیسی انتہا تھی؟ سہراب تو اس کی اس اداکاری پر دنگ ہی رہ گیا۔

"یہ سارا ڈرامہ آپ کیوں کر رہی ہیں؟ یافث یہ جھوٹی قسم لے رہی ہے یار کتنی گھٹیا ہیں آپ۔" وہ پھنکارا۔

"یافث میرا یقین کرو....."

"یہ جھوٹ بول رہی ہیں..."

"شجاع مجھے مارتا ہے۔"

"میں نے خود انہیں دس دفعہ غیر مردوں کی گاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا ہے۔" آوازیں اور الزام گڈمڈ ہونے لگے اسی لمحے دل آراہ نے سلیب پر پڑی چھری اٹھائی اور اپنی کلائی پر پھیر دی۔ جہاں عالمگیر کراہت کھا کر پیچھے ہوا وہیں یافث کے لیے ہر فیصلہ آسان ہو گیا۔

"نکل جاؤ یہاں سے، سہراب۔ میں صرف اور صرف اپنی بہن کا ساتھ دوں گا۔" یہ کوئی عدالت نہیں تھی، یہاں کوئی مقدمہ نہیں تھا لیکن سہراب افتخار یمن کو لگا وہ سب ہار گیا ہے۔ مکر کے آگے اس کی دوستی ہار گئی۔

★★★★★

"موجودہ دن"

گہرے خاکی رنگ کی قمیض شلوار والا مرد تھانے کی اندھیری کوٹھری میں ایک طرف سکڑا سمٹا بیٹھا تھا۔ پچھلے تین سالوں میں وہ تین دفعہ جیل جا چکا تھا۔ عالم کو ہر منظر یاد تھا۔ وہی مناظر ٹکڑوں کی صورت اس کے ذہن کی سکرین پر روشن اور غیر روشن ہو رہے تھے اور وہ کسی بھی قسم کی روک تھام سے قاصر۔

"تجھے پتا ہے یہ کون ہے؟" کوٹھری کے ایک کونے سے کسی قیدی کی آواز آئی۔ وہ اپنے ساتھ بیٹھے قیدی سے سرگوشی میں پوچھ رہا تھا۔ آواز عالم تک آ رہی تھی۔ "تین بیویوں کا قاتل ہے، تین تین بار جیل جا چکا ہے۔ کچھ

سال پہلے تک تو ہائی کورٹ میں بڑے بڑے مقدمے لڑتا تھا اور اب دیکھو۔" اس کے لہجے میں تمسخر اور تضحیک تھی۔ عالم چپ چاپ اپنی ہتھیلوں پر نگاہیں جمائے ہوئے بیٹھا رہا۔ بھلا یہ اس پر کسی جانے والی پہلی آواز تھوڑی تھی؟

پہلی بار اسے میرال شیرازی قتل مقدمے کے دوران اہم ملزم کے طور پر جیل لے جایا گیا۔ آٹھ ماہ کی کڑی تحویل کے بعد جب اس پر کچھ بھی ثابت نہ ہو سکا تب اسے رہا کر دیا گیا۔ اسے یاد تھا، اسے کیسے یاد نہ ہوتا۔ وہ باہر اکیلا نہیں آیا تھا تمسخر، تضحیک، تذلیل اس کے دائیں بائیں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آئے تھے۔

"اس بار تو لگتا ہے۔۔۔ لمبا جائے گا۔" پہلے قیدی نے لقمہ دیا۔ "ارے وہ لڑکا کیا نام تھا اس کا؟ ارے وہی جس کی ماں ٹی وی پر آتی ہے۔"

"شاہ ویر بنگش؟"

"ہاں شاہ ویر اب تو اس کے قتل کیس میں آیا ہے۔ اب کہاں بچے گا اس کے دن تو گنے جا چکے ہیں۔" عالم نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔ اس کی زندگی ماضی کے سفر پر نکلی تھی۔ تھانے میں وہ چوتھی بار آیا تھا اور یہاں سے چوتھی بار اسے جیل جانا تھا۔ وہ دوسری اور تیسری بار کیوں گیا تھا اسے یہ بھی یاد تھا۔ بہت اچھی طرح۔

دوسری بار اس پر الزام لگا کہ کسی ہائی پروفائل مقدمے میں عالمگیر نے جھوٹی گواہی دلوائی ہے۔ عدالت کی طرف سے اسے آناً فاناً سزا سنا دی گئی۔ ساتھ اس کا لائسنس رد کر دیا گیا۔ اس سارے چکر سے نکلنے میں اسے چھ ماہ لگ گئے، چھ ماہ اسے یہ ثابت کرنے میں لگے کہ گواہ سچا تھا۔

"یہ اب تک آزاد کیسے گھوم رہا ہے؟ ویسے ایک بات ہے جگرا ہے مرد کا جس زمانے میں لوگ باہر جا کر منہ مارنے پر راضی ہیں جہاں مرد باہر والی کے بھی نخرے اٹھاتے ہیں۔ اسی دور میں یہ اپنی ہی بیویاں جان سے مار رہا ہے۔"

وہ دونوں تالی پر تالی مار کر ہنسے۔ عالم نے پہلی بار گردن پھیر کر انہیں دیکھا اور سارے وقت میں پہلی بار اس کے منہ سے بس چند الفاظ باہر نکلے۔

"تم دونوں کا نام کیا ہے؟" وہ آنکھیں چندھیائے انہیں دیکھتے ہوئے غالباً ان کے چہرے مستقبل کے لیے حفظ کر رہا تھا۔

"میرا نام مراد علی ہے اور اس کا رزاق علی چل اب بتا کیا اکھاڑ لے گا؟" عالم نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا اور گردن پھیر کر دوبارہ گردن جھکائے نگاہیں اپنی ہتھیلیوں پر جما دیں۔

"میں اس بار باہر آؤں گا تو دیکھنا کیسے دوبارہ اپنی ساکھ بنالوں گا۔" اسے یاد تھا اس نے یافث سے کیا کہا تھا۔ آج جیل سے اپنی واپسی کے تقریباً ڈھائی ماہ بعد وہ ایک بار پھر قید ہو چکا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں تو وہ سیاہ آنکھیں ہر منظر پر بھاری ہو گئیں۔ مسائل، دنیا، تکالیف رنج ان سب سے فرار کا اس کے پاس محض ایک راستہ تھا۔ میرال شیرازی۔ عالمگیر کی محبوب ترین ساتھی۔ اس کی زندگی کا golden hour ۔ ان دونوں کی شادی کو ایک مہینہ بیت گیا تھا اور آج شیرازی صاحب کے ہاں ان کی دوسری دعوت تھی۔ ان کے کمرے میں اب بھی کہیں کہیں شادی کے وقت کی سجاوٹ موجود تھی۔ میرال پھولوں کی شوقین تھی لہٰذا اب دیوار کی دائیں طرف رکھی لمبی میز پر رکھے واس میں ہر روز نئے پھول لازمی ہوتے۔ پہلے وہ خود لاتی تھی، اب دو روز ہوئے تھے کہ عالم لایا کرتا تھا۔

"میرال اور کتنا وقت؟" نک سک سے تیار پلنگ کی پائینتی پر بیٹھا عالمگیر اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ راکھ جیسے سرمئی تھری پیس میں وہ شاہانہ لگ رہا تھا۔

”بس پانچ منٹ....“ موبائل پر انگلیاں چلاتے اس نے چوتھی دفعہ یہ بہانہ سنا۔ ہونہہ پچھلے آدھے گھنٹے سے یہی۔ اسی پل دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ عالم کی ساری کوفت اڑن چھو ہوئی۔ لب گہری مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ ”میں اندر آؤں بابا؟“ باریک سی توتلی آواز آئی۔ اس نے موبائل ایک طرف رکھا۔

”آجاؤ بابا کی جان۔“ وہ محبت سے بولا۔ دروازے کی ادھ کھلی درز سے تین سالہ بچی کا پہلے سر نظر آیا، پھر اس کے بال کندھوں سے ڈھلک کر آگے کو گرے اور پھر وہ اندر آئی۔ عالمگیر کی طرف جانے کی بجائے وہ میرال کی طرف گئی۔ عالم نے پہلی بار ان دونوں کو غور سے دیکھا۔ ان دونوں نے کاسنی رنگ کی چوڑی دار فراک پہن رکھی تھی۔ دونوں کے پیروں میں ایک جیسے کُھسے تھے، بال ایک ہی طرح کے انداز میں بندھے ہوئے۔ عالم محویت سے انہیں تکتا رہا۔ میرال اب جھک کر عبیر کے گول ہوئے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا سا لپ گلوز لگا رہی تھی۔ وہ جو کوئی بھی کام کرتے وقت عالم کو ناکوں چنے چبوایا کرتی تھی۔ لپ اسٹک لگواتے ہوئے ایک جگہ جم کر کھڑی رہی، پلک تک نہ جھپکی۔

”ادھر آؤ، عبیر۔“ میرال اسے لپ اسٹک لگا کر آئینے کی طرف مڑی تو عالم نے اسے پکارا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اس کی طرف آئی۔ عالم نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ ”آپ نے ہوم ورک کر لیا؟“ اس نے محض سر اثبات میں ہلا دیا۔

”ٹیچر کہہ رہی تھیں کہ آپ نے مصباح کو مارا ہے؟“ وہ اب بھی بغیر کچھ کہے سر زور زور سے نفی میں ہلانے لگی۔ میرال نے مڑ کر اسے دیکھا۔ مسکراہٹ دبائی۔

”وہ کچھ نہیں بولے گی عالم اس کی لپ اسٹک خراب ہو جائے گی۔“ وہ بولتی ہوئی آگے آئی اور ایک سفید رنگ کا تتلی والا کلپ عبیر کے کھلے بالوں میں لگایا اور عجلت سے پلٹ گئی۔ عالم نے تحیر سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو واقعی ہونٹوں کو گول کیے کھڑی تھی یہاں تک کہ اس کے ہونٹ آپس میں مس بھی نہیں ہو رہے تھے کہ کہیں اس کی

لپ اسٹک خراب نہ ہو جائے۔ اب کے وہ زور سے ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی کی آواز پر میرال کا چہرے پر برش چلاتا ہاتھ رک گیا۔ آئینے میں نظر آتا وہ ہنستا ہوا مرد، ان دونوں کے مشترکہ کمرے میں کھڑی میرال اور اسے دیکھنے کا حق رکھتی میرال، سیاہ آنکھوں والی لڑکی نے اپنی زندگی سے یہ مانگا ضرور تھا، مل جائے گا یہ علم اسے نہیں تھا۔ وہ سرشاری سے اسے تکتی رہی۔ وہ مرد مکمل اس کا تھا۔

"میری بیٹی کو قابو کر لیا ہے تم نے۔" اس کی ہنسی کا دورہ ختم ہوا تو وہ پلنگ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "یہ ایک جیسے ڈریسز کہاں سے آرڈر کیے؟"

"آرڈر نہیں کیے اپنی شادی کی شاپنگ کے دوران میں نے جو بھی کپڑے لیے تھے ویسے ہی کپڑے عبیر کے لیے بھی بنوا لیے۔ ہم اچھے لگ رہے ہیں نا؟" بلش آن لگاتے وہ چہک رہی تھی۔ عالم نے میز سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ایک نظر اسے دیکھا، لمحے بھر کو ٹھٹکا پھر ہلکا سا مسکرایا۔

"اچھے، بہت اچھے لگ رہے ہو۔" ایک ذرا سی ریاضت اور وہ سیدھی سیدھی اس کے دل میں اتر چکی تھی۔ بہت وقت بعد اس کی زندگی میں کوئی ٹھہراؤ آیا تھا۔ یہ فیصلہ بہترین لگنے لگا۔

یہاں کوٹھری میں اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بوجھل ہو رہی تھیں۔ اسے چند دنوں میں تختہ دار پر لٹکایا جا سکتا تھا، اس کی بیٹی گھر میں موجود کس تکلیف میں ہوگی، زندگی اب جانے کس راستے پر جائے گی۔ اس سب کے باوجود اسے نیند آ رہی تھی۔ آج اسے معلوم ہوا میرال درست کہتی تھی۔ کیا کہتی تھی وہ؟

شیرازی صاحب کے گھر میں خاصی رونق تھی۔ ان کے دونوں داماد بمع اپنی بیگمات کے آج ان کے گھر پر موجود تھے۔ سہراب کی طرف سے انہیں اطمینان تھا البتہ عالم کی طرف سے لگا کھٹکا بھی آج کل سُستانے لگا تھا۔ کھانا لگنے میں ابھی وقت تھا۔ باہر لان میں رکھے صوفوں پر بیٹھا سہراب اپنے پاس آراہ کو بٹھائے اسے ہدایات دے رہا تھا۔ اس میں آدھی تو اسلان کی شکایات تھیں۔ آمنہ اندر کھانے کا انتظام دیکھ رہی تھی اور میرال اونگھ رہی تھی۔

”تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے؟“ اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر عالم متفکر ہوا۔

”پتہ تو ہے تمہیں میں کل ساری رات سو نہیں سکی۔ دفتر کا کام تھا اوپر سے میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔“ وہ ایک ادارے میں مدیر کا کام کرتی تھی۔

”تمہاری طبیعت تو اب بھی ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ اس نے میرال کا ماتھا چھوا۔ جو کہ ہلکا ہلکا سا گرم تھا۔ ”چلو اٹھو ہم گھر چلتے ہیں۔“ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ میرال کی دونوں پھپھو اور ایک خالہ اسی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ انداز میں ناگواری تھی انہیں اب تک یہ بات ہضم نہیں ہو سکی تھی کہ ان کی بچی نے اپنے لیے ایک قاتل اور ایک بچی کا باپ چن لیا تھا۔

”واپس بیٹھو عالم سب دیکھ رہے ہیں۔“ میرال نے گھر کا۔

وہ واپس بیٹھ گیا۔ ”گھر چلتے ہیں یار یا پھر یہیں کہیں آرام کر لو۔“

”ہاں یہیں لمبی لیٹ جاؤں تاکہ میرے رشتے داروں کو باتیں بنانے کا موقع مل جائے۔ ہلکے سے بخار کو سارے خاندان میں ٹی بی کی طرف نشر کیا جائے گا۔ میری بس دو دن سے نیند پوری نہیں ہوئی اور کچھ نہیں ہوا۔“ اس نے ایک بار پھر جماہی روکی۔

”ویسے کمال ہے اتنے سارے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بھی تمہیں نیند آ رہی ہے۔“ عالم حیران تھا۔

”نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔“ وہ اس وقت چپ کر گیا۔ لیکن کھانے کے دوران اس نے غور کیا کہ اس کی بیوی غائب دماغ ہے۔ وہ میرال کی نیند سے واقف تھا لیکن وہ نیند کی اتنی کچی ہو گی یہ اسے علم نہیں تھا۔ کھانا کھا کر چائے وغیرہ کے لیے اس نے شائستگی سے منع کیا۔ اس نے دیکھا تھا کہ شیرازی صاحب کے مزاج خراب ہوئے

تھے۔ میرال کی پھپھو باتیں بنا رہی تھیں مگر اسے جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ وہ ایک پیر پر کھڑا تھا، اسے جانا ہے مطلب جانا ہے۔ کس نے رکنے کو کہا، کس نے چائے کا کہا اس نے سنا ہی نہیں۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی اتنی جلدی اٹھنے کی اباویسے بھی تمہیں پسند نہیں کرتے۔ تمہاری اس حرکت سے کیا تاثر پڑے گا؟ چائے وغیرہ پی کر آجاتے ہم۔“ گاڑی میں نشست سے ٹیک لگائے وہ کچھ خفگی سے بولی۔ عبیر وہیں سہراب کے ساتھ رک گئی تھی۔ عالم نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھامے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی نشست کو پیچھے کر دیا۔ وہ اب آرام دہ حالت میں تھی، اسے پرواہ بھی بس اسی کی تھی۔

”اباؤں کی فکر نہیں کرتا میں ابا کی بیٹی کا بتاؤ اسے میں کیسا لگتا ہوں؟“

وہ نیند کے خمار سے بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہلکا سا مسکرائی اور آنکھیں بند کر لیں۔ ”اچھے بہت اچھے، بے حد اچھے۔“ کچھ دیر قبل کے کہے ہوئے اس کے الفاظ اسے لوٹاتے ہوئے وہ اگلے ہی لمحے سو چکی تھی۔ گاڑی سڑک پر دوڑاتے ہوئے عالم کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ تھی۔ ایک لمبے وقت بعد اس کی زندگی میں، سچی مسکراہٹ تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ گاہے بگاہے اس کے چہرے پر نگاہ بھی ڈال لیتا تھا۔

کوٹھری کی دیوار سے ٹیک لگائے اس کی ہر مسکراہٹ غائب تھی۔ ہر طرف سکوت تھا اور اس کے دل میں قہرام۔ اب کے اس کی قید کتنی طویل ہو گی؟

★★★★★

اس نے ہاتھ مار کر اسلان کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ جو اپنے پلنگ کی چادر درست کر رہا تھا آہٹ پر ٹھہر گیا۔ دروازے پر سرخ متورم آنکھیں لیے کھڑی انارا کو دیکھا، کچھ کہنے کو لب وا کیے مگر رک گیا۔ ان دونوں کے درمیان ایسا تعلق نہیں تھا کہ الفاظ کا تبادلہ ہوتا۔ وہ چپ چاپ اسے تکتا رہا۔

”ممی کی کال آئی تھی وہ پرسوں لاہور آرہی ہیں اور ڈیڈ شاید کل تک پہنچ جائیں۔“ بالآخر اسلان بول پڑا۔”تم چاہو تو ان سے کال پر بات کرلو۔“

”سب لوگ میرے خلاف بول رہے ہیں، بھائی۔“ اس کی آواز گیلی اور گلہ آمیز تھی۔ ہاتھ میں پکڑے موبائل کی سکرین پر ٹویٹر کھلا تھا۔ اسلان کو یقین تھا وہ کیا دیکھ رہی تھی۔”لوگ مجھے گالیاں دے رہے ہیں، لالچی اور دھوکے باز کہہ رہے ہیں۔ کوئی مجھے منحوس کہتا ہے، کوئی الزام لگاتا ہے کہ میں نے ان کا آئیڈیل چھین لیا۔ میرے ڈی ایمز دھمکیوں سے بھرے پڑے ہیں۔۔“ آنسو پانی کی طرح چہرے پر پھسل رہے تھے۔”میرا کیا قصور ہے؟“

اسلان اسے دیکھے بغیر الماری تک گیا۔ اپنے پلنگ کے لیے ایک چادر اور تکیے کے غلاف اٹھائے وہ واپس پلنگ تک آیا۔”جب تمہیں زندگی سے اتنا سب مل رہا تھا لوگ تمہیں خوش قسمت کہہ رہے تھے تب تم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ میں کیوں؟“ وہ طنز نہیں کر رہا تھا ہاں مگر اس کے تبصرے سفاک تھے۔”تم اگر کوئی تسلی چاہتی ہو تو یافث طارون کے پاس جاؤ میرے پاس صرف اور صرف ریئلٹی چیکس ہیں۔ جو تمہیں اس وقت پسند نہیں آئیں گے۔“

”اور آپ کے ریئلٹی چیک کے مطابق میں اس ساری نفرت کی حقدار ہوں؟“ اس کی غم میں مدغم آواز بلند ہوئی۔ اسلان نے پرانا غلاف اتار کر نیچے پھینکا۔

”میری حقیقت کے مطابق تم غلط سوچ پر اٹکی ہو۔ فلاں میرے بارے میں کیا سوچتا ہے۔۔۔ مجھے کیا کہتا ہے اور اس کے نزدیک میرا کردار کیسا ہے۔ یہ تمہارے لیے اتنا اہم کیوں ہے؟“ اس نے ایک پل کو نگاہیں اٹھا کر آراہ کو دیکھا۔ وہ اس کی سن رہی تھی یا نہیں ہاں البتہ وہ رو ضرور رہی تھی۔”لوگ گھروں میں بیٹھ کر فرسٹریٹڈ ہیں۔ انسان کی فطرت ہے وہ اپنا غم غلط کرنے کے لیے کوئی آسان ہدف ڈھونڈتا ہے تم وہی ہو۔“

”میں تمہاری بہن ہوں تمہیں فرق نہیں پڑ رہا کہ لوگ مجھے گالیاں دیں، مجھے مارنے کے لیے تلاش کرتے پھریں؟“ اسلان اس کے قریب آ کر رکا اس کا موبائل اس کے ہاتھ سے لیا اور سب سے پہلے انسٹا گرام ڈیلیٹ کیا، پھر ٹویٹر اور پھر فیس بک۔

”اب تمہیں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر ضرورت پڑی تو نئے اکاؤنٹس بنا لینا۔ جب تمہاری موت لکھی ہو گی تو میں بچا نہیں سکتا اور گالی دینے والوں کو مت سنو۔ تم جتنی بے نیاز بنو گی کتے بھونکنے کے لیے نیا حدف ڈھونڈ لیں گے۔“ شدت غیض سے ہیزل آنکھوں والی لڑکی کی کنپٹی کی رگ پھڑکنے لگی۔

”تم تو بہت خوش ہو گے ناں؟ جو میرے ساتھ ہوا اس پر تو تمہارے دل کو چین مل رہا ہو گا۔“ اسلان نے لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ اس کے گھر والے بولتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتے تھے کہ اسلان یمن کے پاس بھی دل ہے۔

”میرا دماغ نہ خراب کرو جاؤ یہاں سے اپنے ڈرامے چچا اور ماموں کے لیے سنبھال کر رکھو۔“ وہ چاہ کر بھی اپنا لہجہ سخت نہیں رکھ پایا۔

”میں نے تم جیسا بے حس مرد اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ تم انتہائی سخت اور بے رحم ہو!“

”میری ذات کے متعلق تمہارے کسی تبصرے کی کوئی اہمیت نہیں۔“ وہ اسی کے انداز میں بولا۔ انارا اپنا موبائل وہیں چوکھٹ پر پھینک کر پلٹنے لگی جب اسلان نے اسے پکارا۔

”اسے آخری دفعہ دیکھنا ہے؟“ کوئی زہر میں لپٹی زنجیر تھی جو اس کے پیروں میں پڑ گئی۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگ گیا اور وہ مڑ بھی نہ سکی۔ ”آخری ملاقات ہونی چاہیے۔ تعلقات کو کلوژر ملنا چاہیے۔ اسے دیکھنا چاہتی ہو؟“ وہ بے حد دھیرے سے مڑی۔ آنکھیں چھلک رہی تھیں، لب لرز رہے تھے۔

”میں باہر نکلی تو لوگ مجھے مار دیں گے۔“

”تمہاری زندگی تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔“ آراہ نے آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑیں تو منظر صاف ہوا۔ تکیہ بستر پر سجاتے وہ باہر بڑھا۔ ”گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں اسکار اور ماموں کو بتائے بغیر آجاؤ۔“

★★★★★

”اٹھائیس فروری“

اس کی آنکھ کسی شور کے باعث کھلی۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ بلائنڈز سے آتی روشنی خانوں کی صورت اس کے وجود پر پڑ رہی تھی۔ اسی روشنی میں چلتے ہوئے وہ کھڑکی تک آیا۔ لان کے عین بیچوں بیچ کفن میں لپٹی لاش رکھی تھی۔ لوگوں کا جم غفیر تھا اور سورج کی روشنی وداع کہہ رہی تھی۔ تاجور نڈھال سی ابتسام کے ساتھ لگ کر آنسو بہا رہی تھی۔ تمکنت حلق کے بل چیخ کریمن خاندان اور انتظامیہ کو گالیاں بک رہی تھی۔ لوگوں سے تعزیت وصول کرتا رئیس مغموم تھا۔

وہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ بغیر شیشہ دیکھے، بغیر وہ تین روزہ پرانا خون آلود لباس تبدیل کیے وہ نیچے آیا۔ اسے دیکھتے ہی چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ لوگ اس کی طرف بڑھنے کا سوچتے مگر رک جاتے اس کا چہرہ خطرناک حد تک خالی تھا۔ کوئی جذبہ، کوئی آنسو، کوئی غم نہیں۔ وہ میت کے قریب آکر رکا۔ سفید شلوار قمیض میں سفید دوپٹہ سر پر لیے مدیحہ بھی اس کے ساتھ آکر رکی۔ وہ دو دن سے یہیں تھی۔ شاہ جہاں اس کے بازوؤں میں تھا۔ بیچارہ جانور کملایا سا لگ رہا تھا۔

شاہ زید نے جھک کر اس کے چہرے سے سفید چادر ہٹائی۔ دل کسی بحر میں غوطہ زن ہوا اور لہروں کی تاب نہ لاتے ہوئے کسی بھاری سنگ سے ٹکرا کر چور چور ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لب آپس میں پیوست، چہرے کے قریب کچھ کچھ زخم کے نشان تھے۔ وہ بے حد پرسکون نیند سو رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک چپ چاپ اسے تکتا رہا، کسی

نے اس کا کندھا تھپکا، کوئی تسلی کے دو لفظ کہہ گیا۔ تاجور اس کی طرف آئی تو زید نے اسے بازو کے حلقے میں لے لیا نگاہ اب بھی اس سے نہیں ہٹی۔ ”ہمارا بھائی تھا وہ، زید۔ کوئی کسی کے بھائی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟“

زید نے جواب نہیں دیا بس اس کے کندھے کو تھپکا۔ پھر نگاہ اٹھا کر مدیحہ کو دیکھا اور یک لفظی سوال کیا۔ ”کب؟“

”دو گھنٹے پہلے تم اس وقت شاہ ویر کے کمرے میں سو رہے تھے۔ میں نے جگایا نہیں۔“

”پوسٹ مارٹم رپورٹ؟“ اگلا سوال پھر اسی خالی لہجے میں۔

”مزید ایک دن لگے گا۔“

”فارنزک؟“ مدیحہ جھجکی۔ لوگ اسی طرف متوجہ تھے۔

”ایک ہفتہ مزید۔“ وہ ہلکی آواز میں بولی۔ تاجور کے بال چومے اسے نرمی سے خود سے جدا کیا۔ ابتسام نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ زید پنجوں کے بل نیچے اپنی ماں کے پاس بیٹھا۔ ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کر شدت سے ان کا ماتھا چوما آنسو دونوں ہاتھوں سے صاف کیے۔

”آپ کے بیٹے کو اب جانا ہوگا۔ آپ کو مضبوط رہنا ہوگا۔“ وہ زور زور سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا شاہ ویر اس کی ماں کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے، بس وہی تو جانتا تھا۔ ”صبر کریں مام، کیونکہ میں نہیں کر رہا کسی ایک کو کرنا پڑے گا۔“ شاہ جہاں مدیحہ کی گود سے اتر کر اس کی طرف آیا اور زید کے قریب آنے لگا، ہر دفعہ والی کوشش۔ زید نے اسے جھٹکا، مدیحہ نے پھر سے اسے گود میں اٹھا لیا۔ وہ اپنے مالک کے غم میں تھا۔

زید اپنی ماں کے قریب سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے اس کی نگاہ دروازے کی طرف پڑی۔ سیاہ لباس میں وہ دروازے پر کھڑی تھی۔ کئی لوگ چھپ چھپ کر ویڈیو بنانے لگے تھے۔ ”پلیز مجھے اندر جانے دیں صرف پانچ

منٹ کے لیے میں ایک آخری بار اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ دربان سے کہہ رہی تھی اور وہ بار بار انکار کر رہا تھا۔اس کے ساتھ کھڑا اسلان دونوں بازو سینے پر باندھے چپ چاپ یہ تماشا دیکھ رہا تھا اگر سہراب کو پتا چل جاتا تو وہ اس وقت ان دونوں کو زندہ زمین میں گاڑھ دیتا لیکن اسلان نے گویا اس کے خلاف جانا اپنے اوپر فرض ہی کر لیا تھا۔

"وقت ہو گیا ہے، شاہ زید۔ چلنا ہو گا۔" اس کے تایا کا بیٹا کہہ رہا تھا۔ شاہ زید نے سر ہلایا اور کپڑا ہٹا کر اسے ایک بار پھر دیکھا۔ دل تھا کہ بھر ہی نہیں رہا تھا، جان تھی کہ ہر نظر پر سینے میں اٹک جاتی۔

"میں نے تم سے کہا تھا تمہاری تکلیف میری تکلیف، تمہارا غم میرا غم، تمہاری سختی میری سختی۔ تم بہت جلدی جا رہے ہو ہم نے ساتھ ساری دنیا فتح کرنی تھی لیکن... تمہارے کچھ اور پلان تھے۔ ایک بات سن کر جاؤ جس نے بھی ہم دونوں کو یہاں اس صورتحال میں کھڑا کیا ہے، میں بہت جلد ان سے سارے حساب لوں گا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر سرگوشی کر رہا تھا۔ "میں تم سے کیا وعدہ نہیں نبھا سکا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ میرے بھائی.... میں تمہارا ہر گلا دور کروں گا۔ یقین رکھنا۔" اگلے ہی لمحے اس نے اشارہ کیا۔ چاروں طرف چار لوگ آ گئے۔ پہلا کندھا شاہ زید، دوسرا رئیس، عقب میں تیسرا تایازاد اور چوتھا ابتسام۔

نعرہ تکبیر کے نعرے لگتے گئے، عورتوں نے شور مچا دیا۔ مردوں کا حوصلہ تھا کہ جوان بھائی کو کندھوں پر اٹھائے اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کرنے لے جا رہے تھے۔ دروازے پر وہ رکا تھا۔ آراہ کے قریب، اسے ٹھنڈی سخت نظروں سے دیکھا بھی، وہ کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ سننے کو نہیں رکا۔ اس کے سامنے سرگوشی کی۔ "دوبارہ میرے سامنے مت آنا۔" وہ غم کے عجیب مرحلے میں تھا جہاں کبھی غصہ غالب تھا، کبھی چوٹ، کبھی بے یقینی اور کبھی گلٹ۔ واپسی کے سفر میں اسے جانے کتنا وقت لگنا تھا کسی کو کیا علم؟

★★★★★

لعل یمن میں اب شور تھا۔ یافث سہراب پر چیخ رہا تھا۔ "تم نے ویڈیو دیکھی ہے؟ ابھی آدھا گھنٹہ نہیں ہوا اور آدھا پاکستان اس کی یہ حالت دیکھ چکا ہے۔ ابھی تو وہ گھر کے اندر نہیں گئی ورنہ کیا ہوتا تم جانتے ہو؟" وہ کچھ دیر قبل اپنے اپارٹمنٹ گیا تھا اور جب آراہ گھر سے اسلان کے ساتھ نکل گئی تب وہ باہر ہی تھا لیکن وہ خاص طور پر سہراب کو تاکید کر گیا تھا کہ وہ آراہ کا دھیان رکھے۔

"وہ اسلان کے ساتھ ہے۔" سہراب کا دفاع کمزور تھا۔

"میں نے اسے تمہاری ذمہ داری پر چھوڑا تھا۔ اسلان اس کی حفاظت کرے گا؟ جو خود پر اور اپنے غصے پر کنٹرول نہیں رکھ سکتا؟ جو محض تمہیں نیچا دکھانے کے لیے ہر دوسرے ماہ اس لڑکی کے گھر پہنچ جاتا ہے جس کے اغوا اور قتل کا الزام ہے اس پر؟" گھر کے اندر داخل ہوتا اسلان چوکھٹ پر ہی جم گیا۔ آراہ کے قدم اس کے ساتھ رکے اور اس نے بے اختیار گردن پھیر کر اسلان کو دیکھا۔

"الزام ہیں سب ثابت کچھ نہیں ہوا۔"

"ثابت تو یہ بھی نہیں ہوا کہ یہ سب الزام ہیں۔" اسلان کی رنگت پھیکی پڑی۔ اپنے ہی گھر میں بے اعتبار ٹھہرایا جانا بڑی اذیت کے قصے ہیں۔ وہ آراہ کو دیکھ نہیں سکا۔ "تم نے اس کی ذمہ داری لی تھی اور تم نبھا نہیں سکے۔ تم کوئی ذمہ داری پوری نہیں کر سکتے۔ میں آراہ کو لے کر یہاں سے جا رہا ہوں تم جو کر سکتے ہو کر لینا۔"

سہراب اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ جس کے قلبی زخموں کی پرت ہلکی ہلکی اتر رہی تھی اسے یافث نے چیر پھاڑ کر اتار دیا۔ وہی غصہ، وہی بے بسی اور وہی شکست ایک بار پھر یاد آئی۔ یادوں پر بھلا کوئی بند لگا سکا ہے؟

عالم اور میرال کی شادی کو تقریباً آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ انہی دنوں جواہر صاحب کی حالت بے حد بگڑ گئی۔ خون کی سرطان نے ان کی صحت بری طرح برباد کر دی تھی۔ اسلام آباد کے ایک ڈاکٹر نے ان کا علاج کرنے اور ستر فیصد

کامیابی کی یقین دہانی کروائی تو بوڑھے آدمی نے اپنے تین عدد بیٹوں کی موجودگی کے باوجود عالم کو ساتھ چلنے کے لیے منت کی۔ وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکا۔ البتہ اس نے میرال سے اجازت ضرور لی تھی وہ سات ماہ کی حاملہ تھی عالم اسے چھوڑ کر ہرگز جانا نہیں چاہتا تھا لیکن جب اس نے خود سے رضامندی دے دی تو عالم کی اگلی پرواز اسلام آباد کی رہی۔

"میں تم لوگوں کے ساتھ خوامخواہ کباب کی ہڈی بن کر آ گئی ہوں۔" میرال اپنے سامنے بیٹھے سہراب اور آمنہ سے کہہ رہی تھی۔ سہراب اور عالمگیر کے پھپھو کی بیٹی کا نکاح تھا اور سہراب ضد کر اسے ساتھ لے آیا۔ دلہا میرال کا باس برہان الدین تھا۔

"ہم نے یہاں وحید مراد اور شبنم بن کر میدان میں دوڑیں نہیں لگانی تھیں، چپ کر کے بیٹھو۔" سہراب کے جواب پر آمنہ نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ بھی عالم بھائی سے یہ کڑوی باتیں سیکھ رہے ہیں کبھی کچھ اچھا بھی بول لیا کریں۔"

"جو تم دونوں بہنوں کے منہ سے عرق گلاب بہتا ہے میں اس سے بھی واقف ہوں۔" وہ اپنے سابقہ انداز میں بولا۔ سفید ڈریس شرٹ پر سادہ سا سیاہ کوٹ پہنے وہ غیر آرام دہ ہو رہا تھا۔ کہاں اس کی بٹن شرٹ، موڑی ہوئی آستینیں، اس کی شلوار قمیص اور کہاں یہ؟

"اچھا جائیں میرے لیے کھانا نکال کر لائیں۔" اس کے ٹھوکا دینے پر سہراب نے آنکھیں گھمائیں۔ آمنہ جواباً ڈٹی رہی۔ "جائیں بھی میری ضروریات پوری کرنا آپ کا فرض ہے۔" سہراب اسے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ البتہ کہا کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ دور کھڑا پلیٹوں میں کھانا نکال رہا تھا۔ آمنہ اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ پھر مڑ کر میرال کو دیکھا۔ پستہ رنگ کے ڈھیلے کامدار لباس میں کھلے بالوں والی میرال کچھ کچھ اداس تھی۔

"عالم بھائی کو مس کر رہی ہو؟" ہتھیلی تلے ٹھوڑی ٹکائے دور پار دیکھتی میرال مڑی نہیں۔

"بہت۔" اس نے حلق میں کچھ اتارا۔ "مجھے لگا تھا شادی کے بعد مجھ پر سے اس کا اثر اتر جائے گا لیکن یہ آدمی تو میرے حواسوں پر سوار ہے۔" اس نے مڑ کر آمنہ کو دیکھا۔ انداز میں بے چارگی تھی۔ "کیا کسی عورت نے کسی مرد سے ایسی محبت کی ہو گی جیسی میرال نے عالمگیر سے کی ہے؟"

"نہ بہن تم نرالی چیز ہو۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ پھر ذرا پر جوش انداز میں آگے ہوئی۔ "تم لوگوں نے کوئی نام سوچا ہے؟"

میرال ہلکا سا مسکرائی۔ "عالم نے کہا ہے نام وہ رکھے گا۔"

"ہاہ یہاں تو عورتوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ پیدا تم کرو نام وہ رکھے گا؟"

"صاف صاف مدعے پر آؤ تمہیں نام رکھنے کا موقع نہیں دیا اس لیے جل رہی ہو۔" آمنہ نے خفگی سے میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر دھپ رسید کی۔

"تم بھی عالم جیسی بد زبان ہو گئی ہو۔"

"اپنے شوہر کے رنگ میں رنگ رہی ہوں۔"

"میرال دھیان رکھنا تم انہیں مغرور کر دو گی۔" اپنے تئیں اس نے بڑے پتے کی بات بتائی۔ "شوہر کو جب پتہ چل جائے بیوی اس سے محبت کرتی ہے تو وہ آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتے ہیں۔"

"آج کل وہ مجھے مغرور کر رہا ہے۔ تم سب نے اس کی غلط امیج بنا کر رکھی ہے۔ عالم ہر وقت سڑا ہوا نہیں رہتا۔ پتہ ہے وہ کتنی باتیں کرتا ہے؟ اسے کتنی اچھی کافی بنانی آتی ہے، وہ فیشن کے بارے میں کتنا جانتا ہے؟ تم لوگ اس کے

بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتے۔ لوگوں کو لگتا ہے وہ ہمیشہ بلند لہجے میں بات کرتا ہے لیکن کورٹ سے واپسی پر رات کو کافی کے مگ لیے جب وہ بات شروع کرتا ہے تو اس کا لہجہ سننے کے لائق ہوتا ہے۔ مجھے ہماری بالکنی میں بیٹھ کر دوبارہ گھنٹوں گھنٹوں اسے سننا ہے۔" آمنہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ واقعی عالم بھائی کی بات ہو رہی ہے؟" میرال نے اسے گھور کر دیکھا۔ معاً اس کا موبائل بجا۔ عالمگیر کی کال تھی۔ لمحوں کے اندر اس کا مزاج بحال ہوا، چہرہ کھل گیا۔ شادی کے بعد عورت کے چہرے کی شادابی اور مسکراہٹ قائم رہے تو اس میں سب سے بڑا ہاتھ اس کے شوہر کا ہوتا ہے۔ عورت کو اپنے سے جڑے مرد سے امیدیں ہوتی ہیں۔ ایک ذرا سی تعریف، خود کا اہم محسوس کروایا جانا، دن میں یونہی ایک بے ضرر سی کال یہ محبت کے وہ چھوٹے چھوٹے تحفے ہیں جو ایک عورت کی متاع حیات ہوتے ہیں۔

"میں بات کر کے آتی ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ حویلی نما اس ہال میں کچھ دیر بعد میرال ایک دیوار گیر کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی عالم کی بات سن رہی تھی۔ چہرے پر مسلسل مسکراہٹ تھی۔

"ابھی تو بہت بہتر ہیں جواہر صاحب بس ایک ہفتہ اور لگے گا پھر میں آجاؤں گا۔" اس نے تسلی دی۔ "کیسی ہو تم؟" اس کے آس پاس شور تھا شاید وہ کہیں باہر تھا۔ "کھانا کھایا؟"

"ٹھیک ہوں۔ تم آجاؤ بس۔" وہ جس نے بڑی جرات کر کے اجازت دے دی تھی اب اس کا گلا رندھ رہا تھا۔ "تمہارے بغیر گھر خالی خالی ہے۔"

"مجھے نہیں پتا تھا تم اپنے خوبصورت، حسن کے شاہکار شوہر کو اتنا یاد کرتی ہو۔ کہاں گئی وہ جنگلی بلی جو ہمیشہ مجھے نوچنے کو تیار رہتی تھی؟" شور تھم گیا تھا شاید اب وہ گاڑی میں تھا۔ جہاں جس جگہ عالمگیر ہوتا تھا وہاں میرال سورج کی حدت اور ہواؤں کے بہاؤ بھی یاد رکھتی تھی۔

”تم بھی تو کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے مجھے یاد ہے سہراب جب بھی کسی کام میں میری مدد کرتا تھا تم آسمان سر پر اٹھا لیتے تھے۔ تمہارے جھگڑوں کی وجہ سے ابا مجھے لعل یمن بھی نہیں لاتے تھے۔“ اس نے بالوں کی لٹ انگلی پر لپیٹنی شروع کی۔ لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”ابا نہیں لاتے تھے تو کیا ہوا میں لے آیا ہوں نا، وہ بھی ہمیشہ کے لیے۔ لڑائی جھگڑے سارے انکل کی بیٹی کے لیے تھے مسز میرال یمن کے لیے میرے پاس خصوصی آفرز ہیں۔“ میرال سیدھی ہوئی۔

”کیسی آفرز؟“ کھڑکی کے شیشے میں اس نے اپنا چہرہ دیکھنا چاہا مگر اس کی سانس جیسے کہیں اٹک کر رہ گئی۔

”تمہارے لئے ہر جھگڑا ہونے سے پہلے ختم، ہر اختلاف رد اور....“ عالم کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن وہ سانس لیے، پلک جھپکے بغیر کھڑکی کے شیشے سے اندر دیکھ رہی تھی۔ کوئی لمبے بالوں والی عورت تھی جو برہان الدین کی گردن پر چاقو پھیر رہی تھی۔ اس کے انداز میں ایک وحشی پن تھا جیسے اس کے خنجر کی نوک تلے کوئی انسان نہیں جانور ہو۔ میرال کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر نیچے گرا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندر دیکھ رہی تھی۔

”میرال؟.... آواز آ رہی ہے؟ کیا ہوا، میرال؟“ موبائل کے اسپیکر سے عالم کی آواز ابھر رہی تھی، مگر اس سماعتیں سن ہو گئیں۔ دور سے آتی موسیقی کی ہلکی آواز اب کسی ماتم کی طرح لگی۔۔ وہ ساکت، ساکن، متحیر تھی۔

اسی لمحے عورت کی نظر اس پر پڑی۔ اپنا چمکیلا بھڑکیلا لباس سنبھالتی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس کی طرف بڑھی۔ میرال بھاگنا چاہتی تھی مگر اس کے قدموں میں جان نہیں تھی۔ وہ پتھر کا مجسمہ بنی اپنی جگہ کھڑی رہی یہاں تک کہ اس عورت کا مضبوط ہاتھ میرال کے گلے تک آیا۔ اس سے پہلے کہ خون میں لپٹا وہ چاقو میرال کی گردن تک جاتا اس کے حلق سے ایک التجا نکلی۔

"پلیز.... پلیز نہیں.... پلیز۔" اسے لگا تھا اس عورت کی حرکت کا وہ جمود اس کی منت ہے مگر وہ ٹھہر کر میرال کا وجود دیکھ رہی تھی، جہاں ایک نئی زندگی پرورش پا رہی تھی۔ "پلیز نہیں... پلیز...." وہ آنکھیں بند کیے بڑبڑاتی رہی۔ قاتلہ کی آنکھوں کے وحشی پن میں قدرے کمی آئی، رحم نہیں البتہ وہ ایک لمحے کو بے حد مختلف لگی۔

"اگر تمہارے حلق سے بھاپ بھی نکلی تو میرے ہاتھوں دو قتل ہوں گے ایک تمہارا اور دوسرا...." اس نے چاقو کی نوک اسے چبھوئی، میرال تڑپ کر پیچھے ہوئی۔ آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کے سارے بدن پر لرزا طاری تھا۔ قاتلہ بغیر کسی "وجہ عناد" کے کسی کو قتل نہیں کرتی تھی۔ وہ تنبیہہ کرتے ہٹ گئی۔ میرال زیادہ دیر تک اپنے حواس برقرار نہیں رکھ پائی اور تیز تیز سانس بھرتی فرش بوس ہوگئی۔ اس کی آنکھوں کے آگے آخری منظر برہان الدین کا خون تھا۔

★★★★★

اس واقعے کو ڈیڑھ ہفتہ گزر چکا تھا لیکن میرال کی حالت جوں کی توں رہی۔ وہ کئی کئی گھنٹے چپ چاپ پڑی رہتی، راتوں کو نیند میں ڈر کر اٹھ جاتی۔ اس روز شادی کی تقریب میں وہ سہراب کو بے ہوشی کی حالت میں ملی تھی۔ عالم اسی رات سب چھوڑ چھاڑ کر واپس آگیا۔ پولیس نے برہان کے قتل کی تفتیش میں اس سے بیان لینے کی کوشش کی لیکن اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی۔

رات کا پچھلا پہر تھا عالمگیر نے سوتے ہوئے بازو لمبا کیا تو اسے محسوس ہوا میرال بستر پر نہیں ہے۔ اس نے بستر تھپتھپایا، وہ پلنگ پر آگے بھی نہیں تھی۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ مندی مندی آنکھوں سے کمرے کے ایک کونے میں دیکھا تو فانوس کی مدھم روشنی میں اسے وہ دکھائی دی۔ وہ سکڑی سمٹی ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ عالمگیر کی نیند بھک سے اڑی۔ وہ سرعت سے اتر کر اس کے پاس آکر بیٹھا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

”میرال کیا ہوا ہے جان؟“ وہ اس کے گال سہلا رہا تھا۔ ”کوئی برا خواب دیکھا ہے، ڈر گئی ہو؟“ وہ ضبط کرتے کرتے تھک گئی تھی سو بلند آواز میں رونے لگی۔ عالم نا سمجھی سے اسے دیکھے گیا۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ اس کی حالت تشویشناک ہے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے بچے کو بھی نقصان پہنچا رہی تھی مگر وہ بے بس تھا۔ کوئی خوف تھا جو اس کی بیوی کے دل میں کنڈلی مارے بیٹھ گیا تھا۔ نکالنا کیسے ہے یہ اسے علم ہی نہیں تھا۔ ”کچھ تو کہو یار مجھے فکر ہو رہی ہے۔ کیا ہوا ہے؟“

”میں اسے جانتی ہوں۔ میں اس کا چہرہ پہچانتی ہوں۔ اس نے روپ بدلا تھا لیکن میں اس کا ہر روپ جانتی ہوں۔“ میرال نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہاں غم تھا، تکلیف تھی۔ ”اس نے میرے سامنے قتل کر دیا، عالم۔ تم نے دیکھا تھا اس برہان کی ماں کتنا رو رہی تھی۔ کیسے انصاف مانگ رہی تھی اور میں چپ رہی۔ کیوں چپ رہی۔“ وہ کیا کہہ رہی تھی، کیوں کہہ رہی تھی عالم کو کچھ سمجھ نہیں آئی۔ ”میں خود غرض ہوں میں اپنے بیٹے کو پروٹیکٹ کر رہی تھی مجھے سمجھ نہیں آئی عالم میں.... میں کیا کرتی؟ میں کیسے اپنا بچہ مرنے دیتی۔ وہ میرے بچے کو۔۔۔ میرا بچا مر جاتا۔“

شور سن کر آنے والا سہراب چوکھٹ پر جم گیا۔ میرال کی یہ حالت دیکھ کر اسے چند لمحے یقین نہ آیا کہ یہ وہی عورت تھی جسے وہ چند دن قبل اپنی ”ذمہ داری“ پر کسی تقریب میں لے کر گیا تھا۔ وہ سہراب ہی کی ذمہ داری پر اس گھر میں آئی تھی۔

”کچھ نہیں ہوگا میں ہوں نا؟“ عالم اس سے کہہ رہا تھا۔ ”ادھر میری طرف دیکھو میں تمہاری اور اپنے بیٹے کی حفاظت کر سکتا ہوں۔“ سہراب چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس کے قریب پنجوں کے بل آکر بیٹھا۔ ایک پولیس افسر لوگوں کی نفسیات سمجھ سکتا ہے معاملے کی تہہ پر وہ بھی پہنچ چکا تھا۔

”اس نے تمہیں دھمکایا تھا؟“ عالم کی تسلیوں کے درمیان اس نے جو سنا وہ اسے ساکت کر دینے کو کافی تھا۔ ”تم نے وہ قتل ہوتے ہوئے دیکھا اور تم نے اسے کال آؤٹ کیا یا پھر وہ تم تک آیا ایسا ہی ہوا تھا؟“ اس نے دیکھا کہ میرال نے عالم کا ہاتھ مزید مضبوطی سے پکڑ لیا۔ خوف کے ساتھ ساتھ وہاں اب کو خود کو سمجھے جانے کا اطمینان بھی تھا۔

”اس نے اور کیا کہا، میرال؟“ نرمی سے سوال کیا۔ وہ رونے لگی۔ عالم کے کندھے میں چہرہ چھپائے وہ پشیمانی سے رو رہی تھی۔ سہراب چپ چاپ اسے تکتا رہا۔ عالم اس کا سر تھپک رہا تھا۔ ”اس نے تمہیں قتل کرنے کی دھمکی دی، تمہیں منہ بند رکھنے کو کہا، اس نے اور کیا کہا، میرال؟“ سہراب پنجوں کے بل بیٹھا اسے بچوں کی طرح پچکار رہا تھا۔ میرال کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ عالم ہنوز ہولے ہولے اس کا سر تھپک رہا تھا۔

”وہ میرے بچے کو مار دے گا۔“ سسکیوں کے درمیان اس نے بس اتنا کہا۔ ”میں بہت بزدل ہوں میں تو بہت کمزور ہوں میں نے اپنی آنکھوں کے آگے ایک انسان کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور کچھ نہ کیا۔“

”ہر انسان ڈرتا ہے، اس کے خوف ہوتے ہیں تم غلط نہیں ہو۔ وہ ظالم انسان غلط ہے جس نے کسی کی زندگی چھین لی۔ تمہیں کسی سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کیس کو میں لیڈ کر رہا ہوں تم جب چاہو جیسے چاہو مجھے سب بتا سکتی ہو۔ کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کوئی تمہاری فیملی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”میں ہوں نا یار۔ میرے ہوتے ہوئے تم کیوں کسی کی فکر کرتی ہو؟“ عالم نے اس کا کندھا تھپکا، نرمی سے اس کے بال چہرے سے ہٹائے۔ ”وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا سوچے تو سہی میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اس انسان کے سارے خاندان کو تباہ کر دوں گا۔“ میرال کچھ کچھ سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی، عالم نے اس سے کچھ کہا تو وہ پھیکا سا مسکرائی بھی۔

”وہ کون تھا، میرال؟“ ساری جذباتیت کو برطرف کرتے ہوئے سہراب نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ ”کیا میں اسے جانتا ہوں، کیا تم اسے جانتی ہو؟“ میرال کے چہرے پر وہی بے چینی اور خوف امڈ آیا۔ عالم نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ آرام دہ نہیں ہے لیکن اپنے بھائی کی طرح جذبات اس کے آڑے بھی نہیں آتے تھے۔ ”بتاؤ میرال کیا کہا تھا اس نے اور وہ کون تھا؟“

”مجھے کچھ وقت چاہیے۔“ الفاظ پھنس پھنس کر ادا ہوئے۔ ”میں ابھی نہیں بتا سکتی مجھے ابھی.... ابھی وقت چاہیے۔“ سہراب نے سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ میرال کو لگا اس کی جان خلاصی ہو گئی مگر ابھی کہاں؟

”کتنا وقت؟“ سہراب کے اگلے سوال پر اس نے عالم کو دیکھا۔ انداز میں بے چارگی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس کا دل پگھل جاتا۔ اس نے نگاہ موڑنے میں عافیت جانی۔

”بتاؤ دو کتنا وقت تب تک یہ تمہیں بالکل تنگ نہیں کرے گا۔ میں یقین دلاتا ہوں۔“

”عالم پلیز۔ مجھے کچھ وقت چاہیے۔“ اب کے وہ بے چین ہوئی۔

عالم مزید زور دیتا کہ سہراب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ”اچھا ٹھیک ہے ہم ایک دو دن بعد بات کر لیں گے۔“ عالم متفق نہیں تھا۔ مگر خاموش ہو گیا۔ لمحوں کے اندر اندر اس کی بیوی کا مزاج کافی ہلکا ہو گیا تھا۔ اس کے لیے یہی بڑی نعمت تھی۔ اب وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے پلنگ تک لے کر جا رہا تھا۔

★★★★★

تھانے میں رش اور شور ہمیشہ جیسا تھا۔ چھوٹو چائے کے کپ لا رہا تھا۔ جن پر مٹی کی پرت اب بھی کہیں جمی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی پلیٹوں میں سموسے رکھے تھے جو ہر افسر کی میز پر رکھے جا رہے تھے۔ تھانے کی اوپری منزل پر سہراب یمن اپنی جماعت سمیت جمع تھا۔ زیتونی سبز رنگ کی وردی کے کف موڑے وہ بورڈ پر کچھ لکھتا ہوا نظر آ رہا

تھا۔ اس کے چوڑے شانوں پر وردی کافی اچھی لگ رہی تھی۔ ”کرائم سین پر دو اور لوگوں کی موجودگی کے شواہد بھی ملے ہیں سر اور وہ لڑکا شکیل احمد آپ کو نہیں لگتا اس نے کچھ دیکھا ہو گا؟“ اس کی ایک ماتحت کہہ رہی تھی۔

”قاتل نے یہ قتل اتنی بے رحمی سے کیا ہے کہ جس جس نے یہ قتل دیکھا ہے ان کی ذہنی حالت خراب ہے۔“ سہراب نے کہا۔

”کیا شکیل کے علاوہ بھی کوئی عینی گواہ ہے؟“ اس کی بات فوراً پکڑ لی گئی۔ اس بات کا جواب دینے سے قبل سہراب یمن یہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی کے اگلے چار سال وہ اس بات پر اتنا پچھتائے گا۔ جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ ذہانت بڑی شے ہوتی ہے لیکن یہی ذہانت انسان کے اندر ایک ان دیکھا تکبر بھر دیتی ہے کہ ”اس“ سے بالاتر کوئی نہیں ہے۔ دوسروں کو کم عقل ثابت کر کے خود کی برتری پر تعریف وصول کرنا اس کی غیر دانستہ حرکت بن جاتی ہے۔ سہراب کو بھی ان دنوں یہی لگا کرتا تھا۔

”ہمارے پاس ایک اور عینی شاہد ہے۔“ سب کی نگاہیں سہراب پر ٹک گئیں، وہ ہر پل سنجیدہ رہنے والا افسر آج ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔ ”جی ہاں ہمارے پاس ایک اور عینی شاہد ہے جس نے مجرم کو دیکھ رکھا ہے بس کچھ دن کا انتظار اور ہمارے ہاتھ قاتل کی گردن تک ہوں گے۔ گواہ اس کا چہرہ اور اس کی پہچان بتانے کو تیار ہے۔“ محفل کچھ دیر بعد برخاست ہو گئی لیکن کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی فضا اقبال کی انگلیاں کھٹ کھٹ کچھ ٹائپ کرتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اس کے چشمے میں دیکھو تو پیغام واضح تھا۔

”سہراب یمن نے کہا ہے کہ اس کے پاس ایک اور عینی شاہد ہے۔ میرے لیے کوئی آرڈر سر؟“ پیغام کسی شخص تک گیا اور وہ شخص دوڑتا ہوا ایک اندھیرے کمرے کی طرف آیا جہاں سنگھار میز کے سامنے کوئی وجود اپنے لمبے بالوں میں کنگھا پھیرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ نیم تاریکی میں اس کا چمکیلا لباس، زیور سب دمک رہا تھا۔ لبوں پر کوئی گیت تھا۔ ”افسر کے پاس کوئی لیڈ ہے، سرکار!“

اس کی حرکت میں لمحے بھر کا ٹھہراؤ آیا، نگاہوں میں چند پل کا تاسف۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، چہرہ اوپر کی طرف اٹھایا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس کا ماتحت اسے قدرت کے ساتھ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے دیکھتا رہا۔ "جانتی ہوں تیری دنیا کو صاف کرنے کا بوجھ میرے کندھوں پر ہے، یہ بھی جانتی ہوں کہ میں نہیں کروں گی تو کون کرے گا۔ لیکن۔۔۔ بغیر کسی وجہ، عناد۔" وہ بولتے ہوئے رک گئی، ماتحت ہنوز مبہوت اور معتقد تھا۔ "قدرت کے کاموں میں مخل ہوئی ہے وہ اور اس لیے اب اسے ختم ہونا ہو گا؟"

اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور اگلے ہی لمحے اس نے کنگھا واپس رکھ کر سرخ لپ اسٹک اٹھا کر ہونٹوں پر مل لی۔ اپنی جگہ سے اٹھتے دراز کھول کر اپنا خنجر نکالتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کچھ تھا تو محض تاسف۔ انسانی جان لینا، وہ بھی بغیر کسی وجہ عناد کے کبھی بھی اس کا پسندیدہ کام نہیں رہا تھا۔ اب اسے یہ بھی کرنا پڑے گا؟ قدرت نے کہا تھا تو یہی سہی۔

★★★★★

عدالت سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے فائلز کا انبار نشست پر اچھال دیا۔ سیاہ کوٹ کا اوپری بٹن کھولتے ہوئے اس نے سب سے پہلے میرال کو کال ملائی۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ عدالت سے واپسی پر وہ اسے کال ملا لیتا اور گھر پہنچنے تک عالم کی گاڑی میں اس کی بیوی کی آواز گونجتی۔ آج اس نے مقدمہ جیتا تھا لیکن میرال سے صبح صبح ہونے والی لڑائی کی وجہ سے اسے ٹھیک سے کچھ محسوس ہی نہیں ہوا۔ اس کا نمبر بند آ رہا تھا۔ عالمگیر نے سہراب کو کال ملائی۔ شام اتر آئی تھی اسے اندازہ تھا اب تک سہراب گھر آ گیا ہو گا۔

"کہاں ہو تم؟" کال مل گئی تو اس نے پہلا سوال یہی کیا۔

”تھانے سے نکل کر ابھی گھر جا رہا ہوں پھر آمنہ کو لینے شیرازی صاحب کے گھر۔“

”اچھا میرال میری کال نہیں اٹھا رہی مجھے گھر آتے ہوئے گھنٹہ لگ جائے گا۔ اسے کہنا تیار رہے ہم کھانا کھانے باہر جائیں گے۔“ پھولوں کی ایک دکان کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اس نے سہراب سے کہا۔

”میں تم دونوں کا پیغام رساں ہوں؟ اس کے پیغام یہاں کروں اس کے وہاں۔“ وہ کلس کر بولا۔

”تمہاری ذمہ داری پر شادی کی ہے میں نے اب اس سر پھری عورت کو سنبھالنے میں ثالث کا کردار تم ہی ادا کرو گے اور کیا ہوتا اگر تمہاری بیوی میرال کو ساتھ لے جاتی اس کا بھی دل بہل جاتا۔“

”پہلے تو تم شادی کے لئے راضی نہیں ہو رہے تھے اور اب بیوی کے بغیر سانس نہیں آ رہی۔ ڈنر پلان ہو رہے ہیں۔“ سہراب اکتایا۔

”تم کیوں جل رہے ہو؟“ اس نے اشارے سے تازہ گلاب نکالنے کو کہا۔ ساتھ کئی اور طرح کے پھولوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”اچھا سنو اس سے کیس کے بارے میں کوئی بات مت کرنا پریشان ہو جائے گی۔ میں آج باہر لے جا کر خود اس سے بات کر لوں گا۔“ سہراب نے اس کی تسلی کروا دی، عالم نے کال کاٹی۔

کال بند کر کے اس نے جو بھی پھول لیے تھے سب پر نیلا اسپرے کروایا۔ جب سے ڈاکٹر نے ان دونوں کو اولاد نرینہ کی خبر دی تھی عالم تب سے میرال کے لیے کپڑے خرید تا تو نیلے، جوتے ہم رنگ اور پھول تو ہمیشہ نیلے بقول اس کے وہ آج کل اس رنگ کو دیکھ کر جلدی مان جایا کرتی تھی۔ اس نے ایک چھوٹا سا کارڈ لے کر اپنے ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا نوٹ بھی لکھا۔ میرال کو منانے کا ایک اور جتن۔ وہ handwritten notes کی شیدائی تھی۔ وہ اس کا ہر شوق پورا کرنے کا عادی۔

تھوڑی دیر بعد بڑا سا گلدستہ لیے وہ گھر پہنچا تو سہراب کی گاڑی گھر میں نہیں تھی وہ یقیناً آمنہ کو لینے نکل گیا ہو گا۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وہ اندر آیا۔ جب سہراب کی جانب سے پیغام موصول ہوا کہ عبیر اس کے ساتھ ہے۔ وہ ڈھیر سارے پھول لیے زینے طے کرتا اوپر آیا۔ دل ہی دل میں وہ میرال کو منانے کی سب سے آسان ترکیب سوچ رہا تھا۔

"میرال؟" اوپر آکر اس نے آواز دی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ ہال کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں عالم نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر بتیاں روشن کیں۔ ہر طرف اجلی سفید روشنی چھا گئی۔ وہ ہال میں بھی نہیں تھی۔ ایک تو اس کی طبیعت خراب دوسرا چند دن قبل والا واقعہ عالم تشویش سے آگے آیا۔

"میرال کہاں ہو یار؟" کمرے میں داخل ہوتے اس نے آواز دی اور سامنے جو منظر تھا۔ اس نے عالمگیر کے قدموں سے زمین کھینچ لی۔ فرش پر پڑی وہ عورت اپنی آخری سانسیں گن رہی تھی۔ زمین پر جا بجا خون تھا۔ کچھ اس کی ادھ کٹی گردن سے نکل رہا تھا، کچھ سینے سے، کچھ بازو سے اور.... اور کہاں سے؟ آنکھیں بے یقینی سے وا تھیں۔ چہرے پر تھپڑوں کے واضح نشان تھے۔ ایک ہاتھ فرش پر پھیلا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ معدے سے کچھ نیچے، خنجر کے زخم وہاں بھی تھے

عالم کے ہاتھوں میں تھامے نیلے پھول گر کر یہاں سے وہاں بکھر گئے۔ وہ بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔ وہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ منظر دھندلا رہا تھا.... اس کی بیوی.... اس کا بیٹا...

"عالم۔۔۔" میرال کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔ عالم نے اس کی گردن اٹھا کر اپنی گود میں رکھی عین اسی لمحے اس کی گردن ڈھلک گئی۔ جسم سے سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی تھی۔ عالمگیر یمن نے اپنی زندگی کی سب سے محبوب عورت کھو دی تھی۔ وہ دیوانہ وار اسے پکارنا چاہ رہا تھا، شاید رو بھی رہا تھا۔۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ساری دنیا کو آگ لگا دے۔

زینوں سے دھپ دھپ کی آواز آرہی تھی۔ عبیر کھلکھلاتے ہوئے سہراب سے کچھ کہہ رہی تھی۔ آمنہ کی مدھم آواز بھی ساتھ ساتھ آرہی تھی۔ بس ایک عالم کا گلا تھا جو خاموش تھا، بے حد خاموش۔ وہ چیخ کر سہراب کو یہاں آنے سے روکنا چاہتا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا اس کی بیٹی میرال کو اس طرح دیکھے مگر جو کہنے لگے وہ زبان تو لقوہ کھا گیا۔

"یار عالم نیچے دروازہ صحیح سے...." اس کے اگلے الفاظ اس کے حلق میں رہ گئے اس نے مڑ کر عبیر کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا البتہ سہراب افتخار یمن کی اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے اس منظر پر جامد ہو گئیں۔ اس نے عبیر کو ہال کے باہر چھوڑا دروازہ لاک کیا اور تیزی سے اندر آیا۔

"یہ کیا ہوا ہے، عالم؟ میرال کو کیا ہوا ہے؟" وہ پاگلوں کی طرح چلایا۔ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر اس نے میرال کی نبض چیک کی اور کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا۔ آنکھیں پھٹ گئیں، دل دو حصے ہوا۔ زندگی ختم ہو چکی تھی۔ وہ جا چکی تھی۔ اسکول سے اسے گھر لانے کی ذمہ داری لیتا تھا، کلاس میں اسے ڈانٹ ڈپٹ اور شرارتی بچوں سے بچایا تھا، اس نے کالج سے میرال کو پک اینڈ ڈراپ دیا تھا۔ یونیورسٹی میں اس کے ساتھ خوار ہوا تھا۔ عالم سے اس کی محبت کے قصے سنتے ہوئے افسردہ ہوا تھا۔ اس نے شیرازی صاحب کو وعدہ دیا تھا اسے تو حفاظت کرنی تھی اور یہ کیا ہو گیا؟

وہ عالم کی طرف ساکت نہیں تھا، وہ ہذیانی انداز میں ہانپ رہا تھا۔ وہ مشتعل تھا، غصہ تھا۔ گھر کی کھڑکیاں کھول کر کسی کو ڈھونڈ رہا تھا، پاگل ہو رہا تھا۔ باہر آمنہ الگ ان دونوں کو پکار رہی تھی۔ شاید ماں جائی کی موت اس نے بھانپ لی تھی۔

آج چند سال بعد ذہانت اب وہ خود تک رکھتا تھا۔ میرال کی موت اس کے اندر انتشار بھر گئی تھی۔ عالم کے بار بار جیل جانے نے اسے توڑ دیا تھا، اسلان اسے کمزور کر رہا تھا اور آراہ نے اسے تکلیف دی تھی۔ لعل یمن کے صحن

میں کھڑے ہوئے اسے اندازہ نہیں ہوا کونسی تکلیف کتنی گہری ہے اور دل کا کونسا حصہ کتنا زخمی۔ بس آنکھیں بند کیں، سب ضبط کیا اور گہرا سانس لیا۔ اس کے پاس یہی کرنے کا اختیار تھا۔

★★★★★

یافث طارون اپنے کل رات والے کمرے سے گاڑی کی چابیاں اور بٹوہ اٹھا کر طیش سے باہر جا رہا تھا جب کوئی دروازے کے فریم میں آکر ایستادہ ہوا۔ اس نے غصے سے اسلان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرے ہٹانا چاہا مگر وہ دوسری طرف سے آکر کھڑا ہو گیا۔ کسی دیوار کی طرح، کسی مضبوط رکاوٹ کی طرح۔

"ہٹ جاؤ یہاں سے ورنہ میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گے۔" یافث پھنکارا۔

"اتنے نخرے کیوں دکھا رہے ہو کوئی حسینہ نہیں ہو آپ۔" اسلان نے اسے بازو سے پکڑ کر پلنگ پر لا کر بٹھایا۔ "کہاں جاؤ گے آپ؟"

"جہاں بھی جاؤں گا تم باپ بننے کی کوشش مت کرو، جاؤ جا کر اپنے چچا کے تلوے چاٹو۔"

"مجھ پر کیوں بھڑک رہے ہو؟" جواباً اسلان بھی سلگا۔ "ابھی جتنا آپ انہیں سنا کر آئے ہو نا شکر کرو کہ وہ ابھی تک بھائی کی گرفتاری کے صدمے میں ہے ورنہ اب تک شوٹ کر چکے ہوتے۔"

"کیوں اس کے باپ کا راج ہے؟"

"اس گھر میں تو اسکار کا ہی راج ہے۔"

"اسی لیے میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

"اگر آپ یہاں سے گئے تو آراہ آپ کے ساتھ نہیں جائے گی۔" ساری بے تکلفی جہنم میں گئی۔ اسلان یمن اپنے قطعی دوٹوک انداز میں بولا۔ "عدالت نے مجھ سے نقص امن کی دفع لے رکھی ہے اور اسے میں نے کتنی عزت دی ہے آپ سب جانتے ہو، آراہ میری وارثی میں آتی ہے اگر آپ اسے یہاں سے لے کر گئے تو اگلا نوٹس آپ کو میری طرف سے آئے گا۔"

"تم اپنے ماموں کو دھمکا رہے ہو؟" اس نے بے یقینی سے انگلی سینے پر رکھی۔

پلنگ پر واپس بیٹھتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "بس نتائج سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

یافث ہنوز بے یقین تھا۔ "میں تمہارا ماموں ہوں۔" اسلان تمسخر سے ہنسا۔

"کچھ دیر قبل مجھے لوزر اور قاتل کہتے وقت آپ کو یہ یاد نہیں تھا کہ میں آپ کا بھانجا ہوں؟ عدالت میں آراہ کی تحویل مانگتے وقت آپ بھول گئے تھے میں آپ کا بھانجا ہوں؟"

"وہ دو الگ باتیں ہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اسلان یمن اسے تکتا رہا لبوں پر کوئی زخمی مسکراہٹ تھی۔ ہم تمہارے بھلے کے لیے ہی تو کہتے ہیں، ہم نہیں کہیں گے تو کون کہے گا، ہم نے چھوڑ دیا تو ذلیل ہو جاؤ گے، تم جیسا انسان کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ گھر والے یہ لفظ بہت آسانی سے کہہ دیتے ہیں اور اگر سامنے والا ان کے الفاظ سے تکلیف محسوس کرے تو ظاہر سی بات ہے ان کا یہ مطلب تھوڑی ہوتا ہے وہ تو آپ کا بھلا چاہتے ہیں۔ "میں صرف سہراب پر دباؤ ڈال رہا تھا تمہاری تذلیل کرنے کا مقصد نہیں تھا۔" اسلان نے محض پلکیں جھپکا دیں۔

"اوکے!" لوگوں کے الفاظ اور رویوں پر وہ افسردگی کا اظہار کرنے لگے تو آدھی زندگی کٹ جانی تھی۔ "مگر میں مذاق نہیں کر رہا نہ میں کسی پر دباؤ ڈال رہا ہوں۔ آراہ یہیں رہے گی لعل یمن میں میرے ساتھ۔ آپ بھی یہیں رہو گے کیونکہ میں نہیں چاہتا کل کلاں کو آپ بنگشوں کے ہاتھوں کوئی نقصان اٹھائیں اور آپ کے ذریعے وہ لوگ

ہمیں بلیک میل کر سکیں۔ آپ کے سارے اختلاف میں سمجھ سکتا ہوں لیکن پلیز یہ وقت مفاہمت کا ہے عالم کو واپس آلینے دیں۔ آپ جو چاہیں گے کر لیجئے گا۔"

"اگر تم یہاں نہیں رہ سکتے تو کوارٹر کے دونوں کمرے خالی ہیں۔ جب تک یہ سارا معاملہ ختم نہیں ہو جاتا ہمیں ساتھ رہنا چاہیے۔" سہراب کب ان کے عقب میں آکر کھڑا ہوا یافث کو علم نہیں ہو سکا۔ ہاں لیکن اس کی پیشکش پر وہ تھما تھا۔ وہ مانتا نہیں تھا لیکن سہراب کی باتیں آج بھی اس پر اثر چھوڑتی تھیں۔ "تم صحیح کہہ رہے تھے مجھے دھیان رکھنا چاہیے تھا آراہ کہاں ہے۔ میری غلطی تھی۔" وہ رکا ایک نظر اسلان کو دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "ماموں کے ساتھ جاؤ اور ان کا سامان لے آؤ۔" بالآخر اس نے ناراضی ایک طرف رکھتے ہوئے اسلان کو بھی مخاطب کر ہی لیا تھا۔ کوئی فلمی مکالمہ نہیں، کوئی ڈرامائی سین نہیں۔ "مسائل کے دوران فیملی کو ساتھ رہنا چاہیے۔ بنگش ہمارے ساتھ بہت بُرا کریں گے، تیار رہو۔"

وہ کہہ کر چلا گیا۔ پیچھے یافث اور اسلان رہ گئے۔ "اس سے بات کر کے دیکھو غصہ نکلے گا تو دماغ جگہ پر آجائے گا۔" یافث نے مشورہ دیا انداز بڑا سرسری تھا۔ "معافی مانگ رہا تھا۔" اسے اب تک یقین نہیں آرہا تھا۔

"میری محبت میں وہ پور پور نہیں ڈوبے جو میرے پوچھنے پر مجھے سب بتا دیں گے۔" یہ بات تو درست تھی۔ اپنے مسئلے اس نے کسی سے کب کہے تھے؟ وہ دونوں ایک ساتھ تھک کر پلنگ پر بیٹھ گئے۔ نگاہیں چپس والے فرش پر جما دیں۔ بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی پھر اسلان دھیرے سے بولا۔ "عالم نے مجھ سے کہا تھا کہ عورت ہر مسئلہ ہر پریشانی کا حل ہوتی ہے۔ گھر میں اس کا ہونا سکون کی علامت ہوتی ہے۔"

یافث نے ہاتھ جھلایا۔ "اس ذلیل کے اقوال زریں ایک کان سے نکال کر دوسرے کان سے بھی نکال دیا کرو۔" اسلان نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ ذہن میں سوچ کی پرچھائیں تھیں۔

”اقوال زریں تو خیر ان کے درست تھے۔ سو فیصد نہ سہی لیکن ساٹھ فیصد میں متفق ہوں۔ چاچو اسکار کی بیوی جب سے گھر چھوڑ کر گئی ہے تب سے وہ ہنستا ہی نہیں ہے۔“

”صاف صاف بات کرو۔“ اسلان اٹھ کھڑا ہوا۔ یافث سے اس کی گاڑی کی چابی لی۔

”باتیں اور لوگ کرتے ہوں گے میں ذرا عمل کر کے آیا۔“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ اسلان یمن عالمگیر جیسا بننا چاہتا تھا اور سہراب اسے اپنے جیسا بنانا چاہتا تھا۔ خود کو پس پشت ڈال کر اپنے کُنبے کی ضروریات کا خیال رکھنا اور انہیں پورا کرنا یہ تو صرف سہراب کو آتا تھا۔ کیا اسلان واقعی بے دھیانی میں اس کے بوجھ بانٹ رہا تھا یا اس پر سہراب کی تربیت کا اثر تھا؟ جسے سہراب نے بیٹا سمجھا تھا آج وہ بیٹا بن کر دکھا رہا تھا۔

★★★★★

مہمان خانے میں بیٹھا وہ کافی دیر سے آمنہ کا انتظار کر رہا تھا جو کہ اسے دیکھتے ہی باورچی خانے میں گُھس گئی تھی۔ اسلان مزید چند منٹ وہاں بیٹھ کر انتظار کرتا رہا پھر اٹھ کر ہال میں بنے ہوئے کھلے باورچی خانے کی راہ لی۔ چائے کے کپ طشت میں رکھے وہ اب نمکو کے پیکٹس سے نمکو نکال کر شیشے کی پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔ انداز میں عجلت تھی۔

”میں بس چائے لانے والی تھی۔“ اسلان کو دیکھ کر اس کے انداز میں مزید تیزی آگئی۔ اتنا عرصہ بعد اپنے سسرال کے کسی فرد کو اپنے گھر میں دیکھ کر وہ خوش تھی۔

”اسکار آپ کو پسند کر کے تین بول بھی پڑھا چکا ہے اب اس کے گھر والوں پر کیوں محنت کر رہی ہیں؟“ وہ سلیب کے ساتھ کمر جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بازو سینے پر باندھے اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ آمنہ نے مڑ کر اسے ملامت سے دیکھا۔

”بس قد نکال لیا تم نے زبان قابو نہ کرنا۔ چچا ہیں تمہارے، چچا کو کوئی اس نام سے بلاتا ہے؟“

”شوہر ہیں وہ آپ کے شوہر کو کوئی اس طرح بے آسرا چھوڑتا ہے؟“ وہ ترکی بترکی بولا۔ تو یہ طے ہوا کہ لگی لپٹی اسے رکھنی نہیں تھی، تمہید باندھنی اسے آتی نہیں تھی۔ ”میں آپ کو لینے آیا ہوں چاچی میرے ساتھ چلیں۔ اسکار کو آپ کی ضرورت ہے۔“

آمنہ کا گلا بھر آیا۔ بے چینی سے ہونٹ کاٹتے نمکو کے پیکٹ وہیں دھرے رہ گئے۔ ”ابا غصہ ہو جائیں گے۔“

”اور چاچو کا کیا؟ چار سال ہو گئے ہیں میرال چچی کی ڈیتھ کو، شیرازی صاحب نے عالم پر پرچہ کٹوایا، وہ جیل کے بعد آٹھ ماہ کا ٹرائل سہہ کر آیا، تین سال ہو گئے آپ کو اپنا گھر چھوڑے ہوئے، تین سال تک آپ کا شوہر مری میں سڑتا رہا۔ اس کے بعد بھی وہ آپ کو لینے آیا لیکن آپ نے انہیں ایک بار پھر مایوس کیا۔ معذرت مگر یہ شادی اسکار کے لیے تو سفید ہاتھی ثابت ہوئی ہے۔ وہ دونوں طرف سے پِس رہا ہے. میں کھری بات کروں گا۔ اچھے مرد کے پاس آپشنز کی کمی نہیں ہوتی۔ ابھی چاچو مصروف ہیں۔۔۔ کل اس کے جنون میں کمی آ گئی یا میرال چچی کا کیس ختم ہو گیا تو میرا انہیں خیال وہ منت کرنے یہاں آئے گا۔ بار بار ایک جگہ سے دھتکارے جانا کون برداشت کر سکتا ہے؟“ وہ اب رونے لگی تھی۔ ہال کا دروازہ پار کر کے اندر آتے ہوئے شیرازی صاحب ٹھٹک گئے۔ انہیں اسلان کی آواز آئی تھی۔

”میں بھی تو پس رہی ہوں نا، اسلان۔ ایک طرف ابا ہیں اور دوسری طرف سہراب۔ کیا میرا دل نہیں کرتا کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہوں؟ اس کی نظروں کی التجا کو بار بار رد کرتے ہوئے میری قبر بھی سیاہ ہو رہی ہے اور ابا کو انکار کر کے ان کی نافرمانی کر کے بھی کیا مل رہا ہے؟ میرے دونوں طرف آگ ہے۔ اس معاشرے میں عورت کو مرد کے مدار سے نکلنے ہی نہیں دیا جاتا۔ تم مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟“ اسلان نے غیر جذباتی انداز سے اس کا رونا

دیکھا۔ ایک تو اسے عورتوں کے رونے کی سمجھ نہیں آتی تھی جہاں بس نہ چلا وہاں رو دو۔ مائیکرو ویو اوون کے سیاہ شیشے میں وہ برآمدے کے دروازے پر کھڑے شیرازی صاحب کو دیکھ سکتا تھا۔

آنکھوں میں کمینگی سی در آئی۔ یہ موقع بے حد مناسب تھا۔

"میں آپ کو سچ بتارہا ہوں آج آپ کو سمجھانے آیا ہوں ایسا نہ ہو کہ کل وہ کسی اور کو گھر لے آئے۔"

"وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔" آمنہ نے تڑپ کر کہا۔

"وہ نہیں کریں گے لیکن...." وہ رکا۔ شیشے میں شیرازی صاحب کو دیکھا پھر آمنہ کو۔ "ڈیڈ کی پھپھو اسکار کے لیے اپنی بیٹی کی بات کر رہی تھیں۔ کچھ فائنل نہیں ہوا لیکن.... آپ سمجھیں نا پلیز میرے ساتھ گھر چلیں۔" اس نے دانستہ وہ بات ادھوری چھوڑی جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ آمنہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ رونا بھول گئی تھی۔ اس نہج پر تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ دل سرک کر کہیں دور ہو گیا۔ سہراب یمن تو سارے کا سارا اس کا تھا۔

"سہراب نے ہمیشہ آپ کے ساتھ نبھائی ہے اور اس وقت وہ تکلیف میں ہے۔ میں، ماموں یا آراہ کوئی ان کی ویسی مدد نہیں کر سکتا جیسی آپ۔ نکاح کے وقت تین بار قبول ہے کہہ کر اس کے مسائل، خوشی، تکلیف سب قبول کر چکی ہیں اب آپ اپنے فرض سے مُکر رہی ہیں۔ شیرازی صاحب خوامخواہ کی ضد پر اڑے ہیں ایک بیٹی تو جان سے گئی اب دوسری کا گھر "برباد" (اس نے برباد پر زور دیا) کر کے انہیں کیا ہی حاصل ہو گا؟"

"وہ تو میری کالز بھی نہیں اٹھا رہے، عالم بھائی کی گرفتاری کا سن کر میں نے کتنی کالز کیں۔"

"حالانکہ آپ کو گھر آنا چاہیے تھا۔"

"لیکن ابا....."

"میرا کام آپ کو سمجھانا تھا۔" اس نے بات ختم کی۔ "اگر آپ آنے پر راضی ہو جائیں تو آپ کو لینے میں اور چاچو ساتھ آئیں گے اور اگر شیرازی انکل اپنی ایک اور بیٹی کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں۔ لیکن انہیں یہ ضرور بتایئے گا کہ وہ اپنی ضد میں اپنی ہی اولاد کی حق تلفی کر رہے ہیں۔" تین سالوں میں شہروز شیرازی نے سہراب کی طرف سے محض جھکاؤ دیکھا تھا لیکن تصویر کا جو رخ یہ لڑکا دکھا رہا تھا۔ اس کی چمک اتنی تیز تھی کہ چند پل کے لیے ان کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔

اسلان وہاں سے گزرتے ہوئے ان کے پاس رکا۔ "موت ایک اٹل حقیقت ہے اپنی زندگی میں اپنی بیٹی کو اس کے شوہر سے دور رکھ کر اپنی وفات کے بعد اس کا حساب کیسے دیں گے؟"

"اسلان.... تمیز سے بات کرو۔ وہ بابا ہیں میرے۔" آمنہ چلائی۔

"اور جنہیں آپ سب نے دس دفعہ دھتکار کر بھیجا ہے وہ چچا ہیں میرے۔" وہ دوبدو بولا۔ "اور آپ.... مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ یہ بات آپ کو ایک لڑکے کو بتانی پڑ رہی ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑوانے والے کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے اس ملک میں ہزاروں شادیاں ٹوٹ رہی ہیں۔ شادی تب چل سکتی ہے جب سسرال یا میکے سے کوئی دخل اندازی نہ ہو اور آپ تو ماشاءاللہ سے درمیان میں جم کر بیٹھے ہیں۔ اپنی ہی اولاد کا آپ سے بڑا کوئی دشمن میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میرال کی محبت کی ساری سزا آپ نے آمنہ چچی کو دی ہے۔"

"اسلان پلیز چپ کر جاؤ۔" آمنہ کے رکے ہوئے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

"اگر کبھی وقت ملے تو اپنی اس بیٹی کی آنکھوں میں بھی جھانک لیجے گا جس کے مجرم صرف اور صرف آپ ہیں۔ کسی کی موت پر آپ قادر نہیں تھے اور اب کسی کی زندگی کے فیصلوں پر بھی نہیں ہیں۔ انسان بنیں خدا نہیں۔" قطعیت سے کہتے اس نے بوڑھے مرد کی دھواں دھواں ہوتی رنگت نہیں دیکھی۔ دیکھ لیتا تو شاید اپنے الفاظ کی سفاکی پر پشیماں ہوتا۔ وہ چلا گیا تو جیسے خاموشی چھا گئی۔ بہت دیر تک وہ دونوں اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے۔ دونوں پشیمان، دونوں پریشان۔

"ابا پلیز مجھے جانے دیں۔ میں نے آپ سے آج تک کچھ نہیں مانگا آپی کی وجہ سے میری شادی کیوں خراب ہو؟ میں سہراب کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ انہیں میری ضرورت ہے۔ مجھے میرے گھر جانے دیں۔" انہوں نے نگاہیں اٹھا کر اپنی چھوٹی بیٹی کو دیکھا۔ اس کے آنسو، اس کی ایسی حالت ان کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ اتنا عرصہ ان آنکھوں کو کیسے جھٹلاتے رہے؟

"سامان باندھو میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔" دروازے کے باہر کھڑے اسلان نے ان کی بات سنی، خود کو داد دی اور آگے بڑھ گیا۔ کم از کم ایک مسئلہ تو حل ہوا۔

★★★★★

قبرستان خاموش تھا۔ کہیں سے جھینگروں کے بین کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ کہیں ورثاء کسی نئی میت کو سپرد خاک کیے اب لوٹنے کی تیاری میں تھے اور کہیں کئی برس پرانی قبریں زمین میں دھنس رہی تھیں۔ گھٹنے سینے سے لگائے اس نے ٹھوڑی گھٹنے پر رکھ لی تھی۔ گم صم نگاہیں قبر کی گیلی مٹی پر جمی تھیں۔ آنکھیں بے حد خالی۔ دفعتاً کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ زید نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا سفید لباس اور باب کٹ بالوں والی لڑکی سامنے کھڑی تھی، اس نے کہاں ساتھ چھوڑا تھا؟ بنا کہے آجاتی، بغیر کہے ساتھ رک جاتی، تسلی نہ بھی دیتی تو اس کی آنکھیں ڈھارس دلاتیں، ساتھ طمانیت بخشتا۔

”رات بہت ہو گئی ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔“ زید نے چپ چاپ ٹھوڑی گھٹنے پر گرا دی۔ آنکھوں کی ویرانی برقرار رہی۔ بولا کچھ نہ۔ ”وہ لڑکی آرہ وہ بیچاری اپنے بھائی کے ساتھ آئی تھی۔ تم نے اسے ایک آخری دفعہ شاہ ویر کو دیکھنے بھی نہیں دیا۔“

”میں نہیں چاہتا تھا وہ اسے دیکھے۔“ اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ ”اسے یہ حق نہیں ہے۔“

”شاہ ویر اس کے لیے پاگل تھا، زید۔“

”شاہ ویر اب کہیں نہیں ہے۔ اس کا جنون، اس کی محبتیں، اس کی دنیا کہاں کچھ باقی ہے سب تو ختم ہو گیا۔“

”اس طرح خود کو اور باقیوں کو تکلیف کیوں دے رہے ہو؟ کل رات تم نے آنٹی سے بھی اتنی بدتمیزی کی میں گھر پر ہی تھی، تمہیں سنا تھا میں نے۔“ وہ اس کے ساتھ اسی کے انداز میں بیٹھی سمجھا رہی تھی۔ ”تمہاری تکلیف یہ ہے کہ تم نے بھائی کھو دیا انہوں نے اولاد کھوئی ہے، یہ غم زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ تم اس طرح انہیں الزام نہیں دے سکتے۔“ زید نے سر جھٹکا۔ زیر لب کچھ بڑبڑایا بھی۔

”تم انہیں نہیں جانتیں انہوں نے ہمیشہ شاہ ویر کو استعمال کیا۔ اس کی لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیتوں کو کیش کیا۔ میں نے اسے کتنا سمجھایا تھا کہ اپنی ہی ماں کے دام میں مت آؤ لیکن وہ.... وہ ہمیشہ ڈرتا تھا۔ بابا نے اس سے کبھی پیار نہیں کیا اسے لگتا تھا اگر اس نے مام کی باتیں نہیں مانیں تو مام بھی اس سے پیار کرنا چھوڑ دیں گی۔ مام جانتی تھیں وہ پیار اور توجہ کا بھوکا ہے اس لیے اس کی بھوک کبھی ختم کی ہی نہیں۔“ مدیحہ تھوڑی دیر چپ رہی۔ شاہ زید کی بچپن کی دوست ہونے کے ناطے اسے ان سب چیزوں اور معاملات کا اندازہ تھا لیکن وہ کبھی ان چیزوں کا ذکر کرتا نہیں تھا سو وہ کریدتی نہیں تھی۔

”میں پھر وہی بات کروں گی یہاں بیٹھ جانے سے کیا ملے گا؟“

”اندر میرا بھائی ہے جہاں میں جاؤں گا وہاں اس کا کمرہ ہے، اس کی باتیں، اس کے کپڑے، وہ ہر جگہ ہے میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنا وعدہ نہیں نبھایا۔“ اس نے سر گھٹنوں پر گرا لیا۔ روگ گہرا ہو گیا۔ ”یہ سب غلط ہو گیا ہے۔، میں اپنے بھائی کا محافظ تھا۔ مجھے چاہیے تھا میں اس کی حفاظت کرتا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“

”تم انسان ہو انسانوں کے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔“

”ہوتا ہے ایک انسان کے بس میں تھا کہ اس نے میرے بھائی کو مار دیا۔ اس کے بس میں تھا کہ اس نے مجھے یہاں بٹھا دیا۔ خوف زدہ، گلٹی، ناکام۔ برے انسانوں کے بس میں سب ہوتا ہے۔ دنیا اچھے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ برا کرتی ہے۔“ وہ بہت بری طرح بکھرا ہوا تھا۔ مدیحہ اس کا ایک عضو جوڑتی تو دوسرا ٹوٹ جاتا، وہ اسے سمیٹ کر اکھٹا کرتی تو وہ زرد پتوں کی طرح بکھر جاتا۔ اسے اندازہ ہوا کوئی کسی کو درست نہیں کر سکتا، ہر انسان اپنا وقت لیتا ہے شاہ زید کو بھی وقت چاہیے تھا۔

”take your time“ اس کے پاس بیٹھ کر نرمی سے بس اتنا کہا۔ بعض دفعہ اتنا کافی ہوتا ہے۔

کچھ وقت بعد وہ دونوں قبرستان سے نکلے تو زید کو اپنی آنکھوں کے آگے ہاتھ رکھنا پڑا۔ مائیک، کیمرے، فلیش۔۔۔ لوگ ہی لوگ تھے۔ اس کے منتظر لوگ، اس سے کسی قسم کا بیان چاہتے لوگ۔ زید کو دیکھ کر ان کی آوازیں، نعرے، طیش، صدمہ سب امڈ امڈ کر باہر آنے لگا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا یہ نقصان اس اکیلے کا نہیں۔ وہ ان سب کے سامنے آ کر رکا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا شاہ زید طلال بنگش بھی لوگوں سے بات کر سکتا ہے۔

”شاہ ویر بنگش۔۔۔ میرا بھائی قتل ہو چکا ہے۔“ اطلاع تھی کہ کیا لوگ دم سادھ گئے۔ خبروں میں سننا الگ بات تھی۔ یہ بات یہ جھٹکا ورثا کی طرف سے ملنا الگ۔ ”یہاں کھڑے تمام لوگوں کا غم میرے غم سے بڑا نہیں۔ لیکن نہ میں روؤں گا، نہ میں خاموش بیٹھوں گا، نہ میں کسی وجہ عناد کو ڈھونڈوں گا۔ ہر وہ دن

مجھ پر اضافی ہے جو میں انصاف کی اس جنگ کے علاوہ گزاروں۔ کوئی ذہنی مریض، کوئی طاقت کا مارا شخص کسی کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ میری ماں سے اس کا بیٹا چھین لے، مجھ سے میرا بھائی چھینے۔۔۔" وہ رکا۔ "میری بہن سے اس کا بھائی چھینے۔"

کیمرے اور مائیکس کی روشنیوں میں اس کی آنکھوں کا سرخ پن، چہرے کی سختی اور بے بسی بے حد واضح تھی۔ "ایک شخص کیفرِ کردار تک پہنچے گا یہ میرا وعدہ ہے اور آپ سے التجا یہ کہ اس میں میرا ساتھ دیں۔"

شاہ ویر ہوتا تو اس وقت ان سب کو رام کرتا، انہیں ریاست کی عدلیہ اور قانون کے نظام پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا مگر مسئلہ یہی تھا کہ اب وہ نہیں تھا اور اب دنیا دیکھے گی اس کا نہ ہونا کیا تھا۔ مورلز تو زید پہلے ہی بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا عوام اور ریاست کے قانون کے خلاف جنگ چھڑ چکی تھی۔ وجہ عناد میر کارواں کا قتل۔

★★★★★

لعل یمن میں وقت سست رفتار تھا یا اس کی رفتار آندھیوں جیسی تھی؟ اس گھر کے باسی فی الوقت اندازہ لگانے سے قاصر تھے۔ سہراب کے کمرے میں میز پر کئی فائلز کھلی رکھی تھیں۔ وہ نیلی پولو شرٹ اور ہم رنگ ٹراوزر میں ملبوس تھا۔ دفعتاً دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ کھلی الماری سے مزید فائلز نکالتے ہوئے اس نے اجازت دی۔ اسے پتا تھا سامنے کون ہو گا۔ وہ اجازت ملتے ہی اندر آیا۔ اس کے عین سامنے رکھے سنگھار میز میں اس کا عکس بنا۔ سیاہ رنگ کی بٹن شرٹ کے ساتھ سفید جینز پہنے وہ سہراب کے سامنے کھڑا تھا۔ آئینے میں دیکھنے پر دونوں کا کوئی گہرا رشتہ لگتا تھا۔ نقوش بہت حد تک ملتے تھے۔

"کچھ چاہیے؟" سہراب نے اسے دیکھے بغیر پوچھا۔ انداز لیا دیا سا تھا۔ اسلان نے میز پر رکھے دستاویزات الٹ پلٹ کر دیکھے۔ مختلف مقدمات کی مختلف کاپیاں۔

”وکیل کا بندوبست ہوا؟“

”ہو جائے گا میں کرلوں گا۔“اس نے نپا تلا جواب دیا۔ انداز میں بے رخی تھی۔

”آپ نے کوئی وکیل دیکھا ہے یا میں کوشش کروں؟“

”جواہر صاحب کا بڑا بیٹا۔ سعید سادات۔“ سہراب میز کے گرد کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ لیپ ٹاپ اپنے آگے رکھ لیا۔ جواب دیتے ہوئے بھی اسلان کو نہیں دیکھا اسے یقین تھا۔ دیکھ لے گا تو وہ پھٹ پڑے گا۔

”مجھے نہیں لگتا وہ اس کیس کو دیکھ سکتا ہے آپ کو وکیل بدلنا چاہیے۔“بغیر لگی لپٹے کے کہا۔

”اور وکیل بدلنے کے پیسے کہاں سے آئیں گے؟ میری جاب سے تو گھر چلتا ہے اس کے علاوہ ابھی پچھلے دنوں گاڑی لی تھی سولہ ہزار اس کا لون جاتا ہے سمجھ نہیں آرہی یہ خرچ کیسے پورے ہوں گے۔ عدالت کے چکر پیسہ نگلتے ہیں۔“

”آپ نے عالم سے بات کی ہے؟“

”میرے سامنے اس کا نام بھی مت لینا میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔“ وہ برہم ہوا۔

”شکل تو آپ کو میری بھی نہیں دیکھنی میں بھی یہاں کھڑا بول رہا ہوں اور آپ کو میری بات سننی پڑ رہی ہے ناں؟ ویسے بھی آپ کے چاہنے کی پرواہ ہم سب بہت کم کرتے ہیں۔“ اسے سلگانے کو وہ آگ لگا رہا تھا۔

سہراب نے لیپ ٹاپ سے نگاہیں ہٹا کر اسے گھورا۔ ”تمہیں جوتے کھانے ہیں تو صاف صاف بتاؤ۔ ابھی خواہش پوری کیے دیتا ہوں۔“

”آپ کے جوتے بنگش گھسوائیں گے۔ مجھ پر ضائع مت کرو اور میری بات کو سنجیدہ لے لو سعید یہ مقدمہ نہیں لڑ سکتا۔ یہ اس کے بس کی بات ہے ہی نہیں۔ آپ اپنی سیونگز استعمال کر لو اور کوئی اچھا وکیل لے آؤ۔“

”اچھا وکیل ہاں؟ سعید ایک پیشی کا ایک لاکھ مانگ رہا ہے اس سے زیادہ اچھا وکیل ایک پیشی کا تین سے چار لاکھ مانگے گا۔ اس کے علاوہ بھی ہزار خرچے ہیں میں کیسے پورا کروں؟ سعید اگر یہ کیس لڑ رہا ہے تو اپنے باپ کی وجہ سے ورنہ اس شہر میں کوئی وکیل اس کیس کو نہیں لے گا۔ فی الحال کسی کا دماغ اتنا خراب نہیں ہوا کہ اس ملک کے سب سے بڑے وکٹم شاہ ویر طلال بنگش کے خلاف کھڑا ہو۔ سب کو اپنی امیج کی پرواہ ہے۔ ہر جگہ کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں میرا بھائی مجھے بھی عزیز ہے۔“

اسلان چند لمحے چپ چاپ کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا پھر نگاہیں اٹھا کر سہراب کو دیکھا۔ ”اس پورے شہر میں کوئی ایسا وکیل تو ہو گا جس کو امیج کی کوئی پرواہ نہیں ہو گی؟ (یعنی اس کی کوئی امیج ہی نہیں ہو گی) یا کوئی ایسا جو شاہ ویر کو وکٹم نہ مانتا ہو؟ (یعنی وہ بذاتِ خود بنگش خاندان کا وکٹم ہو) کوئی ایسا جو یہ مقدمہ پیسے کے لیے نہ لڑے۔ (بلکہ کسی ذاتی پرخاش کی بنا پر لڑے؟) کوئی تو ہو گا جو بے خوف ہو گا۔ (یا پھر اپنے ہر خوف سے لڑ کر آیا ہو گا۔)“

سہراب اب تک اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ”تمہارے پاس پورا ڈیڑھ دن ہے ایسا کوئی وکیل لے آؤ۔ پیسوں کی پرواہ مت کرو۔“ ان دونوں کے درمیان یہ بات طول پکڑتی کی ہال میں کسی کے بیگ گھسیٹنے کی، ساتھ ایک واس گرنے کی آواز آئی۔ سہراب یکدم سیدھا ہو کر بیٹھا دراز کھول کر اپنی پستول اٹھائی اور تیزی سے باہر آیا۔ اسلان وہیں کھڑا رہا۔ اسے پتا تھا سامنے اب میلو ڈرامہ ہو گا۔

”کون ہے؟“ اس کی بھاری گرج دار آواز گونجی اور اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ آمنہ پر پڑی۔ سبز رنگ کے کرتا شلوار میں ملبوس دوپٹہ سر پر جمائے ایک ہاتھ میں بڑا سا بستہ لیے وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ پیروں کے قریب لوہے کا واس گرا پڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کلفتیں یکدم غائب ہو گئیں، رنجشیں دفن ہوئیں۔ وہ جو سوچ بیٹھا تھا اس

کی واپسی پر کئی طنز کے نشتر چلائے گا۔ اس کی موجودگی نے زبان کو لقوہ لگا دیا۔ وہ دونوں بہت دیر تک خاموش رہے۔ وہ عورت تھی خدشے ساتھ لائی تھی۔ وہ مرد تھا معلوم نہیں تھا ان خدشات کو دور کیسے کرے۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟" بہت دیر بعد اس نے پوچھا۔

آمنہ کے حلق میں بہت کچھ اٹکا۔ "ابا چھوڑ کر گئے ہیں۔"

سہراب نے سر ہلا دیا۔ نگاہ اس سے ہٹی نہیں۔ "رہنا ہے؟" رسان سے، نرمی سے پوچھا۔

وہ رو پڑی۔ "آپ رہنے دیں گے؟"

"تمہارا گھر ہے میں روکنے والا کوئی نہیں۔" اس نے جیب میں پستول اڑس لی۔ آمنہ کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تین سال بعد بھی وہ وہیں تھا۔ سہراب آگے آیا اس کا بیگ اس کے ہاتھ سے لیا اور لرزتا ہاتھ اپنے ہاتھ میں بھرا۔ چند پل اسے دیکھتا رہا پھر اس کے بالوں کو لبوں سے چھوا۔

"ویلکم ہوم!" وہ دھیرے سے بولا۔ اس کا ہاتھ لیے، ایک ہاتھ میں اس کا بیگ تھامے وہ اسے کمرے کی طرف لے جا رہا تھا۔ اسلان دروازے سے ہٹ گیا جاتے جاتے تابعداری سے "السلام و علیکم چچی!" کہنا نہیں بھولا تھا۔ سہراب بھی مڑ کر ایک گہری نظر اس کی پشت پر ڈالنا نہیں بھولا تھا۔ چچا بھتیجا ایک دوسرے کے اعمال سے خوب واقف تھے۔

★★★★★

"سہراب اور اس کی بیوی کو ملا کر تم نے دنیا کا سب سے اچھا کام کیا ہے۔ تمہاری کہانی کی پہلی کامیابی۔" پلنگ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی وہ ٹھوڑی تلے ہتھیلی جمائے دلچسپی سے استفسار کر رہی تھی۔ مرد نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"اگر یہ میری کہانی ہوتی تو دونوں کسی اور جہان میں ملتے۔" اس کی آنکھوں میں کوئی جتاتا ہوا تاثر تھا۔ عورت نے دانت پر دانت جما کر ضبط کیا۔ کاش وہ اسے اسی انگیٹھی میں زندہ جلا سکتی۔ کاش، کاش۔)

★★★★★

اس کی گرفتاری جمعے کی شب کو ہوئی تھی، اگلے دو روز عدالت بند تھی لہٰذا آج اسے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ معمول کے سوالات ہوئے اور پولیس کو پانچ روزہ ریمانڈ دیا گیا۔ (ریمانڈ کا مطلب مار پیٹ ہرگز نہیں ہوتا اس کا واحد مطلب ہے ملزم کی پولیس یعنی تھانے کے پاس تحویل)۔ پانچ روزہ ریمانڈ کے بعد ایک بار پھر اس کی پیشی ہوئی اور دو روزہ ریمانڈ مزید دیا گیا اور اس کے بعد مزید سات روز ابھی وہ سات روز پورے نہیں ہوئے تھے جب عدالت نے بالآخر سعید سادات کی جمع کروائی ہوئی ضمانت کی درخواست پر سماعت بٹھالی۔

عدالت کی راہداریوں میں شور تھا۔ چیمبر والے وکلاء شان سے گھوم رہے تھے اور بغیر چیمبر والے فائلیں تھامے سائلوں کے منتظر تھے۔ سیشن کورٹ اپنی رعونت میں بے نیاز کھڑی تھی، جہاں چائے اور دستاویزات کے درمیان چھوٹے مقدمات سے روزی سمیٹی جاتی تھی۔ فلموں کا رومان ایک دورے میں ہی ٹوٹ جاتا ہے۔

عدالت کے اندر معمول کی کاروائی جاری تھی۔ استغاثہ کی طرف سے سرکاری پراسیکیوٹر کی آمد ہو چکی تھی، جبکہ بنگش خاندان نے چند اور وکلا کے نام دے رکھے تھے جن کی آمد اب تک نہ ہو سکی تھی۔ عدالت کے باہر کا شور الامان تھا اور عدالت کے اندر یمین خاندان سے سہراب، یافث اور اسلان آئے تھے۔ احاطے میں لگی بنچز میں سے ایک پر وہ تینوں بیٹھے تھے ان کے آگے سعید اور اس کا اسسٹنٹ تھا۔ سہراب ہلکی آواز میں اس سے کچھ کہتا ہوا نظر آرہا تھا۔ "میں سمجھ سکتا ہوں دباؤ بھاری ہے لیکن کیس کو ضمانت کی طرف موڑنے کی کوشش کیجئے گا۔" جواباً سعید کوئی تسلی بخش جواب دے رہا تھا۔

اسلان کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔ وہ غیر دلچسپی سے اپنے اطراف میں نظریں گھمارہا تھا۔ معاً پولیس اہلکاروں کے نرغے میں وہ آتا دکھائی دیا جو یمن خاندان کی ریڑھ کی ہڈی تھا۔ زبان کا تلخ، مصائب ومشکلات میں گھرا ہوا افتخار یمن کا سب سے لاڈلا بیٹا۔ بھوری شلوار قمیص میں ملبوس اس کے چہرے پر کالا کپڑا بندھا تھا۔ ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں۔ سہراب تیزی سے اٹھ کر اس کے پاس جانے لگا مگر سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ ”ملزم سے دور رہیے یمن صاحب۔ یہ کافی خطرناک ہیں۔“

”میں بس بات کر رہا ہوں، سلطان۔ اتنا کرو جتنا بعد میں سہہ سکو۔“ اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر سلطان نے بازو بیچ میں اٹکا لیا۔

”تمہیں اجازت ہے جو بن پڑے وہ کرو۔“ شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے وہ عالمگیر کی ہتھکڑی کا سرا سنبھالتے ایک بنچ پر آکر بیٹھا۔ کمرہ عدالت کے چاروں طرف پولیس اہلکار جمع تھے۔ جو اس بات کی عکاسی کرتے تھے کہ یہ کیس ایک ہائی پروفائل کیس ہے۔

★★★★★

قریباً دس منٹ بعد راہداریوں میں شور اور بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مسحور کن خوشبوؤں کے دور چل پڑے۔ قوی امکان تھا کہ بنگش یعنی جنگ کے فریق دوئم آچکے تھے۔ کمرہ عدالت میں ان کا داخلہ ایک غول کی صورت ہوا۔ سب سے آگے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھائے سیاہ لباس والی تمکنت بنگش اندر داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ رئیس اور دوسری طرف شاہ زید بنگش۔ ان تینوں کے دائیں بائیں وکلاء ہی وکلاء تھے۔ استغاثہ کی اگلی دو بنچز بنگشوں کے وکلاء کی تعداد سے بھر گئیں۔

اب کے منظر کافی مضحکہ خیز تھا۔ ایک جانب یمن خاندان اور ان کی عام سی حالت کے ساتھ ایک عام سا وکیل۔ دوسری طرف مہنگے لباس اور جوتوں والے خوشبو میں رچے بسے امراء اور ان کے دس وکیل اگر سرکاری پراسیکیوٹر کو شامل کر لیا جائے تو یہ ہوئے گیارہ۔

سعید کا ایک پسینہ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ سانس جیسے حلق میں اٹک گیا۔ عالمگیر اس کے کان کے قریب جھکا۔ (اس کا سیاہ کپڑا اتار دیا گیا تھا) "سانسیں اور تاثرات قابو میں رکھو کوئی تمہیں یہاں مار نہیں رہا۔ انہیں یہ تاثر مت دو کہ تم ڈر رہے ہو۔"

"عالم...." اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ "تم شاید اندھے ہو گئے ہو نظر اٹھا کر اس طرف دیکھو ان کے ساتھ آیا کون ہے۔" عالم نے نگاہیں موڑیں دیوار گیر کھڑکیوں سے آتی ہلکی سی دھوپ نے اس کا منظر بلاک کیا مگر دنیا کی کوئی روشنی اس منظر کو دھندلا نہیں سکتی تھی جو اس کے سامنے تھا۔ کوئلے کی کان میں ہیرا دور سے چمکتا ہے بالکل اسی طرح وکلا کے جھنڈ میں دمیر پراچہ صاف دکھائی دیا کرتا تھا۔

چار سے پانچ لاکھ کے سیاہ سفید سوٹ میں اس کی گندمی رنگت دمک رہی تھی۔ اس کے چمچماتے بوٹوں میں چھت کا پنکھا بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ کلائی میں پڑی گھڑی ہلکی ڈھیلی تھی۔ کف لنکس بیش قیمت اور گلے میں اٹکی ٹائی کا چھوٹا سا پن نایاب۔ اس کے بال سیاہ سفید کا آمیزہ تھے۔ گردن اونچی اور نقوش تنے ہوئے۔ عمر لگ بھگ پینتالیس یا پچاس کے قریب۔ وہ دیکھنے والوں پر رعب دار تاثر چھوڑ رہا تھا۔

"دمیر پراچہ؟" عالم کی آواز بیٹھ گئی۔ رنگت باقاعدہ فق ہوئی۔ اسلان اس کی عقبی نشست پر آ کر بیٹھا۔

"یہ کون ہے کیا بہت اچھا وکیل ہے؟"

”صرف اچھا وکیل؟ قانون کی کتابیں اس نے رٹ رکھی ہیں۔ بار کاؤنسل کا صدر رہے وہ۔ بارہ سالوں میں اس نے آج تک کوئی کیس نہیں ہارا۔ ہم جیسوں کو تو منہ بھی نہیں لگاتا۔ یہ تو ہائی کورٹ کے نیچے قدم رکھنا بھی اپنی بے عزتی سمجھتا ہے یہاں آ کیسے گیا؟“ وہ گویا بڑبڑا رہا تھا۔ گو کہ وہ خود بھی سادات کا مضبوط سرا تھا مگر دمیر ایسی دس سادات نگل سکتا تھا۔

اسلان سیدھا بیٹھ کر اب اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ کاغذات پلٹتے ہوئے اس کی سنجیدہ نگاہیں فائل پر جمی تھیں۔ گو کہ اس کے ساتھ اور اس کے عقب میں بیٹھے ہوئے وکیل بھی کم شاہانہ نہیں تھے مگر وہ سب سے نمایاں تھا۔ بے دھیانی میں سامنے دیکھتے زید سے اس نے کچھ پوچھا تو وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ دمیر کی بھنویں اکھٹی ہوئیں۔

”تمہیں یاد ہے زید میں یہاں کن شرائط پر آیا تھا؟“ زید نے ناسمجھی سے پلکیں جھپکیں۔ وہ اس ملاقات میں تھا لیکن اسے کچھ یاد کیوں نہیں تھا؟ اس نے یاد کرنا چاہا۔

اٹھائیس فروری کی شام کا ذکر ہے۔ دمیر پراچہ ہوم اسٹڈی کے دیوار گیر پردے درست کرتا اپنے مہمانوں کی طرف مڑا۔ آسمانی نیلے سوٹ میں ملبوس اس کے بال نفاست سے جمے ہوئے تھے۔ وہ تمکنت اور شاہ زید کے سامنے کرسی پر آ کر بیٹھا۔ ”آپ جذباتی ہو رہی ہیں، تمکنت۔“ اس کی طرف سے تمام تفصیل سن کر اس نے بے لاگ تبصرہ کیا۔

”کیا کسی نے تمہارے جوان بیٹے کو قتل کیا ہے، کیا تم نے اس کی لاش اپنی آنکھوں کے آگے دیکھی ہے؟“

”میں نے اپنے بیٹے کو ”محبتوں“ سے بچا رکھا ہے اور میری بیٹی کا کوئی ایکس نہیں ہے شاید اس لیے۔“ اس کا اشارہ عالم اور تاجور کی جانب تھا۔ شاہ زید چپ چاپ دیوار پر لگی مصوری دیکھ رہا تھا۔

”کیا اب تم مجھ پر طنز کسو گے، دمیر؟“ ”تم میرے دوست ہو۔“

”اس لیے میں اس وقت آپ کے سامنے ہوں تمکنت۔ میرے تین مقدمے چھوڑ کر میں یہاں چوتھا مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہوں لیکن جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر کام کا سوچا جائے تو اس کہانی میں کوئی دم نہیں ہے۔ تاج اور عالم کا سابقہ تعلق اور اس طیش میں آ کر اس کا شاہ ویر کو مار دینا یا تو کہانی میں کچھ شامل کرنا پڑے گا یا پھر کہانی بدلنی پڑے گی۔“ دمیر نے ایک نظر زید کو دیکھا جو اب تک ٹکر ٹکر اسی مصوری کو تک رہا تھا۔ وہ اس سارے منظر سے لاتعلق تھا۔ شاہ ویر کی موت سے اس کا انکاری مرحلہ اب تک ختم نہ ہو سکا تھا۔

”اس پینٹنگ کا کیا مطلب ہے؟“ اس نے مختلف رنگوں کے اس آمیزے کو دیکھ کر سوال کیا۔ نگاہیں اب تک وہیں جمی تھیں۔ دمیر نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ دیوار پر لگی اس مصوری کے متعلق پوچھ رہا تھا جہاں کوئی انسان، پرندہ، جانور، برتن، درخت کچھ نہیں تھا بس چند رنگ تھے آپس میں گڈ مڈ ہوتے، لڑتے جھگڑتے رنگ۔ مقابلہ کرتے، بلندی تک آتے رنگ۔

”بقا....“ اس نے ایک لفظ کہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس مصوری کے قریب آ کر رکا اور انگلی اٹھا کر مختلف رنگوں کی نشان دہی کی۔ ”یہ سبز، سرخ، سیاہ، جامنی یہ سب رنگ مل رہے ہیں یہ انسان ہیں۔ آپس میں ان کا ٹکراؤ ان کی دنیاوی خواہشات اور یہ....“ اس نے اب انگلی ایک سفید گول دائرے پر رکھی جو ان سب رنگوں سے بالاتر تھا۔ ”سفیدی یعنی مقدس، یعنی بقا۔ یہ روح ہے۔ دنیا کے جھگڑے، انسانوں کے اختلاف، زندگی، موت ان سب سے بالاتر۔ روح ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ ایک وقت بعد جسم مر جاتا ہے لیکن روح نہیں اس کے لیے ایک اور دنیا ہوتی ہے جہاں اس کی ایک اور زندگی ہوتی ہے۔ روح امر ہوتی ہے۔“

”یعنی کوئی موت، کوئی فساد، کوئی انتشار بقا کے بیچ میں نہیں آتا؟ جس نے باقی رہنا ہے وہ رہ ہی جاتا ہے؟“ زید نے کھوئے کھوئے انداز میں سوال کیا۔

"درست!" دمیر واپس اپنی کرسی تک آیا۔ "روح کی بقا قدرت طے کرتی ہے اور اس کی بقا کے راستے میں جسم کو بہت ساری قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ چوٹیں، دل تڑوانا، لوگوں کے زخم سہنا سرفہرست ہیں۔" جواباً وہ چپ رہا۔ خاموش۔ "تم آخری دنوں میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے نا؟ کل عدالت کے بعد مجھ سے ملنا میں ساری کہانی تم سے سننا چاہوں گا اور اگر تم نہیں تو میں یہ مقدمہ نہیں لے رہا۔"

حال میں زید نے بہ دقت سر اثبات میں ہلایا۔ وہ شاید ایک بار پھر غائب دماغ تھا۔ اسے یہاں بھی نہیں آنا تھا۔

★★★★★

جج صاحب کی آمد پر کمرہ عدالت کی معمول کی کاروائی شروع ہوئی۔ استغاثہ) وہ وکیل جو سرکار کی طرف سے مقتول کا مقدمہ لڑتا ہے(چند دستاویزات جج صاحب کے آگے رکھ رہا تھا۔ جج صاحب ساٹھ کے ہندسے کو چھو رہے تھے۔ بھاری بھرکم جسامت اور مناسب نقوش کے ساتھ بیٹھے شخص کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔ انہوں نے ناک پر دھری عینک درست کی اور مقدمے کے متعلق تفصیلات پڑھنے لگے۔

"وکیل دفاع سعید سادات اور...." جج صاحب نے دوسرا نام پڑھا (کسی ایک مقدمے کو لڑنے کے لیے ملزم یا مدعی ایک سے زیادہ وکیل لاسکتے ہیں) اور دفاع کی کرسیوں کی طرف دیکھا۔ وہاں دوسرا وکیل نہیں تھا۔ انہوں نے مڑ کر اپنے ریڈر کو دیکھا۔ اس نے لاعلمی سے شانے اچکا دیے۔ بنچ پر بیٹھا عالمگیر اضطرابی انداز میں ٹانگ جھلا رہا تھا۔ پھر اس نے مڑ کر اسلان کو دیکھا۔

"کہاں ہے وہ؟" ہلکی آواز میں پوچھا۔

اسلان یمن نے بھنویں اچکائیں۔ "وہ میری بیوی نہیں جو اس کے آنے جانے کی تفصیل رکھتا پھروں۔"

"تم سے ایک کام بھی ٹھیک سے نہیں ہو سکا؟" عالم کا عدالت کا علم تھا، ساکھ پہلے دن ہی بنائی جاتی ہے۔

"اگلی بار خود کر لینا۔" باتیں منہ پر مارنے میں تو وہ ماہر تھا۔ عالمگیر نے مٹھی بھینچ لی۔ یہ جو اس کا بھتیجا یہاں تیور دکھا رہا تھا۔ کل تھانے میں کیسے اس کی بات پر جی حضور کہہ رہا تھا؟ وہ یاد نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر یاد آئے ہی جا رہا تھا۔

"کیسے ہیں؟" عالم نے چہرہ اٹھا کر اسے تکا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"عبیر کیسی ہے؟"

"بہت روتی ہے۔" اسلان نے سچ کہا۔ "مجھ سے نہیں سنبھالی جاتی اور آراہ اس وقت اس حالت میں نہیں ہے کہ اسے سنبھال سکے۔ آپ اسے صبیحہ کے پاس کیوں نہیں بھیج دیتے؟"

عالم نے سر جھٹکا۔ "صبیحہ اسے مجھ سے دور کرتی ہے۔ وہ میری بیٹی سے کہتی ہے کہ میں قاتل ہوں۔"

"نہیں ہو؟" ترکی بات ترکی سوال ہوا۔ عالم نے گھور کر اسے دیکھا۔ اسلان پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ "میں کوئی لڑکی نہیں ہوں جس پر آپ کی نظروں کا جادو چل جائے گا۔ میرے سامنے اپنے الفاظ استعمال کیا کرو۔"

"تم کیا یہاں میری پریشانی بڑھانے آئے ہو؟"

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ کام اسکار کر رہا ہے۔ بلکہ حالات کر رہے ہیں۔ شہر کا کوئی وکیل آپ کا مقدمہ نہیں لڑنا چاہتا۔ سب کو لگتا ہے آپ ظالم ہیں، جس نے ایک عظیم انسان کو مار کر قوم کو خسارے سے دوچار کیا۔ لہٰذا آپ کے جواہر صاحب کے بڑے بیٹے سعید سادات آپ کا مقدمہ لڑیں گے۔" عالم نے اسے یوں دیکھا۔ جیسے اس کا دماغ گھوم گیا ہو۔ وہ اس شہر کے مہنگے ترین وکلاء میں شمار ہوتا تھا، سادات اس سے چلتا تھا، بڑی بڑی کمپنیاں اس سے منت کرتی تھیں کہ عالمگیر یمن ان کے ساتھ معاہدہ کرے، انہیں پیش کرے اور یہ کل کا بچہ اسے بتا رہا تھا کہ کوئی عالمگیر کا مقدمہ نہیں لڑنا چاہتا، کوئی مذاق ہے کیا؟

”تم نے قرطاس سے بات کی؟ لیانہ، علی خان، صابر شاہ، ولی احمد، مبشرہ آپا؟“ عالم بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔ اسے وہ نام گنوا رہا تھا جن کے لیے اس نے کئی کام کیے تھے۔ آنکھوں میں کوئی امید سی تھی۔ ”یہ سب ڈیفنس اٹارنی ہیں ان سے بات کرو ان کو بتاؤ عالمگیر یمن کا مقدمہ ہے لوگ چل کر یہاں آئیں گے۔“ عروج پر کھڑے شخص کو اگر زوال کی طرف دھکا دو تو چند پل کے لیے اس کا ذہن اسی بلندی پر ہی اٹک جاتا ہے عالم اب بھی وہیں تھا۔ زوال آجانا بڑی بات نہیں، اسے قبول کرنا جواں مردی ہے اور وہ قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ ”ان سب کو کال کرو ابھی یہاں اپنے فون سے کال ملاؤ۔“ وہ امید سے کہہ رہا تھا۔

اسلان نے بغیر کسی بحث کے اپنا موبائل نکال لیا۔ عالم نے سب سے پہلے اسے ایک نمبر بتایا جہاں کال کرنے پر باقی وکلاء کے نمبر مل گئے۔ اب وہ کال ملا رہا تھا۔ پہلی کال مل گئی۔ ”میں اسلان یمن بات کر رہا ہوں۔ عالمگیر یمن کا بھتیجا دراصل ان کے مقدمے کے لیے آپ کی خدمات چاہیے تھیں کیا آپ وقت نکال سکیں گے؟“

”میں ملک میں نہیں ہوں.... عالم سے معذرت کر لینا پلیز.... میں پہلے ہی دو مقدمات پر کام کر رہی ہوں.... دیکھو عالم میرے بھائیوں جیسا ہے لیکن.... بنگش بڑا خاندان ہے میں ان کی ہٹ لسٹ پر نہیں آنا چاہتا.... آئی ایم سوری۔“ اگلی کالز اور ان کے جوابات بھی کچھ مختلف نہیں تھے۔ کوٹھری کے اندر بیٹھے شخص کو اندازہ ہوا، قید تو اب شروع ہوئی تھی، ساکھ تو اب تباہ ہوئی تھی۔ لوگ، دوست، ساتھی اس کے دائیں، بائیں آگے پیچھے سے سب ہٹ گئے وہ فریق دوئم کے پھینکے نشتروں کو سینے پر سہنے کو تنہا رہ گیا۔ اس نے تو دونوں ہاتھوں سے تعلقات اور روپیہ سمیٹا تھا، پھر یہ دوری کیوں؟ اسلان متاسف سا اسے دیکھے گیا۔

”اکیسویں صدی میں لوگوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ آپ کے ساتھ کھڑے رہیں گے بے وقوفی کی انتہا ہے۔“

”ہر پیشے میں ایک یونین بنائی جاتی ہے تا کہ جب کوئی ہمارے خلاف جائے گا تو ہم سب پیٹی بھائی اکھٹے کھڑے ہوں گے۔ میرے پیشے میں مجھے بھی یقین تھا کہ میرے لوگ میرے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ یہ سب ایک دم سے مجھے چھوڑ کیسے سکتے ہیں؟“ دیوار سے لگ کر بیٹھا وہ اضطرابی انداز میں ناخن چبا رہا تھا۔

”کوئی ہے جو ان سب چیزوں سے بالاتر ہو؟“ وہ اب بھی اپنی پچھلی بات پر اٹکا تھا۔ عالم نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر وہ چونک گیا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے ذہن میں کوئی جھماکہ سا ہوا۔ اسے کوئی یاد آیا۔ ہاں مگر ذہن پر زور ڈالنے پر بھی وہ اس کا نمبر یاد نہیں کر سکا۔ وہ تو اتنی بے ضرر تھی۔ گزرے وقتوں میں عالم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ اسے یعنی لاہور کے سب سے مہنگے ترین کارپوریٹ لائیر، سادات فرم کے لاڈلے کو ”اس“ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

”کوئی ہے۔۔۔“ اس نے خود کو کہتے سنا۔ اسلان ہمہ تن گوش ہوا۔

★★★★★

”اس کی کوئی ساکھ نہیں ہے، اس نے آج تک کوئی مقدمہ نہیں جیتا۔“

اسلان یمن کی ہیوی بائیک لاہور کے خستہ حال علاقے میں آکر رکی۔ گلیاں تنگ و تاریک تھیں، گھروں کی چھتوں پر کھیس سکھانے کو ڈلے ہوئے تھے، کہیں کھلی کھڑکیوں سے مصالحوں کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا جاتی اور کہیں بچوں کے رونے کی آواز کانوں میں ہتھوڑے کی مانند آکر لگتی۔ چند لمحے آس پاس دیکھنے کے بعد اس نے بائیک کو گلیوں میں گھسانے کا سوچا۔ اگر کوئی اسے یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھتا تو یقیناً اس کی دماغی حالت پر شبہ کرتا۔ بڑی مہارت سے بچوں کی بال، بلے اور فٹ بال سے خود کو اور بائیک کو بچاتے ہوئے وہ نکڑ والی دکان کے پاس آکر رکا۔ چپس اور پتی کے لٹکتے ساشے دکان دار کے چہرے کو کسی نئی دلہن کی طرح چھپائے ہوئے تھے۔ اسلان نے گلا کھنکھار کر اسے مخاطب کیا۔

"بنفشہ احسان کا گھر جانتے ہیں آپ؟"

دکاندار نے دونوں ہاتھوں سے سا شے ہٹائے یوں جیسے رخ سے آنچل ہٹایا ہو۔ "وہ وکیل؟"

"جی وہی کہاں رہتی ہیں وہ؟"

دکاندار نکل کر باہر آیا۔ "تُو اوہدا کھسم ایں؟ (تم اس کے شوہر ہو؟")

اسلان نے ترنت نفی میں سر ہلایا۔ "شوہر؟"

"آہو اس نے کہا تھا کہ چار مہینے بعد میرے شوہر نے آنا ہے اور وہ آتے ہی پچھلے پانچ ماہ کے راشن کا سارا حساب چکتا کر دے گا۔" اسلان مزید کسی مشکل میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا بائیک آگے بڑھالی۔

"اب آپ اگلے چار مہینے اس کے شوہر کا انتظار کریں۔ (آنا اس نے چار جنم بعد بھی نہیں)"

("وہ کافی عجیب عورت ہے۔ کبھی سر پر بٹھالیتی ہے، کبھی زمین پر پٹخ دیتی ہے لیکن۔۔۔ وہ یہ مقدمہ لے گی اس کے علاوہ کوئی نہیں لے گا۔")

اس کا اگلا پڑاؤ گلی کے درمیان تھا جہاں مکان کے باہر سیمنٹ کی صندل پر بیٹھے دو لڑکے دھوئیں اڑا رہے تھے۔ اسلان نے بائیک ان کے قریب روکی۔ "بنفشہ احسان کا گھر معلوم ہے آپ کو؟"

لڑکا تیر کی طرح سیدھا ہوا۔ "ہاں جی ہماری کرایہ دار ہیں۔" اس کی باچھیں پوری کھل گئیں۔ "آپ جی ان کے دبئی والے منگیتر ہو؟" اسلان حیران ہوا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ ان کا منگیتر دو ماہ بعد آئے گا اور دبئی میں اس کی جو کوٹھی ہے اس کے لیے محلے سے دس لڑکے لے جائے گا۔ تنخواہ بھی بڑی اچھی دے گا۔ آپ وہی ہو نا؟" بقول عالم کے وہ اپنی کسی نانی، دادی کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔ مردوں سے اسے خار تھی سترہ سال کی عمر میں ایک مرد

سے محبت کے نام پر دھوکہ کھانے کے بعد اس نے اپنے آپ کو مرد ذات سے دور کر لیا تھا اور اب گلی کے نکڑ والا اس کے شوہر کا انتظار کر رہا تھا، گلی کے درمیان اس کا کرایہ دار اس کے منگیتر کی راہ میں آنکھیں لگائے بیٹھا تھا۔

"جی میں ان کا منگیتر ہوں۔" بالآخر اس نے ہار مان لی۔ ماضی کا اسلان شاید اسے جج نہ کرتا لیکن حال کا مرد لمحوں کے اندر اسے "پنار جیسی عورتوں" کی درجہ بندی میں لے آیا۔ "کیا آپ مجھے ان کے گھر کا پتا بتا سکتے ہیں؟" لڑکا اب واضح طور پر پر جوش نظر آنے لگا۔ اسلان کی بائیک کی پچھلی نشست پر بیٹھ کر اب وہ اسے آگے چلنے کی ہدایات دے رہا تھا۔ چند پل بعد ہی وہ دونوں ایک چھوٹے سے مکان کے باہر آکر رکے۔ وہی ٹوٹی سڑک، بجلی کی تاروں کے لٹکتے ہوئے گچھے والی گلی۔

"وہ جی آپ محلے کے لڑکوں کو کب لے جاؤ گے؟" اسلان کو اس پر بے تحاشا ترس آیا۔

"بہت جلد" کہہ کر اس نے دروازے پر لگی کنڈی دو سے تین بار بجائی۔ لڑکا اب بھی وہیں جم کر کھڑا تھا۔

"میں تو سارے کام کر لیتا ہوں آپ مجھے ڈرائیور رکھ لینا۔" اسلان نے بمشکل بیزاری روکی۔ ایک تو لڑکا کافی چرب زبان تھا دوسرا اسلان یمن کی برداشت کم تھی۔ تیسرا امکان یہ تھا کہ دروازہ کھولنے والی پل صراط سے چل کر آ رہی تھی اور اسے نیچے گر جانے کا خدشہ تھا لہٰذا سہج سہج کر قدم رکھ رہی تھی۔ "آپ کو پتا ہے...." لڑکے کی آواز دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ مل گئی۔ اسلان نے دروازہ کھولنے والی عورت کو دیکھا۔ پھر مڑ کر اس لڑکے کو۔

"میں جب اگلی دفعہ آؤں گا تب بھرتیاں کروں گا۔ ابھی بس اپنی منگیتر سے ملنے آیا ہوں۔" یہ واضح اشارہ تھا کہ یہاں سے جایا جائے۔ لڑکے نے باچھیں اور زیادہ کھولیں اور سر پر سیلوٹ مارنے کے انداز میں سلام کرتا ہٹ گیا۔ دروازہ کھولنے والی عورت اسلان کو اندر لے آئی۔ اس کی منگیتر کے بہت قریب۔

("لوگ غلط کرتے وقت بھول جاتے ہیں کہ قدرت کے ریکارڈ میں ان کا ریکارڈ رہ جاتا ہے۔ مجھے میرا انتقام اس کے قریب لے گیا تھا اسے اس کا انتقام یہاں لائے گا۔")

صحن چھوٹا سا تھا فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا، پینٹ ندارد۔ عورت نے اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لا کر بٹھایا۔ دوسرے کمرے سے عورتوں کا شور بلند ہو رہا تھا۔

"تم نے پچھلی بار بھی جعلی کریم لگادی تھی میرا سارا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔" کوئی عورت کہہ رہی تھی۔

"اوہو وہ جاپانی کریم تھی بھابی۔ اب پاکستانی چہرہ جب تک اس کو adopt کرے گا وقت تو لگے گا۔" یہ دوسری آواز تھی۔ ہلکی، نرم، چاشنی میں لپٹی۔ شہد کا دلدل۔ یقیناً وہ گھر میں بھی فراڈ کرتی ہو گی۔ اسلان نے کوفت سے آنکھیں گھمائیں۔ چند مزید شکایات اور ان کو رد کرنے کے سلسلے کے بعد دروازے کے فریم میں وہ نمودار ہوئی۔ اسلان اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ قدم قدم چلتی اس کے سامنے آ کر رکی۔

ہلکے گلابی رنگ کی کھلی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ پاجامہ پہنے اس کی رنگت کھلی کھلی معلوم ہو رہی تھی۔ گہری بھوری آنکھوں پر آئی لائنر لگا تھا۔ اس کی عمر کوئی اٹھائیس انتیس کے قریب تھی۔ چہرہ بیضوی تھا، آنکھیں بڑی بڑی، اور ہونٹ قدرتی طور پر قدرے بھرے بھرے۔ گہرے بھورے بال جوڑے میں لپیٹے دونوں بازو سینے پر باندھے وہ اسلان یمن کے عین سامنے کھڑی تھی۔ اس کا قد کافی چھوٹا تھا لہٰذا اسلان کو دیکھنے کے لیے اسے گردن اٹھانی پڑ رہی تھی۔

"عالمگیر یمن نے بھیجا ہے۔" اسلان نے بغیر تمہید کے کہا۔ "مقدمہ قتل کا، مدعی بنگش، ملزم سارا یمن خاندان۔" مختصر لفظوں میں احوال کہا۔ اسلان نے دیکھا کہ اس کی بھوری آنکھوں میں کوئی تلخ سا تاثر آیا ہے جسے چھپانے میں وہ ماہر رہی۔

”وجہ عناد؟“

اسلان نے عادتاً انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی سہلائی۔”یہ تمہارا کام ہے میرا نہیں۔“

”اچھا اور تمہارا کام کیا ہے؟“

”تمہیں یاد دلانا کہ اپنے کام سے کام رکھو۔“

”اور میرے کام کی رقم ادا کرنا کس کا کام ہے؟“

اسلان نے مٹھی بھینچ لی۔”میرا!“

”ٹھیک ہے تو پھر یاد رکھنا پیسے اپنی مرضی کے لوں گی۔“

”اس مقدمے سے تمہیں کوئی مسئلہ نہیں؟ سامنے تمکنت بنگش ہیں۔“

”عالم نے تمہیں اسی لیے میرے پاس بھیجا ہے کیونکہ سامنے بنگش ہیں اور اس پورے شہر میں اگر کوئی ان کے خلاف کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ میں ہوں۔“ اسلان آنکھیں سکیڑے جانچتی نظروں سے اسے کچھ غیر آرام دہ کر رہا تھا لیکن کیا؟”میٹنگ ختم اب تم جاسکتے ہو غیر مردوں کو چائے نہیں پلاتی میں۔“

اپنے کندھے کے ہلائے جانے پر وہ ہوش میں آیا۔ سہر اب اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ اسلان آہستگی سے جواب دینے لگا۔ عالم سے ملنے اور اپنا وکالت نامہ جمع کروانے کے بعد بھی وہ آئی کیوں نہیں تھی؟

★★★★★

”تم بیل کی بات کرنا، سعید۔“ جس وقت جج مقدمے کی تفصیلات، ایف آئی آر کی کاپی، اور باقی کے دستاویزات دیکھ رہے تھے اس وقت عالمگیر نے اپنے وکیل سے کہا۔

سعید نے ماتھے پر آتا پسینہ صاف کیا اور گھبرائی نظروں سے عالم کو دیکھا۔”تم سامنے بھی تو دیکھو ناں عالم سامنے....“ اس کی بات کٹ گئی جج کی پکار پر اسے اٹھنا پڑا۔ وہ اب بول رہا تھا اور عالم کوفت سے پہلو بدل رہا تھا۔ سہر اب چپ چاپ اسے سن رہا تھا اور اسلان مڑ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اب تک اسے آ جانا چاہیے تھا۔ عالم کے سامنے وہ زبان چلا گیا مگر اب اسے واقعی غصہ آ رہا تھا۔

دفاع کی بات ختم ہونے پر جج نے استغاثہ کو طلب کیا۔ اپنے کوٹ کا بٹن بند کرتا وہ ایک باوقار چال چلتا آگے آیا۔ تمام نظریں اسی پر جمی تھیں۔ اس کی اٹھی ہوئی گردن، مسور کن خوشبو اور وہ سارے کا سارے چھایا ہوا تھا۔

”تین مرتبہ جیل جانے والا شخص جب ایک چوتھی بار قتل کے الزام میں جیل آئے تو میرا خیال ہے اسے ڈوب کر مر جانا چاہیے نہ کہ اپنے وکیل کو یہ کہہ کر اکسانا چاہئے کہ وہ ضمانت کی بات کرے۔“ دمیر پراچہ نے کہنا شروع کیا۔

”اب تم بیل کی بات کرو۔ اٹھو کچھ بولو۔“ عالم مسلسل ہلکی آواز میں اسے ٹہوکے دے رہا تھا۔

”عالم تم جانتے ہو ضمانت نہیں دی جائے گی یہ ایک ہائی پروفائل کیس ہے۔“

”میں جانتا ہوں لیکن اگر تم کچھ بھی نہیں بولو گے تو استغاثہ کو لگے گا ہم ابھی سے ہار گئے اور تم مجھے مجرم مانتے ہو تم بولو گے تو انہیں اندازہ ہو گا کہ ہم پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔“ بے بسی کی انتہا تھی کہ اب ایک کارپوریٹ وکیل.... وکیل دفاع کو گُر سکھا رہا تھا۔

"جناب عالمگیر یمن پر شاہ ویر بنگش کے قتل کا الزام عائد ہے اور میرے موکل ایک انسان دوست طبیعت کے مالک تھے۔ نہ صرف ملک بلکہ میرے موکل عالمی سطح پر مشہور و معروف تھے۔ وہ آدمی جس نے ہمیشہ لوگوں کا سوچا، جس نے کبھی برائی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا، وہ جو عظیم تھا۔ کیا وہ یہ ڈیزرو کرتا تھا کہ عالمگیر یمن، جو تین دفعہ جیل جا چکا ہے، اسے ایک ذاتی پرخاش کے چلتے قتل کر دے؟ اور کیا عدالت کو یہ زیب دے گا کہ ایک ایسے انسان کے قتل میں عالمگیر جیسے ملزم کو ضمانت دی جائے تاکہ وہ باہر نکل کر اپنے بچاؤ کے سامان کرے؟"

"سعید، کچھ کہو، کچھ تو بولو۔"

"پولیس کو تفتیش کے لیے مزید وقت درکار ہے اور اس صورت میں اس خطرناک مجرم کو بیل دینے کا واحد مطلب یہ ہوگا کہ عدالت جرم پر آنکھیں بند کرلے اور ملزم کو کھلی چھوٹ دے دے۔ جناب میرے موکل کے ساتھ ظلم ہوا ہے اور وہ جو کروڑوں کو انصاف دلاتا رہا ہے اب اس کا بھی انصاف کا حق ہے۔ میری عدالت سے درخواست ہوگی کہ پولیس کو ملزم عالمگیر کو کسی صورت ضمانت نہ دے۔" دمیر اپنی بات ختم کر چکا تھا۔ جج نے ایک نظر دفاع کو دیکھا جسے سانپ سونگھ چکا تھا۔ ان کی دوسری نظر اپنے سامنے رکھے کاغذات پر جم گئی۔ اگلے لمحے وہ فیصلہ کر چکے تھے۔ فیصلہ یہی ہونا تھا دونوں جانب کی بات سننا محض ایک رسمی کاروائی تھی۔

ضمانت کی درخواست رد ہو چکی تھی۔ سب جانتے تھے ایسا ہوگا یہ ساعت محض یہ جانچنے کے لیے ہوئی تھی کہ کون کتنا پانی میں ہے۔ عالم کو ٹھنڈے پسینے آرہے تھے البتہ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ پولیس اہلکار تیزی سے اٹھ کر آئے۔ انہوں نے عالم کے چہرے پر سیاہ کپڑا ڈالا اور اسے لیے عدالت سے باہر جانے لگے۔ سعید ہنوز گھبرایا ہوا الگ رہا تھا۔ سہراب یمن کو پہلی بار اندازہ ہوا۔ اس کا یہ فیصلہ بہت غلط تھا بلکہ شاید اس کا یہ فیصلہ عالم کے لیے نری موت تھا۔ اسلان یمن کا چہرہ سرخ تھا۔ اس فراڈ عورت کی وجہ سے اس وقت وہ سبکی کا شکار تھا ناپسندیدگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک رہا تھا۔

★★★★★

”دو منٹ رک جاؤ مجھے میرے موکل سے بات کرنی ہے۔“ پولیس کے نرغے میں موبائل کی طرف جاتے عالم کے قدم اپنے آپ رک گئے۔ اس کے عقب میں اسلان، سہراب اور یافث بھی ٹھہر گئے۔ وہ گردن گھما گھما کر شاید کچھ دیکھنا یا کہنا چاہ رہا تھا۔ مگر اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بس آواز کی سمت گردن موڑ گیا۔

”بی بی عدالت کا صحن ہے تمہاری ملاقات کا کیفے نہیں ملنا ہے تو تھانے آؤ۔“ سلطان بے زاری سے کہتا عالم کو لیے وہاں سے ہٹ گیا۔ عالم مزاحمت کر رہا تھا مگر پولیس کی گرفت ہلکی نہیں تھی۔ سفید رنگ کے شلوار قمیض کے اوپر سیاہ کوٹ پہنے سفید ہی دوپٹہ گلے میں ڈالے بنفشہ احسان ہیں ہیں کرتی رہ گئی۔ عالم جھٹپٹا رہا تھا مگر اہلکار ایک لمحے کے لیے بھی رکے نہیں۔ دیواروں کے اوپر سے چڑھ چڑھ کر ریکارڈنگ کرتے لوگوں نے اس منظر کو کس نظریے سے پیش کرنا تھا یہ ان کا معاملہ ہوا۔ اسلان دانت پر دانت جما کر ضبط کرتا بنفشہ کی طرف آیا۔

”محترمہ آپ کو کسی نے بتایا نہیں کہ یہ عدالت ہے اور یہاں وقت پر پہنچا جاتا ہے؟“ اس کے ماتھے پر بل تھے۔ سہراب اور یافث اس کے دائیں بائیں آ کر ٹھہر گئے۔ ”ہم نے آپ کو منہ مانگی رقم دی تھی اور آپ نے پہلے ہی دن اس مقدمے پر کیا تاثر چھوڑا ہے؟“

”دھیمی آواز میں بات کرو۔“ وہ یکدم ایک مختلف عورت نظر آئی۔ ”تم نے مجھے منہ مانگی رقم نہیں دی میں نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ مارا ہے اور اس کے لیے تم اپنی ساری جائیداد بھی مجھے دے دو تو ناکافی رہے گی۔“ اس کی آواز ہنوز ہلکی اور کاٹ دار تھی۔ ”میرے جلدی پہنچنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا، ریمانڈ ملنا تھا ملا ہوا ہے، ضمانت نہیں ہونی تھی نہیں ہوئی۔ تم اور میں اس میں کچھ نہیں کر سکتے۔“

سہراب اسے غور سے دیکھتا رہا البتہ اسلان کا پارہ بتدریج بڑھ رہا تھا۔ ”اپنی غلطی مان لینے کی بجائے آپ چڑھ رہی ہیں۔“

"اچھا غلطی نہ مانوں تو کیا کرو گے ایک اور اغوا اور قتل؟" وہ جس تیزی سے بولی اسلان کے الفاظ اسی تیزی سے غائب ہوئے۔ وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اشتعال اب آسمان کو چھو رہا تھا۔ وہ دیر آکر اپنی غلطی نہ مان کر اب ذاتی وار کر رہی تھی؟ "میری صلاحیتوں پر شک ہے تمہیں۔ میں تو ملزم کے ساتھ اس کی فیملی کا بھی کچا چھٹا لائی ہوں۔" اس کی آواز ہنوز ویسی ہی تھی۔ دوٹوک، ہلکی اور آگ لگا دینے والی۔ ان تین سے چار دنوں میں پہلی بار سہراب کے دل کا ایک گوشہ پر سکون ہوا۔ وہ آگے آیا۔

"ابھی آپ بھی میری صلاحیتوں سے واقف نہیں ہیں اور میں چاہتا ہوں آپ لاعلم ہی رہیں۔" حساب وہ بھی کہاں رکھتا تھا؟

"سہراب یمن، عالمگیر کا بڑا بھائی۔" سہراب نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا۔ "میرے بھتیجے کی بات دل پر مت لیں۔ غلطی تو واقعی آپ کی ہے۔"

"بنفشہ احسان!" اس نے جواباً کہا۔ "کم عمر لڑکوں سے نادانیاں ہو جایا کرتی ہیں میں نے معاف کیا۔ دراصل میرا گھر شہر سے کافی دور ہے اور آنے جانے کے لیے کوئی سواری نہیں۔ سونے پر سہاگہ میرے موکل کے خلاف ہوتی ہڑتالیں سارا شہر بند تھا۔ اس لیے آنے میں تاخیر ہو گئی۔ معذرت خواہ ہوں۔" اسلان تلملا کر رہ گیا۔ سہراب سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ کتنا نرم تھا؟ اور وہ یہی معذرت اس سے بھی کر سکتی تھی۔

"دوبارہ احتیاط کیجیئے گا۔ کسی کیفے چلیں ہمیں کیس ڈسکس کرنا ہو گا۔" وہ رضا مند نظر آئی۔ اس سے پہلے کہ سہراب یا بنفشہ میں سے کوئی کچھ کہتا وکیلوں کی وہ ٹولی آس پاس پھیلی اور درمیان میں چلتے تین بنگش اور ان سے کچھ کہتا دمیر پراچہ نظر آیا۔ بنفشہ نے اس طرف دیکھا اور اسی لمحے تمکنت کی نگاہ بھی اسی طرف پڑی۔ کسی نے اس کا سارا وجود لوہے کی زنجیروں میں باندھ دیا اور وہ جم گئی۔ آس پاس کی فضا میں کافور کی بُو پھیل گئی۔

”یہ نام تو پہلے کبھی سنا نہیں۔ آخر یہ دوسری دفاع ہے کون؟“ دمیر بے دھیانی میں کہہ رہا تھا جبکہ تمکنت سانس لیے بغیر سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ پیچھے ہونا چاہتی تھیں، کہیں بھاگ جانا چاہتی تھیں مگر پیروں میں جان کہاں تھی۔

”میں ذرا اپنے ساتھیوں سے مل لوں۔“ بنفشہ کہتے ہوئے تمکنت کی اور بڑھی اور دمیر کے قریب آ کر رکی۔ ”بنفشہ احسان مخدوم۔“ اس نے اپنا تعارف کروایا۔ ”عالمگیر یمن کی ڈیفینس۔“ رئیس ساکت تھا، تمکنت کی سانس ہوا ہونے لگی۔ ”میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں، امید ہے آپ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا سر۔“ دمیر نے ہولے سے دو انگلیوں سے اس کا کندھا تھپتپایا۔

”ضرور بچے۔“ ان تمام مردوں میں سے کسی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ بنفشہ اور تمکنت کے درمیان کوئی بھاری، بوجھل پن تھا۔ دمیر چند پل کھڑا رہا پھر رئیس کو اشارہ کیا۔ رئیس نے ایک بازو تمکنت کے گرد باندھا اور وہ سب آگے بڑھ گئے۔ کچھ تھا جو پیچھے رہ گیا۔ آگے جاتے ہوئے تمکنت کا موبائل بجا۔ گاڑی کے اندر بیٹھتے ہوئے اس نے نیا پیغام کھولا تو چیٹ میں سب سے پہلے جس پر نظر جاتی تھی وہ ایک بھاری رقم کی ترسیل تھی تمکنت کی طرف سے کسی کو بھیجی گئی بھاری رقم۔ اس کے عین نیچے تازہ پیغام جگمگ کر رہا تھا۔

”مجھے یاد کیا، امو جان؟ ایک اولاد کے بدلے اللّٰہ نے آپ کو دوسری کھوئی ہوئی اولاد واپس دے دی آپ یقیناً خوش ہوں گی۔ میں آپ کی یہی خوشی دیکھنے آئی ہوں۔“ گاڑی میں اگر کسی چیز کی کمی تھی تو وہ آکسیجن تھی۔ وہ واپس کیوں آ گئی تھی؟

★★★★★★

اس کے ہاتھ میں پڑی ہیرے کی وہ انگوٹھی اسے اب ایک قید لگ رہی تھی۔ ایک ایسی قید جس میں اسے ساری زندگی رہنا تھا۔ شاہ ویر طلال بنگش اس کی زندگی سے جا چکا تھا کیا یہ سہہ جانا بے حد آسان تھا؟

بارش میں بھیگی سڑک پر نعرے، زخمی جسم اور کیمروں کی چکاچوند تھی۔ لوگ اس کے گھر کے باہر انصاف مانگ رہے تھے۔ وہ باہر آیا تو شاہ جہاں اس کے قدموں سے لپٹ گیا۔ زید نے جھٹکا دیا، مگر نقصان دونوں کا تھا۔ اس نے چہرے سے بارش پونچھی اور سیدھا کیمروں کی آنکھ میں دیکھا۔ "میرے بھائی کا قتل ارزاں نہیں جائے گا!" اعلان کیا۔ اپنی واپسی کا، انتقام کا یا استحکام کا؟

"میں آپ کو اس کیس کا ایک الگ رخ دکھا سکتا ہوں۔" سہراب بنفشہ سے کہہ رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں، زحمت نہ کریں۔"

"آپ کیا جانتی ہیں؟" بازو سینے پر باندھے وہ پیچھے ہوا اور جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں اپنی حکمت عملی نہیں بتاتی۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

تھانے میں عالم کے سامنے بیٹھا اسلان متفکر تھا۔ "آپ ایک عورت پر یقین کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر آپ یہاں ہیں تو اس کی وجہ بھی ایک عورت ہے۔"

"اگر تم اس دنیا میں ہو تو اس کی بھی پچاس فیصد وجہ ایک عورت ہی ہے۔ ماضی سے نکل آؤ، اسلان۔ ایک بُری عورت کی وجہ سے سب کو جج مت کرو۔" وہ بولا کچھ نہیں ہاں مگر وہ کسی صورت راضی نہیں تھا۔

پلنگ سے ٹیک لگائے تمکنت کی کھلی آنکھیں خلاؤں میں تھیں۔ "امو... جان.... امو جان.... امو جان...." سب گڈمڈ ہو رہا تھا، وہ خالی ہاتھ رہ گئی۔

★★★★★

آتش دان کے پاس کھڑی لڑکی قصہ گو کو تکتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی۔ "اب آگے کیا ہو گا؟"

”کچھ خاص نہیں۔“ اس نے چند ایک کاغذ توڑ مروڑ کر فرش پر پھینکے۔ ”بس ایک ذرا سی افہام و تفہیم۔“ لڑکی نے طنزیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔ یوں جیسے کہہ رہی ہو لکھاری پر اعتبار وہ کرے جو ذہنی مریض ہو۔

★★★★★

باب نمبر پانچ: پہلا حصہ

افہام و تفہیم

(قصہ گو، اور اس کی کہانی سننے والی عورت اب اس گھٹن زدہ کمرے سے باہر تھے۔ ہوٹل کی وسیع و عریض چھت پر جہاں ذرا ذرا سے فاصلے پر لکڑی کے چھجے بنے تھے اور ان پر برقی قمقمے دمک رہے تھے وہیں ایک چھجے تلے وہ دونوں بھی بیٹھے تھے۔ قصہ گو کی آنکھیں آسمان میں کہیں ٹکی تھیں۔

"اگر میں شروعات سے یاد کروں اور اب موجودہ حالات کا سوچوں تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم کوئی اور ہی کہانی سن رہے ہوں۔" عورت کی نگاہیں کہیں خلاؤں میں تھیں۔ "سب بہت الگ ہو گیا ہے۔"

قصہ گو کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "مجھے بھی یہی لگتا ہے، لیکن بعض دفعہ انسان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا۔"

"جو کہانی لکھاری گڑھتا ہے اس پر اس کا بہت سارا اختیار ہوتا ہے۔" اس کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی طنز گھل گیا۔ قصہ گو نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"کسی کہانی پر لکھاری کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ کرداروں کا، بعض دفعہ حالات کا اور بعض دفعہ کسی غیر مرئی قوت کا۔"

عورت نے آنکھیں گھمائیں۔ "واٹ ایور!"

★★★★★

رات کے کسی پہر اس کی آنکھ کچھ ٹوٹ کر گرنے کی آواز سے کھلی۔ اس کی نیند بے حد کچی تھی اور آج کل تو وہ یوں بھی بے خوف نیند نہیں سو پاتا تھا۔ اس نے اپنی دائیں طرف دیکھا آمنہ تھی تو یہیں مگر اب اس کی جگہ خالی تھی۔ غسل خانے کی لائٹ جل رہی تھی اسے لگا وہ اندر ہی ہوگی۔ بہت دیر بعد تک جب وہ باہر نہ آئی تب اسے یقین ہوا کہ وہ اندر نہیں۔

سائیڈ دراز سے موبائل اٹھاتے ہوئے وہ بستر پر سیدھا ہوا، پیروں میں چپل اڑسے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ آواز باورچی خانے سے آرہی تھی، شاید کوئی برتنوں کو ٹٹول رہا تھا آراہ کو عادت تھی آدھی رات کو کھانے کھانے کی اسے لگا وہی ہوگی، مگر وہ باورچی خانے کے دروازے پر تھم گیا۔ سلیب کے ساتھ رکھی کرسی پر آمنہ پیر اوپر کیے بیٹھی تھی، چاند کی روشنی کھڑکی کے کھلے پٹ سے اس عورت کی لمبی چٹیا اور نیم رخ پر پڑ رہی تھی۔ سہراب نے موبائل جیب میں اڑسا اور قدم قدم چلتا اس تک آیا۔

"آمنہ؟" اس نے جواب نہیں دیا، سسکی بلند ہوئی۔ "بھوک لگی تھی؟" عقب سے آتے دونوں ہاتھ ملائمت سے اس کے دونوں کندھوں پر رکھے، آمنہ نے ہچکی لی۔ سر نفی میں ہلایا۔ "یہ تم سے ٹوٹا ہے؟" اس کا اشارہ نیچے گرے کانچ کے برتن کی طرف تھا۔ آمنہ نے یونہی بیٹھے بیٹھے سر اثبات میں ہلایا وہ اپنے ہاتھوں پر اس کے بدن کی لرزش محسوس کر سکتا تھا۔ "اس وقت یہاں کیا کر رہی تھی؟" اس نے جواب نہیں دیا بس چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور رونے لگی، تمام ضبط ٹوٹ کر بہہ گیا۔ "کیا ہوا ہے، آمنہ کچھ تو بتاؤ؟"

"یہ میرا گھر ہے، سہراب۔۔۔۔۔۔ صرف میرا۔۔۔۔ اور میں اتنا عرصہ ناقدری کرتی رہی۔" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بری طرح رو رہی تھی۔ سخت گیر افسر کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے قریب رکھا فرشی موڑھا اٹھا کر نیچے رکھا، آمنہ کی کرسی کا رخ اپنے ایک ہاتھ سے بدلا یوں کہ اب وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ ٹوٹا کانچ عقب میں رہ گیا اور وہ دونوں روبرو تھے۔ ایک عرصہ بعد وہ دونوں اس گھر میں ساتھ تھے جہاں وہ نکاح کر کے آئی تھی، جہاں وہ

اسے مکمل دلی رضامندی سے ساتھ لایا تھا، وہ دونوں وقت اور خاندانوں کے چکر میں مارے گئے تھے، عرصہ بعد وہ واقعی ساتھ تھے۔

”ابا، عالم، میرال کی موت۔ میں ہمارے درمیان کیا کیا لے آئی مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ صبح اسلان نے مجھ سے پوچھا کیا وہ میرا کوئی فالتو سامان سٹور میں رکھ دے، آپ...... آپ نے پوچھا کیا مجھے کوئی ہیلپر چاہیے.... کھانا بنتے ہوئے میری مرضی پوچھی جارہی ہے اور یہ گھر اس کی ترتیب، اس کی باگ دوڑ سب میری ہے۔ یہ میرا خطہ تھا میرا گھر میں اپنا گھر کیسے چھوڑ کر چلی گئی؟“ سہراب نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی، اس کا بازو محبت سے سہلایا۔

”میری بھی غلطی ہے مجھے چاہیے تھا میں بار بار آتا۔“

”آپ آئے تھے۔“

”پھر بھی میری غلطی ہے، تم کیوں رو رہی ہو؟“

”میں نے اتنے سال ضائع کر دیے میں آپ کے ساتھ رہ سکتی تھی میں ہمارا گھر بنا سکتی تھی لیکن میں نے اپنے باپ کی بات مانی میں نے آپ کے ساتھ ضد کی۔“ وہ ایک عرصے کا غبار نکال رہی تھی ٹھیک تھا، صحیح تھا مگر اس کا ایک ایک آنسو سہراب یمن کو دوہری اذیت دے رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کرسی کے ہتھے پر آکر بیٹھا اور ایک بازو اس کے سر سے گزار کر اسے خود سے لگایا وہ یہی چاہتی تھی، یہی حصار ہی تو ضرورت تھا اس کے ملتے ہی وہ اونچا اونچا رونے لگی اس کی شرٹ ایک مٹھی میں جکڑے اس سے شکوے کیے، سہراب سنتا گیا، اسے ہی سننا تھا اور کون سنتا، اسے ہی سمیٹنا تھا اور کون سمیٹتا؟

”آپ مجھے چھوڑ کر دوسری شادی کرنے والے تھے؟“ وہ اس انکشاف پر بھونچکا ہوا، پھر اپنے لاڈلے بھتیجے کا روحانی چہرہ اور ”اسلام علیکم چچی“ یاد کر کے وہ سارا ماجرہ سمجھ گیا۔ اس نے مسکراہٹ چھپائی۔

”تم نخرے دکھانے لگی تھی کیا کرتا؟“ آمنہ نے بھیگا چہرہ اس کے سینے سے نکال کر شکوے اور ملال سے اسے دیکھا۔

”اگر آپ نے ایسا سوچا بھی تو میں آپ کی ہی گن سے آپ کو شوٹ کر دوں گی۔“ سہراب نے ستائشی انداز میں ابرو اٹھا کر اسے دیکھا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اس کا چہرہ صاف کیا۔

”تمہارے علاوہ کسی کا خیال بھی میرے لیے کفر ہے۔ تم واحد تھی، ہو اور ہمیشہ رہو گی۔“ وہ گیلی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ سر دوبارہ سہراب کے بازو کے ساتھ ٹکا دیا چاند کی مدھم روشنی میں غیر آرام دہ انداز میں کرسی پر بیٹھے ہوئے سہراب اس کے ساتھ گھنٹے گزار سکتا تھا۔ دونوں کے درمیان گہری خاموشی تھی، وہ دونوں بہت دیر تک کچھ نہیں بولے بہت دیر بعد اس نے کثافت ہٹانے کو کچھ مختلف کہا۔

”کل کوفتے بنالوں؟“

”کل سبزی بنے گی تین دنوں سے گوشت بن رہا ہے، آمنہ تمہاری محبت میں، میں بجٹ آؤٹ نہیں کروا سکتا۔“ وہ زکام زدہ سا مسکرائی۔ سہراب کو اس سے گلا ہوا۔ ”اتنا رونے کی کیا ضرورت تھی اب سر درد ہو جائے گا۔“

”میں ابھی چائے بنالوں؟“ اسے صبح جلدی کام پر نکلنا تھا مگر تازہ تازہ رو کر بیٹھی بیوی کو انکار کرنا یعنی اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنا۔ ابھی وہ کوئی جواب دیتا کہ دروازہ بجا، سہراب تیزی سے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور آمنہ نے چہرہ صاف کیا۔ دروازے پر اسلان موجود تھا ہاتھ میں پانی کا جگ تھا۔

”اگر یہ سین ختم ہو گیا ہو تو میں پانی بھر لوں؟ کھڑے کھڑے ٹانگیں دُکھ گئیں۔“

”تم کیا ہماری باتیں سن رہے تھے؟“

”کچن میں بیٹھ کر کریں گے تو نیت سنانے والی ہی ہوئی البتہ میری شرافت ہے کہ میں فاصلے پر کھڑا تھا۔ باتیں نہیں بھنبھناہٹ سنی ہے۔“

”زیادہ بکو مت۔۔۔۔۔“ سہراب نے گھرکا۔ ”یہ سارا کچرا صاف کرو اور جا کر سو جاؤ۔ اتنی رات تک کیوں جاگ رہے ہو؟“ اسلان نے فرش پر گرے کانچ کو دیکھا پھر اسے۔۔۔۔

”آپ کے ہاتھوں پر کوئی چوٹ آئی ہے؟“ طنز سے کہتے وہ فرج تک آیا۔ آمنہ ان دونوں کو بحث کرتے ہوئے چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی جب اسے اسلان کی ہانک سنائی دی۔ ”اپنے میاں کو لے جائیں چچی شرفاء کی نیند اور دماغ بیک وقت خراب کر رہے ہیں۔“

”سہراب مت تنگ کریں بچے کو اور ادھر آئیں دیکھے یہ پنکھا یو پی ایس پر بھی نہیں چل رہا۔“ آمنہ نے وہیں سے آواز لگائی۔

”آرہا ہوں۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے نکل گیا۔

فرج سے پانی نکالتے ہوئے اسلان بڑبڑایا۔ ”جورو کا غلام!“

★★★★★

تھانے میں لمبی میز کے گرد کرسیاں تھیں اور دیوار پر لگے بورڈ پر مقتول، جائے وقوعہ اور عالم کی گرفتاری کے وقت کی تصاویر سجی تھیں۔ سکرین کے سامنے ایک افسر تصاویر کی نشاندہی کر رہا تھا، جس کے سینے پر ”جسویندر“ کا بیج چمک رہا تھا۔ سکھ پگڑی اور ہاتھ میں کڑا لیے جسویندر عرف جسی کی آواز بھاری تھی اور اس میں خالص پنجابی عنصر بھی تھا۔

”سر پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتول سانس کی قلت کی وجہ سے مرا ہے۔ اس کے جسم پر متعدد کٹس تھے۔“ وہ اب ذرا پیچھے کھڑے ہو کر سکرین پر تصاویر بدل رہا تھا۔ ”یہ زخم ....“ اس نے سکرین بدلی اور ایک تصویر پر انگلی رکھی، جہاں شاہ ویر کی گردن پر گہرا زخم تھا۔ زخم اتنا شدید تھا کہ سر کے الگ ہو جانے کا گمان ہوتا، حیرت یہ کہ اس کے باوجود وہ ڈیڑھ گھنٹہ زندہ رہا۔ وہ بولا ”یہ سب سے کاری زخم ہے۔ اگر یہ گردن کے عین درمیان ہوتا تو موت چند منٹ میں واقع ہو جاتی، مگر یہ دائیں جانب ہے اور گہرا، غالباً یہی موت کی وجہ ہے۔“

”پوسٹ مارٹم کے مطابق کیا وکٹم کے چہرے پر یا گردن پر کوئی ایسا نشان تھا جس سے ہمیں پتا چل سکے کہ شاید اس کا گلا دبایا گیا ہو؟“ کسی نے پوچھا۔ جسی نے نفی میں سر ہلایا اور میت کی چند تصاویر چلا دیں۔

”گردن، چہرہ سب صاف ہے کوئی داغ نہیں، کوئی دباؤ کے نشان نہیں۔ رپورٹ میں بھی ایسا کچھ نہیں آیا۔“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”سینے پر لگنے والے زخم گہرے نہیں تھے۔ یوں جیسے کسی نے دھڑا دھڑ چاقو دے مارے ہوں شدید غصہ، انتقام یا پھر کوئی خلش پوری کرنے کے لیے۔ رپورٹ کے مطابق وکٹم کی مزاحمت کے نتیجے میں قاتل کا ہاتھ پھسلا اور تین سے چار زخم بازوؤں میں لگے۔“

”قاتل لیفٹی تھا یا رائٹی؟“ اب کے سلطان نے سوال کیا۔ (اس کے سامنے عالم کے متعلق کچھ تفصیلات تھیں جن کے مطابق۔۔۔۔)

”لیفٹی اور کافی طاقت ور بھی۔ ایسا زخموں کی نوعیت کہتی ہے۔“ (عالم لیفٹی تھا) سلطان سرخرو ہوا۔

”پہلا وار قاتل نے کھڑے ہو کر کیا ہے رپورٹ کے مطابق قاتل کا قد کیا ہو گا؟“ سلطان کا اگلا سوال۔ یوں معلوم ہوتا تھا کمرے میں صرف دو لوگ ہیں جسی اور سلطان۔ ماتحت ملازمت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے کھڑے جواب دے رہا تھا اور افسران سوالات کو اپنے طریقے سے حل کر رہا تھا۔ وہ اس مقدمے کو بس ایک نظر سے دیکھ رہا تھا۔

"رپورٹ کہتی ہے کہ قاتل کافی دراز قد تھا۔" کاغذ پر عالم اور شاہ ویر کے قد کی پیائش بھی درج تھی۔

شاہ ویر بنگش: پانچ فٹ نو انچ۔.......................عالمگیر یمن: چھ فٹ دو انچ۔

"قریباً چھ فٹ دو انچ! قاتل کا قد اس کے قریب قریب تھا۔" سلطان نے محظوظ انداز میں گردن جھٹکی۔

زخموں کی نوعیت انتقامی۔(یعنی عالم اور تاج کا جھگڑا)

قد۔(وہی جو عالمگیر کا تھا)

رائٹ یا لیفٹی۔(وہی جو عالمگیر تھا) صاف لفظوں میں اوپن اینڈ شٹ کیس۔

"فارنزک کیا کہتا ہے؟" سلطان اب مکمل سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔" جائے وقوعہ پر کتنے لوگوں کی موجودگی کے شواہد ہیں۔" جسی نے اب کے تاسف سے گہری سانس لی۔

"یہاں جا کر یہ کیس اوپن اینڈ شٹ کیس نہیں رہتا۔ عقبی گیلری سے ہوٹل کے کچن کا راستہ نکلتا ہے اور وہاں سے ہر روز سو سے ڈیڑھ سو لوگ گزرتے ہیں۔ قتل سے آدھا گھنٹہ پہلے اور آدھا گھنٹہ بعد تک وہاں سے کوئی پچاس لوگ گزرے ہیں۔" اس مقدمے کے دوران یہ پہلی تفصیل تھی جو سلطان کو پسند نہیں آئی۔اس کی آنکھیں باقاعدہ ناگواری سے سکڑیں۔ "گیلری سے جو واحد چیز ملی ہے وہ کوٹ کا ٹوٹا ہوا بٹن تھا اور وہ بٹن عالمگیر کے کوٹ کا تھا۔اس کے علاوہ قتل سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل ایونٹ مینجر کی طرف سے ہوٹل انتظامیہ کو ایک میسج بھیجا گیا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ہوٹل کے عملے کو عقبی گیلری سے ہٹا دیا جائے۔" سلطان چونک کر سیدھا ہوا۔

"یہ پیغام مینیجر کی طرف سے گیا تھا؟ مینیجر کہاں ہے اس سے تفتیش کیوں نہیں ہوئی؟"

”میں نے آج صبح ہی اس سے بات کی ہے سر، اس کا کہنا ہے کہ اس کا موبائل پارٹی میں چوری ہو گیا تھا جس کی گواہی چند اور لوگ بھی دے سکتے ہیں۔ میرا شک یہ ہے کہ بنگش گھرانے سے کوئی قاتل کے ساتھ ملا ہوا تھا جس نے گیلری سے کیمرہ اور ہوٹل انتظامیہ کی آمد بند کروائی۔“

”پتا کیا یہ ایونٹ کس نے ارینج کروایا تھا؟“

”جی سر ساری ذمہ داریاں بنگش خاندان کے داماد ابتسام عباس پر تھیں۔“ سلطان خاموش ہو گیا۔ جسی کہہ رہا تھا۔ ”یہ کیس بہت سادہ ہے اور۔۔۔۔“

”آلہ قتل کیا تھا؟“ سلطان نے اسے ٹوکا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی بے چینی تھی۔ راج نے سکرین پر چاقوؤں کے چند نمونے چلا دیے جن میں کسی قصائی کی دکان پر ملنے والے بڑے بڑے چاقو، چھرے تھے۔ ایک چاقو پر سبز نشان لگا تھا۔

”یہ سر.... اس قسم کا کوئی بھی چاقو آلہ قتل تھا۔ ملزم کے گھر پر تلاشی لیتے ہوئے ہمیں ایسا ہی کچھ ملا ہے۔“ سکرین پر ایک تصویر آئی جس میں لعل یمن سے ملنے والی تمام چیزیں واضح نظر آ رہی تھیں۔ سلطان کے دل کو کچھ تقویت ہوئی۔ اتنے سالوں بعد ملنے والا یہ موقع ضائع نہیں ہو سکتا۔ ”پوسٹ مارٹم، فارنزک اور باقی تمام ثبوتوں کے مطابق یہ قتل ملزم عالمگیر یمن نے ہی کیا ہے لیکن ابھی ہمیں مزید جانچ پڑتال بھی کرنی ہو گی۔“ جسی مزید کچھ کہہ رہا تھا۔ سلطان کا دماغ کہیں اٹک کر رہ گیا تھا۔ اسے عالم کو قاتل ثابت کرنے کے لیے جو بھی کرنا پڑے، اب کرنا تھا۔

★★★★★

عدالت سے واپسی پر اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مردنی طاری رہی۔ موبائل پر کچھ لکھتے ہوئے تیز تیز قدم لیتا وہ گھر کے اندر آرہا تھا جب صحن کے درمیان وہ ٹھٹک کر رکا، قدموں میں زنجیر پڑی کہ دل میں نکیل وہ بروقت سمجھ نہ سکا۔ جو بھی تھا وہ ٹھہر گیا۔

”ڈونٹ وری اب میں آگئی ہوں نا؟“ کمرے کے اندر سے دل آراہ کی آواز آرہی تھی۔ وہ لمحوں کے اندر چھبیس سال سے چھ کا ہو گیا۔ بے اختیار، بلاجواز اس کا دل کیا اس محبت کا کچھ حصہ اسے بھی نصیب ہو سکے۔

”تم سب کو چاہیے تھا کہ عالم کو وہاں لے کر ہی نہ جاتے۔“ دوسری آواز شجاع کی تھی۔ چند لمحوں کے لیے اسلان کا دل اتنی تیزی سے دھڑکا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس نے اپنے قدم گھسیٹتے ہوئے محسوس کیے۔ صحن میں کھلتی لاؤنج کی کھڑکی کا پٹ ہولے سے ہٹاتے ہوئے وہ اب اندر دیکھ سکتا تھا۔

”میں تمہارے ساتھ ہوں، انارا۔“ دل آراہ اسے کندھے سے لگائے تسلی دے رہی تھی۔ شجاع اس کے قریب بیٹھا تھا۔ وہ کچھ غصے میں لگ رہا تھا۔ مہنگے برانڈڈ کپڑوں اور جوتوں میں وہ اس گھر میں پرایا پرایا لگ رہا تھا۔ مگر وہ اس کا باپ تھا۔ احمد اسلان کا باپ، شجاع افتخار یمن۔

”ابا کو مجھ سے اختلاف تھے اب اپنی لاڈلی اولاد کو بھی دیکھ لیتے تو سب سمجھ آجاتا۔ ایک نے کیریئر تباہ کیا، دوسرے نے کیریئر کے ساتھ ساتھ زندگی۔“ وہ بے پرواہی سے سلگ کر کہہ رہا تھا۔ انداز میں ناگواری اور مغروری تھی۔ بیٹی کا ٹوٹا دل، منگنی اور تباہ ہوتی زندگی انہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

اس وقت اسلان کو بھی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اس کی تشنہ نگاہیں اپنے باپ پر ٹھہریں تھیں۔ کھڑکی کے رنگین شیشوں سے منعکس ہوتی روشنی شجاع کے نیم رخ پر پڑ رہی تھی۔ وہ آج چھ سال بعد پاکستان آیا تھا۔ پچھلی بار وہ قدرے صحت مند تھا اور اب اس کا بدن کسرتی تھا۔ بال نفاست سے کٹے ہوئے، ہلکی داڑھی اور ڈھیر سارے اسکن ٹریٹمنٹس اس کی عیش و عشرت سے بھرپور زندگی کی کہانی سنا رہے تھے۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بول رہا تھا، ماتھے پر بل

تھے۔ انداز میں بے نیازی، اسلان کتنے ہی لمحے اسے تکتا رہا۔ آنکھیں کسی بچے کی طرح نرم تھیں، چہرہ جذباتی، اسے یقین تھا اس وقت وہ آئینہ دیکھے تو کوئی بے وقوف بچہ لگے، اور وہ اس وقت آئینہ ہی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"اسلان کدھر ہے؟" شجاع نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ ایک لمحہ تھا جس نے تیزاب کی طرح دل کی ساری کثافت دھو ڈالی۔ محض ایک نام، ایک استفسار اور اسلان نہ جانے کن کن اذیتوں کو نظر انداز کیا۔ اسے خود پر حیرت ہوئی، اگر سامنے بیٹھا ہیزل آنکھوں والا شخص اسے گلے لگا لیتا تو کیا وہ سب معاف بھی کر دیتا تھا؟ اسے خوف آیا، کیونکہ جواب ہاں تھا۔

اسی پل دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ یافث بڑے گیٹ کے دونوں پٹ کھول رہا تھا شاید اسے اپنی گاڑی اندر کرنی تھی۔ دیوار کے قریب سہراب کی گاڑی رکنے کی آواز آئی، اب اسلان سنبھل کر سیدھا ہوا چہرے سے ہر تاثر غائب ہو گیا وہ ایک بار پھر بے نیاز دکھنے لگا۔ گاڑی کھڑی کر کے جونہی یافث نے اس طرف دیکھا تو اسلان سے اشارتاً پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ بغیر جواب دیے آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد تمام لوگ لاؤنج میں جمع تھے۔ انارا اپنی ماں کے ساتھ بیٹھی تھی، یافث اس کی بائیں طرف۔ وہ مدھم آواز میں اپنے بھائی کو جھڑکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ "تمہیں رہنے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں ملی؟ اندازہ بھی ہے یہاں آ کر اپنی بیٹی سے ملنا میرے لیے کتنا تکلیف دہ ہے؟"

"تو میں کیا کروں آپا؟ سہراب پولیس میں ہے، اسلان جوان خون ہے، ایک لڑکی کی ذمہ داری ان حالات میں، میں اکیلا کیسے اٹھا سکتا ہوں۔ کسی اچھی جگہ کوئی گھر مل نہیں رہا اور میرا پچھلا گھر مالک مکان مجھے وہاں گھسنے نہیں دے رہا۔ آپ کو اندازہ بھی ہے کہ قتل کے اگلے دن اسلان کس مشکل سے انارا کو اس گھر سے نکال کر لایا تھا؟" یافث تفصیلی سے جواب دے رہا تھا۔ دل آراہ نے استہزائیہ انداز میں گردن جھٹکی۔

”اب تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سارے لاہور میں تمہیں رہنے کو اگر کوئی جگہ ملی ہے تو وہ لعل یمن ہے؟“

”اپنی بات نہیں کر رہا میں لیکن آراہ کے لیے اگر اس ساری دنیا میں کسی جگہ تحفظ ہے تو وہ لعل یمن ہی ہے۔“

”میں یہاں نہیں رہ سکتی اور میری بیٹی میرے ساتھ جائے گی۔“ یافث کچھ کہنا چاہتا مگر سامنے سے آتی آمنہ کو دیکھ کر رک گیا۔

”میں کھانا لگا رہی ہوں آپ سب آجائیں۔“ دوسری طرف سہراب کے کمرے میں وہ تینوں مرد جمع تھے۔

شجاع ناپسندیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ کوئی آج کل کی بات تھوڑی ہے ڈھائی دو سال ہو گئے ہیں اس قصے کو میں تو مروت میں مارا گیا ورنہ اس لڑکی کے کرتوت تو مجھے نیویارک میں بھی اچھے نہیں لگے تھے۔“ وہ ڈھائی سال قبل شاہ ویر اور انارا کے تعلق کی بابت کہہ رہا تھا۔ ”مجھے تو وہ لڑکا تب بھی کھٹکتا تھا۔“

”اگر ایسا ہی تھا تو آپ نے مجھ سے یا چاچو سے کچھ کہا کیوں نہیں؟“ اسلان نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ ”آپ کی بیٹی نیویارک جیسے شہر میں کسی کے ساتھ گھوم رہی تھی اور آپ چپ تھے؟“

”میں نے اس سے پوچھا تھا تب اس نے بتایا کہ شاہ ویر اس کا دوست ہے۔ مجھے کیا پتا اب پاکستان میں وہ کس ماحول میں رہی ہے کس کس کو دوست بناتی پھر رہی ہے۔“ وہ ڈھیٹ بنا رہا۔

”درست کہا آپ کو کیا پتا آپ نے تو پیدا کر کے ملک و قوم پر عظیم احسان کر دیا اب وہ جو مرضی کرتی پھرے اس سے آپ کو کیا؟“ اسلان کا لہجہ بلند نہیں تھا لیکن اس میں کاٹ تھی۔

”میں تمہارا باپ ہوں، اسلان۔ یہ تم مجھ سے کس طرح بات کر رہے ہو۔“

”جو باپ بارہ سال کے بچے کو یتیم خانے چھوڑ جاتا ہو۔ جو چھ سال میں اپنی اولاد سے ایک بار ملنے آتا ہو اور جو ملنے آ کر بھی خرافات کہتا ہو، وہ باپ یہی ڈیزرو کرتا ہے، مجھے مجبور نہ کریں ورنہ میں بتاؤں گا کہ بغیر باپ کے پلنے والا بیٹا کتنا بدتمیز ہوتا ہے۔“ شجاع نے خشمگین نگاہوں سے سہراب کو دیکھا۔

”یہ تمہاری ہی تربیت ہے۔ تم نے ہی میرے بیٹے کو میرے خلاف کیا ہے۔“ سہراب نے شانے اچکائے۔

”وہ آدھی دنیا کے خلاف ہے اس میں نیا کچھ نہیں، آپ نئے ہیں عادی ہو جائیں گے۔“

شجاع مارے تپش کے لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ ”تمہاری اور اس کی ماں کی چالیں کبھی کامیاب نہیں ہوں گی۔ میرا بیٹا میری طرف ہی لوٹے گا۔“

”میں جہنم میں جا سکتا ہوں، آپ کی طرف نہیں آ سکتا۔“ اسلان نے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔

”اسلان....“ جھگڑے کو طول پکڑتے دیکھ کر آمنہ ادھر چلی آئی۔ اس کے چہرے پر تذبذب اور تشویش تھی۔ ”آؤ میرے ساتھ پلیٹیں لگواؤ۔ دیگچہ بھی بھاری ہے اسے چولہے سے اتار کر سلیب پر رکھ دو۔“ سہراب چپ چاپ آمنہ کو دیکھنے لگا۔ وہ صبح سے کاموں میں لگی تھی اس کا حلیہ یہی بتا رہا تھا۔

”آپ چلو میں آتا ہوں۔“

”میں کھڑی ہوں تم میرے ساتھ چلو۔“ وہ دروازے سے ایک انچ آگے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ بیچاری عورت جسے لگتا ہے وہ مردوں کو ادھر ادھر کر دے گی تو گھر میں جھگڑا نہیں ہو گا اسے یہ نہیں پتا ہوتا کچھ مرد کھلے سانڈھ کی مانند ہوتے ہیں کہیں بھی سینگھ نکال لیتے ہیں، کسی بھی جگہ کو میدان جنگ بنا لیتے ہیں۔ اسلان نے سارے کا سارا طیش ضبط کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے وہ ایک قہر آلود نگاہ اپنے باپ پر ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ باورچی خانے کی سلیب پر رکھے دیگچے سے بریانی کے طشت بھرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ آمنہ پانی کے جگ بھر رہی تھی، پلیٹیں اسلان پہلے ہی میز پر لگا چکا تھا۔ کیا تھوڑی دیر قبل اپنے باپ کی زبان تالو سے لگانے والا اور اس وقت گھر کے کام کرتا ہوا یہ لڑکا یہ دونوں ایک ہی تھے؟

★★★★★

آشیانہ بنگش کا ویرانہ جوں کا توں تھا۔ مہمان اب بھی آ جا رہے تھے، پولیس کے بڑے بڑے افسران پیشیاں بھر رہے تھے، لاہور شہر سارے کا سارا ان کے حق میں تھا۔ مہمان خانے میں دمیر پراچہ تمکنت اور رئیس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ میز پر اس کا بریف کیس کھلا رکھا تھا۔ اسی لمحے داخلی دروازے سے اسفندیار آتا دکھائی دیا۔

"آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔" تمکنت کی زرد چہرے کو دیکھ کر دمیر نے تشویش سے کہا۔ اسفند اس کی دائیں طرف آ کر بیٹھا، تسلی اور ہمدردی والے انداز میں اس کا کندھا سہلایا۔ تمکنت نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر وکیل کو دیکھا، اسفند پر دھیان نہ دیا۔

"تم میرے لیے پریشان ہو؟"

سرمئی سوٹ والے مرد نے ہاتھ باہم باندھے اور آگے کو ہوا۔ "سچ کہوں یا جھوٹ؟"

"تم جھوٹ تو نہیں بولتے تھے، دمیر۔"

"سچ یہ ہے کہ میں اپنے مقدمے کے لیے پریشان ہوں۔ سماعت تک مجھے اچھی خاصی تیاری کرنی ہو گی اور یہاں مجھے آپ اپنے بیٹے کے غم میں ڈوبی دکھائی دے رہی ہیں۔" وہ سفاکی سے تبصرہ کر گیا۔ "آپ کا بیٹا اسے تو بس انصاف چاہیے اور یقین جانے میں انصاف وغیرہ پر یقین نہیں رکھتا۔ میرا واحد مقصد ہے اس کیس کو جیتنا۔ آپ مجھے صرف ایک چیز صاف صاف بتائیں آپ کیا چاہتی ہیں؟" تمکنت اب بھی غائب دماغی سے اسے دیکھ رہی

تھی۔ اسے دمیر کے لب محض ہلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ سماعتوں میں اگر کسی آواز کی پرچار تھی تو وہ محض ایک ہی تھی۔

”مجھے یاد کیا، امو جان؟.... امو جان.... مجھے یاد کیا؟.... امو...“

”کسی نے کبھی تمہیں خالی ہاتھ کیا ہے، دمیر؟“ متورم سرخ آنکھیں دمیر کے چہرے پر گاڑھے وہ سوال کر رہی تھی۔ ”تم سے ایک غلطی ہو گئی ہو پھر تم نے اسے سدھارنا چاہا ہو لیکن تمہیں معاف نہ کیا گیا ہو۔ تمہاری اس ایک غلطی کے لیے تمہیں ہر بار سزا دی جاتی ہو، بے سکون کیا جاتا ہو اور اگر تمہیں معاف نہ کیا گیا ہو تو تم کیا کرو گے؟“
دمیر لبوں پر مٹھی جمائے پیچھے کو ہو بیٹھا۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے وہ چند پل تمکنت کو تکتا رہا پھر کہنا شروع کیا۔

”میرے ابا کی اپنی لاء فرم تھی جب میں نے وکالت شروع کی تو ایک مقدمہ لیا جس میں مجھے نہیں پتا تھا کہ جسے میں سزا دلوا رہا ہوں وہ معصوم ہے اور جس کی خاطر سزا دلوا رہا ہوں وہ قاتل، کرپٹ، چور سب۔“ اس نے سانس لینے کا توقف کیا۔ ”ابا ان دنوں لندن گئے تھے۔ میں مقدمہ جیت گیا ابا لندن سے واپس آئے تو انہیں علم ہوا۔ ابا نے مجھے ساری فرم کے آگے تھپڑ مارا۔“ کہتے ہوئے اس کی سیاہ آنکھوں میں کچھ در آیا، تاسف شاید! افسردگی یقیناً!

”ابا نے مجھے گھر سے بھی نکال دیا۔ خیر میرے کیریئر کی ابتدا تھی، میری ساکھ تباہ ہوئی۔ میرے پاس گھر نہیں تھا۔ ابا نے شاید مصلحتاً کچھ کیا ہو لیکن جو کچھ میں نے دیکھا میں ابا سے خلاف ہو گیا۔ چند سال بعد ابا نے واپس بلوایا میں نہیں گیا۔ جائیداد سے حصہ دیا، میں نے رد کر دیا، ابا نے مفاہمت کی ہر کوشش کی، میں نے ابا کو معاف نہیں کیا۔“

”اولاد معاف نہیں کرتی۔“ تمکنت کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ رئیس نے زخمی نظروں سے انہیں دیکھا، جہاں خاموش شکوہ رقم تھا۔ کیا اس عورت نے اپنی کسی اولاد کا حق ادا کیا تھا؟

”درست کہا آپ نے اولاد معاف نہیں کرتی، لیکن دیکھا جائے تو وہ درست ہیں انہیں اپنے پروں سے نکال کر دنیا کے حوالے کر دینے کے بعد انسان کو یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ اسے اب بھی پروں کی وہ گرمائش اور تحفظ یاد ہو گا۔ جو جنت سے نکالے جانا سہہ گیا، اس انسان کے لیے کچھ اور سہنا مشکل نہیں ہے۔ انسان اپنی بقا ڈھونڈ ہی لیتا ہے مسز بنگش۔“ تمکنت چپ کی چپ رہ گئیں۔ دمیر ان کی آنکھوں میں جو کھوج رہا تھا۔ اداکارہ کی آنکھیں اس راز کو مخفی کیے بیٹھی تھیں۔

”تمہارا باپ اچھا انسان تھا جس نے تمہیں واپس بلایا۔ (میں ایسا نہیں کروں گی) تمہارا باپ اولاد کے سامنے ہار گیا (میں خود کو اپنی اولاد سے زیادہ اہم سمجھتی ہوں۔) دنیا نے ایسے کئی والدین دیکھے ہوں گے جنہوں نے اپنی اولادوں کے لیے سب دان کر دیا۔ (میں ان میں سے ایک نہیں ہوں) بعض دفعہ والدین کو اپنی ذات بھی اہم رکھنی چاہیے۔ (میں یہی کروں گی)“۔ دمیر نے چند پل بغور ان کا چہرہ دیکھا پھر سر جھٹکا۔

”زید کہاں ہے؟“

”تمہیں کیوں لگتا ہے وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے؟“ وہ ناامید تھی۔ ”شاہ ویر ذہین تھا، الگ تھا اس کے پاس حل ہوتے تھے۔ اس کے ہوتے ہوئے مجھے کبھی مسائل کا سوچنا نہیں پڑا لیکن میری کوئی اولاد شاہ ویر جیسی نہیں ہے۔ میری اولاد سے وہ امیدیں رکھنا چھوڑ دو جو میں بھی نہیں رکھتی۔“

”شاہ ویر افہام و تفہیم پر یقین رکھتا تھا اور شاہ زید عفریت پر۔ مجھے اس کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مقدمہ صرف عدالت تک نہیں چلے گا، اسے جیتنے کے لیے مجھے انتشار چاہیے۔ سارا لاہور اب سے کمرہ عدالت ہو گا۔“

”تم میرے بیٹے کو کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتے۔“ اس کی آنکھوں میں یکدم تنبیہہ در آئی۔

”تمہیں معلوم ہے نا اس خاندان کے ساتھ کون کھڑا ہے؟“ اسفند نے سنجیدگی سے مداخلت کی۔

”میرا کام اس خاندان کو مصیبت سے نکالنا ہے۔ڈونٹ وری۔“ تسلی دیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا،اس کے سیکریٹری نے بریف کیس بند کیا۔ دمیر نے سر کو خم دے کر تمکنت سے اجازت چاہی اور چند پل بعد وہ اس کمرے میں نہیں تھا۔

”میں آپ سے بات کرنے آیا تھا کیا ہم اکیلے میں بات۔۔۔۔“

”مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔“

”کم از کم میرا...... condolence“

”مجھے compensation چاہیے۔“ وہ غرائی۔”میرا ولی عہد مارا گیا ہے،میری سلطنت ڈھے گئی ہے،میں خالی ہاتھ رہ گئی ہوں تم سمجھ رہے ہو اس تکلیف کو؟شاہ ویر صرف میرا بیٹا نہیں تھا وہ میرا کاروبار بھی تھا۔“ چلا چلا کر کہتی وہ نفسیاتی معلوم ہو رہی تھی۔”اپنی ماں سے کہو میرے پاس وزیر بھیجنا بند کرے،اس سے کہو وہ خود آئے اور حرجانہ پیش کرے ورنہ میرا بیٹا تو مر گیا ہے میں اس کی سیاست بھی مار دوں گی۔“

”عالم کو جیل کیوں بھیجا ہے؟“اسفند کی آواز سرگوشی جتنی ہلکی تھی۔

”وہ باہر رہا تو جانتے ہو کیا کرے گا؟“ اسفند جانتا تھا وہ کیا کرے گا،بس وہی جانتا تھا،اگر دنیا کو لگا تھا ادا کارہ نے عالم کو "بیٹے" کے انصاف کے لیے بھیجا تھا تو دنیا پر ہنسے جانا لازم۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر رک گیا۔رئیس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے فی الحال جانے کو کہا۔وہ اٹھ کھڑا ہوا تمکنت کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میں دوبارہ آؤں گا۔وزیر بن کر نہیں آپ کا دوست بن کر۔“اس کے جانے کے بعد رئیس اور تمکنت کے درمیان خاموشی کا لمبا وقفہ در آیا۔ اے سی کی سرد ہوا کے درمیان بس ان دونوں کے سانس لینے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تمکنت چاہتی تھی وہ کچھ نہ پوچھے،رئیس چاہتا تھا وہ خود بتائے۔ بالآخر تجسس کی جیت ہوئی۔

"وہ "وہی" ہے ناں مام؟" تمکنت نے بھیگی آنکھیں بند کر لیں۔ گرم گرم آنسو اس کے چہرے سے ٹھوڑی پر پھسلنے لگے۔

"ہاں۔" وہ بردباری سے بولی۔ رئیس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔

"میں چاہوں گا آپ کی ناانصافی کی بھینٹ چڑھنے والوں میں سے وہ بھی ایک نہ ہو۔ میں چاہوں گا بچپن سے آپ کی بتائی کہانی سچی ہو۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا۔ تمکنت نہیں اٹھ سکی اس کے لیے زندگی کا یہ جمود دائمی تھا۔

★★★★★

کھانے کی میز پر گھمبیر خاموشی تھی۔ دل آراہ میز پر نہیں آئی تھی۔ آراہ کرسی پر پیر اوپر کو کیے بیٹھی تھی۔ آمنہ اس کی پلیٹ میں چاول ڈال رہی تھی۔ سہراب کے ہاتھ میں چمچ تھا مگر سارا دھیان موبائل پر۔ یافث کھانا زہر مار کر رہا تھا محض اسلان تھا جو پوری رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی نظریں چاروں اطراف گھوم رہی تھیں، اس کی سماعتوں میں سہراب کے موبائل سے ابھرتی ہوئی آواز بھی آرہی تھی جو اس بات کا پیغام تھی کہ وہ کسی کو کال ملا رہا ہے۔

"وکیل کون ہے؟" خاموشی کو شجاع کی آواز نے توڑا۔ "عالم کے اتنے سارے دوست ہیں کوئی ان میں سے آیا؟"

"اسی کی جاننے والی ہے۔ بنفشہ احسان۔" سہراب نے مصروف انداز میں جواب دیا۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ واضح تھی۔ کال اب بھی نہیں ملی۔

"لو ہو گیا کام اب ایک عورت مقدمہ لڑے گی اور تم جیتنے کی امید رکھے بیٹھے ہو؟"

"اگلی سماعت پر آپ سیاہ کوٹ پہن کر تیار ہو جائیں آپ سے لڑوا لیں گے۔" سہراب سلگ کر بولا۔ "بھائی آپ اب آ ہی گئے ہیں تو برائے مہربانی میرے معاملات میں دخل اندازی مت کریں، میں پہلے ہی پریشان ہوں۔" اس

نے چمچ پلیٹ میں واپس رکھا اور میز سے اٹھ گیا۔ سب کھانے سے ہاتھ روک چکے تھے سوائے اسلان کے۔ وہ اب بھی سابقہ رغبت کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ باقیوں کی طرح چمچ اس نے استعمال نہیں کیا تھا۔ اس کی انگلیاں مہارت سے چاول چن رہی تھیں۔

"میں انہیں دیکھ کر آتی ہوں۔" آمنہ کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سہراب کے ساتھ پلنگ پر بیٹھی تھی۔ ہاتھ اس کے کندھے پر تھا، جسے وہ دھیرے دھیرے سہلا رہی تھی۔ "آپ اس طرح رد عمل دیں گے تو کیسے چلے گا؟" وہ ملائمت سے بولی۔ "عالم بھائی کے لیے سب ہی پریشان ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ گھر کے افراد کے ساتھ تلخ کلامی کریں۔ آپ نے ایک بار بھی آراہ سے بیٹھ کر بات نہیں کی وہ بچی آپ کے ساتھ ہی اٹیچڈ ہے کچھ تو خیال کریں۔"

"اس نے خود یہ چنا تھا۔" وہ اسی بد دلی سے بولا کال وہ اب بھی کر رہا تھا، البتہ کندھے پر اس کا نازک ہاتھ، وہ نرم لمس بھلا معلوم ہوا۔ آمنہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر ایک طرف رکھا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"آمنہ یار میں کام کر رہا ہوں۔" اس نے اکتا کر کہا۔ وہ اب بھی اسی سنجیدگی سے سہراب کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں قطعیت تھی۔

"میں یہاں آپ سے نظر انداز ہونے اور آپ کے یہ نخرے برداشت کرنے نہیں آئی۔"

سہراب نے گہری سانس لی اور کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ "اچھا بولو کیا کروں؟"

"سب سے پہلے تو پر سکون رہیں، دوسرا اپنے بھائی سے جا کر معافی مانگیں بڑوں سے بات کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، سب کے سامنے آپ ان سے اس طرح بات کریں گے تو وہ کیا سوچیں گے؟" ایسی صورتحال میں بھی

سہراب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔ اس نے اپنے بڑے، مضبوط ہاتھوں پر وہ نازک سی گرفت دیکھی پھر گہری بھوری نگاہیں اٹھا کر آمنہ کو تکا۔ اگر اسے لگتا تھا یہ گرفت سہراب کو باندھ کر رکھ سکتی ہے تو یہی سہی۔ وہ بندھ جانے کو تیار۔

”میں کسی سے معافی نہیں مانگتا، آمنہ۔“

”لیکن آپ نے باہر جو حرکت کی ہے وہ غلط تھی۔“

”تم عورتیں باتوں کو زیادہ سیریس لیتی ہو بھائی نے محسوس بھی نہیں کیا ہو گا۔“ ہاتھ دوبارہ موبائل تک جانا چاہتا تھا لیکن اس وقت ہاتھوں میں جو تھا وہ سودا بھی برا نہیں تھا۔

”واٹ ایور آپ مجھے باتوں میں مت الجھائیں جا کر اپنے بھائی سے معافی مانگیں آراہ سے بات کریں اور یہ نخرے دکھانا بند کریں۔ تین گھنٹے خوار ہو کر بریانی بنائی ہے آپ اسے ضائع کریں گے؟“ سہراب نے ایک بار پھر لمبی سانس لی، اپنے ڈھیروں ڈھیر کاموں کو سوچا اور سب کو ملتوی کیا۔

”جو حکم بیگم!“ تابعداری سے کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ چھڑوائے اور موبائل کو ہاتھ لگائے بغیر واپس ہال تک گیا۔ شجاع وہاں نہیں تھا اس کی پلیٹ یونہی بھری رکھی تھی۔ سہراب نے اس کی پلیٹ اٹھائی اور اس کے کمرے تک گیا۔ وہ جو اپنا موبائل چارج پر لگا رہا تھا سہراب کو پلیٹ لاتے دیکھ کر ٹھٹکا۔

”میں پریشان تھا، بھائی۔ اس طرح بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کل پرسوں آپ کو وکیل سے ملواؤں گا وہ بہت اچھی ہے۔“ اس نے پلیٹ شجاع کی طرف بڑھائی۔ ”کھانا کھالیں پلیز میری بیوی نے بہت محنت سے بنایا ہے۔“ اس نے کہا تھا وہ معافی نہیں مانگے گا سو اس نے نہیں مانگی البتہ معاملہ ختم کیا جو اس کی بیوی چاہتی تھی۔ شجاع نے پلیٹ تھام لی۔ البتہ وہ متذبذب تھا۔

"مجھے برا نہیں لگا تھا ہم تینوں بھائی شروع سے اسی طرح تو بات کرتے ہیں۔" وہ الٹا حیران ہوا۔ سہراب نے جواباً کچھ نہیں کہا بس سر کو خم دیا اور واپس باورچی خانے میں میز کے گرد آکر بیٹھا۔ اپنی پلیٹ قریب کھسکا کر وہ اب کھانا کھا رہا تھا ساتھ اشارے سے دروازے پر کھڑی آمنہ کو بھی بلا لیا۔

وہ دونوں عام سے انداز میں باتیں کرتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے جب اسلان اندر آیا۔ فریج سے دودھ نکالا، دراز سے کافی کا مرتبان نکالا۔ اپنا سیاہ مگ نکال کر اس میں کافی کے دو چمچ ڈالے اور تھوڑا سا پانی ڈال کر اب وہ کافی پھینٹ رہا تھا۔ کھٹ کھٹ کی آواز پر سہراب نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "ہمارے گھر میں ایک عدد کافی بلینڈر موجود ہے اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو اسے استعمال کر لیں۔"

"چمچ سے زیادہ اچھی بنتی ہے۔" اس نے ٹکا سا جواب تھمایا اور دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا۔ وہ جان بوجھ کر چمچ تیز تیز چلا رہا تھا تاکہ آواز تیز ہو، لوگ تنگ ہوں۔ لوگ یعنی سہراب۔

"اسلان۔" اب کے سہراب نے اسے سختی سے پکارا۔ "میرے سر میں درد ہے تنگ مت کرو۔"

"میرے سر میں بھی درد ہے، مجھے بھی تنگ مت کرو۔" کافی کے دانے تو اب تک لیپ بن چکے تھے مگر آواز ہر گزرتے لمحے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ سہراب ضبط کر تا رہ گیا۔ آمنہ نے نظروں میں اسے دھیرج رکھنے کو کہا۔

"آپ کالز کسے کر رہے تھے؟" فریج سے کریم نکالتے ہوئے اس نے سہراب کو دیکھے بغیر پوچھا۔

"تمہیں بتا کر کیا فائدہ؟" وہ بڑے بڑے چمچ لے رہا تھا۔ بریانی واقعی اچھی بنی تھی، مگر اسے نکلنا تھا۔

"نقصان بھی کوئی نہیں، سوائے اس کے کہ زبان چلا کر آپ کے سیل خرچ ہوں گے۔" وہ دونوں آمنہ کی موجودگی کو یکسر فراموش کیے بیٹھے تھے۔ اسلان چاہتا تھا وہ سہراب کو اتنا زچ کرے کہ وہ خود بخود پہلے کی طرح اسے ڈانٹنے اور اپنے کام کروانے لگے۔ سہراب احتراز برت رہا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا سابقہ رویہ دوبارہ ان

دونوں کے درمیان آئے اور.... اور وہ دوبارہ گھر سے دور جائے۔ یہ خیال ہی اب روح پر دُرے کی طرح برستا تھا۔ ”جسے بھی کال کر رہے ہو مجھے بتاؤ میں آپ کا کام کر دوں گا۔“ پیشکش کی۔

سہراب اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے پاس آ کر رکا۔ بازو سینے پر باندھے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔ وہ آج کل بدلا بدلا نظر آرہا تھا۔ کہاں کن سے مل رہا تھا اسے کچھ پتہ نہیں تھا۔ ”کن لوگوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ رہے ہو تم؟“

”کن کے ساتھ اٹھ بیٹھ رہا ہوں؟“

”اگر میں نے تمہاری کوئی الٹی سیدھی حرکت دیکھی خدا کی قسم تمہاری ٹانگیں توڑ کر گھر بٹھاؤں گا۔“

”میری توڑ پھوڑ آپ بعد میں کر لینا پہلے یہ بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟“

”زید میری کالز نہیں اٹھا رہا مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“ وہ ہلکی آواز میں بولا اتنی کہ صرف اسلان سن سکے۔ ”میں اسے ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ کام اس سیریل کلر کا ہے۔ مجھے اس کے ساتھ ایک ملاقات چاہیے۔“

اسلان نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ ”کل رات دس بجے، کوارٹر لے آؤں گا۔“

”کیسے؟“ اسلان اپنی کافی کا کپ اٹھائے پلٹ گیا۔

”افہام و تفہیم سے!“ سہراب بہت دیر تک اس کی پشت کو تکتا رہ گیا۔

★★★★★

”شروع کریں؟“ تھانے کے اندر تفتیشی کمرے میں زرد بلب روشن تھا۔ درمیان میں میز تھی اور اس کے دونوں اطراف کرسیاں رکھی تھیں۔ زیتونی سبز رنگ کی وردی والا افسر اب کرسی سنبھال رہا تھا۔ عالم کے دونوں ہاتھ ہتھکڑیوں میں بند تھے۔ ہیزل آنکھیں اس سمے سبز لگ رہی تھیں۔ گردن اکڑی ہوئی۔ وہ قیدی تھا کہ شاہ؟

”شروع سے شروع کرتے ہیں۔ تمہارے کارنامے ایسے تھے کہ بیل کی پیشی کے وقت تک تم سے تفتیش کا وقت ہی نہیں ملا۔“ اس نے کہتے ہوئے جسی کو اشارہ کیا وہ آگے آیا، عالم کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ ”اب آیا پرفیکٹ نظارہ۔“ سلطان خوش ہوا۔ ”یہ ابتداء ہے میں تم سے سوال کروں گا اور تم جواب دو گے فی الحال یہی تفتیش ہے لیکن اگر مجھے میری مرضی کا جواب نہ ملا تو جسویندر کے ہاتھ بہت بھاری ہیں اور قانون کو میں جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔“

”تم نے اگر مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو میں عدالت کو بتاؤں گا۔ میں ڈاکٹرز کی ٹیمیں بلوالوں گا۔ میں عالمگیر یمن ہوں، اس شہر کے بہترین وکلا میں سے ایک۔ میں اپنے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دوں گا۔“

سلطان محظوظ ہوا۔ ”تمہاری پچھلی محبوبہ اداکارہ تھی نا؟ ڈائیلاگ بازی اسی سے سیکھی؟“

”اسے درمیان میں مت لاؤ۔“

”تم نے اس کا بھائی مار دیا درمیان میں تو اسے تم لائے ہو خیر میں اس ساری بحث کا حصہ بننا ہی نہیں چاہتا ہم سوال شروع کرتے ہیں۔“ سلطان نے اشارہ کیا تو جسی نے عالم کا چہرہ جھٹکے سے چھوڑا۔ ”پچیس فروری رات دس بجے تم لارنس ہوٹل پہنچے جہاں ٹی ٹی پروڈکشن کی پچیسویں سالگرہ تھی۔ درست؟“

”درست۔“

”کیا تم اس تقریب میں مدعو تھے؟“

”بالکل تھا۔“

”ٹھیک ہے پھر بتاؤ رات دس بجے سے بارہ بجے تک پارٹی میں کیا کیا ہوا۔“

”میں رات دس بج کر پندرہ منٹ پر پارٹی میں پہنچا۔ میرے ساتھ میری بھتیجی اور میرا دوست یافث طارون تھے۔ ہم شاہ ویر سے ملے، اس کے گھر والوں سے ملے اور پھر ہم الگ الگ ہو گئے۔“

”تمہاری بھتیجی کہاں تھی؟“

”اپنے منگیتر کے ساتھ۔“

”کافی کھلے ذہن کے لوگ ہو تم۔“ سلطان نے چوٹ کی۔ جسی چیزیں نوٹ پیڈ پر نوٹ کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ”آگے بڑھتے ہیں پھر کیا ہوا؟“

”تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا جب میرے ایک ساتھی وکیل نے بتایا کہ تاجور....“ یہ بات کرتے ہوئے اسے بے چینی ہو رہی تھی۔ ”اس نے بتایا کہ تاجور کسی ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اور ڈاکٹر نے اسے کہا ہے کہ وہ بانجھ ہے۔ اس نے اور بھی بہت کچھ کہا جو کہ مجھے بُرا لگا میں نے اس سے کہا کہ تاج کے بارے میں اس طرح بات مت کرے۔“ وہ لمحے بھر کو رکا۔ اس کی آنکھیں اور سر میں بری طرح درد اٹھا۔ ”جو کچھ میں نے سنا تھا اس نے مجھے بہت بری طرح ڈسٹرب کر دیا تھا۔“

”دنیا میں کتنی عورتیں بانجھ ہیں تم ہر کسی کے لیے اس طرح ڈسٹرب ہوتے ہو؟“

”کیا قانون اب جذبات پر بھی بند بٹھائے گا؟“ عالم تنک کر بولا۔ آنکھیں درد سے سرخ ہو رہی تھیں۔

”نہیں قانون کی یہ جرات؟ وہ تو آزادی دیتا ہے کہ تم سب جذبات رکھو، پھر جذبات میں جو دل چاہے کرو لیکن جواباً جو قانون کرے گا اس پر اعتراض بھی مت کرنا۔“

”قانون درست ہے مگر اس کے ٹھیکیدار کمزور ہیں۔ اصل مجرم کو پکڑنے کی بجائے جہاں ہاتھ پہنچا اسے دھر لیا؟“

"اچھی کوشش تھی لیکن پتا نہیں کیوں میں شرمندگی محسوس نہیں کر پا رہا۔" داڑھی کھجاتے ہوئے اس نے تبصرہ کیا۔ "اپنی کہانی آگے بڑھاؤ۔"

عالم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پانی مل سکتا ہے؟"

"شیور کیوں نہیں؟ جسی پانی لانا ذرا۔" پہلی بات عالم سے اور دوسری جسی سے کہی۔ وہ کمرے کے کونے تک گیا۔ پانی کا گلاس بھر کر لایا اور میز پر رکھا۔ عالم نے ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے گلاس اٹھانا چاہا مگر سلطان اس سے پہلے گلاس اچک چکا تھا۔ آنکھوں میں تضحیک تھی۔ "تمہارا بس نام عالمگیر ہے کسی مغل بادشاہ کی اولاد نہیں ہو تم۔" اس نے گلاس میں بھرا پانی اچھال کر عالم کے منہ پر دے مارا۔

عالم کے رگ و پے میں ایسا اشتعال اور ابال اٹھا کہ جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس نے بازو سے چہرہ صاف کیا اور افسر کو دیکھا۔ اسی لمحے اس نے دونوں ہاتھوں سے میز کو دھکا دیا۔ سلطان اگر بر وقت نہ اٹھتا تو کرسی سمیت زمین بوس ہوتا۔

"کہا تھا نا اپنی اوقات میں رہو کہا تھا یا نہیں؟" عالم پوری قوت سے غرایا۔ "تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح پیش آنے کی، تم سے کہا تھا میں اپنے حقوق جانتا ہوں کہا تھا نا؟" سلطان جو متحیر سا اسے دیکھ رہا تھا یکدم طیش سے آگے آیا۔ جسی نے عالم کو دونوں بازوؤں سے تھام لیا اور اب سلطان دونوں ہاتھوں سے بھاری بھاری مکے عالم کی پسلیوں میں مار رہا تھا۔ ساتھ ساتھ گالیاں بھی بک رہا تھا۔ تھانہ، پولیس، عدالت کے چکر صرف سننے میں اچھے لگتے ہیں، سہہ جانا جان سے جانے جیسا ہوتا ہے۔ اگلے کئی لمحے تھانے میں اس کی بلند کراہیں گونجتی رہیں۔

★★★★★

طوفانی برستی بارش میں ہجوم وزیر اعلیٰ ہاؤس کے باہر دھرنا جاری تھا۔ سڑکیں، شاہراہیں بند تھیں۔ اس مجمعے نے دکانوں کے اندر تباہیاں مچائیں، ریڑھیاں جلا دیں، دوسرے شہروں سے آنے والی ٹرکوں کا داخلہ بند کر دیا۔ کل

والے لاٹھی چارج اور آنسو گیس کی شیلنگ کے بعد آج کم لوگ موجود تھے۔ پیسوں کے عوض لوگوں سے یہ سب کروانے والا طلال بنگش کا سپوت۔ جو اس وقت شور و غل والی سڑک پر کھڑا تھا۔ دفعتاً اس کا موبائل بجا، شور کے باعث شاید وہ سن نہ پاتا مگر تھرتھراہٹ اپنا وجود رکھتی ہے۔ اس نے موبائل نکال کر دیکھا اسفندیار کی کال تھی۔

"تم پاگل ہو چکے ہو، زید۔" وہ دوسری طرف سے پھنکارا۔ "بغیر کسی سیکورٹی کے تم اتنے سارے لوگوں کے درمیان ہو کوئی تمہیں گولی مار دے گا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی۔ گھر جاؤ ابھی کے ابھی ۔۔۔۔ کیوں اپنی ماں کے دشمن خود بن گئے ہو؟"

زید کے چہرے پر سختی کا خول ویسا ہی رہا۔ "جب آپ کا بھائی مرا تھا تب آپ لندن سے گھر، پڑھائی، دوست سب چھوڑ کر پاکستان آ گئے تھے، درست؟" اسفند یک لخت خاموش ہو گیا۔ "آپ اس کے لیے ایک دنیا چھوڑ کر آئے تھے، اسفند بھائی۔ میں اس کے لیے ایک دنیا ختم کر سکتا ہوں اور جس نے مجھے روکا میں اسے بھی ختم کروں گا۔"

"کچھ معاملات افہام و تفہیم سے بھی حل ہو سکتے ہیں۔ میں بھی وہی کرتا ہوں۔ شاہ ویر بھی وہی کرتا تھا۔"

"آپ سیاست دان ہیں وہ لکھاری تھا۔ آپ جھوٹے وعدے دیتے تھے، وہ جھوٹ گڑھتا تھا، میں آپ دونوں سے مختلف ہوں۔ میں ایک عام آدمی ہوں، عام آدمی کے ساتھ کچھ غلط ہو جائے تو وہ افہام و تفہیم پر لعنت بھیجتا ہے۔" اس کی نظریں آس پاس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ایمبولنس، پولیس کی گاڑیاں جلتے ٹائر، شاہ زید کے اشتعال دکھا کر لائے گئے لوگ وہ سب دیکھ رہا تھا۔ اسفند اضطرابی انداز میں ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔

"تو تم کیا کرو گے؟ آگ لگاؤ گے؟ عوام اور شہر کو معاشی نقصان پہنچاؤ گے؟" شاہ زید کے ابرو پر سوچ انداز میں اکھٹے ہوئے اس نے نگاہ اٹھا کر کئی ہزار لوگوں کے اس مجمعے کو دیکھا۔ "اب بھی وقت ہے، زید۔ یہ پاگل پنا چھوڑ دو تمہارے بھائی کا مقدمہ عدالت میں ہے۔ عدالت فیصلہ کر لے گی ہاں کچھ وقت لگے گا لیکن..... لیکن میرا یقین

کرواسے انصاف ضرور ملے گا۔" شاہ زید کا دماغ کہیں اور تھا کسی اور سوچ میں، کسی اور طرح آگ کو ٹھنڈا کرنے کی تگ ودو میں۔ "زید تم مجھے سن رہے ہو؟ شہر کے یہ حالات حکومت کی اہلیت پر دھبہ ثابت ہوں گے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ کل والا لاٹھی چارج کچھ نہیں تھا آج پولیس اندھی گولیاں چلائے گی۔"

"اب آگ ہے تو آگ سہی، دھبہ ہے تو دھبہ سہی۔ اب میں انسان نہیں جانور سہی۔" اس نے مبہم انداز میں کہہ کر کال کاٹ دی۔ موبائل سینے والی جیب میں ڈالا اور کہنی سے تھام کر اس لڑکی کو روکا جس نے اتنے سارے لوگ اکھٹا کیے تھے۔ اس کی سرخ متورم آنکھیں اپنے آئیڈیل کے لیے مغموم تھیں۔

"چینج آف پلان (منصوبے میں تبدیلی)۔" لڑکی سوالیہ نظروں سے اسے تکتی رہی۔ وہ اس کے کان کے پاس جھکا۔ "destruction (تباہی)" ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں اٹل انکار اترا۔

"ہم ایک پرامن احتجاج کریں گے شاہ ویر ایسے ہی کرتے تھے۔"

"اور اب وہ نہیں ہے۔ اس کے اصولوں کی قدر نہیں کی گئی، اس کی اچھائی کو تباہ کیا۔ اس لیے چینج آف پلان۔ تم ساتھ ہو تب بھی اور نہ ہو تب بھی۔" زید نے دھیرے سے اس کی کہنی چھوڑ دی۔ چند ہزار فرلانگ کے فاصلے پر انصاری ہاؤس میں اسفند اپنی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ انتشار غائب، تفکر شے کیا تھی؟ اس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ تھی۔ اس کا باپ وہیل چیئر پر بیٹھا فخریہ نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

"تم اب سیاست سیکھ رہے ہو۔ اس وقت شہر میں جتنا نقصان ہو گا حکومت کو اتنا خسارہ اور اپوزیشن کو اتنا فائدہ۔ یہ انتخابات ہمارے ہیں، اسفند۔ اس بار اقتدار ہمارا ہے۔" یہ سیاست ہی تھی، جو لوگوں کے خون پر چالیں چلواتی ہے، جو سامنے کوئل سی میٹھی ہے اور پشت پر سیاہ تیتر۔ تمکنت جنہیں اپنا سمجھتی تھی وہی لوگ اس کے ولی عہد کے قتل پر سازش کر رہے تھے۔ اس دنیا میں کون کس کا ہے؟

★★★★★

بنفشہ احسان مخدوم تھانے کے اندر موجود تھی۔ لباس وہی صبح والا تھا، دوپٹہ اب کہ سلیقے سے سر پر جما اور کوٹ بازو پر ڈالا ہوا۔ صبح سے رکشے اور بس بدل بدل کر وہ اچھی خاصی خوار ہو چکی تھی۔ ”سلطان صاحب میں عالمگیر یمن کی وکیل ہوں۔ مجھے ان سے ملنا ہے آپ عدالتی کاموں میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔“ وہ بے زاری سے کہہ رہی تھی۔ آدھے گھنٹے سے اس کی ملاقات کو محض یہ کہہ کر ٹالا جا رہا تھا کہ ابھی تفتیش جاری ہے وہ کل آئے۔

”تو بی بی عدالت آپ دیر سے آئی تھیں، پہلے آتیں تو آپ کو اپنے موکل کے ساتھ وقت بھی ملتا اور مقدمہ لینے سے پہلے بھی آپ کے پاس بڑے دن تھے آپ چاہتیں تو آجاتیں لیکن عورتوں کو تو ہر کام دیر سے کرنے کی عادت ہے اب آپ کل ہی مل سکتی ہیں کیونکہ اس وقت تفتیش جاری ہے۔“

”میرے موکل اور مجھے ملنے کا حق ہے آپ درمیان میں رکاوٹ بن کر دو لوگوں کی حق تلفی کر رہے ہیں۔ قانون مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں اپنے موکل سے اس کی کہانی جان سکوں اور آپ قانون کی بھی بے عزتی کر رہے ہیں؟ میں نے اگر عدالت میں یہ ثابت کر دیا کہ آپ تعاون نہیں کرتے رہے تو آپ جانتے ہیں آپ کے ساتھ کیا ہو گا؟“

”آپ جیسی خوبصورت عورت اگر بتائے گی تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔“ وہ اپنی نظریں اس پر جماتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بولا۔ بنفشہ سلگ کر رہ گئی۔

”باقی سارے چارجز لگیں یا نہ لگیں میں آپ پر ہراسمنٹ کا چارج تو ضرور فائل کرواؤں گی۔“

”او بی بی تم سے جو ہو سکتا ہے جا کر کر لو۔ اس وقت تو تم نہیں مل سکتیں کل آنا۔“ صاف ظاہر تھا وہ اس وقت بنفشہ کو ٹرخا رہا ہے۔ وجہ؟ وہ وجہ جاننے سے قاصر تھی۔

”کل کتنے بجے؟“ اس نے بے حد تحمل سے پوچھا۔

”صبح سات بجے۔“ وہ چند پل کینہ توز نظروں سے اسے گھورتی رہی پھر پیر پٹختی باہر نکل آئی۔ تھانے کے باہر کھڑی ناخن چباتے ہوئے مسلسل سہراب کو کالز ملانے کی کوششیں کر رہی تھی۔ عین اسی پل اسے ایسا لگا جیسے کوئی اسے گھور رہا ہو۔ بنفشہ کے سارے بدن میں چیونٹیاں دوڑ گئیں۔ ایسا صبح سے ہو رہا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے پیچھے سے گزر کر جا رہا ہو، کوئی اسے نگاہیں جمائے دیکھ رہا ہو۔

(”صرف شہر میں آگ نہیں لگانی۔ یمن خاندان کے وکلاء کو بھی ہراس کرو۔“ شاہ زید کچھ پیسے ایک موٹے، بھاری بھر کم جسم والے آدمی کو دیتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”صاحب کس حد تک جانا ہے؟“ بیڑی لبوں میں دباتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

شاہ زید کی آنکھیں گہری تاریک ہوئیں۔ ”حدیں ختم کر دو۔“)

”کال اٹھائیں، سہراب صاحب۔“ وہ زیر لب بڑبڑائی۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنی جگہ سے اچھل کھڑی ہوئی۔ اس کے پیروں میں تین سے چار پتھر آ کر گرے تھے۔ اب کے اس کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے موبائل واپس پرس میں ڈالا اور سڑک سے ہٹ کر تیز تیز قدم لیتی مرکزی شاہراہ کی طرف جانے لگی۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا کوئی اس کے پیچھے آ رہا تھا یہ احساس جیسے بڑھ گیا ہو۔

آج شہر میں تاجروں کی ہڑتالیں بھی تھیں۔ سڑکیں خالی تھیں اور یہی خالی پن اس کے اندر اتر رہا تھا۔ موبائل تھرتھرایا تو اس نے پرس میں ہاتھ ڈال کر موبائل باہر نکالا۔ سہراب اسے کال کر رہا تھا۔ دو لوگوں کو ایک منظر کے طور پر سکرین پر لاؤ اور درمیان ایک سفید لکیر کھینچ کر فاصلہ قائم کر دو۔ ایک طرف سہراب لعل یمن کی چھت پر ٹہل رہا تھا اور دوسری طرف وہ اب رکشے روک رہی تھی۔

”ہیلو سہراب سر! میں ابھی تھانے سے باہر آئی ہوں اور مجھے عالم سے ملنے نہیں دیا گیا۔ مجھے یقین ہے انہوں نے عالم سر پر تشدد کیا ہے۔“ کوئی گھونسہ تھا جو سہراب کے دل پر پڑا۔ وہ پولیس کی مار سے واقف تھا، کتنوں کو اس نے خود بے دردی سے مارا تھا۔ بہت دیر تک اس سے کچھ کہا ہی نہیں گیا۔ ”فی الحال انہوں نے مجھے جانے کا کہا ہے لیکن کل صبح سات بجے کا وقت دیا ہے۔ ریمانڈ کے ابھی کافی دن باقی ہیں اگر اسی طرح چلتا رہا تو میں کام کیسے کر پاؤں گی؟“ وکیل نے پلٹ کر آس پاس دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا کیا یہ واقعی اس کا وہم تھا؟ ”پولیس ہمیں ٹف ٹائم دے گی۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک رکشہ روکا وہ رک گیا۔

”حل کیا ہے؟“ دوسری طرف اس نے آہستگی سے پوچھا۔

”میں کل پانچ بجے گھر سے نکل آؤں گی ڈیڑھ گھنٹہ تو یہاں پہنچنے میں لگ جائے گا۔ میں صرف اس لیے کال کر رہی ہوں تاکہ آپ کے علم میں رہے پولیس ہمارے ساتھ نہیں ہے، اور یہ کہ مجھے آتے ہوئے وقت لگے گا۔“

”اس وقت ساری ریاست ہمارے خلاف ہے۔ جو مرا ہے آدمی نہیں فرشتہ تھا۔“ سہراب نے اضافہ کیا۔

”آپ ٹھیک تو ہیں؟“ بنفشہ نے تھکے تھکے انداز میں پیر اوپر نشست پر رکھ لیے اور ابھی وہ کچھ کہہ پاتی کہ کسی نے پاس سے گزرتے ہوئے بوتل میں بھرا ہوا مائع اس کے پیروں والی جگہ پر پھینکا۔ حملہ آور موٹر سائیکل سوار تھے تیزی سے آگے بڑھ گئے مگر وہ ساکت رہ گئی۔ رکشہ رک گیا، ڈرائیور تیزی سے اتر کر نیچے آیا۔ پائیدان پگھل رہا تھا ایسے جیسے سیسہ پگھلتا ہو۔ وہ تیزاب تھا پانی نہیں۔ بنفشہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ ڈرائیور کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔ وہ گویا اپنی جگہ پر منجمند ہو گئی ہو۔

(”اس کا کیا قصور ہے؟ کوئی بھی کسی کے خلاف مقدمہ لڑ سکتا ہے ہمیں ایک عورت کے خلاف نہیں جانا۔“ مدیحہ شاہ زید سے کہہ رہی تھی۔

”اس کا یہ قصور ہے کہ وہ میرے بھائی کے قاتل کو بچا رہی ہے۔“

”زید تم غلط کر رہے ہو۔“

”درست کرنے کا دعویٰ کر کون رہا ہے؟“ کوئی لچک کوئی جھکاؤ کمبخت کے انداز میں مفاہمت کا ”م“ بھی نہیں تھا۔)

”مس بنفشہ آپ ٹھیک ہیں، یہ آواز کیسی ہے کچھ ہوا ہے؟“ اب کے سہراب نے کچھ زور دے کر پوچھا۔ ”آپ کہاں ہیں میں ابھی آجاتا ہوں۔“

”میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے پیر سمیٹ لیے، آنکھوں میں ہراس سا آکر ٹھہر گیا۔

”آپ ہماری وجہ سے ٹارگٹ پر ہیں مجھے اندازہ ہے۔“ چمڑے کا پائیدان جھلس کر عجیب سی ساخت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اگر اس نے یونہی اتفاقاً پیر اوپر نہ کیے ہوتے تو، اگر وہ رکشے میں نہ ہوتی تو؟ کیا اس ملک میں انصاف کے لیے لڑنے والے ہر شخص کو یونہی جلایا جائے گا؟

”آپ کہیں تو میں اپنے لڑکے کو بھیج دوں؟ وہ صبح آپ کو پک بھی کرے گا اور واپسی پر گھر بھی چھوڑ دے گا۔“

”اوکے!“ سراسیمگی کی کیفیت میں اس کے لبوں سے بس ایک ہی لفظ برآمد ہوا۔ رکشہ ڈرائیور اب بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ گم صم کیفیت میں بس سوچ گئی، اگر اس نے پیر اوپر نے کیے ہوتے تب؟

★★★★★

انارا طارون کا کمرہ خالی اور تاریک تھا۔ وہ پلنگ پر کروٹ کے بل لیٹی سامنے کھلے لیپ ٹاپ پر شاہ ویر اور اپنی تصاویر دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں خالی اور لب مقفل۔

(”ہم یہ منگنی دوبارہ کریں گے۔“ اس نے کہا تھا۔)

وہ دونوں شاہ ویر کی گاڑی میں موجود تھے۔ شاہ ویر اپنے موبائل کا کیمرہ ترتیب دے کر سامنے رکھ رہا تھا۔ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی اور آراہ ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی گود میں شاہ جہاں بیٹھا تھا جو خلاف توقع آج بڑی معصومیت سے اپنی سبز آنکھیں آراہ پر اور کبھی اس کے ہاتھ پر جمالیتا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا تمہارے گھر والوں نے ہتھیلی پر سرسوں جمانا ہے تو میں اسی دن اپنے بیٹے کو ساتھ لاتا۔" محبت سے شاہ جہاں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آراہ نے ناک بھوں چڑھائی۔

"اس بلے کے باپ اور ماں تم خود ہی رہنا مجھے اس سے کسی قسم کی رشتے داری نہیں رکھنی۔"

"کیا مجھ سے جڑے تمام تعلق تمہارے نہیں؟"

"ہیں لیکن یہ بلا میرا نہیں۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"شاہ جہاں میری جان ہے اس کے بارے میں کوئی گستاخی مت کرنا۔" وہ انگلی اٹھا کر بولا۔ پھر اسے بہت اچھی طرح اپنی گود میں بٹھایا۔ ویڈیو ریکارڈنگ شروع کر دی اور آراہ کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ گاڑی کی ہلکی ہلکی روشنی اور اے سی کی ٹھنڈک کے درمیان یہ انوکھی منگنی تھی۔ اس نے دھیرے سے اپنا بھرا بھرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔ شاہ ویر نے سر کے خم سے شکریہ ادا کیا اور وہی ہیرے کی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔ شاہ جہاں فوراً اس کی گود سے اٹھا اور اپنی اگلی دونوں ٹانگیں شاہ ویر کی گردن کے گرد باندھ لیں، سر اس کے کندھے پر رکھا۔ شاہ ویر کھکھلایا۔ آراہ اس کے ساتھ مسکرائی۔

"اگر میں مر جاؤں تو شاہ جہاں کی کسٹڈی تم لے لینا اوکے؟ ہاں ٹھیک ہے تم اس سے مجھ جیسی محبت نہیں کر سکتیں لیکن پھر بھی میں چاہوں گا میری محبت کا سب سے بڑا حصہ تمہارے ساتھ رہے۔" اس کے سفید بالوں کو تھپکتے ہوئے وہ کسی خیال کے تحت بولا۔

("ہم شادی کے بعد نیویارک جا کر رہیں گے۔ اس دنیا میں میرا فیورٹ شہر کیونکہ وہاں ہم ملے تھے۔")

منگنی کے چند روز بعد فوڈ کورٹ میں بیٹھا وہ اسے اپنے نیویارک والے اپارٹمنٹ کی تصویریں دکھا رہا تھا جہاں وہ دونوں شادی کے بعد رہنے والے تھے جب آراہ کو گھٹن سی ہوئی، اس نے شاہ ویر کو ٹوکا۔ "ہم شادی کیوں کر رہے ہیں، شاہی؟" شاہ ویر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسی لڑکی نے چند ماہ سے اس کی جان عذاب میں ڈال رکھی تھی کہ اسے شادی کرنی ہے اور اب یہی لڑکی مکر رہی تھی؟

"ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ہمیشہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔"

"ممی اور ڈیڈ بھی تو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے لیکن کیا ہوا؟ دونوں کی شادی تباہ ہو گئی۔"

"میں ہماری شادی تباہ ہونے نہیں دوں گا۔"

"مجھے شادی سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے اپنے تمام خدشات کو زبان دی۔ "مجھے ڈر لگتا ہے کہ چیزیں خراب نہ ہو جائیں۔ میرا شوہر غلط آدمی نہ نکل آئے، وہ شراب نہ پیتا ہو، اسے بھری محفل میں میرا مذاق اڑانا "کرنا" نہ لگتا ہو یا پھر اسے ایک عورت کے ساتھ نہ رہنا ہو بلکہ وہ ہر راہ چلتی عورت پر دل ہار دے۔ کیا وہ مجھے صرف بچے پیدا کرنے والی مشین تو نہیں سمجھ لے گا یا پھر...." اس نے شاہ ویر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ سراسیمگی، خوف، ہراس کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں؟ "کہیں وہ مجھے مارے نہ۔"

"تم مجھ سے شادی کر رہی ہو آراہ۔ میں تمہیں تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا تو تمہیں تکلیف دے کیسے سکتا ہوں؟" وہ اس وقت شدید متنفر نظر آ رہا تھا۔ "یہ فیمنزم کی تحریکوں نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

آراہ کچھ اداس اور کھوئی سی لگی۔ "شادی ہر لڑکی کی سب سے بڑی فینٹسی ہوتی ہے۔ اگر وہ ڈارک فینٹسی بن جائے تو کوئی تحریک اور فلم اسے ایسا نہیں بناتی۔ میں نے اپنے گھر آنے والی کام والی کے بازو اور کمر پر نیل دیکھے ہیں، میں

نے اپنی دوست کی ماں کو کام کرتے اور اس کے شوہر کو نشے کرتے دیکھا ہے، میں نے وہ گھر دیکھے ہیں جہاں عورت کا اپنے حق کے لیے بولنا چرب زبانی کے زمرے میں آتا ہے، میں نے وہ مرد دیکھے ہیں جن کو غصہ صرف بیٹی اور بیوی پر آتا ہے۔ لڑکیاں ڈر گئی ہیں شاہی۔۔۔۔۔وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتیں کیونکہ ان کو پتا ہے شادی کے بعد ان کی کوئی انفرادی حیثیت نہیں رہے گی۔ ہمارے آس پاس اتنی تباہ شادیاں ہیں کہ ہمیں فلموں اور ڈراموں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی لڑکی شادی سے ڈرتی ہے تو اس کے دل میں یہ ڈر اس کے قریبی مردوں نے ڈالا ہے۔"

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ میری وجہ سے، میرے ہوتے ہوئے تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ میں بھی نہیں۔" شاہ ویر جواباً اسے تکتا رہا، محبت سے نرمی سے۔ وہ اسے یونہی دیکھتا تھا۔ اس کی ہر نگاہ پر وہ پگھل کر موم ہو جاتی تھی۔ اس کا ہر، ہر لفظ انارا طارون کو مختلف انسان بنا دیتا تھا۔

حال میں وہ نہیں تھا۔ اس کے وعدے، تصاویر، خواب ہی بس رہے تھے۔ اسلان مصروف تھا، چچا خفا اور ماموں اپنی بہن کو منا رہے تھے۔ وہ اکیلی تھی کیونکہ اس کے پاس شاہ ویر نہیں تھا۔

★★★★★

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی بیٹا۔" رات کے کوئی بارہ بجے کا وقت تھا جب شجاع اسلان کے کمرے میں داخل ہوا۔ اول تو وہ حیران ہوا، پھر خود پر کر ختگی کا خول چڑھانا چاہا۔۔۔ وہ اس وقت آئینہ نہیں دیکھ پا رہا تھا مگر وہ جانتا تھا اس کے چہرے پر "جذبات" ہیں۔ اس کی آنکھیں "نرم" ہیں۔ "دل آراہ اور میں نے اس سارے مسئلے پر بہت سوچ بچار کیا ہے۔" دودھ کا گلاس اسلان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس نے بات کا آغاز کیا۔ "مجھے لگتا ہے اس وقت تمہارا اور آراہ کا یہاں رہنا محفوظ نہیں ہو گا۔" وہ پلنگ پر ایک طرف آکر بیٹھا۔ اسلان انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں کئی سوالات تھے۔ وہ اب تک کھڑا تھا۔ "عالم جلدی نہیں آنے والا۔"

"وہ آجائے گا۔" اسلان پر یقین لہجے میں بولا۔ "وہ اس سے پہلے بھی تین دفعہ گیا ہے اور آ بھی گیا ہے، وہ اس بار بھی آجائے گا۔" وہ محتاط سا بولا۔ "آپ یہاں نہیں رہتے ڈیڈ آپ کو نہیں پتا۔"

"میں صرف تمہارا بھلا سوچ رہا ہوں میرے بیٹے۔"

"میں اب اپنے بُرے میں راضی ہو گیا ہوں۔ آپ پلیز جائیں مجھے سونا ہے۔" وہ اس کے سامنے موم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ شجاع نے ٹھہر کر اس کی آنکھیں دیکھیں، جہاں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ محض اپنے باپ کو اپنے کمرے سے نکالنا چاہتا تھا اور اس کا باپ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ درحقیقت ایسا نہیں چاہتا۔

"میں نے بہت غلط کیا، اسلان۔" لہجہ، تاثر، یکدم سب بدل گیا۔ وہ اپنے بیٹے کے سامنے گردن جھکا گیا۔ "جب میری اور دل آراہ کی طلاق ہوئی تب تم دونوں بچے چھوٹے تھے تم موقعے کی نزاکت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اب۔۔۔ اب تم جوان ہو۔" اس نے اپنا ہاتھ اسلان کے مضبوط کندھے پر دھرا۔ "تم اب ایک مرد ہو تم بتاؤ اسلان کیا تم اس عورت کو معاف کر سکتے ہو جس نے تمہارے اور اس کے درمیان کوئی تیسرا مرد لا کر کھڑا کر دیا ہو؟" اسلان شجاع یمن کے سارے بدن پر چیونٹیاں دوڑ گئیں۔ ماضی کا ہر واقعہ اپنی پوری جزئیات سمیت یاد آگیا۔

"ممی ایسا نہیں کر سکتیں۔" اس نے متوحش انداز میں کہا۔

"تم تب یہ بات نہیں سمجھتے تمہیں اب یہ بات سمجھنی چاہیے کوئی مرد کسی عورت کو یونہی نہیں چھوڑ دیتا۔ میں اپنے دو بچے اور اپنا گھر کیوں چھوڑوں گا؟"

"کیونکہ آپ کو پیسہ چاہیے تھا کیونکہ آپ ممی سے بور ہو گئے تھے۔"

”یہ سب جھوٹ ہے، اسلان۔“ وہ رندھے ہوئے لہجے میں اس کی نفی کر گیا۔ ”تمہیں میرے خلاف کیا گیا ہے۔ تم خود سوچو اگر میں نے اس عورت کے پیچھے ہی جانا ہوتا تو میں بچوں کی تحویل کے لیے کیوں لڑتا؟“

”ممی کی ضد میں۔“

”اگر مجھے پیسے ہی چاہیے تھے تو میں دو دو بچوں کی کفالت کے لیے کیوں جاتا؟“

”اپنی انا کی خاطر۔“ شجاع کی آنکھوں میں عجیب سی آزردگی تھی۔ کسی نے اسلان یمن کے سینے میں دل کی جگہ موم کا ٹکڑا رکھ دیا۔

”اگر ایسا تھا تو سیٹلمنٹ میں، میں نے تمہیں کیوں مانگا؟“ موم پگھل گیا۔ اس چھبیس سالہ لڑکے کی اجازت کے بغیر پگھل گیا۔ ”تم میرے ولی عہد ہو، اسلان۔ میں تم سے جتنی محبت کرتا ہوں اتنی کسی اور سے نہیں کرتا۔ ہاں تمہارے اور میرے درمیان وقت نے اچھا کردار نہیں ادا کیا لیکن مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے سوائے اس کے کہ تم۔ مجھے۔ سمجھو۔“ توڑ توڑ کر ادا کیا۔ وہ کچھ کہہ نہیں سکا اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے مگر اس کے ذہن کی سلیٹ پر اپنے باپ کے نام جتنے شکوے تھے سب دھندلے ہو گئے۔ اسے طیش آیا، ملال ہوا، یہاں تک کہ اسے آنکھیں پھیرنی پڑیں۔

”پلیز جائیں مجھے سونا ہے۔“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ شجاع نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ اس کے جانے کے بعد اسلان یمن نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ وہ اس شخص کے لیے اتنا نرم کیوں تھا؟ خود پر اس کا اختیار کیوں نہیں تھا؟

★★★★★

”ماضی!“

چھوٹے سے کچے صحن میں جھاڑو دینے کی آواز آرہی تھی۔ تنکے فرش پر گھسیٹے جاتے تو ایک عجیب سی کریہہ آواز کانوں سے ٹکراتی۔ اسی آواز میں ایک بوڑھی عورت کے کھانسنے کی آواز بھی شامل ہو رہی تھی۔ جھاڑو لگانے والی لڑکی کے چہرے پر بے زاری تھی۔

"تمو.... او ادھر آ جا میری بچی..." اسے پکار کر وہ ایک بار پھر کھانسنے لگی۔ وہ جھاڑو پھینکے کمرے کی طرف آئی۔ وہ کمرہ جہاں پاکستان اور بھارت کے بڑے بڑے اداکاروں کی تصاویر لگی تھیں۔ ایک طرف طبلے اور ہارمونیم رکھے تھے۔ یہ کمرہ نوے کی دہائی کی مشہور گلوکارہ کا تھا جس کی کیسٹس ہاتھوں ہاتھ بکتیں اور جس کی آواز کے بغیر پنجاب کے کسی رئیس کی شادی ہونا ممکن نہیں تھا۔ بتی گل تھی تبھی کونے میں لالٹین ٹنگا تھا۔

"اماں مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ میں گھر کے کام کروں یا تمہیں دیکھوں؟ سات بجے میرا شو ہے وہاں بھی تو پہنچنا ہے۔" وہ بے زاری سے بولی۔ اس کی ماں نے تکیوں کے سہارے بیٹھنے کی سعی کی۔ جھری زدہ چہرہ فکر سے اپنی بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ بیس اکیس برس کی عمر اور اس پر حسن.... کٹھئی غزال سی آنکھیں، بھرے بھرے ہونٹ، سفید رنگت اور گول مٹول سا خوبصورت چہرہ۔ وہ اگر اس عمر میں اپنی سے دگنی عمر کے مردوں کو دنگ کر دیتی تھی تو اس میں حیرانگی کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

"چاچے کی بات مان لے، تمکنت۔ باپ تیرا کوئی ہے نہیں، شادی کر لے، کسی کی عزت بن جا۔" تمکنت نے سر نفی میں ہلایا اور اپنی ماں کے پاس آکر بیٹھی۔

"اماں یہ عزت ذلت سراب ہے جس کے پیچھے مرد نے عورت کو بھگایا۔ عورت کو عزت کوئی نہیں دیتا۔ تو اور میں باہر جائیں تو ہم پر نظر اٹھے گی غلیظ، کراہیت والی۔۔۔۔ عزت والی نظر نہیں اور اگر ہمارے ساتھ کوئی ٹھاٹھ باٹھ والا مرد نکل آئے جس نے یہ سوٹ پہن رکھا ہو یہ بڑی گاڑی ہو پھر تو دیکھیں اماں عزت کیسے ملتی ہے تجھے کیا لگتا ہے اس دنیا میں بقا عزت دیتی ہے؟" اس نے بھولپن سے ماں کو دیکھا۔ "تو عزت کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اس

بستر تک آ گئی ہے نا؟ مجھے پیسے کے پیچھے بھاگ لینے دے پھر تو دیکھنا میں نے عزت بھی خرید لینی ہے۔" اس کے انداز میں باغی پن تھا۔

"یہ تھیٹر میں کچھ نہیں رکھا۔ میں بھی تو اتنے سال گاتی رہی نا؟ فنکار تب تک یاد رہتا ہے جب تک جوان رہے اور جوانی امر نہیں۔ تمو احسان سے شادی کرلے۔" وہ مڑی غیض وغضب سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"اماں اس نے چچا کے آگے میری قیمت لگائی ہے۔ اس کے آگے نہیں جھکتی میں۔"

"محبت کرتا ہے تیرے سے۔"

"محبت کرتا تو سودے نہ کرتا، دل جیتتا۔ اسے کہہ دے، جائے چچا کو پیسوں کا لالچ دے۔ تمکنت اپنے لیے اعلیٰ مرد بھی لائے گی، عزت بھی اور پیسہ بھی۔" وہ پر عزم تھی۔ اس کی ماں ہر دفعہ کی طرح اس بحث میں ہار گئی تھی۔

چند گھنٹے بعد وہ تھیٹر کے چبوترے پر کھڑی تھی۔ روشنیاں اور لوگوں کی توجہ اسی کی طرف تھی۔ ہر کوئی مبہوت ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ہال مکمل بھرا ہوا تھا۔ یہ تمکنت مغل کا دورِ عروج تھا۔ وہ تھیٹر کی ملکہ تھی، فلم لائن میں آج کل اس کے لیے ہزار مواقع تھے۔ ہال کی پہلی سطر میں دو لوگ تھے جنہیں وہ جانتی تھی۔ ایک احسان مخدوم۔۔۔ جو اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں بس آنکھیں ہی تو تھیں۔

اور دوسرا، طلال بنگش... اس کی آنکھیں محض آنکھیں نہیں تھیں۔ وہ قصہء وفا تھیں، تحفظ اور محبت کی داستان۔ وہ سالم محبت تھا، سراپا احترام اور ستائش۔ شو شروع ہونے سے پہلے آتا، گھنٹوں اس کے انتظار میں بیٹھا رہتا۔ وہ آئے یا بات ہو نہ ہو، اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ دیتی تھیں۔ کچھ دیر بعد دونوں بیک اسٹیج تھے۔ تمکنت آئینے کے سامنے زیور اتار رہی تھی، اور طلال دائیں طرف بازو سینے پر باندھے، کسی معتقد مرید کی طرح اسے تک رہا تھا۔

"خوبصورت لگ رہی ہو۔"

"کب نہیں لگتی؟" اس نے جھمکا اتار کر میز پر رکھا۔ لبوں پر ہنوز ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"میں نے نور صاحب سے بات کرلی ہے۔ وہ تمہیں فلم میں مرکزی کردار دینے کو تیار ہیں۔" بڑے ہی عام انداز میں اطلاع دی۔ دوسرا جھمکا اتارتی تمکنت کے ہاتھ ٹھہر گئے اس نے مڑ کر بے یقینی سے طلال کو دیکھا جس کی گہری سیاہ آنکھوں میں سچائی تھی۔ "میں نے تم سے کہا تھا تمکنت تم جو چاہو گی میں تمہیں وہ لا کر دوں گا۔ سکرین، پیسہ، رول، عزت تم نام لیتی جاؤ میں وہ چیز تمہارے پیروں میں ڈھیر کرتا جاؤں گا۔"

"نور.... صاحب کی فلم میں مرکزی کردار؟" وہ اٹک اٹک کر پوچھ رہی تھی۔ طلال نے اثبات میں سر ہلایا اور دو قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے آکر رکا۔ اس کے گال پر آتی لٹ کو اپنی انگلی کی مدد سے ہٹایا اور سابقہ وارفتگی سے اسے تکا۔

"ہونہہ.... وہ راضی ہیں کیونکہ میں انہیں راضی کرنا جانتا ہوں۔" وہ دھیما سا مسکرایا۔ "کیا تم راضی ہو؟"

"کس لیے؟" کسی حصار کے تحت پوچھا۔

"اپنی زندگی میں مجھے مرکزی کردار دینے کے لیے؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، اس کے بھورے ریشمی بالوں کی لٹ کو اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے جاذبیت سے پوچھا۔ تمکنت کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اگر تم میرے خوابوں میں میرے ساتھ رہو تو ہاں۔"

"میں صرف خوابوں میں ساتھ رہنے والوں میں سے نہیں ہوں، میں تمہارے ساتھ مل کر انہیں حقیقت بناؤں گا۔ تم اور میں ہم راج کریں گے۔ یہ انڈسٹری ہمارے تابع ہوگی۔ ہم اپنا پروڈکشن ہاؤس لائیں گے۔ تم میرے ساتھ ایک قدم اٹھاؤ، میں تمہارے لیے ساری راہیں ہموار کردوں گا۔" اس روز تمکنت نے پہلی مرتبہ اس کی پیش قدمی کو ٹھکرایا نہیں تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھی جب طلال بنگش اور تمکنت نے ایک ساتھ بیٹھ کر کئی گھنٹے بات

کی، چائے پی، مستقبل کے منصوبے بنائے، جس میں وہ دونوں ساتھ تھے۔ پردے کی اوٹ میں کھڑے احسان مخدوم کی سپاٹ نظریں چندپل ان دونوں پر جمی رہیں اور پھر وہ منظر سے ہٹ گیا۔ اڑتی چڑیا قید کس طرح کرنی تھی اسے اچھی طرح آتا تھا۔

اگلے چند ماہ وہ فلم کی منظر بندی میں مصروف رہی۔ ہوائیں اس کی تھیں، آسمان اس کا۔ وہ جو چاہتی طلال اس کے ساتھ مل کر اس کے "لیے" کرتا۔ ہاں سیٹ پر لوگ اسے عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے مگر باقر بنگش کا بیٹا طلال بنگش جب جب اس کے ساتھ آکر کھڑا ہوتا لوگوں کی آنکھوں میں مرعوبیت اور حسد بلاوجہ ہی در آتا۔

"اپنی لڑکی کو بول شام کو تیار رہے اسے ایک دعوت میں لے کر جانا ہے۔" اس رات تمکنت کا چچا جوڑے اور زیور اس کے آگے پھینک کر چلا گیا۔ یہ پہلی بار نہیں تھا۔ وہ بہت مرتبہ اسے نجی محفلوں میں رقص کے لیے لے جاتا تھا اور اسے مارے باندھے جانا پڑتا۔ چچا اس کا کفیل تھ جس نے اس کی ماں کو سہارا دیا تھا۔ چچا نے اسے اداکاری کا فن سکھایا تھا اور لوگ چچا کی وجہ سے اسے جانتے تھے۔ یہ وہ تاویلیں تھیں جو وہ خود کو پیش کرتی تھی حقیقت یہ تھی کہ چچا گھر کا مرد تھا اور تمکنت اس کے زیر سایہ پلی بڑھی ایک عورت۔ وہ کئی مردوں کے درمیان اٹھتی بیٹھی تھی، شہروں شہر سفر کرتی تھی مگر چچا سے اسے ڈر لگتا تھا، کیونکہ اس کی ماں نے بتایا تھا۔ مرد سے ڈرنا ہوتا ہے، وہ جو کہے کرنا ہوتا ہے کیوں؟ کیونکہ وہ مرد ہے۔

بعض دفعہ اس کا جی چاہتا تھا وہ ماں سے پوچھے...... کیا مرد ہونا کوئی خوبی ہے؟ یا پھر عورت ہونا کوئی خامی؟

اس نے چپ چاپ کپڑے اٹھائے، یہ سوچ کر کہ چند ماہ بعد اس کی فلم آجائے گی یہ آخری بار ہوگا کہ وہ چچا کے کہنے پر کہیں ناچنے جائے گی، یہ آخری بار ہوگا کہ وہ مردوں کی کئی قسم کی نظریں برداشت کرے گی اس کے بعد تو طلال ہوگا۔ جس کی ہر نظر محبت اور الفت تھی۔ وہ تقریب میں گئی، رقص بھی کیا، دل بھی لبھائے۔ مگر کسی

مشروب کے پینے کے بعد اس کا دماغ بھاری ہو گیا تھا۔ چند منٹ بعد کوئی اسے گھسیٹ کر کمرے میں لا رہا تھا اس نے اپنے چچا کو کوئی بستہ لے کر جاتے ہوئے بھی دیکھا۔ کسی نے اسے پٹخا اور پھر ہر یاد بری تھی۔

اگلی صبح اگر اسے کچھ یاد تھا تو صرف اتنا کہ اس کے اپنے چچا نے اسے کسی غیر مرد پر بیچ دیا تھا اور وہ مرد کوئی اور نہیں احسان تھا۔

★★★★★

(وہ آنکھیں پوری طرح کھولے بغیر سانس لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ "کوئی مرد اپنے گھر کی عورت کیسے بیچ سکتا ہے؟"

"بھارت، پاکستان، بنگلہ دیش اور دنیا کے کئی اور ملکوں میں عورتیں اپنے ہی مردوں کے ہاتھوں بیچی جا رہی ہیں۔ ان کی قیمتیں لگتی ہیں، انہیں انسان نہیں "عورت" سمجھ کر بیچا جاتا ہے۔ عرب رئیس ان لڑکیوں کو مہنگے داموں خرید رہے ہیں، ملک کے اندر ہی ان کی عزتیں پامال ہو رہی ہیں۔"

"میں نہیں مانتی یہ سچ نہیں ہے۔" اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

"کچھ مرد اسے بغیر نکاح کے بیچ دیتے ہیں اور کچھ نکاح کے نام پر اس کے اگلے گھر والوں سے دس سے بیس لاکھ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

"وہ جہیز ہوتا ہے۔"

"اور کون کہتا ہے اس طرح جہیز دو؟ شادی کے اخراجات بانٹتے ہیں تو دونوں فریقین کو مل کر بیٹھنا چاہیے جو بھی رقم ہے اسے درمیان میں رکھنا چاہیے اور اس کے بعد اس رقم کو خرچ کرنا چاہیے۔ شادی سے قبل ایک بھاری رقم کا مطالبہ یہ کیسی شرائط ہیں؟" وہ سن رہی تھی یا سن ہو رہی تھی اندازہ نہیں ہو سکا۔ "فحاشی کے اڈوں پر بیچی جانے

والی ستر فیصد عورتیں اپنے کسی قریبی مرد کے ہاتھوں بیچی گئی ہوتی ہیں۔ کیا تم اندازہ کر سکتی ہو، اس عورت کی بے بسی اور اذیت کا جسے بیچنے والا بھی مرد اور خریدار بھی مرد۔" وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ چپ رہی بس چپ۔

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ یہ اصل "انسان" ہونے کی شروعات ہے۔ عورت کو عورت کے ساتھ ساتھ انسان بھی سمجھتے ہوئے اس کے حقوق پر بات کرنا یہی ابتدا اور یہی انتہا۔)

★★★★★

دھول آلود شرٹ اور مٹی مٹی چہرہ لیے وہ رات اڑھائی بجے گھر آیا تھا۔ اندھیر، خاموش گھر میں وہ طویل ہال سے گزر کر اوپری منزل کی طرف جا رہا تھا جب کسی آواز پر کرنٹ کھا کر مڑا۔ تمکنت کے کمرے کے دروازے پر دمیر پر اچہ کھڑا تھا۔ شاہ زید نے اپنی آنکھیں مسل کر کھولیں۔ کیا وہ واقعی وہاں تھا؟

"آپ اس وقت یہاں؟" وہ مارے تحیر کے محض اتنا ہی کہہ سکا۔ دمیر سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے آگے آیا۔ "سب ٹھیک تو ہے ناں؟" تمکنت کے کمرے سے آتی روشنی کے سوا چار سو اندھیرا تھا۔

"تم کہاں تھے؟" اس کی بات کا جواب نہ دیتے دمیر نے اپنا سوال داغا۔ وہ رات کے ڈھائی بجے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ چہرے کی سنجیدگی اس سمے کرختگی سے میل کھا رہی تھی۔ "میں جب بھی کوئی مقدمہ لیتا ہوں وہ صرف ایک مقدمہ نہیں ہوتا، زید۔ میرے نزدیک وہ میری اور قانون کی جنگ ہے۔ قانون کے داؤ پیچ میرا مہرہ اور اس کے جھول میرے حکم کے تابع۔ میں نے کبھی شکست کا نہیں سوچا کیونکہ یہ میری انا کے خلاف ہے۔"

"یہ کیس میرے بھائی کا ہے ہارنا تو میں بھی نہیں چاہتا۔"

"جو انتشار تم نے آج شہر میں پھیلایا ہے تمہیں کیا لگتا ہے وہ کیا تھا؟"

"میں سرکار پر دباؤ ڈال رہا ہوں اگر میں ایسا نہیں کروں گا تو اس کیس کو ہلکا لیا جائے گا۔"

"تم اس مقدمے کے لیے کچھ نہیں کر رہے اپنا مفاد سامنے لاؤ۔" ہاں زید اس کے چہرے پر کچھ پڑھ نہیں پایا تھا مگر اسے یوں لگا دمیر اسے کسی کھلی کتاب کی طرح پڑھ رہا تھا۔ "تم جو کر رہے ہو اپنے گلٹ کو ختم کرنے کے لیے کر رہے ہو۔ تمہارا باپ تمہارے دیر آنے کی وجہ سے مر گیا تھا درست؟" شاہ زید کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ خون نچڑ گیا۔ "یہی شاہ ویر کے ساتھ ہوا اور تمہارے اندر کچھ ٹرگر ہو گیا۔ واٹ ایور۔" اس نے ایک شان شاہی سے ہاتھ جھلایا۔ "میں تم سے صرف ایک چیز کہنا چاہتا ہوں زید میرا کیس خراب مت کرو۔"

"آپ کیا چاہتے ہیں میں چپ چاپ بیٹھ جاؤں؟"

"نہیں ہرگز نہیں۔ میں چاہتا ہوں تم اس شہر کے ہر دفتر، ہر اعلیٰ حکام کے سامنے جا کر دھرنا دو۔ لوگ خریدو ان سے کہو شہر کا لاء اینڈ آرڈر تباہ کریں۔ ڈیفینس پر زور ڈالو، عورت ہے کیا ہی سہہ پائے گی؟ ملزم کے گھر والوں کو زچ کرو بلکہ اگر ہو سکے تو۔۔۔" شاہ زید کے کندھے پر ہاتھ رکھے وہ آگے کو جھکا۔ اس کے کان کے بے حد قریب۔ "اس لڑکی کے قریب جاؤ۔ برے وقت میں ساتھ دینے والے کو عورت بھولتی نہیں ہے۔ اسے قابو کرو راز حاصل کر لو پھر چھوڑ دینا۔"

"وہ شاہ ویر کی منگیتر تھی۔" زید نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ "اس ایک کام کے علاوہ باقی سب میں کر کے آیا ہوں اور جب کیا ہے تو آپ کو اعتراض ہو رہا ہے؟" اس نے اپنا کندھا جھٹک کر آزاد کروایا۔

"کیسے کیا ہے؟ ایک ایک ویڈیو میں تمہارا چہرہ ہے۔ تم لوگوں کو آگ لگانے کا حکم دے رہے ہو، تم ان سے تباہی کا کہہ رہے ہو تم نے ایک دن کے اندر اندر اپنے خاندان کو ولن بنا دیا ہے۔ تم بالکل ایک عام امیر کی طرح ردعمل دے رہے ہو جس کا کوئی نقصان ہو جائے تو وہ ہر طرف آگ لگا دیتا ہے۔ جانتے ہو کہاں کہاں سے تمہاری ویڈیوز حذف کروائی ہیں؟"

زید اکتایا۔ "تو کیا کروں؟"

”بیک اسٹیج بیٹھ کر کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں سنبھالو۔ تمھیں پرفارم نہیں کرنا کیونکہ یہ تمھیں نہیں آتا یہ شاہ ویر کا کام تھا۔ تم raw آدمی ہو۔ تمہارے لیے میرے پاس مختلف پلان ہے۔“ اس نے ذرا توقف کیا۔ ”کل ہم پریس کانفرنس کریں گے تم معافی مانگو گے اور ایک پر امن احتجاج کی یقین دہانی کرواؤ گے۔“

”دیکھیں گے۔“ اس نے انکار نہیں کیا تھا۔

دمیر چند لمحے اسے سمجھاتا رہا پھر وہ جانے کو مڑا اور کسی سوچ کے تحت ٹھہر گیا۔ ”میرا مشورہ ایک بار پھر وہی ہو گا۔ اس لڑکی۔۔۔۔“

”میں دوبارہ یہ بات نہیں سننا چاہتا۔ میں اسے کبھی اس نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اداکاری کے لیے بھی نہیں۔“ اس کا جواب دوٹوک اور قطعی تھا۔ دمیر بغیر بحث کے وہاں سے چلا گیا۔ زید کی بھنویں بھینچی رہیں۔ کیا مطلب آراہ۔۔۔۔ اب کیا آراہ ہی رہ گئی تھی؟

★★★★★

صبح صادق وہ نیند سے بیدار ہو چکا تھا۔ نیند سے اٹھنے میں اسے آج تک دقت نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ پچھلے چار سال سے انسومینک تھا، پورے چار سال سے اسے ”مکمل“ نیند نصیب نہیں ہوئی تھی۔ باورچی خانے میں آکر اس نے اپنے لیے ٹھنڈی کافی کا ایک کپ بنایا، اسٹر ادرمیان میں اٹکایا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر گیلے بالوں میں کنگھا چلایا۔ سیاہ ٹی شرٹ کے ساتھ سرمئی سلیکس پہنے وہ تیار تھا۔ اس کی الماری میں سیاہ، سرمئی، سفید کے علاوہ شاذ و نادر ہی کوئی اور رنگ ملتا تھا۔ ایسے جیسے کسی بساط پر کھڑا وہ شطرنج کا کوئی مہرہ ہو۔ کونسا مہرہ بھلا؟

سہراب کی گاڑی گھر سے نکال کر کپ ہولڈر میں اپنی کافی کا کپ رکھے وہ اندرون لاہور کی طرف روانہ تھا۔ گاڑی میں کوئی انگریزی گانا بج رہا تھا جس پر وہ سر دھن رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے گاڑی بنفشہ کے گھر سے کافی دور کھڑی

کی۔ اپنا موبائل نکال کر سہراب کو وائس میسج بھیجا۔ ”میں اس کی گلی کے باہر کھڑا ہوں اس کو کال کر کے بولو باہر آ جائے۔“ اکتاہٹ سے کہتے اپنی کافی کا کپ لبوں سے لگایا۔

”لوکیشن بھیجو!“ سہراب نے جواباً پیغام لکھا۔ اسلان نے اسے اپنی لوکیشن بھیجی۔ سہراب نے وہی لوکیشن بنفشہ کو بھیجی اور اسلان سے انتظار کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گلی سے باہر آتی ہوئی دکھائی دی۔ زرد رنگ کے سادہ لمبے جوڑے میں ملبوس اس نے بالوں کی چٹیا بنا رکھی تھی۔ وہ اسلان کے قریب آکر رکی تو اس نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ چہرے پر تکان واضح تھی۔

”آگے جا کر کسی کافی شاپ کے باہر گاڑی روک دینا مجھے کافی چاہیے۔“ وہ کہتی ہوئی آئی اور مسافری نشست پر آکر بیٹھی۔ اسلان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی، حفاظتی پٹا لگایا اور گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ ”تم پارٹی والی رات کہاں تھے؟“ فائل کے ورق پلٹاتے وہ مصروف انداز میں پوچھ رہی تھی۔ آواز بیٹھی ہوئی تھی۔

”میں شہر میں نہیں تھا۔“

”پارٹی میں عالم سر کے ساتھ کون تھا؟“ اس کی نظریں اب تک صفحات پر جمی تھیں۔

”جا کر عالم سے پوچھنا۔“

”کیوں تمہارے سیلز کی چارجنگ ختم ہو رہی ہے؟“ اس کا انداز ہنوز معتدل تھا۔

”میرا کام صرف تمہیں تھانے لے جانا ہے۔“

”تم میرے فنانس مینیجر بھی ہو آج ڈرائیور بھی بن گئے اب ذرا اور ترقی کرو میرے خبری بن جاؤ جو چیزیں مجھے جاننی ہیں وہ بتاؤ۔“

اسلان نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ ”اپنا کام میں خود طے کرتا ہوں۔“

”اچھا مجھے لگا تمہارے کام تمہارے چچا طے کرتے ہیں۔“ اس نے چہرہ اٹھا کر محظوظ انداز میں کہا۔ اسلان کی گردن کی نسیں تک پھڑکنے لگیں۔ یہ تمکنت بنگش کی اولاد تھی وہ اسے دیکھتا تھا تو رگوں میں لاوا دوڑ جاتا تھا۔ ”ماماز بوائے، ڈیڈیز پرنس سنا تھا یہ چاچو کا لڑکا کہاں سے درمیان میں آ گیا؟“ اسلان نے جواب نہیں دیا بس گاڑی چلاتا رہا۔ شاید اس کے سیل واقعی ختم ہو رہے تھے۔ ”یہاں روکو یہ میرا فیورٹ کیفے ہے۔“ اس نے ایک جگہ گاڑی روکنے کو کہا مگر اسلان نے اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دی۔ ”میں تم سے کہہ رہی ہوں یہاں گاڑی روکو تم سن نہیں رہے؟“

”میں تمہارا ملازم نہیں ہوں جو تمہارے حکم مانوں۔“ بنفشہ کے سر پر لگی تلووں پر بجھی۔

”تمہارا دماغ تو میں درست کرواتی ہوں۔“ اس نے اپنا موبائل نکالا اور سہراب کو وائس میسج بھیجا۔ ”سہراب صاحب اس سے بہتر تھا میں خود آ جاتی۔ آپ کا بھتیجا سوائے مجھے زچ کرنے کے اور کچھ نہیں کر رہا۔ جو کام میں کہہ رہی ہوں وہ کر نہیں رہا اور۔۔۔“ اس نے ایک نظر اسلان کو دیکھا جو بے نیاز تھا۔ ”یہ مجھ سے بدتمیزی بھی کر رہا ہے۔“ اس نے پیغام بھیج کر اسلان کو جتاتی نظروں سے دیکھا جو اس کی طرف دیکھے بغیر مکمل توجہ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ معاً اس کا موبائل بجا۔

”چاچو اسکار“ کی کال تھی۔ اسلان نے ایک نظر موبائل پر ڈالی اور اگلے ہی لمحے ہاتھ بڑھا کر موبائل بند کر دیا۔ آواز بند، رابطے ختم۔ بنفشہ کو واضح اشارہ کہ بدتمیز تو وہ جی بھر کر تھا۔ ”میں نے کہا نا میڈم میں کسی کا غلام نہیں ہوں۔“ اس نے ضبط سے گہری سانس لی۔

”تمہیں نہیں لگتا تمہارا رویہ میرے ساتھ غلط ہے؟ سارے شہر میں جب کوئی وکیل تمہارے چچا کا کیس نہیں لے رہا تھا تب زہر کا یہ گھونٹ میں نے بھرا۔“

”کوئی صدقہ خیرات نہیں دے رہیں آپ وہ کر رہی ہیں جو آپ کا کام ہے۔“ ابھی بنفشہ کچھ کہتی کہ اسے سہراب کی کال آنے لگی۔ کال اٹھاتے اس نے موبائل کان سے لگایا۔ دوسری طرف وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اسلان نہیں سن سکا نہ ہی وہ سننا چاہتا تھا۔ کال کٹ جانے کے بعد وہ کچھ نہیں بولی۔ بس عادتاً پیپر سمیٹ کر اوپر کر لیے اور ورق گردانی میں مصروف ہو گئی۔ شاید اس نے کچھ تسلی بخش کہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی تھانے کے باہر آ کر رکی جہاں فی الحال خاموشی تھی شاید عملے کی آمد اب تک نہیں ہوئی تھی۔ وہ فائلز سمیٹ کر گاڑی سے اتری۔

”کتنا وقت لگے گا؟“ شیشہ نیچے کرتے اسلان نے سوال کیا۔ بنفشہ ایڑھیوں کے بل مڑی۔

”تھانے کے اندر جانے کا وقت ہوتا ہے واپسی کا نہیں۔ انتظار کرو۔“ وہ کہہ کر اندر چلی گئی اسلان نے گردن نشست کی پشت پر گرا دی۔ گاڑی کی چھت پر ٹکی اس کی بھوری آنکھوں میں نیند اور تکان نہیں، منصوبہ تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے گیئر ڈالا اور سہراب یمن کی گاڑی ہواؤں سے باتیں کرنے لگی۔

انتظار تو وہ اس صدی میں نہیں کر سکتا تھا، اس کے پرزے اسے متحرک پسند تھے۔

★★★★★

باورچی خانے سے آتی پراٹھوں اور چائے کی مہک نے ماحول مہک دار کر دیا۔ آمنہ نے پولیس کی تفتیش کے دوران دربدر ہونے والے سامان کو ٹھکانے لگا دیا تھا البتہ نقصان کافی ہوا تھا۔ کراکری ٹوٹ گئی تھی، عالم کی خریدی ہوئی کئی پینٹنگز برباد ہو کر رہ گئیں اور الماریوں کے پیچ کافی ڈھیلے ہو گئے تھے۔

صبح صادق کی بیدار ہوئی اِنارا اپنے اور عبیر کے مشترکہ کمرے میں موجود تھی جب دل آراہ ناشتے کی طشت لیے اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ صبح صبح بھی نک سک سی تیار تھی۔ قیمتی لباس، خوشبوؤں میں رچی بسی عورت

آراہ کی دائیں طرف آکر بیٹھی۔ کندھوں تک آتے بال کھول رکھے تھے۔ ”میری بیٹی اب کیسی ہے؟“ اس نے آراہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرا جو کافی کُھردرے ہو رہے تھے۔

”ٹھیک۔“ بد دلی سے کہتے اس نے طشت اپنی طرف کھسکا لی۔ پراٹھا، انڈا اور تازہ چائے۔ اسے ہر صبح شاہ ویر کی بھیجی ہوئی ناشتے کی تصاویر یاد آئیں۔۔۔۔ خیر۔

”کل ہم دونوں ٹھیک سے بات نہیں کر سکے لیکن آج میں چاہتی ہوں ہم اچھے سے بات کر لیں۔ تمہارا مستقبل ڈسکس کریں۔ تم بائیس سال کی ہو کسی ایک انسان کے مر جانے سے دنیا ختم نہیں ہوتی۔“ نوالہ آراہ کے حلق میں آ کر اٹکا۔ ”تم میرے ساتھ کراچی چلو۔ میری باس تمہاری زندگی بدل دے گی۔“ آراہ چپ چپ لقمہ لیتی گئی۔ ”لوگ اس لیے تمہارے خلاف ہیں کیونکہ تم ایک عورت ہو اور ایک عورت کو اس کے حق دلوانے کے لیے اس ملک میں کتنی آرگنائزیشنز کام کر رہی ہیں تم جانتی ہو؟ تم ایک انٹرنیشنل سٹار بن سکتی ہو اپنے خلاف ہوتی ناانصافی پر بولو۔“

”اس وقت final verdict نہیں آیا ممی۔ لوگ مجھ سے ایک سائیڈ چننے کو کہیں گے آپ بتائیں میں کس طرف ہوں؟“

”تم کس طرف ہو، آراہ؟“ اس نے محبت سے آراہ کا رخسار چھوا۔

”میں اپنے گھر کے ساتھ ہوں۔ عالم نے اسے نہیں مارا۔ میں سہراب کے ساتھ ہوں میں یمن ہوں اور یمن خاندان کے ساتھ ہوں۔“ وہ قطعیت سے بولی۔

”چار بار جیل جانے والے شخص کو ڈیفینڈ کرتے ہوئے تم اچھی لگو گی؟“

”وہ ہر دفعہ بے گناہ ثابت ہوئے ہیں وہ اس بار بھی باعزت بری ہوں گے۔عالم قاتل نہیں ہے۔میرے چاچو. قاتل. نہیں. ہیں۔“ دل آراہ نے گہری سانس لی۔

”ٹھیک ہے مان لیا لیکن اب تمہیں میری بات ماننی ہوگی تم وکٹم اور عورت ہو اس موقعے کو تم کیش کرو گی۔تمہاری ڈگری مکمل ہو جائے گی اور اس کے بعد تم میرے ساتھ کام کرو گی۔ہم کراچی جارہے ہیں، آراہ۔“

”میں سوچ کر بتاؤں گی۔“اس نے مبہم ساجواب دیا اور دوبارہ کھانے لگی۔

”اور ہم آشیانہ بنگش کب جائیں گے؟“ دل آراہ کے ایک سوال پر انارا طارون کی دھڑکنیں رک گئیں۔”ہمیں وہاں چلنا چاہیے۔ان کا بیٹا مرا ہے اور تمہارا منگیتر۔وہ تمہاری سابقہ ساس ہیں کچھ تو مروت بنتی ہے۔“ آراہ ساکن سی رہ گئی۔”ہم کب چلیں؟“

”انہیں لگتا ہے ہم ان کے بیٹے کے قاتل ہیں، ایسی صورت میں ہم کیسے جاسکتے ہیں؟“

”لیکن ابھی ابھی تم نے کہا کہ تمہارا چچا قاتل نہیں ہے پھر کیسا تردد؟“ وہ چپ کی چپ رہ گئی۔کئی پل وہ پلک یں تک نہ جھپک سکی۔”میں تمکنت سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گی۔(تاکہ میں اسے بتاسکوں کہ یمن خاندان سے میرا کوئی تعلق نہیں)وہ اچھی عورت ہیں۔(میرے کام کے لیے)مجھے یقین ہے وہ ہماری بات سمجھیں گے(انہیں سمجھنا ہوگا کہ اس خاندان کی وجہ سے میں اپنا کاروبار برباد نہیں کر سکتی)ہم بہت جلد ان کے گھر جائیں گے۔(مصلحت اور مفاہمت کے لیے نہیں بقا کے لیے)۔“ آراہ بغیر جواب دیے بیٹھی رہی۔ناشتہ زہر ہو گیا تھا۔ماں چلی گئی مگر اس کی سوچیں کسی اور راہ بھٹک گئیں۔کیا وہ شاہ ویر کے بغیر شاہ ویر کے گھر جاسکتی ہے؟

★★★★★

آشیانہ بنگش کے باہر محافظوں کا پہرہ ہمہ وقت رہنے لگا تھا۔ دن کے اجالے میں اس گھر کا جاہ و جلال واپس آگیا تھا۔ فاصلے پر اپنی گاڑی کھڑی کیے اسلان یمن نے آراہ کے موبائل سے نکالے ”شاہ زید“ کے نمبر پر کام ملائی۔ واک ان کلازٹ سے نکلتا زید پلنگ تک آیا اپنا موبائل اٹھایا تو کسی غیر شناسا نمبر سے کال آرہی تھی۔ آج کل ہر دوسرا تیسرا چینل اسے انٹرویو کے لیے بلاتا تھا۔ اس نے ایک اور نیوز چینل کا بلاوا سمجھ کر کال کاٹ دی، ابھی وہ موبائل واپس رکھتا کہ زوں زوں کی آواز نے پیغام آنے کی نوید سنائی۔

”تمہارے گھر سے پانچ منٹ کے فاصلے پر انتظار کر رہا ہوں۔ باہر آجاؤ بات کرنی ہے۔“

”کون؟“ اس نے لکھ کر بھیجا۔

”اسلان یمن۔“ سارے بدن میں بجلی کی سی حرارت دوڑ گئی۔ اسے طیش آیا اتنا کہ حد نہیں۔

”اتنا سب کر لینے کے بعد بھی تم لوگوں میں اتنے گٹس ہیں کہ تم مجھے کال یا میسج کرو؟“ اس نے لکھ کر بھیجا جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ تمام یمن ایک ساتھ کھڑے کرے اور ایک ایک کا سر قلم کرتا جائے۔

”تمہارے فائدے کی بات ہے۔“

”میں ایسے فائدے جوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔“

”میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں باہر آؤ۔“

”میں تم پر اور تمہارے بلاوے پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

”یعنی تم نہیں آرہے؟“

”بالکل نہیں۔“

”اوکے!“ آخری جواب دریا میں سکوت کی مانند تھا۔ وہ جسے لگا تھا اسلان اس کی منت کرے گا، اس کے آنے کے لیے ہر طرح کی مشکل سر لے گا وہ اس جواب پر ٹھہر گیا۔ چند لمحے باقاعدہ سکرین کو تکا، دوسری طرف اسلان بھی سکرین کو تک رہا تھا۔ شاہ زید کو یقین تھا سامنے والا گڑگڑائے گا، دوسری طرف بھروسہ تھا تجسس کی آگ کے تحت اسے آنا ہی پڑے گا۔ نہ آیا تو پیغام ضرور آئے گا اور اس کے اندازے غلط نہیں ہوتے۔

”کیا بکواس کرنی ہے تم نے؟“ بالآخر تجسس جیتا گاڑی میں بیٹھے شخص کے لبوں پر ہلکی، بے حد ہلکی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”تمہارے بھائی کا قاتل عالمگیر نہیں ہے۔ اگر تم بھول رہے ہو تو میں تمہیں یاد دلا دیتا ہوں کہ کوئی سیریل کلر اس کے پیچھے تھا۔ یہ اسی کا کام ہے۔“ وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ وہ ایک ہاتھ میں موبائل لیے دوسرے ہاتھ کے ناخن چبانے لگا۔ ”اسکار سے آکر ملو اور اگر تمہیں پھر بھی یقین نہ آئے تو تم جو چاہے کرو۔ اپنی حفاظت کے لیے تم تھانے میں سہراب اور میرا نام دے آنا اور اگر تم چاہو تو اپنے گارڈز بھی ساتھ لا سکتے ہو۔“

اس نے موبائل واپس رکھ دیا۔ ناخن چباتے پلنگ کی پائنتی پر ٹک گیا۔ اسلان نے اسے دوبارہ کوئی میسج نہیں کیا۔ کتنا برا لگتا ہے جب ہمیں لگے کہ سامنے والا اب ہمیں دھڑا دھڑ میسجز کرے گا اور وہ سامنے والا اپنے بھیجے ہوئے ایک ہی پیغام کو سب کچھ سمجھتا ہو۔ (سامنے والا بے وقوف اور گدھا ہوتا ہے)۔

”کل رات دس بجے، لعل یمن کوارٹر!“ اسلان نے آخری پیغام بھیجا اور موبائل واپس رکھ دیا۔ اسے لگا تھا اسے کافی محنت کرنی پڑے گی لیکن یہ تو پہلے ہی بٹے ہوئے ذہن کا تھا۔ ایک اور اچھا کام یہ ہوا کہ اسے کسی انسان کے منہ نہیں لگنا پڑا، موبائل پر ہی معاملات طے ہو گئے۔

”میں نہیں آؤں گا!“ مارے غیض کے اس نے یہی لکھ کر بھیجا اور موبائل ایک طرف پھینک دیا۔ جو کوئی اور چاہے گا وہ ویسا کیوں کرے؟

”اوکے۔“ جوابی پیغام نے اس کا دماغ پوری طرح گھما دیا تھا۔ وہ ایک بھی منت نہیں کر رہا تھا آخر یہ آدمی تھا کیا؟

★★★★★

عورتوں کی ایک خصوصیت کائناتی ہے۔ بات ایک جگہ سے سن کر ”کسی“ کو نہ بتانا یہ ان کا شیوہ ہی نہیں تھا۔ کوئی بات سن کر ان کے کندھے، دل، سر سب بھاری ہو جاتا ہے اور پھر چاہے وہ بات دیوار سے کہنی پڑے وہ کہہ ضرور دیتی ہیں اور آمنہ شیرازی کو دیوار کی کیا ضرورت تھی جب اس کے پاس پورے چھ فٹ ایک انچ کا شوہر موجود تھا؟

”آپ کو ایک بات بتاؤں؟“ وہ جو ابھی نہا کر کپڑے تبدیل کر کے آئینے کے آگے آکر کھڑا ہوا تھا اس نے اپنی بیوی کی باریک سی آواز سنی۔ اس کے چہرے پر سنسنی وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ ”نہیں آپ پھر مجھے بولیں گے میں لوگوں کی ٹوہ لیتی ہوں۔“ وہ انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔

”ادھر آؤ۔“ سہراب نے ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلایا۔ آمنہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اس کے قریب چلی آئی۔ سہراب نے کنگھا اس کے ہاتھ میں تھمایا اور سر اس کے آگے ہلکا سا جھکایا۔ جونہی اس کی نظر آمنہ سے ہٹی بیوی کی زبان میں تیزی آگئی۔ بس سہراب نہ دیکھے اور اس گھر کے لوگوں کی زبانیں چل پڑتی تھیں۔

”میں صبح آراہ کو جب ناشتہ دے کر آئی تھی تب دل آراہ بھی آگئی تھی۔ جب میں دوبارہ برتن لینے جا رہی تھی تب میں نے سنا وہ انارا سے کہہ رہی تھی، سہراب تو اب تم سے بات بھی نہیں کرتا اور اسلان کا رویہ تمہارے ساتھ پہلے ہی درست نہیں ہے۔“ اس نے سہراب کے گیلے بال سلیقے سے سنوار کر سیدھے کرتے ہوئے کہا۔ ”آراہ چپ تھی پھر اس کی ماں نے اس کو بولا کہ مردوں سے کوئی بھی امید رکھنا بے وقوفی ہے تم ایسا کرو میرے ساتھ کراچی چلو۔“ سہراب سیدھا ہوا تو آمنہ نے دوپٹے کے پلو سے اس کے ماتھے پر گرے پانی کے ننھے ننھے قطرے صاف کیے۔ وہ یونہی اس کے سامنے ہلکا سا جھک کر کھڑا تھا۔ ”وہ آراہ کو آپ کے خلاف کر رہی ہے میرا خیال ہے آپ کو

آراہ سے بات کرنی چاہیے۔" اس نے سہراب کو بے حد مفید مشورے سے نوازا۔ سہراب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہلکا سا دبایا، ایسے جیسے شکریہ ادا کر رہا ہو۔

"میں یہ مسئلہ دیکھ لوں گا۔" آمنہ نے محض سر ہلا دیا۔ ٹھنڈا آدمی اسے تو چغلی کرنی بھی نہیں آئی، یہ کس طرح کے ردعمل دے رہا تھا ہونہہ۔۔۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈی آئی جی دفتر میں موجود تھا۔ کافی دیر سے اس کی نظریں کلائی پر بندھی گھڑی پر جمی تھیں۔ خادم بٹ صاحب نے اسے دس بجے کا وقت دیا تھا اور گیارہ بج جانے کے بعد بھی وہ کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ اس نے اسلان کو کال کرنے کی کوشش کی تو نمبر بند آرہا تھا۔ وہ بس گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ آج کل ستارے گردش میں تھے تو یہی سہی۔

معاً دروازہ کھلا اور خادم بٹ دو سپاہیوں کی معیت میں اندر آتے دکھائی دیے۔ سہراب اٹھ کھڑا ہوا، بوٹ زمین پر مار کر سلام کیا۔ خادم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا کہ جبکہ وہ کچھ دیر دفتر کے کام بھگتاتے رہے۔ سہراب دیکھ سکتا تھا وہ اسے نظر انداز کر رہے ہیں لیکن جو افسر فیلڈ پر نہیں ہوتا اس کی عزت دھوبی کے کتّے کی سی ہوتی ہے۔ اسے ایک پل کو یاد آیا عالم کے پہلی مرتبہ جیل جانے کے آٹھ ماہ بعد تک وہ کیسا افسر تھا؟

("کیسا افسر تھا وہ؟" لڑکی نے اشتیاق سے پوچھا۔)

میرال کے قتل اور اس پر عالمگیر کی گرفتاری سہراب جیسے نیم دیوانہ ہو گیا ہو۔ ان دنوں اسلان پڑھائی کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا۔ لعل یمن میں محض وہ اور اس کی روٹھی ہوئی بیوی رہا کرتے تھے۔ (آمنہ شیرازی میرال کے قتل کے آٹھ ماہ بعد سہراب کو چھوڑ کر اپنے میکے گئی تھی کیونکہ یہ آٹھ ماہ عالمگیر پر ٹرائل چلتا رہا تھا اور ان دنوں وہ گھر پر تھی۔)

"اور بتائیں سہراب صاحب کوئی لیڈ ملی؟" وہ کسی مقدمے کے سلسلے میں عدالت آیا ہوا تھا جب زیبا سے اس کی ملاقات ہوئی۔ زیبا ایک قابل پراسیکیوٹر تھی اور سہراب سے اس کی اچھی سلام دعا تھی۔

"کہاں مس زیبا؟ ایسے کاموں میں بہت وقت لگ جاتا ہے۔" وہ تکان زدہ تھا۔ پہلی سی مرعوبیت مفقود تھی۔

"میری مانو تو اس قصے کی جان چھوڑ دو، بھائی جیل چلا گیا بھابی مر گئی اور تم اب بھی عقل کے ناخن نہیں لے رہے، وہ جو کوئی بھی ہے اس کے ہاتھ لمبے ہیں، سہراب۔"

"قانون سے زیادہ لمبے نہیں۔"

"یعنی ہار نہیں ماننی؟"

"جب تک سانس ہے تب تک نہیں۔" ابھی زیبا کچھ مزید کہتی کہ سہراب کا موبائل بجنے لگا۔ ایس پی کی کال تھی۔ اس نے کال اٹھائی اور زیبا سے ذرا فاصلے پر آ گیا۔ "سہراب میری بات سنو۔" وہ گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے۔ "ابھی اور اسی وقت روبینہ انصاری کی رہائش گاہ پہنچو اور اس کے بیٹے کو گرفتار کرو یہ میرا حکم ہے۔"

سہراب نے موبائل کان سے ہٹا کر اسے گھورا اور دوبارہ کان سے لگایا۔ "میں سمجھا نہیں باس؟"

"تین دن قبل مال روڈ کے قریب جو چھ لاشیں ملی تھیں وہ روبینہ کے ملازمین کی تھیں۔" اب کے سہراب ٹھٹکا۔ وہ تمام لاشیں، ان کی ابتر حالت، ان میں موجود تین نیم برہنہ عورتیں اس نے اور سلطان نے ہی تو وہ تینوں لاشیں اٹھائیں تھیں۔

"کیا یہ کنفرم ہے سر؟" ہاتھ میں چائے کے کپ لاتا سلطان اس کے ساتھ آ کر رکا، ایک کپ اس کی طرف بڑھایا پھر اشارے سے "کون ہے؟" پوچھا۔

"سہراب فی الحال سلطان کو کچھ مت بتانا۔" اس کے ساتھ کھڑا متفکر سلطان اور دوسری طرف اس کے باس کا حکم۔ سہراب چند لمحوں کے لیے کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔ وہ عجیب سے مخمصے میں پھنس گیا۔ "تم جانتے ہو وہ ابراہیم انصاری کی پارٹی کا جنونی حد تک سپورٹر ہے۔ اگر اس نے یہ خبر لیک کر دی تو وبال ہو جائے گا تم ابھی کے ابھی وہاں سے نکلو میں نے باقی فورس بھیج دی ہے، وہ تمہیں راستے میں مل جائیں گے، اریسٹ وارنٹ ان کے پاس ہیں۔ تمہیں یہ کام کرنا ہو گا تمہارے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔"

"دوسری چائے لا دوں؟ یہ ٹھنڈی ہو گئی ہے۔" سلطان بے حد دوستانہ انداز میں اسے پیش کش کر رہا تھا۔

"سلطان سے کچھ مت کہنا، سہراب۔" حکم دوبارہ آیا۔ سہراب نے ایک نظر سلطان کو دیکھا، اس کی دوسری نگاہ اپنی وردی اور ہاتھ میں پکڑی پولیس کی ٹوپی پر تھی۔ سلطان صرف ساتھی افسر نہیں دوست بھی تھا۔

"کس کی کال تھی؟" اسے فیصلہ کرنا تھا، ابھی کے ابھی کرنا تھا۔ "کچھ ہوا ہے کیا؟" سلطان نے پوچھا۔ سہراب کا حلق خشک ہونے لگا۔ وہ فرض شناسی چنے یا کام کی جگہ کی دوستی؟ ان لاشوں کی بابت سلطان کو خبر ملی تھی اور سلطان ہی وہ شخص تھا جو سہراب کو جائے وقوعہ پر لے گیا۔ در حقیقت یہ سلطان کا ہی کیس تھا لیکن....

"گھر سے کال تھی۔ تم تھانے جاؤ مجھے ضروری گھر جانا ہے۔" فیصلہ ہو گیا، فرض اول تھا۔ اسے ایک بار پھر لگا وہ بعد میں سب ٹھیک کر دے گا۔ وہ ایک بار پھر غلط تھا۔ سہراب یمن کے ساتھ ایک ٹریجڈی تھی اسے ذہانت بے تحاشا ملی تھی مگر وقت ہمیشہ غلط۔ اسے تخت شاہی مل جاتا تو اگلے روز سلطنت بغاوت کا اعلان کرتی۔

موجودہ وقت میں شاہ ویر بنگش کے مقدمے کے متعلق سلطان کوئی خبر لایا تھا سہراب جو صبح سے یہاں آیا بیٹھا تھا اسے کمرے سے باہر بھیجا گیا۔ اس لیے تاکہ سلطان کی بات سنی جا سکے۔ موجودہ دور کا دبنگ، دلیر افسر سہراب کیا تھا؟ کچھ بھی تو نہیں۔

("کیا کبھی سہراب بھی ایسا تھا؟"

قصہ گو نے سر ہلایا۔ "اس سے زیادہ خبطی اور دلیر۔")

روبینہ انصاری کے گھر کی چاروں اور پولیس کی بھاری نفری تعینات ہو چکی تھی۔ سہراب جس وقت وہاں پہنچا شام ہونے کو آئی تھی۔ اس نے اسپیکر لیا اور با آواز بلند اعلان کیا۔ "ابراہیم انصاری پولیس کے پاس خبر ہے کہ تم نے تین راتیں قبل اپنے چھ ملازمین کو اکھٹا قتل کیا ہے۔ پولیس کے پاس عینی شاہد اور تمہارے اریسٹ وارنٹ ہیں۔ تمہارے گھر کے چاروں طرف پولیس کا گھیراؤ ہے خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔"

سفید حویلی میں ہماہمی مچ گئی۔ اگلے چند لمحے سست رفتار فلم کی طرح تھے۔ ابراہیم عقبی دروازے سے بھاگ رہا تھا اس کی ماں اسے پیسے، بندوق، نہ جانے کیا کیا تھما رہی تھی۔ اس کا باپ ان سے فاصلے پر کھڑا سپاٹ چہرے کے ساتھ سہراب کو اس کے نکلنے کا راستہ بتا رہا تھا۔ ان کے گھر میں ایک قاتل کی کوئی جگہ نہیں تھی یا شاید وہ اس وقت کوئی سیاست کر رہے تھے۔ اس وقت اگر سجاد انصاری کی آنکھ کا تاثر پڑھا جاتا تو ہر پرت کے پار فریب کی نئی داستان تھی۔

"ابراہیم بھاگنے کی کوشش مت کرو پولیس کا گھیراؤ سخت ہے۔" اس نے ایک آخری بار تنبیہ کی مگر وہ نہیں رکا۔۔ سہراب پستول کو مہارت سے تھامے گھر کے عقبی حصے کی طرف آیا، اس نے ابراہیم کو بھاگتے ہوئے دیکھا، اس نے تمام سپاہیوں کی بندوقیں سیدھی ہوتے ہوئے دیکھیں۔ اس نے کئی بار چلا چلا کر اسے رک جانے کا حکم دیا، مگر وہ جان کے خوف سے بھاگ رہا تھا۔

"on your knees" سہراب نے خود کو چلاتے ہوئے سنا۔ ابراہیم ہنوز تیز تیز قدم لیتے ہوئے بھاگ رہا تھا۔ سہراب نے خود کو اس کے پیر کا نشانہ لیتے اور پھر گولی چلاتے ہوئے دیکھا۔ ابراہیم گر گیا۔ اس کی کراہ بلند ہوئی۔ چیخیں، شور، بارش سب ایک ساتھ شروع ہو گیا۔ وہ کئی گارڈز کی موجودگی میں ابراہیم کی پیٹھ پر گھٹنہ رکھے اس

کے بازو پیچھے موڑے ان پر ہتھکڑی لگا رہا تھا۔ وہ کہاں، کس گھر میں کسے گرفتار کر رہا تھا اس کی جوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔ دلیری اگر کوئی صف تھی تو سہراب میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

گاڑی تھانے پہنچی، ملزم کو بند کیا گیا، ڈاکٹر لائے جانے کی باتیں ہوئیں اور اس دوران کوئی سہراب کے آگے آکر رکا۔ اس کی آنکھیں دھوکے کا کرب لیے ہوئے تھیں۔ وہ متحیر تھا اور یہ بنتا بھی تھا۔ چند پل کے لیے سہراب اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ "یہ "ہمارا" کیس تھا، سہراب۔"

"میں مجبور تھا، یہ آرڈرز تھے۔ تم ابراہیم کو گرفتار نہ کرتے۔"

"آدھا ڈیپارٹمنٹ کہتا رہا تم جنونی اور منحوس ہو چکے ہو کوئی تمہارے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا تھا، میں نے تمہارے ساتھ اپنا کام، اپنی خبر، اپنی مقبولیت بانٹی تم نے میرے ساتھ یہ کیا؟" وہ آزردہ تھا۔ "تمہاری فرض شناسی تمہیں اپنے افسر کے آرڈر ماننے پر مجبور کرتی ہے کیا میری فرض شناسی اتنی گئی گزری تھی کہ تم نے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ کوئی آئیڈیل میرے لیے فرض سے بڑھ کر نہیں؟" سہراب کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کی انا ایک اور رشتہ کھا گئی۔

"یہ آرڈرز تھے۔"

"میں تمہارا دوست تھا۔" سہراب نے کچھ کہنے کو لب وا کیے پھر ٹھہر گیا۔ وہ دوستی کو ماضی کا قصہ کہہ رہا تھا حیل و حجت کی ہر راہ ختم تھی۔

ڈی آئی جی کے دفتر کے باہر بیٹھے ہوئے بھی اس کے ماتھے پر شکن نہیں تھی۔ وقت تھا جس نے کامیابی دی تھی اب وقت ہی تھا جو ناکامی دے رہا تھا اور یہی وقت ایک دن پھر اسے کامیاب کرے گا۔ وہ افتخار یمن کا سب سے صابر اور دلیر بیٹا تھا۔ حالات اسے خراشیں دے سکتے تھے توڑ نہیں سکتے تھے۔

"(ایک وقت پہلے وہ کتنا نڈر تھا؟"

"اس نے اپنے خاندان کے ساتھ ناانصافی دیکھی تھی، وہ کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ پایا۔")

اگلے دوماہ پیشیاں اور تفتیش ہوئی۔ تمام ثبوت اور گواہ موجود تھے مگر عین آخری فیصلے کے روز عدالت میں ابراہیم انصاری کے ذہنی مریض ہونے کی رپورٹ پیش کی گئی۔ سہراب مانو ہتھے سے اکھڑ گیا۔ وہ ہر قانون کے خلاف جانا چاہتا تھا مگر پورے دوماہ بعد سلطان نے اس سے دوبارہ اسی دوستانہ انداز میں بات کی تھی۔ "دیکھ بھائی ہتھ ہولا رکھ۔ قانون کے چکر ہیں ایسے ہی ہوتے ہیں ہم اگلی پیشی میں پراسیکیوٹر کو کہیں گے کہ ڈاکٹر ہماری مرضی کا ہو گا۔ سارا جھوٹ پکڑا جائے گا اس بار جلدی نہ کرنا، سہراب۔"

"اسے بیل مل رہی ہے، سلطان۔ رپورٹ آجائے گی اور رپورٹ کے مطابق اسے ملک سے باہر بھیج دیں گے۔ اس نے چھ معصوم لوگوں کو مارا پھر ان کی لاشیں کتوں کے آگے ڈال دیں۔ وہ بھنبھوڑی ہوئی نیم برہنہ لاشیں کتنے گھنٹے سڑک پر پڑی رہیں، کیا ایسا ظالم شخص ذہنی مریض ہو سکتا ہے؟" سہراب پاگل ہو رہا تھا۔

"حرام کی اولاد ہے وہ کوئی پاگل واگل نہیں۔ تُو صبر کر دیکھنا اس کو لمبا جیل بھیجیں گے۔" وہ سہراب کا کندھا تھپک رہا تھا، تسلی دے رہا تھا۔ سہراب نہیں سن رہا تھا اس کے ذہن میں مختلف آوازیں تھیں۔

"ہم غریب ہیں، سہراب مڈل کلاس۔ ہماری کوئی عزت نہیں ہوتی، ہماری غیرت بھی نہیں ہوتی کوئی اٹھ کر ہمارے خاندان کے کسی بھی فرد کو مار کر چلا جائے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" جیل کی دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھا عالمگیر شکست خوردہ تھا۔ .... "صاحب اگر کوئی آپ کی ماں بہن کو مار کر اس کی لاش سڑک پر پھینک دیتا، کیا آپ تب بھی اسی طرح عدالت کے چکر لگاتے؟" ان چھ لوگوں میں سے کسی ایک کا وارث روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ .... "وہ میرا ایک ہی بیٹا تھا۔" دوسرا وارث۔ .... "ہماری پسند کی شادی تھی...."

سہراب نے ضبط کیا۔ "وہ میری بہن تھی.... وہ میری ماں تھی.... میرے بیٹے کا کیا قصور تھا؟"

سب آوازوں نے مل کر اس کا ضمیر بہت بری طرح جھنجھورا، اسے میرال کا قتل، عالم کی گرفتاری اور ان چھ لاشوں کا سڑک پر پڑے ہونا یاد آیا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ اب افہام و تفہیم پر ہزار لعنتیں۔ اب اگر سلطنت باغی تو وہ بھی ظالم جرنیل۔ اب اگلا فیصلہ عدالت نہیں سہراب یمن لکھے گا۔

"اس کی لغویات میں کبھی پیچھے مڑ کر دیکھنا شامل تھا ہی نہیں۔ اس کے فیصلے ہمیشہ اٹل اور مضبوط ہوتے تھے۔"

پولیس موبائل متوازن رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ہتھکڑی کا سرا تھامے سہراب یمن چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے خالی اور سپاٹ تھا۔ دفعتاً اس نے ابراہیم کو مخاطب کیا۔ "ان چھ لوگوں کا قصور کیا تھا؟" ابراہیم نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ کہیں سے لگ ہی نہیں رہا تھا یہ کوئی پیشیاں بھگتانے والا مرد ہے۔ جیل میں جا کر بھی اس کے ٹھاٹھ باٹھ جوں کے توں تھے۔ ملک کے اندھے قانون نے اسے بڑی چھوٹ دے رکھی تھی۔

"کچھ تو ایسا ہوا ہو گا جس نے تمہیں مجبور کیا کہ تم ان تمام لوگوں کو پہلے مارو، پھر ان کی لاش کتوں کے آگے ڈال دو اور پھر انہیں اسی حالت میں سڑک پر پھینک دو۔ تمہیں پولیس کا خوف بھی نہیں تھا؟" پستول انگلیوں کے درمیان گھماتے وہ ٹھنڈے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

ابراہیم نے کان کی لو مسلی۔ "ہزاروں روپوں کی تنخواہ دیتا تھا میں انہیں لیکن ہر دوسرے دن کام کرنے میں کوئی نہ کوئی غلطی ضرور کرتے تھے۔ عورتوں کو میری شراب کی بوتل میرے کمرے تک لانے میں مسئلہ تھا، مرد ملازم باہر سے آنے والے میرے مہمانوں کے سامنے سبکی کرواتے تھے۔ ہاں لیکن اس وجہ سے نہیں مارا...." اس نے توقف کیا اور اب کے کان کے پاس جھکا۔ "اس رات ذرا زیادہ پی لی تھی میں نے۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کر رہا ہوں جو جو سامنے آیا میں ان کو اڑاتا گیا۔ پینے کے بعد حواس قابو میں نہیں رہتے اور ان کی کوئی غلطی بھی تھی اب ٹھیک سے یاد نہیں۔ بتایا نا بہت پی رکھی تھی۔"

سہراب اور اس کے سامنے بیٹھا نوجوان افسر فرمان دونوں اسے دیکھ رہے تھے۔ طاقت اور غرور کے نشے میں دھت یہ آدمی اس قدر اندھا کیسے ہو سکتا تھا؟ ایسے امراء کب تک پیسے دے کر مڈل کلاس لوگوں کو روندتے رہیں گے؟ "پھر مجھے مزہ آیا۔ چیخیں، آہیں لوگوں کا خون.... آہ۔" اس نے گردن پیچھے پھینک کر سرور لیا۔ "میں اور چیخیں سننا چاہتا تھا اس لیے ان سب کو کتوں کے آگے ڈلوا دیا لیکن سب بے غیرت مر گئے تھے میرا سارا مزہ خراب ہو گیا۔"

سہراب اور فرمان کی نگاہ ملی، نظروں ہی نظروں میں دونوں نے ایک دوسرے کو سبز سگنل دیا۔ سہراب نے آہستگی سے اپنی پستول فرمان کی طرف بڑھائی۔ ابراہیم اب بھی بڑے جوش سے کچھ کہہ رہا تھا۔ سہراب نے فرمان کو دیکھا اور زیرِ لب "do it" کہا۔ اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"اس ملک کا قانون غلام ہے ہمارا ہمیں کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ اب بھی بے حد فخر کے ساتھ کہہ رہا تھا مگر اگلے ہی لمحے سہراب کی ایک بلند کراہ ماحول میں شامل ہوئی. اس کے ساتھ ہی خون کا ایک فوارہ چھوٹا اور ابراہیم کے منہ پر آ کر لگا۔ سہراب اپنا بایاں بازو تھامے جھک کر کراہ رہا تھا۔ فرمان نے اس پر فائر کیا تھا۔ خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اور گاڑی کا فرش تر ہوتا جا رہا تھا۔ منظر ایک بار پھر سست رفتار ہو گئے۔

فرمان مکمل اداکاری کے ساتھ چلا رہا تھا۔ "آپ بھاگ جاؤ ابراہیم صاحب یہ آپ کو مار دے گا بھاگ جاؤ۔ مجھے روبینہ بی بی نے آپ کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔"

"فرمان تم ایسا نہیں کر سکتے۔" سہراب کراہتے ہوئے ہلکی آواز میں بولا۔ گاڑی رک گئی تھی۔

فرمان نے ابراہیم کی ہتھکڑیاں کھولیں وہ ششدر تھا۔ "بھاگ جاؤ سر آپ بھاگ جاؤ جلدی۔"

"میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" سہراب غرایا۔ عین اسی پل وہ سیاہ کار موت کے خوف سے گاڑی سے اترا۔ ٹریفک جام تھا وہ بوکھلایا ہوا گاڑیوں کے درمیان راستے بناتے ہوئے بھاگ رہا تھا۔ سہراب نے فرمان سے اپنی پستول لی اس کا کندھا تھپتپایا اور اگلے لمحے گاڑی سے اتر کر وہ ابراہیم کے تعاقب میں تھا۔ اسے اپنے بازو کی فکر نہیں تھی۔ یہ اس کا اپنا ہی کھیل تھا، وہ اس کھیل میں نہیں ہار سکتا تھا۔

ہزاروں لوگوں نے ایک افسر کو بازو سے بہتے خون کے ساتھ ابراہیم کو تنبیہہ کرتے خود کو پولیس کی حراست میں جمع کروانے کا کہتے سنا۔ وہ نہیں رکا، سب نے دیکھا وہ افسر کتنا بہادر اور قانون کا کتنا پاسدار تھا اور پھر سب نے یہ بھی دیکھا اور سنا۔ "اگر تم نہیں رکے تو میں گولی چلادوں گا، ابراہیم۔" وہ حلق کے بل غرایا۔ ابراہیم رو رہا تھا، وہ جس نے طاقت کے بل پر چھ لوگوں کو مار دیا تھا اب وہ اپنی جان کے لیے بھاگ رہا تھا۔ گاڑیوں کے دروازے کھٹکھٹا کر اپنے لیے رحم مانگ رہا تھا، مدد کے لیے چلا رہا تھا۔

"گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ، ہاتھ اوپر کرلو، سرینڈر کرو، ابراہیم۔" وہ اگلے دو سیکنڈ مزید بھاگا اور پھر سہراب یمن نے فائر کھول دیا۔ ایک دو تین چار۔ اس کی پشت میں تین گولیاں لگیں، کھوپڑی میں ایک۔ طیش تھا کہ کیا اگلی دو گولیاں سہراب نے اس کے دونوں بازوؤں میں ماریں۔ اس سے اگلی دو اس کی گردن میں۔

دور کھڑا فرمان جانتا تھا اسے کیا رپورٹ بنانی ہے۔ ابراہیم انصاری سینئر افسر سہراب یمن کے بازو میں گولی مار کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سہراب نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ دونوں پبلک پلیس میں تھے عوام کی جان کو خطرے میں دیکھ کر مجبوراً سہراب کو گولیاں چلانی پڑیں۔

لاش کے اوپر کھڑا سہراب اپنی تکلیف بھلائے بے حس نظروں سے مردہ پڑے ہوئے اس وجود کو دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ ناخن کے ذرے جتنا بھی نہیں۔ اسے ہزار دفعہ موقع دیا جائے وہ ہزار دفعہ یہی کرے گا۔ ہاں مگر اگلے چند دن میں اسے شہر سے نکال کر مری بھیج دیا گیا۔ سلطان اس کا سب سے بڑا دشمن بن

گیا۔ اسے لگتا تھا سہراب یمن نے اس کا مقدمہ اپنے حق میں لیا، اس کی مشہوری اپنے نام کی، اس کی فرض شناسی پر شک کیا اور آخر میں اسے بغیر بتائے فیصلہ سنا دیا۔

آج تقریباً ڈھائی سال بعد اس دفتر کے باہر بیٹھے ہوئے بھی سہراب کی گردن اونچی تھی، وہ اپنے فیصلوں پر مطمئن تھا اور ہاں پچھتاوا تو اسے آج بھی نہیں تھا۔

★★★★★

تھانے کے تفتیشی کمرے میں ملزم اور اس کی وکیل آمنے سامنے تھے۔ عالمگیر کے ہاتھ ہتھکڑیوں میں تھے اور کلائیوں کی چھلی ہوئی جِلد صاف دکھائی دے رہی تھی۔ بنفشہ نے بریف کیس میز پر رکھتے ہوئے دھیمے سے سلام کیا اور نظریں چرا لیں۔ وہ اس کا استاد تھا، آج اسے قید دیکھنے مشکل تھا۔ گدلی سی جینز شرٹ میں عالم کے ناخن میز پر بے اختیار ٹک ٹک کر رہے تھے، حتیٰ کہ بنفشہ نے خاموشی توڑ دی۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“

”بالکل ٹھیک۔“ اس نے کندھے چوڑے ہی رکھے، چہرہ وہی جذبات سے خالی۔

بنفشہ آگے کو ہوئی فکرمندی سے اسے دیکھا۔ ”آپ ٹھیک نہیں ہیں، سر۔“ عالم چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن پیچھے کو گرا دی۔

”بخت کے تخت سے یکلخت اتارا ہوا شخص

تم نے دیکھا ہے کبھی جیت کر ہارا ہوا شخص

"آج میں جوابی شعر نہیں کہہ رہی۔" اس نے اپنی ہلکی نم آنکھیں رگڑیں۔"میں آپ کو یہاں سے نکال لوں گی۔"

"مجھے یقین ہے۔" بنفشہ اس کے لیے عبیر کی طرح تھی، وہی نرمی، وہی شفقت۔ عالمگیر اور بنفشہ کی پہلی ملاقات لاء اسکول میں ہوئی تھی جہاں عالم پروفیسر کے طور پر چندماہ کے لیے تعینات ہوا تھا۔ باقی طلباء کے برعکس وہ کافی ذہین تھی۔ کلاس کے دوران اسے جو چیزیں سمجھ نہیں آتی تھیں۔ عالم اسے بعد میں سمجھا دیا کرتا، اپنے بنائے ہوئے نوٹس اسے دیتا، باقی کلاسز میں اگر اسے کچھ سمجھ نہ آتا تو وہ اکھڑ اور مغرور آدمی باقاعدہ ان اساتذہ سے وہ نوٹس مانگ کر اسے بھیجتا۔ ان دونوں کے درمیان بات محض چند فقروں پر مشتمل ہوتی، ہاں بعض دفعہ یہ گفتگو طویل بھی ہو جاتی یہ وقت تب آتا جب عالم کے اندر کا آدمی "ٹوہ" لینا چاہتا بنفشہ کے پاس ہر وہ خبر ہوتی جو اسے مقصود ہوتی۔ عالم چہرے کے زاویے ہر بات پر بدل بدل کر بات سنتا۔ "اوہ، اچھا، واقعی، پھر؟" یہ اور اسی قسم کے کچھ تبصرے اس کے بھی ہوتے۔

لاء کالج کے بعد بھی عالم اور اس کے درمیان رابطہ رہا۔ مصروفیات بڑھ گئیں، وقت کم ہوتا گیا مگر ان دونوں کے درمیان چند الفاظ کا تبادلہ ضرور ہوتا۔ جس کی شروعات کچھ یوں ہوتی۔

"آل گڈ؟" یہ پیغام چاہے عالم کی طرف سے جاتا چاہے بنفشہ کی طرف سے دونوں احتراز اور تکلف ایک طرف رکھتے ہوئے کئی مسائل بتا دیتے۔ پھر چاہے دوسری طرف سے دلاسہ ملے چاہے ذرا سی تسلی دونوں اس بات کو زیادہ خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ عالمگیر یمن بنفشہ کی زندگی کا سب سے بہترین استاد تھا اور بنفشہ مخدوم عالم کی زندگی کی سب سے بہترین شاگرد تھی۔

"کیا بہت مارا ہے؟" اس کے اگلے سوال پر عالم چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر ہنس پڑا۔

"بہت زیادہ مارا ہے بہت کمینے لوگ ہیں۔" وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"آپ کو یہاں دیکھ کر بہت عجیب لگ رہا ہے کہاں وہ سوٹ بوٹ والا اکھڑ مزاج وکیل اور کہاں یہ۔۔۔۔"

کچھ حادثوں سے گر گئے زمین پہ ورنہ

ہم رشک آسمان تھے ابھی کل کی بات ہے

"آپ نہیں بدل سکتے۔ مجھے لگا تھا کم از کم یہ قید آپ کا دماغ درست کر سکتی ہے مگر نہیں عالمگیر نہیں سنجیدہ ہوتا۔" مصنوعی تاسف سے گردن ہلائی۔ "خیر اب کام کی بات کرتے ہیں۔ میں آپ سے کچھ سوال پوچھوں گی جن کا جواب آپ مجھے بالکل سچ سچ دیں گے۔" عالم نے سر ہلا دیا۔ بنفشہ آگے کو ہوئی، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پہلا سوال داغا۔ "کیا آپ نے واقعی شاہ ویر کو قتل کیا ہے؟"

کچھ گھڑیاں گزریں پھر۔ "نہیں۔" اس نے مستحکم انداز میں جواب دیا۔

"کیا آپ قتل کے وقت جائے وقوعہ پر موجود تھے؟"

"شاید ہاں، شاید نہیں۔"

"کیا آپ قاتل کو جانتے ہیں؟"

"پتا نہیں۔" بنفشہ نے سر ہلا دیا۔ عالم کی آنکھیں سارا وقت بے تاثر رہیں وہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ اس نے سچ کہا ہے یا جھوٹ۔ البتہ اسے عالمگیر کی طرف کا سارا قصہ سننا تھا۔

"شروع سے بتائیں عالم سر آپ کے پہنچنے سے آپ کے پارٹی چھوڑنے تک ایک ایک منٹ میں کیا کیا ہوا تھا۔" عالم نے وہی رٹا رٹایا سبق شروع کر دیا۔ سلطان کے برعکس وہ اسے ٹوک نہیں رہی تھی وہ ہمدرد بھی نہیں تھی وہ محض

سن رہی تھی "اپنی ایکس کے بانجھ ہونا آپ کو اتنا برا کیوں لگا کہ آپ پارٹی کے ایک کونے میں سگریٹ نوشی کرنے پہنچ گئے؟" اس نے ایک انتہائی اہم نقطہ اٹھایا۔

عالم نے لب بھینچ لیے۔ "کسی بھی عورت کے لیے بچہ کتنا اہم ہوتا ہے میں سمجھ سکتا ہوں۔"

"کیسے؟ آپ تو یقیناً عورت نہیں ہیں۔"

"تم میری طرف ہو یا ان کی؟"

"آپ کی طرف ہوں لیکن عدالت میں مجھے کہانی کو پیش کرتے وقت اس کی بیک سٹوری، وجہ اور اس وقت کا آپ کا اسٹیٹ آف مائنڈ بتانا پڑے گا اس لیے میرا جاننا ضروری ہے۔"

"اگر تم اتنی ہی قابل تھیں تو آج تک کوئی کیس کیوں نہیں جیتیں؟" آ گیا وہ ذاتیات پر۔ بنفشہ نے بُرا نہیں مانا۔

"مجھے ڈبل کراس مت کریں سر۔ جو بھی مسئلہ ہے آپ کو مجھے بتانا ہو گا۔" عالم نے سر جھٹکا، منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا بھی۔ "سر....؟" میز بجاتے ہوئے اس نے عالم کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ ڈھٹائی سے جمی رہی۔

"میرال، میری بیوی وہ پریگنینٹ تھی۔" عالم اتنی ہلکی آواز میں بولا کہ وہ بمشکل سن سکی۔ اس ہلکی آواز میں بھی دنیا کے سارے جذبات سمٹ آئے تھے۔ "ہمارے اس بچے کے لیے بہت خواب تھے۔ ہماری فیملی مکمل ہونے والی تھی میرال وہ...." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیرتے اس نے دوبارہ اسے دیکھا۔ "مجھے اس کی ایکسائٹمنٹ، اس کے ڈر، اس کی ایک ایک حالت یاد ہے۔ وہ جب سے پریگنینٹ ہوئی تھی اسے ڈر لگتا تھا وہ مر جائے گی اور اس کے بچے کا کیا ہو گا؟ شاید جب کوئی لڑکی ماں بنتی ہے اسے مرنے کا خوف آ جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا خوف تھا اس کی اولاد کی تکلیف یا اس اولاد کا اکیلا رہ جانا۔ اس لیے اگر میں کہوں مجھے کسی عورت کے لیے بُرا لگتا ہے تو اس پر میرا اختیار نہیں ہے۔ مجھے ہر اس عورت کی آنکھ میں میری بیوی والا خوف نظر

آتا ہے اور میں اس معاملے میں بے بس ہوں۔" میرال کو لگتا تھا اس نے عالم سے محبت کی ہے مگر جو عالم اس سے کر رہا تھا وہ محبت کے تمام درجے پار کر آیا جذبہ تھا۔

بنفشہ نے محض سر ہلا دیا۔ عالم کی یہ حالت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ایک دن کے لیے اتنا بہت تھا وہ اسے مزید نہیں کریدے گی۔ "ہم لڑیں گے سر۔ انصاف سے بالاتر کوئی نہیں ہے۔" عالم نے سر ہلا دیا۔ اسے انصاف اور قانون پر اب یقین نہیں رہا تھا۔ مگر وہ کوشش کرے گا۔ اپنی بیٹی کے لیے، اپنے خاندان کے لیے، اپنے لیے۔

★★★★★

عدالت سے ملے ہوئے سات روزہ جسمانی ریمانڈ میں توسیع کرواتے اسے چودہ روزہ کرنے کے بعد پندرہ مارچ کو عالمگیر یمن عدالت لایا گیا تھا۔ (چند مقدمات میں عدالت پانچ یا سات روزہ جسمانی ریمانڈ دیتی ہے لیکن پولیس انتظامیہ اس میں توسیع کرواتے ہوئے بعض دفعہ اسے چودہ روزہ ریمانڈ کروا سکتے ہیں۔ یکمشت نہیں ہاں البتہ ذرا ذرا توقف کے بعد عدالت اس ریمانڈ میں توسیع کر دیتی ہے)۔

عدالت کے بے ہنگم شور سے پرے کمرہ عدالت میں سیشن جج سعد الطاف خان اپنی جگہ پر تشریف فرماں تھے۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے وہ پولیس کی طرف سے ملنے والے ابتدائی شواہد اور چارج شیٹ پڑھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ان کی اگلی نظر عالمگیر پر پڑی جس کے چہرے پر سیاہ کپڑا بندھا تھا۔ "میرا خیال ہے عدالت کے کمرے میں آنے کے بعد ان کے رخ سے پردہ ہٹا لینا چاہیے۔" انہوں نے کچھ سخت اور تلخ لہجے میں کہا۔ چبوترے سے نیچے میزوں کے عقب میں رکھی کرسیوں پر ایک طرف پراسیکوٹر اور دوسری جانب دفاع موجود تھے۔ معمول کی کاروائی جاری تھے جج صاحب نے فرد جرم پڑھنا شروع کیا۔

"عالمگیر افتخار یمن! آپ پر الزام ہے کہ مورخہ پچیس اور چھبیس فروری کی شب کے درمیان آپ نے لارنس ہوٹل کے بینکوئٹ میں شاہ ویر بنگش کو قتل کی دھمکی دی اور پھر شاہ ویر بنگش کا قتل کیا۔ علاوہ ازیں آپ پر الزام

ہے کہ آپ نے تاجور بنگش زوجہ ابتسام عباس کو ہراساں کیا انہیں نامناسب باتیں کہیں، ان کے بانجھ پن کا مذاق اڑایا اور انہیں جسمانی طور پر نقصان پہنچایا۔ کیا آپ ان تمام الزامات کا اقرار کرتے ہیں؟"

"نہیں یور آنر۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔" اس نے گردن اٹھائے نفی کی۔

"تفتیش اور تلاشی کے دوران آپ کے گھر سے آلہ قتل بھی برآمد ہوا ہے آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟"

"مجھ پر فریم کیا گیا ہے جناب، میں بے قصور ہوں۔"

"آپ کس طرح پلیڈ کرنا چاہیں گے؟"

"I plead not guilty" اس نے تحمل سے جواب دیا۔ جج صاحب نے چشمہ ناک پر درست کیا۔

"عدالت آپ کو ٹرائل کا حق دیتی ہے۔ چھبیس مارچ کو۔" جج کہہ رہا تھا اور عالم کی سماعتیں گویا سن ہو گئی ہوں۔ درخواست ضمانت پھر مسترد ہوئی تھی، وہ اپنی گرفتاری کے چودہ روز بعد ایک بار پھر اسی جہنم میں جا رہا تھا جہاں جانے کا خیال ہر دفعہ اس کے لیے سوہان روح رہا تھا۔ آج سے اس کی جوڈیشل کسٹڈی (جس میں ملزم کو تھانے سے فارغ کر کے جیل بھیجا جاتا ہے) شروع ہونے والی تھی، آج کے بعد سے وہ ایک ٹرائل پر جانے والا تھا۔ ٹرائل شروع ہوتے سب نے دیکھے ہیں ختم ہوتے ہوتے بندہ ختم ہو جاتا ہے۔ الزام کئی تھے، حالات اس کے خلاف، مدعی امراء۔ وہ چاہ کر بھی کچھ اچھا سوچ ہی نہیں پا رہا تھا۔

کاروائی ختم ہونے کے بعد اسے گھسیٹ کر جیل جانے والی وین کی طرف لے کر جایا جا رہا تھا جب ایک جگہ اسلان نے اہلکاروں کو روکا۔ عالم کا بازو تھپتھپایا۔ گویا اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہو۔ سہراب ذرا فاصلے پر کھڑا تھا لب سیدھی لکیر میں بند کیے وہ جو دیکھ رہا تھا اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ "کچھ نہیں ہو گا چاچو۔ آپ باہر آ جاؤ گے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔" عالم اس کا چہرہ نہیں دیکھ پا رہا تھا مگر اس کے الفاظ ڈھارس دیتے تھے۔

”اسلان۔“ چہرے پر کپڑا ہونے کے باعث اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اسلان نے ایک بار پھر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور اسے قریب ہونے کا بتایا۔ عالم نے ہتھکڑیوں والا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا ایسے جیسے ٹٹول رہا ہو اور وہ پہچان گیا۔ یہ وہی تھا جسے انگلی سے پکڑ کر چلنا سکھایا تھا، وہی جسے اس نے گُر سکھائے تھے۔ وہ اس کے کان کے پاس جھکا۔ ”میری بیٹی کا خیال رکھنا!“ یہ اس کے آخری الفاظ تھے۔ اس کے بعد اسے وہاں ایک منٹ بھی رکنے نہیں دیا گیا۔ آج سے ایک تاریک باب کا آغاز ہونے والا تھا۔ البتہ ایک دن قبل کچھ اس سے بھی بُرا ہو چکا تھا۔

★★★★★

”ایک دن قبل!“

لعل یمن کے سیاہ دروازے پر دو مسلح سپاہی بھاری دستک دے رہے تھے، ذرا فاصلے پر پولیس موبائل سائرن بجاتی کھڑی تھی۔ محلے کے لوگ تماشا دیکھنے رک گئے۔ آواز سن کر سیاہ شلوار قمیض والا اسلان دروازے تک آیا اور اس سے کافی فاصلے پر سہراب بھی باہر نکلا۔ دروازہ پر موجود افسران کو دیکھتے ہی سہراب نے اسے اپنے پیچھے کر لیا۔

”ہاں جی کیا مسئلہ ہے؟“ اس نے تندہی سے پوچھا۔

”صاحب نے بھیجا ہے اسلان یمن کو بیان کے لیے تھانے بلایا ہے۔“ سعید نامی حولدار نے بتایا۔

”کیوں بلایا ہے، اسلان تو پچیس اور چھبیس فروری کی رات لاہور میں تھا ہی نہیں۔“

”صاحب نے کہا ہے کہ انہیں شک ہے اسلان یمن عالمگیر کے ساتھ شامل تھا۔ اس کے ماضی کے ریکارڈز....“

”اپنے صاحب سے کہو نہیں آ رہا وہ کوئی بیان دینے، نہ وہ جائے وقعہ پر موجود تھا اور نہ ہی وہ اس رات شہر میں تھا۔“ سہراب نے چبا چبا کر کہا۔

”اس بات کا ثبوت کیا ہے؟“

”اور وہ ثبوت کیوں دے گا؟“ سہراب گرجا۔ وہ ہنوز اسلان کے سامنے تن کر کھڑا تھا یوں جیسے کوئی آواز، کوئی فرد اس تک نہیں آنے دے گا۔ ”جاؤ جا کر سلطان سے کہو نہیں دے رہا وہ بیان۔“

”ٹھیک ہے پھر اپنی بھتیجی کو بھیجو۔“ گاڑی کی کھڑکی کھلی وہاں سے سلطان کا چہرہ دکھا اور آواز آئی۔ ”وہ تو شہر میں بھی تھی اور موقعہ واردات پر بھی۔ کیا خیال ہے؟“ سہراب چوکھٹ پار کر کے آگے آیا۔

”جان بوجھ کر کر رہے ہو نا؟ مجھ سے مسئلہ ہے تو مجھ تک رہو میرے بچوں کو کیوں بیچ میں لا رہے ہو؟“

”میں کسی کو بیچ میں نہیں لا رہا، سہراب۔ تمہارے بچے ہی مشکوک ہیں تو میں کیا کروں؟ ایک ماضی میں قتل اور اغوا میں ملوث رہا ہے اور دوسرا جائے وقوعہ پر موجود تھا۔ اب ہر چیز تمہارے چاہنے سے تو نہیں چلتی۔“

”ماضی میں جو بھی ہوا میں اس میں باعزت رہا ہوا تھا۔“ اسلان نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ ”لیکن آپ کو پھر بھی میرا بیان لینا ہے تو چلیں میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں آپ کا شوق پورا کر دیتا ہوں۔“

”تم کہیں نہیں جا رہے یہ خوامخواہ تمہیں پھنسائے گا جیسے پنار کے قتل کیس میں بھی تم پر الزام لگایا تھا۔“ سہراب نے اسے پھر اپنے پیچھے کیا۔

”وہ مختلف معاملہ تھا۔ پنار اور میرا ایک تعلق تھا۔“

”پولیس کو تعلق بنانے میں وقت نہیں لگتا۔“

”ٹھیک ہے پھر آراہ کو بھیج دو۔“ اس کے سہولت سے کہنے پر سہراب نے مٹھی بھینچ لی۔ ”وہ صرف اور صرف ہمیں ٹیز کر رہا ہے let me handle this“ اس نے رسان سے کہا۔ ”آپ میری فکر مت کریں میں بچہ نہیں ہوں

جو کام میں نے کیا نہیں اسے مجھ پر کوئی پلانٹ بھی نہیں کر سکتا۔ میں اس گھر کا مرد ہوں مجھے میری ذمہ داری نبھانے دو۔" سہراب نے تذبذب سے اسے دیکھا۔ پھر آس پاس کھڑے لوگوں کو۔

"صرف اور صرف روٹین کے جواب دینا۔"

اسلان نے پلکیں جھپکا کر اسے تسلی دی۔ "اوکے۔"

"جہاں بھی تمہیں لگے کہ تمہیں ٹریپ کیا جا رہا ہے کہہ دینا کافی دن پہلے کی بات ہے تمہیں یاد نہیں۔"

اس نے سر کو خم دیا۔ "اوکے۔"

"کوئی بیٹی کی رخصتی پر بھی اتنی تاکیدیں نہیں کرتا، سہراب۔" سلطان کے مذاق اڑانے پر اس کے دونوں سپاہی ہنسے۔ سہراب لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا آیا اور دونوں ہاتھ گاڑی کے شیشے پر جمائے آگے کو جھکا۔ اس کی آنکھیں سالم قہر تھیں۔

"اگر تم نے اس سب میں میرے بیٹے کو پھنسانے کی کوشش کی تو میں تمہیں تمہاری وصیت لکھنے کا موقع بھی نہیں دوں گا۔ یہ تم سے ایک مرد کا وعدہ ہے۔" سلطان چند پل سلگتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر گاڑی کا شیشہ اوپر کرتے ہوئے حکم جاری کیا۔

"لڑکے کو گاڑی میں ڈالو۔" سپاہیوں میں سے ایک نے اس کا بازو پکڑنا چاہا جسے اسلان نے جھٹکا۔ تنبیہی آنکھوں سے دیکھا اور خود پولیس موبائل میں آ کر بیٹھا۔ محلے کے کئی لوگوں نے پھر گاڑی کو چند لمحوں کے اندر اندر غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ یوں اس طرح پہلی بار تھوڑی گیا تھا؟ سہراب کو وہ پہلی دفعہ بھی یاد تھی۔

ماضی!

وہ بائیس اکتوبر کی شب تھی۔ میرال کو مرے ابھی زیادہ وقت نہ ہوا تھا۔ عالم پر کورٹ ٹرائل جاری تھا، وہ کچھ ہفتے قبل ہی بیل پر رہا ہو کر آیا تھا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا لعل یمن خاموشی اور اندھیرے میں ڈوبا تھا، گلی خالی اور سنسان تھی مگر صرف ایک لمحے کے لیے۔ اگلے ہی لمحے یکے بعد دیگرے کئی ایک گاڑیاں ایک قطار میں آ کر رکیں۔ پولیس کی گاڑیوں کی جلتی بجھتی بتیوں نے ویران گلی کو عجیب سا متوحش کر دیا تھا۔ ہاتھوں میں اسلحہ لیے کئی افسران ایک ساتھ گاڑیوں سے اترے گھر کا محاصر کیا گیا، اسپیکر پر کوئی اعلان ہوا اور آواز کئی سماعتوں میں صور کی مانند اتری۔

بھاری بوٹوں کی دھمک اور دروازہ توڑنے کی آواز پر "وہ" اپنے بستر پر سیدھا ہو بیٹھا، پنار کی موت کو آج تیسرا روز تھا۔ وہ تین راتوں میں بمشکل چند گھنٹے سو سکا تھا۔ سکندر خان کی بیٹی، اس کا مردہ وجود اور اس کی التجا کرتی آنکھیں اسے پنار سکندر کا ایک ایک تاثر ازبر تھا۔ سرمئی شلوار قمیص والا لڑکے نے آگے بڑھ کر کھڑکی کا پٹ کھول کر دیکھا اور وہ کھڑے کھڑے ساکن ہو گیا۔ اس نے کئی اہلکاروں کو دیوار ٹاپ کر اندر آتے دیکھا، ایک کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی۔ وہ متزلزل قدموں سے پیچھے کو ہوا۔

”عالم۔۔۔۔ اسلان۔۔۔۔۔ کیا ہوا ہے آواز کیسی ہے؟“ سہراب کی نیم خوابیدہ آواز سنائی دی۔ وہ لاؤنج سے چل کر آ رہا تھا شاید بتیاں جلانے کھڑا ہو گیا تھا۔ پولیس کا عملہ دروازے توڑ کر گھر کے اندر داخل ہو چکا تھا۔ اسلان نے جمے ہوئے قدم آگے بڑھائے وہ اپنے کمرے سے نکل رہا تھا اور سہراب اسی طرف آ رہا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے کون ہے؟“ عالمگیر چیختا ہوا زینے اتر کر نیچے آ رہا تھا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ پولیس کی گاڑیوں کی آواز سن چکا تھا۔ ”سہراب کدھر ہو، اسلان کہاں ہے؟“ نہ جانے کس احساس کے تحت سہراب اسلان کے کمرے کی طرف لپکا۔ نیم روشن کمرے میں وہ سہراب سے ٹکرایا، وہ اس کی خوشبو اس کا لمس، اس کی چاپ سب پہچانتا تھا اس نے اپنے بچے کو تھام لیا۔ دونوں بازوؤں سے تھاما۔ ”کیا ہوا ہے, اسلان؟“

سہراب اسی طرح اسے بازوؤں سے تھامے کھڑا تھا جب پولیس افسر اندر داخل ہوئے۔

"سہراب کسی قسم کی مداخلت مت کرنا۔" وجاہت نامی افسر نے جیب سے ہتھکڑی نکالتے ہوئے اسے تنبیہہ کی۔ سہراب نے نامحسوس انداز میں اسے ایک ہاتھ سے اپنے پیچھے کیا اور خود آگے آیا۔ گلے میں کوئی گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"مسئلہ کیا ہے وجاہت۔ کیا ہوا ہے تم اس طرح یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"سارے گھر کی تلاشی لو ملزم کے کمرے کا چپہ چپہ چھان مارو جو جو کام کا سامان ہاتھ آتا ہے اٹھا لو، اسلان یمن کا کمرہ کون سا ہے؟" وجاہت نے چند لوگوں کو حکم دیا اور اگلی بات سہراب سے پوچھی۔

"وجاہت میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟" سہراب نے آواز بلند کی۔

"اوپر سے آرڈر ہے سہراب تعاون کرو۔" کچھ سوچ کر اس نے دو سپاہیوں کو اشارہ کیا جو اسلان یمن تک گئے وہ مزاحمت نہیں کر رہا تھا، بھاگ نہیں رہا تھا ہاں مگر جب سہراب اس کے سامنے کھڑا تھا تب تک وہ خود کو محفوظ محسوس کرتا رہا، جب سپاہیوں نے سختی سے اس کے بازو جکڑے تب پہلی بار اسے معلوم ہوا سہراب سراپا حفاظت تھا۔

"تمہارے بھتیجے پر اغوا اور قتل کا الزام ہے۔" وجاہت نے کسی خبرنامے کے انداز میں کہا۔ سہراب ہنوز بے یقین اور متحیر تھا۔ عالم آگے آیا۔۔۔

"غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں اس نے کچھ نہیں کیا۔" دو اہلکاروں کے نرغے میں جکڑے اسلان کا بازو چھڑواتے اس نے غرا کر کہا۔ "کہیں نہیں جائے گا یہ پاگل ہو گئے ہو کیا؟"

”اسلان شجاع یمن۔“ وجاہت سخت اور مشینی انداز میں کہتے ہوئے اسلان کے عقب میں آکر کھڑا ہوا۔”آپ کو پنار سکندر کے اغوا اور قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔“اس نے ہتھکڑی اسلان کے دونوں بازوؤں پر باندھی، سہراب کے دل پر کوئی گھونسہ لگا۔”آپ کے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔“ عالم دم سادھے اسے دیکھ رہا تھا جس کی آنکھیں وحشت زدہ تھیں۔”جو کچھ آپ اس وقت کہیں گے وہ عدالت میں آپ کے خلاف استعمال ہو گا۔“

”وجاہت میرے بھتیجے نے کچھ نہیں کیا۔“ عالم ایک بار پھر اسی بلند آواز میں بولا سہراب ان دونوں کو نہیں دیکھ رہا تھا اس کی نگاہیں اس پر جمی تھیں جسے پالا تھا، جسے نیکی اور بدی کا فرق سمجھایا تھا جس کے کمرے کو اس وقت ثبوتوں کے لیے چھان مارا جا رہا تھا، جس کے ہاتھ ہتھکڑی میں بندھے تھے سہراب نے ان ہاتھوں کو لکھنا سکھایا تھا۔

”کیا کیا ہے تم نے؟“ اس نے اہلکار کو ہٹا کر اسلان کا بازو تھاما اس کی آواز پھٹی ہوئی تھی۔ اسلان نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا، ان آنکھوں میں کوئی پانی چمکا جسے سہراب نے اپنی ہتھیلی سے رگڑا وہ اسے کسی اور کے سامنے کمزور نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ محض اکیس برس کا تھا، صرف اور صرف اکیس برس اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

”کچھ کیا ہے؟“ اسلان اسے دیکھتا رہا اس کی آنکھیں سہمی ہوئی تھیں۔ سہراب نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کر ماتھا تقریباً اس کے ماتھے سے جوڑ لیا۔”کچھ کیا ہے؟“ اس کے حلق میں کوئی گولہ سا آکر اٹکا، زبان سب کہہ دینا چاہتی تھی مگر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ اپنے بدن کی کپکپاہٹ میں اسے سہراب کا لمس بھی لرزتا محسوس ہوا۔”کچھ کیا ہے؟

”کچھ بھی نہیں۔“ سہراب کے برعکس اس کی آواز ٹوٹی اور شکستہ تھی۔ اس کا جسم لرز رہا تھا اور دل مٹھی میں جکڑا جا رہا تھا۔”کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں۔“ سہراب نے ہاتھ ہٹا لیے قدم پیچھے لیے اور ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ اس کی

آنکھوں میں دیکھا وہ نگاہ جھکا گیا، اس نے پورا سچ نہیں کہا تھا۔ بہت دیر تک وہ دونوں چپ رہے پھر سہراب کے حلق سے الفاظ نما ڈھارس برامد ہوئی۔

"تمھیں کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے اسلان کو تسلی دی۔ اسلان نے اس سے نگاہ اٹھا کر اپنے کمرے کو دیکھا اہلکار اس کی الماری گرا رہے تھے، سامان اٹھا اٹھا کر نیچے پھینک رہے تھے، کاغذات، کپڑے جوتے سب فرش نشین تھا اسلان اس دن کو روز قیامت کی طرح یاد رکھنے والا تھا۔ وہ اپنے دونوں چچاؤں کے سامنے نادم کھڑا تھا وہ اس ذلت کو کبھی بھولنے والا نہیں تھا۔ "تم نے کوئی فکر نہیں کرنی میں ابھی زندہ ہوں، اسلان۔" سہراب اس سے کہہ رہا تھا وہ نہیں سن رہا تھا، اسے بس ندامت ہو رہی تھی وہ شرم سے گڑھ جانا چاہتا تھا۔

"سر یہ ملا ہے۔" کسی اہلکار نے کچھ اٹھا کر دکھایا۔ وجاہت نے حکم نامہ جاری کیا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ اسے گھسیٹ کر لے جا رہا تھا اس کی گردن جھکائی گئی، عالم ایک ایک سے لڑ رہا تھا سہراب پر چیخ رہا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا سہراب چوکھٹ تھامے چپ چاپ کیوں کھڑا تھا۔ وہ کھڑا کہاں تھا کمبخت ڈھے جانے سے کترا رہا تھا۔ وہ بول نہیں رہا تھا کیونکہ بولتا تو لبوں سے منت ادا ہوتی۔ افتخار یمن کا صابر بیٹا اس لمحے صبر کے سب سے اعلیٰ درجے پر تھا۔

افسر اسے لے گئے وہ چلا گیا، نگاہوں سے اوجھل، سماعتوں سے پرے اور تب۔ تب سہراب یمن چوکھٹ کا سہارا چھوڑا اور دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

"تم نے کچھ کیا کیوں نہیں کیوں بزدلوں کی طرح اسے جانے دیا؟" عالم چیخ رہا تھا وہ کچھ نہیں بولا بس چپ چاپ دروازے کی طرف تکتا رہا، آنکھیں ویران تھیں، دل خالی۔ "تمھارا اپنا بیٹا ہوتا تو تم سے پوچھتا۔" وہ کہہ گیا سہراب نے کرب زدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا ان میں ایسی تکلیف تھی کہ عالم کو رخ پھیرنا پڑا۔ وہ فون اسٹینڈ کی طرف گیا اگلے ہی لمحے وہ کسی کا نمبر ملا رہا تھا ماتھے پر بل تھے، چہرے پر طیش کوئی اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بھتیجے کو لے کر کیسے جا سکتا ہے؟

"اس نے کچھ نہیں کیا سادات صاحب مجھے اس کی بیل چاہیے۔" نیم اندھیرے لاؤنج اور روشن بکھرے کمرے کی چوکھٹ میں بیٹھے مرد کو اب تک یہ سمجھ نہیں آرہا تھا وہ سانس پہلے لے، یا دل پہلے سنبھالے؟ روح لینے ملک الموت کو آنا پڑتا ہے کوئی یہاں اس کی آنکھوں کے آگے سے اس کی زندگی لے کر کیسے چلا گیا؟

وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر اسے نکال کر لایا تھا اور آج ایک بار پھر وہ قید میں تھا۔ اس گھر کے مردوں کو اپنی بقا کی اور کتنی جنگیں لڑنی ہوں گی؟

★★★★★

"مجھے ترس آرہا ہے۔" پول کے شفاف پانی کو تکتے اس عورت نے تبصرہ کیا۔ اس کے چہرے پر واقعی افسردگی تھی۔ "مجھے عالم کے لیے بُرا لگ رہا ہے، سہراب اور انارا کے لیے بھی اور۔۔۔ اور اسلان اور انارا کے لیے بھی۔" قصہ گو نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"ابھی تو تم نے کچھ سنا بھی نہیں اور پہلے ہی تمہیں برا لگنا شروع ہو گیا؟"

"پتا نہیں۔۔۔" وہ بے دلی سے بولی۔ "تم بیچ میں ایک بار پھر کہانی کو راستے سے ہٹا گئے ہو مجھے اپنی مرضی کی چیزیں جاننی ہیں۔ کیا اسلان اور انارا کے درمیان دوبارہ کوئی بات ہوئی، خادم بٹ نے سہراب سے کیا کہا؟ کیا اس رات شاہ زید وہاں آیا تھا؟"

"تو چھبیس مارچ کا ذکر ہے کہ۔" وہ بولنے لگا اور عورت مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ آخر یہ لکھاری خود کو سمجھتے کیا ہیں؟

★★★★★

تھانے کے تفتیشی کمرے میں دونوں طرف کرسیاں اور درمیان میں میز رکھی تھی۔ کرسی اسلان کے قد کاٹھ کے حساب سے کھلونا معلوم ہو رہی تھی وہ بڑے غیر آرام دہ انداز میں ٹک کر بیٹھا تھا۔ دوسری طرف جسویندر کھڑا کھڑا تھا۔

"تمہارے سارے خاندان میں اپنے چچا سے ملنے صرف تم کیوں آتے ہو؟" ابتداء یہاں سے ہوئی۔

"کس دفع کے تحت یہ جرم ہے؟" بازو سینے پر باندھے اس نے الٹا سوال کیا۔

"میں نے سوال کیا ہے یہ تو نہیں کہا کہ یہ جرم ہے۔"

"میں نے بھی سوال پوچھا ہے، یہ تو نہیں کہا کہ جواب نہیں دوں گا۔"

سلطان ہنسا۔ محظوظ انداز سے اسے دیکھا۔ "لڑکے تمہاری زبان تو قینچی جیسی ہے۔" اسلان نے اب کے جواب نہیں دیا بس چبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ "پچیس فروری کی رات تم کہاں تھے؟"

"بلوچستان کوئٹہ۔"

"کیوں؟"

"میری مرضی۔ میں اس جواب کا پابند نہیں ہوں۔"

"کافی مرضیاں کرتے ہو۔" ابرو اچکائیں۔ "لاہور کس تاریخ کو اور کب پہنچے؟"

"مجھے رات تین بجے کے قریب میری بہن کی کال آئی تھی اس نے مجھے سارا معاملہ بتایا اور میں اسی وقت نکل آیا۔ مجھے بس میں سیٹ ملی، اس کے بعد میں اگلی شام پانچ بجے کے قریب لاہور پہنچا تھا۔"

”اچھی بسیں ہیں بڑے وقت پر پہنچا رہی ہیں۔ ذرا نام بتانا۔“ سلطان نے ترچھا بیٹھتے ہوئے داڑھی کھجائی۔

”نعام ایکسپریس!“

”ٹھیک ہے لیکن میں کیسے مان لوں کہ تم اس بس سے سفر کر کے آئے تھے۔“

”میرا موبائل دیکھ لیں میں نے ٹکٹس بُک کی ہیں۔ پیسے بھیجے ہیں، آن لائن سارا ریکارڈ موجود ہے۔“

سلطان نے اس کا موبائل اٹھا کر جسی کے حوالے کیا۔ تنومند سے سکھ افسر نے موبائل لے لیا۔ ”پاس ورڈ؟“

اسلان نے ایک سن بتایا جو یقیناً اس کی پیدائش کا نہیں تھا۔ وہ آراہ کی پیدائش کا سن تھا۔ ”کوئی ایلی بائی؟“

”کوئٹہ میں میرے زیادہ دوست نہیں تھے ہاں لیکن ایک سٹیشن پر میں نے بس ڈرائیور کے ساتھ کھانا کھایا تھا اور چائے بھی پی تھی۔“

”سٹیشن کا نام دوبارہ بتانا؟“

اسلان نے نام دہرا دیا۔ ”ڈرائیور کا نام؟“

”علی رضا۔“

”اور اسے کیسے یاد ہو گا کہ تم نے اس کے ساتھ کھانا کھایا تھا؟“

اسلان نے پہلو بدلا۔ ”وہ خبریں دیکھتا ہے، اسے پنار سکندر کی موت والا قصہ معلوم تھا۔“

”اوہ یعنی وہ تمہیں قاتل کی حیثیت سے جانتا تھا؟ وجہ شہرت کافی شرمناک نہیں؟“

"میرے لیے نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ ایک الزام تھا۔"

"یعنی تم نے اسے قتل نہیں کیا تھا؟"

"یہاں اس کیس کی تفتیش نہیں ہو رہی۔" گفتگو کے اس حصے پر سلطان کو اندازہ ہو چکا تھا وہ زیرک ہے، چاہے لاکھ کوشش کر لے مگر اسلان یمن سے وہ راز نہیں نکلوا سکتا جسے وہ عیاں نہ کرنا چاہے۔

"لیکن یہاں اس بات کی تفتیش ضرور ہو رہی ہے کہ تمہاری کریڈبلیٹی کیا ہے۔"

"واضح ہے۔" اس نے شانے اچکائے۔ "ایف آئی آر اور ٹرائل کے بعد بھی مجھے عدالت نے رہا کر دیا کیونکہ میرا کوئی قصور نہیں تھا اور اس کے بعد مجھ پر دوبارہ کسی قسم کی کوئی ایف آئی آر یا قانونی کاروائی نہیں ہوئی میں ایک شریف اور ذمہ دار شہری ہوں۔"

سلطان لبوں پر مٹھی جمائے، آنکھیں چھوٹی کیے ان میں سختی لیے اسے دیکھتا رہا۔ "اور کہاں رکی تھی گاڑی؟"

"بھکر سٹیشن پر، میں نے نیچے جا کر اپنے لیے آئسڈ لاٹے خریدی تھی۔"

"میں کیسے مان لوں؟"

"سٹور کا بل ہے میرے پاس۔"

"کہاں؟"

”میرے گھر میں، میرے چچا کو کال کریں وہ تصویر بھیج دیں گے، میرے سارے بلز، رسیدیں میری پلنگ کی سائیڈ والی دراز میں پڑے ہیں۔“

”ٹھیک ہے دیکھ لیتے ہیں تمہارے بیان میں کتنی سچائی ہے۔“ اس نے جسی کو اشارہ کیا وہ سمجھ کر سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔ سلطان کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ”تم جاسکتے ہو لیکن پولیس کو جب بھی تمہارے بیان کی ضرورت پڑے گی تمہیں آنا ہوگا۔“

”جی ورنہ پولیس میری بہن کو تھانے لانے کی بات کرے گی۔“

سلطان ڈھٹائی سے ہنسا۔ ”مجبوری ہے یار، کرنا پڑتا ہے۔ دیکھو کام بھی کر رہا ہے یہ طریقہ۔“

اسلان نے سر جھٹکا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”ابھی وقت ہے آپ کا، کر لیں جو آپ کا دل کرے۔“

”دوران تفتیش آن ڈیوٹی افسر کو دھمکیاں دینے کی سزا جانتے ہو؟“

کرسی اور میز کے درمیان، دھوپ کی کئی کرنوں کے بیچ احمد اسلان ولد شجاع یمن نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ان نگاہوں میں کاٹ تھی۔ ”میرا خاندان پچھلے کئی سالوں سے ناکردہ گناہوں کی سزائیں کاٹ رہا ہے، آپ کیے ہوئے گناہ کی سزا دے دیں بُرا نہیں مانوں گا۔“

”یعنی تم لوگ ہر جرم سے انکاری ہو؟“ اسلان چند لمحے خاموش رہا پھر بے حد سادگی سے کہا۔

”ہم نے ”کہنا“ چھوڑ دیا ہے سر۔“ کچھ تھا اس کی آنکھوں میں، انداز اور لہجے میں کہ سلطان کچھ کہہ نہیں سکا۔ باہر کی طرف جاتے ہوئے اسے اس کا موبائل واپس دیا گیا، بٹوہ اور بقیہ سامان بھی۔ اس نے چپ چاپ سامان لے لیا۔ بے بسی سی بے بسی تھی کہ وہ لب سیئے، چپ چاپ تھانے سے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس نے چہرہ آسمان کی طرف کر لیا، دل میں کوئی میخیں سی گڑھ گئیں۔ وہ بہت دیر تک گردن ڈھلکائے آسمان کو تکتا رہا۔ شکوہ تھا، یا کیا؟

"ان اللہ مع الصابرین۔" تھک کر کہا، حلق میں کوئی گولہ اٹکا۔

"ان اللہ مع الصابرین...." امید سے کہا۔

"ان اللہ مع الصابرین۔" شکست خوردگی سے کہا۔

"ان اللہ مع الصابرین۔" چہرہ واپس جھکاتے تسلی، آزردگی اور دل کو تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ اس سڑک پر تنہا چلتے ہوئے کسی بس کی تلاش میں جاتے ہوئے اس کے لب مسلسل ہل رہے تھے۔

"ان اللہ مع الصابرین!"

★★★★★

چھبیس مارچ..........ایک باضابطہ ٹرائل شروع ہوا چاہتا ہے

عدالت ویسی ہی تھی، پرشور اور مصروف۔ سماعت کی تمام تر تیاریاں ہو چکی تھیں آج تو دمیر پراچہ وقت سے آئے بیٹھا تھا۔ لبوں پر مٹھی جمائے وہ خاموشی سے اپنے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ عالم کو بینچز کے درمیان کہیں بٹھایا گیا تھا۔ سہراب اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور دوسری طرف سلطان۔

"بنفشہ کہاں ہے؟" عالم نے سہراب کی طرف جھک کر پوچھا۔ سہراب جو کہ بار بار اسلان کو کال ملا رہا تھا۔ اس کی بات پر چونکا۔ اگر وہ آج بھی دیر سے آئی تو؟

"اسلان اسے لینے گیا ہے۔"

"وہ ٹھیک تو ہے؟ ہماری وجہ سے اسے کوئی پرابلم تو نہیں ہے؟"

ابھی سہراب کوئی جواب جواب دیتا کہ اس کے موبائل کی سکرین پر اسلان کا پیغام چمکا۔"میں "اس" کی بینڈ تیج کروارہا ہوں رات اس پر حملہ ہوا ہے۔ آدھا گھنٹہ لگے گا۔" سہراب پہلو بدل کر رہ گیا۔جواب کوئی نہیں دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔اس کی بند آنکھوں کے پار کوئی ایک گھنٹہ قبل دوسرے منظر میں داخل ہو تو اسلان یمن سہراب کی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا جب بنفشہ سامنے سے آتی دکھائی دی۔وہ جو کچھ سخت سا کہنے والا تھا، بالکل ٹھہر گیا۔وہ مکمل سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔رنگت پیلی پھٹک اور ماتھے پر سفید پٹی بندھی تھی۔

"یہ کیا ہوا ہے؟"

"بارات پر گئی تھی واپسی پر تحفہ مل گیا۔" وہ تڑخ کر بولی۔

اسلان نے آگے بڑھ کر اس کا بریف کیس اور باقی چیزیں لینا چاہیں تو اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔"میں اپنے کام خود کر سکتی ہوں۔"

"جو عورت آدھے محلے کو بے وقوف بنا سکتی ہے وہ ظاہر ہے اپنے کام بھی خود کر سکتی ہے۔" اسلان بھی اسی کے تلخ انداز میں بولا ساتھ اس کا بریف کیس اور فائلز لے لیں، انداز جھپٹنے والا تھا۔اس نے تمام چیزیں گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اپنی گود میں رکھیں اور جب دوسری طرف سے بنفشہ آکر بیٹھی تو سامان اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ظفر کلینک کے باہر گاڑی روکنا مجھے بینڈ تیج کروانی ہے۔" اسلان چپ رہا گاڑی آگے بڑھا دی۔بنفشہ بے حد خاموشی سے اپنے نوٹس پڑھ رہی تھی جب گاڑی کو ذرا سا دھچکا لگا اور ترچھی بیٹھی وکیل کا سر نشست سے ٹکرایا۔اس کے لبوں سے بے اختیار کراہ نکلی ساتھ خون کی ہلکی سی لکیر اس کے ماتھے سے کان تک آئی۔اسلان نے تشویش سے اسے دیکھتے ہوئے گاڑی ایک کیفے کے باہر روکی۔

"یہ پٹی ہٹائیں مجھے دیکھنے دیں۔" اس کا انداز سخت، نرم، سنجیدہ کچھ نہیں تھا۔ بنفشہ نے سفید کپڑے کی بندھی پٹی ہلکی سی ہٹائے تو خون تیزی سے بہنے لگا۔ وہ لب بھینچے کراہ روکنے لگی۔ اسلان نے ہلکا سا جھک کر دیکھا۔ "چہرہ اس طرف کریں۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے سمت بتائی وہ گردن واقعی پھیر گئی۔ اسلان اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے جب بغور جائزہ لے چکا تو بغیر کچھ کہے گاڑی سے اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کافی کے دو کپ لیے اندر آیا۔ "آپ کو ضرورت پڑے گی۔ ہم ظفر کے کلینک نہیں جارہے اس زخم پر ٹانکے لگیں گے۔ تھوڑا آگے جا کر روکوں گا۔" گیئر ڈالتے ہوئے اس نے اطلاع دی۔

"لیکن میں نے تو پلیز نہیں کہا پھر یہ کرم نوازی کیوں؟" اس کی تلخ آواز رندھی ہوئی بھی تھی وہ بہت ضبط سے رونا روکے ہوئے تھی۔ اسلان نے جواب نہیں دیا۔ ڈیش بورڈ سے چند ٹشو نکال کر بنفشہ کی طرف بڑھائے جنہیں اس نے خاموشی سے تھام لیا اور ماتھے پر رکھ لیا۔ ساتھ کافی کا کپ لبوں سے لگایا۔ پہلا ہی گھونٹ نری جنت تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سکون محسوس کیا۔

"یہ کیسے ہوا؟" نظریں سڑک پر جمائے اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔ بنفشہ نے ایک دو گھونٹ مزید لیے اور سوچنے لگی یہ کیسے ہوا؟

رات کو اس کی نیند عظمیٰ بی کی چیخوں سے کھلی۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور عظمیٰ بی کمرے میں نہیں تھیں۔ اس نے دوپٹہ اٹھا کر اپنے گرد اوڑھا اور جلدی سے باہر آئی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ گئیں۔ صحن میں اس کے گھر کے تقریباً تمام سامان ٹوٹے بکھرے پڑے تھے۔ فرش پر عظمیٰ اوندھے منہ پڑی تھیں۔ یہ ساری آوازیں اس تک کمرے میں کیوں نہیں گئیں؟ کیا وہ اتنی دھت تھی؟

بنفشہ نے چہرے پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کا گلا گھونٹا ابھی وہ ٹھیک سے حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ ماسک پہنے لڑکوں میں سے ایک اس کی طرف آیا اور اپنی پستول کا دستہ گھما کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ ایک بلند چیخ کے ساتھ

گردن جھکا گئی۔ سارا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ ماتھے سے خون فوراً بہہ نکلا۔ اسی لڑکے نے بنفشہ کو بالوں سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کیا اور اس کے سر سے بہتے خون کی پرواہ کیے بغیر پے در پے تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارے۔ انداز میں عجیب سی بے رحمی تھی۔

”بے حیا عورت تُو عدالت جائے گی؟ مقدمے لڑے گی۔ تیری اتنی اوقات ہو گئی ہے کہ تجھ جیسی.... گالی.... گالی.... اب کورٹ جائے گی؟“ اس کے تمام الفاظ حلق میں دم توڑ چکے تھے سانس ساکن تھی اور دل تھم گیا تھا۔ اس کے گھر میں پانچ سے چھ مرد تھے، وہ اسے یہیں زندہ جلا دیتے اور دنیا کو خبر بھی نہ ہوتی۔ کیا وہ اتنی بے بس تھی؟

”دوبارہ اگر تو ہمیں عدالت میں دکھی تو تیری لاش لاہور کے کسی نالے سے برآمد ہو گی۔ حرافہ۔“ لڑکے نے اسے دھکا دے کر گرایا۔ بھل بھل بہتے خون کے ساتھ ماتھے پر ہاتھ رکھے وہ سُن سی بیٹھی رہ گئی۔ پلک جھپکنا، سانس لینا سب ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔

اس کے ساتھ یہ مقدمہ لڑنے والا سعید بھی تو تھا۔ ان غنڈوں میں کوئی اس کے گھر کیوں نہیں گیا؟ کسی نے اسے کیوں دھمکی نہیں دی، کیوں کوئی اس کا سر پھاڑ کر نہیں گیا، کیوں کوئی اسے گالی نہیں دے رہا تھا، وہ اکیلی عورت تھی تو کیا اس معاشرے کے مردوں کو اختیار تھا اسی کے گھر آ کر اس کے بال نوچیں، تھپڑ ماریں اور گالیاں بکیں؟ یہ رات محض رات نہیں تھی یہ جہنم تھی جس سے وہ گزر رہی تھی۔

”اندر چلیں؟“ آواز پر وہ حال میں آئی۔ اسلان نے گاڑی ایک ہسپتال کے سامنے روک دی تھی اور اب وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہسپتال میں تھے۔ اس کے ماتھے پر چار ٹانکے لگائے گئے۔ گردن کے نیل کے لیے دوا اور درد ختم کرنے کے لیے چند گولیاں ملیں۔

"مجھے ہسپتال لے جانے کے لیے سہراب نے کہا ہے؟" اس کا پرس اور دوائیاں اسلان کے ہاتھ میں تھیں۔ جنہیں وہ بغیر کسی حجت کے تھامے ہسپتال سے باہر آرہا تھا۔

"نہیں۔"

"پھر تم مجھے یہاں کیوں لائے؟"

"میں فضول گوئی سے پرہیز کرتا ہوں۔" دوٹوک انداز میں کہہ کر جتا دیا کہ وہ اس سے بات کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ بنفشہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر غور کر رہی تھی۔ وہ اکھڑ بدتمیز اور مغرور تھا مگر اس وقت اس کا پرس تھامے، دوائیوں کے شاپر پکڑے وہ کچھ مختلف لگ رہا تھا۔ وہ بے اختیار اس کی حالت پر مسکرائی۔

اپنے کندھے ہلائے جانے پر سہراب نے آنکھ کھولی۔ عالم ہتھکڑی والے ہاتھ سے اسے ہلا رہا تھا۔ "پریشان کیوں ہو؟" ہلکی آواز میں اس سے سوال کیا۔

"خادم صاحب نے بلوایا تھا مجھے۔" وہ سنبھال کر بولا۔

عالم ترنت سیدھا ہو کر بیٹھا۔ سماعتیں اسی طرف لگ گئیں۔ "کیا کہا انہوں نے؟"

"انہوں نے کہا ہے انہیں جوہر فورزیرو پر اپ ڈیٹ چاہیے۔" عالم کا دماغ بھک سے اڑا۔

"اس سے کہو عالم ویسے ہی جیل میں ہے اب وہ دھمکیاں اپنی ماں کو لگائے۔ ذلیل کی اولاد۔"

"اس نے کہا ہے اگر میں نے اسے کوئی اپ ڈیٹ نہیں دی تو وہ میرا تبادلہ کروا دے گا۔" سہراب کا انداز تھکا تھکا تھا۔ "اگلے سال الیکشن ہیں عالم اور اس شہر کی ہوا ابھی جانتی ہے اگلی حکومت کس کی آئے گی۔ میں چند ماہ بعد یہاں سے نکالا جاؤں گا مجھے پتا ہے لیکن میں ابھی نہیں جانا چاہتا۔ میں تمہیں اس طرح اس قید میں چھوڑ کر کہیں نہیں جانا

چاہتا۔" عالم کتنے لمحے سانس روکے بیٹھا رہا، ساکن اور خالی۔ آج اسے سمجھ آیا کہ مرد ایک ہی وقت میں کتنے محاذ لڑتا ہے۔ بقا کے لیے کتنے بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھاتا ہے۔ مسئلہ خواہش کا نہیں، مسئلہ جبر کا ہے۔ اس معاشرے میں مرد پر جذبات کا اظہار نہ کرنا اور عورت پر عزت کا پاس رکھنا لازم کر دیا گیا ہے۔

"میری طرف سے کام ہو جائے گا۔"

"تھانے میں بیٹھ کر؟" ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان دبائے سہراب تکان سے بولا۔ عالم کی نظریں کہیں دور جمی تھیں۔ وہ کچھ سوچ چکا تھا۔

★★★★★★

"کورٹ نہیں جا رہے؟" موبائل پر نگاہیں جمائے وہ تیز تیز زینے پھلانگتے ہوئے نیچے جا رہا تھا جب نایاب نے اسے پکارا۔ زید ٹھہر گیا۔ مڑ کر اسے دیکھا۔ انداز میں عجلت تھی۔

"وہیں جا رہا ہوں۔"

"تو پھر مام کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟"

شاہ زید نے بے زاری سے اسے دیکھا۔ "کچھ کام تھا۔" نایاب دو سے تین زینے طے کرتے ہوئے نیچے آئی۔ زید کے عین سامنے۔ پھر اس نے آس پاس دیکھا اور آواز حتی الامکان دھیمی رکھی۔

"مجھے لگتا ہے رئیس مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"ان کا کوئی افیئر نہیں چل رہا ڈونٹ وری۔" نایاب کے ماتھے پر بل پڑے۔

”اگر ان کا کوئی افیئر ہوتا تو اب تک مجھ سے بچ نہ پاتے۔ میں کیس کی بات کر رہی ہوں ان کو کچھ پتہ ہے اور وہ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔“

”اور آپ کو ایسا کیوں لگا؟“ وہ اب کے ٹھہر گیا تھا۔ بنگش اور مخدوم خلاف جماعت تھے آج اگر ایک طرف سے مفاہمتی ہاتھ بڑھا ہی تھا تو وہ افہام و تفہیم سے اس معاملے کو حل کر لینا چاہتا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ لیکن وہ ابتسام بھائی سے ملے تھے میں دور کھڑی تھی ان کی آواز نہیں سنی لیکن مجھے یہ پتا چل رہا تھا کہ وہ دونوں لڑ رہے ہیں۔“

زید ٹھٹکا۔ ”ابتسام اور رئیس بھائی؟ لیکن وہ کیوں لڑیں گے؟ کوئی پیسوں کا معاملہ تو نہیں تھا؟“

”ہوتا تو رئیس مجھے بتاتے۔“ آواز رازداری سے ہلکی ہوگئی۔ ”مجھے تمہیں کچھ اور بھی بتانا تھا۔ جب گھر پر پارٹی تھی تب شاہ ویر اور ابتسام کو بات کرتے ہوئے میں نے سنا تھا۔ شاہ ویر اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے صرف اپنی بہن کی وجہ سے برداشت کر رہا ہے ان دونوں کے درمیان کچھ تو آف تھا۔ اب مجھے زیادہ نہیں پتہ۔“ زید کا دماغ اب دوڑ رہا تھا۔ ”ان دونوں کا کسی ہسپتال کی رپورٹ پر بھی جھگڑا ہو رہا تھا۔ شاہ ویر نے اسے گالیاں بھی دیں۔“

”شاہ ویر نے گالیاں دیں؟“ یقینا معاملہ کافی بڑا تھا کیونکہ شاہ ویر اس حد تک یونہی نہیں چلا جاتا۔ وہ بھی اپنے بہنوئی ابتسام کے ساتھ؟ ”ڈونٹ وری بھابی میں اس مسئلے کو دیکھ لوں گا۔“ اس نے یقین دہانی کروائی۔ ”ویسے آپ یہ سب کیوں کر رہی ہیں؟ رئیس بھائی کو پتا چلا تو آپ سے ناراض ہوں گے اور ہم تو ویسے بھی آپ کی مخالف پارٹی تھے۔“

”شاہ ویر کبھی بھی میرے خلاف نہیں تھا اور نہ میں کبھی اس کے۔“ اس کے ایک جملے نے ماحول میں سوگواری طاری کر دی۔ ”وہ سب سے اچھا تھا، سب کے ساتھ۔ پلیز زید تم لوگ اسے انصاف ضرور دلوانا۔“

قریباً ایک گھنٹہ بعد وہ عدالت میں تھا۔ زخمی ماتھے والی بنفشہ کی آمد بھی ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر نیل اور ماتھے پر پٹی دیکھ کر تمکنت نے مٹھی بھینچ لی، دل میں کوئی ہوک سی اٹھی۔ البتہ دمیر پراچہ اور شاہ زید کے درمیان فخریہ، معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔

معاً شاہ زید کا موبائل تھرتھرایا۔ "اگر تم یقین کرلو تو میری آفراب بھی موجود ہے۔" سہراب کی طرف سے پیغام تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بالکل منجمند ہوا، پھر چہرے پر معتدل سی مسکراہٹ سجائے سامنے دیکھنے لگا جہاں معمول کی کاروائی شروع ہو چکی تھی۔ البتہ اس کا ذہن اب تک اسی رات میں اٹکا رہ گیا۔

"اس رات شاہ زید بنگش لعل یمن گیا تھا؟" لڑکی نے تیزی سے پوچھا۔ قصہ گو نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔

کوارٹر دو کمروں پر مشتمل تھا۔ انتظار گاہ اس وقت ایک کمرہ تھا وہ نہیں جہاں جس کمرے سے سہراب کی تفتیش مربوط تھی۔ "تمہیں لگتا ہے وہ آئے گا؟" سہراب بے چینی سے یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔

سفید سرورق والی کتاب کے صفحے پلٹاتے اسلان نے کافی کا گھونٹ بھرا البتہ سر نہیں اٹھایا۔ "آجائے گا۔" وہ کتاب میں غرق تھا۔ اسے یہ باب ختم کرنا تھا۔

"تمہیں اتنا یقین کیوں ہے؟"

"خود پر ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ آپ نے مجھ پر کبھی یقین نہیں کیا لیکن میں جو کام کرنے جاؤں اسے کر کے آتا ہوں۔" سہراب رک گیا۔ سر جھکائے بیٹھے اس لڑکے کو دیکھا۔ آج وہ بڑا ہو گیا تھا۔ اس سے زیادہ مضبوط بھی لیکن اس کی یادداشت میں وہ اسلان تھا جس نے اپنے پہلے قدم سہراب کے ہاتھ تھام کر اٹھائے تھے۔

”اگر میں یقین نہیں کرتا تو اس کی وجوہات ہیں۔ کم عمری میں تمہارے ایک غلط لڑکی سے تعلقات، پڑھائی چھوڑ کر واپس آجانا، چھبیس سال کا ہو کر بھی بے روزگار رہنا، اس عمر میں دوستوں کا نہ ہونا اور..... “اسلان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور؟.... اور کیا؟ وہ پوچھ کیوں نہیں لیتا کہ اسلان بلوچستان کیا لینے گیا تھا؟

”آپ فکر مت کرو میں بہت جلد یہ گھر دوبارہ چھوڑ دوں گا ایک بار یہ عالم کا قصہ ختم ہو، آپ کو میری ناکامیاں مزید نہیں دیکھنی پڑیں گی۔“ سہراب کا دل زخمی ہوا۔ اسلان بے رحم تھا اور سامنے کھڑا شخص اس کے معاملے میں بے بس۔

وہ دونوں چپ ہو گئے تب ہی باہر کھڑے شخص نے دستک دی۔ سہراب نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ بلب کی روشنی میں اس کا وجود صاف ظاہر تھا۔ گول گلے والی ہینلی شرٹ کے ساتھ خاکی سلیکس پہنے، بالوں کو ہلکا سا بکھیرے وہ بے حد پرکشش لگ رہا تھا۔ سوگواریت اور انتقام نے اسے مزید جاذب نظر بنا دیا تھا۔

”اس کالونی کے چاروں طرف میرے گارڈز کھڑے ہیں اگر تم دونوں نے کسی بھی قسم کی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہو گا۔“ اسلان نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

”تمہاری پارٹی میں نوے سیکورٹی ممبران تھے پھر بھی کوئی آیا اور تمہارے بھائی کو مار کر چلا گیا۔ تعداد پر نہیں حکمت عملی پر غور کرو۔“

”اس کی بات کو چھوڑو۔“ سہراب نے مداخلت کی۔ ”جو میں کہنا چاہتا ہوں اسے ایک بار سنو اور اگر تم راضی نہ ہو سکے تو تم جو چاہو گے وہی کرنا۔“

”تم پہلے دن سے ایک ہی بات کہہ رہے ہو اور وہ میں سننا نہیں چاہتا میرے بھائی کو اس سیریل کلر نے مارا ہے تم یہی کہنا....“

”شاہ ویر۔۔۔کو۔۔پریولج۔۔کلر۔۔۔نے۔۔۔نہیں۔۔۔مارا۔“ سہراب نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ زید اسے اچھنبے سے دیکھ رہا تھا اور اسلان ساکت تھا۔ کیا اس کے چچا نے اس کا استعمال کیا؟ آہ یقیناً۔

★★★★★

”موجودہ لمحہ۔“

پہلی سماعت کی کاروائی شروع ہو چکی تھی۔ جج سمیت دونوں طرف کے وکلاء اور ورثہ عدالت کے کمرے میں جمع تھے۔ سلطان کٹہرے میں کھڑا جج کو اپنا بیان دے رہا تھا۔ ایف آئی آر کی کاپی، تفتیش کا ریکارڈ اور باقی تمام ضروری دستاویزات پہلے ہی جمع کروائے جا چکے تھے۔

”جناب پچیس فروری رات تقریباً گیارہ بجے پولیس کو اطلاع ملی کہ شاہ ویر بنگش جو کہ ایک لکھاری اور عوامی رہنما ہیں ان کی تقریب میں کوئی پھڈا۔۔۔“ جج نے آنکھیں دکھائیں تو سلطان سنبھلا۔ ”میرا مطلب ہے ان کی کسی سے بحث ہو گئی ہے۔ پولیس جب وہاں پہنچی تب رات کے بارہ بج چکے تھے اور جو پولیس نے دیکھا وہ کوئی عام بحث نہیں تھی شاہ ویر بنگش بہت بری طرح زخمی تھے۔ ہم نے ان کے بھائی کو انہیں ایمبولنس میں ڈالتے ہوئے دیکھا۔“ وہ رکا، سانس برابر کی اور دوبارہ کہنے لگا۔ ”اس کے بعد ہم اندر گئے باہر جانے کے تمام راستے بند کروائے، کرائم سین سیل کر دیا اور اس کے بعد ہم نے پولیس کے چند لوگ ہسپتال روانہ کیے۔ رات کے تقریباً دو بجے تک ڈاکٹرز نے کنفرم کر دیا کہ شاہ ویر کی موت ہو چکی ہے۔ کوئی دس منٹ بعد ہم نے اسی ہسپتال سے عالمگیر کو گرفتار کیا جس کے کپڑوں پر خون تھا اور مقتول کی آخری چپقلش اسی سے ہوئی تھی۔“

جج صاحب نے ناک پر دھری عینک درست کرتے ہوئے غور سے سلطان کو دیکھا۔ جو اب بھی کہہ رہا تھا۔ ”ملزم کی شرٹ پر لگا خون اور مقتول کے خون کا نمونہ میچ ہو چکا ہے۔ ایک عدد چشم دید گواہ بھی موجود ہے اور کرائم سین پر ایک ٹوٹا ہوا بٹن ملا جو کہ ملزم کے کوٹ ہی کا ہے۔ اس کے علاوہ سی سی ٹی وی فوٹیج صاف صاف بتا رہا ہے کہ گارڈز

کے نرغے سے بھاگنے کے بیس منٹ بعد تک ملزم عالمگیر ہوٹل سے باہر نہیں گئے۔ پولیس کا دعوی ہے کہ ان بیس منٹ میں ملزم نے شاہ ویر کو زخمی کیا۔ اگلے چند گھنٹوں میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شاہ ویر کی ڈیتھ ہو گئی۔ ایف آئی آر کی کاپی اور باقی کے ابتدائی ثبوت پولیس نے عدالت کو جمع کروادیے ہیں۔" وہ باادب سا کہہ رہا تھا۔

"پراسیکیوشن کو کوئی سوال کرنا ہے؟" جج نے پوچھا۔ دمیر اٹھ کھڑا ہوا، کوٹ کا بٹن بند کرتے وہ کٹہرے میں کھڑے سلطان کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ آنکھیں سپاٹ اور سنجیدہ تھیں۔

"سلطان صاحب آپ نے جب عالمگیر کو گرفتار کیا، کیا آپ کو یاد ہے وہ کیا وقت تھا؟"

"جی جناب جس وقت میں نے ملزم کو گرفتار کیا اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ملزم نے کافی مزاحمت کی لیکن ہم اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"عالمگیر یمن کو گرفتار کرنے کے بعد آپ نے کیا کیا؟"

"ہم نے اس کی گاڑی حراست میں لی جس سے ہمیں آلہ قتل موصول ہوا۔" وہ باقاعدہ بک رہا تھا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو ہتھیار عالمگیر کی گاڑی سے ملا وہ آلہ قتل ہی تھا؟"

"فرانزک رپورٹ کہتی ہے کاپی پولیس جمع کرواچکی ہے۔" جج کے ریڈر نے کاپی انہیں تھمائی جسے انہوں نے سرسری سا پڑھا اور دوبارہ دمیر اور کٹہرے میں کھڑے سلطان کو دیکھنے لگے۔

"پولیس کی تفتیش کے دوران آپ کو ایسا کیا کیا ملا جن کی بنا پر عدالت عالمگیر کو مجرم مان سکتی ہے؟"

”چشم دید گواہ، ملزم کی شرٹ پر لگا مقتول کا خون، گاڑی سے ملنے والا آلہ قتل اور ملزم کی مقتول سے آخری گفتگو جس میں وہ شاہ ویر کو جان سے مارنے کی دھمکی دے رہے تھے۔اس کے علاوہ مقتول کے ساتھ عالگمیر کی پرانی چپقلش رہی ہے۔“

”بہت شکریہ، سلطان۔“ دمیر نے کہا اور اب وہ جج کو دیکھتے ہوئے اضافہ کر رہا تھا۔”جیسا کہ معزز عدالت نے سنا اور شواہد بھی پڑھے کہ ملزم کے خلاف ثبوت اتنے ٹھوس ہیں کہ کہیں بھی یہ سوچنے کی ضرورت نہیں پیش آتی کہ یہ قتل عالمگیر نے نہیں کیا۔یہ ایک اوپن اینڈ شٹ کیس ہے جناب جہاں شواہد مکمل ہیں، وجہ موجود ہے اور قاتل پولیس کی حراست میں اس مقدمے کو تاریخیں دے دے کر بڑھانا معاشرے کے انصافی اقداروں کی پامالی ہو گا۔“ وہ ایک پل کو رکا۔کاٹ دار نگاہوں سے بنفشہ کو دیکھا اور واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھا۔

”دفاع کو کوئی سوال کرنا ہے؟“

”جی یور آنر“ بنفشہ احسان کی آواز آئی۔سہراب، عالم، یافث بے حد غور سے سامنے دیکھ رہے تھے۔اسلان غائب دماغ تھا۔اس کے دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔اس رات جب اس کا باپ اس کے پاس آیا تھا وہ اس کے آنے کی آخری رات نہیں تھی۔عدلیہ کے اس جھمیلے کو چھوڑ کر اس کے ساتھ ماضی کے کسی ذاتی سفر پر نکلتے ہیں۔

★★★★★★★★★

زرد بتیوں میں ڈوبا پر فسوں سا ماحول طاری کرتا وہ ریستوران شہر لاہور کا مہنگا ترین ریستوران تھا۔امراء اور رؤسا بڑی بے فکری سے اپنے کھانے میں مشغول تھے۔ہلکی ہلکی موسیقی بج رہی تھی۔اسلان یمن یہاں آ کر پہلی مرتبہ قدرے خفت کا شکار ہو رہا تھا۔یہاں بیٹھے لوگ ایسے تھے جیسے ربڑ کے بنے ہوئے گڈے گڑیا۔ہاتھ میں گلاس پکڑنے کا یکساں انداز، کانٹے اور چھری چمچ کا نرالا انداز۔لباس اور خوشبوئیں تو آس پاس رچی بسی ہوئی۔

"ہم کہیں اور بھی جاسکتے تھے ڈیڈ۔" اپنے سامنے بیٹھے شجاع یمن سے اس نے ہلکی آواز میں احتجاج کیا۔ سیاہ پولو شرٹ اور سیاہ ہی پینٹ میں ملبوس وہ خاص تیار تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اسلان نے غور سے اس کی مسکراہٹ دیکھی۔ ریاضی کے تمام حساب کتاب سیکھ کر آئی مسکراہٹ۔

"یہ تمہارا حق ہے بچے۔ میں نے ایک لمبا عرصہ تمہیں اس سے محروم رکھا اب اور نہیں۔" اسلان اسے بتانا چاہتا تھا یہ کپڑے، جوتے، کھانے یہ حق نہیں تھے اور اگر تھے تو اسے ان سب سے غرض نہیں رہی تھی۔ جو واحد شے اسے درکار تھی وہ ساتھ اور سایہ تھا۔ جو واحد شے اس سے چھینی گئی وہ بھی ساتھ اور سایہ ہی تھی۔

"کیا تم اب بھی مجھ سے ناراض ہو بیٹا؟" کھانا آ گیا تھا مگر شجاع نے ابھی تک ایک نوالہ بھی نہیں لیا تھا۔ اسلان کی نگاہوں میں آج بھی کہیں اس شخص کے لیے بے بسی تھی۔ کیوں وہ روندے جانے کے بعد سمیٹنے والے لمس کو جھٹک نہیں پا رہا تھا؟

"میں اتنی جلدی سب بھول نہیں سکتا۔" بالآخر اس نے نگاہیں چرائیں اور چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا۔

"آئی ایم سوری، اسلان۔ اگر تمہاری ماں نے مجھے دھوکہ نہ دیا ہوتا تو میں کبھی ایسا نہ کرتا۔ میں کبھی بھی اس طرح اپنے سب سے پیارے بیٹے کو نہ چھوڑتا۔"

"اور آراہ؟ اسے چھوڑ دیتے آپ؟" کمبخت یوں تو اس سے نفرت کے دعوے کرتا تھا اور اب جب کہیں اس کی حق تلفی ہوتے دیکھی تو سب سے پہلا خیال اس کا کیوں آیا؟

"میں اسے بھی نہ چھوڑتا وہ بھی میری اولاد ہے۔" شجاع فوراً بولا۔ "حالات خراب نہ ہوتے تو میں کسی جگہ تمہیں اور آراہ کو نہ چھوڑتا۔ اگر میں اتنا بُرا ہوتا تو کیا میں آراہ کو اس کے میڈیکل چیک اپ کے لیے امریکا بلواتا؟" اسلان چپ رہا۔ اس کے پاس اگر گنوانے کو ایک چیز تھی تو اسلان کے پاس دس، مگر اس نے نہیں گنوایا۔

"میں اب دوبارہ ویسی کوئی غلطی نہیں دہراؤں گا۔ میرا یقین کرو۔" اس نے اسلان کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا۔ کتنے عرصے بعد یہ لمس محسوس ہو رہا تھا؟ اس نے گہری سانس لی اور چپ چاپ کھانا کھانے لگا۔ شجاع نے آس پاس دیکھا چند نو عمر لڑکیاں اسلان کو دیکھ کر کچھ کہہ رہی تھیں۔ شجاع ہلکا سا مسکرایا اور دوبارہ اسلان کو دیکھا۔

"تم لڑکیوں میں کافی مشہور ہو۔ بِگ بوائے۔" اسلان نے ناسمجھی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ شجاع نے آنکھ کے کونے سے ایک طرف اشارہ کیا اسلان نے انہی انجان نظروں سے اس طرف دیکھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے تیزی سے نگاہ پھیر لی۔ شجاع ہنس پڑا۔

"تم لڑکے ہو کر شرماتے ہو؟"

"میں شرما نہیں رہا۔" اسے خفت ہوئی۔ شجاع ایک بار پھر ہنسا۔ اسلان نے اسے دیکھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ایک ساتھ ہنسے۔ ہلکے مدھم قہقہے۔ باپ بیٹا ایک ساتھ ہنس رہے تھے۔

اسی لمحے شجاع کے موبائل پر ایک پیغام چمکا۔

"بیٹے کی محبتوں میں "کام" مت بھول جانا۔" انگریزی میں لکھا وہ واضح پیغام۔ شجاع کی مسکراہٹ قدرے مدھم پڑی۔ البتہ معدوم نہ ہوئی۔

"کون ہے ڈیڈ؟" اسلان نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

"کوئی نہیں بیٹا۔ کمپنی ہے۔" اس نے بات بدل دی۔ اب وہ اسلان سے کچھ اور پوچھ رہا تھا بہت عرصے بعد کوئی برف پگھل رہی تھی۔ وہ شاید خوش تھا۔ شاید؟

حال میں وہ عدالت کی کاروائی سن رہا تھا۔ دل نا چاہتے ہوئے اب بھی کہیں ان خوشگوار لمحات میں اٹکا ہوا تھا۔

★★★★★

اس کی رنگت نقاہت زدہ اور آنکھوں کے آگے دھندلاہٹ بڑھ رہی تھی مگر وہ پھر بھی کھڑی تھی۔ اسے یہاں کھڑے ہو کر جرح کرنی تھی تاکہ ان بزدلوں تک پیغام جائے کہ وہ کمزور نہیں۔ اس نے ایک نظر کنچئی آنکھوں والی اس ادھیڑ عمر عورت کو دیکھا۔ اس عورت تک پیغام جائے کہ وہ نہ گری تھی نہ گرے گی۔

”سلطان صاحب آپ کے یمن خاندان کے ساتھ کس قسم کے تعلقات ہیں؟“

”آبجیکشن، اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟“ دمیر نے نقطہ اٹھایا۔

بنفشہ ہلکا سا مسکرائی۔ ”ابھی تو میں نے شروع کیا ہے سر آپ نے میرے موکل کو اس دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور میرا ایک سوال بھی برداشت نہیں ہو رہا؟“

”اعتراض مسترد لیکن آپ سوال کا مقصد جلد واضح کریں۔“ جج نے کہا۔ بنفشہ نے سر کو خم دیا اور سوال دہرایا۔

”سلطان صاحب آپ کے یمن خاندان کے ساتھ خاص طور پر سہراب یمن کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں؟“

”ہمارے درمیان کوئی گہرا تعلق نہیں ہے۔“

”لیکن چند سال قبل آپ اور سہراب یمن دو جسم ایک جان ہوا کرتے تھے، ڈیپارٹمنٹ کے بہترین افسر۔“

”آبجیکشن سہراب یمن کا اس مقدمے سے کیا تعلق؟“

”اگر آپ مجھے پانچ منٹ کا وقت دیں بغیر آبجیکشن کیے تو میں اپنے خاندان کا شجرہ نسب تک واضح کر دوں۔“ اب کے وہ کچھ جتانے والے انداز میں بولی۔ جانتی تھی وہ بار بار مداخلت کر کے اسے مدعا بھلانا چاہتا ہے۔

”پراچہ صاحب آج ایک ہی لائن رٹ کر آئے ہیں کیا؟“ جج صاحب محظوظ انداز میں بولے۔ ”اعتراض مسترد۔“

”سہراب اور میں ساتھ کام کرتے تھے ہمارے درمیان ایک اچھا تعلق تھا لیکن یہ ایک لمبا عرصہ پہلے کی بات ہے۔“

”اب کیسا تعلق ہے؟“ وہ اپنی سابقہ بات پر ڈٹی ہوئی تھی۔ سلطان نے پہلو بدلا۔

”اب ہمارے تعلقات بہتر نہیں۔“

”وجہ؟“

”کچھ سال پہلے ایک مقدمے کے دوران ہم دونوں کے درمیان مسائل آ گئے تھے۔“

”کس قسم کے مسائل؟“

”کیا یہاں میری ذاتی زندگی ڈسکس ہو گی؟“ وہ اب کے بلند آواز میں بولا۔

”یہ ذاتی نہیں پروفیشنل ہے۔ کس طرح کے مسائل؟“ اس نے وہیں سے سلسلہ جوڑا۔

”اس نے میرے کیس کی ساری لائم لائٹ اپنی طرف کر لی تھی۔ مجھے بتائے بغیر فیصلے لیے اور میرے منع کرنے کے بعد بھی اس نے ملزم کا انکاؤنٹر کر دیا۔“

”جیسا کہ معزز عدالت نے سنا کہ افسر سلطان راہی اور سہراب کے درمیان ماضی کی رنجشیں تھیں اور دفاع کا دعوی ہے کہ انہی رنجشوں کے چلتے آپ نے محض سہراب کو تکلیف پہنچانے کے لیے پولیس کی ابتدائی رپورٹ میں جھوٹ شامل کیے۔“

”یہ الزام ہے۔“ سلطان نے احتجاج کیا۔ ”میں نے پولیس کی رپورٹ میں محض سچ شامل کیا ہے۔“

"ٹھیک ہے ابھی ثابت کر دیتے ہیں۔ جب آپ نے عالمگیر کو گرفتار کیا تب آپ کے ساتھ کون کون تھا؟"

"میں اور میرے دو ماتحت۔"

"ان دونوں کے نام؟"

"اے ایس آئی شبیر، کانسٹیبل ایاز۔" بنفشہ نے مڑ کر جج کے ریڈر کو دیکھا۔

"نوٹ کیجیے گا عالمگیر یمن کو گرفتار کرتے وقت سلطان راہی، اے ایس آئی شبیر اور کانسٹیبل ایاز ساتھ تھے۔" وہ دوبارہ سلطان کی طرف مڑی۔ "آپ نے میرے موکل کی گاڑی کہاں سے برآمد کی؟" سلطان لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔ عالمگیر سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہا تھا، سہراب متاثر لگ رہا تھا اور اسلان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ البتہ اب وہ بور نہیں ہو رہا تھا۔

"ہسپتال کے باہر سے۔"

"عالمگیر کی گاڑی کا رنگ اور ماڈل؟"

"سرمئی سیویکس۔" بنفشہ نے سر ہلا دیا۔

"سلطان صاحب مجھے یہ بتائیں کہ جب آپ نے آلۂ قتل برآمد کیا تو کیا اس پر کوئی خون وغیرہ لگا تھا؟"

"جی نہیں لیکن فارنزک کہتا ہے کہ یہ وہی چاقو ہے جس سے وار ہوئے۔"

"فارنزک بعد میں، آپ بتائیں آپ کو کوئی نشان نہیں ملے؟"

"جی نہیں۔"

"اوکے اوکے۔ بہت شکریہ سلطان صاحب۔ آپ جاسکتے ہیں۔" سلطان کٹہرے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ "عدالت کی اجازت ہو تو میں اے ایس آئی شبیر کو وِٹنس کورٹ میں بلانا چاہوں گی۔" بنفشہ نے اجازت چاہی۔ چند پل بعد شبیر کٹہرے میں آکر کھڑا ہوا۔ "ملزم عالمگیر یمن کو گرفتار کرتے وقت آپ اپنے افسر سلطان کے ساتھ تھے؟"

"جی بالکل۔"

"اور ملزم کی گاڑی حراست میں لیتے ہوئے آپ کہاں تھے؟"

"میں ہی تو لایا تھا گاڑی۔" وہ ترنت بولا۔ دمیر نے بے اختیار کنپٹی سہلائی۔ سلطان نے بے اختیار پہلو بدلا۔ پولیس تیاری کے ساتھ نہیں آئی تھی۔ ہاہ۔

"گاڑی کہاں ملی آپ کو؟"

"وہ جی...." دمیر نے زیر لب ہسپتال کہا اور شبیر سنبھل گیا۔ "ہسپتال کے باہر سے جی۔ میں نے ہسپتال کے باہر سے گاڑی تھانے تک پہنچائی۔" وہ گردن مکمل اکڑا گیا۔

بنفشہ کی رنگت قدرے پھیکی پڑی۔ البتہ اس نے گردن کڑائے رکھی۔ "آلہ قتل آپ نے کہاں سے برآمد کیا؟"

"ملزم کی گاڑی سے جی۔"

"ٹھیک ہے آپ جاسکتے ہیں۔" پولیس کا تیسرا افسر آیا اور اس تیسرے نے بھی یہی جواب دیا۔ دمیر اب کچھ کچھ مطمئن نظر آرہا تھا مگر اسی پل اسلان اور بنفشہ کی نگاہ ملی۔ دونوں کے لب ہلکی بے حد ہلکی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ کوئی خوشگوار، ملی بھگت والی مسکراہٹ۔ دونوں بیک وقت گردن جھکا کر مسکرائے۔ "پولیس جھوٹ کہہ رہی ہے جج صاحب۔" بنفشہ احسان افہام و تفہیم کے بعد تباہی کی طرف آرہی تھی۔

"(عالم کہتا ہے ابتداء خراب کرو تو انتہا خراب ہو جاتی ہے۔ آپ نے ابتداء خراب کرنے کا سوچا؟" اسلان یمن نے بنفشہ سے سوال کیا۔ وہ جو عالم سے ملنے کے بعد مختلف سوچوں میں گم تھی اس کی آواز پر چونکی۔

"کیا مطلب؟" وہ مکمل رخ موڑے اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب یہ کہ پولیس کے بیان میں جھول پیدا کرنا چاہئے۔ آپ نے اس بارے میں کچھ سوچا ہے؟ ابتداء غلط تو انتہا غلط۔"

"بات تو درست ہے۔" اس کی آنکھیں چمکیں۔ "پولیس نے چالان اور چارج شیٹ جمع کروایا ہے۔ یعنی ہمارے پاس اب پولیس کا بیان اور ابتدائی تفتیش کی ساری تفصیل ہے۔ واؤ۔" اسلان نے گاڑی کیفے کی طرف موڑی۔

"کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" آج تو جناب اسلان صاحب نے خود ہی پیشکش کر دی تھی۔)

"یہ رہی عالمگیر کی گاڑی کی لوکیشن جو دفاع نے کمپنی سے کہہ کر نکلوائی ہے۔" اس نے چند کاغذات اٹھا کر جج صاحب کی میز پر رکھے۔ "پراسیکیوشن اور پولیس نے ثبوتوں کے ساتھ tamper کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھی کہ گاڑی کا جو ماڈل عالمگیر یمن کے پاس ہے اس میں ٹریکر نہیں ہے۔ لیکن پولیس کے ذہن میں شاید یہ بات نہیں رہی کہ گاڑی جس کی ہے وہ خود بھی ایک افسر کا بھائی ہے۔" افسر کا بھتیجا مسکراہٹ دبانے کو سر جھکا گیا۔ اور افسر ایک پل کے اندر اندر سارا ماجرا سمجھ گیا۔

("اوہ مائی گاڈ۔۔۔۔۔" ایک ہاتھ میں کافی کا مگ لیے دوسرے ہاتھ میں موبائل پر چلتی وہ لوکیشن دیکھتی ہوئی لڑکی متحیر اور پر مسرت تھی۔ وہ دونوں کیفے کی اوپری منزل پر تھے جہاں گلاس وال سے لاہور سارے کا سارا نظر آرہا تھا۔ "یہ تم نے کیسے کیا؟"

اسلان ہنوز بے نیاز نظر آرہا تھا۔ "میں نے نہیں کیا اسکار نے کیا ہے میں نے بس نظر رکھی تھی۔"

”کیا وہ اپنے ہی بھائی کو ٹریک کرتا ہے؟“

”مجھے بھی کرتا ہے یہ اس کے پرانے شوق ہیں۔“

”جو بھی ہے دیکھو کام تو آیا نا؟“ وہ عالم کی گاڑی کی لوکیشن دیکھتے ہوئے خوش ہو رہی تھی۔

”واٹ ایور!“ وہ بے زار ہوا۔ ”اس گھر میں تو کوئی پرائیوسی ہی نہیں ہے۔“

”تمہارے سارے گھر میں ایک آدمی ہے جس کا دماغ چلتا ہے۔“ وہ اب لوکیشن اور پولیس کے بیان والے کاغذ کو سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ پھر یونہی ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسلان کو دیکھا۔ ”بائے داوے تھینکیو۔ تم خود بھی اتنے برے نہیں ہو۔“

”واٹ ایور پارٹ ٹو۔“ اس نے بے زاری سے کہہ کر گردن پیچھے کو گرادی۔)

”نجی کمپنی کی اس رپورٹ کے مطابق مورخہ چھبیس فروری کو عالمگیر یمن کی گاڑی ڈی ایچ اے فیز ٹو کی گلی نمبر چار میں کھڑی رہی ہے۔ یہ جگہ لارنس ہوٹل سے کافی نزدیک ہے۔ یعنی جس وقت عالمگیر نے ہوٹل چھوڑا اس کے بعد سے اس کی گاڑی سڑک پر کھڑی رہی۔“ بنفشہ نے چند تصاویر جج صاحب کی طرف بڑھائیں۔

”حراست کے وقت گاڑی کی جو تصاویر لی گئی ہیں ان میں صاف صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ گاڑی کا ٹائرز پنکچر ہیں۔“ جج نے تصویر آنکھ کے قریب کی جس کے اگلے دونوں ٹائر فلیٹ تھے۔ ”گاڑی کبھی ہسپتال آئی ہی نہیں تھی، آلہ قتل پر نہ خون ملا اور نہ عالمگیر کے فنگر پرنٹس پھر وہ ملزم کیسے؟“ وہ پل بھر کو رکی۔

”جج صاحب میرے مؤکل عالمگیر یمن مظلوم اور معصوم ہیں نہ انہوں نے کوئی قتل کیا ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کے ظلم و بربریت کا حصہ رہے ہیں۔ سلطان صاحب سے میرے سوالات کا نچوڑ یہ تھا کہ پولیس نے اپنی ذاتی دشمنی سہراب کی جگہ اس کے بھائی عالمگیر سے نکالنی چاہی۔ تفتیش کے وقت انہوں نے میرے موکل پر تشدد کیا جس

کے لیے دفاع میڈیکل رپورٹ کی جانچ چاہتا ہے۔ پولیس کے بیان اور شواہد میں واضح تضاد ہے۔ یہ واقعی ایک اوپن اینڈ شٹ کیس ہے لیکن صورت یہ کہ عالمگیر بے قصور ہیں۔" استغاثہ اس بری طرح رگڑا گیا تھا کہ چند لمحے ان سے کچھ کہا ہی نہیں گیا۔ دمیر پراچہ دھواں دھواں چہرہ لیے سامنے دیکھتا رہ گیا۔

★★★★★

"ایک منٹ رک جاؤ۔۔۔" عورت نے تحکم سے کہا۔ "تم ہر دفعہ اپنی مرضی نہیں چلا سکتے۔"

"لکھاری ہر دفعہ اپنی ہی مرضی کرتا ہے۔"

"میں تمہاری مرضی نہیں جاننا چاہتی۔" اس نے قطعیت سے کہا۔ "مجھے یہ بتاؤ سہراب نے اسلان کو کیوں استعمال کیا؟ شاہ زید اس رات وہاں کیا کرتا رہا؟ انارا طارون اور سہراب کے درمیان کیا کچھ درست ہوا؟"

قصہ گو نے گہری لمبی سانس ہوا کے سپرد کی اور کہنا شروع کیا۔ بعض دفعہ وہ اپنے قارئین کی بات بھی مان لیا کرتا تھا۔ اچھا آدمی۔ (معصوم لکھاری)

★★★★★

"سہراب یمن نے اسلان کو استعمال کیوں کیا؟"

"اگر تمہیں لگتا ہے میں نے تمہیں استعمال کیا ہے تو تم غلط ہو۔" سہراب نے اسلان سے کہا۔ "کسی سیریل کلر نے شاہ ویر کا قتل نہیں کیا ایسا سارے ملک کو لگتا ہے اور مجھے بھی ایسا ہی لگتا تھا لیکن طریقہ واردات اور پوسٹ مارٹم رپورٹ کو دوبارہ اسٹڈی کرنے کے بعد جو مجھے معلوم ہوا ہے وہ ایک الگ داستان ہے۔"

زید آنکھیں سکیڑے برہمی اور بے چینی کے درمیانی تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ اسلان البتہ سنبھلا ہوا تھا۔ "کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

”تفصیلی بات ہے بیٹھ کر سنو گے؟“اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ان دونوں کے درمیان چند لمحے خاموشی کے تھے پھر سہراب نے زید کو کرسی گھسیٹ کر بہ دقت بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ اس کا ہاتھ اس کی پینٹ پاکٹ پر جما تھا جہاں سہراب پستول کی موجودگی محسوس کر سکتا تھا۔

”آپ کے پاس صرف اور صرف دس منٹ ہیں۔“ سہراب نے سر کو خم دیا اور لیپ ٹاپ میز پر رکھا۔ خود وہ بائیں طرف آکر کھڑا ہوا۔ اسلان شاہ زید کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سکرین پر جو تصاویر کھلیں وہ لاش کی تھیں۔ شہہ رگ سے کافی دور وہ زخم کا نشان جسے اسلان نے بس ایک نظر دیکھا اور رخ پھیر لیا۔ شاید وہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا البتہ زید کی نگاہیں یک ٹک سکرین پر جم گئیں۔

”زخم کا یہ انداز دیکھو یہ کسی عام سی کچن knife کا زخم ہے جسے محض تیز کروایا گیا ہے یا پھر نیا خریدا گیا ہے۔“ اب کے اس نے دوسری تصویر چلا دی جہاں ایک اور زخم تھا وہ جلد مگر اس طرح پھٹی ہوئی تھی جیسے ایلو ویرا کے پتے کی ساخت ہوتی ہو۔ ”یہ زخم دیکھو، کسی ایسے ہتھیار سے دیا گیا ہے جو کہ کٹاؤ دار تھا۔ کٹاؤ دار یعنی زیادہ تکلیف دینے والا ہتھیار۔ اس نے اپنے پچھلے سترہ وکٹمز پر یہی چاقو استعمال کیا ہے وہ اٹھارہویں پر اپنے اصول کیوں بدلے گا؟ تم اور میں اپنے اصول بدل سکتے ہیں کیونکہ ہم نارمل لوگ ہیں سائیکو پیتھ اپنے اصول اپنا پیٹرن نہیں بدلتے۔“ زید کی آنکھوں میں کچھ اترا، فی الحال ماننے والا تاثر نہیں تھا۔

”دوئم زخموں کی جگہ، نوعیت، طریقہ یہ کسی نوسیکھئے کا کام ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ بتاتی ہے کہ زخم ایسے ہیں جیسے کسی نے غصے میں دھڑا دھڑ چاقو مارے ہوں اور پریولج کلر کبھی بھی اس طرح قتل نہیں کرتا۔ وہ انتظار کرتا ہے سست روی سے ٹھہر ٹھہر کر مارتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنا شیوہ پسند ہے۔ سمجھ رہے ہو؟“

"ہو سکتا ہے اسے شاہ ویر پر غصہ ہو؟" اسلان نے رائے پیش کی۔ اب کے سہراب ٹھہر گیا۔ اسے پتا تھا یہ سوال ہو گا اور اس سوال کے بدلے اسے کیا دکھانا پڑے گا وہ یہ بھی جانتا تھا۔ بے حد خاموشی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے اس نے ایک اور تصویر کھولی۔ ایک عورت کی تصویر۔ میرال شیرازی کی تصویر۔

"اس نے سب سے زیادہ غصے میں یہ قتل کیا تھا۔" سکرین پر آتا چہرہ دھندلا تھا البتہ زخم واضح۔ "میرال شیرازی، میری بھابی۔ اس نے اس لڑکی کو مارا تاکہ اپنے خلاف آنے والوں کو وہ عبرت کا نشان بنا سکے اور یہ زخم بھی اسی کٹاؤ دار آلے سے دیے گئے ہیں۔ وہ اپنے پیٹرن نہیں بدلتا۔" آخری بات گویا خود سے کہی ہو۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کہوں؟" زید نے پہلو بدلا۔

"میرے پاس ایک اور ثبوت ہے۔" اس نے تصاویر ایک بار پھر چلائیں۔ مختلف لوگ، مختلف زاویے پھر اس نے تمام تصاویر اکٹھا کیں اور ایک lay out میں تبدیل کیں۔ اب وہ انگلی رکھ کر کسی شے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ "یہ ہر وکٹم کے سینے کا زخم ہے غور سے دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ یہ کراس کا نشان ہے۔ ☒ کٹ جانے کا، ختم ہو جانے کا نشان اور شاہ ویر کے سینے پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا۔" زید نے بے قراری سے سکرین اپنے آگے کی۔ تمام تصاویر میں ایک ہی طرح کے زخم تھے۔ وہ درست تھا۔ سہراب یمن ٹھیک کہہ رہا تھا، زید سراب کے پیچھے تھا اور افسر سراغ کے۔

"اگر ایسا ہے تو وہ قاتل اب تک خاموش کیوں ہے؟ وہ شاہ ویر کو مارنا چاہتا تھا اس نے نہیں مارا تو یہ چپ کیسی؟"

"اسے اس کی گمنامی عزیز ہے۔ جس کے ساتھ تمہارے بھائی اور میرے چچا نے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ اب جب اسے اس کی گمنامی واپس مل رہی ہے تب وہ کیوں واویلا کرے گا؟" اسلان نے ٹھہر ٹھہر کر جواب دیا۔ کیا وہ اسے جانتا تھا، کیا وہ اس کی سائیکی سمجھتا تھا؟ یا پھر....؟ خیر۔

”یہ سب ایک عجیب صورتحال ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔“ زید نے بے بسی سے ہاتھ اٹھا دیے۔

”اگر میں کہوں کہ اس نے مجھ سے خود کہا ہے وہ قاتل نہیں ہے تو؟“ سہراب کی آواز ہلکی تھی۔ زید ساکن رہ گیا، اسلان نے باقاعدہ گردن اٹھا کر سہراب کو تکا۔ کتنے ہی لمحے اس گھر میں محض سناٹا رہا۔ سہراب اپنی جگہ سے اٹھا، کمرے کے ایک کونے تک گیا سامان ہٹائے اور ایک لکڑی کا ڈبہ اٹھا کر وہ واپس اس تک آیا۔ اس نے ڈبہ میز پر رکھا۔ اندر ایک زرد کاغذ پر ایک سطر لکھی تھی۔ ”میں تمہارا شکار تھا، وہ میرا شکار اور اب ہم دونوں خالی ہاتھ۔“ سب ٹھہر گیا۔ سب کہیں غرق ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں سینہ جلنے لگا۔ ”تم نے خود اپنے ہاتھوں سے قاتل کو فرار ہونے کا موقع دیا، زید۔“

”تمہارا بھائی قاتل ہے۔۔۔ عالمگیر۔۔۔ اس نے میرے بھائی کو مارا ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے۔۔۔ اوہ خدایا۔۔۔ تم سب ملے ہوئے ہو تم نے مجھے پھنسانے کے لیے یہاں بلایا ہے۔“ زید نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ سہراب نے بیزاری سے گہرا سانس لیا۔ ”میں تم لوگوں پر کبھی یقین نہیں کروں گا۔ تم سب جھوٹے ہو..... سب جھوٹے۔“ سہراب شاید اسے سمجھا رہا تھا۔ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ چیختا چلاتا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ اسے مزید اس کھیل کا حصہ نہیں بننا تھا۔ اسلان چپ چاپ اسے باہر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ شاید اس کی یہ حالت سمجھ سکتا تھا۔

★★★★★

عدالت میں نماز کا وقفہ ہو گیا تھا اور اسی وقفے کے دوران عدالت کی ایک راہداری میں کھڑا دمیر سلطان پر برس رہا تھا۔ سرمئی آنکھوں میں طیش تھا۔ ”ضرورت کیا تھی پولیس کی رپورٹ میں جھوٹ لکھنے کی؟ اس بات کا کیا جواز تھا کہ گاڑی شبیر چلا کر لایا؟ پنکچر گاڑی شبیر کا باپ چلاتا ہے یا اس کی ماں؟“ وہ بھڑک اٹھا۔ سلطان پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس سے واقعی غلطی ہوئی تھی۔ ساتھ کھڑی تمکنت خاموش تھی۔ عجیب سا احساس تھا جس میں وہ گھر کر رہ

گئیں تھیں۔ ایک طرف ایک اولاد کو دلوایا جانے والا انصاف تھا اور دوسری طرف بھی اولاد۔ اسی قسم کا کوئی تاثر سلطان کی آنکھوں میں بھی تھا، کیا وہ بتا دے؟

"اور کیا کیا جھوٹ لکھا ہے سب ابھی کے ابھی بتا دو تاکہ اندر جاکر مجھے دوبارہ ذلیل نہ ہونا پڑے۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔

"آلہ قتل گاڑی سے واقعی نہیں ملا۔" سلطان نے ہلکی آواز میں کہا۔

"لعنت ہو.... لعنت ہو۔" دمیر کھول کر رہ گیا۔

"لیکن ایک پوائنٹ ہے۔ سی سی ٹی وی اور عالم کا دو گھنٹے موقع پر موجود نہ ہونا دفاع اس کو کس طرح بیان کرے گا؟" اس نے اپنے تئیں پتے کی بات بتائی۔ "اب تو دفاع نے خود بھی اقرار کر لیا ہے کہ عالمگیر گاڑی میں نہیں تھا۔ ہسپتال پہنچنے میں دیر سویر ہونا یہ بہانہ بھی نہیں چلے گا۔" دمیر نے ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان مسلی۔

"میں پولیس کو اون نہیں کرتا۔ یہ میرا کیس ہے اور اس میں مجھے تم جیسے ایڈیٹس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سلگ کر کہتا آگے بڑھ گیا۔ سلطان جو اسے اس کیس کی ایک اور کڑی تھمانا چاہتا تھا چپ ہو رہا۔

دوسری طرف یمن خاندان کے ہر فرد کے چہرے پر تناؤ قدرے کم تھا۔ "کیا آپ نے دوبارہ ضمانت کی درخواست جمع کروائی ہے؟" سہراب بنفشہ سے پوچھ رہا تھا جس کے پاس کافی کا کپ تھا وہی کپ جو سہراب نے اسلان کو بھیج کر قریب سے منگوایا تھا۔ (چچا کے اس بھتیجے سے کام کروانے کا اپنا ہی لطف تھا)۔ "میں نے عالم سر سے بات کی تھی انہیں ضمانت سے غرض نہیں ہے کیونکہ یہ عارضی ہے وہ چاہتے ہیں ٹرائل جلد سے جلد ختم ہو جائے۔"

”چند ایک باتیں کر کے وہ ہٹ گئی اور تب سہراب اسلان کی طرف متوجہ ہوا جو کاٹ دار نگاہوں سے بنفشہ کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔ سہراب نے ایک بار پھر راہداری کا موڑ مڑتی وکیل کو دیکھا اور پھر اسلان کو۔ ”تم اسے پسند نہیں کرتے؟“

”آپ کیوں اسے حد سے زیادہ پسند کرتے ہو؟“ وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ”جب دیکھو وکیل صاحبہ یہ وکیل صاحبہ وہ۔ ان کے لیے کافی لے آؤ ان کو گھر چھوڑ آؤ۔ جو کام وہ کر رہی ہے اس کے پیسے لیتی ہے پھر اس کو اتنی فیور کیوں دیتے ہو آپ؟“ وہ اس وقت سہراب کو کوئی چھوٹا بچہ لگا۔

سہراب ناسمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کیا مطلب کیا وہ جل رہا تھا؟ ”کیا ہو گیا ہے میں شادی شدہ ہوں۔“

”اولاد تو نہیں ہے نا؟“

”تو اب میں انتیس سال کی عورت گود لوں گا کیا؟“

”کیوں یہ چھبیس سالہ بیٹا دکھائی نہیں دے رہا؟“ وہ بے دھیانی میں کہہ گیا، سہراب زیر لب مسکرایا۔

”وہ ایک اچھی عورت اور اچھی وکیل ہے نہ بھی ہوتی تو ایک عورت کو عزت دینا میرا فرض ہے۔“

”ایک اچھی عورت؟ آدھے محلے کو اس نے جھوٹ گڑھ کر سنائے ہیں کہ اس کا کوئی دبئی پلٹ منگیتر آئے گا۔ گھر میں بیوٹی کلینک کے نام پر اس نے ایک الگ گورکھ دھندہ کھول رکھا ہے اور یہاں عدالت میں جو وہ بول رہی تھی وہ سارے ثبوت اسے میں نے دیے ہیں۔ کہاں سے پتہ چلا کہ وہ ایک اچھی وکیل یا ایک اچھی عورت ہے؟“

”تم تو لوگوں کو جج نہیں کرتے تھے۔“

”سمجھ لیں اب کرتا ہوں۔ مجھے یہ عورت نہیں پسند۔ اس کا کام نہیں پسند اور معذرت مگر وہ بالکل بھی ایک اچھی وکیل نہیں ہے اور آپ اس کی تعریف بھی مت کیا کرو۔“

”ٹھیک ہے نہیں کروں گا۔“ سماعت کا وقت دوبارہ شروع ہو چکا تھا سو سہراب نے اس سے کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کیا یہ کام وہ عالمگیر کو سونپنے والا تھا۔ اس کے ڈھیلے پیچ وہ درست کر دے گا۔ عورتوں کے حقوق کا اصل علمبر دار۔

★★★★★

”اس رات وہ صرف سہراب اور اسلان سے نہیں ملا تھا“ !

لان میں لگے برگد کے درخت کے گرد لپٹی فیری لائٹس دمک رہی تھیں۔ ایک تنے پر بیٹھی آراہ چپ چاپ تھی۔ شاید مغموم بھی۔ اسی لمحے اس نے شاہ زید کو تن فن کرتے ہوئے باہر کی طرف جاتے دیکھا۔ اول تو اسے یقین نہیں آیا اور جب یقین آیا تو وہ تیزی سے اس کی طرف بھاگی۔ ہینلی شرٹ والا لڑکا اس سے دور جا رہا تھا۔ اور وہ اس کے قدموں کے تعاقب میں۔۔۔۔

”زید رکو میری بات سنو! زید۔“ وہ بمشکل اس کے تیز تیز قدموں کا تعاقب کرتی اس کے سامنے آ کر رکی۔ ”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے پلیز۔ میری بات سن لو۔“

”مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی جس کی وجہ سے تعلق تھا اب وہ شخص نہیں رہا۔“ اس نے صاف دو ٹوک انداز میں کہا۔

”چاہے وہ اس وقت یہاں نہ ہو لیکن وہ تو آدھا سال ملک میں بھی نہیں رہتا تھا اور تب جب اس کے اور میرے جھگڑے ہوتے تھے تم آتے تھے، زید۔ تم اس کی طرف سے مجھ سے بات کرنے آتے تھے اور میں سنتی تھی۔ کیا تم ایک بار میری بات نہیں سن سکتے؟“

”میں نے کہا نا آراہ اب وہ شخص رہا ہی نہیں جس کی وجہ سے میں تمہارے پاس آتا تھا۔ اب تم اس انسان کے قاتل کی رشتے دار ہو تم سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“ وہ بغیر اس کی طرف دیکھے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

”اس سب میں میرا تو کوئی قصور نہیں تم مجھ سے اس طرح کیوں بات کر رہے ہو۔ تم نے آخری بار مجھے اس کا چہرہ بھی دیکھنے نہیں دیا اگر وہ ہوتا تو کیا تمہارا اتنا برا رویہ برداشت کرتا؟“ اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

شاہ زید کی نگاہوں میں ہنوز لاتعلقی تھی۔ ”اب کونسا کھیل ترتیب دے رہی ہو؟“ رک کر ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔

”کوئی کھیل نہیں ہے مجھے تم سے وہ چاہیے جو میرا ہے۔“ اب کے اس کا لہجہ مستحکم تھا۔ ”مجھے شاہ جہان چاہیے۔“ چند لمحے وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھے گیا۔ اس نے آراہ کے منہ سے کوئی جائیداد، کوئی گاڑی، گھر یا کیش سننے کی توقع رکھی تھی۔

”ایکسکیوز می؟“

”میرے پاس اس کے کاغذات ہیں۔“ اس نے ہاتھ میں لیے موبائل پر انگلیاں چلائیں، گیلری کھولی پھر ایک فولڈر اور پھر اس میں نیچے تک گئی اور ایک تصویر نکال کر موبائل زید کے آگے کیا۔ ”میں نے اور شاہی نے۔“ وہ بولتے ہوئے رکی، لرزتی آواز پر قابو پایا۔ ”ہم نے اسے ایک ساتھ اڈاپٹ کیا تھا۔ یہاں دیکھو یہاں میرا نام بھی ہے۔“ تصویر زوم کرتے ہوئے اس نے زید کو اپنا نام اور دستخط دکھائے۔ ”تمہیں یاد ہو گا ہماری بات پکی ہونے کے بعد وہ مجھے ایک ڈرائیو پر لے گیا تھا وہاں اس نے مجھ سے کہا تھا اگر اسے کچھ ہو جائے تو میں شاہ جہاں کو اپنے ساتھ

رکھوں۔ کوئی اور اس بات کو نہیں سمجھے گا پلیز زید تم سمجھو۔" وہ کتنے لمحے خالی خالی نظروں سے موبائل کی سکرین کو دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھوں میں لہو اترا۔ یکایک اس کی رنگت تبدیل ہوئی۔

"مجھے بے وقوف بنا رہی ہو؟ میرے ساتھ کھیل رہی ہو۔" زید نے اس کا بازو اپنی آہنی گرفت میں لیتے ہوئے اسے دیوار کے ساتھ لگایا۔ آنکھیں سرخ، انداز قہر وہ اس شخص کو جانتی ہی نہیں تھی۔ آراہ متحیر سی اسے دیکھ رہی تھی۔
"تمہیں کیا لگتا ہے شاہ جہاں کے ذریعے تم دوبارہ ہماری زندگی میں داخل ہونے کی کوشش کرو گی اور میں یہ ہونے دوں گا؟"

"میرا۔۔۔ بازو۔۔۔ میرا۔۔۔ بازو چھوڑو۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"اگر تم دوبارہ شاہ جہاں یا میرے گھر کے کسی بھی فرد کے نزدیک نظر بھی آئیں تو میں تمہارے ساتھ بہت بری طرح پیش آؤں گا۔" اس نے آراہ کا بازو بری طرح مروڑا۔

"میں صرف شاہ ویر کی خواہش پوری کر رہی ہوں۔"

"میں بھی اسی کی خواہشات کے احترام میں خاموش ہوں۔ تم جیسی لڑکی کے چکروں میں آ کر اس نے زندگی گنوا دی اور تم اس کی موت کے بعد بھی اس کی محبت کو استعمال کر رہی ہو؟" اس نے آراہ کا بازو چھوڑا۔ اسے لگا جیسے کسی جلتے ہوئے انگارے نے اسے چھو لیا ہو۔ اس کا سارا بازو جل رہا تھا، کلائی پر نشان پڑ گئے۔

"دوبارہ نہ مجھے نظر آنا اور نہ ہی مجھ سے بات کرنے کی کوشش کرنا۔ دوبارہ میرے خاندان سے دور رہنا۔" سختی سے کہہ کر دروازہ کھولتے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔ آراہ وہیں جم گئی۔ وہ ایسا تو نہیں تھا۔ اس سے ہونے والی آخری تفصیلی ملاقات وہ اس میں بھی ایسا نہیں تھا۔ کیسا تھا وہ؟ اسے بے اختیار یاد آیا۔

★★★★★

"کیسا تھا وہ؟"

زید کو اپنے دفتر کے کسی کام کے سلسلے میں اسی گاؤں جانا تھا جہاں اس نے چند روز قبل آراہ کے لیے بات کی تھی۔شاہ زید کے چند دوست عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی جماعت کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔یہ کوئی سرکاری یا نجی جماعت نہیں تھی محض چند سو نوجوانوں کا کام تھا۔جن میں سے چند باہر ملک چلے گئے اور بعض شادی کر کے چھٹی پر تھے لہٰذا چند رضاکاروں کی کمی کو پورا کرنے آراہ اور اس کی چند دوستیں یہاں موجود تھیں۔

"تم کیا کام کرتے ہو، زید؟"

"اچھا سوال ہے۔دراصل میں ایک کرائم اینالسٹ ہوں۔پاکستان میں اس کا زیادہ اسکوپ نہیں ہے لیکن میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے ایک عالمی سطح پر کام کرنے والے نیٹ ورک کے لیے کام مل گیا۔"

"مطلب؟" وہ سمجھنے کی بجائے مزید الجھ گئی۔

"دیکھو ایک نیٹ ورک ہے جو ساری دنیا میں اپنے نمائندے رکھتا ہے۔پاکستان میں اس کا جو crime investigation department ہے میں اس کے لیے کام کرتا ہوں۔ایسے بڑے بڑے ادارے پاکستان، انڈیا اور بنگلہ دیش جیسے ملکوں کی کرائم سٹوریز میں بہت دلچسپی رکھتے ہیں۔میں، مدیحہ اور مجھ جیسے کئی لوگ ملک کے کونے کونے سے کہانیاں ڈھونڈ کر لاتے ہیں، ان پر ری سرچ کرتے ہیں اور وہ کہانیاں پھر عالمی سطح پر ڈاکیومنٹریز یا کرائم سٹوریز کے طور پر نشر ہوتی ہیں۔"

"واہ۔۔۔یہ کتنا دلچسپ کام ہے تمہیں یہ نوکری کیسے ملی؟" وہ فوراً دلچسپی لینے لگی۔

"رشوت اور سفارش پر۔" وہ جس تیزی سے بولا آراہ کے حلق سے الفاظ اسی تیزی سے غائب ہوئے۔اس کے چہرے پر اب کوئی جوش نہیں تھا۔بہت دیر تک وہ کچھ نہ بولی تو زید نے مڑ کر اسے دیکھا۔"کیا ہوا؟"

”تم مذاق کر رہے ہو نا؟“

”میں کیوں مذاق کروں گا؟“

”تم رشوت۔۔۔۔؟“

”میری ماں اور تمہارے منگیتر نے مل کر رشوت اور سفارش سے میرا کام کروایا تھا۔“ وہ بے حد آرام سے کہہ رہا تھا ایسے جیسے یہ کوئی بڑی بات ہو ہی نہیں۔

”شاہی ایسی نہیں کر سکتا۔“

”وہ میرے لیے اور میں اس کے لیے سب کر سکتے ہیں۔ ایتھکس، مورلز، صحیح غلط یہ سب پھر بہت دور کی باتیں ہیں۔“ اس نے بیگ سے چاکلیٹ نکال کر آراہ کی طرف بڑھائے۔ ”اس ملک میں سب کرپٹ ہیں۔ سفارش اور چاپلوسی آج کل بچوں کو گھٹی میں دی جا رہی ہے۔ مجھے یہ نوکری رشوت دے کر ملی ہے لیکن میں ایماندار ہوں، میں پورے آٹھ گھنٹے کام کرتا ہوں، رشوت نہیں لیتا سچ نہیں چھپاتا۔ میں اس نوکری کے لیے پرفیکٹ ہوں۔ ابتدا غلط تھی لیکن اب۔۔۔۔ اب سب صحیح ہے۔ فرشتے بن کر رہنے کا دور ختم ہو چکا ہے۔“ آراہ متاثر ہوئی تھی یا نہیں مگر وہ چپ ہو گئی تھی۔

”ہم دونوں ورک پارٹنرز بن سکتے ہیں۔ میں مہینے میں دو دفعہ یہاں آتا ہوں تم بھی آیا کرو مل کر کام کریں گے۔ آنا چاہتی ہو یا پھر بنگشوں کی بہو اب ایسے کام نہیں کرے گی۔“ وہ ہلکے پھلکے انداز میں اسے تنگ کر رہا تھا۔ لبوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی نظریں اسی پر تھیں مگر ان میں کوئی گہرائی نہیں تھی۔

”میں ایک بار اس جگہ کو دیکھ لوں، پھر بتاؤں گی اور جو کام میں انارا طارون بن کر کر سکتی ہوں وہ کام مسز بنگش بن کر بھی کر سکتی ہوں۔“

"بالکل میں تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ درست تھا۔شاہ ویر اور آراہ کے جھگڑے میں وہ ہمیشہ آراہ کی طرف ہوتا تھا۔کئی دفعہ شہر میں کہیں وہ اس سے ملتا تو ٹھہر کر کئی منٹ بات ضرور کرتا۔ہفتے میں ایک دوبار وہ اسے پیغام بھیجتا، ریلز بھیجتا اور ان دونوں کے درمیان بات ہوتی رہتی۔

تھوڑی دیر بعد بس مانجھی پورنامی ایک گاؤں کے اندر آکر رکی۔عورتوں کی صحت پر بات کرنے کے لیے کیمپ لگایا گیا عورتوں کو بلا بھیجنے کے لیے کئی رضاکار گاؤں میں پھیل گئے۔"تمہیں پتا ہے میں اس گاؤں میں بار بار کیوں آتا ہوں؟" شفاف پانی کی نہر کے گرد قدم اٹھاتے ہوئے زید نے اس سے کہا۔

"کیوں؟" سیاہ کدھر کی شلوار قمیض پر گلے میں شال لیے اس نے سوال کیا۔

"ایک عورت ہے اس سے ملنے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔ڈونٹ ٹیل می؟" آراہ جوش سے چیخی۔شاہ زید نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسا ویسا کچھ نہیں ہے وہ میری ماں کی عمر کی ہیں۔"

"تم اپنی عمر سے بڑی عورتوں میں دلچسپی رکھتے ہو؟" زید ہنس دیا۔اس کی غلط فہمی دور کرنے کی بجائے وہ اسے اپنے ساتھ لیے گاؤں کی پکی سڑک پار کرتے ہوئے ایک طرف بنے مکانوں کی طرف لے آیا۔پنجاب کے گاؤں سرسبز اور اپنی ہواؤں میں ایک الگ ہی چاشنی رکھتے ہیں جو یہاں آنے والوں کا دل موہ لینا جانتی ہے۔دونوں طرف لہلہاتے کھیتوں کے درمیان بنی سڑک پر چلتے ہوئے وہ کافی دور آگئے تھے۔

"تم نے شاہی کو بتایا ہے اسی بڑی عمر کی عورت کے بارے میں۔" وہ رازداری سے کہہ رہی تھی ایک لمحے کو زید کا دل کیا وہ زور زور سے ہنسے۔مگر وہ مسکراہٹ ضبط کر گیا۔

”بہت جلد بتاؤں گا ابھی شاہی کی منگیتر کو تو ملوا لوں۔“ وہ دونوں ایک بڑے سے دروازے کے سامنے آ کر رکے۔ اندر سے کئی عورتوں کے بات کرنے کی آواز بھنبھناہٹ کی صورت یہاں تک آ رہی تھی۔ زید نے گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔

”میں بھی سوچوں تم اتنے امیر ہو کر بار بار یہاں کیوں آتے ہو؟“ اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ ”لاٹ صاحب کے تو تیور ہی بدلے ہوئے ہیں۔“

”اب تم میری مخلصی اور انسان دوست طبیعت پر شک کر رہی ہو۔“ اسی لمحے کنڈی کھل گئی۔ آراہ جلدی سے سیدھی کھڑی ہوئی۔ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں سیدھا کیا۔

”ارے زید تم؟“ دروازہ کھولنے والی ایک بوڑھی عورت تھی۔ آراہ مسکرا کر شاہ زید کو دیکھ رہی تھی اسے یقین تھا اب وہ اس عورت کا تعارف لڑکی کی ماں کی حیثیت سے کروائے گا مگر اس نے کچھ الگ کہا۔

”یہی ہیں وہ۔ میری فیورٹ خاتون۔ مائی سوہائی۔ پنجاب کی سب سے بڑی رضا کار!“

اس روز لعل یمن کے دروازے کے قریب کھڑے ہوئے آراہ کو احساس ہو رہا تھا شاہ ویر کے ساتھ ساتھ اس نے ایک اچھا دوست بھی کھو دیا جس نے اسے ایک عجب اور الگ سی عورت سے ملوایا تھا۔ اس عورت سے ملاقات کا قصہ پھر کبھی۔۔۔

★★★★★

کاروائی وہیں سے شروع ہوئی جہاں ادھوری چھوڑی گئی تھی۔ سلطان کٹہرے میں کھڑا تھا ماتھے پر سفید پٹی باندھے وکیل اس سے سوال کر رہی تھی۔ ”جب آپ نے لعل یمن کی تلاشی لی تو کیا آپ کے پاس سرچ وارنٹ تھے؟“

”جی بالکل تھے۔“

”تلاشی کا وقت؟“

”دوپہر ساڑھے تین بجے۔“

”آپ شیور ہیں؟“

”جی بالکل۔“

بنفشہ نے محض سر اثبات میں ہلا دیا۔ ”جیسا کہ دفاع نے ثابت کر دیا ہے کہ گاڑی کبھی ہسپتال کے باہر آئی ہی نہیں تو آپ نے آلہ قتل کہاں سے برآمد کیا۔“

”گاڑی ہی سے۔“

”آپ شیور ہیں؟“

”جی بالکل۔“ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اپنی میز تک آئی اور چند کاغذات اٹھا کر جج کے سامنے رکھے۔

”پہلا کاغذ یہ بتاتا ہے کہ سرچ وارنٹ دوپہر تین بجے کے ہیں۔ یعنی بیان سوچ سمجھ کر دیا گیا ہے کہ پولیس ساڑھے تین بجے تک لعل یمن آئی۔ لیکن میں عدالت میں یہ پیش کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے موبائل پر ایک ویڈیو چلا کر ریڈر کے حوالے کی۔ ایک سی سی ٹی وی ویڈیو۔

جس میں وقت دو بجے کا تھا اور پولیس کی گاڑی لعل یمن کے باہر رک رہی تھی۔ ”یہ فوٹیج ثابت کرتی ہے کہ پولیس نے ایک بار پھر جھوٹ کہا ہے۔ لعل یمن میں گھس کر اس گھر کے باسیوں کو تنگ اور ہراساں کرتے وقت ان کے پاس کوئی وارنٹ نہیں تھے...... پولیس کو وارنٹ پورے ایک گھنٹہ بعد ملا تھا۔“

"آبجیکشن، جس آدمی کے گھر کی بات ہو رہی ہے اس پر مرڈر کے چار جز ہیں اور صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے قانون گنجائش نکالتا ہے کہ بغیر کسی سرچ وارنٹ کے گھر کی تلاشی لی جا سکتی ہے۔" دمیر نے مداخلت کی۔

"گھر کی تلاش ضرور لی جا سکتی ہے لیکن عدالت میں بیٹھ کر جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔ سلطان صاحب کے پاس جھوٹ کا ایک پٹارا ہے ایک ناکام ہو جائے تو دوسرا کھول لیتے ہیں۔"

"اعتراض مسترد آپ کہیے۔" بنفشہ نے جج کا شکریہ ادا کرتے بات جاری رکھی۔

"جج صاحب اگر آپ باقی کے دو کاغذات پر نظر ڈالیں تو ایک ایف آئی آر کی کاپی ہے اور دوسری تلاشی کے دوران گھر سے ملنے والے سامان کی فہرست۔ ایف آئی آر کے بعد ملزم سے جو چیزیں برآمد ہوئیں وہ نیلی بال پائنٹ سے لکھی گئی ہیں اور جو چیزیں سرچ کے دوران ملیں انہیں نیلے پوائنٹر سے لکھا گیا ہے۔"

"کیا یہاں پین بیچنے کا اشتہار چل رہا ہے؟" دمیر نے ایک بار پھر مداخلت کی۔ سارے میں ہلکا سا قہقہہ گونجا۔

"میری پوری بات سن لیں پھر شاید آپ اس کام میں میرے پارٹنر بننے کو تیار ہو جائیں۔" وہ اسی کے لہجے میں بولی۔ جج نے ہتھوڑا مار کر دونوں کو تنبیہ کی۔ "جج صاحب جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ گرفتاری کے وقت عالمگیر یمن سے ملنے والی چیزوں میں تمام چیزوں کے نام بال پوائنٹ سے لکھے ہیں سوائے آلۂ قتل کے.... یہ ایک لفظ پوائنٹر پین سے کیوں؟"

"مقصد واضح کریں۔" جج نے کہا۔

"مقصد اور مدعا بے حد واضح ہے یور آنر۔ آلۂ قتل کے نام پر جو ہتھیار جمع کروایا گیا ہے وہ عالمگیر کی گاڑی سے نہیں بلکہ ان کی گرفتاری کے بعد تلاشی کے دوران ان کے گھر کے باورچی خانے سے ملا ہے اور تلاشی کے وقت نیلے

پوائنٹر پین سے تمام سامان کی تفصیل لکھتے وقت پولیس نے ثبوتوں کے ساتھ ہیرا پھیری کی اور آلہ قتل کی برآمدگی کو فیک کیا۔“

دمیر نے ایک بار پھر مدعا اٹھایا۔ ”جج صاحب کیا اب ہم بال پوائنٹ، پوائنٹر پین پر لڑیں گے۔ چاہے کہیں سے بھی ملا ہو آلہ قتل ملا ہے اس بات کو دفاع کیسے جھٹلا سکتی ہیں؟“

”آلہ قتل؟ خدا کا خوف کیجئے اس معصوم سے چاقو پر یہ الزام ہے۔ فارنزک کہتی ہے کہ اسی "قسم" کے کسی ہتھیار سے قتل ہوا ہے اور اس قسم کے ہتھیار تو لاہور کے ہر دوسرے گھر میں موجود ہیں۔ اب کیا گھروں میں چھریاں رکھنا بھی چھوڑ دیں؟“

”جج صاحب یہ عدالت کو گمراہ کر رہی ہیں۔ عدالت کا دھیان مدعے سے ہٹانا چاہتی ہیں۔“

”عالمگیر یمن کی گاڑی پورے دو گھنٹے DHA میں موجود رہی۔ سی سی ٹی وی میں وہ گھر جاتے دکھائی نہیں دیے اور ہسپتال کے اندر انہیں گرفتار کیا گیا اس سب کے دوران کیا انہوں نے آلہ قتل پارسل کر کے گھر بھیجا؟ تاکہ اگلے دن وہ پولیس کو مل جائے؟ مقصد صاف ہے جناب سلطان راہی نے سہراب سے چلتی رنجش کے چلتے عالمگیر کو فریم کروایا، تفتیش اور برآمدگی میں مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ لہٰذا میری درخواست ہوگی کہ میرے موکل کو بیل دی جائے اور تفتیش کے دوران ان پر ہونے والے تشدد پر پولیس کے خلاف سخت کاروائی کی جائے۔“ جج متفق نظر آ رہے تھے۔ دمیر البتہ احتجاج کرنا چاہتا تھا مگر یہ صورتحال اسے نازک لگ رہی تھی۔ لہٰذا اس نے پینترا بدلا۔

افہام و تفہیم کو چنا۔ ”یور آنر استغاثہ کو دس منٹ کا وقت درکار ہے۔“

★★★★★

”انارا طارون اور سہراب کا تعلق اب کیسا تھا؟“

باورچی خانے میں کھڑی سست روی سے ہاتھ چلاتی وہ پراٹھا توے پر سیک رہی تھی۔ ہیزل آنکھوں میں کئی ڈورے تھے۔ الم کے، رنج کے، سیاہ بختی کے اور رت جگوں کے بھی۔ ہر ڈورے کی ایک الگ داستان تھی۔

"آراہ دھیان سے...." ہانیہ کی آواز پر وہ اچھل کر دور ہٹی۔ اس کا ہاتھ گرم توے سے ٹکرایا تھا اور جلن سی اٹھی۔ "کیا کر رہی ہو یار؟" وہ آگے آئی چمٹا اس کے ہاتھ سے لے کر پراٹھے کو پلٹا جو کہ جل کر سیاہ ہو چکا تھا۔ "تم بیٹھو میں ناشتہ بناتی ہوں۔" دوپٹہ کمر کے گرد باندھتے وہ چولہے کے آگے آکر کھڑی ہو گئی۔

"رہنے دو ایک کافی کا کپ بنا دو بس۔"

اپنے کمرے سے نکلتا گھڑی کلائی پر باندھتا سہراب غائب دماغ سی آراہ کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ ملگجے سے لباس میں، بکھرے بالوں کو کیچر سے جکڑے اس کا چہرہ ویران نظر آرہا تھا۔ سہراب تو اسے جب دیکھتا تھا وہ کوئی نہ کوئی نیا جوڑا چڑھائے کھڑی ہوتی تھی، کبھی میک اپ کے tutorial دیکھتی اور خود پر آزماتی اور کبھی کسی نئے ماسک سے چہرے پر "گلو" لانے کی کوشش کرتی۔ شاید واقعی ہر موسم دل کا ہوتا ہے جس طرح وہ آمنہ کے آنے سے ہر بوجھ سے نبرد آزما ہو گیا تھا اسی طرح شاہ ویر کے جانے سے آراہ کی زندگی میں بھی سکوت آگیا تھا۔ ایک لمحے کو اس کے تعلق کی نوعیت کو پرے رکھ کر اس نے بے حد سنجیدگی سے سوچا تو اسے علم ہوا نقصان ہوا ہے، آراہ کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔

"انارا؟" سہراب نے ہلکی آواز میں اسے پکارا۔ وہ مڑی خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ سہراب کو پارک کی وہ صبح یاد تھی جب شاہ ویر کے بارے میں بتانے کے لیے وہ بے حد پرجوش تھی۔ "کورٹ چلو گی میرے ساتھ؟"

ہانیہ اور آراہ دونوں اچھنبے سے اسے دیکھنے لگیں۔ "میں.... کورٹ؟"

"ہاں مجھے لگتا ہے تمہیں چلنا چاہیے۔"

"میں باہر نہیں جا سکتی۔"

"اور ایسا کیوں؟"

وہ جھجکی، الجھی۔ "لوگ.... لوگ میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

"تم لوگوں سے ڈرتی ہو؟" براہ راست سوال آیا۔

"اس دن کے بعد سے ہاں۔" اس نے بلاتردد جواب دیا۔ سہراب نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلا دیا۔ دو تین قدم آگے آیا اور اس کے سامنے آکر رکا۔

"اگر کبھی اس ڈر کو ختم کرنا چاہو تو صبح پانچ بجے تیار رہنا۔" آراہ نے گیلے حلق میں بہت کچھ اتارا۔ یادیں، ماضی گلے، کسک۔ جی چاہا ہر سرد مہری ختم کرے مگر رک گئی، بس خاموش رہی سہراب نے مزید کچھ نہیں کہا وہ خود کو اتنا جھکا سکتا تھا اس سے زیادہ بھی...... آراہ اور اسلان کے لیے وہ ہر حد تک جا سکتا تھا۔

"کل پارک چلتے ہیں۔" اس نے پیشکش کی آراہ نے محض سر ہلا دیا۔ ان دونوں کا تعلق اب بھی کسی کشمکش کا شکار تھا۔ بے ڈول کشتی جسے سمندر میں یا تو ڈوب جانا تھا یا ابھر آنا تھا۔

★★★★★

دمیر پراچہ اپنے نوٹ پیڈ پر چند الفاظ گھسیٹنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا اور کمرہ عدالت کے عین درمیان آکر کھڑا ہوتے جج صاحب کو مقدمے کی تفصیل بتانے لگا۔ کھڑکی سے آتی روشنی اس کے سیاہ کوٹ پر پڑتی تو ٹائی کی پن چمکی۔ وہ سراپا شاہی تھا۔ الفاظ اس کے ہیرے۔

"جج صاحب شاہ ویر بنگش قتل کیس کے سلسلے میں مجھے کچھ اہم ثبوت موصول ہوئے ہیں۔" دمیر پراچہ چند کاغذات جج صاحب کے ریڈر کو تھما رہا تھا۔ "جس وقت شاہ ویر بنگش کا قتل ہوا وہ وقت تھا گیارہ بج کر پچیس منٹ (حملے کا وقت) اور عالمگیر یمن ٹھیک پندرہ منٹ پہلے گارڈز کی گرفت سے بھاگا ہے۔ اس نے پندرہ بیس منٹ میں شاہ ویر پر وار کیا اور باہر بھاگ گیا۔ یہ تمام تصاویر سی سی ٹی وی فوٹیج سے لی گئی ہیں جہاں عالمگیر کو ہوٹل سے نکلتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک پل کو اگر مان بھی لیا جائے کہ عالمگیر نے کوئی قتل نہیں کیا تو کیا ڈیفینس اس عدالت کو ان پندرہ منٹ کے ثبوت دے سکتی ہے.... جن پندرہ منٹ میں ملزم عالمگیر نہ ہی جائے وقوعہ پر موجود تھا ....اور نہ ہی اسے ہوٹل کے باہر دیکھا گیا۔" اس نے سانس لینے کا توقف کیا۔

"اور اگر ڈیفینس یہ ثابت کر دے کہ عالمگیر یمن ان پندرہ منٹ میں کہاں تھا تو میں گزارش کروں گا کہ ان دو گھنٹوں کا بھی حساب دیا جائے جب یہ شخص نہ اپنی بیٹی کے پاس تھا اور نہ ہی ہسپتال میں۔ جج صاحب یہ بات کرسٹل کلئیر ہے کہ ان پندرہ منٹ میں ملزم عالمگیر نے شاہ ویر بنگش کا قتل کیا اور اگلے دو گھنٹے خود کو اس قصے سے بچانے کی کوششوں میں لگا رہا۔"

جج صاحب نے اس کی پوری بات غور سے سنی اور دفاع کی طرف دیکھا۔ "ڈیفینس؟"

"please consider the bail application,sir" سعید کھسیایا۔

بنفشہ نے ملامت سے اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میرے قابل انکل کو لگتا ہے کہ وہ ایک فلمی کہانی پیش کریں گے اور اس پر یقین کر لیا جائے گا۔"

"آپ اپنے ساتھی وکیل کو اس طرح کے القابات نہیں دے سکتیں۔" جج ناگواری سے بولے۔ وہ مسکراتے ہوئے درمیان میں آ کر کھڑی ہوئی۔ دمیر بھینچی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

"شروعات انہوں نے کی ہے جناب۔ کیوں دمیر سر کیا آپ نے دس سے بارہ وکلاء کے سامنے مجھے بچے نہیں کہا؟ آپس کی بات ہے انتیس سال کی عورت بچہ نہیں ہوتی۔" عالم سمیت باقی سب نے بھی مسکراہٹ ضبط کی۔ دمیر کا چہرہ البتہ تاثرات سے خالی تھا۔

"نہ آپ ان کی بچی ہیں نہ وہ آپ کے انکل کیس کے متعلق بات کیجیۓ۔" جج نے سختی سے کہا۔ بنفشہ مسکرائی۔

" قتل کا جو وقت پراسکیوشن نے بتایا وہ بالکل درست ہے اور اس وقت میرے موکل کی جائے وقوعہ پر غیر موجودگی بھی درست۔ لیکن، ان پندرہ منٹ میں عالمگیر یمن نے شاہ ویر کا قتل کیا اس بات کا کیا ثبوت ہے؟"

"ملزم کی شرٹ پر لگا خون، اس کی دو گھنٹے کی غیر موجودگی، کرائم سین پر ملا ان کا ٹوٹا ہوا بٹن اور ایک عدد عینی شاہد۔۔۔۔ اس سے زیادہ کیا ثبوت چاہیے؟" دمیر نے نقطہ اٹھایا۔

"وہ عینی شاہد اس وقت کہاں ہے؟"

"میڈیکل ایمرجنسی کے باعث نہیں آسکے۔"

"ارے پراچہ صاحب سچ کہہ دیجیۓ۔" وہ مسکرائی۔ "سچ یہ ہے کہ فلحال وہ "جھوٹ، فراڈ، ڈرامے بازی" کی درست مشق نہیں کر سکا لہذا اسے عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔"

دمیر بھی مسکرایا۔ "پہلے مجھے شک تھا اب یقین ہے کہ آپ بچپن میں گری تھیں اور آپ کے سر پر شدید چوٹ آئی تھی اسی لیے آپ اس حد تک delusional ہیں۔"

"فضول گوئی سے پرہیز کریں۔" جج نے حکم دیا۔

”جج صاحب جیسا کہ پراسکیوشن نے کہا کہ عالمگیر یمن پورے پندرہ منٹ منظر سے غائب رہے تو یہ بات بالکل درست ہے۔ لیکن ان کا غائب رہنا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ استغاثہ کا ماننا ہے کہ اگر وہ پندرہ منٹ کے لیے موقع پر موجود نہیں تھے تو ظاہر ہے وہ قتل کر رہے تھے۔ جبکہ اصل کہانی کچھ اور ہے۔“

وقت کا پنا پلٹ کر ماضی کے گرداب میں جاؤ تو عالمگیر یمن کئی محافظوں کی مضبوط پکڑ میں جکڑا ہوا تھا۔ ہر طرف بتیاں گُل ہوئیں، آوازیں بلند ہوئیں، محافظین کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑی اور عین اسی وقت اس کا موبائل تھرتھرایا۔ عالمگیر نے کال کا جواب دیا۔ دوسری طرف اس کی ملازمہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

”عالم صاحب.... عالم صاحب وہ عبیر۔۔۔“ عقب سے عبیر کے تڑپ تڑپ کر رونے کی آواز آ رہی تھی عالم کا دل کسی نے کلیجے سے نکال لیا۔ وہ اس سارے ہنگامے سے دور جانے لگا۔

”کیا ہوا ہے نوراں؟ عبیر کو کیا ہوا ہے وہ رو کیوں رہی ہے؟“

”وہ.... صاحب وہ میں کچن میں دودھ ابال رہی تھی میں کسی کام سے باہر آئی تو.... صاحب سارا دودھ عبیر کے پیروں پر گر گیا ہے وہ بہت رو رہی ہے آپ آجاؤ صاحب۔“ اسے یاد نہیں رہا کہ وہ اس وقت کہاں ہے، اسے یاد نہیں رہا کہ ایک عورت اس پر جسمانی تشدد کا الزام لگائے کھڑی ہے، اس عورت کا بھائی اس کے لیے پولیس بلوا رہا ہے کئی موبائل فونز میں اس کی ویڈیو بن گئی ہے اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ اس وقت وہ کوئی عالمگیر یمن نہیں تھا اس وقت وہ ایک باپ تھا۔

”سہر اب کہاں ہے؟“ وہ دوڑ رہا تھا، سمت کا کوئی تعین نہیں تھا راہ دکھانے کو کوئی روشنی نہیں۔ مگر وہ بھاگ رہا تھا۔ اس کا دماغ اس قدر ماؤف تھا کہ اس نے اپنے موبائل کی ٹارچ تک نہیں جلائی۔

”سہراب صاحب گھر پر نہیں ہیں صاحب پلیز آپ جلدی آجاؤ۔“ عالم حواس باختہ سا ایک جگہ رک گیا۔ یہ کوئی گیلری تھی، کوئی راستہ یا کیا اسے نہیں پتا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ اس چھوٹی سی گلی نما گیلری میں داخل ہو چکا تھا۔ اس امید پر کہ یہاں سے راستہ نکلتا ہو گا۔

”عبیر کو فون دو ابھی....“ وہ دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے جگہ کا تعین کرنا چاہ رہا تھا۔ دیواروں میں پائپ لگے تھے، سرد پائپ شاید پانی کے؟ ”عبیر میرا بچہ میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔“ موبائل اسپیکر پر تھا آواز عبیر تک گئی اور وہ اور اونچا اونچا رونا شروع ہو چکی تھی۔ ”میری جان! بابا آرہے ہیں ڈونٹ وری اوکے؟“ وہ اس ایک جگہ رک گیا۔ دانتوں پر دانت جماتے ضبط کیا۔ اولاد کی تکلیف ماں باپ کو محض تشویش زدہ نہیں کرتی یہ تکلیف والدین کے دل میں چبھتی ہے، غصہ دلاتی ہے، رونا دلاتی ہے بے بسی محسوس کرواتی ہے اور اس وقت وہ ان تمام جذبوں سے گزر رہا تھا۔

”عبیر میری بات سنو بچہ....“ وہ نہیں سن رہی تھی عالم جی بھر کے بے بس ہوا، قدم بھاری تھے مگر وہ اٹھا رہا تھا۔ اسے یہاں سے گھر پہنچنے میں یقیناً ڈیڑھ گھنٹہ لگ جاتا اور.... اگر وہ اپنی انا ایک طرف رکھے تو صبیحہ کو وہاں پہنچنے میں محض بیس منٹ لگتے اور وہ چاہے اعتراف کرے یا نہ مگر وہ عبیر کو سنبھال سکتی تھی۔

”نوراں میں صبیحہ کو بھیج رہا ہوں عبیر کا بیگ تیار کرو اور تم اس کے ساتھ ہسپتال جاؤ میں وہیں ملوں گا۔ اپنی طرف سے اس کے زخم پر کچھ مت لگانا۔“ اس نے کال کاٹی، موبائل چہرے کے آگے کیا اور صبیحہ کا نمبر ملایا۔ تیز تیز قدم لیتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہا تھا جب اس کا پیر کسی وجود کے ساتھ اٹکا اور وہ منہ کے بل نیچے گرا۔ ٹف ٹائل کا فرش تھا عالم اگلے کئی لمحے کراہ روکے فرش پر ساکن پڑا رہ گیا۔ دماغ ہل کر رہ گیا۔ کہانی کار کی آنکھوں کی بینائی سے دیکھو تو جس وجود سے عالم ٹکرایا تھا وہ بنگش خاندان کا سپوت تھا۔ جس کے جسم سے خون تیزی سے بہہ کر ایک تالاب کی صورت جمع ہو چکا تھا۔ عالم کا وجود اسی خون کے تالاب میں پڑا تھا۔ ہاتھ، سینہ سب گیلا، چپچپا۔

"ہیلو؟" صبیحہ کی آواز بلند ہو رہی تھی، عالم نے ایک ہاتھ فرش پر رکھتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی اس کے ہاتھ پر کوئی چپچپا سا مائع لگ گیا۔ نفاست پسند آدمی نے تیزی سے اپنا ہاتھ شرٹ پر لگا کر صاف کیا۔ "کیوں کال کی ہے، بولنا ہے یا نہیں؟"

وہ بہ دقت اٹھا، موبائل اٹھایا اور کان سے لگایا مگر اسی لمحے اسے گردن پر کچھ رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ عالم نے تیزی سے اپنا گریبان جھٹکا، سینے سے کچھ ہٹایا اور اسی لمحے اس کا ایک بٹن ٹوٹ کر گرا۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بوٹ کی ایڑھی کا زور بٹن پر پڑا تو وہ دو حصوں میں ٹوٹا۔ آدھا عالم کے جوتے میں اٹکا اور آدھا کرائم سین پر رہ گیا۔

"مزید aesthetics شامل کرنے ہیں تو کر لیں۔" بنفشہ کی بات ختم ہونے پر دمیر ہنس کر بے پرواہی سے بولا۔ اس کے ساتھ کئی لوگوں کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا۔

"یہ سچ ہے جج صاحب پورے پندرہ منٹ میرے موکل راستہ تلاش کر رہے تھے اور اس کے بعد جب وہ باہر آئے ہوٹل سے کچھ فاصلے پر ان کی گاڑی کے دونوں ٹائر پنکچر ہو گئے۔"

"کیا دفاع کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟" جج صاحب نے پوچھا۔

"جج صاحب یہ بات بے حد واضح ہے کہ...."

"آبجیکشن مائی لارڈ کاؤنسل کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے وہ محض ایک بے بنیاد کہانی سنا رہی ہیں۔"

"پولیس رپورٹ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے پراچہ صاحب؟ کیا وہ بھی ایک کہانی تھی؟"

"جج صاحب پولیس سے بیان، برآمدگی اور کئی مواقعوں پر کوتاہیاں ہوئی ہوں گی لیکن اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خون آلود شرٹ کیسے عالم کے جسم پر آئی، وہ ٹوٹا بٹن کرائم سین پر کیوں تھا، وہ قتل کی دھمکی کیوں دی

گئی؟ملزم عالمگیر کو ضمانت پر رہا کرنا ناانصافی ہوگی۔ پراسکیوشن کو اپنے دعوے سچ ثابت کرنے کے لیے معزز عدالت سے کچھ وقت درکار ہے۔"

"دس اپریل...." جج نئی تاریخ دیتے ہوئے سنائی دیے، عدالت میں بھنبھناہٹیں شروع ہوگئیں۔ تھوڑی دیر بعد باہر نکلتے ہوئے سب بنفشہ کو سراہ رہے تھے۔ وہ مسکراتی گئی اور سنتی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے تین چار وکیلوں کو اسلان کی طرف اشارہ کر کے کچھ بتایا۔

"اس نے میری بہت مدد کی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو میں اتنی اچھی بات نہ کرپاتی۔ سارے پائنٹس اسی کے لائے ہوئے تھے۔" وہ جو ذرا سے فاصلے پر کھڑا تھا اسے یوں لگا جیسے وہ منجمند ہوگیا ہو۔ وہ چار لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اسے اس کا حق دے رہی تھی؟ ایسا آخری بار کب ہوا تھا یہ اسے یاد بھی نہیں تھا۔ اس سے نفرت اور ناپسندیدگی کا گراف تیزی سے نیچے آگیا اور وہ ساکت و ساکن سا اسے تکے گیا۔

★★★★★

سہراب یمن کی گاڑی لاہور کے رش کے باعث دھیمی رفتار سے چل رہی تھی۔ ڈرائیور نشست پر اسلان تھا، ساتھ سہراب بیٹھا تھا اور پیچھے بنفشہ۔

"آپ بہت اچھا بولیں آج۔" سہراب نرم مسکراہٹ کے ساتھ اسے سراہ رہا تھا۔ "میں عالم کے فیصلوں سے کبھی خوش نہیں ہوا سوائے آپ کو اس کیس کے لیے چننے کے۔"

"میرے نزدیک یہ فیصلہ نہیں مجبوری تھی۔" اسلان نے اپنی رائے دینا قومی فریضہ سمجھا۔ "اور کوئی وکیل ہمارا کیس نہیں لینا چاہتا تھا۔"

”سادات صاحب کے بیٹے نے لے لیا تھا آپ کا کیس۔“ بنفشہ نے اسے مطلع کرنا فرض سے بھی ضروری سمجھا۔ ”یہ الگ بات ہے کہ ان سے کام ہو نہیں پایا۔“

”وہ آٹھ سالوں سے عدالت میں ہیں آپ خود کو ان سے بہتر وکیل مانتی ہیں؟“

بنفشہ نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ ”بالکل کوئی شک؟“ اسلان نے تیزی سے موڑ کاٹا، اس تیزی سے کہ بنفشہ سیٹ پر لڑھکتے ہوئے دوسری طرف گئی۔ سہراب نے اسے گھورا مگر اس پر کوئی اثر ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ بنفشہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور وہ سامنے دیکھتے ہوئے اسی بے نیازی سے گاڑی چلانے لگا۔

”کیا کل رات انہوں نے آپ کو بہت زیادہ تنگ کیا؟“ سہراب کے اچانک سوال پر وہ کچھ لمحے بالکل خاموش رہ گئی۔ مسکراہٹ غائب تھی۔ ”آپ اچھا جھوٹ بول لیتی ہیں لیکن میں بے وقوف نہیں۔ مجھے اندازہ ہے آپ اس کیس کی وجہ سے نشانے پر ہیں۔“

”میں نے یہ چنا ہے۔“ اس کا انداز مدافعانہ تھا۔

”بالکل لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے۔“

”مجھے کوئی شخص مجبور نہیں کر سکتا۔“

”کوئی شخص نہیں لیکن کچھ چیزیں کر سکتی ہیں۔“

”مثلاً؟“

”شاید عالم کا کوئی احسان یا پھر کسی کی طرف آپ کا بقیہ انتقام۔“ اس کا لہجہ بالکل عام تھا لیکن عقبی نشست پر بیٹھی بنفشہ کو لگا اس کے پیچھے کوئی معنی تھا۔ شاید وہ اسے بتا رہا تھا کہ وہ جانتا ہے۔ کیا وہ کچھ جانتا تھا؟

”اور اگر میں کہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہے میں یہ کام صرف اور صرف اپنے کیریئر پر ایک روشن ٹھپہ لگانے کے لیے کرنا چاہتی ہوں تب؟“ سہراب ایک پل کو خاموش ہوا پھر گردن تائیدی انداز میں ہلادی۔

”یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ خیر میرے پاس آپ کے لیے ایک پیشکش ہے اگر آپ مناسب سمجھیں۔ میرے گھر کے ساتھ ایک مکان خالی ہے۔ ہمارا ہی مکان ہے لیکن استعمال میں نہیں۔ آپ چاہیں تو آپ وہاں شفٹ ہو سکتی ہیں۔ دو کمرے ہیں، چھوٹا گھر ہے لیکن آپ کے لیے کافی ہوگا۔“ وہ کہہ رہا تھا اور اسلان گردن موڑے بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ خون میں جو ابال اٹھا اس کا قصہ الگ۔ ”آپ مشکل میں ہیں، میں سمجھ سکتا ہوں اور آپ کو اسی طرح اپنے خاندان کی وجہ سے مشکل میں رہنے دوں مجھے میرے ابا نے ایسی تربیت نہیں دی۔“

”ہمارا گھر ہے یا کوئی یتیم خانہ؟ جو جہاں سے ملے اسے اٹھا کر گھر لے آؤ۔“

”یتیم خانہ ہے جب ہی تم جیسے بن ماں باپ کے بچے وہیں پل رہے ہیں۔“ بنفشہ بولی۔

”وہ میرا گھر ہے بی بی۔“

”تمہارا باپ اپنا حصہ لے کر کئی سال قبل یہاں سے فرار ہوگیا تھا اب یہ گھر اس میں تمہارا کوئی حصہ نہیں چچاؤں کے رحم وکرم پر پل رہے ہو اور تم میرے بارے میں بات کروگے؟“ اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ اسلان سے زیادہ تیز اور روکھا۔ وہ کافی دنوں سے اس کا لہجہ اور باتیں برداشت کر رہی تھی مگر برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

اسلان نے دوبارہ جواب دینے کو منہ کھولا مگر سہراب نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے اسے روکا۔ ”بس اب مجھے آپ دونوں کی کوئی بحث نہ سنوں۔ اسلان کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ وہ گویا ملامت کر رہا ہو۔ ”اور آپ؟ مجھے لگا تھا آپ اچھی خاصی میچیور ہیں۔ آپ اس بچے سے لڑ رہی ہیں؟“

”میچورٹی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں ہر کسی کو خود پر بات کرنے کا موقع دوں۔ اور یہ بچہ چھبیس سال کا ہے وقت پر شادی کرواتے تو اس وقت اس کے اپنے دو بچے ہوتے۔“

”تم میرے ذاتیات پر بات نہیں کر سکتی۔“

”اور تم مجھے یتیم کہو وہ جائز ہے؟“

”اسلان مجھے اب تمہاری آواز نہ آئے۔ اور آپ اگر مزید اس کیس پر عالم کے لیے کام کرنا چاہتی ہیں تو آپ کو بھی اسے شرط سمجھنا ہوگا۔ ایک عورت ہماری وجہ سے ہراساں ہو یہ مجھے ہرگز قبول نہیں۔“

”میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی جہاں میری عزت نفس پر حرف آئے اور اس طرح اپنے ہر کلائنٹ کے گھر پر رہنا شروع کر دوں تو میرا خیال ہے میرا کام تو چل گیا۔“ وہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھی۔ لہجہ دوٹوک۔

سہراب نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ”مجھے بڑا بھائی سمجھ کر میری بات مان لیں۔ جہاں آپ رہتی ہیں اول تو وہاں سے کچہری آنے میں دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ دوئم آپ کو آدھا دن شہر میں کام کرنا ہوتا ہے رات کو دیر سے گھر جاتے ہوئے آپ کے لیے ہی مسائل ہوں گے۔ اور سوئم وہ جگہ اب آپ کے لیے محفوظ نہیں ہے۔ لہٰذا میرا مشورہ مان لیں۔“ اسلان نے ایک بار پھر گاڑی تیزی سے گھمائی اس بار البتہ بنفشہ نے اسلان ہی کی نشست کو تھاما ہوا تھا سو وہ بچ گئی۔ اسلان خود بھی نہیں جانتا تھا اسے اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے۔ یہ عورت مشکوک تھی، یا....؟ یا پھر کیا؟ بس وہ چاہتا تھا سہراب اس سے بات نہ کرے۔ یا پھر وہ اس کی یعنی تمکنت بنگش کی آنکھیں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

”مجھے سوچنے کا وقت دیں۔“

”آپ کے پاس پورے دو گھنٹے ہیں۔“

”میں اتنی جلدی فیصلہ نہیں لے سکتی۔“ وہ روہانسی ہوئی۔

"میں اس سے زیادہ وقت آپ کو نہیں دے سکتا۔"

"میرے گھر میں میرا کافی سامان ہے۔"

"میرا بھتیجا لے آئے گا۔" وہ دانت پر دانت جماتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ یہ سچ تھا کہ اسے واپس اپنے گھر جاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا اور وہ اس گھر میں ایک بھی دن مزید نہیں گزارنا چاہتی تھی لیکن یوں اس طرح سہراب کے گھر.....ہاں ٹھیک ہے اس کے گھر کے ساتھ ملحقہ مکان میں رہنے کے لیے چلے جانا کچھ عجیب تھا۔ بہت عجیب۔

"آپ کے گھر میں تو مہمان تھے نا۔" یکدم جیسے اسے یاد آیا۔ اس کے ساتھ اسلان اور سہراب کو بھی یاد آیا اور یادیں بہت کم دفعہ ہی سہانی ہوتی ہیں۔

★★★★★

ان مہمانوں نے رخصت لے لی تھی۔ وجہ؟ دو تھیں۔

"وجہ اول!"

"تیس لاکھ سے ایک روپیہ بھی کم نہیں ہو گا۔" دل آراہ کسی سے فون پر کہہ رہی تھی۔ "میری بیٹی کے لیے اس وقت ملک کے بڑے بڑے ٹاک شوز انتظار میں ہیں لیکن میں اسے آپ کے شو پر لانا چاہتی ہوں۔ قیمت منہ مانگی ہو گی۔" وہ فون پر بات کرتے کرتے رکی۔ چوکھٹ پر کھڑے آراہ اور یافث کو دیکھا۔ اس نے محض ان کے وجود دیکھے آراہ کی آنکھوں میں امڈتی بے یقینی نہیں، یافث کی نگاہوں کی ملامت بھی نہیں۔

"آئی ایم سوری ثاقب لیکن تیس لاکھ روپے سے ایک روپیہ بھی کم نہیں۔" ان دونوں کی نگاہیں نظرانداز کرتے اس نے فون کاٹ کر آراہ کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک بستہ تھا وہ شاید اس کے ساتھ جانے کو تیار تھی۔ مگر اس کی آنکھیں نہیں۔

"ممی آپ نے کہا تھا ہم کراچی میں ساتھ رہیں گے۔" وہ ہنوز متحیر تھی۔

"تو میں نے انکار کب کیا میری جان؟" وہ آگے آئی اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ پلنگ تک لائی۔ اسے اپنے سامنے بٹھایا۔ یافث چوکھٹ پر کھڑا رہا۔ "تم اور میں ساتھ رہیں گے لیکن ظاہر ہے تمہارا اپنا بھی کوئی کیریئر ہونا چاہیے، میں تمہیں اسی لیے میڈیا میں لا رہی ہوں۔" سہراب نے اسے ہمیشہ ایک بات سکھائی تھی سامنے چاہے وقت کا آمر ہو چاہے ایمان کا خطرہ دجال۔ وہ بات کہہ ڈالو جو تمہارے دل میں آئے۔

"آپ.... آپ مجھے استعمال کر رہی ہیں؟" اس نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔ ایک لمحے کو وہ چپ کی چپ رہ گئی۔ سارے جواب جو اس نے سوچ رکھے تھے کہیں غرق ہو گئے کیونکہ سوال بدل لیا گیا تھا۔ اس کی بیٹی اتنا واضح احتساب کرنا کب سیکھی؟

"آپ نے کہا تھا آپ مجھے اس لیے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں کیونکہ ہم وہاں ساتھ رہیں گے لیکن یہاں تو آپ کا مقصد ہے ممی۔ آپ صرف اور صرف وہاں جا کر میرے ذریعے شہرت حاصل کرنا چاہتی ہیں۔"

"تمہیں سہراب نے میرے خلاف کیا ہے نا" تم ان کو نہیں جانتی یہ سارے یمن جھوٹے اور مکار ہیں۔ تمہارا باپ بھی ایسا تھا۔ تمہارے دونوں چچا بھی ایسے ہیں یہ لوگ تمہیں میرے خلاف کرنا چاہتے ہیں۔ سارے یمن دوغلے "

"آپ ایک یمن کو دوسرے یمن کے خلاف نہیں کر سکتیں ممی۔" وہ بات کاٹتے آزردگی سے بولی۔ دل آراہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کی بیٹی کی آنکھیں وہ ہیزل آنکھیں وہ ایک لمحے کو عالم کی آنکھیں لگیں، اس کی رنگت ماتھے کے بل، اس کے سہراب سے غیر معمولی حد تک ملتے نقوش۔۔۔ وہ ایک یمن ہی تھی اس کے نام کے آگے طارون لگا لینے کے اکیس سال بعد آج اسے سمجھ آ گیا خون تبدیل نہیں ہوتا۔ موروثیت جسم سے نہیں نکلتی۔

”آپ اتنے دن سہراب چاچو کے لیے میرا دل خراب کرتی رہیں اور بدلے میں آپ نے میرے ساتھ اتنا زیادہ برا کیا۔“

”وہ تمہیں اور تمہارے بھائی کو تباہ کر دے گا۔“ وہ تنفر سے بولی۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آپ نے اور ڈیڈ نے بھی یہی کیا تھا۔“ وہ بھی اسی کاٹ دار انداز میں بولی۔ آواز البتہ بلند نہیں تھی۔ ”اب اتنے سال بعد آپ واپس آئیں تو مجھے لگا تھا آپ میرے لیے آئی ہیں لیکن آپ کو اب بھی پیسہ چاہیے۔ آپ کو ہمیشہ سے پیسہ ہی چاہیے تھا۔ آپ غلط تھیں ممی ہمیشہ سے۔ آپ ایک لالچی عورت ہیں۔“

”تمہیں اندازہ بھی ہے باہر کی دنیا میں بقا کتنی مشکل ہے؟ تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے؟ تم کیا جانتی ہو پیسہ کس طرح کمایا جاتا ہے۔ کس طرح ایک عورت خود کو سیکیور کرتی ہے۔ مردوں کے اس معاشرے میں ایک عورت کتنا کچھ جھیلتی ہے؟ میں تمہیں عزت دلوانا چاہتی ہوں بدلے میں تم میرے ساتھ ایسا رویہ رکھو گی؟“

”میں اس عورت کی عزت کروں گی جس نے یہ سب حق سے کمایا۔ آپ کی طرح نہیں جس نے ہمیشہ اولاد کو فراموش کیا اور جب اپنا مفاد دکھا تو جھوٹا پیار دکھا دیا۔“ دل آراہ آگے آئی، قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”تم ایک ناشکری لڑکی ہو۔ بچپن سے لے کر آج تک تمہارے بلز، تمہاری پڑھائی، تمہارے باقی کے اخراجات اگر تم نے خود اٹھائے ہوتے تو آج اس اینکر سے تیس لاکھ نہیں پچاس لاکھ مانگنے والی تم خود ہوتیں۔“

اس کی بھیگی آنکھوں کے گرد بند ٹوٹ گئے۔ ”یہ آپ کا فرض تھا ممی۔“

”فرض مائے فٹ....“ وہ پھنکاری۔ ”تم ایک unwanted بچہ تھیں اور....“

”آپا اسٹاپ اٹ۔۔۔“ یافث یکدم غرایا۔ آراہ بالکل ٹھہر گئی۔ کیا اب اسے یہ بھی سننا تھا، کیا وہ واقعی ایک ان چاہی اولاد تھی؟ ”آپ یہاں سے چلی جائیں۔ آپ اس شو کے تیس لاکھ لیں یا پچاس آراہ آپ کے ساتھ نہیں

جائے گی۔" شور سن کر اسلان، سہراب اور آمنہ بھی وہیں آگئے تھے۔ آمنہ اور سہراب دروازے پر کھڑے رہ گئے البتہ اسلان آگے آیا۔ اس نے آراہ کو روتے دیکھا تو وجہ نہیں پوچھی بس تن کر دل آراہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں قہر تھیں۔

"کیا کہا ہے آپ نے میری بہن سے؟" اس کے انداز میں ڈھونڈنے سے بھی نرمی نہیں مل رہی تھی۔

"بھائی...." اس نے ہچکیوں کے درمیان اسلان کو پکارا۔ "میں ان کے ساتھ نہیں جانا چاہتی مجھے یہاں رہنا ہے مجھے کسی شو کا حصہ نہیں بننا مجھے ان کے ساتھ نہیں رہنا۔ ان کو صرف اور صرف پیسے کا لالچ ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔"

"میں آپ کو آخری وارننگ دے رہا ہوں بھابی اگر آپ نے دوبارہ آراہ کو اس طرح رلایا تو ابھی آپ ابھی سہراب یمن کو جانتی نہیں۔" اس نے آگے آکر آراہ کا بازو پکڑا۔ "اور اسے یہاں سے لے کر جانے کے لیے آپ کو اگلی بار مجھ سے بات کرنی ہو گی۔"

"وہ یافث کے ساتھ رہتی ہے تمہارے ساتھ نہیں۔"

"یافث مجھے نہیں روکے گا۔ وہ سالوں پہلے آپ کے ہاتھوں بے وقوف بن چکا ہے، دوبارہ نہیں بنے گا۔" یافث ٹکر ٹکر بہن کا چہرہ دیکھتا گیا، کیا واقعی وہ بے وقوف بنا تھا؟

"اسلان تم کچھ بولو گے نہیں؟ کیا تم اپنی ماں کو اس طرح ذلیل ہوتے ہوئے دیکھو گے؟" اس نے پینترا بدلا۔

"کچھ سال پہلے آپ نے ہم دونوں کو ذلیل ہونے کے لیے چھوڑا تھا، آپ کا کیا آپ پر پلٹ رہا ہے تو تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟ یہ ذلت آپ کی چنی ہوئی ہے اس لیے آپ کو مبارک ہو۔" اسلان نے شعلے برساتی آنکھیں ماں کی آنکھوں میں ڈالیں۔

”تم مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔“ وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

”چار سال میں اسلان یمن نے آپ کی ایک بھی فون کال کا جواب نہیں دیا اس سے آپ کو اندازہ ہونا چاہیے آپ جیسی عورت سے بات کرنا میرے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح یا کسی اور طرح میں سرے سے آپ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا۔“ اگلے کئی منٹ دل آراہ کمرے میں چیختی رہی۔ اسلان جا چکا تھا سہراب آراہ کا بازو پکڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ یافث دھیرے دھیرے پلنگ پر بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی آنکھیں کہیں خلاؤں میں تھیں۔

”تم نے اسے کچھ کہا کیوں نہیں؟“ یافث نے آزردگی سے اسے دیکھا۔

”آپ بھی خاموش رہیں جب سہراب نے کہا کہ۔“ وہ رکا، خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”کیا آپ نے مجھے واقعی بے وقوف بنایا تھا؟“ اس کی آواز کسی کھائی سے آتی تھی۔ اس لمحے دل آراہ کو احساس ہوا بھائی گیا.... ہمیشہ کے لیے۔ اس کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں تاریک پڑ گئی، اور یافث کے سینے پر چبھتا چاقو پورے زور سے اس کے سینے میں گھس گیا۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔

★★★★★

”وجہ نمبر دو!“

”تمہارا شادی کے متعلق کیا خیال ہے، اسلان؟“ رات کا سمے تھا۔ جگمگ کرتے ستاروں نے سارے میں اپنی دھاک جما رکھی تھی۔ گول ٹکی کی طرح چمکتا چاند روشنی کا منبع تھا۔

”میں اس بارے میں نہیں سوچتا۔“ کافی کا مگ لبوں سے لگاتے آسمان کو تکتے ہوئے اس نے صاف جواب تھمایا۔

”اب تم چھبیس سال کے ہو میرا خیال ہے اب تمہیں سوچنا چاہیے۔“ شجاع مصر تھا۔

اسلان نے گردن پھیر کر اپنے ساتھ بیٹھے اپنے باپ کو دیکھا۔ ”میں فی الحال کوئی جاب ڈھونڈوں گا پھر دیکھ لیں گے۔“

”جاب اور لڑکی ایک ساتھ بھی مل سکتی ہے۔“

اسلان ہلکا سا ہنسا۔ ”یعنی کسی امیر بڈھے کا گھر داماد؟“

”خیال بُرا نہیں ہے۔“

”گھٹیا ہے۔“ اسلان نے اعلان کیا۔ شجاع کی رنگت پھیکی پڑی البتہ آنکھوں کی چمک برقرار۔

”جب تم چھوٹے تھے تب تمہیں پارک جانا بہت پسند تھا۔ آراہ بھی چلتی تھی لیکن وہ زیادہ ایکٹو نہیں رہتی تھی تم اب بھی پارک جاتے ہو؟“

”نہیں.... “ اس نے ہلکی آواز میں کہا۔ ”آراہ جاتی ہے۔ چاچو کے ساتھ کبھی کبھی۔“

”تم کیوں نہیں جاتے؟“

”دل نہیں کرتا، چاچو پوچھتے بھی نہیں۔“ شجاع خاموش ہو گیا۔ اسلان اس سے باتیں کرنے لگا تھا بہت کم مگر ہاں کرتا تھا۔ اس کی باتوں کے جواب میں اب چیختا نہیں تھا، چڑتا بھی نہیں تھا۔ اسے لگا یہ وقت بہترین ہے بات کرنے کے لیے.... وہ بات جسے کرنے کے لیے شجاع افتخار یمن نیویارک سے لاہور آیا تھا۔

”اسلان۔۔۔ میں ایک بات سوچ رہا تھا۔ تم میرے ساتھ نیویارک کیوں نہیں چلتے؟“ اسلان شجاع یمن پتھر کا بت بن گیا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اپنے باپ کو تک رہیں تھیں۔ بے یقینی بے حد چھوٹا لفظ تھا ان آنکھوں میں

جذبات کا سمندر تھا۔ ”بہت ہو گیا نا۔.....اتنے سال تم میرے بنا رہ لیے اور میں تمہارے بغیر۔ اب ہم دونوں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔“

”آپ کی فیملی؟“

”تم ان سب سے پہلے میری فیملی ہو۔“ سحر کی کوئی بوتل تھی جس میں وہ اسلان کا سارا وجود قطرہ قطرہ بند کر رہا تھا۔ ”تم چلو گے میرے ساتھ بیٹے؟“ وہ ہاں کہنا چاہتا تھا یہی تو اس نے چاہا تھا اس کا باپ اسے اپنا ولی عہد مانے، اس کی ماں محبت سے اس کے بال سہلایا کرے۔ وہ جب دنیا سے تھک جائے تو ان دونوں کے پاس آ جائے اور یہاں آ کر اسے دنیا کا سارا سکون مل جائے۔

”میرے ساتھ چلو، اسلان۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“ بیٹھے بیٹھے اس نے اسلان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ اس لمس کو.....ایسی تکان اتارنے کو..... وہ بھی تو ترسا تھا مگر شجاع کو جو ہٹائیں وہ ہاتھ جامد۔ جو اسے جھڑک کر دور کرے اس زبان پر لقوہ۔ ”مجھے میری غلطی سدھارنے کا ایک موقع دو۔“

”مجھے سوچنے کا وقت دیں۔“ اس کے حلق سے پھنس پھنس کر بس یہی الفاظ ادا ہوئے۔

”میں تمہارا باپ ہوں، اسلان۔ عمر کے اس حصے میں مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ سہراب نے جو کچھ تمہارے لیے کیا وہ اچھا تھا نیکی تھی لیکن جو کچھ تمہارے لیے میں کر سکتا ہوں، وہ کوئی نہیں کرے گا۔ سہراب تمہارا باپ نہیں ہے۔“

”اسکار کو بیچ میں مت لائیں۔“ پتا نہیں کیسے وہ اسے ٹوک گیا۔ کسی ستون کی اوٹ میں کھڑے سہراب یمن نے یہ الفاظ سنے اور وہیں کھڑا رہا۔ اس کے دل میں کچھ کھب رہا تھا، ریت کی مانند رفتہ رفتہ کچھ ہتھیلی سے چھوٹ رہا تھا۔

”وہ کبھی تمہارا باپ نہیں بن سکتا۔ جو فیلنگز تمہارے لیے میں رکھتا ہوں وہ سہراب نہیں رکھ سکتا۔“ افسر کو لگا کسی نے اس کے سارے تمغے نوچ کر اتار دیے ہوں، اس کی ساری عمر کی ریاضت مٹی کر دی ہو۔ وہ ساری جائیداد، سارا زیور، ساری آسائشات اٹھا کر اس وقت شجاع کے سامنے رکھ دینا چاہتا تھا بس بدلے میں اس سے اس کا بیٹا نہ لیا جائے۔

”میں نے کہا نا اسکار کو بیچ میں مت لائیں۔“ وہ چلا گیا تو؟ اس سے آگے تو خیال بھی نہیں جاتے تھے، زندگی کیسے جائے؟

”میرے ساتھ چلو اسلان پلیز۔“ وہ مڑا اسلان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ اسلان کو اب بھی وہ لمحہ یاد تھا جب یہ ہاتھ اس سے چھوٹے تھے۔

”مجھے وقت چاہیے۔“ اپنے ہاتھ چھڑواتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ اب اس میں مزید سکت نہیں رہی تھی۔ وہ چلا گیا اور سہراب اس پوری رات سو نہیں سکا۔ وہ واقعی اسلان کا باپ نہیں تھا، کیا وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے گا؟

اگلی صبح جب شجاع اس کے کمرے میں اس کے برابر سو رہا تھا تب اسلان یمن نے نیم خوابیدہ آنکھوں سے اس کا موبائل اٹھایا۔ یہ ایک غیر اخلاقی، غیر مہذب حرکت تھی لیکن ان دونوں چیزوں کو تو وہ بہت پہلے الوداع کہہ آیا تھا۔ وہ اب شجاع کی چیٹ کھنگال رہا تھا یہ بیچ حرکت تھی لیکن، جو اعتبار کرے وہ اسلان یمن تو نہ ہی کہلائے۔ شجاع کی بیوی اس سے پوچھ رہی تھی۔

”وہ تمہارے ساتھ آنے پر راضی تو ہو گا نا؟ ....وہ سیم سے شادی کر لے گا؟ .... تمہیں کچھ بھی کر کے اسے منانا ہو گا۔ ....اسے لالچ دو نا۔۔۔ پیسے کا، جاب کا اور سیم کی باتیں کرو اس سے۔ مجھے یقین ہے مان جائے گا۔“

اسلان نے موبائل رکھ دیا۔ وہ آئینہ دیکھ کر خود پر ہنسنا چاہتا تھا۔ وہ کتنا بڑا بے وقوف تھا۔ اس نے اگلے کئی گھنٹے سونے کی کوشش کی لیکن اسے نیند نہیں آئی۔ اپنا بے وقوف بنایا جانا انسان سے برداشت نہیں ہوتا۔ اس سے بھی نہیں ہو رہا تھا۔ بند آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر اس کی کنپٹی میں جذب ہو گئے۔ اور یہاں اس کا بوجھ کم ہوا۔ وہ کسی ننھے بچے کی طرح سسکیاں دبائے لب بھینچے روتا گیا۔

اگلی صبح اسلان نے ناشتے کی میز پر اپنے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کیا۔ ”میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہا ڈیڈ۔“ بھاری آواز میں کہا۔ سہراب نے اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں۔

شجاع متحیر رہ گیا۔ ”کیا مطلب؟“ اسلان نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر شجاع کو دیکھا۔ سہراب، آراہ، یافث سب ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ سب کی آنکھوں میں مختلف سوالات تھے۔ اسلان شجاع کے ساتھ جا رہا تھا، یہ بھلا کب طے ہوا؟ اسلان نے سادگی سے سب کو دیکھا۔

”ڈیڈ چاہتے تھے میں ان کے ساتھ نیویارک جاؤں ان کی بیوی کی پہلی بیٹی سے شادی کروں اور کُتا بن کر اس کے آگے پیچھے دم ہلاتا رہوں۔“ جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ ”لیکن میرا باپ شاید بھول گیا ہے کہ میرے اندر صرف ان کا خون آیا ہے ان کے والی خوبیاں نہیں۔“

”اسلان باپ ہے وہ تمہارا۔“ سہراب نے گھر کا۔ ”معافی مانگو۔“

”آپ اسلان کو اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے؟“ یافث نے ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔ شجاع خاموش رہا اس کی رنگت سفید پڑ چکی تھی۔ میز سے اٹھتے ہوئے، اس نے ایک بار شجاع کو دیکھا۔

”میں ہر دفعہ سہہ جاتا ہوں مگر آراہ کے ساتھ یہ مت کرنا۔“ لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”پلیز۔“ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسلان کا چہرہ سفید تھا۔ برسوں بعد آسرے پر اٹکے دل کو کسی نے ریزہ ریزہ کیا تھا۔ تکلیف بنتی تھی۔

★★★★★

"موجودہ دن!"

آشیانہ بنگش جاتی اس گاڑی میں خاموشی ہر گز نہیں تھی۔ دمیر پراچہ پچھلی نشست پر تمکنت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر سپاٹ سا تاثر تھا۔ تمکنت سرخ چہرے کے ساتھ اس پر برس رہی تھی۔ "وہ چھٹانک بھر کی لڑکی تمہیں لوہے کے چنے چبوا گئی اور تم کچھ بولے بھی نہیں؟"

دمیر نے سرخ پڑتی نگاہیں اس بوڑھی عورت کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ "ویسے تو میں صرف اور صرف آپ کا وکیل تھا لیکن پچھلے کچھ دنوں میں آپ کے بیٹے نے بہت میس پھیلایا ہے جسے صاف کرنا میری مجبوری تھی، کیونکہ اس کا اٹھایا ہوا ہر غلط قدم میری ساکھ پر بھاری تھا اور اگر پولیس نے غلط رپورٹ بنائی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں نے روز اول سے کہا تھا اس کیس میں کوئی دم خم نہیں ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہانی بدلیں، میں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟ "کیا آپ خود بھی شیور ہیں کہ عالمگیر قاتل ہے؟"

سوال یک دم ہوا۔ ایک لمحے کو تمکنت کچھ کہہ نہیں سکیں۔ دمیر اس کی آنکھوں میں کچھ کھوجتا رہا۔ "مسز بنگش آپ ایک قاتل کو سزا دلوانا چاہتی ہیں یا پھر اس کے پیچھے کوئی ذاتی مفاد ہے؟"

"میرا کیا مفاد ہو سکتا ہے؟" وہ ٹوٹی ہوئی نظر آرہی تھی۔ یہ صرف بیٹے کی محبت نہیں تھی جو اسے رلا رہی تھی یہ کچھ اور بھی تھا۔ "میں نے جو دیکھا ہے میں بس اس پر یقین کر رہی ہوں۔ عالمگیر نے میرے بیٹے کو دھمکی دی اور.... اور اس کے چند منٹ بعد وہ مر گیا۔ میں کیا سمجھوں؟ میں اس عمل کو کیا مانوں میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میں تم سے صرف یہ چاہتی ہوں کہ عالمگیر یمن جیل سے باہر نہیں آنا چاہیے، وہ سارا خاندان ساری زندگی تڑپتے رہنا چاہیے۔" لبوں پر مٹھی جمائے دمیر پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی پرسوچ نگاہیں کہیں بھٹک رہی تھیں۔

”شاہ ویر صرف میرا بیٹا نہیں تھا وہ میرے لیے میری ساری دنیا تھا وہ چلا گیا ہے تو میں خالی ہاتھ ہو گئی ہوں۔ عالمگیر اپنی بھتیجی کے رشتے کے خلاف تھا، اسی نے میرے بیٹے کا قتل کیا ہے۔“

”آپ کے علاوہ کیا کوئی اس بات کو ثابت کر سکتا ہے کہ عالم اس رشتے کے خلاف تھا اور اسے ختم کرنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا؟“

”سب جانتے ہیں....“ گیلی سانس اندر کھینچتے وہ سیدھی ہوئی۔ ”زید، رئیس، تاج اور....“

”وہ لڑکی شاہ ویر کی منگیتر کیا وہ بھی جانتی تھی؟“ اگلی نشست پر بیٹھے زید کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا البتہ اس کے کان اب اسی طرف لگے تھے۔

”اس کا نام مت لینا۔“ وہ غرائی۔

”کالم ڈاؤن مسز بنگش۔ ایک تو آپ سب پتہ نہیں کب جذبات سے کام لینا چھوڑیں گے۔ محبت بڑی شے ہوتی ہے اسے کسی بھی طرح استعمال کرنا چاہیے اور اگر وہ ہمارے حق میں استعمال ہو رہی ہے تو اس سے بہتر کیا چیز ہے۔ اگر آپ تحمل سے سوچیں تو اس کی گواہی عالم کے خلاف تابوت میں آخری کیل ثابت ہو گی۔“

”اس کی ماں کافی دنوں سے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ میرے گھر آ کر وہ مجھ سے تعزیت کرنا چاہتی ہے۔“ تمکنت نے بے زاری سے کہا۔

”پرفیکٹ اسے بلوائیں اور اپنی نہ ہونے والی بہو کو بھی بلوائیں۔ میں اس سے ملوں گا، اس سے بات کروں گا۔ مجھے یقین ہے وہ کورٹ میں گواہی دے گی۔“

”تمہیں لگتا ہے یہ آئیڈیا کام کرے گا؟“

"یہ دوڑے گا۔" وہ پر یقین تھا۔ "آپ ایک اور کام کریں عوام ہم سے بد ظن ہو رہی ہے ہے ان کو دوبارہ اپنے حق میں کرنے کے لیے آپ ایک ویڈیو جاری کروائیں۔"

"کس طرح کی ویڈیو؟"

"لوگوں کی ہمدردی سمیٹنے کے لیے کیا کرنا ہے اب ایک اداکارہ کو یہ بھی میں بتاؤں؟" اس کے معنی خیزی سے کہنے پر تمکنت بہ دقت مسکرائیں۔ کندھوں سے بوجھ سرکنے لگا، دل کے بوجھ اب دائمی تھے۔ انہیں بہت کچھ ستا رہا تھا۔ فہرست طویل تر تھی۔

شاہ زید اس سارے وقت میں کچھ نہیں بولا۔ بس سنجیدگی سے گاڑی سے باہر جھانکتا رہا۔

★★★★★

"تمہارے لیے کھانا لے آؤں؟" وہ چھت کو جاتے زینوں پر بیٹھی تھی۔ "پیار کا پہلا شہر" کتاب اس کے ہاتھوں میں تھی۔ البتہ الفاظ ذہن میں جذب نہیں ہو رہے تھے۔ وہ مغموم تھی جب آمنہ اس کے ساتھ آ کر بیٹھی۔

"بھوک نہیں ہے۔" سرخ ابھری اینٹوں والی دیواروں کے ساتھ سر ٹکاتے اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ دل آراہ نے اس کے ساتھ کھیل کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ اسلان شاید شجاع والے قصے کو بھول گیا تھا یا شاید نہیں۔ اس نے کبھی کچھ بتایا نہیں تھا ہاں مگر اس آخری ملاقات میں تو.....

"تمہارے لیے کونسی کافی لاؤں؟" وہ جو الماری میں رکھی سفید ساڑھی کو انگلیوں کے پوروں سے چھو کر محسوس کر رہی تھی اس آواز پر چونک کر مڑی۔ اسلان اس کے کمرے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ سیاہ رنگ کی سویٹ شرٹ کے ساتھ سیاہ ہی کھلی جینز پہنے وہ عجلت میں لگ رہا تھا۔ کمرے کی رنگین کھڑکیوں پر پڑتی دھوپ روشنی منعکس کرتے ہوئے اسلان کے چہرے پر بھی پڑ رہی تھی۔

”جو اپنے لیے لاؤ۔“ انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی کو مسلتے وہ بڑی شدت سے ”اوکے“ کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔

”گھر کی کافی بورنگ ہے باہر چلیں؟“

”مجھ سے ہمدردی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ آراہ نے تلخی سے جواب دیا۔ ”تم سب لوگ ایک جیسے ہو۔ تمہیں لگتا ہے جب آراہ ایک برے فیز میں ہو گی تو اس سے ہمدردی جتا دیں گے اور پھر اسے پھینک دیں گے۔ تم بھی یہی کرو گے۔ ممی کی طرح۔“

”ہو گیا تمہارا؟ اب چلیں؟“ وہ ہنوز بے نیاز دکھ رہا تھا آراہ آگے آئی۔

”تم آخر خود کو سمجھتے کیا ہو جب تمہارا دل کیا پیار جتا دیا۔ جب دل چاہا جھڑک دیا اور جب دل چاہا کافی کی پیشکش کرنے لگے کیسے انسان ہو تم؟ کوئی ذرا برابر ایموشنز تمہارے اندر ہیں یا نہیں؟“ اسلان کے جبڑے بھینچ گئے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ جب پنار مر گئی تب وہ کہاں تھی؟ جب وہ جیل کے چکر کاٹ رہا تھا تب وہ کیوں ان کی ماں کے ساتھ کراچی میں تھی؟ جب جب اسلان یمن کو اس کی ضرورت تھی تب تب وہ اس کے ساتھ کیوں نہیں تھی؟

”تم ایک ایموشنل میس ہو، آراہ۔“ وہ جیسے عاجز آیا۔ ”تم چاہتی ہو ساری دنیا کی ہمدردی تمہارے پاس ہو، ساری دنیا کو تمہاری تکلیف کا علم ہو اور پھر وہی ساری دنیا تمہارے ساتھ اس غم میں تمہاری شریک ہو حد سے زیادہ ناز کی انسان کو حقیقت سے دور کر دیتی ہے، تم بھی وہی ہو رہی ہو۔“

”نہیں ہوں میں تم جیسی۔ نہیں برداشت ہوتا مجھ سے جب کوئی مجھے دھوکہ دے۔ بات بات پر رونا آ جاتا ہے مجھے، لوگوں سے امیدیں رکھ لیتی ہوں اور وہ ٹوٹ جاتی ہیں اور ایک بار پھر مجھے ہی تکلیف ہوتی ہے لیکن میں اس سب کو ٹھیک نہیں کر سکتی۔ کب، کہاں، کتنا کیا بولنا ہے یہ مجھے نہیں پتہ۔ غلط صحیح کا پتہ ہے، لیکن کسے کس طرح

ٹوکنا ہے یہ نہیں پتہ مجھے۔ تمہیں میں emotional mess لگتی ہوں؟" اس کی رندھی ہوئی آواز میں کچھ تھا کہ اسلان یمن کے دل کو دھکا لگا۔ "چار مردوں کے درمیان رہ کر میں ایسی نہ بنتی تو اور کیا بنتی؟ تم میں سے ہر کوئی ایک تقریر تیار کر کے گھوم رہا ہے لیکن تم میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ.... کہ جو مرا ہے میرے لیے وہ وہی حیثیت رکھتا تھا جو تمہارے لیے پنار، چچا کے لیے آمنہ اور عالم کے لیے میرال۔"

اس کے اگلے الفاظ آنسوؤں کے درمیان کہیں بہہ گئے۔ اسلان کی گردن کی نسیں تک پھڑک رہی تھیں اس وقت سامنے سہراب یا عالم ہوتا تو وہ کیا کرتا اسے اندازہ بھی نہیں تھا لیکن آراہ کے سامنے بعض دفعہ وہ کمزور پڑ جاتا تھا۔ بغیر کچھ کہے وہ جانے کو مڑا جب آراہ نے عین دل کے بیچوں بیچ لگے زخم کو کریدا۔ "تمہیں تو اس بات سے بھی فرق نہیں پڑتا کہ ممی نے ایک بار بھی تم سے ٹھیک سے بات نہیں کی اور ڈیڈ نے تم سے بس کام نکلوانا چاہا۔ انسان نہیں پتھر ہو تم۔"

لمحے بھر کا کھیل تھا۔ اس کی آنکھوں کی ساری کوفت ختم ہوئی اور اس سب کی جگہ کسی ملال نے لے لی۔ وہ مڑا زخمی آنکھوں سے آراہ کو دیکھا۔ کچھ کہنے کو لب وا کیے، کہنا چاہا مگر.... مگر نہیں کہہ سکا۔ چار سال قبل اس کی زبان و دل پر قفل چڑھا دیے گئے تھے اب کھولنے کی کوشش کرتا تو جوڑ جوڑ دکھتا تھا۔ اب دنیا بے حس کہے تو جی حضور، بے دل کہے تو جی جناب۔

"آراہ....؟" آمنہ کی آواز پر وہ چونک کر خیالوں سے باہر آئی۔ وہ ہمدردی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری تکلیف کتنی بڑی ہے۔ میں یہ بھی سمجھ سکتی ہوں کہ جو تمہاری ماں نے کیا وہ غلط تھا لیکن اپنی زندگی میں ٹھہراؤ مت لاؤ۔ لوگ اسے ڈراتے ہیں جو ڈرتا ہے۔ تم لوگوں سے ڈرنا چھوڑ دو وہ تمہیں ڈرانا چھوڑ دیں گے۔ تم لوگوں سے نفع نقصان کی امید چھوڑ دو، تم آزاد ہو جاؤ گی۔"

"کہنا آسان ہوتا ہے پچی کرنا مشکل۔ اسلان، عالم، چاچو کوئی بھی تو میرے ساتھ نہیں۔"

”تم ہمیشہ خود کو کسی اور کی آنکھ سے کیوں دیکھتی ہو؟ تعلقات ہمارا سپورٹ سسٹم ہوتے ہیں ”ہم“ نہیں۔ ہمارا وجود الگ سے حیثیت رکھتا ہے اپنے وجود کو اس کی حیثیت کیوں نہیں دیتیں تم؟“

”مجھے آپ کی اتنی مشکل باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔“

”تو سادہ بات سنو۔ بظاہر انسان کا اپنا انتخاب ہے، اسے تم نہیں چنو گی تو یہ بھی تمہیں نہیں چنے گا۔ کوئی تمہیں تمہاری دلدل سے نہیں نکالے گا پہلا قدم تمہارا اپنا گنا جائے گا۔“ آراہ نے سنا، سمجھا یا نہیں البتہ سر ہلا دیا۔ اس پر بھلا ایسا کڑا وقت تھوڑی آنا تھا؟ مستقبل کس آنکھ نے دیکھا ہے؟

★★★★★

اسلان یمن پورے دو گھنٹوں سے باقاعدہ گھن چکر بنا ہوا تھا۔ یہ چھوٹا سا چڑیا کے ڈربے جتنا گھر اپنے اندر کوہ کاف کے سارے ضلعے جتنے سامان رکھتا تھا اس کا اندازہ اسے نہیں تھا۔ وہ کتنی دیر سے کتنے گتوں کے ڈبے بند کر چکا تھا، گنتی اسے بھول چکی تھی۔ کمر اب باقاعدہ اکڑ گئی تھی۔

”بیٹا آپ کے لیے چائے لاؤں؟“ وہ شیشے کے برتنوں کے کاٹن پر آخری ٹیپ لگا رہا تھا جب برآمدے کی چوکھٹ پر عظمیٰ بی نمودار ہوئیں۔ اس مختصر وقت میں ان کا جو مختصر ترین تعارف اسلان کو ملا تھا وہ یہ تھا کہ عظمیٰ بی بنفشہ کی ماں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ دونوں بچپن سے ساتھ ہیں، عظمیٰ بی کا کوئی اس دنیا میں نہیں، سو اب بنفشہ کا بھی نہیں۔ وہ مخدوم خاندان سے کٹ کر اس عورت تک کیسے آئی یہ قصہ فلحال اس کے لیے راز رہا۔

”کافی مل سکتی ہے؟“ کیفین کی طلب اب اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ ”چینی کم دودھ زیادہ۔“

”ہمارا گھر بھی کوئی یتیم خانہ نہیں کہ راہ چلتوں کو چائے کافی پلانے لگیں۔“ عظمیٰ بی کے عقب سے ایک اور ڈبہ بازوؤں میں اٹھائے آتی بنفشہ نے اعلانیہ انداز میں کہا۔ اسلان نے جواب دینے کو منہ کھولا مگر چپ کر گیا۔ بنفشہ

عین اس کے سامنے آ کر رکی۔ گردن اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں لبوں پر پُر تپش مسکراہٹ تھی۔

"اپنے چچا کے سامنے بہت اُچھل رہے تھے تم۔ اب کیا ہوا ان بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے ڈراتے رہو گے کیا؟"

"اپنے کام سے کام رکھا کریں، زیادہ میرا دماغ خراب نہ کریں۔" کوفت سے کہتے وہ ڈبہ اٹھا کر صحن کے ایک کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں بقیہ تمام ڈبے رکھے تھے۔

"تمہارے ساتھ رہنا اور تم سے بات کرنا میری بھی مجبوری ہے۔"

"شوق مجھے بھی کوئی نہیں۔"

"ہوتا بھی تو پورا نہ ہوتا۔" اسلان نے جواب نہیں دیا۔ بعض دفعہ بنفشہ کو لگتا تھا یہ آدمی غیر ملکی پیٹرول پر چلتا ہے اگر ذراسی زبان استعمال کر لے گا تو قوم و ریاست کو بھاری نقصان سے دوچار کرے گا لہٰذا اس کا خاموش رہنا ہی عافیت تھی۔

قریباً ایک گھنٹہ بعد سارا سامان باندھا جا چکا تھا۔ وہ مٹی مٹی شرٹ اور بالوں کے ساتھ صحن میں لگے ٹوٹے واش بیسن کے سامنے کھڑا منہ دھو رہا تھا۔ ہتھیلیوں میں تھوڑا سا پانی بھر کر اس نے بالوں کو گیلا کیا تاکہ مٹی ہٹ جائے۔ کئی گھروں کی چھتوں سے عورتیں چھپ چھپ کر وکیل صاحبہ کے گھر آئے اس مرد کو دیکھ رہی تھیں۔ قیاس آرائیاں جاری تھیں۔

"ایک کام تھا تم سے۔" وہ پلٹا تو بنفشہ کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ دوپٹہ کمر پر کسے اور بالوں کا اونچا جوڑا بنائے وہ ہاتھ جھاڑ رہی تھی۔ "تمہاری بہن اس کیس میں کوئی مدد کر سکتی ہے کیا؟"

"اس سے کیا مدد چاہیے؟" جیب سے ٹشو نکال کر چہرہ صاف کرتے اس نے عامیانہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے آراہ سے یہ پوچھنا تھا کہ کیا شاہ ویر کا کسی سے کوئی جھگڑا تھا؟ کوئی پرابلم، کوئی پیسوں کا معاملہ؟"

"اس کے پیچھے ایک سیریل کلر تھا شاید آپ بھول رہی ہیں۔"

"میری اس بارے میں سہراب سے بات ہوئی ہے۔ یہ کام کسی سیریل کلر کا نہیں اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ اسی نے کیا ہے تو ظاہر ہے اس ہائی الرٹ سیکورٹی میں گھسنے کے لیے اس نے کسی کو تو خریدا ہو گا، کوئی نہ کوئی تو اس کے ساتھ ملا ہوا ہو گا۔ ہم سب جانتے ہیں عالمگیر نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ عالم نہیں تو کون؟"

"کمال ہے جو سوال سب سے پہلے آپ کے دماغ میں آنا چاہیے تھا وہ اتنی دیر بعد آ رہا ہے؟" اس نے ٹشو کوڑا دان میں ڈالے۔

"میں نہیں جانتی تم مجھے کس طرح کی عورت سمجھ کر میری اہلیت کو کسی طرح سے جج کر رہے ہو لیکن میں ایک بات تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر تمہارا یہی رویہ رہا تو ہم ساتھ کام نہیں کر سکیں گے اور اگر ہم ساتھ کام نہیں کر سکے تو تمہارا چچا جیل میں سڑتا رہے گا۔" وہ حد سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

اسلان نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا، ایسے جیسے کہہ رہا ہو۔ "جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے آپ کو وکیل بنے اور آپ بتائیں گی میرے چچا کیسے باہر آ سکتے ہیں؟"

"اب تم مجھے صاف صاف بتاؤ کیا کرنا ہے یہی رویہ رکھنا ہے یا پھر ہم ساتھ کام کریں، ایک ٹیم بن کر۔"

اسلان نے چند ثانیے سوچا اور ایک مبہم جواب دیا۔ "گھر چل کر بات کرتے ہیں۔"

"ہم ابھی نہیں نکل سکتے رات گیارہ بجے کے بعد نکلیں گے کیونکہ تب سب سو چکے ہوں گے۔"

"سب یعنی ہر وہ انسان جس جس کے پیسے لے کر آپ کھا چکی ہیں۔" وہ محظوظ ہوا۔

”میں واپس کر دیتی ہوں جب میرا کام لگ جاتا۔“ اس نے اپنی بات پر زور دیا۔ اسلان آنکھیں گھماتے برآمدے کی طرف بڑھ گیا جہاں دو پلاسٹک کی کرسیاں رکھی تھیں جن میں سے ایک پر وہ آکر بیٹھا۔

”کافی کے بغیر میرا دماغ کام نہیں کرتا۔ کافی لائیں پھر بات کرتے ہیں۔“ بنفشہ بغیر کسی بحث کے سر ہلاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھاپ اڑاتی کافی کے دو کپ لیے برآمدے میں اسلان کے سامنے آکر بیٹھی۔ اس کی کافی اسے تھمائی۔

”ایونٹ مینیجر کون تھا؟“ اپنا بریف کیس کھولا اور کچھ کاغذات باہر نکالے۔

”احمد شاہ۔ ماموں جانتے ہیں اسے۔“

”تمہیں کیا لگتا ہے اسلان اتنے بڑے ایونٹ میں جہاں غیر ملکی لوگ مدعو ہیں، جہاں ملک کے بڑے بڑے سیاست دان، بیوروکریٹس، اداکار، وکلا آئے ہوئے ہیں کیا اس تقریب میں ہر جگہ کیمرے نہیں لگائے جائیں گے اور اگر ہر طرف کیمرا زہیں تو کیا صرف ایک گیلری خالی چھوڑی جائے گی؟“

”اندر کا آدمی شامل ہے۔“ کافی کے گھونٹ بھرتے آخری فیصلہ سنایا۔ بنفشہ کا چہرہ چمکا۔

”اور یقیناً اس اندر کے آدمی کا کوئی ذاتی عناد شامل ہے۔ شاہ ویر نے انارا سے کسی جھگڑے کا ذکر ضرور کیا ہو گا۔“

”آراہ سے میں خود بات کروں گا۔“

”اور اگر ہمیں آراہ سے کوئی خبر نہیں ملی تو ہم کیا کریں گے؟“ پر سوچ انداز میں کہتے وہ زمین پر نظریں لگا گئی۔ اسلان سامنے والی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا ان کے گھر سے کچھ پتا نہیں چل سکتا؟“ اسلان نے سوال کیا۔ بنفشہ ٹھٹکی۔ ”کیا کوئی ان کے گھر سے ہمیں یہ نہیں بتا سکتا کہ.... شاہ ویر بنگش کے مسائل کس کس کے ساتھ تھے؟“

”ایسا کون ہو سکتا ہے؟“

”آپ۔“ اس پر نگاہیں جمائے کہا۔ بنفشہ پتھر ہو گئی۔ چہرے پر کوئی تاریک سا سایہ لہرایا۔ اسلان بڑی بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔ ”مس بنفشہ مخدوم کا آپ اپنی چچازاد بہن نایاب مخدوم سے چند معلومات حاصل کر سکتی ہیں؟“ اس نے آنکھیں میچ لیں۔ وہ جانتا تھا.... اُف اُف اُف وہ جانتا تھا۔ وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکی۔

”تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟“ بہت دیر بعد اس کی آواز پھنس پھنس کر باہر آئی۔

”جب آپ کی فیملی کرائسس میں ہو تب آپ اپنے مسیحاؤں کا بھی بیک گراؤنڈ چیک ضرور کرواتے ہیں۔ میں نے بھی وہی کیا ہے۔“

”نایاب اور رئیس کبھی مجھ سے نہیں ملے۔“ وہ آواز غیر جذباتی تھی۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“

”تمہارا اپنا باپ تمہاری تحویل کا مقدمہ جیت کر تمہیں یتیم خانے چھوڑ گیا تھا۔ کیا میں نے پوچھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“ اس کی رنگت سُرخ تھی۔ ”ہر انسان کی زندگی میں اس کی اپنی فیملی نے کچھ ایسا ضرور کیا ہوتا ہے جسے سن کر سامنے والا سوچنے لگے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے لیکن تمہیں کسی نے حق نہیں دیا کہ سامنے والے سے پوچھو کہ....“ وہ رک گئی۔ آواز بھرا گئی۔ ”ایسا کیسے ہو سکتا؟“ اب کے یہ کہتے ہوئے لہجے میں خالی پن اور ٹھیس تھی۔ کافی کا بھرا ہوا مگ میز پر چھوڑے وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے اندر کوئی توڑ پھوڑ جاری تھی۔

پیلے بلب والے برآمدے میں پلاسٹک کی اس کرسی پر بیٹھے ہوئے احمد اسلان اپنے سوالات پر ہرگز شرمندہ نہیں تھا۔

★★★★★

"تم چاہے میرے میسجز کا جواب نہ دو، چاہے مجھے اپنا دشمن سمجھو لیکن ایک بات یاد رکھنا میں نے محض تمہاری بقا چاہی ہے۔" دل آراہ کا پیغام اس کے موبائل کی سکرین پر جگمگایا۔ وہ جو لیپ ٹاپ پر اپنی اور شاہ ویر کی بات پکی کی تصاویر دیکھ رہی تھی اس نے ایک نگاہ موبائل پر ڈالی اور دوبارہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوگئی مگر اسی لمحے ایک اور پیغام آیا۔

"اگلے مہینے ہم دوبارہ مانجھی پور گاؤں جارہے ہیں، آنا چاہتی ہو؟" آراہ نے موبائل اٹھایا۔ چند ماہ قبل جب وہ شاہ زید کے ساتھ اس گاؤں گئی تھی تب چند اور لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی اور ان میں سے کسی ایک نے آراہ سے اس کا نمبر لے لیا تھا۔ اب وہی لڑکی اسے دوبارہ میسج کر کے پوچھ رہی تھی۔

"کون کون جارہا ہے؟" اس نے بے دلی سے پوچھا۔ سامنے سے اس نے نام گنوا دیے۔ آراہ نے ایک ایک نام پڑھا، مگر وہاں کہیں بھی شاہ زید کا نام نہیں تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے نظر انداز کرنا چاہتی تھی لیکن اس رات کے رویے کے بعد وہ دوبارہ زید کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اسے اپنی ذات اور اپنی عزت زیادہ عزیز تھی۔ اپنے مرحوم منگیتر کے بھائی سے کہیں زیادہ عزیز۔

"مجھے میرے گھر سے پِک کر لینا۔" یہ لکھتے وقت وہ حیران تھی اس نے ایسا کیوں لکھا۔ آخری بار اس گاؤں سے نکلتے وقت تو اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ اب کبھی بھی پلٹ کر یہاں نہیں آئے گی پھر کیوں؟ لیکن اس نے ایسا عہد کیوں کیا تھا، اسے یاد تھا کیوں؟

”کس کلاس میں پڑھتی ہو تم؟“ سلائی مشینوں کی گھر گھر کے درمیان آراہ نے مائی سوہائی کا وہ پہلا سوال سنا۔ بھاری لہجہ، رعب، تمکنت۔ چند لمحوں میں آراہ اس سے مرعوب ہو چکی تھی۔

”ایم اے سوشیالوجی میں داخلہ لیا ہے کچھ ہفتے پہلے پہلا سیمسٹر شروع ہوا ہے۔“

”عمر کیا ہے تمہاری؟“

”بائیس سال!۔“ سوہائی دونوں ہاتھ پشت پر باندھے سلائی مشین کے آگے جھکی عورتوں کے آس پاس سے گزر رہی تھی۔ زید اسے یہاں چھوڑ کر بیٹھک کی طرف چلا گیا تھا اور وہ یہاں کھڑی کھڑی یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ آخر وہ یہاں ہے کیوں؟

کچھ دیر بعد وہ دونوں کھلے برآمدے میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھی تھیں۔ جنوری کی دھوم بدن کو راحت بخش رہی تھی۔ مٹی کے کپ میں چائے ڈالے آراہ تصویر لینے میں مصروف تھی جب سوہائی نے اسے پکارا۔

”زید کے ساتھ کیسے آنا ہوا؟“ آراہ کی مسکراہٹ کچھ سمٹی۔

”زید میرا دیور ہے۔“ اس سے پہلے وہ ان دونوں کا کوئی تعلق جوڑ لیتیں آراہ نے پہلے ہی مطلع کیا۔ ”میں اکثر اینجیوز کے کاموں سے جاتی رہتی ہوں۔ پانچ مہینے پہلے ایک نجی اینجیو کی ملازمت چھوڑنے کے بعد میں گھر پر فارغ رہتی تھی تو زید نے یہاں آنے کی پیشکش کر دی۔“

”شاہ ویر کی منگیتر ہو؟“

”جی آپ اسے بھی جانتی ہیں؟“

”شاہ ویر کو کون نہیں جانتا؟ لیکن مجھے زید زیادہ پسند ہے۔“

مائی سوہائی کے لیے آراہ کی پسندیدگی کا گراف بتدریج نیچے آگیا۔ ”شادی کب ہے؟“

”ابھی کوئی پلان نہیں ہے۔“ اس نے روکھے انداز میں کہا۔

”تم اور شاہ ویر ایک دوسرے کو کتنے عرصے سے جانتے ہو؟“

”دو سال ہونے والے ہیں۔“ وہ اب کچھ کچھ محتاط ہو رہی تھی، اس کے نزدیک یہ تمام سوالات نجی نوعیت کے تھے۔

”شاہ ویر جلدی چاہتا ہو گا۔“

”ایسا تو نہیں۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے جھوٹ بول گئی۔ انہوں نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ گود میں دھرے کاغذات ایک طرف رکھے اور اب کے آراہ کو غور سے دیکھا۔

”تو تم بھی فیمینسٹ ہو؟ اپنی ساس جیسی یا ایک اصل فیمنسٹ؟“

”مطلب؟“

”مطلب ایک اصل فیمنسٹ یا جعلی؟“

”جعلی فیمنسٹ کون ہوتی ہے؟“ آراہ کی بھنویں بھینچتی جا رہی تھیں، چہرے کے زاویے بگڑ رہے تھے فی الحال اسے یہ نہیں پتا تھا اگر سامنے والا آپ کو پسند نہ بھی آئے تو اس کے سامنے تاثرات کس طرح قابو کیے جائیں؟

”تمہیں پتا ہے آج یہ سب لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں؟“ ان کا اشارہ آج ڈاکٹروں اور رضاکاروں کی آمد کی طرف تھا۔ آراہ نے خفت سے نفی میں سر ہلایا اسے واقعی نہیں پتا تھا۔ بس شاہ زید نے کہہ دیا اور وہ تیار ہو کر چلتی بنی۔

”ایک لڑکی تھی صفیہ۔ یہاں میرے سلائی سنٹر پر کام کرتی تھی۔ بڑی قابل، ہونہار بچی تھی۔ کلاس میں ہمیشہ اول آتی تھی اور ٹانکے، سلائیاں تو جیسے اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ سولہ برس کی تھی جب اس کی شادی ہو گئی۔“ آراہ کچھ انہماک سے اس کی کہانی سن رہی تھی۔ ”شادی کے پہلے سال اس کے یہاں دو جڑواں بچے ہوئے، اگلے سال پھر جڑواں اور اس کے اگلے سال وہ دوبارہ پیٹ سے تھی۔“

چائے ٹھنڈی پڑ رہی تھی۔ سلائی مشینوں کی آواز اب اس کے کانوں تک نہیں آرہی تھی۔ ”اس کے پہلے حمل کے دوران ہی ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اس کی صحت کم از کم اگلے پانچ سال تک بچے پیدا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس بار اپنے تیسرے حمل کے دوران ایک بیٹے کو جنم دیتے ہوئے وہ مر گئی۔“ آراہ نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ لیا، آنکھیں تحیر سے پھیل گئیں۔ وہ کتنے ہی لمحے خاموش رہی۔ ”اگر وہ کچھ عرصہ بچے نہ پیدا کرتی تو شاید آج زندہ ہوتی۔“

”اس کے بے غیرت شوہر نے کچھ کیا نہیں؟“ وہ غرائی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے یہ سب اس کے شوہر کی وجہ سے ہوا؟“

”ظاہر ہے گھٹیا مردوں کو کیا پتا کہ عورت کتنی تکلیف میں ہے۔ مرد صرف اور صرف اپنا سوچتے ہیں ان کو عورتوں کی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ ان کے لیے عورتیں بس بچے پیدا کرنے کی مشین ہیں۔“

”اس کے مرد کو نہیں پتا تھا کہ اس کی حالت اس قدر ناساز ہے۔“ الفاظ تھے کہ کیا آراہ کے تاثرات الجھ گئے۔ ”اس کی ساس اور اس کی ماں اسے بتاتی رہیں کہ "وقفہ" کروانا گناہ کبیرہ ہے۔ ان دونوں عورتوں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اگر عورت کی صحت اجازت نہیں دیتی تو دین اور معاشرہ اس کے لیے گنجائش نکالتا ہے۔ اگر عورتوں کے حقوق کے جھنڈے بلند کرنے والی عورتیں اسے بتاتیں کہ اس کی صحت کتنی ضروری ہے تو اسے پتہ ہوتا کیا

کرنا ہے لیکن عورت مارچ میں تو کچھ الگ ہی نعرے لگ رہے تھے۔ تم نے اس سال عورت مارچ میں کیا نعرے لگائے؟" آراہ کو دیکھ کر اس کی رائے مانگی مگر اس کے چہرے سے سارا خون جیسے نچڑ کر رہ گیا ہو۔

"تم نے پوچھا تھا ناں جعلی فیمنسٹ کون ہوتی ہے؟" اٹھتے ہوئے انہوں نے بے حد سرسری لہجے میں پوچھا۔ آراہ نے بہ دقت اثبات میں سر ہلایا۔ "تم ہو جعلی، ہر وہ فیمنسٹ جعلی ہے جو عورت کے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی کا سرا مرد سے آکر جوڑتی ہے۔ عورت کو مرد نہیں معاشرہ تباہ کر رہا ہے۔"

"آپ ایک عورت ہو کر ایک عورت کو جج کر رہی ہیں؟"

"میں ایک عورت کے عقائد جج کر رہی ہوں اور اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔"

"جس طرح آپ کو میرا منگیتر نہیں پسند بالکل اسی طرح آج مجھے آپ بھی پسند نہیں آئیں۔" وہ بے دھڑک انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مائی سوہائی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ محظوظ ہوئیں۔ کم از کم وہ ادھار نہیں رکھتی تھی۔

"تم دوبارہ ضرور آنا۔" اور وہ دوبارہ جا رہی تھی۔ کیوں؟.... سوال کا جواب اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ کچھ تھا اس عورت میں وہ اس سے دوبارہ بحث کرنا چاہتی تھی۔ پلنگ کے تاج سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے اگلا پیغام اپنی ماں کو بھیجا۔

"میں آپ کے ساتھ آشیانہ بنگش جانے پر راضی ہوں۔"

★★★★★

لاہور کی ایک مڈل کلاس کالونی میں گلی کے اکا دکا بلب روشن تھے۔ کسی گھر کی کھلی کھڑکیوں سے دال کو تڑکا لگانے کی خوشبو آرہی تھی تو کہیں الائچی والی چائے بن رہی تھی۔ کرکٹ ورلڈ کپ بھی شروع تھا لہٰذا کرکٹ کمنٹری کی

آواز بھی آ رہی تھی۔ سلطان نے اپنی پرانی مہران گاڑی گھر کے صحن میں ٹھہرائی تو اس کے دونوں بچے "ابا.... ابا" چیختے اس کے پاس چلے آئے۔

"ابا آئس کریم...." اس کی بیٹی نے فرمائش کی۔

"ابا کو کھانا تو کھا لینے دو۔" سلطان کی بیوی برآمدے سے نکل کر صحن میں آئی اور اس سے سامان لیا۔ ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا جسے اس نے سلطان کی طرف بڑھایا۔ وہ تھکا ہوا تھا گلاس تھام لیا۔

"ابا آئس کریم کھانے چلو نا۔" احتجاج میں اس کا بیٹا بھی شریک ہو گیا۔ ابھی ان کی ماں انہیں گھوری سے نوازتی کہ سلطان نے بیٹی کو گود میں اٹھا لیا۔ پانی پی کر گلاس بیوی کی طرف بڑھایا۔

"چادر لے کر آؤ باہر چلتے ہیں۔"

"لیکن آپ ابھی آئیں ہیں سلطان۔"

"کوئی بات نہیں آ جاؤ۔" وہ کچھ بجھا بجھا لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سلطان کی گاڑی ایک بڑی سی شاہراہ پر بنے آئس کریم پارلر کے باہر کھڑی تھی۔ آس پاس لوگ آ جا رہے تھے، مسکراہٹیں اور رونق ہر طرف پھیلی تھی۔ لاہور کی رونقیں ماند ہونے کی تھوڑی تھیں؟

"آپ ٹھیک ہیں؟ کیس کیسا جا رہا ہے؟" اس کی بیوی نے تفکر سے پوچھا۔

سلطان نے تکان زدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ مضمحل پن کی گواہی دے رہا تھا۔ "کیس تو اب عدالت کا ہو گیا۔"

"عالم کو سزا ہوئی؟" سلطان ہنس دیا۔

"اتنی جلدی سزائیں نہیں ہوتیں یار، ابھی تو جائے وقوعہ کے گواہ بھی نہیں پیش ہوئے ابھی بہت لمبا وقت ہے۔"

"آپ پریشان لگ رہے ہیں کچھ ہوا ہے کیا؟"

سلطان اپنی بیٹی کو آئس کریم کھلاتے ہوئے ہونٹ کاٹنے لگا۔ "عالم بے گناہ ہے۔" وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے یہ بات اسے خود بھی زیادہ پسند نہیں آئی۔ "سارے ثبوت اس کے خلاف ہیں لیکن وہ بے گناہ ہے، لگتا ہے۔ مجھے یقین ہے، اس نے کچھ نہیں کیا۔"

"اور آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے، کیا آپ کو کوئی ثبوت ملا ہے؟" کیا اسے کوئی ثبوت ملا تھا؟ کہانی کا ایک صفحہ پیچھے کی طرف پلٹا جائے تو ہاں اسے کچھ ملا تھا۔ وہی جو اس روز وہ دمیر کو نہیں بتا سکا، وہی جو اس کی روح کو گھائل کر رہا تھا۔

تاش کے پتوں میں ایک اہم پتا ضارم علی اس روز تھانے کے تفتیشی کمرے میں بند تھا۔ اس کی دائیں طرف جسی کھڑا تھا اور سامنے کرسی پر سلطان راہی بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ضارم کا موبائل تھا جس میں وہ ضارم کی گیلری کھولے بیٹھا تھا۔ جہاں آراہ کی تصاویر تھیں، بے تحاشا تصاویر۔ کہیں وہ ہنس رہی تھی، کہیں سر جھکائے کچھ لکھ رہی تھی، کہیں وہ اپنے بال کانوں کے پیچھے اڑستی نظر آئی اور کہیں وہ غصے میں تھی۔ اس موبائل میں اگر کچھ تھا تو انارا طارون۔۔۔۔۔

"تم تو اچھے خاصے رومیو نکلے۔" سلطان نے موبائل میز پر ڈالا۔ چہرے پر سختی عود آئی۔ "فی الحال تو صرف پوچھ گچھ کے لیے بلایا ہے لیکن اگر تو نے آئیں بائیں کی تو تجھ پر ایسی ایسی دفعات لگا کر اندر کرواؤں گا کہ تیرا باپ بھی تجھے جیل سے نہیں نکال سکے گا۔" ضارم نے اپنی گیلی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

"میں نے کچھ نہیں کیا سر۔ میں نے تو کبھی آراہ سے اظہار بھی نہیں کیا تھا۔" اکیس بائیس برس کا لڑکا رو رہا تھا۔ جسی نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے کندھے پر جمایا، ہلکا سا زور بھی دیا۔

"صاحب بہت غصے والا ہے جو جو پتا ہے سب سچ سچ بتا دے میں خود تیری جان خلاصی کروا دوں گا۔"

ضارم نے ہچکی لی۔ سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ سب بتانے کو تیار تھا۔ "تم شاہ ویر سے آخری بار کب ملے تھے؟"

"بی۔۔۔ بیس فروری۔"

قصہ پچیس فروری کا۔ سفید پورشے پارکنگ لاٹ میں داخل ہوئی تو احاطے میں کھڑی باقی تمام گاڑیاں اس کے آگے ہیچ پڑنے لگیں۔ کہنی گاڑی کی کھڑکی پر ٹکائے ایک ہاتھ سے ڈرائیو کرتے وہ گاڑی مناسب جگہ ٹھہرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی لمحے اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ انارا طارون موبائل پر کچھ لکھتے ہوئے چلی آرہی تھی۔ ضارم اس کے ساتھ تھا، یکلخت آراہ کا پیر پھسلا ابھی وہ گرتی کہ ضارم نے اسے سنبھال لیا۔ شاہ ویر بنگش گویا جھلس کر رہ گیا۔ اس کا پیر مڑ گیا تھا وہ وہیں نیچے بیٹھ گئی۔ ضارم نے ہاتھ بڑھا کر اس کا پیر دیکھنا چاہتا مگر وہ پیچھے کر گئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"ایک منٹ دیکھنے دو، آراہ۔"

"نہیں میں۔۔۔" وہ کسی جوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔ مکمل اور بہترین۔ شاہ ویر کے بدن میں خون کی جگہ شعلے بہہ رہے تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ تیزی سے باہر آیا۔ جبڑے بھینچ گئے تھے، کنپٹی کی رگ پھڑک رہی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے آکر رکا۔ آراہ اور ضارم دونوں ہی بری طرح ٹھٹکے۔

"شاہی تم؟" وہ حیران تھی۔ خوشگوار حیرت۔ شاہ ویر نے کھینچ کر آراہ کو اٹھایا، انداز میں نرمی مفقود تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ ضارم کے آگے بڑھایا۔ آراہ کا بیگ اور اس کی کافی کا کپ لیا۔ ضارم نے دونوں چیزیں اس کی طرف بڑھا دیں۔

"گاڑی میں جا کر بیٹھو، آراہ۔" اس کا لہجہ سرد اور بے لچک تھا۔ آراہ ٹھہر گئی۔

”کیا ہوا ہے شاہی؟ میں ماموں کو ٹیکسٹ کر رہی تھی، پیر پھسل گیا اور موچ آگئی۔ ضارم نے بس میرا سامان اٹھا لیا، کوئی بڑی بات نہیں۔“

”گاڑی میں جا کر بیٹھو، آراہ۔“ اب کے اس کی آواز اتنی ٹھنڈی تھی کہ انارا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ اتری۔

”شاہی پلیز کوئی میس مت کرو ہم بات کر لیتے ہیں۔“ اسے اندازہ ہوا وہ ناراض ہوا ہے۔ شاہ ویر نے ضارم سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا۔ خالی، سرد نظریں۔ اس نے شاہ ویر کی آنکھوں میں یہ تاثر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”میں آخری بار کہہ رہا ہوں جاؤ جا کر گاڑی میں بیٹھو، تم نہیں گئی تو انجام کی زمہ دار تم خود ہو گی۔“ وہ تھوک نگلتی چپ چاپ گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ شاہ ویر اس تک گیا۔ اس کا سامان گاڑی میں رکھا، شیشے چڑھا دیے اور جونہی ضارم تک واپس آیا اس نے ایک زور دار مکا لڑکے کے جبڑے پر دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر جھکا تو شاہ ویر نے اس کے پیٹ پر لات ماری۔ ضارم کراہا، شاہ ویر نے اس کی گردن ایک ہاتھ سے دبوچ کر اسے گاڑی کے ساتھ لگایا۔ آنکھوں میں خون تھا، انداز اور گرفت آہنی۔

”دنیا میں کروڑوں لڑکیاں ہیں تمہیں مدد پیش کرنے اور پرس اٹھا کر گھومنے کے لیے میری منگیتر ملی ہے؟“ ضارم جھٹپٹایا۔ خود کو چھڑوانے کی کوشش کی مگر اس پانچ فٹ نو انچ کے لڑکے میں اس وقت کوئی الگ ہی طاقت تھی۔ ضارم کو لگا اس کی آنکھیں ابل پڑیں گی۔ شاہ ویر اس کے کان کے پاس جھکا۔ ”آخری بار سمجھا رہا ہوں۔ آراہ سے دور رہو۔ وہ میری تھی، میری ہے، میری رہے گی۔ میں ہواؤں کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسے چھو کر گزریں۔ اور تم.... تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں اس کے قریب رہنے کی اجازت دوں گا؟“

”میں..... محبت کرتا ہوں اس سے۔“ وہ پھنکارا۔ کوئی شعلہ تھا جو اس کے سارے بدن پر لوٹا دیا گیا۔ اس نے ضارم کی آنکھ کے عین نیچے جمی ہوئی مٹھی کا مکا مارا۔ اسے نیچے گرایا اور اب اسے نہیں پتا تھا وہ اسے کیسے اور کہاں کہاں مار رہا ہے۔ بھاری بوٹ کس بری طرح اس کا نقشہ بگاڑ رہے ہیں اسے نہیں پتا تھا۔

اس کے لب سیدھی لکیر میں بند تھے اور ضارم کی چیخیں سارے پارکنگ لاٹ میں گونج رہی تھیں۔ "شاہ ویر پلیز واپس آؤ۔" گاڑی کا شیشہ نیچے کیے وہ اسے پکار رہی تھی۔ "پلیز شاہی آئی ایم سوری پلیز واپس آؤ۔" وہ رو پڑی۔

اتھل پتھل ہوتی سانسوں کے درمیان وہ نیچے جھکا۔ ایک آخری بوٹ اس کے سینے پر مارا ایسے کہ وہ خون تھوکنے لگا۔ چہرہ بری طرح زخمی تھا۔ شاہ ویر پلکیں جھپکے بغیر آنکھوں میں غیر انسانی سفاکی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"شاہی پلیز.... اسٹاپ اس کا کوئی قصور نہیں۔" شاہ ویر نے وہیں کھڑے اپنا تنفس برابر کیا۔ ایک ہاتھ سے بال درست کیے، شرٹ کا بٹن بند کیا اور اس کے قریب جھکا بالوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"اب تم پر ایک اور پابندی ہے دوبارہ اس کا نام بھی مت لینا۔" ایک جھٹکے سے واپس چھوڑا۔ آراہ کے ساتھ واپس بیٹھتے ہوئے اس کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔ وہی پیارا، نرم سا شاہ ویر بنگش۔ اس نے آراہ کو دیکھا اس کی آنکھیں نرم تھیں۔ "جو میرا ہے، وہ صرف میرا ہے۔" وہ اس وقت اس قدر خوف زدہ تھی کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

"اب بھلا اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟" اس کی بیوی نے بات مذاق میں اڑائی۔ "جب شاہ ویر نے اسے مارا ہو گا تب ظاہر ہے اس لڑکے کو بھی غصہ آیا ہو گا کیا پتا اسی نے شاہ ویر کو مارا ہو؟"

"کاش چیزیں اتنی آسان ہوتیں جتنی تمہیں لگتا ہے۔" وہ کنپٹی مسلتے یاسیت سے بولا۔ ذہن کے پردوں پر ماضی کی کوئی اور فلم دوڑ گئی۔

"شاہ ویر نے تمہیں مارا تم نے اسے مار دیا کیس کلوز۔ اب ایف آئی آر میں تمہارا نام بھی آئے گا اصل قاتل تو تم ہو۔" سلطان نے اسے ڈرانا چاہا۔ "ہم خوامخواہ عالم کے پیچھے پڑے تھے۔" ضارم اب مزید بلند آواز میں رونے لگا

تھا۔ آراہ سے محبت ایک طرف وہ جیل نہیں جانا چاہتا تھا ہرگز نہیں۔ "میں آراہ سے محبت کرتا ہوں لیکن میں نے کچھ نہیں کیا سر۔ میں تو اس کی مدد کر رہا تھا۔"

"کیسی مدد؟" جسی نے سختی سے پوچھا۔

"اسے لگتا تھا بلکہ ہم نے خود دیکھا تھا کوئی اس کا تعاقب کرتا تھا۔ ہمارے کچھ دوستوں نے بتایا کہ کوئی یونیورسٹی آ کر آراہ کے بارے میں چھان بین کرتا رہا ہے۔ اس دن کے بعد سے آراہ محتاط ہو گئی تھی۔ شاہ ویر پاکستان میں کم رہتا تھا آراہ ایک دوست کی حیثیت سے میرے ساتھ رہتی تھی تاکہ وہ تعاقب کار اس کے قریب نہ آ سکے۔"

"کون تھا وہ کوئی چہرہ یاد ہے؟" سلطان فوراً الرٹ ہوا۔

"جس نے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کی وہ کوئی ڈرائیور تھا۔ آدمی خود گاڑی میں بیٹھا تھا ایسا ہمارے یونی کے دوستوں نے بتایا۔"

سلطان کے ماتھے پر بل پڑے۔ "تم نے اسے دیکھا ہے؟"

"نہیں سر۔"

"پھر تمہیں کب اور کیسے لگا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے؟" ضارم نے یاد کرنے کی کوشش کی اسے زیادہ زور نہیں دینا پڑا اسے ایک ایک لمحہ یاد تھا۔ آراہ کے ساتھ گزرا وقت اسے ازبر تھا۔

یونیورسٹی کے ایک پراجیکٹ کی کامیابی کے بعد وہ تمام گروپ کی صورت ایک کیفے میں بیٹھے تھے جب کسی نے آراہ کی میز پر آ کر زرد پھول رکھے۔ "میں باہر سے اندر آ رہا تھا یہ اس سر نے دیے آپ کے لیے۔" چودہ سالہ لڑکے نے ایک طرف اشارہ کیا آراہ نے جونہی نگاہ اٹھا کر اس طرف دیکھا وہاں کوئی تیزی سے مڑ گیا۔ خوف کی کوئی کونپل تھی جو جڑوں سمیت اس کے دل میں لگ گئی۔ اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑا۔

اگلی دفعہ وہ یونیورسٹی میں سمسٹر فیس جمع کروانے گئی تھی، جب اسے پتا چلا کوئی پہلے ہی اس کی فیس ادا کر چکا ہے اور وہ "کوئی" اسلان، یافث یا پھر سہر اب نہیں تھا۔ "وہ صاحب جو بھی ہیں اگر وہ دوبارہ یہاں آئیں تو ان کے پیسے ان کے منہ پر دے ماریں مجھے نہیں چاہیے۔" اپنی طرف سے فیس جمع کروا کر اس نے انتظامیہ سے کہا تھا۔ وہ سخت غصے میں لگ رہی تھی۔ آخر وہ بزدل تھا کون؟ وہ عمارت سے نکلتی تو باہر اسے ایک سیاہ بی ایم ڈبلیو کھڑی نظر آتی۔ بعض دفعہ وہ یونیورسٹی تک اس کے پیچھے آتی اور بعض دفعہ یونیورسٹی سے گھر تک۔

اس کے انسٹاگرام اور فیسبک پر عجیب سے اکاؤنٹس میسجز آتے، کبھی اس کے جیز کیش نمبر پر کوئی پیسے ڈلوا دیتا جنہیں وہ فوری طور پر واپس بھیجتی۔ وہ ڈری ڈری رہنے لگی تھی۔ اس نے بہت دفعہ اسلان کو کچھ بتانے کی کوشش کی مگر وہ اس سے بات تک کرنے کو راضی نہیں تھا۔

لیکن پھر ایک دن یہ سلسلہ اچانک ختم ہو گیا۔ کوئی اسے تنگ نہ کرتا، کوئی اس کے آس پاس نہ آتا۔ کوئی اسے پیسے نہیں بھیجتا کوئی اسے پھول نہ بھیجتا۔ آراہ بھی اسے بھول بھال گئی۔ لیکن ضارم کو وہ سیاہ بی ایم ڈبلیو اب بھی کہیں کہیں دکھ جاتی تھی۔ وہ کہیں نہیں گیا تھا یہ اسے یقین تھا۔

اب کے سلطان کی بیوی باقاعدہ منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ آنکھیں تحیر سے پھیلی تھیں۔ "ساری دنیا سمجھ رہی ہے شاہ ویر کو عالم نے یا پھر کسی سیریل کلر نے مار دیا لیکن یہاں تو کھیل ہی الگ ہے۔ آج کل کی لڑکیاں توبہ توبہ۔"

"میں نے عدالت کو یہ سب نہیں بتایا، میں نے اس گاڑی کو نہیں ڈھونڈا، نہ اس تعاقب کار کو۔۔۔۔۔"

"اب بھی وقت ہے۔" شہناز نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا۔ "ہر انسان سے غلطی ہوتی ہے، آپ سے بھی ہو گئی لیکن آپ اسے دوبارہ سے شروع کر سکتے ہیں تو پلیز ضرور کریں۔" وہ بہت دیر تک سوچتا رہا پھر فیصلہ کر لیا۔ سلطان کو سمت مل گئی تھی، اسے کیا کرنا تھا اب وہ جانتا تھا۔ کم از کم ضمیر کے بوجھ کے ساتھ رہنے سے یہی بہتر تھا۔

★★★★★

یہ لوڈ شیڈنگ کا وقت تھا۔ لعل یمن میں نیم اندھیرا تھا۔ اسلان یمن یو پی ایس کی تاروں کے ساتھ الجھا ہوا تھا پلاس، پیچ کس اس کے پاس ہی پڑے تھے۔ پچھلے تین گھنٹوں سے سہراب اور یافث کوارٹر کی ترتیب درست کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ کافی کا تیسرا کپ چڑھاتے ہوئے بنفشہ سوچ رہی تھی.... مرد ہے تو کام کی مخلوق۔

بالآخر گھر اسلان کی لگاتار کوششوں کے بعد روشن ہو گیا اس سب میں لگ بھگ ایک بج گیا تھا۔ جب میز لگی اس وقت ڈیڑھ بجے کا وقت تھا۔ سربراہی کرسی پر سہراب بیٹھا تھا۔ اس کی دائیں بائیں اسلان اور بنفشہ۔ آراہ اسلان کے ساتھ اور یافث عظمیٰ بی کی دائیں طرف۔ آمنہ نے رائتے کا ڈونگا لا کر رکھا اور اب سب کھانا کھانے کے لیے تیار تھے۔

"کھانا شروع کرنے سے پہلے میں آپ سب کا تعارف کروا دیتا ہوں۔" سہراب نے مدبر انداز میں کہنا شروع کیا۔ "آمنہ، آراہ یہ مس بنفشہ ہیں۔ عالم کی وکیل اور ہماری نئی پڑوسی۔ مس بنفشہ یہ میری وائف ہیں آمنہ شیرازی اور یہ...." اس نے آراہ کی طرف اشارہ کیا۔ "میری بھتیجی۔ انارا یمن۔"

"انارا طارون۔" یافث نے دخل اندازی کی۔ سہراب نے جواب نہیں دیا۔

بنفشہ نے اسلان کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا۔ "تم یمن یا طارون؟"

"میری ممی کی فیمینزم اب عورتوں پر ہونے والی زیادتی، ظلم سے بہت آگے بڑھ کر بیٹی کے نام کے ساتھ ماں کا نام جوڑنے پر آگئی ہے۔" اس نے علی اعلان کہا۔

"مجھے خود بھی یہی نام پسند ہے۔" انارا مخل ہوئی۔

"تمہیں اپنے نام کے ساتھ یمن لگانا نہیں پسند؟" براہ راست سہراب کی طرف سے سوال آیا۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" اس کا انداز مدافعانہ تھا۔ سہر اب ایک دو لمحہ مزید اسے دیکھتا رہا پھر سر جھٹکا۔ وہ فلحال ایک نئی بحث نہیں شروع کرنا چاہتا تھا۔ انارا نے اب ساتھ بیٹھی عبیر کو چھوٹی سی پلیٹ میں چاول نکال کر دیے جن کے اب وہ لقمے لے رہی تھی۔ وہ بچی اداس تھی، چپ چپ۔

"مس بنفشہ اور عظمٰی بی آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بلا جھجک کہہ سکتی ہیں۔" پہلی بات میز پر موجود تمام لوگوں سے کہی اور دوسری بنفشہ سے۔ تعارف ہو گیا، اخلاقیات پڑھا دی گئیں اور خاموشی سے کھانا کھانے کے بعد میز سے اٹھتے ہوئے بنفشہ نے اسلان کے نمبر پر ایک میسج چھوڑا۔

"صبح چھ بجے تک اپنی بہن کو کوارٹر لے آنا بات کرنی ہے۔" اس نے میسج دیکھا، تھمزاپ کا ردعمل بھیجا اور ہاتھ بڑھا کر موبائل بند کر دیا۔ جواب دینے کی زحمت اس نے کی ہی نہیں۔ انگلیاں تھک جاتیں شاید۔

"یہ کیا چکر ہے؟" باورچی خانے میں گھستے ہی آراہ نے اسلان سے پوچھا۔ وہ جو سنک میں برتن جمع کر رہا تھا، مڑ کر اسے دیکھا۔ "یہ وکیل یہاں رہنے کیوں آئی ہے؟" آراہ نے وضاحت کی۔

"اس کی جان کو خطرہ ہے۔"

"تو کیا تم اس کے باڈی گارڈ ہو؟"

"اسے یہاں میں نہیں اسکار لایا ہے یہ سارے سوالات اسی سے جا کر پوچھو۔" سارے برتن جمع کر کے اب وہ دراز سے ڈش واشر نکال رہا تھا۔ اتنے سال اکیلے بغیر کسی عورت کے رہتے ہوئے اس گھر کے مردوں کو اپنے کام خود کرنے کی اچھی خاصی مشق ہو چکی تھی۔ "تم اس کے آنے سے اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" شرٹ کی آستین موڑنے کی خاطر آراہ کی طرف بڑھائی۔ آراہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس کا چہرہ بے حد پرسکون تھا، آنکھوں میں ٹھہراؤ تھا وہ اس دن بھی تو بالکل ایسا ہی تھا۔

کس دن۔۔۔۔؟

سٹور سے کافی کا نیا پیکٹ لاتے ہوئے اور باورچی خانے میں آ کر کافی بناتے ہوئے بھی اسے پتا نہیں کیوں رہ رہ کر آراہ کا خیال آتا رہا۔ دو کپ کافی بنا کر، شیشے کے مرتبان سے چاکلیٹ کو کیز پلیٹ میں رکھ کر وہ دوسری منزل پر چلا آیا۔ جہاں آراہ بالکنی میں بیٹھی تھی۔ اسلان نے طشت نیچے رکھا اور اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر اٹھنے لگی مگر اسلان نے اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے ساتھ واپس بٹھایا۔ وہ خفا خفا سی واپس بیٹھ گئی۔

"اب کیوں میری پرواہ کر رہے ہو؟"

"میں نے پہلے تم پر کون سی توپ چلا دی؟"

"تم مجھ سے نفرت کرتے تھے، مجھ سے ملنے سے تمہارا موڈ خراب ہو جاتا تھا، میری کوئی بات سننے پر تم راضی نہیں ہوتے تھے اور اب اچانک تمہارا رویہ میرے ساتھ بدل کیسے گیا؟"

"میں تم سے نفرت نہیں کرتا تھا، نہ کر سکتا ہوں۔ تم نہیں پسند تھی اس کی وجہ کیا تھی، میں خود بھی نہیں جانتا۔ اب بھی کوئی خاص پسند نہیں ہو تم، لیکن...."

"لیکن کیا؟"

اسلان نے کافی کا مگ اٹھایا، اپنی پشت بالکنی کی گرل سے جوڑ لی۔ "جب پنار مر گئی تھی تب کوئی اس طرح میرے ساتھ نہیں بیٹھا تھا۔ کسی نے مجھ سے بات نہیں کی، کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا کہ کیا میں ٹھیک ہوں؟ اسکار میرے لیے تھانے کے چکر لگاتا رہا، عالم مجھے دوسری عورت مل جانے کی تسلی دیتا رہا، ماموں نے ملامت کی، پیار دیا، مگر اموشنل سپورٹ کسی نے نہیں دی۔ میں چاہتا ہوں تم ویسا محسوس نہ کرو۔ میں چار سال سے isolated رہا ہوں، لوگوں سے ڈرنے لگ گیا تھا میں۔۔۔۔۔ مجھے سوشل انگزائٹی ہو گئی، میری ساری زندگی

ایک نقطے پر اٹک گئی میں نہیں چاہتا کہ تم بھی قیدی ہو جاؤ۔ میں نارمل نہیں رہا، میں نہیں چاہتا تم بھی ابنارمل ہو جاؤ۔" وہ یہ سب بس سوچ سکا، نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے سادگی سے کہا تو صرف اتنا۔۔۔۔

"تمہیں میرا بات کرنا نہیں پسند تو میں اٹھ جاتا ہوں؟" وہ کہہ کر واقعی اٹھنے لگا۔

"مجھے تمہارے جیسا بننا ہے بھائی۔" اسے دیکھتے ہوئے آراہ نے بے بسی بھری ستائش سے کہا تو وہ ٹھہر گیا۔

"مجھ جیسا کیسا؟"

"لوگ تمہیں چھوڑ دیں تمہیں فرق نہیں پڑتا۔ (غلط تھا جھوٹ تھا پنار نے اسے دھوکہ دیا تھا اور وہ ساری رات اس کا سینہ کسی بھٹی کی طرح سلگتا رہا تھا)"تم کسی کو ہرٹ نہیں کرتے۔"(پنار کی گردن پر سرخ نشان تھے، گردن ڈھلکی ہوئی وہ خالی خالی آنکھوں سے اس کا بے جان وجود دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ نہیں چاہا تھا)"تم بہت کمپوزڈ ہو۔"(آپ کے جارحانہ رویے کے باعث آپ کو اس مکتب سے نکالا جاتا ہے۔ آپ کا بھتیجا ایک وائلنٹ جانور ہے۔)"تمہیں مام اور ڈیڈ سے بھی فرق نہیں پڑتا۔"(یتیم خانے کی وہ پہلی رات، وہ باسی ٹھنڈا کھانا، وہ عجیب سی نظریں اسے آج بھی سب یاد تھا آج بھی سب چُبھتا تھا۔)"مجھے بس تمہارے جیسا بننا ہے۔(انسومینک، ماضی کے جھکڑ میں پھنسا ہوا، گلٹی، برباد، کیا؟)" اسے چاہیے تھا بتائے۔

"مجھے مام ڈیڈ کے جانے سے فرق پڑتا ہے، ڈیڈ کے دھوکے سے بھی فرق پڑتا ہے اور ممی کے فراڈ سے بھی۔" اس نے خستہ کوکی توڑ کر آدھی آراہ کی طرف بڑھائی آدھی اپنے پاس رکھی۔"گھر کے بڑے بیٹے پر ذمہ داریاں ہوتی ہیں، آراہ۔ پہلی اولاد چاہے بیٹا ہو یا بیٹی اس کے اندر ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ انہیں بہت ساری چیزوں پر صبر کرنا پڑتا ہے، کئی خواہشات پر دستبرداری دینی ہوتی ہے شاید اس لیے میں ایسا ہوں۔" ابھی آراہ کچھ کہتی کہ اسلان نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔"اور ہاں یہ سچ نہیں ہے کہ مجھے تکلیف نہیں ہوتی مجھے میرے والدین کے رویے ہرٹ نہیں

کرتے لیکن مجھے نہیں لگتا "کہہ" کر کوئی فائدہ ہے۔ زندگی میں پسند کی چیزیں نہ ملیں تو واویلا یا قناعت کرنی ہوتی ہے میں قناعت پسند ہوں۔" اسلان نے آراہ کا مگ اٹھا کر اس کے سامنے رکھا۔

"تمہیں شاہ ویر کی کون سی بات سب سے زیادہ پسند تھی؟" اس معاشرے میں اپنی بہن کے ساتھ ایسی گفتگو کرنے پر اس پر فتوے جاری ہو جاتے مگر اس کے نزدیک غلط یا صحیح جو بھی ہو اسے بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ قبولیت کے بعد کفارے میں عافیت تھی۔

"وہ انسان کے چہرے کو کسی دس دفعہ پڑھی ہوئی کتاب کی طرح پڑھ لیا کرتا تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مجھے اس کو بتانا پڑے کہ میرا موڈ خراب ہے یا میری زندگی میں کوئی مسئلہ ہے۔ وہ خود سمجھ جایا کرتا تھا اور پھر کوئی نہ کوئی حل بھی نکال لیتا اگر نہ نکال سکتا تو میرا دھیان بٹا دیا کرتا تھا۔"

"اور سب سے بُری بات؟"

"پوزیسونس!" آراہ ترنت بولی۔ "میرے دوست، کلاس فیلوز یہاں تک کہ وہ تمہاری باتوں سے بھی جلتا تھا۔"

اسلان نے گھور کر اسے دیکھا۔ "مجھ سے کیوں؟" آراہ نے پلکیں جھپکیں، سادگی سے اسے دیکھا۔

"وہ جانتا تھا، میں اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت تم سے کرتی ہوں۔" اسلان شجاع یمن کافی دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا۔ اس کے اور آراہ کے درمیان جیسے کوئی دیوار، کوئی رکاوٹ رہی ہی نہ ہو جیسے، وہ ایک بار پھر وہی بہن تھی جس کے لیے وہ تحائف لاتا تھا، جس کی بکواس باتیں بھی گھنٹوں سنتا تھا۔ قدیم طرز پر بنی اس بالکنی میں، سرخ اینٹوں والی دیواروں اور زرد روشنی کے درمیان وہ دونوں بہن بھائی اپنی اپنی زندگی کا خواب جی رہے تھے۔ "میں اس سے پہلی بار تمہارے لیے ملی تھی۔ میں نے سوچا تھا اس کے ساتھ کوئی تصویر وغیرہ لے لوں گی تو شاید تم مجھ سے خوش ہو جاؤ، وہ تمہارا فیورٹ تھا۔"

”کسی اور کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت تھی، میں تمہارا بھائی ہوں تم مجھے اپروچ کرتیں۔“

”کتنی بار کیا تھا، کیا یاد نہیں؟“ اسلان نے ہاتھ اٹھا لیے۔

”فائن ساری میری غلطی ہے، میں نے تمہارے ساتھ غلط کیا اب ماضی نہیں دہرائیں گے۔“

آراہ خاموش رہی۔ دونوں کے درمیان بہت دیر تک لمبی خاموشی رہی۔ ”یہ گرل کتنی خوبصورت ہے۔“ لکڑی کے نقش و نگار والی گرل کی طرف اشارہ کرتے اسلان نے کہا۔ آراہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر ہنس پڑی۔ اسلان کے لب بھی ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

”سیریسلی؟“ وہ گردن پیچھے پھینکے ہنس رہی تھی۔ لعل یمن ڈوبتی ناؤ تھا، عالم جیل میں تھا، زندگی ٹیڑھے راستوں پر گامزن تھی اور اسے وہ گرل.... اوہ خدایا۔ وہ دونوں زور زور سے ہنستے چلے گئے۔

حال میں وہ اس کے بازو کے کف موڑ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آراہ برتن مانجھ رہی تھی اسلان دھوتا جا رہا تھا۔

★★★★★

موجودہ روز!

پرامن احتجاج کے ہجوم میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ مدیحہ سیاہ لباس اور سفید دوپٹے میں تھی، سامنے شاہ زید صبح والے کپڑوں میں۔ اطراف نوجوانوں سے بھرے تھے۔ کوئی انٹرویو دے رہا تھا، کوئی نم آنکھوں سے کھڑا تھا، کوئی محض ہنگامے کو آیا تھا۔ لاٹھی چارج کے بعد خاموشی تھی، اور اسی خاموشی میں شاہ زید اور مدیحہ کی مدھم آوازیں گھل رہی تھیں۔

”اب بھی ناراض ہو؟“ زید نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے آہستگی سے استفسار کیا۔

”تمہیں واقعی کوئی فرق پڑتا ہے؟“

”فرق پڑتا ہے جب ہی تو پوچھ رہا ہوں۔“ اس کی آواز ہنوز ملائم و نرم تھی۔ ”تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن تم جانتی ہو، میں اپنے بھائی کے لیے دنیا یہاں سے وہاں کر سکتا ہوں اور میں کروں گا۔“ اس کی آنکھوں اور انداز میں ایسی قطعیت تھی کہ وہ لمحے بھر کو اسے پہچان نہیں سکی۔

”یعنی تم شرمندہ نہیں ہو؟“

”کس بات پر؟“

”شاہ.... زید... طلال... بنگش....“ اس نے ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔ ”تم نے اس شہر کی اہم سیاسی عمارتوں کو جلایا، ریڑھی چلانے والوں سے لے کر کریانہ کی دکان والوں کو نقصان پہنچایا، تم نے ایک عورت پر تیزاب پھنکوایا، تم نے ہڑتالیں کیں جن پر پولیس حرکت میں آئی اور جس کے نتیجے میں بارہ لوگ مارے گئے، تم نے شاہراہیں بند کروائیں تین سے چار ٹرکوں میں کوئلہ تھا کئی دن ایک ہی جگہ کھڑے رہنے کی وجہ سے کوئلے میں آگ بھڑک اٹھی اور کئی لوگ جل کر مر گئے۔ تمہاری ایک کال پر لاکھوں لوگ جمع ہو گئے، اور تم نے ان سب کو استعمال کیا؟ وائٹ کالر کرمنل بنتے جا رہے ہو تم۔“

زید نے سادگی سے پلکیں جھپکیں۔ ”لیکن اس وکیل کو کچھ نہیں ہوا، تیزاب سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا، جو لوگ مرے ان کا مرنا طے تھا کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی زندگی پر قادر نہیں۔“

”زید اسٹاپ دس....“ مدیحہ غرائی۔ ”میں ان ملک دشمن سرگرمیوں اور اس سیاہ دھندے میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔“

”تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گی، in the middle of crisis?“ مدیحہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں لبالب پانی سے بھر رہی تھیں۔

”میں تمہیں چھوڑ دوں گی، زید۔“ بے حد مضبوط اور مستحکم لہجے میں کہا۔ ”میں اچھی لڑکی نہیں ہوں نہ ہی میرا کام اس معاشرے کی عورت کے لیے آئیڈیل مانا جاتا ہے، میں نے اپنے ہاتھوں سے کئی غیر قانونی کام کیے ہیں لیکن میرا ہر کام کرمنلز کے خلاف تھا۔ میرے طریقے غلط تھے، کام نہیں۔“

”تم تو مجھے کرمنل مان کر بیٹھی ہو یار۔“ وہ دل برداشتہ تھا۔

”جو ریاست کے خلاف، پاکستان کی شہری ہونے کے ناطے میں اس کے خلاف۔“

”اس ریاست نے تمہیں دیا کیا ہے؟“

”احساس.... اس جگہ کی ملکیت کا احساس۔ یہ احساس کہ یہاں میری سنی جائے گی، یہ احساس کہ یہ میرا ملک ہے، یہ کہ اس کی عدلیہ مجھ پر ہوئے جبر کے خلاف رد عمل دیں گی۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تب مجھے اس ریاست کے ٹھیکیداروں سے مسئلہ ہو گا، ریاست تب بھی صف اول رہے گی۔“

زید کچھ پل چبھتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ ”تم کیا چاہتی ہو؟ میں سب ٹھیک کر دوں؟“ وہ سنجیدہ تھا۔

”میں چاہتی ہوں تم مرنے والوں کو حرجانہ دو، زخمیوں کو رقم دو، جن کا نقصان کیا اس کی بھرپائی کرو، خود سے معافی مانگو اور....“ وہ رکی۔ کچھ پل ہونٹ کاٹے۔ ”میں چاہتی ہوں تم اماں سے ملو، ہمارے لیے، میرے لیے۔ میں واپسی چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں تم پہلے جیسے بن جاؤ، میرے زید۔“ ایک لمحے کو وہ ششدر رہ گیا۔ یہ گفتگو ان کے درمیان آنی تھی لیکن.... یوں.... اس طرح؟ خیر اسے بُرا نہیں لگا۔

”ہم دونوں کے درمیان کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں، کوئی بات نہیں لیکن میں جانتی ہوں ہم دونوں نے ساتھ رہنا ہے۔ تم اور میں ہمیں وقت، دنیا، طلسم کچھ الگ نہیں کر سکتا۔ نہیں کر سکتا نا؟“

”بالکل.... ایسا ہی ہے۔“ بہ دقت اس کے لبوں سے ادا ہوا۔ ”میں یہاں تم سے ایک اور بات کرنے آیا تھا۔“

”کیا بات؟“

”میں چاہتا ہوں تم میرے لیے کچھ معلوم کرو۔“ اس نے آہستہ آہستہ شاہ ویر اور ابتسام والا سارا قصہ سنا دیا۔ ”میں چاہتا ہوں تم اس مسئلے کو دیکھو اور مجھے بتاؤ آخر ان دونوں کے درمیان ایسا کیا تھا؟“

”یہ کام تم مجھ سے بہتر کر سکتے ہو۔“

”مجھ پر نظریں ہیں۔“

”کس کی؟“

”سہراب یمن کی۔“ مدیحہ کے لب اوہ میں سکڑے۔ ”میں نہیں چاہتا کہ ان کو کچھ پتا چلے۔ یہ میرے گھر کا ذاتی معاملہ ہے۔“

”اوکے“! وہ رکی۔ کچھ دیر وہ رواں مارچ کو دیکھتے رہے پھر زید نے اسے مخاطب کیا۔

”تم نے شاہ جہاں کو کہاں رکھا ہے؟“

”ایک دوست کو دیا ہے فکر مت کرو وہ اسے سنبھال کر رکھے گا۔ ویسے تم نے اچھا نہیں کیا اگر واقعی شاہ ویر نے اس کی کسٹڈی آراہ کو دی تھی تو تمہیں درمیان نہیں آنا چاہیے تھا۔“ زید نے پیچھے ہوتے ہوئے گہری سانس لی۔

"جب وہ مر گیا تو میں آراہ کو بھی خوش رہنے نہیں دوں گا۔ مجھے بلیوں سے نفرت ہے لیکن دیکھو اپنی زندگی میں ان کے لیے بھی وقت نکال کر کوئی لائحہ عمل سوچنا پڑ رہا ہے۔" مدیحہ نے سر جھٹکا وہ دونوں اب لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ زید کا دماغ اب تک مدیحہ کی باتوں میں اٹکا ہوا تھا۔

★★★★★

اگلی صبح چھ سات بجے کے قریب اسلان، انارا اور بنفشہ کوارٹر کے صحن میں بیٹھے تھے۔ عظمیٰ بی چائے کے کپ لا کر رکھ رہی تھیں۔ بنفشہ کی آنکھیں گواہ تھیں وہ کل رات کو ٹھیک سے سو نہیں سکی۔ "میں تم سے صرف ایک دو سوال کروں گی اور تمہیں مجھے سچ سچ جواب دینا ہو گا مجھ سے کوئی بات چھپانا مت کیونکہ اس میں تمہارا ہی نقصان ہو گا۔" آراہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اپنا مدعا بیان کر رہی تھی۔ آراہ نے سراسیمہ سی نظر اسلان پر ڈالی جس نے پلکیں جھپکاتے تسلی دی۔

"شیور۔ لیکن میں پرسنل سوالوں کے کوئی جواب نہیں دوں گی۔"

"اس وقت تو تمہاری لَو لائف اور پرائیویٹ لائف دونوں پبلک ہیں اور اگر تم چاہتی ہو یہ اسی طرح رہے تو تم جو چاہو چھپاؤ اور جو چاہو بتاؤ۔"

"وکیل اپنے کلائنٹ کی مدد کرتا ہے آپ مجھ سے اس طرح بات کر رہی ہیں؟" وہ روہانسی ہوئی۔

"میرے کلائنٹ عالمگیر ہیں، تم صرف ایک کڑی ہو۔" جواباً آراہ نے لب کھول کر کچھ کہنے کا سوچا مگر بنفشہ نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔ "وقت کم ہے آراہ پلیز شروع کرتے ہیں۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"پچھلے پانچ سے چھ مہینوں میں تمہارے اور شاہ ویر کے درمیان کس بات پر سب سے زیادہ جھگڑا ہوتا تھا؟" آراہ نے ایک نگاہ اسلان کو دیکھا، وہ جھجکی۔

”کہو!“ اسلان نے کہا۔

”وہ.... شاہی اصل میں۔۔۔۔۔ وہ کافی پوزیسو تھا۔“ آراہ اٹکی، ایک بار پھر اسلان کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ”کہیں آنے جانے پر، کسی لڑکے سے بات کرنے پر اور....“

”اور؟“

”اور میں اسے کہتی تھی اپنی مام کو لے کر آئے۔“ اسے کہتے ہوئے خفت ہوئی۔

”اور وہ کیوں نہیں لا رہا تھا؟“ آراہ نے ایک بار پھر اسلان کو دیکھا۔ وہ یہاں سے اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ جذبات سے خالی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ بات سنتے ہوئے وہ کیا محسوس کر رہا ہے۔

”اس کی مام نے اسے کنٹرول کر کے رکھا تھا آج تک اس کے بینک اکاؤنٹس کی تمام تفصیلات اس کی ماں کے پاس تھیں۔ اس کی اسکرپٹس کے معاہدے سب سے پہلے اس کی ماں پڑھتی تھی، وہ کس سے دوستی کرے گا، کس سے ملے گا یہ اس کی ماں طے کرتی تھی۔“ بنفشہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ سانولی رنگت والی فربہہ مائل سی لڑکی بتا رہی تھی اور سنتے ہوئے اسے اندازہ ہوا انارا طارون شاہ ویر بنگش کی پہلی بغاوت تھی۔ ”وہ اپنی ماں کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرتا تھا لیکن دو سال لمبا عرصہ ہوتا ہے مجھے پتا چل گیا تھا اس کی ماں اسے کنٹرول کرتی ہے۔ وہ ان سے ہماری بات نہیں کر پا رہا تھا۔“

”کوئی اور بات جس سے وہ پریشان ہو؟“

"اسے ایک فلم کے لیے cinematography کرنی تھی لیکن اس نے منع کر دیا تھا۔ اب مجھے یہ نہیں پتا کیوں۔" آراہ نے یاد کر کے بتایا۔ بنفشہ مطمئن نہیں تھی۔ اس کی ماں چال چل سکتی تھی، کسی فلم کا معاہدہ نہ ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ ان باتوں پر قتل نہیں ہوتے تھے۔

"ٹھیک سے یاد کرو آراہ۔ کچھ تو ہو گا، کوئی ایسا انسان جس کے بارے میں بات کرتے ہوئے اسے غصہ آتا ہو؟"

وہ جیسے کسی خیال سے چونکی۔ "ابتسام عبّاس۔ ہاں اس کا اپنے بہنوئی سے کوئی مسئلہ چل رہا تھا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" بنفشہ سے زیادہ اسلان بے قرار نظر آیا۔

"وہ نیویارک میں تھا کوئی چار مہینے پہلے کی بات ہے۔ ہم کال پر بات کر رہے تھے جب ابتسام بھائی شاہ ویر کے سویٹ میں آئے، شاہ ویر نے مجھ سے کہا وہ بعد میں بات کرے گا لیکن اس کی عادت تھی وہ ڈرائیو کر رہا ہوتا، کسی دوست سے کہیں کوئی بات کرتا یا پھر کسی کیفے وغیرہ میں ہوتا ہماری کال چلتی رہتی تھی بس وہ میوٹ کر دیتا۔ اس وقت وہ میوٹ کرنا بھول گیا۔ مجھے ان دونوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاہ ویر نے ابتسام کو گالیاں بھی دی تھیں وہ بار بار اس سے کہہ رہا تھا کہ تم نے اس کی زندگی برباد کر دی تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔"

"ابتسام سے اس طرح کا جھگڑا؟"

"ابتسام ٹی ٹی پروڈکشن کا بیس فیصد شراکت دار ہے۔ پروڈکشن کا فنانس بھی دیکھتا ہے اور بعض دفعہ بڑی بڑی رقومات کی سرمایہ کاری بھی کرتا ہے، اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر وہ کسی غلام کی طرح بنگش خاندان کا ملازم بنا ہوا ہے۔" اسلان نے اضافہ کیا۔

"وہ دونوں کس عورت کی بات کر رہے تھے؟" وکیل کا سوال۔

”مجھے نہیں پتا، لیکن شاہ ویر کہہ رہا تھا اس کے پاس کوئی رپورٹ ہے جو اسے ای میل آئی ہے۔ مجھے نہیں پتا وہ کس رپورٹ کی بات کر رہے تھے۔ لیکن بات عورت کے بارے میں ہی تھی۔“ بنفشہ اور اسلان کے چہرے پر پہلی بار کچھ چمکا۔ کسی سمت کا تعین، اندھیرے میں پہلی شمع۔ آراہ چپ چاپ ان دونوں کے درمیان بیٹھی تھی کون سا سرا کہاں سے پکڑنا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی فی الحال یہ راز نہیں جانتا تھا۔ البتہ شطرنج کے تختے پر اب کئی مشکوک مہرے وارد ہو چکے تھے۔

★★★★★

”چند دن بعد!“

وہ دل آراہ طارون کے ساتھ آشیانہ بنگش میں موجود تھی۔ طویل پتھریلی روش طے کرتے ہوئے اس کے ذہن میں بار بار شاہ ویر کی باتیں آ رہی تھیں۔ یہاں اس گھر میں اسے شاہ ویر کے ساتھ ہی آنا تھا۔ سرخ لباس میں، گلاب اس کے پیروں میں، ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں میں، لبوں پر کوئی شرمگیں سی مسکراہٹ اور دل سرشار مگر.... اس نے سر جھٹکا۔ قسمت کسی کی منصوبہ بندی کی محتاج نہیں ہوتی۔

”تم مسز بنگش سے اپنی طرف سے بھی بات کرنا اور اگر وہ کچھ سخت سست کہہ دیں تو خاموش رہنا۔“ آراہ نے اپنی ماں کی بات پر سر ہلا دیا۔ وہ دونوں کئی فٹ چوڑے، طویل قامت فرنچ دروازے کے سامنے آ کر رکے۔ چمکتے شیشے میں وہ اپنا عکس دیکھ سکتی تھی۔ سفید رنگ کی ٹخنوں تک آتی سادہ فراک میں وہ سوگوار سی تھی۔ چکن کاری کے پھولے ہوئے بازو سے اس کے سانولے بازو جھلک رہے تھے جن میں صرف ایک انگوٹھی تھی، کلائی میں وہی سلور زنجیر۔ ناک میں بالی۔ اور گلے میں اسکارف۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں لاؤنج میں رکھے صوفوں پر بیٹھی تھیں۔ آراہ کی نگاہ دروازے کی طرف اٹھی۔ تمکنت وہاں سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ سیاہ ساڑھی میں ملبوس پلو کندھے سے آگے گزارے وہ سوگوار سی عورت صوفے پر آ

کر براجمان ہوئی۔ آراہ نے ہلکی آواز میں سلام کیا، تمکنت نے سر کے خم سے جواب دیا۔ کئی منٹ خاموشی کی نذر ہوئے اس کے بعد دل آراہ کی آواز سنائی دی۔

"میں اولاد کا غم سمجھتی ہوں، مسز بنگش۔" تمکنت اس کا منہ نوچ کر کہنا چاہتی تھی نہیں..... تم نہیں سمجھتیں لیکن وہ چپ رہی۔ "شاہ ویر میرا بیٹا نہیں تھا لیکن ایک ہی ملاقات میں وہ میرے لیے عزیز ہو گیا تھا۔ میں نے اسے اپنی بیٹی کے لیے قبول کر لیا تھا۔" سیاہ ساڑھی والی اداکارہ اٹھ کر اس سے کہنا چاہتی تھی کہ اس کے بیٹے کو قبولیت کی کوئی ضرورت کبھی رہی ہی نہیں۔ لیکن ایک بار پھر وہ چپ رہی۔ مصلحت، مقصد، اور مفاہمت کے تحت۔ اگلے چند لمحے دل آراہ بولتی رہی اور تمکنت سنتی رہی۔

"تم کیا کر رہی ہو، انارا؟" دل آراہ کی بات مکمل ہونے کے بعد انہوں نے آراہ کو پکارا جو اپنی انگوٹھی سے کھیل رہی تھی، چونک کر نگاہ اٹھائی۔

"میں؟" انگلی سینے پر رکھے وہ متحیر تھی۔

"ہاں تم.... میرے بیٹے نے تمہیں اپنی ملکہ بنا کر رکھا، عزت دی، معاشرے میں تمہیں اپنا نام دینے کو تیار تھا۔ تم نے آج تک اس کے لیے کیا کیا؟"

"میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"میں بتاؤں؟" پولو شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے ہوئے وہ سرمئی بالوں والا وکیل دروازے کی چوکھٹ پر نمودار ہوا۔ آراہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر تمکنت کو.... وہاں کوئی حیرانگی نہیں تھی یعنی وہ اس آمد سے واقف تھیں؟

”ہم یہاں صرف اور صرف تعزیت کے لیے آئے ہیں۔“ آراہ نے کچھ سنبھل کر کہا، بے اختیار اس نے اپنا پرس دبوچ لیا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے خلاف استعمال نہیں ہو سکتی تھی۔ ”آپ نے وکیل کو کیوں بلوایا ہے؟“

”جس ماں کا ستائیس سالہ بیٹا بلاوجہ مارا گیا ہو اور جس کے بیٹے کا مقدمہ عدالت میں لڑا جا رہا ہو وہ وکیلوں کو نہیں بلاتی ان کا آنا جانا ضروری ہو جاتا ہے۔“

”کیا میں آپ کو جوائن کر سکتا ہوں؟“ آراہ نے جواب نہیں دیا البتہ دل آراہ کو اس کی آمد اور اسے اپنے قریب بٹھانے میں کوئی حیل وحجت نہیں تھی۔ خوبصورت اور باوقار مرد اس کی کمزوری تھے۔ دمیر قدم قدم چلتا ہوا آیا اور تھری سیٹر پر آراہ کے ساتھ کچھ فاصلے پر آ کر بیٹھا۔ وہ نامحسوس انداز میں کھسک کر ایک طرف ہوئی۔ البتہ وہ ان کے کسی جال میں نہیں آئے گی یہ طے تھا۔ ”ڈرومت میں کاٹتا صرف کورٹ میں ہوں۔“ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”وہ بھی اپنے مخالف وکیل کو۔“

”میرا معاملہ مختلف ہے میں جگہ اور تعلق نہیں دیکھتی غلط بات کرنے والے کو میں کہیں بھی کسی بھی وقت کاٹ سکتی ہوں۔“ آراہ نے سختی سے کہا۔

”ہابیز کیا ہیں آپ کی؟“ مسکراتے ہوئے اس نے گفتگو کا رخ بدلا۔ آراہ نے اپنی ماں کو دیکھا جو تمکنت کے ساتھ خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی۔ وہ چند لمحے چپ رہی پھر ہلکی آواز میں جواب دیا۔

”کتابیں.... میں کتابیں پڑھتی ہوں زیور بناتی ہوں، اور ایک سوشل ورکر ہوں۔“

”اوہ آج کل کون سی کتاب پڑھ رہی ہو؟“ ملازمہ سے اپنی کافی کا کپ لیتے ہوئے وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔

“metamorphosis by kafka”

"گریٹ چوائس۔" دمیر نے سراہا۔ "تم نے pride and prejudice پڑھی ہے؟"

"فی الحال نہیں لیکن مجھے پڑھنی ہے۔ آپ نے پڑھی؟" یہ کتاب ایک لمبے عرصے سے اسے پڑھنی تھی سو نہ چاہتے ہوئے بھی سوال کر بیٹھی۔

"میں زیادہ تر نان فکشن پڑھتا ہوں۔ فکشن تخیل ہے مجھے حقیقت زیادہ پسند ہے۔" آراہ نے جواب نہیں دیا البتہ اس کے نزدیک دنیا میں پڑھنے والے جتنے بھی ہیں ان تمام میں سب سے برا وہ ہے جو کسی کی reading choices پر تنقید کرتا ہے۔ جب ادب میں ڈھیروں ڈھیر ژانرا شامل کیے گئے تب ایک قاری دوسرے قاری سے یہ کیوں چاہتا ہے کہ سامنے والا اس کی مرضی کی کتاب پڑھے؟ اور جب وہ اس کی مرضی کی کتاب پڑھ کر اسے ناپسند کر دے تب اسے برا کیوں لگتا ہے، کیوں ایک سادہ سی بات قارئین کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ہر ژانرا ہر کسی کے لیے اور ہر کتاب ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی۔

"کیا ہم شاہ ویر کے متعلق کچھ بات کر سکتے ہیں؟"

"کیا میں شاہ ویر کا کمرہ دیکھ سکتی ہوں؟"

دمیر پراچہ اور انارا طارون بیک وقت بولے۔ اس کمرے میں موجود ہر انسان اب اس کی طرف متوجہ تھا۔ تمکنت کے چہرے پر خون دوڑ گیا وہ منع کرنا چاہتی تھی مگر دمیر کی آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ وہ صابر وکیل مصلحت کے گھونٹ بھرے بیٹھا تھا۔ "پولیس کے بعد اس کمرے میں کوئی نہیں گیا۔" دمیر نے اسے خبردار کرنا چاہا۔ "اور پولیس نے خاص طور پر تاکید کی ہے کہ اس کا کمرہ نہ کھولا جائے۔"

"صرف دس منٹ پلیز۔"

”ٹو دی پوائنٹ بات کرتے ہیں۔ میں تمہیں ایک فیور دے رہا ہوں اگر تمہیں کمرے میں جانا ہے تو واپسی پر تمہیں میرے سوالوں کے جواب دینے ہوں گے۔ مجھے تم سے کچھ جاننا ہے۔“ آراہ نے ایک نظر اپنی ماں کو دیکھا اس میں ایک جتاتا تاثر تھا، اس کی ماں نگاہیں موڑ گئی۔ آراہ ان نظروں کے پھیر لیے جانے کی عادی تھی۔ البتہ تکلیف وہی تھی۔

”شیور۔ لیکن میں وہاں کچھ دیر اکیلے رہنا چاہوں گی۔“ تمکنت ایک بار پھر اعتراض کرنا چاہتی تھی لیکن دوبارہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

”اوکے۔“ دمیر نے سر ہلایا ساتھ انٹر کام اٹھا کر ملازمین سے اندر آنے کو کہا۔ کچھ دیر بعد وہ شاہ ویر بنگش کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں جہاں اس نے دلہن بن کر جانا تھا لیکن زندگی اور قسمت نے اس کے لیے کچھ اور لکھ رکھا تھا۔ کچھ بے حد مختلف۔

★★★★★★

کمرے کی روشنی مدھم تھی، اسے روشنیوں کی کوئی ضرورت بھی کب تھی؟ وہ بہت دیر تک خاموشی سے اسے تکتا رہا مگر بہت دیر بعد اس نے لبوں کو جنبش دی۔ ”تم مکمل ہو اپسرا۔۔۔۔۔“

آئینے کے سامنے بیٹھی وہ اس آواز پر کھکھلائی۔ خادم (ملازم) دونوں ٹانگیں سینے سے لگائے ٹھوڑی ان پر ٹکائے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھی اس اپسرا کو تیار ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ پچھلے دو گھنٹوں سے اسی فرش پر اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ کبھی وہ چہرہ دونوں ہاتھوں پر رکھے اسے تکتا، اور کبھی پلکیں جھپکے بغیر۔ وہ اسے کب تک دیکھ سکتا تھا یہ حساب اس نے کبھی رکھا ہی نہیں تھا۔ اس وقت وہ سراپا سحر تھا، یا پھر مکمل محویت۔

”اگر میں مکمل ہوں، سو تو تم بھی ہو۔“ وہ بھاری لباس سنبھالتی ہلکی آواز میں بولی۔خادم کی نگاہیں اس پر تھیں، اسے پر رہیں اور اسی کے وجود پر سفر کرتی رہیں۔ ان نگاہوں میں اعتقاد تھا رومان نہیں۔ وہ اسے یوں تک رہا تھا جیسے کوئی شفیق ماں کو تکتا ہو۔

”تم منظر عام پر آجاؤ، اپسرا، کوئی اور تمہارے خطاب اپنے نام کر رہا ہے۔“ خادم کی اس بات پر وہ ساکت رہ گئی۔ یہ شخص کسی معتقد مرید کی طرح تھا اگر وہ آج اور ابھی اس سے کہتی سانس نہ لو تو وہ ہنستے ہنستے یہیں دم توڑ دیتا مگر وہ اس سے ایسا نہیں کہے گی یہ ان دونوں کو یقین تھا۔ ”لوگوں کو بتاؤ تمہیں قدرت نے چن لیا ہے۔ تم منتخب کردہ ہو اور اپنا ہر کارنامہ اپنے نام کر لو۔“

”یعنی میرے اٹھارہ اقتال؟“ وہ ہنس پڑی۔ کانچ کے ٹوٹ کر گرنے جیسی ہنسی۔ ”قدرت کی فرماں بردار بنتے میں دنیا کی گناہگار ہوگئی پتا بھی نہیں چلا۔ اب واپسی کی کوئی راہ نہیں خادم۔“ وہ تکان زدہ تھی۔ خادم نے سر اس کی کرسی سے ٹکالیا اپسرا کے بال اس کے چہرے پر گرنے لگے وہ آنکھیں موندے سکون محسوس کیے گیا۔

”تم سامنے آجاؤ میں اپنی تمام طاقت تمہاری حفاظت پر لگا دوں گا، میرے کوچوان تمہارے تابعدار ہوں گے، میری فوجیں تمہارے اشارے پر جنگیں لڑیں گی اور میری سلطنت تمہارا ہدیہ۔“ اس کا لہجہ مضبوط تھا وہ جانتی تھی یہ حرف حرف سچ ہے۔

”مجھے گمنام رہنے دو خادم، میرا نام نیک نام نہیں۔“ وہ ایک بار پھر خود کو آئینے میں تکنے لگی۔ اس کے پیروں کے قریب سفید فرش ور غازہ گرا ہوا تھا، چوڑیوں کا ٹوٹا کانچ بھی یہیں کہیں تھا کئی ایک تو خادم کے گھٹنے میں بھی چبھے تھے مگر کوئی اس کے مریدانہ ارتکاز کو توڑ نہ پایا۔

”پھر تو تم مجھ جیسی ہوئی؟“ وہ مڑی پلٹ کر اسے اسے تکا۔ یہ خادم کی پہلی جرات تھی، وہ حیران ہوئی۔

اس نے آنکھیں خادم کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ وہاں کچھ سخت سا تھا۔ ”تم جیسی کیسی ؟“

”نامانی گئی، دھتکاری ہوئی، وہ جس کی نفی ہوئی ہو اور وہ جسے ضرب دے کر تقسیم کیا گیا ہو۔“ خادم کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ پہلی مرتبہ وہ اپسرا سے کچھ چاہتا تھا۔۔۔۔ کچھ مزید۔

”میں تمہاری جنگیں لڑ رہی ہوں خادم۔ میرا منظر پر آجانا تمہیں اندھیرے میں ڈال دے گا مجھے بس لڑنے دو۔ کامیابیاں، لوگ اور نیک نامی تم اپنے لیے رکھو۔۔۔۔۔“ خادم نے احتجاج کو زبان کھولی ہی تھی کہ وہ اس کے بالوں میں شفقت کا ہاتھ پھیر گئی۔ ”تم میں اور ہم میں فرق ہی کیا ہے, خادم؟ چاہتیں، فرائض، ذمہ داریاں، بدنامیاں ان سب کو میرے لیے چھوڑ دو۔“ وہ اس کی بات کاٹ گئی۔ خادم کا اعتقاد بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔ وہ اسے رام کر چکی تھی اس نے کئی برس یہ کیا تھا اس فن میں اسے ملکہ حاصل تھا، اور وہ جو ہر دفعہ اس کے دلائے دلاسوں میں آجاتا تھا بھلا یہ شخص تھا کون ؟

★★ ★★★

”موجودہ لمحہ !“

لکھاری اور عوامی رہنما کا کمرہ خاموش پڑا تھا۔ اس کے کمرے میں اب اس کی خوشبو نہیں تھی، کافور جیسی کوئی باس تھی جو نتھنوں سے روح کی کھڑکیوں میں داخل ہو رہی تھی۔ انارا طارون دروازے کا پٹ تھامے بہت دیر تک چوکھٹ پر جمی کھڑی رہی۔ وہ یہیں کہیں تھا۔ پلنگ کی بکھری چادر پر دراز، کافی کا کپ فرش پر رکھے پلنگ سے ٹیک لگائے لکھتا ہوا، بالکنی میں کھڑا صبح کا ابھرتا سورج دیکھتا ہوا، واک ان کلازٹ سے ہمیشہ کی طرح اپنے پسندیدہ "سفید" رنگ کا لباس نکالتا ہوا، آراہ کی کسی بات پر ہنستا ہوا، کبھی اسی کے کسی کارنامے پر طیش زدہ۔ وہ یہیں تھا محض تخیل کی سرحدوں تک، تخیل کے باہر وہ کہیں نہیں تھا۔ شاہ ویر بنگش اور انارا طارون کے درمیان اب دو دنیاؤں کا پردہ تھا۔

”کوئی آراہ کو شاہ ویر کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔“ اس کی آواز آراہ کے کانوں میں گونجی۔ وہ انہی خیالوں میں گم تھی جب کوئی اس کے ساتھ آکر ٹھہرا۔ قد میں اس سے چند انچ اونچا، خوشبوؤں کے باوجود کافور اپنے ارد گرد لیے۔ وہ دونوں اس دروازے کی چوکھٹ میں دائیں بائیں کھڑے تھے۔ روشنیاں ان کی پشت سے ہو کر پلٹ رہی تھی اور ان کی نگاہیں اندھیرے کمرے میں اپنے اپنے خسارے کو کھوج رہی تھیں۔

”تمہیں منع کیا تھا نا؟“ اس کی آواز پر وہ مڑی نہیں بس سامنے دیکھتی رہی، ایسے جیسے کسی معجزے کے تحت وہ یہاں آجائے گا۔ ”تمہیں کہا تھا دور رہو ہم سے، مجھ سے، شاہ ویر سے۔“ وہ بھی سامنے ہی دیکھ رہا تھا، اس کی نگاہیں بھی عجیب سی تھیں۔ اندھیرے کمرے میں ان دونوں کی بینائی جانے کیا کھوج رہی تھی؟

”تم اسے بھول سکتے ہو، چھوڑ سکتے ہو؟“

”وہ میرا بھائی تھا۔“

”اور میری کُل کائنات۔“ آراہ کا لہجہ مدھم تھا۔ ”بھائی کے ساتھ زندگی کے محدود پلانز ہوتے ہیں لیکن جو وہ میرے لیے تھا وہ تم نہیں سمجھ سکتے۔ کسی نے میری ساری زندگی پر کانٹا پھیر دیا ہے تم یہ احساس نہیں سمجھ سکتے۔“ باہر کی دنیا میں ان دونوں کے درمیان مختلف تعلقات تھے مگر یہاں اس چوکھٹ پر نصف تاریکی، نیم روشنائی میں کھڑے ان دونوں کا ملال ایک تھا، کرب یکجا، قلق ایک ہی۔

”شاید میں سمجھنے لگ جاؤں۔“ ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے اور گردن ترچھی کر کے آراہ کو دیکھا۔ ”اگر بتا دو کہ یہاں کیوں آئی ہو؟“

"پتہ نہیں۔" اسے واقعی نہیں پتہ تھا۔ "مجھے پتا ہے میری ماں یہاں کیوں آئی ہے، میں یہ بھی جانتی ہوں کہ "وہ "اب کبھی واپس نہیں آئے گا لیکن میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ...." لہجے کی رقت بڑھی تو اسے توقف کرنا پڑا۔ "کہ میں اس گھر میں ضرور آؤں گی۔" آنکھوں سے دو قطرے ٹوٹ کر عارضوں پر بہہ گئے۔

"کیا اب تم کسی اور سے شادی کرلو گی؟" اس نے عجیب چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ آراہ چونکی۔ "تم اس سے موو آن کر کے اپنا گھر بنالو گی، کسی اور انسان کے ساتھ چلی جاؤ گی اور پھر تمہیں یاد ہی نہیں ہو گا شاہ ویر کون؟"

"کیا تم اس وجہ سے مجھ سے نفرت کرنے لگے ہو؟"

"ہاں میں چاہتا ہوں میں تم سے نفرت کروں تاکہ کل جب تم شاہ ویر کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ تب مجھے اس کے لیے دکھ نہ ہو۔"

"میں اگلے کئی سالوں میں اس سے موو آن کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ تم میری وفاداری پر شبہ نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز لرزی۔ اسے لگا کہ شاہ زید بنگش اس کا تمسخر اڑا رہا ہے۔

"کیا وہ ہرٹ ہو گا؟" شاہ زید نے عجیب سے لہجے میں اس سے پوچھا۔ "اگر تم کسی اور سے محبت کرو تو کیا وہ ہرٹ ہو گا؟"

"وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"سارا مسئلہ یہی ہے۔" وہ بے بس تھا۔ "مجھے اس کے ساتھ رہنا چاہیے تھا، لیکن میں نہیں رہ سکا اور اب میں کسی بھی طرح اس عمل کی معذرت کرنا چاہ رہا ہوں۔ کبھی تمہیں تمہارے حق سے محروم کر کے، کبھی خود پر بند بٹھا کر، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا، آراہ۔ زندگی بہت مشکل ہو گئی ہے۔ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہو گا۔" آراہ چند پل چپ

چاپ اسے دیکھتی رہی پھر اس نے اپنے پرس میں ہاتھ ڈال کر ایک ڈبیا نکالی۔ ہلکے آسمانی رنگ کی مخملی ڈبیا اس نے زید کی طرف بڑھائی۔

”میرے یہاں آنے کی دوسری وجہ۔“ زید نے اچھنبے سے ڈبیا تھام لی اور انگوٹھے کی مدد سے اس کا لاک کھولا۔ ایک پل کے لیے وہ بالکل تھم گیا تھا۔ اندر انگریزی حرف ”ایس“ کی شکل کے کف لنکس تھے۔ خوبصورت، بہترین اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے۔

”میں شاہ زید کو دنیا کی ہر قیمتی شے دے سکتا ہوں لیکن وہ چند دن بعد اس چیز کو بھول جائے گا اس لیے میں اسے ایسی چیز دینا چاہتا ہوں جو اسے ہمیشہ یاد رہے۔“ آراہ ہو بہو اس کے الفاظ دہرا رہی تھی۔ ”سب کو لگتا ہے میں تمہیں ہواؤں کے ساتھ بھی نہیں بانٹ سکتا لیکن میں چاہتا ہوں تم یہ کف لنکس بناؤ تا کہ زید کو پتا چل سکے اس کی اہمیت کیا ہے۔ اتنی کہ میں انارا طارون سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ میرے علاوہ اگر کسی کے لیے کچھ بنائے تو وہ تم ہو، میرا بھائی، میرا حصہ۔“ وہ ٹکر ٹکر ان کف لنکس کو دیکھ رہا تھا جو مہارت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اس کی موت کے بعد یہ پہلا دن تھا جب اس کی آنکھوں میں پانی چمکا مگر آنکھوں کی سرحدیں نہ پھلانگ سکا۔ اسے خود پر کمال ضبط حاصل تھا۔

”وہ تم سے نفرت نہیں کرتا، وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے کسی اور دنیا میں ہے لیکن ہم سے بد ظن نہیں۔“ شاہ زید کو خود سے گھن آئی۔ ایک یہ لڑکی تھی جو ہیروں سے بھرا لاکھوں روپوں کا سامان اسے لوٹا رہی تھی اور ایک وہ تھا جس نے اپنے بھائی کی آخری خواہش کا احترام بھی نہیں کیا۔ وہ کیوں شاہ جہاں کو اس کے حوالے نہیں کر سکا کیوں؟

”آئی ایم سوری میں شاہ جہاں کو تمہیں نہیں دے سکا آئی ایم سو سوری۔“ وہ حد سے زیادہ نادم تھا۔

آراہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”میں سمجھ سکتی ہوں۔“

"اس نے اور کیا کہا تھا، وہ میرے بارے میں کیا کہتا تھا؟" وہ کوئی بے بس، بے قرار بچہ نظر آ رہا تھا۔ آراہ نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر اسی وقت سرمئی وردی میں ملبوس ایک ملازم ان سے ذرا فاصلے پر آ کر کھڑا ہوا۔

"دمیر صاحب پوچھ رہے ہیں آپ کو اور کتنا وقت لگے گا؟"

شاہ زید نے وہ بات سنی اور لمحے کے ہزارویں حصے میں زید نے فیصلہ کر لیا تھا۔ جو لڑکی اس قدر مقدس اور شفاف تھی وہ اسے کسی قسم کی سازشوں میں پڑنے نہیں دے سکتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ "تم جاؤ میڈم آ جائیں گی۔" اس نے سختی سے کہا اور پھر آراہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "دمیر سے مت ملنا وہ تم سے سوال کرے گا اور پھر جواب کورٹ میں استعمال کرے گا۔ وہ تمہیں تمہارے خاندان کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔"

آراہ ٹھٹکی۔ "کیا مطلب؟"

"اس وقت مجھ سے کسی قسم کے مطلب مت پوچھو جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔" اس نے ڈبیا اپنے سینے والی جیب میں رکھی۔ "دمیر بہت شاطر ہے اور میری ماں بھی کوئی دودھ کی دھلی عورت نہیں ہیں تمہیں ان کے کھیل کا حصہ نہیں بننا چاہیے، جاؤ یہاں سے۔"

"اور تم میرے لیے یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"

"ہم دونوں کو ایک شخص عزیز تھا اور اسے ہم دونوں۔ یہ کڑی ہمیں جوڑتی ہے اور جوڑتی رہے گی، اب چلو میں تمہیں یہاں سے نکالتا ہوں۔" آراہ چند پل، چند ثانیے اسے دیکھتی رہی۔ شاہ زید کو لگا تھا وہ یہاں شاہ ویر کی محبت میں آئی ہے اور استعمال ہو رہی ہے، آراہ کو یہ قلق تھا کہ اسے یہاں سے جانا پڑ رہا ہے۔ بغیر اپنا مقصد پورا کیے۔

اگلے چند پل بعد وہ گھر کے عقبی حصے سے آراہ کے ساتھ نکل رہا تھا اور وہ بار بار مڑ کر گھر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کاش وہ زید کے آنے سے قبل شاہ ویر کے کمرے میں آ جاتی، اس کی فائلز، لاکرز کہیں سے اسے کوئی ثبوت تو

ملتا جو اسے بتاتا کہ..... شاہ ویر اور ابتسام کے درمیان وجہ عناد کیا تھی؟ ڈرائنگ روم میں بیٹھی دل آراہ کو لگ رہا تھا وہ بیٹی کو اس کے خاندان کے خلاف کر چکی ہے اور زید کی گاڑی میں بیٹھتی بیٹی کا ملال یہ کہ وہ اپنے خاندان کے لیے کچھ کر نہیں سکی۔ کوئی دل آراہ کو بتائے وہ ایک یمن کو دوسرے یمن کے خلاف نہیں کر سکتی۔

★★★★★

"دس اپریل"

کٹہرے میں کھڑا شخص اس مقدمے کی بے حد اہم کڑی تھا۔ وہ شخص جس کی گواہی کی بنا پر ایف آئی آر کو چٹانوں جیسی مضبوطی نصیب ہوئی تھی، مقدمے کی بے حد پکی اور سنگلاخ بنیاد۔ "علی حسن قریشی" پیشے سے ایچ آر مینیجر، اور آج کل ریٹائرڈ۔ ابتدائی کچھ سوالات کے بعد دمیر پراچہ اسے مدعے پر لے آیا تھا۔ وہ اس شخص کو خاصی مشق اور تیاری کے بعد لایا تھا...... جھوٹا گواہ مگر جھوٹ کے ہر پینترے سے واقف۔ وہ گردن اٹھائے بڑے اعتماد کے ساتھ کھڑا تھا۔ اسلان اور یافث خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے کم از کم اسلان ساتھ کوئی امید کا بار نہیں لایا تھا۔

"قریشی صاحب پچیس فروری کی رات آپ نے کیا دیکھا؟" کٹہرے میں کھڑا شخص پچاس سے پچپن برس کے درمیان تھا بال قلموں سے سفید تھے اور چہرہ داڑھی سے پاک۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

"جناب میں پارٹی میں سب کے سامنے اسموکنگ کرنے کو برا سمجھتا ہوں، اس لیے میں عقبی لان کی طرف آگیا اور وہاں کھڑے ہو کر اپنے ایک دوست کو کال ملائی۔ ہماری اچھی بات چیت ہوتی رہتی ہے۔" وہ لہک لہک کر کہہ رہا تھا جب جج نے اسے ٹوکا۔

"مقصد پر آئیں۔ بات کو طول نہ دیں۔" بنفشہ نے غور کیا کہ اسے اپنی بات کاٹے جانا بالکل پسند نہیں آیا اس کی بھنویں سکڑیں اور لبوں پر بے آواز کچھ ناگوار الفاظ آئے۔

"میں نے عالمگیر کو گیلری کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ شاہ ویر کالر سے گھسیٹ کر ساتھ لے کر جا رہا تھا۔ میں بھونچکا رہ گیا اور۔" اس کی آنکھیں ڈرامائی انداز میں گول ہوئیں۔ "جب میں تھوڑا آگے گیا تو میں نے دیکھا کہ عالمگیر نے جیب سے ایک چاقو نکالا اور دھڑا دھڑ شاہ ویر کو مارتا چلا گیا۔ جج صاحب میں نے اپنی آنکھوں سے اس آدمی کو وحشت کی ایک دردناک داستان رقم کرتے ہوئے دیکھا۔" وہ اگلے پندرہ منٹ بغیر رکے بولتا ہی چلا گیا۔ اور تمام لوگ اس کی گوہر افشائیوں پر حق دق تھے۔ وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بولتا تھا، اس کا چہرہ، آنکھیں، ہاتھ سب گفتگو کرتے تھے۔

"یہ مقدمہ محض دو تاریخوں کا تھا جج صاحب۔" علی حسن کی بات کے ختم ہوتے ہی دمیر درمیان میں آ کر کھڑا ہوا۔ "ہم نے اس کیس کو بس بڑھایا ہے اب جبکہ عدالت نے چشم دید گواہ کی گواہی سن لی ہے تو میری عدالت سے درخواست ہے کہ عالمگیر یمن کو دی ہوئی چھوٹ چھین لی جائے۔" وہ رکا، پین لبوں کے درمیان دبائے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ دمیر پراچہ نے اپنے کیریئر میں کئی نگاہیں دیکھی تھی مگر یہ نگاہیں ان سب سے مختلف تھیں۔ یہ نہ جھکتی تھیں، نہ ان میں خوف آتا تھا، یہ بنفشہ احسان کی آنکھیں تھیں انہوں نے دیکھنا نہیں چیرنا سیکھا تھا۔ "یور وٹنس۔" اس نے کہا اور واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

وہ سر کو خم دیتی اٹھی اور علی حسن کے سامنے آ کر رکی۔ اس کی دائیں طرف کرسیوں پر بیٹھا اسلان غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے اور اس کے قیاس ازبر تھے۔ سوال یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کون درست ثابت ہونے والا تھا؟

"یہ فوٹیج تمہیں کہاں سے ملی؟" وہ کرسی گھسیٹ کر بنفشہ کے قریب بیٹھتے ہوئے واضح طور پر حیران ہوا تھا۔ وہ جس کا سارا دھیان سکرین پر تھا وہ ایک لمحے کو اس کی موجودگی پر ٹھٹکی۔ اسلان یمن اس کی کرسی سے کرسی جوڑے ہوئے تھا بے دھیانی میں اس کا کندھا ہولے سے بنفشہ کے کندھے سے مس ہوا تھا وہ لمحے بھر سانس

روکے اس کا نیم رخ دیکھے گئی۔اس کی آنکھوں میں کوئی چمک ابھری تھی، یہ نیا تاثر تھا۔"کتنے پیسے دیے؟" وہ ہر شے سے بے نیاز سکرین کو دیکھ رہا تھا اور بنفشہ اس کی آواز پر چونک کر سیدھی ہوئی۔

اپنی کرسی نامحسوس انداز میں کچھ سرکائی اور چہرے کے تاثرات سخت کر لیے۔البتہ پہلی بار اسے اسلان یمن مختلف لگا، شاید وہ پرکشش تھا، شاید وہ بولتا خوبصورت تھا یا شاید۔۔۔۔؟وہ اس کے بارے میں کیوں سوچ رہی ہے؟خود کو ڈپٹ کر وہ اگلے ہی لمحے سکرین کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔)

"علی حسن صاحب آپ کی عمر کیا ہے؟"

"باون سال۔"

"کیا آپ کو صحت کے کوئی مسائل لاحق ہیں؟"

"جی مجھے شوگر ہے اور میرے خون کے سفید خلیے کم ہیں۔"

"آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

"میں ایچ آر میں کام کرتا تھا اب ریٹائرڈ ہوں۔"

"لیکن کیوں ابھی تو آپ کی اتنی عمر نہیں ہوئی۔"

"بس میں مزید کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"آپ کا زیادہ تر کام کیا تھا، لوگوں سے ملنا، بات کرنا، یا پھر سکرین؟"

"سکرین، اعداد۔۔۔۔۔"

”سکرین اور اعداد کا کام چھوڑنے کی محض دو وجوہات ہوتی ہیں۔ خراب نظر، یا پھر بڑھتی عمر، آپ نے یہ کام کیوں چھوڑا؟“

”آبجیکشن مائی لارڈ کاؤنسل عدالت کا وقت برباد کر رہی ہیں۔“

”مدعا واضح کریں۔“ جج بھی اکتائے۔

(”بغیر پیسوں کے ملی ہے۔“ اس سے دھیان ہٹاتے وہ دوبارہ سکرین کو دیکھنے لگی۔ کل سماعت تھی اور اب تک اس کے پاس پیش کرنے کو کچھ بھی خاص نہیں تھا۔ اسے پتا تھا کل علی حسن نے پیش ہونا تھا اور اس وقت وہ اسی کی پارٹی والی ویڈیو دیکھ رہی تھی۔ بہت کم لوگ اس سے ملے تھے، بہت کم کے تاثرات خوشگوار تھے اور بہت کم اس سے خوش دکھائی دیے۔

”اسی لیے اتنی بے کار ہے میں نے تم سے کہا تھا جو بھی کرو مجھے بتا کر کرو۔“ وہ غیر دلچسپی سے پیچھے ہوا جبکہ بنفشہ کی آنکھیں ایک جگہ چھوٹی ہوئیں۔ علی حسن موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا اس کے تاثرات الجھے ہوئے تھے شاید وہ کچھ سمجھ نہیں سکا تھا۔ اس نے اسلان کی بات پر دھیان نہیں دیا۔)

”حسن صاحب کیا یہ سچ ہے کہ دو سال قبل آپ نے آنکھوں کا آپریشن کروایا تھا؟“

”تین سال قبل انہوں نے پِتے سے پتھری بھی نکلوائی تھی وہ رپورٹ بھی جمع کروائیں؟“ دمیر نے طنزیہ ہانک لگائی۔

بنفشہ ڈھٹائی سے مسکراتی رہی۔ ”ضرورت پڑی تو ہم بواسیر کی رپورٹ بھی پیش کریں گے سر فلوقت مجھے آنکھ کے آپریشن تک رہنے دیں۔“ اس کے انداز اور لہجے پر کئی لوگ ہنسے یہاں تک کہ جج کو اپنے ہتھوڑے کا استعمال کرنا پڑا۔ ”جی حسن صاحب دو سال قبل آپ نے آنکھ کا آپریشن کروایا تھا؟“

”جی کروایا تھا۔“

”آپریشن کامیاب رہا؟“ حسن نے دمیر کو دیکھا، وہ کچھ بے چین دکھائی دیا۔ ”ہاں یا نہ میں جواب دیجئے جانب، کیا دو سال قبل آپ کی آنکھ کا آپریشن کامیاب رہا؟“

اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ ”اس بات کا کیس سے کیا تعلق ہے؟“

”حسن صاحب ہاں یا نہ؟“

”جج صاحب دفاع گواہ پر دباؤ ڈال رہا ہے۔“

”آپ جھوٹی گواہی دینے کے لیے جیل بھی جاسکتے ہیں، آپ کو ایک سادہ سا جواب دینا ہے ہاں یا نہ؟“ اس کا لہجہ سخت اور جتاتا ہوا تھا وہ واقعی اس پر دباؤ ڈال رہی تھی اسے ڈالنا پڑا۔

”بچپن میں حسن صاحب کو بخار ہوا تھا جوانی میں نزلہ کیا اب ان پر بھی چرچا ہو گی؟“ دمیر برہم تھا۔ ”یہ کیس عالمگیر۔“

”ہاں یا نہ؟“ وہ کسی شیرنی کی مانند اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ ”اگر آپ نے جھوٹی گواہی دی تو میں اصل ثبوت لے آؤں گی ہاں یا نہ؟“

”جج صاحب۔“

”ہاں یا نہ؟“

"نہ۔" وہ تقریباً چلایا۔ تنفس تیز ہو گیا تھا۔ دمیر نے مٹھی میز پر ماری۔ "میرا وہ آپریشن ناکام ہوا تھا۔" بنفشہ نے مسکرا کر پہلی رو میں بیٹھے اسلان یمن کو دیکھا اس کی نگاہوں میں جتاتا تاثر تھا یوں جیسے کہہ رہی ہو "میں تمہارے بغیر یہاں تک آئی ہوں، تم میرے لیے مدد ہو منبع نہیں"۔

(اسلان کو اٹھ کر گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اور وہ اب تک لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ ایک ہی کلپ ہزار مرتبہ دیکھ دیکھ کر اکتا چکی تھی۔ وہی ایک کلپ جس میں علی حسن قریشی فون پر بات کرتے ہوئے ایک ہاتھ میں گیلری سے کچھ فاصلہ پر آ کر کھڑا ہوا تھا۔ چشمہ اتار کر کوٹ میں اٹکایا اور سگریٹ لبوں میں دبا لیا۔ کسی شور یا ہلچل کے باعث اس نے نگاہ اٹھا کر گیلری کی طرف دیکھا یہاں سے گیلری کی اندر جاتا یا نکلتا ہوا کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا البتہ یہ واضح تھا کہ دائیں جانب گیلری تھی وہ آنکھیں چندھیائے اس طرف دیکھ رہا تھا اور یہاں وہ ٹھٹکی۔ سوچ کا ایک نیا در کھلا جس کے پار بے حد روشنی تھی۔ وہ چشمے کے بغیر آنکھیں چندھیا رہا تھا اس کی نظر کمزور تھی۔)

"آپ کا آپریشن کامیاب نہیں ہوا تھا درست؟"

"جی۔" مٹھیاں بھینچ لیں۔ شدت غیض سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"اور وہ ناکامی کس طرح کی تھی؟"

"میری نظر مزید کمزور ہو گئی تھی آنکھ میں موتیا کا پانی اتر آیا تھا۔ کافی علاج کے باوجود میری نظر ٹھیک نہیں ہو سکی۔ مجھے دھندلا نظر آتا ہے۔" وہ اعترافی مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔

”خراب نظر کی وجہ سے آپ کو آپ کے کام سے نکالا گیا کیونکہ آپ کے سر میں درد رہنے لگا تھا اور اتنی بڑی فیکٹری کا کام سنبھالنا آپ کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔“ وہ کہہ رہی تھی اور دمیر تک دم سادھے سن رہا تھا۔ اس کا ذہن اس نہج تک کیسے پہنچا؟

”جج صاحب یہ تقریب کی فوٹیج ہے۔“ اس نے موبائل پر ایک ویڈیو چلا کر جج کے ریڈر کو موبائل تھمایا۔ جہاں علی حسن سگریٹ پیتے ہوئے گیلری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”اول تو حسن صاحب اتنے فاصلے پر کھڑے ہیں کہ گیلری میں کھڑے شخص کا چہرہ دیکھنا ممکن نہیں۔ دوئم شاہ ویر کے بوٹ بے حد صاف تھے، جبکہ گیلری تک جاتا راستہ گیلا اور مٹی سے بھرا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی انہیں گھسیٹ کر نہیں لے گیا، اور تیسری بات عالمگیر یمن کی جسامت کے حساب سے اگر وہ شاہ ویر کو گھسیٹتے، کالر سے پکڑتے تو یقیناً مقتول کی شرٹ سے گردن پر کوئی رگڑ پڑی جو کہ مفقود ہے۔“ وہ سانس لینے کو رکی۔ ”اب آپ بتائیں عدالت نے چھوٹ کسے دے رکھی ہے عالمگیر یمن کو یا پھر۔“ اس نے دمیر کو دیکھتے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

جج جھوٹے گواہ کو کوئی سزا سنا رہے تھے، دمیر مٹھی بھینچے کسی سوچ میں گم تھا۔ اسلان یمن کی نگاہوں میں پہلی بار بنفشہ مخدوم کے لیے ستائش ابھری، اور پہلی بار بنفشہ کو مخالف جنس کی ستائش بھائی بھی۔

”میں ماننا نہیں چاہتا مگر۔“ وہ رکا، ہلکا سا مسکرایا۔ ”تم نے کمال کر دیا۔“ یہ تعریف، یہ ستائش ہر دوسری تعریف پر بھاری تھی نہ جانے کیوں؟

★★★★★★

دو روز بعد!

(”مجھے اچھا لگتا ہے جب کہانی میں ٹھہراؤ آ جائیں۔“ قصہ گو کی قاری کچھ پر سکون تھی۔ وہ مسکرایا۔

"میری کہانی اور ٹھہراؤ دو الگ الگ معاملے ہیں۔"(

کانچ کی دیوار کے پار آج وہ جیل میں پہلی بار عالمگیر سے ملنے آیا تھا۔ اس کی باری آتے آتے ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا تھا اور بلاآخر ٹیلیفون اسے تھما دیا گیا۔ دوسری طرف بیٹھا عالمگیر سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں کوئی کاٹ تھی جو اسلان اپنے وجود کے اندر تک اترتے ہوئے محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے بغور عالم کو دیکھا اور کچھ کہنے کو لب وا کیے۔ "میں نے۔۔۔۔۔۔۔۔"

"خاموش!" عالم نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ "تم پورے دو دن سے "اسے" دیکھنے نہیں گئے، اسلان۔ پورے دو دن۔۔۔۔۔۔"

(اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھیں پھیل گئیں اور وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہ سکی۔

قصہ گو نے شانے اچکائے۔ "میں نے ٹرگر وارننگ دی تھیں۔" وہ اس وقت اس کی ٹرگر وارننگز پر دونوں ہاتھوں سے لعنت بھیجتی تھی۔)

"وہ ایک انسان ہے اس کی سانسیں چل رہی ہیں تم اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو، اسلان؟" اسلان نے متوحش انداز میں اسے دیکھا کچھ کہنے کو لب کھولے مگر الفاظ حلق سے باہر نکلنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ "یہ مت بھولو کہ وہ دنیا کی نظر میں مرا ہے اصل میں وہ زندہ اور قید ہے میں اسے "ہماری" قید میں مرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں ایک قتل کا بوجھ نہیں ڈھو سکتا۔" عالمگیر چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔

"میں وہاں نہیں جاؤں گا۔" الفاظ غراہٹ کی صورت اس کے لبوں سے آزاد ہوئے چہرہ سفید پڑ چکا تھا ایسے جیسے کسی نے چونا پھیر دیا ہو۔ "آپ اس کی نظروں کا گلا نہیں دیکھتے ہو میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے وہ عورت نہیں دیکھی جو اس کے لیے روتی ہے میں اسے دیکھتا ہوں، میں ایسا نہیں ہوں میں کسی کو قید کر کے کیسے رکھ سکتا ہوں؟"

"وہ کسی تمہاری زندگی تباہ کر سکتا تھا۔" عالم سختی سے بولا، اس کا چہرہ تنا ہوا تھا۔ اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو کر دیتا یہ کوئی جھوٹ نہیں تھا۔ جو میں نے کیا ہے مجھے اس کا ہرجانہ ہر حال میں بھگتنا ہوگا۔" وہ رکا، الفاظ مجتمع کیے۔ "آپ کو لگتا ہے آپ نے مجھے بچا لیا ہے آپ غلط ہو عالم، آپ نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔"

"تم تک آنے والا ہاتھ روکنا میرا فرض ہے۔ ہم نے بہت جھیلا ہے اب اور نہیں۔ میں تمہیں موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتا تھا۔" اس کے لہجے میں کوئی عاجزی سی تھی۔ "مرد اپنے کیے کو سدھارتے ہیں اس پر گلٹی نہیں ہوتے، اسلان۔"

"وہ اس زندگی کا حقدار نہیں۔ اسے دیکھتا ہوں تو خود سے گھن آتی ہے۔ مجھے خود سے شرم آتی ہے، عالم۔"

"ملاقات کا وقت ختم۔" ایک افسر نے آکر عالم کا بازو تھاما۔ عالم اسے نہیں دیکھ رہا تھا اس کی نظریں اسلان پر تھیں۔ وہ اسے اس طرح چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔

"یہ سب وقتی ہے آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا تم اس کے پاس جاؤ جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا بس اس کا زندہ رہنا ضروری ہے۔"

"اسے خاموش کروانے کے اور بھی طریقے تھے۔" وہ ہنوز معترض تھا۔ "کسی کی محبت اور آزادی پر ہمارا اختیار نہیں تھا۔"

"(کیا تم پھر میرے دماغ کے ساتھ کھیل رہے ہو؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا اس وقت اسے کیا ردعمل دینا تھا۔

قصہ گو نے معصومیت سے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہی میرا ذریعہ معاش ہے اور میں اسی میں ملکہ رکھتا ہوں۔)"

افسر اسے گھسیٹ رہا تھا، عالم کا بس نہیں چلتا تھا اسلان یمن کو یہیں زندہ گاڑھ دے، یا پھر اس کے اندر سے یہ دل نکال کر ایک سیاہ لو تھڑا اندر رکھ دے۔ وہ ترتیب شدہ کھیل بگاڑ رہا تھا۔ یا اللہ۔۔۔۔۔ وہ اس کا کیا کرے؟

"اسلان اگر تم پلان سے ایک انچ بھی ہلے تو خدا کی قسم میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" عالم کی غراہٹ وہ سن سکتا تھا اس کا سرخ چہرہ وہ دیکھ سکتا تھا ملاقاتی کمرے میں وہ گھٹنوں کے بل گر گیا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اس کے دل مس جیسے میخیں گڑھ گئی تھیں۔ اپنے گناہ چھپانے کو اس نے کسی سے اس کی زندگی، محبت، آسائش اور آزادی کیسے چھین لی؟ وہ اس وقت نرم دلی کا فریب رچا رہا تھا مگر اسے قید کرنے والا تو وہی تھا، اس کی کاٹ دار نگاہیں اسے ازبر تھیں وہ انہیں نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر اسے روز دیکھنا پڑتا تھا۔

کوئی اسلان یمن جتنا سیاہ کار کیسے ہو سکتا ہے، وہ خود سے جواب چاہتا تھا۔

★★★★★★★

سکرین ٹکڑوں کی صورت بٹ چکی تھی۔

انارا طارون موبائل کان سے لگائے بیٹھی تھی جب اسے دوسری طرف زید کی مدھم آواز سنائی دی۔ "کیا ہم مل سکتے ہیں؟" وہ جواب نہیں دے سکی۔ دوسری طرف وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کیوں، کیوں انارا طارون اس کے لیے ایک مختلف عورت بن گئی تھی، کیوں وہ مدیحہ کو چھوڑ اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا، کیا وہ دمیر کی بات مان گیا تھا؟

سہراب یمن ایک نقطے پر منجمند تھا۔ اگر پرویلج کلر نہیں تو پھر کون؟ سکرین پر لگی اس کی تصویر الجھے ہوئے افسر کی تھی۔ ہر راستہ بند، ہر راہ مسدود۔

"اس پر نظر رکھیں۔" جیل میں بیٹھا عالمگیر موبائل پر کسی سے کہہ رہا تھا۔ "وہ چیزیں بگاڑ دے گا میں چاہتا ہوں آپ میری مدد کریں۔" سکرین پر لگا اس کا چہرہ مضمحل پن کا ثبوت تھا۔

اسلان یمن ایک بار پھر "اس" کے سامنے تھا اسے یہاں آنے سے نفرت تھی، اسے اس شخص کی آنکھوں کے طنز سے نفرت تھی۔ اسے اس سچ سے نفرت تھی کہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ اس شخص کو آزاد نہیں کر سکتا۔ اسے خود سے نفرت تھی کیونکہ اپنا آپ بچانے کے لیے اسے یہ کرنا ہی پڑا تھا۔

"تم غرق ہوگے، اور میں تمہیں غرق ہوتے ہوئے دیکھوں گا۔" اسیر نے کہا اور زندان کا مالک بس اسے دیکھ سکا۔ سکرین پر لگا اس کا چہرہ رنج اور ملال میں ڈوبے ایک بے بس مہرے کا تھا۔ سیاہ اور سفید نہیں بے رنگ۔

وہ آگے آیا۔ عین اس کے سامنے۔ "میں شرمندہ ہوں، مگر نیک نہیں۔ تمہاری آزادی میری قید ہے اور میں خود پر تمہیں برتری نہیں دے سکتا۔"

"تم ایک شیطان ہو۔" وہ اسلان یمن کو دیکھ کر غرایا۔ اسلان نے خاموشی سے انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی مسلی اور بس ایک لفظ کہا۔

"اوکے۔"

★★★★★★★

"اور پھر تم کہتے ہو میں کہانی کار کا یقین کروں؟" وہ پھٹ پڑی۔ قصہ گو نے شانے اچکائے۔

"قارئین سے سچ کہنے لگیں تو ہم کہانی کس کے سامنے گڑھیں؟" صاف ظاہر تھا وہ اس نئے قصے سے محظوظ تھا۔

★★★★★★

باب نمبر پانچ: حصہ دوم

افہام و تفہیم

”تم بوجھل لگ رہی ہو۔“ قصہ گو کو اپنے قاری کی فکر لاحق ہوئی۔

”بعض دفعہ ہم کچھ کرداروں سے اس قدر جڑ جاتے ہیں کہ ان کی تکلیف اپنی تکلیف لگنے لگتی ہے۔ ان کی خوشی ہماری اپنی خوشی مجھے اس وقت میرے پسندیدہ کرداروں کی تکلیف پر دکھ ہو رہا ہے۔“

اور تم ”ہارے پسندیدہ کردار کون ہیں؟“ قاری نے ایک سخت گھوری اس پر ڈالی۔

” مجھ پر اس وقت جذبات طاری ہیں مگر اتنے بھی نہیں کہ میں ایک لکھاری کو اپنا پسندیدہ کردار بتا دوں۔“

”اس میں حرج ہی کیا ہے؟“ اس نے احتجاج کیا۔

” حرج یہ ہے کہ چند اقساط بعد مجھے کردار کی لاش ملے گی اور میں اس وقت اپنے دل میں پہلے ہی کئی کرداروں کا غم لیے بیٹھی ہوں مزید کی گنجائش نہیں تم کہانی آگے بڑھاؤ۔“ تحکم سے کہا۔

لکھاری اسے دیکھ کر رہ گیا، یہ اندر کے راز کون کھول رہا تھا؟

★★★★★★★★

” مجھے تمہاری شکل نہیں دیکھنی۔“ قیدی طیش سے غرایا تھا۔

اسلان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔ ہاتھ، پیر گلا سب قید۔ اس کے منہ پر ہمہ وقت ٹیپ لگا رہتا تھا جسے وہ آتے ہی اتار چکا تھا۔ وہ روز اسلان کو گالیاں دیتا، بکتا، جھکتا، روتا بہت روتا اور پھر چپ ہو جاتا۔ ابھی اس کا غصہ تھا اسلان چپ چاپ اس کا غصہ اترتے دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ کھانے کے ڈبوں سے کھانا نکال رہا تھا، گردن جھکی تھی انداز بے نیاز۔

”مارتے کیوں نہیں ہو مجھے۔ ڈرتے ہو کہ میں ساری دنیا کو بتا دوں گا کہ تم کن کن کاموں میں ملوث رہے ہو۔ تمکنت بنگش کے اشارے پر کیا کیا کرتے رہے ہو۔ میں ایک بار یہاں سے نکل جاؤں میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ میں تمہارے ساتھ جو کروں گا ساری دنیا دیکھے گی۔“

اسلان نے گہری سانس لی، کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ ”اوکے!“

قیدی چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا، پھر وہ دھیما پڑا۔ ”اسلان! پلیز مجھے یہاں سے نکالو مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے یہاں میری ایک زندگی ہے میرا گھر ہے اور وہ۔۔۔۔۔“ یکدم اس لڑکی کے خیال پر وہ تھم گیا۔ ٹھہرا تو اسلان بھی تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ در آیا بہت دیر بعد ہلکی، بے حد ہلکی آواز میں اسلان نے اسے کہتے سنا۔ ”وہ کیسی ہے؟“

اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ ”ٹھیک ہے۔“ کہتے ہوئے گردن جھکائے رکھی۔

”مجھے یاد کرتی ہے؟“

”بہت!“

”اسے بتاؤ میں بھی اسے یاد کرتا ہوں۔“ یہ طیش اور رنج نہیں تھا یہ خالص التجا تھی۔ اسلان چپ چاپ کھانے کے پیکٹ سے کھانا باہر نکالنے لگا۔ ”میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا اسے لے کر یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا دوبارہ تمہاری زندگی میں کبھی بھی نہیں آؤں گا پلیز مجھے جانے دو۔ اس کی آنکھوں میں اب آنسو چمک رہے تھے۔“

اسلان نے گردن جھکائے رکھی چاول نکالنے کے بعد اب وہ سالن نکال رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا جس سے پتا چلتا کہ اس کے اندر کیا چل رہا ہے۔ ”تم مجھے سن رہے ہو یا نہیں؟“

”اگر تم "اس" کے بارے میں کچھ سننا چاہتے ہو تو خاموش رہو اور اگر تم نے مجھے مزید ایک گالی دی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا اور تم مزید ایک دن بھوکے رہو گے۔“ اسلان یمن نے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا۔ ”تعاون کرو، تاکہ تمہارے ساتھ تعاون کیا جائے۔“

”مجھے کچھ نہیں چاہیے مجھ سے اس کی بات کرو میں اس کے بغیر یہاں مر جاؤں گا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ کھانے کی پلیٹ دونوں کے درمیان رکھی تھی۔ اسلان نے ذرا سا سالن چاولوں پر ڈالا، انہیں اچھی طرح مکس کیا اور نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا۔

”وہ ٹھیک ہے۔ تمہیں یاد کرتی ہے، روتی ہے پھر کچھ وقت بعد سنبھل جاتی ہے۔ میرا خیال ہے چند ماہ تک یہی ہو گا پھر وہ تمہیں بھول جائے گی۔“ سادگی سے کہہ کر نوالہ اس کی طرف بڑھایا جسے اس نے چپ چاپ کھا لیا۔ چند آنسو ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ ”باقی سب بھی ٹھیک ہے کچھ دن تک سب تمہیں بھول جائیں گے۔“ ایک اور نوالہ اس کی طرف بڑھایا۔

”کیا میں یہیں مر جاؤں گا؟“

”نہیں اب میں اتنا بھی ظالم نہیں۔ تمھیں نکال لوں گا بس تھوڑا سا وقت دو، پھر تم یہاں سے دور چلے جانا۔“

”کتنا؟“ اس نے بے بسی سے پوچھا۔ اسلان نے نوالہ زبردستی اسے کھلایا۔

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔“ اسلان نے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا، مگر اس کے آنسو بہہ نکلے وہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا اور بلند آواز میں رونے لگا۔ سر پر ہاتھ رکھے وہ بھرپور مرد ہچکیوں سے رو رہا تھا۔ اس کی تکلیف بس وہی جانتا تھا۔

”خدا تم سے پوچھے گا تم میرے ساتھ جو کرتے ہو خدا تمہیں بھی وہی لوٹائے۔“ اسلان نے ظاہر نہیں کیا مگر وہ اندر تک لرز گیا تھا۔ بظاہر وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا مگر دل میں کہیں کوئی چنگاری جل چکی تھی۔ وہ نوالے اب اس کے منہ میں ٹھونستا جا رہا تھا انداز میں جارحیت تھی۔ وہ دو دن کا بھوکا تھا اسے کھانا پڑا۔

”تمھیں خدا سے ڈر نہیں لگتا، اسلان؟“ اسے کھانا کھلا کر وہ اٹھا تھا جب قیدی نے اسے پکارا۔ اسلان نے مڑ کر اسے دیکھا چند پل دیکھتا ہی رہا پھر ہلکی آواز میں جواب دیا۔

”بہت لگتا ہے۔“

”اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر سیاہ کر رہے ہو۔“

”میری زندگی کا رنگ بھی وہی ہے، اب میں اسی کا عادی ہوں مجھے قبر کے اندھیروں سے نہ ڈراؤ۔“ وہ واپس اس تک آیا التجا کرتی نگاہوں میں اپنی سرد نگاہیں گاڑیں اس کے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھے اور منہ پر ایک بار پھر ٹیپ لگا دیا۔ اس کی آزادی اسلان یمن کی موت تھی۔ اس سے زیادہ نرمی وہ برت نہیں سکتا تھا، اس سے زیادہ کا اہل وہ سامنے والے کو سمجھتا ہی نہیں تھا۔

★★★★★★

شام اتر رہی تھی۔ جیل کے احاطے میں قیدی اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ عالمگیر یمن ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ بڑھی داڑھی، مرجھایا چہرہ اور کہیں گم آنکھیں۔ ہاتھ میں کتاب تھی جس کے اوراق وہ بے دھیانی میں پلٹ رہا تھا۔ سب قیدیوں میں وہ سب سے سلجھا اور صاف نظر آتا تھا۔ عقب سے عاقب کی مدھم آواز آ رہی تھی، جو کل کی مار کا قصہ سنا رہا تھا، کہ رہبر آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ”کیا حال ہیں؟“ وہ شوخی سے پوچھ رہا تھا۔ ”آج کل کوئی پھڈا نہیں، کوئی فساد نہیں۔ کیا ہو گیا ہے ویرے؟“

عالم نے ناک سے گہری سانس ہوا کے سپرد کی۔ ”کیا یار عالم کہیں زبان گھر تو نہیں چھوڑ آئے؟“ عالم اب بھی کچھ نہیں بولا۔ قید چاہے کوئی بھی ہو، کسی بھی قسم کی ہو انسان کو وقت اور تنہائی دیتی ہے اور وقت اور تنہائی کے درمیان انسان پر سوچیں آن وارد ہوتی ہیں۔ یہی سوچیں اسے ماضی کے گرداب میں پھینک دیتی تھیں اور آج کل تو یوں بھی اسے وہ تینوں عورتیں بہت یاد آتی تھیں، وہ تینوں جن کے ساتھ اس کی زندگی کے یادگار لمحات گزرے تھے، جنھیں وقت اور قدرت نے اس سے دور کر دیا۔ آج بہت وقت بعد اسے ثمن یاد آ رہی تھی۔ اس کی پہلی بیوی عبیر کی ماں، اپنی ماں کے بعد اس کی زندگی کی سب سے معتبر عورت، جس نے عالم کی متزلزل زندگی کو سنبھال لیا تھا۔

وہ دونوں عالمگیر کے دفتر کی طرف سے کسی آفیشل ڈنر میں مدعو تھے۔ ثمن گو کہ انکار کرنا چاہتی تھی مگر عالم کی تیاریاں دیکھ کر وہ خاموشی سے تیار ہو گئی اور اب واپسی پر وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ گاڑی چلا رہا تھا۔ رفتار تیز تھی اور اس کے تاثرات بھنچے ہوئے۔

”تم گاڑی کو ہوائی جہاز سمجھنا کب چھوڑو گے؟“ وہ متاسف سی اسے دیکھ رہی تھی۔ گہرے سبز رنگ کے کامدار جوڑے میں ملبوس، بالوں کو کرل کیے، ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ وہ کافی خوبصورت لگ رہی تھی۔ ماں بننے کے بعد اس کے چہرے پر آنے والا نکھار بھی الگ ہی تھا۔ وہ عالم سے چھ سال بڑی تھی اس سے کہیں زیادہ بُردبار اور شائستہ۔ تاجور کے بعد ثمن سے شادی کا فیصلہ گو کہ جلدی میں ہوا تھا مگر وہ اپنے اس فیصلے سے بے حد مطمئن تھا۔

”تم ڈر رہی ہو؟“ اپنا سارا طیش ایک طرف رکھتے اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”گاڑی کی تیزی سے نہیں، تم سے ہاں!“ عالم نے الجھ کر اسے دیکھا۔ ”تم بہت جلد باز ہو، عالم۔ مرد ایسے نہیں ہونے چاہییں۔“

”اچھا؟ یعنی اب تم ایک آئیڈیل سٹینڈرڈ بتاؤ گی جس پر مجھے پورا اترنا ہو گا، تب جا کر میں ایک آئیڈیل مرد کہلاؤں گا؟“ ثمن کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔

”تم one dimensional ہو۔ ایک چیز پر اڑ جاؤ تو اڑ ہی جاتے ہو میرا لفظ "مرد" غلط تھا لیکن یہ معیار ہر انسان کے لیے ہونا چاہیے کسی بھی دوستی یا دشمنی میں بالکل اندھا نہیں ہو جانا چاہیے آس پاس بھی دیکھا کرو۔ آج بھی مسٹر نقوی سے بحث کرتے ہوئے تم نے صبر کھو دیا تھا اور کتنی تلخ باتیں کہہ دیں، کچھ اداکاری سیکھو یار سامنے والے کی بات پسند نہ بھی آئے تو کبھی کبھار مسکرا دو، کبھی پسند آ بھی جائے تو کھل کر اظہار نہ کرو تم حد سے زیادہ

ریشنل ہو۔" اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تھا یا نہیں وہ نہیں جانتا تھا البتہ اس نے ثمن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ سارا اضطراب تھم گیا۔

"تم نہ ہوتیں تو میرا کیا ہوتا؟"

"میرے ہوتے ہوئے بھی تمہارا کچھ نہیں ہو رہا، عالم۔" وہ ہنس پڑا، ساتھ اس کا ہاتھ لبوں سے لگا یا۔ وہ اس عورت سے محبت کرتا تھا یا نہیں یہ اسے نہیں پتا تھا مگر وہ اس کا احسان مند تھا۔ ثمن کے بعد وہ عورت ذات کا قرض دار ہو گیا تھا ہوتی ہیں کچھ عورتیں سمیٹ لیتی ہیں، جوڑ لیتی ہیں وہ بھی انہی میں سے ایک تھی۔ بہت دیر بعد ثمن نے اسے کہتے سنا۔

"میں خود کو کسی کے لیے بدل نہیں سکتا، ثمن۔ میں نے ایسا ہی بچپن گزارا ہے بے دھڑک، جوانی بے خوف اور اب ادھیڑ عمری بھی اسی طرح گزاروں گا۔ دنیا مجھے جلد باز کہتی ہے تو دس دفعہ اور کہے۔ لوگوں کو لگتا ہے میں کچھ زیادہ کھرا ہوں تو ہاں میں ہوں اور جن کو لگتا ہے مجھے ناپ تول کر بولنا چاہیے تو انہیں میرا پیغام یہی ہو گا کہ عالم اداکار نہیں۔"

"سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے یہ دنیا اداکاروں کی ہے۔"

"اگر تمہیں میں آج تک اسی دنیا کا لگتا رہا ہوں تو یہ تمہاری غلطی ہے۔" اب کے مسکرانے کی باری ثمن کی تھی۔ "میری بیٹی بھی مجھ پر جائے گی۔" عالم کی اگلی بات پر ثمن گہرا مسکرائی۔

"فی الحال آپ کی بیٹی کی ماں کو کچھ اچھا کھانا ہے گاڑی کسی ریستوران کی طرف موڑیں۔" وہ نشست کے ساتھ سر ٹکا گئی۔ عالم نے بغیر کچھ کہے گاڑی موڑ دی اسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ نقوی صاحب سے تلخ کلامی کے بعد وہ دونوں تقریب سے نکل آئے تھے عالم نے غصہ پیا، طیش کھایا البتہ اس کی بیوی اب تک بھوکی تھی۔

حال میں رہبر کے سامنے بیٹھا شخص اپنا مقابلہ ماضی کے اس شاندار آدمی سے کر رہا تھا جو اب بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ جس کا کیریئر ختم تھا، جس کے جاننے والے اب اس سے کتراتے تھے، جو بدنام زمانہ تھا۔ مرد کا اچھا وقت ساری دنیا کو یاد رہتا ہے مگر اس کا کڑا وقت۔۔۔۔۔۔۔اس کا کڑا وقت تنہا اور تکلیف دہ ہوتا ہے، عالم کا بھی تھا۔

”ثمن درست کہتی تھی میں حد سے زیادہ ریشنل ہوں میں اس رات سوچ کر بھی بول سکتا تھا، میں چاہتا تو تھوڑی دیر رک بھی سکتا تھا جب تک میرا کوئی گواہ بن جاتا۔“ وہ بے حد ہلکی آواز میں ماضی کے خسارے گن رہا تھا۔

”تمہاری بیٹی جل گئی تھی تم کیسے رک جاتے؟“

”میں اگلے دو گھنٹے "اس" کے ساتھ بھی تو رکا تھا۔“ وہ روانی میں کہہ گیا اور اگلے ہی لمحے اسے اپنی حماقت کا احساس ہو چلا تھا۔ رہبر اب مشکوک، الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”کس کے پاس؟“

”کسی کے پاس نہیں اپنے کام سے کام رکھو تم!“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ تیز تیز قدم لیتا وہ راہداری میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ "اس" کے ساتھ رکنے پر شرمندہ نہیں تھا ہاں مگر اس کے کئی اور پچھتاوے ضرور تھے، قید اسے کھا رہی تھی۔

★★★★★★★

سپورٹس کلب میں کھٹ کھٹ کا شور تھا۔ گرما گرم کافی کی خوشبو آس پاس پھیلی ہوئی تھی، باتوں اور مختلف کھیلوں کی ہلکی ہلکی آوازیں خاموشی کا واحد ارتعاش تھیں۔ جالیوں نے درمیان میں فاصلہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ دونوں جس کورٹ میں موجود تھے وہاں سکوت تھا۔ ان کی دائیں اور بائیں جانب لوگ بیڈمنٹن کھیل رہے تھے کھٹ کھٹ کی آواز بھی وہیں سے آ رہی تھی۔ آمنے سامنے بیٹھے دو لوگ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" انارا طارون نے آس پاس دیکھتے ہوئے استفسار کیا، یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ شاہ ویر سے ملا کرتی تھی۔ سپورٹس کلب، ان دونوں کی پسندیدہ جگہ۔

زید نے شانے اچکائے۔ "تم شاہ ویر کے ساتھ یہیں آتی تھی نا؟"

"ہم یہاں کرکٹ یا پھر بیڈ منٹن کھیلتے تھے اس وقت ہم دونوں ان میں سے کوئی کام نہیں کر رہے۔"

"ہم دونوں کے خاندان کر رہے ہیں۔ انڈیا پاکستان کی طرح لڑ رہے ہیں، آسٹریلیا اور انگلینڈ کی طرح درمیان میں رنجش ہے، ہم دونوں کے کھیلنے کو کچھ رہ ہی نہیں گیا۔" وہ کچھ طنزیہ انداز میں بولا۔ "میں نے تمہیں یونہی بلوالیا مجھے لگا ہمیں ملنا چاہیے۔"

"میں تم سے ملنے نہیں آئی، زید۔" آراہ نے درمیان میں اسے ٹوکا لہجہ سخت تھا۔ "شاہ ویر سے ملنے کی ایک وجہ تھی اور تم سے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے خاندان کے دشمنوں کے خلاف نہیں ہوں۔ جو کہ میں ہوں۔"

"آراہ۔" اس نے مدھم لہجے میں پکارا۔ "مام جو کر رہی ہیں میں اس کے خلاف ہوں۔ تمہارے خاندان سے اختلاف ہیں تم سے نہیں، میں اپنے خاندان کے ایک ایک عمل پر شرمندہ ہوں۔"

اس کے لب طنزیہ مسکراہٹ میں ڈھلے، بھنویں سختی سے جڑ گئیں۔ "میرے خاندان کو اگر تم سے اختلاف ہیں تو مجھے بھی ہیں۔" ٹھک ٹھک کی آواز تیز تر ہوتی چلی گئی دائیں طرف والے کورٹ میں کھیل تیزی میں آگیا تھا۔ یہی تیز طرار سا تاثر یہاں اس کورٹ میں بھی پھیل گیا، محض آراہ کی جانب سے۔

"اگر تم واقعی میرے خلاف ہو تو پھر تم یہاں کیوں ہو؟"

”شاہ ویر کی ڈیتھ سے پہلے میں نے اس کے بارے میں تم سے ایک بات کی تھی تمہیں یاد ہے؟“ آراہ نے نگاہیں اس کی نگاہوں میں گاڑھ دیں مگر وہاں کوئی تاثر نہیں تھا نہ لاعلمی، نہ چونک جانا، نہ طیش نہ کچھ اور۔

”میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”وہ کوئی عام بات نہیں تھی، زید۔“

”ٹیل می کس کس کو وہ غیر معمولی بات بتائی ہے تم نے؟“ اس کا لہجہ قدرے بلند تھا۔

”کسی کو نہیں کیونکہ مجھے لگا تھا تمہیں بتانا کافی ہو گا۔“ اس کے انداز میں کوئی ٹھیس سی تھی۔ زید اٹھ کھڑا ہوا۔ طیش سے ایک دو چکر لگائے اور واپس اس کے سامنے آکر بیٹھا۔

”ہم یہ باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ ہمارا خاندان، ان کے مسائل، ان کی دشمنی اور شاہ ویر اس سب کے علاوہ بھی تو کوئی بات ہو سکتی ہے۔“

وہ ٹھٹکی، چونکی۔ ”کیسی بات؟“

”ہماری بات!“ آراہ کو لگا اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو وہ شاہ زید سے اس قسم کی کسی بات کی توقع کر ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے شاہ زید کی نگاہوں میں کوئی نیا پن تھا، انارا طارون کی آنکھیں ششدر تھیں۔

”انارا طارون؟“ پاس والے کورٹ سے آواز آئی کوئی خوشگوار سی حیرت لیے اسے پکار رہا تھا۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا آراہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ ”تم یہاں؟ ایک میچ ہو جائے؟“

"نہیں۔" آراہ کی جگہ شاہ زید نے جواب دیا۔ آنکھیں آراہ کی آنکھوں میں گاڑے رکھیں، یوں جیسے وہ کچھ اور دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ "یہ میرے ساتھ ہیں، میرے ساتھ جائیں گی اگر کھیلنا ہو تو میرے ساتھ کھیلیں گی۔" اس کے لہجے سے اگ کی سی حدت آ رہی تھی آراہ کو اپنا آپ جھلستا محسوس ہوا اسے یہاں آنا اپنی سب سے بڑی غلطی لگی یہ شاہ ویر سے بے حد مختلف تھا۔ "ہماری بات کریں؟"

"کون سی بات؟" اس نے اپنا پرس دبوچا، اسے زید سے خوف آیا۔

"کوئی بھی۔ اس روز لعل یمن میں تم سے بدتمیزی کرنے کی معافی۔" وہ رکا۔ "تم شاہ ویر کی فیورٹ تھی، میں تمہارے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟" انارا کی رکی سانس بحال ہوئی۔ اوہ خدایا وہ اپنے بھائی کی وجہ سے شرمندہ تھا، اور ایک لمحے کو اس کا ذہن کیا خرافات سوچنے لگ گیا تھا۔ اس نے بہ دقت گہرا سانس لیا۔

"آئی ایم سوری، آراہ۔"

"بس یہی بات تھی۔" لمحے بھر کا توقف۔ "ہماری بات؟"

شاہ زید نے لاعلمی سے اسے دیکھا۔ "اور کیا بات ہو سکتی ہے؟" وہ ڈھیروں ڈھیر شرمندہ ہوئی۔ شاہ زید کبھی اس کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔ یکدم اس کے آس پاس پھیلی تناؤزدہ فضا زائل ہوئی۔

"مجھے اب چلنا چاہیے!" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زید اس کے ساتھ اٹھا۔ "مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں زید لیکن جو بات میں نے تم سے کہی تھی اس پر ایک دفعہ پھر غور ضرور کر لینا۔ میں صرف اسی لیے تم سے ملنے آئی تھی۔"

زید نے سر ہلا دیا۔ "تم اور میں دوست ہیں نا آراہ؟"

”دوست نہیں، مگرہاں ہماری اچھی بات چیت ہے۔“

”مدیحہ مجھے چھوڑ رہی ہے۔“اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے صفائی سے جھوٹ کہا۔”کیا تم مجھے کوئی مشورہ دے سکتی ہو؟“آراہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکی،اسے حیرانی ہوئی تھی۔

”تم دونوں تو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟“

”اس نے کہا تھا وہ کرتی ہے میں نے اس کی پیش قدمی قبول کر لی اب وہ پیچھے ہٹ رہی ہے سمجھ نہیں آتی کیا کروں۔شاہ ویر ہوتا تو اس سے مشورہ مانگتا یہ تھی وہ دوسری "ہماری بات "میں کیا کروں آراہ؟“چند سیکنڈ لگے تھے اور وہ پوری طرح زید کی پچھلی بات سے بے فکر ہو گئی۔ورنہ ایک لمحے کو تو اس کا دل بیٹھ سا گیا تھا اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر اس کا موبائل بجنے لگا۔اس نے جھک کر پرس سے اپنا موبائل نکالا۔

”میں تمہیں ٹیکسٹ کروں گی زید ابھی مجھے نکلنا ہو گا۔“

”میں گھر چھوڑ دوں؟“

”نہیں میں خود چلی جاؤں گی اور دوبارہ مجھے اس طرح کہیں ملنے مت بلانا،اول تو میں اچھے مشورے نہیں دیتی، دوئم مجھے اس طرح ملنا ملانا پسند نہیں ہے۔“

”کبھی کبھار میں تمھیں ٹیکسٹ کر لیا کروں؟“

”میرا دل کیا،اور اگر تمہاری بات اس قابل ہوئی تو جواب دوں گی۔“اس کا لہجہ ہنوز بے لچک اور دوٹوک تھا زید کو تحیر نہ رہا،شاہ ویر اگر اس پر جان دیتا تھا تو وہ اس قابل تھی۔”میں جس مقصد کے لیے آئی تھی تم اسے بھولے بیٹھے ہو پھر ملنے کا کوئی فائدہ نہیں۔تمہیں بھائی مبارک!“

وہ کہہ کر چلی گئی۔شاہ زید اس کے عقب میں کئی منٹ تک چپ چاپ کھڑا اس کی ہیل کی ٹک ٹک سنتے اس کی پشت کو تکتا رہا بہت دیر بعد اس نے موبائل نکالا اور اب اس کی انگلیاں ایک میسج ٹائپ کر رہی تھیں۔""اس" کا پتا کرواگر وہ زندہ ہے تو گھسیٹ کر لاؤ اور اگر وہ مر گیا ہے تو مجھے اس کی لاش دیکھنی ہے میں جاننا چاہتا ہوں میرا بھائی ساتھ کیا راز لے گیا ہے۔" اس کا انداز اٹل اور کھوجی تھا،اسے جلد از جلد "اس" کا پتا چاہیے تھا۔مگر سوال یہ ہے "وہ" کون؟

★★★★★★★

" اس نے تمہارے لیے کیا ہی کیا ہے؟"شجاع موبائل پر کہہ رہا تھا۔اس کی آواز بلند اور تضحیک میں ڈوبی تھی۔"میں تمھیں ایک بہترین مستقبل دینا چاہتا ہوں اس ملک میں رکھا ہی کیا ہے جہاں تم جھک مارنا چاہتے ہو سہراب نے تم پر جادو کر دیا ہے؟"

"آپ کا ہو گیا ہو تو میں کال کاٹوں؟"اسلان نے اکتاہٹ سے کہا۔

"یہ ----یہ ٹون ہے اس ٹون میں تم باپ سے بات کرو گے؟میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا،اسلان۔"

"اوکے!"

"تم نیویارک آ رہے ہو اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"اچھا؟" شجاع کھول رہا تھا،اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اسلان کو زندہ گاڑھ دے۔"ڈیڈ بات سنیں اگلی بار آپ مجھے دھمکانے کے لیے کچھ نئے ڈائیلاگز سیکھ لو تو فون کرنا ورنہ میں کال نہیں اٹھاؤں گا۔"اس نے کھٹاک سے فون بند کیا اور اپنی دائیں طرف بیٹھے سہراب کو دیکھا جو اسی پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔

”بھائی کہہ رہے تھے تم ان کے پاس ہی آؤ گے کیونکہ شاید تم بھول رہے ہو پاکستان میں تمہارا کوئی مستقبل نہیں۔“اس نے خبرنامے کے انداز میں پڑھ کر سنایا۔”اور یہ کہ تم جیل بھول گئے ہو۔“ یہ لفظ تھپڑ کی طرح اسلان یمن کے منہ پر آکر لگے کیا وہ کبھی جیل بھول سکتا تھا؟

”ڈیڈ نے کہا کہ آپ اپنی اولاد کے بعد مجھے نکال دو گے؟“اس نے بھی سہراب ہی کے لہجے میں شجاع کے الفاظ اس تک پہنچائے۔جملہ تھا یا کیا،سہراب کو کیا کیا یاد نہیں آیا؟ بغیر کوئی تبصرہ کیے وہ دونوں ٹی وی دیکھنے لگے،دونوں کے درمیان اب خاموشی کا طویل وقفہ تھا،دونوں کچھ سوچ رہے تھے،کیا؟

”کیا اسلان اپنی قید بھولا تھا؟“

نہیں۔۔۔۔۔ہرگز نہیں۔اسے آج بھی وہ دن یاد تھا وہ اس دن کو بھول بھی کیسے سکتا تھا؟اس رات سردی نہیں تھی،مگر وہ پھر بھی کپکپا رہا تھا۔اسلان یمن تھانے کے فرش پر سکڑا سمٹا بیٹھا تھا دونوں ٹانگیں سینے سے لگائے وہ ٹکر ٹکر اپنے اطراف میں دیکھ رہا تھا جب کوئی سپاہی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔اسے کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کیا اور چند پل بعد وہ کسی کمرے میں تھے۔میز کے گرد دو کرسیاں،سر پر جھولتا بلب اور ایک کرسی پر بیٹھا وہ کرخت چہرے والا پولیس افسر۔اسلان نے جی کڑا لیا،اسے کمزور نہیں ہونا تھا یہ ماحول نیا نہیں تھا مگر مجرم کی اس کرسی پر وہ آج پہلی بار بیٹھا تھا۔افسر چند پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اچانک اٹھا اور ایک تھپڑ اسلان کے چہرے پر دے مارا وہ تیار نہیں تھا لڑکھڑا کر کرسی سے گرا۔کہنیوں کے بل فرش پر گرے وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا اسے اپنے حقوق یاد تھے،کوئی اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا پھر یہ کیا تھا؟

افسر گھوم کر سامنے آیا اور بھاری بوٹ کی ایک لات اس کے منہ پر رسید کی،اس کا دماغ تک سنسنا اٹھا۔”آپ مجھے مار نہیں سکتے سر۔“سہراب یمن کا بھتیجا تھا قانون کا ہر نقطہ اس کے خون میں تھا۔”دوبارہ مجھ پر ہاتھ مت اٹھایئے گا۔“افسر گھٹنوں کے بل اس کے سامنے آکر بیٹھا اسے گدی سے پکڑ کر چہرہ اپنے سامنے کیا۔

”تم قانون بتاؤ گے، تم بتاؤ گے مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟“ گریبان سے پکڑ کر اسے کرسی پر پھینکنے والے انداز میں واپس بٹھایا۔ اسلان نے پلکیں نہیں جھپکیں وہ اسے تکتا رہا۔ وہ اندر سے خوف زدہ تھا، باہر کوئی خوف آنے نہیں دیا۔ ”خود جو تم نے کیا ہے اس کا کیا؟“ وہ اسلان کا بازو کرسی سے گزار کر عقب میں لے جاتے ہوئے دبوچ رہا تھا۔ ”لڑکی کہاں ہے؟“

”میں۔۔۔ نہیں۔۔۔ جانتا۔“

”کیا کیا ہے اس کے ساتھ ریپ کیا ہے، کہیں بیچا ہے یا کسی کے ساتھ بھگا دیا ہے بول کہاں ہے لڑکی؟“ وہ اسی طرح اس کا بازو پوری طرح موڑے ہوئے تھا اسلان یمن کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا، گردن اور چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا وہ کراہ روکنے کے چکروں میں برداشت کی اعلیٰ حدوں کو چھو رہا تھا۔

”مجھے نہیں پتا۔“

”اس کی آخری کال تمہیں آئی تھی، اس کے تمام مسائل تم سے تھے اس کے بوائے فرینڈ تم تھے اور تم ہی نہیں جانتے اس کے ساتھ کیا ہوا کہاں ہے وہ؟“ افسر نے کرسی کو ٹھوکر ماری وہ ایک بار پھر فرش بوس ہوا، آنکھیں میچتے ہوئے کئی قطرے آنکھوں سے نکل کر فرش پر بہہ گئے۔ ضبط ٹوٹ گیا تھا۔

”بتا لڑکی کہاں ہے کیا کیا ہے اس کے ساتھ؟“ وہ اب جوتے کی ٹھوکروں سے اسے پیٹ رہا تھا اسلان چپ چاپ مار کھاتا رہا وہ نہیں بتا سکتا تھا پنار کہاں ہے، وہ یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی، اس سے یہ بھی نہیں کہا گیا کہ وہ بے قصور ہے یا نہیں، وہ کچھ نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ وہ یہاں اس قید سے نکل سکتا تھا سہر اب اسے نکال لے گا مگر وہ ایک نام لے کر دائمی قید کی نظر نہیں ہو سکتا تھا، کبھی نہیں۔ اسے "بلا" سے خوف آتا تھا۔

”کیا سہر اب واقعی اپنی اولاد کو اس پر فوقیت دے سکتا تھا؟“

اسلان کی گرفتاری کے چند دن بعد!

"مجھے کچھ پیسے چاہیے۔" تھانے جانے سے قبل وہ عالمگیر کے کمرے میں آیا تھا وہ جو آئینے کے سامنے کھڑا کف لنکس لگا رہا تھا اسے لگا اس نے اپنے بڑے بھائی سے کچھ غلط سن لیا ہے۔ سہراب نے کبھی عالم سے کچھ نہیں مانگا تھا پیسے تو کبھی نہیں۔ اس نے ایک نگاہ سہراب پر ڈالی، اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی لباس شکن آلود اور چہرے پر تکان کے آثار عالم نے نگاہ موڑلی۔ اسے موڑنی پڑی۔

"کتنے؟"

"تین لاکھ!"

"اکاؤنٹ میں بھجوا دیتا ہوں۔" اس نے مڑ کر ایک بار بھی سہراب کو نہیں دیکھا عالم اس چہرے پر پشیمانی دیکھنے کا کچھ خاص عادی نہیں تھا۔

"میں واپس کر دوں گا۔"

"میں نے مانگے؟"

"کوئی اچھا وکیل دیکھوں گا کیس زیادہ لمبا نہیں چلنا چاہیے۔" وہ عالم کو بتا رہا تھا۔ لہجہ غائب سا تھا بڑھی ہوئی شیو میں وہ پژمردہ دکھائی دے رہا تھا۔

"وکیل میں دیکھ لوں گا۔"

"نہیں میں خود دیکھوں گا۔" سیاہ سوٹ میں ملبوس عالم اس کی طرف مڑا، اس کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا۔

"مجھ پر اعتبار نہیں؟"

"اسلان کے معاملے میں اپنے علاوہ کسی پر نہیں۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔ نگاہیں اب بھی کچھ عجیب سی ہو رہی تھیں عالم نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھایا خود اس کے ساتھ آکر بیٹھا، اور تفکر سے اسے دیکھا۔

"تم سے کتنی مرتبہ کہا تھا اس کی ذمہ داری مت لو اب پچھتا رہے ہو نا؟"

سہراب نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے تکا۔ "تم عبیر کی پیدائش پر پچھتاتے ہو؟"

"وہ بیٹی ہے میری، میرا خون۔"

"اسلان میرا بیٹا ہے، میرا خون۔ شجاع نے اسے صرف پیدا کیا ہے میں نے اسے سینے پر سلایا ہے، میں اس کے لیے راتیں جاگا ہوں، اس کی آنکھیں میں پڑھ سکتا ہوں وہ اپنے باپ کی جگہ مجھے دیکھتا ہے اس لیے تم مجھے مت بتاؤ خون کیا ہوتا ہے۔ تم میرے پچھتاوے مت گنو وہ آج، کل، قیامت تک میرا اثاثہ رہے گا، اور کچھ نہیں۔"

"مزید کتنا کرو گے اس کے لیے مجھ سے پیسے لو گے، اپنا قرضہ نکلواؤ گے کچھ اپنی اولاد کے لیے رکھنا ہے یا نہیں؟"

"یہ گھر، تمام جائیداد، ساری دنیا سب بیچنے کے بعد اگر میرے پاس میری سانس واحد شے رہی اور اسلان کو اس کی ضرورت ہوئی تو میں سانس نہیں لوں گا، عالم۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا۔ حرف حرف سچ۔ "بات اس پر آجائے تو مجھے کچھ نظر نہیں آتا اور اندھوں کو بینائی دینا انسانوں کے بس کی بات نہیں مجھ پر کوششیں مت کرو۔" عالم نے لب بھینچ لیے، اسلان اس کے لیے کوئی غیر نہیں تھا اسے بھی محبت تھی مگر سہراب سے زیادہ نہیں۔ وہ اپنے بھائی کو اپنی تمام تر متاع یوں لٹاتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ شجاع کی ذمہ داری تھی اسے نبھانی چاہیے تھی۔ "کورٹ جانے سے پہلے اس سے مل کر آؤ۔" جاتے جاتے سہراب نے اس نے کہا۔ "آج یافث کو بھی لے جاؤ اور آراہ کو بھی۔"

”اتنا پیار ہے تو خود کیوں نہیں جاتے اسے دس دن ہو گئے ہیں اور تم ایک بار بھی اس سے ملنے نہیں گئے۔“ سہراب چند پل اسے تکتا رہا، نگاہوں میں یاسیت تھی۔ بہت دیر بعد وہ بولا تو لہجہ بوجھل اور خالی تھا۔

”میں ضبط کھو دوں گا، عالم۔ ابا کا کہا جھوٹ ہو جائے گا۔“ ابا کہتے تھے وہ ان کا سب سے صابر اور دلیر بیٹا ہے اور ۔۔۔۔۔۔ اسلان کے معاملے میں وہ نہیں تھا۔ وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ عالمگیر اپنی جگہ پر منجمند ہو گیا کیا وہ عبیر سے اتنی ہی محبت کرتا تھا؟

حال میں سہراب کے سامنے بیٹھا ہوا اسلان سوچ رہا تھا کیا شجاع اس کے لیے وہ سب کر سکتا تھا جو کبھی سہراب نے کیا، سہراب اس اندیشے میں غرق کہ کیا شجاع ایک دن اسلان کو اس سے دور کر دے گا؟

★★★★★★

اس کے آس پاس مدھم روشنی تھی شیشے کے گلاس آپس میں ٹکرانے کی آواز اور شراب کی بُو نتھنوں میں گُھس رہی تھی وہ گلے میں ابھرتی گلٹی کو نظر انداز کرتے اپنے متکلم کو دیکھ رہا تھا یہ کوئی نیا کردار نہیں تھا یہ وہی تھا جس کے لیے خادم بٹ کام کرتا تھا، وہی جو جوہر فور زیرو کی ڈوریاں ہلا رہا تھا وہی جو پس پردہ تھا، اور وہ جو وقت آنے پر بڑے بڑے رازوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔

”کیسے ہو طارون؟“ اس نے اپنا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا اور ایک محظوظ سی نگاہ یافث طارون پر ڈالی جو اس ماحول میں قدرے غیر آرامدہ تھا۔ وہ ایسی محفلوں کا عادی نہیں تھا۔

”میں ٹھیک ہوں سر۔“

”ٹھیک تو ہو لیکن ٹھیک رہو گے یا نہیں، اس کی کیا ذمہ داری ہے؟“ وہ گلاس میں پڑی برف کو ہلانے لگا، تیز نظریں اس کے آر پار گڑھ رہی تھیں۔ موسیقی کا شور بڑھ گیا تھا۔ یافث ہونٹ کاٹے گیا، اسے ایک کام ملا تھا اور وہ اس کام کو بھی ٹھیک سے نہیں کر پا رہا تھا کیا سامنے بیٹھا شخص اسے کسی قیمت پر معاف کر سکتا تھا؟

”میں کوشش کر رہا ہوں سر لیکن سہراب صرف عالم کو نکالنے پر اپنی تمام تر طاقت صرف کر رہا ہے اور عالم اس وقت جیل میں ہے میں۔“

”میں نے تمہاری بات پر اعتبار کیا تھا تم نے کہا تھا یہ دو لوگ جوہر فور زیرو کو ختم کر سکتے ہیں پھر تاخیر کی وجہ؟“ اس کی آواز میں اس قدر ٹھنڈک تھی کہ یافث کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسناہٹ اتری۔ ”کہیں تم نے مجھے ڈبل کراس تو نہیں کیا؟“ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر اسے اپنی پسلیوں کے قریب پستول کا لوہا چبھتا محسوس ہوا، وہ دھک سے رہ گیا۔

”مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم اپنے دوستوں سے گٹھ جوڑ کر بیٹھے ہو؟“ اس کی سفاک نظروں میں شک تھا۔

یافث نے متحیر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”میں اس کیس سے وفادار ہوں سر!“

بندوق کا لوہا گھمایا گیا، یافث نے جھرجھری لی۔ ”تم عالم سے بھی وفادار ہو۔“

”بالکل اس میں کوئی شک نہیں۔“

”میں زیادہ وقت اس دوہری وفاداری پر یقین نہیں کر پاؤں گا۔“ تنبیہ کی گئی۔ ساتھ پستول کے اشارے سے اسے اٹھنے کو کہا گیا، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ”مجھے نتائج چاہیے طارون اور میں بہت جلد باز واقع ہوا ہوں اپنے دوستوں کو سمت دکھاؤ، وجہ بناؤ جو کرنا ہے کرو مجھے جوہر فور زیرو حل چاہیے۔ مجھے اصل مجرم اندر چاہیے۔“

اس نے سر ہلا دیا کہنے کو بہت کچھ تھا مگر وہ نہیں کہہ سکا، اس بڑے جال میں خود کو پھنسانے والا وہ خود تھا اب وہ اور اس کے دونوں دوست چاہ کر بھی اسے نکال نہیں سکتے تھے، نکالنے کو یوں بھی آگاہی ضروری ہوتی ہے اور وہ ان دونوں کو لاعلم رکھے ہوئے تھا۔ اس نے ایک خالی سی نگاہ اس پر سرار شخص پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ اسے جلد از جلد کچھ سوچنا تھا۔ کلب سے باہر نکلتے ہوئے اس کی خوف سے ہوائیاں اڑی ہوئیں تھی۔

★★★★★★★

"چند دن قبل!" (آشیانہ بنگش میں ہونے والی زید اور آراہ کی ملاقات کے چند گھنٹے بعد۔)

لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ جس وقت آشیانہ بنگش میں داخل ہوا مغرب بیت چکی تھی۔ ملازمین رات کے کھانے کی تیاریوں میں مگن تھے، مہمان اب بھی آجا رہے تھے۔ رئیس نے دوبارہ سیٹ سنبھال لیا تھا زندگی ڈگر پر آگئی تھی۔

"سر مسز بنگش نے کہا ہے جب آپ گھر آئیں تو ان کے کمرے میں آئیں۔" ملازم نے اسے اطلاع دی جسے اس نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا۔ "وہ کافی غصے میں ہیں۔" اسے زینے طے کرتے دیکھ اس نے ہانک لگائی۔

"میرے لیے کافی کا بڑا مگ بنا کر میرے کمرے میں لاؤ۔" باورچی خانے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے حکم نامہ جاری کیا ابھی وہ آگے بڑھتا کہ ملازم کے الفاظ اس کے قدموں کی زنجیر بنے۔

"مدیحہ میڈم کے لیے بھی کچھ لانا ہے؟" الجھ کر ملازم کو دیکھا۔ "جی وہ آپ کے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" زید کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اسے مدیحہ پسند تھی، حد سے زیادہ پسند لیکن وہ ان دونوں کے درمیان اخلاقیات اور حدود کو جواز بنا رہی تھی اور شاہ زید کو نہ جانے کیوں لگنے لگا تھا وہ زیادہ وقت تک ان اسباق پر ڈٹا نہیں رہ سکے گا۔

"کچھ نہیں۔" ملازم ٹھٹکا، الجھی نظروں سے اسے دیکھا البتہ کچھ کہہ نہیں سکا، بس سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ شاہ زید مرے مرے قدم لیتا اپنے کمرے کی طرف آیا دروازہ دھکیل کر کھولا تو اسے سامنے صوفے پر بیٹھے پایا۔ اس کی آمد کو محسوس کرتی مدیحہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "تم کب آئی؟" زید نے موبائل اور بٹوہ پلنگ پر اچھالتے ہوئے پوچھا۔ مدیحہ کی نظریں اسے چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"دو گھنٹے ہو گئے، میں تب آئی تھی جب تم انارا کے ساتھ گاڑی میں کہیں جا رہے تھے۔" اس کا لہجہ عام سا تھا لیکن زید کو اس میں کچھ غیر معمولی لگا۔ "کہاں گئے تھے؟"

"تفتیش ہے؟"

"سوال۔"

"ضروری ہے کہ میں جواب دوں؟"

"آج تک تو جواب دیا ہے۔"

"چیزیں ہمیشہ ایک سی تو نہیں رہتیں۔"

"تمہیں بدلاؤ چاہیے؟"

"شاید ہاں۔" مکمل بے ایمانی سے کہتے وہ فریج تک آیا سوفٹ ڈرنک کے دو ڈبے نکال کر ایک مدیحہ کے سامنے رکھا اور دوسرا اپنے لیے۔ وہ اس سے نگاہ چرا رہا تھا۔

"کیسا بدلاؤ، ماحول کا یا پھر انسانی؟"

"تم بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو؟ مجھے یہ بتاؤ کچھ علم ہوا ویر اور ابتسام بھائی کے درمیان کیا مسئلہ تھا؟" مدیحہ نے بغیر کچھ کہے ایک کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا جس پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہی زید کا چہرہ سرخ ہوا، آنکھوں میں تحیر اور طیش ایک ساتھ ابھرا۔ "یہ کیا بکواس ہے؟"

"یہ تمہارے بہنوئی کا سچ ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا وہ آپا کے ساتھ اتنا بڑا افراڈ نہیں کر سکتا۔" وہ ہنوز بے یقینی سے کاغذ کو دیکھ رہا تھا۔

"میری سورسز کے مطابق سچ یہی ہے۔"

"اس کی یہ جرات کہ اس نے میری بہن کو بے وقوف بنایا؟" کاغذ مٹھی میں دبوچے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اپنی ماں کا کیا کرو گے؟" وہ جو دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا اس کی آواز پر رکا انہی کینہ توز نظروں سے باب کٹ بالوں والی لڑکی کو دیکھا جو پر سکون، ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "تمہاری ماں اس بارے میں جانتی تھی، زید۔ ابتسام نے جو کیا تمہاری ماں کو علم میں لاتے ہوئے اس کے مشورے کے ساتھ کیا۔ اسے کوئی سزا دینے سے پہلے اپنی ماں کا انجام بھی سوچ کر جاؤ۔"

"جھوٹ بول رہی ہو تم۔ میری ماں ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔" شاہ زید حلق کے بل غرایا۔

"اپنے کام کے معاملے میں مدیحہ جھوٹ نہیں بولتی۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے مام ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ کاغذ یونہی مٹھی میں دبوچے متحیر سا اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مدیحہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک برقرار رہی۔

”مجھے بھی لگتا تھا کہ زید کبھی کسی انسان کے ساتھ غلط نہیں کر سکتا، لیکن اس نے میرے سامنے دکانیں جلائیں، لوگ زخمی کیے، قومی اثاثہ جات کو تباہ کیا لوگ قتل کروائے، عورت پر تیزاب۔۔۔“

”پلیز اب بس بھی کرو۔“ وہ جھلایا۔

”تکلیف ہو رہی ہے نا؟ جن سے ہم محبت کریں وہ امیدوں اور اخلاقیات پر پورے نہ اتریں تو اسی طرح تکلیف ہوتی ہے۔“ شاہ زید نے مٹھی بھینچ لی۔ مدیحہ آگے کو ہوئی ایک امید کے تحت اسے دیکھا۔ ”اب بھی وقت ہے، زید۔ جو کچھ تم نے کیا ہم اسے ٹھیک کر سکتے ہیں۔ اللہ نے تمہیں دکھا دیا ہے کہ تمہیں کسی کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے۔“

”میں مام کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم دیکھنا مدیحہ میں ان کے ساتھ کرتا کیا ہوں۔“ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اس نے جنونی انداز میں کہا۔ مدیحہ شل سی پیچھے کو ہوئی، وہ اس کی کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔

”تم نے وعدہ کیا تھا، زید۔“ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زید کا گریبان پکڑے اور اسے دوبارہ پچیس فروری سے پہلے والے زید میں تبدیل کر دے۔ ”تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ تم نے وعدہ کیا تھا تم میری ماں سے ملو گے ہم ایک نئی شروعات کریں گے۔“ وہ اس گلٹ کے مارے شخص کا کیا کرے؟

زید نے بے اختیار چہرے پر ہاتھ پھیرا، آنکھیں مسلیں اور پھر تھکی تھکی نظروں سے اسے دیکھا۔ اب کے ان نگاہوں میں نرمی تھی، وہ تاثر تھا جس کی مدیحہ عادی تھی۔ ”میں کب مُکر رہا ہوں یار؟“ اس نے شکست خوردگی سے کہا۔ ”مجھے تھوڑا وقت تو دو! مجھے وقت دو کہ میں اپنے بھائیوں جیسے بہنوئی کا دھوکہ پراسیس کروں، اپنی ماں کی اس دھوکے میں شمولیت پراسیس کروں، یا پھر میں یہ پراسیس کروں کہ میرا بھائی اس تکلیف کو ساتھ لے کر گیا ہے، میں کیا کیا پراسیس کروں؟“

اس نے چہرہ ہاتھوں میں گرا دیا۔ کئی لمحے ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ ”میں تمہیں وقت دے سکتی ہوں۔“ بہت دیر بعد مدیحہ نے ہلکی آواز میں کہا۔ زید نے گردن اٹھا کر تشکر سے اسے دیکھا۔ ”لیکن میری ایک شرط ہے۔“

”کیا؟“

”تم دوبارہ آراہ کو ہمارے درمیان نہیں لاؤ گے۔“

شاہ زید کا دماغ جیسے بھک سے اڑا۔ ”آراہ؟“

”تم اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں رکھو گے، اس کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گے تم اسے میری جگہ نہیں لاؤ گے۔“

”یا اللہ.... “ وہ مارے تحیر کے بس یہی کہہ سکا۔ ”تم کیا سوچ رہی ہو پاگل ہو گئی ہو، وہ شاہ ویر کی منگیتر ہے۔“

”تھی۔“

”واٹ ایور۔ میں کبھی بھی اسے کسی اور نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ وہ شاہ ویر کی تھی، ہے اور رہے گی۔ زید کا دل، نظر اور وقت سب تمہارا ہے۔“

”اگر ایسا ہے تو تم اماں سے مل لو۔“

”اگر تمہارے ذہن سے یہ خرافات صرف اسی صورت نکل سکتے ہیں تو ٹھیک ہے وقت بتاؤ۔“ اس نے کچھ تیز لہجے میں کہا۔ وہ مزید اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مکمل سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ مدیحہ اسے وقت اور جگہ بتانے

لگی۔ زید اسی کا تھا، اسی کا رہے گا۔ بچپن کا ساتھ تھا یونہی تھوڑی ٹوٹ جائے گا، اس کی سوچوں سے بے نیاز مرد کا دل ہمک ہمک کر ایک اور ملاقات کے بہانے سوچ رہا ہے تھا۔

★★★★★

ہاتھ میں کھانے کی طشت لیے وہ لعل یمن اور کوارٹر کے درمیان والا دروازہ پار کرتی اندر کی طرف جا رہی تھی جب اس کی سماعتوں میں اسلان یمن کی آواز پڑی۔

"میں اتنا تھک گیا ہوں، عبیر۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا میں کیا کروں؟" وہ کسی بچے کی طرح اپنے سامنے بیٹھی عبیر سے شکوہ کر رہا تھا۔ دونوں لعل یمن کے عقبی زینوں پر بیٹھے تھے، جہاں ہر زینے پر دونوں اطراف میں گملے رکھے ہوئے تھے۔ مٹی کی سوندھی ہوئی خوشبو نتھنوں میں گھس رہی تھی اور وہ دونوں مٹی کے برتن بنا رہے تھے۔ عالمگیر کی بیٹی قدرت کے بے حد قریب تھی۔ اسے خرافات سے دور رکھنا عالم کا سب سے بہترین فیصلہ تھا۔

"آپ میرے چاکلیٹ کھا لینا، بھائی۔" اس نے مصروفیت سے جواب دیتے ہوئے مٹی کے ساس پین کا کڑا درست کرنا چاہا۔ اس کے بال چہرے پر آ رہے تھے جنہیں پیچھے کرتے اسلان نے کلپ لگائی۔ اسی چکر میں عبیر کی پیشانی پر کافی مقدار میں مٹی لگ گئی۔ "یا پھر بابا کو بتا دیں۔ وہ ہیلپ کریں گے۔" ہر بچے کی طرح اسے بھی لگتا تھا اس کا باپ ہر مسئلہ حل کر سکتا ہے۔

"تمہارے بابا نے بھی مجھے بہت تنگ کیا ہوا ہے ایک تو بولتے بہت ہیں، دوسرا وہ وکیل میرے سر پر سوار کر دی ہے۔" وہ رکا برتن اسے دکھایا۔ "یہ دیکھو ٹھیک بنا ہے؟" اپنا ذکر سن اس کی بھنویں بھینچ گئیں۔ مگر وہ اسے دیکھے گئی۔ خاکی پینٹ کے ساتھ ہم رنگ شرٹ پہنے اس کے چہرے پر کچھ کچھ گیلی مٹی لگی تھی۔

"نہیں!" یک لفظی جواب دے کر وہ دوبارہ اپنے برتن پر جھک گئی تھی۔ اسلان دل ہلکا کرنے کی خاطر کہے گیا۔ "صحیح سے بناؤ۔"

"مجھے اس وکیل کی ایک عادت سے بہت چڑ ہے ہر بات میں مجھے طعنے دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر۔" اس نے دیگچی کا کنارہ اس سختی سے موڑا کہ برتن ٹوٹ گیا۔ "وہ تمکنت کی بیٹی ہے۔"

"جیسے میں بابا کی بیٹی ہوں؟" اس نے فوراً گردن اٹھا کر سوال کیا۔

"ارے تم تو بہت اچھی ہو مگر اپنے بابا کا تو نام بھی مت لو۔"

"بابا کو ایسے مت بولیں۔" وہ ناک سکوڑ کر بولی اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اسلان کو تھوڑی سی گیلی مٹی تھمائی۔ "اب آپ بھی ساس پین بناؤ۔" اسلان بغیر کسی بحث کے پچھلا برتن چھوڑ نیا بنانے لگ گیا تھا وہ باقی بچوں کی طرح بہت زیادہ نہیں بولتی تھی مگر وہ ذہین تھی، عالم کی طرح۔ اس کے اندر سبھاؤ تھا، ثمن علی کی طرح اور وہ محنتی تھی صبیحہ علی کی طرح ہاں نقش اس نے سارے کے سارے باپ سے لے لیے تھے۔ عالم کی گرفتاری نے اسے اثر انداز کیا تھا، مگر اسلان یمن کی توجہ نے اسے بدل دیا تھا، بدل رہی تھی۔

"اس وکیل سے اچھا تھا سعید ہی ہمارا کیس لڑ لیتا۔"

"بچی سے میری برائیاں کر رہے ہو؟" مٹی کے برتن بناتا اسلان یمن اس آواز پر ساکت ہو گیا۔ گردن گھما کر دیکھا تو وہ اس سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی، اس کے دوپٹے کا پلو گیندے کے پھولوں سے ٹکرا رہا تھا، بالوں کی لٹیں گالوں پر گر رہی تھیں اور نگاہیں اسلان یمن پر جمی تھیں۔ وہ قدم قدم چلتی اس تک آئی، طشت نیچے رکھی اور خود اسلان کے سامنے آ کر بیٹھی۔ قدیم طرز کے زینے، دیوار پر لگی بیل، آس پاس رکھے پودے، مٹی سے لتھڑے

ہاتھوں والا لڑکا اور لمبی چٹیا والی وہ عورت۔ اس وقت ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے وہ دونوں انیسویں صدی کی کسی فلم کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔

"میں کوئی برائی نہیں کر رہا۔" اس نے اپنا دفاع کیا۔ اسلان نے اب کے اس سے نگاہ ہٹا لی۔

عبیر نے تھوڑی سی مٹی بنفشہ کو بھی دی۔ "آپ مگ بنائیں۔" حکم دے کر وہ دوبارہ اپنا کام کرنے لگی۔ بنفشہ نے چپ چاپ مٹی تھام لی اسلان جس جارحیت سے برتن بنا رہا تھا، بنفشہ کی انگلیاں اس سے دگنی ملائمت سے کام کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ان دونوں نے بیک وقت اپنا بنایا ہوا برتن عبیر کے آگے کیا۔ مضبوط ہاتھ، اور نازک دبلا پتلا ہاتھ، دونوں کی ہتھیلیوں میں برتن تھے۔ ایک آڑھا ترچھا، دوسرا نفاست سے تیار شدہ۔ "کیسا ہے؟" دونوں نے ایک ہی سوال کیا۔ عبیر عالمگیر نے آنکھیں چھوٹی کر کے جائزہ لیا اور پھر اس نے بنفشہ کی ہتھیلی پر رکھا برتن اٹھا کر اپنی دائیں طرف رکھے سکھانے والے برتنوں کے ساتھ رکھ دیا۔

"آپ دوبارہ بناؤ۔" اس نے بے حد صاف لفظوں میں اسلان کو سرخ جھنڈی دکھائی۔ وہ تلملایا۔۔۔۔ مٹھی بند کر کے ابھی وہ برتن کو تباہ کر دیتا کہ بنفشہ نے اپنی ہتھیلی اس کے آگے پھیلائی۔

"مے آئی؟" وہ چند ثانیے سخت نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر آڑھا ترچھا برتن اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ لمبے بالوں والی عورت آلتی پالتی مارے اب دوبارہ برتن پر جھک گئی تھی۔ اسلان غیر محسوس انداز میں اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھے گیا۔

"میں نے انتیس سالہ زندگی میں اپنے باپ کا "محل" دیکھا ہے۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "میں نے عظمیٰ بی کی کوٹھی دیکھی ہے، کرائے کا مکان دیکھا ہے، ٹپکتی چھتوں والا فلیٹ بھی دیکھا ہے، اور چھوٹے کچے مکان بھی۔ میں

نے انتیس سالوں میں کبھی "گھر" نہیں دیکھا، اسلان۔" اس کی آواز میں کچھ تھا کہ وہ بالکل ٹھہر گیا، اس کی انگلیوں کی حرکات میں کوئی باریکی تھی، ملائمت اور ہلکی سی سختی تھی وہ "تعمیر" کے ہنر سے آشنا تھی۔

"میں نے "گھر" ان چند ماہ میں پہلی بار دیکھا ہے۔ تمہارا گھر۔" انداز میں یاسیت تھی۔ "تمھارے چچا، تمہارا ماموں، تمہاری بہن، چچی، عبیر، تمہارا گھر مکمل ہے۔" اس کی انگلیوں میں کوئی لغزش تھی۔ "I envy you لیکن میں تمہارا گھر نہیں توڑوں گی۔" نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور وہ جم گیا۔ دونوں کے درمیان کوئی طلسمی لمحہ تھا جس نے اسلان کو اس کا لفظ لفظ ازبر کروا دیا۔ "جن بچوں نے گھر نہ دیکھے ہوں وہ یا تو توڑنے والوں میں سے ہوتے ہیں، یا پھر جوڑ لینے والے، میں جوڑنے والی ہوں مجھ سے بے خوف ہو جاؤ۔" اس نے مٹی کا تازہ بنایا برتن عبیر کے حوالے کیا۔ پھولے گالوں والی بچی کے چہرے پر چمک دوڑ گئی۔

"پرفیکٹ!" اس کے لبوں سے ستائش نکلی۔ اسلان ان لفظوں پر کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ کتنی دیر سے اس ایک برتن کو بنانے کی کوششوں میں لگا تھا، وہ آئی، چھوا، اور تعمیر کا نیا باب کیسے شروع ہوا؟

"تم نے وہ سب دیکھا تھا؟" اسلان چونکا، وہ کس بارے میں بات کر رہی تھی اور پھر یکدم اسے سب یاد آ گیا۔

وہ عدالت کی راہداری میں موبائل پر انگلیاں چلاتے تیز تیز زینے اترتا جا رہا تھا جب اسے اپنے بازو پر کسی کے نوکیلے ناخنوں کی گرفت محسوس ہوئی، وہ اس لمس کو پہچانتا تھا، اسے اس لمس سے نفرت بھی تھی اسلان یمن سارے کا سارا ساکت ہو گیا تمکنت بنگش اس کے عین سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں کا وہ چیلنج، اس کی عداوت، وہ زیر کرنے والی نگاہ وہ تھم گیا۔

"تم آج کل مجھے نظر انداز کرنے لگے ہو، اسلان۔" اس نے اسلان کے گال پر ہاتھ رکھا۔ "کیا ہوا ہے؟"

اسلان نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ "مجھ سے دور رہیں۔"

”میں بالکل رہوں گی اگر تم اس کیس سے دور رہو عالم کو جیل میں رہنے دو، یمن خاندان کے ساتھ ہوتے ہوئے بنگشوں کے لیے کام کرو یہ اتنا مشکل کام تو نہیں؟“ اس نے اسلان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اسلان کے جبڑے تنگ ہوئے۔ ”میں آپ کی ہر پیشکش پر لعنت بھیجتا ہوں دوبارہ میرے سامنے مت آیئے گا۔“ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر تیز تیز زینے اترتا نیچے جا رہا تھا جب تمکنت کی زہرخند آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

”میری پیشکش پر نہ آئے تو تمہیں میری سختی واپس لائے گی، اسلان۔ ماضی مت دہراؤ۔“ وہ اسے نہیں سننا چاہتا تھا، نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر تھوڑی دیر بعد عدالت کے باہر اس کی آنکھیں ایک نقطے پر پتھرا گئیں جب اس نے بنفشہ مخدوم کو دمیر اور تمکنت کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا اس عورت پر جو ذرا سا اعتبار اسے آیا تھا وہ لمحے بھر میں ریزہ ریزہ ہو گیا۔ کیا وہ ان کے ساتھ ملی ہوئی تھی؟ گاڑی میں بیٹھی عورت کی نگاہ بلا ارادہ اس جانب اٹھی اور وہ اپنی جگہ منجمند ہو گئی۔

دونوں کی نگاہوں میں کچھ تھا جسے وہ دونوں بیان نہیں کر سکے۔ شک، اور صفائی کی کوئی جدوجہد۔

”وہ چاہتی تھیں میں یہ کیس چھوڑ دوں اور وہ مجھے بیٹی بنا لیں گی میں انکار کر کے آئی ہوں۔“ حال میں وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ اسلان خاموش رہا، کوئی تبصرہ نہیں کیا، وہ محض مٹی کے ان برتنوں کو دیکھے گیا، عبیر ان دونوں سے بے نیاز تھی۔

”یہ کیسے کیا؟“ ساری انا ایک طرف رکھتے وہ مستفسر تھا۔

”ویسے ہی جیسے گھر بنتے ہیں نرمی، سختی، ملائمت اور توجہ سے۔“ وہ اٹھ کر کونے پر لگے نلکے کی طرف بڑھ گئی۔ ”میں یہاں سہراب صاحب کی ستائش کے لیے نہیں ہوں، عالمگیر اور تمہیں دور کرنے کے لیے بھی نہیں ہوں، مجھے

اپنی ماں سے کوئی انتقام بھی نہیں چاہیے میں یہاں اپنی بقا کے لیے ہوں ہم دونوں adults ہیں اب تم بتاؤ تمہیں مجھ سے مسئلہ کیا ہے؟"

شفاف پانی گرتا گیا اور اس کے ہاتھ صاف ہوتے گئے، ساری مٹی دُھل گئی۔ "تم تمکنت بنگش کی بیٹی ہو۔ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔"

"مت کرو، لیکن یہ یاد رکھو کہ میں یہ کیس میں جیتنا چاہتی ہوں۔"

"شاہ ویر تمہارا بھائی ہے، تم اسے چنو گی اور نقصان میرے خاندان کا ہو گا۔"

"پھر تو تم عالم سر کو بے وقوف کہو کیونکہ انہوں نے مجھے چنا ہے۔ اپنی صفائی میں تم سے صرف اتنا کہوں گی کہ اس تعلق سے میں بھی تمہاری طرح ہی بے زار ہوں مگر مجھ پر شک کرنا چھوڑ دو، میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔" اس نے واپس آکر اپنی طشت اٹھائی۔ "اگر تسلی ہو جائے تو آجانا ابتسام عبّاس پر ہماری تلاش باقی ہے۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔ اسلان یمن بہت دیر تک اس طرف تکتا رہا جہاں وہ گئی تھی، پھر اس نے مٹی کے وہ برتن دیکھے اور پھر ایک گہرا سانس لیا۔

"کیا وہ واقعی گھر جوڑنے والوں میں سے تھی؟

★★★★★★

"ابتسام اور شاہ ویر کے درمیان جو بھی مسئلہ تھا کیسے پتا لگایا گیا؟" قاری کا ایک کڑا سوال سامنے آیا۔ قصہ گو خاموش رہا۔ "پہلی کڑی کیسے جڑی، اس کڑی سے ثبوت کیسے بنا اور وہ ثبوت راز کب بنا، پھر راز فاش کب ہوا؟"

"تمہیں کسی نے بتایا ہے تم کتنی جلد باز ہو؟"

”نہیں تمہارے علاوہ میرے سامنے منہ کھولنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔“

”اور میرے سامنے منہ کھولنے والوں میں تم اول نمبر پر ہو۔“

”آخر بھی میں!“

وہ چند پل اسے تکتا رہا، پھر مسکرایا۔ ”یقیناً آپ ملکہ!“

★★★★★

(”پہلی کڑی کیسے جڑی؟“)

موٹر چلنے کی آواز، پائپ سے نکلتے پانی کا بہاؤ اور لعل یمن سے آتی کچھ آوازوں کے درمیان اسلان نے لان کی روش کے عین درمیان اپنی بائیک کھڑی کر رکھی تھی۔ ایک طرف کوئی انرجی ڈرنک رکھی تھی جس کا کین کھلا ہوا تھا دوسری طرف اس کا موبائل رکھا تھا جس کے ساتھ بلیوٹوتھ جڑا تھا اور آئیر پوڈز اس کے کانوں میں، نہ جانے کیا سنتا رہتا تھا۔ صبح کے کوئی نو بج رہے تھے مگر مطلع گرد آلود ہونے کے سبب دھوپ کم تھی۔

تمام آوازوں میں ایک اور آواز بھی شامل ہو گئی۔ بنفشہ احسان مخدوم کے قدموں کی چاپ کی آواز۔ چند پل بعد وہ اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔ ”یہ کام کا وقت ہے، اسلان یمن۔“ اس نے گھڑی پر دو انگلیاں بجائیں۔ وہ کہیں جانے کو تیار لگتی تھی۔ وہ جو پنجوں کے بل بیٹھا بڑی ملائمت اور مہارت سے اپنی بائیک پر پالش لگا رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

”پیسے تم لیتی ہو یا میں؟“

”مفت کی روٹیاں تم توڑتے ہو یا میں؟“

”میرے چچا ہیں میرا تو پھر بھی حق بنتا ہے، تم بتاؤ مفلسین میں شمار ہوتی ہو یا مساکین میں کیونکہ تین دن سے تمہارا کھانا لعلِ یمن سے جا رہا ہے۔“

”اگر تمہارے طنز و تیر کے نشتر ختم ہو گئے ہوں تو ہم کام کریں؟“ اسلان نے مکمل محویت سے اپنا کام مکمل کیا اور اپنی جگہ سے اٹھا۔ پائپ کے بہتے ہوئے پانی سے ہاتھ دھوئے، اور پھر اسے دیکھا۔

”جو بھی ای میل تھی شاہ ویر کی موت کے ساتھ ختم ہو چکی ہے۔ اس کا موبائل پولیس کسٹڈی میں ہے اور ابتسام کے موبائل تک ہم پہنچ نہیں سکتے، اگر پہنچ بھی گئے تو مجھے نہیں لگتا اپنے خلاف وہ ثبوت اپنے ہی موبائل میں لیے پھر رہا ہو گا۔“ ساری صورتحال پر اسلان نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

”یعنی ہم فلموں کی طرح پولیس کسٹڈی سے موبائل نہیں نکال سکتے؟“ اسے افسوس ہوا۔

”فلم ہوتی اور میں ایکشن ہیرو ہوتا تو ضرور لیکن فلم نہیں ہے یعنی نہیں۔“ ٹراوزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ بنفشہ بہ مشکل اس کے سینے تک آتی تھی، وہ نگاہیں اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ابتسام فنانشلی بنگشوں کو سپورٹ کرتا تھا تو کیا یہ کوئی غبن ہو گا؟“

”ابتسام بنگشوں سے چالیس فیصد زیادہ امیر ہے اسے کسی غبن کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”ہو سکتا ہے اس نے کسی لڑکی کو assault کیا ہو یا زیادتی کی ہو اور اس کی رپورٹ کی بات ہو رہی ہو؟“

”ہو سکتا ہے لیکن ابتسام ایسا آدمی نہیں۔ میں نے اسے چیک کیا وہ اس قسم کی کاروائیوں میں ملوث نہیں ہے، اس کی ساری زندگی تاجور کے گرد گھومتی ہے۔“ بنفشہ ٹھوڑی پر انگلی رکھے سوچوں میں غرق ہو گئی۔ اسلان اس کے

سامنے کھڑا رہا وہ دونوں کسی ایسے چوراہے پر کھڑے تھے جس کے چاروں طرف راستے نکلتے تھے لیکن انہیں وہ چُننا تھا جو درست سمت تک لے جائے اور ایسا راستہ کیسے ملتا ہے؟

”چھ ماہ پیچھے جانا پڑے گا۔“ اسلان نے تجویز دی۔ ”پچھلے چھ ماہ ابتسام نے کیا کیا، کہاں گیا، کس سے ملا، کتنے منٹ ملا؟ ہمیں ایک ایک چیز ڈھونڈنی ہو گی۔“

”اور یہ کام کرے گا کون؟“ جھک کر پالش کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے اسلان جانتا تھا ایسا آدمی کون ہو گا؟

(اس کڑی سے ثبوت کیسے بنا؟)

”کیا بچپن میں کھیل کھیل میں تم نے کبھی کسی سے مار نہیں کھائی، یاسر؟“ ایک چھوٹے سے کھوکے کے باہر کھڑے اسلان نے اپنے سامنے کھڑے سیگریٹ کے چھلے بناتے ہوئے یاسر سے شکوہ کیا۔ (یاسر وہی لڑکا تھا جسے ایک بار اسلان نے اپنا تعاقب کرنے پر پیٹا تھا)۔ ”بچپن میں بھی ہم کھیل میں لڑ پڑتے تھے ایک دوسرے کو مارتے تھے ایسی بھی کیا بڑی بات ہو گئی؟“

”تم نے مجھے مارا اسلان، تم نے میری انگلیوں کی ہڈیاں تک توڑی۔“

”اللہ کی قسم جان بوجھ کر نہیں توڑیں مارتے ہوئے بس ذرا وائلنٹ ہو جاتا ہوں۔“

”تم نے کچرے دان میں میرا منہ ڈال دیا....“

”غصے میں مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی، کیا کرتا؟“

"میں کیوں تمہاری مدد کروں، ویسے بھی باس تم سے ناراض...." اس کے اگلے الفاظ اس کے حلق میں دم توڑ گئے۔ اس نے دیکھا نہیں تھا کہ اسلان یمن نے جیب میں اڑسی پستول نکال کر اس کی پسلیوں کے درمیان رکھ دی۔ چہرے پر وہی معصومیت اور لجاجت تھی۔ وہ عمال سے کاذب تھا، زبان سے سادھ، کیا تھا وہ؟

"باس کو بیچ میں کیوں لانا، یاسر؟" یاسر بغیر سانس لیے، بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔ کہاں وہ باس کے سامنے ڈر کر رہنے والا لڑکا اور کہاں یہ جو ڈرا رہا تھا۔ یاسر نے جواب دینے میں طول پکڑی تو اسلان نے پستول کو حرکت دی، پسلیوں سے پیٹ تک اور پیٹ سے دوبارہ پسلیوں تک۔ "پلیز؟"

"تم مجھے دھمکا نہیں سکتے۔" یاسر پھٹی ہوئی متوحش آواز میں چلایا۔ "میں باس کو بتاؤں گا۔"

اسلان نے سادگی سے پلکیں جھپکیں۔ "میں نے بتایا نا یاسر مجھے غصے میں کچھ سمجھ نہیں آتی اور تم دوبارہ مجھے غصہ دلا رہے ہو۔ ایک لفظ میں جواب دو ہاں یا نہ؟" پستول کا دباؤ بڑھایا، یاسر تھر تھر کانپ رہا تھا غصے سے بھی، ڈر سے بھی۔ وہ اپنے مالک کے غداروں سے کیونکر مل سکتا تھا؟

"میں تمہیں اس کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا، تم اس سب کے لیے پچھتاؤ گے۔"

اسلان نے سر کو خم دیا، پستول واپس جیب میں اڑسی اور کہا تو بس ایک لفظ۔ "اوکے۔"

(مہرے کس طرح ترتیب دیے گئے؟)

جیسے جیسے ساعت کی تاریخ نزدیک آ رہی تھی۔ ویسے ویسے ان دونوں کے درمیان تناؤ بڑھ رہا تھا، آپسی اختلافات سر اٹھا رہے تھے۔ ہر دن وہ عہد کرتے کہ کل سے چاہے زمین سرک جائے اور آسمان اپنی جگہ سے کچھ فٹ نیچے آ جائے مگر وہ دونوں ایک ساتھ کام نہیں کریں گے اور ہر صبح فجر کے بعد یہ عہد ٹوٹ جاتا۔ اب اسے مجبوری تو ڑتی یا سہراب کا ڈنڈا وہ سمجھنے سے قاصر تھے۔ مگر یہ عہد ٹوٹتا ضرور تھا۔

بعض دفعہ بھوری آنکھوں والے سرپھرے چچا کے لڑکے کی طرف سے۔

بعض دفعہ کتھئی آنکھوں والی وکیل چچا کی فیورٹ سٹوڈنٹ کی طرف سے۔

"یہ پورے چھ مہینے کا ریکارڈ ہے؟" کرسی کے ہتھے پر ایک ہاتھ رکھے اسلان جھک کر سکرین دیکھ رہا تھا جہاں ابتسام کی مختلف تصاویر اور ویڈیوز تھیں۔ کہیں وہ فیکٹری سے باہر آ رہا تھا، کہیں وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ یہ تمام تصاویر اور کلپس سی سی ٹی وی فوٹیج سے لی گئی تھیں۔ وہ آنکھیں چھوٹی کیے یاسر کے پیچھے کھڑا تھا۔ "اتنے ارجنٹ نوٹس پر میں کیا کیا ہی جمع کر سکتا ہوں؟ یہ آدمی کوئی عام آدمی ہے کیا؟ دن میں دس بار مختلف جگہوں پر جاتا ہے، مہینے میں کتنی ہی بار شہر سے باہر اور چھ ماہ میں دو سے تین بار تو لازمی ملک سے باہر گیا ہو گا۔ دس لوگ اکھٹے کیے ہیں تب جا کر کچھ ملا ہے۔"

کھٹ کھٹ بٹن دباتے ہوئے وہ پرنٹ آؤٹس نکال رہا تھا۔ ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے چل رہے تھے۔ تمام کاغذات اسلان کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کوئی ٹھنڈک تھی۔ "یاد رکھنا اسلان میں تمہیں اس کے لیے معاف نہیں کروں گا۔" اسلان نے وہ ڈھیر سارے کاغذات اپنے ہاتھوں میں لیے، انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر یاسر کو دیکھا۔

"یاد رکھنا میں معافی مانگتا بھی نہیں۔" وہ کاغذات لیے باہر آیا تو بنفشہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے اسی کے انتظار میں کھڑی تھی اسے آتے دیکھا تو چہرہ چمکا۔ رت جگوں کی خوابیدہ آنکھیں امید کے تحت روشن تھیں۔ پل بھر کو اسلان ٹھٹک گیا۔ ایک پل کو اس کے عقب میں دکھائی دیتا رش، لوگ، دکان عمارتیں سب غائب ہو گئے وہ ہر منظر، ہر شخص، ہر آواز پر فوقیت حاصل کر گئی اسلان نے نگاہیں پھیر لیں وہ کچھ پل اور اسے دیکھتا تو شاید، شاید کچھ ہو جاتا۔

"کچھ ملا؟"

"ہونہہ۔" آگے آکر گاڑی کا لاک کھولتے اس نے اپنی نشست سنبھالی۔

"کیا ملا؟"

"کاغذات۔" وہ اب گاڑی کے انجن کو حرارت دے رہا تھا۔

بنفشہ کھول کر رہ گئی۔ وہ دوسری طرف سے گاڑی میں آکر بیٹھی۔ "اگر تم یہ ایک ایک لفظ بولنے کی بجائے ایک ہی بار پوری سطر بول دو گے تو تمہارا مجھ پر احسان ہو گا۔" اس کا ضبط ٹوٹ رہا تھا۔

"میں اور میرا خاندان تم پر آلریڈی بہت احسان کر چکے ہیں، مزید سکت نہیں رہی۔" وہ رکا۔ "کاغذات ملے ہیں، تصاویر اور ویڈیوز بھی اب انہیں ثبوت کس طرح بنانا ہے یہ تم پر منحصر ہے۔" بنفشہ نے جھپٹ کر اس کی گود سے سارے کاغذات اٹھائے اور تیز تیز پلٹنے لگی۔ اسلان نے نگاہیں سڑک پر جمائے رکھیں۔

"وہ چھ مہینے میں تقریباً چھ سو جگہوں پر گیا ہے ان تمام جگہوں کی سی سی ٹی وی نکلوانا کتنا مشکل کام ہے جانتی ہو؟" اس نے جواب نہیں دیا بس کاغذ پلٹتی رہی۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاہ ویر اور ابتسام جس بارے میں بات کر رہے تھے ویسا کوئی واقعہ ان چھ ماہ سے پہلے ہوا ہو یا پھر اس ملک میں نہ ہوا ہو۔"

"مجھے یقین ہے کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔" اس کے ارادے، لہجہ، عزم ہر ہر لفظ مستحکم تھا۔ اسلان اس کے تیقن پر جتنا حیران ہوتا اتنا کم تھا، وہ مصائب اور آلام کے درمیان بھی کس قدر پر یقین تھی۔

(منزل تک جانے کا سفر کتنا لمبا تھا؟)

لعل یمن کی چھت پر پلاسٹک کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے انہیں مکمل سات گھنٹے بیت چکے تھے۔ بنفشہ کی کمر اکڑ گئی تھی مگر اب بھی وہ دونوں بری طرح کام میں غرق تھے۔ کام کیا تھا؟ فہرست میں سے ایک جگہ کا نام دیکھنا، اسے

انٹرنیٹ پر تلاشنا، اس کے متعلق اچھے برے تبصرے دیکھنا، اس سے جڑی سازش اور غیر سازشی تھیوریز پڑھنا اور اگر بہت ضروری لگے تو اسے بھی سی سی ٹی وی فوٹیج حاصل کرنے والی فہرست میں ڈال دینا۔ کوئی ثبوت، کوئی کڑی کچھ تھا کہ مل کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ بعض دفعہ جب آپ کسی شے کی تلاش میں ہوں تو آپ کو تلاش نہیں تھکاتی تلاش کے دوران کی ناامیدی تھکا دیتی ہے اور وہ تھک رہی تھی۔

"کیا میں یہ کرلوں گی؟" انا، تعاصب ہر شے ایک طرف رکھتے اس نے اپنے سامنے بیٹھے خود سے تین سال کم عمر مرد کو پکارا۔ جس کی گردن کاغذات پر جھکی تھی، جس نے اب تک کوئی شکایت نہیں کی تھی، جو اب تک بولا بھی نہیں تھا۔ بعض دفعہ اسے لگتا تھا وہ اکیلی ہے اور کوئی اسلان یمن نامی شخص اس کے ساتھ نہیں لیکن نہ بولنے کے باوجود اس کی موجودگی میں بھاری پن تھا۔ جو ہمیشہ محسوس ہوتا رہتا تھا، اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے لگتا تھا کوئی ساتھ ہے، کوئی ایسا جو مضبوط ہے، اچھا مرد ہے۔

"ہونہہ۔"

"مجھے لگتا ہے مجھ سے نہیں ہو گا۔" اس نے کاغذات پرے دھکیلے اور بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ "میں نے آج تک کوئی کیس نہیں جیتا مجھے اس طرح تمہارے سارے خاندان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔"

اسلان نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ "فلموں اور ڈراموں میں ہمیشہ دکھایا جاتا ہے کہ ہیرو بتاتا ہے میری ماں یہ کہتی تھی، میرا باپ یہ کہتا تھا لیکن میرے ماں باپ صرف چیختے چلاتے رہے ہیں لہٰذا ان کی باتیں مجھے یاد نہیں۔ البتہ اسکار کہتا ہے مرد عورت کو بتاتا ہے کہ وہ فلاں شعبے میں نہیں جاسکتی، فلاں کام نہیں کرسکتی اس لیے نہیں کیونکہ وہ عورت کو قابل نہیں سمجھتا...." ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "مرد عورت پر پابندی اس لیے لگاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے عورت کی چھٹی حس تیز ہے۔ وہ معیار سے ڈرتا ہے، مقابلے

اور ہار جانے سے ڈرتا ہے۔ مجھے یقین ہے یہاں تک آتے ہوئے بہت سارے مردوں نے آپ پر فتوے لگائے ہوں گے لیکن اگر آپ یہاں ہیں تو مردوں کو اسی طرح ڈرا کر رکھیں۔"

"کیا تم بھی ان مردوں کی فہرست میں آتے ہو؟"

اسلان نے شانے اچکائے۔ "نہیں میں تو اچھا آدمی ہوں نا۔"

اس نے کڑوی سی شکل بنائی۔ "یہ خوش فہمی تمہیں کب سے ہے؟"

"حقیقت کو خوش فہمی سے نہ جوڑیں۔" اس نے اپنا کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا، وہ ہمیشہ کی طرح اپنا پی چکی تھی اور مزید کی طلب رکھتی تھی۔ "یہ پی لیں، مجھے ضرورت نہیں۔" حلانکہ اسے ضرورت تھی۔

اس نے مگ تھام لیا۔ "تم اتنے بھی برے نہیں۔"

"کام پر فوکس کریں، میڈم۔" ٹکا سا جواب دے کر وہ دوبارہ کاغذات پر جھک گیا۔ بنفشہ جان چکی تھی اس کی بیٹری کی چارجنگ اب ختم ہے لہٰذا جواب اور مزید گفتگو کی توقع چھوڑ وہ دوبارہ کام پر لگ گئی۔ ذہن اب قدرے ہلکا پھلکا تھا۔

فجر کی پہلی اذان تک انہیں تین جگہیں مل چکی تھیں، جن کی سی سی ٹی وی فوٹیج انہیں ہر حال میں چاہیے تھی۔ بونی کلب، ڈاکٹر اریبہ کلینکس، جے پی سپورٹس کلب۔ تمام جگہیں پرائیویٹ پراپرٹی تھیں، حکومت سے چھپی ہوئی مگر وجود رکھتی ہوئی۔

(ثبوت راز کیسے بنا؟)

"یہ تمہارے ہاتھ پر کیا ہوا ہے؟" نجی بار کے باہر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسلان کے ہاتھ سے بہتا خون گاڑی کے پائیدان میں جمع ہو رہا تھا۔ بہتے خون کو دیکھ کر بنفشہ نے اچھنبے سے پوچھا۔ اسلان نے نظر اٹھائے بغیر رومال آڑھا ترچھا باندھا، اسٹیئرنگ تھاما اور گاڑی مرکزی شاہراہ پر ڈال دی۔ "میں تم سے بات کر رہی ہوں اسلان یہ ہاتھ پر کیا ہوا ہے؟" خون اسٹیئرنگ وہیل کو بھی بھگو رہا تھا۔

"یاسر اور وہ سیکورٹی سسٹم والا لڑکا ملا ہوا تھا، کہتا ہے سی سی ٹی وی ڈیلیٹ ہو چکا ہے، حالانکہ مجھے نہ دینے کے لیے انہوں نے فوٹیج ڈیلیٹ کیا۔" سپاٹ انداز میں کہا۔

"اور تم نے انہیں مارا؟"

"یاسر کو؟ ہاں...." بنفشہ کے سر پر لگی تلوؤں میں بجھی۔

"ہم کوئی کرمنل نہیں ہیں اسلان یمن۔ ہمیں فوٹیج چاہیے اور اس کے ہزار طریقے ہیں میں لیگل طریقے سے یہ فوٹیج لے سکتی تھی تم خوامخواہ مشکلات پیدا مت کرو تم جانتے ہو ہم کتنی بڑی...."

"اوکے۔" اس کی بات کاٹ کر اسلان یمن نے محض ایک جملہ کہا۔ بنفشہ نے چند گہرے سانس لیے اور ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"فوٹیج ملی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تمہارے مارنے کا کیا فائدہ؟"

"ہاتھ پیر کُھل گئے۔"

”اور اب یہ فوٹیج کس طرح آئے گی؟“

”آپ کے لیگل طریقہ کار سے۔“ اس کے چیخ کر کہنے پر بنفشہ کو خفت ہوئی۔ ”کیا ہوا نہیں مل سکتی کیا؟“

”یہ مسئلہ حل ہو جائے میں دوبارہ تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔“

”خیال میرے بھی یہی ہیں۔“ بنفشہ سلگتی رہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد اسلان سے اسے کال ملاتے ہوئے دیکھا، پھر بات کرتے ہوئے۔ ”اگر مجھے اس شہر میں کوئی سی سی ٹی وی حاصل کرنی ہو تو مجھے کس سے رابطہ کرنا چاہیے؟“

دوسری طرف سہراب سنبھل گیا۔ ”مجھے جگہ بتائیں میں۔۔۔۔“

”آپ آدمی بتائیں سہراب صاحب کچھ کام میں خود بھی کر سکتی ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے اس کا سارا دھیان اسلان پر تھا۔ سہراب نے اسے نمبر اور نام بتایا۔ ساتھ اپنا حوالہ دینے کو کہا۔ اسلان جانتا تھا یہ کال بند کر کے اس کا پچا نمبر والے شخص سے رابطہ کرے گا اور اس سے ہر قسم کی کلائنٹ پریولج توڑ کر بنفشہ کے پوچھے تمام سوالوں کی تفصیل مانگے گا۔ وہ اسکار کو اس سے زیادہ جانتا تھا۔ ”اور اگر کسی کی bank statements نکلوانی ہوں؟“

”کوئی مسئلہ نہیں نکال لیں گے۔“

”اگر اس نے کوئی غیر قانونی کام کروایا ہے تو اس کے لیے کیش استعمال کیا ہو گا۔“ بنفشہ کو کال بند کرتے دیکھ اسلان نے کہا۔

”تمہیں الہام ہوا ہے؟“

”مجھے تجربہ ہے“ وہ یہ کہنا چاہتا تھا البتہ.... ”وقت ضائع کرنے کا شوق ہے تو ٹھیک ہے جو آپ چاہیں۔“

بنفشہ چندپل اسے مشکوک نظروں سے دیکھتی رہی پھر رخ بدل لیا۔ نمبر اور پتا اس تک آگیا تھا اب اس کے کام کرنے کی باری تھی۔ وہ اسلان کے بغیر بھی کام کر سکتی تھی۔

پورے دو دن کی خواری، تھکاوٹ اور محنت کے بعد انہیں بونی کلبز کی چھ ماہ کی سی سی ٹی وی ویڈیو مل چکی تھی۔ اگلے کئی گھنٹے وہ اپنی آنکھوں پر ظلم ڈھاتے ہوئے ان فوٹیجز کو دیکھتے رہے۔ بغیر رکے، بغیر تھکے، بنا ہمت ہارے۔ کمر دونوں کی جواب دے چکی تھی اب تو کافی بھی حلق سے باہر نکل رہی تھی۔ دونوں کے معدے کافی کی زیادتی کے باعث پھٹنے کو تھے۔ چھ گھنٹے بعد انہیں پہلا سراغ ملا تھا۔

قریباً پانچ ماہ قبل اکیس دسمبر کی رات ابتسام عبّاس کا ڈرائیور ایک سفید رنگ کے بستے کے ساتھ ایک عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کے دس منٹ بعد ڈاکٹر اریبہ آتی دکھائی دیں۔ اور اگلے کئی منٹ وہ دونوں یک ٹک سانس لیے بغیر سکرین کو تکتے رہے، انہیں راز حاصل ہو چکا تھا۔

(”راز فاش کب ہوا؟“)

انتظار کی قطار کافی لمبی تھی۔ مریضوں کے ساتھ اوپی ڈی میں انتظار کرتے ہوئے انہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت اگر یہاں کوئی کم مایہ شخص موجود ہے تو وہ صرف اور صرف وہ دونوں ہیں۔ اسلان یمن اور بنفشہ مخدوم اریبہ کلینکس کی اوپی ڈی میں موجود تھے۔ جعلی فائل گود میں رکھے بنفشہ کے ہاتھ ہولے ہولے کپکپا رہے تھے۔ جو بھی ہونے والا تھا وہ اس کے لیے تیار ہرگز نہیں تھی، اسلان البتہ مطمئن تھا۔

”ہم کل آسکتے ہیں اگر آپ چاہیں۔“ اسلان نے پیشکش کی۔ سیاہ سفید چیکس والی بٹن شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

"اگر ہم سے نہیں ہو سکا تو؟ ہم پکڑے گئے تب؟ ہمارا شک غلط ہو سکتا ہے۔" نیلی شلوار قمیض پہنے بنفشہ کی صبیح پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جمع ہو رہے تھے۔

"ہم پکڑے گئے تو کیا؟ وہ عورت سرعام ایک آدمی سے پیسوں کا بیگ لے رہی ہے، ایک امیر آدمی ہفتے میں دو سے تین بار اس سے ایک کلب میں مل رہا ہے اور ڈر کون رہا ہے ہم؟"

"ہو سکتا ہے وہ اپنی بیوی پر چیٹ کر رہا ہو؟" بنفشہ نے اپنے خدشے کو زبان دی۔ "ہو سکتا ہے کہ...."

"مسٹر اینڈ مسز اسلان ڈاکٹر آپ کو اندر بلا رہی ہیں۔" اس کے اگلے الفاظ حلق میں رہ گئے جب انتظامیہ میں سے ایک لڑکی نے بے حد شائستہ لہجے میں انہیں ان کی باری کا بتایا۔ بنفشہ کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے البتہ اسلان پر سکون تھا ایسے جیسے بنفشہ واقعی اس کی بیوی ہو اور وہ دونوں اولاد کے مسئلے کو لے کر از حد پریشان۔

"جی مسز اسلان میں آپ کی کس طرح مدد کر سکتی ہوں؟" میز کے ایک طرف وہ دونوں بیٹھے تھے اور دوسری طرف وہ پینتالیس سالہ طبیب، جس کا چہرہ شفاف تھا اور آنکھیں سیاہ۔ اسلان نے بغیر کچھ کہے فائل اس کے سامنے رکھی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر گیا۔ دروازے کی چٹخنی چڑھائی۔ کرسی پر بیٹھی عورت ٹھٹکی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" ڈاکٹر اریبہ کے ماتھے پر بل پڑے۔ بنفشہ تب تک خود کو سنبھال چکی تھی۔ "دروازہ کھولیں میں سیکورٹی بلوا لوں گی۔ آپ ہیں کون؟"

"کافی پرسنل مسئلہ ہے مجھے لگتا ہے بات اسی طرح ہو سکتی ہے۔" اسلان واپس اس تک آیا اس کی آنکھوں میں عجیب سی کاٹ تھی۔ "مجھے عادت نہیں ہے کہ تمہیدیں باندھوں اس لیے کان کھول کر ایک ہی دفعہ میری بات سنیں۔" دونوں ہاتھ میز پر رکھے وہ آگے کو جھکا۔ "ابتسام عباس سے پیسے کیوں لیتی تھیں آپ؟"

”میں پولیس بلاؤں گی.... میں سیکورٹی.... تم مجھے ہراساں نہیں کرسکتے۔“ وہ متوحش تھی۔ اچانک حملہ تھا اسے سمجھ نہ آیا بچاؤ کیسے کرے؟

”اپنے تمام شوق آپ ضرور پورے کیجئے گا لیکن میرا خیال ہے اس وقت آپ اس فائل کو کھول کر دیکھ لیں۔“ بنفشہ نے میز پر دھری فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس میں ان تین ابارشن کی تفصیلات ہیں جو آپ کی کلینک میں ہوئے۔“ اسلان نے اب کے ہلکا سا چونک کر اسے دیکھا۔ یہ داؤ تو اسے نہیں پتا تھا۔ ”رفعت جس کی عمر سترہ سال تھی، ماریہ جو سولہ سال کی تھی اور دانیہ جو محض پندرہ سال کی تھی۔ آپ معصوم، مائنر بچیوں کے ابارشن کرتی ہیں؟“

”جھوٹ.... میں نہیں مانتی جھوٹ ہے....“ اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔

”اس فائل میں ان تینوں کی پریگنینسی رپورٹ ہے۔ ان کے یہاں آنے کی تفصیل اور دواؤں کے نسخے وہ کس قسم کی دوائیں تھیں کیا میں آپ کو وضاحت دوں؟“ بنفشہ چیخ کر بولی۔ اسلان نے سر جھٹکا۔ کیا یہ وہی عورت تھی جو اس رات چھت پر ناکامی کے خوف سے آنسو بہا رہی تھی؟ اداکارہ نہ ہو تو۔

”یہ ٹیبل ٹاک ہو گی آپ کا راز کہیں نہیں جائے گا اور بدلے میں آپ کو صرف ایک کام کرنا ہو گا۔“ اریبہ نے نفی میں سر ہلایا، یہ سب اچانک تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی لیکن پھر بھی وہ ان کے خوف میں نہیں آئے گی، وہ ان سے نہیں ڈرے گی۔

”میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتی سب جھوٹ ہے۔ تم لوگ جو بھی ہو مجھے دھمکا نہیں سکتے۔“

”کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟“ اسلان نے اپنا موبائل نکال کر اس کے سامنے رکھا جس پر ایک ویڈیو چل رہی تھی۔ کسینو کے اندر کا منظر تھا۔ شراب، سگریٹ، منشیات کے دور چل رہے تھے جب ایک عام سا حلیہ رکھنے والے

ڈرائیور نے اریبہ کو اشارہ کیا۔ کیمرہ دکھا رہا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھی ہے، پھر وہ چلتے ہوئے ایک طرف گئی۔ اگلے منظر میں وہ بستہ کھول کر اس کے اندر نقدی کھنگال رہی تھی۔

"آپ ان ابارشنز کی نفی کر سکتی ہیں وہ بھی صرف یہاں اس دفتر میں۔ یہاں سے نکلنے کے بعد یہ سچ ہو گا اور یہ ویڈیو اسے میں کسی اور کو نہیں صرف اور صرف آپ کے شوہر کو دکھاؤں گا اس کے بعد وہ نیک اور پرہیز گار آدمی یقیناً آپ کو طلاق دینے میں وقت نہیں لگائے گا۔" اسلان آگے آیا، ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "میرا یقین کریں اس طرح لوگوں کے دفتروں میں جا جا کر انہیں دھمکانا میرا شیوہ نہیں ہے میں بس مجبور ہوں مجھے آپ کی تھوڑی سی مدد چاہیے۔ ورنہ آپ خود سوچیں یہ عمر ہے میری کسی عورت کو دھمکانے کی؟" احمد اسلان نے معصومیت سے ڈاکٹر کو دیکھا، بنفشہ نے آنکھیں گھمائیں۔

"کیا چاہیے تمہیں؟"

"ابتسام عبّاس سے آپ کا تعلق، اس کے ڈرائیور سے پیسے لینے کی وجہ، اس کا آپ سے بار بار ملنا۔ مجھے وجہ چاہیے ڈاکٹر۔"

"مجھے کیا فائدہ ہو گا اگر میں نے سچ بتایا تو ابتسام مجھے نہیں چھوڑے گا اور اگر جھوٹ کہا تو تم اور...."

"میں وعدہ کرتا ہوں یہ بات یہیں رہے گی ہم تینوں کے درمیان۔" وہ جو دھمکانے آیا تھا اب سمجھانے لگ گیا تھا۔ "میں دشمنیاں پالنے نہیں نکلا، میں کسی کے مورلز ناپنے بھی نہیں نکلا یہ کام میری مجبوری ہے میں خاندان بچا رہا ہوں اور بس۔۔۔۔۔۔"

("راز فاش کب ہوا، حصہ دوئم!")

سفید پڑتی رنگت اور مرے مرے ہاتھوں سے وہ عورت مختلف دستاویزات کھنگال رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی تھی۔ کئی فائلز سرکانے کے بعد جو اس کے ہاتھ آئی وہ ایک سیاہ رنگ کی فائل تھی۔ ”اگر میرا نام سامنے آیا تو خدا کی قسم میں تم دونوں کو برباد کر دوں گی۔ میری بات یاد رکھنا۔“ اس نے فائل دینی چاہی جسے بنفشہ نے تیزی سے جھپٹا۔ ورق پلٹے، اور.... اور وہ لمحے بھر کے لیے ساکت رہ گئی۔ فائل پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی۔

ڈھیر سارے معائنوں کے بعد طب اور صورت حال کے نزدیک.... ”کیا لکھا ہے؟“ اسلان نے فائل اس کے ہاتھ سے لے لی۔ جہاں لکھا تھا کہ ابتسام عباس، بیالیس سالہ مرد تولیدی صلاحیتوں سے محروم ہے۔ ساتھ اس کی بیوی کی رپورٹس تھیں جن کے مطابق وہ تولیدی صلاحیتوں کے لیے پوری طرح فٹ ہے۔ مسئلہ ابتسام عبّاس تھا، تباہ ہونے والی زندگی شاہ ویر بنگش کی بہن تاجور بنگش کی تھی۔ وہ بانجھ نہیں تھی، ابتسام تھا۔

اسلان یمن ساکت، صامت اور منجمند تھا۔ یہی حال اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی کا بھی تھا۔ تاجور جس غم میں جی رہی تھی وہ اس کا تھا ہی نہیں، جو کمی وہ خود میں پاتی تھی اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ کوئی بھی مرد کسی عورت کے ساتھ اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے۔ اس دنیا میں کتنی عورتیں اسی تکلیف کی نذر کر دی جاتی ہیں؟

★★★★★★★

اگلی صبح لعل یمن میں افراتفری تھی۔ آمنہ کو میکے جانا تھا اور وہ سہراب کا سر کھا چکی تھی جب اس نے کافی دیر تک ٹال مٹول سے کام لیا تب آمنہ نے عبیر کے کپڑے تبدیل کیے، اسے لپسٹک لگائی اور بال بنا کر سہراب کے پیچھے لگا دیا اب وہ دائیں بائیں سے گزرتے ہوئے گول ہوئے ہونٹوں سے بس ایک ہی سوال کرتی تھی۔

”بڑے ابّا گاڑی میں کب جائیں گے؟“

”دس منٹ میں چلتے ہیں میری جان۔“

”آپ نے دس منٹ پہلے بھی یہی کہا تھا۔“ بیچارے بڑے ابا کو سہی کی نکیل پڑ گئی تھی، سرخی پاؤڈر لگا کر تیار کھڑی "بڑی اماں" بڑے شوق سے شوہر کی درگت بنتے دیکھ رہی تھی۔

انارا کلسمندی سے بستر پر لیٹی اپنی اور سہراب کی صبح والی ملاقات کا سوچ رہی تھی، اپنی ماں کے نئے آئے پیغامات کی ملامت جھیل رہی تھی۔ اسلان تیار ہو کر گاڑی نکال رہا تھا۔ سہراب نے آمنہ کو اس کے ابا کے گھر چھوڑ کر آنے کے بعد عدالت جانا تھا اسلان ابھی سے نکل رہا تھا۔ کافی کا کپ ہاتھ میں لیے بنفشہ بھی کوارٹر سے باہر نکلتی نظر آ رہی تھی۔ ”وہ دونوں گواہ آج پیش ہونے ہیں، جی میں دیکھ لوں گی۔“ موبائل پر پیغام ریکارڈ کرواتے وہ اسلان کے سامنے آ کر رکی، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ”کیا ہے؟“

”آج کورٹ میں کیا ہو گا؟“

”تم کیا چاہتے ہو کیا ہونا چاہیے؟“

”ابتسام والا قصہ.....؟“

بنفشہ نے ہاتھ جھلایا۔ ”ہر بات، ثبوت موقعے کی مناسبت سے استعمال کرنا ہوتی ہے اب میں کیا جاتے ہی جج کے کان میں کہہ دوں جج صاحب ابتسام باپ نہیں بن سکتا۔“ وہ کچھ اس انداز سے بولی کہ اسلان چہرہ جھکا کر ہنس پڑا۔ بنفشہ کا دل ایک لمحے کے لیے ٹھہر گیا۔ وہ ہنسی ضبط کرنے کے چکروں میں سرخ پڑ گیا اور پھر وہ دوبارہ ہنس پڑا۔ ہولے سے، مدھم سی ہنسی۔ بنفشہ نے پہلی بار کسی مرد کو اس طرح بے فکر ہنستے دیکھا تھا یا شاید فکروں کے درمیان پہلی دفعہ ہنستے ہوئے۔ اس کے کان کی لوئیں تک سرخ پڑ رہی تھیں، آنکھوں میں پانی بھر رہا تھا اور وہ ہنس رہا تھا۔ ایک لمحے کو رکتا، بنفشہ کو دیکھتا اور سر جھٹکتے ہلکا سا ہنس دیتا۔ کوئی بے اختیاری تھی، طلسم تھا کہ کشش وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ ایک لمحے کو وہ اسے اچھا لگا، بے حد اچھا۔ ایک لمحے کو اس کے اپنے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"کس بات پر اتنا ہنسا جا رہا ہے؟" سہراب کی سنجیدہ آواز پر لمحے کا فسوں ٹوٹا۔ بنفشہ نے چونک کر پیچھے دیکھا، اسلان اب ہنسنا چھوڑ کر انگوٹھے کی پشت سے آنکھ کا پانی صاف کر رہا تھا۔ اب اس کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔

"کچھ خاص نہیں۔" سنجیدہ ہوتے ہوئے اسلان نے جواب دیا۔ "ہم کیس کی بات کر رہے تھے۔"

"جو کیس میں جانتا ہوں اس میں عالم پر دفعہ تین سو دو لگی ہے یقیناً یہ کافی مضحکہ خیز ہے، ہے نا؟" بنفشہ نے دیکھا کہ کچھ دیر قبل بے فکر، بے ہنگم قہقہہ لگانے والا لڑکا اب لب بھینچ گیا ہے۔ "ہنسنا کوئی جرم ہے کیا؟"

سہراب اس کے قریب آ کر رکا، چند پل کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور اس کے کان کے قریب جھکا۔ "اپنے سے تین سال بڑی عورت کے ساتھ اس طرح ہنسنا جرم ہی ہے۔" وہ سہراب سے کہنا چاہتی تھی یہ اتنی بڑی بات نہیں مگر چپ رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسلان کے ساتھ یافث کی گاڑی میں تھی۔ ایک ہاتھ ہمیشہ کی طرح کھڑکی پر ٹکائے وہ دوسرے ہاتھ سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اپنی گود میں رکھے دستاویزات کے پنے پلٹتی بنفشہ وقفے وقفے سے اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال لیتی۔ "کیا وہ تمہارے ساتھ سخت ہیں؟"

اسلان کی گرفت پہیے پر سخت ہوئی۔ لب بھینچ گئے۔ "none of your business" سختی سے کہا۔

"بعض دفعہ تربیت کے دوران ہمارے گارجین چاہتے ہیں ہم ان کے جیسے بن جائیں وہ بھول جاتے ہیں کہ ہر انسان مختلف ہوتا ہے۔" اسلان خاموش رہا، نا تائید کی نہ تردید۔ "تمہیں ایک دفعہ آرام سے ان سے بات کرنی چاہیے۔" اسلان نے اتنی تیزی سے موڑ کاٹا کہ بنفشہ کا سر ڈیش بورڈ پر لگتے لگتے بچا۔ اس نے متحیر نگاہیں اٹھا کر اسلان کو دیکھا۔

"یو نو واٹ تم اپنے چچا کا یہی رویہ ڈیزرو کرتے ہو۔" وہ غصے سے پھنکاری۔ "پتا نہیں کس بات کا غرور ہے تمہیں۔"

اسلان نے گاڑی روکی اور اس کی طرف مڑا۔ آنکھوں میں طیش سا تھا۔ ”مس بنفشہ احسان مخدوم میری بات کان کھول کر سن لیں، پہلی اور آخری بار سمجھا رہا ہوں۔ جو کرنے آئی ہیں وہ کریں اور مجھ سمیت میرے معاملات سے دور رہیں۔ مجھے مجبور مت کریں کہ میں تم سے بھی وہی بدتمیزی کروں جو کچھ دن پہلے یاسر نے دیکھی ہے۔“

بنفشہ بے پلک، بے تاثر اسے دیکھتی رہی۔ اسلان چند لمحے انہی قہر آلود نظروں میں الجھا رہا، پھر کندھے ڈھیلے چھوڑ کر گاڑی سٹارٹ کر دی۔ عدالت تک خاموشی رہی، مگر رفتار ایسی تھی کہ سیٹ بیلٹ کے باوجود وہ مشکل سے خود کو ڈیش بورڈ سے بچا پاتی۔ گاڑیوں کے بیچ وہ اسے اس مہارت سے نکال رہا تھا جیسے فلمی اسٹنٹ ہو۔ یقیناً وہ بنفشہ کو ڈرا رہا تھا۔ وہ لب بھینچے، خاموش بیٹھی رہی۔ عدالت کے باہر اسلان اتر گیا، مگر بنفشہ نہ اتری۔ ......وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ ”اب آپ کے لیے کیا دعوت نامہ لاؤں؟“

بنفشہ گاڑی سے اتر کر آئی، اسلان کے ہاتھ سے چابی لی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر واپس اندر بیٹھی۔ ”سماعت شروع ہونے میں تیس منٹ باقی ہیں، اندر آکر بیٹھو۔“

”میں آپ کا ملازم۔“

”اندر آکر بیٹھو، اسلان شجاع یمن۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ اسلان نے آس پاس آتے جاتے لوگ دیکھے اور نا چاہتے ہوئے بھی دوسری طرف سے آکر بیٹھا۔ بنفشہ نے چابی گھمائی اور اگلے ہی لمحے گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ ان دونوں کی نگاہیں سڑک پر جمی تھیں، اسلان اس کے نازک ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ وہیل پر سخت ہوتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ رفتار بڑھتی جا رہی تھی اور اسلان کے لیے نشست پر توازن برقرار رکھنا مشکل ہوتا گیا۔

”آہستہ چلائیں۔“ بنفشہ نے رفتار مزید تیز کی اب گاڑی ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اسلان سے زیادہ تیز تھی، اس سے زیادہ ماہر۔ موڑ مڑتے گاڑیوں کے درمیان سے گاڑی نکالتے وہ ایک لمحے کے لیے بھی آنکھیں نہیں

جھپک رہی تھی۔ وہ گاڑی اڑانا جانتی تھی۔ ”کیا کر رہی ہیں حادثہ ہو جائے گا۔“ اسے دو ٹرکوں کے درمیان سے گاڑی نکالتے دیکھ اسلان غرایا۔ بنفشہ نہ اسے سن رہی تھی نہ دیکھ رہی تھی۔ ”واپس موڑیں، عدالت چلیں۔“ اس نے ایک بار پھر اسے نظر انداز کیا۔

”ان کھلونوں سے ڈراؤ گے مجھے؟“ وہ پھنکاری، رفتار اور بڑھائی اب اسلان کو آس پاس سے گزرتی گاڑیاں تک دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

”آہستہ چلاؤ۔۔۔۔۔ اچھا آئی ایم سوری پلیز بس کریں اور واپس چلیں۔“ اسے مزید رش کے اندر گاڑی گھساتے ہوئے دیکھا اسلان تیزی سے بولا۔ مگر اس نے گاڑی نہیں روکی، نہ ہی موڑی۔ ”بنفشہ پلیز!“ وہ ایک لمحے کو بے حد نرمی اور منت سے بولا۔ ”گاڑی واپس لو، پلیز۔“

تھوڑی دیر بعد ایک جھٹکے سے گاڑی عدالت کے سامنے روکتے ہوئے اس نے اسلان کو دیکھا۔ جس کی رنگت عجیب ہو رہی تھی۔ ایسے جیسے اسے متلی آ رہی ہو۔ اسے گاڑیوں سے کچھ خاص لگاؤ نہیں تھا، وہ شیشے بھی کھلے رکھتا تھا کیونکہ اس کا دل خراب ہوتا تھا۔ ”اگلی بار مجھے دھمکانے سے پہلے دس مرتبہ سوچ لینا، اسلان۔ جس عورت نے باپ، بھائی اور شوہر کے سہارے کے بغیر زندگی گزاری ہو وہ کسی سے خوف نہیں کھاتی۔ نہ مردوں سے، نہ عورتوں سے، نہ جنوں سے اور نہ تجربات سے۔ اگلی دفعہ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنا لہجہ دھیما رکھنا اور اگلی بار مجھے دھمکانے سے قبل یاد رکھنا میں پنار سکندر نہیں ہوں جسے تم اغوا کر کے قتل کر دو گے اور پھر دندناتے پھرو گے۔ مجھ پر انگلی اٹھائی تو میں تمہارا ہاتھ کاٹ دوں گی۔“

اسلان کی آنکھیں خالی تھیں، نہ وہ متاثر تھا، نہ خوف زدہ۔ البتہ شرمندگی کی ایک رمق ضرور تھی۔ ”میرا مقصد آپ کو ڈرانا نہیں تھا، میں بس غصے میں تھا۔“ اسلان نے آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالیں۔ ”آئی ایم سوری۔“

"تم اپنا غصہ قابو کرنا سیکھو، اور اگر نہیں ہوتا تو اسے اتارنے کے لیے اور لوگ دیکھو۔" وہ بس اتنا کہتی گاڑی سے اتر گئی۔ پیچھے بیٹھا اسلان گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ اگر سہراب کو پتا چلا تو وہ کیا سوچے گا، اس نے ایسی تربیت تو نہیں کی تھی اور وہ ایسا تو نہیں تھا۔ عدالت کی طرف جاتی بنفشہ کی پشت کو تکتے ہوئے وہ بس یہی سوچ رہا تھا۔ اسے واقعی اپنے غصے کو قابو کرنا چاہیے۔

★★★★★★★

وقتِ سماعت تھا۔ عدالتی کاروائی جاری تھی۔ کٹہرے میں اس وقت تاجور بنگش کھڑی حلف لے رہی تھی۔ دمیر اس کے سامنے موجود تھا۔ اس کی گردن سیدھ میں تھی، چہرے پر سنجیدگی پس منظر میں اس کی ماں کی آوازیں اسے سنائی دے رہی تھیں۔

("اپنے بھائی کے انصاف کی خاطر تمہیں یہ سب کرنا ہوگا، تاج۔" وہ اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے ہوئے بولی تھی۔

"میں عدالت میں جھوٹ کیسے بولوں؟"

تمکنت پیچھے کو ہوئی، چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ "کیا تم آج بھی اس کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہو؟"

"مام میں۔۔۔۔"

"سمجھ گئی میں تم آج بھی اس شخص کے دام میں ہو۔ مجھے یقین نہیں آتا تم اپنے بھائی کو انصاف دلانے کی خاطر چند جھوٹ تک نہیں بول سکتیں؟")

حال میں وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ عہد لے رہی تھی۔ اسے ثابت کرنا تھا اس کا بھائی صف اول آتا تھا۔ "میں جو بھی کہوں گی سچ کہوں گی، سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔"

”ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیں۔“

”میرا نام تاجور بنگش ہے۔“ بنفشہ نے ایک نظر اسے دیکھا، دوسری نظر اپنی ماں کو۔ اس کی نظروں میں ملامت تھی۔ ایک مخدوم کو بنگش بنانے کا حق اسے کس نے دیا؟ ہمیشہ کی طرح تمکنت نے نگاہیں پھیر لیں۔ وہ ان نگاہوں کے پھیر لیے جانے کی عادی تھی۔ مگر اسے تکلیف ہوئی!

”آپ کرتی کیا ہیں، مسز تاج؟“

”میں ایک اداکارہ اور فیشن ماڈل ہوں۔“

”مسز تاج پچیس فروری کی رات ٹی ٹی پروڈکشن کی تقریب میں آپ کے ساتھ کیا ہوا؟“ تاجور کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی، اس نے ماں کو دیکھا وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

”میں ہال کی ایک طرف کھڑی مہمانوں سے مل رہی تھی جب میں نے عالمگیر کو ہال سے نکل کر ایک طرف جاتے ہوئے دیکھا، اس نے اشارہ کر کے مجھے بلایا۔۔۔“

”یہ جھوٹ بول رہی ہے میں نے اسے نہیں بلایا تھا۔“ عالم اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے گرجا۔ ”تمہیں شرم آنی چاہیے میں ایک بچی کا باپ ہوں۔“

”آپ چپ رہیں عالم۔ آپ کی طرف سے بولنے کا حق صرف آپ کی وکیل کو ہے۔“ جج چبوترے سے بولا۔

عالم بپھر کر مزید کچھ کہنا چاہتا تھا جب اسلان نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔ ”آپ کی اسی زبان کی وجہ سے ہم یہاں ہیں مزید گُل نہ کھلائیں تو بہتر ہو گا۔“

”جی۔۔۔۔۔۔۔۔ مسز تاج عالم نے آپ کو ہال کے باہر بلایا تب وہاں کیا ہوا؟“ دمیر نے سلسلہ وہیں سے جوڑا۔ تاجور نے اپنی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو صاف کیا، ایک لمحے کو اس کی نگاہ عالمگیر یمن سے ملی۔ وہ ہیزل آنکھوں والا مرد زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ اپنی ماضی کی غلطیوں کے کفارے کر سکتی تھی مگر۔۔۔۔

”اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔“

عالم نے تلملا کر پہلو بدلا۔ ”یہ پھر جھوٹ بول رہی ہے۔“ وہ اسلان کے قریب دبا دبا غرایا۔ تاج کہہ کر رونے لگی تھی۔ کمرہ عدالت میں ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ دمیر نے اسے پانی دیا، وہ غٹا غٹ سارا گلاس پی گئی۔ چند منٹ بعد وہ کچھ بہتر تھی۔

”مسز تاج اس کے بعد کیا ہوا؟“

”اس کے بعد عالمگیر نے مجھ سے کہا کہ وہ ہمارا ماضی یاد کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی تینوں بیویوں کے ساتھ کبھی خوش رہا ہی نہیں۔ اس نے مجھے سے کہا کہ میں اس کے پاس واپس آجاؤں۔“

”اور پھر آپ نے کیا کہا؟“

”میں نے اپنا ہاتھ چھڑوایا اور جانے کے لیے مڑی مگر جب میں مڑ کر جانے لگی تب عالم نے دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور میرے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش کی۔“ عالم اٹھ کر اس کا منہ نوچ لینا چاہتا تھا جو اس پر تہمتیں دھر رہی تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا عدالت میں بیٹھا ہر شخص سوائے اس کے خاندان کے تاجور پر یقین کر چکا ہو گا۔ ”اس نے مجھ سے کہا کہ جو پیسہ وہ مجھ سے حاصل نہیں کر سکا وہ اس کی بھتیجی حاصل کرے گی اور جب میں نے اس سے کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا تب اس نے مجھے تھپڑ مارا اور مجھے دونوں ہاتھوں سے نیچے دھکا دیا۔“ بنفشہ

تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ اس کی بات سنتی ہوئی کاغذ پر کچھ نوٹ کرتی جارہی تھی۔ اسے بہن سے یہ امید نہیں تھی۔

"اس نے مجھے گالیاں دیں، مجھے بانجھ ہونے کا طعنہ دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ...." تاج نے ہچکی لی۔ گیلی نم آنکھیں جھکا دیں۔ "کہ میں اس تعلق بحال کروں تو میری اولاد کا مسئلہ حل ہو جائے گا وہ حل کرے گا۔" دمیر نے کراہیت سے آنکھیں میچ لیں، عالمگیر یمن کی آنکھوں کا زخمی پن بڑھ گیا۔ وکلاء اور ججوں کے چہرے پر ملامت در آئی۔ عالم اس عدالت کے باہر ویسے نہیں جانے والا تھا، جیسے وہ آیا تھا۔ "اس نے مجھ سے پیسوں کی ڈیمانڈ کی، مجھے کہا کہ میں اس کو دو کروڑ لا کر دوں ورنہ وہ میرے شوہر کو میرے خلاف بھڑکائے گا۔"

"بے حد افسوس کے ساتھ مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ آج بھی اس دور میں بھی عورت کو اپنے سابقہ محبوب سے ہراساں ہونا پڑ رہا ہے۔" دمیر متاسف سا جج سے کہہ رہا تھا۔ "جج صاحب femicide کے بڑھتے ہوئے واقعات کی جڑ یہی رویے ہیں۔ اس جہالت اور اس قدر غلیظ حرکت پر میرے پاس الفاظ ہی ختم ہو گئے ہیں۔" اس نے سر جھٹکا اور بنفشہ سے کہا۔ "یور ونٹس!"

وہ اٹھ کر آئی سیاہ گاؤن کا گھیر ایک طرف سے سنبھالا اور تاج کے سامنے آ رکی۔ "مسز تاج آپ کمفرٹیبل ہیں، میں آپ سے کچھ سوال کر سکتی ہوں؟"

"جی۔" اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"ٹھیک۔ کیا آپ مجھے یہ بتا سکتی ہیں کہ آپ کا اور عالم کا تعلق کتنے سال رہا؟"

"اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟" دمیر نے نقطہ اٹھایا۔

"اعتراض مسترد۔ مسز تاج جواب دیں۔" جج صاحب نے کہا۔

"تقریباً چھ سے سات سال۔"

"کیا اس تعلق میں آپ عالم کے ساتھ جنسی طور پر انوالو تھیں؟"

"آبجیکشن یور آنر۔ مس بنفشہ ایک شادی شدہ عورت کا تقدس پامال کر رہی ہیں، یہ کیسا واہیات سوال ہے۔"

"اسی عورت نے میرے مؤکل پر الزام لگایا ہے کہ وہ انہیں جنسی قسم کے تعلقات رکھنے کو کہہ رہا تھا میں ایک سادہ سا سوال کر رہی ہوں جس کا جواب ہاں یا نہ میں دیا جانا چاہیے۔"

"جواب دیجیے مسز تاج۔" جج نے تحکم سے کہا۔ عالم کی نظریں تاجور پر ٹکی رہیں۔

"نہیں۔۔۔" کہتے ہوئے اس کی گردن میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"جس آدمی نے تعلق میں ہوتے ہوئے چھ سال جنسی تعلقات کے لیے دباؤ نہیں ڈالا وہ اچانک کئی سال بعد ایک بیٹی کا باپ ہوتے ہوئے تعلقات رکھنے کی فرمائش کر رہا ہے، بات کافی نامعقول اور بے بنیاد ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رکی اور تاج کو دوبارہ دیکھا۔ "ان سالوں میں عالم نے آپ کو کیا کیا تحائف دیے؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"درست...." وہ اپنی میز تک آئی چند کاغذات اٹھائے اور ایک تصویر ہاتھ میں لیے وہ واپس اس تک آئی۔ "اس تصویر میں جو انگوٹھی آپ نے پہنی ہوئی ہے کیا آپ اسے پہچانتی ہیں؟" تاجور کی رنگت متغیر ہوئی۔ "مسز تاج کیا آپ اس انگوٹھی کو پہچانتی ہیں؟" بنفشہ نے زور دیا۔

"جی یہ مجھے عالمگیر نے دی تھی۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔ آنکھیں مردہ ہو رہی تھیں۔

"کیا یہ انگوٹھی ہیرے کی تھی؟"

”جی۔“

”یہ انگوٹھی کتنے کیرٹ کی ہے؟“

”مجھے نہیں پتہ۔“ وہ روہانسی ہوئی۔

”او کے یہ انگوٹھی اب کہاں ہے؟“

”میرے پاس۔“

”یعنی بریک اپ کے بعد یہ انگوٹھی آپ نے واپس نہیں کی؟“

”ہر کپل ایک دوسرے کو تحفے دیتا اور....“

”ہاں یا نہ؟“

”آبجیکشن مائی لارڈ کاؤنسلر مسز تاج پر دباؤ ڈال رہی ہیں۔“

”میں عدالت کے تمام پروٹوکولز مدنظر رکھتے ہوئے ایک سادہ سا سوال پوچھ رہی ہوں، کیا آپ نے وہ ہیرے کی انگوٹھی عالمگیر کو واپس کی تھی؟ ہاں یا نہ۔“ اس نے بلند اور بے لچک انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔“ وہ مدھم سا بولی۔ ”اس نے مجھ سے واپس نہیں مانگی اور میں نے نہیں دی۔ اس بات کا کیس سے کیا تعلق ہے؟“ بنفشہ ہلکا سا مسکرائی۔

”کپلز کے درمیان جب بھی جھگڑے ہوتے ہیں تب سب پہلے یہ جتایا جاتا ہے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کیا نہیں کیا اور جب کپل غیر شادی شدہ ہوں اور ان کے درمیان بریک اپ ہو تو ننانوے فیصد کیسز میں مہنگے تحائف واپس

لیے جاتے ہیں اور جو ایک فیصد لوگ تحفے واپس نہیں لیتے وہ گریسفل ہوتے ہیں۔ میرے موکل نے تاجور بنگش سے سچی محبت کی تھی۔ اس لیے جب ان کا تعلق ٹوٹا تب انہوں نے کسی قسم کا کوئی تحفہ واپس نہیں مانگا اور نہ دوران تعلق ایک عورت کا تقدس پامال کرتے ہوئے اسے کسی قسم کے جنسی تعلقات کے لیے مجبور کیا۔ عالمگیر یمن کا واحد قصور مرد ہونا ہے کیونکہ جب مرد پر الزام لگتا ہے تو صفائی سے پہلے کیچڑ آتا ہے۔"

اس نے چند کاغذات جج کی ٹیم کی طرف بڑھائے۔ "یہ تاجور بنگش کے انسٹا گرام سے لی گئی کچھ تصاویر ہیں جہاں وہ اب بھی وہی دو کیرٹ کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہیں۔ جج صاحب جو آدمی پیسوں کے لیے تعلق رکھتا ہے کیا وہ آدھے کروڑ کی انگوٹھی اپنی سابقہ محبوبہ سے واپس نہیں مانگتا؟ میرے مؤکل پر گولڈ ڈگر اور ہراساں ہونے کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام ہے۔" وہ تاج کے پاس واپس آئی۔ "عالمگیر نے تقریب میں جب آپ کو بلایا تب آپ ان کے بلانے پر کیوں گئیں؟"

"مجھے لگا کوئی ضروری کام ہو گا۔۔۔"

"اچھا تو جب انہوں نے آپ کو تھپڑ مارا تب وہ یقیناً غصے میں ہوں گے؟"

"بالکل۔"

"آپ کو پتا ہے عالمگیر کا وزن کیا ہے؟"

"یہ کیسا سوال ہے؟ اس سوال کا کیا تعلق ہے؟" دمیر بپھرا۔

"تعلق ہے دمیر صاحب مجھے جوڑنے کا وقت دیں۔ آپ ہر بات پر آبجیکشن کرتے رہیں گے تو یہ کیس بس لمبا ہوتا جائے گا۔"

"اعتراض مسترد آپ سوال کا مقصد جلد واضح کریں۔"

بنفشہ نے سر کو خم دیا اور دوبارہ تاجور کی طرف متوجہ ہوئی۔ "کیا آپ کو پتا ہے عالمگیر یمن کا وزن کیا ہے؟"

"نہیں۔"

"اٹھہتر کلو۔ عالمگیر کا وزن اٹھہتر کلو ہے۔ ایک اٹھہتر کلو کا مرد جو باقاعدگی سے جم جاتا ہے وہ اگر کسی عورت کو تھپڑ مارے گا تو میرا خیال ہے یا تو اس عورت کا ہونٹ پھٹے گا یا پھر اس کے چہرے پر کوئی نشان پڑے گا۔" اس نے ایک بار پھر چند تصاویر اٹھا کر جج صاحب کے سامنے رکھیں۔ "یہ وہ تصاویر ہیں جو پچیس فروری کی رات اس وقت لی گئیں جب تاج اپنے بھائی شاہ ویر کو عالم کے متعلق بتا رہی تھیں۔ تمام تصاویر میں ان کے چہرے کا کلوز اپ ہے اور کہیں بھی تھپڑ کا کوئی نشان ان کے چہرے پر نظر نہیں آ رہا۔"

"ضروری نہیں کہ ہر دفعہ تھپڑ کا نشان بنتا ہو۔" دمیر نے کہا۔

"اچھا واقعی؟ رپورٹ میں لکھا ہے کہ جب عالمگیر نے تاجور کی کلائی مروڑی تو وہاں نشان تھے۔ یہ کیسے نشان ہیں جو چہرے پر نہیں پڑ رہے؟ تھپڑ مارنے کے لیے عالمگیر کیا کوئی دوسرا ہاتھ لایا تھا؟" اس نے جج کو دیکھا۔ "مسز تاج کے بیان میں تضاد ہے جج صاحب۔ میرے مؤکل نے ان پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھایا، نہ ہی وہ لالچی اور گولڈ ڈگر ثابت ہوتے ہیں۔ عدالت سے میری درخواست ہے کہ مسز ابتسام کو عورت کارڈ نہ کھیلنے دیا جائے اور نہ ہی میرے مؤکل کو محض ایک مرد ہونے پر سزا دی جائے۔"

"گواہان کا کیا؟ کیا وہ بھی جھوٹ تھے؟"

"پیش کیجیے انہیں بھی جھوٹا ثابت کیے دیتے ہیں۔" وہ دمیر کو دیکھتی ایک ادا سے کہتی مڑ گئی اور واپس اپنی کرسی پہ آ کر بیٹھی۔ اس کی گردن ہنوز تنی تھی، وہ ہر شے سے بے نیاز تھی۔

جج صاحب اب گواہان کو پیش ہونے کا حکم دے رہے تھے۔

★★★★★

"چند دن قبل۔"

"کچھ ہوا ہے کیا؟" لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز سہراب کو دیکھ کر اسلان نہ چاہتے ہوئے بھی رکا۔ ہاتھ میں کھانے کی پلیٹ اور دوسرے ہاتھ میں موبائل تھا۔ سہراب نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ٹھنڈی سانس لی۔ اور اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"استعفیٰ دینے کا سوچ رہا ہوں۔"

"استعفیٰ؟" اسلان کا دماغ بھک سے اڑا۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھا اور تشویش سے اسے دیکھا۔ "کل تک تو آپ چاہتے تھے میں بھی ڈیپارٹمنٹ میں آ جاؤں آج استعفیٰ؟"

سہراب نے ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان مسلی۔ ایک سرد آہ خارج کی۔ "خادم بٹ کی طرف سے کافی دباؤ آ رہا ہے وہ چاہتے ہیں میں جوہر فور زیرو کو جلدی ختم کروں اور میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے۔" وہ بے حد تکان زدہ تھا۔ "تم سے ایک بات کہوں، اسلان؟ کبھی پولیس میں مت جانا۔ رشوت نہیں لو گے تو تبادلہ کر دیا جائے گا۔ ایمان داری سے کام کرو گے اور اپنے اوپر بیٹھے افسروں کو چائے پانی نہیں دیا تو پھر تبادلہ، کسی امیر کے بچے پر ہاتھ ڈالا تو ایک بار پھر تبادلہ۔ میرا کیا قصور ہے، سوائے اس کے کہ میں نے اپنا کام ٹھیک سے کیا۔ امراء کی بالا دستی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ کیا جو ایک افسر کو کرنا چاہیے تھا۔ وہ چھ لوگوں کا قاتل تھا پوری انسانیت کا چھ مرتبہ قاتل، اسے مار کر میں نے کیا غلط کیا؟" اسلان نے پر سوچ انداز میں اسے دیکھا۔

"عالم سے بات کی؟ وہ بھی تو آپ کے ساتھ تھا۔ شاید اس کے پاس حل ہو۔"

”عالم سڑ رہا ہے جیل میں اس سے کیا ہی بات کروں۔“ اس نے بے زاری سے گردن واپس صوفے پر گرادی۔ ”میں صرف اور صرف یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میرا خاندان کرمنل نہیں ہے۔ عالم نے تین عورتوں کا قتل نہیں کیا، تم نے کوئی اغوا اور قتل نہیں کیا.... “ اسلان نے دانستہ پہلو بدلا۔ ”میں صرف اور صرف اپنے بقا کی جنگ لڑ رہا ہوں لیکن یہ ساری دنیا مجھے میرے مقصد سے ہٹانے میں لگی ہوئی ہے۔“

”آپ خود ہٹے ہو۔“ اسلان نے اپنے جوتوں پر نگاہیں جمائے مستحکم انداز میں تبصرہ کیا۔ ”میں تو آپ کو کام کرتے ہوئے دیکھ ہی نہیں رہا۔ جب آپ کو شاہ زید نے کہہ دیا کہ اسے آپ کی بات کا یقین نہیں تو آپ نے خود بھی خود پر یقین کرنا چھوڑ دیا، خادم بٹ نے کہہ دیا وہ آپ کا تبادلہ کرے گا تو آپ نے مان لیا ہاں وہ کرے گا۔“

”تمہیں کیا لگتا ہے وہ نہیں کرے گا؟“

”ہرگز نہیں۔“ وہ ترکی بہ ترکی بولا۔ ”جو انسان آپ کو مری سے اٹھا کر یہاں لا رہا ہے، جو اپوزیشن سے دشمنی مول لے رہا ہے آپ کو لگتا ہے وہ انسان آپ کا تبادلہ کرے گا؟“ سہراب کے دماغ میں کوئی بجلی کا کوندا لپکا۔

وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور سوالیہ نگاہوں سے اسلان کو دیکھنے لگا۔ ”مجھے یقین ہے اس سب کے پیچھے اس کا کوئی مقصد ہے۔ یا پھر کوئی اور اس سے یہ کام کروا رہا ہے، آپ اس کے نہیں وہ آپ کے تابع ہے۔ وہ آپ کی نہیں آپ اس کی ضرورت ہیں۔“ ایک لمحہ، ایک سیکنڈ، ایک خیال بس یہی چاہیئے ہوتا ہے انسان کو اور وہ ایک الگ ہی انداز پر سوچنے لگ جاتا ہے اس وقت سہراب افتخار یمن کسی الگ ہی جگہ کھڑے ہو کر، کچھ بے حد الگ سوچ رہا تھا۔

”اور وہ پریولج کلر؟“

”وہ کسی شاہ زید کا نہیں "آپ" کا جنون تھا۔ اسے اپنے لیے ڈھونڈیں، اس جذبے کے لیے ڈھونڈیں جس کے تحت آپ نے ابراہیم کو مارا تھا۔ اس خاندان کے مرد کرمنل ہوں یا نہیں لیکن اس خاندان کا ایک مرد ایک فرض شناس اور خبطی افسر ہے یہ ہم سب جانتے ہیں۔“

”تم اپنے چچا کو خبطی کہہ رہے ہو؟“ اس نے ساری بات میں ایک لفظ پکڑ لیا۔

اسلان نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ ”اس سے پہلے جو کہا وہ سمجھ آیا؟“

”ہاں ہاں سب پتا ہے مجھے، تم زیادہ میرے باپ نہ بنو۔“ ہاں وہ متاثر ہوا تھا لیکن یہ بات مان لینا مشکل تھا۔ اس نے مشکوک نظروں سے اسلان کو اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ”یہ تم اور وہ وکیل کیا گُل کھلا رہے ہو آج کل؟“

”جب باغ بنے گا آپ خود جان جاؤ گے۔“

”جوتے کھانے ہیں؟“ سہراب نے گھُرکا۔ ”ابتسام کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟“ اسلان متاثر نہیں تھا وہ جانتا تھا سہراب لاعلم نہیں ہو گا۔ اپنے خاندان کا تعاقب کرنا، ان سے دو قدم کے فاصلے پر رہنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

اسلان نے ایک نظر اپنے اطراف میں دیکھا وہ تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ گھر کی کوئی عورت آس پاس موجود نہیں۔ اس وقت وہاں کسی اور کو نہ دیکھتے وہ ہلکا سا جھکا، آواز مدھم رکھی۔ ”ابتسام impotent ہے۔“ سہراب کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔ آنکھیں پھیل گئیں۔ اسلان کے بے دھڑک بات کر دینے کی عادت اسے پسند تھی مگر.... اوہ اللّٰہ.... کیا واقعی؟

”کیا بک رہے ہو؟“

”درست بک رہا ہوں۔“

”تمھیں کیسے پتا چلا؟“

”لمبی کہانی ہے۔“

سہراب بے اختیار اسے دیکھے گیا۔ ”تو اس نے تاج کو دھوکہ دیا؟“ وہ کتنے ہی لمحے چپ رہا، شاید جوڑ توڑ کرتا رہا۔

”تم شیور ہو؟“

”رپورٹس شیور ہیں۔“

”یااللہ.... “ وہ بس یہی کہہ سکا۔ تاسف سے، ملال سے۔ ”لیکن اس سب کا کیس سے کیا تعلق؟“

”تعلق تو ہے۔ وجہ عناد بھی ہے اور شمولیت بھی۔“

”شمولیت کیسے؟“

”پچیس فروری کی رات جو تقریب ہوئی تھی اس کی مینجمنٹ کا ذمہ ابتسام کے پاس تھا۔“

”تو؟“

”جس جگہ شاہ ویر کی موت ہوئی وہاں کیمرے نہیں تھے۔“ سہراب متحیر رہ گیا۔ ”ابتسام اس وقت مہمانوں کے درمیان نہیں تھا جب شاہ ویر کا قتل ہوا، کیمرے یقیناً اسی نے ہٹوائے ہوں گے۔“

”کوئی ایلی بائی؟“

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ ”کوئی نہیں۔“

”کہیں سے یہ ثابت تو نہیں ہوتا کہ قتل اس نے کیا ہے۔“

"سچ تو یہ بھی نہیں ہے کہ قتل اس نے نہیں کیا۔"

"کیا بنفشہ عدالت میں کچھ کرے گی؟" سہراب کا دل کسی دوڑ میں بھاگ رہا تھا۔

"اس سنوائی پر نہیں۔ آگے کا میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔" اسلان نے شانے اچکائے۔ وہ دونوں ابھی یہی بات کر رہے تھے کہ سامنے سے آراہ آتی دکھائی دی۔ سفید رنگ کے لباس میں اس کی رنگت پیلی پھٹک دکھائی دے رہی تھی۔ آنکھیں ہلکی نم تھیں۔ اسلان نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر سہراب کو اور ایک بار پھر اسے۔

"کہاں گئی تھیں تم؟" کمرے کی طرف بڑھتے اس کے قدم تھمے مڑ کر اسلان کو دیکھا، پھر سہراب کو۔ اس کی رنگت غیر ہو رہی تھی۔

"آشیانہ بنگش۔"

اسلان کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ "عقل گھاس چرنے گئی ہے تمہاری، وہاں کیا لینے گئی تھی؟"

"ممی نے کہا تھا۔"

"تمہیں کتنی بار بتانا پڑے گا دل آراہ طارون ماں کہلانے کے لائق بھی نہیں ماننا تو دور کی بات ہے۔" اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی بہت دنوں بعد آج اس نے ایک بار پھر آراہ سے تیز لہجے میں بات کی تھی۔

"میں چاچو سے پوچھ کر گئی تھی۔" اس نے جھوٹ بولا۔ سہراب نے اسے نہیں دیکھا، ہاں البتہ سر اثبات میں ضرور ہلایا۔ اس کا بھرم رکھ لیا۔

"آپ نے اسے اس حماقت کی اجازت کیسے دے دی؟"

”ماضی میں تمہیں دی تھیں، حال میں اسے دیتا ہوں۔“ سہراب اپنی جگہ سے اٹھا، آراہ کی طرف دیکھا۔ ”تم اپنے کمرے میں جاؤ اور کل صبح پانچ بجے تیار رہنا۔“ اسلان ان دونوں کو دیکھ رہا تھا جنہوں نے پوری طرح اس کی یہاں موجودگی نظر انداز کی تھی۔ ایسے جیسے وہ یہاں تھا ہی نہیں۔ خیر اس بار اسے بُرا نہیں لگا۔ (کم از کم چچا بھتیجی کے درمیان تعلق تو بحال ہوا)۔

★★★★★

واپس کمرہ عدالت میں آؤ جہاں تمکنت بنگش دمیر کے کان کے پاس جھکی کہہ رہی تھی۔ ”مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم کر کیا رہے ہو۔ پچھلی سماعت پر بھی ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آیا اور اس بار بھی سب ہاتھوں سے جاتا دکھائی دے رہا ہے۔ تم خاموش کیوں ہو، دمیر؟“ دمیر نے ہلکی سی نگاہ پھیر کر تمکنت کو دیکھا، ہولے سے مسکرایا۔

”میں اگر دس سال سے کوئی مقدمہ نہیں ہارا تو اس کی کوئی تو وجہ ہو گی۔“

”اس وقت یہ کیا چل رہا ہے مجھے صرف یہ سمجھاؤ۔“

”یہ بھیڑیا چال ہے۔“ اس نے نگاہیں دوبارہ پھیر لیں۔ ”سامنے والے کو یقین دلاؤ کہ آپ دو قدم پیچھے ہو، لیکن آپ کا دماغ دس کوس آگے۔“ وہ لبوں پر مٹھی جمائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

کٹہرے میں اب مسز منزہ وقار کھڑی تھیں وہ مہمان عورت جس نے عالمگیر اور تاجور کے درمیان ہونے والے جھگڑے کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ حلف لینے کے بعد اب وہ دمیر کے سوالوں کے جوابات دے رہی تھی۔ چند پل بعد وہ ہٹ گیا اور اب بنفشہ مسز وقار کے سامنے کھڑی تھی۔ ”مسز وقار جب آپ نے ہال کے باہر عالم کو مسز تاج کو تھپڑ مارتے ہوئے دیکھا، تب آپ نے یا آپ کے شوہر نے کیا کیا؟“

”ہم نے انہیں تھپڑ مارتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ رہزنوں کے ٹولے میں بالآخر کوئی رہبر ملا تھا۔ سہراب اپنی نشست پر ذرا سا آگے کو ہو کر بیٹھا۔ وہ آگے سننے کو بے چین ہوا۔

”جی بالکل کیونکہ تھپڑ کبھی پڑا ہی نہیں تھا۔“

”آبجیکشن مائے لارڈ مسز وقار نے نہیں دیکھا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عالمگیر نے تھپڑ نہیں مارا۔“ دمیر تیزی سے بولا۔

”مسز وقار نے نہیں دیکھا، ان کے شوہر نے نہیں دیکھا، کیمرے نے کیپچر نہیں کیا لیکن تھپڑ ضرور پڑا تھا کیونکہ یہ استغاثہ کی کہانی ہے۔“ وہ کچھ طنز سے بولی۔ جج صاحب نے دوبار ہتھوڑا مار کر انہیں یاد دلایا کہ وہ دونوں عدالت میں ہیں۔ ”غور کیا جائے کہ تھپڑ کے کوئی گواہ نہیں ہیں۔ یہ صرف اور صرف مسز تاج کا کلیم ہے جو کہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔“ وہ کٹہرے کے ایک حصے پر ہاتھ ٹکائے کھڑی ہوئی۔

”مسز وقار کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے عالمگیر یمن کو مسز تاج کو دھکا دے کر گراتے ہوئے دیکھا؟“ مسز منزہ نے ایک نظر دمیر کو دیکھا، جو مشتعل نظر آرہا تھا، دوسری نگاہ اس کی تاجور سے ملی وہاں لجاجت تھی مگر مسز وقار نے گردن نفی میں ہلائی۔ وہ جھوٹی گواہیاں دینے والوں میں سے نہیں تھی۔

”میں نے اور میرے شوہر نے صرف اور صرف تاج کو نیچے گرے ہوئے دیکھا، عالمگیر سامنے کھڑے تھے اور وہ غصّے میں کچھ کہہ رہے تھے۔“

”کیا آپ کو نہیں لگتا وہ اپنی گھیر دار میکسی کے فلر میں اٹک کر گری ہوں گی؟ یہ ممکن ہے نہیں؟“

”ہو سکتا ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”یعنی آپ نے نہ تو تھپڑ لگتے ہوئے دیکھا، نہ عالمگیر کو دھکا دیتے ہوئے۔ کیا آپ نے عالمگیر کو کوئی گالی دیتے ہوئے سنا؟“

”نہیں لیکن انہوں نے تاج کو بانجھ کہا تھا، یہ مجھے یاد ہے۔“

”جو کہ سچ ہے۔“ بنفشہ ترنت بولی۔

”ایک عورت کی طرف سے دوسری عورت پر اتنا حساس وار شرمناک ہے۔“ دمیر نے کہتے ساتھ اپنی میز زور زور سے بجانی شروع کی۔ اس کی تقلید میں اس کی ساری جماعت، عقب میں بیٹھے کاروائی ملاحظہ کرتے لوگ بھی تعزیتی انداز میں میز بجا رہے تھے۔ ایک احتجاج۔

”خاموشی اختیار کریں....“ جج نے ہتھوڑا مارا، مگر شور بڑھ گیا۔ وہ تمام لوگ بنفشہ کو ملامتی نظروں سے دیکھ رہے تھے جس کا دل کسی ننھی چڑیا کی طرح سینے کی دیواروں کے ساتھ الجھ رہا تھا مگر وہ کھڑی تھی۔ ان لوگوں کو کیا پتا وہ کیا کیا دیکھ کر آئی تھی، ان لوگوں نے اس کی زندگی نہیں جی تھی، یہ لوگ محض "لوگ" تھے۔

وہ محض سات سال کی تھی جب عظمیٰ بی نے اسے اشارہ کر کے ایک چمکیلے بھڑکیلے لباس والی عورت دکھائی، بقول ان کے وہ اس کی ماں تھیں لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر وہ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں۔ کیوں؟ یہ اسے سمجھ نہیں آیا۔ اس کا باپ اپنی باقی بیویوں کے ساتھ رہتا تھا، چھ ماہ میں ایک بار اگر اس کا حال بھی پوچھ لیتا تو احسان ہوتا۔

اسے اپنے محل جیسے گھر کے اکیلے کمرے سے خوف آتا تھا، وہ عظمیٰ بی کے ساتھ سرونٹ کوارٹر میں سوتی تھی، وہیں رہتی وہی اس کا گھر ہوتا۔ وہ دس سال کی تھی جب تین روزہ بارش نے بابس کچے گھر کی چھتوں کو سوراخ کر دیا تھا۔ پانی کے قطرے اس کے چہرے پر گر رہے تھے، بجلی کا شور تھا وہ خوفزدہ تھی لیکن اس کی ماں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں، اس کا باپ آج کی رات اسے اپنے قریب نہیں سلا سکتا تھا، جانے کیوں؟

وہ دس سال کی تھی جب احسان کا انتقال ہوا، چچاؤں نے جائیداد پر قبضہ کر لیا اور اس اداکارہ کی اولاد کو عظمٰی بی سمیت بے دخل کر دیا۔ اس کی ماں آئی تھی، بہانے بنائے، حیلے پیش کیے اور رقم دے کر چلی گئی۔ پہلی بار اسے پیسہ نہیں ماں چاہیے تھی۔

تیرہ سال کی عمر میں اس نے رات کو پہلی بار اپنے پیٹ سے بھوک کا شور سنا، سردی سے ٹھٹھرنا سہا، سخت گرمی میں ٹھنڈے پانی کو ترسنا سیکھا۔ یہی وہ عمر تھی جب وہ عظمٰی بی کے ساتھ لوگوں کے گھر کام کرنے جانے لگی۔ اگر اسے رہنا تھا تو اسے کمانا تھا اس کا باپ، اور بھائی نہیں تھا اسے اپنے خرچے خود پورے کرنے تھے۔

پندرہ سال کی عمر میں اسے علم ہوا مرد کی غلط نظر کیا ہوتی ہے اسے پہلی بار لگا اس کا کوئی بھائی یا باپ ہونا چاہیے اور اسے پہلی بار اندازہ ہوا اس کے پاس دونوں ہیں مگر اسے اکیلے رہنا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی بقا تھی۔ یہی اس کا بھرم اور دنیا باطل۔

سترہ سال کی عمر میں اسے کسی تعلق میں جوڑ دیا گیا۔۔ کوئی تھا.... بہار کے جھونکے جیسا، ترنم اور روشنی جیسا۔ وہ بنفشہ احسان کا صنف مخالف سے پہلا تعارف تھا۔ ہوائیں ان کی راز دار، آسمان ہم نشین۔ پھر وہ اس سے کہیں ملنے کی فرمائش کرنے لگا جب اس نے پہلی بار انکار کیا تو اسے پہلی بار تھپڑ پڑا۔ درد نہیں ہوا شرم آئی۔ ہاں اسے ذلت کا احساس ہوا مگر وہ دستبرداری نہیں دے سکی۔ ملاقات کا اصرار اور تھپڑوں کے زور بڑھتے رہے اور تب وہ سوچتی رہی کیا مرد ایسے ہوتے ہیں؟ شاید وہ اسی کی حقدار ہے وہ بعض دفعہ یہی سوچتی۔ اس کی منگنی اسی شخص سے ہو گئی۔ عظمٰی بی اس کی ذمہ داری کسی "مرد" کو دینا چاہتی تھیں۔

اٹھارہ سال کی عمر میں اس کی مزاحمتیں دم توڑ گئیں۔ اس کے صفاچٹ انکار پر وہ بہاروں جیسا شخص اسے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ چلا گیا۔ یہ ضرب تھی، کاری ضرب۔ اسے تو گھر بنانا تھا۔ یہ مرد تو اس کا سائبان بننے والا تھا، یہی تو

وہ مرد تھا جس نے اسے اچھی مضبوط چھت دینی تھی، اس کا دھیان رکھنا تھا، اسے ہر بری نظر سے بچانا تھا مگر یہ کیسا مرد تھا جو مارتا تھا، غلط مطالبے کرتا اور غیر محفوظ کرتا تھا۔ یہ کیسا مرد تھا جو حفاظت کا احساس نہیں دیتا ہے تھا؟

چلے جانے کے بعد وہ دوبارہ بھی آیا تھا مگر جس لڑکی نے اپنے ٹکڑے خود سمیٹے ہوں وہ پھر سہاروں پر ہاتھ اٹھا اٹھا کر لعنت بھیجتی ہے۔ اس نے اپنی ہی محبت سے دستبر داری دی، اس روز اس نے پہلی بار اس کا اٹھتا ہاتھ اپنے دونوں کمزور ہاتھوں سے روکا، پہلی بار اس کی گالی کے بدلے خاموشی اختیار نہیں کی۔ وہ اس کی آزادی کا دن تھا۔ وہ بنفشہ احسان مخدوم کا زندگی کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس روز کے بعد سے اس نے اپنی زندگی تعمیر کی۔

تعلیم آگے بڑھائی، بسوں لاریوں کے دھکے، وہ غربت کی کڑی رسیاں، پیروں میں بندھا ٹوٹے دل کا بھاری بار اس نے سب سہا تھا۔ آج یہاں کھڑے لوگ پیروں سے چل کر آئے تھے اور وہ روح کے چھالے ساتھ لائی تھی۔ یہ زبانیں رکھ سکتے تھے، خلاف بول بھی سکتے تھے اس کے پاس آپشن ہوتا تو شاید وہ پیچھے ہٹ جاتی مگر بنفشہ مخدوم اپنے ساتھ انتخاب نہیں لائی تھی۔

”میں دوبارہ کہوں گی کوئی تھپڑ نہیں پڑا، کوئی دھکا نہیں دیا، ہراساں نہیں کیا گیا اور نہ ہی ذاتی جملے کسے گئے میرے موکل پر لگنے والے تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔“ وہ بلند آواز میں بولی، دو سے تین بار تین سے چار بار۔ ”مسز تاج جھوٹی ہیں اور عالمگیر یمن سچا۔“

”پراچہ صاحب انہیں چپ کروالیجیے ورنہ مجھے آپ کو ابھی اور اسی وقت باہر بھیجنا پڑے گا۔“ جج نے سختی سے کہا دمیر ایک بے نیاز نگاہ ان پر ڈالی اور ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش رہنے کو کہا۔ ذرا سے مزید شور کے بعد سب تھم گیا، سب خاموش ہو گئے۔

”جج صاحب ملزم عالمگیر یمن کے پاس قتل کی تینوں وجوہات تھیں۔ زن، زر، زمین۔ اس کیس میں کسی قسم کی گمراہی کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔“ دمیر پراچہ نے ایک بار پھر اپنا موقف پیش کیا۔

”دور قدیم میں قتل کی تین ہی وجوہات ہوتی تھیں لیکن دور جدید میں ان وجوہات میں ایک جدید اضافہ ہوا ہے اب زن، زر، زمین کے ساتھ ساتھ "ذہنی عارضہ" بھی شامل ہے اور یہ قتل ایک ذہنی مریض نے کیا ہے۔“ دفاع نے تجزیہ پیش کیا۔

”کس عارضے کی بات کر رہی ہیں آپ؟“ پہلی بار عالمگیر کے اندر کے وکیل کو لگا دمیر کا لہجہ مصنوعی ہے اور یہ سوال ایک چال۔ پہلی بار اسے لگا اس وقت تک وہ سب ایک بلبلے میں تھے اور دمیر عنقریب اس بلبلے میں سوئی چبھونے والا تھا۔ وہ گردن پھیرے نئی نظروں سے اپنے پیٹی بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا معزز عدالت یہ جانتی ہے کہ شاہ ویر طلال بنگش کے تعاقب میں سترہ لوگوں کا قاتل ایک سیریل کلر بھی تھا؟“ بنفشہ اب بھی کہہ رہی تھی۔ سہراب، اسلان دونوں اسے دیکھ رہے تھے۔

عالم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ گفتگو کو اس سمت نہیں مڑنا تھا کیونکہ یہاں قدم قدم خسارے تھے۔ اسے دمیر پراچہ کی آنکھوں میں واضح چمک نظر آ رہی تھی وہ چمک، جو بھیڑیے کی آنکھ میں دو قدم پیچھے لینے پر آتی ہے۔ بالکل وہی۔ کمبخت کیا کھیل ترتیب دے کر آیا تھا؟

★★★★★

گزری رات کا قصہ ہے، آسمان پر تارے موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ جسویندر کے گھر کی چھت پر روشنی تھی۔ لکڑی کی چھوٹی سی میز پر شراب کی بوتل بھونی ہوئی مرغی اور برف کے ٹکڑے (ice cubes) ایک برتن میں رکھے تھے۔ راج نے اپنے لیے ایک پیگ بنایا اور اسٹول کھینچ کر سلطان کے سامنے آ کر بیٹھا۔

”فکر کس گل دی جے سر؟ ہون تے سارا کیس ہی حل جے۔“

سلطان نے ٹھنڈی سانس لی اور شراب کا گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں سارے کا سارا حلق میں انڈیل دیا۔ اسے کسی طور چین نہیں پڑ رہا تھا۔ حلق میں مزید جلن ہوئی۔ اس نے آنکھیں رگڑیں۔ "غلطی ہو گئی ہے، جسی۔ چیزیں وہ نہیں تھیں جو مجھے نظر آئیں یا وہ جو میں نے دکھائیں۔ اصل مجرم بہت خطرناک ہے۔"

"کی گل اے؟ مجھے تو بتا سکتے ہو آپ۔" اس نے سلطان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔ کئی سالوں کا ساتھ تھا وہ اس کی پریشانی بھانپ گیا تھا۔ سلطان نے ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان دبائی، زکام زدہ گہری سانس اندر خارج کی۔ ذہن کی سکرین پر مناظر کسی تسلسل سے چل رہے تھے جنہیں جھٹلانا از حد مشکل تھا۔

(پہلا خیال!)

چند دن قبل وہ آراہ کی یونیورسٹی میں ہیڈ اف ڈیپارٹمنٹ کے دفتر میں موجود تھا۔ چند چھوٹی موٹی باتوں کے بعد وہ مدعے پر آیا۔ "انارا طارون یہ بچی آپ ہی کے پاس پڑھتی ہے؟"

"جی بالکل یہیں پڑھتی ہے۔" ادھیڑ عمر ہیڈ صاحب فوراً بولے۔ "کافی قابل بچی ہے۔"

"اس کی فیس کون دیتا ہے؟ یعنی کیا کبھی شاہ ویر بنگش نے اس کی فیس دینی چاہی ہے؟" پرنسپل کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ لہرایا جسے سلطان جیسے زیرک افسر نے فوراً پہچان لیا۔ اس نے زبردستی چہرے کو لاعلم رکھنا چاہا۔ پرنسپل نے یونی ورسٹی کے بینک کی جانب سے آئی عورت کی طرف اشارہ کیا جو اب اپنے لیپ ٹاپ پر کچھ کھنگال رہا تھا۔ معاً اس نے نگاہ اٹھا کر سلطان کو دیکھا۔

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا جب بھی فیس آئی یافث طارون کے اکاؤنٹ سے آئی ہے۔ بعض دفعہ عالمگیر بھی فیس ادا کر کے گئے ہیں۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"پولیس اپنے راز نہیں بتاتی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ کڑی نظروں سے پرنسپل کو دیکھا۔ "اور اپنے راز نہ بتانے والوں کو معاف بھی نہیں کرتی دھیان رکھیے گا۔"

اگلے دن اس نے چند غیر قانونی ہیکرز کو ایک کام دے دیا۔ جامعہ کے بینک برانچ میں آراہ کی پچھلے چھ سے سات ماہ کی فیسوں کے ریکارڈ نکالنے کا کام۔ بہت جلد اس شخص کا اکاؤنٹ نمبر اور نام اس کے پاس آجاتا جس نے آراہ کی فیس ادا کرنے کی کوشش کی تھی۔

(دوسرا خیال)

"یہی کیفے ہے؟" وہ ضارم کے ساتھ اس کیفے آیا تھا جہاں آراہ کو کسی شخص کی جانب سے پھول اور خط ملے تھے۔ ہلکی ہلکی بارش کے بعد کئی لوگ سیر و تفریح پر نکل آئے تھے۔ آس پاس رش تھا۔

"جی یہی ہے سر۔"

"جس دن پھول ملے تمہیں وہ تاریخ یاد ہے؟"

"دس نومبر، آراہ کب مجھ سے ملی، کب بات کی مجھے سب یاد رہتا ہے۔" سلطان نے چلتے چلتے گھور کر اسے دیکھا۔

" صحیح مارتا تھا وہ تمہیں۔" ضارم جواباً خاموش رہا۔ وہ دونوں اندر آئے فوٹیج مانگنے پر پتا چلا کہ وہاں کوئی کیمرہ تھا ہی نہیں۔ دو گھنٹے کی ڈرائیو ضائع گئی سلطان کو بے تحاشا غصہ آیا۔ جی تو چاہ رہا تھا کسی ایک کو پکڑ کر دھنک کر رکھ دے۔ "کوئی تمہاری محبوبہ کو پھول دے رہا ہے اور تم نے کبھی دیکھا ہی نہیں اس کی گاڑی کون سی ہے، نمبر پلیٹ کیا ہے اس کی شکل کیسی ہے؟"

"وہ میری محبوبہ نہیں تھی۔"

”سمجھ آرہا ہے کیوں نہیں تھی۔“ وہ دونوں کیفے سے باہر آکر گاڑی میں آکر بیٹھے۔”تم سے اچھا تو وہ رائیٹر تھا سات سمندر پار بیٹھے ہوئے بھی اسے سارے معاملات کا علم تھا۔کیسے لڑکی کو قابو کر کے بیٹھا تھا۔“

ضارم نے آنکھیں گھمائیں۔”مجھے ایک چیز یاد ہے اس کی گاڑی سیاہ رنگ کی بی ایم ڈبلیو تھی۔“

”پتہ ہے مجھے لاہور میں کئی بی ایم ڈبلیو ہیں ایک ایک کو روک کر یہ تو نہیں پوچھ سکتا کہ جناب کہیں تم وہی تو نہیں جس نے انارا طارون کو پھول بھیجے تھے۔“ وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آرہا تھا۔”کیا پتا وہ شاہ ویر ہو اور اپنی گرل فرینڈ کو سرپرائز دے رہا ہو اس کے پاس بھی تو بی ایم ڈبلیو تھی؟“

”جب آراہ کو پھول ملے تھے تب شاہ ویر اس کے ساتھ ویڈیو کال پر موجود تھا اور اسے بی ایم ڈبلیو سے نفرت ہے۔“

”محبوبہ کے محبوب کے متعلق بھی ساری خبریں رکھتے ہو؟“ سلطان نے ایک بار پھر طنز کسا، ضارم صحیح پھنس چکا تھا۔

”سر اس دن ہمارے ساتھ جواد بھی تھا۔وہ یوٹیوبر ہے ویلاگ بناتا ہے۔“ گاڑی پھولوں کی دکان کی جانب گامزن تھی جب ضارم کو کچھ یاد آیا۔”جواد نے اس دن بھی وی لاگ بنایا تھا میں ابھی ڈھونڈتا ہوں۔“ اپنا موبائل نکالے وہ کھٹ کھٹ ٹائپ کر رہا تھا پھر ڈھیر ساری ویڈیوز کھل گئیں اور اب وہ تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔کچھ دیر بعد انہیں دس نومبر کا ویلاگ مل گیا تھا۔گاڑی اسی پھولوں کی دکان کے باہر روکے سلطان کی عقاب والی نظریں اب سکرین پر جمی تھیں۔

”گائز یہ اینٹرینس ہے۔۔۔“ جواد نے محض تین سیکنڈ کے لیے کیمرہ گھمایا اور ان تین سیکنڈز میں اسے وہ سیاہ بی ایم ڈبلیو کی پشت نظر آئی۔سلطان تیزی سے سیدھا ہو بیٹھا، ویڈیو پر جمود کا بٹن دبایا اور اب وہ سکرین زوم کر کے بی

ایم ڈبلیو کی نمبر پلیٹ دیکھ رہا تھا۔ اسے طیش سا آیا گاڑی کی کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی کیا وہ اب بھی بغیر نمبر پلیٹ کے گاڑی چلا رہا ہے، یا پھر یہ محض تعاقب کے دوران کیا گیا؟

(تیسرا خیال)

”میں کسی قاتل کے ساتھ نہیں ملا ہوا صاحب۔“ ڈر کے مارے منت کرنے کی یہ آواز اس ایونٹ آرگنائزر کی تھی جس نے ٹی ٹی پروڈکشن کی تقریب میں سجاوٹ اور باقی کے تمام انتظام اپنے سر لیے تھے۔ ”میرا کوئی قصور نہیں ہے، سر۔“

”جسی تیرے ہاتھ ہلکے ہو گئے ہیں؟“ سلطان کیلے کا چھلکا اتارتے ہوئے زور سے بولا۔ جسی اپنی جگہ سے اٹھا لڑکے کو گدی سے پکڑ کر دو سے تین بھاری ہاتھ کے چماٹ اس کے منہ پر دے مارے وہ جو پہلے ہی مار کھا کھا کر ادھ موا ہو چکا تھا اس نے گردن بالکل ڈھلکا دی۔ سانسوں کی رفتار سست ہو گئی۔ مگر جسی کے بھاری ہاتھ ایک پل کے لیے بھی رک نہیں رہے تھے۔ اسے شاید مارنا ہی آتا تھا، وہ بھی بہت بُرا۔

”بتا کس کے کہنے پر کس کس کو تقریب میں آنے دیا؟ بول کون ہے تیرا باس؟“ وہ اس کے بال مٹھی میں جکڑے سختی سے استفسار کر رہا تھا۔ ایک سپاہی نے ٹھنڈے یخ پانی کی بالٹی اس کے سر پر انڈیل دی۔ وہ بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

”مجھے ان کے گھر سے ہی حکم آیا تھا سر۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں....“ اس نے سانس لینے کی کوشش کی مگر وہ زور زور سے کھانسنے لگا۔ ”انہوں نے ایک آدمی کو اندر لانے کے لیے کہا تھا اور انہوں نے گیلری سے سی سی ٹی وی ہٹانے کے لیے کہا تھا، وہ ان کے گھر کا آدمی تھا سر۔“

”سی سی ٹی وی ہٹانے کے لیے کس نے کہا تھا؟“ اس نے جسویندر کے سامنے نام نہیں لیا تھا مگر بعد میں اس نے نام لیا تھا، سلطان کو وہ نام یاد تھا وہ اس نام کو بھول بھی نہیں سکتا تھا۔

”نام بتادیں سر؟“ جسی نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ سلطان نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا اور ان کاغذات کو دیکھنے لگا۔ جہاں وہ نام پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔

جہاں پھولوں کی دکان سے اس لڑکے کا اکاؤنٹ نمبر ملا تھا۔

جہاں اس کی گاڑی کے مالک کا نام تھا، جہاں اس کے آنے جانے کی تفصیل تھی اور وہ تمام جگہیں آراہ کی تلاش میں چھانی گئی تھیں۔

جہاں اس شخص کا نام تھا جس نے سی سی ٹی وی بند کروائے۔

جہاں اس شخص کا بینک اکاؤنٹ ایک بار پھر تھا جس نے آراہ کی فیس دینی چاہی۔

جہاں اس کی ٹک ٹاک، انسٹا اور فیسبک کی وہ تمام آئی ڈیز تھیں جن سے آراہ کو میسجز بھیجے گئے ان تمام اکاؤنٹس کا آئی پی ایڈریس ایک تھا۔

سلطان گلٹی تھا، ایک غلط انسان پر ایف آئی آر کر کے اسے جیل میں ڈالنے کے غم میں کیونکہ صحیح انسان آزاد تھا اور خطرناک بھی۔

★★★★★

موجودہ لمحہ

”عدالت کی اجازت ہو تو میں سہراب یمن، پولیس کے ایک قابل افسر اور شاہ ویر بنگش کے لیے نجی طور پر خدمات انجام دینے والے شخص کو کٹہرے میں بلانا چاہوں گی۔“ دفاع نے گواہ پیش کرنے کی اجازت چاہی، جبکہ زید کا دماغ کہیں اور تھا وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ کیا؟

اپارٹمنٹ میں ہلکی روشنی تھی۔ زید مشروب کا گلاس ہاتھ میں لیے موبائل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ دوسری طرف میز پر کمپیوٹر کے آگے کوئی بیٹھا تھا زید کی طرف اس کی پشت تھی، اور وہ کھٹا کھٹ کیز دبا رہا تھا۔ شاید وہ زید کے لیے کوئی معلومات اکھٹی کر رہا تھا۔

”یعنی تم بھی نہیں جانتے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“ اس نے غٹاغٹ سارا مائع حلق میں اتارا۔ چہرے پر دبا دبا غصہ تھا۔ ”وہ میرے بھائی کا سب سے خاص ملازم تھا اسے یقیناً کچھ نہ کچھ پتا ہو گا۔“

”اسے کچھ نہیں پتا۔“ سکرین کے سامنے بیٹھا لڑکا اس کی طرف مڑا۔ زید نے چونک کر اسے دیکھا۔ اپنے موبائل پر ہاتھ رکھتے وہ آواز دوسری طرف نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

” دلیپ اپنے گھر بھی نہیں گیا۔“ شاہ زید نے انہی الجھے ہوئے تاثرات کے ساتھ کال کاٹ کر موبائل نیچے کیا۔

”کیا تم نے اس نام پر غور کیا؟ spill it YASIR“

”میں نے چیک کیا ہے باس وہ پارٹی کی رات یہیں تھا اسکواڈ میں شامل نہیں تھا مگر یہیں تھا۔ دس بجے کے قریب اس نے آخری کال اپنی بیوی کو تھی اس کے بعد اس کا نمبر بند آ رہا ہے کسی سے کوئی دشمنی نہیں، فیملی مین ہے اور کوئی افیئر بھی نہیں۔ سادہ سا فیملی مین تھا۔ آپ چاہیں تو ہم اس کی بیوی کے گھر چل سکتے ہیں اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔“

وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر فیصلہ کرلیا۔"گاڑی نکالو!"

کچھ دیر بعد وہ دونوں گاڑی میں موجود تھے یاسر گاڑی چلا رہا تھا اور زید اپنے موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا جب اس نے آراہ کی کوئی تصویر دیکھی، وہ رکا، بھنویں تن گئیں۔غصے سے اس کے جبڑے بھینچ گئے۔ "میرا ایک کام کرو، یاسر!"اسے جیسے کچھ یاد آیا تھا۔"جس طرح تم نے سلطان کے موبائل میں کوئی بگ انسٹال کیا تھا مجھے وہی چیز اس کے موبائل میں بھی چاہیے۔" اس نے تصویر یاسر کو دکھائی، گاڑی چلاتے لڑکے نے بس ذرا کی ذرا نگاہ اس تصویر پر ڈالی اور سر ہلا دیا۔وہ آراہ کے قریب جانے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا،اسے اسلان کی مار اب بھی یاد تھی۔

"اوکے باس۔" دلاسا دیا۔

"ایک اور چیز ۔۔۔۔۔"اس نے انسٹاگرام پر کچھ سرچ کیا اور ایک اور تصویر اس کے سامنے کی۔وہ ضارم علی کی تصویر تھی جس میں وہ مسکرا رہا تھا۔زید کو پتا نہیں کیوں اس کی مسکراہٹ بری لگی۔" سلطان اسی کو ساتھ لے لے کر گھومتا ہے نا؟یہ وہی ہے؟"

"جی یہی ہے۔"اس نے تابعداری سے کہا۔"اس کی تفصیلات بھی مل جائیں گی بس اس سے ایک عدد ملاقات ہو جائے۔" گہری سانس لیتے وہ سر کو نشست کی پشت سے جوڑ گیا۔یاسر اس کا آدھے سے زیادہ بوجھ سمیٹ لیتا تھا۔وہ نہ ہوتا تو زید کہاں جاتا؟

چند منٹ بعد گاڑی لاہور کے ایک خستہ حال علاقے میں آ کر رکی آگے جا کر تنگ گلیاں تھیں جہاں گاڑی جا نہیں سکتی تھی لہٰذا وہ دونوں اتر کر پیدل چلنے لگے۔کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے تھے۔ان کے سامنے ایک عورت بیٹھی تھی جس کی عمر تیس کے لگ بھگ تھی، بال سیاہ اور بھنویں پتلی۔وہ دبتی رنگت کی ایک پر کشش عورت تھی ی۔

"آخری بار دلیپ گھر کب آیا تھا؟" اس کے مسلسل بہتے آنسوؤں سے اکتا کر زید نے قدرے بے زاری سے پوچھا۔

عورت نے سسکی لی۔ "چوبیس تاریخ کو، پھر ـــــ پھر بس ایک کال آئی تھی پچیس کی رات کو اس کے بعد سے اس کا نمبر بند آ رہا ہے سب کہتے ہیں وہ مر گیا ہے لیکن ـــــ " وہ دوپٹہ منہ پر رکھے رونے لگی تھی۔ اس کی ہر ہچکی میں کرب اور تکلیف تھی۔ "مجھے یقین نہیں آتا وہ واپس آ جائے گا نا؟"

"کوئی اور بات، کوئی انسان جو اسے ڈھونڈنے میں ہماری مدد کر سکتا ہو؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے کچھ نہیں پتا صاحب میں تو کچھ مہینے پہلے لاہور آئی تھی کتنے لوگوں کو کہا کہ مجھے آپ کے گھر لے جائیں کم از کم کچھ تو پتا چل جاتا مگر کوئی ساتھ نہیں دیتا آپ ـــــ آپ اسے ڈھونڈ دیں صاحب آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔"

زید اٹھ کھڑا ہوا ایک غیر دلچسپ نگاہ اس عورت پر ڈالی۔ "اگر کبھی اس کی کوئی کال یا پیغام آئے گا تو تم سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی۔" عورت نے گیلی نگاہیں اٹھا کر اسے تکا، ان نگاہوں میں ایک بیوی کا شکوہ تھا۔

"کیا آپ واقعی نہیں جانتے وہ کہاں ہے؟ حالانکہ اس نے کہا تھا وہ آپ کا کام کر رہا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا اس نے تم سے کیا کہا ہے مگر وہ میرے بھائی کا کام کر رہا تھا جو کہ اب مر گیا ہے لیکن دلیپ زندہ ہے اس بات کا مجھے یقین ہے۔ وہ کہہ کر رکا نہیں تھا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ باہر نکل گیا۔" یاسر اس کے پیچھے پیچھے باہر آیا۔

"اس عورت کا کیا کرنا ہے، زید صاحب؟"

"اس پر نظر رکھو، مجھے ایک ایک لمحے کی تفصیل چاہیے۔" جاتے جاتے اس نے یاسر کو حکم دیا تھا یہاں سے کئی کوس دور ایک چھوٹے سے محلے میں، بوسیدہ سے گھر کا دروازہ کھولتے، کمرے میں جاتے اور پھر کونے میں پڑے قیدی کے منہ سے ٹیپ ہٹاتے اسلان یمن کا انداز مشینی تھا۔ قیدی نے نگاہیں کھول کر اسے دیکھا اسلان نے کھانے کا ڈبہ فرش پر رکھا اور نرمی سے پوچھا۔

"کیسے ہو دلیپ؟" انداز، لہجہ، نگاہیں ۔۔۔۔۔۔ تینوں نادم، تینوں جی بھر کر شرمندہ۔

★★★★★★

کمرہ عدالت کی پیشی جاری تھی۔ جج صاحب نے سہراب کو کٹہرے میں لانے کی اجازت دے دی۔ نیلے رنگ کی چیک شرٹ والا سہراب کٹہرے میں آکر کھڑا ہوا۔ اس کے مضبوط ہاتھ کٹہرے کی لکڑی پر جمے تھے۔ سانولی رنگت والا چہرہ پر سکون اور سنجیدہ تھا۔ معمول کے چند سوالوں کے بعد وہ اب اس سے پوچھ رہی تھی۔۔

"سہراب صاحب چند ماہ قبل ایک کیفے میں آپ کی اور شاہ ویر کی ملاقات ہوئی اس ملاقات کا مقصد واضح کریں۔"

"وہ میرے پاس مدد کے لیے آیا تھا، بلکہ اس کے بھائی زید نے اسے میرے پاس بھیجا تھا آپ چاہیں تو اس سے کنفرم کر سکتی ہیں ہم ملے اور...." سہراب نے باقی کی ساری بات اس کے گوش گزار کر دی۔ ہر طرف خاموشی رہی بس اس کے کہنے کی آواز آتی رہی۔

"کیا آپ کے پاس ان تمام چیزوں کی کوئی کاپی، کوئی تصویر وغیرہ ہے جو شاہ ویر کو اس قاتل کی طرف سے بطور دھمکی موصول ہوئی تھیں؟"

"جی بالکل۔ میں نے جمع کروائی ہیں۔" بنفشہ کے ایک اشارے پر کئی ایک چیزیں اٹھا کر سعید نے جج کے سامنے رکھیں۔ ویسی ہی کچھ چیزیں بنفشہ کی میز پر بھی دھری تھیں۔ لکڑی کا ایک چھوٹا سا ڈبہ، چند یونانی طرز کی لکھائیوں والے کاغذات کے پلندے۔ سہر اب ان کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"شاہ زید نے آپ سے رابطہ کیوں کیا؟" بنفشہ کا سوال

"شاہ زید مجھے کسی اور نام سے جانتا ہے۔ میں کافی عرصے سے پریولج کلر کے خلاف ثبوت اکھٹا کر رہا ہوں اور شاہ ویر چاہتا تھا میں اس کے ساتھ کام کروں تاکہ وہ قتل ہونے سے بچ جائے۔ میڈیا میں وہ خبر میری طرف سے لیک ہوئی تھی جس میں سب کو پتا چلا کہ کوئی پریولج کلر شاہ ویر کو مارنا چاہتا ہے۔ شاہ ویر بنگش کا بھائی شاہ زید بنگش ان تمام واقعات کا گواہ ہے اور اگر وہ گواہی نہ دینا چاہیں تو میرے پاس ایک اور آدمی بھی گواہ ہے۔ ارمغان۔ شاہ زید کے باس۔"

"اس کے علاوہ آپ کیا جانتے ہیں؟" عالم کو لمحہ بہ لمحہ کچھ سخت سا اپنے دل کے ارد گرد کستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ہوتا ہے نا؟ بعض دفعہ جب آپ کسی کھائی میں گرنے والے ہوں تو قدم پہلے ہی ڈگمگاتے ہیں، حوصلے پست ہونے لگتے ہیں، دل ہمک ہمک کر رک جانے کو کہتا ہے اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔

"اس کے علاوہ یہ کہ جب شاہ ویر نیویارک میں تھا آج سے کچھ ماہ قبل تب پریولج کلر کی طرف سے اس پر حملہ ہوا تھا۔ اس نے شاہ ویر کو پسلیوں کے درمیان چاقو مارا تھا۔ جس کے بعد شاہ زید بنگش نے اسے واپس پاکستان بلوا لیا تھا۔"

"یعنی آپ کے علاوہ شاہ زید اس سارے قصے میں گواہ ہیں؟"

"جی بالکل۔"

”بہت شکریہ۔“ وہ کہہ کر اپنی جگہ تک آئی کہ اب دمیر جرح کر لے مگر وہ فی الحال دلچسپی لیتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی تمام تر دلچسپی بنفشہ کو سننے میں تھی۔

”پراسیکیوشن، آپ کا کوئی سوال؟“

”نہیں جناب لیکن میں جرح کا حق محفوظ رکھنا چاہوں گا۔“

بنفشہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سہراب نے سر کو خم دیا اور کٹہرا چھوڑ کر نکل گیا۔ ”یور آنر دفاع اپنے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے جناب شاہ زید بنگش کو کٹہرے میں بلانا چاہتی ہوں۔“

”اجازت ہے۔“ شاہ زید نے ایک نظر دمیر کو دیکھا چند پل دیکھتا ہی رہا کہ شاید وہ اسے کوئی ہدایت دے، شاید اس کیس کو پلٹنے سے بچانے کی کوئی تدبیر کروائے مگر وہ مکمل بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

”just be yourself“ شاہ زید کو اٹھتے دیکھ کر اس نے محض یہی کہا۔ زید کی آنکھوں میں ڈھیر سارا اچنبا آن اکٹھا ہوا۔ کٹہرے تک جاتے جاتے اس کا دماغ ماؤف ہونے لگ گیا۔ وہ بار بار پلٹ کر دمیر کو دیکھ رہا تھا آخر یہ ادھیڑ عمر وکیل کیا سوچ بیٹھا ہے؟

”جناب شاہ زید بنگش کیا آپ ان باکسز کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟“ بنفشہ نے پیکٹ میں بند لکڑی کا باکس اس کے سامنے لہرایا۔ زید نے نگاہ پھیر کر دمیر کو دیکھا، وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

”جی پہچانتا ہوں۔ یہ وہی باکسز ہیں جو کسی سیریل کلر کی طرف سے شاہ ویر کو ملتے تھے۔“ چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، جج اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے دلچسپی لینے لگا مقدمے نے ایک نیا رخ لے لیا تھا۔

”کیا شاہ ویر کو کسی قسم کے دھمکی آمیز خطوط ملتے رہے ہیں؟“

”جی ملتے تھے۔“

”کیا کسی نے نیویارک میں ان پر حملہ کیا تھا اور وہ حملہ کس نوعیت کا تھا؟“ اس نے ایک بار پھر دمیر کو دیکھا جو اس سارے وقت میں اتنا بے فکر اور بے نیاز تھا جیسے اسے فرق ہی نہ پڑ رہا ہو۔

”کسی نے چاقو سے اس پر حملہ کیا تھا۔ میں نوعیت نہیں جانتا، میں بس پریشان ہو گیا تھا اور میں نے اسے واپس بلوا لیا تھا۔“

”انہیں واپس بلوانے کے بعد آپ نے کیا کیا؟“

”اپنے سورسز کے زریعے میں نے ایجنٹ اسکار سے رابطہ کیا اور پھر شاہ ویر کو اس سے ملوا دیا۔ مجھے بعد میں پتا چلا ایجنٹ اسکار دراصل سہراب یمن ہی ہیں۔“

”آپ پریشان کیوں ہو گئے کیا دھمکیاں کافی سخت تھیں؟“ زید نے پہلو بدلا، آنکھوں میں بے چینی اتری یہ کیس مختلف سمت جا رہا تھا اس کے بھائی کو کسی سیریل کلر نے مارا تھا کیا؟ تمکنت اور دمیر، تاج اور اس کا بڑا بھائی ہر کوئی اسے یقین دلوا تا رہا تھا کہ اصل قاتل عالمگیر ہے پھر اب یہ کیا ہو رہا تھا؟

”اس قاتل نے دھمکی دی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ شاہ ویر کو قتل کر دے گا اور اس کے پاس زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کا وقت ہے۔“

”تھینکیو سوچ شاہ زید آپ جا سکتے ہیں۔“ شاہ زید متذبذب سا واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھا۔

بنفشہ اب کہہ رہی تھی۔ ”تمام ثبوتوں اور گواہوں کے مطابق میرے موکل عالمگیر یمن سے زیادہ اگر کوئی شخص شاہ ویر سے عناد رکھتا تھا تو وہ کوئی سیریل کلر تھا۔ لیکن پولیس افسر سلطان نے، سہراب سے ذاتی پرخاش کے چلتے

مقدمے کا یہ پہلو پوری طرح نظر انداز کیا۔ تاجور بنگش نے ماضی کے انتقام کی خاطر میرے موکل کو فریم کروایا۔ یہ مقدمہ سرے سے بے بنیاد ہے جج صاحب۔ عدالت سے میری درخواست ہے کہ عالمگیر یمن کے حق میں درست فیصلہ دیا جائے اور پولیس کو ان کا فرض سمجھایا جائے، عدالت کا مزید وقت ضائع نہیں ہونا چاہیے۔"

"مس بنفشہ تقریر بہت اچھی کرتی ہیں۔" کوٹ کا بٹن بند کرتے وہ محظوظ کن انداز میں کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا۔ "لیکن مجھے بار بار انہیں بتانا پڑتا ہے کورٹ لفاظی پر نہیں پیپر ورک پر فیصلہ سناتا ہے اور میرے پاس کچھ پیپرز ہیں، جن کی تصدیق کے لیے میں سہراب یمن کو کٹہرے میں بلانا چاہوں گا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات کا پلندہ بلند کیا۔

"اجازت ہے۔"

سہراب واپس کٹہرے میں آیا۔ عالم کی بے چینی بڑھ گئی۔ "وہ کچھ کر رہا ہے، اسلان۔ وہ کچھ بہت بُرا کرے گا۔"

"آپ پریشان کیوں ہو رہے ہو؟" عالم چیخ چیخ کر کہنا چاہتا تھا وہ پریشان اس لیے ہے کیونکہ وہ ایک اچھا وکیل ہے اور اپنے سامنے کھڑے ایک اور اچھے وکیل کی آنکھوں اور انداز میں اسے فتح نظر آ رہی تھی۔ اپنے سائے کو کون کمبخت نہیں پہچانے گا؟

"سہراب کیا آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی باکسز ہیں جو شاہ ویر کو ملتے رہے ہیں؟" اس نے باکس اٹھا کر سہراب کے ہاتھ میں دیا جسے اس نے ایک سے دو بار پلٹ کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

"وہی ڈیزائن، وہی حجم یہ وہی ہے۔"

"اور کیا آپ شیور ہیں نیویارک میں شاہ ویر پر حملہ ہوا تھا؟"

”سو فیصد شیور۔“

”اور اس کے بعد یا اس سے پہلے ان کے ہوٹل کے کمرے میں کسی نے خون بھی پھینکا تھا؟“

”جی ایسا ہوا تھا۔“

”کیا آپ اس ہوٹل کا نام بتا سکتے ہیں؟“

”پنسلوینیا۔“

”حملے کی تاریخیں؟“

”دسمبر کا پہلا ہفتہ۔“

”اٹھائیس اکتوبر سے لے کر پچیس دسمبر تک عالمگیر یمن کہاں تھے؟“ روانگی میں پوچھا گیا سوال تھا مگر سہراب کی زبان کو لقوہ لگا۔ عالمگیر بیٹھے بیٹھے ساکت ہو گیا۔ بنفشہ جیسے صورتحال سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اسلان بے سانس ہو گیا۔ یمن جان چکے تھے کیس کہاں جا رہا ہے۔ ان کے خلاف یقیناً، انہیں ختم کرنے بے شک۔

”سہراب... افتخار.... یمن....“ دمیر نے ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔ ”اٹھائیس اکتوبر سے لے کر پچیس دسمبر تک آپ کا بھائی عالمگیر یمن کہاں تھا؟“

”مجھے نہیں پتا!“ اسی آواز پھٹی ہوئی تھی۔ اسے سچ کہنا تھا اس نے مقدس صحیفے پر ہاتھ رکھا تھا۔

”اور یافث طارون کہاں تھے؟“

”مجھے نہیں پتا۔“

”میں بتاتا ہوں ان تمام تاریخوں میں عالمگیر یمن اپنے دوست یافث طارون کے ساتھ مل کر شاہ ویر پر حملہ پلان کر رہے تھے۔“اس نے چند کاغذات جج صاحب کے ریڈر کی طرف بڑھائے۔”یافث طارون ان تمام تاریخوں پر امریکا میں تھے۔اور انہیں بھیجے جانے والی بھاری رقومات عالمگیر یمن کے اکاؤنٹ سے گئی ہیں۔“وہ دھیرے دھیرے صور پھونک رہا تھا۔”سہراب کیا آپ بتا سکتے ہیں یافث طارون کس ہوٹل میں رکے تھے؟“وہ چپ رہا۔

”سہراب صاحب کس ہوٹل میں؟“

سہراب نے پہلو بدلا، اس کے سینے میں جلن شروع ہوگئی تھی مگر.... اسے جواب دینا تھا۔”مجھے یاد نہیں۔“

”میں یاد دلواتا ہوں۔“دمیر نے چند کاغذات ریڈر کی طرف بڑھائے جو کہ انہی کاغذات کو آگے جج کی طرف دے رہا تھا۔”یافث دو ماہ کے قیام کے دوران ڈیڑھ ماہ نیویارک کے ایک ہوٹل جیمز کلفٹن میں رہے اور دسمبر یکم سے لے کر دسمبر پندرہ تک ان کا قیام ہوٹل پینسلوینیا میں تھے۔“دمیر نے اب کہ لکڑی کے وہ ڈبے اٹھا کر جج کی طرف بڑھائے۔”یہ وہ سامان ہے جو تلاشی کے وقت عالمگیر کے کمرے سے ملا۔“ہر طرف سکوت تھا۔گہرا سکوت۔عالمگیر سفید پڑتی رنگت کے ساتھ ساکن اور چپ چاپ دمیر کو تک رہا تھا۔بنفشہ متحیر تھی، سہراب مشتعل۔اسلان یمن ہنوز سپاٹ تاثرات لیے بیٹھا تھا۔

”جج صاحب یہ شخص صرف ایک انسان کا نہیں بلکہ سترہ لوگوں کا قاتل ہے۔“الفاظ عالم کے کانوں میں سیسے کی طرح پڑ رہے تھے وہ جو خود کو ایک قتل کے الزام سے بری کروانے آیا تھا اس پر اٹھارہ اقتال کا مقدمہ بن رہا تھا۔اوہ اللہ..... اوہ خدایا.... اسے سانس لینے میں دقت ہوئی۔اس نے بے اختیار سینہ مسلا۔

”اٹھارہ معصوم لوگوں کا قاتل جسے پولیس ایک عرصے سے تلاش کر رہی ہے وہ تمام ثبوتوں سمیت ہمارے سامنے بیٹھا ہے۔جج صاحب اس کیس کو طول دینا عالمگیر جیسے مجرمین کے لیے نری جنت ہے۔یہ شخص کڑی سے کڑی سزا کا حقدار ہے اس نے اٹھارہ بے گناہ لوگوں کا قتل کیا ہے۔“وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"یہ الزام ہے، جج صاحب ہمیں اگلی تاریخ چاہیے۔"

"اگلی تاریخ؟.... ایک کرمنل کو بچانے کے لیے اگلی تاریخ؟ یہ شخص صرف اور صرف پھانسی کا حقدار ہے۔ ڈیٹس آل یور آنر۔" بنفشہ جواباً کچھ کہہ رہی تھی متوحش انداز میں وہ عالم کا دفاع کر رہی تھی مگر اس کرسی پر بیٹھے ہوئے عالم کو سمجھ آ رہا تھا اب افہام و تفہیم بے کار ہے۔ اس کی گردن کی گرد طلائی زنجیریں کسی جا چکی تھیں۔ اور اب سانس رکے ہی رکے۔

★★★★★

"اوہ گاڈ.... اٹھارہ لوگوں کا قاتل؟ اوہ مائی گاڈ۔" وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ "دمیر پراچہ انسان ہے یا شیطان؟"

"دونوں نہیں وہ محض ایک قانون دان ہے، جسے اپنا کام بہت اچھے طریقے سے آتا ہے۔ وہ ذہین ہے۔"

"وہ شیطان ہے۔" عورت پھنکاری۔

"میں ذہانت کو اچھے برے عمل سے نہیں جوڑتا، ذہین ذہین ہوتا ہے چاہے وہ دس قتل کرنا جانتا ہو یا دس لوگوں کو انصاف دلانا جانتا ہو۔"

"واٹ ایور!" اس کے آنکھیں گھمانے پر وہ محض مسکرایا کہا کچھ بھی نہیں۔ وہ اپنے خیالات لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے نہیں بدلتا تھا۔

★★★★★

عدالت سے باہر نکلتے ہوئے شاہ زید بنگش نے سہر اب یمن کو ایک پیغام لکھا۔ ”میں کسی کو سزا دینے کی آبسیشن کا حصہ نہیں ہوں مجھے میرے بھائی کا قاتل چاہیے اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا؟“

مدیحہ بار بار گھڑی کو دیکھ رہی تھی اس کی ماں میز کے گرد بیٹھے بیٹھے اب اونگھنے لگی تھیں۔ پچھلے تین گھنٹوں سے وہ انتظار کی اس سولی پر لٹکی تھیں، مگر شاہ زید نے آنے کا نام تک نہیں لیا تھا۔ وہ آئے گا مدیحہ کو یہ گمان اب بھی تھا۔

عدالت کے کسی تنہا گوشے میں بیٹھی ٹانگیں جھلاتی وہ دور خلاؤں میں دیکھ رہی تھی جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”موقع ہے.... میرے پاس واپس آجاؤ۔ مائیں سب معاف کر دیتی ہیں۔“ بنفشہ نے نفرت سے ان کا بازو جھٹکا۔

”کیا ہم مل سکتے ہیں مجھے بات کرنی ہے۔“ شاہ زید بنگش کی طرف سے آراہ کو ایک پیغام بھیجا گیا۔

”ضروری بات ہے تو بعد میں ہو جائے گی۔ میں ابھی ایک کام سے جا رہی ہوں۔“

”میں ساتھ چل سکتا ہوں۔“ الفاظ میں کوئی بے قراری تھی۔ کیا یہ وہی شخص تھا جس نے آج ایک لڑکی کی ماں سے ملنے جانا تھا، کیا وہ اسے آسرے دے رہا تھا یا اسے۔ آراہ کے پیغام کے انتظار میں سکرین بجھی، اسے واپس روشن کرتے ہوئے اس کے آگے شاہ ویر اور اپنی تصویر تھی جس سے اس نے نگاہ چرائی۔ ”آئی ایم سوری، I can't resist “

اپنے کمرے میں بیٹھا یافث طارون کلب کی اس ملاقات کو ذہن کے پردوں پر دہراتے ہوئے پر سوچ تھا۔ اسے سوچنے تھا وہ اگلے دن "اسفندیار انصاری" کو کیا جواب دے گا؟ وہ شخص جو پس پردہ کئی ڈوریاں ہلا رہا تھا، وہ جو ماں سے غدار تھا، اور تمکنت جیسی دوست سے متنفر، وہ جو سیاست دان تھا اور سیاست کر رہا تھا۔

سلطان کے ساتھ گزشتہ رات کا سفر کرتے ہوئے جاؤ تو شراب کے گلاسوں کے درمیان رکھے پھڑ پھڑاتے پنوں پر گاڑی کے مالک کے خانے میں جس کا نام تھا، پھول بھیجنے والا جو تھا، تعاقب کار جو تھا، پیغامات بھیجنے والا بھی اور پیسے بھیجنے والا بھی ایک ہی شخص تھا بس ایک۔

”شاہ زید طلال بنگش۔“

سکرین پر نظر آتے تمام چہروں میں اس کا چہرہ سب سے زیادہ مکروہ تھا۔ وہ کہانی کی ڈوری نہیں، مرکزیت تھا۔

★★★★★

”کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔“ وہ پھنکاری۔

قصہ گو ہنس دیا۔ ”یہ پلاٹ ٹوئسٹ ہے۔“ وہ اگلے کئی لمحے آنکھیں پھیلائے، بغیر سانس لیے اسے دیکھتی رہی۔ شاہ زید طلال بنگش، ایک عام کردار نہیں تھا کیا واقعی؟

★★★★★

باب نمبر چھ

قاضی کا بکاؤ قلم

(”سلطان کو چاہیے اب وہ اپنی انا ایک طرف رکھتے ہوئے سہراب سے رابطہ کر لے۔ کالی بھیڑ ان کے جھنڈ میں موجود ہے، انہیں اب یک جُٹ ہو جانا چاہیے۔“ پول کے گرد طیش سے چکر کاٹتے وہ ترشی سے کہہ رہی تھی۔ جھلملاتے پانی میں روشنیوں کا عکس اس کے اپنے عکس کے ساتھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔

لمبی کرسی پر نیم دراز لکھاری نے ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ”مجھے بعض دفعہ قارئین پر حیرت ہوتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہانی میں یہ ہو جائے تو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا، یوں ہو جائے تو کہانی پلٹ جائے گی، میں تمہیں سچ بتاؤں؟“ اس نے سامنے کھڑی عورت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کہانی جب تک لکھاری کے ہاتھ، اور اس کے دماغ سے چلے گی محفوظ رہے گی۔ کہانی سے قاری کی وابستگی الگ شے ہے لیکن لکھاری جس نہج پر دیکھ رہا ہوتا ہے وہ آنکھ کسی اور کے پاس نہیں۔“ وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پر رکھے اس کے سامنے آ کر رکی۔

”تم وہ کرو جو ایک قاری نے کہا ہے۔“

قصہ گو نے بے حد آرام دہ انداز میں پیچھے کو ہو کر ٹیک لگا لی۔ ”شیور۔“۔

★★★★★

اس صبح میں بوسیدہ کافور کی بُو تھی، بھیڑیوں کی آہیں تھیں، پس منظر میں کوئی روح فرساں گیت بج رہا تھا اور غور سے کان لگا کر سننے پر معلوم ہوتا تھا کہ کسی قلعے پر لگے گھنٹے سے ٹک ٹک کی آواز گونج رہی تھی ایسے جیسے کوئی وقت قریب آرہا ہو، وقتِ آفت؟ یقیناً وہی۔

"یہ جگہ مناسب ہے۔" آس پاس دیکھتے ہوئے سہراب نے تبصرہ کیا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سُوجی ہوئی تھیں۔ چہرہ کئی دنوں کا تکان زدہ تھا۔ اس کا بھائی اب اٹھارہ لوگوں کا قاتل کہلایا جارہا تھا، اس پر ہراسمنٹ کے الزامات لگ رہے تھے، اس کا سارا گھرانہ زلزلوں کی زد میں تھا آنکھیں سارا حال کہہ رہی تھیں۔ یہ بھی کہ اس کی بنیادیں کمزور پڑ رہی ہیں۔

"یہ ویر کا فلیٹ ہے۔" زید نے دو پلاسٹک کی کرسیاں کھینچ کر ہال میں رکھیں۔ "یہ گھر وہ اپنی شادی کے لیے بنوا رہا تھا۔ اسے یقین تھا مام آراہ کو اس گھر میں قبول نہیں کریں گی۔" عام سے لہجے میں کہا اور کرسی پر اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ سہراب بھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ "مام غصے میں ہیں وہ عالمگیر کو جیل بھجوانا چاہتی ہیں اور دمیر وہ کر رہا ہے جو مام چاہتی ہے، تاج اپنے ایکس کی بربادی چاہتی ہے اس سب میں میرے بھائی کا قتل پس منظر میں چلا گیا ہے، میں چاہتا ہوں آپ اس پر توجہ دیں۔" اس نے مدعا اور ان دونوں کی یہاں موجودگی کا مقصد بیان کیا۔

"سچ کہوں تو اس وقت میری توجہ صرف اور صرف میرے چھوٹے بھائی پر ہے.... " ابرو استہزاء سے اکھٹا ہوئے۔ "تم لوگوں نے اسے اٹھارہ لوگوں کا قاتل بنا دیا؟" اس کے انداز میں گلہ تھا، جھنجھلاہٹ باہر آرہی تھی۔

"یہاں اس ملک میں قاضی کا قلم تک بکا ہوا ہے اور آپ اٹھارہ اقتال کے الزام پر رو رہے ہیں؟"

سہراب نے لب بھینچ لیے۔ "قاضی کے سارے قلم امراء کے حق میں بکاؤ ہیں اور بِک کون رہا ہے؟ مجھ جیسا مڈل کلاس۔ جو نہ مقدمے لڑ سکتا ہے، نہ پولیس کے چکر کاٹ سکتا ہے، اور نہ جس کے پاس لاکھوں روپے ہیں۔ جس

ریاست سے قانون کی بالا دستی ختم ہو جائے اور قاضی کے قلم بکے ہوئے فیصلے کرنے لگیں وہاں زیادہ وقت تک لوگ نہیں رہ سکتے، جانور رہ جاتے ہیں۔"

"میں اس سب میں اپنے خاندان کے ساتھ نہیں ہوں۔" ٹھیک، درست، مان لیا مگر اپنی سیاہ کاری کے قصے وہ کیوں مخفی رکھ رہا تھا؟ سہراب نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر موبائل کی چنگھاڑتی آواز پر وہ ٹھہر گیا۔ سلطان کی کال تھی، اس نے کال اٹھائی اور کرسی سے اٹھ کر ذرا فاصلے پر گیا۔ تھوڑی دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی پھر سہراب نے اسے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے سنا۔

"غلطی ہو گئی، سہراب۔" اس نے شکست خوردگی سے کہا۔ "بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟" سہراب نے ایک محتاط نگاہ زید پر ڈالی وہ اس طرف متوجہ نہیں تھا، بس اپنے موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

"تم نے سیاہ بھیڑ ساتھ رکھی ہے، سہراب۔ ہم تو غلط تھے، ہم گھر کے باہر ڈھونڈ رہے تھے مجرم گھر کے اندر تھا۔"

"کیا بولے جا رہے ہو؟" سہراب ٹھٹکا۔ نام لینے سے گریز کیا کہ شاہ زید وہیں تھا۔

"مجھ سے ملو، سہراب ابھی کے ابھی۔ میرے گھر آؤ۔ میں مزید اس بوجھ کو نہیں سہہ سکتا۔ میری آنکھوں کے آگے سے عالم کا چہرہ نہیں جا رہا۔ اس کی بیٹی کا چہرہ.... میں نے غلطی کر دی ہے۔ میں سیاہ بھیڑوں میں سے ہو گیا مجھ سے ملو۔" وہ رو رہا تھا۔ اس کے دل کا کونہ کونہ تکلیف میں تھا اور شاید نشے میں بھی۔ "یہ میں نے کیا کر دیا؟"

"میں پہنچ رہا ہوں، میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" سہراب نے اشارے سے زید کو اپنے جانے کا بتایا۔ "تم اس وقت کہاں ہو؟ گھر پر ہو نا؟ میں گھر پہنچ رہا ہوں دس منٹ میں۔" وہ دروازہ کھول کر تیزی سے باہر آیا۔ اس نے لفٹ میں سوار ہونے کا تردد بھی نہیں کیا۔ سلطان ہذیان بک رہا تھا۔

اس نے اسلان کو کال ملائی اور اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھا۔"سلطان کے گھر کا پتا بھیج رہا ہوں وہاں پہنچو مجھے لگ رہا ہے اس نے پی رکھی ہے کسی کو کال کر کے کوئی بکواس کر دے گا، جاؤ اسے سنبھالو۔"

"اب اس شرابی کے پیچھے میں جاؤں؟" وہ اکتایا۔

"شراب مسئلہ ہے شرابی نہیں.... جاؤ۔" سختی سے کہا۔

"اوکے۔" وہ بستر سے اتر آیا۔ الماری کے ساتھ لگے کھونٹے سے چابی اٹھائی۔ سکرین کے درمیان تین لکیریں در آئیں۔ ایک منظر میں سہراب تیز رفتار میں گاڑی بھگا رہا تھا۔ دوسرے منظر میں اسلان یمن اپنی بائیک پر بیٹھا سلطان کے گھر کی طرف روانہ تھا اور تیسرے منظر میں شاہ زید بنگش کے موبائل پر ایک پیغام آیا۔

"صاحب اس افسر سلطان راہی نے احمد شاہ (ایونٹ مینیجر) کو اغوا کر لیا تھا، مجھے لگتا ہے اس نے سب بتا دیا ہو گا۔" زید کی نگاہیں سپاٹ رہیں۔ اس نے بس ایک تاسف زدہ سانس خارج کی۔

"تمہیں تمہاری رقم مل جائے گی۔" اس نے لکھ کر بھیجا۔ وہ اٹھا، لوکیشن آن کر کے موبائل میز پر چھوڑا اور فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ باہر جاتے ہوئے اس کی آنکھیں خالی اور سرد تھیں، جیسے وہ کوئی فیصلہ کر چکا ہو، ناپسندیدہ مگر ناگزیر۔

سلطان نے اپنی پستول اٹھا کر جیب میں ڈالی۔ شرٹ کے دو بٹن بند کیے اور گھر سے باہر نکل آیا۔ اس نے اپنے بچوں کو نہیں دیکھا، اپنی بیوی کی آواز پر کان نہیں دھرے وہ نشے میں تھا مگر اسے جلد از جلد سہراب تک پہنچنا تھا۔ اس نے کال دوبارہ ملالی۔ پچھتاوے اسے گھیر کر مار رہے تھے۔

سیاہ بی ایم ڈبلیو میں سوار اس نے سلطان کی لوکیشن کھولی، موبائل ڈیش بورڈ پر رکھا اور گاڑی سٹارٹ کی۔

گلیوں سے نکل کر وہ مرکزی شاہراہ تک آ گیا۔ لوگوں نے مڑ مڑ کر اسے دیکھا وہ عجیب حالت میں لگ رہا تھا۔ "سہراب تم کہاں پہنچے ہو؟" آس پاس آتی جاتی گاڑیوں سے ذرا فاصلے پر کھڑا وہ موبائل کان سے لگائے پوچھ رہا تھا۔ "تم مجھے معاف تو کر دو گے نا؟"

"سلطان سنبھالو خود کو میں پہنچ رہا ہوں۔ تم حالات خراب کر دو گے۔"

اسلان نے گلی کے اندر جانے سے قبل اسے یہاں مرکزی شاہراہ پر کھڑے ہوئے دیکھا اپنی بائیک وہیں قریب کھڑی کرتے ہوئے وہ اس کی طرف بڑھا۔

شاہ زید نے سامنے دیکھا وہ یہیں تھا اپنی گلی کے دہانے پر موبائل کان سے لگائے متوحش انداز میں کچھ کہتا ہوا، زید نے گاڑی پیچھے لی ۔۔۔۔۔ تھوڑا اور پیچھے اور پھر وہ ایک پل کے لیے رک گیا۔

"عالم اٹھارہ لوگوں کا قاتل نہیں ہے عالم میری وجہ سے میں.... " اس کے الفاظ حلق میں کہیں دم توڑ گئے۔ تیز ہارن پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ قدموں میں زنجیر پڑ گئی وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ "سہراب میں.... " تیزی سے آتی گاڑی نے اسے ٹکر ماری وہ کئی فٹ دور تک اچھل کر گرا۔ سہراب کی گاڑی عین اسی لمحے وہاں آ کر رکی، اسلان اس کی طرف بھاگا، چلایا۔

گاڑی کا دروازہ ادھ کھلا چھوڑے سہراب دیوانہ وار اس طرف بھاگا۔ آسمان سے گویا شعلے برس رہے ہوں، ہواؤں میں زہریلا مادہ بھر گیا اور آسمانی ہواؤں میں دوزخ کی آگ بھر گئی۔ ہر شے پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

گاڑی جس طرح آئی تھی، اسی طرح زن سے بھاگ گئی اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ کوئی کچھ دیکھ ہی نہ سکا سوائے ایک لڑکی کے جو کافی شاپ سے نکل رہی تھی وہ جانتی تھی یہ گاڑی کس کی ہے، اس نے جھلک دیکھی تھی کافی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری اور مدیحہ رضا اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔

اسلان پنجوں کے بل سلطان کے پاس بیٹھا تھا وہ چلا رہا تھا، سہراب بھاگ کر اس کے قدموں سے قریب آکر بیٹھا۔ آس پاس لوگوں کا رش جمع ہونے لگا۔ سلطان پھٹی پھٹی آنکھوں سے سہراب کو دیکھ رہا تھا۔ خون کہاں کہاں سے نکل رہا تھا اس کے دائیں بائیں کھڑے دونوں مردوں کو سمجھ نہیں آیا۔ اس کی آنکھیں اب بھی دہشت سے پھیلی تھیں۔ وہ ہاتھ اٹھا کر اب بھی کچھ کہنا چاہتا تھا۔

"چاچو اس کو اٹھوائیں میرے ساتھ..... ہسپتال چلتے ہیں۔" زوں زوں کی آواز کے ساتھ اسلان کی آواز بھی اس کے کانوں میں پڑی، گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ نیچے جھکا، دونوں بازو اس کی کمر کے نیچے سے گزار کر اسے اٹھانا چاہا اسی لمحے اس کی گردن ڈھلک گئی۔ آنکھیں ایک نقطے پر ساکت ہوئیں۔ روح کی کوئی شکل نہیں ہوتی مگر وہ پرواز کر چکی تھی۔

سلطان راہی، وہ اڑتیس سالہ افسر مر چکا تھا۔ اسے ٹکر مارنے والی گاڑی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ وہ سیاہ بی ایم ڈبلیو تھی، جس کا مالک اب موسیقی پر سر دھنتا اپنے راستے کو جا رہا تھا۔

★★★★★

آج سے دو دن قبل چھبیس اپریل کا ذکر ہے۔۔۔

شاہ زید بنگش کی کال کو اس نے زیادہ سنجیدہ نہیں لیا۔ وہ ہانیہ کے ساتھ رکشے میں سوار اپارٹمنٹ کی اس عمارت کی طرف جا رہی تھی جب اسے زید کی کال موصول ہوئی۔ اس نے سوال کیا، دوسری طرف عذر پیش کیا گیا، عذر کے بعد پیشکش دی گئی جسے وہ رد کرنے والی تھی مگر شاہ زید نے ہر قسم کی پیش رفت کرنے کا متمنی نظر آ رہا تھا۔

"تم جہاں ہو میں وہیں آ جاتا ہوں۔" آراہ نے موبائل کان سے اتار کر اسے گھورا۔ کہاں وہ چند دن قبل تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور کہاں آج وہ اس سے ملنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

"میں اپنے پرانے گھر جا رہی ہوں اور میری دوست میرے ساتھ ہے۔" یہ ایک اور عذر تھا۔

"پرفیکٹ میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔"

"لیکن.... ایسے اچھا نہیں لگتا۔"

"تمہاری دوست بھی تو ہو گی وہاں۔ میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا اور یہ جگہ بات کرنے کے لیے محفوظ بھی ہو گی۔"

"آئی ایم سوری میں تمہیں اپنے گھر نہیں بلا سکتی۔" آراہ نے حتمی انداز میں کہہ کر کال کاٹ دی۔ اب برا محسوس ہو رہا تھا کیونکہ اسے لگ رہا تھا زید کو برا لگ گیا ہو گا۔ اف اف۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اپارٹمنٹ میں موجود تھیں۔ صوفے الٹ کر گرے ہوئے تھے۔ جھومر فرش نشین تھا، کارپٹ بکھرا ہوا برتن آدھے تھے تو آدھے غائب۔ الماری سے زیور غائب تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے بے یقین رہی۔ اس کا گھر الٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا تھا، اور یہی تھے وہ لوگ جن کو لگا تھا وہ انصاف لینے نکلے ہیں۔ ڈکیت اور غاصب لوگ۔ لعنت ہو۔

"لوگ تو کپڑے بھی لے گئے ہیں، آراہ۔" الماریوں کے تاک کھولتے وہ متاسف تھی۔ "ان بے غیرتوں سے کوئی پوچھے اپنے گھر ماں بہن نہیں ہے؟" آراہ چپ چاپ اپنے شیلف کے آگے آ کر رکی۔ اس کی کتابیں بالکل درست حالت میں تھیں۔ وہ سبز بیل اور فیری لائٹ اب بھی اسی طرح لٹک رہی تھی۔ شیشے کی بوتلیں سجاوٹی انداز میں شیلف کے اوپر رکھی تھیں۔ اس کی ڈھیر ساری کتابیں۔ لوگ مال غنیمت لوٹ گئے تھے، اس کا خزانہ باقی تھا۔ اس نے یاسیت سے دھول سے اٹی کتابوں کو چھوا۔

اسی پل دروازے پر دستک ہوئی، آراہ کا دھیان اس طرف نہیں گیا۔ ہانیہ البتہ دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ کچھ دیر ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ کی آواز آتی رہی اور پھر آراہ نے بھاری قدموں کی چاپ سنی۔ کتابیں اٹھا اٹھا کر نیچے فرش پر رکھتے ہوئے وہ چونکی، بلاارادہ نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا تو شاہ زید اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ششدر رہ گئی۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اسی کو دیکھ رہا تھا کھڑکی سے آتی روشنی میں اس کے جبڑے پر موجود وہ سبز نشان نظر آرہا تھا شاہ زید بنگش کا برتھ مارک۔

"مجھے بات کرنی ہے، آراہ۔"

"تم میری حد پار کر رہے ہو، زید۔"

"کیا ہمیں جوڑنے والی کڑی میں اب ذرا سی بھی گنجائش نہیں باقی؟"

وہ کچھ کہنے لگی تھی جب ہانیہ بھی زید کے ساتھ آکر رکی۔ "میں نے منع کیا تھا، آراہ اس نے ضد کی۔" وہ روہانسی ہوئی۔ آراہ نے آنکھیں میچ کر گہری سانس لی اور اب وہ چپ چاپ کتابیں اٹھا اٹھا کر نیچے رکھ رہی تھی۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ اپنی بات کر سکتا ہے۔

"مجھے تم سے صرف ایک بات پوچھنی ہے۔" وہ آگے آیا۔ کتابوں کے درمیان فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔ "کیا تم جانتی ہو ابتسام..... " اس نے پاس کھڑی ہانیہ کو دیکھا پھر آراہ کو۔ ہانیہ دروازے سے ہٹ گئی۔ "ابتسام باپ نہیں بن سکتا، شاہ ویر یہ جانتا تھا کیا اس نے کبھی تمہیں یہ بتایا؟"

آراہ نے بے اختیار چہرے پر ہاتھ رکھا اور گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھی۔ ایک پل کو سارا غصہ رفو ہو گیا۔ "کیا واقعی؟"

زید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "وہ دونوں اس بات پر جھگڑتے تھے شاہ ویر نے مجھ سے یہ سب چھپایا لیکن اس نے تمہیں تو کچھ بتایا ہو گا نا کیا ان دونوں کا جھگڑا شدید تھا؟"

آراہ نے بہ دقت نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے یہ سب نہیں پتہ تھا۔ یا اللہ یہ کیسا آدمی ہے؟"

"کوئی اور شخص جس سے وہ جھگڑتا ہو؟" آراہ نے دوبارہ نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے کچھ بھی پتہ ہوتا تو میں سب سے پہلے تمہیں بتاتی۔ وہ میری ساری باتیں سنتا تھا لیکن میرے لیے وہ ایک دیوار تھا جس کے آر پار میں کبھی کچھ نہیں دیکھ سکی۔ اس نے اپنی پریشانی کہنا سیکھا ہی نہیں تھا۔"

زید نے کنپٹی مسلی۔ "مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی میں کہاں جاؤں؟" اس نے گھٹنے سینے سے لگا لیے۔ "ہر راستہ بند ہے میں جہاں جاتا ہوں وہاں ناکامی ہے آخر کوئی کیوں اسے مارے گا؟"

"عالم نے اسے نہیں مارا۔" آراہ نے وثوق سے کہا۔ "انہوں نے تاج آپا کو بھی نہیں مارا۔ میرا یقین کرو زید تمہارے گھر والے غلط کر رہے ہیں میرے چچا نے واقعی کچھ نہیں کیا۔"

زید نے سر ہلایا۔ "جان گیا ہوں مگر کیا سہراب واقعی اس سیریل کلر کو پکڑنا چاہتا ہے؟"

"تین سال سے یہ ان کا واحد جنون ہے۔"

"میں تم سے ایک بات پوچھوں آراہ؟" کتابوں کو ایک طرف ترتیب سے رکھتے نگاہیں انہی پر جمائے اس نے ہلکی آواز میں پوچھا۔ "اگر آپ کسی شخص سے محبت کرتے ہوں آپ اس کے ساتھ رہنا بھی چاہتے ہوں لیکن یکدم آپ کو لگنے لگے کہ یہ ایک غلط فیصلہ ہے سامنے والا آپ کو قبول نہیں کرے گا تو آپ کو کیا کرنا چاہیے؟" اس کی آنکھوں کے آگے مدیحہ کا چہرہ تھا۔

"تو وہ کام چھوڑ دینا چاہیے جو سامنے والے کو پسند نہیں۔" آراہ نے ساری کتابیں ڈھیر کر دیں۔

"اور اگر ہم نہ چھوڑ سکیں؟" وہ کتابیں رنگ کے حساب سے رکھنے لگا۔

”پھر خود سے پوچھنا چاہیے کیا تم واقعی اس سے محبت کرتے ہو؟“ اس نے تو یونہی کہہ دیا تھا لیکن شاہ زید کے دل پر کوئی مٹھی آ کر لگی۔ اسے یاد آیا اپنے بھائی کے لیے اس نے کیا کیا چھوڑا تھا، اس کے لیے وہ کس کس حد تک جانے کو تیار تھا اور مدیحہ؟ وہ اچھی تھی، اسے پسند تھی لیکن..... پتہ نہیں.... اسے نہیں پتہ تھا درمیان کیا آرہا تھا؟ اس نے آراہ کو دیکھا اس کے دل نے چیخ چیخ کر بتایا درمیان میں کیا تھا مگر وہ اس کے بھائی کی سابقہ منگیتر تھی اسے یہ نہیں سوچنا تھا۔

”تمہیں پتہ ہے یہ کتابیں مجھے شاہ ویر نے دی تھیں۔“ اس نے ایک طرف قطار میں رکھی سب کتابوں کی طرف اشارہ کیا۔ زید کا دھیان بٹ گیا۔ اس نے تمام کتابوں کو ہاتھ سے چُھوا۔ ”وہ مجھے ہر موقعے پر کتابیں دیتا تھا۔ سیمسٹر ختم ہونے کی کتاب، برتھڈے کی کتاب، نئے موسم کی کتاب، کسی جھگڑے کے بعد ہماری صلح کی کتاب۔ وہ کہتا تھا کتابیں دینے کا کوئی موقع نہیں ہوتا، یہ موقع بنانا پڑتا ہے۔“

”وہ اچھا تھا۔“ زید نے کتابیں ایک قطار میں ترتیب سے رکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔ آراہ نے سر ہلاتے اتفاق کیا۔

”آراہ!“ اپنے کام میں مصروف لڑکی اس کی نظروں سے بے پرواہ تھی۔ ”کیا ہم دوست بن کر رہ سکتے ہیں؟ میں تمہیں مجبور بھی نہیں کروں گا، بس چاہتا ہوں شاہ ویر کا سب سے محبوب تعلق زندہ رہے۔“

آراہ نے ایک نظر اس کی ترتیب دے کر رکھی کتابوں کو دیکھا، پھر اسے۔ ”جانتے ہو میں کیا چاہتی ہوں؟“

”کیا؟“

”کہ تم میری حدود کا احترام کرو۔“ چند پل وہ اسے دیکھتا رہا اس کا اشارہ کس طرف تھا زید جانتا تھا۔ لہٰذا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جو تم کہو۔" کہہ کر وہ رکا نہیں۔ ایک الوداعی نگاہ آراہ پر ڈالتے وہ فلیٹ سے باہر نکل گیا تھا۔ آراہ بہت دیر تک اس کی پشت کو تکتی رہی تھی، پھر اس کی رکھی کتابیں دیکھیں اور بہت دیر تک وہ ہل نہ سکی۔

★★★★★

وہ ہسپتال آنے سے پہلے ہی دم توڑ چکا تھا۔ سہراب جو اسے اٹھا کر لایا تھا اس کے بازو، شرٹ خون سے تر تھے۔ اسلان جو ان سے کچھ دیر بعد سڑک پر کھڑی اپنی بائیک لایا تھا چپ چاپ بنچ پر بیٹھا تھا۔ پولیس کے کئی افسران موقع پر ہی پہنچ گئے تھے۔ خاندان کو خبر ملی تو شہناز اپنے بچوں سمیت آن وارد ہوئی تھی۔ اس نے پورا ہسپتال سر پر اٹھا رکھا تھا، اس کے بچے الگ رو رہے تھے۔ وہ صبح ٹھیک تھا، اپنے پیروں پر چل کر گیا تھا۔۔۔ لوگ یہ کیوں سوچتے ہیں موت کے لیے کسی علالت کا ہونا ضروری ہے؟

"تم مجھ سے پہلے وہاں پہنچے تھے تم نے گاڑی کا نمبر دیکھا؟" سہراب اس کے پاس آ کر رکتے ہوئے پوچھنے لگا۔ "گاڑی کا ماڈل، ڈرائیور کا چہرہ؟"

اسلان نے نفی میں سر ہلایا چہرے پر ہاتھ پھیر کر خود کو ٹھیک رکھنا چاہا۔ "سی سی ٹی وی؟"

"تھا ہی نہیں۔" شکستگی سے کہتے سہراب دھپ سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھا۔ وہ دونوں کندھا جوڑے ایک ساتھ بیٹھے تھے، نگاہیں ایک سمت ایک ہی دیوار پر ٹکی ہوئی۔ دونوں کے مضبوط کندھے جھکے ہوئے تھے۔

"وہ مجھے کچھ بتانا چاہتا تھا۔"

"پلیز یہ مت کہنا کہ وہ ہمارے خاندان کی وجہ سے مرا ہے۔" اسلان نے التجا کی۔

"یہ شاہ ویر کے قاتل نے کیا ہے سلطان اسے جان گیا تھا اور اس نے سلطان کو راستے سے ہٹا دیا۔"

اسلان نے شل سے انداز میں اسے دیکھا۔ ”واقعی؟“

سہراب نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ہماری کالز ٹیپ ہوتی ہیں، میں نے اس لیے فون پر نام نہیں پوچھا۔ کاش پوچھ لیتا تو کم از کم اس وقت میرے پاس نام تو ہوتا۔“

”آپ کو ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔“ اسلان کے جواب سے پہلے ایک پولیس افسر نے ان سے کہا۔ اسلان نے ایک نظر سہراب کو دیکھا پھر افسر کو۔

”کس حیثیت سے؟“

”آپ عینی شاہد ہیں سر۔“

”عینی شاہد وہاں ہزار تھے صاف صاف کہو ہم پر ہاتھ ڈالنا آسان ہے۔“ اسلان تڑخ کر بولا۔ سہراب کچھ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ راہ داری میں ایک طرف سلطان کی چھوٹی بیٹی کو اپنی ماں کے ساتھ لگ کر روتے ہوئے دیکھا۔ اس کا باپ کل تک منوں مٹی تلے دفن ہو جانا تھا۔ وہ جو عالم کی بیٹی کو بچانا چاہتا تھا اس کی اپنی بیٹی آج یتیموں کی صف میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ایک گہرا تعلق تھا جو آج ٹوٹ رہا تھا۔ اسے سلطان کی بیوی پر رشک آیا وہ ہر فکر سے آزاد رو اور چیخ سکتی تھی مردوں کے لیے ان مواقعوں کی قلت کیوں ہے؟ وہ اس وقت غم و غیض کے مارے دھاڑے مار مار کر رونا چاہتا تھا۔

”چاچو اسکار؟“ وہ دو قدم آگے بڑھا تھا جب اسلان نے ہلکی آواز میں اسے پکارا، اس کی شرٹ کا کونہ اسلان کی تین انگلیوں میں دبا تھا۔ راہ داریوں کی روشنی میں اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ سہراب نے مڑ کر اسے دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ کو، جو آج بھی اسی امید کے ساتھ سہراب کے ہاتھ سے مس ہو رہا تھا جیسے سالوں قبل ہوتا تھا۔

”گھر واپس آجانا اور کوئی نیا مقدمہ ساتھ مت لانا پلیز۔“ خواہش، منت، تنبیہہ کیا تھا یہ اس کا چچا سمجھ نہیں سکا۔ وہ چند پل وہیں کھڑا رہا، بغیر کچھ کہے۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر اسلان کا کندھا تھپکا، کہنے کو کچھ سوچا مگر ان دونوں کے درمیان باتیں کم ہوتی تھیں۔ چند پل بعد وہ آگے بڑھ گیا۔ ہسپتال کی راہداریاں یونہی واویلا کرتی رہیں۔ اسلان یمن اپنے خالی ہاتھ دیکھتا گیا۔ اسے اپنی قید کا کوئی منظر یاد آ گیا تھا۔

★★★★★

ماضی!

”اتنا تنگ کیوں کر رہے ہو؟“ اسلان کے ساتھ بیٹھے سہراب کی آواز بہت مدھم تھی، جبکہ یافث ذرا فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ جیل کے ملاقاتی کمرے میں دروازے پر دو افسر تعینات تھے۔ بنچ پر بیٹھے چچا بھتیجا کی پشت پر دھوپ پڑ رہی تھی؛ اسلان گردن جھکائے تھا اور سہراب سامنے دیکھ رہا تھا، اس نے ایک بار بھی اسلان کی طرف نگاہ نہ کی۔ وہ وکیل سے بات، کھانے پینے ہر شے سے انکاری تھا۔ عالم مغز پاشی کر چکا تھا مگر خاموشی کی مہر ٹوٹی نہ تھی۔ تمام تعلقات استعمال کر کے آج سہراب اسے ملنے آیا تھا، یافث کو بھی ساتھ لایا تھا۔

”وکیل سے بات نہیں کرو گے تو کیسے چلے گا؟“ اس نے نرمی سے کہہ کر اس کا بازو سہلایا۔ اسلان نے ہاتھ جھٹکا۔ انداز ضدی۔ ”میں کوشش کر رہا ہوں نا تم جلدی باہر آ جاؤ گے مجھے تھوڑا وقت دو۔“ اس نے اسلان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا مگر وہ جھٹک گیا۔ انداز وہی ضدی، ناراض بچے کے جیسا تھا۔ یافث سامنے کھڑا تھا، چپ چاپ اسلان کو دیکھتا ہوا۔ وہ بس اسے گلے لگا لینا چاہتا تھا اسے کوئی سوال نہیں پوچھنا تھا۔

”چلو وکیل سے بات نہیں کرنی نا مجھ سے بات کرو مجھے بتاؤ کہاں ہے وہ؟“ اس نے اب کے اسلان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر وہ ایک بار پھر اسے جھٹک گیا۔ گردن ہنوز جھکی رہی۔ سہراب نے ضبط سے آنکھیں میچ لیں۔ اسلان کا بازو سختی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا۔ اس کا جبڑا سہراب کی گرفت میں تھا۔

”کیا کیا ہے اس لڑکی کا بتاتے کیوں نہیں ہو؟“ وہ اسے دیکھے گیا، نم آنکھیں، پر ملال چہرہ اور گلہ آمیز نگاہیں۔ ”میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں یمن مجھ سے بات کرو۔ جو بھی تم نے کیا ہے میں کور اپ کروں گا دنیا کی کوئی طاقت تم تک نہیں آسکتی لیکن تمھیں مجھ سے بات کرنی ہوگی۔“ اسلان نے لب بھینچ لیے باوجود کوشش کے وہ اپنی آنکھوں کی نمی پر قابو نہ رکھ سکا، آنکھوں میں تیرتے شکوے پر بھی نہیں۔

”کیا بات کروں آپ سے آپ تو سارے فیصلے کرکے آئے ہو آپ کی عدالت میں تو میں مجرم ہوں نا؟“

”تمہاری یہ ڈرامے بازی آخر کب تک برداشت کروں؟“ سہراب چلایا۔

”میں آپ کی بے حسی کب تک برداشت کروں؟“ وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چیخا۔ ”آپ مجھے پاگل کر دو گے، آپ کی ججمنٹ کسی دن مجھے ختم کر دے گی میں مر جاؤں گا اور آپ میری لاش کو بھی جج کرو گے۔“ سہراب نے لب بھینچ لیے، اسلان پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ ”آپ سے کہا تھا میں نے کہ میں بے قصور ہوں لیکن آپ کو مجھ پر یقین نہیں آتا اگر میری جگہ آراہ یہ بات کہتی تو آپ ایمان لے آتے۔“

”آراہ پر ایف آئی آر نہیں ہوتیں۔ اسے آدھی رات کو پولیس نہیں لے جاتی۔ اس نے میری زندگی اس طرح عذاب نہیں کی جیسے تم نے کی ہے۔“

”تو چھوڑ دو نا۔ میں آپ کا لگتا ہی کیا ہوں کیوں خود کو میرے لیے اذیت دیتے ہو جان چھوڑ کیوں نہیں دیتے میری؟“ سہراب اسے دیکھے گیا، یافث آگے آیا تھا اس نے سہراب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

”میں دیکھ لیتا ہوں۔“

”کیا دیکھو گے تم اس ناشکرے آدمی کو؟ نہ یہ میری نیکی کے قابل ہے،نہ محبت کے he is a walking disaster اپنی مرضی سے پڑھنے گیا تھا یہ۔میں اب تک اس کی قسطیں دے رہا ہوں اور اب اسے واپس نہیں جانا۔واپس نہیں جانا تھا تو نہ جاتا کم از یہ سب تو نہ کرتا۔“

”کبھی پوچھا ہے کیوں نہیں جانا؟“وہ نمی لیے چیخا۔

”زیادہ سے زیادہ کیا ہی قیامت ٹوٹی ہو گی تم شروع سے ہی ایسے ہو۔“

”ماموں ان سے بولو یہاں سے جائے میں خود کو کچھ کر لوں گا ان کو بولو یہاں سے جائے ابھی۔“وہ بے حد ضبط سے بولا،دل میں کوئی تکلیف سی سر اٹھا رہی تھی مگر وہ خود پر ضبط کر رہا تھا وہ سہراب کو کوئی سخت لفظ نہیں کہنا چاہتا تھا۔وہ بھی چند لمحے کھڑا رہا خون آشام نگاہوں سے اسے تکتا ہوا اور پھر وہ چلا گیا۔اسلان واپس بنچ پر بیٹھ گیا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔یافث اس کے ساتھ آ کر بیٹھا اس کی پیٹھ تھپکی وہ زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکا،اسلان یمن پورے قد کے ساتھ اس کی گود میں سر دیے رونے لگا تھا۔

”مجھے یہاں سے نکالو پلیز یہ جہنم ہے میں یہاں پاگل ہو جاؤں گا پلیز مجھے باہر نکالو میں نے اسے نہیں مارا۔میں نے کچھ نہیں کیا ماموں۔“یافث اس کی چوڑی پشت تھپک رہا تھا،اسے دلاسا دے رہا تھا اسلان ہچکیوں کے ساتھ روئے گیا اس کی پشت سے ہلکی سی اٹھی شرٹ سے سہراب وہ داغ دیکھ سکتا تھا جو اس قید نے اسے دیے تھے وہ واپس اس تک آیا۔اس کا چہرہ یافث کی گود سے نکال کر اپنے روبرو کیا،اب وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے گھٹنوں کے بل موجود تھے۔جتنی تکلیف اسلان کی آنکھوں میں تھی اس سے دگنا طیش سہراب کی آنکھوں میں۔

”میں تمہیں نکال لوں گا۔دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس گناہ کی سزا نہیں دے سکتی جو تم نے نہیں کیا۔مجھے صرف ایک بار بتاؤ کیا کسی نے تمہیں دھمکایا ہے؟“اسلان اسے دیکھے گیا۔آوازیں،چہرے،تلخیاں،مان سب گڈ مڈ ہونے لگا۔”سچ کہنا اسلان کیا کوئی ہے جو تمہیں scapegoat کی طرح استعمال کر رہا ہے؟“

وہ سہراب کو دیکھ رہا تھا مگر اسے کوئی اور چہرہ دکھ رہا تھا، وہ اسے سننا چاہتا تھا مگر اس کی سماعتیں کسی زہر آلود آلے سے سُن کر دی گئی تھیں۔ اس نے بہ دقت نفی میں سر ہلایا، اثبات میں سر ہلانے کے لیے اسے سہراب کی جان داؤ پر لگانی پڑتی اور وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس آدمی پر آنچ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چاہے اس پر سختیاں آئیں، چاہے وہ یہاں مر جائے، یا پھر چاہے باطل وقت اسے ختم کر دے وہ اس شخص پر ایک لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس زندگی میں ہرگز نہیں۔

"کوئی نہیں۔" اس نے جھول بولا، سفید جھوٹ۔ مدد کے سب در خود اپنے آپ پر بند کیے، اسے کرنے پڑے۔

★★★★★★★★

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" اس نے اپنے عقب میں کھڑے خادم سے پوچھا۔ وہ مسکرایا۔

"ہمیشہ کی طرح، دلربا۔" اور وہ ہنس پڑی۔ ایک ٹانگ اوپر اٹھائے ٹھوڑی گھٹنے پر ٹکائے اس نے ایک ادا سے اپنے خادم کو دیکھا۔ "مجھے تو کمی نظر آ رہی ہے۔ کتنا عرصہ ہو گیا، کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے، انصاف کی کوئی جنگ نہیں لڑی، بقا کے اسباب و سامان نہیں پیدا کیے.... مجھ پر بڑی ذمہ داریاں ہیں، خادم۔"

"ذمہ داریوں پر آپ ہمیشہ پوری اتری ہیں۔"

"کہاں....؟" اس نے مایوسی سے گردن کرسی کی پشت پر گرا دی۔ "میں اس لکھاری کو نہیں مار سکی۔"

"اچھا ہی ہوا.... اس کے پیچھے بہت جھمیلے ہیں۔"

نکھری، سنوری سی عورت کے چہرے پر عجیب سا تاثر آیا۔ "جھمیلوں میں بڑا لطف ہے، خادم۔ تم نہیں جانتے یہ جھمیلے، یہ مردوں کو اپنے پیچھے بھگانا، ان کی عقل سے دو ہاتھ آگے رہنا مجھے کس قدر پسند ہے۔"

”اب آپ کیا چاہتی ہیں؟“

”انتقام.... وہ دو ٹکے کا افسر مجھ سے کھیل کھیل گیا اور میں اپنے شکار سے چُوک گئی۔“ اس کی سیاہ آنکھوں میں لہو اترا۔ ”اس کی تباہی کا سامان پیدا کرنا ہو گا۔ وہ دوسروں کی اولادوں کو بچاتا ہے میں اس کے اپنے بیٹے کو جلاؤں گی وہ ایک قتل سے بچ گیا، اب دوسری بار نہیں بچ سکے گا۔“

”کیا وہ واقعی مجرم ہے؟“

”جیل میں سزائیں کاٹنے والے سب مجرم نہیں ہوتے، کچھ مظلوم بھی ہوتے ہیں جو کسی کے عتاب کا شکار ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک اور سہی۔ اب کی بار اسلان یمن سہی۔“

وہ ایک بساط بچھانے کو تیار تھی، ایسی بساط جس میں فتح مقدر تھی۔ وہ بھلا کبھی ہاری تھی کیا؟

★★★★★

وہ اپنے گھر کے صحن میں رکھے لکڑی کے تخت پر پیر پسارے بیٹھی تھی۔ چہرہ پیلا پھٹک پڑ رہا تھا، آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر ساکت تھیں جب عظمیٰ بی اس کے ساتھ آ کر بیٹھیں۔ بنفشہ نے چپ چاپ اپنا سر ان کی گود میں رکھ لیا۔ آنکھیں صحن میں رکھے گملوں پر ٹک گئیں۔ ان کی مٹی گیلی تھی، عظمیٰ بی ابھی انہیں پانی دے کر آئی تھیں۔ ”مجھ سے شاید غلطی ہو گئی ہے اماں۔“

”بندہ بشر کوتاہی کر دیتا ہے، کوئی بڑی بات نہیں۔“ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ چلا رہی تھیں۔ بنفشہ کی آنکھیں جلنے لگیں۔ سوندھی مٹی کی خوشبو اس کی سانسوں کو معطر کرنے میں ناکام رہی۔ ”بندے اور ابلیس میں بس ایک ہی فرق ہے وہ اڑ جاتا ہے، بندہ ڈھل جاتا ہے۔ حالات میں، حل میں، مصائب اور خوشی میں۔ تم بھی ڈھل جاؤ۔“

”یہ ویسا نہیں ہے اماں.... میں نے کسی سے وعدہ کیا تھا مجھے یہ وعدہ نبھانا تھا۔ میں لوگوں کے احسان کے ایسے بدلے کیسے دے سکتی ہوں؟“ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اسی اندھیرے میں وہ عالمگیر کو کٹہرے میں دیکھ پا رہی تھی۔

”استطاعت بڑی شے ہوتی ہے، بنو۔ اللہ کہتا ہے وہ اپنے بندے پر استطاعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا یہ بندہ ہے جو توکل چھوڑ چکا ہے۔ اور خود پر استطاعت سے بڑھ کر ظلم کر دیتا ہے۔“

”توکل کیا ہے اماں؟“ وہ ہنوز سامنے والی دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ سوچیں منجمند تھیں، سوال بے تحاشہ۔

”اپنی طرف سے سو فیصد محنت کر کے معاملہ اس کی ”کن“ پر چھوڑ دینا۔ پھر فکریں زائل، اعصاب پر سکون اور امید فلاح کی۔ چار حرفی یہ لفظ کہہ دینا آسان ہے، اس پر قائم رہنے والوں کی عمریں بیت جاتی ہیں۔“ وہ ہنوز اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھیں۔

”فلاح ملتی ہے؟“

”جو فلاح کی پکار پر دوڑا دوڑا جاتا ہے اسے مل جاتی ہے۔ تم نے کتنے دنوں سے ”حی الفلاح“ کو نظر انداز کیا ہے، بنو؟“ الفاظ نہیں طمانچہ تھے۔ بنفشہ احسان کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ دل کے گھاؤ گہرے ہوئے۔

”وہ تو رب ہے اماں۔۔۔ کیا انسانوں کی طرح ناراض ہو جاتا ہے؟“

”نہ۔۔۔ وہ ناراض نہیں ہوتا مگر اسے بندے کی بڑی فکر رہتی ہے۔ وہ دانا ہے اسے علم ہے بندے کی درست سمت اور اس کی بقا کیا ہے لہٰذا وہ حالات تنگ کر دیتا ہے تاکہ بندہ واپس اسی تک آئے۔“

”کیا ہر بندہ اسی تک جاتا ہے اماں؟“

”ہر روح عالم ارواح میں اسے اپنا خدا تسلیم کر آئی ہے۔اب اس دنیا میں کوئی سکھ بن گیا، کوئی مسلم، کوئی ہندو، کوئی یہود، روح اپنا وعدہ نہیں بھولتی، اس پر کڑا وقت آئے تو اسے رب ہی یاد آتا ہے اب اس کا جسم چاہے کسی مذہب کا ماننے والا ہو یا کوئی ملحد۔“

بنفشہ جواباً کچھ نہیں بولی اس کی آنکھوں سے چند قطرے ٹوٹ کر کنپٹی میں جذب ہو گئے۔ سانس بھاری ہو رہی تھی اماں جانتی تھیں وہ رو رہی ہے مگر وہ ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ ان کی گود سے اٹھ کر غسل خانے تک آئی، دھندلاتی آنکھوں سے وضو کیا، باہر نکل کر چہرے کے گرد دوپٹہ باندھا اور چند ساعتیں بعد اس کا سر سجدے میں تھا۔ فلاح چاہیے تھی تو فلاح کی پکار پر لبیک بھی تو کہنا تھا۔ اس کے گرد اندھیرے تھے اسے روشنیوں والے سے رابطے بحال کرنے تھے۔

★★★★★

دمیر پراچہ اور تمکنت بنگش ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے ان کی دائیں طرف اسفندیار انصاری موجود تھا۔ جس کے تاثرات سپاٹ تھے وہ آج کی کامیابی سے خاص متاثر نہیں تھا۔ ”اگر اس نے تاج کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا تو اس حد تک جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“ وہ ان دونوں کی باتوں میں مخل ہوا تھا دونوں نے مڑ کر ناگواری سے اسے دیکھا۔ اسفند نے کہنا جاری رکھا۔ ”اس ملک میں لوگ ویسے بھی انصاف کے لیے دھکے کھا رہے ہیں ہم مزید بے قصوروں کو سلاخوں کے پیچھے کیوں ڈال رہے ہیں؟“

تمکنت کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔ ”جب تمہارا بھائی مرا تھا اور تمہیں امریکا سے پاکستان بلوایا گیا تھا جانتے ہو تم نے طیش میں کیا کیا تھا؟“

اسفند نے سر جھٹکا۔ ”میں نے جو بھی کیا کم از کم اس میں سہراب کا قصور تھا اسے ماس خوروں سے دور رہنا چاہیے تھا لیکن عالمگیر اچھا آدمی ہے فیملی مین، اسے اس طرح گھسیٹنا درست نہیں ہے۔“

”کیا اب شیطانوں کے بھی مورلز ہوں گے؟“ دمیر نے گفتگو میں حصہ لیا۔ ”ہم سب جانتے ہیں عالمگیر نے شاہ ویر کو نہیں مارا لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مسز بنگش اور آپ ان کا باہر آنا افورڈ نہیں کر سکتے مجھے اسے اندر رکھنا ہے ہم سب کا مقصد غلط ہے لیکن ہمارے پاس مقصد ہے اور جب تک ہمیں کچھ چاہیے اس کے لیے محنت تو کرنی پڑے گی۔“

اسفند نے لب بھینچ لیے۔ ”یہ غلط ہے۔“

”آگے سنیئے اور غلط ہونے جا رہا ہے۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہم اپنے لوگ جعلی دھرنا مافیا بنا کر یمن خاندان کے گھر کے باہر بھیجنے والے ہیں تاکہ وہ وکیل اور گھر کے باقی لوگ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ جائیں، کوئی زیادہ زخمی ہو سکتا ہے لیکن کیا کریں کام کاج چھوڑ تو نہیں سکتے اب۔“ دمیر بے حد سہولت سے کہہ رہا تھا اور اسفند کی عجیب سی نگاہیں تمکنت پر جمی تھیں جن میں واضح لکھا تھا۔

”وہاں آپ کی سگی بیٹی بھی ہے۔“

بوڑھی اداکارہ نے نگاہیں پھیر لی تھیں، اسے یہ آتا تھا۔ دل البتہ اس عمل سے راضی نہیں تھا۔

★★★★★★★★

”میں تمہاری زندگی میں کہاں ہوں، زید؟“ موبائل پر آیا پیغام دیکھتے زید نے گہری سانس لی، ابھی وہ موبائل پلنگ پر پھینک کر واش روم کی طرف بڑھتا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور مدیحہ اندر داخل ہوئی۔ آج زید کے چہرے پر کوئی ناگواری نہیں ابھری، آج کوئی کوفت بھی نہیں تھی۔ آج وہ فیصلے کے مزاج رکھتا تھا۔

”میں نے ملازمین سے کہا تھا مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔“ لب بھینچ کر سمجھایا۔

"تو اب میں تمہیں ڈسٹرب کرنے لگی ہوں؟" بازو سینے پر باندھے زخمی لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں، چہرے پر زمانوں کا کرب۔ "تم اماں سے ملنے نہیں آئے، زید۔ تم نے اس کے بعد کوئی کال نہیں کی تم نے کوئی معافی نہیں مانگی۔ تم میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟" وہ آگے آئی، زید کی کہنی تھامی اور گردن اٹھا کر اس کی آنکھوں میں تکا۔ "کوئی مسئلہ ہے؟"

"میں فی الحال کوئی کمٹمنٹ نہیں کر سکتا۔"

"تم یہ بات اس روز بھی کہہ سکتے تھے میں تمہیں جج تو نہ کرتی۔"

زید نے سخت تمسخر زدہ نگاہ اس پر ڈالی اس کا ہاتھ کہنی سے جھٹک کر ہٹایا۔ "میں تمہاری محبت کو سمجھ رہا ہوں لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ہم دونوں ایک ساتھ چل سکتے ہیں۔ تم وہ عورت ہو ہی نہیں جس کے ساتھ میں نے اپنا بچپن، جوانی اور راز بانٹے تھے۔ تم حق اور باطل کی جنگ میں پڑ گئی ہو مدیحہ۔ تم مجھے اٹھتے بیٹھتے جج کر رہی ہو، تم چاہتی ہو میں لوگوں سے معافی مانگوں، پینلٹی دوں اور ایک اچھا انسان بن جاؤں؟" وہ رکا۔ "مائے فٹ۔" سلگ کر کہا۔ "نہ میں اچھا انسان تھا، نہ ہوں اور نہ کبھی بنوں گا میں اپنے بھائی کے لیے کسی بھی حد تک جاؤں گا۔"

"اور پھر اسی بھائی کی سابقہ منگیتر سے خفیہ ملاقاتیں کروں گا۔" مدیحہ کے کہنے پر اس کی رنگت فق ہو گئی۔ گردن کی اکڑ ویسی ہی رہی۔ "کیوں کیا یہ سچ نہیں ہے؟"

"تم غلط سمجھ رہی ہو میں اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچتا۔"

"سلطان کو تم نے مارا ہے ناں؟" یہ الفاظ نہیں تھے، یہ پگھلا ہوا سیسہ تھا جو اس کے کانوں میں انڈیلا گیا۔ وہ چپ چاپ سانس لیے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔۔۔" وہ متوحش انداز میں غرایا۔ "میں۔۔۔ میں کیوں کروں گا میں تو۔۔۔"

”میں اسی سڑک پر سامنے والے کیفے میں موجود تھی، زید۔“ مدیحہ نے ایک پل کے لیے بھی نگاہیں اس سے نہیں ہٹائیں۔ ”وہ تم تھے، تمہاری ہی گاڑی تھی بلیک بی ایم ڈبلیو۔ میں نے تمہیں دیکھا تھا۔“ وہ حیران تھی، بے حس تھی، یا تمام جذبات تھپک کر سلا آئی تھی اس کی آواز سے کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ ”میں وہاں سے سیدھی یہاں آئی ہوں، وہ تم تھے۔“

”تم بکواس کر رہی ہو یہ جھوٹ ہے۔“ وہ غرایا۔ روشنیوں کے درمیان اس کا چہرہ سفید نظر آ رہا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر کہو میں شاہ زید بنگش ہوں، اور مجھے میرے باپ طلال بنگش کی قسم ہے۔ سلطان کا قتل میں نے نہیں کیا۔“ وہ پیچھے ہوا اور دھیرے دھیرے سے پلنگ پر بیٹھتا چلا گیا۔ مدیحہ اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی، آنکھوں میں محض تضحیک ہلکورے لے رہی تھی۔ ”کسی نے آراہ کی یونیورسٹی سے تمہارا ریکارڈ نکلوایا، کسی نے تمہاری گاڑی کی تفصیلات نکلوائیں اور اسے پتہ چل گیا تم جیسا گھٹیا شخص اپنی ہی ہونے والی بھابی کا اسٹالکر تھا اور جب تمہیں لگا وہ تمہیں نقصان پہنچائے گا تو تم نے اس کی بیوی اور دو معصوم بچوں کی پرواہ کیے بغیر اسے مار دیا۔“ وہ اب نفی نہیں کر سکا۔ اب اس کی نیم جان آنکھیں مختلف تھیں۔ ”تم میرے ساتھ ہوتے ہوئے اسے اسٹالک کرتے تھے؟“

”تمہیں کیسے پتہ؟“

”تم میرا وہ خطہ تھے جس پر میرا ریڈ الارم لگا تھا۔ تمہیں محفوظ کرنے کے لیے میں نے تمہارے چاروں طرف سرحدیں لگائیں تھیں اور تم نے یہ کیا؟“ اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ اس مرد پر تھوک دینا چاہتی ہو۔ ”تم ایک بار مجھ سے کہہ دیتے زید، تم کہہ سکتے تھے۔“

زید چند ثانیے اسے تکتا رہا، پھر اس نے اٹھ کر تیزی سے اس کا گلا دبوچا وہ اس حملے کے لیے تیار تھی۔ اس نے برق رفتار سے اسے دھکا دے کر خود سے دور ہٹایا۔ "اگر تم نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہارے اس محل کو کھڑے کھڑے مسمار کر دوں گی۔" انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ زید نے اس کی کلائی دبوچی۔

"اپنی بکواس بند رکھو اور میرے معاملات سے دور رہو۔"

"تم ایک گلٹی انسان ہو جو آخری وقت میں اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ نہیں رہ سکا، اور اب اس طرح سیاہ کاریاں کر کے اس وقت کو پلٹ سکتا ہے تو تم غلط ہو۔" وہ اس کے منہ پر پھنکاری۔ زید نے اس کی کلائی چھوڑ دی، بال دونوں مٹھیوں میں دبوچے وہ یہاں سے وہاں چکر کاٹنے لگا۔ پھر وہ رکا، معذرت خواہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آئی ایم سوری میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہ رہا تھا۔ آئی ایم سو سوری تم ٹھیک ہو؟" وہ یکدم اس کے لیے متفکر نظر آیا۔ اس کا اشارہ کچھ دیر قبل والی جارحیت کی جانب تھا۔

مدیحہ کی آنکھوں کا زخمی پن، اور تمسخر بڑھ گیا۔ "یہ جھوٹی فکر، یہ منافقت مجھے مت دکھاؤ، زید۔"

"مجھے نہیں سمجھ آ رہی، میں کیا کر رہا ہوں۔ میں پاگل ہوتا جا رہا ہوں۔" اس نے اپنے بال مٹھی سے نکال کر چہرے پر ہاتھ پھیرا اور ایک امید سے اسے دیکھا۔ "تم پولیس سے کچھ نہیں کہو گی؟"

"اس وقت تم حاکم ہو میں محکوم میرے پاس ثبوتوں کی قلت ہے لیکن میری ایک بار اپنے ذہن اور دل پر نقش کر لو، میں تم سے ہر ہر شے کا حساب لوں گی، زید بنگش۔" اس کی آنکھوں میں دکھ اور نفرت ایک ساتھ تھے۔ "اور میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں، میں لعنت بھیجتی ہوں اس محبت پر جو میں نے تم سے کی، لعنت اس اظہار پر جو میں تم سے کیا۔" وہ پیچھے ہوئی، تکلیف اور رنج بڑھ گئے۔ "لعنت ہر اس نظر پر جس میں تمہارے لیے محبت تھی۔"

"ایسے مت کہو مدیحہ۔"

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، زید۔ تم ہر شے، ہر ظلم کا کفارہ ادا کرو گے۔" شاہ زید نے آنکھیں میچ لیں۔ کوئی بے حد سخت لوہا تھا جو نوک کے ساتھ اس کے دل کے آر پار جا رہا تھا۔ آنکھیں رگڑتی اس گھر سے جاتی ہوئی لڑکی کی آنکھیں محبت کا کھیل ہار آئی تھیں مگر خود کا مان جیت آئی تھیں۔

★★★★★

اسلان یمن جس وقت اپنے کمرے میں داخل ہوا رات کے کوئی ایک بجے کا وقت تھا۔ وہ جان کر تاخیر کر کے لوٹا تھا، تاکہ سب سو چکے ہوں اور اس کی خون آلود شرٹ کی بابت سوال جواب کرنے اور اس کی توانائی ختم کروانے کو کوئی نہ باقی رہے۔ وہ جونہی کمرے میں داخل ہوا اس کے کمرے کی کھڑکی کے قریب سے گزرتی بنفشہ ٹھٹک کر رکی۔ اسلان کی شرٹ پر خون کے خشک ہو چکے دھبے تھے، چہرہ تکان زدہ۔ وہ الماری سے اپنے لیے کپڑے نکال رہا تھا، جب کپڑوں کے نیچے سے بے دھیانی میں نوٹوں کی چند گڈیاں فرش پر گریں۔ پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں والی گڈیاں بنفشہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ اتنے سارے پیسے؟

اسلان کے چہرے کی رنگت لمحے میں بدل گئی، وہ جھک کر سرعت سے پیسے سمیٹنے لگا۔ پیسے سمیٹ کر وہ جیسے ہی سیدھا ہوا اس کی نگاہ کھڑکی تک گئی جہاں بنفشہ چہرے پر تحیر لیے اسے تک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ لہرایا۔ کئی ثانیے وہ دونوں کچھ کہنے کے قابل نہیں رہے۔ سلاخ دار کھڑکی کے آر پار وہ دونوں دم سادھے کھڑے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ چاہ کر بھی لہجے کی لرزش پر قابو نہ پا سکا۔ کھڑکی کا ایک پٹ تھامے بنفشہ آگے کو ہوئی۔

"تم کیا کر کے آ رہے ہو؟ اور تمہاری شرٹ پر یہ خون کیسا ہے؟" وہ ہنوز بے یقین تھی۔

اسلان اس کے سامنے آ کر رکا اب دونوں کے درمیان محض سلاخ دار کھڑکی اور اسلان کی آنکھوں کی ترشی تھی۔روشنی کہیں آس پاس پھیل گئی۔"سلطان مر گیا ہے۔" اس نے جذبات سے خالی لہجے میں آگاہی دی، بنفشہ کا ہاتھ اس کے لبوں تک گیا۔"میں اور اسکار موقع پر موجود تھے ہم اسے گاڑی میں ڈال کر لے گئے اور یہ اسی کا خون ہے۔اب اپنا منہ بند رکھو اور کسی سے کچھ مت کہنا۔"

"اوہ خدایا۔۔۔سلطان۔۔۔سلطان مر کیسے سکتا ہے کس نے مارا اسے؟"

"اس کے پاس کوئی ثبوت تھا کسی نے اسے قتل کیا ہے۔" بنفشہ کئی لمحے ششدر کھڑی رہی۔اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ کسی دن اس کی لاش بھی یونہی کسی سڑک پر مل سکتی ہے۔یہ وہ وقت تھا جب وہ پیچھے ہٹ سکتی تھی اور پیچھے کیا تھا؟

"تم اتنے پیسے کہاں سے لائے؟" پلٹنے پر لعنت بھیجتے سختی سے استفسار کیا۔اسلان کے چہرے کی رنگت ایک بار پھر بدل گئی۔ان پیسوں کا فرش پر گرنا، اٹھایا جانا، انہیں واپس ٹھکانے لگائے جانا اور اب ان کی بابت تفتیش اس سارے لمحات میں اسلان کے چہرے پر، آنکھوں میں جو ابھر رہا تھا وہ ناقابل بیان تھا۔"تم سے پوچھ رہی ہوں اسلان یہ پیسے کہاں سے آئے؟" نظر انداز کرتے وہ پیسے واپس الماری میں ٹھونسنے لگا، اب کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔"یا تو تم مجھے بتاؤ گے یا پھر میں سہراب سے سوال کروں گی، فیصلہ تمہارا ہے۔"

اسلان مڑا، خون آشام نگاہوں سے اسے دیکھا۔"عالم کے پیسے ہیں بینک سے نکلوا کر لایا ہوں پڑ گئی ٹھنڈ؟" بنفشہ چپ رہی وہ اسے یہ نہیں کہنا چاہتی تھی کہ عالم کے دونوں اکاؤنٹس اس وقت منجمند کر دیے گئے ہیں، اور وہ گھر پانچ بجے کے قریب باہر نکلا اتوار کے روز کونسا بنک پانچ بجے کے بعد بھی کھلا ہے؟

"اب کیا چاہیے جاؤ یہاں سے۔" وہ جمی رہی تو اسلان نے اکھڑ انداز میں پوچھا۔

"میں۔" اس کے اگلے لفظ حلق کی دیواروں سے سر پٹخ کر خاموش ہو گئے کیونکہ فضا میں یکلخت گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج اٹھی تھی۔ گولیوں کی آواز کے ساتھ پتھر برسائے گئے، آوازیں کسی جانے لگیں۔ بنفشہ مخدوم کی سٹی گم ہو چکی تھی۔ اسلان نے کھڑکی بند کی، شرٹ اتار کر فرش پر پھینکی اور الماری سے کھینچ کر ایک شرٹ نکال کر پہنی۔ اب وہ تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل کر آیا۔ بنفشہ نے اسے بجلی کی رفتار سے دوڑ کر داخلی دروازے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اسے کئی پتھر لگے مگر وہ بغیر پرواہ کیے دروازے پر کنڈی چڑھا رہا تھا۔ وہ چیخ کر اس سے کچھ کہہ بھی رہا تھا مگر وہ ساکت تھی۔

پھر وہ اسی رفتار اور پریشانی سے اس کے قریب آ کر رکا۔ کئی ایک پتھر اس کی پیٹھ پر آ کر لگے، ایک بنفشہ کی کنپٹی پر مگر وہ ہنوز ساکت تھی۔ اسلان نے جھک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لیے اندر کی طرف بھاگا۔ اندر سے عبیر، انارا، اور آمنہ کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ لاؤنج میں آ کر اسلان نے بنفشہ کا ہاتھ چھوڑا۔

"انارا لاؤنج کا دروازہ بند کرو جلدی، چچی آپ کچن کی کھڑکیاں اور دروازے بند کر آئیں۔ بنفشہ.... آپ..." وہ ایک ایک کو حکم دے رہا تھا مگر انارا اسے نہیں سن رہی تھی۔ اس کے ذہن میں الگ ہی قصہ اپنی پوری شدومد سے رواں دواں تھا۔ وہ سارے شور کو نظر انداز کرتی ہوئی اپنے کمرے تک آئی، الماری کے نچلے خانے سے اپنی پستول نکالی، اس کا شوق، دنیا سے نہاں اس کا ہنر۔ اس کے چہرے پر کوئی بے حد سپاٹ سا تاثر تھا۔

"آراہ۔۔۔۔" اسلان اسے پکار رہا تھا وہ اس وقت اس گھر میں اکیلا مرد تھا کھڑکیاں دروازے بند کرتے ہوئے وہ اس گھر کی ساری عورتیں اکھٹا کر رہا تھا، اسے یہ تربیت اس کے چچا نے دی تھی اور اسی چچا نے آراہ کی تربیت بھی کی تھی وہ زینے طے کرتی ہوئی اوپر آئی۔

عالم اور میرال کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں، ہاتھ مضبوطی سے پستول پر جمے تھے۔ "اس ملک میں قاضی کا قلم بھی بکا ہوا ہے۔" وہ شاہ ویر بنگش کی کتاب سے پڑھ رہی تھی۔ "مڈل کلاس اس ملک میں پستا

رہتا ہے عدلیہ اس کے حق میں بیان دینے سے ڈرتی ہے، پولیس اس کا ساتھ دینے سے کتراتی ہے اور اس کے ساتھ کھڑے لوگ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور اگر کوئی مقابلہ کرنے کو رہ جاتا ہے تو وہ صرف اور صرف وہ انسان ہوتا ہے جس کے ساتھ ظلم ہوا۔"

"یافث باہر گیا تھا، اسلان۔وہ۔۔۔۔۔۔" آمنہ اسے بتا رہی تھی اور اسلان سمجھ نہیں پا رہا تھا وہ کیا کرے؟ بنفشہ کچن میں کھڑی تھی باہر سے جہنم جیسا غل آ رہا تھا۔ ہر لمحے کھڑکیاں اور دروازوں کے شیشے ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔اس کے قدم شل پڑ رہے تھے مگر وہ ہمت کیے کھڑی تھی۔

"میں اسلان یمن بات کر رہا ہوں، سر۔ میرے گھر کے باہر لوگوں کا ہجوم کھڑا ہے میرے گھر والوں کو جانی خطرہ ہے آپ پلیز فورس بھیجیں۔" اس کی آواز لاؤنج سے آ رہی تھی۔ باہر سے بھاری قدموں کی آواز آئی ایسے جیسے کوئی دروازے زور زور سے ہلا رہا ہو۔

بنفشہ نے میکانکی انداز میں دراز کھولنے شروع کیے، ذہن کے پردوں پر ماضی کا منظر بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔"مجھے غصہ آتا ہے اماں۔ وہ میری ماں ہے۔ اسے میرے ساتھ رہنا چاہیے تھا۔ مجھے میرے بہن بھائیوں کے ساتھ رکھنا تھا تاکہ میں محفوظ رہوں، یہ میرا حق تھا مجھے محفوظ کون رکھے گا؟" وہ عظمیٰ بی سے کہہ رہی تھی۔

اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے آنسو صاف کیے، اور ایک لفظ کہا۔"تم۔۔۔۔۔۔ اپنے آپ کو محفوظ تم خود کرو گی۔ سہاروں پر مکان کھڑے ہوتے ہیں انسان کا سہارا اس کے اپنے اعضا ہوتے ہیں۔ ہاتھ، پیر، آنکھیں اللہ نے تمہیں سب دیا ہے، اللہ نے تمہیں عقل دی ہے اور تم اب بھی سہاروں کی تلاش میں ہو؟"

اسے یافث کی آوازیں آ رہی تھیں وہ باہر تھا اس ہجوم میں، لوگوں کے درمیان اسلان باہر کی طرف دوڑا۔ آراہ نے گہری سانس لی، لب بھینچ لیے ننگے پیر چلتی وہ کھڑکی کے قریب آ کر کھڑی ہوئی، پستول کا گھوڑا چڑھایا، الفاظ یاد کیے۔"پھر مظلوم کیا کرے؟"

”مظلوم ظالم کے خلاف خود ظالم بنے۔“ اس نے کھڑکی ہلکی سی کھولی، اور فضا میں ایک فائر کیا۔ بھگدڑ میں ہلچل مچ گئی۔ ”ہجوم میں، نعرے لگانے والوں میں ایک اور نعرے باز بنے۔ دور جدید میں انصاف مانگنے کا طریقہ بھی جدید ہونا چاہیے۔“ وہ پے در پے فضائی فائر کرتی چلی گئی۔ نہ آنکھ میچی، نہ اب ہاتھ کپکپائے ہاں البتہ اس نے کسی انسان کا نشانہ نہیں لیا تھا اس کے اندر کی انسان دوست اسے کسی ظلم کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ لوگ تتر بتر ہونے لگے۔

اسلان یافث کو اٹھا رہا تھا، جو لوگ اس پر پل پڑے تھے وہ گولی کی آواز سن کر ہٹنے لگے کچھ اب بھی پیٹ رہے تھے مگر اب اسلان اس کی ڈھال تھا ہر نشانہ وہ، ہر وار اس تک وہ اسے بچا رہا تھا جس نے اس کا بچپن بچا لیا تھا۔

”یعنی کوئی میرے ساتھ نہیں کھڑا ہوگا؟“ اس کی آواز گہری تھی۔

”شاید ہاں، شاید نہیں۔۔۔ تمہیں خود اپنے ساتھ کھڑا ہونا ہے دائیں، بائیں آگے پیچھے کون دیکھتا ہے؟“ اس نے ایک دراز سے پیٹرول کی بوتل نکالی، صلیب صاف کرنے والے تین چار کپڑے پیٹرول میں بھگوئے اور کھڑکی سے باہر پھینکے اگلے ہی لمحے اس نے دوپٹہ اتار کر اس کے کونے کو آگ دکھائی اور برق رفتاری سے اسے بھی کھڑکی کے باہر پھینکا۔ پیٹرول سے بھرے ہوئے کپڑے پر آگ لگی تو فوراً بھڑک اٹھی۔ اب نعرے لگانے والے، گولیاں چلانے والے اور ہراساں کرنے والے خود ہراساں تھے۔ مجمع چھٹ گیا تھا۔ باورچی خانے کی سلیب پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتی بنفشہ مخدوم نے باطل کو پلٹتے دیکھا۔

کھڑکی کے ساتھ کھڑی انارا طارون دیوار کے ساتھ لگتی نیچے بیٹھ گئی تھی۔ اسلان نے فائر کی آواز سنی تھی، سمت کا تعین ہوا تو وہ ساکت ہوا۔ یافث کو اپنے ساتھ اندر لاتے ہوئے اس نے آگ کی سمت معلوم کرنی چاہی تو اس کی نگاہ باورچی خانے کی طرف اٹھی۔ اور وہ کئی پل ہل بھی نہیں سکا۔

وہ وہیں کھڑی تھی اس کے عقب میں کھڑکی کے پار آگ تھی، دوپٹہ ندارد بازو شل انداز میں پہلوؤں میں گرے، اور چہرے پر بے یقینی سی۔ لعل یمن کے باقی باسی گویا کہیں دور چلے گئے اسلان نے بے اختیار صوفے پر

پڑی کوئی چادر اٹھائی اور قدم قدم چلتا اس تک آیا، اس کا سر جھکا تھا اس نے نگاہ اٹھا کر بھی اسے نہیں دیکھا، وہ اسے اس طرح نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

اس کے پیروں سے ذرا فاصلے پر اسلان کے قدم تھمے، اس نے چادر پھیلائی اور نرمی سے اس کے کندھوں کے گرد اوڑھ دی۔ کئی آنسو بنفشہ احسان کی آنکھوں سے ٹوٹ کر نکلے۔ اس نے چادر سختی سے اپنے گرد کس لی، ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اب اسلان نے نگاہ اٹھا کر اسے تکا۔ اس کی کنپٹی سے خون رواں تھا، چہرہ متوحش تھا اسلان یمن کے دل کو کچھ ہوا۔ کھڑکی سے دکھائی دیتی آگ بلند ہو رہی تھی، اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کر دی۔ اب وہ دونوں ایک دور سرے کے داہنے رخ پر کھڑے تھے۔ اسلان نے دروازہ ہلکا سا آگے کیا، اب وہ نظر آنا بند ہو چکی تھی۔ کوئی اسے اس طرح دیکھے وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“

”وہ میری ماں ہے اسے پتا تھا میں گھر پر ہوں۔“ بنفشہ کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔ ”میرے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔“ اسلان نے بغیر کچھ کہے فرسٹ ایڈ کا ڈبہ نکالا اور سابقہ نرمی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”لوگ کہتے ہیں اس دنیا میں آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مخلص آپ کے والدین ہوتے ہیں۔“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا، اس کی بھیگی آنکھیں دیکھیں، نگاہ ایک بار پھر جھکا لی وہ روتے ہوئے اتنی اچھی نہیں لگی۔ ”ننانوے فیصد والدین ہوتے ہوں گے سو فیصد نہیں۔ ہم دونوں اسی ایک فیصد میں آتے ہیں قبول کر لیں۔“ وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اسلان نے اسٹول کھینچ کر سلیب کے ساتھ رکھا۔ اور اس کے زخم کو دیکھا۔ ”بیٹھ جائیں میں ڈریسنگ کر دیتا ہوں۔“ وہ چند پل مزید اسے دیکھتی گئی۔ میں کر لیتا ہوں، مجھے کرنے دو، میں ہوں ناں؟ اسے یہ سب سننا تھا وہ سن کر موم ہونا چاہتی تھی اس وقت وہ ہو رہی تھی اور.........اس نے نفی میں سر ہلایا۔

چند ثانیے بعد اسلان نے اسے بغیر کچھ کہے تیز تیز قدم لیتے ہوئے کچن سے نکلتے دیکھا۔ بہت دیر تک وہ اس کے لیے کچھ نہ کر پانے کے قلق میں رہا، بہت دیر تک وہ اس نرمی کو اپنے آس پاس محسوس کرتی رہی۔ وہ پوری رات اس گھر کے باسیوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی۔ بقا کی پہلی رات۔ ہمت کی پہلی رات۔

★★★★★

سلطان کی موت کے چند دن بعد۔

زندگی نے معمول پر آنا ہوتا ہے اور وہ آ بھی جاتی ہے۔ اس روز عدالت میں جو ہوا اس کے بعد یمن خاندان کو خاصی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ گھر کے مردوں کا گھر سے نکلنا دوبھر ہو گیا تھا اور عورتیں تو مارے ڈر دہلیز کے پار جانے کا سوچ ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ خاندان اب ایک ”ہراسر“ کا خاندان تھا۔ تین عورتوں کا قاتل، چوتھی عورت کے ساتھ ہراسگی کا الزام سر پر لیے اس کے لیے محض تکالیف کا ہی ساماں کیا گیا تھا اور جس سے سر اجڑتا تھا وہ جیل کے میدان میں موجود تھا۔ ایک پرانی بنچ کے ساتھ کمر جوڑے وہ دور کہیں تک رہا تھا، داڑھی بڑھی ہوئی تھی جبڑے اندر کو دھنسے ہوئے آنکھوں کے نیچے حلقے۔ عالمگیر یمن اچھے حالات میں نہیں تھا۔

”عالم کھانے کا وقت ہو گیا ہے چلو بھی۔“ بنچ کی دوسری طرف سے ایک چہرہ ابھرا۔ راہب کا چہرہ۔

عالم سامنے دیکھتا رہا، استفسار مدھم تھا۔ ”کیا بنا ہے؟“

”آج سبزی کا دن ہے، کدو بنے ہیں۔“ پنجہ زمین پر رکھتے عالم خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ راہب اسے اٹھتے دیکھ کر حیران ہوا وہ تو دال اور سبزی کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا۔ حیرت بڑھ گئی جب اس نے عالمگیر کو سیدھا جیل کے میس کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ کیا مطلب آج وہ رشوت دے کر باہر سے کچھ نہیں منگوائے گا؟

"عالم سبزی بنی ہے تم کیسے کھا سکتے ہو؟" قطار میں لگے قیدیوں کی صف میں آخر اور آخر سے ایک قدم آگے کھڑے قیدی محو گفتگو تھے۔"سنتری کو پیسے دیتے ہیں نا، یہ سڑا ہوا کھانا کس نے کھانا ہے؟" عالم خاموش رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی باری آئی اس نے چپ چاپ کھانا لیا اور ایک طرف آ کر بیٹھ گیا۔ راہب اپنی پلیٹ بھروا کر تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ اس کے برابر آ کر بیٹھا۔

"ہاتھ تنگ ہے کیا، عالم؟"

"حالات تنگ ہیں، راہب۔ جب حالات تنگ ہو جائیں تب بندہ دال سبزی بھی کھا لیتا ہے، بھوکے پیٹ بھی رہ لیتا ہے۔" اس کا لہجہ عجیب تھا۔

"تم نے خام خاہ (خواہ مخواہ) کی فکریں پال رکھی ہیں کوئی تیرا بال بھی باکا نہیں کر سکتا۔" عالم بغیر جواب دیے چپ چاپ نوالے زہر مار کر رہا تھا۔ اسے خود سے شرم آ رہی تھی، وہ اپنے خاندان کے لیے اتنے مسائل کیسے کھڑے کر سکتا ہے؟ "اچھا بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟؟

"کوئی مسئلہ نہیں، بس میرا موڈ خراب ہے۔" اس نے پلیٹ سامنے سے سرکائی کہ اب جی اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ ابھی مزید بھی کچھ کہتا کہ اس کی نگاہ بلا ارادہ اٹھی اور چند فرلانگ کے فاصلے پر بیٹھے ایک شخص پر پڑی۔ عالم کی آنکھیں مشکوک انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ وہ چند لمحے غور سے اسے دیکھتا رہا ایسے جیسے اسے پہچاننے کی سعی کر رہا ہو۔ "یہ روشن ہے نا؟" راہب نے اس کی نظروں کی تقلید میں سامنے دیکھا تو ایک پچاس پچپن برس کے مرد پر نگاہ پڑی۔ بے ڈول جسم، لمبی داڑھی اور تنکے جیسے سر کے بالوں والا مرد بڑے بڑے لقمے لیتا ہوا نظر آیا۔ اس کا چہرہ ادھ جلا ہوا تھا۔

"کون روشن؟"

"روشن رحمان۔"

"کیہڑا روشن رحمان؟"

عالم نے گردن پھیر کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے وہ اسے گدی سے پکڑ چکا تھا، آنکھوں میں سرخی تھی۔ "میں بتاؤں کون روشن؟" وہ غرایا۔ "اداکاری کس کو دکھا رہے ہو جیسے میں نہیں جانتا کہ اس جیل کے ہر ہر بندے سے تم واقف ہو۔"

"اچھا چھوڑ.... چھوڑ بتاتا ہوں۔" وہ گڑگڑایا۔ عالم نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا۔ راہب اسے شکوے سے دیکھنے لگا۔ "تو بدل گیا ہے، عالم۔ پہلے مجھے اچھا کھلاتا تھا خود اچھا کھاتا تھا.... مجھے بھی عیش میں رکھتا تھا اور خود بھی کرتا تھا اب تیری فکریں ہی نہیں ختم ہوتیں۔"

"یہ روشن رحمان ہے یا نہیں؟" چبا چبا کر پوچھا۔

"آہو (ہاں) او ہی اے۔"

"یہ یہاں کب اور کیوں آیا؟" وہ اب روشن کو دیکھنے لگا تھا۔

"اب تو دو، ورے (برس) ہونے والے ہیں۔ مالکوں کے گھر میں ڈاکہ ڈالا تھا اس نے۔۔۔ بنگش صاحب کے منجھلے بیٹے نے اسے فارغ کر دیا۔ وہ کیا نام تھا اس کا...." اس نے سوچنے کا وقت لیا۔ "ہاں وہی زید بنگش۔" عالم کو جیسے یقین نہ آرہا ہو۔ روشن رحمان طلال بنگش کا سب سے وفادار اور پرانا ملازم تھا، اس کا دادا، باپ دادی اور ماں بھی بنگش خاندان کی چاکری کرتے رہے تھے۔ وہ آشیانہ بنگش کا ملازم کم فرد زیادہ تھا، کیا وہ چوری کر سکتا ہے؟ اور چوری کرنے پر کیا شاہ زید بنگش اسے نکال سکتا تھا؟ یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کے محبوب باپ کا محبوب ملازم ہے؟

"کیا چرایا تھا اس نے؟"

"کوئی ایک چیز تھوڑی تھی۔" راہب نے آنکھیں گھماتے ہوئے ڈرامائی وقفہ لیا۔ "رات گئے اس نے کئی ڈاکو گھر میں گھسا لیے اور جو جو قیمتی سامان ملا بوریوں میں بھر لیا۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ روشن چوری نہیں کر سکتا۔" عالم ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ "طلال صاحب کے گھر تو ہرگز نہیں۔"

"تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"ایسا مجھے لگتا ہے۔" وہ یہ کہنا چاہتا مگر اس کے اندر کا وکیل کہتا تھا کہ یہ دلیل انتہائی بھونڈی ہے، وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ وفاداری کو پہچانتا ہے مگر آج کل اسے اس بات پر بھی شبہ تھا۔ عالم بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا اور روشن کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ جو نوالہ منہ تک لے جا رہا تھا کسی توانا مرد کو اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ نگاہیں جوتوں سے اٹھ کر اس کے سینے اور سینے سے چہرے تک گئیں۔ عالم نے اس کے چہرے پر ایک ناگوار تاثر ابھرتے ہوئے دیکھا۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔ وہ اسے بھول بھی کیسے سکتا تھا؟

"مجھے پہچانا، روشن رحمان؟" روشن چند لمحے سخت کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر اپنی تھالی لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ لب سیدھی لکیر میں بند تھے، ماتھے پر بلوں کا جال۔ واللہ یہ وہی نظریں تھیں جن سے کئی برس قبل وہ عالمگیر کو دیکھا کرتا تھا۔ وہی کینہ، وہی ناپسندیدگی، وہی نفرت۔ عالم "اس کے" مالکین سے متنفر تھا وہ کیوں اس سے اچھی بنا کر رکھے؟

اسے جاتے ہوئے دیکھ وہ تندرست سا قیدی مسکرایا۔ وہ جو اپنے مالکین کے پرانے غنیم پر ایک نرم نگاہ ڈالنے کا روادار نہیں کیا وہ انہی مالکین کے گھر چوری کر سکتا ہے، اسے جیل میں ڈھونڈنے کو نئے راز مل چکے تھے۔

★★★★★

اسے رات کو دیر تک کام کرنے کی عجیب سی عادت ہوگئی تھی۔ اندر آمنہ سوگئی تو وہ لائٹ بند کرتا، لیپ ٹاپ اٹھائے لاؤنج میں آکر بیٹھا۔ وہ کچھ دیکھتے ہوئے اپنے نوٹ پیڈ پر یاد دہانی کو لکھتا بھی جارہا تھا۔ اپنے کام میں وہ اتنا منہمک تھا کہ یافث کو یہاں آتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکا۔ ”بات کرنی تھی تم سے۔“ اس کی آواز پر سہراب بے اختیار چونکا۔ متحرک انگلیاں ساکن ہوئیں۔ گردن پھیر کر دیکھا تو وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں تازہ پانی کی بھری بوتل تھی گردن جھکی ہوئی، اس کے چہرے پر اس روز کی جھڑپ کا نیل اب بھی موجود تھا۔

”کہو۔“ وہ دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا، انداز اکھڑ تھا۔

”میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔“ بہت دن بعد اس نے مدعا صاف صاف لفظوں میں بیان کیا۔ ”مجھے تمہارے کردار پر الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔“ صوفے کے ہتھے پر رکھی سہراب یمن کی مٹھی بھینچ گئی۔ آنکھوں میں لہو اتر آیا۔ وہ منظر پوری آب و تاب سے ذہن کی سلیٹ پر ابھرا۔ وہی، جس سے وہ برسوں سے بھاگتا آرہا تھا۔

”آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ بچے باپ کے ساتھ ٹھیک نہیں رہ سکتے؟“ یافث جج کے سامنے پیش ہوا تھا جب وکیل نے اس سے سوال کیا۔ یہ سوال اکسانے والا تھا۔ یافث کو ہر وہ بات یاد آرہی تھی جب جب سہراب نے اس کی بہن اور اس کا یقین نہیں کیا تھا۔ کس طرح اس نے دوستی پس پشت ڈال کر اپنا ذہن، اس کی درستگی چنی تھی۔ وہ بس خود کو ہی تو ذہین مانتا تھا۔

”کیونکہ شجاع یمن اپنے بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے اور اس کے بھائی کا کردار ٹھیک نہیں ہے، جو خود اچھے کردار کا نہ ہو اس کے گھر رہنے والا بچہ کیسا ہوگا؟“ وہ تینوں ان دنوں یونی ورسٹی میں تھے سہراب کو لگا شاید وہ عالم اور تاجور کے متعلق بات کر رہا ہے وہ انہی کے متعلق کہہ رہا ہوگا کیونکہ سہراب یمن تو افتخار یمن کا سب سے باکردار بیٹا تھا۔ اس نے تو آج تک کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

”ہم سب فیملی ویکیشن کے لیے مری گئے تھے۔ تب سہراب گھر میں ایک عورت کو لایا تھا۔ اس سے پوچھیں کیا وہ نہیں لایا؟“ سہراب افتخار یمن ساکت رہ گیا۔ اس کا دل جیسے دھڑکنا بند ہو گیا ہو، وہ پتھرائی آنکھوں سے یافث کو دیکھ رہا تھا اسے یافث کے وجود کی جگہ کوئی غلیظ جانور کھڑا نظر آیا۔ واقعہ یوں نہیں تھا واقعہ تو۔

اسے یاد تھا۔ مری کی برف، اور اس برف میں سارا یمن خاندان کہیں پھنس گیا تھا، اس روز سہراب ایک بے سہارا راستہ بھٹک جانے والی عورت کو کاٹیج لایا تھا۔ وہ رات اس نے خود کاٹیج کے باہر گزاری تھی اور ۔۔۔۔۔ یافث طارون اس پر یہ الزام لگا رہا تھا؟

”کیا سہراب نے کبھی آپ کو یہ بتایا کہ اس عورت کے ساتھ ان کا رشتہ کیا تھا؟“ وکیل آنکھوں میں چمک لیے پوچھ رہا تھا۔

یافث نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں نے پوچھا تھا لیکن اس نے کبھی بتایا نہیں، یقیناً یہ اس کے ذاتی فعال ہوں گے۔“

(صبح سویرے راستے صاف ہو گئے تھے۔ جس وقت سہراب اس عورت کو لے کر باہر نکل رہا تھا اس نے یافث کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے سہراب کو دیکھ رہا تھا۔ سہراب اور لڑکی؟ اس نے آنکھیں مسل کر ایک بار پھر یہ منظر دیکھا، اور وہ اب بھی یقین نہ کر پایا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ ”یہ کیا قصہ ہے؟“ اس کا لہجہ ترش تھا۔ ”تم اس طرح کے کاموں میں کب سے پڑنے لگے؟“ صبح صبح سہراب اپنا مزید دماغ خراب نہیں کروانا چاہتا تھا سو اکتا کر بازو چھڑوایا۔

”کچھ خاص نہیں، بھول جاؤ کہ تم نے اس لڑکی کو یہاں دیکھا تھا۔“

”ایسے کیسے بھول جاؤں گھر میں بچے بھی تھے۔“

"کھانا بھول جاؤ۔" اس نے یہ الفاظ محض اس لیے کہے تھے تاکہ یافث یہ بات دل آراہ سے نہ کر دے۔ وہ اس کا بھائی تھا بھلا کہاں اس کے کردار پر شک کر سکتا تھا، یہ گمان غلطی سے بھی آجاتا تو آج عدالت میں حالات مختلف ہوتے۔ سہراب ساکن تھا۔ یافث نے دوبارہ اسے نہیں دیکھا۔ کسی نے سہراب کے دل میں الاؤ دہکا دیا تھا جسے وہ عمر بھر نہ بجھا سکتا۔ بھری عدالت میں اس کے اپنے دوست نے اس پر الزام دھر دیا تھا۔

اسے تصدیق کے لیے بلایا گیا وہ قرآن پر ہاتھ رکھنے کے بعد پھر نہیں سکتا تھا سو اس نے مان لیا ایک عورت اس کے گھر میں تھی مگر ایک پناہ گزین کے طور پر۔ کوئی اس پر اور اس کی پارسائی پر یقین نہیں کرنا چاہتا تھا سو نہیں کیا گیا، معاشرے نے مرد کے کردار سے عیاشی جوڑ دی تھی، پھر بھلا سہراب جیسے ان کی فہرست میں کہاں آتے تھے؟

شجاع سے پوچھا گیا کیا وہ بچوں کو اپنے ساتھ الگ گھر دلوا سکتا ہے مگر وہ اپنے بھائیوں سے الگ ہونے پر راضی نہیں تھا۔ لہٰذا عدالت نے اپنے طریقے سے فیصلہ سنانا تھا۔ عدالت میں چلتی مختلف پیشیوں سے جب دونوں طرف سے لوگ تھک گئے تب شجاع اور دل آراہ نے "out of court settlement" کو چنا۔ وہ دونوں اس وقت چیمبر میں موجود تھے۔ دل آراہ کے ساتھ یافث اور اس کی بڑا بھائی ہارون تھا۔ دوسری طرف شیرازی صاحب، عالمگیر اور سہراب موجود تھے۔ دونوں طرف کے وکلاء اور دو اور لوگوں کو بلایا گیا تھا۔ کمرہ بھرا ہوا تھا۔

"حل ایک ہی ہے بیٹی کی تحویل شجاع صاحب کو دی جائے گی اور بیٹے کی تحویل دل آراہ بی بی کو۔" ایک سینیئر وکیل نے فیصلہ کیا۔

"بالکل نہیں۔" دل آراہ نے فوراً سے کہا۔ "فیصلہ اس طرح نہیں ہو سکتا چھ ماہ بچے میرے پاس رہیں گے اور باقی کے چھ ماہ شجاع کے پاس۔" دونوں سہمے ہوئے بچوں سے سوال ہوئے۔ آراہ نے اپنی ماں کو چنا، اسلان خاموش تھا۔ وہ بارہ سال کی عمر میں بھی تفریق نہیں چاہتا تھا۔ اسے سارے تعلق چاہیے تھے۔ چچا بھی، ماموں بھی، ماں بھی اور باپ بھی۔ اس کی نگاہیں ایک ایک پر جا رہی تھیں۔

موجودہ رات وہ دونوں بدل چکے تھے۔ سہراب کئی لمحے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا۔ لاؤنج میں زرد بتیاں روشن تھیں، وہ شرمندہ تھا کچہری اب کہیں نہیں تھی، لوگ شاید اس قصے کو بھول بھال گئے تھے مگر سہراب نہیں بھولا تھا اس کے لیے اس کا کردار پہلے نمبر پر آتا تھا۔

”جو تکلیف تم نے مجھے دی تھی ویسی تکلیف آج تک دوبارہ نہیں ہوئی۔ اگر تم تب مجھ سے معافی مانگتے تو شاید میں چیخ چلا کر، تمہیں مار کر ٹھیک ہو جاتا آج تیرہ سال بعد میں وہ آدمی رہا ہی نہیں۔ ذمہ داریاں بڑھ جائیں تو ماضی کے غم اور تکلیف سرک کر دل سے نکل جاتے ہیں۔ میرال کی موت، عالم کی قید، اسلان کی حالت، میرا تبادلہ ان سب کے درمیان مجھے اب یاد ہی نہیں جو زخم تم نے دیا تھا اس کی تکلیف کیا تھی۔“ یافث کی آنکھیں گیلی ہو گئیں، وہ لب بھینچے آنسو ضبط کر رہا تھا۔

”میں نے معاف کیا۔ لیکن اتنے سالوں میں تم دل سے اتر چکے ہو، دل میں جگہ دوبارہ نہیں دوں گا۔ تم مر کر دوبارہ پیدا ہو جاؤ، میں تب بھی تمہیں دوبارہ دوست نہیں بناؤں گا کردار پر حملہ کرنے والے دوست نہیں ہوتے۔“ وہ کہہ کر اٹھ گیا۔ یافث کے رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ آدھا ادھورا سچ پورا کا پورا تعلق کیسے تباہ کرتا ہے اسے علم ہو گیا تھا۔ وہ کیوں بغیر تحقیق کے غلطی کر گیا، وہ سہراب کو کس طرح واپس لائے؟

★★★★★

اوپری منزل پر واقع خالی کمرے میں سہراب کا کوارٹر سے لایا گیا سامان رکھا تھا اس وقت وہ نیچے جھک کر کاٹھ کباڑ سمیٹ رہا تھا جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ سہراب اس انداز سے شناسا تھا اس نے اجازت دے دی۔ دروازہ ہلکی سی چر کی آواز کے ساتھ کھلا، اندر آنے والی آراہ تھی۔

”آپ مصروف تو نہیں؟“ وہ ہچکچائی۔ سہراب نے نفی میں سر ہلایا آراہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی ہوئی اندر آئی۔ ”آپ کہیں جا رہے ہیں؟“

"ابھی نہیں...." اس نے کہہ کر آراہ کو دیکھا جو عالم کے ٹریک سوٹ میں بالوں کی اونچی پونی باندھ کر آئی تھی۔ وزن پہلے سے بڑھا ہوا لگ رہا تھا اس کے اندر کے تندرست انسان نے انگڑائی لی۔ "واک پر چلیں؟"

سہراب نے ہاتھ میں پکڑے ڈبے نیچے رکھے۔ "اب یہ ضرورت بن گئی ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پارک کے جاگنگ ٹریک پر بھاگتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ آراہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بہ مشکل اس کے قدموں سے قدم ملانے کی کوششوں میں ہلکان ہو رہی تھی۔ سہراب الٹے قدم پیچھے ہو رہا تھا، تاسف سا تاسف تھا جو آراہ کی حالت پر اسے ہو رہا تھا۔

"بس تھوڑی دیر اور.... تھوڑا آگے.... بس دو منٹ دو منٹ اور آراہ۔ تم کر سکتی ہو۔" اونہوں اس سے زیادہ نہیں، اس سے آگے نہیں وہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے درمیان میں رک گئی۔ سہراب اس تک آیا۔ پانی کی بوتل اس کی اور بڑھائی آراہ نے سیدھے ہوتے ہوئے غٹاغٹ سارا پانی اندر اتار لیا۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔

"حالت دیکھو اپنی.... تھوڑی بہت ورزش تو کر لیتا ہے بندہ۔" آراہ نے تندہی سے اسے دیکھا۔

"خود کو دیکھا ہے؟ بھائی اور عالم کو دیکھا ہے آپ سب کی باڈی بھی ایسی ہی ہے۔ اب جینز میں ملا ہے تو میں کیا کروں؟ اوپر سے میرا قد.... پانچ فٹ دو انچ یہ کوئی قد ہے؟ موٹی تو لگوں گی نا۔"

سہراب نے جیب سے ٹشو نکال کر اس کا چہرہ صاف کیا۔ "میں وزن کی بات نہیں کر رہا، میں نے قد کی بات بھی نہیں کی، میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم سست ہو اور ہم سب کی جسامت تندرست ہے تمہاری بھی ہے اگر تم محنت کرو۔"

"ایک ہی بات ہوئی۔" اس نے بوتل واپس سہراب کی طرف بڑھائی۔ تنفس ہنوز پھولا ہوا تھا۔

"ایک ہی بات نہیں ہے، تمہیں ایکٹو رہنا چاہیے۔"

وہ آراہ کے ساتھ چلتا ہوا بنچ پر آکر بیٹھا۔ اس کی بات کا آراہ کے پاس جواب نہیں تھا اور سہراب ہمیشہ سے کم گو۔ دونوں بہت دیر تک چپ چاپ سامنے دیکھتے رہے۔ پھر سہراب نے بہت نرمی سے کہا۔ ”آئی ایم سوری، آراہ۔“ کس کس بات کے لیے؟ یہ آراہ نے نہیں پوچھا۔

”کوئی بات نہیں۔“ کون کون سی بات ختم کی گئی، آراہ نے نہیں بتایا۔ بعض دفعہ بغیر وجوہات بتائے معذرت کر لینی چاہیے جانے ہمارے عزیز کس بات پر ہم سے خفا ہوں؟ ”آپ آج عالم سے ملنے جائیں گے؟“

”نہیں، بنفشہ جائے گی۔“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”مجھے ایک کیس ملا تھا میں اس پر کام نہیں کر سکا۔“ سہراب نے بتایا۔ ”آج میں اسی کی اپ ڈیٹ دینے جا رہا ہوں۔“

”اپ ڈیٹ یا ناکامی کا پیغام؟“ وہ اس کا چہرہ پڑھ گئی۔

”جو تم سمجھو۔“

”کیس کیا تھا؟“

”جوہر فور زیرو۔۔۔“

”اوہ۔۔۔۔“ جوہر فور زیرو سے بھلا کون ناواقف تھا؟ ”وہ فیمنسٹ عورتیں؟ آپ کو بھی لگتا ہے ان پر کوئی عذاب آیا تھا؟“ وہ اب غیر محسوس انداز میں اپنے ٹریک سوٹ کی جیب سے چاکلیٹ نکال رہی تھی۔

سہراب نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ ”میں بغیر کسی تفتیش کے لوگوں کی جزا سزا کے معاملات اپنے ہاتھوں میں نہیں لیتا، آراہ۔“ اس نے آراہ کے ہاتھ سے چاکلیٹ لے کر جیب میں ڈال لیا۔

”لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ وہ عورتیں میرا جسم میری مرضی کے نعرے لگاتی تھیں اس لیے ان پر اللہ کا عذاب آیا۔“

”اچھا؟ یہ نعرے لگانے والی تو ہزاروں تھیں پھر یہ کیسا عذاب تھا جو ان چار پر آیا؟“ سامنے سے کوئی شناسا گزرا، اس نے ہاتھ ہلایا تو سہراب نے بغیر مسکراہٹ کے ہاتھ ہلا دیا وہ اس وقت اسے یہاں نہیں آنے دینا چاہتا تھا۔

”ان چاروں نے زیادہ نعرے لگائے ہوں گے۔“ بھتیجی کے لہجے پر سہراب ہنس دیا۔ بڑی مدتوں بعد۔

”فیمنزم اور عورت مارچ دو الگ الگ چیزیں ہیں، آراہ۔ فیمنزم ایک ”تحریک“ ہے اور ”عورت مارچ“ اس تحریک کو لوگوں کے سامنے لانے والی آواز۔ لیکن مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس تحریک نے آواز کو ناکام کر دیا ہے۔ وہ عورتیں جنہوں نے کچی، ٹوٹی، بیلٹ کھائی کمروں اور طعنوں سے چھلنی بدن سے اس تحریک کی بنیاد رکھی تھی، عورت مارچ نے اس بنیاد پر ایک آڑھا ترچھا مکان بنا دیا اور مکان اپنے ظاہری حلیے سے ہی جج کیے جاتے ہیں، پاکستان میں فیمینزم کے نام پر بنا مکان کافی بدنما ہے۔“ سہراب اور آراہ کے درمیان فیمنزم کے متعلق یہ پہلی باضابطہ گفتگو تھی۔ وہ اسے کسی ریلی میں جانے سے روکتا نہیں تھا البتہ اسے آراہ کا جانا پسند بھی نہیں تھا، اسے عورتوں کو حق دینا پسند تھا لیکن وہ فمینسٹ نہیں تھا۔

”اگر عورت مارچ نہ ہوتا تو آپ بتائیں فیمنزم کا پیغام لوگوں تک کس طرح جاتا؟“

”یہ مارچ سرے سے غلط نہیں لیکن اسے Manipulate کیا گیا ہے۔ تم خود سوچو بیٹا اگر کوئی مرد بھی اٹھ کر آدھے کپڑوں میں، عجیب و غریب پوسٹرز لیے اپنے حق لینے آ جائے تو اسے بھی ٹرول کیا جائے گا، اس پر بھی باتیں بنیں گی۔ موزہ خود ڈھونڈو، کھانا خود گرم کرو، بچہ خود پیدا کرو، لو بیٹھ گئی صحیح سے، کیا فیمنزم یہ ہے؟“

"ایک موزہ نہ ڈھونڈ کر دینے پر عورتیں تشدد کا نشانہ بنائی جا رہی ہیں، کھانا گرم نہ ہونے پر ایک شوہر نے بیوی کو جان سے مار دیا تھا یہ صرف جملے نہیں چاچو یہ کہانی ہیں۔" وہ بھی پہلی مرتبہ اپنی طرف کی کہانی سنا رہی تھی۔

"تو میرا بچہ کہانی کون سنائے گا؟" سہراب نے محبت سے پوچھا۔ "اسی پوسٹر میں جہاں موزہ بنایا گیا ہے وہاں کہانی بنائی جا سکتی ہے۔ خود کو، اپنے مطالبات کو پیش کرنا ہمیں آنا چاہیے۔"

"یعنی آپ عورت مارچ کو فیمنزم سے الگ مانتے ہیں؟"

"بالکل۔"

"اور آپ کے نزدیک کیا ہے فیمنزم؟"

"ایک عورت کو معاشرے میں انسان ہونے کا حق دینا۔" آراہ کی بھنویں نا سمجھی سے اکھٹی ہوئیں۔ "شادی کے نام پر اسے جانور کی طرح کھونٹے سے نہ باندھے جانا، تعلیم کے معاملات میں اس کو "لڑکی پڑھ کر کیا کرے گی" کہہ کر پیچھے نہ کرنا کسی بھی شعبے میں اس کو اس کی جنس کی بنا پر پیچھے نہ کرنا، طلاق ملنے پر اس کی اگلی شادی کا تصور عذاب نہ بنا دینا۔ اس کی تنخواہ اس کے ورک آورز پر متعین کرنا نہ کہ اس کی جنس پر۔ اس کا قتل "اللہ" کے عذاب کے زمرے" میں نہ لانا۔ اس کے ساتھ ہوئی زیادتی کو "پردہ نہیں کریں گی تو یہی ہو گا" سے نہ جوڑنا۔ جب کہیں ایک مرد کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے تب کوئی کیوں نہیں پوچھتا وہ رات کو کیوں نکلا، اس نے کیا پہنا؟ مختصر لفظوں میں فیمنزم یہ ہے کہ جو بنیادی حقوق مرد کو میسر ہیں وہی بیادی حقوق عورت کے بھی ہونے چاہیے۔"

"اور آپ کہتے ہیں آپ فیمنسٹ نہیں؟" سہراب نے گہری سانس لی۔

"ہاں میں نہیں ہوں کیونکہ اب فیمنزم یہ رہا ہی نہیں اب اس بغاوت میں اور بہت کچھ شامل ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں اس تحریک کو نہیں مان سکتا البتہ جو مانتا ہے میں اس کی موت کو خدا کا عذاب نہیں کہہ سکتا۔"

"ان چاروں عورتوں نے عورتوں کے لیے ایک ڈانس کلب کی فرمائش کی تھی۔" آراہ کے لبوں سے بے اختیار پھسلا۔ سہراب چونک کر سیدھا ہوا۔ "چار مردوں نے ان کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی تھی۔۔۔۔ شاید ان چاروں نے۔۔۔۔" اس نے دانستہ اپنے متکلم کے روبرو بات ادھوری چھوڑی۔

"ایسی تو کوئی رپورٹ نہیں، تمہیں یہ کیسے پتا؟"

"بھیڑ اپنے غول کے رازوں سے واقف ہوتا ہے۔" اس نے مسکرا کر بتایا۔ اسے بہت اچھی طرح یاد تھا یہ راز اسے کہاں سے ملا تھا۔ سہراب کو جیسے نیازاویہ مل گیا ہو۔ "آپ نے وہ گھر چیک کیا ہے؟"

"نہیں۔"

"اور وہ ڈھیر سارے پیپرز؟" (صابرہ کے گھر سے چرائے گئے پیپرز)

"میں نے وہ نہیں کھولے۔"

"اور کوئی مجھے سست کہہ رہا تھا۔"

"ہاں تو تم ہو بھی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"خود کیا ہیں آپ؟"

"اپنی بیوی کے لیے ہینڈسم، چار منگ، ایک ذلیل آدمی کا بھائی اور دوسرے خبیث بھتیجے کا چچا۔" آراہ جواباً خفگی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ سہراب مسکرا رہا تھا۔ دل سے بوجھ البتہ ہٹ چکا تھا۔

★★★★

اس کے موبائل پر تمکنت بنگش کا نام اور نمبر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ کچی نیند سے جاگا اسلان ساکت سا موبائل کو تک رہا تھا۔ چار سال.... چار سال گزر گئے تھے وہ آج بھی خوف زدہ تھا۔ اس نے بے اختیار لرزتے ہاتھ چہرے پر پھیرے، لمبی سانس لی مگر رنگت تھی کہ نچڑی جا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل بند کر دیا۔ گھٹنے سینے سے لگا لیے، وہ کسی بچے کی طرح سہا ہوا تھا۔ موبائل بج بج کر بند ہو گیا۔ یہ اماوس کی رات کا آسیب تھا اسے لگا تھا دن کی روشنی اسے کھا گئی ہے مگر وہ لوٹ آیا تھا۔۔۔ وہ یونہی کال نہیں کیا کرتی تھی اس کی کال کا ہر دفعہ ایک مقصد ہوا کرتا تھا۔

"ناٹ اگین۔۔۔" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا جسم پر لرزا طاری تھا۔ "پلیز ناٹ اگین۔" وہ کال دوبارہ بھی آئی تھی۔

ٹھنڈی کافی کا مگ گرم ہو گیا تھا مگر اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا تھا۔ ناخن چباتے ہوئے ٹانگ جھلاتے ہوئے وہ حد سے زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔ پنار کی موت کے بعد اسے انگزائٹی ہو گئی تھی اور اب وقتاً فوقتاً اس کی انگزائٹی ٹرگر ہوتی رہتی تھی۔ تمکنت سے آخری ملاقات کے بعد آج اس کی حالت ایک بار پھر خراب ہو رہی تھی۔ موبائل دوبارہ بجا تو باورچی خانے میں چولہے کے آگے کھڑی آمنہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"زہے نصیب کوئی آپ کو بھی کال کرتا ہے؟" اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ٹانگوں کی جھلاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔ "اب کسی نے غلطی سے کال کر ہی لی ہے تو اٹھا بھی لو۔"

"اگر تم نے اب کال نہیں اٹھائی تو تمہیں دوبارہ کال نہیں آئے گی، اب شو ڈاؤن ہو گا۔ تمہیں شوز پسند ہیں نا؟" پیغام واضح تھا۔ اسلان کے دھڑ سے جیسے سانس نکل گیا ہو یہ ماضی پھن والے سانپ کی طرح تعاقب کیوں کر رہا تھا؟ اسے تو لگا تھا اب سب پیچھے رہ گیا۔

"اس ہفتے کی شام تم مجھے میرے فارم ہاؤس پر چاہیے ہو۔" اسلان نے بے بسی سے موبائل بند کر دیا۔ یہ پیغامات، یہ کالز یہ بلاوے وہ انہی سے بھاگ کر ملک بدر ہونے گیا تھا اور اب اسے واپس آنا پڑ گیا تھا۔

اس نے بائیک کی سمت موڑ دی۔ وہ جیل نہیں جا رہا تھا اس ذہنی اذیت کے ساتھ وہ عالمگیر سے کیا ہی بات کر لیتا؟ لیکن اس نے گھر واپس جانے کے لیے شاید غلط وقت چُن لیا تھا، یا شاید کسی نے اس کے کمرے میں جانے کے لیے غلط وقت چن لیا تھا۔

بنفشہ نے اسے گھر پر نہیں دیکھا تو اس کے دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ وہ ان پیسوں کا پتا لگانے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے مشکوک کرنے والی دوسری چیز وہ کالز تھیں جو اٹھتے بیٹھتے اسلان کو موصول ہو رہی تھیں۔ آمنہ اپنے باپ کے گھر پر تھی، انارا اپنے کسی کام سے باہر، اور سہراب تو یوں بھی گھر پر کم ہی ملتا تھا سو وہ چپکے سے دبے پاؤں اسلان کے کمرے کا دروازہ کھولتی اندر داخل ہوئی، اپنے پیچھے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا، وہ سب سے پہلے الماری تک آئی کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھے۔ ذہن میں بار بار ایک ہی خیال آ رہا تھا۔

"آپ سے ایک بات پوچھنی تھی، عالم سر۔"

"شیور پوچھو۔" ٹیلی فون کان پر رکھے شیشے کے پار بیٹھے شخص نے کہا۔

بنفشہ نے دراز الٹ پلٹ کیے، اسلان کی اسناد، کارڈ، کالج، یونیورسٹی کے پاس کارڈ وہ سب ایک طرف کرتی گئی۔ کچھ ہوتا تو شاید مل بھی جاتا، مگر کچھ تھا اسے یقین تھا۔

"جن دو بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات آپ نے مجھے دی تھی کیا ان کے علاوہ بھی آپ کے کوئی اکاؤنٹ ہیں؟"

"میرا صرف نام عالمگیر ہے تمہیں کیا میں کوئی مغل بادشاہ نظر آتا ہوں؟" وہ ہمیشہ کی طرح سلگا۔ "اتنے اکاؤنٹس کا میں کیا کروں گا؟"

یونیورسٹی آف ایڈن برگ سے اس کا برخاست نامہ، اس کے ہاسٹل کا کمرہ نمبر، نکالے جانے کی کوئی وجہ بھی تھی مگر بنفشہ نہیں دیکھ رہی تھی، وہ نچلے خانے سے جوتوں کے ڈبے نکال رہی تھی، اسے ہر جگہ تلاش کرنی تھی کئی کپڑے فرش پر گر گئے تھے کاغذات بکھر گئے تھے مگر اسے شک تھا تو بے جا نہیں تھا۔

وہ دو راتیں قبل آدھی رات کو جاگی تھی جب اس نے گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ بہت دیر تک وہ سمجھ نہیں سکی، پھر اس نے لعل یمن کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور وہ اٹھ کر باہر نکلی جب تک وہ لعل یمن کے دروازے تک آئی تب تک اسلان یمن گاڑی زن سے بھگا کر لے جا چکا تھا۔ اگلی دو راتیں بھی وہ کہیں گیا تھا، گاڑی میں نہیں البتہ وہ گھر سے نکلا تھا وہ رات کے اس پہر کہاں جاتا تھا؟

وہ کاغذات نکال رہی تھی جب دروازے کا لاک گھمایا گیا بنفشہ جہاں تھی وہیں کی وہیں رہ گئی، وہ جو اندر داخل ہوا تھا ٹھٹک کر دروازے پر رک گیا۔ عقب سے آتی روشنی بنفشہ کی پشت پر پڑتی پلٹ رہی تھی، وہی روشنی اسلان کا چہرہ جھلسا گئی۔ دو سے تین کاغذات ہاتھ میں لیے فرش پر چوکڑی مارے وہ پتلی، دبلی لڑکی ٹکر ٹکر اسلان یمن کو دیکھ رہی تھی اور اسلان یمن تو جیسے منجمند ہو گیا تھا۔ اس کے کپڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے، کاغذات درہم برہم اور جوتوں کے ڈبے وہیں الماری کے قریب۔

اس کے کمرے کی تلاشی لی جا رہی تھی، چار سال بعد ایک بار پھر سے؟ اسے کسی الزام میں ملوث کیا جا رہا تھا، ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے شعلے لپکنے لگے، سارے بدن میں آگ کی جگہ لاوا دوڑ گیا۔ وہ دو ہی فرلانگ بھر کر اس کے قریب آ کر رکا اور بازو سے پکڑ کر اسے ایک جھٹکے سے اپنے برابر کھڑا کیا۔ بنفشہ کے حلق میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

”تم سے کہا تھا نا میرے معاملات سے دور رہو کہا تھا یا نہیں؟“ گرفت ہلکی تھی، آواز نہیں۔ بنفشہ کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ وہ بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھے گئی۔ ”قاتل لگتا ہوں میں تمہیں؟ تم.... تم بھی ملی ہوئی ہو؟ تمہاری ماں نے

تمہیں یہاں بھیجا ہو گا ہے نا؟" اسلان نے اسے الماری سے لگایا، مڑ کر دروازے پر چٹخنی چڑھائی اور اس کے قریب آیا۔ "کیا ایجنڈا ہے تمہارا؟" وہ برہم تھا۔ "کیوں آئی ہو یہاں، تمہارے زریعے تمہاری ماں کیا چاہتی ہے؟" وہ بغیر پلکیں جھپکے بنا سانس لیے اسے تک رہی تھی یہ مرد کون تھا وہ سرے سے جانتی ہی نہیں تھی، ایسی بے اعتباری، ایسی ٹھیس، وہ ایسا تیز دھار کانچ کیسے بنا؟

"وہ پیسے.... مجھے شک تھا...." اسلان نے زور سے الماری پر ہاتھ مارا۔ بنفشہ نے چیختے ہوئے آنکھیں میچ لیں۔

"تم سب لوگ مجھ پر شک کیوں کرتے ہو؟ پولیس، چاچو، انارا، عالم اور تم بھی؟ قاتل نہیں ہوں میں.... سمجھ کیوں نہیں آتی تم سب کو میں قاتل نہیں ہوں۔" سرخ چہرے اور لرزتی بلند آواز میں اس نے پہلی مرتبہ ہر الزام کی نفی کی۔ آنکھیں جیسے بھر رہی ہوں آج کتنا وقت بعد وہی تکلیف دوبارہ سر اٹھا رہی تھی، کتنے عرصے بعد وہ دوبارہ حواس کھو رہا تھا۔ کتنے عرصے بعد وہ خاموش نہیں رہا تھا، اس نے محض او کے کہہ کر سب ختم نہیں کیا تھا۔

"آئی ایم سوری میں.... مجھے کسی نے نہیں بھیجا میں بس...." وہ رونے لگی۔ "لیٹ می گو پلیز۔"

اسلان نے آنکھیں رگڑیں چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اسے سرخ، سفاک نظروں سے دیکھا۔ "بہت شوق ہے نا تمہیں ثبوت ڈھونڈنے کا میرا تعاقب کرنے کا میری چیزیں ڈھونڈنے کا؟ میرے سامنے ڈھونڈو۔" وہ دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوا بازو سینے پر باندھے، اور اسے اشارہ کیا۔ "تب تک تفتیش کرو جب تک اسکار اور باقی گھر والے نہیں آجاتے پھر ان کے سامنے میرے کمرے سے نکل کر جانا یہاں آتے ہوئے نہیں ڈری تو جاتے ہوئے کیسا خوف؟"

بنفشہ کے کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ "دروازہ کھولو، اسلان۔" وہ لڑکھڑاتی آواز میں چیخی۔

"برا لگ رہا ہے؟ بات اپنے کردار پر آئی تو لگ رہا ہے نا برا؟ بالکل اسی طرح ایک مرد کو بھی برا لگ سکتا ہے جب اس کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے کی تلاشی لی جائے، کیا میرا کوئی کردار نہیں، کیا میں نے تم سے کچھ چھپایا، کیا میں تمہاری ٹیم نہیں رہا؟" اسے کیا برا لگ رہا تھا وہ نہیں جانتا تھا مگر آج، یہاں، اس وقت وہ پاگل ہو رہا تھا۔

"تم.... تم ایک قتل اور اغوا کے جرم میں جیل جا چکے ہو تم مشکوک ہو مجھے بس شک ہوا تھا۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلائی۔

"تم آدھے محلے میں گولڈ ڈگر مشہور ہو، مشکوک تو تم بھی ہو۔"

"تمہارے پاس خفیہ پیسہ ہے، کوئی تمہیں کالز کرتا ہے، تم کسی سے ڈرتے ہو۔ تم نارمل نہیں ہو۔"

"میں واقعی نارمل نہیں ہوں اور میں نے تمہیں ہزار دفعہ یہ بات بتائی ہے آج ثابت کروں گا۔"

بنفشہ آگے آئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ "میں تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں، دروازہ کھولو۔"

"کیوں تفتیش مکمل ہو گئی کیا؟" وہ اسی ٹھنڈی آواز میں بولا۔ "ڈھونڈو! جو چاہیے آرام سے ڈھونڈو ابھی اسکار اور ماموں آجائیں پھر جانا۔"

"تم مجھے ہراساں کر رہے ہو۔"

"میرے کمرے میں عبادت کرنے تو تم بھی نہیں آئی تھیں۔"

"میں...."

"اسلان دروازہ کھولو۔" بنفشہ اور اسلان کے چہرے پر کسی نے بیک وقت کھولتا ہوا تیل ڈال دیا یہ آواز سہراب یمن کی تھی۔ بنفشہ کی آنکھیں ساکت ہو گئیں۔ وہ بے یقینی سے پیچھے کو ہوئی۔ "کس سے بات کر رہے ہو؟ دروازہ کھولو؟" اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ہاں وہ بنفشہ کو اچھا سبق دینا چاہتا تھا لیکن اگر وہ سہراب کے سامنے نکل کر باہر جاتی تو اسے کس قدر سبکی کا احساس ہوتا یہ وہ اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس کے حواس یکلخت بیدار ہوئے۔

"میں فون پر بات کر رہا ہوں اس سے بھی کوئی مسئلہ ہے؟" وہ چاہ کر بھی آواز میں کوئی سختی پیدا نہیں کر سکا۔ بنفشہ نے تشکر سے آنکھیں میچ لیں، اس کا دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔

"اچھا میں اوپر جا رہا ہوں آ جاؤ تم بھی، کچھ کام ہے اور مس بنفشہ کو کال کر دینا کہ جب گھر آئیں مجھے بتا دیں، ان سے بات کرنی ہے۔"

"آ رہا ہوں۔" اسلان نے تحمل سے جواب دیا۔ چند پل بعد اس کے قدموں کی چاپ معدوم ہو گئی تب اسلان نے بنفشہ کو دیکھا جس کے چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا، اور عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا وہ نظریں جن میں منت تھی۔ "میرے ماضی میں کچھ نہیں ہے اسے چھاننا بند کرو۔" اس آواز میں نرمی تھی، التجا تھی۔ "اپنا کام کرو اور میرے معاملات سے دور رہو۔" ہنوز نرم تنبیہ۔ "میں برا آدمی نہیں ہوں، لیکن حالات میرے حق میں کبھی اچھے بھی نہیں رہے میں تم سے منت کرتا ہوں مجھ سے دور رہو۔"

بنفشہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

اسلان نے بغیر کچھ کہے چٹخنی کھول دی وہ اس کے سامنے سے گزر کر باہر نکل گئی۔ زینوں کے وسط میں کھڑے سہراب نے اسے جاتے ہوئے دیکھا وہ اس کی موجودگی سے یوں بھی واقف تھا۔ دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑے

اسلان کی رنگت نچڑی ہوئی تھی۔ کیا وہ بقا کی جنگ لڑتے لڑتے باطل بن رہا تھا؟ کیا وہ ذہنی مریض بن رہا تھا؟ کیا چار سال قبل کی تکلیف آج بھی سینے میں کہیں موجود تھی؟

★★★★★

بنفشہ کے جانے کے بعد جیسے اس کے حواس پہلی بار بحال ہوئے۔ اس نے کمرہ دیکھا ایک ایک چیز بکھری ہوئی تھی۔ اس کے کپڑے اس کے دستاویزات، اس کی کتابیں۔۔۔

"اسلان.... " سہراب کے بلند آواز میں بلانے پر اس نے دروازے کی کھلی درز سے باہر دیکھا، جی میں آیا تھا کہ بنفشہ کے پیچھے جائے اور۔۔۔ اور جا کر کیا کرے؟ اس وقت وہ اس کے سامنے وہ اسلان نہیں تھا جو اس کا پرس اٹھا لیتا تھا، اس کے کام آجاتا تھا، اس کے شانوں پر چادر پھیلا دیتا تھا۔ اس وقت وہ اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں تھا۔

"اسلان اوپر آؤ۔"

"آرہا ہوں۔" اس نے ہلکی آواز میں جواب دیا اور کمرہ یونہی بکھرا چھوڑے لاک کرتا ہوا اوپر والے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سہراب کے ساتھ تھا۔ عالم اور میرال کا مشترکہ کمرہ جو میرال کی موت کے بعد سے بند تھا آج وہ کھلا ہوا تھا۔ (عالم کے جیل جانے کے بعد آج اسے کھول دیا گیا تھا گھر میں جگہ کی قلت تھی) وہ کمرے میں داخل ہوا تو سہراب نے اسے پیر سے لے کر سر تک گھورا۔ انداز میں ملامت تھی۔

"یہ تربیت کی ہے میں نے تمہاری؟" اسلان شل ہی تو رہ گیا۔ اس کا دل کیا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، یعنی سہراب جانتا تھا، اور وہ بس بنفشہ کو سبکی محسوس نہ کروانے کے لیے چپ رہا؟ "ساری آوازیں باہر آرہی تھیں، اسلان۔ کوئی بھی سن سکتا تھا کوئی بھی۔ تمہیں شرم نہیں آئی؟"

"اسے سوچنا چاہیے تھا وہ کسی کے کمرے میں کیوں گئی؟"

”لعنت ہو تم پر تم اب بھی خود کو بری الذمہ قرار دے رہے ہو؟ ڈوب مرو تم میرے بیٹے ہو ہی نہیں سکتے یہ میری تربیت نہیں تھی۔“

”کیا میں کوئی قاتل ہوں جو ہر کوئی میرے کمرے میں گھس کر تلاشیاں لیتا ہے۔ چار سال پہلے مجھے اس جرم کی پاداش میں ملزم ٹھہرایا گیا جو میں نے کیا ہی نہیں تھا اور پورے چار سالوں سے میں باعزت بری ہو کر بھی ایک مجرم جیسی زندگی گزار رہا ہوں، صحیح کہہ رہے ہو آپ ڈوب مرنا چاہیے مجھے کیونکہ میں مرد ہوں۔ میری پرائیویسی، میری عزت، میرا کردار تو کوئی معنی نہیں رکھتا ہے نا؟“ اس کا لہجہ اب پہلے کی طرح بلند نہیں تھا لیکن تکلیف اب بھی تھی۔ ”کسی نے آپ پر الزام نہیں لگایا، کسی نے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے کمرے کی تلاشی نہیں لی کسی نے آپ کے چار سال تباہ نہیں کیے، کسی نے آپ کو چھ ماہ جیل میں نہیں رکھا۔“ وہ کہتے کہتے رک گیا گلہ بھاری ہو گیا۔ ”کسی نفسیات کے ڈاکٹر نے آپ کو انگزائٹی نہیں بتائی اس لیے آپ.... آپ چلا سکتے ہو، ڈانٹ سکتے ہو۔ آپ کہہ سکتے ہو مجھے ڈوب کر مر جانا چاہیے کیونکہ مجھے مرنا ہی تھا مگر میں اس سب کے بعد بھی جی گیا۔“

”چار سال پہلے جس افسر نے تمہارا کمرہ تلاش کیا تم نے اس پر دروازہ بند کیوں نہیں کیا؟“ اسلان کے منہ پر کسی نے لوہے کا جوتا مار دیا۔ ”چار سال پہلے تم نے اپنے تفتیشی افسر کو اس کے پچھلے گناہ یاد کیوں نہیں کروائے؟ تم نے اس جج کو کیوں کچھ نہیں کہا جس نے تمہاری جیوڈیشل کسٹڈی دی؟“ اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ زرد اگر کوئی رنگ تھا تو اس وقت وہ اسلان کا چہرہ تھا۔ ”میں کر سکتا ہوں، اگر یہ سوچ عورت کے حوالے سے مرد کے ذہن میں بیٹھ جائے تو مرد معاشرہ اور عورت دونوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ میں تمہیں الگ سمجھتا تھا۔“

”میں ویسا نہیں ہوں یار۔“ اس نے گویا تڑپ کر صفائی دی۔

”مجھے بھی لگتا تھا کہ تم ایسے نہیں ہو جو ایک عورت کو کمرے میں بند کر دے اسے تکلیف دے کیونکہ وہ خود تکلیف میں تھا۔“ سہراب آگے آیا، اسلان کے چہرے پر ہاتھ رکھا اس لمس میں محبت پنہاں تھی۔ ”تم میرے بیٹے ہو اسلان تم سے یہ امید نہیں تھی مجھے۔ تم کسی عورت کو سزا نہیں دے سکتے یہ اختیار اللہ نے تمہیں نہیں دیا، یہ تربیت میں نے تمہیں نہیں دی۔“

”چاچو وہ مجھے تنگ کرتی ہے ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہے اور۔۔۔“ سہراب کا ہاتھ چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے اندازہ ہوا وہ لرزش کا شکار ہے۔ ”میں تھوڑا پریشان تھا اور جب میں نے اس کو اپنا سارا سامان کھولتے ہوئے دیکھا تو مجھے غصہ آ گیا۔“

”بالکل ٹھیک تمہیں غصہ آ سکتا ہے لیکن یہ غصہ کنٹرول کیا جانا چاہیے۔ تمہارے اینگر ایشوز دوبارہ شروع ہو رہے ہیں۔ میں نہیں پوچھوں گا اسے کس چیز نے شک میں مبتلا کیا لیکن میں تمہیں صرف یہ کہوں گا کہ کبھی بھی کسی بھی عورت کو دیکھ کر یہ مت سوچنا کہ تم کر سکتے ہو، جو تمہارے دل میں آئے تم کر سکتے ہو کیونکہ تم نہیں کر سکتے۔“

”اور وہ عورت چاہے میرے ذاتی سامان میں گھستی رہے۔“ وہ اس کا ہاتھ چھوڑ پلنگ پر آ کر بیٹھا۔ انداز میں اب بچوں والی خفگی تھی۔ ”اب میں آپ کو بتا رہا ہوں یہ کہیں بیٹھ کر رو رہی ہو گی۔“

”جا کر معافی مانگو۔“

”ابھی غصے میں ہے تھپڑ مار دے گی۔“

”تو کھا لینا۔“

اسلان نے آنکھیں گھمائیں۔ ”برابری کا قائل ہوں۔ میں نہیں مار سکتا تو وہ بھی نہیں مار سکتی۔“

"اس وقت معافی مانگنا تمہاری مجبوری ہے صبح تم، میں اور بنفشہ پنڈی جا رہے ہیں۔"

"ہم کیوں جا رہے ہیں؟" اسلان کے سوال پر سہراب کی نگاہ ہاتھ میں پکڑے رسالے سے ہٹی۔ "اور اگر جانا ہی ہے تو میں چلا جاؤں گا آپ یہیں رہو۔"

"شکیل کے گھر جانا ہے اس کی بہن سے پوچھ گچھ کرنی ہے۔ شاہ ویر جس دن مرا تھا اس رات زید پنڈی گیا تھا، زید مجھے اصل حقیقت نہیں بتائے گا مجھے اپنے طریقے سے معلوم کرنا ہو گا۔" وہ کہہ رہا تھا اور نگاہ ایک بار پھر رسالے اور اس کی تصویر پر ٹک گئی تھی۔ سوچ کا ایک نیا در کھلا تھا۔ اسلان نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور چپ رہا۔

"آپ کا مسئلہ حل ہوا؟"

"کونسا مسئلہ؟" رسالے سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔

اسلان دھیرے سے ہنسا، سہراب کو دیکھا اور ایک بار پھر ہنسا۔ "اتنے مسئلے ہو گئے ہیں کہ اب آپ کو یاد بھی نہیں کون سا مسئلہ؟"

سہراب نے بے اختیار چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اسلان کو دیکھتے ہوئے اسی کی طرح ہلکا سا ہنسا۔ سر تائیدی انداز میں ہلایا "واقعی بہت مسئلے ہو گئے ہیں یار۔" اسلان نیچے بیٹھا، کھلے ہوئے ڈبے پر ٹیپ لگانے کی غرض سے اس نے گتے جوڑے تو ٹھہر گیا۔ سامان کے اوپر ایک ٹیب پڑا تھا، اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے پچھلے کور پر عالم اور میرال کی تصویر لگی تھی۔ وہ میرال کا ٹیب تھا۔

"یہ عبیر کو دے دوں؟" سہراب نے ایک غیر دلچسپ نگاہ اس ٹیب پر ڈالی اور سر ہلایا۔

"زیادہ پریشانی ہے تو آپ کے استاد سے ملنے چلتے ہیں۔"

سہر اب جیسے کسی خواب سے جاگا۔ ”استاد کے پاس؟“

”جی کل چلیں؟“

”شام میں چلتے ہیں۔ میں انہیں کیوں بھول گیا؟“ وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔ اسلان اب ڈبے پر ٹیپ لگا رہا تھا اس بات سے وہ دونوں بے خبر تھے کہ وہ مواصلاتی آلہ اپنے اندر اس کہانی کا سب سے بڑا راز لیے ہوئے تھا۔

★★★★★

موجودہ دن سے ایک دن قبل!

”تم کس کی ذمہ داری پر جا رہی ہو؟“ گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل تھامے سڑک کا موڑ کاٹتے ہوئے اسلان نے انارا سے پوچھا۔ ”یونیورسٹی تم جانا نہیں چاہتیں اور یہ مانجھی پور کے چکر ہر روز لگ رہے ہیں۔“

”میں اکیلی تھوڑی ہوں اور کوئی پہلی بار بھی نہیں جا رہی کافی دوست بھی ساتھ ہیں۔“ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے رسان سے کہا۔

”اب حالات بدل گئے ہیں اس طرح تمہارا جانا مجھے مناسب نہیں لگ رہا۔ اگلی پیشی تک حالات کچھ سنبھل جائیں گے تب چلی جانا۔ تمہاری فیمنزم کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔“

”مجھے تو نہیں لگتا کہ اگلی پیشی پر کچھ ٹھیک ہو گا بلکہ حالات اور بگڑ بھی سکتے ہیں۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں عالم چاچو اس دن خاموش بھی تو رہ سکتے تھے یا پھر میں انہیں نہ لے کر جاتی، یا....“ اس نے چہرہ موڑ کر اسلان کو دیکھا۔ ”اگر تم ہوتے تو میں تمہارے ساتھ جاتی بھائی۔“

”اور کیا گارنٹی ہے کہ میں وہاں جا کر کوئی میس نہ کرتا؟“ اس نے ایک عمارت کے باہر گاڑی روک دی۔ آراہ کو یہیں جانا تھا اور یہاں سے پھر تمام رضا کاروں کو مل کر ایک بس میں سوار ہونا تھا۔

”تم اچھے خاصے کمپوزڈ آدمی ہو۔“

”یہ بات چاچو اسکار کو بتانا کھڑے کھڑے فوت ہو جائیں گے۔“ وہ غیر سنجیدہ تھا۔

”اسلان تم انہیں صرف چاچو بھی کہہ سکتے ہو۔“

”وہ کھڑے کھڑے فوت ہو جائیں گے پارٹ ٹو۔“ اس نے بنا توقف جواب دیا۔ آراہ نے اسے دیکھا اور تاسف سے نفی میں سر ہلاتی اپنا بیگ کندھے پر درست کرنے لگی۔ اسلان جو اس سے کچھ کہنے لگا تھا اس کی نظر سامنے پڑی تو وہ ٹھہر سا گیا۔ سیاہ سفید پٹیوں والی بٹن شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے شاہ زید بنگش سامنے کھڑا کسی لڑکے سے بات کر رہا تھا۔ آراہ نے اس کی نظروں کی تقلید میں دیکھا اور پھر ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ”یہ بھی ساتھ جا رہا ہے؟“

”مجھے اندازہ نہیں تھا لیکن اب لگتا ہے ہاں۔“ اس نے سچ کہا، چہرے کی جوت البتہ بجھ گئی تھی۔

”تمہیں نہیں لگتا تمہاری اس آدمی سے دوستی مشکلات کھڑی کر سکتی ہے؟“

”مرد اور عورت کی دوستی؟“

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ ”بنگش اور یمن کی دوستی۔“ اس نے آراہ سے نگاہیں ہٹا کر دوبارہ اس پر جما دیں۔ ”اس آدمی میں کچھ تو آف ہے۔ مجھے لگتا ہے تمہیں اس سے دور رہنا چاہیے۔“

”میں اس کے ساتھ نہیں جا رہی بھائی۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ زید ساتھ جا رہا ہے۔“

”ہو سکتا ہے اسے پتہ ہو اور وہ تمہارے ساتھ جانا بھی چاہتا ہو؟“

آراہ چپ سی ہو گئی۔”اوکے اگلی بار میں کنفرم کر لیا کروں گی اگر وہ جائے گا تو میں نہیں جاؤں گی۔“

”اور اس بار میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“اس نے پیشکش کی۔

”تم مذاق کر رہے ہو؟“

”تمہارا میرا مذاق ہے؟“اس نے طنزیہ انداز میں ایک ابرو اٹھایا۔ آراہ تو کھول کر رہ گئی۔”تم اس آدمی کے ساتھ نہیں جاؤ گی۔“

”اگر تمہارا میرا مذاق نہیں ہے تو تمہارا میرا کوئی تعلق بھی نہیں ہے ویسے بھی میں چاچو کی اجازت لے کر آئی ہوں مجھے تمہاری اجازت کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ تمہارے ساتھ جانے کی۔“

اسلان چند پل اسے دیکھتا رہا، پھر سر ہلا دیا۔”اوکے۔“ آراہ دروازہ زور سے مارتی گاڑی سے نکل گئی۔ اسلان نے گاڑی گھمائی اور ذرا فاصلے پر جا کر روک دی یوں کہ اب وہ آراہ کی نظروں سے اوجھل تھا۔ آراہ نے پلٹ کر ایک دو دفعہ متلاشی انداز میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی مگر وہ دکھائی نہ دیا تو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ”اوکے“ کو ایک عام ”اوکے“ ماننا پڑا۔

جب وہ گاڑی کے اندر چلی گئی تب اسلان باہر آیا اور ذرا فاصلے پر کھڑے شاہ زید بنگش کی جانب آیا جو فون پر بات کرتے ہوئے اسے اپنے قریب آتے ہوئے بھی دیکھ سکتا تھا۔ اسلان اس کے سامنے آ کر رکا، سپاٹ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔”تم میری بہن کے آس پاس بہت نظر آنے لگے ہو۔“

”پھر اپنی بہن گھر بٹھا لو۔“اس نے کال ختم کر کے موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”جب گلی کے کتے بھونکنے لگیں تو ان کی وجہ سے راستہ نہیں بدلا جاتا انہیں راستے سے ہٹایا جاتا ہے دوبارہ اس کے پاس آنے کی کوشش مت کرنا ورنہ۔“

”ورنہ کیا، تم میری بہن کو استعمال کرو گے؟“ اس کا اشارہ بنفشہ کی جانب تھا۔

”زبان سنبھال کر بات کرو وہ تمہاری بہن ہو یا نہ ہو ایک عورت ضرور ہے۔“

زید نے شانے اچکائے۔ ”مجھے تمہاری بہن میں کوئی انٹرسٹ نہیں یہ بس ایک اتفاق ہے۔“ اس نے جھوٹ کہا۔

”اگلی بار یہ اتفاق ہوا تو جو میں کروں گا وہ اتفاق نہیں ہو گا۔“ اس نے کہا، چند پل اسے سخت نظروں سے دیکھا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ شاہ زید بنگش کی چبھتی نظریں بہت دیر تک اس کا پیچھا کرتی رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے غول کے ساتھ بس میں سوار تھی۔ ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان بس اپنے سفر کی طرف روانہ تھی جب آراہ کو اپنے اوپر کسی کی نگاہوں کا حصار محسوس ہوا، اس نے بلا ارادہ میکانکی انداز میں اپنی دائیں طرف دیکھا، شاہ زید وہیں بیٹھا تھا۔ اپنے موبائل پر انگلیاں چلاتے ہوئے وہ کچھ مصروف لگ رہا تھا البتہ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ آراہ نے آس پاس نگاہ دوڑائی کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ بس میں گانے بج رہے تھے۔ ”کچھ کھاؤ گی؟“ جھکے ہوئے سر کے ساتھ اسے مخاطب کیا ایک پل کو وہ گڑبڑا گئی۔ تب ہی شاہ زید نے سر اٹھا کر اسے تکا۔ ”کچھ کھاؤ گی؟“ اس نے دہرایا۔

”نہیں.... میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے بہ دقت جواب دیا۔

”میں یہاں آکر بیٹھوں؟“ زید نے اس کے ساتھ والی خالی نشست کی طرف اشارہ کیا آراہ نے سوچنے کے لیے چند ساعتیں ادھار لیں اور پھر نشست سے اپنا بیگ اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ شاہ زید کے سوال کا جواب اثبات میں تھا۔ بس اپنی رفتار سے چل رہی تھی۔ رضا کاروں کی باتیں ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ کی صورت ان کے کانوں میں پڑ رہی

تھیں۔ آراہ سامنے دیکھ رہی تھی اور زید کھڑکی کے پار۔ ”ہم دونوں کے خاندان کتے بلی کی طرح لڑ رہے ہیں اور ہمیں دیکھو۔“

”تمہارا خاندان جھوٹے الزامات لگا رہا ہے اور میرا خاندان سروائیو کر رہا ہے، تصیح کرو، زید۔“ وہ سامنے دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہہ رہی تھی۔

”پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔“

”ہوتی تو انگلیاں ہیں نا؟“ وہ چیخ کر بولی۔ ”آج نہیں تو کل تم ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے الزام لگانے والوں میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو جائے گا۔“

”اب تم مجھے مستقبل کے ممکنہ خدشات پر جج کرو گی؟“

”مستقبل؟ ہاہ یہ لفظ میرے گھر والوں کے لیے نیا نیا سا ہو گیا ہے کیونکہ ہمیں سامنے کوئی مستقبل دکھائی ہی نہیں رہا۔ میں مہینوں سے یونیورسٹی نہیں جا رہی ہمارے بینک اکاؤنٹس کے نمبر تیزی سے گھٹ رہے ہیں، گھر میں راشن تک کے خرچے مشکل سے پورے ہو رہے ہیں اور ہم تم سے بچاؤ کے لیے کوششیں کر رہے ہیں.... مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ اس سفر کے بعد میں واپس گھر جا سکوں گی یا نہیں؟ ٹو بی ویری آنسٹ مجھے تم سے بھی نفرت ہو رہی ہے۔“

زید تاسف سے اسے تکتا رہا۔ ”مزید بھڑاس نکالنی ہے؟“ آراہ کی بھری بھری آنکھوں کو دیکھ کر اس نے پیشکش کی۔ وہ رخ موڑ گئی، آنکھوں کا بند ٹوٹا ایک دو آنسو عارضوں پر بہہ گئے۔ ”آئی ایم سوری، آراہ۔“

”تمہارا سوری ہماری بربادی ختم نہیں کر سکتا۔“

"ہم آباد ہیں؟" وہ تلخ ہوا۔ "میرا بھائی نہیں رہا، میری ڈریم جاب اب میرے لیے کشش کھو چکی ہے ہر دوسرے دن کسی ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے نظر آتا ہوں تاکہ دنیا کو میرا بھائی بھول نہ جائے، عدالت اور تھانے کے چکر اور...." وہ رکا، آنکھوں میں کوئی تکلیف سی ابھری۔ "مدیحہ.... اس نے بھی مجھے چھوڑ دیا ہے۔"

آراہ نے ایک جھٹکے سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟"

"اسے لگتا ہے میں ابنارمل ہو گیا ہوں، میں اپنے بھائی کے لیے پاگل ہو گیا ہوں اور اب اس کی موت کو قبول نہیں کر پا رہا۔ تم نہیں سمجھ سکتیں جب آپ کسی کی محبت میں ہوں اور وہ شخص آپ سے کچھ چاہتا ہو اور آپ چاہ کر بھی اسے وہی چیز نہ دے پائیں یہ کتنی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ میں اب چاہ کر بھی اسے وہ زید واپس نہیں دے سکتا جو شاہ ویر کی موت سے قبل اس کا تھا۔"

وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکی بس ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "آئی ایم سوری میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر تمہیں مجھ سے دور رہنا چاہیے، زید۔" زید جواباً خاموش ہو گیا، کچھ دیر بعد خاموشی سے اپنی جگہ بدل لی۔ دونوں کے درمیان ایک بار پھر فاصلہ تھا۔ شاید دائمی۔ اب کے دونوں نے اسے قبول کیا، اور کوئی پیش رفت نہیں کی۔ ان دو خاندانوں کے درمیان محض ایک ہی تعلق تھا۔ نفرت کا اور کچھ چیزیں اپنے اصل میں ہی اچھی لگتی ہیں۔

★★★★★

لعل یمن کے باہر کھڑی سہراب کی گاڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ آراہ کو چھوڑ کر وہ تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچا تھا جب اس نے سہراب اور بنفشہ کو اندر سے آتے ہوئے دیکھا۔ سہراب بارش سے بے نیاز تھا البتہ بنفشہ نے چھتری لے رکھی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا سفید رنگ کی لمبی فراک کے ساتھ اس نے کھلے پائنچوں والا پلازو پہن

رکھا تھا، بال چٹیا میں گندھے تھے جن میں بھورا رومال بندھا تھا۔ وہ اسلان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ چہرے کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی۔

''میں آپ کو جوائن نہیں کر سکوں گا۔'' ساتھ چلتے ہوئے سہراب نے اسے بتایا۔ ''مجھے جلدی میں ایک جگہ پہنچنا ہے آپ پلیز اسلان کے ساتھ جائیں۔''

''میں اسلان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' وہ فوراً اور دوٹوک انداز میں بولی۔ گیٹ کے باہر دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ٹھہرے ہوئے تھے۔

''کوئی ایشو ہے، اسلان نے آپ سے کچھ کہا ہے؟'' اور یہاں اس کی سٹی گم ہوئی۔

''میں اس کے ساتھ کمفرٹیبل نہیں ہوں۔''

''کیا کہا ہے اس نے آپ سے؟'' سہراب کا لہجہ یکدم بدل گیا۔ بنفشہ نے تھوک نگلا، ایک ذرا کی ذرا نظر اسلان پر ڈالی جو گاڑی کا دروازہ ادھ کھولے، نشست پر ترچھا ہو کر بیٹھا تھا یوں کہ بارش کے قطرے اس کے بازو کو بھگو رہے تھے۔ نگاہ ہٹانا دوبھر ہو گیا۔ وہ جھنجھلا رہی تھی یہ شخص آج کل اچھا کیوں لگ رہا تھا، اتنا سب کرنے کے بعد بھی۔ ''اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ سنبھل گئی سہراب اسے ڈانٹتا یا چیختا اور بنفشہ کی وجہ سے کسی کو تکلیف ہو یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ ''کیا ہم کل جا سکتے ہیں؟''

''کل چوبیس گھنٹے بعد ہو گا اور چوبیس گھنٹوں میں زندگی ایک سو اسی کی رفتار سے بدل جاتی ہے، آپ نہیں جانا چاہتیں کوئی مسئلہ نہیں اسلان اکیلا چلا جائے گا۔''

"نہیں اٹس اوکے میں چلی جاؤں گی۔ جو پوائنٹس کیس کے لیے مجھے ملیں گے وہ انہیں سمجھ نہیں سکتا۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔ سہراب نے اسلان کو ایک نظر دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں "معافی مانگ لینا" کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ بارش بوندا باندی سے بوچھاڑ میں تبدیل ہو رہی تھی، دو دن بعد رمضان شروع ہونے والا تھا۔ آسمان چاہتا تھا ہر طرف جل تھل ہو جائے۔ اسلان ایک ہاتھ کھڑکی پر ٹکائے دوسرے ہاتھ سے گاڑی کا پہیہ تھامے ہوئے تھا۔ بنفشہ اپنے موبائل میں مصروف تھی یا دکھائی دینا چاہتی تھی۔

"میں بائیس سال کا تھا۔" اس نے کہنا شروع کیا اور اسی لمحے آسمان میں بجلی زور سے چمکی بنفشہ نے نامحسوس انداز میں آنکھیں میچ لیں۔ اسے بجلی کی یہ کڑک ہمیشہ خوف زدہ کیا کرتی تھی۔ "پنار مر گئی تھی میں۔" اس نے تھوک نگلا۔ "میں بہت پریشان تھا۔ پنار کو جانتی ہیں نا آپ؟" اس نے گردن ہلکی سی گھما کر بنفشہ کو دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت تھی وہ، میں اسے آخری بھی رکھنا چاہتا تھا۔ میرے ابا اور اماں کی شادی نہیں چل سکی اس لیے مجھے نہیں پتہ تھا شادی یا تعلقات کو ٹھیک چلانے کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے، کیا کیا سہنا پڑتا ہے۔ میں غلط کام کر رہا تھا اور ذلت سہہ رہا تھا۔ ماں کی گود پہلی درسگاہ ہوتی ہے، میں نے اس درسگاہ میں محبت کرنا، نبھانا اور سنبھالنا نہیں سیکھا۔ باپ سپورٹ سسٹم ہوتے ہیں میرے باپ نے یہ دستور بھی بدل دیا۔ illiterate دیکھے ہیں آپ نے؟ تعلقات کے معاملے میں وہی تھا۔"

سڑکوں پر آسمان سے گرتا پانی یوں برس رہا تھا جیسے پانی کے بڑے بڑے برتن آسمان سے الٹا دیے گئے ہوں، گاڑی کے شیشے پر بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ "مختصر یہ کہ میں نے زندگی سے تلخیاں سمیٹیں اور میں ان پر شرمندہ نہیں ہوں، کیونکہ ان کی وجہ میں نہیں تھا۔" بنفشہ یکسوئی سے اسے سن رہی تھی وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور چہرہ خالی تھا۔ اس روز کمرے والا اسلان ایک مختلف انسان تھا۔

"یعنی تم اپنے ہر گناہ سے انکاری ہو؟"

"میں اب اپنی گواہی خود نہیں دیتا۔" اس نے موڑ کاٹا، ٹھنڈ سی ہونے لگی تو اس نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ بنفشہ کو یکدم اس کا یہ عمل غنیمت معلوم ہوا۔ "اس روز میں پریشان تھا میں جب کمرے میں داخل ہوا مجھے ایسا لگا جیسے میں وہی بائیس سالہ اسلان ہوں اور آپ وہ پولیس افسر جس کو مجھ پر شک ہے۔ مجھے عدالت نے بری کر دیا تھا، میں لوگوں کی نظروں میں آج بھی گنہگار ہوں اور مجھے لگا وہی سب دوبارہ دہرایا جارہا ہے آپ کو درست لگتا ہے میں نارمل نہیں ہوں۔ میرے رد عمل شدید ہوتے ہیں، بعض معاملات میں ۔۔۔ میں اکھڑ اور بدتمیز ہو جاتا ہوں۔" اس نے ایک نظر بنفشہ کو دیکھا۔

"یہ سب میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ آپ سے ہمدردی سمیٹ لوں میں اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں چاہتا ہوں آپ مجھ سے پوچھیں بجائے اس کے کہ آپ میرے ساتھ وہ کریں جو چار سال قبل ہوا تھا۔ میں اچھا آدمی نہیں ہوں مانتا ہوں لیکن میرے بارے میں جو سچ دکھائی دے اس کا ایک اور رخ بھی ہوگا میں چاہتا ہوں آپ اس رخ تک جائے بغیر فیصلہ نہ لیں۔" بنفشہ کا سارا غصہ، ساری ناراضگی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ "میں آپ سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔" اسلان نے اضافہ کیا۔

"اگر میں معاف نہ کروں؟"

"تو میں دوبارہ معذرت کروں گا۔"

"اور اگر میں پھر بھی معاف نہ کروں تو؟"

"میں ایک بار پھر معذرت کروں گا۔"

"اور اگر میں ایک بار پھر معاف نہ کروں تو؟"

بنفشہ کو لگا وہ ہلکا سا مسکرایا ہے۔ گاڑی چلاتے ہوئے اس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔"میں معافی مانگتا رہوں گا۔"

"اور اگر میں پھر بھی معاف نہ کروں تو؟"

"تب میں آپ کے کمرے میں گھس جاؤں گا، آپ کے سامان بے ترتیب کروں گا کچھ میک اپ توڑوں گا تاکہ آپ بھی مجھ پر چیخیں اور حساب برابر ہو سکے۔"

"اور میں میں پھر بھی معاف نہ کروں تو؟"

"خوبصورت عورتوں پر اتنی سنگدلی اچھی نہیں لگتی۔" آسمان میں بجلی ایک دفعہ پھر چمکی اور گاڑی کے شیشوں سے منعکس ہوتی ان دونوں پر پڑی۔ درمیان سے کچھ اندھیرے چھٹ گئے، مطلع صاف ہو گیا، برستی بارش نے ان دونوں کے اندر پلتی کثافت کو دھو ڈالا۔

"تم مجھے جانتے ہی کتنا ہو؟ میں حد سے زیادہ ظالم ہوں، دوبارہ اگر اس طرح کی کوئی حرکت کی تو میں تمہیں واقعی معاف نہیں کروں گی۔"

"یعنی اس بار معاف کر دیا؟"

"حرکتیں تو نہیں تھی۔۔۔۔ لیکن خیر۔"

"حرکتیں تو خیر آپ کی بھی مہذب نہیں تھیں۔"

"تم چاہتے ہو میں اپنی معافی واپس لے لوں؟" اسلان نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

"نہیں میں مشکل سے ملی ہوئی چیزوں کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

بنفشہ نے آنکھیں گھمائیں زیرلب کچھ کہا بھی۔۔۔۔ اسلان نے سنا، سن کر نظر انداز کیا۔ ”آپ نے بتایا نہیں۔“

”کیا؟“

”یہی کہ اگر آپ کو میرے متعلق کوئی سچ معلوم ہوا تو کیا آپ اس کا دوسرا رخ تلاش کریں گی؟“

”کیا تمہارے متعلق کوئی ایسا سچ ہے جو مجھے متنفر کرے؟ “

”میں نے اپنے لیے گواہی دینی چھوڑ دی ہے۔“

جواباً وہ خاموش رہی۔ بارش تواتر سے برستی گئی۔ لاہور سے پنڈی کا راستہ کٹتا رہا۔ البتہ اس نے جواب نہیں دیا تھا۔

★★★★★

وہ جس وقت پارکنگ ایریا پہنچا آدھا بھیگ چکا تھا۔ گیلے بال ماتھے پر چپکے تھے، موبائل اس نے بڑی مشکل سے بچالیا تھا۔ اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی پارکنگ کے کونے میں صابرہ کی گاڑی کھڑی تھی وہ پی کیپ پہنتا، سر جھکائے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی گاڑی کی اگلی نشست پر آکر بیٹھا۔ صابرہ کچھ اکھڑی اکھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ ماتھے پر بل تھے۔ ”میں تم سے کہہ چکی ہوں اس کیس میں تمہاری کوئی بھی مدد کرنا میرے لیے ممکن نہیں اور تم پھر بھی مجھے فورس کرتے نظر آرہے ہو۔“

سہراب نے ہاتھ سے بال پیچھے کیے ڈیش بورڈ پر پڑے ٹشو کے ڈبے سے پانچ، چھ ٹشو کھینچ کر نکالے اور چہرہ صاف کیا۔ ”مجبوری ہے، صابرہ ورنہ آج سے پہلے بھلا میں نے ایسی کوئی حرکت کی ہے؟“

"سہراب۔۔۔" اس نے تحمل سے اس کا نام لیا۔ "مجھے دھمکیاں مل رہی تھیں، میرے بچوں کو مارنے کی دھمکی دی گئی تھی، تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہیں چند ثبوت نہیں دے سکتی؟ تم اور میں ایک دوسرے کے کام کے لیے ضروری ہیں۔ میں تمہیں بچا رہی ہوں۔ جس جھنڈ میں تم گھس رہے ہو وہاں بھیڑیوں کا پورا غول ہے۔"

"تم ایک اڑتیس سال کے آدمی کی فکر چھوڑ دو، مجھے وہ بتاؤ جو میں جاننا چاہتا ہوں میرا وعدہ ہے تمہارا نام نہیں آئے گا۔"

"اور بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟"

"کیا چاہیے تمہیں؟" وہ ٹشو جیب میں اڑستا مکمل سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

ایک لمحے کو وہ رک گئی، بازو سینے پر باندھے اور بے حد سنجیدگی سے اپنا مطالبہ پیش کیا۔ "کچھ وقت پہلے کوئی میرے گھر میں گھس آیا تھا۔"

"او کے....؟" کمبخت کس قدر تابعداری دکھا رہا تھا۔

"اس نے میرے کچھ کاغذات کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اور شاید کچھ اٹھا لیے یا پھر کاپی کیے میں نہیں جانتی۔ اس نے پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑے۔ مجھے بس وہ شخص چاہیے۔"

"کوئی اور قیمتی سامان بھی غائب ہے؟"

"میرے شوہر کی رولیکس اور میرا ایک مہنگا ہینڈ بیگ۔" اس نے سہراب کے چہرے پر کچھ کھوجنا چاہا مگر نہیں.... اس کے چہرے پر کوئی تاثر آئے تو بے موت مرے۔ وہ تو اس کہانی کو یوں سن رہا تھا جیسے حرف حرف سے غیر آشنا ہو۔ "تمہیں کیا لگتا ہے کون ہو گا؟"

"کیا کہہ سکتے ہیں؟ میں پتہ لگواتا ہوں واقعہ کب کا ہے، تاریخ کیا تھی؟"

"جب تمہیں مدد کرنے سے انکار کیا تھا بس اس کے کچھ ہی دن بعد۔" وہ کچھ جتاتے ہوئے بولی۔

"اچھا؟ چلو دیکھتے ہیں.... ہو جائے گا تمہارا کام۔" اس نے مکمل یقین دہانی کروائی۔ "اب تم میرا کام سنو۔" وہ بامشکل ابلتے طیش پر قابو پا سکی، اسے ایک سو نوے فیصد یقین تھا اس کے گھر گھسنے کی ہمت سہراب کے علاوہ کوئی اور کر ہی نہیں سکتا تھا۔ "جوہر فور زیرو کی وکٹمز پر ان کی موت سے قبل ایف آئی آر ہوئی تھی۔ پولیس ریکارڈ میں اس کی کوئی کاپی نہیں ہے مجھے اس کی کاپی چاہیے۔" صابرہ کا جی چاہ رہا تھا اپنے لمبے ناخنوں سے اس کا منہ نوچ لے اس کا سارا شک سہراب پر تھا اور یہ آدمی کس ڈھٹائی سے مطالبے کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"تم پولیس میں ہو تھانہ جاگیر ہے تمہاری، یہ کاپی تم نکلوا سکتے ہو میں نہیں۔" اسے یقین تھا صابرہ کوئی کاپی نہیں دے گی مگر ایسی کوئی ایف آئی آر "وجود" رکھتی ہے یہ اسے معلوم کرنا تھا اور اب اسے آگاہی مل گئی تھی۔

"میں ابھی تھانے میں نہیں ہوں اور تم اس کیس پر کام کرتی رہی ہو تمہیں بہتر پتہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں۔ تھانے میں ایک دو لوگ ہیں میرے ان سے پتہ کروانے کی کوشش کرتی ہوں، ایک ہفتے کا وقت دے دو۔" وہ رکی۔۔۔ "اور میرا کام تم کب تک کرو گے۔"

"ایک ہفتہ کافی ہو گا؟" اس نے ابرو اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"اوکے۔" وہ بھاری دل سے بولی۔ سہراب نے سر کو خم دیا اور گاڑی سے نکل آیا ذرا آگے گیا پھر اس کا شاید ارادہ بدلا وہ واپس آیا، دونوں ہاتھ گاڑی کی کھڑکی پر رکھے وہ ہلکا سا جھکا۔ "میرا ماننا ہے ذہانت کا تعلق محض اچھائی سے نہیں ہوتا، کسی کے گھر گھس کر اپنے مقصد کی چیزیں حاصل کرنا ذہانت تھی جس پر میں قطعی شرمندہ نہیں۔ لیکن رولیکس اور اس بیگ کو مجھ سے جوڑا گیا تو مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ میں کوئی چور نہیں ہوں، صابرہ۔"

صابرہ پہلے حیران ہوئی پھر آگ بگولہ۔ ”تم.... تم میرے دوست تھے، سہراب۔ ہاؤ ڈیئر یو؟“

”میں عورتوں سے دوستی نہیں کرتا، صابرہ۔ ہم ساتھ کام کرتے تھے لیکن تم نے اس تعلق کی قدر نہیں کی۔“

”اور تمہیں لگتا ہے اب میں تمہارا کوئی کام کروں گی؟“ وہ پھنکاری۔

”تم میرا کام کر چکی ہو۔ تھینکیو سو مچ۔“ ٹھنڈے انداز میں جواب دے کر وہ ہٹ گیا۔ وہ پیچھے سے چلائی تھی۔ سہراب سے رکنے کو بھی کہا مگر وہ ہر قسم کے ڈرامے سے غیر دلچسپ تھا۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے آراہ کو پیغام لکھا۔ ”جس نے تمہیں ایف آئی آر کی بابت بتایا تھا، اب اس سے ایف آئی آر کی کاپی بھی لاؤ کیسے یہ تمہارا کام ہے۔“ مانجھی پور کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے انارا طاروں اس پیغام کو پڑھ چکی تھی، اسے یہ بھی معلوم تھا ایف آئی آر کی کاپی اسے کس طرح حاصل کرنی تھی۔

★★★★★

(”اب تم ذرا ٹھہر جاؤ۔“ پول کے پانی سے ہٹ کر ہوٹل کی چھت کی دیوار پر دونوں ہاتھ ٹکائے شہر کو تکتے قصہ گو نے اس آواز پر گردن پھیری۔ ”ہم ایک بار پھر پیچھے کافی ان سلجھی پہیلیاں چھوڑ کر آئے ہیں۔“

”مثلاً؟“

”مثلاً یہ کہ انارا طاروں اس ایف آئی آر کے متعلق کیسے جانتی ہے؟

سہراب یمن استاد سے ملا؟ اور کیا تب کوئی غیر خوشگوار واقعہ پیش آیا؟

عالم کے جیل کا کوئی قصہ؟“ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے فرمائش کی۔ قصہ گو چند پل اسے تکتا رہا پھر رخ موڑ کر دوبارہ شہر کی روشنیاں دیکھنے لگا، اس کے لب البتہ ہلے تھے وہ کچھ بتا رہا تھا۔۔۔۔

"گزشتہ روز کا ذکر ہے۔۔۔۔")

★★★★★

"کیا سہراب یمن "استاد" سے ملا؟"

اندرون لاہور کے بازاروں میں رش کے درمیان سہراب اور اسلان تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے۔ گاڑی انہوں نے ذرا فاصلے پر پارک کر دی تھی۔ "استاد سے ہزار بار کہا ہے اب جگہ بدل لیں یہاں آتے آتے بھی آدھا دن لگ جاتا ہے۔" سہراب کوفت سے بڑبڑا رہا تھا۔ "مجال ہے جو کبھی میری بھی سنی ہو۔" رش کے درمیان چلتے اسلان کو دھکا لگا، وہ لڑکھڑایا، توازن بگڑنے کے باعث ابھی وہ گرتا کہ اسی پل سہراب نے مضبوطی سے اس کا بازو تھام لیا۔

"دھیان سے بیٹا۔" اس کے لبوں سے بے اختیار پھسلا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں ہی ٹھہر گئے۔ اسلان ان لفظوں کو کیسے بھول سکتا تھا؟ سہراب کو کیا یاد نہیں آیا تھا؟ یہ الفاظ ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے پر مجبور کرتے تھے۔

"میں آپ کو ایسا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔" وہ شجاع کے سامنے تن کر کھڑا تھا۔ بچوں کی تحویل کے مقدمے میں اسلان کی تحویل شجاع کو جبکہ انارا کی تحویل دل آراہ کو ملی تھی اور اب شجاع یمن اپنے بارہ سالہ بیٹے کو کسی یتیم خانے میں چھوڑنے کی باتیں کر رہا تھا۔ "وہ چھوٹا بچہ ہے آپ اس کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"تم ہر دفعہ یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ اس بچے کا باپ میں ہوں تم نہیں۔" شجاع اس سے زیادہ بلند آواز میں دھاڑا۔ باورچی خانے میں میز کے ساتھ لگ کر کھڑا اسلان خاموشی سے میز کی سطح کھرچ رہا تھا۔ آنکھوں سے گرتے موٹے موٹے آنسو شیشم کی لکڑی والی میز پر ایک ترتیب بنا رہے تھے۔ یہ جھگڑے، یہ بلند آوازیں، یہ قطع تعلقی کے قصے اس کے حصے میں کیوں؟

”ہاں تو ہمیں کس خوشی میں بتا رہے ہیں ؟“ زینوں سے اترتے تیئیس سالہ عالمگیر نے گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا۔ ”آپ کا بیٹا ہے نا؟ یتیم خانے میں ڈالیں یا جہنم میں یہاں ہمیں کیوں بتا رہے ہیں؟“

”کیسی باتیں کر رہے ہو تم وہ ہمارا بچہ ہے، عالم۔“ سہراب تڑپ کر بولا، انداز میں ایسی بے قراری تھی کہ اسلان کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔ اسے یہ جھگڑا نہیں پسند تھا، اس کے گھر کے افراد کیوں سکون سے نہیں رہتے تھے؟

”میرا تو نہیں ہے۔ آپ کا بچہ وہ ہوتا ہے جسے آپ پیدا کرتے ہو، اسے بھائی نے پیدا کیا ہے یہ ان کا بچہ ہے۔“ اس نے بے دھڑک کہا۔ سہراب جواباً اس پر چیخ رہا تھا، دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہوئی باورچی خانے میں کھڑا بچہ جو ہر جھگڑے کے دوران اپنی بہن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتا تھا آج غیر ارادی طور پر مٹھی بھینچے کھڑا تھا۔

اگلے دن بعد عالمگیر صوفے پر اس کے قریب بیٹھا تھا۔ ”ایک اولاد اور اس کے والدین کا کنکشن ہوتا ہے، سہراب۔ تم اس تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتے جو اس کا اپنا باپ کر سکتا ہے۔ تم اسے پالو گے، بڑا کرو گے لیکن وہ کبھی بھی تمہاری اولاد نہیں بن سکتا۔ تمہارا اپنا بچہ اسے ری پلیس کر دے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ بچہ خود بڑا ہو کر تمہیں چھوڑ دے گا۔“ اسے اسلان سے محبت تھی، بہت محبت تھی مگر اسے سہراب سے بھی محبت تھی وہ اسے اپنی زندگی کسی بچے پر دان کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”تو کیا کروں یتیم خانے میں رہنے دوں؟ پتہ نہیں اس نے ٹھیک سے کچھ کھایا بھی ہو گا کہ نہیں.... عالم چلو یار لے کر آتے ہیں اس کو، ڈر جائے گا وہ کتنا چھوٹا سا ہے۔“ ایسا اضطراب ایسی ہی ایک بے قراری عالمگیر کے سینے میں بھی تھی، لیکن وہ اپنی جذباتیت میں اسلان یمن کی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ”میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

”بھائی اسے لے آئے گا۔ اسلان اس کی اولاد ہے کوئی اپنی اولاد سے غافل نہیں ہوتا اسے احساس ہونے دو تم نے اور یافث نے بھائی بھابی کو یہ احساس ذمہ داری دیا ہی نہیں اسی لیے ہم آج یہ دن دیکھ رہے ہیں۔“

سہراب کی وہ رات کانٹوں پر گزری، ساری رات کروٹیں بدلتے وہ عملی طور پر سوچتا رہا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ عالم، شجاع وہ دونوں سکون کی نیند سو گئے تھے پھر اس کی حساسیت کیوں اس کا چین برباد کر رہی تھی؟ اس کے اندر شفقت کا کوئی احساس تھا، اس کے دل میں کوئی خالی پن تھا جسے صرف اور صرف اسلان یمن کی موجودگی ختم کر سکتی تھی۔

اگلی صبح ایک "باپ" نیویارک کی پرواز میں سوار ہو گیا تب سہراب یمن کی بس ہو گئی۔ اس نے عالمگیر کے مشوروں پر لعنت بھیجی اور اگلے چند گھنٹوں میں وہ یتیم خانے کے میدان میں موجود تھا۔ کئی بچے آس پاس بھاگ رہے تھے اور اسلان چپ چاپ ایک طرف کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی، عادتاً ایک انگلی نشانی کے طور پر درمیان میں اٹکا رکھی تھی۔ افسردہ نگاہیں خلاؤں میں تھیں۔ وہ بھیڑ میں تنہا تھا۔

"اسلان۔" سہراب نے بلند آواز میں اسے پکارا۔ شور میں اس کی آواز دب گئی مگر نرم نظروں کے ارتکاز پر اسلان نے سامنے دیکھا۔ سہراب اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ یتیم خانے کی ایک رات نے اس لڑکے کے چہرے پر بہت کچھ بدل دیا تھا۔ بھاگتے بچوں میں سے کوئی اس کے کندھے سے ٹکرایا تو وہ نیچے گرا۔ "دھیان سے بیٹا...." متفکر انداز میں اسے پکارتے وہ تیزی سے آگے بڑھا مگر آج پہلی بار اسلان نے اسے نظر انداز کیا، اسے نہیں دیکھا اور خود کھڑا ہوا۔ رشتوں سے بدگمانی کا یہ اس کا پہلا روز تھا، آخری ہرگز نہیں۔

حال میں وہ دونوں ایک ساتھ چل رہے تھے یادیں اب ٹھٹکا دیتی تھیں، سفر نہیں روکتی تھیں۔ وہ دونوں بھی ساتھ چلنے کے عادی ہو گئے۔ تلخیاں، یادیں، یاسیت ہم قدم رہیں۔ دونوں کے درمیان بہت کچھ تھا مگر ہر بار وہ دونوں کسی نہ کسی طرح جڑ جاتے تھے، تقدیر ان دونوں کو ساتھ رکھنے کو کوشاں تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کافی آگے نکل آئے تھے اسلان کے ہاتھ میں پھلوں کے تھیلے تھے (استاد صاحب ذرا کھانے پینے کے شوقین تھے) چلتے چلتے سہراب یکلخت چونکا اور سرعت سے کسی گھر کی اوٹ میں کھڑا ہوا۔ اسلان نے اس کی تقلید کی۔ ساتھ مستفسر ہوا۔ "کیا ہوا؟"

"شش.... سامنے دیکھو۔" اس نے ایک سمت اشارہ کیا جہاں اسفندیار انصاری سیاہ اوور سائز شرٹ کے ساتھ سیاہ پینٹ اور پی کیپ پہنے معمول سے ہٹ کر بے حد مختلف لگ رہا تھا۔ گاڑی سے اتر کر اس نے چہرے پر رومال باندھا اب وہ ناقابل شناخت تھا۔ اسلان اور سہراب سانس روکے سامنے دیکھ رہے تھے جہاں وہ چھوٹی سی گلی سے نکل کر آگے ایک مخصوص علاقے میں داخل ہوا۔ موجودہ دور میں اس جگہ کو آرٹ اور فنکاروں سے جوڑا جاتا تھا مگر ماضی میں یہ جگہ ذرا بدنام زمانہ رہی تھی اور حال میں بھی یہاں تھیٹر اور رقص کی محفلیں ہی لگتی تھیں۔

"یہ کہاں جا رہا ہے؟" اسلان نے ہلکی آواز میں پوچھا۔

"ریڈ لائٹ ایریا؟" سہراب سوالیہ انداز میں بڑبڑایا۔ "یہ ایسا آدمی لگتا تو نہیں تھا۔"

"آدمی کے سر پر تھوڑی لکھا ہوتا ہے وہ کہاں کہاں آتا جاتا ہے۔"

"میڈیا کے زمانے میں ریڈ لائٹ ایریا، سیریسلی؟" اوٹ سے نکل کر وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔

"لیکن یہاں صرف ریڈ لائٹ ایریا۔۔۔۔۔" اسلان کی بات اس کے منہ میں ہی دم توڑ گئی سہراب کے موبائل پر کوئی کال آنے لگی تھی۔ لاہور کی قدیم گلیوں نے تاسف سے اس افسر کو دیکھا کاش وہ اسلان کی پوری بات سن لیتا، وہ اسے کہانی کا اہم ترین مہرہ تھمانے والا تھا۔

★★★★★

"انارا طارون ایف آئی آر کے متعلق کیسے جانتی تھی؟"

مانجھی پور کے ہمسائیہ قصبے میں آج کی طرف ایک معلوماتی کیمپ کا آغاز کیا گیا تھا۔ گاؤں کے کچھ معزز مرد، عورتیں اور کمسن بچیاں ایک بڑے سے میدان میں چٹائیوں پر بیٹھے تھے۔ لسی کے گلاس انہیں تھما دیے گئے تھے تاکہ دماغ کے ساتھ ساتھ ان کا معدہ بھی کام کرتا رہے۔ رضاکاروں کے گروہ کے ساتھ ایک طرف آراہ بھی بیٹھی تھی۔ ہاف کرل بال کیچر میں بندھے تھے، چہرے پر تھکن کے اثرات تھے یہ تھکن تب اکتاہٹ میں بدلی جب اس نے چبوترے پر مائی سوہائی کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے عورتوں اور مردوں کی نظروں میں احترام ابھرتے دیکھا، اسے طیش آیا۔ ہوتا ہے نا ایسا؟ جب کوئی انسان ہمیں پسند نہ ہو اور لوگ اسے عزت و تکریم سے نوازیں تو لگتا ہے بُرا۔ اسے بھی لگ رہا تھا۔

”چودہ سو سال پہلے، قبل از اسلام عورتیں پیدا ہوتے ہی دفنا دی جاتی تھیں۔ اہل عرب کے لیے ایک عورت کی پیدائش باعث شرمندگی تھی۔“ کرسی پر بیٹھی وہ عورت لوگوں سے مخاطب تھی۔ ”پھر اسلام آیا، زندگی جینے کے کچھ قواعد و ضوابط لاگو کیے، لوگوں کو جہاں کئی غلط قسم کے اقداروں سے کھینچ کر نکالا وہیں عورت کو عزت بخشی۔ اسے جائیداد میں حقوق دیے، اسے اپنی شادی کا اختیار دیا، اسے ہر قسم کے بنیادی حقوق سے نوازا، بالکل اسی طرح جس طرح مرد کے بنیادی حقوق ہیں۔“

”بنیادی حقوق سے آپ کی مراد کیا ہے؟“ خود پر ضبط نہ رکھتے ہوئے آراہ نے اسے للکارا۔ ”اسلام نے عورت کو پیدا ہوتے ہی قبر میں جانے سے ضرور بچا لیا مگر اب وہی عورت چائلڈ میرج کے نام پر چودہ سال کی عمر میں قبر میں اتر جاتی ہے۔ وہی عورت اکیس سال کی عمر میں بیٹا پیدا نہ کرنے پر طلاق دے کر روانہ کر دی جاتی ہے، مرد سے ذرا انکار و بحث کا معاملہ رکھے تو اس کے ساتھ زیادتی ہو جاتی ہے یا پھر قتل ہو جاتی ہے۔ نوکری کر کے اپنا پیسہ کمانا چاہے تو خاندان کی عزت کا ٹھپہ اس کے ماتھے پر لگا دیا جاتا ہے کیا یہ تھے اس کے بنیادی حقوق جو اسے کبھی ملے ہی نہیں؟“

”تمہیں کیا لگتا ہے اس کے حقوق کون چھین رہا ہے؟“ وہ تحمل اور بردباری سے سوال کر رہی تھیں۔ آراہ لمحے بھر کو گڑبڑائی اسے لگا تھا کہ مائی سوہائی اس حقیقت سے منافی ہوں گی کہ عورت کے حقوق ”سلب“ ہو رہے ہیں۔ وہ تو مان رہی تھیں۔ کون نہیں مانتا؟

”مرد.....“ سنبھل کر کندھے جوڑ کر ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”مرد عورت سے جلتا ہے وہ چاہتا ہے عورت ہمیشہ جھک کر رہے نہ اپنا کمائے، نہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو اور نہ ہی اپنی پسند سے شادی کرے۔“

”پچاس فیصد مرد واقعی یہی چاہتے ہیں۔“ مائی نے تائید کی۔ آراہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ ”اور باقی کا پچاس فیصد عورتوں کے نام۔“

”کیا آپ واقعی ایک فیمنسٹ ہیں یا یہ ڈھونگ ہے؟ آپ تو خود عورتوں سے نفرت کرتی ہیں۔“

”میں فیمنسٹ ہوں یا نہیں یہ مجھے تم پر واضح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عالمی سطح پر مجھے پاکستانی عورتوں کی نمائندگی کرنے بلایا جاتا ہے، ایوارڈز دیے جاتے ہیں اس لیے میں یہاں تمہیں صفائی نہیں دینا چاہتی۔“

”کیا آپ یہ نہیں مانتیں کہ عورتوں کے حقوق چھینے جا رہے ہیں؟“

”مانتی ہوں لیکن یہ نہیں مانتی کہ یہ حقوق صرف مرد چھین رہا ہے۔“

”مرد نہیں تو پھر کون؟“

”معاشرہ۔“ یک لفظی جواب پر ایک لمحے کو سارے میں سناٹا چھا گیا۔ آراہ کی زبان کو لقوہ لگ گیا۔ ”اس معاشرے میں مرد بھی ہیں، عورت بھی ہے، غلط اقدار اور بوسیدہ روایات بھی ہیں اور بعض دفعہ دین کے نام پر ہونے والی manipulation بھی ہے۔ میری لڑائی مردوں سے نہیں معاشرے سے ہے۔“ مجمعے کو سانپ سونگھ گیا

تھا۔" یہاں میں چند مثالیں دے دیتی ہوں۔ عورت جب پیدا ہوتی ہے ایک والد کے لیے بھی برابر خوشی کا موقع ہوتا ہے لیکن یہاں ایک "ساس" چاہتی ہے زیادہ خوشی نہ منائی جائے کیونکہ وہ بیٹا تھوڑی ہے؟ جب وہ اسکول جانے کی عمر میں ہوتی ہے تب "سسر" چاہتا ہے اسے کم پڑھایا جائے۔ جب وہ سولہ سترہ سال کی ہوتی ہے تب بعض دفعہ اس کا باپ ہی چاہتا ہے کہ وہ اس کی مرضی سے پڑھے اکیس بائیس تک اس کی "ماں" چاہتی ہے کہ اس بچی کی شادی کر دی جائے۔ ایک جنس کو دوش دے کر آگے بڑھ جانا آسان ہے لیکن کبھی بیٹھ کر فرصت سے معاشرے کا مطالعہ کرنا مشکل اس لیے حضرت انسان کے کانوں میں جو بھر دیا گیا سو بھر دیا گیا۔"

آراہ کو یہ جواب تھپڑ کی طرح لگا۔ یکدم سارا ماحول بدل گیا تھا لوگ اب اس کی طرف کسی کرارے جواب کے لیے دیکھ رہے تھے۔" آپ یہ نہیں کہہ سکتیں کہ عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافی میں مرد کا کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ سڑکوں پر سرعام گھوم نہیں سکتی، کام کی جگہوں پر ہراساں ہوتی ہے، جس ہسپتال میں وہ پیدا ہوئی وہاں بعض دفعہ اسے زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اس کا باپ چند روپوں کی خاطر شادی کے نام پر اسے بیچ دیتا ہے، بھائی سے حصہ مانگتی ہے تو بھائی جاتا ہے یا پھر جان۔ اس کی پہچان اس کا باپ، بھائی، شوہر، ہے کیوں ایک عورت کو ایک انفرادی حیثیت نہیں مل سکی؟ اسلام نے تمام حقوق مرد کو دے دیے اور عورت سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑو۔" وہ بولتے بولتے ہانپ گئی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا مائی سوہائی انہی نرم نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ ہاں مرد معاشرے کی غلطیوں میں شامل ہے لیکن سو فیصد نہیں اور جہاں تک تعلق ہے اسلام کا تو اسلام نے سب سے پہلے عورتوں کو اس کے حقوق دیے۔ عورت کو اہل عرب کی جاہلیت سے بچایا۔ قبل از اسلام عورت کو متعدد مرتبہ طلاق دی جاتی اور رجوع کر لیا جاتا اسلام نے اس عورت کی عزت نفس بچائی۔ بچے پیدا کرنے کے چکروں میں عورت کو نڈھال کر دیا جاتا تھا اسلام نے اسے اجازت دی کہ اگر اس کی صحت اجازت نہیں دیتی تو وہ وقفہ کرے، اسی اسلام سے تعلق رکھنے والے رحمت دوجہاں محمد رسول ﷺ کی نسل ایک عورت نے چلائی اس لیے مرد اور معاشرے کی جہالت کو اسلام سے جوڑ دینا ایک غلط امر ہے۔ میں نے ایک اداکارہ کا

انٹرویو سنا تھا وہ کہہ رہی تھی جس دن مرد مسلمان بننا بھول گیا اس دن عورت فیمنسٹ بن گئی۔" بات تھی یا حقیقت کی چماٹ یا پھر گہرائی کا کوئی غوطہ ابھر کر سطح پر آنے کے لیے لوگوں کو وقت لگا۔ آراہ کو بھی چپ سی لگ گئی۔

"عورت کو پردہ کرنے کے ساتھ مرد کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مرد کو حکم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ نرمی کرے، ماں سے اخلاق کا معاملہ رکھے، باپ کو سپورٹ کرے کیا آپ سب جانتے ہیں مرد نے ان تمام قوانین کو بائی پاس کر کے کس طرح اپنی حاکمیت قائم کی؟"

"کیسے؟" کسی کے لبوں سے پھسلا۔

"عورت کو محبت کا جھانسا دے کر۔ عورت کو یہ بتا کر کہ وہ نازک ہے۔ شاعری ہو، کتابیں ہوں یا پھر فلسفہ مرد لکھاری نے عورت کو نازک لکھا۔ ہڈیوں کو توڑنے والا درد برداشت کر کے اس مرد کو دنیا میں لانے والی عورت کمزور کیسے ہے؟" وہ ذرا سا توقف کرنے کو رکیں۔ "جس پر مرد ہی کی طرح پانچ نمازیں، تیس روزے، قرآن، فرض ہیں تو وہ مرد سے کمزور کیسے ہوئی، اس سے کمتر ہوتی تو اللہ اسے تین نمازیں دیتا، زکوۃ اس سے ہٹا دیتا، قرآن کا حکم یہ ہوتا کہ جب دل چاہے پڑھے یہ تفریق معاشرے نے پیدا کی دین نے دونوں کو انفرادی حیثیت ہی دی ہے۔"

وہ لمحے بھر کو رکی، پھر اضافہ کیا۔ "عورت کو پیپل پلیزر بنا دیا گیا۔ اس کو اس کی انفرادی حیثیت بھلا دی گئی۔ اور اس میں سب سے بڑا کردار ایک ماں عورت نے ادا کیا۔ تربیت کے دوران اسے صرف ایک مرد کو خوش کرنا سکھایا اور جب وہ بڑی ہوئی تو بھائی سے بنیادی حقوق نہیں مانگ سکی، جب شادی ہوئی تو شوہر کو مارنے سے اپنی حق تلفی کرنے سے نہیں روک سکی، الگ گھر کی فرمائش، اپنی ذاتی اسپیس کی خواہش دل میں دبا دی گئی اور جب ساس بنی تو بہو سے بیٹے کی فرمائش کی اور ساتھ ساتھ اسے بھی وہ سکھایا جو اسے سکھایا گیا تھا یہ سائیکل کبھی ٹوٹا ہی

نہیں۔ چلتا رہا اور چلتا ہی رہا۔۔۔" مجمعے میں بیٹھی عورتوں کی آنکھوں میں عجیب سی یادیں در آئیں۔ معاشرے کی ستائی عورتیں....

"اور یہ سائیکل کیسے ٹوٹے گا؟" آراہ کی آواز سرسراتی ہوئی تھی۔

"یہ ایک عورت توڑے گی۔ بار بار مرد کو یہ بتا کر کہ وہ اس کی جاگیر نہیں ہے، اس کی ایک انفرادی حیثیت ہے، اس معاشرے میں وہ کسی کی محکوم بن کر نہیں آئی۔ وہ کمزور بھی نہیں ہے۔ معاشرے کو سدھرنا پڑے گا کیونکہ عورت اب مزید نہیں پسے گی۔ مردوں سے نفرت چھوڑ کر خود سے محبت کرنی پڑے گی۔"

"عورت کو انفرادی حیثیت کیسے ملے گی؟"

"اس صورت کہ وہ مرد کی تقلید چھوڑ دے۔ دین کے معاملات، تعلیم کے معاملات، اپنی ذاتی زندگی ہر شے میں مرد کی رائے کو اول سمجھنا چھوڑ دے کیونکہ مرد انسان ہے وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔" اس کے بعد انارا نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ مائی سوہائی مختلف معاملات پر آگاہی فراہم کرتی رہیں۔ کچھ دیر بعد سب رضا کار بٹ گئے۔ کچھ پوسٹرز اکھٹا کر رہے تھے، کچھ کسی اور کام میں لگے تھے تب مائی سوہائی آراہ کے قریب آکر رکیں۔ اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں، انارا طارون۔ میں آج تک جتنے لوگوں سے ملی ہوں ان میں سے بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حقیقتاً عورتوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں مسیحائی ہے۔ تم ہیرا ہو بس ذرا سی تراش خراش کی ضرورت ہے۔" آراہ نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"فائدہ کیا ہے؟ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں ہم جیسی عورتیں اگر مر گئیں تب بھی تو ہم پر فتوے لگ جائیں گے۔ اپنے حقوق کی یہ جنگ لڑ کر جب ایک دن ہمیں موت آئے گی تو کیا وہ جوہر فور زیرو جیسی ہو گی؟"

"جوہر فور زیرو کیسا تھا؟"

یک لفظی جواب۔ "clueless"

مائی نے اس کا کندھا تھپکا۔ "ہر مجرم کلیو چھوڑ جاتا ہے جوہر فور زیرو کا پہلا کلیو ایک ایف آئی آر تھی۔ جو قتل سے ایک دن قبل فائل کی گئی تھی۔ کلیو تھا مگر دبا دیا گیا۔" وہ رکیں۔ "اور کلیو دبانے والی افسر ایک عورت تھی۔" آراہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ کیا معاشرے کو دیکھنے کا نظریہ اسے بدلنا پڑے گا؟

★★★★★

استاد سے ملاقات!

استاد فاروق لغاری وہ آدمی تھا جس نے سہراب کو اس کی ملازمت کے ابتدائی دنوں میں تفتیش کرنا سکھایا تھا۔ پرانی سی شلوار کے اوپر پھٹی ہوئی بنیان پہنے وہ سانولا مرد اپنے مہمانوں کے لیے مکمل تیاری کے ساتھ موجود تھا۔ چھت پر تین کرسیاں لگی تھیں۔ درمیان میں رکھی میز پر دیسی شراب کی ایک بوتل رکھی تھی، ساتھ چھوٹے چھوٹے تین گلاس اور برف۔ سہراب تاسف سے استاد کو دیکھ رہا تھا، جواباً اس کی نگاہوں میں بھی شکوہ ہی تھا۔

"تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تمہارا بیٹا بھی ساتھ آرہا ہے۔" اس نے بوتل اور گلاس سمیٹ کر ایک طشت میں رکھے۔ "یہ ذرا فریج میں تو رکھ دے یار۔" اس نے بوتل کی طرف اشارہ کرتے اسلان سے کہا۔ ابھی وہ خود کوئی جواب دیتا کہ سہراب نے استاد کو ایک گھوری سے نوازا۔

"کیا کر رہے ہیں استاد؟ بچہ ہے وہ۔"

"مر دبارہ کے بعد بچہ نہیں رہتا، سہراب۔"

"یہ اب بھی بچہ ہی ہے۔"

"اس کی شادی کرواؤ تین چار بچے یہ خود پیدا کر کے دے گا۔" سہراب نے جواب نہیں دیا بس پاس رکھا کپڑا اٹھا کر طشت کو ڈھک دیا۔ اسلان ان سے ذرا سے فاصلے پر کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ جہاں وہ موجود تھے وہ ایک چھوٹے سے تھرڈ کلاس ہوٹل کی چھت تھی جہاں ایک کمرہ بنا تھا۔ اس کا دماغ اب تک تمکنت کے بلاوے پر اٹکا تھا، وہ اب تک شش و پنج میں تھا۔

"یہ قتل کسی اور آدمی نے کیا ہے۔" تھوڑی دیر بعد شاہ ویر کے جسم پر لگے زخموں کی تصاویر دیکھتے ہوئے اس نے تبصرہ کیا۔ "پہلے سترہ قتل اور میرال کا قتل ایک ہی شخص نے کیا ہے لیکن یہ...." اس نے دو انگلیوں کے ناخن تصویر پر ٹک ٹک کی آواز کے ساتھ مارے۔ "یہ کوئی اور ہے، کوئی نوسکھیا۔ جس کا شاہ ویر سے کوئی بہت پرانا مسئلہ ہو۔ دیکھ سہراب اس تصویر کو غور سے دیکھ ہر زخم اپنی کہانی کہتا ہے یہ زخم کسی عناد کی کہانی کہہ رہا ہے قاتل کو وار نہیں آتا لیکن...." اس نے آنکھیں چھوٹی کیں۔ "قاتل غصے میں ہے، یا پھر مجبور، یا شاید.... وہ اپنی بقا چاہتا تھا۔" وہ کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہے تھے۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔ لیکن ایک مسئلہ ہے استاد۔ فارنزک کہتا ہے کہ قاتل چھ فٹ سے اوپر کا آدمی تھا پچھلے تمام وکٹمز کے مقابلے شاہ ویر کو باندھا نہیں گیا، کوئی نشہ نہیں دیا گیا اور میری کچھ تفتیش کہتی ہے قاتل ایک عورت ہے لیکن...."

"لیکن شاہ ویر کا قاتل ایک مرد ہے۔" انہوں نے اس کی بات کاٹی۔

"بالکل۔" سہراب نے تائید کی۔

”چھ فٹ کی عورتیں بالکل ہوتی ہیں لیکن ایک عورت ایک ہوش حواس رکھنے والے مرد کو بغیر باندھے، یا نشہ دیے اس طرح دھڑا دھڑ وار نہیں کر سکتی۔“

”آپ ایک عورت کو کمتر سمجھ رہے ہیں؟“ سہراب مسکرایا۔

”اوبس کر....“ استاد نے ہاتھ جھلایا۔ ”چھوٹے قد کے مرد قاتل پر بھی اندازے اور تھیوریز قائم ہوتی ہیں۔ جنس چھوڑ کر اس کی ظاہری جسامت پر غور کرو۔ شاہ ویر پھرتیلا آدمی ہے کوئی عورت اسے باندھے بغیر قابو نہیں کر سکتی۔“

سہراب نے تھک کر کرسی کی پشت پر گردن گرادی گھوم پھر کر راستہ جہاں آ رہا تھا وہاں محض اندھیرا تھا۔ ”پھنس گیا ہوں استاد۔ سمجھ نہیں آ رہا کس چیز پر غور کروں اور کیا رہنے دوں، کیا ضروری ہے اور کیا غیر ضروری۔“

”اسی لیے ایک ٹیم (وقت) پر افسر کو ایک ہی کیس دیا جاتا تھا اب تو ڈیپارٹمنٹ وہ رہا ہی نہیں۔“ استاد نے بیڑی سلگائی۔ ”چل بتا کیا پریشان کر رہا ہے؟“

”سیریل کلر کو پکڑنا ہے اپنے بھرم کے لیے، جو ہر فورزیرو میری بقا ہے اور.... شاہ ویر کا قاتل میرے نزدیک باطل ہے۔ میں کہاں کہاں جاؤں کیا کیا ڈھونڈوں؟“

”شاہ ویر کے قاتل کو تو نہیں ڈھونڈ سکتا.... تب تک جب تک اپنا جنون ٹھنڈا نہ کر لے۔ اسے ڈھونڈ جسے تُو ڈھونڈنا چاہتا ہے باقی سب تجھ پر مسلط کیے گئے ہیں، یہ تیرا اپنا جنون ہے تیری اپنی لڑائی۔ ساری زندگی تو نے خاندان پر صرف کی، اپنا نہیں سوچا عمر کے ایک حصے پر آ کر بندہ تھک بھی جاتا ہے۔ تھکان قبول کر لے اور اس کام میں جت جا جیہڑا (جو) من کو بھائے۔“

”آپ کو کیا لگتا ہے استاد؟ سترہ لوگوں کا وہ قاتل ایک مرد ہے یا عورت؟“

"میں کوئی نہیں ہوں، تُو بتا تجھے کیا لگتا ہے؟"

سہراب کی آنکھوں میں کوئی ٹھہراؤ در آیا، کوئی ایسا فیصلہ جو اٹل ہو، کوئی الہام سا۔ "وہ ایک مرد ہے، مجھے پورا یقین ہے وہ کوئی عورت نہیں ہے۔ ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ للکار ایک عورت کی نہیں تھی۔"

استاد نے آگے کو ہو کر اس کا کندھا تھپکا۔ "تو بس پھر وہ ایک عورت نہیں ہے جو تجھے لگتا ہے وہی سچ ہے باقی ساری دنیا بھرم۔"

"اور خادم؟ اس کا کیا کروں وہ بار بار مجھے لاہور سے نکالنے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

استاد ایک پل کو ٹھہرا، پھر گلا کھنکھار کر چھت سے نیچے جھانکتے اسلان کو دیکھا۔ "یہ کس دن کام آئے گا؟ اس سے کہہ کر خادم کی فیلڈنگ لگوا (اس کے سارے دن میں آنے جانے، ٹھہرنے اور ملنے والوں کی تفصیل۔)"

"اس معصوم کو کیا پتہ؟" استاد ہنس پڑا، ہنستے ہنستے وہ دوہرا ہو گیا۔

"اس دنیا میں معصوم کوئی نہیں ہوتا تو اس کو کام پر لگا نتیجہ خود سامنے آئے گا۔" سہراب نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا وہ پیٹھ دیے کھڑا تھا اس کے شانے چوڑے اور مضبوط تھے۔ سہراب کی یادداشت میں وہ کمزور اور قبل از وقت پیدا ہونے والا بچہ بھی درج تھا۔ وہ اس سے کیا کام لے سکتا تھا؟ کچھ بھی نہیں اس نے سر جھٹکا اور دوبارہ استاد کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے آپ سے کچھ اور باتیں بھی کرنی تھیں۔" استاد ہمہ تن گوش تھا۔ اسلان بغیر ردعمل دیے ان کی باتیں سنتا رہا۔ معصوم؟ اسے رہ رہ کر ہنسی آ رہی تھی۔ کاش وہ یہاں کھڑے کھڑے ٹھٹھے لگا سکتا۔

★★★★★

”عالمگیر کی قید کا کوئی قصہ؟“

”اسے لگتا ہے نمازیں پڑھ پڑھ کر اس نے بچ جانا ہے۔“ مغرب کا وقت تھا۔ آسمان نارنجی اور جامنی رنگ کا ملغوبہ دکھائی دے رہا تھا۔ جیل کے احاطے میں ایک طرف نماز پڑھتے روشن کو دیکھ کر راہب نے تمسخر سے تبصرہ کیا۔ گھاس پر چت لیٹے عالم نے بازو کے بل ترچھے ہو کر اس طرف دیکھا جہاں روشن کپڑا بچھائے نماز پڑھ رہا تھا، وہ منہمک اور پر سکون تھا۔

”اس کی سزا کب ختم ہو گی؟“

”ہلے (ابھی) تین چار ماہ باقی نے۔ شکر ادا کرے اپنے مالکوں کا جنھوں نے اس کو کڑی سزا نہیں دی، ورنہ اس نے تو ذلیل ہو کر رہ جانا تھا۔“

”اس کے مالک بھی دنیا کے سب سے بڑے (گالی.... گالی...) ہیں۔ مجھے تو یہ بھی ان کا ستایا ہوا لگتا ہے۔“ واپس سابقہ انداز میں لیٹتے عالم بڑبڑایا۔ اس کے سانولے چہرے کی چمک آج کل ماند پڑی تھی۔ آنکھیں بے نور معلوم ہوتی تھیں اور ٹھاٹھ فی الحال مفقود۔ ”اس کی ایک بیٹی بھی تو تھی اس کا کیا ہوا؟“

راہب نے دانت نکوسے اور عالم کے قریب جھکا۔ ”ایک نہیں دو! ایک بیٹی تو بڑی بے غیرت نکلی۔ باہر کے مردوں کے ساتھ تعلقات رکھتی تھی۔ طلاق ہو گئی تو ایک فلیٹ میں اپنی جیسی کچھ (گالی) جیسی عورتوں کے ساتھ رہنے لگی۔“

”دوبارہ میرے سامنے عورت کو گالی مت دینا۔“ عالم نے اسے بات کے درمیان سختی سے اسے ٹوکا۔

”اب اس فاحشہ کو اور کیا کہوں؟“

"اس کا نام کیا تھا؟" عالم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اب شوہر سے طلاق لے کر اکیلے زندگی گزارنے والی فاحشہ کا نام لوں؟"

"بیوی کو طلاق دے کر معاشرے میں جینے والے مرد کو کس گالی سے پکارتے ہو تم؟"

"یار کیا ہے؟" وہ جھنجھلایا۔ "اچھا چھوڑ آگے سن۔ یہ اور اس کے ساتھ رہنے والی تین عورتیں پاکستان میں ایک ڈانس کلب کھولنے کی بات کر رہی تھیں۔ ایسا کلب جو ظاہر ہو حکومت سے چھپا ہوا نہیں۔ یاروں کے ساتھ ناچنا ہو گا نا۔" وہ نفرت سے پھنکارا۔ عالم اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اسے ہر دفعہ لگتا تھا کسی عورت سے بدتمیزی کرنے والے، زیادتی کرنے والے کیسے مرد ہوتے ہوں گے؟ آج اسے لگ رہا تھا اس مرد کی شکل راہب جیسی ہو گی۔ اس کی آنکھوں میں بالکل وہی تضحیک ہو گی جو راہب کی آنکھوں میں ہے اور وہ اسے بالکل اسی طرح سزا کا مستحق سمجھتا ہو گا جیسے راہب ان چار عورتوں کو سمجھ رہا تھا۔ اسے سب سے زیادہ خوف اس بات سے آیا کہ ایسے مرد انہی کے درمیان اٹھتے بیٹھتے ہیں۔

"پھر دو تین ہفتے وہ چاروں منظر پر نہیں آئیں اور ایک دن اپنے اپارٹمنٹ سے ان کی جلی ہوئی لاشیں برآمد ہوئیں۔ گند صاف ہو گیا۔"

عالمگیر افتخار چند لمحوں کے لیے سانس نہیں لے سکا۔ "جوہر فور زیرو؟"

"ہاں وہی.... تمہیں کیسے پتہ؟" عالم کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ "ایسی عورتوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے جب پردہ نہیں کریں گی تو ماری جائیں گی نا؟ طلاقیں لے کر پھریں گی تو ذلت ہی مقدر بنے گی۔ یہ دنیا کی آگ نہیں تھی جہنم کا ایندھن تھا جس میں وہ چاروں منحوس عورتیں مر گئیں۔ میں تو کہتا ہوں ایک ایک کو چوک پر لٹکاؤ۔ سارے حق اسلام نے دے تو دیے اب ان کو اور کیا چاہیے؟"

عالم نے روشن سے نگاہیں ہٹا کر راہب کو دیکھا۔ ”جزا سزا کے معاملے اللہ طے کرتا ہے۔ پردہ عورت خدا کے حکم پر کرتی ہے اور اگر وہ نہیں کرتی تو اس کا معاملہ اللہ سے ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ایک مرد کا نگاہ نیچی نہ رکھنے کا معاملہ اللہ سے ہے۔ طلاق جائز ہے بالکل اسی طرح جس طرح ایک مرد کے لیے جائز ہے طلاق کا تعلق ایک خراب تعلق سے ہے، خراب کردار سے نہیں۔ عزت اور ذلت اگر مرد کے ہاتھ میں ہوتی تو دنیا کی نوے فیصد عورتیں برہنہ عزتیں لے کر پھر رہی ہوتیں۔ عورت کی بھی ایک انفرادی حیثیت ہے اسے ماننا سیکھو۔“

راہب نے ہاتھ جھلایا۔ ”یار تم کیوں اتنا سیریس ہو رہے ہو؟“

”کیونکہ میں بھی ایک بیٹی کا باپ ہوں، اور کل تم جیسے کچھ لوگ اس کی آزادی پر بھی بات کریں گے میں پہلا منہ بند کر دینا چاہتا ہوں۔“

”روشن بھی ایک بیٹی کا باپ تھا وقت آنے پر اس نے بھی تو اپنی بیٹی پر ایف آئی آر درج کروائی تھی۔ جوہر فور زیرو سے دو دن قبل کی ایف آئی آر ایک باپ نے درج کروائی تھی۔“ اس کے اگلے الفاظ نے عالم کو سکتے میں ڈال دیا۔ وہ کتنی ہی دیر تک ہل نہیں سکا۔ جن رازوں کو وہ باہر کی دنیا میں تلاش رہا تھا وہ راز قید میں اس کے ساتھی تھے۔ ایک مضبوط، توانا مرد ہو کر بھی اس کا دل پتے کی طرح لرزنے لگا۔

★★★★★

”موجودہ دن!

اندرون پنڈی کی تنگ و تاریک گلیوں کو لتاڑتے وہ دونوں شکیل احمد کے گھر کے اندر پہنچ چکے تھے۔ شکیل کی چھوٹی بہن عقیلہ نے انہیں کمرے میں بٹھایا، اس کے مطابق اس کی ماں ’کام‘ پر گئی ہوئی تھی اور باپ دو ہفتوں سے نشے کی زیادتی کی وجہ سے ہسپتال میں تھا۔ نشئیوں کے گھر اسی طرح مسمار ہوتے ہیں۔

”تم اکیلی گھر کو کس طرح سنبھال رہی ہو؟“ پانی کا گلاس لیتے ہوئے بنفشہ نے پوچھا۔

”بس جی..... ہم جیسوں کو کس نے پوچھنا ہوتا ہے؟ نشے کرنے والوں کی اولاد ہیں ہم ہماری آدھی زندگی حقیقت اور سراب کے درمیان فرق کرتے گزر جاتی ہے۔“ وہ تلخی سے بولی۔

”پڑھتی نہیں ہو تم؟“

”پڑھتی تھی.... شکیل پڑھاتا تھا جب وہ برہان صاحب کے یہاں ملازمت کرتا تھا۔ برہان مر گیا تو....“ وہ رکی، اس کے لبوں پر کوئی استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔ ”شکیل بھی جیسے ساتھ ہی مرا۔ ذہنی عارضہ کھا گیا اس کو۔“ اس کی آواز میں دکھ تھا مگر وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے امید کھو چکی ہو۔ حالات کی بہتری کی، کسی قسم کے انصاف کی، یا پھر اپنے لیے کسی مختلف زندگی کی۔ ”آپ کم (کام) کی بات کرو کس لیے آئے ہو؟“ یہ بچی اس روز کی طرح گھبرائی ہوئی نہیں تھی جب شاہ زید اور مدیحہ اس کے گھر آئے تھے یہ کافی مختلف لگ رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے نجی چینلز کی اس کے گھر مستقل آمد نے اسے ایک مختلف لڑکی بنا دیا تھا۔ بے حس، کاروباری۔

”ہم تمہیں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتے اور نہ ہی تم پر کوئی زور زبردستی ہے ہم....“

”کیا تم نے قاتل کا چہرہ دیکھا تھا؟“ بنفشہ کی بات کاٹتے، انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی مسلتے اسلان نے سوال کیا۔ اسے جذباتیت سے چڑ تھی۔ ”یا پھر پولیس کی آمد سے قبل کوئی ثبوت یا پھر کوئی ایسا ثبوت جسے پولیس نے استعمال نہ کیا ہو؟“ عقیلہ بہت دیر تک چپ چاپ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتی رہی۔ لب بھینچے ہوئے تھے، نگاہوں میں کوئی تپش ہلکورے لے رہی تھی۔

”اور اس سے کیا ہوگا؟ کیا میرے بھائی کا قاتل پکڑا جائے گا، اسے سزا ہوگی؟“

”اگر میں تم سے وعدہ کروں“ ”ہاں“ ”تو؟“

”مجھے مرد اور ان کے وعدوں پر اعتبار نہیں۔“

”ہم انسان بن کر ایک برابر حیثیت پر آ کر بات کر سکتے ہیں۔ میں تمہارے بھائی کے لیے کوئی جنگ نہیں لڑ رہا میں اس کے لیے انصاف بھی نہیں تلاش کروں گا لیکن میں تمہیں ایک چیز دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جو مقصد مجھے لاہور سے پنڈی کا سفر کروا رہا ہے میں اسے ادھورا نہیں چھوڑوں گا اور اسے مقصد کے درمیان تمہارا انصاف ہے تم چاہو تو تم ہمارا ساتھ دے سکتی ہو، تمہیں دینا چاہیے۔“

وہ چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھی اور الماری کی طرف بڑھی کھولنے پر ایک پٹ اکھڑ کر گرا، جسے اس نے دوسرے ہاتھ سے سنبھالا شاید اسے اس کام کی مشق تھی۔ پٹ ایک طرف رکھتے اس نے کپڑے ہٹائے اور نیچے سے ایک ساشے نکالا اور اسے لا کر میز پر رکھا۔ اسلان نے جھک کر ساشے اٹھایا اور ذرا سا اوپر کیا۔ اس کے اندر چند انسانی بال تھے۔ لمبے، ریشمی۔ اب ذرا بجلی کی رفتار سے ماضی کا سفر کر کے اس سرد رات میں آؤ تو جس وقت قاتل نے شکیل کے گلے پر چھری پھیرنی چاہی اسی وقت شکیل کا ہاتھ اس کے بالوں تک گیا، چھری گلے پر پھری اور عین اسی لمحے اس نے پوری شدت سے اس کے چند بال نوچے، درد، تکلیف اور تڑپ میں اس کا ہاتھ بالوں میں بے دھم ہوا اور واپس گرا، یوں کہ اب وہ پلنگ سے ڈھلک رہا تھا چند بال جو اس کے ہاتھ میں آئے تھے وہ فرش پر بکھر گئے۔ قاتل پر اس قدر جنون سوار تھا کہ اس کا دھیان کسی اور طرف نہیں گیا۔

”پولیس سے پہلے یہ میں نے اٹھا لیے تھے۔“ ماضی کے دونوں در اس کی آواز نے ٹھپ سے بند کیے۔ ”فلموں میں دیکھا تھا بالوں کا معائنہ ہوتا ہے، لوگ پکڑے جاتے ہیں تو مجھے لگا....“ اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں۔ ”کیا یہ کسی کام آ سکتے ہیں؟“ اس نے امید سے پوچھا۔

”کچھ کہا نہیں جا سکتا یہ کہیں سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بال قاتل کے ہیں، صفائی کا جو عالم تمہارے گھر میں ہے یہ تمہاری ماں یا تمہارے بال بھی ہو سکتے ہیں۔“

”یہ بال کلر شدہ ہے میرے بالوں پر کوئی رنگ نہیں ہوا۔“ اس نے فوراً تاویل پیش کی۔

”پھر بھی ہم کچھ کہہ نہیں سکتے اور کچھ جو تم نے دیکھا ہو یا ملا ہو؟“

متذبذب سی بچی نے نفی میں سر ہلایا۔ بنفشہ کو اس پر ترس سا آیا اسلان جس بری طرح سے اس کی امیدیں توڑ رہا تھا اس نے ذرا امید جوڑنی چاہی۔ ”ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے۔“

”ہاں لیکن زیادہ امید مت رکھنا یہ کوئی بڑا ثبوت نہیں ہے۔“ اسلان نے ایک بار پھر سفاکی کا مظاہرہ کیا۔ بنفشہ نے اسے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا مگر وہ متاثر نہیں نظر آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں باہر نکل آئے جس وقت وہ دونوں دروازے سے باہر نکل رہے تھے اس وقت عقیلہ نے کسی آس امید کے تحت کچھ اور بتایا۔ ”اس نے میرے منہ پر نشہ آور رومال رکھا تھا لیکن میں نے سانس بند کر لی تھی۔“ اسلان ایک جھٹکے سے مڑا، اس کا دل بے حد زور سے دھڑکا۔ ”میں نے اسے دیکھا تھا، اس کا چہرہ.... مجھے وہ عورت اور اس کی شکل ازبر ہے۔“ آس پاس بہتی ہوائیں تحیر کے وزن سے بھاری ہو گئیں۔ کچھ تھا جو ان تینوں کے درمیان در آیا تھا۔

††★★★★★

”کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“ آراہ مائی سوہائی سے پوچھ رہی تھی۔

”مجھے ناراض کیوں ہونا تھا؟“

”شاید میں اس دن بہت زیادہ تلخ ہو گئی تھی۔“

"مجھے ایسا نہیں لگا۔" وہ نرمی سے بولیں۔ساتھ قریب رکھے جگ سے لسی کا ٹھنڈا ٹھار گلاس بھر کر آراہ کی طرف بڑھایا۔"تم مجھ سے دس دفعہ سوال کرو میں دس دفعہ جواب دوں گی بس سوال کرنا نہ چھوڑنا۔"

آراہ نے گلاس دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، ٹھنڈک کا احساس اس کی دونوں ہتھیلیوں میں بھر گیا۔"آپ کو واقعی میرے سوال برے نہیں لگتے؟" مائی نے نفی میں سر ہلایا۔

"بحث مباحثہ وہاں برا لگتا ہے جہاں سامنے والا محض آپ کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہا ہو لیکن تم.... تم سن اور سمجھ لیتی ہو تمہاری تربیت کسی اچھی ماں نے کی ہے۔"

"میری تربیت دو مردوں نے کی ہے۔" اس نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔"میرے چچا اور ماموں۔میری کلاس میٹس بعض دفعہ میرا مذاق اڑاتی تھیں کیونکہ میں ان کی طرح ہر بات پر یقین نہیں کر لیتی تھی مجھے اس چیز میں لاجک چاہیے ہوتا تھا، میں یہاں کی وہاں نہیں لگاتی تھی۔"

"مردوں کے ساتھ رہ رہ کر تم ان کی طرح پریکٹیکل ہو گئی تھیں، جانتی ہو مرد پریکٹیکل کیسے ہوتا ہے؟" آراہ نے نفی میں سر ہلایا۔لسی کے دو اور گھونٹ حلق میں اتارے معدہ سارے کا سارا ٹھنڈا ہو گیا۔"وہ گھر سے باہر نکلتا ہے نئے لوگوں سے ملتا ہے اس کے پاس کرنے کے لیے بہت کام ہوتے ہیں۔اس کے پاس پیسہ ہوتا ہے جسے اس نے سوچ سمجھ کر چلانا ہوتا ہے اور عورت کیا کرتی ہے؟ ہر وقت گھر میں رہ کر جلتی کڑھتی رہتی ہے۔میں یہ نہیں کہہ رہی عورت کا گھر بیٹھنا غلط ہے لیکن گھر بیٹھ کر بھی وہ اپنے لیے مشغلے ڈھونڈ سکتی ہے۔کتابیں پڑھے، معلوماتی پروگرام دیکھے، ڈرائیونگ سیکھے، راستے سمجھے۔"

"آپ ساری عورتوں کو فیمنسٹ بنانا چاہتی ہیں؟" مائی نے گہری سانس لی۔

"عورت فیمنسٹ بن جائے گی آراہ، مرد کو humanist بنانا ہو گا۔یہ مشکل کام ہے اور میری جنگ یہی ہے۔"

"آپ کو شاہ ویر کیوں نہیں پسند تھا؟" اس کے دوبدو سوال کرنے پر وہ ہلکا سا ہنسیں۔

"تم اب بھی وہیں اٹکی ہو؟" انہوں نے پاس پڑا اپنا موبائل اٹھایا اور اس میں کچھ کھوجنے لگیں۔ "زید مجھ سے تقریباً دو سال پہلے ملا تھا۔ ایک طوفانی رات تھی اور وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ تھا اس کے دوست کی گاڑی گاؤں کے باہر خراب ہو گئی اور تب لوگ انہیں میرے گھر لائے تھے۔ ان دنوں سوشل میڈیا پر تمکنت نے میرے خلاف کچھ باتیں کی تھیں اور جواباً میں نے بھی بہت کچھ کہا تھا زید جب میرے گھر آ کر مجھ سے ملا تو اسے پتہ چلا میں وہی عورت ہوں جس کی اس کی ماں سے کوئی رنجش ہے۔ پتہ ہے اس نے کیا کہا؟" وہ لمحہ بھر کو رکیں، آراہ نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ "اس نے کہا کہ میں اپنی ماں کی طرف سے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ انہوں نے سوشل میڈیا پر آپ کے کردار کو غلط کہا یہ انتہائی غلط تھا۔ کسی بھی اختلاف میں کردار تک نہیں آنا چاہیے۔"

"زید اچھا آدمی ہے۔" آراہ نے تائید کی۔

"میں اس سے چند دن پہلے شاہ ویر سے بھی ملی تھی، آراہ۔ ہم دونوں کو ایک شو میں اکٹھے بیٹھنا تھا اور شاہ ویر نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ وہ ٹکے ٹکے کی عورتوں کے ساتھ نہیں بیٹھتا۔ کیا کوئی ایکٹوسٹ اس طرح کی بات کر سکتا ہے؟"

لسی کا اگلا گھونٹ آراہ کے حلق میں لاوے کی مانند بہا۔ "شاہی ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔"

"وہ اپنی ماں کو ناراض کرنے والا کوئی کام نہیں کیا کرتا تھا ایسے مردوں کی شادیاں بہت کم چلتی ہیں اور میں چاہتی تھی تمہاری شادی چلے۔" آراہ بغیر پلک جھپکے بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو، شاہی بہت نرم مزاج تھا۔"

"یہ دیکھو...." بالآخر وہ کچھ کھوج چکی تھیں۔ ایک تصویر جس میں زید اور مائی سوہائی ایک ساتھ کھڑے تھے۔ وہ بارش میں بھیگا ہوا تھا مگر ہنس رہا تھا بال گیلے ہو کر ماتھے سے چپکے ہوئے تھے اور ہاتھ سے وہ "تھمز اپ" کا پوز کر رہا تھا۔ آراہ نے سکرین پر کلک کیا تو تصویر کی تاریخ، سال اور دن دکھائی دیا۔ نو نومبر، اتوار کا دن، سال۔۔۔۔

"جوہر فور زیرو کی ایف آئی آر کا آپ کو کیسے پتہ چلا؟" سوال بے حد اچانک تھا۔

مائی نے موبائل سے نگاہیں نہیں ہٹائیں البتہ ان کے جبڑوں میں کوئی کھنچاؤ در آیا تھا۔ "میرے کچھ ذرائع ہیں۔"

"کیا آپ ان ذرائع کو استعمال کر کے مجھے اس ایف آئی آر کی کاپی دلوا سکتی ہیں؟"

"میں کیا کر سکتی ہوں یہاں یہ اہم نہیں میں کیا اور کیوں کروں گی یہ اہم ہے۔" انہوں نے آراہ کا چہرہ دیکھا۔ "پھر بتاؤ مس انارا طارون میں تمہارے لیے یہ کام کیوں کروں گی؟"

"میں بدلے میں آپ کے لیے کچھ کر دوں گی۔"

"مثلاً؟"

"جو آپ چاہیں۔"

"تمہیں کبھی کبھار کسی احتجاج پر میرے ساتھ چلنا ہو گا، میرے ساتھ کچھ سیمنار اٹینڈ کرنے ہوں گے، کچھ علاقے بھی وزٹ کرنے ہوں گے اور...."

"میری ڈگری ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ میں کوئی پروفیشنل نہیں ہوں۔" اس نے مائی کی بات کاٹی۔

"اور تمہیں اس ہفتے سے یونیورسٹی جانا ہو گا۔" اس کی بات سنے بغیر انہوں نے اپنی بات کہی۔ "میں چاہتی ہوں تمہاری ڈگری جلد مکمل ہو۔"

”ایک ایف آئی آر کی کاپی کے لیے یہ سودا کچھ بڑا نہیں؟“

”کوئی زبردستی نہیں تم کسی اور کو ڈھونڈ لو۔“ آراہ نے دانت کچکچائے، اور انہیں دیکھا یہ عورت اتنی بھی سادہ نہیں تھی۔

”مجھے منظور ہے لیکن مجھے اجازت کا مسئلہ ہو سکتا ہے، مجھے اپنے چاچو سے پوچھنا پڑے گا۔“ مائی سوہائی اس سے جواباً کچھ کہہ رہی تھی آراہ غور سے سننے لگی۔ ذرا فاصلے پر کھڑا شاہ زید بنگش اس منظر کو دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں کچھ تھا کوئی سپاٹ سا تاثر۔ اسے یہ ملاقات کچھ خاص بھائی نہیں کیونکہ یہاں اس کے راز کھل بھی سکتے تھے۔

★★★★★

اس کے ریشمی بالوں میں رومال ٹک ہی نہیں رہا تھا، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے چٹیا کے ڈھیلے ہوئے بل کھولے، رومال نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھا اور بالوں کی پونی ٹیل بنالی۔ وہ جو ٹک شاپ سے اپنے لیے کچھ لے کر آرہا تھا، بنفشہ کو بال باندھتے دیکھ ایک پل کو ٹھٹکا۔ پھر بے اختیار نگاہ ہٹائی اور گاڑی میں آکر بیٹھا۔

بارش صبح کی شروع ہوئی تھی تو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پنڈی کے راستے سے گاڑی شہر کی حدود سے باہر نکلنے لگی تھی جب بنفشہ نے گلا کھنکھار کر اسلان کو مخاطب کیا۔ ”تمہارے پاس آدھا گھنٹہ ہو گا؟“

”میرے پاس بیس پچیس سال ہوں گے ایسا مجھے لگتا ہے۔“

وہ چند پل ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گئی اور پھر سمجھ آنے پر جھرجھری لی۔ ”میں فراغت کی بات کر رہی تھی تمہارے اس دنیا سے پردہ کر جانے کی نہیں۔“

”ہے۔“ اس نے یک لفظی جواب دیا۔

"یہاں میری ایک دوست کا کیفے ہے وہاں گاڑی روک سکتے ہو؟ میں تھوڑی دیر میں مل کر آجاؤں گی۔"

اسلان نے بغیر کچھ کہے اپنا موبائل اٹھایا لاک کھولا اور اس کی گود میں ڈال دیا۔ "لوکیشن۔"

وہ آج اسے حیرت کے جھٹکوں پر جھٹکے دیے جا رہا تھا۔ بنفشہ نے موبائل اٹھایا اور جلدی جلدی ایک پتا گوگل میپ پر ڈالا۔ موبائل واپس ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے وہ اسلان کو دیکھ رہی تھی جس نے محض ایک نگاہ موبائل پر ڈالی اور گاڑی دوبارہ اسی رفتار سے چلانے لگا۔ بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی، پھر بنفشہ کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔ وہ زیادہ دیر چپ نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ "تم اچھے ڈرائیور ہو۔"

"طنز کر رہی ہو؟"

"تعریف کر رہی ہوں، میں عالم اور سہراب صاحب کے ساتھ بھی سفر کر چکی ہوں ان دونوں کی ڈرائیونگ کے مقابلے تمہاری ڈرائیونگ اچھی ہے۔" اسلان نے سر کے خم سے شکریہ ادا کیا۔ "تم نے وہ بات کیوں کہی تھی، اسلان؟"

"کون سی بات؟" اس نے اچھنبے سے پوچھا۔

"یہی کہ اگر مجھے تمہارا کوئی سچ معلوم ہو جائے تو میں اس کا دوسرا رخ تلاش کروں۔"

اسلان نے ایک ہاتھ سے موڑ کاٹتے ہوئے دوسرا بازو پہلو میں گرایا۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اب اس کے بازو دکھ رہے تھے۔ "کیونکہ میں ججمنٹس سے تھک چکا ہوں، میں رازوں سے تھک گیا ہوں میں چاہتا ہوں کوئی اور بھی ہو جسے سچ معلوم ہو۔"

"میں ہی کیوں؟" وہ اس پر نظریں جمائے پوچھ بیٹھی۔

"راز بے حد وزنی ہوتے ہیں اور مجھے لگتا ہے آپ ان کا وزن ڈھو سکتی ہیں۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "میں اسی لیے کہتا ہوں مجھ سے دور رہیں۔" وہ اسے یہ نہیں بتا سکی کہ دور رہنے کی کوشش وہ بھی کرتی ہے، پھر کون سا دھاگہ، کیسی ڈوری، کیسی کشش تھی جو بار بار ان دونوں کے راستے ایک کر دیتی تھی؟

"اگر مجھے تمہارے حوالے سے کوئی سچ معلوم ہوا تو میں اس کا دوسرا رخ ضرور تلاش کروں گی۔" اسلان نے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں کہتی تھیں وہ سچ کہہ رہی ہے، وہ اسے سچ مان لینا چاہتا تھا مگر، مگر وہی کٹھئی آنکھیں، وہی غاصب آنکھیں درمیان میں آگئیں اور اس نے رخ پھیر لیا۔ وہ اعتبار کا پہلا زینہ چڑھتا تھا تو ماضی اسے گریبان سے گھسیٹ کر فرش بوس کرتا تھا اگلے زینے کے لیے نہ توانائی بچتی تھی، نہ شوق۔

کچھ دیر بعد اس نے بنفشہ کو ایک کیفے کے باہر اتارا اور خود نشست کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ "میں آدھے گھنٹے تک آجاؤں گی۔"

"اوکے۔" اس نے محض کہنے کی خاطر کہا ورنہ وہ جانتا تھا وہ آدھے گھنٹے میں نہیں آئے گی عورتیں بھلا آنے جانے کے اوقات کی اس قدر پابند کبھی ہوئی ہیں کیا؟ اس کے جانے کے پورے پچیس منٹ بعد اسلان کی آنکھیں باقاعدہ بند ہونے لگیں، اس نے آنکھیں مسلیں، کھلی رکھنے کی کوشش کی مگر کچھ بھی کارگر ثابت نہ ہوا بے دھیانی میں اس نے نشست پر پڑا بنفشہ کا بھورا رومال اٹھا کر چہرے پر ڈال دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا ارادہ کچھ دیر ستا لینے کا تھا۔ باہر سے آتی چبھتی روشنی اس ریشمی رومال کے آگے نہ آسکی۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں گہری نیند سو گیا تھا۔ معجزاتی طور پر۔

کچھ دیر بعد جب وہ باہر نکلی تو بری طرح ٹھٹکی۔ اس کی گاڑی کا شیشہ ادھ کھلا تھا اور وہ دونوں بازو سینے پر باندھے، چہرے پر اس کا رومال ڈالے سو رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک اسے دیکھتی گئی۔ اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس کی نیند بے حد گہری معلوم ہوتی تھی۔ وہ واپس کیفے میں آ کر بیٹھ گئی اور کھڑکی سے اسے دیکھے گئی۔ اپنی دوست سے باتیں کرتے ہوئے وہ بار بار اسے دیکھ رہی تھی وہ سو رہا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی اس کی نیند ٹوٹے۔ دو تین بار وہ ذرا سا ہلا تھا، اس کے علاوہ کوئی شور اس کی نیند خراب نہیں کر سکا تھا۔

پورے دو گھنٹے بعد جب اسے احساس ہوا کہ اب وہ کافی سو چکا ہے تب وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ بہت دیر بعد بنفشہ گاڑی کی طرف بڑھی، اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی اور اسی دوران وہ اٹھ گیا، تیزی سے رومال چہرے سے ہٹایا اور اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا اثر غالب تھا۔

”سوری مجھے دیر ہو گئی۔“ اسلان نے رومال یونہی مٹھی میں دبوچے رکھا، اسے خفت سی ہوئی۔ وقت دیکھا تو کافی زیادہ ہو گیا تھا وہ بغیر کچھ کہے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے نا محسوس انداز میں رومال اپنی قمیص کی جیب میں ڈال چکا تھا۔ بنفشہ دیکھ چکی تھی مگر کہا کچھ نہیں۔ وہ مانگنا نہیں چاہتی تھی اور وہ دینے میں متامل رہا، البتہ وہ ایک چیز جو اس عورت سے جڑی تھی اس کے کام بہت آئی۔ اس کی جیب میں اب بے حد محفوظ۔

★★★★★★★★

اگلے دن!

گروسری کے تھیلے کچھ میز پر اور کچھ آس پاس پھیلے ہوئے تھے۔ آمنہ سامان نکال نکال کر اسلان اور آراہ کو دے رہی تھی وہ دالیں، مصالحے اور باقی سامان مرتبان میں ڈالتے جا رہے تھے اسلان کے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے، ساتھ ساتھ وہ اپنی کافی کے گھونٹ بھی بھر رہا تھا جبکہ آراہ سست روی سے کام ٹالتی نظر آ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے موبائل تک جانے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اسی پل سہراب اسی طرف آتا دکھائی دیا۔

"میں ایک دو چیزیں بھول گئی ہوں آپ لے آئیں گے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے مصروفیت سے بولی۔ "پاس والے سٹور سے ہی مل جائیں گی۔"

"لسٹ دے دو جلدی سے۔" وہ بٹوے میں اپنا کارڈ رکھتے ہوئے بولا، ساتھ آراہ کو دیکھا جو مسکین سی شکل بنا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ "تمہیں کیا ہوا ہے منہ کیوں بنا ہوا ہے؟" وہ اس کے پاس آیا اس کا چہرہ ایک ہاتھ میں بھرا۔

"چاچو۔" لمبا کھینچ کر پکارا، اسلان نے آنکھیں گھمائیں وہ جانتا تھا اب اس کا ڈرامہ شروع ہو گا۔ "مجھے اسائمنٹ پورا کرنا ہے میں اندر چلی جاؤں؟ یہ لوگ سارا کام مجھ سے کروا رہے ہیں۔" سہراب کے اسی ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"نہیں تم نہیں جاسکتی۔" سہراب سے قبل اسلان نے کہا۔ "یہ کام ہم دونوں کا ہے میں اکیلے بالکل نہیں کروں گا۔"

"آراہ وہ صحیح کہہ رہا ہے تم بھی کچھ ہنر سیکھ لو۔" فہرست سہراب کو تھماتے ہوئے آمنہ نے کہا۔ وہ ان دونوں کو نہیں دیکھ رہی تھی اس کی التجا کرتی نظریں سہراب پر تھیں وہ اسے اس طرح دیکھے گی تو سہراب کیا ہی انکار کرے گا؟ سہراب نے نگاہوں سے اسے تسلی دی۔

"چاچو میں جاؤں؟"

"آ کر میرے لیے دروازہ کھولو پھر اپنے کمرے میں چلی جانا۔"

"یہ کہاں کا قانون ہے؟" اسلان نے فوراً مخالفت کی۔

"اندھا قانون!" یک لفظی جواب افسر کی طرف سے آیا۔

”اگر یہ نہیں کرے گی تو میں بھی اندر جا رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے جاؤ لیکن جتنے گھنٹے آمنہ اکیلی کام کرے گی اتنے دن تمہاری کافی بند۔“

اسلان ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گیا۔ ”میں سوتیلا ہوں کیا؟“

”تمہیں اب تک کوئی شبہ تھا؟“ وہ اسے تپاتے ہوئے آراہ کو بازو کے حلقے میں لیے باہر نکل گیا۔ وہ اب مزید شکایات درج کروا رہی تھی آمنہ تاسف سے ان کی پشت دیکھتی رہ گئی۔ مسالحے، دالیں، بریانی کے سامان اور باقی راشن کے سامنے بیٹھا اسلان خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سپر مارکیٹ سے آمنہ کا بتایا سارا سامان لے چکا اور بل بنوانے گیا تو اسے اپنی اور آمنہ کی آج صبح کی گفتگو یاد آئی۔ بے اختیار وہ واپس پلٹا۔ وہ اسے گھر کا سارا سامان دکھا چکی تھی اپنے سامان میں کچھ خاص چیزیں نہیں تھیں البتہ وہ بھی اس نے سہراب کو دکھایا کیونکہ اس بار وہ اکیلی راشن لینے گئی تھی اور اسے خود پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آمنہ کا سارا سامان الٹ پلٹ کر دیکھا پھر آمنہ کو دیکھا۔ ”وہ آنکھوں والا نہیں لائی؟“

آمنہ چونکی۔ ”کیا مسکارا؟“

”نہیں وہ جو آنکھوں کے اوپر لگتا ہے۔“

آمنہ کی آنکھیں اچھنبے سے اکٹھی ہوئیں۔ ”آئی شیڈو؟“

”نہیں یار، آنکھیں بند کرو۔“ آمنہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں، چہرہ اس کے قریب کیا سہراب نے اپنی چھوٹی انگلی سے اس کے بند پپوٹے پر ایک خط کھینچا، وہ سمجھ گئی اور بند آنکھوں سے ہنس دی۔ پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

”الائنر؟“

"ہاں وہی۔ وہ کیوں نہیں لائی؟" وہ مکمل سنجیدگی سے اسے تکتے ہوئے واقعی جاننا چاہتا تھا۔ "اس میں تمہاری آنکھیں بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"اس کے بغیر اچھی نہیں؟"

"اس کے ساتھ زیادہ اچھی لگتی ہیں۔" وہ سر جھکائے اس کے باقی سامان الٹ پلٹ کر رہا تھا اور آمنہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے تکتی گئی۔ کتنا عجیب سا، خوش آئند سا احساس ہوتا ہے اس عورت کے لیے جس کا شوہر اس کا چہرہ، چیزیں، کپڑے، تفصیل یاد رکھتا ہو اس وقت اسے سہراب پر بے حد پیار آیا۔ کم از کم اس نے خیال رکھنے کا وعدہ محض لفاظی کے تحت نہیں کیا تھا۔

"وہ مہنگا تھا تین ہزار کا، مجھے وہی برانڈ پسند ہے۔"

"نام کیا ہے برانڈ کا؟" سرسری انداز میں پوچھا۔

آمنہ نے بتا دیا تھا۔ سہراب نے شکوے سے اسے دیکھا۔ "میری خاطر ہی لے لیتیں۔"

وہ دوبارہ ہنس پڑی۔ "بس کر دیں آپ، اتنے رومانٹک نہ ہوں میری امیدیں بڑھ جائیں گی۔"

وہ مسکرایا کہا کچھ بھی نہیں۔ "ایک کام کریں آپ مجھے الائنر لگا دیں۔"

"میں۔۔۔؟ لیکن لائنر ہے کہاں؟"

وہ چہرہ ایک بار پھر اس کے قریب لے گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ "ویسے جیسے ابھی لگایا تھا۔"

سہراب ہنسا، البتہ اس نے پہلے کی طرح اپنی چھوٹی انگلی کی پشت سے اس کی دونوں آنکھوں کے پپوٹوں پر نادیدہ خط کھینچے، پھونک مار کر گویا لائنر سکھایا اور آمنہ کو آنکھیں کھولنے کا کہا۔ ”کیسا لگ رہا ہے؟“ وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

”یہاں سے تھوڑا ٹیڑھا ہو گیا ہے اور یہاں سے۔۔۔۔۔۔۔“ وہ کہہ رہی تھی اور سہراب ہنستا چلا گیا۔ کمرے میں ان دونوں کی ہنسی کی آواز گونجنے لگی تھی۔

وہ اس وقت وومن سیکشن میں تھا ڈھونڈ کر وہی الائنر نکالتے اس نے اچھے سے چیک کیا آمنہ کو بھیج کر کنفرم کرنے کا ارادہ کیا پھر رک گیا۔ اس کی نظر تاریخ پر پڑی تھی۔ آٹھ مئی، کل نو ہوتی ان کی شادی کی سالگرہ۔

رات میں جس وقت وہ گھر پہنچا آمنہ سو چکی تھی اس کی طرف سے سہراب کو ایک پیغام آیا تھا اس نے جواب نہیں دیا وہ یہی الفاظ اسے روبرو کہنا چاہتا تھا مگر، گہری سانس لیتا وہ کپڑے تبدیل کرتا بستر تک آیا اپنا سامان، بٹوہ، گن نکال کر میز پر رکھی اسی میز پر اس نے الائنر کی ڈبی رکھ دی جس کے اوپر اب ایک چٹ بھی لگی تھی۔ اس نے جھک کر آمنہ کا ماتھا چوما، اس کے اوپر چادر ڈالی اور اپنا بازو اس کے گرد حمائل کرتے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے صبح جلدی اٹھنا تھا۔

آمنہ شیرازی کے شوہر کی کی سائیڈ دراز پر دو چیزیں رکھی تھیں، ایک اس کا اپنی بیوی کے لیے لایا گیا آئی لائنر، اور اس کے بالکل ساتھ اس کی پستول، جس کا میگزین نکلا ہوا تھا۔ الائنر کے پیکٹ پر چٹ لگی تھی جس پر لکھا تھا۔ "happy anniversary" وہ نہیں بھولا تھا، اسے یاد تھا۔ گھر کے سودے سلف کے ساتھ اسے اپنی بیوی کا الائنر اور پسندیدہ برانڈ بھی یاد تھا۔ دو مختلف لوگ ایک زندگی میں ملے تھے عجیب سا ٹکراؤ تھا، خوشگوار اور دائمی۔

★★★★★★★

"بائیس مئی!"

رمضان کو شروع ہوئے چند دن گزر چکے تھے استغاثہ کی پچھلی صف میں تمکنت اور شاہ زید بیٹھے تھے دفاع کی صف سے آج یافث طارون غائب تھا جس کی جگہ انارا طارون نے لے لی تھی۔ وہ پہلی دفعہ کچہری کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ "پچھلی سنوائی میں میرے مؤکل پر الزام لگا تھا کہ انہوں نے اٹھارہ لوگوں کا قتل کیا ہے اور میرے مؤکل ہی پریولج کلرہیں۔ دمیر سر اگر بادام کھانا شروع کر دیں تو ان کو یہ بھی یاد آجائے گا کہ عالمگیر یمن نائن الیون میں بھی ملوث تھے۔"

"بات تو پتے کی ہے اس طرف میرا دھیان کیوں نہیں گیا؟" دمیر کے جملہ اچک لینے پر دبی دبی ہنسی کی آواز گونجی۔ جج کو ہتھوڑا مار کر ہنسی کے منہ بند کروانے پڑے۔ یوں بھی آج ان کو روزہ لگ رہا تھا۔

"جج صاحب عالمگیر یمن پر لگنے والے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے میں معزز عدالت سے درخواست کرتی ہوں کہ میرے مؤکل عالمگیر یمن کو وٹنس باکس میں بلانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں ان سے کچھ سوال کر سکوں۔"

"اجازت ہے۔" کٹہرے میں کھڑا کر کے اس سے حلف لیا گیا۔ مدھم سی آواز میں اس نے حلف لیا۔ اسی لمحے استغاثہ کے عقب میں بیٹھی عورت کی نگاہ دفاع کی اگلی نشستوں والے اسلان یمن پر پڑی۔ ان دونوں کو بیک وقت کچھ متفقہ طور پر یاد آیا۔ مثلاً کیا؟

بنگش فارم ہاؤس کے اس کمرے میں مہیب خاموشی کا پہرہ تھا۔ کھڑکی سے لائنوں کی صورت آتی روشنی کرسی پر بیٹھے اس شخص کے شانوں پر گر رہی تھی، اس کا چہرہ اندھیرے میں تھا مگر اس کی چمکتی آنکھیں کسی بھی قسم کے اندھیرے میں واضح دکھائی دیتی تھیں۔ ان کے اندر طیش ہلکورے لے رہا تھا۔

”تم آج کل مجھے تنگ کرنے لگے ہو، اسلان۔“ اندھیرے سے کوئی ہیولہ چلتا ہوا آیا اور اس کے عقب میں آ کر رکا۔ کرسی کے ہتھے پر اسلان کے ناخن گڑنے لگے۔ لب باہم پیوست ہوئے۔ ”ہمارا تعلق اتنا پرانا ہے تم نے اتنی جلدی بُھلا کیسے دیا؟“ تمکنت نے اپنا ملائم ہاتھ اول تو اس کے کندھے پر رکھا، پھر وہ ہاتھ سرکتا ہوا اسلان کی گردن تک آیا جسے اس نے سرعت سے جھٹکا۔ انداز میں کراہیت تھی۔

”مجھے دوبارہ ہاتھ مت لگائیے گا، مسز بنگش۔“

”تمہاری آواز میرے سامنے کب سے اونچی ہونے لگی؟“ اس کے عقب میں ٹھوڑی کرسی پر جماتے ہوئے ایک ادا سے سوال کیا۔

”مجھ سے کام کی بات کریں۔ جو آپ چاہتی تھیں وہ میں نے کر دیا ہے اب آپ اور کیا چاہتی ہیں؟ میں نے مار دیا ہے اسے....“ اسلان یمن کی آواز لرزی۔ ”آپ جانتی ہیں مجھ پر کیا گزر رہی ہے، آپ کو اندازہ بھی ہے وہ میرے دل کے کتنے قریب تھا؟“

”مجھے تمہارے احساسات کی کوئی پرواہ نہیں۔“

”جانتا ہوں....“ اس کی آواز میں زخمی پن تھا۔ ”آپ نے کہا اسے مار دو، میں نے مار دیا۔ یہ میرا آخری کام تھا، میں نے آخری بار اپنا سودا کیا اب....“ وہ کرسی کے ہتھے پر ہاتھ جمائے آگے کو جھکا۔ ”میں آزاد ہوں۔“

”تم نے اچھا کام کیا۔“ زکام زدہ سانس اندر کھینچتے ہوئے بوڑھی اداکارہ نے اسے سراہا۔ ”لیکن تمہیں ایک آخری کام بھی کرنا ہو گا۔“

”over my dead body“ وہ تنفر سے کہتا ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا۔

”ٹھیک ہے پھر بتاؤ تم ان ویڈیوز کو کن ویب سائٹس پر دیکھنا پسند کرو گے ؟“ وہ جو آگے بڑھ رہا تھا اس کے قدموں میں من من بھر کی زنجیریں ڈال دی گئیں۔ ”اس بار کچھ مختلف کرتے ہیں سب سے پہلے تمہارے خاندان سے شروعات کرتے ہیں آراہ کے بارے میں کیا خیال ہے ؟“ پیروں میں ڈالی زنجیر کو کھینچا گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ ”اس کے بعد سہراب، پھر عالم، پھر یافث اور میں کیسے بھول گئی کہ تمہارے خاندان میں ایک فرد کا اضافہ بھی تو ہوا ہے۔“ ظاہری طور پر وہ کھڑا تھا مگر وہ ڈھے چکا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح سن کھڑا رہا، پھر تمکنت نے اس کی سرسراتی آواز سنی۔۔

”آپ وعدے سے پھر رہی ہیں، وہ میرا آخری کام تھا۔“

”سیاہی کی دنیا میں دن، وقت، اور ہفتوں کی کوئی گنت نہیں ہوتی۔“ وہ خاموشی سے اسے تکے گیا، کب تک آخر کب تک وہ اس عورت کے حکم کا غلام رہے گا، کب تک وہ ایک غلام رہے گا؟ اب مزید نہیں ۔۔۔۔۔۔ اب لہجہ جی حضوری تو دل باغی۔

”کام کیا ہے ؟“ اس نے سپاٹ انداز میں پوچھا اندر ہی اندر فیصلہ وہ کر چکا تھا۔

”حال!“

جس طرح نگاہ ملی تھی اسی تیزی سے اسلان نے رخ موڑ بھی لیا وہ اس عورت کو زیادہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا سامنے کھڑی بنفشہ اب عالمگیر سے کوئی سوال کر رہی تھی۔ ”کیا آپ ان ڈبوں کو پہچانتے ہیں ؟“ بنفشہ نے لکڑی کا ایک ڈبہ اس کے سامنے لہرایا۔ کچہری کے تمام لوگوں نے عالمگیر کی آنکھوں میں کچھ سخت سا ابھرتے ہوئے دیکھا۔

”جی اپنی قید کے دوران یہ میں نے بنایا ہے۔“

”ان باکسز کی ایک اور پہچان بھی ہے عالمگیر صاحب۔ پریولج کلر اپنے ہر شکار کو اسی قسم کے باکسز بھیجتا ہے۔“

”اس نے میری بیوی کو بھی یہی بھیجا تھا۔“ عالمگیر مدھم آواز میں اعتراف کر گیا۔ یہ خبر سہراب کے لیے نئی تھی، یہ بات کرتے ہوئے اسے برا لگ رہا تھا۔ ”مجھے پہلے نہیں پتہ چل سکا لیکن بعد میں اس کے سامان سے مجھے ایسا باکس ملا تھا۔ قتل کی دھمکی بھی، اور اس کے بعد میں گرفتار ہو گیا۔ جیل بہت تنہا ہوتی ہے۔ کوئی آپ کا اپنا نہیں ہوتا وہاں غصہ بھی ہوتا ہے اور آگ بھی میرے اندر بھی آگ تھی۔ میں اسے بجھنے نہیں دینا چاہتا تھا میں انتقام چاہتا تھا اور اپنے ساتھ ہوئی ناانصافی یاد رکھنا چاہتا تھا۔“

”یعنی؟“

”میں اس طرح کے باکسز بنایا کرتا تھا تاکہ میں اپنی بیوی کا قتل نہ بھول سکوں۔“ چند لمحے خاموشی ہوئی، عالم کے اندر تک سناٹا اتر گیا جج کے ریڈر نے کچھ لکھا، کھسر پھسر ہوئی، سب نارمل ہو گیا سوائے قلب عالمگیر کے۔۔۔۔۔۔۔اور بنفشہ دوبارہ سوال کرنے آگے آئی۔

”عالمگیر یمن آپ یہ بتائیے گا کہ چند ماہ قبل آپ جیل کیوں گئے تھے؟“

”مجھ پر توہین عدالت کا مقدمہ تھا۔“

”اور آپ کو کتنے ماہ کی سزا ہوئی؟“

”چھ ماہ کی سزا اور دو لاکھ روپے جرمانہ۔“

”عالم صاحب پچھلے سال اگست کے وسط میں پاکستان کے وزیراعظم کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ عارضی طور پر ان کے بھائی نے سنبھالی جو کہ پارٹی کے وائس چیئر مین تھے انہوں نے آتے ہی کچھ ترمیم کیں جن میں انہوں نے کچھ قیدیوں کی سزا کم اور کچھ کی ختم کی، اس ترمیم میں آپ کی سزا دو ماہ کم ہوئی درست؟“

"جی درست۔" کٹہرے کے ہتھے پر ہتھیلیاں جمائے وہ ٹھہر ٹھہر کر جواب دے رہا تھا۔

"اور آپ کے وکیل نے آپ کے گھر والوں سے جھوٹ بولا کہ آپ چھ ماہ کی ہی سزا کاٹیں گے؟"

"جی میرے کہنے پر۔"

"اور آپ نے ایسا کیوں کہا؟"

"مجھے کچھ کام کرنے تھے، کچھ وقت اپنے خاندان کے سامنے نہیں آنا تھا۔ میں مصروف تھا۔"

"آپ کی مصروفیت کی نوعیت؟"

"میں امریکا کے ویزہ کے لیے اپلائی کر رہا تھا، کچھ بااثر لوگوں سے مل رہا تھا تاکہ وہ امیگریشن کے معاملات میرے لیے حل کریں۔"

دمیر نے تمسخر سے اسے دیکھا۔ "مختصر یہ کہ جناب عالمگیر صاحب رشوت دینے، غیر قانونی طریقوں سے امریکا میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ بذات خود شاہ ویر بنگش پر حملہ کر سکیں۔"

وہ دمیر کی طرف مڑی۔ "میں ہر صبح سوچتی ہوں آپ کو قتل کرنے کا سب سے بہترین طریقہ کار کیا ہو گا؟ لیکن جب تک میں آپ کو قتل کر نہیں دیتی تب تک کوئی عدالت، کوئی قانون میرے خلاف نہیں جا سکتا۔ سوچ پر تو دین بھی سزائیں نہیں دیتا پراچہ صاحب۔"

"ہاں لیکن سوچ یہ ضرور بتا دیتی ہے کہ بندہ کس قماش کا تھا اور ماشاءللہ سے آپ کے مؤکل کے موقف نے یہ ثابت کر دیا کہ رشوت دینا، لوگوں کا عہدہ خریدنا، طاقت کا غلط استعمال اور جبر، ان کے لیے کتنی عام سی بات ہے۔"

"آپ ہر صبح ناشتے میں اردو کے کچھ فینسی الفاظ کھا کر آتے ہیں؟ کیونکہ میرے موکل نے کہیں بھی طاقت کا غیر قانونی استعمال، رشوت اور جبر کا ذکر نہیں کیا۔"

"میری اردو کی تعریف کا شکریہ، دراصل میں نے دو سال ایک استاد سے سیکھی تھی تا کہ مجرموں کو مہذب طریقے سے ذلیل کر سکوں، اب لگ رہا ہے درست فیصلہ تھا۔"

"فضول گوئی سے پرہیز کریں۔" جج نے ہتھوڑا مار کر دونوں کو خبردار کیا۔ "عدالت کا احترام کریں۔" دونوں کی اٹکتی چونچیں پل بھر کو رک گئیں۔ بنفشہ کھول کر رہ گئی البتہ اسے عالم کی طرف مڑنا پڑا۔

"عالم صاحب کیا آپ عدالت کو یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے اپنا ویزہ ریجیکٹ ہونے کے بعد اپنے دوست کو امریکا کیوں بھیجا؟ اور اس کا تمام خرچہ اپنے سر کیوں لیا؟" عالمگیر نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ کوئی سرد گرم سا مائع آنکھوں کے کناروں پر تیر رہا تھا جسے وہ نظر انداز کیے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں دور کسی منظر میں اٹک گئیں۔ ماضی کی خاردار تاریں، انہیں جتنی آرامی سے ہٹاؤ تکلیف جوں کی توں رہتی ہے۔

"تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو، عالم؟" عالمگیر ریموٹ ہاتھ میں لیے چینل بدل رہا تھا جبکہ میرال اس سے ٹیک لگائے پیر لمبے کیے لیٹی تھی۔ عالم کا ایک بازو اس کے گرد لپٹا ہوا تھا، ٹھوڑی اس کے بالوں سے مس ہو رہی تھی۔

"کس نے کہا میں تم سے محبت کرتا ہوں؟"

"عالم م م م....." وہ خائف ہو کر اٹھنا چاہ رہی تھی مگر عالم نے گرفت مضبوط کر کے اسے واپس خود سے لگا لیا۔ اسے وہ یہیں اچھی لگ رہی تھی۔ "بتاؤ نا۔"

"محبت کے پیمانے نہیں ہوتے، اگر ہوتے تو میری تم سے محبت دیکھ کر ٹوٹ جاتے۔"

"استغفار کتنے کرنج ہو تم۔" وہ ہنسی، سکرین پر نگاہیں جمائے مرد نے پلٹ کر اسے دیکھا ایک میچ کے چکر میں وہ اس منظر کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جب جب عالم کی کسی بات پر ہنستی تھی عالمگیر کارِ دنیا ترک کر دیتا تھا، چاہے وہ دو لمحے ہوں، چاہے ایک منٹ یا چاہے وقفے وقفے سے اس کی ہنسی وہ ہر کام چھوڑ کر اسے ہنستے ہوئے دیکھتا تھا۔

"تم سے کم۔"

"ایک بات کہوں عالم؟" عالم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میں اگر مر جاؤں نا تو تم میرے بعد کسی سے محبت مت کرنا۔"

"کم آن، ابھی ہم نے ساری زندگی ساتھ رہنا ہے۔" عالم نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔ آج کل وہ مرنے کی باتیں بہت کرتی تھی۔

"نہیں تم وعدہ کرو اور یہ بھی وعدہ کرو کہ ہم بروکلن برج پر ایک لو لاک لگائیں گے۔"

"اچھا یاد دلایا تم نے میں ذرا اس ایجنٹ سے پوچھوں تو سہی کیا بنا ویزے کا؟" عالم نے میز پر پڑا اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں اکیلا ہوتا نا میرا ویزہ لگ بھی جاتا تمہاری وجہ سے ویزہ نہیں لگ رہا، پنوتی۔"

"عالم وعدہ کرو ہم وہاں ایک لاک لگائیں گے، اس کے بعد ہم دونوں لاس اینجلس جائیں گے اور واشنگٹن تو میرا فیورٹ ہے۔ تمہیں پتا ہے کیلیفورنیا کیسا ہے؟ جس نے امریکا نہیں دیکھا اس نے بھی کیا زندگی جی؟" عالم اس کا امریکا نامہ سنتے ہوئے موبائل پر انگلیاں چلاتا رہا۔ وہ سیاحت کی شوقین تھی لیکن امریکا میں اس کا دل بستا تھا۔ عالم اپنی سال بھر کی جمع پونجی اس کے امریکا نامے پر لگانے کو تیار نظر آ رہا تھا۔ اس کی ڈیلوری کے بعد وہ دونوں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

حال میں محبت کی اس داستان سے شاہ زید بنگش کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا اور وہ مکمل طریقے سے یاد کر لینا چاہتا تھا۔ یہاں اس کہانی میں ہر ایک ٹوٹے دل کے درد لیے بیٹھا تھا۔

★★★★★

"چند دن قبل!"

لَسی اس کے لیے نشہ آور ادویات کی طرح کام کرتی تھی۔ مائی سوہائی کے پاس دو گلاس لسی پینے کے بعد اب بس میں اس پر اچھی خاصی غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ زید واپسی کے سفر میں اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ رات کا سمے تھا بس ڈرائیور نے نیلی بتیاں جلا دی تھیں۔ انہی بتیوں کی روشنی میں شاہ زید آراہ کی رنگ فنگر کی انگوٹھی دیکھ رہا تھا۔ گول ہیرے کی خوبصورت انگوٹھی۔

"یہ انگوٹھی ڈیڈ نے مام کو دی تھی۔" وہ ہلکی آواز میں بولا۔ آراہ نے پلکیں اٹھا کر اسے تکا۔ وہ کسی حصار کے تحت کہہ رہا تھا۔ "مام یہ انگوٹھی اپنی بہو کو دینا چاہتی تھیں اور جب رئیس بھائی کی شادی ہوئی تو مام اس شادی سے خوش نہیں تھی، اس لیے یہ انگوٹھی بھابی کو نہیں ملی۔ مام نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم دونوں میں سے جس کی شادی پہلے ہوئی یہ انگوٹھی اس کی بیوی کو ملے گی۔" وہ اس پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ یہ انگوٹھی بنگش خاندان کی بہو کو ملنی تھی۔ اسے شاہ ویر لائے یا شاہ زید۔

"کیا تمہیں یہ واپس چاہیے؟" آراہ نے ہلکی آواز میں پوچھا۔ (نہ کر دو پلیز نہ بول دو) وہ دل ہی دل میں ورد کرنے لگی۔

"مل سکتی ہے؟" ہیزل آنکھوں والی لڑکی کا دل دھک سے رہ گیا۔

"یہ مجھے شاہی نے دی تھی یہ..." وہ رکی۔ "I want to keep it"

”لیکن یہ ہماری خاندانی انگوٹھی ہے تم اسے نہیں رکھ سکتیں۔“ زید نے دوٹوک انداز میں کہا۔

”شاہ ویر نے خود دی تھی۔“ وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ زید کا دل کیا زور زور سے قہقہے مار کر ہنسے۔ اس انگوٹھی کو اپنے پاس رکھنے کے لیے آراہ کے پاس کوئی جواز اور دلیل نہیں تھی۔ ”مجھے یہ رنگ بہت پسند ہے، اس کی عادت ہے۔“

”اتنی خوبصورت انگوٹھی ہے کسے ناپسند ہو گی؟“ وہ ہنوز وہیں اٹکا تھا۔ مدیحہ سے بات کرتے ہوئے اسے کبھی ایسا نہیں لگا تھا کہ سامنے ایک ”عورت“ ہے۔ آراہ مختلف تھی اس سے ایک feminine سی جھلک محسوس ہوتی تھی ہر گزرتا دن اسے بتا رہا تھا وہ اس ایک جھلک کے لیے کسی کھٹارہ بس کا سفر کر سکتا ہے، اپنے مصروف ترین اوقات میں سے وقت نکال کر کسی مانجھی پور کے چکر کاٹ سکتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ پوری زندگی کاٹ سکتا تھا۔

”دینا....؟“ اس نے ہتھیلی آراہ کے سامنے پھیلائی۔ مسکراہٹ ہنوز دبا رکھی تھی۔ اسے تنگ کر کے جو مزہ آرہا تھا اس کی کوئی حد نہیں تھی۔ آراہ صاف انکار کرنا چاہتی تھی مگر ایک انگوٹھی اس کی عزت نفس سے بڑھ کر نہیں تھی۔ اس نے بے دلی سے انگوٹھی اتار کر زید کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

”تمہارا تو بریک اپ ہو گیا ہے تم اس کا کیا کرو گے؟“ زید نے مٹھی بند کر لی آراہ کو لگا اس کا دل اس مٹھی میں بند کر دیا گیا ہو۔ اسے یہ حرکت چُبھی۔

”ایک گئی تو کیا ہوا دنیا میں اور لڑکیاں بہت ہیں۔“ وہ چند پل کینہ توز نظروں سے اسے تکتی رہی جی تو چاہ رہا تھا بچپن کی لڑائیوں کی طرح اس کو ”بھوکا، بھکاری اور ہمارے پاس اس سے بھی اچھی رنگ ہے۔“ بول دے مگر خود کو یقین دلایا کہ وہ بائیس برس کی ایک باشعور لڑکی ہے۔ (کاش نہ ہوتی)

”بیسٹ آف لک۔“ وہ جلے دل سے بولی۔ اس انگوٹھی کے بنا اسے اپنا ہاتھ اب خالی خالی لگتا تھا۔ یہ انگلی میں رہتی تھی تو ایک احساس رہتا تھا کہ وہ چاہی گئی ہے زید نے ایک لمحے میں اس کا یہ احساس ختم کر دیا تھا۔ وہ بے دلی سے

باہر دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھڑکی سے سر ٹکائے سو گئی تھی۔ گاڑی کی رفتار ہلکی ہو گئی تھی۔ شاہ زید گردن پھیرے بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ کبھی اس کا چہرہ اور کبھی اس کا گود میں دھرا ہاتھ۔ اس کی آنکھ کے نیچے ایک تل تھا، روشن، واضح۔ اس کی صبیح پیشانی پر بال گر رہے تھے۔

تھوڑی دیر یونہی اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے آراہ کی تین انگلیاں اپنی دو انگلیوں میں لیں اور بڑی ملائمت سے وہ انگوٹھی دوبارہ اس کی انگلی میں پہنا دی۔ رنگ فنگر، راہ قلب، یعنی راہ محبت۔ اسے یقیناً یہ انگوٹھی نہیں چاہیے تھی۔ ہاں مگر وہ بذات خود یہ انگوٹھی اسے پہنانا چاہتا تھا، تاکہ وہ اس کے نام ہو سکے شاہ ویر بنگش کا نقش مٹ جائے۔ انگوٹھی اسے پہنا کر اس نے واٹس ایپ کھولا اور ایک پیغام لکھا۔

"یہ تمہاری تھی، تمہاری ہے اور تمہاری رہے گی۔" وہ اس کے بعد بس سے اتر گیا تھا۔ حال میں وہ اسی واٹس ایپ چیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے پیغام کے بعد آراہ کا ایک پیغام تھا۔

"میری اجازت کے بغیر وہ انگوٹھی مجھے پہنا کر تم نے انتہائی غلط حرکت کی ہے کم از تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔" اس آخری پیغام کے بعد وہ بلاک ہو چکا تھا۔ یہ لڑکی اپنی حدیں پار کرنے والے شخص کو چپ کروانا جانتی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا شاہ ویر بنگش اگر اس کی محبت میں مبتلا ہوا تو کیوں ہوا۔ یہ لڑکی، اس کی مسکراہٹ، اس کا سارا وجود ناقابل مزاحمت تھا۔ وہ باندھ کر مار رہی تھا اور وہ مر رہا تھا۔

★★★★★

عدالت کمرے میں بنفشہ اور دمیر کے درمیان بحث و مباحثہ ایک مرتبہ پھر جاری تھا۔ سہراب سن رہا تھا مگر اس کا دماغ کہیں اور اٹکا تھا۔ اعصاب عجیب انداز میں بوجھل تھے۔ اسے چند دن قبل کی ملاقات بار بار یاد آ رہی تھی۔

"چند دن قبل!"

اسے بلاوا آیا تھا۔ سفید حویلی کا بلاوا۔ اہل لاہور اس بلاوے سے منکر نہیں ہوتے وہ بھی نہیں ہوا۔ سفید حویلی کی بھول بھلیوں سے گزار کر ملازم سہراب یمن کو جس جگہ لایا گیا، وہ ایک شراب خانہ تھا۔ نجی شراب خانہ۔ چاروں دیواریں فرش سے چھت تک شراب کی مختلف قسم کی بوتلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ درمیان میں بڑا سا ہال تھا جہاں ایک طرف کیرم بورڈ رکھا تھا بورڈ کے اوپر ایک ادھ پیا کانچ کا گلاس رکھا تھا یعنی سہراب کی آمد سے قبل یہاں اسفند کے ساتھ کوئی تھا۔

"دوبارہ اس حویلی میں آکر کیسا لگا؟" آواز کی سمت گردن موڑی تو سہراب نے کیرم بورڈ کی لکڑی تھامے اسفند کو دیکھا۔ سفید شلوار قمیض پر ہلکا آسمانی کوٹ پہنے وہ وجیہہ لگ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔

سہراب کے لبوں پر بھی تبسم ابھرا۔ "پہلی بار زیادہ مزہ آیا تھا۔ میں، میری بھاری نفری، ایک بھاگتا ہوا ماس مرڈرر۔ آپ کو ہونا چاہیے تھا۔ ایک نیٹ فلیکس لیول شو مس کر دیا۔"

"میں نے سی سی ٹی وی ویڈیو دیکھی تھی۔" اسفند نے رسان سے کہا۔ "گڈ جاب۔"

"اسی لیے آپ نے مجھے تین سال کے لیے مری بھیج دیا؟" اس کی نگاہوں کی کاٹ آری سے زیادہ تیز تھی۔

اسفند نے مڑ کر تحیر سے اسے دیکھا۔ "کم آن سہراب۔ ہم دونوں جانتے ہیں مری جانا تمہاری خواہش تھی۔ میرا پلان کچھ اور تھا ویسے۔ تمہاری بھتیجی جو ہے اس کو....."

"اگر اس کا نام اس گفتگو میں دوبارہ آیا تو آپ جانتے ہیں میرے ہاتھوں کی گرفت ہلکی ہے۔ کہیں بھی چھوٹ جاتی ہے۔" اسفند ہنس پڑا۔ سر نفی میں ہلایا اور ریک سے ایک بوتل نکالی۔

"کالم ڈاؤن۔ تم تو خوامخواہ چڑ رہے ہو۔ ہم بس بات کر رہے ہیں یار۔" اس نے برف کے دو گولے اپنے گلاس میں ڈالے اور سہراب کے سامنے واپس آکر بیٹھا۔ "میں تم سے ایک معاہدہ کرنا چاہتا تھا۔"

”میں عورتیں خریدنے والوں سے معاہدے نہیں کرتا۔“

اب کے اسفند کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ”مطلب؟“

”آپ اتنے معصوم کیوں بن رہے ہیں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کو ریڈ لائٹ ایریا جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ کا بھائی بُرا آدمی تھا لیکن مجھے آپ سے واقعی امید تھی کہ آپ قوم کے لیے کچھ کریں گے۔“

”اوہ تب....“ اسفند نے جیسے سکھ کا سانس لیا۔ ”میں عورتیں نہیں خریدتا۔“

”تو کیا بیچنے گئے تھے؟“

”کسے بیچوں کوئی ہے تمہاری نظر میں؟ خوبصورت ہونا شرط ہے۔“ شراب کا گھونٹ بھرتے بھولپن سے پوچھا۔

”جناب۔۔۔اسفند۔۔۔یار۔“ اس نے توڑ توڑ کر کہا۔ ”مجھ سے اپنے کام کی بات کریں۔“

”میں بھی وہی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اپنا موبائل اٹھا کر دو لوگوں کو کانفرنس کال پر لیا۔ دو لوگ جو کہ جوہر فور زیرو کے ذمہ دار تھے، وہ دو جن کی وجہ سے چار عورتیں زندگی کی بازی ہار گئیں۔ اور وہ دو جو منکر و فاسق بیک وقت تھے۔ ”میں چاہتا ہوں تم جوہر فور زیرو چھوڑ دو۔“ شیشے کی میز پر گلاس ٹک کی آواز کے ساتھ رکھتے اس نے اپنا مدعا پیش کیا آواز موبائل کے دوسری طرف بھی گئی۔ (حالانکہ میں چاہتا ہوں تم اسے جاری رکھو) اس کیس کے ساتھ جو لوگ جڑے ہیں وہ میرے لوگ ہیں۔ (خیر کچھ خاص عزیز نہیں) تم کوئی اور کام کرسکتے ہو (اوہ نہیں....) اس کیس پر دستبرداری دے دو (میرا یہ کہنا تمہارے جنون کو اور ہوا دے گا) تم جو چاہو گے تمہیں وہ ملے گا (جانتا ہوں تم کچھ نہیں مانگو گے) کیا خیال ہے؟ (یقیناً انکار)“ سہراب لبوں پر مٹھی جمائے چند پل اسے دیکھتا رہا۔ میز پر پڑے موبائل پر جاری کال سے دوسری طرف بیٹھے دونوں وجود کا سانس ختم ہو رہا تھا۔

"جیسا کہ میں نے کہا.... "وہ اٹھا، نظریں اسفند پر جمی رہیں۔ "میں عورتیں خریدنے والوں کے ساتھ معاہدے نہیں کرتا۔"

"تمہارے گھر میں بیوی اور بھتیجیاں ہیں میرا خیال ہے تمہیں سنبھل کر چلنا چاہیے۔"

"میرا گھر اور میری عورتیں میری ذمہ داری ہیں، میں انہیں دیکھ لوں گا۔ آپ ایڑھی چوٹی کا زور لگا کر وہ کریں جو آپ کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ سے کچھ ہوتا نہیں۔ جان کر افسوس ہوا۔"

"تم ہواؤں میں ہو افسر زہریلے مادوں سے بچ کر رہو۔"

"میں زہریلے مادے جڑ سے ختم کر دیتا ہوں آپ کا بھائی اسی کی مثال ہے۔" وہ کہہ کر رکا نہیں باہر نکل گیا۔ اسفند نے ایک ملازم کو اس کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا اور کال بند کر دی۔ اب وہ واٹس ایپ پر ایک وائس نوٹ بھیج رہا تھا، پھر وہی نوٹ ایک اور نمبر پر بھی بھیجا۔

"اگر آپ کہیں تو ہم اسے ختم کروا سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک مسئلہ ہو گا۔ اس وقت اس کا بھتیجا اور وہ وکیل بھی اس کیس کے بارے میں جانتے ہیں۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"گواہوں کو ختم کروا دو۔" پہلے فرد نے کہا۔

"کیا اس کا بھتیجا ختم نہیں ہو سکتا؟" دوسرے انسان کا استفسار۔ اسفند نے گردن پیچھے پھینک دی اور ہنسنے لگا۔ دونوں جواب اس کی مرضی کے تھے۔ گواہ سے کچھ تو لینا دینا اس کا بھی تھا اور وہ بھتیجا.... وہ ٹک ٹک کرتا بم تھا جس سے جتنی جلدی چھٹکارا مل جائے اتنا فائدہ تھا۔ تمکنت بنگش اور روبینہ انصاری وہ دو عزیز تھے جنہیں وہ استعمال کر رہا تھا، اپنے تئیں ختم بھی کر رہا تھا۔ وہ دو عورتیں باطل تھیں۔

"یہ بہت زیادہ ہو جائے گا یار یہ ظلم ہے۔" مسکراہٹ دبائے وہ لکھنے لگا۔ وہیل چیئر کے ذریعے اندر آتا اس کا باپ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ "ہمیں اس حد تک نہیں جانا چاہیے اماں۔" دوسری جانب اس کی ماں اسے ڈپٹ رہی تھی، تمکنت بھی کچھ کہہ رہی تھی وہ اور زور زور سے ہنسنے لگا بلاخر وہ ان دو عورتوں کو اس نہج پر لے آیا تھا جہاں زوال ان دونوں کا مقدر بننے والا تھا۔

"میں نے اس افسر کو جاتے دیکھا ہے کافی غصے میں تھا تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"وہی جو آپ نے سکھایا تھا، ابا جان۔" اسفند نے عقیدت سے انہیں دیکھا۔ وہ مسکرائے۔

"تمہاری ماں کو لگتا تھا اس کا بڑا بیٹا اسفند سے بڑا سیاست دان تھا، لیکن آج میں کہہ سکتا ہوں، میرا بیٹا بہترین سیاست دان ہے۔" ابراہیم روبینہ انصاری کا پہلا بیٹا تھا جسے انہوں نے اپنی پہلے شوہر کی وفات کے بعد تنہا پالا۔ وہ اپنی بیوی کے اس جبری پہلے بیٹے سے خاصے ناامید تھے، لہذا اس کی موت یقینی تھی۔ اسفند کا پاکستان آکر سیاست کرنا ان کا خواب جو حقیقت بن رہا تھا۔ سہراب یمن کو ابراہیم کی جاہ پناہ بتانے کے لیے وہ آج بھی خوش تھے۔ اپنے بیٹے کو اس کی جگہ لیتے دیکھ وہ پرسکون تھے۔

"اب بس ایک کام رہتا ہے، اسفند۔ تمہاری ماں کو راستے سے ہٹانا ہے اسے گھر بٹھاؤ عورتیں گھرداری کرتی اچھی لگتی ہیں۔" اگلے کچھ منٹوں میں وہ باپ بیٹا گلاس بھرے مستقبل پر گفتگو کر رہے تھے۔

★★★★★

وہ بہت دیر تک ساکن سی اسے تکتی رہی۔ "یعنی یہ سچ تھا یعنی کہ تمکنت بنگش جانتی تھی عالمگیر قاتل نہیں؟"

قصہ گو نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اسے یقین تھا مگر وہ اسے آزاد نہیں کروا سکتی تھی کیونکہ وہ سہراب کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔"

”اسفند اپنی ماں اور اپنی بہترین دوست کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ کوئی اپنی ہی ماں کے خلاف کیسے جا سکتا ہے اور کوئی اپنے ہی بیٹے کی موت پر سیاست کیسے کر سکتا ہے یہ کس طرح کے لوگ ہیں؟“ وہ چاہ کر بھی یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

”یہ باطل کی بقا ہے بی بی۔ اس کی بقا کے سفر میں کچھ غلط نہیں، کچھ بُرا نہیں سب جائز، سب صحیح۔“

★★★★★★★

واپس کمرہ عدالت میں آؤ۔ ”کیا آپ نے یافث طارون کو اپنے خرچے پر امریکا بھیجا تھا؟“ بنفشہ پوچھ رہی تھی۔ عالم نے نفی میں سر ہلایا۔ ”پھر آپ نے ان کا خرچہ کیوں اٹھایا؟ آپ کی طرف سے ان کو ایک بھاری بھر کم رقم کیوں ملی؟ ان کے لیے ایک فائیو سٹار ہوٹل کی بکنگ آپ نے کیوں کروائی؟“

عالم نے ایک نظر سہراب کو دیکھا، دونوں کی نگاہیں چند پل ایک دوسرے پر جمی رہیں۔ ”بتاؤ...“ اس کے لب بے آواز پھڑپھڑائے۔ عالم نے بہت کچھ دل میں دبایا اور یاد کیا اس نے کب، کیا اور کیوں کیا تھا، یہ اس نے دوست کے لیے کیا تھا وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اس سے بہت کچھ چھینا گیا تھا سر فہرست وقار بھی سہی۔

یہ اس روز کا ذکر ہے جس روز عالمگیر تیسری بار جیل سے رہا ہوا تھا وہ سہراب کے پاس جا سکتا تھا لیکن فی الحال اسے جانا نہیں تھا، لاہور سے مری جانا فی الحال اس کی اتنی ہمت نہیں تھی۔ وہ سیدھا عبیر کے اسکول آیا، اس کے کہنے پر کھیل کے میدان میں کھیلتی بچی کو بلایا گیا اور اب وہ پرنسپل کے دفتر کے باہر رکھی بنچ پر عالم کی گود میں بیٹھی تھی۔ عالم بار بار اس کا ماتھا چوم رہا تھا۔ تھوڑی دیر اس کے پاس گزار کر اسے کسی طرح سمجھا بجھا لینے کے بعد وہ یافث کے فلیٹ پر آیا تو اسے پتہ چلا کہ یافث دس دنوں سے یہاں نہیں ہے۔ دل آراہ لاہور آئی ہوئی تھی سو انارا اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس کا فون بند جا رہا تھا، واٹس ایپ پر وہ آف لائن تھا وہ ایسا نہیں کیا کرتا تھا کم از کم عالمگیر کے ساتھ نہیں۔

عالم لعل یمن چلا آیا۔ اگلے دو دن کمرے میں پڑے پڑے وہ اسے کالز ملاتا رہا لیکن جواب ندارد۔ اب وہ پریشان ہوا تھا۔ وہ اس کے دفتر گیا جہاں تالا پڑا ہوا تھا، اس کے دوستوں سے ملا مگر کوئی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ اگلے روز اسے سفری دلال کی کال موصول ہوئی جس نے عالم کو وہی گھسی پٹی خبر سنائی۔ ”عالم صاحب آپ کا ویزہ دوبارہ ریجیکٹ ہو گیا ہے۔“

”کیا کروں پھر ناچوں؟ یا سر میں خاک ڈالوں؟“ وہ چڑ گیا۔ ”ایک کام تم سے ہوا نہیں پیسے لاکھوں کھا گئے۔“

”ارے غصہ کیوں ہو رہے ہیں عالم صاحب آپ فکر ہی نہ کریں اگلی بار آپ کا بھی جگاڑ لگالوں گا۔“

”آپ کا بھی مطلب؟ پہلے کتنوں کو جہنم واصل کر چکے ہو؟“ بغیر بازوؤں والی ٹی شرٹ اور پاجامے میں ملبوس وہ ایک ساتھ تین تین زینے چڑھتا نیچے جا رہا تھا۔ ”کس ماں کو امریکا بھیج رہے ہو؟“

”ماں نہیں، آپ کا دوست یافث۔ ابھی پچھلے دنوں ہی ان کا ویزہ لگ گیا تھا۔ بھیج دیا ان کو امریکہ (وہ کچھ شوخ ہوا) اب گوریاں میماں دیکھے گا، نیویارک گھومے گا، ودیسی شراباں ہوں گی۔“ وہ کچھ اور بھی بک رہا تھا مگر عالم کا دماغ سن ہو گیا۔ یافث اور عالم دونوں ایک ساتھ وزٹ ویزہ پر امریکا جانے کا ارادہ رکھتے تھے اسے جانے کا نہ شوق تھا نہ اس کے پاس پیسے عالم نے اس کا خرچہ اٹھانے کی ذمہ داری لے لی تو وہ راضی ہو گیا مگر متعدد مرتبہ ویزہ مسترد ہونے کے بعد یافث کا دل تو اچاٹ ہو گیا تھا اور اب اس طرح؟

”تم نے یافث کو امریکا بھج دیا؟“ بہت دیر بعد اس نے خود کو کہتے سنا۔ اس کے آس پاس سناٹا چھا گیا تھا۔ ”اس کے پاس پیسے کہاں سے آئے؟“

”اس کے پاس کوئی سونے کی گھڑی وغیرہ تھی وہ میرے پاس لایا، بیچ کر ٹکٹ کروا دی اور وہ چلا گیا، کیا کوئی مسئلہ ہے؟“ عالم کا دماغ چکرانے لگا۔ ”آپ کی بات کروادوں؟“

”نمبر دو مجھے، کہاں رہ رہا ہے وہ پتہ بتاؤ؟“ عالم بولا نہیں غرایا تھا۔ موبائل بند کرتے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ یہ ہو کیا رہا تھا؟ کتنی ہی دیر وہ اسی طرح بیٹھا رہا نمبر اسے مل گیا تھا اس نے کالز ملائیں مگر دوسری طرف وہ اس کی کالز نہیں اٹھا رہا تھا۔ وہ پاگل ہونے لگا، یافث اس طرح کا آدمی نہیں تھا وہ عالمگیر سے جھوٹ نہیں بولتا تھا اس کے ساتھ آخر کیا مسئلہ تھا؟

”تمہیں ہماری دوستی کی قسم ہے یافث کال اٹھاؤ ابھی کے ابھی۔“ اس نے واٹس ایپ پر پیغام بھیجا، دوسری طرف سناٹا چھا گیا۔ عالم نے اب فون ملایا تو کال اٹھا لی گئی۔ لیپ ٹاپ پر نظر آتا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ وہ کئی ماہ کا بیمار نظر آ رہا تھا عالمگیر کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اس شخص کو پہچان ہی نہیں پایا۔

”تم مجھے بغیر بتائے کس ماں کے پاس گئے ہو؟“ یافث نے سر نہیں اٹھایا۔ ”مجھے یقین نہیں آ رہا تم اتنی بڑی بے وقوفی کیسے کر سکتے ہو، اس طرح اکیلے امریکا جانے کی کیا تک بنتی ہے اور پیسے کہاں سے آئے تم نے چچا کی گھڑی بیچی ہے نا؟“

”میرا کاروبار ڈوب گیا، عالم۔“ وہ اسی طرح سر جھکائے رونے لگا۔ عالم ششدر رہ گیا۔ ”سارے کا سارا پیسہ برباد ہو گیا، میں نے مارکیٹ سے اتنا قرضہ لیا ہوا تھا وہ لوگ روز میرے گھر آتے تھے۔ مجھے دھمکیاں دے رہے تھے انہوں نے آراہ کو نقصان پہنچانے کی بھی دھمکی دی میں کیا کرتا میں.... میں کیا کرتا؟“

”تمہیں کتنا منع کیا تھا یہ کاروبار مت کرو تم نہیں بنے اس کے لیے۔“ عالم برہم ہوا۔

”تو کیا کروں تم بتا دو؟ دو بار میرا رشتہ مسترد ہو گیا تھا کیونکہ میرے پاس کوئی کاروبار نہیں تھا کیونکہ اب میری عمر بڑھ چکی ہے اور میرے پاس کوئی ڈھنگ کا گھر نہیں ہے۔ کم عمری میں رشتہ ہو نہیں سکا کیونکہ میں ویل سیٹلڈ نہیں تھا۔ ستائیس اٹھائیس برس میں اگر مرد سیٹلڈ نہ ہو تو اس کی شادی نہیں ہوتی اور پینتیس چالیس میں اگر اس کے پاس گھر اور نوکری آ جائے تو اسے بڑی عمر کا مرد کہہ کر مسترد کیا جاتا ہے تم بتاؤ نا میں کیا کروں؟“ وہ بلند آواز میں

شکوہ کر رہا تھا۔ ”میرے بھی خواب ہیں، میں بھی سیٹل ہونا چاہتا تھا تم، سہراب اور ہمارے سارے کلاس میٹس اب شادی شدہ ہیں، اپنے گھروں میں ہیں، اپنا اپنا کام کر رہے ہیں اور میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟“

”اچھا رو مت مجھے یہ بتاؤ کتنے کا قرضہ ہے؟“ عالم نے اسے پچکارا۔ ”میں ہوں نا تمہارے ساتھ؟ بتاؤ کیا رقم ہے؟ تمہارا بھائی یہیں ہے۔ بتاؤ مجھے۔“ عالم نے گلاس اٹھا کر پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

”ڈیڑھ کروڑ۔“ دو لفظی جواب پر عالم کے منہ سے پانی فوارے کی صورت چھوٹا اور لیپ ٹاپ کی سکرین پر آ کر گرا۔ یافث کا چہرہ دھندلا ہو گیا۔ عالم گنگ تھا۔ ”ابھی ڈیڑھ کروڑ ہے بیس لاکھ میں اتار چکا ہوں۔“

”خبیث آدمی تم کیا عورتوں پر پیسہ لٹا رہے تھے؟ اتنا پیسہ؟“

”کوئی اپنا ملک خوشی سے نہیں چھوڑتا عالم۔ میں اگر یہاں ہوں تو کسی وجہ سے ہوں۔ وہ لوگ مجھے مار دیں گے اگر میں نے ان کا قرضہ نہ دیا۔“

”اچھا اور ویزہ ایکسپائر ہونے کے بعد کیا کرو گے؟“ وہ سلگا۔

”غیر قانونی مہاجرین کی بھیڑ میں گم ہو جاؤں گا۔“ وہ تلخی سے بولا۔ عالم نے بے اختیار ٹھوڑی کھجائی۔ یافث اس کا بچپن سے لے کر اب تک کا بہترین دوست تھا، سب سے قریبی یار۔ ”میں اس زندگی سے بہت تھک گیا ہوں۔ نوکری مل نہیں رہی، کاروبار ہو نہیں رہا میں کیا کروں؟“

”چالیس لاکھ کی گاڑی ہے میری، ایک فلیٹ ہے ساٹھ لاکھ کا۔ سات آٹھ لاکھ میرے اکاؤنٹ میں ہوں گے۔“ وہ اپنی جمع پونجی کا تخمینہ لگا رہا تھا بغیر ماتھے پر شکن لائے، بنا دل چھوٹا کیے اور کمبخت لوگ کہتے تھے عالمگیر خود غرض ہے۔ ”تم واپس آؤ ابھی آدھی رقم دیں گے آدھی کا وقت مانگیں گے، ایک ہفتہ گھومو پھرو اور واپس گھر آؤ۔“

”میں تمہارے پیسے نہیں لوں گا۔“ وہ بدکا۔

”ہم نے اچھا برا وقت ساتھ دیکھا ہے، پانچ پانچ سو چندہ کر کے ہم پیزا کھانے جاتے تھے، بائیک چوک پر لگا کر یونیورسٹی گئے ہیں، بیس روپے کپ کی چائے والے دور میں بھی ساتھ رہے ہیں تمہیں وہ سب کیوں بھول گیا ہے؟“

”یہ تمہارا عمر بھر کا سرمایہ ہے، عالم۔ پاگل مت بنو۔ تم نے دس سالوں سے یہی جمع کیا ہے۔“ سارے بحث و مباحثے کے بعد وہ مان گیا تھا۔ عالم نے اسے ایک جاننے والے کے توسط رقم بھجوائی۔ اس سے ایک ”لولاک“ لگوانے کو کہا، اس کے لیے ایک اچھا ہوٹل بک کیا جو عیاشی وہ نہیں کر سکا وہ اس کا بھائی، اس کا دوست کرے گا۔ عالم کی منطق پھر عالم ہی سمجھے۔ پورا ایک ہفتہ وہ ہر طرح سے اس کے بلز بھرتا رہا، ایک ہفتہ بعد وہ واپس آ گیا تھا مگر عالمگیر یمن کے لیے عذاب ساتھ لایا تھا۔

★★★★★

”حال!“

”اس کے واپس آنے پر میں نے معاملات درست کر لیے تھے۔ میری گاڑی بک گئی، فلیٹ بک گیا اور یافث کا آدھا قرضہ ادا ہو گیا۔ باقی ہم نے قسطیں کروالی تھیں جو کہ اب بھی ادا ہوتی ہیں۔“

بنفشہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور کہنا شروع کیا۔ ”کسی جلاد صفت سیریل کلر کو میرے موکل سے جوڑنا، اٹھارہ اقتال کا الزام ان پر ڈالنا اور بغیر تحقیق اور ثبوتوں کے ایک من گھڑت کہانی تیار کر لینا دمیر سر آپ سے یہ توقع نہیں تھی۔“

”واضح رہے کہ اس وقت آپ کے پاس بھی ثبوت نہیں، مادام۔“ دمیر نے لقمہ دیا۔

جج نے ایک بار پھر انہیں تمیز کے دائرے میں رہنے کو کہا۔ بنفشہ کے سوال ختم ہو چکے تھے اب جرح کی باری دمیر پراچہ کی تھی، وہ بڑی بے فکری سے درمیان میں آکر کھڑا ہوا۔ آج خوشبو بھی بڑی دیر پا لگا رکھی تھی۔ اس کمبخت کو کوئی خوف تھا ہی نہیں۔ "آپ کی کہانی میں ہمیشہ آپ بہت مظلوم اور خدا ترس ثابت ہو جاتے ہیں ایسا کیوں؟"

"کیونکہ میں آپ کی طرح ابلیس کا چچازاد نہیں ہوں۔" سہراب نے لبوں پر مٹھی رکھ کر ہنسی ضبط کی، بنفشہ نے ایسا کوئی تکلف نہیں کیا وہ کھل کر ہنسی دمیر بھی مسکراتا رہا۔

"آپ نے کہا کہ آپ کا ویزہ کئی دفعہ مسترد ہوا لیکن آپ نے وجہ نہیں بتائی عالم صاحب؟ آخر کس وجہ پر ریاست امریکا نے آپ کا داخلہ ممنوعہ قرار دے رکھا تھا؟"

"میری اریسٹ ہسٹری، امریکا میں ویزہ اپلائی کرنے کے لیے آپ کا کرمنل ریکارڈ چیک ہوتا ہے۔"

"لیکن آپ تو دو مرتبہ باعزت بری ہوئے تھے۔"

"آپ ذرا میری بات کان کھول کر سنا کریں، اریسٹ ہسٹری کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آپ بے قصور تھے یا قصوروار آپ گرفتار ہوئے یہ گنا جاتا ہے۔"

"یعنی ریاست امریکا جیسی جگہ تین بار جیل جانے والے شخص کو مشکوک سمجھتی ہے، ان کے نزدیک اس شخص کا کوئی بھروسہ نہیں۔ جب امریکا جیسا ملک اور ایک اعلیٰ establishment آپ کو مشکوک مانتی ہے تو معزز عدالت آپ کی من گھڑت کہانی کو سچ کیوں مان لے، آپ کی کوئی کریڈیبلٹی ہے ہی نہیں۔" عالم کٹہرے کے ہتھے پر ہاتھ جمائے ضبط کرتا رہا۔ "جج صاحب یہ شخص جھوٹا، کرپٹ، misogynst اور قوی امکان قاتل ہے بغیر ثبوت کے محض ایک کہانی لے کر کورٹ آگیا ہے اور اب اسے لگ رہا ہے کہ ہم سب اس کی اس کہانی کا اعتبار کر لیں گے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

دمیر عدالت کا وقت ضائع کرتے ہوئے لمبے لمبے مکالمے کہہ رہا تھا جبکہ اسلان غائب دماغی سے چند دن قبل والے واقعے کو سوچ رہا تھا، وہ واقعہ جس نے اس کا دماغ ایک سو اسی ڈگری پر گھما دیا تھا۔ دمیر کی طرح اس کے ذہن میں بھی سوال تھا اب کیا ہو گا؟

پنڈی سے لاہور واپسی پر وہ دونوں عجیب بوجھل دل لیے جا رہے تھے جب ان کی گاڑی خراب ہو گئی۔ اسلان کوفت سے باہر نکلا، ہر طرح کی کوشش کر کے دیکھ لی مگر گاڑی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بونٹ گراتے اس نے قمیص کے کف نیچے کیے اور واپس آکر بیٹھتے ہاتھوں پر لگی کالک ٹشو سے صاف کی۔

"اب کیا ہو گا؟" گھٹنے سینے سے لگائے تاریکی میں دور کہیں کھوجتی بنفشہ کی ہلکی سی آواز اسے سنائی دی۔ "کوئی بھی کام کرتے ہوئے ایک dead end آتا ہے، ایسا لگتا ہے اس کے بعد اب کیا ہو گا؟ مجھے لگتا ہے یہ کیس بھی ویسا ہے۔ سمجھ ہی نہیں آ رہا کہاں جائیں؟" اسلان نشست پر گردن پیچھے کو ڈالے خاموش رہا۔ آسمان پر گرج ہوئی اور دفعتاً تیز بارش کی شروعات ہو گئی۔ "تمہیں پتا ہے اسلان اب مجھے یہ نہیں سمجھ آ رہی کہ ہم اگلی پیشی پر کیا کریں گے؟ جج کے سامنے پیش کرنے کے لیے میرے پاس کیا ہو گا؟ میں کس طرح ثابت کروں گی کہ عالمگیر قاتل نہیں ہے اور اگر یہ ثابت ہو بھی گیا تو یہ کس طرح ثابت ہو گا کہ وہ شاہ ویر کا قاتل بھی نہیں ہے۔"

"کولیٹرل ڈیمج۔" اس نے ایک لفظ کہا۔ "ہر معاملے میں کوئی نہ کوئی کولیٹرل ڈیمج ہوتا ہے اس کیس میں اسی کی کمی ہے۔ عالم قاتل نہیں، ہم اصل قاتل کو نہیں جانتے اس دوران کسی ایک انسان کو کولیٹرل ڈیمج بننا پڑے گا۔"

"اس انسان کا کیا قصور؟" وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"قصور وار کو لانا ہو گا، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ امام مسجد کو عدالت میں پیش کر کے اس پر مقدمہ درج کر دیا جائے لیکن کوئی تو ہو گا جو اس کیس میں کہیں نہ کہیں مددگار ہو گا یا پھر کہیں کسی اور کے ساتھ ظالم۔" بنفشہ نے کوئی جواب نہیں دیا، گاڑی کی جلتی ہیڈ لائٹس میں وہ دونوں بارش کو برستے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بارش خوبصورت

تھی یا نہیں مگر اس وقت بری نہیں لگ رہی تھی۔ ڈیش بورڈ پر بن کباب کی پلیٹ رکھی تھی۔ بنفشہ اپنا کھا چکی تھی اور اسلان نے یہ آدھا یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا کہ اسے آدھا ہی کھانا تھا۔

وہ جھوٹ بولتا تھا اس کی جیب میں کم پیسے ہوتے تھے وہ ان سے اپنے اور بنفشہ کے لیے برابر کھانے کی چیزیں لاتا، وہ اپنا پورا کھا جاتی، اسلان البتہ آہستہ آہستہ کھاتا، کن آکھیوں سے اسے دیکھتا اگر اس کی بھوک زیادہ ہوتی تو ہمیشہ اپنے بن کباب کا آدھ حصہ اس کی پلیٹ میں رکھ دیتا، بریانی کے آدھے چاول اس کی پلیٹ میں ڈال دیتا، پلاؤ کے ساتھ آئے شامی کباب اسی کی پلیٹ میں جاتے وہ اس کے خاندان کے لیے کام کر رہی تھی، اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں تھی کسی نے اسے بتایا نہیں تھا مگر وہ اسے اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا اور جب جب وہ اسے سیر ہو کر کھاتے دیکھتا اسے اچھا لگتا تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کیا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟“ اسلان نے بازو سینے پر باندھ لیے۔

”مجھے کچھ بھی ٹھیک نہیں کرنا میں صرف اور صرف ان مسائل سے نکلنا چاہتا ہوں۔“

”اور اس کے بعد؟“

”اس کے بعد کیا؟“ اس نے سارے میں پہلی بار بنفشہ کو دیکھا۔ وہ نہ جانے کیا سوچ رہی تھی، نہ جانے کیا سننا چاہتی تھی اسے اندازہ نہیں تھا مگر لاشعوری طور پر وہ اس کے مستقبل کے منصوبوں میں کہیں اپنی جگہ بھی چاہتی تھی۔

”اس کے بعد لاہور چھوڑ دوں گا۔“ بنفشہ احسان اندر تک خاموش ہو گئی۔ اسلان یمن کا دماغ کہیں کسی سوچ میں اٹکا ضرور تھا۔ اسی سوچ کے تحت اس نے بنفشہ کو پکارا۔ ”آپ نے میری اس بات کو سنجیدہ نہیں لیا؟“

”کونسی بات؟“ اسلان اب اسے بتا رہا تھا کونسی بات؟

★★★★★

”تلاشِ قاتل: ثبوت نمبر ایک۔

”میرال نے کہا تھا ہم اسے جانتے ہیں لیکن میں اس عورت کو نہیں جانتا۔“ شکیل کی بہن کے بتائے ہوئے نقوش کے مطابق اسلان نے پہلے ایک اسکیچ تیار کروایا اور پھر اسے ڈیجیٹل آرٹ میں تبدیل کروایا اور اب وہی آرٹ اس نے سہراب کے حوالے کیا۔ کافی دیر تک اس تصویر کو غور سے دیکھتے رہنے کے بعد سہراب نے حتمی رائے دی۔ وہ مسلسل مضطرب تھا اگر وہ اسے نہیں جانتا تھا تو میرال کیسے جانتی تھی؟

”یاد کرنے کی کوشش تو کریں اسکول، کالج، یونیورسٹی کہیں تو دیکھا ہو گا۔“

”اس نے دیکھنے کی بات نہیں کی تھی، اس نے کہا تھا ہم اسے جانتے ہیں۔“ چبھتی نظریں اس تصویر پر جمائے وہ الجھا ہوا تھا۔ ”یافث کو بلاؤ....“ یکدم کچھ یاد آنے پر سہراب نے کہا۔ اسلان نیچے گیا اور یافث کو بلا کر لایا۔ اس کے کمرے میں آتے ہی وہ اپنے کسی کام میں مصروف ہو گیا۔

”یافث کیا آپ اس عورت کو جانتے ہیں؟“ سہراب اور یافث نے ایک دوسرے کو آنکھیں ہی دکھانی تھیں لہٰذا بنفشہ کو پہل کرنی پڑی۔ یافث نے وہ تصویر اٹھائی اور چہرے کے قریب کی۔

چند پل وہ اسے دیکھتا رہا پھر سہراب کو دیکھا۔ ”تم نے اسے دیکھا ہے؟“

”تم اپنی بات کرو۔“

”میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ نہ اسکول ٹیچر نہ کالج میں نہ کہیں خاندان میں کہیں بھی نہیں۔“ اس نے تصویر واپس کی۔ ”عجیب لگ رہی ہے۔“

”آپ کا رشتہ نہیں ہو رہا اس سے۔“ اسلان جل کر بولا۔

"ہو گیا تو تاریخ میں پہلی بار دولہا نکاح سے بھاگے گا۔" اسلان، بنفشہ، سہراب وہ تینوں ایک ہی نقطے پر اٹک گئے منزل سے ایک قدم کی دوری پر ان کے دل میں شش و پنج کا معاملہ ہو گیا تھا۔ آخر یہ عورت تھی کون؟

ثبوت نمبر دو!

"آپ نے وہ بال لیب میں دے دیے تھے؟" سہراب کے کمرے کے باہر سے گزرتے اسلان نے رک کر پوچھا۔ جمعے کا خطبہ ہو رہا تھا وہ اپنی سفید قمیض کے بازو کا بٹن بند کرتا مصروف لگ رہا تھا۔ گیلے بال ابھی کنگھے سے جمائے تھے۔

"اسی کی رپورٹ آئی ہے پڑھ رہا ہوں۔" خاکی لفافہ چاک کرتے اس نے اسلان کو بٹن کے ساتھ جدوجہد کرتے پایا اسے آج تک اپنے کف کے بٹن بند کرنے میں مشکل پیش آتی تھی۔ لفافہ وہیں میز پر رکھتے وہ آگے آیا اس کا بازو پکڑ کر اپنے سامنے کیا اور کف کا بٹن بند کیا۔ سینے کے اگلے دو بٹن کھلے تھے جن میں سے ایک سہراب نے بند کیا۔ دوسرا اسی طرح کھلا رہنے دیا۔ "آج تمہیں خدا کیسے یاد آ گیا؟"

اسلان نے ٹھنڈی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "کیا کبھی ایسا دن آ سکتا ہے جب آپ مجھے جج کرنا چھوڑ دو؟"

"بالکل آ سکتا ہے تم سات آٹھ ماہ تک کوئی ایسا کام نہ کرو کہ مجھے تمہارے یا اپنے بال نوچنے پڑ جائیں۔"

"آپ کو بس موقع چاہیے ہوتا ہے۔"

"جو کہ تم وافر مقدار میں دیتے ہو۔"

"میں موقع نہ بھی دوں تو آپ پیدا کرنا جانتے ہیں۔" اس نے طنز کیا۔ "رپورٹ میں کیا لکھا ہے؟" وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے پلنگ تک آئے۔ سہراب نے رپورٹ نکالی اور پڑھنا شروع کی۔ کن اکھیوں سے اسلان بھی دیکھنا چاہ رہا تھا آخر کیا لکھا ہے۔ صبر کا مادہ اس کے اندر یونہی کم تھا۔

"وہ بال جعلی تھے۔" بے دلی سے رپورٹ رکھتے اطلاع دی۔ "یہ جڑ سے ٹوٹا بال نہیں ہے۔ جعلی بال پر ایک مخصوص کوٹنگ ہوتی ہے اس پر بھی وہی تھی۔"

"یعنی؟"

"دو باتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ ایک ٹریپ ہے قاتل نے خود یہ پلانٹ کیا ہے یا پھر...." اس کی زمانہ شناس آنکھوں میں کوئی چمک ابھری۔ "میرا اندازہ درست ہے، قاتل کوئی عورت نہیں مرد ہے جو شاید زنانہ حلیہ اختیار کرتا ہے۔"

"کوئی حتمی رائے؟"

"فی الحال کوئی نہیں۔" سفر جہاں سے شروع ہوا تھا وہیں آکر ختم ہوا۔ اسکوائر زیرو۔

قاتل: لامتناہی جیت۔......... پولیس: ناکام۔......... تلاش جاری.........

★★★★★

"حال! کمرہ عدالت"

"اس سے پہلے کہ پراچہ صاحب اس کیس کو کوئی اور رخ دیں میں عدالت میں کچھ پیش کرنا چاہتی ہوں۔" بنفشہ احسان مخدوم کی آواز سارے میں گونجی۔ دمیر بے نیازی سے بیٹھا تھا ایسے جیسے اس کو کسی بات سے کوئی فرق ہی

نہ پڑتا ہو۔ ”میں مسز رئیس مخدوم کو وٹنس باکس میں بلانا چاہتی ہوں۔“ دمیر کے چہرے سے سکون لمحے بھر میں غارت ہوا۔ اس نے بے یقینی سے تمکنت کو دیکھا، وہ اس سے زیادہ متحیر تھیں۔ اسلان نے گردن جھکا کر اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا۔ یعنی اس کی بات مان لی گئی تھی؟

”مسز رئیس سے بات کریں، وہ ضرور آپ کی مدد کریں گی۔“ اس نے کہا تھا اور وہ مان گئی تھی۔

نایاب ٹشو سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ رئیس ساکن تھا۔ بنفشہ کی احسان مخدوم سے وہ غیر معمولی مشابہت اسے پہلے ہی لمحے کھٹک گئی تھی مگر کیا اس کی ماں اس سے اتنا بڑا سچ چھپا سکتی تھی؟ اور اگر چھپایا تو اسے یہ حق کس نے دیا؟

”مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا۔“ بنفشہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھے رئیس کی آواز اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔ ”میں مام کے ان کارناموں میں شامل نہیں.... میں.... اگر مجھے علم ہوتا تو میں تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ لاتا۔ انہوں نے ہمیشہ مجھ سے یہ کہا کہ تم ہمارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔“ اس کی آواز لرز رہی تھی چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی تھی۔ بنفشہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ”میں مام کو پسند نہیں کرتا لیکن تاج، ویر اور زید یہ سب میرے بچوں کی طرح رہے ہیں میں.... “ اس نے کانپتے ہاتھوں میں بنفشہ کا ہاتھ تھاما۔ ”مجھے معاف کر دینا میں نے کبھی تمہارے متعلق مام کے منہ سے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ کہتی تھیں تم ٹھیک ہو۔“

”اٹس اوکے، اب ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا۔“ وہ حقیقت پسندی سے بولی۔ رئیس کو آج پتا چل رہا تھا وہ بنفشہ کئی سالوں سے ناسور کی طرح دل میں لیے گھوم رہی تھی۔ ناسور پرانے ہو جائیں تو درد دینا بند کر دیتے ہیں، چبھن البتہ باقی رہتی ہے اور وہ اس چبھن کی عادی ہو گئی تھی۔ ”مام نے میرے ساتھ کیا، کیا یہ آپ نہیں جانتے تھے، ویر جانتا تھا۔“

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" رئیس نے بے اختیار کہا۔ "شاہ ویر غیروں کے لیے اتنا سب کر سکتا ہے وہ.... تمہیں.... کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس کا لہجہ بے ربط تھا۔ ایک زخمی، تمسخرانہ مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور سکرین پر انگلیاں چلانے لگی چند منٹ بعد اس نے شاہ ویر اور اپنی چیٹ کھول کر رئیس کے حوالے کی۔ رئیس نے تیزی سے موبائل تھاما اور چیٹ اوپر نیچے کرنے لگا۔

"لاہور کیوں آئی ہو؟"

"کیوں لاہور تمہارے باپ طلال بنگش کی جاگیر ہے؟"

"تم نے کہا تھا تم اسلام آباد چلی جاؤ گی تم چلی گئی تھیں اب واپس آنے کا مقصد؟"

"میں ایک آزاد انسان ہوں شاہ ویر تم مجھے قید نہیں کر سکتے۔"

"مام تمہاری وجہ سے ڈسٹرب ہو جائیں گی جتنے پیسے لینے ہیں لے لو اور اسلام آباد جاؤ۔ وہاں جا کر سیٹل کیوں نہیں ہو جاتی؟"

"پیسے دیکھ کر ایمان اور خود کو بیچنے والوں میں آج بھی تمہاری اپنی ماں سر فہرست ہے میں نہیں۔" وہ آگے نہیں پڑھ سکا۔ یہ نمبر شاہ ویر کا تھا۔ یہ پیغام اسی کے بھیجے ہوئے۔ رئیس بنگش کسی میدان میں اپنوں کے بھروسے نکل آیا تھا وہیں اسی میدان میں اس پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور نشانے باز وہی اپنے۔ بد بختوں نے کوئی نشانہ لیا تو وہ قلب تھا، محض قلب۔

"میں معاف...."

"اٹس او کے مجھے واقعی کوئی معافی نہیں چاہیے۔" بنفشہ نے رئیس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ "اب کوئی فیملی اور غصب کیے گئے حقوق بھی نہیں چاہیے۔ میں صرف ایک گزارش کرنا چاہتی ہوں کیا آپ میرے لیے عدالت میں گواہی دے سکتے ہیں؟"

"مام کے خلاف؟" وہ کچھ دیر بعد بولا، انداز متذبذب تھا۔

"میں ایسی حرکت نہیں کر سکتی ہم مخدوم ہیں، ہمیں یہ نہیں سکھایا جاتا رائٹ؟"

رئیس پھیکا سا مسکرایا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔ "درست مجھے کس کے لیے گواہی دینی ہوگی؟"

"آپ کو کسی کے خلاف نہیں جانا وہ بتانا ہے جو سچ ہو، کیا آپ دونوں میں سے کوئی بتائے گا؟"

"آپ نے کہا تھا یہ نہیں آئے گی، مسز بنگش۔" دمیر ان کے کان کے پاس جھکا یہ وہ لمحہ تھا جب تمکنت کے اپنے اوسان خطا ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ بیٹھی تاجور حیران نظروں سے آس پاس دیکھ رہی تھی، کیا ہو رہا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ابتسام کی نگاہوں کا اچنبا بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ صرف ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھا چچا کا لڑکا جانتا تھا کیا ہو رہا ہے، صرف بالوں کی لٹیں کان کے پیچھے اڑستی اسے دیکھتی چچا کی سٹوڈنٹ جانتی تھی کیا ہونے والا ہے یہ سارا ان کی ملی بھگت کا قصہ تھا۔

"ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیں۔"

"اعتراض کرو دمیر...." وہ سفید پڑتی رنگت کے ساتھ بمشکل بول سکیں۔

دمیر نے مٹھی بھینچ لی البتہ گردن میں بل نہ آیا۔ "کس بنا پر؟"

"کوئی تو.... کچھ تو ہو سکتا ہے؟"

"نایاب مخدوم۔" دوسری طرف وہ کہہ رہی تھی۔

"اب صرف ایک کام ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ہم پاگل گدھوں کی طرح چپ چاپ ایک دوسرے سے مات کھائیں، لعنت ہو۔" اس نے مٹھی زور سے میز پر دے ماری۔

"مسز نایاب آپ کے شوہر رئیس مخدوم اور ابتسام عبّاس کے درمیان کس طرح کا تعلق ہے؟" تاجور نے بے اختیار اپنی ماں کو دیکھا۔ یہاں اس کے شوہر کا نام کیوں آرہا تھا؟ ابتسام کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں سفید پڑی۔ وہ جان گیا تھا کیا ہونے والا ہے اس نے مدد طلب نظروں سے تمکنت بنگش کو دیکھا۔

"اچھے تعلقات تھے لیکن صرف شاہ ویر کی موت سے پہلے تک۔" نایاب کہہ رہی تھی۔ "وہ دونوں اکھڑے اکھڑے رہنے لگے تھے میں نے بہت دفعہ ان کو جھگڑتے ہوئے دیکھا، میں رئیس سے پوچھتی تھی تو وہ ہر دفعہ ٹال دیتا تھا۔" تاج اب ابتسام کو دیکھ رہی تھی، جس کے چہرے پر جیسے کسی نے چونا پھیر دیا ہو۔

"مام یہ ہو کیا رہا ہے؟" وہ ہنوز لاعلم تھی۔ "ابتسام کا نام کیوں لیا جارہا ہے؟"

"کیا آپ کو کوئی وجہ معلوم ہوئی؟" بنفشہ نے پوچھا۔

"جی ہاں ہوئی۔"

"وجہ کیا تھی مسز بنگش؟" دمیر سامنے دیکھتے ہوئے ہلکی بے حد ہلکی آواز میں چبا چبا کر پوچھ رہا تھا۔ ایک سانس، دو سانس، ایک لمبی بھاری سانس اور تمکنت نے اپنا وجود ڈھیلا چھوڑ دیا، آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ دھڑام سے نیچے گر گئی۔ اس کے ساتھ بیٹھا دمیر ایک لمحے کو کچھ سمجھ نہیں سکا اور اگلے ہی لمحے وہ سب سمجھ گیا۔ سب کچھ اپنی درست حالت میں آگیا۔ "کوئی ڈاکٹر بلاؤ.... کال دی ایمبولنس ....پانی لاؤ.... مسز بنگش آپ کو کیا ہوا ہے؟" ان کے

دونوں بیٹے ان کے دائیں بائیں تھے، دمیر متفکر سا ان کا ہاتھ سہلا رہا تھا، تیسری بیٹی شل بیٹھی تھی اور ان کی چوتھی اولاد اپنی ماں کو مکر کرتے ہوئے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔

"یہ ڈرامہ کر رہی ہیں۔" اس نے سہراب سے کہا، اسی لمحے اس کی نگاہ اسلان سے ملی جس نے سرد مہری سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ ایک لمحے کو بنفشہ کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر دبا دیا۔ بہت سارے مرد اسے اسی تنفر اور بے زاری سے دیکھتے تھے، وہ دیکھ رہا تھا تو دل کو کوئی زہریلی سوئی کیوں چُبھی؟ اس نے ایک اچھا خاصا کرائم پارٹنر کھو دیا تھا اسے افسوس تھا اور وجہ بھی یاد تھی۔

★★★★★

"چند دن قبل!"

پلنگ پر کچھ کاغذات بکھرے ہوئے تھے، قلم انگلیوں کے درمیان پھنسائے وہ تیز تیز کچھ لکھ رہا تھا۔ ماتھے پر بل تھے، ساتھ رکھے شیشے کے بڑے سے مگ میں اس کا کوئی جوس رکھا تھا، جب اس کے کمرے کا دروازہ کسی نے کھولا۔ اسلان یمن نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ سہراب دروازہ ادھ کھلا چھوڑے اندر آ رہا تھا۔ اسلان نے صفحات ایک طرف رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "کوئی کام تھا؟"

"(آپ کو پتہ بھی ہے کل آپ کا بھتیجا کہاں تھا؟" بنفشہ ترشی سے کہہ رہی تھی۔)

"کل کہاں تھے تم؟" یہ لب ولہجہ، یہ آنکھوں کی سختی، یہ ماتھے کے بل بالآخر پرانا سہراب لوٹ آیا تھا۔ اسلان لمحے بھر کو ٹھٹکا، پھر سنبھل گیا۔

("کہاں تھا؟")

دونوں طرف لمحہ سکوت درمیان میں آیا، بنفشہ سوچ رہی تھی بتائے یا نا؟ اسلان یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سہراب کو علم ہے؟

("وہ کل مسز بنگش کے ساتھ تھا۔ ان کے فارم ہاؤس پر میں نے خود دیکھا۔")

"تم بنگشوں کے فارم ہاؤس پر تھے؟" اسلان کے چہرے سے سارا خون نچڑ گیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ روئی جیسا سفید پڑا۔ راہ داری سے گزر کر آراہ کے کمرے کی طرف جاتی بنفشہ آوازوں پر ٹھٹک کر رکی۔

"آپ سے کس نے کہا؟"

"جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو، احمد اسلان۔" سہراب حلق کے بل چیخا۔ وہ اسے اس نام سے صرف تب ہی بلاتا تھا جب وہ غصے میں ہوتا تھا، اصل غصہ۔ وہی طیش، وہی آگ جو پنار کے ذکر پر آتی تھی آج ایک بار پھر آئی۔ وہ ایک بار پھر مشکوک تھا اور ایک بار پھر معاملے کو غلط انداز میں سنبھال رہا تھا۔ "تم اس عورت سے کیوں مل رہے ہو جو ہمارے خاندان کی دشمن ہے؟"

"آپ میرے باپ نہیں ہو، میں آپ کو جواب دینے کا پابند نہیں۔" اسلان ایک بار پھر متنفر ہوا۔

"مجھ سے تھپڑ کھا لوگے تم۔" سہراب نے غصے سے اس کا کالر پکڑ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کیا، اسلان بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لب ہنوز بھینچ رکھے تھے۔

"اس کے علاوہ آتا کیا ہے آپ کو؟"

"یعنی تم مجھے میرے سوال کا جواب نہیں دوگے؟"

"میری اپنی زندگی ہے اس میں جو بھی میں کرتا ہوں، وہ میری مرضی ہے آپ کو جواب دینے کا پابند نہیں۔"

”میرے گھر میں رہتے ہوئے میرا کھاتے ہوئے تم ہر بات کے لیے پابند ہو، اگر تم سیدھے طریقے سے نہیں بتاؤ گے تو مجھے ہر الٹا طریقہ استعمال کرنا آتا ہے۔“

اسلان کی آنکھوں کا رنگ یکسر تبدیل ہوا، دماغ جیسے گھوم کر رہ گیا ہو۔ ”میں لعنت بھیجتا ہوں اس گھر پر، آپ کی کمائی پر دوبارہ مجھے یہ طعنے مت دینا ورنہ میں اپنے باپ کے ساتھ ایک نئی جہنم میں جانے کو غلط نہیں سمجھوں گا۔“

”اس دنیا میں تو تمہیں وہ جہنم میں بھی جگہ نہیں ملے گی، اپنا اریسٹ ریکارڈ بھول گئے ہو؟“ یہ وار کاری تھا، اسلان کے ماتھے کی رگ پھڑکنے لگی اور وہی غصہ عود کر آیا جو تین سال پہلے اس کے مزاج کا حصہ بنا تھا۔ جس نے اسے تقریباً ایک دماغی مریض بنا دیا تھا۔

”میں کہہ رہا ہوں میرا دماغ خراب مت کرو۔“ اسلان دھاڑا۔ میز پر پڑا لیمپ اٹھا کر فرش پر پٹخا۔ آنکھوں میں آگ ہلکورے لے رہی تھی۔ ”میں نے آپ کو بتایا ہے وہ سب میں نے نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا ہے، میں قاتل نہیں ہوں آپ لوگوں کو سمجھ کیوں نہیں آتی؟“ اس پر ہسٹریائی کیفیت طاری تھی، سہراب نے لب بھینچ لیے۔ ”میں نے آپ سے کہا ہے میرے معاملات سے دور رہیں، آپ کیوں مجھے تنگ کرتے ہو؟“ اس کے منہ سے جیسے کف نکل رہا ہو، دروازے کے باہر کھڑی بنفشہ ساکن رہ گئی۔ وہ ٹکر ٹکر دروازے کی درز سے اسلان کی یہ حالت دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہو رہا ہے اندر؟“ یافث بوکھلایا ہوا اسی طرف آیا۔ بنفشہ کے حلق سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ اس نے بس اشارہ کیا۔

”چاہے تم سارا گھر توڑ دو، چاہے ہر چیز برباد کر دو لیکن یہ مت سوچنا کہ میرا سوال بدلے گا۔ تم بنگش فارم ہاؤس کیوں گئے تھے؟“ سہراب اپنی بات سے ایک انچ بھی نہیں ہلا تھا۔

"میری مرضی میں جس سے چاہے ملوں، جس کے چاہے گھر جاؤں آپ آخر مجھ پر بھروسہ کب کریں گے۔؟"

"بھروسہ ہے مجھے، لیکن جس کے پاس تم گئے تھے اس پر بھروسہ نہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر اسلان کے دونوں بازو تھامے، جنہیں اس نے جنونی انداز میں چھڑوایا، اسی پل یافث اندر آیا۔ اسلان کی یہ حالت پہلی بار نہیں ہوئی تھی مگر بہت عرصے بعد ہوئی تھی۔ "کالم ڈاؤن.... بس سب ٹھیک ہے ادھر آؤ۔ میں تم پر شک نہیں کر رہا مجھے تمکنت بنگش پر شک ہے۔" سہراب نے غصہ ترک کیا، سبھاؤ سے کام لیا۔

"اس نے بلایا تھا مجھے اس نے مجھے دھمکایا تھا، میں برداشت کر رہا ہوں اس کی دھمکیاں کس لیے کر رہا ہوں؟" وہ چلا رہا تھا، پورے گھر میں اس کی آوازیں تھیں۔ آراہ، آمنہ اپنے کمروں سے نکل کر اسی طرف آ گئیں۔ سہراب اس کے دونوں بازو تھامے اسے شانت کرنا چاہ رہا تھا مگر اسلان شاید بہت بری طرح بگڑ گیا تھا۔ "وہ آپ کو مجھے، اس سارے خاندان کو تباہ کر سکتی ہے آپ اسے نہیں جانتے وہ خطرناک ہے۔ اس نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔ وہ عالم کو تباہ کرنا چاہتی ہے اس نے مجھ سے کہا وہ عالم کو چھوڑ دے گی اگر میں اس کا ایک کام کر دوں۔ میں نہیں گیا تھا اس نے بلایا تھا۔"

اس نے مگ اٹھا کر زمین پر مارنا چاہا مگر سہراب نے اسے گلے لگا لیا، دونوں بازو سختی سے اس کے گرد باندھ لیے۔ اسے پرسکون کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ کار۔ آمنہ تیزی سے پانی لینے گئی، وہ چند پل مزید اسی طرح برہم رہا، یافث نے زبردستی اسے اس کی دوا کھلائی، پھر آہستہ آہستہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا گیا۔ یافث اس کی ایک طرف بیٹھا اس کا کندھا سہلا رہا تھا۔ اسلان گردن جھکائے، پانی کا گلاس ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا۔ حلق میں کوئی گولہ اٹکا ہوا تھا۔ آراہ ہراساں سی ایک کونے میں کھڑی تھی، بنفشہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس کی نیت فساد ڈلوانے کی نہیں تھی۔ اسلان نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا ان آنکھوں میں پشیمانی تھی۔ جھٹکے سے اٹھتے وہ بنا کسی کو دیکھے کمرے سے نکل گیا۔

"آئی ایم سوری میرا یہ مقصد نہیں تھا میں بس آپ کو اطلاع دینا چاہتی تھی۔" اس کے جاتے ہی بنفشہ نے کہا۔

"آپ کا شکریہ، معذرت ہمیں کرنی چاہیے آپ اس کیس کو اچھے سے لڑ رہی ہیں اور ہماری طرف سے محض پرابلمز آ رہی ہیں۔" سہراب نے ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان دبائی۔ "آپ لوگ جائیں اپنے اپنے کمروں میں آرام کریں سحری کے لیے بھی اٹھنا پڑے گا۔" جب ایک ایک کرتے سب لوگ کمرے سے نکل گئے تب اس نے یافث کو دیکھا۔ "جاؤ منا کر لاؤ اسے۔"

یافث چند پل اسے دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلایا۔ "میں جا سکتا ہوں لیکن جاؤں گا نہیں۔ تم ہر دفعہ اسے ہرٹ کرتے ہو اور ہر دفعہ میں اسے واپس لاتا ہوں۔ اسے لگتا ہے تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"پرواہ ہے اسی لیے تمہیں بھیج رہا ہوں۔"

"پرواہ ہو تو خود جایا جاتا ہے اور جب کسی اور کو بھیجا جائے تو پرواہ نہیں انا ہوتی ہے۔"

"میں اپنے بچے سے انا رکھ سکتا ہوں؟"

"شاید نہیں.... لیکن وہ تمہارا بچہ نہیں ہے۔"

"تم میں سے ہر کوئی ہر وقت مجھے یہ کیوں بتاتا ہے کہ وہ میرا بیٹا نہیں ہے؟" وہ کہہ طیش سے رہا تھا غالب جذبات کیوں آئے؟ سہراب نے لب بھینچ لیے، یافث کے چہرے پر کوئی رعایت نہیں تھی۔

"اسے بتاؤ کہ تمہیں پرواہ ہے، اسے منانے خود جاؤ اور اگر نہیں جا سکتے تو جانا سیکھو اس تعلق کو اگر واقعی بچانا ہے تو تمہیں بات کرنا سیکھنا ہوگا۔ میں مزید تمہارا اسپوکس مین نہیں بن سکتا۔" وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر قبل والا کہرام اب مہیب خاموشی میں بدل گیا تھا۔ ٹوٹے لیمپ کے ٹکڑے فرش پر بکھرے تھے۔

★★★★★

"آپ پریشان ہیں یا گلٹی؟" آراہ کی آواز پر اس کے چہرے پر کوئی چوری پکڑے جانے کا تاثر آیا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں گلٹی ہوں؟" گلابی رنگ کے پرنٹڈ لان والے جوڑے میں اس کی رنگت کملائی ہوئی تھی۔

"چاچو سے بدتمیزی کرنے کے بعد اسلان کے چہرے پر بھی یہی رنگ ہوتا ہے...." اس نے انگلی سے بنفشہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ "جو اس وقت آپ کے چہرے پر ہے۔"

"میں اسے فالو کر رہی تھی اور مجھے پتہ چلا وہ مسز بنگش سے مل رہا ہے، تمہارے نزدیک مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟" نہ اسلان اس کی کالز کے جواب دے رہا تھا نہ میسجز کے وہ تھک کر برآمدے سے لان کی طرف جاتے زینوں پر بیٹھ گئی۔ اب وہ دونوں لان میں لگے گیندے کے پھولوں کو دیکھ رہی تھیں۔ دونوں پریشان، دونوں تھکی تھکی۔

"پہلے تو آپ یہ بتائیں آپ اسے فالو کیوں کر رہی تھیں؟"

"کیونکہ اس نے مجھے ایسا کرنے سے روکا تھا اور وکیل کو جس کام سے منع کر دو، وکالت کی کتاب میں وہ کرنا اس پر فرض ہو جاتا ہے۔"

"میرا بھائی کوئی کرمنل نہیں ہے۔"

"جیل میں بند آدھے سے زیادہ لوگ اصل کرمنل نہیں ہیں، اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آراہ۔"

آراہ مزید بحث کرنا چاہتی تھی مگر نہیں کی، چپ کر گئی۔ "اب تم مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟"

"اسلان اور آپ کے درمیان اچھی بات چیت ہے۔ آپ مجھے بتائیں اسلان کیا کرتا؟"

بنفشہ چونکی، اس نے اس نہج پر کیوں نہیں سوچا؟ "وہ مجھ پر کچھ بھی ثابت ہونے تک چپ چاپ میرا پیچھا کرتا، جب مجھ پر کچھ ثابت ہوتا تب وہ پہلے مجھ سے بات کرتا پھر عظمیٰ بی سے۔"

آراہ ہلکا سا مسکرائی۔ "بہت کم وقت میں آپ اسے بہت اچھے سے سمجھ گئی ہیں۔"

"کیا میں نے غلط کیا؟" ایک تو وہ اپنے اندر کے اچھے انسان سے خائف تھی، ہر وقت اسے کُرید تا رہتا۔

"میں بھی اسلان یمن کی بہن ہوں لوگوں کی اچھائی برائی کے پیمانے نہیں ناپتی۔ آپ نے وہ کیا جو آپ کو ٹھیک لگا۔ صحیح کیا۔"

"اور وہ غلط ہو گیا ہے۔"

"تو ٹھیک کرلیں۔" اس نے سہولت سے حل پیش کیا۔ "اس کی لوکیشن اور سہراب یمن کی گاڑی حاضر ہے۔"

"تم پریشان نہیں ہو، وہ تمہارا بھائی ہے۔"

آراہ کی آنکھوں میں کچھ ابھرا۔ "گاڑی کی پسنجر سیٹ خالی ہوگی نا؟" بنفشہ اس کی چالاکی پر ہنس دی، آراہ نے اسے دیکھا اور وہ بھی اس کے ساتھ ہنسی۔ تھوڑی دیر بعد بنفشہ چادر اور پرس لیے موبائل پر انگلیاں چلاتی اسی طرف آ رہی تھی۔ ایک انگلی میں سہراب کی گاڑی کی چابی تھی۔ اس نے گاڑی باہر نکالی جب دوسری طرف سے آراہ ساتھ آ کر بیٹھی۔ "اپنے چچا سے پوچھ کر آئی ہو؟"

"دو اکیلی لڑکیوں کے ساتھ جانے کا سن کر بے ہوش ہو جائیں گے، کالونی سے باہر نکل کر انفارم کر دوں گی۔"

"میں تمہیں اس طرح ساتھ نہیں لے کر جا سکتی۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"اوہ ریئلی؟ پھر لوکیشن سہراب صاحب سے مانگ لیں۔" وہ دروازہ کھول کر اترنے لگی....

”بلیک میلر بھائی کی بلیک میلر بہن۔“ بنفشہ بڑبڑائی۔ گاڑی میں بیٹھتے آراہ کے موبائل پر لوکیشن آن کی۔(جو اس نے سہراب سے مانگی تھی) وہ اندرون کے کسی ڈھابے پر موجود تھا۔ اپنا دل جلانے کے علاوہ اسے آتا کیا تھا؟

”ایک بات بتاؤ۔“ سڑک پر نگاہیں جمائے بنفشہ نے اسے مخاطب کیا۔”تم اور زید.... تمہارے درمیان کچھ ہے کیا؟“

”اس بات کا کیا مطلب ہے؟“ وہ فوراً محتاط ہوئی۔

”مطلب میں نے اسے کافی مرتبہ تمہارے قریب دیکھا ہے۔ ایک راز بھی بتاتی ہوں کچھ دن پہلے جب تم سامان لینے اپنے اپارٹمنٹ گئی تھیں، تب میں سہراب اور یافث بھی وہیں آئے تھے، یافث کو کچھ سامان لینا تھا اور ہم دونوں کو ایک شخص کا پتہ چاہیے تھا۔ اس دن میں نے زید کی گاڑی پارکنگ میں دیکھی تھی۔“

آراہ کی رنگت پل میں نچڑ کر رہ گئی۔”ماموں اوپر کیوں نہیں آئے؟“

”میں نے ان سے کہا تھا گھر چلیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“

آراہ متحیر تھی۔”آپ نے مجھے کیوں بچایا؟“

”جب میں اٹھارہ سال کی تھی اور باہر پڑھنے جا رہی تھی تب عظمیٰ بی نے میری منگنی کروادی تھی تاکہ میں کسی اور مرد کو نہ دیکھوں لیکن وہ آدمی غلط تھا۔ اس کا خیال بھی مجھے ہانٹ کرتا ہے۔ تمہارے ماموں اور چچا پہلے ہی تمہارے لیے کسی کو تلاش کر رہے ہیں اگر وہ تمہیں اور زید کو ساتھ دیکھ لیں گے تو منگنی کرنے میں ایک دن بھی نہیں لگائیں گے۔ محتاط رہو، اس خاندان میں تمہارے لیے صرف بربادی ہے۔ میں تمہیں نہیں اپنے جیسی ایک اور لڑکی کو بچا رہی تھی۔“ بہت دیر تک وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ اگر سہراب اور یافث میں سے کوئی وہاں آجاتا تو اس کے ساتھ کیا ہوتا یہ سوچ کر ہی اسے جھرجھری آرہی تھی۔

"آپ کی وہ منگنی؟"

"ٹوٹ گئی۔" وہ آرام سے بولی۔ ساتھ گاڑی ایک ٹھیلے والے کے پاس روکی۔ آراہ اور اپنے لیے دو فالسے والے شربت کا آرڈر دیا۔ "اس تعلق میں میری طرف سے محبت بہت تھی مجھے تو لگتا تھا اس شخص سے زیادہ کوئی اچھا ہو ہی نہیں سکتا لیکن وہ میری عزت نہیں کرتا تھا۔ ہاتھ بھی اٹھانے کی کوشش کی تھی۔"

"شادی سے پہلے؟"

"شادی کے بعد پٹنے والیوں سے شادی سے قبل پٹنے والیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس تعلق میں "مرد" میں تھی۔" شربت کے گلاس ان دونوں کو تھما دیے گئے۔ "میں محنت کروں، محبت کروں، سہوں اور اکیلے سب کروں۔ کچھ تعلق نبھائے جانے کے لیے بنتے ہیں اور کچھ سکھائے جانے کے لیے میرا تعلق مجھے بہت کچھ سکھا گیا۔"

"مثلاً؟" وہ متجسس ہوئی۔

بنفشہ نے فالسے کے شربت کے دو گھونٹ بھرے اور محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔ "اٹس پرسنل۔" آراہ نے بس سر ہلا دیا۔ اس کا دماغ کہیں اور اٹک گیا تھا سینے میں جلن سی ہونے لگی۔ شاہ زید اس کے لیے مزید کتنی رسوائیوں کا سبب بننے والا تھا؟ "اس آدمی کے بعد سے میرا مردوں سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔" اس نے بنفشہ کو کہتے سنا۔

"آپ کو مرد نہیں پسند؟"

"پسند ہیں، لیکن کتابوں میں۔" آراہ اس کی بات پر ہنسی۔ وہ کچھ کہنے لگی تھی کہ بنفشہ نے ہاتھ اٹھا کر ٹوک دیا۔ "جانتی ہوں لوگ کہتے ہیں کتابوں والے مرد پڑھ کر ہمارے معیار اونچے ہو گئے ہیں۔"

"کیا ایسا نہیں ہے؟"

"اسی فیصد نہیں۔۔۔۔۔۔کتابوں والے مرد پسند کرنے والی عورتوں سے اگر پوچھا جائے انہیں کیا پسند ہے تو وہ کبھی پیسہ اور امارات نہیں چاہیں گی وہ توجہ،احساس،عزت،مقام اور ساتھ چاہتی ہوں گی۔یہ تو bare minimum ہے۔"

"ہاں لیکن آج کل ایسے مرد کہاں ہیں؟"

"نہیں ہیں تو ان کا نہ ہونا غلط ہے ہمارا ایسی خواہش رکھنا نہیں۔اپنی بیوی کے حقوق کے لیے لڑ جانا،اسے عزت دینا،اسے ہر تعلق سے اوپر رکھنا اس کے لیے ہر طرح کی آسائشات لانا یہ کوئی بڑی بات نہیں۔اس معاشرے کی عورتیں اتنا براٹریٹ کی گئی ہیں کہ اب بنیادی حق بھی لگژری اور عنایت لگتے ہیں۔"اس نے پرس سے پیسے نکال کر بل ادا کیا۔آراہ اس کی بات میں ہی کہیں اٹکی رہ گئی تھی۔

"آپ کو کس طرح کا مرد چاہیے۔"

"ایک مکمل masculine مرد۔جسے "میں کر لوں گا،میں ہوں نا،مجھے کرنے دو،یا میں دیکھ لیتا ہوں" کہنے کی عادت ہو۔اور جس کے سپرد کوئی کام کر کے مجھے شرمندگی اور بوجھل پن نہ ہو۔"

"آپ نے جیسے انسان کی صفات بیان کی ہیں شاید میں اسے جانتی ہوں۔"بنفشہ جانتی تھی وہ کس کی بات کر رہی ہی مگر وہ بات پلٹ گئی۔

"اسلان اور پنار کا تعلق کیسا تھا؟"گاڑی دوبارہ سٹارٹ کرتے ہوئے اس نے بے حد سرسری انداز میں سوال کیا۔

"ٹاکسک۔ہر وقت بھائی کو کنٹرول کر کے رکھتی تھی اپنی مرضی کے کام کرواتی تھی اور پتہ نہیں کیا کیا۔مجھے وہ پسند نہیں تھی۔"اس نے ناراضگی سے بھنویں اکھٹی کر لیں۔

"اور تمہارے بھائی کو؟"

"پہلے بہت پسند تھی پھر وہ اس سے اتنا بے اثر ہو گیا جیسے وہ اس دنیا میں وجود ہی نہیں رکھتی۔ بھائی بہت ظالم ہے کسی کو دل سے نکالے تو دماغ اور زندگی سے بھی نکال دیتا ہے۔" بنفشہ کے دل میں کچھ ڈوب کر ابھرا، شربت یکدم بے ذائقہ ہو گیا تھا۔ کیا وہ اسے دل سے نکال چکا ہو گا، اگلا خیال مزید شل کر دینے والا تھا۔ کیا وہ کبھی اس کے دل تک آسکتی تھی؟

★★★★★

وہ اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ جمائے عین سامنے دیکھ رہی تھی۔ اسلان اور آراہ۔ اس کی بہن رو رہی تھی اور وہ اس کے آنسو صاف کر رہا تھا، لوگوں سے فاصلے پر وہ اس طرح سے کھڑا تھا کہ کوئی آراہ کو نہ دیکھ پائے۔ اگر بنفشہ کی گاڑی کسی اور رخ پر کھڑی ہوتی تو شاید وہ بھی اس کا مکمل رخ نہ دیکھ پاتی۔ اسلان سنجیدہ سا دکھ رہا تھا، جب اس نے رونا بند کیا تو اسلان نے ہاتھوں سے اس کا چہرہ صاف کیا، ہلکی سی حوصلہ افزا مسکراہٹ سے اسے نوازا، سارے میں اس کے لب پہلی بار ہلے تھے۔ وہ ناخوش سا کہہ رہا تھا۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" بنفشہ نے رخ پھیر لیا۔ وہ اس کے گھر کا مرد تھا، اس کا بھائی اسے یہ لفظ کہہ سکتا تھا۔ اسے اپنی بہن کی، اس کی عزت کی پرواہ تھی اور اگر بنفشہ مخدوم یہیں کہیں مر بھی جاتی تو کسی کو کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ جل نہیں رہی تھی لیکن بعض دفعہ دل میں ایک کسک سی اٹھتی ہے کسی کے پاس وہ دیکھ کر جس کی خواہش آپ کو بھی ہو۔

آراہ کے کچھ کہنے پر اسلان نے گاڑی کی طرف دیکھا بنفشہ کو دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئیں۔ آراہ کا ہاتھ تھامے وہ گاڑی تک آیا۔ "ان سے کہو پیچھے جا کر بیٹھیں گاڑی میں چلاؤں گا۔" اس نے آراہ سے کہا، آواز اتنی بلند تھی کہ بنفشہ تک گئی۔ وہ چپ چاپ گاڑی کی پچھلی نشست پر آکر بیٹھی، اسلان نے نشست سنبھالی۔ آراہ اس کے ساتھ

بیٹھی تھی اور اب اس نے گاڑی گھر کی طرف ڈالی۔ تھوڑی دیر تک آراہ بولتی رہی پھر وہ نشست سے سر ٹکائے لیٹ گئی۔ شاہ ویر رش ڈرائیونگ کیا کرتا تھا اس کے علاوہ آراہ کو ہر کسی کے ساتھ گاڑی میں نیند آجاتی تھی۔ وہ سو گئی تو بنفشہ نے گلا کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔

”میرا مقصد تمہارے گھر میں کوئی فساد ڈلوانا نہیں تھا۔ ہاں پیسے چھپاتے دیکھ کر اور اس روز تم نے میرے ساتھ اس قدر بدتمیزی کی کہ مجھے برا لگا تھا۔ مگر معاف کرنے کے باوجود بھی مجھے تم پر شک تھا۔ تم مسز بنگش سے ملے میں نے تعاقب کیا۔ عالم سر کے کیس میں مجھے خود پر بھی شک کرنا پڑا تو میں کروں گی، میں وہاں آنے پر شرمندہ نہیں ہوں کیونکہ مجھے اگر شک تھا تو وہ درست ثابت ہوا۔ لیکن میری وجہ سے کسی کے گھر کا سکون برباد ہو یہ مجھے منظور نہیں۔“

”آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔“ بہت دیر بعد اسلان دھیمی آواز میں بولا۔ بنفشہ کا دل ایک لمحے کو رکا، پھر دھڑکن پکڑی، ایسی کہ اب وہ تھم نہیں سکتا تھا اسے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا وہ یہ نہیں سننا چاہتی تھی۔ ”یہاں بہت مرد ہوتے ہیں دوبارہ آپ میری وجہ سے یہاں مت آئیے گا۔“ وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکی، اس آدمی نے ہر قسم کے الفاظ پر ”ب“ سے بندش لکھ دیا اور اس کا ہر ہر لفظ کارگر ثابت ہوا۔ وہ ہنوز بے نیازی سے گاڑی چلا رہا تھا اور بنفشہ کو لگا اب وہ کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ پل بھر میں وہ اسے اسیر کر گیا تھا۔

”آپ کو مجھ پر شک ہے مجھے فرق نہیں پڑتا لیکن مجھے لگا تھا ساتھ کام کر کے ہم نے اتنا تو یقین کما لیا ہے کہ اب ہم دونوں ایک دوسرے سے کچھ پوچھنے کے لیے سہراب کو درمیان میں انوالو نہ کریں۔“

”جو بھی میں تم سے پوچھوں تم سچ بتاؤ گے؟“

”شیور....“

”تم نے پنار کا اغوا اور قتل کیا؟“

”نہیں۔“

”کیا تم عالم کے کیس میں کسی طرح سے انوالوڈ ہو؟“

”نہیں۔“

”سلطان کے قتل کے وقت تم وہیں موجود تھے تو کیا تم نے اسے مارا؟“

”نہیں۔“

”کیا وہ پیسہ تمہیں مسز بنگش دیتی ہیں؟“

”کہا جاسکتا ہے۔“

”کیا تم ان کے لیے کام کرتے ہو؟“

”کرتا تھا۔“

”وہ تم سے کیا چاہتی ہیں؟“

”یہ کہ میں ان کے اسلحے کی کچھ گاڑیاں اپنی معیت میں پشاور لے جاؤں اور وہ عالمگیر پر لگی دفعات واپس لے لیں گی۔ (آخری سطر سراسر کہانی)“ بنفشہ ساکت رہ گئی۔ اسلان یمن ان سوالوں کے جواب اس طرح دے رہا تھا جیسے اس سے حروف تہجی پوچھی جارہی ہو۔ وہ اسلحہ اسمگلر.... اوہ خدایا....

”تم اسمگلر ہو؟“ اس کی آواز اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔

”نہیں۔“ سختی سے کہا۔

”پھر آج تک ان کے لیے کیا کیا؟“

”پیسہ کمانے کا واحد طریقہ اسمگلنگ نہیں، میں نے ان کو اپنا آپ بیچا ہے۔“

”شوق سے؟“

”شوقیہ تو انسان سانس بھی نہیں لیتا۔“

”تم جھوٹ بول رہے ہو تم ایسے نہیں ہو۔“ اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

”کیسا؟“ وہ اسے کیا بتاتی کیسا؟ خیال رکھنے والا، بنا ٹوکے سننے والا، نظریں نیچی رکھنے والا، بنا جتائے چیزیں کر دینے والا۔ ”میں ایسا ہی ہوں فریبی، جھوٹا، غیر قانونی کاموں میں ملوث آپ مجھے ایسا دیکھنا نہیں چاہتیں شاید یہ الگ بات ہے۔“ بنفشہ بنا سانس لیے، پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ عام سے نقوش، سادہ سی بھوری آنکھیں، ذہین پیشانی، وہ آراہ کے ڈھلکے ہوئے سر کو نشست پر ٹھیک کر رہا تھا۔ بنفشہ کو اس سے خوف آیا۔ وہ عام نہیں تھا ہرگز نہیں۔ اسے اس انسان سے دور رہنا تھا آج سے، ابھی سے۔ کیا وہ رہ پائے گی؟

”تم.... تم خطرناک ہو۔“

”اسی لیے میں آپ سے کہتا ہوں مجھ سے دور رہیں۔ عالم کے لیے مجھے جو کرنا پڑا میں کروں گا۔ آپ چاہیں تو جا کر اسکار کو یہ بھی بتا دیں۔“ بنفشہ ساکن تھی۔ اسلان یمن اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا وہ جو شک کے دائرے میں ہی نہیں آتا تھا آج ہر انگلی اس کی جانب اٹھی ہوئی، ہر لب اس کے ستم کے گیت گاتے ہوئے تھے۔ بقیہ تمام سفر خاموشی سے کٹا یا پھر سراسیمگی میں؟ وہ جس چہرے سے گھر سے نکلی تھی واپسی اس کے ساتھ نہیں ہوئی۔

★★★★★

"بنفشہ احسان کے شبہات"

آفتاب کی نارنجی شعائیں کھڑکی کی جالی کو پار کر کے بورڈ پر نگاہیں جمائے کھڑی لڑکی پر پڑ رہی تھیں۔اس کی شفاف رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔لمبے کمر تک آتے بالوں کو بل دے کر ان کی چٹیا بنا رکھی تھی۔وہ کافی دبلی پتلی تھی عموماً لوگ اسے بتیسی نکال کر "کچھ کھایا پیا کرو، گلوکوز کی بوتل چڑھوا لو، ارے مردوں کو تم جیسی لڑکیاں نہیں پسند آتیں، کچھ وزن بڑھاؤ" جیسے مشورے دیا کرتے تھے۔ایسا نہیں تھا کہ یہ جملے اس پر اثر نہیں کرتے تھے بہت کرتے تھے مگر جب سے اس نے کمانا شروع کیا تھا ان کی تعداد کچھ کم ہو گئی تھی۔

رنگ اس نے ماں سے لیا تھا تو نقش باپ کے تھے۔عام، معمولی البتہ جب جب وہ ہلکا سا ہنس دیتی اس کی ساری شخصیت بدل جاتی۔یہ وہ واحد لمحہ ہوتا جب وہ بے انتہا خوبصورت لگتی۔بورڈ کو دیکھتے دیکھتے اس نے موبائل اٹھایا اور ایک کال ملائی۔دوسری طرف سیٹ پر موجود ایک اداکار کا انتظار کرتے رئیس کا موبائل بجا اس نے جلدی جلدی کال اٹھائی مبادہ سامنے والا کاٹ ہی نہ دے۔

"ہیلو میں بنفشہ بات کر رہی ہوں۔"

"تمہارا نمبر میرے پاس محفوظ ہے، بینا۔"

"بینا؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔رئیس اپنے اسسٹنٹ کو کچھ ہدایت دیتا ذرا فاصلے پر چلا آیا۔

"تمہیں برا تو نہیں لگا؟" بنفشہ کو سانس لینے میں دقت ہوئی۔وہ تعلقات سے دور نکل آئی تھی تو اب یک بہ یک تمام جڑتے جا رہے تھے۔"

نہیں اٹس اوکے۔دراصل مجھے آپ سے ایک کام تھا آپ کر سکتے ہیں؟" وہ انگوٹھے سے ماتھا مسل رہی تھی۔غیر ارادتاً، بالکل اسلان یمن کی طرح۔

"شیور بتاؤ کیا کرنا ہے؟" بنفشہ نے خود کو ڈھائی ہزار بار ملامت کی، پھر کہنا شروع کیا۔

"دراصل مجھے کچھ فوٹیجز چاہئیں، چند گھنٹوں کے لیے، آپ کی گاڑی اور کچھ جگہوں پر آپ کا اثر ورسوخ۔کیا یہ ممکن ہے؟"

"ہمارے حق میں یا ہمارے خلاف؟" دوسری طرف رئیس کا لہجہ بدلا۔وہ بہن تھی، اسے اس کی تکلیفوں کا اندازہ تھا مگر وہ آشیانہ بنگش سے غدار نہیں تھا نہ کبھی ہو سکتا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" رئیس نے جواب نہیں دیا، خاموش رہا۔"میں آپ سے آج بات کر رہی ہوں اور شاہ ویر؟ وہ مجھے تین سال سے جانتا ہے، رئیس۔چاہے ہم دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہی ہوتی رہی ہے لیکن ہمارے درمیان ایک تعلق تھا۔" اس کی آنکھوں کے کنارے نم ہوئے۔"آپ، تاج اور زید، میں ان کے بس نام جانتی تھی کوئی اگر میرا بھائی تھا تو وہ شاہ ویر تھا۔وہ بعض دفعہ مجھ سے مل بھی لیتا تھا۔اس کے اندر بہت کچھ تھا جو وہ مام سے نہیں کہہ پاتا تھا اور مجھ سے کہہ دیتا تھا۔اس کے بعد وہ ایک بار پھر اپنے خول میں سمٹ جاتا تھا۔وہ میرا چھوٹا بھائی تھا اس کی موت مجھ پر بھی اثر رکھتی ہے۔" رئیس نے لب بھینچ لیے۔اس کی یادیں تو چہار سو تھیں۔دامن، گریبان، دل، سوچیں وہ کس کس جگہ سے اسے نکالیں؟

رئیس نے سمجھنے والے انداز میں سر کو جنبش دی۔"مجھے لگتا ہے یہ یمن خاندان کے حق میں بھی نہیں۔" بنفشہ کا دل اس کے سینے میں کہیں سرکا۔"اگر ہوتا تو تم گاڑی ان سے مانگتیں، تعلقات سہراب کے استعمال ہوتے اور ڈرائیور اسلان یمن ہوتا۔"

”میں خاموش رہنا پسند کروں گی۔“

رئیس ہنسا۔ ”صرف گاڑی اور اثرورسوخ چاہیے یا بڑا بھائی ڈرائیور بن جائے؟“

وہ کتنی ہی دیر کوئی جواب نہ دے سکی۔ اس نے یہ کب سوچا تھا.... ؟ یہ کہ رئیس، اس کا سگا بھائی وہ اس تک اتنی آسانی سے رسائی حاصل کر سکتی ہے اور یہ کہ وہ اس سے اس طریقے سے پیش نہیں آئے گا جیسے اس کا چھوٹا بھائی کرتا تھا۔ ”ڈرائیور کے وقت کا ضیاع تو نہیں ہو گا؟“

”لوکیشن بھیجو تم۔“ وہ تحکم سے بولا اور کال کاٹ دی۔ سکرین کے درمیان دراڑ آئی اور وہ دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک طرف قصہ گو اور اس کی کہانی سنتی عورت۔ دوسری جانب اسلان یمن کے کمرے سے اٹھائی گئی تمام رسیدوں کی نقال ہاتھوں میں لیے بیٹھی بنفشہ احسان۔ وہ اس کے منع کرنے کے باوجود دوبار اس کے کمرے میں گئی تھی اسے جانا پڑا تھا۔

(”ایک بات بتاؤ۔“ قصہ گو نے آنکھوں کی شرارت چھپاتے بے حد سنجیدگی سے اپنے متکلم سے سوال کیا۔ ”یہ وکیل تمہیں بے وقوف نہیں لگتی؟“

”ہاں کیونکہ وہ عورت ہے تو اب تمہیں بے وقوف ہی لگے گی۔ حالانکہ اس کے پاس اس آدمی پر شک کرنے کے لیے ہزار وجوہات ہیں۔“

”جنس کو ایک طرف رکھو تو وہ مجھے تب بھی بے وقوف اور ڈھیٹ لگے گی۔“

”واٹ ایور!“)

”اپنے ریکارڈ سے معلوم کرو اور بتاؤ چھبیس فروری کی رات یہ لڑکا تمہاری گاڑی میں تھا یا نہیں؟“ جس بس سے سفر کر کے اسلان یمن کوئٹہ سے لاہور آیا تھا اس وقت رئیس اور بنفشہ انہی کے دفتر میں موجود تھے۔ ہلکے سبز رنگ کے قمیض شلوار میں ملبوس بالوں کا جوڑا بنائے وہ سوبر لگ رہی تھی۔

”یہ تاریخ اور اس نشست کا ریکارڈ تو پہلے بھی پولیس کو دیا ہے۔“ دفتر کا مالک کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے سامان کھنگالے اور چند کاغذات ان کی طرف بڑھائے۔ بنفشہ نے جھپٹنے کے انداز میں وہ تمام کاغذات اٹھا لیے اور تیزی سے انہیں پلٹنے لگی۔ اس نے کوئٹہ سے سیٹ بک کروائی تھی۔ اس نے جاز کیش کے ذریعے رقم ادا کی۔ نشست کی بقیہ تمام تفصیل ان پنوں پر درج تھی وہ سچ کہہ رہا تھا، چھبیس فروری کی رات اس نے سفر کیا تھا۔ وہ کوئٹہ سے لاہور آیا تھا پھر جھوٹ کہاں تھا؟

”(انسان کو آگے تب بڑھنا چاہیے جب اسے پہلا قدم مشکوک لگے، اور اگر ایسا نہ ہو تب اس کا آگے بڑھنا صرف اس کی ضد ہوتی ہے۔“ قصہ گو نے تبصرہ کیا۔

عورت نے آنکھیں گھمائیں۔ ”واٹ ایور۔“)

بھکر کے ایک بس اڈے کی ویڈیو سکرین پر چل رہی تھی جہاں اسلان گاڑی سے اتر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کی پرچھائیں تھیں، ہاتھ چہرے تک لے جاتے جمائی روکی۔ ایک جگہ رک کر اس نے موبائل چارج پر لگایا۔ یہاں بس کا قیام تیس منٹ تک کا تھا۔ اب وہ اسی دکان والے کو کچھ پیسے دے رہا تھا شاید لوڈ ڈلوانے کے لیے۔ ذرا سی دیر بعد فوڈ پانڈا کا رائیڈر وہاں آ کر رکا۔ اسلان نے قریباً آدھا گھنٹہ قبل آرڈر دے دیا تھا اسے اندازہ تھا وہ تب تک اڈے تک پہنچ چکے ہوں گے۔ لاٹے کا کپ تھامے وہ دوبارہ بس کی طرف چلا گیا۔ کوئی غیر معمولی حرکت نہیں، کوئی مشکوک انداز نہیں۔ کچھ بھی ایسا نہیں تھا جس بنا پر اس پر شک کیا جا سکے۔ وہ ایک عام سے آدمی کے معمول کی کاروائی تھی۔

رئیس اور بنفشہ کو شہر اور شہر سے باہر چکر کاٹتے آج دوسرا دن تھا اور نتائج وہی ڈھاک کے تین پات۔

فوٹیج آگے پیچھے کرتے ہوئے اسے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ واپس شروع سے چلاتے ہوئے اس کی نگاہ ایک سیاہ چغے والی عورت پر پڑی، جو بس سے نکل رہی تھی اس وقت بنفشہ کا دھیان اسلان پر ٹکا تھا وہ غور بھی نہیں کر سکی کہ بس سے نکلنے والی عورت بس چلتے وقت دوبارہ نہیں بیٹھی۔ وہ کون تھی، کہاں کا سفر کیا اور کہاں گئی؟

(”مزہ آرہا ہے مجھے۔“ قصہ گو ہنس کر بولا۔ اس سارے وقت میں اس کی پہلی ہنسی۔ ”ایک معصوم سے لڑکے سے اتنی کیا Obsession ہے اس وکیل کو؟“

”شاید وہ حق پر ہو، شاید اسے کوئی اشارہ مل رہا ہو؟“

”اس کے ہاتھ میں محض اشارے ہیں۔ ثبوت ملنا ہوتا تو اب تک مل چکا ہوتا۔“)

”یار یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔“ کیفے کی میز پر کچھ کاغذ دھرتے ہوئے رئیس اس کے سامنے بیٹھا۔ بنفشہ نے کاغذات اپنے سامنے کیے۔ ”مجھے یقین نہیں آرہا جو کام ہم فلموں میں دو تین گھنٹوں میں ہوتے ہوئے دکھاتے ہیں وہ کام اصل میں کتنا وقت لیتا ہے۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بیرے کو بلایا۔ پھر بنفشہ کو دیکھا جو چہرہ کاغذات سے اٹھا ہی نہیں رہی تھی۔ آج تیسرا دن تھا اور وہ تھک گیا تھا۔ اور کڑی اب تک مل ہی نہ سکی۔

دوسری طرف بنفشہ مارکر سے کچھ نمبروں کو ہائی لائٹ کرتے ہوئے بولی۔ ایک نمبر آراہ کا تھا، ایک یافث اور ایک....؟ ؟ ایک کس کا تھا؟ لینڈ لائن نمبر تھا۔ وقت وہی جب آراہ نے اسلان کو کالز کی تھیں یعنی اس نے لینڈ لائن سے کال کی تھی۔ ٹھیک ٹھیک۔

”کچھ ملا؟“ بیرے نے ان کی کافی لا کر رکھی۔

"اونہوں...." بنفشہ نے بے دلی سے کاغذات پرے ہٹائے۔ "یہ آدمی چاندی کے ورق جیسا شفاف ہے یا تو واقعی ایسا ہے یا پھر ہر پرت جعلی۔"

"اور وہ تمہیں جعلی کیوں لگتا ہے؟" اب کی بار بنفشہ محض رئیس کو دیکھے گئی وہ اسے کیا بتاتی کہ جب جب اسلان یمن کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش اس نے کی تھی تب تب اسے لگا تھا ان کے پار کوئی کہانی ہے۔ کافی کا پہلا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کا دماغ تروتازہ ہو گیا۔ اسلان یمن پر اس کا شک کم ہو رہا تھا۔ ختم ہونے کے برابر۔ وہ جس یونیورسٹی سے پڑھا تھا اسے خود چھوڑا، دوبارہ اسے نکالا گیا، اس کے علاوہ کوئی اور ریکارڈ نہیں شاید وہ واقعی چاندی کے کسی ورق جیسا تھا؟

★★★★★

"حال!"

"جج صاحب ہمیں اگلی تاریخ چاہیے۔ مسز تمکنت کی حالت بہت خراب ہے۔" دمیر چونکہ اپنی منشاء سے عدالت سے نہیں نکل سکتا تھا لہٰذا اسے جج کو بوتل میں اتارنا تھا۔

"جج صاحب نہ تمکنت صاحبہ جج ہیں، نہ وکیل، نہ ملزم، نہ مجرم پھر ان کی طبیعت کی خرابی اس کیس پر کس طرح اثر انداز ہو رہی ہے؟" بنفشہ سخت طیش میں لگ رہی تھی۔ تاج کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی تھی جب سے بات ابتسام عبّاس کی شروع ہوئی تھی اس کے لیے باقی تمام چیزیں ثانوی حیثیت اختیار کر گئیں۔

"کیا عدالت انسانیت کی بنیاد پر چند دن کا وقت نہیں دے سکتی؟ ایک ماں جس کا بیٹا قتل ہو چکا ہے اور وہ انصاف کے لیے دھکے کھا رہی ہے اس کا اتنا حق تو ہے کہ اپنے بیٹے کے قتل کے ہر پہلو کو دیکھ سکے۔"

"اپنی ماں کی آنکھیں اور کان میں ہوں، عدالت کی کاروائی میں کوئی خلل نہیں آنا چاہیے۔" تاج نے بے حد آرام سے کہا۔ "میری ماں کی یہاں موجودگی اتنی ضروری بھی نہیں۔"

"دمیر صاحب اگر آپ کی کاؤنسلر اس بات پر راضی ہوتیں تو عدالت کو اگلی تاریخ دینے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن اس وقت ان کے پاس دلائل ہیں لہٰذا کاروائی شروع کی جائے۔"

دمیر نے خون آشام نگاہوں سے بنفشہ کو دیکھا، چند قدم چل کر وہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ "عورت جب گھر سے باہر نکلے تو اوقات میں رہ کر نکلنا چاہیے، جج کو کہو تم راضی ہو ورنہ...."

"جج صاحب یہ مجھے دھمکا رہے ہیں۔"

"پراچہ صاحب آپ عدالت کے احکام کی توہین کر رہے ہیں۔" جج صاحب نے قدرے سخت اور بے لچک انداز میں تنبیہہ کی۔ "مسز نایاب کو دوبارہ بلایا جائے اور پراچہ صاحب آپ ادب کے دائرے میں رہیں۔" نایاب واپس کٹہرے میں آکر کھڑی ہوئی۔ زید پھولتی سانسوں کے ساتھ اندر آیا اور تاج کے ساتھ والی نشست سنبھال لی۔ تمکنت کی اولاد اس کی سیاہ کاریوں سے واقف تھی ان کے لیے اس وقت اگر کچھ اہم تھا تو عریاں ہوتی کوئی نئی سچائی۔

"مسز نایاب کیا آپ مزید سوالوں کے جواب دینا چاہتی ہیں؟"

"جی۔"

"آپ کے شوہر اور ابتسام عباس کے درمیان کیا مسائل تھے؟" نایاب نے ایک نظر کرسیوں پر بیٹھی تاج کو دیکھا ایک عورت ہونے کے سبب اسے اس عورت پر جی بھر کر رحم آیا۔ زید نے نامحسوس انداز میں اپنی اکلوتی بہن کا

ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، تاج نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟ بنفشہ کو دکھ ہو رہا تھا مگر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی شاید وہ دیکھ بھی نہ پاتی۔

”شاہ ویر کی موت کے بعد اس کے کمرے سے کچھ سامان تلاش کرتے ہوئے رئیس کو کچھ کاغذات ملے تھے۔ ان کاغذات میں ایک رپورٹ تھی۔ ابتسام عبّاس کی رپورٹ جس کے مطابق ابتسام infertile تھا۔“ تاجور بنگش کا دل بند ہو گیا۔ اس کے آس پاس تیز جھکڑ چلنے لگے اس کے بھائی کے ہاتھ کی مضبوط گرفت مزید مضبوط ہوئی مگر کسی نے اس کے سارے جسم کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ ساکت و متحیر سی نایاب کو بولتے سُن رہی تھی۔

”وہ کبھی باپ نہیں بن سکتا تھا اور اس نے تاجور کو دھوکے میں رکھا۔“ عالم چور نگاہوں سے تاج کو دیکھ رہا تھا اس عورت کا چہرہ سفید رنگ کھو کر سیاہ پڑ رہا تھا۔ سانس سینے میں کہیں اٹک گیا تھا وہ پلک اب تک نہیں جھپک سکی تھی۔ مرد کا دھوکہ عورت کی متاع حیات پر بھاری ہوتا ہے اور تاج اسی وزن تلے دب رہی تھی۔ ”رئیس نے ابتسام کو کنفرنٹ کیا تو ابتسام نے اسے دھمکایا اور یہ کہا کہ اگر ہم نے زبان کھولی تو وہ ہماری فلم سے پیسہ کھینچ لے گا۔“ وہ اب بھی کہہ رہی تھی۔

”آب جیکشن یور آنر کوئی بچہ پیدا کر سکتا ہے یا نہیں اس کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟“ دمیر پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

”تعلق یہ ہے کہ شاہ ویر بنگش اس بارے میں جانتا تھا اور اس نے متعدد مرتبہ اسی بات پر ابتسام سے جھگڑا کیا تھا۔“ تاج کو ہر وہ ذکر یاد آ رہا تھا جس میں شاہ ویر نے ابتسام کو نظر انداز کیا، جب جب ابتسام اور وہ آمنے سامنے ہوتے ان کے درمیان تلخی آجاتی تھی ہر وہ بات ایک طرف اور یہ قصہ ایک طرف کہ اس نے نو سال ایک ایسی شادی میں گزار دیے جس میں اس کا ساتھی اسی کے ساتھ کھیل کھیلتا رہا۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا، تکلیف حد سے سوا ہو گئی۔ وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔

"تعلق یہ ہے کہ ایونٹ مینیجر کو ہائر کرنے والا شخص ابتسام عبّاس ہی تھا اور تعلق یہ بھی ہے کہ گیلری میں کیمرے نہ لگانے کا حکم دینے والا بھی ابتسام عباس ہی تھا۔ دفاع کا یہ دعوی ہے کہ شاہ ویر بنگش کا قتل ابتسام عبّاس نے کیا ہے۔ وجہ عناد اس کی انا اور اس کے عیاں ہونے والے راز۔" وہ تیز تیز کہہ رہی تھی اس کے لہجے میں دعوے تھے، اس کی آنکھیں بے خوف۔

دمیران چندماہ میں پہلی مرتبہ پریشان نظر آیا۔۔۔

زید کی نگاہیں، اٹھ اٹھ کر مخالف سمت جا رہی تھیں۔۔۔

تاج سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی مگر دم اکھڑ رہا تھا۔۔۔

عالم کسی عورت کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکا، سو رخ پھیر لیا۔۔۔

ہر شے تہس نہس ہو گئی تھی، ہر طرف آگ لگ گئی تھی۔ سب جل کر خاک ہو چکا تھا سر فہرست اس میں تاجور بنگش کا دل۔ سہراب یمن کو البتہ کوئی قصہ یاد آ گیا تھا۔ مسائل کے درمیان الجھ کر، وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ مثلاً کیا؟

★★★★★

"چند دن قبل!": جوہر فور زیرو کا قصہ۔

لعل یمن کی اوپری منزل پر عالم کے کمرے میں آراہ پلنگ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ بنفشہ بورڈ پر نام لکھنے میں مصروف تھی اور اسلان کے ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھا، جس پر وہ کھٹ کھٹ کچھ لکھ رہا تھا۔ بٹن دبانے کی آواز اس ماحول میں پہلی دراڑ تھی۔ "اوہ مائی گاڈ...." آراہ پلنگ پر اچھلی۔ ہاتھ چہرے پر رکھ لیا۔ "مائی سوہائی نے ایف آئی آر کی کاپی بھیج دی ہے اوہ مائی گاڈ۔ چاچو مجھے تو شیر لاک ہومز میں ہونا چاہیے۔"

”تم پہلے لعل یمن میں تو سروائیو کر لو۔“ لیپ ٹاپ پر گردن جھکائے اسلان نے زہر اگلنے کو اپنا خاندانی فریضہ سمجھا۔

”یہاں تو ہم جی رہے ہیں اتنا اچھا گھر ہے کیا چاہیے اور؟“ وہ لیپ ٹاپ لیے سہراب کی طرف آئی۔

”تھوڑی پرائیویسی، کسی سے بھی ملنے کی آزادی، ایک غلطی پر دس بار طعنے نہ سننا، کیا یہ مل سکتا ہے؟“

”نہیں مل سکتا۔“ سہراب نے دوٹوک انداز میں کہا۔

”اور آپ کو نہیں لگتا یہ بچوں کے حقوق سلب کرنے کے زمرے میں آتا ہے؟“ اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ سہراب نے موبائل آراہ کے ہاتھ سے لیا۔ کاٹ دار نگاہیں اسلان پر جمی رہیں۔

”تمہارے لیے یہ تمام سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ سروائیو کر رہے ہو تو کرو، ورنہ....“

”ورنہ تھپڑ کھا لو گے، اسلان۔“ استہزائیہ انداز میں اس نے سہراب کا جملہ مکمل کیا۔

”کیا پرابلم ہے چپ چاپ کام نہیں کر سکتے تم؟“

اسلان نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”اب زبان بھی کاٹ کر پھینک دوں؟“

”اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی اگر تم کم بولو۔“

”یہ سہولت آپ کے لیے غیر ویلڈ ہے۔“

”اسلان پلیز....“ بنفشہ نے مڑ کر انتہائی نرم لہجے میں التجا کی۔ اسلان نے جواب نہیں دیا، ایک نظر سہراب پر ڈال کر البتہ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ آراہ اور یافث نے اس تبدیلی کو دیکھا بھی، نوٹ بھی کیا اور مسکرائے بھی۔

”سہر اب آپ دیکھیں کتنے لوگوں کے نام ہیں۔“

سہر اب نے ایف آئی آر کا کاغذ ڈاؤن لوڈ کیا، موبائل پرنٹر کے ساتھ جوڑا اور اگلے چند منٹ میں ان کے پاس ایف آئی آر کی تین سے چار کاغذی نقال تھیں۔ ایف آئی آر کی تفصیل کچھ یوں تھی کہ چار عورتوں نے معاشرے میں بے حیائی پھیلائی ہے، یہ عورتیں کمسن بچیوں کو بے حیائی اور زنا کی جانب راغب کر رہی ہیں علاوہ ازیں ان چاروں عورتوں کے سوشل میڈیا پر پوسٹ ہونے والے بیزز میں کھلم کھلا قوم لوط کے افعال سپورٹ کیا گیا ہے۔ درخواست دینے والے تین لوگ تھے۔ انتھونی ایون، حق شہاب، روشن رحمان۔

سہر اب یمن اس آخری یمن پر بالکل شل ہی تو رہ گیا تھا۔ کوئی باپ اپنی ہی بیٹی پر ایف آئی آر کیسے درج کروا سکتا ہے؟

★★★★★

”عالمگیر کا غصہ!“

وہ روشن کو اپنی آنکھوں کے آگے نہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر چند دن بعد جانے کیوں اور کس طرح جیلر کے حکم سے اس کو عالم کی کوٹھڑی میں بند کیا گیا۔ عالم نے احتجاج کیا روشن نے نہیں، وہ عالم کی طرف دیکھے بغیر چپ چاپ کونے تک گیا بستر بچھایا اور سو گیا۔ اگلے دن عالم نے اسے فجر کے وقت دیکھا۔ وہ رکوع میں گیا تو کتنے ہی لمحے سیدھا نہیں ہوا، وہ سجدے میں گرا تو اس کا سارا جسم ہچکولے کھانے لگا۔ وہ بڑے ہی خشوع خضوع کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا، اس پر کوئی رقت سی طاری تھی۔

اپنی جگہ پر لیٹے ہوئے آنکھیں چھوٹی کیے وہ اسے دیکھتا رہا۔ کوئی بارعب سا لمحہ تھا عالم ہل نہیں سکا۔ ”مجھے معاف کر دے اللہ... مجھے معاف کر دے۔ میں ظالموں کو روک نہیں سکا، میں ظالموں میں سے ہو گیا۔ میں نے کوئی حق ادا

نہیں کیا، میں ناحق ہو گیا۔ میں باطل ہو گیا میرے رب.... میرے حق میں بہتر کرنا مالک۔" وہ ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے گڑگڑا رہا تھا۔ اس پر رقت طاری تھی۔ کیا یہ گناہوں کی معافی تھی؟ یا اس پاک ذات سے بخشش کی تڑپ؟ عالم بہت دیر تک اسے تکتا رہا، پھر اس کی آواز گونجی۔

"وہ تمہاری سگی بیٹی تھی کوئی اپنی اولاد کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" کوٹھری کے ایک کونے سے آتی عالمگیر کی ملامت زدہ آواز پر اس کے آنسو یکدم رک گئے۔ عالم اٹھ کر بیٹھ گیا، دیوار سے ٹیک لگالی۔ پرسوچ نگاہیں اسی پر جمی رہیں۔ "میری بیٹی جب میرے سامنے آتی ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے دل میں کسی نے دل کی جگہ موم رکھ دیا ہو۔ میرے بس میں نہیں ہوتا میں ساری دنیا اس کے سامنے ڈھیر کر دوں، میرے بس میں نہیں ہوتا میں اپنی تمام تر میراث اس کا صدقہ کر دوں اور تم نے اپنی ہی بیٹی پر ایف آئی آر درج کروائی؟ اسے مردوں کے معاشرے میں ذلیل ہونے کے لیے چھوڑ دیا؟"

"بے غیرت اولاد کے لیے دل میں موم کی جگہ پتھر رکھنا پڑتا ہے اگر چند سال بعد تم اپنی بیٹی کو بے حیائی پھیلاتے ہوئے دیکھو گے تو تم بھی یہی کرنا۔" وہ سختی سے بولا۔ آنسو غائب ہو چکے تھے، چہرے پر کرختگی واپس۔

"بے حیائی وہ پھیلاتے ہیں جنہیں معلوم نہ ہو حیا کیا ہوتی ہے۔ تم نے اسے حیا سکھائی تھی؟"

روشن مڑا، اس کا ادھ جلا چہرہ اس وقت مکروہ لگ رہا تھا۔ "حیا عورت کا زیور ہوتا ہے اسے علم ہوتا ہے وہ کیا ہے۔"

"وہ اس زیور کو اپنی پیدائش کے ساتھ نہیں لاتی تم اسے حیا سکھاتے ہو ہر باپ کو سکھانی چاہیے اور اگر وہ بعد میں بے حیا نکلی تب بھی کونسا دین کونسا قانون تمہیں یہ اختیار دیتا ہے کہ تم اس کا قتل کرو؟"

روشن کی رنگت پل بھر میں فق ہوئی۔ "قتل؟"

"ہاں قتل...." عالم قدم قدم لیتا اس کے قریب آیا۔ جیل کی راہداریوں میں جلتے پیلے بلب کی روشنی سلاخوں کو پار کرتی ان تک آرہی تھی۔ "چھ نومبر کو تم اپنی بیٹی کے خلاف ایک پرچہ دائر کرواتے ہو، نو نومبر کو وہ اپنی فلیٹ میٹس کے ساتھ مردہ پائی جاتی ہے اور دس نومبر کی رات بنگش اپنے سب سے پرانے ملازم کو چوری کے جرم میں تھانے لاتے ہیں، تمہیں لگتا ہے اس سب کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔ بنگش تمہیں بچا رہے تھے ہے نا؟"

روشن کے حلق میں کانٹے اگ آئے تھے، الفاظ ان کانٹوں سے مڈبھیڑ ہونے کے دوران کہیں گھائل ہو کر گر گئے مگر حلق سے باہر نہ نکل سکے۔ وہ اسے سچ نہیں بتا سکا۔ وہ چند پل انہی شل نظروں سے عالم کو دیکھتا رہا اور پھر اس کی گردن دبوچ لی۔ آنکھوں میں خون تھا۔ "اگر تمہارے منہ سے بھاپ بھی نکلی تو میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دوں گا۔ بنگش میرے آقا ہیں اور تم...." اس نے عالم کی گردن پر دباؤ بڑھایا۔ "تم ان سے دور رہو گے۔ تم اپنی حد میں رہو۔"

عالم نے بند مٹھی کا ایک مکا اس کی پسلیوں کے درمیان مارا۔ اگلا گھونسا اس کی ناک اور اس سے اگلا اس کی آنکھ کے عین نیچے۔ اس کا غیض باہر آرہا تھا۔ اتنے دنوں سے اندر جمع کیا آتش فشاں پھٹ رہا تھا۔ "عالم کی کوئی حد نہیں ہے، یہ تم نہیں طے کرو گے کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ قاتل۔" شور سن کر پہرہ دیتے سپاہی اسی طرف آنے لگے، کنڈی کھولی گئی، انہیں جھڑکا گیا اور عالم کی آنکھوں کا الاؤ دہکتا رہا۔ کبھی نہ بجھنے کے لیے۔ وہ اس آدمی کی لاش خود اٹھائے گا یہ طے تھا۔

اپنے کمرے میں کھڑا اس تمام واقعے کی تفصیل سنتا اسفند یار انصاری خود پر خوشبو چھڑک رہا تھا۔ "ان دونوں کے درمیان کشیدگی بڑھاؤ، مجھے عالم کے ہاتھوں اس آدمی کی موت چاہیے۔"

"اسے ٹائی تھماتا ملازم ذرا دیر کو تھما۔ "وہ مارے گا نہیں۔"

"وہ نہ مارے تو لوگوں سے مروا دو، بس مجھے میری دوست کے سامنے سرخرو کرو۔"

وہ دوبارہ شیشے کی طرف متوجہ ہوا اس کے عقب میں کھڑا ملازم محض یہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کیا وجہ تھی جو اسے اس نہج تک لائی؟

★★★★★

دمیر نے نایاب سے جرح نہیں کی، البتہ حق محفوظ رکھا۔ اس کا دماغ ہر گزرتے لمحے کھول رہا تھا۔ حد تو تب نہ رہی جب ایونٹ مینجر کو کٹہرے میں بلایا گیا۔ دمیر کا جی چاہ رہا تھا کہ ساری عدالت کو آگ لگا دے۔ یہ کاروائی پھر کبھی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں بنفشہ کو باز رہنے کو کہہ رہا تھا اور وہ مسلسل اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ "پچیس فروری کی رات ٹی ٹی پروڈکشن کی اینیورسری پارٹی کی arrangements آپ نے کی تھیں؟" اس نے کٹہرے میں کھڑے آدمی سے پوچھا۔

"جی میں نے کی تھیں۔"

"آپ کو نہیں لگتا آپ کی طرف سے کچھ جھول رہ گئے اتنی بڑی تقریب میں ہوٹل کی ایک گیلری میں کیمرے نہ ہونا کیا یہ آپ کی خامی نہیں؟"

اس نے ایک نظر زید کو دیکھا، پھر بنفشہ کو گلے میں ابھرتی گلٹی کو نظر انداز کرتے اس نے وہی جواب دیا، جو زید نے کہا تھا۔ "نہیں کیونکہ مجھ سے جناب ابتسام عبّاس نے کہا تھا کہ میں گیلری میں سی سی ٹی وی کیمرہ نہ لگاؤں۔"

دمیر نے کنپٹی سے ماتھا سہلایا۔ منرل واٹر کی بوتل کا ڈھکن ہٹا کر غٹا غٹ کئی گھونٹ بھرے۔ اس کا بی پی ہائی ہو رہا تھا۔ "آپ کو کچھ میسجز ملے تھے جن کے مطابق آپ کو کہا گیا تھا کہ ایک شخص کو بغیر کسی کارڈ کے اندر آنے دیا جائے وہ میسج کس کی طرف سے تھا؟"

زید نظروں کی سیدھ میں دیکھ رہا تھا۔ یہ پیغام کس نے بھیجا تھا وہ جانتا تھا مگر احمد شاہ کیا کہے گا وہ یہ بھی جانتا تھا۔ ”ابتسام صاحب نے، مجھے ان کے نمبر سے ہی یہ پیغام ملا تھا۔“

"یور و ٹنس، دمیر صاحب۔“ بنفشہ نے بازو پھیلا کر احمد شاہ کی طرف اشارہ کیا۔

”میں جرح کا حق محفوظ رکھنا چاہوں گا۔ جج صاحب میری درخواست ہے کہ استغاثہ کو اگلی تاریخ دی جائے تاکہ اصل مجرم تک جانے کے لیے ثبوت مل سکیں۔“ جج نے ناگواری سے اسے دیکھا، اور نئی تاریخ دے دی۔ جس طرح جنگل میں آگ پھیلتی ہے اسی طرح یہ خبر بھی پھیل گئی کہ ابتسام عباس مشہور صنعت کار تولیدی صلاحیتوں سے محروم ہے، جس نے اپنی بیوی کو مکمل طور پر ٹارچر کر کے رکھا اور جب اس کا یہ راز کھلنے لگا تب اس نے اپنی بیوی کے بھائی شاہ ویر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سماعت کے اختتام پر سب تر بتر ہو گئے۔ نایاب بڑی مشکل سے تاج کو سنبھال کر گھر لے کر جا رہی تھی، شاہ زید آراہ کو تلاش کر رہا تھا، اسلان ہتھکڑیوں میں جکڑے عالمگیر کے قریب کھڑا تھا۔ سہراب سعید کی کوئی بات سننے کھڑا ہو گیا تھا جب دمیر نے زینوں سے اترتی بنفشہ کی کلائی پکڑی۔ وہ بوکھلا کر مڑی تو سرمئی آنکھوں والے وکیل کو لہو چھلکاتی نگاہوں سے خود کو دیکھتے ہوئے پایا، اس کی کلائی آہنی گرفت میں تھی۔

”یہ کیا حرکت ہے، سر؟“ اس نے اپنی کلائی چھڑوانی چاہی، جسے دمیر نے مروڑا اور اس کے مزید قریب ہوا۔ ”ہاتھ چھوڑیں میرا۔۔۔“

”یہ تو آپ مجھے بتائیں گی مس بنفشہ۔ اپنے ڈیڑھ سالہ کیریئر میں تین کیس ہارنے والی عورت اب دمیر پراچہ سے اختلاف رکھے گی؟ کیا چاہیے تمہیں؟ پیسہ، شہرت یا پھر میری نظر التفات؟“

"سر...." مارے تحیر کے وہ بس یہی کہہ سکی۔ آنکھیں بھر گئیں اس کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ وہ اسے دھکا مارنا چاہتی تھی، اسے ہٹانا چاہتی تھی مگر وہ جیسے ساکت ہو گئی ہو۔

"تم یہ کیس چھوڑ رہی ہو یا پھر میری طرف سے لڑ رہی ہو یہ بات اچھے سے اپنے دماغ میں بٹھا لو اور جب عدالت میں دمیر کچھ کہے تو اسے مان لینا کیونکہ میں اس عدالت کے باہر بھی کوئی کیس نہیں ہارا۔ اپنے ننھے دماغ میں یہ بات بھی اچھے سے بٹھا لو۔" اس نے بنفشہ کی کلائی زور سے مروڑی۔ "دوبارہ میرے خلاف مت جانا۔" اس نے جھٹکے سے بنفشہ کی کلائی چھوڑی جہاں سرخ نشان ثبت ہو گئے تھے۔

"امید ہے تم میری بات سمجھ چکی ہو اور اگر نہیں سمجھی تو تمہارا گھر زیادہ دور نہیں۔ مجھے اور میرے لوگوں کو دوبارہ چکر لگانا پر مجبور مت کرو۔" دوبارہ؟ یعنی جو پہلے آئے تھے وہ ان سے واقف تھا؟ دمیر نے اپنے بال درست کیے، چہرے پر ہاتھ پھیرا، ٹائی کس کے درست کی، ایک سخت نگاہ اس پر ڈالی اور تیز تیز زینے اترتا نیچے چلا گیا۔ اسی لمحے سہراب دل آور سے بات کرتا اسی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ بنفشہ نے جلدی سے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اپنی حالت درست کی۔ سہراب اس کے قریب آ کر رکا ہلکا سا مسکرایا۔

"میری کئی دن کی محنت کو آپ نے اچھے سے استعمال کیا۔" ایونٹ مینیجر کا سارا قصہ اس نے معلوم کیا تھا۔ "مجھے تو یقین نہیں آ رہا آپ پہلے تین کیس ہار کیسے گئیں؟" بنفشہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "آپ ٹھیک ہیں؟" اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر سہراب نے سوال کیا۔ "گھر چلتے ہیں۔"

"میں ٹھیک ہوں آپ گھر جائیں مجھے کچھ کام ہے میں خود آ جاؤں گی۔"

"اکیلے؟" وہ مطمئن نہیں تھا۔ "آئیں ساتھ چلتے ہیں۔"

"میں بچی نہیں ہوں، سہراب۔" یکدم وہ بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔

سہراب آنکھیں چھوٹی کیے چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر شانے اچکاتا آگے بڑھ گیا۔ وہ آراہ یا آمنہ نہیں تھیں جنہیں وہ اپنی مرضی سے گھر لے جاتا یہ ایک آزاد عورت تھی جو اپنی مرضی سے آیا جاسکتی تھی۔ وہ باہر آگیا عدالت کے احاطے میں وہ ٹھٹک کر رکا۔ آراہ جو کہ اپنے بیگ میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے چل رہی تھی۔ زید اس کے سامنے آکر رکا اور وہ بے اختیار ٹھہر گئی۔ آس پاس کئی وکلاء اور پولیس افسران گزر رہے تھے۔

"ناراض ہو؟" وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، سہراب اس کا انداز دیکھ اور پڑھ سکتا تھا۔

آراہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "جو حرکت تم نے کی وہ غلط تھی۔"

"میری نیت غلط نہیں تھی، میں بس تمہیں چڑا رہا تھا اور جب میرا اسٹیشن آگیا تب میں وہ رنگ تمہیں واپس دینا چاہتا تھا مگر تم سو چکی تھیں۔ آئی ایم سوری۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اگر مجھے تمہاری خفگی کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو میں کبھی ایسی حرکت نہ کرتا۔"

آراہ کے ماتھے پر بل قائم رہے۔ "ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، زید تم شاہ ویر کے بھائی ہو اور وہ میرا ایکس فیانسی میں اور تم۔۔۔ ہمارے درمیان ایک واحد تعلق عزت کا ہے اور اگر تم نے دوبارہ کبھی میری حد پار کی تو میں سمجھوں گی شاہ ویر کے ساتھ اس سے جڑے تمام تعلقات بھی مر گئے۔" زید نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہمارے درمیان جو ہے شاہ ویر کی وجہ سے ہے اور اسی کی وجہ سے رہے گا۔ میں چاہتا ہوں تم اچھی زندگی گزارو اور میں اس میں کہیں نہ کہیں شامل رہوں کیونکہ تم شاہ ویر کا سب سے عزیز تعلق تھیں۔ تم مجھے اس کی یاد دلاتی ہو، آراہ۔ تم نے اسے جو خوشی دی وہ کوئی اور نہیں دے سکا تھا۔ تمہیں دیکھتا ہوں تو اس کا ایک اچھا ورژن یاد آتا ہے۔ تمہارے ساتھ اس کی بات کر کے اچھا لگتا ہے اور میں...." اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ "میں اپنے سارے خاندان کے خلاف جا کر بھی تم سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں۔ خیر خواہی اور دوستی کا۔"

”بغیر حد پار کیے....؟“ آراہ نے انگلی اٹھا کر کہا تو اس نے فوراً سر ہلایا۔

”بالکل مادام۔ غلام کو ایک گناہ کی معافی عنایت کیجیے۔“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ان سے ذرا فاصلے پر کھڑے سہراب کے چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے گزشتہ روز یافث سے ہونے والی گفتگو یاد آ رہی تھی۔ ”ہم اس بارے میں سوچ تو سکتے ہیں، سہراب۔“ وہ زور دے کر بولا۔ سہراب نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا اور تلخی سے اسے دیکھا۔

”کیا سوچوں ابھی اس کے منگیتر کو مرے ہوئے چند ماہ ہی ہوئے ہیں اور تم کہہ رہے ہو میں اس پر ایک بوجھ لاد دوں۔ ضارم اچھا بچہ ہے بچپن سے یہاں آتا جاتا رہا ہے، میرب آپا نے واقعی اس کی تربیت بہت اچھی کی ہے لیکن تم میری بات سمجھو فی الحال آراہ کو ایک دو سال دو اسے اپنی ڈگری مکمل کرنے دو۔“

”اور اگر اس دوران وہ اپنے لیے کوئی اور مس میچ ڈھونڈ کر لے آئی تو؟“ بات محض ایک غلط جوڑ کی ہوتی تو شاید سہراب یمن اس قدر متحیر نہ ہوتا مگر یہاں بات بنگش خاندان کی تھی وہ مرد تھا دوسرے مرد کی آنکھیں پڑھ سکتا تھا۔ اس وقت شاہ زید بنگش کی آنکھیں اور انداز ایسا تھا کہ وہ انارا طارون کے لیے دنیا یہاں سے وہاں کر سکتا ہے۔ اس نے اسلان کو وقت دیا تھا اور وہ آج تک ٹھیک نہیں ہو سکا، وہ اب آراہ کے ساتھ وہی معاملہ نہیں دہرا سکتا تھا۔ اس کا دل اس وقت بیٹھا جا رہا تھا۔

اس نے موبائل نکالا اور اب اس کی انگلیاں میکانکی انداز میں یافث کو ایک پیغام لکھ رہی تھیں۔ ”میرب آپا کو کہو وہ اس ہفتے باقاعدہ رشتہ لے کر آ سکتی ہیں۔“

★★★★★

وہ عدالت کی راہداریوں میں لمبے لمبے ڈگ بھر رہا تھا۔

"بنفشہ کو ساتھ لے کر آنا۔" سہراب کی ہدایت کے مطابق وہ متلاشی نگاہوں سے اپنے آس پاس دیکھتا ہوا آرہا تھا۔ وہ یہاں کہیں نہیں تھی۔ اسلان نے بعض دفعہ اسے جسٹس نجیب کے دفتر میں دیکھا تھا آج وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ وہ چاروناچار عقبی حصے کی طرف چلا آیا۔

عدالت کے عقبی حصے میں گھاس پر پڑی بنچ پر بیٹھی وہ ساکت سی اپنی کلائی دیکھ رہی تھی جہاں انگلیوں کے نشان چھپ گئے تھے۔ آنکھیں ساکن تھیں، ہونٹ کپکپاہٹ کا شکار۔ وہ بہت دیر تک شل رہی۔ اسلان پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے عقب میں آ آکر کھڑا ہوا، جھک کر اس کی کلائی دیکھی تو ٹھٹک گیا۔ اور آکر اس کے ساتھ بیٹھا۔

بنفشہ کا دماغ کہیں اور تھا یہاں تک کہ اپنے ساتھ فاصلے پر بیٹھے مرد کی موجودگی کو بھی وہ محسوس نہ کر سکی۔ وہ ہمیشہ کی طرح مدھم خوشبو لگا کر آیا تھا، ہمیشہ کی طرح الگ، غیر آرام دہ سے انداز میں بنچ سے پشت جوڑے بیٹھا تھا۔ ہاں مگر آج وہ ہمیشہ کی طرح سامنے نہیں دیکھ رہا تھا۔ آج اس کی نگاہیں بنفشہ کی کلائی پر جمی تھیں۔

"کس نے کیا؟" معمول کے سے انداز میں پوچھا۔ بنفشہ نے گردن پھیر کر اسے دیکھا گیلی کتھئی آنکھیں گہری بھوری آنکھوں سے ملیں، دائیں طرف سے دھوپ پڑی اور دونوں کی آنکھوں میں کوئی جذبہ مشترکہ طور پر در آیا۔ چند پل وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے گئے پھر اسلان نے نگاہ پھیر لی۔

"دمیر...." گیلی سانس ناک کے زریعے اندر کھینچی۔ "دمیر پراچہ۔" کہتے ہوئے وہ رو پڑی۔ گردن جھکا دی۔ "میں تو بہت مضبوط تھی، میں تو کام کرنے والی عورت تھی میں تو دن میں کئی مردوں سے ملتی ہوں پھر میں نے اس کا ہاتھ روکا کیوں نہیں؟ اسے کس نے حق دیا وہ مجھے ہراساں کرے۔ کیا میں اتنی کمزور ہوں؟" اسلان نے جواب نہیں دیا۔ وہ بس دیکھتا رہا۔ چپ چاپ۔ اس کی کلائی سرخ پڑ رہی تھی شاید دمیر نے جان بوجھ کر اسے زیادہ تکلیف دی تھی۔ وہ ایک پل کے لیے بے حد نرمی سے اس ہاتھ پر کوئی مرہم لگانا چاہتا تھا مگر وہ کوئی حق نہیں رکھتا تھا۔

”دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے۔ عورتیں اب بھی ورک پلیسز پر ہراساں ہوتی رہیں گی؟“ وہ جیسے خود سے کہہ رہی ہو۔

”درد ہو رہا ہے؟“ نرمی سے استفسار کیا۔

”غصہ آرہا ہے مجھے۔“ وہ بے بسی سے چیخی۔ ”میں اتنی مجبور، اتنی بے بس کیسے ہو سکتی ہوں۔ کوئی سعید سے کیوں کچھ نہیں کہتا ہر بار میں کیوں اور میں اتنی کمزور کیسے ہوں کہ پلٹ کر کچھ کرتی نہیں؟“ وہ بہت کچھ کہہ رہی تھی اسلان محض اس کی کلائی کو دیکھ رہا تھا۔ چھپی ہوئی چار انگلیاں۔ اس نے ایک بار بھی نگاہ نہیں اٹھائی تھی۔ وہ گن رہا تھا، پرکھ رہا تھا، یاد کر رہا تھا۔ ”تم یہاں کیوں آئے ہو، جاؤ! میں خود آجاؤں گی۔“ بہت دیر بعد وہ سنبھل کر بولی۔ آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

”خود کو کوس لیں، رولیں واٹ ایور میں یہیں ہوں جب آپ فارغ ہو جائیں تو گھر چلیں گے۔“

”تم ایسے کب ہوئے، اسلان؟“ اپنے بازو کو چھوڑ اب وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ دھوپ اب بھی آس پاس سے ان کا محاصرہ کیے ہوئے تھی۔

”کیسا؟“

”یہ ظاہر کرنے والے کہ تم بے حس ہو۔“

”کئی سال ہو گئے ویسے یہ اچھا ہے۔۔۔۔ لوگوں کو علم ہو جائے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے تو وہ تکلیف کا دورانیہ طویل کر دیتے ہیں۔“

”کیا ظاہر نہ کرنے سے تکلیف کم ہو جاتی ہے؟“ اسلان رازدارانہ انداز میں آگے کو جھکا، ہلکا سا مسکرایا۔

"اس سے سبکی کم ہو جاتی ہے۔ کم از کم آپ یہ نہیں سوچتے کہ فلاں فلاں نے مجھے میرے کمزور لمحات میں دیکھا ہو گا، فلاں میرے زیادہ بات کر لینے پر کیا سوچتا ہو گا، فلاں کو میں کتنا کمزور لگتا ہوں گا؟" وہ آنکھیں سکیڑے کئی لمحے اسے دیکھتی رہی، اسلان اب اس سے نگاہ ہٹا کر معمول کی طرح سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں جب بھی روبرو ہوئے تھے اسلان نے کتنی مرتبہ سامنے اور کتنی مرتبہ اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا وہ گن کر بتا سکتی تھی، وہ کتنی بار مسکرایا تھا، کتنی بار گھور کر اسے دیکھا تھا اسے ازبر تھا۔

"تم میرے لیے معمہ بن گئے ہو۔" اسلان کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ "پہلی ملاقات میں تم نے بہت بری طرح مجھے جج کیا اور اس رات جب میں ٹیرس پر عدالت کے چکروں سے خوف زدہ ہو رہی تھی تب تم نے میری حوصلہ افزائی کی۔ تم میرے کہنے پر ایک کیفے کے باہر نہیں رکے مگر مجھے زخمی دیکھ کر تم مجھے ہسپتال بھی لے گئے، میرا وزن بھی اٹھایا۔ تم نے مجھے اپنے کمرے میں بند کیا پھر اپنی ہر انا ایک طرف رکھتے ہوئے مجھ سے معافی مانگی۔ تم کون ہو؟ قاتل، مظلوم، اچھے، برے یا ایک اداکار؟"

"میں کوئی نہیں ہوں تم مجھے جتنا جانو گی، اتنی الجھو گی۔"

"تم واقعی الجھا رہے ہو۔"

"تم نے کہا تھا تم میرا تعاقب نہیں کر رہیں۔" وہ اسے جتاتی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ "ایک بار پھر عورتوں سے میرا بھروسہ اٹھانا چاہتی ہو؟"

"تمھیں دیکھ کر لگتا ہی نہیں کہ تم کبھی کسی کی محبت میں خوار ہوئے تھے۔" اسلان اس کا دھیان اچھا خاصا بٹا چکا تھا لہٰذا وہ اپنی فائلز، لیپ ٹاپ اور بقیہ سامان اٹھانے لگی۔ اسلان نے چند سامان اسے پکڑائے باقی خود اٹھا لیے۔ "اسے بھی اتنا نخرہ دکھاتے تھے؟"

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "اٹس پرسنل۔" بنفشہ مسکرائی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے گاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر اس کے سامان اٹھائے چل رہا تھا۔

"تم اب ناراض نہیں ہو ہے نا؟"

"کیا فائدہ ناراض ہو کر بھی اسکار نے آپ کی چاکری کروانی ہے۔ جو کام ناراض ہو کر کرنا ہے وہ خوشی کیوں نہ کروں؟"

"چچ چچ..... بہت افسوس ہوا سن کر۔"

اسلان نے چلتے چلتے گھور کر اسے دیکھا، بنفشہ نے مسکراہٹ دبالی۔ "اور مجھے خوشی ہے کہ اب تم میرا تعاقب نہیں کر رہیں۔" گاڑی تک جاتے جاتے ان کے درمیان کوئی سنجیدہ گفتگو ہونے لگی تھی لیکن موبائل پر چلتی اسلان شجاع یمن کی انگلیوں نے ایک پیغام لکھ لیا تھا۔

"مجھے اس آدمی کی لوکیشن چاہیے۔ آج، دو گھنٹوں کے اندر۔" باقی تمام قصے اپنی جگہ مگر بنفشہ احسان اسلان کا تعاقب نہیں کر رہی تھی یہ بات سراسر غلط تھی۔

★★★★★

"ماضی"

اس کی اور احسان کی شادی کو آٹھ ماہ ہو چکے تھے۔

بہت دنوں بعد خود سے غافل ہو کر جب وہ بازار کے لیے نکلی تب پورے آٹھ ماہ بعد اس نے طلال بنگش کو ایک مال میں دیکھا۔ پورے آٹھ ماہ بعد آج وہ اس کے سامنے تھا۔ ان کے درمیان چند فرلانگ کا فاصلہ تھا جسے پار کرتے

ہوئے طلال تیزی سے آگے بڑھا مگر تمکنت نے اپنے قدموں کو ذرا بھی جنبش نہ دی۔ نہ آگے نہ پیچھے وہ تو یوں بھی درمیان کی ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اس کے عین سامنے آ کر رکا، اس کی نگاہیں تشنہ تھیں۔

"تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہو، تمکنت؟" اس کے قریب کھڑا وہ دیوانگی سے چلایا۔ کئی لوگوں نے پلٹ پلٹ کر اسے دیکھا۔ تمکنت کے ساتھ آئی ملازمائیں اچھنبے سے اپنی نئی مالکن کو ایک شخص کے لیے پتھر ہوا دیکھ رہی تھیں۔ ایسا جذبہ تو اس کی آنکھوں میں تب بھی نہ ابھرا تھا جب.... جب احسان اسے دعوتوں پر لے جاتا تھا۔ جب وہ اس کے لئے نت نئے تحائف لاتا تھا۔ تب جب ایک شان کے ساتھ اسے پورے کے پورے مخدوم حویلی کی ملکہ بنایا گیا۔ اور تب بھی نہیں جب شادی کے دو ماہ بعد اسے اپنے پہلے حمل کی خوش خبری ملی۔

مال کی سفید بتیوں میں اس کا چہرہ جواب کوڑھ زدہ معلوم ہوتا تھا وہاں یاسیت تھی۔ وہ زبردستی کے تعلق میں باندھ کر روند دی گئی تھی۔ "میں کچھ وقت کے لیے گیا تھا، میں نے تمہیں کبھی چھوڑا تو نہیں تھا۔ میں تمہارے لیے ساری دنیا اکٹھا کر رہا تھا اور تم نے اپنے لیے کیا چن لیا؟"

"میں نے کتنی بار تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی، طلال۔" اس کی ٹوٹی آواز میں زمانوں کی تکان تھی۔ یہ اس عورت کی آواز تھی جس نے اپنے خواب، محبت انتہائی نزدیک سے دیکھ لیے تھے وہ انہیں چھونا چاہتی تھی اور عین اسی پل دائیں بائیں سے کئی غنیم وارد ہوئے جنہوں نے اس کی ہر کاوش کو ردی کرتے اسے اس کی مرضی کے خلاف ایک ان چاہے تعلق سے نتھی کر دیا۔

"تمہاری کوئی کال کوئی خط مجھ تک کچھ نہیں آیا۔ میں تمہاری ایک صدا پر سات سمندروں کا سفر طے کر سکتا ہوں تمہیں ایسا کیوں لگا میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟ تم نے اپنے آپ کو ایک بار بھی بڑے پردے پر دیکھا ہے؟ آٹھ ماہ سے زیادہ وقت گزر چکا ہے اور آج بھی لوگ دیوانوں کی طرح تمہاری ایک جھلک دیکھنے سینیما آتے ہیں۔ تم ستارہ بن گئی ہو، تمکنت۔"

تمکنت کے لب کپکپانے لگے۔ احسان نے اس سے کہا تھا کوئی اسے نہیں دیکھنا چاہتا، کوئی اس کا مداح نہیں ہے اسے گھر میں قید کر کے وہ اسے بتاتا رہا کہ اس کی فلم بری طرح پٹ گئی ہے اور اس نے یقین بھی کر لیا۔ اس نے کہا تھا وہ اسے اداکاری کرنے دے گا، پھر اس نے کہا ایک وارث کے بعد اور اگر وہ وارث نہ دے پائی؟

"میں احسان کو نہیں چھوڑ سکتی، طلال۔"

"اور تم مجھے چھوڑ سکتی ہو؟" وہ بے یقین تھا۔

"تمہارے ساتھ جو بھی تھا وہ گزر گیا۔ میں اپنا شوہر اور آنے والی اولاد کو نہیں چھوڑ سکتی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، میں دوبارہ شوبز جوائن کر سکتی ہوں۔ تم اور میں دوست رہ سکتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" وہ کہہ کر مڑ گئی۔ اس کے عقب میں کھڑا طلال تہی دست رہ گیا۔ اس ایک عورت کی خاطر اس نے کیا کیا نہیں کیا تھا؟

چند ماہ بعد اس کے یہاں رئیس اور تاجور کی ولادت ہوئی۔ وہ خوش نہیں تھی۔ دونوں بچے اس کے اوپر ایک بوجھ تھے جسے اس نے اتار دیا۔ مگر احسان کی طرف سے اسے دوسرا دھوکہ تب ملا جب اس نے تمکنت کی اداکاری کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا۔ اور یہی عمل تمکنت کے اندر غیض و غضب بھر گیا۔

"میں تمہاری غلام نہیں ہوں، احسان۔" اپنے دونوں جڑواں بچوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ بری طرح چلا رہی تھی۔ "تم نے میرے ساتھ زبردستی تعلق قائم کیا، پھر شادی کا جھانسہ دیا اس کے بعد تم مجھے manipulate کرتے رہے اور اب تمہارے پاس ایک نیا روزنامچہ ہے؟"

صوفے پر بیٹھے سگار پھونکتے مرد پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تمکنت کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے یہ اس کا کوئی پسندیدہ منظر ہو۔ "ہمارے خاندان میں بیٹیوں کی پرورش بہت سختی اور دھیان سے کی جاتی ہے۔ تم اگر تاج کو نہیں دیکھو گی تو کون دیکھے گا؟"

”تم....“ اس نے جھک کر احسان کا گریبان پکڑا۔ ”تم فریبی ہو، میں تمہارے اس جال میں نہیں آؤں گی۔ جہنم میں جاؤ تم، میں اپنے دونوں بچے لے جاؤں گی، میں تم سے خلع لوں گی۔ یہ بچے میرے کام کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتے۔“ یہ جنگ جب چھڑ گئی تو نہ ختم ہونے کے لیے ان دونوں کے درمیان روز بحث ہوتی، تمکنت پر دیوانگی طاری ہو جاتی، روز کے اس جھگڑے سے بے زار ہو کر احسان نے دوسری اور پھر تیسری شادی کر لی۔ شادی کے پانچ سال تمکنت نے ہر طرح کی تکلیف دیکھی۔ نہ سنے جانے کی اذیت، اکیلا پن، وحشت، طعنے، احسان کی چند لمحوں کی بے زار قربت۔ اسے اولاد کا ہوش تھا نہ ہی اسے دنیا دکھتی تھی۔ احسان سے انتقام اور جلن کی آگ میں وہ بس خود کو تباہ کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے خزاں میں ایک بار پھر بہار دیکھی۔

طلال بنگش پانچ سال بعد دوبارہ آ گیا تھا، وہ کہیں گیا ہی کب تھا؟

★★★★★

پانچ سال بعد کسی شادی کی تقریب میں اس نے ایک بار پھر طلال کو دیکھا۔ اس کا ظاہر آج بھی ویسا ہی تھا اگر کچھ نہیں بدلا تھا تو یہ کمبخت سینے کی بائیں جانب والا لوتھڑا۔ کچھ نہ بدلنے والوں میں اس کی آنکھیں بھی تھیں۔ جنہوں نے تمکنت کو دیکھا تو نرم پڑیں، پھر ان میں شمعیں روشن ہوئیں، ارتکاز کا عرصہ طویل ہوا تو ان میں الفت بھی ابھری۔ وہ پانچ سال بعد دو بچوں کی ماں کو انہی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے ماضی کی اس کمسن، خوبصورت لڑکی کو دیکھا کرتا تھا۔ محبت کی نظر بھی بھلا تبدیل ہوتی ہے کیا؟

”واپس آ جاؤ، تمکنت۔“ تقریب سے واپسی کے سمے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس شخص نے التجا کی۔ آس پاس روشنیاں تھیں، پھول تھے۔

”میں تمہارے لائق نہیں رہی۔“ اس نے گردن جھکا کر کہا۔

”وہ گدھ تھا جو تمہارا حسن کھا گیا، تم میرے پاس واپس آؤ میں تمہیں سب لوٹاؤں گا۔ محبت، تمہارے خواب، تمہارا طلال۔“

”کیا تم پانچ سال بعد بھی میرے ہو؟“ طلال نے دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا، وہ دھڑک رہا تھا زور زور سے، بے چینی سے۔ اس کی آنکھیں تمکنت کی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔

”میں پانچ صدیوں میں بھی تمہارا ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پانچ سال بعد اس نے فیصلہ کر لیا تھا اسے واپس جانا ہے۔ اس شخص کے پاس جو اس کے دونوں بچے قبول کرنے کو تیار تھا۔ اس رات گھر جاتے ہوئے اسے علم نہیں تھا وہ ایک بار پھر حاملہ تھی۔ احسان کی ایک اور بیٹی، ایک اور ذمہ داری۔ اس نے تاج کی خاطر پانچ سال تمکنت کو قید کیا وہ اگلی بیٹی کے لیے کتنے سال قید کرے گا وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

طلال اور اس کی ملاقاتیں بڑھ گئیں۔ وہ اکثر سینیما گھروں میں ملتے، مستقبل کی پلاننگ ہوتی، اس نے خود پر توجہ دینا شروع کی تو ایک بار پھر حسن نکھر گیا۔ محض پچیس کی ہی تو تھی، ذراسی تراش خراش سے وہ از سر نو تبدیل ہو گئی۔ طلال چند ماہ کے لیے امریکا گیا ہوا تھا اس کے جانے کے چار ماہ بعد اور انہی دنوں اس کے یہاں ایک سات ماہ کی پری میچیور بچی نے جنم لیا۔ بنفشہ احسان مخدوم۔ طلال اس خبر سے خوش نہیں تھا۔

ساس، نند یہاں تک کہ احسان تک فلیٹ میں اس کے قریب نہیں تھے۔ طلال اچھا انسان تھا اس نے تمکنت کو قبول کر لیا تھا لیکن رئیس اور تاج کے لیے اس کی نگاہوں میں کچھ نہیں تھا۔ وہ تمکنت کی تیسری اولاد کی موجودگی سے بھی ناواقف نہیں تھا۔ اس نے بچی عظمیٰ بی کے حوالے کر دی۔ عظمیٰ بی....

تمکنت کی ملازمہ۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ چند ماہ بعد وہ طلال کو اعتماد میں لے کر اس بچی کو اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ کر لے گی مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ طلال اچھا معشوق تھا، اچھا باپ نہیں۔ اور اگر اچھا باپ تھا تو کسی احسان مخدوم کی اولاد کے لیے نہیں۔

احسان کو جب اس کے اور طلال کے معاشقے کی خبر ملی تو اس نے آخری بار تمکنت کا چہرہ بھی نہیں دیکھا بس طلاق کے کاغذات بھجوائے اور بچے اپنے پاس رکھ لیے۔ طلال اور تمکنت نے کورٹ میرج کر لی، جس پر طلال کے باپ نے اسے گھر اور جائیداد سے عاق کر دیا۔ وہ جو اسے بنفشہ کے متعلق بتانے، اور اسے بھی ساتھ رکھنے کا کہنے لگی تھی، ٹھہر گئی۔ اس کا محبوب شوہر یکلخت ڈھیر سارے مسائل میں گھر گیا تھا۔

چند ماہ بعد اسے دوبارہ کام ملنے لگا، طلال اور وہ ایک بار پھر سکرین پر چھا گئے، بچوں کی تحویل کے لیے طلال اس قدر خوار ہوا کہ اس نے ایک رات تمکنت سے کہا۔ ”اگر یہ تمہارے بچے نہ ہوتے تو میں انہیں احسان سمیت آگ میں جھونکتا۔“

”وہ میری اولاد ہیں، طلال۔“

”جانتا ہوں احسان آؤٹ آف کورٹ سیٹلمنٹ میں دو بچے دینے کو تیار ہے وہ تمہاری چھوٹی بیٹی نہیں دینا چاہتا۔“

”وہ بہت چھوٹی سی ہے اور۔“ وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی طلال رخ پھیر گیا تھا۔ اس رات تمکنت کو علم ہوا مرد چاہے کوئی بھی ہو اس کی خاطر اولاد کو پس پشت نہیں ڈالتے۔ وہ بنفشہ کا خرچہ اٹھا رہی تھی، اس کی دیکھ بھال کر رہی تھی مگر اس روز کے بعد وہ اسے کبھی گھر نہ لا سکی۔ نہ اسے واپس لانے کا سوچ سکی۔ طلال بنگش اس بچی کو اپنے گھر نہیں لانا چاہتا تھا۔ اسے اس ملک کی سب سے بڑی اداکارہ بننا تھا چند سالوں میں وہ بن گئی۔ شیطان کے کسی گرویدہ کی طرح اپنی ہی اولاد کو سولی چڑھا کر۔

★★★★★★★

وہ فون پر بات کرتے ہوئے کم رفتار میں گاڑی چلا رہا تھا جب کسی نے اس کی گاڑی کے آگے اپنی ہیوی بائیک کھڑی کر دی، فاصلہ کم تھا دمیر کو تیزی سے بریک لگانا پڑا۔ ایک تو مقدمے کا غصہ دوسرا

یہ بدلحاظی۔۔۔۔۔اس نے دو سے تین دفعہ ہارن بجایا مگر بائیک ٹس سے مس نہ ہوئی۔ وہ اپنی مہنگی گاڑی کا دروازہ زور سے مارتا نیچے اتر آیا۔بائیک پر بیٹھے نوجوان نے بھی اتر کر اپنے قدم اس کی طرف بڑھائے اس کے ہاتھ میں کرکٹ بیٹ تھا۔

”تمہارے باپ کی سڑک ہے یا تمہاری ماں کی؟ جہاں تمہارا دل چاہے گا وہیں بریک لگاؤ گے؟“موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے وہ اس کے منہ پر غرایا۔

”وکیل صاحبہ کو کون سا ہاتھ لگایا تھا؟“

دمیر ایک پل کے لیے ششدر رہ گیا۔وہ اس آواز کو پہچانتا تو تھا۔”تم۔۔۔۔تم اسلان ہو نا؟“

”کون سا ہاتھ؟“

دمیر ہنسا۔”تو تم بوائے فرینڈ ہو اس کے؟“اس نے مہنگی گھڑی والی کلائی اس کے سامنے کی۔”یہ ہاتھ تھا مسٹر کرمنل اب کیا کرو گے مارو گے مجھے؟“ہیلمٹ کے اندر سے جھانکتی بھوری آنکھوں میں چند پل کا ٹھہراؤ آیا اور اگلے ہی لمحے اس نے بغیر کچھ کہے بیٹ اس انداز سے دمیر کے دائیں بازو کی کہنی پر مارا کہ ہڈی چٹخنے کی آواز آئی۔ دمیر حلق کے بل چیخا،اس کی روح تک بلبلا کر رہ گئی تھی۔اسے اسلان یمن سے یہ امید نہیں تھی۔

”گھر سے باہر نکلنے والی عورتیں تمہاری جاگیر ہیں یا تمہارے باپ کی؟“اس کی آواز ٹھنڈی اور سفاک تھی۔دمیر مارے تکلیف کے تڑپ رہا تھا۔

”میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔“

”تم پہلے خود کو مجھ سے چھڑوا لو۔“

اسلان شجاع یمن نے جیب سے چھوٹا سا نوٹ پیڈ اور پین نکال کر اس کے گھٹنے پر رکھا۔ سرد آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑے رکھیں۔ ”اس پر دس بار سوری لکھو اور نیچے اپنے دستخط کرو۔“

”میری لاش سے گزر کر..... آہ....“ اگلے الفاظ اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے ہی کراہ میں تبدیل ہوئے یہ وار اس کی کلائی پر ہوا تھا۔ بازو ایک بار پھر چٹخا۔ یہ جہنم جیسا درد تھا دمیر کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

”تم جیسے لاش سے بدتر ہوتے ہیں۔ میں نے بہت سوچا تمہیں کیا سزا دوں تم نے اسے جسمانی اور روحانی تکلیف دی۔ مرد ٹف ہوتا ہے اسے روحانی تکلیف پر زیادہ اثر نہیں ہوتا اس لیے میں نے یہ چنا ہے۔“ شاید وہ اپنے کارنامے پر بہت فاخر تھا۔

”لکھو، ورنہ تمہاری ہڈیاں ختم ہو جائیں گی میرا ہاتھ نہیں رکے گا۔“ وہ سرد مہری سے غرایا۔ درد اور تکلیف سے دمیر پر غشی سی طاری ہو رہی تھی وہ ہاتھ سے نہیں زبان سے لڑنے والوں میں سے تھا، اور اس کے سامنے کھڑا زبان کے علاوہ ہر پرزے سے۔ اس نے نوٹ پیڈ پر تیز تیز دس بار معذرت لکھی۔ ہیلمٹ والا لڑکا اٹھ کھڑا ہوا، چند پل اسے خاموش نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر بلا گھما کر ایک بار پھر اس کی کہنی پر دے مارا۔ یہ وار اس کے اپنے لیے تھا، اس آگ کے لیے جو اس کے اپنے دل میں تھی۔

”ہاتھ کیسے لگایا؟“ دمیر پر اچہ ایک ہراسر کی چیخیں یقیناً دور تک گئی ہوں گی۔ یہ تھی ہر اس مرد کی اوقات اور سزا جس کا ہاتھ عورت تک جاتا ہے۔ ایک آخری قہر آلود نگاہ اس پر ڈالتے کاغذ جیب میں رکھتے اسلان یمن وہاں سے جا چکا تھا۔

★★★★★

"ماموں آپ کو آنا چاہیے تھا۔ اس دمیر کی شکل دیکھنے والی ہو گئی تھی۔" لعل یمن کے باورچی خانے میں اس لڑکی کے بولنے کی آوازیں آرہی تھی جو پہلی مرتبہ عدالت گئی تھی۔ یوں تو وہ اپنے دو عدد چچا، ایک بھائی اور ایک ماموں کے ساتھ رہ رہ کر آدھا مرد بن چکی تھی مگر بعض دفعہ اس کا لڑکیوں والا جوش جاگ جایا کرتا تھا۔ "مجھے پکا یقین ہے یہ تمکنت آنٹی ڈرامہ کر رہی تھی آپ کو کیا لگتا ہے چاچو؟"

"تھا تو ڈرامہ مگر جس انداز سے وہ گری تھی پکا سر کی ہڈی کچلی گئی ہو گی۔" سہراب نے مسکرا کر تبصرہ کیا۔ "بڑی ہی مکر باز عورت ہے۔"

"سہراب پلیز اگلی بار میں بھی چلوں گی۔" آمنہ بچوں کی طرح پر جوش ہوئی۔ چھ فٹ کے سہراب نے پلٹ کر اپنی بیوی کو دیکھا۔ باقی سب نے مسکراہٹ دبائی۔ "مجھے بھی دیکھنا ہے کورٹ میں کیا کیا ہوتا ہے۔"

"سرکس تھوڑی ہے، عدالت ہے، آمنہ۔"

"آپ کو چاہیے تھا کوئی ویڈیو وغیرہ بنا لیتے۔" اسے نیا شکوہ یاد آیا۔ "کیسے گری تھی کھڑے یا بیٹھے ہوئے؟" اب کے اسلان نے مسکراہٹ دبانے کا تکلف نہیں کیا۔ چاچو اسکار کی بیوی کی بے وقوفوں والی فرمائش پر وہ خوامخواہ ہنس رہا تھا۔ آگ لگتی ہے تو لگتی رہے۔

"آمنہ.... عدالت میں کیمرے کی اجازت نہیں ہوتی۔"

"ایویں ہی نہیں ہوتی؟ وہ جو ماسک والا خوبصورت لڑکا تھا۔ جس نے ایک حادثے میں ایک بچے اور اس کی ماں کو مارا تھا، اس کی بھی تو ویڈیو آئی تھی۔" سہراب نے اس کی پوری بات سنی اور سمجھی ہو یا نہ ہو "ماسک والا خوبصورت لڑکا" یہ اس نے سنا، سمجھا، سلگا اور ایک عدد جھگڑے کے لیے ذہن میں بٹھا لیا۔

"وہ لڑکا واقعی ہینڈسم تھا ماموں آپ نے دیکھا ہے؟" اسلان نے سہراب کو باقاعدہ نظر انداز کرتے ہوئے یافث سے سوال کیا۔ یافث اس کے انداز سمجھ رہا تھا اسی لیے بڑی معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں مجھے دکھاؤ ذرا۔" اسلان گوگل پر اس کی تصویر نکال چکا تھا اب وہ موبائل لیے یافث کی طرف آیا۔

"ہینڈسم تو واقعی ہے۔" یافث نے تصویر دیکھتے ہوئے تائید کی۔

"مجھے بھی دکھاؤ۔" آراہ نے گردن درمیان میں اٹکائی۔ پھر اس کی آنکھیں ستائش سے پھیلیں۔ "پیارا تو ہے آپ صحیح کہتی ہیں چچی۔"

"خیر اب اتنا بھی خوبصورت نہیں ہے۔" آمنہ نے جب اپنے میاں کے جبڑوں میں کھنچاؤ اترتا محسوس کیا تو بیچ بچاؤ کے لیے درمیان میں آگئی۔ سہراب کچھ حد تک پرسکون ہوا البتہ غصہ کم نہیں ہوا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا موبائل لے کر اس کی تصویر دیکھے مگر غیرت آڑے آگئی۔ آراہ، اسلان، یافث اب تک ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ وہ گھر ایک بار پھر پر رونق تھا، کثافتیں دھل رہی تھیں۔

لعل یمن سے ملحقہ گھر میں باتوں اور قہقہوں کی آواز جا رہی تھی۔ موبائل ہاتھوں میں تھامے بنفشہ ٹکر ٹکر سکرین کو تک رہی تھی۔ اسے رہ رہ کر تمکنت کا گرنا اور اپنے قدم زمین پر جمالینا یاد آرہا تھا۔ آج تاج کے گھر میں صف ماتم ہو گا، آج نایاب کو گھر سے نکل جانے کے حکم نامے دیے جا رہے ہوں گے، آج رئیس اس کی وجہ سے کٹہرے میں کھڑا ہو گا، آج اس کے اپنے تکلیف میں ہوں گے۔ وہ یہ سب نہیں سوچنا چاہتی تھی مگر سوچیں رہ رہ کر دروں کی طرح اس کے جسم پر لگ رہی تھیں۔ وہ شاہ ویر کی موت پر بھی ان کے ساتھ نہیں تھی، وہ آج بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ لعل یمن کا حصہ بھی نہیں تھی نہ کبھی ہو سکتی تھی۔ ایک خوشحال گھر ہر لڑکی کا مقدر نہیں ہوتا یہ بات سمجھنے کے لیے اسے زمانے درکار تھے اور ہر گھڑی ایک زمانے برابر۔۔۔

تھوڑی دیر بعد اس کے دروازے پر دستک ہوئی وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی برامدے تک آئی۔ لعل یمن اور کوارٹر سے ملحقہ دروازہ بج رہا تھا۔ اس نے کنڈی کھولی تو اسلان یمن سامنے کھڑا تھا۔ ”آپ مصروف ہیں؟“

”کوئی کام ہے؟“

”نہیں ــــــ کام نہیں ہے لیکن ہم باربی کیو کر رہے ہیں ماموں نے بولا ہے آپ بھی آجائیں۔“ ماموں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا یہ الگ بات تھی۔ مگر وہ سنبھال لے گا۔ وہ گھر پر اکیلی بیٹھی رہے یہ اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”میں یہیں ٹھیک ہوں۔“

”وہاں بہتر ہوں گی۔“ اس نے یقین سے کہا۔ ”ایک اور چیز دینی تھی۔“ اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ بنفشہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر لفافے کو۔ دو انگلیوں سے اس کاغذ کو تھامتے ہوئے اس نے لفافہ چاک کیا اور اندر سے ایک سفید کاغذ برامد کیا۔ جس پر انگریزی میں سوری لکھا تھا اور ــــــ اس کے اعصاب جامد ہوئے۔ ایک کونے پر دمیر کے دستخط بھی تھے۔

”یہ ــــــ؟“

اسلان نے شانے اچکائے۔ ”ایک خاتون کو ہراساں کرنے پر دمیر معذرت خواہ ہے۔“

”اسلان یہ ــــــ“

”اس نے خود لکھا ہے آئی سوئیر دستخط بھی اسی کے ہیں۔“

وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکی۔ ”تم نے کیا کیا ہے؟“

”میں نے جو بھی کیا ہو اسے ہاتھ نے ہاتھ کیسے لگایا؟“ ایک لمحے کو وہ اس کا لہجہ نہیں سمجھ پائی، اسلان خود بھی نہیں سمجھ سکا۔ وہ چند پل وہیں کھڑا رہا اور پھر پلٹ گیا۔ بنفشہ احسان مخدوم اس دروازے سے ہٹ نہیں سکی۔ اس کے کانوں میں بس ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔

”اس نے ہاتھ کیسے لگایا؟“

★★★★★★★

اس کے گھر کا نظام ہی الٹ پلٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ فانوس فرش بوس، آرائشی نوادرات کرچی کرچی اور اس کا دل؟ اس دل نے اگلی کئی صدیوں تک نہیں جڑنا تھا۔ زید اس کے کمرے کے باہر بیٹھا تھا، اسے اپنی ماں کی فکر نہیں تھی۔ وہ اداکارہ، اس کا ہر غم جھوٹ، ہر حزن سوالیہ نشان۔ ”تاج.... آپا پلیز خود کو تکلیف مت دو۔“ وہ یونہی بیٹھے بیٹھے کوئی بیسویں بار اسے پکار رہا تھا۔ ”اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے کچھ غلط نہیں کیا پلیز باہر آؤ۔“ وہ مزید ہذیانی انداز میں چیخنے چلانے لگی۔ اس کی ہر تکلیف قلبِ زید پر بھاری تھی۔

دفعتاً زینوں پر آہٹ ہوئی، ابتسام حواس باختہ سا اسی طرف آ رہا تھا۔ اس نے زید کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کا طیش اسے بتا رہا تھا کہ اداکارہ کی اداکاری اور فلم ساز کی منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ نیم برہنہ راز بھرے بازار میں عریاں ہو چکے تھے۔ ”میری بہن نے تمہارے لیے کیا کیا نہیں کیا اور تم نے اسے دھوکے میں رکھا؟“ زید نے ملامت کی۔

ابتسام کا سر شرم سے جھک گیا۔ ”تم نہیں سمجھو گے، زید۔ جب اس معاشرے میں مرد کو انسان نہیں ”مرد“ بنا کر بڑا کیا گیا ہو تو وہ پچیس چھبیس کا ہو کر اس بات کا اقرار نہیں کر سکتا کہ وہ تولیدی صلاحیتوں سے محروم ہے۔“ آج اس کی آنکھوں میں شکست تھی۔ ”کوئی نہیں سمجھتا کہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں جس طرح ایک عورت بانجھ

ہو کر ہمدردی کی مستحق ہوتی ہے اس طرح مرد بھی ہوتا ہے مگر اسے کیا ملتا ہے صرف اور صرف تضحیک۔ تم نارمل ہو زید یہ تکلیف تم نہیں سمجھ سکتے۔ اس معاشرے میں مرد ہونا بہت بڑا جرم ہے۔"

"کم از تم اپنی بیوی کو تو بتا سکتے تھے۔"

"کوئی مرد نہیں بتا سکتا، زید۔ کسی میں اتنی جرات نہیں رہتی۔ یہ باتیں بیوی تک نہیں رہتیں، بیوی سے ساس اور ساس سے سارے زمانے تک یہ بات پھیل جاتی ہے۔ لوگ عجیب عجیب نام رکھ دیتے ہیں، آپ جہاں سے گزریں معنی خیز مسکراہٹوں سے نوازا جاتا ہے مرد بھی ایک انسان ہے اور...." اس کے الفاظ حلق میں رہ گئے جب ان دونوں نے اندر سے ایک چیخ سنی اور پھر مکمل خاموشی۔

"تاج...." زید بے قراری سے آگے بڑھا، دروازہ دھڑا دھڑ بجا ڈالا۔ "آپا تم ٹھیک تو ہو؟" خاموشی کا دورانیہ طویل ہو گیا۔ ابتسام دیوانہ وار بھاگا اور ایک چابی لے کر آیا۔ چابی کے سوراخ میں چابی ڈالتے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ وہ جھوٹا اور فریب کار تھا مگر اس عورت کے لیے اس کے جذبات کھرا سونا تھے۔

دروازہ کھلا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ تاجور کے آس پاس شیشے بکھرے تھے اور وہ پلنگ کی پائنتی پر ٹکی بیٹھی تھی۔ آنکھوں سے عارضوں پر قطرہ قطرہ پانی گرتا بے مول ہو رہا تھا۔ زوال کو آتا کیریئر، بے اولادی، بھائی کا قتل اور اب شوہر کی بے وفائی۔ وہ کس ملال پر کتنا روئے؟

شاہ زید اندر جانا چاہتا تھا مگر ابتسام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ وہ رک گیا۔ جو بھی تھا اس وقت وہ میاں بیوی تنہائی میں بات کر سکتے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس کے پاس آکر بیٹھا۔ کئی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے پھر اس نے مدھم آواز میں اس تقدس کو توڑا۔ "شادی سے ایک سال پہلے جب ہم انگلینڈ میں تھے مجھے تب پتہ چلا تھا۔" تاج کی آنکھوں سے نیر دوبارہ بہے گیا۔ "میں جس دوست کے ساتھ گیا تھا اس نے باقی دوستوں میں اس

بات کو مشہور کر دیا۔ مرد مضبوط کی علامت ہے، مرد سب کر سکتا ہے اور اس کی مردانگی تب مانی جاتی ہے جب وہ ایک بچہ پیدا کر کے دکھاتا ہے لیکن....“ ابتسام نے آنکھیں رگڑیں۔

”اس معاشرے نے مردانگی کے بہت غلط معیار طے کیے ہیں۔ سب مرد صاحب اولاد نہیں ہو سکتے اور جب ان میں کوئی مسئلہ ہو تو یہ اس کا ”چناؤ“ نہیں ہوتا۔ میرے دوست مجھ پر ہنستے تھے، تاج۔ مجھے لگا تم بھی ہنسو گی، تم نے کہا تھا تمہیں اولاد چاہیے۔ شادی میں سب سے ضروری چیز اولاد ہوتی ہے اور مجھے لگا اگر میں تمہیں بتادوں گا تو تم مجھے چھوڑ دو گی میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں اس معاشرے میں مرد ہونے کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔“

تاج نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے پہلو میں بیٹھا یہ مرد کل تک اس کی کل کائنات تھا اور آج خاک بھی نہیں۔ ”تم نے وہ معنی خیز نظریں، لوگوں کے ٹھٹھے، وہ طعنے میری طرف موڑ دیے ابتسام۔ اگر تم چاہتے تو مجھے بتا سکتے تھے۔ تم چاہتے تو میرا گلٹ ختم کر سکتے تھے۔ میں تمہاری ساتھی تھی۔ لیکن تم نے اپنے غموں میں مجھے استعمال کیا۔“

”میں کیا کرتا؟ میری زندگی اچھی نہیں تھی۔“ اس نے کہتے ہوئے تاج کے گرد اپنا ہاتھ پھیلایا جسے اس نے تیزی سے جھٹکا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی، اس کے چہرے کا کرب وہ خاک کرے یا خاکستر کرے۔

”اس دنیا کے آدھے مردوں نے اچھی زندگی نہیں دیکھی اگر اس طرح ہر مرد کا اپنی بیوی سے کیا برا سلوک اس کے ٹراما سے جوڑ دیا جائے تو ہر پٹنے والی عورت کی مار ضائع، قتل ہونے والی عورتوں کا قتل بے کار اور زیادتی کا شکار ہونے والی عورتیں....“ وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ”انہیں تو خیر زندگی میں ہی سزائے موت دی جاتی ہے۔“

نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ الماری تک گئی۔ اپنے لیے ایک پرس اٹھایا، پلنگ پر پڑا اپنا موبائل اٹھایا اور ابتسام کو دیکھا۔ اس کی بھیگی آنکھوں میں فیصلہ اور قطعیت تھی۔ ”میں تم سے طلاق چاہتی ہوں۔ تم چاہے جہنم میں پیدا ہوئے ہو، چاہے تمہارے سر پر دکھوں کا تاج رکھا گیا ہو تمہارا ماضی میرا مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی سزائیں تم مجھے نہیں

دے سکتے۔" ابتسام کے قدموں سے زمین اور سر سے آسمان یکلخت غائب ہوا۔" میں کسی فریب کار کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"میں نے اپنی ساری زندگی تم پر لٹا دی تاج۔ میں نے جتنی محبت تم سے کی اتنی آج تک کسی سے نہیں کی، تمہارے لیے ایک بچے کا نہ ہونا اتنی بڑی بات ہے کہ تم ابتسام کو چھوڑ دو گی؟"

دروازے تک جاتی ٹوٹی، بکھری اور سنبھل کر کھڑی ہوئی عورت اس کی طرف مڑی۔" بچہ نہیں.... مجھ سے جھوٹ بولنا، میرا استعمال کیا جانا، مجھے دنیا کے سامنے پنچنگ بیگ کے طور پر پیش کرنا تمہیں چھوڑنے کی وجوہات یہ ہوں گی۔" ابتسام تڑپ کر اس تک آیا۔

"تم مجھے گولی مار دو، مجھے مار دو مگر میرے ساتھ یہ مت کرو۔ میری ساری زندگی تمہارے گرد گھومتی ہے، میں تمہارے بغیر کیا کروں گا؟ سزا دو مجھے مگر یہ مت کرو۔"

"سزا تو مجھے ملی ہے۔ تمہارے لیے عالمگیر کو استعمال کیا تھا اور اللہ نے مجھے تم سے رسوا کروا دیا۔ کئی سال پرانا کارما تھا جو آج مجھے کھا رہا ہے۔ وہ اپنے باپ کی محبوب اولاد تھا، اس کی بد دعا لگ گئی۔" ابتسام ساکت رہ گیا۔ اس نازک لمحے میں عالم کا کیا ذکر؟ کیا شادی کے اتنے سالوں بعد بھی وہ وہیں تھا؟ وہاں کہاں؟.... ان دونوں کے درمیان یا پھر تاج کے دل میں؟ اس وقت ابتسام اس بات سے ناواقف تھا کہ چھینی ہوئی چیزیں کبھی اپنی نہیں ہوتیں۔

★★★★★

"آراہ سے بات کون کرے گا؟" سہراب اور یافث کے درمیان یہی مسئلہ زیر بحث تھا۔ ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھا اسلان ناپسندیدگی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر بل تھے۔" میں نے شاہ ویر والے معاملے کے دوران اچھی خاصی مخالفت کی تھی اب اگر میں بات کروں گا تو اسے لگے گا میں اس پر یہ تعلق تھوپ رہا ہوں۔"

سہراب نے جواز پیش کیا۔ ”دوسری بات اس وقت اسے جذباتی سہارے کی ضرورت ہوگی اور مجھ سے تمہید باندھ کر بات نہیں ہوتی۔“

”آخر آپ سب کو جلدی کیا ہے۔ اس کی عمر نکلی نہیں جارہی۔ شاہ ویر کو مرے ہوئے محض چار ماہ گزرے ہیں اور آپ سب جانتے تھے وہ دو ڈھائی سالہ تعلق تھا اسے موو آن کرنے کا وقت تو دیں۔“

”تمہیں وقت دیا تھا نا چار سال بعد آج کہاں ہو تم؟“ وہ تینوں چونکہ ہال میں بیٹھے تھے تو کاغذات لے کر اندر آتی بنفشہ ٹھٹک کر دروازے پر رکی۔ ایک تو وہ اپنے اس گھر میں داخلے کے اوقات سے سخت نالاں تھی۔ جب بھی آتی تھی جھگڑا ہی ہو رہا ہوتا تھا۔

”آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے چاچو؟ پنار مر گئی لیکن میری زندگی کا عذاب ختم نہیں ہو رہا۔ آپ نے مجھے تباہ کیا اور اب آپ آراہ کے ساتھ بھی وہی کر رہے ہو۔“ وہ کڑواہٹ سے کچھ زیادہ ہی سخت الفاظ کہہ گیا۔ بنفشہ جانے کو پلٹی مگر اسلان تب تک اٹھ چکا تھا۔ ”آپ یہاں سے جانے کا تکلف مت کریں آپ تو ان کی فیورٹ ہیں۔ آئیں بیٹھیں میری بے عزتی ملاحظہ کریں۔“

”اسلان میرا یہ مقصد نہیں تھا میں کچھ اور بات کر رہا ہوں۔ یہ رشتہ اس کے آگے بڑھنے کے لیے درست فیصلہ ہوگا۔ ہم ابھی شادی نہیں کر رہے، منگنی کر دینے میں حرج ہی کیا ہے؟“ وہ اب بھی تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

”حرج یہ ہے کہ آپ ہم سب کی زندگی کو کنٹرول کرنا چاہتے ہو لیکن یہ سب آراہ کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اس سے دور رہو پلیز۔“ وہ کہہ کر اٹھ گیا۔ سہراب لب بھینچے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پہلو میں گری مٹھی سختی سے بند کر لی۔ وہ اس کے گرد رسی جس مضبوطی سے کس رہا تھا اس سے زیادہ تیزی سے وہ رسی ٹوٹ رہی تھی۔ وہ چلا گیا تو بنفشہ نے سہراب کو دیکھا۔

”اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں؟“ کاغذات میز پر دھرتے اس نے شائستگی سے اجازت چاہی۔

”کہیئے!“ سہراب نے اسے اجازت دی۔

”آپ اسے کسی جگہ نوکری کیوں نہیں کرواتے؟ یہ آپ کے گھر کا مسئلہ ہے مجھے اس میں بولنا نہیں چاہیے مگر میری ایک دوست تھی اس کا بھائی بھی ضدی اور ہٹ دھرم تھا۔ پھر اس کے ابا نے اس سے پندرہ ہزار والی نوکری کروائی اور وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔ اسے گھر اور باپ کی قدر بھی ہو گئی۔ آپ بھی اسے کہیں کام پر لگوا دیں۔“

”آپ کا مشورہ بالکل درست ہے مگر اس نے ایڈنبرگ سے اسکرپٹ رائٹنگ اور فلم میکنگ پڑھی ہے۔ اس کی بنا پر یہاں کب نوکریاں ملتی ہیں؟ یوٹیوب وغیرہ پر اپنا چینل تھا اس کا وہ بھی بند کر دیا۔ پھر اس کا داخلہ یہاں ایم اے سی میں کروایا تو وہ بھی آدھے میں چھوڑ دی۔ پندرہ بیس ہزار کی نوکری وہ کرنے سے رہا اور اچھی نوکری کے لیے ڈگری نہیں ہے۔“

”اوہ....“ اس نے سر جھٹکا اور آگے آئی۔ ”پارٹی میں آنے والے یہ کچھ گواہوں کی فہرست ہے۔ میں سوچ رہی ہوں ان کو بلا لیں؟“

”شیور۔“ بنفشہ چند اور باتیں پوچھ کر جانے لگی تو سہراب نے اسے افطار کے لیے مدعو کر لیا۔ جس پر اس نے شائستگی سے معذرت کی۔ وہ کافی بار ان کے گھر سے سحری اور افطار کر چکی تھی اب ایک عدد افطار اس کی طرف سے بھی بنتی تھی اور وہ اسی کی تیاریوں میں تھی۔

وہ چلی گئی تو سہراب یافث کی طرف متوجہ ہوا۔ ”تم بات کر لو گے؟“

”اسلان بات کر لے گا میں اس کو کہہ دوں گا۔“

دونوں کے درمیان خاموشی چھاگئی۔ بہت دیر تک وہ دونوں چپ رہے۔ پھر سہراب نے بے حد سرسری انداز میں پوچھا۔ "قرضے کا کیا بنا؟"

یافث نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "میں عالم کے پیسے جلد دے دوں گا۔"

"عالم جانے اور تم.... کتنی قسطیں رہتی ہیں؟" فائل کے اوراق پلٹتے ہوئے وہ خود کو مصروف ظاہر کر رہا تھا۔

"تین قسطیں رہتی ہیں۔ ایک بڑے ایونٹ کا کام ملا ہے، اللہ کرے اچھا جائے۔ ایک قسط کا بندوبست تو ہو جائے گا۔" سہراب نے سر ہلا دیا۔ ان دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ پتھر قطرہ قطرہ پگھل رہا تھا، یہی کافی تھا۔

★★★★★

وہ اگلے دن یونیورسٹی چلی آئی۔ اچھی خاصی دھوپ تھی۔ گرمی سے لوگ بے حال نظر آرہے تھے۔ اسلان کی کال آنے پر وہ کلاس سے باہر نکل آئی تھی۔ اس کی کلاسز یوں بھی ختم ہو گئیں تھیں سو وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اسی پل اسے موبائل پر زید کا پیغام موصول ہوا۔ اس نے کوئی دعوت نامہ بھیجا تھا۔ جگہ اور وقت کا اندراج موجود تھا۔ ستائیس جولائی.... شاہ ویر بنگش کی سالگرہ۔ آراہ کے آس پاس کی ہر طرف سکوت چھا گیا۔ اس کا نام آیا، تو اس کا ذکر آیا، ذکر آیا تو.... جو دل جڑا تھا وہ ہزار حصوں میں دوبارہ ٹوٹا۔ پانچ ماہ، پانچ ہفتے، پانچ سال یا پانچ صدیاں وہ اس شخص کی یاد پر کبھی بے حس نہیں بن سکتی تھی، ایسا اسے لگتا تھا۔

"میں نہیں آسکتی۔" دل مضبوط کر کے اس نے لکھ کر بھیجا۔ قطعیت بھرا پیغام، بے حسی یونہی نہیں آتی اسے لانے کے لیے دل کی لذت کے سرے کاٹنے ہی تھے۔ وہ دور گزر گیا جب معشوق محبوب کے ساتھ دم توڑا کرتے تھے

اب لوگوں نے "موو آن" نامی اصطلاح متعارف کروادی تھی۔ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ چکی تھی اسے اب اس شخص سے آگے بڑھ جانا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسلان کے ساتھ گاڑی میں موجود تھی۔ سڑک کنارے خوانچہ فروشوں کے ٹھیلے لگے تھے ایک ایک شے پر اس کا دل للچا رہا تھا۔ مگر روزہ تھا۔ "افطاری کے لیے چنہ چاٹ لے لیں؟" اس نے اسلان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اسلان نے نظریں سڑک پر جمائے رکھیں۔ جیب تھپتھپائی تو اس کا بٹوہ نہیں تھا۔ سینے والی جیب میں ہاتھ ڈالا تو صرف ایک سو کا نوٹ برامد ہوا۔

"اگر تم ادھار دے دو تو لے لیتے ہیں۔"

آراہ کی رنگت بدلی۔ "کل لیں گے آج موڈ نہیں۔"

اسلان چونکا، ٹھہر کر اسے دیکھا۔ "تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں؟"

اس کی چوری جیسے پکڑی گئی ہو۔ اسلان سے کچھ چھپانا مشکل تھا سو خاموش رہی۔ "کب سے پیسے ختم ہیں؟"

"ہر مہینے ماموں پیسے دیتے ہیں اس دفعہ میں نے مانگے نہیں۔ وہ شاید بھول گئے ہوں، چاچو ویسے بھی پریشان ہیں بھائی۔ ان کی تنخواہ سے گھر کیسے چلے گا؟" اسلان یمن کو بے اختیار احساس ہوا سہراب اس وقت مری میں نہیں تھا جہاں اسے محض دو لوگوں کا خرچہ اٹھانا پڑ رہا ہو۔ وہ یہاں ایک پورے کنبے کے تین وقتوں کا کھانا پورا کر رہا تھا۔ مجال ہے جو اس آدمی کے ماتھے پر شکن آئی ہو۔ اسے خود سے شرم آنے لگی۔ اسے کم از کم آراہ کا خرچہ تو اٹھانا چاہیے تھا۔

"انہوں نے لون بھی لیا ہے، بھائی۔" اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس کا دل کیا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ بھی گھر کا مرد ہے اس کے بھی کچھ فرائض ہیں۔

"میں کوئی نوکری تلاش کرتا ہوں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ آراہ خاموش رہی۔ تھوڑی دیر بعد اسلان کو وہ بات کرنا یاد آیا جس کے لیے اسے خاص طور پر یہاں بھیجا گیا تھا۔ چاچو سے لڑ لیا لیکن ماموں کے پچکارنے پر ماننا پڑا۔ وہ اس کے سامنے ویسے ہی مان جایا کرتا تھا۔ "ایک بات پوچھوں؟" گاڑی طویل شاہراہ پر ڈالتے وہ مستفسر ہوا۔

"تم اجازت کب سے لینے لگے ہو؟"

"جب سے وہ وکیل میرے پلے باندھی ہے۔ عجیب ہے وہ، ہر وقت مجھے آداب سکھاتی ہے یوں کرو، یوں بولو، یوں مت بولو۔ میں کوئی اس کا غلام ہوں؟" اسے باقاعدہ تمیز سکھاتی بنفشہ نظر بھی آئی۔

"بڑے عرصے بعد تم آداب سیکھ رہے ہو دیکھ کر اچھا لگ رہا ہے۔"

"مجھے بھی بہت اچھا لگے گا اگر تم شاہ ویر کو پیچھے چھوڑ کر اپنی زندگی میں آگے بڑھو۔"

آراہ کی مسکراہٹ لمحے کے ہزارویں حصے میں غائب ہوئی۔ "کیا مطلب؟" وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

اسلان نے کنپٹی مسلی۔ "وہ تمہارا کلاس فیلو ضارم اس کی ماں رشتہ لانا چاہتی ہیں۔ چاچو اور ماموں راضی ہیں۔ سچ بتاؤں تو ضارم مجھے بھی اچھا لگتا ہے، کتنے عرصے سے ہم اسے جانتے ہیں، کبھی کوئی بری بات نہیں سنی۔ میں نے اپنے زریعے سے پتا بھی کروایا ہے کافی اچھا لڑکا ہے۔"

"میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔" الفاظ بہ مشکل اس کے حلق سے نکلے۔

"کیوں تم نے ستی ہونا ہے؟"

"پنار کے بعد آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"تصحیح کرو۔۔۔ ایک قاتل اور اغوا کار کو کوئی اپنی بیٹی دینا نہیں چاہتا تھا۔ انکار کر کے میں نے اپنی عزت نفس بچائی ہے۔ آج تک جو بھی لڑکی مجھ سے ملی اس نے مجھ سے ایک ہی سوال پوچھا۔ "میں نے پنار کو کیوں مارا؟" کسی نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا "کیا میں نے اسے مارا ہے؟" جب کوئی مجھ سے یہ سوال کرے گی میں اس کے بارے میں سنجیدگی سے ضرور سوچوں گا۔" اس نے آراہ کی طرف دیکھا۔ یہ نہیں بتایا کہ کوئی اس سے یہ سوال کر چکی ہے۔ "اس وقت یہاں تمہاری بات ہو رہی ہے۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ "کیا خیال ہے، آراہ؟" اب کے اس نے نرمی سے استفسار کیا۔ "کوئی زور زبردستی نہیں ہے، کوئی دباؤ بھی نہیں۔ جو تمہارے دل میں آتا ہے کہہ دو۔ میں تمہیں فورس نہیں کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا۔" آراہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے وقت چاہیے، مجھ پر دباؤ نہ ڈالا جائے.... پلیز۔" اسلان نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بال سہلائے۔

"اوکے!" گاڑی میں دوبارہ اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ گھر میں بھی نہیں ہو گا یہ اسلان کا ارادہ تھا۔

★★★★★

("ایک منٹ رک جاؤ...." اس نے انگلی اٹھا کر روکا۔ "مجھے میری مرضی کی کچھ چیزیں جاننی ہیں۔"

"اور ماشاءاللہ سے میں تو تمہاری ہر بات مانتا ہوں جیسے؟" یہ طنز تھا۔

"تمہیں ماننی پڑیں گی۔"

لکھاری نے تمسخر سے سر جھٹکا۔"بلی کے خواب میں چھیچھڑے!"

"مجھے عالم اور اس کی قید کی ملاقات کا قصہ سناؤ.... مجھے دمیر پراچہ کا دھوکے کے بعد والا چہرہ دیکھنا ہے۔ اور اگر، شاہ زید اور سہراب کی ملاقات ہو جاتی تو.... انتہائی معصومیت سے التجا کی۔"قصہ گو نے آنکھیں گھمائیں۔ ہاتھ جھلایا۔ خیر قصہ سنانے کو وہ راضی تھا۔)

★★★★★

"عالمگیر کی قید!"

"عبیر کیسی ہے؟" شیشے کے ایک طرف بیٹھے اسلان نے دوسری طرف بیٹھے قیدی باپ کی آواز سنی۔ ہمیشہ کا سا استفسار۔ وہی بے چینی، وہی تشنگی۔

"ٹھیک ہے۔ عدالت کی طرف سے اس کو اجازت ہے وہ آپ سے مل سکتی ہے کیا میں اسے لاؤں؟"

"ہر گز نہیں۔" فون پر اس کی گرفت سخت ہوئی۔ "تمہیں پتہ ہے وہ ذہین ہے یہ منظر اس کے ذہن میں بیٹھ گیا تو ساری عمر یاد رہے گا۔ میں اپنی بیٹی کے دماغ میں تلخی نہیں بھرنا چاہتا۔"

"کب تک چھپائیں گے؟ آپ جیل سے نکل سکتے ہو، جیل آپ سے نہیں نکلتا۔ لوگ آپ کو اور اسے بار بار یاد دلائیں گے کہ اس کے باپ نے کیا کیا تھا۔"

"میری بیٹی میرا اعتبار کرے گی۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا کی باتوں میں آجائے۔" اسلان اور اس کی مایوس سوچیں۔

عالم نے نفی میں سر ہلایا۔ "اپنے تعلقات کی بدگمانی کا خوف ان کو ہوتا ہے جنہوں نے خود کہیں ملاوٹ کی ہو۔ میں ایک اچھا باپ ہوں، اچھا بیٹا تھا، اچھا بھائی ہوں اور ایک بہترین شوہر تھا۔ مجھے کوئی خوف نہیں ہے، اسلان۔ تم بھی یہ خوف نکال دو۔" اسلان نے گردن جھکا دی۔

آپ جیل میں رہ کر بڑی اخلاقیات سیکھ گئے ہو کچھ عرصہ یہیں رہو نا پلیز۔" گردن اٹھا کر اسے تنگ کیا۔

"ہاں تا کہ میرا دماغ خراب ہو جائے۔ نکالو یار مجھے تھک گیا ہوں میں، عجیب سی زندگی ہو گئی ہے، قید میرا دماغ خراب کر رہی ہے اور وہ سہراب اس سے کہو مجھ سے ملنے آئے کیوں دلہن کی طرح رخ چھپا رہا ہے؟"

"وہ آج کل آراہ کا رشتہ جوڑنے میں مصروف ہے۔"

"کیا؟" عالم کا دماغ بھک سے اڑا۔ "کس کے ساتھ؟"

"ضارم کی ماں آنا چاہتی ہے۔"

"آراہ کے ساتھ کسی نے زبردستی کی تو جیل توڑ کر آؤں گا اور تم سب کے دماغ درست کر دوں گا۔" اس نے باقاعدہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"کمال ہے چاچو آپ وہی تھے جس کو شاہ ویر اور آراہ کے رشتے پر سب سے زیادہ اعتراض تھا۔ کتنی باتیں سنائی تھیں آپ نے، اب کیا ہوا؟"

"غلط تھا میں۔" اسے بے اختیار روشن یاد آیا، جوہر فور زیرو کی وکٹمز یاد آئیں، روشن کی روتی ہوئی بیٹی یاد آئی جو اس سے ملنے آیا کرتی تھی اور اگلے ہی لمحے اپنی بیٹی یاد آئی۔ "اس کی شادی اس کا بنیادی حق ہے کم از کم اس کی آزادی تو اس کو ہونی چاہیے۔"

"میں آراہ تک یہ پیغام پہنچا دوں گا۔"

"ہاں اور اس کو یہ بھی کہنا کہ اگر کوئی اسے تنگ کرے تو اس کا منہ توڑ دے، پیچھے عالم بیٹھا ہے۔"

"جیل میں...." اسلان نے جل کر تصحیح کی۔

"تو؟ ایسی کئی جیلیں دیکھی ہیں میں نے، تم باہر آنے دو مجھے۔"

اسلان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ یاسیت سے اسے دیکھے گیا۔ "جلدی باہر آ جاؤ۔ پھر کسی کیفے چلیں گے۔ پرانی چپل اور پرانی شرٹ پہن کر امیروں کو پیسے کا رعب دکھائیں گے۔"

"تین چار امیر عورتیں خود پر فلیٹ کروائیں گے۔" اسلان اس کی بات پر ہنس دیا۔

"تیز تیز انگریزی بولنے والوں کے سامنے آدھی پنجابی اور آدھی اردو میں بات کریں گے۔"

"کسی ڈی ایچ اے والے سینیما جا کر ان کی انگریزی فلموں پر ہوٹنگ کریں گے۔" جیل میں بیٹھے بیٹھے اس کے زرخیز دماغ کو ایک اور منصوبہ سوجھ گیا تھا۔ کال ختم کرنے کا وقت قریب تھا۔ اسلان کا دل اب بھی یہیں رہنا چاہتا تھا۔ اسے یہاں سے جانا ہر دفع برا لگتا تھا۔

"اگر آراہ راضی ہو جائے تو ضارم اس کے لیے کیسا رہے گا؟"

"پرفیکٹ۔" عالم نے محض ایک لفظ کہا۔ "لیکن اگر وہ دل سے راضی ہو۔ یہ نہ کرنا کہ بار بار اس سے اس رشتے کا تذکرہ کرو ضارم کی اچھائیاں گنواؤ اور اس کو مستقبل سے خوف دلاؤ ایسی ہاں کا اصل مطلب انکار ہی ہوتا ہے۔"

"ایسا پاگل کرتے ہوں گے۔"

”پھر یوں سمجھو کہ اس ملک کی ستر فیصد عورتیں اسی پاگل پن کا شکار ہو جاتی ہیں۔“ اسلان چپ کا چپ رہ گیا۔ ایک لمحے کو اس نے لفظوں کی گہرائی کو ماپا اور وہ بہت دیر تک خاموش رہنے بعد کہا۔ ”مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔“ اس نے اپنی بات بتا دی۔

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ عملے میں سے کسی نے انہیں فون رکھنے کو کہا۔ اسلان کو یکدم سہراب کا پیغام یاد آیا۔ ”اسکار نے کہا ہے اپنے سیل میٹ سے بچ کر رہنا، وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔“ اس کا ساتھی قیدی، روشن رحمان۔ سہراب کو اس تک پہنچتے پہنچتے ذرا وقت لگا تھا عالمگیر اسے پہلے ہی جان چکا تھا۔ اسلان کی بات پر اس نے سر ہلایا عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ عالم کی مرضی۔ ہاں مگر وہ اسلان کے لیے فکر مند تھا، جو وہ کر رہا تھا اسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

★★★★★

دمیر پراچہ کی بنگشوں سے ملاقات!

وہ تمکنت کے سامنے بیٹھا تھا اس نے اسلان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا جو وجہ سامنے آئے گی وہ اسے ذلیل کر دے گی۔ مگر جس عورت کا بازو پکڑنے پر وہ اس قدر طیش میں آیا تھا، دمیر پراچہ اسے ساری عدالت میں ذلیل ضرور کرے گا۔ ”میں اس کیس کو چھوڑ رہا ہوں۔“ دمیر نے فائل ان کے آگے رکھی۔ تمکنت جو پہلے ہی ٹوٹی ہوئی تھی اس کی کمر کسی نے تین ٹکڑوں میں تقسیم کر دی۔

”تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟“

دمیر نے سرد نظروں سے انہیں دیکھا۔ ”میں کیا کیا کر سکتا ہوں اس کا اندازہ آپ کو لگانا پڑ جائے تو آپ کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ آپ نے صرف اور صرف مجھ سے راز چھپائے ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ مجھے بتاتیں بنفشہ آپ کی بیٹی ہے، تاج کے شوہر سے آپ رقم لیتی رہی ہیں۔“

”تمہیں تو سچ بننا تھا، دمیر تم اس کی تلاش میں کیوں نکل آئے؟“

”غلط.... مجھے میرا سچ ”چننا“ تھا۔ آپ کے بتائے گئے سچ میں سے میں کسے، کس طرح استعمال کرتا ہوں یہ مجھے چننا تھا۔“ اس کا لہجہ سخت اور بے لچک تھا۔

”تم اب بھی چُن سکتے ہو۔“ ان کی آنکھوں اور انداز میں سراسر پیشکش تھی۔ ”یا تو ہار جاؤ، اور اس کیس سے پیچھے ہٹ جاؤ یا پھر سچ جھوٹ کی تفریق بھلا کر اصل وکیل بن کر دکھاؤ۔ رازوں کو اپنے طریقے سے استعمال کرو۔“

دمیر پلنگ کے کونے پر ٹک گیا۔ ”کیوں؟ مجھے اب تک یہ نہیں سمجھ آ رہی کہ کیوں؟ کیا عالم آپ کو واقعی قاتل لگتا ہے؟“

”جب کسی خاندان کا کماؤ پوت جیل کا ہو جائے تو وہ خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔“ انہیں عالمگیر یاد آیا۔ ”اس کی جیل اس خاندان کے سب سے ذہین فرد کو اپنی ذہانت پر بٹہ لگتی ہے۔“ ان کے تصور والا سہراب یمن شکستہ تھا۔ ”کولیٹرل ڈیمج اور بہت....“ اسلان یمن پولیس کی گرفت میں تھا، چیختا چلاتا معصوم لڑکا۔ ”انتقام میری مجبوری ہے۔“ وہ تکلیف سے بول رہی تھی۔ دمیر کچھ کچھ پر سکون نظر آ رہا تھا۔ یہ اچھا تھا کم از کم لڑنے کے لیے اس کے پاس ایک جنون اور جذبہ تھا۔ باقی وہ دیکھ لے گا۔

★★★★★

”اگر وہ عورتیں نہیں خریدتا، تو اس روز کا واقعے کا پس منظر کیا ہے؟“

کھلے ہوئے، اپنے حجم سے بڑے ٹریک سوٹ میں ملبوس پی کیپ کو سر پر درستگی سے جمائے وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ بازار میں گہما گہمی تھی۔ پھولوں کی دکانیں ابل رہی تھیں۔ گجرے، موتیوں کے ہار، گلوبند آرائش کے کئی اور سامان لٹکے ہوئے تھے۔ شام اتر رہی تھی، کئی مردوں کا رخ اب ایک سمت تھا وہاں جہاں جا کر ان کی تمنائیں پوری ہونی تھیں۔ یہ جگہ، یہ علاقہ، یہ سرزمین اہلیان لاہور میں ذرا بدنامی کی حامل تھی۔

اسفندریار اس سب سے بے زار اپنی منزل کی طرف قدم اٹھا رہا تھا۔ پان میں لگتے کتھے کی خوشبو، کڑاہی میں بنتے پکوانوں کی خوشبوؤں اور ڈھیر سارے لوگوں کے رش کے درمیان وہ اپنی منزل تک آ پہنچا۔ چھوٹے سے گیٹ کے باہر کھڑے ہوتے اس نے گھنٹی بجائی۔ اندر سے کئی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ باتوں کی، ابتدائی راگ کی، عجلت زدہ اور کئی اور آوازیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسی عمارت کی اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھا۔

"بڑی دیر کر دی مہربان آتے آتے۔۔۔" اسے دیکھ وہ مسکائی۔ کاجل سے بھری آنکھوں میں اپنائیت تھی۔ اسفند کسی مقناطیسی کشش کے تحت چلتا ہوا آیا اور اس کے قدموں میں گھٹنوں کے بل آ کر بیٹھا۔ ڈوبتے آفتاب کی نارنجی کرنیں اس کمرے میں ایک عجیب سی پر اسرار روشنی پیدا کر رہی تھیں۔ اپسرا نے اپنا ہاتھ اس کے گال پر جمایا، پیشانی اس کی پیشانی سے جوڑ لی۔ "میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں، خادم۔"

"میں بھی...." وہ کسی حصار کے تحت بڑبڑایا۔

"تم مجھے دنیا کے سامنے قبول کیوں نہیں کرتے؟"

"تم اس دنیا کے لیے شرم کا باعث ہو۔" وہ آنکھیں بند کیے، اس کی خوشبو محسوس کرتا مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"مجھے دنیا کی پرواہ نہیں ہے، میں تمہارے لیے کیا ہوں؟"

"محبت، تفاخر، عقیدت، مرتبہ...." اسفند نے آنکھیں کھول کر سیاہ آنکھوں والی اس عورت کو دیکھا۔ "تم محبت ہو۔" وہ مسکرائی، اور گال سے ہاتھ ہٹا لیا، جڑی ہوئی پیشانیاں الگ ہو گئیں۔ دونوں کے درمیان بہت دیر تک خاموشی رہی۔ گہری گمبھیر خاموشی۔ وہ ہاتھ اٹھاتی تو اس کی چوڑیاں مدھم سا ارتعاش پیدا کرتیں، اس کی خوشبو اسفند کے حواس معطل کر رہی تھی۔ کاش وہ اسے اپنے گھر لے کر جا سکتا، کاش اس سے ملنے کے لیے اسے یہاں نہ آنا پڑتا، کاش ان دونوں کو قبول کر لیا جاتا۔

"تم کچھ پریشان لگ رہے ہو۔" رخسار پر غازہ ملتے تبصرہ کیا۔ نارنجی کرنوں کے پلٹنے کا سمے ہو رہا تھا۔

"میں تھک گیا ہوں۔" اس نے اپنا سر عورت کے گھٹنے پر رکھ لیا۔ "اٹھارہ مرد، ایک بچہ، ایک معصوم عورت اور اس کا آنے والا بچہ، اس کے بعد بھی تمہارا انتقام پورا نہیں ہوا؟" عورت دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ چلانے لگی۔ اسفند کو یوں لگا حضرت سکون یہیں کا باسی تھا۔ یہی اس کی آمجگاہ اور یہی اس کا مسکن۔

"یہ حکم ہے خادم مجھے اس کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ میں نہیں کروں گی تو کون کرے گا؟ میں بقا کی جنگ لڑ رہی ہوں اور تم اس جنگ میں میرے سپہ سالار۔ ہم دونوں انسانیت کو امر کریں گے۔ میں لوگوں کے لیے برہنہ ہوں اور تم میرا پیراہن۔ کیا تم مجھے عریاں کرنا چاہتے ہو؟" اسفند خاموش رہا کچھ نہ بولا، اس کی آنکھوں میں نیند اتر رہی تھی۔ وہ ڈھیر سارا سونا چاہتا تھا۔

"تم تھک نہیں رہے تم پر دنیا کا رنگ چڑھ رہا ہے جب جب یہ رنگ چڑھنے لگے یہاں آ جایا کرو۔ میرے پاس۔۔۔۔۔ یہاں تمہارے لیے بے تحاشا سکون ہے۔" وہ پرسکون ہونے لگا اسے ساری باتیں سمجھ آ رہی تھیں وہ ہر لفظ سے متفق تھا۔ وہ دونوں ٹھیک تھے اس کے قتل ٹھیک اور اسفند کا انہیں ڈھک لینا بھی ٹھیک۔ "کچھ غلط نہیں ہے سب صحیح ہے۔ دنیا میں اعتدال برقرار رکھنے کے لیے مجھے بقا کی جنگ لڑنی ہو گی۔" خوش رنگ، چمکدار

لباس والی اپسرا کی سرگوشیاں جاری تھیں۔ اسفند کا سارا دباؤ، ساری پریشانیاں ختم ہونے لگیں۔ بالآخر روشنیاں بھی ختم ہوگئیں۔ اندھیرا ہر سو چھا گیا۔ وہ سو گیا تھا۔

★★★★★

"سہراب یمن اور شاہ زید بنگش کی ملاقات!"

"ہمارے پاس صرف ایک طریقہ ہے قاتل تک پہنچنے کا۔" اپارٹمنٹ میں ہر طرف خاموشی تھی۔ موبائل پر کچھ دیکھتے، رد کرتے بلاخر سہراب ایک فیصلہ کر بیٹھا تھا۔ "throwback" سہراب نے یک لفظی اضافہ کیا۔ "وہ جب سے پاکستان آیا تھا تب سے لے کر پچیس تاریخ تک کی تفصیل۔ وہ کس سے ملا، کیا کیا، کہاں گیا۔؟ یہ قتل ایک ذاتی عناد تھا اور اس عناد کی راکھ یہیں کہیں ہونی چاہیے۔"

"میں صرف چند ماہ سے اس کے جیسی زندگی گزار رہا ہوں اور مجھے یہ بھول جاتا ہے کہ آج کے دن میں میں کتنے لوگوں سے ملا، کہاں کیا کھایا، کس سٹوڈیو میں بیٹھ کر انٹرویو دیا، سکرین پر رہنے والا باقی لوگوں کے لیے جتنا چمکدار ہوتا ہے اس کی اپنی زندگی اتنی ہی دھندلی ہوتی ہے آپ اس دھند میں کتنے لوگوں کو ڈھونڈیں گے؟"

سہراب نے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھا۔ "دھند کا سفر بہت کم وقت کے لیے مشکل ہوتا ہے، پھر آپ کی آنکھیں عادی ہوجاتی ہیں۔ جو عادی ہو جائے اس کے لیے سب آسان ہو جاتا ہے۔ جرم، فحاشی، کھوج، سب۔" اس نے اپنا بٹوہ اور موبائل اٹھایا۔ ایک الوداعی بمع جتاتی نگاہ شاہ زید پر ڈالی۔ "آج مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے باقی بات پھر کریں گے۔"

"اوکے، گھر پر کوئی خاص کام ہے کیا؟" اس نے یونہی پوچھ لیا۔ سہراب یہی چاہتا تھا۔

"میری بھتیجی کا رشتہ ہو رہا ہے میں نے کچھ لوگوں کو دعوت دے رکھی ہے۔"

شاہ زید اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ اس کی آنکھیں ایک نقطے پر ساکت ہو گئیں۔ ”کون سی بھتیجی؟“

”میری ایک ہی بھتیجی کی عمر شادی اور رشتوں کی ہے۔“

اداکارہ کے بیٹے نے اپنے چہرے پر کوئی تاثر نہ آنے دیا البتہ اس کی رنگت فق ہو چکی تھی۔ ”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کس کے ساتھ؟“ بمشکل ضبط کرتے اس نے معتدل لہجے میں پوچھا۔

”ضارم علی۔ آراہ کا کلاس فیلو، اور ہمارا فیملی فرینڈ۔ بہت اچھا لڑکا ہے آراہ کو خوش رکھے گا۔“ زید نے مزید کوئی سوال نہیں کیا، اب مزید کچھ بنتا ہی نہیں تھا۔ سہراب چلا گیا اور پیچھے بیٹھا شخص دھند کے سفر میں تنہا رہ گیا۔ وہ تو عادی بھی نہیں تھا۔

★★★★★

ستائیس جولائی!......... ”شاہ ویر بنگش کی سالگرہ!“

یونیورسٹی کے احاطے میں جہاں تک نگاہ اٹھ رہی تھی وہاں تک لوگ ہی لوگ تھے۔ دائیں، بائیں، سامنے، پیچھے ہر طرف نوجوان لڑکے اور لڑکیاں۔ اداکار، انفلونسرز، یوٹیوبر، صحافی، کون تھا جو اس وقت اس یادگار لمحے میں شامل نہیں تھا۔ یہ شاہ ویر بنگش کا میموریل ڈنر تھا کئی لوگ شرکت کے لیے آن حاضر ہوئے تھے۔ اونچے چبوترے پر اس کی فریم شدہ تصویر رکھی تھی۔ خوبصورت کتھئی آنکھیں، ستواں ناک، بھورے بال جو پیشانی سے پیچھے کر کے سلیقے سے جما رکھے تھے۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو والا چہرہ۔ سفید رنگ کی شرٹ میں وہ زندگی سے بھرپور نظر آ رہا تھا۔

طلباء کا ایک غول دائرے کی صورت بیٹھا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں دف تھا، کوئی مدھم تال بجا رہا تھا۔ کئی آوازیں یکجا ہو کر حفیظ میرٹھی کی غزل گا رہی تھیں۔ آوازوں میں غضب کا سوز تھا۔

آباد رہیں گے ویرانے، شاداب رہیں گی زنجیریں

جب تک دیوانے زندہ ہیں، پھولیں پھلیں گی زنجیریں

(ایک دن قبل۔)

وہ دروازہ ہولے سے دھکیلتا شاہ ویر کے کمرے میں داخل ہوا۔ ہاتھ سے ٹٹول کر ریموٹ تلاش کیا، بٹن دبا کر محض اس بے روشن چاند کو نور بخشا۔ دائیں طرف دیوار پر شاہ ویر کی ایک بڑی تصویر لگی تھی۔ وہ اس تصویر کے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔ تصویر میں اس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ تھی، سامنے کھڑے شخص کا چہرہ سپاٹ۔ اس کی آنکھیں بے ریا تھیں اور سامنے کھڑے شخص کی آنکھوں میں سرد تاثر، وہ شفاف چہرے والا تھا اور سامنے والے کے جبڑے پر گہرا سبز نشان۔ وہ بہت دیر تک چپ چاپ اس کی تصویر کو دیکھتا رہا۔

”پتہ ہے مام اور ڈیڈ کی پریم کتھا سب کو بہت خوبصورت لگتی ہے اور مجھے خوفناک۔“ وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔ ”مام نے کسی اور سے شادی کر لی، بچے ہو گئے لیکن ڈیڈ انہیں کبھی نہیں بھولے نہ دوسری شادی کی۔ انہوں نے پانچ سال انتظار کیا اور پانچ سال بعد جب مام واپس آئیں تو ڈیڈ نے ایک بار پھر انہیں قبول کیا جانتے ہو کیوں؟“ تصویر اسے جواب نہیں دے سکتی تھی اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ ”جو عورت ایک بنگش کو پسند آ گئی اسے ایک بنگش کا ہی ہونا ہے۔ مرضی سے بھی، مجبوری سے بھی۔“ اس کی آنکھیں خالی تھیں، غیر انسان۔

آزادی کا دروازہ بھی خود ہی کھولیں گی زنجیریں

ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی جب حد سے بڑھیں گی زنجیریں

”مجھے یقین تھا تم آؤ گی۔“ سیاہ سفید پھول دار فراک کے ساتھ سفید ہی پرس بازو پر لٹکائے وہ زید کے سامنے کھڑی تھی۔ رف کرلز کھلے تھے اور سفید کالج لگانے سے اس کی آنکھیں بڑی بڑی لگ رہی تھیں۔ ان کے عقب میں

دف کا شور تھا، گیت کے نعرے تھے۔ ”مجھے یقین تھا تم اتنی جلدی اس سے موو آن نہیں کر سکتیں۔“ ماسک کے پار سے نظر آتی اس کی ہیزل آنکھوں کو تکتے اس نے یقین سے کہا۔

”یہ آخری بار ہے۔ میں اب سے آگے بڑھنا چاہتی ہوں، زید۔ میری پڑھائی کا بہت نقصان ہو گیا ہے۔ میری مینٹل ہیلتھ تباہ ہوئی ہے جو شاہ ویر اور میرے درمیان تھا وہ میں تمہیں یا باقی دنیا کو نہیں سمجھا سکتی لیکن میں تم سے درخواست کروں گی کہ اگلی بار مجھے کسی ایسی جگہ نہ بلانا جہاں اس کا ذکر ہو۔“

زید مسکرایا۔ ”یعنی انارا طارون بدل رہی ہے؟“

”بالکل۔“ اس نے اعتماد سے کہا۔

”کلو گرام کے بارے میں کیا خیال ہے ساٹھ سے نیچے کب آنا ہے؟“ اول تو وہ سمجھی نہیں اور جب سمجھی تو اس کے کان سرخ ہوئے۔ شاہ زید بنگش سدھر ہی نہیں سکتا۔ وہ اس کے وزن کا مذاق بنانا چھوڑ ہی نہیں سکتا تھا۔

”میرے وزن کو تم رہنے دو، اپنی پلے لسٹ کا سوچو بریک اپ سونگز بج رہے ہیں یا بند ہو گئے؟“ وہ دونوں اب ساتھ چلنے لگے تھے۔ ہوا ان کے بال اور لباس اڑا رہی تھی۔ یہاں نیم اندھیرا تھا مگر شاہ زید کو لگا یہ کافی ہے، اتنی روشنی بہت تھی۔

”دل کی تکلیف کاش پلے لسٹ بدل لینے تک چلتی۔“ وہ یاسیت سے بولا۔ ”تم موو آن کر رہی ہو نا؟ کچھ ٹپس مجھے بھی دو۔“

”میرے پاس اتنا وقت نہیں۔“ اس نے کندھے پر آتے بال پیچھے گرائے۔ وہ آگے چل رہی تھی دیکھ نہیں پائی کہ اس کے بال زید کے چہرے سے ٹکرائے تھے پل بھر کا معاملہ تھا وہ جی کر مرا، مر کر جی گیا۔

"مغرور ہو گئی ہو۔" سنبھل کر کہا گیا۔

"میں پیدا ہی وہی ہوئی تھی۔" وہ آگے بڑھ رہی تھی جبکہ وہ اب تک اسی لمحے میں تھا جب بال جھٹکنے پر کچھ لٹیں زید کے چہرے پر لگی تھیں، وہ چلتے چلتے رک گیا اور دل رفتار سے زیادہ تیز چلنے لگا۔ ناک کے ذریعے ایک گہری سانس اندر کھینچی اور وہ اسے لیے بڑے سے میدان میں آ گیا۔ جہاں اور بھی کئی لوگ جمع تھے۔

جب سب کے لب سِل جائیں گے ہاتھوں سے قلم چھن جائیں گے

باطل سے لوہا لینے کا اعلان کریں گی زنجیریں

وہ ایک چھوٹے سے بستے میں اپنے کپڑے ٹھونس رہا تھا۔ انداز میں عجلت تھی چہرے پر سنجیدگی۔

"میں یہیں لاہور میں تمہارے لیے بات کروں گا اسلام آباد جانے کی کیا ضرورت ہے؟" یافث اسلان سے کہہ رہا تھا۔ جس نے گھر والوں سے جھوٹ بولا تھا کہ اسے انٹرویو کے لیے اسلام آباد جانا ہے۔ آوازیں باہر لاؤنج میں بنفشہ اور سہراب تک جا رہی تھیں۔ سہراب سلگ رہا تھا البتہ خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا ہوا تھا۔ "مان لو اگر انٹرویو میں پاس بھی ہو گئے تو کیا ہو گا اسلام آباد رہو گے؟"

"پہلے انٹرویو تو ہو جائے باقی سب بعد میں دیکھیں گے۔" اس نے ٹالنا چاہا۔ موبائل پر تمکنت کے پیغام بار بار آ رہے تھے۔ اسے ایک آخری کام کرنا تھا اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتا۔ اسے اپنی آزادی عزیز تھی۔ چاہے جو ہو جاتا اسے عالم جیل سے باہر چاہیے تھا۔

"جلدی آ جانا۔" جب وہ اس کی کوئی بات نہ مانا تو یافث نے تاکید کی۔ اسلان نے محض سر ہلا دیا۔ لاؤنج میں بیٹھے دو لوگوں کا دل ڈوب کر ابھر رہا تھا۔ بنفشہ کو یقین تھا یہ کوئی ملازمت کا انٹرویو نہیں۔ ایک اور معصوم انسان اس کی ماں کے عتاب کا شکار ہونے والا تھا لیکن اسے کیا؟ اسلان یمن اس کا کچھ نہیں لگتا، اسے اس لڑکے سے دور رہنا تھا اور

وہ رہے گی۔ وہ مرے یا جیے اس سے اسے کیا؟ سہراب نے پچھلی بار دل مضبوط کیا تھا اسے اس دفعہ بھی کرنا تھا۔ چھبیس سال کے جوان لڑکے پر اپنی مرضی چلانا اس پر بھاری پڑنے والا تھا لہٰذا وہ چپ رہا۔

"پلیز جلدی آ جانا۔" آراہ نے اس سے کہا اور بنفشہ اب کی بار خود پر ضبط نہیں رکھ سکی۔ اس نے سہراب کو دیکھا۔ سنجیدہ، سپاٹ نگاہیں۔ وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی، اسے بتانا پڑا۔

"وہ کسی جاب انٹرویو کے لیے نہیں جا رہا آپ کو اسے اعتماد میں لینا چاہیے جو وہ کر رہا ہے اسے مت کرنے دیں یا پھر اپنے ساتھ رکھ کر کروائیں۔" سہراب سوالیہ نظروں سے اسے دیکھے گیا، بنفشہ بتانے کو تیار۔

اندھوں بہروں کی نگری میں یوں کون توجہ دیتا ہے

ماحول سنے گا دیکھے گا، جس وقت بجیں گی زنجیریں

"عالم کا کیا؟" کھانا کھاتے ہوئے اجمل نے سلیم سے پوچھا۔ جیل کے بڑے احاطے میں قیدیوں کو رات کا کھانا دیا گیا تھا۔ ہلکی ہلکی باتوں اور برتنوں کی آوازیں در و دیوار سے ٹکرا کر پلٹ رہی تھیں۔ عالمگیر بڑے دنوں بعد اچھے سے کھانا کھا رہا تھا۔ آج راہب اس سے بے رخی برت رہا تھا۔ عالم نے دو تین مرتبہ اسے بلایا مگر وہ کمال انداز سے نظر انداز کر گیا۔ وہ کچھ حیران ہوا البتہ اس پر لعنت بھیج کر دوبارہ کھانا کھانے لگ گیا۔

"عالم کو زخمی کرنا، راہب کو جان سے مارنا۔"

"لیکن ہم عالم پر حملہ کیوں کریں گے؟"

"باس نے کہا ہے، اس کو صاف سمجھاؤ اس کیس سے دور رہے اور اگر اکیلے روشن پر حملہ کیا تو کچھ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں سے لڑ کر کہہ دیں گے ہمارے خلاف گینگ بنا رہے تھے۔" اجمل اس گروہ کا سربراہ تھا۔ اس نے

چھوٹی چھوٹی تیز دھار چھریاں میز پر رکھ دیں، آنکھ بچاتے اسلم نے ایک ایک آلہ جیب میں ڈال لیا۔ عالم کی طرف دیکھو تو وہ راہب کے ساتھ جا کر بیٹھ رہا تھا۔ ہاتھ میں اپنی کھانے کی پلیٹ تھی۔

"آج باہر سے کچھ منگوائیں؟" اس کا مزاج اچھا تھا جب ہی دوبارہ پیشکش کر دی۔ راہب حواس باختہ سا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھ عالم مجھ سے ذرا کم واسطہ رکھا کر، تیرے مسئلوں میں میرا کوئی لینا دینا نہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں بولا۔ عالم بھونچکارہ گیا۔ کہاں یہ اس کے تلوے چاٹنے کو راضی رہا کرتا تھا اور کہاں یہ کوراصاف انکار؟

"دماغ تو نہیں سٹک گیا؟" وہ اس کے عقب میں غرایا، مگر راہب وہاں سے جا چکا تھا۔ احاطے سے نکلتے ہوئے راہب بار بار اجمل اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عالم کی چیل جیسی نگاہوں نے لمحے کے ہزارویں حصے میں ان کے چہروں اور حرکات وسکنات کا مطالعہ کر لیا۔ بہت سی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اسد اپنی جیب میں کچھ اڑس رہا تھا، باقی کی نظر پولیس کے دو سپاہیوں پر تھی، اجمل اپنی گردن کے کس بل نکال رہا تھا۔ ساشا نے ایک اشارہ کیا اور اگلے ہی لمحے وہ ہوا جس نے قیدیوں کے سانس سینے میں اٹکا دیے۔ عالمگیر بنا پلکیں جھپکے موت کا یہ کھیل دیکھے گیا۔

اجمل کے کسی ساتھی نے روشن کے سر پر تھالی ماری۔ روشن نے پلٹ کر وار کرنا چاہا تو باقی نے چاقو نکال لیا۔ عالمگیر پھٹی پھٹی نظروں سے اپنے سامنے میس کو اکھاڑے میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ روشن اکیلا تھا، مزاحمت کر رہا تھا مگر یہ مزاحمت کسی کام کی نہیں تھی۔ پہرہ دیتے سپاہی چالاکی سے وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ہر کوئی نظر بچا رہا تھا، ہر کوئی ایک نہتے کو پٹتے اور عنقریب مرتے ہوئے دیکھنے والا تھا۔

اگلے کئی لمحات کسی سست رفتار فلم کی طرح تھے۔ اجمل نے عالم کے منہ پر گھونسا مارا اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ دوسرا مکا اس کی طرف آیا مگر اس کے حواس بیدار ہو چکے تھے اس نے خود کو بروقت سنبھال کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔ اس نے کہنی اجمل کی ناک پر دے ماری، یقیناً اس کی ہڈی چٹخی گئی تھی۔

عالم نے دونوں ہاتھوں میں بھاری بھاری تھالیاں اٹھالیں، جو اس کے نزدیک آتا وہ بغیر دیکھے ان کے منہ پر مارتا جاتا۔ مضبوط جسامت اور ورزشی جسم نے اس کے اندر جنون بھر دیا تھا۔ وہ اندھا دھند جو سامنے آتا اسے پیٹ رہا تھا۔ اس نے خود کو بچایا، پھر اس کی نگاہ باقی پر پڑی جو روشن کی گردن پر چاقو رکھے ہوئے تھا عالم نے خود کو بھاگتے پایا، اس کی گردن پر لات ماری وہ جھٹکے سے پیچھے گرا۔ خون اور پسینے سے لت پت وہ روشن اور اپنے لیے دیوار کی طرح کھڑا تھا۔ اس کے بازوؤں میں کوئی برقی طاقت بھر گئی تھی۔ اس نے پاس پڑا کوئی ڈنڈا اٹھایا اور روشن کو چاقو مارنے کی کوشش کرتے ساشا کے بازو میں مارا۔

”اگر تم میں سے کسی نے انہیں روکنے کی کوشش نہ کی تو خدا کی قسم میں تم سب کو ایک ایک کر کے جان سے ماروں گا۔“ عالم نے انگلی اٹھا کر قیدیوں کو دھمکی دی۔ ”مجھے تم سب کی شکلیں یاد ہیں تم سب ابھی مجھے جانتے نہیں۔“ مجمعے میں سے دو تین قیدی آگے آئے، کچھ تیزی سے باہر سپریڈنٹ کے دفتر کی طرف بھاگے۔ چاقو والا ساشا ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا مگر اس بار عالم نے اس کے پیٹ سے نیچے لات ماری وہ گرا، اور کئی لمحے تڑپتا رہا۔ اس کا چاقو اٹھا کر عالم نے روشن کی طرف پھینکا۔ تب ہی اجمل نے اس کی پیٹھ پر زوردار لات ماری، عالمگیر منہ کے بل فرش پر گرا۔ اس کی ناک، ماتھا اور کہنیاں بری طرح رگڑی گئیں۔

اجمل اور باقی اب بری طرح اسے لاتیں مار رہے تھے، پسلیاں، کندھے، کمر اسے ہر جگہ تکلیف سی ہوئی۔ کسی نے اس کے منہ پر لات مارنی چاہی جب عالم نے ان میں سے ایک کا بوٹ پکڑ کر اسے کھینچا، وہ گرا دوسرے نے عالم پر وار کرنا چاہا مگر اس سے پہلے وہ اٹھ چکا تھا۔ چند قیدیوں نے ساشا کو پکڑ رکھا تھا۔ چاقو ہٹا دیے

گئے۔ محض روشن کے علاوہ اب کسی اور کے پاس کوئی چاقو نہیں تھا۔ اب وہ دونوں ہاتھوں سے لڑ رہے تھے۔ روشن بڑی مہارت سے چاقو کسی کے بازو میں گھونپ رہا تھا تو کسی کی پسلی میں۔ عالمگیر کے ہاتھوں سے پڑنے والا مکا کتنے ہی لمحے سامنے والے کو سن کر رہا تھا۔ وہ سانس لینے کا توقف بھی نہیں کر رہا تھا۔ اسے لڑنا تھا اپنے لیے، روشن کے لیے، اپنی زندگی کے لیے۔

اس سے پہلے کہ کسی کی جان جاتی بے زار اور اکھڑ جیل سپریڈنٹ آتا ہوا دکھائی دیا۔ ہانپتا ہوا عالمگیر، سخت زخمی روشن رحمان.... یہ بقا کی پہلی رات تھی آخری ہر گز نہیں۔ پہلی رات جب عالم کو لگا وہ اس چار دیواری میں کسی دشمنی کی نذر ہو سکتا تھا۔ فرش پر گرا خون بہاتا زخمی بدن والا مرد جیل سے خوف زدہ تھا، آج جیل نے حساب لینا شروع کیا تھا۔

جو زنجیروں سے باہر ہیں آزاد انہیں بھی مت سمجھو

جب ہاتھ کٹیں گے ظالم کے اس وقت کٹیں گی زنجیریں

اس شام گلابی رنگ کی بڑی سی ٹی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ پاجامہ پہنے اس نے لمبے بالوں کا جوڑا بنا رکھا تھا۔ ہاتھوں میں شیشے کا بڑا سا پیالہ تھا۔ جس میں پاپ کارن تھے۔ ٹی وی کا ریموٹ ہاتھ میں لیے وہ جس وقت صوفے پر آکر بیٹھی اسی وقت اسے رئیس نے ایک ویڈیو بھیجی۔

"یہ ویڈیو آج رات ریلیز ہو گی، دیکھ کر بتاؤ کیسی ہے؟" اس نے موبائل کا جوڑ ٹی وی کے ساتھ جوڑا اور آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔ مستقبل میں ڈرامہ کی غیر ریلیز شدہ اقساط بھی وہ اسی طرح پہلے مانگا کرے گی یہ اس نے تہیہ کیا۔ سکرین پر سفید چادر تن گئی، اس کے اوپر شاہ ویر بنگش کی تاریخ پیدائش کے ہندسے ابھرے۔

27 July 1997

وہ تمکنت کے بازوؤں میں تھا۔ اس کی ماں نے اس کے گال سے اپنا گال ٹکار کھا تھا۔ وہ اس اولاد کی پیدائش پر دل سے مسرور تھی۔

اگلی کلپ میں اس کا باپ اس کا ماتھا چوم رہا تھا۔ بنفشہ کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ در آئی۔ اس کا بھائی۔ تمکنت اسے اسکول کے دروازے پر چھوڑ رہی تھیں، ویڈیو میں طلال کی آواز بھی تھی۔ وہ شاہ ویر کو کوئی نصیحت کر رہا تھا۔ تمکنت نے کیمرے کو ہلکا سا اوپر کیا اسکول کا نام بھی واضح ہوا۔ اگلی ویڈیو اس کے پہلے اسکول اسٹیج ڈرامہ کی تھی۔ اس کی اداکاری، اس کے رد عمل، وہ آنکھیں اور ان کا سحر حاضرین محفل سانس روکے بیٹھے تھے۔ وہ محض آٹھ سال کا تھا لیکن اداکاری اس کی نس نس میں تھی۔

اس کی سالگرہ، اس کے دوست، کم عمری میں وہ اور اس کی پہلی بائیک، سیٹ پر بیٹھا کچھ مناظر قید کرتا شاہ ویر، بنفشہ کو احساس نہیں ہوا مگر وہ رو رہی تھی۔ پہلی بار اسے اندازہ ہوا یہ آنکھیں کتنی قریبی تھیں۔

وہ کالج میں آگیا تھا۔ سفید شرٹ اور پینٹ کے ساتھ ٹائی لگائے دبلا پتلا کلین شیو لڑکا۔ اگلی تصاویر اس کی کامیابیوں کی تھیں۔ اس کی کچھ مختصر فلمیں، ساتھی ہدایت ساز کے طور پر اس کا کام، مگر وہ اس کے بعد دوبارہ کبھی سکرین پر نہیں آیا۔ شاید اس کی ماں اسے ایک اداکار نہیں بنانا چاہتی تھی۔

سکرین پر اب اس کی یونیورسٹی کی تصویر آئی۔ یونیورسٹی آف ایڈنبرگ۔ بیچ نمبر ۳۳۰۔ سال دو ہزار انیس۔ اس کے ہاسٹل کا کمرہ۔ جس کے باہر روم نمبر ٦٦٦ لکھا تھا اور یہاں اس لمحے بنفشہ مخدوم پر آگاہی عذاب اور نعمت دونوں بن کر اتری۔ اس کی نگاہوں کے آگے کوئی اور ہی منظر تھا۔ وہ لمحے بھر کے لیے ہل نہ سکی۔

وہ اسلان کے کاغذات نکال رہی تھی کچھ چھوٹ کر فرش پر گرے، اس کا یونیورسٹی ٹرمینیشن لیٹر۔ سال دو ہزار انیس، بیچ نمبر ۳۳۰، کمرہ نمبر ٦٦٦۔

سہراب یمن کا بھتیجا، اس کے سارے کام خاموشی سے کرنے والا، وہ جس پر قتل اور اغوا کا الزام تھا وہ جسے جاننے کے لیے بنفشہ کو کئی آنکھیں درکار تھیں اس کی حقیقت سامنے تھی۔ وہ شاہ ویر بنگش کا روم میٹ تھا، وہ دونوں ایک ڈورم میں تھے، ایک یونیورسٹی، ایک ہی سال۔ حقیقت یا کچھ اور۔۔۔؟ وہ سانس لیے بنا یک ٹک سکرین کو تک رہی تھی۔ منجمند شل۔ ذہن کی سکرین پر بار بار سہراب یمن کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"اس نے ایڈنبرگ سے اسکرپٹ رائٹنگ اور فلم میکنگ پڑھی ہے۔" اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

یہ طوق بھی ہے صیادی کے، یہ ڈھنگ بھی ہے جلادی کے

سمٹیں سکڑیں گی زنجیریں، پھولیں گی پھلیں گی زنجیریں

مغرب کا جامنی اندھیرا پھیلنے سے قبل وہ سلطان کے بھائی سے چلنے کی اجازت لینے لگا۔ سہراب یمن سلطان کے بچوں کے لیے عید کے کچھ کپڑے وغیرہ دینے آیا تھا اور اب نکلنے لگا تھا جب اسے اچانک کچھ یاد آیا۔ وہ ٹھہر گیا۔

"سلطان اپنی موت سے قبل مجھے کچھ دکھانا چاہتا تھا۔ کیا مجھے اس کے کاغذات مل سکتے ہیں شاید اس نے پیچھے کچھ چھوڑا ہو؟" وہ دونوں بات کرتے ہوئے باہر آ گئے جہاں ضارم گاڑی میں بیٹھا سہراب کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ آج کل سہراب جان کر اسے چند کام کہنے لگا تھا۔ پارک میں اس سے ملتا، باتیں ہوتیں کبھی وہ افطار پر آ جاتا۔ مقصد صرف اس کو مزید جاننا تھا۔ وہ یونہی کسی کو اپنی بچی نہیں تھما سکتا تھا۔

"جس رات سلطان بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوا اسی رات ہم میت لے کر گاؤں گئے تھے۔ ہمارے پیچھے کوئی گھر میں گھس آیا۔ پیسے اور سونے کو ہاتھ تک نہیں لگایا مگر سلطان بھائی کی ملازمت سے جڑی کوئی ایک چیز بھی نہیں چھوڑی۔" سہراب گھر کی طرف جا رہا تھا جب اسے سلطان کی بیوی کے نمبر سے کال آنے لگی۔ وہ چند لمحے شش و پنج میں مبتلا رہا کال اٹھائے یا نہ اٹھائے؟

”کال اٹھائیں سہراب بھائی مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“اس نے میسج کیا تو سہراب نے اسے خود کال ملالی۔

”ہیلو؟ سب ٹھیک ہے بھابی؟“اس کا انداز محتاط تھا۔

”آپ.... آپ کے ساتھ جو لڑکا تھا وہ ضارم ہے نا؟“ وہ تیز تیز بولتے ہوئے گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔”سلطان کی وفات کے کچھ دن قبل وہ سہراب کے ساتھ ہوتا تھا ہمیشہ۔ سلطان نے اس کا بیان بھی تفتیش میں شامل نہیں کیا تھا لیکن....وہ....وہ لڑکا کچھ جانتا تھا۔ کیا اس نے کچھ بتایا؟“

”ضارم؟ سلطان نے ضارم کو بیان کے لیے بلایا تھا؟“ سہراب بری طرح چونکا۔ سلطان کی بیوی اسے بہت کچھ بتا رہی تھی کوئی لڑکا جو آراہ کا پیچھا کرتا تھا جو اسے پھول بھیجتا تھا اس کی فیس ادا کرتا تھا اور....اور سلطان کو اس شخص کا نام پتہ چل گیا تھا۔ سلطان اسے ڈھونڈ رہا تھا اور نہ جانے کیا کیا۔ سہراب نے بے اختیار سینہ مسلا، یہیں کہیں بے تحاشہ جلن اٹھی تھی۔ ایک ایک کر کے کتنے لوگوں کے اصل چہرے سامنے آنے تھے؟ اس کی بچی ------کوئی اس کا تعاقب کرتا تھا، کوئی اس کے اتنے قریب تھا؟

موبائل تیزی سے کان سے اتارا، کال کاٹ دی۔ وہ اب ضارم کو کالز ملا رہا تھا مگر اس کا نمبر بند تھا۔ سہراب نے پیغام لکھا۔ ”لعل یمن پہنچو ابھی۔ آراہ کے پیچھے کون آتا تھا؟“

پیغام اس تک گیا، اس کے ساتھ ساتھ کسی اور کے موبائل تک بھی گیا۔ شاہ زید طلال بنگش نے جو بگ ضارم کے موبائل میں انسٹال کر رکھا تھا اس کے تحت وہ پیغام دیکھا۔ لوگوں میں گھرے ہوئے ایک تھکی ہوئی سانس لی، جسے شاہ ویر ختم نہیں کر سکا اسے وہ کرے گا۔ اسے بہت کام کرنے تھے، بہت زیادہ۔

★★★★★★★★★★

زنجیریں تو کٹ جائیں گی ہاں ان کے نشان رہ جائیں گے

میرا کیا ظالم تجھ کو بدنام کریں گی زنجیریں

اسلان شجاع یمن سیاہ کرولا کی پہلی نشست پر براجمان تھا۔ اس کے عقب میں کئی ٹرک تھے۔ قریباً آٹھ۔ موبائل کان سے لگائے وہ سودا کر رہا تھا۔ آزادی اور انتقام کا سودا۔ شہر لاہور پر تنی وہ سیاہ رات ایک عجیب سی داستان رقم کر رہی تھی۔ اپنے عقب میں کھڑی تمام ٹرکوں کو نظر انداز کرتے اس کی پر سوچ نگاہیں سامنے جمی تھیں۔

(ان دونوں کے درمیان شیشے کی ایک میز تھی اس کے سامنے ایک مرد بیٹھا تھا۔ اسلان نے گردن جھکا رکھی تھی، سامنے والا اس کا راز جانتا تھا۔ "آپ کو کس نے بتایا؟"

"تمہیں لگا تم نہیں بتاؤ گے تو مجھے علم نہیں ہو گا؟" وہ سخت نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ "اب تم وہ کرو گے جو میں کہوں گا۔ مسز بنگش کو کھیلنے کا شوق ہے ہم ان کے ساتھ مل کر کھیلیں گے۔"

"یعنی؟" معصوم سے اسلان نے استفسار کیا۔

"یعنی یہ کہ اسفندیار کو فون ملاؤ۔" سامنے بیٹھا شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ اسلان یمن خود بھی یہی چاہتا ہے۔)

"میری بات غور سے سنیں میں جانتا ہوں وہ مجھے اسلحے کے ساتھ بھیجے گی اور پکڑوا دے گی۔ لیکن میں اس کھیل کو بدلنا چاہتا ہوں۔" موبائل کان سے لگائے، وہ پر سکون انداز میں کہہ رہا تھا۔ "اس سب میں آپ کا فائدہ ہو گا۔"

"کیسے؟" اسفندیار دلچسپی سے اس کی بات سننے لگا۔

"اسلحہ سارا آپ کا، پولیس سے حفاظت کا ذمہ آپ کا، خالی ٹرک میرے۔"

"تم خالی ٹرکوں کا کیا کرو گے؟" اس کی دلچسپی بڑھی۔ ہاں اپسرا کے کہنے پر اسی نے تمکنت بنگش کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر جوہر فور زیرو سے بچنا ہے تو اسلان یمن اور عالمگیر کو راستے سے ہٹا دے، اسلحہ اور اس کا پکڑا جانا بھی اسفند

یار ہی کا منصوبہ تھاٹرکوں میں سے آدھا اسلحہ پولیس کے پاس جاتا، آدھا واپس اور اس آدھے میں بھی تمکنت اور اسفند کا حصہ اب جب اسے پورا مل رہا تھاتو وہ کیوں نہ اس بارے میں سوچتا؟

"کیا میں پوچھ رہا ہوں آپ اسلحے کا کیا کرو گے؟"

اسفند ہلکا سا ہنسا۔ "آگ سے مت کھیلو لڑکے، ایندھن بن جاؤ گے۔"

"میں وہی ہوں۔ ایک عرصہ اس ایندھن کو اپنے دل میں رکھا، خود کو جلایا اب ان کی باری جو حقدار ہیں۔" لاپرواہی سے کہا۔

"ٹھیک ہے اپنے خالی ٹرک بھجوا رہا ہوں لوڈ مجھے بھیجو، پولیس کو میں دیکھ لوں گا۔" بیٹھے بیٹھے اس کے ہاتھ میں کروڑوں روپے آرہے تھے اسے اور کیا چاہیے تھا؟ یہ بچہ اسے کیا ڈبل کراس کرے گا۔

اسلان نے موبائل واپس رکھا۔ کچھ وقت بعد ایک سنسان جگہ پر اس نے ٹرک بدل دیے۔ ڈرائیوروں کو الگ الگ ٹرکوں میں بٹھایا۔ بھرے ہوئے ٹرک اسفند کی رہائش گاہ کی طرف روانہ کیں اور خالی ٹرک اسی راستے پر ڈال دیے جہاں کا حکم تھا۔ یہ سارا کام کرتے ہوئے اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ جرم کے طریقہ کار سے واقف اسفند یقیناً اس جیت پر جشن منانے والا تھا۔ مگر وہ دو لوگ کیا اس امر کو یقینی بنانے والے تھے؟

شہر کی سرحد ختم ہونے سے کچھ دوری پر اسلان گاڑی سے اتر آیا۔ اس کی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔ کناروں پر کہیں کہیں تکلیف کی پرچھائیں بھی تھیں۔ وہ آگ بھی تھی جو اس کے سینے پر کبھی لگائی گئی تھی۔ چار سالہ انتقام تھا دل میں جڑ پکڑ چکا انتقام۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام ٹرکوں کے ڈرائیور نکل آئے اگر اس وقت تمکنت یہاں ہوتیں تو اسے یہ دیکھ کر غشی طاری ہوتی کہ یہ ڈرائیور اس کے نہیں تھے۔ اگر اس وقت اسفندیار انصاری یہاں ہوتا تو اسے بھی یہ چہرے غیر شناسا ہی لگتے۔

(”مجھے آٹھ نو بندے چاہئیں۔“ٹیلی فون پر اس نے اپنے چچا کو مطالبہ سنایا۔عالم بھڑکا۔

”میں تمہیں کیا سپلائر لگتا ہوں؟میں کارپوریٹ ہوں کرمنل نہیں۔میرے پاس صرف پیسہ ہے۔“

”کرمنلز کے نام تو ہوں گے؟“

”ان ناموں کا کیا کرو گے؟“وہ مشکوک ہوا۔اسلان نے سارا قصہ اسے سنا دیا۔عالم کتنے ہی لمحے طیش سے کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔

”اس کی یہ جرات کہ وہ تمہیں استعمال کرے؟“اب وہ اسے بندوں کے نام بتا رہا تھا۔ان کے کام کا ”نرخ“ بھی۔اسلان اب یہ نام کسی اور کو دے گا۔بہترین۔اس کے چچا بہت کام کی چیز تھے یہ اسے آج پتا چل رہا تھا۔)

سر پر پی کیپ، چہرے پر ماسک اور اوور سائز شرٹ والا لڑکا ان سب کے آگے کھڑا تھا۔آٹھوں ڈرائیور اس کے عقب میں اور ماسٹر مائنڈ دائیں جانب ایک ٹرک سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔اس کی نظریں اپنے ولی عہد پر جمی تھیں۔

”کیا حکم ہے، باس؟“اسلان چند لمحے خالی خالی نظروں سے سامنے کھڑی ٹرکوں کو دیکھتا رہا۔کتنا عام انسان تھا وہ؟اس کی زندگی میں پندار تھی ہاں وہ اچھی نہیں تھی مگر اس نے اسلان کو مجرم نہیں بنایا تھا۔وہ دھوکے باز تھی مگر ویسی نہیں جیسے بنگش۔آراہ کے ساتھ کوئی بہترین تعلق نہیں تھا لیکن وہ دونوں ایک اچھی زندگی گزار رہے تھے۔وہ اس کی بہن تھی۔سہراب خفا رہتا تھا مگر پیار بھی کرتا تھا۔وہ خوش تھا۔بنگش خاندان نے اس کی ساری دنیا تباہ کر دی تھی۔آگ ہی آگ اس کے سینے میں بھر دی۔وہ اس آگ کو لے کر کہاں کہاں جلا تھا؟اب اس کی باری تھی، یہ اس کا وقت تھا، اب وہ راج کرے گا اب ساری دنیا آگ کا رنگ دیکھے گی۔

”جلا دو۔“حکم صادر کیا۔حکم کم، طیش اور آگ زیادہ تھی۔

تین سے چار توانا مرد تیز تیز آگے بڑھے۔ ٹرک کی نشست کے نیچے سے پیٹرول کے کین نکالے۔ پہلے، درمیانے اور آخری ٹرک کو پانی کی طرح پیٹرول سے نہلا دیا۔ اگلے ہی لمحے اسلان نے ایک کین اٹھایا اور اس کا مائع پتلی دھار کی طرح گراتا ہوا پیچھے ہونے لگا۔ کئی فٹ کے فاصلے پر آکر اس نے لائٹر جلایا اور پتلی دھار پر ڈال کر آگ لگا دی گئی۔ آگ کے شعلے جو بھڑکے تو شہر لاہور نے جیسے آگ کا رنگ اوڑھ لیا۔ دھواں آسمانوں تک اٹھا۔ آٹھ ڈرائیور تھے آٹھ میں سے سات کو بھگا دیا گیا اور باقی بچا ایک۔ اسلان نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آگ کا عکس اب بھی بن رہا تھا۔

"تمہیں اپنا کام پتہ ہے نا؟" اس نے سر ہلا دیا۔ اگلے چند لمحے سست رفتار تھے۔ پندرہ منٹ پہلے ملائی گئی اسلان کی فون کال سے میڈیا کے کتنے ہی لوگ ان جلتی ٹرکوں کو کوریج دے رہے تھے۔ پولیس چونکہ میڈیا سے دیر پہنچی تھی لہذا کوئی ایک بھی چیز یہاں سے وہاں ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ بٹے ہوئے میڈیا میں سے صرف ان افراد کو بلایا گیا تھا جن کی تمام تر سپورٹ موجودہ حکومت کے حق میں تھی۔ یعنی اسفندیار کے خلاف۔

"اسفندیار ہی کیوں؟" اس کا تخیل اس سے مخاطب تھا۔

پنسل لبوں میں دبائے کاغذوں پر بنا پلان دیکھتے اسلان لمحے بھر کو رکا، سوچا۔ "وہ آدمی محض اپنے فائدوں کے لیے مجھے نقصان دینا چاہتا تھا اب میں اسے بتاؤں گا ایسی سوچ کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"وہ آگ ہے، نری آگ۔"

اسلان یمن تمسخر سے ہنسا۔ "کوئی خاکستر کو کیا جلائے گا؟"

"تمکنت چاہتی تھی تم اسلحہ لے کر نکلو راستے میں وہ تمہیں پولیس سے پکڑوانے والی تھی، تم نے اسی اسلحے کی ستر فیصد اسفند کو واپس کرنے کا دعوی کیا، پھر تم نے ان کے ڈرائیور بدل کر اسلحے سے بھری

ٹرکوں میں کچھ اشتہاری بٹھادیے، پولیس سے تمہیں اسفند نے بچایا اور اب ۔۔۔۔۔۔" اس کا تخیل سانس لیے بنا اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب میں اسفند کے منہ پر خالی ٹرک مار کر اسے بتاؤں گا کہ آگ دراصل ہوتی کیا ہے۔"

"تم اس کی ٹرکس جلاؤ گے؟"

"ہاں کیونکہ یہ اسلحہ اگر پولیس تک گیا تو واپس اسفند اور تمکنت کو ملے گا میں انہیں توڑنے لگا ہوں۔"

گاڑیاں فارم ہاؤس میں داخل ہوئیں۔ ہاتھ پشت پر باندھے اسفند کی گردن تفاخر سے اٹھی تھی۔ ٹرکوں سے پیٹیاں اتاری جانے لگیں وزن نہ ہونے کے برابر۔ اسفند ٹھٹکا۔ اس نے کسی ملازم سے پیٹی کھولنے کو کہا۔ دل میں کوئی جھکڑ چلے۔ قطار میں رکھی بیس پیٹیوں کو ایک ساتھ کھولا گیا اور اندر.... اندر کچھ نہیں تھا۔ پیٹیاں خالی تھیں۔

اسفند انصاری سانس نہیں لے سکا۔ الفاظ اس کے حلق میں کہیں اٹک کر رہ گئے۔ وہ ششدر سا پھٹی پھٹی نگاہوں سے خالی پیٹیاں دیکھ رہا تھا جب کال دوبارہ آئی۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا۔ اس کا ایک مستعد ملازم آگے آیا، کال اٹینڈ کر کے موبائل اس کے سامنے کیا۔

"سرپرائز کیسا لگا؟" اس کے عقب سے پولیس کے سائرن، میڈیا کی آوازیں اور جلتی گاڑیوں کے اندر جلتے اسلحے کی آواز تھی۔ "تم میرے چچا کو دھمکاؤ گے، میری بہن کا نام لو گے اور ہم تمہیں بخش دیں گے؟" اسلان کی آواز سرد تھی۔ "دوبارہ ایسی کوئی کوشش مت کرنا ورنہ اگلی آگ محض تمہارا اسلحہ نہیں جلائے گی۔"

"تم پچھتاؤ گے، میں تمہارا سارا خاندان سڑک پر لے آؤں گا۔" بھینچے ہوئے دانتوں کے درمیان سے اس کی پھٹی ہوئی آواز سنائی دی۔ تباہ حال، شکستہ۔

”یہ تو آپ کے خاندانی شوق ہیں۔ سڑک پر پڑی ابراہیم کی لاش یاد ہے کہ بھول گئے؟“ یہ آواز اسلان کی نہیں تھی۔ یہ کوئی اور تھا۔ اسفند نے یہ آواز با غور سنی، سن کر ساکت ہوا۔ لمحوں کے لیے تو اسے یقین نہ آیا وہ ایک لڑکے سے بے وقوف بن گیا۔ اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ اس لڑکے کے پیچھے اس کے دو چچا بھی تھے۔ ایک جو پیسہ اور نام دے رہا تھا اور دوسرا جو ساتھ دے رہا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا جسے وہ آگ سے جلا رہا تھا وہ خود سر اپا نار تھا۔

”گھر چلیں؟ تھک گیا ہوں میں۔“ اسلان نے کال کاٹ دی۔ شکوہ کناں نظروں سے سہراب یمن کو دیکھا جو اس کے ساتھ کھڑا تھا آگ ان کی دائیں طرف تھی۔

”آپ ہر دفعہ میرے کاموں میں ہی جلدی کرتے ہو۔“ ان کے عقب میں آگ لگی تھی، قیامت برپا تھی اور وہ دونوں بے پرواہ تھے۔ رپورٹر چیخ چیخ کر تازہ ترین اطلاعات کی خبر دے رہے تھے۔

”عورتوں والے باقی طعنے گھر چل کر دے دینا۔“ سہراب نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ اسلان گہری سانس لیتا اس کے ساتھ چلنے لگا۔ آگ، شور، تباہی پیچھے رہ گئے، بقا امر ہوئی۔ چچا بھتیجا اب اس کھیل سے بہت دور جا رہے تھے۔

لے دے کے حفیظ ان سے ہی تھی امید وفا دیوانوں کو

کیا ہوگا جب دیوانوں سے ناتا توڑیں گی زنجیریں

وہ رئیس کے ساتھ کتنے گھنٹوں کا سفر کر کے دوبارہ اسی جگہ موجود تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ پڑ چکی تھیں دل رک رک کر چل رہا تھا۔ چھبیس فروری کی فوٹیج تھی اس نے اسلان کو گاڑی سے اترتے نہیں دیکھا (کیونکہ وہ گاڑی میں تھا ہی نہیں) سیاہ چغے والی عورت گاڑی سے اتری مگر دوبارہ بیٹھی نہیں (کیونکہ اس نے کوئٹہ سے لاہور تک اسلان کی طرف کا سفر کیا تھا وہ اس کے ساتھ ملی ہوئی تھی، وہ اس کی ٹکٹ پر اس کی نشست پر سفر کر کے آئی تھی) اس

نے واقعی ٹکٹ خریدی۔(اپنے لیے نہیں)اس نے کافی خریدی(صرف بل کے لیے)اس کے موبائل کی لوکیشن کوئٹہ سے لاہور تک سفر کرتی رہی(کیونکہ اس کا موبائل وہی عورت لائی تھی،وہ بغیر موبائل کے بس سے اتری،اسلان بس کے اندر گیا موبائل اٹھایا اور پھر باہر آیا) یہ اس کا کھیل تھا(جس میں وہ کامیاب ہوا)۔اس نے پولیس کو بے وقوف بنایا۔(کیونکہ وہ جرم کے ہر پینترے سے واقف تھا۔)

بنفشہ کے لب وا تھے،اوسان خطا،اسے لگ رہا تھا وہ ڈھے جائے گی۔وہ اتنے عرصے سے اس کی آنکھوں کے سامنے تھا وہ اسے کیوں نہیں پہچان سکی؟وہ اس کی مسکراہٹ،اس کی نرمی کے فریب میں کیسے آ گئی؟

”(کرمنل صاحب....“وہ اسلام آباد کے لیے نکل رہا تھا جب بنفشہ نے تیکھے چتون لیے اسے پکارا تھا۔بستہ اٹھائے کھڑا شخص مڑا۔”تم کسے بے وقوف بنا رہے ہو؟سہراب اور عالم کو پتہ ہے تم کیا کرنے جا رہے ہو؟“

”نہیں پتہ تم بتاؤ گی؟“بازو سینے پر باندھے وہ فرصت سے اسے دیکھے گیا۔اسے پتہ تھا وہ بتائے گی او اللہ وہ اسے آزما رہا تھا،وہ اس سے کھیل رہا تھا۔وہ اسے بے وقوف بنا رہا تھا۔

”یہ کام تو ابھی دور ہے،اتنی جلدی کہاں جا رہے ہو؟“

”تیاری کرنے،گھر میں رہ کر میں نرم ہو جاتا ہوں۔تمہاری ماں کے لیے جتن کرنے کے لیے گھر سے دور رہنا ضروری ہے۔“)

ساکت بیٹھی عورت نے پتھرائی نظروں سے سکرین کو دیکھا۔”بائیس فروری کی فوٹیج چلاؤ۔“اس نے خود کو کہتے سنا۔اس نے اپنے کمزور ہاتھ کی انگلیاں ہتھیلی میں پیوست کر لی تھیں۔بار بار اس کا ایک الگ روپ یاد آ رہا تھا۔وہ اس کا زخم جانچنے کے لیے اسے چہرہ ایک طرف کرنے کو کہہ رہا تھا۔وہ اس کا سامان اٹھائے چل رہا تھا،بغیر کہے کافی خرید کر دے رہا تھا،آئی ایم سوری....وہ اسے پرسکون کرنے کے لیے ہر انا ختم کر رہا تھا۔چھت پر بیٹھا وہ شخص

بنفشہ کو تسلی دے رہا تھا اور ہر اس منظر پر قتل سے تین دن قبل کی وہ فوٹیج بھاری تھی۔ وہ فوٹیج جس میں اسلان شجاع یمن بس سے اتر رہا تھا۔ اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا لیکن وہ اس آدمی کو پہچان سکتی تھی، یہ وہی تو تھا جس نے اسے مردوں کا ایک اچھا رخ دکھایا تھا اور آج وہی اسے عمر بھر کے لیے روگ لگا رہا تھا۔ یہ وہی تھا جس کے کمرے کی دیوار بنفشہ کے کمرے کی دیوار کے ساتھ جڑی تھی جڑا تو کچھ اور بھی تھا جو بہت بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔

وہ بائیس فروری کی رات لاہور آیا تھا۔ قتل کی رات وہ یہیں تھا۔ وہ شاہ ویر بنگش کے ساتھ رہ چکا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ بنفشہ مخدوم کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ یکلخت، ساری کی ساری۔

آباد رہیں گے ویرانے، شاداب رہیں گی زنجیریں

جب تک دیوانے زندہ ہیں پھولیں پھلیں گی زنجیریں

بڑے پردے پر سب دکھایا جا رہا تھا شاہ ویر کی پیدائش، اس کا اسکول، اس کا بچپن، اس کی جوانی، تھیٹر، اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے طور پر اس کے کارنامے، اس کی یونیورسٹی، اس کے ایوارڈز، اس کی کتابیں، اس کا کمرہ، اس کی منگنی کی تصاویر۔ اسی پل آراہ کے موبائل پر کوئی پیغام آیا۔ پھر کال آنے لگی، کوئی غیر شناسا نمبر تھا آراہ نے کال کاٹ دی۔ اس نے دوبارہ سکرین کی طرف دیکھنا چاہا مگر کال تواتر سے آتی رہی۔ موبائل کان سے لگائے وہ منظر سے ہٹ گئی۔ شور اور روشنیوں سے دور۔

"ہیلو کون؟"

"تم یہاں سے واپسی پر ضارم کو انکار بھیجو گی، خود۔ تم اپنے منہ سے انکار کرو گی۔" ہزار فلٹرز میں پوشیدہ ایک مشینی آواز۔ آراہ نے سراسیمگی کی کیفیت میں سامنے دیکھا۔ زید.... زید وہیں تھا۔ وہ یہاں سے اس کی پشت دیکھ سکتی تھی۔

”کون ہو تم؟“ وہ متوحش انداز میں غرائی۔

”تمہارا تعلق بنگش خاندان سے ہے، نسبت شاہ ویر سے، تم اس کے علاوہ اگر کسی کو سوچو گی تو وہ ایک بار پھر ایک بنگش ہو گا۔“ اس کے جسم سے سانس ہوا ہو رہی تھی وہ کھڑے کھڑے زمین بوس ہونا چاہتی تھی اسی لمحے زید نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں متفکر انداز میں چھوٹی تھیں۔ زید کو وہ ٹھیک نہیں لگی۔ سارے میں شاہ ویر کے کسی ویڈیو پیغام کی آواز گونج رہی تھی، روشنیاں مدھم تھیں۔

آراہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ”میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں کون ہو تم؟“

”ضارم اور جوہر فور زیرو سے دور رہنا یہ میری آخری تنبیہ ہے۔“ کچھ فاصلے پر دیکھو تو دو لوگ کھڑے تھے ایک کے ہاتھ میں موبائل تھا جہاں اسے زید کی طرف سے ایک وائس نوٹ موصول ہوا تھا اور دوسرے موبائل پر آراہ کو کال کی گئی تھی۔ ریکارڈ وائس نوٹ چلا کر اسے موبائل کے اسپیکر کے قریب کیا گیا تھا۔

”آراہ تم ٹھیک ہو؟“ اس کی رنگت زرد پڑ رہی تھی، زید نے اسے کندھوں سے تھام کر گرنے سے بچایا۔ زید اس سے کچھ پوچھ رہا تھا، اس کا ہاتھ سہلا رہا تھا وہ منجمند تھی۔ شاہ ویر مر چکا تھا۔ زید اس کے سامنے تھا اور اگر فون کے اس پار وہ زید نہیں تو پھر کون؟ زید نہیں تب بھی زید ہی، یہ کوئی اسے سمجھائے۔

★★★★★★★★★★

بورڈ پر لگی تصاویر ایک مرتبہ پھر بٹ چکی تھیں۔

سکرین کے بڑے سے پردے پر کئی چہرے تھے۔ تمکنت بنگش کے گھر پولیس کی بھاری نفری داخل ہو رہی تھی۔ میڈیا کی جماعتیں دروازے کے باہر کھڑی تھیں۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی جب پولیس کا ایک افسر اسے ہتھکڑی لگا رہا تھا۔ وہ اسے اس کے حقوق بھی پڑھ کر سنا رہا تھا، اور الزامات بھی۔

"آپ پر الزام ہے کہ آپ نے غیر لائسنس شدہ اسلحے کی ایک بڑی مقدار کی غیر قانونی ترسیل کرنا چاہی۔ آپ کا مال ضبط ہو چکا ہے، آپ کو اپنے لیے وکیل کرنے کی اجازت ہے۔"

انارا طارون شاہ زید کی گاڑی میں موجود تھی۔ وہ رو نہیں رہی تھی، کانپ رہی تھی۔ خوف سے اس کے اعصاب شل پڑ رہے تھے۔ زید بار بار اس پر نگاہ ڈالتا، اسے پرسکون کرنے کے لیے چند الفاظ کہتا۔ "تم ٹھیک تو ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں پلیز مجھے جلدی گھر چھوڑ دو۔" زید نے پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی، آراہ نے پانی گود میں رکھ لیا۔ وہ مسلسل اپنی انگلیوں کو چٹخا رہی تھی، نامحسوس انداز میں اس نے دونوں انگوٹھیاں اتار کر پرس میں رکھ دیں اور سارا پانی غٹاغٹ پی لیا۔ اگلے لمحے وہ ضارم علی کی چیٹ کھولے اسے ایک پیغام لکھ رہی تھی۔

"تم کل آ جاؤ اپنے پیرنٹس کے ساتھ، میں راضی ہوں۔" یہ پیغام ضارم نے دیکھا ہو یا نہ البتہ زید کے موبائل پر ضارم کے ہیک ہوئے سسٹمز کی بدولت یہ پیغام پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ آراہ کا دھیان اس طرف نہیں تھا۔

گاڑی اس کے گھر کے سامنے رکی تو آراہ نے ایک آخری بار اسے دیکھا۔ شاہ زید اس کی آنکھوں کا نیم جان پن باخوبی دیکھ سکتا تھا، وہ ناپسندیدگی سے اس کی انگوٹھی سے خالی انگلی بھی دیکھ رہا تھا۔ "دوبارہ مجھے کہیں مت بلانا، مجھ سے ملنے کی کوشش مت کرنا۔ کہیں دیکھ لو تو آگے بڑھ جانا..."

"آراہ ہوا کیا ہے...؟"

"یہ میری حد ہے اس کا احترام کرنا۔" وہ بے حد سختی سے بولی۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے اس کے چہرے پر آنسو بلا اجازت بہہ رہے تھے۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی یہ حرکت شاہ زید طلال بنگش کی ہے۔ عورت کی چھٹی حس کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ وہ اس کی آنکھیں پڑھ چکی تھی یہ شاہ ویر کی آنکھوں جیسی نہیں تھیں۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟" وہ رات دیر سے گھر آیا تھا جب بنفشہ کو لعل یمن اور کوارٹر سے ملحقہ دروازے کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا۔ بنفشہ نے عجیب سی سرخ نظروں سے اسے دیکھا۔ ان میں گلا تھا، کرب تھا۔

"میں نے تم جیسا دوغلا انسان آج تک نہیں دیکھا۔" اسلان گردن جھکا کر مسکرایا۔

"لگتا ہے آپ کی اپنی ماں سے ملاقات بہت کم ہوتی ہے۔" بنفشہ چند پل اسے دیکھتی رہی۔ ذہن میں بار بار ایک ہی سوال ابھر رہا تھا۔ پوچھ لو.... سڑک پر جلتی ٹرکوں کا منظر اس کے خیال کو بار بار تھپکی دے کر سلا رہا تھا.... پوچھنے پر وہ بے وقوف بنا دیا کرتا ہے، وہ چند پل مزید انہی نفرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتی اپنے گھر کی طرف چلی گئی۔ اب وہ سچ چھپا چکا تھا اب منظر عام پر لانے کا طریقہ کار اس کا اپنا ہوگا۔ ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔

سوتے ہوئے آمنہ نے اس کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔ سہراب نے گہری سانس لی اور اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ لیا۔ کچھ نہیں ہونا تھا ایک رات تو وہ بھی سکون کر سکتا تھا۔ اس نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔

اسلان اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا بوٹ اتار رہا تھا جب اس کا موبائل تھرتھرایا۔ وہ آگے آیا، کال کا جواب دیتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔ "ہیلو؟" عالم کی آواز اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔ نیم اندھیرے میں اسلان چلتا ہوا آیا اور پلنگ کے درمیان بیٹھ گیا۔ عالم کی جیل سے کی گئی کالز اس کے لیے نئی نہیں تھی۔ "مجھ پر حملہ ہوا ہے یہاں۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے تم کب نکالو گے مجھے؟" وہ فون کی دوسری طرف غرا رہا تھا۔ خوف زدہ تھا۔

"عدالتی کاروائیاں وقت لیتی ہیں۔" اس نے ہلکی آواز میں کہا البتہ اس کے چہرے کی رنگت تاریک پڑی تھی۔ عالم پر حملہ؟

"میں تھوکتا ہوں ایسی کاروائیوں پر اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری عبیر کا کیا ہوگا؟"

"عالم.... میں کوشش کر رہا ہوں۔" اسلان نے تکان سے کہتے خود کو پیچھے گرا دیا۔ آنکھیں موند لیں۔ سینے میں جلن ہو رہی تھی۔

"کوششیں تیز کر دو کیونکہ اگر میں یہاں سے نہ نکلا تو میں عدالت کو بتاؤں گا اصل قاتل کون ہے۔"

"کون ہے؟"

"اسلان ۔۔ شجاع ۔۔ یمن۔" اس نے توڑ توڑ کر ادا کیا۔

چھت کو تکتے لڑکے کی آنکھیں خالی تھیں۔ کھوکھلی، ہر جذبے سے عاری۔ "کون یقین کرے گا آپ کا؟"

"کوئی اور کرے یا نہ کرے سہراب یمن تو ضرور کرے گا۔" اب کے اس کی آنکھوں میں ایک تاثر ابھرا۔ بلکہ ڈھیر سارے تاثرات، انکار، بے یقینی، خوف۔ وہ کئی لمحے خاموش رہا پھر بغیر کچھ کہے کال کاٹ دی۔ اس کی ساری زندگی جمود کی شکار تھی۔

ایک قتل.... صرف اور صرف ایک قتل نے اس کی زندگی پلٹ کر رکھ دی تھی۔ کاش اس نے کوئی اور حکمت عملی اپنائی ہوتی۔ قتل ہی کیوں۔ کاش اس روز وہ شاہ ویر بنگش کے ساتھ وہ سب نہ کرتا جو اس نے کیا تھا۔

اگلی صبح ضارم علی کے کمرے میں جب اس کی ماں ناشتہ دینے گئی تو اسے اپنا بیٹا کہیں نظر نہ آیا۔ وہ باہر جانے لگی جب ۔۔۔ جب وہ ٹھہر گئی۔ باتھ روم کے دروازے سے خون کا تالاب باہر آ رہا تھا۔ میرب کا دل دھک سے رہ گیا۔ ٹرے وہیں چھوڑے وہ باتھ روم کی طرف بڑھیں، دروازہ ایک دھاڑ سے کھولا اور ۔۔۔ اور ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ باتھ ٹب میں پڑے ضارم کی آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔ کلائیوں پر متعدد کٹس تھے۔ خون ہی خون ہر طرف بکھرا ہوا تھا، اس کا سینہ ساکت تھا۔ سانس کی کوئی رمق نہیں۔ وہ قتل ہو چکا تھا۔ محبت میں ایک اور قتل ۔۔۔۔

اسی ملگجی صبح کی جاچکی رات میں کوئی انارا طارون کے پلنگ کے قریب آکر بیٹھا۔ اس کے بیگ سے اس کی انگوٹھی نکالی اور خون آلود ہاتھوں کے ساتھ بے حد ملائمت سے اس کی رنگ فنگر میں پہنا دی۔

"mine" شاہ زید بنگش زیر لب بڑبڑایا۔ پھر جس طرح آیا تھا اسی طرح نکل بھی گیا۔

★★★★★

قصہ گو اور اس کی قاری خاموش تھے۔ بہت دیر تک وہ چپ چاپ آسمان کو تکتے رہے، خاموشی کا دورانیہ طویل ہوا تو قصہ گو نے اس خاموشی کو توڑا۔ "اگر تم اس روز مجھ سے سوال کر لیتیں تو آج ہم یہاں نہ ہوتے، بنفشہ۔"

اسلان یمن اس سے کہہ رہا تھا۔ ریلنگ کے ساتھ کمر جوڑ کر کھڑی عورت اس کی طرف مڑی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بال اڑا رہی تھی۔ بیضوی چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ "اگر میں اس روز پوچھ لیتی تو یقین نہ کر پاتی، اب مجھے تمہارے نظریے، تمہارے انداز بیان پر اعتبار ہے۔ اب مجھے تمہاری کہانی پر اعتبار ہے۔"

دونوں کے درمیان ایک بار پھر دبیز خاموشی تھی۔ گہری، طویل، غیر اختتامی۔

★★★★★

باب نمبر سات

غنیم سامراج

چھبیس فروری کی رات، ہوٹل سے چند گلیاں دور ڈی ایچ اے فیز فور کی ایک سڑک پر سرمئی سیویکس کی جلتی بتیوں کی چُبھتی روشنی اس کی بھوری آنکھوں میں پڑی، آنکھوں سے سفر کرتے اس کے خون آلود ہاتھوں پر اور ہاتھوں سے اس کے سیاہ چُغے پر۔ اس کے سفید بوٹ خون آلود تھے۔ بلیک آؤٹ کی اس رات وہ سانس لیے بغیر دیوار سے جڑ کر کھڑا تھا۔ گاڑی والا شخص ساکن رہ گیا۔ پہیے پر جمے اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت لرزتی ہوئی تھی۔ دھڑکن کی رفتار حد درجہ تیز۔ وہ چند لمحے پھٹی پھٹی نظروں سے اپنے سامنے کھڑے مرد کو دیکھے گیا۔۔۔ کیا یہ وہی تھا، کیا واقعی وہی؟

کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس کے بھاری قدم چغے والے لڑکے کے سامنے آکر تھمے۔ طوفانی ہواؤں کے درمیان وہ دونوں ایک دوسرے کو تک رہے تھے، دم سادھے متحیر۔ ملگجے اندھیرے میں چہرے واضح نہیں تھے مگر وہ دونوں ایک دوسرے سے واقف تھے۔

”کیا کیا ہے تم نے؟“ اس کی آواز سرسراتی ہوئی تھی۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔ روح قبض ہو رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا یہ بچہ اس کا اپنا تھا۔

اس کے سامنے کھڑے لڑکے نے پلکیں جھپکیں، گردن میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ”مجھے کرنا پڑا.... میں مجبور تھا۔ مجھے۔۔۔۔۔ کرنا پڑا۔“

اسی پل سامنے والے شخص کا موبائل بجا اس نے میکانکی انداز میں کال اٹھائی، دوسری طرف کوئی اس پر چیخ رہا تھا۔

"تم کہاں ہو، عالم؟ یہاں شاہ ویر مر گیا ہے.... شاہ ویر.... مر گیا ہے تم سن رہے ہو؟ کہاں ہو تم؟" اس کی آواز پھٹی ہوئی تھی، سناٹا اتنا تھا کہ "اسلان یمن" موبائل کے اسپیکر سے ابھرتی اس آواز کو بخوبی سن سکتا تھا۔ عالمگیر اب اس کے ہاتھوں پر لگے خون کو "پہچان" سکتا تھا۔ موبائل والا ہاتھ اس کے پہلو میں آ گرا۔ آنکھیں ایک نقطے پر ساکت ہو گئیں۔ اس نے اسلان کو دیکھا۔ اسلان اس نگاہ کو پہچانتا تھا یہ وہ نگاہ نہیں تھی جو اس نے چھبیس برس سے دیکھی تھی۔ اس میں شکوہ تھا، ٹھیس تھی، استفسار بھی تھا۔

"کیوں؟" اس نے پوچھا نہیں، ملال کیا۔

"میں مارنے نہیں گیا تھا۔ اسے سمجھایا تھا، بہت سمجھایا۔ وہ میری بات نہیں مان رہا تھا۔ اسے مان لینی چاہیے تھی۔" بھوری آنکھوں میں سوز تھا، سیاہی تھی، قلق تھا۔ اسے پچھلا دور یاد تھا۔ وہ دور جس میں اس نے کبھی اس دن کے بارے میں سوچا تک نہیں ہو گا۔

★★★★★

پانچ برس قبل، ایڈنبرگ اسکاٹ لینڈ۔

روئے زمین پر خوبصورت اور سانس روک دینے والے مناظر کی کوئی کمی نہیں، لیکن متحدہ برطانیہ میں ایک خطہ ایڈنبرگ کے نام سے جانا جاتا ہے، یہاں خوبصورت مناظر کی بہتات ہے۔ قدیم برطانوی طرز پر بنی عمارتیں اس شہر پر اپنی دھاک جمائے ہوئے ہیں۔ خاموش اور پرسکون سا ایڈنبرگ ادب، آرٹ، فلم اور سیاحت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ سرمئی سڑکیں، کافی شاپس، اونچی عمارتیں اور دل کو بھاتا موسم یہ ایسی خصوصیات ہیں جو کسی بھی انسان کا دل موہ لیتی ہیں۔

ایڈنبرگ کے جامعہ فلم سازی میں عالمی سطح پر آئے طلباء و طالبات کا رش تھا۔ گلے میں جامعہ کارڈ لٹکائے، کچھ رونی صورت اور کچھ پُراعتماد چہرے لیے اپنی اپنی کلاسز تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ کندھے پر سیاہ بستہ ڈالے ہلکی جامنی شرٹ اور خاکی پینٹ والا اسلان شجاع یمن اپنی کلاس کی طرف جا رہا تھا۔ اپنے اے لیولز مکمل کرتے اسے یہاں آئے ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے اور ان دو ماہ میں وہ اساتذہ کی نظروں میں آ چکا تھا۔ لیے دیے رہنے والا اور اپنے کام

سے کام رکھنے والا یہ لڑکا کم سوال پوچھتا، زیادہ سمجھتا اور سو فیصد عمل درآمد کرتا۔ سہراب نے اسے تاکید کر کے بھیجا تھا۔

انگریز اور یہودیوں سے سلام دعا رکھنا دوستی نہیں۔

شراب مت پینا۔

عورتوں سے تعلقات مت رکھنا۔

اور اپنی حدیں پار مت کرنا۔

اسے یہاں آ کر ہنسی آئی جب اس نے یہود اور عیسائیوں سے زیادہ مسلمان اور ہندوؤں کو شراب، عورتوں، اور ڈرگز میں ملوث پایا۔ بیچارے مغرب میں شمولیت اختیار کرنے کے خواہش مند۔ چچ چچ۔۔۔۔

تھوڑی دیر بعد کلاس طلباء سے بھر گئی تھی۔ پروفیسر نکولس کلاس میں داخل ہوئے تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ انہوں نے پروجیکٹر چلایا، سکرین پر چند منظر ابھرنے لگے۔ اسلان کا مکمل دھیان اب سکرین کی جانب تھا۔

"The art of filming emotions"

پروفیسر نے بڑے جذب سے کہا۔"اس دنیا میں ہر انسان اندر سے آرٹسٹ ہے اور جو کہتا ہے ایسا نہیں ہے وہ بالکل غلط ہے۔ آرٹسٹ گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کچھ آرٹسٹ ساری دنیا کے سامنے خود کو آرٹسٹ کہہ سکتے ہیں جیسے کہ مصور، لکھاری، زیور ساز، میک اپ کرنے والا، پرانی چیزیں ری سائیکل کر کے کچھ نیا بنانے والا اور دوسری طرف ہمارے پاس آتے ہیں ڈاکٹر، انجینیئر، سول سرونٹس، پائلٹ۔۔۔۔۔۔"

ٹک ٹک ٹک.... دروازے پر ہوتی اس آواز پر پروفیسر کو تھمنا پڑا۔ انہوں نے آواز کی سمت گردن موڑی۔ ایک لڑکا دروازے کے عین درمیان میں ایستادہ تھا۔ سی گرین ہائی نیک سوئیٹر کے ساتھ سیاہ پینٹ پہنے اس نے بال نہایت سلیقے سے بنا رکھے تھے۔ کتھئی آنکھوں میں ٹمٹماتے ستاروں سی چمک تھی۔ چہرہ روشن اور اس کا ظاہر پُراعتماد تھا۔ کوئی بھی.... اس سے کوئی بھی متاثر ہو سکتا تھا۔ وہ آنکھیں اٹھاتا تو کسی کو بھی زیر کر لیتا، وہ بولتا لوگ مرید ہو سکتے تھے۔

اسلان نے ایک نظر اسے دیکھا وہ اسے جانتا تھا لاہور کے ایک فلمی گھرانے کا چشم و چراغ۔

"کم ان۔" پروفیسر نے اجازت دی۔ وہ اندر آیا، ایک طائرانہ نگاہ اپنے اطراف میں ڈالی۔ تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں، سوائے ایک کے۔۔۔۔ وہی وہ مشرق سے آیا دیسی لڑکا۔ شاہ ویر اپنا لیپ ٹاپ بیگ سنبھالے اس کے ساتھ والی نشست پر براجمان ہوا۔ ساری کلاس میں اس کے تیز کلون کی خوشبو پھیل گئی تھی۔

"آرٹسٹس کی ایک دوسری قسم سمجھتی ہے یہ پریکٹیکل لوگ ہیں، آرٹ سے ان کا کوئی تعلق نہیں لیکن ایک دلچسپ حقیقت بتاؤں؟ کوئی بھی پیشہ آپ کو تب تک کامیاب نہیں کر سکتا جب تک آپ اس کو اپنا دل نہ دیں۔ دل والا کام بہت الگ ہوتا ہے، بہت بہترین۔ اس میں آپ کو مارے باندھے نہیں کرنا ہوتا اس میں تھکاوٹ بھی کامیابی ہوتی ہے۔ ایک ڈاکٹر بھی آرٹسٹ ہے، ایک انجینیئر بھی آرٹسٹ ہے اگر وہ اپنا کام دل سے کر رہا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے آج پروفیسر لیکچر کی تیاری کر کے نہیں آیا، جب ہی یہاں وہاں کی ہانک رہا ہے۔" نوارد لڑکے نے اسلان کے پاس جھک کر سرگوشی کی۔ اسلان سامنے دیکھتا رہا، ہلا بھی نہیں۔ یہ پہلی بار تھا شاہ ویر نے کسی سے بات کی ہو اور اس نے پلٹ کر شاہ ویر کو جواب نہ دیا ہو۔ اسے لگا اسلان نے سنا نہیں۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" ایک بار پھر خاموشی۔ نوارد سیدھا ہو کر بیٹھا۔ آنکھیں چھوٹی کر لیں۔

"میرا نام شاہ ویر بنگش ہے تمہارا نام کیا ہے؟" اسلان یمن ایک بار پھر خاموش رہا۔

شاہ ویر لبوں پر مٹھی جمائے محظوظ ہوا۔ "تم گونگے ہو؟"

"اسلان تم بتاؤ....." پروفیسر نے اسے پکارا۔ ہمیشہ کی طرح تلفظ غلط۔ "جذبات کو کھرے انداز میں سکرین پر کس طرح پیش کیا جا سکتا ہے؟"

"سکرین نے خود کو حقیقت سے دور کر لیا ہے سر۔ جذبات جب تک حقیقی ہوں تب تک اثر رکھتے ہیں۔ ہم سکرین پر مرد کو مضبوط دکھانے کے لیے رلاتے نہیں ہیں اور عورت کو رلاتے وقت اسے دس کلو میک اپ لگاتے ہیں۔ سکرین کو اداکار چاہیے۔ کھرا اور محض کھرا۔" شاہ ویر نے ستائشی انداز میں ابرو اٹھائے، یعنی وہ بول سکتا

تھا۔اس کے جواب سے پروفیسر خوش ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ نکل گئے تب اسلان نے پہلی دفعہ مڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے لڑکے کو دیکھا۔

”اوہ واؤ تمہاری تو گردن کام بھی کرتی ہے۔“

”پروفیسر آف ٹاپک نہیں گئے تھے،میرا نام اسلان یمن ہے،میں لاہور سے ہوں،اور میں گونگا بہرہ نہیں ہوں۔استاد کے سامنے بولنا بے ادبی ہوتی ہے،میں خاموش رہتا ہوں اور میں گردن صرف ہلا نہیں سکتا،توڑ بھی سکتا ہوں۔آزمانا ہے؟“شاہ ویر نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے اسے دلچسپی سے دیکھا۔

”تم جانتے ہو اسلان کے علاوہ تمہارے کتنے نام ہیں؟“

”جانتا ہوں۔گوتم بدھ، آئن سٹائن ۲۰۰،ناسا ہیڈ۔اور باقی مجھے پسند نہیں۔“وہ بیگ کندھے پر ڈالے اٹھ کھڑا ہوا۔شاہ ویر اس کے ساتھ اٹھا تھا۔

”تم تو کافی معلومات رکھتے ہو مجھے لگا تمہیں بس ایک کام آتا ہے گردن ایک رخ پر رکھے سیدھے چلنا۔“

”کان اور آنکھیں کھول کر چلنا۔“اس نے تصحیح کی۔وہ دونوں باہر نکل آئے۔یہاں کئی طلباء آزادی سے گھوم رہے تھے۔ہر کوئی ٹھہر کر شاہ ویر سے ہائے ہیلو ضرور کر رہا تھا۔وہ یہاں کافی مشہور تھا۔اس کے دوست حد سے زیادہ تھے۔

”کل اگر تم کلاس میں جلدی آؤ تو میرے لیے اپنے ساتھ سیٹ رکھ لینا۔“راہداری میں اپنے دوستوں کی پکار پر مڑتے ہوئے شاہ ویر نے سرسری انداز میں اس سے کہا۔”میں تمہارے ساتھ بیٹھنا چاہوں گا۔“

”کیوں؟“

وہ جو پلٹ رہا تھا اسلان کے ٹکے سے جواب پر اسے گھوم کر دیکھا۔?”pardon me“

”میں نے پوچھا میں تمہارے لیے سیٹ کیوں رکھوں گا؟“

”کیونکہ میں کہہ رہا ہوں۔“

”تم کون ہو؟“

"میں کون ہوں....؟" اس نے سینے پر انگلی رکھے حیرت سے پوچھا۔ "تم مجھے نہیں جانتے؟"

"میں آدھے کیمپس کو جانتا ہوں سب کے لیے سیٹ رکھتا پھروں؟" وہ ترش نہیں تھا، سراپا سوال تھا، محض سوال۔

"شاہ ویر؟" اس کے پاس آکر اس کے بازو میں اپنا بازو ڈالتی لڑکی نے اس کی توجہ اپنی طرف دلوائی۔ اسلان بغیر اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے آگے بڑھ گیا تھا۔ شاہ ویر کی نگاہیں تب تک اس کی پشت پر جمی رہیں جب تک وہ راہداری کے سرے سے غائب نہیں ہو گیا۔

اسے اب یہ شخص اپنی مدح سرائی کرتا ہوا چاہیے تھا، وجوہات اور اسباب جو بھی ہوں اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔

★★★★★

اگلے چند روز میں شاہ ویر بنگش کا معمول بدل گیا۔ وہ جامعہ آتا، دوستوں کے ساتھ گھومتا، کلاسز بھی لیتا، اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ کلب بھی چلا جاتا، گھومتا بھی مگر اس کی نگاہوں میں کچھ اٹک یا شاید کھٹک گیا تھا۔

اسلان شجاع یمن۔

وہ کلب نہیں جاتا تھا، پارٹی نہیں کرتا تھا، کلاسز میں ہر وقت موجود رہتا، دوست نہ بناتا، اس کی کوئی گرل فرینڈ....؟ یہاں وہ عام تھا۔ اس کی ایک گرل فرینڈ تھی، جس سے وہ بات کرتا تھا، جس کے ساتھ وہ مسکراتا اور غصہ کرتا ہوا پایا جاتا تھا۔ شاہ ویر کے لیے وہ تجسس بن گیا تھا اور تجسس یا مرے یا مارے۔

اگلے دن راج بیر سنگھ اسلان یمن کی زندگی کی "الف" سے "ے" کی کہانی اٹھا کر لے آیا۔ شاہ ویر اور راج ڈین ویلج کے کیفے میں موجود تھے جن کرسیوں پر وہ بیٹھے تھے ان کے عقب میں وہیں ایک جھیل بہہ رہی تھی۔ وائلن پر کوئی ہلکی سی موسیقی بجا رہا تھا جب راج نے جیب سے ایک چھوٹی سی پرچی نکال کر میز پر رکھی۔

"یہ کیا ہے؟" شاہ ویر نے پرچی اٹھا کر کھولی۔ ان کے بالکل قریب جو جھیل بہہ رہی تھی اس کی آواز منظر پر غالب تھی۔

”وہی جو تجھے چاہیے تھا۔ کیا لگتا ہے مجھے نظر نہیں آتا؟ اس گوتم بدھ میں آخر خاص کیا ہے؟“ شہر لاہور، گرل فرینڈ پنار سکندر، عمر اکیس سال، شوق بائکنگ، رائٹنگ اور نئی جگہیں ایکسپلور کرنا کچھ بھی تو خاص نہیں تھا اس میں، پھر وہ اتنا خشک اور مغرور کیوں تھا؟

” تمہیں یہ ناسا ہیڈ نہیں پسند؟“ سوال ایسا تھا کہ شاہ ویر نے بلا ارادہ گردن اٹھا کر اسے تکا۔ نگاہیں استہفامیہ تھیں۔ ”مطلب آج کل تم اس پر زیادہ غور کرتے ہو اور.... سب لوگ تمہارے آگے پیچھے رہتے ہیں یہ کبھی آس پاس نہیں آتا پھر بھی تم اسے دیکھتے رہتے ہو۔“ اس نے وضاحت کی تو شاہ ویر کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ نگاہیں دوبارہ تفصیل پر جم گئیں۔

”مجھے وہ پسند ہے اس لیے اس پر غور کرتا ہوں۔ تم نے کبھی اسے دیکھا ہے؟ گردن سیدھ میں رکھ کر چلتا ہے، آنکھوں میں ہمیشہ ٹھہراؤ، ہر سوال کا جواب اس کے پاس ہوتا ہے، اس کی کہانی سنی ہے کبھی؟ میں نے اس کی دو شارٹ سٹوریز پڑھی ہیں راج۔ جو اس کی آنکھ دیکھتی ہے وہ تم اور میں دیکھ ہی نہیں سکتے۔ جو وہ سوچتا ہے ہمارے ذہن کی اتنی وسعت ہے ہی نہیں۔ وہ exceptional ہے۔“

”اور تم جل رہے ہو؟“ شاہ ویر کے ماتھے پر ناگوار لکیریں ابھریں۔

”میں اسے اپنا دوست بنانا چاہتا ہوں۔ فائنلز کے پروجیکٹ میں اگر ہم دونوں ایک ساتھ ہوں تو تم جانتے ہو کیا کمال ہو گا؟“

”اوبھائی ہتھ ہولا (ہلکا) اب میں جل رہا ہوں۔“ شاہ ویر نے مسکرا کر اس کی گردن میں بازو ڈالا۔

”گدھوں کی جگہ انسان نہیں لیتے۔ تمہاری جگہ بھی کوئی نہیں لے سکتا سویٹ ہارٹ۔“ راج خفا ہوا تھا، اسی لمحے ان کے باقی دوست بھی سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیے شاہ ویر نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا اور وہ پرچی نا محسوس انداز میں جیب میں رکھ لی۔

خاص چیزیں، انسان.... ان پر اس کا حق تھا۔ ایسا اسے لگتا تھا۔

★★★★★

ایڈنبرگ کے آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ ہفتے اتوار کی رات اس شہر میں پر سکون ہوتی ہیں۔ انہی پر سکون راتوں میں کچھ منچلے ایک بڑے سے چیٹل میدان میں بائیک ریسنگ کے لیے جمع ہوئے تھے۔

پارٹی، ریس، رقص۔۔۔۔ پولیس اور انتظامیہ سے چھپ کر یہ سارے کام کرنا نوجوانوں کے لیے تفریح اور سکون کا باعث تھا۔ ایک پتھریلی ڈھلوان سے اترتے لڑکے لڑکیاں اسی میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ لڑکیوں نے شوخ رنگ کی مختصر اسکرٹس اور ٹاپ پہن رکھے تھے، لڑکے عموماً بغیر بازوؤں والی شرٹ یا برہنہ سینے والی جیکٹس میں ملبوس تھے۔ کچھ تو باقاعدہ ریسنگ سوٹ پہن کر آئے تھے۔ ہاتھوں میں بیئر کی بوتلیں تھیں۔ تیز موسیقی اور روشنیاں تھیں۔

انہی لوگوں میں کہیں اسلان بھی تھا۔ اسے نہ شراب چاہیے تھی، نہ اسے رقص میں دلچسپی تھی وہ تو محض ریس دیکھنے آیا تھا۔ پہاڑی سے اترتے ہوئے وہ دھیان سے چل رہا تھا جب چلتے چلتے کسی نے اسے دھکا دیا، اسلان توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے نیچے گر پڑا۔ وہ سادہ آدھے بازوؤں والی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا پتھروں پر گرنے سے ننھی ننھی کنکریاں اس کی کہنیوں میں چُبھ گئیں۔ وہ بے اختیار کراہا۔

”تم کسی گروپ سے نہیں ہو، میں جانتا ہوں تم پولیس اور پرنسپل کو بتاؤ گے۔“ اسے دھکا دینے والا مکی اس کے سر پر کھڑا انگلی اٹھائے تنبیہہ کرتا نظر آ رہا تھا۔ اسلان نے دانتوں پر دانت جما لیے اور پوری قوت لگا کر اٹھا۔ ”اب تم یہاں سے دفع ہوتے ہوئے نظر آؤ اگر کسی کو بتایا تو بہت بُرا ہو گا۔ چلو جلدی نکلو یہاں سے۔“

”اگر تم نے دوبارہ مجھے دھکا دیا تو کل کسی کو شکل دکھانے کے لائق نہیں رہو گے۔“ اسے دھمکاتے، اپنی کہنی مسلتے وہ ابھی اس کے سامنے سے نکل کر آگے بڑھ پاتا کہ مکی کے دوست ایک کورین لڑکے نے اس کی شرٹ سینے کے مقام سے مٹھی میں جکڑی اور اسے اپنے سامنے کھڑا کیا۔ اسلان مضبوط قد کاٹھ کا مالک تھا وہ اسے جھنجھوڑ نہ سکا۔

”تم کلاس میں بھی ہمیں نیچا دکھاتے ہو اور یہاں بھی، تمہارا مسئلہ کیا ہے کیوں نا آج تمہیں سبق سکھائیں؟“

اسلان ابھی کوئی جواب دیتا کہ مکی نے اسے دوبارہ دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا، اب کی بار وہ نہیں گرا۔ وہ جو لمحے کے ہزارویں حصے میں خود کو ایک بار پھر کنکریوں سے زخمی ہوتے ہوئے سوچ اور دیکھ چکا تھا اسے اس کے عقب میں کسی نے اسے تھام لیا تھا، پھر اسی شخص نے اسلان کو سیدھا کھڑا کیا۔ اس کا کندھا تھپکا۔ اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ”تم ٹھیک ہو؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ اسلان نے ٹھہر کر اسے دیکھا، آنکھوں میں تشکر تھا۔

”لیکن اب تم ٹھیک رہو گے نہیں۔“ کورین لڑکے نے اسے مکا مارنا چاہا مگر وہ جھک گیا۔ اگلے ہی لمحے اسلان نے جھک کر کنکریاں مٹھی میں بھریں اور مکی کے منہ پر ایک فولادی قسم کا مکا مارا۔ کورین لڑکا جواباً اسلان پر وار کرنے لگا تھا کہ شاہ ویر نے ہاتھ میں پکڑا ہیلمٹ اس کے سر پر گھما کر مارا، وہ گرا تو اس کے اور ساتھی آگے آئے۔ لمحے بھر میں پہاڑی سے نیچے جانے کا راستہ جنگ کا میدان بن گیا تھا بس اتنی دیر لگتی ہے لڑکوں کو occasion بدلنے میں۔

اسلان اور شاہ ویر اب چھ سے سات لڑکوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ شاہ ویر کے وار کاری تھے۔ وہ جانتا تھا کب، کہاں کتنا مارنا ہے، اسلان لڑنا نہیں جانتا تھا اگر اس کی صحت اچھی نہ ہوتی تو اس وقت لڑکے اسے بری طرح رگڑ چکے ہوتے۔ اس کا محض ہاتھ بھاری تھا ایک تھپڑ بھی سات تھپڑوں جیسا لگ رہا تھا، ایک مکا جبڑا ہلانے کی سکت رکھتا تھا۔

آن کی آن شاہ ویر کے کئی اور سنگت جمع ہو گئے اور انہوں نے مکی کے دوستوں کو رگید کر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد اسلان اور شاہ ویر وہیں کنکریوں پر گرے پڑے تنفس بحال کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ شاہ ویر اس سارے جھگڑے سے زیادہ متاثر نہیں نظر آتا تھا البتہ اسلان کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ چہرے پر بھی کافی نشان پڑ گئے تھے۔ کہنیاں چھل گئی تھیں۔

”تمہیں لڑنا نہیں آتا؟؟“ پھولی سانسوں کے درمیان شاہ ویر نے استفسار کیا۔

”نہ.... نہیں.... میں وائلنٹ نہیں ہوں۔“ وہ پھولی سانسوں کے درمیان بولا۔

شاہ ویر نے کہنی کے بل دراز ہوتے اسے دیکھا۔ ”وائلنس اور اسکل میں فرق ہوتا ہے۔ وائلنٹ مکی تھا، میں ہنر مند تھا۔ فائٹنگ ہنر ہے، اسے بلاوجہ کہیں بھی استعمال کرنا وائلنس۔ تم ایک ہنر سے نا آشنا ہو۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بائکنگ سوٹ جھاڑا اور اسلان کی طرف ہاتھ بڑھایا، جسے اس نے نہیں تھاما۔ لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے وہ اسے دیکھتا رہا۔

”تم میرے لیے کیوں لڑے؟“

”کیونکہ ہم ایک شہر سے ہیں۔“

”یہ تو کوئی وجہ نہیں ہوئی۔“

”تم میرے کلاس فیلو ہو۔“

”مکی بھی تھا۔“

”میں ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔“

”ذرا جھک کر میری آنکھیں صاف کرنا بھر آئی ہیں۔“ شاہ ویر نے گہری سانس لی۔

”تم اچھے بچے ہو، ناساہیڈ اور ذہین بھی، میں نہیں چاہتا یہاں سے واپس جاتے ہوئے ہڈیاں تڑوا کر جاؤ۔ دوست نہیں ہیں تمہارے؟“ ہاتھ دوبارہ بڑھایا.... ٹی شرٹ والے لڑکے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شاہ ویر نے پوری قوت لگا کر اسے اٹھایا، اور اپنے برابر کھڑا کیا۔ اسلان نے اس پر زور نہیں ڈالا ورنہ وہ اسے اٹھاتے ہوئے خود گر جاتا۔

”نہ میں بچہ ہوں، نہ اچھا اور نہ ناساہیڈ۔“ اس نے پہلی بار ناگواری سے کہا۔

شاہ ویر نے چلتے چلتے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ ”آئن سٹائن ۲۰ء؟“

”تم ہو گے۔“

”گوتم بدھ؟“

”تمہارا خاندان۔“

“hot nerd?”

اب کے اسلان کے کان سرخ پڑ گئے۔ ”شٹ اپ۔“

شاہ ویر مسکرایا۔ ”لڑکیاں تمہیں اسی نام سے پکارتی ہیں۔“

”میں نے نہیں سنا۔“ اس نے خفت سے کہا۔

”میں جا کر ان سے کہتا ہوں آئندہ تمہیں میسج کر کے کہیں۔“

اسلان نے گھور کر اسے دیکھا۔ ”میں بلاک کر دوں گا۔“

وہ دونوں چلتے چلتے اب بڑے سے میدان میں جمع ہو چکے تھے۔ رقص، تیز موسیقی، ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جوڑے.... رات پُر رونق تھی۔ دوڑ کے لیے دو غول جمع ہوئے تھے۔ اسلان نے پہلی بار غور کیا پہلے غول نے سیاہ اور سبز کے امتزاج کے بائکنگ سوٹ پہنے تھے۔ مکی اور اس کے لوگ۔ دوسری طرف سفید ٹی شرٹ کے ساتھ میرون جیکٹ والے لڑکے تھے شاہ ویر اور اس کے دوست۔ اسلان نے شاہ ویر کی گرل فرینڈ جورجینا کو سامنے سے آتے ہوئے دیکھا وہ آئی اور شاہ ویر کے بازو میں بازو ڈال کر اس کا ہاتھ اونچا کیا، وہ ابھی جیتا نہیں تھا لیکن جورجینا عرف جینا اپنے ساتھی کے لیے انتہائی پر جوش تھی۔

شاہ ویر نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اسلان کو دیکھا۔ اس کے جبڑے کے نیچے نیلاہٹ تھی، کہنیاں چھل گئی تھیں، اور پینٹ مٹی مٹی۔ وہ مبہوت سا لڑکے لڑکیوں کو بائیکس پر سوار ہوتے اور ایک قطار میں اکٹھا ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے ظاہر تھا ریسنگ اس کے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے۔

”چلانی آتی ہے؟“ شور کے باعث شاہ ویر نے بلند لہجے میں پوچھا۔

”اڑانی آتی ہے۔“ اسلان نے اسے دیکھے بغیر جواب دیا۔ شاہ ویر مسکرایا۔ لمحوں کے اندر کوئی فیصلہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے دوست تک گیا، شور میں اس کے کان کے پاس جھک کر کچھ کہا۔ اس کے دوست نے ناگواری کا مظاہرہ کیا مگر شاہ ویر نے جھک کر اس کا بستہ اٹھا لیا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں اس نے وہ بستہ اسلان کے حوالے کیا۔

”سوٹ پہن لو، مقابلہ تمہارے اور میرے درمیان ہے۔“

اسلان نے متعجب ہو کر اسے تکا، پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کے کان کے قریب ہوا۔ ”میرے پاس بائیک نہیں ہے۔“

”میں دے رہا ہوں۔ وقت ضائع مت کرو، سوٹ پہنو۔“

”میں کرایہ نہیں دوں گا۔“

”تم دے بھی نہیں سکتے، سوٹ پہنو جلدی۔“ اسلان نے بیگ کھول کر محض ہیلمٹ باہر نکالا، اسے سر پر اچھے سے جمایا۔ شاہ ویر کو ہر گزرتا لمحہ تعجب میں ڈال رہا تھا۔ اس ٹی شرٹ کے ساتھ اگر وہ بائیک سے گر جاتا تو اس کی کہنیاں، ٹانگیں اور پورا جسم زخمی ہو سکتا تھا۔

”سوٹ پہن لو تم گر بھی سکتے ہو۔“ اس نے احتیاطاً کہا۔

”گرنے سے ڈرنے والے پرواز کی خواہش نہیں رکھتے۔“ شاہ ویر خاموش رہا۔ اسے اسلان برا نہیں لگ رہا تھا اسے اسلان کا پرسکون انداز برا لگ رہا تھا، کئی لڑکیوں کی اس پر نظر بری لگ رہی تھی، اور دور کہیں اس کے دل میں یہ خدشہ برا لگ رہا تھا کہ اسلان اس سے بہتر ہے حالانکہ اس کے پاس تھا ہی کیا؟

عام سا سانولا چہرہ، عام کپڑے، عام حلیہ۔ کوئی اس کی روشنی چھین لے اسے ناگریز تھا، ہے اور رہنے والا تھا۔ اسلان ساتھ تھا تو دو تہائی اکثریت اس کی مداح تھی۔ شراکت اسے شروع سے ناپسند تھی۔

چند ثانیے بعد ایک قطار میں بارہ بائیکس کھڑی تھیں، سواروں کی شاطر نگاہیں سڑک پر جمی تھیں۔ ٹریک کے دونوں اطراف نوجوان شور مچاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں موبائل فونز اور چھوٹے چھوٹے جھنڈے تھے۔ ایک۔۔۔۔ دو۔۔۔۔ تین۔۔۔۔ اور دوڑ شروع کرنے کا پرچم لہرا دیا گیا تھا۔

★★★★★

”حال!“

وہ نوٹیفکیشن کی چنگھاڑتی آواز پر عالم بیداری میں داخل ہوئی تھی۔ کئی لمحے خالی الذہنی سے اپنے اطراف میں دیکھتے رہنے کے بعد اس نے موبائل اٹھایا، الارم بجنے میں ابھی وقت تھا۔ وہ رات دیر سے سوئی تھی آنکھیں اب تک

سوجی ہوئی تھیں۔ مندی مندی آنکھیں رگڑتے اس نے پلنگ کے تاج سے ٹیک لگائی اور موبائل پر آئے نوٹیفکیشنز دیکھنے لگی۔ یکدم وہ ٹھٹکی۔ اس کے ہاتھ پر خشک ہو چکا خون تھا۔ انارا طارون دم سادھے اپنی انگلی دیکھے گئی جہاں وہ ہیرے کی انگوٹھی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھی۔ اسے سانس لینے میں دقت ہوئی کیونکہ اسے یاد تھا وہ یہ انگوٹھی اتار کر سوئی تھی۔

اس کی اگلی نگاہ موبائل پر پڑی اسے ایک انجان نمبر سے متعدد مرتبہ کالز آئی تھیں، اوہ یعنی وہ الارم کی آواز نہیں تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس نے کچھ پیغامات بھی بھیجے ہوئے تھے۔ آراہ نے غیر ارادی طور پر پیغام کھولا۔ ایک ویڈیو تھی۔ اس نے ویڈیو چلائی۔ باتھ ٹب میں پڑا ضارم آخری سانسیں لے رہا تھا۔ وہ مجمند ہو گئی۔

چند سیکنڈز کی ویڈیو بند ہو گئی، آراہ نے باقی کی چیٹ کھنگالی۔ کچھ تصاویر تھیں جو لوڈ ہو گئیں تھیں۔ اس نے کپکپاتی انگلیوں سے تصویر کھولی، اور اسے لگا وہ ہل نہیں سکے گی۔ ضارم کی کلائیاں اس بری طرح سے کاٹی گئی تھیں کہ گوشت کے ٹکڑے باہر گر رہے تھے، گردن میں کٹس، سینے پر کٹس۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، جسم ساکن۔

انارا طارون کے حلق کا آوازوں سے رابطہ ختم ہو گیا تھا، سانس قطرہ قطرہ اس کے جسم سے خارج ہو گیا۔ کوئی ایسے کیسے.... اس نے موبائل اٹھایا، گھسیٹتے پیروں اور دھندلائی آنکھوں کے ساتھ وہ اسلان کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ ہاتھ بار بار سینہ مسل رہا تھا، یہ عمل بے اختیاری تھا اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔

اسلان کے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا ایک ہاتھ پلنگ سے لٹکائے وہ سو رہا تھا جب آراہ نے خود کو اس کے قریب بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اسے زور زور سے جھنجھوڑ رہی ہے۔۔۔ در حقیقت اس کے ہاتھوں میں سکت ہی نہ رہی تھی۔ اسے لگا وہ چیخ رہی ہے اور اسلان اسے نہیں سن رہا مگر اس کے حلق میں تو کانٹے اگے تھے۔ اسے لگا وہ بلند آواز میں رو رہی ہے مگر اس کے آنسو خاموش تھے۔

"بھائی..." اس نے پکارا۔ "اسلان.... بھائی۔" وہ مرے مرے ہاتھوں سے اس کا کندھا ہلا رہی تھی۔ انسومنیا کے مارے مرد کی نیندیں بھی کچی تھی، اس کی آنکھ فوراً کھلی۔ پلنگ پر پڑے پڑے وہ چند لمحے غائب دماغی سے اسے تکتا رہا پھر اٹھ بیٹھا۔

"کیا ہوا ہے؟" آواز میں نیند کا خمار تھا۔

"ضا۔۔۔۔ ضارم۔۔۔۔۔ کسی نے۔۔۔۔ ضارم کو۔۔۔۔ مار دیا۔" اسلان چونکا، پھر اس کی نگاہ آراہ کے موبائل تک گئی اس نے موبائل اٹھایا۔ نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔ پہلی تصویر دیکھتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔ بے یقینی سے پہلے آراہ کو اور پھر موبائل کو دیکھا۔ ایک، دو، تین، چار وہ ہر تصویر آگے کرتا جا رہا تھا۔۔۔۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید اگلی کسی تصویر میں وہ شخص اللہ کے کیسے کسی معجزے کے تحت زندہ ہو جائے مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔

وہ مر گیا تھا۔ وہ واقعی مر گیا تھا۔

"میں شاہ ویر کے ساتھ تھی، وہ مر گیا میں.... میں نے ضارم کو ہاں کی وہ بھی مر گیا سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میرا قصور ہے سارا...." ضارم اس کا بچپن کا دوست تھا، صدمہ یقینی تھا۔ اسلان خود بھی کچھ جذب نہیں کر پا رہا تھا۔ آراہ ہچکیاں بھر رہی تھی۔ اس کا پورا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔ اس نے آراہ کے موبائل پر سوشل میڈیا کھولا۔ ایک معروف پیج ڈھونڈ کر نکالا جو پاکستان میں ہونے والے ہر قتل، ظلم، زیادتی پر بات کرتا تھا۔ اس نے ضارم کی دھندلی تصویر لگا رکھی تھی۔ جس کے کیپشن میں درج تھا۔

"لاہور کے علاقے گلبرگ میں پیش آنے والا ایک دل دہلا دینے والا واقعہ۔ بائیس سالہ ضارم علی کی کلائیاں کاٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ قاتل نے اپنے پیچھے ایک نوٹ چھوڑا جس پر واضح الفاظ میں درج تھا کہ ضارم علی قاتل کی "عورت" کے ساتھ تعلقات بڑھا رہا تھا جس کے نتیجے میں اسے یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔ وہ اپنے عمل پر دکھی ہے، شرمندہ نہیں۔ واضح رہے کہ ضارم علی اور انارا طارون کی منگنی طے ہو چکی تھی انارا طارون شاہ ویر بنگش کی سابقہ منگیتر رہ چکی ہیں۔ مزید تفصیلات پہلے کمنٹ میں۔۔۔۔۔"

موبائل پر اسلان کی گرفت ڈھیلی پڑی اس کے ہاتھ کپکپاہٹ کا شکار تھے۔ اسے اندازہ تھا جو گناہ آپ نے نہ کیا ہو اس کا الزام آپ پر لگنے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ کی بورڈ کے پیچھے بیٹھی مافیا جب بولتی ہے تو کس طرح کردار، ذات اور زندگی کے بخیے ادھیڑ دیتی ہے۔

"بھائی...." رندھی ہوئی آنسوؤں سے تر آواز میں اسے پکارا۔ "اب کیا ہو گا؟"

اسلان لب سختی سے آپس میں پیوست کیے چند لمحے اسے دیکھتا رہا، پھر پلنگ پر ذرا سا آگے کو ہو کر اس نے وہ فاصلہ مٹایا جو چار برس سے درمیان میں تھا۔ اس نے آراہ کا سر اپنے سینے سے لگایا، بازو اس کے گرد باندھ دیے۔ یہ سہارا ملنے کی دیر تھی اس کے سینے میں کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا، اور آگ کی جگہ رخساروں پر ڈھیروں ڈھیر پانی بہتا چلا گیا۔ اس نے اسلان کی شرٹ زور سے مٹھیوں میں دبوچ لی۔ اور بلند آواز میں روئے گئی۔

"تمہارا بھائی ہے نا؟ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ تم نے کچھ نہیں کیا، سب ٹھیک ہو جائے گا کچھ نہیں ہوا۔" آراہ خوف سے لرز رہی تھی۔ اسلان سختی سے اسے خود سے لگائے ہوئے تھا بعض دفعہ یہی کافی ہوا کرتا ہے۔ اس کا ذہن محض ایک نہج پر سوچ رہا تھا۔۔۔۔کون؟

★★★★★

ایک رات قبل!

رات کے کسی بوسیدہ پہر کا ذکر ہے۔ سیاہ بی ایم ڈبلیو کی اگلی نشست پر بیٹھا وہ شخص سامنے دیکھتے ہوئے ایک ہاتھ سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس کے سینے پر خون کی چپچپاہٹ باقی تھی۔ ہاتھ اب تک اسی خون میں لتھڑے تھے، جنہیں اس نے صاف کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سامنے سڑک پر دیکھتے ہوئے اس کا ذہن سوچوں کی آمجگاہ تھا۔ کئی پچھتاوے تھے جو روح کُرلا رہے تھے۔

وہ ایسا تو نہیں تھا۔ شاہ ویر کی موت سے قبل وہ ایک بے حد مختلف انسان ہوا کرتا تھا۔ وہ تو بدل گیا تھا۔ اس نے لوگوں کو تکلیف پہنچانا بند کر دیا تھا.... ایک منٹ کیا؟ اس نے اپنے ہی ذہن میں خود کو ڈپٹا۔ ہاں ٹھیک ہے اس کی موت سے قبل اس نے چند ایک لوگوں کو تکلیف دی تھی مگر وہ تو اس کے کام کے آڑے آ رہے تھے۔

کسی کو ایذا دینا شروعات سے اس کا شیوہ نہیں رہا تھا، اس کے مطابق وہ بے حد مجبور تھا۔ اور ضارم نے اسے مجبور ہی کیا تھا۔

اس نے گاڑی ایک بیابان میں لا کر روکی جہاں آس پاس دور دور تک ایک مکان کے سوا کوئی نہیں تھا۔ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے وہ نیچے آیا۔ سامنے ہی مہران گاڑی سے یاسر نکل کر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بستہ تھا، جو اس

نے زید کے سامنے رکھا۔ وہ دونوں اس چھوٹے سے گھر کے اندر چلے آئے۔ گاڑی کھلے دروازے کے عین سامنے کھڑی تھی۔

"پوری تیاری ہے، یاسر؟"

"جی باس، سب تیار ہے۔"

زید نے سر ہلا دیا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں یاسر بستے سے پانی کی بوتل نکالے اس کے ہاتھوں پر ڈال رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر پانی کی بوتل سے پانی گرایا، ایک ہاتھ مکمل صاف ہو گیا تو اس نے یہی عمل دوسرے ہاتھ کے ساتھ دہرایا۔ خون صاف ہو گیا۔ کمبخت کو یوں لگا جیسے اس کے نامہ اعمال سے ایک قتل بھی مٹا دیا گیا ہو۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" وہ ہاتھ دھو کر جونہی سیدھا ہوا یاسر سے سوال کیا۔ وہ گڑبڑا گیا، اسے لگا زید نے اس کی چُبھتی نگاہوں پر غور کہاں کیا ہو گا؟

"کچھ نہیں۔" اس نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔ شاہ زید نے اپنی شرٹ اتار کر نیچے پھینکی، اس کی گردن اور سینے پر کھروچوں کے نشان تھے۔ شاید مقتول کی آخری مزاحمت۔

"مام کے لیے غیر قانونی کام کرتے ہوئے انہیں بھی ایسی لُکس دیتے ہو؟" کہتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا، یاسر نے جھک کر ایک صاف شرٹ اسے تھمائی۔ جسے زید نے سرعت سے گلے میں ڈالا، پھر بازوؤں میں۔ اب اس کا سینہ اور گردن چھپ گئے۔

"میں سوچ رہا تھا اب اس سب کی کیا ضرورت ہے؟ اب تو شاہ ویر صاحب بھی نہیں رہے۔ اب تو کوئی بوجھ نہیں ہے پھر۔۔۔؟" وہ اٹک اٹک کر کہہ رہا تھا۔

"اب آخری صفائی چل رہی ہے۔" وہ جھک کر بستے سے لائٹر نکال رہا تھا۔ "کرائم سین پر باقیات رہ جائیں تو نئی کہانی جنم لیتی ہے، میں اب کوئی کہانی نہیں چاہتا۔ پہلے جو کیا تھا سب مجبوری تھی، اب جو کر رہا ہوں...." اس نے آگ کا شعلہ کپڑوں کو دکھایا، آگ جل اٹھی۔ "اب مزہ آ رہا ہے۔ تم نہیں جانتے یاسر آخری لمحات میں موت کی

وہ تڑپ، ان لوگوں کی بے بسی کیسا سکون دیتی ہے جنہوں نے آپ کی راہ میں کانٹے بچھانے چاہے تھے۔" آگ کی تپش اور نارنجی شعلوں میں اس کا چہرہ عجیب لگ رہا تھا۔ بے بس نہیں، بے حس۔

"بس کچھ اور غلط کام اور پھر میں آزاد ہو جاؤں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چہرے کے تاثرات ایک مرتبہ پھر معتدل ہو چکے تھے۔ "کچھ کہنا ہے؟" یاسر کو متذبذب دیکھ کر پیشکش کی۔

"آپ کے والد...." اس نے تھوک نگلا۔ "وہ بہت اچھے آدمی تھے ان کے معاملے میں مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن اب مجبوری ہے۔" یکلخت آگ کا شعلہ اس تیزی سے بھڑکا کہ سامنے کھڑے مرد کا دل جل کر خاکستر ہو گیا۔ "میں آپ کے لیے اور آپ کے خاندان کے لیے کام کرتے ہوئے کبھی شرمندہ نہیں ہوا، کبھی کچھ سوچا نہیں لیکن میں وہ رات نہیں بھول سکتا جب شاہ ویر صاحب نے مجھ سے ایک نسخہ منگوایا تھا۔ وہ سلو پوائزن تھا، اگلے چند گھنٹوں میں طلال صاحب کو دل کا دورہ پڑا تھا وہ میرے خواب میں آتے ہیں باس۔ مجھے سکون نہیں آتا۔ میں سو نہیں پا رہا۔" یاسر کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو، تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟" اسے لگا اس نے کہا ہے مگر وہ خاموش تھا، بالکل ساکن۔

"میں چھپانا نہیں چاہتا تھا لیکن ......" وہ رونے لگا۔ "شاہ ویر صاحب نے انہیں مار دیا اور میں کچھ نہیں کر سکا۔"

شاہ زید نمک کا کوئی مجسمہ بن گیا تھا، اس کا وجود ہر قسم کی جنبش سے معترض تھا، وہ لمحہ، وہ اس کے سر پر چڑھا کوئی آسیب، یہ لمحہ آج اس کی یادداشت میں کسی آگ کی طرح محفوظ ہو گیا۔ جلایا، خاک کیا مگر ختم نہیں کیا۔

"کیا آپ نے ان سے کبھی پوچھا انہوں نے طلال صاحب کو کیوں مارا باس؟" شاہ زید نے اس کی طرف نہیں دیکھا، وہ تیز تیز قدم لیتا ہوا گھر سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کی ہر رنگت اڑ چکی تھی، وہ اس وقت قطرہ قطرہ مر رہا تھا۔

"وہ میرے خواب میں آتے ہیں باس مجھے ڈر لگتا ہے مجھے اس سے بچالیں پلیز۔ آپ مجھے اس قتل میں شمولیت کے لیے معافی دلوادیں۔" وہ اس کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے کنڈی کھولی، واپس آکر گاڑی میں بیٹھا۔

"باس پلیز...." یاسر نے منت کی۔ وہ متوحش انداز میں گاڑی چلاتا بڑا سا داخلی دروازہ پار کر گیا۔ صحن کے وسط میں جلتی آگ رفتہ رفتہ زوال کی طرف گامزن تھی۔ شاہ زید کے دل کی آگ اب بجھائے نہ بجھے۔

★★★★★

آج ان دونوں کے درمیان کانچ کی کوئی دیوار نہیں تھی۔ آج عدالت کی خاص اجازت کے تحت بنفشہ اور عالمگیر کو ملاقات کے لیے ایک کمرہ فراہم کیا گیا تھا۔ دونوں کے درمیان لکڑی کی میز تھی جس پر گرد کی تہیں جمی تھیں۔ ایک ایسی ہی تہہ بنفشہ کو اپنی سانسوں کے ارد گرد بھی محسوس ہو رہی تھی۔ گھٹن کا احساس شدید تھا۔ وہ بہت دیر تک چپ چاپ عالم کا زخمی چہرہ دیکھتی رہی۔

"جیلر کہتا ہے لڑائی کی شروعات آپ نے کی۔" لمبے ناخنوں سے میز کی سطح کو کھرچتے ہوئے اس نے بات کا آغاز کیا۔ "آپ کو اندازہ ہے یہ واقعہ آپ کے ٹرائل کو کس قدر متاثر کر سکتا ہے؟"

"تمہیں ٹرائل کے متاثر ہونے کا ڈر ہے، سچ نہیں جاننا؟"

وہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ زخمی سا مسکرائی۔ "سچ آپ بتاتے کب ہیں، سر؟"

عالم کو کوئی دھکا سا لگا، بنفشہ آج اسے اجنبی معلوم ہوئی۔ "میں تم سے کیا چھپا سکتا ہوں؟"

اس نے آنکھیں اٹھا کر عالمگیر کو دیکھا۔ چند ثانیے چپ چاپ دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے کہا۔ "قاتل.... آپ نے مجھ سے قاتل کو چھپایا۔" میز کے اس پار، سیلن زدہ دیوار کی طرف پیٹھ کیے مرد کا سارا چہرہ کسی بوسیدہ، برسوں پرانی کائی جیسا ہو گیا۔ "بلکہ آپ نے سچ نہیں چھپایا آپ نے مجھے استعمال کیا، میں نے آپ سے پوچھا تھا کیا آپ قاتل کو جانتے ہیں؟" اس کے تصور کا عالم کہہ رہا تھا۔ "شاید ہاں، شاید نہیں" وہ لمحے بھر کو رکی، پھر آنکھیں اٹھا کر اپنے استاد کو تکا۔ جو ہمیشہ اس سے مخلص رہا تھا۔ "کم از کم آپ سے مجھے یہ امید نہیں تھی، سر۔"

”تم کیا جانتی ہو؟“ زخمی قیدی بازو میز پر رکھے آگے کو ہوا۔

”آپ کا بھتیجا میرے بھائی کا قاتل ہے۔“ وہ چبا چبا کر بولی۔

”کیا ایسا اس نے خود کہا؟“

”نہیں.... لیکن اس کے بیان میں تضاد ہے، اس کی موجودگی سوالیہ نشان ہے۔ اگر وہ قاتل نہیں ہے تو وہ بائیس فروری کو لاہور میں کیوں تھا؟ وہ بھرم بنا رہا تھا، اپنی بقا کے لیے.... وہ باطل ہے۔“

عالمگیر کے گلے میں کچھ اٹکا۔ اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ ”یہ بھی ثابت نہیں کرتا کہ وہ قاتل ہے۔“

”اسلان اور شاہ ویر ایک ہی یونیورسٹی سے پڑھے ہیں وہ دونوں ایک ہی ہاسٹل میں رہے ہیں، اگر وہ قاتل نہیں ہے تو اس نے اپنے سابقہ تعلقات کیوں مخفی رکھے۔ قتل سے تین دن پہلے شہر میں رہ کر وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل رہا۔ اس کا موبائل اس کے پاس نہیں تھا، تاکہ لوکیشن کوئٹہ کی آتی رہے، اس نے گاڑی کا سفر نہیں کیا لیکن اس کی جگہ، اس کے نام ایک عورت نے سفر کیا تاکہ وہ پولیس کو ثبوت دکھا سکے۔ وہ اداکار نہیں ہے، کہانی کار ہے۔ اس نے ایسی کہانی ترتیب دی جس پر ہم سب اندھوں کی طرح اعتبار کرتے چلے گئے۔“ وہ غصے میں ضرور تھی مگر اس کے اندر کچھ اور بھی تھا جو ابال کھا رہا تھا۔

عالم کچھ آرام دہ ہو گیا تھا۔ یعنی اس کے اُلو کے پٹھے بھتیجے نے خود کچھ نہیں کہا، یہ بہتر تھا اب وہ تن کر بیٹھ سکتا تھا۔

”تم نے کوئی بُرا خواب دیکھا ہے، گھر جا کر آرام کرو۔“ بنفشہ کی بے یقین آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔

”وہ ہم سب کے ساتھ کھیل رہا ہے، سر۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہے بلکہ آپ کیسے سمجھیں گے آپ تو خود شریک جرم ہیں۔“

”تم یہاں میرے اسی اعتراف کے لیے آئی ہو؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں withdraw کر رہی ہوں۔“ اس کا لہجہ چٹانوں سا مستحکم تھا۔

عالمگیر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا، بنفشہ نے کہنا جاری رکھا۔ ”میں اپنی ماں کے خلاف ضرور ہوں لیکن جس کا قتل ہوا ہے وہ میرا چھوٹا بھائی تھا اور اسے جس نے مارا ہے وہ آپ کا بھتیجا ہے اور اگر وہ آپ کا بھتیجا نہ بھی ہوتا تو میں اصل قاتل کو جانتے ہوئے ابتسام کو فریم نہیں کر سکتی تھی۔ میں اس سارے قصے سے باہر ہوں۔ میں اب مزید استعمال نہیں ہو سکتی۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ تم یہ کیس جیت جاؤ گی، دمیر کے سامنے جیتو گی، تمہارا کیریئر بن جائے گا اور اس نہج پر آ کر تم اس کیس کو چھوڑنا چاہتی ہو؟“

”میں اپنی بقا کے لیے باطل نہیں بن سکتی سر۔“ وہ اسی مضبوط لہجے میں بولی۔ عالم کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس وقت اسلان کو گولیاں مار دے۔ اس سے چند واقعات صیغہ راز نہ رکھے گئے؟ تف ہو اسلان تُف ہو تم پر۔

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو جس بھائی کی تمہیں اتنی پرواہ ہو رہی ہے وہی بھائی تم سے کوئی تعلق رکھنے پر راضی نہیں تھا اور اسلان کے بارے میں تمہیں صرف غلط فہمی ہو رہی ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”پھر ایک بار اللہ کی قسم اٹھا کر کہہ دیں کہ اسلان بے گناہ ہے اس کا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں۔“

وہ خاموش رہا۔ ”تمہارا بھائی اس لائق نہیں کہ۔۔۔۔۔۔“

”اور جس بھتیجے کو آپ بچانا چاہ رہے ہیں وہ ایک قاتل ہے۔ شاہ ویر چاہے جیسا بھی ہو، چاہے اس نے کتنے ہی لوگوں کے ساتھ غلط کیا ہو ”کم از کم وہ قاتل ہرگز نہیں تھا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں قطعیت تھی انداز میں انکار، عالم لاکھ چاہ لیتا مگر اب وہ رک نہیں سکتی تھی۔ ”آپ کے بہت احسان ہیں سر۔ یہ کیس جیت کر ان احسانات کو اتارنا چاہتی تھی لیکن آپ نے مجھ سے جھوٹ بولے، مجھے استعمال کیا سب کچھ جانتے ہوئے مجھے دھوکے میں رکھا۔ سب کہتے ہیں سہراب صاحب اپنے گھرانے کے لیے ہر حد تک جا سکتے ہیں، غلط کہتے ہیں شاید کیونکہ آپ تو یہاں سر دھڑ کی بازی لگا کر بیٹھے ہیں اور ذرا افسوس نہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ شاید میں اور سارا یمن خاندان آپ کو کبھی پہچان ہی نہیں سکا۔“ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی، بھیگی آنکھیں اور بھینچے ہوئے لب۔

"تم ہرٹ کیوں ہو، بنفشہ؟" سوال اتنا براہ راست تھا کہ وہ اپنے چہرے پر آتے متعدد رنگوں کو مخفی نہ رکھ پائی، سب یک بہ یک چہرے پر آئے اور دل کی مٹھی میں بند رازوں کو آزاد کر دیا۔ "تمہیں غصہ آنا چاہیے، تمہیں بُرا بھی لگنا چاہیے لیکن تم ہرٹ کیوں ہو؟"

وہ جواب نہیں دے سکی، حلق کے ارد گرد جیسے کسی نے خاردار تاریں باندھ دی ہوں۔ "میں.... ہرٹ نہیں ہوں۔" بہت دیر بعد اس کی آواز بہت دور سے آئی۔

"اپنے استاد سے جھوٹ بولو گی؟" وہ خاموش رہی۔ "میں تو عمر میں بھی تم سے بہت بڑا ہوں اور مجھے کبھی ایسا نہیں لگا کہ تم اور میں...." وہ کہتے کہتے رکا، بنفشہ لب کاٹتی رہی۔ عالم کی آنکھیں روشن ہوئیں۔

"ایک منٹ اسلان؟" اور یہاں اس کے کئی گھنٹوں سے رکے ہوئے آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نکل آئے، ہر بندش ناکام ٹھہری۔ وہ رو دی تھی۔ "تم اسلان کو پسند کرتی ہو؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے آنکھیں رگڑتے درشتی سے عالم کی بات کاٹی۔ "آپ کے ساتھ ساتھ اس نے بھی مجھے استعمال کیا، مجھے یقین دلایا کہ ہم قاتل کو ڈھونڈ رہے ہیں حالانکہ قاتل وہ خود تھا۔ آپ کو یقین نہیں آ رہا نا؟ فکر مت کریں میں اب سہراب کو بتاؤں گی اور ان کا دماغ چلتا ہے وہ آپ کو ایسے ثبوت...."

"اگر تم نے سہراب کو کچھ بھی بتایا تو اگلی دفعہ میں تمہارا چہرہ نہیں دیکھوں گا۔" عالم نے اس سختی اور تیزی سے اس کی بات کاٹی کہ وہ چند پل ششدر رہ گئی۔

"یعنی جو میں کہہ رہی ہوں اس میں سچائی ہے؟"

عالم کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کر رکا، نگاہوں میں تفکر تھا۔ "تم یہ کیس چھوڑنا چاہتی ہو چھوڑو، تم اسلان کو قاتل مانتی ہو مان لو لیکن تم اس کا ذکر سہراب سے نہیں کرو گی۔" وہ انگلی اٹھائے تنبیہہ کر رہا تھا۔

"آپ اس کا دفاع کر رہے ہیں؟"

عالم نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ایک جنگ کو روک رہا ہوں۔ اگر سہراب کو علم ہوا کہ اسلان نے کچھ کیا ہے اور اگر اسے یہ بھی علم ہوا کہ اسے اس کام کے لیے مجبور کیا گیا تھا تو وہ کسی ایک کو بھی نہیں بخشے گا۔ وہ عالم

نہیں ہے جو گوشہ نشین ہو جائے ساری سختی خود پر لے، وہ سارے بنگش خاندان کو تباہ کرے گا اور اسے ذرا بھی رحم نہیں آئے گا۔ اسلان کو کوئی بھی تکلیف پہنچی، اور اس کی بھنک سہراب تک پہنچی تو بہت کچھ تباہ ہو گا۔ تم تباہی چاہتی ہو؟"

"اور میں کیوں راز کو راز رکھوں؟"

"میں نے تم پر احسان کیے ہیں، ایموشنلی، فنانشلی تم واپس لوٹانے کی سکت نہیں رکھتیں لہٰذا مجھے میرے احسان اس طرح لوٹاؤ۔" خفت سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ یہ عالم نہیں تھا یہ اسلان کے ساتھ اس کی غیر جانبدارانہ یکجہتی تھی، اسے اس سمے اسلان سے سخت نفرت محسوس ہوئی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا یہ آپ ہیں۔" عالم کے گلے میں کچھ ڈوب کر ابھرا البتہ اس کے تاثرات تنے رہے۔ بنفشہ نے سر ہلایا۔ "سمجھ گئی میں، فکر مت کریں میرا منہ بند رہے گا آپ کے احسان ہیں، اتارنے تو ہوں گے ہی؟"

وہ کہہ کر رکی نہیں۔ دروازہ ٹھاہ کی آواز سے مارتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ دراڑ شدہ سکرین پر ایک طرف وہ سخت طیش میں چلتی ہوئی باہر جا رہی تھی اور دوسری طرف عالمگیر بے بسی اور یاسیت کی مورت بنا کمرے کے وسط میں تنہا رہ گیا۔ وہ اسے تکلیف پہنچا کر خوش نہیں تھا ہاں مگر وہ کسی بنفشہ احسان کی وجہ سے اسلان یمن کو تباہ نہیں کر سکتا تھا۔ خون تو پھر خون ہوتا ہے۔

★★★★★

صبح سے اس کا موبائل بجے چلا جا رہا تھا۔ کئی دفعہ اس کال کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی جب سامنے والے پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا تو اس نے بالآخر کال اٹھا لی۔ "فرمایئے؟" وہ اکتا کر اسفندیار کی کال سننے لگا۔

آگے سے وہ بکنے لگا، دنیا جہاں کی گالیاں، دھمکیاں، لعنت و ملامت۔ سہراب نے شیو کھجائی۔ بے زاری سے سر جھٹکا۔

"آپ نارملی اسی طرح بات کرتے ہیں یا آج گلے کے اسپیکر کو تازہ ہوا لگوائی ہے؟"

"میں تمہاری زبان حلق سے کھینچ لوں گا، یمن۔" وہ غرایا۔ سہراب نے گہری سانس لی۔

”مجھے آپ کی دھمکیوں سے ڈر نہیں لگتا، اسفند۔ جب میں نے کچھ کرنا تھا، کر دکھایا اب آپ سے جو بن پڑتا ہے آپ وہ کریں۔“ وہ بےزاری کے اعلیٰ درجے پر تھا۔ ”مرد بنیں یار۔“

”تمہاری طرف میرے کئی حساب نکلتے ہیں، سہراب لیکن اس بار وار تم پر نہیں ہوگا، انتظار کرنا اور اپنے اس بھتیجے کے لیے محافظوں کی تعداد بڑھادو کیونکہ اسے کتے کی موت مروانا اب میرا فرض ہے۔“ موبائل کان اور کندھے کے درمیان اٹکائے اس نے گاڑی کا موڑ کاٹا۔

”اجازت ہے آپ کو جو دل میں آئے وہ کریں۔ میرے بھتیجے کو کسی محافظ کی ضرورت نہیں اس کے لیے لوگ مارنے ہوئے میں ماروں گا، زندہ درگور کرنے ہوئے میں کروں گا لہٰذا آپ ”بکواس“ کرنے کی بجائے مرد بنیں اور کچھ کریں۔“ اس نے کال کاٹ کر موبائل نشست پر ڈال دیا۔ ذہن منتشر تھا، غصے اور طیش میں اس نے تمکنت کے ساتھ جو کیا سو کیا اب اس کے نتائج تو آنے ہی تھے۔ نتائج سے زیادہ وہ واقعے کو سوچ رہا تھا کیا اس نے کچھ غلط کر دیا تھا؟

کچھ دیر بعد سہراب، اسلان اور یافث اس وقت ضارم علی کے گھر پر موجود تھے۔ سہراب کی آنکھیں سرخ تھیں، اسلان چپ چاپ ایک طرف کھڑا تھا اور یافث اب تک ضارم کے والد کو تسلی دے رہا تھا۔ لیکن زیادہ وقت وہاں رہ نہیں سکے۔ ضارم کے چچا نے انتہائی اکھڑ لہجے میں ان سے چلے جانے کو کہا، بقول ان کے ضارم کی موت کا سبب وہ ہونے والی منگنی تھی۔ وہ تینوں مرد بہت کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن آج ستارے گردش میں تھے۔ وہ کچھ کہے بغیر گھر چلے آئے۔

گھر میں ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ سہراب آراہ کو اپنے بازو کے حلقے میں لیے بیٹھا تھا وہ رو رو کر اپنی حالت خراب کر چکی تھی۔ تسلی کے نام پر آج وہ بھی کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ اسے سمجھ ہی نہ آیا کہنا کیا ہے؟

”سمجھ نہیں آرہی آخر یہ ساری مشکلات ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں؟“ یافث متفکر سا بولا۔ ”میں نے تو آپا سے بھی کوئی ذکر نہیں کیا تھا کہ کہیں بات پھیل نہ جائے۔“

”آراہ؟“ اسلان نے کسی خیال کے تحت اسے پکارا۔ ”کیا تم نے کسی کو کچھ بتایا تھا رشتے کے بارے میں؟“

اس نے سہراب کے سینے سے چہرہ نہیں نکالا۔ بس سر نفی میں ہلا دیا۔ ”یاد کرو شاید کسی دوست کو کچھ بتایا ہو؟“

”یعنی تمہیں بھی لگتا ہے یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے؟“ یکدم چہرہ نکال کر وہ خود ترسی کا شکار ہوئی۔ ”باقی لوگ تو میرا قصور نکال رہے ہیں اب آپ بھی ان کی صف میں شامل ہو جاؤ۔“

”اس کا یہ مطلب نہیں تھا آراہ۔“ سہراب نے ایک بار پھر اسے اپنے قریب کیا۔ بچپن کی کسی عادت کی طرح وہ ہمیشہ اس کے ڈر جانے یا ناراض ہو جانے پر اسے اسی طرح اپنے سینے سے لگاتا تھا، بچپن میں اس لمس کے حصار میں وہ ہر تکلیف بھول جاتی تھی، جوانی بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے اس میں دلاسے کام نہیں کرتے۔ ”چیزوں کو سر پر سوار مت کرو کچھ بھی تم نے نہیں کیا نہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ جس کے جتنے دن لکھے ہوتے ہیں اسے اتنے ہی دن یہاں رہنا ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی وجہ سے نہیں مرتا۔“

”وہ بہت اچھا تھا چاچو۔ ہمیشہ اتنی تمیز سے بات کرتا تھا، میرے سارے کام کر دیتا تھا۔ مجھے یقین نہیں آرہا اس کے ساتھ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“ اسے رہ رہ کر ضارم کو بھیجے گئے اپنے پیغامات یاد آرہے تھے۔ شاید اس سے یہی غلطی ہوئی تھی۔

سہراب یمن اپارٹمنٹ کا وہ منظر بھول ہی نہیں سکتا تھا جس میں اس نے شاہ زید کو آراہ کے رشتے کے متعلق بتایا تھا۔ اسے اب یہ بھی نہیں بھولنے والا تھا کہ کوئی آراہ کا تعاقب کیا کرتا تھا، اسے ضارم کے جانے کا دُکھ تھا مگر ایک پچھتاوا بھی۔۔۔۔ کاش وہ اس تعاقب کار کے متعلق کچھ جان پاتا۔

اسلان یمن کا ذہن عالمگیر کی اس کال میں اٹکا ہوا تھا۔ اس گھر کا ہر مکین اپنی پریشانیوں میں غرق تھا۔ لعل یمن پر آسودگی جانے کس قمری برس اترنی تھی۔

★★★★★

گزری رات کا ذکر۔۔۔۔

قبر کے سامنے گھٹنے سینے سے لگائے وہ چپ چاپ اس کتبے کو تک رہا تھا جس پر "شاہ ویر بنگش" درج تھا۔ ذہن کے نہاں خانوں میں کوئی منظر دستک دے رہا تھا۔ اس دستک کی آواز اتنی بلند ہو گئی کہ دکھتے جوڑوں اور کراہتی روح کے باوجود اسے پٹ کھولنے پڑے۔ ایک ایک یاد، ایک ایک لمحہ عذاب تھا۔

"یہ کیوں کیا تم نے؟" حال میں وہ مدھم آواز میں مستفسر ہوا۔ "بابا۔۔۔۔ تم جانتے تھے، بابا میرے لیے کیا ہیں پھر بھی؟" چہرہ گھٹنوں پر رکھے وہ رو پڑا۔ "بابا۔ وہ ہمارے بابا تھے یار تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تم میرے حصے کی محبت پر غاصب کیسے ہو سکتے ہو، یہ تم کیسے کر سکتے ہو؟" وہ روتے ہوئے قبر میں لیٹے بھائی سے سوال کر رہا تھا اس کے پاس جواب نہیں تھا، یا وہ اب دے نہیں سکتا تھا؟ آگاہی کی یہ گھڑی لمبے عرصے پر محیط ہونے والی تھی۔

★★★★★★★

تھانے کی بدبودار کوٹھری میں بوسیدہ چٹائی پر بیٹھی تمکنت بنگش اپنے عروج کے دن یاد کر رہی تھی۔ کبھی وہ بااختیار تھی، اور اس کا ولی عہد ہر ناکامی کو کامیابی میں بدل دیتا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس کی زندگی اندھیری ہو گئی۔ کل رات سے وہ سلاخوں کے پیچھے بے بس بیٹھی تھی۔ مضبوط مقدمے نے ضمانت کی ہر کوشش ناکام بنا دی تھی۔ اچانک آہٹ ہوئی۔ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس اسلان یمن مسکراتا سامنے آ کھڑا ہوا۔ تمکنت کی رگوں میں غصہ دہک اٹھا۔

"کیسی ہیں مسز بنگش؟" وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور سلاخوں کے قریب آ کر رکی۔

"تم نے میرے قہر کو دعوت دی ہے لڑکے، تم بہت پچھتاؤ گے۔"

"اب قہر میں ہوں، پچھتاؤ آپ۔ چال بدل چکی ہے مادام، مہرے پٹ چکے آپ بس تسلیم کرنے میں وقت لے رہی ہیں۔" وہ سرگوشی نما آواز میں کہہ رہا تھا ہر لفظ میں تنفر تھا۔

”جن لوگوں کو تم نے شامل کیا ہے، کیا میں انہیں بتاؤں تم میرے کام کیوں کرتے تھے؟ چلو بتاؤ شروعات کس سے کروں تمہارے قیدی چچا سے یا پھر افسر چچا سے؟ کیا تم اس قابل بھی ہو کہ معاشرے میں سر اٹھا کر جی سکو؟“ اسلان کے لبوں پر زخمی سی مسکراہٹ ابھری۔ ”آپ ایسا نہیں کریں گی کیونکہ اگر آپ نے ایسی کوئی کوشش کی تو میں آپ کی اولاد کو آپ کا سچ بتاؤں گا۔ انہیں یہ بتاؤں گا کہ آپ کتنے سیاہ کارناموں میں ملوث رہی ہیں۔ اور میں انہیں بتاؤں گا کہ جس الزام نے میری زندگی کے چار سال برباد کیے اس کا اصل مجرم کون ہے، شریک جرم کون اور پردہ پوش کون۔ کیا آپ چاہتی ہیں، میں پنار کے خاندان کو بتاؤں کہ ان کی بیٹی کا قاتل آپ کا چہیتا بیٹا شاہ ویر طلال بنگش تھا؟“ تمکنت کا چہرہ کسی مشرک کی لحد سا سیاہ ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھیں لیے بے یقینی سے اسے تک رہی تھی۔ سانس لینا امر محال تھا۔ اس نے بے اختیار گردن پھیر کر آس پاس دیکھا کہیں کوئی انہیں سن تو نہیں رہا تھا؟

”میں دنیا کو یہ بتاؤں کہ اسلان یمن چار سال تک ایک fall guy رہا تاکہ آپ کا مرڈرر بیٹا ایک اچھی اور روشن زندگی گزار سکے؟“ وہ خاموش تھی، بالکل چپ۔

”وہ ایک الزام میری زندگی کے کتنے سال کھا گیا۔ معاشرے میں اسلان یمن ایک ناقابل اعتبار شخص بن گیا، اس شہر کا ہر فرد مجھے مجرم کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میں نے تقریبات میں جانا چھوڑ دیا کیونکہ وہاں موضوع محفل میرے نا کردہ جرم تھے۔ کوئی مجھے نوکری دینے کو تیار نہیں کیونکہ مجھ پر ایف آئی آر ہیں۔ میں ذہنی مریض ہو گیا مسز بنگش صرف ایک الزام اور آپ کی پشت پناہی نے مجھے تباہ کر دیا۔“ اس کا ہر لفظ خون جگر سے تر تھا، اس کی نگاہوں کا زخمی پن دل پر آری کی مانند وار کر رہا تھا۔ ”وہ میری ساری لائم لائٹ لے گیا اور اس کے گناہ میں نے بھگتائے۔ یہ تو کہیں کا انصاف نہ ہوا۔ میں چھپتا رہا اور اسے دنیا نے یاد رکھا، میں اپنے خاندان سے دور ہو گیا اور اسے سب ملا۔ دولت، ستائش، محبت، عزت، سکرین، خاندان سب۔۔۔ اسے جو ملا وہ میرا تھا، مسز بنگش۔“ تمکنت کا زرد چہرہ گواہ تھا کہ اس کے متکلم کا حرف حرف سچ ہے۔ بے یقینی اس بات کی تھی پہلی مرتبہ وہ ”بول“ رہا تھا۔ پہلی

مرتبہ اس کے چہرے پر کوئی شرمندگی نہیں تھی،وہ بے خوف تھا۔غنیم سامراج کے سامنے اب وہ گھٹنے نہیں ٹیک سکتا تھا۔

"تم تو ٹھیک ہو گئے تھے، اسلان۔ تم نے ہر بغاوت ترک کر دی تھی پھر یہ سب کیوں؟" سرکشی ختم اب وہ سراپا سوال تھی۔ مدھم، تھمی ہوئی۔

"میں نے واقعی سب قبول کر لیا تھا، لیکن ہر انسان کی ایک ریڈ لائن ہوتی ہے۔ میری بہن میری ریڈ لائن ہے شاہ ویر کو اس کے قریب نہیں آنا چاہیئے تھا۔ ہر دفعہ اسلان یمن کے قریب آنے والے انسان نہیں مریں گے یہ آپ کے بیٹے کو سوچنا چاہیے تھا۔"

"اس سے غلطی ہو گئی تھی، پنار اس کی بُھول تھی۔" وہ اپنے مقتول بیٹے کا دفاع اس صدی میں نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

"ایک معصوم لڑکی کا قتل آپ کے نزدیک بھول تھی؟ اس کے بعد ایک بائیس سال کے لڑکے پر لگنے والے الزام پر چپ رہنا غلطی تھی؟ اور اس سب کے بعد مجھے دھمکاتے رہنا ایک اور غلطی رائٹ؟" وہ پھنکارا۔

تمکنت نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ ضبط کے گھونٹ بھرے اور مصلحت آمیز انداز میں اسے دیکھا۔"مجھے یہاں سے باہر نکالو، اسلان۔" اس نے ماضی کو پیچھے چھوڑا اور بات آگے بڑھائی۔

"جو آپ کہیں۔" اس نے سہولت سے شانے اچکائے۔ "آپ عالم کو آزاد کروائیں، میں آپ کو آزاد کروا دوں گا۔"

"تم ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ مجھ سے معاہدے کروا سکو۔" وہ ایک بار پھر غرائی۔

اس کے عقب میں کھڑا اس کا وکیل گردن جھکائے ہوئے تھا یوں گویا وہ کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ اسلان اور تمکنت کے درمیان کی ملاقات تھانے کا عملہ دیکھ کر بھی دیکھنا نہیں چاہ رہا تھا۔ "اوہ واقعی؟ مجھ پر ایف آئی آر کرواتے وقت، پنار کے خاندان کی پشت پناہی کرتے وقت میری عمر کیا تھی، مسز بنگش؟"

تمکنت کے اردگرد نادیدہ زنجیریں کسی جا رہی تھیں۔ "تم مجھ پر کچھ بھی ثابت نہیں کر پاؤ گے میری جڑیں مضبوط ہیں۔"

”بالکل لیکن مجھے ذرا ایک نقشہ کھینچ لینے دیں۔ اس وقت آپ پر انسداد دہشت گردی کی ایف آئی آر ہے، گواہی ہے اور آپ کے اسلحے کے مرکزی اڈے پولیس سیل کر چکی ہے۔ یہ خبر ہر اس ٹی وی چینل پر چل رہی ہے جسے موجودہ حکومت نے خرید رکھا ہے اور وہ تمام لوگ اپوزیشن یعنی اسفندیار کے خلاف ہیں۔ اسفند آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا، کیونکہ اس وقت وہ اپنے کروڑوں کے نقصان کو رو رہا ہے۔ جو واحد انسان اس وقت اس کیس کا رخ بدل سکتا ہے وہ میں ہوں۔ میں اس گواہ کو خرید سکتا ہوں جس نے آپ کے خلاف گواہی دی ہے۔ وہ عدالت میں مُکر سکتا ہے، یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس نے تمکنت بنگش کو دیکھا تک نہیں۔ اگر آپ چاہیں۔“

”تم شاید پاگل ہو چکے ہو، میں عالم کو باہر نہیں لا سکتی۔ یہ اب سرکار کا کام ہے، کیس میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔“ وہ تیزی سے بولی۔

”چار سال پہلے میں سلاخوں کے پیچھے تھا آج آپ، ماضی خود دہرا رہا ہے اسی چکر میں کچھ مزید واقعات شامل کر لیتے ہیں جس طرح شاہ ویر بنگش کی جگہ میں جیل گیا تھا اسی طرح عالمگیر کی جگہ ابتسام عبّاس زندان جائے گا۔“ وہ دھک سے رہ گئی۔ یہ کیسی پیشکش تھی؟

”اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے مسز بنگش؟ قاتل اگر شاہ ویر تھا تو اس کی پردہ پوشی ابتسام نے ہی تو کی تھی۔ آپ بھول گئی ہیں، میں تو کچھ نہیں بھولا۔ پنار کو لاوارثوں کی طرح دفنانے والوں میں وہی تو شامل تھا۔ مجھے دھمکانے اور جیل میں تشدد کروانے والوں میں وہ بھی تو تھا۔“

وہ آج پے درپے ماضی اس کے منہ پر مارتے اسے ششدر کیے جا رہا تھا۔ ”وہ اس ملک کے سب سے بڑے صنعت کار کا بیٹا ہے وہ اسلان یمن نہیں ہے ہم اسے فریم نہیں کر سکتے۔“ اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ اسلان یمن کے دل پر ہتھوڑا برسا۔ ساری بات، قصہ ہی پشت پناہی کا ہوتا ہے اگر اس کا باپ اس کے پیچھے کھڑا ہوتا تو ہر وہ انگلی کٹ کر گرتی جو اس پر اٹھنے کی جرات کرتی، ہر وہ زبان لقوہ کھا جاتی جو اس کے خلاف بولتی۔ مگر اس کے پیچھے اس کا باپ نہیں تھا۔

”یہ آپ کا مسئلہ ہے۔ اونٹ کو نکیل کس طرح ڈالنی ہے، قصائی اس ہنر سے بہرہ مند ہوتا ہے، آپ کو بھی ہونا چاہیے۔ اگلی ملاقات تب ہو گی جب آپ میرے مطالبات مان چکی ہوں گی۔ ورنہ مجھے مت بلائیے گا، بڑا بد تمیز آدمی ہوں میڈیا بلا کر کیا کیا کہہ دوں پتا بھی نہیں چلے گا۔“

وہ جا چکا تھا تمکنت اس کی پشت کو تکتی رہ گئیں۔ یہ کمبخت تو جنگ کے ساز و سامان سے لیس ہو کر آیا تھا اور اسے ہرانے والا زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔ وہ تھانے سے باہر جا رہا تھا تمکنت کا وکیل اس سے کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ سختی سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ تھانے کے اندر آتا جسویندر سنگھ اسے دیکھ چکا تھا۔

اگلے لمحے اس کی انگلیاں یہ اطلاع سہراب یمن کو دے رہی تھیں۔ اسے دینی پڑی۔

★★★★★

اگلی صبح شاہ زید کے کمرے میں عالم بیداری نے اپنا پہلا قدم کچھ تاخیر سے رکھا تھا۔ وہ کل رات کے بعد بہت دیر تک سوتا رہا، اب جب اٹھا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ بستر کے ساتھ ٹیک لگائے وہ سیدھا بیٹھ گیا۔ موبائل ہاتھ میں لیے اب وہ تازہ ترین اطلاعات دیکھ رہا تھا۔ تاج، رئیس، نایاب سب نے اسے پیغام بھیجے تھے، کئی نیوز چینل اس کی ماں کی گرفتاری پر بات کرنا چاہتے تھے مگر بات وہ کرے جو حیران ہو، متفکر ہو اپنی ماں کی گرفتاری میں کچھ ہاتھ تو اس کا اپنا بھی تھا۔ کیسے؟

چند دن قبل کا سفر طے کرو تو....

اسلان یمن جس وقت غصے سے فارم ہاؤس کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا عین اسی وقت اس کا کندھا کسی سے ٹکرایا۔ وہ زید تھا جو اس اچانک افتاد پر ہلا تک نہیں تھا۔ اسلان اسے دیکھ کر جامد ہوا۔ کتنے ہی لمحے وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ اسے آراہ سے دور رہنے کا کہنے کے بعد وہ آج اسے دیکھ رہا تھا۔

”مام کیا چاہتی ہے؟“ بہت دیر بعد اس نے سوال کیا۔

”میں تمہیں کیوں بتاؤں؟“

”فائدے میں رہو گے۔“

"تم سب نسلی خبیث ہو آج تک کسی کو فائدہ دیا ہے تو تمہاری اپنی ذات ہو گی۔" وہ سخت لہجے میں پھنکارا۔

"اب بھی میرا ہی فائدہ ہے۔"

"میرا چہرہ غور سے دیکھو، زید۔ میں اسلان یمن ہوں، طلال بنگش نہیں جو تمہارے فائدے کے سامان کرے۔" بے زاری سے کہا۔ زید ہولے سے ہنسا۔ سٹریٹ پولز کی روشنی میں ان دونوں کے لمبے سائے تارکول کی کشادہ سڑک پر گر رہے تھے۔ جھومتے لہلہاتے درخت بڑی دلجمعی سے ان دونوں کو محو گفتگو دیکھ رہے تھے۔

"تمہارا دماغ کچھ زیادہ گرم نہیں رہتا؟"

"مجھ پر ایک انسان کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دینے کا الزام بھی ہے، تم دوسرے انسان ہو گے اور اس بار یہ الزام نہیں ہو گا۔" وہ کہہ کر سامنے سے گزرنے لگا۔ زید کے لبوں کے کونے ایک شاطر مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"میں مام اور اسفند کے کاروبار سے واقف ہو گیا ہوں۔" چند قدم کے فاصلے پر اسلان یمن کے قدم ساکن ہوئے۔ "بعض دفعہ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی عورت ہے جس نے مجھے پالا، بڑا کیا اور اس مقام تک لائی۔ وہ میری ماں ہے، میں ایک محب وطن اور وہ عورت غنیم سامراج۔" اسلان مڑا، آنکھیں چھوٹی کر لیں۔ اس کے اور زید کے درمیان اب فاصلہ تھا البتہ زید کی آنکھوں کا حزن وہ کئی کوس پار سے بھی دیکھ سکتا تھا۔

"میں نے مام اور اسفند کی باتیں سنی ہیں وہ تمہیں ٹریپ کرنا چاہتی ہیں۔ تم اسلحہ لے کر نکلو گے وہ تمہیں پکڑوائیں گی وہ سارا اسلحہ پولیس انہیں واپس کرے گی اور تم پکڑے جاؤ گے۔"

"کوئی نئی معلومات بتاؤ یہ بات کسی ماں کا نوزائیدہ بچہ بھی جانتا ہو گا۔" وہ ہنوز لا تعلق تھا۔

زید قدم بہ قدم چلتا آگے آیا، اسلان کے روبرو، آنکھیں اس کی آنکھوں میں۔ "میں چاہتا ہوں تم انہیں ٹریپ کرو۔ جو بھی پلان بناؤ اس میں اگر تمہیں کچھ بھی چاہیے ہو تم مجھ سے کہہ سکتے ہو۔ میں چاہتا ہوں تم اسفند اور میری ماں کو تباہ کرو۔"

"تم اپنی ماں کے خلاف کیوں جانا چاہتے ہو؟" سوال جائز تھا۔

"کیونکہ میری ماں نے اپنی ہر اولاد پر جو اکھیلا ہے، میں انہیں بتانا چاہتا ہوں ان کی ایک بازی مجھے انتہائی ناگریز لگی ہے جس کے لیے انہیں سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔" اس کی آنکھوں کے سامنے تاج کا بلکتا وجود تھا۔ اس کی بہن کے ساتھ کھیلا گیا کھیل۔ "اسے شاہ ویر کا قاتل ڈھونڈنے سے زیادہ دلچسپی عالم کو جیل میں رکھنے سے ہے، شاہ ویر کو اتنا ارزاں سمجھنے کے لیے بھی اسے قیمت ادا کرنی پڑے گی۔" اس کی آنکھوں کے آگے سرد خانے کا منظر تھا، برف ہو چکا جسم، بند آنکھیں وہ اسے کہاں بھول پایا تھا؟

"تم اور تمہاری ماں ایک دوسرے سے لڑو، ایک دوسرے کو نوچ کر کھاؤ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ تمہاری ضرورت پڑ گئی تو میں اس ضرورت پر بھی لعنت بھیجوں گا۔" اسلان نے چبا چبا کر کہا تھا۔

وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ اگلے چند دن بعد جب اسلحے کے بھرے ہوئے ٹرک کارخانے سے پشاور کی جانب نکلے اور جب راستے میں سہراب یمن نے ان تمام ٹرکوں کو روک کر تمکنت کے ڈرائیور باہر نکالے، اپنے لائے گئے لوگوں سے انہیں پٹوایا اور تمکنت کے ڈرائیورز کی جگہ اپنے لوگ جو کہ اشتہاری، قاتل اور جیل پلٹ تھے بٹھائے تو شاہ زید طلال بنگش نے چپ سادھ لی۔ ہاں البتہ اس نے اسلان کو ایک کال ضرور کی تھی۔

ایک جلے ہوئے کارخانے میں وہ آٹھ بندھے ہوئے لوگوں کے سر پر کھڑا تھا، ویڈیو کال جاری تھی۔ منہ میں کپڑا ٹھونسے ہوئے لوگ ہل ہل کر اس سے کچھ کہنا چاہ رہے تھے جبکہ زید کی نگاہیں سکرین پر جمی تھیں۔ "تمہیں ان لوگوں کو یہاں چھوڑے ہوئے محض آدھا گھنٹہ ہوا ہے اگر میں کال کر کے مام کو بتا دوں تو؟"

اسلان کی گردن کی نسیں ابھر آئیں۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"فی الحال کچھ نہیں.... لیکن یہ بات یاد رکھنا مجھے انکار پسند نہیں ہے۔" اسلان خاموش رہا۔ "میں ان لوگوں کو نہیں کھول رہا لیکن ان کے ساتھ ساتھ تم میرے قیدی ہو میں اپنا فیور ایک دن تم سے واپس ضرور لوں گا۔"

اسلان نے جبڑے بھینچتے ہوئے "بہت بہتر" کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔

موجودہ دن میں زید موبائل ہاتھوں میں لیے بڑے سکون سے تمکنت کے خلاف لگنے والی پوسٹس اور ان کے تبصرے پڑھ رہا تھا۔ تمکنت اگر ڈائن تھی تو اس نے جو "جنا" تھا وہ اس کا اپنا ہی روپ تھا۔ وہ شاہ ویر بنگش نہیں تھا جو ماں کی بلائیں اپنے سر لے لیتا۔ یہ بلائیں پیچھے لگانے والوں میں سے تھا۔

★★★★★

تارکول کی کشادہ سڑک پر اس کی گاڑیاں فراٹے بھر رہی تھیں۔ درمیان میں اس کی سلور رینج روور اور آگے پیچھے محافظوں کی گاڑیاں۔ چوڑی سڑک پر وہ ایک دبدبے کے ساتھ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ تھا۔ اسفند کے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں زیادتی مئے سے سرخ پڑ رہی تھیں وہ اس وقت کسی بپھرے ہوئے آتش فشاں کی مانند تھا۔ نامحسوس انداز میں اس کا ہاتھ بار بار دل کے مقام تک جا رہا تھا۔ اس کا نقصان بہت بڑا تھا۔

وہ آٹھ دس ٹرک جہنم میں جاتے مگر پے در پے چھاپوں نے اس کا کروڑوں کا نقصان کروا دیا تھا، اپنا نام صیغہ راز رکھنے کے لیے اس وقت وہ کتنے ہی وزیروں کو پیسوں کے بھرے ہوئے بستے پہنچا چکا تھا، کتنے ہی افسران نے دونوں ہاتھوں سے اس سے روپیہ لوٹا تھا اگر وہ اس روز اپسرا کی باتوں میں نہ آتے ہوئے اسلان یمن کو تباہ کرنے کا نہ سوچتا تو اس وقت وہ اپنے اور اپنے کاروبار کے پرخچے نہ سمیٹ رہا ہوتا۔

کئی گاڑیاں بیک وقت کارخانے کے باہر آکر رکیں۔ اسفند نے ڈیش بورڈ سے پستول اٹھائی، گھوڑا چڑھایا اور اگلے چند پلوں میں وہ اپنے محافظین کی معیت میں تیز تیز قدم اٹھاتا اندرونی حصے کی جانب جا رہا تھا۔ شب خوابی کی سرخ آنکھیں، بکھرا حلیہ اس سمے وہ طوفانوں سے ٹکرانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

کارخانے کے فرش پر آٹھ ڈرائیور آڑھے ترچھے انداز میں گرے پڑے تھے، اسفند کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آس چمکی مگر اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر آس ہوا ہوئی۔ وہ نپے تلے قدم لیتا ہوا نیچے آکر بیٹھا۔ ایک آدمی کے منہ سے کھینچ کر رومال نکالا وہ بے اختیار کھانسنے لگا، سینے کا سارا نظام اتھل پتھل ہو گیا تھا۔

"کون کون تھا؟" اسفندیار نے ٹھنڈے لہجے میں استفسار کیا۔

”صاحب ہم بے قصور ہیں صاحب وہ....“ اسفند نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے بندوق رکھی اور اگلی ہی لمحے دو فائر کیے۔ آدمی کا مغز اس کے جسم سے علیحدہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سارے میں سراسیمگی کی کیفیت چھا گئی، اسفند نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا اس نے ایک اور ڈرائیور کے منہ سے کپڑا نکالا، وہ گہرے سانس لیتے آنکھوں میں خوف لیے پیچھے ہو رہا تھا، زبان گنگ تھی۔

”کون کون تھا؟“ وہی سرد استفسار۔

”کہاں صاحب؟“

”تمہاری ماں کے جنازے پر...“ اس نے ایک بار پھر فائر کیا۔ گولی ڈرائیور کے ماتھے کے آر پار ہوئی وہ بن آب مچھلی کی طرح چند لمحے تڑپا، پھر جسم نے جھٹکا کھایا اور سب شانت ہو گیا۔ خون ہی خون ہر طرف پھیل گیا۔ اسفند کا سینہ، چہرہ، گریبان سب خون۔ مگر وہ پلک تک نہیں جھپک رہا تھا، عادی مجرم تھا وہ۔

وہ تیسرے بندے کی طرف مڑا، پہلے دو کا خون اس کے قدموں میں جمع ہو رہا تھا۔ سفید قمیص پر سرخ چھینٹے تھے۔

”کون کون تھا؟“ سوال اب بھی تبدیل نہ ہوا۔

”ایک لڑکا تھا.... اس... اسلان.... دوسرا.... دوسرا اس کا چہرہ نہیں اور....“ اسفند نے اس کی بات پوری ہونے سے قبل اس کی کنپٹی میں گولیاں ماریں۔ پھر چوتھا، پھر پانچواں، پھر چھٹا، اور پھر ساتواں.... وہ ایک ایک کو بڑی بے رحمی سے مار رہا تھا اس کے چہرے پر کہیں بھی رحم کا شائبہ تک نہیں تھا۔ آٹھواں قدرے مضبوط جسامت کا مالک تھا، اسفند کے سارے دائرے میں قرمزی سیال پانی کی طرح بہہ رہا تھا مگر وہ اس سے بے نیاز تھا۔ اس کے آس پاس کوئی مکروہ سی طاقت تھی۔ کیا وہ اپنے مُردہ بھائی سے کچھ مختلف تھا؟

بالکل بھی نہیں۔

”کون کون تھا؟“

”اسلان یمن اور اس کا چچا سہراب یمن۔ وہ دونوں آپ کا اسلحہ جلانا چاہتے تھے اور اس میں سے کچھ پولیس کے ہاتھوں ضبط کروا دینے کا منصوبہ تھا۔ ہمیں یہاں اس لیے باندھا تاکہ ہم آپ کو فون کر کے یہ نہ بتا دیں کہ اسلحہ

اس طرف نہیں جارہا جہاں جہاں چاہیے تھا۔ کل ہمیں یہاں باندھنے کے کوئی آدھا گھنٹہ بعد کوئی اور بھی آیا تھا۔" اس نے بنا اٹکے جواب دیا۔

"کون؟"

"تمکنت کا بیٹا شاہ زید بنگش۔" جواب جس تیزی سے آیا اسفند کی رنگت اس سے دگنی تیزی سے متغیر ہوئی۔ وہ ساکن رہ گیا، آنکھیں ایک نقطے پر ٹھہر گئیں۔

"شاہ زید؟" اس کے لبوں سے ادا ہونے والے دو لفظ پرت در پرت بے یقینی میں لپٹے تھے۔

"جی صاحب شاہ زید آیا تھا اس نے کسی سے کال پر بات کی، پھر ہمیں اسی طرح چھوڑ کر نکل گیا۔" یہ منجھا ہوا کھلاڑی تھا، اس کی زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی، آنکھیں جھپک نہیں رہی تھیں۔

اسفند اپنی جگہ سے اٹھا، شل اور ساکت سا۔ خون اور لاشوں کے دائرے کے گرد وہ چند پل خالی الذہنی کے عالم میں کھڑا رہا.... پھر اس نے پلٹ کر آٹھویں ڈرائیور کو دیکھا۔

"تم کارآمد آدمی ہو مگر...." اس نے بازو لمبا کر کے پستول اس پر تانی۔ "بزدلوں کے غول میں رہ کر تم ناکارہ ہو چکے ہو۔" اس نے فائر کھولا، بازو کو ایک جھٹکا آیا۔ بندہ سر کے بل فرش پر گر پڑا، وہ تڑپ رہا تھا مگر اسفند نے دوسری گولی نہیں چلائی۔ وہ اسے اسی طرح مارنا چاہتا تھا جیسے اس وقت خود مر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ، قطرہ قطرہ۔

سہراب اور اسلان کے بعد شاہ زید۔۔۔۔۔ اس کے دشمنوں میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

★★★★★

ٹھنڈ بڑھ گئی تو وہ دونوں ہوٹل کی چھت سے اٹھ کر لابی میں چلے آئے، جہاں اکا دکا لوگ موجود تھے۔ جو کہ اپنے اپنے کمروں کی طرف جارہے تھے یا نکل کر باہر برف باری دیکھنے کی غرض سے لابی پار کر رہے تھے۔

"عالمگیر نے کسی سے پوچھا تھا وہ ہرٹ کیوں ہے؟ اس نے بتایا نہیں۔" وہ صوفے کی ایک جانب بیٹھا لبوں پر مٹھی جمائے محظوظ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ بنفشہ کی رنگت میں سرخیاں گھل گئیں۔

"وہ "کوئی" ہرٹ نہیں تھی۔ اسے بس بُرا لگا تھا۔ اچھے لوگ دھوکا دیں تو برا لگتا ہے۔"

اسلان کے متبسم لب اب کہ گہری مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ "میں آپ کو اچھا لگتا ہوں؟"

بنفشہ کی چوری جیسے پکڑی گئی، اس نے رخ پھیر لیا اور بڑبڑائی۔ "واٹ ایور۔"

★★★★★

رکشے میں سوار وہ اپنے گھر کی طرف روانہ تھی۔ جیل کی یہ ملاقات اس کے اعصاب پر بے حد بھاری ثابت ہو رہی تھی۔ سانسیں حلق میں گھٹ رہی تھیں اور سوال اس کے ارد گرد کانٹوں کا تانتا باندھے ہوئے تھے۔ کیا وہ واقعی افسردہ تھی؟

شاید ہاں.... لیکن کیوں؟

یہ چوتھے روزے کی سحری کا ذکر ہے۔ لعل یمن کے باورچی خانے میں ہماہمی سی مچی تھی۔ آمنہ میز پر برتن لگا رہی تھی، سہراب ہشاش بشاش سا کرسی پر بیٹھا اپنے پراٹھے کا انتظار کر رہا تھا، اس کی دائیں طرف والی کرسی پر آراہ بیٹھی تھی جس کا سر نیند سے جھول رہا تھا اور وہ بار بار سہراب کے بازو سے گال ٹکا کر اپنی نیند کا مشغلہ پورا کر رہی تھی۔ یافث کسی بات سے چڑا ہوا تھا، اور اسلان آمنہ کے ساتھ کام کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ نیند اس کو آتی نہیں تھی سو پھرتیاں عروج پر تھیں۔

وہ اس گھر کا واحد فرد تھا جو جی بھر کر بڑی رغبت سے سحری کرتا تھا۔ تازہ دہی لاتا، نان لاتا اور اگر کبھی آراہ کو کچھ اور کھانا ہوتا تب بھی اس کی بائیک ہواؤں میں سفر کرتی تھی۔ رمضان آتے ہی وہ ایک الگ انسان بن جایا کرتا تھا۔

"آمنہ یار اب چائے لے بھی آؤ۔" سہراب نے ہانک لگائی۔ ساتھ آراہ کا گال تھپتھپایا۔ "آراہ.... بیٹا جاؤ عظمیٰ بی کو بلا کر لاؤ۔"

"اسلان کو بولیں نا۔ سارے کام میں کرتی ہوں۔" اس نے آنکھیں کھولیں سہراب کو دیکھا اور ایک دفعہ پھر بُری شکل بنا کر اس کے بازو میں گھس گئی۔ سہراب ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ سربراہی کرسی پر بیٹھی بنفشہ حسرت سے

ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ ایک مکمل خاندان۔ جن کے پاس فکر تھی، ایک دوسرے کا احساس تھا، اتفاق تھا اور سب سے بڑھ کر "خاندان" تھا۔ مسائل تو ہر جگہ ہوتے ہیں مگر ایک خاندان کا ہونا نعمت سے کم نہیں ہوتا۔

سحری کے وقت بھی ان کی چونچیں اٹکتی رہیں۔ کبھی اسلان سہراب پر طنز کرتا، کبھی سہراب بیچ میں یافث کو گھسیٹ لیتا۔ آمنہ صلح صفائی کرواتی رہتی اور سہراب بار بار آراہ کا چہرہ اپنے بازو سے ہٹا کر اس کو نوالہ بنا کر دیتا، وہ بھی خاصی مکر باز تھی نوالہ لے لیتی پھر چبانے تک گردن ڈھلکا کر رکھتی۔ عالمگیر کا ذکر چھڑتا تو بنفشہ نے ہر بار سہراب کی آنکھوں کی چمک ماند پڑتے دیکھی تھی، یافث گھونٹ بھرنا بھول جاتا تھا، اسلان کے گلے میں گلٹی ابھرتی اور آراہ کی آنکھیں وارہتیں۔ جس خاندان کی اسے ساری زندگی آرزو رہی تھی وہ غلط مقام پر غلط لوگوں کے درمیان مل رہا تھا۔

سحری ختم ہوئی تو سہراب آراہ کو لیے لان میں چلا گیا۔ بنفشہ اسلان کے ساتھ برتن اٹھوا رہی تھی جب اسلان کو کچھ یاد آیا۔ وہ فریج تک گیا، اور ایک بھرا ہوا جگ نکال کر لایا۔

"آپ کو روزہ بہت لگتا ہے نا؟" وہ کانچ کے گلاس میں کوئی مشروب ڈال رہا تھا۔ "یہ میں اپنے لیے بناتا ہوں کم از کم آٹھ نو گھنٹے تک پانی کی طلب نہیں ہوتی۔" بنفشہ نے گلاس میں پڑا مائع دیکھا وہ لیموں پانی جیسا تھا، لیکن اسلان نے شاید کچھ اور اجزا بھی شامل کیے تھے۔ "ٹرائی کریں۔" اس نے بھرا ہوا گلاس بنفشہ کے سامنے رکھا، خود سلیب کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ بنفشہ نے غور سے اس کی آنکھیں دیکھیں ان میں اگر کچھ تھا تو مخلصی اور اشتیاق۔ اس نے گلاس اٹھا لیا۔ پہلا گھونٹ بھرا۔۔۔ پہلا ہی گھونٹ تروتازہ کر دینے والا تھا۔ اسلان استفہامیہ انداز میں ابرو اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً وہ اب تعریف کرے گی۔

اس نے ایک گلاس پیا، اور خالی گلاس اسلان کی طرف بڑھایا جسے اس نے بھر کر دوبارہ اس کے سامنے رکھا وہ گلاس اس کے ہاتھ میں بھی نہیں تھما رہا تھا۔ بنفشہ نے عدالت اور بازاروں میں بہت سارے مرد دیکھے تھے جو بلاوجہ چیزیں ہاتھ میں پکڑاتے وقت اس کا ہاتھ چھو کر اسے غیر آرام دہ کرتے تھے یہ اس طرح کا نہیں تھا۔

با قاعدہ تین گلاس پینے کے بعد اس نے اسلان کو دیکھا، آنکھوں میں شیطانی تاثر تھا۔ اس لڑکے کے سامنے وہ اب ماننے سے رہی۔ ”بس ٹھیک تھا.... اتنا بھی کوئی خاص نہیں تھا۔“

”اچھا پھر بھی تین گلاس چڑھا لیے؟“ وہ تنک کر بولا۔

”مسکینوں کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں نہیں ٹھکراتی۔“ جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی وہ آگے بڑھ گئی۔ اس کے عقب میں اسلان بڑبڑاتا رہا۔ بنفشہ کو لگا تھا یہ آخری بار ہو گا مگر ایسا نہیں ہوا، وہ ہر روز اپنے جگ میں سے اس کے لیے گلاس رکھتا تھا۔ اب ضرورت ہو یا نہ ہو تفکر، اخلاص، اور تقدس سے بڑھایا ہوا یہ گلاس وہ پیتی ضرور تھی ۔اب یہ گلاس ضرورت بھی بن گیا اور عادت بھی۔

افطاری سے کچھ دیر پہلے وہ لعل یمن میں بنی ہر ڈش ذرا ذرا سی نکال کر اس کے لیے ضرور لے جاتا تھا پہلے تو سہراب نے کہا تھا پھر عادت بن گئی۔ اور وہ اس عادت کو وہ نہیں چھوڑ سکا۔

اذان سے دس منٹ قبل اپنی میز سجاتے ہوئے وہ لعل یمن اور کوارٹر سے ملحقہ اس چھوٹے دروازے، جہاں بیلیں لٹکتی تھیں پر اسلان کی مدھم دستک کا انتظار کرنے لگی تھی۔ وہ اب فروٹ چاٹ نہیں بناتی تھی کیونکہ اسے اسلان کے ہاتھوں کی فروٹ چاٹ زیادہ پسند آنے لگی تھی۔ پکوڑے بناتے وقت وہ کچھ زیادہ بناتی تھی کیونکہ وہ ،شوق سے کھاتا تھا۔ اب وہ سحری کا الارم نہیں لگاتی تھی کیونکہ وہ دروازہ بجا کر جگا دیتا تھا۔ وہ خیال، وہ دستک، ویسا رمضان، وہ سحری، وہ اسلان اب کہاں؟

”اچھے لوگ دھوکہ دیں تو بُرا لگتا ہے۔“

سماعت کے بعد ماحول کچھ ہلکا پھلکا ہوا تو سہراب نے اسلان کو کچھ روپے تھما کر آمنہ اور آراہ کو عید کی خریداری کروانے کا حکم دے دیا۔ ہمیشہ کی طرح وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔ پھر آمنہ اور آراہ کی لاکھ منتوں کے بعد وہ راضی ہوا۔ اس کا واحد مسئلہ یہ تھا کہ اس کے گھر کی عورتیں چیزیں کم لیتی تھی اور لور لور زیادہ پھرتی تھیں۔

ابھی وہ گاڑی کے انجن کو حرارت دے رہا تھا کہ آمنہ اور آراہ کے درمیان اس نے ایک پستہ قد اور دبلی پتلی عورت کو آتے دیکھا، اب کے اسے اور آگ لگی تھی۔ دو کے ساتھ ایک فری کی یہ اسکیم اسے ہرگز پسند نہیں آئی کیونکہ جتنی زیادہ عورتیں، اتنی زیادہ خریداری اور جتنی زیادہ خریداری اتنی زیادہ خواری۔

"بھائی میں تمہیں ایک بات بتاؤں؟" گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھی انارا شروع ہو چکی تھی۔ "مجھے نا وہ عورتیں سخت زہر لگتی ہیں جن کو ہمارے ڈراموں میں معصوم دکھایا جاتا ہے۔ ان کو نہ شاپنگ کرنی ہوتی ہے، نہ ان کو میک اپ چاہیے ہوتا ہے، نہ اچھے کھانے معصوم بنانے کے چکروں میں ہم ان کو فرعون کی ممی بنا دیتے ہیں۔"

"کاش تم لوگ بھی فرعون کی ممیاں بن جاؤ۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

"اور سونے پر سہاگا لڑکی کا ہر ہر لمحہ کیلکیولیٹڈ ہوتا ہے، ہنسے گی تو بھی ایک حد تک، رونا تو اس کا مشغلہ ہوگا اور گھر کی لاڈلی وہ الگ ہوگی۔ ہر وقت باپ بھائی کے کندھے سے چپکی ہوئی۔" آمنہ نے بھی اس گفتگو میں حصہ ڈالا اور پھر بحث ہی چھڑ گئی۔ کرداروں کے موازنے ہوئے ان کے انجام اصل زندگی کے دشمنوں سے جوڑے گئے، روزے کے باعث چند چھوٹی موٹی گالیوں سے پرہیز کیا گیا البتہ فلم ساز اور ہدایت سازوں کی شان میں وہ کلمے کہے گئے کہ الاماں۔

اسلان شجاع یمن ان کے ساتھ آ کر پچھتایا۔

تھوڑی دیر بعد خریداری کے دوران بنفشہ کی نگاہ اسلان پر پڑی۔ وہ سیاہ رنگ کا کرتا پیک کرواتا ہوا نظر آیا۔ انداز لاتعلق تھا جیسے اپنے لیے نہیں بلکہ کسی اور کے لیے بےزاری سے سامان لیا ہو۔

"یہ تمہارا بھائی کوئی اور رنگ نہیں پہنتا؟" بظاہر مصروف اور سرسری سا انداز تھا۔

آراہ نے اس کی طرف نہیں دیکھا وہ یافث کے لیے شرٹ دیکھ رہی تھی۔ "مجھے خود ان کی سمجھ نہیں آتی۔ جب دیکھو یا تو سفید یا بلیک بلیک.... پہلے ایسے نہیں تھے اب پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔" اس نے بنفشہ کو ایک شرٹ دکھائی۔ "یہ ماموں کے لیے لے لوں؟" اس نے سر ہلا دیا، ساتھ قطار میں ٹنگی شرٹس میں سے کتھئی رنگ کی شرٹ اٹھائی، اسلان اسی طرف آ رہا تھا۔ بنفشہ کا دل کیا وہ اسلان سے یہ رنگ لینے کو کہے....

"یہ بھی اچھا رنگ ہے اپنے بھائی کے لیے دیکھ لو۔" آراہ نے چونک کر اسے دیکھا، جس کا انداز بے حد لیا دیا تھا۔ اس نے شرٹ لے لی۔ کچھ کھٹکا تھا مگر وہ کچھ بولی نہیں کیونکہ بنفشہ کا چہرہ خالی تھا، وہ چاہ کر بھی کچھ کھوج نہ سکی۔ اسے یہ بس ایک عام سا مشورہ لگا۔

لیکن کیا وہ واقعی اچھا تھا۔

"اور کتنی دیر لگے گی، آراہ؟" اس کے قریب کھڑا وہ سخت کبیدہ خاطر تھا۔

ابھی تو آئے ہیں بھائی تھوڑا اور وقت لگے گا۔ جھمکے اور جوتے تو لے لیں۔" وہ مصروف سی کہتی آمنہ کی طرف چلی گئی جو اپنے شوہر کے ساتھ ویڈیو کال پر خریداری کر رہی تھی۔ اس نے جو دکھایا سہراب نے ہاں کہا تھا مگر وہ خود ہر دوسری شے کو رد کرتی گئی۔

"مجھے دے دیں۔" اس نے بنفشہ کے ہاتھ میں پکڑے تھیلے لینے چاہے۔ وہ ٹھٹکی، تھیلے پیچھے کر لیے۔

"میں اٹھا لوں گی۔"

"جانتا ہوں، پھر بھی مجھے دے دیں۔" اس نے جھک کر اس کے ہاتھ سے لے لیے۔ آمنہ، اور آراہ کے سامان کے ساتھ وہ اب بنفشہ کا سامان بھی لے کر چل رہا تھا، آراہ کے لیے گول گپے لیے تو ایک پارسل اس کے لیے بھی پیک کروایا، خریداری میں جتنی مدد آراہ کی کرتا رہا، اتنی ہی اس کی بھی۔ بنفشہ مخدوم کی اسے نظر انداز کرنے کی ہر خواہش دیوار سے سر پٹخ رہی تھی کیونکہ وہ ہر گزرتے لمحے ذہن کی سکرین پر پسندیدہ منظر کی طرح ٹھہرتا جا رہا تھا۔ وہ اس سے ڈر رہی تھی مثبت انداز میں۔

اس کے شاید کچھ مسائل تھے۔۔۔۔

عدالت سے گھر کا سفر گاڑی میں طے ہو رہا تھا۔ اسلان کی نگاہیں سڑک پر جمی تھیں جب بنفشہ نے اسے مخاطب کیا۔ "سو اب جبکہ تم نے مجھ سے اپنی تمام "بدتمیزیوں، بدتہذیبی، بے مروتی اور ڈھیٹ پن" (اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا) کی معافی مانگ لی ہے تو کیا اب ہم دوست ہیں؟"

اس نے گاڑی کا موڑ کاٹا اور نظروں کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اب دوست نہیں بناتا۔"

"کیوں؟" وہ پل بھر کو رکا، بہت کچھ یاد آیا مگر جب جواب دیا تو لہجہ خالی تھا۔

"راس نہیں آتے۔" گھر کی طرف واپسی کا راستہ بے حد کٹھنائیاں لیے ہوئے تھا۔ ہر جھٹکولہ اسے اسلان یمن کے ساتھ گزرا ایک نیا لمحہ یاد کر رہا تھا ہر یاد قاتل قلب تھی۔

★★★★★

اسلان یمن اور اس کے سامنے بیٹھا مرد آنے والے وقتوں کی تباہ کاریوں سے واقف تھے۔ ایک زیر تعمیر گھر کی کھڑکی میں کھڑا اسلان باہر دیکھ رہا تھا جہاں دور دور تک سٹریٹ پولز کی روشنیوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پچھتاوا تہہ در تہہ اس رات میں شمولیت اختیار کر رہا تھا۔ وہ جو مرا تھا، شاہ تھا، کل صبح تک شاہ پرستوں نے شہر لاہور کا تیا پانچہ تبدیل کر دینا تھا یہ امن کی واحد رات تھی، مگر ان دونوں اشخاص کے لیے یہ رات بے حد وزنی تھی۔ کسی بھاری سِل کے جیسی۔

"کیا وہ اتنا بُرا تھا کہ تم نے اس کے ساتھ ایسا ظلم کیا؟" خون سے خشک ہاتھوں کو یک ٹک تکتا نوجوان ساکن تھا۔

"یہ ظلم نہیں تھا، بچاؤ تھا۔ انتقام ہر ایک کے لیے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کے لیے انتقام طاقت کا اظہار ہوتا ہے، کسی کے لیے جنون، کسی کے لیے عادت...." اس کی بھاری آواز اس زیر تعمیر مکان میں چند لمحے کے سکوت کے بعد گونجی۔ "میرے لیے انتقام مجبوری تھا۔"

"انتقام سے قبل کی زندگی کیسی تھی؟" عالمگیر سب جاننا چاہتا تھا۔

اسلان نے گہرا، گیلا سانس اندر کھینچا۔ "بھرم۔۔۔"

★★★★★

ماضی۔۔۔

ریسنگ ٹریک پر قطار میں آٹھ ہیوی بائیکس کھڑی تھیں۔ شاہ ویر نے ایک نظر اسلان کو دیکھا، اس نے ہیلمٹ چڑھا لیا تھا البتہ ریسنگ سوٹ نہیں پہنا۔ اس نے ایک بار بھی آس پاس بائیکس پر بیٹھے لڑکوں کو نہیں دیکھا، یوں جیسے وہ ان سب لوگوں سے بے نیاز ہو یعنی ہار جیت سے بے نیاز۔

"فوکس کرو، آئن سٹائن۔" شاہ ویر نے بلند آواز میں نصیحت کی۔ اسلان نے سنی اور سن کر فخر سے نظر انداز کی۔ ٹریک کے دائیں طرف مختصر ترین سکرٹ والی دوشیزہ آکر کھڑی ہوئی، جھنڈا لہرایا گیا اور دوڑ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ بوتلیں ہوا میں بلند کر کے اس آغاز کا جشن منایا گیا۔

پل میں نظر آتی اور اگلے ہی پل آنکھ سے اوجھل ہوتی بائیکس پوری رفتار کے ساتھ بھاگ رہی تھیں، ہر کوئی اس دوڑ کو جیتنا چاہتا تھا، ہر کسی کی نگاہ چوکنا تھی، ہینڈلز پر جمے ہاتھ بے حد مضبوط۔ ان سب میں صرف وہ تھا جس کی آنکھیں مسرور تھیں، دستانوں سے پاک ہاتھوں نے ہینڈلز چھوڑ دیے اب بائیک بغیر گرفت کے چل رہی تھی، وہ بے خوف تھا۔

"ہینڈل پکڑو گر گئے تو مر جاؤ گے۔ آئن سٹائن" اس کے ساتھ بائیک چلاتا شاہ ویر حلق کے بل غرایا، اسلان نے ذرا دیر کو ہینڈلز پر ہاتھ جمائے، یہاں سے موڑ مڑنا تھا اس نے بائیک ایک طرف جھکا دی دیکھنے والوں کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ اب گرے کہ تب، مگر وہ اس مہارت سے بائیک اور خود کو سڑک سے ٹکرانے سے بچائے ہوئے تھا کہ زبان سے بس ایک لفظ نکلے "کمال...."

اور جونہی موڑ ختم ہوا اسلان نے بائیک کے ہینڈل چھوڑ کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے، گردن ہلکی سی پھیر کر شاہ ویر کو دیکھا۔ اور بلند آواز میں بولا۔ "آئن سٹائن ہو گا تمہارا باپ۔" اگلے ہی لمحے اس نے دونوں ہاتھ مضبوطی سے ہینڈلز پر جما کر one wheeling شروع کر دی تھی۔

شاہ ویر اس پر لعنت بھیجتے ہوئے آگے بڑھنے کی تگ و دو میں تھا اور چند لمحے بعد اس نے اسلان کی بائیک کی رفتار میں ہلکی سی کمی محسوس کی، وہ دونوں جیت سے محض چند کوس کے فاصلے پر تھے مگر اسلان نے ایک بار پھر بائیک جھکا دی، ایسا کرتے ہوئے اسے رفتار کم کرنی پڑتی اور وہ قصداً کر رہا تھا یہاں تک کہ شاہ ویر نے جیت کی سرخ پٹی پار کر لی۔

وہ ایک مرتبہ پھر فاتح تھا، سکندر، ناقابل شکست۔

اس کے ارد گرد مجمع اکٹھا ہو گیا، لڑکوں نے اسے کندھوں پر اٹھالیا۔ لڑکیاں ایک بار اس کے قریب آنے کو مچل رہی تھیں ان سب سے ذرا سے فاصلے پر.... خاموش طبع سالڑ کا بائیک روک چکا تھا، ہیلمٹ اتارے اب وہ نیچے آیا۔ بائیک کو ہر طرف سے دیکھا، جانچا اور اسے تھپتھپاتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔ بائیک بالکل ٹھیک تھی۔ اسلان نے پلٹ کر اسے دیکھا، دو انگلیاں ماتھے تک لے جاتے ہوئے الوداع کہا اور مسکراتے ہوئے نکل پڑا۔ اس کے چہرے پر کاملیت تھی شاہ ویر کو اس سے حسد ہوا۔ جو احساس اس کے پاس جیت کے بعد بھی نہیں آیا وہ اسلان یمن کے پاس ہار جانے کے بعد بھی تھا۔ کیوں؟ اسے جواب چاہیے تھا۔

★★★★★

تھوڑی دیر بعد جب رات مزید رنگین ہوئی تو بوتلوں کے منہ کھل گئے، اونچی آواز میں موسیقی بجنے لگی تو تقریب، شراب اور زن چھوڑ کر وہ زخمی کہنیوں والا لڑکا اب اس علاقے کو الوداع کہنے لگا تھا۔ وہ گھاٹی کے اونچے نیچے راستوں پر چلتا ہوا ہاسٹل کی طرف جانے لگا۔ سیاہ سبز سوٹ والے شاہ ویر نے جب اسے جاتے ہوئے دیکھا تو اپنی گرل فرینڈ، مشروب اور دوستوں کو چھوڑ کر اس کی طرف لپکا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا مگر شاہ ویر کے جوتے مضبوط اور ایسی گھاٹیوں کے لیے خاص بنے تھے وہ جلد ہی اس تک پہنچ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اسلان کے کان سے ایک ہینڈ فری نکال کر اپنے کان میں لگاتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاسٹل۔"

"ابھی تو ڈرنکس کھلی ہیں، کل اتوار ہے، کیا جلدی ہے؟"

"میں پیتا نہیں ہوں۔"

"ڈانس؟"

"ناچنے والا لگتا ہوں؟"

"ون نائٹ اسٹینڈز؟"

اسلان کا چہرہ بے اختیار سرخ ہوا، گال دہک اٹھے۔ ”نیور۔“

شاہ ویر زیرلب مسکرایا۔ ”گرل فرینڈ؟“

”فیوچر وائف۔“ اس نے تصحیح کرنا اپنا فرض سمجھا۔

”کہاں ہے وہ؟“ وہ دونوں گھاٹی پار کر آئے تھے، یہاں سے دکانیں، بار، بیکریز اور کتابوں کی دکانیں شروع ہوتی تھیں۔

”پاکستان میں۔“

”تو یہاں ایک فرضی وائف رکھ لو۔“

”تم پر تھوڑی گیا ہوں، میں وفادار ہوں۔“ شاہ ویر مانو عش عش کر اٹھا۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں چپ چاپ چلتے رہے۔ پرانی عمارتیں، قدیم طرز کا فن تعمیر اور بارش کے باعث گلیوں میں چمکتا پانی ماحول کی کثافت سے ہر طرح کی دھول اڑا رہا تھا۔ ”بائیک کے لیے شکریہ۔“ چلتے چلتے اسلان نے شائستگی سے کہا۔ ”میرے لیے لڑنے کا شکریہ۔“

”تم جیتنے والے تھے پھر مجھ سے کیوں ہارے؟“ شاہ ویر اب اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا، پھر اسی طرح پیچھے کی طرف قدم لینے لگا۔

”تمہاری بائیک لے کر تم سے جیت جاتا تو یہ جیت ہار سے بدتر ہوتی۔“ اسلان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”مجھ جیسے آبزرور کے سامنے خود کو جان بوجھ کر ہرانے کے بعد تم میری جیت کو بھی ہار میں تبدیل کر چکے ہو۔ مبارک ہو۔“

”اس لیے تم پارٹی چھوڑ کر یہاں آ گئے؟“ اسلان مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ یہ لڑکا اسے کم برا لگنے لگا۔

”ٹھیک ہے پھر اگلے ہفتے دوبارہ ریس لگا لیتے ہیں، اس میں کیا مضائقہ ہے؟“ گلی کا موڑ کاٹتے ہوئے اس نے اسلان کی پیشکش غور سے سنی۔ پھر سر ہلا دیا۔

”میرے لیے بائیک تم لاؤ گے، اس کا کرایہ بھی تم دو گے۔“

”کہیں تمہاری پاکستان والی گرل فرینڈ کا نام شاہ ویر بنگش تو نہیں؟“

”نہیں مجھے سڑی ہوئی شکلیں نہیں پسند۔“

”پھر آئینے میں خود کو کیسے دیکھ لیتے ہو؟“

”عادت ہو گئی ہے یہ تمہاری نئی شکل برداشت نہیں ہو رہی۔“

چند منٹ بعد وہ دونوں کچھ دے دلا کر ہاسٹل میں داخل ہو چکے تھے۔ راستے میں ان دونوں کے درمیان کافی باتیں ہوئیں، پاکستان کا گھر، کھانا، وہاں کی پڑھائی ساری بات تفصیل سے ہوئی۔ اسلان کو اب وہ واقعی کم برا لگ رہا تھا۔

”تمہارا انسٹا گرام دیکھا تھا میں نے۔“ جس وقت اسلان یمن اپنے کمرے کے دروازے کی چابی لگا رہا تھا شاہ ویر نے اس کے علم میں اضافہ کیا۔ ”پنار سکندر.... تمہاری گرل فرینڈ ہے نا؟“

چابی لگاتی اس کی انگلیاں ساکت ہوئیں، اس نے ایک ناگوار نگاہ شاہ ویر پر ڈالی۔ ”میں اسے کسی اور کے ساتھ ڈسکس نہیں کرتا، خاص طور پر مردوں سے۔“ شاہ ویر کو اس ساری گفتگو کے دوران پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ اسلان کے جبڑوں میں سختی اتر آئی تھی۔ اور وہ خول میں دوبارہ سمٹ رہا ہے۔

”اچھا لیکن میرے پاس تو اس کا نمبر بھی ہے۔“ اسلان نے چابی اس زور دار انداز میں گھسیٹری کہ لاک کھلنے کے ساتھ ساتھ اس کی انگلی بھی چھل گئی۔ ”کل ہماری سنیپ چیٹ پر بھی بات ہوئی تھی، تم نے اس کی کل والی سٹوری دیکھی؟ بولڈ ریڈ کلر اس کے لیے ہی بنا ہے۔“

اسلان نے مٹھی بھینچ لی، ادھ کھلے دروازے کے درمیان کھڑے ہوئے اس نے شاہ ویر کو دیکھا جو اس سارے میں پہلی بار محظوظ نظر آ رہا تھا۔ یہاں وہ برتر ہوا، یہاں اسلان یمن کی عورت نے اسے گرا دیا۔

”وہ ایک پبلک فگر ہے، بہت سے ایرے غیرے اسے دیکھتے اور فالو کرتے ہیں اس میں کوئی نئی بات نہیں۔“

دروازہ ٹھاہ کی آواز کے ساتھ اس کے منہ پر مارتے وہ اندر داخل ہوا۔ شاہ ویر نے لاک گھما کر دروازہ کھولا اور بڑے ہی استحقاق کے ساتھ اندر داخل ہوا، ساتھ موبائل پر کچھ کھول کر اسلان کو دکھایا۔ وہ جو اس کے اس

کمرے میں موجودگی پر بپھر گیا تھا، موبائل پر پنار کی چیٹ دیکھ کر اس کے سینے کی آگ میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ روشن سکرین پر پہلا پیغام شاہ ویر کی طرف سے تھا۔

"کیا میں تمہیں تمہارے بوائے فرینڈ سے چُرا سکتا ہوں؟" انگریزی میں لکھا پیغام چند واہیات ایموجیز کے ساتھ گیا تھا۔

دوسری جانب وہ ہنس رہی تھی، ساتھ اس نے لمبی میکسی میں ملبوس مکمل تصویر اسے بھیجی۔ "اب کیا خیال ہے؟"

"اب.... ؟ اب مجھے کسی اجازت نامے کی ضرورت نہیں۔" اسلان نے موبائل نیچے پھینک کر اس کا کالر جکڑا، وہ قد اور جسامت میں اس سے چھوٹا تھا البتہ آنکھوں کی کمینگی میں وہ ابلیس کو مات دے سکتا تھا۔ "مجھ سے مقدس صحیفہ اٹھوا لو مجھے آج صبح ہی پتا چلا کہ یہ تمہاری گرل فرینڈ ہے۔ ہم دونوں اسکول کے وقت سے دوست ہیں۔"

"وہ اسلام آباد میں رہتی ہے اور تم لاہور میں دوستی تمہاری ماں نے کروائی؟"

شاہ ویر نے تپا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا کالر چھڑوایا۔ "کمال ہے اپنی گرل فرینڈ کے بارے میں اطلاعات ہی نہیں تمہیں؟ ہم آٹھویں میں تھے جب وہ اسلام آباد شفٹ ہوئی اس کے بعد بھی اس کا اور اس کے خاندان کا ہمارے گھر آنا جانا رہا ہے۔ فیملی فرینڈز یو نو۔۔۔۔"

"اب سے بھول جاؤ کہ وہ کبھی تمہاری دوست تھی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ میری ہے۔"

"اور تم میرے کون ہو؟" اسلان نے دانت پر دانت جما کر ضبط کیا۔ اس کی رنگت میں سرخیاں گھل رہی تھیں۔

"میں اگلی دفعہ کلاس میں تمہاری جگہ رکھوں گا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" وہ جلد ہی مان گیا۔ اسے یہی چاہیے تھا۔

"اب نکلو...." اسلان رکھائی سے بولا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔"

”پیچ.... شاید تم ایک اور خبر سے لاعلم ہو۔ نچلے پورشن میں رینوویشن کا کام ہو رہا ہے لہٰذا اس پورشن کے بچے یہاں آ گئے ہیں اور تمہارے نصیب میں مجھ جیسے ہنر مند، خوبصورت، ذہین، چارمنگ شخص کا ساتھ آیا ہے۔“ اسلان نے نگاہ گھمائی کمرے کے چاروں اطراف بھاری سوٹ کیس رکھے تھے۔اسے صبح اپنے نئے روم میٹ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر اس وقت وہ انگاروں پر لوٹ گیا۔

کمرہ نمبر ۶۶۶ سے ان دونوں کی کہانی کی شروعات ہو چکی تھی۔

کہانی یا قصہ بربادی؟

★★★★★

”حال“

گرمیوں کی حبس زدہ شام تھی وہ لعل یمن سے ملحقہ بنفشہ کی رہائش گاہ کی طرف چلی آئی۔ وکیل صاحبہ کے کمرے میں اس کے تمام سامان کاٹن میں بند پڑے تھے، آراہ ٹھٹکی وہ دروازہ تک نہ بجا سکی۔

”ایک کمرہ ہی کافی ہو گا، عقیل صاحب۔ فلیٹ نہیں کوئی چھوٹا سا مکان ہو، تب بھی گزارا ہو جائے گا لیکن فلیٹ نہ ہو میری اماں کا دم گھٹتا ہے۔“ موبائل کان اور کندھے کے درمیان پھنسائے وہ مصروف سی دکھائی دے رہی تھی، جب اس کی نگاہ چوکھٹ میں کھڑی آراہ پر پڑی۔ ان دونوں کی رنگت بیک وقت اڑی۔ ”میں آپ سے تھوڑی دیر بعد بات کرتی ہوں۔“ اس نے کچھ سنبھل کر کہا اور کال کاٹ دی۔

”اندر آؤ، آراہ۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟“ خوش اخلاقی سے اسے اندر بلایا۔ اور پلنگ کے کونے پر اس کے لیے جگہ بنائی۔

”آپ کہیں جا رہی ہیں؟“

بنفشہ ہلکا سا مسکرائی۔ ”اگر تم اس بات کو راز رکھو تو ہاں۔“

”کہاں؟“

”یہاں سے بہت دور۔“

"کیوں؟"

"یہاں رہ کر میرے لیے مسائل بڑھ رہے ہیں۔" وہ سامان اٹھاتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔

"کیا اسلان نے کچھ کہا ہے؟ وہ ایسے ہی بولتا رہتا ہے، دل کا برا نہیں ہے۔"

"یہ راز ہے، آراہ میرا یہاں سے جانا بھی اور وجہ بھی، سمجھ گئیں؟" وہ نرمی سے مسکرا کر بولی تو آراہ نے سر ہلا دیا البتہ وہ قائل نہیں ہوئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی وہ پلنگ کی پائنتی پر آکر بیٹھی۔ یہاں بنفشہ کی کتابیں کھلی رکھی تھیں۔ نان فکشن کے ڈھیر میں محض چار کتابیں تھیں جو فکشن تھیں۔ چاروں کتابیں شاہ ویر بنگش کی تھیں۔

"نان فکشن ریڈر کے پاس فکشن؟" اس کی کتاب ہاتھوں میں لیتے اس کے اردگرد یاسیت کی دبیز تہیں جم گئیں۔ بنفشہ کے لبوں پر ایک الوہی سی مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔ "میں فکشن میں محض تھرلر اور رومانس پڑھتی ہوں وہ بھی لاجیکل یہ واحد انسان ہے جس کا فکشن نان فکشن سے زیادہ تلخ ہے اور کسی سیلف ہیلپ بک سے زیادہ موٹیویٹنگ۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے یہ الفاظ نہیں جادو لکھتا ہے، ہوتا ہے نا فلموں میں؟ آپ کے اردگرد سنہری سا ہالہ بن جاتا ہے اس کی کتابیں پڑھتے ہوئے میرے ساتھ بالکل ایسا ہوتا ہے۔"

"یعنی فین؟" آراہ ہلکا سا مسکرا رہی تھی۔

"صرف فین بول کر میری اور میرے جذبات کی توہین مت کرو، اگر یہ لکھاری لکھے گا تو میں کچھ بھی پڑھ سکتی ہوں۔ کچھ بھی، کہیں بھی، کیسے بھی۔ کاش میں اس کا لکھا ہوا مزید پڑھ سکتی۔"

"وہ آپ کا بھائی ہے۔"

"میں نے کبھی اس کی کتاب یہ دیکھ کر نہیں اٹھائی، میرے لیے وہ بس ایک آرٹسٹ ہے۔"

"ایک بہترین آرٹسٹ۔" آراہ بڑبڑائی۔

"تم بھی فین ہو؟" آراہ نے نگاہیں کتاب پر جمائے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"اس آدمی کی کتابیں میری زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ ہیں۔ وہ ایک بہترین آرٹسٹ ہے۔"

"تھا۔" بنفشہ نے زور دے کر کہا، آراہ خاموش رہی۔ کچھ بھی نہ بولی۔ وہ الماری کھولے اب کچھ کپڑے نکال رہی تھی۔ آراہ اس کی کتابیں ترتیب سے رکھتی جا رہی تھی۔ "تمہاری فیورٹ کتاب کون سی ہے؟"

"بہت ساری ہیں لیکن سب سے زیادہ لائٹس آؤٹ۔" بنفشہ ٹھٹکی۔

"ایک منٹ تم ڈارک رومینس پڑھتی ہو؟" چند جوڑے ہاتھ میں لیے وہ آراہ کی طرف مڑ کر پوچھ رہی تھی۔

"اور اب آپ مجھے میری ریڈنگ چوائسز پر جج کریں گی؟"

"بالکل کروں گی۔" اگر آراہ کو لگا تھا کہ وہ بات بدلے گی تو ایسا نہیں ہوا۔ "میں غلط کام کو جج کروں گی، آراہ۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتی ہم کتاب کو کتاب سمجھ کر کیوں نہیں پڑھ سکتے، ہم ہر دفعہ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ ایک کتاب ہمارے مورلز خراب کر دے گی، ہماری سوچ بدل دے گی یا پھر ہمیں بے حیا بنا دے گی۔ ایسا نہیں ہوتا، انسان کی زندگی میں بہت مسئلے ہوتے ہیں اور اگر ان کے بیچ کوئی ڈارک رومینس آپ کو اچھا محسوس کرواتا ہے، آپ کو بتاتا ہے کہ آپ بھی چاہے جا سکتے ہیں، آپ کی زندگی بھی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ اس میں غلط کیا ہے، تفریح سمجھ کر پڑھ لو اور بس۔"

"آج کی تفریح کل کا ادب کہلائے گا۔ ادب ہی بے ادب ہو گیا تو انسان اخلاقیات بھول جائے گا۔ آپ بالکل چاہے جا سکتے ہیں، آپ کی فیملی ہو سکتی ہے، آپ کے مسائل ختم ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ڈارک رومینس پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ جنسی تعلقات کو دیکھنا اور پڑھنا صرف ایک حد تک درست ہوتا ہے اس حد کے بعد انسان کی خواہشات غیر حقیقی ہو جاتی ہیں۔ اصل زندگی کا مرد اور اصل ازدواجی تعلق ڈارک رومینس کی کتاب سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ ہر انسان، شے، ادب، آرٹ کی ایک حد ہوتی ہے، اس حد سے نہیں نکلنا چاہیے۔ جو کتاب آپ اپنے باپ بھائی یا چھوٹے بہن بھائیوں کے سامنے نہیں پڑھ سکتے، اس کتاب پر آپ کا جج ہونا بنتا ہے۔"

آراہ کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے، گال پھولے ہوئے تھے اور ماتھے پر بل تھے۔ بنفشہ کو وہ اس وقت بے حد پیاری لگی اس نے آگے بڑھ کر آراہ کے گال پر چٹکی کاٹی۔ "کتنی کیوٹ ہو تم۔" مسکرا کر کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہیں ڈارک رومینس کیوں پسند ہے؟"

انارا کی آنکھوں میں آسمان کے سارے تاروں کی چمک اتری، وہ پلنگ پر آگے کو ہوئی، چہرے پر جوش تھا۔ "جو کتابیں میں پڑھتی ہوں اس میں ایک قاتل، ظالم، مافیا آدمی کو جب محبت ہو جاتی ہے تب وہ نرم ہو جاتا ہے۔ مجھے اچھے لگتے ہیں وہ مرد جو باقی دنیا کے لیے ظالم ہوں اور آپ کے سامنے بے بس۔ وہ ساری دنیا کو جوتی کی نوک پر رکھتا ہو لیکن آپ کے لیے وہ ساری دنیا سے بغاوت کرنے کو تیار ہو، لوگوں سے غصے میں بات کرتا ہو، آپ سے پیار سے، وہ چاہے جتنا برا ہو لیکن اپنی عورت کے سامنے اس کا سارا تنتنا جھاگ بن جاتا ہو۔ وہ نرم سی محبت نہ کرتا ہو کچھ سخت ہو، کنٹرولنگ ہو، حد سے زیادہ پازیسو ہو۔"

بنفشہ کئی ثانیے اسے ترحم سے دیکھتی رہی۔ کس طرح چند نام نہاد لکھاریوں نے گھر کی چار دیواری میں رہنے والی بچیوں کے دماغوں کے ساتھ کھیل کھیلے تھے، کس طرح انہوں نے انسانی فطرت کے بدلنے کے دھوکے معصوم کچے ذہنوں میں بھر دیے تھے۔ وہ آراہ کو بتانا چاہتی تھی یوں نہیں ہوتا۔ وہ کہنا چاہتی تھی غصہ ور مرد غصہ ہی کرے گا چاہے سامنے ملازم ہو یا بیوی، مار دھاڑ کرنے والا مرد مارے گا سامنے بیوی ہو یا کاروباری حریف، شادی سے پہلے عورتوں کو چیزیں سمجھ کر انہیں استعمال کرنے والا شادی کے بعد سدھر جائے گا اس کی کوئی ذمہ داری نہیں، حد سے بڑھے ہوئے حدوں میں بڑی کٹھنائی سے آتے ہیں۔

"تمہیں لگتا ہے اصل میں ایسا ہوتا ہو گا؟"

"کیسا؟"

"تم ابیوز کو محبت سمجھتی ہو آراہ۔ میں نے ڈارک رومانس پڑھا ہے وہاں ہر دفعہ مرد برتری پر ہوتا ہے جنسی تعلق قائم کرتے ہوئے اس کی بیوی یا پارٹنر کی حیثیت کچھ نہیں ہوتی۔ اس کی تکلیف خاک ہوتی ہے اور اس کی مرضی غیر ضروری۔ ہمارے دماغوں کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے جس مرضی نہ پوچھنے کو تم رومانس سمجھ رہی ہو وہ ریپ ہے اور ہم اس کلچر کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔"

"وہ اس کی پارٹنر ہوتی ہے۔"

"یہیں سب پڑھنے والے مرد کسی عورت کے ساتھ زیادتی کرتے وقت سوچتے ہیں اسے بھی اچھا لگا ہوگا کیونکہ ان ناولز میں مرد چاہے جو کرے اسے جسٹیفائی کر دیا جاتا ہے کہ اس کی پارٹنر کو اچھا لگا، وہ اسے فاحشہ بلاتا ہے کیا یہ محبت ہے، کیا یہ معیار ہے؟ کیا کوئی عزت دار مرد اپنی بیوی کو گالیاں دے گا؟"

"لیکن ہر دفعہ ایسا نہیں ہوتا بعض کتابوں میں بس رومانس کی مقدار زیادہ ہوتی ہے لیکن مرد اپنی بیوی کی عزت کرتا ہے۔" بنفشہ نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"اور وہ ازدواجی تعلقات کی فیری ٹیل کا کیا؟ یہ written pornography ہے تم مانو یا نہ مانو۔"

"آپ زیادہ سوچ رہی ہیں۔"

"اور تمہیں لگتا ہے یہ حقیقت ہے ڈارک رومانس میں پایا جانے والا مرد اصل میں ہوتا ہے؟"

"بالکل ہوتا ہے۔ ایک قاتل، ظالم، کرپٹ، ایڈکٹ مرد کو جب محبت ہو جائے تو وہ اپنی عورت کے لیے سدھر جاتا ہے۔" بنفشہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"رہزن کبھی رہبر نہیں بنتے، آراہ۔" ہیزل آنکھوں والی لڑکی اس کی بات نہیں سن رہی تھی، بنفشہ کو اس کی سوچ سے خوف آیا۔ اسے آج کی نسل کے لیے خوف آیا۔

★★★★★

("تم نے مجھے اب تک کچھ جواب نہیں دیے۔" بنفشہ کہہ رہی تھی۔

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ اسفندیار انصاری جوہر فور زیرو میں ذاتی دلچسپی کیوں رکھتا تھا؟")

"وہ کہاں ہے؟" اسفندیار انصاری نے اندرون لاہور کی کوٹھی کے صحن میں کھڑے اکبر سے پوچھا۔ اکبر نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ کوٹھی میں اڑتی اڑتی خبر میں ان سب نے سنا تھا کہ اسفند کا کوئی نقصان ہو گیا ہے مگر اس وقت اسے سامنے اس حالت میں دیکھتے ہوئے اس پر ترس آ رہا تھا۔

"اوپر ہے۔" آہستگی سے گردن جھکا کر جواب دیا۔ باقی سب اسے اوپری منزل کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے رہے وہ غیض کا پیکر تھا اس وقت اسے روکنا جان سے جانے جیسا تھا۔ وہ اوپر آیا کمرے میں جانے کی بجائے آج اسے یہیں رکنا پڑا۔ اپسرا اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑی تھی۔ کھلی چھت پر آسمانوں کو تکتی وہ بے فکر سی تھی۔

آہٹ سن کر وہ مڑی، اسفند کو دیکھا اور مسکرائی۔ "کیا بات ہے خادم اس دفعہ آتے آتے دیر کر دی؟"

اسفند طیش سے آگے آیا۔ "تم دیکھ رہی ہو کیا ہو رہا ہے، میرا کتنا نقصان ہو گیا ہے تم چاہتی تھی اسلان کا نقصان ہو اور بدلے میں سارے خسارے میرے حصے میں آئے ہیں۔ وہ آدمی سہراب۔۔۔۔ وہ میرے ساتھ کھیل گیا ہے تم چاہتی تھی جوہر فور زیرو وہ حل کرے تمہارے تمام فیصلے میرے حق میں غلط ثابت ہوئے ہیں۔" اس کی آواز پھٹی ہوئی تھی۔ اپسرا اسے دیکھتے ہوئے آگے آئی اپنا ایک ہاتھ اس کے گال پر ٹکایا اور گردن ڈھلکا دی۔

"تم تو میرے سپہ سالار تھے، تم یوں عین میدان جنگ میں مجھے تنہا کرو گے؟"

اسفند نے تلخی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ "میں تنگ آگیا ہوں یہ خون خرابہ، یہ انتقام میں اس سب سے تنگ آچکا ہوں۔"

اپسرا نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے نیچے بٹھایا اور خود اس کے سامنے آکر بیٹھی۔ وہ اس پر کوئی سحر سا پھونک رہی تھی۔

"آنکھیں بند کرو اور وہ وقت یاد کرو جب تم آزاد تھے، ایک اچھی زندگی گزار رہے تھے اور تمہاری اس زندگی میں بھونچال لانے والی وہ عورت ہے جسے تم دوست کہتے ہو۔"

آنکھیں بند کر کے پپوٹوں کے پار اس کی آنکھیں جہاں کھلیں وہ ریاست امریکا کا شہر تھا واشنگٹن۔

ایک بڑے سے ہال میں انسانی حقوق کے متعلق کوئی سیمینار منعقد تھا۔ اگلی رو میں تین پاکستانی بیٹھے تھے۔

اسفند یار انصاری، ماضی میں سوشل ایکٹوسٹ اور حال کا سیاست دان۔

رابعہ پرویز، ماضی کی ہیومن رائٹس لائیر اور حال میں جوہر فور زیرو کی وکٹم۔

لیلیٰ علی ماضی کی ایکٹوسٹ اور حال میں۔۔۔۔؟

حال میں کہانی کے پنوں سے غائب۔ وہ ایک خواجہ سرا تھی۔ اسفند، رابعہ اور لیلیٰ یونیورسٹی کے زمانے سے دوست اور ساتھی ورکر۔ لمحات ٹوٹے بکھرے تھے۔ کہیں وہ تینوں اکٹھے کسی تنظیم کے ساتھ تھے، کہیں وہ دونوں واشنگٹن کے کسی سپورٹس کلب میں تھے، کہیں وہ اکٹھے ہنس تھے اور کہیں ایک ساتھ مغموم۔ وہ دو دوستیں اسفند کی زندگی کا بہترین دور تھیں۔

(اس نے تمہاری دوستی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہاری جڑیں کھوکھلی کیں۔ تم سے تمہارے دوست چھین لیے۔" بند آنکھوں کے پار کوئی منظر تھا وہ اس منظر میں غوطہ زن تھا۔)

وہ تینوں رات گئے دیر سے گھر واپس جا رہے تھے۔ اسفند گاڑی چلا رہا تھا رابعہ آگے بیٹھی تھی اور لیلیٰ پچھلی نشست پر۔

"تم کیا چاہتے ہو میں کیا کروں؟" رابعہ متذبذب تھی۔ اسفند نے غور سے اسے دیکھا۔

"ٹو بی آنسٹ تم "ومن" کی فاؤنڈر ہو اور مجھے تمہاری نیت پر کوئی شک نہیں البتہ میری ماں اس تحریک میں صرف اس لیے آنا چاہتی ہے کیونکہ اسے ووٹ چاہئیں۔ اور میری ڈیئر فرینڈ تمکنت مشہوری چاہتی ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ دونوں تمہارے کام آسکتی ہیں۔ دونوں کے تعلقات ہیں، فنڈز دلوا سکتی ہیں، لوگ لا سکتی ہیں اگر تم چاہو تو میں انہیں تمہاری طرف سے ہاں کہہ دوں گا ورنہ انکار کر دیں گے بڑی بات نہیں۔"

وہ ایک بار پھر کسی مخمصے کا شکار ہو گئی۔ سمجھ نہیں آئی کیا کہے کیا کرے۔ "تمہارا دل نہیں مان رہا تو نا کر دو، رابی۔"

"یہ بات نہیں ہے امریکا سے پاکستان جانا اور وہاں جا کر نئے لوگوں پر یقین کر کے ایک تحریک شروع کرنا بہت مشکل کام ہے۔ لیلیٰ کا اپنا کام ہوتا ہے اور تم امریکا چھوڑنے پر راضی نہیں ہو تم میرے ساتھ بھی تو چل سکتے ہو۔"

وہ اسفند کو دیکھ رہی تھی ایسے جیسے کوئی اپنے بڑے بھائی کو دیکھتا ہو۔

"تم کئی سو سالہ پرانی صعوبتوں میں پستی عورتوں کے لیے لڑنے جا رہی ہو تمہیں میری ضرورت نہیں ہے رابی۔"

"اور میں تو ویسے بھی وہیں ہوں۔" لیلیٰ نے کہا۔ "مانا کہ میرا اپنا کام ہے مگر میں تمہارے ساتھ ایک شہر میں ہوں۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہوں گے تو اسفند کو بھی آنا پڑے گا۔" رابعہ خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے

لیلیٰ کو ہوٹل چھوڑا اور اب گاڑی میں خاموشی تھی۔ رابعہ کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی، اور اسفند چپ چاپ گاڑی چلا رہا تھا۔

"لیلیٰ کے ڈاکٹر نے کیا کہا؟" تھوڑی دیر بعد اسفند نے موڑ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کوئی نفسیاتی بیماری ہے کبھی بہت خوش، کبھی بہت اداس، کبھی خود کو مارنے کے خیال اور کبھی زندگی کی امنگ وہ ٹھیک نہیں ہے، اسفی اس نے تین بار خودکشی کی کوشش کی ہے لوگوں کی باتیں اسے چُبھتی ہیں جتنا اچھا وہ آج بول کر آئی ہے اس کی حالت اس سے زیادہ خراب ہے۔" اسفند لب بھینچ گیا۔ خاندان کے نام پر اس کے پاس بس یہی دو لوگ تھے اور ان دو لوگوں کو کھونے کا خیال بھی اسے بے چین کر دیتا تھا لیلیٰ ان بے چینیوں میں ہر گزرتے دن اضافے کا باعث۔

"تم سب خوش تھے اور پھر سب تباہ ہو گیا بنگش اور انصاری تمہارے دونوں دوستوں کو دور کرنے کی وجہ ہیں۔"

وہ کافی وقت بعد پاکستان آیا تھا۔ ابراہیم کی موت کے بعد۔ اس سے اس کی سابقہ زندگی چھوٹ گئی تھی۔ وہ سب کچھ نئے طریقے سے بنا رہا تھا مگر یہاں وہ خوش نہ ہو کر بھی خوش تھا کیوں لاہور میں لیلیٰ اور رابعہ تھیں۔

اس روز وہ تینوں لیلیٰ کی کوٹھی پر ملے تھے۔ اندرون لاہور کا وہ پرسکون سا گھر جہاں وہ تینوں چھت پر بیٹھے تھے۔ اسفند کچھ بتا رہا تھا اور وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔ بہت وقت بعد وہ تینوں دوبارہ ساتھ تھے، فاصلے ختم ہو گئے تھے، امیدیں اور ساتھ واپس مل گیا تھا۔ وہ تینوں خوش تھے ایک ساتھ، اکٹھے ــــــ ان تینوں کو کسی اور کی ضرورت نہیں تھی ــــــ وہ تینوں ایک دوسرے کا سہارا خود تھے ــــــ

"تم تو کافی خوش لگ رہی ہو۔" چائے کا کپ تھامتے ہوئے اسفند نے لیلیٰ کی مسکراہٹ پر تبصرہ کیا آسمان پر چہچہاتے پرندے متفق تھے۔

"کریڈٹ مجھے جاتا ہے۔" رابعہ نے اپنی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ اور منڈیر پر دانے پھیلا کر واپس آئی۔ "میں نے اسے مجبور کیا کہ یہ علاج کروائے، خوش رہنے کی کوشش کرے اور کام کرے نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔" کھلتے گلابی رنگ کا لباس پہنے وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔

"میں نتائج سے خاصہ خوش ہوں۔" وہ واقعی خوش تھا۔

"تم ان عورتوں کو آزاد چھوڑو گے جنہوں نے رابعہ کو مارا، جن کی وجہ سے لیلیٰ کی یہ حالت ہوئی؟"

رابعہ کا گھر جل گیا تھا، وہ زندہ تھی یا نہیں وہ دونوں اس وقت نہیں جانتے تھے۔ لیلیٰ اور اسفند گاڑی میں تھے وہ گاڑی بھگا رہا تھا۔ لیلیٰ رو رہی تھی، اسفند سے کچھ کہتے ہوئے اس کی آواز کپکپا رہی تھی مگر وہ نہیں رو رہا تھا اسے نہیں رونا تھا۔

آگ ہی تو لگی تھی، سب ٹھیک ہو گا، رابعہ ٹھیک ہو گی اسے یقین تھا۔

وہ جوہر ٹاؤن کی اس عمارت پہنچے اسفند حواس باختہ سا نیچے اترا، پولیس، ایمبولنس، میڈیا، فائر بریگیڈ اور نہ جانے کون کون سی گاڑیاں کھڑی تھیں وہ کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا اس کی نگاہ عمارت کے احاطے میں پڑے ان چار اسٹریچر زپر تھیں ان کی تعداد دیکھ لیلیٰ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی مگر وہ نہیں بیٹھا۔ رابعہ کو کچھ نہیں ہوا تھا وہ ٹھیک تھی، سب ٹھیک تھا۔

وہ آگے آیا۔۔۔۔ امریکا، لاہور، راتیں، دن، ہنسی رونا سب یک بہ یک یاد آتا چلا گیا۔ اس نے سفید کپڑا ہٹایا اور اسے پیچھے ہونا پڑا۔۔۔۔ چہرہ جھلس چکا تھا۔۔۔۔ کوئی ایک چہرہ بھی شناخت کے قابل نہیں تھا کوئی ایک بھی نہیں۔

تیز ہوا چل رہی تھی، لوگ بول رہے تھے کچھ کہہ رہے تھے وہ تو ساکن ہو گیا تھا، ٹھنڈا برف۔

لیلیٰ کو دورہ پڑا تھا لوگ اسے اٹھا رہے تھے اسفند ہل بھی نہیں سکا۔ امریکا سے پاکستان، ایک عام سی یونیورسٹی سے وومن تک کا سفر اور اس سفر کے بعد سے یہ سفید کفن سے اسٹریچر تک۔۔۔۔۔ ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے آگے گھوم گیا۔

اس روز کے بعد سے اسفند یار انصاری نارمل نہیں رہ سکا، نارمل نہ رہنے والا صرف وہ نہیں تھا لیلیٰ بھی تھی۔ جوہر فور زیرو آکر گزر گیا تھا مگر ان دونوں کی زندگی وہیں جمود کا شکار ہو گئی تھی۔

"انہوں نے لیلیٰ کے ساتھ بھی دھوکہ کیا تھا، خادم۔"

شاہ ویر اور لیلیٰ آمنے سامنے بیٹھے تھے وہ غیر دلچسپی سے لیلیٰ کی بات سنتے ہوئے موبائل پر انگوٹھے چلا رہا تھا۔ لیلیٰ کی رنگت کملائی ہوئی تھی رابعہ کی موت نے اسے حد سے زیادہ متاثر کیا تھا مگر اسفند کو یقین تھا وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ شاہ ویر کے ساتھ کام کرے گی، مصروف ہو جائے گی سب پہلے جیسا ہو جائے گا اور بس۔۔۔۔۔

لیلیٰ کوئی کال سننے باہر گئی جب شاہ ویر نے تاسف سے اسفند کو دیکھا۔ ”کمال کرتے ہیں آپ اسفند بھائی۔ مرد اور عورتیں کم پڑ گئیں اب ان آدھے ادھوروں کے ساتھ کام کروں میں؟“

”شاہ ویر تم۔۔۔۔۔“

”آئی ایم سوری لیکن انہیں دیکھ کر بھی گھن آتی ہے کام تو دور کی بات میری طرف سے انکار ہے۔“ دروازے پر کھڑی لیلیٰ ساکن ہو گئی تھی۔ اسفندیار انصاری نے اس روز کے بعد سے لیلیٰ کو نارمل نہیں دیکھا۔ آج تک نہیں۔ بنگش اور انصاری اس کے خاندان کو ختم کرنے والوں میں سے تھے انتقام اس پر لازم تھا۔

★★★★★★

جیلر کے کمرے سے واپسی پر عالمگیر یمن اور روشن رحمان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں، چہرے پر مزید زخم اور لباس کے اندر کا جسم.... اس پر لگی ضربوں کا قصہ قلم کے لیے امر مشکل ٹھہرا۔ ان کے دائیں بائیں چلتے اکھڑ، بے زار چہروں والے افسران نے ان کے بازو سختی سے تھامے ہوئے تھے یہاں تک کہ عالم ان کی انگلیاں اپنے کسرتی بازو میں دھنستے محسوس کر سکتا تھا۔ جیل آ کر چند دن تک اپنے حقوق کی پرچار کرنا آسان ہوتا ہے مگر رفتہ رفتہ سسٹم کا کھوکھلا پن رگوں میں اس حد تک گھس جاتا ہے کہ انسان خاموشی سادھ لیتا ہے عالم نے بھی وہی کیا۔ جیل اسے کھا رہا تھا اور اب بچاؤ مشکل تھا۔ یمن خاندان کا سب سے خوبرو، غنی اور بے نیاز مرد جیل کی سختیاں کاٹنے پر مجبور تھا۔

جیل کی کوٹھری میں لا کر ان دونوں کو کسی بے ضرر شے کی طرح پھینکا گیا، عالم نے سرعت سے دیوار کا سہارا لیا جبکہ روشن توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گرا۔ بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

"تم نے مجھے کیوں بچایا، عالم؟" مخالف سمت بیٹھے، دونوں بازو گھٹنوں پر رکھے اندھیری کوٹھری میں وہ دونوں وجوہات کے متلاشی تھے۔

"میرے سامنے کسی انسان کے ساتھ زیادتی ہو گی تو میں خاموش نہیں رہ سکتا۔"

"میں تمہارا دشمن ہوں۔"

"تم صرف ایک انسان ہو۔ جب ظلم ہو رہا ہو تب سامنے والے سے کوئی رشتہ گانٹھنا ضروری نہیں۔ سامنے والا انسان ہے اور بس۔" دو قیدیوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ در آیا۔ عالمگیر بنفشہ اور اپنی ملاقات کے متعلق سوچ رہا تھا اسے اسلان سے بات کرنی تھی مگر اس روز کی لڑائی کے بعد کوئی سپاہی اس کے قریب پھٹکتا بھی نہیں تھا۔ جیلر کی طرف سے عالم پر خاص پابندیاں عائد ہو گئی تھیں۔ بنفشہ مقدمہ چھوڑ چکی تھی، سہراب اس سے ملنے نہیں آ رہا تھا، اسلان سے اس کی کوئی بات ہو نہیں رہی تھی۔ زندان اب کے صحیح معنوں میں زندان ثابت ہو رہا تھا۔

"طلال صاحب تمہیں بہت پسند کرتے تھے۔" کوٹھری کے در و دیوار سے روشن کی خالی کھوکھلی آواز ٹکرائی۔ "جب تم نے بی بی کو دھوکہ دیا تب وہ بہت دل برداشتہ ہوئے تھے۔"

"میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا تھا تمہاری بی بی نے مجھے چھوڑا تھا۔" وہ ترش روی سے بولا۔ روشن نے چونک کر گردن اٹھائی، نگاہوں میں تحیر تھا۔ "میں اسے چھوڑ سکتا تھا کیا؟ جب میں طلال صاحب سے بھی مل چکا تھا تب میرے پاس کیا جواز تھا اسے چھوڑنے کا؟"

"تم نے بی بی کو بدکردار نہیں کہا تھا؟"

"کسی عورت کے لیے ایسے الفاظ منہ سے نکالنا عالم کی تربیت کے خلاف ہے۔" نہ وہ لہجے پر زور دیتا، نہ وہ جتاتا تھا پھر بھی وہ کچھ کہہ دے، کسی الزام کی نفی کر دے تو اس کی بات پتھر پر لکیر کی مانند۔ "تمہارے مالک جھوٹے ہیں انہوں نے تمہیں بھی غلط کیس میں پھنسا دیا ہے مجھے یقین ہے یا پھر وہ تمہیں پروٹیکٹ کر رہے ہیں۔ وہ ایسا کر سکتے

ہیں بلکہ زید ایسا کر سکتا ہے کیونکہ تم اس کے ابا کے پسندیدہ ملازم تھے۔ تم نے اپنی بیٹی سمیت تین عورتوں کو جان سے مار دیا تو ظاہر ہے وہ تمہیں بچائیں گے۔"

"تم اوپر اوپر سے بس بنتے ہو، عالمگیر۔ تم آج تک انسانوں کو نہیں سمجھ پائے۔" اس کے لہجے میں گہرا غم تھا۔ "وہ دور گزر گیا جب کوئی مالک نوکر کو بچایا کرتا تھا، اس دور میں عالمگیر کم ہیں جو اپنے دشمن پر بھی تشدد اور ناانصافی برداشت نہیں کر سکتے۔ اور تم سے یہ کس نے کہا کہ مجھے بچانے والا شاہ زید بنگش تھا؟" اس کے الفاظ گہرے اور مفہوم سے عاری تھے، عالم آنکھیں چھوٹی کیے اسے تک رہا تھا دل ہی دل میں اس کے الفاظ دہرا کر وہ انہیں یاد کر لینا چاہتا تھا۔

"مالک ملازم کو نہیں بچاتے (مالک ان کی قربانی دیتے ہیں) کوئی باپ اپنی بیٹی کو نہیں مارتا (شاید وہ قتل قبول کرنا اس کی مجبوری ہو) نمک کا وزن بہت ہلکا ہوتا ہے مگر نسل والوں کے لیے وہ بڑا بھاری بوجھ رکھتا ہے (میں اسی بوجھ تلے مر گیا) مجھے بچانے کا شکریہ (مگر میں بچ کہاں پاؤں گا؟)۔۔۔۔۔" اس نے عالم کی طرف دیکھا، خوبرو قیدی اسی کی طرف متوجہ تھا۔ "جتنی محبت تم اپنی بیٹی سے کرتے تھے اس سے دگنی محبت میں نے اپنی بیٹیوں سے کی ہے۔"

یہ اظہار تھا جس پر عالمگیر چاہ کر بھی طنز نہ برسا سکا، اس کی زبان کو یک لخت لقوہ لگ گیا تھا۔ "مجھے یہاں کوئی بچاؤ نہیں لایا، میں یہاں پچھتاوے لایا ہوں۔ میں اپنی بیٹی کے قاتلوں کے خلاف نہیں جا سکا، عالم۔" عالم سکتے میں رہ گیا یہاں تک کہ راہ داریوں میں قدموں کی چاپ ابھری، پھر وہ چاپ نزدیک آتی گئی، چاپ نے انسانی شکل اختیار کی اور عالمگیر نے کوٹھری کی سلاخوں کے پار اس انسان کے لبوں کو ہلتے ہوئے دیکھا۔

"تمہاری ملاقات آئی ہے۔" عالم تیزی سے کھڑا ہوا، سہراب، اسلان، یا پھر یافث؟

"کون آیا ہے؟" وہ بے قراری سے آگے ہوا۔

"تاجور بنگش آئی ہے۔" عالمگیر یمن پر سحر جمود ہو گیا تھا۔ کتنے برس، کتنے ماہ، کتنی بے نور، بے کل راتوں کے بعد آج وقت احتساب آیا تھا، کیسے کیسے المناک شب و روز کے بعد آج مجرم چل کر مقتول کے پاس آیا تھا؟

حساب.....؟ چلو آج حساب رہنے دیا جائے۔

★★★★★

”آپ کہیں جا رہی ہو؟“ وہ کئی دنوں سے اسے نظر انداز کر رہی تھی، اس کے ساتھ کہیں جا نہیں رہی تھی، اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی سب آسان نہیں تھا تو مشکل بھی نہیں تھا مگر اس سارے عرصے میں اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ جب وہ اسے پکارے گا، سامنے آکر سوال کرے گا تب وہ اسے نظر انداز کس طرح کرے گی؟

”آئیں میں چھوڑ دیتا ہوں۔“ اس نے پیش کش کی۔ وہ ابھی نہا کر آیا تھا تولیہ کندھے پر گرا تھا، آنکھوں میں ہلکی سی سُرخی تھی۔

”میں خود چلی جاؤں گی۔“

”جب میں ہوں تو اکیلے جانے کی کیا ضرورت ہے، آپ کو پتا ہے نا حالات کتنے خراب ہیں؟“

بنفشہ مڑی تیز نظروں سے اسے گھورا۔ ”تم سے جتنا ہو سکے مجھے اتنا کم مخاطب کیا کرو۔“

اسلان چونکا، وہ چند دن پہلے تک بالکل ٹھیک تھی، دوستی کی پیشکش کر رہی تھی، آج یکدم اسے کیا ہو گیا؟

”کیا میں نے کوئی غلطی کی ہے؟“ اس نے محتاط ہو کر پوچھا۔ آنکھیں اس کی آنکھوں میں کسی شکوے کی متلاشی تھیں۔ بنفشہ کی آنکھوں کے کنارے گیلے ہوئے۔ ”اگر میں نے کچھ غلط کیا ہے تو بتائیں، یا پھر آپ چاچو کو بتائیں گی؟“ وہ لمحہ بھر کو رکا۔ ”کم آن کم از کم آپ میری شکایت مجھ سے کر سکتی ہیں۔“

”اور تمہارے جھوٹ؟“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ ”تمہارے جرم، تمہارا مجھے استعمال کرنا ان کا کیا؟ مجھے لگا تم میرے دوست نہیں بن سکتے کیونکہ تمہیں واقعی تعلقات راس نہیں آتے مگر.... تم خوف زدہ تھے۔ چچا کی وکیل کو دھوکہ دے سکتے ہو مگر دوست کو نہیں دینا چاہتے تھے؟“

”کون سا دھوکہ؟“

بنفشہ چند پل اسے تکتی رہی، پھر دو قدم آگے ہوئی اسلان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے دیکھا۔ ”محض ایک گواہی لا نے دو، پھر میں تمہیں بتاؤں گی، کون سا دھوکہ۔“ تنفر سے کہتی وہ پلٹ گئی۔ اسلان اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر نہیں گیا۔ وہ نہیں بتانا چاہتی تو اب وہ کیا کرے؟ ہاں مگر دل پر عجیب سا بوجھل پن آن گرا تھا۔

گیلے بال کنگھی سے درست کرتے ہوئے وہ باہر آیا۔ ہلکی داڑھی کے بھورے بال دھوپ پڑنے پر چمک رہے تھے۔ موبائل پر کچھ چلا کر اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور ایئر پوڈز کانوں میں اڑس لیے۔ گردن دائیں بائیں گھمائی مگر لاؤنج میں کوئی آئینہ نہیں تھا اور جب جب گھر کے لڑکوں کو ضرورت کا کوئی سامان نظر نہ آئے تب وہ کیا کرتے ہیں؟ یقیناً اپنی بہنوں کے کمرے کا رخ۔

آراہ کے کمرے میں آکر وہ دیوار گیر شیشے کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اسی پل آراہ باتھ روم سے باہر آئی، بالوں میں تولیہ لپیٹ رکھا تھا، اسلان کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔ بے اختیار بنفشہ کا جانا یاد آیا۔ اور غصے کی ایک لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔

”تم اپنے علاوہ کسی اور کا کیوں نہیں سوچتے ہو؟“

اسلان نے انگلیوں سے بال ترتیب دیتے ہوئے اسے بے نیازی سے دیکھا۔ ”اب تمہارا کون سا گناہ کر دیا میں نے؟“

”ظاہر ہے اب تمہیں کہاں یاد ہو گا تم نے کیا کیا؟“ اس نے نوچ کر تولیہ اتارا، بال کندھوں پر بکھر گئے۔ ”بنفشہ کو کیا کہا ہے؟“

”کیا کہا ہے؟“ اس نے بے دھیانی میں پوچھا۔

”میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔“

اسلان مڑا، محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔ ”تمہاری قسم میں نے اسے پرو پوز نہیں کیا۔“

”شٹ اپ....“ وہ خفا ہوئی۔ ”وہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہے۔“

اسلان کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہوئی۔ ذہن مشین کی تیزی سے وسوسے پالنے لگا۔ یقیناً اس کے لیے اس کی ماں اہم ہے اسی لیے تو وہ گھر چھوڑ رہی ہے، وہ یہاں محض اپنی ماں سے انتقام لینے کے لیے آئی ہو گی اور کیا؟

"میں نے اسے اپنا سامان پیک کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے کہا تھا میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" وہ نادم نہیں تھی۔ اسلان کچھ سوچ کر تیزی سے باہر نکلا، پہلے اپنے کمرے کی طرف گیا الماری کھول کر کپڑے یہاں سے وہاں ہٹائے، کپڑوں کی تہہ میں دو چھوٹے چھوٹے ڈبے رکھے تھے۔ اس نے ایک ڈبہ اٹھایا، اس کے اندر سے ایک آلہ کھینچ کر نکالا اور باہر کی طرف لپکا۔

چند منٹ بعد وہ یافث کی گاڑی لیے سڑکوں پر اسے تلاش کر رہا تھا، اسے یقین تھا وہ ابھی تک پیدل کہیں کسی سواری کی تلاش میں پھر رہی ہو گی۔ وہ اسے گلیوں میں نظر نہ آئی تو اسلان تیز ڈرائیونگ کرتا ہوا مرکزی شاہراہ کی طرف نکل آیا۔ چند منٹ مزید اسے تلاش کرنے کے بعد بالآخر وہ اسے نظر آ گئی۔ اسلان گاڑی سے اتر کر تیز تیز قدم لیتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ بنفشہ نے بے یقینی سے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔

"میرے ساتھ آئیں آپ کو جہاں بھی جانا ہے، میں چھوڑ آتا ہوں۔" اس کی دائیں طرف رک کر اسلان نے متانت سے کہا۔ نا محسوس انداز میں اس کا ہاتھ بنفشہ کے پرس تک گیا۔

"تم میرا پیچھا کر رہے تھے؟"

"نہیں.... اسکار نے بھیجا ہے پلیز میرے ساتھ آئیں۔" وہ نرم پڑا۔ اتنے دنوں میں بنفشہ نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ جب وہ نرم پڑے گا تب وہ کیا کرے گی؟ پرس کے فر میں اس نے دو انگلیوں میں دبوچا ہوا آلہ لگا لیا۔ اسے سننا تھا وہ کس گٹھ جوڑ کے تحت ان کی زندگیوں میں داخل ہوئی تھی، ہر عورت کی طرح اسے بھی تو پیسہ چاہیے ہو گا، ہر انسان کی طرح وہ بھی تو اسلان یمن کو دھوکہ ہی دے گی۔ اپنے بھائی اور ماں کی طرح وہ بھی اس کا نہیں سوچے گی۔

وہ کہتی تھی کہ وہ اسلان یمن کا سچ سنے گی، تلاش کرے گی مگر یقیناً یہ بھی جھوٹ ہو گا آج وہ اس کے طلسم سے نجات حاصل کرے گا۔ آج کے بعد سے وہ اسے دیکھ کر ٹھٹکے گا نہیں اور اسے کوئی مختلف عورت بھی نہیں سمجھے گا اسے یقین تھا۔

"تمہارے ساتھ مجھے کہیں نہیں جانا، اسلان۔" وہ قطعیت سے گویا ہوئی۔ "جاؤ یہاں سے۔"

"کیا آپ چاچو سے کچھ کہو گی؟"

بنفشہ نے دانتوں پر دانت جما کر ضبط کیا، اور مضبوطی سے نفی میں سر ہلایا۔ "میرا منہ بند رہے گا۔"

اسلان نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور پیچھے ہوا۔ "جو آپ چاہیں۔"

اس کا کام ہو چکا تھا، اس وقت وہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی میں پہلی بار کسی عورت کے متعلق اس کے تمام اندازے غلط ثابت ہونے والے ہیں اور وہ چاروں شانے چت ہو گا۔

★★★★★

عالمگیر یمن نے خود کو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے دیکھا، بیرک کا دروازہ کھولا گیا، اسے باہر لے کر جایا جا رہا تھا جب روشن نے اسے پکارا۔ عالم مڑا۔ نیم روشن راہداریوں میں بلند قد والا مرد مڑ کر اپنے ساتھی قیدی کو دیکھنے لگا۔ اس کے ادھ جلے چہرے پر آج کوئی روشنی تھی، آنکھوں میں بے تحاشا چمک، اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"میں تمہارا قرض دار ہوں، عالم۔ اللہ تمہیں آباد کرے۔" عالم کے دل کو کچھ ہوا، اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

"میں نہیں ملنا چاہتا۔ مجھے یہیں رہنا ہے۔" اس نے سپاہی سے کہا، جو کہ اس کی بات سننے کے مزاج نہیں رکھتا تھا۔ وہ عالم کو گھسیٹ کر لے گئے، کمرے میں تاج تھی۔ اسے بات کرنی تھی ایک لمحے کو وہ سب بھول گیا۔ روشن، جیل، قید، شاہ ویر اسلان سب.... کچھ یاد تھا تو وہ زخم جو برسوں پہلے اس کے دل پر لگا تھا۔

وہ کرسی پر آکر بیٹھا، بات ہوئی، جذبات درمیان آئے بعض دفعہ انہیں گردن سے پکڑ کر اس محفل سے نکالنا پڑا، بعض دفعہ ان کے سامنے جھک جانا پڑا۔ ملاقات کا اختتام جانے کیسے اور کیوں ہوا۔ راہداریوں سے اپنے بیرک کی طرف واپسی میں عالم نے کئی آوازیں سنیں۔ اس کا دل تھم گیا۔

"کیسا نظام ہے یہ؟"

"ہمیں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرو ہم اس نظام کے خلاف ہیں۔"

"ظالم ہو تم سب، تم سب ملے ہوئے ہو۔"

"وہ اچھا آدمی تھا۔"

"کسی دن ہم بھی اسی طرح مر جائیں گے۔"

شور تھا.... بے ہنگم بے تحاشا شور.... عالم نے خود کو بھاگتے ہوئے پایا، افسران چنگھاڑ رہے تھے۔ وکیل کو یہ آوازیں مصنوعی معلوم ہوئیں۔ یوں جیسے بھیڑیوں کا کوئی غول ہو جس نے کسی معصوم راہگیر کو نوچ کھایا ہو اور اب بین کرنے والے، مکرباز بھی وہی۔

سلاخوں کے پار کھلے ہوئے بیرک کے نزدیک وہ ساکن رہ گیا۔ اس کی قیام گاہ میں جابجا خون تھا۔ روشن رحمان کا جلا ہوا چہرہ خون سے تر تھا، پیٹ چاک، گردن کے عین بیچوں بیچ چاقو گھسایا گیا تھا۔ جو اب تک اپنی جگہ موجود تھا۔ وہ جو اپنے مالکین کی پردہ پوشی کر رہا تھا اسے اسی کے زندان خانے میں برہنہ، بے سانس کر دیا گیا۔ خدا کے علاوہ کسی کو خدا مان لینے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔

یہاں سے دور اسفندیار کے گھر اس کی ماں کے کمرے میں میز پر رکھا فون اسپیکر پر تھا۔ "سارا الزام شیرا پر جائے گا سر، وہ یوں بھی عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے اس کے خاندان کو پیسوں کی ضرورت تھی انہیں پیسے مل جائیں گے۔" اسفند نے تھکے تھکے انداز میں کال کاٹ دی۔ اب اس کی ماں اور تمکنت جوہر فور زیرو سے آزاد تھیں۔ ایسا انہیں لگتا تھا۔

ایک طرف بیٹھا اس کا باپ آنکھیں جھپکاتے ہوئے اسے تسلی دے رہا تھا۔ کھیل اب بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ دونوں یہ بات جانتے تھے، کھیل تبدیل ہو رہا تھا ختم نہیں۔

★★★★★

"دو اگست!"

بنفشہ احسان مخدوم ایک آخری بار عدالت آئی تھی۔ جج صاحب چبوترے کی اونچی کرسی پر براجمان تھے، عالمگیر گم صم سا اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ دمیر سپاٹ چہرے کے ساتھ دلائل دینے کے لیے آ کھڑا ہوا۔ آج کمرہ عدالت میں عجیب سا بوجھل پن تھا، جس نے ہر شخص کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"جج صاحب پچھلی سماعت میں اس کیس کا رخ بدلنے کی پوری کوشش کی گئی مگر آج جن حقائق کے ساتھ میں یہاں آیا ہوں، وہ یہاں بیٹھے ہر شخص کا نقطہ نظر تبدیل کر دیں گے۔" اس کے آخری لفظوں پر اسلان ٹھٹکا، اس پھر "اس" یاد کی بے وقت آمد نے اسلان یمن کو متحیر کیا۔ نقطہ نظر تو اس کا بھی بدلا تھا، کس طرح بدلا تھا اسے یاد تھا۔

چند روز قبل!

جو آلہ اس نے بنفشہ کے پرس میں، فر کے درمیان کہیں لگا دیا تھا اس میں کئی منٹ تک مختلف آوازیں گونجتی رہیں۔ ٹریفک کی، پولیس تھانے میں داخلے کی، اور پھر بالآخر تمکنت اور اس کے درمیان ہونے والی ملاقات کی۔ اس کی ماں جو چند دنوں سے تھانے میں تھی آج اس کی بیٹی یہاں اس سے ملنے آ گئی تھی۔

اسلان کانوں میں ننھا آلہ لگائے ایک اور فریب کا منتظر تھا۔ تمکنت کی صبیح پیشانی پر بل تھے، چند دنوں سے میک اپ نہ کرنے کے باعث چہرہ پیلا پھٹک لگ رہا تھا۔ وہ عجیب سی لگ رہی تھی، گردن متکبر انداز میں ہنوز اٹھی تھی۔

"کہو پھر بنفشہ احسان تمہاری کون سی ضرورت تمہیں یہاں لے آئی؟" بنفشہ کی نگاہوں میں بیگانگی اور کاٹ برقرار رہی۔ "کیا تم اتنا وقت بعد مجھ سے حساب لینے آئی ہو، یہ پوچھنے کہ آخر میں نے تمہیں کیوں چھوڑا، کیوں اپنے باقی بچوں کی طرح تمہیں اپنی سرپرستی میں نہیں لیا؟" وہ آگے کو ہوئی، محظوظ سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس لیے کیونکہ طلال وہ انسان تھا جس کے لیے میری حدود ختم تھیں، جسے پالینا میری زندگی کا سب سے بڑا جنون تھا۔ اس نے پانچ سال بعد جب مجھے قبول کر لیا تھا تب میں اسے صرف ایک اولاد کی خاطر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ تمہارا باپ تمہیں میرے حوالے کرنے پر راضی نہیں تھا اور میں طلال کو ناراض کر کے کچہری کے چکر نہیں کاٹنا چاہتی تھی۔" بنفشہ نے گردن نفی میں ہلائی۔

"جب میں چھوٹی بچی تھی تب مجھے بہت پرواہ ہوا کرتی تھی۔ میں سوچتی تھی کہ آخر مجھ میں کیا کمی ہے کہ آپ مجھے قبول نہیں کرتیں، مجھ سے کم ملتی ہیں اور ملتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں بہت سارا خوف ہوتا ہے۔ پھر میں نے شیطان کے پیروکاروں کے متعلق پڑھا۔" تمکنت کی بھنویں بھینچ گئیں۔ "اس کے پیروکاروں کو اپنے خدا کے لیے بہت ساری قربانیاں دینا پڑتی ہیں اور اس قربانی میں وہ اپنی اولاد کا سر کاٹنے سے بھی چوکتے نہیں۔ اس روز سے آپ میری ماں نہیں رہی تھیں، اس روز کے بعد سے مجھے آپ سے کوئی امید نہیں رہی تھی۔"

"تم مجھے شیطان کہہ رہی ہو؟"

"اس کی پیروکار.... ہر وہ انسان شیطان کا پیروکار ہے جو دنیا بچانے کے لیے انصاف اور حق کو برطرف کر دے، جو اولاد سے بڑھ کر کوئی اور چیز عزیز رکھے۔ آپ نے دنیا کے لیے اولاد کو چھوڑ دیا مجھے کوئی پرواہ نہیں، میں یہاں محض اپنے سوالوں کے جواب لینے آئی ہوں۔"

"اور اگر میں جواب نہ دوں تو؟"

"تو میں وہی سوال سوشل میڈیا پر پوچھوں گی تب آپ کو جواب دینا پڑے گا۔" اس کا انداز قطعیت لیے ہوئے تھا۔

"پہلا سوال اسلان یمن کو کتنے عرصے سے جانتی ہیں؟"

تمکنت چند لمحے پر سوچ نظروں سے اسے تکتی رہی، پھر بے حد خشک اور سپاٹ انداز میں جواب دیتے ہوئے گویا تعاون کی حامی بھر لی۔ "تین ساڑھے تین سال سے۔"

"کیا وہ آپ کے لیے اسمگلنگ کرتا رہا ہے؟"

"نہیں۔" یہ "نہیں" کہتے ہوئے اس کے انداز میں سخت طیش تھا۔ "اس کی ناک اونچی ہے میں نے اسے کروڑوں روپے پیش کیے لیکن اس نے یہ کام نہیں کرنا تھا سو نہیں کیا۔" اسلان نے سر نشست کی پشت سے ٹکا دیا، دل دھک دھک کر رہا تھا یہ گفتگو اس سمت نہیں جا رہی تھی جس کا تعین وہ کر آیا تھا۔

"کیا آپ نے اسے شاہ ویر کا قتل کرنے کا حکم دیا تھا؟" تمکنت ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

"کیا اس نے ویر کا قتل کیا ہے؟" بنفشہ چند لمحے خاموش رہی، اگر وہ ہاں کہہ دیتی تو اسلان کے لیے تکالیف کا ایک انبار اکٹھا ہو جاتا اور نہ کہہ دینا....؟ وہ کیوں نہ کہے؟

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے درمیانی راستہ چنا۔ اس کے ساتھ اتنے ماہ گزارنے کے بعد اسلان جانتا تھا اسے پتا ہے اور وہ اس راز کو مخفی رکھ رہی ہے۔ وہ نشست پر بے دھم ہو گیا۔ آنکھیں کھلیں اور گاڑی کی چھت پر ٹک گئیں۔ وہ بہت دیر تک بے یقین رہا۔

"میرا سوال اب بھی وہی ہے، کیا ایسا ہوا تھا؟" تمکنت پیچھے ہوئی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ شاہ ویر کو سخت انگلی سے چھو بھی نہیں سکتا۔ اور میں.... میں کیوں اپنے ہی بیٹے کو قتل کرواؤں گی؟"

"بالکل اسی طرح جس طرح اپنی بیٹی کو دربدر کی ٹھوکروں پر پلنے کے لیے چھوڑ دیا تھا؟" اس کی آواز میں طنز نہیں سوال تھا۔

"تم ایک بے ضرر وجود تھیں اور ویر...."

"ویر آپ کا کاروبار تھا۔ اس کی نیک نامی، اس کا پیسہ، اس کی ساکھ آپ نے سب استعمال کیا۔ وہ ہر جرم میں آپ کا شریک کار تھا ہے نا؟"

بوڑھی عورت کی رنگت پھیکی پڑی، البتہ گردن یونہی تنی رہی۔ "یہ سب تم سے کس نے کہا؟"

”وہ نفرت کرتا تھا آپ سے۔۔۔“ بنفشہ حقارت سے بولی۔”وہ کہیں بھاگ جانا چاہتا تھا، اسے آپ سے خوف آتا تھا وہ آراہ کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتا تھا، جس میں کوئی گناہ نہ ہوتے۔ آپ کا ساتھ دینا اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔“ تمکنت نے نفی میں سر ہلایا۔

”وہ خوش تھا اسے طاقت اور سکرین دی میں نے، اسے لوگ دیے، اس کے لیے راہیں ہموار کیں۔ مجھ سے نفرت نہیں کر سکتا تھا۔ اس دنیا میں زندہ رہنے کے تین لازمی جز ہیں۔ پیسہ، شہرت، کامیابی میں نے اسے تینوں دیں، وہ مجھ سے راضی تھا۔“ بنفشہ چپ چاپ اسے تکتی رہی، اسے بے اختیار ایک ملاقات یاد آئی۔ وہ سیاہ رات کا گھٹاٹوپ اندھیرا، دروازے پر ہوتی متواتر دستک، وہ ایک طوفانی رات تھی جب شب خوابی کے لباس کے اوپر موٹی پشمینہ شال اوڑھے بنفشہ نے چھوٹا سا دروازہ کھولا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر وہ کئی پل اپنی جگہ منجمند رہی۔

آسمانی رنگ کا کوٹ بازو پر ڈالے سفید شرٹ والے لڑکے کے ہاتھ میں ایک ایوارڈ تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔ بنفشہ نے اس کی حالت دیکھی وہ نشے کی زیادتی سے بمشکل اپنا توازن برقرار رکھے کھڑا تھا۔

”اندر آنے دو گی؟“ لڑکھڑا کر پوچھا۔

”کیا کام ہے؟“

شاہ ویر بنگش نے گیلی سانس اندر کھینچی۔”کاموں سے تھک گیا ہوں، کچھ وقت گمنامی درکار ہے۔“

”ڈرائیور کہاں ہے تمہارا؟“ اس نے دروازے کی درز سے باہر جھانکا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

”مجھے اندر آنے دو، بینا۔ پلیز۔“ بنفشہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو اپنے کندھے پر ڈالا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے سہارا دیا۔ شاہ ویر کو سہارا ملنے کی دیر تھی اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ وہ اسے بہ دقت اندر لائی۔ کچھ وقت بعد وہ صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ گردن پیچھے کی طرف ڈال رکھی تھی۔ بنفشہ اس کے قریب آ کر بیٹھی، اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے سیدھا کر کے بٹھایا، اور ہاتھ میں پکڑا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"میں سوبر ہوں، ڈیئر سسٹر۔" وہ بے ہنگم انداز میں ہنس رہا تھا۔ جواباً وہ کچھ نہیں بولی بس گلاس اس کے لبوں سے لگایا۔ شاہ ویر نے گلاس ہٹانا چاہا مگر بنفشہ نے اسے کسی ضدی بچے کی طرح سارا گلاس پلایا، خالی گلاس میز پر رکھتے اس ایک اور پانی کا گلاس اٹھایا اور شاہ ویر کے منہ پر سارا پانی دے مارا۔ وہ ہنسا۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" سختی سے پوچھا۔ ساتھ تولیہ اسے تھمایا وہ پوری طرح بھیگ گیا تھا۔

گیلے چہرے والے لڑکے نے گردن پیچھے کو گرادی۔ چھت سے لگی اس کی آنکھوں میں کرب پنہاں تھا۔ "تھک گیا ہوں۔"

"کس سے؟"

"مام اور اس کے حکم...."

"میرے پاس کیوں آئے ہو؟" وہ تولیہ اٹھا کر خود ہی اس کے بال خشک کرنے لگی۔ ایک لمحے کو بھی اس سے کراہیت نہ آئی، ایک بھی لمحے کو وہ اس سے غصہ نہیں ہو سکی۔ بس دل پسیجا، جی چاہا تھا اسے سمیٹ لے۔ جو بھی تھا، جیسا بھی تھا وہ بھائی تھا اس کا۔

"کس کے پاس جاؤں؟ تاج کو لگے گا میں اوورری ایکٹ کر رہا ہوں، رئیس بھائی کو پرواہ نہیں، زید پہلے ہی مام کے خلاف ہے اسے مزید کر دیا تو اپنا آپ ولن لگے گا۔"

"تم ہیرو ہو بھی نہیں۔" اس کا چہرہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

وہ چپ ہو گیا، بہت دیر تک بے حد خاموش۔ "i wanted to be one" کافی دیر بعد اس کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ "ہمیشہ سے۔۔۔۔ لیکن مام ایسا نہیں چاہتی تھی۔ اسے لگتا تھا میں اچھا اداکار نہیں ہوں لیکن میں تمہیں ایک سچ بتاؤں؟" رازداری کا تہیہ کیے شخص آج ہر راز سے غنیم تھا۔ "مام مجھ سے ڈرتی ہے۔ اس نے رئیس کو اداکار بننے دیا مگر وہ ناکام ہوا، تاج ایک بُری اداکارہ ہے، زید کبھی اداکار بننا ہی نہیں چاہتا تھا اور میں...." اس کی آنکھیں پل بھر کو خود شناسائی کے زعم سے چمکیں۔ "میں ان کی جگہ لے سکتا تھا، بینا۔ میں اچھا، ٹھیک، بہتر اداکار نہیں ہوں

میں بہترین ہوں۔ اداکاری نسلوں سے میرے خون میں ہے۔ بنگش خاندان کا سب سے بہترین اداکار۔ تمہیں پتا ہے مجھے بڑا پردہ کتنا عزیز ہے؟"

"تم واقعی سوبر ہو اپنے گھر جاؤ۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ شاہ ویر نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔

"تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کیونکہ ہم دونوں ایک ہی کانچ سے زخمی ہیں۔ یہ ایوارڈ مجھے بہترین سکرین پلے کے لیے ملا تھا، مجھے سکرین پلے پسند ہے لیکن اس سکرین پلے کے لیے جس اداکار کو چنا گیا وہ بدترین تھا۔ تمہیں پتا ہے اسے اداکاری نہیں آتی تھی۔" بنفشہ مخدوم بغور اپنے نصف برادر کی آنکھیں پڑھ رہی تھی کیسا کیسا رنج پنہاں تھا ان میں۔ "کتنی مرتبہ میں نے کوشش کی اسے ری پلیس کر دیا جائے۔ اس کی جگہ مجھے لایا جائے مگر وہی انگریزوں کی پیچ فطرت ہم ایشیائی کو ہمیشہ سطحی سمجھنا۔ پردے کے پیچھے رہ کر ہم سے سب کام کروا لیں گے مگر پردے پر ہمیں آنے نہیں دیں گے۔" زیرِلب انگریزوں کی شان میں گالیاں نوازیں۔

"اسی لیے میں نے سوچ لیا ہے بینا۔ میں ایک پروجکٹ بناؤں گا۔ جہاں کہانی میری، کردار میں، الفاظ ذاتی اور نظریں مجھ پر۔" آنکھوں میں تارے ٹمٹمائے۔ بنفشہ خاموش رہی۔ "وہ کہانی دنیا کو اداکار شاہ ویر بنگش سے متعارف کروائے گی۔ وہ میرا بخت ہو گی اور ان سہاروں پر لعنت بھی۔ جیسے مام نے مجھے بس مہرہ بنایا۔ مجھ سے داد سمیٹی، مجھے ایک ٹرافی بنا کر دنیا کے آگے کیا میں وہ سب بدل دوں گا۔ ان کے فیصلوں نے مجھے خوشی نہیں دی تو میں اپنا سکون خود بناؤں گا۔"

"کیا تمہاری زندگی میں واقعی کوئی خوشی نہیں؟"

یکلخت شاہ ویر کی آنکھوں کے سامنے وہ چہرہ آ گیا جو اس کی واحد مسرت تھا۔ ان آنکھوں کے آگے باقی ساری دنیا ہیچ تھی۔ اس کے خیال کے بعد کوئی اور خیال محض دھندلاہٹ، اس کے بعد کوئی اور؟ ہاہ ناممکن۔

"ایک ہے۔۔۔" اس کی آواز طلسم نگر کی باسی معلوم ہوئی۔ "وہ ہے، اور میں اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ وہ رہے۔ تم نے سیاہ سفید کا ملاپ دیکھا ہے؟" بنفشہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے کئی بے نور راتیں دیکھی ہیں، پہلا پہر گھپ اندھیرا، دوسرا پہر خاموشی، تیسرا پہر خوف اور چوتھے پہر میں آسمان کو چیر کر نکلتا فیروزی

اجالا۔ midnight blue۔ میری زندگی کا ہر اندھیرا اس کی موجودگی میں ختم ہے۔ میں مام کو ہر ناانصافی پر معاف کر دوں گا، سوائے اس کے کہ وہ مجھ سے میری زندگی کی واحد روشنی چھینیں۔"

"وہ کون ہے؟" شاہ ویر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"ایلسا۔۔۔۔ midnight blue میرا اسفید، ہر وہ رنگ جو میری سیاہی کو ختم کر دے۔" وہ جواباً کچھ نہیں بولی، بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھنے لگی جب شاہ ویر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، نگاہیں مستفسر، اور خوف زدہ رہیں۔ "مت جاؤ۔"

"کمبل لینے جا رہی ہوں ورنہ ہم سردی میں دونوں جم جائیں گے۔"

اس رات ٹانگوں پر آدھا کمبل ڈالے مونگ پھلیاں چھیل کر، شاہ ویر کو کھلاتے اور چند دانے اپنے منہ میں رکھتے ہوئے اس نے ایک طویل رات گزاری تھی۔ شاہ ویر کے لیے وزن قلب کے ہٹنے کی رات، بنفشہ کے لیے بچپن سے سوچے گئے کسی پسندیدہ لمحے کے تکمیل کی رات۔

اگلی صبح وہ اس کا بھائی نہیں رہا، اگلی صبح وہ تمکنت بنگش کا بیٹا بن گیا تھا مگر ایسی کئی راتیں ان بہن بھائیوں کے درمیان آتی رہی تھیں۔ وہ راتیں جب وہ ہوش سے بے گانہ اس کے پاس آتا تھا اور وہ آنے دیتی تھی۔

★★★★★

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟" تمکنت جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسلان یمن سماعتیں اسی طرف لگائے اسے سنے گیا۔ "اگر اسلان نے کچھ کیا ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ مجھے دھمکا رہا ہے وہ چاہتا ہے میں عالم کو باہر نکالوں وہ تمہاری ماں پر مقدمے چلوانا چاہتا ہے بیٹا اگر تم کچھ جانتی ہو تو پلیز مجھے بتاؤ میں تمہاری فیملی ہوں اسلان نہیں۔"

گاڑی میں بیٹھے مرد کی نگاہیں ساکت تھیں۔ کوئی اسے نہیں چنتا تھا یافث نے کبھی اسے نہیں چنا، اس کے ماں باپ نے اسے نہیں چنا، زندگی نے اسے نہیں چنا وہ غیر عورت ایک وعدے کی لاج کیوں رکھے گی؟

”وہ کیا کر سکتا ہے؟“ بنفشہ پوچھ رہی تھی۔ وہ بتا سکتی تھی، سب کہہ سکتی تھی۔ تمکنت بنگش اس آدمی سے نپٹ لیتی لیکن وہ آنکھیں، وہ التجائیہ وعدہ، وہ مدھم مسکراہٹ اور جھکی نظریں۔۔۔۔۔۔ اسے اسلان یمن یاد آیا اور وہ نہیں کہہ سکی۔

”وہ بہت خطرناک ہے بینا اگر تم کچھ جانتی ہو تو پلیز بتاؤ۔“

”(اگر آپ کو میرے متعلق کوئی سچ معلوم ہوا تو کیا آپ دوسرا پہلو جاننا چاہیں گی؟“)

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ تمکنت کی آنکھوں میں قطعیت سے دیکھا۔ ”میں اسلان یمن کے متعلق صرف اتنا جانتی ہوں کہ اس نے مجھے کبھی غیر محفوظ نہیں کیا جس کی بات آپ کر رہی ہیں وہ کوئی اور ہو گا میں اسے نہیں جانتی۔“

اسلان یمن نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دل میں کھب گیا تھا جسے وہ اب کبھی نہیں نکال سکتا تھا، کبھی بھی نہیں۔

وہ تھانے کی راہداریوں سے نکل رہی تھی ہاں وہ اس شخص کے متعلق بہت کچھ جان گئی تھی مگر وہ دوسرا پہلو تلاش کرے گی جو دکھ رہا تھا وہ سچ ہو سکتا تھا مگر......وہ آنکھیں.... وہ بھوری آنکھیں اور ان کی نرمی بھی جھوٹ نہیں تھی اسے یقین تھا۔

گاڑی میں بیٹھا مرد اب یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس عورت کے قرض کیسے اتارے گا؟

رکشے میں بیٹھ کر واپس گھر جاتی ہوئی عورت یہ نہیں جانتی تھی وہ دوسرا رخ کیسے تلاش کرے گی؟

★★★★★★★★★★

حال (دو اگست، کمرہ عدالت)

”جج صاحب ہر مقدمے کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ وہ کہانی ہی مقدمے اور عناد کی جڑ ہوتی ہے اور اس مقدمے میں وجہ عناد جو بھی ہے میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔“ دمیر پراچہ کہتے ہوئے رکا۔ نشست پر براجمان زید کو دیکھا اور کہنا جاری رکھا۔ ”میں مسٹر ابتسام کو کٹہرے میں بلوانا چاہوں گا۔“

”اجازت ہے۔“ ابتسام کو کٹہرے میں لایا جانے لگا ہر کوئی اسی طرف متوجہ ہو گیا۔ عالم کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں تو اس کی نگاہوں کا منظر بدلا۔ اسے کچھ یاد آیا، اسے یاد کرنا پڑا۔ حالانکہ وہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

روشن رحمان کے قتل سے چند منٹ قبل۔۔۔۔

بعض دفعہ زندان خانے کے اصول و ضوابط بدل دیے جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت تاجور بنگش کے لیے یہ اصول بدلے گئے تھے۔ جیلر کے دفتر میں ان دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی میز تھی۔ ہلکے جامنی رنگ کے پیروں کو چھوتے لباس میں وہ مغموم تھی۔ لمبے بالوں کی چٹیا کندھے پر آگے کو ڈال رکھی تھی۔ سفید لباس والا قیدی چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا کہنے آئی ہو؟" عالم بے لچک انداز میں مستفسر تھا۔ اس شخص کی آنکھوں میں کئی برس قبل کا والہانہ پن مفقود تھا۔ آج وہ جس سے مل رہی تھی اس شخص سے کئی صدیوں کا فاصلہ تھا۔ یہ وہ بھی نہیں تھا جس سے وہ سادات میں ملی تھی اس کی ساری رونقیں غائب تھیں۔

"سمجھ نہیں آرہی کہاں سے شروع کروں۔" گود میں رکھے ہاتھوں کی انگلیوں کو چٹخاتی وہ منتشر ہوتے خیالات کو ایک رو میں اکٹھا کرنے کے جدوجہد کر رہی تھی۔

"جب سمجھ آجائے تب بلوا لینا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا، جانے کے لیے مڑا مگر اسی پل وہ اس کا بازو تھام گئی۔

"عالم ایک منٹ پلیز...." عالمگیر نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو آزاد کروایا، اس کی آنکھیں پل بھر میں سرخ ہو گئی تھیں۔

"دوبارہ مجھے ہاتھ مت لگانا تاجور۔"

"آئی ایم سوری میں.... میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے تم سے معافی مانگنی ہے۔ پلیز! تھوڑی دیر کے لیے۔" عالم چند ثانیے سخت نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر نا چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گیا۔

"آئی ایم سوری، عالم۔ سمجھ نہیں آرہا کس کس چیز کے لیے لیکن آئی ایم سوری۔ برسوں پہلے تمہیں دھوکہ دینے کے لیے، تمہیں استعمال کرنے کے لیے، برسوں بعد تمہیں یہاں لانے کے لیے اور..... آئی ایم سو سوری۔" اس کی آواز گیلی ہو گئی، وہ چہرہ جھکائے رو رہی تھی۔

”درمیان میں آئے برسوں کی معافی کون مانگے گا؟ تمہارے دھوکے نے مجھے مسخ کر دیا، تمہارے بعد میں پیسہ کمانے کی مشین بن گیا، میں نے نہ چاہتے ہوئے شادی کر لی صرف اور صرف اس لیے تاکہ لوگ مجھے دیکھ کر یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ ہے وہ مرد جسے تاجور بنگش نے فریب دیا تھا۔ میں عبیر کی ماں کو وہ محبت نہیں دے پایا جو اس کا حق تھی اور وہ مرگئی مجھے آج تک اس بات کا پچھتاوا ہے اگر میں ایک تندرست دل والا مرد ہوتا تو میں اپنی بیوی کو اس کی مکمل حقوق دیتا۔“

”آئی ایم سوری، عالم۔“ مرد نے زور سے میز پر مٹھی ماری۔

”میرے لیے تمہارا کوئی معافی نامہ اہمیت نہیں رکھتا، تاجور۔ میرے لیے اس ساری دنیا میں سب سے قیمتی چیز میری بیٹی ہے، تمہارے خاندان کے لگے ہوئے الزامات نے مجھے میری بیٹی سے دور کر دیا ہے۔ معافی نہیں مداوا چاہیے کر سکتی ہو؟“ ماتھے کے بل بڑھ گئے تھے۔

”تمہارے بعد میں نے بھی زندگی میں بس صعوبتیں اٹھائی ہیں، عالم۔ میں سکون کی نیند نہیں سو سکی۔ میں کبھی اس پچھتاوے سے باہر نہیں آسکی کہ میں نے تمہیں اتنے سال استعمال کیا، حالانکہ میں نے نہیں کیا تھا۔ میرے یہاں اولاد نہیں ہوئی، اور مجھے لگتا رہا کہ یہ تمہاری بددعائیں ہیں۔ میں نے آدھی زندگی ایک غلط انسان پر بھروسہ کرتے ہوئے کاٹ دی اور آدھی زندگی درست شخص کو کھونے کے غم میں۔“ آخری الفاظ اس نے عالم کے چہرے پر نگاہیں جمائے دل کی مکمل آمادگی سے کہے تھے۔ عالم اسے دیکھ کر رہ گیا۔ ”میں سچ کہہ رہی ہوں عالم۔ تم میری واحد محبت تھے۔“ عالم کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی، محبت کے نام پر کچھ یاد آیا تو محض میرال شیرازی کا چہرہ۔

”میں نے ابتسام کو دھوکہ دیا۔ میں نے صرف تم سے محبت کی۔ ہاں میری وفاداری اس کے نام رہی لیکن میں ایک بٹے ہوئے دل کی عورت ہوں۔“

عالم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں مردہ ہو رہی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہو۔ ”کئی برس قبل کسی صدی میں شاید میں نے تم سے محبت کی ہو لیکن اب نہیں کرتا، نہ ہی میں تمہارے منہ سے

کچھ ایسا سننا چاہتا ہوں۔ تمہارے بعد اگر میں نے واقعی کسی سے محبت کی ہے تو وہ میری بیویاں تھیں۔ مجھ سے وفادار عورتیں۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے کہ میں نے تمہارا ہجر سینے سے لگالیا تھا۔ میری پہلی دو شادیاں قسمت تھیں اور تیسری مکمل محبت۔ مجھ سے دوبارہ ایسی بات مت کرنا، مسز ابتسام۔" وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا وہ کسی مردہ عورت کی خاطر اس سے کنارہ کر رہا تھا؟ تاج بے دھم سی اسے تکتی چلی گئی۔

عالم نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "جن تکالیف کا چٹھہ تم لائی ہو وہاں میں ایک اور اضافہ کیے دیتا ہوں۔" دونوں ہاتھ میز پر رکھے وہ جھکا، آنکھوں میں کوئی زخم سا ابھرا۔ "برسوں پہلے تمہاری ماں نے صرف مجھے دھوکہ نہیں دیا تھا، اس کے ہاتھوں صرف میں استعمال نہیں ہوا تھا...." وہ ایک پل کو رکا، تاج ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ "تمہاری ماں ابتسام کا سچ جانتی تھی۔ سالوں سے جانتی تھی۔" یہ راز اس تک روشن رحمان کے زریعے پہنچا تھا۔

تاج کے سینے میں کوئی بھٹی سلگی۔ اس نے استعجاب سے نفی میں سر ہلایا۔ "اسے علم تھا ابتسام باپ نہیں بن سکتا اور وہ یہ بھی جانتی تھی تم بچے پیدا کرنا چاہتی ہو۔" بھٹی آتش فشاں بنی اور وہی آتش فشاں اس کے سینے میں کہیں پھٹ گیا۔ بارود نے اسے تمام عمر کے لیے مسخ کر دیا۔ "تمہاری سگی ماں نے تمہارا دل توڑا، وہ تمہاری غنیم ہیں۔ اور میری بھی۔ اور تمہیں مجھ سے معافی چاہیے نا؟ میں اس دن تمہیں معاف کروں گا جس دن تم اس عورت کو میرے سامنے ذلیل کرو گی۔ بتاؤ کر سکتی ہو؟"

نگاہوں میں کاٹ لیے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ تاج لرزتے قدموں سے اپنی جگہ سے اٹھی۔ پرس دبوچ کر اٹھایا اور عالم پر ایک بھی نگاہ ڈالے بغیر وہ جیلر کا کمرہ پار کرتی نکل گئی۔ ہواؤں میں آکسیجن کی کمی ہو گئی تھی۔

عالم کا تصور نازک کانچ کی طرح ٹوٹا اور اسی کانچ کے ٹکڑوں میں موجودہ وقت کا منظر بھر گیا۔ اسے اپنے آپ کو حال میں جوڑنے کے لیے بہت دقت پیش آئی۔ دمیر پراچہ ابتسام عبّاس سے پوچھ رہا تھا۔

"ابتسام صاحب کیا آپ مس بنفشہ کو جانتے ہیں؟"

"جی میں انہیں جانتا ہوں۔"

بنفشہ نے متحیر ہو کر سامنے دیکھا، دمیر اور اس کی نگاہ ملی وہ نگاہوں میں عتاب لیے ہوئے تھا۔ ”آپ کیسے جانتے ہیں؟“

ابتسام نے ایک ٹھنڈی نگاہ بنفشہ کے وجود پر ڈالی۔ ”مس بنفشہ مخدوم میری ساس تمکنت صاحبہ کی بیٹی ہیں۔“

اسلان نے دیکھا کہ اس کی رنگت زرد پڑی ہے وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا پہلی بار اس کا دل کیا وہ دمیر اور ابتسام کا منہ توڑ دے۔

”کوئی رد عمل مت دیں، بس سامنے دیکھیں۔ چپ چاپ۔“ وہ اس کے کان کے پاس جھکا۔

”یعنی مس بنفشہ تمکنت بنگش کے پہلے شوہر سے ہیں؟“

”جی بالکل۔“ اس نے گردن کڑائے جواب دیا۔ ”طلال اور تمکنت صاحبہ کی طلاق کے وقت مس بنفشہ چھ دن کی تھیں اور مسز بنگش کو ان کی بیٹی سے دور کر دیا گیا۔ احسان مخدوم ایک ظالم آدمی تھا اس نے چھوٹی سی بچی کے ذہن میں زہر بھرنا شروع کر دیا اور اس کی موت کے بعد جب مسز بنگش بنفشہ کو لینے گئیں تب وہ آنے سے انکاری تھیں۔ وہ بچی اپنی ماں سے سخت نفرت کرنے لگی تھی۔“ پچھلی رو میں بیٹھے رپورٹر دھڑا دھڑ لکھتے جا رہے تھے، وکلا اور جج آنکھیں پھاڑے بنفشہ کو دیکھ رہے تھے جس نے لب بھینچ رکھے تھے اور محض سامنے دیکھ رہی تھی۔

”مسز بنگش آج تک اس کا خرچہ اٹھاتی رہیں لیکن بنفشہ کا دل اس سے کبھی صاف نہیں ہو سکا۔ کچھ ماہ قبل مسز بنگش نے انہیں کچھ رقم بھیجی تھی لیکن ان کو کچھ زیادہ رقم چاہیے تھی جس پر وہ ناراض ہو گئیں اور مسز بنگش سے ہر ماہ کا خرچہ لینا بند کر دیا۔ ان کی نفرت ایک بار پھر واپس آ گئی۔“

”یہ محض بکواس کر رہا ہے، دھیان مت دیں۔ متعصب، اور خوف زدہ لوگ یہی کرتے ہیں۔“ اب حالت کچھ یوں تھی کہ اس کے حلق میں زہر قطرہ قطرہ اتارا جا رہا تھا، اور پہلو میں بیٹھے شخص کا ہر ہر لفظ تریاق بن کر اس کے دل میں اتر رہا تھا۔ زہر کی ساری کثافت اس کے لفظوں سے دُھل رہی تھی۔ وہ قاتل تھا مگر اس وقت مسیحا سے بڑھ کر لگا۔

”یہاں تک کہ مس بنفشہ نے مسز بنگش کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں تھیں کہ وہ ساری دنیا کو بتائیں گی کہ مسز بنگش ایک ناکام ماں ہیں، اور وہ اپنی بہن تاج کو بھی ان کے خلاف کرے گی۔ دراصل مس بنفشہ جائیداد میں بھاری حصہ چاہتی تھیں۔“

”اگر آپ کو حصہ چاہیے بھی ہو تو یہ آپ کا حق ہے، آپ کی ماں کی جائیداد پر آپ کا مکمل حق ہے۔ کھیل اب بھی ہاتھ میں ہے فی الحال کوئی رد عمل مت دیجئے گا۔ کمزور نہیں پڑنا، رونا نہیں ہے۔“

”آپ کے اور مس بنفشہ کے درمیان کیا چپقلش تھی؟“

”میں نے ان سے کہا کہ یہ ساری جائیداد طلال بنگش کی ہے اور اس میں ان کا کوئی حصہ نہیں تب....“

”تب کیا ہوا؟“ دمیر اسے اکسا رہا تھا۔ بنفشہ کا جی چاہا وہ اٹھ کر کہیں بھاگ جائے۔ دمیر پراچہ کم ظرف مردوں کا سب سے پہلا حربہ استعمال کرنے والا تھا۔

”تب انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے ساتھ تعلقات استوار کروں، اور وہ سال بھر کے لیے مجھ سے کچھ کروڑ چارج کریں گی۔“ بنفشہ نے مٹھی بھینچ لی اس بار تو اسلان یمن کی زبان کو بھی لقوہ لگا تھا۔ وہ جانتا تھا جب بات کردار پر آئے تو کیسے انسان کا جوڑ جوڑ دکھتا ہے۔

”کس قسم کے تعلقات؟“

”ایک غیر شادی شدہ عورت اور ایک شادی شدہ مرد کے درمیان پیسوں کی لین دین کے بدلے کس طرح کے تعلقات ہو سکتے ہیں؟“

”اسے مت سنو اپنی زندگی کا کوئی اچھا وقت یاد کرو۔ اب تک کا سب سے بہترین۔“ اسلان یمن نے مدھم سی سرگوشی کی۔ بنفشہ احسان نے پلکیں جھپکیں آنسو آنکھوں میں تیر رہے تھے مگر وہ باہر نہیں نکلے۔ دو مرد اس کے خلاف بک رہے تھے اور وہ گردن ترچھی کیے اسلان کو دیکھ رہی تھی..... اس کی زندگی میں اب تک کا سب سے بہترین وقت۔ اس کا پرائم ٹائم۔

★★★★★

چند روز قبل۔

وہ تمکنت سے مل کر کب گھر آئی اسلان کو کوئی علم نہیں تھا۔ وہ اس کی گفتگو سننے کے بعد سے بے حد خاموش تھا۔ اس وقت جب وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا تب اچانک سہراب اس کے سامنے آ کر رکا۔ اسلان ٹھٹک گیا۔ نگاہیں سوالیہ تھیں۔ مگر سہراب کا انداز ترش تھا۔ ”تم نے وکیل صاحبہ سے کیا کہا ہے؟“

”میں نے.... کب؟“

”وہ کہہ رہی ہے کہ اس نے کیس نہیں لڑنا، انکار کر کے گئی ہے اور اب اپنا سامان باندھ رہی ہے وہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہے۔“

اسلان کا دماغ بھک سے اڑا۔ ”ایسے کیسے اور.... کہاں جا سکتی ہے وہ؟“

”کیا مطلب تم نے اس سے کچھ نہیں کہا؟“

اسلان نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ”میں کیا کہہ سکتا ہوں یار؟ کبھی تو مجھ پر شک کرنا چھوڑ دیا کرو۔“

سہراب نے اس کا بازو آزاد کیا، پیچھے کو ہوتے ہوئے اس نے انگلیاں بالوں میں الجھا دیں۔ اس سمے وہ سخت متفکر دکھائی دے رہا تھا۔ ”اتنی مشکل سے عالم کے لیے راہیں ہموار ہوئی تھیں اور اب وہ اس طرح بیچ میں سب کچھ چھوڑ رہی ہے۔ عالم کا کیا ہو گا، اسلان؟“ وہ ایک بار پھر اس کا بازو پکڑے پوچھ رہا تھا۔ اب کی بار گرفت میں تحفظات تھے۔

اسلان نے ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا، آنکھیں جھپکیں۔ ”میں دیکھ لوں گا، ڈونٹ وری۔“

”اسے روکو۔“

”میں روک لوں گا۔“ اس نے تسلی دی۔ ایک لمحے کے لیے سہراب کو لگا وہ واقعی بڑا ہو گیا ہے۔

چند پل بعد وہ بنفشہ کے کمرے پر دستک دینے کے بعد اس کی اجازت ملنے پر اس کا دروازہ کھول رہا تھا۔ وہ جو فون پر بات کر رہی تھی اسے دیکھ کر مڑی۔ وہ کیا کہہ رہی تھی اسے بھول گیا، وہ کیا کہنے آیا تھا ذہن سے محو ہو گیا۔ زمرد

رنگ کے ہلکے کام والے جوڑے میں ملبوس اس کے بالوں کی چٹیا کندھے پر تھی۔ چہرے پر مٹی کے کچھ دھبے تھے۔ آنکھیں روئی روئی۔ اسلان اس سے نگاہ نہ ہٹا سکا۔

”کیا کام ہے؟“ بنفشہ کی سرد آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اسلان کا ارتکاز ٹوٹا۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

”چاچو نے بتایا کہ آپ جا رہی ہیں۔“

”تو؟“ اس نے بغیر دیکھے کال کاٹ کر موبائل پلنگ پر پھینکا۔

”آپ کیس بھی چھوڑ رہی ہیں؟“

”بالکل۔“

”وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“ دروازے کے درمیان ایستادہ شخص بے حد نرمی اور ملائمت سے مستفسر تھا۔

”نہیں۔“ چند لمحے درمیان سے سرک گئے، وہ جو سر جھکائے اپنے جوتوں کو تک رہا تھا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ایک عرض کر سکتا ہوں؟“ وہ جو نہیں کہنے لگی تھی اسلان نے درمیان میں اس کی بات کاٹی۔ ”اس کی اجازت تو وقت کا آمر بھی دیتا ہے۔“ بنفشہ اسے کہنا چاہتی تھی عرض نہیں قاتل کو آخری خواہش کی اجازت دی جاتی ہے مگر وہ کہہ نہیں سکی۔ دور کہیں اس کا دل اب بھی کہتا تھا یہ سچ نہیں۔

”رک جائیں.... پلیز۔“ وہ واقعی ٹھہر گئی۔ دل لمحے بھر کو تھم گیا۔ ”میں جانتا ہوں میں نے پھر کچھ کیا ہوگا جس کی وجہ سے آپ جا رہی ہیں، مجھے نہیں پتا میں نے کیا کیا ہے لیکن پلیز رک جائیں۔“ وہ چند قدم آگے آیا۔ اس کے عین سامنے۔ ”مجھے نہیں پتا آپ کس بات سے خفا ہیں۔ کون سی ایسی چیز ہے جس نے آپ کو اس قدر متنفر کر دیا ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں میں وہی شخص ہوں جس کے ساتھ آپ رات گئے تک کام کرتی رہی ہیں، جس کے ساتھ آپ نے اکیلے لاہور کی کئی سڑکیں ناپی ہیں۔ کیا میں نے کبھی آپ کو کوئی تکلیف دی؟“ وہ سحر پھونک رہا تھا بنفشہ اس سحر کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی۔

”شاید تمہیں موقع نہیں ملا۔“ اس نے طلسم جھٹکا۔ اسلان طنزیہ سا مسکرایا۔

"اتنی نفرت؟ وجہ تو آپ بتائیں گی نہیں لیکن میں آپ کو پھر بھی کہوں گا کہ رک جائیں۔"

"روکنے کی وجہ؟"

"عالم کو آپ کی ضرورت ہے۔ جس دن عالم رہا ہو کر آ گیا اس دن بتا دوں گا۔" اس نے یونہی کہا تھا مگر یہ عہد بن جانا تھا۔

"میں اس کیس سے خود کو علیحدہ کر چکی ہوں۔"

"صرف اس پیشی پر چلیں اس کے بعد آپ جو چاہیں گی وہ ہو گا۔"

"میں تمہاری بات کیوں مانوں؟" یہاں وہ درست تھی اور یہاں اسلان بے لفظ۔ وہ چند لمحے خاموش رہا۔

"میرے لیے نہ رکیں اپنے لیے رک جائیں۔ چیزیں اور واقعات جس طرح آپ کو پیش کیے گئے ہیں شاید اس سے مختلف ہوں شاید آپ غلط شخص کو ہدف رکھ رہی ہیں۔ عالم کو باہر آنے دیں، میں آپ کے نشانے پر درست شخص لے آؤں گا۔ میں اتنا قصور وار نہیں ہوں جتنا آپ کو لگ رہا ہوں۔ آپ نے کہا تھا آپ تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں گی۔"

وہ چند لمحے سخت نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر قدم پیچھے لیے اور تھک کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اسلان یہاں سے اس کا نیم رخ دیکھ سکتا تھا۔ "آپ رُک رہی ہیں؟"

بنفشہ کھول کر رہ گئی۔ اس نے مڑ کر تیز، تنفر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ تم کتنے بے حس ہو؟ میری حالت سمجھنے کی بجائے تمہیں اگر پرواہ ہے تو صرف اپنی۔۔۔ تم انتہائی کھوکھلے انسان ہو، اسلان۔ تمہارے پاس دل ہے ہی نہیں۔ خود غرض آدمی۔" وہ قدم قدم چلتا ایک بار پھر اس کے سامنے آیا۔ اسٹول کھینچ کر اس پر بیٹھا۔ بنفشہ انہی تلخ، متورم آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں نے ایک بار آپ کو انسان کی بقا کا راز دیا تھا آپ بھول گئی ہیں؟" بلند قامت شخص استفسار کر رہا تھا یوں جیسے وہ کوئی استاد ہو اور بنفشہ اس کی کوئی طالب علم۔ "زعم.... انسان کا زعم برقرار رہے تو وہ بچ جاتا ہے دنیا کو نہیں پتا

چلنا چاہیے آپ اداس ہیں، آپ کا دل دُکھا ہے، آپ کو تکلیف ہوئی ہے ورنہ وہ ان سب کی مقدار بڑھا دیتے ہیں۔ چار سال میں اگر میں نے کچھ سیکھا ہے تو یہی۔" یہاں اس کے پاس بیٹھا نرمی سے اسے زندگی کے گُر سکھاتا ہوا مرد کوئی اور تھا اور اس ویڈیو میں فریب کرتا ہوا شخص کوئی اور۔۔۔ وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ اسلان یمن کو نہیں جانتی۔

"تم ایک فریبی ہو۔"

"یہ میرا پیشہ ہے۔"

"گیٹ لاسٹ۔" اس نے بازو لمبا کر کے اسے دفعان ہو جانے کا اشارہ کیا۔

اسلان گردن جھکا کر مسکرایا۔ پھر اسے دیکھا۔ "یعنی آپ رک رہی ہو؟"

وہ اس کی ڈھٹائی پر چند لمحے اسے تکتی رہی.... پھر بے بسی سے ہنسی۔ اسلان بھی ہنسا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟" وہ دوبارہ ہنسا، جواب نہیں دیا۔ بنفشہ چاہ کر بھی اپنے تاثرات کو سختی کے خول میں قید نہ کر پائی۔ وہ بلاوجہ ہنس رہا تھا تو وہ بے بسی سے۔ ہنستے ہنستے وہ جیسے ہی انگوٹھے کی پشت سے اپنی نم آنکھیں صاف کرنے لگتا اس کی نگاہ بنفشہ پر پڑتی اور وہ پھر ہنس دیتا۔

"میں نے کہا ہے گیٹ لاسٹ...." ہنسی اور طیش کے عجیب سے امتزاج کے ساتھ اس نے ایک بار پھر اسے دروازے کا راستہ دکھایا۔ اسلان نے دونوں ہاتھ اٹھائے، اور کھڑا ہوا۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے وہ رکا، پلنگ پر بیٹھی لڑکی کو دیکھا اور اسے ہر وہ بات یاد آئی جو وہ اپنی ماں سے کر کے آئی تھی۔

"اگر تمہیں کبھی میرے بارے میں کچھ بھی جاننا ہو تو مجھ سے پوچھنا۔ لوگ محض مفروضے قائم کرتے ہیں میں سچ بتاؤں گا۔" وہ اسے صاف صاف نہیں کہہ سکتا تھا کہ جو سوال اس نے تمکنت بنگش سے کیے وہ اس سے کرے، زندگی میں پہلی بار پہلے انسان کو وہ جواب دینا چاہتا تھا۔ بھرم سے دور، بقا کے قریب تر اور باطل ہونے کا ہر الزام جھٹکتے ہوئے۔

"تم مجھ سے سچ کیوں کہو گے؟"

”بتاؤں گا.... جب عالم رہا ہو کر آجائے سب بتاؤں گا۔“

”عالم کیسے رہا ہو گا؟“

اسلان نے نفی میں سر ہلایا، یوں جیسے اس سوال کا جواب نہیں دے گا وہ۔ ”اٹس پرسنل۔“

وہ چلا گیا۔ اس کے عقب میں کمرہ بکھیرے بیٹھی عورت یہ نہ سمجھ سکی کہ وہ گیا یا اس کا اچھا وقت؟

یا پھر اس کے ہونے سے اچھا وقت تھا؟

★★★★★

حال!

”جیسا کہ معزز عدالت نے سنا۔۔۔۔ مس بنفشہ کردار کی کچی عورت ہیں۔“ دمیر پراچہ ہاتھ لمبا کیے اس کی طرف اشارہ کیے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کا تنفر اسلان پڑھ سکتا تھا وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے کہہ رہا تھا۔

“اب کیا توڑو گے؟"

”اس مقدمے میں شروعات سے لے کر اب تک جو کچھ انہوں نے کہا اور کیا وہ سب ایک ذاتی اختلاف تھا۔ وکیل صاحبہ اپنے محروم بچپن کے سارے بدلے لے رہی تھیں اور انہیں اپنی بہن سے جلن تھی اس لیے وہ اس کے شوہر کو پھانس کر اپنی راہیں ہموار کرنا چاہتی تھیں۔ ابتسام عبّاس کا اس مقدمے سے کوئی تعلق نہیں، انہیں منظر پر لانے کا مطلب ہے اصل ملزم یعنی عالمگیر یمن سے توجہ ہٹا لینا۔ عدالت سے میری درخواست ہے کہ شک کے دائرے سے ابتسام عبّاس کا نام خارج کیا جائے۔ شکریہ۔“

عدالت میں سناٹا تھا سوئی بھی گرتی تو آواز کوسوں دور جاتی۔ جج نے گلا کھنکھارتے ہوئے بنفشہ کو مخاطب کیا۔ ”کیا آپ جرح کرنا چاہیں گی؟“

اسلان، عالم، سہراب وہ تینوں اسے تک رہے تھے۔ عالم آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دے رہا تھا، زیر لب کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ ”چھوڑ دو، تم نہیں کر سکتیں تو چھوڑ دو۔“

اس نے سہراب کی جانب دیکھا، وہ چھوڑنے پر راضی نہیں تھا وہ چیرنے پر راضی اور ساتھی تھا۔ ”وہ کریں جو دل کہتا ہے، اور جس کا سامنے والا حقدار ہے۔“

اس کے ساتھ بیٹھا اسلان کہہ رہا تھا۔ ”آپ ٹھیک ہیں یہ دو ٹکے کا آدمی آپ کو گرا نہیں سکتا۔“

”مس بنفشہ کیا آپ جرح کرنا چاہیں گی؟“ جج اب کے قدرے بلند آواز میں بولے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی ایک طائرانہ نگاہ سارے میں ڈالی۔ گلا تر کیا، اور جھکی آنکھیں اٹھا کر جج کو دیکھا۔ سفید لباس کے اوپر سیاہ کوٹ پہنے ہوئے عورت کی آنکھوں میں جہاں کرچیاں تھیں وہیں عزم بھی۔

”میں جرح کا حق محفوظ رکھنا چاہوں گی، اور عدالت سے درخواست کروں گی کہ دفاع کو کچھ دن کا وقت دیا جائے تاکہ ہم ابتسام عبّاس کے خلاف ثبوت لا سکیں۔“ اسلان نے تیزی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ تو دستبردار ہونے آئی تھی، یہاں آکر عزم اور ارادے کب تبدیل ہوئے؟ ”مزید یہ کہ ابتسام جھوٹا اور مکرباز ہے یہ وہ واحد سچ ہے جو آج اس عدالت میں بولا گیا ہے اور میں اب اسے ثابت کر کے رہوں گی۔ میرے کردار پر لگا ہر الزام جھوٹا ہے اور میں یہ واضح کروں گی۔“ اس کی آواز ایک لمحے کے لیے بھی نہ لرزی۔ سہراب سارے میں پہلی بار ہلکا سا مسکرایا۔ اسے فخر ہوتا تھا ان عورتوں پر جو کردار پر حملے کے بعد بھی کھڑی ہوتی تھیں، بات کرتی تھیں اور غلط کو غلط ثابت کرتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد عدالت برخاست ہو گئی۔ دمیر نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے تاریخ لمبی کروا دی تھی۔ اب اگلی تاریخ انتیس ستمبر کی تھی، یمن خاندان کو یقین تھا اس تاریخ پر دمیر کوئی نہ کوئی عذر پیش کرے گا اور عدالت کو ایک بار پھر تاریخ بدلنی پڑے گی۔ لمبا انتظار، لمبا وقت اور لمبی جنگ۔

پولیس موبائل کے قریب چہرے پر سیاہ کپڑا چڑھائے قیدی کے سامنے اسلان کھڑا تھا وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا جب ہی ایک ہاتھ اس کے سینے پر رکھے وہ اس کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔

”روشن مر گیا ہے جو کوئی بھی جوہر فور زیرو کے پیچھے تھا اس کا کام ہو گیا ہے انہیں اب مجھ سے کوئی سروکار نہیں ہے، اسلان۔“ اس کی آواز ہلکی، اور بکھری ہوئی تھی۔ ”اب تمکنت اور دمیر چاہیں گے کہ میں زیادہ سے زیادہ وقت جیل میں کاٹوں کیونکہ ان دونوں کو اصل قاتل سے فرق نہیں پڑتا تم سمجھ رہے ہو، میں کیا کہہ رہا ہوں؟“

”میں سمجھ رہا ہوں آپ بولو۔“ وہ عالم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔

”مجھے یہاں سے نکالو، اسلان تمہارے پاس صرف دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ اصل قاتل کو اندر کرنا ہے اور اس کی اجازت تمہیں میں نہیں دیتا، دوسرا راستہ متبادل قاتل پیش کرنا ہے اور یہ تم کرو گے۔“

”اس کی اجازت میرا ضمیر نہیں دیتا۔“

”ہم ضمیر بہت پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں۔“ عالم نے سختی سے اسے باور کروایا۔ اسلان خاموش رہا۔ ”وقت کم ہے۔۔۔“ وہ ایک پل کو رکا۔ ”تمہیں ایک اور انسان سے محتاط رہنا ہو گا.... بنفشہ وہ جان چکی ہے، اسے سچ پتا ہے۔ اس سے فاصلہ رکھو۔ اسے سب معلوم ہے۔“

اسلان یمن سارے کا سارے پتھر ہو گیا۔ عالمگیر کے ہاتھ پر دھرا اس کا ہاتھ ٹھنڈا برف ہو گیا، فشار خون جامد۔

”اسے علم ہے تم نے کیا کیا ہے، اس سے محتاط رہو۔“ اسلان یمن کی آواز حلق کے دریچوں سے سر پٹختی رہی ورنہ وہ عالم سے کہنا چاہتا تھا اس انتباہ کے لیے دیر ہو چکی ہے۔ ”میں دوبارہ کہہ رہا ہوں محتاط رہو، اور اسے خاموش رکھنے کے لیے اقدام کرو۔“ اسلان خاموش رہا، چپ بے حد چپ۔ پولیس کے سپاہی اب عالم کو گاڑی میں بٹھا رہے تھے، شور تھا آس پاس بہت شور تھا لوگ آ کر گزر رہے تھے، اس کے کندھے سے ٹکرا رہے تھے مگر اگلے کئی منٹ تک وہ جمود کا شکار رہا۔

دوسری طرف زینوں سے اترتے سہراب اور بنفشہ تیز تیز ڈگ بھر رہے تھے عدالت کے احاطے میں کافی رپورٹرز کھڑے تھے جن کے سامنے کھڑا دمیر اپنی مدح سرائی بیان کر رہا تھا۔

”آپ کیس چھوڑ نہیں رہیں؟“

”نہیں۔“

"آپ نے کہا تھا کہ ابتسام اصل مجرم نہیں آپ اسے فریم نہیں کر سکتیں۔" اس نے بنفشہ کے چند دن قبل کے الفاظ اسے لوٹائے، وہ رکی نہیں چلتی رہی۔

"بد کردار تو میں بھی نہیں، فریم تو وہ بھی کر رہا ہے۔"

"کردار اور قتل میں فرق ہوتا ہے۔" وہ رکی، ایک طرف رپورٹرز کی بھیڑ تھی جو اس تک رسائی چاہتے تھے، دوسری طرف عام لوگوں کا ہجوم جو آج تک شاہ ویر بنگش کو نہیں بھولا تھا وہ اسے گالیاں نکال رہے تھے کیونکہ یہ وہ عورت تھی جس نے ان کے میر کارواں کے مقدمے کو محض استعمال کیا تھا۔

"کردار پر حملہ قتل سے کم نہیں ہوتا، سہراب صاحب۔ اس حملے کو کوئی کوئی ہی سہار سکتا ہے۔ حملہ کرنے والا اس نیت سے کرتا ہے کہ سامنے والا مر جائے جی جانا تو میری ہمت ہے۔" اس کی آواز میں تکلیف ضرور تھی، مگر نہ وہ رو رہی تھی نہ اس کی آنکھیں گیلی تھیں بعض دفعہ تکلیف اندرونی ہوتی ہے۔

"قتل پھر بھی بڑی چیز ہے۔"

"کردار بھی بڑی چیز ہے اس نے مجھ پر الزام لگایا، میں خود کا بچاؤ کروں گی اور جب میں اس پر الزام لگاؤں گی اسے اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ مجھ پر الزام لگاتے ہوئے اس نے نوعیت نہیں سوچی تو میں کیوں سوچوں؟" سہراب قبول نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ محظوظ بھی ہو رہا تھا اور متاثر بھی۔

چند پل بعد وہ دونوں رپورٹرز کے رش سے نکلتے اپنی گاڑی کی طرف جا رہے تھے جہاں اسلان ان کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن شاید آج وہ وہاں نہ ہو..... شاید آج وہ بنفشہ کی نگاہوں میں ملامت نہ سہہ سکے۔

★★★★★

ضارم کی وفات کے بعد سے اس نے خوامخواہ کی گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ شاہ ویر سے ضارم اور ان دونوں کا ایک ہی انجام۔۔۔ لوگ اس سے کٹ کر رہ گئے تھے وہ ہمہ وقت موبائل پر وقت ضائع کرتی رہتی یا پھر منہ کمبل میں دیے سو جاتی۔ اسے مائی سوہائی سے ملنا تھا، یونیورسٹی جانا تھا، عورتوں کے حقوق کے لیے کچھ نئے احتجاجوں میں شریک ہونا تھا مگر زندگی کا کانٹا ایک ہی جگہ اٹک کر رہ گیا تھا.......................وہ قصوروار ہے۔

تھک ہار کر وہ سنگھار میز کے سامنے آ کر بیٹھی۔ کئی لمحے، خود کو اپنے بالوں کو اور اپنی حالت کو تکتی رہی پھر دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ اس نے یوٹیوب کھولا، بال کاٹنے کے طریقوں کی کئی ویڈیوز سامنے آئیں۔ اس نے کئی ایک ویڈیوز دیکھیں، پھر اپنے بالوں کو کندھوں پر آگے ڈال کر دیکھا۔ روکھے سے خشک بال، بعض دفعہ اسے یوں لگتا تھا جیسے جھاڑو کے تنکے ہوں۔ اس کا ماتھا چوڑا تھا اور چہرہ گول مٹول ویڈیو والی لڑکی بتا رہی تھی کہ ایسے چہرے پر بینگز اچھے لگیں گے اس نے قینچی اٹھائی، اسی پل موبائل پر کال آنے لگی۔ اس نے اسپیکر کھول کر موبائل سامنے رکھا اور کچھ بال ماتھے پر آگے کو کیے۔

"ہیلو آراہ؟" دوسری طرف شاہ زید تھا۔

"بولو۔" انتہائی خشک لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"تم آج سماعت پر گئی تھی؟"

"نہیں۔"

"اوہ تو کیا یونیورسٹی گئی تھی؟" آراہ نے سر جھکا کر مٹھی میں بھرے ہوئے بالوں پر قینچی چلا دی۔

"تم سے مطلب؟" وہ مزید روکھی ہوئی۔

اپنے کمرے میں پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھے زید نے ہونٹ کاٹے. "ناراض ہو؟"

"تمہارا اور میرا ناراضی والا تعلق ہی نہیں۔" ابھی وہ بال سیدھے کر کے آئینہ دیکھتی بتی گُل ہو گئی۔ "کال کیوں کی ہے؟"

"اتنے دنوں سے بات نہیں ہوئی تھی تو۔۔۔۔"

"تو؟ اتنے دن یا اتنے دن ہمارا بات کرنا کیوں ضروری ہے؟" اس کی آواز اونچی نہیں تھی البتہ لہجے میں خشکی بے حد تھی۔

"آراہ ہوا کیا ہے؟" زید اب کے سیدھا ہو بیٹھا۔ اسٹول پر بیٹھی لڑکی کو یاد کرنا پڑا کہ ہوا کیا ہے؟

پچھلی صبح جب سہراب اسے زبردستی اپنے ساتھ چہل قدمی کرنے لایا تب ہی واپسی پر اس نے باہر سے کافی پینے کی رٹ لگائی، گھر میں جو کافی پچاس روپے میں بن سکتی تھی وہ اس کے لیے سات آٹھ سو تیا گنے کو تیار تھی۔

وہ کافی کی دکان میں کھڑی اپنے آرڈر کا انتظار کر رہی تھی جب اس نے مدیحہ کو دیکھا۔ وہ ایک ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے دوسرے میں موبائل اٹھائے اس پر کچھ دیکھتی میز کی طرف جا رہی تھی جب اس نے آراہ کو دیکھا۔ بھنویں ناگواری سے بھینچ گئیں، کان کی لوئیں تک دہک اٹھیں۔

"ہیلو۔۔۔ آپ مدیحہ ہیں نا؟"

وہ جو اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہتی تھی طیش سے پلٹی۔ "اتنی نرم اور میٹھی بننے کی کیا ضرورت ہے؟"

آراہ کی خوش آئند مسکراہٹ سمٹی۔ "جی؟"

"کیا جی؟ تمہارا منگیتر مر گیا تو تم نے سوچا کوئی بات نہیں اس کا دوسرا بھائی تو ہے نا اور یہاں تک بھی ٹھیک تھا اسی بھائی کی سابقہ محبت سے سلام دعا بھی کرنا چاہتی ہو؟ ڈسگسٹنگ۔" وہ کیا کہہ رہی تھی آراہ کو کچھ سمجھ نہ آیا، اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ مدیحہ جو کافی دنوں کی بھری بیٹھی تھی اسے سنا کر چلتی بنی۔ آراہ کو جب تک ہوش آیا تب تک وہ باہر نکل چکی تھی وہ فوراً اس کے پیچھے لپکی۔ دکان کے باہر سہراب کال پر بات کر رہا تھا جبکہ مدیحہ اپنی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ جب آراہ نے دونوں ہاتھ گاڑی کی کھڑکی پر رکھے اور آگے کو جھکی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ زید اور میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ میرے لیے بھائیوں جیسا ہے۔"

"اچھا؟ تمہاری اس سے آخری بار بات کب ہوئی تھی؟"

"کل دوپہر۔"

مدیحہ کی آنکھوں میں کوئی زخم سا ابھرا۔ "ہماری پندرہ دنوں سے کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ اب کبھی ہو گی۔ میں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔" اس کی آنکھوں کا ملال، وہ تکلیف اسے آج بھی یاد تھی۔ "تمہیں وہ مبارک ہو۔" اس نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"تم اور مدیحہ۔۔۔ میں تم دونوں کے بیچ نہیں آنا چاہتی۔" اس نے حال میں دو ٹوک لہجہ اپنایا۔

”تم مدیحہ سے ملی ہو کہیں؟“ وہ فوراً جڑ تک پہنچا۔ آراہ گنگ سی ہو گئی۔ ”بتاؤ تم ملی ہو نا، کہاں اور کیا کہا ہے اس نے؟“

”میں اس سے ملوں یا کسی اور سے میں تمہیں کیوں بتاؤں زید؟“

”میں بس ایک سوال کر رہا ہوں۔۔۔ آراہ، مدیحہ اور میرے درمیان جو بھی غلط فہمیاں آئی ہیں وہ تمہاری وجہ سے نہیں آئیں، میں اسے منالوں گا ہم اچھے دوست ہیں۔“

”صرف دوست؟“

”اس سے بڑھ کر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔“ اس کا انداز قطعی تھا۔ ”شاہ ویر کے بعد میں کوئی فیملی مین نہیں رہا۔ کسی لڑکی کی زندگی میں شامل ہو کر اسے مکمل توجہ اور محبت نہ دے سکا تو میں خود کو ایک مرد کے طور پر فیل محسوس کروں گا۔“

”کیا واقعی صرف یہی بات ہے؟“

”اور کیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے تم وجہ ہو؟“ اس کے اتنے براہ راست سوال پر وہ سٹپٹائی۔ ”تم کبھی بھی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ میں تمہارے بارے میں ایسا نہیں سوچتا۔“ وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ انگوٹھی اس کی انگلی میں کیسے آئی مگر شاہ زید۔۔۔؟ وہ شاہ زید پر شک کیسے کرے وہ اس کے ساتھ تھا جب کال آئی، وہ آراہ اور ضارم کی منگنی کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔

”اچھا میں فون رکھ رہی ہوں مصروف ہوں۔“ زید کی دوسری کوئی بات سنے بغیر اس نے کال کاٹ دی۔ اس کے دل پر دھرا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، اگلی بار وہ بھی مدیحہ کو سنائے گی، عہد کیا۔ اور زید اس میں دلچسپی نہیں رکھتا یہ بھی واضح ہو گیا۔

باورچی خانے سے برتنوں کی آواز آ رہی تھی اسے بھی اچھی خاصی بھوک لگی تھی سو اٹھ کر باہر آ گئی۔ اسلان فریج کا دروازہ کھولے منہ پر بوتل چڑھائے کھڑا تھا بے دھیانی میں آراہ پر نگاہ پڑی، پانی اس کے منہ سے فوارے کی مانند باہر نکلا۔ آمنہ جو کہ پلیٹیں لگا رہی تھی اس نے بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھا۔ ”ہائیں اللہ۔“

یافث نے اسے دیکھا اور اس کا قہقہہ بے اختیار تھا۔ اب حالت کچھ یوں تھے کہ فریج کے ساتھ کھڑا مرد، ضبط کے باوجود اپنی ہنسی پر قابو نہیں رکھ پایا تھا، یافث باقاعدہ زور زور سے ہنس رہا تھا اور آمنہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ ”لڑکی یہ کیا کر دیا؟“

”کیا ہوا ہے آپ سب ہنس کیوں رہے ہیں؟“ فوری طور پر اسے یاد نہ آیا کہ اندر کمرے میں وہ اپنے بالوں کے ساتھ کیا کارنامہ کر چکی ہے۔

”اپنی حالت دیکھو۔۔۔“ یافث نے ہنستے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا اور اپنی بات مکمل ہونے سے قبل وہ پھر ہنسنے لگا۔ اسلان موبائل کھولے آگے آیا، اس کے سامنے کھڑے ہو کر تین چار تصاویر اکھٹے کھینچیں۔ آراہ اپنا ہاتھ چہرے کے آگے کرنے لگی تو اس نے ہاتھ ہٹاتے ہوئے دوبارہ تصویریں لیں۔ آراہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے ماتھے تک گیا اور وہ ٹھٹکی۔

”کس بات کا شور ہے؟“ سہراب کی رعب دار آواز پر بھی یافث اور اسلان کی ہنسی نہ تھمی، آمنہ روہانسی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی آخر کیا کرے وہ اس لڑکی کا؟

”اس بات کا شور ہے۔“ اسلان نے آراہ کو کندھوں سے تھام کر اس کا رخ سہراب کی جانب کیا۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ خود بھی بھونچکارہ گیا۔ آراہ کے بینگز کم از کم بینگز نہیں لگ رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے دنبا کسی اناڑی نائی کے ہتھے چڑھ گیا ہو۔ آراہ کی رونی صورت دیکھ کر سہراب نے بمشکل اپنے ابلتے قہقہے کا دم گھونٹا۔ اور لب دانتوں تلے دبا لیا۔

”چاچو۔۔۔۔“

”پہلی پہلی بار میں ایسا ہی ہوتا ہے اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ اس نے اسلان کو گُھرکا، مگر اس وقت وہ ابلیس کا چیلا بنا اور اونچا ہنس رہا تھا شاید اس کے اندر کا ”بھائی“ باہر آ گیا تھا۔ ”یافث اور میں نے بھی پہلے ایسے تجربے کیے ہیں کوئی بڑی بات نہیں۔“

”کب کیے جھوٹ کیوں بول رہے ہو؟“ یافث بگڑا۔

”کیا زیادہ خراب ہو گئے ہیں؟“ وہ منمنائی۔

”صرف خراب؟ نو مولود بکری لگ رہی ہو۔“ اسلان پھر بولا، ہنس ہنس کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آراہ کا چہرہ اتر گیا اس نے پر امید نظروں سے پلٹ کر یافث کو دیکھا۔

”تم سے کس نے کہا تھا یہ تجربے کرنے کو؟“ وہ تو اسلان سے بھی زیادہ ہنس رہا تھا۔ آمنہ بھی اب ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ آراہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر گئے۔

سہراب نے اسے خود سے لگایا، باقی سب پر تادیبی نگاہ ڈالی۔ ”اب کوئی ہنسا تو زبان کھینچ لوں گا اس کی۔“ آراہ نے جھلملائی آنکھوں سے اسلان کو اپنے لبوں پر ہاتھ رکھتے، یافث اور آمنہ کو چہرہ جھکاتے ہوئے دیکھا۔ پولیس والے کی باتوں میں اثر تھا۔ ڈرتے تھے لوگ اس سے۔

اسی پل عبیر ہاتھ میں میرال کا ٹیب لیے کمرے سے باہر آئی، اس کی پہلی نظر آراہ پر پڑی اور اب وہ بڑے ڈرامائی انداز میں لبوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ ”اوہ مائی گاڈ۔“

لعل یمن میں قہقہے ایک بار پھر گونجے۔ اسلان، یافث، آمنہ کے ساتھ ساتھ اب سہراب خود بھی ہنس رہا تھا۔ آراہ نے انگلیوں کے پوروں سے اپنے بالوں کو چھوا، باقی سب کو ہنستے ہوئے دیکھا اور روئی روئی آنکھوں سے اب وہ بھی ان کے ساتھ شریک تھی۔

جو بھی تھا ہنسی تو اسے بھی آ رہی تھی۔

★★★★★

”ایک منٹ تم اپنے پیچھے کیا ثبوت چھوڑ کر آئے ہو؟“ اسلان یمن سے سوال ہوا، کہانی درمیان میں رُک گئی۔ ”کوئی ایسا جس نے تمہیں دیکھا ہو، یا پھر تمہارا شناسا ہو؟“ عالم کسی کو کال ملاتے ہوئے رکا تھا، انتظامات کے درمیان اسے کچھ اہم یاد آ گیا۔

ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس اندھیرے کے پردے پر چند کردار اپنی اپنی جگہ آ کر کھڑے ہوئے۔ مقتول، مقتول کی ماں، مقتول کا پالتو جانور۔۔۔ اور؟ اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ مقتول کا محافظ۔۔ وہ اسے کیسے بھول گیا؟

"ایک آدمی ہے جس نے مجھے اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" اس کی آواز سراسیمہ تھی۔ "بلکہ اسی نے مجھے اندر بھیجا تھا۔"

"اور تم ثبوت چھوڑ کر آئے ہو؟" عالمگیر اپنی جگہ سے اٹھا، ماتھے پر تفکر کا جال بچھ چکا تھا۔ "کہاں ہے وہ، تم اندر کیسے آئے اس کا نام کیا ہے؟"

"میں.... مجھے نہیں پتا تھا وہ مر جائے گا۔"

"اگر گواہ بچ گیا تو تم مرو گے۔"

"میں اسے مار نہیں سکتا۔" وہ بدکا۔

اس کے سامنے بیٹھا مرد کئی لمحے چپ چاپ اسے تکتا رہا، بہت دیر بعد وہ بولا تو اس کی آواز ہلکی تھی۔

"اور میں تمہیں مرنے نہیں دے سکتا۔" وقت کے دھارے پر سفر کرتے وہ برسوں قبل کے منظر میں چلا گیا۔ جہاں کسی شخص نے اسے ان رشتوں سے بھی بدزن کیا تھا، یا وہ پہلے ہی بدزن تھا اس نے محض اس کی بدگمانیوں میں اضافہ کیا تھا۔ اور اسے لگا تھا وہ درست ہے ماضی کا اسلان آج خود کو بے وقوف گردانتا تھا۔

★★★★★

"ماضی۔۔۔۔"

اس رات ایڈنبرگ میں کئی گھنٹوں سے متواتر بارش برستی رہی تھی۔ کھڑکی کے بند شیشوں کے قریب رکھی میز پر شاہ ویر کرسی کے گرد بیٹھا تھا۔ دیوار میں لگی شمعیں روشن تھیں۔ کڑکتی بجلی کی آواز سارے ہاسٹل میں اپنی دھاک بٹھائے ہوئے تھی۔ شیشے کی کھڑکی سے پھسل کر گرتے قطرے عجیب سا منظر پیش کر رہے تھے۔

"تو میں کیا کروں؟" شاہ ویر کے عقب میں اپنے پلنگ پر بیٹھے اسلان کی جھنجھلائی آواز آئی۔ "مجھے نہیں کرنی کسی سے بات۔ تنگ مت کرو۔"

"کسی سے یا صرف اپنی بہن اور خاندان سے؟ کیونکہ فون تو تمہارا مصروف ہوتا ہے اپنی ماں سے باتیں بگھار رہے ہوگے نا۔" دوسری طرف عالمگیر غصّے سے بولا۔ مہینے گزر جاتے تھے مگر جب تک لعل یمن سے کوئی اسے کال نہ کرے اس کی طرف سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا تھا۔

اس نے ایک نظر شاہ ویر کی پشت کو دیکھا، وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ صوفے پر آلتی پالتی مارے ایک ہتھے پر کہنی ٹکائے، اس کی ڈھلکی گردن سکرین پر جمی تھی۔ وہ حد درجہ منہمک تھا۔

"آپ لوگوں کو بات کرنی ہوتی ہے تو کال کر لیا کریں۔ یہاں آنے کے لیے میں نے جُوتیاں گھسا دی ہیں اور یہاں میں آپ لوگوں سے جان چھڑوا کر ہی آیا ہوں لہٰذا میری جان چھوڑ دیں۔" کال کاٹ کر وہ پیچھے ہو بیٹھا۔ آنکھوں میں نیند کی سرخی واضح تھی۔ وہ ابھی ابھی اٹھا تھا اور اٹھتے ہی کالز کا یہ چکر۔ چہرے پر ہاتھ پھیر کر اس نے گھڑی دیکھی صبح کے سات بج رہے تھے نو بجے اس کی کلاس تھی۔

"ویسے تمہارے گھر والے ٹھیک ناراض ہوتے ہیں۔" اسلان پلنگ سے اٹھا جب شاہ ویر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ "پنار stable نہیں ہے۔"

"اپنے منہ سے دوبارہ اس کا نام مت لینا۔"

"تمہارا ملازم ہوتا تو ضرور تمہاری بات مانتا۔" اس نے بھی ٹکا سا جواب تھمایا۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" اسلان چڑا۔ اسے اس آدمی سے سخت کوفت ہونے لگی تھی۔ اس کے جاننے والے لوگوں کا ہمہ وقت کمرے کے باہر تانتا بندھا رہتا، وہ لوگوں کے ساتھ منہ پر ہنستا مسکراتا اور کمرے میں آکر انہیں ماں بہن کی گالیاں نکالتا، فون۔۔۔۔ وہ اس کے فون سے بے زار تھا جہاں ہر وقت پیغامات اور کالز کا سلسلہ جاری رہتا اور اس کے بعد اس کی لکھائی، وہ رات دیر تک لکھتا، صبح سویرے بھی لکھتا اور لکھتے وقت حالت عجیب سی ہوتی۔ بعض

دفعہ وہ خود کلامی کرتا ہوا پایا جاتا، کبھی اٹھ کر بلا وجہ کمرے کے چکر کاٹتا اور ان تمام بری عادات میں صف اول اسلان کے کاموں میں ٹانگ اڑانا تھا۔

"میرے معاملات میں مت گھسا کرو۔"

"گھسوں گا۔"

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔" اسلان غرایا۔

شاہ ویر اس کی طرف مڑا۔ وہی پر سکون چہرہ، وہی ٹھنڈی معتدل آنکھیں۔ اسلان کو بعض دفعہ لگتا تھا سامنے بیٹھا شخص ٹھہرا پانی ہے، پتھر بھی پھینکو تو سینے میں سما لیتا ہے گلا اور آواز نہیں کرتا۔ "جب کوئی انسان اپنے ملک سے دوسرے ملک جاتا ہے تو اس کے گھر والوں کے لیے یکدم اس کی موجودگی کا احساس بڑھ جاتا ہے اور ان کو لگتا ہے ہمارا بچہ ہم سے دور نہ چلا جائے اسی لیے وہ کالز پر کالز کرتے رہتے ہیں۔ ان کو تمہاری کوئی فکر نہیں ہے، تم ہفتے میں ایک کال کر دیا کرو اگر اپنا دماغ خراب نہیں کروانا۔"

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میرے گھر والے اچھے ہیں۔" وہ الماری تک گیا۔ اپنے لیے ایک شرٹ اور پینٹ نکال کر واپس آیا تو شاہ ویر اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے اس دنیا میں کوئی تم سے غیر مشروط محبت کر سکتا ہے؟"

"تمہیں لگتا ہے نہیں کر سکتا؟"

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دیا، اور دوبارہ سکرین کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"تمہارے گھر والے تمہیں کالز نہیں کرتے؟"

شاہ ویر کی متحرک انگلیاں ایک پل کو تھم گئیں اگلے پل رفتار سابقہ۔ "مام کرتی ہے جب اسے اپنی فلم، ڈرامہ کے لیے مشورہ چاہیے ہو، ڈیڈ کرتے ہیں جب انہیں پوچھنا ہو میرے پاس پیسے ہیں یا نہیں۔

"اور وہ زیدو؟" اس نے شاہ ویر کو بعض مرتبہ کال پر کسی "زید، زیدو" سے بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ ہر روز فون کرتا تھا۔ دن میں تین سے چار بار۔

"شاہ زید بنگش، مائنڈ یو۔" ناگواری سے تصیح کی۔ "وہ میرا بھائی ہے اور میں اس سے غیر مشروط محبت کرتا ہوں۔"

"وہ نہیں کرتا؟" شاہ ویر کے لبوں پر کوئی آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اس کی محبت ناپ نہیں سکتا، وہ ہر حد ختم کر دیتا ہے۔" اسلان جواباً خاموش رہا تھوڑی دیر بعد وہ نہا کر کپڑے تبدیل کر کے واپس آیا تو شاہ ویر لیپ ٹاپ بستے میں ڈالے اپنے گلاسز گریبان میں اٹکائے جامعہ جانے کو تیار نظر آ رہا تھا۔ اسلان بستہ اٹھائے باہر نکل آیا۔ شاہ ویر بھی چھاتہ اٹھائے اس کے پیچھے لپکا۔

"ناسا ہیڈ تم چھاتہ نہیں لینا؟"

"بارش رک چکی ہے۔"

"یہ ایڈنبرگ ہے یہاں کی بارش کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔" اب کے اسلان نے دوبارہ کوئی جواب نہیں دیا مگر قدرت نے جواب دے دیا تھا۔ آن کی آن بارش کے موٹے موٹے قطرے گرنے لگے۔ وہ جو کتاب پر نگاہیں جمائے چل رہا تھا ٹھٹکا۔ شاہ ویر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

تھوڑی دیر تو اسلان ڈھٹائی سے چلتا رہا مگر جب اس کی کتاب بھیگنے لگی تب اس نے شاہ ویر کو دیکھا کیونکہ اس کے بستے میں جگہ نہیں تھی۔ "اس کو چھاتے کے نیچے رکھ لوگے؟" جب وہ خود سے کتاب کو بھیگنے سے نہ بچا سکا تو کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ "یہ بھیگ رہی ہے۔"

"بدلے میں مجھے کیا ملے گا؟"

"میں تمہیں کافی پلا دوں گا، پلیز۔ یہ بھیگ جائے گی۔" شاہ ویر نے ہاتھ بڑھا کر کتاب لی، پھر اسی ہاتھ سے اس کا بازو کھینچ کر اسے اپنے کندھے کے ساتھ لگا لیا۔ اب وہ بھی چھاتے کے نیچے آ گیا تھا۔

"کتاب کی خیر ہے، میری نازک حسینہ بیمار نہ پڑ جائے۔" اس کے انداز اور اس قدر اپنائیت پر اسلان اپنی مسکراہٹ نہ روک سکا۔ تھوڑی دیر وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے پھر اسلان نے چھاتہ اس سے لے لیا۔

"میرا قد بڑا ہے تمہارا ہاتھ دُکھ جائے گا۔"

"ماں صدقے جائے، یعنی تم میں مینرز بھی ہیں۔" وہ کچھ شوخ ہوا۔

"تم سے ہزار گنا زیادہ۔" شاہ ویر نے اس کی کتاب کھولی۔

"یہ کیا کیا پڑھتے ہو؟ عجیب بورنگ سا کلاسک۔ ادب میں جدت آگئی ہے تم اب تک پرانے زمانے میں اٹکے ہو۔"

بارش ہنوز جاری تھی۔ ایڈنبرگ کے مصروف لوگ اور سیاح سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ کچھ کام کو جا رہے تھے کچھ تفریح کرنے۔

"میں ماڈرن ادب بھی پڑھتا ہوں۔ انگریزی، اردو، رشین، جرمن سب ادب پڑھتا ہوں۔ پڑھنے والے کا مطالعہ وسیع ہونا چاہیے۔"

شاہ ویر نے ستائش سے اسے تکا۔ "کم پڑھا کرو، شادی سے پہلے اندھے نہ ہو جانا۔"

اسلان ہنسا۔ پھر مڑ کر اسے دیکھا۔ "شادی، رومانس، لڑکا لڑکی کا تعلق تم ان سب باتوں کے بڑے شوقین ہو نہیں؟"

"بالکل۔" تائید کی۔ "کم تو تم بھی نہیں۔ اکیس بیس کی عمر میں تم نے پنار کو شادی کی پیشکش ہی کر دی؟"

جامعہ کے دروازے کے درمیان وہ دونوں رک گئے۔ "تم نے میرے منع کرنے کے باوجود اس سے بات کی ہے؟" وہ پل بھر میں اجنبی ہو گیا۔

"میں کیوں بات کروں گا؟" کمبخت کاذب۔ "اسی دن اگر تم ڈریس اور میری تعریف دیکھ کر بھڑک نہ جاتے تو آگے کی چیٹ بھی دیکھ لیتے۔" آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ ایسے اعتماد کے ساتھ جھوٹ بولتا تھا کہ کھوجی کھوج نہ لگا سکے۔ ان دنوں اسلان کو لوگوں کی معصومیت، فریب، دھوکہ دہی جکڑ لیا کرتی تھی مستقبل میں وہ یہ تینوں خطاب اپنے نام کرنے والا تھا۔

"شام میں کہیں گھومنے چلیں؟" وہ دونوں دوبارہ چلنے لگے۔ شاہ ویر نے موضوع گفتگو تبدیل کر لیا تھا۔ کلاسز تک جاتے جاتے اسلان کا مزاج بھی درست ہو گیا تھا۔ اب وہ دونوں اسکرپٹ کے متعلق بات کر رہے تھے۔ شاہ ویر ہر گزرتے لمحے اس کی معلومات سے محظوظ اور مرعوب ایک ساتھ ہو رہا تھا۔

وہ دونوں اب اجنبی نہیں رہے تھے۔

★★★★★

چند دن بعد

لائبریری کی دیواریں قصے کہانیوں کا پرچار کر رہی تھیں۔ لمبے، طویل ریکس کے ساتھ فرشی کشن رکھے تھے جن کے ساتھ ٹکے "قاری" کتابوں کی دنیا میں غرق تھے۔ اسلان اور شاہ ویر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ بھوری آنکھوں والا لڑکا مکمل طور پر مطالعے میں محو تھا جبکہ کتھئی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیں تھیں۔ اس کی کتاب گھٹنے پر رکھی تھی، مگر وہ پڑھ نہیں رہا تھا۔

معاً اسلان نے کتاب کی تازہ ترین اطلاع دینے کو گردن اٹھائی۔ "ٹرمپ جھوٹا ہے۔ یہ قتل میں ملوث لگ رہا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے کس نے مارا ہو گا؟"

شاہ ویر نے خالی الذہنی کے عالم میں اسے تکا۔ "ہوں.... ہاں یہی ہو گا۔"

اسلان نے بوٹ کی نوک سے اسے ٹھوکا دیا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے بے دلی سے کتاب نیچے رکھ دی۔ وہ دونوں جب سے دوست بنے تھے تب سے ہر دوسرے دن شاہ ویر کی زیادہ سوچنے والی بیماری جاگ جاتی اور وہ اسی طرح منہ لٹکا کر بیٹھ جاتا۔ اسلان ہر دفعہ کی طرح ایک ہی سوال کرتا۔ "کیا ہوا؟" ۔ جواب پھر وہی "کچھ نہیں" وہ دو سے تین مرتبہ پوچھتا اور پھر جو تفصیلات، رونے، اور مایوسی کی پٹاری کھلتی اس پر بند باندھنا امر مشکل ہو جاتا۔

"بتا رہے ہو یا میں اپنا کام شروع کروں؟" اس نے کتاب اونچی کر کے دکھائی۔ شاہ ویر نے گہری سانس لی ذرا سا آگے کو ہوا، اسلان کی جڑی ٹانگیں نیچے کیں اور اب وہ کشن اس کی ٹانگ سے ٹیک لگا کر رکھتے ہوئے اس پر لیٹ رہا تھا۔ اسلان جتنا چڑتا شاہ ویر قریب قریب رہنے کا اتنا شوقین۔

"مجھے لگتا ہے میں ناکام ہو جاؤں گا۔" اسلان نے کتاب بند کر دی تھی۔ "مجھے اپنی شارٹ فلم بنا کر لندن کے اس فلم فیسٹیول میں پیش کرنی ہے۔ میں نے ایک ایجنٹ سے بھی بات کر لی ہے وہ میری فلم وہاں تک لے جائے گی لیکن۔۔۔" وہ رکا۔ "میری کہانی میں مجھے کچھ کھٹک رہا ہے بلکہ بہت کچھ۔"

"کیا؟"

"سمجھ نہیں آ رہی۔" اسلان نے گہری سانس لی۔ وہ "سوچنے" والا تھا اور شاہ ویر "محسوس" کرنے والا۔ سوچ اور محسوسات کا یہ جوڑ کہاں تک چلتا؟

"جب سمجھ آ جائے تب بتانا۔" اس نے کتاب دوبارہ چہرے پر رکھ لی۔ شاہ ویر چپ چاپ لمبا لیٹا رہا۔ بہت دیر بعد اسلان نے تین سے چار ابواب پڑھنے کے بعد اسے دیکھا تو وہ اب تک چھت کی سیلنگ کو تک رہا تھا۔ چار و ناچار اسے کتاب رکھنی پڑی۔ اس کا سر کشن سے ہٹاتے ہوئے اٹھا ساتھ اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "آؤ چلیں۔"

شاہ ویر نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "کہاں؟"

"ریسنگ۔"

"میرا دل نہیں کر رہا۔" اسلان نے اسے کھینچ کر کھڑا کیا، اس کا بازو اپنے کندھے پر ڈالا۔ شاہ ویر نے خود کو ڈھیلا چھوڑا ہوا تھا۔ اسلان مانو اسے گھسیٹ کر چل رہا ہو۔ کچھ وقت بعد وہ دونوں ایک سڑک پر ایک دوسرے کے دائیں بائیں بائیک پوری رفتار کے ساتھ چلا رہے تھے۔ اسلان نے ہمیشہ کی طرح ہینڈل چھوڑ دیے تھے، شاہ ویر مر کر بھی ایسا نہ کرتا۔ آج البتہ شاہ ویر دل سے نہیں آیا تھا۔

ذرا آگے جا کر اسلان بائیک پر کھڑا ہو گیا۔ اب کے شاہ ویر ہول کر رہ گیا۔

"گدھے گر جاؤ گے واپس بیٹھو۔" وہ نہیں سن رہا تھا ایک تو یہ لڑکا بائیک پر بیٹھنے کے بعد قابو میں نہیں آتا تھا۔ "اسلان.... واپس بیٹھو یار۔" وہ چیخ رہا تھا مگر اس کی آواز ہواؤں میں دب رہی تھی۔ ذرا آگے جا کر وہ بیٹھ گیا۔ ابھی اس کا ساتھی سکھ کی سانس لیتا کہ اسلان نے بائیک ٹیڑھی کر دی۔ دور سے دیکھنے والوں کو لگتا کہ بائیک سڑک سے ٹکرا رہی ہے مگر یہ اس کا کرتب تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اس سے جیت گیا تھا۔ ہیلمٹ اتارتے وہ بالوں میں انگلیاں چلاتے اس تک آیا۔

شاہ ویر اسے خفگی سے دیکھ رہا تھا۔ "بندے کو اتنا بھی نڈر نہیں ہونا چاہیے۔"

”بندے کو صرف اور صرف اپنے ہنر سے واقف ہونا چاہیے۔ مجھے پتا ہے میں نہیں گروں گا تو ڈروں کیوں؟“ وہ ہیلمٹ اتارے اب اپنے بال درست کر رہا تھا۔ پھر شاہ ویر کو دیکھا۔ ”تمہارے لیے سیٹ بھی رکھتا ہوں، رات کو تمہاری بکواس بھی سنتا ہوں، تمہاری منظر بندی کے لیے آدھا ایڈنبرگ بھی ساتھ دیکھتا ہوں اب اور کیا تکلیف ہے جو ختم نہیں ہو رہی؟“ بائیک سے ٹیک لگاتے شاہ ویر نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔

”چاہے دنیا یہاں سے وہاں ہو جائے مجھے لندن فلم فیسٹیول میں اپنی فلم چاہیے اور ایسا کام جو بے جھول ہو۔“

”بے جھول دیکھنے والی آنکھ ہوتی ہے البتہ اپنی طرف سے ہم کہانی کو درست کر سکتے ہیں مسئلہ کہاں آ رہا ہے؟“ اس نے کندھا شاہ ویر کے کندھے سے جوڑ لیا۔

”میں ایک رائٹر ہوں شاید ایک رائٹر کو پتا ہوتا ہے لوگ کب سچی تعریف کر رہے ہیں اور کب جھوٹی۔ مجھے میرے کام کے متعلق سب کے تبصرے جھوٹے لگتے ہیں۔ ایسے جیسے وہ بس مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں۔“

”اچھا پھر؟“

”مجھے ایک کھرا تبصرہ نگار چاہیے جو صرف میری کہانی نہیں بلکہ میری منظر نگاری، منظر بندی، جذبات کا کھیل، کہانی کی ضرورت، بے جا طوالت اور باقی سب سمجھ سکے۔“ اسلان چند لمحے سادگی سے اسے تکتا رہا پھر اس نے وہ پیشکش دی جو اسے نہیں دینی چاہیے تھی، جو شاہ ویر چاہتا تھا مگر نہیں دینی چاہیے تھی۔

”تم چاہو تو میں یہ کام کر سکتا ہوں۔“ اسلان کی آنکھیں پڑھ نہ سکیں مگر شاہ ویر کا ہر ہر انداز یہ بتا رہا تھا کہ وہ خود سے پیشکش نہیں کر رہا اس سے کروائی گئی ہے۔ اسے مجبور کیا گیا ہے۔

”تم کر سکتے ہو؟“ بظاہر انداز سرسری تھا مگر یہ اسی کا ترتیب دیا گیا کھیل تھا۔

★★★★★

حال۔۔۔۔۔۔

جسویندر کے گھر کی چھت پر بیٹھے وہ دونوں افسر اداس تھے۔ جسی کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔

"ہم گزرا وقت واپس نہیں لاسکتے، جسی۔" اس نے سنگھ صاحب کے کڑے والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا۔ وہ گردن جھکا گیا۔ لب بھینچ لیے۔

"مجھ سے نہیں بھولا جاتا سر کچھ بھولا نہیں جاتا کیا کروں؟ سلطان نے کبھی میرے ساتھ غیروں والا سلوک نہیں کیا تھا۔ سلطان میرا سگا تھا۔ رب کے بعد جس پر میں سب سے زیادہ اعتبار کر سکتا تھا وہ سلطان ہی تھا۔ وہ مرا نہیں ہے اس کا قتل ہوا ہے اور جب تک میں یہ ثابت نہیں کر دیتا مجھ پر چین کی نیند حرام ہے۔"

"ہم دونوں یہی کر رہے ہیں۔ جس نے بھی شاہ ویر کا قتل کیا ہے وہی اس قتل میں ملوث ہو گا۔ سوچو جسی اسے ایسا کیا پتا چلا تھا جو وہ مجھے بتانا چاہتا تھا؟" جسی نے آنکھیں رگڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ کی بھتیجی آراہ کوئی اس کا تعاقب کرتا تھا، اسے پھول بھیجتا تھا اور ایک دو مرتبہ اس کی فیس دینے کی پیشکش بھی کی تھی سر کو لگا وہ کوئی پسند کرنے والا ہے جس نے طیش میں آکر قتل کیا ہے لیکن۔۔۔۔۔۔"

"لیکن کیا؟" سہراب نے بے چینی سے اس کی بات کاٹی۔

"وہ آدمی شاہ ویر خود تھا۔" سہراب بھونچکا رہ گیا۔

"میں نے ہر وہ جگہ دیکھی جہاں وہ ثبوت لینے گئے تھے یونی، پھولوں کی دکان، کیفے سب۔۔۔۔۔ دکان والی عورت نے بتایا کہ وہ شاہ ویر تھا اور یونیورسٹی سے بھی یہی پتا چل سکا۔" ان دونوں کو کوئی بتائے جو اس ایک راز کے لیے دو لوگوں کا قتل کر سکتا تھا اس کے لیے نام بدل دینا مشکل نہیں تھا۔ "شاہ ویر کچھ نسل وغیرہ پر یقین رکھنے والا آدمی تھا معذرت مگر وہ آراہ کا کردار چیک کر رہا تھا۔" سہراب کی گردن کی نسیں تک ابھر آئیں۔ زید بنگش یہ صرف اس لیے کر رہا تھا تاکہ اس کا نام صاف رہے جو مر گیا وہ تو خیر۔۔۔۔۔ بدنام ہوتا رہے۔

"تم شیور ہو، جسی؟" جسویندر نے اثبات میں سر ہلایا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ در آیا۔ سہراب کھول رہا تھا اگر شاہ ویر زندہ ہوتا تو آج اسی کے ہاتھوں مرتا۔ "ایک فیور چاہیے تم سے۔"

"جانتا ہوں تمکنت کو مزید اندر رکھنا ہے یہی نا؟"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"میں جانتا تھا اس سارے قصے کے پیچھے کون ہے، سر۔ آپ ایک افسر کو ڈاج نہیں دے سکتے۔" وہ گردن ترچھی کیے اسے دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔ "اور اسلان اس کا کیا کرنا ہے وہ دو دفعہ تمکنت سے ملنے آیا ہے۔" سہراب سوچ میں پڑا تھا یہ واحد محاذ تھا جہاں آکر وہ تھم جاتا تھا۔ آج اسے ہر وہ واقعہ بے وقوفی لگنے لگا تھا جس میں اس نے اسلان کا ساتھ دیا۔ وہ جانتا تھا اسلان اس سے ملنے جاتا ہے مگر وہ چپ تھا۔

"اسے فلحال ملنے آنے دو، میں ایک ہی بار اس سے سوال کروں گا۔"

"آپ اسے اندر رکھنا نہیں چاہتے نا؟ شاید آپ سے بھی کسی نے فیور مانگا ہے۔ لیکن کس نے؟"

سہراب نے یاد کیا کس نے۔۔۔۔ اسے بہت اچھی طرح یاد تھا۔

"کیا فائدہ چاچو یہ سب کر کے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہو گا وہ چند دن جیل جائے گی اور اس کے بعد وہ آزاد ہو گی۔"

وہ بے دلی سے کہہ رہا تھا۔ سہراب اس کے سامنے آکر بیٹھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے رسان سے سوال کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں وہ سڑتی رہے تب تک جب تک میں اسے باہر لانا نہ چاہوں، تب تک جب تک وہ خود ہم سے مدد طلب نہ کرے کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" سہراب نے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلایا دیا تھا۔ طیش میں، بھتیجے کی محبت میں۔

"ہو جائے گا اس طرح ان پر دباؤ بھی آئے گا وہ عالم پر مزید چڑھائی نہیں کر سکیں گے۔"

وہ راضی تھا، جسوہندر کے ساتھ چند مزید باتوں پر گفت وشنید کے بعد وہ اٹھ گیا تھا۔

اسلان یمن پر اس کا شک ہر گزرتے دن بڑھتا جا رہا تھا ایک آتش فشاں تھا جو اس کے اندر زیر تعمیر تھا اور اسے ختم کرنا سہراب کے بس میں نہیں تھا۔

★★★★★

"کیوں بلایا ہے؟" اسلان یمن کی آواز سرد تھی۔ تمکنت پر جمی نظریں استہزائیہ۔ وہ چند روزہ جیوڈیشل کسٹڈی کے بعد سے تھک چکی تھی۔ جیل میں اس سے ملنے اس کی اولاد میں سے کوئی نہ آیا سوائے رئیس کے۔۔۔۔ اس

وقت اسلان یمن کے سامنے بیٹھی عورت کا طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ اسے کسی بھی طرح یہاں سے باہر آنا تھا۔

"سودے میں تبدیلیاں کرو، میں ہر قسم کی مفاہمت کے لیے تیار ہوں۔" اسلان کی آنکھیں زخم زخم ہوئیں۔ چھن سے منظر بدلا اور اس نے کچھ اور دیکھا۔

وہ بائیس تیئس برس کا لڑکا تھا۔ جیل کی کوٹھری میں گھٹنے سینے سے لگائے سردی سے لرزتا ہوا۔ ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے، بدن کانپ رہا تھا۔ لاہور کا جاڑا عموماً ایسا نہیں ہوتا آج رات برسنے والی ٹھنڈی ٹھار بارش نے سردی کی شدت میں اضافہ کر دیا تھا۔

"کب تک ضد کرو گے؟" تمکنت نے اس کے بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرا، اسلان نے بپھر کر اس کا ہاتھ جھٹکا۔ اسے اس عورت سے نفرت تھی۔

"مجھے ہاتھ مت لگانا۔" وہ کپکپا رہا تھا۔

"میں تمہاری مدد کر رہی ہوں، اسلان۔ میں نے کبھی تم سے کچھ زیادہ نہیں مانگا بس جو کہا ہے وہ کر دو اس کے بعد تم آزاد۔"

"میں بے قصور ہوں، میں یہاں سے نکل آؤں گا۔ میں چاچو کو سب بتاؤں گا، میں نے ان سے چھپا کر غلطی کی ہے آپ۔۔۔۔"

"چاچو کو کیا بتاؤ گے ہاں؟" تمکنت کے عقب میں بیٹھا لڑکا اٹھا اور اسلان کے سامنے آ کر رکا۔ اسے دیکھ کر اسلان کی آنکھیں لہو چھلکانے لگیں مگر ایک عجیب سا لوہا تھا جو اس کے سارے جسم کے گرد باندھ دیا گیا، اتنی زور سے کہ اب وہ ہر حرکت سے عاری تھا۔ وہ اس پر ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا مگر جسم جامد۔

اسے اپنے سے کم جسامت والے لڑکے سے خوف آ رہا تھا۔

وہ پیچھے ہوا، وہ واقعی اس سے خوف زدہ تھا۔ "کیا بتاؤ گے اپنے چچا کو ہاں؟" اس نے موبائل پر چند انگلیاں چلائیں اور ایک ویڈیو اسے دکھائی۔ "یہ بتاؤ گے؟ تمہیں لگتا ہے کوئی تمہارا یقین کرے گا، کوئی تمہاری بات مانے گا؟ تم جیسے

پنچ کی بات؟" اسلان کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ وہ بے دم سا رہ گیا۔ ہر بار کی طرح شاہ ویر طلال بنگش اس کے حوصلے پست کر چکا تھا۔ وہ غیر انسانی شکل لیے اس کے سر پر کھڑا غرا رہا تھا۔

"تم ظلم کر رہے ہو، شاہ ویر میں نے اسے نہیں مارا تم جانتے ہو۔"

"تم باہر آ جاؤ گے، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں لیکن تمہیں بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔" یکدم وہ نرمی اور اپنائیت سے بولا۔ ساتھ اپنا گرم کوٹ اتار کر اسلان کے کندھوں پر ڈالا۔ اس کے دونوں مضبوط بازو اپنے ہاتھوں سے سہلائے۔ انداز دوستانہ تھا۔

"تم میرے دوست ہو میں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"لعنت ہو تم پر۔" وہ چیخا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنا منہ بند رکھو یہاں سے نکل کر تم اپنی زندگی کی طرف لوٹ جانا اور میں اپنی۔۔۔۔"

"میں نے کہا لعنت ہو تم پر۔" اسلان غرایا۔

"تم مجھے بھول جانا اور میں تمہیں ایسے جیسے ہم کبھی ملے ہی نہیں تھے۔" اس نے مفاہمت کی کوشش کی مگر

"تمہیں سنائی نہیں دے رہا؟ میں نے کہا لعنت ہو تم پر۔"

اس بار شاہ ویر نے برداشت نہیں کیا اس نے اسلان کے بال مٹھی میں جکڑتے ہوئے اس کا چہرہ دیوار میں دے مارا۔ اسلان کو یوں لگا جیسے اس کے چہرے کو کسی ٹرک نے کچل دیا ہو اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ شاہ ویر نے اس پر بس نہیں کی، وہ اب پے در پے اس کا سر دیوار میں مار رہا تھا۔ اسلان کے وجود میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ پولیس افسران چپ چاپ تماش بین تھے، اور اس کی ماں تاسف سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"تم بہت ڈھیٹ ہو، اسلان۔" یہ وہ آخری لفظ تھا جو اس نے تمکنت کے منہ سے سنا تھا کیونکہ اس کے بعد اس کو ہوش نہیں رہا تھا۔ ایک امیر زادے کی اس کھلم کھلا بد معاشی پر سامراج چپ تھا۔ "کاش تم شرافت سے ہماری بات مان لیتے۔"

وہ چار سال قبل اس کے بے ہوش وجود کو دیکھتے افسوس سے بولی تھی آج چار سال بعد وہ خود سراپا التجا تھی۔ وقت بلا آخر بدل چکا تھا۔

"سودا چار سال قبل بھی نہیں بدلا تھا، سودا اور اس کی شقیں آج بھی وہی ہوں گی۔" اس کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا وہ کسی رعایت کے مزاج نہیں رکھتا تھا۔

"جو تم مانگ رہے ہو وہ ناممکن ہے۔"

"جو آپ نے مانگا تھا ممکن تو وہ بھی نہیں تھا۔"

"میں اسے جیل کیسے بھیج سکتی ہوں؟"

"بھولپن کے ڈرامے چھوڑ دیں مسز بنگش ہم دونوں سچ جانتے ہیں۔ وہ کتنا اچھا اور کتنا نیک ہے یہ بھی ہم دونوں جانتے ہیں۔" وہ بہت دیر تک اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی۔ وہ اس کی سمجھ، چالاکی، فریب ہر شے سے بالاتر ہو گیا تھا۔ اگر وہ غنیم سامراج تھی تو وہ فرض شناس کوتوال۔

"مجھے منظور ہے، لیکن میری ایک شرط ہے۔" بالآخر اس کی ٹھہری ہوئی ٹھنڈی آواز اسلان کی سماعتوں تک پہنچی۔ "تم اس میں شاہ ویر کو شامل نہیں کرو گے اور تم اس امر کو یقینی بناؤ گے کہ ابتسام بھی اس کا نام نہ لے۔"

"منظور ہے۔"

"تم قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ گے۔۔۔۔"

"میں نہیں کھاؤں گا۔" اسلان نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "میں اپنے سیاہ کاریوں میں قرآن نہیں لاؤں گا۔ ایک مقدس صحیفہ اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کروں گا آپ کا بیٹا مر گیا ہے میں اس کا نام نہیں ماروں گا۔"

وہ اسے دیکھے گئی۔ "پھر میں تمہارا یقین کیسے کروں؟"

"یہ آپ کا مسئلہ ہے، نہ کریں۔ بلکہ آپ ایک کام کریں آپ انتظار کریں کہ اگلی پیشی پر جب جسویندر عدالت کو اپنی تفتیش پیش کرے گا تو ان میں انسداد دہشت گردی کی دفعات بھی شامل ہو۔ میرے لیے یہ ثابت کرنا چند گھنٹوں کا کھیل ہے کہ آپ کا سارا اسلحہ ملک دشمن سرگرمیوں میں استعمال ہو رہا تھا۔" وہ ذرا آگے کو جھکا۔ "میں یہ کر سکتا ہوں مسز بنگش آپ مجھے ہلکے میں لے رہی ہیں۔"

"مجھے باہر آنے دو، اسلان تم اپنی زندگی پر پچھتاؤ گے۔"

"شر کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے مسز بنگش آپ مانیں یا نہ مانیں اس وقت آپ پھنس چکی ہیں۔"

"مجھے کچھ وقت درکار ہے۔ جو تم مجھ سے چاہتے ہو اس کے لیے اولاً مجھے میرا ضمیر ختم کرنا ہو گا اور اس کے بعد میری بیٹی کا گھرانہ توڑنا ہو گا۔ یہ بڑی ہمت کے اقدام ہیں، میں یکلخت نہیں اٹھا سکتی۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا، ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔ "آپ کے پاس صرف اور صرف ایک مہینے کا وقت ہے۔ پولیس اور گواہان کا ساتھ اس مقدمے میں بس یہیں تک کا ہے۔ آپ کے جیل جانے کے اگلی بار عدالت میں پیش ہونے کے بعد میں کچھ نہیں کر سکوں گا، اور نہ کرنا چاہوں گا۔"

"یہ وقت کم ہے اور عالم کے کیس کی اگلی سماعت میں بہت وقت ہے پھر تمہیں آخر جلدی کس بات کی ہے؟" وہ تیزی سے بولی۔

"مجھے؟" اس نے انگشت شہادت سے سینے پر دستک دی۔ "میں تو آپ کو یہاں دیکھ کر محظوظ ہو رہا ہوں۔ بلکہ یہ کم ہے میں روز محشر آپ کو آگ میں جُھلستے ہوئے دیکھوں گا تب میری ہر تکلیف کا مداوا ہو گا۔ اس وقت جو آپ جھیل رہی ہیں وہ محض ایک جھلک ہے میں آپ سے سارے حساب اُس دنیا میں لوں گا۔ میرا دوسرا مجرم آپ کا بیٹا ہو گا، میں آپ دونوں کا انجام دیکھوں گا۔ اس لیے مجھے تو کوئی جلدی نہیں ہے۔"

تمکنت نفرت اور زہر خند سی اسے دیکھے گئی۔ "تم ایک کیڑے تھے، ہو اور رہو گے۔ آج شاہ ویر زندہ ہوتا تو میں دیکھتی۔۔۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتی وہ کس طرح تمہارے حلق سے زبان کھینچتا۔"

"اس وقت تو میں آپ کے پیروں سے زمین اور سر سے آسمان کھینچ چکا ہوں۔ اگلی بار مجھ سے اس لہجے میں بات کی تو صرف آپ کی نہیں، آپ کے سارے خاندان کی زبان کھینچ لوں گا۔" آخر میں اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ تمکنت جواباً کچھ نہیں بولی۔ کچھ دیر بعد وہ پلٹ رہا تھا اس کی پشت پر گڑھی اس عورت کی نگاہوں میں محض تپش تھی۔

وہ صرف اور صرف اپنے باہر آنے کے انتظار میں تھی۔ پھر کون اسلان یمن اور کیا اس کی اوقات؟ وہ بس سوچ سکی۔

★★★★★

افتخار یمن کا سب سے چھوٹا اور منجھلا بیٹا ایک لمبے عرصے بعد روبرو ہوئے تھے۔ آراہ ایک طرف کھڑی ان کی بات ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ گلابی رنگ کی ٹخنوں تک آتے شلوار قمیض میں سفید چادر سر پر اچھے سے جمائے وہ اطراف میں تک رہی تھی۔ شیشے کے پار وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ سہراب کی آنکھیں بے حد سنجیدہ تھیں، عالم کچھ کچھ جذباتی۔

"مجھ سے ملنے کیوں نہیں آتے تھے؟"

"تم کسی محل میں ایک شاہی زندگی نہیں بسر کر رہے جہاں میں تمہیں دیکھنے آتا رہوں۔"

"جیل میں شیشوں کے پار ایک بے چین زندگی تو گزار رہا ہوں نا؟ وہی دیکھنے آ جاتے۔ ہر دفعہ اسلان کو بھیج دیتے ہو؟" وہ سفاک تھا روانی سے کہہ گیا، سہراب ضبط بھی نہ کر سکا۔ کئی لمحے بے بسی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ دھیمے لہجے میں اس سے شکوہ کر گیا۔

"کیوں تنگ کرتے ہو مجھے؟ اسلان کم تھا کیا، جو تم بھی اس کی روش پر چل نکلے ہو؟ کیوں تم سکون نہیں کر سکتے اور نہ مجھے کرنے دیتے ہو۔ جانتے ہو یہاں بیٹھ کر تمہیں دیکھنا کتنی بڑی تکلیف ہے۔"

"اس بار تمہاری قسم میں نے کچھ نہیں کیا۔" سہراب خاموش رہا۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا عالمگیر کو ان شیشوں کے پار دیکھنا کیسی کیسی اذیت سے دوچار کرتا تھا۔

"جلدی باہر آؤ یار، یاد کر رہا ہوں تمہیں۔" وہ کہنا چاہتا تھا مگر نہیں کہا۔ بات اور انداز بدل کر کچھ اور پوچھا۔ "تم اور اسلان کیا کر رہے ہو؟"

سوال اتنا اچانک تھا کہ عالمگیر کی رنگت پل بھر میں فق ہوئی۔ اور سہراب کے بدترین شبہات پر مہر لگ گئی۔

"اس نے مجھے بتایا بلکہ کہلوایا کہ وہ تمکنت سے ڈیل کر رہا ہے تاکہ وہ عورت تمہیں جانے دے۔ میں اس وقت غصے میں تھا یہ بھی نہ سوچ سکا کہ تمکنت ایسا معاہدہ کیوں کرے گی جس سے اسلان تباہ ہو؟ اس نے میرے بیٹے پر انگلی اٹھائی تھی، اس وقت میرا واحد ہدف تھا اسے تباہ کرنا یا شاید اس نے تمہیں جیل بھجوایا تھا اور میں تب سے طیش میں تھا؟" وہ اب جب ٹھنڈے دماغ سے سوچ رہا تھا تو غصہ آ رہا تھا۔ بے وقوفی محسوس ہو رہی تھی۔

"اس نے مجھے رد کیا تھا تم تب سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔" عالم نے اسے آئینہ دکھایا۔ سہراب نے رخ پھیر لیا کیونکہ یہ سچ تھا۔ "تم اتنے سالوں کا بغض دل میں لے کر بیٹھے تھے؟"

"اسلان کے پاس جتنے پیسے تھے وہ تم نے دیے، لوگوں کے نام تم نے دیے ڈیل میں نے کی، لیکن۔۔۔" اس کی پچھلی بات کا جواب نہ دیتے وہ آگے کو ہوا۔ "میں اگر ٹھنڈے دماغ سے سوچوں تو مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ اسلان نے مجھے استعمال کیا ہے اور یہ بھی کہ تمکنت اور اس کے درمیان کچھ ہے۔ بہت پرانا اور راسخ جذبہ۔"

"لیکن تمکنت تو اس سے عمر میں بہت بڑی ہے۔"

سہراب اول تو نہیں سمجھا اور جب سمجھا تو باقاعدہ زیر لب اسے گالی دی۔ "عاشقی کے علاوہ تمہیں کچھ سوجھتا ہے؟"

"تم میرے بھائی، عاشقی کے بعد صرف تم۔"

"عالم۔۔۔" سہراب نے سختی سے اسے پکارا۔ "اگر تم آرام سے مجھے بتا دو تو بہت اچھا ہوگا اگر میں نے اپنا طریقہ کار آزمایا تو تم دونوں کو مجھ سے شکایت ہو گی۔"

"ڈونٹ ٹیل می کہ میری بات کو تم حرف آخر مان کر اسے سینے پر نقش کر لو گے۔ میں جو بھی کہوں تم اس کا یقین نہیں کرو گے لیکن ایک سچ سنو کچھ نہیں کر رہے ہم، کوئی تمہیں استعمال نہیں کر رہا۔ اپنے اندر کے پولیس افسر کو

چپ کر کے بٹھالو تمکنت نے واقعی اسے دھمکایا اس سے اسلحہ اسمگل کروانا چاہا اور تم دونوں نے اس کا اسلحہ جلا دیا۔"

"یعنی تم مجھے نہیں بتا رہے ؟"

"سہراب یار۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ بچہ ہے اسلان۔ کیا ہی کرے گا وہ؟"

"مجھے بھی یہی لگتا تھا۔۔۔ بچہ ہے اسلان۔ لیکن اس روز اس کی ٹرکوں کے اوپر پیٹرول گراتا ہوا، آگ لگاتا ہوں لڑکا بچہ نہیں تھا۔ وہ آگ لگا رہا تھا کیونکہ اس کے اندر کہیں آگ تھی۔ مجھے اس آگ کا منبع تلاش کرنا ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو میں لاعلم ہوں، بالکل تمہاری طرح۔" عالم نے بے حد مہارت سے جھوٹ گڑھا۔ "وہ مجھے اپنے معاملات میں شامل نہیں کرتا اور کرے گا بھی کیوں تم سب جانتے ہو اسلان اور میرے درمیان کیا بانڈ ہے؟"

سہراب کچھ سوچتے ہوئے پیچھے کو ہوا۔

"اگر مجھے کچھ بھی پتا چلا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا، عالم۔"

"جب سے فون ہاتھ میں لیا ہے تب سے دھمکائے جا رہے ہو ایک بار بھی یہ پوچھا کہ چھوٹا بھائی کیسا ہے، کھانا وقت پر کھاتا ہے یا نہیں، یا یہ کہ تم اسے یاد کرتے ہو؟"

سہراب نے اسے عجیب سے تاثرات کے ساتھ دیکھا، ایسے تاثر جیسے وہ اس کی دماغی حالت پر شبہ کر رہا ہو۔ "عورتوں والے چونچلے کیوں کر رہے ہو؟"

"کیا مطلب ہے عورتوں والے چونچلے، کیا مرد دُکھی نہیں ہوتا، کھانا نہیں چھوڑتا، اداس نہیں ہوتا، کیا مردوں کا زندگی پر کوئی حق نہیں ہے؟" سہراب نفی میں سر ہلاتے اپنی جگہ سے اٹھا، آراہ کو قریب بلا کر فون اسے پکڑا دیا۔

"تم بات کرو اس زنانہ آدمی سے۔" آراہ اس کے سامنے آ کر بیٹھی تو عالم کی رنگت کچھ بحال ہوئی وہ اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر زیادہ وقت کے لیے نہیں، اسے یقین تھا سہراب کسی شے کے پیچھے پڑ گیا تو بال کی کھال اتارے بغیر نہیں مانے گا۔ اور اس مسئلے میں اس کا پڑ جانا بہت بڑا مسئلہ تھا۔

آراہ ٹیلیفون کان سے لگائے اس کے سامنے آ کر بیٹھی۔

”کیسی ہو؟“ عالم نے نرم سی آواز میں پوچھا۔ آراہ نے دھیرے سے نگاہیں اٹھا کر اسے تکا۔

”ٹھیک ہوں، اور آپ؟“

”میں بھی ٹھیک۔“

دونوں کے درمیان چند ثانیے بوجھل خاموشی کا پہرہ رہا، پھر عالم نے مدھم، تعزیتی لہجے میں کہا۔ ”آئی ایم سوری فار یور لاس (i am sorry for your loss) میں سمجھ سکتا ہوں آپ کسی سے محبت کرو اور وہ مر جائے تو کیسا محسوس ہوتا ہے۔“

آراہ دھک سے رہ گئی۔ ”آپ.... آپ تو اس تعلق کے خلاف تھے؟“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تعلق کے خلاف تھا احساسات کے خلاف نہیں۔ وہ تو میرے بھی تھے، تمہارے بھی ہیں۔ ان دنوں میں بہت پریشان تھا، آراہ۔ قید نے مجھے سوچ بچار کے مواقع دیے ہیں اور مجھے اب سمجھ آرہی ہے تمہاری شادی پر تمہارا اختیار تھا۔ میں محض اختلاف کا حق رکھتا تھا لیکن جو رویہ میں نے رکھا وہ اختلاف سے بڑھ کر تھا۔ دراصل میرا مسئلہ بنگش تھے ان کے علاوہ اگر کوئی بھی ہوتا تو میں تمہارا ساتھ دیتا۔“

”واقعی دیتے؟“ اس کی آنکھوں میں کچھ اُبھرا۔

”کیا میں نے آج تک تم سے جھوٹ بولے ہیں؟“ آراہ نے نفی میں سر ہلایا۔ عالم کا رویہ اسے سب سے زیادہ مغموم کرتا تھا کیونکہ یہ واحد شخص تھا جس نے کبھی اس سے اونچی آواز میں کلام تک نہیں کیا تھا۔

”ضارم کی موت نے تمہیں زیادہ اثر انداز تو نہیں کیا؟“ آراہ کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ضارم کی موت نے اسے گھر میں قید کر دیا تھا، اسے باور کروایا تھا کہ وہ نحوست ہے مگر وہ خاموش رہی۔ کچھ باتیں وہ نہیں کہہ سکتی تھی۔ آج بھی نہیں۔

”میری بات سنو۔۔۔“ وہ آگے کو ہوا، سہراب کو ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے دیکھا اور اپنی آواز ہلکی کر لی۔ ”تم سارا دھیان مستقبل پر دو۔ شادی ہوتی رہے گی اس بار میں باہر آجاؤں تمہارے ملک سے باہر جانے کا انتظام کرتے ہیں۔“

"اور میرا ماسٹرز؟"

"اس کے بعد چلی جانا، ورنہ یہ جو کھڑا ہے نا، اس کے بس میں نہیں ابھی تمہارا جہیز خریدے اور کھڑے کھڑے کسی نیک لڑکے کے ساتھ رخصت کر دے۔"

آراہ ہلکا سا ہنسی۔ "آپ باہر آکر ان کو لگامیں ڈالیں نا۔"

"باہر آکر تو بڑے کام کرنے ہیں۔ سب سے پہلے تو جو ہر فور زیرو ہے۔ تم ایک کام کرو آراہ میں تمہیں کچھ تفصیلات بتاتا ہوں تم ان تمام تفصیلات کو گھر جا کر کہیں لکھ کر رکھو یہاں اس جہنم میں، مجھ سے کوئی پوائنٹ نہ مس ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے آپ بتائیں۔" وہ فوراً تیار ہوئی۔

"تم کوئی پین پیپر ساتھ لائی ہو؟"

"لائی تھی ناوہ بھی چھین لیا۔" وہ بولنے لگا اور آراہ دھیان سے سننے لگی۔

"جوہر فور زیرو میں چار عورتیں تھیں۔ ایک روشن کی بیٹی، ایک عبیر کی خالہ، ایک لڑکی امریکن نیشنیلٹی رکھتی تھی رابعہ پرویز اور ایک۔۔۔ اس ایک کا بیک گراونڈ کلئیر نہیں۔" وہ آراہ سے یہ نہیں کہہ سکا کہ اس آخری عورت کا تعلق ریڈ لائٹ ایریا سے تھا کہتے ہوئے عجیب لگا۔ "نو نومبر کی رات ان چاروں عورتوں کے مشترکہ فلیٹ میں آگ لگ گئی اور وہ چاروں جاں بحق ہو گئیں۔ بلڈنگ میں سے کسی نے بھی پولیس کو اطلاع نہیں دی، کوئی ان کی چیخ و پکار پر نہیں گیا یہاں تک کہ عمارت کے محافظ کو چیخوں کی آواز اور آگ دکھائی دی اور اس نے پولیس کو بلوایا۔"

وہ بول رہا تھا اور آراہ ایک ایک لفظ اپنے دماغ میں نقش کر رہی تھی۔ "پولیس نے کیس یہ کہہ کر بند کر دیا کہ آگ کی وجہ شارٹ سرکٹ تھی۔ لیکن جس آدمی نے یہ مقدمہ مجھے دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ قتل ہے اور مجھے بھی یہ ایک قتل لگتا ہے۔"

"آپ کو نہیں لگتا وہ آدمی روشن رحمان جو ان پر ایف آئی آر کر سکتا ہے وہ ان کا قتل بھی کر سکتا ہے۔"

”ایسا بالکل ہو سکتا ہے لیکن اطلاعات کے مطابق روشن آگ لگنے کے بعد عمارت کی طرف آیا تھا اور چوکیدار کے ساتھ مل کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ روشن اداکار نہیں تھا۔ اگر اسے قتل کرنا ہوتا تو وہ ایک دن پہلے ایف آئی آر نہ کرواتا۔“

”فیئر پوائنٹ۔“ آراہ نے سراہا۔

عالم نے سر کے خم سے داد قبول کی۔ ”مجھے روشن کے مالکین یعنی بنگشوں کی اس معاملے میں معاونت سمجھ نہیں آ رہی۔ اس نے ایف آئی آر کروائی تھی اور بیٹی کے قتل کے اگلے ہی دن بنگشوں نے اسے گرفتار کروا دیا۔ وہ طلال بنگش کا پسندیدہ ملازم تھا، زید نے اسے بچایا ہے، یا قاتلوں کو؟“

”ایک منٹ زید نے؟“ اس سارے معاملے میں پزل کا ایک ٹکڑا غائب تھا جو آراہ کو لگانا پڑا۔

”ہاں دس نومبر کی صبح زید نے روشن رحمان کو جیل بھجوا دیا تھا تاکہ وہ منظر سے غائب ہو جائے۔“

”پچھلے دس نومبر؟“ آراہ نے تصدیق چاہی۔ عالم نے سر ہلایا۔

”لیکن اس رات تو زید اپنے گھر پر تھا ہی نہیں۔ نو نومبر کو تیز طوفان آیا تھا، زید اس رات مائی سوہائی کے گھر رُکا تھا اس سے اگلے دو دن بھی وہ کیس کے سلسلے میں مانجھی پور میں تھا۔“

عالمگیر متحیر آنکھوں سے اسے تک رہا تھا۔ متوحش، ساکن۔ ”میرے پاس ثبوت ہیں، عالم چاچو، مائی سوہائی ایک سوشل ورکر ہیں۔ انہوں نے خود مجھے زید اور اپنی تصاویر دکھائی ہیں، روشن جھوٹ بول رہا تھا اسے زید نے نہیں نکالا، وہ کیسے نکال سکتا ہے جب کہ اس کی واپسی ہی بارہ نومبر کو ہوئی تھی۔ میرے پاس زید کا پرسنل اکاؤنٹ ہے اس نے نو نومبر کو اپنی تصویریں بھی پوسٹ کی تھیں۔ وہ اس رات سوشل میڈیا پر لائیو بھی تھا مانجھی پور سے براہ راست۔“

”یہ جھوٹ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ مائی سوہائی کیا وہ عورت قابل اعتبار ہے؟“ وہ جلدی جلدی پوچھ رہا تھا۔

”چلو چلو ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے فون رکھو۔۔۔“ ایک افسر نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"آراہ اس نے اور کیا بتایا۔۔۔۔ اور کیا ثبوت ہے کہ شاہ زید اس رات وہاں نہیں تھا؟" وہ تیز تیز پوچھ رہا تھا مگر آراہ سے فون لیا جا چکا تھا۔ "آراہ..... ارے دو منٹ بات کر لینے دو آخر کیا بگڑ جائے گا تمہارا؟" وہ شیشے کی دیوار کے اس پار چیخ رہا تھا، سہر اب ہاتھ سے اسے اشارہ کرتے ہوئے خاموش رہنے کو کہہ رہا تھا۔

آراہ اپنی جگہ ساکت تھی۔ اگر طلال بنگش کا ایک بیٹا نہیں تو یقیناً دوسرا بیٹا۔۔۔۔ اور دوسرا بیٹا؟

"شاہ ویر طلال بنگش" کیا روشن رحمان کو نکالنے والا وہی تھا اگر وہی تھا تو یقیناً جو ہر فور زیرو میں بھی اس کا کردار ہو گا۔

★★★★★

"یہ جھوٹ بھی ہو سکتا ہے۔" لابی میں رکھے صوفوں پر بیٹھی بنفشہ نے اعتراض کیا۔

قصہ گو اپنی کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھے گیا۔ "جب گناہ میرے کھاتے میں لکھے جا رہے تھے تب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں تھا اور اب۔۔۔۔؟"

"میں اسے درست نہیں کہہ رہی۔"

"تم اسے غلط بھی نہیں کہہ رہیں بھائی جو ہوا۔"

بنفشہ نے گہری سانس لی۔ جذباتیت میں وہ کچھ غلط ہی کہہ گئی تھی۔ "؟میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"بالکل۔" اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کیے اس نے بات مان لی۔ "کہانی کافی گمبھیر ہو گئی ہے میرا خیال ہے ہمیں کچھ اور یاد کرنا چاہیئے۔"

"اور کیا؟" وہ اس کی طرف مڑی۔

اسلان کے لب بے حد ہلکی مسکراہٹ میں ڈھلے۔ "چچا کے لڑکے اور کرایہ دار لڑکی کا قصہ۔"

جواباً وہ خاموش رہی، البتہ مسکراہٹ چھپانے کو رخ بدل لیا تھا۔ اُف اُف اُف۔

★★★★★

صبح کی پُو پھوٹنے میں ابھی کافی سمے تھا۔ اپنے منتشر خیالات کو یکجا کرنے، اور دھند کے پار کا سفر کرنے کی خاطر اس کی آنکھیں سیدھ میں تھیں، قدم تیز تیز بھاگ رہے تھے۔ معاً وہ چونک کر رکا۔ نگاہوں کی سیدھ میں اس نے بنفشہ کو دیکھا۔ وہ ڈھیلی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھی، گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہ اپنا تنفس بحال کر رہی تھی جب اسلان اس تک آیا۔

"تمہیں جاگنگ کی کیا ضرورت ہے؟" اس کا اپنا سانس بھی پھولا ہوا تھا۔ شرٹ سینے سے گیلی تھی۔

شناسا آواز پر اس نے تیزی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ایک لمحے کو وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ اگلے لمحے اس کے تاثرات تن گئے۔ "مجھ سے کم سے کم بات کیا کرو۔"

کیوں؟" وہ اسی طرح پھولتی سانسوں کے درمیان بولا۔ بنفشہ اسے جواب دیے بنا آگے بڑھی۔

"میں جانتا ہوں تم "کیا" جان گئی ہو۔" وہ جو آگے بڑھنے لگی تھی۔ کسی نے اس کے قدموں میں زنجیر باندھ کر اپنی جانب کھینچا۔ وہ مڑ ہی نہ سکی۔ "عالم چاہتا تھا تم اور میں ایک دوسرے کے سامنے اداکاری کریں، جھوٹ بولیں کیونکہ تم یہ بات مجھ سے نہ پوچھتیں اور میں بتا نہیں سکتا تھا۔" وہ اب بھی نہیں مڑی، مگر آگے بھی نہ بڑھی یہ اشارہ تھا کہ وہ سن رہی ہے اور سننا چاہتی ہے۔ "اگر تم جان گئی ہو تو ٹھیک ہے جان لو، میں ڈرتا نہیں، نہ میں اپنے عمل پر شرمندہ ہوں۔"

اب کے وہ مڑی۔ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم نے شاہ ویر۔۔۔"

"شش۔۔۔" لبوں پر انگلی رکھتے اسلان آگے آیا۔ "ہم بات کو براہ راست ڈسکس نہیں کر سکتے۔"

"تم قاتل ہو۔" وہ پھنکاری۔ "تم نے مجھے استعمال کیا، اپنے دوست کا قتل کیا، تم نے اپنے ہی چچا کو دھوکا دیا، تم نے ایک لمحے کے لیے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ تمہاری بہن کا منگیتر ہے؟"

وہ اس کے روبرو کھڑی اس سے جرح کر رہی تھی، اسلان نے دھیرے سے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"وہ میری بہن کا منگیتر تھا اسی لیے مارا۔ ارادہ مارنے کا نہیں تھا لیکن ارادہ اسے چھوڑنے کا بھی نہیں تھا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا میری بہن سے دور رہے، وہ نہیں رہا تو۔۔۔" انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی سہلائی۔ "کرنا پڑا۔"

بنفشہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ کس قدر بے رحمی سے بات کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی پچھتاوا نہیں تھا، چہرے پر کوئی ملال نہیں۔ ”کیوں مارا؟“

”اٹس پرسنل۔“ اس نے شانے اچکائے۔

”تمہیں لگتا ہے، میں وجہ معلوم نہیں کر سکتی؟“

”میں آپ کی صلاحیتوں سے واقف ہوں، بے شک آپ ایسا کر سکتی ہیں۔“ بنفشہ کے اندر طیش کی لہریں سر اٹھا رہی تھیں۔ ”آپ اسکار کو کچھ نہیں بتائیں گی رائٹ؟“

”میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں جو میرا دل کرے گا، کروں گی۔“

”ٹھیک ہے مگر اس کے بعد مجھ سے کسی قسم کی اچھائی کی امید مت رکھنا۔“ اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

”تم دھمکا رہے ہو؟“

”ایک قاتل سے اور کیا امید تھی آپ کو؟“ وہ زہر خند نظروں سے اسے تکتی پلٹ گئی۔ اسلان اس کی پشت کو تکتا رہا یہاں تک کہ وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ بینچ پر آ کر بیٹھا۔ شانے ڈھلک گئے، انداز میں زمانوں کی تکان سمٹ آئی۔ دل کے ایک کونے سے کوئی آواز ابھری۔

”تم اسے پورا سچ بھی بتا سکتے تھے۔“

اس نے سر جھٹکا۔ ”میرا سچ اسے میرے قریب لے آتا اور میرے قریب محض فریب ہے۔“

”تم نے اس کی آنکھیں دیکھی ہیں، ان آنکھوں سے نگاہ چرانا غلط نہیں لگتا؟“

وہ گردن جھکائے ہنس پڑا، کرب زدہ سی ہنسی۔ ”آج میں نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں اپنے لیے حقارت دیکھی ہے، پہلی بار وہ مجھے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے تھوک دے گی۔ مجھے پہلی بار بُرا لگ رہا ہے لیکن میں کسی عورت کی زندگی تباہ نہیں کر سکتا۔ میرے ساتھ قدم قدم خار دار ہے اور کوئی لڑکی کسی مرد کے پچھلے غم جھیلنے کی حقدار نہیں ہے۔“

”تم غلط ہو، بے حد غلط۔“

”تم چپ رہو۔“ اس نے دل کو ڈپٹا۔ ”تمہارے فیصلوں نے مجھے محض خواری دی ہے۔“

”لاہور واپس آنا میرا ہی فیصلہ تھا، اسے گھر پر روکنا بھی، ہسپتال میں اس کا بوجھ بانٹنا بھی، ٹیرس پر بیٹھ کر اسے چپ کروانا بھی اور۔۔۔“

”اوکے!“ اس نے ہمیشہ والا جواب تھما دیا کیونکہ وہ الفاظ اور دلیلوں سے فارغ ہو چکا تھا۔ اب دل بولتا رہے، وہ چلتا رہے گا۔ یہ الگ بات تھی، دل کا ہر لفظ اسے زخمی کر رہا تھا اور وہ نگاہیں بھولے نہیں بھول رہی تھیں۔ مگر بچپن سے آج تک اس نے اپنی پسندیدہ چیزوں اور انسانوں سے دستبرداریاں دی تھیں اب یہ کام کٹھن نہیں رہا تھا۔

★★★★★

وہ پارک سے نکلی تو غصے میں امجد انکل کی گلی میں چلی گئی۔ یہاں سے لعل یمن ذرا فاصلے پر تھا اور اسے کچھ وقت اپنے ساتھ چاہیے تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ امجد انکل کی گلی دہشت کا دوسرا نام ہے۔ اپنی پانی کی بوتل ہاتھ میں لیے وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی جب گلی کے عین درمیان ٹھٹک کر رکی۔ اس کے دائیں اور بائیں دو دو کتے کھڑے تھے۔ بنفشہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس نے آگے پیچھے دیکھا گلی میں کوئی نہیں تھا، آگے بڑھنے کو حوصلہ چاہیے تھا اور ابھی اس نے ایک ہی قدم آگے بڑھایا تھا کہ کتے بھونکنے لگے، بنفشہ احسان سرپٹ بھاگی۔ اسے کتوں سے خوف آتا تھا۔ اس کے بھاگنے پر دو کتے اس کے پیچھے بھاگے، اس وقت اسے یقین ہو گیا تھا یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔۔۔۔ کیا وہ کتوں کے ہاتھوں مرنے والی تھی، ابھی اسے کچھ بھی ہوتا کہ اس نے ایک بھاری آواز سنی۔

”بنٹی، روور پیچھے رہو۔“ یہ اسلان یمن کی آواز تھی۔ سنجیدہ، تحکم والی۔ دونوں کتے واقعی رک گئے۔ ”تھور یہ کیا طریقہ ہے ہاں؟“ وہ ایک گھٹنا نیچے رکھ کر، ان کے سامنے بیٹھا۔ بنٹی، روور، تھور اور ان کے بقیہ ساتھی بھی اس کے آس پاس جمع ہو گئے۔ وہ اس سے مانوس تھے، سر اس کے گھٹنے سے رگڑنے لگے۔

بنفشہ اب تک سانس روکے کھڑی تھی، آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ اسلان نے ایک کتے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔ ”آپ کو بھاگنا نہیں چاہیے تھا یہ ڈر جاتے ہیں۔“

"تو کیا میں انتظار کرتی کہ کب تمہارے یہ چیلے میری بوٹی بوٹی کریں گے۔" وہ پوری شدت سے چیخی۔ آنسو تیزی سے بہنے لگے۔ اسے اسلان کے سامنے سبکی محسوس ہوئی۔

"میرے چیلے؟" اس نے حیرت سے کہا ساتھ بنٹی کو تادیبی نظروں سے گھورا۔ "میں نے منع کیا تھا نا؟ آتے جاتے لوگوں کو تنگ نہیں کرتے۔" بنفشہ نے اس کی اس گول میز کانفرنس پر لعنت بھیجتے ایک قدم پیچھے لیا ہی تھا کہ ان کے گروہ سے ایک کتا پھر بھونکا۔ وہ زور سے چلائی، سہمی ساتھ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھتے اسلان پر چیخی بھی۔

"یہ سب تم کر رہے ہو تمہاری وجہ سے ہوا سب، تم نے ان کو میرے راستے میں اکھٹا کیا ہو گا۔"

وہ جو کتے کو ڈپٹ رہا تھا اس کی گوہر افشائیوں پر سر پیٹ کر رہ گیا۔ "آپ رکو میرے ساتھ چلنا، میرے ساتھ جاؤ گی تو اگلی دفعہ یہ تنگ بھی نہیں کریں گے۔"

"میں کیوں رکوں تمہارے لیے؟" وہ جی کڑا کر بولی۔ "میں جاؤں گی خود جاؤں گی اور تم نے جو کرنا ہے تم کر لو۔"

اسلان نے شانے اچکائے۔ ابھی اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا کہ اسلان نے آنکھ سے اشارہ کیا اور اب وہ چاروں ایک ساتھ بھونکنے لگے۔ بنفشہ زور زور سے بچوں کی طرح روتے ہوئے رک گئی۔ اسلان گردن جھکائے ہنس رہا تھا۔ اسے اب واقعی مزہ آ رہا تھا۔

"ان کو چپ کرواؤ اسلان ورنہ میں تمہارا قتل کر دوں گی۔"

"یہ میری بات نہیں مان رہے، بنفشہ ان کی فرمائش ہے آج تمہیں گھر میں چھوڑنے جاؤں۔" اسلان کی آنکھ کا اشارہ ایک بار پھر ہوا اور اب وہ حلق کے بل بھونک رہے تھے۔

"جو تم کہو گے وہ ہو گا ان کو پلیز چپ کرواؤ۔" وہ روہانسی ہوئے منت کر گئی۔

"اچھا بس۔۔۔۔ شور بند اب بالکل چپ۔" وہ ایک بار پھر انہیں گھرکنے لگا۔ کتے واقعی چپ کر گئے۔ اسلان نے اپنے ہاتھ میں پکڑی شاپر سے کچھ بسکٹ نکال کر ان کو دیے، ان میں سے ایک نے اپنا سر اس کے گھٹنے سے رگڑا۔ اسلان نے ایک بار پھر اس کا ماتھا سہلایا۔ "ان کو اگلی بار تنگ مت کرنا ٹھیک ہے؟" وہ اس کی بات سمجھ گئے تھے اسلان جانتا تھا۔

چند پل بعد سورج نکل آیا تھا، اور ان کی پشت پر روشنی پڑ رہی تھی۔ متورم آنکھوں والی لڑکی بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھ رہی تھی۔ "وہ اب نہیں آئیں گے۔" اسلان نے اس کی تشفی کروانی چاہی۔

"تم اور تمہارا گینگ میرے لیے ناقابل اعتبار ہے۔"

"میں آپ کو کتا لگتا ہوں یا وہ کتے مجھ جیسے؟ وہ میرا گینگ کیسے ہو سکتے ہیں۔" لاٹ صاحب برا ہی مان گئے تھے۔

"اگر وہ تمہارا گینگ نہیں تھا تو تمہیں دیکھ کر چپ کیسے ہو گئے؟"

"امجد صاحب چاچو کے دوست ہیں، ان کے گھر کوئی لڑکا نہیں تو یہ چاروں کو جب ان کے کلینکل چیک اپ کے لیے لے کر جانا ہوتا ہے، میں ہی جاتا ہوں۔ بلکہ امجد صاحب کے ساتھ مل کر ان کو لایا بھی میں ہی تھا۔ اتنے چھوٹے چھوٹے سے تھے۔" اس کے لہجے میں پیار تھا۔

"مجھے کیوں بتا رہے ہو؟"

"تاکہ تمہیں یہ نہ لگے کہ میں نے انہیں تم پر بھونکنے کے لیے رشوت دی تھی۔"

"ایک قاتل سے اور کیا امید رکھوں؟" اسلان چند لمحے اسے تکتا رہا، پھر گہری سانس لی اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ بنفشہ کو ایسے لمحات میں وہ سخت زہر لگا کرتا تھا جب وہ کچھ کہنا چاہے اور کہتا نہ ہو۔

"یہ پانچ کا گروپ تھا۔" چلتے چلتے اس نے کہا۔ "پھر کچھ دن قبل کوئی چور آ گیا تھا یہ سب اس پر بھونکے تو چوروں نے ان میں سے ایک کو گولی مار دی، وہ مر گیا وکیل صاحبہ۔" بنفشہ کا دل دھک سے رہ گیا، اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا بنٹی، روور اور اس کے ساتھی اب آنکھ سے اوجھل تھے۔ "نہ یہ پہلے بھونکتے تھے اور نہ کاٹتے تھے۔ وہ اب نئے لوگوں سے خوف زدہ ہیں، کوئی شوقیہ وائلنٹ نہیں ہوتا۔"

"تمہیں کچھ نہیں کہتے؟"

"اب سے "تمہیں" بھی کچھ نہیں کہیں گے۔"

"کیوں؟" اسلان نے گردن پھیر کر اسے دیکھا، ہلکا سا مسکرایا۔

"میری وجہ سے، اب تم ان کے لیے ناقابل اعتبار نہیں رہی۔"

وہ چپ ہوگئی، کہنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ دونوں بے حد خاموشی سے گھر کی طرف جانے لگے۔ دروازے تک آتے ہوئے وہ الگ الگ ہوئے۔ اسلان دروازہ بجا رہا تھا اور وہ ادھ کھلے دروازے سے اپنے گھر داخل ہو رہی تھی جب اسے رکنا پڑا، اس نے اسلان کی طرف دیکھا۔ شکریہ کہنے کو لب کھولے پھر رک گئی۔ وہ تب تک اندر داخل ہو چکا تھا۔

ان دونوں کے درمیان اب بہت کچھ ادھورا رہنا تھا۔

★★★★★

"آراہ کیسی ہے اب؟"

میز پر پڑے کاغذات یہاں سے وہاں کرتے ہوئے شاہ زید بنگش نے انتہائی سرسری لہجے میں استفسار کیا۔ سہراب جو کہ جسویندر سے ضارم کے کیس کے متعلق کچھ پوچھ رہا تھا، ٹھہر گیا۔

"اس کا کیا ذکر؟" وہ فوراً محتاط ہوا۔

"ضارم کے بعد.... میرا مطلب ہے موو آن مشکل ہے نا؟"

سہراب نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔ "ضارم کے ساتھ اس کا رشتہ میں طے کر رہا تھا اور شاہ ویر کے ساتھ اس کا دو سالہ تعلق تھا جب وہ شاہ ویر کو بھول کر آگے بڑھ سکتی ہے تو ضارم کو بھی بھول سکتی ہے، میری بھتیجی کو معمولی نہ سمجھو۔" زید نے ہاتھ اٹھا دیے ایسے جیسے معذرت کر رہا ہو۔

"میں ذاتیات میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ بس یونہی پوچھ لیا۔"

"پولیس کہہ رہی تھی کہ ضارم کا قتل کسی جلن یا حسد کا نتیجہ ہے۔ ویسے میں نے ان کے رشتے کے بارے میں صرف تمہیں بتایا تھا۔"

"اور آپ کو لگتا ہے اسے میں نے قتل کیا ہے؟" اس کے براہ راست سوال کرنے پر ایک لمحے کو سہراب کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ یہاں اپنا تجربہ آزمانا چاہ رہا تھا جس کے مطابق جرم کا شک جس پر ہو اس سے اسی جرم کے متعلق سوال کرو تو وہ بات کو طول دیتا ہے، بھٹکانے کے راستے دیتا ہے مگر یہ تو ایسا کچھ نہیں کر رہا تھا۔ "اگر آپ کو ایسا لگتا

ہے تو میرے پاس میرے شاہد موجود ہیں اگر وہ بھی آپ کے لیے بے اعتبار ہیں تو ایک بات سمجھ لیں آراہ کو گھر چھوڑنے اس رات میں خود آیا تھا، آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں، میرے اور اس کے درمیان ضارم کی کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ میں تو مدیحہ کو منانا چاہ رہا ہوں۔"

شک کے دائرے کی سوئی جو اس پر اٹکی ہوئی تھی اب ذرا ڈگمگا گئی۔ "آپ کے شک بجا ہیں، سر۔ لیکن میں ایک عام آدمی ہوں، آپ چاہیں تو مجھ پر تفتیش بٹھا دیں۔ میں ایسا کیوں کروں گا؟" سہراب بہت دیر تک چبھتی ہوئی نظروں سے اسے تکتا رہا پھر دوبارہ کاغذات کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں بلاوجہ شک نہیں پالتا، اور اگر ایک بار پال لوں تو سامنے والے کو چھوڑتا نہیں۔ سنبھل کر رہو۔"

"جی!۔" وہ بے حد تابعداری سے بولا۔ اس کے چہرے پر خوف کا شائبہ تک نہ تھا سہراب کا دھیان ہٹنے لگا۔

"مجھے پارٹی کی تصاویر میں یہ ملا ہے۔" سہراب نے موبائل کھول کر ایک تصویر اسے دکھائی۔ تصویر میں سیاہ سوٹ میں ملبوس کئی محافظ کھڑے تھے۔ چوڑے شانے، کشادہ سینہ۔ مضبوط وجود۔ کوئی مشکوک آدمی ان کے ہتھے چڑھے تو چیر پھاڑ دیا جائے۔ سہراب نے تصویر زوم کر کے ایک محافظ کا چہرہ دکھایا۔ "یہ آدمی۔۔۔ یہ تمہاری سیکورٹی اسٹاف میں شامل تھا نا یہ اب کہاں ہے؟"

زید ساکن سا اس تصویر کو دیکھ رہا تھا وہ خود بھی اس آدمی کی تلاش میں تھا وہ خود بھی جاننا چاہتا تھا کہ آخر دلیپ کے ذریعہ اس کا بھائی کس کے لیے راستے کھلوانا چاہتا تھا؟ اسے اپنی تلاش یاد آئی، اسے یاد آیا وہ کس حد تک اسے ڈھونڈ چکا ہے۔

"دلیپ؟ ارے وہ تو گاؤں گیا تھا نا؟

پارٹی کی رات وہ ہوٹل نہیں آیا تھا، زید صاحب۔

ہم نے کھانا اکھٹا کھایا تھا، مجھے یاد ہے دلیپ وہاں نہیں تھا۔

صاحب، وہ تو کہہ رہا تھا اسے آپ لوگوں نے اہم کام دیا ہے۔ دلیپ کہاں ہے صاحب؟" اس کی بیوی رو رہی تھی۔ اور اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ دلیپ کو تلاش کر کے ہمت ہار رہا تھا۔ مختلف سوال تھے، مختلف جواب۔ وہ بس پاگل ہونے کے درپے تھا۔

"یہ دلیپ ہے۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ "یہ اس رات اسکواڈ میں موجود نہیں تھا۔" اس نے جھوٹ چنا۔ "مگر اس کا مقدمے سے کیا تعلق؟" تعلق ۔۔۔۔ ہاہ وہ تعلق وہ تو جڑ تھا۔

"تعلق تو ہے۔" سہراب نے موبائل اٹھایا اور ایک ویڈیو اس کے سامنے رکھی۔ تاریخ پچیس فروری درج تھی، دن کے بارہ بجے کا سمے تھا اور دلیپ آشیانہ بنگش کے عقبی دروازے سے کچھ سامان اندر لا رہا تھا۔ شاہ زید دھک سے رہ گیا۔ "کیا میں یہ سمجھوں کہ تم اس بات کو مجھ سے چھپا رہے تھے؟ دلیپ اس رات اسکواڈ میں تھا لیکن فہرست میں اس کا نام نہیں تھا، میں اس کا کیا مطلب سمجھوں؟"

"آپ جانتے ہیں، میں اس دن گھر پر نہیں تھا۔ میری واپسی رات بارہ بجے کے قریب ہوئی تھی اور اس وقت شاہ ویر پر حملہ ہو چکا تھا۔ میرے داخلے کا ثبوت ہوٹل کی سی سی ٹی وی میں موجود ہے، میں ۔۔۔۔ اپنے بھائی کے قتل میں کچھ کیوں چھپاؤں گا؟" سہراب نے کوئی تبصرہ نہیں کیا البتہ اسے شاہ زید طلال بنگش پر شک تھا۔

"بات یہ ہے زید کہ ہمارے پاس کوئی ثبوت سرے سے نہیں ہے۔ دلیپ غائب ہے اور یہ بات چاہے، تم نے تب نہ چھپائی ہو لیکن اب ضرور چھپا رہے ہو۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ کیس کئی پرتوں کے نیچے چھپا ہے لیکن پرت بس ایک ہی ہے۔ ایک عینی شاہد اور یہ کیس ختم۔ ہمیں صرف اور صرف وہ انسان چاہیے جو اس رات اندر آیا تھا۔"

"میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"وہ ابتسام ۔۔۔ کیا وہ شامل ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے، بالکل ہو سکتا ہے۔ شاہ ویر اور اس کے بیچ جھگڑا بہت بڑھ گیا تھا۔" اس نے کیس کا رخ گھمانے کی خاطر کہا۔

"کیا وہ کسی کو قتل کرنے کی حد تک جا سکتا ہے؟"

"انسان کی حدود اس کا "ضبط" طے کرتا ہے، سر۔ اگر شر پر قابو پا لیا تو ٹھیک ورنہ، کیا حد اور کیا ضبط؟"

"مجھے آج شام تک دلیپ کی بیوی کا نمبر، اس کے گھر کا پتا اور اس کے دوستوں کے نمبرز چاہئیں۔ اور یہ آخری بار تھا اس کے بعد تم نے مجھ سے کچھ بھی چھپایا تو میں یہ کیس چھوڑ دوں گا۔" زید نے سر ہلا دیا۔

سہراب باہر نکل گیا تو زید اٹھ کر مرے مرے قدموں سے فلیٹ کے سٹور روم میں آیا۔ سرخ روشنیوں میں ڈوبا وہ کمرہ خون کے رنگ جیسا تھا۔ ایک دیوار سے دوسری دیوار تک پتلی سی رسی سے کئی تصاویر لٹک رہی تھیں. میز پر بہت سارا سامان پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ایک تصویر اٹھالی۔ ہنستا مسکراتا روشن چہرہ۔ شاہ ویر طلال بنگش کا چہرہ۔

وہ کئی لمحے اس تصویر کو دیکھے گیا، پھر دھیرے سے کہا۔

"مجھے نہیں پتا کیا ہوا ہے، کس نے تم سے کیا کہا ہے لیکن میرا یقین کرو میں اسے ڈھونڈ کر سچ سامنے لاؤں گا۔" آہ، وہ اب تک بھرم میں جی رہا تھا کوئی اسے اطلاع کرے۔ دفعتاً اس کا فون بجا۔ زید نے موبائل کان سے لگایا ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان مسلی۔

"سر آپ نے کہا تھا رئیس بھائی پر نظر رکھوں۔ گاڑی کی لوکیشن نکلوائی ہے رئیس صاحب بس سیٹ پر گئے ہیں، ایک دو ہیر وئنز کے گھر اور۔۔۔۔"

"وہ بنفشہ کے ساتھ کہاں گیا تھا؟" زید نے اس کی بات کاٹی۔

"یہی تو خبر ہے سر وہ ایک بس اڈے گیا تھا اور وہاں سے کچھ سی سی ٹی وی فوٹیج نکلوائی ہیں۔"

زید تھم گیا۔ "کون سا بس سٹیشن؟" سامنے والے نے نام لیا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے میں بس سٹیشن جاؤں یا۔۔۔۔۔"

"تم کہیں نہیں جاؤ گے، آگے میں خود دیکھ لوں گا۔" اس نے کال کاٹی اصولاً اسے یہ خبر سہراب کو دینی چاہیے تھی مگر وہ نہیں دینا چاہتا تھا اسے جلد از جلد وہ فوٹیج اپنے پاس چاہیے تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے سہراب کو واٹس ایپ پر ایک پیغام موصول ہوا۔ کوئی انجان نمبر تھا وہ ابھی نظر انداز کرتا کہ تصویر کے ساتھ ایک سطر بھی سکرین پر چمکی۔

”قاتل اس رات شہر میں موجود تھا۔“ سہراب چونکا۔ اس نے تیزی سے تصویر پر کلک کیا تو وہ کھل گئی۔ وہ ایک عمارت کی تصویر تھی۔ جس کے آگے کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سلجھتا مقدمہ یکدم پیچیدہ دھاگوں میں الجھ کر رہ گیا۔

اسے یہ تصاویر بھیجنے والا آخر کون تھا اور قاتل کون؟

★★★★★

وہ بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچی تھی۔ اینجیو کی طرف سے اسے کال موصول ہوئی تھی کہ لاہور کے ایک چھوٹے سے محلے میں شوہر نے شادی کے تیسرے روز بیوی کو جلا کر مار دیا۔ وجہ عناد شوہر کی فرمائش تھی کہ اسے جہیز میں نئی گاڑی دی جائے جب بیوی نے انکار کیا تو وہ طیش میں آگیا۔ لڑکی بیس دن تک تشویش ناک حالت میں ہسپتال پڑی رہی اور آج اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اینجیو کی کچھ لڑکیاں پہلے ہی وہاں موجود تھیں۔ جب آراہ وہاں پہنچی تب خاتون کی لاش کو سرد خانے منتقل کیا جا رہا تھا۔ راہ داریوں میں وہ جمود کا شکار ہوئی۔ نعش کے چہرے سے کپڑا ہلکا سا ہٹا تو آراہ کو بے اختیار اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔ اس کا چہرہ جھلس چکا تھا، ایک آنکھ پوری طرح سے غائب اور دوسری زخم زخم۔ وہ بے دم سی بنچ پر بیٹھ گئی۔ اس کے آس پاس سناٹا تھا۔ کیا ایک غلط آدمی، ایک غلط چناؤ انسان کو یہاں تک لا سکتا ہے؟

ذرا فاصلے پر کھڑی ڈاکٹروں سے بات کرتی مائی سوہائی کی نگاہ اس کی طرف پڑی۔ وہ ساکن تھی، بنچ کے ہتھے پر اس کا ہاتھ سختی سے گڑا ہوا تھا۔ جہاں باقی ساری لڑکیاں اپنی اپنی رپورٹ کی طرف متوجہ تھیں وہاں محض ایک لڑکی تھی جو اسٹریچر پر دھرے وجود کے لیے مغموم تھی۔

”آراہ۔۔۔ وہ جو سامنے لوگ کھڑے ہیں، وہ لڑکی کے ورثاء ہیں چلو چل کر ان سے بات کرتے ہیں۔“ اس کی ساتھی لبنیٰ نے کہا۔ آراہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے تکا، اس کا منظر دھندلا ہو رہا تھا ایک انگلی، جسم کا ایک ذرا بھی جل جائے تو کیسی تکلیف ہوتی ہے یہاں کسی نے پورے کا پورا انسان کیسے جلا دیا؟ اس نے خود کو اٹھتے ہوئے، ورثاء کے

سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ لبنیٰ ان سے پوچھ رہی تھی۔ ”آپ نے پولیس میں یہ کیوں بتایا کہ گھر میں سلینڈر پھٹ گیا تھا، آپ نے سچ کیوں نہیں کہا؟“

عورت نے گیلی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔ ”عزت کا معاملہ تھا جی۔۔۔ کیا کہتے ہم؟“ آراہ نے تڑپ کر اسے دیکھا ایک عورت جھلس کر رہ گئی تھی اور۔۔۔ اور اس کے گھر والے اس معاملے کو چھپاتے رہے۔ ”اس کی ساس نے کہا تھا اگر ہم نے کچھ بتایا تو وہ کہہ دیں گی کہ ہماری لڑکی کا کہیں اور دل تھا اور اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی۔“

”جو بھی ہو چاہے دنیا جو مرضی بکواس کرے آپ کو اپنے گھر کی بچی کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔“

”ساتھ دے کر بھی کیا ہوتا جی جانے والی نے چلے ہی جانا تھا۔ بدبخت تھی، چند دن بھی سکون کے نہ دیکھ سکی۔“

اس کی نگاہ مائی سوہائی سے ملی، اسے لگا ان کی آنکھیں بول رہی ہوں۔ جیسے وہ کہہ رہی ہوں ”دیکھا۔۔۔ ایک عورت کا دشمن صرف مرد نہیں، اس کا دشمن معاشرہ ہے۔ اس کی نام نہاد غیرت، اس کے اصول اور سب سے بڑھ کر اس کی ہم جنس عورت" بھی۔

”وہ بدبخت نہیں تھی۔“ دُکھتے حلق کے ساتھ اس نے خود کو کہتے سنا۔ ”جس نے اس کا قتل کیا وہ بے غیرت تھا۔ وہ سکون کی زندگی ہی گزارنے گئی تھی لیکن اس کے شوہر نے اس پر یہ خوشی حرام کی اور اسے شے دینے والے آپ لوگ تھے۔ جس لڑکی کے ساتھ اس کا میکہ ہی نہ ٹک سکے اسے سسرال والے خاک برداشت کریں گے؟ آپ ہیں اس کی قصوروار۔۔۔ آپ کا گھرانہ۔۔۔ اس کی ساس۔۔۔ اس کا شوہر وہ بدبخت نہیں تھی، ظلم کے خلاف خاموش رہنے والے آپ سب بے غیرت تھے۔“ وہ چبا چبا کر کہتی ہٹ گئی۔ اسے رپورٹ نہیں بنانی تھی، اسے کسی سے کچھ نہیں کہنا تھا وہ بس ایک انسان کے اس دنیا سے چلے جانے پر کچھ دیر مغموم رہنا چاہتی تھی۔

ایک غلط انتخاب، ایک غلط انتخاب ایک پوری کی پوری عورت کھا گیا تھا۔

★★★★★

"یہ غلط کیا۔۔۔ بہت بہت غلط تھا۔" اسلان یمن سر جھکائے بے چینی سے دہرا رہا تھا۔ "دلیپ کے بچے ہیں، بیوی ہے اس کا پورا خاندان ہے آپ نے اس کے ساتھ غلط کیا۔ ہم اسے اس طرح غائب نہیں کر سکتے۔"

اس کے سامنے بیٹھا مرد اس جذباتیت سے متاثر نہیں ہوا۔ "میں نے وہ کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔ وہ تمہارا چہرہ دیکھ چکا تھا، وہ تمہیں تباہ کرنے کی سکت رکھتا تھا۔"

"اور ہم نے اسے تباہ کر دیا۔" وہ پُر ملال تھا، گردن ہنوز جھکی ہوئی تھی ٹانگیں اضطرابی کیفیت میں جھلا رہا تھا۔ "وہ ایک فیملی مین تھا۔" اسلان غرایا۔ "وہ میری طرح قاتل نہیں تھا آپ سمجھ کیوں نہیں رہے۔"

"ایک قاتل کو فرق کیوں پڑ رہا ہے؟" عالم نے جھک کر طیش سے اس کی ٹھوڑی تھامی۔

"ہاں پڑ رہا ہے فرق کیونکہ میرا پہلا قتل میرا آخری قتل تھا۔۔۔ وہ میری بقا تھا میں باطل نہیں ہوں۔" وہ حلق کے بل چیخ رہا تھا۔ عالم نے ایک جھٹکے سے اس کی ٹھوڑی آزاد کی۔ اور ارد گرد چکر کاٹنے لگا۔

"دلیپ میرے فلیٹ میں ہو گا تم لاہور میں تھے ہی نہیں کوئی الزام تم تک نہیں آئے گا اور۔۔۔۔ اور کیا ہے اسلان؟ مجھے بتاؤ کیا وہاں تمہارے فنگر پرنٹس ہیں، موجودگی کا کوئی اور تاثر کچھ بھی؟"

"دلیپ کو جانے دو، عالم۔ اگر وہ کسی کو بتانا چاہتا ہے تو بتانے دو۔ میں باطل نہیں ہوں۔"

عالمگیر چند لمحے اسے چپ چاپ دیکھتا رہا، پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اس کے سامنے آکر رکا۔ اپنے مضبوط ہاتھ اس کے کندھوں پر جمائے۔ "اگر سامنے والی کی دی ہوئی تکلیف کا محور تم ہو تو میں ہوں باطل۔ میں غلط، میں گناہ گار۔ میں تمہیں تباہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، یہ چُناؤ نہیں میری مجبوری ہے۔"

اسلان یمن بنا پلکیں جھپکے چپ چاپ اسے تکے گیا۔ کوئی اس کا ساتھ کیسے دے سکتا تھا؟

★★★★★

ماضی! "ایڈنبرگ"

بعض دفعہ ایڈنبرگ کسی ایسی فلم کی یاد دلاتا جو لندن کے قدیم ادوار پر بنی ہو، یا پھر کوئی ایسا شہر جس کو وقت کی جدت نہ تبدیل کر سکی ہو۔ وہی یورپی طرز کی عمارتیں، ان میں لگی تکون شیشے والی کھڑکیاں، قلعوں کی مانند مضبوط

دیواریں اور ان دیواروں کے بیچ بیٹھے دو دوست۔ وہ دونوں روبرو ایک ہی زینے پر بیٹھے تھے۔ عین سامنے۔ اسلان یکجا ہوئے کاغذات پلٹ رہا تھا۔ زینوں کے عین سامنے شاہ ویر کی گاڑی کھڑی تھی۔ کچھ دیر قبل ہونے والی بوندا باندی کے بقیہ جات گاڑی کے شیشوں پر واضح تھے۔

"کتنا پڑھا؟" اسے مسلسل کاغذات پر سر جھکائے دیکھ شاہ ویر بے چینی سے بولا۔

"ابھی چپ رہو۔" صفحہ پلٹتے ہوئے مصروفیت سے کہا۔ ساتھ ایک زینہ اوپر رکھا لیپ ٹاپ اٹھایا اور شاہ ویر کی بنائی ہوئی مختصر فلم دیکھنے لگا۔ سکرین دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔ بہت دیر تک وہ سکرین دیکھتا رہا یہاں تک کہ شاہ ویر وہاں سے اٹھ گیا تھوڑی دیر بعد وہ کافی کے دو کپ لیے واپس آیا تو اسلان اب بھی وہیں بیٹھا تھا۔ آنکھیں مسلتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھا، کاغذات اس کے اوپر رکھے۔ شاہ ویر نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے تھام لیا۔

"کیسا تھا؟"

"پہلے سمجھنے دو یہ تھا کیا۔۔۔۔" اس نے کافی کا گھونٹ بھرا، پھر شاہ ویر کو دیکھا جو متذبذب سا اس کے سامنے بیٹھ رہا تھا۔ "یہ بے کار تھا شاہ ویر اس فلم کو میوٹ (mute) پر چلنا چاہیے۔ نہ جذبات ہیں، نہ پراسیس ہے، نہ ہی ڈائیلاگ ڈیلوری اچھی ہے اور نہ ہی اینڈنگ۔ یہ فلاپ ہے۔ فلاپ اعظم۔" شاہ ویر کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اسلان نے پہلی مرتبہ کسی شخص کے چہرے سے یکدم ساری روشنی رخصت ہوتے ہوئے دیکھی۔ وہ چند پل کے لیے کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔

"لیکن جن چیزوں کی میں تعریف کروں گا، وہ تمہاری منظر بندی ہے۔ چاہے کہانی میں دم نہیں ہے لیکن تمہارے visuals اور زاویے کمال ہیں، میں نے آج سے پہلے ایسا کام کبھی نہیں دیکھا۔" بے نیازی سے کہتے اس نے شاہ ویر کو دیکھا اس کی آنکھیں چھلکنے کو تیار تھیں۔ اسلان بوکھلا گیا۔ "ارے کیا ہوا.... رو کیوں رہے ہو؟"

"تم نے میرا دل توڑ دیا ہے۔" وہ آنکھیں رگڑتے ہوئے پیچھے ہوا۔ "تم کم از کم درست الفاظ تو استعمال کر ہی سکتے تھے۔"

"درست الفاظ سے کیا بات تبدیل ہو جائے گی؟"

"تم ایک انتہائی تلخ آدمی ہو۔ جس انسان کو بات کرنے اور سمجھانے کا طریقہ نہ آتا ہو وہ ایک تبصرہ نگار کیا، انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں۔"

"تم نے خود کہا تھا سچ بولو اب برداشت بھی تو کرو۔"

"کیا تمہیں یہ پتا ہے کہ پنار ایک نمبر کی گولڈ ڈگر عورت ہے اور وہ صرف اور صرف تمہاری ذہانت کی وجہ سے تمہارے ساتھ ہے کیا تم جانتے ہو؟"

"ہر انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ ایک وجہ سے ہوتا ہے۔" اس نے مدافعانہ انداز اپنایا۔ ہاں البتہ چہرہ ہتک سے سرخ ہوا تھا۔ "اور یہاں اس کا کیا ذکر؟"

"کیا یہ سچ نہیں ہے؟" شاہ ویر ہنوز اپنی بات پر اڑا کا تھا۔ اسلان سچ جان کر بھی جھٹلانے کی کوشش میں تھا۔

"تم اگر واقعی میرے دوست ہوتے تو یہ بات تمیز سے کرتے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا ابھی وہ دو قدم ہی چلا تھا کہ اپنی ہی کہی بات اس کے ذہن میں گونجی اور وہ ٹھٹک کر رکا۔ سب سے اونچے زینے پر کھڑا وہ اسے جتاتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شاہ ویر چند پل اسے بے زاری سے تکتا رہا پھر چلا گیا۔

اس رات جب ان دونوں کے کمرے میں فانوس روشن تھے۔ شاہ ویر کی نگاہیں گاہے بگاہے اسلان کو تک رہی تھیں۔ بھوری شرٹ اور پاجامے والا لڑکا مسلسل مسودہ ہاتھوں میں لیے بیٹھا رہا۔ کبھی وہ ناخن چباتا، کبھی اٹھ کر ٹہلتا کبھی پین سے کاغذ پر کچھ درج کرتا اور کبھی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا۔ وہ رات گئے تک جاگتا رہا۔ یہاں تک کہ شاہ ویر نے اپنی طرف کی بتیاں بُجھا دیں۔ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اسے اپنا کندھا جھنجوڑے جانے کا احساس ہوا۔ شاہ ویر آنکھیں مسلتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ نیم خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "کیا ہے؟"

"کمال ہے۔۔۔۔" اس کی آواز میں کھنکھناہٹ تھی۔ "تمہارے کام میں کمال ہے، میں نے ڈھونڈ لیا ہے کیا۔" اس نے شاہ ویر کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر بٹھایا، اس کی طرف کی بتی جلائی اور خود اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ بال بکھرے ہوئے۔ "اپنے کرداروں کو پرفیکٹ بنانا چھوڑ دو شاہ ویر۔ یہ کام تم نہیں کر

سکتے یہیں تم پیچھے رہ رہے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کوئی اچھا نہیں ہوتا مکمل طور پر کوئی انسان سفید نہیں ہوتا۔ میں نے نوٹ کیا ہے جہاں جہاں تمہارا کردار اخلاق سے گری حرکت کرتا ہے وہاں انداز، مکالمے، کردار کی چمک ہی الگ ہوتی ہے۔ تم ہیروز لکھنے کے لیے نہیں بنے۔ وہ لکھو جو دل چاہتا ہے۔ خود پر چیزیں لاگو مت کرو۔ تم ولنز لکھو۔"

شب خوابی کے لباس میں نیم کھلی آنکھوں سے اسے تکتا شاہ ویر تکان سے سر اس کے کندھے پر گرا گیا۔ کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی ان دونوں پر گر رہی تھی۔ "حقیقت تلخ ہوتی ہے، اسلان کون پڑھنا چاہے گا؟"

"میں۔۔۔ تم کچھ بھی لکھو گے، میں پڑھوں گا۔ تم کوئی بھی فلم بناؤ گے، میں دیکھوں گا۔ تمہارے لیے جب جب تالیاں بجانے کا موقع آئے گا تم مجھے پہلی رو میں دیکھو گے قاری ہمیشہ اپنی کہانی ڈھونڈ لیتا ہے تم اپنے لیے لکھو دنیا کے لیے لکھو گے تو مقصد اور محبت کھو دینے کا خدشہ ہے۔ ادھر دیکھو میری طرف تم دوہری شخصیت کے کردار کمال لکھ سکتے ہو۔" اس نے ایک بار پھر شاہ ویر کو شانوں سے تھام کر سیدھا کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تم سن رہے ہو یا نہیں؟"

شاہ ویر نے نیند سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا چند پل دیکھتا رہا اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس نے دونوں بازو پھیلاتے اسلان کو سینے سے لگایا۔ محبت جتانے کا یہ اس کا طریقہ تھا۔ اسلان کے ہاتھ چند پل پہلو میں گرے رہے، پھر اس نے سختی سے بازو اس کے گرد پھیلا لیے۔ شاہ ویر اس کا متشکر تھا، اور اسلان کو بے لوث تعلقات بہت مدت بعد نصیب ہوئے تھے۔ ایک سکون تھا جو اس وقت ان دونوں کو نصیب ہوا اسلان یمن اس شخص کو قریب تر رکھنا چاہتا تھا۔

"چلو ہٹو اب۔۔۔ مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔" اسلان نے تھوڑی دیر بعد اسے کھینچ کر الگ کیا۔ شاہ ویر بھی بستر سے نکل آیا۔ آئینے کی طرف جاتے ہوئے وہ ایک پل کو رکا ساتھ پڑے کچرہ دان میں کاغذوں کا ایک انبار پڑا تھا جن پر ایک کہانی درج تھی۔

"پھر پھاڑ کر پھینک دیا؟" شاہ ویر نے مسودہ کچرے دان سے نکال کر آنکھوں کے آگے کیا۔ غسل خانے کی طرف جاتا اسلان رکا، ایک بے نیاز نگاہ اس پر ڈالی۔

"کچھ خاص نہیں تھا۔"

"یہ بُک رائٹنگ ہے، سکرین رائٹ نہیں کرو گے؟"

وہ دروازے پر ہی ٹھہر گیا۔ ذہن میں کئی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ "یہ کون پڑھنا چاہے گا، اسلان۔ اگلی بار زیادہ محنت کرنا۔" مس جیفری اس کی استاد نے کل ہی اس سے کہا تھا۔ ہاہ جو لکھاری لوگوں کی رائے کو اپنے فن پارے سے معتبر سمجھ لے اس کے مسودے اور دل اسی طرح کچرہ دان کی نظر ہو جاتے ہیں۔

"اس پوری یونیورسٹی میں سب سے بے کار سکرین رائیٹر میں ہی ہوں۔"

شاہ ویر اس کی طرف دیکھے بغیر پنے پلٹ رہا تھا۔ "اور بہترین کون ہے؟"

"ظاہر ہے شاہ ویر طلال بنگش۔"

شاہ ویر نے پلٹ کر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "میری سیڑھی تیار کرو، میں آسمان پر بیٹھنے جا رہا ہوں۔"

"میرا جوتا تیار ہے پیٹھ پر کھانا ہے یا منہ پر؟" اسلان سر جھٹک کر ہنستے ہوئے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ دل البتہ بھاری تھا یہ کہانی اس کے آٹھ ماہ کی محنت تھی۔ کاش وہ کبھی تنقید کو دل سے لگانا بند کر دے۔

★★★★★

"چند ہفتے بعد!"

جامعہ کے احاطے میں کئی طلباء کیمرہ، لیپ ٹاپ، ٹیبلٹ لیے یہاں سے وہاں پھر رہے تھے۔ فائنلز کے لیے جس مختصر فلم کے بنانے کا ہدف ملا تھا وہ آج بن گئی تھا اور آج جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی۔ اسلان اور شاہ ویر ایک ساتھ چل رہے تھے۔

"ابھی رک جاؤ نا، ایسے بیچ میں کیوں جا رہے ہو؟" کلاس کی طرف جاتے ہوئے شور و غل کے بیچ شاہ ویر نے اسلان سے بات کی، جو بیس دن کی چھٹیوں میں پاکستان جا رہا تھا۔ لیپ ٹاپ کندھے پر ڈالے شاہ ویر پرسکون دکھائی دیتا تھا، جبکہ اسلان بار بار پنار کو کال ملا رہا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اسے نظر انداز کر رہی تھی، اور اسلان وجہ جاننے

پاکستان جانا چاہتا تھا۔ شاہ ویر خود بھی دس دن کے لیے پاکستان گیا تھا اور ایک ہفتہ پہلے واپس آیا تھا۔ مگر اپنے سفر کا اصل مقصد اس نے کبھی نہیں بتایا۔

اسلان اس سے کہہ رہا تھا۔ ”بیس دن کی چھٹیاں ہیں یار، میں یہاں کیا کروں گا؟“

شاہ ویر نے رک کر خفگی سے اسے دیکھا۔ ”بندے کو تم جیسا بد دل بھی نہیں ہونا چاہیے میرے ساتھ رک جاؤنا۔“

”تمہارے فلم فیسٹیول سے دو دن پہلے آجاؤں گا وعدہ ہے۔“

اس کی اس بات پر شاہ ویر کی رنگت کچھ پھیکی پڑی تھی۔ وہ جواباً خاموش رہا تو اسلان کو لگا شاید وہ اس کے جانے سے افسردہ ہے۔ چند ماہ کے اندر اندر وہ دونوں بے حد قریب آگئے تھے۔ شاہ ویر نے اسے ”لڑنے کا ہنر“ سکھایا تھا اور اسلان نے اسے جذبات لکھنا سکھایا تھا۔ وہ اس کی کہانی سے چن چن کر کیڑے نکالتا یہاں تک کہ شاہ ویر کو وہ منظر بہترین لگنے لگا تا۔ ماضی کے اوراق کو کسی فلم کی صورت دیکھو تو۔۔۔۔

شاہ ویر کیمرہ آنکھ سے لگائے، وکٹورین سٹریٹ کو کیمرے میں قید کر رہا تھا۔ وہ دونوں پچھلے تین دنوں سے یہاں آ رہے تھے مگر مجال ہے کہ شاہ ویر نے اکتفا کر لیا ہو اسے ایک مکمل منظر چاہیے تھا۔ اسلان پیچھے بیٹھا اس کے سامان لیے کھڑا تھا۔ کافی کے دو کپ بھی اس کے ہاتھ میں تھے۔

دن ڈھل گیا مگر منظر نہ مل سکا وہ مایوس ہوتا کہ پیٹھ پر تھپکی پڑی۔ ”کل دوبارہ کریں گے، فکر کیوں کرتے ہو؟“

”اور پھر وہ اسے مار دے گا نا۔“ کھڑکی پر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے شاہ ویر نے تیسری مرتبہ اپنا جملہ دہرایا۔ اسلان کی آنکھیں اچھنبے سے اکٹھی ہوئیں۔

”کیوں مارے گا کوئی تک ہی نہیں بنتی۔“

”پھر پلاٹ ٹوئسٹ کیسے آئے گا؟“

”بعض کہانیوں کو پلاٹ ٹوئسٹ کی حاجت نہیں ہوتی۔ ایسی کہانی نفسیات اور انسان کے پیچیدہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں تمہاری کہانی وہی کر رہی ہے۔ ہر لکھاری دماغ کو ہلا دینے والا پلاٹ ٹوئسٹ نہیں لکھتا، لکھنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ ہر قاری یہ پڑھنا نہیں چاہتا۔ سمجھے؟“

"ہم سمجھ گیا۔" اس کا دماغ واقعی ایک اور لئے پر چل پڑا تھا۔

اسے دیر ہو جاتی تو اسلان اس کے کپڑے نکال دیتا، ساری ساری رات جہاں وہ جاگ جاگ کر اپنی فلم پر کام کرتا وہیں صبح اسلان اسے کمرے کے کام نہ کرنے دیتا، اسلان کے لیے وہ دوست تھا، بھائی تھا۔ شاہ ویر کے جذبات بھی کچھ الگ نہیں تھے۔ اس نے صرف ایک دفعہ اسلان کو پرانے جوتوں میں دیکھا تھا۔ وہ اگلے دن دو اسنیکرز لایا اس طرح کہ سامنے والے کو اندازہ ہی نہیں ہوا کہ یہ کوئی احسان ہے۔

"مجھے یہ اچھے لگے تو دونوں لے لیے اب ہم دونوں ایک جیسے جوتے پہنیں گے۔" اسلان چند لمحے اسے تکتا رہا وہ ایک لکھاری سے لفظوں کے کھیل کھیل رہا تھا، سامنے والے نے اپنے ہم پیشہ کا بھرم رکھا اور تحفہ قبول کیا۔

"واپس کب تک آؤ گے؟" چلتے چلتے شاہ ویر نے پوچھا۔

"چھٹی سے ایک دن بھی مزید وہاں نہیں رہوں گا۔ اچھا ایک کام بھی تھا تم سے۔۔۔" کلاس کے باہر وہ دونوں رک گئے۔ شاہ ویر نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ "تمہارے پاس وائٹ تھیف کا سب سے پہلا ایڈیشن تھا دراصل میری بہن کے لیے کچھ لے کر جانا چاہتا ہوں تم نے کہاں سے لیا تھا؟" وہ حسب عادت انگوٹھے کی پشت سے ماتھا مسلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"لندن میں میرا ایک دوست رہتا ہے مجھے تو اس کے فادر نے گفٹ کیا تھا۔ لیکن تم لے لو میں نہیں پڑھتا یہ سب۔"

"ارے نہیں وہ تمہاری کتاب ہے تم رکھو میں تو بس۔۔۔"

"اسلان۔۔۔۔" شاہ ویر نے کچھ جتا کر پکارا تو وہ چپ ہو گیا۔ "تمہاری فیملی یعنی میری فیملی۔"

"لیکن پھر بھی یار۔"

"بھائی کی چیز پر بھائی کا حق ہوتا ہے، لڑکیوں کی طرح شرماؤ مت۔" اس کی گردن میں بازو ڈال کر وہ کلاس میں داخل ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد شاہ ویر نے پراجیکٹ کے لیے اپنا کام جمع کروایا۔ پوری کلاس میں اس کا کام دکھایا گیا۔ ہر طرف سے تالیاں اور توصیفی جملے ہی موصول ہوئے۔ اسلان فخر سے اسے دیکھتا رہا۔ اسے یقین تھا اس کے کام کو پزیرائی ہی ملے گی۔ "تم دیکھنا یہ فلم فیسٹیول میں بھی کامیاب ہوگی۔" اسلان نے اس سے کہا تھا۔ شاہ ویر خاموش رہا وہ منافقوں والا جواب دینے سے پرہیز کر رہا تھا۔

★★★★★★

بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ سیاہ آسمان ایک پل کو روشن ہو جاتا اور اگلے ہی پل اندھیرا۔ اونچی عمارتیں اس سے خوفناک لگ رہی تھیں۔ زرد روشنوں کے درمیان بھورے اوور کوٹ اور سفید پینٹ والا شاہ ویر موبائل کان سے لگائے ہوئے تھا۔ لمبی پتھریلی گلی میں اس کا سایہ لمبا ہو رہا تھا۔

"کیا تم بار آسکتے ہو؟ میں تمہیں پتا بھیج دیتی ہوں۔" مسکرا کر بات کرتے شاہ ویر کے حلق میں کچھ اٹکا۔

وہ ایک لٹریری ایجنٹ کی کال تھی۔ شاہ ویر کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"شیور میں آرہا ہوں۔" وہ بار پہنچا تو بارش کی وجہ سے اس کے کندھے اور بال بھیگے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے جیسیکا شروف بیٹھی تھی۔ بالوں کا کس کر جوڑا بنائے اس کا پتلا چہرہ شاہ ویر کو ہی تک رہا تھا۔ نگاہوں میں عجیب سا خمار بھی تھا جو شاہ ویر کو دیکھ کر ہی آیا تھا۔ کتھئی آنکھوں نے میز کی طرف دیکھا تو وہاں اسکاٹش وہسکی کھلی پڑی تھی وہ گہری سانس لیتا اس کے سامنے آکر بیٹھا۔

"تم جانتے ہو نا مقابلہ سخت ہے؟" وہ مکمل اعتماد کے ساتھ سر اثبات میں ہلا رہا تھا۔ کمبخت اپنی ذات کے سحر سے بخوبی واقف تھا۔

"تم اس مقابلے میں میرے لیے راہیں ہموار کر سکتی ہو، میں جانتا ہوں۔" کتھئی آنکھیں اس کی گہری سبز آنکھوں میں ڈالے وہ اس کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے گیا۔ پھر ذرا سا سہلایا۔ "تم ایک بار دیکھنا پسند کرو گی؟"

"تم میرا ہاتھ چھوڑو گے تب ہی میں لیپ ٹاپ کی کیز دبا سکتی ہوں۔" وہ ایک ادا سے بولی تھی۔

شاہ ویر مسکرایا۔ اس کا ہاتھ یونہی اپنے ہاتھ میں لیے رکھا اور اپنے ایک ہاتھ سے چند بٹن دبا کر اس نے ایک ویڈیو کھول کر اس کے سامنے کی۔ جیسیکا نے کانوں میں آلے ٹھونس لیے۔ شاہ ویر بظاہر سنجیدگی سے اسے تک رہا تھا مگر اس کے اندر ہلچل تھی۔ سینے میں تنگی سی تھی۔ سامنے بیٹھی لڑکی نے اس سے ہاتھ چھڑوا لیا تھا ادھ سکرین جسے وہ دیکھ رہی تھی اب وہ اسے پورا اپنی طرف موڑ چکی تھی۔

شاہ ویر نے پہلی بار کسی کو اتنا منہمک دیکھا تھا، پہلی بار اتنا مسمرائزڈ۔ کیا تھا اس کام میں۔۔۔؟

بیس منٹ کی اس فلم کے دوران شاہ ویر نے اس کے چہرے پر بیس ہزار رنگ بدلتے دیکھے۔ آنکھوں میں کتنے جذبات ابھرے، کائنات کے تمام رنگ وہیں اس کے چہرے کے ہی مکین ہو گئے۔ بیس منٹ بعد وہ یک ٹک سکرین کو تک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں۔۔۔ ان آنکھوں میں خزانہ کھوج لینے والی چمک تھی۔ فلم ختم ہو جانے کے کئی لمحے بعد اس نے شاہ ویر کو دیکھا۔

"میں نے جذبات، مکالموں کا ایسا سنگم آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے انسان کی لالچ اور اس کے اندر کے دیو کو آج تک اتنی نزدیکی سے کبھی نہیں دیکھا۔" وہ آگے ہوئی۔۔۔ شاہ ویر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ چند منٹ قبل اس لمس میں شوخی اور ادا تھی۔ اس پہر یہ مریدانہ لمس تھا۔ "یہ تم نے کیسے لکھا، شاہ ویر؟"

"شاید تم کہنا چاہتی ہو، یہ میں نے کیسے فلم بند کیا؟" سکرین اپنی طرف موڑتے اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔

"فلم بندی کوئی بھی کر سکتا ہے ہر کوئی لکھ نہیں سکتا اور اگر لکھ لے تو اتنا بہترین نہیں لکھ سکتا۔ یہ ایک کامبو تھا، بہترین کہانی اور بہترین عکس بندی۔" ایک آلہ کان میں لگائے، وہ اب وہی فلم دوبارہ دیکھ رہا تھا۔ شاہ ویر بنگش کی آنکھوں سے دیکھنے پر معلوم ہو رہا تھا کہ۔۔۔ یہ وہ کہانی نہیں تھی جو اس نے اسلان کی مدد سے لکھی تھی، یہ وہ بھی نہیں تھی جو اس نے آج جامعہ میں پیش کی تھی، یہ وہ بھی نہیں تھی جس کے متعلق اس کے دوست نے اس کا کندھا تھپکا تھا۔

تیز بارش میں یکدم کمرہ نمبر ۳۳۳ کی کھڑکی کھولو، ہواؤں کے ساتھ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہونے پر، اسلان کی کھلی ہوئی الماری کا پٹ ہٹانے پر اس کا غائب مسودہ بتا رہا تھا یہ کون سی کہانی تھی، اور "کیوں" اتنی بہترین تھی۔

یہ اسلان یمن کا کام تھا جسے شاہ ویر طلال بنگش غصب کر رہا تھا اور اگلے چار سالوں تک وہ اس کا بخت کھانے والا تھا۔

★★★★★

"حال"

"تم دوبارہ مانجھی پور نہیں آئیں؟" ہسپتال کے باہر گھاس کے قطعے پر بیٹھے ہوئے مائی سوہائی نے اس سے سوال کیا۔ آراہ نے اسے نہیں دیکھا وہ بس سامنے دیکھ رہی تھی۔

"اس دن میرے چچا کہہ رہے تھے کہ انہیں فیمنزم سے مسئلہ نہیں ہے عورت مارچ سے ہے۔ عورت مارچ کے ہوتے ہوئے عورتیں اس طرح ذلیل ورسوا ہو رہی ہیں اور اگر عورت مارچ ختم کر دیا جائے تو عورت کے پاس بچے گا کیا؟"

"وہی جو اس کے پاس اب بھی ہے۔"

"اور کیا ہے وہ؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"اپنی رائے، اپنا فیصلہ کرنے کا اختیار، خود مختاری، مالی مختاری۔"

آراہ کو طیش سا آنے لگا۔ "فیمنزم کی بدولت ہے یہ۔ مجھے ان جاہل عورتوں کی سمجھ نہیں آتی جو کہتی ہیں کہ ہم تو فیمنسٹ نہیں ہیں کیونکہ ہم ہاؤس وائف بننا چاہتی ہیں۔ ہم فیمنسٹ نہیں کیونکہ ہم گیس کے بل نہیں بھرنا چاہتیں، کام نہیں کرنا چاہتیں ان کو کوئی یہ بتائے "ہم چاہتی ہیں" یہی آزادی تو انہیں فیمنزم نے دی ہے۔"

"مغرب کی عورت کو یہ آزادی واقعی فیمنزم نے دی ہوگی مگر مسلمان عورت کو چودہ سو سال پہلے یہ اختیار ملے تھے، اسلام فیمنزم سے پہلے حق لایا تھا۔" مائی نے تحمل سے اختلاف کیا۔

آراہ رکی، ٹھہری۔ گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "لیکن اسلام نے یہ حق بس لکھ دیے نا مسلمان معاشرے میں انہیں لاگو تو نہیں کیا گیا، لاگو تو فیمنزم کروا رہی ہے۔"

وہ ہنسیں۔ "اچھا آج تم مجھے بتاؤ فیمنزم کیا ہے؟"

"ساری دنیا کو پتا ہے۔۔۔ مرد اور عورت کے برابر حقوق۔ نسل، رنگ، ملک کی تفریق کے بغیر۔"

"اسلام برابری کو نہیں مانتا۔"

"میرا دین اتنا سخت نہیں ہو سکتا کہ اسے مرد اور عورت کے برابر حقوق سے مسئلہ ہو۔"

"اول تو تمہارا دین مرد اور عورت کو "مختلف" مانتا ہے برابر نہیں۔ اور دوئم تمہارے نزدیک پاکستان میں کس طرح کا فیمنزم رائج ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال در سوال کر رہی تھی۔ آس پاس کا رش، لوگ سب کہیں غرق ہو چکے تھے۔

"وہی جو ساری دنیا میں رائج ہے۔ تعلیم، نوکری، عزت، جائیداد، شادی کا حق، طلاق کا حق، بچے پیدا کرنے کا حق یہ سب، یہی تو چاہیے عورت کو۔" وہ ہنسیں، ہنستے ہنستے نفی میں سر ہلایا۔

"اوہ میری نرم دل بچی! پاکستان کی ایلیٹ کلاس جب ملک سے باہر نکلی تو اس نے کئی نئے نئے فتنے دیکھے اور جب ان فتنوں کو پاکستان میں رائج کرنے کا سمے آیا تو اس کلاس نے تمہیں اور مجھے بے وقوف بنانے کا سوچا ہم عورتیں فطرتاً معصوم اور نرم دل ہوتی ہیں ہمیں بتایا گیا کہ وہ ہمارے لیے لڑ رہی ہیں لیکن سچ بتاؤں۔" اس کی آنکھوں میں کچھ در آیا۔ "وہ ہم "سے" لڑ رہی ہیں۔۔۔ فیمنزم قوم لوط کے افعال یعنی ہم جنس پرستی کو سپورٹ کرتا ہے، فیمنزم ابورشن کو سپورٹ کرتا ہے اور۔۔۔۔۔۔ فیمنزم اپنی جنس تبدیل کرنے کو درست سمجھتا ہے۔"

"وہ ویسٹرن فیمنزم ہے ہم ان چیزوں سے ہٹ کر محض اپنے بنیادی حقوق کی بات کر رہے ہیں۔ اسلام نے یہ حقوق بنا دیے فیمنزم عورتوں کو ان حقوق کا شعور دے رہا ہے۔ آج تک کتنی ساری عورتیں ہیں جنہیں پتا ہی نہیں ان کے حقوق آخر ہیں کیا۔"

"یہ۔۔۔ یہ جو اندر مر گئی نا اسے بھی نہیں پتا تھا اس کے حقوق کیا ہیں اور اسے تمہاری فیمنزم کی نہیں، تعلیم کی ضرورت تھی۔ پاکستان کی ہر عورت کو اپنے حقوق سمجھنے کے لیے تعلیم کی ضرورت ہے۔ فیمنزم کی نہیں کیونکہ جب وہ کورٹ کچہری یہاں تک کہ عام لوگوں سے بھی حق مانگے گی تو اسے اس کے ملک کے قانون اور دین کے مطابق حق ملیں گے فیمنزم کے نقطہ نمبر فلاں فلاں کے مطابق نہیں۔"

آراہ مستحکم لہجے میں اسے جھٹلا گئی۔ ”ہم اسی تعلیم کے لیے لڑ رہے ہیں۔“

”اچھا اس طرح؟“ انہوں نے اپنا موبائل آگے کیا جہاں ایک تصویر تھی۔ جس میں دو مرد ساتھ کھڑے تھے اور عبارت درج تھی۔ ”جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔“ اس نے دوسری تصویر کھولی جہاں لڑکی ایک اسٹول پر بیٹھی تھی۔ ٹانگیں دائیں بائیں کیے عجیب بے ڈھنگے انداز میں۔ ”لو بیٹھ گئی صحیح سے۔“ اگلی تصویر آراہ دیکھ بھی نہ سکی مگر اس نے پڑھا۔ ”اگر عورت والے اعضاء نہیں تو تمہاری رائے بھی نہیں۔“

”فیمنزم کی پہلی لہر واقعی عورت کے حق میں تھی جس میں اس کے بنیادی حقوق کا ذکر تھا لیکن جو اس وقت ہمارے پاس رائج ہے وہ ویسٹرن فیمنزم ہے۔ میں اس فیمنزم کو نہیں مانتی لیکن عورتوں کو ان کے حقوق کی آگاہی دینے کے لیے ایک تنظیم ہونی چاہیے اور اس تنظیم کے لیے ہمیں ایلیٹ کلاس کا پھیلایا ہوا فتنہ نہیں چاہیے۔ یہ فیمنزم غلط ہے، مغربی ہے۔“

”تو کیا ہوا، کچھ چیزیں یونیورسل ہوتی ہیں، وہ ہر خطے میں اسی طرح نافذ ہوتی ہیں جیسے ہیں۔“

”شادی ایک یونیورسل چیز ہے ساری دنیا میں اسی طرح ہوتی ہے جیسے ہمارے یہاں؟“

اس کی زبان لکنت کا شکار ہوئی۔ ”ہر خطے کے اصول و ضوابط اور اقدار مختلف ہوتے ہیں۔ چودہ سو سال قبل عورتیں پیدا ہوتے ہی دفنا دی جاتی تھیں پھر اسلام آیا اس نے عورت کو عزت بخشی اس کے قدموں تلے جنت رکھی۔ محدث لکھتے ہیں کہ نبی کریم سے ایک مرتبہ سوال ہوا کہ ”ہمارے یہاں سب سے بہترین سلوک کا حقدار کون ہے۔“ انہوں نے فرمایا تمہاری ماں۔ سوال دوبارہ ہوا انہوں نے پھر فرمایا تمہاری ماں اور جب چوتھی بار سوال ہوا تب فرمایا تمہارا باپ۔ یعنی ماں افضل ہوئی۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی وفات سے قبل تین بار تاکید کی ”عورتوں کے ساتھ اچھے رہنا۔“ مسلمان عورت دھنی ہے۔ وہ چاہے تو کمائے نہ چاہے تو نہ کمائے۔ سنت ہے کہ اس کے گھر کا مرد اس کے کام میں ہاتھ بٹائے لیکن سنت یہ نہیں کہ وہ خرچے میں بھی ہاتھ بٹائے بلکہ فرض ہے۔ مرد کے پاس آپشن نہیں ہے اسے کمانا ہی پڑے گا اسے خاندان کا خیال رکھنا ہے مغرب کو فیمنزم کی

ضرورت ہو گی لیکن ہمیں نہیں ہے۔ میرے ملک کی عورت کو ”تعلیم“ اور مرد کو ”انسانیت“ کی ضرورت ہے۔ جو کہ ہم بغیر کسی فتنے کے لا سکتے ہیں۔“

وہ بول کر خاموش ہوئی تو آراہ نے اسے دیکھا۔ ”آپ ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں آپ تو خود ایک فیمنسٹ ہیں۔“

اب کے وہ ادھیڑ عمر عورت ہلکا سا مسکرائی۔ آراہ کو لگا وہ اس کی مسکراہٹ کے جال میں آجائے گی یا پھر آچکی ہے۔

”میں فیمنسٹ نہیں ہوں۔ میں اپنے حقوق سے واقف ایک مسلمان عورت ہوں جو اپنے لیے اور اپنی قوم کی عورتوں کے لیے لڑے گی۔ لیکن اگر وہ کسی مرد یا خنثی کی حق تلفی ہوتے دیکھے گی تو وہ اس کے لیے بھی لڑے گی، مجھے کسی فیمنزم کے ٹھپے کی ضرورت نہیں ہے۔“ آراہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ یہ کیسی حقیقت تھی، کیسے موڑ پر آشکار ہو رہی تھی۔

”اپنے تمام بنیادی حقوق اور سہولیات کے لیے کسی بھی عورت کو فیمنسٹ بننے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر وہ ہے تو اسے ایک بار سوچنا ہو گا جو تحریک ابارشن کو حق سمجھتی ہے، جو قوم لوط کے افعال کو حقوق گردانتی ہے اس کے ساتھ جڑنا کیسا ہے۔ جس طرح یہ تحریک یونیورسل ہے اسی طرح اس تحریک کو ہر خطے کے اصولوں کے ساتھ آنا چاہیے تمہاری اور میری فیمنزم مختلف ہونی چاہیے اور اگر نہیں ہے تو ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“

اترتی شام میں وہ تیز تیز قدم لیتی دور ہو رہی تھی۔ مائی سوہائی نے اسے دوبارہ نہیں پکارا، نہ ہی آراہ نے دوبارہ پلٹ کر اسے دیکھا۔ اپنے نظریوں میں آتا تغیر قبول کرنا بعض دفعہ بہت مشکل ہوتا ہے۔

★★★★★

بار بار کروٹ بدلتے ہوئے وہ کسی بے چینی کا شکار تھا جب اس کی سماعتوں میں کوئی آواز آئی۔ کچی نیند ٹوٹ گئی۔ سہر اب یمن کی آنکھیں اچنبے سے اکھٹی ہوئیں۔ اس نے پاس پڑے موبائل پر وقت دیکھا تین بج کر دو منٹ ہو رہے تھے۔ اس وقت گاڑی کون لایا تھا؟

وہ چند پل یونہی بستر پر پڑا رہا، گاڑی کی روشنی اس کی کھڑکی پر پڑ رہی تھی وہ اٹھ کر کھڑکی تک آیا۔ احتیاط سے پردہ سرکا کر دیکھا تو اسلان یمن یافث کی گاڑی سے اتر رہا تھا۔ سیاہ ہڈی میں ملبوس وہ محتاط سا لگ رہا تھا۔ سہراب نے کھڑکی کھولی۔ اور اسے پکارا۔ ”کہاں گئے تھے تم؟“

وہ جو اندر کی طرف جا رہا تھا ٹھٹک کر رکا، وہ نیم اندھیرے میں تھا ورنہ سہراب اس وقت اس کے چہرے کی متغیر ہوتی رنگت بھی دیکھ لیتا۔ ”تم سے پوچھ رہا ہوں اتنی رات میں کہاں سے آ رہے ہو؟“

اسلان اس کی طرف مڑا۔ ”کیس کا کچھ کام تھا وہی کرنے گیا تھا۔“

”کیا کام؟“

”میں آپ کو نہیں بتا سکتا وکیل صاحبہ نے منع کیا ہے۔“ سہراب چند پل اسے دیکھتا رہا، اسلان ایک آخری نگاہ اس پر ڈالتے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر تیز تیز قدم لیتا اندر بڑھ گیا تھا۔

وہ پوری رات محض کروٹیں بدلتا رہا۔ اسلان کا انداز، اس کا بدلا بدلا رویہ، اس کی ایک ایک بات اسے کھٹک رہی تھی مگر وہ نظر انداز کرتا رہا تھا اب یوں لگتا تھا جیسے حد ہو گئی ہو۔

اگلی صبح وہ کام کے لیے نکل رہا تھا جب اسے کوئی خیال سا آیا۔ سہراب یمن بنفشہ احسان کے گھر کی طرف آ گیا۔ وہ جو صحن میں ہی موجود تھی اس کی آمد پر حیران ہوئی۔ ”آپ مصروف تو نہیں؟“

بنفشہ نے اسے دیکھا پھر آلو چھیلتی عظمیٰ بی کو۔ ”آلو چھیلنا فراغت میں شمار ہوتا ہے رائٹ؟“

سہراب مسکرایا وہ سبزی واپس رکھتی اس کے ساتھ اٹھ آئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ سہراب کچھ متذبذب تھا جبکہ بنفشہ متورم نگاہیں جھکائے ہوئے تھی۔

”کیا آپ نے کل رات کیس کے لیے اسلان کو کہیں بھیجا تھا؟“

”میں نے؟“ وہ حیران نہیں ہوئی آج کل اسے اسلان یمن کے نام اور کارناموں پر حیرانی نہیں ہوتی تھی۔ ”میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔“

”کیا اس نے کچھ بتایا ہے وہ کہاں گیا تھا؟“

"آئی ایم سوری لیکن آپ کو نہیں لگتا آپ غلط انسان سے تفتیش کر رہے ہیں؟" آخر میں اس کا لہجہ کچھ تیکھا ہوا۔ "وہ کہاں آتا ہے کہاں جاتا ہے، کیا کرتا ہے مجھے کوئی علم نہیں بلکہ کچھ دنوں سے مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں اسے جانتی ہی نہیں ہوں۔" سہراب نے گہری سانس لیتے دو انگلیوں سے ناک کی ہڈی دبائی۔

"اب تو ایسا لگتا ہے میں بھی اسے نہیں جانتا۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا۔ بنفشہ غیر دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا اور چھوٹے دروازے تک گیا جب وہ اپنے نرم دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہوئے اسے پکار بیٹھی۔

"وہ میرے کسی کام سے کہیں نہیں گیا۔ جھوٹ بول رہا ہے وہ، آپ سے، مجھ سے اور شاید خود سے بھی۔" سہراب نے پلٹ کر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "آپ کو لگ رہا ہے آپ جینٹل پیرنٹنگ کر رہے ہیں اس کا ساتھ دے رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کے جذباتوں کو manipulate کر رہا ہے۔ اس نے میرے ساتھ بھی یہی کیا ہے۔" اس کا لہجہ بلند نہیں تھا، اس میں کوئی طیش نہیں تھا وہ بس اطلاع دے رہی تھی۔ وہ اسلان کا بڑا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے تھا۔

"کیا کچھ ایسا ہے جو آپ جانتی ہیں اور میں نہیں؟" سہراب نے قدرے محتاط انداز میں پوچھا۔ بنفشہ کہنا چاہتی تھی ہاں۔۔بہت کچھ۔۔۔۔

یہ کہ وہ اصل زندگی میں محض پولیس کی تفتیش سے بچنے کے لیے اپنی موجودگی شہر میں ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

یہ کہ وہ مقتول کا وہ دوست تھا جن کے درمیان شاید کچھ ہو گیا تھا۔

اور یہ کہ وہ اس شہر میں کسی پلان کے تحت تھا اتفاقاً نہیں۔

ہر منظر، ہر آواز، ہر استفسار اس التجا پر بھاری تھا جو اسلان یمن نے اس سے کیا تھا۔

"اگر تمہیں میرے متعلق کوئی سچ معلوم ہو تو کیا تم اس کا دوسرا رخ تلاش کرو گی؟"

اس نے سہراب کو دیکھتے ہوئے نگاہ چرائی۔ "مجھے نہیں پتا۔" سہراب چند پل اسے دیکھتا رہا، پھر سر کو خم دیا اور دروازے سے نکل کر لعل یمن آ گیا۔ شکوک و شبہات جہاں تھے اب بھی وہیں رہے۔

★★★★★

چند ہفتے بعد!

بائیس اکتوبر کی شام تھی۔ انارا طارون بڑے سے برتن میں میدہ، چینی، چاکلیٹ اور کیک بنانے کے باقی تمام سامان ڈال رہی تھی۔ اونچی پونی ٹیل بنائے، کانوں میں ہینڈ فری ڈالے وہ بڑے مزے سے کام کرتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد تمام سامان اٹھائے وہ بنفشہ احسان کے گھر جاتی ہوئی دکھی۔ وہ جو باورچی خانے میں اپنے لیے کافی بنا رہی تھی اسے اتنے سارے سامان کے ساتھ آتے دیکھ گہری سانس لی۔ آراہ سے ہونے والی آخری چیٹ اسے یاد تھی۔

"آپ فری ہیں؟"

"وجہ؟"

"آپ نے رمضان میں ایک کیک بنایا تھا، مجھے آج ویسا ہی کیک بنانا ہے آپ کے گھر آجاؤں؟" وہ اسے منع نہیں کر سکی اور اس وقت انارا کسی مصیبت کی طرح اس کے سر پر آن وارد ہوئی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر اور شرٹ والی وکیل نے لمبے بالوں کا جوڑا بنایا، اور اسٹول کھینچ کر سلیب کے گرد آکر بیٹھی۔

"آج میری چھٹی ہے اور مجھے کچن کے کیبنٹ صاف کرنے تھے میں کیک بناؤں گی اور تم کیبنٹ صاف کرو گی اوکے؟"

"اوکے۔" وہ جھٹ سے راضی ہوئی۔ اور آگے بڑھ کر کیبنٹ سے سامان نکالنے لگی۔ تھوڑی دیر میں بنفشہ کو معلوم ہونے والا تھا اسے صفائی کا کہہ کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔

"تم باہر سے بھی آرڈر کر سکتی تھی پھر اس کیک کے لیے میری خدمات کیوں؟" بنفشہ نے اپنی کافی کی تصویر لے کر انسٹاگرام پر لگاتے ہوئے پوچھا۔ چینی پتی کے ڈبے نکالتی آراہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"آپ نے رمضان میں جو کیک بھیجا تھا بھائی نے آدھے سے زیادہ کھا لیا تھا اسے پسند آیا تھا۔ میں چاہتی ہوں آج بھی اسے پسند آئے۔" اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا، خود پر قابو رکھتے اس نے آراہ کی پشت دیکھی۔

"تو یہ کیک تمہارے بھائی کے لیے بن رہا ہے؟"

"بالکل بائیس اکتوبر اس کی سالگرہ ہے۔" بنفشہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں کی حرکت میں سستی آ گئی تھی۔ "پہلے چاچو میری اور اسلان کی برتھ ڈے پر گھر میں کچھ اچھا بنواتے تھے، کیک لاتے تھے زیادہ لوگ نہیں بس ہم فیملی اور بغیر کہے ایک چھوٹی سی سیلیبریشن۔" دونوں ہاتھ سلیب پر جمائے اس نے چہرہ بنفشہ کی طرف موڑا۔ "چار سال ہو گئے اب ہم برتھ ڈیز نہیں مناتے۔"

"کیوں؟"

"چار سال پہلے بائیس اکتوبر کی رات وہ گرفتار ہوا تھا۔" وہ عامیانہ لہجے میں کہہ گئی جبکہ بنفشہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہ سکی۔ "چاچو اور میں نے سوچا تھا دن میں کہیں جائیں گے کیک کاٹیں گے اور کچھ کھائیں گے لیکن اس کا وہ دن جیل میں گزرا.......... اس دن کے بعد سے وہ کبھی پہلے جیسا رہا ہی نہیں اور مجھے اس کی برتھ ڈے منانے کا اختیار بھی نہیں رہا۔ اتنے سال بعد ہم ایک ساتھ ہیں میں چاہتی ہوں پچھلا وقت واپس آ جائے۔ چاہے کچھ وقت کے لیے ہی سہی ہم ساتھ تو ہیں۔"

"اور یہ سب تم نے مجھے یونہی تو نہیں بتایا وجہ؟" وہ اٹھ کر آئی آدھی کافی اس کے لیے کپ میں نکال کر اسے دی اور باقی لبوں سے لگائی۔

"آپ دونوں ایک دوسرے کو cold shoulders دے رہے تھے تو میں نے سوچا آپ کو بتا دوں اس نے کوئی آئیڈیل زندگی نہیں دیکھی، اس سے آئیڈیل فیصلوں کی توقع مت رکھیں۔"

بنفشہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ "میں اس سے کوئی امید ہی نہیں رکھتی، مجھے رکھنی تھی کیا؟" لہجہ، آنکھیں سب لاتعلق لگا۔ آراہ نے سر جھٹکا اسے یقین تھا ان دونوں میں سے کوئی اعتراف نہیں کرے گا مگر وہ بھی اپنی نگاہوں کا دھوکہ نہیں مان سکتی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کچھ تھا، یا شاید ہونے والا تھا؟

بنفشہ نے اپنا موبائل اٹھایا اور سلیب پر پھیلے سامان کی تصویر لی۔ انسٹاگرام سٹوری پر ڈالتے ہوئے کیپشن لکھا اور کام میں لگ گئی۔ آراہ اپنی کافی پی رہی تھی اور بنفشہ شیشے کے برتن میں پڑے میدے میں پانی ڈال رہی تھی۔ اس نے

یونہی حامی بھر لی تھی مگر اب اس کی ایک ایک حرکت میں ٹھہراؤ اور کمال تھا یہ اسلان یمن کے لیے نہیں تھا یہ اس گھر اور اس کی خوشی کے لیے جو از سر نو تعمیر ہو رہا تھا اور وہ اس کی تعمیر میں حصے دار۔

دوسری طرف لعل یمن کے باورچی خانے میں آمنہ اور اسلان اکھٹے مصروف تھے، یافث ابھی کام سے لوٹا تھا اور وہ سلاد کاٹتا ہوا دکھائی دے رہا تھا جب سہراب بھی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کے پیکٹ تھے جو اس نے سلیب پر لا کر رکھے۔ اسلان نے اسے دیکھا اور اس کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

”آج کہیں سے چائے پانی ملا ہے کیا، اتنا خرچہ؟“ اس کا اشارہ رشوت کی طرف تھا۔ آمنہ نے اس کے کندھے پر کفگیر رسید کیا۔

”تمیز نہ سیکھنا تم۔“ سہراب نے البتہ کچھ نہیں کہا بس کف موڑتے ہوئے اسے گھور کر رہ گیا۔

”میں نہاری اور مٹن کڑاہی لایا ہوں تم کیا بنا رہی ہو؟“

”میں بنا رہا ہوں ادھر توجہ دیں۔“ ہاتھ میں اٹھائی چھری سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسلان نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

”کیا بنا رہے ہو؟“ اسی طرح تحمل سے پوچھا۔

”فرائیڈ رائس۔“

”میں نہیں کھاؤں گا۔“ اس نے ٹکا سا جواب دیا آمنہ تب تک اس کے لیے پانی لے آئی تھی۔

”آپ کو دے کون رہا ہے؟ آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ اس گھر میں جو بنتا ہے آپ کے لیے بنتا ہے؟“ وہ جان بوجھ کر اسے چڑا رہا تھا تاکہ وہ کچھ بولے البتہ سہراب نہ جانے کیوں ضبط کیے بیٹھا تھا۔

”آمنہ اگر تم فری ہو تو میرے لیے روٹی بنا دینا ورنہ۔۔۔۔“ اس نے اسلان کو دیکھا۔ ”روٹی رہنے دو جاؤ نان لے آؤ۔ اور پیدل جانا پیٹرول پھونکنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

یافث نے پیسے نکال کر اسے دیے۔ ”کولڈ ڈرنک اور آراہ کے لیے آئس کریم بھی لیتے آنا۔“

پہلوؤں پر ہاتھ رکھے آمنہ نے کلس کر انہیں دیکھا۔"یہ کس چیز کی تیاریاں ہو رہی ہیں کوئی مجھ غریب کو بھی بتائے گا؟" اسلان سہراب کا لایا سامان اٹھا کر فرج میں رکھنے لگا تھا جب اس نے سہراب کو اندر آتے، پھر اپنا کندھا تھپکتے ہوئے دیکھا۔

"آج بائیس اکتوبر ہے، اسلان کا دن۔" پانی کی بوتل اٹھا کر اس کا کندھا تھپکتے وہ باہر جا چکا تھا مگر اسلان اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ اس نے فرج کے کھلے دروازے سے اندر پڑا سامان دیکھا، ہاتھ میں پکڑا ایافث کا دیا نوٹ بھی اور ۔۔۔۔۔۔ اسے آراہ اور بنفشہ کی سٹوری بھی یاد آئی۔

باورچی خانے کے وسط میں کھڑا وہ بہت دیر تک شل رہا۔ کیا زندگی دوبارہ نارمل ہو رہی تھی؟

★★★★★★

لمبی میز سے کھانے کے تمام برتن اٹھا لیے گئے تھے۔ اسلان نے کیک کاٹ کر ایک ایک کے لیے پلیٹ بنائی تھی۔ سہراب اور آمنہ نے بنفشہ کو بھی مدعو کر رکھا تھا جو کہ اسلان سے بے نیاز آراہ کے ساتھ بات کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ کیک کا ایک تہائی حصہ وہ خود کھا چکا تھا اور بنفشہ چاہے لاکھ ظاہر نہ کرتی مگر وہ چاہتی تھی باقیوں کی طرح وہ بھی تعریف کرے، اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہونی تھی کیونکہ وہ منہ سے کم عمل سے زیادہ بولتا تھا اور اس ادھ کھایا کیک اس بات کی گواہی تھا کہ اسے پسند آیا ہے۔ وہ چاکلیٹ کیک یوں کھا رہا تھا جیسے کوئی بہت ہی صحت مند غذا ہو، جبکہ بنفشہ ایک چمچ کے بعد اب منہ سے کڑواہٹ ختم کرنے کو پانی پی رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد سب اٹھ کر اپنے کمروں کو چلے گئے، اسلان کچن میں اپنے لیے کافی بنا رہا تھا جب زینے چڑھتے سہراب نے اسے آواز دی۔"ایک کپ میر لیے بھی بناؤ اور چھت پر لے آؤ۔"

اسلان نے غور سے اس کی پشت کو دیکھا اور اپنی کافی بنا لینے کے بعد اس کے لیے چائے بنائی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چھت پر دونوں مگ میز پر رکھتے سہراب کے سامنے بیٹھ رہا تھا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تھا آسمان میں ستارے ٹمٹما رہے تھے۔"میں نے کافی کہا تھا۔" مگ اٹھاتے ہوئے اس نے سرسری سا کہا۔

"مجھے آپ کی چائے کے احکام یاد آ گئے۔"

"تم فرمائش بھی کہہ سکتے ہو۔" سہراب نے گھونٹ بھرا، پہلا گھونٹ ہی تازگی تھا۔ اسلان یمن کی چائے اس کے پسندیدہ ذائقوں میں تھی۔

"آپ کو فرمائش لگتی ہو گی مجھے ہمیشہ حکم لگا۔" اسلان اب آسمان کو دیکھنے لگا تھا۔ سہراب نے گہری سانس لی۔ کرسی پر ٹیک لگائے اس نے بھی نگاہیں آسمان پر ٹکا دیں۔ بہت دیر تک دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ خاموشی بولتی رہی۔

"تمہیں میرے بارے میں بہت کچھ لگتا ہے میں تمہیں سچ بتاؤں؟" اس نے اسلان کو دیکھا، وہ مستفسر نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ "تم میرا سرمایہ ہو، اسلان۔" اس نے چند لفظوں میں بات اور احساسات سمیٹ کر رکھ دیے۔ اسلان نے بغیر کچھ کہے نگاہیں چرا لی تھیں۔ "عالم، شجاع، میرال سب چاہتے تھے میں تمہارے اور آراہ کے لیے نہ لڑوں میں تمہیں یتیم خانے سے نہ لاؤں لیکن ان میں سے کوئی یہ نہیں سمجھتا تھا کہ تم دونوں خاص طور پر تم ـــــــــ۔" وہ رکا، لمحے بھر کا توقف کیا۔ "تم میرے ہو، میرے بچے، میرا خون۔"

"میں نے کبھی آپ کی نیت پر شک نہیں کیا، چاچو۔"

"پھر مجھے اسکار کیوں کہتے ہو میں تو ویسا نہیں۔"

"ڈونٹ ٹیل می میرے اسکار کہنے پر آپ دی لائن کنگ دیکھ کر آئے ہیں۔" سہراب ہنسا، اسلان گردن جھکائے اس کے ساتھ ہنسا۔

"تم بچپن میں بہت دیکھتے تھے اب تو حفظ ہے مجھے۔" اس نے ایک بار پھر اسلان کو دیکھا۔ "تم مجھ سے کوئی بھی بات کر سکتے ہو، کچھ بھی کہہ سکتے ہو تم جانتے ہو نا؟" اسلان نے گردن اٹھا کر نئی نظروں سے اسے دیکھا اور دیکھ کر ہنس پڑا، سہراب کو یہ ہنسی آری کی طرح کاٹ گئی۔ وہ ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ سہراب دیکھ رہا تھا اور وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

"کیا تم بات نہیں کر سکتے؟"

”کر سکتا ہوں۔۔۔۔“ وہ ہنستے ہنستے بولا۔”بالکل کر سکتا ہوں۔“اس نے آنکھیں صاف کیں اور محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھا۔”لیکن جب کرتا ہوں تب تھپڑ پڑ جاتا ہے، یا پھر ملامت یا پھر آپ کہتے ہو قد دیکھو اپنا، عمر دیکھو اپنی، خاندان دیکھو اپنا تب پتا ہے میرا دل کیا کہنا چاہتا ہے؟“

سہراب کلب خاموش تھے، آنکھوں نے پوچھا۔”کیا؟“

”حالات دیکھو میرے!“ وہ تین لفظ بول کر اسے گنگ کر گیا۔”آپ نے کبھی نہیں دیکھے چاچو اور اب ۔۔۔۔۔اب مجھے عادت بھی نہیں رہی۔ سب ٹھیک تو ہے پھر یہ ایفرٹس اب کیوں؟“ وہ جیسے بے دل ہوا ہو، سہراب کو اب معلوم ہوا وہ تو ساتھ رہ کر بھی میلوں دور تھا۔

”میں نے اپنا اور پنار کا تعلق بتایا تھا اٹھتے بیٹھتے آپ نے ذلیل کیا، فلم میکنگ پڑھنے کی خواہش کی تو ہر دفعہ آپ مجھے جتاتے رہے کہ میں غلط کر رہا ہوں اور آپ کا پیسہ ڈبو رہا ہوں۔ لکھتا تھا تو آپ کی نظروں میں کبھی تعریف نہیں دیکھی۔“

”میں ذرا سخت آدمی ہوں اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم سے محبت نہیں کرتا۔“

”وہ تو کرتے ہو آپ اس کا تو آنکھیں بند کر کے یقین ہے مجھے۔“ اسلان نے وثوق سے کہا۔”بس یہی مسئلہ ہے کہ آپ نے مجھ سے صرف محبت کی ہے۔۔۔۔۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا، رنج اور یاسیت بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ایسی مسکراہٹ جس میں صاف صاف لکھا تھا"اب دیر ہو چکی"۔”کاش کبھی آپ نے مجھے سمجھا ہوتا۔“وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا جب سہراب نے اسے پکارا۔

”تم کیا کر رہے ہو، اسلان؟ مجھے سچ سچ بتاؤ۔“

”اسی طرح پوچھتے نا یہ کھانا، کیک اور نارمل ہونے کے ڈرامے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نہیں بتا رہا اور یقیناً آپ کو اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپ تو ٹریکر لگا دیتے ہو اب بھی لگا دو اور ڈھونڈ لو سچ۔“وہ کڑواہٹ سے کہتا دھپ دھپ زینے اترتا چلا گیا۔

”تمھیں اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ پہلی کتاب کی جاسوس نے اچانک کہیں سے ابھر کر کہا۔ اسلان جواب دیے بغیر زینے اترتا گیا۔”سارا الزام اس کے سر لگا دینا صحیح بات نہیں ہے کچھ تم بھی آدمی فراڈ قسم کے تھے۔“

”اسنے ہمیشہ تمھارا بھلا چاہا ہے۔“ ہنوز کوئی جواب نہیں۔ وہ اپنے کمرے میں آیا دروازہ بند کیا۔ آوازیں تھم گئیں۔ شور ختم۔ وہ بستر پر گرنے کے انداز میں آکر لیٹ گیا۔ آنکھیں موندلیں۔

”میں اسے اس تعلق سے امیدیں نہیں دے سکتا۔“ وہ خود سے بڑبڑایا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی سہراب سے اس طرح بات کر کے وہ خوش نہیں تھا وہ اسے بہت کچھ بتانا بھی چاہتا تھا مگر ۔۔۔۔۔۔ اس کے گلے میں کچھ ڈوب کر ابھرا۔ حالات چیخ چیخ کر کہتے تھے اب دیر ہو چکی۔

★★★★★★★

یکم نومبر!

آج مطلع ابر آلود تھا۔ بعض صبحیں ایسی ہوتی ہیں جن کی ہواؤں میں ہی تازگی ہوتی ہے۔ میٹھا، مدھم سا سکون ہوتا ہے یہ بھی ایسی ہی ایک صبح تھی۔ عالمگیر آج سفید شرٹ میں ملبوس تھا۔ داڑھی بھی بنا رکھی تھی، آنکھیں بے حد سنجیدہ تھیں۔ اتفاقاً آج اسلان، یافث اور سہراب نے بھی یہی رنگ پہنا تھا۔ بنفشہ اگلی رو میں بیٹھی سنجیدہ تھی۔ اسلان نے اسے دیکھا اور اسے کچھ دیر قبل ہونے والی ملاقات یاد آئی۔

وہ تیار ہو کر سیاہ کوٹ بازو پر ڈالے باہر نکل رہی تھی جب سفید شلوار قمیض والا لڑکا اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

”آپ کیوں جا رہی ہیں؟“ اسلان نے اس کے سامنے رک کر دو ٹوک انداز میں استفسار کیا۔ اس کے گیلے بال ماتھے پر سیٹ تھے۔ داڑھی آج معمول سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجب خماز تھا۔ شاید اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

بنفشہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ ”میں کب سے تمھیں جواب دہ ہو گئی؟“

”تم کبھی بھی مجھے جواب دہ نہ تھیں، نہ ہو۔“

"اور نہ ہوں گی۔" اس نے اضافہ کیا۔

"مستقبل بعد میں دیکھیں گے ابھی مجھے یہ بتائیں، کیا آپ وہاں میرے خلاف جائیں گی؟"

"میں وہاں تمہیں قاتل ثابت نہیں کر سکتی، اسلان۔ کیونکہ نہ میرے پاس وجہ عناد ہے اور نہ ہی کوئی پختہ ثبوت سوائے اس کے کہ تم اور شاہ ویر ایک دوسرے کو جانتے تھے، تم قتل کی رات شہر میں موجود تھے اور بس۔۔۔"

وہ سانس لینے کو رکی۔ "تم لاکھ عالم سر کے بھتیجے سہی، لاکھ وہ انسان سہی جس کے ساتھ میں نے اچھا کام کیا لیکن میں تمہیں کبھی نہیں بچاؤں گی اور یہ مقدمہ ختم نہیں ہو رہا اگر عالم سربراہ بھی آ گئے تو ابتسام اندر ہو گا اور اگر اس دوران مجھے کوئی پختہ ثبوت ملا تو یقین رکھنا کہ میں اپنے بھائی کا قتل تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

اسلان پیچھے ہوا، لب ہولے سے پھڑپھڑائے۔ "یعنی پیچھا نہیں چھوڑنے والی؟"

"کچھ کہا تم نے؟" وہ ایڑھیوں کے بل پلٹی۔ گھور کر اسے دیکھا۔ اسلان مسکرایا۔

"لاکھ تم ایک بدمزاج کرایہ دار سہی لیکن میں اپنی باتیں نہیں دہراتا۔" وہ اسے سلگا کر خود سامنے سے نکل کر چلا گیا۔ بنفشہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ اس کی گردن مروڑنے کا خیال پختہ ہوتا گیا۔

دمیر اور اس کا ساتھی وکیل کچھ تاخیر سے آئے تھے۔ ان کے آتے ہی ہلچل سی مچ گئی۔ کئی لوگوں کی نظریں تمکنت تک بھی گئیں، اس کی یہاں موجودگی بلکہ اس کی جیل سے رہائی آج بھی ایک معمہ تھی۔ محض اسلان یمن جانتا تھا باہر آنے کے لیے اس ایک عورت نے کیا کیا جتن کیے تھے۔ دونوں کی نگاہ ملی، ایک پرتپش سا تاثر دونوں کے درمیان در آیا۔ ساتھ یاد ماضی بھی۔

اس کی ضمانت کی درخواست عدالت نے مسترد کر دی تھی کیونکہ تفتیشی افسر نے شک ظاہر کیا تھا کہ یہ اسلحہ ایک دہشت گرد تنظیم کو جا رہا تھا محض شک کی بنیاد پر ہی اس کی ضمانت منسوخ ہو چکی تھی۔ تمکنت کو اندازہ تھا اگر یہ تفتیش کنارے لگی تو اس کے ساتھ کیا کیا ہو سکتا ہے۔ اداکاری کی اعلیٰ منازل اس نے یوں بھی عبور کر رکھی تھیں اس روز بھی اس نے سخت علیل ہونے کا ڈھونگ رچایا اور جیل کے عملے کو اسے ہسپتال لانا پڑ گیا۔ کمرے کے باہر پولیس افسران پہرہ دے رہے تھے اور وہ اندر موجود تھی۔

کچھ دیر بعد ابتسام اس کے سامنے بیٹھا تھا۔پلنگ پر پڑی عورت کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ بے بسی بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔"ہم سب کتنے بڑے مسئلے میں پھنس گئے ہیں نا؟ آپ جیل میں، تاج میر اگھر چھوڑ کر چلی گئی ہے، زیدنہ میری کوئی بات سنتا ہے اور نہ وہ یہاں آنے کو تیار ہے۔رئیس آپ کی جگہ لے رہا ہے، شاہ ویر ہوتا تو یہ سب نہ ہو رہا ہوتا۔"

تمکنت نے اس کا ہاتھ تھپکا اور تکیوں کے سہارے سیدھی ہو بیٹھی۔"ہم اس سے باہر بھی آسکتے ہیں۔

"کیسے؟" وہ جاننے کو بے تاب ہوا۔

"اگر عالم باہر آجائے اور۔۔۔" ابتسام نے تیزی سے اس کا ہاتھ چھوڑا، اور بے یقینی سے پیچھے ہوا۔"بس کچھ وقت کی بات ہو گی ہماری فیملی دوبارہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اور یہ کیسے ہو گا؟" ابتسام نے تلخی سے پوچھا۔

"تم کچھ وقت کے لیے جیل چلے جاؤ۔" تمکنت آگے ہوئی، اپنے داماد کے کندھے پر اعتماد سے ہاتھ رکھا۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تک رہا تھا۔"دیکھو ابتسام اب وہ ہمارے حلق کو آرہا ہے، حلق میں آتا کانٹا اگر اگلا نہ جاسکے تو اسے پانی کے ساتھ نگل لینا چاہیے کچھ وقت کی تکلیف ہو گی مگر حلق آزاد ہو جائے گا ہمیں حلق آزاد کروانا ہو گا، ابتسام۔"

"اور معدے کا کیا، وہ تو تباہ ہو جائے گا، کانٹا اندر زخمی کر دے گا مسز بنگش۔"

"وقتی طور پر۔۔۔۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتی اڑی رہی۔"تمام ثبوت تمہارے خلاف ہیں تم نے سی سی ٹی وی ہٹوایا تھا، تمہارے اور اس کے درمیان جھگڑا تھا، سارے ثبوت تمہارے خلاف جاتے ہیں اور یہ سب بس کچھ وقت کے لیے ہو گا۔اس لڑکے کو جیسے ہی اس کا چچا واپس ملے گا وہ آرام سے بیٹھ جائے گا اور تم۔۔۔تم پر کچھ بھی ثابت نہیں ہو گا کچھ وقت بعد ہم ایک جھوٹا، جعلی قاتل لے آئیں گے مجھے باہر آنے دو ابتسام میں سب ٹھیک کروں گی۔اس کے پاس میری ویڈیوز ہیں جس وقت ہمارے درمیان اسلحے کی ڈیل ہوئی وہ ویڈیوز وہ مجھے تباہ کر دے گا۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔" اس کی آواز میں غراہٹ اور بے یقینی تھی۔ "میں پاکستان کے سب سے بڑے صنعت کار کی اکلوتی اولاد ہوں، میرا نام ہے، میرے خاندان کا ایک رتبہ ہے جسے پہلے ہی آپ کی وہ دو کوڑی کی وکیل بیٹی ردی کر چکی ہے۔ وہ مجھے عدالت میں نامرد ثابت کر چکی ہے اور میں صرف اور صرف آپ کی وجہ سے چپ رہا ورنہ اس وقت اس (گالی) کی لاش بھی نہ ملتی۔" پلنگ کی پائنتی پر ہاتھ رکھتے وہ ہلکا سا اس کی طرف جھکا۔ "آپ باہر آئیں یا نہ آئیں مجھے میری تاج میرے گھر پر چاہیے اور یہ آپ کریں گی کیسے، میں نہیں جانتا، کیوں یہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔۔۔" اس کی آواز گہری اور سرزنش کرتی ہوئی تھی۔

"اگر ایسا نہ ہوا تو میں خود عدالت کو بتاؤں گا کہ یہ اسلحہ واقعی دہشتگردوں کو ہی جاتا ہے اور یہ کہ فیمنزم کے نام پر آپ کتنی عورتوں کو بے وقوف بنا رہی ہیں اور یہ کہ جو ہر فور زیرو میں آپ کا ہاتھ ہے۔" ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔ "آپ مجھے جانتی نہیں، مسز بنگش۔"

تمکنت ٹھنڈی بے تاثر نگاہوں سے اسے تکتی رہیں۔ "میں اس کام کے لیے عدالت نہیں جاؤں گی میں صرف اور صرف پنار سکندر کے گھر جاؤں گی۔ اس کے جنونی بھائی کے سامنے اداکاری کروں گی کہ اس کی بہن کا قتل میرے بیٹے کے ہاتھوں ہوا اور اسے جیل سے محفوظ رکھنے میں تمہارا ہاتھ تھا۔ میں اپنے بیٹے کے لیے معافی مانگوں گی مگر تمہارا نام ضرور لوں گی۔" تمکنت نے کسی شیرنی کی طرح اس کا بازو پکڑ کر اسے پلنگ پر بٹھایا۔ "تم اور میں ایک دوسرے کا پیراہن ہیں، کوشش کرو کہ ہمارا باہمی مقصد ایک دوسرے کو ڈھکنا رہے کیونکہ ہمیں برہنہ کرنے کا انتظار آدھی دنیا کر رہی ہے۔ اور اگر یہی کام ہم دونوں کرنے لگے تو کیا منظر ہو گا تم جانتے ہو۔"

وہ ایک بار پھر گنگ رہ گیا۔ گند میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد انسان کو لگتا ہے وہ اس کا عادی ہو گیا ہے، مگر پھر ایک دن آتا ہے جب اس کی فہم کے پرخچے اڑ جاتے ہیں اس روز گند اپنے ہی دامن اور گریبان کو چمٹ چکا ہوتا ہے۔

حال میں ہلکی پھلکی ہلچل کے درمیان جج صاحب کہہ رہے تھے۔

”عدالت کی کاروائی شروع کی جائے۔“جج صاحب نے حکم نامہ جاری کیا۔کاغذات اکھٹا کیے گئے،لوگ کرسیوں پر جم کر بیٹھ گئے۔دمیر پراچہ نے ایک نگاہ ابتسام کو تکا۔وہ آنکھیں بوجھل تھیں البتہ دمیر اپنا پڑھایا ہوا پاٹ پہچانتا تھا۔

★★★★★★★

کیسا پاٹ۔۔۔۔؟

بیس ستمبر کو عدالتی کاروائی تاخیر کا شکار ہوگئی کیونکہ دمیر پراچہ نے اپنی علالت کی درخواست جمع کروادی تھی۔یہ بیٹھک اس وقت ابتسام کے گھر پر بیٹھی تھی۔شام کا پچھلا پہر تھا،ڈھلتے آفتاب کی باسی نارنجی کرنیں دیوار گیر کھڑکیوں کو پار کرتی اندر داخل ہورہی تھیں۔ملازمہ ٹرالی سے سامان نکال نکال کر میز پر ترتیب سے رکھتی جارہی تھی۔دمیر صوفے پر براجمان تھا اور اس کا اسسٹنٹ ہاتھ میں پکڑے ٹیب پر ابتسام کو کچھ دکھا رہا تھا۔

”ہمارے پاس سی سی ٹی وی فوٹیج ہے کہ بنفشہ ابتسام کے گھر آئی تھی۔یہی ویڈیو ہم عدالت میں استعمال کریں گے۔“دمیر نے کہا تھا۔

”تم نے کہا تھا یہ ایک one time thing ہوگی۔مجھے بس اس پر چند الزام لگا کر اس کا موقف کمزور کرنا ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس وقت یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟کیس ایک الگ رخ پر چلا جائے گا۔“ابتسام بنفشہ پر لگے الزامات کو مزید گھسیٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

”مجھے لگتا ہے،وہ کیس نہیں چھوڑے گی اور اگر ایسا ہوا تو ہمارے پاس کہنے کے لیے کچھ تو ہونا چاہیے۔عالمگیر مجرم نہیں،ہم چاہے جو مرضی کرلیں اس کے خلاف اب ثبوت نہیں لاسکتے۔میں نے ایک مہمان خرید لیا ہے وہ جھوٹی گواہی دے گا کہ اس نے عالمگیر کو قتل کرتے ہوئے دیکھا ہے اور۔۔۔“

”کیا واقعی ایسا ہوگا؟“ابتسام نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

دمیر کو گو کہ اپنی بات کاٹے جانا پسند نہ آیا البتہ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔”مجھے ہار نہیں پسند۔صحیح طریقے سے کچھ نہ ہوا تو مجھے ٹیڑھے راستے استعمال کرنے ہوں گے۔“

منظر بدل گیا۔ موجودہ لمحے میں دمیر اپنے گواہ کو دیکھ رہا تھا جو پچھلی نشستوں میں کہیں کسی ایک پر بیٹھا تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اس کی تسلی کروا رہا تھا۔ بنفشہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ درمیان میں آکر کھڑی ہوئی۔ عالمگیر کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، بالآخر یا تو وہ آزاد ہونے والا تھا یا پھر ایک لمبی قید۔۔۔۔ اسے اب آزاد ہونا تھا۔ اسے اپنی بیٹی کے ساتھ رہنا تھا، اسے زندگی میں اب ٹھہراؤ چاہیے تھا۔

★★★★★

"کچھ سوال ہیں میرے، جواب دو۔" لابی کے صوفے پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے وہ دونوں ارد گرد سے بے گانہ تھے۔

"پوچھو۔" کافی کا گھونٹ بھرتے موبائل پر انگلیاں چلاتے وہ مصروف تھا۔ بنفشہ نے اس کا موبائل لے کر گود میں رکھا۔

"سوال سیریس ہیں تمہیں سیریس رہنا ہو گا۔"

"جو حکم۔" وہ رخ مکمل اس کی طرف موڑ گیا۔ وہ جس قدر تابعدار ہوتا بنفشہ کو اس قدر فریبی لگتا۔

"کیا سہراب نے وہ عمارت ڈھونڈ لی، وہ عمارت کہانی کا کوئی مہرہ تھی یا ایک نئی شروعات۔"

"بس یہی؟"

"ابتسام کی اڑی اڑی رنگت کی وجہ؟" قصہ گو گہری سانس بھرتے ہوئے اس کے سوالوں کے جواب دینے کو تیار تھا، سوائے آخری کے۔۔۔۔

★★★★★

"کیا سہراب نے وہ عمارت ڈھونڈ لی؟ وہ عمارت کہانی کا کوئی مہرہ تھی یا ایک نئی شروعات، زید کیا کر رہا ہے، یہ بھی بتاؤ۔"

(زید بنگش اپنے اطراف میں طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے چل رہا تھا اس کی پیاری بہن اور رئیس یہاں اس عمارت میں دو مرتبہ آئے تھے تو یقیناً کوئی وجہ رہی ہو گی۔ وہ اپنے محافظین کی معیت میں اندر چلا آیا۔ چند منٹ کے زدو کوب اور مار پیٹ کے بعد دفتر کا منظر ہی بدل چکا تھا۔

"اب بتانا ہے وہ دونوں یہاں کیوں آئے تھے؟" کرسی پر بیٹھے ہوئے اس نے ٹھنڈی آواز میں استفسار کیا۔ انداز میں ناگواری تھی جیسے اسے یہ سب کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔

مالک جو کہ خود خاصا زخمی تھا، ایک سی ڈی لیے اس کی طرف آیا۔ "یہ ہے سر۔۔۔ یہ ایک ویڈیو ہے وہ وکیل بی بی اور امیر آدمی بھی اسی کے لیے آئے تھے۔" اس نے بنفشہ اور رئیس کا حوالہ دیا۔

زید نے سی ڈی لے لی ساتھ اشارہ کیا۔ آپریٹر نے ویڈیو چلائی۔ وہ اب مکمل توجہ کے ساتھ سکرین کو تک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ابلنے کے قریب تھیں جب اس نے تیئیس فروری کی رات اسلان یمن کو گاڑی سے اترتے ہوئے دیکھا۔ یعنی وہ شہر میں تھا؟

اسلان شجاع یمن قتل سے چند روز قبل شہر میں تھا کیونکہ وہ قتل کی تیاری کر رہا تھا۔

وہ دم سادھ کر رہ گیا، سکرین پر چلتا منظر اسے ساکن کر چکا تھا۔ اگر وہ شہر میں تھا تو گتھی ستر فیصد سلجھی معلوم ہوئی۔)

قاتل اس رات شہر میں تھا۔

انجان نمبر سے اس سطر کے ساتھ اسے ایک تصویر بھی موصول ہوئی تھی۔ اور گزشتہ تین روز سے سہر اب اس ایک تصویر کو ڈی کوڈ کرنے کی کوششوں میں سرگرداں تھا۔ آج رات بھی وہ اسی تصویر کو لیپ ٹاپ پر کھولے بیٹھا تھا۔ کافی دیر بیت گئی جب آمنہ چائے کا مگ لیے اندر داخل ہوئی۔ مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ اس کے آگے سے اٹھا لیا۔ "مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی تھرلر فلم کا حصہ بن گئی ہوں۔ سہر اب صاحب ہماری اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔"

سہراب نے تکان سے اسے دیکھا۔ کپ ایک ہاتھ میں لیتے ہوئے ایک بازو سے اس کے گرد حصار بنایا۔ "تم سافٹ رومانس کی شوقین کب سے ہوئیں؟"

"یہاں سادہ رومانس نہیں ہو رہا اور آپ مجھے کیٹیگری کا کہہ رہے ہیں؟" سہراب نے گھونٹ بھرتے ہوئے چائے ایک طرف رکھ دی۔ آمنہ اچھی چائے بناتی تھی لیکن اسلان کی چائے کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔

"تھوڑے وقت کی بات ہے بس۔۔۔ پھر میں تمہیں نادرن ایریاز لے جاؤں گا۔ صرف تم اور میں۔"

"پہلے دور میں لوگ جھوٹ بولتے تھے تو شرم سے گڑھ جاتے تھے یہاں آپ ہیں بغیر کسی انجام کی پرواہ کیے لگاتار جھوٹ بولتے ہیں۔"

وہ ہنس پڑا۔ "تمہیں شوہر کے وعدوں پر اعتبار نہیں؟"

آمنہ نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اسے تکا اور نفی میں سر ہلایا۔ "ایک فیصد بھی نہیں۔"

"اچھا مجھے کوئی نئی تازی سناؤ۔ کسی کی چغلی ہی کر دو۔" اس کے گرد حصار بنائے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے سہراب کو الہام ہوا یہ اس کی زندگی کے گمشدہ حصے تھے، جو مل جاتے تھے اور اس کی روح میں تقویت اتر جاتی تھی۔ آمنہ کی زبان کا تالہ کھلا تو کھل ہی گیا۔ وہ بولتی چلی جا رہی تھی جب سہراب کے موبائل پر اسے دو تصویریں موصول ہوئیں۔

"پہلے بنفشہ اور رئیس یہاں آئے تھے اور آج شاہ زید، مجھے خبر ملی ہے کہ وہ ان دونوں کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آیا ہے۔" جس لڑکے کو سہراب نے زید کی خبریں دینے کو کہا تھا اس کی طرف سے یہ پیغام ملا تھا ابھی وہ اس بے ضرر سی تصویر کو دیکھ کر ایک طرف رکھتا کہ کوئی بجلی کا کوندا سا اس کے دماغ میں لپکا۔ اس نے آمنہ سے اپنا حصار ختم کیا لیپ ٹاپ کی بجھی ہوئی سکرین روشن کی۔ اب وہ موبائل اور لیپ ٹاپ کی تصویر کو ملا رہا تھا۔ جہاں زید پی کیپ پہنے سر اٹھائے ایک عمارت کو دیکھ رہا تھا، وہیں اس کے سامنے بس اسٹاپ کی عمارت تھی۔ جو تصویر سہراب کو موصول ہوئی تھی اس میں بھی وہی عمارت تھی۔ بالکل وہی۔ بس اسٹاپ کی تصویر؟

قتل کا اس بس اسٹاپ سے کیا تعلق وہ الجھ کر رہ گیا۔ آمنہ نے اس کا کندھا ہلایا۔۔۔ سہراب چونکا۔

"میں تھوڑی دیر تک واپس آتا ہوں۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا۔ تیز تیز قدم لیتے ہوئے وہ اوپری منزل پر آیا۔ سٹور کی دیوار پر لگے اس کے بورڈ پر ان تمام افراد کی تصاویر لگی تھیں۔ جو شاہ ویر قتل کیس کے اہم ملزم تھے۔ عالم، ابتسام، شاہ زید، تمکنت۔ قاتل اس رات شہر میں موجود تھا۔۔۔ آخر ایسا کون سا ملزم تھا جو اس رات شہر میں نہیں تھا؟

وہ بیٹھ گیا۔ وہیں بکھرے ہوئے گتوں کے درمیان کہیں۔۔۔ اس نے شروع سے یاد کیا اور اسے ایک جھماکے سے کچھ یاد آیا۔۔۔ شاہ زید اس رات شہر میں نہیں تھا۔ وہ اب تیزی سے اٹھ کر باہر جا رہا تھا رات گہری ہو گئی تھی اس نے کمرے میں جا کر پستول اٹھائی، گولیاں ڈالیں اور گاڑی میں آ کر بیٹھا۔ اسے اس عمارت جا کر شاہ زید کا سچ جاننا تھا۔ کمبخت کو کوئی بتائے سانپ اس کی اپنی پٹاری کا مکین تھا۔

★★★★★

"چاچی۔۔۔" اسلان بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے اندر آیا۔ سہراب ابھی ابھی نکلا تھا۔ پلنگ پر اب تک اس کا لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔ "اسکار کہاں ہے؟" وہ جو اس کے سامان سمیٹ رہی تھی اس نے ایک تصویر اٹھا کر اسلان کو تھمائی۔ انداز میں خفگی تھی۔

"اسی موئے قاتل کے پیچھے۔" اسلان اس کی بات پر مسکرایا مگر جونہی اس کی نظر تصویر پر پڑی۔ اس کا دماغ بھک سے اڑا۔ اوپر لکھی سطر اور یہ عمارت۔۔۔ اوہ خدایا۔۔۔ اوہ خدایا۔۔۔۔۔

اس کی ساری دنیا گول گول گھومنے لگی تھی۔ وہ تصویر مٹھی میں دبوچے باہر کی طرف بھاگا۔

مہیب تاریکی اور تڑاتڑ برستی بارش میں وہ چہرے کو مکمل ڈھانپے ہوئے تھا۔ عمارت کے اندر داخل ہونے سے قبل اس نے سائلنسر لگی پستول سے دروازے کے دائیں اور بائیں لگے دونوں سی سی ٹی وی اڑا دیے تھے، ذرا سا شور ہوا پھر سب معمول کے مطابق۔ سہراب یمن پوری طرح چوکنا تھا۔

وہ چور قدموں سے اندر داخل ہوا یعنی دیوار پھلانگ کر۔۔۔ دو روزہ ہڑتال کے باعث بسوں کے انجن خاموش کھڑے تھے۔ سہراب بے آواز قدموں سے اندر آیا، تالے کھولنے کے کئی گُر اسے پولیس کی تربیت کے دوران

ہی دیے گئے تھے۔ وہ اندر آیا۔ کنٹرول روم چھوٹا سا تھا۔ تاریں ہر طرف بچھی ہوئی تھیں۔ سکرینز بند پڑی تھیں۔ اس نے ایک طائرانہ سی نگاہ سارے میں ڈالی جب وہ بے اختیار چونکا۔ سامنے ہی ایک کرسی پر کم عمر افسر بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں چبھتی ہوئی تھیں۔ سہراب نے اس پر پستول تان لیا۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی صاب۔ جو آپ کو چاہیے وہ ہم دے دیتے ہیں۔" اس نے دراز ٹٹولے اور ایک سی ڈی اس کی طرف بڑھائی۔ عملہ روز روز کے دھاوے سے عاجز آچکا تھا لہٰذا انہوں نے اب یہ سی ڈی خیرات کی مانند بانٹنی شروع کر دی تھی۔ سہراب نے سی ڈی لے کر کوٹ کی جیب میں ڈالی۔ پستول اب تک محتاط انداز میں تان رکھی تھی۔

"یہی ویڈیو چلا کر دکھاؤ۔" وہ چپ چاپ آگے آیا، تاریں جوڑنی شروع کیں۔ پلگ لگائے اور سکرین روشن کی۔ اسی پل باہر کسی کے دیوار ٹاپنے کی آواز آئی۔ سہراب فوراً خبردار ہوا، حواس مزید چوکنا ہوئے۔

"کسے بلایا ہے، کون ہے باہر؟" وہ غرایا۔ "تم نے کسی کو سگنل دیا ہے؟" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا نوارد دروازہ کھول کر اندر آیا۔ سیاہ لباس میں مکمل ڈھکا ہوا، چہرے پر ہیلمٹ، ایک ہاتھ میں بیٹ اور دوسرے ہاتھ میں پستول تھی۔ سہراب نے لمحوں میں اس کا جائزہ لیا۔

"کون ہو تم؟" ان دونوں نے اب ایک دوسرے پر پستول تان رکھی تھی۔ سامنے والے کے ہاتھوں میں کسی جذبے کے تحت لرزاہٹ تھی۔ وہ سہراب یمن پر پستول نہیں تاننا چاہتا تھا۔

"کون ہو تم کیا چاہتے ہو؟" سکرین کی روشنی سہراب کے آدھے دھڑ پر تھی، نوارد اندھیرے میں۔ وہ چند پل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر برق رفتاری سے اس نے تاریں کھینچیں۔ کمرہ ایک بار پھر تاریک ہو گیا۔ سہراب نے اگلے ہی لمحے اس کے داہنے رخ پر پسلیوں کے قریب ایک لات ماری، وہ کراہ ضبط کرتے جھک گیا۔ افسر آگے آیا، اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر کہنی تین سے چار بار اس کی گردن سے ذرا اوپر ماری۔

سامنے والے نے محض بچاؤ کی خاطر اسے ہٹایا اور ہاتھ میں پکڑے بیٹ سے سکرین توڑی، ایک دو، تین۔

سہراب اسے پکڑنے کی کوشش کرتا تو وہ اسے جھٹک کر دور ہٹاتا، وہ کافی پھرتیلا تھا، جوان اور طاقتور بھی مگر اس نے اب تک کوئی حملہ نہیں کیا تھا، حملہ تو درکنار اس نے کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"کون ہو تم اور کس نے بھیجا ہے؟" سہراب نے اس کے گھٹنے پر لات ماری، وہ گر پڑا مگر اسی رفتار سے اٹھا بھی۔

اگلے کئی لمحے وہ دونوں اسی طرح گتھم گتھا رہے۔ نوارد محض اس سارے سسٹم کو تباہ کرنا چاہتا تھا اور وہ تقریباً کر چکا تھا۔ سہراب نے اسے مارا تھا، بہت بری طرح مارا تھا مگر کوئی بندش تھی جس کے تحت وہ فائر نہیں کر پا رہا تھا۔

اسے نیچے گرا کر خود اس کے اوپر حاوی ہوتے ہوئے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ یونہی اس کے اوپر بیٹھے وہ اس کا ہیلمٹ اتارنے کی تگ و دو میں تھا جب پہلی بار سامنے والے کا ہاتھ اٹھا مگر سہراب بھونچکا رہ گیا جب اس نے ایک بار پھر نہ اس پر ہاتھ اٹھایا، نہ کوئی حملہ کیا بس اپنے بچاؤ کی خاطر اسے دھکا دے کر خود سے دور کیا، بیٹ اٹھا کر بقیہ سکرینز توڑیں سہراب خود کو گھسیٹتے ہوئے اس کی طرف بڑھا اس کا پیر اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ پوری قوت لگا کر خود کو چھڑوا گیا۔

دونوں بری طرح ہانپ رہے تھے۔ سہراب پھولے تنفس کے ساتھ چھوٹی سی میز کا سہارا لیتے اٹھا اسے پکڑنے کے لیے آگے بڑھا جب اس نے جیب سے کچھ نکال کر نیچے پھینکا، وہ گول کنچے تھے وہ پھسل کر نیچے گرا تب تک وہ دراز سے تمام سی ڈیز اٹھا کر جیب میں ڈالتے دروازہ باہر سے بند کر رہا تھا۔

باہر پولیس آگئی تھی سیاہ لباس والا آدمی لنگڑا کر چلتا ہوا دیوار تک آیا، بڑی مشکل سے دیوار پار کی۔ کچھ منٹ بعد وہ زخمی مرد اپنی سیاہ ہیوی بائیک پر سوار تھا۔ اس کے حساب سے وہ ثبوت مٹا چکا ہے مگر وہ نہیں جانتا تھا اپنے چچا یعنی افسر سہراب یمن پر ہاتھ نہ اٹھا کر، اپنے ساتھ آراہ کی پستول لا کر، اور اس کی تلاشی نہ لے کر وہ کتنی بڑی غلطی کر چکا ہے۔

راز اب نیم برہنہ تھے اور سہراب انہیں پا لینے کے بے حد قریب۔

★★★★★

("اس نے ہم دونوں کے ساتھ دھوکا کیا ہے، یاسر۔" بنفشہ رسان سے کہہ رہی تھی اور وہ ناخوش سا بیٹھا تھا۔ اسے اس جگہ کا پتا تھا جہاں یاسر کام کرتا تھا اور آج اپنے اس کام کے لیے اسے یاسر سے زیادہ موزوں انسان کوئی اور نہ لگا۔

"میں چاہتی ہوں تم مجھے کچھ تو بتاؤ۔ تم اور وہ۔۔۔ تم کیا تھے؟ اس نے تمہیں کیوں مارا تھا، تم اس کے پیچھے کیوں آتے تھے اور تمہارا باس کون تھا؟"

یاسر نے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "میرا سر میرے دھڑ سے الگ ہو سکتا ہے لیکن میں اپنے مالک سے بے وفائی کروں یہ ممکن نہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا، ایک نظر بنفشہ کے چہرے پر اترتی مایوسی کو دیکھا اسے اپنی پیٹھ کے زخم بلا ارادہ ہی یاد آئے۔

"اگر تمہیں کوئی بدلا چاہیے تو وہ مجھے بھی چاہیے۔" اس نے پین اور پیپر اٹھا کر اس پر کچھ لکھ کر بنفشہ کی طرف بڑھایا۔ "وہ یہاں جاتا رہا ہے یہ آدمی ملک سے باہر جانے میں اس کی مدد کرتا رہا ہے اور۔۔۔۔۔۔" لمحے بھر کا توقف کیا۔ "وہ غیر قانونی مہاجرین کی صف میں شامل ہو رہا تھا۔ اسلان یمن کوئٹہ کسی جاب کے لیے نہیں گیا تھا وہ ملک سے فرار ہو رہا تھا۔"

اس کاغذ پر جمی بنفشہ کی نگاہیں پتھرا گئیں۔ وہ غیر قانونی طریقے سے ملک چھوڑ رہا تھا یعنی۔۔۔ یعنی وہ بلوچستان کسی ملازمت کے سلسلے میں واقعی نہیں گیا تھا۔ یعنی قاتل سرحدی چور تھا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔)

"قاتل سرحدوں کا غنیم تھا۔"

وہ پولیس سے بچ کر جس سمے گھر پہنچا رات ہو چکی تھی۔ وہ جس ذہنی خلفشار کے ساتھ گھر سے نکلا تھا اس سے دگنا واپس لایا تھا۔ چند تصاویر کے ساتھ اسے یہ جملہ بھی ملا۔ ایک بار پھر کوئی انجان نمبر، تصاویر، الجھی کہانی۔۔۔ سہراب یمن کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اسے یہ سب پیغامات کیوں بھیج رہا تھا وہ جو بھی تھا سیدھی بات کیوں نہیں کرتا تھا؟

سہراب نے تمام چیزیں ایک طرف رکھیں، سب سے پہلے کپڑے تبدیل کیے اور محتاط نظروں سے آمنہ کو دیکھا جو کروٹ کے بل سو رہی تھی۔ صبح ہونے کے بعد وہ اس سے استفسار کرنے والی تھی مگر اس سے پہلے کوئی اور اس کا منتظر تھا۔ دروازے پر انارا کھڑی تھی۔

اسلان کی ٹی شرٹ اور پاجامہ میں ملبوس وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سہراب اپنی جگہ جم گیا۔ یقیناً وہ اسے گھر آتے ہوئے دیکھ چکی تھی، اس کی حالت بھی دیکھی ہو گی اور اس وقت اس کے ہاتھ میں وہ تصاویر تھیں جو کوئی گھر کے دروازے پر چھوڑ کر گیا تھا۔ سہراب چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس تک آیا۔

"آپ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے تندہی سے پوچھا۔

"شیر لاک ہومز کھیل رہا ہوں، ساتھ دو گی؟"

"اگر آپ میرے ساتھ کھیلنا چاہتے تو مجھے پہلے بتاتے، اس وقت آپ کی مجبوری ہے۔ کوئی کام ہے؟"

سہراب ہنسا۔ بے اختیار اسے یوں لگا جیسے اس کے سامنے کھڑی بچی بہت بڑی ہو گئی ہے اب وہ اسے بہلا نہیں سکتا۔ "تمہاری وہ گن کہاں ہے جو ضارم لایا تھا۔"

اب کے چونکنے کی باری اس کی تھی۔ سہراب یمن نے اپنے اوپر تانی وہ پستول دیکھی تھی، اس جیسی ہزاروں پستول ہوتی ہوں گی مگر اس نے سیاہ لباس والے آدمی کو زیر کرتے بندوق کے ہتھے پر کندہ "A" دیکھا تھا۔ بالکل وہی طرز جو انارا طارون اپنی پستول پر کندہ کرواتی تھی۔

اپنے بدترین خدشات کو سچ ہوتے ہوئے وہ نہیں دیکھ سکتا تھا بس ایک پھانس ہی تو تھی آرہ اسے وہ پستول لا کر دکھا دے گی اور اس کے ذہن کا فتور نکل جائے گا۔ یوں تھوڑی ہوتا ہے۔۔۔ اسلان جیسا انسان ایسے تھوڑی کرتا ہے۔ وہ تو ابھی بچہ تھا۔

"آپ اس کا کیا کریں گے؟"

”ویسے ہی کچھ کام ہے، جاؤ جلدی لے آؤ۔ میں نہیں ڈانٹوں گا جاؤ۔“ سہراب لیپ ٹاپ لیے باہر نکلا تاکہ آمنہ کی نیند خراب نہ ہو مگر اس نے پلٹ کر دیکھا تو آراہ اب تک چوکھٹ میں جمی تھی۔ جانے کیوں مگر سہراب ”کہا تھانا“ اپنے دماغ سے آج یہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس کی ٹانگیں شل ہو رہی تھیں۔ اس کے اعضاء جامد تھے۔

”آراہ جاؤ، وہ گن لے کر آؤ۔“ اس نے خود کو کہتے سنا۔ اس نے تھوک نگلا۔

”پلیز ڈانٹنا مت لیکن وہ گن تھوڑی دیر پہلے بھائی لے کر گیا تھا۔ وہ جلدی میں گیا اسے ضرورت تھی۔“ سہراب افتخار یمن کے پیروں کے نیچے کی زمین برف میں تبدیل ہو گئی اور وہ کھڑے کھڑے مجسمہ بن گیا۔ ساکن، بے سانس۔ کوئی اسے چھوئے تو وہ ذروں میں تبدیل ہو سکتا تھا۔

اگلے کئی لمحات کسی سست رفتار منظر کی مانند تھے۔ اس نے سی ڈی چلائی، آراہ نے اس سے کچھ کہا مگر اس کا ذہن جذب نہیں کر سکا۔ وہ مناظر بھگا رہا تھا۔ اسے لگا اسے غلط سی ڈی تھما دی گئی ہے وہ بھلا تیئیس فروری کی سی ڈی کا کیا کرے گا، قتل پچیس اور چھبیس کے درمیان ہوا تھا اور۔۔۔

اور پھر ایک منظر ابھرا۔ سہراب کو اپنی بینائی پر شبہ ہوا، انتالیس سالہ زندگی میں پہلی بار وہ اس بینائی کے چھن جانے پر راضی تھا۔ وہ یک ٹک، بنا پلک جھپکے فریب کے اس پیکر کو تک رہا تھا جو گاڑی سے اتر رہا تھا۔ وہ چھبیس یا ستائیس کو نہیں آیا تھا وہ یہیں تھا اسی شہر میں اور۔۔۔ وہ آگے نہیں سوچ سکا۔ اس کے سینے میں دل کے مقام پر درد کی شدید لہر اٹھی تھی۔ کوئی خوف تھا جو اس کے دل میں کنڈلی مار چکا تھا اور اب کسی صورت نکل نہیں سکتا تھا۔ اس کے عقب میں، اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ جمائے کھڑی آراہ بھی اتنی ہی متحیر تھی۔ سہراب بمشکل اس کی طرف مڑا۔ نگاہوں میں التجا تھی۔

”خاموش رہنا۔“ یہ دو لفظ تھے جو اس کے حلق سے برآمد ہونے پر راضی تھے وگرنہ حلق کسی نے ناکارہ چھری سے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ کیا اس کا بیٹا اسے دھوکہ دے سکتا تھا، یا پھر یہی اس کا اصل تھا کیا دنیا اس کے بارے میں درست کہتی تھی یا اس سچ کا کوئی اور پہلو بھی تھا؟

اگلی صبح اسلان یمن کے جبڑے کا زخم اور چال کی ہلکی سی لڑکھڑاہٹ پختہ ثبوت تھی جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

★★★★★

"حال!"

"جیسا کہ میرے بہنوئی نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں انہیں seduce کرنے آئی تھی اور میں چاہتی تھی کہ وہ میرے ساتھ ناجائز تعلقات رکھیں اور بدلے میں مجھے پیسے دیتے رہیں۔ ایسا ہی ہوا تھا نا؟" بنفشہ نے رک کر تصحیح چاہی۔ اس کے ہاتھ بری طرح لرز رہے تھے، حلق خشک ہو رہا تھا اور اسے یوں بھی لگ رہا تھا جیسے اس کی آواز کانپ رہی ہے مگر اس نے جونہی لوگوں کی طرف دیکھا وہاں بیٹھا ایک شخص پلکیں جھپکا کر اسے کوئی تسلی دے رہا تھا۔ اس سے لاکھ اختلاف اور جنگ سہی، یہ عورت مسیحا قانون اور وہ غنیم سامراج سہی مگر جب وہ یوں پلکیں جھپکا کر تسلی دیتا تھا۔ تسلی ہو جاتی تھی۔ وہ مڑی اور کٹہرے میں کھڑے ابتسام کو دیکھا۔

"میں آپ سے ملنے کس تاریخ کو اور کہاں آئی تھی اور بقول آپ کے میں نے کہاں آکر آپ کو ورغلایا؟"

ابتسام اسے دیکھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ اس کا دماغ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ حد نہیں۔ "بیس دسمبر، شام پانچ بجے میرے گھر پر۔"

"اور وہاں آکر میں نے کیا کیا؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا مجھے شرم آتی ہے، میری بیوی سامنے بیٹھی ہے۔"

"ماشاء اللہ۔۔۔ یہ نہیں بتا سکتے لیکن بیوی کو کئی سال جھوٹ اور فریب میں رکھ سکتے ہیں۔ ان گنت سال اسے اپنے اوپر شکوک و شبہات میں ڈال کر اس کی ذہنی صحت کو رگید سکتے ہیں، بار بار اسے جعلی رپورٹس دکھا کر اسے رلا سکتے ہیں۔ اس کی سگی چھوٹی بہن پر بدکرداری کا الزام بھی لگا سکتے ہیں لیکن اس الزام کو بیان کرتے وقت آپ کو شرم آتی ہے؟ سمجھ نہیں آتی آپ جیسے مرد شرم، سنت، فرض اور دین کو حسب ذائقہ موقع محل دیکھ کر کیسے درمیان لے آتے ہیں؟ کوئی کورس وغیرہ ہے تو ہم عورتوں کو بھی بتائیں نا۔"

"آبجیکشن مائی لارڈ۔۔۔ یہاں بات مس بنفشہ کے کردار کی ہو رہی ہے میرے موکل اور تمام مرد حضرات پر ذاتی حملے بند کیے جائیں۔"

"ارے کیا ہوا، آپ کی نیم مردانہ روح کیوں باہر آ رہی ہے؟" عدالت میں ہنسی کی دبی دبی آوازیں گونجیں۔

"مس بنفشہ اور دمیر پراچہ آپ دونوں عدالت کو نجی کامیڈی شو مت بنائیں اور اصل مدعے کی طرف آئیں۔" جج صاحب سختی سے بولے تھے۔

"جی یور آنر۔" وہ تابعدار بہو کی طرح سسر کا حکم بجا لائی، دمیر ناراض داماد کی طرح واپس بیٹھ گیا۔ گردن کا سریا اپنی جگہ جوں کا توں۔ "چلیں بقول آپ کے میں نے آپ سے فحش کلامی کی، آپ سے کہا کہ مجھ سے تعلقات رکھیں اور میری بڑی بہن کو دھوکہ دیں ایسا ہی ہوا تھا؟"

"جی یہی ہوا تھا۔" وہ اکتایا۔

"جج صاحب میں ابتسام صاحب کے ذاتی ملازم ظہیر خان کو بلانا چاہوں گی جو اس رات کے سارے واقعے کے اہم گواہ ہیں۔" دمیر پھیل کر بیٹھ گیا۔ جس روز اسے اس گواہ کا نام پتا چلا تھا وہ اسی روز اسے خرید چکا تھا۔ ایک بار پھر بیان اس کی مرضی کا ہونے والا تھا۔ ذرا سی معمول کی کاروائی کے بعد اب بنفشہ اس سے سوال کر رہی تھی۔

"بیس دسمبر کی شب جب میں ابتسام ہاؤس آئی تھی تب کیا ہوا تھا کیا آپ عدالت کو بتا سکتے ہیں؟"

"جی دراصل۔۔۔" گواہ نے پلٹ کر لوگوں کو دیکھا مگر اس کی نگاہ دمیر کے بجائے گردن اٹھا کر بے تاثر نظروں سے سامنے دیکھتی تاجور بنگش پر پڑی تھی۔ نظروں کا یہ ملاپ اور ان میں چھپا انحراف ابتسام نے بھی دیکھا۔ وہ عورت جسے اس نے خون جگر کی طرح عزیز تر رکھا وہ کہاں آ کر اس سے منحرف ہو رہی تھی۔

"مس بنفشہ کو مسز بنگش نے بلوایا تھا۔" گواہ نے جج کی طرف دیکھ کر کھرا سچ کہا۔ "میں اس وقت وہیں موجود تھا جب مسز بنگش نے کال کر کے انہیں ابتسام ہاؤس بلوایا۔ اس کے بعد میں چائے سرو کر رہا تھا جب ابتسام صاحب اور مسز بنگش نے وکیل صاحبہ کو پیسوں کی پیشکش کی اور کہا کہ وہ شہر چھوڑ دیں تاکہ مستقبل میں کوئی مسز بنگش کے خلاف انہیں استعمال نہ کر سکے۔ وکیل صاحبہ نے پیسے لینے سے انکار کر دیا اور۔۔۔"

”یہ بک رہا ہے جج صاحب ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔“ دمیر غرایا۔

”جج صاحب دمیر سر میرے گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”کتنے پیسے دے کر اسے لائی ہیں؟“

”جج صاحب یہ ذاتی حملہ ہے اور میں۔۔۔“ ان دونوں کی چپقلش سے ہٹ کر دیکھو تو ابتسام یک ٹک تاج کو تک رہا تھا۔ اس عورت کے لیے اس نے ماں باپ چھوڑ دیے، اس کے پرانے تعلق بھول گیا، اس کے لیے اپنے سسرال کا قتل تک میں ساتھ دیا، اس کے ہر تعلق کو خوش رکھا اور وہی اگر آج اسے یہاں اس نہج پر کسی کھائی میں دھکیل رہی تھی تو اسے قبول تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ جو اس نے کیا اپنے عدم تحفظ میں کیا۔ تاج نے محض عزت اور محبت کے کسی اور شے کی خواہش اس سے کی ہی نہ تھی۔

”ظہیر خان سچ کہہ رہا ہے جج صاحب۔“ غُل میں یکدم سکوت چھا گیا۔ ابتسام تاجور کی نظروں میں دیکھتے ہوئے معترف تھا۔ ”میں نے جھوٹ بولا، سب ایک الزام تھا۔ مس بنفشہ نے کبھی کوئی غلط نیت ظاہر نہیں کی اور نہ میں نے کبھی اسے اس نظر سے دیکھا ہے۔ اپنی ساری زندگی میں جس ایک عورت کو دیکھا اور جس سے محبت کی وہ میری بیوی تاج ہے اور کوئی نہیں۔“

اسے لگا تھا تاجور کی نگاہیں نرم ہوں گی، وہ اسے محبت، یاسیت یا پھر کسی اور جذبے کی تحت دیکھے گی مگر کوئی اسے بتائے وہ اپنے ہاتھوں سے گوندھ کر اسے ایک پتھر میں تبدیل کر چکا تھا اب اس میں کوئی شگاف پڑے یہ امر مشکل ٹھہرا۔

عدالت میں لمحے بھر کو خاموشی چھاگئی۔ گہری خاموشی۔

★★★★★

”قاتل سرحدوں کا غنیم تھا۔“

(”وہ ملک کیوں چھوڑ رہا تھا؟“ شاہ زید نے اپنے سامنے بیٹھے یاسر سے سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتا باس، لیکن وہ وکیل اس کے پیچھے پڑی ہے، میں نے اسے سب بتا دیا ہے اور مجھے یقین ہے وہ یہ بات سہراب کو بتائے گی، کیونکہ سہراب آج کل کچھ تلاش کر رہا ہے وہ بس اسٹینڈ بھی گیا تھا۔" زید چونکا۔ "وہی جہاں بنفشہ بی بی اور رئیس صاحب جہاں گئے تھے۔"

زید دھک سے رہ گیا۔ یعنی اب سہراب بھی یہ بات جانتا تھا کہ قتل کی رات اسلان یمن لاہور میں ہی تھا۔ وہ جو دلیپ کو ڈھونڈنے میں رفتار سے کام لے رہا تھا اسے یقین تھا اب یہ کام تیز رفتار ہونے والا ہے۔

"دلیپ کا ٹھکانہ ڈھونڈو، یاسر۔ وہ اسلان اور عالمگیر کے ہی کسی ملکیت میں ہو گا، اسے ڈھونڈو۔ ان دونوں سے پہلے مجھے وہ چاہیے۔")

اسے اس کاغذ پر بنی عمارت کو تلاش کرنے میں دو سے زائد ہفتے لگ گئے تھے۔ لاہور اگر اس کا شہر نہ ہوتا تو شاید اس سے بھی زیادہ وقت لگتا۔ مگر وہ یہاں کے چپے چپے سے واقف تھا۔

ریاض پبلیکیشن کے باہر کھڑے ہو کر وہ چند ساعتیں گردن اٹھائے اس کے بورڈ کو دیکھتا رہا، پھر آس پاس دیکھا آنے والے نوعمر لڑکے تھے۔ بمشکل بیس، اکیس برس کے، دیہاتی لڑکے جن کی زمینوں کا اناج چوہدری سے لیے قرضے کا سود کھا جاتا ہے، بہنوں کا جہیز اور اپنی شادی کا ذمہ الگ۔ اسلان بھی یہاں آیا ہو گا؟ کب۔۔۔ اس کی نظر اس قدر غافل کب ہوئی؟

سہراب اندر داخل ہوا۔۔۔ چور پولیس کو نہ پہچانے یہ تو نہ ممکنات میں سے ہے۔ سہراب کا انداز، اس کے سینے والی جیب میں پستول کی موجودگی اور اس کی کرخت نظریں ریاض کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

"اس لڑکے کو جانتے ہو؟" سہراب نے اسلان کی تصویر اسے دکھائی۔ ریاض نے اداکاری کی، سوچنے کا وقت لیا اس سے قبل کہ وہ جھوٹ بولتا سہراب نے ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ "مجھ سے جھوٹ مت بولنا، ریاض۔"

"میں اسے نہیں جانتا۔"

سہراب نے اس کے بال پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔ "جھوٹ نہیں۔"

"آپ۔۔۔ آپ ہو کون جی؟"

سہراب نے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے کیا۔ ”انسپکٹر سہراب یمن فرام پنجاب پولیس۔“

ریاض کی سٹی گم ہو چکی تھی، بغیر کچھ کہے اس نے بازو لمبا کر کے اندر چلنے کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ وقت بعد وہ دونوں ایک کمرے میں روبرو تھے۔ درمیان میں چھوٹی میز پر چائے کے بھاپ اڑاتے کپ رکھے تھے۔ وہ ہر طرح سے اس کی خوش آمد کرنے کو تیار تھا۔ ”اس لڑکے کو جانتے ہو؟“ سہراب نے ایک بار پھر اسے تصویر دکھائی۔ ریاض نے نفی میں سر ہلایا۔

”روز اتنے لکھاری آتے جاتے رہتے ہیں، کیا پتا کون۔۔۔“ آگے اس کے منہ سے لفظ نہیں چیخ نکلی تھی۔ سہراب نے گرم چائے کا کپ اس کے پیر پر گرا دیا تھا، میز کو ٹھوکر مارتے وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اس کے بال مٹھی میں دبوچ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ بوٹ سے اس کے جلے ہوئے پیر کو مسلنا جاری رکھا۔ اس کے چہرے پر رحم کا "ر" بھی نہیں تھا۔

”کب، کہاں، کیوں جتنی جلدی بتاؤ گے اتنی جلدی میں یہاں سے چلا جاؤں گا ورنہ۔۔۔“ اس نے بوٹ کی نوک سے اس کا زخم مسلا۔ ریاض حلق کے بل چیخا، چہرہ پسینہ پسینہ ہو گیا تھا دو منٹ کے اندر اندر سہراب اس کی حالت خراب کر چکا تھا۔

”صاب میں نہیں جانتا میں تو۔۔۔“ سہراب نے دوسرا کپ اٹھا کر ساری چائے اس کی پیٹھ پر گرا دی وہ کرسی پر تڑپنے لگا۔ اس کے سر پر کھڑے افسر نے ایک بار پھر اس کے بال مٹھی میں دبوچے۔ ”یہ میرا بیٹا ہے، آخری بار پوچھ رہا ہوں جواب میری مرضی کا نہیں آیا تو تھانے لے جاؤں گا اور وہاں جا کر تمہیں تمہاری جائے پیدائش نہ یاد دلائی تو میرے پولیس افسر ہونے پر لعنت۔“

”میں نے اس سے پیسے لیے تھے صاحب۔“ دروازے کے پاس کھڑے کلیم نے اپنی زبان کھولی۔ ”وہ یورپ جانا چاہتا تھا۔ اس نے پورا ایک کروڑ دیا تھا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ اگر اس کے پاس پیسہ ہے تو وہ جائز طریقے سے چلا جائے، میں خود اس کا ویزہ لگوا دوں گا لیکن وہ میری بات نہیں مانا۔“ وہ بول رہا تھا اور سہراب سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ریاض کے جلے ہوئے پیر پر بوٹ کا دباؤ اب بھی تھا۔ ”وہ اپنے پیچھے اپنا کوئی سراغ

نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، اس نے مجھ سے کبھی حفاظت کی ذمہ داری بھی نہیں مانگی تھی۔ وہ بس اپنے خاندان کی نظروں سے غائب ہونا چاہتا تھا۔"

یک لخت کسی نے سہراب کے دل پر گھونسا مار دیا۔ اس کی گرفت اور دباؤ دونوں ڈھیلے پڑے۔

"وہ چاہتا تھا کہ وہ راستے میں کہیں مر جائے اور کسی کو کچھ خبر بھی نہ ہو، شاید وہ اپنے گھر والوں سے بدزن تھا یا شاید خود سے دستبردار۔ وہ گھر سے بے زار تھا صاحب۔" اسے وہ رات یاد تھی جب اس نے نہ جانے کے لیے اسلان سے منت کی تھی، جب آرا ہ روتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھ کر آگئی تھی۔ اسے چار سال قبل اور چار سال بعد والا اسلان بھی یاد تھا مگر وہ یوں خود کو روندنا چاہ رہا تھا یہ اس کا بھتیجا تو نہیں تھا۔ بولتے ہوئے کلیم کے چہرے پر جمی اس کی متحیر نگاہوں میں درد کا گراف بڑھ رہا تھا۔ بتدریج، بدستور۔

یہ اس کا بیٹا نہیں تھا اسے تو شاید وہ جانتا بھی نہیں تھا۔

★★★★★

حال!

"جج صاحب میں تاجور بنگش کو کٹہرے میں بلانا چاہوں گی۔" بنفشہ اجازت طلب کر رہی تھی۔ قاتل کون ہے اسے اب اس راز میں دلچسپی نہیں رہی تھی عالمگیر کے احسانوں کے بدلے وہ چکائے گی بس یہی تہیہ تھا۔ اپنے کردار کے بخیے ادھیڑنے والے کی زندگی کا بخیہ آج وہ ادھیڑے گی۔

"اجازت ہے۔" تاجور چھوٹے چھوٹے قدم لیتی کٹہرے میں آ کر کھڑی ہوئی۔ رئیس، ابتسام، نایاب سب کی مشترکہ نگاہیں اسی پر جمی تھیں۔

"تاجور بنگش میں۔۔۔۔"

"تاجور مخدوم۔" اس نے نرمی سے بنفشہ کی بات کاٹی۔ عدالت تو عدالت بنفشہ خود بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "میرے باپ کا نام احسان مخدوم تھا لہٰذا آپ مجھے تاجور مخدوم کہیے۔ میری پچھلی شناخت جھوٹ کا ایک پلندہ تھی۔ جو مجھے میری ماں نے تھمایا تھا۔"

اگر اس وقت تمکنت یہاں نہ ہوتی تو سینہ کوبی کرتی، اس کی واحد اولاد جو اس سے محبت اور ہمدردی رکھتی تھی آج وہ بھی غنیم سامراج ٹھہری۔

”تاجور مخدوم۔“ اس نے فخر سے یہ نام پکارا۔ ”کیا آپ عدالت کو بتا سکتی ہیں کہ آج آپ یہاں کیوں ہیں؟“

”میں اپنے مکمل ہوش و حواس اور بغیر کسی ذہنی یا جسمانی دباؤ کے آج معزز عدالت کے سامنے سچ کہنے آئی ہوں۔ پچیس فروری کی رات عالمگیر یمن نے مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا، نہ اس نے مجھے کوئی گالی دی تھی اور نہ ہی اس نے مجھ سے کوئی اخلاق سے گری ہوئی بات کہی تھی۔“ کسی نے سکوت کی چادر کھولی اور ساری عدالت کو یک مشت پہنا دی۔ ہر طرف خاموشی چھاگئی، گمبھیر خاموشی۔ عالمگیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

”آپ کو پتا ہے، آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ کی وجہ سے پولیس کو جواز ملا کہ اس نے ایک معصوم شخص کو گرفتار کیا، آپ کو نہ مارا جانے والا تھپڑ قتل کا motive قرار پایا اور آج آپ کہہ رہی ہیں یہ جھوٹ تھا؟“

”میں جانتی ہوں، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے، میں نے عدالت، پولیس اور عالمگیر کے ساتھ ناانصافی بھی کی ہے، لیکن ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ عالم ایک جھوٹے مقدمے میں جیل گیا ہے اسے سزا نہیں ہوئی۔ میں اس روز دباؤ میں تھی، مجھ پر میرے بھائی کی محبت غالب تھی۔ میری ماں نے جب مجھ سے عالم کے خلاف گواہی دینے کو کہا تو میں مان گئی، مجھے واقعی لگا تھا کہ میری ماں شاہ ویر کو انصاف دلوانا چاہتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کی بیٹی کو عزت ملے لیکن میں غلط تھی۔“ اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا۔ اس کی ماں پھٹی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور عالم یک ٹک۔

”اس روز میں نے عالم کو گھٹیا کہا تھا۔ میں نے اس کی بھتیجی اور اس کی بیٹی کے متعلق فحش کلمات کہے تھے۔ جواباً اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے وارننگ دی تھی اور جب اس نے ایک لفظ ”بانجھ عورت“ کہتے ہوئے میرا بازو چھوڑا تو میں نیچے گری اور مجھے چوٹ لگی۔ عالم نے مجھے نہیں مارا تھا۔ نہ ہی اس نے مجھ سے شاہ ویر کو مارنے کے متعلق کچھ کہا۔ عدالت مجھے جو چاہے سزا دے لیکن میں عالمگیر یمن کو ہر الزام سے بری کرتی ہوں۔ وہ بے گناہ تھا اور میں

جھوٹی۔ میں اس کی زندگی سے جلن کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کی بیٹی، اس کی ہنسی میں خود کو اس سب کے سامنے کمتر محسوس کرنے لگی تھی۔"

تاج نے لوگوں کے درمیان بیٹھے اس شخص کو دیکھا، وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں وہ زمانوں قبل والی وارفتگی مفقود تھی مگر آج کئی برس پرانی حقارت بھی نہیں تھی۔ وہ بس اسے دیکھ رہا تھا یا شاید مشکور ہو رہا تھا۔ وہ دل کا غنی تھا آج اللہ نے حالات اس کے حق میں پلٹ دیے تھے۔ اس نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا آج اللہ نے اس کے دشمن بھی اس کے حق میں کھڑے کر دیے تھے۔

"پراچہ صاحب آپ کا کوئی سوال؟" جج نے اسے مخاطب کیا۔ سفید پڑتی رنگت والے وکیل نے نفی میں سر ہلایا۔ پانی کا گلاس ایک سانس میں سارے کا سارا پی لیا۔

تاج کٹہرے سے نکل کر نیچے جا رہی تھی، اس کی آنکھیں پانی بہا رہی تھیں، ابتسام اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہر لفظ کے بعد مر رہا تھا۔ کمرہ عدالت میں خاموشی کے بیچ ایک دل بھی ٹوٹا تھا۔

★★★★★

"کوئی آنکھ قاتل کو دیکھ چکی ہے۔"

ساعت سے چند روز قبل!

("عالمگیر کا ایک ہی فلیٹ ہے باس، وہ بھی اس وقت اس کے دوست یافث کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے۔ سہراب کی کوئی جائیداد نہیں ہے اور اسلان کے پاس بھی کچھ خاص نہیں ہے سوائے ایک بائیک کے۔۔۔" زید اور یاسر سامنے ٹیبلٹ رکھے بیٹھے تھے۔ تبصرے جاری تھے۔ "مجھے یقین ہے، دلیپ مر چکا ہے، شاید اسلان نے ہی اسے مارا ہو۔"

"عالم کی وہ تیسری بیوی کیا نام تھا اس کا؟ ہاں میرال۔۔۔ اس کے باپ کے پاس کیا کیا ہے؟"

"باس اس کے پاس بس ایک گھر ہی ہے وہ تو معمولی سا کلرک ہے۔"

زید اٹھ کھڑا ہوا، وہ اب بے چینی سے کمرے میں یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ دلیپ کوئی شے نہیں تھا جسے چھپا دیا جائے وہ زندہ، سالم انسان تھا اور شاہ زید کو یقین تھا وہ زندہ ہے۔ ایک انسان جس سے سامنے والا خوف زدہ ہو، جو اس سے اس کی ساری زندگی کا تیاپانچہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اسے کوئی کہاں چھپا کر رکھے گا؟

”سہراب کو وہ سارے کلیوز مل رہے ہیں جن کا تم نے ذکر کیا تھا؟“ یکدم اس نے ٹھہر کر سوال کیا۔ یاسر نے سر ہلایا۔

”پھر ہمیں اسلان یمن کی ملکیت ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کام سہراب کرے گا۔“ اس کے کندھوں سے سارا بوجھ سرک گیا، وہ بے حد پر سکون تھا۔ ”ہم صرف اس کا پیچھا کریں گے۔ وہ کیا کرتا ہے کہاں جاتا ہے مجھے ایک ایک لمحے کی تفصیل چاہیے۔“ یاسر نے سر ہلایا وہ کام کرنے کو تیار تھا۔)

پچھلی سماعت کا ذکر ہے۔

”سنا ہے تم دوبارہ میری نمائندگی کو تیار ہو گئی ہو؟“ پیشی نہیں ہو سکی تھی، پولیس اسے لے کر دوبارہ گاڑی کی طرف جا رہی تھی جب اس نے اپنے ساتھ چلتی بنفشہ سے کہا۔

”آپ کے احسانات ہیں مجھ پر، میں انہیں اتارنا چاہتی ہوں۔ آپ بے گناہ ہیں یہ مجھے یقین ہے میرا کام آپ کو بچانا ہے، ایک بار آپ محفوظ ہو جائیں میں ہٹ جاؤں گی پھر سعید جانے اور اس کے الزام وہ چاہے جسے فریم کرے۔“

”یقیناً تم مجھ سے صرف یہ کہنے نہیں آئی اور کیا کہنا ہے؟“

”میں واپس شفٹ ہونا چاہ رہی ہوں۔“ اس نے مطالبے کو زبان دی۔

”کہاں؟“ بنفشہ نے آنکھیں گھمائیں۔

”وہیں جہاں میں پہلے رہتی تھی۔ جہاں سے اٹھ کر میں کسی خوش فہمی کے تحت لعل یمن آ گئی۔ وہی گھر جو آپ کی ملکیت ہے۔ کاغذات اپنے نام کروا لیے؟“ عالم کے چہرے پر کچھ آ کر گزر گیا۔ بنفشہ اس تاثر سے واقفیت رکھتی تھی یہ چوری پکڑے جانے کا تاثر تھا۔

”آخری قسط دے دوں کاغذات پھر ملیں گے، اور تم ابھی وہاں نہیں جاسکتیں مجھے واپس آنے دو، میں معاملات ٹھیک کرتا ہوں، میرا فلیٹ تب تک آزاد ہو جائے گا تم وہاں چلی جانا۔ کرایہ وغیرہ ہم طے کرلیں گے۔“

”دھیان رکھیئے گا اتنا عرصہ گھر خالی رکھنا اچھی بات نہیں ہوتی۔ کاغذات فی الحال آپ کے نام نہیں ہوئے لیکن گھر تو آپ ہی کا ہے نا؟“ عالم لب بھینچ گیا۔ جیل پہنچتے ہی اس نے اسلان کو خبر کروائی تھی۔ وہ جو پہلے ہی سہراب کی تیز، مشکوک نظروں سے خائف رہنے لگا تھا اس کے لیے یہ نیا حکم عذاب جان بن کر سامنے آیا۔ اگلی رات تین بجے کے قریب وہ یافث کی گاڑی لے کر گھر سے نکل آیا۔ کوارٹر کی کھڑکیوں سے جھانکتی بنفشہ احسان نے اسے پی کیپ پہنے، سیاہ بستہ کندھوں سے لٹکائے گاڑی میں بیٹھتے اور چوکنا نظروں سے اپنے اطراف میں دیکھتے ہوئے پایا۔ پردہ واپس اپنی جگہ برابر کرتے ہوئے وہ پلنگ پر آکر بیٹھی۔

ذہن میں بس ایک بات چل رہی تھی، اس نے ایک بار شاہ ویر کی لکھی ہوئی کتاب میں پڑھا تھا۔

”اگر کسی انسان کے گناہ چھپا کر اسے بچانے کا خیال دل میں آئے تو اس کے گناہوں کا موازنہ ضرور کرنا۔ موازنہ یا پھر جانچ ضروری ہوتی ہے۔ بعض گناہ چیونٹی جتنے حقیر ہوتے ہیں اور بعض اژدھا جتنے دیوہیکل۔۔۔۔ چیونٹی جیسے حقیر گناہ پر سامنے والے کو سرزنش کر دو، اسے ڈھک دو مگر ایک بڑے گناہ پر جس سے تمہیں لگے کہ معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گا اس پر چپ سادھ لینا، کسی طاقت ور کے ڈر سے خاموش رہ جانا یا پھر اپنے مفاد اور محبت کے آگے بِک جانا تمہیں انسان کی صف سے نکال دے گا۔ انسانوں کی صف سے نکل جانا، بڑے خسارے کے فیصلے ہوتے ہیں۔“

اس نے موبائل میں ایک سم ڈالی، اپنے پرانے گھر کی تصویر کو ایک آرٹ میں تبدیل کیا اور سہراب کے نمبر پر بھیج دیا۔ اسے یقین نہیں تھا اسلان وہاں جائے گا، اسے یہ علم بھی نہیں تھا کہ دلیپ وہاں ہو گا لیکن وہ چاہتی تھی۔ سہراب اس کے پیچھے جائے اس لیے اس نے اسلان کی لوکیشن اسے بھیجی اور اگلے ہی لمحے وہ موبائل سے سم نکال کر اسے دانتوں کے درمیان دبا کر توڑ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سہراب کی گاڑی کی آواز سنی، دروازہ کھلنے

کی ٹائروں کی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ذہن میں بس ایک سوال تھا کیا وہ صحیح کر رہی ہے؟

سکرین کے درمیان چار دراڑیں آ گئیں۔

یافث کی گاڑی چلاتا اسلان کھڑکی کی کہنی پر ٹکائے اس سوچ میں غرق تھا کہ کیا وہ کر پائے گا؟

اس کی لوکیشن پر گاڑی ایک فاصلے سے اس کے پیچھے چلاتا سہراب کم از کم یہ نہیں جانتا تھا وہاں اس گھر میں کیا کیا اس کا منتظر ہو گا۔

ان دونوں سے ذرا فاصلے پر کوئی اور بھی تھا۔ جس کی نظریں سڑک پر جمی تھیں، لباس کھلا سا، انگلیاں اسٹیئرنگ پر کوئی ساز بجا رہی تھیں۔ شاہ زید بنگش اعتماد اور شر کو پیشانی پر لکھ کر لایا تھا۔

اپنے کمرے میں پلنگ سے ٹیک لگائے بیٹھی عورت اضطراب کے دوراہوں پر کھڑی تھی۔ اسے بے چینی ہو رہی تھی، غلط صحیح کے فیصلے اسے سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ وہ بس اسلان یمن کو حد سے بڑھتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

اسلان کی گاڑی کی بتیاں ایک جگہ آ کر بجھ گئیں۔ انجن کی حرارت ٹھنڈی پڑ گئی۔ وہ باہر نکل آیا۔ تھکے تھکے قدموں سے وہ اب ایک گلی میں مڑ رہا تھا۔ سہراب نے اس کے مڑ جانے کا انتظار کیا۔ اس کے دل کو کچھ ہو رہا تھا حالانکہ وہ عادی تھا بغیر کچھ کہے چپ چاپ اس کے پیچھے چلنے کا۔۔۔ مگر آج اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کا دل اندیشوں میں گھرا تھا۔

کچھ دیر بعد اسلان ایک چھوٹے سے گھر میں داخل ہوا۔ ٹوٹا ہوا فرش، جھینگروں کی آوازیں ان سب کے درمیان وہ ایک کمرے میں آیا۔ موبائل جلا کر روشن کیا اور کمرے کے ایک کونے کی طرف روشنی کی۔

وہاں زنجیروں میں ایک شخص بندھا تھا۔ اس کے منہ پر ٹیپ تھی، کپڑے صاف ستھرے۔ اس کی زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ وہ حاجت کے تحت کمرے سے ملحقہ غسل خانے تک جا سکے۔ اسے دیکھتے ہوئے اسلان کی آنکھوں میں زخمی پن در آیا۔ دلیپ شنکر اسے نفرت سے دیکھ رہا تھا۔

”میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا، اسلان۔“ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

اسلان یمن خود سے بڑبڑایا۔ ”میں بھی۔۔۔“

★★★★★

”میں تم سے یہ پوچھ رہا ہوں، اسے مارا کیوں؟“ عالمگیر یمن یمن اپنے سامنے کھڑے لڑکے پر چیخا۔ اسلان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

”میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ نے دلیپ کو کیوں اٹھایا، اسے اپنے فلیٹ پر کیوں باندھا؟“

”میں تمہیں بچا رہا ہوں۔“ اس نے اسلان کا گریبان پکڑ کر اسے دیوار سے لگایا۔ آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں۔

”میں آراہ کو بچا رہا تھا۔ شیر کے منہ کو خون لگ جائے تو وہ چیرتا ہے، بدلتا نہیں۔ شاہ ویر نہیں بدل سکتا تھا۔“

”اس کے لیے اسے مارنے کی کیا ضرورت تھی تم اسے دھمکا سکتے تھے، مجھے بتا سکتے تھے۔“

اسلان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”میں اسے مارنے نہیں گیا تھا، میں بس اسے زخمی کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ مجھ سے ڈر جائے، کچھ وقت آراہ سے دور رہے اور مجھے کچھ اور سوچنے کا موقع ملے۔ ہاں میں نے غصے میں اس پر کئی وار کیے لیکن میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔“ اس کے موجودہ عمل سے اس پر بھروسہ کرنا مشکل تھا مگر وہ اس سے واقفیت رکھتا تھا کم از کم یہاں اس کی آنکھیں جھوٹ نہیں کہہ رہی تھیں۔

”اور۔۔۔۔۔۔ اور کیا وجہ تھی۔“

”آپ سننا نہیں چاہیں گے۔“ اسلان نے گردن جھکائی۔ عالم نے اس ک چہرہ اوپر کیا۔

”اور کیا وجہ تھی، اسلان؟“ وہ چند پل اسے تکتا رہا اور چند پل بعد وہ عالم کے کان کے پاس جھکا تھا۔ مدھم، بے حد مدھم لہجے میں اس نے عالم سے کچھ کہا کوئی راز سا۔ عالمگیر یمن بنا پلکیں جھپکے اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

”میں مجبور تھا عالم کیا میں ایسے شخص کو بہن دے سکتا ہوں، کیا اس آدمی سے بدلنے کی امید رکھی جا سکتی ہے؟“

عالمگیر کچھ نہیں کہہ رہا تھا ہر گزرتے لمحے اس کا چہرہ پیلا پھٹک پڑ رہا تھا۔

★★★★★★★

فلیٹ ایک محفوظ جگہ نہیں تھی لہٰذا اسلان کو اسے یہاں لانا پڑا تھا۔ قتل کے چند روز بعد ہی اس نے دلیپ کو اس چھوٹے سے گھر منتقل کر دیا تھا جہاں پہلے بنفشہ رہتی تھی۔ اسی محلے میں عالم کی پہچان کا ایک آدمی تھا جو اسلان کی غیر موجودگی میں دلیپ کو دیکھ آتا تھا اسے لگتا تھا یہ جگہ محفوظ ہو گی مگر اب۔۔۔ اب وہ یہاں بھی محفوظ نہیں تھا۔ جہاں ایک چچا اسے بچا رہا تھا وہیں دوسرا چچا اس کے پیچھے تھا۔ قاتل تو وہ تھا یہ اعتراف وہ خود بھی کرتا تھا سہراب اگر اس کے متعلق خدشات کا شکار ہو رہا تھا تو اس میں غلط کچھ نہیں تھا۔

اس نے کھانے پینے کے سامان ایک کونے میں رکھے، بیگ سے نئے کپڑے نکال کر تپائی پر دھرے۔ ”آج میں نہیں پہناؤں گا، نہ ہی میں تمہیں کچھ کھلاؤں گا اور نہ تمہیں تمہاری بیوی کے معمولات کی اطلاعات دوں گا۔“ آگے بڑھ کر اس کے منہ سے ٹیپ ہٹائی۔ ٹیپ ہٹتے ہی وہ اسے گالیاں دینے لگا۔

”ایک بار یہاں سے نکل جاؤں میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ گالیاں دیتے دیتے وہ ہانپ گیا تو کونے میں سکڑ سمٹ کر بیٹھ گیا۔ اسے بھوک لگی تھی، اشتہا انگیز خوشبوؤں نے اس کے معدے میں چوہے دوڑا دیے تھے۔ اسلان اس کے سامنے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا۔ سر گھٹنوں پر ٹکا دیا، چہرہ ترچھا کر کے اسے دیکھا۔ وہ نیم اندھیرے میں تھا۔

دلیپ کھانا دیکھ جلدی جلدی کھانے لگا تھا۔ اسلان اسے دیکھے گیا۔ یاسیت تھی، غم تھا کیا کیا تھا اس کی آنکھوں میں؟

”کیا تم مجھے کبھی معاف کرو گے، دلیپ؟“

”مر کر بھی نہیں۔“ دلیپ نے نفرت سے کہا۔

”کیوں دلیپ۔۔۔؟ میں نے اتنے ماہ تمہارا خیال رکھا، تمہیں کھلایا پلایا، تمہیں ایک دن بھی میلے لباس میں سونے نہیں دیا تمہیں اپنا خدا یاد آتا تھا، میں نے تمہیں وہ بھی لا دیا۔“ اس نے ایک طرف رکھی چند تصاویر کی طرف اشارہ کیا۔ دلیپ کا بھگوان، اس کے مطابق اس کا خدا۔ ”میں تمہارے گھر والوں کا بھی دھیان رکھتا ہوں انہیں

راشن دیتا ہوں، امید دیتا ہوں کہ تم جلد آؤ گے اور تم ہو کہ مجھ سے راضی ہی نہیں ہو رہے۔ تم اتنے خود غرض کیوں ہو رہے ہو؟" اس کی آواز ہلکی، مضطرب اور بے بس تھی۔۔۔۔

"تم نے مجھ سے میری آزادی چھینی ہے۔ میں وہ کرتا جو میرا دل چاہتا تم نے مجھ پر چیزیں مسلط کی ہیں اور میرا اور میرے خاندان کا خیال رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے یہ سب تم اپنے لیے کرتے ہو نیند نہیں آتی نا تمہیں؟ کسی سے اس کے فیصلوں کی آزادی چھیننے والوں کو نیند کیسے آئے گی۔ پہلے وہ فلیٹ اور اب یہ ڈربہ میرا کیا قصور ہے کہ میں تمہارے گناہوں کی سزا کاٹوں۔ قتل تم نے کیا، بدلہ تمہارا اتھا دنیا کے سامنے تم خود نیک بن گئے اور اگر کسی کو گمنامی اور سزا ملی تو وہ میں کیوں؟"

وہ بپھر کر غیض وغضب سے کہہ رہا تھا، اسلان کو اس کے ہر لفظ میں اپنا آپ نظر آیا۔ یہی تو کیا تھا شاہ ویر نے اس کے ساتھ، یہی تکلیف تو اس کی بھی تھی۔ اسے بھی قید کیا گیا، کسی نے اپنے گناہ چھپانے کو اسے رسن میں باندھ دیا، اپنا سیاہ سفید کرنے کو اس کے چہرے پر کالک مل دی۔ وہ اس جیسا کب ہوا؟

"میں کیا کرتا دلیپ؟ کیا میرے پاس کوئی اور راستہ تھا؟"

"یہ میرا مسئلہ نہیں تھا۔ قاتل تم ہو، تمہیں اپنے لیے جائے فرار ڈھونڈنی چاہیے تھی۔"

"تم باہر نکل کر سب کو سب بتا دیتے، میں تباہ ہو سکتا تھا۔" اس نے جواز پیش کیا۔

"تو۔۔۔؟" دلیپ نے برتن اٹھا کر زمین پر دے مارے۔ "تو کیا؟ قاتل ہو تم۔۔۔۔ تم تباہ ہو، برباد ہو، مارے جاؤ یا پھر تمہارے ساتھ کچھ اور ہو یہ میرا درد سر نہیں تھا۔ تم اپنے ظلم کی صفائی نہیں دے سکتے۔ تمہارے چچا نے تمہیں ایک راستہ دیا اور تم نے اسے قبول کر لیا؟" وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگتا تھا۔

"تم سب جانتے ہو، میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں آج بھی اس فیصلے کے خلاف ہوں۔"

"تمہیں پتا ہے اس رات میں نے تمہاری اور باس کی باتیں سن لی تھیں۔ قتل سے پہلے تم نے ان سے جو کچھ کہا، میں نے سنا تھا۔ تم مظلوم تھے مجھے ترس بھی آیا لیکن اب۔۔۔۔ اب تم بھی وہی ہو۔ شاہ ویر جیسے ظالم، خبیث اور بے غیرت۔ نفرت کرتا ہوں میں تم سے۔" اتنے ماہ کی قید اور صعوبتوں میں وہ خوف پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اسلان چند

لمحے اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ اسے پلکیں جھپکنی پڑیں۔ کئی لمحے بعد اس نے خود کو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پایا۔ کوئی فیصلہ تھا جو ہو گیا تھا۔

"میں تمہیں آزاد کر رہا ہوں دلیپ۔" اس نے چابی لگا کر بیڑی کا قفل توڑا۔ دلیپ دم سادھے، بے دم اور متحیر سا اسے دیکھے گیا۔ "چاچو چاہتے تھے، میں تمہیں کہیں اور لے جاؤں لیکن اب بس دلیپ۔۔۔ اب بس۔ میں تم پر، تمہارے خاندان پر مزید ظالم نہیں ہو سکتا۔ تم چاہو تو جا کر پولیس کو بتا دو، چاہو تو میرے خلاف پرچہ کٹواؤ، گناہوں کی سزا ہوتی ہے اور میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔ تم درست ہو، میں وہی بن رہا ہوں جس سے مجھے نفرت تھی۔ میں شاہ ویر نہیں میں ظالم نہیں اسکار نے مجھے یہ نہیں سکھایا۔"

اس نے دلیپ کی کلائیاں، پیر دونوں آزاد کیے۔ وہ بے یقینی سے خود کو دیکھ رہا تھا۔ اتنے ماہ بعد کیا واقعی آزاد؟

"تم آزاد ہو۔" وہ اسی طرح سر دیوار سے جوڑ کر بیٹھ گیا، اور دلیپ واقعی آزاد تھا۔ وہ اٹھا اور جھپٹ کر لکڑی کا ٹکڑا اٹھایا اسے لگا تھا۔ اسلان اس پر حملہ کرے گا مگر وہ سر دیوار سے ٹکائے بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خالی تھیں۔

"جاؤ دلیپ اس سے پہلے کہ میں خود غرض ہو جاؤں جاؤ۔ تم اپنی آزادی لے جاؤ، مجھے میرے خساروں کے ساتھ رہنے دو۔ قاتل میں ہوں سزائیں میرا مقدر ہیں۔" دلیپ سراسیمگی کی کیفیت میں لکڑی کا ہتھا اٹھائے پیچھے پیچھے ہو رہا تھا۔ وہ دروازے پر پہنچا جب اسلان نے اسے پکارا، دلیپ ٹھہر گیا۔ سانس روک لی اسے لگا اسلان حملہ کرے گا مگر۔۔۔ "کیا تم کبھی مجھے معاف کرنے کی کوشش کرو گے؟"

دلیپ چند لمحے چوکھٹ پر کھڑا رہا، دروازے کے عین اوپر لگے بلب میں اس کے چہرے پر نفی کا اعلان تھا۔ اندھیرے میں اس کی سمت تکتے اسلان کی نگاہوں میں ٹمٹماتی امید۔۔۔ بہت دیر تک وہ دونوں چپ رہے۔۔۔

"میں جتنے سال زندہ رہوں گا تمہیں بددعائیں دوں گا اور تم سے نفرت کروں گا۔"

امیدیں خاک ہو گئیں، دل کو دھکا سا لگا۔ اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ روح، آنکھیں سب جلنے لگا تھا۔ دلیپ چند لمحے کھڑا کسی وار کا انتظار کرتا رہا پھر وہ بھاگا۔۔۔۔ بغیر اس کی طرف دیکھے وہ بھاگا، دروازہ کھولا اور وہ گلی میں بھاگتا چلا گیا۔ کسی دیوار کی اوٹ میں کھڑے سہراب کا موبائل بجا وہ اس طرف متوجہ ہوا اور اسی لمحے وہ اس کی نگاہ سے اوجھل ہوا۔ سہراب یمن کو وہ نظر نہیں آیا البتہ شاہ زید طلال بنگش اسے بھاگتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اس کی گاڑی اب اس کے تعاقب میں تھی۔

وہ جسے کئی ماہ سے ڈھونڈ رہا تھا بلاخر وہ شخص اسے مل گیا تھا۔ اس کے گناہوں کا واحد گواہ۔۔۔۔

★★★★★

متغیر ہوتی رنگت کے ساتھ وہ پیچھے ہوا۔ اسلان یمن کو دیکھا اور اسے سانس لینے میں دقت ہوئی۔ جو اسے معلوم ہوا تھا اس نے عالمگیر کے دل کے بخیے ادھیڑے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ یہاں سے واپس جائے اور شاہ ویر بنگش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دے۔ وہ دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتا چلا گیا اسلان یمن کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں اس کی اپنی نہ رہی تھیں۔

"تم نے بتایا کیوں نہیں؟"

اسلان نے زخمی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "کون بتاتا ہے؟"

عالم کے پاس جواب نہیں تھا اور یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ وقت بدل دے مگر آگ اس کے سینے کو خاکستر کر رہی تھی۔ سارے میں پہلی بار اس کی آنکھوں سے کچھ قطرے گرے اور چہرے پر بہتے چلے گئے۔ اس کے بعد اس مکان میں وہ چیخ چیخ کر رویا تھا۔ اسلان یمن ساکت رہا۔ بے حس۔

شجاع یمن کے بیٹے کے سارے آنسو طلال بنگش کے بیٹے نے خشک کر دیے تھے۔

★★★★★★★

اگلی صبح اسے یوں لگا جیسے کوئی اسے بھنبھوڑ رہا ہو، یا جیسے کوئی تیز تیز چلا رہا ہو۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھیں کھلی اور کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ شور باہر سے آ رہا تھا، اس کے کمرے کا دروازہ بجایا جا رہا تھا۔ وہ رات تو دیر سے سویا تھا اور وہ دیر سے کیوں سویا تھا۔۔۔ اسے یاد کرنا پڑا۔

"سر دروازے پر کوئی اسلان یمن آیا ہے، کہہ رہا ہے آپ سے ملنا بہت ضروری ہے اور اگر آپ نہ ملنا چاہیں تو میں آپ کو یہ دے دوں۔" اس نے ایک سفید رنگ کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ ابتسام جو کافی دنوں سے گھر سے باہر نہیں نکل رہا تھا وہ اس وقت بھی ٹی وی پر بے مقصد چینل بدلتا ہوا دکھائی دیا۔ اسلان کا نام اور اس کی طرف سے آیا کوئی لفافہ دیکھ کر وہ چونکا ضرور تھا۔ لفافہ اس نے تیزی سے کھولا اندر کچھ تصاویر تھیں۔ اس کی رنگت سفید پڑی۔ تصویر میں طلال بنگش کا ایک ہاتھ پلنگ سے نیچے لٹک رہا تھا۔ کہیں اسلان دم بخود کھڑا تھا اور کہیں ابتسام انگلی اٹھا کر اسلان کو تنبیہہ کر رہا تھا۔

"اندر بھیجو اسے اور سارے گارڈز کو الرٹ کر دو۔"

"جی سر۔" وہ چلا گیا تھوڑی دیر بعد جب وہ اسلان کے ساتھ واپس آیا تب اس نے اپنے مالک کو دیکھا وہ پسینے میں شرابور تھا۔ شرٹ کے اگلے دو بٹن کھلے تھے اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"یہ تصویریں کہاں سے آئیں؟"

"سی سی ٹی وی فوٹیج سے چند تصویریں لے لیں۔"

"تمہیں یہ فوٹیج کہاں سے ملی؟" وہ غرایا۔

اسلان نے کنپٹی سہلائی۔ "شاہ ویر سے۔ اب یہ مت پوچھنا کیسے بس مل گئی۔" وہ اکتایا اور سامنے صوفے پر جا بیٹھا۔ ابتسام ہنوز لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "کیا ہوا بیٹھیں نا اپنا ہی گھر سمجھیں۔" اسلان نے اسے اپنے روبرو بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"میرے گارڈز کی تعداد دیکھی ہے تم نے؟ میرے گھر کے پالتو کتے دیکھے ہیں؟ اگر تم نے مجھے دھمکانے کی کوشش کی تو تمہاری لاش یہاں سے اتنے ٹکڑوں میں جائے گی کہ تمہارا سارا خاندان مل کر بھی گنتی نہیں کر پائے گا۔"

"اچھا؟" ابرو اچکا کر وہ بے اثر لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"اسے محض دھمکی مت سمجھو، اسلان یمن۔"

"اوکے۔" مزے سے کہتے ہوئے اس نے ٹیک لگائی۔ ابتسام نے جیب سے پستول نکال کر اس پر تان لی۔

"کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ تم یہاں آئے تھے، میں یہیں تمہیں مار کر تمہاری لاش اس محل میں گلنے سڑنے کے لیے چھوڑ دوں گا اور تم۔۔۔۔"

"بہت ہو گئیں دھمکیاں اب مدعے پر آتے ہیں۔" اسلان نے اس کی بات درمیان میں کاٹی اور انتہائی تضحیک سے کاٹی۔ "آپ کیا کر سکتے ہیں، کیا کریں گے اور کیا کیا کر چکے ہیں یہ میں نہیں جاننا چاہتا کیونکہ میں یہ جانتا ہوں۔ آپ وہی آدمی ہیں جس نے شاہ ویر کا قتل میرے سر لگانے کے لیے جی جان سے محنت کی اور۔۔۔" وہ ایک پل کو رکا، چھت پر لٹکتا جھومر اسے سننے کو ساکن ہوا، آس پاس ہر شے نے دم سادھ لیا۔ "اور آپ وہی ہیں جس نے طلال بنگش کے قتل کو طبعی موت کی شکل دینے میں اپنی بیوی کے بھائی کی مدد کی۔ آپ وہی ہیں نا؟"

ابتسام خاموش رہا اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل رہی تھی۔ "پنار کا معاملہ مسز بنگش جانتی ہیں اور اگر مسز تاج بھی جان گئیں تو آپ کے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہو گا لیکن ایک بار سوچیں اگر میں ان دو عورتوں کو یہ بتا دوں کہ آپ نے ایک کا باپ اور ایک کا شوہر مارا ہے تو؟ مسز بنگش آپ کو معاف نہیں کریں گی، ابتسام اور اگر وہ معاف نہیں کرے گی تو اس کی بیٹی آپ کو واپس کیسے ملے گی؟" ابتسام نے مردہ ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم آگ سے کھیل رہے ہو اس بری طرح سے جلو گے کہ کوئی مرہم کارگر ثابت نہیں ہو گا۔"

"میں تیزاب سے جل کر آیا ہوں، ابتسام صاحب۔ ایک لمبا عرصہ وہی جھلسا جسم اور دل لے کر چلا ہوں مجھ پر آپ کی چارہ گری کے نسخے یوں بھی ناکام ہی رہیں گے۔ آپ اپنا سوچیں مجھ جیسے سب برداشت کر لیتے ہیں اور آپ جیسے برداشت کے "ب" پر دم توڑ دیتے ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو، میں تمہیں اب بھی تباہ کر سکتا ہوں میرے پاس وہ ویڈیوز۔۔۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

"اپلوڈ کر دیں آپ سے نہیں ہو رہیں تو مجھے دے دیں، میں کر دیتا ہوں۔"

ابتسام عبّاس بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گیا۔"میں وکٹم تھا، ہوں اور رہوں گا۔ وہ ویڈیوز یا پھر جو آپ چاہیں کچھ بھی مجھے تباہ نہیں کر سکتا۔ ظالم کا ایک دن ہوتا ہے مظلوم کا ہر دن۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"عدالت میں ہمارا وکیل آپ پر چند الزامات لگائے گا، خاموشی سے سن لیجیے گا۔ عالم باہر آجائے گا اور اس کے کچھ عرصے بعد آپ جس طرح چاہیں ثبوتوں کے ساتھ ہیر پھیر کیجیے گا، وکلاء اور ججز تو یوں بھی آپ کی جیبوں کے مکین ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو آپ جانتے ہیں میں دھمکی نہیں دیتا جیل میں سڑتی آپ کی پیاری ساس اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ مجھے خود کو دہرانے کی عادت بالکل نہیں ہے۔"

اسلان کے جانے کے بعد وہ سویا تھا اور اب یہ شور کیسا؟ وہ کھڑکی کے قریب آیا پردہ ہٹایا اور بے اختیار دو قدم پیچھے ہوا۔ اسے یوں لگا جیسے آدھا لاہور اس کے گھر کے باہر کھڑا تھا. پولیس کے کئی افسران اوپر آرہے تھے، میڈیا چیخ چیخ کر تازہ ترین اطلاع دے رہا تھا۔

وہ الماری کی طرف بھاگا، لاک کھولا بیگ نکالا اسے پتا نہیں تھا۔ کیا ہو رہا ہے لیکن اسے بھاگنا تھا۔ دروازہ توڑ کر کچھ لوگ داخل ہوئے ان کی بندوقوں کے رخ ابتسام کی جانب تھا۔

"ہاتھ اوپر، تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم سرینڈر کر دو۔" وہ لاہور پولیس تھی۔ ابتسام عبّاس نے سراسیمگی سے بازو اوپر کیے۔

"لیکن میں نے کیا کیا ہے؟"

"تمہارے فارم ہاؤس سے دلیپ شنکر کی لاش ملی ہے، آلہ قتل بھی اور۔۔۔" افسر ہذیان بک رہا تھا یقیناً ایسا ہی تھا کون دلیپ شنکر۔۔۔۔؟

"ابتسام عبّاس آپ کو بنگش فیملی کے باڈی گارڈ دلیپ شنکر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔" اور اس کے ساتھ تمام آوازیں دم توڑ گئیں۔ وہ ٹکر ٹکر ان سب کو دیکھے گیا۔

★★★★★

عدالتی کمرے میں پنکھے کی گھر گھر جاری تھی۔ جج عینک کے پار سعید سادات کو سامنے کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بنفشہ اب ہر شے سے لاتعلق تھی۔

"جناب اعلیٰ اس مقدمے نے میرے موکل عالمگیر یمن کو نو ماہ تک تذلیل دی۔ ان پر ہراسر، قاتل ہونے کے الزامات لگے لیکن ان نو ماہ میں ایک چیز تھی جو بدل نہ سکی۔ عالمگیر یمن کی سچائی، اور بے گناہی۔ یور آنر یہ پولیس کی ابتدائی تفتیش، آٹوپسی اور فارنزک کی رپورٹ ہے۔" اس نے چند کاغذات جج کے ریڈر کی جانب بڑھائے۔

"جج صاحب آٹوپسی کے مطابق موت کا وقت رات کے چار بجے کے قریب ہے اور ہم سی سی ٹی وی میں دیکھ سکتے ہیں کہ ابتسام عبّاس رات کے چار بجے ہڑبڑاہٹ کے عالم میں گھر سے نکلے ہیں یقیناً ان کا اگلا سفر ان کا فارم ہاؤس رہا ہو گا۔ سر دلیپ شنکر اس مقدمے کی اہم کڑی تھا۔ ایونٹ مینیجر احمد شاہ کے بیان کے مطابق ابتسام عبّاس نے اس روز سی سی ٹی وی کیمرہ گیلری سے ہٹانے کے لیے کہا اور احمد شاہ ہی کا بیان ہے کہ اس رات شاہ ویر بنگش کی تقریب میں جائے قتل سے ذرا فاصلے پر دلیپ پہرہ دے رہا تھا اور یہ گواہی صرف احمد شاہ کی نہیں بلکہ مقتول کے بھائی مدعی شاہ زید بنگش کی بھی ہے۔ جیل میں تفتیش کے دوران مقتول کی دوسری وارث مسز بنگش نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انہوں نے تقریب کی رات کے بعد سے دلیپ کو کہیں نہیں دیکھا۔ ایسے میں اس کی لاش کا ابتسام عبّاس کے گھر سے ملنا ایک ہی طرف اشارہ کرتا ہے یور آنر۔۔۔۔"

سعید بول رہا تھا اور اسلان کی ساکت نگاہیں دیوار پر جمی تھیں۔ گلٹ اور ملال کا سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اس کے سکون کو برباد کر رہا تھا وہ اس رات کو کیسے بھول سکتا تھا جب۔۔۔۔

"ہیلو؟ اسلان بھائی ایک خبر ہے۔" چار بجے کا سمے تھا وہ ابتسام کے گھر سے کافی دور نکل آیا تھا۔ جب اسے اندرون کے اس محلے سے اپنے خبری کی کال موصول ہوئی۔ "میں سو کر اٹھا تو مجھے گھر کا دروازہ کھول کر کوئی اندر جاتے ہوئے دکھا ہے، کچھ تو ہوا ہے آپ آجاؤ۔"

"کیا ہو سکتا ہے، اب تو وہاں دلیپ بھی نہیں۔" اسلان نے محض سوچا کہا نہیں۔

"میں پہنچ رہا ہوں تم نظر رکھو۔"

دوسری طرف رات کے اس پہر قریباً پینتالیس منٹ پیچھے جاؤ تو دلیپ شنکر سڑکوں پر اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ اس کے قدم ڈگمگاہٹ کا شکار تھے وہ پیر کہیں رکھتا اور پڑتا کہیں۔ چلتے چلتے وہ کسی گاڑی سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ گاڑی کی رفتار سست تھی اسے زیادہ چوٹیں نہیں آئیں وہ سراسیمہ سا دوبارہ اٹھا، پیٹھ اور ہتھیلیاں چھل گئی تھیں اس سے پہلے کہ وہ بھاگتا سیاہ بی ایم ڈبلیو کا دروازہ کھلا۔ گلی میں جلتے کسی بلب کی روشنی میں دلیپ اس گاڑی کو دیکھ سکتا تھا۔ یہ اس کے مالک کی گاڑی تھی۔

"دلیپ؟" زید نے اسے پکارا، وہ وفادار ملازم آگے آیا۔ گاڑی کو ہاتھ لگا کر چھوا اور پھر اس کے آنسو روانی سے بہنے لگے۔ اس نے اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا اور وہ گاڑی سے لگ کر روتا چلا گیا۔ اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ "شش۔۔۔ بس دلیپ کیا ہو گیا ہے روکیوں رہے ہو؟ تم کہاں تھے، پتا ہے میں نے تمہیں کتنا ڈھونڈا ہے؟"

"صاحب۔۔۔ صاحب۔۔۔" وہ گاڑی سے ماتھا ٹیکے بلند آواز میں تکلیف کی شدت سے گریہ کر رہا تھا۔ زید نے آگے بڑھ کر اسے تھاما اور گلے سے لگایا۔

"بس۔۔۔ میں ہوں نا؟ بس کردو سب ٹھیک ہے میں ہوں نا؟" وہ مسلسل اسے پچکار رہا تھا۔ "ادھر دیکھو مجھے دیکھو میں آگیا ہوں نا؟"

"اس نے مجھے باندھ دیا تھا سر، میں آنا چاہتا تھا۔۔۔ میں آپ کے پاس آنا چاہتا تھا، میں سب بتانا چاہتا تھا۔ میں۔۔۔ اس نے مجھے باندھ دیا تھا وہ مجھے نہیں جانے دیتا تھا۔" شاہ زید نے اسے خود سے الگ کیا گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھایا اور خود دوسری طرف سے گھوم کر آیا۔

"اب تم محفوظ ہو، میں ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے لرزتے ہوئے مرد کو دلاسا دیا۔

"سر۔۔۔ اس نے اسلان نے مار دیا تھا۔ سر میں آنا چاہتا تھا اور میں۔۔۔" وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا زید نے گیئر ڈال کر گاڑی آگے بڑھائی۔ "وہ بہت ظالم ہے وہ۔۔۔۔"

"کیا تم مجھے وہ جگہ دکھا سکتے ہو جہاں اس نے تمہیں رکھا تھا؟" زید نے اس کی بات کاٹی۔

وہ گھبرایا۔ ”وہ مجھے دوبارہ قید کرلے گا، سر وہ بہت طاقت ور ہے وہ مجھے باندھ دے گا۔“ زید نے پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے بوتل لے کر غٹاغٹ سارا پانی پی لیا۔ اب وہ اس کا کندھا تھپک رہا تھا۔

”میں تمہارے ساتھ ہوں، میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتا۔ ہمیں وہ جگہ دیکھنی ہوگی جہاں اس نے تمہیں قید کرکے رکھا تھا تاکہ ہم پولیس کو جگہ بتاسکیں تمہیں کیا لگتا ہے، میں اپنے بھائی کے قاتل اور تمہارے اغوا کار کو بخش دوں گا؟“ دلیپ اسے تشکر سے دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں کا خوف اب قدرے کم ہوچکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اس چھوٹے سے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ تالہ توڑا گیا، بتیاں یونہی بجھائے رکھیں۔ کمرے میں کئی چیزیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں کچھ کپڑے، دوائیں اور کولڈ ڈرنک کے خالی کین پڑے تھے، دوسری طرف زنجیریں اور کرسی۔ شاید اسلان یہ سامان سمیٹنے کے لیے آنے ہی والا تھا۔

”یہاں پر سر اس نے مجھے یہیں رکھا تھا اس سے پہلے ایک اور جگہ تھی، لیکن کچھ دن بعد وہ مجھے یہاں لے آیا۔“

”کیا اس نے تمہیں مارا تھا؟“ سارے میں طائرانہ نگاہ ڈالتے سنجیدگی سے سوال کیا۔

”نہیں سر، مارتا نہیں تھا مجھے میری بیوی اور بیٹی کی نئی تصویریں بھی دکھاتا تھا، کھانا روز نیا اور تازہ لاتا تھا۔ میرے ساتھ بیٹھ کر بات بھی کرتا تھا اور میں چاہے اسے جتنی گالیاں دے دوں وہ چپ رہتا تھا لیکن اس نے مجھے قید کیا سر۔“ اس پر خوف کی کیفیت دوبارہ طاری ہونے لگی تھی زید اس کے قریب آکر رکا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ کانپ رہا تھا۔ یہ جگہ اب اسے خوابوں میں بھی خوف زدہ رکھنے والی تھی۔

”اس رات کیا کیا ہوا تھا دلیپ مجھے یاد کرکے بتاؤ۔“ دلیپ کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ نیچے بیٹھ گیا۔ نگاہیں کہیں دور ٹکی تھیں اور اس نے کہنا شروع کیا۔ بہت دیر تک وہ کہتا رہا، سب بتاتا رہا اور جب وہ خاموش ہوا تو زید نے اسے دیکھا۔

”جب وہ اسے زخمی کررہا تھا تب تم اس کے پاس کیوں نہیں گئے دلیپ؟“

”میں ڈر گیا تھا سر۔ اس پر خون سوار تھا، مجھے لگا وہ مجھے مار دے گا۔“

"اور تم نے میرے بھائی کو مرنے دیا؟" اس کی آواز، لہجہ، چہرہ، تاثر سب بدل گیا۔ دلیپ کے دل کو کسی خوف نے جکڑا۔ اسے زید کا چہرہ اجنبی لگا۔ اتنا اجنبی کہ وہ اسے پہچان ہی نہ سکا۔

"میں بچانا چاہتا تھا سر لیکن میں ڈر گیا تھا۔ مجھے لگا کہ۔۔۔۔"

"کہ؟" اسی سختی سے استفسار کیا۔ نگاہوں کی سفاکی ہرگز کم نہ ہوئی۔ دلیپ نے تھوک نگلا، وہ پیچھے ہونے لگا جب شاہ زید نے اپنی پستول کا رخ اس کی طرف کیا۔ اس کے جسم سے سانس رخصت ہو گیا۔ وہ ساکت نگاہوں سے زید کو دیکھے گیا۔ بھاگنا، پیچھے ہونا، ہلنا وہ سب بھول گیا تھا۔

"وہ میرا بھائی، میری جان تھا۔ اس کی تکلیف میری تکلیف تھی، اس کا جسم میرا جسم، اس کی خوشی میری خوشی اور اس کا زخم میرا زخم، تم نے کیسے ہمیں زخمی ہونے دیا، دلیپ؟" زید نے پستول اس کی پسلیوں کے درمیان رکھا وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا مگر یکدم لوہے کا ذرا بجلی کے کوندے کی طرح اس کے جسم میں پیوست ہوا۔ دلیپ کی دلخراش چیخیں گونجتیں اگر زید نے بروقت اس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھ لیا ہوتا۔ اگلے لمحے اس نے جیب سے ایک چاقو نکالا، پہلا وار اس کے گلے پر ہوا، دوسرا سینے میں تیسرا پسلیوں میں اور پھر وہ گنتی اور تعین بھول گیا۔ کسی ظالم بپھرے ہوئے جانور کی طرح وہ دلیپ کا جسم کاٹ رہا تھا۔ بالکل ویسے جیسے اس کے بھائی کو کاٹا گیا تھا۔ وہ ہاتھ پورا بلند کرتا اور پھر شدت سے چاقو اس کے اندر گھسیڑ دیتا، خون سا خون تھا تکلیف سی تکلیف تھی۔

جب وہ مار مار کر تھک گیا تو گہرے سانس لینے لگا۔ دلیپ کا جسم جھٹکے کھاتے کھاتے ساکن ہو گیا تھا۔ وہ دائمی طور پر ہر قید سے آزاد تھا۔

چند لمحوں بعد زید لاش کے اوپر کھڑا تھا۔ چہرہ، سینہ اور ہاتھ خون سے تر تھے۔ چہرے پر کوئی ترحم، کوئی احساس نہیں۔

"تمہاری اوقات ایک کتے سے بھی کم تھی اور تم نے میرے بھائی پر اپنی زندگی کو فوقیت دی؟" لاش کے منہ پر بوٹ سے ٹھوکر مارتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اسلان یمن اب دوہرے قتل کے الزام میں جائے یا عالمگیر پر بات آئے اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ بدلہ لے چکا تھا۔

اس کی یہ جرات کی وہ ایک بنگش پر خود کو فوقیت دے؟

★★★★★

"یہ اسی کا خون ہے نا؟" عالمگیر کی نم آنکھیں اور گیلا چہرہ نظر انداز کرتے اسلان نے اس سے سوال کیا۔ سارے میں وہ پہلی بار چونکا، ٹھٹک کر اپنی سفید شرٹ کو دیکھا جہاں خون کے دھبے تھے اور وہ بہت دیر تک ششدر رہا۔ ایک جھماکے سے اسے اپنا گیلری میں گرنا، ہاتھوں پر چپچپاہٹ محسوس ہونا یاد آیا۔

"میں۔۔۔۔ میں گیلری سے آیا تھا اور میں گرا تھا اور۔۔۔۔" اس نے متحیر نگاہیں اٹھا کر اسلان کو دیکھا، دھیرے دھیرے سر نفی میں ہلایا۔ "میں ایک بار پھر جیل نہیں جا سکتا۔ ناٹ اگین میں نے کچھ نہیں کیا۔"

"میں قبول کرلوں گا۔" اسلان نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں تم نہیں کر سکتے تمہاری زندگی خراب ہو جائے گی۔" وہ فوراً اس کے خیال کی نفی کر گیا۔

"یہ آپ کے اور میرے اختیار میں نہیں ہے لیکن میں آپ کو بچا سکتا ہوں، اور آپ مجھے اگر ہم دونوں ایک ساتھ کام کریں۔"

"میں کارپوریٹ ہوں کوئی کرمنل نہیں۔ میں کسی کا قتل کور اپ نہیں کر سکتا۔"

"تو میں۔۔۔۔۔" اسلان بغیر کسی تردد کے بولا۔ "آپ بتا دینا پولیس کو یا پھر میں سرینڈر کر دوں گا۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک بچ سکتا ہے۔ سی سی ٹی وی میں آپ بھاگتے ہوئے نظر آئے ہوں گے، آپ کے لباس پر خون ہے پہلا شک آپ پر آئے گا اور آپ میری وجہ سے کچھ بھی جھیلو یہ میں نہیں ہونے دوں گا۔ آپ میرا نام لے لینا۔"

عالمگیر نے اسے دیکھا، اسلان براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ اٹھا اسلان کے قریب رکا۔

"تمہیں میں اتنا خود غرض لگتا ہوں؟" اسلان نے گردن جھکا دی۔

"آپ سے گلہ نہیں ہے، اپنی تباہی بہت قریب نظر آ رہی ہے مجھے۔ جو بھی ہو اب کم از کم وہ میری بہن کے قریب نہیں آ سکے گا۔ کوئی پچھتاوا نہیں ہے مجھے، جو کیا صحیح کیا۔ آپ چاہو تو میرا نام لے لو۔" عالمگیر نیچے بیٹھ گیا۔ اسلان کو اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ہم دونوں کو یہ سروائیو کرنا ہے لعل یمن کے مردوں پر اب کوئی قید لاگو نہیں ہو گی۔"

اسلان نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "مت بچائیں مجھے۔"

"تم بچاؤ گے۔۔۔۔۔۔ ہم دونوں کو بچاؤ گے تم۔"

اسلان خاموش رہا کچھ نہیں بولا۔ "پلان کیا ہے؟" مہیب رات میں چچا کی آواز گونجتی رہی۔

"آپ شیور ہو؟" پلان سننے کے بعد بھتیجا بولا۔

"دو سو فیصد! مجھے کچھ نہیں ہو گا اگر الزام مجھ پر آیا تو تمہارے پاس کیا پلان ہے؟"

اسلان نے آنکھیں رگڑیں لمبی سانس ہوا میں خارج کی۔ "ہسپتال جائیں اپنے بیان پر اڑے رہیں جو کہ سچ ہے۔ سوائے اس بات کے کہ آج آپ مجھ سے ملے تھے اور دو گھنٹے یہاں ہم ساتھ تھے اور یہ کہ دلیپ اس وقت آپ کے فلیٹ پر ہے۔ میری موجودگی کہانی سے حذف کر دیں اور بس۔" عالم نے سر ہلایا۔ دو سے ڈھائی گھنٹے گزر چکے تھے عالم کو یہاں سے نکلنا تھا، عبیر اس کی ملازمہ اور صبیحہ کے ساتھ ہسپتال میں تھی اسے وہاں پہنچنا تھا۔

"کیا میں آج گرفتار ہوں گا؟" اس کے لہجے میں اندیشے تھے۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا، ہر شک آپ تک آتا ہے ہر ثبوت کو الگ سمت دینے کی میں کوشش کروں گا لیکن جب پانی سر سے گزر جائے آپ میرا نام لے لینا۔" یہ تنبیہ تھی، اجازت بھی۔ "تمکنت آپ کا نام لے سکتی ہے اور اگر اس نے لے لیا تو وہ جھوٹے گواہ بھی پیش کرے گی۔ ہم اس صدی کے سب سے بڑے میس میں پھنس سکتے ہیں۔"

عالم نے گہرا سانس بھرتے سر جھکا لیا۔ کسی کا گناہ اپنے سر لینا، کسی کی قید اپنی سمت موڑ لینا یہ ہمت اور حوصلے کے فیصلے تھے اسے کرتے ہوئے دل نہیں جگر چاہیے تھا۔ "آپ اسکار کو نہیں بتاؤ گے۔"

"وہ میرا۔۔۔۔"

"جس دن آپ نے اسے بتایا اس دن آپ کا اور میرا تعلق ختم۔"

"تم اس سے بدظن ہو رہے ہو، اسلان۔" عالم کو افسوس ہوا۔

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں اس سے محبت کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا وہ مجھے جج کرے کیونکہ وہ کرے گا۔"

عالم خاموش رہ گیا، کچھ کہہ نہیں سکا۔ "میں باقی کہانی کا انتظار کروں گا۔"

اسلان نے سر ہلا دیا۔ عالمگیر اپنی گاڑی تک گیا، وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگا تھا کہ اسلان نے اسے آواز دی۔

"آپ گاڑی میں نہیں جاسکتے۔ پولیس آپ سے سوال کرے گی ہوٹل سے نکلنے کے بعد آپ دو سے ڈھائی گھنٹے اگر گاڑی میں تھے تو ہسپتال کیوں نہیں پہنچے؟"

عالم ٹھہر گیا۔ اسلان دھیمی چال چلتا گاڑی کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا۔ جیب سے کوئی نوک دار شے نکال کر اس نے گاڑی کے دونوں ٹائر باری باری پنکچر کر دیے۔ "آپ کی گاڑی پنکچر تھی، چاچو۔ آپ کو ہسپتال پہنچے میں اس لیے وقت لگا کیونکہ آپ پیدل آئے تھے۔" یہ اس کی کہانی تھی جو اسلان ترتیب دے رہا تھا۔

"کیا کر رہے ہو، اسلان؟" وہ اسے بے بسی بھری عجیب سی نظروں سے تک رہا تھا۔ اسلان نے شانے اچکائے۔

"بقا کی تیاری۔"

واپس اس مکان کی طرف جاتے ہوئے اس کی چال شکستہ تھی، کندھے جھکے ہوئے۔ قتل سہل نہیں ہوتے۔

★★★★★★★★

حال (کمرہ عدالت)

"یور آنر میرے موکل سے ملنے والا چاقو ایک عام گھریلو چاقو تھا جس پر نہ ان کے فنگر پرنٹس ملے، اور نہ وہ چاقو ان کی گاڑی سے ملا چاقو گھر سے ملا اور عالمگیر یمن تقریب سے سیدھا ہسپتال پہنچے تھے اور وہیں ان کی گرفتاری ہوئی۔"

سعید اب مضبوط جواز اور ثبوت پیش کر رہا تھا۔

”قتل کے وقت عالمگیر یمن پارٹی سے چلے گئے تھے اور مدعی کا شک یہی تھا کہ ان چند منٹوں میں عالمگیر نے شاہ ویر بنگش کا قتل کیا لیکن ان کے گھر سے آنے والی کال یہ ثابت کرتی ہے کہ تقریب چھوڑنے کی وجہ ان کی بیٹی کا جل جانا تھا۔ وار غصے اور طیش میں آکر کیے گئے جبکہ مسز تاج کا بیان یہ کہتا ہے کہ عالمگیر نے غیض و غضب کے عالم میں بھی نہ انہیں کوئی گالی دی، نہ ہاتھ اٹھایا ایسا شخص قاتل کیسے ہو سکتا ہے؟ پولیس نے جو ثبوت پیش کیے ان سب میں جھول تھا، ٹائمنگ میں پھیر تھا اور اس کیس کے انچارج کو جسویندر نے اپنا بیان ریکارڈ کروایا ہے۔“

اس نے ایک کاغذ میز سے اٹھا کر جج کے سامنے رکھا۔ کٹہرے میں کھڑے جسویندر کو دیکھا اور بیان پڑھا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ تفتیش اور باقی کے تمام مراحل کے دوران بھی پولیس کو عالمگیر کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکے تھے نیز یہ کہ اپنی موت سے چند گھنٹے قبل سلطان نے یہ اعتراف کیا تھا کہ عالمگیر قاتل نہیں بلکہ بنگش ہاؤس سے کوئی اس قتل میں شامل ہے۔

”کیا یہ بیان آپ کا ہے، جسویندر؟“ جج صاحب نے کٹہرے میں کھڑے افسر سے پوچھا۔

”جی یور آنر۔“

”کیا آپ کو یہ بیان دینے کے لیے مجبور کیا گیا ہے، کوئی دباؤ یا کوئی دھمکی؟“

”جی نہیں یور آنر، میں یہ بیان اپنے مکمل ہوش اور حواس اور دلی رضامندی سے دے رہا ہوں۔ عالمگیر بے قصور ہے، سلطان صاحب مجھے عزیز تھے لیکن عالمگیر کو گرفتار کرنے کی واحد وجہ سہراب اور سلطان کی رنجش تھی۔“

رنجش۔۔۔۔ یہ ایک لفظ وہاں بیٹھے اسلان اور سہراب کو کیا کیا یاد دلا رہا تھا؟

اسے وہ رات یاد نہیں کرنی تھی مگر وہ رات اس کی زندگی کی سیاہ ترین راتوں میں سے تھی نگاہ چرانے یا سر جھٹکنے سے حذف نہیں ہونی تھی۔

وہ کوئی پچاس منٹ بعد اس گھر میں واپس آیا تھا دلیپ کے نکلتے وقت اسے کال آئی تھی اور اسے کہیں پہنچنا پڑا، وہاں سے واپسی پر اس وقت کھلا دروازہ اور روشن بتیاں دیکھ کر سہراب ٹھٹکا تھا، اس نے اسلان کو جاتے ہوئے

دیکھا تھا اور اب یہ سب؟ وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا آگے آیا۔ دروازہ کھولنے کے لیے اس نے ٹھوکر مارنی چاہی مگر کھلی ہوئی درز سے نظر آتا منظر روح فرساں تھا۔

دلیپ کٹے ہوئے جسم کے ساتھ بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔ آنکھیں کھلی کی کھلی تھیں، اسلان یمن شل سا اس کے پیروں کے قریب بیٹھا تھا۔ آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں، لب ہلکے سے وا۔ وہ شاک کی شدید ترین کیفیت کا شکار تھا۔

سہراب اندر آیا، ہر قدم من من بھر کا تھا۔ اسلان نے اس کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے بھی گردن نہیں موڑی۔ اس کا سارا جسم جمود کا شکار تھا۔ نوارد نے سارے میں طائرانہ نگاہ ڈالی۔ خون کا تالاب، بے حس و حرکت لاش، اس کے جسم پر لگے وار۔۔۔ بھتیجا متحیر تھا اس کے لیے یہ منظر سالم پچھتاوا تھا، اس کے سامنے کھڑے اس سے دگنی عمر کے مرد کے لیے یہ منظر "کرائم سین" تھا۔ اس نے چاروں طرف سے گھوم کر جائزہ لیا، ساتھ لائے بیگ سے نکال کر ہاتھوں پر دستانے چڑھا کر اس کی گردن کا، زخموں کا معائنہ کیا۔ قریباً دس منٹ بعد وہ اسلان کے قریب آیا۔ اسے ہلایا مگر کوئی جواب نہیں وہ ساکت تھا۔

"اسلان۔۔۔" گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھتے ہوئے سہراب نے مدھم آواز میں اسے پکارا اس وقت وہ دونوں ہر دوسری شے فراموش کر چکے تھے۔ اس وقت جان کے لالے پڑے تھے۔ "اسلان بیٹا ادھر دیکھو۔" اس نے اسلان کا رخ اپنی جانب کیا۔ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرا۔

"we need to fix this"

"میں نے نہیں مارا، اسکار۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" اس کی آواز میں ننھے بچوں جیسا خوف تھا۔ خوف رنج میں بدلا۔ "میں نے تو اسے آزاد کر دیا تھا، میں نے کچھ نہیں کیا چاچو، میں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ کچھ کرو پلیز میں کہاں جاؤں گا میں نے نہیں مارا۔" سہراب نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرا۔

"شش۔۔۔ آہستہ بولو۔ میں جانتا ہوں تم نے نہیں کیا۔ کیا تم نے پولیس کو کال کی ہے؟"

"آپ کو مجھ پر یقین ہے؟"

"بالکل۔" اسلان نے ایک جھٹکے سے اسے دیکھا۔

"کیا واقعی؟" سہراب نے اضافہ کیا۔

"تمہارے کپڑوں اور چہرے پر خون نہیں، یہ وار جس نے بھی کیے ہیں وہ خون سے بچ نہیں سکتا۔" یعنی یہ منظر واقعی محض ایک کرائم سین تھا؟ وہ اس پر اعتبار کر رہا تھا کیونکہ اس کے خلاف ثبوت نہیں تھے اس لیے نہیں کہ وہ اس کا بھتیجا تھا۔ "میں جانتا ہوں یہ تم نے نہیں کیا۔ تم نہیں کر سکتے۔"

"آپ کو مجھ پر یقین ہے؟" اسلان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لیا۔ "مجھے سچ سچ بتائیں آپ کو مجھ پر یقین ہے ہاں یا نہ؟"

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے جس نے بھی اسے مارا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کا قتل تمہارے یا عالم کے کھاتے میں آئے یہ پراپرٹی عالم کی ہے اور یہ گارڈ شاہ ویر کا، ہمیں باڈی کا کچھ کرنا ہو گا۔"

"آپ کو مجھ پر یقین ہے؟"

"اسے جلا دیتے ہیں، کیا کسی نے تمہیں یہاں آتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"آپ کو مجھ پر یقین ہے؟ ہاں یا نہ؟" زمین پر ہاتھ مارتے وہ حلق کے بل چیخا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی، گردن کی نسیں ابھر کر واضح ہو رہی تھیں۔ وہ آج سہراب یمن جیسا لگا ہو بہو وہی۔

سہراب نے لب بھینچ لیے۔ دونوں ایک جیسی گہری بھوری آنکھوں سے ایک ہی جیسی تپش لیے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ دلیپ کی لاش جیسے کہیں کھو گئی ہو۔

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔ اسلان سارے کا سارا ٹھنڈا پڑ گیا۔ آنکھوں میں جلتا لاوا بجھ گیا، کچھ رہ گیا تو سکوت۔ "میں تم سے محبت کرتا ہوں یہ میرے بس میں نہیں ہے لیکن تم نے مجھے مسخ کر دیا ہے میرا بھروسہ بھی، اور میرا دل بھی۔ میں تم پر یقین نہیں کرتا لیکن یہ قتل تم نے نہیں کیا اس لیے میں تمہیں اس میں ٹریپ ہونے نہیں دے سکتا تم چاہو تب بھی نہیں۔" اسلان نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کیا، آنکھیں رگڑیں۔ وہ

بھی کس ابہام میں جی رہا تھا۔ سامنے کھڑا شخص ایک بے داغ ماضی اور روشن مستقبل رکھنے والا افسر تھا اور وہ خود کیا تھا؟

ایک قاتل، اغواکار، بلیک میلر اور کیا کیا؟

”تم نے کچھ نہیں کیا لیکن یہ ختم کرنا ہو گا۔“ وہ اس پر کیوں یقین کرے گا قتل کی وجہ کوئی بھی تھی اس نے شاہ ویر کو مارا تھا، اغوا کے اسباب کچھ بھی ہوں اس نے دلیپ کو اغوا کیا تھا یہ سچ تھا اور وہ اس سچ میں جکڑا ہوا۔

”جس نے بھی یہ کیا ہے وہ بہت جلد پولیس کو بھیجے گا۔ ہم لاش گاڑی میں ڈالیں گے، میں ایک ایڈریس دے رہا ہوں تم اسے لے کر وہاں جاؤ، میں کرائم سین صاف کر کے آ رہا ہوں۔“ اس نے اسلان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرا۔

”تمہیں ہمت کرنی ہو گی، اسلان۔ میں ایک اور یمن کو جیل میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں رکھتا مجھ پر ترس کھاؤ۔ let me fix this۔“ وہ اٹھا، گیلی سانس اندر کھینچی۔ آنکھیں جو بار بار بھر رہی تھیں انہیں ایک بار پھر ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا۔ اب کے اس نے سہراب کی آنکھوں میں دیکھا تو وہاں سمیٹ لیے جانے کی امید نہیں تھی۔ وہاں اس کے گلے لگ کر رونے کی چاہت بھی نہیں تھی شاید شجاع درست کہتا تھا سہراب یمن اس سے محبت کر سکتا ہے اسے سمجھ نہیں سکتا کیونکہ وہ اسلان کا باپ نہیں۔ شاید وہ صحیح تھا؟

”میرے پاس پلان ہے کیا کرنا ہے میں جانتا ہوں۔“ جذبات سے خالی خشک آواز میں کہا۔ ”آپ ساتھ دینا چاہو تو ٹھیک نہ دینا چاہو تو مہربانی۔ مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے اسلان کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

”یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے، اسلان۔ میں الگ بات کر رہا تھا تم اسے الگ رخ دے رہے ہو۔“

اسلان چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ آنکھیں بھر گئیں۔ ”آپ نے مجھے کبھی سمجھا ہی نہیں چاچو۔ آپ نے ہمیشہ۔۔۔ ہمیشہ۔۔۔ ہمیشہ مجھے جج کیا ہے۔ آپ کی محبت بہت سخت ہے، اس نے مجھے توڑ دیا ہے، اور آپ میں اتنے گٹس نہیں تھے کہ آپ مجھے جوڑ سکو۔ میں چاہے جو مرضی کر لوں آپ سے نفرت نہیں کر سکتا لیکن آج۔۔۔ آج کے

بعد میں آپ سے محبت بھی نہیں کروں گا۔" وہ بہت بری طرح زخمی لگ رہا تھا۔ سہراب یمن کے ایک اعتراف نے اسے کرچی کرچی کر دیا تھا۔

"تم نے شاہ ویر کو مار دیا ہے تم قاتل بن گئے ہو اور اب بھی سمجھتے ہو میری غلطی ہے؟" وہ پھنکارا۔

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ کی غلطی بہت پرانی ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک کچھ ٹوٹ جانے سے لے کر میری کسی غلطی تک آپ نے کبھی نہیں پوچھا "کیوں؟" آپ نے ہمیشہ پوچھا "کیسے" آپ نے۔۔۔" اس نے سہراب کے سینے پر انگشت شہادت کا زور دیا۔

"مجھے تباہ کر دیا۔ میں باتیں اندر رکھ رکھ کر پاگل ہو گیا ہوں۔ میرا دل پھٹ رہا ہے۔ مجھے نہیں پتا میری زندگی کا کیا مقصد ہے نہ مجھے یہ پتا ہے، میں کیا بن رہا ہوں میں۔۔۔" آنسوؤں سے تر چہرہ لیے اس نے ہچکی لی۔ "تھک گیا ہوں۔ آپ نے مجھے تھکا دیا ہے، آپ کو چاہیے تھا مجھے اس یتیم خانے میں چھوڑ دیتے آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔ آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے بس میں کرتا میں کیوں کرتا ہوں میں کیوں۔۔۔۔؟" سہراب نے پہلی بار اسے اس طرح ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے دیکھا تھا۔ تکلیف دونوں کی یکساں تھی۔ سہارنا کٹھن عمل۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے تکتا رہا، پھر ہولے سے اس کا شانہ تھپکا۔ "we need to fix this"

اسلان نے لب بھینچ کر سر ہلایا، پلٹ کر دلیپ کی لاش کو دیکھا۔ اس سمے وہ سہراب سے متفق تھا۔ سہراب نے اس کا چہرہ صاف کرنا چاہا مگر وہ پیچھے ہو گیا تھا۔ وہ اب جانتا تھا ان پاکبازوں کا حصہ وہ نہیں رہا۔

حال میں ابتسام کڑی نظروں سے اسلان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ لاش اس کے فارم ہاؤس پر لانے والا، وہاں ابتسام کے فنگر پرنٹس اور شاہ ویر بنگش کے قتل کے دوران استعمال ہونے والا آلہ وہاں کس نے رکھا تھا۔ وہ سب جانتا تھا، خاموش تھا اسلان کو لگ رہا تھا۔ سب اس کے مطابق ہوا ہے لیکن اگلے چند لمحوں میں اس کی سوچ بدلنے والی تھی۔

★★★★★

"پراچہ صاحب آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟" چبوترے پر دھری کرسی پر براجمان شخص نے اسے مخاطب کیا۔ دمیر اٹھ کر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ابتسام نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روکا۔ وہ مزید کوئی بحث و مباحثہ نہیں چاہتا تھا، اس کی بیوی اس کے خلاف جا کر گواہی دے سکتی ہے تو اس کے لیے اور کیا رہ گیا تھا؟

دمیر لب بھینچ کر رہ گیا۔ "میں ہارنے کے لیے نہیں آیا، ابتسام۔"

"ہر مقدمے کا فیصلہ عدالت میں نہیں ہوتا۔ یہ مقدمہ تم نہیں ہاروگے نہ میں، اس کا فیصلہ عدالت کے باہر ہوگا اور جیت کا فیصلہ ہوگا۔" دمیر بل کھا کر رہ گیا۔ احتراماً اسے اٹھنا پڑا۔

"نہیں یور آنر۔ عدالت ہمارے لیے قبل احترام ہے یہاں آتے ہوئے ہم انصاف کا پرچم لاتے ہیں انا کا نہیں۔ عالمگیر یمن کے متعلق جو ثبوت اور شواہد ہمیں موصول ہوئے وہ ہم نے اس عدالت کو پیش کیے آگے کا فیصلہ عدالت کا ہے، لیکن میری عدالت سے درخواست ہے کہ ابتسام عبّاس کے متعلق کوئی سخت فیصلہ فی الحال نہ لیا جائے کیونکہ جس طرح عالمگیر چند پیشیوں میں بے گناہ ثابت ہو سکتا ہے اسی طرح اس کیس کا بھی دوسرا رخ ہو سکتا ہے۔" امراء کا کتا تھا، ان کے حق میں ہی بھونک سکتا تھا عدالت اور اس کے لوگوں کو کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔

"ابتسام عبّاس کو کٹہرے میں پیش کیا جائے۔" وہ ہتھکڑی لگے ہاتھوں والا مرد کٹہرے میں آ کر کھڑا ہوا۔ جج صاحب نے اس پر لگی دفعات اسے پڑھ کر سنائیں۔ "کیا آپ ان الزامات کو قبول کرتے ہیں؟"

عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ ہر کوئی دل تھامے اسے دیکھ رہا تھا۔ اگر اس نے بے قصور ہونے کا کہہ دیا تو عالم بری نہیں ہو سکے گا، ٹرائل چلے گا اور وہ دونوں ملزم رہیں گے، اور اگر اس نے مان لیا تو۔۔۔ تو کیا عدالت اسے جلد از جلد سزا سنائے گی؟ اسلان آنکھوں کے اشارے سے اسے جتا رہا تھا، وہ اسے تنبیہہ کر رہا تھا ابتسام اس تنبیہہ کو بخوبی سمجھتا تھا۔

"i plead innocent your honor"

سکوت چہ میگوئیوں میں بدل گیا۔ "لیکن میں کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔" اسلان تاریک پڑتی رنگت کے ساتھ اسے تک رہا تھا ہر گزرتے لمحے اس کی بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ "دو روزہ پولیس کسٹڈی اور سات روزہ ریمانڈ

کے بعد میں یہاں کھڑے ہو کر آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں اصل مجرم نہیں ہوں۔ جج صاحب میرے علم میں یہ بات کل رات ہی آئی ہے کہ شاہ ویر بنگش اور دلیپ کا قتل میرے باڈی گارڈ وقار خان نے کیا ہے۔"

ہر کوئی سانس روک گیا۔ آہ ابتسام آہ۔ وہ اس ملک کے ان کرپٹ امیروں میں سے تھا جن کی گردن پر جب تلوار آتی تھی تو اس کا رخ اپنے ہی کسی ملازم کی طرف موڑ دیتے تھے۔

"ابتسام عبّاس بالکل درست کہہ رہے ہیں جج صاحب۔" دمیر اٹھ کر درمیان میں آ کر کھڑا ہوا۔ "کل رات ہی ابتسام عبّاس کے ڈرائیور نے یہ حلفیہ بیان دیا ہے کہ انہوں نے شاہ ویر بنگش اور دلیپ شنکر کا قتل کیا ہے اور اس قتل میں اپنے باس کو فریم کیا۔"

"پراچہ صاحب یہ عدالت ہے یا مچھلی مارکیٹ یہ سب ہو کیا رہا ہے؟" جج صاحب سختی سے بولے آس پاس بھنبھناہٹ ہونے لگی۔

"جج صاحب آپ بذات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سن لیجئے۔ وقار اس وقت عدالت میں موجود ہے اور وہ خود بیان دینا چاہتا ہے۔ وہ اعتراف جرم کرنا چاہتا ہے۔"

"وقار کو کٹہرے میں بلایا جائے۔" جج برہمی سے بولے۔ ہر ایک کی نظر وقار کی طرف اٹھی جو کسرتی بدن اور اچھے لمبے قد کا حامل تھا۔ چند منٹوں کے اندر اندر کھیل بدل کر رہ گیا تھا۔

"یہ غلط ہو رہا ہے، اس نے کچھ نہیں کیا۔" اسلان بنفشہ کے قریب جھکا۔

"جاؤ پھر جج کو بتاؤ اور اپنے خاندان کو ایک اور اسکینڈل میں پھنساؤ آج اگر عالم کے رہا ہونے کی ذرا برابر گنجائش باقی ہے تو اسے ختم کرو، سہراب کو ایک دفعہ پھر مایوس کرو۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"تم چاہتی ہو، میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے سب دیکھتا رہوں؟"

بنفشہ اس کی طرف مڑی، غضب ناک نظروں سے اسے دیکھا۔ "اگر تم میں اتنی ہی ہمت ہے تو اٹھو اور اٹھ کر بتاؤ شاہ ویر کے قاتل تم ہو، دلیپ کے اغوا کار بھی تم اور تمہارے ساتھ شامل جرم عالمگیر یمن۔"

"عالم کا کوئی قصور نہیں۔" وہ بدکا۔

"مجھے تو ابتسام بھی قاتل نہیں لگتا۔" اس نے تبصرہ کیا۔ "وہ برا ہے لیکن اتنا برا بھی نہیں۔"

جانے کیوں لیکن اسلان کو بے حد برا لگا۔ اس سنجیدہ صورتحال میں بھی وہ اپنی ناگواری چھپا نہ پایا۔ "یہ وہی آدمی ہے جس نے تمہارے کردار پر الزام لگایا تھا۔"

"اور میں الزام خود پر سے ہٹا چکی ہوں اسلان یمن۔ تمہارا کیا؟ تم نے تسلیم کیا اپنا جرم؟" وہ ہنوز سامنے دیکھ رہی تھی۔ اسلان کو خاموش ہونا پڑا۔

ذرا ہی دیر بعد محافظ یہ بیان دے چکا تھا کہ شاہ ویر اس کے باس کو تنگ کرتا تھا لہٰذا اس سے برداشت نہ ہوا اور اس نے شاہ ویر کو قتل کر دیا، نیز یہ کہ دلیپ نے اسے قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا تو اسے مجبوراً اغوا کرنا پڑا اور جب وہ اس کی گرفت سے بھاگ رہا تھا تب اس نے دلیپ کا قتل کر دیا۔ وہ اس قتل کو اپنے مالک پر پلانٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ ڈر گیا تھا اور اب چند دن بعد اسے وفاداری کا احساس ہوا ہے اور وہ اپنے مالک کو آزاد کرنا چاہتا ہے۔

جج جانتا تھا یہ نری بکواس ہے، عدالت میں بیٹھا ہر فرد جانتا تھا۔ یہ جھوٹ کی پٹاری ہے سب خاموش تھے کیونکہ قانون کے مطابق فیصلے ہونے تھے۔

"تمام ثبوتوں اور گواہوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ عالمگیر افتخار یمن پر لگے ہراسمنٹ اور قتل کے الزام جھوٹے اور بے بنیاد تھے۔ یہ عدالت عالمگیر یمن کو باعزت بری کرتی ہے اور بنگش خاندان کو یہ تلقین کرتی ہے کہ وہ عالمگیر سے ان کے چند ماہ کے خساروں کی معافی طلب کریں۔ یہ عدالت حکم دیتی ہے کہ ابتسام عبّاس اور وقار خان کو حراست میں لے کر ان دونوں سے کڑی تفتیش کی جائے اور۔۔۔ اصل مجرم کو سامنے لایا جائے۔۔۔ یہ عدالت۔۔۔۔۔۔"

وہ بری ہو چکا تھا۔ باعزت بری۔۔۔ عالمگیر یمن نے اسلان کو دیکھا وہ مسکراتا ہوا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سہراب نے آنکھیں بند کر کے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔ عالم ہتھکڑی والے ہاتھ اسلان کی گردن سے گزارے اسے گلے لگا رہا تھا، اسلان نے اسے کمر سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور گھمانے لگا سہراب بنفشہ اور سعید کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

عالم سہراب کے گلے لگا، اس بار سہراب نے اسے الگ کرتے ہوئے اس کا کندھا تھپکا۔ عالم بنفشہ کے آگے آیا، اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ بنفشہ مسکرائی۔ گال میں گڑھا پڑا۔ اسلان اسے اور اس کی مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ چند لمحوں کے لیے وہ حال سے غافل اور مستقبل سے بے اندیش ہو گیا تھا۔

بالآخر زندگی ڈگر پر آگئی تھی، اوہ اچھا؟ کیا واقعی؟

★★★★★

"کہیں ملیں؟"

عدالت کے زینوں سے اترتے اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اس نے موبائل پر آراہ کی خوشگوار پیشکش سنی۔

"آج خود پیشکش کر رہی ہو خیریت؟" زید زیر لب مسکرایا۔

"ہم دونوں دشمن نہیں، اسی خوشی میں تمہیں ایک اچھی کافی پلا سکتی ہوں۔"

"کہاں آؤں؟" وہ ہاتھ کا چھجا بنائے دھوپ کا راستہ روکے آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ ایک کال اس کے تاثرات میں دراڑ اور لبوں پر مدھم مسکراہٹ لے آئی تھی۔

"کسی ایسی جگہ ملیں جہاں ہم شاہ ویر کو ایک آخری دفعہ یاد کر سکیں؟"

زید کے گلے میں گلٹی ابھری، آراہ لب کاٹنے لگی۔ "ہم دونوں کو مان لینا چاہیے کہ ہم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"تم صحیح کہہ رہے ہو۔"

"پھر بتائیں میں کہاں آؤں؟" اس نے بوجھل پل کم کرنے کو کہا۔

"میں اور شاہی اکثر ایک سپورٹس کلب جاتے تھے لوکیشن بھیج رہی ہوں آجاؤ آج کچھ کھیلیں گے۔ کچھ یادیں تازہ کریں گے۔"

"ہم تو کافی پینے جا رہے تھے نا؟"

"آفر کس کی تھی؟ میری۔۔۔ اب جگہ بھی میری مرضی کی ہوگی جس دن تم آفر کرو اس دن تم اپنی مرضی کی جگہ بتانا۔"

"تم میری مرضی کی جگہ چلو گی؟" وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"قسمت آزما لینا، اگر وہ تمہارا لکی دن ہوا تو شیور۔"

شاہ زید ہنسا۔ "تم کتنی سیلف آبسیسڈ ہو گئی ہو۔"

"لوکیشن بھیج رہی ہوں وقت پر پہنچ جانا۔" آراہ نے تنبیہہ کرتے اس کی پچھلی بات کا جواب نہ دیتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔ کال کاٹنے کے بعد اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے تھے یہ ملاقات ایک مقصد تھی۔

کچھ وقت بعد وہ دونوں ایک سپورٹس کلب میں تھے۔ زید نے سیاہ رنگ کی پولو شرٹ کے ساتھ سیاہ ہی شارٹس پہن رکھے تھے، جبکہ آراہ نے سفید رنگ کی ڈھیلی لمبی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر۔ وہ معمول سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ کھیل کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا۔ اور وہ دونوں اپنی سی محنت کرتے نظر آرہے تھے۔

"یقین نہیں آرہا میں اس وقت تمہارے ساتھ رکٹ کھیل رہا ہوں۔ پتا ہے آج کورٹ میں کیا ہوا تھا؟"

کھیل کی ردھم مدھم تھی۔ بلی کی بےزار چال جیسی۔

"چاچو آزاد ہو گئے میں صرف یہ یاد رکھنا چاہتی ہوں اس کے علاوہ ہر شے، ہر معاملہ میرے لیے غیر ضروری ہے۔" اس نے شاٹ مارا۔ "ایک ہاتھ پیچھے کر لو، ہم ایک ہاتھ سے کھیلیں گے۔"

زید نے تحیر سے اسے دیکھا، البتہ ایک ہاتھ پشت پر باندھ لیا۔ "یہ کیسا اصول ہے؟" وہ بلند آواز میں بولا۔ وہ آج اسے حیران کیے جا رہی تھی۔

"شاہی اور میں اسی طرح کھیلتے تھے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے ذرا تیزی سے شاٹ مارا۔

جواباً زید نے مزید قوت لگائی، لمحے بھر میں کھیل کی ردھم بدل گئی تھی۔ پھولتی سانسوں کے درمیان وہ دونوں تیز تیز شاٹ مار رہے تھے، دونوں کا ایک ایک بازو پشت پر بندھا تھا۔ آراہ کو اس کے شاٹ کے مقابل آنے کے لیے اچھلنا پڑتا تھا۔

"تم اور ویر ساتھ ساتھ اور کہاں جاتے تھے؟"

"بہت ساری جگہیں تھیں۔" اس نے اچھل کر ایک اور شاٹ مارا۔ "اس کی سب سے فیورٹ جگہ سپورٹس کلب تھے یا پھر cat shelters ہم اکثر کسی نہ کسی شیلٹر جاتے تھے وہ ڈونیٹ بھی کرتا تھا۔"

"ہم بھی چلیں؟" زید نے ایک غلط شاٹ مارا بال آراہ کی دائیں طرف آ کر گرا۔ وہ چند لمحے ساکن سی اسے دیکھتی گئی، پھر وہ گھٹنوں کے بل جھک کر سانسیں ہموار کرنے لگی۔ اس کا تنفس بری طرح پھول گیا تھا۔

"آج نہیں پھر کبھی، فی الحال یہ کھیل ضروری ہے۔"

"تم تھک گئی ہو آراہ۔" وہ فکر سے بولا۔ آراہ کا سرخ چہرہ اس کی پھولتی سانسیں اسے تفکر میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"ہاری نہیں۔۔۔" اس نے جھک کر بال اٹھایا ساتھ اسے ہوا میں اچھالا، اس کے ساتھ ہی اس نے اچھل کر ایک زبردست ضرب ماری۔ زید کو اونچا ہونا پڑا اور۔۔۔ آراہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کے ہاتھوں سے رکٹ چھوٹ کر گرا، زید کی ضرب لگی بال وہیں کہیں گری۔ وہ جالی ہٹاتا فکر مندی سے اس کے قریب آیا۔ آراہ کا دل پسلیاں توڑ کر باہر نکلنا چاہتا تھا۔ وہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔

"آراہ کیا ہوا تم ٹھیک ہو؟" زید گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ "پانی چاہیے؟"

اس نے دھیرے سے سر ہلایا۔ زید نے قریب رکھی پانی کی بوتل اٹھائی اور اس کی طرف بڑھائی۔ ساتھ اشارے سے پاس کھڑے لڑکے کو بلا کر دو جوس لانے کو کہا۔

"ادھر دیکھو، آراہ۔" اس نے آراہ کے بازو پر ہاتھ رکھنا چاہا مگر وہ تیزی سے اس کا ہاتھ ہٹا گئی۔ چہرے پر ہاتھ رکھے وہ گھٹی گھٹی سسکیاں لے رہی تھی۔ لمحوں کے اندر اسے نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔

"پانی پی لو آراہ۔" تھوڑی دیر بعد اس نے تھک کر کہا۔ "تم جیت گئی میں ہارا اور کیا چاہیے؟" آراہ نے چہرہ صاف کیا اسے دیکھنے سے وہ اب بھی احتراز ہی برت رہی تھی۔ زید آلتی پالتی مارے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ بہت دیر تک وہ دونوں خاموش رہے آراہ کی رنگت لمحہ بہ لمحہ سفید پڑ رہی تھی کچھ دیر بعد اس نے زید کو دیکھا، آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی تھی چہرے پر کچھ تھا جسے وہ کوئی نام نہ دے سکا۔

"تمہیں کوئی بات تنگ کر رہی ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر ویر یہ سب پوچھتا تب بھی تم انکار کرتیں؟" وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ بس استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ "اگر وہ اس طرح تمہارا ہاتھ پکڑتا۔۔۔" اس نے ملائمت سے آراہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا لیکن وہ کرنٹ کھا کر دور ہوئی۔ زید کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔ "کیا تم اسے بھی یونہی جھٹکتی؟"

وہ شل رہ گئی۔ زید کی نظریں وہ وارفتگی، وہ والہانہ پن آراہ دم سادھ گئی۔ وہ تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر نگاہیں اٹھا کر اسے تکا۔ "کیا میں اس کی جگہ لے سکتا ہوں؟ تمہارے پاس، تمہارے دل میں، تمہاری زندگی میں؟" لمحے بھر کا توقف کیا۔

"پلیز۔۔۔" نگاہ ایک پل کے لیے بھی اس سے نہ ہٹی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹانگوں سے جان نکل گئی تھی۔ زید اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چاروں طرف جالیاں تھیں مگر آراہ کو لگا جیسے کوئی زندان ہو اور وہ قید ہو کر رہ گئی ہو۔ کسی دیو کے جال میں قید۔ "تم نے کہا تھا میں تمہارے اور میرے لیے کوئی جگہ منتخب کر سکتا ہوں، میں چاہتا ہوں وہ جگہ میرا گھر، میرا کمرہ ہو جہاں تم ہمیشہ رہو۔ وقت کی تفریق بے معنی ہو جائے، اور مجھے تم پر تمام حقوق حاصل ہوں۔" وہ رکا، اسے تکا اور اضافہ کیا۔ "تمام یعنی تمام۔"

وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ دل پسلیاں توڑ کر باہر آنا چاہتا تھا۔ اور وہ ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔

"تم وقت لو، ایک سال دو سال دس سال، میں تمہارا انتظار کروں گا آراہ۔" اس نے قدم پیچھے لیے ایک، دو، تین۔۔۔ اور پھر وہ تیز تیز ڈگ بھرنے لگی۔ شاہ زید اس کے پیچھے نہیں گیا وہیں کھڑا رہا۔

"میں بنگش ہوں، ایک بار ایک عورت ہمارے نام سے منسوب ہو جائے تو اس پر واپسی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تمہارے سارے راستے اب مجھ تک آئیں گے۔ تمہیں ایک بنگش کا ہونا پڑے گا اور میں بہترین آپشن ہوں۔"

وہ جالیوں کی قید سے نکل گئی لیکن جو قید اور راز اسے معلوم ہوئے تھے وہ اس قید سے اس زندگی میں نہیں نکل سکتی تھی۔ باہر آ کر اس نے اسلان کو کال ملائی۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے، رنگت تاریک پڑ رہی تھی۔

"ارے میں تمہیں ہی کال کرنے والا تھا کہاں ہو تم؟" وہ خوش تھا اور یہ اس کے لہجے سے واضح تھا۔

"تم مجھے لینے آسکتے ہو؟" وہ سراسیمگی سے بولی۔

اسلان کی مسکراہٹ سمٹی۔ "کہاں ہو تم؟"

"میں لوکیشن بھیج رہی ہوں جلدی آؤ۔" اس نے کال کاٹ کر لوکیشن بھیج دی۔ اس کی سراسیمہ نگاہیں بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کے پیچھے نہیں آیا تھا، وہ نہیں آیا کرے گا یہ خیال غلط تھا۔

★★★★★

وہ آراہ سے ملنے کے بعد مسرور سا تھا۔ آشیانہ بنگش جانے کی بجائے وہ اپنے اپارٹمنٹ چلا آیا پچھلے چند ماہ میں اس نے اس گھر میں سب سے زیادہ وقت گزارا تھا۔ اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے وہ اسی کمرے میں چلا آیا جہاں سرخ روشنیاں تھیں۔ بازو کے کف موڑتے ہوئے اس نے موبائل پرنٹر کے ساتھ جوڑا۔ تھوڑی دیر بعد بپ کی آواز آئی اور اس کا کام ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تصویر تھیں جنہیں اب وہ اسی دھاگے میں پروتے ہوئے لٹکا رہا تھا۔

اس کی اور آراہ کی آج سپورٹس کلب کی تصاویر۔ جو یقیناً آراہ کے علم میں لائے بغیر کھینچی گئی تھیں۔

ذرا سا پیچھے ہو کر اب وہ مسکراتے ہوئے ان تصاویر کو دیکھ رہا تھا یہ مسکراہٹ عجیب تھی۔ بے حد عجیب۔

"عالم کب تک آ رہا ہے؟"

"ہم سب اس کے ساتھ کہیں باہر چلیں گے۔"

"میں بابا کو لینے چلوں؟"

لعل یمن کے لان میں ہما ہمی تھی۔ لمبی میز سجی تھی جس کے گرد بنفشہ، عظمیٰ بی، آمنہ، سہراب، یافث سب موجود تھے۔ عبیر اسلان کی گود میں بیٹھی تھی وہ آج ہنس ہنس کر اسے کچھ بتا رہا تھا۔ آمنہ نے آج اچھا کھانا تیار کیا تھا البتہ وہ عالم کے آنے سے خوش تھی یا نہیں اس کا اندازہ نہیں ہو تا تھا۔ سہراب چپ چاپ اپنی پلیٹ میں چمچ چلا رہا تھا اس روز کے بعد سے اسلان اور اس کے درمیان کلام بند تھا۔ ان سب کے درمیان ایک آراہ تھی جو موجود نہیں تھی۔ اسلان نے کسی احساس کے تحت نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو وہ بالکنی میں بیٹھی نظر آئی۔

"میں آراہ کو لے کر آتا ہوں آپ یہاں بیٹھو۔" اس نے عبیر کو کرسی پر بٹھایا اور خود میز پر رکھے کیک کا ایک بڑا حصہ کاٹ کر آراہ کے لیے پلیٹ میں نکالا۔ اوپر آکر اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔

"میں اندر آرہا ہوں۔" اس نے ہانک لگائی ساتھ دروازہ کھول دیا۔ وہ سامنے ہی بیٹھی نظر آئی۔ اسلان اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ کندھے سے کندھا مس کیا۔ اور ہلکا سا مسکرایا۔

"آج میں بہت خوش ہوں، آراہ۔" اس نے جواب نہیں دیا چپ چاپ سامنے دیکھتی رہی۔ "تم چار سال سوچتی رہیں کہ میرا رویہ تمہارے ساتھ کیوں برا ہے، کیوں میں تمہیں جھڑکتا ہوں، میں سب سمجھا نہیں سکتا لیکن اس ساری دنیا میں اگر میں کسی کے ساتھ سب سے زیادہ مخلص ہوں تو وہ تم ہو۔ مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں۔ کیا تم پچھلے چار سال کے لیے مجھے معاف کر سکتی ہو؟" وہ ایک بار پھر چپ رہی۔

"میں نے تمہاری محبت کی مخالفت بھی۔۔۔۔"

آراہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اس کی ناک سرخ تھی، لب کپکپا رہے تھے۔ "میں شاہ ویر سے نفرت کرتی ہوں، اسلان۔" اس نے اسلان کی بات کاٹ کر نفرت سے کہا تھا۔ اسلان شجاع یمن دھک سے رہ گیا۔ "مجھے علم ہے اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے، مجھے سب پتا تھا۔ اس کے قتل سے پانچ ماہ قبل مجھے سب پتا چل گیا تھا وہ سب جو تم نے چھپایا۔"

کچھ دیر بعد اس کی گاڑی فلم سٹی کی عمارت کے باہر آکر رکی۔ ہلکے فیروزی اور سفید رنگ کے امتزاج کی یہ عمارت پورے لاہور پر اپنی دھاک رکھتی تھی۔ زید چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اندر آرہا تھا۔

کہیں اسٹیج تھا، کہیں لاؤنج کا سیٹ، کہیں کیفے کا سیٹ اور کہیں کوئی خوبصورت سا کمرہ۔ گولائی میں بنی عمارت کے عین وسط میں اونچا چبوترہ تھا جہاں۔ سرخ پردے اطراف میں گر رہے تھے اور درمیان میں مائک تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسٹیج تک آیا۔ روشنی کا گول دائرہ اس کے اوپر تھا۔

وہ بہت دیر بعد مسکرایا۔ ہر کلفت کو مات دیتی مدھم مسکراہٹ۔

"ایک مدت بعد یہاں آکر جو مجھے ملا ہے وہ سکون ہے۔"

اسلان ششدر رہ گیا۔ "میں اس سے دور بھاگنے لگی تھی، میں نے اس سے بات کرنا بند کر دیا تھا اسے ہر جگہ سے بلاک کر دیا تھا لیکن تم اس کے غلام تھے، اس نے میرے بھائی کو ہرٹ کیا تھا، میں اسے ایسے کیسے چھوڑ دیتی، بھائی؟ کوئی میرے بھائی کے ساتھ غلط کرے گا تو میں اسے بخش نہیں سکتی تھی، اور میں نے نہیں بخشا۔ میں اسے سزا دینا چاہتی تھی لیکن میں یہ بھی چاہتی تھی کہ تم۔۔۔" اس نے انگشت شہادت اسلان کے سینے پر رکھی۔

"تم اسے سزا دو۔ تم خود کو جج کرنا چھوڑ دو اور سب کے سامنے مظلوم بن کر آؤ ظالم نہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور وہ تیار ہو گیا۔ سب کچھ جانتے ہوئے اسے اپنے پاس برداشت کرنا کتنا مشکل تھا جانتے ہو؟" اس کی آنکھیں اور دل گریہ کر رہا تھا۔ اسلان ہنوز ساکت تھا۔

"میں نے اسے برداشت کیا۔۔۔ میں نے سب برداشت کیا کیونکہ میں جانتی تھی، تم اسے سب معاف کر سکتے ہو۔ میری زندگی میں آنا اور رہنا نہیں۔ تم اسے اپنے لیے راہ فرار دے سکتے ہو میری باری پر اسے چیر سکتے ہو میری ہر امید دم توڑ گئی جب تم کہیں چلے گئے تھے۔ مجھے لگا میں نے کچھ غلط کر دیا ہے، میں بے وقوف تھی۔ لیکن تم نہیں۔۔۔ تم واپس آگئے، اسلان۔ میں جانتی تھی تم بائیس فروری کو لاہور آئے تھے، میں جانتی تھی۔"

"کیا بکواس ہے، یہ کیا ہے۔۔۔ تم کیا بک رہی ہو۔" اسلان کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ آراہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے، آنکھیں اس کی آنکھوں میں۔

"میں نے سنا تھا زید نے تم سے پارٹی میں آنے کو کہا تھا، میں نے سب سنا تھا۔ میں نے زید سے کہا تھا تمہیں بلائے۔"

"میں شاہ ویر کے لیے آیا تھا۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

اس نے کیمرہ اپنی جگہ درست کیا اور خود سامنے آکر کھڑا ہوا۔ جبڑے پر نظر آتا سبز نشان گیلے وائپس سے مٹایا۔ ہر روز اسے تخلیق کرتے پھر مٹاتے وہ تھک چکا تھا۔ وہ اب فوکس میں تھا۔ لائٹس، کیمرہ، نگاہ سب اسی

پر۔ ہمیشہ کی طرح۔ کتھئی آنکھیں بے حد روشن تھیں۔ مائک پر دو انگلیوں سے ٹک ٹک کرتے ہوئے اس نے آواز چیک کی۔

"آپ سب مجھے جانتے ہیں میں اس کہانی کا مستقل کردار ہوں۔ کچھ عرصے سے میری پہچان مختلف تھی مگر اب میں لوٹ آیا ہوں۔۔۔۔۔ میں شاہ ویر طلال بنگش۔ آپ مجھے جانتے ہیں رائٹ؟" یہ لہجہ، یہ اعتماد، یہ روشن پیشانی کون تھا جو اسے نہیں جانتا تھا؟

"تم شاہ ویر کے لیے آئے تھے درست مگر جس سے تم ملے وہ شاہ زید تھا۔" اسلان کے کان سُن ہو گئے۔ اسے آراہ کے لب بس ہلتے ہوئے محسوس ہوئے۔

"جسے تم نے قتل کیا وہ زید تھا۔ شاہ ویر نہیں۔۔۔۔۔ تم اور میں اب تک ایک بھرم میں جی رہے تھے وہ بھرم جو اس سات نسلی اداکار نے ہمارے لیے بنا تھا۔ بقا جھوٹ تھی، باطل زندہ ہے۔ شاہ ویر طلال بنگش زندہ ہے، میں ابھی اس سے مل کر آرہی ہوں، اور وہ مجھے جان سے مار دے گا لیکن چھوڑے گا نہیں۔ وہ تمہیں بھی نہیں چھوڑے گا وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا تم، میں، اور سارا العل یمن اس وقت تباہی کا مرکز ہے۔"

اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کانوں میں بجتی اپنی دھڑکن کی آواز بیپ بیپ کی مانند تھی۔

اس نے گہری سانس خارج کی۔ "ایک لمبے عرصے بعد یہ ریکارڈ کر رہا ہوں ناسٹلجیا سا محسوس ہو رہا ہے میری زندگی اس اسٹیج سے شروع ہوتی ہے اور یہیں آکر ختم ہونی ہے ابھی اسے ختم کرنے کی کوئی جلدی نہیں کیونکہ اپنے حصے کے ساٹھ ستر سال لیے بغیر میں یہاں سے کہیں نہیں جا رہا۔" وہ پل بھر کو رکا۔ "میرے تمام دشمن اب ٹھکانے لگ چکے ہیں۔ ابتسام جیل میں ہے، دلیپ ختم، سلطان، ضارم سب ختم۔ اب میں آزاد ہوں۔ آراہ کے ساتھ ایک نئی شروعات کرنے کے لیے آزاد۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے یہ۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" اسلان کی آواز بمشکل حلق کی سرحدیں پار کر پا رہی تھی۔

"وہ دونوں identical twins تھے۔ ذرا سا حلیہ بدل کر ایک جیسا دکھنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا، بلکہ یہ ان کا ڈارک سیکرٹ تھا۔ شاہ ویر اور شاہ زید نے بہت دفعہ، متعدد جگہوں پر ایک دوسرے کو ری پلیس کیا

ہے۔اس خوبصورتی کے ساتھ کہ ان کے اپنے گھر والے بھی سچ نہ جان سکیں۔اس کھیل میں بعض مرتبہ زید چوک جاتا تھا، شاہ ویر نہیں۔چہرہ اسے قدرت نے دیا تھا اور اداکارانہ صلاحیت اس کی نس نس میں تھی۔تم،میں، پولیس،اس کے گھر والے ہر ایک کی نظروں کا مرکز شاہ ویر تھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس رات قتل ہونے والا وہ شخص شاہ زید بھی ہو سکتا تھا۔"

"یہ بکواس ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، پاگل ہو گئی ہو تم۔۔۔ جھوٹ سب جھوٹ۔"اسے سانس نہیں آ رہی تھی۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا، وہ مزید یہاں نہیں رک سکتا تھا۔

اس کے پیچھے عقب میں رہ جانے والی لڑکی بلند آواز میں رو رہی تھی ہر کھیل غلط ہو گیا تھا، ہر ترتیب پر سرخ کانٹا۔

سرخ پردوں کے سامنے اسٹیج پر کھڑا، روشنیاں اپنی غلام کیے وہ واقعی ایک اصلی اداکار تھا۔

تمکنت اگر اس سے خوف زدہ تھی تو اسے ہونا چاہیے تھا۔

★★★★★

کرائم بورڈ پر تصاویر دھڑا دھڑ لگنے لگی تھیں۔

جیل کی دیوار سے ٹیک لگائے اس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ تھی۔چند گھنٹوں بعد وہ بری ہو جائے گا اور اس کی زندگی آسان ہو گی۔اب اس کے خاندان کے لیے کوئی کٹھنائی نہیں ہو گی۔عالمگیر یمن کی خوش فہمی عروج پر تھی۔

"سہراب فارغ ہے اور عالم جیل سے واپس آ رہا ہے آپ کو کیا لگتا ہے اب وہ جوہر فور زیرو کا سرا نہیں پا سکیں گے۔"اسفند آج پہلی مرتبہ اس سے ملنے آیا تھا انداز اکھڑ تھا۔تمکنت نے بے نیازی سے اسے دیکھا۔

"اسے جیل سے واپس آنے دو، سہراب دوبارہ مصروف ہو گا اور عالم۔۔۔"وہ سرور لینے والے انداز میں مسکرائی۔"جیل کی دشمنیوں میں وہ باہر آ کر مارا بھی جا سکتا ہے۔"

شاہ ویر طلال بنگش سفید شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولتے ہوئے اپنے پلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھ رہا تھا۔جب اس کا موبائل بجا۔"آپ درست تھے سر وہ انارا طارون ہی تھی۔وہ کیٹ شیلٹر جا کر عجیب عجیب سوال کرتی رہی

ہے،اسی نے اکاؤنٹ کی تفصیل نکلوائی ہیں اور ہسپتال کی فوٹیج مل گئی ہے اس روز پارکنگ ایریا میں وہ بھی تھیں۔ کل آپ ایک سپورٹس کلب گئے تھے اس کے ساتھ وہاں کی فوٹیج میں پتا چل رہا ہے کہ وہ آپ کی اور اپنی ملاقات ریکارڈ کر رہی تھیں۔ کیا کرنا ہے سر؟“

شاہ ویر نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہولے مسکرایا۔ ”کچھ نہیں اسے میں خود دیکھ لوں گا۔“

اسلان یمن کا کمرہ تاریک تھا پچھلے دو ہفتوں سے شاہ ویر کی جانب سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی شاید وہ نہیں جانتا تھا کہ آراہ اس کا راز جان چکی ہے ورنہ وہ اس وقت تک خاموش نہ بیٹھتا۔

”میں آپا کو کیا جواب دوں؟“ یافث اس سے پوچھ رہا تھا۔ ”ایک ہی ہفتے کی بات ہے آراہ کو جانے دیتے ہیں کچھ دن گھر سے دور رہے گی تو موڈ بدل جائے گا آپا کا سسرال اتنا بھی دور نہیں۔“

”جانا ضروری ہے؟“ اس نے گردن اٹھا کر پوچھا۔

”ضروری تو نہیں ہے لیکن آپا کے دیور کی شادی ہے اور آراہ کا دھیان بھی بٹ جائے گا۔ شہر بھی ایک ہی ہے مسئلہ تو کوئی نہیں۔“

”آراہ سے پوچھ لیں، وہ جانا چاہتی ہے تو چلی جائے۔“ تھک کر کہا۔ یافث سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

اگلے روز وہ اپنی ماں کے ساتھ اس کے شوہر کے گھر چلی آئی تھی۔ تمام لوگ سو رہے تھے فجر کا سمے تھا جب وہ کتاب لیے لان میں نکلی۔

اس کا سر کتاب پر جھکا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ مسلسل ہوتی دستک سے تنگ آ کر وہ دروازہ کھولنے اٹھ گئی۔ سفید ہڈی کے ساتھ سرمئی ٹراؤزر پہنے وہ دروازے سے باہر نکل آئی۔ اسی پل نہ جانے کیوں سارے میں بتیاں بُجھ گئیں، گلی میں اندھیرا چھا گیا۔ آراہ نے دو قدم پیچھے لیے مگر وہ اپنے عقب میں کسی سے ٹکرائی، جونہی ٹکرائی اسی لمحے وہ ساکت رہ گئی۔ یہ وہی پرفیوم تھا، یہ وہی خوشبو تھی، انداز؟ کیا یہ انداز بھی وہی تھا؟

وہ کتنے ہی لمحے اس کے عقب میں کھڑا رہا، آراہ بغیر سانس لیے یونہی ساکت و جامد کھڑی تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا، تاریکی تھی مگر جو آدمی اس کے عقب میں تھا اسے دیکھنے کے لیے آراہ کو کسی قسم کی مصنوعی روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکن تھے۔

"ڈارلنگ؟"

وہی مدھم، ملائم، محسور کر دینے والی پکار۔ آراہ سانس نہیں لے سکی۔

"سنا ہے تم مجھے یاد کرتی رہی ہو؟" وہ دائیں طرف سے اس کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کر رہا تھا۔ آراہ کے سارے بدن پر لرزا طاری تھا۔ "تم لوگوں سے میری کہانی سننا چاہتی تھیں تمہیں واقعی لگتا ہے کوئی میری کہانی مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے سنا سکتا ہے؟ جواب دو، ڈارلنگ؟"

اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر رخسار پر بہہ گئے۔ وہ قاتل تھا، کاذب تھا، کمبخت مجرم تھا مگر انارا طارون اس کو ایک اور نام سے بھی جانتی تھی۔ وہ لب بھینچے اپنے آنسوؤں پر ضبط کر رہی تھی۔ نو ماہ کے کڑے ہجر کے بعد وہ وصال بن کر سامنے آیا تھا۔ ملزم، مجرم، محبت وہ اسے کس کٹہرے میں کھڑا کرے، کیا سزا دے۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم کبھی میرے ہنر کی اس طرح ناقدری کرو گی۔" تاسف سے کہتے وہ آگے آیا۔ انارا کے عین سامنے۔ لمبے عرصے بعد وہ شاہ ویر بنگش بن کر روبرو ہوا تھا۔ گہری کتھئی آنکھیں بغیر روشنی کے بھی ہیزل آنکھوں کو دیکھ پا رہی تھیں۔ اس نے بے حد نرمی سے آراہ کے چہرے پر آتی لٹ دو انگلیوں سے کان کے پیچھے اڑسی۔

"تم میرے حصے کی کہانی سننا چاہتی ہو؟" نرمی سے پوچھا۔

وہ جانتی تھی یہ پیشکش نہیں، یہ کوئی التجا نہیں وہ جانتی تھی۔ اس اندھیرے میں وہ اس کا اصل چہرہ دیکھ چکی تھی۔

آن کی آن شاہ ویر نے اس کے چہرے پر کوئی کپڑا رکھا، وہ جھٹپٹائی، پیچھے ہوئی مگر گرفت سخت اور آہنی تھی چند لمحوں کی مزاحمت کے بعد وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

اب وہ اسے کندھے پر ڈالے، گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے پچھلی نشست پر لٹا رہا تھا۔

رہزن کبھی رہبر نہیں بنتے وہ اسے باور کروانے والا تھا۔

★★★★★★★

”اپنے اس بھائی کے لیے تم مجھ سے لڑ رہی تھیں؟“ وہ متاسف تھا۔ بنفشہ نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

”آگے۔۔۔۔۔۔مجھے آگے جانا ہے۔“

”یہ باطل کے حصے کی کہانی ہے اسے وہ خود سنائے گا۔“ ایک لمحے کے لیے ان دونوں کے دلوں کی دھڑکن بے ترتیب رہ گئی۔ منتشر، خوف زدہ۔ کیونکہ آدھی ادھوری کہانی سے تو وہ دونوں واقفیت رکھتے تھے۔

★★★★★★

بخش سوم : باطل

باب نمبر آٹھ

کتھا باطل

وہ اب بھی اسٹیج پر موجود تھا۔ زینوں کے عین سامنے اسٹینڈ میں لگے کیمرے میں ریکارڈنگ جاری تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ وہی مدھم، بااعتماد لہجہ۔ ”جانتا ہوں آپ سب کے مجھ سے بہت سوال ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ اگر میں شاہ ویر ہوں تو زید کہاں ہے؟ سادہ سا جواب، زید مر چکا ہے میری بلائیں وہ اپنے سر لے گیا۔ آپ سب یہ بھی جاننا چاہتے ہوں گے کہ میں تنہائی میں خود کو زید کیوں کہا کرتا تھا؟“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔

”میں اداکار ہوں، اور اداکاری مشق سے آتی ہے آپ کو لگتا ہوگا میں نے اگر زید کا کردار نبھانا شروع کیا تو میں اسے محض چند لوگوں کے سامنے نبھانے والا تھا؟“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں نے خود کو بدلا تو مکمل بدلا یہ فلم سیٹ نہیں تھا جہاں میرا رول چند گھنٹوں کا ہوتا یہ میری زندگی تھی جب اسے تبدیل ہونا تھا تو مکمل ہونا تھا۔ اور میں نے اسے مکمل تبدیل کیا یہ میری کامیابی تھی۔“

خاموشی میں گونجتی اس کی آواز پلٹ پلٹ کر واپس آرہی تھی۔ اسٹیج کے ایک کونے میں اس نے پیپر ویٹ تلے رکھا کاغذ اٹھایا۔ ”یہ آپ کے کچھ سوال ہوں گے جنہیں میں پڑھ کر جواب دوں گا، اتنا کچھ کیا ہے کہ خود سوال بھول گیا ہوں لیکن آپ کو ایک پورا سینما پیکج دینے کا وعدہ کیا ہے لہٰذا صبر۔۔۔۔۔۔“

وہ اپنے نادیدہ حاضرین کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”پہلا سوال۔۔۔۔۔۔ آراہ کا تعاقب کرنے والا کون تھا؟“

اس نے کاغذ والا ہاتھ نیچے کیا۔" وہ زید تھاہاں البتہ اس نے یہ کام میرے کہنے پر کیا تھا کیونکہ میں چیک کرنا چاہتا تھا کہیں آراہ گولڈ ڈگر یا پھر بد کردار تو نہیں۔ زید خود بھی اس کام سے خاصہ خوش نہیں تھا مگر میرے لیے راضی ہو گیا۔ ہم بنگش ہیں یونہی کسی کو خاندان کا حصہ نہیں بناسکتے مجبوری ہے سمجھا کریں۔"

اس نے کاغذ دوبارہ دیکھا۔" یاسر کس کے لیے کام کرتا تھا، زید یا شاہ ویر؟" یہ دوسرا سوال تھا۔

"شاہ ویر کے لیے۔۔۔۔۔ وہ بھی یہ مان بیٹھا تھا کہ شاہ ویر مر چکا ہے مگر وہ بنگشوں کا وفادار تھا۔ ایک موت سے اس کی وفاداری کی سمت بدل گئی متزلزل نہ ہوئی۔ ہاں اسے راضی کرنے میں کافی وقت لگا البتہ وہ میرے راز سے واقف نہیں تھا۔ شاہ ویر کی موت کے بعد وہ زید کے لیے کام کرتا تھا۔" اسٹیج پر یہاں سے وہاں چلتے ہوئے، کاغذ پر نگاہیں جمائے وہ اپنے ہی لکھے ہوئے سوالات پڑھتا جارہا تھا۔

"اگر وہ تعاقب کار زید تھا تو میں نے یونیورسٹی سے سے کہہ کر شاہ ویر کا نام کیوں خراب کرنا چاہا؟"

اس کے ابرو ستائشی انداز میں اکھٹے ہوئے۔" یہ ویلڈ سوال ہے لیکن میرے پاس جواب بھی ہے۔ سہراب کو معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی آراہ کا تعاقب کرتا رہا ہے چاہے میرے کہنے پر کیا ہو لیکن یہ سب کیا زید نے تھا زید یعنی میرا موجودہ نام۔ مجھے اس نام کو صاف کرنا تھا تا کہ یمن خاندان شاہ زید بنگش کو فرشتہ مانیں، اگر مجھے آراہ اپنی زندگی میں چاہیے تھی تو مجھے یہ نام صاف رکھنا ہی تھا۔"

روشنی کے گول دائرے سے سفر کرتا ہوا وہ چبوترے کے زینوں پر آکر بیٹھا۔" میں زید کی قبر پر کیوں رویا، یہ کیوں کہا کہ اس نے بابا کو مجھ سے دور کر دیا۔" کاغذ سے یہ سوال پڑھتے ہوئے وہ خود بھی مغموم تھا۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

"بابا نے ہمیشہ زید و سے زیادہ پیار کیا، ہمیشہ اسے مجھ پر ترجیح دی، اس نے مجھ سے میرا باپ چھینا۔" وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔" میرے ماں باپ نے مجھے اداکاری سے دور رکھا، اور یہاں میں نے زندگی کو اسٹیج میں بدل

دیا۔ مام، تاج، رئیس، ابتسام، سہراب، اسلان کوئی مجھے نہیں پہچان سکتا تھا بات ان کی ذہانت کی تھی ہی نہیں ساری بات میری پرفارمنس کی تھی۔ اس سب کے باوجود آراہ مجھے پہچان گئی کیونکہ اس کے سامنے میں اداکاری نہیں دل رکھتا تھا اور دل تو بے نقاب ہو ہی جاتے ہیں۔" اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ گہری سانس بھرتے وہ کیمرے کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"آج کے لیے بس اتنا ہی باقی پھر کبھی۔ دراصل میرے ہی دل نے میرے ساتھ اداکاری والا معاملہ رکھا ہے۔ اب میں اسے درست سمت میں لانے کا ارادہ کر چکا ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "باقی پھر کبھی۔" تاریخ اور دن بتایا اس کے ساتھ ہی اس نے کیمرہ بند کر دیا تھا۔

★★★★★★★★

اس کی سماعتوں میں جو پہلی آواز ابھری وہ کہیں سے پانی گرنے کی تھی۔ پانی فرش پر نہیں گر رہا تھا شاید کوئی تھال تھا، یا شاید پانی کا کوئی برتن جس میں قطرے جمع ہو رہے تھے۔ اس کے سر کا نصف حصہ بے حد درد کر رہا تھا۔ وہ بہت دیر تک گردن جھکائے پڑی رہی۔

کافی دیر بعد اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش ہوئی ناک کے ذریعے سانس لینے کی کوشش کرتے وہ بمشکل سیدھی ہوئی۔ پیروں کے قریب اسے کچھ گیلا سا محسوس ہوا۔۔۔۔۔۔ اس نے پیر ہٹانے کی کوشش کی مگر جسم جیسے سُن ہو رہا تھا۔ کلائیاں، پیر، دُکھ رہے تھے۔ اس کی کمر اکڑ کر رہ گئی تھی۔

"کوئی مدد چاہیے؟" نرم سی آواز پر اس کے حواس بیدار ہوئے، ایک جھٹکے سے سب یاد آیا۔ اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور پھر۔۔۔۔ کسی شناسا احساس کے تحت سامنے دیکھا۔ وہ فرشی کشن پر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہی مسکراہٹ، وہی لُو دیتی نگاہیں، وہی وارفتگی اسے یقین تھا وہ دنیا کے لیے بدلا ہے آراہ کے لیے کیسے بدلے گا؟ آس پاس ہلکی نیلی روشنی تھی، دن کے وقت بھی عجیب پر اسرار ماحول تھا۔ اس کے عقب میں سرخ پردے تھے، کوئی اسٹیج سی جگہ تھی۔

"کچھ کھانا ہے؟"

"میں کہاں ہوں؟" خشک ہوتے حلق سے اس نے بمشکل ایک سوال کیا۔ "مجھے میرے گھر جانا ہے پلیز۔"

شاہ ویر اپنی جگہ سے اٹھا گھٹنوں کے بل وہ اس کے پاس بیٹھا۔ "کتنا عرصہ بعد میں اپنے سابقہ حق کے ساتھ تمہیں دیکھ سکتا ہوں، تم سے بات کر سکتا ہوں، تمہیں سنا سکتا ہوں، تمہاری سُن سکتا ہوں ان لمحات کو کیوں برباد کرنا چاہ رہی ہو؟" اس کے کُھلے بال بار بار اس کے چہرے پر آ رہے تھے، وہ خوف سے آنکھیں میچ رہی تھی شاہ ویر کو دونوں چیزیں انتہائی ناگوار گزریں۔

"ٹیل می تم کب سے اور کیا کیا جانتی تھیں؟"

"میں کچھ نہیں جانتی تم کیا بات کر رہے ہو پلیز کھولو مجھے۔۔۔۔ مجھے میرے گھر جانا ہے لیٹ می گو۔" اس کے حواس دھیرے دھیرے بحال ہو رہے تھے اور جیسے جیسے ہو رہے تھے وہ اس قید میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔

"کھول دوں گا، تمہیں تکلیف تھوڑی دے سکتا ہوں؟" وہ اٹھ کر آیا اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتے اس کے عقب میں آ کر رکا۔ "تم سے وعدہ کیا تھا کوئی تمہیں تکلیف پہنچائے گا تو اسے چھوڑوں گا نہیں میں نے وعدہ نبھایا نا، ایلسا؟"

"شاہ ویر۔۔۔ مجھے کھولو۔۔۔ میں کہاں ہوں پلیز کھولو تم نے مجھے کیوں باندھا ہے؟"

شاہ ویر نے بغیر کچھ کہے اس کے بال دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر پیچھے کیے، اس کی ٹھنڈی انگلیاں آراہ کی گردن سے مس ہوئیں تو وہ دم سادھ گئی۔ وہ اب اس کے بالوں کو جُوڑے کی شکل دے رہا تھا، انداز میں ملائمت تھی۔ اس کے کٹے ہوئے بینگز جو کہ اب کافی بڑھ گئے تھے اس نے ان بالوں کو ماتھے سے ہٹا کر کلپ میں بند کیا، اس کی دائیں طرف جھک کر اس کا چہرہ اوپر کیا۔ "تمہاری یہ لٹیں، ان کو بھی حق نہیں تمہیں چُھونے کا۔" وہ اس کے سامنے واپس فرش پر آ کر بیٹھا۔ نگاہوں کی دیوانگی جوں کی توں۔

"شروع کرو، آراہ۔ جتنا وقت برباد کرو گی اتنا ہی تمہارا نقصان ہو گا۔"

"لیٹ۔۔۔ می . گو۔۔۔ پلیز۔" اس کی آواز لغزش کا شکار تھی۔ شاہ ویر نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ موبائل اٹھا کر کسی کو کال ملائی اور اسپیکر کُھلا رکھا۔

"یاسر تم اس وقت کہاں ہو اور ٹارگٹ کہاں ہے؟"

"ٹارگٹ میرے سامنے ایک عمارت میں داخل ہوا ہے، باس۔ گن ریڈی ہے، سڑک خالی ہے، موقع ہے اسے باہر آنے پر ختم کر دوں؟"

"میں کسی عزیز ترین انسان کے ساتھ ہوں کیا تم ٹارگٹ کا نام بتا سکتے ہو؟"

"اسلان یمن۔" آراہ کا سانس حلق میں اٹک گیا وہ زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"میرے عزیز کو یقین کرنے میں دشواری کا سامنا ہو رہا ہے کیا تم کوئی ثبوت بھیج سکتے ہو؟"

"شیور سر۔۔۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے ایک ویڈیو بھیجی۔ شاہ ویر نے وہ ویڈیو آراہ کے سامنے کی جس میں اسلان سیاہ بٹن شرٹ کے ساتھ ہم رنگ پینٹ پہنے فائلز کا چھجا بنائے ایک نجی عمارت میں داخل ہو رہا تھا، کیمرہ موڑا گیا اب جو چہرہ نظر آ رہا تھا وہ یاسر کا تھا۔ ہاتھ میں گن تھی، لبوں پر مسکراہٹ۔۔۔۔۔۔ شاہ ویر نے ویڈیو بند کر دی۔ ویڈیو کے ساتھ ساتھ آراہ کی سانسیں جیسے بند ہوئیں۔

"سہر اب اس وقت کہاں ہے جانتی ہو؟ میں جانتا ہوں اور اس کے قریب بھی میرے لوگ ہیں بلکہ ویٹ تم نہیں مانو گی اس لیے۔۔۔" کہتے ہوئے اس نے ایک اور ویڈیو چلائی جس میں لعل یمن سے ذرا فاصلے پر ایک گاڑی کھڑی تھی گاڑی کے اندر تین لوگ، اور تینوں کے ہاتھوں میں اسلحہ۔ "یہ میرے لوگ ہیں، آراہ۔ دو منٹ لگیں گے انہیں لعل یمن کے اندر گھسنے میں، اور دو منٹ لگیں گے تمہارے خاندان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے وہ چھوٹی سی بچی عبیر، تمہارے ماموں، اور وہ تمہاری چچی سب۔۔۔۔ عالم بھی گھر آ گیا ہے نا؟"

"تم ایک جانور ہو۔" وہ پھنکاری۔ "تم ظالم ہو۔"

"ہر انسان کے اندر ایک جانور ہوتا ہے جسے جگانے اور سلانے کا اختیار اس معاشرے کے پاس ہوتا ہے اور میرے اندر کے حیوان کو جگانے والی تم ہو، لہٰذا تعاون کرو۔ مجھے بتاؤ، کب، کہاں، کیسے۔ تمہارے اگلے الفاظ میرا جواب نہ ہوئے تو تم نے جانوروں سے واقفیت پائی ہی نہیں ہے۔"

چند پل وہ نفرت، تضحیک اور ہتک سے اسے دیکھتی رہی اور پھر اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں، منظر ٹوٹ بکھر کر یادداشت کا بخرہ بننے لگے۔

★★★★★★

"کب؟"

صبح کے چار بجے کا وقت تھا، وہ کافی بے سکون تھی۔ نیند کا دور دور تک کوئی شائبہ تک نہیں تھا وہ اپنی اور شاہ زید کی چیٹ میں کوئی اہم ڈاکیومنٹ تلاش کر رہی تھی جب اس کا ہاتھ غلطی سے ویڈیو کال پر لگا، اسی پل اس کے کمرے میں کوئی کھٹکا سا ہوا آراہ نے آواز کی سمت گردن موڑی اور دوسری طرف دس سیکنڈ کے اندر اندر کال اٹینڈ ہو بھی گئی تھی۔

اس نے واپس بے دھیانی میں موبائل دوبارہ دیکھا تو زید اپنے بستر پر لیٹا ہوا نظر آ رہا تھا، لبوں پر مسکراہٹ تھی اور _______ آراہ بنا پلکیں جھپکے اسے دیکھے گئی۔ اس کے جبڑے پر وہ سبز نشان نہیں تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا، اسے کیا کہنا تھا آراہ کو سب بھول گیا۔

"کہاں؟"

شاہ زید اس روز یافث کے فلیٹ پر اس سے ملا تھا۔ آراہ اور وہ کتابیں ترتیب سے رکھ رہے تھے جب وہ بہت بری طرح ٹھٹکی۔ زید "قاری" نہیں تھا لیکن اس نے تمام کتب "یانرا" کے حساب سے ترتیب دی تھیں۔ وہ جس محبت سے کتابوں کو رکھ رہا تھا، ان کی دھول جھاڑ رہا تھا آراہ کو یقین ہی نہ آیا کہ یہ وہی شخص ہے جسے کتابوں کی الف بے بھی نہیں پتا۔ یہ شک کی دوسری کڑی تھی آخری نہیں۔

"کیسے؟"

وہ اپنی دو دوستوں کے ساتھ cat shelter آئی تھی۔ وہی جگہ جہاں وہ اور شاہ ویر اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک زخمی بلی انہیں سڑک سے ملی تھی آراہ نے اسے مسز ڈی سوزا کو سونپا، وہ بلی کو تھامتے ہوئے مسکرائیں۔ "تم اور تمہارا بوائے۔۔۔" اس نے آراہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "گاڈ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" وہ بوڑھی سی عورت

تھیں، جسم اب لرز تا تھا وہ شاید سوشل میڈیا سے دور تھیں ورنہ انہیں پتا چل جاتا کہ شاہ ویر اب نہیں رہا۔ آراہ نے بتانا چاہا۔۔۔

"شاہ ویر تو۔۔۔۔"

"کل ہی آیا تھا وہ اور یہ دیکھو کتنے سارے دوست لایا ہے۔" انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں ڈھیر ساری سفید بلیاں تھیں۔ انارا طارون جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ نئ آنے والی بلیوں کے گلے میں بالکل وہی پتلی زنجیر تھی جو شاہ ویر اپنی اور آراہ کی بلیوں کے لیے لیتا تھا۔ اس شیلٹر میں اس نے ایک جگہ مختص کر رکھی تھی جہاں وہ صرف سفید بلیاں رکھتا تھا۔ اور ان کی تعداد میں اضافہ بھی وہیں ہوا تھا یہ اتفاق نہیں ہو سکتا تھا زید کو بلیوں سے نفرت تھی وہ شاہ ویر کی محبت میں دنیا جلا سکتا تھا عادتیں نہیں بدل سکتا تھا۔

"یہ ہمارے تعلق کا رنگ ہے، آراہ۔" وہ ہر دفعہ سفید رنگ کے متعلق کہا کرتا۔ اس وقت وہاں کھڑے ہوئے اسے احساس ہوا ان کے تعلق اور شاہ ویر کا رنگ صرف سیاہ تھا، صرف سیاہ۔ اس روز اس کا شک صرف شک نہیں رہا تھا۔ وہ گھر آکر کئی منٹ تھر تھر کانپتی رہی تھی خوف سا خوف تھا جو اس کے رگ وپے میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔

"مجھے ایک آدمی کے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات چاہیے۔" اس نے بنفشہ سے کہا تھا وہ جو کاغذات پر سر جھکائے اپنا کام کرتی نظر آرہی تھی ٹھٹکی۔ "بہت ضروری ہے اور میرے گھر والوں کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔"

"تم۔۔۔۔۔۔"

"پلیز یہ بہت ضروری ہے میرے پاس پیسے بھی ہیں۔" وہ نہیں مانی تھی دو سے تین دن آراہ اس کے آگے پیچھے گھومتی رہی پھر بلاخر وہ مان گئی تھی۔ معین جس کا نمبر سہراب نے بنفشہ کو دیا تھا اب اس نے اسی آدمی کے ذریعے شاہ زید کے بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات نکلوائیں۔ مگر جو رسید اس وقت اس کے ہاتھ میں تھی وہ اس کا دماغ ماؤف کرنے کے لیے تیار تھی۔ وہ ٹکر ٹکر اس کاغذ کو تک رہی تھی۔

اس کے اکاؤنٹ سے ایک لمبی چوڑی رقم اسی کیٹ شیلٹر گئی تھی، اور تاریخ تھی آٹھ۔۔۔۔ ہر ماہ کی آٹھ۔

"تم ہر اچھا کام آٹھ تاریخ کو کیوں کرتے ہو؟" ایک روز اس نے یونہی شاہ ویر سے پوچھ لیا تھا۔

"اس تاریخ کو ہم ملے تھے، میں ہر ماہ کی آٹھ تاریخ کو مقدم سمجھتا ہوں یہ ہندسہ میری زندگی کا سب سے بہترین ہندسہ ہے۔" وہ وارفتگی سے اسے تکتے ہوئے بولا تھا، اور اس کاغذ کو تکتے ہوئے انارا طارون سن ہو رہی تھی۔

وہ دونوں مانجھی پور کے لیے کسی بس میں سوار تھے جب بس ایک جگہ رکی۔ سامنے ایک ٹک شاپ تھی۔ آراہ نے زید کو دیکھا، انداز سرسری رکھا۔ "تمہارا فون مل سکتا ہے کیا ایک کال کرنی ہے۔"

"کسے؟" موبائل نکال کر اس پر پاسورڈ ڈالتے ہوئے اس نے یونہی پوچھا۔ آراہ نے لمحے بھر کے اندر پاسورڈ ازبر کر لیا۔

"بھائی کو۔۔۔" اس نے گڑھا۔ "میں کیش ساتھ نہیں لائی کچھ پیسے اکاؤنٹ میں منگوانے ہیں۔"

"کمال کرتی ہو، میں ہوں نا۔" وہ اٹھا۔ آراہ نہ نہ کرتی رہ گئی مگر وہ سامنے دکان کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی آراہ نے اس کے موبائل پر انسٹاگرام کھولا اور کی سرچ ہسٹری میں گئی۔ اس کی سرچ ہسٹری کسی کرائم اینالسٹ کی سرچ ہسٹری نہیں تھی۔ وہاں ہالی وڈ کے چند نامور اداکار سرچ کیے گئے تھے، چند ڈائریکٹر، رائیٹرز اور آخر میں آراہ کا اکاؤنٹ۔

وہ جو سال میں ایک فلم ذور زبردستی کے بعد دیکھتا تھا، اس کا ان اداکار، ہدایت ساز اور فلم سازوں سے کیا لینا دینا؟ اس کی فیڈ میں محض اداکاری سے متعلق ویڈیوز کیوں تھیں؟ کیا تھا جو وہ چھپا رہا تھا، اور کیا تھا جو آراہ کو کھٹک رہا تھا؟ اس روز اس کے دل پر مہر لگ گئی تھی جسے کوئی ہٹا نہیں سکتا تھا۔ شاہ زید واپس آیا اسے دیکھ کر مسکرایا بھی مگر آراہ کے دل میں کوئی خوف کنڈلی مارے بیٹھ گیا تھا۔

"کیوں؟"

ہسپتال میں مائی سوہائی کی باتوں نے اس کا دماغ بری طرح گھما دیا تھا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی اندر سے اپنا بیگ لینے جا رہی تھی جب نیم اندھیری راہداری میں اس نے زید کو دیکھا۔ وہ حواس باختہ تھا۔ اس کے سامنے ایک جوڑا کھڑا تھا۔ وہ ان کے سامنے کھڑا اکھڑی ہوئی آواز میں چلا رہا تھا۔

"شاہ جہاں کہاں ہے؟" لڑکی نے گردن جھکا دی اور رونے لگی۔ زید بے یقینی سے پیچھے ہوا۔ "شاہ جہاں کہاں ہے اسے چوٹ آئی ہے کیا؟ تم لوگ کچھ بتا کیوں نہیں رہے شاہ جہاں کہاں ہے میرا بیٹا کدھر ہے؟"

"وہ مر گیا زید۔ ہماری گاڑی کا بہت بُرا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ۔۔۔ ہم اسے بچا نہیں سکے۔" لڑکے نے جواب دیا۔ وہ چند مہینوں سے شاہ جہاں کو پال رہے تھے غمگین تو وہ دونوں ہی تھے۔

وہ تحیر زدہ سا پیچھے ہوا۔ آنکھیں ابلنے کے قریب تھیں، لب وا۔ "کہاں ہے وہ؟" اس کی آواز اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔ جو اس نے کھویا تھا وہ دنیا کے لیے بس ایک جانور تھا اور اس کے لیے دنیا۔

"گاڑی کی پچھلی سیٹ۔۔۔ ہم اسے یہاں لانا چاہتے تھے لیکن وہ مر گیا تھا۔ آئی ایم سوری زید ہم اسے ایک بہترین الوداع۔۔۔۔"

"گاڑی کی چابی؟" اس نے لڑکے کی بات کاٹتے ہوئے ہتھیلی پھیلائی اور چھابی جھپٹتے تفکر سے بھاگا۔ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے وہ پارکنگ ایریا میں آیا۔ آراہ اس کے تعاقب میں تھی۔ گاڑی کھول کر وہ چند لمحے جم گیا۔ اس سے ذرا فاصلے پر ایک گاڑی کی اوٹ میں چھپی انارا اسے ہی تک رہی تھی۔ اس نے شاہ جہاں کو اپنی بانہوں میں بھرا۔ زید بنگش مر کر بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا، اسے بلیوں سے کراہیت اور نفرت تھی۔ وہ انہیں جھٹک دیتا تھا، ہٹا دیتا تھا وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ "میرا بیٹا۔۔۔ شاہ جہاں۔۔۔ میرا بیٹا۔" وہ اسے گلے سے لگائے بلک رہا تھا کون دنیا، کون زید، کون سی اداکاری اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی اس وقت اس کا دل پھٹ کر ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔

اس کے عقب میں کھڑی انارا طارون کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھٹکا ملا تھا وہ اس سے سنبھل نہیں سکتی تھی، نہ آج نہ پھر کبھی۔ وہ دھیرے دھیرے کسی ستون سے لگتی ہوئی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

"آخر کیسے؟"

"کیا مجھے شاہ ویر کی ڈیڈ باڈی کی تصاویر مل سکتی ہیں؟" اس نے مدیحہ کو پیغام بھیجا۔ جواب فوری طور پر آیا۔ یہ ان چند خوشگوار دنوں کی بات تھی جب مدیحہ اور زید مکمل طور پر الگ نہیں ہوئے تھے۔

"یاد آ رہا ہے تو اس کی زندگی والی تصاویر دیکھ لو۔"

”پلیز بھیجو مجھے کہیں سے نہیں مل رہیں۔“

”ملیں گی بھی کیسے، پولیس نے تصاویر کہیں شیئر نہیں کیں۔ بنگشوں کی طرف سے سخت ہدایت تھی۔ میں نے بھی زید کے موبائل سے چوری کی ہیں۔“ پیغام کے ساتھ اس نے تین تصویریں بھیجیں۔ اس کا چہرہ، اس کا دایاں رخ اور اس کا سینہ۔ سینے پر وار تھے مگر پسلیوں پر صرف بوٹ کے نشان۔ یہ لاش کی تصویر تھی، مگر شاہ ویر کی نہیں۔

آراہ کے پاس اگلی تصویر شاہ ویر بنگش کی تھی جس کی پسلیوں کے درمیان ”کراس“ کے نشان جیسا زخم تھا۔ قتل سے ایک رات قبل شاہ ویر نے اپنے پرسنل اکاؤنٹ پر ایک تصویر لگائی تھی۔ اس کا وہ اکاؤنٹ جو صرف آراہ کے پاس تھا۔

وہ دونوں بھائی بھیگے ہوئے بغیر شرٹ کے سوئمنگ پول کے قریب کھڑے تھے۔ زید مسکراتے ہوئے انگلی سے شاہ ویر کے زخم کی طرف اشارا کر رہا تھا۔ کیپشن تھا۔ ”داڑھی اور جبڑے کے نشان کے بعد مجھ میں اور زید میں ایک اور فرق۔“

وہ پلنگ کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی تھی، اس کا سارا بدن پسینے میں ڈوبا تھا اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

اسے ایک آخری ثبوت چاہیے تھا اس لیے تمام تر تلخیوں کو بر طرف کرتے اس نے عالم کا ٹرائل ختم ہونے پر زید کو پیغام بھیجا تھا۔ سپورٹس کلب کا منظر، آراہ کی تیزی سے پھینکی ہوئی بال اور اچھلنے پر سامنے والے کی شرٹ کا اوپر ہونا۔۔۔ اس نے ویڈیو وہیں روک دی۔ زخم پرانا تھا مگر ٹانکوں کے نشان تھے، گوشت جڑا ہوا تھا اور وہ کراس کا نشان تھا۔ زخم جھوٹے اور اداکار نہیں ہوتے یہ زخم بھی نہیں تھا۔

”آخری مہر؟“

پوری دنیا کو لگا مرنے والا شاہ ویر ہے کیونکہ دنیا اس کے اس زخم کو نہیں جانتی تھی۔ دنیا نے زید کو نہیں دیکھا تھا، مرکز شہرت و عزت شاہ ویر رہا تھا۔ کوئی اس کے لہجے اور بدلے ہوئے کردار پر شک نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس نے ان نو ماہ میں زیادہ سے زیادہ وقت اپارٹمنٹ میں گزارا تھا۔ کوئی شک کرتا تب بھی بے سود کیونکہ سامنے نسلی اداکار تھا۔ کردار ازبر کیے، قارین کے دماغ سے کھیلنے والا اداکار۔

★★★★★★★★★

چند روز قبل!

دروازے پر ہوتی متواتر دستک کے باعث صبیحہ کو اپنا کام ادھورا چھوڑ کر مجبوراً دروازہ کھولنا ہی پڑا۔ چوکھٹ کے اس پار کھڑے شخص کو دیکھ کر کئی لمحے وہ دروازے کا پٹ تھامے جمود کا شکار رہی، پھر گہری سانس لیتے ہوئے بازو سینے پر باندھے۔ اور تندہی سے اسے دیکھا۔ "میری بہن کو قتل کر کے، اس کی واحد نشانی کو مجھ سے دور رکھنے کے بعد اب کیا لینے آئے ہو؟" صبیحہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"اندر آنے دو، پھر جتنا چاہے ذلیل کر لینا۔" ہمیشہ کی طرح تلخ اور ٹھنڈے انداز کی بجائے آج اس نے رسان سے کہا۔

"میرے شوہر کو تم پسند نہیں ہو اس لیے میں تمہیں اندر بلا کر اسے ناراض نہیں کر سکتی۔"

"یہ تمہارا گھر ہے تمہارے شوہر کا نہیں۔"

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے میں تم سے بات کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی۔" چند ماہ قبل اگر صبیحہ اس سے ایسا کچھ کہتی تو وہ بکتا جھکتا یہاں سے جا چکا ہوتا، آج حالات مختلف تھے۔ وہ دروازہ اس کے منہ پر بند کرنے ہی لگی تھی کہ عالم نے درمیان میں اپنا بازو اور اس کا مکمل زور لگا کر اس کی اس کوشش کو ناکام بنایا۔

"پلیز صبیحہ۔۔۔۔ یہ میرے لیے نہیں ہے یہ جوہر فور زیرو کے لیے ہے۔ میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کچھ ہے۔ ایک بہن کا قاتل سمجھتی ہو مجھے لیکن اس کے لیے دوسری بہن کو بے انصاف رہنے دو گی کیا؟" وہ جم گئی، احساسات پگھل کر راستے میں حائل ہوئے اور اب حالت کچھ یوں تھی کہ دل پگھل چکا، جسم منجمند۔

"تم اب بھی اس کیس پر قائم ہو؟"

"وکیل ہوں یا تو ہاروں گا یا پھر جیتوں گا۔ مقدمہ لٹکانا ہمارا شیوہ نہیں ہوتا۔"

"تم ایک کارپوریٹ لائر ہو جاؤ کسی کے لیگل مسائل حل کرو، کسی کمپنی میں کام تلاش کرو یہ کیس۔ یہ بہت بڑا ہے، عالم۔ روشن پرائم وٹنس تھا اور اس کی موت تم اپنی آنکھوں کے آگے دیکھ چکے ہو۔ یہاں جو آئے گا مارا

جائے گا۔" اس کی مزاحمت سست پڑتی دیکھ وہ دروازہ بند کرتا اندر داخل ہوا، اپنے پیچھے کنڈی لگائی اور صبیحہ کو دیکھا۔

"دو کپ کافی لاؤ، یہ بات لمبی ہونے والی ہے۔"

کچھ وقت بعد عالمگیر اور صبیحہ برامدے میں بیٹھے تھے۔ عالم نے چند کاغذات پر کچھ لکھا ہوا تھا، موبائل اور لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔ "ہم سب صرف یہ جانتے تھے کہ بنگش خاندان کی طرف سے روشن کو جیل بھیج کر جوہر فورزیرو سے بچایا گیا، لیکن میرا فہم کہتا ہے روشن کو قربان کیا گیا ہے۔"

"اور تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو، روشن مرکزی گواہ ہونے کے ساتھ ساتھ مرکزی ملزم بھی تھا۔"

"میں جب تاج کے ساتھ تھا تب بنگش ہاؤس میں میرا کافی آنا جانا تھا۔" اس نے صبیحہ کی بھنویں جڑتے ہوئے دیکھیں۔ "طلال صاحب روشن کو بے حد عزیز رکھتے تھے لیکن شاہ ویر اس سے چڑتا تھا۔ اسے روشن سے سخت نفرت تھی، یہاں تک کہ اگر روشن کہیں جا رہا ہوتا تھا تو شاہ ویر اس کے ساتھ جانا تک پسند نہیں کرتا تھا۔"

اس نے چند تصاویر اس کے سامنے رکھیں۔ "نو نومبر کی رات زید گھر پر نہیں تھا یعنی جوہر فورزیرو سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس نے روشن پر کوئی مقدمہ درج نہیں کروایا، نہ ہی اس نے روشن کو بچایا ہے یہ جو کچھ بھی ہے ہماری سوچ اور عقل سے پرے کا کھیل ہے۔" صبیحہ موبائل پر زید کی وہ تصاویر دیکھ رہی تھی جو اس نے نو نومبر کی رات کو پوسٹ کی تھیں، ایک جگہ وہ لائیو تھا اور کسی علاقے کے متعلق بتا رہا تھا۔

عالم نے اب کچھ اور کاغذات اس کے سامنے رکھے۔ "یہ وکٹمز اور ان کے کام کی تفصیلات ہیں۔ وہ سب کچھ سال قبل "دی رائٹس" نامی ایک تحریک کے لیے کام کرتی تھیں۔ میں اتنے ماہ یہ سوچتا رہا کہ وومن کی سربراہ تو ایک نیک عورت ہے اگر ان کا اپنے ہی لوگوں سے کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ حل کرتی۔"

"آپ اتنے دعوے کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو؟" عالم چونکا، وہ بے دھیانی میں پہلے کی طرح اسے آپ کہہ گئی تھی۔ "میں انہیں جانتا ہوں ایک کیس تھا ان کا، میں لڑا تھا۔ جیتا بھی تھا سو۔۔۔۔ رابعہ۔۔۔۔۔ رابعہ پرویز نام

تھااس کا۔" اس نے ایک کاغذ اس کے سامنے رکھا۔" وہ چاروں عورتیں "ومن" کے لیے کام کرتی تھیں۔ ومن۔۔۔۔۔ تمکنت بنگش اور روبینہ انصاری کی تحریک۔"

"میں یہ سب جانتی ہوں۔" اس نے ہلکی آواز میں کہا۔" تم اس کیس کو اب سے دیکھ رہے ہو اور میں۔۔۔۔۔ مجھے پورے دو سال ہونے والے ہیں۔ تم اس تکلیف کو نہیں جانتے عالم جو میں جھیل رہی ہوں؟" اس نے سر ہاتھوں میں گرادیا تھا، چہرے پر اذیت رقم تھی۔

"میں شاید نہیں سمجھ سکتا لیکن میں جس واحد جذبے کو سمجھ رہا ہوں، جو واحد آگ میرے اندر ہے وہ مزاحمت ہے۔ مجھے یہ کیس حل کرنا ہے میں خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔"

"تم خادم صاحب سے ڈر رہے ہو یا جلال سے، کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ اگر جوہر فور زیرو حل ہو گیا تو تم دوبارہ جیل نہیں جاؤ گے؟" عالم نے محظوظ کن انداز میں اسے دیکھا۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتا، اور نہ یہ سمجھتا ہوں کہ دو ٹکے کا انسان جسے اپنی سانس اور حرکت پر اختیار نہیں وہ مجھے جیل جانے سے روک سکتا ہے، مجھے عزت یا ذلت دے سکتا ہے میرا مقصد اس انسان تک پہنچنا ہے جو اس سارے مقصد میں مجھے استعمال کر رہا ہے، میری ذہانت اور میرے تعلقات۔ وہ کون ہے جس نے خادم، جلال اور میرال کے باپ کو میرے خلاف استعمال کیا۔"

"تمہیں لگتا ہے خادم صاحب کے اوپر کوئی اور بھی ہے؟"

"مجھے لگتا نہیں مجھے یقین ہے۔" وہ وثوق سے بولا۔ صبیحہ نے سر ہلایا۔" اور اس تک جانے کے لیے مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" وہ چند پل اسے دیکھتی رہی، پھر مکمل دلی آمادگی کے ساتھ کہا۔

"count me in" وہ راضی تھی، زندگی میں پہلی مرتبہ عالمگیر سے راضی۔

★★★★★★

وہ دس مرتبہ پیدا ہو کر آ جاتا تب بھی اسے یقین نہ آتا کہ یہ وہی سادہ سی لڑکی ہے جو اسے کرائم تھرلر چھوڑ محبت کی کہانی لکھنے کو کہتی تھی۔ وہ بول کر خاموش ہوئی تو اس نے شاہ ویر کی آنکھوں میں دیکھا جہاں یاسیت تھی، کرب تھا، سوال تھے۔

"تم کب سے جانتے تھے؟" اس نے ہلکی آواز میں پوچھا۔ شاہ ویر گردن جھکائے طنزیہ مسکرایا۔

"تب جب تم نے مجھ سے میرا فون مانگا تھا، تم نے میری سرچ ہسٹری دیکھی تھی، آراہ۔ عادتاً تم نے میرا ڈی ایم کھولا کچھ میسجز تھے جو میں نے نہیں دیکھے تھے انہیں تم نے دیکھا تھا۔"

"ہاں غلطی ہوئی مجھ سے تمہاری طرح پروفیشنل کرمنل جو نہیں ہوں۔" زہر خند لہجے میں کہتی وہ پھڑ پھڑائی، کلائیوں پر زور دیا اور کرسی سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ شاہ ویر نے ترحم سے اسے دیکھا۔

"جب اس "پروفیشنل" کرمنل کو اتنا جانتی ہو تو یہ بھی جانتی ہو گی کہ یہ "پروفیشنل"۔" اس نے پروفیشنل پر زور دیا۔ "اگر تمہیں باندھے گا تو اس کا کام پکا ہو گا۔ کیوں خود کو تکلیف دے کر مجھے تکلیف دے رہی ہو؟" آخر میں اس کا لہجہ بے بسی سے بھر گیا۔

"مجھے کھولو، شاہی۔ میں تمہیں کہہ رہی ہوں کھولو مجھے۔" وہ چلانے لگی۔ "مجھے میرے گھر جانا ہے جو تم جاننا چاہتے تھے میں سب بتا چکی ہوں اب اور کیا؟"

"تم میری کہانی نہیں سننا چاہتی؟" وہ گھٹنوں کے بل دوبارہ اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ "کوئی خوشی سے ایسا انسان نہیں بنتا، کوئی اس زندگی کا انتخاب نہیں کرتا اگر میں نے کیا ہے تو میں مجبور تھا۔"

"میں تمہاری مجبوریوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔ کھولو مجھے ورنہ میرا بھائی تمہیں جان سے مار دے گا۔" وہ ایک بار پھر کرسی سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"آراہ اب تم میری برداشت آزما رہی ہو۔" اس کا لہجہ یکلخت بدلا۔ آراہ ٹھہر گئی، بالکل ٹھہر گئی۔ شاہ ویر کی رنگت، آنکھیں سب بدلا ہوا تھا وہ اس کے جبڑوں میں اترتا کھنچاؤ دیکھ سکتی تھی۔ "میں تمہیں وارن کر رہا ہوں جتنا وقت تم میرے پاس ہو آرام اور سکون سے رہو تمہاری ہر مزاحمت مجھے ٹرگر کرے گی اور تم اتنی نازک ہو کہ

میرے ٹرگر ہونے کی ایک جھلک بھی سہار نہیں سکو گی لہٰذا۔۔۔۔" اس نے آراہ کا چہرہ دیکھا، نگاہوں کی کاٹ برقرار رہی۔ "برداشت کرو۔"

اس کی آنکھیں بھرنے لگیں، خوف اور تکلیف ایک ساتھ آن وارد ہوئی۔ "شاہی پلیز مجھے جانے دو۔ میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو میں گھر سے باہر ہوں جتنا وقت باہر رہوں گی لوگ اتنی باتیں کریں گے۔ میری زندگی تباہ ہو جائے گی، میری ذات دھبہ بن جائے گی۔ یہ معاشرہ مجھے کریکٹر سرٹیفکیٹ دینے لگے گا۔۔۔۔۔۔"

"کون ہے یہ معاشرہ، کون دنیا، کون لوگ؟ گھوم پھر کر تمہارا ہر سفر مجھ پر آکر ختم ہو گا۔ اور کیا میں تمہیں کبھی جج کر سکتا ہوں؟" وہ محبت سے مستفسر ہوا۔

"میں تمہاری اس بکواس میں بالکل دلچسپی نہیں رکھتی مجھے کھولو۔" وہ دانت پر دانت جما کر سرگوشی نما آواز میں بولی۔ شاہ ویر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تمہیں یہاں کچھ وقت کے لیے لایا تھا، لیکن اگر تم اپنا قیام بڑھانا چاہتی ہو تو مائے پلیژر۔ اب میں دو گھنٹے بعد آؤں گا، ان دو گھنٹوں میں ہم کافی بات کر سکتے تھے لیکن جو تم چاہو۔" آراہ نے اسے قدم پیچھے لیتے ہوئے دیکھا۔ وہ ششدر رہ گئی۔

"تم ایسے نہیں جا سکتے۔۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔۔ شاہی کھولو مجھے۔۔۔۔۔۔ شاہ ویر۔۔۔۔۔" وہ چلا رہی تھی اور شاہ ویر بغیر اس کی طرف دیکھے اسے کھنڈر میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔

"شاہی پلیز واپس آؤ پلیز۔۔۔۔۔ تم کہاں جا رہے ہو تم جو پوچھو گے میں بتاؤں گی؟" اس پر سرار خالی عمارت میں چیخ چیخ کر اس کا گلا بیٹھ رہا تھا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ ایک ایک منٹ ایک ایک صدی کے برابر تھا۔ آس پاس نگاہ گھماتے ہوئے انارا کو پہلی دفعہ احساس ہوا یہ جگہ تنہا اور خوف زدہ تھی، اور یہ بھی کہ جس شخص کے ساتھ وہ موجود تھی وہ اس جگہ سے زیادہ خطرناک تھا۔ اسے وہ کرنا تھا جو وہ چاہتا تھا یہ واحد صورت تھی جس کے تحت وہ آزاد ہو سکتی تھی۔ اسے محض یہاں سے آزاد ہونا تھا۔

★★★★★★★

مدھم نیلی روشنی والے کمرے میں انتظار کرتے کرتے اس کی آنکھیں تھک گئی تھیں، جسم اس ایک جگہ اکڑ کر رہ گیا تھا اور سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں جب کمرے کے اختتام پر بنے دروازے کے لوہے کے پٹ آپس میں علیحدہ ہوئے سیاہ پینٹ اور سفید ہڈی والا مرد اندر داخل ہوا۔ آراہ کو دیکھ وہ ہلکا سا مسکرایا، ہاتھ میں پکڑے کھانے کے ڈبے اونچے کر کے اسے دکھائے۔

"مجھے اندازہ تھا تمہیں بھوک لگی ہو گی۔ تمہارے فیورٹ ریستوران سے لایا ہوں۔" وہ ایک بار پھر اپنی سابقہ جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ چیخ چیخ کر مدد کے لیے بلاتے ہوئے آراہ کا حلق سوکھ گیا تھا۔ آنکھیں خالی سی تھیں اور ہونٹ خشک۔ "کافی پیو گی؟"

"لیٹ می گو۔" وہ بیٹھی ہوئی آواز میں بڑبڑائی تھی۔ شاہ ویر نے پانی کی بوتل اس کے لبوں سے لگائی وہ آدھی بوتل ایک سانس میں ختم کر گئی ابھی وہ مزید پینا چاہتی تھی مگر وہ بوتل اس کے لبوں سے ہٹا چکا تھا۔ "پانی ۔۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔ تھوڑا اور۔" اس نے لجاجت سے کہا۔

"اونہوں . . اس طرح کچھ نہیں ملے گا۔ مکمل۔۔۔، پورا۔ تمہیں اگر کچھ مکمل مل جائے تو تم ناقدری کرنے لگتی ہو۔" وہ تاسف سے بولا، ساتھ ٹشو سے اس کی ٹھوڑی پر گرا پانی صاف کیا۔ آراہ بدک کر چہرہ دور کر گئی۔ "تمہیں گھر سے نکلے ہوئے پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں تمہاری مام کو میں تمہارے موبائل سے پیغام بھیج چکا ہوں کہ تم نیند سے جاگ کر اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ باہر نکل گئی ہو اور وہ برائے مہربانی یہ بات تمہارے چچا اور بھائی کو نہ بتائیں وہ نہیں بتائیں گی۔"

آراہ کچھ نہیں بولی، اس کا حلق واقعی متاثر ہوا تھا۔ سر کا درد اتنا شدید تھا کہ اسے اپنی رگیں پھڑکتی محسوس ہو رہی تھیں۔ "تم یہیں ہو آراہ میرے پاس اور میری کہانی سنے بغیر تم کہیں نہیں جا رہیں اس لیے اب بتاؤ تم واقعی میری کہانی سننا چاہتی ہو یا اپنا قیام یہاں بڑھانا چاہتی ہو؟"

یہ پیشکش نہیں تھی جبر تھا۔ اب جو بھی تھا ہیزل آنکھوں والی لڑکی نے قبول کیا۔ "سناؤ۔" اس نے بے حد مدھم ہاری ہوئی آواز میں کہا۔ شاہ ویر کی آنکھوں میں کوئی ملال سا ابھرا۔

"کہاں سے؟"

"تمہاری داستان ہے جہاں سے تم چاہو، میں قیدی ہوں جس کی سماعتیں تمہیں سنیں گی۔" وہ تھکی ہوئی تھی اندر ہی اندر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ ایک قاتل کے ساتھ تھی، اس کے گھر والے خطرے میں تھے۔

شاہ ویر کی آنکھیں خالی ہو گئیں، چہرہ گھٹنوں پر گرائے اس نے یاسیت سے آراہ کو تکا۔ "میں منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔ طلال بنگش کی پہلی اولاد دو بیٹے، جڑواں، صحت مند، خوبصورت۔ میری ماں اس وقت شہرت کی بلندیوں پر تھی اور میرے باپ کا کاروبار ایسا کہ روپیہ رکھنے کے لیے بینک ختم ہو جائیں۔ لوگ ہمارے سامنے کٹ کر گرنے کو تیار تھے، وہ دور بہت خوبصورت تھا، آراہ۔ ہم اسکول جاتے تھے تو اساتذہ اور بچے ہمارے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ تقاریب میرے خاندان کی موجودگی سے شروع اور ان کے وداع کے وقت ختم ہوتی تھیں۔ مختصر یہ کہ میں اپنے دور کا پرنس چارمنگ تھا اور پھر کچھ بُرا ہوا۔۔۔۔ بے حد برا۔ میں سمجھ نہیں پایا اور میری زندگی ایک سو اسی ڈگری پر تبدیل ہو کر رہ گئی۔" اس کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی۔ اتنی کہ آراہ بمشکل سن سکی۔

★★★★★★★★★★★★

طلال بنگش تماشائیوں کے درمیان بیٹھے اپنے نو سالہ بیٹوں کو مہارت سے ہاکی کھیلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ زید پُھرتیلا تھا، البتہ کھیل سے کچھ کم واقف جبکہ شاہ ویر اپنی توانائی درست وقت پر استعمال کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ہاکی اسٹک اس مہارت سے تھام رکھی تھی کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھیں۔ اس کی نگاہیں عقاب کی طرح اپنے شکار کو نظر میں لیے ہوئے تھیں۔ سارے میدان میں اگر کوئی بہترین کھیل رہا تھا تو وہ وہی تھا۔

البتہ اس کے باپ کی آنکھوں میں کچھ تھا انہوں نے دو بار کچھ دیکھا تھا۔۔۔۔ دو بار آنکھیں دھوکہ نہیں کھاتیں۔۔۔ شاہ ویر نے اپنے ساتھی کو دو مرتبہ دھکا دے کر گرانا چاہا تھا اور وہ معصوم بچہ دونوں مرتبہ گرا تھا۔ ایک بار اس کی کہنی چھل گئی اور دوسری بار گھٹنا۔

"ویر اچھا کھیل رہا ہے نا؟" ان کے ساتھ بیٹھی تمکنت نے تائید چاہی طلال خاموش رہے کچھ کچھ غیر آرامدہ بھی۔ یہ پہلی بار نہیں تھا، شاہ ویر کو جیت کی لت تھی۔ وہ جیتنے کے لیے سامنے والے کو کسی بھی حد تک تکلیف پہنچاتا تھا اور طلال کے نظر انداز کرنے کی ہر حد اب ختم ہو رہی تھی۔

ایک آخری شاٹ کے بعد میچ مخالف ٹیم جیت چکی تھی تمام تماشائی ان کے لیے تالیاں بجا رہے تھے، ہر کسی کی آنکھوں میں ان کے لیے رشک تھا۔ شاہ ویر کی آنکھیں ایک پل کے اندر اندر بدلیں۔ اسے یوں لگا جیسے سارا اسٹیڈیم اس پر ہنس رہا ہو، تالیاں بجاتے لوگوں پر اسے طیش آیا، اور پھر اس کی نگاہ اپنے باپ پر پڑی۔ ساری کائنات تھم گئی ہو۔

اس کا باپ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ تالیاں پیٹ رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے دھوکے بازوں کی صف میں اس کا باپ اول درجے پر آکر کھڑا ہوا ہو۔ زید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وہ کھیل کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا مگر شاہ ویر نے نہیں سنا۔ اس نے جھک کر ہاکی اسٹک اٹھائی اور قریب کھڑے داد بٹورتے صمد کی کمر پر ماری۔ وہ بلبلا اٹھا، اسٹیڈیم میں یکدم سکوت پھیل گیا۔ شاہ ویر نے اگلا وار اس کے سر پر کیا جب تک ریفری ان تک آیا تب تک بچے کے سر اور منہ سے خون رسنا شروع ہو چکا تھا۔ طلال بنگش اپنی جگہ کھڑے تھے دم سادھے، بے یقین، متحیر۔

شاہ ویر کی پیدائش کے بعد سے آج تک وہ جن بدترین خدشات میں گھرے تھے آج وہ مجسم روبرو تھے۔ ان کا بیٹا تین لوگوں کے پکڑنے سے بھی پکڑ میں نہیں آرہا تھا۔ اس پر جنون کی کوئی اور ہی کیفیت طاری تھی۔

"میں وائلنٹ تھا۔" چھت سے گرتے پانی کے قطروں کے شور میں اس کی آواز بھی شامل ہوئی۔ "تین سال کا تھا جب زید کو سیڑھیوں سے گرادیا تھا، چار سال کا تھا جب جان بوجھ کر اس کے ہاتھ مام کے گرم اسٹریٹنر میں دے دیا تھا، چھ کا تھا جب کمرے کے پردوں کو آگ لگائی تھی۔ اور درمیان میں کتنی ہی اور چیزیں، کتنے ہی واقعے، کتنا شور، کتنی چیخیں اور کتنے بدلے مجھے اب یاد بھی نہیں۔"

"تم یہ سب کیوں کرتے تھے؟" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ اسے شاہ ویر سے خوف آرہا تھا۔

شاہ ویر سوچ میں پڑا، پھر اسے دیکھا۔ ”لوگ بہت غلطیاں کرتے ہیں، آراہ۔ اور میں۔۔۔۔ میں انہیں اس کام کے لیے سزا دیتا تھا۔ زید کو جب بھی ہرٹ کیا اس کے بھلے کے لیے کیا اور جب جب کسی اور کو کیا وہ صرف اس لیے کیونکہ انہوں نے مجھے ہرٹ کیا۔ وائلنس میری پہلی ترجیح کبھی نہیں رہی۔ میں بات کرتا ہوں، کوشش کرتا ہوں، اصلاح بھی کرتا ہوں لیکن میری بھی ایک حد ہے جب پھندہ میرے گلے تک آئے تب میں بس ایک ہی شے کا انتخاب کرتا ہوں۔“

”کس شے کا؟“

”وائلنس۔۔۔۔۔“

ڈاکٹر زبیر کے کلینک میں ہلکی دھوپ کھڑکیوں سے فرش تک آرہی تھی۔ دائیں طرف رکھے صوفوں پر شاہ زید اور شاہ ویر بیٹھے تھے۔ شاہ ویر کی گردن جھکی تھی، جبکہ زید چھوٹی آنکھوں کو مزید چھوٹا کیے کمرے کی ایک ایک شے کو دیکھ رہا تھا۔ بائیں جانب تمکنت اور طلال ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ طلال سنجیدہ تھے جبکہ تمکنت اس سارے قصے سے خوش نہیں تھی۔ اسے اپنا اور اپنے محبوب شوہر کا اختلاف اب بھی یاد تھا۔

”وہ صرف نو سال کا ہے صرف اور صرف نو۔ ہم اسے تھیراپسٹ کو دکھائیں گے؟ واٹ ربش۔“ کانوں سے ہیرے کے ٹاپس اتارتے ہوئے وہ سخت ناخوش تھی۔ اس کے عقب میں پلنگ پر بیٹھے طلال مضطرب۔

”وہ شروع سے ایسا ہے، تمکنت۔ تم اور میں ہم اس کے اچھے بھلے کے ضامن ہیں۔ آج جو عادتیں اور رویہ وقتی لگ رہا ہے کل وہ راسخ ہو جائے گا اور ہم پچھتائیں گے۔“

”وہ لڑکا ہے اور لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں لڑنا جھگڑنا ان کی فطرت میں ہوتا ہے۔“

”زید بھی ایک لڑکا ہی ہے، شاہ ویر کے ساتھ وہ بھی ہارا تھا لیکن میں نے اسے مخالف ٹیم کے لیے تالیاں بجاتے ہوئے اور اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے دیکھا ہے۔“ وہ اٹھ کر تمکنت کے عقب میں آکر کھڑے ہوئے۔ ”میں اپنے بیٹے کو تباہ ہونے نہیں دوں گا، تمکنت۔“

"لوگ کیا کہیں گے، طلال؟" طلال تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ لوگ کیا کہیں گے۔ ہم نے اس سطر کو اتنا کہا ہے کہ کئی سماعتیں بہری ہو گئیں۔ کئی آنکھیں خوابوں سمیت اندھی ہو گئیں۔ کئی حوصلے پست ہوئے، اور کئی لوگ بیٹھے بیٹھے مٹی کے ٹھیکرے بن گئے، مگر ہم محض یہ سوچتے رہ گئے لوگ کیا کہیں گے؟

زید کو یہاں لاتے ہوئے انہیں یقین تھا وہ نارمل ہے لیکن محض شاہ ویر کو یہاں لایا جاتا تو وہ نارمل نہ رہتا......... اور وہ شاہ ویر کو نارمل دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ کبھی یہ نہیں چاہتے تھے لیکن قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔

"میں بابا کی بات مان کر چلا گیا ڈر رہا تھا کہ اگر بات نہ مانی تو بابا ناراض ہو جائیں گے۔ میں ساری دنیا کو ناراض کر سکتا تھا، چھوڑ سکتا تھا لیکن بابا نہیں۔ وہ میری ریڈ لائن تھے، آراہ۔"

یہ شاہ ویر بنگش اور ڈاکٹر زبیر کا آٹھواں سیشن تھا۔ زبیر لاہور کے اعلیٰ ڈاکٹروں میں شمار ہوتا تھا جب شاہ ویر کو اس نے پہلی بار دیکھا وہ اسے بے حد سلجھا ہوا، معصوم سا بچہ لگا۔ اس کے نزدیک والدین کئی بار اپنے بچے کو لے کر حساس ہو جاتے ہیں اور اس کے ذرا برابر وائلنٹ رویے پر اسے یونہی ڈاکٹر کے پاس لے آتے ہیں مگر شاہ ویر نے اسے غلط ثابت کیا، بلکہ چاروں شانے چت کہنا زیادہ مناسب لفظ ہو گا۔

"تم اس دنیا میں سب سے زیادہ پیار کس سے کرتے ہو؟"

"ایکٹنگ، بابا، زیدُو۔" زبیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اس نے جواب دیا۔

"کوئی تم سے ان تینوں میں سے کچھ چھیننے کی کوشش کرے تو؟"

"میں نہیں چھیننے دوں گا۔" پیپر ویٹ گھماتے ہوئے اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیسے؟"

"میں ان کو انجر (زخمی) کر دوں گا۔"

"کسی کو تکلیف دینا تو غلط بات ہے۔ تمہیں ایسا نہیں لگتا کیا؟"

"آئی ایگری ڈاکٹر، لیکن ان کو روکنا پڑے گا۔ بابا، زید اور ایکٹنگ میں ان سے دور نہیں رہ سکتا۔"

"بات کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، یعنی اگر تمہیں کوئی تکلیف دے تو تم اس کے پیرنٹس کو شکایت دو، اس سے بات کرو اس بارے میں کیا سوچتے ہو تم؟"

"یہ سب بکواس ہے، جب میری مام میرے بارے میں آئی ہوئی شکایت پر دھیان نہیں دیتی تو کوئی اور پیرنٹ ایسا کیوں کرے گا؟" وہ اب بھی پیپر ویٹ گھما رہا تھا۔ انداز میں بے زاری تھی۔

"اور تمہیں اس کا واحد حل کیا نظر آتا ہے؟"

" i don't know depends on the situation" اس نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا۔ زبیر کا ذہن الفاظ سے خالی ہو رہا تھا۔ ہر سیشن کے بعد اس کے ساتھ یہی ہوتا تھا۔ ہر ملاقات اسے بتاتی تھی یہ وہ نہیں جو نظر آتا ہے۔

"پتا ہے آراہ جب وہ سیریل کلر میرا تعاقب کرتا تھا، مجھے دھمکیاں دیتا تھا اور مجھے زخمی کرتا تھا تو اسے لگتا تھا وہ مجھے ذہنی مریض بنا رہا ہے وہ یہ نہیں جانتا تھا میں پیدا ہی وہی ہوا تھا۔" آراہ چپ چاپ اسے تک رہی تھی، گلے میں بار بار گلٹی ابھر کر معدوم ہو رہی تھی۔ "کاش میں نے اپنا عارضہ چھپا لیا ہوتا۔"

"میں تمہیں کچھ تصویریں دوں گا، اور تم مجھے ان کے بارے میں کچھ بتاؤ گے اوکے؟" اگلی ملاقات پر اس نے شاہ ویر سے کہا۔ گو کہ وہ ان ملاقاتوں سے خاصہ تنگ تھا مگر انکار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اپنے باپ کو ناراض نہیں کر سکتا۔ اسے یاد تھا اس کے باپ نے اسے کیا کہہ کر بھیجا تھا۔

"تم ناراض ہو مجھ سے؟" شاہ ویر کے پلنگ پر نیم دراز اسے اپنے سینے پر لٹائے، اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے طلال بنگش محبت سے مستفسر تھے۔

"کس بات سے؟" اس نے باپ کے سینے پر سر درست کیا، اسے خود پر رشک آ رہا تھا۔ طلال کے ساتھ گزرا اس کا ہر لمحہ رشک تھا۔ وہ اچھے تھے، نرم، لوگوں کے پسندیدہ شاہ ویر ان جیسا بننا چاہتا تھا کیونکہ وہ اچھے تھے۔

"میں تمہیں ڈاکٹر زبیر کے پاس بھیجتا ہوں۔"

"میں آپ کے لیے کہیں بھی جا سکتا ہوں، بابا۔" اس نے صدق دل سے کہا۔ طلال کا دل فخر سے بھر گیا۔ "لیکن کیا میں آپ کو پاگل لگتا ہوں؟"

طلال کا دل دھک سے رہ گیا۔ "تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟" انہوں نے سنبھل کر پوچھا۔

"مجھے پتا ہے سائیکاٹرسٹ کے پاس پاگل جاتے ہیں۔"

"میں تمہاری تصحیح کرتا ہوں۔ سائیکاٹریسٹ کے پاس وہ لوگ جاتے ہیں جن کے پاس کچھ سوال ہوتے ہیں، کچھ بہت الجھے اور بکھرے ہوئے سوال۔ جنہیں تم، میں، زید، تمہاری ماں کوئی حل نہیں کر سکتا۔"

"مسز مارتھا بھی نہیں؟" اس نے اپنی ریاضی کی استانی کا نام لیا۔ طلال ہنس پڑے۔

"وہ بھی نہیں۔ اس کام کے لیے کچھ تجربہ کار لوگ ہوتے ہیں انہوں نے بہت پڑھا ہوتا ہے اس لیے ان کے پاس بہت سارے جواب ہوتے ہیں۔ تمہیں بس اپنی ہر سوچ حرف با حرف سچ سچ بتانی ہے، تم بتاؤ گے نا؟" اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وقت بدلا اور اب وہ ڈاکٹر زبیر کی دی ہوئی تصاویر اپنے سامنے رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔

پہلی تصویر میں ایک آدمی مرا ہوا تھا، اس کے آس پاس خون تھا۔

دوسری تصویر میں لوگ آس پاس سے گزر رہے تھے، رش تھا، رونق تھی درمیان میں ایک آدمی تھا تنہا اور زخمی۔

تیسری تصویر میں ایک پرسکون سی جگہ پر چھوٹا سا گھر تھا۔ دو بچے فٹ بال سے کھیل رہے تھے، ان کے ماں باپ انہیں دیکھ رہے تھے۔

"ان تصویروں کو دیکھ کر تمہیں پہلا خیال کیا آتا ہے، شاہ ویر؟" ڈاکٹر نے اسے تازہ سینڈوچ تھماتے ہوئے پوچھا۔

شاہ ویر نے ایک ہاتھ میں سینڈوچ پکڑا، شکریہ ادا کیا اور دوسرے ہاتھ سے تصاویر آگے کیں۔ "maybe he deserved it" اس نے پہلی تصویر کو دیکھتے ہوئے انگریزی میں تبصرہ کیا۔ وہ نو سال کا بچہ ایک زخم زخم وجود کو ان زخموں کا اہل سمجھتا تھا۔

"اس زندگی کا کیا فائدہ؟" اس نے دوسری تصویر پر تبصرہ کیا، تسلی سے سینڈوچ کترا، پھر زبیر کو تکا۔ "too filmy۔" آخری تصویر پر اس نے سادہ سا تبصرہ کیا، اور پیچھے کو ہو کر ٹیک لگا لی۔ ایسی ہی ٹیک زبیر نے اپنے سارے کیریئر کو لگتے ہوئے محسوس کی، وہ اس کے کیریئر کا سب سے بڑا کیس تھا۔

اپنے نویں سیشن میں وہ ڈاکٹر زبیر کو متحیر اور متعجب سے زیادہ خوف زدہ کر چکا تھا۔ اگلی ملاقات اس کے ساتھ نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ اگلی ملاقات میں ڈاکٹر زبیر کے دفتر میں اس کے ماں باپ موجود تھے۔ شاہ ویر باہر انتظار کر رہا تھا۔

"میں یہ بات کہتے ہوئے جھجکنا چاہتا ہوں لیکن۔۔۔۔ آپ کا بچہ بہت مشکل بچہ ہے۔" تمکنت کے چہرے پر بے زاری عود آئی جبکہ طلال کی رنگت پھیکی پڑی۔ "یہ اس کی بنائے ہوئے خاکے ہیں۔" اس نے چند خاکے ان کے سامنے رکھے۔ سب بکھرے ہوئے، سب کے سب عجیب، بے چین کر دینے والے بعض اتنے واہیات کہ وہ دونوں دیکھ بھی نہ سکیں۔ "آپ کا بیٹا نارمل نہیں ہے۔ اگر وہ اٹھارہ سال کے درمیان کہیں ہوتا تو میں اسے ایک سائیکوپیتھ کہتا۔۔۔۔"

"آپ، آپ کی جرات کیسے ہوئی؟" تمکنت پھنکاری۔ طلال چپ کے چپ رہے۔ "وہ صرف دس سال کا ہے۔"

"مسز بنگش دھیرج رکھیے میری بات پوری طرح سنیئے میں اس وقت اس عمر میں اسے سائیکوپیتھ نہیں کہہ رہا لیکن علامت وہی ہیں۔ اسے لوگوں کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، اگر اسے موقع ملے تو وہ کسی کو بھی کچل کر آگے بڑھ جانے کو ترجیح دیتا ہے اسے اپنے علاوہ کوئی مظلوم نہیں لگتا، اسے اپنا ہر عمل جسٹیفائی کرنے کی عادت ہے۔"

"آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا اس سے بات کر کے درست؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے ایسے جواب وقتی ہوں، وہ محض کُول بننے کے لیے ایسا کہہ رہا ہو۔"

"ہو سکتا ہے، وہ فی الحال کمسن ہے ایسا واقعی ہو سکتا ہے لیکن میں یہاں پچیس سال سے ہوں اور میں آج تک اس قدر بکھرے ہوئے ذہن سے نہیں ملا۔ میں یہاں بیٹھ کر کئی دفعہ حیران ہوا ہوں لیکن اتنا نہیں جتنا آپ کے بیٹے نے کیا ہے۔ بہت سارے لڑکے اس عمر میں وائلنٹ ہوتے ہیں لیکن وہ بہت سارے لڑکے اپنے عمل پر شرمندہ ہوتے ہیں شاہ ویر نہیں تھا۔ وہ خود کو بدلنا چاہتے ہیں آپ کا بیٹا ایسا نہیں چاہتا۔ ابھی اس کا ذہن کچا ہے لہٰذا میں اسے

کسی صف میں کھڑا کرنے کی بجائے "extremely violent" کہوں گا۔ میں آپ کو کچھ دوائیں لکھ کر دوں گا، اور یہ دوائیں چند سال چلیں گی اس دوران اسے تین مہینوں میں ایک بار مجھ سے ملنا ہوگا اور۔" انہوں نے طلال کی نچڑی ہوئی رنگت دیکھی۔

"اسے اضافی توجہ درکار ہے، ماحول ہر انسان پر اثر انداز ہوتا ہے اسے کم سے کم ایسے مواقع دیجیے جہاں اسے کسی کو نقصان پہنچانے کی سوچ آئے۔ اس کے سامنے اپنی باقی اولادوں کو اس سے زیادہ محبت مت دیجیے، ورنہ اسے وہ بچہ اپنا دشمن لگے گا۔ وہ ٹھیک نہیں ہے طلال، نہ اپنے لیے نہ معاشرے کے لیے۔"

"کیا وہ کبھی ٹھیک ہو جائے گا، ڈاکٹر؟" طلال ہلکی سی آواز میں پوچھ بیٹھے۔ "دس، بارہ، پندرہ سال بعد کبھی بھی؟"

"بالکل ہو جائے گا۔ ماحول کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے آپ اسے اچھا ماحول دیجیے اور وہ اپنی منفی سوچیں جھٹک دے گا۔ وہ صرف ایک بچہ ہی ہے وہ بدل سکتا ہے۔" اس روز ڈاکٹر کے دفتر سے نکلتے ہوئے انہوں نے پہلی بار شاہ ویر کی آنکھوں کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں عجیب سا سرد پن تھا، طلال اعلیٰ پائے کے اداکار اور ہدایت کار تھے انہیں تاثر پہچاننے میں ملکہ حاصل تھا اور وہ اپنے ہی بیٹے کی آنکھ کا تاثر آج تک نہیں پہچان پائے تھے۔

وہ پہچاننے دیتا کب تھا؟

★★★★★★★

کچھ عرصہ بعد گھر میں سب پر سکون ہو گئے تھے سوائے طلال کے۔۔۔۔ وہ راتوں کو سو نہیں پاتے تھے۔ ان کے ذہن میں وہ خاکے رچ بس گئے تھے طاقت اور پیسے کے بل پر انہوں نے سیشنز کی آڈیو بھی حاصل کر لی تھی اور وہ آوازیں، شاہ ویر کا وہ لہجہ وہ سب روح فرساں تھا۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر زید اور شاہ ویر کے کمرے کا چکر لگاتے ایک دھڑکا سا لگ گیا تھا کہ کہیں وہ زید کو نقصان نہ پہنچا دے، بلاخر چند دن بعد انہوں نے زید کا کمرہ بدل دیا۔ اس روز شاہ ویر نے اپنے ماں باپ کو بہت بلند آواز میں جھگڑتے ہوئے سنا تھا اور یہ جھگڑا اس کے متعلق تھا۔

"تم میرے بیٹے کو اکیلا کر رہے ہو، طلال۔ وہ مزید بیمار ہو جائے گا۔" تمکنت ترش لہجے میں بول رہی تھی۔

”اور میں؟ میرا کیا یہاں میں آدھی رات تک جاگتا رہتا ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے وہ زید کو نقصان پہنچا دے گا۔ میں ان دونوں کو ایک کمرے میں رکھنے کا متحمل نہیں ہو سکتا اور تمہیں یہ بات جتنی جلدی سمجھ آجائے اتنا بہتر ہے۔“

”تم کیا کہنا چاہتا ہو ویر پاگل ہے؟“

”میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ وہ نارمل نہیں ہے۔“ وہ بے حد ٹھہر ٹھہر کر ضبط سے بولے۔ ”تم نہیں جانتی اس نے زبیر سے کیا کہا ہے میں جانتا ہوں۔ میں نے سب سنا ہے۔“ دروازے سے کان لگائے کھڑا شاہ ویر سُن رہ گیا۔ اس کے باپ نے اس سے کہا تھا یہ بات ڈاکٹر اور شاہ ویر کے درمیان رہے گی اور یہ کہ اسے سچ بولنا ہو گا کیا سچ کا انجام اپنے ہی گھر میں اجنبی ہو جانا تھا، یا پھر اپنے ہی بھائی سے جدا ہو جانا؟ دروازے سے لگ کر کھڑے بچے نے پہلا دھوکہ کھایا تھا اور یہ آخری نہیں تھا۔

اس رات وہ کروٹیں بدلتا رہا اور جب بہت دیر تک نیند نہ آئی تو وہ اٹھ کر اپنے باپ کی اسٹڈی میں چلا آیا۔ وہ جو گردن صوفے پر ڈھلکائے سگار پی رہے تھے اسے دیکھ کر پہلے حیرت ہوئی پھر سگار فوراً بجھایا۔

”آؤ میرا بیٹا۔۔۔۔“ شب خوابی کے لباس والے شاہ ویر کو اپنی طرف بلایا۔ وہ قریب آیا تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح اسے سینے سے لگا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ”میرا بیٹا اس وقت کیوں جاگ رہا ہے؟“ اس کے سر پر ٹھوڑی جمائے نرمی سے پوچھا۔ شاہ ویر چند لمحے چپ رہا، گلا بھر آیا۔

”مجھے زیدو کے بغیر نیند نہیں آتی۔“ وہ کچھ اس انداز سے بولا کہ کئی لمحے طلال کچھ کہہ ہی نہ سکے۔ ”آپ نے ہمارا کمرہ کیوں الگ کیا ہے بابا؟“ ان کے بڑے سے ہاتھ میں شاہ ویر کا ننھا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔ اس کے وجود کی طرح۔

”زید رات میں ڈرتا ہے نا میں چاہتا ہوں وہ اکیلے رہے تاکہ بہادر ہو جائے۔“

”آپ بھی ڈرتے ہو؟“

”مطلب؟“

”آپ رات کو سوتے نہیں میں نے بہت بار آپ کو جاگتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ ڈرتے ہو کیا؟“

طلال حل نہ سکے، وہ اسے بتا نہیں سکے کہ ہاں میں ڈرتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے یہاں میری آنکھ لگے گی اور یہاں تم اپنے بھائی یا خود کو نقصان پہنچالو گے، مجھے ڈر لگتا ہے یہ کیفیت وقتی ہو گی یا پھر عمر بھر کا روگ؟ مجھے ڈر ہے کہ تمہارا مستقبل کیا ہو گا، مجھے ڈر ہے کہ کیا کبھی میں تمہاری آنکھوں میں دیکھ پاؤں گا؟

”میں کسی سے نہیں ڈرتا مجھے بس نیند نہیں آتی۔“ وہ چپ رہا، کچھ کہا نہیں۔

”بابا۔۔۔۔“ بہت دیر بعد وہ بولا تو اس کی آواز گیلی تھی۔ ”میں کسی کو ہرٹ نہیں کروں گا، نہ آپ کو نہ زید کو، نہ مام کو کسی کو بھی نہیں۔ میں۔۔۔۔ میں پاگل نہیں ہوں۔“ طلال نے لب بھینچ کر اسے سختی سے گلے لگایا۔

”میری جان مجھے پتا ہے تم یہ سب کیوں کہہ رہے ہو؟“

”میں خود کو ٹھیک کرلوں گا بس آپ مجھے مت چھوڑنا۔ مجھ سے پیار کرنا بھی مت چھوڑنا، آپ نہیں چھوڑو گے نا؟“ خوف سے اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔ وہ اب بلک بلک کر رو رہا تھا۔ طلال اسے سینے سے لگائے تھپک رہے تھے کلیجہ جیسے کوئی چیر رہا ہو اولاد کا غم بڑے بڑے سورماؤں کو ڈھیر کر دیتا ہے۔

”میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا، کبھی نہیں۔ میں ہمیشہ تم سے پیار کروں گا بہت پیار، تم میرے سب سے اچھے بیٹے ہو۔“ اس سے زیادہ وہ خود کو یقین دلاتے رہے اس بات سے بے خبر وہ بہت جلد اپنے سب سے اچھے بیٹے کا دل توڑنے والے تھے۔ وہ رات ان دونوں نے ایک عجیب گومگو کی کیفیت میں گزار دی۔

دو سال کا عرصہ راوی چین ہی چین لکھتا رہا۔ زید اب اس سے الگ کمرے میں رہتا تھا۔ اسکول، ٹیوشن، سوئمنگ کلاس، کراٹے سینٹر وہ ہر جگہ جاتا، ایک نارمل بچے کی طرح یہاں تک کہ سب بھول بھال گئے کہ شاہ ویر بنگش کا کوئی ذہنی بیماری کا ریکارڈ بھی ہے۔

وہ مئی کا چلچلاتا دن تھا جب شاہ ویر زینے اترتا نیچے جا رہا تھا اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی، نظریں کلائی پر بندھی گھڑی پر جمی تھیں جب تمکنت اس کے سامنے آکر رکی۔ وہ نک سک سے تیار تھی موبائل پر انگلیاں چلاتے اس نے شاہ ویر کا ہاتھ تھاما۔

"تمہارے انکل ایئرپورٹ آ گئے ہیں، ہمیں چلنا ہو گا۔" اس نے ٹارچ ملازم کو تھمائی۔ باہر جانے کا سن کر وہ یہ بھول گیا کہ اس نے dare کے طور پر زید کو سٹور روم میں بند کر دیا تھا، وہ یہ بھی بھول گیا کہ اسے اگلے پانچ منٹ میں اسے کھولنا تھا اسے سب بھول گیا اور وہ چلا گیا۔

قریباً بیس منٹ بعد طلال گھر آئے۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے ہمیشہ والا حکم دیا۔

"میرے دونوں بیٹوں کو میرے کمرے میں بھیج دو۔" انہوں نے آتے ساتھ حکم دیا۔ "ساتھ کافی بھی۔"

"ویر صاحب تمکنت صاحبہ کے ساتھ ایئرپورٹ گئے ہیں اور شاہ زید بابا۔۔۔" ملازم نے یہاں سے وہاں نگاہیں دوڑائیں۔ وہ یہیں تھا، تھوڑی دیر قبل تک تو یہیں تھا۔ "میں بلاتا ہوں وہ ویر بابا کے ساتھ کھیل رہے تھے پتا نہیں کہاں چلے گئے۔" طلال جو کہ زینے چڑھتے ہوئے اوپر جا رہے تھے ٹھٹک کر رکے۔

"کہاں کھیل رہے تھے اور کیا کھیل رہے تھے؟"

"وہ۔۔۔ سر ہم تو کھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ دیکھا ہی نہیں۔"

"ڈھونڈو زید کو اور پانچ منٹ کے اندر اندر اسے یہاں لاؤ۔" وہ زینے چڑھ کر اوپر جانے کی بجائے وہیں کہیں صوفے پر بیٹھ گئے۔ ساتھ ساتھ تمکنت کا نمبر ملانے لگے تا کہ شاہ ویر سے بات ہو سکے مگر نمبر بند جا رہا تھا۔ لمحوں کے اندر اندر ان کے سارے جسم میں کھنچاؤ اتر آیا تھا، وہ خدشہ جو ان کی نیندیں حرام کیے ہوئے تھا آج دن کے اجالے میں انہیں نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔ ملازمین کی فوج یہاں سے وہاں پھیل گئیں۔ گھر سارے کا سارا چھان مارا گیا مگر وہ کہیں ہوتا تو ملتا۔ طلال کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

وہ دیوانہ وار گھر کا ایک ایک کمرہ خود تلاشنے لگے۔ "زید۔۔۔۔ میرا بیٹا کہا ہو؟" آوازیں دے دے کر ان کا حلق تھک گیا مگر نہ وہ ملا، نہ اس کی کوئی آواز سنائی دی۔ "زید۔۔۔۔ تمہیں میری آواز آ رہی ہے؟" وہ پاگل سے ہونے لگے ایسے کیسے وہ کہیں جا سکتا تھا، شاہ ویر نے اس کے ساتھ کیا کیا ہو گا سوچ سوچ کر ان کا دماغ پھٹ رہا تھا۔

دوسری طرف گاڑی میں بیٹھے بچے کو باہر دیکھتے یکدم کچھ یاد آیا۔ ایسی یاد جس نے ایک لمحے کے لیے اسے ساکن کر دیا۔

"مام۔۔۔۔" اس نے ماں کا بازو پکڑ کر سراسیمگی کی کیفیت میں اسے پکارا۔ "میں اور زید کھیل رہے تھے میں نے اسے کمرے میں بند کر دیا تھا اور۔۔۔۔۔۔ وہ ابھی تک سٹور میں ہو گا مام پلیز گھر چلیں۔"

اس کا دماغ بھک سے اڑا۔ وہ پورے دو سال طلال کو یقین دلاتی رہی تھی کہ ان کا بیٹا بالکل ٹھیک ہے جو جواب اس نے ڈاکٹر کو دیے وہ اس کا اصل نہیں تھے آج دو سال بعد خود تسلیوں کا وہ مینار مسمار ہو چکا تھا۔ شاہ ویر کی رنگت ہر گزرتے لمحے سفید پڑ رہی تھی۔ جان رفتہ رفتہ نکل رہی تھی۔ اسے زید کی فکر نہیں تھی اسے اپنے باپ کی فکر تھی اس وقت وہ آ گیا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔

"مام پلیز جلدی کریں۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا آئی ایم سوری۔" وہ اب رونے لگ گیا تھا۔

"اپنی بکواس بند کرو۔۔۔۔" وہ غرائی۔ "تمہارا باپ تمہارے بارے میں درست تھا تم ہو ہی ذہنی مریض۔ پاگل۔" وہ طلال کا نمبر ملانے لگیں لیکن سگنل بند۔ شاہ ویر ساکت نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔ یہ اس کی ماں تھی، جو ایک باڈی گارڈ اور ڈرائیور کے سامنے اسے ذہنی مریض کہہ رہی تھی اور اس کا باپ۔۔۔۔۔ اس کا باپ اس کے پیٹھ پیچھے یہ باتیں کرتا تھا؟ بارہ سال کے لڑکے کا دل کتنے حصوں میں ٹوٹا وہ حساب بھول گیا۔ اگلے چند لمحات سست رفتار تھے۔

اس نے گاڑی گھر کی طرف جاتے، پھر اسے پورچ میں رکتے ہوئے دیکھا۔ اس کا باپ وہیں تھا۔ بے چین، بے کُل۔ شاہ ویر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے کھینچ کر شاہ ویر کو گاڑی سے باہر نکالا۔ وہ سانس روکے، دم سادھے ٹکر ٹکر طلال کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا سانس سینے میں اٹک گیا تھا۔

"کیا کیا ہے تم نے زید کے ساتھ؟"

"بابا۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ سٹور۔۔۔۔" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے حلق سے برامد ہوئے۔ طلال نے اسے بازو سے پکڑا لمس میں سختی تھی اس کا دبلا پتلا بازو آہنی گرفت میں تھا۔ وہ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ رئیس، تاج، تمکنت کوئی اس کی مدد کو نہیں آیا۔ طلال گھسیٹتے ہوئے اسے اوپری منزل تک لائے۔ وہ دو منٹ کا فاصلہ دو صدیوں پر محیط تھا۔ اسے ہر نظر اپنے اوپر گڑھی ہوئی محسوس ہوئی ذلت سی ذلت تھی۔

سٹور کا دروازہ کھولا گیا، کمرے کے ایک کونے میں زید سکڑا سمٹا بیٹھا تھا اس کے ماتھے سے خون رواں تھا شاید اسے کوئی چوٹ لگی تھی۔

"کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ؟" طلال اس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے چلائے۔ زید رونے لگا تھا، تمکنت نے فوراً اسے سینے سے لگایا۔ شاہ ویر کی طرف کوئی نہیں بڑھا۔

"ہم۔۔۔ کھیل۔۔ رہے تھے۔۔۔" وہ ایک بار پھر سہم گیا۔

"یہ کھیل ہے تمہارا؟ اپنے بھائی کو تکلیف دینا کھیل لگتا ہے تمہیں؟ صحیح کہتا تھا زبیر تم ایک سائیکو پیتھ ہو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اور تم اس گھر میں رہنے لائق نہیں ہو۔" اس کے بہن بھائی، محافظ، ملازم ہر ایک کے سامنے اس کی سبکی ہوئی، اس کے راز بھرے بازار برہنہ ہوئے، زندگی میں پہلی بار اسے سچ بولنے پر شرمندگی ہوئی۔ ہر صفائی، عذر حلق میں گھٹ کر رہ گیا۔

زید کراہتا ہوا ان کے قریب آیا، وہ اب طلال سے کہہ رہا تھا کہ یہ کھیل اس کا منصوبہ تھا شاہ ویر کا نہیں۔ اس کی ماں اب طلال کو ڈپٹ رہی تھیں مگر شاہ ویر بنگش پر سحر جمود ہو چکا تھا۔ اس کی ساری دنیا پلٹ کر رہ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اندازہ ہوا لوگ آپ کے سچ کے حقدار نہیں ہوتے، اب سے وہ کاذبین کی فہرست میں صف اول ہو گا یہ اس نے عہد کیا۔ ماں باپ کی کوئی تسلی اس کے دل پر جمی کثافت کو نہیں دھو سکتی تھی۔

★★★★★★★★★

بہت دیر تک دونوں کے مابین خاموشی کا طویل وقفہ در آیا۔ شاہ ویر کی آنکھیں اس کی اپنی نہیں لگتی تھیں۔ ان میں ملال پرت در پرت رچا بسا تھا۔ بہت دیر بعد اس نے سابقہ یاسیت سے آراہ کو دیکھا۔ "ایک نو سال کے بچے کو تھیراپی کے لیے بھیجنا، اسے سونے سے پہلے دوائیں کھلانا، اس کے لیے ہر وقت ایک پہرے دار رکھنا یا پھر اسے اپنے ہی بھائی سے الگ کر دینا کہاں کا انصاف تھا، آراہ؟" وہ چپ رہی کچھ نہ بولی۔

”مجھے زید کے بغیر ڈر نہیں لگتا تھا خود سے کراہیت آتی تھی۔کیا میں کوئی جانور تھا جسے یوں اکیلا کر دیا گیا؟ مجھے گلٹ ہوتا تھا کہ میں ایسا کیوں ہوں، میں زید جیسا کیوں نہیں؟ بابا اس کی طرف سے فکر مند نہیں ہوتے تھے تو میری طرف سے کیوں؟ لیکن اس روز ساری کراہیت، گلٹ، خوف سب ختم ہو گیا۔“

آراہ کی آنکھیں پوچھ رہی تھیں کب؟

”تب جب میرے باپ نے مجھے سچ بولنے پر ذلیل کیا، جب میری تابعداری میرے منہ پر نامہ اعمال کی طرح ماری گئی، اس رات میری ماں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب میں اداکاری نہیں کروں گا۔نہ اسٹیج، نہ تھیٹر، نہ اسکول پلے۔کیونکہ میں رش میں رہنے کے لائق نہیں۔بارہ سال میں مجھ سے میرے تمام خواب چھین لیے گئے۔کیا میں اس سب کا حقدار تھا؟“اس کی آواز گیلی تھی، دل بھاری۔”مجھ سے پوچھو میں نے پھر کیا کیا؟“

”کیا کیا؟“

”میں بہت رویا اس رات میں صرف ایکٹنگ کے لیے رویا پھر میں نے سچ بولنا چھوڑ دیا کیونکہ جھوٹ لوگوں کا پسندیدہ نغمہ ہے، مجھے جن سے نفرت تھی ان سے بھی ہنس ہنس کر بولنا شروع کر دیا، مجھ سے اداکاری چھینی گئی تو میں نے اصل زندگی کو ایک فلم سیٹ میں تبدیل کر دیا۔۔۔۔۔اور پھر ہماری زندگی میں ہماری تباہی آئی۔“وہ رکا، ڈھیر سارا لعاب نگلا۔”اس حادثے نے مجھ سے میری انسانیت بھی چھین لی۔اور میں نے چھن جانے دی۔“اس کی آواز ہلکی ہوتے ہوتے معدوم ہوتی چلی گئی۔

★★★★★★★★

طلال اور تمکنت ایک ہی گاڑی میں تھے جب ان کا حادثہ ہوا۔دونوں بری طرح زخمی ہوئے، زندہ دونوں رہے مگر طلال کوما میں جا چکے تھے۔تضاد یہ کہ اگلے ہی ہفتے ان دونوں کی فلم سازی، اور ہدایت کاری میں نشر ہونے والی فلم کو مذہبی بنیادوں پر بین کر دیا گیا۔کہنے والے کہتے تھے کہ عروج جتنا بلند ہو زوال اتنا ہی پست ہوتا ہے تمکنت اور طلال کا زوال ساری دنیا نے دیکھا۔یہ ایک ایسا دھچکا تھا جس نے تمکنت اور اس کے بچوں کی زندگی تہہ و بالا کر دی۔

اسے طلال کے گھر سے اس کے اپنے سسر نے نکال دیا، اکاؤنٹس فریز کروادیے اور جب طلال کا ساتھ نہ رہا تب اس کے سابقہ شوہر کا پیسہ اور طیش بھی کام میں آیا۔ احسان نے ہر ممکن کوشش کی کہ شوبز میں کوئی اسے کام نہ دے، اور نہ کوئی اس کے ساتھ کام کرے۔ سرمائے یوں بھی جامد ہو چکے تھے چھ ماہ کے اندر اندر اس پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ وہ جو شوبز کی ملکہ تھی اس نے ایک کنیز کی سی حیثیت حاصل کرلی۔

طلال کے والد کو اداکارہ سے بیر تھا اور تمکنت محبت میں اتنی اندھی رہی تھی کہ چند لاکھ کے علاوہ اس نے اپنے اثاثہ جات میں کچھ رکھا ہی نہیں تھا۔ شوہر کے اکاؤنٹس پر اس کے باپ بھائی قبضہ آور ہو گئے، کام ملنا بند ہو گیا اور یہاں سے اس کی زندگی کا سب سے تاریک باب شروع ہوا۔

"اظہار صاحب آپ ایک بار میری بات تو سن لیں۔ ایک فلم کے بین ہو جانے پر ساری انڈسٹری اس طرح مجھ سے قطع تعلق کیسے ہو سکتی ہے؟" ایک طرف مشینوں میں جکڑا اس کا باپ مدھم سانسیں لے رہا تھا وہیں دوسری طرف اس کی ماں فون پر ایک بار پھر کسی کی منت کرتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس کا لباس اب برانڈڈ نہیں رہا تھا، چہرہ پہلے جیسا خوبصورت بھی نہیں۔ شاہ ویر کو اسے اس طرح "اداکاری" کے لیے گڑگڑاتے دیکھ ایک کمینی سی خوشی ہوتی تھی۔

"تمہارے اور میرے تعلقات اچھے ہیں، تمکنت۔" دوسری جانب کوئی سبھاؤ سے بولا۔ "لیکن فلم کے بین ہونے کی بھی ایک وجہ ہوتی ہے تمہاری فلم مذہبی بنیادوں پر بین ہوئی ہے اور مذہب پر بات آجائے تو تم جانتی ہو یہاں مذہبی جنونیت کے نام پر کیا کیا ہو جاتا ہے اس لیے پلیز مجھے معاف ہی رکھو۔" یہ آخری انکار نہیں تھا اس نے کئی اور لوگوں کو کال ملائی اور سب کا جواب وہی۔ ناں، نہیں، انکار، اعتراض۔ کھڑکی سے طلوع ہوتا سورج جب تک غروب ہوا اس نے تب تک انکار ہی سنے۔

شام کے سائے ڈھل گئے جب وہ تھک ہار کر ہسپتال چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ بڑی بڑی گاڑیوں کا دور گزر چکا تھا اب وہ کسی پرانے ماڈل کی چھوٹی سی گاڑی میں سفر کر رہے تھے جو کہ ایک سنسان سڑک پر خراب ہو چکی تھی۔ سورج کی نارنجی کرنیں شیشے کے پار سے آتی ان دونوں کے چہرے منور کر رہی تھیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی

نشستوں پر سر گرائے ہوئے تھے۔ سامنے محض طویل شاہراہ نہیں زندگی بھی تھی۔ وہ دونوں سفر سے تھک چکے تھے۔

"تمہیں پتا ہے شاہ ویر ایک انسان کو زندگی میں کون سی تین چیزیں درکار ہوتی ہیں؟" بہت دیر بعد وہ ہلکی آواز میں گویا ہوئی۔

"کون سی؟" شاہ ویر بھی سامنے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پیسہ، طاقت، شہرت۔" وہ اسے غلط سے پر غلط پاٹ پڑھا رہی تھی، اسے علم نہیں تھا وہ ان لفظوں کو سونے کے ورق میں لپیٹ کر دل کے اعلیٰ خانے میں رکھ رہا تھا۔ "پیسہ بقا ہے، طاقت امر اور شہرت جینے کا لازمی جز۔ جس انسان کے پاس شہرت نہیں ہوتی وہ "شخص" رہتا ہے کبھی "شخصیت" نہیں بن پاتا۔ اگر تم ہماری زندگی دیکھو تو چند ماہ پہلے ہم کیا تھے؟" وہ بے حد غور سے اپنی ماں کی ساری بات سن رہا تھا۔ "ہم شاہ تھے، ویر اور آج؟ فقیر بھی نہیں کیونکہ ہم مشہور نہیں ہیں۔ دنیا ہمیں بھول رہی ہے۔ ایک اور بات یاد رکھنا اپنی شہرت میں کسی کو حصے دار مت بنانا میرا حصے دار طلال تھا اور اس کے حصے میں میری شہرت کا بڑا حصہ آگیا یوں کہ مجھے علم ہی نہ ہو سکا۔ وہ بر طرف ہوا ہے تو اندازہ ہو رہا ہے شہرت بانٹنے کی شے نہیں ہوتی۔"

اس نے شاہ ویر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ "تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم شہرت حاصل کرو گے۔ چھین کر، غصب کر کے، دھوکے سے یا پھر کسی بھی طرح۔ لیکن تم غیر مشہور مرو گے نہیں۔ تمہیں لوگوں کو اپنے تابع کرنا ہو گا تاکہ وہ تمہارے کام آسکیں۔ تم انہیں پسند نہ بھی کرو تب بھی تم تعلقات بناؤ گے چاہے جعلی ہی سہی لیکن تمہارا ایک حلقہ احباب ہو گا۔ تم کبھی تنہا نہیں ہو گے، ویر جیسے آج میں تنہا ہوں۔ میں نے طلال کے علاوہ دوست بنائے ہی نہیں تھے۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ شاہ ویر نے اپنے ہاتھوں سے اس کا چہرہ صاف کیا۔

"میں وہ سب کروں گا جو آپ چاہتی ہیں پلیز ڈونٹ کرائے۔"

اگلے چند دنوں میں اس کا رویہ اسکول میں بدل گیا۔ وہ اساتذہ کی بلاوجہ تعریف کرنے لگا، ان کے آگے پیچھے گھومتا ہر حکم بجالاتا، ایک استاد کی بات دوسرے سے کر کے ان کا اعتماد حاصل کرتا۔ جو بچے اسے ناپسند تھے ان کے

درمیان رہنے کے بھی بہانے اور مواقع تلاش کیے، انہیں محظوظ کرنے کے لیے اب وہ لطیفے سناتا، دنیا جہاں کی باتیں بتاتا اور بعض دفعہ راز۔۔۔۔۔۔ایک دوسرے کے متعلق راز، اور چغلی بچا، بوڑھا، عورت مرد تجسس کی بیماری ہر ایک کو ہوتی ہے اس نے یہ بیماری کسی وبا کی طرح پھیلائی۔لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے، اس کے ماں باپ کا اسکینڈل بھلایا جانے لگا اور اب وہ دعوتوں میں دوبارہ مدعو ہونے لگا۔اسے کسی طلال اور تمکنت کے نام کی ضرورت نہ رہی۔

طلال کے کومہ کو ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا وہ تیرہ سال کا تھا خوبصورت اور دل چھونے والی باتیں کرتا تو لڑکیاں بلاوجہ ہی اس کے گرد منڈلانے لگیں۔ بلاخر جعلی اور جھوٹا ہی سہی، مطلبی اور فریب کار ہی سہی مگر اب اس کا اپنا بھی ایک دائرہ تھا۔جہاں لوگ تھے، پیسہ تھا، اور اس کا اپنا ایک نام تھا۔ اسے لگا زندگی گزارنے کو محض مکر کافی ہے مگر اس کا یہ خیالی بلبلہ اگلے ہی دن ٹوٹا تھا۔اس بری طرح کہ کئی ہفتے شیشے اس کے کانوں اور آنکھوں میں چبھتے رہے تھے۔

★★★★★★★★★★★

"ایک جعلی دن گزارنے کے بعد کیسی رات ہوتی تھی جانتی ہو؟"

ہلکی روشنی اور پانی کی ٹپ ٹپ ویسی ہی تھی۔شاہ ویر کی یاسیت بھری آواز بھی ویسی۔اس کی آنکھیں، چہرہ، انداز یہاں تک کہ اس کی چلتی سانس بھی اس وقت ماضی کے غموں پر مغموم تھی۔"جب میں رات کو بستر پر آکر سوتا تھا تب سوچتا تھا اگلی صبح یہ فریب ختم کردوں گا، بہت ہوگئی اداکاری اب بس مگر میں ایسا نہیں کرپاتا تھا۔"

"کیونکہ تم لالچی تھے۔"آراہ کے طنز بھرے نشتر اس کے دل میں کھبے۔

وہ زخمی سا مسکرایا۔دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔"میں ایک اداکار تھا، آراہ۔زندگی میرا تھیٹر، اسٹیج اور سیٹ سب۔۔۔۔۔میں اگر اس شوق سے جاتا تو شاید جان سے بھی جاتا۔" وہ لب بھینچے سرد مہری سے اسے تکتی رہی، شاہ ویر سر جھٹکتے دوبارہ کہنا شروع ہوچکا تھا۔ماضی اس کا پسندیدہ موضوع نہیں تھا مگر وہ اس پر بات کرسکتا تھا۔

وہ اسکول کے بعد اسسٹنٹ کمشنر کے بیٹے معاذ کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف جا رہا تھا جب اس کے سر پر کوئی بھاری شے آ کر لگی۔ وہ کراہا، چیخا، اور اسے خون نظر آیا۔ کسی نے اس کے منہ پر رومال رکھا اور اس کے چند سیکنڈ بعد کوئی اور منظر اسے یاد نہ رہا۔ جس وقت اسے ہوش آیا اس نے خود کو قید پایا۔ اس کے ساتھ ساتھ معاذ بھی تھا مگر وہ اب تک بے ہوش تھا۔ شاہ ویر بھاری ہوتے سر کے ساتھ اپنے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ کاٹھ کباڑ کے درمیان دو کرسیاں تھیں جن میں سے پر وہ تھا اور دوسری پر اسی کا ہم عمر۔

"یہ دوسرا بچہ کون ہے، اس کو ساتھ کیوں لایا ہے؟" اسے کسی کی درشت آواز سنائی دی۔

"کمشنر کے بیٹے کے ساتھ تھا، اپنے پاس وقت نہیں تھا اٹھانا پڑا اور کیا کرتا؟"

"اب ہم اس کا کریں گے کیا؟" پہلے آدمی کی آواز۔

"کیا کرنا ہے اس کا باپ تو کوما میں ہے اور ماں دنیا بھر کی (گالی) ہے ایسا کر اس کو مار پیٹ کر بغیر چہرے کے بازو اور پیروں کی تصویر بھیج دے کمشنر کو لگے گا اس کا بیٹا ہے اپنا کام ہو جائے گا۔ پیسہ تو ملے گا نا۔"

رسیوں کے درمیان جکڑا وہ تیرہ سالہ بچہ لرز رہا تھا۔ یہ قید، یہ صعوبت اس کے حصے میں صرف اس لیے آئی کیونکہ وہ "شخص" تھا؟ اس نے گردن گھما کر معاذ کو دیکھا وہ پرسکون سا سو رہا تھا کیونکہ وہ "شخصیت" تھا۔ اس کی رسیاں ڈھیلی تھیں اور شاہ ویر کی جلد تک چھل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے اغواکاروں نے اس کے بازو، اور ٹانگیں زخمی کر دی تھیں یہ ایذا مزید چلتی کہ اسپیکر پر کوئی اعلان ہونے لگا۔ تب تک معاذ بھی جاگ گیا تھا اور بری طرح رونے لگا تھا۔ شاہ ویر ان زخموں کے باوجود رویا نہیں تھا۔

"اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو ورنہ نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے، پولیس نے عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اور۔۔۔۔۔" شاہ ویر بنگش کی زندگی ایک بار پھر قدرے سست رفتار ہو گئی۔ باہر سے گولیوں کی آواز آ رہی تھی، اس نے دونوں اغواکاروں کو چیختے چلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ سراسیمہ نگاہوں سے اپنی زندگی کو تباہی کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کا اپنا چہرہ اب گیلا تھا اسے اپنے بابا کے پاس جانا تھا یکدم طلال اسے شدت سے یاد آنے لگے۔ وہ خاموش آنسو بہا رہا تھا۔

اغواکاروں میں سے ایک نے اسے کھولا اور دوسرے نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا اور دروازہ کھول کر باہر گیا۔اب وہ اس کے ماتھے پر پستول رکھے کھڑا تھا۔شاہ ویر بنگش کی سانسیں حلق میں گھٹ کر رہ گئیں، کچھ یاد تھا تو طلال، کسی چیز سے خوف آرہا تھا تو موت۔۔۔۔۔ محض موت۔

وہ سامنے دیکھ رہا تھا جہاں پولیس کی نفری بھاری تعداد میں موجود تھی۔عوام کے محافظ وہ اسے بھی بچا سکتے تھے۔

"اگر کسی نے بھی ایک قدم آگے بڑھایا یا حملے کی کوشش کی تو میں لڑکے کو گولی مار دوں گا۔"

دوربین کے ذریعہ پولیس دیکھ سکتی تھی یہ کمشنر کا بیٹا نہیں، اگر اسے کچھ ہوا بھی تو "کولیٹرول ڈیمج" کہلائے گا۔اغوا کار جانتے تھے یہ عام سا بچا ہے اگر اسے کچھ ہوا تو معاملہ زیادہ پھیلے گا نہیں اور ان دونوں کے درمیان کھڑا کانپتا لڑکا محض اتنا جانتا تھا کہ اس کے پاس کچھ ایسا نہیں جو اگلے کو خوف زدہ کرے۔

وہ اب رو نہیں رہا تھا، ایک لمحہ تھا جو آکر گزر گیا اور اس کے دل میں کوئی بے حسی کا بیج گاڑ گیا مستقبل میں اس کی جڑیں بے حد پختہ اور راسخ ہونے والی تھیں۔

"ٹارگٹ کے بازو کا نشانہ لو۔" افسر نے حکم دیا۔

"سر اس کے ساتھ ایک بچہ ہے۔"

"وہ بچہ معاذ نہیں ہماری نوکری معاذ کو بچا کر بچ سکتی ہے ٹارگٹ کے بازو کا نشانہ لو اور یہ آرڈر ہے۔"

"میں بچے کو شوٹ کر دوں گا۔۔۔۔۔"

"کسی بھی قسم کے انتہائی قدم سے دور رہو۔۔۔۔۔"

"شخص کو کوئی یاد نہیں رکھتا ۔۔۔۔پیسہ، طاقت ۔۔۔۔تم ایک سائیکو پیتھ ہو ۔۔۔۔۔تم پاگل ہو ۔۔۔۔۔۔شوٹ۔۔۔۔۔"

آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں، لانبی پلکوں والا وہ بچہ خشک آنکھوں سے سامنے دیکھ رہا تھا بازوؤں پر آہنی گرفت تھی، کنپٹی پر بندوق اسے اپنی موت اپنے قریب دکھائی دی۔عین اسی لمحے اسے اپنے بازو میں لاوا دھنستا ہوا محسوس ہوا۔پھر خون بہا۔۔۔۔۔پھر درد اٹھا۔۔۔۔۔پھر کیا ہوا اسے یاد نہیں رہا سوائے اس کے کہ اسے گولی

لگی تھی۔ ایک شخصیت کو بچانے کے لیے شخص کی قربانی دی جا چکی تھی۔ اسے یاد رہا کہ معاذ اندر ہے، ٹھیک ہے اور اس کے بازو سے خون بہہ رہا ہے کیونکہ۔۔۔۔۔

طاقت، پیسہ، شہرت اس کے پاس تینوں نہیں تھے۔ مستقبل میں یہ تمام چیزیں اس کے قدموں میں ہوں گی آنکھیں بند ہونے سے قبل اس نے خود سے عہد کیا۔

★★★★★★★★★

"اگلے دن جانتی ہو نیوز چینلز نے کیا دکھایا؟" وہ اب زمین پر چت لیٹا تھا، نگاہیں چھت پر مرکوز تھیں۔ "کمشنر وجاہت درانی کے بیٹے، معاذ درانی اغواکاروں سے بازیاب۔ پولیس کی جرات اور جواں مردی کو سلام جنہوں نے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر بچے کو بازیاب کروالیا۔ پولیس اور اغواکاروں کے درمیان مقابلے کے دوران اداکارہ تمکنت بنگش کا بیٹا زخمی۔۔۔۔" وہ ہنسا، طنز سے تضحیک سے۔

"میرے پیدا ہونے پر مجھے شاہ ویر بنگش نام دیا گیا، لیکن ٹی وی پر آتا نام میرا نہیں تھا۔ میں ہسپتال میں تھا درد سے تڑپتا ہوا۔ ظلم ہوا تھا میرے ساتھ مجھے قربانی کے طور پر پیش کیا۔ میں یہ ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔" اس کی آواز میں آنچ تھی، لفظ نشتر جیسے۔ "اس روز میں سمجھ گیا تھا اس دنیا میں جو ہے وہ "نام" ہے۔ نام نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ پیسہ نہیں تو تو تمہاری لاش بھی نہیں پوچھے گا اور اگر طاقت، پیسہ، شہرت تینوں اکٹھی مل جائیں تو پتا ہے کیا ہوتا ہے؟" اس کے کھنکتے لہجے میں مسروریت تھی۔ "انسان امر ہو جاتا ہے۔ مجھے امر ہونا تھا۔ مجھے مات نہیں کھانی تھی، بابا کی طرح، مجھے اپنی شہرت نہیں بانٹنی تھی مام کی طرح، رئیس کی طرح بقا کی خاطر کسی اور کا نام ساتھ نہیں لگانا تھا مجھے سب چاہیے تھا، ساری دنیا، ساری کائنات۔" وہ اٹھ بیٹھا۔ آراہ کی آنکھوں میں تکا۔

"اس سارے عرصے میں صرف ایک کام درست ہوا۔ دادا ہم سے ملنے لگے تھے۔ دادی ہر ہفتے ہمیں گھر بلانے لگی تھیں۔ میں اور شاہ زید ایک دفعہ پھر ونڈر لینڈ کے باسی بن گئے تھے لیکن۔۔۔۔۔"

"لیکن کیا؟" وہ دھڑکتے دل سے پوچھ بیٹھی۔

شاہ ویر مسکرایا۔ ”میں نے بتایا نا مجھے جو چاہیے تھا، کامل چاہیے تھا۔ اور جب نہیں ملا تو میں نے لے لیا۔ میں مزید چھوٹے موٹے کیڑوں کے سامنے پس نہیں سکتا تھا۔“

★★★★★★★★

”تم نے سنا دادا نے کیا کہا؟“ آشیانہ بنگش کے لان میں وہ دونوں نئے لگائے ہوئے پودوں کے ساتھ مشغول تھے جب شاہ ویر نے شاہ زید کو پکارا۔ ان سے ذرا فاصلے پر پائن کے درخت کے نیچے رکھی کرسی پر بیٹھی زیبا بیگم (طلال کی ماں) اپنے دونوں پوتوں کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے گھونٹ گھونٹ چائے پی رہی تھیں۔

”کیا کہا؟“ ماتھے پر گرتے بالوں والا زید مصروفیت سے بولا۔ وہ چھوٹی سی کدال کے ساتھ مٹی کھود رہا تھا۔ چہرے پر معصومیت رقم تھی۔

”بہرے تھے کیا؟“ شاہ ویر بگڑا۔ اس کے ایک ہاتھ پر اب بھی پلستر تھا۔ ”دادا نے کہا کہ اگر ہم دونوں مام کو چھوڑ کر آجائیں تو وہ ہمیں یہاں رکھ لیں گے۔“

زید ہول گیا۔ ”کوئی اپنی مام کو تھوڑی چھوڑتا ہے؟“

”بے وقوف ہم تھوڑی چھوڑیں گے؟ ہم دادا سے جھوٹ بول کر کچھ وقت ان کے ساتھ رہیں گے اور پھر روزانہ دادا کے لاکر سے تھوڑے تھوڑے پیسے مام کو دیتے جائیں گے جب بہت پیسے جمع ہو جائیں گے تب ہم مام کے پاس واپس چلے جائیں گے۔“

زید بھونچکا رہ گیا۔ وہ کدال چھوڑے اس کا تندرست بازو پکڑتے ہوئے اسے اپنے ساتھ نیچے بٹھا گیا۔ ”تم اور میں چوری نہیں کریں گے، ویر۔ میں تمہارا بڑا بھائی ہوں تمہیں میری بات ماننی ہوگی۔ اگر تمہیں پیسے چاہیے تو میں لا کر دوں گا۔“ شاہ ویر نے ملامت سے اسے دیکھا۔

”تمہاری سوچ وہی بچوں والی ہے ہم تیرہ سال کے ہیں، تیئیس کے نہیں۔ تم کچھ بھی کر کے ہم سب کی مدد نہیں کر سکتے۔“

"تو کیا تم کر سکتے ہو؟" شاہ ویر کی آنکھیں اسی رنگ میں ڈھلیں جس رنگ کے تحت آج تک طلال اس کی آنکھوں سے خوف کھاتے تھے۔ اسے گزشتہ روز کا قصہ یاد آیا۔

"اور پھر حق نواز نے اپنی بیگم سے کہا کہ۔۔۔۔۔۔"

"بس بھئی اب یہ کہانی کا وقت ختم کیجیے۔" زیبا کی آواز نے پڑھتے ہوئے شاہ ویر کو ٹوکا۔ اس کی دائیں طرف پلنگ پر نیم دراز زوراور بنگش مسکراتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

"کیوں ٹوکتی ہو اسے، ایک یہی تو ہے جس کی آواز نے ہمیں زندہ رکھا ہوا ہے، جس کی کہانیاں تلخ حال سے مفروری کا باعث ہیں۔" انہوں نے بالکل طلال ہی کی طرح شاہ ویر کو اپنے بازو کے حلقے میں لیا۔ وہ ان کے سینے پر سر رکھ گیا البتہ دل میں ہوک سی اٹھی۔ کہاں طلال کا وہ لمس اور کہاں یہ کھوکھلا لمس۔ خدا سے اسے کئی شکوے تھے مگر دعا وہ صرف طلال کی صحت کے لیے کرتا تھا۔ اس کا باپ بس اسے قریب چاہیے تھا۔

"میں تو کہتی ہوں ان دونوں کو یہیں رکھ لیں۔ ہفتے دو ہفتے میں کوئی ملاقات بھی بھلا ملاقات ہوئی؟" دودھ کا گلاس ان کی طرف بڑھاتی زیبا نے خفگی سے کہا۔

"میں نے تو شاہ ویر کو پیشکش دی ہے وہ جس دن قبول کرے گا ہم اسی دن ساتھ رہنے لگیں گے۔ اور یہ تم کیوں کر رہی ہو ملازم کدھر ہیں؟" انہوں نے دودھ کا گلاس اور نیند کی دوائی لیتے ہوئے پوچھا۔

"ان ملازماؤں کے آسرے لگے تو بہت جلد میں بیوہ کہلاؤں گی۔ کل آپ کو تین گولیاں نیند کی کھلا دی تھیں جب ہی تو آپ سہ پہر تک خراٹے لے رہے تھے کمبخت آپ کو مارنا ہی نہ چاہتی ہو۔"

"اب جو دن لکھے ہیں سو لکھے ہیں، اضافی نسخے ہمیں کیا ماریں گے؟" انہوں نے دوا پھانک لی۔ وہ بے حد غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا، البتہ اس نے یہ نہیں پوچھا کہ اضافی ڈوز سے کوئی مر بھی سکتا ہے کیا؟ یہ سوال اس کی فہرست میں شامل ہو گیا آج رات وہ گوگل سے یہی پوچھے گا۔ "سو شاہ ویر بنگش، کیا سوچا تم نے میری پیشکش قبول کرو گے یا نہیں؟" اسے اس کے خیالوں سے زوراور بنگش کی آواز نے نکالا۔

"وہ بچا ہے، اب بچوں سے بھی سودے بازی کریں گے؟"

زوراور نے اپنی بیوی کو نہیں دیکھا ان کی نگاہیں اپنے پوتے پر جمی رہیں۔ ”یہ ایک بنگش ہے ہمارا خون طاقت ور ہے زیبا۔ ایک بنگش کو اپنے فیصلے لینے آتے ہیں چاہے وہ تیرہ سال کا ہو چاہے تیئس کا۔ یہ ہمارا پوتا ہے ہمارا وارث۔“ ذات پات کا جو غرور اس کے دادا نے اس نے اندر انڈیلا تھا وہ تاعمر اس کے اندر رہنے والا تھا۔ ان چند ہفتوں کے اندر اندر وہ خود کو اعلیٰ گردانںے لگا تھا، بس ایک اس کی ذات اونچی باقی سب خام خیالی۔۔۔۔ بس ایک وہی اونچا باقی سب اس کے آگے ادنی۔

”میں نے گوگل کیا ہے، زید۔ اگر نیند کی گولیوں کا اضافی ڈوز کھالیا جائے تو انسان مر جاتا ہے، ہم دادا کو مار سکتے ہیں۔“ زید نے اسے دھکا دیا۔ وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ وہ دادا ہیں ہمارے ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟“

”ہم کر سکتے ہیں پاگل مت بنو، زیدو۔ سب میں کروں گا دادا کے مرنے سے ہمیں فائدہ ہوگا میں نے گوگل سے دیکھا ہے ساری جائیداد بابا کی اور بابا کی یعنی مام کی، ہم دوبارہ پہلے والی زندگی جیئیں گے۔ ہمیں دکھاوے کی ضرورت نہیں پڑے گی ابھی کیا ہے ہمارے پاس؟ وہ چھوٹا سا گھر؟ جہاں ہم کسی دوست کو انوائیٹ بھی نہیں کر سکتے، جہاں بارش کا پانی اندر آجاتا ہے، جہاں لائٹ کٹ جاتی ہے اور جہاں ہماری ضرورت کا کوئی سامان نہیں آ سکتا۔“

شاہ زید اس تیز تیز بولتے لڑکے کو دیکھے گیا۔ ان تمام مسائل سے وہ بھی واقف اور بے زار تھا مگر اس کا حل۔۔۔۔ اس کے پاس ایک ہی حل تھا اس کے بابا کومہ سے واپس آجائیں گے اور۔۔۔۔

”ہم بابا کے آنے کا انتظار نہیں کر سکتے۔“ زید ساکت رہ گیا۔ کیا وہ کمبخت اس کا دماغ پڑھ رہا تھا؟ ”دادا نے اسی سال گزار لیے ہیں اب اور کیا؟“ زید مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا اور پھر شاہ ویر نے قطعیت سے اسے چیختے سنا۔

”میں تمہارا ساتھ کبھی نہیں دوں گا۔ بابا واپس آئیں گے میں ان کو بتاؤں گا تم ایسا نہیں کر سکتے سمجھے تم؟“ شاہ ویر ناکام ہوا۔ اس رات اس نے خود سے ایک اور عہد کیا اپنے رازوں میں یکتا ہونے کا عہد، وہ اگلی بار کسی کو شامل

جرم نہیں کرے گا۔ وہ اپنی ہر بات محض خود تک رکھے گا۔ اور اگر وہ کسی کے روک جانے سے رکنے لگے تو تف ہو ایسے آگے بڑھنے پر۔

اس قصے کو کئی ہفتے بیت گئے، یہاں تک کہ شاہ زید اس ذکر کو بھی بھول بھال گیا۔ وہ دونوں دوبارہ معمولات پر لوٹ آئے۔ اسکول، گھر، پھر دادا کا مینشن، رات کو انہیں کتاب سنانا، ان کے ساتھ کھانا کھانا اور واپسی پر ان کے دیے کچھ پیسے لے کر دوبارہ اپنے ڈربے جیسے گھر آنا یا ہسپتال جا کر اپنے باپ کو خاموش سانسیں لیتے ہوئے دیکھنا۔

ایسی ہی ایک صبح زید کی نیند شور کے باعث کھلی۔ وہ کل رات دادا کے مینشن پر رکے تھے، شور کا تعین کرتا وہ بستر سے نیچے اتر آیا۔ آس پاس کئی ملازم تھے، کئی لوگ تھے، زید دادا کے کمرے کی طرف بھاگا جہاں شاہ ویر پلنگ پر کسی سیدھے، لٹھ ہوئے وجود کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سلک کے رومال کے ساتھ بار بار اپنی آنکھیں پونچھتا وہ مغموم تھا۔

"پوسٹ مارٹم؟" کوئی جھک کر زیبا کے کان میں کہہ رہا تھا اور وہ اونچا اونچا رو رہی تھیں۔ زید آگے آیا۔ ساکت، شل اور سفید پڑتی رنگت کے ساتھ وہ پلنگ کے سرہانے آ کر رکا۔ اس کا ایک سانس آ اور دوسرا جا رہا تھا۔

"بنگش خاندان کے فیصلے مرد لیتے ہیں طلال کوما میں ہے اور اس وقت اس گھر کے مرد شاہ ویر اور شاہ زید ہیں تمہیں ان سے پوچھنا چاہیے۔" دور کے کوئی رشتے دار کہہ رہے تھے۔ شاہ زید نیم والبوں سے اپنے دادا کی بند آنکھیں تک رہا تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر شاہ ویر کو دیکھا، وہ فرش کو تک رہا تھا آنسو ٹپ ٹپ گود میں گر رہے تھے۔

"شاہ ویر تم کیا کہتے ہو؟"

"میں اپنے دادا کو مزید کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔" چند ماہ کے اندر اندر اس نے زور اور بنگش کا رکھ رکھاؤ اور لہجہ سیکھ لیا تھا۔ "پوسٹ مارٹم نہیں ہو گا۔" فیصلہ ہو گیا تھا، چاہے وہ تیرہ چودہ سال کا لڑکا تھا لیکن وہ اس گھر کا مرد تھا۔ زید کا دل کیا وہ دھاڑے مار مار کر روئے۔ اس گھر کا دوسرا مرد کپکپاتے ہاتھوں سے دراز کھول رہا تھا۔ وہاں دادا کی دوائیاں تھی اس نے نیند کی گولیوں کی ڈبیا اٹھائی وہ ہلکی تھی وہ جتنی ہلکی تھی زید کا دل اتنا بھاری ہوا۔ وہ بلند آواز میں گریہ کرنے لگا۔ دل میں کوئی گہرا زخم گڑھ گیا تھا۔ اللہ۔۔۔۔ اللہ۔۔۔۔۔۔ اسے دیر ہو گئی تھی۔

یہ زوراور بنگش کی موت کا غم نہیں تھا، یہ اپنے بھائی کے قاتل ہونے کا رنج تھا۔ اگلے کئی لمحوں میں اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو شاہ ویر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے دیکھا اور اسے نفرت ہوئی، زندگی میں پہلی بار اپنی ماں سے نفرت ہوئی وہ جان گیا تھا شاہ ویر کو حوصلہ دینے والے ہاتھ کس کے ہیں۔

★★★★★★★

اس کے دل میں جلتے بھانبھڑوں نے اسے چین کی سانس لینے نہ دیا۔ جنازے کے عین دس منٹ بعد وہ شاہ ویر کا بازو پکڑے اسے اپنے اور اس کے مشترکہ کمرے میں لے آیا، اور عین وسط میں اسے چھوڑا وہ گرتے گرتے بچا۔

"میں جانتا ہوں یہ سب تم نے کیا ہے میں سب جانتا ہوں۔" وہ حلق کے بل غرا رہا تھا۔ "میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا کبھی بھی نہیں تم۔۔۔۔۔۔ تم جانور ہو میں دادی کو بتاؤں گا میں بابا کو بتاؤں گا۔" زید کا لہجہ اور آواز آج مختلف تھی۔

"میں نے یہ سب ہمارے لیے کیا ہے۔"

"تم نے سب اپنے لیے کیا ہے تم لالچی ہو تم میرے بھائی نہیں ہو میں بابا کو بتاؤں گا۔" وہ چیخ رہا تھا، رو رہا تھا اس کی آواز اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔ "میں سب کچھ بابا کو بتاؤں گا۔"

"اگر تم نے کسی کو کچھ بھی بتایا تو میں خود کو مار دوں گا۔"

"مجھے ڈراؤ مت میں تمہاری دھمکیوں میں نہیں آؤں گا۔" وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں گرجا۔ اس وقت وہ طلال کی شبیہہ لگ رہا تھا، اس وقت وہ جنونی ہو رہا تھا۔ اس وقت وہ ایک بنگش تھا۔

"تم پوری طرح پاگل ہو چکے ہو ڈاکٹر کہتا تھا۔۔۔ وہ اور بابا بالکل صحیح کہتے تھے تم پاگل ہو۔ تمہارا دماغ خراب ہے اور تم کبھی بھی کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہو۔ اوہ گاڈ...... اوہ گاڈ تم نے دادا کو مار دیا؟" وہ رو رہا تھا، تاسف کر رہا تھا اس وقت اس کا بس نہیں چلتا تھا کسی طرح وہ اپنے محبوب بھائی کی غلطی سدھار لے۔ "تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟"

"تم بھی مجھے پاگل سمجھتے ہو؟" آن کی آن کمبخت کا لہجہ بدلا، آنکھیں بدلیں، تاثر بدلا۔ زید ٹھہر گیا۔ "میں پاگل ہی تو ہوں جو تم سب کا سوچتا ہوں۔ تمہارا، مام کا، بابا کا، تاج اور رئیس کا لیکن تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں تو پاگل ہوں۔ تم کیا بابا کو بتاؤ گے میں تم سے پہلے پولیس کو بتاؤں گا تاکہ وہ مجھے برباد کر دیں۔" زید کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑا۔ اسے پولیس کے متعلق اتنا معلوم تھا کہ وہ بہت مارتے ہیں کوئی ان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ گھر سے دور ہو جاتا ہے۔

"میں تمہیں اس سب میں سپورٹ نہیں کر سکتا۔" آنکھیں رگڑتے قطعیت سے کہا۔ "تم نے دادا کو مارا ہے۔"

"ٹھیک ہے مت کرو، اس سے اچھا ہے کہ میں خود کو مار دوں۔ تم سے اتنی محبت کرتا ہوں اگر تم ہی مجھے غلط سمجھو گے تو میں۔۔۔۔ میرے زندہ رہنے کا کیا فائدہ؟" شاہ زید اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ایک مایا ناز اداکارہ اور ہدایت کار کی اولاد ہوتے ہی وہ بھی وہ اس وقت یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کا بھائی اداکاری کر رہا ہے۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"نہیں تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں ابھی دادو کے پاس جاتا ہوں ان کو سب بتاتا ہوں پھر وہ مجھے جیل بھیج دیں گی تو تم خوش ہو جانا اوکے؟" وہ ابھی دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ زید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ "مجھے جانے دو زید و تمہیں میں پاگل لگتا ہوں۔ بابا کو جب سب پتا چلے گا وہ ویسے بھی مجھے ہیٹ کریں گے میں نے غلطی کی ہے تم سب کا سوچ کر let me pay for it"

"آئی ایم سوری۔" زید رو دیا۔ وہ دنیا تیاگ سکتا تھا لیکن شاہ ویر کو اس کی وجہ سے کوئی تکلیف ہو یہ ناممکنات میں سے تھا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی زید۔" وہ دروازے کے ساتھ لگ کر نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ آنکھیں بہہ رہی تھیں۔ "میں جانتا ہوں مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا تھا آئی ایم سوری پلیز تم بابا سے کچھ مت کہنا۔ پلیز زید، وعدہ کرو مجھ سے۔ اگر تم نے ان سے کچھ کہا تو میں خود کو مار دوں گا۔ میں نے جو کیا مام کے کہنے پر کیا۔"

وہ اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن وہ موم ہو چکا تھا۔ ”تم دوبارہ ایسا نہیں کرو گے؟“ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے تسلی چاہی۔ یوں گویا وہ کمبخت پھرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

شاہ ویر نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں کبھی بھی دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔“ زید اس کی آنکھیں پڑھنے میں ناکام رہا جہاں جلی حروف میں لکھا تھا..... ایک دفعہ، دو دفعہ، تین دفعہ یا ہزار دفعہ جتنی دفعہ موقع ملا کروں گا، اس سے بدتر، بدترین سب کروں گا۔ اس کا ہاتھ تھپکتے اس کے آنسو صاف کرتے زید یہ نہیں جانتا تھا وہ مستقبل کے لیے ایک بھیڑیا تشکیل دے رہا تھا۔ محبت بعض دفعہ آپ انسان کی چھٹی حس تباہ کر دیتی ہے شاہ زید کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

چند ہفتوں کے اندر اندر زندگی تبدیل ہو کر رہ گئی۔ شوہر کی وفات کے بعد زیبا تنہا تھیں اور اس تنہائی کے ساتھی ان کے اپنے دو پوتے۔ راہیں تمکنت اور اس کی باقی اولاد کے لیے بھی ہموار ہوتی چلی گئیں۔ بلاآخر لڑکھڑاتے قدم لیتی زندگی اب سبھاؤ سے چلنے لگی تھی۔ روپے پیسے کی ریل پیل دوبارہ شروع ہو گئی، آسودگی اس گھر کی پہرے دار ہو گئی، رفتہ رفتہ طلال کی حالت میں بھی سدھار آنے لگ گیا تھا۔

اس رات جب وہ واپس زندگی کی طرف لوٹے تب پہلی بار دیوار گیر کھڑکی کے ساتھ کھڑی تمکنت نے شاہ ویر کو محبت اور حوصلے سے دیکھا۔ اپنا ہاتھ اس کا کندھے پر رکھا اور اسے سراہا۔ ”تم نے جو کیا بالکل درست کیا۔“ عقل و فہم سے فاصلے، لالچ اور حرص کے قریب تر کھڑی عورت یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شیر کے منہ کو خون لگا چکی ہے اب شکار کا بچنا امر محال تھا۔

★★★★★★★★★★

”وہ تمہارے دادا تھے۔“ آراہ نے بے یقینی سے کہا۔

”وہ محض ایک کانٹا تھا جو میرے راستے میں آ رہا تھا۔ تعلقات تب تک نبھانے چاہئیں جب تک وہ آپ کے گلے کی ہڈی نہ بنیں جس دن وہ گلے کی ہڈی میں تبدیل ہوں انہیں چیخ دینا چاہیے۔“

”یہ تمہاری سائیکو پیتھک تھیوری ہے رائٹ؟“

”رائٹ!“ بغیر کسی اختلاف کے اس نے سر تسلیم خم کیا۔ ”تمہیں کیا لگتا ہے میں اب جرح کروں گا، خود کو مظلوم ٹھہراؤں گا، یا پھر میں کہوں گا مجھے ذہنی مریض مت کہو؟“ اس نے ساتھ رکھی بیئر کا کین کھولا اور آراہ کو دیکھا۔

”نہ ۔۔۔۔ ایسا نہیں ہو گا۔ میرے باپ نے مجھے ملازمین اور میرے بہن بھائیوں کے سامنے پاگل اور ذہنی مریض کہہ کر میرا دل سُن کر دیا تھا۔ اب کوئی اور مجھے اس لقب سے پکارے تو خوشی ہوتی ہے سوائے تمہارے ۔۔۔۔“ دو سے تین گھونٹ بھر کر اس نے کین واپس رکھا۔ آراہ کو اس سے اس سے کراہیت آئی۔

”تم نے میرے سُن ہوئے دل میں دوبارہ جذبات جگائے تھے، تم نے اسے (دل پر ہاتھ رکھا) آباد کیا ہے تم اس بیابان کی آخری اور محبوب مکین ہو۔ میں تمہیں تا عمر یہیں قید رکھوں گا لہٰذا اپنے الفاظ درست رکھو، حوصلے بلند، اور سماعتیں اونچی۔ ابھی تو تمہیں مجھے اور جاننا ہے۔“

”تم نے میرے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟“ سوال تھا کہ چابک۔ شاہ ویر کی رنگت بدل کر رہ گئی۔ یہ اس کی زندگی کا واحد سیاہ باب تھا جسے وہ کسی اور رنگ میں تبدیل کرنا چاہتا تھا۔

★★★★★★★★

"شاہ ویر بنگش کے انارا طارون کو اغوا کرنے کے چند دن قبل!"

دروازے کے اوپر بنے چھجے تلے کھڑی وہ خود کو بارش سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی اور بہت بری طرح ناکام بھی ہو رہی تھی۔ عمودی خط کبھی دروازے کی جانب برستا، کبھی سڑک کی طرف، کبھی یوں لگتا کہ اب تھمے گا اور کبھی یوں کہ اب کبھی نہیں تھمنا ہے۔ عالمگیر نے اپنی رہائی کی خوشی میں ایک دعوت کا منصوبہ بنایا تھا اسے وہیں پہنچنا تھا مگر مشکل لگ رہا تھا۔

لعل یمن کا بڑا سا دروازہ کُھلا، اسلان نے یافث کی گاڑی باہر نکالی، دروازے پر تالا چڑھایا ابھی وہ بارش سے بچتا ہوا واپس گاڑی میں آ کر بیٹھتا کہ بجلی زور سے چمکی، اور اسی چمک میں اس نے پھولوں کی بیل سے آراستہ چھجے کے نیچے کھڑی لڑکی کو دیکھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ بارش بھول گیا، وہ بارش کے پانی کا خود کو بھگونا بھول گیا، یہاں تک کہ وہ پلک جھپکنا بھی بھول گیا۔

بجلی زور سے گرجی، اوراسی گرج میں اس کے حواس بحال ہوئے۔ وہ واپس گاڑی میں بیٹھا البتہ اس مرتبہ انداز میں سست روی تھی۔ اور نگاہیں بھٹک بھٹک کر اس تک جارہی تھیں۔ جو موبائل پر کوئی کال ملا رہی تھی۔

"آپ عالم کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟" کھلتے گلابی رنگ کے پیروں کو چھوتے لباس میں موبائل پر کھٹ کھٹ انگلیاں چلاتی وہ اس کی طرح مڑی، سخت نظروں سے اسے دیکھا۔

"غلطی کردی اب سزا بھگت رہی ہوں۔" اسلان زیر لب مسکرایا۔ اسٹیئرنگ وہیل پر چہرہ گرائے، بازو سینے پر باندھے اب وہ فرصت سے اسے دیکھے گیا۔ جو بے زار سی موبائل پر انگلیاں چلارہی تھی۔

"جی آپ آگئے؟ مجھے آپ کی گاڑی نظر نہیں آرہی۔" وہ موبائل پر کسی سے کہہ رہی تھی۔ "ارے ایسے کیسے رائیڈ کینسل کرسکتے ہیں آپ ہیلو۔۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔؟" ٹوں ٹوں کی آواز کے ساتھ رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ وہ پیر پٹخ کر رہ گئی۔ اسلان اب تک اس کا حلیہ حفظ کرچکا تھا۔ اس کا لباس ڈھیلا مگر خوبصورت تھا۔ بالوں کی چٹیا کندھے پر پڑی تھی کچھ لٹیں چہرے پر بھی جھول رہی تھیں، جو کہ اب گیلی ہوگئی تھیں۔ اس کے سیاہ کورٹ شوز بھیگ رہے تھے کلائی میں بندھا طلائی چمک والا بریسلیٹ چمک رہا تھا، وہ البتہ اس کی جھنجھلاہٹ سے حظ اٹھا رہا تھا۔

"تم کیا دیکھ رہے ہو؟" جب کسی پر بس نہ چلا تو وہ اس کی طرف مڑی۔

"میں؟" اس نے سینے پر انگلی رکھے بھولپن سے پوچھا۔ "میں آپ کو غلطی کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"

بنفشہ کے سر پر لگی تلووں میں بجھی۔ "یہاں سے جاتے ہوتے ہوئے نظر آؤ۔"

"کوئی جبر ہے کیا؟" وہ تن ہی گیا۔

"ہاں ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر مجھے یہ جبر پسند آرہا ہے۔ اور کریں۔" وہ اسی طرح چہرہ اسٹیئرنگ وہیل پر گرائے اسے تکتے ہوئے سادگی سے کہہ رہا تھا۔ "پوری شدت سے کریں۔"

وہ رخ موڑ گئی اور دوبارہ موبائل پر رائیڈ بک کروانے کے جتن کرنے لگی۔ اسلان نے اس سے نگاہ ہٹالی، گاہے بگاہے وہ اس کی جھنجھلاہٹ دیکھ رہا تھا البتہ گاڑی آگے نہ بڑھائی۔

"محلے والے کیا سوچیں گے، اسلان؟ تم جاؤ یہاں سے میں تھوڑی دیر تک ریستوران پہنچ جاؤں گی۔" اب کے اس نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں گی، اس بارش میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"میں نہیں آؤں گی۔"

"پھر میں نہیں جا رہا۔" بنفشہ تھم گئی۔ تڑاتڑ برستی بارش کی پرواہ کیے بغیر وہ آگے آئی گاڑی کی کھڑکی پر ہاتھ رکھے ہلکا سا جھکی۔ اندر جلتی زرد بتی کی روشنی اب اس کے چہرے پر بھی پڑ رہی تھی۔

"کبھی تم مجھے جانے سے روکتے ہو اور کبھی میرے لیے رک جاتے ہو، کبھی سوچا ہے کیوں؟"

"بعض معاملات میں سوچنے کی نوبت نہیں آتی انسان جانتا ہے "کیوں""

"ٹھیک ہے پھر اپنے علم کے دروازے ذرا میرے لیے بھی کھول دو۔ میں بھی جاننا چاہتی ہوں۔ "کیوں"۔" اس کی نگاہوں میں استفسار براجمان تھا۔ اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتا، اس کے سامنے آکر رکا۔

"بھیگ جاؤ گی، اندر بیٹھو۔" اس نے گاڑی کا دروازہ بنفشہ کے لیے کھول دیا، دور کہیں وہ جانتا تھا کھلنے والا دروازہ محض گاڑی کا نہیں۔ وہ کتنے ہی لمحے گردن اٹھائے اس کی آنکھوں میں تکتی رہی۔ تھا تو وہ فریب کار پھر اس کی آنکھیں۔۔۔۔۔۔ وہ ان آنکھوں میں جب بھی کچھ تلاشتی تو یاسیت کیوں ملتی تھی؟

"بنفشہ پلیز۔۔۔۔" وہ اسی مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ بنفشہ نے نگاہ اس سے ہٹائی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اسلان نے اس کی قمیص کا ڈھلکتا دامن گاڑی کے اندر کرتے دروازہ بند کیا اور دوسری طرف سے آکر اپنی نشست پر بیٹھا۔

"تم میری عادتیں خراب کر رہے ہو۔" وہ کہہ بیٹھی۔

"آپ میری عادتیں خراب کر چکی ہیں۔" وہ سرسری سا کہتا گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔ دور کہیں وہ دونوں جانتے تھے آگے بڑھنے والی صرف گاڑی نہیں تھی۔

"کیسی عادتیں؟"

"بہت ہیں، کہاں کہاں سے شروع کروں؟" اسلان نے گردن ترچھی کر کے اپنی متکلم کو دیکھا، وہ ہنوز مستفسر تھی۔ "چار سال لوگوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا، لوگوں کے ساتھ راز بانٹنا چھوڑ دیا تھا، غصے یا پھر جذبات میں آکر اپنی تکلیف کہنا چھوڑ دی تھی میں misunderstood تھا وہی رہنا چاہتا تھا اور پھر تم آگئی۔" اس کا مدھم اعترافی لہجہ، لاہور کی بارش بنفشہ احسان پر سحر جمود ہو چکا تھا۔

"جانے والوں کو باہر کا راستہ دکھاتا تھا میں اور تمہیں روک رہا ہوں۔ کسی کو میری ضرورت ہو تب بھی نظر انداز کرتا تھا کہ تعلق نہ بڑھے، امید نہ ملے اور تمہیں مدد کی پیشکش کر رہا ہوں۔ کوئی ایک سنائے تو دس سناتا ہوں میں تم سے سن رہا ہوں کیا کر رہی ہو تم میرے ساتھ، کوئی کسی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟" وہ جو اسے بولتے ہوئے سننے کی خواہشمند رہی تھی اس کے کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ نظر ملانا مشکل ہو گیا اور سانس۔۔۔۔؟ وہ تو گھٹ کر حلق میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ وہ رخ پھیر گئی، اور کھڑکی سے باہر گاڑیاں دیکھنے لگی۔

"تم میرے ساتھ غلط کر رہی ہو اور میں روک نہیں پا رہا نہ تمہیں نہ خود کو۔"

وہ مڑی۔ "اسلان تم ٹھیک ہو؟" اس نے تفکر سے پوچھا۔

"ٹھیک تھا۔ میں الجھا ہوا اور نہ سمجھ میں آنے والا ٹھیک تھا تم نے میری ترتیب بگاڑ دی ہے۔" یہ گلا تھا یا شاید نہیں تھا؟

"اپنی زندگی بغیر کسی آسرے، خوش فہمی اور سہارے کے گزار رہی تھی میں اور پھر تم آگئے۔ میرے زخموں کی پرواہ کرتے ہو تم، میرا بوجھ اٹھا لیتے ہو، میرے لیے دنیا سے لڑ رہے ہو جو محاذ میرے تھے وہاں آکر میرے ساتھ کھڑے ہو گئے ہو تم۔ اندازہ ہے تمہارے پلٹ جانے پر میرے ساتھ کیا ہو سکتا ہے؟" وہ آنکھیں اٹھائے اسے کٹہرے میں کھڑا کر چکی تھی، وکیل کوئی نہیں، صفائیاں کئی اور فیصلہ؟ وہ دونوں کرنے سے قاصر۔

سڑک پر بے تحاشا رش، ہارنز کی چنگھاڑتی آواز اور بجلی کی ایک زوردار کڑک کے درمیان اسلان یمن نے چہرہ پھیر کر اسے دیکھا، چند لمحے دیکھتا ہی رہا۔ پھر بہت مضبوط لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے میں پلٹنے کے لیے ساتھ کھڑا ہوا تھا؟"

راستہ کھل گیا، بارش یکدم ہلکی ہوئی، شور تھم گیا مگر نہ اسلان یمن کی گاڑی آگے بڑھی، نہ نگاہوں کا ارتکاز ٹوٹا، نہ دونوں کی دھڑکنوں کی رفتار کم ہوئی۔ وقت یہیں کہیں تھم چکا تھا، سر راہ، ہمیشہ کے لیے۔ اس نے جواب دینے کے لیے لب واہی کیے تھے کہ اسلان کا موبائل بجا، اس نے بنا دیکھے کال اٹینڈ کی۔ "فرمائیں۔" چبا چبا کر کہا۔

"بنفشہ کو اپنے ساتھ لے آنا ہم سب ہوٹل پہنچ گئے ہیں۔" دوسری طرف عالم بشاشیت سے کہہ رہا تھا۔ "ایئرپورٹ روڈ سے مت آنا وہاں دو گھنٹوں سے ٹریفک جام ہے۔"

"اوکے۔" اسلان نے کال کاٹ کر موبائل واپس رکھا، ساتھ بنفشہ کی سیٹ کی پشت پر ہاتھ رکھے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ وہیل موڑتے وہ گاڑی گھما رہا تھا۔ نگاہیں عقب میں دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کہا سر نے؟"

"سر کہہ رہے ہیں ایئرپورٹ روڈ سے آؤ باقی سارے راستے بند ہیں۔" گاڑی کی منزل بدلتے وہ بڑبڑایا۔ جھوٹ بولتے ہوئے اسے نہیں پتا تھا کیوں مگر گاڑی موڑتے ہوئے ایک نگاہ اپنے ساتھ والی نشست پر ڈالتے ہوئے وہ جان گیا تھا "کیوں" اس وقت اسے صرف اور صرف اس عورت کے ساتھ رہنا تھا۔ بہت عرصے بعد وہ خود پر کوئی در کھول رہا تھا۔ کون سا بھلا؟

★★★★★★★★★

عالمگیر کی رہائی کے چند دن بعد!

"مجھے لگتا ہے ہمیں روشن کی دوسری بیٹی سے بھی ملنا چاہیے۔" اسٹور میں بیٹھا عالمگیر سہراب سے کہہ رہا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، کسی گہری سوچ میں تھا۔ "بھائی صاحب میں آپ سے محو گفتگو ہوں کچھ ارشاد فرمائیں گے؟" سہراب نے بے دھیانی میں چونک کر اسے دیکھا، اس کی آنکھیں۔۔۔۔۔ عالم کی آنکھیں اسے چند دن پیچھے لے گئیں وہاں جہاں سوچوں کے نئے در اس پر بھی کھلے تھے۔

ضارم کے قتل کے بعد چند روز درمیان سے کھسیانی بلی کی طرح دبے پیر نکل گئے۔ صبحیں کافور زدہ تھیں اور راتیں بے نُور۔

سہراب یمن لیپ ٹاپ ہاتھ گود میں رکھے کچھ ٹائپ کر رہا تھا جب عبیر اپنا نیا ٹیب لے کر اس کے پاس آئی تھی۔

"بڑے ابا۔۔۔"سکرین پر نگاہیں جھکائے اس نے سہراب کو پکارا۔لیپ ٹاپ ایک طرف کر کے سہراب نے اسے اوپر صوفے پر بٹھایا اور اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوا۔ویسے جیسے عالم ہوتا تھا۔

"جی بڑے ابا کی جان؟"

"میرا کارٹون نہیں چل رہا،اور بابا کب آئیں گے؟"

"بابا بس بہت جلد آئیں گے مجھے دکھاؤ یہ کارٹون کیوں نہیں چل رہا اس کی اتنی جرات؟"اس نے عبیر کے ہاتھ سے ٹیب لے لیا۔اس گھر کے مرد آپس میں ایک دوسرے کو دھو کر رکھ دیتے تھے مگر گھر کی بچی اور عورت کے ساتھ ان کا رویہ اچھا تھا۔وہ یوٹیوب کھولے بیٹھی تھی سہراب سرچ ہسٹری تک گیا۔

ایسلا۔۔۔۔۔راپنزل۔۔۔۔۔اسنووائٹ ۔۔۔۔۔اس نے کچھ غلط اور کچھ صحیح نام درج کر کے افسانے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی،سہراب مسکراہٹ دبائے اس کی سرچ ہسٹری دیکھنے لگا۔کبھی وہ سوتیلی ماں والے کارٹون دیکھ رہی تھی تو کبھی جادوئی کیلا،انار،ناریل۔

"asfand yar ansari"کئی برس پرانی سرچ ہسٹری تھی۔۔۔۔۔سہراب چونک کر سیدھا ہوا۔

وہ اسفند کو کیوں تلاش کر رہی تھی؟سہراب کی انگلیاں اب تیزی سے متحرک ہوتی گئیں،وہ میرال کی ساری تاریخ تلاش کھنگال رہا تھا۔اس نے مختلف تاریخیں اور سن سرچ کیے تھے۔سہراب کو کچھ یاد آ رہا تھا،اس کا ماتھا ٹھنکا ان تمام تاریخوں کو وہ کسی آسیب کی طرح یاد رکھتا تھا،بھلا ان تاریخوں کو وہ کیسے بھول سکتا تھا؟

"بڑے ابا میرا کارٹون؟"عبیر نے دہائی دی مگر وہ اس کرہ ارض پر تھا ہی نہیں،اس کے قدم کشش ثقل میں تھے وہ رکھ کہیں رہا تھا اور قدم پڑ کہیں رہے تھے۔وہ زینے پھلانگتا اوپری منزل کے سٹور روم میں داخل ہوا،ہاتھ مار کر بتیاں روشن کیں تو نظر کے عین سامنے اس کی زندگی کے پچھلے تین سالوں کی بیخ کنی کا تیاپانچہ موجود تھا۔سرخ دھاگے،ان سے جڑی تصاویر،تصاویر سے جڑے قصے،اور قصوں سے متصل جرائم۔

وہ آگے آیا۔۔۔ ہر قدم بھاری تھا۔ بورڈ پر سترہ وکٹمز کی تصاویر چسپاں تھیں۔ سہراب سانس روکے ان تصاویر کے اوپر لکھی تاریخیں دیکھ رہا تھا۔ ایک فروری۔۔۔ تین مارچ۔۔۔۔ چھ فروری۔۔۔۔ دو مارچ۔۔۔

اس کی اگلی نگاہ موبائل کی سکرین پر پڑی، تلاش کی جانے والی تاریخیں بھی یہی تھیں، وہ مرے مرے ہاتھوں سے سرچ ہسٹری مزید نیچے کر رہا تھا اور .... اس نے سرچ کیا تھا کہ انصاریوں کا دوسرا بیٹا اسفند انصاری ان تاریخوں میں کہاں تھا؟

وہ پاکستان میں تھا۔۔۔ اور خواجہ سراؤں کے حقوق کے لیے ہونے والے ایک جلسے میں شرکت کر رہا تھا۔ تصاویر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ سہراب کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ قاتل جو کوئی بھی تھا اسفند انصاری اس کا معاون کار تھا، اوہ خدایا۔۔۔۔ اوہ خدایا۔ یعنی وہ نیویارک، لندن، مانچسٹر اور دنیا کے کئی شہروں تک اپنے شکار کا تعاقب اسفند ہی کی مدد سے کرتا رہا تھا؟

حال میں اس نے موبائل نکالا اور زید کو کال ملائی، اس بات کے باوجود کہ وہ اسے ضارم کے قتل میں کسی نہ کسی طرح ملوث پاتا تھا اس وقت وہ خود کو روک نہ سکا۔

"شاہ ویر اور اسفند کا تعلق کیسا تھا؟" کال اٹھائی گئی تو پہلا سوال یہی ہوا۔ انداز بے چین تھا۔

"بہترین۔۔۔ اسفند بھائی اور شاہ ویر کی بہت بنتی تھی، بس کچھ مہینے پہلے سے ان کے درمیان اختلافات آ گئے تھے لیکن اتنے زیادہ نہیں تھے۔"

"کیسے اختلاف؟"

"دراصل اسفند بھائی ایک خواجہ سرا لیلیٰ کو لے کر شاہ ویر کے پاس آئے تھے اس کی کچھ ڈیمانڈز تھیں لیکن ۔۔۔۔" وہ رکا، بولنے کو چند مہذب الفاظ تلاش کیے۔ "ویر کو خواجہ سراؤں سے کچھ مسائل ہیں وہ انہیں کمتر سمجھتا تھا اور۔۔۔۔" تمام گتھیاں جیسے سلجھ کر رہ گئی ہو یا پھر مزید الجھ گئیں وہ سمجھ نہ سکا۔

سٹور سے نکلنے کے بعد اس کے تیز تیز قدم اسلان کے کمرے کی جانب بڑھ رہے۔ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے دروازہ دھاڑ سے کھولا، وہ جو لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا اس کے چہرے پر ناگواری ابھری۔

"اس دن جب ہم استاد سے ملنے جارہے تھے ہم نے اسفند کو ریڈ لائٹ ایریا جاتے دیکھا تھا ہے نا؟"

اسلان نے سنبھل کر اسے دیکھا۔ "ایک تو آپ ہر کسی کو جج کرلیتے ہو اس کے سر پر لکھا تھا وہ ریڈ لائٹ ایریا جارہا ہے؟"

سہراب نے ضبط سے آنکھیں گھمائیں۔ "کہاں گیا تھا وہ؟"

"مجھے بتا کر نہیں گیا تھا ہاں البتہ وہ اس طرح کی عورتوں میں دلچسپی نہیں رکھتا یہ میں نے سنا ہے۔ اور اس ایریا میں ایک بندوقوں کی دکان ہے جس کے تہہ خانے میں اسفند اپنا مال رکھتا ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"آپ اپنے مطلب کی بات سنو اس ایریا میں ایک بڑا گھر ہے جہاں سارے بے آسرا خواجہ سرا رہتے ہیں اس گھر کی ہیڈ لیلیٰ اور اسفند بچپن کے دوست ہیں کافی مرتبہ ساتھ دیکھے گئے ہیں لیکن وہ اسے ٹی وی پر اون نہیں کر سکتا۔ اسفند اسے اپنی پارٹی کی ٹکٹ بھی دینا چاہتا ہے، کچھ وقت پہلے وہ اسی خواجہ سرا کے ساتھ ایک نئی اینجیو شروع کرنا چاہتا تھا۔" سہراب یمن کی ساری دنیا اس کے سر پر گول گول چکر لگانے لگی تھی، اس کی تین سالہ تلاش بلاخر ایک کنارے پر آگئی تھی۔

وہ بے یقین تھا، سخت بے یقین اور اب یہ بنتا بھی تھا۔ اسفند انصاری پریولج کلر کا تعاون کار تھا؟

اگر اسفند قاتلوں کا تعاون کار تھا تو اسلان کون تھا؟ مجسم قاتل۔۔۔۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں، سہراب۔" اپنا کندھا ہلائے جانے پر وہ ہوش میں آیا۔ ذہن اسفند سے ہٹ کر عالم کی بات کی طرف پھر گیا۔ "روشن کی دوسری بیٹی سے ملنے چلیں؟"

"میں مصروف ہوں، تم جاؤ۔" وہ کہہ کر اٹھنے لگا جب عالم نے اس کا بازو پکڑ کر اسے دوبارہ وہیں بٹھایا۔

"کیا مسئلہ ہے، بات کیوں نہیں کر رہے؟"

"کرنا نہیں چاہتا۔"

”لیکن کیوں؟“ وہ مصر ہوا۔ ”اس بار جیل جانا میری غلطی نہیں تھی تم ہر دفعہ کی طرح مجھے الزام نہیں دے سکتے۔“ سہراب نے بے زاری سے سر ہلایا اور دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا، وہ عالم سے کسی قسم کی بحث نہیں کرنا چاہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ عالم یہ بحث کرنا چاہتا تھا۔ ”تمہیں یاد نہیں ابا نے کیا کہا تھا تم اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ یہ سلوک کرو گے؟“ ہمیشہ والا جذباتی وار۔ سہراب نے گردن پھیر کر اسے کاٹ دار نگاہوں سے دیکھا۔

”تم اب وہ بھائی نہیں رہے جس کا خیال رکھنے کا وعدہ میں نے کیا تھا تم بہت بڑے ہو گئے ہو۔۔۔۔۔۔ اتنے کہ مجھے تمہاری آنکھیں، اور ان کے راز نظر نہیں آرہے۔“ عالم دھک سے رہ گیا، ساکت، ششدر۔

”تم دونوں نے مجھے مسخ کر دیا ہے۔ میں سب برداشت کر سکتا ہوں دھوکہ نہیں۔ تم نے میرے بیٹے کو مجھ سے دور کر دیا اب وہ بھی آزاد اور تم بھی۔“

”میں نے کچھ نہیں کیا یار۔۔۔۔“ اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے اس نے سہراب کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ ”میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے اسلان سے وعدہ کیا تھا۔“

”اسے پالنے والا میں ہوں، وہ میرا بیٹا ہے اس کی حفاظت میری ذمہ داری تھی تم نے کسی سے پوچھ کر وعدے کیے؟“ اس کی آنکھوں میں زخمی پن عود آیا۔

”میں بھی اس کا چچا ہوں، ہم دونوں کا بھی کوئی تعلق ہے۔“ عالم سنجیدہ ہوا۔ سہراب نے ٹھنڈی سانس بھرتے سر ہلا دیا۔ اور اگلے لمحے وہ عالم کے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹاتا بغیر کچھ کہے کمرے سے جا چکا تھا۔ اس کی چال شکستہ تھی۔ بے حال بھی۔

عالمگیر یمن اپنے گھر کا شیرازہ بکھرتے دیکھ رہا تھا مگر وہ کچھ کر نہیں پایا اس کے ہاتھ میں کچھ تھا کیا؟

★★★★★★

گاڑی کو اس ٹریفک میں پھنسے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ کا وقت بیت چکا تھا۔ اسلان بے حد آرام دہ انداز میں اسٹیئرنگ وہیل پر انگلیاں بجا رہا تھا۔ بنفشہ بار بار گردن نکال کر باہر دیکھ رہی تھی، تاحد نگاہ گاڑیوں کی طویل قطاریں تھیں۔ دور دور تک راستہ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"اس سے زیادہ تو وہی سڑک خالی تھی، عالم سر نے کہاں پھنسا دیا؟" وہ اپنے موبائل کو کھولنے لگی مگر شومئ قسمت کہ بیٹری جواب دے گئی۔ "چارجر ہے؟" اس نے اسلان سے پوچھا۔

"نہیں۔" کہتے ہوئے بڑی مہارت سے اپنی نشست کے درمیان پھنسی چارجنگ پن مزید نشست کے اندر گھسا دی۔ چارج کرے گی تو پھر موبائل میں گھس جائے گی ہونہہ۔

"اتنی بڑی گاڑی میں ایک چارجر نہیں؟" اسے حقیقتاً عجیب لگا۔

"اتنی بڑی ہو گئی ہو چارجر ساتھ لے کر نہیں جاتی؟" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"اب اگر تم نے مجھ سے کوئی بھی بدتمیزی کی تو میں گاڑی سے اتر جاؤں گی۔" موبائل ڈیش بورڈ پر دھرتے وہ قطعی لہجے میں بولی۔

"اوکے۔" شانے اچکائے۔ آہ اسلان آہ۔ بنفشہ گہری سانس بھرتے ہوئے اپنے پیر جوتوں سے آزاد کروا گئی، جانے راستہ کب کھلتا وہ اب نشست پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی تھی۔ کوئی دس پندرہ منٹ بعد گاڑیاں ایک انچ آگے بڑھتیں اور دوبارہ وہی جمود۔ عالم کی کال سے قبل ہونے والی گفتگو وہیں ادھوری رہ گئی تھی۔ دونوں اس لمحے کے حصار کو اب تک توڑ نہیں پائے تھے۔

"بور ہو رہی ہو؟" پانچ دس منٹ بعد اس نے بنفشہ کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"بور؟" اس نے سوچنے کا لمحہ لیا۔ ہاں گاڑی اٹکی تھی، اسے بھوک لگی تھی، وہ پریشان بھی تھی لیکن بور ۔۔۔۔؟ وہ بور تو نہیں ہو رہی تھی۔ یہ سڑا ہوا آدمی چاہے کچھ بولتا نہ بھی ہو لیکن ٹھیک ہے، صحیح ہے سفر اس کے ساتھ کٹ سکتا ہے۔ سفر نہ بھی کٹے تو وہ راستے میں اس کے ساتھ رکنے، تھم جانے کو تیار تھی۔ "تو اور کیا میں یہاں بہت خوش ہوں؟"

"لگ تو یہی رہا ہے، کافی پیئو گی؟"

وہ انا کا اظہار کرتے "انکار" کرنا چاہتی تھی مگر کیفین کی طلب نے ہر انا پر دو حرف بھیجے۔ "یہاں مل جائے گی؟"

"میں لے آؤں گا۔" وہ سیٹ بیلٹ کھولنے لگا۔ بنفشہ نے گہری سانس بھرتے سر نشست کی پشت سے ٹکا دیا۔ بچپن سے لے کر آج تک اس نے اپنے دم پر بہت کچھ کیا تھا، عادت بھی تھی لیکن اسے اچھا لگتا تھا جب وہ اسے ہر فکر سے آزاد کر کے ذمہ داری خود پر لیتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دو پارسل اور کافی کے کپ لے کر آتا دکھائی دیا۔ اندر آ کر ایک کپ بنفشہ کو تھمایا دوسرا ڈیش بورڈ پر دھرتے دو فاسٹ فوڈ کے پیکٹ نکال کر رکھے۔ ابھی اس نے کافی کا ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ اس کی نگاہ بنفشہ کی کھڑکی کی طرف پڑی۔ ان کے قریب کھڑی گاڑی میں بیٹھے دو لڑکے اسی طرف دیکھ رہے تھے، لبوں پر مسکراہٹ تھی اور۔۔۔ اور اسلان کو آگے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے گاڑی کی بتیاں بُجھا دیں۔

آگے کو ہو کر بنفشہ کی طرف کا شیشہ چڑھا دیا۔ "تم شیشے کی طرف پیٹھ دے سکتی ہو؟ روشنی چُبھ رہی ہے۔"

بنفشہ نے ایک نظر اسے دیکھا، اور ایک نظر شیشے سے آتی نادیدہ روشنی کو، وہ حیران سی بغیر کچھ کہے اس طرف پیٹھ کر چکی تھی۔ اسلان قدرے پر سکون ہو گیا۔ اب وہ دونوں خاموشی سے اپنی اپنی کافی پی رہے تھے۔

"تمہیں پتا ہے تم ایک نہایت ہی بگڑے ہوئے اور بد تمیز انسان ہو۔" لمبا گھونٹ بھرنے کے بعد جب اس نے اسلان کو مخاطب کہا تو وہ اس کی گوہر افشائیوں پر ششدر ہی رہ گیا، اگلے ہی لمحے اس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ وہ گردن جھکا کر مسکرایا۔

"درست فرمایا۔"

"اور تم بہت مغرور ہو تمہیں لگتا ہے کہ ساری دنیا بس تمہیں دیکھ رہی ہے اور تم بہت ہی ڈیمانڈ میں ہو۔"

"میں کوئی پراڈکٹ تھوڑی ہوں۔"

"ہوتے تب بھی میں نہ خریدتی۔"

"تمہیں مفت میں جو مل رہا ہے۔" اس نے کہا نہیں بس سوچا۔

"اور کیا کیا سوچتی ہو تم میرے بارے میں؟" مٹھی ٹھوڑی تلے ٹکائے ایک ہاتھ میں کافی کا کپ تھام اس نے دلچسپی سے پوچھا وہ جو بھری بیٹھی تھی شروع ہوئی تو بولتی چلی گئی۔ اس کی ایک ایک غلطی، ایک ایک کوتاہی، بد تمیزی

ہر ہر شے یاد کی وہ بول رہی تھی اور اسلان ۔۔۔۔۔ وہ اس کا دائمی سامع۔ جو بنا پلک جھپکے، ٹھوڑی تلے مٹھی جمائے بغیر ٹوکے بس سن رہا تھا۔ ”جب تم نے مجھے روکا تھا تب مجھے تم سے ہمدردی ہوئی تھی اور اب؟ اب غصہ آ رہا ہے میں کیوں تمہاری بات مان گئی۔ تم تو ہر دفعہ بے وقوف ہی بناتے ہو۔“

اب کے اسلان کی رنگت پھیکی پڑی۔ ”میں عالم کے باہر آنے پر سب بتانا چاہتا تھا۔“ ہر الزام چپ چاپ برداشت کرتے اس نے آج پہلی مرتبہ اسے ٹوکا۔ شاید یہ بات اس کے لیے بھی اہم تھی۔ ”لیکن مجھے اندازہ ہوا کہ تمہیں روکتے ہوئے میں جذباتی تھا یہ بھول گیا تھا کہ میں ایک اغواکار اور قاتل ہوں اور تم ۔۔۔۔۔“ وہ لمحے بھر کو رکا۔ ”تم ہر قسم کے فریب سے آزاد۔ مجھ جیسوں کو، تم جیسوں سے فاصلے پر رہنا چاہیے۔“

”یہ جاننے کے بعد کہ تم قاتل ہو میں تم پر اندھا بھروسہ نہیں کر سکتی۔ مجھے میری زندگی میں اچھے لوگ نہیں ملے۔ عالم سر وہ واحد انسان تھے جنہوں نے میری ہمیشہ مدد کی اور جب مجھے علم ہوا کہ وہ کسی طرح تمہارے ساتھ شریک ہیں تو مجھے ان پر نہیں تم پر غصہ آیا، اپنے آئیڈیل کو کون، بُرا کہتا ہے؟ کچھ وقت بعد غصہ اتر گیا، لیکن وقت حقیقت کو نہیں بدلتا۔ میں چاہتی تو بھری عدالت میں یا پھر اپنی ماں کے آگے تمہیں قاتل کہہ آتی لیکن مجھے تم سے جو امید ہے وہ یہ نہیں ہے، اسلان۔ میں تمہیں قتل معاف نہیں کر سکتی جب تک اس کی وجوہات کا علم نہ ہو اور وہ قتل میرے اپنے بھائی کا ہے۔“

اسلان کی نگاہوں میں کوئی تفاخر ابھرا، پھر یکدم معدوم ہوا۔ ”تمہاری ماں اور تمہارا بھائی میری زندگی کا سب سے بڑا منفی حصہ رہے ہیں تم بھی مجھے ان کے جیسی لگتی تھی اس لیے جب تم آئیں تب تم سے چڑتا تھا۔ لیکن تم نے مجھے غلط ثابت کیا۔ تم بھروسے کے قابل ہو (اسے اسلان کے کمرے سے شاہ ویر اور اسلان کی دوستی اور مشترکہ یونی کے شواہد ملے تھے اسلان کو لگا وہ یہ سب اس کے گھر والوں کو بتائے گی مگر چپ رہی) تم میرا بُرا نہیں چاہ سکتی (وہ چاہتی تو اسے کھلی چھوٹ دے کر ایک وحشی بننے دیتی مگر اس نے اسلان کی بہتری چاہی، اور سہر اب کو ہنٹس بھیجنے لگی) تم بلا تصدیق کوئی بھی بات کر کے اپنا غصہ نکال سکتی تھیں لیکن تم نے مجھے تباہ نہیں ہونے دیا۔ (کورٹ، جیل میں بیٹھی تمکنت وہ دونوں جگہ خاموش رہی کیونکہ اسے اپنے بھائی کے سیاہ کار ہونے پر شبے

تھے مگر اسلان پر جانے کیوں تھوڑا بہت اعتبار تھا) اس لیے۔۔۔۔۔“اس نے بنفشہ کا پرس اٹھا کر اس کے فر کے درمیان لگی ننھی سی ریکارڈنگ ڈیوائس نکال کر اس کی گود میں ڈال دی۔ یہ ہوا وہ روبرو، یہ کیا اس نے ہر مخالفات اور شک کو عاق۔ ان دونوں کے درمیان پڑے دھندلے آئینے کو وہ یکمشت صاف کر گیا۔

وہ کافی پینا بھول کر گود میں پڑے اس آلے کو دیکھے گئی۔ ششدر۔ ”تم ناراض ہو سکتی ہو میں چاہتا تو اسے تمہاری غیر موجودگی یا لاعلمی میں نکال سکتا تھا لیکن۔۔۔۔“اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ”میں اب تمہارے ساتھ بے ایمانی نہیں کرنا چاہتا۔“

”اور جتنی کرلی؟“ وہ اس ننھے آلے کو مٹھی میں جکڑے تنفر سے بولی۔ آنکھوں میں کچھ در آیا تھا۔

اسلان نے ہاتھ سینے پر رکھا۔ ”اس کے لیے جو سزا تم چاہو، دے دو۔“ وہ رخ موڑ گئی، کافی کا کپ آدھ بھرا چھوڑ دیا۔ گاڑی یونہی اٹکی رہی ان دونوں کے تعلق کی طرح۔

اسلان نے اس کی بچی ہوئی کافی لبوں سے لگائی اور اپنی بھری کافی کا کپ اس کی طرف بڑھا دی، بنفشہ نے بنا دیکھے لبوں سے لگائی اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا۔ بارش دوبارہ شروع ہو گئی۔ سب دھندلا ہوتا گیا، تاریک اور تر۔

★★★★★★★★

”چند دن قبل!“

”مبارک ہو۔“ لعل یمن کے لاؤنج میں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ آمنہ کی دونوں پھپھو آئی ہوئی تھیں، عظمیٰ بی، بنفشہ اور آراہ بھی ان کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں۔ سہراب باورچی خانے کی سلیب سے ٹیک لگائے آمنہ کو خوش ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ یقین ہی نہیں آتا تھا اس عورت کے بغیر چند سال کیسے کاٹ لیے؟

”ڈاکٹر کہتا ہے بہت احتیاط کرنی ہو گی بیچاری ہے بھی تو کمزور سی اللہ نے شادی کے اتنے سال بعد خوشخبری دی ہے تو۔۔۔۔۔“

”میں کہہ رہا ہوں مبارک ہو۔“ چائے کا کپ دھپ سے سلیب پر دھرتے اب کے اسلان نے کچھ بلند آواز میں کہا۔ سہراب نے سر کو خم دیا مگر اس کو دیکھا نہیں۔ وہ اب بھی اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ۔"

"اس خواجہ سرا کا نام یاد ہے آپ کو؟" وہ اسفند کی شناسا کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ سہراب خاموش رہا۔ "میرے پاس اس کی ساری تفصیل ہے۔ تصویر کے ساتھ آپ کو ای میل کر دیے تھے دیکھا نہیں؟" وہ نمکو، بسکٹ کے برتن سجاتے ہوئے مصروف سا تھا۔ سہراب اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا، اسے ڈپٹ نہیں رہا تھا اس کا یہ انداز اسے گھائل کر رہا تھا۔ وہ بات کرنا چاہتا تھا۔

"آپ مجھ سے پوچھ کیوں نہیں رہے ہو؟"

"کیا پوچھوں؟" وہ اسلان کی طرف مڑا اسے دیکھنے کی بجائے وہ کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اسکا وہ آدمی نہیں تھا جسے اسلان اس طرح بکھرا ہوا دیکھنا چاہے۔ اس کا جی کیا سب تہس نہس کر دے۔

"تمہیں کچھ کہوں گا تو ایک بار پھر مجھ سے بے زار ہو کر بلوچستان یا پھر سندھ چلے جاؤ گے۔ تمہاری بہن پیچھے مجھے بد دعائیں دے گی، کہہ سن کر کیا فائدہ؟"

"میں آپ کا بھی کچھ لگتا ہوں۔" اس نے کچھ ناگواری سے کہا۔ سہراب نے ٹھنڈی آزردہ سانس لی۔

"پتا نہیں، شاید۔" اسلان بپھر کر آگے آیا اس کا بازو تھام کر اسے اپنے سامنے کیا۔

"میری طرف دیکھو چاچو۔۔۔۔۔" اس روز دلیپ کی لاش کے سامنے کیے گئے سارے وعدے ردی ہو گئے وہ سہراب کی ڈانٹ برداشت کر سکتا تھا یہ رویہ تو اسے چیر رہا تھا۔ "کیا مسئلہ ہے مجھ سے پوچھو میں نے کیا کیا، کیوں کیا ایسے بات نہ کرنے سے کیا ہو گا۔"

سہراب نے نرمی سے اپنا بازو چھڑوایا چائے کا کپ اٹھایا اور بغیر کچھ کہے باہر جانے لگا جب اسلان نے طیش سے اسے پکارا۔ "بیٹا تھا نا میں؟ اب اپنی اولاد کے آنے کی خبر سنتے ہی مجھے نظر انداز کر رہے ہو؟" سہراب کے سارے وجود پر گویا چیونٹیاں رینگ گئیں۔ وہ بنا پلکیں جھپکے چپ چاپ اسلان کو تکے گیا۔ چند دن پہلے وہ ستائیس کا ہوا تھا، ستائیس سالہ ریاضتوں کا یہ صلہ؟

"اس روز تم نے کہا میں خود غرض ہوں، میں ۔۔۔ میں نے تمہارا دھیان نہیں رکھا تمہارا باپ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا ہے نا؟" اس کی آنکھوں میں پہلی بار پانی سا چمکا۔ وہ کہنا چاہتا تھا تم میرے بیٹے ہوتے تو ایسے نہ کہتے مگر نہیں کہہ سکا۔ گلے کے ارد گرد کسی نے خاردار تاریں باندھ دیں۔ "بندے کو بندہ تو سمجھا کرو یار۔۔۔۔۔۔ بولتے ہوئے کبھی تو سوچ لیا کرو۔ تمہارے علاوہ بھی لوگوں کے پاس دل ہے۔" آزردگی سے کہتے ہوئے وہ باورچی خانے سے نکل گیا۔ کمرے میں آکر اس نے سر پلنگ کی پشت سے ٹکا دیا۔

ابا کی موت کے بعد سے وہ آج تک رویا نہیں تھا۔ اسلان کی گرفتاری، میرال کی موت، عالم کی صعوبتیں، مری کا بن باس مگر آج اس کا جی چاہا تھا رو لے، کہہ دے، سہنا بند کر دے۔ چند پل بعد آمنہ اندر آتی دکھائی دی، اس نے دروازہ آرام سے بند کیا۔ اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "آپ کیوں اٹھ کر آگئے؟"

سہراب نے بازو آنکھوں سے ہٹا کر اسے دیکھا، چند پل دیکھتا چلا گیا۔ "یہاں آؤ۔۔۔۔" اس نے اپنا بازو پھیلا دیا۔ وہ دوپٹہ صوفے پر رکھتی مسکراتی ہوئی اس کی طرف چلی آئی، سہراب کے پہلو میں آکر بیٹھی۔ بہت دیر تک وہ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کے قریب رہے۔ "میں بہت خوش ہوں، آمنہ۔" بہت دیر بعد اس نے کہا۔

"میں بھی۔"

"تم عالم کے آنے سے خوش نہیں ہو میں جانتا ہوں۔" سہراب کی شرٹ کے بٹن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی اس کی انگلیاں تھم گئیں۔ "میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا ہم الگ رہ سکتے ہیں میں اب بھی کہہ رہا ہوں ہم الگ رہ سکتے ہیں۔"

"آپ رہ سکتے ہیں؟" سہراب کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی، اس نے آنکھیں موند لیں۔

"تم ساتھ ہو، رہ لوں گا۔ بس کرتے ہیں اب۔۔۔۔۔ جو میرے نہیں ہو پا رہے جو مجھ سے راز رکھ رہے ہیں ان کے ساتھ رہنے کا کیا فائدہ؟ بس چلتے ہیں یہاں سے۔۔۔۔ کہیں دور۔" آمنہ خاموش رہی وہ سہراب کو پہلی مرتبہ اتنا بکھرا ہوا خاموش دیکھ رہی تھی۔ بغیر کچھ کہے وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔ اس کی ساری پریشانی زائل ہوتی گئی، لمحے بھر کو تمام مصائب دور جا سوئے۔ وہ محض سرد آہ بھر کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سو گیا تھا۔ آنکھیں سختی سے میچ رکھی تھیں، آمنہ کا ہاتھ اب بھی ہاتھ میں تھا۔ مضمحل پن کی انتہا تھی۔ جس گھر کے لیے تمام عمر وہ کھڑا رہا اس گھر کا ہر فرد اس کی کمر پر ایسی ضرب لگا چکا تھا کہ وہ اب گر رہا تھا۔ محض اس کی بیوی اس کے ملال میں شریک تھی۔

★★★★★★★★

میز پر چار تصاویر پڑی تھیں۔ چار واضح چہرے اور دوسرے کونے پر دوسری چار۔۔۔۔ جلے ہوئے چہرے۔

صباء ۔۔۔۔۔

عالیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صبیحہ کی بہن، عالمگیر کی بیوی کی بہن۔

سنبل۔۔۔۔۔۔ روشن رحمان کی بیٹی۔

رابعہ۔۔۔۔۔ امریکن شہری۔ "وومن" کی اکاؤنٹنٹ اور فاؤنڈر۔

"وومن کی بنیاد رکھنے والی تین عورتیں ہیں۔ تمکنت بنگش، روبینہ انصاری اور رابعہ پرویز۔" صبیحہ کہہ رہی تھی۔ باقی تین عورتوں کے متعلق انہیں تمام تفصیل معلوم ہو چکی تھی مگر رابعہ، یہ وہ واحد عورت تھی جس کے بارے میں انہیں نام اور تعلیم کے علاوہ اور کچھ نہیں پتا تھا۔

"ایک منٹ یہ چاروں عورتیں وومن کا دایاں ہاتھ تھیں اور ان کے اس طرح مر جانے کے بعد کسی نے کچھ نہیں کہا؟ تمکنت اور روبینہ خاموش کیوں ہیں؟" عالم نے پوچھا۔

"دونوں بولی تھیں۔ بہت شور مچایا لیکن بے سود لوگوں نے ان چار عورتوں پر فتویٰ لگا دیا تھا کہ یہ چاروں بازار میں بیٹھی عورتوں کی طرح تھیں مر گئیں تو ملک سے گند ختم ہو گیا لہٰذا ان کی بات نہ کی جائے۔"

"اور بات واقعی رک گئی؟" عالم متحیر تھا۔

"نفسا نفسی کے اس دور میں لوگ زندہ لوگوں کے لیے نہیں بولتے تو چند مردہ عورتوں کو کس نے یاد رکھنا تھا؟"

"آپ نے کوئی مقدمہ نہیں کیا؟" سہراب نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

”کیا تھا ڈیڑھ سال قبل ایک تاریخ ملی تھی اس کے بعد بس تاریخ ہی ملتی ہے پیشی پر کوئی نہیں آتا۔“ اس نے تکان سے کہا۔ ہر کوئی خاموش ہو گیا۔ کوئی ثبوت نہیں، کوئی بات نہیں، کوئی پیش رفت نہیں سب جمود کا شکار تھا۔

”اس روز جو چوکیدار تھا اس کا کوئی نمبر، پتا؟“

صبیحہ نے گہری سانس لیتے ایک پتہ کاغذ پر لکھ کر عالمگیر کی طرف بڑھایا۔ ”کوئی فائدہ نہیں اس آدمی کو اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ قتل چار عورتوں کا ہوا تھا اور یہ اب بھی کہتا ہے وہاں ایک پانچویں عورت بھی تھی جس کی لاش کوئی دیو لے گیا، یا جن۔ یہ پاگل ہے۔“ اس نے بے زاری سے اضافہ کیا۔ عالم نے پتا لے کر جیب میں رکھ لیا، سہراب نے رابعہ کی تصویر سنبھال لی۔ دونوں مختلف نہج پر تھے سوچ مگر یکساں تھی۔

”ایک wild theory ہے جانتا ہوں تم دونوں میرا یقین نہیں کرو گے لیکن میری چھٹی حس مجھ سے جھوٹ نہ کہتی۔ تمکنت بنگش اس مقدمے میں شامل ہے۔“ وہ دونوں چونکے نہیں بس سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”جب روشن کو جیل بھیجنے والا شاہ ویر تھا تو نام زید کا کیوں آیا، تمکنت ان چار اموات پر بہت کچھ کر سکتی تھی پھر خاموشی کیوں، روبینہ انصاری نے اس کیس کو بند کیوں کروایا ان دو عورتوں کے علاوہ اس کیس میں کسی اور انسان کا عمل دخل دکھائی نہیں دے رہا لہٰذا میرا شک انہی پر ہے۔“

”ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔“ سہراب نے کہا۔

”ایک اور بات۔۔۔“ انہیں جاتے دیکھ صبیحہ کو کچھ یاد آیا۔ ”اس رات روشن رحمان کی دوسری بیٹی بھی واقعے پر موجود تھی۔ شاید اس نے کچھ دیکھا ہو۔“

عالم نے مڑ کر سہراب کو جتاتی نگاہوں سے دیکھا ایسے جیسے کہہ رہا ہو۔ "اب مل لیں جناب؟"

★★★★★★★★★

عالم کی رہائی کے چند دن بعد!

دو گھنٹے پورے دو گھنٹے بعد بھی وہ ٹریفک سے نہ نکل سکے تو بنفشہ نے نا محسوس انداز میں پارسل اپنی طرف کھسکایا اور اسلان کا لایا ہوا چیز پاستا کھانے لگ گئی۔ اسے بے انتہا بھوک لگی تھی اور اب وہ بغیر اسلان کی طرف دیکھے تیز تیز کھاتی جا رہی تھی۔ وہ کن آکھیوں سے اس کی بے صبری دیکھ رہا تھا۔

"اب تم گانے نہیں سن رہے؟" وہ کم بولتا تھا لہذا اسے ہی شروعات کرنی پڑتی تھی۔

"میں گانے نہیں سنتا۔"

"تو کیا ایئر پوڈز شوقیہ لگائے رکھتے ہو؟" اسلان نے بغیر کچھ کہے اپنا موبائل نکالا، ایئر پوڈز اس کے ساتھ جوڑے اور ایک ایئر پوڈ اس کی طرف بڑھایا۔ بنفشہ نے اچھنبے سے اسے کان میں لگایا۔ دوسری طرف ــــــــ وہ کوئی گانا نہیں تھا، کوئی نظم، یا شاعری بھی نہیں۔ وہ آواز کی ایک خاص فریکوئنسی تھی۔

"جب میں دنیا سے تھک جاتا ہوں، یا پھر بہت سوچنے لگتا ہوں تب یہ سنتا ہوں بہت سکون ہے اس میں، ایسا لگتا ہے ہر سوچ آہستہ آہستہ دماغ سے غائب ہو رہی ہے۔ اور میرا دماغ ریلیکس ہو رہا ہے۔" وہ درست کہہ رہا تھا اس آواز نے چند منٹوں کے اندر اندر اس کا دماغ ہلکا کر دیا تھا، بوجھ سے آزاد سا، ایک کان میں پڑتی یہ آواز ٹھیک تھی مگر دوسرے کان میں پڑتی اسلان کی مدھم آواز ــــــ سکون تو اس میں بھی تھا۔ اگر بنفشہ احسان کو مسائل کے درمیان کوئی آواز پر سکون کر سکتی تھی تو وہ یہی تھی۔

اپنے اپنے کھانے کا ڈبہ ہاتھ میں لیے نشست پر ٹیک لگائے اس آواز کو سنتے وہ دونوں چند پل کے لیے واقعی سب کچھ بھول گئے تھے۔

"کوئی گیم کھیلیں؟" ایئر پوڈ واپس رکھتے اس نے اسلان کو دیکھا۔ پاستا کا ڈبہ گود میں دھر لیا تھا۔

"کیسا گیم؟"

"ٹروتھ گیم ــــــ تم نے اور میں نے ایک دوسرے سے بہت جھوٹ بولے ہیں اب میں جو جو پوچھوں گی تم سچ سچ جواب دو گے۔"

"یہ اصول تم پر بھی لاگو ہوتا ہے؟"

"بالکل۔" وہ پورے وثوق سے بولی۔ "چلو تم سے شروع کرتے ہیں یہ بتاؤ کہ تم اپنی زندگی میں سب سے زیادہ خوش کب ہوئے تھے؟" اسلان نے سوچنے کو لمحہ بھر لیا، رنگت تاریک پڑی تھی مگر اسے وہ منظر یاد تھا۔ شاہ ویر کی پہلی فلم کا پریمئر۔۔۔۔

"میری وہ خوشی اب زائل ہو چکی ہے۔ وقت بدل گیا ہے اور اس کے بعد اب تک ویسی خوشی دوبارہ نہیں ہوئی۔"

"تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خوشی کیا ہے؟" اسلان نے اس سے پوچھا۔

"لاء۔۔۔" وہ مسکرا کر بولی۔ آنکھیں اس کے ساتھ مسکرائیں۔ "جس دن میری ڈگری مکمل ہوئی تھی وہ میری زندگی کا سب سے بہترین لمحہ تھا۔ اس روز میں آزاد ہو گئی تھی۔ انسان کو اگر اپنے پیشے سے محبت ہو تو وہی اسے خوش کرتا ہے اتنا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔"

"تمہاری زندگی کا سب سے بدترین لمحہ کیا تھا؟" اب کے بنفشہ نے پوچھا۔

اسے لگا اعتراف کے اس کھیل کے لیے وہ غلط وقت چن چکا ہے۔ آنکھوں کے دریچوں پر وہ منظر تھا جب شاہ ویر بنگش اپنی پہلی کتاب پر دستخط کر رہا تھا۔ لوگ اس کے ساتھ تصاویر بنوا رہے تھے۔ اپنے کمرے میں پلنگ کے ایک کونے پر بیٹھا کتاب ہاتھ میں لیے وہ ٹکر ٹکر سرورق کو دیکھ رہا تھا۔ "شاہ ویر بنگش" کتاب کے مصنف کا نام۔۔۔۔ نام یہ تو نہیں تھا۔ اسلان نے زخمی نگاہیں اٹھا کر بنفشہ کو دیکھا۔

"انسان کا محبوب پیشہ اسے جتنی خوشی دیتا ہے اتنے گہرے زخم بھی دیتا ہے۔ میرا کام میرا نہیں رہا تھا، اور میرا دل کیا تھا میں ساری دنیا کو جلا کر راکھ کر دوں۔۔۔۔ میں ایک ایک کو سچ بتاؤں۔" گردن جھکائے وہ لب کاٹے گیا۔ وہ انسٹا گرام پر ہر دوسرے انسان کو اس کتاب کے ساتھ تصویر لیتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اس کے کرداروں کی بات ہو رہی تھی اس کا کام اس کا نہیں رہا تھا۔۔۔۔۔ اوہ اللہ وہ اس تکلیف کو کیسے برداشت کرتا؟ "میں دنیا نہیں جلا سکا، اندر کی اس آگ نے مجھے جلا دیا۔"

وہ بات نہیں سمجھ سکی، مگر اسلان کی آنکھیں پڑھ لی تھیں۔ تسلی بے کار تھی اس نے گفتگو کی سمت بدلی۔ "کوئی ایسا کام جس کے لیے تم اب بھی پچھتاتے ہو؟"

”میرا اور پنار کا تعلق۔“ وہ بغیر ایک لمحے کے توقف کے بولا۔

”وہ کیوں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”اٹس پرسنل۔“جھماکوں سے اسے وہ ایک ایک منظر یاد آیا جب جوانی کا زور تھا، حد سے بڑھ جانا اسے محبت لگا تھا اور۔۔۔۔۔ دلدل میں دھنس جانا جدید محبت کے تقاضے۔ آج اسے گھن آتی تھی، آج وہ وقت میں پیچھے جا کر خود کو اس گند سے بچا لینا چاہتا تھا مگر وقت ان کا ہوتا ہے جو وقت کو تھام کر چلے ہوں۔

”واقعی؟ میں نے سنا ہے تم اس کی محبت میں گوڈے گوڈے گرفتار تھے۔“

”تھا۔“اس نے سچ کہا۔ ”ہمارا تعلق بہت پیچیدہ تھا۔ وہ سوشل میڈیا پر ریلیشن شپ کاؤنسلنگ کی باتیں کرتی تھی، والدین کے فرائض بتاتی تھی، میں اس سب کو اس کا اصل سمجھ بیٹھا لیکن یہ اس کا سوشل میڈیا تھا۔ وہ سچا تھوڑی ہوتا ہے۔ مجھے چند ماہ کے اندر اندر اس کی حقیقت معلوم ہوگئی تھی لیکن وہ میرا پہلا تعلق تھی جو میں نے اپنی مرضی سے بنایا۔ مجھے اس کی مہربان طبیعت سے محبت تھی، جو کہ اس نے سوشل میڈیا پر دکھائی۔ مجھے لگا وہ مجھے ہیل کر دے گی بروکن فیملیز کے بچے امید کا دامن نہیں چھوڑتے، ایک مکمل فیملی کی جھلک یا تصور انہیں کہیں سے بھی مل جائے تو وہ وہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کا نقاب اتر گیا وہ "وہ" نہ رہی تب بھی میں اس سے جڑا رہا کیونکہ۔۔۔۔۔۔“ وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ”وہ مجھے کہتی تھی میں لکھا کروں، اور صرف وہی کہتی تھی۔“

”تم لکھتے ہو؟“ بنفشہ ٹھٹکی نشست کی ٹیک چھوڑ کر سیدھی ہوئی۔

”اب چھوڑ دیا۔“

”تم کیا لکھتے تھے؟“

”تھرلرز۔۔۔ فلاسفی۔۔۔ اور جو دل چاہتا تھا۔“

وہ متحیر سی اسے تکے جا رہی تھی۔ ”تم نے لکھنا کیوں چھوڑ دیا، اسلان؟“

”کسی اور کے لیے نہیں لکھنا چاہتا تھا اور اپنے لیے لکھنے والے حالات نہیں رہے تھے سو چھوڑ دیا۔“ اس کے انداز سے لگ رہا تھا وہ مزید اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔

"اور پنار؟"

"she cheated on me" اس نے چار لفظوں میں بات سمیٹ کر رکھ دی۔ کمبخت بولنے پر آیا تو بلا کا کھرا آدمی نکلا۔ "اس دن کے بعد اس سے رواداری اور محبت بھی نہ رہی۔"

"پھر بھی چار سال سے اس کا سوگ منا رہے تھے؟"

"میں نے چار دن بھی اس کا سوگ نہیں منایا۔ بے وفائی کی سزا بے حسی ہے میں اس کی طرف سے بے حس ہو گیا تھا۔" تھوڑی دیر وہ دونوں خاموش رہے۔ پھر اسلان ہنسا۔ کنپٹی کو انگوٹھے سے مسلتے وہ ہنسا۔

"کیا ہوا؟" ایک بے اختیار مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی پھیلی۔

"اس نے ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ مجھ سے بے وفائی کی تھی اور میں اتنا پاگل ہو گیا تھا کہ میں نے اس آدمی کو پیٹا۔۔۔۔۔"

"وہاٹ؟" وہ بھی ہنسی۔

"اس وقت مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی میں بس اسے پیٹتا چلا گیا اوہ گاڈ۔۔۔۔ میں کتنا پاگل تھا؟" گردن نشست پر گرائے اب وہ قہقہے مار کر ہنس رہا تھا۔

"یہاں میں تمہارے لیے پریشان ہو رہی ہوں اور تم کس ڈھٹائی سے ہنس رہے ہو۔" وہ خفا ہوئی۔ البتہ اسے مسکراتے دیکھ اچھا لگا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے میں پریشان نہیں؟" اسلان نے بمشکل ہنسی روکتے گردن یونہی نشست پر گرائے ہوئے پوچھا۔ "میں بہت پریشان ہوں، بہت زیادہ۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے کوئی بم ٹک ٹک کر رہا ہے اور اسے صرف میں سن سکتا ہوں، صرف میں۔ کوئی ایسی تباہی آنے والی ہے جسے صرف میں محسوس کر سکتا ہوں لیکن میں اس کے آگے کوئی بند نہیں باندھ سکتا۔"

"کوئی اتنی پریشانی میں اتنا پرسکون کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ لبوں پر مدھم مسکان لیے اس سے پوچھ بیٹھی۔

”یہی تو میں پوچھ رہا ہوں، کیا کر رہی ہو تم میرے ساتھ ؟“”یعنی وہ گفتگو وہیں کی وہیں اٹکی تھی ؟“”تین گھنٹوں سے لگ رہا ہے کوئی پریشانی ہے ہی نہیں (کیونکہ تم ساتھ ہو) ٹک ٹک کی آواز تھم گئی ہے (کیونکہ میں تمہیں سن رہا ہوں) کوئی مصیبت آئی تو لگتا ہے میں اسے سنبھال لوں گا (یہ تم مجھے کیسے حوصلے دے رہی ہو؟) میری عادتیں نہ بگاڑو (حالانکہ مرض ادویات سے بڑھ چکا)۔“

”مجھے تم سے بہت سارے سوال کرنے ہیں۔“ بنفشہ نے کہا۔ اسے دیکھتے ہوئے اسلان نے اس کے پرس سے اس کی چھوٹی سی ڈائری نکالی۔ وہ چھوٹی سی منی ڈائری ہمیشہ اپنے پاس رکھتی تھی۔ اسلان نے انگریزی میں ایک ہیڈلائن لکھی۔ "وہ باتیں جو مجھے اسلان یمن سے پوچھنی ہیں۔"

”کیا کیا پوچھنا چاہتی ہو؟“

”تم نے وہ ریکارڈنگ ڈیوائس کیوں لگائی تھی؟ پارک میں اس وقت کیوں آتے ہو جب میں جاتی ہوں، رمضان میں ہر رات میرے لیے اپنا سیکرٹ جوس کیوں رکھتے تھے، میرے ساتھ ہر محاذ پر کیوں لڑنا چاہتے ہو عید پر وہ شرٹ کیوں پہنی جو میں نے لی تھی اور۔۔۔۔؟“

اسلان گردن جھکائے لبوں پر ہلکا سا تبسم لیے سب لکھتا گیا، وہ رکی تو اس نے گردن اٹھائی۔ ”بس؟“

بنفشہ نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ ”لکھو کہ عالم سر کے کہنے کے باوجود تم ایئرپورٹ روڈ کیوں آئے مجھے جناح روڈ سے کیوں نہیں لائے؟“ اسلان کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ بنفشہ نے جتاتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ”میں وکیل ہوں، یمن صاحب آپ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

ڈائری بند کر کے اس نے خجالت سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ”تم۔۔۔ تم اتنی دیر سے کیوں خاموش تھیں؟“

”جس دن تم میرے سوالوں کے جواب دو گے اس دن میں بھی سارے جواب دوں گی۔ تمہارے پاس کوئی ڈائری ہے جہاں حساب کتاب لکھ دوں؟“ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"تم جتنی زمین کے باہر ہو اتنی ہی اندر بھی ہو۔" اسلان نے ڈائری اس کے پرس میں واپس رکھی اور وہ مزید کچھ کہنے لگا تھا کہ اسی لمحے اس کی گاڑی کا دروازہ کسی نے ایک جھٹکے سے کھولا، وہ جو مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے ٹھٹکے مگر ان دونوں کو سمجھنے کا موقع دیے بغیر کسی نے اسلان کو گریبان سے کھینچ کر باہر نکالا۔

"کون ہو تم کیا چاہیے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں کیا چاہیے۔" دو لوگوں نے اسے جکڑے رکھا جبکہ تیسرے نے بلا کی سختی سے ہاتھ میں پکڑا خنجر اس کی پشت پر مارا، کندھے کے قریب۔ بنفشہ کی چیخ اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ لوگ آس پاس شور مچا رہے تھے، بھاگ رہے تھے اور گاڑی کے اندر بند لڑکی بار بار دروازہ بجا رہی تھی۔ اسلان ششدر سا انہیں تک رہا تھا اس کے حلق سے چیخ تک نہ نکلی۔

"چھوڑو اسے، میں پولیس کو کال کر دوں گی، چھوڑو۔" اس نے اپنے پرس سے پیپر اسپرے نکالا، اسلان کا موبائل اٹھایا اور عالم کو کال ملانے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے۔

گاڑی کے باہر اس نے ایک وار پر بس نہیں کیا تھا اس نے دو مرتبہ مزید خنجر اس کے کندھے میں گھونپا، وہ شل رہ گیا تھا۔ درد اتنا شدید تھا کہ وہ بس گر گیا۔ وہ کئی لوگ تھے، اسلان یمن کو مار رہے تھے اس کے منہ پر، پسلیوں میں، پیٹ میں وہ پٹ رہا تھا مزاحمت جیسے اب وہ کر ہی نہیں پا رہا تھا اس کا بازو شل ہو گیا تھا وار اتنے کاری اور اچانک تھے کہ وہ درد کے علاوہ کچھ سمجھ ہی نہیں پایا۔

"ہم ایئر پورٹ روڈ پر ہیں ------- ہم --- آپ آجائیں عالم سر اسلان کو کوئی مار رہا ہے پلیز --- جلدی آجائیں۔" عالم کا دماغ بھک سے اڑا، وہ نشست سے اٹھ کھڑا ہوا جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے سہراب نے اس کی طرف استہفامیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ کسی طرح دروازہ کھول کر باہر نکلی، پیپر اسپرے ان میں سے کسی ایک کے منہ پر مارا مگر دوسرا شخص اسے بالوں سے پکڑ کر دو تھپڑ رسید کر چکا تھا۔ بنفشہ کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔

اسلان کی آنکھیں بند ہو رہی تھی وہ ہاتھ اٹھا کر کچھ کہہ رہا تھا مگر کوئی سن نہیں پا رہا تھا۔ لرزتی پلکوں اور سست رفتاری سے گزرتے لمحوں میں اس نے پولیس کے چند افراد کو جمع ہوتے ہوئے دیکھا۔

اس نے کئی سو لوگوں کے چپ کھڑے ہوتے ہوئے ایک عورت کو اپنے لیے لڑتے اور مار کھاتے ہوئے دیکھا۔۔۔ وہ مارنے والوں کو روک رہی تھی۔ وہ اسے بچا رہی تھی، اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں۔

اگلے چند منٹ وہ نیم بے ہوش تھا۔ اس کے بعد منظر ٹوٹے بکھرے تھے۔

عالم اور سہراب اس کے پاس تھے وہ جھک کر کچھ پوچھ رہے تھے مگر اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا بس دو آنسو ٹوٹ کر کنپٹی میں جذب ہوئے۔ وہ ہسپتال میں تھا، گاڑی میں یا پھر کہاں؟ اس کا سر دکھ رہا تھا، کندھے شل تھے ڈاکٹر اسے کچھ چبھو رہا تھا۔ نرس سہراب کو باہر دھکیل رہے تھے مگر وہ کچھ کہہ رہا تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں، لہجہ بلند۔ بند ہوتی آنکھوں سے اس نے آراہ کو شیشے کے دروازے کے پار کھڑے اپنے لیے روتے دیکھا پھر سب گھپ اندھیرا۔۔۔۔ ساکت۔۔۔۔ شل۔

ایک آخری خیال جو اس کے ذہن میں تھا وہ آراہ کا تھا، جو آخری چہرہ ذہن کی فریم میں ابھرا وہ بنفشہ کا تھا۔

★★★★★★★★

موجودہ دن۔

"تم نے میرے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟" یہ واحد سوال تھا جسے سن کر اس کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔ جس کا جواب وہ نہیں دینا چاہتا تھا، جس پر رتی برابر صحیح اسے دُکھ تھا۔

"تم جانتی ہو۔" اس نے نگاہ چرائی۔

"میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔" شاہ ویر نے نفی میں سر ہلایا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے کرسی سے جڑے ہاتھ کھول دیے، آراہ حیران ہوئی وہ تیزی سے خود کو چھڑوانے لگی جب شاہ ویر نے اسے دیکھا۔ ان نگاہوں میں ایسی کاٹ، ایسی تنبیہ تھی کہ وہ اندر تک لرز گئی۔

"تم جتنی مزاحمت کرو گی مجھے اتنا ہی تمہیں چھونے کا موقع ملے گا، کیا تم ایسا چاہتی ہو؟" مدھم مخمور سا لہجہ تھا۔ آراہ ہل نہ سکی۔ "اگر تم یہ چاہتی ہو تو کہو میرے لیے یہ ایک اعزاز ہی ہو گا۔" اس نے آراہ کے چہرے پر آتے اس کے بال کان کے پیچھے اڑسے وہ اتنا قریب تھا کہ آراہ اس کی تپش محسوس کر سکتی تھی۔

”لیٹ می گو۔“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی جسم پسینے سے بھر گیا تھا۔

”ایک اور مزاحمت۔۔۔۔یعنی ایک اور اقرار نامہ؟“ اس کے چہرے پر ہاتھ رکھتے وہ قریب ہوا جب آراہ نے بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ شاہ ویر ہنسا، اسے روتے ہوئے دیکھا اور ایک بار پھر ہنسا زور سے، حظ اٹھاتے ہوئے، پھر اسے دیکھا۔ ”میں اسے ایک نہ سمجھوں؟“

”لعنت ہو تم پر، اللہ تمہیں ذلیل کرے تم مجھے جانے کیوں نہیں دیتے گھٹیا آدمی۔“ شاہ ویر نے برق رفتاری سے اس کا جبڑا اپنی مٹھی میں دبوچا، چہرہ اپنے چہرے کے نزدیک کیا۔ اس کا تنفس پل بھر میں تیز ہو گیا تھا۔

”یہ حق میں تمہیں نہیں دیتا، ڈارلنگ۔ دوبارہ اس طرح کا ایک بھی لفظ تمہارے منہ سے نکلا تو تم بھول جانا کہ مجھے کسی قسم کی اجازت درکار ہے۔“ اس کے کانوں میں صور پھونکتے اس کا جبڑا ایک جھٹکے سے آزاد کرتے ہوئے اب وہ اس کے ہاتھوں کی رسیاں کھول رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسے زمین پر بٹھا چکا تھا۔ زنجیروں میں قید، دیوار سے ٹیک لگائے اور وہ خود اس کے کندھے سے کندھا جوڑے خلاؤں میں تک رہا تھا۔ ”تمہارا بھائی بہت اچھا تھا، آراہ۔ لیکن۔۔۔۔۔ضدی تھا، سو تو میں بھی تھا۔ اصول پسند تھا اور میں اصول توڑنے والا اسے بدلنا چاہیے تھا کیونکہ میں نہیں بدل سکتا تھا۔ میں تو پیدا ہی ایسا ہوا تھا۔ وہ نہیں بدلا اور۔۔۔۔۔“ اس نے دھیرے دھیرے کہنا شروع کر دیا تھا۔

★★★★★★★★

ساڑھے چار سال قبل۔ ایڈنبرگ، اسکاٹ لینڈ۔

وہ یہاں سے جاتے ہوئے اندیشے لے گیا تھا جب آیا تو "خاموشی" ساتھ لایا۔ وہ اب شاہ ویر کے ساتھ ایڈنبرگ کے پرانے قلعے، میوزیم، کیفے، سپورٹس کلب کہیں نہیں جاتا تھا۔ جامعہ۔۔۔اور ہاسٹل۔ پنار کے دھوکے نے اسے کچھ حد تک چڑچڑا کر دیا تھا۔ وہ مسلسل اسے کالز کرنے لگی تھی اسلان نے اسے بلاک کر دیا، اس نے اسلان کے دوستوں کو پیغامات بھیجے وہ انہیں بھی بلاک کر چکا تھا۔ پنار جس رفتار کے ساتھ اس کی زندگی میں آئی تھی

اسے نکالتے ہوئے اسلان نے اس سے دگنی رفتار کا استعمال کیا تھا۔ بعض دفعہ اسے حیرت ہوتی تھی اس عورت کے لیے اس نے اتنے برس ذلت جھیلی؟

”میں لندن جارہا ہوں۔“ کانوں پر بڑے بڑے ہینڈ فونز چڑھائے وہ گیم کھیلنے میں مصروف تھا جب شاہ ویر نے اسے پکارا۔ اسلان نے "تھمز اپ" کا اشارہ کیا۔ شاہ ویر کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی وہ یوں بھی نہیں چاہتا تھا اسلان "اس" فلم کے معاملے میں کسی جوش کا مظاہرہ کرے۔ دل ہی دل میں وہ اس سے شرمندہ تھا۔ ”واپس آ کر میں یہاں سے شفٹ بھی ہو رہا ہوں۔“ اس نے ایک اور اطلاع نگاہ ملائے بغیر دی۔

اب کے اسلان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ نگاہوں میں استفسار تھا، زبان سے کچھ نہ کہا۔ ”میں اور راج ایک فلیٹ شیئر کریں گے یہاں بہت مشکل ہوتی ہے۔“

”یعنی راج سے اتنی گہری دوستی ہوگئی اور میں؟ مجھے کب بتانا تھا؟“ شاہ ویر نے اسے پل بھر میں بپھرتے ہوئے دیکھا۔ اندر کہیں اچھا لگا، وہی تو ایک مخلص تھا۔

”تم نے میری پوری بات نہیں سنی، تم میرے ساتھ جا رہے ہو۔“ واللہ یہ ابھی ابھی طے ہوا تھا۔ ”جو کام تم نے میرے لیے کیا اسے ایک proper job سمجھو، میں اتنے پیسے ایک مدیر کو بھی تو دیتا نا اب ان پیسوں سے تمہارا فلیٹ کے کرائے کا حصہ جائے گا۔“ وہ سامان ڈالتے ڈالتے رکا، اسلان چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا بھنوؤں کے درمیان بل تھے۔ شاہ ویر اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ ”جو بھی ہوا غلط ہوا تم۔۔۔۔“

”مجھے کوئی تسلی نہیں چاہیے۔“ وہ بگڑا۔ ”بچہ نہیں ہوں میں۔“

”تمہیں میں چاہیے ہوں یا میں بھی اضافی ہوں؟“

اسلان اٹھ کھڑا ہوا۔ بغیر کچھ کہے الماری تک گیا۔ ”یہ آخر کب تک چلے گا، اسلان؟ ایک لڑکی ہی تھی دھوکہ دے دیا تو بات ختم۔ یار ایسی لڑکیاں پتا نہیں کتنے لوگوں کی راتیں رنگین کرتی ہیں ان کو صرف اور صرف ون نائٹ اسٹینڈز کے لیے رکھا جاتا ہے یہ بیویاں نہیں بن سکتیں۔“ اسلان نے کچھ نہیں کہا بس اپنے کپڑے نکال کر پلنگ پر رکھے، اور شاہ ویر کو دکھا۔

”جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا میں شاہ ویر بنگش نہیں ہوں جسے ایک رات کے لیے لڑکیاں چاہیے ہوں، ہاں لیکن میں بے وقوف بھی نہیں مجھے اب وہ بیوی کا حیثیت سے بھی نہیں چاہیے۔ اور رہی بات میرے خرچے اٹھانے کی تو اب تک تمہیں اپنے باپ کے عہدے پر فائز نہیں کیا، زیادہ پیسہ ہے تو یتیموں میں بانٹو ورنہ تمہیں راتوں کو سڑک پر کھڑی ہونے والی مسکین عورتوں کی بھی تو بہت پرواہ ہے۔“ وہ کہاں چوٹ کر رہا تھا شاہ ویر جانتا تھا کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے وہ چپ رہا۔

”تم میرے ساتھ نہیں آؤ گے؟“

”میں کسی کے پیچھے نہیں جاتا، ویر۔ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے تو یہاں رہو۔ بنے ہوئے پلان میں مجھے فٹ کرنے کی کوشش مت کرو۔“

”تم شروع سے اس میں ساتھ تھے۔“

اسلان زیر لب مسکرایا پھر ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ”ضرور، اور پرنس چارلس بھی میں ہوں۔“

شاہ ویر نے آنکھیں گھمائیں۔ وہ اسلان کے اس نئے انداز سے بری طرح خائف ہو رہا تھا۔ وہ پہلے بھی ناقابل برداشت تھا اور اب تو حلق کو آ رہا تھا۔ ”اسلان پلیز میرے ساتھ چلو ہمیں ساتھ کام کرنا ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں میں جتنا عرصہ یہاں ہوں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔“

وہ کپڑے اٹھا کر غسل خانے کے دروازے پر ہی رک گیا۔ ”چاہتا میں بھی یہی ہوں لیکن مجھ سے جھوٹ نہ بولا کرو میں معاف نہیں کرتا۔“ ایسے تنبیہی انداز میں کہا کہ شاہ ویر بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا۔ اس کی رنگت فق ہوئی تھی۔ وہ محض ایک چھوٹے سے جھوٹ پر اسے اس طرح بات کر رہا تھا اگر اسے فریب کی بھنک پڑ گئی تو؟ کیا وہ اس دوست کو کھونے کا متحمل ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔؟

”آئی ایم سوری، اسلان۔ میں بہت مجبور تھا میں یہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں۔۔۔۔۔“ اسے خیالوں کی رو سے اسلان کی آواز نے کھینچ کر نکالا۔

”فلائٹ کتنے بجے کی ہے؟“

"ساڑھے پانچ۔"

"میں چھوڑنے جاؤں گا، انتظار کر رہا ہوں۔" وہ کہہ کر غسل خانے کے اندر بند ہو چکا تھا۔ شاہ ویر مضطرب سا پلنگ کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔ سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا ایک ایک لمحہ عذاب تھا، ایک ایک پل خوف زدہ کرتا تھا۔ اسے یہ نہیں کرنا چاہیے اب بھی وقت تھا۔۔۔۔۔ وہ پلٹ سکتا تھا چیزیں بدل سکتی تھیں۔

چند گھنٹوں بعد وہ دونوں ایئر پورٹ پر تھے۔ اسلان نے سفید شرٹ کے اوپر بھوری چمڑے کی جیکٹ پہن رکھی تھی جبکہ شاہ ویر سفید شرٹ کے ساتھ زنک کلر کے جیکٹ میں ملبوس تھا۔ فلائٹ میں ابھی وقت تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے تھے۔ "اپنا بہترین دینا اور اگر کسی بھی قسم کی اوور تھنکنگ کرنی ہو تو مجھے کال کر لینا، ساتھ کریں گے۔" اس نے کسی بڑے بھائی کی طرح شاہ ویر کا کندھا تھپتپایا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"پنار کے حوالے سے پوچھ رہے ہو؟" گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں، ویر۔ اس رات پاشا کے گھر سے نکلتے ہوئے میں پنار کی محبت وہیں چھوڑ کر آیا تھا۔ سچ کہوں تو اب مجھے اس کا خیال بھی نہیں آتا۔ ہوتے ہوں گے کچھ لوگ جن کے لیے آگے بڑھ جانا مشکل ہوتا ہو گا لیکن میرے لیے آسان ہے۔ دھوکہ اور جھوٹ میری حد ہے۔ پنار نے دونوں حدیں پار کر دیں۔" اس نے انگوٹھے کی پشت سے ماتھا عادتاً مسلا۔ "میں آزاد ہوں، بالآخر بالکل آزاد۔"

"اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" ایڈن برگ کی ہوائیں ان کے بال اڑا رہی تھیں آس پاس سے سیاح اور مقامی لوگ گزر رہے تھے۔

"خواب پورے کروں گا۔" تازہ فضا سانسوں میں تحلیل کرتے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "لکھوں گا ۔۔۔۔۔ بلکہ لکھ لیا ہے۔ میری ساری فکریں جو تمہیں پنار کی فکریں لگتی تھیں وہ دراصل میری لکھائی کے مسائل تھے۔ میں نے اپنی شارٹ سٹوری شائع کرنے کا سوچا ہے۔"

"کون سی شارٹ سٹوری؟"

”dilemma“ شاہ ویر کے چہرے کا سارا ماس کسی مردار نے نوچ کھایا وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بنا اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ ہوائیں کسی کیمکل کی طرح اسے جھلسا گئیں۔

”میں جانتا ہوں بعض لوگوں کو وہ controversial لگتی ہے، بعض کو وہ پسند نہیں لیکن میں اپنے کام کو اپنے لیے شائع کرنا چاہتا ہوں۔ پہچان چاہیے مجھے، سمجھ ہی نہیں پایا کبھی کہ میرا لکھا دنیا کو پسند کروانے کے لیے نہیں تھا میں تو حقیقت کے تھپڑ لکھتا تھا۔ اور دنیا فینٹسی کی ماری۔“ وہ جیسے خود سے کہہ رہا ہو شاہ ویر قطرہ قطرہ مر رہا تھا۔ پرواز، لندن، فلم سب غائب ہو گیا، سب ساکت۔۔۔۔ یہی فلم وہ لیپ ٹاپ کے قید خانے میں رکھ کر لے جا رہا تھا۔

”جب تم واپس آؤ گے تب تک میں اس کی نوک پلک سنوار لوں گا ایک ایجنٹ سے میری بات ہو گئی ہے تمہارے دوست کا کام شائع ہو گا، ویر۔“ اب بھی وقت تھا وہ لیپ ٹاپ میں پڑی اس فلم کو خارج کر سکتا تھا یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ پرواز کا اعلان ہونے لگا، یکدم ہلچل سی مچ گئی۔ اسلان جو کب سے اس کا بیگ پکڑے کھڑا تھا اب اس کی طرف بڑھایا۔ دونوں بازو اس کے گرد پھیلا کر ایک سخت سا حصار قائم کیا، پھر اس کا کندھا تھپک کر پیچھے ہوا۔ البتہ ہاتھ فخریہ انداز میں اس کے شانوں پر رکھے ہوئے تھے۔

”میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔“

نچڑی رنگت والے ڈھانچے نے مردہ آنکھیں اٹھا کر اسے تکا۔ وہ اس کے لیے دعا کرے گا اور وہ خود کیا کر رہا تھا؟ بغیر کچھ کہے وہ آگے بڑھا۔ ہر ایک قدم کامیابی کی اور۔۔۔۔ یا پھر غصب کی اور۔۔۔۔ وہ پلٹ نہیں رہا تھا پلٹتا تو رک جاتا اسے رکنا نہیں تھا اسے کامیاب ہونا تھا شخص نہیں شخصیت بننا تھا، نام نہیں پہچان بننا تھا۔۔۔۔ گمنامی نہیں نام چاہیے تھا اور نام کی خاطر۔۔۔۔؟

”ویر؟“ اس نے عقب میں کھڑے ہو کر اسے پکارا۔ شاہ ویر مڑا۔ ”مجھ سے کبھی بھی جھوٹ مت بولنا، ویر۔“ وہ چندپل انہی مردہ آنکھوں سے اسے تکتا رہا ذہن کے دریچوں پر ایک ایک منظر دستک دے رہا تھا۔ ٹیچرز کا نظر انداز کرنا، اس کے باپ کا اس سے خوف زدہ رہنا، اس کا عیش و عشرت کے لیے تڑپنا، اور وہ چبھن .... اس

چبھن کو وہ کیسے بھولے ؟ اس نے پلکیں جھپکیں وہ بس یہی کر سکا۔ اس نام، عزت، مقبولیت کے لیے وہ زیادہ سے زیادہ قتل تک کر سکتا تھا اور کم سے کم........... ؟ ایک عدد اسلان یمن کی قربانی یہ کوئی گھاٹے کا سودا نہیں تھا کم از کم اسے نہیں لگا۔

فسق دل کو چھو چکا تھا اور اب وہ اتارے نہیں اترنا تھا۔

★★★★★★★

"لندن فلم فیسٹیول"

دنیا کے مختلف کونوں میں مختلف فلمی میلوں کا انعقاد سالانہ بنیادوں پر ہوتا ہے جن میں نئے ہدایت کار، اور لکھاریوں کے فن کو پہچانا اور سراہا جاتا ہے۔ دنیا بھر سے بڑے بڑے ہدایت کار اور فلم سازان میلوں میں شامل ہوتے ہیں ہر سال چند نئے لکھاری اور ہدایتکار ابھر کر سامنے آتے ہیں اس سال بھی کسی نے آنا تھا۔ کسی کا حق مار کر، کسی کے دل کو پنجوں سے چیر کر۔ وہ کسی "شاہ ویر بنگش" تھا۔

کئی مختصر فلمز دکھائی جا چکی تھیں۔ تیسری رو میں بیٹھا شاہ ویر طلال بنگش اپنی باری کے انتظار میں تھا۔ اس کا دل سنگلاخ دیواروں کے ساتھ سر پٹخ رہا تھا مگر اس کا چہرہ بے حد عامیانہ تاثرات کے ساتھ سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس کی دائیں طرف ہالی وڈ کا مایاناز فلم ساز ڈیوڈ جانسن بیٹھا تھا۔

"اگلی فلم میری ہے۔" شاہ ویر نے دھیمی آواز میں اسے بتایا۔ سفید رنگ کے تھری پیس سوٹ میں تازہ تازہ شیو کے بعد بال اچھے سے جمائے وہ تازہ دم اور وجیہہ لگ رہا تھا۔

"بیسٹ آف لک!" ڈیوڈ نے کہا۔

"یہ مجھے آپ سے کہنا چاہیے۔" ڈیوڈ جو اسے ہر دوسرے ایشیائی کی طرح گوروں کی دوڑ میں بھاگتا ہوا سمجھ رہا تھا اس نے بے اختیار اچھنبے سے اسے دیکھا۔ شاہ ویر نے مسکراتے ہوئے اضافہ کیا۔ "اس پریمئر کے بعد مجھے ان سب کی۔۔۔۔۔" اس نے اگلی رو میں بیٹھے چند مایہ ناز ہدایتکار اور فلم سازوں کی طرف اشارا کیا۔ "کالز آنے والی ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں میں ان سب کی کال نظر انداز کروں تو بیسٹ آف لک مجھ سے ابھی بات کریں۔"

لبوں پر مٹھی جمائے ڈیوڈ محظوظ ہوا۔ ”اپنی پہلی فلم بناتے ہوئے میں بھی اسی اعتماد کے ساتھ گیا تھا۔ کافی لوگوں کو لگا میں "too much" ہوں لیکن مجھے خود پر اعتبار تھا۔ اپنی جوانی جیسا اعتبار دوبارہ دیکھ کر اچھا لگا۔“

شاہ ویر نے سر کے خم سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ ”صرف اچھا لگا؟ یعنی آپ متاثر نہیں ہوئے؟“

”میں نے تمہارا کام نہیں دیکھا، اور یہاں اس انڈسٹری میں اعتماد کی بنا پر کام نہیں ملتا۔ اگلی بار کے لیے بیسٹ آف لک۔“ وہ اٹھا، شاہ ویر کا کندھا ہولے سے تھپتھپاتا اگلی رو کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد شاہ ویر نے کوئی موٹی انگریزی گالی اس کی شان میں کہی اور سکرین کی طرف متوجہ ہو گیا، جہاں اس کی فلم کی سکریننگ ہو رہی تھی۔

وہ دم سادھے سکرین کو تک رہا تھا اسے یاد تھا یہاں تک آنے کے لیے اسے کیا کیا کرنا پڑا تھا، اسے ایک ایک پل یاد تھا۔ بعض دفعہ اپنی مرضی کے برخلاف اسے چند عورتوں کی ضرورت کا سامان بننا پڑا تھا، کیونکہ وہ عورتیں اس کا کام یہاں تک لانے کے لیے "زینہ" تھیں۔ بعض مرتبہ اسے بے دریغ پیسے لٹا کر ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک شہر سے دوسرے شہر جانا پڑا تھا۔ ہدایت کار اور فلم سازوں کی اولادوں سے دوستی کرنے کے لیے کتنی ہی دفعہ کسی بار میں ان کے شراب پیتے وجود کو سہارے دیے تھے، نشے کی زیادتی کے باعث ان سے گالیاں کھائیں تھیں بعض دفعہ اپنی جیکٹ پر ان کی قے برداشت کی تھی۔ ان کے معیار پر پورا اترنے کے لیے ڈرگز، کوکین اور مختلف نئی منشیات کا استعمال کیا تھا وہ یہاں "فٹ" ہونا چاہتا تھا ہر صورت، ہر قیمت پر۔

کہانی شروع ہوئی۔ کریڈٹس دیے جانے لگے۔

سکرین پلے، شاہ ویر بنگش

فلمسازی: شاہ ویر بنگش

ہدایت کار، شاہ ویر بنگش

منظر بندی، شاہ ویر بنگش۔۔۔۔

اب کے ہال میں کئی نگاہیں متلاشی تھیں۔ کئی ایشیائی چہروں کے درمیان وہ "شاہ ویر بنگش" کو دیکھنا چاہتے تھے وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے دھڑکتا دل لیے سکرین کو تک رہا تھا۔ اس کی محنت ۔۔۔۔۔۔ اس کے کئی سالوں کا ثمر ۔۔۔۔۔ کہانی چاہے کسی اور کی تھی ہدایت اس کی تھی، اداکار اس کے چنے ہوئے، یہاں تک لانے کا حوصلہ اس کا تھا۔

کہانی پاکستان کی تھی۔ بہاولپور کے کسی شہر کا منظر جہاں بارش تڑاتڑ برس رہی تھی اور ایک گھر کے چھوٹے سے کمرے میں کوئی عورت حالت زچگی میں مبتلا تھی۔ ایک مرد کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔ اس کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ بیوی کی ہر کراہ، ہر سسکی پر وہ دل تھام لیتا تھا۔ چند گھنٹوں کے صبر آزما انتظار کے بعد دائی باہر آئی، کڑکتی بجلی میں اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ مرد جو کہ بے چین سا اس کی طرف بڑھا تھا ٹھٹک کر رکا دائی کی آنکھوں میں دیکھا وہاں کراہیت تھی اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔۔۔۔۔

"نہ زن، نہ مرد ۔۔۔۔۔" وہ رکی آواز ہلکی رکھی۔ "بیچ والا ہے۔" اب کے اس کے لہجے میں بھی کراہیت در آئی۔ چوہدریوں کے یہاں پہلی اولاد اور وہ بھی ۔۔۔۔وہ بھی ۔۔۔۔ استغفار۔۔۔ سارے گاؤں نے تھو تھو کرنی تھی۔ اور پھر وہ ہوا جو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا۔ بچے کو اسی خون آلود بدن کے ساتھ اٹھا کر کہیں کسی کچرے پر پھینک دیا گیا۔ بچے کو پھینکنا، رات کا وہ منظر، برستی بارش، علاقے کے مناظر سب کچھ اتنا اصلی تھا کہ نگاہیں سکرین پر اٹک کر رہ گئیں کبھی نہ ہٹنے کے لیے۔ سانس لینا غیر ضروری عمل تھا۔

ماں کی کراہیں جو کچھ دیر قبل تک چوہدری کے دل کو گھائل کر رہی تھیں اب وہ بے وقعت ہو گئیں۔ وہ عورت بمشکل چلتی اس تک آئی، نقاہت زدہ پسلیوں کو توڑتا درد برداشت کرنے کے باوجود ایک ماں۔ وہ ماں جس کے لیے اولاد کی کوئی جنس اہمیت نہیں رکھتی۔ چوہدری دوزینے نیچے کھڑا تھا، مکمل بھیگا ہوا چوہدرائن چھجے تلے بوچھاڑ اس تک بھی آرہی تھی۔

"ظالم نہ بن چوہدری۔ تو نہیں پال سکتا تے دنیا وچ پالن والے بتھیرے ۔۔۔۔۔۔ اس کی برادری کو بلوا دے یوں اسے کچرے کی زینت تو نہ بنا۔" ہر نومولود لڑکے اور لڑکی کا گھر وہ ہوتا ہے جہاں اس کے ماں باپ رہیں کچرے

کے ڈھیر سے جب اسے اٹھایا گیا، اس کے پاس زبان ہوتی تو وہ پوچھتا میری برادری کوئی اور کیوں؟ کون سا دین، کون سا قانون تمہیں اجازت دیتا ہے کہ مجھے میرے مختلف اعضاء کی بنا پر کسی کے حوالے کرو، اور تم انسان تم کون ہوتے ہو یہ طے کرنے والے کہ میری برادری کون سی؟

وہ بے زبان تھا وہی رہا، پیروں میں گھنگھرو پہنے، بالوں میں وگ لگائے ہولے ہولے قدم لیتا وہ اس کا ہم برادری انسان تھا جس نے اسے کوڑے سے اٹھانے کے بعد بھی چوما۔ کوئی معاشرے کے ان "مرد" اور "عورتوں" سے پوچھے اللہ کی تخلیق سے کراہیت کھانے والے تم کون؟

ہال بے چین تھا، ماتھے پر سلوٹیں تھیں، ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی جا رہی تھی، انداز نشست بدلے جا رہے تھے یہ ظلم۔ ایسا ظلم کسی نے کب اور کہاں دیکھا تھا؟ برصغیر نے ہمیشہ دیکھا تھا۔

اگلے منظر جوانی کے تھے گیارہ سال کی عمر سے قبل اس سے بھیک منگوائی گئی اور اس دوران کئی لوگوں نے گزرتے ہوئے اسے نامناسب انداز میں چُھوا۔۔۔ وہ سمٹ گیا، لاج آ گئی۔ جس دن بھیک نہ ملی اسے کسی کے گھر شادیوں میں جا کر ناچنا پڑا، نشے میں دھت مرد ایک بار پھر انہیں اپنی ملکیت سمجھتے۔ اور وہ اپنی برادری کے لوگوں کی بے بسی پر کڑھتا۔۔۔ جلتا، انہیں کلو کلو میک اپ تھوپ کر کسی کی بیٹے کی پیدائش، نوکری ملنے اور شادیوں پر ناچتے دیکھتا۔

اسے اسکول بھیجا گیا تو بچے طعنے کسنے لگے، اساتذہ یا تو اسے ترحم بھری نگاہ سے دیکھتے یا پھر کوفت اور کراہیت سے ہر روز آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ خود کو دیکھتا ہاتھوں کی انگلیاں تو اس کی بھی وہی تھی جو اس کی کلاس کے "لڑکے" کی۔ آنکھیں تو اس کی بھی دو تھیں جیسے اس کی کلاس کی "لڑکی" کی۔ ناک، بال، ہونٹ، ہاتھ، پیر، ٹانگیں سب وہی تھا۔ ہاں جسم کی بناوٹ میں کچھ فرق تھا مگر جسم تو اللہ تخلیق کرتا ہے؟

دینیات پڑھتے وقت وہ جب بھی کوئی آیت پڑھتا تو اللہ اپنے بندوں کو "میرے بندوں" کہہ کر پکارتا۔ بعض دفعہ "اے جانوروں اور انسانوں کے گروہ" بھی کہا مگر کہیں بھی "اس" کی ذات کو الگ مخاطب نہیں کیا تھا یعنی وہ انہیں انسانوں کا حصہ تھا، اسے یہیں رہنا تھا، اس کے ماں باپ پر اس کے بھی فرائض تھے پھر یہ زندگی کیوں؟

"باجی میرے ابا نے مجھے دیکھا تھا؟" بعض دفعہ وہ گھر کی بڑی سے پوچھتا۔

"نہیں۔" ہمیشہ کا سا جواب آتا۔

"اسی لیے تو چھوڑا جے دیکھا ہوندا تے چھوڑتے نہ۔" وہ چمکتی آنکھوں سے خود کو تسلی دیتا اور آس پاس گزرتے اس کے لوگ ہنس پڑتے وہ دیکھنے کی بات کرتا تھا یہاں تو بعض ایسے تھے جن کو گیارہ بارہ سالوں کی عمر میں گھر سے نکالا گیا اور کسی کو کوئی ترس نہ آیا۔

چند ماہ بعد اسے اسکول سے نکال دیا گیا کیونکہ وہ معاشرے کے "مکمل" بچوں جیسا نہیں تھا۔ وہ الگ تھا اور وہ اسکول کے ماحول پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ اس رات وہ رویا تھا۔۔۔۔۔۔ بے حد، بے تحاشا کیونکہ اگلے دن اسے جسم فروشی پر لگایا جانے والا تھا پاکستان اور بھارت میں پیدا ہونے والے ہر تیسرے خنثیٰ اور خواجہ سرا کا مقدر۔۔۔۔۔۔۔۔

کوئی اسے استعمال کر کے وہیں اسی سڑک پر پھینک گیا۔ اس کے وقت اور تکلیف کی قیمت اس کے منہ پر ماری گئی کاغذ کے وہ چند نوٹ سڑک پر بکھر گئے، اور وہ چپ چاپ چت لیٹا آسمان کو تکتا رہا۔ اگر وہ غلیظ تھا تو اللہ نے اسے وہی زمین کیوں دی، وہی آسمان کیوں اور وہی ہوا کیوں؟ اس نے سانس روک لی۔۔۔۔۔۔ اسے ڈر لگا۔ وہ تو نا مکمل اور غلیظ تھا۔ اس شہر کے شرفاء اور "مکمل" انسانوں کے درمیان اسے سانس لینے کا کیا اختیار؟ کیا وہ اس ہوا کو میلا کر دے گا؟

سانس اتنا رکا کہ اسے کھانسی آگئی، ساتھ رونا، اور پھر ہنسنا بھی۔ تارکول کی سڑک پر روتے، ہنستے، خون تھوکتے وہ اپنی بدترین رات کا غم غلط کر رہا تھا۔ اونچے اونچے مغموم قہقہے فلک تک گئے۔

یہ اداکاری، یہ سنگل شاٹس، یہ بنا مکالموں کے درد کا بیان۔۔۔۔۔۔ لوگ جذبات کے کسی سمندر میں غوطہ زن تھے سانس لے لیتے تو کھارا پانی حلق میں گھس جاتا۔

وہ ناچنے لگا تھا، بھیک بھی مانگتا، لوگوں کی سنتا بھی مگر جب اپنی سناتا تو پیٹ دیا جاتا، جب قطاروں میں کھڑے ہونے کی باری آتی تو اسے آخر میں کھڑا دیا جاتا، شرفاء اس کے حق چھین کر بھی وہی رہتے وہ مانگ لیتا تو اوقات سے بڑھا ہوا کہلاتا اس کی ذات اب "انسان" نہیں تھی وہ ایک خنثٰی تھا ایک انٹر سیکس جس پر ہر کسی کا اختیار تھا اور اگر وہ انکار کرتا تو دھنک کر رکھ دیا جاتا۔

ایسی ہی ایک رات جب اسے کسی اور شریف گھرانے سے اپنی برادری کے ایک "اضافے" کے لے کر جانے کی کال موصول ہوئی تب اس نے ایک تہیہ کیا۔ ایک اور خنثٰی نہیں، ایک اور خواجہ سرا نہیں اسے اس دنیا میں ایک "انسان" پالنا تھا۔ سانس لینے، تعلیم لینے، عزت لینے کے تمام حقوق سینے پر لکھوا کر لایا انسان۔ وہ اس گھر پہنچا جہاں "خنثٰی" پیدا ہوا تھا۔ چوروں کی طرح بچہ اس کے حوالے کیا گیا چند ہزار روپے اسے پکڑائے گئے، جنہیں اس نے نہ لیا۔ بچہ ساری زندگی کے لیے دیتے ہیں اور روپے اتنے کہ ایک بار اگر حرارت ہو جائے تو سب اسی میں خرچ۔۔۔

وہ اسے لیے سڑکوں پر نکل آیا۔ "تجھے پتا ہے میں بھی شاید تیری طرح کسی کے حوالے کیا گیا تھا مجھے بھی رات کے اندھیرے میں میرے گھر سے بے دخل کیا گیا تھا میں تو غلط جگہ پہنچ گیا تو نہیں پہنچے گا۔" اس نے نوزائیدہ بچے سے عہد کیا۔ "تیرے میرے گھر والوں کو لگتا ہے یہ زندگی ہم نے منتخب کی، یہ ہمارا قصور ہے لیکن تجھے ایک بات بتاؤں؟ ایک چیز ہے "سائنس" وہ کہتی ہے ہماری حالت پر ہمارا، ہمارے والدین کا کوئی اختیار نہیں ارے یہ تو بس ہو جاتا ہے، بس ہے، یونہی۔۔۔۔ جیسے مرد ہے، عورت ہے، جیسے زمین ہے، آسمان ہے۔ لوگ ہمیں گالی یا آنکھ کا اشارہ دے کر بلاتے ہیں کیونکہ ہم بے عزت ہیں لیکن اب سے نہیں۔ تو اس معاشرے کا خنثٰی بن کر نہیں بلکہ ایک انسان بن کر پلے گا۔ تیری عزت بھی وہی ہو گی جو باقی سب کی، تیرا مرتبہ وہی جو باقیوں کا۔"

چلتے چلتے یکلخت اسے ٹھوکر لگی۔ اسے لگا کوئی پتھر ہے مگر وہ کوئی پیر تھا کسی "مرد" کا پیر۔۔۔۔ اس نے نگاہیں جھکائے رکھیں اس سڑک پر وہ ایک پیر نہیں تھا۔ نفیس جوتوں میں بند وہ آٹھ پیر تھے یعنی چار لوگ، چار مرد۔

ہال میں بیٹھے لوگوں کی سانسیں بے اختیار رکیں۔ کئی نے زیر لب "نو۔۔۔۔نو۔۔۔۔نو" کہا۔ ہر کوئی محسور سا سکرین کو تک رہا تھا۔

وہ قدم پیچھے لے رہا تھا ایک "tense music" عقب میں چلنے لگا تھا۔ آسمان سے تیز تیز بارش برسنے لگی۔ سکرین ایک پل روشن ہوتی، اگلے پل تاریک۔۔۔۔ سکرین کا روشن لمحہ وہاں بیٹھے ہر شخص کے لیے تاریکی تھا۔ لوگوں کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔ وہ لڑ رہا تھا، پٹ رہا تھا۔۔۔۔۔ انکار کر رہا تھا واسطے دے رہا تھا مگر اس کی نہیں سنی گئی۔ جس طرح ہر سال کئی ہزار خواجہ سرا، اور خنثاؤں کی نہیں سنی جاتی۔ اور انہیں زندہ درگور کیا جاتا ہے۔

چند گھنٹوں بعد سڑک پر ایک نیم جان وجود پڑا تھا۔ کل صبح تک اگر اس کی لاش کسی کو مل جاتی تو خبر لکھ دی جاتی۔ "بہاولپور کے فلاں فلاں علاقے میں ایک خنثی یا خواجہ سرا پر تشدد اور اجتماعی زیادتی۔۔۔۔۔" ایک ہیڈ لائن اور بس۔۔۔۔۔۔ انہیں ایک گمنام پیدائش کے بعد ایک گمنام موت کے سوا کچھ ملتا ہے کیا؟

وہ چند پل یونہی پڑا گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ اپنے تار تار وجود کو سمیٹتے، خود کو گھسیٹتے وہ بچے کی طرف آیا جو اسی کی طرح نیم برہنہ تھا، جو اسی کی طرح مستقبل میں ذلیل ہونے والا تھا، اسی کی طرح اس سے تعلیم، دین، دنیا، عزت ہر حقوق چھننے والے تھے۔ اس نے بچے کے آنسو صاف کیے، اسے یاسیت سے دیکھا۔ زخمی پن آنکھوں کو بھگو رہا تھا۔

"ایک۔۔۔انسان۔۔۔۔والی۔۔۔۔زندگی۔۔۔ نہیں تو۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟" اس کی نیم مردہ آنکھوں میں کوئی چمک ابھری، اس کے ہاتھ چیختے بلبلاتے بچے کے منہ پر تھے، آوازیں گھٹ گئیں۔ "تم۔۔۔ ایک "خواجہ سرا" والی موت کے حقدار نہیں، میں تمہیں ایک انسان والی موت دوں گا۔ ایک عزت دار موت، ایک، خنثی یا خواجہ سرا کے ہاتھوں آئی موت۔" اگلے کئی لمحے بچہ تڑپا، رویا، چیخا اور چند منٹ بعد وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ ٹھنڈا یخ۔۔۔۔ بالکل ساکت۔ بارش تھم گئی تھی، ہر طرف سکوت پھیل گیا۔

آخری شاٹ ڈرون سے لیا گیا تھا، آسمان کی طرف اٹھتا ہوا کیمرہ جو شہر کے مضافات میں گردش کر رہا تھا۔ شہر ویسا کا ویسا تھا، حلوائی اب بھی پکوان بنا رہا تھا، ڈاکٹر اب بھی مریضوں کو نسخے لکھ لکھ کر دے رہے تھے، اداکارائیں اپنے

فن کے جوہر دکھا رہی تھیں، سب معتدل تھا سب صحیح۔ کسی خواجہ سرا، کسی خنثی کے مرنے سے معاشرے کو بھلا کوئی فرق پڑتا ہے کیا؟

سکرین تاریک ہوگئی۔۔۔۔۔ آخر میں سفید روشنائی سے ہر سال انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش اور دنیا کے کئی ممالک میں مرنے والے خواجہ سراؤں کے اعداد و شمار آ رہے تھے۔ تصاویر، لاشیں، اور ایک بار پھر اعداد۔۔۔۔

ساتھ ساتھ کوئی وائس اوور چل رہا تھا۔

”کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں اگر سڑک کے ایک طرف کتا مر جائے اور دوسری طرف خواجہ سرا تو لوگوں کو اس کتے کے مرنے کی فکر زیادہ ہوگی۔ ہمیں پنچ اور غلیظ سمجھا جاتا ہے اسی لیے ہمیں ہمارے ہی گھروں سے نکال پھینک دیا جاتا ہے میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں اگر ہم اتنے ہی غلیظ ہیں تو تمہارے بیٹے کی پیدائش پر اس غلیظ کا ناچ کیوں دیکھتے ہو، ہماری بددعا سے اتنا کیوں ڈرتے ہو کیونکہ بقول تمہارے ہم پر تو خدا کا عذاب ہے، ہم ان کی اولادوں کے ساتھ جاب نہیں کر سکتے، پڑھ نہیں سکتے، کھا نہیں سکتے لیکن ان کی اولاد کی خوشی پر ناچ سکتے ہیں، دعا دے سکتے ہیں، محفل لگا سکتے ہیں۔ جب جب ہمارے بنیادی حق کی بات آتی ہے تو کہا جاتا ہے ان کے ساتھ زیادتی غلط ہے۔ ہمارے ساتھ آپ کا "outcast" رویہ بھی غلط ہے۔ ہمارے لیے الگ اسکول کیوں، ہمارے لیے الگ استاد کیوں، ہمارے لیے ترس اور ترحم کیوں؟ اللہ نے تمام انسانوں کو برابر بنایا خطبہ حجتہ الوداع کہتا ہے کسی عجمی کو عربی پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں پھر آپ کو مجھ پر فوقیت کیوں ہے؟ ہر سال کئی خواجہ سرا محض جنسی درندگی اور معاشرتی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے اعداد بن جاتے ہیں اور اعداد رہ جاتے ہیں انسان نہیں۔“

آخر میں ایک نام لکھا آیا۔

A short film by :shahveer talal bangash

کئی لمحے ہال میں سکتہ طاری رہا، پھر سکتہ ٹوٹا۔۔۔۔۔ وقت نے روکی ہوئی سانس خارج کی۔ جیوری کے افراد ایک دوسرے کے کانوں میں کوئی سرگوشی کرنے لگے اس سارے عرصے میں شاہ ویر سانس روکے بیٹھا تھا۔ کئی لمحات

بعد سرگوشیوں پر عمل درآمد ہوا جیوری کے تمام افراد اٹھ کھڑے ہوئے، ان کے آگے پیچھے ہدایت ساز، فلم ساز، اداکار سب کھڑے ہوئے یہ اس شام کی پہلی فلم تھی جسے standing ovation مل رہا تھا۔

اس کے بعد منظر ہی بدل گئے کئی لوگ اس سے مصافحہ کر رہے تھے، کئی اس کا نمبر مانگ رہے تھے، بیشتر نے اسے اپنے سٹوڈیو آنے کی پیشکش دی۔۔۔۔وہ باہر آیا سرخ کارپٹ پر کھڑے اس کے قدم چاند پر تھے رپورٹرز، پاپارازی سب اس کی تصاویر لے رہے تھے یہ شام عظیم تھی اس رات شاہ ویر بنگش نے بلندیوں کے زینے پر پہلا قدم دھر دیا تھا، یہ آخری ہرگز نہیں تھا۔ یہاں سے ساری دنیا اس کے قدموں میں، یہاں سے وہ اعلیٰ، آج شخص سے شخصیت بننے کی پہلی رات تھی۔ تابناک، بے حد روشن۔

★★★★★★★★★

اگلے چند دنوں میں اس نے کیا کیا نہیں دیکھا؟

اس کی مختصر فلم کو سال کی سب سے بہترین فلم قرار دیا گیا، اس کی سوچ جاننے کے لیے اس عظیم مقصد کے پیچھے کی وجوہات جاننے کے لیے لوگ دیوانے ہو رہے تھے۔ اس کے کئی انٹرویوز لیے جانے لگے۔

پوری دنیا سے خواجہ سرا عوام اسے پیغام بھیج رہی تھی کسی نے ان پر لکھا، انہیں فلمبند کیا آہ وہ اس شخص کے ہاتھ چوم لینا چاہتے تھے۔ چند ایک کو اس کے لکھے کی خاطر حقوق ملنے لگے۔

لندن کے بعد اس کا اگلا قیام امریکا تھا جہاں نیویارک کے سب سے بڑے ناشر اس کا کام شائع کرنا چاہتے تھے انہوں نے شاہ ویر سے کہانی ذرا بڑھانے کو کہا اور وہ کمبخت ایک بار پھر اسلان کو بے وقوف بنا گیا۔۔۔۔اسلان کا وہ مسودہ جو اس نے اپنے ایجنٹ کو بھیجنا تھا شاہ ویر نے پڑھنے کی خاطر منگوایا اور امریکی ناشر کے حوالے کیا۔ اب دھوکے کی ایسی لت لگی تھی کہ غذا فریب، نظر مکر اور لہجہ دغا۔

”تم مجھ سے وعدہ کرو کہ ابھی میری فلم نہیں دیکھو گے، اور اس کے بارے میں کسی سے بھی بات نہیں کرو گے میں چاہتا ہوں تمہارے پہلے تاثرات میں خود دیکھوں۔“ جب اسلان نے اس سے فلم دیکھنے کی بات کی تب شاہ ویر نے اس سے یہ کہا تھا۔ وہ ٹھہر گیا۔ یونیورسٹی یوں بھی نہیں جا رہا تھا کہ سیمسٹر بریک چل رہا تھا فلم اب تک کسی جگہ

ریلیز نہیں ہوئی تھی محض یونیورسٹی کے کچھ لوگوں کے پاس شاہ ویر کی بھیجی ہوئی کاپی تھی جسے وہ نہیں دیکھے گا اگر اس کے دوست نے نہ کہا ہے تو یہی سہی۔

پاکستان تک اس کی کامیابیوں کی خبر گئی تو اس کا باپ اس سے ملنے آیا۔ بڑی مدتوں بعد اسے لگا زندگی سہل ہو گئی ہو۔ بروکلین برج کے سامنے کھڑے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اس کے باپ کی آنکھوں میں فخر تھا۔ وہ دونوں کافی کے کپ لیے کھڑے تھے، تھوڑی دیر بعد دونوں نے ٹیک لگا لی اور آسمان کو تکنے لگے۔

"میں بہت خوش ہوں، ویر۔" کافی دیر بعد طلال بنگش نے ہلکی آواز میں کہا۔ "میں سچ کہنا چاہتا ہوں جب سے تم نے اس بچے کو ہاکی اسٹک سے مارا تھا تب سے لے کر آج تک میں تمہارے لیے صرف متفکر رہا ہوں لیکن آج۔۔۔۔" انہوں نے بازو شاہ ویر کے کندھے کے گرد پھیلایا۔ "میں خوش ہوں۔ بلاخر تم اس جگہ ہو جہاں میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ تمہاری جگہ ہے، تم میرا فخر ہو اور ہمیشہ رہو گے۔"

بلاخر وہ اس جگہ تھا جہاں وہ خود کو دیکھنا چاہتا تھا۔ پہلی بار زید اس کے باپ اور اس کے درمیان سے نکل گیا، پہلی بار انہوں نے صرف اسے سراہا تھا، زندگی میں پہلی بار اس کا باپ اس سے راضی تھا شاہ ویر کا بس نہیں چلتا تھا وہ ساری دنیا میں جشن کی منادی کروائے۔ ہر طرف چراغاں کرے آج کے بعد سے وہ امر ہو چکا تھا۔

"میں تمہیں اس انڈسٹری سے دور رکھنا چاہتا تھا لیکن تم نے اس میں رہنے کی ایک جگہ بنا ہی لی۔"

وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ مدتوں بعد اس کے زخم نہ ادھیڑے جائیں کہ انہیں سینے کو پھر مدتیں بھی ناکافی ہوتی ہیں۔

"یہ تمہارا انعام۔۔۔۔" انہوں نے جیب سے ایک ڈبیا نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ شاہ ویر نے اسے کھولا اندر سفید سونے کی زنجیر تھی۔ "تمہیں دیکھ کر ایک ہی رنگ یاد آتا ہے، سفید۔ تم میرا سرمایہ ہو، ویر میرا سفید سونا۔"

شاہ ویر نم آنکھوں سے مسکرایا، اور اپنے باپ کو دیکھا وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اس کی زندگی یہاں مکمل ہو چکی تھی۔ "میرا اچھا بیٹا۔۔۔۔ جس طرح تم اس بیماری سے لڑے، اسے ہرایا۔۔۔۔ تم نے ثابت کیا تم میرے سب سے بہترین بیٹے ہو۔" اس کا کندھا تھپک کر انہوں نے شاہ ویر کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگایا۔ "مجھے مایوس مت کرنا، ویر۔"

"نیور۔۔۔۔نیور ایور۔" فرط جذبات سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے یقین دہانی کروائی۔

پاکستان میں اس کے گھر والوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا۔ اسے عالمی سطح پر ایوارڈز کے لیے نامزد کیا جانے لگا، فلموں کی پیشکش آنے لگی زندگی میں ہلچل مچ گئی تھی اس ساری ہلچل میں ہر بھیڑ میں، ہر مسکراتے لہجے میں سب سے زیادہ مسکراتا چہرہ اس کے دوست کا تھا۔ ہر بھیڑ میں وہ دکھ جاتا تھا، مدح سرائی کرنے والوں میں وہ اول۔۔۔۔

شاہ ویر پورے بیس دن بعد ایڈن برگ لوٹا، ایئر پورٹ پر وہ اسے لینے آیا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ اس کی سرخ آنکھیں بڑھی ہوئی گھنی داڑھی اس کی مصروفیت کی چغلی کھا رہی تھی۔ یوں لگا جیسے وہ بس لکھتا رہا ہے۔

جامعہ کے ایک ہجوم میں ہر ایک کے درمیان راستہ بناتا، ہر گلدستہ شکریہ کے ساتھ تھامتا، رد کرتا وہ اس تک آیا۔ سامان کا بستہ پھینک دیا، پھول گرا دیے اس نے چند فرلانگ کا فاصلہ دوڑ کر طے کیا اور تیزی سے اسلان کے سینے سے لگا۔ شدت سے، حسرت سے۔

"میرا اسپر سٹار!" اس کے بال بگاڑتے اسلان نے خوشی سے کہا۔ وہ مسکرا رہا تھا، شاہ ویر کی آنکھیں نم تھیں۔ وہ کندھا تھپک رہا تھا شاہ ویر رو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں، چہرہ صاف کیا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا، دونوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے کو گلے لگایا اس بات سے بے خبر کہ یہ آخری بار تھا۔ قیامت ان کے در پر دونوں ہاتھوں سے دستک دے چکی تھی۔

★★★★★★★★★★★★

"عالمگیر کی رہائی کے چند روز بعد!"

"مجھے تو لگتا ہے یہاں آنا بھی بے کار ہو گا۔" یہ آواز عالمگیر کی تھی۔ سہراب اور عالم ایک تنگ رقبے والے گھر کی بیٹھک میں فرشی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں اسٹیل کے گلاس تھے جن میں ٹھنڈا پانی تھا۔ ایک دس بارہ سال کا لڑکا طشت اٹھائے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ جوہر ٹاؤن کی عمارت نمبر چار کے سابقہ چوکیدار کا گھر تھا۔ انہیں یہاں آئے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ رفیق کی بیوی انہیں بٹھا کر اندر چلی گئی تھی۔

”ایسے معاملات وقت لیتے ہیں ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر مت سوار رہا کرو۔“ اپنے موبائل پر انگلیاں چلاتے ہوئے سہراب نے ناگواری سے کہا۔ عالم اس کے اس رویے سے خاصا بے زار تھا مگر جیل نے اس کے ضبط کا گراف بڑھادیا تھا آج کل وہ باتیں پی جاتا تھا۔ (ورنہ وہ ان سب کو بتاتا عالم چیز کیا ہے)۔

”روشن کی بیٹی وہ۔۔۔۔۔۔“

”خدا کے لیے اب روشن کی بیٹی کا پیچھا چھوڑ دو عالم۔ میں نے دو دن اس کا پیچھا کیا ہے۔ بچوں کو قرآن پڑھانے والی سادہ سی عورت ہے باپ اور بہن کی موت کے بعد بالکل تنہا ہاں اگر چوتھی شادی کا سوچ رہے ہو تو اسے نظر میں رکھنا کسی غریب کو سہارا مل جائے گا۔“ عالم "لاحول" پڑھ کر رہ گیا۔ اب شادی کریں اس کے دشمن۔ سہراب نے موبائل پر کوئی ویڈیو چلا کر موبائل اسے تھمایا۔ ویڈیو میں کوئی عورت تھی جو بازار سے سودا سلف لیتی دکھائی دے رہی تھی، کہیں وہ محلے کے کسی گھر سے پانی بھر رہی تھی، کہیں صبح صبح خواتین کے کسی مدرسے جا رہی تھی ایک اور بات جس پر عالم نے غور کیا وہ اس کی لنگڑاہٹ تھی۔

”یہ۔۔۔۔۔؟“

”شادی کے دوسرے مہینے ساس اور نندوں نے اس کو زینوں سے گرادیا تھا تب سے ایسی ہے۔“

”اور شوہر؟“

”طلاق۔“

”اوہ!“ یک لفظی تبصرے کے بعد عالم نے وہ ویڈیو اپنے نمبر پر بھیجی اور موبائل سہراب کے حوالے کیا۔ اسی پل بیٹھک کے دروازے کے باہر جوتے اتارتا پٹھان مرد نظر آیا۔ اس کا چہرہ سرخ و سپید تھا جسامت بھری بھری۔ بوسکی کی قمیض پر ڈھیلی ویسٹ کوٹ پہن رکھی تھی۔

رفیق نے ان کے لیے قہوہ منگوایا، ساتھ جلیبی بھی بھیجی گئی۔ آہ پٹھان اور ان کی مہمان نوازی۔۔۔۔۔۔

"پانچ عورتیں تھیں صاحب۔" حال احوال کے بعد یہ پہلی بات تھی جو اس نے کہی۔ عالم اور سہراب نے ایک دوسرے کو دیکھا عالم کے انداز میں ڈھیلا پن تھا جبکہ سہراب بے زاری سے اٹھنے ہی لگا تھا کہ اس نے نگاہوں کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔

"یقین نہیں آیا نا؟" وہ گویا ان کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ "کسی کو یقین نہیں آتا جب میں نے پولیس کو بیان دیا تب وہ بھی کہتے تھے کہ رفیق لالہ سٹھیا گیا ہے۔"

"آپ کی بات پر یقین کرنے کے لیے کوئی جواز بھی تو ہونا چاہیے۔" بیٹھک کے دروازے پر جوتے اتارتے ہوئے اسلان یمن نے پشتو میں کہا۔ رفیق کا لڑکا اس کے ساتھ ہی تھا سہراب کو تاؤ آیا جب اسے کہا تھا گاڑی میں انتظار کرے تو اسے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔

"بھتیجا ہے میرا۔" رفیق کی سوالیہ نگاہوں کو گویا قرار آیا۔

"چار عورتوں کی لاشیں ملی تھیں اگر پانچویں عورت کوئی تھی تو وہ کہاں ہے؟"

"مجھے کیا پتا؟" رفیق چمک کر بولا۔ "میں نے بس یہ دیکھا کہ پہلے وہاں چار عورتیں تھیں پھر وہ پانچویں عورت بھی آئی۔ وہ گاڑی آنے سے پہلے آئی تھی۔"

"گاڑی؟" عالم نے اچھنبے سے اس کی بات کاٹی۔

"ہاں جی وہی سیاہ بی ایم ڈبلیو۔۔۔۔۔۔" چائے کی دھار کپ میں انڈیلتے وہ تیز تیز جواب دے رہا تھا۔

"آپ کو پتا بھی ہے بی ایم ڈبلیو دکھتی کیسی ہے؟" عالم نے پوچھا۔

"غریب ہوں صاب، شوق اور خوابوں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اچھی طرح پتا ہے مجھے بی ایم ڈبلیو کیسی دکھتی ہے۔"

"اچھا تو کیا کوئی نمبر پلیٹ وغیرہ یاد ہے یا پھر کوئی شخص جو گاڑی سے باہر نکلا ہو۔"

"بالکل یاد ہے پولیس کو بھی بتایا تھا لیکن میرا بیان تو شامل ہی نہیں کیا یہ کہہ کر کہ میں ذہنی مریض ہوں۔" اس نے پیالی اسلان کی طرف بڑھائی جسے وہ شکریہ کے ساتھ تھام گیا۔ ایک رو میں بیٹھے تینوں یمن اچھے، مضبوط اور الگ سے لگ رہے تھے۔ "اب تو خاصہ وقت ہو گیا نمبر پلیٹ یاد نہیں لیکن اس دن میرا بیٹا بھی میرے ساتھ تھا وہ

چھوٹے والا۔۔۔۔۔" اس نے کونے میں کھڑے بارہ سالہ لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔" اس نے کاپی پر ڈرینگ (ڈرائنگ) بنایا تھا۔ کیا کمال کا کام کیا تھا۔"

وہ اٹھ کر اوپر رکھے بستے اٹھا رہا تھا جب اسلان اس کی مدد کو اٹھا۔ الماری کے اوپر رکھے بستے اتار کر وہ نیچے لایا۔" گاڑی سے دو لوگ اترے تھے صاحب ایک وہ مرد وہ جو ٹی وی پر نہیں آتا؟ اس کی ماں بھی ٹی وی پر آتی ہے ۔۔۔۔۔۔ کیا نام تھا۔۔۔۔۔" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔" ہاں بنگش وہ شاہ میر بنگش۔"

"شاہ ویر بنگش؟" عالم نے اس کی بات اچک لی۔ سہراب خاموش رہا۔ اسے مائی سوہائی سے ملنے والی معلومات کے تحت علم تھا کہ نو نومبر کی رات شاہ زید لاہور میں نہیں تھا۔ بی ایم ڈبلیو اس کی گاڑی تھی جسے شاہ ویر بسا اوقات زیر استعمال لاتا تھا۔

"ہاں وہی۔۔۔۔" اس نے ایک پرانی کتاب نکال کر دکھائی جس پر ہوئی ڈرائینگ نہایت بھدی تھی مگر کونے میں بیٹھے شرماتے لڑکے کو اسلان اور عالم نے بڑی واضح مسکراہٹ کے ساتھ سراہا وہ پھولے نہ سماتا تھا۔" دونوں اندر گئے تھے پھر تھوڑی دیر بعد میری جگہ کسی اور کی ڈیوٹی آگئی تو میں چلا گیا لیکن اس دن میرا فورتھ فلور والے صاحب کے پاس کام تھا میں اسی کے پاس رک گیا تھا۔" سہراب نے کتابوں کے درمیان ایک پرانا رجسٹر اٹھالیا ورق گردانی کرتے وہ مطلوبہ سال اور تاریخ تک جا پہنچا۔ نو نومبر۔۔۔۔ دخول اور خروج کا اندراج۔

رات گیارہ بج کر دس منٹ، انٹری BMW ساتھ گاڑی کی نمبر پلیٹ پر درج نمبر لکھا تھا اس نے موبائل نکالا انداز میں عجلت تھی۔ سلطان نے جس گاڑی کا نمبر لکھا تھا یہ وہی تھا۔

"ڈیم اٹ۔۔۔۔" آراہ کا تعاقب کرنے والی گاڑی اور نومبر کو عمارت میں داخل ہونے والی گاڑی ایک ہی تھی۔

سیاہ بی ایم ڈبلیو۔۔۔۔۔۔ یعنی بنگش خاندان واقعی ملوث تھا؟

"اور وہ پانچ عورتیں؟ پانچویں کون تھی آپ نے اس کی لاش دیکھی تھی؟"

"لاش نہیں دیکھی لیکن۔۔۔۔ میں نے روشن کو دیکھا تھا۔" اسے وہ منظر یاد آیا جب روشن بوکھلایا ہوا اس کے سامنے آکر رکا تھا وہ جو فاروق صاحب کے فلیٹ سے نکل رہا تھا روشن کو دیکھ کر ٹھٹکا۔

”میری بیٹیاں۔۔۔۔۔۔میری دونوں بیٹیاں اندر ہیں خدا کے لیے کچھ کرو میری بیٹیاں۔۔۔۔“

”میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی دونوں بیٹیوں کو اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا ایک کی لاش باہر آئی اور دوسری باہر آہی نہیں سکی۔“

”اس حادثے کے بعد تم کبھی روشن سے ملے؟“ عالم نے اپنا آخری سوال کیا کیونکہ چار کی بجائے پانچویں عورت کی یہ گتھی اس کا دماغ گھما رہی تھی۔ اور جیل سے پی کر آیا صبر کا پیالہ چھلکنے لگا تھا۔

”جس دن اس کو تھانے لے گئے تھے اس دن ملا تھا۔“ اس نے اعتراف کیا۔ ”جس بیچارے کی دو دو بیٹیاں جل کر مر گئی ہوں اس کا کیا ہی رہ جاتا ہے؟“

”کیا اس نے اس روز تم سے کہا کہ اس کی دونوں بیٹیاں مر گئی ہیں؟“

”نہیں۔“

”بالکل کیونکہ اس کی ایک بیٹی زندہ ہے۔“ سہراب تلخی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ لمحوں کے اندر اندر وہ باہر چلا گیا تھا۔ اسلان اس کے پیچھے گیا محض عالم تھا جو وہاں بیٹھا رہا۔

”آپ بھی جاؤ مت کرو میرا یقین۔“ عالم زخمی سا مسکرایا۔

”میرے پاس مواقعوں اور شواہد کی قلت ہے لہٰذا تم مجھے بتاؤ اس روز روشن نے تم سے کیا کہا تھا؟“

”میں کچھ سمجھا نہیں تھا اس نے کہا تھا احسان اور صلہ رحمی کا اثر دیرپا ہوتا ہے جسے وہ چھوڑے جا رہا ہے وہ انصاف کرے گی۔“ وہ رکا جیسے اس کے الفاظ یاد کر رہا ہو۔ ”جس دن خوف ختم ہو گا اس دن انصاف ہو گا۔ نہ جانے وہ کس کے خوف ختم ہونے کی بات کر رہا تھا؟“ کوئی واضح پیغام نہیں، کوئی اشارہ نہیں اب یہ عالم پر منحصر تھا وہ اس واحد سرے کو تھامے رکھتا یا آگے بڑھ جاتا، شدومد کے گھپ اندھیرے میں۔

وہاں سے اٹھتے ہوئے وہ یقین کر چکا تھا کہ اس رات وہاں پانچ عورتیں موجود تھیں۔ اس کے پاس شواہد کی قلت تھی جو مل رہے تھے انہیں سچا سمجھنا پڑا۔

★★★★★★★★★

اس کھنڈر عمارت میں آراہ نے اسے میز پر رکھی ٹی وی کی تاریں جوڑتے ہوئے دیکھا۔ ذرا سی حیل وحجت کے بعد وہ ٹی وی پر میچ چلا کر واپس اس کے قریب آکر بیٹھ گیا تھا۔ باہر سردی کافی بڑھ گئی تھی سو اندر بھی ٹھنڈ سی لگ رہی تھی۔ شاہ ویر نے گرم چادر اس کے گرد پھیلائی۔

"کیا لگتا ہے کون جیتے گا؟" پاکستان افغانستان کے میچ پر نگاہیں جمائے اس نے آراہ سے پوچھا۔ وہ چپ رہی۔ چیخ، لڑ اور رو کر وہ تھک چکی تھی۔ "تمہاری خاطر دیکھتا تھا کرکٹ تاکہ جب تمہیں ڈسکس کرنا ہو تو محض مجھ سے کرو۔"

"دیر ہوگئی ہے مجھے جانے دو۔" اس نے تکان سے کہا۔ شاہ ویر نے مڑ کر ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پر ڈالی۔

"میری ہر کوشش کو خاک کیوں کرتی ہو؟"

"مجھے جانے ۔۔۔۔۔" شاہ ویر نے اس کے اگلے لفظ سنے بغیر اس کے منہ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھا اور شعلہ باز نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا صبر مت آزمایا کرو۔" سرد ٹھنڈی آواز میں کہہ کر وہ اس کا سارا خون خشک کر چکا تھا۔ کافی دیر تک یونہی ایک سخت گرفت رکھنے کے بعد وہ پیچھے ہوا آراہ کے چہرے پر اس کی انگلیاں چھپ گئی تھیں۔

"جو بتا رہا ہوں وہ سنو۔۔۔۔۔۔۔ کیونکہ تم محض میری باتیں برداشت کرسکتی ہو عمل نہیں۔" وہ کہنا شروع ہو چکا تھا اور آراہ محض یہ سوچ رہی تھی کیا یہی وہ انسان تھا جس کی خواہش اس نے کی تھی؟ وہی چند مخصوص کتابوں والا مرد، دنیا کے لیے برا محبت میں اچھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ اس کے لیے اچھا کیوں نہیں بن رہا تھا؟

★★★★★★★★★★

شاہ ویر کے لندن سے آنے کے دو دن بعد!

ایلکس ہمہ وقت سنجیدہ تاثرات اور کٹیلی نگاہوں کے ساتھ اپنے گردونواح کے لوگوں کو گھورتا پایا جاتا۔ وہ ایک گورکن (قبریں کھودنے والا) کا بیٹا تھا جو اپنی کہانیوں کے لیے پورے ہاسٹل میں مشہور۔ کیمپنگ کے دوران جامعہ کا ہر غول اسے اپنے ساتھ لے جانے پر مصر رہتا کیونکہ وہ ہر فن مولا تھا، اس سے بڑی وجہ ایک بار پھر اس کی

کہانیاں ہوتی تھیں۔ کیسے اس نے قبر کے کسی مُردے کو بولتے سنا، کب اس نے دو سائیکو پیتھ مردوں کو قبریں کھودتے اور مُردوں کی ہڈیاں نکالتے دیکھا اس کے علاوہ بھی اس کے پاس بہت کہانیاں تھیں۔ شاہ ویر کو اس کی کہانیاں بہت پسند تھیں۔ ایک عجیب سا سکون تھا ان میں ۔۔۔۔ درد، تکلیف، بے بسی عجب سا سرور تھا وہ ایسی کہانیاں سن کر عجیب محسوس نہیں کرتا تھا اسے مزہ آتا تھا اور چند ماہ بعد ایلکس کی کہانیاں اس کے لیے بد مزہ ہونے لگیں اسے مزید چاہیے تھا کچھ اور، اس سے زیادہ تکلیف دہ، اس سے زیادہ بے بس کر دینے والا اسی مقصد کے تحت وہ آج جانس کے فلیٹ پر تھے۔ شاہ ویر، راج بیر سنگھ اور اسلان یمن۔ جانس کے فلیٹ میٹس بھی جڑ کر بیٹھے تھے۔ وہ سب باتوں میں، اور سکرین پر مصروف تھے جبکہ اسلان اپنا لیپ ٹاپ گود میں لیے اونچے پر سرار عمارتوں کو تکتے ہوئے لکھنے میں مصروف تھا۔ اس کی داڑھی اور بال کافی بڑھے ہوئے لگ رہے تھے، وہ کافی کا تیسرا کپ بنا کر اب دوبارہ بالکنی کا باسی ہو گیا تھا۔ آج کل وہ کسی سے ملتا نہیں تھا، بات نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ ہاسٹل سے باہر بھی نہیں نکلتا تھا اپنی چھٹیاں اس نے اس کتاب میں سر دے کر گزار دی تھیں۔

"یہ ڈارک ویب ہے کیا چیز؟" شاہ ویر کے گھٹنے پر سر رکھے سیب میں دانت گاڑتے ہوئے راج نے پوچھا۔

"انٹرنیٹ کی ایک قسم ۔۔۔۔" ایلکس نے کہا۔ "جو قسم ہم استعمال کرتے ہیں وہ surface web ہے۔ یہ انٹرنیٹ کا پانچ یا چھ فیصد حصہ ہے اس کے بعد دو اور قسمیں ہیں جو ہم سے مخفی ہیں۔ deep web اور dark web"

"اور وہاں کیا ہوتا ہے؟" سوال راج کی طرف سے آیا، وہ معصوم آدمی تھا۔ لوگوں کے ساتھ گھل مل جانے والا، انجام سے بے نیاز، آج میں رہنے والا۔

"ہر طرح کے غیر قانونی، غیر انسانی کام۔ وہاں اسلحہ، ڈرگز، چوری کیے ہوئے مہنگے سامان بیچے جاتے ہیں اور ۔۔۔۔" ایلکس نے سانس لینے کو ڈرامائی وقفہ لیا۔ "انٹرنیٹ کے اس حصے پر اصلی قتل، زیادتی، تشدد ہوتا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ براہ راست نشریات۔" ایک لمحے کو وہاں بیٹھے سارے لڑکوں کا دل رک گیا۔ سوائے شاہ ویر اور ایلکس کے۔ ان کی آنکھوں میں کچھ عجیب سا ابھرا تھا۔ پر جوش اور متجسس سا تاثر۔

"عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی اسی سال کی عورت سے لے کر آٹھ ماہ کی بچی کے ساتھ بھی زیادتی کی جاسکتی ہے۔اس لائیو نشریات کو لاکھوں لوگ دیکھتے ہیں اور پیسے دیتے ہیں۔زیادہ پیسے دینے پر viewer اپنی مرضی کا ٹارچر بھی کرواسکتا ہے۔اگر آپ کسی کو مروانا چاہتے ہو تو کرائے کا قاتل ملے گا،کسی کو ٹارچر کروانا ہے تو یہ بھی ہو جائے گا سارا کھیل پیسے کا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"it's a myth "

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ڈارک ویب اور ڈیپ ویب پر صرف یہی نہیں ہوتا۔"

مختلف لوگ، مختلف آوازیں۔۔۔۔۔بس ایک شاہ ویر تھا جو چپ تھا۔اس کا ذہن یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن ہے۔انسان،انسان کے ہاتھ لگے اور کچھ نہ ہو؟

"یہ سچ ہے۔"ایلکس کے لب ہلے ایک سخت اختلافی لہجہ۔"تم لوگوں میں سے کوئی peter scully کے بارے میں جانتا ہے؟"سب نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ کئی قسم کے فراڈ اور ایک خطیر رقم کے لینڈ اسکیم کے بعد فلپائن بھاگ گیا۔وہاں جا کر اسے ایک کال گرل ملی۔پیٹر اسے ہر طرح سے جنسی تشدد کرتا تھا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ عورت اس تشدد کی عادی ہو گئی پیٹر اور اس کے درمیان ایک ٹراما بانڈ بن گیا۔اسی طرح اسے ایک اور لڑکی بھی ملی کچھ عرصے بعد وہ ان دونوں لڑکیوں کو لے کر کہیں اور چلا گیا اور ایک کاروبار شروع کیا۔"

"کیسا کاروبار؟"ایلکس کی رگوں میں کھنچاؤ اترا اس کی آنکھیں رنگ بدل رہی تھیں۔شاہ ویر طلال بنگش گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے محظوظ سا اس قصے کو سن رہا تھا۔

"ڈارک ویب پر براہ راست نشریات۔۔۔۔۔"اس کے لبوں کے کونے عجیب سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔"اس کی دونوں باندیاں چھوٹے چھوٹے بچوں کو ان کے ماں باپ سے کھانے،گھر اور حفاظت کے دعوے پر اپنے پاس

لاتیں اور اور پیٹر ان کے زریعے روپیہ کماتا۔ اس نے نو، بارہ اور اٹھارہ ماہ کی بچیوں کے ساتھ زیادتی کی اور یہ سب براہ راست نشر ہوا۔ دنیا نے دیکھا۔"

"یہ جھوٹ ہے کوئی انسان اس حد تک نہیں گر سکتا کہ اپنے ہی ہم جنس کو اس قدر تکلیف میں دیکھے اور اس دیکھنے کے پیسے بھی لے۔ جھوٹ، بک رہے ہو تم۔"

"انٹرنیٹ پیٹر پر بنی ڈاکیومنٹریز سے بھرا ہوا ہے اصل وکٹمز، اس کی گرفتاری کے بعد کی اصل ویڈیوز ۔۔۔۔۔اور بہت کچھ۔"(پیٹر اسکلی واحد مثال نہیں اور درج بالا اس کی درندگی کے محض جھلک ہیں، مزید تفصیل قاری کا جی اور ذہنی صحت خراب کر سکتی ہے لہذا اگر کوئی مزید جاننا چاہے تو انٹرنیٹ پر سرچ کر لیں)

پوری کتھا بیان کر کے وہ توصیفی نگاہوں سے اپنے سننے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ تمام کی نگاہوں میں کراہیت تھی سوائے ایک آدمی کے۔ کیا اس کا نام لینے کی حاجت ہے؟ پہلی بار ایلکس کی کہانیوں نے ہر شخص کو پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پہلی بار ہر صحت مند دماغ کا جی اکتایا تھا۔

"کیا تم لوگوں کو اب تک یقین نہیں ہے؟" ایلکس نے ان کے چہرے پر حیرانگی بھانپتے ہوئے سوال داغا ساتھ اپنا موبائل اٹھایا۔ "تمہیں دو ہزار سترہ میں بننے والے ٹیلی گرام گروپ کے بارے میں بھی نہیں پتا؟"

کئی سر نفی میں ہلے۔ ایلکس نے اضافہ کیا۔ "دو ساؤتھ کورین لڑکوں کے بنائے ہوئے چیٹ رومز جن میں لاکھوں لوگ دیکھنے والے تھے۔ یہ ڈارک ویب ایکٹویٹی تھی جو surface web پر ہوتی رہی اور دو سال تک کسی کو کوئی علم ہی نہیں ہو سکا تم سب کو واقعی نہیں پتا؟" وہ جتنا حیران ہوتا کم تھا۔

"ان گروپس میں کیا ہوتا تھا؟" جانس نے پوچھا۔ آوازیں اسلان تک جا رہی تھیں وہ سن رہا تھا البتہ یہ گفتگو اسے سخت ناگوار گزر رہی تھی۔ یہ معلومات اس کے لیے نئی نہیں تھیں لیکن پھر بھی ۔۔۔۔۔ کچھ عجیب تھا ان میں۔ اس کا جی چاہا اٹھ کر ایلکس کا منہ بند کروائے۔ مگر شاہ ویر کو دیکھ کر چپ رہا۔

"دو طرح کے گروپس تھے جہاں ٹین ایج، نوکری پیشہ یہاں تک کہ مائنر لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ ان گروپس کے ایڈمن تیئیس اور چوبیس سال کے تھے کچھ تو اٹھارہ سال کے اور کچھ مائنرز۔ لڑکیوں کو ان کی نازیبا ویڈیوز کے

زریعے ہراساں کیا جاتا، انہیں زبردستی ملنے بلایا جاتا اور انہیں ہر طریقے سے استعمال کیا جاتا۔ کئی عورتوں نے تو slavery contracts سائن کر رکھے تھے۔ اب ان کا ایڈمن جیسے چاہتا انہیں استعمال کرتا۔ flame group نامی ایک ٹیم نے اس گروپ کے راز فاش کیے اور ان کے دونوں ایڈمنز کو گرفتار کیا گیا۔"

"یقیناً اتنی عورتوں کے ساتھ ظلم کرنے کے بعد ان جانوروں کو پھانسی دی گئی ہوگی؟"

"کم کو پینتیس اور ووبن کو بیالیس سال کی سزا۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔ "دنیا کو لگتا ہے پیٹر، کم اور ووبن گرفتار ہوں گے تو یہ سب ختم ہو جائے گا دنیا ان لاکھوں دیکھنے والوں کو کیوں بھول گئی ہے۔ اگلے ناشر وہ بھی تو ہو سکتے ہیں؟ ایک ویژن چند گرفتاریوں کے بعد ختم نہیں ہوتا۔" وہ اس "ویژن" کا علمبردار لگ رہا تھا۔

"مجھے یہ سب نہیں دیکھنا۔" راج نے سب سے پہلے کہا۔ اس ہندوستانی کا دل محفلوں کے لیے کُھلا تھا اس قسم کی تخریب کاریوں کا وہ منافر تھا۔ "ہجے میری انسانیت باقی جے، میں ختم نئ کرونی (ابھی میری انسانیت باقی ہے میں نے ختم نہیں کروانی)۔"

"i am out" جانس نے بھی سرخ جھنڈی دکھا دی۔

"میرا دل بہت نازک ہے۔" کرک نے کہا۔

سب ایک ایک کرتے اٹھ گئے، کوئی بیٹھا رہا تو صرف شاہ ویر بنگش۔ ان سب کے جانے کے بعد ایلکس نے اسے دیکھا، دیکھ کر مسکرایا شاہ ویر کی نگاہوں کا تجسس لمحے بھر کو بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

"مجھے یقین تھا تم مجھ جیسے ہو، تمہاری کامیابی تمہاری سخت دلی کا ثبوت ہے۔" یہ آواز ہلکی تھی اسلان تک نہیں گئی۔ وہ اپنا کام کرتا رہا جبکہ شاہ ویر کسی نشے کے تحت اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ اسے حد دیکھنی تھی، اسے کچھ "نیا" دیکھنا تھا۔

★★★★★★★★★★

"ویرہاسٹل چلیں؟" اسلان نے بالکنی میں بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔ جواب ندارد۔ اس کی گردن تھک گئی تھی، اس نے کندھے اور گردن کے کس بل نکالے گردن دائیں سے بائیں گھمائی تو کچھ بہتر محسوس ہوا۔

"سو گئے ہو کیا؟" اسلان نے دوبارہ پکارا ایک بار پھر جواب نہیں آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گردن کو اسکریچ کر کے پٹھوں کو کچھ آرام دیا اور اٹھ کر اندر کی طرف آیا۔ لیپ ٹاپ میز پر رکھ دیا سب شاید کمرے میں جا چکے تھے ہال خالی تھا۔

"ویر؟" وہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔

ابھی وہ شاہ ویر کو دوبارہ پکارتا کہ ادھ کھلے دروازے سے اس کی نگاہ اندر پڑی۔ بڑی سی سکرین پر جو منظر چل رہا تھا وہ اسے ساکت کر دینے کو کافی تھا۔ اس کی آنکھیں گویا ابل کر باہر آنے لگیں۔ سکرین پر کسی جانور کے ساتھ تشدد کیا جا رہا تھا اور شاہ ویر آنکھیں پوری طرح سکرین میں گاڑے اس منظر میں غرق تھا۔ خون۔۔۔ فرش پر ڈھیر سارا خون تھا آس پاس کٹے ہوئے جسم سے لٹکتے اعضاء اور اگلے لمحے کچھ اس قدر غیر انسانی ہوا کہ اسلان خود پر قابو ہی نہ رکھ سکا وہ ایک ہاتھ دیوار پر رکھے گردن جھکائے قے کر رہا تھا۔

اس کی آواز پر شاہ ویر چونکا، ایسے جیسے کسی کا نشہ ٹوٹا ہو۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر اس کے قریب آیا البتہ ایلکس کے قدم نپے تلے تھے۔ شاہ ویر نے اس کی پیٹھ سہلائی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، کیا کھا لیا تھا؟" وہ نیچے جھکا اب بھی قے کر رہا تھا جو اس نے دیکھا تھا وہ اب اسے ساری زندگی کسی بری یاد کی طرح یاد رہنے والا تھا۔ اس کی رنگت نچڑ کر رہ گئی۔

"ہیئے۔۔۔۔ آر یو آل رائٹ؟ مرد بنو۔۔۔۔" ایلکس نے اس کی گردن کو غیر معمولی انداز میں چھوا اسلان نے چہرہ اٹھایا اور کسی بپھرے ہوئے شیر کی مانند ایک گھونسا اس کے منہ پر دے مارا۔ چہرہ تانبے کی مانند سرخ تھا۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے۔" وہ نیم جان سا لڑکا غرایا۔ آنکھیں لہو چھلکا رہی تھیں بدن لرز رہا تھا خوف سے یا طیش سے اندازہ مشکل تھا۔

"کیوں تم سونے کے بنے ہو؟" اب کے اس نے اسلان کا بازو چھوا اسلان نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اسے دھکا دیا۔ اس کے چھونے میں کوئی کراہیت اور تنبیہ تھی کوئی ضد بھی جسے اس وقت اسلان سمجھ نہیں سکا۔ اور ایلکس نے حظ اٹھایا۔ "کیا ہوا ٹیک اٹ ایزی۔۔۔" وہ غلیظ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ایلکس بیہیو ہاتھ مت لگاؤ اسے۔“ شاہ ویر نے سختی سے اسے ٹوکا۔ آوازیں سن کر باقی سب بھی باہر آ گئے تھے۔ کچھ شب خوابی کے لباس میں، کچھ بیئر کے کین ہاتھ میں لیے موبائل پر کچھ دیکھتے ہوئے۔ شاہ ویر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ متفکر۔ ”کیا ہوا ہے بھائی؟“

”اسے یہاں سے نکالو ابھی کے ابھی اور یہ اگر دوبارہ مجھے تم لوگوں میں سے کسی کے پاس بھی نظر آیا تو میں پولیس کے پاس جاؤں گا۔“ وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کر رہا تھا آواز پھٹی ہوئی تھی۔ شاہ ویر نے بغیر کچھ کہے چند ٹشوز اٹھائے اور اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھایا باقی سب ششدر رتھے۔ اسلان کبھی اتنا غصہ کرتا ہی کب تھا مگر دروازے سے سکرین پر نظر آتا منظر ان کی روح بھی بلبلا گیا تھا۔

” turn it off right now“ اس نے چلا کر ایلکس کو حکم صادر کیا۔ باقی سب بھی اس سے متفق تھے۔

شاہ ویر نے اسے پانی دیا، اس کا چہرہ صاف کیا اور اب وہ دونوں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھے اسے نارمل کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ ”ریلیکس۔۔۔۔۔ لمبی سانس لو۔“

”اسے یہاں سے نکالو ورنہ میں نکل رہا ہوں۔“

”ایلکس تم جاؤ۔“ راج نے سنجیدگی سے اسے کہا۔ وہ بغیر کچھ کہے نکل گیا۔ قریباً پندرہ منٹ بعد اسلان سنبھلا ہوا لگ رہا تھا۔ کچھ حد تک پر سکون مگر اس کی رنگت ہنوز نچڑی ہوئی تھی۔

”ہمیں نہیں پتا تھا ایسا واقعی ہوتا ہوگا۔“ جانس نے کہا۔

”ڈیم۔۔۔۔۔“ یہ وہ واحد لفظ تھا جو راج کے منہ سے برآمد ہوا۔ اسلان گردن جھکائے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اضطرابی انداز میں ٹانگیں جھلا رہا تھا۔

”یہ ویب سائٹس غیر قانونی ہیں۔ ضمیر کو مار کر اگر تم لوگ یہاں پہنچ بھی گئے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا اگر تم لوگوں میں سے کوئی بھی پکڑا گیا تو تم لمبے عرصے کے لیے جیل جاؤ گے۔“ اس نے شاہ ویر کو دیکھا انداز میں ملامت تھی۔

”انٹرنیٹ ایک جادوئی غار ہے اور اس کے اندر گھسنے والے کو وہ جنی حاصل ہے جو اس کی ہر خواہش پوری کرے گا۔ تم یہاں جو تلاش کرو گے، جس حالت میں تلاش کرو گے مل جائے گا لیکن مل جانا بعض دفعہ انت نہیں شروعات ہوتی ہے، ویر۔“

”آئی نو، آئی ایم سوری۔“ وہ سہولت سے بولا۔ ”میں دوبارہ اس گند میں گھسنا نہیں چاہوں گا واللہ اس نے مجھے بغیر بتائے لاگ ان کر لیا تھا۔ اور میں بس متجسس ہو گیا۔“

اسلان کو اس کی بات پر اعتبار آ گیا۔ ”تم واقعی دوبارہ اس طرف نہیں جاؤ گے؟“

”تمہاری قسم۔۔۔۔“ وہ اسے چڑانے کو پیر اس کی گود میں رکھ گیا آج اسلان نے ہٹائے نہیں۔ وہ بس تکان زدہ سا سر نشست کی پشت سے ٹکا گیا۔ تھوڑی دیر بعد سب باتوں میں مصروف ہو گئے شاہ ویر اپنے لیے ایک ڈرنک لا کر اس کے قریب بیٹھا تب اس نے اسلان کو کہتے سنا۔

”تمہارا ایک اور بھائی ہے لیکن میرا کوئی بھائی نہیں، ویر۔ تعلقات بناتا نہیں ہوں، بن جائیں تو چھوڑتا نہیں اگلی بار یا تو ایلکس یا پھر میں۔۔۔۔۔“

”یار کیا ہو گیا ہے تم بھائی ہو میرے میں۔۔۔۔“ اس نے اسلان کے گرد بازو پھیلانا چاہا مگر وہ لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا۔ جبڑے بھینچ رکھے تھے چہرے پر قطعیت تھی۔

”یا تو میں، یا پھر وہ۔“

”آج، کل، ہمیشہ تم۔ ہم بھائی ہیں یار۔“ کمبخت کاذب نے سفید جھوٹ گڑھا۔ اسلان بغیر جواب دیے دوبارہ بالکنی کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ شاہ ویر شانے اچکاتے ہوئے اب ایلکس کو پیغام لکھ رہا تھا۔

”اس سے بڑا ڈوز کب مل سکتا ہے؟“

”وقت اور جگہ؟“

”میں کل میسج کرتا ہوں۔“ وہ کہہ کر اسلان کی طرف جا چکا تھا اب وہ اسے منانے والا تھا۔ منافقین کی صفوں میں درجہ اول حاصل کرنے والا بھلا اپنے کھلونے یونہی ہاتھ سے جانے دیتا ہے کیا؟

★★★★★★★★★

چند روز بعد!

"یہاں رہنا میری مجبوری ہو گی۔" صوفہ سیٹ جھاڑتے ہوئے اسلان نے اعلانیہ انداز میں کہا۔ چند دن پہلے وہ دونوں ہاسٹل چھوڑ ایک اپارٹمنٹ منتقل ہو گئے تھے جس کا کرایہ راج اور شاہ ویر بانٹتے تھے جبکہ اسلان نے باورچی خانہ اپنے ذمے لیا تھا یہ بھی تب ممکن ہو سکا جب اس نے ایک لائبریری میں ملازمت شروع کر دی۔ وہ دونوں گھر پر کم کھاتے تھے شاہ ویر کی خیر بات ہی الگ تھی وہ اب ایک ستارہ تھا جسے یہاں سے محض ایک ڈگری چاہیے تھی۔

"جانتا ہوں۔" شاہ ویر نے مصروفیت سے جواب دیا۔ انگلیاں اب بھی کھٹا کھٹ لکھ رہی تھیں۔ وہ اپنی زندگی کا "سنہری دور" جی رہا تھا۔ اسلان نے سر صوفے کے ہتھے پر ٹکایا پیر اس کی گود میں رکھے۔

"مصروف ہو گئے ہو۔" مسکرا کر تبصرہ کیا۔

شاہ ویر نے سر اٹھا کر ایک مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "میں اپنے ناساہیڈ کے لیے کبھی مصروف نہیں ہو سکتا۔" اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین گراتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تم مجھ سے زیادہ مصروف لگ رہے ہو۔ نہ سوشل میڈیا، نہ یونیورسٹی میں کوئی سلام دعا، نہ کہیں آتے جاتے ہو تمہیں پتا بھی ہے میں ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا ہوں؟"

"تم کتنے بھی مشہور ہو جاؤ اس کے لیے مجھے سوشل میڈیا دیکھنے کی ضرورت نہیں میں تمہیں دیکھ رہا ہوں بدل گئے ہو تم۔" شاہ ویر کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ کوئی خوف تھا جو کنڈلی مارے بیٹھا تھا جس دن اسلان یمن کو علم ہوا وہ اس دن اسے چھوڑ دے گا اپنی دانست میں وہ اس تعلق کو ٹوٹنے سے بچا رہا تھا وہ یہ نہیں جانتا تھا یہ ایک تعلق اس کا کیا کیا کھائے گا۔ اس نے مستقبل تھوڑی دیکھا تھا؟ وہ ایک ماہ سے چھپا رہا تھا اب اور کتنا؟

"میں بدل گیا ہوں، کیسے؟"

"تم مجھے میرے کریڈٹس نہیں دے رہے، ویر۔" اس نے کہہ دیا شاہ ویر جانتا تھا وہ کھرا آدمی ہے مگر اتنا کھرا، اسے اندازہ نہیں تھا۔ "ہاں اسکرپٹ تمہاری تھی لیکن جتنی تبدیلیاں اس میں میں نے کروائی تھیں جتنے مکالمے میں نے شامل کروائے تھے اس کے بعد میں ساتھی لکھاری ہونے کا حقدار تھا لیکن تم نے میرا نام ہی نہیں

لکھا۔ کو رائیٹر نہ سہی میں مدیر کہلانے کا حقدار تھا۔" وہ سادہ سا لڑکا بڑی مہارت سے اس کے منہ پر سفید چونا پھیرے جا رہا تھا اسے اندازہ بھی نہیں تھا۔" میں نے منظر بندی میں تمہاری مدد کی کئی سینز میں نے شوٹ کیے تھے تم نے وہاں بھی کوئی کریڈٹ نہیں دیا۔"

"تم نے فلم دیکھی ہے؟" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔" میں کیسے دیکھ سکتا ہوں یہ فلم سوشل میڈیا پر کہیں نہیں ہے میں انتظار کر رہا ہوں تم نے کہا تھا ہم تمہاری فلم ایک پرائیویٹ سینیما میں دیکھیں گے صرف تم اور میں، ہماری دوستی کے نام، ہماری پہلی کاوش۔" وہ حصے دار بن رہا تھا شاہ ویر دل ہی دل تلملایا۔ کیا اس نے کئی سال کی محنت اس لیے کی تھی آج یہاں بیٹھ کر کسی کو شریک کرے؟ وہ تو کئی قبروں اور جذبوں پر پیر رکھ کر یہاں تک آیا تھا کیا اس لیے؟

"تم حصے دار بننا چاہتے ہو؟"

"مجھے میرا حق کھایا جانا نہیں پسند۔ بچپن سے سب نے کھایا ہے میرا باپ، پھر ماں، پھر ماموں، پھر دنیا اور پھر پنار۔ میں نہیں چاہتا کبھی کسی دن میں یوں بیٹھ کر تمہارا نام بھی شامل کروں۔ میں تمہیں ویر کہتا ہوں یعنی بھائی عزیز ہو تم میں چاہتا ہوں وہی رہو۔"

"اس بار میں اکیلا نگاہوں میں آنا چاہتا تھا اگلی بار۔۔۔۔۔۔"

"میں اگلی بار تم سے بیٹھ کر کہوں گا نہیں۔ زندگی بہت مختصر ہے میں موقع نہیں دیتا۔"

"تم کتنے سخت دل ہو، اسلان۔" شاہ ویر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ اسلان نے شانے اچکا دیے۔

"بننا پڑتا ہے، ورنہ لوگ شاہ ویر بن کر حق کھانے لگتے ہیں۔" بظاہر مذاق تھا در حقیقت سنجیدگی۔

"تم نے موو آن کر لیا یا ہو نہیں پا رہا؟" اس نے کچھ سوچ کر جوابی وار کیا اس بات سے ناواقف کہ زخم اب زخم رہا ہی نہیں تھا۔ اسلان چپ چاپ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک کونے میں رکھے بستوں تک گیا تھوڑی دیر بعد وہ کچھ کاغذات نکال کر لا رہا تھا۔

شاہ ویر کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ "میرے موو آن کی نشانی، میری پہلی مکمل کہانی۔ میرے اپنے نام۔ dilemma ۔" صفحوں کے اوپر درج لفظ پڑھ کر ہی اس کی روح فنا ہوئی۔ "تم امریکا میں تھے میں نے .... فرسٹ ڈرافٹ بھیجا تھا کیسا لگا؟" وہ کھلے باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ شاہ ویر کے گلے میں کوئی گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"کچھ خاص نہیں تھا تم کچھ اور بھی لکھ سکتے ہو۔" کافی کے لیے دودھ کا گلاس اٹھائے کھڑا لڑکا متحیر ہوا، چند لمحے وہ انہی نظروں سے شاہ ویر کو دیکھتا رہا پھر سر جھٹکا۔

"جیسا کہ میں نے بتایا تھا یہ کہانی میں نے میرے لیے لکھی ہے مجھے پسند ہے تو بات ختم۔" عامیانہ انداز، نہ کوئی طنز نہ ہی کوئی گلا۔ "اپنی فلم کب دکھا رہے ہو؟"

وہ معافی مانگ لے گا، اسلان اس پر جان نثار کرتا تھا وہ بھلا اس ایک بات پر اس سے دوستی تھوڑی توڑے گا؟

"اس ہفتے۔" اس نے گلا تر کرتے ہر قسم کے خدشات جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔ "تیار رہنا، تم میں اور میری پہلی کاوش۔" اس نے سوچ بچار کے بعد بھی ہماری نہیں کہا۔ اب حق کھا ہی لیا ہے تو پورا کھاتے ہیں.....

"میں تیار ہوں۔" اس نے کہا کیونکہ وہ پچھلے ایک ماہ سے عجیب عجیب باتیں سن رہا تھا یہ فلم ابھی یوٹیوب یا اس طرح کے کسی پلیٹ فارم پر شائع نہیں ہوئی تھی البتہ شاہ ویر کے کچھ قریبی دوستوں کے پاس ایک کاپی تھی۔ اڑتی اڑتی خبر اس تک آئی تھی کہ ایسا درد، ایسی تکلیف انہوں نے آج تک سکرین پر نہیں دیکھی۔

اسلان یمن کا علم یہ جانتا تھا کہ جو شاہ ویر بنگش اور اس نے مل کر بنایا وہ رومانس فلم تھی۔ جس کی بات ہو رہی تھی یہ کچھ اور ہی تھا۔ جانے کیوں ہواؤں میں سازشوں کی کوئی باس سی آنے لگی تھی۔

ہفتے کی صبح عجیب سی تھی۔ بوجھل اور بے چین۔ اسلان نے صبح اٹھتے ہی آراہ کو کال ملالی۔ بہت دیر تک وہ اس کی ساری بک بک سنتا رہا۔ جس میں آدھی تو کسی ہیرو کی تعریف تھی اور اب اسے ویسا انسان اصل میں چاہیے تھا۔ اسلان سوچا کرتا تھا اگر اسے ایسا انسان مل گیا تو وہ آراہ کو لا کر کیسے دے گا؟ جو چیزیں اسے بڑی بڑی لگتیں وہی باتیں، عادات، اطوار اسلان کو اپنی بہن کے لیے bare minimum لگتا تھا۔

اظہار اس نے ہمیشہ کم کیا تھا لیکن جو مقام اور اہمیت اس کی تھی وہ آج تک کوئی اور عورت حاصل نہ کر سکی تھی، نہ کبھی کرنے والی تھی۔ اسی سے کال پر بات کرتے ہوئے وہ باہر نکل آیا۔ آج مطلع ابر آلود تھا۔ کافی دیر تک اس کی بات سننے کے بعد اسلان جھلایا۔

"میری ماں مدعے پر آؤ لڑکی کا کیا ہوا پھر؟"

"ایسے کیسے بس لڑکی کے نظریے پر آجاؤں یار تھوڑی دیر صبر سے سنو میری بات۔" وہ جھنجھلائی۔ آراہ کی ہر بات جو اسلان کو فضول لگتی تھی، وہی اپنی بات اسے اہم ترین لگتی تھی۔ "خیر اب سارقان کو شک تھا کہ اس کا بھائی اس سے جھوٹ بول رہا ہے۔" چلتے چلتے وہ ایک جگہ رک گیا۔ اب بارش بھی شروع ہوگئی تھی اسلان سرعت سے ایک کیفے کے چھجے تلے کھڑا ہو گیا۔۔

"اور تمہیں کیسے پتا چلا وہ جھوٹا ہے؟" دفعتاً اسلان کی نگاہ کیفے کے اندر لگی سکرین پر پڑی۔ کسی فلم کا آغاز ہو رہا تھا۔ صاف صاف لفظوں میں لکھا تھا۔

a film by shahveer talal bangash

اسلان ٹھہر گیا، آگے جاتا تو بھیگ جاتا، اور یہاں رہ کر اگر ٹی وی پر نگاہ نہ ڈالتا تو فطری تجسس کا کیا ہوتا؟

دو گھنٹے پہلے یوٹیوب پر شائع ہونے والی وہ فلم اس وقت اس کی آنکھوں کے آگے تھی۔ پہلا سین ۔۔۔۔ پہلا شاٹ۔۔۔۔ پہلا منظر اور وہ ساکت رہ گیا، ٹھنڈا یخ۔ جسم نے جیسے کام کرنا چھوڑ دیا تھا یہ اتفاق نہ تھا یہ اتفاق ہو ہی نہیں سکتا تھا۔۔۔۔۔

"سارقان کو لگتا تھا اس کا دوست صرف چند لوگوں کے لیے برا ہے حالانکہ اس کو سوچنا چاہیے تھا کہ انسان جب برائی کی حد ٹاپ لے تو وہ ہر ایک کے لیے بُرا ہے۔" آراہ کہہ رہی تھی۔

کیفے میں کئی لوگ تھے جن کی نگاہیں ٹی وی پر جمی تھیں سب کے لیے یہ ایک فلم تھی اور جس کا سرمایہ تھی وہ اب تک سانس روکے کھڑا تھا۔ بارش اس کا نیم رخ، اس کے چوڑے کندھے بھگو رہی تھی۔ اس کا دل کسی اندرونی گھاؤ سے نکلتے خون سے بھیگ رہا تھا۔

"میں سارا وقت سارقان پر غصہ کرتی رہی مجھے لگا یہ مظلوم بننے کی اداکاری کرتا ہے کسی انسان کے ساتھ اتنا بھی کیا ہی برا ہوا ہوگا کہ وہ اس طرح زندگی سے ہی بے زار ہو جائے؟" آراہ کہہ رہی تھی اسلان سن رہا تھ، یا شاید سن کر سن ہو رہا تھا؟

اب سکرین پر بچے کو باپ کے سامنے لایا جا رہا تھا اسلان کھڑا نہیں رہ سکا، اس نے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ کسی نے بہت زور سے اس کے دل میں شیشے کی کھرپی ماری تھی اتنی تیز، اتنی زور سے کہ وہ ہل بھی نہ سکا اور تڑپ کر رہ گیا۔ زندگی کے تمام ستم ایک طرف یہ تکلیف ایک طرف۔

"سارقان سے اس کی پہچان لے لی گئی۔ بھلا انسان پہچان کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟"

اسے ناچنے کے لیے بھیجا جا رہا تھا، اسے اسکول کے بچے تنگ کر رہے تھے، اساتذہ اس کا مذاق بنا رہے تھے وہ جانتا تھا اسے چند دن بعد یہاں سے بے دخل کیا جائے گا اور اب وہ دونوں ہاتھوں سے علم سمیٹ لینا چاہتا تھا مگر عرصہ قلیل تھا۔

وہ عرصہ تو دراز تھا جب اسلان نے اسے بھائی سمجھا، دوست مانا، مخلص رہا، قدر کی...... کیا سب جھوٹ؟

"دوست جھوٹا تھا بھائی۔"

"وہ بھی جھوٹا تھا۔"

"اس نے اپنی ہی دوست کو دھوکہ دیا۔"

"بالکل اس کی طرح۔۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا آواز حلق کے کسی خانے میں گھٹ کر دم توڑ گئی تھی۔ ایسی تکلیف...... ایسا قلق دل میں کوئی خنجر لگا۔ سکرین پر اس کی کہانی تھی، اس کی تخلیق، کوئی اسے اپنے نام کیسے کر سکتا تھا؟ کئی جاگی ہوئی راتوں کا ثمر، لاتعداد بے سکون دنوں کا پھل کسی نے بڑی بے حسی سے اسے اپنے نام کر لیا تھا۔

دفعتاً کوئی آہٹ سی ہوئی۔ کروسنٹ اور کافی کی خوشبو۔۔۔۔ اسلان نے گردن ترچھی کر کے دیکھا شاہ ویر بنگش ہاتھ میں چند خاکی تھیلے لیے اس کے سامنے تھا شاید وہ آج صبح کی تیاری کے سامان لیے جا رہا تھا۔

"کسی کے قریب رہ کر، اسے دوستی کا فریب دے کر اس کی سب سے قیمتی چیز چھین کر بھی اس میں گٹس تھے کہ وہ نگاہ ملا رہا تھا کیسا انسان تھا وہ۔" آراہ اس سے کہہ رہی تھی اسلان نے سامنے دیکھا وہ سامنے کھڑا تھا وہ کمبخت واقعی نگاہ ملا رہا تھا کوئی اس کی آنکھیں نوچے، کوئی اسے سر راہ دُرے مارے، کوئی اس کا گریبان تو چاک کرے۔ وہ اسلان کے کندھے کے پار بھڑے ہوئے دروازے سے سکرین کو تک رہا تھا۔ ساکت، خالی۔

ایڈن برگ کی اس سڑک اور برستی بارش نے دھوکے کو مجسم دیکھا۔

وہ بہ دقت سکرین سے نگاہ ہٹا سکا، سانس بمشکل کھینچ کر لی۔ اسلان بے دھم تھا، متحیر سا اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہ کیفے کی سنگی دیوار کے ساتھ لگتا نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ موبائل والا ہاتھ پہلو میں گرا تھا سکرین سے کچھ آوازیں ابھر رہی تھیں، دونوں کے درمیان ایک سڑک تھی شاہ ویر بھیگ رہا تھا اسلان خشک رہ گیا باہر سے بھی اور اندر سے بھی ۔۔۔۔ درمیان حائل وہ سڑک کسی پل صراط کی مانند تھی اس لمحے اسلان کو اندازہ ہوا، اگر سامنے والا اس پل صراط پر چڑھ کر سہج سہج کر چلتا ہوا بھی اس کے پاس آیا تو سود مند نہیں ہو گا۔ وہ پل صراط کی رسی پر چل سکتا تھا، اسلان نظروں کا کیا کرے جن سے وہ گر چکا تھا۔

آنکھیں بند کر کے اس نے ملال کے چند قطرے بہہ جانے دیے۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا آج کے بعد شاہ ویر سب ہے، اور کچھ بھی نہیں۔

★★★★★★★★★

خستہ عمارت میں پانی کے ٹپ ٹپ گرنے کی آواز ویسی ہی تھی۔ ارتعاش اتنا مدھم کہ بمشکل سنائی پڑتا ٹی وی سے آتی میچ کی آواز بھی تیز ۔۔۔۔ مگر آراہ کے سینے میں جلتا الاؤ، چیختے جذبوں کی آواز اسے بہرہ کر رہی تھی وہ اس کے سامنے کسی گداگر کی طرح بیٹھا تھا۔ بکھرے بال، اجاڑ آنکھیں، حزن و ملال میں ڈوبا چہرہ اور گھائل دل۔

"اسلان پہلا انسان تھا جس نے کبھی میرا پیسہ، نام، رتبہ استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کندن تھا وہ..... ایسا کھرا، بے نیاز اور سچا دل کسی کا نہیں تھا۔ اس کی تربیت اچھی ہوئی تھی، آراہ۔ اور میری تربیت میں جا بجا کھوٹ..... ایسا نہ ہوتا تو میں بھی اسی کی طرح بے نیاز ہوتا، اسی کی طرح لوگوں اور ان کی کامیابیوں سے نہ جلتا، سینے

میں آگے بڑھنے کی آگ رکھتا مگر قدموں سے کسی کو کچلتا نہ.....۔" لمحے بھر کا توقف کیا پھر آراہ کو دیکھا۔" میں ایسا کرتا نا، آراہ؟"

"اُس کی تکلیف کا کیا؟"

" میں نے اسے بہتر آپشنز دیے تھے، مگر وہ بے حد ضدی اور ہٹ دھرم تھا میں اسے ہرٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن......" رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ رہی تھی وہ یہ ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔" کاش ہم دونوں میں سے کسی نے جھکنا سیکھا ہوتا۔ میں نے کہا نا آراہ وہ بہت ضدی تھا۔" اس کی آواز بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

★★★★★★★★

اس کے شکستہ قدم ہاسٹل یا پھر اپارٹمنٹ کی طرف نہیں اٹھے وہ ہمیشہ کی طرح dean village چلا آیا۔ ندی کے قریب بیٹھ کر اس نے اپنا چہرہ پانی میں دیکھا، اسے لگا یہ اس کا چہرہ نہیں تھا۔ ایسی مات بھلا کون کھاتا ہے، ایسا دکھ، ایسا رنج وہ کیسے جھیل آیا؟

اپنی کہانیوں میں اس نے کیسی کیسی فلاسفی لکھی تھی آج ہر لفظ غائب کیوں، آج کوئی لفظ کارگر کیوں نہیں؟ لکھاریوں کے الفاظ تو کئی دلوں کی مرہم ہوتے ہیں، اور ان کے اپنے دل کا کیا؟

ایک عرصہ بعد جھیل کے کنارے بیٹھ کر وہ بہت رویا۔ جھیل کے شفاف پانی میں اس کی آنکھوں کے قطرے بھی شامل ہو گئے۔ سارے کا سارا ایڈن برگ اسے گھٹی گھٹی سسکیاں لیتے ہوئے سنتا رہا، وہ بازو سے آنکھیں رگڑتا تو گال بھیگ جاتا، وہ انگلیوں کے پوروں سے آنسو صاف کرتا تو دل ٹوٹ جاتا۔ چہرہ گھٹنوں کی درمیان اٹکائے وہ چیخا، گیلی گھاس پر ہاتھ مارتے اپنے رنج کو گریہ کیا۔ ایسی تکلیف تھی کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ شاہ ویر بنگش کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ آنکھوں کے آگے گزر رہا تھا، ایک ایک لمحہ اس وقت آگ تھا۔

کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے آراہ کو کال ملائی۔ گھنٹی بجتی رہی، تھوڑی دیر بعد کال کا جواب آ گیا۔ ان دنوں وہ اسے کال ملا لیا کرتا تھا چھوٹی بڑی تکلیف، خوشی اس کے ساتھ بانٹنے کی عادت سی تھی۔

”زہے نصیب آج اس سڑے ہوئے بندے کو بہن دن میں دو بار کیسے یاد آ گئی؟“ اس کے آس پاس کئی آوازیں تھیں شاید وہ باورچی خانے میں تھی۔ کوئی کام کرتی ہوئی۔ ”ویڈیو کال کرو۔“

”اگر میں تمہیں تکلیف دوں تم سے جھوٹ بولوں تو تم کیا کرو گی؟“ اس نے زکام زدہ آواز میں پوچھا۔ ویڈیو کال نہیں کی وہ روتے ہوئے اس کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔

”میں تمہاری ہڈی پسلی ایک کر دوں گی بھائی۔“ آراہ کو اس کی آواز بھاری محسوس ہوئی۔ ”کسی نے تنگ کیا ہے؟“

”اگر کیا ہے تو تم کیا کر سکتی ہو؟“

”میں۔۔۔۔۔؟“ اس نے فرج کھول کر برتن اندر رکھے۔ موبائل کان اور کندھے کے بیچ اٹکایا۔ ”میں ہر حد پار کر سکتی ہوں۔ کوئی تمہیں ہرٹ کرے گا تو اسے بھی اتنی ہی تکلیف دوں گی۔“

”عمر کیا ہے تمہاری؟“

”عمر سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اللہ نے تمہیں کوئی بھائی نہیں دیا کیونکہ اسے پتا تھا وہ اسلان کو آراہ دے رہا ہے تم میری حفاظت میں ہو، اور رہو گے۔“ اس نے گردن جھکالی اور روئے گیا۔ بے آواز، بے اختیار ڈھیر سارا روئے گیا۔ بہت دیر تک جب وہ کچھ نہ بولا تو آراہ ٹھٹکی۔ ”کیا زیادہ تکلیف ہوئی ہے؟“

”بہت۔۔۔۔۔بہت۔۔۔۔بہت زیادہ، آراہ۔ مجھے لگ رہا ہے میں یہ جھیل نہیں پاؤں گا۔ یہ میری استطاعت سے کہیں بڑھ کر ہے میرا دل جل رہا ہے۔“ وہ جو آج حرف با حرف سچ کہہ رہا تھا مستقبل میں اس کے لب مقفل ہوں گے کون جانتا تھا؟

”نام بتاؤ، تم صرف ایک بار اس کا نام لو۔“ وہ ہر کام چھوڑ کر بے تابی سے بولی۔

”اگر میں تمہیں ہرٹ کرتا تو تم کیا کرتیں؟“

”تم سے بات کرتی، یا شاید کچھ بات نہ کرتی تاکہ کچھ تلخ نہ کہہ دوں۔“

اسلان اٹھ کھڑا ہوا، سر سمجھنے والے انداز میں ہلایا۔ ”میں کچھ تلخ کہہ دوں گا اور پھر اس کی معافی بھی اثر نہیں کرے گی مجھے اس سے کچھ تلخ نہیں کہنا چاہیے۔“ وہ اٹھ کر اب اپارٹمنٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ”میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ اب تو کبھی بھی نہیں۔“

”بھائی سب ٹھیک ہے نا؟ چاچو کو بتاؤں؟“

”خبردار جو تم نے منہ سے ایک بھی لفظ نکالا۔ جو بتانا ہوا میں خود بتاؤں گا۔“ اس نے ڈپٹا۔

”کیا ہوا ہے؟“

”کسی نے میرا حق کھایا ہے۔“

”معاف کر دو گے؟“

”حلق سے کھینچ کر نکالوں گا۔“ قطعیت سے کہا اور کر کال بند کر دی۔ عالم کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، سہر اب اپنے کسی کورس کے سلسلے میں کسی اکیڈمی میں تھا وہ کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا، اسے نہیں کرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال نکال کر بیگ بھرتا جا رہا تھا۔ تب ہی اسے دروازہ کھلنے اور شاہ ویر کے اندر آنے کی چاپ سنائی دی۔ وہ چپ چاپ اپنا کام کرتا رہا۔ مڑ کر دیکھا تک نہیں۔

”مجھے فی الحال کسی سے نہیں ملنا، کوئی میٹنگ نہیں کرنی سب کینسل کرو۔“ وہ خفگی سے موبائل پر حکم صادر کرتا ہوا اندر آیا۔ اسلان کو اپنا سامان باندھتے دیکھ وہ چند لمحوں کے لیے حیران ہوا پھر تیزی سے آگے آیا۔

”میں نے تمہیں پورے ٹاؤن میں ڈھونڈا ہے کہاں مر گئے تھے تم؟“ وہ بغیر جواب دیے اپنا کام کرتا رہا۔ ”اسلان مجھ سے بات کرو میری بات سنو میں بہت مجبور تھا۔ دو سال سے ہر جگہ سے رد ہونا آسان نہیں ہوتا۔ یہ آخری بار ہوگا۔ میں اگلی بار ایسا کچھ نہیں کروں گا پلیز ادھر دیکھو ایک بار میری بات سنو۔۔۔۔“ اس نے اسلان کے کندھے پر ہاتھ رکھا جسے اس نے حقارت سے جھٹکا۔ شاہ ویر نے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر دور اچھالے۔ ”پلیز ایک بار صرف ایک بار میری بات سن لو میں دوست ہوں تمہارا۔“

اسلان نے مڑ کر سخت نظروں سے اسے دیکھا۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہ کہا اس کی آنکھوں میں ایسی سرد مہری اور لاتعلقی تھی کہ شاہ ویر بھول گیا اسے کہنا کیا تھا؟ وہ بھول گیا کہ اس شخص نے کبھی اسے نرمی سے بھی دیکھا تھا۔

"اس نے میری ایک بھی نہیں سنی آراہ۔ ایک بھی نہیں۔" شاہ ویر کبھی اس کا بازو پکڑتا کبھی اس کے چہرے کے گرد دونوں ہاتھ رکھتا جیسے کسی بچے کو بہلا رہا ہو مگر اس کے سامنے ٹوٹا کانچ تھا وہ دیکھتا تو منظر تقسیم شدہ، چھو لیتا تو لہو لہو۔ "وہ بہرہ ہو گیا تھا۔" بے تاثر ٹھنڈی آواز میں کہا۔ "میں نے اسے پیسہ آفر کیا۔۔۔۔۔ تعاشی کا وعدہ کیا۔۔۔۔۔ میں نے اس کی سات پشتوں کی ذمہ داری اپنے سر لے لی میں نے اس سے کہا میں اسے آدھی دنیا لا کر دے دوں گا اور تم جانتی ہو اس نے کیا مانگا؟"

مٹے مٹے کاجل والی آنکھوں سے وہ زخمی سا مسکرائی۔ "public apology کیونکہ وہ اسی کا حقدار تھا۔"

"تم دوست تھے میرے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ میرا کیا ہو گا؟" اسلان کا لہجہ بلند تھا آنکھوں میں طیش ہلکورے لے رہا تھا۔ "میں ایک ایک مقام پر تمہارے ساتھ کھڑا رہا، گدھوں کی طرح ایک ایک رات تمہاری خاطر تمہارے ساتھ جاگا اس لیے کہ تمہاری روشن صبح مجھ سے غصب کی ہوئی بینائی سے ہو؟" وہ پلنگ کی پائنتی پر بیٹھا تھا شاہ ویر اس کے پیروں کے قریب۔ شکستہ بے حال۔

"میں تھک گیا تھا، اسلان۔"

"تم وہ کہانی مانگ سکتے تھے میں دے دیتا ایک کہانی ہماری دوستی سے بڑھ کر تو نہیں تھی۔"

"exactly" وہ جلدی سے آگے کو ہوا۔ "ایک کہانی ہی تو تھی بس ایک کہانی۔ تم میرے بھائی ہو میری کامیابی تمہاری کامیابی ہے اور۔"

"میں چوری میں نہ ساتھ دوں گا، نہ معاف کروں گا۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

"public apology"

پلنگ کی پائنتی پر بیٹھے اسلان نے دو لفظی مطالبہ کیا اس کے پیروں کے قریب اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا شاہ ویر ساکت رہ گیا۔ اسلان کی آنکھوں اور انداز میں قطعیت تھی۔"میں پیسے پر تھوکتا ہوں اور تمہاری چوری شدہ کامیابی میری جوتی کے نیچے، جن آسائشات کی تم مجھے پیشکش کر رہے ہو ان کے آگے پیچھے کتے کی مانند دم ہلانا تمہارا پیشہ ہے میرا نہیں۔۔۔۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا رہا تھا۔

"جو واحد چیز مجھے تم سے چاہیے وہ ایک عوامی معافی ہے، میرا pride صرف اسی صورت بحال ہو گا، میرے زخم صرف اسی صورت بھر سکتے ہیں۔ جس طرح تم نے آدھی دنیا کو وہ فن پارہ بیچا اسی طرح تمہیں آدھی دنیا کو یہ بتانا ہو گا کہ تم نے چوری کی تھی۔ تم نے اسلان یمن کا حق کھایا، تمہارے پاس صرف اور صرف چوبیس گھنٹے ہیں ان چوبیس گھنٹوں میں اگر تم نے معافی مانگ لی تو میں سب بھول جاؤں گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو تم سے اگلی ملاقات تھانے میں ہو گی۔" اس نے شاہ ویر کے دونوں ہاتھ کراہیت سے ہٹائے اور اٹھ کر دوبارہ اپنا بستہ باندھنے لگا۔ فرش پر بیٹھا وہ اداکار اسلان کی شرط پوری ہونے کی صورت اپنا مستقبل اپنی آنکھوں کے آگے دیکھ رہا تھا۔

بعض لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ وہ بچپن سے ذرا ویسا ہے، بعض ہنس رہے تھے، چند نے اس پر انگلیاں اٹھائیں اور باقی چند...... اس کے گھر والے، اس کی ماں، باپ، زید، تاج، رئیس۔ اسے ساری دنیا اپنے سر پر گھومتی محسوس ہوئی۔ اسے پہلی بار علم ہوا وہ اسلان یمن اور اس کے اصولوں سے ناواقف رہا تھا۔ وہ کھرا تھا اور آج پہلی بار اس کا کھرا پن اسے چبھا۔ پہلی بار وہ دوست، بھائی، ساتھی کچھ نہیں لگا سوائے حریف اور خوف کے۔

وہ جان کو آرہا تھا اور شاہ ویر بنگش کو جان بچانی آتی تھی۔

★★★★★★★★★★

"عالمگیر کی رہائی کے سات روز بعد!"

مانجھی پور سے شہر جانے والی سڑک پر گاڑی ڈالتے ہی عالم کی زبان کو کھجلی ہوئی۔ وہ اپنے اندر کے تجسس کو ختم کرنے کی خاطر اسے مانجھی پور لایا تھا کہ شاید یہاں سے اسے کوئی پختہ ثبوت ملے، ایسا ثبوت جو جوہر فور زیرو میں بنگش خاندان کی شمولیت کو ثابت کر سکے۔

"کچھ پتا چلا؟" اس نے بلاخر پوچھ لیا۔ زرد سی رنگت والی انارا نے اسے اداسی سے دیکھا۔

"وہ چاروں "وومن" کو چھوڑنے والی تھیں۔ باقاعدہ کوئی اعلان نہیں ہوا تھا لیکن انہوں نے مائی سوہائی سے مدد مانگی تھی۔ جس رات انہوں نے کال کی اس سے اگلی رات آگ لگ گئی تھی۔"

"وومن چھوڑنے کی وجہ؟" عالم نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی تھی اب وہ حقیقتاً پوری طرح اس کام میں ملوث نظر آ رہا تھا۔ آراہ نے بجھے ہوئے انداز میں اپنے پرس سے دو کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ نو نومبر دو ہزار چوبیس کا گھاٹہ۔۔۔۔۔ وومن نقصان میں تھی، آڈٹ بری طرح بکھرا ہوا۔

"مسز بنگش۔" عالم کے لبوں سے نکلتے الفاظ آسودہ تھے۔ "آکاؤنٹس کا سارا حساب ان تک آتا تھا وہ اس میں ملوث تھیں، آراہ۔" وہ اعداد و شمار دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس کی گٹ فیلنگز درست تھیں وہ درست تھا۔

"آپ اتنا یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"کیونکہ میں نے اس پر جان لگادی ہے۔"

اس کا سر نیند سے جھول جھول جا رہا تھا مگر وہ بڑی مشکل سے خود کو جگائے ہوئے صابرہ کے گھر سے چرائے ہوئے کاغذات کھنگال رہا تھا۔ معاً وہ ٹھٹکا۔ اس کے پاس ایک کاغذ تھا جس پر وومن کے سالانہ بجٹ کی تفصیل اور اسے خرچ کرنے کی جگہیں درج تھیں۔ صرف تین کروڑ خرچ ہوئے تھے باقی کے چودہ کروڑ غائب تھے۔ اس نے رپورٹ کو تین سے چار بار پڑھا اور پھر سہراب کو ٹھوکا دیا جس کی ابھی ابھی آنکھ لگی تھی۔ اور وہ میز سے گال ٹکائے محو استراحت تھا۔ "یہ دیکھو یہ کیا ہے؟"

سہراب نے مندی مندی آنکھوں سے کاغذ لے کر پڑھا آخر تک اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں۔ "غبن؟" اس کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ "اتنا سارا پیسہ کہاں گیا؟"

"یہ دیکھو۔۔۔" اس نے ایک اور کاغذ سہراب کی طرف بڑھایا یہ رپورٹ قتل کے ایک ماہ بعد کی تھی اسے بنانے والی عورت بھی کوئی اور اس نے بڑی ہی خوبصورت سے رقم کے خرچ ہونے کے لیے جگہیں بھر دی تھیں۔یوں کہ جوہر فور زیرو کی وکٹم عالیہ علی کی بنائی ہوئی رپورٹ اس وقت ردی کا ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی۔

سہراب بے حد غور سے اس رپورٹ کو دیکھ رہا تھا ساتھ عالم نے سوال کیا۔"کیا معلوم ہوا؟"

"وومن کے فنڈز چوری ہو رہے تھے استعمال نہیں۔" سہراب نے خلاصہ نکال کر دیا۔"عالیہ کی رپورٹ رف ہے لیکن قتل سے دو دن پہلے کی ہے دو دن پہلے تک یقیناً اس کے پاس سارا حساب موجود ہو گا اگر فنڈز کہیں استعمال ہوئے ہوتے تو یقیناً وہ ان کا ذکر کرتی لیکن۔۔۔۔"

"فنڈز چوری ہو رہے تھے۔" یہاں اس نقطے پر وہ دونوں متفق تھے۔"لیکن چوری کر کون رہا تھا؟"

"وہی جسے ضرورت تھی۔" روبینہ انصاری۔"اور وہ جسے ہنر آتا تھا۔" تمکنت بنگش۔

دونوں اپنی wild theory سے مکمل طور پر متفق اور محظوظ نظر آ رہے تھے۔بلاخر وہ اصل ملزم کو جان چکے تھے۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا میں ایک قتل کیس کی تفتیش کروں گا اور۔۔۔۔کامیاب بھی ہوں گا۔"

"ڈرگز ہے عالم۔" اسے بار بار ایک ہی تصویر کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہوئے، دیکھ سہراب جھنجھلایا۔

"جانتا ہوں ڈرگز ہے لیکن یہ تو وومن کا آفس ہے نا؟" اس نے تصویر سہراب کی طرف بڑھائی۔"فنڈز کے زریعے یہاں عورتوں کی ضرورت کے سامان لائے جاتے تھے اور رکھے بھی جاتے تھے لیکن اگر تم غور سے دیکھو تو ۔۔۔۔۔" اس نے تصویر پر ہاتھ رکھا جہاں ایک ڈبے سے کوئی سفید پاؤڈر کا پیکٹ نکالے تصویر نکال رہا تھا اس کے ساتھ چند تصاویر کمرے کی تھیں۔ تصویر میں جو چیز قابل غور تھی وہ تصویر لینے والی کا انگوٹھا تھا۔ جس کے ساتھ ایک اور انگلی جڑی ہوئی تھی۔ وکٹم نمبر دو۔ صباء۔

"وہ بے وقوف بنائی جا رہی تھیں ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک منشیات لے کر جانا کٹھن عمل ہے لیکن اگر کوئی عورت ساتھ ہو تو یہ کام پاکستان میں آسان ہو جاتا ہے یہ عورتیں استعمال ہو رہی تھیں منشیات کی ترسیل کے لیے۔۔۔۔۔سوال یہ ہے کس کے ہاتھوں؟"

عالم چونکا۔"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ رابعہ، تمکنت اور روبینہ کیا وہ لاعلم جرم تھیں یا پھر شامل جرم؟"

عالم کے دماغ کے گھوڑے چار سو بیس کی رفتار سے دوڑنے لگے۔"ہمیں یہ کیسے پتا چلے گا کہ پیسوں کے اس غبن اور ڈرگز کے اس غیر قانونی عمل سے تمکنت اور روبینہ واقف تھیں یا نہیں؟"

"اگر تم سادات میں کسی اچھے مقصد کے لیے کام کر رہے ہو اور تمہیں شک ہو جائے کہ یہاں کچھ غلط ہو رہا ہے تو تم کیا کرو گے؟"

"میں رحمان گروپس کی طرف چلا جاؤں گا۔" اس نے ایک اور لاء فرم کا نام لیا۔ سہراب زیر لب مسکرایا۔ ووَمن کو چھوڑنے والی عورتوں کے پاس جانے کو ایک ہی جگہ تھی۔"مائی سوہائی"

"اس سے پہلے کیا عمل ہو گا؟"

"سب سے پہلے تو ظاہر ہے اپنے باس سے بات کروں گا۔"

اور۔۔۔۔عالم کو اب اندازہ ہوا یعنی تمکنت اور روبینہ اس تخریب کاری سے واقف تھیں یا پھر شامل؟

"میں یونہی نام نہیں لے رہا، میں بس مہر لگنے پر خوش ہوں۔"

"اور مہر کیسے لگی؟" عالم مسکرایا۔ ڈھیر سارے پیسے خرچ کر کے اس نے رابعہ کے چینل کے مالک سے صرف ایک نام نکلوایا۔ جوہر فور زیرو کے پیچھے چلنے پر اسے چینل سے نکالنے کی دھمکی کس نے دی تھی۔ دو نام سامنے آئے تھے۔ تمکنت اور روبینہ۔

"اگر آپ کو سب معلوم تھا تو مجھے یہاں لانے کی ضرورت کیا تھی؟" آراہ نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"اول تو کنفرمیشن چاہیے تھی اور دوسرا ۔۔۔۔۔میں محسوس کر سکتا ہوں میری سوشل ورکر کو کیا چاہیے تھا۔" اس نے گاڑی دوبارہ چالو کی۔ آراہ کا دل نہیں بہلا البتہ عالمگیر یمن ہواؤں میں تھا۔ وہ بلاخر اپنی آزادی کے بے حد قریب تر تھا۔ اب وہ آزاد ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔اب اس کی آزادی آس پاس تھی۔ بس ایک چشم دید گواہ، جس کی گواہی پر وہ وقت کے فرعونوں کو حکمِ خدا سے دریابرد کروا سکتا تھا۔

روشن رحمان کی دوسری بیٹی!

آہ وہ اس سے کب ملے گا؟

★★★★★★★★★

ماضی!

اس رات اس کا ایک انٹرویو تھا، پہلا بڑا انٹرویو۔ دل میں جھکڑ چل رہے تھے مگر کام صف اول آتا تھا اور آنا چاہیے تھا۔ وہ آئینے کے آگے کھڑا تیار ہو رہا تھا جب راج بیر سنگھ اندر آیا۔ وہ اسلان اور اس کے ساتھ اس فلیٹ کا باسی تھا۔ شاہ ویر اسے ساری تفصیل سنا چکا تھا راج اول تو اس سارے قصے پر سر پکڑ کر بیٹھا مگر اب دھیرے دھیرے اس کا دماغ کام کر رہا تھا وہ خود بھی ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتا تھا بدنامی کو وہ اچھے سے سمجھ سکتا تھا، اور شاہ ویر کو اس سے بچانے کے لیے وہ بہت کچھ کر سکتا تھا۔

"کچھ سوچا ہے کیسے ہینڈل کرنا ہے؟" وہ شاہ ویر جتنا ہی متفکر تھا اس کے چہرے سے ظاہر تھا البتہ ٹائی باندھتا نوجوان اپنے اندر کے راز منکشف ہونے سے روکے ہوئے۔ "ایک آئیڈیا ہے۔" اس نے شاہ ویر کا رخ اپنی جانب کیا۔ گلے میں گلٹی سی ابھری۔ "یہ اپنے گھر پر کچھ بتائے گا نہیں میں کہتا ہوں اس کو ایلکس کے حوالے کر۔۔۔۔۔"

شاہ ویر نے قہر برساتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔" not him "سختی سے کہا۔ "ایلکس کا دماغ کبھی جگہ پر رہتا ہے؟ کرائے کا غنڈہ ہے وہ دماغ خراب ہے اس کا میں اسلان سے بات کر لوں گا لیکن اسے تکلیف کبھی نہیں دوں گا۔"

"اس پر وہ "فن" ٹرائے کریں؟" اب کے شاہ ویر ساکن رہ گیا۔

"ارے اس کو بس کمرے میں باندھ کر کچھ ٹارچر کی ویڈیوز دکھائیں گے تم جانتے تو ہو یہ وائلنٹ نہیں ہے جب ایسی ویڈیوز اور ظلم دیکھے گا تو ڈر جائے گا پھر چپ رہے گا اور کچھ دن بعد جب غصہ ٹھنڈا ہو گا تو پیسے دے کر رفع دفع کر دیں گے۔ کوئی جسمانی تکلیف تھوڑی ہو گی۔" ٹائی کی گرہ باندھتی اس کی انگلیاں غیر متحرک تھیں اسے یہ مشورہ معقول لگا۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا اور پھر اس کی طرف مڑا۔

"تمہیں یقین ہے وہ ڈرے گا؟"

"یہ میرے باپ کا گُر ہے پورے پنجاب میں کوئی بھی آج تک ان کے خلاف نہیں گیا۔ ہاتھ بھی صاف اور مسئلہ بھی صاف۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شاہ ویر بہت دیر تک چپ رہا، پھر نگاہیں اٹھا کر راج کو تکا۔

"میرا دوست ہے وہ، اسے بس تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔" وہ واپس آئینے کی طرف مڑا۔ "پہلے ہی مجھے خود سے گھن آ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں کی ملامت سہن نہیں ہو رہی۔"

راج اس سے پوچھنا چاہتا تھا جنہیں گھن آتی ہو وہ اس طرح آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خوشبوؤں کا چھڑکاؤ کرتے ہیں، کیا جن کو کسی کی تکلیف ہو اس کا مداوا کرنے کی بجائے وہ اسی تکلیف میں اضافہ کرتا ہے؟ اس وقت وہ مانتا نہیں تھا مگر سچ یہ تھا کہ اسے کسی کی تکلیف سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، کسی انسان کے چھوڑ جانے پر اسے کوئی دلی رنج نہیں ہوتا تھا سوائے اس کی طاقت، مشہوری اور نام کے وہ باقی ہر تعلق ہر انسان پر باقاعدہ دونوں ہاتھوں سے لعنت بھیجا کرتا تھا۔ ہاں البتہ اس کے پاس جذبات ہیں یہ دکھانے کی اداکاری وہ ضرور کرتا تھا۔

(اس کے سامنے کاغذ پھیلے ہوئے تھے۔ رنگین کاغذ، جن سے وہ پیپر رنگز بناتا آراہ کی انگلیوں کی زینت بناتا جا رہا تھا۔ اس وقت اس کی سات انگلیوں میں پیپر رنگز تھیں اور وہ آٹھویں بنا رہا تھا اتنے سالوں کی مشق تھی کہ اب اسے انگلی کا ماپ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔

"انٹرویو سے واپسی کے بعد میں نے اسے بہت سمجھایا۔" وہ دونوں ہاسٹل کے باہر کھڑے تھے۔ شاہ ویر آنکھوں میں نمی لیے منتیں کر رہا تھا اور وعدہ کر رہا تھا کہ اب کبھی اسے تکلیف نہیں دے گا، آئندہ ایسا نہیں ہو گا مگر اسلان ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی کوئی بات سن ہی نہ رہا ہو۔

"میں نے پتھروں کی کئی نایاب قسمیں دیکھی ہیں لیکن اسلان یمن کا دل ہر اس قسم پر فوقیت رکھتا ہے۔" اس نے آراہ کو بتایا۔

"ایک public apology اس کے علاوہ اگر تم اپنا سر قلم کر کے میرے قدموں میں رکھ دو تو میں اسے بھی ٹھوکر مار دوں گا۔" اس کی التجا آنکھوں کا گیلا پن، مستقبل کے وعدے سب جھوٹ کا پلندہ، سب بے اثر۔

"اس نے مجھے مجبور کر دیا، آراہ بے حد مجبور۔" سفید کاغذ کی ایک انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہناتے اس کا لہجہ کھوکھلا تھا۔ آنکھیں خالی۔

اس رات وہ بہت دیر تک شراب پی کر غم غلط کرتا رہا۔ جانے رات گزری کہ کٹی مگر اگلے دن اس کی آنکھ کسی کے جھنجھوڑے جانے پر کھلی۔ شاہ ویر نے بمشکل آنکھیں کھولتے اپنے سامنے کھڑے راج کو دیکھا جس کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔ اس نے لانگ کوٹ شاہ ویر کی گود میں پھینکا۔۔

"کیا ہوا ہے؟" بہ دقت آنکھیں کھلی رکھے وہ خوابیدہ لہجے میں پوچھ بیٹھا۔ راج موبائل کان اور کندھے کے بیچ اٹکائے اپنا بٹوہ اٹھا رہا تھا، گاڑی کی چابیاں، شاہ ویر کے جوتے۔ "کچھ بتاؤ گے کیا ہوا ہے؟" اب کے شاہ ویر اٹھ بیٹھا۔

"تمہارا باپ اس وقت تھانے میں ہے وہ ہمارے خلاف رپورٹ لکھوانے گیا تھا ایلکس نے اسے دیکھ لیا ہے۔ میں نے بہت مشکلوں نے رپورٹ ہونے سے بچایا ہے۔۔" شاہ ویر کا دماغ بھک سے اڑا۔ اس نے کوٹ اپنے گرد لپیٹا، جوتے پیروں میں اڑسے، پائنتی پر پڑے جگ سے چہرے پر پانی ڈالتے وہ باہر نکل رہا تھا۔ انداز میں عجلت تھی، وہ تیز تیز قدم لے رہا تھا۔ کل رات ہی اس کے براہ راست انٹرویو میں اس کے لوگوں کے حقوق پر بات کی تھی، اسے پزیرائی ملی اور اب یہ۔۔۔۔۔ اُف اُف اُف۔

وہ جس وقت تھانے پہنچا اسلان وہیں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر کل سے زیادہ سختی تھی، آنکھوں میں اجنبیت۔ راج اور شاہ ویر نے افسر سے کیا کہا، اسے علم نہیں تھا مگر وہ تھوڑی دیر کے لیے انہیں تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" شاہ ویر نے چبا چبا کر پوچھا۔ اس کا بازو پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھ جھٹک گیا۔

"تمہیں لگا تھا میرا حق کھا لینا آسان ہے؟"

"تم۔" وہ ضبط کر کے رہ گیا۔ "میں تمہارا دوست ہوں تم مجھے میری ایک غلطی کے لیے معاف نہیں کر سکتے؟"

"دس کے لیے معاف کر سکتا ہوں تم معافی مانگو نا۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ اب منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "کھولو اپنا انسٹاگرام مانگو معافی، بنو دوست۔"

ایک لمحے کو وہ سوچ میں پڑا، پھر مصلحت آمیز انداز میں ہاتھ اٹھائے۔ "مجھے صرف چوبیس گھنٹے کا وقت دو۔"

"دیا تھا تم نے ضائع کیا۔"

شاہ ویر نے کراہ کر آنکھیں میچیں۔ "ایک بار، ایک آخری موقع صرف چوبیس گھنٹے اسلان۔"

اسلان نے لمحہ بھر سوچا اور تھوڑی دیر بعد وہ اس کی بات میں آ گیا تھا۔ فلیٹ کی طرف گاڑی موڑتے ہوئے شاہ ویر کا چہرہ خطرناک حد تک سپاٹ تھا۔ ایک جگہ آ کر اس نے گاڑی روکی اور اس کی طرف مڑا۔

"؟تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے" اس نے عجیب سے لہجے میں اسلان سے پوچھا، اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اسلان اور راج اس کے ساتھ باہر آئے۔ "تم اتنی سی بات پر پولیس میں رپورٹ لکھوانے پہنچ گئے؟"

"مجھے لگتا ہے شاید تم میری باتوں کو مذاق سمجھ رہے ہو، فائن میں پولیس سٹیشن۔۔۔۔۔"

شاہ ویر نے دھکا دے کر اسے گاڑی کے بونٹ پر گرایا۔ اور کا گریبان پکڑا۔ "میرے خلاف رپورٹ کرواؤ گے؟ تم مجھے جانتے ہو، میرے خاندان کو جانتے ہو؟ دو منٹ کے اندر اندر تمہیں اور تمہارے سارے خاندان کو صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا اور تم لاشوں کے لیے بھی میرے پاس آ کر گڑگڑاؤ گے۔" اسلان ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا گرگٹ نے یہ کون سا رنگ بدلا تھا جو پہچان سے باہر تھا؟

"تم۔۔۔۔ تم مجھ سے اس طرح بات کرو گے، ویر؟"

"تمہارے گھر کی ایک ایک عورت کے ساتھ وہ حشر کروں گا کہ تم لوگ اگلی بار لڑکی کی پیدائش سے خوف زدہ ہو جاؤ گے۔" وہ اسی طرح اس کا کالر مٹھی میں دبوچے غرا رہا تھا۔

اسلان ٹکر ٹکر اسے دیکھے گیا۔ "تم۔۔۔۔ تم کتنے گھٹیا ہو۔" وہ سخت بے یقین تھا۔

شاہ ویر نے سختی سے اس کا جبڑا دبوچا، ایک ہاتھ اس کے گلے پر تھا۔ "یہ تو کم سے کم ہے اگر تم نے میرے خلاف زبان کھولی یا مجھ سے وہ چھیننے کی کوشش کی جس کے لیے میں نے عمر لگا دی ہے تو میں تمہیں اسی شہر میں کہیں زندہ دفنا دوں گا اور کسی کو خبر بھی نہیں ہو گی۔" اسی بری طرح جھٹکتے وہ سیدھا ہوا۔

"تم نے ہاتھ کیسے اٹھایا؟" وہ اسی شاکی انداز میں پوچھ رہا تھا، آنکھیں پھیلی ہوئی، لب ہلکے سے وا، جبڑے پر شاہ ویر کی انگلیوں کے نشان وہ تو مر کر بھی یقین نہ کر پاتا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے ایک سال قبل ریسنگ کے مقابلے سے پہلے اسے بچایا تھا۔

"اسے دھمکی سمجھو، تنبیہہ یا کچھ اور۔" شاہ ویر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے سختی سے سمجھا رہا تھا۔ "جو ہوا بہت غلط ہوا میں بس دیکھنا چاہتا تھا میرے کام میں کمی کیا ہے جو میں بار بار مسترد کر دیا جاتا ہوں اب مجھے سمجھ آ گئی ہے اور تمہارا وہ مسودہ وہ یوں بھی بے کار تھا تم نے پھینک ہی دینا تھا اور اگر رکھنا بھی تھا جو کہ تم اب رکھ رہے ہو تو ایسا کرو اس جیسا کچھ اور لکھ لو۔ پیسے لے لو مجھ سے، گاڑی یا گھر چاہیے تو بتاؤ۔۔۔۔"

"تم نے ہاتھ کیسے اٹھایا؟" اسلان چند لمحے اسے دیکھتا رہا شاہ ویر کنپٹی مسلتے جونہی پیچھے ہوا اسلان نے اس کی کلائی دبوچ کر اسے اپنے سامنے کیا، اسے ایک لمحے کا بھی موقع نہ دیتے ہوئے اسلان یمن نے شاہ ویر کے چہرے پر ایک مکا مارا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا۔۔۔۔ جمے ہوئے ہاتھ کا ایک آخری فولادی مکا اس کے جبڑے پر مارتے ہوئے اس نے شاہ ویر کو دھکا دے کر اسی بونٹ پر گرایا، اور اس کا گلا اسی انداز میں دبوچا جیسے کچھ دیر قبل اس نے۔

"میں اگر آرام سے بات کر رہا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں کمزور ہوں۔ میرا حق تو تم بھی دو گے اور تمہارا باپ بھی، میرے گھر کی عورتوں پر بات کی ہے تم نے میں اب تمہارے ساتھ وہ کروں گا کہ تمہارے خاندان میں بیٹوں کی پیدائش پر بھی ماتم ہو گا۔" شاہ ویر نے کوٹ کے کف سے خون صاف کیا، اس کے کانوں میں اب تک زوں زوں ہو رہی تھی کمبخت کا ہاتھ بھاری تھا۔ "میں صبح جب سٹیشن گیا تھا تو میرا مقصد صرف تم پر دباؤ ڈالنا تھا

لیکن اب نہیں ۔۔۔۔۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہو رہا تھا۔ "تم میرا حق نہیں کھا سکتے شاہ ویر۔ میں ساری دنیا کو بتاؤں گا سچ کیا ہے تم ۔۔۔۔۔ تم بچ نہیں سکتے لوگ اب تمہارا اصل چہرہ دیکھیں گے تمہارا باپ تمہارے بارے میں صحیح تھا تم ایک ذہنی مریض ہو۔۔۔۔۔"

دنیا گھوم گئی، صرف ایک لفظ اور سب پھر گیا، بدل گیا۔

"تم نے شاہ زید کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

شاہ ویر پاگل ہے ۔۔۔۔ یہ سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتا ہے ۔۔۔۔۔ he needs help..... آپ کا بیٹا وائلنٹ ہے ۔۔۔۔۔ مجھے اس کی آنکھوں سے خوف آتا ہے، تمکنت۔

" جانے دے ویر بعد میں دیکھیں گے۔ " راج نے اس کا بازو پکڑتے اسلان پر ایک آخری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ اسلان جو اس کی طرف دیکھے بغیر قدم اٹھا رہا تھا شاہ ویر نے اسے نہیں دیکھا وہ گاڑی تک گیا نشست اوپر کر کے لوہے کا جیک بر آمد کیا ۔۔۔۔ چند قدموں کا فاصلہ دو سے تین فرلانگ میں طے کیا، اسلان کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑا اور اس کے سر پر پوری طاقت کے ساتھ وہ جیک مارا۔ اسلان گھٹنوں کے بل گر پڑا، آسمان، زمین سب سر پر گول گول گھومنے لگا۔ خون اس تیزی سے بہا کہ جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ متحیر سا اسے تکے گیا۔ شاہ ویر تیز تنفس کے ساتھ اس کے سر پر کھڑا تھا۔

وہ آنکھیں زیادہ دیر کھلی نہیں رکھ سکا، زخم اتنا شدید تھا کہ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کے خون اور بے ہوش وجود کے پاس پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے شاہ ویر کی آنکھوں کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ "میرا ذہنی عارضہ جھیلنے کے لیے تیار ہو جاؤ، ناساہیڈ۔"

اس نے راج کو اشارہ کیا وہ سمجھ چکا تھا اسے آگے کیا کرنا ہے۔ اس وقت جتنا غصہ شاہ ویر کے اندر تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا اسے کیا کرنا ہے۔

★★★★★★★★★★★★

حالیہ دور!

"اسلان پر ہوئے حملے کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد۔"

"کون سا فلور؟" سہراب کا موبائل اس کے کان پر تھا، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ سوٹ بوٹ میں ملبوس وہ دونوں مرد بوکھلائے ہوئے لگ رہے تھے۔

"پانچواں فلور، پلیز جلدی آجائیں۔" دوسری طرف بنفشہ کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔

عالم اور سہراب پانچویں فلور پر آئے پولیس افسران، ان کے ساتھ ہی تھے۔ عالم پولیس سے بات کر رہا تھا ڈاکٹروں نے اب تک علاج شروع نہیں کیا تھا سہراب ان کے ساتھ مصروف تھا۔

"کندھے کے زخم گہرے لگ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے مسلز متاثر ہوئے ہوں، سر پر بھی بھاری چیزوں سے وار کیا گیا ہے، سر آپ کو لکھ کر دینا ہوگا۔"

"کہاں دستخط کرنے ہیں؟" سہراب نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔ ڈاکٹر نے تین چار کاغذات کا مجموعہ اس کی طرف بڑھایا وہ بغیر پڑھے دستخط کرتا چلا گیا۔ ڈاکٹر اب اپنے عملے کو ہدایات دے رہا تھا اسٹریچر پر پڑے وجود کو کہیں کسی کمرے میں لے کر جایا جا رہا تھا ایک لمحے کے لیے اسٹریچر اس کے سامنے سے گزرا، ایک لمحہ قیامت بن کر اس کے دل پر گزر گیا۔ وہ بند آنکھیں، چہرے کے زخم وہ خون ایسی شدید تکلیف نے سر اٹھایا کہ سہراب لب بھینچ کر پیچھے ہوا۔ دانتوں پر دانت جما کر ضبط کیا۔

تھوڑی دیر بعد تین لوگ تھے جو دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ عالم...... جو پیسے کے معاملات، دوائیاں، بلز بھر کر ابھی آیا تھا۔ اس کے حواس اب بحال ہو رہے تھے۔ "یہ کیا ہو گیا تھا؟"

بنفشہ جو ساکت تھی۔ اس کے ہاتھوں پر خون خشک ہو گیا تھا، کندھے، دامن اور بازو پر ہنوز داغ تھے۔ چہرے پر تھپڑ کے نشان اور کنپٹی کے قریب کسی زخم سے خون رس رہا تھا۔ وہ شاک میں تھی۔ چہرہ ستا ہوا۔ "یہ سب کیسے ہو گیا؟"

تیسرا سہراب تھا۔ اس کے لب سیدھی لکیر میں بند تھے۔ مٹھیاں بھینچی ہوئی۔ اس کے ذہن میں بس ایک سوچ تھی۔ "کس نے کیا؟"

آراہ یہاں سے دور تھی کسی پریئر ہال میں اس کے ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھے تھے لب مقفل اور آنکھوں سے بس آنسو جاری۔ "بس وہ ٹھیک ہو جائے۔"

"میں اے ٹی ایم جا رہا ہوں کیش ختم ہو گیا ہے۔" عالم نے ہلکی آواز میں سہراب سے کہا۔ "تھوڑی دیر تک آتا ہوں کوئی مسئلہ ہو تو۔" سہراب نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا ایسی سختی سے کہ عالمگیر تھم گیا۔ وہ چند پل انہی کاٹ دار نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر یکلخت اسے گریبان سے پکڑ کر دیوار سے لگا یا۔ وہ سکتے میں آ گیا تھا۔ سہراب کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ عالم چند پل کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔

"تم مسئلہ ہو اس دنیا کا، ہمارے گھرانے کا سب سے بڑا مسئلہ تم ہو، عالم۔" وہ دھیمی آواز میں غرا رہا تھا۔ "تم نے مجھ سے سچ چھپائے تم نے اسے غلط راہ پر چلایا، ایک قتل کے بعد بھی اسے کُھلا ہاتھ دیا تم نے میرے بیٹے کو مجھ سے دور کر دیا مجھے تمہاری شکل سے نفرت ہو رہی ہے۔"

"وہ میرا بھی کچھ لگتا ہے۔" وہ بمشکل کہہ پایا۔

"کسی کا کچھ نہیں لگتا وہ۔۔۔۔۔۔" اب کے سہراب بلند آواز میں غرایا۔ "تم لوگوں نے اسے نہیں پالا میں نے پالا ہے تم سب نے اسے چھوڑ دیا تھا میں اسے واپس لایا تھا۔ تم نے ہمیشہ مجھ سب چھینا ہے پہلے ابا، پھر آمنہ نے مجھے تمہاری وجہ سے چھوڑا میرے پاس صرف اسلان تھا اور تم نے اسے بھی پتا نہیں کن کاموں میں لگا دیا کہ اب لوگ اسے سڑک پر زخمی کر کے جا رہے ہیں۔ میں کب تک تمہارے گناہوں کے کفارے بھرتا رہوں گا، آخر کب تک۔" اس کی آواز بھاری اور گیلی تھی آنکھیں نم۔ عالم ششدر تھا۔ سہراب کیا کبھی سہراب اس سے یہ کہہ سکتا تھا؟

"میں .....میں تمہارا چھوٹا بھائی ہوں۔" مارے تحیر اور تکلیف کے وہ بس یہی کہہ سکا۔ "ابا نے کہا تھا عالم کا خیال رکھنا۔"

”اور یہ جو اندر ہے نا یہ میری دنیا ہے میرے سارے تعلق، سب اس پر ختم ہے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں عالم جس نے بھی اسے تکلیف دی ہے میں ان کا سدباب تو کروں گا ہی لیکن آج اگر اسے کچھ بھی ہوا تو میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔“

عالم نے بازو سے آنکھیں رگڑیں۔ ”ماردو۔“

”عالم سر کا کوئی قصور نہیں۔“ مٹی کے پتلے میں جنبش ہوئی۔ ”تمام دشمنیاں اس کی اپنی پالی ہوئی ہیں۔ عالم، آپ اور میں ہم بس استعمال ہوئے ہیں۔ ساری کہانی اس کی تھی۔ ہم سب مہرے، چال، کردار۔“

”آپ ہمارے گھر کے معاملات میں دخل مت دیں، بی بی۔“

”یہ اب محض آپ کا معاملہ نہیں ہے۔“ تلخی سے کہتی وہ آگے آئی۔ ”آپ کے بیٹے نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ میرے ساتھ میرے تمام محاذ لڑنا چاہتا ہے، اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں "رک جاؤں" وہ مجھے روک رہا ہے آپ اس کا مطلب جانتے ہیں؟“ سہراب بے دھم رہ گیا۔ بنفشہ احسان جس دوٹوک اور بے خوف لہجے میں کہہ رہی تھی وہ ان دونوں کو ٹھکانے کے لیے کافی تھا۔ ”جب آپ کا بھتیجا اس سڑک پر پڑا کراہ رہا تھا تب اسے اٹھا کر یہاں میں لائی تھی، آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ مجھ سے اس طرح بات کریں۔“ اس کی آواز بلند نہیں تھی، سرد بے حد تھی۔

”اور جہاں تک بات ہے عالم سر کی تو میں آپ کو بتاتی ہوں کہ سچ کیا ہے۔ اسلان اور شاہ ویر دوست تھے، ایڈن برگ میں وہ دونوں اکھٹے رہے، ان کا ہاسٹل اور کمرہ ایک ہی تھا۔ اس کے بعد شاید وہ دوست نہیں رہے، شاید کچھ اور ہو گیا مجھے نہیں پتا۔ آپ کا بھتیجا پچھلے چار سالوں سے مسز بنگش کے لیے کام کر رہا ہے..... کام کیا ہے میں نہیں جانتی لیکن وہ ان کا غلام تھا اور وہ ملک اس لیے چھوڑ رہا تھا کیونکہ وہ ضمیر بیچتے بیچتے تنگ آ گیا تھا۔“ طیش اور رنج سے کہتے کہتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔ سہراب بے حد خاموش تھا، اس نے آہستگی سے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

”تم جانتے ہو کیا کیسے اور کیوں؟ تم جانتے ہو نا؟“ اس نے عالم سے تصدیق چاہی۔ عالم نے لب بھینچ لیے اس کی آنکھیں اب تک سرخ تھیں۔

”نہیں بتاؤں گا ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔ مارنا ہے تو مار دو۔“

”میرا قصور کیا ہے؟“ سہراب کا لہجہ زخمی تھا۔ ”تم لوگ مجھے کچھ کیوں نہیں بتاتے ہو؟“

”وہ کیوں تم پر اعتبار نہیں کرتا یہ تم خود سے پوچھو، کیوں مصیبت کی گھڑی میں تمہیں نہیں پکارتا یہ بھی خود سے پوچھو۔ تم اس کے لیے اور وہ تمہارے لیے جو بھی ہے ہم نہیں جانتے لیکن۔۔۔۔۔“ عالم نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”وہ تم سے ڈرتا ہے کیونکہ تم اسے جج کرتے ہو۔“

وہ کوئی جواب دیتا کہ اس کا موبائل تھرتھرایا۔ سہراب نے بے دھیانی میں موبائل دیکھا۔ اسفندیار انصاری اپنے ذاتی نمبر سے اسے کال کر رہا تھا، کڑیاں ملاتے اسے ذرا دیر نہیں ہوئی۔ اس نے کال اٹھائی۔

”کیسا لگا میرا سرپرائز؟“ یکدم سب سمجھ آنے لگا، سڑکوں کا رش، لوگوں کا ہجوم طاقت کا وہ اظہار۔ ”سیاست دان غصے میں بھی سیاست کرتا ہے، تکلیف میں بھی، فائدے اور نقصان میں بھی تمہیں میری کال تو یاد ہو گی، یمن؟“ موبائل کان اور کندھے کے درمیان اٹکائے اس نے بازو بورڈ پر پھیلا کر نشانہ لیا۔ ”میں اس وقت بھی سیاست کر رہا تھا۔ تمہیں غلط وقت پر الرٹ کیا۔ تمہارے محافظ ہاتھ بڑی دیر تک تنے رہے پھر پٹھوں میں کھنچاؤ اترا اور تم تھک گئے۔ یہاں حفاظت کی دیوار ہٹی یہاں سیاست دان کی طرف سے حملہ ہوا۔“ سہراب کے گلے میں کوئی گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس کا دماغ کہاں تھا اگر وہ سیاست کر رہا تھا تو کوتوال اپنے کام سے کیسے چُوکا؟

”پھر بتاؤ سہراب تم مجھ سے ملنے کب آ رہے ہو؟“

”کوئی کاغذ یا قلم قریب ہے؟“ اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے سہراب نے اپنا سوال کیا۔ ”اگر ہے تو اٹھا کر اپنی وصیت لکھ لیجیے کیونکہ میرا حساب الگ ہے میں ایک کا دس گنا واپس کرتا ہوں اس حساب سے میرے بیٹے پر قاتلانہ حملے کا سیدھا سیدھا جواب قتل ہے پہرے بڑھا دیجئے، سر۔“ دوسری طرف اسفند زور سے ہنسا۔

”اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر تم میرے گھر نہیں پہنچے تو جانتے ہو کیا ہو گا؟ ڈاکٹرز کی اس ٹیم میں میرا ایک بندہ ہے وہ تمہارے بھتیجے کو زہر بھرا انجیکشن لگا کر ابدی نیند سلا دے گا اور۔۔۔۔۔“ سہراب کا دماغ بھک سے اڑا وہ تیزی سے دروازے کی جانب بھاگا دوسری طرف اسفند اور زور سے ہنسا۔ ”اوہ سہراب اوہ۔۔۔۔ کہیں سے نہیں

لگتا تم وہی آدمی ہو جس نے میرے بھائی کا انکاؤنٹر کیا تھا۔ لوگ تمہارے بارے میں صحیح کہتے ہیں تم خاندان کے معاملے میں جذباتی ہو۔" وہ اس کی بکواس سنتے ہوئے زور زور سے دروازہ بجا رہا تھا عالم اور بنفشہ اس کی دیوانگی دیکھ رہے تھے۔

"اگر تم نے اگلے پانچ سیکنڈ میں دروازہ بجانا بند نہ کیا تو اس شہر کا کوئی ڈاکٹر تمہارے بھتیجے کا علاج نہیں کرے گا اور تم جانتے ہو میں ایسا کروا سکتا ہوں۔" اس کے ہاتھ رک گئے، تھم گئے۔ سارے وجود کو کسی نے زنجیروں سے کس دیا یہ ایک مرد کی بے بسی تھی، دنیا کو لگتا ہے مرد مشقت نہیں اٹھاتا، مرد کبھی مجبور نہیں ہوتا دنیا تو اپنی سوچ کے زاویے بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔

سہراب لب بھینچے اسے سنے گیا۔ "تمہاری تقرری کے آرڈرز کل صبح تک آجائیں گے اس وقت تم پریشان ہو کل صبح میری سیکورٹی اسٹاف کے انچارج کی حیثیت سے اپنا کام سنبھالنے آجاؤ۔"

اس کا ہاتھ پہلو میں گر گیا وہ ایک بار پھر تہی دست تھا۔ عالم اس کی چند منٹ قبل والی تلخ کلامی کو نظر انداز کرتے وہ آگے آیا۔ "فکر کیوں کر رہے ہو میں ہوں نا؟" وہ اس کی گردن میں ہاتھ ڈالے اس کا چہرہ اونچا کر رہا تھا۔

"خادم صاحب سے بات کرتے ہیں جو شخص اسفند سے لڑ کر اس کے خلاف جا کر اسفند کے بھائی کے قاتل یعنی تمہیں یہاں لا سکتا ہے وہ اس وقت اس سے لڑ بھی سکتا ہے۔ ہمیں اس انسان سے بات کرنی ہو گی جو جوہر فور زیرو کے پیچھے ہے۔" وہ کئی لمحے سکتے میں رہا اور پھر سہراب ہنسا۔ عالم کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا وہ اور زور سے ہنسا اور پھر ہنستا چلا گیا۔ ہسپتال کی خالی راہداریوں میں اس کے قہقہے پلٹ پلٹ کر واپس آرہے تھے۔ لوگ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اس کے پیچھے کوئی اور نہیں وہ "خود" تھا۔" ہنستے ہوئے اس کا لہجہ بدل رہا تھا یہ بے وقوف بنائے جانے کی ہنسی تھی، یہ کرب کی ہنسی تھی۔ "وہ ہمیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ جو آدمی اپنا چند کروڑ کا نقصان نہیں بھول سکتا وہ اپنے بھائی کا قتل کیسے بھول سکتا ہے، وہ سیاست کر رہا تھا، عالم۔ خادم اس کے خلاف نہیں تھا خادم اس کا "وزیر" تھا۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے وہ ہمارے ذریعے جوہر فور زیرو کے مجرم کو کاٹ رہا تھا۔"

عالم بھونچکارہ گیا۔ وہ دونوں بھائی بقا کے بھرم میں باطل سے استعمال ہو رہے تھے۔ ہسپتال کی راہداریاں ٹھنڈی یخ پڑ گئیں، کسی مُردے کی مانند۔ سہراب کے قہقہے ہنوز راہداریوں میں گونج رہے تھے۔

★★★★★★★★★★★★★★

"میں تمہیں سب سچ سچ بتا رہا ہوں، آراہ لیکن میں ایک سچ تم سے بھی سننا چاہتا ہوں۔" پانی کی بوتل اس کے سامنے رکھتے اس نے گویا مطالبہ بھی سامنے رکھا۔ "ہمارے درمیان جو بھی تھا کیا وہ جھوٹ تھا۔۔۔ کیا ہمیشہ سے سب جھوٹ؟"

انار اطارون کے چہرے پر کوئی دراڑ پڑ گئی۔ وقت آگے بڑھ جاتا ہے، تعلقات بدل جاتے ہیں لیکن جن سے محبت ہو دل کا ایک حصہ ایک صدی تک ان سے متاثر رہتا ہے اس کے دل کا متاثر شدہ حصہ آج بھی ویسا تھا۔ "متاثر"

"ہماری منگنی سے کچھ دن پہلے تم نے پوچھا تھا کہ پانچ ماہ پہلے کیا ہوا تھا میں کیوں بدل گئی تھی؟" وہ ٹھنڈا یخ پڑ گیا۔ اسے یاد تھا وہ بھول بھی کیسے جاتا؟

کرنے کو کئی سوال تھے، پیش کرنے کو تاویلیں کئی، مگر جو اس نے پوچھا وہ سوچ کے متضاد توقع کے برخلاف تھا۔

"کیسے زیر کر لیا مجھے؟" اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھا وہ خلاؤں میں تکتے ہوئے مستفسر تھا۔ "میں نے اپنے منصوبوں میں کبھی بھی کہیں بھی کوئی loophole نہیں چھوڑا پھر کیسے، آراہ؟"

"محبت اور محبوب نے بڑے بڑے سورماؤں کو خاک کیا تم شے ہی کیا تھے؟" وہ عجیب سی ہنسی۔ "اسی محبت نے ہیر، لیلیٰ، سسی، سوہنی ہر ایک کو تباہ کیا پھر میں کیا چیز تھی؟" ہر مسئلے، رنج اور فریب کے باوجود محبت دونوں کی تھی، تباہی بھی تو دو طرفہ تھی۔ دونوں غلط خاندان، غلط انسان، اور غلط وقت پر محبت کر بیٹھے تھے۔

★★★★★★★★★★★

ماضی!

"تم جل نہیں رہیں؟"

سپورٹس کلب میں سفید بتیاں روشن تھیں۔ جالی کے بنے ہوئے کوارٹر کو جالی ہی ایک دوسرے سے الگ کر رہی تھی۔ شاہ ویر کہنی کے بل دراز تھا جبکہ آراہ اس کا موبائل ہاتھ میں لیے اس کی تازہ پوسٹ کے تبصرے بلند آواز میں پڑھ رہی تھی جب شاہ ویر نے اسے پکارا۔ اس کا سانس پھولا ہوا لگ رہا تھا۔

''میں کیوں جلوں گی۔۔۔ یہ دیکھو کسی نے لکھا ہے کہ آپ دن بادن خوبصورت ہو رہے ہیں۔'' دنیا کے باقی تمام معاملات میں وہ سیاہ کا سب سے گہرا شیڈ تھا مگر بات جب ان ہیزل آنکھوں والی لڑکی پر آتی تھی وہ ہر برائی جھٹک کر، ہر کدورت نگل کر سالم محبت بن جاتا تھا۔

''تم واقعی نہیں جل رہیں؟'' اب کے اس نے غور سے آراہ کو دیکھا۔

آراہ نے بھی نگاہیں اٹھا کر اسے تکا۔ ''یہ ہزاروں لڑکیاں تمہاری پوسٹس پر کمنٹس کرتی ہیں لاکھوں تمہیں فالو کرتی ہیں لیکن تم کس کی پوسٹ پر کمنٹس کرتے ہو، تمہاری فالونگ میں کون ہے؟''

''انارا طارون۔ آج، کل، ہمیشہ صرف وہی۔''

''درست جواب!'' اس نے سراہا ساتھ ہی اپنا موبائل نکال کر اس کے حوالے کیا۔ ''یہاں اپنے سارے اکاؤنٹس لاگ ان کرو۔'' شاہ ویر کہنی کی ٹیک چھوڑے فرش پر گر گیا، فضاؤں میں اس کا بلند قہقہہ گونجا۔ آراہ کا موبائل سینے پر رکھے وہ ہنستا ہی چلا گیا۔

''ابھی کوئی کہہ رہا تھا اسے جلن نہیں ہوتی۔''

''ابھی کے ابھی کوئی تمہاری جان بھی لے سکتا ہے کوشش کروں؟'' شاہ ویر نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کیے اپنا موبائل پہلے اٹھایا سب سے پہلے انسٹاگرام پر اپنی اور اسلان کی چیٹ ڈیلیٹ کی، اسے بلاک کیا اور ہر طرح کی سرچ ہسٹری مٹاتے ہوئے اس نے موبائل آراہ کو واپس تھمایا۔ اب وہ اس کے موبائل میں اپنا انسٹاگرام لاگ ان کر رہا تھا۔ ساتھ اس نے تین گروپس کا نام لیا۔

''ان کو مت کھولنا ہم لڑکوں کی باتیں ہوتی ہیں۔''

''کون سی باتیں؟''

شاہ ویر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "تمہارے کانوں سے دھواں نکلے گا چاہو تو بتا دوں؟"

"استغفار!" وہ سر جھکا گئی۔ شاہ ویر جانتا تھا وہ کچھ بھی چیک نہیں کرے گی آج تک اس نے آراہ سے ملنے کے بعد دل کی سلیٹ پر کوئی اور نام لکھا ہی نہیں تھا تو ڈر کس بات کا؟

"اب تم بھی اپنے اکاؤنٹس مجھے لاگ ان کر کے دو۔" وہ بازوؤں کا تکیہ بنائے دوبارہ بنائے دراز ہوتے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔

"میرا ای میل تم جانتے ہو پاس ورڈ اسلان یمن ہے جب دل چاہے کھول لینا۔"

اسلان کے نام پر اس کی رنگت اڑ جاتی تھی۔ آراہ اور اس کا تعلق بظاہر ہر جھول سے آزاد تھا مگر اسے پروپوز کرنے کے کچھ وقت بعد جب شاہ ویر کی دلچسپی اس میں بڑھ گئی تب اس نے آراہ کے خاندان کے بارے میں معلومات اکھٹا کیں اس کی محبت اور حوصلوں نے منہ کی کھائی جب اسے علم ہوا کہ انارا طارون اسلان یمن کی بہن ہے۔ وہ عجیب سی کشمکش کا شکار ہو گیا۔ اگر اس نے اپنے بھائی کا نام احمد اور اپنا آخری نام طارون نہ بتایا ہوتا تو اسے یہ چند ماہ کا تعلق اس قدر آزاد نہ لگتا۔ وہ آراہ سے کم کم بات کرنے لگا، دوسری عورتوں سے ملنے لگا اسے لگا نقش ابھی تازہ ہے جلد مٹ جائے گا مگر نقش تیزاب کے قطروں سے کیا گیا تھا وہ جس قدر فاصلہ بڑھاتا طلب اور تشنگی شدت سے بڑھتی چلی جاتی۔

باقی عورتیں دنیاوی تھیں، چالاک تیز طرار، وہ باقی عورتیں تھیں آراہ نہیں۔ لوگ اس سے پوچھتے تھے اسے اس مڈل کلاس، کم خوبصورت لڑکی میں کیا نظر آیا اس کا ہر دفعہ کا جواب ایک ہی "کاملیت، سفیدی، سچائی!"

اس کے دل میں لوگوں کا درد تھا، وہ ذرا ذرا سی بات دل پر لے لیتی تھی، آج تک کسی کے ساتھ کچھ غلط نہ کیا تھا اور سب سے بڑھ کر شاہ ویر اس کی زندگی کا پہلا مرد تھا۔ وہ پہلی بار اسی کی باتوں پر مسکرائی تھی، اپنی تعریف کا پہلا حق اسی کو دیا تھا، اسی کو دیکھ کر نگاہ جھکائی اور اسی سے نگاہ ملائی وہ اس کے تمام جملہ حقوق سینے پر نقش کیے گھومتا تھا۔

ان وقتوں میں اسے ایک پر سکون زندگی چاہیے تھی جو کم از کم اسلان یمن کی بہن کے ساتھ نہیں گزر سکتی تھی مگر اس لڑکی کی معصومیت، مہربان فطرت، بے ریا انداز شاہ ویر کو یوں لگا جیسے کسی نے باندھ کر کلیجے پر وار کیا ہو۔

"اگر میں کوئی بُرا کام کروں تو کیا چھوڑ دو گی مجھے؟" آنکھیں بند کیے بستر پر دراز ہوتے وہ اکثر اس سے پوچھتا اور ہمیشہ کی طرح وہ ایک ہی جواب دیتی۔

"ہاں!" شاہ ویر ہنس پڑتا۔ بعض دفعہ وہ اپنی سیاہی، گناہ، عیب اس کے سفید رنگ میں گھل کر معدوم ہوتے محسوس کرتا، ایسے جیسے سب ختم، سب گھل مل گیا ہو۔ وہ اس کی غلامی نہیں کرتی تھی ہاں مگر شاہ ویر اس کی حکمرانی محسوس کر سکتا تھا، کرنا چاہتا تھا۔ اس دنیا سے اس کائنات تک اور اس کائنات کے بعد کئی جہانوں تک۔

"تم سے ایک بات پوچھوں؟" جالی کی چھت پر نگاہیں جمائے شاہ ویر نے سوال کیا۔

"پوچھو۔"

"تمہارا بھائی یا میں؟"

آراہ کی مسکراہٹ سمٹی، وہ اچھنبے سے اسے دیکھے گئی۔ "یہ کیسا سوال ہے؟"

"جب انسان کو جواب نہیں دینا ہوتا تب وہ کہہ دیتا ہے یہ کیسا سوال ہے۔"

"تم میرے بھائی سے جل رہے ہو؟"

"تمہیں چھو کر گزرنے والی ہوا بھی میری رقیب ہے۔" اسے سوال کا جواب مل چکا تھا سو وہ گہرائی میں نہیں گیا۔ "اگر میں کسی دن تم سے کہوں میرے لیے سانس مت لو تو کیا تم سانس لینا چھوڑ سکتی ہو؟"

"شاہی پلیز تم مجھے ڈرا رہے ہو۔" وہ اٹھ بیٹھا۔ آراہ کو اس کی نگاہیں بدلتی محسوس ہوئیں شاہ ویر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، نگاہیں وہیں جمی رہیں۔

"میں اگر کہوں سانس نہ لو تو مت لینا مجھ سے ڈرا کرو۔ میری باتوں سے، میرے اندر کے شدت پسند آدمی سے، اور تم پر موجود میرے حق سے۔"

"شاہی۔۔۔" اس نے سہم کر پکارا۔

"محبت ہے تم سے لیکن یہ نہ سمجھنا کہ تم آزاد ہو تم قید ہو، ہمیشہ کے لیے، میرے پاس!" آراہ کو اس کی گرفت سخت لگی، اس کا سارا بدن لرز رہا تھا۔ "خوف نہیں رہے گا تب تو تم مجھے دھوکے دینے لگو گی اور میں تو معاف بھی نہیں

کرتا تمہارا کیا ہو گا، آراہ؟" آراہ نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑوایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ پہلی بار نہیں تھا مگر آج وہ اندر تک ڈر گئی تھی۔ شاہ ویر ایک بار پھر اس کے لیے کسی غیر آشنا زبان میں لکھی کتاب بن گیا تھا۔

کچھ روز بعد وہ اسے منا چکا تھا مگر دور کہیں وہ اس کی آنکھوں سے خوف زدہ ہو چکی تھی۔ کچھ تھا جس سے وہ غیر آرامدہ ہوئی تھی۔

★★★★★★★★

اگلے چند دن راوی چین ہی چین لکھتا رہا۔ وہ کچھ دن محتاط رہا اپنے اکاؤنٹس سے محتاط پیغامات بھیجتا، پھر سب روز مرہ کی طرح معمول پر آ گیا۔ آراہ اس کا اکاؤنٹ نہیں کھولتی تھی، ہاں البتہ شاہ ویر ہر رات اس کے سارے اکاؤنٹس چیک کر کے سوتا تھا اس کے اپنے دل میں چور تھا سکون بھلا کیسے مقدر ٹھہرتا؟

چند ماہ بعد ایسی ہی ایک رات تھی جب لاہور بھیگ رہا تھا۔ اس کے کمرے کے پردے ہل رہے تھے، آندھی سی آئی ہوئی تھی۔ بجلی کی کڑک جیسے تنبیہہ کی طرح اس کی سماعتوں میں اتر رہی تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ پلنگ کے تاج سے ٹیک لگائے اس نے شاہ ویر کو کال ملالی۔ وہ شاید سو رہا تھا کال نہیں اٹھائی۔ بجلی پھر کڑکی وہ سہم گئی۔ بتی یوں بھی گُل تھی اس نے اٹھ کر موم بتی جلائی اسی پل اس کا موبائل بجا اس نے یونہی شاہ ویر کا اکاؤنٹ کھولا تھا۔۔۔۔۔ "راج سنگھ" کی طرف سے اسے کوئی پیغام موصول ہوا۔

"i can't take it anymore" آراہ نے پیغام پڑھا، مگر چیٹ نہیں کھولی۔

"مجھے نیند نہیں آرہی، ویر۔ کتنے سال ہو گئے ہیں کیا کیا نہیں کر لیا لیکن میرا یہ گناہ نہیں دُھل رہا۔" قاری الفاظ سمجھ لیتا ہے یہ الفاظ مضطرب تھے، بے چین اور پچھتاؤوں میں مارے ہوئے۔ وہ میسج نہیں کھول رہی تھی البتہ نوٹیفکیشن سب پڑھ ضرور رہی تھی۔

شاہ ویر کی طرف سے فوراً جواب گیا۔ "کیا بکواس ہے؟"

جواب دیتے ہی اس نے آراہ کو کال ملائی۔ وہ ٹھٹکی۔ کیا وہ یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ آراہ سوئی ہے یا نہیں؟

اس نے کال بجنے دی اٹھائی نہیں، یہ ایک عجیب سی گُتھی تھی کوئی شاہ ویر کو اس طرح کے پیغامات کیوں بھیج رہا تھا؟

جب اسے یقین ہو گیا کہ آراہ سو رہی ہے تب اس نے لکھا۔ ”مجھے واٹس ایپ پر کال کر دیا پھر نمبر پر میرے انسٹا پر دوبارہ کوئی پیغام مت بھیجنا۔“

”میری اسلان سے بات ہوئی ہے وہ مجھے بد دعائیں دے رہا ہے۔ میں یہ نہیں سہہ سکتا۔“

”تین سال قبل جب میں تم سے ملی اس رات میری ماں نے مجھ سے کہا تھا میں آج باہر نہ جاؤں امریکا کی سڑکوں پر کچھ رہزن گھوم رہے ہیں۔ مال لوٹ لیتے ہیں، متاع چھین لیتے ہیں، آبروؤں کے غیر وفادار ہیں۔۔۔۔ اور کمبخت دکھنے میں کسی عام لڑکی کے خوابوں والے شہزادے ہیں، مگر میں نے ان کی بات نہیں مانی۔“

اسلان؟ یہ کس اسلان کی بات ہو رہی تھی وہ پوری طرح اس گفتگو میں محو ہو چکی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا بارشیں، آندھی یہ جب بھی آتی تھیں کچھ نہ کچھ تباہ ضرور کرتی تھیں وہ اس تعلق کو تباہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کھڑکی کے پٹ زور زور سے ہل کر کسی متوقع طوفان کی پیشن گوئی کر رہے تھے۔

اگلے ہی پل راج نے ایک سکرین ریکارڈنگ بھیجی جیسے ہی شاہ ویر نے لکھنا شروع کیا اسی پل آراہ نے چیٹ کھولی، تیزی سے سکرین ریکارڈنگ اپنے پاس ڈاؤن لوڈ کی اور ایک بار پھر چیٹ سے نکل آئی۔ شاہ ویر چیٹ ڈیلیٹ کر چکا تھا وہ بوکھلایا ہوا الگ رہا تھا، اور راج پچھتاتا ہوا۔ ان دونوں میں اگر کوئی محتاط تھا تو محض آراہ۔

”میں پاکستان آ رہا ہوں۔ گرو جی کے سامنے اس سے معافی مانگوں گا۔ یہ نہیں ہو تا میرے سے، نہیں ہو رہا یار۔“

شاہ ویر اسے بلاک کر چکا تھا۔ آراہ کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ دھوکے کی چاپ بہت دور سے سنائی دیتی ہے۔ اس کی آمد کے نگاڑے صدیوں پہلے بجنے لگتے ہیں، اور جن دلوں میں صفائی ہو اُن کی سماعتیں بہت باریک ہوتی ہیں۔ اکیس سالہ انارا طارون کو فریب کے یہ نگاڑے بہت دور سے بجتے سنائی دے رہے تھے۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھتی، مگر دیر ہو چکی تھی۔ بھاگنا چاہتی تھی، مگر قدم بوجھل ہو گئے تھے۔ وہ محبت کی سب سے مکروہ شکل دیکھنے والی تھی۔

”کہانیوں میں دکھاتے ہیں کہ سوتیلی ماں جب کہانی کی شہزادی کو کہیں جانے سے منع کرتی ہے شہزادی اسی روز رہبر سے ملتی ہے۔ محبتوں کا دعویدار، راہوں کا جگنو تم بالکل ویسے ہی لگے تھے۔ وہی مالائی حسن، وہی محافظ

ہاتھ، وہی نرم نگاہیں اور دلاسے دیتے الفاظ۔۔۔۔مجھے لگا میں اپنے رہبر سے مل گئی۔ سوتیلی ماں کا زہر ہار گیا مگر میں غلط تھی۔"

اس نے انہی کپکپاتی انگلیوں سے گیلری کھولی۔ جو سکرین ریکارڈنگ سیو کی تھی اس ویڈیو پر چلنے کا بٹن دبایا اور اسے منہ پر ہاتھ رکھنا پڑا، یہ ہاتھ جانا دل تک تھا مگر وہ کمبخت تو جلد کی پرت میں چھپا بیٹھا تھا۔ سارے درد وہیں، تمام کرب وہیں۔

وہ ایک کال ریکارڈنگ تھی۔ ایک بھارتی نمبر سے پاکستانی نمبر کو کی گئی کال اور وہ نمبر.... وہ اس کے بھائی کا تھا اسلان شجاع یمن کا نمبر۔ کتنے لمحے وہ دم سادھے بیٹھی رہی، کتنی ساعتیں دل ساکن رہا.... حساب کتاب کسی سیلابی ریلے میں بہہ گیا کچھ بچا تو محض ملال۔

آسمان میں بجلی کڑکی، کھڑکی کے پٹ بج اٹھے اور انہی کے وا ہونے سے جو اندر آیا وہ کوئی آسیب تھا۔

"کیوں کال کی ہے؟" اسلان سخت آواز میں پوچھ رہا تھا یہ آواز صرف سخت نہیں تھی اس میں لرزش بھی تھی۔

"میں... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے..... مجھے معاف کر دو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ایلکس کس طرح کا آدمی ہے مجھے لگا تھا وہ بس ڈرائے گا دھمکائے گا اور۔" اس سے آگے وہ رونے لگا تھا۔ "میں تباہ ہو گیا ہوں، اسلان۔ میرا کیریئر ڈوب گیا، میری بیوی مجھے چھوڑ کر چلی گئی میں شرابی بن گیا ہوں ایک پل کے لیے بھی چین نہیں آتا۔ مجھے معاف کر دو۔ شاہ ویر۔۔۔۔۔ میں تمہاری اور شاہ ویر کی دوستی سے جلتا تھا مجھے وہ موقع اچھا لگا میں نے سوچا اب شاہ ویر تمہیں چھوڑ کر میرے پاس آجائے گا۔ تم ہر جگہ ہو، ہر جگہ دعاؤں کی قبولیت کے درمیان، میری خوشی کے درمیان، میرے سُکھ کے درمیان میرا راستہ چھوڑ دو تمہیں تمہارے خدا کی قسم۔۔۔۔۔"

اسلان یمن نے ایک زکام زدہ سانس اندر کھینچی۔ "میں دعا کروں گا تم یہاں آؤ اپنے گناہوں کے ساتھ اور میں یہ بھی دعا کروں گا کہ تمہارے گُرو تمہیں دھتکاریں۔ تم نے میرے ساتھ جو کیا تھا اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" آگے اس نے جرم بیان کیا اور آراہ نے موبائل کسی زہریلے کیڑے کی طرح کان سے ہٹا کر فرش پر پھینکا وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اب موبائل کو دیکھ رہی تھی۔

کیا اس نے جو سنا تھا وہ سچ تھا؟

"میں تو رہزن سے ملی تھی، کامیابوں کا غاصب۔ امیدیں دلا کر غرق کر دینے والا کاذب۔ کاش میں نے اس روز اپنی سوتیلی ماں کی بات مان لی ہوتی، کاش میں تم سے ملی ہی نہ ہوتی۔ تم میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو، جس کا کفارہ میں ساری عمر ادا کروں گی۔ تم دنیا کے لیے بُرے تھے اور میرے لیے ساری دنیا، ساری دنیا آگ نکل آئے تو ٹھنڈک کہاں تلاش کی جائے؟" جواب ان دونوں کے پاس نہیں تھا۔

اس کی ساری دنیا جیسے کسی عذاب الہی کے تحت پلٹ کر رکھ دی گئی تھی۔ موبائل اب بھی فرش پر دھرا تھا راج اور اسلان کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں مگر وہ بہری ہو چکی تھی۔ اس کی ساری زندگی جمود کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ تمام عمر کے لیے مسخ ہو چکی تھی۔

★★★★★★★★★★

"وہ آگ تمہارے لیے ٹھنڈی ہو سکتی تھی، آراہ۔"

"کتنے وقت کے لیے؟" لفظوں کا استہزا نار کی طرح اسے جھلسا گیا۔

اس نے شاہ ویر کو بلاک کر دیا، اس کے پیغامات ڈیلیٹ کر دیے وہ اسلان کو بھی کال نہیں کرتی تھی، یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا۔ یا تو وہ اپنے کمرے میں پڑی روتی رہتی یا پھر گھنٹوں گھنٹوں دیوار کو تکتی رہتی۔ یافث، سہراب نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر آراہ کو ایسا لگتا تھا جیسے اس کے حلق سے کوئی آواز نکل ہی نہیں رہی۔ وہ بتانا چاہتی تھی اس کے بھائی کے ساتھ کیا ہوا، وہ کہنا چاہتی تھی اس کے ساتھ کیا ہوا مگر ہمت ہی نہیں پڑتی تھی دل تھا بیٹھا جاتا تھا۔ اس نے راج کا نمبر یاد کر لیا تھا بہت دنوں بعد اس نے راج کو کال کی۔ اول تو وہ مانا ہی نہیں کہ وہ کسی اسلان اور شاہ ویر کو جانتا ہے مگر جب آراہ نے اسے یقین دلوایا کہ وہ اسے معافی دلوا سکتی ہے تب وہ دھیما پڑا اسے لگا تھا یہ کال اس کی سماعتوں کا سنا سچ جھوٹ بنا دے گی مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ اس کال کے بعد اس کی صحت اور گرنے لگی، اس کے رونے میں اضافہ ہو گیا اور دنیا سے بے زاری بڑھ گئی۔

وہ تمام دنیا کی بھیڑ میں اکیلی تنہا رہ گئی۔

وہ جو اسے دیکھ کر نظر انداز کرتا تھا اس روز آراہ نے ایک لمبے عرصے بعد اسے اپنے کمرے میں آتے ہوئے دیکھا۔ وہ پلنگ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی اسلان اس کی کتابیں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کی پشت کو تکتی گئی، لمحے، منٹ، ساعتیں۔۔۔۔۔

"مجھے لگتا تھا جو کہانیاں میں پڑھتی ہوں وہ مرد اصل میں بھی مل سکتے ہیں۔ قاتل ایک لڑکی کے لیے قتل چھوڑ سکتا ہے، زانی زنا چھوڑ سکتا ہے، کرپٹ کرپشن چھوڑ سکتا ہے ہوتا ہے نا ایسا پڑھایا گیا ہے ہمیں...... دکھایا گیا دنیا جہاں کا جھوٹا اور فریبی آدمی محبت میں سدھر جاتا ہے تم کیوں نہیں درست ہوئے، شاہی؟ تم نے میری کہانیاں جھوٹی کر دیں، میرا تخیل برباد کر دیا۔ تم نہیں ٹھیک ہوئے تو کوئی مرد ٹھیک نہیں ہو گا۔ قاتل قتل کرے گا، جھوٹا جھوٹ بولے گا، مارنے والا مارے گا، کرپٹ کرپشن کرے گا میری ساری کتابیں "ردی" تھیں کوئی کسی کے لیے نہیں بدلتا۔ انسان نہیں بدلتے۔"

"میں تمہارے لیے بدل گیا تھا۔"

"پھر تم نے ضارم کو کیوں مارا، شاہی؟" جواب جو دے اس زبان پر لقوہ۔ وہ بہت بری طرح لاجواب ہو گیا۔

"تم شاہ ویر بنگش کو پڑھتی ہو؟"

آراہ کے دل میں ہُوک اٹھی۔ وہ کتاب کا نام پڑھ رہا تھا مصنف کے نام پر ہاتھ رکھ لیا تھا اس کا جی چاہتا یہ کتاب اٹھائے اور دنیا کے ہر انسان کو پکڑ پکڑ کر بتائے اسے لکھنے والا شاہ ویر بنگش نہیں اس کا بھائی ہے۔ "اچھی کتاب ہے۔" تبصرہ کرتے ہوئے وہ اس کی کتابوں سے دُھول جھاڑنے لگا۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھا لکھتا ہے۔ "ماموں اور چاچو پریشان ہیں کیا مسئلہ ہے تمہارا؟"

وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر کیا وہ بات کرنا چاہے گا؟ وہ انا راطارون تھی ایک سوشل ورکر اس کے لیے جرم، جرم تھا نہ وہ اس پر بات کرتے ہوئے جھجکے گی نہ ڈرے گی لیکن اسلان اسی معاشرے کا مرد تھا جہاں گناہ کرتا کوئی اور ہے اور اس پر شرمندہ و کٹم ہوتے ہیں۔ آنسو رفتار پکڑے اس کے چہرے پر بہتے چلے گئے۔

"کسی کو پسند کرتی ہو اور اس کے گھر والے نہیں مان رہے؟"

آراہ کے رونے میں تیزی آگئی دل پھٹ رہا تھا، کاش وہ کہہ سکتی کچھ تو کہہ دیتی۔ ”بتاؤ کوئی پسند ہے؟“

آراہ نے نفی میں سر ہلایا۔ آنسو نہیں رکے۔ ”کوئی تنگ کر رہا ہے؟“

”نہیں۔“

”بلیک میل؟“ ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا اور اب کے وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر اونچا اونچا رو رہی تھی۔

کتابیں درست کرتے اس کے ہاتھ کی مٹھی بھینچ گئی، ماتھے پر بل آئے مگر وہ اس کے قریب جا کر کوئی دلاسا دے کر اس کی امیدیں بڑھا اور اپنی عادتیں خراب نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دونوں دور ٹھیک تھے یہ لکیر کھینچتے ہوئے اس کا دل جس شدت سے کراہا تھا تکلیف سے بس وہی واقف تھا۔

شاہ ویر نے دونوں ہاتھوں کے ہالے میں اس کا چہرہ بھرا۔ ”تمہاری ساری کتابیں سچی تھیں۔ میں تمہیں تمہاری کہانیاں سچ کر کے دکھا رہا ہوں آراہ، جس طرح ان میں مرد ٹھیک ہو جاتا ہے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے میں بھی ویسا بن جاؤں گا۔ دنیا میرا سچ نہیں جانتی تم اسے چھپانے میں میری مدد کرو۔ میں دنیا کے لیے برا ہوں تمہارے لیے موم، ایک بار میرا اعتبار کرو ایک بار صرف ایک بار میری سفیدی بنو، میری ہر سیاہی ختم کر دو تم کر سکتی ہو صرف تم کر سکتی ہو۔ مجھے اپنے لیے بدل دو۔ be my midnight blue“

”پڑھائی کا بوجھ ہے؟“

وہ اپنی جگہ سے اٹھی چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اس تک آئی اور اسلان یمن ساکت رہ گیا جب آراہ نے کسی ننھے بچے کی طرح اپنے دونوں ہاتھ اس کے بازو پر باندھ دیے، سر اس کے کندھے پر رکھ لیا۔ اور روئے گئی۔

”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے (وہ ہمارے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے) مجھے بہت غصہ آ رہا ہے (میں یہ بات تم سے کیسے کروں؟) میں .... میں بہت خود غرض ہوں۔ میں نے ہمیشہ اپنا سوچا (چار سال قبل شاید یہ سوال مجھے بھی کرنے چاہیے تھے جو تم نے کیے ہیں) میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا ہے بھائی بہت غلط (کاش میں نے کبھی تمہیں اعتماد دیا ہوتا)۔“ وہ ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی، اس کے بازو سے سر ٹکائے بچوں کی طرح بلک بلک کر اور اسلان چپ چاپ کھڑا تھا اس نے ایک بار بھی آراہ کو چپ کروانے کی زحمت نہیں کی ہاتھ اٹھ رہے تھے، بازو اس کے

گرد پھیل جانا چاہتے تھے مگر وہ ضبط کر رہا تھا وہ پنار کو نہیں بچا سکا وہ اسے بھی نہیں بچا سکے گا، اسے کوئی حق نہیں تھا کسی عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرے وہ کمزور تھا، حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔

بہت دیر بعد جب وہ چپ ہوئی تو خود ہی آنسو صاف کر کے اس سے ہٹ گئی۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ آیا اور پھر اس نے اسلان کو کہتے سنا۔ "میرے ساتھ جو ہوا وہ میرا نصیب تھا۔" وہ شاید سہراب اور یافث کے متعلق بات کر رہا تھا آگاہی عذاب تھی آراہ اسے اس عذاب میں نہ ڈال سکی۔ "تم زیادہ سوچا مت کرو اور یہ ڈرامہ بند کر کے اپنی زندگی میں واپس آؤ میں بار بار یہاں اس کمرے میں نہیں آسکتا۔ کوئی تنگ کرے تو بتانا۔"

حد درجہ بے زاری سے کہہ کر ابھی وہ آگے بڑھتا کہ آراہ کی پکار نے اسے روک لیا۔ "اگر مجھے کوئی پسند ہوتا اور وہ بلیک میلر ہوتا تو؟"

ہینڈل پر جمے اس کے ہاتھ کی نسیں واضح ہوئیں، جبڑوں میں کھنچاؤ اترا۔ "میں مار دیتا۔۔۔۔"

"اسے یا مجھے؟"

"اسے!"

"کیوں؟"

"ایک بلیک میلر کی زندگی کی اتنی ہی اوقات ہوتی ہے۔ وہ کسی کو قطرہ قطرہ مارتا ہے کسی ایک انسان کو چاہیے کہ اسے ایک ہی جھٹکے میں ختم کرے۔"

"تم مجھے محفوظ کرنے کے لیے اس حد تک کیوں جاؤ گے؟"

وہ دونوں اپنی اپنی جگہ سے وقت کے دھارے پر سفر کرتے پیچھے گئے، کئی سال قبل، یادداشت کے پنوں میں کہیں دور۔ یافث ان دونوں کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آراہ سرخ گالوں کے ساتھ خفا خفا لگ رہی تھی۔

"میری کوئی بہن نہیں اور اس کا کوئی بھائی نہیں ہمارا پارٹنر کون ہو گا؟"

یافث نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ چومے۔ اسلان کو اپنے قریب بٹھایا۔ اور اس کی نگاہ دور کھیلتے بچوں پر پڑی جو بہن بھائیوں کی جوڑی کی صورت کھیل رہے تھے۔ "یہ جو جینڈرز ہیں نا یہ سب بس لفاظی ہیں تم دونوں طاقت

ور ہو، جب ساتھ ہو، جب ایک دوسرے کے لیے لڑوگے۔ یہ جو دل ہے نا اس میں اپنی طاقت کے بھرم سے زیادہ اپنے ساتھی کی مدد کی امید رکھوگے تو تم دونوں کو کوئی نہیں ہرا سکتا۔ اسلان لڑ کر تمہیں بچائے گا اور تم۔۔۔۔۔"

"میں نہیں لڑوں گی؟"

"تمہاری لڑائی مختلف ہوگی۔ جو لوگ اسلان سے لڑیں گے وہ لڑکے ہوں گے لڑکے کچھ زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں اس لیے تم ان سے ہاتھوں سے نہیں لڑوگی۔"

"پھر یہ کیسے لڑے گی؟"

"تم چاہتے ہو یہ تمہارے لیے لڑے؟ تمہیں بھائی نہیں چاہیئے؟"

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے بس آراہ چاہیے آپ اس کو میرے لیے لڑنا سکھا دو، میں کم لڑا کروں گا تا کہ اس کو میرے لیے کم لڑنا پڑے۔"

یافث کو ان دونوں پر بے تحاشا پیار آیا۔ اس نے آراہ کی کنپٹی پر انگلی رکھی۔ "لڑکیاں یہاں سے لڑتی ہیں، یا پھر یہاں سے۔۔۔۔۔" اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا۔ "مرد جلد باز ہوتے ہیں فوراً ہاتھا پائی پر آجاتے ہیں لیکن عورتیں نہیں تم ہاتھوں سے نہیں لڑوگی تم یہاں سے لڑوگی۔۔۔۔" اس کے دماغ کی طرف اشارہ کیا۔ "لیکن تم یہاں سے تب لڑ سکتی ہو جب "یہ" چاہے۔" اس کا اگلا اشارہ دل کی طرف تھا۔

اس وقت وہ دونوں کمسن تھے مگر یافث نے بار بار اس بات کو دہرایا تھا یہاں تک کہ وہ دونوں اس بات کا اصل مقصد سمجھ گئے، عمل کیا اور کرتے آئے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ لڑے تھے، ہر محاذ پر، ہر جنگ میں بغیر کہے، بنا جتائے۔ اسلان کے جانے کے بعد اس نے دل پر ہاتھ رکھا کیا وہ چاہتا تھا اس بار بھی آراہ لڑے۔۔۔۔۔؟

اس کی دھک میں طیش اور بے بسی تھی یہ اقرار تھا۔

اگلا قدم دماغ تک گیا۔۔۔۔۔

"اور اگر ایک دن اسلان یمن کی طرح اٹھ کر میں نے کہہ دیا کہ i want to be free تب کیا کروگے؟"

وہ ٹھہر گیا، اس کے دماغ میں پہلا خیال ہی اسے جھٹکنا پڑا وہ اچھا ہے، ساری دنیا کے لیے برا مگر وآراہ کے لیے اچھا ہے۔ وہ اچھا رہے گا۔ "تم میرے ساتھ بھی وہی کرو گے جو اسلان کے ساتھ کیا۔ انسان کی ایک حد ہوتی ہے وہ ایک بار اس سے نکل آئے تو کسی محبت کی خاطر اس میں واپس نہیں جاتا تم بھی نہیں جاؤ گے. رہزن کبھی رہبر نہیں بنتے۔"

کیا وہ پولیس کو بتائے؟ نہیں اس کا بھائی یہ نہیں چاہے گا۔

کیا وہ اسلان سے بات کرے؟ اونہوں اسے اسلان سے نہیں اسلان کو شاہ ویر سے بات کرنے کی ضرورت تھی۔

کیا وہ سہراب سے کچھ کہے؟ سہراب نے آج تک اپنی طرف سے نتائج اخذ کیے تھے وہ آج اس سے کوئی مختلف امید لگا ہی نہیں سکتی تھی۔

اگلے کئی دن سوچ بچار کی نذر ہوئے اسے آخری فیصلہ کرنا تھا اسے اسلان کے لیے لڑنا تھا۔ وہ اس کا بھائی نہیں تھی، لیکن اگر کوئی بھائی ہوتا تو کیسے لڑتا یہ جاننا صف اول ٹھہرا۔

★★★★★★★★

"تمہیں یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

سیاہ بی ایم ڈبلیو کا دروازہ کھول کر بھینچے ہوئے تاثرات کے ساتھ وہ اندر آ کر بیٹھی۔ شاہ زید اس کی طرف کا دروازہ بند کرتا اپنی جگہ تک آیا وہ آدھے گھنٹے کی منت سماجت کے بعد اس کی گاڑی میں آ کر بیٹھی تھی۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان اچھا خاصا مذاق اور باتیں تھیں۔ "مجھ سے بھی ناراض ہو؟"

"تمہارا میرا کوئی ناراضگی والا تعلق نہیں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"جس سے ہے اس سے کیوں ناراض ہو؟" ثابت ہوا کہ اسے بھیجنے والا شخص "وہی" تھا۔ زید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا وہ سامنے دیکھ کر گاڑی چلا رہا تھا۔

"اگر اس کی بات کرنے آئے ہو تو مت کرو میں بات نہیں کروں گی گاڑی رکواؤں گی اور اتر جاؤں گی۔"

"اتنا غصہ؟"

”زید پلیز.. تم ہمارے درمیان مت آؤ۔“ اس کے لبوں پر ایک گہرا تبسم بکھر گیا۔

”میں اس کے ہر معاملے میں ہوں، آراہ۔ میں اس سے پانچ منٹ پہلے دنیا میں آیا تھا اس کی ہر خوشی میری خوشی، اس کی تکلیف میری تکلیف، میں درمیان میں نہیں "اس" کے ساتھ ہوں۔“ اس کے دل میں ہوک اٹھی۔ چند سال قبل آراہ اور اسلان بھی تو ایسے ہی تھے۔ ایک عام سے بہن بھائی..... کتنا عرصہ ہوا وہ اس کی طرف دیکھنا، بات کرنا تک چھوڑ چکا تھا وہ اس سب کا الزام کسے دے؟

”تم سے ایک بات پوچھوں، زید؟“

”پوچھو۔“

”اگر تمہیں پتا چلے کہ کوئی تمہارے بھائی کو ڈرا رہا ہے، دھمکا رہا ہے اور ماضی میں اس کے ساتھ بہت غلط کر چکا ہے تمہیں اگر یہ پتا چلے کہ یہ سب کرنے والا کوئی ایسا شخص ہے جس سے تم بے حد محبت کرتے ہو اور وہ سارا عرصہ تمہیں دھوکہ دیتا رہا ہے تو تم کیا کرو گے؟“

اس نے گاڑی اس تیزی سے گھما کر ایک طرف روکی کہ اس کے اندر کا خلفشار باہر دکھ گیا۔ ”کوئی ویر کو تنگ کر رہا ہے؟“ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں محتاط ہوا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔“

”سچ سچ بتاؤ انارا اگر کوئی اسے تنگ کر رہا ہے یا بلیک میل تو مجھے بتاؤ۔“

”تم کیا کرو گے؟“ اس نے جاننا چاہا۔ گود میں پڑے بیگ پر گرفت سخت ہوتی گئی۔

شاہ زید بنگش کی کتھئی آنکھیں پل بھر کے لیے سیاہ کا گہرا رنگ بن گئیں۔ ”بلیک میلر کسی کو قطرہ قطرہ مارتا ہے اسے یک مشت مار دینا چاہیے۔“

آراہ کے دل کو دھکا لگا۔ ”موت کی کتنی اقسام ہوتی ہیں؟“

"بہت! سانسوں کا رک جانا، دل کا ٹھہر جانا، جسم کا حرکت بند کر دینا یہ عام سی بے ضرر اموات ہیں۔ پل پل کا خوف، محبت کا دور ہو جانا یا دور کر دیا جانا کسی شوق کا خاک ہو جانا، دنیا کی نظر میں بے یقین اور غلط ٹھہرایا جانا اصل اموات یہ ہوتی ہیں۔"

"اور اگر کوئی محض سانس روکنے کے علاوہ ہر طرح سے مار دے تو؟" بولتے ہوئے بھی حلق میں کانٹے چبھے، آواز لرزی اور اگر کچھ یاد آیا تو بس اسلان۔

"کچھ ہوا ہے کوئی تنگ کر رہا ہے؟"

"میرے سوالوں کا جواب دو بس۔۔۔"

"اگر کوئی میرے ساتھ ایسا کرتا تو میں اسے ساری دنیا کے سامنے لاتا ذلت سے بڑی موت کوئی نہیں ہوتی۔ یہ جو بلیک میلر ہوتا ہے یہ رازوں سے اس لیے ڈراتا ہے کیونکہ وہ خود رازوں سے ڈرا ہوا ہوتا ہے۔ جو خود مر رہا ہوتا ہے وہی دوسروں کو موت دکھاتا ہے۔ بلیک میلر سے ڈرنا نہیں چاہیے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنا چاہیے جو تم کر سکتے ہو کر لو، تم کسی عزت، ذلت، مقام، دولت کسی شے پر قادر نہیں ہو۔"

وہ رکی، زید کو دیکھا۔ "اور بلیک میلر ڈر جائے گا؟"

"وہ تو تن جائے گا، پہلے عمل کے بعد اس کے سامنے اس کے راز رکھو پھر ڈرے گا بدبخت۔"

"اور اگر اس کے راز نہ معلوم ہوں یا پھر ہمارے راز زیادہ گہرے ہوں؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"تب اس سے وہ چھین لو جو اس کے جینے کا ذریعہ ہے۔ کسی بھی انسان کے جینے کا ذریعہ اور وجہ محبت ہوتی ہے کسی انسان کی، پیشے کی یا پھر شوق کی۔"

"اگر تمہارا بلیک میلر شاہ ویر کا دوست بنا چاہے تو تم کیا کرو گے؟" زید کچھ لمحے لب چباتا رہا۔

"میں۔۔۔۔ میں پہلے ویر کو سمجھاؤں گا اگر ویر نہ سمجھا تو۔۔۔۔"

"تو؟" دونوں کے مابین چند سانسیں خاموشی کی نذر ہوئیں گاڑی دوبارہ چالو کر کے سڑک پر ڈالتے ہوئے اس کا لہجہ سپاٹ تھا، آنکھیں خالی۔

"میں اسے مار دوں گا۔"

اس نے نشست سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں گرم گرم آنسو اس کا چہرہ بھگوتے ہوئے اس کی گردن تک آرہے تھے۔ وہ آگے آئے گی تا کہ اسلان آگے آئے۔۔۔ وہ اپنے لیے نہیں آیا اس کے لیے آئے گا۔۔۔ شاہ ویر کے راز ہوں گے، اسلان کو کچھ تو علم ہو گا۔۔۔۔۔ اور اگر ہر حد ختم ہو گئی تو ختم ہی سہی، بلیک میلر کی زندگی کی اوقات ہی کیا تھی؟

اگلے ہفتے اس نے شاہ ویر کو کال کی تھی۔ موت کی کئی اقسام ہوتی ہیں وہ اسے جان سے نہیں دنیا سے مارے گی۔ جس طرح اس نے اسلان یمن کو تکلیف دی تھی اب وہ اسے تکلیف دے گی۔ وہ اس کے لیے لڑے گی کیونکہ اللہ نے اسلان کو بھائی نہیں آراہ دی تھی۔

"شادی کرو گے مجھ سے؟" یہ سوال اس کے دل، عزت نفس پر بھاری تھا مگر اس نے پھر بھی پوچھا۔

"تمہارے علاوہ کس سے کر سکتا ہوں؟" تڑپ کر کہا۔

اس کے بعد وہ بے خوف ہو گئی تھی اسے دل اور دماغ دونوں سے لڑنا تھا بعض دفعہ دل جیت جاتا، بعض دفعہ دماغ مگر وہ خود کو ہارنے نہیں دیتی تھی۔ اس نے سب برداشت کیا۔ سہراب کا غصہ، عالم کی پھٹکار، تمکنت کی تضحیک بھری نظریں اور نہ جانے کیا کیا مگر وہ لڑی تھی۔ اپنی استطاعت کے مطابق ہر طرح۔

★★★★★★★★★★★

"تمہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا، آراہ؟ ایک بار یہ بھی نہیں سوچا کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟" وہ یاسیت سے اسے تک رہا تھا۔

"محبت میں بھی کرتی تھی.... تب بھی اور اب بھی. لیکن تم سے کہا تھا میں نے اگر چناؤ کا موقع آیا تو میں اسلان یمن کو چنوں گی۔"

"ایسا کیا ہے اس میں؟"

اس نے گردن پھیر کر شاہ ویر کو دیکھا کتھئی آنکھیں مستفسر تھیں اور ہیزل آنکھیں کاٹ دار۔"وہ باطل نہیں تھا، اور میں بھی نہیں۔"

"تم اس سے شادی مت کرو، آراہ پلیز۔" ایک عرصے بعد اس نے اسلان کی آنکھوں میں منت دیکھی تھی۔ انا اور نفرت ایک طرف کرتے وہ بس اتنا چاہتا تھا کہ اس کی بہن محفوظ رہے۔ یہی تو تھا اس کا بھائی کم گو، خیال رکھنے والا، محافظ........شاہ ویر بنگش نے اسے ختم کر دیا تھا انارا اسے واپس لے آئی تھی۔

"وہ خاندان تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔"

"تم وجہ بتادو میں شادی نہیں کروں گی۔" اس بے بس سے مرد نے آراہ کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ انتظار کرتی رہی وہ اب بولے گا، اب جا کر سہراب سے لڑے گا، یافث اور عالم کے آگے ڈٹ جائے گا اور کہہ دے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا بتائے گا کہ قصوروار وہ نہیں تھا مگر "چپ" کی میخیں ایسی گڑھ گئی تھیں کہ باہر کھینچنے پر عضو عضو کراہ اٹھتا تھا۔

"مجھے بتاؤ اسلان کیا وجہ ہے تم کیوں چاہتے ہو ایسا؟" وہ چپ رہا بس کروٹ بدل لی۔ انارا کا ہاتھ لبوں تک گیا اس نے ہچکی دبائی۔ پہلا قدم تھا، پہلا پڑاؤ تکلیف صدیوں پر محیط تھی۔ اور وہ ابھی سے کمزور پڑ رہی تھی۔

کیا وہ واقعی اس کے لیے لڑ سکتی تھی، یا پھر وہ کسی بھائی کا حقدار تھا؟

"میں ساری دنیا سے جھوٹ بول سکتا ہوں، تمہارے سامنے تو میں نے سچ کہنے چاہے تھے۔"

آراہ نے استہزاء سے اسے دیکھا۔"تمہارے فریب کی آواز اتنی اونچی تھی کہ جب جب تمہارے منہ سے لفظ محبت نکلا تب تب میں نے اسے فریب سنا۔"

"تمہاری محبت کا کیا؟ وہ سچی تھی نا؟" سرخ پردوں کے سامنے بیٹھے ہوئے شاہ ویر نے سوال کیا۔

"سچی ہے غلیظ نہیں اس لیے اب بھی ہے اور شاید ہمیشہ رہے لیکن میں نے تم پر صبر کر لیا تھا۔ بندے کو صبر آجائے تو وہ اگلی سانس بھی رد کر دیتا۔ تم چیز کیا ہو شاہ ویر بنگش۔ تم پر لعنت، اور جو تم سے ہوئی اس محبت پر بھی لعنت۔" رہزن کی نگاہیں خاموش تھی۔ باندھی کے چہرے پر لاتعلقی۔

اس سے محبت تھی، اس کی زیادتیوں سے نہیں۔

"تمہارا بھائی وہ۔۔۔۔۔۔ پرائم سسپیکٹ تھا نا؟" بات پکی والے روز وہ کس قدر نادانی سے کہہ رہا تھا آراہ کا دل چاہا وہ اس کا منہ نوچ لے۔ مگر وہ اسلان کو آتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔

" he needs help" تقریب کی رات اس نے کہا تھا وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کاش وہ چیخ چیخ کر سب کو کہہ سکتی اس نے کیا کیا ہے، کاش وہ اس کا گریبان پکڑ سکتی۔

"ممی سے اس سب کا ذکر مت کرنا پلیز۔" ممی! اسے ہنسی آئی۔ ممی یعنی اس کی شریک جرم۔

وہ جب جب اس کے ہاتھ تھامتا آراہ چھڑوانے کی تگ و دو میں لگ جاتی، شاہ ویر کو لگتا تھا وہ اس سے شرماتی ہے حالانکہ وہ گھن کھاتی تھی۔ اس کے نام کی انگوٹھی انگلی میں ڈالنے کے بعد تو اسے اپنے سارے بدن پر چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوتی تھیں جو پل پل اسے کاٹتی تھیں۔ مگر وہ اسے پہنے رکھتی تھی کیونکہ اسے لگتا تھا شاہ ویر ہے، کہیں بھی، آس پاس۔ وہ دو حصوں میں بٹ گئی تھی دل کا ایک کونہ محبت میں متاثر اور دوسرا نفرت میں، کبھی کوئی غالب تو کبھی کوئی اسے اس آزمائش سے رہائی چاہیے تھی۔

"جس سے تم نے اتنی محبت کی وہ تو تمہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس کی نظر میں تم میرا اصل روپ نہیں جانتی تھیں لیکن وہ تو جانتا تھا پھر بھی وہ سرحدیں ٹاپنے چلا گیا، اور تمہیں میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، یہ تھی اس کی محبت؟"

آراہ نے ٹانگیں سمیٹ کر سینے سے لگالیں۔ "وہ تھک گیا تھا، یا شاید ڈر گیا تھا اسے لگا وہ مجھے تم سے بچا نہیں سکے گا وہ مزید پچھتاوے اور ذلت نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن میں نے بھی تمہارے ساتھ خوب کی۔۔۔۔" وہ کہہ کر ہنسی۔ شاہ ویر کی آنکھیں اچھنبے سے چھوٹی ہوئیں۔ "تم نے میرا بھائی چار سال کے لیے مجھ سے چھین لیا، سو میں نے تمہارا بھائی تم سے چھین لیا۔ تمہیں کیا لگا تھا ویر ہم سوشل ورکرز بس امن اور انصاف کے قائدے پڑھ کر سناتے ہیں؟"

"کیا کیا تھا تم نے؟" وہ ٹھٹکا۔

"تمہاری سیاہ کاریاں اگر میرا بھائی مجھ سے جدا کر گئیں تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہی سیاہ کاریاں تمہارے بھائی کو تمہارا رہنے دیتیں۔"

"کیا کیا تھا؟" وہ غرایا۔

"ہم سوشل ورکرز کی ایک ہی بات اچھی ہوتی ہے۔ ہماری آواز..... ہم ساری دنیا کو بتا دیتے ہیں کہاں کیا غلط ہوا تمہارے بارے میں کیسے چپ رہتی؟"

"آراہ میں پوچھ رہا ہوں تم نے کیا کیا تھا؟" اس کی آواز میلوں کی مسافت طے کرتی کہیں دور سے آرہی تھی۔ سہمی ہوئی، خوف زدہ۔ سراسیمہ۔

"میں نہیں جانتی میرا ہنر کیا ہے۔ لڑکیوں کو اچھے سے پتا ہوتا ہے وہ کیا کیا کر سکتی ہیں۔ میں نہیں کر سکتی، زید۔" وہ دونوں لسی کے بڑے بڑے گلاس لیے مانجھی پور کی ندی کنارے بیٹھے تھے۔ ٹھنڈی ہوا بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی زید نگاہوں میں فخر اور احترام لیے اسے دیکھ رہا وہ ہمیشہ اسی طرح دیکھتا تھا نگاہوں کی محبت اور حق تو وہ کسی اور کے لیے مختص کر چکا تھا۔

"میں بتاؤں تمہارا ہنر کیا ہے؟" آراہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تم نرم دل ہو۔"

"کم آن یہ کوئی ہنر تھوڑی ہے۔"

"یہ ہنر نہیں خاصیت ہے اور خاصیت کو ہنر بنانا اصل ہنر ہے۔ مجھے دیکھ لو جاسوسی میرا ہنر ہے کسی انسان یا کام کے پیچھے لگ جاؤں تو اسے مکمل کر کے چھوڑتا ہوں۔ راز، گتھیاں، الجھن یہ سب میری برداشت سے باہر ہے تبھی جاسوس ہوں۔ میں اللہ سے دعا میں لمبی زندگی مانگتا ہوں تاکہ میں ساری زندگی راز کھوجوں، جرم کی وجہ جانوں۔ جب بابا کی وفات ہوئی تھی تب میں سوچتا تھا یہاں اس دنیا میں اب میرے لیے کیا ہے؟ تب موت سے ڈر نہیں لگتا تھا اب بہت لگتا ہے۔"

"اب کیوں؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جب وہاں بابا سے ملوں گا تو کیا باتیں کروں گا؟ میں چاہتا ہوں میں یہاں سے ڈھیر سارے قصے لے کر جاؤں اور جب مر جاؤں تو بابا کے ساتھ reunion ہو۔ جنت کی نہریں، میرے بابا اور میری ڈھیر ساری جاسوسی

کہانیاں۔ پرفیکٹ ریٹائرمنٹ یو نو۔" وہ مسکرا رہا تھا، آراہ نے پہلی بار اسے یاسیت اور دل سے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"تمھیں اتنا یقین کیوں ہے کہ تم جنت میں جاؤ گے ؟"

"پتا نہیں۔۔۔۔" شانے اچکائے۔ "بس ہے۔ میں اچھے گمان رکھتا ہوں۔ اور تمہارے متعلق میرا گمان یہ ہے کہ تم ایک بہت اچھی انسان دوست بنو گی۔ تم میں لوگوں کا درد ہے اللہ یہ صفت ہر ایک کو نہیں دیتا۔ میں چاہتا ہوں تم ہیومنسٹ بنو اسی لیے تمہیں مائی سوہائی سے ملوایا۔"

"تاکہ جنت میں آراہ بھی کچھ کہانیاں لا سکے ؟" وہ ہنس پڑا، لسی کا گلاس اس کے گلاس سے ٹکراتے ہوئے ایک بے فکر سا قہقہہ۔۔۔۔ اپنے بھائی سے کتنا مختلف تھا وہ۔

"تم نے مجھے ایک عجیب الجھن میں ڈال دیا ہے، انارا۔" تھوڑی دیر بعد وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"کیسی الجھن ؟"

"وہ بلیک میلر کون تھا؟" سوال اتنا اچانک اور اتنا براہ راست تھا کہ آراہ کی رنگت اڑی۔ اس نے چہرہ پھیر لیا۔ بہت دیر تک دونوں کے مابین خاموشی رہی۔ ڈوبتا سورج، اس کی نارنجی کرنیں ان دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ جب بعد وہ بولی تو اس کی آواز ہلکی تھی۔

"شاہ ویر طلال بنگش۔" شناخت تھی کہ کیا شاہ زید ہل نہیں سکا۔ اس کے بدترین خدشات پر لوہے کی سخت مہر لگ گئی۔ "شاید تمہیں یقین نہ آئے، شاید تم ابھی کے ابھی جا کر اسے بتا دو مجھے فرق نہیں پڑتا کیونکہ میں پہلے ہی آگ کے دریا میں ہوں۔ میرا بھائی شہر چھوڑ کر جا چکا ہے اور اب مجھے کوئی تمہارے بھائی سے بچا نہیں سکتا، لیکن میں تم سے کہنا چاہتی ہوں وہ شاہ ویر تھا اگر کل ایک انسان دوست لڑکی جس کی واحد خاصیت انسانیت تھی مر جائے تو یاد رکھنا وجہ تمہارا بھائی ہو گا۔" اس کی آنکھوں میں گلابی پن تھا۔

"میرا بھائی ایسا نہیں کر سکتا۔" آراہ نے لب بھینچ لیے گویا اذیت ضبط کر رہی ہو۔

"جاسوس ہو نہ تم؟ رشتے درمیان آ گئے تو اپنا ہنر بھول گئے۔ اُس جہاں میں کہیں تمہارے بابا ملے تو ایک کہانی ان کو میں بھی سناؤں گی۔"

"کیسی کہانی؟" یہ الفاظ لبوں نے نہیں آنکھوں نے کہے۔

"یہی کہ آپ کے بیٹے زید بنگش میں ایک ہنر یہ بھی تھا کہ بات جب خاندان پر آتی تھی تو وہ ہنر بھول کر حرمت چن لیتا تھا۔ کیا طلال صاحب۔" وہ طنزیہ ہنسی۔ "کیسے بدبخت بیٹے پیدا کیے آپ نے ایک دوغلہ اور منافق اور دوسرا فاسق۔" وہ خالی خالی نظروں سے آراہ کو دیکھے گیا۔

"کیا کیا ہے اس نے؟"

"یہ تو اسلان یمن بتائے گا، اور وہ کیسے بتائے گا یہ تم سوچو۔" وہ کہہ کر اٹھی۔ مڑ کر شاہ زید کو دیکھا۔

"کل اگر شاہ ویر انگوٹھی واپس لے گیا، یا پھر مجھے کوئی اور نقصان پہنچایا تو تم سے شکایت نہیں کروں گی بس سمجھوں گی تم جاسوس نہیں بھائی تھے اور مجھے غلط فہمی ہو گئی۔"

"کیسی غلط فہمی؟" وہ رکی مڑی اور اسے دیکھا۔

"یہی کہ ہم دوست ہیں۔" وہ جا رہی تھی، زید اٹھ بھی نہ سکا۔ حرمت۔۔۔۔؟ آہ وہ تو یہیں کہیں اسی پانی میں بہہ گئی تھی۔ تیرہ سال کی عمر میں جس کا قتل چھپایا تھا آج کئی سال بعد وہ اس کے منہ پر قتل سے بڑے بڑے جرم مارنے والا تھا۔

★★★★★★★★★★

سفید ہڈی والے لڑکے کے چہرے پر تحیر رقم تھا۔ وہ آراہ کو دیکھ رہا تھا یا دیکھنا نہیں چاہتا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"یعنی ....یعنی وہ میرے خلاف تھا؟ اس کی زندگی کے آخری دن ...وہ ان دنوں میں ...اوہ خدایا...اوہ خدایا۔" اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ دل رنج کے وزن سے پھٹ رہا تھا۔ "تم تو وہ ہو ہی نہیں جس سے میں نے محبت کی تھی تم تو ڈائن نکلی۔ تم..... تم نے میرا بھائی کھا لیا، تم ہمارا تعلق کھا گئیں صرف اسلان کے لیے؟" وہ منہ سے کف نکال رہا تھا۔ آراہ نے مستحکم انداز میں بے خوفی سے اسے دیکھا۔

"حق کے لیے، تم باطل ہو تمہیں لگا تھا میں تمہارے آگے جھک جاؤں گی؟"

"تم نے اور کسی سے یہ نہیں کہا تھا۔ کہہ دو نہیں کہا تھا۔" وہ غرایا۔

"کہا تھا۔" اس کی نگاہوں کے آگے یافث طارون کا چہرہ تھا۔ آراہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے وہ انہیں مسل رہا تھا یہ بات پکی ہونے سے کچھ ہفتے قبل کا ذکر ہے اسے بہت برا پینک اٹیک آیا تھا۔ یافث جانتا تھا وہ کچھ چھپا رہی ہے اور آج اسے یقین ہو گیا تھا۔

"شاہ ویر نے کیا کیا ہے، آراہ؟ مجھے بتاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں میں نے کبھی تمہیں چھوڑا ہے کیا؟"

"آپ اس رشتے کی مخالفت نہیں کریں گے پلیز آپ میرا ساتھ دیں گے آپ ایسا کریں گے نا؟" وہ سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ یافث نے اس کے دونوں ہاتھ سختی سے تھامے، انہیں تیز تیز سہلایا۔

"ہمیشہ! میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا لیکن مجھ سے یہ مت کہو کہ یہ محبت کی شادی ہے، مجھے یہ مت بتاؤ کہ تم اس کے ساتھ خوش رہو گی سہراب نے اگر تم دونوں کے باپ کا کردار نبھایا ہے تو ماں میں تھا۔ تمہاری آنکھوں کی تکلیف، تمہارے جھوٹ میں پہلے دن سے جانتا ہوں مجھے بتاؤ آراہ کیا ہوا تھا۔"

وہ واقعی رازوں کے بوجھ تلے دب چکی تھی لہٰذا اسے کہنا پڑا، حرف با حرف سب کچھ کہنا پڑا۔ بات تھی کہ کیا وہ پتھر کا ہو گیا تھا اس رات سے اس کا ہر اختلاف زہر کھا کر مرا، اس کی ہر طاویل دریا برد ہوئی۔ وہ اسلان یمن سے نگاہ ملانے جیسا نہ رہا تھا۔ شاہ ویر نے اسے بہت تکلیف دی تھی لیکن لعل یمن کا ہر فرد اسلان یمن کا گنہگار تھا۔ سہراب اور اس کی انائیں ان کے گھر کا بچہ کھا گئیں تھیں۔

وہ آراہ کے پاس سے اٹھ گیا اس سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ خود پر آئے تو بڑے بڑے قندھاروں سے برداشت نہیں ہوتا شاہ ویر بنگش شے کیا تھا؟

★★★★★★★★★★

"اسلان یمن پر ہونے والے حملے کے چند دن بعد!"

("ہم یہاں کیا ڈھونڈ رہے ہیں ہمیں یہ بھی نہیں پتا، سہراب صاحب۔"

سٹور روم میں اسلان کے پرانے سامان کو پوری طرح کھنگال لینے کے بعد انہیں دو پرانے ڈرافٹ ہی ملے تھے جنہیں سہراب ردی سمجھ کر پھینک دینا چاہتا تھا البتہ بنفشہ نے سنبھال لیے تھے وہ پڑھنا چاہتی تھی۔ ایک عجیب سی یاسیت اس کی آنکھوں میں آکر ٹھہر گئی تھی وہ اس کی کہانی ان حالات میں نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔

"یہی تو المیہ ہے ہمیں یہ ہی نہیں پتا کہ ہم سے کیا کیا چھپایا گیا ہے، کیا بتایا گیا آپ اور میں استعمال ہوئے ہیں وکیل صاحب۔" بنفشہ تکان زدہ سا مسکرائی۔

"ہوتا ہے سہراب صاحب، بعض لوگ استعمال ہوتے ہیں تاکہ چند لوگ کام کر سکیں۔"

کسی عزیز کا کوئی بات نہ بتانے کا مقصد صرف عدم اعتمادی نہیں ہوتی سہراب کو یہ سمجھنے کے لیے وقت درکار تھا۔

دیواروں پر لگی کیلی گرافی ویسی کی ویسی تھی۔ اسنوکر کے سبز فرش پر رکھے تمام بالز ساکت۔ شیشے کی میز کے اس پار سہراب اور اس پار اسفندیار انصاری براجمان تھا، جو شراب کے گلاس سے گھونٹ گھونٹ بھرتا اپنے سامنے بیٹھے مرد کا تفصیلی جائزہ لے رہا تھا۔

"زیادہ زخم آئے ہیں؟" ہمدردی سے استفسار کیا۔

"مرد ہے سہہ لے گا۔" سہراب نے کہا۔

"سنا ہے ایک بار بھی رحم کی التجا نہیں کی، ایک بار بھی کراہا نہیں۔"

"کہا نا مرد ہے، مردوں والا حوصلہ ہے کمینوں کے سامنے التجا نہیں کرتا میرا بیٹا۔"

"ہاں لیکن ڈاکٹر کو کہہ رہا تھا کہ اس کے چچا کو اندر بھیجو، وہ مرنا نہیں چاہتا کیا یہ سچ ہے؟" سادہ سا لہجہ تھا۔

سہراب کاٹ دار نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا جواب نہیں دیا۔ اسفند نے ایک اور گھونٹ بھر کر گلاس واپس رکھا ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس پر نگاہ جمالی۔ "میرے آدمیوں کا ہاتھ بھاری ہے اور ایک بار کھل جائے تو رکتا بھی نہیں۔ لیکن اس بار انہوں نے حق کا کام کیا، ایک ایک کو میں نے دو دو لاکھ انعام دیا ہے۔"

"ایک بار مجھے ان کی شکلیں دکھا دیں ایک ایک کے ہاتھ توڑ کر لاہور کی سڑکوں پر ڈالنا ہے۔"

اسفند مسکرایا۔ "واقعی ایسا کرو گے؟"

"آزما لیجیے!"

سیاست دان محظوظ ہوا۔ انٹرکام اٹھا کر ایک کال ملائی اور چند نام لیے۔ فون واپس رکھتے ہوئے اس نے سہراب کو دیکھا۔ "میرے لیے کام کرو، یا پھر اگلی دفعہ اپنے بھائی اور بھتیجے کا جنازہ اٹھاؤ۔"

"آپ کے لیے کام کروں یعنی جوہر فور زیرو کے ملزمان کو بے نقاب کروں تا کہ جب وہ جیل جائیں تو اپنے پس پردہ محافظ یعنی عزت مآب روبینہ انصاری کا نام لیں ان کی ساکھ تباہ ہو اور آپ اپنی ماں کو ری پلیس کر کے انتخابات لڑیں؟" اسفند ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اس کی رنگت تاریک پڑی تھی۔ چوہے بلی کا کھیل یوں بھی ختم ہوا چاہتا تھا لہٰذا اس نے رنگت بحال کی گلاس واپس اٹھایا، اور گردن اکڑائے جواب دیا۔

"تم صحیح سمجھے!" یہ سہراب کی زندگی کا سب سے بڑا "کہا تھا ناں" لمحہ تھا۔

یہ راتیں بے چین اور کٹھن تھیں۔ وہ اسے ہسپتال میں دیکھ کر آئی تھی۔ پیڑی زدہ ہونٹ، خشک رنگت، پٹیوں میں جکڑا سینہ۔ آراہ اس کے پاس بیٹھی تھی اسے کتاب سے کچھ پڑھ کر سناتی ہوئی اسلان چھت کو تکتے ہوئے سن رہا تھا بنفشہ اندر نہیں گئی دروازے سے ہی لوٹ آئی تھی۔ ایڈن برگ میں شاہ ویر اور اس کے دوستوں کے متعلق تمام تفصیل نکالنے کے بعد وہ کافی تھک گئی تھی کاغذات سہراب کو دینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اسلان اور اس کے کمرے کی دیوار جڑی تھی۔ پہلے اس کی الماری زور سے مارنے کی آواز آتی تھی، جھگڑے یا پھر چلانے کی بھی۔ اب وہ یہاں نہیں تھا اب بس خاموشی تھی۔

وہ اس جڑی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں سینے سے جوڑتے ہوئے اس نے اسلان کے لکھے ہوئے پرانے ڈرافٹس اٹھا لیے۔ کھڑکی سے آتی روشنی میں وہ اس لکھائی کو پہچانتی تھی۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اسٹکی نوٹس لگے تھے اسے حیرت ہوئی جب اس نے تمام اسٹکی نوٹس پر صرف ایک آیت لکھی ہوئی دیکھی۔

"ان اللہ مع الصابرین" اس کے موبائل کے وال پیپر پر بھی یہی آیت لکھی تھی۔

وہ پنے پلٹتی گئی۔ ہر صفحے پر ایک نوٹ اور اس نوٹ پر ایک آیت۔۔۔۔۔۔ یہ کیا ماجرا تھا؟ کیا وہ یہ کہانی لکھتے ہوئے اس حد تک عاجز تھا، اس حد تک بے بس؟

بنفشہ نے صفحات پلٹتے پہلے صفحے سے پڑھنا شروع کیا اور...... اسے کاغذات کسی زہریلے کیڑے کی مانند اپنے جسم پر رینگتے محسوس ہوئے۔ صفحے کے اوپری خانے پر تاریخ اور چند اہم چیزیں درج تھیں۔

started writing :12 January 2023

time:12:30 am

اسے چونکانے والی سطر وہ پہلی سطر تھی جہاں سے کہانی شروع ہوتی تھی ایک قاری اپنی زندگی کے واقعات بھول سکتا ہے مگر وہ یہ بھول جائے کہ اس کی پسندیدہ کتاب کی شروعاتی اور اختتامی سطر کیا تھی تو تف ہو اس پر۔

اس نے پڑھنا شروع کیا۔ اٹھتے بیٹھتے، کمرے میں چکر کاٹتے، پچھتاوں میں سلگتے، آگاہی کے عذاب سے جُونجھتے فجر کی اذانوں تک وہ کتاب ختم کر چکی تھی۔ کتاب ختم ہوئی تھی یا پھر وہ اسے کوئی اندازہ نہیں تھا اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹکا تھا نگاہیں سیدھ میں ساکت و جامد۔ سانس لینا بھی عمل اضافی تھا۔ وہ اسلان یمن کے چار سال اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ سکتی تھی۔

یہ شاہ ویر بنگش کی سب سے مشہور کتاب syndey and switzerland کا پہلا مسودہ تھا۔ کچھ غلطیوں سے بھرا ہوا البتہ یہ وہی کتاب تھی۔ حرف حرف وہی۔

شاید وہ اس کا مدیر رہا ہو..... ذہن نے طاویل پیش کی۔ مدیر کہانی اپنی لکھائی میں کب سے لکھنے لگے؟ ذہن نے اسے طمانچہ مارا۔

شاید دوستی میں.... لکھائی اسلان کی تھی۔ ایک اور تھپڑ۔

شاید اسلان پیسے لے کر..... وہ پیسوں کے لیے کام کر سکتا تھا غلامی نہیں، مدد کر سکتا تھا ہنر نہیں بیچ سکتا تھا۔

"میں نے انہیں اپنا ہنر بیچا ہے۔" اسلان کی آواز سماعتوں میں کوڑے کی طرح لگی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاہ ویر کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو اور اس نے اسلان سے لکھوایا ہو اور.... پہلے پنے پر درج تاریخ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ وہ ان سالوں میں دوست نہیں تھے۔

آراہ! اس کے ذہن میں یکدم جھماکا سا ہوا۔ اس کے پاس شاہ ویر کی تمام کتابیں ہیں وہ تو مداح ہے اسے یقیناً علم ہو گا وہ ننگے پیر لعل یمن کی طرف بھاگی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور اسے کسی اور شے کا ہوش نہیں تھا۔

آراہ کے کمرے کا ادھ کھلا دروازہ ایک دھاڑ سے کھولا اور اس کی کتابیں دیوانوں کی طرح الٹ پلٹ کرنے لگی۔ اسے شاہ ویر کی کتابیں جلد ہی مل گئیں کتابیں لیے وہ فرش پر بیٹھ گئی ابھی وہ کھولتی کہ سرورق پر ہی ٹھٹکی۔ وائٹو کی مدد سے سرورق پر شاہ ویر کا نام مٹا دیا گیا تھا۔ غائب، معدوم۔

وائٹو کے اوپر سیاہ روشنائی سے ایک نام لکھا تھا۔ "اسلان یمن"

جو شناخت اس سے دنیا نے لے لی اس کی بہن نے واپس کی تھی۔ جو کام دنیا نے کسی اور کے نام سے پڑھا اس کی بہن اسے اسی کے نام سے پڑھے گی۔ اس سمے بنفشہ کو خوف آیا۔ اگر کوئی پانچ سالہ محنت کے بعد کسی طبیب کی ڈگری چھین لے تو۔۔ کئی سالہ خواری کے بعد کسی وکیل کا لائسنس کسی اور کے نام سے جاری کر دیا جائے تو۔ مقابلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد کرسی کسی اور کو مل جائے تو۔

تو بس زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ انسان اسلان یمن بن جاتا ہے بات کرو تو کاٹے گا، چھوؤ تو جلائے گا، قریب جاؤ تو بدلے میں کرب دے گا وہ جو سن کر سمجھ اور سہن نہیں کر پا رہی تھی وہ سہہ کر کیسے چپ رہ گیا؟

درد کی کئی اقسام ہوتی ہیں جو اس وقت اسے محسوس ہوا وہ ہر درجہ پار کر آیا درد تھا۔ کاش اس کے پاس تسلی، دلاسے یا تکلیف بانٹ لینے کا حق ہوتا۔

یہاں سے دور ہسپتال میں لیٹا شخص کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ خدا نے اسے کمال کے حوصلے عطا کیے تھے۔

"یہ چار لوگ تھے۔"

اسفند کے اشارے پر سہراب نے نگاہیں اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں چار لوگ کھڑے تھے۔ سہراب نے موبائل نکال کر ان کی تصویر لی اور بڑی ملائمت سے ان کے نام پوچھے۔ چاروں نے اپنے نام بتائے۔

"تم لوگوں میں سے اس کی پیٹھ میں چاقو کس نے مارا تھا؟" اس کی آواز میں کہیں کوئی سختی نہیں تھی لہجہ بے حد معتدل تھا، انداز نرم۔ چاروں چپ رہے۔

”رجب نے۔۔۔۔“ سگار لبوں میں دباتے اسفند نے کہا۔”ملک نے اس کے منہ پر بوٹ مارے تھے، نبیل نے لاٹھی سے اس کے سر پر زخم دیے ہیں اور اکمل نے زیادہ مارا نہیں وہ بس گالیاں دیتا رہا۔ماں کی گالیاں دی تھیں یا بہن کی؟“

”سب!“

”سب دی تھیں۔“ اسفند مطمئن سا مڑا۔

”ٹھیک سمجھ گیا!“ وہ چاروں جانے لگے جب سہراب کو کچھ یاد آیا۔”آپ سب سے ایک بات کہنی تھی۔ایک ہفتے کے اندر اندر میں ذرا بدلہ وغیرہ لینے کا ارادہ رکھتا ہوں اب تم سب ٹھہرے غلیظ اور بیچ میں ٹھہرا ایمن پیٹھ پیچھے وار کرتے ہوئے اچھا نہیں لگے گا اس لیے ابھی سے بتا رہا ہوں۔اپنا خیال ویال رکھنا۔“ چاروں ملازمین نے سراسیمگی سے پہلے سہراب اور پھر اپنے باس کو دیکھا جو کہ ہاتھ کا اشارہ کرتا نہیں "تخلیہ" کہہ رہا تھا۔

”تم میرے لیے میری سیکورٹی ٹیم کے انچارج کی حیثیت سے کام کرو گے (تاکہ میری ماں اور تمکنت کو لگے کہ میں نے اونٹ کو نکیل ڈال دی ہے) لیکن وہ تمہارا اصل کام نہیں ہوگا (درحقیقت تمہارا کام روبینہ انصاری اور تمکنت بنگش کے قدموں سے زمین کھینچنا ہے) منظور ہے تو بھی، نامنظور ہے تب بھی۔“

”میں چاکری نہیں کرتا، اسفند صاحب۔ان کی تو بالکل نہیں جو مجھے دھمکی دیں۔یا تو میں اپنی مرضی سے آپ کی تخریب کاری میں شریک ہو سکتا ہوں یا پھر میرا استعفیٰ آئے گا۔“

”سرکاری ملازمت چھوڑ دو گے؟“

”سرکاری ملازمت رہی کب ہے یہاں تو میں خاندانی سیاست میں پڑ رہا ہوں اس کے لیے آپ کو میرا کام خریدنا ہوگا۔“

”کتنے پیسے؟“ اس نے ملازم کو چیک بک لانے کا اشارہ کیا۔

”ایک ملاقات۔“ اسفند الجھی نظروں سے اسے دیکھے گیا، ایک ملاقات، بس ملاقات کس سے؟

وہ دونوں مسودے بیچ میں رکھے اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ سہراب ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان دباتے ہوئے جانے کن سوچوں میں مدغم تھا۔ وہ میز پر دھرے کاغذات سے نگاہیں چرا رہا تھا۔ کتنی دفعہ اس نے اسلان کو اس کھٹ کھٹ سے منع کیا تھا آج تک اس نے بٹھا کر پوچھا کیوں نہیں اتنا لکھتے ہو تو آج تک شائع کیوں نہیں ہوا؟ کم از کم اتنا تو پوچھنا چاہیے تھا۔

"مجھے اس سے بات کرنی چاہیے تھی۔" کافی دیر بعد اس کے لبوں سے چند الفاظ آزاد ہوئے۔ "پنار کے اغوا کے بعد وہ مجھ سے بدظن ہو گیا اور میں اس سے دور۔ چار سال..... میں چار سال تک اسے جھڑکنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکا اور مجھے لگا میں اسے رف ٹف بنا رہا ہوں۔"

"چار سال اس نے بھی بدتمیزی کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔"

"وہ بچہ تھا میں بڑا تھا مجھے بات کرنی چاہیے تھی۔"

"یہی بچہ عالم اور یافث کے ساتھ بدتمیز کیوں نہیں تھا؟ اگر آپ جج کرتے تھے تو وہ بھی assumptions لگا لیتا تھا کہ میری نہیں سنی جائے گی اسے سنانی چاہیے تھی۔"

"اس کا کوئی قصور نہیں۔"

"آپ دونوں کا کوئی قصور نہیں۔ جو چیزیں جس طرح ہیں انہوں نے اسی طرح ہونا تھا میں نے بھی اسے جج کیا ہے حالانکہ میں وہی ہوں کہ جس نے ابتسام کو جیل جانے دیا کیونکہ اس نے مجھے کردار کی گالی دے کر مارا تھا، اگر شاہ ویر کسی کا ہنر چھیننے پر مرا تو یہ اسلان کا حق تھا اگر میں خود کو اس کی جگہ پر رکھوں تو اسلان درست ہے۔"

"اونہوں ـ ـ ـ ـ ـ" اس نے تفکر سے پیشانی مسلی۔ "وہ شاہ ویر کے آگے سرینڈر کر چکا تھا دوبارہ اس کے خلاف کھڑے ہونے کے لیے اسے موٹو چاہیے تھا یا کوئی ٹرگرنگ مومنٹ۔ ایسا کیا ہو سکتا ہے جو اسے اس حد تک ٹرگر کر دے؟" وہ کسی اور نہج پر سوچ رہا تھا، افسر تھا گڑے مردے نہ اکھاڑے تو بے موت مرے۔

"عالم سر بتائیں گے نہیں، آراہ سے آپ پوچھنا نہیں چاہتے حالانکہ مجھے لگتا ہے وہ کچھ جانتی ہو گی۔ شاہ ویر اور اسلان کے دوست ـ ـ ـ ـ ـ" وہ رکی۔ "اس کے دوست ہاں! اس کے دوست جو اب دوست نہ رہے ہوں۔ جو

لسٹ آپ نے مجھے دی تھی ان میں سے کتنے لوگ تھے جو اس کی موت سے پہلے اس سے ملنا چھوڑ چکے تھے؟" وہ تیز تیز سوال کر رہی تھی۔ سہراب نے نشست پر پیچھے کو ہوتے ہوئے ٹیک لگالی۔

"سب سے ہی ملتا تھا فالو بھی کرتا تھا۔ ایلکس، جانس، جیندی، رائن اور کون تھا؟" بڑبڑاتے ہوئے اس نے موبائل کھولا۔ فہرست نکالی اور......... "راج بیر سنگھ؟" سہراب کا سوال۔

"راج بیر سنگھ!" بنفشہ کا ہلکا جواب۔

وہ ایک ٹوٹ چکی دوستی کو استعمال کرنے والے تھے۔ وہ جو خنجر سے بھی تیز ہوتی ہے۔

"وہ بھارتی سیاست دان کا بیٹا راج بیر؟" اسفند جتنا حیران ہوتا اتنا کم تھا۔ سہراب نے محض سر ہلایا۔ "کیا کچھ ہوا ہے کہیں تم اسے نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتے؟ انڈیا اور ہمارے سفارتی تعلقات بحال کرنے کے لیے ہم نے بڑی کوشش کی ہیں......"

"اور انہی تعلقات کے تحت راج بیر ایک مذہبی پھیرے کے لیے اس وقت لاہور میں ہے۔ آپ کے فارم ہاؤس میں۔ درست کہا؟" تائیدی نظروں سے اسے دیکھا۔ اسفند نے بہ دقت اثبات میں سر ہلایا۔ "کل! ایک ملاقات، پرسوں وردی پہن کر آجاؤں گا ورنہ میں جوہر فور زیرو سے دستبردار۔ پھر ڈھونڈتے رہیے گا کوئی عالم اور سہراب۔"

وہ کہہ کر اٹھا، جب اسفند نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ "تم تیسرا ملزم کیسے بھول گئے؟"

"تیسرا ملزم؟" جوہر فور زیرو کا تیسرا ملزم؟

"شاہ ویر طلال بنگش۔" اس کا نام دھوئیں اور تپش کے ساتھ آزاد ہوا۔

"اس کا کیا وہ تو مر چکا ہے۔"

"اس کا نام تو زندہ ہے نا۔ مجھے وہ نام مرا ہوا چاہیے۔"

"اور مجھے میرے اندازے کی درستگی چاہیے تھی یعنی شاہ ویر اور آپ کے درمیان اس خواجہ سرا کی وجہ سے واقعی کچھ تھا؟" اس نے کہا نہیں بس سوچ سکا۔

"سمجھیئے ہو چکا۔" اس نے سر کو خم دیا اور سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے بڑھا جب اسے رکنا پڑا دیوار پر لگی وہ پینٹنگ۔ اسے پچھلی دفعہ کی طرح آج بھی ٹھٹکا گئی تھی۔ اسے رکنا پڑا۔

"یہ آپ نے کہاں سے خریدی؟" بلاخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

اسفند نے اس کی نظروں کی تقلید میں سیاہ سفید رنگ کی اس مصوری کو دیکھا۔ "بنوائی ہے اس کا مطلب ہے "ٹرافی" میں اسے اپنے دفتر میں رکھتا ہوں تاکہ مجھے میری جیت کا احساس ہوتا رہے۔" سہراب نے ایک بھرپور نگاہ اس مصوری پر ڈالی، اس کی اگلی نگاہ کیرم بورڈ پر پڑی، اس سے اگلی نگاہ سارے کمرے پر ۔۔۔۔ سجاوٹی اشیاء سے بھرا ہوا اس کا کمرہ لیکن وہاں ایک چیز تھی جو اسے کھٹکی ایک پرانی سی صراحی جس میں پھول رکھے تھے وہ اس عالیشان کمرے کے لائق نہیں تھی، پھر یہاں کیوں تھی؟

"تمہارا دعوت نامہ تمہیں شام تک مل جائے گا۔" اسفند کی آواز اسے خیالوں سے کھینچ لائی، مصوری کی ایک تصویر لیتا وہ کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ ذہن دوبارہ بٹ چکا تھا۔

"آپ بھائی سے ملنے نہیں جائیں گے؟" سینے سے دو کتابیں لگائے ایک ہاتھ میں کھانے کا ڈبہ پکڑے دوسرے ہاتھ میں موبائل لیے انارا سہراب سے پوچھ رہی تھی۔ موبائل کی روشنی چپس کے فرش پر پڑ رہی تھی وہ کال پر تھی، یقیناً اپنے بھائی کے ساتھ۔ آہ یہ اس کے ہاتھ کے پلے بچے اس کے ساتھ ہی کھیل گئے۔

سہراب نے اس کا موبائل والا ہاتھ اونچا کیا اور اسپیکر پر بولا۔ "تم خود کہتے تو میں آجاتا۔"

آراہ نے تیزی سے کال کاٹی وہ جو ان دونوں کا دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف کروانے کے واسطے آئی تھی سب تباہ ہو گیا۔ "آپ کچھ اچھا بھی بول سکتے تھے اب وہ سمجھے گا کہ ۔۔۔۔۔"

"اسلان اور سہراب یمن کی ایکویشن میں تھرڈ ویلنگ مت کرو آراہ، دونوں ٹیڑھی پسلیاں ہیں۔" باورچی خانے سے نکلتا عالم چمک کر بولا ساتھ موبائل پر کچھ چلا کر اس کی طرف بڑھایا۔ "اور یہ تمہاری کرش روشن رحمان کی بیٹی نہ معصوم ہے، اور نہ ہی کوئی پارسا۔"

سہراب نے آنکھیں چھوٹی کر کے ویڈیو دیکھی برقعے میں ملبوس ایک عورت لنگڑا کر چلتی ہوئی کہیں جا رہی تھی۔ دوسری کلپ میں وہ کسی سبزی منڈی میں چل رہی تھی۔

"میں کیا اس کی کیٹ واک دیکھوں؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تم اندھے ہو، گھر سے نکلتے وقت اس کی بائیں ٹانگ میں لڑکھڑاہٹ تھی اور سبزی منڈی میں اس کی دائیں ٹانگ۔"

"یعنی؟" وہ ٹھٹکا۔ موبائل دوبارہ دیکھا۔ ان دونوں کو آپس میں مصروف دیکھ آراہ کھسک گئی تھی۔

"یعنی یہ کہ چوکیدار سچا تھا روشن کی دوسری بیٹی بھی مر چکی ہے اس روز پانچ عورتیں مری تھیں، اور یہ کون ہے میں پتا لگا لوں گا۔ تم جاؤ۔۔۔۔۔" سامنے سے آمنہ کو آتے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ "یار اب واپس کرو میرا موبائل تمہاری کرش ہے تو کیا دیکھتے ہی جاؤ گے؟"

کرش لفظ پر آمنہ کے کان کھڑے ہوئے، سہراب حیران ہوا۔ موبائل کسی ناپسندیدہ شے کی طرح واپس کیا۔

"یہ کس کی بات ہو رہی ہے؟" وہ کڑے تیور لیے آگے آئی۔

"اس کی ایک کرش ہے مجال ہے جو سہراب اس کے بارے میں کچھ سن لے آمنہ کو بتایا نہیں؟" کا دل کیا اس کی آنکھیں نوچ لے۔ وہ آگ لگاتا آگے نکل گیا۔

"کون ہے آپ کی کرش؟"

"بکتا ہے عالم تم جانتی تو ہو۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"ایسے کیسے بکتا ہے کوئی تو ہوگی آپ کی کرش جس سے۔۔۔۔" اس کی بولتی بند ہوئی جب سہراب عین اس کے سامنے آکر رکا۔ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھر کر اس کا ماتھا چوما۔ اور گالوں پر جھولتی لٹیں اس کے کانوں کے پاس اڑسیں۔

"تم آمنہ شیرازی، تم ہو میرا کرش۔"

وہ کہہ کر نکل گیا تھا آمنہ نے دونوں ہاتھ تپتے گالوں پر رکھ لیے۔ اب تو اس نے سارا دن مسکرانا تھا۔

★★★★★★★★

"سہراب یمن اور بنفشہ احسان کی راج بیر سنگھ سے ملاقات!"

فارم ہاؤس اس قدر شاہانہ تھا کہ اسے دیکھنے والی آنکھ ٹھہرتی ہی نہیں تھی۔ نفاست اور خوبصورتی کا یہ سنگم آنکھوں کو بے حد بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ بھورے رنگ کی چیک شرٹ کے بازو موڑے، اس نے سیاہ جینز پہن رکھی تھی۔ بنفشہ ہلکے سبز رنگ کے ڈھیلے کرتا شلوار میں ملبوس تھی۔ بیچ والی مانگ نکال کر اس نے لمبے بال چٹیا میں باندھ رکھے تھے جن کے آخر میں سبز رومال گوندھ رکھا تھا۔ کانوں میں ننھے آویزے اسے معتبر کر رہے تھے۔ ملازم ان دونوں کو اپنی معیت میں اندر کی طرف لے جا رہا تھا۔

"آپ کل رات سے کچھ غائب دماغ ہیں۔" بنفشہ نے چلتے چلتے اس سے کہا۔ سہراب نے اسی بے دھیانی سے اسے دیکھا۔ "اسفند صاحب کی کال کا سن کر بھی آپ کا چہرہ ویسا ہی رہا شاید آپ ان کی ملازمت کی پیشکش قبول نہیں کرنا چاہتے؟"

سہراب کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "اگر آپ کسی انسان کے دو چہرے دیکھ لیں تو اعتبار کس پر کریں گی؟" اس نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔ وہ دونوں گھاس کے قطعے پر مناسب قدم اٹھا رہے تھے۔

"صرف دو۔۔۔؟ آپ صرف دو کا کہہ رہے ہیں میں نے انسانوں کو موقع محل کے مطابق دس چہرے بدلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔"

"پھر اعتبار کس پر کیا؟"

"تمام پر۔۔۔۔ بعض دفعہ حقیقت کے کئی چہرے ہوتے ہیں اور ہر چہرہ حقیقت۔" لمحے بھر کا توقف کر کے اپنے ساتھ چلتے مرد کو دیکھا۔ "آپ نے کیا دیکھا ہے؟"

سہراب کی نگاہوں کے آگے منظر اور دن بدل گیا اسے یاد آیا اس نے کیا دیکھا تھا۔

تین روز قبل ہفتہ تھا۔ کیا وہ اب بھی اس خواجہ سرا کو اپنی جماعت کا ٹکٹ دینا چاہتا تھا، وہ اب کہیں دکھائی کیوں نہیں دیتی تھی، کیا اسفند وہاں واقعی اسی لیے جاتا تھا یا پھر اسلان کی بات سچی تھی کہ اسفند انصاری اس علاقے میں

اپنی بندوقوں کا اسٹاک رکھتا ہے۔ تمام جواب لینے کے لیے اسے آج کی رات اسفند کا تعاقب کرنا تھا یہ کوئی مہذب حرکت تو تھی نہیں مگر پولیس میں آنے کی بعد تہذیب نے اسے یوں بھی "رب راکھا" کہہ دیا تھا۔

کچھ گھنٹے بعد جب اسفند کی تمام میٹنگز ہو گئیں تب اس نے ڈرائیور سے گاڑی کی چابی مانگی، بازو کے کف موڑتے ہوئے وہ تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ سہراب ایک فاصلے پر کھڑا سب دیکھ رہا تھا وہ واسکٹ اتارے ہوئے تھا بال بکھر گئے تھے۔ ہاتھ میں پہنی گھڑی اب وہ اتار کر ملازم کو دے رہا تھا۔ جس حد تک ہو سکتا تھا وہ آرام دہ ہو رہا تھا۔ سہراب اچھنبے سے اسے دیکھے گیا۔ وہ خود گاڑی چلانے والا تھا، محافظ چپ چاپ ایک طرف کھڑے تھے وہ یہ سفر اکیلے کرتا تھا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" اسفند گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا جب سہراب نے اپنا مدعا پیش کیا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا کھڑکی سے اسے دیکھا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

وہ قدرے مضمحل تھا یا شاید عجلت میں، گاڑی گھما تا وہ باہر نکل گیا۔ سہراب اس سے ذرا فاصلے پر رہا۔ اپنی چھوٹی گاڑی میں مناسب فاصلے پر اس کا تعاقب کرتا رہا پینتالیس منٹ کی مسافت کے بعد گاڑی اسی علاقے آ کر رکی۔ اسفند نے ایک دو مرتبہ مڑ کر اپنے اطراف میں دیکھا اور جب اسے تسلی ہوئی کوئی اس کے پیچھے نہیں ہے تب وہ آگے بڑھ گیا۔

سہراب نے باقاعدہ انتظار کیا کہ وہ گلی کا موڑ مڑ جائے جب وہ مڑا تب وہ اپنے قدم اس کے تعاقب میں بڑھانے لگا۔ تین چار گلیوں کے بعد ایک بڑی سی کوٹھی نظر آئی۔ آس پاس خاموشی تھی، اسفند اسی جھکے سر کے ساتھ کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ سہراب وہیں کھڑا یہ سوچتا رہا کہ اس کا داخلہ کس طرح ممکن ہو گا؟

اگر وہ دروازے سے گیا تو اسفند کی نظروں میں آنے کا خدشہ تھا۔ اگر پیچھے کوئی دروازہ ہوا اور۔۔۔۔ اونہوں وقت برباد نہیں کرنا تھا۔ اس نے لمحے بھر میں سارے کا طائرانہ جائزہ لیا اس کوٹھی سے دو گھر چھوڑ کر تیسرا گھر زیر تعمیر تھا۔ بہترین، بہت بہترین۔

وہ دھیمی چال چلتا گھر کی طرف بڑھا سیمنٹ کی بوریاں، بجری کے ٹیلے پار کرتے ہوئے وہ زینے چڑھ کر اوپر آیا۔ دور دور تک خاموشی تھی۔

دوسری طرف سفید لباس والا سیاست دان گھر کے اندر داخلے کے بعد کئی لوگوں میں گھر گیا تھا۔ کئی ایک نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، بچے اسے دیکھ کر شور مچا رہے تھے اور باقی سب کی مسرت دیدنی تھی، اور اس کی تکان حد سے زیادہ۔

اسے اس مکان سے دو چھتیں ٹاپ کر تیسری چھت تک جانا تھا مگر کیسے؟ پہلی چھت پر ایک لڑکی ٹہل رہی تھی۔ موبائل کان سے لگا تھا اور لبوں پر ایک شرمگیں مسکراہٹ تھی آہ۔۔۔۔ سہراب اکتایا۔ چند لمحوں کے سوچ بچار کے بعد اس نے دو سے تین پتھر اٹھائے اور چھت کی طرف اچھالے لڑکی چونکی، ڈری اور پیچھے ہوئی۔ موبائل پر کچھ کہا، اس نے شاید ہمت بندھائی۔ ”کون ہے؟“

سہراب جس چھت پر موجود تھا وہاں تین سے چار اینٹیں اٹھا کر ایک طرف پھینکیں اب کے لڑکی کو یقین ہو گیا برابر والوں کی چھت پر کوئی ہے وہ سرپٹ دوڑی اور نیچے جا کر ہی دم لیا۔ اگلے کچھ منٹ سہراب اسی چھت پر بیٹھا رہا اسے لگا شاید لڑکی اپنے گھر سے کسی کو لائے گی مگر جب کافی دیر تک وہ نہ آئی تب اس نے مہارت سے چھت ٹاپی۔ اور دوسرے گھر کی چھت پر چلا آیا۔

”میں اوپر جاؤں گا، لیلیٰ کے پاس کوئی مجھے فی الحال تنگ نہ کرے۔“ اسفند نے ان محبتوں سے ذرا دیر کو دامن چھڑوانے کی غرض سے آواز ہلکی رکھی۔ کسی نے اسے نہیں روکا اگلے لمحے وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں سرخ سی تھیں، چال سست۔

دوسری چھت پر کوئی نہیں تھا بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ اس نے چھت ٹاپی ساتھ اسلان کو فون ملایا۔ جو کہ اس نے اٹھا بھی لیا۔ سہراب کی آواز بے حد ہلکی تھی۔

”اسفند جس خواجہ سرا کو شاہ ویر سے ملوانے لے گیا تھا اس کا نام کیا تھا اور وہ دکھتی کیسی ہے؟“ وہ دیکھنا چاہتا تھا اسفند اسی سے ملنے آتا ہے یا کوئی اور معاملہ ہے؟

چھتیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں کمرے کی دیوار ایک ہی تھی۔ اسفند کے دروازہ بند کرنے کی آواز وہ سن سکتا تھا ذرا گردن اٹھانے پر وہ دوسری طرف کی کھلی کھڑکی سے منظر بھی دیکھ سکتا تھا۔ رنگین کھڑکیوں والے کمرے میں وہ اب داخل ہو چکا تھا۔

اسلان کو اس پر جی بھر کر تپ چڑھی وہ کتنے دنوں سے ہسپتال میں تھا ملنا تو چھوڑ اس نے اسلان کو ایک فون تک نہیں کیا تھا اور اب اپنے کام کی خاطر کیسے کال ملا رہا تھا جیسے دونوں کا بڑا یارانہ رہا ہو، ابلتے طیش کو بمشکل نگلتے اس نے ایک سطر کہی۔ "یہ پوچھیں کیسی دکھتی" تھی"۔"

اسفند کسی نادیدہ ہستی کو دیکھ کر مسکرایا۔ سہراب نے اچھنبے سے اس کی مسکراہٹ دیکھی۔

"اس نے تو شاہ ویر کے انکار کے بعد خودکشی کر لی تھی۔"

وہ بازو یوں پھیلائے کھڑا تھا جیسے کسی کو گلے سے لگایا ہوا ہو مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔ سہراب یمن ہل بھی نہ سکا۔

"لیلیٰ مر چکی ہے۔"

وہ اب کسی نہ نظر آنے والی شخصیت کا ہاتھ تھام رہا تھا۔

"اسفند اس کی موت کے بعد بہت بددل ہو گیا تھا۔ اس کا آج تک کوئی بیان نہیں آیا، وہ اس کے لیے رہبر کی حیثیت رکھتی تھی۔ رابعہ اور لیلیٰ اس کی زندگی میں خاص تھیں۔"

وہ اب کرسی پر یوں سر رکھ رہا تھا جیسے کسی کی گود میں سر رکھ رہا ہو سہراب سانس لیے بنا پیچھے ہوا، اس کا دل سرک کر سینے میں کہیں ادھر ادھر ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کوئی ذہنی عارضہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مر چکی تھی اوہ خدایا وہ مر چکی تھی تو کیا اسفند انصاری ذہنی بیماری کا شکار تھا؟

"بتایئے کیا دیکھا؟" بنفشہ کی آواز پر وہ ماضی سے حال میں آیا۔ چہرے کی رنگت بحال ہونے کی کوشش میں تھی۔

"کیا دیکھا تھا یہ میں اب تک خود بھی نہیں سمجھ پایا جب سمجھ جاؤں گا سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا۔"

اس نے سر کو خم دیا جان گئی کہ فی الحال وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔

★★★★★★★

وہ دونوں اندر آ گئے تھے جہاں سیاہ قمیض شلوار کے اوپر سرمئی واسکٹ پہنے اسفندیار راج کے باپ کے سامنے بیٹھا تھا۔"اب آپ مجھے دن تے تاریخ دے دو جیسی مہمان نوازی آپ نے کی ہے اس سے بڑھ کر کروں گا تب ہی مر کر گرو جی کو چہرہ دکھا سکتا ہوں آپ کے قرض دار ہو گئے ہم۔"راج کے والد مہربان سی مسکراہٹ والے سردار خوش دلی سے کہہ رہے تھے اس کے ساتھ بیٹھا راج۔۔۔۔۔۔ آہ کمبخت۔

اس کے چہرے سے ساری چمک غائب تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے تھے۔لب ایسے بند جیسے کئی صدیوں سے اس نے لفظ نہ کہا ہو۔ یہ اس راج سے مختلف تھا جو ایڈنبرگ کی سڑکوں پر آزاد گھومتا تھا، جس نے خاندانی سیاست کے خلاف جا کر دل کی سنتے ہوئے فلم میکنگ پڑھی تھی، جو دنیا کو اپنے کیمرے اور کہانی میں قید کرنے کا شوقین تھا۔ یہ تو بوسیدہ کھنڈر تھا پچھتاوے اس کی بنیادیں کھا چکے تھے۔

"سردار صاحب مہمان نوازی کا صلہ مانگنے والے پر لعنت کیونکہ مہمان خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں لیکن آپ اجازت دیں تو ایک عرض کرنا چاہوں گا اور عرض صرف اس صورت کہ انکار نہیں سنوں گا۔"وہ وہ بے حد مان سے کہہ رہا تھا۔

"حکم کیجیے، اسفند صاحب۔"

"دراصل کام آپ کے بیٹے سے ہے۔ ایک وقت سے میرا ایک کام اٹکا ہوا ہے اور جو میرا کام کر سکتا ہے اسے آپ کے بیٹے سے ایک ملاقات کرنی ہے۔"راج کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

"میں کسی سے نہیں ملوں گا۔"اس کی رنگت پل بھر میں سفید پڑ گئی تھی کسی سے ملنے کا خیال ہی اسے بے چین کر دیتا تھا۔

"اگر یہی عرض میں امرتسر آ کر کرتا کیا آپ کا جواب تب بھی یہی ہوتا؟"اس کی مسکراہٹ اور اعتماد میں کوئی فرق نہ آیا، دراصل اس کی چال میں کوئی فرق نہ آیا۔

”آپ مہمان خانہ تیار کیجیے راج ابھی آتا ہے۔“ راج کے برعکس اس کے والد صاحب کو میزبان کی پاسداری کا بڑا لحاظ تھا۔ وہ اٹھ گیا۔ راج نے بگڑ کر ہراساں نظروں سے اپنے باپ کو دیکھا۔

”آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔“

”تجھے کیا لگتا ہے چار سال سے جب تو گرو جی کی دھرتی نہیں آپارہا تھا تو تُو انکار کر رہا تھا؟ اوُوہ چاہتے نہیں تھے کہ تو آئے اور اب جو تو آگیا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہے اس لیے یا تو تُو ملے گا یا میرے ہاتھوں تیری جان جائے گی۔“ وہ بمشکل اپنے غصے پر قابو پائے بیٹھے تھے، ورنہ جی تو چاہتا تھا ایسی اولاد کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں جو میزبانی کا پاس نہ رکھ سکی ہو۔

چند پل بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، آپس میں گفت وشنید کرتے دونوں مرد پلٹے۔

”میری سیکورٹی ٹیم کے انچارج، سہراب افتخار یمن۔“ اس نے سہراب کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ یمن.....یمن ...یمن.....راج کا دماغ چکرانے لگا، اس کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ ”سہراب یہ کرتار سنگھ اور ان کے بیٹے، راج بیر سنگھ۔“ راج کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

”کرتار صاحب آیئے آپ کو اپنا فارم ہاؤس دکھاتا ہوں۔ کچھ امور پر آپ کی صلاح بھی درکار ہے۔“ کرتار صاحب سمجھ کر اٹھ گئے۔ پیچھے رہ جانے والے اپنی اپنی جگہ جمود کا شکار تھے سہراب جس مسکراہٹ والے لڑکے سے ملنے آیا تھا یہ وہ تھا ہی نہیں۔

”میں اپنا تفصیلی تعارف کروانا چاہوں گا۔“ آگے آ کر اس نے ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھایا۔ ”تم ایڈن برگ میں میرے بھتیجے کے ساتھ پڑھتے رہے ہو۔ اسلان یمن.......یقیناً تمہیں یاد ہو گا۔“ یاد تھا۔ اسے یاد تھا کیسے بھول سکتا تھا، چار سال سے بھولا ہی تو نہیں جا رہا تھا۔ اس نے ہاتھ نہیں تھاما تو سہراب نے نیچے کر لیا۔

”میں سید ھامدعے پر آنا چاہتا ہوں میں جاننا چاہتا ہوں اسلان اور شاہ ویر کے درمیان کیا مسئلہ تھا کیوں اسلان نے اس پر اپنی کتابیں دان کیں، میرے بہت سارے سوال ہیں کیا تم ان کے جواب دے سکتے ہو؟“

وہ خاموش رہا، حال، ماضی مستقبل کی کشتی میں ڈولتا ہوا، گرتا اور اٹھتا ہوا۔

”مجھے پتا نہیں کیوں ایسا لگتا ہے کہ تم کچھ جانتے ہو اور یہ بھی کہ تم سچ بتاؤ گے۔“ سہراب نے مزید کہا۔ اس کی طرف سے ہنوز خاموشی۔

”اس نے جیل دیکھی ہے، راج۔“ اب کے بنفشہ آگے آئی۔ ”ایک عرصہ اپنے ہی خاندان سے کٹ کر رہا ہے وہ غیر قانونی طور پر ملک چھوڑ کر کسی سرحد کے محافظ سے مرنے نکل گیا تھا، گمنام موت کے پیچھے۔ کچھ ہے جو اسے کھا رہا ہے میں بھی اسے جج کرنے کی مرتکب ہوئی ہوں تصاویر دیکھی ہیں تمہاری اور اس کی۔ تمہاری مخلص مسکراہٹ پر یقین کر کے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں وہ بتاؤ جو ہم جاننا چاہتے ہیں، پلیز ہماری مشکل آسان کرو۔۔“

راج کی آنکھیں بھیگ گئیں آنکھوں میں پانی چمکا۔ لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تھی۔

”اتنے سال یہاں نہ آسکا تو لگا تھا گروجی ناراض ہیں مجھ سے، چاہتے ہیں راج شکل نہ دکھائے۔ کیریئر، دوستیاں، شادی کچھ نہیں چل سکا تو لگا بددعائیں کھا گئیں مجھے۔ بددعائیں نہیں مجھے تو منافقت کھا رہی تھی۔ اسلان یمن کا صبر کھا رہا تھا مجھے۔“ حلق میں کوئی گولہ اٹکا اس نے نگاہیں اٹھا کر سہراب کو دیکھا تو ان نگاہوں میں ملال تھا۔ ”پانچ سال بعد یہاں آنے کا موقع ملا تو لگا معاف کر دیا گیا ہوں لیکن غلط تھا میں رب کے بندوں کے ساتھ ظلم کر کے اس کو منا رہا تھا۔ پوچھو جو پوچھنا ہے پوچھو اتنے سال سے میں بھی تو تھک گیا ہوں۔ اب بس! اب کہہ دینا ہے۔“

وہ واقعی تھک گیا تھا ایک بھاری بوجھ اس کے سینے پر دھرا تھا جسے ڈھو ڈھو کر اب اس کی ساری ہمت جواب دے چکی تھی۔ اب اسے بوجھ بانٹنا تھا اور اسے میسر پورے دو لوگ تھے۔ متوجہ سامعین۔

★★★★★★★★★★

”اسے ایلکس کے پاس بھیجنے کا مشورہ میرا ہی تھا۔“ قد آدم کھڑکیوں سے دن کی روشنی اندر داخل ہو رہی تھی۔ بتیاں مدھم تھیں اور راج کہہ رہا تھا۔ ”مجھے لگا یہ میری جگہ لے گیا ہے اب ذرا اس کو شاہ ویر کے دل سے اتار دیتا ہوں مجھے نہیں پتا تھا اس روز کے بعد سے شاہ ویر میرے دل سے اتر جائے گا یا شاید میرے پاس دل ہی نہیں رہے گا۔“

"ایلکس کیا کرتا تھا؟"

"اسلان کو وہاں بھیجنے سے پہلے ہمیں صرف اتنا پتا تھا کہ وہ پورنوگرافی ایڈکٹ ہے اور شاید ڈارک ویب پر کوئی ویڈیوز وغیرہ چلا سکتا ہے۔ لیکن ہم غلط تھے۔" راج نے گردن جھکادی گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "ایلکس۔۔۔ ڈارک ویب پر۔۔۔۔ لائیو اسٹریمنگ۔۔۔۔ کرتا تھا۔" اس نے توڑ توڑ کر لفظ ادا کیے۔ سہراب اور بنفشہ یہ سننے نہیں آئے تھے وہ دونوں اپنی اپنی جگہ منجمند رہ گئے۔

اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ سر سے بہتا خون گردن اور چہرے پر جم چکا تھا۔ کلائیاں جیسے جل رہی تھیں۔ کنپٹی پر، ابرو کے عین اوپر، جمی ہوئی خون کی لکیر آنکھ کھولنے پر اذیت دے رہی تھی۔ اس کا پورا جسم کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا، اور وہ آنکھیں پوری طرح وا کرنے میں ناکام تھا۔

"شاہ۔۔۔ شاہ۔۔۔ ویر؟" اس نے نقاہت زدہ آواز میں پکارا۔ درد بہت شدید تھا اتنا کہ اسے رونا آرہا تھا۔ ڈر بھی لگ رہا تھا یہ عجیب سی جگہ تھی۔ ہر طرف جالے لٹک رہے تھے عجیب عجیب سی چیزیں پڑی تھیں۔ ہڈیاں، ڈھانچے، نہ جانے کیا کیا۔

"شاہ ویر کہاں ہو تم؟" اب کے الفاظ واضح تھے پکار ہنوز مدھم۔

"سامنے آؤ ہم بات کر سکتے ہیں تم نے مجھے باندھا ہے نا؟" اس کی آواز پلٹ پلٹ کر واپس آرہی تھی مگر وہاں کوئی نہیں تھا جو اسے سنتا۔ اسلان نے ہاتھوں کا زور چلایا، پیر چلائے مگر رسیاں اس قدر سختی سے بندھی تھیں کہ وہ بمشکل ہل پائے۔ کلائیاں اور بازو سُن ہو رہے تھے۔

"اگر تم شاہ ویر کی جگہ مجھے پکارتے تو تمہاری آواز رائیگاں نہ جاتی۔" آواز تھی کہ صور، وہ اندر تک ہل گیا۔ "تم نے اس سے چُھننے کو کہا تھا نا؟ دیکھو اس نے آج کیا چنا ہے؟" ایلکس نے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرا۔ بالکل اسی طرح جیسے اس روز۔

"مجھے دوبارہ چھوا تو میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا۔" اسلان جھٹپٹایا، حلق کے بل غرایا مگر اندر کہیں وہ جانتا تھا اس کے ساتھ کچھ برا ہونے والا ہے۔ بہت برا۔ خود کو آزاد کروانے کی ہر کوشش پر رسیاں مزید جلد میں دھنس رہی تھیں۔

"تمہارا یہی نخرہ مجھے بہت پسند ہے۔ میں نے اتنے سارے لوگ اکھٹا کیے ہیں میں چاہتا ہوں یہ سب بھی تمہارا یہی رویہ دیکھیں۔" اسلان نے چاروں سمت دیکھا چاروں سمتوں سے کوئی چل کر آ رہا تھا۔ تین لڑکے اور ایک لڑکی۔ اسے جھرجھری محسوس ہوئی۔ پرائے وطن میں وہ زخمی اور قید تھا اس کا واحد دوست اس کا دشمن بن چکا تھا جھرجھری کرنٹ کی صورت اس کے سارے بدن میں پھیل گئی اور جھٹکے اتنے شدید تھے کہ اس کا حلق سوکھ گیا۔ اسے پہلی بار اندازہ ہوا دوستی اور دشمنی کے لیے وہ بہت غلط لوگوں کا انتخاب کر چکا ہے۔ بے حد غلط۔

"شاہ ویر کو بلاؤ، ایلکس۔" یہ آخری التجا تھی۔ "اس سے کہو میں اس کا دوست ہوں اسے بلاؤ۔"

"شاہ ویر سب جانتا تھا۔" گردن جھکائے وہ پشیمانی سے معترف تھا۔ "ایلکس اور وہ اس اسٹریمنگ کا حصہ ہوتے تھے شاہ ویر اسے ان لڑکے لڑکیوں کا پتا دیتا جو اکیلے اور مسکین ہوتے اور ایلکس انہیں اٹھا کر ان کی تکلیف انٹرنیٹ پر بیچا کرتا تھا۔"

"اسلان ..... میرا بیٹا .... اس کے پاس تھا؟" سہراب کا گلا خشک ہونے لگا، آنکھوں کی جوت بجھ رہی تھی وہ دم سادھے بیٹھا تھا سانس لینا عمل اضافی تھا۔ راج نے اعترافی انداز میں گردن جھکا دی۔

"پورے .... دو ... دن!" سہراب کا سانس سینے میں اٹک گیا۔

اس کی گردن کرسی کی پشت پر لڑھکی ہوئی تھی تنفس بے ہنگم تھا۔ اس کے سینے سے شرٹ غائب تھی، نقاہت بے تحاشا۔ سینے پر تشدد کے متعدد نشان تھے۔ دھیمے سانس بھرتا اسلان جانتا تھا یہ نشان اس کے چند ماہ کھا جائیں گے۔ بہت دیر بعد اس نے گردن اٹھا کر اپنے سامنے دیکھا .... وہی روشن سکرینز، وہی چلتے ہوئے پیغاموں کی فہرست، پیسوں کی پیشکش۔ جس کی جتنی بڑی بولی اس کا ٹارچر اتنا غیر انسانی۔ ایلکس اس کے سامنے آ کر رکا بالوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"اب بتاؤ دماغ ٹھکانے پر آیا کہ نہیں؟" اسلان نے ہلکی سی گردن اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ سانس متزلزل تھا، بھوک کے مارے اس کے معدے میں آگ جل رہی تھی۔ اور زخموں کی تکلیف کا الگ ہی درد تھا۔

"ویر... کو..... بلاؤ اس... سے کہو..... وہ میرا دوست تھا۔"

"اب جانا ہے تھانے، اب کرنی ہے شکایت؟" وہ اس کے بالوں کو مٹھی میں دبوچے اسے تکلیف دے رہا تھا۔

"نہ..... نہیں۔" اس نے بہ دقت کہا۔ "میں گھر چلا جاؤں گا تم سب سے بہت دور...... مجھے جانے دو، ویر کو بلاؤ۔ اس کو بولو میں اس کا دوست ہوں وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کروا سکتا ہے؟" ہنوز بے یقینی تھی۔ شاہ ویر اسے یہاں نہیں لا سکتا، وہ اسے اس جہنم میں نہیں قید کر سکتا یہ ایلکس تھا اور وہ اس بات کو مان لیتا اگر اس کا پھٹا ہوا سر اور دو دن سے اس سے رستا ہوا خون شاہ ویر کی بے حسی کی گواہی نہ دے رہا ہوتا وہ محض ایک closure چاہتا تھا۔ ایک بار وہ آئے اور اس کے سامنے کہہ دے کہ اس تخریب کاری میں وہ شریک کار تھا۔ وہ اس کی منت کر لے گا، اسے بس یہاں سے نکلنا تھا۔ پھر وہ دوست نہیں کم ظرف، اور اگر وہ کم ظرف تو اسلان یمن ہر انجام سے بے پرواہ۔

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"بالکل سچ۔۔۔ لیٹ می گو پلیز!" ایلکس چند پل چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر شاہ ویر کو کال ملائی۔ "وہ کہہ رہا ہے اب اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔"

اپنے کمرے کی بالکنی میں شراب کی بوتل منہ سے لگائے شاہ ویر نے اس کی بات سنی۔ "جھوٹ بول رہا ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔

"مجھے بھی ایسا لگتا ہے۔"

"اور ٹارچر کرو۔"

"اب حدود ختم ہو جائیں گی، ویر۔" یہ ایلکس کی تنبیہہ تھی وہ سکرین پر چلتی براہ راست نشریات کے تبصرے پڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹ دو۔۔۔۔ اس کے آرگنز نکالو۔۔۔ اسے کے چہرے پر ابلتا پانی ڈالو۔۔۔ کچھ فرمائشیں ایسی تھیں کہ قلم کو لکھنے کی تاب نہیں۔ اسلان نے ان میں سے کچھ تبصرے پڑھے تھے وہ ہر بار

حیران ہوتا تھا ایک انسان اس قدر ظالم کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے انسان پر تشدد کے لیے رقم دے؟ سائیکو پیتھس کا یہ کون سا گروہ تھا جو عام لوگوں کے درمیان عام سی زندگی گزار رہا تھا؟

"جو کرنا ہے کرو بس مجھے اس کی واپسی میرے غلام کی حیثیت سے چاہیے۔" شاہ ویر کے انہی لفظوں کے ساتھ سکرین پر ایک تبصرہ ابھرا۔ ایلکس نے ایک نظر اسلان کو دیکھا وہ گردن جھکائے تنفس بحال کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ اس روز کے بعد وہ سانس لینے کا منافر ہو گا۔ اس کی چلتی ہوئی مدھم سانسیں وہ اگلی بار انہیں خود سے روکنا چاہے گا۔

ایلکس نے اس کا شرٹ سے خالی بدن دیکھا اور اس کی آنکھوں میں شیطانیت ابھری تھی۔

راج بیر اب رو رہا تھا۔ سہراب مٹی کا وہ ٹھیکرا تھا جس میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ اسلان پورے دو روز تشدد کا نشانہ بنتا رہا اور وہ کچھ نہیں کر سکا، اسے کچھ علم بھی نہ ہو سکا کیسے؟ ہاں وہ لاہور میں نہیں تھا، وہ پولیس کی کسی ٹریننگ کے لیے کہیں کسی اکیڈمی میں تھا اس کے پاس موبائل نہیں تھا، مگر۔۔۔۔ یہ کیا تھا؟ بنفشہ چپ سی اپنی ہتھیلوں پر نگاہیں مرکوز کیے بیٹھی تھی اس کی تمام سوچیں جامد تھیں سوائے ایک کے "وہ سہہ کیسے گا؟"

"اگر مجھے پتا ہوتا تو میں کبھی اسے یہ مشورہ نہ دیتا اس ایک مشورے نے میری ساری زندگی خراب کر دی۔ میں نے بہت . . . بہت . . غلط کیا۔۔۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر پورے قد کے ساتھ سہراب کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ "اسے کہو مجھے معاف کرے اس سے کہو کہ۔۔۔ اب مجھے بخش دے مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔"

"کیا ہوا تھا؟" سہراب نے خالی کھوکھلی آواز میں پوچھا۔ گردن جھکی تھی۔

"میں... سب کر لوں گا.. جو آپ کہو؟"

"کیا ہوا تھا؟"

"اس سے کہو..... مجھے.... معاف کرے میں......"

"میں پوچھ رہا ہوں کیا ہوا تھا؟" سہراب کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی، آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں بدن پر عجیب لرزا طاری تھا۔ اس کی بلند آواز پر راج بیر ہوش میں آیا، سہراب کے قدموں سے پیچھے ہٹتے اس نے صوفے کے

ساتھ پشت جوڑ لی۔ بہت دیر بعد اس کے لبوں سے نکلنے والا جملہ عمروں بھر کے کرب، پرت در پرت ملال اور پچھتاوؤں کی گٹھڑی سے نکلا تھا۔

"He was raped" سہراب کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے سارے وجود پر کیڑے اچھال دیے ہوں، زہریلے، لاتعداد کیڑے۔ بنفشہ احسان سانس روک گئی۔ آنکھیں ایک نقطے پر ساکن۔

"gang raped" راج بیر کا گریہ بھی اس کے سکوت کو توڑنے میں ناکام رہا۔

"multiple ....times" وہ سن نہیں رہا تھا وہ کیسے سنتا سماعتیں شل تھیں، الفاظ نما کیڑے اس کا بدن جگہ جگہ سے نوچ رہے تھے وہ بیٹھا تھا مگر بخدا وہ ڈھے چکا تھا، وہ زندہ تھا مگر وہ مر بھی چکا تھا، سانس چل رہی تھی مگر سانس رک بھی چکی تھی۔ کوئی سیاہ جادو تھا جس کی لپیٹ میں آ کر وہ دونوں دھواں ہو گئے۔

سہراب یمن آج اس لمحے اس پل زندہ در گور ہو چکا تھا، کوئی وارثوں کو خبر کرے۔

ایلکس نے اس کے ہاتھ کھولے تھے۔ اسے لگا یہ آزادی ہے مگر اسی لمحے اس نے ایلکس کے بقیہ ساتھیوں کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ذہن میں خطرے کی کوئی گھنٹی بجنے لگی وہ لڑنا جانتا تھا جونہی اس کے ہاتھ کھلے اس نے زمین پر پڑی راڈ اٹھا کر ایلکس کے سر پر ماری۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ لائیو تھے لوگوں کے کمنٹس لمحے کے ہزارویں حصے میں بڑھ گئے، پیسوں کی پیشکش میں اضافہ ہو گیا ایلکس کے ساتھیوں میں سے ایک اب انہیں اپنے bitcoin اکاؤنٹ بھیج کر پیسے منگوا رہے تھے اور دوسری طرف وہ تن تنہا ایک راڈ اٹھائے زخموں سے چور بدن اور پھٹے ہوئے سر کے ساتھ کسی دلیر مرد کی طرح کھڑا تھا اپنے لیے، ہر ظلم کے خلاف۔

وہ اسلان یمن تھا، مزاحمت اس کے خون میں تھی۔

"اگر تم میرے قریب بھی آئے تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔ مجھے جانے دو میں پولیس سے کچھ نہیں کہوں گا نہ تمہارے بارے میں نہ شاہ ویر کے بارے میں، اگر تم کہو گے تو میں ایڈن برگ بھی چھوڑ دوں گا۔" وہ بمشکل کھلتی آنکھوں کے ساتھ مصلحت آمیز انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں چپ رہوں گا۔ مجھے جانے دو۔"

"اوکے۔" ایلکس اپنے سر سے نکلتے خون کو صاف کرتے ایک طرف ہوا۔ "اگر تم ایسا کرو گے تو ہمیں منظور ہے۔"

اسلان نے اچھنبے سے اسے دیکھا، اسی پل ایلکس کے ایک ساتھی نے مڑ کر اس کی گردن دبوچ لی۔ انٹرنیٹ اس براہ راست مقابلے پر پاگل سا ہو رہا تھا پیسہ ۔۔۔۔۔ پیسہ ۔۔۔۔ پیسہ ۔۔۔۔۔ ہر طرف سے پیسہ وصول ہو رہا تھا۔ اسلان گر گیا۔ وہ دو دن کا نقاہت زدہ لڑکا تھا اور اسے زیر کرنے والے چار تندرست مرد تھے۔

ایلکس نے ایک زوردار مکا اس کے زخم پر مارا اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ اگلے ہی پل وہ منہ سے خون تھوک رہا تھا ایلکس اب اسے ایک نہیں چار نظر آیا اور اس کے چار ساتھی کتنے یہ گنتی وہ بھول گیا۔ وہ زیر ہو چکا تھا، اسے زیر کر لیا گیا۔ وہ اپنے تیئں انہیں بے حد زور سے مار رہا تھا مگر کسی کو لگ کیوں نہیں رہا تھا؟ ایلکس اس کے قریب بیٹھا اس کا جبڑا ہاتھوں میں دبوچا اور اس کے کان کے پاس جھکا۔

"تمہیں میرا چھونا پسند نہیں تھا نا۔۔۔۔ میں اپنے جیسے چار اور لے آیا۔" اسلان نے سر نفی میں ہلایا، آنسوؤں کے چند قطرے ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے گرے مگر وہ مغلوب ہو چکا تھا۔

اگلے گھنٹے دردناک اذیت سے بھرپور تھے۔ اس نے ایک ایک لمحہ خود کو اور اپنے اندر کے حیادار انسان کو کھویا۔ چار لاکھ لوگوں نے اسے برہنہ دیکھا تھا اسلان یمن اس تعداد کو ساری زندگی یاد رکھنے والا تھا، اسے زیر کرنے والے پانچ تھے وہ ان پانچوں کو قیامت تک نہیں بھولنے والا تھا اسے یہاں بھیجنے والا محض ایک تھا اور بقیہ زندگی اسلان اس سے خوف کھانے والا تھا۔ وہ خود سے نفرت کرنے والا تھا۔

کئی گھنٹے بعد وہ اوندھے منہ فرش پر پڑا تھا۔ آنکھیں ترچھی ہو کر اب سکرین پر تھیں۔ کانٹا گھٹ رہا تھا اذیت دی جا چکی۔ اس کی آنکھیں ساکن تھیں، بدن منجمند اور روح؟ آج کے بعد اس کی موجودگی سوالیہ نشان۔

سہراب لٹھے کی مانند سفید چہرہ لیے باہر جا رہا تھا بنفشہ نے بارہا اس کا بازو پکڑ کر اسے سہارا دینے کی کوشش کی مگر وہ مارے وحشت کے اسے جھٹک رہا تھا، گاڑی میں بیٹھے وہ چابی کی ہول میں گھسا رہا تھا مگر لگ نہیں رہی تھی بنفشہ نے اسے ہٹایا، خود نشست پر آ کر بیٹھی۔ وہ سینہ مسل رہا تھا، اندر کہیں آگ تھی، تپش۔ زدہ آگ۔

”جان .....سے . . مار دوں گا.....اسے چھوڑوں گا نہیں میں.... . جان سے ....مار دوں گا۔“اس کے حلق سے الفاظ غراہٹ کی صورت باہر آرہے تھے اس وقت وہ نیم دیوانگی کی کیفیت میں تھا۔”ایک ایک بنگش کو سڑک پر لے آؤں گا میرے بیٹے کو ہاتھ کیسے لگایا؟“

”سنبھالیں خود کو آپ کیا کر رہے ہیں؟“ وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے ہوش دلانے لگی۔

”جان.....سے مار........دوں گا سارے بنگش خاندان کو.....سب کو شاہ ویر کو مار دوں گا۔“

”وہ مر چکا ہے، ہم اسے نہیں مار سکتے۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو اسے آپ سے پہلے میں مارتی۔“بنفشہ کی بلند آواز تھی۔ الفاظ اوس کی مانند پڑے اور ساری جلن پھوڑا بن گئی۔ سہراب یمن انتقام بھی نہیں لے سکتا؟ اسے زندگی میں پہلی بار قدرت سے شکوہ تھا، ان مٹ شکوہ۔ وہ سینے میں جلتی آگ کے ساتھ وہیں بیٹھا رہ گیا۔

★★★★★★★★

موجودہ دن!

وہ کچھ دیر بعد واپس آیا تھا۔ ہاتھ میں کچھ سامان تھے زنجیروں میں جکڑی لڑکی چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے تھیلے نیچے رکھے کچھ وقت بعد وہ ایک جالی ایک ستون سے دوسرے ستون تک لے کر جا رہا تھا۔ جالی لگانے کے بعد اس نے آراہ کے ہاتھ کھولے، جونہی اس کے ہاتھ کھلے اس نے مزاحمت شروع کرتے ہوئے شاہ ویر کے سینے پر دھکا دینا چاہا مگر وہ اس کی دونوں کلائیاں سختی سے تھام گیا، نگاہیں سالم قہر تھیں۔ اسے دیوار سے لگاتے ہوئے وہ اس کے قریب ہوا۔ سانسیں تیز تھیں، آنکھوں میں طیش۔

”ہاتھ نہ اٹھانا، آراہ۔ میرے اندر پہلے ہی ایک آتش فشاں جل رہا ہے اسے مزید مت سلگاؤ ورنہ۔“ اس کے بال اپنی مٹھی میں دبوچتے ہوئے اس نے آراہ کا چہرہ اپنے قریب کیا۔ وہ دم سادھ گئی۔”مجھ سے رحم کی امید چھوڑ دینا۔“شاہ ویر نے اس کا جو ہاتھ آزاد کیا تھا آراہ نے اسی ہاتھ کا تھپڑ اس کے دائیں گال پر پوری شدت سے دے مارا، اس کا چہرہ ترچھا ہو گیا کئی لمحے وہ اسی طرح بیٹھا رہا آراہ بھی نفرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ تنفس تیز۔

”مجھے۔ ہاتھ۔ مت۔ لگاؤ۔ پنچ آدمی۔“ توڑ توڑ کر کہا۔ شاہ ویر نے جب اسے دوبارہ دیکھا تو یہ نگاہیں مختلف تھیں۔ کتھئی رنگ سیاہ میں مدغم ہو رہا تھا۔ شاہ ویر نے اس کا وہی ہاتھ دوبارہ اپنے گال پر رکھا، آراہ نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر گرفت آہنی تھی وہ اب اسی کے ہاتھ سے اپنا گال سہلا رہا تھا ایسے جیسے تھپڑ کی جلن کم کرنا چاہتا ہو۔ عجیب سا جنونی پن تھا، عجیب سی ملائمت تھی جو اسے تسکین پہنچا رہی تھی۔

”اور مارنا ہے؟“ اس کے دونوں ہاتھ اپنے گالوں سے لگائے وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔ ”جتنا مارنا ہے مار لو، میں یہیں ہوں تمہارے سامنے۔ اتار و اپنا غصہ۔“

”ہاتھ چھوڑو میرے۔“

”چھڑواؤ۔۔۔۔“ اس کے ہاتھ مزید سخت گرفت میں لیتے اس سے کہا۔

”میں نے کہا چھوڑو۔“ وہ جھٹپٹائی تو اس نے آراہ کے دونوں ہاتھ آزاد کیے۔ ہاتھ آزاد ہونے کی دیر تھی کہ وہ اسے مارے گئی۔ بغیر گنتی کے کئی اور تھپڑ۔۔۔۔ شاہ ویر ٹس سے مس بھی نہ ہوا کبھی گردن دائیں ہوئی اور کبھی بائیں وہ بے حد سکون سے تھپڑ کھاتا رہا یہاں تک کہ وہ رونے لگی، مار مار کر تھک گئی تو ہاتھ گود میں دھرے روئے گئی۔ شاہ ویر چند پل اسے روتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اس کے آنسو اپنی ہتھیلی سے صاف کیے۔ ایسی نرمی، ایسی احساس جیسے اسے فکر ہو تو محض اسی کی۔

”کیوں روتی ہو پتا ہے نا مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے؟“ اس کی ٹھوڑی دو انگلیوں کے درمیان تھامے وہ بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔ آراہ نے اسے جھٹکا، کراہیت سے۔

”مجھے گھر جانے دو پلیز۔“

”تمہیں یہاں رکھنا میں بھی نہیں چاہتا۔ تم اس سب کی حقدار تھوڑی ہو؟ میں بس چاہتا ہوں تم پوری کہانی سنو مجھے سمجھو جتنی جلدی تم چاہو گی اتنی جلدی یہاں سے جا سکو گی۔ میں تمہیں صبح چھ بجے لایا تھا اب رات ہونے والی ہے اگر تم اسی طرح روتی دھوتی رہی تو کئی اور راتیں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا اور یقین جانو یہ میرے لیے اعزاز ہو گا۔“ وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"میں یہاں سے جانے کے بعد تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ میں ساری دنیا کو بتاؤں گی تم نے کیا کیا ہے۔"

"یہاں سے جاتے وقت تم میری ہو گی۔ دنیا نے تمہارے دل میں جو بھی نفرت ڈالی ہے میں آج سب نکال دوں گا۔ مجھ سے پوچھو جب مجھے علم ہوا تو میں نے کیا کیا؟" شاہ ویر نے کہتے ہوئے ایک رکٹ اسے تھمایا۔ اسے اب اپنے ہاتھ کھولے جانے کی وجہ سمجھ میں آئی۔ وہ صرف اسے دیکھے گئی۔ وہ اپنی منوانا جانتا تھا یہاں وہ خواہش نہیں بے بسی لائی تھی۔ کاش وہ اسے اپنے ہاتھوں سے ختم کر سکتی، کاش وہ اپنی ماں کے گھر نہ گئی ہوتی۔

★★★★★★★★

"جو ہوا اس نے اسلان سے زیادہ مجھے متاثر کیا وہ تو سہہ گیا، میں آج تک نہیں سہہ سکا۔" اس نے بال کو ضرب ماری وہ آراہ تک گئی مگر وہ بس رکٹ ہاتھ میں تھامے اسے دیکھے گئی، یک ٹک، بے حد تکلیف سے۔

ایڈنبرگ نے اس روز قیامت کا ساسماں دیکھا تھا۔ شاہ ویر جس وقت بوکھلایا ہوا وہاں پہنچا اس وقت تک دیر ہو چکی تھی۔ وہ بھوکے جانور کے پنجرے میں گوشت پھینک کر سوچ رہا تھا گوشت کا ٹکڑا اسلامت رہے گا مگر وہ غلط تھا۔ وہ اسلان کے قریب بیٹھا اس کا سر اپنی گود میں رکھا آنکھیں بہہ رہی تھی، چہرے پر حواس باختگی تھی۔

"اسلان ۔۔۔۔۔ اٹھو اسلان۔ آئی ایم سو سوری میں ۔۔۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا اسلان پلیز اٹھو۔" وہ نیم دیوانہ سا چیخ رہا تھا، پاگلوں کی طرح اسے پکار رہا تھا چوکھٹ پر کھڑا راج بیر سنگھ پتھر ہو چکا تھا اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ وہ ایک گناہ کا مرتکب ہو چکا تھا جو اس نے کبھی زندگی میں سوچا بھی نہیں تھا۔

"راج ۔۔۔۔ اس کو دیکھو اسے دیکھو پلیز کوئی اسے اٹھاؤ۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ "کیا ہو گیا ہے، اسلان کیا ہو گیا ہے ادھر دیکھو پلیز۔" راج ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا وہ سمجھ چکا تھا یہاں کیا ہوا ہے۔

"تم انسان ہو یا جانور یہ کیا کیا ہے تم نے؟" آن کی آن شاہ ویر اٹھا اور ایک رکٹ اٹھا کر ایلکس کے منہ پر مارنا چاہا جب وہ جھک گیا اور نشانہ چوک گیا۔ اور اس نے شاہ ویر کا بازو پکڑ کر مروڑا۔

"تم نے کہا تھا ہر حد ختم کرو اور جب میری حد ختم ہو جائے تو صرف ایک انسان کے لیے نہیں ہوتی تمہیں بھی کوئی نیا تجربہ چاہیے تو بتاؤ؟" وہ اس کا بازو مروڑ رہا تھا شاہ ویر اذیت، رنج اور پچھتاؤں کے لیے حلق کے بل رو رہا تھا۔ اس

نے یہ نہیں چاہا تھا مگر فرش پر پڑا اسلان یمن کا نیم جان وجود اس سے مستفسر تھا۔ اگر اس کی جگہ شاہ زید ہوتا تو کیا وہ یہی کرتا، وہ بھائی تھا کیا بھائی ایسے ہوتے ہیں؟

راج بیر نے چھوٹے چھوٹے قدم اسلان یمن کی طرف بڑھائے، اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ ایک ایک لمحہ اذیت تھا۔ ”میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا ذلیل آدمی وہ انسان تھا، دوست تھا وہ میرا۔“ شاہ ویر ہنوز چلا رہا تھا۔

”اس کی سانس رک رہی ہے۔“ راج بیر کی پھٹی ہوئی آواز پر وہ دونوں بھی اسی طرف متوجہ ہوئے اس کا سانس واقعی اکھڑ رہا تھا وہ مر سکتا تھا۔ ایلکس نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا وہ تیورا کر فرش پر گرا، عین اسلان کے قریب۔ شاہ ویر نے اس کی نبض چھو کر دیکھی رفتار بتدریج کم ہو رہی تھی۔ بہت دیر تک وہ یونہی چپ چاپ بیٹھا رہا پھر راج نے اسے کہتے سنا۔

” let him die “ شاہ ویر کے بھیگے چہرے پر ہیبت تھا اور نگاہوں میں فیصلہ۔ وہ اسے مرنے دینا چاہتا تھا کیونکہ اس کی زندگی شاہ ویر کے کیریئر کی موت ثابت ہونے والی تھی۔ راج نے اسے یوں دیکھا جیسے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

”اگر یہ بچ گیا تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے ہم سب۔۔۔۔ اس کا علاج کون کرے گا یہ کہاں رہے گا یونیورسٹی نہیں جائے گا تو کیا جواب دیں گیا اور اگر پولیس کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا؟“

”وہ ایک انسان ہے۔“ راج بیر حلق کے بل غرایا۔

”میرا کیریئر تباہ ہو جائے گا، ہم اسے زندہ نہیں رکھ سکتے راج سمجھو۔“

”اگر تم نے اس کو مزید کوئی بھی نقصان پہنچانے کا سوچا بھی تو رب کی قسم تمہارا کیریئر تو میں تباہ کروں گا۔“ وہ انگلی اٹھائے اسے تنبیہ کر رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا آنکھوں میں طیش تھا۔ شاہ ویر ڈر گیا تھا وہ اعتراف نہیں کرے گا مگر اسلان یمن کی اس حالت نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ راج کالز ملا رہا تھا اسے اپنے باپ کے سارے وسائل، سارے تعلقات استعمال کرنے پڑتے تو وہ کر لیتا مگر اسے یہ گوارہ نہیں تھا کہ اس کی ایک غلطی زیادتی کے بعد اب قتل میں تبدیل ہو۔ وہ پاگل ہو رہا تھا اس کے اندر کوئی احساس کچوکے لگا رہا تھا۔

فرش پر بیٹھا شاہ ویر چاہتا تھا وہ مر جائے کسی قسم کی طبی امداد سے قبل مر جائے، اس کا ہاتھ اسلان یمن کے چہرے تک نہیں جا رہا تھا ورنہ وہ ابھی اسی وقت اسے مار دیتا۔ اسے کیریئر عزیز تھا یہ شخص یا دنیا نہیں۔

"میں ٹوٹ گیا تھا، آراہ۔" وہ بت بنی لڑکی سے کہہ رہا تھا شاٹ مارنا محض ایک بہانہ تھا سارے بال اسے لگ رہے تھے کبھی اس کی پیشانی پر، کبھی پیٹ، کبھی کندھے مگر وہ رکٹ والا ہاتھ پہلو میں گرائے خاموش کھڑی تھی۔

فلیٹ کے دوسرے کمرے میں اسے منتقل کیا گیا تھا۔ بھاری مشینری راتوں رات اندر لائی گئی، ڈاکٹر لائے گئے اگلی پرواز سے راج کا بھائی بھی آنے والا تھا۔ وہ امرتسر کے سب سے بڑے سیاسی گھرانے سے تھا، اس کے گناہ ڈھکنے کے لیے اس کا خاندان دنیا یہاں سے وہاں کر سکتا تھا۔

وہ رات راج نے اسلان کے سرہانے گزاری اور شاہ ویر اپنے کمرے میں چپ گم صم بیٹھا رہا۔ ایڈن برگ کی عمارتیں آج اسے خوف دلا رہی تھیں، آسمان سے برستی بارش اسے نالی کا گدلا پانی لگ رہی تھی۔ اسے اپنا آپ غلیظ لگا، اسے لگا وہ خراب ہو گیا ہے سارے کا سارا۔ اور پھر اگلی کئی راتیں اسی طرح بے سکونی میں گزریں وہ اسلان کے کمرے میں نہیں جاتا تھا اس نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا، موبائل بند، سوشل میڈیا پر کوئی خبر نہیں وہ ساری ساری رات جاگتا اسلان کی آوازیں سنتا۔۔۔۔ اس کا چیخنا، اس کی گالیاں، اس کی بے بسی وہ سب سنتا۔ چپ چاپ آنکھیں بند کر لیتا اپنی ماں کو کی گئی فون کال یاد کرتا۔۔۔

"تم نے جو کیا درست کیا اسے تمہاری بات مان لینی چاہیے تھی سمندر میں رہ کر جو اپنے قد اور طاقت سے بڑے جانور سے جنگ مول لیتا ہے اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔" اس نے کہا تھا۔

"مجھے خود سے گھن آتی ہے مام۔" اس نے روتے ہوئے اذیت سے بتایا۔

"یہ گھن اسے آنی چاہیے جو خود کو بچا نہ سکا، اس کا قد دیکھو، جسامت دیکھو، طاقت دیکھو اور اگر اس سب کے باوجود اس کے ساتھ یہ ہوا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے اور کیا پتا کوئی زبردستی ہوئی ہی نہ ہو تم آج کل کے لڑکوں کو نہیں جانتے۔" وہ مزید نہیں سن سکا اسے ابکائیاں آنے لگی تھیں۔ اس کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔

"میرا کوئی قصور نہیں تھا، آراہ مگر میں پھر بھی جھوٹ بولتا گیا۔"

سہراب یمن ہڑبڑا کر نیند سے اٹھ بیٹھا تھا سانس دھونکنی کی مانند تیز چل رہا تھا۔ یوں لگا جیسے آراہ یا اسلان کسی مصیبت میں ہوں۔ وہ دوماہ سے پولیس کے ٹریننگ سینٹر میں تھا۔ موبائل فون ضبط تھا، ہفتے میں ایک بار گھر والوں سے رابطہ کرنے کی اجازت تھی مگر اسلان سے بات بہت کم ہو پاتی تھی۔ وہ بہت دیر تک بستر پر کروٹیں بدل بدل کر سونے کی کوشش کرتا رہا مگر سو نہیں سکا۔ کوئی جلن تھی جو سینے کے اندر کہیں سر اٹھا رہی تھی۔

بہت دیر تک جب اسے کسی طرح سکون نہ آیا تو اسے بستر چھوڑنا پڑا۔

اس وقت وہ اٹھ کر سنتری کے دفتر کی طرف بھاگا۔ سنتری سے اس کی اچھی سلام دعا تھی وہ رات کے تین بجے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسلان کو فون ملا بیٹھا تھا۔ بہت دیر تک گھنٹی بجتی رہی دوسری طرف اسلان یمن کا فون ہاتھ میں لیے شاہ ویر بنگش متوحش تھا اس کے سامنے بیٹھا راج بیر اضطرابی انداز میں ٹانگیں جھلا رہا تھا۔ ناخن چباتے ہوئے اس نے مڑ کر اسلان کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔ وہ چپ تھا، بے حد چپ۔

"تمہارے چچا فون کر رہے ہیں دو سے تین دفعہ تمہارے ماموں بھی فون کر چکے ہیں۔" وہ بولتے ہوئے رکا۔ "بات کرنی ہے؟"

"اگر تم نے بات نہیں کی اور یہ نہیں کہا کہ تم ٹھیک ہو تو میں تمہاری ساری ویڈیوز پبلک کر دوں گا۔" شاہ ویر نے اس کے سر پر کھڑے ہوتے ہوئے اسے دھمکایا۔ اسلان مردہ نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔ لبوں سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہوا۔

"تم اس سے بات کرو گے اور کہو گے کہ تم بزی ہو اور یہ چہرے کے زخم وغیرہ کسی لڑائی کی نشانی ہیں سمجھے؟"

"شاہ ویر اس کے ساتھ زبردستی مت کرو۔" راج نے ٹوکا۔ شاہ ویر نے پلٹ کر اسے تندہی سے دیکھا۔

"پھر بتاؤ کوئی اور طریقہ ہے تمہارے پاس؟" راج نے لب بھینچ لیے۔ اسلان یمن سے اسے لاکھ ہمدردی سہی وہ اپنی تباہی نہیں چاہتا تھا، اپنے ملک میں اس کا ایک کلین امیج تھا وہ اسے ختم نہیں کر سکتا تھا ہاں مگر ایک کام آسان تھا۔۔۔۔۔۔ کمرہ چھوڑ دینا سو اس نے چھوڑنا چاہا مگر شاہ ویر نے اسے روک لیا تھا۔

"یہ میس ہم دونوں کا ہے تم مجھے اس میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔"

تھوڑی دیر بعد شاہ ویر نے موبائل اسپیکر پر ڈالا ہوا تھا۔ ”ہیلو اسلان؟“ سہراب نے تفکر سے پکارا۔ ”کیسے ہو بیٹا؟“

اسلان نے لب بھینچ لیے، کئی آنسو اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر چہرے پر گرے۔ اس کے پیڑھی زدہ لبوں سے چند الفاظ ٹوٹ کر آزاد ہوئے۔ ”میں..... ٹھیک نہیں ہوں چاچو۔“ اس نے زندگی میں پہلی بار اپنی حالت کے متعلق سچ کہا تھا۔ سہراب کے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“ شاہ ویر نے اسلان کو سخت نظروں سے دیکھا۔ ساتھ اپنے موبائل پر چلتی ویڈیو کی طرف اشارہ کیا۔ اسلان نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور روتا چلا گیا۔

”مجھے بخار ہے۔ بہت تیز بخار ہے۔ میرا سارا جسم جل رہا ہے، میرا دل جل رہا ہے۔“

سہراب نے جیسے پہلی بار سانس لیا، ڈھیر سارا بوجھ سینے سے ہٹ گیا۔ ”بس بخار ہے؟“

”زکام ہے..... اور.....“ اس سے اور کچھ نہیں کہا گیا وہ بس روئے گیا۔ کاش اس سے کہا جاتا، کاش حلق میں یوں بندشیں نہ ہوتیں۔

”اسلان سچ سچ بتاؤ کیا ہوا ہے صرف بخار تو نہیں لگ رہا۔“ وہ زمانہ شناس تھا سمجھ گیا۔ ”کسی نے کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ۔“ شاہ ویر نے اس پر لعنت بھیجتے ہوئے موبائل اپنے کان سے لگایا اور کھڑکی تک آیا۔

”میں اسلان کا دوست ہوں سر وہ دراصل اسلان آپ کو سچ نہیں بتا رہا اس نے کچھ بہت غلط کیا ہے۔“

”کیا کیا ہے اس نے؟“

”he got into a fight“ اس نے بات سمیٹ دی۔ سہراب کو یقین نہ آیا۔

”وہ وائلنٹ نہیں ہے۔“

”جی بالکل نہیں ہے دراصل پنار اس کی گرل فرینڈ۔۔۔۔۔“ اسلان چہرے جھکائے رو رہا تھا اور شاہ ویر جھوٹ پر جھوٹ گڑھے جا رہا تھا۔ ”کسی نے جھگڑے کے دوران اس کو گالی دی اور اسلان کو غصہ آ گیا۔ یونیورسٹی سے ایکسپیل ہونے والا تھا میرے فادر نے بچایا ہے۔ آپ پلیز اس کو سمجھائیں سر۔ یہ ہر وقت اسے فون ملاتا رہتا ہے، اس کے گریڈز بھی متاثر ہو رہے ہیں لیکن یہ کچھ سمجھ نہیں رہا میں اسے اس حالت میں نہیں دیکھ پا رہا۔“

"تھینکیو سو مچ بیٹا اسے فون دو میں اس سے بات کرتا ہوں۔" وہ یکدم کسی اور چیز کے لیے فکر مند ہو گیا تھا۔ دھیان بٹ چکا تھا۔ اگلے کئی منٹ وہ اسے ڈپٹتا رہا، کئی چیزیں گنوائیں، کئی فائدے اور خسارے بتائے مگر اسلان کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

"مجھے واپس آنا ہے مجھے گھر آنا ہے۔" شاہ ویر سلگا، اور جان کر با آواز بلند بولا۔

"اسلان پلیز ایک لڑکی کو اتنی اہمیت نہ دو کہ اس کی خاطر کیریئر تباہ کر دو اس نے کہا آجاؤ تو کیا تم چلے جاؤ گے؟"

دوسری طرف سہراب نے اس کی بات سنی تھی اور اس کے بعد اس نے اسلان کی کوئی بات نہیں سنی۔ وہ اسے ذلیل کرتا رہا کہ کس طرح وہ ایک گھٹیا کام میں ملوث ہے، اسے اپنے کیریئر کی پرواہ نہیں اور یہ کہ مرد ہو کر وہ معاشرے کے لیے اتنا ناکام ہے اور آخر میں "میں جو کہہ رہا ہوں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں" کہہ کر بات ختم کر دی۔ اسلان نے خاموشی سے فون کاٹ دیا۔ وہ ایک لڑکی، ایک افیئر کا سن کر اسے اس قدر جج کر سکتا تھا تو وہ آگے کیا کیا کرے گا یہ وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اس کے بعد جب بھی یافث، سہراب یا انارا کی کال آئی اس نے مشینی انداز میں اٹھائی، دو منٹ بات کی اور "میں مصروف ہوں" کہہ کر کال بند کر دی۔ وہ یمن تھا، افتخار یمن کا پوتا۔ اس گھر کے مرد سارے خاندان میں اپنے قد اور جسامت کی وجہ سے مشہور تھے، دنیا رشک کرتی تھی ان پر اور اسلان یمن کو لگا اگر وہ سچ کہے گا تو دنیا اس پر تھوکے گی.................. اسے غلط لگا تھا۔

راج اسے سنبھالتے سنبھالتے خود بے بس ہو جاتا اور دن کٹتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ شاہ ویر نے ایک بار پھر اس کا سامنا کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسے یہ کرنا ہی پڑا۔ اس ملاقات کی وجہ تھی۔

اگلی بال اس کی ناک پر لگی، تکلیف کی ایک لہر اس کے پورے جسم میں سرایت کر گئی۔ وہ جھک گئی۔ شاہ ویر جالی اوپر کرتا اس کی طرف آیا۔ اس کا تنفس پھولا ہوا تھا آراہ کے بازو دوبارہ جکڑتے ہوئے اس کے انداز میں کوئی لچک نہیں تھی۔ ہوتی بھی کیوں وہ اپنے ظلم کی داستان نہیں، بس ایک کہانی سنا رہا تھا۔ کرداروں کے لیے کیسا غم، کیسی تکلیف؟

وہ اس واقعے کے بعد آج دوسری بار اس کے سامنے آیا تھا۔ اسلان کی رنگت زرد پڑ گئی تھی، وزن تیزی سے گھٹا تھا اور چہرے پر مُردنی تھی۔ شاہ ویر اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ بہت دیر تک بیٹھا ہی رہا۔ اسلان اسے نہیں دیکھ رہا تھا وہ محض چھت کو دیکھ رہا تھا۔

"میں خدا کو نہیں مانتا۔" اس نے ہلکی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "بچپن سے ہی بہت بُرا لگتا تھا جب تاریخ کے کسی ولن کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھتا تھا کم از کم اسے مرنے تک تو جیتنے دیا جاتا؟" اس نے تائید چاہی اسلان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی لاش کی طرح پڑا تھا۔

"فرعون جب اپنا لشکر لے کر موسیٰ کے پیچھے نکلا تو خدا کو چاہیے تھا کہ اسے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے دیتا، شداد نے اپنی جو جنت بنائی تھی خدا کو چاہیے تھا کہ وہ اسے اس کی جنت دیکھنے دیتا لیکن اس نے تو شداد کو مار دیا، اپنی جنت میں پہلا قدم رکھتے ہی مار دیا یہ کیسا خدا ہے جو لوگوں کو عین کامیابی کے منہ سے نکال کر تباہ کر رہا ہے۔" اس نے متاسف نگاہوں سے اسلان کو دیکھا جو بے جان لگ رہا تھا اگر اس کا سینہ اوپر نیچے نہ ہو رہا ہوتا تو زندگی کی کوئی اور رمق تھی ہی نہیں۔

"تم بھی یہی کر رہے تھے اور جب شاہ ویر خدا چھوڑ سکتا ہے تو تم کیا چیز ہو؟" وہ ایک پل کو رکا۔ "گیٹ ویل سون۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا اٹھ آیا تھا۔ اسلان یمن کے ساکت وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

"جو بھی کہو آراہ کیا تم نے کبھی اپنے بھائی کو غور سے دیکھا ہے؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ "قد، جسم، سینہ ۔۔۔۔ تمہارے خاندان کے مرد پرانے زمانے کے جنگجو مردوں جیسے لگتے ہیں۔ بلند اور مضبوط میں دیکھنا چاہتا تھا وہ کیسے زیر ہوا۔ ایلکس کی اسٹریمنگ ایک طرف مجھے یہ منظر الگ سے دیکھنا تھا۔ اپنے جنون کی خاطر۔"

وہ دو دن بعد ایک بار پھر اس کے کمرے میں تھا۔ اب کے اسلان نے نفرت سے اسے دیکھا۔

"آئی ایم سوری۔" اس کے پاس یونہی بیٹھے ہوئے بے حد متانت سے کہا۔ اسلان کہنیوں کے بل سیدھا ہوا، قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کی رگ رگ میں ابال اٹھ رہا تھا۔ شاہ ویر نے خاموشی سے آنکھیں موندلیں۔ ہاتھ سے چہرہ صاف کیا۔ "میں یہ نہیں چاہتا تھا یہ سب ایک غلطی تھی۔"

اسلان یمن نے دوبارہ اس کے منہ پر تھوکا اس کے ہاتھ اور پیر اس نے باندھ رکھے تھے ورنہ وہ ابھی اور اسی وقت اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا وہ کسی زخمی شیر کی مانند خود کو آزاد کروانے کی تگ و دو میں تھا۔ "مجھے ایلکس کی حدوں کا علم نہیں تھا۔" ٹشو سے چہرہ پونچھتے ہوئے اس نے عام سے انداز میں کہا۔ ایک مہینہ گزر جانے کے بعد اب وہ دوبارہ اپنے معتدل اور صابر انداز میں لوٹ رہا تھا۔

"تم واپس پاکستان جا رہے ہو اب سے تم آزاد ہو گے وہاں جا کر پڑھو، زندگی بناؤ، کام کرو شاہ ویر اور تم کبھی ایک دوسرے کو جانتے ہی نہیں تھے، یہ سمجھ کر زندگی گزارو آسانی رہے گی۔ اور میں یہاں رہوں گا اپنے گلٹ میں تنہا، گناہوں کو یاد کرتا ہوا۔"

"میں تمہیں رسوا کروں گا میں تمہیں ساری دنیا میں ذلیل کروں گا۔ تم مجھے دنیا کے کسی بھی کونے میں بھیج دو میں واپس آؤں گا میں آ کر تمہیں تباہ کروں گا تم مجھے جانتے نہیں ہو، شاہ ویر۔" وہ بول نہیں رہا تھا منہ سے کف نکال رہا تھا۔ اس کا ہر ہر لفظ گالی تھی۔ پچھتاوا، گلٹ، کمزوری وہ ہر دور سے نکل آیا تھا اب انتقام لینا تھا وہ سروائیور تھا اس کا انتقام بنتا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے تم نے مجھے زیر کر لیا ہے یہ تمہاری خام خیالی ہے میں اپنی آخری سانس تک تم سے لڑوں گا۔" وہ بولتے ہوئے رو رہا تھا، کبھی چیخ رہا تھا، وہ تڑپ رہا تھا شاہ ویر نے اسے ایسی جگہ مارا تھا جہاں اس کے احساسات گڈمڈ ہو کر کہیں سر پٹخ کر رہ گئے تھے۔

"یعنی تم باز نہیں آئے؟" گہری مایوس کن سانس لیتے اس نے اسلان سے پوچھا۔ وہ اس کے بدلتے لہجے پر غور کر چکا تھا مگر اشتعال اس قدر اُبال کھا رہا تھا کہ وہ شاہ ویر کی گردن مروڑ دینا چاہتا تھا۔ "میں جانتا تھا تم باز نہیں آؤ گے جانتا تھا تمہیں توڑنا مشکل ہے اس لیے میں تمہارا علاج لایا ہوں۔ مام تمہارے بارے میں درست کہتی تھی۔"

اس نے آواز دے کر کسی کو بلایا۔ اسلان نے دروازے کی طرف دیکھا وہ ایلکس تھا۔ سارا طنطنہ، ساری ہمت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی وہ ساکن رہ گیا۔ شاہ ویر بستر سے اٹھا۔ اسلان نے اس کا بازو پکڑ کر سراسیمہ انداز میں اسے روکنا چاہا۔

"ویر نہیں۔۔۔۔" اس نے شاکی انداز میں گردن نفی میں ہلائی۔۔ "پلیز نہیں آئی ایم سوسوری تم جو کہو گے میں کروں گا آئی ایم سوری پلیز نہیں! نہیں! پلیز نہیں۔" وہ خود کو چھڑوانے کی تگ ودو کر رہا تھا مضطرب انداز میں ہاتھ پیر ہلا رہا تھا آنکھوں سے سیل رواں تھا مگر شاہ ویر نے اس کی ایک بات بھی نہیں سنی۔ اس نے ایلکس کا کندھا تھپکا اسلان کی فلک شگاف چیخیں نظرانداز کیں اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ دوسرے کمرے میں تیار ہو رہا تھا۔ نیوی بلیو سوٹ کے ساتھ سفید ٹائی لگائے خود کو آئینے میں دیکھا۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ "میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

گہری سانس لیتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔ ایک جانب رکھے کیمرہ کی طرف دیکھا اور کہنا شروع کیا۔ "مجھے پتا ہے جو تکلیف اسے ہوئی وہ بُری تھی لیکن کوئی میری وجہ سے تکلیف میں ہو اور میں اس تکلیف کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی نہ سکوں تو ناانصافی ہو گی۔" کوئی اگر اس وقت اس کا چہرہ اور اس پر پھیلی طمانیت دیکھ لیتا تو گھن کھاتا، تھوک دیتا یا شاید مر جاتا۔ وہ اپنے عمل پر پہلے روز سے شرمندہ نہیں تھا۔

"میں سمجھتا ہوں ایک بار گناہ ہو جائے تو اسے چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں، اس پر پچھتاوے میں مبتلا رہنا مردوں کا شیوہ نہیں لہٰذا موو آن۔۔۔۔" اس نے کہہ کر شانے اچکائے۔ "ویسے بھی it's not me it's him" بے نیازی سے کہا۔ "مرد کو اپنا دفاع آنا چاہیے ورنہ پھر ہوتا رہے ذلیل۔" وہ تیار ہو رہا تھا۔ برابر والے کمرے سے اسلان کی ہذیانی چیخیں اور ایلکس کے غلیظ جملے کان تک آرہے تھے، مگر اسے کسی جگہ پہنچنا تھا..... آہ وہ کون سا پرفیوم لگائے؟

"جانتا ہوں کہ اس وقت تمہیں میں بہت برا لگ رہا ہوں، بہت ظالم اور سفاک بھی لیکن اب جو ہے سو ہے ایسا ہی تھا میں، ایسا پیدا ہوا، ایسا بڑا ہوا اور ایسا ہی مروں گا۔ اور تم۔۔۔۔۔۔ تمہیں مجھے ایسے ہی قبول کرنا ہو گا۔"

"تم نے ۔۔۔۔ تم نے دوبارہ؟" وہ بے یقینی سے اسے تکتے ہوئے جملہ بھی مکمل نہ کر سکی۔ "صرف اپنی تسکین کے لیے؟" شاہ ویر نے سر اثبات میں ہلایا۔

"i had to اب کسی کو ٹھیک کرنا ہے تو پورے طریقے سے کرنا چاہیے۔ کوئی کام آدھے میں چھوڑنا اچھی بات نہیں ہوتی۔ اور ویسے بھی اسے میرے منہ پر تھوکنا نہیں چاہیے تھا، اس سے پہلے مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا اور ۔۔۔۔۔ وہ مرد تھا، چار ہاتھ نہیں جھٹک سکا؟" آراہ نے رخ پھیر کر لمبے گہرے سانس لیے اس آدمی سے تعفن اٹھ رہا تھا اور وہ اسے اپنے اردگرد پھیلتا محسوس کر سکتی تھی۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا اور اسے لگا وہ مر جائے گی۔

"تم ایک سائیکوپیتھ ہو۔"

دو روز بعد راج بیر واپس آ گیا تھا مگر اسلان پہلے سے زیادہ چپ تھا۔ نہ اب وہ بکتا جھکتا تھا اور نہ ہی کچھ کہتا۔ راج نے بارہا اس سے سوال کیے پوچھا کہ کیا اس کی غیر موجودگی میں شاہ ویر نے اس سے کچھ کہا ہے مگر وہ خاموش رہا۔ اس کے منہ سے اب ایک لفظ بھی نہیں نکلتا تھا اس کی حالت یوں تھی جیسے زندہ لاش۔

"تم نے اسے کچھ کہا ہوگا ورنہ وہ ایسے کیسے پاکستان جائے گا؟" اس رات جب شاہ ویر ایک انٹرویو سے واپس آیا تو راج اس کے سامنے پھٹ پڑا۔ کف لنکس اتارتے ہوئے شاہ ویر نے بے زاری سے اسے دیکھا ان دونوں کے درمیان اب بات نہیں ان بن ہوتی تھی وہ جلد اس سے بھی جان چھڑوانے والا تھا۔

"جو اس نے مجھ سے کہا وہ میں نے بتا دیا کیا، کب، کیوں یہ سوال تم اس سے جا کر پوچھو۔"

"تمہیں اپنے عمل پر ذرا بھی شرمندگی نہیں ہے؟"

"تھی، ہے اور رہے گی۔ شرمندگی کو گلے کا طوق نہیں بنا سکتا۔"

"نفرت ہوتی ہے تم سے، تم انسان کے بھیس میں ایک بھیڑیے ہو۔"

شاہ ویر نے سر کو خم دیا۔ "سن کر بلکل برا نہیں لگا، تھینکیو میں ایسا ہی ہوں۔"

"تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟" اس نے شاہ ویر کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

"میں نے تو پہلے بھی کچھ نہیں کیا تھا وہ تمہارا مشورہ تھا، راج۔"

راج پیر پٹختا باہر چلا گیا تھا۔شاہ ویر کچھ گھنٹے بعد اسلان کے کمرے میں داخل ہوا ہاتھ میں ٹکٹس تھیں۔جو اس نے اپنے اور اس کے درمیان رکھیں۔وہ چپ سا خلاؤں میں تک رہا تھا۔ہونٹ جامد، آنکھیں ایک نقطے پر ٹکی تھیں۔پہلی مرتبہ کی تکلیف نے اسے لاوا بنایا تھا اور دوسری تکلیف نے برف، تیسری موت ہوتی ایسا اسے لگتا تھا۔

"میں تمہیں ہر چھ ماہ بعد کچھ رقم بھیجتا رہوں گا جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتے تمہاری ذمہ داری میں لوں گا۔"

اسلان چپ رہا۔ساکن، صامت۔

"جانتا ہوں بہت غلط کیا ہے اس حد تک جانا نہیں چاہیے تھا لیکن تم اس مقام تک لائے۔میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ اگر تم نے اپنے خاندان میں کسی سے کچھ کہا تو میں ایک بار پھر یہی سب دہراؤں گا اور کیا ہے کہ میری شرم دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے اگلی بار شروعات تمہاری بہن سے ہو گی۔اور میرے پاس دونوں واقعات کی ویڈیوز ہیں۔"ہنوز خاموشی۔اس کا دماغ اس قدر متاثر تھا کہ کوئی جذبہ محسوس ہو ہی نہیں رہا تھا۔وہ بس مشینی انداز میں کہیں دور گھور رہا تھا۔

"سو it's a good bye؟"اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔اسلان نے محض نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔لعنت، ملامت، کاٹ، بد دعا، تہی دستی کیا کیا تھا ان آنکھوں میں؟

چند پل وہ وہیں کھڑا رہا پھر وہ پلٹ گیا۔کم ظرفی، کم ہمتی، شرم، ذلالت، لالچ کیا نہیں تھا اس کے پلٹنے میں۔۔۔۔؟

اس کے عقب میں کھڑکی سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے اس کے لب بے آواز ہل رہے تھے، آنکھیں بہہ رہی تھیں۔"ان اللہ مع الصابرین"

"میں اسلان کے معاملے میں کبھی غلط ہوا ہی نہیں میرا دل کہتا تھا وہ نہیں ہارا، سو مجھے یقین تھا وہ نہیں ہارے گا۔پاکستان جا کر بھی وہ بدلا نہیں۔"اس نے آراہ کی ناک سہلائی۔جو کہ سرخ ہو چکی تھی۔"زیادہ زور سے لگی ہے؟"اس نے جواب نہ دیا تو شاہ ویر نے اس کا بازو دبوچا۔"سرد رویہ صرف تمہارے بھائی کا برداشت ہے، ڈارلنگ تمہارا نہیں۔"

"ہاتھ کھولو میرے میں تمہیں بتاتی ہوں میرا صرف رویہ سرد نہیں۔"

"بتانے اور عملی طور پر سمجھانے کو میرے پاس بھی بہت کچھ ہے تم کہو تو شروعات کروں؟" وہ معنی خیزی سے بولا آراہ نے تنفر سے رخ بدل لیا۔ "بلشنگ آل ریڈی؟"

وہ دانتوں پر دانت جمائے سامنے دیکھے گئی شاہ ویر گہری سانس بھرتا اپنی پشت ستون کے ساتھ جوڑ گیا۔ "میں کوئی پروفیشنل کرمنل نہیں تھا اس لیے میں بھول گیا کہ پاکستان میں اس کے پاس ایک مضبوط سہارا بھی ہے۔"

پاکستان واپس آنے پر اس کی غیر معمولی خاموشی اور سنجیدگی کی وجہ پنار سے ہوئے بریک اپ کو گردانا گیا۔ وہ سوچ کر آیا تھا کہ اسے ہمدردی ملے گی اور کسی کمزور لمحے کی آڑ میں وہ سہراب، عالم اور یافث سے شاید کچھ کہہ دے مگر یہاں آ کر اسے پتا چلا کہ اسے شرم آتی تھی۔ اسلان شجاع نے کیمرہ اور آئینہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ چوڑے کندھے، چٹانی سینہ، پھولے ہوئے پٹھے اور مضبوط جسامت اسے دیکھ کر اسے ساتھ چلتے ہوئے لوگ خود کو محفوظ گردانتے تھے وہ کیوں اتنا کمزور ہو گیا کہ کوئی اسے زیر کر گیا؟ شاہ ویر نے کہا تھا یہ اس کی کمزوری ہے شاید یہ واقعی اس کی کمزوری تھی اب اسے ایسا لگنے لگا تھا۔

اس کی واپسی کے چھٹے روز پنار اس سے ملنے آئی تھی اس کے ساتھ تین اور لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے اسے اور اسلان کو الجھتے ہوئے دیکھا وہ الجھ رہی تھی اسلان چپ چاپ سن رہا تھا۔

"میں مانتی ہوں میں نے تمہیں دھوکہ دے کر غلط کیا ہے لیکن میں واقعی تم سے محبت کرتی ہوں، اسلان۔ میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتی۔" وہ رو دینے کو تھی۔ اس کا پیارا چہرہ، سابقہ محبت اب اسلان پر کچھ بھی اثر نہیں رکھتا تھا۔ "صرف ایک بار مجھے معاف کر دو۔" اسلان نے سنا اور سن کر واپس اپنے کمرے کی طرف جانے لگا جب پنار نے اس کا بازو تھام لیا۔ "تم میرے ساتھ چاہے جو کر لو لیکن اپنے ساتھ تو ظلم مت کرو۔"

اسلان رک گیا زبان نے کچھ نہیں پوچھا مگر اس کی آنکھیں مستفسر تھیں۔ پنار آگے کو ہوئی عین اس کے سامنے اس نے اسلان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر وہ جھٹک گیا۔ "dilemma تمہاری کہانی ہے اور شاہ ویر محض اسے کیش کر رہا ہے۔" اسلان کی رنگت بھک سے اڑی۔ پنار سے اسے لاکھ فرق نہ پڑتا ہو مگر وہ اسے شاہ ویر جیسے جانور کے نشانے پر لانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"میں نے تمہارا لکھا ایک ایک لفظ پڑھا ہے۔ ایک ایک لفظ یاد ہے مجھے، میں صرف تمہاری وجہ سے خاموش تھی اسلان لیکن اب اور نہیں۔ تم اپنے ساتھ کوئی ظلم نہیں کرو گے میں یہ ہونے ہی نہیں دوں گی۔"

اسلان نے ہذیانی ہو کر اس کا بازو پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں لے گیا۔ پنار کے ساتھ آئے دوستوں نے اپنی آنکھوں سے بقول ان کے "لڑائی" دیکھی۔ اس نے کمرے میں لا کر ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا۔

"آج کے بعد اپنی زبان پر شاہ ویر اور dilemma کا نام بھی مت لانا، اگر تم نے کسی اور سے اس کا ذکر بھی کیا تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" وہ انگلی اٹھائے سخت آواز میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے اس کے اور شاہ ویر کے قہر کے درمیان کھڑا تھا۔ آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں چہرہ پل بھر میں خوف زدہ ہو کر رہ گیا تھا۔

"اس نے تمہیں دھمکایا ہے؟" وہ اس کی بات کے جواب میں بولی بھی تو کیا۔ "کچھ نہیں ہو گا، اسلان ٹرسٹ می ۔۔۔۔ میں اختر بھائی سے بات کروں گی۔ تمہیں پتا ہے نا وہ پولیس میں ہیں۔ میں ان کی لاڈلی بہن ہوں تم بالکل فکر نہ کرو وہ تمہارا حق نہیں چھین سکتا۔ میں چھیننے ہی نہیں دوں گی۔"

"کوئی کچھ نہیں کر سکتا تم میں، تمہارا بھائی کوئی کچھ نہیں کر سکتا تم اس سارے قصے سے دور رہو اور دوبارہ میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ مجھے بھول جاؤ۔" اپنی تمام تر تکلیف ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے پنار کا بازو پکڑا اور جس طرح اسے اندر لایا تھا اسی طرح اسے دروازے کے باہر چھوڑ کر آیا اس کے دوست بھی ان دونوں کو دیکھتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دروازے پر کنڈی لگاتے ہوئے اسلان اسے چیختے ہوئے سن سکتا تھا۔

"تم ہار مان سکتے ہو میں نہیں مانوں گی۔ تمہارا کام اس کے حلق سے نہ نکلوایا تو میرا نام بھی پنار سکندر نہیں۔"

دروازے سے لگ کر کھڑے مرد کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ رہا تھا سانس حلق میں کہیں اٹکا ہوا تھا اب اسے شاہ ویر کا نام بھی خوف زدہ کیا کرتا تھا۔ وہ خود کو نہیں بچا سکا وہ اسے کیسے بچائے گا یہ اس کی واحد سوچ تھی، واحد شکست اور واحد تباہی۔

"لڑکیوں کی ایک بات مجھے بالکل پسند نہیں۔" شاہ ویر نے بدمزاجی سے کہا۔ "ضدی ہوتی ہیں ساتھ ان کو یہ بھی لگتا ہے کہ جو وہ چاہیں گی دنیا سے حاصل کرلیں گی۔ میں عورتوں کے خلاف نہیں ہوں لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ عورتوں کو ان کی اوقات نہیں بھولنی چاہیے۔"

آراہ طنزیہ ہنسی۔ "ایسی عورتیں تم جیسے مردوں کو ان کی اوقات خوب یاد دلاتی ہیں۔"

شاہ ویر جواباً ہنسا۔ "اور پھر مجھ جیسے مرد ان کا کیا کرتے ہیں تمہیں بتاؤں؟"

اس کی ایک ہی سطر آراہ کا خون خشک کرگئی تھی۔ وہ چند پل کوئی جواب نہیں دے سکی۔

لعل یمن خاموش تھا۔ آج کی شام بے حد پرسکون تھی اسلان ہمیشہ کی طرح کمرہ بند کیے بستر پر چت لیٹا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی اس کی اور سہراب کی بحث ہوئی تھی وہ بار بار اسی منظر کو یاد کر رہا تھا اور اس قابل نہیں تھا کہ اسے بھلا سکے۔

"بریک اپ ہو گیا ہے تو اب اسے بھول کر آگے بڑھو واپس جاؤ، پڑھائی مکمل کرو۔" وہ سختی سے اس سے کہہ رہا تھا۔ اس نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور بنا کوئی جواب دیے آگے بڑھ گیا جب سہراب نے اسے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ "ایک لڑکی ہی تھی اتنا بھی کیا غم؟"

"آپ سے کس نے کہا کہ میں لڑکی کے غم میں ہوں؟" اس کے لہجے میں بے زاری اور کوفت تھی۔ آنکھیں خالی خالی۔ "یہ میری زندگی ہے میں جس طرح چاہوں گزار سکتا ہوں آپ اپنے کام سے کام رکھا کرو۔" نہایت ہی بدتمیزی سے کہتے وہ سہراب کو خود سے بدزن کرنے پوری کوششوں میں تھا بحث کی پوری تفصیل ابھی اس کے ذہن میں چل پاتی کہ اس کا موبائل بجا۔ شاہ ویر کی طرف سے کوئی پیغام تھا۔

اسلان پر کوئی جمود طاری ہو گیا۔ کتنے ہی لمحے وہ ٹکر ٹکر موبائل کو دیکھے گیا مگر کال نہ اٹھائی۔ موبائل بج کر بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ کال آنے لگی اب کے اسلان نے لرزتے ہاتھوں سے کال اٹھائی۔ دوسری طرف سے اس نے کوئی گالی دی۔ وہ سخت غصے میں تھا فون پر اسلان کی گرفت سخت ہوئی۔

"تمہاری (گالی) اس وقت میرے گھر پر کیا کر رہی ہے؟"

"کون؟" اس کے لبوں سے الفاظ نہیں سرسراہٹ ادا ہوئی۔

"پنار سکندر وہی (گالی) اسے آ کر لے جاؤ یہاں سے ورنہ تمہارے لیے بہت برا ہو گا۔" اسلان ساکت رہ گیا۔ دل اتنی زور سے دھڑکا کہ جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس نے تیزی سے پیر بستر سے نیچے اتارے اس کا دماغ بھک سے اڑا تھا شاہ ویر دو دن پہلے پاکستان آیا تھا اور وہ پنار۔۔۔۔ اوہ خدایا وہ اندھا دھند باہر کی طرف بھاگا۔ پنار کی ماں بار بار اسلان کو کالز ملا رہی تھی۔ اسلان نے کال اٹھا کر انہیں مصنوعی تسلی دی، "وہ میرے ساتھ ہے" کہہ کر جب اس نے کال کاٹی تو اسے علم نہیں تھا کہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر رہا ہے، اپنے خلاف ثبوت خود اکھٹا کر رہا تھا اس وقت اسے کچھ یاد نہیں تھا وہ محض ایک اور انسان کو اپنے جیسی قسمت سے بچانے کو بھاگ رہا تھا۔

اسے رش نہیں دکھ رہا تھا وہ گاڑی تیز رفتار سے چلاتے ہوئے جب بنگش فارم ہاؤس پہنچا تو تیز بارش ہو رہی تھی گاڑی سے باہر نکل کر وہ پل بھر میں بھیگ گیا۔ ملازمین اسے اندر تک لائے۔ وہ حواس باختہ تھا۔

گمبھیر خاموشی میں وہ پنار کو اپنے لیے لڑتے ہوئے سن سکتا تھا۔ "تمہیں کیا لگا تھا اسلان لاوارث ہے، اس کے ساتھ میں کھڑی ہوں شاہ ویر۔ جب سے ہم ساتھ ہیں میں نے ہمیشہ چاہا اس کا کام شائع ہو تمہیں لگتا ہے تم غاصب بن کر بیٹھو گے اور میں چپ رہوں گی؟" وہ اس پر چیخ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا اسے اس کا حق دلا کر وہ اس کی زندگی میں واپس آ جائے گی۔

شاہ ویر نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر رک گیا۔ اس کی نگاہ اسلان پر پڑی وہ لمبے لمبے گام بھرتا اس تک آیا اور اس کی گردن دبوچ کر اسے دیوار کے ساتھ لگایا۔ اسلان یمن اندر تک سہم گیا۔ ابیوزر چاہے دھان پان سا ہو، چاہے اس کی سانسوں کی معیاد دو گھڑی ہو وکٹم اس سے خوف کھاتا ہے اسلان قد، جسامت اور طاقت میں اس سے دگنا تھا مگر یہاں اس کہانی میں اس کا کردار ایک وکٹم کا تھا۔ اس کا چہرہ پل بھر میں لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

"اسے سارے راز بتا کر ڈرانا چاہتے ہو مجھے؟" اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں وہ بمشکل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

پنار شاہ ویر کو ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ "اسے چھوڑو شاہ ویر ورنہ بہت برا ہو گا میں ساری دنیا کو بتاؤں گی تم کتنے جھوٹے، مکار اور فریبی ہو۔" وہ اس کا بازو پکڑ کر اسے ہٹا رہی تھی۔

شاہ ویر نے ایک جھٹکے سے اسلان کو آزاد کیا۔ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ "اسے واپس بھیجو، عزت اور احترام کے ساتھ ورنہ حال اس کا بھی تم سے مختلف نہیں ہو گا۔ اور اس بار یہ حال کرنے والا میں خود ہوں گا۔"

"کیا کرو گے تم میرے ساتھ تمہیں لگتا ہے یہاں سے جا کر میں خاموش رہوں گی۔ میں ٹک ٹاک پر لائیو آکر ایک ایک کو بتاؤں گی کہ تم گھٹیا ہو۔ کم نسل اور بے غیرت۔"

اب کے شاہ ویر پلٹا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ یکدم تبدیل ہو چکا تھا۔ "کیا بتاؤ گی تم، کیا ثبوت ہیں تمہارے پاس؟"

"ثبوت؟ انبار ہے میرے پاس ثبوت کا ایک ایک سین کے بعد اسلان نے مجھے ای میل کیا تھا ایک ایک ای میل دکھاؤں گی، میرے پاس پہلا، دوسرا اور تیسرا ڈرافٹ ہے میرے پاس مینیو اسکرپٹ ہے، چیٹس ہیں اور سب سے بڑھ کر جانتے ہو کیا ہے؟" وہ شاہ ویر کے روبرو آکر کھڑی ہوئی زخمی شیرنی جیسی نگاہیں اس کی نگاہوں میں گاڑھ دیں۔ "میرے پاس شہرت ہے، شاہ ویر وہی جو تمہارے پاس ہے اور وہی جو اسلان کے پاس نہیں تھی تم، اور تمہارا کیریئر اب کچھ بھی نہیں۔ اسلان سے معافی مانگو لوگوں کو سچ بتاؤ اور تم آزاد ورنہ۔۔۔۔۔"

"اسے چھوڑ دو پلیز جو تم کہو گے ویسا ہو گا میں اسے یہاں سے لے جاؤں گا پلیز شاہ ویر۔۔۔۔"

"ورنہ کیا.....؟" وہ اسلان کو نہیں پنار کو دیکھ رہا تھا۔ "تم میرے اس کیریئر کو تباہ کر دو گی جس کے لیے میں ضمیر بیچ آیا ہوں، جس کے لیے میں نے اپنا بہترین دوست کھو دیا، جس کی وجہ سے میرا باپ پوری زندگی میں پہلی بار مجھ سے خوش ہوا تم وہ کیریئر مجھ سے چھینو گی؟" اس کی آواز چٹانوں کی طرح سخت تھی۔

"شاہ ویر میں سمجھاؤں گا یہ پاگل ہے اس کو فی الحال کچھ نہیں پتا اسے جانے دو میں ......میں اس کو سمجھاؤں گا۔" اسلان نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف کرنا چاہا مگر وہ پنار کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اس کی اپنی نہیں تھیں۔

"تم، میں یا کوئی اور اب اسے کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ یہ سمجھنے کی صلاحیت کھو چکی ہے یہ تو میرے خلاف ثبوت لے کر گھوم رہی ہے۔" وہ اس پر نگاہیں جمائے ہوئے بول رہا تھا۔

"ہاں ہیں میرے پاس ثبوت اور یہ تمہیں تباہ کریں گے جسٹ ویٹ اینڈ واچ۔" اس نے شاہ ویر کو انگلی دکھائی اور آگے بڑھ کر اسلان کا ہاتھ تھاما۔ "تمہیں اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اسلان ہم ابھی اختر بھائی کے پاس جائیں گے لیٹس گو۔" ابھی وہ آگے بڑھ پاتی کہ اس کا دوسرا ہاتھ جکڑا گیا، گرفت آہنی تھی۔ پنار نے اسلان کا ہاتھ چھوڑا اور اسی ہاتھ سے ایک زناٹے دار تھپڑ شاہ ویر کے منہ پر دے مارا۔ "ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی؟" وہ بولی نہیں غرائی تھی۔

شاہ ویر طلال بنگش کے رگ وپے میں لاوا دوڑ گیا۔ اس نے قریب پڑا گلدان اٹھایا اور پوری قوت سے پنار کی پیشانی پر دے مارا۔ وہ تیورا کر گری۔ اسلان کا پکڑا ہوا ہاتھ چھوٹ گیا۔۔۔۔وہ گھٹنوں کے بل شاہ ویر کے قریب بیٹھ گیا ہاتھ باندھ لیے۔ "پلیز۔۔۔۔پلیز نہیں اسے جانے دو میں اسے سمجھاؤں گا پلیز نہیں۔ معاف کر دو اسے اس کا کوئی قصور نہیں ہے وہ اپنے ماں باپ کی واحد بیٹی ہے۔۔۔۔وہ ایک لڑکی ہے اسے جانے دو۔"

"یاسر۔۔۔" واس کو میز پر مار کر اسے توڑتے ہوئے وہ بلند آواز میں غرایا۔ یاسر اور اس کے ساتھ دو اور محافظ بوتل کے جن کی مانند حاضر ہوئے۔ انہوں نے اسلان کو جکڑ لیا۔ شاہ ویر سفید شرٹ کے کف موڑتے ہوئے اس کے قریب بیٹھا۔ "دو ٹکے کی عورت ہو تم، چند ٹکوں کے لیے خود کو بیچنے والی وحشیہ اور تم مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گی، شاہ ویر بنگش پر ہاتھ اٹھاؤ گی؟" اس نے ٹوٹا ہوا کانچ اس کی پسلیوں کے درمیان گھونپا پنار تڑپ اٹھی۔ اگلا وار اس کے سینے پر کیا، اس سے اگلا اس کی ہتھیلی میں خون کے چھینٹے اس کے منہ پر گر رہے تھے اسلان کی منتیں، پنار کی کراہیں کسی پسندیدہ موسیقی کی طرح اس کی سماعتوں میں بج رہی تھیں۔ اور وہ کسی وحشی جانور کی طرح شیشہ اس کے جسم میں گھونپتا چلا گیا۔

اسلان اس لڑکی کے جسم سے نکلتا خون دیکھ رہا تھا جو حق کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی، جس نے اسلان یمن کا ساتھ دیا تھا اس کا ساتھ دینے والے ہر انسان کے ساتھ یہی ہونا تھا یہ اسے یقین آ گیا۔ وہ خود کو چھڑوانے کی تگ و دو تک نہیں کر پا رہا تھا اسے لگا وہ ایلکس کے چار ساتھیوں کے نرغے میں ہے، اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔

”تم جیسی عورتیں ہوتی ہیں جن کے لیے پرانے وقتوں میں ایک علیحدہ جگہ ہوتی تھی۔“اس کے گلے پر خون آلود ہاتھوں کا دباؤ بڑھاتے ہوئے وہ مکمل طور پر اس پر قابض تھا۔”اس جدید دور میں تم لوگ وہ جگہ بھول گئی ہو ڈونٹ وری میں ہوں نا اس سے بدتر جگہ بھیجوں گا تمہیں۔“

”پلیز اسے جانے دو تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔“اسلان کی منت۔اسے لگ رہا تھا وہ بول رہا ہے مگر وہ ساکت تھا۔

”جہنم جاؤ گی تم۔۔۔۔“ہر منت کو نظر انداز کرتا غیر انسانی آواز میں غراتا ہوا شاہ ویر بنگش۔

”شاہ ویر نہیں۔۔۔“

”تم جیسی عورت۔۔۔۔“

”وہ اب ایسا نہیں کرے گی۔“

”تمہاری یہ اوقات؟“

”نہیں۔۔۔۔“گڈمڈ ہوتی آوازیں تھم گئیں۔ہر طرف سکوت چھا گیا۔پنار سکندر کی گردن لڑھک چکی تھی، آنکھوں کی پتلیاں ساکت، سانسوں کا اتار چڑھاؤ تھم گیا آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اسلان کو آزاد کر دیا گیا وہ توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے گھٹنوں کے بل گر گیا۔شاہ ویر ایک سرد نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔اس کے ہاتھ کہنیوں تک خون آلود تھے، چہرے پر بھی سرخ دھبے تھے۔سفید شرٹ کا سینہ داغ دار مگر دامن صاف۔۔۔۔

وہ نہایت اطمینان سے صوفے تک گیا موبائل نکال کر اپنی ماں کو کال ملائی۔سارا معاملہ بتایا، اگلی کال ابتسام عبّاس کو گئی۔وہ دونوں ایک ساتھ اسی طرف آنے کو روانہ ہوئے۔خون آلود ہاتھ اور چہرے کے ساتھ اس نے گردن صوفے کی پشت سے ٹکا دی۔آنکھیں موند لیں۔سفید صوفے پر خون سے تر لباس اور جسم لیے وہ کسی کو بھی خوف کھانے پر مجبور کر سکتا تھا۔

پنار کا ساکت وجود دیکھتے، ایک بے نیاز نگاہ اسلان پر ڈالتے اس نے محض ایک تبصرہ کیا۔” i had to“ دل، فضا، کندھوں پر بیٹھے فرشتے جانے کسے سنانے کو کہا مگر کہا ضرور۔

اسلان یمن اب تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاش کے قریب بیٹھا تھا۔ اس کی زندگی کا جمود یہیں سے شروع ہوا تھا اور اس کا خاتمہ چار سال بعد ہونا تھا جب شاہ ویر بنگش اسلان یمن کی سب سے محبوب عورت کے قریب آنے والا تھا۔

"تم نے پنار کا قتل کیا؟" انارا کی آواز بمشکل نکلی۔

شاہ ویر نے شانے اچکائے۔ "ہاں کیا مگر میں ہینڈل بھی کرنا چاہتا تھا لیکن اسلان نے کر لیا۔"

ابتسام اڑی اڑی رنگت لیے لاش کو دیکھ رہا تھا اس کے قریب بیٹھے لڑکے کو بھی جس کی آنکھیں پلک تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ ذرا فاصلے پر زینوں سے اترتا شاہ ویر نئی دھلی ہوئی شرٹ کندھوں سے گزار کر گلے میں ڈالتا نیچے آ رہا تھا۔ اس کے بال گیلے تھے۔ شاید وہ نہا کر آیا تھا۔ سلور چین جوں کی توں سینے پر براجمان تھی۔ اس نے ناگواری سے پنار کی لاش دیکھی اور پھر اپنی ماں کو دیکھا۔

"اسے ابھی تک دفعان کیوں نہیں کیا؟" تمکنت آگے آئی اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑا۔

"زیادتی، قتل، دھمکیاں یہ سب تمہارے لیے عام ہوتا جا رہا ہے؟" اس کی آواز بلند تھی۔

"چھ مہینوں کے اندر اندر آپ کی ایک متنازعہ فلم کی خبروں کو دبانا، آپ کے الیگل کام کو بچانے کے لیے پارٹی کو فنڈز دینا، پوری دنیا میں مشہور ہونا اور چیکس پر چیکس ملنا یہ آپ کو عام لگتا ہے؟" اس نے ماں کے دونوں ہاتھ لبوں سے لگائے۔ "یہ گند صاف کریں مام کیونکہ ہمیں ابھی بہت ساری صفائی کرنی ہے قتل شوق نہیں ہے میرا، بلکہ میں بہت بُرا محسوس کر رہا ہوں لیکن یہ لڑکی مجھے تباہ کر سکتی تھی۔ میری ساکھ کو پل بھر میں مٹی کر سکتی تھی اور میں یہ افورڈ نہیں کر سکتا۔ میں اپنی جنت کسی کو تباہ کرنے نہیں دے سکتا تھا نہ کسی انسان کو نہ خدا کو۔"

"تم جانتے بھی ہو پنار کا باپ کون ہے، بھائی کون ہے وہ لوگ چپ نہیں بیٹھیں گے یہ زندہ ہوتی تو سنبھالی جاتی یہ مر گئی ہے اب سنبھالنی پڑے گی۔"

"ہمیں کیوں؟ یہ ہے نا اس کا عاشق۔ عاشق پر ترس آئے نہ آئے الزام ضرور آتا ہے پنار اس سے ملنے آئی تھی، ان دونوں کا جھگڑا تھا، یہ اس پر شک کرتا تھا واٹ ایور جو کرنا ہے کریں لیکن لاش کسی کو نہیں ملنی چاہیے۔"

"لاش کیسے نہیں ملے گی تم پاگل ہو۔ اختر اور سکندر آگ لگا دیں گے۔" اب کے ابتسام بولا تھا۔

"اسلان لیفٹی ہے۔ وار کرنے والا میں تھا رائٹی۔ فارنزک سچ بکے گا اسی لیے آپ دونوں پہلے اس کا کچھ کرے۔"

وہ بے نیاز بنا رہا۔ تمکنت کو کسی طور چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ ابتسام تک آئی اس کی کہنی پر ہاتھ رکھا۔

"تمہاری وہ فیکٹری اس میں کہیں۔۔۔۔"

"یہ ظلم ہے مسز بنگش۔" وہ بدکا۔ "یہ بیچاری بچی تھی آپ .... بلکہ آپ دونوں ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟" وہ ہنوز بے یقین تھا۔ "میں اسے سنبھال نہیں سکتا بچی ہے وہ، اس کی بھی فیملی ہو گی۔"

"مت کیجیے کوئی احسان میں کسی کچرے میں پھینک دوں گا، کہیں جلا دوں گا اس جیسیوں کے مرنے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا۔"

"میں اسے دفن کروں گا۔" اس کی مشینی آواز پر سب نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ بھوری نگاہیں اب بھی کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں لب البتہ ہل رہے تھے۔ "میں اسے جنازہ دوں گا، کفن دوں گا، وہ اس کی حقدار ہے۔" اسلان یمن اٹھ کھڑا ہوا اس کی آنکھیں خالی تھیں۔ وہ دیوار تک گیا میکانکی انداز میں ایک پردہ کھینچ کر اتارا اور لا کر اس کے وجود پر ڈال دیا۔ سب ڈھک گیا۔ کم از کم وقتی طور پر۔

ایک لمحے کو وہ ان دونوں ماں بیٹے کی طرف مڑا۔ آنکھیں خالی تھیں۔ دل ویران۔ "ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو مٹ جاتا ہے میں تم سب کا مٹنا دیکھوں گا۔ کسی شداد نے اپنی بنائی جنت نہیں دیکھی، شاہ ویر۔ تم بھی نہیں دیکھو گے ایک دن میں تمہیں وہاں ہراؤں گا جہاں تم ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہو گے اور میں اپنے ساتھ محض خدا لاؤں گا۔" قلق، کرب، حزن، ملال میں ڈوبا تھا اس کا لہجہ۔

"ابھی کیوں نہیں بلاتے اس خدا کو؟" صاف ستھرے لباس میں ہر کالک مٹائے وہ مستفسر تھا۔

اس نے جھک کر پنار کا ساکت وجود اٹھا لیا، خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کہا کچھ نہیں، وہ ابھی نہیں کہے گا۔

کچھ وقت بعد وہ بغیر کسی تاثر کے پنار کی لاش بازوؤں میں اٹھائے اسے گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال رہا تھا اس کا دماغ سُن تھا، عمل میکانکی۔ رونا تھا تو اسے رونا نہیں آیا، ہنسنا اب ممنوع ٹھہرا۔ اور تکلیف دل میں کسی ناسور کی طرح گڑھ گئی تھی۔

★★★★★★★★

"پنار کی گمشدگی کی افواہ پھیل گئی تھی سب اسے ڈھونڈ رہے تھے، اور مجھے اس کو ٹریپ کرنا پڑا میری مجبوری تھی۔ وہ جیل نہیں جانا چاہتا تھا، اس نے میری منت بھی کی لیکن خیر۔۔۔۔ جہاں وہ اتنا سب سہار گیا تھا یہ بھی صحیح۔" شاہ ویر نے یوں کہا جیسے یہ کسی کہانی کا حصہ ہو۔ "چھ ماہ بعد وہ واپس بھی آگیا تھا ظاہر ہے اب میں اپنے سابقہ دوست کو مرنے کے لیے تھوڑی چھوڑ سکتا تھا۔"

"تم نے اسے صرف اس لیے باہر نکالا تھا کیونکہ وہ تمہارا سابقہ دوست تھا؟"

شاہ ویر نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ "رشتے جتنے کم ہوں میں اتنا خوش رہتا ہوں پھر تمہارے بھائی کو واپس لانے کا واحد مقصد "رشتہ" کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ لمحے بھر کو رکا۔ "میں چاہتا تھا وہ میرے لیے کام کرے، کیونکہ میرا کام دنیا پڑھنا نہیں چاہتی تھی۔ میں اپنی جنت میں داخل ہو چکا تھا مگر جنت ایک دن کا نام نہیں۔۔۔۔۔"

"شاہ ویر صاحب یہ نہیں کچھ اور لکھیں تو بتایئے گا۔"

"لگتا نہیں یہ آپ ہی نے لکھا ہے۔"

"اس میں dilemma والی بات نہیں ہے۔"

کئی ناشروں نے جب اس کے مسودے مسترد کیے تب چھ ماہ میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس دنیا میں روزانہ لاکھوں لوگ کامیاب ہو رہے ہیں اور اگر اسے کامیاب "رہنا" ہے تو کچھ کرنا ہو گا۔ اس کی فلم آچکی تھی، منظر بندی کے لیے اسے امریکا بلوایا جا رہا تھا کتاب پوری دنیا میں بکنے لگی تھی مگر کب تک؟ وہ ایک شہرت کو کب تک

استعمال کرتا اسے دوبارہ کچھ چاہیے تھا۔ اس کی راتیں بے چین ہو گئیں اور دن خالی۔ وہ ہمہ وقت سوچتا رہتا اس کے خیال، اس کی کامیابیاں، اس کی سوچیں وہ ان کا بہاؤ اور تسلسل کس طرح برقرار رکھے؟

"یوں لگتا ہے dilemma آپ نے لکھا ہی نہیں اور جس نے لکھا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔" ایک ڈائریکٹر کی کہی ہوئی بات اس کے سینے میں کہیں آر پار ہو گئی۔ ہاں وہ غائب ہوا تھا، لیکن شاہ ویر اسے غائب ہونے نہیں دے گا۔

اس نے اسلان کو باہر ملنے بلایا تھا اس کا ہر عمل اب تابع تھا اسے آنا پڑا، اسے لانے کے لیے اب شاہ ویر بنگش کے پاس بہت کچھ تھا۔ اسلان کو اب خود سے نفرت ہوتی تھی وہ کسی کٹھ پتلی کی مانند اس کا غلام بن کر رہ گیا تھا۔

"پہلے تمہاری ویڈیوز صرف ڈارک ویب پر تھیں لیکن مجھے لگتا ہے تم مقبولیت چاہتے ہو تمہارے چچا سے شروع کروں یا بہن سے، یا پھر تمہاری ماں سے؟" اس نے ایلکس سے لی ہوئی تمام ویڈیوز اسے بھیجیں۔ اسلان یمن نے ایک بار پھر خود کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا پایا۔ ہر طرف سے قفس زدہ۔ اس رات اس نے پہلی بار اپنی زندگی ختم ہو جانے کی خواہش کی تھی۔ سہراب کے کمرے سے اس کی پسٹل اٹھا کر اس نے اپنی کنپٹی پر رکھی۔ کھڑکی کے قریب کھڑا آنکھیں بند کیے وہ ان لمحات کو سوچ رہا تھا۔

ایلکس ۔۔۔۔اس کا غلیظ لمس ۔۔۔۔

وہ تکلیف ۔۔۔۔۔ اذیت ۔۔۔۔۔ بے بسی ۔۔۔۔۔

وہ خود کو آزاد کروانے کی تگ و دو کسی معجزے کی امید ۔۔۔۔۔

اس کی چیخیں، مدد کی پکار ۔۔۔۔۔۔ سب رائیگاں ۔۔۔ سب ختم۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں، لرزتے بدن پر قابو پایا.... وہ ٹرگر دبانا چاہتا تھا۔ اسے خود کو ختم کرنا تھا مگر اسی وقت کسی نے ایک جھٹکے سے فائر کا سمت اوپر کی طرف کیا گولی چھت میں کہیں لگی اس کا لرزتا بدن اب باقاعدہ کپکپا رہا تھا۔ سہراب بے یقینی سے اسے تکتا رہا، متحیر، شل۔

"کیا کر رہے تھے تم؟" اس نے اسلان کو جھنجھوڑا۔ اس کا اپنا بدن بھی کانپ رہا تھا۔

"میں مرنا چاہتا ہوں مجھے مرنے دو ہر بار میں کیوں برداشت کروں ہر بار آپ کیوں بیچ میں آجاتے ہو؟" اس نے سہراب کو دور ہٹایا۔ اسے اپنا آپ غلیظ لگ رہا تھا وہ خود کو پاک کرنا چاہتا تھا ہر گند سے پاک۔۔۔۔۔ یہ گھر والے یہ سب اچھے نیک اور مقدس تھے اسے اپنا آپ گندا لگتا، میلا لگتا اب کوئی اسے مرد کہے تو وہ اسے زہر لگتا تھا۔

"میرا کیا ہو گا، اسلان؟" اس نے اسلان کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اسلان کو محسوس ہوا لرزا اب سہراب پر بھی طاری تھا۔ وہ یونہی اسے سختی سے بھینچے کھڑا رہا۔ "میرا کیا ہو گا، اسلان میں تمہارے بغیر کیا کروں گا؟" اسلان روئے گیا۔ "تمہیں کچھ بھی ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ وہ بس ایک لڑکی تھی بھول جاؤ جو بھی ہو اسب بھول جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں نا۔ میں اس سے بہتر لڑکی لاؤں گا۔ تم خوش ہو جاؤ گے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے بیٹے ہو تم میرا واحد سہارا میرا کیا ہو گا، اسلان؟"

وہ سہراب کے بازوؤں میں اس کے کندھے پر آنکھیں ٹکائے، اس کی شرٹ دونوں مٹھیوں میں بھینچے رو رہا تھا اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا اور وہ بس روتا گیا۔ وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا، وہ آراہ کو نہیں بتا سکتا تھا اس کے اندر اب کوئی لاش اٹھانے کی ہمت نہیں تھی وہ بے بس تھا شاہ ویر نے اسے باندھ کر مارا تھا۔ اللہ اسے غرق کیوں نہیں کرتا تھا، وہ اس سے حساب کیوں نہیں لیتا تھا اس کی رسی اتنی دراز کیوں تھی؟ اس پر کوئی عذاب کیوں نہیں آتا تھا، کوئی آگ اسے کیوں نہیں جلاتی تھی؟ کیوں اسلان یمن اپنے ہاتھوں سے اسے ختم نہیں کرتا تھا؟

"میں تمہارے لیے پنار سے بہت بہتر لڑکی ڈھونڈوں گا میں تمہارے لیے ساری دنیا سے لڑ جاؤں گا کوئی تمہیں کچھ کہہ کر تو دکھا دے۔" اس کے کندھے تھپکتے ہوئے اپنے تئیں وہ اسے تسلی دے رہا تھا، سنبھال رہا تھا لیکن درد جو کنڈلی مارے بیٹھا تھا اسے نکالنا، بیان کرنا مشکل امر تھا۔ اس رات اسلان یمن چاہ کر بھی کچھ نہیں بتا سکا ایک اور پنار نہیں ایک اور لاش نہیں۔۔۔۔ وہ جانتا تھا جو اسلان یمن کے لیے لڑے گا اس کا انجام کیا ہو گا۔

"میں چاہتا ہوں تمام پرانی باتیں بھول کر تم اور میں آگے بڑھیں۔" شاہ ویر بنگش اسلان یمن کے چہرے پر نگاہیں جمائے بول رہا تھا۔

"میں نے تمہارے بھائی کو پیشکش دی۔"

اسلان نے اچھنبے سے اسے اور اس کی ماں کو دیکھا وہ اب اس سے کیا چاہتے تھے؟

"میں تمہاری تکلیف سمجھ سکتی ہوں بچے۔"تمکنت نے یکدم پینترا بدلا۔"اس وقت تم بھی شاہ ویر کی حالت سمجھنے کی کوشش کرو کامیاب ہونے کے لیے کئی زینے طے کرنے پڑتے ہیں لیکن کامیابی کے بعد محض دو زینے ہوتے ہیں آگے بڑھ کر مزید کامیاب ہونا، یا پھر پیچھے مڑ کر مکمل ناکام ہونا۔ کیا تم چاہتے ہو شاہ ویر ناکام ہو؟"

وہ چاہتا تھا شاہ ویر ایک عبرت ناک موت مرے مگر اس کی زبان کو ظلم کا لقوہ کھا گیا۔

"میرے لیے لکھو، اور قیمت لو۔"صوفے کی پشت پر بازو پھیلاتے شاہ ویر نے پیشکش دی۔ اسلان کو اس کی سماعتوں پر شک ہوا۔"انتخاب کوئی ہے ہی نہیں تمہارے پاس دو دن کا وقت ہے جتنا سوچنا ہے سوچ لو اگر انکار کرنا ہے تو یاد رکھنا پنار صرف ماری گئی تھی تمہاری بہن صرف ماری نہیں جائے گی اس کے ساتھ وہی ہو گا جو تمہارے ساتھ ہوا اور مجھے ذرا بھی افسوس نہیں ہو گا۔"

اسلان متحیر سا اسے تکے گیا۔ کیا کوئی شخص اس قدر ظالم بھی ہو سکتا ہے، اس قدر بے خوف، اس قدر ذلیل؟

"تم نے کہا تھا پاکستان جانا میری آزادی ہو گا۔"اس کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ کھنکتی ہوئی، خالی اور بے جان۔

"اب میں کہہ رہا ہوں تم تا عمر کے لیے میرے غلام ہو۔"

"مجھے نہیں قبول۔ تم آخر کب تک مجھے دھمکاؤ گے آخر کب تک میرے حصے کا کھاؤ گے، میرے حصے کی کامیابی لو گے اور اپنے حصے کا اندھیرا مجھے دو گے؟ میں اب تمہارے لیے کوئی بھی کام نہیں کروں گا تم نے جو کرنا ہے تم وہ کرو۔" وہ ان میں سے ایک بھی لفظ زبان سے ادا نہ کر سکا اس نے کوشش کی بہت کی مگر اس کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔ شاہ ویر کے سامنے اس کی زبان سے الفاظ نہیں جی حضوری ادا ہوتی تھی۔

"جواب کب تک آئے گا؟"جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے اس نے سوال کیا۔ اسلان چند لمحے اسے تکتا رہا۔ اس نے ہمیشہ شاہ ویر کے ظلم سے مقابلہ کیا اور منہ کی کھائی تھی جبکہ شاہ ویر ہر دفعہ پس پردہ رہا اور زیر کیا اس بار کھیل بدلنے کا وقت تھا اور وہ بدلے گا۔

"میں کچھ دن تک بتاؤں گا۔"

"کچھ نہیں دو دن، صرف اور صرف دو دن۔" اس نے انگلیاں دکھائیں اسلان سر کو خم دیتے ہوئے اٹھا اور قدم باہر کی جانب بڑھائے شاہ ویر نے تضحیک سے اسے عقب سے پکارا۔

"تمہارے خدا کا کیا ہوا ابھی تک پکڑ نہیں ہوئی میری۔" اسلان نے پلٹ کر اسے دیکھا اس کی نظروں میں ملامت اور کاٹ کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ شاہ ویر کے جبڑے بھینچ گئے۔ وہ نہ بول کر بھی بول جاتا تھا کمبخت کی آنکھوں کا کچھ کیا جائے۔

"مجھے وہ پسند تھا، ہر عمل، ہر واقعے کے بعد بھی کچھ تھا کہ میں اس سے نفرت نہیں کر پایا لیکن اس ایک عمل نے مجھے اسلان یمن سے نفرت کروا دی۔" آراہ کو اس پر ہنسی آئی۔ اس کی مثال ایسی تھی کہ وہ خون سے لتھڑے ہاتھ لیے کھڑا تھا اور مقتول سے کہتا تھا "تم چاہتے ہی یہی تھے"۔

اسے یہاں آتے ہوئے تین روز ہو گئے تھے۔ ہر روز آتا، ہر روز ناکامی۔

وہ "ٹی ٹی سٹوڈیو" کے باہر کھڑا کب سے بلند آواز میں چیخ رہا تھا۔ محافظ اسے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کر چکے تھے مگر وہ چلا چلا کر طلال بنگش کو پکار رہا تھا۔ وہ یہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔ اسے علم تھا شاہ ویر کے لیے اس کا باپ کیا اہمیت رکھتا ہے وہ کم از کم اپنے باپ کو ڈاج نہیں دے سکتا تھا ایسا اسے لگتا تھا۔

"لڑکے ہمارا دماغ خراب مت کرو جاؤ یہاں سے صاحب مصروف ہیں۔" اب کے محافظ نے اس نے سینے پر ڈنڈے سے زور دیتے ہوئے کر خنگی سے کہا اسلان اپنی جگہ سے انچ بھی نہ ہلا۔ وہ یہاں سے ہل ہی تو نہیں سکتا تھا۔

"جب تک میں طلال بنگش سے مل نہیں لوں گا یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔" محافظین کو یہ ضد لگی حالانکہ وہ کمبخت تو سر کی بازی لگانے آیا تھا۔ "ایک بار ان کو بلاؤ ان سے کہو میں شاہ ویر کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ شور کس بات کا ہے؟" طلال نے انٹر کام پر پوچھا۔ اسلان تیزی سے فون کی طرف لپکا محافظ سے فون جھپٹ کر کان سے لگایا۔ انداز میں عجلت تھی۔

"مجھے آپ سے ملنا ہے سر۔ پلیز سر یہ بہت ضروری ہے پلیز میں ...... میں شاہ ویر کا کلاس میٹ تھا میں لکھتا تھا اور ..... سر مجھے شاہ ویر کے بارے میں بہت ضروری بات کرنی ہے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا پلیز۔ آپ ایک بار مجھ سے ایک بار مل لیں سر۔"

اس ساری بات میں انہوں نے محض ایک سطر سنی تھی۔ "مجھے شاہ ویر کے بارے میں بات کرنی ہے" اور یہ ایک سطر ان کی گردن کے بال تک کھڑے کرنے کے لیے کافی تھی۔ اپنی اس اولاد کے لیے تو انہوں نے خواب میں بھی اچھائی نہیں دیکھی تھی زندگی میں کیا خاک اعتبار کرتے۔

"اسے اندر بھیجو اور بنگش ہاؤس میں اگر یہ خبر کسی تک گئی تو تم سب اپنے انجام کے ذمہ دار خود ہو گے۔" دھیرے سے فون کریڈل پر واپس رکھا ان کا رواں رواں لرز اٹھا تھا۔ تنبیہہ ضروری تھی کیونکہ یہاں کی ہر خبر ان کے بیٹے کو جاتی تھی مگر محافظ بھی شاہ سے زیادہ وارث کے وفادار تھے۔ اسلان کے اندر جانے تک شاہ ویر تک ایک پیغام جا چکا تھا۔ "کوئی لڑکا آپ کے بارے میں بات کرنے طلال صاحب کے پاس آیا ہوا ہے"

تھوڑی دیر بعد وہ طلال کے سامنے بیٹھا تھا کمرے پر چٹخنی چڑھی تھی اور اسلان ان کا دیا ہوا پانی کا گلاس گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا۔ چہرے پر پسینہ تھا، بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں کے نیچے حلقے۔ وہ ڈرا سہما سا تھا، طلال اسے بغور جانچ رہے تھے۔ یہ اسلان یمن کا آخری موقع تھا وہ اسے استعمال کرنا چاہتا تھا اسے ہر صورت اس آدمی کو سمجھانا تھا، اسے اس جہنم سے ہر صورت باہر آنا تھا۔

"میں تمہیں جانتا ہوں۔" بہت دیر بعد وہ روکھے لہجے میں بولے تھے۔

اسلان انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ "مجھے اب سارا پاکستان جانتا ہے۔ ایک اغوا کار، قاتل اور پتا نہیں کیا کیا۔"

"اور تم پھر بھی یہاں چلے آئے تمہیں کیا لگا تھا میں تمہارا اعتبار کروں گا؟" وہ سخت تنفر سے بولے۔

"پتا نہیں تھا کہ آپ اعتبار کریں گے یا نہیں لیکن امید تھی کہ یہاں میری بھی سنی جائے گی۔ میں اسلان یمن ہوں میری عمر تئیس سال ہے اور ان تئیس سالوں میں مجھ پر کسی قسم کا وائلنس، بد تمیزی یا پھر سائیکاٹریکٹ ریکارڈ نہیں ہے۔ دوسری طرف آپ کا بیٹا ہے جو نو سال کی عمر سے وائلنٹ ہے آپ کو نہیں لگتا کہانی میں کوئی ردو بدل کیا گیا

ہے، ہم دونوں کے کردار swap کر دیے گئے ہیں؟" اسے شاہ ویر کی کہانی اسی کے ذریعے پتا چلی تھی، اس کے باپ کا خوف بھی۔ وہ نم آنکھیں لیے انہیں دیکھ رہا تھا۔

طلال کا دل ڈوب کر ابھر رہا تھا یہ گفتگو اگر زید کے متعلق ہوتی تو وہ ایک لفظ بھی نہ سنتے مگر شاہ ویر.... وہ جن ہواؤں سے سانس لیتا تھا ان پر بھی تہمت آوار گی تھی۔ "جو کہنا ہے کھل کر کہو۔" کاش وہ نہ کہے، کاش وہ چپ ہو جائے وہ نہیں سننا چاہتے تھے مگر وہ سننا بھی چاہتے تھے۔

"آپ میرا یقین کریں گے؟" وہ متذبذب تھا اگر شاہ ویر کو پتا چل جاتا تو وہ اس کے ساتھ مزید برا پیش آسکتا تھا مگر اسلان یمن کے اندر کی مزاحمت گھٹنے ٹیک دینے کو راضی نہیں تھی۔ "سچ کہیں کیا آپ میرا یقین کریں گے؟"

"ثبوت دو گے تو شاید کر لوں گا۔"

"اور ثبوتوں کے بعد کہہ دیا" جاؤ لڑکے تمہارا اعتبار نہیں "تو؟" وہ اپنی مکمل تسلی چاہتا تھا۔

"تم ابھی بھی جا سکتے ہو مجھ پر اعتماد کرنا تمہارا آخری آپشن ہے انتخاب نہیں۔"

اسلان نے گہری سانس لی چند کاغذات ان کے سامنے رکھے۔ کچھ کہا، کوئی ریکارڈنگ سنوائی اور کچھ بتایا۔ سنانے اور بتانے کے اس عمل کو کوئی پچیس منٹ بیتے اور ان پچیس منٹوں میں وہ پچیس ارب مرتبہ مرے، جیئے، غرق ہوئے، سمندر برد ہوئے اور اسلان نے کچھ اور بتایا یہاں وہ غوطہ زن ہوئے۔ سمندری جانوروں نے جیسے نوچا ہو، کیڑوں نے ماس کھایا ہو اور پودوں نے جیسے گردن پر سخت گرفت کر کے سانس روک دی ہو گفتگو کے اختتام پر محض سطح پر چلتی ایک لاش تھی۔ صرف اور صرف لاش...... وہ قطرہ قطرہ مر رہے تھے، یہ موت بہت ظالم تھی۔

"اس نے جو حاصل کیا وہ میرا تھا، سر۔" یہ آواز، آواز نہیں تھی کوئی لوہے کا درہ تھا جو طلال بنگش کے منہ پر آکر لگا۔ "اور جو اس نے مجھے دیا وہ اس کے اندر کا شر تھا۔ وہ میرا گناہگار ہے لیکن آپ...... آپ اس سے بڑے گنہگار۔ آپ نے ایک ذہنی مریض کو عام لوگوں کے درمیان چھوڑ دیا کبھی اس کی کامیابوں کا امتحان نہیں لیا میں روز محشر جب اپنے گنہگاروں کے نام لوں گا تو ان میں طلال بنگش کا نام بھی شامل ہو گا۔"

ان کے سامنے بیٹھے لڑکے کی آنکھیں نم تھیں باہر راہ داری میں کوئی بھاگتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔ طلال بنگش نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس چاپ کو پہچانتے تھے یہ ان کا بیٹا تھا، اسے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آج کئی برس بعد وہ دوبارہ انہیں ذلت سے دوچار کر چکا تھا آج انہیں علم ہوا کیوں اس کی طرف سے ان کا دل آج تک بے چین ہی رہا، آج تک کیوں اس کی ہر کامیابی نے انہیں مکمل محسوس نہیں کروایا۔ آج انہیں اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا تھا۔

"بابا" وہ انہیں بے قراری سے پکار رہا تھا۔ کاش اس کی زبان گر پڑے۔ وہ دروازہ پیٹ رہا تھا انہوں نے اسلان کی رنگت سفید ہوتے دیکھ کاش وہ ان ہاتھوں کو توڑ سکتے تاریخ میں پہلی بار ایک باپ کا دل کیا تھا وہ اپنے عزیز ترین بیٹے کا گلا اپنے ہاتھوں سے دبا دیں یا کوئی ریوالور اٹھا کر اسے بھون دیں۔

" آپ اسے نہیں بتائیں گے کچھ بھی نہیں پلیز۔" اسلان نے تاریک پڑتی رنگت کے ساتھ ان کی منت کی۔

"آپ کس کے ساتھ ہیں بابا؟" وہ بے بسی کے اعلیٰ حد پر تھا۔

انہیں شاہ ویر کی آواز گیلی لگی، وہ خوف زدہ تھا اس آدمی کو کھو دینا یعنی کائنات کھو دینا۔"میرے ساتھ کون ہے، ویر؟" انہوں نے کاغذات اٹھا کر دراز میں رکھے اسلان کو اشارہ کیا وہ اٹھا اور جا کر الماری کی اوٹ میں ہو گیا۔

"میرا۔۔۔ میرا ایک پرانا کلاس فیلو آیا تھا نا؟ بابا وہ مجھ سے جلتا ہے آپ اس کو باہر بھیجیں میری بات سنیں وہ جھوٹا ہے۔ میں خود اس سے بات کر لوں گا آپ اس کی کسی بات پر یقین مت کرنا۔" وہ کسی ننھے بچے کی طرح صفائی دے رہا تھا طلال کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر ان کے رخساروں پر بہہ گئے۔ زندگی میں پہلی بار وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اداکاری کرنے والے تھے۔ ("آہ شاہ ویر آہ۔ یہ تم نے مجھے کس مقام پر کھڑا کر دیا؟")

انہوں نے دل پر ہاتھ رکھا اور تحمل سے جواب دیا۔"کوئی آیا تو تھا لیکن میں نے اسے نکال دیا تھا بات نہیں سنی میں نے۔۔۔۔۔ تم گھر چلو ویر میں وہیں آ رہا ہوں آج ساتھ بیٹھیں گے۔"

"بابا پلیز بابا! میرا یقین کریں وہ جھوٹا ہے۔" وہ رو دیا، شدت اور تکلیف سے، پچھتاوے اور گلٹ سے۔"بابا ایک بار میری پوری بات سن لیں۔"

"گھر جاؤ، ویر!" انہوں نے سختی سے کہا۔ نہیں نہیں نہیں...... شاہ ویر پیچھے ہوا۔ وہ اگر اداکار تھے تو شاہ ویر ان سے بڑا اداکار اس کا جی چاہا ساری دنیا کو آگ لگا دے اور شروعات اسلان یمن کے حلق سے کرے وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا، اس کو یہ حق کس نے دیا۔ وہ طیش سے پاگل ہونے لگا، ملال سے کھڑے کھڑے مرنے لگا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ اس زندگی میں طلال بنگش کو کھونے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

"بابا وہ۔۔۔۔ بابا وہ جھوٹا ہے۔" ایک آخری کوشش۔

"جاؤ شاہ ویر۔۔۔۔ گھر جاؤ ابھی۔" ہر کوشش پر پانی۔

مدتوں پر اس پر ایسی بے بسی طاری ہوئی کہ وہ رونے لگا۔ لب بھینچ کر، سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ روئے گیا۔ کیوں کیوں کیوں۔۔۔۔ بابا کیوں؟ وہ کسی اور کے پاس بھی جا سکتا تھا وہ شاہ ویر سے کچھ اور بھی لے سکتا تھا بابا کیوں؟

اندر طلال بنگش اپنے ملازم کو کال ملا رہے تھے۔

"شاہ ویر گھر جائے گا، روشن اور وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہیے۔ دو گھنٹے میں پولیس آئے گی اور اسے لے جائے گی تم کوئی دخل اندازی نہیں کرو گے اور نہ گارڈز کو کرنے دو گے۔ وہ گرفتار ہو گا۔ یہ میرا حکم ہے۔"

"جو حکم سرکار!" وہ توانا مرد یکدم بوڑھا اور لاچار نظر آ رہا تھا۔ اگلی کال زید کو گئی۔ نہ جانے انگلیاں کیوں کپکپاہٹ کا شکار تھیں، کیوں سینے میں کہیں آگ سی جل رہی تھی۔

"کہاں ہو، زید؟" ہارے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"بابا میں دوستوں کے۔۔۔۔۔"

"گھر پہنچو جلدی۔ مجھے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ جس قدر ضبط کا مظاہرہ کر سکتے تھے انہوں نے کیا۔

دروازے پر کھڑا شاہ ویر دروازے سے ہٹ گیا۔ اس کے قدم شکستہ تھے، کندھے ڈھلکے ہوئے وہ ہار گیا تھا اسلان جیت گیا اپنے باپ کے خلاف تو وہ نہیں جا سکتا تھا یہاں وہ جیتا اور یہاں سب ختم۔ کیریئر، گھر، رشتے، دوستیاں، اور سارے کا سارا شاہ ویر بھی۔ شداد محض جنت میں قدم بھی رکھ نہ سکا تھا، جنت کے درشن آج بھی ممنوع۔

طلال نے اسلان کی جانب دیکھا۔وہ ہنوز وہیں کھڑا تھا وہی خوف زدہ حالت۔انہیں اپنے بیٹے سے نفرت سی ہونے لگی۔

"تمہیں پتا ہے قدرت میری ساتھی ہے میں جب جب ہار ماننے لگتا ہوں تب تب قدرت میرے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔پھر ہار جیت میں تبدیل، خسارے کامیاب اور شہرت پیروں کی دھول۔اس روز میں ہارا تھا لیکن قدرت نہیں۔"

"قدرت کبھی تمہاری تخریب کاریوں میں شامل نہیں رہی یہ تم اور تمہارا شر تھا، شاہ ویر۔"

"سب سوچ کے زاویے میرے نزدیک قدرت، تمہارے نزدیک میرا شر!"اس نے مسروریت سے آنکھیں بند کرلیں۔

وہ اسی غائب دماغی سے گاڑی چلا رہا تھا۔خوابوں کی عمارت مسمار ہوتی نظر آ رہی تھی۔

"آپ کہاں ہیں سر؟"کال پر یہ اس کے مینیجر کی آواز تھی۔

"ہالی وڈ کا سب سے بڑا ڈائریکٹر چارلی ڈانٹے آپ کی اسکرپٹ چاہتا ہے ایک تھرلر، ایک۔۔۔۔۔"وہ جیسے کسی خواب سے جاگا۔ سینما کا مداح چارلی کی بنائے فلمیں دیکھ کر بڑا ہوا تھا۔ عفان غلط تھا اسے لگا تھا شاہ ویر نے اس بارے میں نہیں سوچا اس نے سوچا تھا، ہزار بار سوچا تھا، تصور کیا اس کے خوابوں کی وسعتیں فلک تک تھیں۔"اور وہ چاہتا تھا منظر بندی آپ کریں۔اس نے اگلے مہینے امریکا بلوایا ہے سر میں کیا جواب دوں؟"

اسے اب سب نظر آ رہا تھا۔راستے میں آتی گاڑیاں بھی، لوگ بھی، رکاوٹ بھی اور سڑک کے اختتام پر نظر آتے بادل بھی، بینائی واپس آچکی تھی۔بہت دیر تک وہ سانس روکے بیٹھا رہا، جمود ایسا تھا کہ جنبش عمل اضافی۔ رکاوٹ صرف ایک تھی صرف اور صرف ایک۔

"کیا جواب دینا چاہیے، عفان؟"بہت دیر بعد اس نے سرسراتی آواز میں پوچھا تھا۔

"پیتل کو سونا کرنے کا موقع ہے سر ہاتھ سے جانے دیا تو جو باقی وہ محض خسارے۔"

"یہ راستہ بہت مشکل ہے، بہت چیزیں (شاید لوگ) ختم کرنے ہوں گے۔"وہ خود سے کہہ رہا تھا یا شاید اس سے؟

”آپ بہت مضبوط ہیں سر کرلیں گے۔“

”گھر چھوڑنا ہو گا(باپ چھوڑنا ہو گا)“

”کیا اس سے پہلے کچھ محبوب نہیں چھوٹا؟“ اس نے لب کاٹے۔ اسلان، اس کی دوستی، دادا، ان کی محبت، اندر کا انسان، ضمیر، ملامت سب تو چھوٹ گیا تھا باقی کیا تھا۔ آج سچ جاننے کے بعد سے اس سے زید بھی چھوٹ جاتا وہ ہاتھ سے ریت پھسلنے دے یا اس پر محل تعمیر کرے؟ وہ ہار جائے یا فاتح ٹھہرے، گمنام ہو یا نام کمائے؟

”کیا یہ worth it ہو گا؟“ اپنے باپ کو راستے سے ہٹانا عمر بھر کا قلق سینے پر جلی حروف میں لکھنا، زندگی کی سب سے بڑی محبت کو کھو دینا.....اسے جواب چاہیے تھا۔

”پیچھے رہ جانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر آپ بھی پیچھے رہ گئے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا آگے آنے والے اتنے کم ہیں کہ ہر ایک کی قسمت کا چمکتا ہوا "ہما" واضح دکھے گا، پوری دنیا دیکھے گی۔ آپ کو چننا ہو گا سر شخص بننا ہے یا شخصیت۔“ شخص یعنی وہ جسے لوگ دعوتوں میں مدعو نہیں کرتے، جو نظر نہیں آتا، جس کی بات نہیں ہوتی، جس پر گولی چلا کر کوئی بھی فرار ہو سکتا ہے، جو لوگوں کا کولیٹرول ڈیمج بن سکتا ہے، جس کے پاس محض اندھیرا ہوتا ہے؟ اس نے میکانکی انداز میں گاڑی موڑی وہ اب گھر کی طرف جا رہا تھا اسے شاہ زید سے پہلے پہنچنا تھا، اسے اپنے باپ کو منانا تھا وہ کتنی ہی ضد کر لیتے، انہوں نے کیا ہی کر لینا تھا؟

وہ گھر پہنچا کمرے کی طرف بھاگا وہاں اس کا باپ اسلان کا کندھا تھپک رہا تھا۔ شاہ ویر چوکھٹ میں کھڑا رہ گیا اس کے دل میں کسی نے چھرا گھونپ دیا، انہوں نے اسلان سے تسلی کا کوئی لفظ کہا چھرا نکال کر مزید قوت کے ساتھ گھونپا گیا۔ اسے فاقوں میں مار کر اس کے حصے کا رزق اوروں میں بٹ رہا تھا وہ کیسے سہہ جاتا۔۔۔۔؟

بدقت ہی سہی مگر سہا آگے بڑھ کر ہاتھ ان کے پیروں پر اور سر گھٹنے پر رکھ دیا، وہ رویا اور روئے گیا۔ طلال لب بھینچے ہوئے بیٹھے رہے، کوئی جنبش نہیں کوئی بات نہیں، وہ اس سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اسلان چپ چاپ ایک طرف کھڑا تھا۔ یہاں اس صورتحال میں کیا کرنا تھا اسے کچھ پتا نہیں تھا۔

"بابا آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں پلیز بابا میں آپ کا بیٹا ہوں۔" وہ ان کے ہاتھ چومتے ہوئے منت کر رہا تھا طلال کو لگا وہ اپنے انجام سے ڈر رہا ہے، کمبخت "ان کے" انجام سے ڈر رہا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے جھٹک رہے تھے شاہ ویر پیچھے نہیں ہٹا۔

"مت کریں بابا پلیز مت کریں۔۔۔۔ آئی ایم سو سوری دوبارہ نہیں کروں گا پلیز پلیز بابا معاف کر دیں پلیز آخری بار۔ میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں اسلان سے بھی معافی مانگ لوں گا۔" اسلان یمن دیوار سے جڑ گیا۔ اس شخص کی وجہ سے اس کے کھاتے میں کئی خسارے آئے تھے کیا اب ایک اور ؟

وہ بہت دیر تک چپ رہے یہاں تک کہ شاہ ویر کو متورم آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھنا پڑا۔ وہ اسے کراہیت سے دیکھ رہے تھے ایسے جیسے گند کے ڈھیر کو دیکھا جاتا ہو۔ اس کا دل ریزہ ریزہ ہو گیا۔ یہ محبت تمام محبتوں پر بھاری تھی وہ اسے کیسے کھو دیتا؟

"تمہارے پیدا ہونے سے تمہارے بولنے تک، بولنے سے چلنے تک اور چلنے سے دوڑنے تک میں تمہاری آنکھوں میں نہیں دیکھ پایا، ایک عجیب سا خوف تھا کہ دیکھ لوں گا تو ان میں چھپے پیغام پڑھ لوں گا اور اس دن میں نے پہلی بار تمہاری آنکھیں دیکھیں جب تم گیارہ سال کے تھے۔۔۔۔۔۔" شاہ ویر چپ چاپ انہیں تک رہا تھا۔ "تمہاری آنکھیں ابلیس کی آنکھیں ہیں، تم میں شر ہے آگ ہو تم جلا دو گے سب کو۔ میرا گھر، میری نسل، میری آخرت اور میرا دل۔" وہ جو پنجوں کے بل بیٹھا تھا بے دھم ہو گیا۔ باپ پر جمی نگاہیں ساکت تھیں۔

طلال جھکے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور چبا چبا کر کہا۔ "لعنت ہو تم پر۔"

اس کی آنکھوں کی پتلیاں ایک جگہ ٹھہر کر رہ گئیں پورے بدن میں جمود فشار خون کی طرح پھیل گیا اور وہ اٹھ گیا۔ اس کے اٹھتے ہی اسلان طلال تک آیا، ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہا مگر وہ گردن جھکائے ہوئے تھے وہ اس لڑکے سے شرمندہ تھے۔

اس نے ایک آخری نگاہ اپنے باپ پر ڈالی اور باہر جا کر اس نے مشینی انداز میں موبائل اٹھا کر کسی کو کال ملائی۔

"میں چاہتا ہوں یہ ہارٹ اٹیک لگے ایک طبعی موت۔ مریض دل کے عارضے کی دوا لیتا ہے آگے کیا کرنا ہو گا؟" وہ کسی ڈاکٹر سے محو کلام تھا۔ دوسری طرف سے کسی نے اسے کچھ بتایا، شاہ ویر نے پیغام یاسر کو بھیجا اسے یقین تھا اگلے دس منٹ میں اس کے پاس مطلوبہ نسخہ ہو گا۔

اگلی کال ابتسام عباس کو گئی۔ ساری بات سن وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "میں ایسا نہیں کروں گا، ہر گز نہیں۔ تم حواس کھو چکے ہو۔ تم پوری طرح پاگل ہو چکے ہو وہ تمہارا باپ ہے۔"

"آپ نے پنار کی لاش کس طرح ٹھکانے لگائی میرے پاس تمام ثبوت ہیں۔ دس منٹ میں آشیانہ بنگش پہنچیں ورنہ دس سیکنڈ میں ویڈیو تاج کو جائے گی۔ اور جب میں اپنے باپ کے خلاف ہوں تو آپ کے خلاف بھی جا سکتا ہوں۔"

رعایت، رحم، مہربانی وہ ان تین چیزوں سے کسی ان پڑھ کے غیر آشنا لفظوں کی طرح ناواقف ہو گیا تھا۔

"تمہارے بھائی نے میری زندگی تباہ کر دی، آراہ۔" مدتوں بعد وہ غم یاد آیا تو آنکھ چھلکی، دل بھر آیا۔ "میرا باپ میری واحد محبت تھا۔"

اس کا دماغ اس قدر تھکا ہوا اور شل تھا کہ اسے مناظر ٹکڑوں میں بٹتے ہوئے نظر آئے۔

ابتسام اس کے گھر پر آ گیا تھا وہ دروازے کی کھلی درز سے اس کے باپ کو کچھ کہہ رہا تھا۔ "شاہ ویر سرینڈر کرنے کو تیار ہے، انکل۔ آپ پلیز ٹینشن نہ لیں وہ واقعی شرمندہ ہے۔" وہ سینہ مسل رہے تھے شاہ ویر کا جی چاہا وہ جائے ان جوان، توانا ہاتھوں سے ان کا سینہ مسلے انہیں دوا دے مگر۔

"آپ دوا لیں پلیز آپ کا بی پی ہائی ہے۔" وہ دوا دے رہا تھا یہ دوا نہیں تھی یہ زہر تھا ایسا زہر جو جان لینے والا تھا بنا جسم سبز کیے، بغیر جھاگ تھوکے۔۔۔۔۔ وہ روک ہی نہ پایا اسلان نے روکا۔ وہ ان کے قریب تھا۔ متفکر سا۔

"پلیز یہ مت لیں یہ بھی تو شامل تھے یہ بھی تو۔۔۔۔"

"آئی ایم سوری بابا میں سرینڈر کرنے کو تیار ہوں۔" اس نے اسلان کی بات کاٹ کر کہا۔ طلال چند پل اسے دیکھتے رہے درد شدید ہوا تو انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے دوا پھانک لی۔ قاتل تھا، کمبخت تھا مگر بیٹا اور خون بھی تو تھا۔

اسلان گومگو کی کیفیت میں تھا چاہے طلال اس کے ساتھ تھے مگر شاہ ویر کے سامنے کچھ بھی کہنے سے اسے آج بھی خوف آتا تھا۔

"میں زید کو کال کر لیتا ہوں۔" ان کا ہاتھ موبائل تک گیا جب ابتسام نے موبائل لے لیا اب ان کے چہرے پر درد کے اثرات تھے وہ پیچھے کو ہوئے پلنگ سے ٹیک لگالی شاہ ویر دھیمی چال چلتا ان تک آیا ان کے قریب کھڑے ہو کر کس قدر آزردگی سے مستفسر ہوا۔

"one...last ...time .....please?" ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر تکلیف سے کہا طلال لب بھینچ گئے، تکلیف ایسی تھی کہ آنسو بہہ نکلے شاہ ویر کسی ننھے بچے کی طرح سمٹ کر ان کے سینے سے لگ گیا، ٹانگیں جوڑلیں ان کا بازو ان کے گرد باندھ لیا۔ وہ کپکپا رہا تھا طلال کو پہلی بار اندازہ ہوا وہ تو اس سے زیادہ محبت کرتے تھے ساری دنیا سے زیادہ، تمکنت سے زیادہ، زید سے بھی زیادہ وہ تو، وہ تو بخرہ قلب تھا اسے کیسے سزا دے رہے تھے وہ؟

کاش وہ اسے بچا سکتے! کاش وہ اسے پروں میں سمیٹ لیتے! کاش وہ تمکنت جیسے بن پاتے اسے کیسے جدا کریں گے وہ؟

"یہ تم نے کیا کیا، ویر؟" خوف، محبت، تکلیف کے چلتے اس کے گرد حصار تنگ کر دیا کئی آنسو ٹوٹ کر اس کے بالوں میں جذب ہوئے۔ "کیوں ویر کیوں؟" بے بسی سے پوچھا۔ اسلان یمن کو اپنا آپ غیر ضروری لگا۔ وہ ان کے سینے میں سر دیے سہمے بچے کی طرح لرز رہا تھا، رو رہا تھا اسلان محض دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم تو ٹھیک ہو گئے تھے زبیر نے کہا تھا سب ٹھیک ہے پھر کیوں؟"

"وہ زید تھا بابا۔" اس نے باپ کی بات کاٹی۔ "تیرہ سال کی عمر کے بعد میں کبھی ڈاکٹر زبیر کے پاس نہیں گیا زید جاتا تھا شاہ ویر بن کر۔" گرفت ڈھیلی پڑی، اعتراف پھندہ تھا تن گیا تھا، جان سے جانا باقی تھا۔

"محبت کرتا ہے وہ مجھ سے جو چاہوں کروالوں اسے کرنا پڑتا ہے۔ میں محبت نہیں کروں گا بابا۔" انہوں نے شاہ ویر کو دور کیا، وہ ہلا بھی نہیں۔ ان کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں۔ "محبت کمزور کرتی ہے میں کمزور نہیں ہو سکتا فاتح یا تو محبت کریں یا فتوحات رقم کریں میں محبت نہیں کروں گا۔"

"دور۔۔۔۔۔۔ ہٹو۔۔۔۔۔۔ دور۔" وہ غرائے۔

"شاہ ویر۔" اسلان کے لبوں سے ٹوٹ کر ادا ہوا وہ جامد ہو چکا تھا اس کے پورے وجود میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ گزشتہ ماہ سے اسے انگزائٹی اٹیکس آتے تھے یہ وہی تھا اس کا سارا بدن پسینے میں بھیگ گیا، پیر ہل رہے تھے اسے لگ رہا تھا وہ بہت کچھ کہہ رہا ہے مگر حلق میں گولہ اٹکا تھا۔ اس کے قدم منجمند تھے۔

"آپ کی محبت نے مجھے تباہ کر دیا بابا اب میں کبھی محبت نہیں کروں گا۔ میں زید کو استعمال کروں گا ہمیشہ اور یہ۔" اس نے انگلی سے اسلان کی طرف اشارہ کیا۔ "میں اسے تباہ کر دوں گا بابا۔ تاکہ اسے یاد رہے شاہ ویر سے اس کی محبت چھیننا کیا ہوتا ہے مجھے ایسا کرنا چاہیے نا بابا؟" وہ سینہ مسلتے ہوئے اسے جھٹک رہے تھے مگر وہ نہیں وہیں رہا ان کے سینے پر، بے حس، بے سانس۔ اسلان فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں ایک جگہ ساکت ہو گئیں تھیں اسے لگ رہا تھا وہ ہاتھ پیر چلا رہا ہے مگر وہ جامد تھے اپنے سامنے اپنے محسن کو مرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"آپ آگے جا کر ایک اچھی جگہ رہیں گے یہاں آپ کے بچے میں سنبھال لوں گا آپ کا نام، پاور اور لیگسی بھی ڈونٹ وری۔" وہ تڑپنے لگے شاہ ویر کو کوئی فرق نہ پڑا۔

"آئی ایم سوری بلکہ آئی ایم ناٹ سوری، ناٹ ایٹ آل اس جیسے اور آپ جیسوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے اور میں نہیں کروں گا تو کون کرے گا مجھے کرنا پڑے گا بابا۔" طلال بنگش کی حرکت ساکت ہو گئی انہوں نے موت کی ہچکی لی۔ شاہ ویر طلال بنگش اگلے لفظ بھول گیا۔ وہ آنکھیں ساکت ہوئیں تو شاہ ویر کی آنکھیں پھٹنے کے قریب۔۔۔۔

موبائل پر بات کرتا ابتسام اندر آیا اسلان کو سکتے کی حالت میں فرش پر بیٹھا پایا۔ اس نے اپنے عقب میں آتے یاسر اور ایک لڑکے کو اشارہ کیا شاہ ویر سراسیمہ سا اپنی جگہ سے اٹھا ابتسام کے قریب آ کر کھڑا ہوا۔ یوں جیسے پچھلے لمحوں جو ہوا وہ اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

"بابا ہل نہیں رہے ابتسام بھائی...... بابا کو...... کچھ ہو گیا ہے بابا..... بابا.....۔" وہ چلانے لگا ہذیانی انداز میں طلال کو جھنجھوڑنے لگا۔ وہ پاگل ہو رہا تھا جبکہ اس کمرے سے نکلے جاتے ہوئے اسلان نے محسوس کیا آج کے بعد اس کی ہر مزاحمت ترک۔ آج کے بعد طوق غلامی قبول۔ آج کے بعد مقدر چپ اور کام خاموشی۔ آج کے بعد دنیا فریب اور وہ......... وہ تو کچھ بھی نہیں کوئی بھی نہیں۔

آج کے بعد خاموشی اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا کیونکہ وہ کسی اور انسان کا خون اپنے ہاتھوں پر نہیں لینا چاہتا تھا۔

★★★★★★★★★★

"موجودہ روز سے دو روز قبل!"

اس نے بنفشہ کو گھر پر چھوڑا مگر خود اندر نہیں گیا۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس نے عالم کو کال ملائی۔ "کہاں ہو تم؟"

"میں یافث کے ساتھ میرے فلیٹ پر کچھ کام۔۔۔۔۔"

"وہیں رکنا آج گھر مت آنا۔" اگلی کال آمنہ کو گئی۔

"میں گاڑی بھجوا رہا ہوں آج تم اپنے ابا کے گھر جاؤ ایک دو دن تک لینے آ جاؤں گا۔"

"ارے! آراہ کو کل اس کی ماں لے گئی آج میں چلی جاؤں اس بیمار بچے کا خیال ہے یا نہیں؟"

"وہ اس سے زیادہ برداشت کرنے کی ہمت رکھتا ہے تم اس کی فکر مت کرو۔" وہ سامنے سے ہیں ہیں کرتی رہ گئی مگر سہراب کال کاٹ چکا تھا اس کے پورے بدن میں ایسی آگ لگی تھی جو بجھائے نہیں بجھ رہی تھی۔ آج رات اسے یہ گھر خالی چاہیے تھا کسی بھی انسان کی موجودگی اسے ختم کر دیتی اور وہ ختم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ گاڑی کے اسٹیئرنگ وہیل پر چہرہ گرائے وہ کتنے ہی لمحے بے حس سا پڑا رہا۔ راج بیر کا ایک ایک لفظ سماعتوں میں زہر بن کر اتر رہا تھا المیہ یہ تھا کہ جسم کے سبز ہوئے بغیر بھی وہ قطرہ قطرہ مر رہا تھا۔

بہت دیر بعد آنکھیں مسلتے ہوئے وہ سیدھا ہوا۔ موبائل کھول کر وہ تصویر دوبارہ دیکھی جن میں وہ چاروں کھڑے تھے اور ان کے عقب میں وہی مصوری تھی۔ اس نے تصویر زوم کر کے دیکھی پچھلے ایک ہفتے سے وہ محض ان چہروں کو دیکھ رہا تھا آج اس کی نگاہ ایک بار پھر مصوری پر پڑی۔ دور یا قریب سے دیکھنے پر وہ کوئی گنجل سی مصوری لگتی تھی۔ مگر .... غور سے دیکھنے پر یوں لگتا تھا جیسے لفظ لکھے ہوں، کسی غیر شناسا زبان کے لفظ۔ شاید یونانی شاید لاطینی ...... یا شاید یہ بس آڑھے ترچھے اسٹروکس تھے؟

اس کی نگاہ دوبارہ ان چاروں پر جم گئی اور اگلے ہی لمحے اس کے موبائل کی سکرین پر ایک پیغام چمکا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں مسلیں اور پیغام غور سے پڑھا۔

”راجہ جی کے ڈھابے پر پچھلی طرف ایک کمرہ ہے چاروں اس وقت وہیں ہیں۔“ ایک ہفتے کی آزادی ان چاروں کا خوف توڑنے کے لیے کافی تھی، اس نے لوکیشن آن کی موبائل گاڑی کے ساتھ جوڑا جیب تھپتپا کر پستول کی موجودگی یقینی بنائی اور گاڑی اپنی مطلوبہ منزل کی طرف ڈال دی۔ تب ہی اس کا موبائل بجا استاد کی ہی کال تھی۔

”یہ پینٹنگ کس کے پاس ہے؟“ ان کا سوال غیر متوقع نہیں تھا ایک لمبا عرصہ وہ art thieves کے پیچھے زندگی صرف کر چکے تھے سہراب ان کا آرٹ سے شغف جانتا تھا۔

”جن کے بھی پاس ہے آپ کو مل نہیں سکتی۔“

وہ ہنسے۔ ”مجھے اس کو حاصل نہیں کرنا مجھے اس کا پزل حاصل کرنا ہے۔“ یہ تصویر انہیں سہراب ہی کی طرف سے ملی تھی اور اس وقت وہ ان میں منہمک تھے۔

”یعنی؟ ان آڑھی ترچھی لکیروں میں کیسا پزل؟“ اس نے جان کر بات پلٹی ان آڑھی ترچھی لکیروں میں کہانی تو اسے بھی نظر آ رہی تھی۔

”یہ آڑھی ترچھی لکیریں نہیں تاریخیں ہیں۔ بعض لوگ اپنی زندگی کے برے یا پھر بہترین واقعات کو آرٹ کی صورت اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اگر تو یہ کسی چور اچکے کے پاس سے ملی ہے تو میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر کسی شخصیت کے پاس تھی تب میں اپنا دماغ لگا کر ان تاریخوں کو ڈی کوڈ کرنا چاہتا ہوں۔“

”کسی بڑے آدمی کے گھر سے ملی ہے نام آپ کو تب بتاؤں گا جب آپ مجھے تاریخیں ڈی کوڈ کر کے دیں گے۔“ پولیس والا تھا، اپنا کام نکلوائے بغیر کسی اور کا کام کرنا اس کا شیوہ نہیں تھا۔

”استاد نال استادیاں؟“ انہوں نے مصنوعی سختی سے گھرکا تو سہراب ہولے سے مسکرایا۔ اس ہلکی سی مسکراہٹ نے بھی اس کے در و بام ہلا کر رکھ دیے۔ موبائل بند کر کے رکھتے ہوئے ایک بار پھر آوازیں اس کے آس پاس بھٹکنے لگیں۔

”آپ نے مجھے تباہ کر دیا۔ میں باتیں اندر رکھ رکھ کر پاگل ہو گیا ہوں۔ تھک گیا ہوں۔ آپ نے مجھے تھکا دیا ہے، آپ کو چاہیے تھا مجھے اس یتیم خانے میں چھوڑ دیتے آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔“ الفاظ ہتھوڑے کی

مانند اس کے ذہن پر برس رہے تھے۔ اور پھر اسے کچھ ایسا سنائی دیتا جو اس کی روح پر تھپڑ کی طرح لگتا، جسم پر جلے ہوئے کوئلے کی طرح۔۔۔۔۔

"he was raped"

"آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے بس میں کرتا۔ میں کیوں کرتا ہوں؟"

گاڑی ڈھابے کے باہر رکی، اس نے اپنی شرٹ کے کف موڑے گاڑی مقفل کی اور باہر نکل آیا۔ چلتے ہوئے پستول کا گھوڑا چڑھایا ڈھابے کے عقب کی طرف جاتے ہوئے اس کا چہرہ سنجیدہ تھا، تاثرات جان لیوا حد تک سپاٹ اور چال؟ یہ سراپا قیامت تھی۔ وہ ایک آگ لیے یہاں آیا تھا اب جو سامنے آیا وہ سراسر راکھ۔

رنگین بتیوں کے حالے میں تین چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے جیسے کسی بھی لوکل ہوٹل میں وقتی قیام کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ کمروں کے باہر ذرا فاصلے پر نیلے ڈرم رکھے تھے اس نے عقابی نگاہوں سے لمحے بھر میں سارے کو اسکین کر لیا پستول والا ہاتھ پہلو میں گرا تھا اس نے لات مار کر دروازہ کھولا۔ ایک کمرہ خالی تھا دوسرے کمرے سے آوازیں آرہی تھیں۔

ابھی وہ اسے لات مار کر کھولتا کہ اس نے سامنے سے ایک چودہ پندرہ سال کے بچے کو آتے ہوئے دیکھا اس نے طشت میں کچھ بوتلیں رکھی ہوئی تھیں جن کے اوپر کپڑا ڈھکا تھا سہراب کو دیکھ اس کے چہرے کے رنگت ہوا ہوئی۔ اس نے قدم پیچھے لینے چاہے۔ مگر سہراب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، اور کمرے کا دروازہ کھٹکانے کے لیے کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بجایا۔

"کون ہے بے؟"

"صاحب۔۔۔۔۔ بوتل۔۔۔۔۔ لایا ہوں۔" اس نے جھجک کر کہا۔ پھر سہراب کو دیکھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دے رہا تھا۔ اور بات کرنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

"خالی بوتل لے آیا؟ اپنی ماں بہن ساتھ نہیں لایا؟" اندر سے بے ہودگی سے کہا گیا۔

لڑکے نے گردن جھکا دی سہراب کو اندازہ ہوا وہ یہ کام کرنا نہیں چاہتا تھا اس سے کروایا جا رہا تھا۔ کمرے بے ہنگم قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"چل کوئی نہیں آج وہ نہیں تو تُو سہی۔" اس نے لڑکے کو دوبارہ دیکھا اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔ سہراب کو پہلی بار اندازہ ہوا اسلان اکیلا نہیں اس ملک میں لاکھوں کمسن لڑکے، "مرد" جو طاقت کی علامت سمجھے جاتے ہیں جن کے پیچھے چلتے ہوئے عورت خود کو محفوظ گردانتی ہے، جنہیں طاقت اور باگ دوڑ کے امور دیے جاتے ہیں وہ بھی زیر ہو جاتے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی، مرضی کے خلاف بھی، معاش کی خاطر بھی اور جانے کتنی مجبوریوں کے تحت؟

اسے اس لمحے یہ الہام ہوا کہ اپنی بچیوں کو گھروں میں، پردوں میں رکھتے وقت ہم نے اپنے "بچوں" کو کیسے تنہا چھوڑ دیا۔ زیادتی کی کوئی جنس نہیں ہوتی یہ بھی اسے آج علم ہوا۔

"ان میں سے کون؟" ہلکی آواز میں سہراب نے محض اتنا پوچھا۔ اندر سے مغلظات بکنے کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ لڑکے نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ پیچھے ہونے لگا سہراب نے اس کی کلائی پکڑ لی، سوال دہرایا۔ "ان میں سے کون؟" قدموں کی چاپ آئی کوئی دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا تھا۔ لڑکے کے چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ اس کی کلائی پہلی بار ایک کراہیت زدہ لمس میں نہیں محافظ لمس میں گھری تھی۔ "ان میں سے کون؟"

"چا۔۔۔ چاروں۔۔۔۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔ "چاروں صاحب یہ چاروں۔"

دروازہ جونہی کھلا سامنے والے نے کچھ کہنے کو منہ کھولا مگر اسی لمحے سہراب کی تنی ہوئی پستول سے ایک خاموش گولی نکلی اور سامنے والے کے دماغ کے آر پار ہو گئی۔ تین سیکنڈ بعد وہ پشت کے بل گرا، نیچے گر کر چند پل تڑپتا رہا اور اگلے ہی پل وہ اس دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے آس پاس خون جمع ہونے لگا۔

لڑکا جہاں تھا وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا۔ سہراب آگے آیا، شراب کے نشے میں مست بھیڑیوں نے بوکھلا کر اپنی بندوقیں اٹھانی چاہی مگر وہ جو آیا تھا ساتھ بلائیں لایا تھا اس نے نہیں دیکھا گولی کہاں لگ رہی ہے کسے لگ رہی ہے کتنی دفعہ لگ رہی ہے اور کیا ایک ہی سوراخ میں دو جگہ بھی لگ رہی ہے؟

محض کلک، کلک، کلک کی آوازیں اُبھر رہی تھیں اور اس کے بعد فلک شگاف چیخیں۔

اس نے بس مارا محض مارا۔ لمحوں کے اندر اندر فرش خون سے تر ہو چکا تھا وہ چاروں پھٹی پھٹی آنکھیں لیے ساکن ہو چکے تھے خون کے کچھ چھینٹے سہراب کے چہرے پر گرے تھے جنہیں اب وہ ہتھیلی کی پشت سے صاف کر رہا تھا۔ چہرے پر ذرا سا بھی افسوس نہیں تھا جذبات اسے چھو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ یہ کوئی اور انتقام تھا، ایک ابھی باقی تھا۔

اس نے خالی میگزین نکال کر دوبارہ بھری اور اب اس نے جو گولیاں چلائیں وہ نشانہ ان کے بازو تھے۔ لڑکا ایک کونے میں کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ "مالک میری جان لے لے گا صاحب۔۔۔۔ مالک۔۔۔ وہ مجھے مار دے گا اسے سب پتا تھا وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

سہراب نے ایک خالی سی نگاہ اس پر ڈالی، پستول واپس جیب میں رکھی اور ایک کراہیت بھری نگاہ ان پر ڈالتے ذرا فاصلے پر ہو کر اسفند کو کال ملائی۔ کچھ تھا ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی کال وہ دونوں نظر انداز نہیں کر پاتے تھے، کچھ تھا کہ ڈھیر سارے مسائل کے بعد بھی وہ ایک دوسرے کے بلانے پر آجاتے تھے۔ کال اٹھالی گئی، سہراب پنجوں کے بل لاشوں کے قریب بیٹھ چکا تھا۔

وہ ایک ہراسر کی شکل دیکھ رہا تھا، کیا مختلف تھا ان میں اور ایک عام مرد میں؟ کیا ایک عام مرد کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، کیا اس کا دل نہیں ہوتا، نفس نہیں ہوتا پھر کیا ہے جو انہیں زبر اور وکٹم کو زیر کرتا ہے؟

"کہو، سہراب۔" اسفند کی مصروف سی آواز اسے حال میں لے آئی۔ اس کی نگاہیں لاشوں پر جمی رہیں۔

"میں نے آپ کے چاروں لوگ جان سے مار دیے ہیں۔" اسفند جو خود گاڑی چلاتے ہوئے کہیں جا رہا تھا اس کا دماغ بھک سے اڑا۔ اس نے گاڑی روک دی۔ چہرے کی رنگت متغیر ہو چکی تھی۔

"تم حواسوں میں ہو؟" وہ غرایا۔ "کیا بک رہے ہو۔"

”سچ کہہ رہا ہوں اگر بات مجھ پر آئی تو کہہ دوں گا انہوں نے اسفند انصاری کے کہنے پر میرے بھتیجے پر حملہ کیا تھا اور یہ بھی بتاؤں گا اسفند انصاری نے حملہ کروایا کیوں اور پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ میڈیا میری بات کا یقین کر لے گا آپ کو کیا لگتا ہے؟“

”تم دھمکا رہے ہو؟“ اس کی آواز پھٹی ہوئی تھی۔ چہرہ سرخ۔

”بالکل۔“

”میں تمہاری سات نسلیں تباہ کر سکتا ہوں۔“

”ایک کوشش میں آپ کے چار مارے گئے اگلی باری پیادوں کی نہیں ہو گی، اسفند صاحب۔“

اسفند نے بے اختیار کنپٹی مسلی، لب چبائے، پہلو بدلا۔ ”کہاں مارا؟“

”راجہ ڈھابہ۔“

”تم نکلو وہاں سے باقی سب میں دیکھ رہا ہوں۔ کسی نے تمہیں وہاں آتے ہوئے دیکھا ہے؟“

سہراب نے اپنے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا۔ ”ہاں ایک لڑکا تھا چودہ پندرہ سال کا، اس نے مارتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔“

”ختم کر دو اسے بھی۔“ اس نے سفاکی سے کہا۔

”وہ اب میرا معاملہ ہے۔ آپ اس میس کو سنبھال رہے ہیں؟“

”تمہیں اس کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی، سہراب۔ میں لوگوں کو بلاوجہ کی رعایت نہیں دیتا۔ میں لوگوں کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ میری برداشت آزمائیں۔“

”میں بھی۔ آپ کو کیا لگتا ہے میں جو ہر فور زیرو یونہی کر رہا ہوں؟ یہ پیشگی تھی آپ کو مزید قیمت ادا کرتی رہنی پڑے گی۔ ہوٹل کی لوکیشن اور مالک کا نمبر بھیج رہا ہوں امید ہے آپ اس مسئلے کو احسن طریقے سے حل کریں گے۔“

"فون۔۔بند۔۔کرو۔۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔ سہراب نے سر کے خم سے شکریہ کہتے کال کاٹ دی۔ اور لڑکے کی طرف دیکھا جو ہنوز سہما ہوا تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں کچھ الگ سا احساس بھی تھا وہ ان لاشوں کے لیے افسردہ نہیں تھا۔ شاید اسلان نے بھی شاہ ویر کی لاش دیکھ کر یہی طمانیت محسوس کی ہوگی، سہراب بس سوچ سکا۔

"میرے سسر کے گھر پر ایک کُل وقتی ملازم کی ضرورت ہے کام کرنا چاہو گے؟" اٹھتے ہوئے اسے پیشکش کی۔ اسے یقین تھا انکار نہیں سننا پڑے گا اور اگلے ہی لمحے اس کا سر میکانکی انداز میں اثبات میں ہل گیا۔ سہراب کے دل میں جلتے بھانبھڑ کچھ حد تک ٹھنڈے ہو چکے تھے۔

★★★★★★★★

چند گھنٹے قبل!

گاڑی کے اندر بیٹھے، چہرے پر ماسک لگائے اور سر پر پی کیپ جھکائے چہرہ بمشکل ڈھکے ان دونوں کی نظریں گلی کے اختتام تک جا رہی تھیں جہاں روشن رحمان کی بیٹی کے گھر سے بچے باہر نکل رہے تھے۔ اس نے نہ جانے کیوں پچھلا محلہ بدل لیا تھا اور اب یہاں سکونت اختیار کیے ہوئے تھی۔

"سہراب سے جھوٹ کیوں بولا؟" یافث کی گھورتی نظروں سے بے پرواہ عالم بس اپنا ہدف تلاش کر رہا تھا۔

"میرا جھوٹ اہم نہیں اس کا سچ نہ پکڑ پانا مسئلہ ہے۔"

"کیسا مسئلہ؟"

"وہ پریشان ہے ورنہ اس کو یاد رہتا میرا فلیٹ تو تمہارے قرضے کے چکر میں گروی ہے تم اور میں اس وقت وہاں کیسے ہو سکتے ہیں؟"

یافث کے لب اوہ میں سکڑے۔ "تم دونوں بھائی ہی شیطان کے چیلے ہو۔"

"مردوں کو ذہین ہونا چاہیے۔"

"ضروری تو نہیں۔" اس نے اختلاف کیا۔ "ہمیشہ دکھایا اور پڑھایا جاتا ہے کہ ایک مرد بہت ذہین تھا اور ان کا ایک دوست بالکل ہی اللہ میاں کی گائے جو ہمیشہ ذہینوں کو پھنساتا تھا، اپنے نقصان کرتا تھا۔ ہمارے ذہن میں بیٹھ گیا ہے ذہانت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ بیچ میں بھی تو بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"مثلاً؟" وہ اب بھی باہر دیکھ رہا تھا شاید وہ حجاب کے بغیر نظر آجائے، صرف ایک جھلک اور عالم کے خرافاتی دماغ کو چین آجائے۔

"مثلاً میں۔ درمیان میں مجھ جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ عام لوگ۔ اسلان کا راز تمہیں پتا چلا تو حکمتِ عملی کی۔ مجھے پتا چلا تو دل میں رکھ لیا، آراہ کا ساتھ دیا اور بس۔"

"تمہیں پتا تھا؟" عالم بھونچکا رہ گیا۔ یافث نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ چہرے پر اطمینان تھا۔

"آراہ نے بتایا تھا۔"

"اسے کیسے پتا چلا؟"

"شاہ ویر کے کسی دوست سے۔" دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی عالم کو وہ لفظ نہیں ملتا تھا جو کہہ کر وہ اس دم گھونٹنے والی خاموشی کو ختم کرے اور یافث شاید اس دورانیے کی طوالت پر راضی تھا۔ وہ اس بات پر بھی راضی تھا کہ اندر اس گھر کے مکین کا راز عالمگیر پر کھل جائے اور وہ اس چوہے بلی کے کھیل سے آزاد ہو سکے۔

"تم نے سہراب سے، یا پھر اسلان سے کچھ کہا؟"

یافث نے پشیمانی سے نفی میں سر ہلایا۔ "اسلان سے کیا کہتا اس سے بارہ سال کی عمر میں وعدہ کیا تھا کہ اس کی تحویل لے کر آؤں گا عدالت جا کر میں نے کچھ اور کیا وہ شروع سے حساس تھا اس کی حساسیت پر پہلی ضرب میری ماری ہوئی تھی، میں دوسری ضرب کی بات کیا کرتا؟ میں اور سہراب ان دونوں بچوں کے درمیان مقابلے کرتے آئے تھے۔ نمبر، تعلیم، اسکول، کالج انہوں نے سب ہماری مرضی کا کیا۔ کیا کہتا سہراب سے کہ تمہاری ضد نے اسے ایڈن برگ بھیجا یا خود سے کہتا کہ اگر بارہ سالہ بچے سے سچا وعدہ کیا ہوتا اسے گھر سے اعتماد ملا ہوتا تو آج یہ نہ ہوتا؟"

"دونوں نہیں۔" عالم نے سنجیدگی سے اس کی بات کاٹی۔ "ہم چاہے اپنے بچے چین بھیجیں چاہے فرانس یہ ان کا حق ہے، اگر وہاں جا کر ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی تو بھیجنے کو غلط نہیں کہنا ہوتا۔ ہم وکٹم بلیمنگ کیوں کر رہے ہیں جس نے غلط کیا اس کو غلط کہنے کی بجائے ہم سوچ رہے ہیں اگر ہم نے یوں نہ کیا ہوتا تو یوں ہو جاتا۔" وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آیا۔ اسی پل گھر کی بتیاں بجھ گئیں وہ اسی انتظار میں تھا یقیناً اب وہ سونے کے لیے جا رہی ہو گی یعنی وہ دس سے پندرہ منٹ میں اندر گھس سکتا تھا۔ زبردست۔

"تمہاری باتیں اور منطق تم ہی سمجھو یہ بتاؤ کہ اب ہم کرنے کیا آئے ہیں آدھے محلے سے تم نے کہا ہے اپنی بیٹی کا قرآن سینٹر میں داخلہ کروانے آئے ہو اب تک کافی مشکوک ہو چکے ہیں جو کرنا ہے جلدی کرو۔"

"میں کسی طرح اسے باتوں میں الجھا کر اس کے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔"

"یقین تھا مجھے تم کچھ گھٹیا ہی سوچو گے۔" یافث نے تاسف سے کہا۔ "وہ اکیلی عورت دو سانڈھ جیسے مردوں کو اندر کیوں آنے دے گی؟"

"کیوں نہیں آنے دے گی مجھے کوئی عورت انکار نہیں کرتی۔"

"تمہاری وجاہت کے جادو کہیں اور چلتے ہوں گے وہ سامنے تختی دیکھو۔۔۔۔" گھر کے باہر ایک تختی لگی تھی۔ عالم نے آنکھیں چندھیا کر غور سے پڑھا جہاں لکھا تھا۔ "مردوں کا داخلہ ممنوع ہے"۔ عالم پر مانو اوس پڑ گئی۔ غصہ اتنا آیا کہ حد نہیں۔ یہاں تک آنے کے بعد وہ واپس نہیں جانے والا تھا ترکیب تو اس کے پاس بھی تھی۔

"تم گاڑی لے کر جاؤ اور جا کر گلی سے باہر کھڑی کرو میں ایک گھنٹے تک آ جاؤں تو ٹھیک ورنہ گھر چلے جانا۔"

"او بھائی اتنے تم فلمی ہیرو غور سے دیکھو میرے ماتھے پر جلی حروف میں گدھا لکھا ہے۔" یافث طنزاً بولا۔

"یافث۔۔۔۔"

"نہیں عالم تمہیں کچھ ہوا تو سہر اب میری جان کا دشمن بن جائے گا۔"

"اور اگر میں نے اس عورت کا چہرہ نہیں دیکھا تو میری جان میری دشمن ہو گی۔ جاؤ ابھی۔" اپنے آگے اس نے آج تک کس کی سنی تھی جو آج یافث کی سن لیتا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی لے کر چلا گیا تو عالم گھر کی عقبی دیوار کی طرف چلا آیا۔ اینٹیں باہر کی طرف نکلی ہوئی تھیں عام حالات میں اس جیسا نفیس آدمی مر کر بھی ان دیواروں پر چڑھنے کی کوشش نہ کرتا مگر مسئلہ یہ تھا کہ حالات اب "عام" نہیں رہے تھے۔ اگلے کچھ منظر ٹکڑوں کی صورت بکھرے ہوئے تھے۔

عالمگیر کہنیاں اور سینہ چھلوا کر گھر کی چھت تک آ چکا تھا۔ آہ ۔۔۔۔ اس کے لبوں سے بے اختیار کراہ برامد ہوئی۔ اور نے ناپسندیدگی سے اپنے مٹی ہوئے کپڑے دیکھے۔ چند پل بعد وہ زینے اترتا نیچے آیا۔ چار سو خاموشی تھی۔ وہ چلتا ہوا چھوٹے سے برامدے میں آیا جہاں تپائی پر موبائل چارجنگ پر لگا ہوا تھا اس کے اندر کا تہذیب یافتہ کارپوریٹ وکیل اسے ڈھیروں ڈھیر گالیاں دے چکا تھا وہ اس طرح کسی عورت کے گھر میں کیسے داخل ہو سکتا تھا، اتنی پیچ حرکت؟

اپنی زندگی میں کی جانے والی سب سے غلیظ حرکتوں میں وہ اس حرکت کو درجہ اول پر رکھنے والا تھا۔

بری سی شکل بناتے اس نے موبائل اٹھایا موبائل پر کوئی لاک نہیں تھا اس نے جونہی گیلری کھولی۔ ابھی وہ کسی تصویر پر کلک کرتا کہ اسی پل اسے منجمند ہونا پڑا۔ کسی نے اس کی کمر پر چاقو چبھویا تھا، عالمگیر یمن کبھی چاقو کی نوک تلے آیا ہی نہیں تھا۔ وہ تھم گیا۔

"on your knees" سلجھی ہوئی ملائم سی آواز میں حکم دیا۔ لہجہ سخت تھا۔

"ہاتھ اوپر اور گھٹنوں کے بل ابھی!" اب کے وہ غرائی مگر اس غراہٹ میں بھی لرزش تھی۔ عالم نے ہاتھ اونچے کیے اور وہ بیٹھنے لگا۔ بیچ راہ میں مڑا، برق رفتاری سے اس سے چاقو چھیننے کی کوشش میں جھپٹا مار گیا اور اس جھپٹے کے نتیجے میں اس کے ہاتھ مقابل کا نقاب آیا جو کہ غیر ارادی طور پر اتر گیا۔

اسی لمحے بتی جل گئی۔ یافث طارون سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھے چوکھٹ پر کھڑا نظر آیا عالم ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا، سانس روکے پلکیں جھپکے بنا۔ معصوم چہرہ، لانبی لرزتی پلکیں اس کے بھرے بھرے گال اور چہرے پر پھیلا خوف وہ سراسیمہ تھی مگر وہ روشن کی بیٹی نہیں تھی۔ یہ نقاب جلا ہوا چہرہ چھپانے کے لیے نہیں تھا یہ نقاب پہچان چھپانے کے لیے تھا۔

وہ کون تھی عالم جانتا تھا۔ بس وہی تو جانتا تھا۔

★★★★★★★★

انار اطارون کے اغوا سے ایک دن قبل!

بتی ایک بار پھر جا چکی تھی اور اس کے واپس آنے کا کوئی امکان باقی نہیں تھا۔ یافث اور عالم تو اسے خبر نہیں تھی کہاں ہیں البتہ آراہ کو وہ خود اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر آیا تھا۔ دس منٹ پہلے اس کی آراہ سے بات ہوئی تھی وہ ٹھیک تھی، اس کے لیے فکر مند تھی۔ آمنہ اچانک اپنے ابا کے گھر چلی گئی تھی اور اب اسے بہت زور کی بھوک لگی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس کے دل میں نہ جانے کیا سمائی کہ اس نے موبائل اٹھا کر بنفشہ کو کال ملائی۔

دوسری طرف کال جاتی رہی وہ سکرین پر چمکتا اس کا نام دیکھ رہی تھی مگر وہ کال نہ اٹھا سکی، آنسو بھل بھل اس کی آنکھوں سے بہتے جا رہے تھے وہ دو گھنٹوں سے مسلسل رو رہی تھی۔ پہلی بار ایسا ہو رہا تھا کہ کسی کی تکلیف اپنے دل کو بھی محسوس ہو رہی تھی اور پہلی بار یہ بھی ہو رہا تھا کہ اسلان یمن دل کی مانتے ہوئے کسی کو کال ملا رہا تھا۔

"ایسے بے مروت کرایہ دار ہیں کہ ضرورت کے وقت مالک مکان کی کال ہی نہیں اٹھاتے۔" اس نے پیغام لکھ کر بھیجا بنفشہ نے موبائل اٹھایا آنکھیں رگڑیں اور یخ پڑتی انگلیوں سے جوابی پیغام لکھا۔

"تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟"

"کھانے کی۔ میں بھوکا ہوں، میڈم۔"

"سو تو میں بھی ہوں۔"

"تم کیوں؟"

"کچھ کھایا ہی نہیں گیا۔" اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں یہ بنفشہ احسان کے بات کرنے کا طریقہ نہیں تھا وہ ٹھٹکا۔

"تم نے میری کال نہیں اٹھائی۔" لمحے بھر کا توقف۔۔۔۔ "کیا تم رو رہی ہو؟" وہ مزید بلند آواز میں رونے لگی تکلیف حد سے سوا ہو گئی جی میں آیا کہ شاہ ویر کا گریبان کھینچ کر پوچھے کیوں؟ کیوں؟ اسلان کیوں؟ اس نے دیوار سے ٹیک لگا لی دوسری طرف اسلان بھی اسی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔

”میں گھر آؤں، کوئی مسئلہ ہے؟“کاش وہ اسے بلا سکتی، کاش اس کے پاس آنے کا اختیار ہوتا، کاش آج اس کے پاس یہ اختیار ہوتا کہ وہ بغیر کسی کی پرواہ کیے اس کے پاس چلی جاتی۔

اسلان ابھی کچھ اور کہتا کہ دروازہ بجنے لگا۔ وہ تھم گیا یہ سہراب کا انداز تھا لب بھینچے اس نے تیزی سے کمبل پیروں سے ہٹایا اور پھر خود ہی کراہ کر رہ گیا بازو میں تکلیف جو اٹھی تھی۔ چند لمحے وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے کراہ روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ باہر ہوتی دستک متواتر تھی اسلان جھنجھلا کر اٹھا اور دروازے کھولا۔ چوکھٹ کے اس پار سہراب تھا ہمسائے گھروں سے آتی ہلکی روشنی میں اس نے آج اسلان کو پہلی بار دیکھا۔

”میں آپ کا کوئی ملازم ہوں یا میں نے پَر لگوائے ہوئے ہیں، آئندہ اگر اس طرح دروازہ بجانا ہو تو اپنے لیے کوئی ملازم رکھ لینا۔“ اسلان نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

”اوکے!“ سہراب کی آواز تکان زدہ تھی۔ اسلان کو اچنبا ہوا۔

”مجھ سے کوئی دشمنی ہے کیا؟ ہسپتال سے لا کر یہاں پٹخ دیا نہ کھانا، نہ پانی، اور تو اور چچی کو بھی بھیج دیا دوبارہ اگر یہی سب کرنے کا ارادہ ہو تو بتا دینا میں کم از کم اپنی بہن کو اپنے پاس رکھ لیا کروں گا۔“

اس نے محض سر کو خم دیا۔ نگاہ چرائی۔ ”اوکے!“

اچنبا تحیر میں بدلا۔ ”میرے بارے میں کسی کو حکم نہ دیا کرو میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔“

اب کے سہراب نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”اوکے!“ اسلان کی آنکھوں میں گڑھی اس کی آنکھوں میں قلق تھا۔ دونوں کے درمیان کچھ در آیا اسلان چپ چاپ اسے تکے گیا۔ سہراب اندر داخل ہوا، دروازہ بند کیا۔

”کچھ ہوا ہے، کہیں لگی ہے، یا پھر کہیں درد ہے؟“ سہراب کی آنکھیں یکایک پانی سے بھر گئیں پانی آنسوؤں میں بدلا اور اگلے ہی لمحے وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے گھٹنوں کے بل گر گیا ایسے جیسے پہاڑ گرتے ہوں۔ وہ سر جھکائے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا اسلان بدک کر پیچھے ہوا۔ متحیر، شل۔

”ساری غلطی میری ہے۔ سارا قصور میرا ہے۔ سب میری وجہ سے ہوا۔ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔“ وہ ابا کی موت پر نہیں رویا، اسلان کے جیل جانے پر نہیں رویا، میرال کی موت پر ایک آنسو نہ بہایا آلام و مصائب کو

سینے پر مرد مجاہد کی طرح لینے والا اس وقت کسی چھوٹے بچے کی طرح رو رہا تھا۔ ایسے جیسے بہت تکلیف ہوئی ہو، حد سے زیادہ تکلیف۔ ”مجھے لگا تم ڈرتے ہو، مجھے لگا سب کچھ پنار کی وجہ سے ہوا ہے .... میں سمجھا .... تم کمزور ہو تم مرد نہیں بن سکتے .... مرد تو میں نہیں تھا جو تمہیں نہیں بچا سکا۔ کمزور میں تھا جو تمہاری آنکھیں بھی نہیں پڑھ سکا میں ..... میں ایسا کیوں تھا اللہ ...... میں ایسا کیوں تھا؟“

اس کے گریہ کی آواز بلند تھی چہرہ اذیت اور آنسوؤں سے تر۔ اسلان ناسمجھی بھری گھبراہٹ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ ”تم نے ٹھیک کیا وہ اسی موت کا حقدار تھا جو کچھ اس نے تمہارے ساتھ کیا اس کے بعد وہ اسی موت کا حقدار تھا۔“ اسلان میکانکی انداز میں دو قدم آگے آیا گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا اس کی آنکھیں اب بھی پھٹی تھیں، ہاتھ پیر لرز رہے تھے لیکن وہ سہراب کو اس طرح نہیں دیکھ پایا۔ اس سے دیکھا ہی نہیں گیا۔

”میں .... میں تمہارا باپ نہیں تھا میں ضدی تھا میں باپ ہوتا تو تمہاری تکلیف سمجھ جاتا میں۔“ اس کے الفاظ حلق میں دب گئے اسلان نے بے حد آہستگی سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ سہارا تھا کہ کیا وہ اس کے گرد دونوں بازو باندھ گیا۔ اس کا سارا بدن ہچکولے کھا رہا تھا، روح جل رہی تھی، اور تکلیف کا کوئی پیمانہ نہیں تھا۔ وہ اسلان کے سینے میں سر دیے روتا گیا۔

”مجھے تمہارا خیال رکھنا چاہیے تھا اور میں نہیں رکھ سکا۔ میں نے تمہیں شاہ ویر کے حوالے کر دیا میں نے تمہیں جانوروں کی بھیڑ میں چھوڑ دیا میں کوئی مرد نہیں ہوں مرد مجھ جیسے نہیں ہوتا . . ۔ میں تمہارے لائق نہیں تھا اسلان میں نے تمہارے ساتھ بہت .... بہت ظلم کیا ہے میں ۔نے غلط کیا۔ میں نے تمہیں تباہ کر دیا، میں نے بہت غلط کیا۔“ وہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا، اس کا کندھا تھپک رہا تھا وہ سہراب کے ساتھ رو رہا تھا۔ تکلیف اب بڑی سے بڑی لگ رہی تھی۔ اب لگ رہا تھا وہ تو بہت کچھ جھیل آیا، اب لگا تھا اس کے ساتھ تو بہت ظلم ہو گیا تھا۔ اب لگ رہا تھا وہ رو سکتا تھا، ڈر سکتا ہے اب جا کر احساس ہوا تھا سہراب یمن سے اس کی محبت یکطرفہ نہیں تھی۔ پہلی بار لگا تھا وہ اپنے باپ کے ساتھ ہے۔ محفوظ۔

”مجھے معاف کر دینا اسلان مجھے پلیز معاف کر دینا میں نے تمہارے حق ادا نہیں کیے. مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے میں ساری عمر کے لیے شرمندہ ہو گیا ہوں۔ میں روز محشر اللہ سے کیا کہوں گا میں کیا جواب دوں گا کہ میں ...... میں اپنے بچے کی حفاظت نہیں کر سکا میں کیا کہوں گا اسلان میں کیا کہوں گا میں تو ختم ہو گیا۔ میں مر گیا ہوں میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا میں نے۔“ وہ جملہ مکمل نہیں کر سکا اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ حلق میں گولے اٹک گئے۔

اسلان نے اپنا دباؤ اس پر تنگ گیا۔ ”ہم اللہ سے اس کی شکایت کریں گے۔“ اس نے سہراب کے چوڑے کندھے تھپکے۔ ”ہم شرمندہ نہیں ہوں گے وہ ہو گا، وہ یہاں جیتا ہے وہاں جا کر اسے ہم ہرائیں گے۔“ اس نے روتے ہوئے تکلیف اور شادمانی کے درمیان کہا۔ ”آپ مرد ہیں مرد آپ جیسا ہوتا ہے نامرد وہ تھا، ظالم وہ تھا۔ آپ کا کوئی قصور نہیں، میرا بھی کوئی قصور نہیں۔ ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔“

سہراب نے اس کے سینے سے چہرہ نکال کر نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ”میں نے تمہاری کبھی نہیں سنی۔“

اسلان نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ صاف کیا بال ماتھے سے ہٹائے۔ ”میں نے سنائی بھی تو نہیں۔ میں عالم کو بتا سکتا تھا تو آپ کو بھی بتا سکتا تھا مجھے بتانا چاہیے تھا۔“

”میں نے ساری زندگی تمہیں جج کیا ہے۔“

”میں چاہتا تو سچ بتا کر ججمنٹس کے رخ موڑ بھی سکتا تھا۔“

”تمہارا کوئی قصور نہیں تھا، اسلان۔“ اس نے سختی سے اسے بازوؤں میں جکڑا، اسلان کے زخمی کندھے میں جو درد اٹھا الامان وہ ضبط کر گیا، شکوہ نہیں کیا۔

”میرا قصور میری خاموشی تھی دو دروازے بند ہوئے تو مجھے لگا اگلے تمام دروازے بھی بند ہوں گے مایوس ہو گیا تھا۔ مایوسی کفر ہوتی ہے کفر کو زندگی میں شامل کر کے کہاں تک چل پاتا؟“ سہراب اس کی کوئی بات نہیں سن رہا تھا وہ بس رو رہا تھا آج یہ آنسو بہنے دیے گئے۔ بہت دیر بعد کندھے کا درد اسلان کی برداشت سے باہر ہوا تو اس نے ہلکی آواز میں اسے پکارا۔

”اسکار۔۔۔ میرا بازو درد کر رہا ہے۔“ سہراب بے اختیار اس سے الگ ہوا۔ ہاتھ سے اس کا بازو دیکھا جہاں سوجن سی تھی۔ اس نے آنکھیں صاف کیں اسلان کو اپنے ساتھ کھڑا کیا۔

”میں نے سب کو گھر سے نکال دیا ہے آج یہاں صرف تم اور میں ہیں۔ تم مجھے سب بتاؤ گے کیا ہوا، کیوں ہوا کیسے ہوا یا پھر چاہو تو نہ بتاؤ۔ ہمارے درمیان محبت تھی لیکن ہمارے درمیان ایک خلاء ہے آج وہ ختم کرتے ہیں۔“ وہ اسلان کا بازو کندھے پر ڈال کر چل رہا تھا ایک وقت میں اس نے اسلان کو انہی کندھوں پر بٹھایا بھی تھا، جواب پورا ہاتھ تھام لیتا تھا کبھی اس کے ننھے ہاتھوں میں سہراب کی انگلی بھی کافی ہوا کرتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں چھت پر موجود تھے یہاں سے اسلان یمن کا نظریہ شروع ہوتا تھا، اس کی کہانی، اس کی بات کا ایک رخ۔

★★★★★★★★★★

اسے اپنے آس پاس ارد گرد کئی لوگ نظر آتے تھے، گردن، ران، چہرہ، سینہ ہر جگہ کوئی لمس محسوس ہوتا تھا کراہیت زدہ لمس۔ وہ پاگلوں کی طرح چیختا، جھٹکتا مگر کراہیت بڑھتی ہی چلی جاتی۔ وہ اکیلا تھا، کمزور تھا اسے خود سے نفرت ہوتی تھی۔ واش روم میں کھڑے ہو کر وہ کئی کئی گھنٹے صابن سے ہاتھ، چہرہ اور جسم دھوتا ہر جگہ گند تھا، ہر کہیں انگلیوں اور ہتھیلیوں کی چھاپ۔ وہ جتنی کوشش کرتا احساس اتنا بڑھتا جاتا۔ وہ جہنم جیسی جلن صاف کیوں نہیں ہوتی تھی، یہ بدبو ختم کیوں نہیں ہوتی تھی؟ وہ اس لمحے، اس قید کو کیوں نہیں بھول پاتا تھا، کیوں زندگی واپس ٹھیک نہیں ہوتی تھی؟

”مرد روتے نہیں ہیں۔“ یافث سے بات کرتے ہوئے جب اس کے حلق سے الفاظ نہیں آنسو نکلے تب اس نے یہ کہا تھا۔ اسلان یمن ساکن سا اسے دیکھے گیا۔ ”سہراب نے بتایا کہ تمہارا جھگڑا ہو گیا تھا تم مرد ہو یار دیکھو خود کو، اپنی طاقت دیکھو پٹ کر آ گئے ہو؟“

اسے اپنے جسم سے نفرت تھی اسے کوئی بھی تیز دھار چیز ملتی تو وہ اسے اپنی کلائیوں اور ٹانگوں پر استعمال کرنے کی کوشش کرتا، گلے تک آتے آتے وہ رک جاتا تھا۔ بلند آواز میں روتے کپکپاتے وہ تھک جاتا تھا مگر اذیت کم نہیں

ہوتی تھی، وقت تھا کہ وہیں کا وہیں رہتا تھا پلٹتا نہیں تھا۔ اس کی راتیں بے چین تھیں، وہ اندر ہی اندر ختم ہو رہا تھا اور وہ کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ وہ "مرد" تھا اور معاشرے کے طے کردہ معیار کے مطابق وہ زیر نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ واپس پاکستان آ گیا تھا مگر یہ وہ اسلان نہیں تھا وہ ہر ایک پر چیختا تھا، ہر ایک سے لڑتا اور پھر کچھ دن ایسے آتے کہ وہ گھنٹوں گھنٹوں چپ رہتا۔ کچھ نہ بولتا، کچھ نہ کھاتا۔ سہراب نے اس کا داخلہ پاکستان میں کروا دیا تھا مگر وہ نہیں پڑھ پایا، کسی نے اس سے مذاق کیا اور اسلان نے اسے گھونسے مارے۔ وہ چند دن بعد ایکسپیل ہو گیا تھا اور یہ شاہ ویر بنگش کا کام تھا۔

ڈاکٹر نے کہا تھا اسے ڈپریشن اور انگزائٹی ہے کوئی گہرا دماغی صدمہ ہے اور اس کے گھر والوں کو لگتا تھا یہ پنار سکندر سے ملنے والا دھوکہ ہے۔ اس کے قتل کے بعد "لگنا" یقین میں بدل گیا اور یوں اسلان یمن کے استحصال کو پنار سکندر کے غم کا نام دیا گیا۔ اور اس نے طوق رسن چپ چاپ گلے میں لٹکا لیا۔

اسے اپنے وجود سے، اپنے رشتوں سے نفرت ہو گئی تھی اسے زندگی کا کوئی مقصد نہیں دکھائی دیتا تھا وہ شاہ ویر کے لیے، خود کو زندہ درگور کرنے کو تیار تھا۔ اس نے اپنی بہن سے کنارہ کشی کر لی کیونکہ اسے سارے یمن اور طارون پاکباز لگتے تھے اور اپنا آپ غلیظ۔ شاہ ویر بنگش نے اسے تمام عمر کے لیے مسخ کر دیا تھا۔

★★★★★★★

"جو تمہارے اشاروں پر ناچے وہ انسان کوئی اور ہو گا۔" اسلام آباد کی کسی سڑک پر بائیک روکے وہ شاہ ویر بنگش سے مخاطب تھا۔

"جب میں نے تم سے کہا ہے مجھے تمہاری حرام کی کمائی نہیں چاہیے تو تم ہر دفعہ مجھے یہ پیسے لینے پر مجبور کیوں کرتے ہو؟" مری کے اس چھوٹے سے گھر کے صحن میں یہاں سے وہاں چکر کاٹتے وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ دوسری جانب نیویارک کے فلیٹ میں بیٹھے شاہ ویر نے ایک مطمئن سی سانس خارج کی۔

"یہ پیسے تمہاری اجرت نہیں، نہ انعام۔ تم جیسے شخص کے لیے یہ ساری رقم سفید ہاتھی ثابت ہوگی۔ زہر کا ڈنک بھی میں چاہتا ہوں تمہارے پاس یہ رقم جائے تاکہ تمہیں علم ہو جو بھیک کے طور پر چند ٹکڑے تمہیں میں دیتا ہوں وہ کیسے ہوتے ہیں۔"

"میں یہ پیسے نہیں لوں گا میں تھوکتا ہوں تم پر اور تمہاری رقم پر!" یہ وہ رقم تھی جو اسلان آن لائن سرمایہ کاری میں لگاتا اور شاہ ویر کے لیے اسے دگنا کرتا۔

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں تمہارے چاچو کو پہنچادیں گے کیا خیال ہے پھر ان کو باقی کی کہانی بھی سنانا کہ کسی طرح تم جیسا مرد پانچ مردوں سے۔" اسلان نے آگے نہیں سنا اس نے طیش سے کال کاٹ دی آنکھیں بند کر کے وہ ساری گھٹن اور جلن اندر اتارے گیا۔ وہ اس شخص کی زیادتیوں کا کیا کرے جو ہر گزرتے دن اس کی برداشت کا پیمانہ آزماتی تھیں؟ وہ جانتا تھا معافی کے درجے بہت بڑے ہوتے ہیں مگر وہ یہ بھی جانتا تھا شاہ ویر بنگش اگر جل کر مرے تو اسلان اسے پانی بھی نہ پوچھے۔

اسلام آباد کی اس یخ رات میں جب وہ کلب سے اپنی ہی کسی اور کے ہاتھوں چرائے کتابوں کے، اور سرمایہ کاری سے ملنے والے کچھ فائدے کے زبردستی دیے ہوئے پیسے لے کر نکلا تب شاہ ویر بنگش نے اس کے آگے یہ شرط رکھی۔

"وہ اس کہانی کا سب سے جاندار کردار ہے میں اسے نہیں ماروں گا۔" اسلان نے فیصلہ سنایا۔ اس کا سب سے پسندیدہ کردار...... کوئی اسلان یمن سے پوچھے اس کی موت کا محض ذکر ہی کتنا اذیت ناک تھا۔ "میں اسے نہیں ماروں گا!" اس نے دہرایا۔

وہ ایک کردار کی موت کا ذکر تھا، شروع سے اب تک وہ موت کسی انسان کی موت نہیں تھی۔

شاہ ویر کے علاوہ اسے دھمکانے میں تمکنت پیش پیش ہوتی تھی اور شاہ ویر کی موت کے بعد وہ اس ڈرافٹ کو اسی طرح مکمل کرنا چاہتی تھی جیسے شاہ ویر۔ تاکہ یہ کتاب اس کی آخری کتاب کے عنوان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ بکے۔

"اگر تم بھی اپنی لکھائی پر اتنی محنت کر لیتے تو آج یوں کسی کے انٹرویوز دیکھ کر دل نہ جلا رہے ہوتے۔"

ایڈن برگ کے لوگ، لندن کی گلیاں، امریکا کے کیفے، بھارت کی دکانیں اس کی کتابیں اب ہر جگہ تھیں۔ اس کی سوچ ہر کوئی پڑھ سکتا تھا مگر پڑھنے والی آنکھ یہ نہیں جانتی تھی الفاظ کے ساتھ جو نام جوڑا گیا وہ دراصل ایک لالچ سے بھرے زبان باہر نکال کر للچاتے جانور کا نام ہے اور اسلان چپ چاپ اپنے حصے کی روشنی، کامیابی، نام اسے دیتا رہا۔ ہر رات وہ آنکھیں بند کرتا تو اذیت نئے سرے سے اس کے در پر دستک دیا کرتی بعض دفعہ وہ پی جاتا، لاتعداد مرتبہ وہ اسے کھا جاتیں۔

"تم نے اس کے ساتھ کیا کیا اسلان؟" یہ تیسری آواز اس میں سراسیمگی تھی۔ وہ پنار کی ماں تھی۔

وہ بتانا چاہتا تھا ان کی بیٹی کی لاش جلا دی گئی ہے اور جلانے والا ابتسام عباس ہے، وہ کہنا چاہتا تھا اس کی موت کا ذمہ دار شاہ ویر ہے مگر لب کسی نے سوئی سے سی دیے تھے۔ اس نے طعن و تشنیع برداشت کی، سینے پر مکے کھائے دل جلایا مگر چپ کی وہ مہر نہ ٹوٹی، بعض دفعہ اسے لگتا تھا اس کے آس پاس سے لوگ، گاڑیاں، ٹریفک اور زندگی گزر رہی ہے بس وہی ایک تھا جو ایک جگہ کھڑا رہ گیا تھا۔

اس نے قید سہی۔ اس کا سوشل سرکل تباہ ہوا، اس نے لوگوں کی نظروں میں حقارت برداشت کی ہر روز خود کو دیکھتے اپنی طاقت اور مردانگی پر ملامت کی۔ اسلان یمن نے زندگی کے یہ چند سال ہر لمحہ موت دیکھی تھی، جو سانس نہیں لیتی تھی مگر کمبخت جینے لائق بھی نہیں چھوڑتی تھی۔

"تم فکر مت کرنا، تمہارے ہر غم کا مداوا ہوگا۔" نسوانی آواز ایک بھاری مردانہ آواز دونوں آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں۔

وہ جب جب زید کو دیکھتا، جب جب قبرستان کے اس مخصوص حصے کو دیکھتا اسے یاد آتا کس طرح اس کی خاطر دو لوگوں نے اپنی زندگی کھوئی، وہ پچھتاوں میں جھلس رہا تھا طلال بنگش کی موت نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کی امیدیں خاکستر ہو گئی تھیں اور بقا کا ٹمٹماتا دیا بجھ کر سب تاریک کر گیا۔ وہ اسے یاد آتے تھے۔ ان کی امید دلاتی آواز، وہ لہجہ، وہ بھاری پن سب۔ مگر اس سب کا اب کیا فائدہ؟

اس کے لیے کھڑے ستون بھر بھری ریت بن گئے تھے اور اس میں یہ ہمت نہیں تھی کہ ریت کے ان ذروں میں اگلی بار وہ اپنی بہن، ماموں یا چاچو کا عکس دیکھے۔ اب دنیا کم ظرف کہے تو ٹھیک، بزدل کہے تو سر تسلیم خم۔ مگر وہ بقا کی خاطر باطل کے خلاف نہیں جا سکتا تھا۔

اس کا یہ بھرم بہت سال بعد ٹوٹا تھا کہ باطل کو ختم نہ کر کے بھی بقا نہیں ملنی تھی۔

"وہ اب بھی پنار کے گھر جاتا ہے۔" یافث اسے بتا رہا تھا۔

وہ جاتا تھا کیونکہ بعض مرتبہ اسے لگتا تھا وہ تھک چکا ہے اب وہ آواز اٹھا سکتا ہے مگر تب وہ اس خالی بالکنی کو دیکھتا۔ اپنی زندگی کے ان تاریک ایام کو یاد کرتا جب اس نے چھ ماہ کی جیل کاٹی تھی تب اسے اندازہ ہو جاتا وہ تمام عمر کے لیے مسخ ہو چکا ہے اب کوئی نسخہ کارگر نہیں، اب ہر آواز شکستہ۔ لہٰذا وہ پیچھے ہٹ گیا۔ ہر جنگ چھوڑ دی، ہر طرح سے خاموش ہو گیا مگر اس کی خاموشی میں ارتعاش آیا تھا پورے چار سال بعد۔

"آئی ایم سوری۔" ذرا سا جھک کر ہاتھوں میں پکڑے پھول قبر پر رکھتے وہ سیدھا ہوا۔ "کسی کی زندگی پر میرا حق نہیں تھا۔۔۔۔"

طلال بنگش کی موت اس کی زندگی کا سب سے بڑا غم تھی۔ وہ کسی گھوسٹ اکاؤنٹ سے شاہ زید کو دیکھتا تھا اپنے باپ کے لیے اس کی پوسٹس، اس کی زندگی میں ان کا خلا۔ اسلان جانتا تھا باپ کا نہ ہونا کیا ہوتا ہے اسے وہ دونوں قتل اپنے کیے ہوئے لگتے تھے وہ دو لوگ اس لیے مارے گئے کیونکہ وہ اسلان یمن کے لیے کھڑے ہوئے تھے وہ گر گئے تو اسلان ڈھے گیا۔ اس نے متعدد مرتبہ سہراب کو بتانے کا سوچا تھا مگر وہ ہر بار رک جایا کرتا تھا ہر بار وہ دو اموات اس کے حوصلے پست کر دیتی تھیں۔

"تم میری نگرانی چھوڑ دو یہ میری طرف سے آخری مشورہ ہے۔ ورنہ پھر کچھ ہو گا اور تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔"

اس کے اندر ان دنوں خود کو ختم کرنے کی ہمت آ گئی تھی وہ گولی نہیں مار سکتا تھا چاقو نہیں چلا سکتا تھا لیکن موت کی کئی اقسام تھیں اور وہ گمنامی کی موت مرنا چاہتا تھا ایسے جیسے کبھی اس کا کوئی وجود تھا ہی نہیں۔

اس کی گردن سرخ ہوگئی تھی تنفس تیز۔ یاسر چہرے پر رندھا ہوا تاثر لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ تو نہیں تھا۔ باس نے کہا تھا اسلان یمن ایک عام سالڑ کا ہے یہ عام تھا؟

اب اسے اس کام میں مزہ آنے لگا تھا ڈر ختم ہو گیا تھا سارا خوف اس زندگی کا ہی تو تھا اب اگر یہ ختم تو شاہ ویر طلال بنگش اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ وہ زندگی میں پہلی بار سکون کی نیند سونے لگا تھا اور پھر وہ ایک بار پھر واپس آ گیا۔ کردار اور چال بدل کر۔ اداکار اب ایک نئے کردار کی حیثیت سے آیا تھا اور کہانی کار یہ نہیں جانتا تھا اس کا کیا کیا جائے؟ پہلے اس کے پاس منصوبے نہیں تھے لیکن وقت کی دھارا کچھ اس طرح پلٹی کہ اس نے کہانی کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس روز کے بعد سے کہانی از سر نو تبدیل ہو گئی۔

کیا وہ اپنا خدا ساتھ لے آیا تھا؟

★★★★★★★★★

موجودہ دن!

"اب تو تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکی ہو اب تمہارا میرے متعلق کیا فیصلہ ہے؟" وہ دوبارہ رسیوں سے بندھی تھی۔ شاہ ویر اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھوں میں امید اور محبت کی چمک لیے انارا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے۔

"جو پہلے تھا وہی۔ تم دنیا کے آخری مرد ہوئے میں تب بھی تمہیں نہیں چُنوں گی۔" وہ تکان زدہ لگتی تھی، نقاہت سارے بدن پر حاوی تھی۔ بھوک اور حبس سے سر چکرا رہا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے یہ میرا قصور تھا، آراہ؟" وہ زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتے کرسی کے سامنے اس کے پیروں کے پاس آ کر بیٹھا۔ "میں ایک بیماری کے ساتھ پیدا ہوا، کیا یہ میرا قصور تھا میرے باپ نے کبھی مجھ سے پیار نہیں کیا اور میری ماں کے پیار نے مجھے برباد کیا۔ برا میں نہیں تھا میرے والدین تھے، ان کی تربیت تھی۔ میں آج جو بھی ہوں اپنی ماں کی وجہ سے ہوں۔" اس۔ کا ہر ہر لفظ پتھر پہ لکیر، اس کی ہر ہر توجیہہ قبول ..... مگر نہیں شاید کچھ باقی تھا۔ نم آنکھوں سے وہ ہلکا سا جھکی۔ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔ اور کہا تو بس اتنا..

”ابلیس کی کوئی ماں نہیں تھی۔“ ہر توجیہہ بھرے بازار میں برہنہ ہوئی، ہر عذر منہ چھپانے لگا، ہر صفائی سیاہ ہو گئی۔

”ابلیس کا کوئی باپ بھی نہیں تھا۔ اسے کوئی ذہنی عارضہ بھی نہیں تھا۔ شر اختیار ہوتا ہے، انتخاب ہوتا ہے۔ فسق زنگ آلود دلوں پر سب سے پہلے چڑھتا ہے اور باطل اسے سینے سے لگا لیتا ہے۔ تم باطل ہو، تھے، اور ہمیشہ رہو گے۔“

”تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگ رہا میں تمہیں ساری دنیا کے لیے عبرت کا نشان بنا سکتا ہوں۔“ وہ یکدم طیش میں آیا۔

”میں پھر بھی تمہارے خلاف!“

”اگر میں چاہوں تو تمہارے ساتھ وہی ہو گا جو تمہارے بھائی کے ساتھ ہوا بلکہ اس سے بھی برا۔“

”میں پھر بھی تمہارے خلاف۔“

”میں تمہیں ساری زندگی یہاں قید کر کے رکھ سکتا ہوں بغیر تعلق کے جب چاہے تمہیں استعمال کر سکتا ہوں۔“

نہ گردن جھکی، نہ آنکھوں کا زاویہ بدلا۔ ”میں پھر بھی تمہارے خلاف۔“ اس نے بنا رکے جواب دیا۔

شاہ ویر اٹھ کھڑا ہوا پل بھر کو ایسا طیش چڑھا تھا کہ حد نہیں۔ ”میں نے آج تک تم جیسی ڈھیٹ لڑکی نہیں دیکھی۔“

آراہ ہنسی، کرب میں ڈوبی بے اختیار بھر بھری ہنسی۔ ”نہیں دیکھو گے کیونکہ ہر لڑکی انا راطارون نہیں ہوتی، جو تم جیسوں کے آگے جھک جائے میں ہمیشہ تمہارے اور تم جیسوں کے خلاف۔“ شاہ ویر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

وہ ایک مشاق مرد تھا جب آراہ کو کسی طرح زیر نہ کر سکا، تب بھی شکست تسلیم نہیں کی۔ وہ کرسی پر رسن دار لڑکی کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا، ٹھوڑی سے تھام کر اس کا چہرہ سامنے کیا۔ چند پل تکتا رہا اور پھر ہلکی آواز میں کہا۔

”تم نے کبھی اپنی شکل آئینے میں دیکھی ہے؟“ آراہ ٹھہر گئی۔ ”کوئی مرد تم پر دوسری نظر بھی نہ ڈالے تم میں ہے کیا؟ کوئی تمہیں دیکھتا ہے تو میری وجہ سے تمہیں یاد رکھتا ہے تو میرے نام سے ورنہ تم ہو کیا؟“ نقاہت بے یقینی میں بدلی، اس کے جملے تلے سانس خشک ہوا۔ یہ وار مختلف اور کاری تھا جس شخص سے محض محبت کے گیت سنے ہوں وہ اُف بھی کرے تو تیر کی طرح لگتی ہے یہ بدبخت تو تاک تاک کر نیزے مار رہا تھا۔

"ایسی شکل پر مرد تھوکتے بھی نہیں اور میں نے محبت کرلی۔" اس نے استہزاء سے نفی میں سر ہلایا۔ الفاظ زہریلی بازگشت کی طرح آراہ کو ساری زندگی سنائی دینے تھے وہ جانتا تھا۔ اس نے آراہ کی رنگت اڑتے ہوئے دیکھی، اس نے دیکھا اس کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی ہے تیر نشانے پر لگا تھا۔ نشانہ اس کا دل تھا۔

"ٹکے ٹکے پر خرید لی جاتی ہیں تم جیسیاں اس شہر میں تم جیسیوں کی کوئی کمی ہے کیا؟" اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا کر اس کے ضبط کی سرحدیں پھلانگتا عارض پر پھسل گیا وہ اس وقت جو بھی تھا کبھی کسی وقت میں دل اس سے متاثر بھی تو رہا تھا وہ کب، کیسے اس متاثر شدہ حصے کو قدغن لگا رہا تھا آراہ کا دل ٹوٹا۔

"یہ تھی تمہاری محبت؟" نہ چاہتے ہوئے بھی ایک شکوہ لبوں پر پھسلا۔

"جانتی ہو جب جب تم مجھ سے جھوٹ بولتی تھی مجھے کوئی چھوٹا موٹا دھوکہ دیتی تھیں یا پھر میرے علم میں لائے بغیر کوئی کام کرتی تھیں تب میں کیوں پاگل ہوتا تھا؟ کیونکہ "تم"..... "میں" بن رہی تھی۔ تم مقدس تھیں۔ سفید، پاک۔ تمہارا ہر دھوکہ ہر جھوٹ مجھے خوف میں مبتلا کرتا تھا کہ تم میرے جیسی ہو جاؤ گی۔ اور میں بھلا اپنے جیسی کے ساتھ کیسے رہ سکتا ہوں؟ لیکن اب! اب تو تم مجھ جیسی بن گئی ہو تم نے میرے تعلقات کی جڑوں کو کاٹا، تم نے مجھ سے جھوٹ کہے، تم نے اداکاری کی، تم نے دھوکہ دیا اور پس پردہ اپنے بھائی کا ساتھ دیا تم نے یہ کیا کر دیا، آراہ؟" وہ کس ملال سے کہہ رہا تھا، کیسا رنج تھا جو اسے کھائے جا رہا تھا۔

"میں نے وہ کیا جو تم نے دوسروں کے ساتھ کیا، میرا دل شفاف تھا اس لیے پلٹ گیا کبھی تمہارا نہ ہو سکا۔"

شاہ ویر نے تاسف سے اسے دیکھا۔ "یعنی تم اب میری نہیں؟"

"ایک فیصد بھی نہیں۔"

"یعنی مجھ سے بے وفائی؟"

"خود سے وفا۔"

"یعنی عہد سارے فریب؟"

"تم سراپا فریب۔" دونوں کے درمیان ایک بار پھر خاموشی در آئی۔ گہری سانس لیتے ہوئے شاہ ویر پیچھے ہوا اور اس کی کرسی سے ٹیک لگالی۔

"ساری دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو سیاہ کاریوں میں ملوث ہوتے ہیں، دنیا میں ہر طرح کا شر برپا کرتے ہیں مگر ان کو آخر میں سب مل جاتا ہے پیسہ، شہرت، دولت، عزت سب کچھ۔ زید کی موت نے اگر مجھے زندگی دی تو کیا میں اسے ٹھکراتا؟ اسلان کی گمنامی نے اگر مجھے نام دیا تو کیا غلط ہوا؟ پنار کی موت پر اگر میرے بجائے اسلان جیل چلا گیا تو کیا قیامت آگئی۔ میں دنیا کی صحیح غلط کی تفریق سے بہت بے زار ہوں۔ جو کام آپ سے ہوا نہیں، یا قسمت نے موقع نہیں دیا وہ غلط ہو گیا اور جہاں تک استطاعت رہی وہ صحیح ہو گیا؟ میرا غلط کسی نہ کسی کے حق میں تو صحیح ہوتا ہو گا؟ اور کیا وہ معصوم خلق خدا میں شامل نہیں ہوتا؟ میرا غلط اگر میرے حق میں صحیح ہوا تو کیا غلط ہو گیا؟" وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے خود سے کہہ رہا تھا یا آراہ سے وہ سمجھ نہیں سکی۔

"تم یہاں سے اس صورت جاسکتی ہو جب تم میرے لیے رضامندی دے دو اور یہ کوئی ظلم نہیں ہے یہ تمہاری اپنی فیری ٹیل تھی۔ ایک مرڈرر، زانی، چور، کرپٹ آدمی کسی ایک عورت کے عشق میں اچھا ہو جائے میں تمہارے لیے اچھا ہو جاؤں گا، آراہ۔"

"رہزن کبھی رہبر نہیں بنتے۔" اس نے شاہ ویر سے زیادہ خود کو باور کروایا۔

"میں بن سکتا ہوں، میں بن گیا ہوں۔ میں تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ میرے ساتھ رہو، شادی کر لو مجھ سے۔" مڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "بتاؤ شادی کرو گی مجھ سے؟"

"میری اس زندگی میں کبھی نہیں۔"

"مجھ سے نہیں تو کس سے؟ کسی اور کو اجازت دو گی کہ وہ تمہیں چھوئے، تمہارے بال سہلائے، تمہاری آنکھوں میں دیکھے اور تم پر حق رکھے میری حق تلفی کرو گی؟"

آراہ نے نفرت سے اسے دیکھا۔ "اپنے حق کے لیے کھڑی رہوں گی۔ تم زم زم سے دھل کر آؤ گے تب بھی تمہیں اللہ معاف کرے گا میں نہیں۔"

"اتنی نفرت؟"

"یہ اس نفرت کا ایک فیصد بھی نہیں جو میں تم سے کرتی ہوں۔"

"میں تمہیں کسی اور کا ہونے نہیں دے سکتا اور تم یہ بات سمجھ نہیں رہیں۔" اس کا لہجہ طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ "جلد بدیر، آج یا کل تمہیں میرا ہونا ہے کیونکہ یہ صرف خواہش نہیں شرط ہے۔ میں تو ٹھیک ہو گیا تھا۔ آگے بڑھ گیا تھا زید بن کر الگ زندگی گزار رہا تھا پھر تم کیوں آئیں، تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا اور اب اگر آگئی ہو تو واپسی کا ہر داخلہ ممنوع ہے۔ تمہیں مزید وقت دیتا ہوں جب میں واپس آؤں تب تک فیصلہ کر لینا۔ میں اپنی جنت صرف بنانا نہیں اس میں رہنا بھی جانتا ہوں تم جنت ہو میری، تمہیں میں کسی قیمت نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ اٹھا اس بار آراہ نے اسے روکا نہیں اس نے جانا تھا تو جائے، مارنا تھا تو مارے، تشدد کرنا تو وہ بھی قبول مگر جو اسے زمینی خدا بنائیں وہ ان میں سے ایک نہیں بننے والی تھی۔ اس کی گردن ہنوز تنی ہوئی تھی، فخر سے، عزت سے۔ وہ کسی ماں کے بگڑے ہوئے بیٹے کی وجہ سے خود کو نہیں جھکائے گی۔ کبھی نہیں۔

★★★★★★★★★

موجودہ دن میں چند گھنٹے پیچھے صبح سات بجے!

وہ دونوں فجر سے کچھ دیر پہلے اپنے کمرے میں داخل ہوئے تھے اور اب باہر سے آتے شور کی وجہ سے سہراب کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ گلی کی طرف والی کھڑکی بند کر کے نہیں سویا تھا اف اف...... شور سے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ اس نے وقت دیکھنے کو اپنا موبائل تلاشنا چاہا مگر اس کا موبائل تپائی پر نہیں تھا۔ آمنہ صبح صبح اس کی چیزیں سنبھال کر تپائی پر رکھ دیا کرتی تھی۔ افسر صاحب کی عادتیں خراب ہو گئی تھیں۔

اس نے میز پر پڑا میرال کا ٹیب اٹھایا جو کہ عالم نے چند ہی روز پہلے اسے واپس کیا تھا یہ کہہ کر کہ "میری بیٹی کو اس خرافات کی ضرورت نہیں۔" اس نے وقت دیکھا دوپہر کے تین بجے تھے۔ میرال کی سرچ ہسٹری اسے اب بھی ازبر تھی۔ تاریخیں اور صرف تاریخیں۔ عادت سی تھی اب وہ ہر روز ہی اس ٹیب کو لیے کچھ نہ کچھ دیکھتا رہتا تھا۔

کچھ تاریخیں تھیں سن سمیت۔ تلاش یہ تھی کہ اسفندیار انصاری ان تاریخوں میں کہاں تھا۔ سہراب نے ان تمام تاریخوں پر دوبارہ کلک کیا۔

چھبیس فروری دوہزار بیس۔۔۔ وہ جھنگ میں تھا۔

ستائیس فروری...... اٹھائیس مارچ..... بارہ اپریل.... تیرہ فروری... پندرہ اپریل اس نے ایک ایک تاریخ سرچ کی وہ ان تمام تاریخوں پر پاکستان میں تھا۔ سہراب کا سر چکرانے لگا۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ وہ وہ ان سالوں میں امریکا میں رہتا تھا پھر یہاں کیوں؟ اور میرال ان تاریخوں کو کیوں سرچ کر رہی تھی۔

اس نے میرال کی گیلری کھولی اور ایک بار پھر اس کے بنائے ہوئے اسکیچ کی تصویر دیکھی۔ بڑی بڑی آنکھیں، لانبی پلکیں، اور....... اور یکلخت اس کے دماغ میں کچھ کلک ہوا وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور سٹور کی طرف بھاگا۔ سامان ہاتھوں سے ہٹاتے ہوئے وہ اخبار کے تراشوں اور کاغذات کے درمیان دبا ہوا وہ اسکیچ نکالنے لگا جس میں شکیل کی بہن نے ایک اسکیچ بنوایا تھا (وہی جو اسلان بنفشہ کو موصول ہوا تھا)۔ سہراب نے کاغذ پر بنا سکیچ موبائل والے اسکیچ سے ملایا۔۔۔۔ دونوں تصاویر ایک تھیں۔ ایک ہی عورت مگر وہ عورت نہیں تھی یہ اس کا دل کہتا تھا۔ شاید دماغ بھی۔

کچھ وقت بعد وہ ایک پروفیشنل اسکیچر کے پاس موجود تھا جس نے اس کے کاغذ کو اٹھا کر دھوپ میں دیکھا۔ آنکھیں چندھیا رکھی تھیں، نگاہوں کے پار کہیں سوچ کی پرچھائیں تھیں۔ ”مجھے یہ اسکیچ مرد کی شکل میں تبدیل کر کے دو۔“

لڑکے نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ”یہ کام تو اے آئی بھی کر سکتا ہے میں ہی کیوں؟“

”اے آئی مشین ہے تم انسان میں مشینوں پر اعتبار نہیں کرتا۔“

”انسانوں پر کرتے ہیں؟“

”ان کے ہنر پر، ہاں۔“

”تین چار دن لگیں گے۔“ اس نے ٹالنا چاہا۔

سہراب نے سر کو خم دیا ساتھ جیب سے پستول نکال کر اسے دکھائی۔ ”اب کتنا ٹائم لگے گا؟“ اس نے پستول اپنے اور اس کے درمیان رکھ دی لڑکے نے خفگی سے اسے دیکھا۔

”آرٹسٹ کو دھمکانا اچھی بات نہیں ہوتی اچھا۔۔۔۔“ سہراب نے پستول دوبارہ ہاتھ میں اٹھائی جب وہ جلدی سے بول پڑا۔ ”دو گھنٹے میں ہو جائے گا۔“

”گڈ!“ وہ اسکیچ اس کے حوالے کرتے ہوئے استاد کی طرف نکل گیا۔ راستے میں اسفند کی کال آتی رہیں جنہیں اس نے جی بھر کر نظر انداز کیا۔ وہ اس کے اشاروں پر ناچنے والی کوئی کٹھ پتلی نہیں تھا۔ ایسا وہ خود سوچتا تھا۔

اندرون کی ان گلیوں تک آتے آتے اسے شام ہو گئی تھی۔ استاد کے گھر کا دروازہ وا تھا وہ چلتا ہوا اوپر آیا وہ چھت پر بیٹھے تھے آس پاس کئی کاغذات بکھرے ہوئے تھے ان کی حالت کچھ کم بکھری ہوئی نہیں تھی۔ قریب ہی ان کی شراب کی بوتل بھی رکھی اس ایک عیب کے علاوہ وہ آدمی کمال تھے۔ وہ رات سے اس ایک کام میں غرق تھے بہت بری طرح۔

”کچھ ملا یا آپ درست تھے کہ یہ محض آڑھی ترچھی لکیریں ہی ہیں؟“ وہ ان کے قریب آ کر بیٹھا ایک کاغذ اٹھالیا جس پر کوئی تاریخ درج تھی۔ آنکھوں کے قریب لے جا کر غور سے دیکھا۔ مغرب کے جامنی اندھیرے میں اس کا چہرہ الگ سا دکھ رہا تھا۔

”چھبیس اپریل دو ہزار بیس۔“ وہ ٹھٹکا۔ یہ تاریخ یہ تو وہی تاریخ تھی ساتھ جھنگ کی کوئی عمارت تھی سہراب نے اب اور کاغذ اٹھا اس پر تاریخ درج تھی۔ ”بارہ اپریل دو ہزار اکیس۔ اگلی چند تاریخیں بھی وہی جو کہ میرال کی سرچ ہسٹری تھی۔ سہراب ساکت و جامد اس انوکھے کھیل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے دماغ کی بیڑیاں کھلتے ہوئے محسوس کر سکتا تھا۔

”تم غلط تھے یہ صرف تاریخیں نہیں۔“ استاد نے بے اختیار تھوک نگلا اور تصویر کا رخ ترچھا کیا یوں کہ جاتے سورج کی کرنیں موبائل پر پڑیں اور ان کرنوں کی روشنی میں اسے کچھ نظر آیا اس مصوری میں انتہائی باریک سی پنسل سے عمارات بنی تھیں۔

لاہور، کراچی، فیصل آباد، پنڈی۔ تمام شہروں کی ایک مشہور عمارت اوران کے درمیان لکھی تاریخ۔

آس پاس سے گزرتی ہوامیں جمود بھر گیا، سکتہ طاری ہو گیا۔

"یہ کوئی عام مصوری نہیں ہے، سہراب۔ یہ کسی کرمنل کی ٹرافی ہے اور تم جانتے ہو کس کی؟" وہ دونوں جانتے تھے کس کی، سہراب یمین کی کئی سالہ تلاش، اس کی محنت، اس کا جنون۔ استاد کی لرزتی آواز میں جوش شامل ہو رہا تھا۔

وہ اٹھا۔ چلنے کی کوشش کی مگر اب وہ دوڑ بھی سکتا تھا، اس کے بدن پر لرزا طاری تھا مگر ایسا استحکام بھی آج تک نہیں ملا تھا۔ اس نے گاڑی کے انجن کو حرارت دی ایسی ہی کوئی حرارت اس کے سارے بدن میں دوڑ گئی تھی کئی برس کی ریاضت بلاخر ٹھکانے لگی تھی۔ اسے اپنے کیریئر کا ایک ایک پڑاؤ یاد آیا، میرال سے کیے ہوئے وعدے، مری کی دربدری، کتنے سالوں کا بن باس۔ بس ایک اور مُہر اور پھر...... پھر وہ شیرازی صاحب کے سامنے سرخرو ہو کر کہے گا یہ رہا آپ کی بیٹی کا قاتل۔ پھر وہ اٹھارہ مظلوموں کو انصاف دلوا سکے گا اور سب سے بڑھ کر اس کی اپنی زندگی کا سب سے بڑا جنون ٹھکانے لگے گا اور وہ آزاد ہو گا۔

وہ گھر آکر ایک بار پھر سٹور روم کی طرف بھاگا۔ اسلان نے اچھنبے سے اسے جاتے ہوئے دیکھا وہ اس کے عقب میں زینے طے کرتا اوپر آیا سہراب نے اپنے کرائم بورڈ کا پردہ اٹھایا اور سانسیں تھم گئیں، ہواؤں نے لمحہ سکوت منایا، بورڈ پر درج تاریخیں وہی تھیں جو اس مصوری میں، جو میرال کے موبائل میں، اور جن تاریخوں کو وہ اٹھارہ مرد قتل ہوئے۔ عمارات ان شہروں کی جہاں بربریت کے یہ واقعات رقم ہوئے وہ کتنے ہی لمحے سانس لیے بغیر چپ چاپ ان تصاویر اور تاریخوں کو دیکھے گیا۔

اسی پل اس کے موبائل کی ٹون بجی اس نے میکانکی انداز میں موبائل نکالا آرٹسٹ کی جانب سے اس کا اسکیچ آ گیا تھا ایک مرد کا اسکیچ۔ اسلان دھیرے سے اس کے عقب میں آکر ٹھہرا اور اس کے موبائل پر جھانکتے ہوئے وہ اسکیچ دیکھا۔ اگلے کئی لمحے وہ دونوں سانس لیے بنا کھڑے تھے۔

کیا سچ یہی تھا؟

★★★★★★★★★★★

اس بار وہ بہت دیر سے واپس آیا تھا واپسی پر نہ آنکھیں ویسی، نہ انداز۔ وہ کچھ الگ سا لگ رہا تھا۔

"یقیناً تم فیصلہ کر چکی ہو گی۔" اب کے وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھا جب کہ آراہ رسیوں میں جکڑی ہوئی بندھی پڑی تھی۔ اس کے چہرے سے تکان واضح تھی اس نے شاہ ویر کی لائی ہوئی چیزوں میں سے جو کھایا تھوک دیا اس وقت شدید پیاس بھی لگ رہی تھی۔

"پانی!" انا پر پیر رکھتے ہوئے اس نے یک لفظی مطالبہ کیا۔

"مل جائے گا پہلے فیصلہ سناؤ پھر پانی۔" اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ آراہ نے گیلی نظروں سے اسے دیکھا چند پل دیکھے ہی گئی۔ پھر مدھم آواز میں کہنا شروع کیا۔

"میں نے واقعی تم سے بہت محبت کی تھی، شاہی۔ جس طرح تم نے مجھے چاہا شاید ویسے کوئی چاہ نہ سکے لیکن میں پیشے سے ایک سوشل ورکر ہوں اور تم کرمنل۔ لڑکیاں گھر داری کی شوقین ہوتی ہیں اور ان میں کچھ مجھ جیسی پیدا ہو جاتی ہیں جن کا جنون حق اور خواب دنیا میں انصاف قائم کرنا۔ ہم نے بہت ساری عورتوں اور مردوں کے حق چھنتے دیکھے ہوتے ہیں اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم ان میں سے ایک بن جائیں۔ تمہاری وجہ سے میرا دوست مر گیا۔ تم نے میرے بھائی کو ریپ ہونے دیا، تم نے اپنے باپ کو مارا، تمہاری وجہ سے ایک مظلوم لڑکی مری، تم نے سلطان اور دلیپ کو مارا تم نے بہت حق کھا لیے ہیں میں ایک اور نہیں بنوں گی یہاں سے میری لاش جائے گی جھکا ہوا سر نہیں۔ یہاں سے میرا استحصال شدہ جسم جا سکتا ہے میری شکست نہیں تم سے ہارنا پیشے اور تعلقات سے ہارنا ہوا۔"

اس کا چہرہ دیکھو تو وہ ہر طرح کے نتائج کے لیے تیار لگ رہی تھی اور کمبخت کا دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا ذہن کی سکرین پر وہ ہر وہ منظر دوبارہ چلا رہی تھی جس میں وہ کبھی خوش تھی۔ سہراب اسے نوالے بنا بنا کر کھلا رہا تھا، عالم اسے بگاڑ رہا تھا، اسلان کی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے تمام کارناموں میں شرکت، یافث کی ماؤں والی فکر اور.......... اور نیویارک... وہ خوابوں کا شہر آراہ کے لیے برا خواب بن گیا تھا جسے وہ کبھی بھولنے والی نہیں تھی۔

شاہ ویر نے شکستگی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ایسے جیسے یہ آخری بار ہو۔ ”یوں نہ کرو میرے ساتھ میں ساری دنیا سے ٹھکرایا ہوا ہوں تم میری قبولیت ہو تم تو ایسا نہ کرو۔“

”لیٹ می گو۔“

”جو باقی سب کے ساتھ کیا وہ تمہارے ساتھ نہیں کروں گا ایک بار میرا اعتبار کر کے دیکھو مجھے ایک موقع تو دو۔“

”اس زندگی میں نہیں۔“

”تمہیں یہاں سے نکل کر بھی تو کسی کا ہونا ہے میں کیوں نہیں؟“

”کیونکہ تم باطل اور میں حق ہمارا ٹکراؤ ہے ساتھ نہیں۔“

”تم چاہو تو ہمارا ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ کیا تم چاہ نہیں سکتی؟“

”ایک صورت یا تو تم حق پر آ جاؤ یا پھر میں باطل بن جاؤں۔“

"تم میری طرح بن گئی تو۔“ وہ پیچھے ہوا تھک کر، شکست کھا کر۔ ”پھر رہ کیا گیا خاک بھی نہیں۔“ وہ کسی فیصلے کے تحت اٹھا اس کا ہاتھ چھوڑ کر اب آراہ کے پیروں کی رسیاں کھولیں اور اس کا ایک پیر ملائمت سے چھوا، بہت دیر تک وہ اس کے پیروں کو دیکھتا رہا کسی مسحور کن لمحے کے زیر اثر ابھی وہ اس پر جھکتا کہ آراہ نے بدک کر پیر ہٹایا شاہ ویر نے شکوے سے اسے دیکھا۔ وہ عجیب پتھرائی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”تم مردوں کی صفیں کھڑی کر دو اور مجھے آخر میں ٹھہراؤ پھر اس صف میں کھڑے ہر مرد کی محبت کو جانچو اور پرکھو تب بھی میری محبت کا پلڑا بھاری ہو گا۔“ جتایا، بتایا، احساس دلایا۔

”میں نے تمہیں رد کیا، پھر سے، دوبارہ، ہر بار۔“

شاہ ویر نے سمجھ کر سر ہلایا۔ ”تمہارا دل منکر ہو گیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں، سوائے اس کے کہ تمہاری خواہش کا احترام کروں اور میں کر رہا ہوں، آراہ۔“ اس نے جھک کر آراہ کے ہاتھ بھی کھول دیے اب وہ آزاد تھی۔ شاہ ویر پیچھے کو ہو بیٹھا۔ نگاہیں خالی تھیں۔ ”تم جا سکتی ہو۔“

وہ کئی لمحے ششدر سی اسے دیکھے گئی۔ ”میں نے کہا ہے تم جا سکتی ہو۔“

"میں واقعی۔۔۔۔۔؟ کیا میں............. جا سکتی ہوں؟"

"دو منٹ ہیں تمہارے پاس اگر تم یہاں سے نکلی نہیں تو کبھی نہیں جا پاؤ گی۔ میں تمہارے معاملے میں ارادے بدل دوں گا۔" وہ کرسی پر بیٹھ گیا، وہیں جہاں کچھ دیر قبل وہ بیٹھی تھی۔ گردن جھکالی۔ آنسو گرنے لگے۔

"جاؤ آراہ۔۔۔" چہرہ ہاتھوں میں گرادیا۔ "پلیز اب جاؤ۔" وہ چند پل اسی طرح حیران سی اپنی جگہ کھڑی رہی۔ چند ثانیے بعد وہ بے یقینی سے اسے تکتی ہوئی الٹے قدموں پیچھے ہو رہی تھی، دو قدم، تین قدم، چند اور قدم۔ وہ دروازے سے کچھ فاصلے پر تھی جب کوئی پتھر اس کے پیر میں اٹکا اور وہ تیورا کر گری شاہ ویر تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھا مگر آراہ نے برق رفتاری سے وہی پتھر اٹھا کر اس کا نشانہ لے لیا تھا وہ دم سادھ گیا۔ اس نے مزید چند قدم پیچھے لیے اور یکلخت اس نے شاہ ویر کی طرف پشت کی۔ وہ دروازے کی اور بھاگی جب شاہ ویر نے اسے عقب سے پکارا۔ آواز، لہجہ، آنکھیں، تاثر سب تبدیل ہو گیا تھا۔ آن کی آن وہ آدمی پورے کا پورا تبدیل ہو گیا تھا۔

"میں تم سے ایک بات اور بھی کہنا چاہتا تھا، آراہ۔" وہ رکی، پیچھے مڑ کر دیکھتی تو شاہ ویر کو جیب سے پستول نکالتے ہوئے بھی دیکھتی۔ اسے پستول کا ٹرگر چڑھاتے ہوئے بھی دیکھتی۔ "تمہارا بھائی جس گناہ کی پاداش میں اب خود کو قصوروار ٹھہراتا ہے اس نے وہ کیا ہی نہیں تھا۔" وہ مڑی، شاہ ویر نے گھوڑا چڑھایا آراہ کے سینے سے سانس نکل گیا وہ بھاگنا چاہتی تھی بھاگ نہ پائی چیخنا بھی چاہتی تھی مگر چیخ نہ پائی۔ اس کی آنکھیں ایک نقطے پر ساکت ہو گئیں تھیں۔

"اسلان نے صرف زید کو زخمی کیا تھا اس کا قتل میں نے کیا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے۔" وہ رکا۔ "مجھے کرنا پڑا۔" اضافہ کیا۔ اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے اس کے بازو کا نشانہ لیتے ہوئے ٹرگر دبایا، گولی رفتار سے آئی اس کی جلد، مسلز، ٹشوز پھاڑتی ہوئی اندر گھس گئی۔ آراہ کے لبوں سے ایک بلند کراہ آزاد ہوئی۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکی، توازن اور درد کی شدت سے وہ گر پڑی۔ آنکھیں بے یقینی سے کھلی تھیں۔ شاہ ویر قدم قدم چلتا آگے آیا بہتے خون پر پنجوں کی بل بیٹھا، ساتھ جیب سے ننھا چاقو نکالا۔

"کیا لگا تھا میں تمہیں آزاد کروں گا تاکہ تم کسی اور مرد کو خود پر اختیار دو، یا پھر تمہیں یہ لگا تھا کہ یہ کوئی کتاب ہے جہاں ولن محبت کے لیے بدل جائے گا؟ جو بدل جائے وہ ولن نہیں ہوتا، آراہ اور میں ولن ہوں تھا، اور رہوں گا۔ ہمیشہ۔" اس نے ہاتھ بلند کیا اور چاقو اس کی پسلیوں میں مارا ایک اور بلند کراہ، خون کی ایک اور نالی، چند گہری لمبی سانسیں۔ بے یقینی سے کھلی آنکھیں۔ شاہ ویر سفاک خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"چاہتا تو تمہیں دل میں ایک گولی مار کر قصہ ختم کر سکتا تھا مگر کروں گا نہیں۔ تم قطرہ قطرہ مروگی جیسے مجھے وداع کا عندیہ دے کر تم نے مجھے مارا، میں بھی تمہاری لاش پر اداکاری کروں گا جیسے تم نے مجھ پر کی۔" شاہ ویر نے اس کا جبڑا دبوچا۔ اس کی آنکھوں اور لمس میں بلا کی سختی تھی۔ "تم میری نہیں تو کسی کی بھی نہیں۔"

"اسلان ....بھائی..........۔" ٹوٹے پھوٹے لفظ اس کے ہونٹوں سے برآمد ہوئے جن پر شاہ ویر نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اور دوبار مزید خنجر اس کے پسلیوں میں مارا۔

"تم چند گھنٹوں بعد مروگی .cause of death heavy blood loss"

"ڈونٹ ---- پلیز ----- ڈونٹ ---- آہ ----" وہ درد اور بے یقینی کے مارے بے ربط جملے کہہ رہی تھی۔ شاہ ویر پرسکون سا اسے تک رہا تھا۔ "اسلان ----- اسل --- ان ---" وہ درد سے ٹوٹتی آواز میں وہ اس سے منت کر رہی تھی کہ اس کے بھائی کو بلایا جائے۔ وہ رو رہی تھی، کراہ رہی تھی شاہ ویر پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"آئی ایم سوری لیکن کسی کو تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔" وہ اٹھا کسی قیمتی متاع کی طرح اسے اپنے کندھے پر ڈالا۔ "تمہیں کہا تھا نا تمہیں میرے گھر رہنا ہوگا تم نہ سہی تمہاری لاش سہی۔ میں تمہارے لیے روز پھول لایا کروں گا کون سے پھول لایا کروں؟" وہ دروازہ کھول کر جا رہا تھا خون کی ایک لمبی لکیر اس کے ساتھ بنتی جا رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ اور وعدے بھی کر رہا تھا مگر اس کی آواز معدوم ہوتی چلی گئی۔ خون کا دائرہ بنتا جا رہا تھا۔

ہیزل آنکھوں والی لڑکی کی ساری کہانیاں جھوٹی نکلیں۔ قاتل کو محبت نے نہیں بدلا، محبت نے اس کا ذہنی عارضہ بھی کم نہ کیا، وہ جو اوروں کو تکلیف دیتا تھا، کسی اور عورت کو گالی دیتا تھا آج وہ اسے بھی گالیاں دے رہا تھا بند ہوتی آنکھیں اور خون کا بنتا دائرہ عجیب سی یاسیت چھوڑتا چلا گیا۔

کیا اس نے غلط کہانیوں پر یقین کر لیا تھا؟

★★★★★★★★★★

بورڈ پر تصاویر ایک بار پھر لگتی جا رہی تھیں۔

عالمگیر یمن اور یافث طارون بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے ان دونوں کی آنکھیں پتھرا چکی تھیں ان کے سامنے کھڑی عورت روشن رحمان کی بیٹی نہیں تھی، یہ وہ عورت نہیں تھی جو جھلس چکے چہرے کے باعث حجاب نہیں اتارتی تھی یہ وہ تھی جو جوہر فورزیرو کی چوتھی وکٹم۔۔۔۔۔۔اونہوں سروائیور تھی۔ رابعہ پرویز۔

سہراب یمن بے دھم تھا اسکیچ کا مردانہ ورژن دیکھ اس کے گلے میں اس کا سانس کہیں اٹک گیا، دل کی دھڑکن سست رفتار ہو گئی تھی وہ ٹکر ٹکر "اسفندیار انصاری" کے چہرے کو دیکھ رہا تھا ہو بہو وہی۔ محض بھیس تبدیل کرنے کی دیر تھی اور وہ اسے پہچان چکا تھا۔

تمام تاریخیں وہی تھیں جن پر پریولج کلر نے اپنے شکار کیے تھے، عمارات وہی جو مقتولین کے شہروں کی عکاسی کر رہی تھیں وہ اسفندیار ہی تھا، پریولج کلر۔ اٹھارہ مرد اور ایک عورت کا قاتل۔ شہر لاہور کا اونچا عہدے دار، ماہر سیاست دان اور بندوقوں کا بیوپاری بھی۔

"یہ ...... یہ مرد ہے؟" اس نے پلٹ کر اٹکتے ہوئے اسلان سے پوچھا یا شاید اپنے خدشے میں اس کی طرف سے مشاورت چاہی۔

"خواجہ سرا!" اسلان کی آواز میلوں دور سے آتی تھی یکلخت کڑی سے کڑی مل گئی، ہر پزل جڑ گیا، ہر ادھورا پن مکمل ہو گیا۔ کہانی اپنا دوسرا باطل بھی ڈھونڈ چکی تھی۔ اور یہ پہلے سے زیادہ طاقتور تھا۔

وہ شام میں کسی سے اٹھا تھا کافی بناتے ہوئے اس کے کانوں میں موبائل کی آواز پڑی۔ وہ پلٹا، البتہ چمچ ہلانا جاری رکھا موبائل کان اور کندھے کے بیچ اٹکائے اس نے کال اٹینڈ کی۔ جبڑے بھینچے ہوئے تھے۔ "کہیے۔" سرد مہری سے اپنی ماں کو مخاطب کیا۔ اسے اپنی ماں کی کالز نہیں پسند تھیں۔

"اسلان۔" محض اس کا نام پکار کر وہ بری طرح رونے لگی تھی۔ اس کے متحرک ہاتھ فوراً رک گئے دل دھک دھک کرنے لگا۔ "اسلان.......آراہ.....آراہ گھر پر نہیں... صبح سے نہیں۔ اس کا مسیج آیا تھا وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہے۔ شادی پر نہیں جائے گی۔ ہم بارات لے کر اسلام آباد سے واپس آگئے ہیں مگر وہ گھر نہیں لوٹی۔.........وہ اپنی کسی دوست کے ساتھ بھی نہیں ہے، اسلان۔" ایک اور عورت.......اس کے ساتھ کھڑے ہونے والا ایک اور انسان۔ وہ ایک اور کو کھو چکا تھا یہ کھونا اسے جمود طاری کر گیا۔

شاہ ویر طلال بنگش سیاہ بی ایم ڈبلیو کا دروازہ کھولتے ہوئے اندر بیٹھ رہا تھا اس کی سفید پولو شرٹ بے داغ تھی، خاکی پینٹس بے سلوٹ۔ کتھئی پرکشش آنکھیں بلا کی سنجیدہ وہ اپنی زندگی کی سب سے بہترین پرفارمنس دینے کو تیار نظر آتا تھا۔ اداکار اپنی اصل زندگی میں اداکاری کر رہا تھا۔

اس کے جسم سے بہتے خون کی رفتار تیز تھی۔ چند پل بے ہوشی، اور چند پل ہوش کا عالم تھا۔ تکلیف تھی کہ کیا آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی آنکھوں سے نکل رہے تھے زبان سے کوئی لفظ ادا نہیں ہو پا رہا تھا مگر دل میں صرف ایک التجا تھی، جینے کی خواہش بھی اور زندگی کی حسرت بھی کہ وہ کسی سائیکوپیتھ کے اقتال کا حصہ نہیں بننا چاہتی، کبھی بھی نہیں۔

اسلان نے زندگی میں پہلی دفعہ بتانے کا سوچا۔ یہ ایک کانفرنس کال تھی۔ تمام لعلِ یمن کے موجودہ مکین ایک کال پر جمع تھے۔ عالم، سہراب، یافث اور بنفشہ کے درمیان وہ ان لوگوں سے مزید سچ نہیں چھپانا چاہتا تھا۔ اس نے کہاں سے شروع کیا کیا کہا، کیا نہیں کچھ یاد نہیں۔ سوائے اس کے ہر کوئی متحیر اور ششدر تھا۔

شاہ ویر زندہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آراہ غائب کہاں ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ زندہ ہے تو کیا شاہ زید......؟

بورڈ پر لگے چہروں کے تاثرات دیکھے، محسوس اور پڑھے جا سکتے تھے لکھنا امر مشکل تھا۔

"میں آ رہا ہوں۔" عالم فون کان سے اتارتے بمشکل کہہ سکا۔

"اسے گولی میں ماروں گا۔" سہراب نے سختی سے کہا۔

"ہمیں ایکشن لینا ہے۔" بنفشہ بھائی کے کیے پر بپھری تھی۔

”وہ کہاں ہے؟“ یافث کا لہجہ مبہم تھا۔

”میں آراہ کو کسی قیمت کھونا نہیں چاہتا۔“ محض اسلان یمن کی آواز خوف کی نادیدہ پرت میں لپٹی تھی۔ بھیگی ہوئی پر ملال۔ جہنم میں گیا باطل، بھرم ٹوٹ گئے اور کچھ بچا تو اس کے خونی تعلق کی بقا، اس پر سمجھوتہ مشکل تھا۔

★★★★★★★★★★

باب نمبر نہم

"ستر، تیس"

(اس کے قریب شاید دھول اڑی تھی۔ وہ بے اختیار کھانسنے لگا۔ کھانستے کھانستے وہ دوہرا ہو گیا اسے یوں لگا جیسے کوئی اس کے سینے میں ہاتھ ڈال کر کچھ چیر کر نکال رہا ہو اسے پانی چاہیے تھا، اسے سانس لینے کے لیے کسی شے کی مدد درکار تھی۔ چند لمحے وہ اسی طرح فرش پر پڑا کھانستا رہا پھر نڈھال ہو کر کروٹ بدلی۔ اس کا سینہ سانس لینے سے اوپر نیچے ہو رہا تھا، چہرہ اور لباس دُھول۔

بہت دیر بعد اس نے کچھ دیکھنے کی کوشش کی مگر منظر محض اندھیرا، اس کی الجھن بڑھی اور اس کے سامنے کرسی پر بیٹھے "عالمگیر یمن" کے غصے کا گراف اتنا ہی بڑھتا جا رہا تھا عالم نے ایک جھٹکے میں اس کے چہرے پر چڑھا سیاہ کپڑا اٹھایا۔ وہ ایک بار پھر کھانسنے لگا۔ چند لمحے بعد جب اس کی حالت میں کچھ سدھار آیا تو اس نے مردہ ہوتی نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔

اس کی پلکیں کُھلتی بند ہوتی گئیں اور اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔ "عالم۔۔۔۔ عالمگیر؟"

عالم کے تاثرات میں سختی گُھلی وہ اس کے قریب جھکا۔ "کیا ہوا مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی، اسفندیار؟"

وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا۔ اس نے آس پاس نگاہیں دوڑائیں۔ خالی ڈرم، کاٹھ کباڑ اور ٹوٹی کرسی کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ وہ جہاں گرا ہوا تھا اس سے کچھ فاصلے پر اسی کے کمرے کا سفید رگ بچھا تھا، دیوار پر اس کے کمرے والی پینٹنگ مگر یہ کمرہ اس کا نہیں تھا اور اگر ایسا تھا یہ سامان یہاں کیسے آیا؟

"میں کہاں ہوں؟"

"یہ جاننا ضروری نہیں، لیکن تم اپنے گھر پر نہیں ہو۔" وہ اغوا کیا گیا تھا، اوہ خدایا کیا وہ واقعی اغوا ہوا تھا؟

"تم مارے جاؤ گے جانتے ہو نا میری ماں کون ہے، تم مجھے یہاں لے کیسے آئے میری سیکورٹی۔" اور اس لفظ پر وہ ساکت رہ گیا۔ اس کی سیکورٹی، اس کا سربراہ سہراب یمن...... اس کا سالار ہی اس کا غنیم تھا، اس کی اپنی چالیں اس پر کیسے پلٹ گئیں؟

"تمہاری سیکورٹی میرا بھائی تھا اور تم نے میرے خاندان کے ساتھ آج تک کوئی اچھائی کی نہیں۔"

"سہراب۔۔۔۔۔۔ سہراب۔۔۔۔۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

"آپ نے مجھے یاد کیا، سر؟" وہ عالم کے عقب میں دروازے سے نکل کر سامنے آیا۔ اس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے ہوئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح بٹن شرٹ اور پینٹ میں ملبوس عام سے چہرے والا افسر اس کے سامنے تھا۔ وہ یہ کر سکتا تھا وہ اس سے زیادہ کر سکتا تھا۔ اس نے ابراہیم کو بیچ چوراہے پر مارا تھا، اسفند کے چار لوگ چار منٹ میں ختم کر دیے تھے اس نے اپنے کیریئر میں بارہ انکاؤنٹر کیے تھے وہ یہ بھی کر سکتا تھا اور اس سے زیادہ بھی۔ "آپ کو یہ کیوں لگا کہ سیاست صرف آپ کر رہے ہیں؟"

اسفندیار انصاری جواب نہیں دے سکا۔)

★★★★★★★★★★★★★

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کریڈل پر پڑا فون اٹھایا، ریل گھمائی اور ایک کال ملائی۔ کھڑکی سے آتی روشنی اس کے داہنے رخ سے گزر کر فون اسٹینڈ پر پڑ رہی تھی اور وہ سانس روکے دوسری جانب جاتی گھنٹی کی آواز سن رہا تھا۔ کئی منٹ بعد کال اٹھالی گئی۔

"بولو، سہراب۔" اسفند کی آواز ہمیشہ کی طرح تھی۔ مصروف، مستحکم۔ سہراب کچھ دیر خاموش رہا، اور جب بولا تو اس کی آواز ٹکڑوں میں بٹی تھی۔

"اٹھارہ مرد، ایک عورت اور نہ جانے کتنے مخفی قتل ....۔" وہ رکا۔ "کس لیے؟" اسفند یار انصاری کے قدموں سے زمین اور سر سے آسمان یکلخت غائب ہوئے۔ موبائل پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی اور اس کے سامنے شیشے میں اس کی رنگت سفید پڑتی دکھائی دی۔ وہ بہت دیر تک سانس روکے کھڑا رہا۔

"کیوں؟" وہ آزردگی سے مستفسر تھا۔ کم از کم اس آدمی کے حوالے سے اس نے یہ نہیں تھا سوچا تھا۔ "میں نے آپ کو مختلف سمجھا تھا، اسفند۔ مجھے لگا آپ واقعی مختلف ہیں لیکن آپ۔" فق ہوتی رنگت والے اسفند نے ستون کا سہارا لیا، ساتھ ملازم کو اشارہ کیا وہ پاس پڑی کرسی اس کے لیے کھینچ لایا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"کیا آپ کو لگا تھا میں آپ تک نہیں آسکوں گا یا آپ کو یہ لگا تھا کہ آ گیا تو واپس ہو سکتا ہوں؟"

"اور تمہیں کیا لگا تھا حقیقت کھل جانے پر میں انکاری ہو جاؤں گا؟" کمبخت خود لرز رہا تھا مگر آواز میں بلا کا استحکام تھا۔ اس کا دماغ ہنوز سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سفید حویلی ستونوں سمیت اس پر آن گری تھی۔

"آپ کے خاندان کی روایت ہے سر آپ کوتوال کے ڈنڈے کے سامنے انکاری ہو جاتے ہیں۔"

"میں اپنا خاندان خود ہوں جس بزدل کو تم نے سڑکوں پر دوڑا دوڑا کر مارا وہ میری ماں کا بیٹا تھا میرا بھائی نہیں۔ اور اگر مجھ تک آنا چاہتے ہو تو خود پر فاتحہ پڑھ کر آنا افسر۔ یہ نہ ہو کل کہیں سے تمہاری مسخ شدہ لاش برآمد ہو۔"

"میں آپ کا انیسواں شکار نہیں بنوں گا اسفند صاحب۔" وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرایا۔ "لیکن میں چاہتا ہوں آپ میری ایک بات یاد رکھیں تاکہ مستقبل میں آپ کو مجھ سے شکایت نہ ہو۔"

”کیسی بات؟“

”آپ میرا تیر ہوا انکاؤنٹر ہوں گے، سر۔“ اسفند کی مٹھی بھینچ گئی، آنکھوں میں کچھ ابھرا۔

”تم طوفانوں کے مقابلے میں کھڑے ہو۔“

”پھر یہی سہی۔“ اس نے مطمئن ہو کر کہا۔ گفتگو کے اختتام تک اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔ ”کیا آپ اعتراف کرتے ہیں؟“

”تم ریکارڈ کر رہے ہو؟“

”آپ ڈر رہے ہیں؟“

”ہرگز نہیں۔۔۔۔ اگر ریکارڈ کر رہے تو تصحیح کر و اعتراف جرم نہیں اعتراف اطاعت کرتا ہوں۔ میں نے ہر وہ کام کیا جو قدرت چاہتی تھی۔ اور اگر قدرت نے ایک بار پھر مجھے منتخب کیا میں ایک بار پھر سر تسلیم خم کروں گا۔“

سہراب نے آنکھیں بند کر لیں۔ ”mission oriented killer“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ ”قدرت اس معاملے میں بڑی انصاف پسند ہے اگر آپ کو ذہنی اختراع ملا تو مجھے احکام ملے، اب آپ سے اگلی ملاقات میرے باس کی حیثیت سے نہیں میرے مجرم کی حیثیت سے ہو گی۔“ اسفند نے ٹھنڈی سانس لی، چہرے پر ہاتھ پھیرا اور بغیر کچھ کہے کال کاٹ دی۔ اب اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کی سانسیں آہستہ آہستہ بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ اندر ہی اندر ڈھتا جا رہا تھا اور خوف ہر لمحہ اسے کھوکھلا کیے دے رہا تھا۔ یہ راز غلط وقت پر آشکار ہوا تھا۔

★★★★★★★★★★★★

"تم واپس کیوں آئے تھے؟" اسلان نے نگاہیں اٹھا کر اسے تکا وہاں اچھنبا تھا۔ "تم سب چھوڑ کر گئے تھے، پھر واپس کیوں آئے؟" وہ بہت دیر تک اسے دیکھے گیا۔ خالی، چپ چاپ۔ کئی ساعتوں بعد اس کے لب ہلے۔

"میں نہیں آیا۔" لمحے بھر کا توقف۔ "مجھے میرا خدا لایا تھا۔" کیا اسلان یمن چار سال بعد واقعی اپنا خدا لے آیا تھا؟

★★★★★★★★

سرمئی شلوار قمیص میں ملبوس، گھٹنے جوڑ کر بیٹھا وہ پتھروں پر بہتے پانی کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک شور سا اٹھا۔ دھوپ کی تیزی کے باعث اس نے ہاتھ کا چھجا بنا کر شور کی سمت دیکھا تو دور سے چند آدمیوں کا ایک غول اسی طرف آتا دکھائی دیا۔ آنکھیں مزید سکیڑنے پر اس نے دیکھا کہ ان آدمیوں نے ایک لاغر سے مرد کو دونوں بازوؤں سے تھام رکھا تھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے اسی جانب لا رہے تھے جہاں وہ بیٹھا تھا۔ ان کی آوازیں بلند مگر غیر شناسا تھیں۔ وہ بلوچی اور پشتو سمجھ اور بول لیتا تھا، مگر یہ زبان مختلف تھی، شاید براہوی؟

یہ سلسلہ پچھلے تین دنوں سے جاری تھا۔ وہ آدمی ہر روز اسی طرح گھسیٹ کر یہاں لایا جاتا۔ اسے لانے والے غالباً اسی کی برادری کے لوگ تھے، جو روز کہیں سے پکڑ لاتے، خیمے میں لا کر پٹخ دیتے۔ اس کے سامنے چیختے، بکتے اور کبھی منت سماجت بھی کرتے، مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ "سمجھاؤ اس کو یہ ہر روز سردار کے پاس پہنچ جاتا ہے کوئی اسے کچھ کہتا کیوں نہیں؟" اس کے رشتے داروں کا یہی شکوہ رہتا، اس کی بیوی سنتی اور چپ رہتی۔

بوڑھا اگلی صبح پھر نکل جاتا بعض دفعہ گھر والوں کے ہاتھ آتا اور بعض دفعہ فرار۔ جس کچے گھر میں اسلان قیام پزیر تھا اس کی سلاخدار کھڑکی سے وہ ہر روز یہ تماشا دیکھتا۔ یہاں وقت بہت سُست تھا، دن لمبے اور شاموں کا حساب اس نے چھوڑ دیا تھا وہ اس جیسی تھیں...... پر ملال، دل گرفتہ اور قدرے مغموم۔

"پڑھے لکھے لگتے ہو پھر یہاں کیسے؟" اس رات وہ خاموش سا گھر کے باہر رکھی کرسی پر بیٹھا تھا جب دوسری طرف والی کرسی پر وہی بوڑھا آکر بیٹھا۔ دونوں کے درمیان لوہے کا سلاخ دار دروازہ تھا اس پار وہ ہر روز لڑتا مرد، اور اس پار وہ ہار کر آیا مرد۔ دونوں اپنی اپنی کہانی رکھتے تھے۔

"پڑھے لکھے کیا ستائے نہیں جاتے؟" کندھوں کے گرد شال اوڑھے اسلان پیر اوپر کیے آسمان میں کچھ تلاش رہا تھا اور بوڑھا وجود اس کے چہرے کو کھوج رہا تھا۔ چٹختی لکڑیاں سامعین کا کردار ادا کرنے لگیں۔

"ستائے ضرور جاتے ہیں مگر یوں نہیں ہوتا کہ اہل علم سرحدیں ٹاپنے نکل جائیں۔ یہ عمل تو درست نہیں۔"

"کس کے ساتھ؟"

"خود کے اور ریاست کے ساتھ!"

"ریاست کی پرواہ اب کون کرتا ہے؟"

"تم تو اپنی بھی چھوڑ چکے ہو، پرواہ اور عزت دونوں۔"

حملہ غیر متوقع تھا اسلان نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ اسی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اسلان کی آنکھوں کا سوال اور تحیر اس کے سکون میں کوئی خلل نہ لا سکے۔ وہ اس کا راز بھی جانتا تھا اور اسے پڑھ بھی رہا تھا یہ شخص آخر کون تھا؟

"زمین دار کے ہاتھوں روز بے عزت ہو کر آنا، ہر روز اپنی زمین کے قبضے سے انکار سننا، اپنی برادری کے لوگوں کو اپنے ساتھ رسوا کرنا اور اپنے چھ بیٹوں کے قتل کے بعد بھی ڈھٹائی پر اڑے رہنا اگر عزت یہ ہے تو میں بے عزت ٹھیک۔" اس نے تلخی سے کہہ کر نگاہیں دوبارہ آسمان پر مرکوز کرلی تھیں۔ نقرئی روشنی، بادلوں کی بدلتی ٹولیاں یہ منظر اس کا دھیان بھٹکانے کو قاصر سہی مشغلہ اچھا تھا۔

”یہ مزاحمت ہے ظلم کے خلاف مزاحمت فرض ہے۔ وہ میری زمین ہے زمین عزت ہوتی ہے اور عزتوں کی خاطر لڑا جاتا ہے ان پر دستبرداری نہیں دی جاتی۔“ دانت پر دانت جمائے وہ اس کی طرف مڑا۔

”چھ بیٹے، آپ کے چھ بیٹے اس نے قتل کر دیے صرف اور صرف اس چند ٹکوں کی زمین کے لیے جو آخری چیز آپ کے پاس ہے وہ محض آپ کی تیرہ سالہ بیٹی ہے اب آپ کی ہر لڑائی اس کی موت کی طرف جاتی ہے۔“

”تو مر جائے وہ۔۔۔۔“ اس نے بغیر کسی لچک کے کہا۔ ”اگر چند سال بعد اس نے بزدل بننا ہے تو وہ مر جائے۔ ایک انسان کے کم ہونے سے دنیا کو فرق نہیں پڑے گا مگر ایک بزدل اگلی تمام نسلیں بزدل پیدا کرے گا اور جانتے ہو بزدلی کس طرح معاشرے کو تباہ کرے گی؟“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کرسی اس کے سامنے لا کر بیٹھ چکا تھا۔

”ظلم سہنے والے کا بچہ جب دکان پر جائے گا اور دکاندار اس کے سودے سلف میں گھاٹہ کرے گا تو وہ چپ واپس آئے گا۔ بزدل کی بیٹی اسکول میں اپنے نمبرز کے ساتھ ہوتی ناانصافی پر نہیں بولے گی اور جب اس کی شادی ہو گی تب وہ ایک اور بزدل نسل پیدا کرے گی۔ بزدل کی بیوی ساس سسر، محلے، شہر کی بے جا باتیں سنے گی اور چپ رہے گی۔ بزدل کا بھائی شہر میں امرا کی چاپلوسی کرے گا اور اسے بُرا نہیں سمجھے گا۔“

”یہ مصلحت ہے وہ دور بیت چکا ہے جب لوگ انصاف کا راگ الاپتے تھے، حق کے پرچم بلند کرتے نہ تھکتے تھے اب مائیں بچے جنیں تو کانوں میں اذان کے بعد دوسری آواز "خاموش رہو" کی جاتی ہے اور پہلا قدم حق کی راہ کی بجائے مصلحت کی راہ کی طرف بڑھایا جاتا ہے۔ آپ جیسوں کو علم نہیں مجھ جیسے کیا کیا سہہ آئے ہیں۔“ اس نے تنفر سے چہرہ پھیرا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھے نے اس کی کلائی پکڑ لی، اس کی سنجیدہ آنکھیں اسلان یمن کی آنکھوں میں گڑھی جاتی تھیں۔

”میں نے چھ جنازے دیکھے ہیں لڑکے، مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں نے کیا دیکھا ہے۔“ وہ جواباً چپ کا چپ رہ گیا۔

★★★★★★★★★

"اس رات میں سو نہیں پایا تھا۔" اس نے خود کو کہتے سنا، چہرے پر ملال تھا۔ "ایک ساٹھ سال کا لاغر مرد اتنا طاقتور تھا کہ قبیلے کے سردار سے لڑ گیا اور میں اتنا کمزور کہ ایک انسان سے ہار گیا، بس ایک انسان وہ جو مجھ جیسا تھا، وہ جو زیادہ سے زیادہ میری جان لے سکتا تھا اور کچھ نہیں۔"

"بعض دفعہ انسان ڈر جاتے ہیں۔" پلنگ پر چت لیٹے اس کی نگاہیں چھت پر جمی تھیں۔ اسے سنتی عورت نے اسے گہرا سانس لیتے اور بازو آنکھوں پر رکھتے ہوئے دیکھا۔

"اس کمزور کو دی ہوئی ساری طاقت میری اپنی تھی۔ ظالم کھوکھلا ہوتا ہے اس کے اندر کا دل سڑ چکا ہوتا ہے، دماغ کو گھن لگی ہوتی ہے جو واحد شے، جذبہ اسے "بھرتا" ہے وہ مظلوم کا خوف ہوتا ہے، اس کا جھکاؤ، اس کی گڑگڑاہٹ ورنہ ظالم شے کیا ہے؟ جس کے ساتھ اس کا خدا نہ ہو اس کے پاس بچ کیا جاتا ہے؟"

"شر؟" سوال ہوا۔

"شر۔۔۔۔۔" اسلان نے دہرایا۔ "شر کو بقا نہیں اسے ختم ہونا پڑتا ہے جس طرح آدم "بقا" ہے وہ رہے گا ابلیس "شر" ہے چاہے آج سے کئی سو سال بعد ہی سہی مگر اسے ختم ہونا ہے اور وہ ہو گا۔"

"اور تمہیں یہ کب سمجھ آیا؟"

ماضی کے دھندلکوں میں بھٹکتے شخص نے ہلکی آواز میں کہا۔ "جب میں نے اپنے خدا کا ساتھ پہچانا۔"

★★★★★★★★★★

"ان اللہ مع الصابرین۔۔۔۔۔۔ یہ آیت سنی یا پڑھی ہے؟" اس رات بوڑھا اپنے خیمے کے باہر اپنے زخموں پر مرہم لگا رہا تھا جب اسلان نے اسے پکارا۔ شال کے اندر دونوں بازو ڈھکے وہ فرصت سے بوڑھے کو تک رہا

تھا۔ پچھلی بار وہ لفظوں سے اسے ہرا گیا تھا اس بار اسلان اس کے منہ پر ایسے الفاظ مارنا چاہتا تھا کہ اس کے اندر کے لکھاری کا بھرم رہ جائے (یا شاید اس کی انارہ جائے)۔

"پڑھی بھی ہے اور سنی بھی ہے۔"

اس نے لب بند کر کے کراہ دبائی۔ آج کمبخت سردار کے لوگوں نے اسے بُری طرح پیٹا تھا۔ "سمجھی بھی ہے؟"

"اس میں سمجھنا کیا مشکل ہے اللہ کہتا ہے اگر تم صبر کرو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اسلان نے اپنی بات پر زور دیا۔

"صبر وہ ہوتا ہے جو اللہ کے فیصلوں پر کیا جائے۔ کوئی ناگہانی آفت، کوئی موت، کوئی کاروباری نقصان، دل کا ٹوٹنا یا کہیں کسی دوڑ میں پیچھے رہ جانا۔ ظلم ہو تو دو راستے رہ جاتے ہیں سہہ کر ظالم کا ساتھ، نہ سہہ کر مزاحمت۔ تم صابر نہیں ظالم ہو لڑکے۔" سفاکی سے تبصرہ کیا۔

"آپ یہاں بیٹھ کر مجھے جج کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ جانتے بھی ہیں صبر پہلا زینہ نہیں ہوتا، تکان کا آخری لمحہ ہوتا ہے۔" بوڑھے شخص نے کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا ایسی نگاہ جس میں پرت در پرت کئی جذبات تھے۔ ملامت، ذلت، کسک، تاسف۔

"میں تمہیں جج کروں گا کیونکہ تم اس معاشرے کا قدغن ہو تم جیسے انسان ظلم کو بڑھاوا دیتے ہیں۔"

اسلان نے مٹھی بھینچ لی۔ بوڑھا روئی میں دوا ڈبوتے ہوئے دوبارہ اپنے زخم پر جھک چکا تھا۔ "تمہیں دیکھ کر دس لوگ آواز نہیں اٹھائیں گے بزدلی کو مصلحت گردان کر چپ رہیں گے۔ اور چپ تباہی ہے محض تباہی۔"

"چپ بقا ہے چھ بیٹوں کے بعد بھی آپ یہ نہیں جان سکے؟"

”نہیں۔۔۔۔“جواب قطعی تھا۔”کیونکہ چھ بیٹوں کے بعد میری ساتویں بیٹی بھی تم جیسی نہیں۔کھونے کے لیے اس کے پاس بھی زیادہ سے زیادہ جان ہی ہے۔“

اسلان اٹھ کر اس کے قریب آ کر بیٹھا اس کی آنکھوں میں آگ جل رہی تھی، چہرہ شدت غیض سے سرخ پڑ رہا تھا۔”ظالم کی کوئی حد نہیں ہوتی وہ آپ کی بیٹی کی عزت بھی خراب کر سکتا ہے، جان بھی لے سکتا ہے، اسے سر راہ ذلیل بھی کر سکتا ہے کیا اس سے بہتر یہ نہیں ہے کہ ہم چپ رہیں خوامخواہ کا روگ پالے بغیر مصلحت سے کام لیتے ہوئے جھک جائیں؟“

بوڑھے نے نگاہ اٹھا کر اسے تکا۔”نہیں۔“اسلان تلملا کر رہ گیا۔یہ بدبخت کچھ تسلیم کرتا کیوں نہیں تھا؟

”گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔مرد معاشرے کا مضبوط ستون ہوتا ہے اگر ظلم کے آگے خاموش ہونا ہوتا تو کربلا میں حسین رضی اللہ خاموش ہو جاتے خاندان بچا آتے اور مصلحت کی زندگی گزارتے۔“اسلان پر مانو اوس پڑ گئی۔وہ ٹھنڈا ہو گیا، شل، برف۔”تم اور میں مسلمان ہیں مسلمان نہیں جھکتا خدا کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں۔جھکنا نہیں ہے کسی انسان، جن، شیطان، بلا کسی کے آگے نہیں۔“وہ گویا پڑھ کر اس پر صور پھونک رہا تھا۔

”وہ مجھے ذلیل کر دے گا۔“اس کے حلق سے الفاظ نہیں خوف نکلا۔”وہ میری بہن کو ذلیل کرے گا، مجھ سے میرے تمام قیمتی تعلقات چھین لے گا، وہ بلا ہے سب کھا جائے گا۔“

”تمہارے نہ چاہنے کے بعد کیا کوئی ذلت نہیں ہو گی؟“اسلان کے پاس جواب نہیں تھا۔”تم دنیا کے سب سے تاریک گوشے میں پناہ گزین ہو جاؤ تب بھی اگر اللہ چاہے گا تو تم ذلیل ہو گے، ظالم کھوکھلا ہے اسے اپنے خوف سے بھرنا چھوڑ دو۔مومن بنو، مومن نہ جھکتا ہے نہ ڈرتا ہے۔“اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔

”میں کسی کو بچانا چاہتا ہوں لیکن مجھے لگتا ہے میں اسے نہیں بچا پاؤں گا۔“ اس کی آنکھوں کے آگے انار اطاروں کا چہرہ تھا۔

”کیا تم نے کبھی کوشش کی؟“

★★★★★★★★

”کیا تم نے کبھی واقعی کوشش کی؟“ اس کے نیم رخ کو دیکھتی وہ مستفسر تھی۔

”کی تھی۔“ اسلان کی بند آنکھوں کے پار وہ منظر تھا جب اس نے شاہ ویر کو پہلی مرتبہ لعل یمن میں دیکھا تھا یہ کوئی مداحی لمحہ نہیں تھا یہ محض تحیر تھا۔ اس کا سب سے بُرا خواب تخیل کی سرحد سے نکل آیا تھا۔

”اس نے میری نہیں سنی۔“ وہ اگلی رات پاگلوں کی طرح اس سے منت کرتا رہا، اس سے کہتا رہا وہ آراہ سے دور رہے، اسے چھوڑ دے مگر۔ وہ اس کا غلام بن کر رہے گا جو وہ چاہے گا وہ کرے گا مگر نہیں۔ ”میں اس کے کھوکھلے وجود کو پوری طرح بھر چکا تھا اتنا کہ اس کے سامنے اب میں کمزور تھا۔“

”تمہاری بہن کو چھوڑ دوں ہاں؟“ اس کا گریبان دبوچے شاہ ویر بنگش کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ ”لیکن وہ تو مجھے سکون دیتی ہے اس کی جگہ کون دے گا؟“ الفاظ، آنکھیں، لہجہ اس قدر ہتک تھی کہ اسلان کا دم گھٹنے لگا۔ ”تم تو میرا کام نہیں کرنا چاہتے نا؟ تم تو آج کل میرے سامنے زبان کھولنے لگے ہو، اسلان بہتر ہے کہ میں کسی طرح انڈسٹری میں جگہ بناتا رہوں تم نہ سہی تمہاری بہن صحیح اس کے ساتھ ایک رات کی قیمت میں کتنے لوگ مجھے کام دیں گے؟“

اسلان نے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی، اسے مارنے کی کوشش کی مگر وہ اسے بے بس کرنے کے ہر فن سے نبرد آزما تھا۔ پلنگ پر چت لیٹا اسلان اسے دیکھ نہیں سکتا تھا مگر بنفشہ احسان کی آنکھوں میں شاہ ویر بنگش کے لیے محض گھن تھی۔

★★★★★★★

”تم اسے اکیلا چھوڑ آئے ہو؟“ پتھروں کے اوپر بہتے پانی میں وہ چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کے لیے روٹی کے ٹکڑے ڈال رہا تھا۔ جب بوڑھے نے سوال کیا۔

”کسے؟“

”وہی جس کے لیے تم خوف زدہ ہو۔“ اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

”لگتا یہی ہے ...اسے بھی اور۔“ اس کی آنکھوں میں کوئی راز تھا جسے کوئی پڑھ نہ پایا سوائے اس کے۔ ”ظالم کو بھی۔“

”پھر کسے غلط ثابت کروگے؟“

”میں غلط صحیح کا دعوے دار ہوں ہی نہیں۔ صحیح ہو یا غلط ہر وہ کام کروں گا جس سے میں "اسے "بچا سکوں۔“ وہ یعنی اس کی بہن۔

”بچا لو گے؟“ بہت دیر وہ کچھ نہ بولا، رنگ برنگی پتھروں پر چلتی مچھلیاں اپنا رزق چنتی رہیں۔

”اس نے کہا ہے بچا لوں گا، تو بچا لوں گا۔“

”اس کی باتوں میں اتنی صداقت؟“ اسلان یمن کے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ نے چھوا۔

”وہ اللہ کی فیورٹ ہے جتنا سادہ اور شفاف اس کا دل ہے اتنا کسی اور کا نہیں اگر وہ کہتی ہے میں اسے بچا لوں گا تو میں بچا لوں گا۔“

"آراہ نے تم سے ایسا کب کہا؟" وہ چونک کر پوچھنے لگی۔ اسلان نے گہری لمبی سانس لی اور یاد کیا، اسے یاد ہی تھا۔ اس کی زندگی کا ٹرننگ پائنٹ۔۔۔۔ اس کی زندگی میں واپسی کا لمحہ۔ یہ لمحہ کوئی نہیں بھولتا۔

یہ اس رات کا قصہ ہے جب شاہ ویر نے اسے سڑک پر زدوکوب کروایا تھا وہی رات جب اسلان یمن نے اس کے آگے اپنی بہن کی خوشیوں کا سوال کیا تھا اور وہی رات جب شاہ ویر بنگش کے محافظین نے اس کے چہرے کو چھوڑ باقی تمام جسم پر اسے مختلف داغ دیے محض یہ یاد رکھوانے کے لیے کہ وہ ایک غلام ہے جس کی زندگی کا واحد مقصد شاہ ویر بنگش کے احکامات کی بجا آوری کرنا ہے اس رات جب وہ رات دیر سے لوٹا تو آراہ کو اپنا منتظر پایا۔ وہ ٹارچ لائٹ ہاتھ میں لیے اس کے انتظار میں تھی۔ کندھوں پر شال اوڑھے اس کی فکر مند بہن۔

"اتنی دیر کیوں کر دی؟" اس کے قریب کھڑی وہ لڑکی متفکر تھی۔ اسلان کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا مگر ان جوڑوں سے زیادہ تکلیف میں اس کا دل تھا۔ اندھیری راہداری میں وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ٹھہرے تھے۔ وہ چند پل اسے دیکھتے رہنے کے بعد پلٹ جانا چاہتا تھا جب آراہ نے ٹارچ رکھتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس نے جھٹکا مگر وہ گرفت سخت کر گئی، اسلان نے مزاحمت ترک کر دی۔ اس کے پورے بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"مجھ سے لڑ لو، کچھ کہہ لو لیکن اس طرح خاموش نہ رہو۔" سر ہاتھوں میں گرائے وہ دیوار سے لگ کر نیچے بیٹھ گیا۔ انداز میں شکستگی تھی۔ آراہ کے دل کو کچھ ہوا۔ "اگر تم کہو گے تو میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔"

اسلان نے محض گردن جھکا دی، کہا کچھ نہیں۔ اس کی آنکھیں خاموش تھیں، لب مقفل۔

"تمہیں لگتا ہے وہ خاندان میرے لیے ٹھیک نہیں ہے تو درست لگتا ہوگا جیسے ہم سب درست تھے کہ پنار تمہارے لیے ٹھیک نہیں لیکن تم نے ہم میں سے کسی کی نہیں سنی۔" وہ رو رہی تھی۔ کاش وہ اس سے کہہ دے، بس ایک بار کہہ دے مگر وہ نہیں کہتا تھا ایک لفظ بھی نہیں۔ "تمہاری زندگی خراب ہو گئی تھی بھائی اس

دھوکے نے تمہیں توڑ دیا تھا مجھے ڈر لگتا ہے میرے ساتھ بھی یہی ہو گا میری زندگی بھی تمہاری زندگی جیسی ہو جائے گی میں بھی۔" اسلان کے دل کو دھکا سا لگا اس نے تڑپ کر آراہ کو دیکھا جو بھل بھل آنسو بہا رہی تھی۔ وہ معصوم تھی، یا بس اسے لگتی تھی جو بھی تھا وہ اس کے لیے تکلیف نہیں چن سکتا تھا۔

"اس خاندان کے ساتھ جو بھی غلط ہے مجھے بتاؤ اگر انہوں نے تمہارے ساتھ کچھ غلط کیا ہے تو بھی کہہ دو کم از کم کچھ تو کہو۔" بے بسی اور طیش سے اس کی آواز کچھ بلند ہوئی اسلان کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر اس کے چہرے پر بہہ گئے مگر لب نہ کھلے۔ "میں ساری دنیا سے لڑ سکتی ہوں، میں لڑ آتی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا میرا بھائی میرے پیچھے کھڑا ہے تم اب کہاں ہو بھائی؟"

"میرا ساتھ بہت مشکل ہے، آراہ۔" وہ بہت ہلکی آواز میں بولا۔

"ہم نے ساری مشکلیں ساتھ دیکھیں ہیں۔ تم نے میری مسائل حل کیے ہیں تم اب بھی کر سکتے ہو یا پھر تم کرنا نہیں چاہتے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے جیسی زندگی گزاروں؟" اسلان نے لب بھینچ لیے کہا کچھ نہیں۔ وہ کسی دشمن کے لیے بھی اپنے جیسی زندگی کی خواہش نہیں رکھتا تھا یہ تو دل تھی۔ "میں چاہتی ہوں تم میرے لیے لڑو اگر میں کسی مشکل میں ہوں تو مجھے بچاؤ۔"

"میں "اسے" بھی نہیں بچا سکا تھا مجھ سے نہیں ہوا۔" اس نے کسی ننھے بچے کی طرح شکایت کی۔ آراہ نے اس کے ماتھے پر آتے اس کے بال پیچھے کیے، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور دونوں ہاتھ اس کے چہرے پر رکھے مستحکم آواز میں اسے پکارا۔

"ہار جیت ایک طرف، یا تو مجھ سے وہ کہو جس سے میرا دل اس کی طرف سے خراب ہو جائے یا پھر تم میرے لیے لڑو جیسے تم پہلے لڑتے تھے، جیسے بچپن میں۔ تم بھائی ہو میرے کیا تم پر میرا کوئی حق نہیں۔ کیا کبھی میں تمہارے لیے نہیں لڑی؟" وہ لڑے گا اسے لڑنا پڑے گا اس نے ایک بازو اس کی گردن کے گرد باندھ کر اسے سینے سے

لگا یا وہ روتی چلی گئی۔ بار بار اس سے کہتی رہی وہ لڑے، یا سچ کہے وہ سچ نہیں بتا سکتا تھا اسے شرم آتی تھی، نہیں آنی چاہیے تھی مگر آتی تھی۔

"تم میری حفاظت میں ہو۔" اپنی چھوٹی بہن کے لرزتے وجود کو محفوظ پناہ میں بھرتے اس نے عہد کیا۔ وہ اسے نہیں چھوڑے گا مگر اس بار کھیل بھی وہی ترتیب دے گا، اس بار کہانی بھی اس کی، کردار بھی اس کے اور ہیرو بھی وہی۔ اس بار شاہ ویر کے لیے ہر راہِ فرار مسدود۔

★★★★★★★★

اور پھر بہت کچھ بدل گیا تھا وہ تو طاقت ور تھا ہی نہیں، وہ تو ایک معذور شخص تھا جس کی ساری طاقت اسلان یمن کی دی ہوئی تھی۔ ظالم کے قدموں کا پہلا تزلزل مظلوم کی اٹھائی پہلی آواز ہوتی ہے اور اسلان نے آواز اٹھائی تھی۔

"تمہارا باس میری جوتی کی نوک پر!" اس روز یاسر سے یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے دل میں طاقت تھی، وہ ساری رات نتائج کے خوف سے سو نہیں سکا مگر اگلی صبح شاہ ویر کی طرف سے کوئی ردعمل نہ آیا سوائے چند دھمکیوں کے اور اسے محسوس ہوا سارا کھیل لفظوں کا تھا وہ اسے لفظوں سے ڈراتا تھا اور اسے لفظوں سے ثابت کرنا تھا وہ خوف زدہ نہیں ہے۔

اس کے کچے گھر کی دیوار پر چارٹس، تاریخ، لوکیشن، اور کئی چھوٹے چھوٹے موبائل رکھے تھے۔ پنسل اس کے کان کے پاس اٹکا تھا اور جو وہ تیار کر رہا تھا وہ چھبیس فروری کا خاکہ تھا۔ ایک ایک شے تیار تھی، ہر عمل طے شدہ، ہر مہرہ اپنی جگہ پر۔ اسے آراہ کی کال لاہور نہیں لائی تھی وہ ماتھے پر شاہ ویر کا تنزل لکھ لایا تھا۔

"اگر یہی کرنا تھا تو آراہ کو چھوڑ کر کیوں آئے؟" اس کا کوئی کردار اس مسئلے میں اس کا ساتھی بن کر کھڑا ہوا۔ اس کی موجودگی دکھائی نہیں دیتی تھی مگر وہ محسوس کر سکتا تھا۔

”اسے امید نہیں دلانا چاہتا کیونکہ اس کی ہر امید کا سرا شاہ ویر تک جائے گا، اور میں اپنے منصوبے کی بھنک اس تک جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔“ پین سے کاغذ پر کچھ نوٹ کرتے جواب دیا۔ وہ کافی مصروف تھا یہ وہ دور تھا جب اسے لگتا تھا اس کی بہن واقعی کسی شخص کی محبت میں مبتلا ہے۔ اسے بالکل غلط لگتا تھا۔

”قتل کرو گے؟“ آواز کے ساتھ ساتھ اس کی گردن میں گلٹی بھی ابھر کر معدوم ہوئی۔

”اسے یہ بتاؤں گا کہ میں اس سے خوف زدہ نہیں ہوں شاید کچھ وقت کے لیے اسے زخمی بھی کروں تاکہ اسے میری دھمکیاں کھوکھلی نہ لگیں مگر میں قاتل نہیں ہوں۔“

”اپنی بہن کے لیے اس حد تک جانے کو کیوں تیار ہو؟“ آواز دوبارہ آئی۔ اس کے متحرک ہاتھ ایک لمحے کو بھی نہ رکے۔ وہ ایک نقطے پر اٹکا تھا اسے یقین تھا اگر شاہ ویر کو زخمی کرنے کی نوبت آئی تو تمکنت اسے ایک بار پھر جیل کی سلاخیں دکھائے گی اور وہ اس عمل کو یقینی بنانا چاہتا تھا کہ چھبیس فروری کی رات کو اس کی موجودگی لاہور میں نہ ہو، وہ قانون قانون کھیلے تھے تو اب اسلان یمن بھی وہی کھیلے گا اور اس کے لیے اس کے پاس منصوبہ تھا۔

وہ دنیا تیاگے جا رہا تھا مگر شاہ ویر بنگش نے اپنی بربادی کو خود آواز دی تھی۔

”کیا ہے تمہارا منصوبہ؟“ اس کی دوسری کتاب کا ایک جاسوس کردار کونے میں بیٹھا اس سے مستفسر تھا۔ بھنویں طنز سے اکٹھی تھیں، لبوں پر تمسخر۔

”میں بائیس فروری کی رات لاہور جاؤں گا۔“ جاسوس نے تاسف سے اسے دیکھا، شانے طنزیہ انداز میں جھٹکے۔

”یقین نہیں آتا مجھے لکھنے والا آدمی تم جیسا بے وقوف ہو گا۔“ نزاکت اور غرور سے جھرجھری لی۔

اسلان نے مڑ کر اسے دیکھا، ابرو طنزیہ انداز میں اٹھے۔ ”تمہاری کتاب کا سیکوئل رہتا ہے کیا ہو کہ اس میں تم کسی گاڑی کے نیچے آجاؤ؟“

کونے والی میز پر بیٹھے جاسوس کی رنگت فق ہوئی۔ ”آج کل تم کچھ زیادہ شارٹ ٹیمپر نہیں ہوئے؟“

اسلان نے محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔ ”کہہ کون رہا ہے وہ جس نے خود تین لوگوں کو اس لیے مارا کیونکہ وہ اس کی برداشت سے باہر تھے۔“ جاسوس ابھی کچھ کہتا کہ اسلان نے انگلی اٹھا کر اسے خاموش رہنے کو کہا ابھی کسی کردار کی یہ جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ لکھاری کے سامنے کچھ کہے اور اس کی سنی جائے۔

”میرا موبائل، یعنی میری لوکیشن سفر کرے گی۔“ اس نے جاسوس کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

”اوکے یعنی تمہارا موبائل کوئی اور ساتھ لائے گا تاکہ اگر کسی ضرورت کے تحت پولیس کو تمہاری لوکیشن چیک کرنی پڑے تو چھبیس فروری کے روز تمہاری لوکیشن بلوچستان سے پنجاب سفر کرتی ہوئی آئے؟“

اسلان نے سر ہلایا، اسے اپنے اس کردار سے خاص لگاؤ تھا، اس کا پیارا کردار۔ مگر اس کی تعریف کر کے وہ اسے سر نہیں چڑھا سکتا تھا۔ ”درست۔“

”اور خود کو بائیس فروری کے سی سی ٹی وی سے کیسے بچاؤ گے؟“

”اول تو ان سے بچ کر رہوں گا، دوئم کوئی بائیس فروری کی سی سی ٹی وی فوٹیج کیوں چیک کرے گا، جب وہ آلریڈی چھبیس کی سی سی ٹی وی میں مجھے دیکھ سکتا ہے۔“

”میں تو ضرور کرتا۔“

”لوگوں کے کاموں میں ٹانگ اڑانے کی وجہ سے تم تین بار تقریباً پکڑے جا چکے ہو اب بھی آگ نہیں بُجھ رہی؟“ وہ تلملا کر رہ گیا، اسلان کو اس کا جواب مل گیا تھا اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس تخیل کو جھٹکا، اب وہ کسی اور سے بات کر سکتا تھا۔ یا شاید اسے تنہا رہنا تھا۔

★★★★★★★

اگلی صبح وہ موبائل ہاتھ میں لیے ساکت سا بیٹھا تھا سکرین ابھی بُجھی نہیں تھی، اور وہاں آخری کال کے آثار نظر آ رہے تھے۔ شاہ زید بنگش کی کال۔ وہ "اب" کیوں کال کر رہا تھا، بلکہ وہ کوئی کال کر ہی کیوں رہا تھا, کیا تھا جو درمیان میں آیا تھا جس سے اسلان غیر واقف تھا؟

"کیا کہا؟" جماہی روکتے اس کی تیسری کتاب کی مرکزی کردار، پیشے سے ایک ہیکر اس کے سامنے آکر بیٹھی۔ وہ اپنے چھوٹے بال کیچر میں سمیٹتے ہوئے اس سے استفسار کر رہی تھی۔

اسلان نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔ خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ "وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔" ہیکر نے گہری سانس لی۔

"کتاب میں مجھے ہر کیوں، کیا، کیسے کا جواب تھمانے والے کو ایک عام سے کیوں کا مطلب نہیں پتا؟" اسلان نے بے بسی سے اسے دیکھا کیا وہ اس لائق تھا کہ اس کے کردار چلتے پھرتے اس کے ساتھ یہ سلوک کریں؟ سارے کے سارے نرے بد دماغ، لامتناہی بد تمیز۔ کاش وہ قطار میں کھڑا کر کے ایک ایک کو گولی مار سکتا۔

"کیوں ملنا ہے؟" اس نے شاہ زید کو لکھ کر بھیجا۔ اسی پل شاہ زید بنگش کا جوابی پیغام اس کی سکرین پر چمکا۔

"یہ تمہاری بہن کے بارے میں ہے۔ میں لوکیشن بھیج دوں گا، تاریخ پچیس فروری۔"

جواب لکھتے ہوئے وہ جھجک کا شکار تھا جب اس کے دائیں طرف بیٹھی چھوٹی بالوں والی لڑکی نے اسے پکارا۔ ''اپنا پلان مت بدلنا اس ملاقات کو اُس میں فٹ کرسکتے ہو تو well and good ورنہ یہ خاندان پیدا ہی کاذب ہوا تھا ان پر یقین کر کے مت جانا۔''

''میں کر بھی نہیں رہا۔'' وہ بدکا۔

''لکھاری پر اعتبار وہ کرے جو دماغ سے فارغ اور عقل سے پیدل ہو۔''

اسلان یمن نے تلملا کر اسے انگلی دکھائی۔ ''تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔''

وہ طنزیہ ہنسی۔ ''ایک کتاب میں تین مرتبہ جیل بھیج کر دو دفعہ لینڈ اسکیم میں پھنسا کر مجھ سے میری محبت چھیننے کے بعد بھی تم مجھے دیکھو گے اب دیکھنے کو رہ کیا گیا ہے؟'' وہ بے چینی سے اٹھ گیا اُف اُف اُف ۔۔۔۔ جھیل کے کنارے پتھروں پر بہتے پانی کو دیکھتے ہوئے وہ محض ایک بات سوچ رہا تھا "کیوں" اب کیوں؟

بہت جلد اسے سارے جواب بہت تفصیل سے ملنے والے تھے، ہاں مگر اس کی مرضی کے مطابق نہیں۔

★★★★★★★

حال!.............''چھ دسمبر رات نو بجے!''

وہ شاہ ویر بنگش کے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا تھا۔ شام کے اندھیرے رات میں بدل رہے تھے۔ خالی خالی نگاہیں اس سیاہ سفید دروازے پر جمی تھیں، اس کا ایک بازو اب بھی پلاستر میں بندھا تھا۔ اس نے موبائل کان سے لگایا دل آراہ کی کال کو چوبیس منٹ گزر چکے تھے ان چوبیس منٹوں میں اس نے محض گاڑی بھگائی تھی، اس کی سوچیں ایک جگہ منجمند تھیں دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی بہت دیر بعد کال اٹھالی گئی۔ فاصلے پر ہی سہی مگر اسلان یمن شاہ ویر طلال بنگش کو اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑے ہوتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

"کیسے یاد کیا؟" بالکنی میں کھڑا سفید پولو شرٹ والا مرد پوچھ رہا تھا۔ اس کے بال ہنوز گیلے تھے۔ چہرے پر کھروچوں کے کچھ تازہ داغ بھی۔ "اگر تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ زید میری بہن سے دور رہو اور۔۔۔۔۔"

"شاہ ویر۔۔۔۔" اس نے بے حد ہلکی شکستہ آواز میں اسے پکارا۔ وہ ٹھہر گیا، سانس ساکن ہوئی۔ آس پاس بہتی ہوا میں جمود شامل ہو گیا۔ "آراہ کہاں ہے، شاہ ویر؟" دو ٹوک، غیر رعایتی لہجہ تھا اس کا۔ کئی لمحے شاہ ویر ہل نہ سکا۔ "میں سب جانتا ہوں، سارے سچ جانتا ہوں یہ حقیقت کھل چکی ہے اب کھیل بند کرو۔" اس کی آواز سرگوشی جتنی ہلکی تھی۔

بہت دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس کے لبوں سے سرسراتی آواز نکلی۔ "کیسے؟"

"آراہ کہاں ہے؟" وہ اسی سوال پر اٹکا تھا۔ گلے سے آواز کے ساتھ تنبیہ بھی نکل رہی تھی۔ "میں بہت تحمل سے پوچھ رہا ہوں مجھے بتا دو ورنہ میں تمہیں، تمہاری موجودہ شہرت اور ماضی کے نام سب کو خاک کر دوں گا۔ میری بہن کہاں ہے؟"

"میں شاک میں ہوں کیونکہ تم سچ جانتے ہو اس لیے نہیں کہ آراہ۔۔۔۔ ایک منٹ آراہ کہاں ہے؟" اس نے ایسا تاثر دیا جیسے وہ خود بھی نہیں جانتا۔ "کیا وہ گھر پر نہیں ہے کیا ہوا ہے؟"

اسلان نے انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی مسلی اور گھر کی طرف بڑھا دروازے پر محافظین نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس وقت کوئی آگ، کوئی طاقت، کوئی طلسم اسلان یمن کو روک نہیں سکتا تھا۔

"اسے اندر آنے دو" انٹرکام پر پیغام آیا اور اسے اندر آنے دیا گیا۔ اسلان تیز تیز قدم لیتا اوپری منزل کی طرف بڑھ رہا تھا شاہ ویر اپنا آسمانی لانگ کوٹ پہنتا باہر نکل آیا تھا۔ راہداری میں وہ دونوں روبرو کھڑے تھے۔ کتھئی آنکھوں میں استہزا کی جھلک تھی۔ وہ یوں پہلے بھی ملے تھے جب شاہ ویر اپنی جان بچانے کے لیے ایجنٹ اسکار سے

ملنے لعلِ یمن پہنچا تھا۔ اور وہ اس سے پہلے بھی یونہی ایک مرتبہ روبرو آئے تھے جب ایڈن برگ کی گلی تھی، کیفے کے باہر دو دوست تھے اور کافی سمیت کروسانٹ کی ملی جلی خوشبو فضا میں بسی ہوئی تھی۔ اُس دور میں اسلان خاموش رہنے پر مجبور تھا، اور آج... آج وہ زبان کاٹ بھی سکتا تھا اور کھینچ بھی۔

"آراہ کہاں ہے، اسلان؟ اسے کیا ہوا ہے؟" کمبخت کی آنکھوں میں کتنا تفکر تھا۔

اسلان نے اس کا گریبان پلستر سے عاری ہاتھ میں جکڑتے قریب کیا۔ "میرے ساتھ کھیل کھیلنا بند کرو، شاہ ویر۔" وہ اس کے چہرے پر غرایا۔ "یہ معاملہ تمہارا اور میرا ہے آراہ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مردوں کی طرح مجھ سے بات کرو، مجھ سے لڑو اس سے نہیں ورنہ میں اپنی یہ پیشکش بھول کر تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

"بالکل اسی طرح جیسے میرے بھائی کو مارا تھا؟" شاہ ویر نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ مارتے ہوئے اسے خود سے دور کیا۔ "میں تو برا تھا، ذہنی مریض تھا، طاقت کا جنونی تھا لیکن تمہیں کیا ہوا تم نے ایک انسان کو قتل کر دیا وہ بھائی تھا میرا۔" اس کی نم آنکھوں میں کرب تھا اسلان اس کے ہاتھوں پر بعیت کر دیتا، منکر دین ہو کر شاید اسے فرشتہ بھی تسلیم کر لیتا مگر اب جو اس پر اعتبار کرے اس پر لعنت، جو اس کے سامنے پگھل جائے وہ غنیم قلب۔

"اور جس کے قریب تم آئے تھے وہ بہن ہے میری تم سے کہا تھا وہ میری ریڈ لائن ہے لیکن تمہارے دماغ میں اسلان کی بات نہیں آتی نا؟"

"اب کہاں ہے وہ بہن یہ حفاظت کی تم نے اس کی؟" اسلان نے جیب سے ریوالور نکالا۔

"یہی سوال میں تم سے کرنے آیا ہوں کہاں ہے وہ؟" اسلان نے ریوالور اس کی پسلیوں کے درمیان رکھا شاہ ویر کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ایک نظر پستول کو دیکھا اور اگلی نظر اسلان پر ڈالی۔ "بتاؤ یا پھر مرو، فیصلہ تمہارا ہے۔"

"میرے بھائی کے قتل کے بعد تم میرے ہی گھر میں گھس کر مجھ پر پستول تان کر کھڑے ہو؟"

اسلان نے پستول اسے چبھوئی۔ ''آراہ کہاں ہے؟''

''تم۔'' اس نے اسلان کو جھٹکنا چاہا جب وہ اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے گھٹنوں کے بل جھکا گیا تھا۔ دانت بھینچے ہوئے گرفت اس کی گردن پر سخت، اور گھٹنہ اس کی پیٹھ پر آج پہلی دفعہ وہ اپنی جسامت اور قد کاٹھ کے مطابق اسے زیر کیے ہوئے تھا، آج پہلی بار وہ اسلان کو معمولی لگا۔ کھوکھلا اور خالی۔ اس کی ساری طاقت ہواؤں میں بہہ گئی تھی۔ شاہ ویر بنگش اس کی گرفت میں پھڑپھڑا رہا تھا۔ ''چھوڑو مجھے۔ چھوڑو اسلان تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟''

''آراہ کہاں ہے؟''

''اللہ کی قسم میں نہیں جانتا۔''

''اللہ کی قسم میں جانتا ہوں وہ تمہارے پاس ہے۔'' وہ ترکی باترکی بولا۔

''میرا یقین کرو میں صبح سے اپنے گھر پر ہوں تم سی سی ٹی وی بھی دیکھ سکتے ہو میں کل یہاں آیا تھا اور۔'' گردن پر گرفت سخت ہونے سے اس کے لبوں سے کراہ نکلی۔ ''اور میں ابھی تک گھر پر ہوں چھوڑو مجھے۔'' اس نے خود کو چھڑانے کی سعی کی اور دانتوں سے اس کے بازو پر کاٹنا چاہا، مگر اسلان نے اسے گھما کر فرش پر گرا دیا۔ ایک ہاتھ اس کی گردن پر رکھا اور دوسرے ہاتھ میں تھامی ہوئی پستول اس کی ٹھوڑی پر جما دی۔ اس کی آنکھوں میں خون اُترا تھا۔ وہ آج، اسی لمحے، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا تھا۔

''مجھ سے جھوٹ مت کہو، میں اس وقت تم سے بڑا ذہنی مریض ہوں، تم سے بڑا باطل اور تمہاری بقا صرف اور صرف سچ۔ اس لیے بتاؤ، آراہ کہاں ہے؟''

"میں نہیں جان۔" ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلان یمن نے پستول جیب میں رکھتے ننھا چاقو نکالا اور تیز دھار آلے سے اس کے بازو پر ایک گہرا زخم دیا لمحوں کی تیزی میں جو ہوا شاہ ویر سمجھ ہی نہیں سکا۔ البتہ اس کے لبوں سے بلند کراہ خارج ہوئی تھی۔

"آراہ کہاں ہے؟" وہ بازو کو ایک ہاتھ سے پکڑے فرش پر تڑپنے لگا۔

"نہیں پتہ۔" اسلان نے پلستر والے بازو کا بھاری ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا اور اسے تڑپتے ہوئے دیکھے گیا۔ تکلیف اتنی شدید تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، وہ شاید چیخ رہا تھا مگر ہر آواز ہتھیلی میں دب گئی جس کا دباؤ اسلان ہر گزرتے لمحے بڑھا رہا تھا۔ دوسرا ہاتھ اس کے زخم پر تھا، جہاں وہ انگلیوں کا زور دے رہا تھا۔ شاہ ویر کو لگا یہ قیامت ہے۔

"تمہیں کیا لگا تھا میں محض دھمکیاں دوں گا؟" اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے خون آلود ہاتھ سے اس کا جبڑا مٹھی میں دبوچتے اس نے سختی سے پوچھا۔ شاہ ویر کا سارا چہرہ پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ راہداری سے گزرتی کوئی عورت ٹھٹک کر رکی ابھی وہ چیختی کہ اسلان نے خالی نگاہیں اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ شاہ ویر اسے مدد کے لیے پکار رہا تھا مگر وہ بھاگ گئی۔

"میری......بہن......کہاں.......ہے؟" چبا چبا کر پوچھا۔

"آہ! لعنت ہو تم پر، اسلان۔" مقابل نے ایک زور دار مکا اس کی آنکھ کے عین نیچے مارا۔ وہ روتے بلکتے ہوئے چلایا۔ اسلان اٹھ کھڑا ہوا بوٹ سے اس کے زخم پر زور دیا اور اگلے ہی لمحے شاہ ویر بنگش کی دلخراش چیخیں سارے میں گونج رہی تھیں وہ خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ اٹھ کر بھاگ سکے تکلیف سی تکلیف تھی۔

"کیا خیال ہے بتانا ہے یا میں میگزین بھی یہیں خالی کر کے جاؤں؟"

”میں نہیں جانتا، میں واللہ نہیں جانتا پیار کرتا ہوں اس سے ....میں ......میں کیا کروں گا اس کا؟“ اسلان نے بغیر اس کی بات پر دھیان دیے اس کا زخم پوری طرح سے مسلا، شاہ ویر کی آنکھیں ابلنے کے قریب تھیں وہ اس کی ٹانگ پر زور زور سے ہاتھ مار رہا تھا مگر اس وقت اسلان سے کسی بھی قسم کی امید رکھنا یوں تھا جیسے کسی ملحد کا دائرہ دین میں داخل ہونا۔

”اگر .... تمہیں ... لگتا ہے وہ میرے پاس ہے .... تو میں تمہاری آخری.... امید ہوں۔“ وہ پھولتے تنفس کے درمیان چیخ کر، بلند آواز میں بولا۔ ”وہ میرے پاس نہیں ہے اسلان..... لیکن تم چانس نہیں لے سکتے.... اسے ڈھونڈنا اہم ہے پلیز۔“ اسلان نے پستول دوبارہ اس پر تان لی۔ اب کہ نشانہ پسلیاں تھیں مگر اسی پل موبائل بجنے لگا۔ اسلان نے اسی انداز میں کال اٹھائی اور موبائل کان سے لگایا۔

”اسے مارنا مت۔“ دوسری طرف سہراب تھا وہ شاید ڈرائیو کر رہا تھا اس کے آس پاس شور تھا۔ کیا وہ جانتا تھا اس کا بھتیجا ”اس" پر بندوق تانے کھڑا ہے۔ ”وہ واحد انسان ہے جو ہمیں آراہ تک لے کر جا سکتا ہے اسے نقصان دینا یعنی خود کو نقصان دینا آراہ مل جائے پھر اسے میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا فی الحال اسے زندہ رہنا ہے، اسلان۔“

اسلان نے بغیر کچھ کہے کال کاٹ دی۔ چند پل سرد نظروں سے اسے تکتا رہا پھر اسے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا شاہ ویر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسلان نے ایک بار پھر اس کے زخم پر بوٹ رکھا وہ بلبلا کر رہ گیا۔ چند پل کے اندر اندر خون کا ایک تالاب آس پاس بھر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پارکنگ میں تھے شاہ ویر بازو کو ایک ہاتھ سے تھامے، بمشکل چل پا رہا تھا اسلان بندوق اس کی کمر کے ساتھ رکھے اس کے عقب میں قدم اٹھا رہا تھا۔ شاہ ویر نے شاہ زید کی سیاہ بی ایم ڈبلیو کا دروازہ کھولا مگر اسلان نے وہ دروازہ اسی پل بند کر دیا۔

”تم ڈرائیو کرو گے۔“

شاہ ویر نے مڑ کر طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ”تم حکم دے رہے ہو، میں مان رہا ہوں لیکن یہ وقتی ہے اسلان ایک بار آراہ مل جائے تمہیں پانچ سال قبل کی یاد نہ دلائی تو شاہ ویر کا نام بدل کر کسی خنزیر پر رکھ دینا۔“

”بس جسمانی ساخت جدا ہے، خنزیر تو تم اب بھی ہو۔“

”میں تمہیں آخری بار تنبیہہ۔“ اسلان نے اسے گریبان سے پکڑ کر ایک جھٹکے میں گاڑی کے اندر پٹخا پھر اس کے بال مٹھی میں دبوچتے چہرہ اوپر کیا اور پستول اس کی ٹھوڑی تلے رکھی۔

”تمہاری تنبیہہ میری جوتی کی نوک پر۔“

★★★★★★★★★★

اسی رات میں چند گھنٹے قبل!

”رابعہ؟“ عالمگیر کے لبوں سے سرسراتی آواز نکلی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا ساکن، خالی۔ یافث اپنی جگہ کھڑا تھا اس کے چہرے پر کوئی خاص حیرت نہیں تھی۔ ”تم اتنا عرصہ دنیا کو بے وقوف بناتی رہیں؟“ ماتھے پر ہاتھ رکھتے وہ بے یقینی سے آگے آیا جب رابعہ نے چاقو کی نوک عین اس کے سامنے کی۔

”آگے مت آنا ورنہ مار دوں گی۔“ عالم جیسے حال میں آیا۔

”تم جیسی دوغلی اور مکار سے ڈرتا نہیں ہوں۔ مارلو چاقو ابھی کے ابھی مار دوں مجھے لیکن اگر میں مر گیا تو جانتی ہو کیا ہوگا؟“ عالم غصے اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت میں غرا رہا تھا۔ ”میرا افسر بھائی دو دن کے اندر اندر تمہاری ساری حقیقت میڈیا کے سامنے کھول کر رکھ دے گا اور تم کہیں کی نہیں رہو گی۔ یافث ابھی کے ابھی سہراب کو فون کرو۔“ اس نے آخری بات یافث سے کہی جو اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا تھا۔ عالمگیر نے شاید غور بھی نہیں کیا تھا مگر یافث کی نگاہیں بے حد ٹھنڈی اور پر سکون تھیں۔

”عالم بیٹھ جاؤ، بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“

”میں بیٹھ جاؤں ہاں؟ اس طرح کی عورتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے وومن کی فاؤنڈر تم تھیں نا، وہ غبن بھی تم نے سب سے پہلے نوٹ کیا ہو گا اور وہ منشیات بھی؟ پھر باقی تین کی موت کے بعد خود یہاں سکون سے رہ رہی ہو؟“ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ آگ لگا دے، اور ایندھن رابعہ پرویز کو کرے۔

”میں تمہیں آخری موقعہ دے رہی ہوں یہاں سے چپ چاپ چلے جاؤ ایسے جیسے تم نے کبھی مجھے دیکھا ہی نہیں، تم ابھی مجھے جانتے نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر چاقو اس کی شہ رگ کے نشانے پر رکھنا چاہا جب عالم نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کو تیزی سے مروڑا اور چاقو چھین لیا۔ یہ سب اتنا جلدی میں ہوا کہ یافث اور رابعہ کچھ سمجھ ہی نہ سکے۔

عالمگیر نے وہ آلہ اس کے چہرے کے قریب لہرایا۔ ”ان کھلونوں سے ڈراؤ گی مجھے، عالمگیر یمن کو ڈراؤ گی؟“

”عالم ہتھیار نیچے کرو۔“ رابعہ کی طرف آتے ہوئے یافث نے سنجیدگی سے حکم صادر کیا۔

”تم سہراب کو کال ملاؤ اس سے کہو جلدی پہنچے جوہر فور زیرو آج حل ہوا۔“ اس کی آنکھوں میں جیت کا غماز تھا رابعہ پرویز دونوں ہاتھ اٹھائے سہمی سہمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ہتھیار دور کرو عالم۔“

”سہراب کو فون کرو تمہیں آواز نہیں آ رہی، یہ کرمنل ہے۔“

”پاگل ہو گئے ہو وہ ڈر رہی ہے چاقو پیچھے کرو۔“

”تمہیں ہو کیا گیا ہے یافث یہ عورت کرمنل ہے مجھے یقین ہے باقی چار کو اسی نے مروایا ہے سہراب کو کال۔“

"ہتھیار ہٹاؤ عالمگیر وہ بیوی ہے میری۔" یافث طارون نے جھپٹ کر اس سے چاقو لیتے دور اچھالا۔ اندھیرے لاؤنج میں پل بھر کو سکوت چھا گیا۔ عالمگیر یمن نے متحیر نگاہیں اس کی طرف موڑیں جو آگے بڑھ کر رابعہ کے گرد بازو کا حلقہ باندھ رہا تھا، اور رابعہ .....وہ سہمی ہوئی عورت اس کا بازو زور سے تھامتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے عالم سانس نہیں لے سکا۔ وہ ہنوز پھٹی پھٹی آنکھوں سے یافث کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک سال پہلے امریکا سے آنے کے بعد ہم نے نکاح کر لیا تھا رابعہ میری بیوی ہے اور اس لیے میں چاہتا تھا تم یا سہراب جوہر فور زیرو میں پڑو کیونکہ میں رابعہ کی نارمل زندگی چاہتا تھا۔" عالم کا سکتہ دھیرے دھیرے ٹوٹنے لگا۔ "رابعہ خود وکٹم ہے، میں نے بہت کوشش کی کہ میں تمہیں۔۔۔۔"

"بھاڑ میں گیا کیس، بھاڑ میں گیا سب تم مجھے بتائے بغیر میری غیر موجودگی میں شادی کیسے کر سکتے ہو؟" وہ اسی بے یقینی سے غرایا۔ یافث نے تاسف سے اسے دیکھا اس آدمی سے وہ اس سنجیدہ صورتحال میں کچھ سنجیدہ کی امید رکھتا تھا مگر۔ "تمہیں شرم نہیں آئی؟ باپ کی طرح میں نے پالا اور تم ایک عورت کے لیے مجھے بھول گئے؟"

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے تم سے شادی کا وعدہ کر کے مکر گیا ہوں۔" رابعہ نے زیر لب لاحول پڑھا۔

"لعنت ہو تم پر خبیث جب پیسے چاہیے ہوں تب عالم، مشورہ چاہیے ہو تو عالم اور جب شادی کرنی تھی تو عالم کو بتایا ہی نہیں؟"

رابعہ نے ایک نظر عالم کو دیکھا، پھر اپنے شوہر کو یہ کیا ہو رہا تھا؟ "میں بتانے لگا تھا۔۔۔۔"

"ہاں پھر تم نے سوچا کیوں نا چار چھ بچوں کے بعد بتا دوں۔" رابعہ یافث کے پیچھے چھپنے ہی لگی تھی جب عالم نے اسے پکارا۔ "تم نے کہا تھا ہم تینوں اپنی شادیوں پر ایک ہی جوڑا پہنیں گے سہراب نے وہی پہنا تھا اور تم۔ تم غدار ہو۔"

"اچھا وہ جوڑا جسے پہننے کے بعد تمہاری تین بیویاں مر گئیں، سہراب کی شادی بھی کیا ہی خوب چلی اور تم چاہتے تھے میں بھی وہی پہنوں تاکہ میری شادی بھی تباہ ہو؟" وہ تڑخ کر بولا۔ لمحے بھر کے لیے وہ موقع محل بھول چکے تھے۔

"تو اب کون سا تمہیں نوبل پرائز کی ونر مل گئی ہے ایک مفرور قاتلہ اور دنیا کی نظروں میں مردہ عورت ہی ملی ہے۔" یا اللہ۔۔۔۔اس سے یہ سب مخفی کیسے رہا؟

"اس کے بارے میں ایک لفظ نہیں عالم۔" یافث نے انگلی اٹھا کر ٹوکا۔

"اپنے گریبان میں بھی جھانکیں یمن صاحب۔" وہی ہلکی مگر مضبوط آواز گونجی۔ "چار بار جیل پلٹ ہیں، مشہوری تین بیویوں کا قتل ہے اور ڈھائی سال سے اپنے کسی کیس کے لیے عدالت کی شکل نہیں دیکھی آپ نے، اب آپ بتائیں گے میں کون اور میری شناخت کیا؟"

"اپنا فیمنزم اپنے اندر رکھو۔"

"جب آپ مردوں کے پاس دلیل اور جواب نہ ہوں تو فیمنزم کیوں درمیان آجاتا ہے؟"

"ایسی پٹر پٹر زبان انہی کی چلتی ہے۔"

"غلط لگتا ہے آپ کو ہر اس عورت کے منہ میں ایسی ہی زبان ہے جو اپنی وقعت سے واقف ہو اور جو patriarchy پر دس دفعہ لعنت بھیج کر آئے۔ اگلی بار میرے بارے میں بات کرتے ہوئے سوچیے گا آپ خود کیا ہیں۔" اس کا لہجہ اب بھی ویسا ہی دوٹوک تھا۔ یافث نے گلا کھنکھار کر ان دونوں کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

"تم ایک بار تحمل سے بیٹھ کر رابعہ کی بات سن لو، عالم۔" اس نے نرمی سے کہا پھر رابعہ کو دیکھ جو کسی قسم کی گفتگو میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی مگر یافث کی یہ التجائیہ نگاہیں پتھر کو موم کا ڈھیر کر گئیں۔

"میں اب کوئی ذاتی حملہ برداشت نہیں کروں گی۔"

"اور میں تو جیسے خوشی سے ناچوں گا جب جب تم مجھے قاتل اوراشتہاری کہو گی۔" وہ سلگا۔ "تم نے یافث کو کیسے پھانسا؟"

"اچھابس۔" یافث نے ان دونوں کی بات کاٹی۔ "عالم پلیز صرف ایک دفعہ بات سن لو۔"

عالم چند لمحے تنفر سے ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ "تمہیں تو میں بعد میں دیکھوں گا غدار۔" لائٹ جا چکی تھی اندھیرے لاؤنج میں کسی قسم کے اجالے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی، البتہ اب وہاں بیٹھے تینوں نفوس کی آنکھیں اس اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں۔ وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ پا رہے تھے۔

"تم جوہر فور زیرو کی سروائیور ہو۔۔۔۔۔ تو پھر یہ۔۔۔۔۔ یہ گمنامی کیسی؟ تم کبھی رابعہ بن کر سامنے کیوں نہیں آئیں؟" عالم اب سنبھلا ہوا لگ رہا تھا، لہجہ مدھم تھا۔ کاٹ ہنوز برقرار۔

یافث کے پہلو میں بیٹھی عورت کی نگاہیں کہیں خلاؤں میں تھیں۔ "سروائیورز سانحہ سروائیو کر جاتے ہیں، سماج نہیں۔ میں سانحے سے بچ گئی تو سماج نے مجھے مار دیا۔"

★★★★★★★★★★

"ماضی!"

نومبر کی رات لاہور کا آسمان صاف تھا۔ چمکتے ستاروں کی چادر سارے میں تن گئی تھی۔ جوہر ٹاؤن سوسائٹی کا دروازہ کھلا اور شاہ ویر بنگش سیاہ بی ایم ڈبلیو میں اندر بیٹھا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ اس کی ماں بیٹھی تھی جس کی آنکھیں بند

اور لب مسلسل کچھ پڑھ رہے تھے شاید خود کو پر سکون رکھنے کی کوئی سطر؟ اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے تھے۔

"میں یہاں کیوں ہوں مام؟" گاڑی روکتے سٹیئرنگ وہیل پر گرفت جماتے ہوئے وہ اپنی ماں کی طرف مڑا جس کی آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ "یہ عورتوں کا معاملہ ہے آپ کی آپسی سیاستوں میں میری کوئی جگہ نہیں بنتی۔"

نشست پر پڑے ہوئے اس نے ہلکی سی آنکھیں کھول کر اپنے بیٹے کو دیکھا۔ دونوں کی ہم رنگ آنکھیں ملیں۔ "مائیں بیٹے مانگتی ہیں تاکہ وہ ان کا بازو اور سہولت کار بنیں میرے بیٹوں میں ایک تم ہو جو بازو بن سکتے ہو۔ تم نے اسلان کے ساتھ جو بھی کیا میں نے مدد کی، تم نے پنار کا قتل کیا میں نے مدد کی۔۔۔۔۔" اس نے شاہ ویر کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا، نگاہوں میں التجا تھی۔ "ہیلپ می، ویر۔ یہ صورتحال میرے ہاتھوں سے نکل رہی ہے اور میں تباہ نہیں ہونا چاہتی۔"

وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ آس پاس دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر تمکنت کو دیکھا۔ "میں اسے اپنے طریقے سے ہینڈل کروں گا اور آپ روکیں گی نہیں ٹھیک؟"

"ٹھیک!" اس نے وعدہ کیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں جوہر ٹاؤن کی عمارت نمبر چھ کے مکان نمبر فور زیرو میں موجود تھے۔ خاکی رنگ کے چمڑے والے صوفے پر بیٹھا وہ طائرانہ نگاہوں سے سارے میں دیکھ رہا تھا جب دروازے پر ایک ساتھ دو عورتیں نمودار ہوئیں، شاہ ویر کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی دو عورتوں نے پلٹ کر انہیں دیکھا نگاہوں ہی نگاہوں میں کوئی بات ہوئی اور چند پل بعد وہ چاروں ان کے سامنے موجود تھیں۔ شاہ ویر نے ہاتھ باہم جوڑے اور گویا ہوا۔

"میں خواتین کی بے حد عزت کرتا ہوں۔(لوگوں کے سامنے)میرے نزدیک آپ سب بے حد معتبر ہیں۔(پاؤں کی جوتی جتنی)خواتین میرے لیے دنیا کی ذہین ترین مخلوق ہیں(کاش میں سچ کہہ پاؤں)لہٰذا۔" اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔"مس رابعہ آپ، میری ماں اور مسز روبینہ نے وومن بنایا ہے لاکھوں عورتیں اس قدامت پسند معاشرے کی قید سے نکل کر اس نئی تحریک کے ساتھ جڑنا چاہتی ہیں اور جڑ رہی ہیں کیا آپ کو نہیں لگتا کہ اس طرح آپسی رنجشوں کے سبب یہ وژن دھندلا جائے گا؟"

رابعہ پرویز نے نفی میں سر ہلایا۔"وومن ایک وژن ہے اور وژن کو ایک سال نہ سہی سو سالوں میں اس پر چلنے والے مل ہی جاتے ہیں۔ آپ نے بہت خوبصورت لفظوں کے ذریعہ تمام کریڈٹس تمکنت صاحبہ اور روبینہ بی بی کو دینے چاہے مگر میں ایک بات واضح کرنا چاہوں گی کہ یہ میرا وژن تھا۔" اس نے انگشت شہادت سینے پر رکھی۔

"بالکل درست مگر بات یہ نہیں ہے کہ اسے شروع کرنے والے کون تھے آپ تینوں کی آپسی رنجش۔"

"آپسی کچھ نہیں ہے، شاہ ویر۔" رابعہ نے دوٹوک انداز میں اس کی بات کاٹی۔"آپسی تو کبھی کچھ تھا ہی نہیں میں بہت اچھی فیملی سے آئی ہوں جہاں میرا خیال رکھا گیا تھا، میرا شوہر بھی اچھا تھا اس سے طلاق لینا میری مرضی تھی کیونکہ میں شاید شادی سنبھال نہیں سکی۔ وومن میری تکلیفوں اور میری صعوبتوں کا پرچار نہیں کرتا وومن کا واحد مقصد "وومن" تھیں۔ اور اب ایسا نہیں رہا۔"

"مقصد وہی ہے عورت مارچ میں آنے والی عورتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور۔۔۔۔۔"

اس نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔"مجھے یہ ویسٹ سے کاپی پیسٹ شدہ عورت مارچ نہیں چاہیے تھا۔ جس میں مجھے ابارشن کی اجازت چاہیے ہو، جس میں مجھے لڑکی کے لڑکی اور مرد کی مرد سے شادی کی اجازت چاہیے ہو یا پھر میرا مقصد ان لوگوں کو حقوق دلوانا نہیں تھا جو پیدا مرد یا عورت ہوئے لیکن بعد میں ان کو لگا کہ نہیں میں مرد ہوں، یا عورت ہوں اور انہوں نے اپنی جنس تبدیل کروالی۔"

”کیا تمہیں واقعی ان سے ہمدردی نہیں، ٹرانسجینڈر کمیونٹی ہمارا حصہ ہیں۔“

”ہمدردی ہے! بہت ہے۔ مگر معذرت میں اسے ایک ذہنی اختراع مانتی ہوں لاء نہیں۔ میں ہرگز ان لوگوں کو مارنے یا بے عزت کرنے کے حق میں نہیں ہوں مگر اسی طرح میں ان کے اعمال کے حق میں بھی نہیں ہوں۔ میری جنگ patriarchy سے تھی دین سے نہیں۔ میرا مقصد انہیں معاشرے میں عزت اور حق دلوانا ہے جنس بدلنے کو صحیح سمجھنا نہیں۔“

”ہر ٹرانسجینڈر آپریٹ کروا کر نہیں گھوم رہا۔“

”جی بالکل اسی لیے میں ان کے حق لینے کے لیے ان کے ساتھ کھڑی ہوں، کھڑی رہوں گی۔ لیکن میں دین کے خلاف نہیں جا سکتی۔“

”چند سالوں بعد اس ملک میں کوئی دین رہے گا ہی نہیں۔“ تمکنت تلخی سے بولی۔

”چاہے نہ رہے مگر اس خاتمے کی وجہ میں کیوں بنوں؟ مسز بنگش آپ سمجھ نہیں رہیں میں فیمنزم لائی تھی ویسٹ کا ایجنڈا نہیں۔“ تمکنت نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

”انڈیا، امریکا، کینیڈا، لندن ہر جگہ یہی فیمنزم ہے یہی ہو رہا ہے اور جب انسان ایک تحریک کو اپنے یہاں لاگو کرتا ہے تو مکمل کرتا ہے تم کیا چاہتی ہو ہم اس میں سے چند نکات نکال دیں؟“

”نہیں مسز بنگش میں نہیں چاہتی ویسٹ کی عورت فیمنسٹ نہ بنے کیونکہ اس عورت نے ذلت دیکھی ہے اسے جنسی تسکین کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، اس کا واحد مقصد گھر بیٹھ کر شوہر کے کام کرنا ہوتا تھا، ویسٹ نے عورت کو ایک "آبجیکٹ" کے طور پر استعمال کیا اور یہی سب ہندوؤں میں ہوا۔ بیوہ کی دوسری شادی نہیں ہو سکتی، اس پر رنگ حرام، جہیز کا ڈھیر سارا بوجھ، شوہر کی رضا کے لیے ہر حد تک چلے جانا، تعلیم نہ ہونا، جائیداد میں

حصہ نہ ملنا اگر وہ فیمنسٹ ہیں تو درست ہیں ہونا چاہیے۔ میں نے آپ کا کاپی پیسٹ شدہ فیمنزم بھی چلایا لیکن جو اب آپ نے کیا ہے وہ کسی صورت نہیں سہا جائے گا۔“

”اور تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے کچھ کیا ہے؟“ اس کا اشارہ منشیات کی طرف تھا۔ رابعہ پرویز اٹھ کھڑی ہوئی اس بات سے بے خبر کہ اب اس کے پیروں سے زمین نکلنے میں بس چند ساعتیں ہی باقی ہیں۔ وہ دراز سے کچھ نکال کر ان دونوں کے سامنے رکھ رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ یہ ثبوت اس کے لیے تختہ دار ثابت ہوں گے، اس کی تباہی کا مرکز۔

”یہ آڈٹ رپورٹ ہے چھ کروڑ کے فنڈز غائب ہیں۔ یہ ہمارا ویئر ہاؤس ہے جہاں ڈرگز کے کاٹن پڑے ہوئے ہیں، اور یہ وہ عورتیں ہیں جنہیں آپ اسلحے اور ڈرگز کی ترسیل کے لیے استعمال کرتی ہیں۔“ وہ ان کی طرف ہلکا سا جھکی۔ ”میرے پاس ان عورتوں کی تصاویر اور ثبوت بھی ہیں جنہیں نشے کی حالت میں آپ نے اور روبینہ نے چند امیر زادوں کے آگے گوشت کے ٹکڑے کی طرح پھینک دیا اور آپ کو بدلے میں لاکھوں روپے ملے۔ آپ عورت دشمن ہیں دوست نہیں۔ آپ اس تحریک کو اپنے حق میں استعمال نہیں کر سکتیں میں آپ کو اس کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔“

شاہ ویر بنگش ایک ایک کاغذ ایک ایک تفصیل بے حد غور سے پڑھ رہا تھا ایک ایک سطر اس کے چہرے سے خون کھینچ رہی تھی۔ وہ ماس کا کھینچا ہوا ٹکڑا بن کر رہ گیا۔ اس کی ماں تباہ یعنی خاندان تباہ ...... اور اگر خاندان تباہ تو اس کی ساکھ، اس کا نام اور وہ سارے کا سارا تباہ...... وہ کسی اور کا نہیں سوچ رہا تھا، وہ بس اپنا سوچ رہا تھا۔ اس نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر رابعہ اور اس کے کندھے کے پار بیٹھی تین عورتوں کو دیکھا۔

”میں ہر قسم کی افہام و تفہیم کے لیے تیار ہوں۔“ اس نے ان عورتوں کو آخری پیشکش کی۔

"اور میں ہر قسم کی افہام و تفہیم پر لعنت بھیجتی ہوں۔" پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے سکون سے کہا۔ شاہ ویر نے ایک نظر پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا جو چپ سی تھی، خالی خالی آنکھوں سے رابعہ کو تکتے ہوئے وہ اپنا تاریک مستقبل بے حد روشنی میں دیکھ پا رہی تھی۔ شاہ ویر گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب آپ لوگوں کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے اب جو ہو گا وہ آپ سب کی وجہ سے ہو گا اوکے؟" وہ سنگینی کو سمجھ نہیں پا رہی تھیں یا شاید ان کے نزدیک انسان، انسان تھے شاہ ویر نہیں جو ہر حد تک گزر جائیں۔

اس گھر سے نکلتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اس کے سر پر خون سوار تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ غرایا تھا۔ "اب یہ ٹکے ٹکے کی طوائفیں شاہ ویر بنگش کو انکار کریں گی؟" موبائل پر کسی کو کال ملانے سے پہلے اس نے اپنی ماں کو آخری بار دیکھا۔ "میں نے صرف اور صرف آپ کی وجہ سے برداشت کیا مام ورنہ میں ان کا وہ حال کرتا کہ یہ یاد رکھتیں۔ لعنت ہو، ان سب پر لعنت ہو۔"

تمکنت نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ محبت سے اس کا عارض سہلایا۔ "تم تیرہ سال کے تھے جب تمہیں میری پرواہ تھی اور تم نے میرے لیے کچھ کیا تھا میں تمہارے اس طریقے کو بہت مس کرتی ہوں، ویر۔" وہ اسے اکسا رہی تھی، بتا رہی تھی کہ اسے آگے کیا کرنا ہے۔ شاہ ویر کو اپنے اس عمل سے نفرت تھی جب اسے "مرو یا مارو" میں سے ایک کو چننا پڑتا تھا کیونکہ اسے پتا تھا آج، کل، دس سال یا پھر سو سال بعد وہ "مارو" ہی چنے گا۔ اسے چننا پڑتا تھا۔

"سنبھالے گا کون؟" اس نے فیصلہ لینے سے قبل ایک آخری سوال پوچھا۔ تمکنت بنگش نے بے حد مستحکم لہجے میں جواب دیا۔

"روبینہ انصاری۔" شاہ ویر نے سر اثبات میں ہلا دیا فیصلہ ہو چکا تھا۔ گردن کے کس بل نکالتے واپس گاڑی سڑک پر ڈالتے ہوئے اس کا چہرہ وہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا۔

★★★★★★★

فلیٹ کے اندر ہر طرف گہری گمبھیر خاموشی تھی۔ وہ چاروں عورتیں ہال میں موجود تھیں۔ ان کے ارد گرد محض گھبراہٹ تھی۔

"بابا کو سمجھانا، ان سے کہنا میں ان کے خلاف نہیں۔" روشن کی بڑی بیٹی سنبل اپنی چھوٹی بہن ماریہ کا کندھا تھپکتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی جو روشن ہی کے کہنے پر اس سے ملنے آئی تھی، اور اب وہ اپنے گھر واپس جا رہی تھی۔ "تم پلیز ان سے کہو ایف آئی آر واپس لے لیں اور ایک بار بیٹھ کر میری بات سن لیں۔"

رابعہ اور عالیہ ایک طرف خاموش سی بیٹھی تھیں۔ "مجھے شاہ ویر کے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔" بلاخر عالیہ نے اپنے خدشے کو زبان دی۔ رابعہ نے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے چہرہ اس کی طرف موڑا اندر سے وہ بھی ڈری ہوئی تھی ہاں مگر اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔ "ہمیں ثبوت کسی لاکر وغیرہ میں رکھوانے چاہیے۔"

"وہ جس انداز سے کہہ کر گیا ہے مجھے نہیں لگتا ہم لاکر تک جا پائیں گے کہیں اس نے ہمارے پیچھے لوگ نہ چھوڑ دیے ہوں۔" صباء بھی بولی تھی۔ اب کے رابعہ کو واقعی ٹھنڈے پسینے آنے لگے اسے یہ ثبوت فی الحال ظاہر نہیں کرنے چاہیے تھے اسفند درست کہتا تھا وہ جذباتی ہے اور آج اس کی اسی جذباتیت نے اس کے لیے عنقریب ایک محاذ کھڑا کر دینا تھا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔ اندر جا کر ایک چھوٹی سی اٹیچی لائی اور سامان اس میں بھرنے لگی۔ باقی سب چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھیں سب کے دل کسی ننھی چڑیا کی طرح لرزتے رہے۔ کچھ تھا جو انہیں الہام ہو گیا تھا، اگر رابعہ پریشان تھی تو انہیں بھی ہونا چاہیے تھا۔

"کیا وہ کمنٹس کرنے والے لوگ صحیح کہتے تھے؟" صباء نے انہیں دیکھتے، نم آنکھوں سے پوچھا۔ "وہ سب کہتے تھے ہم جہنم میں جائیں گی، ہمارا ٹھکانہ دربدری ہو گا اور ہماری موت عبرت ناک ہو گی۔"

یکدم دروازہ زور زور سے بجنے لگا ایسے جیسے تین چار لوگ تواتر سے اسے پیٹ رہے ہوں۔ عالیہ نے کی ہول سے جھانکا سامنے تین مرد کھڑے تھے جن کے پاس بڑے بڑے گیلن تھے چہرہ ماسک میں چھپا تھا اور۔ وہ ان میں سے ایک کی آنکھوں کو پہچانتی تھی۔ شاہ ویر طلال بنگش۔ یہ اسی کی آنکھیں تھیں۔ اوہ خدایا، کیا یہ وقت نزع تھا؟

"...... he is here" اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا وہ بے یقینی سے پیچھے ہوئی. سراسیمہ نظروں سے باقیوں کو دیکھا۔ رابعہ ٹھہر گئی۔ اس کی رنگت فق ہوئی۔

"کوئی ڈرے گا نہیں we can fight this، ڈونٹ وری۔" وہ ایک ایک کو احکام دے رہی تھی۔ روشن کی دونوں بیٹیاں جڑ کر کھڑی تھیں۔ عالیہ اور صباء گو کہ ڈری ہوئی تھی مگر ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔

"میں پولیس کو کال کر رہی ہوں۔" دروازے کے دھڑ ادھڑ بجائے جانے کے درمیان اس نے موبائل اٹھا کر پہلے اسفند کو کال ملائی۔ پولیس سے بھی پہلے۔ اسفند اس کے لیے ہر شے سے اول آتا تھا اسے یقین تھا وہ آئے گا۔

"ہیلو اسفند۔۔۔۔؟" اس نے ایک ہاتھ سے انہیں خاموش رہنے کو کہا۔ "تم کہاں ہو اسفند مجھے بات کرنی ہے۔"

"کہو رابعہ کیا کہنا چاہتی ہو؟" موبائل پر اس کی گرفت سخت ہوئی دوسری طرف اسفند نہیں روبینہ تھی اور اسفند ذرا سے فاصلے پر کسی تقریب میں لوگوں سے بات کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"اسفند سے میری بات کروائیں ابھی کے ابھی۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"یہ تو ممکن نہیں ہے ہنی۔ دراصل تم تھوڑی دیر میں مرنے والی ہو اور میں نہیں چاہتی تم بچو اس لیے میں تمہاری اسفند سے بات نہیں کرواؤں گی۔" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

آواز بڑھتی چلی جارہی تھی، وہ چاروں عورتیں امید سے رابعہ کو دیکھ رہی تھیں جسے اندازہ ہوچکا تھا اس کی بات اب اسفند سے نہیں ہوپائے گی۔ وہ رہنما تھی اسے کچھ کرنا تھا۔ ”تمہارے نمبر پولیس کو مل چکے ہیں تم میں سے کسی کی کال پر کوئی پولیس نہیں آئے گی۔ انت مبارک۔“

”یہ آپ کی خام خیالی ہے کہ آپ کے بھیجے ہوئے کرائے کے غنڈے میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، میں بہت جلد آپ کو کورٹ میں ملوں گی۔“ اس نے کال کاٹ کر اگلی کال پولیس کو ملائی اور اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ باہر سے آتی آوازیں تھم گئی تھیں۔ جو کوئی بھی باہر تھا وہ دروازے سے ہٹ گیا تھا۔ صباء نے کی ہول میں جھانکا، وہاں اب کوئی نہیں تھا۔

”میں صرف یہ تمام ڈاکیومنٹس محفوظ کرکے یہاں واپس آرہی ہوں صرف پانچ منٹ اوکے؟“ رابعہ نے ان سب سے کہا۔

”لیکن تم کروگی کیا؟“

”انتظار کرو!“ وہ کہہ کر کمرے کی طرف بڑھی جہاں اگلے فلیٹ کی بالکنی رابعہ کے گھر کی بالکنی سے جڑی ہوئی تھی۔ دل آراہ طارون کا گھر جہاں دل آراہ چھ ماہ سے قیام پزیر تھی۔ اس سے اور اس کے بھائی سے رابعہ کی اچھی بات چیت تھی۔ اپنی جگہ کھڑے ہوکر اس نے اٹیچی دوسری طرف پھینکی۔ پولیس کو کال جارہی تھی مگر کوئی اس کی کال نہیں اٹھارہا تھا۔

بالکنی میں کچھ گرنے کے باعث چائے پیتا یافث ٹھٹکا۔ آپا یہاں جب سے آئی تھی وہ اس سے ملنے آتا رہتا تھا آج گھر پر کچھ کام تھا جسے کرنے کے لیے دل آراہ نے اسے بلایا اور خود عین وقت پر غائب ہوگئی وہ کچھ وقت یہیں گزار کر، چائے پی کر نکلنے والا تھا جب اسے آواز آئی۔

"کون ہے؟" اسے اچھنبا ہوا جب اس نے رابعہ کو اس طرح ابتر حالت میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ "آپ کا دروازہ کافی دیر سے بج رہا ہے اور آپ یہاں۔" اس نے ایک نظر اٹیچی کو دیکھا پھر اسے۔ وہ الجھا۔ "آپ بھاگ رہی ہیں؟" رابعہ نے بغیر جواب دیے ایک پیر اپنی گرل کے باہر رکھا اور دوسرا وہ یافث کی طرف والی گرل پر رکھنا چاہ رہی تھی جب اس کا پیر پھسلا اگر وہ بروقت اسے تھام نہ لیتا تو اس وقت تک وہ نیچے گر چکی ہوتی۔

"آپ کو بھاگنے کی مشق بالکل نہیں ہے، رابعہ۔" یافث نے پوری قوت لگا کر اسے کھینچ کر اوپر کیا اگلے ہی لمحے وہ اس کی بالکنی میں تھی۔ فرش پر گری اپنا تنفس بحال کرتی ہوئی۔

"مجھے آپ کا فون چاہیے پولیس کو کال کرنی ہے۔"

"اندر آیئے یہاں اگر کسی نے آپ کو اور مجھے دیکھ لیا تو مناسب نہیں ہو گا۔" اس نے رابعہ کو اٹھنے میں مدد دی۔ اندر آ کر یافث نے اسے موبائل دیا اور وہ تیز تیز انداز میں نمبر ڈائل کرتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کا اپنا نمبر کوئی افسر نہیں اٹھا رہا تھا۔ "کوئی بڑا مسئلہ ہے تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔" وہ کچن سے اس کے لیے پانی کا گلاس بھرتے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا ہے، رابعہ؟"

"بہت بڑا مسئلہ ہے، بہت بڑا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے بات کر رہی تھی کہ کال مل گئی اور عین اُسی لمحے ساتھ والے فلیٹ میں زوردار دھماکہ ہوا۔ وہ دونوں اپنی جگہ سے اچھل کر ایک طرف جا گرے۔ یافث کے سر پر کوئی بھاری شے آ کر لگی، جبکہ رابعہ پرویز کا سر فرش سے ٹکرایا۔

مقابل فلیٹ سے چیخیں بلند ہوئیں، بے تحاشا شور برپا تھا۔ وہاں آگ بھڑک رہی تھی......بلند شعلے اور جھلسا دینے والی تپش، جس میں چار معصوم عورتیں گھری ہوئی تھیں۔ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ دونوں فلیٹس کے درمیان کی دیوار منہدم ہو چکی تھی، اور وہ دونوں زخمی حالت میں فرش پر پڑے تھے۔

اگلے کئی لمحے سلو موشن میں ہوئے۔ راہ داریوں میں پھرتے فلیٹ کی طرف جاتے روشن اور چوکیدار نے دھماکے کی آواز سنی اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکن ہو گئے۔ روشن نے چار لوگوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا وہ ان کی طرف جانے سے پہلے فلیٹ کی طرف بڑھا۔ سب گڈ مڈ ہو گیا تھا، وقت ترتیب کھو چکا تھا۔

ایک ہاتھ اپنی ٹانگ پر رکھے دوسرے سے ماتھے کا خون روکتے زخمی سا یافث اس کے قریب جھکا ہوا تھا وہ بار بار ہاتھ اٹھا کر ایک طرف اشارہ کر رہی تھی مگر وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا، یا شاید وہ سن نہیں پا رہا تھا؟ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا جس کے قطرے وہ اپنے چہرے پر محسوس کر سکتی تھی اس کا دماغ سُن تھا مگر اس میں خیال تھے ۔۔۔۔ اس کے گھر کا خیال۔۔۔۔۔ ان چاروں کا خیال۔۔۔۔ ان چاروں کی زندگی کا خیال اور اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ اس کے پہلو میں ڈھلک گیا اس کے بعد کی کیفیت سوئی جاگی سی تھی۔

کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہنے اور کچھ کہنے کی سعی کرنے کے بعد وہ ہوش کھو بیٹھی۔

★★★★★★

اس کی آنکھ کھلی وہ ہسپتال کے لباس میں تھی۔ یافث اس کے قریب رکھی کرسی پر سر ٹکائے غیر آرامدہ انداز میں سویا ہوا تھا۔ اسے ہسپتال میں ایک دن ہو گیا تھا تو کیا وہ پورا ایک دن یہیں رہا تھا اس کے پاس؟ اسے غلط لگتا تھا وہ ایک دن نہیں ہفتے سے یہیں تھا.... اس کے پاس۔ رابعہ کی آنکھیں غنودگی میں جاتے ہوئے دوبارہ بند ہو گئی۔

پورے تیس روز بعد اس کے سر کا زخم ٹھیک ہوا تھا اور جو پہلا چہرہ اس نے دیکھا وہ یافث طارون کا تھا۔ سرخ آنکھیں، بڑھی ہوئی شیو، اور پُر مثردہ چہرہ لیے وہ اس کے قریب بیٹھا تھا۔ رسمی احوال، ہلکی پھلکی بات چیت والا تعلق اتنا گہرا کب ہوا وہ دونوں نہیں سمجھ سکے۔ وہ کس تعلق کے تحت اسے دیکھنے آتا تھا اسے یہ بھی نہیں پتا تھا وہ محض ایک عورت کو اپنے سامنے مرتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اور وہ رابعہ تھی۔

"ویلکم بیک!" یافث کے کندھے کے پار دوسری آواز ابھری۔ نقاہت زدہ نگاہیں اٹھا کر اس نے سامنے دیکھا وہ مائی سوہائی تھی جس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، ایک عورت دوسری عورت کے لیے آ گئی تھی۔ مگر کب، کیوں؟

★★★★★★★★★

"روشن وہاں کیوں تھا حالانکہ اسے تو تمہارے خلاف ہونا چاہیے تھا اس کی بیٹی تمہارا ساتھ دیتے دیتے مر گئی، اور دوسری بیٹی تمہارے جھگڑوں میں۔"

رابعہ نے گردن جھکا لی۔ "جب اسے اپنی دو بیٹیوں کی لاش ملی تب اس کی واحد امید بھی میں ہی تھی۔ وہ یافث کے ساتھ مجھے ہسپتال لے گیا، میرا خیال رکھا مجھے اپنی بیٹی کی شناخت دی کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی مگر اتنا جانتی ہوں کہ اسے مجھ سے امید تھی۔"

"مائی سوہائی اس منظر میں کب آئی؟"

"انہیں میں نے کال کی تھی۔ رابعہ کو رکھنے کے لیے میرے پاس کوئی جگہ نہیں تھی۔ اور کسی نے بتایا کہ مائی کے پاس سب ہے۔ جگہ بھی، تعلقات بھی۔" رابعہ کی جگہ یافث نے جواب دیا۔

"تم نے گمنامی کیوں چنی؟"

"میں معذور تھی۔ کوئی ایک ثبوت نہیں، کوئی گواہ نہیں ساتھ کھڑے ہونے کو کوئی بھی نہیں تھا۔ میں دنیا کے لیے تیس دن پہلے مر چکی تھی میری دوستیں میرے ساتھی مر گئیں۔ میں نے طاقت ورِ گدھوں سے جنگ کر لی تھی اب سارا جنگل میرے خلاف اور میں، میں بے زر۔" وہ جیسے خود پر ہنسی ہو۔

"تم ایک لیڈر تھیں۔" عالم نے زور دیا۔ "ایک لیڈر ہو کر پیچھے ہٹ گئیں؟"

"قانون کی سب سے اچھی اور سب سے بُری بات جانتے ہو؟" ملگجے اندھیرے اور پر اسرار خاموشی میں اس کی ہلکی آواز ابھر رہی تھی۔ "قانون اندھا نہیں ہے مگر اندھوں کی طرح بس کاغذ کو مانتا ہے، ثبوت مانتا ہے۔" وہ عالم کو نہیں سن رہی تھی وہ بس کہہ رہی تھی۔

"معاشرے کی سب سے بُری بات جانتے ہو؟" اس نے کرب میں پور پور ڈوبی نگاہیں اٹھا کر عالم کو تکا۔ "یہ عورت کو معاف نہیں کرتا مجھے بھی نہ کرتا۔ اس صدی کی عورت چاہے لیڈر بن جائے، چاہے آسمان پر پہنچ جائے اسے غلطی نہیں کرنی ہوتی معاشرہ عورت کی غلطی معاف نہیں کرتا عالم صاحب۔ مجھے یقین تھا میری غلطی بھی معاف نہیں ہو گی۔"

"کون سی غلطی؟"

"عورتوں کو ان کے حق بتانے کی غلطی۔ میں فیمنسٹ تھی اور اس معاشرے میں فیمنسٹ کو طوائف سے تشبیہہ دی جاتی ہے اور عورت پر ظلم کرنے والا مرد اتنا ہی سادھ جتنا طوائف کے پاس جانے والا۔" یافث نے اس کے ہاتھ پر تھپکی دی وہ ضبط کھو رہی تھی۔

"تم خود گواہ کے طور پر پیش ہو سکتی تھیں۔"

"ایک کوشش میں چار عورتیں جان کی بازی ہار گئیں ایک بار پھر اٹھنے میں وقت لگتا ہے۔"

"اور روشن کی بیٹی بن کر رہنا اس میں تمہارا کیا فائدہ تھا؟"

"روشن خود چاہتا تھا میں اس کے گھر میں اس کی بیٹی کی حیثیت سے رہوں۔ اس کو مجھ سے امید تھی، وہ جانتا تھا کہ میں ایک دن اس کی بیٹیوں کو انصاف دلاؤں گی۔ تبھی اس نے چپ چاپ بنگشوں کا گناہ اپنے سر لے لیا۔ کیس بند

ہو جائے، میری شناخت مخفی رہے اور وہ اپنے گریف میں خود کو سزا پہنچانے کی خاطر جیل میں رہے۔ مائی سوہائی زیادہ وقت تک مجھے پناہ نہیں دے سکتی تھیں۔ وہ میری محسن تھیں مجھے ان پر بوجھ نہیں بننا تھا۔"

"اور اسفند۔۔۔۔۔ تمہارا وہ بیسٹ فرینڈ تم نے اس سے مدد کیوں نہیں مانگی؟"

"ایک بار مانگی تھی۔" اس نے آنکھیں بند کر کے اس منظر کو یاد کیا جب اس نے پہلی بار وومن کے خلاف تمام ثبوت اسفند کو دکھائے تھے اور وہ گھر جا کر اپنی ماں پر چیخا تھا۔ اس نے راز کو راز نہیں رکھا اور رابعہ اسے ایک اور موقعہ نہیں دے سکتی تھی۔ "وہ رازوں کے ساتھ بہت بُرا ہے۔"

"اور پھر تم نے کوشش چھوڑ دی؟" وہ ترکی بات ترکی سوال کر رہا تھا۔

"جاری رکھی مگر محض ایک ساتھی کے ساتھ۔" اس نے تفاخر اور نرمی سے یافث کو دیکھا جس کی سادہ شفاف نگاہوں میں محض محبت تھی۔ "یافث نے جوہر فور زیرو کی ساری کہانی ہر روز بلا ناغہ اسفند کو میل کرنا شروع کی، ڈاک بھیجی، اور نہ جانے کیا کیا۔۔۔۔ وہ نہیں تھکتا تھا اسے لگتا تھا ایک نہ ایک دن وہ میرے لیے ضرور لڑے گا کیونکہ میں اس کی دوست ہوں۔" اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔

"اور وہ تمہاری لکھی ہوئی ای میلز سے مان گیا؟" عالم نے کچھ ترشی سے پوچھا۔

"نہیں مانا لیکن میں اس کی نظروں میں آ گیا تھا اس نے مجھے گھر بلایا مجھے جانا پڑا۔ تین ماہ کی مسلسل کوششوں کے بعد بلاخر وہ مجھ سے مل رہا تھا۔" یافث طارون کی آواز بے حد ہلکی تھی۔ اسے وہ تمام لمحے یاد تھے، اسفند کا اسے دھمکی دینا، یافث کا اسے آدھی کہانی سنانا سوائے رابعہ کے زندہ ہونے کے، وہ بپھرا، پھر اسے رابعہ کی آخری کال کے متعلق پتا چلا۔

”اس نے آخری کال آپ کو کی تھی سر، میرے نمبر سے۔“ سفید حویلی میں وہ دونوں روبرو تھے۔ ”وہ میری آپا کی پڑوسی تھی، اس حادثہ کے وقت جب اس نے شور سنا تو وہ مدد کے لیے اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گئی۔ اسے کہاں معلوم تھا واپسی پر اس کی موت لکھی ہے۔“ وہ تاسف سے بولا۔ ”وہ جب میری بالکنی میں آئیں تو ایک اٹیچی لے کر آئیں۔ جانے سے قبل میرے پاس امانت کے توڑ پر رکھوایا۔ میں اسے ہی سنبھال رہا تھا جب دوسری طرف دھماکا ہوا۔“ اسفندیار شل سا شل رہ گیا۔ یافث طارون نے اب کہ سنجیدگی سے نظریں ملائیں۔ ”اس میں وہ تمام ثبوت ہیں جو رابعہ پرویز کو بے گناہی تک اور اصلی گناہ گاروں کو تختہ تک لے کر جاتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں آپ انہیں انصاف دلائیں۔ میں جانتا ہوں آپ یہ کر سکتے ہیں، وہ آپ کی دوست تھی۔“

یافث کے جاتے ہی اس نے کمپنی سے رابعہ کے نمبر کی تفصیل نکلوائی اور یہ سچ تھا اس نے آخری بار اسفند کو کال کی تھی۔ وہ سر جھکائے لیلیٰ کے سامنے بیٹھا تھا دونوں اپنے خسارے جانتے تھے۔

”ہم سے زیادہ تو وہ طارون رابی کا سگا نکلا۔“ لیلی متاسف سے بولی۔ پھر گردن پھیر کر دوست کو دیکھا۔ ”میں جانتی ہوں اس سب میں تمہاری ملوث ہے اسفی مگر کیا۔“

”میں لڑوں گا۔“ وہ طیش سے کانپ رہا تھا۔ بدلہ روح جھلسا چکا تھا۔ ”میں اپنی ماں اور اس کی دوست سے سب چھینوں گا، جیسے ان دونوں نے مجھ سے سب چھینا۔“ اس روز ان دونوں نے اپنی تیسری اور مری ہوئی ساتھی کے لیے لڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یافث طارون ان کا مہرہ تھا وہ مہرہ جس کا واحد کام دو یمن، عالم اور سہراب کو اس کیس سے جوڑے رکھنا تھا۔

”ہم دونوں کیوں؟“ عالمگیر کا سوال بے حد واضح تھا۔

یافث نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تم دونوں سے بہتر کوئی اور میری نظر میں نہیں تھا میں نے اسے صرف سہراب کا نام دیا تھا تمہارا نام خادم بٹ نے دیا تھا کیونکہ تم سہراب کی کمزوری ہو۔“

"یعنی تم نے مجھے ایک نہیں دو دھوکے دیے؟"

اب کے وہ دونوں خاموش رہے عالمگیر نے سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا۔ ایک ایک لفظ اس کے اعصاب پر بھاری تھا۔

★★★★★★★★★★★

وہ اب کرسی پر بیٹھا تھا۔ ٹانگیں اور ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اسلان اور یافث کچھ فاصلے پر تھے جبکہ عالم اور سہر اب اس کے سامنے کرسیوں پر۔

"شروع سے شروع کرو کب، کیوں، کیا، کیسے؟" اس کے سامنے بیٹھے عالم نے بے لچک انداز میں سوال کیا۔ اسفند عجیب سے انداز میں مسکرایا پھر وحشت بھری نگاہیں پھیل کو ساکت ہوئیں۔ وہ سوچنے لگا کیوں؟

"میں اور ابراہیم ایک گھر میں بڑے ہوئے، ایک ہی ماں کے بیٹے تھے لیکن اسے مجھ سے زیادہ عزت ملی۔" اس کی ماں اسے باہر نہیں لے جاتی تھی، اس کے نزدیک وہ مرد اور عورت کا ایک آمیزہ تھا میڈیا سے یہ خبر چھپا کر رکھی گئی مگر وہ گھر میں کب تک اس شے کو نظر انداز کرتی؟ اسفند بارہ سال کا تھا جب اس نے پہلی بار روبینہ کے میک اپ کو ہاتھ لگایا تھا اور اسے بہت بُری طرح مارا گیا۔

"میں سوچتا تھا اگر میرے اندر ایک عورت ہے تو اللہؐ نے مجھے اسی طرح پیدا کیا ہے۔ دین یہی کہتا ہے کہ ہم جیسوں میں اگر عورت والے محسوسات زیادہ ہیں تو ہم عورت ہوئے، اور اگر مرد والے زیادہ ہیں تو ہم مردوں کی صف میں آئیں گے نارمل نہ سہی لیکن ہم مرد اور عورت میں سے ایک ہی ہوں گے پھر میری ماں میرے عورتوں والے آثار کیوں چھپانا چاہتی تھی؟" اسے کسی عام سے اسکول میں داخل کروایا گیا تھا جہاں لوگ اس کی شناخت سے غیر واقف تھے اور ذلالت کا اصل رنگ اس نے وہیں دیکھا۔ لڑکے اسے باتھروم میں بند کر کے عجیب عجیب

سوال کرتے، اساتذہ کا رویہ اس کے ساتھ ہتک آمیز ہوتا، وہ گھر آتا تو اس کی ماں اسے دیکھنا تک پسند نہیں کرتی تھی اور جب وہ اپنی الجھن سائنس سے پوچھتا تو اسے بری الذمہ قرار دیا جاتا۔

اس کے اندر کا خلفشار اس حد تک بڑھ گیا کہ اب اسے اکیلے کمرے میں اپنے ساتھ کوئی روشنی کا ہیولہ دکھائی دیتا۔ وہ اسے ڈھارس دیتا تھا، سمیٹ لیتا تھا۔ ''میں تمہاری دوست ہوں، اسفی۔'' وہ اسی کے چہرے جیسی تھی، وہ وہی تھی جو اسفند بننا چاہتا تھا، وہی جو زیر نہیں ہو سکتی تھی۔ وہی حلیہ جو اسفند نہیں اپنا سکتا تھا۔ ''کیا تم بھی مجھے اپنا دوست مانتے ہو؟'' اس نے میکانکی انداز میں گردن ہلائی اور اپنا ہاتھ اپسرا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ اس سے مرعوب تھا، بے حد۔

پھر دن بدل گئے وہ اس سے باتیں کرتا سرگوشی میں، بلند آواز میں، اسے گلے لگا کر سوتا، اس کے ہاتھ سے کھاتا اس کے سامنے روتا اور اگر آئینے میں اس کی شکل دیکھی جائے تو وہ کوئی اور نہیں اسفندیار انصاری ہی تھا۔ بس لباس الگ، لبوں پر گہری لالی، گلے میں زیور اور وہ اسفند سے زیادہ طاقت ور تھی۔ ایسا اسے لگتا تھا۔

''میں تمہارے لیے لڑا کروں گی۔'' وہ اکثر اس سے کہتی تھی اور اسفند نے اسے اپنے لیے لڑتے ہوئے دیکھا۔ اگلی بار جب اس کی ماں نے اسے مارا تو وہ اس کی ماں پر چیخی تھی۔ آواز اس کی ماں تک نہیں گئی مگر اسفند اسے سن اور دیکھ سکتا تھا۔

اس رات اسفند نے اس سے کہا تھا۔ ''تم لوگوں کے سامنے نہ آیا کرو، اپسرا۔ میں نہیں چاہتا کوئی تمہیں تکلیف دے اگر اماں کو تمہارے بارے میں پتا چل گیا تو وہ تمہیں نکال دیں گی۔''

''پھر میں کیا کیا کروں، اسفی۔ میں تمہارا اصل ہوں تم مجھے کب تک قید رکھو گے؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔ کب تک ۔۔۔؟ اس عام اسکول سے واپسی پر لاہور کی کئی سڑکوں پر اس نے اپنے جیسے کتنے ہی لوگ دیکھے تھے۔ ان پڑھ، بھوکے، بے روزگار، حالات اور معاشرے کے ستائے ہوئے اسفند کے ساتھ ساتھ وہ بھی تو قید تھے۔

”تم ان سب کے لیے کیا کرو گے، اسفند؟“ یہ آواز اپسرا کی نہیں تھی۔ باہر بجلی کڑک رہی تھی اسفند کو لگا یہ بجلی اس سے بات کر رہی ہو۔ وہ ڈرا نہیں۔ میکانکی انداز میں اٹھ کر کھڑکی تک آیا اس کے دونوں پٹ کھولے۔ ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی اسے اس ہوا میں کوئی آواز سنائی دی۔ قدرت اس سے محو گفتگو تھی۔

”تم اور تمہارے لوگ ان کا کوئی قصور نہیں تھا، اسفی۔ ہمیں ہمیشہ ذلیل کیا گیا ہمارے حق کھائے گئے، ہمیں معاشرے میں رسوا کیا گیا اور ہم نے کیا کیا؟“ ایک جانب کھڑی اپسرا اور دوسری طرف اسفند کو سنائی دیتی وہ آوازیں۔ آسمانوں سے آتی آواز اسے کوئی ذمہ داری دے رہی تھی اسفند کو لگا اس کے کندھے بوجھ سے جھک گئے ہوں، اسے تو یہ بوجھ کم کرنا تھا۔

”قربانی دو، اسفند انصاری! قدرت تمہیں حکم دیتی ہے اپنے لوگوں کے لیے ہر حد پار کرو۔“ یہ قدرت نہیں تھی یہ اس کا ذہن تھا جو اس کی ماں کے ظلم اور اس کے باپ کی اسے مسلسل "مرد" بنانے کی کوششوں کی صورت اس میں داخل ہوا تھا۔ وہ مختلف ذہنی بیماروں کا شکار بھی تھا پندرہ سال کی عمر میں اپنے حق لینے کے لیے اس کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا وہ "قتل" کا خیال تھا۔ کوئی تب تک ظلم کر سکتا تھا جب تک وہ زندہ تھا اسفندیار انصاری اس سے زندگی چھینے گا یہ اس نے عہد کیا۔

★★★★★★★★★★★

”موجودہ دن!“

گاڑی کی پچھلی نشست پر عالمگیر اور بنفشہ براجمان تھے جس کے ہاتھ میں موبائل تھا اور سہراب گاڑی چلا رہا تھا۔ یافث کی گاڑی ان کی گاڑی کے ساتھ لگ کر چل رہی تھی۔ تمام چہرے مختلف تاثرات لیے ہوئے تھے۔

”انہیں ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟“ سہراب نے موڑ کاٹ کر عالمگیر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”شاہ ویر اور رئیس بھائی ہیں۔ رئیس کے تعلقات بنفشہ کے ساتھ اچھے ہیں وہ اسے ہر وہ لوکیشن بتا سکتا ہے جہاں شاہ ویر ممکنہ طور پر انارا کو رکھ سکتا ہے۔“

”سامنے سے لیفٹ لیں اور اگلے پانچ منٹ تک سیدھے سیدھے چلیں۔“ وہ ان کی گفتگو سے بے نیاز کہہ رہی تھی۔ اس کے موبائل پر ایک پوری فہرست موجود تھی جو اس نے رئیس سے لی تھی۔

”پریس، پولیس کہیں بات کروں؟“ عالم نے سوال کیا۔ سہراب نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی وہ بنفشہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہا تھا۔ اس کا رخ کہیں اور تھا عالم نے مڑ کر ایک نظر بنفشہ کو دیکھا جو اسے دھیرج رکھنے کو کہہ رہی تھی۔

”تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔“ وہ بغیر جواب دیے گاڑی چلاتا رہا یہاں تک کہ عالم کو سمجھ آ گیا اس کا رخ کس طرف تھا۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک پوش کالونی میں آ کر رکی۔ مغرب کے اندھیرے چار سو تھے۔ وہ پستول ہاتھ میں لیے گاڑی سے اُترا اور اندر کی طرف بڑھا، جہاں پہلے ہی باتوں اور بھنبھناہٹ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس نے پستول جیب میں سرکا دی اور سیاہ لوہے کے گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ صحن میں دل آراہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے گرد عورتوں اور مردوں کا ہجوم تھا۔ سہراب کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں، وہ یقیناً دیر تک روتی رہی تھی۔

”سہراب! میری بیٹی۔۔۔ پلیز اس کو ڈھونڈ کر لاؤ پلیز کچھ کرو۔“ سہراب نے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔

”گھر میں یا گلی میں کہیں سی سی ٹی وی ہے؟“

”ہاں میرے گھر پر ہے۔“ اس کے عقب میں کھڑی عورت نے جلدی سے کہا۔ ”یہ سامنے والا گھر میرا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد عالم، سہراب اور یافث تینوں سکرین پر جھکے ہوئے تھے۔ عالم مانیٹر کرتا ہوا نظر آرہا تھا اور اس کی کرسی کے دائیں بائیں وہ دونوں مرد کھڑے تھے۔ بنفشہ ایک طرف کھڑی رئیس سے کال پر بات کر رہی تھی۔ اسے جتنی جگہیں معلوم تھیں وہ تمام پتے دے چکا تھا، تمام جگہوں پر اس کا داخلہ کروانے کو تیار تھا وہ اب تک یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس کا بھائی اس طرح کی کوئی بھی حرکت کر سکتا ہے۔

"بھائی سچ سچ بتائیں اگر اس سب میں آپ کی یا مسز تمکنت کی کوئی شمولیت ہے تو ابھی سے بتا دیجئے۔" اس کی آواز میں کوئی لچک نہیں تھی اگر وہ کسی کی جانب تھی تو وہ یمن تھے۔ اسلان کا خاندان، جو اب اپنا خاندان لگتا تھا۔

"بنفشہ میں جھوٹ کیوں بولوں گا اور میں واللہ نہیں جانتا زید نے ایسا کچھ کیا ہے۔" وہ لفظ "زید" پر چونکی پھر سنبھلی۔ جناب اداکار ایک مخصوص حلقے میں اب بھی ایک مختلف نام سے مشہور تھے۔ "تم جس طرح کی مدد چاہو میں کر سکتا ہوں بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں، مجھے یقین نہیں آرہا زید اس حد تک گر سکتا ہے۔"

اس نے گہری سانس لی اور پلٹ کر اس طرف دیکھا جہاں وہ تینوں اب بھی سکرین سے جڑے ہوئے تھے ان کے گھر کی بچی غائب تھی، نہ جانے وہ زندہ بھی تھی کہ نہیں، نہ جانے وہ کبھی اسے ڈھونڈ بھی پائیں گے کہ نہیں۔ ان تینوں کی پشت کو تکتے اس نے بس ایک دعا کی تھی کہ وہ مل جائے۔ درست وقت پر، صحیح سلامت۔ اس لمحے اسے شاہ ویر کے انجام سے خوف آیا اس کی دراز ہوئی رسی کٹی تو وہ کسی کھائی میں گرے گا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔

"کوئی ایسی جگہ جو باقی سب سے چھپی ہوئی ہو جہاں آپ کو لگتا ہو شاہ ویر آراہ کو رکھ سکتا ہے؟"

"یہاں ویر کا کیا ذکر؟"

”آپ بس بتائیے بھائی۔ کوئی ایک ایسی جگہ جس سے باقی سب نہ واقف ہوں مگر شاہ ویر کے لیے وہ جگہ الگ حیثیت رکھتی ہو، کوئی خاص جگہ؟“ رئیس چند لمحے سوچ میں پڑا۔ ذہن میں جوڑ توڑ کے بغیر بھی ایک نام تھا۔

”فلم سٹی!“ تمکنت اور طلال کا بنایا ہوا فلم سٹی۔ وسیع وعریض قطعے پر پھیلا یہ فلم سٹی فلموں کی شوٹنگز کے لیے جنت جیسا تھا۔ ”پورے لاہور میں یہ اس کی سب سے پسندیدہ جگہ ہے۔“

بنفشہ نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ لبوں سے ایک گہری سانس خارج کی اور اسلان کے نمبر پر پیغام لکھا۔ ”فلم سٹی لاہور!“ ساتھ پتا بھیجا اور رئیس کے ساتھ چلتی کال کاٹ دی۔ وہ ان سب لوگوں سے شرمندہ تھی کاش شاہ ویر اس کا بھائی نہ ہوتا، یا پھر تمکنت اس کی ماں نہ ہوتی۔

”یہاں سے پیچھے کرو صبح چھ بجے کے درمیان سے سات بجے تک۔“ سہراب کہہ رہا تھا اور عالم نے پیچھے کیا مگر نتیجہ وہی۔ فوٹیج غائب تھی۔ دو گھنٹے کی فوٹیج مکمل غائب۔

”دو گھنٹے کی غائب فوٹیج کہاں ہے؟“ سہراب نے لڑکے سے سختی سے سوال پوچھا۔

”مجھے کیا پتا، شاید کوئی مسئلہ ہو گیا ہو۔“ اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

”جو غائب ہے وہ میری بھتیجی ہے عزت، تمیز ہر طرح کے دائرے میں رہ کر آخری مرتبہ پوچھ رہا ہوں دو گھنٹے کی غائب فوٹیج کہاں ہے؟“ سہراب نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ لڑکے نے بگڑی ہوئی شکل بنائی۔

”میں نے کہا نا مجھے نہیں پتا سسٹم میں کوئی گلچ آگیا ہو گا۔“

”گلچ تمہاری پیدائش میں ہے سوفٹ ویئر میں نہیں۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور گھٹنہ موڑ کر اسے پیٹ میں لات رسید کی۔ اگلے ہی لمحے وہ اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر دیوار میں مار گیا۔ بنفشہ حق دق سی اسے دیکھ رہی تھی جبکہ اس کے ساتھ آئے دونوں مرد بڑی دلچسپی سے یہ کاروائی دیکھ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں مگر اسے یہ بھی لگا کہ

وہ محظوظ ہو رہے تھے۔" دو دو ٹکوں پر بک جاتے ہو تم کسی کی عزت، کسی کی غیرت کی کوئی اوقات نہیں تمہاری نظر میں میری بھتیجی غائب ہے اور تم مجھے گلچ کے قصے سنا رہے ہو؟" وہ بولا نہیں غرایا تھا۔

اس نے یونہی بالوں سے پکڑے اس کا سر میز پر دے مارا، کئی سامان گر گئے، کچھ سکرینز بند ہو گئیں کچھ چلتی رہیں اور سہراب اسے مارتا ہی چلا گیا۔ کمرہ آہوں اور کراہوں سے بھر گیا مگر مجال ہے جو اس کے ماتھے پر شکن آئی ہو یا اس نے آنکھ جھپکی ہو۔ اس کی کالر میں ہاتھ ڈالتے اس کا چہرہ اوپر کرتے سہراب نے انتہائی سختی سے اپنا سوال دہرایا۔ "فوٹیج کہاں ہے؟"

"دس ہزار۔۔۔ دیے۔۔۔ اور۔۔۔ ڈیلیٹ۔۔۔ کروا۔۔۔ دی۔" منہ سے خون تھوکتے وہ ادھ موا ہوا مرد اٹک اٹک کر بولا سہراب نے اسے زمین پر پھینکا اور خود پنجوں کے بل اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ اس کا جبڑا اس کی آہنی گرفت میں تھا۔

"حلیہ۔۔۔؟"

"میں نہیں۔۔۔۔" ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ سہراب نے ایک زناٹے دار تھپڑ اسے رسید کیا۔ بالوں سے پکڑ کر لڑکے کو جھنجوڑتے اسے اوپر کھینچا۔

"حلیہ، نام، چہرہ؟"

"سیاہ ہڈی، ماسک۔۔۔۔ اور قد۔۔۔۔ چھ سسس۔۔۔۔ سے کم۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا اور نام اس نے بتایا نہیں۔ پلیز مجھے جانے دیں۔۔" سہراب اٹھ کھڑا ہوا اب کی بار اسے معلوم تھا سامنے والا سچا ہے وہ یہاں وقت برباد نہیں کر سکتا تھا لیکن "وہ" یہاں آیا تھا یہ طے تھا اب سارے معاملات اسی سے۔۔۔ وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح باہر نکل گیا۔ عالم اس کے سر پر آ کر کھڑا ہوا، چند پل کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

”تڑوالی ہڈیاں ؟“اس نے آگے بڑھ کر ایک آخری لات اسے ماری۔”شرافت تو راس نہیں آتی۔“

”عالم چلو ورنہ ابھی تمہاری اور میری ہڈیاں ٹوٹیں گی۔“یافث نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا وہ اس کے ساتھ نکل آیا۔البتہ بیچارے کے لیے دکھ ذرا بھی نہیں ہوا تھا۔پہلی بار اسے سہراب کے ہاتھ چلانے پر فخر ہوا۔ان کے گھر کی بچی غائب تھی اور وہ سسٹم کے گلچ گنوا رہا تھا؟

★★★★★★★

وہ عالم غنودگی میں تھی۔آس پاس سب گیلا اور چپچپا تھا۔اس کی پسلیاں وہاں کیا تھا، کیا وہ تھیں؟ یا جسم کا یہ حصہ علیحدہ ہو چکا تھا؟ وہ کہیں قید تھی جہاں بہت اندھیرا تھا۔اس کی ٹانگیں پیٹ کے ساتھ جوڑ کر رسیوں سے باندھی گئی تھیں۔ہاتھوں میں بھی رسیاں تھیں۔منہ پر کوئی ٹیپ لگی تھی جس کے باعث لبوں سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

اس اندھیرے میں اسے اسلان کی آواز سنائی دی۔یہ آواز۔۔۔۔۔۔۔۔یہ آواز یہاں کیسے؟ کیا وہ اسے بچانے آیا تھا۔۔۔؟ اگر ہاں تو وہ دکھائی کیوں نہیں دے رہا تھا شاید یہ بھرم تھا، یقیناً کوئی بھرم۔

”بھائی!“اس کے لبوں سے ایک لفظ برامد ہوا۔وہ اسے سن نہیں رہا تھا یا شاید اس کی آواز ہی غیر مبہم تھی۔اس کے کانوں میں شاہ ویر کی آواز بھی آ رہی تھی آنسو نکل کر خون کے ساتھ ملتے جا رہے تھے اور وہ کراہ بھی نہیں سکی۔

اس کے بعد آوازیں گڈمڈ ہو گئیں۔یافث، عالم، سہراب، آمنہ اسے سب کی آوازیں آنے لگیں اور اس نے بہت قوت لگا کر ایک بار پھر اسے پکارا مگر آواز نہیں نکل سکی۔رفتہ رفتہ اس کا ذہن ایک بار پھر تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔یہاں کوئی آواز نہیں تھی۔بس چند مناظر تھے۔اگر وہ مر رہی تھی تو وہ انہیں یاد کرتے ہوئے مرنا چاہتی تھی۔وہ رو رہی تھی اور یاد کر رہی تھی۔

"بھائی بات سنو۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی موٹی سی اردو ناول کی کتاب اسلان کی میز پر رکھی وہ جو لیپ ٹاپ پر مصروف تھا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ "مجھے اس کی سپائن توڑ کر دو۔"

اسے لگا وہ سمجھا نہیں۔ "کیا؟"

"اس کی بائینڈنگ توڑ کر دو میں لیٹ کر پڑھتی ہوں یہ تنگ کر رہی ہے صفحہ پلٹا ہی نہیں جا رہا، بار بار آ کر منہ پر گرتی ہے۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے مدعا بیان کیا۔ بازو ہنوز سینے پر بندھے تھے۔

"تمہاری آلس کے لیے میں کتاب کا بیڑہ غرق کر دوں؟"

"ہاں۔"

"نکلو یہاں سے مار وار نہ کھا لینا اور خبردار جو تم نے کسی کتاب کی بائنڈنگ توڑی۔" وہ تپ ہی تو گیا تھا۔ کتاب ہاتھ میں لیے وہ اس کے صفحے پلٹنے لگا ہر صفحے پر پنسل سے لگائی لکیریں اور لفظ تھے۔ ہر جگہ " so me,heart breaking,deserved better اس طرح کے تبصرے لکھے تھے اسلان یمن کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے کلس کر آراہ کو دیکھا۔ "یہ میری کتاب کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"یار اسپائن توڑ دو نا اتنے بڑے بڑے ہاتھ ہیں تمہارے کس کام آئیں گے؟"

"انہی ہاتھوں سے تمہاری ہڈیاں توڑوں گا نکلو یہاں سے اور آئندہ خبردار جو تم نے میری کتابوں کو ہاتھ لگایا۔ کچرا کر دیا ہے سارا۔" وہ متاسف سا اپنی کتاب کے بھرے ہوئے پنے دیکھ رہا تھا۔ کہاں وہ اپنی کتابیں صاف ستھری رکھنے والا اور کہاں یہ لڑکی۔ جس نے رنگین پنسلوں سے اس کی کتاب ستر نگی کر دی تھی۔

آراہ نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اسے گھورا۔ "کس بات کے نخرے دکھا رہے ہو اتنے نازک ہو تو لاؤ میں خود توڑ لیتی ہوں۔"

"آراہ۔۔۔۔۔۔" اس نے آراہ کو لمبا کھینچا۔ "نکلو۔"

"یار پلیز بھائی نہیں ہو؟"

"نکلو۔۔۔۔۔۔۔ ابھی کے ابھی نکلو۔" منظر ٹوٹ گیا، آوازیں بند ہو گئیں اور آنکھیں بھی بند۔ کچھ رہ گیا تو صرف درد، اور آنسو۔ کیا وہ اب اپنے بھائی کو کبھی نہیں دیکھ پائے گی؟

★★★★★★★★★

(وہ فلم سٹی میں موجود تھا۔ اس کے عقب میں تھیٹر اسٹیج تھا سرخ پردے، سامنے عوام کے لیے بچھی سرخ رنگ کے غلاف والی کرسیاں، اور اسٹیج پر مائیک جس پر ساری روشنی دائرے کی صورت پڑ رہی تھی۔ شاہ ویر بنگش وہیں کھڑا تھا۔ اس کی سلور چین کی چمک آج الگ ہی تھی، آنکھیں ستاروں کی روشنیوں کو مات دیتی تھیں اور وہ خود ۔۔۔۔۔ وہ کائنات کی ہر سیاہی کا منبع۔ سامنے کیمرہ رکھا تھا جس میں دیکھتے ہوئے وہ بول رہا تھا۔

"آج میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں۔ ایک ایسے لکھاری کا جو لکھنا چاہتا تھا، جرائم کی کہانیاں، پیچیدہ ذہنی مسائل، فلسفہ لیکن اس کے مسودے مسترد ہوئے، کوئی ناشر اس کے ساتھ کام کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ کسی کو اس کی کہانی میں دم نظر نہیں آتا تھا اور پھر اس نے۔"

"کیا اس نے ہمت ہار دی؟" اس نے ہلکی باریک آواز میں پوچھا یوں جیسے کسی اور نے پوچھا ہو۔ وہ بیک وقت دو کردار ادا کر رہا تھا۔

"اس نے اپنی زندگی کو تھرلر میں بدل دیا۔ کردار اس کا مہرہ بن گئے، سرکار اندھی اور قانون اس کے آگے بکاؤ۔" اس کی آنکھوں میں الوہی سی چمک تھی۔

"اور اس کی محبت؟" اس سوال پر وہ تھم گیا۔ نگاہیں خالی نشستوں سے ہوتی ہوئی اس تک گئیں جو نیم بے ہوش سی کرسی پر پڑی تھی۔ اس کی واحد ناظر۔ اسے زخمی ہوئے پندرہ منٹ گزر چکے تھے پیروں کے قریب خون کا تالاب تھا۔ اور اسے زخمی کرنے والا شخص سفید ہڈی میں ملبوس خون کے دھبے سینے پر لیے سامنے کھڑا تھا۔

"وہ ایک ولن کی محبت ہے، وہ اس کے لیے دنیا جلا سکتا تھا لیکن۔۔۔۔" وہ رکا لمحے بھر کا توقف کیا۔ "وہ بے وفا نکلی۔ اور مجھ جیسے بے وفائی معاف نہیں کرتے۔"

"اب انجام؟"

گہری سانس لیتے وہ پیچھے ہوا۔ "قطرہ قطرہ موت۔")

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں شاہ ویر بنگش کے بنگلے پر موجود تھے۔ اس کی اپنی خریدی پراپرٹی پر۔

پستول اس کی گردن کے ساتھ جڑی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ اوپر تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس کے بازو سے بہتا ہوا خون ٹپ ٹپ اپنے نشان چھوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ اسلان بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کے عقب میں تھا۔ شاہ ویر اگر ایک لمحے کو بھی رکتا تو کہنی کا ایک جھٹکا اس کی پشت پر آکر لگتا۔ "کہاں رکھا ہے اسے کس منزل پر؟" اس کی بے لچک آواز پلٹ کر واپس آرہی تھی۔ "ایک ایک کمرہ کھولو ابھی کے ابھی میرے سامنے۔"

"وقت ضائع کر رہے ہو تم میں محبت کرتا ہوں آراہ سے اسے یہاں ایسی جگہوں پر کیوں رکھوں گا؟"

"تمہاری محبت میں محض فساد ہے اپنا منہ بند رکھو اور کمرے کھولو۔" وہ سابقہ سرد مہری سے بولا۔

"ایک بار تحمل سے۔۔۔۔"

"اگر اگلے دس سیکنڈ میں تم میرے سامنے ایک ایک کمرہ کھولتے ہوئے نہ نظر آئے تو میں تمہاری آنکھوں میں شوٹ کر دوں گا۔" اس کا لہجہ، انداز سب کہتا تھا وہ ایسا کر سکتا ہے۔

شاہ ویر جم گیا، محض چار سیکنڈز کے لیے مگر اگلے ہی لمحے وہ بھاگا اور ایک دروازہ کھولا اسلان نے آگے بڑھ کر دیکھا، پستول دونوں ہاتھوں میں تھام رکھی تھی۔ کمرے میں محض کاٹھ کباڑ تھا اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس کے پیچھے یا اندر کوئی انسانی وجود سما سکے۔

اس کے بعد وہ یکے بعد دیگرے ایک ایک کمرہ، سٹور ہر جگہ اسے دکھا چکا تھا وہ کہیں نہیں تھی یہاں کہیں نہیں۔
"آ گیا یقین یا اب بھی کچھ باقی ہے؟" تمام جگہیں اسے دکھانے کے بعد اس نے اسلان سے پوچھا ہاتھ ہنوز اٹھے ہوئے تھے خون بہنے کی وجہ سے چہرہ کچھ حد تک پیلا پڑ رہا تھا مگر اداکاری تھی کہ جوبن پر تھی۔

"مجھے میرے لوگوں سے بات کرنے دو، اسلان۔ میں تمہارے سامنے ویڈیو بناؤں گا اسے تم ہی اپلوڈ کرنا لیکن پلیز مجھے میری محبت کے لیے کچھ کرنے دو۔" اس کی آنکھیں ہلکی نم تھیں چہرے پر تکلیف۔ "مانتا ہوں میں نے ماضی میں بہت غلط کیا ہے۔ لیکن آراہ کے ساتھ غلط کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اگر میرے پاس دل ہے تو وہ فروانی لہو، میں خود کو خود کیسے مار سکتا ہوں؟"

"تم، تمہاری بات، تمہارا ہر لفظ جھوٹ۔" اسلان نے پستول اس پر تانے رکھی وہ اس کے کسی جال میں نہیں آ سکتا تھا۔

"میں۔۔۔۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اسلان اس کی بات کاٹ چکا تھا۔

"بنگش فارم ہاؤس چلو ابھی اسی وقت۔" اس نے پستول سے اسے راستہ دکھایا۔ وہ چند پل انہی نرم، کرب آلود نگاہوں سے اسے تکتا رہا اور پھر اس کے کہے کی تعمیل کی۔

"آراہ کے لیے سب کچھ!" اسلان نے شکستگی سے اسے کہتے سنا۔ وہ اس کے کسی فریب میں نہیں آئے گا یہ اس کا خود سے عہد تھا۔

("وہ لڑکا بھی محبت، ستائش، عزت اور اچھی زندگی چاہتا تھا لیکن اسے بدلے میں کیا ملا؟ آرزوئیں، تمنائیں، خستہ حالی اور جب اس نے اپنا حال بدلنے کی کوشش کی تب دنیا میں یکدم اس کے آس پاس فرشتے جنم لینے لگے۔" اس کی آواز میں غراہٹ شامل ہونے لگی۔

"پھر اس نے کیا کیا؟" آواز ایک بار پھر آئی۔

"اسے کیا ہی کرنا تھا وہ وقت کا شداد تھا اس نے اپنے لیے جنت ضرور بنائی تھی لیکن اس نے جہنم بھی بنائی تھی۔ خدا نے جنت چھیننی تھی چھین لی اب اس کے لوگوں کو جہنم وہ خود دکھائے گا۔ یوں تو پھر یونہی سہی۔"

"نافرمانی اور کفر ہے یہ۔"

روشنی میں کھڑا شخص ہنسا۔ "فرماں برداری اور توکل کا دعوے دار ہے بھی کون؟" کم از کم وہ نہیں۔)

دس منٹ بعد وہ بنگش فارم ہاؤس پر تھے۔ پہرہ دیتے محافظین نے پستول کی نال اسلان پر سیدھی کر لی ان کی نگاہ ان کے مالک تک گئی جو زرد رنگت کے ساتھ ہاتھ اٹھائے آگے آگے چل رہا تھا۔ ہر کوئی متحیر اور چاک و چوبند تھا۔ ان کا مالک خون بہا رہا تھا، اور وہ جو کبھی غلاموں کی طرح اس فارم ہاؤس پر آتا تھا آج قہر بن کر سامنے تھا۔

"گنز نیچے کرو۔" شاہ ویر نے نقاہت سے حکم صادر کیا۔ کسی ایک نے بھی بندوق نیچے نہیں کی۔ "یہ میرا دوست ہے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا گنز نیچے کرو۔" اب کے قدرے سختی اور دو ٹوک لہجے میں کہا۔ گنز نیچے ہو گئیں مگر اسلان کی پستول اب تک ویر کی گردن سے جڑی تھی۔

کچھ دیر بعد اسلان ایک ایک کمرہ خود چیک کر رہا تھا، ایک ایک جگہ کی تلاشی لے رہا تھا وہ دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ امید کا ٹمٹماتا دیا جل بجھ رہا تھا اور اس کے سامنے بیٹھا شاہ ویر چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر محض ملال تھا۔

”میں اگر چاہتا تو اپنے گارڈز سے کہہ کر تمہیں وہیں ختم کروا سکتا تھا لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔ میرے لیے آراہ تم سے زیادہ ضروری ہے میں خود بھی اسے تلاش کرنا چاہتا ہوں۔“

”اپنا منہ بند رکھو۔“

”میں اسے چاہتا ہوں، اسلان۔ تم میری چاہت نہیں سمجھ سکتے میں خود مر سکتا ہوں، ختم ہو سکتا ہوں لیکن اگر تمہیں لگتا ہے میں اسے کوئی بھی نقصان پہنچا سکتا ہوں تو تم غلط ہو۔“ اسلان اسے نہیں سن رہا تھا۔ یہ ماننا ہی بے عقلی تھی کہ شاہ ویر طلال بنگش اس تخریب کاری میں شامل نہیں ہے۔ وہ سارا فارم ہاؤس اگلے دس منٹ میں دیکھ کر آگیا تھا چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، رنگت فق تھی۔ شاہ ویر چپ تھا۔

”تم مجھ سے قرآن پر ہاتھ رکھوا لو وہ میرے پاس نہیں ہے۔“

”تم جیسوں کے لیے تو قرآن کی حرمت بھی مذاق ہے۔“ اس نے سرد مہری سے کہہ کر کوئی پیغام سہراب کو لکھ کر بھیجا۔ اسی لمحے اسے بنفشہ کی طرف سے پیغام موصول ہوا۔ وہ ٹھہر گیا۔

”فلم سٹی!“ ساتھ لوکیشن تھی۔ اسلان نے تیزی سے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور اپنے آگے کیا۔ شاہ ویر گرتے گرتے بچا۔

"فلم سٹی چلو ابھی کے ابھی۔" اسلان نے بغیر اس کی کوئی اور بات سنے گریبان سے گھسیٹ کر اپنے ساتھ لیے باہر بڑھا۔ اس کے بازوؤں میں کوئی فولادی طاقت تھی، عزائم آگ سے بنے اور حوصلے چٹان کی مانند۔ شاہ ویر بنگش اُس کی اِس طاقت سے واقف نہیں تھا۔

روشنی کا دائرہ اس کے ساتھ سفر کر رہا تھا سرخ پردے اس کے عقب میں ساکن تھے۔ "وہ لڑکا لوگوں سے ہر وہ چیز چھین کر دیکھنا چاہتا تھا جو انہیں عزیز ہو، یا پھر وہ ان کی برداشت آزماتے رہنا چاہتا تھا۔"

"کیا یہ چیزیں اسے سکون دیتی تھیں؟"

"بے انتہا سکون۔" وہ سرور کے کسی اعلیٰ مقام پر تھا۔ "اول تو وہ چاہتا تھا وہ "اصل" انسانوں پر اپنے تجربات نہ کرے اگر یہ تکلیف دینی ہے تو کسی کردار کو دے اور اسے سکرین پر پیش کرے تاکہ لوگ گھن کھائیں لیکن دنیا نے اس سے یہ موقعہ چھین لیا۔"

"اور وہ باز آگیا؟" شاہ ویر نے چند لمحے ویرانے میں گونجتے اس سوال کی بازگشت سنتا رہا پھر وہ ہنسا، زور زور سے حلق کے بل، دیوانگی اور جنون سے۔ سرخ پردوں پر ہیبت طاری تھی۔

"باز آنے کے لیے خدا نے فرشتے بنائے تھے اور وہ فرشتہ ہرگز نہیں تھا۔ کردار گئے تو اس نے گوشت پوشت کے لوگوں پر تجربہ شروع کیا شوق کا کوئی مول اور جنون کی کوئی حد نہیں ہوتی۔" اس کی بھی نہیں تھی۔

فلم سٹی کا اس جگہ سے فاصلہ کافی تھا۔ شام کا وقت تھا سب گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ راستے میں بے تحاشہ رش تھا جگہ جگہ گاڑی روکنی پڑتی مگر جیسے ہی راستہ کھلتا اسلان یمن گاڑی کو اس طرح بھگاتا کہ وہ لوگوں کی نظروں سے پل بھر میں غائب ہو جاتی۔ وہ ظاہر نہیں کر رہا تھا نہ کرنا چاہتا تھا مگر سینے میں اندر کہیں الہام ہو تا رہا کہ کچھ ہوا ہے۔ کوئی ٹائم بمب تھا جو ٹک ٹک کرتا اس کے سر پر بج رہا تھا پنار۔۔۔۔۔ طلال۔۔۔۔۔، دلیپ، اس کا اپنا آپ.... کیا

تین لوگوں کے کھونے کے بعد وہ ایک اور کو بھی کھو دے گا،اس کی وجہ سے ایک اور؟اس کی آنکھیں کھو کھلی تھیں، چہرہ ہر گزرتے لمحے سفید پڑ رہا تھا۔

”سامنے سے لیفٹ۔“ مسافری نشست پر بیٹھے شاہ ویر بنگش نے بے حد سکون سے راستہ سمجھایا ایسے جیسے بازو سے رستہ خون اس کا نہیں تھا۔ وہ اب گاڑی نہیں چلا پا رہا تھا لہٰذا اسلان کو خود آگے آکر بیٹھنا پڑا۔ ٹو وے پر چلتی باقی گاڑیوں کے درمیان سے وہ کس طرح سیاہ بی ایم ڈبلیو نکال رہا تھا یہ محض اس کی مہارت تھی، بعض دفعہ اس کے پٹھوں میں کھنچاؤ اترتا، بعض دفعہ کندھوں میں درد۔ مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

”صرف ایک ویڈیو، اسلان مجھے ایک ویڈیو بنانے دو ابھی اسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں اس کے بعد آدھا لاہور ڈھونڈے گا۔“ اس کے آسمانی کوٹ کا بازو بھیگ کر سرخ میں ڈھل چکا تھا۔ اسلان چپ چاپ گاڑی چلاتا رہا۔ گاہے بگاہے وہ سکرین پر بھی نگاہ ڈال لیتا تھا جہاں لوکیشن کا سبز نقطہ نظر آرہا تھا دس منٹ کا فاصلہ باقی تھا۔ اگر ان دس منٹوں کے روح فرساں سفر کے بعد بھی وہ وہاں نہ ہوئی تو؟ اگر وہ اب تک مر چکی ہوئی تو؟

”کیا تم واقعی اسے ڈھونڈنا چاہتے ہو کیونکہ مجھے لگتا ہے تم صرف اور صرف اسے ڈھونڈنے کا ڈرامہ کر رہے ہو۔“

اسلان نے گردن پھیر کر اسے دیکھا آنکھوں میں کاٹ تھی۔ ”تم اس وقت "سکرین" چاہتے ہو نا میں نہیں دوں گا اس وقت تم اپنی زندگی کی بہترین پرفارمنس ریکارڈ کرنا چاہتے ہو نہیں کرنے دوں گا۔ میں تمہیں سمجھتا ہوں، شاہ ویر۔ تم مجھ سے نہیں کھیل سکتے۔“ شاہ ویر بنگش اندر تک ٹھنڈا پڑ گیا۔ خاموش، ساکن وہ کمبخت اسے اندر تک کیسے پڑھ گیا؟

اسلان کو دوبارہ سڑک کی طرف دیکھنا پڑا جب کہ شاہ ویر اب بالکل چپ۔ اس کی رنگت تاریک پڑ چکی تھی۔ گاڑی فلم سٹی کے باہر آکر رکی اسلان دروازہ کھولتے باہر نکلا اس کے ساتھ شاہ ویر بھی باہر آیا۔ اندر سے پہلے ہی آوازیں

آ رہی تھیں۔ سہر اب، یافث اور عالم وہیں تھے۔ بنفشہ وہیں عمارت کے باہر کھڑی فون پر کسی سے بات کر رہی تھی، اسلان کو دیکھ کر اس کی طرف لپکی۔

"any traces ?" اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ شاہ ویر کمینگی سے مسکرایا، اپنا خون آلود بازو اٹھا کر بلند کیا۔

"ڈیئر سسٹر میں بھی یہیں ہوں۔" بنفشہ مڑی ایک قدم آگے ہو کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ اس نے گردن ڈھلکا دی، مسکراہٹ نہ رکی۔ جبڑا سہلاتے وہ دوبارہ اس کی طرف مڑا۔

"ایک لڑکے کے لیے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں لڑکا بھی وہ جو۔" معنی خیزی سے اسلان کو دیکھا اور اگلے ہی پل اس کی پسلیوں میں ایک زور دار ضرب پڑی۔ اسلان نے بند مٹھی کا مکا اس کی پسلیوں میں مارا تھا۔ وہ جھک گیا، کراہا۔ پھر ہنسا۔ منہ سے کچھ تھوکتے وہ دوبارہ سیدھا ہوا۔ "وہ جو خود کو پانچ مردوں سے نہیں بچا سکا۔"

اسلان نے آگے بڑھتے ایک جمے ہاتھ کا مکا اس کے جبڑے پر مارا۔ پھر بالوں سے کھینچ کر آگے دھکیلا اور گردن پچھلے کالر سے دبوچتے اپنے ساتھ گھسیٹتا اندر لایا۔ راستے میں جہاں اسلان لمبے ڈگ بھر رہا تھا وہیں شاہ ویر توازن برقرار نہ رکھتے دو تین مرتبہ گھٹنوں اور ٹخنوں کے بل پتھریلی روش پر گرا تھا۔

"تمہیں پتا ہے آراہ کوئی بھی آرٹسٹ بہترین پرفارمنس کب دیتا ہے؟" اس کی نگاہیں سامنے تھیں وہاں جہاں وہ آدھ کھلی آنکھوں سے کراہتی ہوئی اسے تک رہی تھی۔ پسلیوں پر دھرا اس کا ہاتھ خون آلود تھا۔ "بعض دفعہ ہیروئن کو لگتا ہے اسے یوں نہیں رونا چاہیے ورنہ وہ سکرین پر بُری لگے گی، ہیرو کو لگتا ہے فلاں کارنامہ کرتے ہوئے وہ زخمی ہو سکتا ہے کتنا خوف ہے نا؟" اس نے پلکیں جھپکیں۔ "رسک، ایڈونچر، تھرل یہ تو کہیں ہے ہی نہیں۔ اور میں تو ان کے بغیر پیدا ابھی نہیں ہوا تھا۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وہ مرنا نہیں چاہتی تھی اسے ایک لمبی زندگی چاہیے تھی جس میں وہ اپنی غلطیاں سدھار سکے، جی سکے، کچھ حاصل کر سکے مگر وہ اسے مار رہا تھا رہبر رہزن بن چکا تھا۔

"تم میرے اتنے قریب مرو گی کہ میں تمہاری آخری سانسیں سن سکوں گا۔" وہ زینے اترتا نیچے آرہا تھا۔ آنکھیں خالی اور سپاٹ تھیں نقوش میں لاتعلقی تھی۔ وہ اس کے قریب آکر بیٹھا نرمی سے اس کا رخ اپنی طرف کیا اور بہت برسوں سے دل میں دبائی ایک حسرت پر عمل درآمد کیا۔ وہ دونوں بازو اس کے گرد باندھے اسے اپنے سینے سے لگا رہا تھا۔ آراہ کے آنسو تیزی سے بہنے لگے اس نے دوڈھائی سالہ تعلق میں اسے یہ جرات کرنے نہیں دی تھی وہ کہاں لا کر کس بے بسی سے اسے مار رہا تھا وہ بس مر کر رہ گئی۔

"میں چاہتا تھا تم مکمل میری ہو جاؤ سوچو تو مجھے، چاہو تو مجھے، دیکھو تو صرف اور صرف مجھے لیکن تم نے ہمیشہ شراکت کی۔" اس کی آواز سرگوشی جتنی ہلکی تھی۔ اس کے گرد بازو باندھے نرمی سے اس کا کندھا سہلاتے وہ اس کے سر پر ٹھوڑی جمائے دلگرفتگی سے کہہ رہا تھا۔ "سخن ساز، ضارم، اسلان تم نے ان سب کے ساتھ میرے حصے کا وقت بانٹا، میرے حصے کی عنایات کسی اور پر کیں اور اب دیکھو۔۔۔۔۔۔" اس نے آراہ کی پسلیوں پر ہاتھ رکھ کر اس خون سے اپنی ہتھیلی تر کی۔ ناک کے قریب لے جا کر اسے سونگھا اور پھر دل پر لگایا۔

" you're bleeding just for me" اس کی آنکھوں میں فخر سا فخر تھا۔ "تم میرے لیے مرو گی، میری وجہ سے مرو گی وہ آخری آواز جو تمہارے کانوں میں گونجے گی وہ میری ہو گی۔" اس نے آراہ کا چہرہ اپنے سینے سے نکال کر اپنے سامنے کیا اور پھر شدت سے اس کا ماتھا چوما، اور پیشانی اس کی پیشانی سے جوڑ لی۔ "میں نے تم سے کہا تھا تم میری ہو تمہیں سمجھنا چاہیے تھا میرا مطلب کیا ہے۔ آج سے شراکت داری ختم آج سے تم مکمل میری۔")

شاہ ویر بنگش کے بازو اس کی پشت پر رسیوں میں باندھے گئے تھے۔

فلم سٹی کا احاطہ وسیع تھا اور وہ چاروں مرد دیوانہ وار اسے تلاش کر رہے تھے، آوازیں دے رہے تھے ایک ایک کمرہ چھان مار رہے تھے مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ گراؤنڈ فلور پر موجود خون آلود سفید شرٹ والا مرد محظوظ نگاہیں اٹھائے انہیں بے چین دیکھ رہا تھا سکون اس کے رگ وپے میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ وہ چاروں مرد اوپر تھے اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ مگر وہ جانتا تھا ان چاروں کو اس کے باطل ہونے کا علم ہے۔ مہر لگا ہوا علم۔ اسے جھرجھری سی آئی۔ وہ اس لمحے کو اپنی زندگی کا peak cinema moment قرار دینا چاہتا ہے تھا۔ وہ اسی کے لیے تو جیا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا وہ ان لمحات کو ریکارڈ کرے، ساری دنیا شاہ ویر طلال بنگش کا جنون دیکھے۔

اوپری منزل پر یافث نے اسلان کا بازو پکڑ کر رخ اپنی طرف کیا۔ ”تحمل سے سوچو اسلان۔ جو شخص اس وقت خود تمہارے ساتھ ہے کیا وہ آراہ کو غائب کر سکتا ہے؟ ہم چار مرد ہیں وہ ہم چاروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا ہے وہ بھاگ نہیں رہا، تعاون کر رہا ہے اور اس کی آنکھیں دیکھو۔۔۔۔۔۔“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا نیچے کھڑے شاہ ویر کو دیکھا۔ ”پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے وہ کم از کم آراہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

”شاہ ویر بنگش اپنے علاوہ کسی اور شے سے محبت نہیں کرتا ماموں۔“ اسلان نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ دونوں ہاتھ یافث کے کندھوں پر رکھے۔ ”اس پوری کائنات میں کوئی وجود اس کے لیے اہمیت کا حامل ہے تو اس کا اپنا وجود۔ وہ اپنے لیے کسی کو بھی مار سکتا ہے، نقصان دے سکتا ہے۔ آراہ کو بھی۔“

”اور اپنے لیے اس نے جتنے لوگوں کو نقصان دیا ہے ان میں اس کا ایک مخصوص پیٹرن بھی تو رہا ہوگا۔“ بنفشہ کی آواز پر وہ پلٹا۔ وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ ”کچھ تو ایسا ہوگا جو اس کے ہر جرم میں یکساں ہوگا۔ یاد کرنے کی کوشش کرو۔“ اس نے اضطراب سے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے نہیں یاد۔“ اسے واقعی نہیں یاد تھا۔ دل میں عجیب سے وسوسے پیدا ہو رہے تھے جب اس نے ایک طرف سے عالم اور سہراب کو آتے ہوئے دیکھا۔ سہراب نے موبائل کان سے لگا رکھا تھا اور چہرہ سپاٹ۔

"فی الحال دس لوگ چاہیے لوکیشن بھیج رہا ہوں تمام ہتھیار ساتھ ہونے چاہیے۔" اس نے موبائل پر اسفند سے کہا۔ "آپ یہ کر سکتے ہیں؟"

"شیور وائے ناٹ! ہمارے مسائل ایک طرف فیورز ایک طرف لیکن پلیز اس بات کا دھیان رکھنا کہ میرے بیسٹ فرینڈ کو ٹارچر میں کوئی کمی نہ محسوس ہو۔" وہ دوسری طرف محظوظ لگ رہا تھا سہراب اور اسفند کے ذاتی اختلاف اس وقت برطرف تھے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کا ایک عہد ان دونوں نے کر رکھا تھا۔

سہراب نے زینے اترتے اس نے ایک نظر اسلان کو دیکھا۔ جو بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مضطرب تھا۔ "میں آشیانہ بنگش جا رہا ہوں۔ رئیس سے کہیں اپنے بیٹے کو کہیں بھیج دے میں نہیں چاہتا بچے کے حافظے پر کوئی غلط منظر دھاک بٹھائے۔" پہلی بات اعلان اور دوسری اس نے بنفشہ سے کہی۔ جب تک وہ اس بات کا مطلب سمجھ پاتی اس نے عالم اور سہراب دو چوڑی پشت والے مردوں کو تیز تیز زینے اترتے، بیک وقت اپنی پستول لوڈ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اسلان کی جانب مڑی۔ اس کی آنکھوں میں کوئی تکلیف سی تھی۔ "یافث وکیل صاحبہ کو لے کر گھر جاؤ۔" جاتے جاتے سہراب نے حکم صادر کیا تھا۔

"یہ کیا کرنے جا رہے ہیں؟" اس نے اسلان سے پوچھا۔ آواز ہلکی تھی۔ اسلان نے جواب نہیں دیا۔ "اسلان مجھے بتاؤ یہ کیا کرنے جا رہے ہیں؟"

"فرق ختم، اب جیسے بنگش ویسے یمن۔" اس نے کھوکھلے لہجے میں کہا اور نیچے بیٹھے شاہ ویر کو دیکھا۔ وہ اسے اور اس کے خاندان کو کس نہج پر لے آیا تھا۔

"اسلان وہاں میری ماں بھی ہے۔ وہاں تاج ہے اور نایاب بھی، ان کا کیا قصور ہے؟" اسلان اسے دیکھ کر رہ گیا۔ ان دونوں کے درمیان گہری مماثلت کے ساتھ ساتھ گہرا، اختلاف بھی تھا۔ کیا وہ تمام عمر اس کی آنکھوں میں دیکھ پائے گا؟ اس کی آنکھیں یعنی تمکنت کی آنکھیں، یعنی شاہ ویر بنگش کی آنکھیں۔

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ "اب جیسے بنگش، ویسے یمن۔" اس تعلق اور امید کو اگر ختم ہونا تھا تو یہیں ہو جائے۔ وہ بہت کچھ کھو رہا تھا شاید اسے بھی؟ ہاں مگر وہ گزرے خوشگوار لمحات اسے اب بھی یاد تھے۔

★★★★★★★★★★★★

غالباً وہ غنودگی میں ہی تھی جب اسے احساس ہوا وہ مدد کے لیے ہاتھ پیر چلا رہی ہے۔ اس کی آواز حلق میں دبی تھی یا نکل رہی تھی اسے علم نہیں تھا یہ کوئی خواب تھا یا حقیقت وہ قطعی بے خبر۔ اسے بس یہ معلوم تھا کہ وہ گھپ اندھیرے میں ہے اور پھر اس نے روشنی دیکھی اسے سمت کا علم نہیں تھا مگر وہ روشنی ہی تھی۔ اس نے شاہ ویر کا چہرہ خود پر جھکتے ہوئے دیکھا وہ کیا کر رہا تھا اس کا ماؤف ہوتا دماغ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس نے بس اپنی ہر آواز بند ہوتی محسوس کی اور پھر اپنے گال پر کوئی ضرب سی محسوس کی۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھنے کی سعی کی سب دھندلا تھا۔۔۔۔۔ اندھیرا سا۔۔۔۔۔۔ بے معنی سا۔

"شاہی؟" اسے لگا اس نے پکارا ہو مگر ضرب ایک بار پھر پڑی اور اس کا دماغ سن ہو گیا۔ آس پاس زوں زوں کی آوازیں بجنے لگیں مشینوں کی آوازیں، ہسپتال کی مشینوں کی آوازیں۔ کیا وہ اسے تھپڑ مار رہا تھا؟

اسلان پر ہوئے حملے کا چوتھا روز تھا۔ وہ پلنگ کے کونے پر بیٹھا تھا اور آراہ آدھے سے زیادہ پلنگ پر پھیل کر بیٹھی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے اندازہ ہوا اس کی بہن کا وزن خطرناک حد تک زیادہ ہے۔ وہ ایک ہاتھ اس طرح سے جمائے لیٹا تھا کہ خود کو بمشکل گرنے سے بچایا ہوا ہو۔ "پھر چاچو باہر چلے گئے اور عالم چاچو یہاں تھے ہسپتال میں مجھے سارا ڈر یہ تھا کہ اگر انہوں نے جھگڑا کر دیا تو کیا ہو گا؟" اس نے سوپ کے پیالے سے ایک چمچ اسلان کو پلایا۔ جسے اس نے چپ چاپ نگل لیا۔ دو چمچ خود بھی پیئے۔ اب ذائقہ اچھا تھا تو وہ کیا کرتی؟

"تم ڈر کیوں رہی تھیں؟"

"تمہارے لیے۔" اس نے بے دھڑک ہو کر کہا۔ "مجھے ڈر تھا کہ عالم اسٹاف سے لڑ پڑے گا اور اس کی لڑائی کی وجہ سے یہ نہ ہو کہ وہ لوگ تمہارا علاج ٹھیک سے نہ کریں۔" اس نے ایک اور چمچ اسلان کی طرف بڑھایا جس کے لیے اس نے منہ نہیں کھولا۔ وہ بس سنجیدگی سے آراہ کا چہرہ تک رہا تھا۔

"تم نے میرے لیے جو جنگیں لڑی ہیں میں تمہارے لیے فکر مند ہو گیا ہوں۔" اس کا اشارہ کس طرف تھا آراہ جانتی تھی۔ یکدم اس کا دل بُجھ گیا۔ "میں کسی کو نہیں بچا سکا، خود کو بھی نہیں تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کم از کم میرے لیے نہیں۔"

"جو تمہارے ساتھ ہوا اگر وہ میرے ساتھ ہوتا تو؟"

"ناممکن!" اس نے درشتی سے ٹوکا۔ "میں اسے زندہ گاڑھ دیتا۔"

"اور میں یہ نہیں کر سکتی۔ میری جتنی استطاعت تھی اس حساب سے لڑ رہی ہوں اور اب جب وہ جوابی وار کرے گا تو اپنی طاقت کے حساب سے جس کا مجھے کوئی خوف نہیں۔" اس نے ایک بار پھر چمچ اسلان کی طرف بڑھایا مگر وہ نفی میں سر ہلا گیا۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

"تمہیں اس سے واقعی ڈر نہیں لگتا؟"

"کس نے کہا نہیں لگتا؟ بہت لگتا ہے لیکن میں یہ سوچتی ہوں وہ کیا کر سکتا ہے؟ رزق، عزت، ذلت، مال، زندگی سب تو اللہ کے ہاتھ میں ہے پھر وہ کیا کر سکتا ہے؟"

"تم بہت بے خوف ہو۔" بے لاگ تبصرہ کیا۔

"بے خوفی میرا پیشہ ہے۔ لفظ تمہارا پیشہ تھے تم غنیم ہو گئے میں نہیں ہو سکتی۔" وہ چپ چاپ سوپ میں چمچ چلانے لگی۔ "آج اس سے ڈر کر بیٹھ گئی تو کل ڈرانے کو اور باطل ہوں گے۔ مجھے لگتا ہے ڈر ذاتی ہوتا ہے دنیا کو کیوں بتایا

جائے؟" آراہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے آگے کیا۔ "مجھ سے وعدہ کرو کہ اگلی دفعہ اس سے ڈرو گے نہیں۔ اس سے کیا کسی سے نہیں۔ قاضی وقت سے نہیں، کسی جلاد سے بھی نہیں۔"

وہ چند لمحے دیکھتا رہا پھر اپنا ہاتھ آراہ کے ہاتھ میں رکھا۔ "اوکے!" وہ آنکھیں گھما کر رہ گئی۔

"ایک تو یہ تمہارا اوکے میں۔۔۔۔۔۔" وہ اس سے بہت کچھ کہہ رہی تھی اور اسلان غائب دماغ تھا اگر وہ آراہ تک آگیا تو؟

یہ واحد خیال تھا جو اسے سونے بھی نہیں دیتا تھا۔ وہ آئے گا اس کی چھٹی حس دف بجا بجا کر یہ اعلان کرتی تھی۔

★★★★★★★★

آشیانہ بنگش کے دروازے پر موجود دونوں پہرے دار گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے، ان کے ہاتھ ان کی پشت پر بندھے تھے۔ عالمگیر نے سائلنسر لگی پستول سے دروازے کے سی سی ٹی وی اڑا دیے تھے، اور اب وہ دونوں بھائی لمبی روش سے چلتے ہوئے اندر کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے دائیں بائیں لوگ تھے۔ ہاتھوں میں اسلحہ، نقوش میں سختی اور انگلیاں ٹرگر پر۔ فرنچ ڈور کو چوپٹ کھولتے وہ سب اندر داخل ہوئے اور بندوقوں کے رخ سیدھے کر لیے۔ سہراب یمن کے لیے مورلز آج جوتی تلے اور رعایت پر وہ فاتحہ پڑھ چکا۔

موبائل پر بات کرتے ہوئے زینے اتر کر نیچے آتی تمکنت اپنی جگہ پر ساکن ہو گئی۔ چہرے پر لگا سرمئی ماسک سوکھ کر جھریوں میں گھل رہا تھا۔ گرل کے پاس کھڑی نایاب کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکلی جسے سن کر رئیس نیچے آیا۔ صوفے پر بیٹھی تاجور اپنی جگہ منجمند ہو گئی تھی (جھوٹی گواہی کے بعد اسے سزا ہوئی تھی اس وقت وہ کورٹ سے ضمانت پر باہر تھی)۔ لمحے بھر کے اندر اندر لوگ گھر میں پھیل گئے اور اگلے چند منٹ میں تینوں عورتیں صوفے پر موجود تھیں۔ اور رئیس مخدوم پُشت پر بندھے ہاتھوں کے ساتھ فرش پر۔ تمام بندوقوں کے رخ اس کی طرف تھے۔

"تم بہت بڑی بھول کر رہے ہو، سہراب۔" تمکنت پھنکاری۔ "میں کوئی عام عورت نہیں ہوں تم میرے گھر میں گھس کر اس طرح مجھے اور میری اولاد کو ہراساں نہیں کر سکتے۔"

"اور آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ اگر میں ایک عام آدمی ہوں تو آپ کا بیٹا میری اولاد کو ہراساں کرے گا؟" وہ سختی سے کہتا آگے آیا۔ عین اس کے سامنے رکھی کانچ کی میز پر بیٹھا۔ تمکنت بے اختیار پیچھے ہوئی۔ "میں نے ان پر زندگی لگادی ہے آپ کو کیا لگتا ہے اُس جیسے چار چھ نبٹائے نہیں ہوں گے یا بنٹاؤں گا نہیں؟"

"کیا کیا ہے زید نے؟"

"زید؟" وہ تلخی سے ہنسا، پھر عالم اور یافث کو دیکھا اور ایک بار پھر اداکارہ کو۔ "مجھے لگا آپ شامل جرم ہیں لیکن آپ تو ناواقف نکلیں۔ چلیں ہم آپ کو اِس پلاٹ ٹوئسٹ سے آگاہ کر دیتے ہیں۔"

"جو مرا ہے وہ شاہ ویر نہیں تھا۔ جس طرح شاید وہ بچپن میں آپ کو بے وقوف بناتا تھا اسی طرح اب بھی بنا گیا۔ مرنے والا آپ کا دوسرا بیٹا تھا......شاہ زید طلال بنگش۔" عالم نے پہلی مرتبہ گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا۔ داخلی دروازے سے اندر آتی مدیحہ تھم گئی۔ آنکھیں ایک نقطے پر ساکت اور اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر فرش بوس ہوا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا آشیانہ بنگش کے ہر مکین کو سانس لینے میں دقت آئی۔

"کیا۔ بکواس۔ ہے۔؟" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے حلق سے باہر نکلے۔ "کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"سچ ہے یہ، بالکل سچ! آپ کا اداکار بیٹا اصل زندگی میں اداکاری کر رہا ہے اور اس اداکاری میں اس نے ہمارے گھر کی بچی غائب کی ہے۔ اب آپ اسے کال کریں گی اور اس سے کہیں گی کہ میری بھتیجی کو گھر واپس لائے۔ ورنہ یہ۔" اس نے سہراب کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری بھی نہیں سنتا۔ عزت اگر ہماری نہیں رہے گی تو آپ کی بھی نہیں۔ اگر وہ نہیں آیا تو میں ایک ایک بنگش پر پرچے کٹواؤں گا۔"

نایاب، رئیس، تاج سب دم سادھے ہوئے تھے۔ تمکنت کے لیے پلکیں جھپکنا، سانس لینا ثانوی تھا۔ شاہ ویر بنگش، اس کا بایاں بازو، اس کا کاروبار، اس کی متاع حیات زندہ تھا؟ بندوق اس پر تنی ہوئی تھی مگر وہ کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ غائب دماغی سے کھڑی ہوئی اور ایک ہاتھ عالم کے کندھے پر رکھا۔ وہ عالم بے یقینی میں تھی۔ "میرا بیٹا۔۔۔۔ میرا۔۔۔ ویر کیا۔۔۔ وہ۔۔۔ واقعی زندہ ہے؟"

"اپنی جگہ پر واپس جائیں اور اسے کال کریں۔" عالم نے درشتی سے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ وہ پیچھے ہوئی مگر خوف نہ کھایا۔ عالم تضحیک سے اس بوڑھی ناگ کو تک رہا تھا جسے ایک بیٹے کی موت کی خبر سے زیادہ دوسرے یعنی اپنے لیے فائدہ مند بیٹے کے زندہ ہونے کی فکر تھی۔

"عالم پلیز سچ کہو۔"

"زید۔۔۔۔ مر۔۔ گیا؟" مدیحہ کو لگا اس وہ چیخی ہے مگر اس کے لب محض ہلے تھے۔

"زید کہاں ہے؟" یہ آواز تاج کی تھی۔ خالص پر فکر۔ "کیا وہ واقعی۔۔۔۔ تم کہہ کیا رہے ہو مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔ ہم نے خود شاہ ویر کی لاش دیکھی ہے۔" تکلیف اور تحیر سے وہ آنسو بہاتی گئی۔

"میں یہاں آپ سب کی اداکاری دیکھنے نہیں آیا۔" سہراب کی ترش آواز سارے میں گونجی اس نے موبائل اٹھا کر تمکنت کو تھمایا۔ "اسے کال کریں اور پوچھیں آراہ کہاں ہے ورنہ یہ جو سارے لوگ یہاں کھڑے ہیں میں آپ کو، آپ کی بیٹی کو اور آپ کی بہو کو ان سب کے حوالے کر کے جاؤں گا۔ اگر میری بھتیجی غائب ہے تو گھر پر رہنے کا حق آپ کو بھی نہیں۔" وہ ریسیور تھامنے کی بجائے ہنوز بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی جبکہ اس کے ساتھ بیٹھی تاجور نے لرزتے ہاتھوں سے موبائل تھام لیا تھا۔ اب اس کی انگلیاں شاہ زید کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

وہ دونوں فلم سٹی کی اوپری منزل سے نیچے اتر آئے تھے۔ تیز تیز قدم لیتے اسلان آگے جا رہا تھا جب درمیان میں وہ ٹھٹک کر ٹھہرا۔ جھک کر زمین سے کچھ اٹھایا۔ یافث اور بنفشہ نے اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود پیپر رنگ دیکھی۔ اسلان چند لمحے چپ چاپ اس پیپر رنگ کو تکتا رہا پھر شاہ ویر کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ شاہ ویر کی طرف مڑا۔

"کیا ہے یہ۔۔۔۔مجھے کیا پتا؟ آج یہاں تین فلموں کی شوٹنگ ہوئی ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں یہ کیا ہے؟" وہ اب قدرے اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ "جتنا وقت تم نے مجھ پر شک کرتے ہوئے گزارا ہے اس سارے وقت میں ہم واقعی آراہ کو ڈھونڈ سکتے تھے۔ لیکن تمہیں فرق نہیں پڑتا نا تم نے تو ہمیشہ اس سے نفرت کی ہے محبت تو وہ میری ہے۔" وہ اسلان کے سامنے ہاتھ جوڑ گیا۔ "جو سزا دینی ہے مجھے دو، جو کرنا ہے میرے ساتھ کرو لیکن پلیز اس وقت اسے ڈھونڈو وقت برباد نہ کرو۔ میں اس کے بنا مر جاؤں گا۔"

اسلان نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "صحیح کہہ رہے ہو تم۔۔۔۔ہم نے۔۔۔" اس نے ایک طرف دیکھا، پھر شاہ ویر کو۔ "واقعی وقت ضائع کیا۔" وہ بڑبڑایا۔

شاہ ویر جو اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کی بات پر چونکا۔ اسلان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ "تم جاؤ فرسٹ ایڈ لو گھر جاؤ۔ ہسپتال جاؤ۔۔۔۔کہیں بھی جاؤ۔" وہ واپس اندر جا رہا تھا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

"میں آزاد ہوں؟" شاہ ویر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا جبکہ بنفشہ آگے آئی اور سختی سے بھائی کا بازو پکڑا۔

"تم اس خاندان کا بہت نقصان کر چکے ہو، ویر۔ انہیں بتا دو ان کی بچی کہاں ہے۔ کسی کی عزت کے ساتھ مت کھیلو۔" شاہ ویر نے سادگی سے اسے دیکھا۔

"اگر تمہارے اور اسلان کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو کیا تم اسے نقصان پہنچانے کا سوچو گی؟"

”اپنی بات کرتے ہوئے گٹر کے کیڑوں کی مثال دیا کرو اسلان یا میری نہیں۔“

وہ تلخی سے ہنسا۔ ”کیسے اچھے لوگ ہو تم سب۔۔۔۔۔؟ وہ اچھا ہے بہترین مرد جسے تم اپنے لیے چن چکی ہو۔ وہ میرے گھر میں گھس آتا ہے میرے بازو میں چاقو مارتا ہے اور پھر مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں شہر کا کونہ کونہ اسی زخمی بازو میں اس کے ساتھ چلوں۔ تم اچھی ہو اور تم مجھے، خدا کی اعلیٰ تخلیق کو غلیظ جانوروں سے ملا رہی ہو کیا میں اس سب کا حقدار ہوں؟“ اس کی آنکھیں گیلی اور قلق آمیز تھیں گلہ رندھا ہوا۔ ”جو کچھ بھی میں نے کیا ہے ماضی میں تھا۔ اب میں ہر عمل کے لیے شرمندہ ہوں اور آراہ کی غیر موجودگی مجھے بھی کاٹ رہی ہے اسلان اچھا آدمی ہے اسے محبت ہے تو ہر کسی کو اس کے لیے اچھا لگے گا۔ میں بُرا ہوں اور مجھے محبت ہے تو ہر کوئی قاضی وقت بن کر فتوے جاری کرے گا۔۔۔۔ ایسا کیوں بینا؟“

”تم تکلیف میں نہیں ہو۔“ وہ پھنکاری۔ ”اداکاری بند کرو۔“

”کاش میں تمہیں اپنا دل دکھا سکتا۔“

”اس سے کہو یہاں سے جائے، بنفشہ۔“ اسلان کی بھاری آواز ان کے کانوں میں پڑی وہ یہاں نہیں تھا آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔ ”تم اگر اگلے دو منٹ میں یہاں سے دفعان نہیں ہوئے تو اس بار چاقو میں سیدھا سینے میں اتاروں گا۔ جاؤ یہاں سے میں اپنی بہن کو خود ڈھونڈ لوں گا۔“

شاہ ویر کا موبائل بجا مگر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے بنفشہ نے اس کا موبائل نکالا ویڈیو کال تھی۔ یافث بے حد خاموشی سے اس کی رسیاں کھول رہا تھا۔ دوسری طرف سکرین پر تاج تھی۔ بنفشہ نے سکرین اس کی طرف موڑی شاہ ویر نے موبائل جھپٹ کر لے لیا۔

”زید۔۔۔۔تم کہاں ہو تم پلیز گھر آجاؤ یہ لوگ۔“ اس نے کیمرہ دوسری طرف موڑا اور شاہ ویر کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ اس کی ماں، بہن، بھابی کے اوپر چند لوگوں نے بندوقیں تان رکھی تھیں وہ ذرا فاصلے پر کھڑے سہراب کو بھی دیکھ سکتا تھا۔ جس کے چہرے پر رتی برابر بھی مہلت نہیں تھی۔

”انہیں جانے دو سہراب۔“ وہ حلق کے بل غرایا۔ ”گنز ہٹاؤ عورتوں کو بیچ میں کیوں لا رہے ہو؟“

”میں نہیں، تم لائے ہو تو تم ہی ہٹاؤ گے۔“

”زید پلیز گھر آجاؤ ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ نایاب نے روتے ہوئے کہا۔ شاہ ویر تیزی سے باہر کی طرف بھاگا جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اسے جلد از جلد گھر پہنچنا تھا۔

”تم اس حد تک کیسے گر سکتے ہو؟“ گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے وہ سہراب پر گرجا۔ ”گنز ہٹاؤ وہ میری عورتیں ہیں۔“

”میں گرا ہوتا تو یہ ساری عورتیں اس وقت گھر پر نہ ہوتیں لیکن اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر میری بھتیجی مجھے نہ ملی تو یہ سب گھر واقعی نہیں ہوں گی۔“

فلم سٹی میں اسلان یمن خاموش سا تھیٹر روم میں کھڑا تھا جہاں سرخ پردے ساکن تھے، نشستیں خالی، روشنی غائب اور مائیک خاموش۔ وہ قدم قدم چلتا ہوا آیا اور ایک کرسی پر ڈھے گیا۔ دل کی رفتار بے حد سست۔ ٹھنڈی گہری سانسیں خارج کرتے، آنکھیں بند کرلیں اور اگلے ہی لمحے اس کے آس پاس کئی کردار جمع ہو گئے۔ وہ جس سے چاہے بات کر سکتا تھا، مگر اس نے ہمیشہ کی طرح اپنے سب سے پسندیدہ کردار کو چنا وہ جسے وہ کہانی میں مار چکا تھا دل میں اور لفظوں میں ہمیشہ زندہ رکھا تھا، وہ جو دل تھا اس کا۔

اس کی دوسری کتاب کا ولن۔۔۔۔۔۔سارجنٹ کنعان۔

★★★★★★★★★★

وہ لڑکا جو ہر روز اسے بُلی کیا کرتا تھا، اس کے نام رکھتا اور باقی لڑکوں سے اس کے متعلق فحش باتیں کہتا تھا اس کا نام ذاکر تھا جس نے آج اسفند کو باتھروم میں بند کر دیا تھا۔ وہ بہت دیر تک دروازہ بجاتا رہا، منتیں کرتا رہا مگر اس کی نہیں سنی گئی۔ اور پھر اس نے اپسرا کو دیکھا۔ وہ اُس کی اِس تکلیف میں بھی آگئی تھی۔

اسفند کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے وہ محبت سے بولی۔ "مار دو، اسفی۔ جو تمہیں نیچا دکھائے اسے مار دو تم کسی کے غلام نہیں ہو اور آزادی کا محض یہی طریقہ ہے۔"

اسفند نے میکانکی انداز میں سر ہلا دیا تھا۔ باہر نکلنے پر اس نے کھیل کے میدان میں کھڑے زاکر کو دیکھا، اور ایک اینٹ اٹھا کر دھڑا دھڑ اس کے سر پر ماریں، بیچ بچاؤ کی کوشش کروائی گئی، اسے روکا گیا مگر وہ نہیں رکا یہاں تک کہ زاکر مر گیا۔ اور اسفند بے حس سا اس کے سر پر کھڑا رہا۔ پندرہ سال کی عمر میں اس نے اپنی زندگی کا پہلا قتل کیا ۔ پہلی بار اسے لگا وہ کسی سے نیچا نہیں وہ تو بہت اونچا ہے۔ مرد نامی وہ طاقت ور مخلوق جب اس کے سامنے تڑپتی تھی تو اسے سکون ملتا تھا۔ بے حد سکون۔

یہ قتل طاقت کا اظہار تھا مگر وہ پکڑا گیا۔ اس روز اس نے پہلی بار روبینہ کی آنکھوں میں خوف دیکھا۔ اس کا باپ اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھا ہو، آج پہلی بار اسے اپنا بیٹا مرد لگا تھا۔ "تم انسان نہیں ہو۔" اس کے خون آلود ہاتھ دیکھتے اس کی ماں چلائی۔ "تم یہاں اس گھر میں رہنے کے لائق نہیں ہو تمہیں.... تمہیں یہاں سے جانا ہو گا۔" وہ متوحش انداز میں چلائی۔ جبکہ اس کا خاموشی سے دیکھتا رہا۔ "تم کتنے ظالم ہو تمہیں پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیے تھا۔"

ملازم اس سے ڈرنے لگے۔ معاملہ دبادیا گیا مگر اسکول میں دوبارہ کوئی اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔اس کی ماں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی لہٰذا سجاد نے اسے کسی اور جگہ منتقل کر دیا۔اس نے کوئی شکایت بھی نہیں کی وہ خوش تھا۔اب وہ کمزور اسفند نہیں تھا اب اپسرا اس کے ساتھ تھی۔

اس رات بارش بہت زور سے برسی اسفند کو لگا قدرت نے اسے سراہا ہے۔وہ کھڑکی میں کھڑا لڑکا گردن پیچھے کو گرائے زور زور سے ہنس رہا تھا۔وہ کامیاب ہو گیا تھا......اب ساری دنیا اس کے تابع....اب وہ سکندر اور باقی سب غلام مگر اس کی یہ خوشی محض اگلے دن تک رہی۔

اگلے دن اس کے اپنے ہی گارڈز نے اسے زبردستی گاڑی میں بٹھایا تھا،اسے لگا شاید اس کی ماں اسے سزا دینے کے لیے ایسا کر رہی ہے مگر وہ غلط تھا گاڑی کی اگلی نشست پر اس کا باپ سجاد انصاری بیٹھا تھا۔اس کے بال اسی طرح تھے ایک ساتھ سارے پیچھے کو کنگھی کیے ہوئے،بھوری آنکھیں سڑک پر جمی تھیں اور لب سیدھی لکیر میں بند۔

"بابا....ہم کہاں جا رہے ہیں؟" وہ بے یقینی سے اسے پکار بیٹھا۔سجاد سامنے دیکھتے رہے۔"یہ کیا طریقہ ہے؟"

"میں نے کبھی تمھیں تمہاری ماں سے نہیں بچایا کیونکہ ایک مرد کو اپنا دفاع آنا چاہیے تھا۔" اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں مرد نہیں ہوں۔" وہ بھیگی آواز میں حلق کے بل چلایا۔سجاد کی مٹھی بھینچ گئی،چہرہ ویسا ہی رہا۔"میں نے پڑھا ہے بابا میں مرد نہیں ہوں کچھ لوگ اسی طرح پیدا ہوتے ہیں اور پھر وہ خود کو explore کرتے ہیں میں نے خود کو ایکسپلور کیا ہے میں مرد نہیں ہوں۔میں انٹرسیکس ہوں۔" سجاد نے مڑ کر ایک زہر خند نگاہ اس پر ڈالی۔وہ بلوغت کو چھو رہا تھا اس کے جسمانی آثار ایک عورت کے تھے،وہ واقعی ایک مرد نہیں تھا۔"مجھے وہ رہنے دیں جو میں ہوں۔" اس نے زندگی میں پہلی بار اپنے باپ سے منت کی تھی۔

”جو تم نے کچھ دن پہلے کیا وہ ایک مردانہ کام تھا، جرات مند۔ ورنہ جو تم خود کو سمجھتے ہو وہ لوگ سڑک پر جوتے کھاتے ہیں، ذلیل ہوتے ہیں اور کتنوں کے آگے خود کو بیچتے ہیں۔ تم عورت بھی نہیں ہو جو چپ چاپ سب کچھ سہتی چلی جاتی ہے تم ایک مرد ہو، اسفندیار اور آج تمہیں یہ یقین آجائے گا۔“

وہ چیخا، چلایا ہر احتجاج کیا مگر اس کی ایک بھی نہیں سنی گئی۔ اگلے چند دنوں میں اس کی مرضی کے بغیر اس کا آپریشن کروایا گیا جس کے بعد وہ جسمانی طور پر ایک مرد بن چکا تھا۔ ہسپتال کے بستر پر لیٹے ہوئے اس کی آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔ آنسو خشک ہو چکے تھے۔ وہ ہار گیا تھا۔

اس کی ماں کی دی گئی ہر حقارت ہر اذیت اس درد پر بھاری تھی۔ اسکول، معاشرے اور رشتے داروں کی یاد آتی تضحیک بھری نگاہیں اس تکلیف سے بڑھ کر نہیں تھیں۔ اس کی مرضی کے خلاف اس کا جسمانی استحصال کرنے والوں میں اس کی ماں، باپ اور اس کا بھائی ابراہیم شامل تھا۔ اس روز اسفند یار انصاری مر گیا تھا جو جیا وہ "جسم" اور "عزم" تھا۔ اس دن کے بعد اس کا واحد تعلق "اپسرا" بن گئی۔

کرسی پر بیٹھا عالمگیر سن ہو گیا تھا۔ جو اس نے سنا تھا وہ کسی طور قابل یقین نہیں تھا۔ اسفند کی نگاہیں دور اب بھی ماضی میں تھیں۔ سہراب اس کی آنکھوں میں درد کی ہر جھلک دیکھ سکتا تھا۔ چند لمحے وہاں خاموشی رہی۔ اسلان ترحم سے اسے تکتا رہا وہ سارے یمن خاندان کا مجرم تھا مگر اسلان اسے کسی اور تعلق سے بھی جانتا تھا۔

”کوئی جانور بھی اپنے بچے کے ساتھ ایسا نہیں کرتا جو انسانوں نے میرے ساتھ کیا۔“ اس کے لہجے میں گہرا کرب پنہاں تھا۔ پہلی بار سہراب نے اس کی آنکھوں میں پانی چمکتے دیکھا۔ ”اس کے بعد سے میں نے حاملہ عورتوں کی عزت کرنا شروع کر دی تھی کیونکہ وہ نو ماہ ایک بچے کو اپنے پاس رکھتی ہے اور اسے کوئی تکلیف نہیں دیتی۔ میں چاہتا تھا کم از کم ایک انسان نو ماہ تک تو اچھی زندگی گزارے۔ میں نے تمہاری بیوی کو بھی اسی لیے بخشا تھا لیکن وہ

باز نہ آ سکی۔" دو آنسو ٹوٹ کر اس کے عارضوں پر بہہ گئے۔ "اس کی ضد نے میرے تمام اصولوں پر پانی پھیر دیا۔"

★★★★★★★★★★★

"حال! فلم سٹی"

"اسے ایسے کیسے جانے دے سکتے ہو، میں یہ نہیں پوچھوں گا مجھے اپنا منصوبہ بتاؤ۔" وہ مختلف تھا اس لیے اسلان کو عزیز تھا۔

"وہ مجھے نہیں بتائے گا اسے یقین ہے میں اسے ماروں گا نہیں اور موت کے علاوہ اسے کوئی خوف نہیں۔" اس کی آنکھیں ہنوز بند تھیں اور لب بڑبڑا رہے تھے۔ "اس کی گاڑی میں میرا موبائل ہے لوکیشن آن ہے اگر آراہ زندہ ہے تو وہ سب سے پہلے اسی کے پاس جائے گا میں چانس لے رہا ہوں میں یہی کر سکتا ہوں۔"

"وہ اپنی ماں اور بہن کے پاس آشیانہ بنگش جائے گا۔" کنعان نے کہا۔

"اسے اپنی ماں اور بہن اپنے فن سے زیادہ عزیز نہیں۔ اس وقت وہ اپنی زندگی کا پرائم ٹائم جی رہا ہے جس کا مرکزی کردار وہ خود ہے اور شاہ ویر اپنی لائم لائٹ میں شراکت پسند نہیں کرتا۔"

"کیا تم اسی طرح بیٹھے رہو گے؟"

"میں بیٹھا نہیں ہوں سوچ رہا ہوں، کنعان مجھے سوچنے دو۔" اس نے آنکھیں کھولیں اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا جہاں فلم سٹی کا احاطہ تھا۔ چند منٹ قبل یہیں پر شاہ ویر کی گاڑی کھڑی تھی۔ شاید آج ٹیم جلدی میں نکل گئی تھی کیونکہ اس جگہ کئی چھوٹے چھوٹے کاغذ، چاکلیٹ کے سنہری کوور پڑے تھے۔ اور وہ پیپر رنگ بھی۔ مگر وہ پیپر رنگ تازہ خون میں کیسے ڈوبی تھی؟

"کیا سوچ رہے ہو؟" وہ زیادہ دیر خاموش نہیں بیٹھ سکا۔

"اگر آراہ واقعی اس کے پاس ہے تو وہ نہیں بتائے گا اور اگر وہ نہیں بتائے گا تو مجھے بوجھنا پڑے گا۔" اس نے خون آلود پیپر رنگ کو دیکھا، اور گہری سانس لی۔ "اس کے جرائم کا پیٹرن کیا ہے؟" وہ خود سے بڑبڑا رہا تھا۔

"rage,agony,fire" کنعان نے تین لفظ گنوائے۔ "وہ لوگوں کو شوقیہ نہیں مارتا اور نہ ہی اسے یہ کام بے حد پسند ہے بلکہ وہ مصلحت تلاش کرتا ہے۔ قتل اس کا آپشن نہیں مجبوری ہوتی ہے مجھے لگتا ہے وہ لوگوں کو مارنے کا فین نہیں ہے لیکن یہ اس کی حد ضرور ہے کسی بھی انسان کو خاموش کروانے کا اس کے پاس ی آخری طریقہ ہے۔" وہ بول رہا تھا اور اسلان چپ چاپ سامنے دیکھتے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔

"سلطان کا قتل.................. سڑک، غصہ، حادثہ۔ پنار کا قتل.................. طیش، بچاؤ، حد۔ جوہر فور زیرو.................. آگ، حد، غصہ، بچاؤ.......... مماثلت کیا ہو سکتی ہے تم۔" وہ مڑ کر کنعان سے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ نگاہ کھڑکی تک گئی۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا تھا اور کئی کاغذ اڑ کر احاطے سے اندر آ گئے، وہیں جہاں کچھ دیر قبل سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔

اسلان کے جسم سے کسی نے روح کھینچ لی۔ "سیاہ بی ایم ڈبلیو۔" اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔ یہ پیپر رنگ گاڑی سے گری تھی جو ہوا سے اڑ کر اندر آ گئی اور.......وہ اس کی گاڑی میں تھی۔ گاڑی کی ڈگی میں تھی۔ اوہ خدایا !اوہ خدایا۔ وہ اس کے اتنے پاس تھی اور اسلان سمجھ ہی نہیں سکا؟

ڈگی کے اندر بند لڑکی کسی ابہام اور بھرم کا شکار نہیں تھی وہ اسلان اور شاہ ویر کی آواز سن سکتی تھی کیونکہ وہ دونوں اس کے بے حد قریب تھے۔

اگلے ہی لمحے اس نے خود کو باہر کی جانب بھاگتے دیکھا ہر منظر تیز رفتار ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں وہ بنفشہ سے اس کا موبائل مانگ رہا تھا، پھر لوکیشن، وہ یہاں سے کافی دور نکل گیا تھا۔ اسے جانا تھا وہیں جانا تھا پیپر رنگ خون میں لپٹی تھی یعنی اس نے آراہ کو تکلیف دی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے سہراب کو کال ملائی۔ ٹک ٹک کرتا بم تیز ہونے لگا تھا وہ آواز کانوں اور دل کو چیرتے ہوئے سن سکتا تھا۔

"آراہ مل گئی ہے۔ وہ شاہ ویر کی گاڑی میں ہے۔" کہتے ہوئے وہ چابی لگا رہا تھا مگر چابی لگ نہیں رہی تھی۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے وہ گھبرایا ہوا تھا۔ سانحہ گزر جاتا ہے مگر ذہن میں نقش چھوڑ جاتا ہے۔ گاڑی کے شیشے سے اندر جھانک کر کچھ کہتی بنفشہ نے اس لرزاہٹ کو دیکھی۔

فوراً دروازہ کھولا، چابی لی، پلٹ کر دیکھا اور محض یک لفظی حکم دیا۔ "موو!"

"میں خود کر...... سکتا ہوں۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولا تھا۔ "میں کر.... سکتا..... ہوں۔"

"میں نے کہا موو۔۔۔۔" اب کے اونچے لہجہ میں حکم تھا۔ رعب تھا کہ کیا وہ دوسری نشست پر چلا گیا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے اس نے کہنیاں سہلائیں۔ یک دم جیسے سردی بڑھ گئی، تنفس تیز ہوا، سامنے کے مناظر دھندلے ہونے لگے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ یہ سب غلط وقت پر ہو رہا تھا؟

بنفشہ احسان نے پہلے اپنی اور پھر اس کی سیٹ بیلٹ لگائی۔ یافث گاڑی میں پیچھے آکر بیٹھا تھا۔ اور بنفشہ سے سوال کیا۔ "چلانی آتی ہے؟"

اس نے مڑے بغیر گاڑی چالو کی، سڑک پر آتے گاڑی کو فل سپیڈ میں ڈالتے اس نے ایک ہی جواب دیا تھا۔ "اڑانی آتی ہے۔" اگلے لمحے گاڑی حقیقتاً ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں وہ دو سال تھے جب وہ لاہور کے کسی نجی ڈرائیونگ سینٹر میں انسٹرکٹر کی نوکری کرتی رہی تھی۔

ادارے کی ماہر ڈرائیور، پہلے اس نے خود ڈرائیونگ سیکھی اور اس کے بعد اس سے سیکھنے والے لاتعداد تھے۔

لمحے ٹوٹ ٹوٹ کر سکرین پر جڑتے جارہے تھے۔ سکرین تین حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک طرف شاہ ویر بنگش سہراب اور عالم کو اپنا گھر چھوڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا یقیناً انہیں آراہ کی اطلاع ملی ہو گی مگر کیسے؟

اسلان لوکیشن کا سبز نقطہ دیکھ رہا تھا اور بنفشہ احسان گاڑی کو ٹھیلوں، بائیکس، گاڑیوں کے درمیان سے اس طرح نکال رہی تھی جیسے یہ اس کا ہر روز کا کام ہو انداز میں ایسی مہارت تھی کہ کوئی دیکھے تو پلک تک نہ جھپک سکے۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی تھیں، ہاتھوں کی مضبوط گرفت اسٹیئرنگ وہیل پر۔ اسلان یمن نے اسے دیکھا۔ وہ حوصلہ تھی۔ ...... اسے دیکھ کر اس حالت میں بھی اسے اندازہ ہوا وہ اسلان کے گرنے پر اسے تھام کر کھڑا کر سکتی تھی۔

"لیفٹ یا رائٹ۔" آگے آتی سڑک کو دو اطراف میں مڑتے دیکھ اس نے اسلان سے پوچھا نگاہیں چوکنا تھیں۔ اسلان خاموش تھا اس کے لبوں سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ "اسلان لیفٹ یا رائٹ؟" اب کے اس نے قدرے بلند آواز میں پوچھا جب اسلان نے موبائل دیکھتے دھیرے سے سراسیمگی سے کہا۔

"اس نے لوکیشن آف کر دی ہے۔ ہم حدف کھو چکے ہیں۔" یکلخت جذبات پر اوس پڑنا کیا ہوتی ہے وہ تینوں سمجھ گئے۔ اس نے گاڑی نہیں روکی، چلاتی رہی۔

"جو لوکیشن اسلان نے بھیجی تھی وہ اب نہیں آرہی۔" عالم سہراب کو بتا رہا تھا۔ جس کا سارا دھیان سڑک پر تھا۔ رات کا اندھیرا تھا اور اگلی بتیاں جل رہی تھیں۔ "اس نے موبائل آف کر دیا ہے۔ اب کیا ہو گا؟"

سہراب نے ایک سخت نظر اس پر ڈالی۔ "اس کی آخری لوکیشن کیا تھی؟"

"علمدار روڈ کے نزدیک۔"

”وہ چاہے جتنا بڑا کرمنل ہے لاہوریوں کو نہیں جانتا۔“ سہراب کو گاڑی پر کمال گرفت تھی۔ تیز رفتار گاڑی کا موڑ یوں کاٹا کہ خود کو ہر قسم کے حادثے سے بچایا جائے۔ ”یافث تم مجھ سن رہے ہو؟“ اس نے موبائل پر پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ہاں سہراب کہو، میں سن رہا ہوں۔“ وہ سنبھل کر بولا۔

”علمدار روڈ سے دو راستے نکلتے ہیں۔ منصور خان روڈ پر میں ہوں دوسرے روڈ پر تم لوگ گاڑی موڑو۔ بھولو مت لاہور کا چپہ چپہ ہمارا واقف ہے۔“ اسلان خاموش تھا اس کے ذہن میں کئی منظر تھے۔ شاہ ویر کے ہاتھ پنار کی گردن پر تھے۔ وہ اپنے باپ کو کچھ پلا رہا تھا، وہ ایڈن برگ میں تھے اور شاہ ویر راج سے کہہ رہا تھا۔ Let him die.

یافث نے آگے کو ہو کر اسلان کے کندھے کو تھپکا۔ ”خدا تمہارے ساتھ ہے، ماضی کو حاوی مت ہونے دینا۔“

”اسلان۔“ گاڑی میں سہراب کی آواز گونجی۔ ”تم میرے بیٹے ہو میں نے اپنے بیٹے کو کھیلنا سکھایا تھا ہار جیت کا غم نہیں۔“ وہ رکا اور تحکم سے کہا۔ ”لڑو۔“ اس نے سر ہلا دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کپکپاتے بدن کو ریلیکس کرتے اس نے ایک لمبی سانس لی پھر جب سڑک کی طرف دیکھا تو دھندلاتی بصارت ٹھیک، سہمی نگاہوں میں دلیری اور چہرے پر سپاٹ سختی۔ ایک جھٹکے سے اپنے بازو کا پلستر نوچ کر پھینکتے اس نے کس بل نکالے، درد کی ٹیس جو اٹھی تھیں وہ دل پر پڑے پتھر کے بوجھ سے زیادہ نہیں تھیں۔

اگلے چند لمحے کسی فلم کی طرح تھے۔ اندھیر روڈ پر سٹریٹ پول جل رہے تھے۔ ان کی روشنیوں میں اسلان یمن کو شاہ ویر کی گاڑی نظر آ گئی۔ بنفشہ نے رفتار تیز رکھی دوسری طرف شاہ ویر انہیں اپنے پیچھے آتے دیکھ چکا تھا اس نے اسٹیئرنگ ویل پر طیش سے مکا مارتے ہوئے گاڑی کی رفتار بڑھائی۔ ”سہراب طوغی روڈ، اکبر ڈھابے کے آگے ٹیک اوور کروا بھی۔“ یافث فون پر چلایا۔

”اسے پیچھے سے ہٹ کریں ابھی۔“ بنفشہ نے کہا۔

”وہ بھی یہی چاہتا ہے مگر اندر آراہ ہے میں یہ نہیں کر سکتا۔“ سہراب بولا۔ اسلان نے پستول نکال لی، وہ گاڑی کے شیشے سے گردن نکالے گاڑی سے آدھا باہر تھا۔ خالی سڑک پر اس وقت محض تین گاڑیاں آگے پیچھے تھیں۔

”گاڑی روکو ویر ورنہ میں شوٹ کر دوں گا۔“

”اسلان رفتار تیز ہے اس کے ٹائر شوٹ مت کرنا گاڑی بہت بُری طرح مس بیلنس ہو سکتی ہے۔“ بنفشہ نے بلند آواز میں اسے تنبیہہ کی۔ اس کا ہاتھ واقعی رک گیا۔ وہ خیال میں بھی اپنی بہن کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا البتہ دوسری طرف شاہ ویر نے ڈیش بورڈ کھولتے ہوئے ایک پستول برامد کی۔ گاڑی کی رفتار بتدریج سست کرتے ہوئے وہ انہیں ڈاج دینا چاہ رہا تھا کہ وہ گاڑی روک رہا ہے۔ دوسری طرف بنفشہ نے اس کی تقلید میں گاڑی کی رفتار کم کی مگر اس کا ذہن نہیں بٹا اس کی نگاہیں شاہ ویر کے ایک ایک عمل پر جمی تھیں۔ وہ اسے جیتنے نہیں دے سکتی تھی۔

”طوغی روڈ وقار اسکیم کے عین سامنے۔“ یافث سہراب کو بتا رہا تھا۔ ”ٹیک اوور کرو فاصلے سے۔“

”وہ فائر کرے گا!“ اسلان نے بنفشہ کو خبردار کیا۔ ”وہ یہی کرتا ہے ریس ہارتے ہوئے وہ سامنے والے کو گرانے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا ہے وہ ابھی فائر کرے گا۔“ اس کے لہجے کا وثوق کہتا تھا وہ سامنے والے کی رگ رگ سے واقف ہے۔ سست رفتار گاڑی سے گردن نکالتے ہوئے اس نے پستول باہر کی اور اگلے ہی لمحے اسلان یمن کی بات درست ہوئی۔ اس نے فائر کھول دیا تھا مگر مقابل ایک ماہر ڈرائیور تھی۔ اس نے گاڑی اس انداز میں گھمائی کہ فائر بونٹ سے لگ کر چوک گیا۔

اسلان نے کھڑکی سے نکل کر اس کے بیک ویو مرر پر فائر کیا۔ گاڑی کے اندر بیٹھے شخص کے ماتھے پر اب پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں۔ کتھئی آنکھیں متوقع شکست سے غیض زدہ معلوم ہوئیں۔ اس نے رفتار بڑھائی نہیں البتہ گاڑی گھمائی، دائرے میں۔.... ایک بار، دوبار، تین بار اور چوتھی بار گھماتے ہوئے اس نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر بازو لمبا کر کے فائر کھولا۔ اگر اسلان بروقت بنفشہ کو لے کر نیچے نہ جھکا ہوتا تو اس وقت گولی اس کے دماغ کے آر پار ہوتی۔ گاڑی کا شیشہ چھن کر کے ٹوٹا۔ کانچ کے کئی ٹکرے ان کے سر اور گردن پر آ کر گرے۔ بنفشہ نے بریک نہیں لگائی گاڑی توازن کھو سکتی تھی۔

"اس کا دھیان اسی طرف رکھو میں ٹیک اوور کروں گا۔" سہراب نے موبائل پر کہا۔ "تم سب ٹھیک تو ہو؟"

"عورتوں کے سہارے کتنی جنگیں لڑو گے، ناساہیڈ؟" وہ بلند آواز میں بولا تھا۔ اور ایک اور فائر کیا جو کہ شیشے سے اوپر والی جگہ پر آ کر لگا۔ بنفشہ جھکی ہوئی تھی۔ اسٹیئرنگ پر ایک ہاتھ اس کا تھا اور دوسرا اسلان کا رفتار آہستہ کرتے ہوئے اس نے گاڑی کی بریک لگائی۔

وہ دونوں نیچے جھکے ہوئے گہری سانسیں لے رہے تھے بنفشہ نے طیش سے سر اٹھانا چاہا مگر اسلان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھے اسے یونہی جھکائے رکھا وہ اس کا ایک ہاتھ پکڑے ہوئے تھا دونوں کے ہاتھوں میں کس کے ہاتھ کی لرزش زیادہ تھی فیصلہ ناممکن تھا۔

"پچھلی سیٹ پر جاؤ ابھی۔" اس نے سختی سے کہا اور اس کے کندھے میں کھبا شیشہ نکالا۔ وہ لب بھینچے ضبط کر گئی۔

"اسلان صحیح کہہ رہا ہے بنفشہ۔" سیٹ پر ترچھا ہوا یافث بولا۔ پولیس کی گاڑی کا سائرن آس پاس بجنے لگا تھا شاید کسی نے اس تصادم کی اطلاع دے دی تھی۔

"مجھے سیدھا ہونے دو میں اسے ہٹ کر سکتی ہوں۔۔"

”پچھلی سیٹ پر جاؤ، بنفشہ۔“

”اسلان میں یہ کر سکتی ہوں مجھے کمزور مت سمجھو۔“

”میں شاہ ویر کی سائیکی سمجھتا ہوں وہ تمہیں میری کمزوری سمجھتا ہے پیچھے جاؤ۔“ وہ اب سنبھل چکا تھا، لہجے کا اعتدال واپس آ گیا تھا۔

”میں نہیں جاؤں گی میں اس سے لڑ سکتی ہوں۔“

”بنفشہ پلیز۔۔۔۔۔“ اس کی سرگوشی نما آواز میں کی جانی والی منت کے آگے وہ ہتھیار گرا دیتی تھی۔ یونہی جھکے ہوئے سر کے ساتھ پچھلی سیٹ پر گئی اور اسلان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ گاڑی سٹارٹ کرتے شاہ ویر کی آگے جا چکی گاڑی کا تعاقب کیا۔ رفتار بڑھائی اور اب دونوں گاڑیوں میں کچھ ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر دوسرے میں پستول اٹھائے اسلان نے شیشے سے بازو نکالتے فائر کیا۔ شاہ ویر کی گاڑی کا پچھلا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اسلان کی آنکھوں میں اترے ٹھہراؤ اور جبڑوں کی سختی کے آگے اس کا حلق خشک ہوا۔

تیزی سے گیئر بدلتے شاہ ویر کے بازو میں درد کا ابال اٹھا۔ جاڑے اور خون بہنے کے باعث اس وہ بازو اب ہار مان رہا تھا، مگر شاہ طلال بنگش نہیں۔ یہاں اس نے گاڑی کی لین بدلنی چاہی وہیں اسلان نے اپنی گاڑی موڑی اور سامنے سے آ کر اسے ٹیک اوور کیا۔ اپنی سواری ذرا سی ریورس کی اور ایک زوردار تصادم کے ساتھ اس کی گاڑی میں دے ماری۔ دونوں گاڑیوں کے شیشے بیک وقت ٹوٹے بونٹ تباہ ہو کر کھل گئے۔

سیاہی اور مصنوعی روشنیوں میں پولیس کی گاڑی کا سائرن قریب آتا گیا۔ آس پاس دکانوں کے مالکین نکل کر آ گئے۔ جبکہ گاڑی میں موجود دونوں کی نگاہیں اب ایک دوسرے پر جمی تھیں۔ شاہ ویر کی مہنگی گاڑی اور اسلان کی

سادہ سی سواری۔ دونوں کے بازو اپنی جگہ زخمی تھے۔ کھڑکیوں کے ٹوٹے شیشے دونوں کے کندھوں اور بالوں میں تھے۔ مگر آج باطل شکست کھا رہا تھا، آج جو حق پر تھا وہ خدا کے سہارے آیا تھا۔

”گاڑی پیچھے لو۔“ شاہ ویر نے جاتی سانسوں کے بیچ کہا۔ اس کی توانائی تمام ہو رہی تھی۔ اسلان نے گاڑی واقعی پیچھے لی۔ مزید پیچھے اور پھر یکدم ریس دی دونوں گاڑیوں کا خطرناک ٹکراؤ ہوا دونوں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور اسی پل دائیں طرف سے ایک گاڑی آئی جس نے شاہ ویر کی گاڑی کو زوردار ٹکر ماری۔

وہ سہراب یمن کی گاڑی تھی۔ اس کے آگے اسلان تھا، دائیں طرف سہراب اور بائیں طرف کے اندھیرے میں سے نکل کر آتے عالم آ کر کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھی اور انگلی ٹرگر پر جمی تھی۔ شاہ ویر بنگش جکڑا جا چکا تھا وہ صرف پیچھے ہو سکتا تھا، کیا وہ ہو گا؟

”وہ گاڑی پیچھے لے گا۔“ اسلان نے کہا۔ ”فائر بھی کر سکتا ہے سر نیچے کرو۔“ وہ گاڑی میں بیٹھے دونوں لوگوں سے بولا۔

”اسلان وہ نہیں۔“ یافث کے اگلے الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے جب شاہ ویر نے گاڑی ریورس پر ڈالی، پستول اسلان پر سیدھی کی مگر اسلان تیار تھا اس نے اپنی پستول برق رفتاری سے اس پر تانی اور اس کے بازو کا نشانہ لیا، اور فائر کیا گولی اس کے سلامت بازو میں جا کر لگی۔ خون کے فوارے سمیت اس کی چیخ بلند ہوئی۔ درد ایسا شدید تھا کہ گاڑی پر اس کی گرفت نہ رہ سکی۔ بے دھیانی میں اس کا پاؤں بریک پر لگا اور سر پوری شدت سے سٹیرنگ ویل سے ٹکرایا۔ کہاں کہاں سے وہ زخمی نہیں رہا؟

اسلان تیزی سے باہر نکلا۔ شاہ ویر کی گاڑی کا دروازہ کھولا، اسے گریبان سے پکڑ کر باہر سڑک پر پھینکا۔ اسے یقین تھا وہ موت کے آگے بے بس ہے، وہ لڑ سکتا ہے مگر تب نہیں جب سامنے موت ہو۔ اسے سامنے دیکھ شاہ ویر بنگش

مصلحت چنتا ہے ہر قائد یہی کرتا ہے۔ سڑک پر پڑے ادھ موئے وجود پر عالم نے طیش سے کوئی وار کرنا چاہا جب سہراب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکا۔

”گرے ہوئے پر وار کرنا مردانگی کے خلاف ہے، عالم۔“

★★★★★★★★

سڑک پر کئی روشنیاں تھیں پولیس کی دو گاڑیوں سے لوگ اتر رہے تھے، یمن خاندان کی گاڑیوں کی ٹوٹی ہیڈ لائٹس سے ہلکی روشنی ابھر رہی تھی۔ یہ رات کا پہلا پہر تھا اکا دکا لوگ تماش بین تھے۔

اسلان نے کپکپاتے ہاتھوں سے ڈگی کا دروازہ کھولا اور اس کے سارے بدن پر کسی نے زہریلے کیڑے چھوڑ دیے جو اسے جگہ جگہ سے کاٹتے دل چیر کر اسے ختم کر گئے۔ اس کے ہاتھ رسیوں میں بند تھے۔ گھٹنے پیٹ کے ساتھ جڑے ہوئے اور رسی کمر تک جاتے ہوئے بند۔ وہ بے حد تکلیف دہ حالت میں گٹھری کی طرح سکڑی سمٹی باندھی گئی تھی۔

”آراہ؟“ اسلان نے کپکپاتے ہوئے اسے پکارا مگر کوئی جواب نہیں آیا، کوئی جنبش نہ ہوئی۔ اس کی پلکیں بند تھیں، ہونٹ پیڑھی زدہ۔ اور جسم کا سارا خون بہہ کر ڈکی کے ساتھ چپک رہا تھا۔ یہ اس کی آراہ نہیں تھی اس کی بہن ہو ہی نہیں سکتی تھی اس کی آنکھیں ایسی نہیں تھی، اس کی رنگت یہ نہیں تھی، اس کی مسکراہٹ یوں مدفن نہیں تھی وہ یوں اس طرح خون نہیں بہاتی تھی۔

”آراہ۔۔۔۔؟“ اسلان نے جھکتے اس کی گال تھپتپائی۔ اس کا ہاتھ خون آلود واپس آیا، لرزش بھری اور آنکھیں پھیلیں۔ اس نے اپنے کندھے پر دھکا لگتے محسوس کیا وہ عالم تھا۔ اسلان کے آس پاس کی ساری آوازیں غائب ہوئیں۔ جو اس وقت بازو کی پرواہ کیے بنا لڑا تھا اس کے جوڑ جوڑ کی توانائی ختم ہو گئی۔

کوئی لمبے بھورے بالوں والی عورت تھی جو اس کی بہن کی نبض دیکھ رہی تھی۔ایک مرد بھی تھا جو اس کے ہاتھ کھول رہا تھا۔ اسلان کے کانوں میں ایک آواز پڑی۔

" .she's alive" اسلان کا دل دھڑک کر رکا۔ وہ بچالی گئی تھی اسلان یمن کی زندگی میں ایک اور پچھتاوا نہیں لکھا گیا تھا۔

اس کے حواس یکدم بحال ہوئے۔ وہ سب کو ہٹاتے آگے آیا جھک کر آراہ کو بازوؤں میں بھرا پٹھوں میں کھنچاؤ اترا اور زخمی بازو ٹوٹتا محسوس ہوا۔ ایک قدم ہی مڑا جب اس کی ہوڈی کے بازو میں خون کا داغ بنا۔ اس کے زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔ عالم نے آگے بڑھ کر آراہ کو اس سے لے لیا۔ پولیس اور ایمبولنس کی سرخ نیلی روشنیوں میں وہ لمبا مرد لب چباتا رہا۔ یہ وہی ظلم تھا جو آج سے پانچ سال قبل اسلان یمن کے ساتھ ہوا تھا اب پانچ سال بعد وہی ظلم اس کی بہن کے ساتھ ہوا۔ یہ ہونا تھا..... اس نے ظلم کے خلاف خاموشی سادھ لی تھی وہ مایوس ہوا تھا، وہ شریک ظلم ہوا تھا۔

عالمگیر نے آراہ کو ان کی گاڑی کی پچھلی نشست پر لٹایا اور پولیس کی طرف گیا۔ بنفشہ وہیں تھی وہ اس کا سر اپنی گود میں رکھ رہی تھی۔ اس کے گال تھپتھپا رہی تھی سہراب اس کے ساتھ والی نشست پر تھا اسلان نے اسٹیئرنگ وہیل پر اپنے ہاتھ جمائے اور گاڑی ہسپتال کی جانب موڑی۔

اس نے بیک مرر سے دیکھا۔ پولیس آدھ موئے شاہ ویر کو سڑک سے اٹھا رہی تھی یافث اور عالم ان سے بات کر رہے تھے۔ اسلان یمن نے خاموشی سے نظر پھیر لی۔ وہ مر جاتی یا بچ جاتی یہ اسے علم نہیں تھا وہ صرف ایک بات جانتا تھا....... اب شاہ ویر بنگش کی موت شجاع یمن کے بیٹے کے ہاتھوں آنی تھی۔

★★★★★★★★★★★★

رات کے کتنے بجے کا وقت تھا اسے کوئی خبر نہیں تھی۔ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جس کا ہاتھ تھامے وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی قبروں کے درمیان راستہ بنا رہی تھی۔ مدیحہ رضا کی ساری زندگی ضبر تقسیم ہو کر رہ گئی تھی اور المیہ یہ تھا کہ وہ گنت کے اس مضمون سے غیر آشنا تھی۔ وہ قدم رکھ کہیں رہی تھی اور پڑ کہیں رہا تھا۔ تصور کے پردوں پر اس شخص کا چہرہ تھا جسے قسمت نے دیا اور لوگوں نے چھین لیا تھا۔

"رویا نہ کرو یار، بری لگتی ہو۔" وہ اس کے کان کے پاس جھک کر کہہ رہا تھا۔

"ساتھ آؤ گی؟" وہ پوچھ رہا تھا، شاید بتا رہا تھا کہ اس کے بنا کوئی سفر نہیں۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری مام مجھ سے الرجک ہیں۔"

"تم مام کی فکر نہ کرو ان کا بیٹا تم سے الرجک نہیں ہو سکتا۔"

"میڈی! ہو سکتا ہے انہوں نے جھوٹ کہا ہو۔" اس کی ماں ہلکی آواز میں اسے سمجھا رہی تھی مگر اس کی سماعتوں پر الہام کا پردہ چڑھ چکا تھا۔ یکدم سمجھ آنے لگا تھا ان آنکھوں کی وہ نرمی کہاں کھو گئی تھی، کیوں وہ لمس بس گوشت کا گوشت سے ٹکراؤ تھا روحوں کا ملن نہیں، کیوں اسے شاہ زید پاس محسوس ہوتا تھا مگر قریب نہیں...... کیونکہ وہ اس کا زید نہیں تھا۔

وہ بہت دیر تک چپ چاپ اس کی قبر کے گرد بیٹھی رہی۔ "شاہ ویر کے انتقام، اس کی بقا، اس کی زندگی، اس کے مسئلے ان سب میں ہمارا کیا قصور تھا، زید؟" بولی نہیں بس سوچ میں مخاطب ہوئی۔ اس کی ماں دور کھڑی ہوئی۔

کئی ساعتیں خاموشی رہی پھر یکدم اس کی آنکھوں میں وحشت اتر آئی، جمود ٹوٹا اور اس کی جگہ رنج نے لے لی۔ اگلے ہی لمحے وہ چھوٹے بالوں والی لڑکی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس کی ماں چہرے پر ہاتھ رکھے اسے

دیکھی گئی، اور وہ جیسے ہر ضبط سے آزاد ہو گئی۔ وہ چیخ رہی تھی، بلند آواز میں روتے روتے چیخ دیتی۔ اپنے حلق پر ہاتھ رکھتے درد سے بلبلا رہی تھی۔ اس جتنا نقصان تو کسی کا نہیں ہوا تھا۔

اس کی ماں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا مگر وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اس پر ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ شاہ زید طلال اس کی آدھی زندگی، اس کا بہترین دوست اور سامع تھا۔ اس کے رشتے دار نہیں تھے کیونکہ زید تھا، اس نے کبھی دوست نہیں بنائے کیونکہ زید تھا، اس نے کبھی کسی سے مسئلے، خوشیاں اور تکلیف نہیں بانٹی کیونکہ زید تھا اور اب جب وہ نہیں تھا تو اسے لگا ساری دنیا یکدم خالی ہو گئی ہو۔ مدیحہ رضا کے لیے کوئی رہا ہی نہیں۔

"یہ اللہ کی مرضی تھی۔"

"خاموشی اور راز تو اس کی اپنی مرضی تھے نامی۔ تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا تم جھوٹے تھے، تمہاری آنکھیں بھی جھوٹی اور تمہارے لفظ بھی تم نے مجھ سے زیادہ محبت اپنے بھائی سے کی تھی۔"

"ایسے نہیں کہتے میڈی!"

"کیوں نہیں کہتے ممی اس کو سوچنا چاہیے تھا میرا کیا ہو گا۔ میں نے تو زید کے علاوہ دنیا ہی نہیں دیکھی۔ اس نے جو کہا، جیسے کہا میں تو کرتی چلی گئی پھر اس نے میرا کیوں نہیں سوچا؟" اس کی بھیگی پلکیں ان پر ٹھہرے آنسو وہ ہوتا تو صاف کرتا، پوروں سے چُن لیتا مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی ممی میں سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤں گی کیا ہوا تھا، کیسے ہوا تھا، کیوں ہوا اور اس قدر بڑھ کیسے گیا؟ میں زید کے بنا کیا کروں گی میرا کیا ہو گا؟"

(وہ ہوتا تو بتاتا شروعات کہاں سے ہوئی تھی؟)

اس روز جب وہ شاہ ویر کے ساتھ لعل یمن گیا تو یہ دوسری بار تھا وہ پہلی مرتبہ اپنے پھولوں کے ساتھ لوٹایا جا چکا تھا اور آج دوسری مرتبہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ آیا تھا اس کی جان بچانے کے سامان کرنے جب اس نے پہلی بار اسلان یمن کو دروازہ کھولتے ہوئے دیکھا۔

"ہیلو ارسل مجھے دراصل سہراب سے ملنا تھا۔" زید نے چونک کر شاہ ویر کو دیکھا۔ وہ اسے ارسل کیوں پکار رہا تھا، اس کی آنکھوں میں وہ عجیب سی پرت کیوں تھی وہی جو وہ طلال کے سامنے جھوٹ گڑھتے وقت چڑھالیا کرتا تھا۔ اس نے اسلان کی اڑی ہوئی رنگت بھی دیکھی تھی یہ کوئی مداحی لمحہ نہیں تھا وہ اس تاثر کو پہچانتا تھا اس میں خوف تھا، بے انتہا خوف۔ ایک اگر لکھاری اور اداکار تھا تو طلال بنگش کا دوسرا بیٹا جاسوس تھا اور اس نے اس پل ان دونوں کے درمیان ایک گہرا تعلق محسوس کر لیا تھا۔ فی الحال وہ ہر شے کو جھٹکتا اپنا وہم گردانتا آگے بڑھا مگر اسے اسلان یمن کا چہرہ کچھ کچھ یاد تھا۔ بلکہ اسے پوری طرح یاد تھا شاہ ویر کی ہونے والی بیوی کا بھائی تھا کیا وہ اس کا نام بھی یاد نہیں رکھ سکا؟

سہراب سے ملاقات کے بعد راہداری میں اس نے اسلان کی آنکھوں میں وہ تاثر ایک مرتبہ پھر دیکھا۔ اس خوف کی مقدار بڑھ چکی تھی مگر وہ اب بھی وہیں تھا۔ شاہ ویر کی نگاہوں کا محظوظ سا تاثر وہ بھی وہیں تھا۔ وہ اپنے بھائی کی آنکھیں پڑھ سکتا تھا، اتنا تو اسے بھی آتا تھا۔

"تم اسے پہلے سے جانتے ہو؟" تھوڑی دیر بعد گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے شاہ ویر سے پوچھا تھا۔

"کسے؟"

"اسلان یمن کو۔"

"میں کیسے جانوں گا؟" وہ الٹا حیران ہی ہوا۔

"کیوں وہ تمہارا کلاس فیلو نہیں تھا؟" اس نے ہوا میں تیر نہیں پھینکا تھا چاہے چار برس گزر چکے تھے مگر وہ اسلان یمن کو پہچان گیا تھا۔ شاہ ویر کی رنگت فق ہوئی۔ وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا۔

"بہت پرانی بات ہے میں بھول بھی گیا تمہیں کیسے یاد ہے؟"

"ہاں کچھ دن پہلے میں فائق سے ملا تھا وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ ہم کلاس میں اکھٹے بیٹھتے تھے اور اب دیکھو پہچانے نہیں جا رہے۔"

"لیکن وہ ہمارا سینئر تھا۔"

"اچھا واقعی؟ مجھے لگا بہت پرانی بات ہے تمہیں کہاں یاد ہو گی۔" اس کے لہجے میں طنز تھا، نگاہیں گہری۔ شاہ ویر نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ "مجھ سے جھوٹ مت بولا کرو ویر۔ تم کوئی بندہ مار کر آؤ یا زندہ دفنا کر جب میں سوال کروں تو سچ بولا کرو ورنہ میں سچ کھود کر نکال سکتا ہوں۔ اس فن میں مہارت ہے مجھے۔"

"اوکے فائن۔۔۔۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر ہار مانی۔ "کلاس فیلو تھا، اتنی کوئی دوستی نہیں تھی ہماری اور وہ آراہ کو پسند نہیں کرتا اس لیے وہ مجھے پسند نہیں آراہ کو رلاتا ہے۔"

"بس یہی؟" کہانی کار کی اس کہانی سے وہ کچھ خاص مطمئن نہیں لگا۔ شاہ ویر جھلا گیا۔

"آ بو یسلی اب میرا دماغ مت چاٹو اور گاڑی چلاؤ۔" شاہ زید خاموش ہو گیا تھا مگر وہ خاموش رہنے والا نہیں تھا۔ اس نے اگلے ہی دن آراہ سے ملنے کا تہیہ کیا۔ کہانی ملے گی نہیں تو وہ کھود لے گا۔

(وہ ہوتا تو یہ بھی بتاتا کہ کہانی کے مصنف نے اسے کیسے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔)

شک کا بیج اس کے دل میں اس تیزی سے جڑ پکڑ گیا کہ شاہ زید بنگش نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے اندر کینہ اور تجسس کے درخت کو کاٹ نہ سکا۔ اس رات اس نے اپنا پرانا موبائل کہیں سے ڈھونڈ کر نکالا، اسے چارج کیا اور چند سال قبل کی اپنی اور شاہ ویر کی چیٹ کھولی، ان دنوں شاہ ویر ایڈن برگ میں تھا۔ واٹس ایپ پر بھیجی گئی تصویروں میں ایک جگہ وہ تھم گیا۔ وہ ایک تصویر تھی... شاہ ویر اور اسلان کی تصویر جس میں شاہ ویر نے اسلان کی گردن کے گرد بازو کسا ہوا تھا اور اس کی پشت شاہ ویر کے سینے سے جڑی تھی۔ وہ دونوں بے تکلف اور قریبی دکھائی دیتے تھے زید اس تصویر میں دیکھ سکتا تھا وہ دونوں ساتھ ہنس رہے تھے۔

”جھوٹ کیوں؟“ تصویر دیکھتے ہوئے وہ ساکت ہوا۔

"روم میٹ" یہ لفظ وہ شاہ ویر کے ایڈن برگ کے قیام کے دوران ہزاروں مرتبہ سن چکا تھا آئن سٹائن، ناسا ہیڈ، گوتم بدھ۔ وہ یہ نام بھی اکثر ویڈیو کال پر سنتا تھا، مگر اسلان بہت کم سنا تھا۔ ”کبھی اپنے روم میٹ کو میرے سامنے بھی لے آیا کرو۔“ ایک دن اس نے شاہ ویر سے کہا تھا اور اس نے ہر دفعہ والا اعتراض پیش کیا۔

”وہ تصویریں نہیں بنواتا اور کیمرہ شائے الگ ہے۔ تم آجاؤ یہاں ملوادوں گا۔“ وہ چاہتا تھا زید اس کے معاملات سے دور رہے مگر ویڈیو کالز کے دوران اس نے کئی بار اسلان کو پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے وہ چہرہ قدرے یاد تھا۔

حال میں اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ بہت دیر تک وہ چپ چاپ اس تصویر کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ دلیپ اندر آیا (شاہ زید نے اسے کسی ہدایت کے لیے بلوایا تھا) وہ کب اندر آیا، کب اس کے سامنے کھڑا ہوا اور کب اس کی نگاہ موبائل والی تصویر پر پڑی زید اندازہ نہیں کر سکا۔ اسے ہوش تب آیا جب اس نے دلیپ کو کہتے سنا۔

”یہ شاہ ویر بابا کا دوست ہیں نا؟“ وہ بڑے اشتیاق سے اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ بڑھی داڑھی والے مرد نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”میں نے دیکھا تھا اس کو۔“ شاہ زید کی تھکن اڑی۔ ”

وہ میری نوکری کا پہلا دن تھا تب میں آپ کا گارڈ نہیں تھا بلکہ ٹی ٹی پروڈکشن کے باہر کھڑا رہتا تھا تب یہ آیا تھا۔" وہ اپنی نوکری کا پہلا دن یاد کر رہا تھا بھولنا کس نے تھا؟" ہم نے اس کو اندر جانے نہیں دیا لیکن یہ ہٹا ہی نہیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے بہت شور کیا تھا اس نے، مجھے لگا تھا میری نوکری تو گئی۔ ہم نے اس کو نکالنا چاہا مگر یہ ڈٹ کر کھڑا تھا یہاں تک کہ بڑے صاحب اس کو اپنے ساتھ لے گئے۔" زید جیسے کسی خیال کے تحت چونکا۔ سینے میں دل کہیں اتھل پتھل ہوا۔ دلیپ کی نوکری کا پہلا دن اس کے باپ کی وفات کا دن تھا۔

"اندر پتا نہیں کیا ہوا بس بڑے صاحب نے ہم سے کہا کہ شاہ ویر بابا کو کچھ نہ بتائیں لیکن وہ خود تھوڑی دیر بعد آ گئے تھے۔" وہ بول رہا تھا یُدرے رسید کر رہا تھا شاہ زید سمجھ نہیں سکا۔ شاہ ویر اس دوستی سے انکاری تھا، طلال اپنی موت کے کچھ گھنٹے قبل اس سے مل رہے تھے اور یہ ملاقات شاہ ویر بنگش سے صیغہ راز رکھی جا رہی تھی یہ کیا ہو رہا تھا؟ کون سے سچ کہاں آ کر معلوم ہوئے تھے۔

"بابا اسلان کو ساتھ گاڑی میں بٹھا کر لے گئے اور شاہ ویر کی بات نہیں سنی تھی؟" دلیپ کی پوری بات سننے کے بعد وہ دم سادھے مستفسر تھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔ "تم نے مجھے کچھ بتایا کیوں نہیں، دلیپ؟"

"میں کیا بتاتا سر۔ مجھے لگا یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے کیونکہ اگر کچھ غلط ہوتا تو اسلان صاحب اس سب کے بعد فارم ہاؤس تھوڑی آتے۔" یہ ایک اور جھٹکا تھا۔ اسے جیسے کرنٹ لگا۔

"اسلان فارم ہاؤس آیا تھا؟" الفاظ عجیب سی غراہٹ کی صورت باہر آئے۔

"آتا رہتا ہے۔" اب کے انداز میں کسی راز کی جھجک تھی۔

زید نے اس کا بازو پکڑ کر اپنے سامنے بٹھایا۔ انداز سراسیمہ تھا۔ "تم جو جو جانتے ہو سب سچ سچ بتاؤ کیونکہ تم میرے ملازم ہو، تم میرے لیے کام کرتے ہو اور تمہاری ساری وفاداری میرے لیے ہونی چاہیے۔"

گہرا سانس لیتے وہ تابعداری سے بولنے لگا۔ ”چھ سات ماہ کے دوران اسلان صاحب فارم ہاؤس آتے ہیں شاہ ویر بابا یا پھر مسز بنگش ان کو کچھ بیگز دیتے ہیں اور وہ لے جاتے ہیں مجھے لگا وہ شاہ ویر صاحب کے دوست ہیں اور ان کا کوئی کام کرتے ہیں۔“ دلیپ کا اعتماد بحال ہو چکا تھا اور اب وہ بنا رکے بول رہا تھا۔ اسلان کے فارم ہاؤس کے چکر، وہ سفید بستے، مسز بنگش سے اس کی ملاقاتیں اور وہ بے دھم ہو رہا تھا۔ وہ بنگشوں کا سیاہ سفید کرتا تھا، وہ ان کے بینک اکاؤنٹس کے اعداد بڑھاتا تھا مگر کیا صرف یہی؟

”جاتے وقت ان کے پاس جتنے بستے ہوتے ہیں اس سے زیادہ بستے واپس لائے جاتے ہیں۔ وہ پیسہ ڈبل کر کے لاتے ہیں۔“ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے جسم میں لاتعداد سوئیاں چبھو کر اسے سینے کے بل لٹا دیا ہو اور ہر ایک سوئی کی منزل اس کا دل ہو۔ باپ، بھائی، ماں اسے کتنے لوگوں نے دھوکے دیے تھے، اور اگر دیے تھے تو سب اب کیوں معلوم ہونے لگے۔

”دلیپ؟“ اس نے کس آزردگی سے پکارا بس وہی جانتا تھا۔ ”مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔“

”میں بول سکتا ہوں کیا؟“ اس کا محافظ وفادار تھا۔ زید نے خاموشی سے سر نیچے گرا دیا، آنکھیں بہنا چاہتی تھیں مگر وہ لب بھینچ گیا۔ ابھی نہیں۔۔۔ ابھی بالکل نہیں۔

دلیپ کے کیے ہوئے انکشاف وہ کسی طرح سہار گیا مگر اگلے روز مانجھی پور میں جو انارا طارون نے اس سے کہا تھا وہ الفاظ اس کی ساری زندگی کا تیاپانچہ کر چکے تھے۔ یہ الفاظ صرف ایک بھائی کے متعلق نہیں تھے یہ انکشاف ایک سائیکوپیتھ قاتل کے متعلق تھے۔ اس نے تیرہ سال کی عمر میں اپنے دادا کا قتل کیا تھا وہ چھبیس، ستائیس سال کی عمر میں کیا کیا کر سکتا تھا زید بنگش یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

(وہ ہوتا تو یہ بھی بتاتا کہ یہ تجسس اس کی زندگی کا سب سے بے چین تجسس تھا۔)

”third wheeler بنو گے؟“ میرون سویٹر اور سفید سلیکس میں نک سک سے تیار شاہ ویر اس کے کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو پل بھر میں سارے کمرے کو معطر کر چکی تھی۔

”موڈ نہیں۔“ اس نے بغیر دیکھے کہا، گردن جھکی رہی۔

”مجھ پر نظر رکھنے کا موقع گنوا رہے ہو، سویٹ ہارٹ۔“ وہ مسکرا رہا تھا، زید نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ مسکرا بھی نہ سکا۔ اسے اب شاہ ویر کی ہر مسکراہٹ پر شبہ تھا، اس کے ہر قدم پر شک۔ یہ چند روز اس نے کس اندرونی خلفشار میں گزارے یہ بس وہی جانتا تھا۔

اس روز وہ پہلی دفعہ قبرستان آیا تھا۔ طلال کی موت کے بعد پہلی دفعہ۔ بہت دیر تک گھٹنے سینے سے لگائے وہ خاموشی سے آسمان میں تکتا رہا۔ مٹی کا یہ ٹیلہ وہ آج بھی نہیں دیکھ پایا۔

”آپ میرے لیے سوچوں اور زاویوں کے ایسے پہاڑ چھوڑ کر گئے ہیں جنہیں سر کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے بابا۔“ اس کی آواز میں تکان تھی۔ ہر مصیبت، تکلیف، ضرورت پر اگر اس نے کسی شخص کی سمت دیکھا تھا تو وہ طلال تھے ماں، بڑا بھائی، بہن یہ محض تعلقات رہے تھے اس کی محبت طلال اور شاہ ویر تھے اور آج وہ دونوں مختلف طریقوں سے ہی سہی مگر اس سے جدا ہو چکے تھے۔

”میرے پاس بہت سارے سوال ہیں، باتیں ہیں، کیا کیا ہے میں آپ کو کیا بتاؤں؟“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”وہ مجھ سے چند منٹ چھوٹا ہے لیکن میں نے اس کا خیال ایسے رکھا جیسے وہ میری اولاد ہے میرا بچہ۔ اب لگتا ہے وہ کوئی ایسا بچہ تھا جسے شیطان ہمارے بیچ چھوڑ گیا اور اس نے سارے میں تباہی مچا دی۔ اس نے سب ختم کر دیا، ویر وہی تھا کیا بابا؟“ ایسے پوچھا جیسے خود لاعلم ہو۔

کئی دنوں سے جمع کیا انتشار اور آنسو پگھل کر بہہ گئے اور وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیا۔ اسے یہ قلق کھا رہا تھا کہ اس بھیڑیے کو دیا گوشت اس کا اپنا تھا، اس شیطان کے شر کی طویل عمری میں اس کا اپنا ہاتھ بھی تھا۔ کاش اس نے تیرہ سالہ شاہ ویر کو معاف نہ کیا ہوتا، کاش وہ اس کی جگہ ڈاکٹر زبیر کے پاس نہ گیا ہوتا کاش کاش کاش۔

"آپ مجھے بتا سکتے تھے آپ کو مجھے گھر بلانے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا بابا آپ۔" اس کے الفاظ ٹوٹ گئے گلے میں ایسے رنج نے جڑ پکڑی کہ وہ زخم زخم ہو کر رہ گیا۔ "آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا بابا میں نے اتنے سال سراب کی نظر کر دیے۔"

"زیدو؟" شاہ ویر کی متفکر آواز پر اس نے بے بسی سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ جھاڑیاں ہٹاتا، سنبھل سنبھل کر قدم رکھتا آگے آ رہا تھا زید نے اسے اپنے آگے بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ "کیا ہو گیا ہے یار؟ مجھے ملازم نے بتایا تم قبرستان گئے ہو بہت دیر ہو گئی تو میں خود دیکھنے آ گیا۔" اس نے ننھے بچے کی طرح اسے خود سے لگا کر اس کے سر کو چوما۔ کندھے تھپتپائے۔ "ایسے نہیں روتے بابا اچھی جگہ پر ہیں۔ میں ہوں نا؟" وہ اس کے بال چہرے سے ہٹا رہا تھا پیار سے اسے سمیٹ رہا تھا۔ "میں ہوں نا، ادھر دیکھو میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس کا لہجہ، الفاظ کچھ نیا نہیں تھا مگر آج سب نشتر کی طرح چبھ رہا تھا۔ اپنے ہی صیاد کے بازوؤں میں روتے ہوئے زید اتنا بے بس تھا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔

قبرستان سے گھر آ کر اس نے اسلان یمن کو کال کی تھی۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا شاہ ویر کے علم میں لائے بغیر ایک آخری ملاقات مگر وہ نہیں جانتا تھا یہ پہلی ملاقات اس کی زندگی کی آخری ملاقات ہو گی۔ کاش لوگوں کو الہام ہونے لگیں۔

(وہ یہاں نہیں تھا ورنہ وہ بتاتا اس نے کون سا داؤ کہاں کھیلا تھا۔)

یہ پچیس فروری کی صبح کا ذکر ہے۔ شاہ ویر جاگنگ کر کے لوٹا تو سیدھا زید کے کمرے کی طرف آیا وہ تیار لگ رہا تھا۔ اپنا بٹوہ اور گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اس نے شاہ ویر کو دروازے کے فریم میں ایستادہ دیکھا وہ تندہی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کندھے پر تولیہ تھا اور تنفس پھولا ہوا۔ ”کہاں جا رہے ہو؟“

زید بغیر جواب دیے الماری تک گیا اور دو سوٹ نکال کر لایا۔ ایک اس کے سامنے رکھا اور دوسرا خود سے لگا کر دکھایا۔ ”کیسا لگ رہا ہے؟“

”اچھا ہے لیکن یہ کیا ہے۔“ اس نے سوٹ ایک طرف پھینک کر اس کے تازہ ہیئر کٹ کی جانب اشارہ کیا۔ ان دونوں کو بظاہر جو چیز جدا کرتی تھی وہ ان کا ہیئر کٹ اور داڑھی تھی۔ شاہ زید زیادہ تر کلین شیو رکھتا تھا جبکہ شاہ ویر کو داڑھی پسند تھی۔ ایک اور چیز جس سے ان دونوں کی شناخت ہوتی تھی وہ زید کے جبڑے پر لگا ایک کٹ تھا جو سبز سا دکھتا تھا۔ برتھ مارک جو اس وقت گھنی داڑھی میں چھپ گیا تھا۔ آئینے میں بنتے ان کے عکس میں پہچاننا مشکل تھا شاہ ویر کون اور شاہ زید کون؟ ”یہ ہیئر کٹ، یہ داڑھی اور یہ ایک جیسے سوٹ کرنا کیا چاہتے ہو؟“

زید نے گہری سانس لی اور اس کے سامنے بیٹھا۔ ”تمہاری شناخت کچھ وقت کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔“

”تم اداکار نہیں ہو۔“ اس نے ناگواری اور دوٹوک لہجے میں کہا۔

”پیدائشی نہیں ہوں مگر میرے اندر بھی اداکاروں کا خون ہے ضرورت کے تحت یہ کام کر سکتا ہوں۔“

”کرنا کیوں ہے؟“ سختی سے استفسار کیا۔

”تم مجھے ڈاکٹر زبیر کے سیشنز میں بھیجتے تھے میں نے کبھی پوچھا کیوں، تم نے ڈیڈ کو ڈاج دینے کے لیے اپنے ایگزامز مجھ سے دلوائے میں نے پوچھا کیوں۔ میں نے تمہارے لیے دس ہزار کام کیے ہیں بغیر کسی کیوں کے کیا اب تم مجھ سے سوال کرو گے؟“ شاہ ویر نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرا وہ اسے بہت محبت سے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تمہاری فکر ہے، زید۔" ملائمت سے کہا۔ "تم کیا کر رہے ہو؟"

"ٹھیک ہے پھر۔" وہ اٹھا۔ "میں شام تک آجاؤں گا۔ اپنے کپڑے گاڑی میں ساتھ لے کر جا رہا ہوں اور تم یہی پہننا پارٹی میں ملیں گے اوکے؟" وہ رکا۔ "اور میں کچھ بھی نہیں کر رہا، کچھ بھی نہیں۔"

شاہ ویر خفگی سے کچھ کہہ رہا تھا جب زید نے اس کا ماتھا چوما۔ ہمیشہ والا تقدس اور محبت۔ اسے شاہ ویر سے یہی محسوس ہوتا تھا چند لمحوں بعد نہیں ہونا تھا یہ الگ بات تھی۔ وہ الوداع کہہ رہا تھا یہ آخری ہوگا۔ اسے نہیں پتا تھا مدیحہ کے لیے پیغام چھوڑتے وقت وہ آخری ہوگا۔ اسے اپنے ساتھ نہ لے کر جاتے ہوئے بھی اسے یہ نہیں معلوم تھا یہ آخری دفعہ ہوگا۔

(وہ نہیں تھا اور نہ وہ بتاتا اس کے اپنے داؤ نے کس طرح اسے باندھ کر مارا۔)

ہوٹل کے اندر سے شاہ ویر کے بلند آواز میں بولنے کا شور تھا وہ عالمگیر سے جھگڑ رہا تھا اور ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں شاہ زید بنگش کی سیاہ بی ایم ڈبلیو آکر رکی۔ وہ ابھی ابھی پنڈی سے لاہور پہنچا تھا۔ اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا مگر پورا دن پنڈی میں صرف کرنے کے بعد وہ اس وقت اتنا تھکا ہوا تھا کہ اس نے نشست کی پشت پر پڑا کوٹ تک نہیں اٹھایا۔ دلیپ کا پیغام آیا تھا اس نے اسلان کو اندر بھیج دیا تھا اور اب وہ آگے کے لیے ہدایات مانگ رہا تھا زید موبائل پر انگلیاں چلاتے ہوئے اندر کی طرف جا رہا تھا اس کا ڈرائیور اب تک پارکنگ میں ہی تھا۔

سکرین کے درمیان یکدم دراڑ پڑی۔ ایک طرف زید تھا اور دوسری طرف شاہ ویر، جو اسلان کی آمد سے ٹھیک دو منٹ قبل گیلری میں داخل ہوا تھا۔ اس کے موبائل پر کوئی کال آرہی تھی جو اسے اٹھانی پڑی وہ عالم سے لڑ کر پولیس کو کال کر کے باہر آیا تھا۔ اس نے سخت طیش میں آتے ہوئے کوٹ اتارا یوں کہ ڈھیلا لگا بروچ نیچے گر گیا۔ ٹائی ڈھیلی کرتے کوٹ وہیں گیلری کے اختتام میں پھینکا۔

”کیا کر رہی ہو تم یہاں؟“ وہ موبائل پر غرایا۔ ”اگر تم دو منٹ کے اندر اندر یہاں سے غائب نہیں ہوئیں تو تمہارا اگلا ٹھکانہ اس شہر کا سب سے بڑا قبرستان ہو گا۔“ وہ اسی عورت کے پیغام کی وجہ سے پارٹی اور فساد چھوڑ کر آیا تھا۔ اس کا ماضی، اس کی وہ گرل فرینڈ جس سے اس کے تعلقات کی ویڈیوز اور تصاویر تھیں ایسی تصاویر جو اسے تباہ کر سکتی تھیں۔ تصاویر کے ساتھ ساتھ ایک ابارشن رپورٹ۔

شاہ زید بنگش گیلری کے اندر کھڑے اسلان کو دیکھ سکتا تھا۔

”یہاں کیا کر رہے ہو، ناساہیڈ؟“ سیاہ چغے والا اسلان یمن اس آواز پر منجمند ہو گیا۔ حلق میں گرہیں لگی اور وہ مڑ بھی نہ سکا۔ گیلری کے عین بیچوں بیچ اس کے قدموں میں کوئی زنجیر سی پڑ گئی تھی۔ ”تمہیں کیا لگا تھا تم میرے بھائی سے روابط بڑھاؤ گے اور مجھے خبر بھی نہیں ہو گی؟“ یہ انداز یہ طرز تخاطب اسلان یمن کھڑے کھڑے برف ہوا۔ وہ مڑا۔ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ چند لمحے ان دونوں کے درمیان گمبھیر خاموشی رہی۔ اسلان مر کر دوبارہ بھی پیدا ہو کر آجاتا تو اسے یقین نہ آتا کہ اس وقت سامنے کھڑا شخص شاہ ویر نہیں شاہ زید ہے۔

”اور تمہیں یہ خوش فہمی کیوں تھی کہ تم میری بہن کے قریب آؤ گے اور میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا؟“ خوف زائل ہو گیا۔ نیم اندھیرے میں شاہ زید دیکھ نہیں سکتا تھا مگر اسلان کے ہاتھ میں ایک چاقو تھا جو لباس کی پرت میں چھپا ہوا تھا۔ جلتے بجھتے بلب کی روشنی میں وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے۔

”مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی، ناساہیڈ۔“ اس نے ایک بار پھر شاہ ویر والا طرز تخاطب استعمال کیا۔ پیٹھ دیوار سے جوڑلی اور ٹانگیں قینچی کی صورت۔ ”مجھ جیسے مردوں کے رشتوں کے لیے لوگ ترستے ہیں اور تم اپنی بہن کو مجھ سے دور رکھنے کے جتن کر رہے ہو؟ کیا نہیں ہے میرے پاس؟ دولت، شہرت، لوگ، کامیابی اور تمہاری بہن کے لیے بے انتہا محبت۔“

"تمہیں اس سے نہیں اس کی "معصومیت" سے محبت ہے۔ تم اسے آسانی سے اپنی باتوں میں لا سکتے ہو اور اس سے زیادہ آسانی سے وہ راضی ہو جاتی ہے، لڑتی نہیں، محدود خواہشات رکھتی ہے تم جیسے مرد انارا طارون جیسی لڑکیوں کی خواہش کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ مرتے ہیں تم جیسوں کو وہ ملتی نہیں، ملے گی بھی نہیں میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔" وہ ہنسا، وہی عجیب سی کھوکھلی ہنسی۔ بالکل ویسے جیسے شاہ ویر ہنستا ہو۔ اس نے خود کو گرایا اس حد تک کہ وہ خود سے بھی نگاہ نہ ملا سکے پھر اس نے اسلان کو دیکھا۔

"ہم امریکا میں ساتھ تھے کیا معلوم میں اسے کئی بار حاصل کر چکا ہوں؟"

یہ وار الگ تھا اسلان نے جبڑے بھینچ لیے اور اگلے ہی لمحے اس نے زید کو دیوار کے ساتھ لگایا۔ "میری بہن کے بارے میں ایک لفظ نہیں۔"

"کیا ہو گیا ہے یار میں اچھا آدمی ہوں اسے خوش رکھ سکتا ہوں۔ تمہارے اور میرے اختلاف اتنے بڑے بھی نہیں کہ تم اپنی بہن اور میری خوشیوں کے خلاف ہو جاؤ؟"

"تم نے میرا نام چوری کیا یہ بڑی بات نہیں تھی؟" وہ پھنکارا۔ زید کا دل دو سو کی رفتار سے دوڑا وہ اسے بولنے پر اکسا چکا تھا۔ "میرے حق مانگنے پر تم نے مجھے کیا دیا شاہ ویر؟ تم نے مجھے چار جانوروں کے آگے ڈال دیا جنہوں نے جس طرح چاہا میرے وجود کا استحصال کیا۔" یہ لفظ نہیں تھے تیزاب تھے شاہ زید جھلس کر رہ گیا۔

اسلان اپنی رو میں کہتا گیا۔ "تم اس سب کے بعد مجھے وہاں چھوڑ کر جانا چاہتے تھے اگر راج نہ ہوتا تو کچھ دن بعد ایک لڑکے کی زیادتی شدہ لاش ملتی کیوں؟ کیونکہ اس نے اپنے حق کے لیے بات کی تھی کیونکہ اس نے ایک لالچی اور گھٹیا آدمی سے کہا تھا کہ وہ اپنی لکھائی کے ذریعے اسے پیسہ اور شہرت کمانے نہیں دے گا اور تم۔" اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں حلق دکھ رہا تھا اور منہ سے الفاظ نہیں کف نکل رہا تھا۔

"تم نے اس پر بس نہیں کی تم نے دوبارہ میرے ساتھ زیادتی کروائی، تم پنار کو مارا۔" اسلان کی گرفت اس پر بڑھی اگر نہ بھی بڑھتی تو اس کا سانس رک ہی جاتا وہ اس وقت سامع تھا جس کی قوتِ گوائی سلب شدہ۔ "تم انسان نہیں شیطان ہو تم نے اپنے ہی باپ کو مارا شاہ ویر تم اس گلٹ سے کیسے نکل سکتے ہو۔ میں آج تک اس لمحے کو بھول نہیں سکا تم کیسے بھول سکتے ہو؟ تم اپنے بھائی کے بھی سگے نہیں ہو تم نے اسے یتیم کیا اور آج تک اس کے جذبات سے کھیل رہے ہو یہ کم ہے تمہیں یہ کم لگتا ہے ایسے انسان کو اپنی بہن دے دوں؟"

وہ چیختے چیختے تھک گیا تھا۔ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے اس نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا جو اب تک شاک کی نہ جانے کس کیفیت میں تھا۔ وہ سانس لینا چاہتا تھا مگر لے نہیں پا رہا تھا وہ اسلان یمن کا منہ نوچ لینا چاہتا تھا مگر اس میں ہمت نہیں تھی، وہ ابھی اسی وقت ساری دنیا میں آگ لگا دینا چاہتا تھا مگر اس کا اپنا دل راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ وہ چند لمحے اسلان کو دیکھتا رہا اور پھر اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کر اس کے گال پر بہہ گئے۔ اسلان ان آنسوؤں کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔

جس وقت گیلری میں انکشافات کی بارش ہو رہی تھی اس وقت پارکنگ میں کھڑے شاہ ویر نے طائرانہ نگاہ سارے میں ڈالی اور اسی پل اس کی نظر بھورے رنگ کے لباس والی لڑکی پر پڑی۔ وہ خوبصورت تھی، کم عمر اور یقیناً کم مایہ بھی۔ شاہ ویر اسے دیکھے ہوئے آگے آیا اور اسے گاڑی کے ساتھ لگایا۔ "اوقات بھول گئی ہو اپنی یا یاد دلاؤں؟" اس کی انگلیاں لڑکی کے بازو میں دھنس رہی تھیں اس کے پرفیوم کی خوشبو تعفن کی طرح اس کے نتھنوں میں گھس رہی تھی مگر وہ بے خوفی سے نگاہیں اٹھائے اسے دیکھتی رہی۔

"میری اوقات مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے لیکن شاید تم بھول گئے ہو میں کون ہوں۔ تم نے کہا تھا جب تک میرا کیریئر مستحکم نہیں ہو جاتا تم مجھے سپورٹ کرتے رہو گے تم نے مجھے ابارشن ۔۔۔۔۔" اس کی اگلی بات اس کے منہ میں رہ گئی شاہ ویر نے اس کے منہ پر اپنا بھاری رکھا اور اگلے ہی پل بالوں سے کھینچ کر اسے گاڑی کی طرف

لایا۔ پاس کھڑے ڈرائیور سے چابی مانگی جو اس نے بغیر تردد کے تھمادی، اور آنکھیں جھکادیں گویا اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ شاہ زید بنگش کا ڈرائیور تھا۔

اسے گاڑی میں تقریباً پھینکتے ہوئے وہ دوسری طرف سے آیا اور آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔ اگلے ہی لمحے زید کی گاڑی ہوٹل کے پارکنگ لاٹ سے نکل چکی تھی۔ ڈرائیور کی نظروں میں شاہ زید بنگش گیا تھا کیونکہ بنا کوٹ کے اندر وہی گیا تھا۔

"بابا! میرے بابا!" وہ رو رہا تھا چند لمحوں میں یہ بین بلند ہو گیا اور اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ ایسی تکلیف ایسا قلق تو آج تک نہیں ہوا تھا۔

"یہ ڈرامہ تم نے اس وقت بھی رچایا تھا تم مکر باز ہو مجھ پر تمہارا ایک بھی آنسو اثر نہیں کرے گا میں زید سے ملوں گا اور اسے ایک ایک بات سچ سچ بتاؤں گا۔ یہ بھی کہ تمہاری آج تک کی ساری کامیابی چوری شدہ ہے۔ یہ بھی کہ تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔ اگر تم دوبارہ آراہ کے قریب آئے تو میں تم سے تمہاری ساری دنیا چھین لوں گا۔ اندھیرے تمہارا سب سے بڑا خوف ہیں میں یہ بات اچھی طرح جانتے ہو۔"

شاہ زید ہنوز گردن جھکائے ہوئے تھا۔ وہ آنسوؤں پر بند باندھتا تو گھاؤ میں جلن اٹھتی تھی، وہ جلن سہارنے کی سعی کرتا تو ہر ریاضت مٹی مٹی شاہ ویر طلال بنگش نے واقعی اسے باندھ کر مارا تھا۔ اسلان کو اس کے رونے سے فرق نہیں پڑا کیونکہ طلال کی موت کا ذکر شاہ ویر پر بھی اسی طرح کارنج طاری کرتا تھا۔

(وہ ہوتا تو بتاتا کس طرح وہ مرنے کے بعد بھی مارا گیا۔)

اسلان کی آنکھوں کی تکلیف اگر کم نہ ہوئی تھی تو اس کا جلتا دل بھی ویسا ہی تھا۔ بہت حوصلوں کے سفر طے کر کے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی پستول اس کے پیروں میں رکھ دی۔ ہاتھ اوپر کر لیے۔ وہ کچھ سوچ چکا تھا عمل باقی تھا۔

"جاؤ یہاں سے۔"

"تم آراہ کو ہرٹ کرو گے؟"

"اب کوئی آراہ کو ہرٹ نہیں کر سکتا کوئی بھی نہیں (اب وہ صرف تمہاری نہیں میری بھی حفاظت میں ہے) جو ہوا وہ غلط تھا (اور میں اب تیرہ سالہ زید والی غلطی نہیں دہراؤں گا) غلط انسان کو مواقع نہیں سزا ملنی چاہیے (اور یہ ذمہ اب میرا) تمہارے ساتھ جو بھی ہوا اس پر میرا اختیار نہیں تھا (لیکن اب جو اس کے ساتھ ہو گا آدھی دنیا دیکھے گی (تم آج کے بعد آزاد ہو میری قید کے قصے پھر سہی۔)"

"تم جھوٹ بول رہے ہو؟" اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "کیا چاہتے ہو میں اس بات پر یقین کر لوں کہ باپ کے ذکر پر تم موم ہو گئے اور سب ٹھیک ہو گیا؟"

"میری پستول تمہارے پیروں میں پڑی ہے شک ہے تو اٹھاؤ اور مار دو۔" طلال بنگش کا بیٹا تھا انہی کی طرح کھرا اور نڈر۔ "جاؤ اسلان اس سے پہلے میں فیصلہ تبدیل کر لوں جاؤ۔ جو بابا نے دیکھا وہ اب کوئی اور نہیں دیکھے گا۔ میں بدلنا چاہتا ہوں۔" اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ یہ آنکھیں یکلخت الگ کیوں لگ رہی تھی، کیوں وہ اس پر یقین کرنا چاہتا تھا کیا اس کا ذہن کسی دھندلاہٹ کا شکار تھا۔۔۔۔؟

شاہ ویر گاڑی اتنی تیز رفتار میں چلا رہا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی تھر تھر کانپتی رہی۔ تقریب والے ہوٹل سے ذرا فاصلے پر ایک ہوٹل کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے شاہ ویر نے اسے باہر نکالا اور اسی طرح گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا۔ ریسپشن سے چابی اٹھاتے ہوئے وہ ایک کمرے میں آیا اور دروازہ بند کیا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا طیش اتنا تھا کہ گردن کی نسیں ابھر کر نظر آ رہی تھیں۔

”ہاں اب بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں تم؟“ سفید شرٹ کے کف موڑتے ہوئے وہ آگے آیا۔ وہ دیوار سے جا لگی۔ ”کیا ہوا لیزا بولو نا کیا کہنے آئی تھیں تم؟“

”میں آراہ کو سب بتاؤں گی۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔

ایک ہاتھ دیوار پر جماتے اور دوسرے سے اس کا جبڑا پکڑتے شاہ ویر اس کے چہرے پر غرایا۔ ”کیا بتاؤ گی یہ کہ تین سال قبل تمہارا اور میرا کوئی تعلق تھا اور تم پریگنینٹ ہو گئی تھی؟ جانتی ہو وہ ابارشن کیوں ہوا تھا؟ اس لیے نہیں کیونکہ مجھے بچہ نہیں چاہیے تھا بلکہ اس لیے کیونکہ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ میرا ہے یا نہیں۔ تم جیسی پیروں کی دھول ہوتی ہیں جسے میں اڑا چکا ہوں۔ دو راتیں میرے ساتھ گزار کر تم خود کو شفاف سمجھنے لگی ہو کیا میں نہیں جانتا تم کہاں کی پیدائش ہو؟“

لیزا کے رونے میں روانی آ گئی تھی جبکہ شاہ ویر کی نگاہوں کی کاٹ تھی کہ ختم ہی نہ ہوتی تھی۔ وہ جو چٹانوں جیسے حوصلے لائی تھی پل بھر میں ریت ہو گئی۔ ”اور سپورٹ ہاں؟ تم دبئی کے کلبز جاؤ بوائے فرینڈز بناؤ ان کے ساتھ وقت گزارو اور سپورٹ میں کروں باپ ہوں تمہارا؟“ وہ بلند آواز میں چیخا۔

”میں تمہارے بچے کی ماں رہی ہوں۔“

”ثابت کیسے کرو گی؟“ ترکی با ترکی پوچھا۔

”کیا شادی کے بعد آراہ سے بھی یہی کہو۔“

شاہ ویر نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر دے مارا، اور اس کے بال مٹھی میں دبوچے۔ ”وہ تم جیسی نہیں۔ تم اس کے پیروں کی دھول بھی نہیں ہو اور اگر دوبارہ تم اس کے یا میرے نزدیک آئی تو اس انڈسٹری میں کوئی تمہیں کام دینا تو دور تمہارے منہ پر تھوکے گا بھی نہیں۔“ وہ اسے ایک ایک لفظ باور کروا رہا تھا۔

گیلری میں وہ دونوں اب بھی روبرو تھے۔ "تم آراہ سے دور رہو گے۔" اسلان نے اس سے کہا۔ زید خاموش رہا۔ "آئندہ میں تمہارے لیے کام نہیں کروں گا۔ نہ لکھوں گا، نہ تمہارا پیسہ دگنا کروں گا تم اور میں ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔"

"جو تم کہو۔" شاہ زید کو دیکھتے ہوئے اس نے دو قدم پیچھے لیے وہ اسی طرح ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا پستول قدموں میں۔ اسلان نے مزید ایک قدم پیچھے لیا جب شاہ زید ٹھٹکا۔ اسلان کے پیروں کے قریب سانپ تھا۔ زید نے نظر اٹھائی تو وہ سانپ گیلری کے نزدیک بنے درختوں میں سے نکل کر آرہا تھا۔ اگر اسلان پیر اس پر رکھ دیتا تو وہ ڈر کر کسی خوف کے تحت اسے کاٹ سکتا تھا۔

"مجھے تم پر یقین نہیں آرہا، شاہ ویر۔" کہتے ہوئے اسلان نے ایک اور قدم پیچھے لینا چاہا جب زید نے جھک کر پستول اٹھانی چاہی اس کا ارادہ سانپ مارنے کا تھا مگر اسلان کو لگا وہ ایک بار پھر دھوکے کا شکار ہوا ہے اس کے دماغ میں کوئی سائرن بجا اور اگلے ہی لمحے اس نے چاقو جھکے ہوئے زید کی پشت میں دے مارا۔

وہ تکلیف سے پیچھے ہوا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا مگر یہ وار پہلا تھا آخری نہیں۔ اگلا وار اس کے سینے پر ہوا تھا۔ پستول زید سے چھوٹ کر گری۔ اس کے حلق سے کراہ کے علاوہ اور کچھ نہ نکلا۔

جیب سے چند نوٹ نکالتے ہوئے شاہ ویر نے اس کے منہ پر مارے۔ چند لمحے اسے حقارت سے دیکھتا رہا پھر نرمی سے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ "میرے ماضی کے تمام تعلقات میں تم میری پسندیدہ تھیں اور رہو گی لیکن میں نے تم سے محبت نہیں کی۔ تم بس پڑاؤ تھیں اور آراہ میری کاملیت میں برا ہوں وہ اچھی، میں سیاہ وہ سفید اس کا دل پہلی بار میرے لیے دھڑکا ہے اسے اگر کوئی پہلی مرتبہ چھوئے گا تو وہ میں ہوں گا، اس نے اگر پہلی مرتبہ کسی کا خیال دیکھا تو وہ بھی میں .... میں ایک ایسی ہی لڑکی ڈیزرو کرتا ہوں جو کورا اپنا ہو تا کہ اس کے دل پر میں جو پہلا لفظ لکھوں وہ نقش ہو جائے سمجھی؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا اور سر جھکائے آنسو بہاتی چلی گئی شاہ ویر نے اب کے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما۔ ”تم کل صبح غوری کے دفتر آجانا ان کا اگلا چہرہ تم ہو گی۔“ لیزا نے بے یقینی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ شاہ ویر نے اسی نرمی سے سر ہلایا۔ ”کہا نا تم ماضی میں میری پسندیدہ رہی ہو۔“ کچھ دیر بعد ہوٹل سے نکلتے ہوئے اس کی انگلیاں یاسر کو پیغام لکھ رہی تھیں۔ ”لوکیشن اور تصویر بھیج رہا ہوں کل آفس جاتے ہوئے اس کا ایکسیڈنٹ ہونا چاہیے۔ مجھے یہ لڑکی مُردہ چاہیے۔“

”راجر باس!“

”اسلان اب کہاں ہے؟“

”لوکیشن ٹریس کی ہے اب تک کوئٹہ کے کسی علاقے میں ہے بندے بھیجوں؟“

جواباً شاہ ویر کچھ لکھ رہا تھا۔ یہاں سے فاصلے پر اسلان یمن پے درپے چاقو اس کے بھائی کے سینے، بازو اور پیٹ میں مار رہا تھا۔ وار طیش زدہ تھے، دھوکے کے خوف میں ڈوبے تھے مگر وار جان لیوا نہیں تھے۔ کیونکہ اس کی جان اسی نے لینی تھی جسے کسی اور کی جان لینے پر معاف کیا گیا تھا۔

★★★★★★★★★★

حال!

اسے کسی نرم بستر پر لٹا گیا تھا۔ اس کے جسم میں سوئیاں چبھوئی جا رہی تھیں، آس پاس ادویات کی بو تھی۔ بند ذہن کے پار اب بھی ایک منظر چل رہا تھا۔ شاہ ویر نے اسے بازوؤں میں اٹھا رکھا تھا آس پاس دیواروں پر پاکستان کے کئی مایا ناز فنکاروں کی تصاویر لگی تھیں۔ وہ فلم سٹی میں تھے۔ شاہ ویر کی آواز پلٹ پلٹ کر واپس آ رہی تھی۔

"نہ میں نے زید کی شناخت لینی چاہی، اور نہ چھیننی چاہی وقت نے میرے لیے راہیں ہموار کیں اور میں چلتا گیا۔"

شاہ ویر طلال بنگش نے لیزا کو چھوڑنے کے بعد جس وقت گاڑی پارک کی یکدم ہر طرف اندھیرا ہو گیا۔ وہ حیران ہوا بجلی کا اس سمے جانا اسے تعجب میں مبتلا کر گیا۔ عمارت کے اندر سے شور آرہا تھا۔ مہیب سی خاموشی میں اٹھتا شور عجیب سا تھا۔ شاہ ویر ٹھٹکا۔ گاڑی کی پچھلی نشست سے اس نے زید کا کوٹ اٹھا کر پہنا اس کا اپنا کوٹ زید کے زخمی وجود کے قریب کہیں پڑا ہوا تھا۔ اس نے بال درست کیے اور اندر کی جانب بڑھا۔

پارکنگ سے نکلنے کے بعد ذرا سے فاصلے پر سامنے راہداری تھی۔ شور وہیں سے آرہا تھا اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے خود کو بھاگتے ہوئے دیکھا لوگوں کے رش کو چیرتے ہوئے جب وہ وہاں پہنچا تو جو منظر اس نے دیکھا وہ اس کی روح دہلا دینے کے لیے کافی تھا۔ اس کا بھائی خون میں لت پت تھا۔ خون کی پتلی لکیر کسی سمت کی طرح چلتی ہوئی آرہی تھی اور اس کے تاج والے بروچ کو بھگو رہی تھی۔

تمکنت روتے ہوئے اس "زخمی" وجود کو شاہ ویر پکار رہی تھی۔ کیونکہ تقریب میں شاہ ویر تھا، زید نہیں۔

آراہ کی آنکھیں "اسی" کے لیے پتھرائی ہوئی تھیں۔ کیونکہ اس نے یہ بروچ شاہ ویر کو پہنایا تھا زید کو نہیں۔

رئیس "شاہ ویر" کے لیے رو رہا تھا اور...... اس سب کے دوران کسی نے اسے "زید" پکارا..... شاہ زید؟

یہ کیا ہو رہا تھا وہ یکدم لائم لائٹ سے ہٹ کیسے گیا اور اگر وہ ان سب کے لیے شاہ ویر نہیں رہا یعنی وہ پریویلج کلر کے لیے بھی شاہ ویر نہیں رہا جو ڑ توڑ کے بعد وہ اس وجود کی طرف بڑھا تمام خود غرضیاں بر طرف، تمام پیچ بچاؤ خاک وہ بھائی نہیں کھو سکتا تھا۔

اس نے آراہ کو ایک کرسی پر بٹھایا۔ وہ زخمی تھی شاہ ویر کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھا اس کے دونوں پیر اپنی گود میں رکھے اور اسے تکا۔ "زید میرا سب سے قیمتی تعلق تھا مگر کوئی بھی مجھ سے زیادہ قیمتی ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نایاب ہوں، امر ہوں نہ میری زندگی کو زوال ہے اور نہ میری شہرت کو۔"

وہ دونوں ایمبیولنس میں تھے۔ وہ آکسیجن ماسک میں سانس لیتے ہوئے اسے نیچے جھکنے کو کہہ رہا تھا۔ شاہ ویر نے اسے دیکھا اور وہ اس کے پاس جھکا۔ "درد ہو رہا ہے؟"

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنا آکسیجن ماسک ہٹایا چند لمبے گہرے سانس لیے اور اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔ "لعنت۔۔۔ ہو۔۔۔ تم۔۔۔ پر!" وہ منجمند ہو گیا۔ برف کا ٹھیکرا، مٹی کا پتلا۔

"بابا۔۔۔ کو۔۔۔ مارا۔۔۔ تم نے لعنت۔۔۔۔ ہو تم۔۔۔ پر۔" شاہ ویر سانس لیے بغیر اسے تک رہا تھا قلق، بے یقینی، حزن، افسوس اس کی آنکھوں کے ایک ایک ڈورے پر ایک ایک غم لکھا جا سکتا تھا۔ "دلیپ۔۔۔۔ نے۔۔۔ اسلان کو۔۔۔ دیکھا تم نے۔۔۔ بابا کو مارا۔"

"زید میں۔" اس نے بے قراری سے صفائی دینی چاہی جب وہ تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے اٹھا اور اس کے منہ پر تھوکا۔ کسی نے شاہ ویر بنگش کے منہ پر بیلچہ مار دیا تھا وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھے گیا۔ دل کا ایک ایک کونہ کسی نار میں جھلس گیا آنکھیں ایک نقطے پر ساکت۔

"لعنت۔ ہو۔ تم۔ پر۔" وہ اٹک اٹک کر نفرت زدہ نگاہیں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی ایک آنکھ سے آنسو نکلتے ہوئے کنپٹی میں جذب ہو رہے تھے دنیا کے تمام تر جوہڑ ملاؤ تب بھی اس حقارت اور غلاظت بے مقابلہ جو اس وقت شاہ زید کی آنکھوں میں تھی۔

”زید میں مجبور تھا۔“ اس کی آواز لرزی۔ کائنات کی تمام دلیلیں، صفائیاں، ملاؤ تمام ان کے آگے بے ضرر جو منت اس وقت شاہ ویر کی آنکھوں میں تھی۔ ”یہ سب تم سے کس نے کہا ہے؟“

”تمہیں ---- لگا --- بابا --- نے میرے لیے ---- کوئی ثبوت نہیں ---- چھوڑا ہو گا؟ دلیپ ----“ نام لیتے ہی اس کا سانس اکھڑا شاہ ویر نے یہ تاثر لیا کہ اسے بتانے والا دلیپ تھا۔

”زید میری جان۔“ اس نے زید کا ہاتھ تھام لیا۔ ”سب جھوٹ ہے! سب جھوٹ۔ میں تمہارا بھائی ہوں تم سے محبت کرتا ہوں بس یہ یاد رکھو۔“ وہ رو رہا تھا، اس کے دل میں کوئی برچھی گھسائی جارہی تھی۔ ”ایسے مت کہو زیدو میرا یقین کرو۔“

”لعنت ---- ہو --- تم پر ---- تم اور ----- ابتسام میں ---- دونوں کو --- نہیں چھوڑوں گا۔“ اس نے دہرایا۔ شاہ ویر اس لفظ پر جم گیا۔ ابتسام ...... یعنی اتنے روز سے وہ زید سے اس لیے بات کرنا چاہتا تھا؟ اسی پل رئیس اور ایمبولنس اسٹاف کا ایک شخص اندر داخل ہوا۔

نمک کے مجسمے نے کف نکالتے شخص کے چہرے پر آکسیجن ماسک دوبارہ لگایا اب کے وہ ہٹا بھی نہیں سکا۔ دل کا درد اتنا شدید تھا کہ اس کے آنسو بہتے رہے اور لبوں سے آہ برآمد ہوتی رہی۔ وہ بھینچی ہوئی مٹھی بین کے انداز میں اسٹریچر پر مار رہا تھا۔ جو صرف شاہ ویر دیکھ سکتا تھا اور اس سے نہیں دیکھا جارہا تھا۔

”میرے اندر کوئی instinct ہے جو مجھے کسی بھرم میں رہنے نہیں دیتا اور میری بقا فوراً سر اول بنتی ہے۔ یہ میرا قصور نہیں ہے، آراہ۔ it is what it is میں اس کے سامنے مزاحمت نہیں کرسکتا کیونکہ یہ instinct میرا واحد دوست رہا ہے۔“

ایمبولنس ایک دفعہ پھر رکی تھی۔ غیر محسوس انداز میں وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ وہ بیٹھا رہا جب ایمبولنس خالی ہو گئی تب اس نے کچھ تلاش کیا فرسٹ ایڈ باکس۔ شاہ ویر نے چپ چاپ اندر سے ایک (چاقو) scalpel نکالا۔ زید گہرے سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاہ ویر نے اب کے نگاہ اٹھائی تو وہ بدلی ہوئی نگاہ تھی۔ وہی نگاہ جس سے طلال خوف زدہ رہے تھے، وہی جس نے اسلان یمن کی زندگی تباہ کر دی تھی، وہی جسے ڈاکٹر زبیر نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا، وہی جو شر اور آفت اکھٹے تھی۔

"تم کہتے تھے ہمارا جسم ایک ہے، ہماری تکلیف ایک، ہماری خوشی بھی ایک ہماری زندگی ایک کیوں نہیں؟" اس نے زید کی گردن پر لگے ہلکے سے کٹ کو پوری طرح چیر دیا خون کے چھینٹے اڑ کر اس تک آئے جنہیں اس نے چپ چاپ بازو سے صاف کیا زید بری طرح تڑپنے لگا تھا۔ خون بھل بھل بہتا گیا۔

"تم اب آرام کرو اس دنیا کے لیے تم بہت سیدھے تھے زید، میں نہیں ہوں۔ مکاروں کی اگر کوئی صف بنائی جائے گی تو اس صف میں شاہ ویر بنگش کو سب سے پہلے کھڑا کیا جائے گا میں آج وہیں کھڑا ہو رہا ہوں۔ تمہارا انتقام مجھ پر لازم ہے لیکن سمجھنے کی کوشش کرو تم مر گئے تو مجھے زندگی ملے گی۔ آئی ایم سوری، لیکن تم بھی تو مجھے بچانا چاہتے تھے نا؟" شاہ زید کی آنکھیں ایک نقطے پہ ساکت ہوئیں۔ وہ جو گہری گہری سانسیں لینے کی کوشش کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں بہت سارا پانی جمع ہوا، وہ لب جو درد بیان کرنے کی تگ و دو کر رہے تھے ساکن ہوئے۔ اس نے شاہ ویر کو دیکھا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں وہ مایوسی، بے یقینی اور قلق لیے جا رہا تھا۔

"میں تمہیں بہت یاد کروں گا لیکن تم بابا کو بہت یاد کرتے تھے نا؟ happy reunion brother۔" جھک کر اس کا ماتھا چوما، پھر اس کے گال اور پھر اس کے ہاتھ۔ "تمہاری زندگی میری موت ہے اس لیے بس ایک آخری بار تمہیں میرا کردار ادا کرنا پڑے گا لیکن یہ مت سوچنا کہ تکلیف صرف تمہیں ہو رہی ہے میں بھی اسکوائر زیرو سے سٹارٹ لوں گا۔ لیکن اب بس بہت ہو گیا میں سارے غلط کام چھوڑ کر آراہ کے ساتھ نئی زندگی شروع کروں

گا۔ میں کوشش کروں گا کہ مدیحہ بہت جلد تمہارے پاس آجائے۔" اس کی مزاحمت ساکن تھی اب وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔ "دیکھو کوئی وعدہ نہیں ہے کوشش کروں گا بس۔"

وہ سر مسلسل نفی میں ہلا رہا تھا یہ انکار نہیں تھا یہ افسوس تھا جو حلق سے باہر آرہا تھا کاش وہ شداد کے جاری کردہ کفر کے فتوے پر پہلا پیش لگانے والوں میں سے نہ ہوتا، کاش اس نے ایک انسانی قتل معاف نہ کیا ہوتا، کاش وہ باطل کے شر کو پہچاننے والوں میں سے ہوتا مگر اب محض پچھتاوے تھے۔ وہ ستائیس سالہ زندگی گزار کر ایک جوان موت مر رہا تھا۔ وہ رو رہا تھا، اسے نہیں مرنا تھا اسے بابا کے لیے کہانیاں اکٹھا کرنی تھیں، اسے مدیحہ سے شادی کرنی تھی، اس کے خواب تھے جو لہو لہو ہو رہے تھے اور وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ شاہ زید بنگش پر جو بے بسی طاری تھی وہ صدیوں میں کسی کسی پر آتی ہے۔

رش ختم ہو گیا رئیس دوبارہ آگیا تھا اسکلپیل اس کی جیب میں چلا گیا کسی نے گردن کا وہ زخم نہیں دیکھا جو چند منٹ بعد اس کا سانس مکمل طور پر ختم کر دینے والا تھا۔ کسی نے شاہ ویر کو زیر لب دہراتے نہیں سنا۔

"I had to"

"مجھے میرے باپ کا تفکر ملا، دھیان ملا محبت نہیں ملی۔ ایسے میں میری ماں تھی جو ہر وقت میرے ساتھ رہی مجھے لگا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے لیکن وہ محض خود سے محبت کرتی تھی۔ اس نے میرا استعمال کیا لیکن میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا میں اس کا غلام بن گیا تھا اور وہ غلامی بھی "شاہ ویر" کی موت کے ساتھ ختم ہو گئی۔"

"تم کچھ نہیں کر سکتے، زید۔" ہسپتال میں اس کی ماں نے اس سے کہا تھا اور اسے آج سے پہلے اپنا آپ کبھی اتنا ہلکا محسوس نہیں ہوا تھا۔ ہاں مگر یہاں آکر اسے اندازہ ہو رہا تھا کون؟ کون تھا جو اس کے بھائی کو اس حالت میں لایا؟ کیا واقعی ابتسام۔ اس نے زید کا موبائل کھولا اور اس کی کال لاگ چیک کی۔ سب سے زیادہ کالز ابتسام عبّاس کو گئی تھیں۔ سب سے زیادہ کالز آئی بھی اسی کی تھیں۔ (وہ دونوں کسی مختلف معاملے پر بات کرتے رہے تھے)

وہ دس دفعہ پیدا ہو جاتا تب بھی اسے اسلان پر شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ یہاں نہیں تھا، شاہ ویر اس کہانی میں مرکزی کردار خود کو سمجھے ہوئے تھا مگر اسے علم نہیں تھا پلاٹ، کردار، کہانی، اور مرکزیت بدل چکی ہے۔

"مجھے بس ایک غم تھا میری شہرت، میری وہ زندگی جس میں میرے پاس سب تھا وہ اب واپس کیسے ملے گی؟ لیکن خدا نے مجھے سب واپس کیا، سود سمیت۔"

وہ قبرستان سے باہر نکل رہا تھا جب اس کی تنظیم کے کئی کارکن باہر کھڑے تھے۔ اپنے میر کارواں کے لیے۔ سکرین، کیمرہ، لوگ اسے سب دوبارہ مل رہا تھا بس صورت بدل کر، نیا کردار بن کر۔

کئی پبلشرز نے اس کے مسودے مسترد کر دیے کیونکہ اسے ایک مرڈر مسٹری لکھنی نہیں آتی تھی، اسے جرائم لکھنے نہیں آئے، ٹھیک درست۔ اس رات مگر اپنے ہی بھائی کی جان اپنے ہاتھوں سے لینے کے بعد وہ اسی کی لاش پر رونے کو تیار تھا، اس کے لیے آواز اٹھانے کو بھی تیار۔ وہ اپنی زندگی کی سب سے بہترین پرفارمنس دینے کو تیار تھا۔ وہ اپنی بدنام زمانہ شہرت اس کے نام کر کے اپنی شہرت اپنے نام لینے کو بھی تیار تھا۔

ہسپتال کے پلنگ پر لیٹی لڑکی کی آنکھیں بند تھیں۔ نشہ آور ادویات کے زیر اثر وہ بس سانس لے پا رہی تھی نہ جانے کب تلک؟

اسی ہسپتال کے دوسرے کمرے میں ڈاکٹرز شاہ ویر بنگش کے بازو سے گولی نکال رہے تھے۔ راہداری میں بیٹھا اسلان یمن بس وقت کی ٹک ٹک سن رہا تھا۔ سینہ خون آلود، بازو زخم زخم اور دل.......؟ وہ ساکن تھا۔

★★★★★★★★★★

"میں کیوں؟" عالمگیر کی آواز ہلکی تھی، مستفسر مگر عجیب۔ "میرال کیوں۔۔۔۔ میرا بچہ ہی کیوں؟"

"تم سب یمن سے میری ذاتی پرخاش رہی ہیں۔ مگر میرال اور تمہارا بچہ میں انہیں واقعی نہیں مارنا چاہتا تھا۔" اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ "لیکن قدرت نے جو کام مجھے دیا ہے اس میں مجھے کچھ قربانیاں دینی ہوتی ہیں میرال میری قربانی تھی جو مجھے دینی پڑی۔" عالم یقین کر ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی انسان ہے جو ایک پارٹی کی قیادت کرتا ہے، جس کے پیچھے کئی لوگ تھے۔ یہ کوئی عجیب سا ذہنی الجھنیں رکھنے والا انسان تھا جسے اپنے آس پاس اپنا ہی الگ عکس نظر آرہا تھا جسے لگتا تھا قدرت اسے قتل کے احکام دیتی ہے۔

اس نے آگے کو ہو کر اسے گریبان سے پکڑا۔ کرسی یک دم ڈگمگائی۔ "میرال کے بعد مجھے جیل کس نے بھیجا؟"

اسفند نے آنکھیں کھولیں اور تمسخر سے اسے دیکھا اس تمسخر میں کہیں نفرت بھی تھی۔ "اپسرا نے۔"

اس کی آنکھوں کے سامنے سے موجودہ وقت کا پردہ ہٹا، ماضی کی چادر تن گئی اور اس چادر پر کسی فلم نما منظر کو دکھایا جانے لگا۔ ابراہیم کی موت کا تیسرا روز۔

"میں جانتی ہوں یہ نقصان بہت بڑا ہے۔" تمکنت روبینہ سے کہہ رہی تھی جو نڈھال تھی۔ اس کی ساکھ تباہ ہو چکی تھی بیٹا رہا نہیں تھا۔ "تم یہ انتخابات ہاری ہو مگر اگلے ہارنا یا جیتنا تمہاری اپنی مٹھی میں ہے۔"

روبینہ نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "مطلب؟"

"لوگ بیٹے اس لیے نہیں مانگتے کہ ان کا جسم کسی قسم کی نمائش میں لگایا جا سکے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ ان کے گھر "مرد" پیدا ہوا ہے لوگ بیٹے مانگتے ہیں کیونکہ مرد "بار" ڈھونے والا ہوتا ہے۔ مرد وہ ہوتا ہے جس پر ذمہ داریاں ڈال دو تو پوری کرتا ہے تمہارے پاس اب بھی ایک مرد ہے۔"

"وہ۔ معذور۔ ہے۔" اس نے چبا چبا کر کہا، اس کا اشارہ سجاد انصاری کی جانب تھا۔

"اسفند معذور نہیں ہے۔" تمکنت کا انداز بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ روبینہ تھم گئی۔ وہ جو اٹھارہ سال کی عمر میں انہیں الوداع کہہ گیا تھا کیا وقت پڑنے پر اسے بلانا درست تھا؟ "وہ بھی تو ایک مرد ہے تمہارا اور سجاد کا بیٹا تمہارا اپنا خون۔۔۔۔۔۔"

"مجھے اس کی شکل بھی نہیں دیکھنی۔" وہ غرائی۔

"یہی الفاظ میں نے بھی رئیس کے متعلق کہے تھے کیونکہ وہ اپنے باپ کا پرتو تھا۔ مگر وہ میرا دایاں بازو بنا، ٹی ٹی پروڈکشن مجھ سے زیادہ اس پر انحصار کرتا ہے اولاد سے محبت ہو نہ ہو انہیں وقت پڑنے پر استعمال کر لینا چاہیے۔"

تمکنت بنگش جاتے جاتے اس کے ذہن میں کچھ بھر گئی تھی۔ اس رات کئی سال بعد اسفند انصاری کو روبینہ کی طرف سے کال کی گئی۔ وہ ایک سیمنار میں تھا۔ مشرق میں خواجہ سراؤں کے حقوق کے لیے ہونے والا ایک سیمنار۔ لیلیٰ اور رابعہ اس کے ساتھ تھیں۔

"میں چاہتی ہوں تم پاکستان آجاؤ۔" بغیر کسی رسمی علیک سلیک کے کہا۔ اسفند کی گرفت ٹیلیفون پر سخت ہوئی۔

"میں نہیں آنا چاہتا۔" وہ چند پل خاموش رہی، اسفند کو لگا شاید وہ اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے مگر۔

"تم چاہتے ہو میں دنیا کو بتاؤں کہ تم نے پندرہ سال کی عمر میں ایک قتل کیا ہے؟"

"آپ۔۔ ایسا۔۔۔ نہیں۔۔۔ کریں۔۔ گی۔" اس نے طیش سے کہنا چاہا مگر وہ بے بسی سے کہہ گیا۔ اس عورت نے بچپن سے لے کر جوانی تک اسے اس حد تک توڑا تھا کہ اس کے سامنے وہ لہجہ جوڑتا تو خود ٹوٹ جاتا۔

"دو دن بعد اگر تمہاری فلائٹ یہاں نہ آئی تو تم روبینہ انصاری کو جانتے نہیں۔ تمہارا سارا کیریئر ختم ہو جائے گی جتنا غلامی تم نے امریکا کے ہیجڑوں کی کرنی تھی تم کر چکے ہو اب واپس آؤ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" اس نے کہہ کر

کال کاٹ دی تھی۔ اسفند کی ساری زندگی اس ایک کال نے بدل کر رکھ دی۔ وہ نہیں جانا تھا چاہتا تھا مگر اس رات اپسرا ایک بار پھر اس کے سامنے آئی تھی۔ اس کی بے بسی کا تصور۔

"تم ایک مقصد پر چلتے ہو، اسفی۔ خطے تبدیل ہونے سے مقاصد تبدیل نہیں ہو جاتے۔" وہ آئینے کے سامنے تھی۔ اسفند کو نرم نظروں سے تکتی ہوئی۔

"میری پہچان مجھ سے چھن جائے گی۔"

"تم پہچان نہیں طاقت کمانا۔ اپنی ماں کو ہٹا کر کرسی پر آؤ، اسفی۔ اور اس خاندان کو ختم کرو جو تمہیں اس نہج پر لایا۔" وہ کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔ کرسی..... طاقت........ یہ دو چیزیں اسے بے حد مضبوط کر سکتی تھیں کیا وہ مضبوط ہونا نہیں چاہتا تھا؟

★★★★★★★★★★★

موجودہ دن

آئی سی یو کے باہر!

وہ آئی سی یو کے باہر دیوار کے ساتھ جڑ کر بیٹھا تھا گردن جھکی ہوئی تھی۔ سہراب کچھ فاصلے پر کھڑا پولیس سے بات کر رہا تھا پی کیپ اور ہڈی میں ملبوس اسفندیار یہیں تھا۔ اسے سہراب نے نہیں بتایا تھا مگر اس کی یہاں آمد پر اس نے بس ایک بات کہی تھی۔ "میرے اپنے بھی کچھ سورسز ہیں، سہراب۔"

"میری بھتیجی کے لیے مجھے آپ کی زرائع نہیں چاہیے اگر علاج ایف آئی آر کے بعد شروع ہوتا تو میں ایف آئی آر کرنے کو تیار تھا۔"

وہ چند لمحے اسے تکتا رہا۔ ”میں یہاں تمہارے لیے نہیں ہوں، ایف آئی آر تمکنت کے بیٹے پر ہو گی اور وہ ایسا نہیں چاہتی۔ یقیناً تم بھی نہیں چاہتے ہو گے کہ اس معاملے میں پولیس کا عمل دخل ہو۔“

”مجھ پر کوئی احسان کر کے آپ میری توجہ خود سے ہٹا نہیں سکتے۔“ وہ کس طرف اشارہ کر رہا تھا اسفند یار جانتا تھا۔ اس نے مڑ کر سہراب کو دیکھا۔ نگاہوں میں تنبیہہ اور کاٹ تھی۔

”جوہر فور زیرو ختم کرو، میری ماں کو جیل بھیجو، تمکنت کو تباہ کرو اور مجھے "او کے" رپورٹ بھیجو ورنہ راجہ ڈھابے کے چار قتل تم پر ثابت کر دینا میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے اور اس وقت تمہارا خاندان کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتا۔“ اس سے پہلے کہ سہراب کوئی جواب دیتا نرس نے آ کر اس سے کچھ لانے کا کہا۔ سہراب نے پرچی تھام لی، ایک بلاارادہ نگاہ اسلان پر ڈالی جو گم صم تھا، کچھ کہنے کو لب وا کیے پھر ارادہ ترک کیا اور آگے بڑھ گیا۔ اسفند نے اس کے جانے کا انتظار کیا اور پھر چوبیس لوگوں کا قاتل بغیر کسی ذات پات کے غرور کے اسلان یمن کے ساتھ آ کر بیٹھا۔

”غصہ آ رہا ہے؟“ اسلان نے جواب نہیں دیا وہ خاموشی سے فرش پر نگاہیں جمائے بیٹھا رہا۔ اس کا لباس خون آلود تھا، نگاہیں ساکت۔ ”میں جب چھوٹا تھا تو مجھے بھی آتا تھا ناانصافی ایک آتش فشاں ہوتی ہے کوئی بھی انسان اسے چھو لے تو جل جاتا ہے میں کئی سال تک جھلسا۔“ لمحے بھر کا توقف۔ ”پھر میں نے انصاف لینا شروع کیا۔ میں شاہ ویر کو صرف اپنی کمیونٹی کی خاطر نہیں مارنا چاہتا تھا، اسلان۔“ اس کی آواز اتنی نرم تھی کہ اسلان کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔ اس کی سیاہ آنکھیں شفیق تھیں اور اس کے چہرے پر بہت سارا ملال تھا۔ ”میں جانتا تھا اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے۔“

اسلان یمن کا سکتہ ٹوٹ کر بے یقینی میں بدلا۔ ”میں ان امیر لڑکوں کو مارتا تھا جو تم جیسوں کا حق کھا جاتے تھے۔ تمہیں معلوم تھا کہ میں "جانتا" ہوں اور پھر بھی شاہ ویر کے ساتھ ہوں اس لیے تم نے میرا اسلحہ تباہ کیا مگر

تم یہ نہیں جانتے تھے کہ میں پس پردہ تمہارے لیے جنگیں لڑرہا ہوں تم نے مجھ سے لڑائی مول لی اور مجھے جواب دینا تھا میں تمہیں مروا سکتا تھا لیکن ۔۔۔۔۔۔" اس نے اسلان کا بازو تھپتپایا۔" تم اچھے انسان ہو میں تمہیں مار نہیں سکتا تھا۔"

"آپ کو یاد ہے؟" وہ متحیر رہ گیا، کرائم بورڈ پر لگی اسفند کی تصویر پر اس کی جنس اسلان نے یونہی نہیں پہچانی تھی۔ اسے یاد آگیا تھا۔

"تمہیں بھی تو یاد ہے۔" وہ سکون سے کہہ رہا تھا۔" میں تمہارا احسان مند رہا ہوں، ہمیشہ۔"

اسلان اسے نہیں دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں کو دیکھتے دیکھتے وہ ماضی کے کسی منظر میں پہنچا، وہاں جہاں اس نے اسفند کو پہلی بار دیکھا تھا یہ آنکھیں وہی آنکھیں تھیں وہ انہیں کیسے بھول سکتا تھا؟

"چھوڑو مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا۔" دسمبر کی اس سرد رات میں وہ شاہ ویر کے دیے ہوئے پیسے لے کر ابھی کلب سے نکل کر ذرا فاصلے پر آیا تھا کہ اسے کسی کی آواز سنائی دی۔ اسلان نے بائیک روک دی اور نگاہیں اٹھا کر اس آواز کو تلاشنا چاہا۔" میں یہ کام نہیں کرتی صاحب ۔۔۔۔۔ میں تو راستہ بھٹک گئی تھی۔" گلی میں اندھیرا تھا اور وہاں تین لوگ کھڑے تھے ایک ادھیڑ عمر مرد، اس کے ساتھ ایک لڑکا اور وہ جس کا ہاتھ مرد نے تھام رکھا تھا وہ کوئی سولہ سترہ سال کی خنثی تھی، جو اپنی کلائی ایک دیو قامت مرد سے آزاد کروانا چاہ رہی تھی۔ مرد کا ارادہ اور بچی کی مزاحمت اسلان دونوں سمجھ چکا تھا وہ بائیک سے اتر کر اس طرف آیا۔ آتے آتے جبڑے بھینچ چکے تھے۔

"تم ہیجڑوں کی بھی نخرے برداشت کریں کیا۔۔۔۔۔ چپ چاپ چلتی ہے یا۔۔۔۔؟"

"ہاتھ چھوڑو بچی کا۔" وہ سرد مہری سے بولا۔ بچی کو ڈھونڈتی اس کی ہم ذات اس کی دو اور عزیز وہیں آنکلی تھیں مگر اسلان کو دیکھ ان میں سے ایک ٹھہر گئی۔ وہ اس کی حکمت عملی دیکھنا چاہتی تھی۔ "وہ نہیں جانتا چاہتی مطلب نہیں جانا چاہتی دین اور دنیا کا لحاظ تو تم سے نکل چکا ہے کم از کم بچی کا لحاظ ہی کر لو۔" اسلان یمن کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی۔

"کیوں تُو اس کا سگا لگتا ہے یا تو بھی ان جیسا ہے؟" وہ کہہ کر ہنسا اس کے ساتھ کھڑا دوسرا کم عمر لڑکا بھی ہنسا۔ اسلان کی نگاہیں نہیں بدلیں، چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا۔

"ان جیسا ہونے میں کیا برائی ہے؟ کم از کم یہ سڑک پر آتے جاتے کسی کے ہاتھ نہیں پکڑ لیتے۔" اسلان نے کھینچ کر اس کا ہاتھ چھڑایا مرد نے طیش سے ایک تھپڑ اسے مارنا چاہا جب اسلان نے اس کا بازو پکڑ کر پہلے اسے گھمایا اور بہت بری طرح اسے اس کا بازو مروڑا۔

"ایک ------ (گالی) کے لیے تم مجھ جیسے مرد سے لڑو گے؟" وہ خود کو چھڑوانے کی سعی کرنے لگا۔ اسلان نے اسی طرح اس کا بازو مروڑتے ہوئے اسے ایک مخصوص جھٹکا دیا جس سے چیخ کی آواز آئی اور وہ جانتا تھا وہ یکمشت اس کے بازو کی کتنی ہڈیاں توڑ چکا ہے۔ مرد کی آہ و بکا دور دور تک گئی۔

"ایک انسان کے لیے گدھ سے لڑوں گا۔" اس کے کان کے پاس سختی سے سرگوشی کی۔

اس کے عقب میں کھڑے اسفندیار نے ایک لمحے کو سوچا اگر اس طرح ہر انسان، اسلان یمن کی طرح ایک ہراسر کو آنکھ دکھانے لگے، اس کے ہاتھ روکنے لگے، غلط نگاہ کے بدلے اسے سرد نگاہ دینے لگے تو جنسی ہراسگی کے واقعات ختم نہ سہی کم ہو سکتے تھے مگر معاشرے میں "جنگل راج" قائم تھا جس کے تحت نہ کچھ دیکھو، نہ بولو، نہ سنو۔ جانوروں کی طرح کھاؤ، پیو، مخالف جنس سے تسکین حاصل کرو، آنکھ لپیٹو اور سو جاؤ یہ اصول تو جانوروں کے لیے بھی لاگو نہیں ہوتے اور انسان نے اپنے لیے کر لیے۔

لڑکا اب اس مرد کو اٹھا رہا تھا، اس کی چیخیں اب بھی گونج رہی تھیں۔ اسلان بچی کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ ”گھر کہاں ہے آپ کا؟“

”وہ۔۔۔۔ وہ سامنے میری آپا ہیں۔“ بچی نے ایک طرف اشارہ کیا تو اسفند ہوش میں آیا۔ آگے بڑھ کر اسے تھام لیا جبکہ اس کا ساتھی اسے ڈانٹ رہا تھا۔ اسلان چند لمحے وہیں کھڑا رہا یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں کم ہو گئیں۔

”کیسی سرپرست ہیں آپ بچی کا ذرا خیال نہیں؟“ وہ ہر صبح جب شلوار قمیص کے ساتھ واسکٹ پہن کر نکلتا تھا تب کئی لوگ اسے آپ کہتے تھے، عزت سے نگاہ جھکاتے تھے اور وہ ہر دفعہ جب اپنے اصل میں آتا تھا تب اس نے طرز تخاطب "تُو" سنا تھا، نگاہوں میں غلاظت دیکھی تھی۔ ”یہ وقت ہے بچی کو باہر بھیجنے کا دھیان نہیں رکھ سکتیں؟“ دونوں متحیر سی اسے تکتی رہیں۔ اسلان چپ چاپ اپنی بائیک اس طرف لایا، ہیلمٹ وہاں اٹکایا اور ہاتھ سے انہیں آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ ”چلیں اب گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔“ وہ بگڑ کر کہہ رہا تھا، ماتھے پر بل تھے۔

”گھر؟“ لیلیٰ بڑبڑائی۔

”کہیں تو رہتی ہوں گی آپ؟“

”اکیلے جانے کی عادت ہے تم اپنے گھر جاؤ۔“ اسفند نے اس سے کہا تھا۔ باقی دو چپ چاپ اس کے پیچھے چل رہی تھیں۔ ”اچھے گھر کے لگتے ہو جاؤ ہمارا روز ہے ہر دن ایک نئی جنگ کتنے روز تک ساتھ چلو گے؟“

”آج میرے ساتھ چلیں ورنہ رات کو مجھے نیند نہیں آئے گی۔“ اس نے پلٹ کر سادگی سے کہا۔ کچھ تو تھا اس کے انداز اور لہجے میں کہ وہ تینوں اسے انکار نہیں کر سکیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں اندرون لاہور کی چھوٹی چھوٹی گلیوں میں چل رہے تھے جہاں مکمل روشنی نہیں تھی تو مکمل اندھیرا بھی نہیں تھا۔

”کیسے رہ لیتے ہو؟“ بہت دیر بعد چلتے چلتے اس نے اسلان سے پوچھا۔

"کہاں؟"

"اس دور میں! تم جیسے تو برسوں قبل قصہ پارینہ ہو گئے۔" وہ بلاارادہ مدھم سا مسکرایا۔ کہا کچھ نہیں۔ "تمہیں یہ کس نے سکھایا؟ ہم جیسوں کی عزت کرنا؟"

"آپ جیسے کون؟" وہ گردن پھیرے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہم جیسے، یعنی معاشرے کے کمتر لوگ۔"

"آپ اور میں برابر ہیں، اگر میری کوئی عزت ہے تو آپ کی بھی ہے کمتر تو کوئی نہیں۔"

"ہم ادنٰی ہیں لڑکے۔"

"کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں۔ جب خطبے میں یہ حکم دیا گیا تو آپ عربی یا عجمی تھے مجھ جیسے اور میں آپ جیسا......... بنیادی حقوق سب کے یکساں ہیں۔ اسکار کہتا ہے انسان کا اس دنیا میں مذہب، رنگ، نسل اور جنس ہے یہاں سے دور پردے کے پار انسان کے پاس بس اعمال ہیں۔" اسکار کون ہے یہ اس نے نہیں بتایا۔

سفید رنگ کی ایک عمارت کے باہر بچی اور اس کے ساتھ چلتی دونوں نفوس رکے تو اسلان کو بھی رکنا پڑا۔ یہاں روشنی تھی۔ دونوں کے درمیان چند پل خاموشی رہی پھر اسفند نے آگے بڑھ کر اس کا سر تھپتھپایا۔ "میری دعا ہے کہ تم جہاں جاؤ، خدا تمہارے ساتھ رہے۔"

لوگ کہتے تھے ان جیسوں کی بددعائیں لگتی ہیں مگر اس روز اسلان یمن نہیں جانتا تھا اسے یہ دعا لگ جائے گی۔

اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نگاہ ان سیاہ آنکھوں پر پڑی۔ سب کچھ گڈ مڈ ہو گیا۔ وہ حال کے اسفندیار کے سامنے بیٹھا تھا۔ تہی دست، اجاڑ۔

”آپ۔۔۔“ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ”میں آپ کو یاد ہوں؟“

”اور میرے ساتھ لیلیٰ تھی۔“ وہ یاد کر کے بتا رہا تھا۔ ”لیلیٰ انتخابات لڑنا چاہتی تھی شاہ ویر کی تنظیم میں شامل ہو کر اپنے لوگوں کے لیے آواز اٹھانا چاہتی تھی لیکن شاہ ویر نے اسے آدھا اور ناکارہ انسان کہا۔ اس کے پہلے بھی کچھ مسائل تھے وہ بیمار تھی سہار نہ سکی اس نے خودکشی کر لی، اسلان۔“

اسلان چپ چاپ اسے تکتا رہا۔ وہ اس خودکشی کی بابت جانتا تھا مگر اسے وجہ معلوم نہیں تھی۔ ”ہم اکثر تمہارے بارے میں بات کرتے تھے۔ تمہاری تربیت، رکھ رکھاؤ اور بہت کچھ۔ اس نے مجھ سے کہا تھا تمہارا قرض اتاروں۔“ پرانے وقت کو یاد کرتے ہوئے اس کا دل جلنے لگا۔ ”میں تمہارا قرض اتاروں گا تم آج کے بعد شاہ ویر کو نہیں دیکھو گے۔ میں اسے دیکھ لوں گا۔“ وہ رکا۔ ”تمہارے لیے۔“ اضافہ کیا۔

”میں نے آپ سے یہ نہیں مانگا۔ اگر آپ واقعی خود کو میرا قرض دار سمجھتے ہیں تو اسے میرے لیے چھوڑ دیجیے۔“ اسفندیار کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتی اسلان یمن کی بھوری آنکھیں فیصلہ کن تھیں۔

”تم نہیں چاہتے وہ مرے؟“

”وہ مرے گا مگر میرے ہاتھوں۔“

”تم قاتل نہیں ہو!“

”جان سے مارنے والا؟“ اس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ ”ہاں نہیں ہوں مگر قتل کی کئی اقسام ہوتی ہیں میں اسے ایک ایک سے متعارف کرواؤں گا۔“ اسفند اسے دیکھے گیا اسلان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"اگر آپ واقعی خود کو اور مجھے برابر سمجھتے ہیں تو آپ اسے اُف تک نہیں کہیں گے۔ وہ میرا معاملہ ہے، میرے گھر کے مرد اپنے معاملے خود دیکھتے ہیں۔"

وہ چند پل اسے دیکھتا رہا اور پھر بغیر کچھ کہے اٹھ گیا۔ کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ اٹھایا اور پھر اسلان نے اسے اپنا سر تھپتھپاتے ہوئے دیکھا۔ وقت کا کانٹا سست رفتاری سے چلتا رہا۔ دواؤں کی بُو نتھنوں میں گھستی رہی۔ اسفند یار انصاری اب راہداری میں بڑھ چکا تھا۔

★★★★★★★

"ہم نے بلٹ نکال دی ہے۔ لیکن خون کثیر مقدار میں ضائع ہوا ہے آپ کی بچی کے گردے اور باقی اعضاء محفوظ ہیں گولی اور خنجر مارنے والے کا واحد مقصد خون کا ضیاع تھا۔" ڈاکٹر سہراب کو دو ڈھائی گھنٹے کے اس قصے کے نتائج سے آگاہ کر رہا تھا۔ عالمگیر ہنوز اندر ہسپتال کے بستر پر موجود تھا پورے گھر میں آراہ سے صرف اس کا خون ملا تھا اور وہ بلا تردد عطیہ کرنے کو راضی تھا۔

"کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے نا؟"

"بچی کی حالت بہت خراب ہے، زخم بہت ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی پیٹھ پر کسی پتھریلی جگہ پر گھسیٹے جانے کے نشان ہیں، گردن اور چہرے پر بھی تشدد کے نشان ہیں اور یہ گولی لگنے کے بعد ہوا ہے۔" وہ رکے۔ اسلان ان نے آگے بولنے کا منتظر تھا۔ "تنگ جگہ پر قید ہونے کی وجہ سے انہیں سانس لینے میں کافی دقت ہوئی ہے شاید پھیپھڑے کچھ متاثر ہوئے ہوں جس کے لیے ہمیں کچھ ٹیسٹس کرنے ہوں گے۔"

سہراب خاموش تھا۔ اسلان نے مٹھی بھینچ رکھی تھی وہ دونوں کوئی سوال کرنا چاہتے تھے مگر کر نہیں پائے ان کے ساتھ کھڑی دل آراہ نے اپنا حلق تر کیا اور کچھ پوچھا۔ "کیا زیادتی۔۔۔۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا۔" ڈاکٹر نے اس کی بات کاٹی۔ اسلان کی بھینچی مٹھی کھل گئی، سہراب کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے اور دل آراہ چہرے پر ہاتھ رکھے تشکر سے پیچھے ہوئی۔ "اگلے چوبیس گھنٹے کریٹیکل ہیں میں آپ سے کسی قسم کی کوئی امید چھیننا نہیں چاہتا لیکن چانسز ستر تیس ہیں۔"

"ستر سروائیول کے؟" سہراب نے امید سے پوچھا ڈاکٹر نے اس کا کندھا تھپتھپایا، یہ حوصلے کی تلقین تھی۔

"تیس سروائیول کے!" وہ بول کر چلا گیا تھا اپنے پیچھے گہرا سکوت چھوڑ گیا۔

سہراب دھپ سے کمرے میں رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسلان ساکت رہا اور پلنگ پر لیٹا عالمگیر چپ چاپ چھت کو تکتا رہا۔ اسے ہسپتال نہیں پسند تھے اور یہاں احتجاج کرنا اس سے بھی زیادہ ناپسند۔ یہاں اس نے افتخار یمن کے لیے احتجاج کیا تھا وہ نہیں بچے، یہاں وہ عبیر کے سامنے گرفتار نہیں ہونا چاہتا تھا وہ ہو گیا، اب وہ چپ تھا کوئی خوف سا دل میں کنڈلی مار گیا تھا کہ یہ احتجاج بھی بے کار ثابت ہو گا۔

تھوڑی دیر بعد سہراب اور دل آراہ کمرے سے نکل گئے تھے، اسلان اسی حالت میں نیچے بیٹھا تھا۔ اس نے گولی اور خنجر مارنے کے بعد آراہ پر تشدد کیا تھا، اسے گھسیٹا، باندھا اور نہ جانے کیا کیا؟

"پانی پی لو۔" اسلان نے اس متفکر آواز کی سمت نگاہ اٹھائی۔ بنفشہ احسان مخدوم پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائے تھی جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔ عالمگیر بستر سے اٹھ کر واش روم جا رہا تھا اور جب وہ چلا گیا تب وہ اس کی دائیں طرف بیٹھ گئی۔ بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

"آراہ ٹھیک ہو جائے گی مجھے یقین ہے۔" اس کا لہجہ حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ کپڑے جگہ جگہ سے خراب اور کف پر آراہ کا خون موجود تھا۔ وہ دوبارہ خاموش رہا۔ ہتھیلی کو کھرچتے ہوئے اس کی نگاہیں دور کہیں جمی رہیں۔

"کچھ کھانے کو لا دوں یا پھر کافی؟" خاموش، خاموشی، خاموشی۔

”کچھ چاہیے؟“

”آپ گھر جائیں وکیل صاحبہ یہاں ہم موجود ہیں۔“ اس نے گردن جھکائے اجنبیت سے کہا۔ بنفشہ تھم گئی۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے تکے گئی۔

”تمہیں نہیں لگتا مجھے یہاں ہونا چاہیے تم نے مجھے روکا تھا اسلان۔“

”کیس کے لیے روکا تھا۔“ پانچ الفاظ تھے محض پانچ اور پانچ سو دفعہ چُبھے۔ ”کیس ختم ہو گیا ہے اب آپ کو جانا چاہیے وہ گھر ٹھیک ہے جہاں آپ پہلے رہتی تھیں۔ میں آپ کا سامان پہنچانے میں مدد کروں گا۔“

اس روز گاڑی میں اسلان کی باتیں سنتے ہوئے جو طمانیت وہ ساتھ لائی تھی سب کافور ہو گئی۔ اس کی آنکھیں ایک نقطے پر ساکت تھیں اور دل بنجر۔ ”تمہیں لگتا ہے ساری دنیا تمہارے اشاروں پر چلتی ہے تم کہو گے تو رکا جائے تم کہو تو جایا جائے؟“ اس نے کچھ سختی سے کہا۔ کیا حق تھا اسے کہ وہ ہر بار اس کا دل ریزہ ریزہ کر دیتا تھا؟

اسلان نے کچھ نہیں کہا بس پشت دیوار سے جوڑ کر آنکھیں بند کر لیں۔ بنفشہ کو اپنا آپ غیر ضروری لگا اور اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے اپنے دل پر بھاری پتھر پڑتے محسوس کیے۔

”میں تم سے بات کر رہی ہوں، اسلان۔“

”اور میں اپنی بات کر چکا۔“ وہ چند پل اس کی جانب سے کسی جواب کی منتظر رہی مگر جب اس نے کسی صورت نگاہیں نہ کھولیں تو وہ اٹھی۔ واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر نکلتا عالمگیر ناپسندیدگی سے دونوں کے تنے ہوئے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ چلی گئی تو عالم بھڑکا۔

”تم تکلیف میں ہو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اسے بھی تکلیف دینا شروع کر دو؟“

"اسے بچا رہا ہوں۔" وہ بڑبڑایا۔

"اگر یہاں سے جاتے ہوئے اس کا کوئی حادثہ ہوا وہ مر گئی تو کیسے بچاؤ گے؟"

اسلان نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔ اس کے لب بھینچ چکے تھے۔ "ایسے مت کہو۔" اس نے بے حد ناگواری سے ٹوکا۔ وہ نقاہت زدہ مرد دوبارہ پلنگ پر آ کر بیٹھا، تکیوں کے سہارے نیم دراز۔

"میں صحیح کہہ رہا ہوں میں نے میرال کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن اس کی موت لکھی تھی سو وہ مر گئی۔ تقدیر کا لکھا کوئی نہیں کاٹ سکتا لیکن اپنی خوشیوں کا منکر نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں لگتا ہے تم اسے خود سے دور کر دو گے تو وہ خوش رہے گی مجھ سے لکھوا لو ایسا نہیں ہو گا۔"

"کم از کم اس کی یہ حالت نہیں ہو گی جو اس وقت آراہ کی ہے۔" اسلان یمن کی آواز لرزی، اس میں کوئی گیلا پن سا تھا۔ وہ خود کو اور زندگی کو تعمیر کرنے لگتا تھا مگر شاہ ویر بنگش دوبارہ آجاتا تھا، اسے توڑنے اور تہی دست کرنے۔

"پھر تو تم بھی خود کو شاہ ویر کے عتاب سے بچا سکتے تھے کیوں نہیں بچایا؟" عالم آج کوئی لحاظ رکھ ہی نہیں رہا تھا۔ اسلان کی رنگت سرخ ہوئی۔ "اگر تمہیں لگتا ہے آراہ کے ساتھ یہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے تو تم غلط ہو۔ یہ شاہ ویر کا اپنا عارضہ تھا دنیا کی کوئی بھی عدالت اس جرم کو جرم مانتی ہے جو انسان نے اپنے ہاتھوں سے کیے ہوں مگر ضمیر کی عدالت کڑی ہوتی ہے اس عدالت میں کئی بے موت مارے جاتے ہیں تم مت مرنا۔" اسلان نے ناک سے گیلی سانس خارج کی۔ عالم بھی قدرے ٹھنڈا ہوا۔

"ادھر آؤ۔۔۔۔!" بازو پھیلا کر اسے بلایا۔ اس نے بچوں کی طرح سر نفی میں ہلایا۔

"ادھر آؤ یار۔" وہ سر جھکا گیا، اٹھا نہیں۔ "اسلان۔۔۔۔۔" اب کے نرمی سے پکارا۔ "ادھر آؤ میرا بیٹا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا، گردن جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس تک گیا اور اگلے ہی پل وہ عالم کے قریب لیٹا، اس کے بازو سے لپٹ کر بے آواز رو رہا تھا۔ سارا خوف نکل آیا تھا۔

"میں اسے کھونا نہیں چاہتا، عالم۔ کبھی بھی نہیں۔" عالم چپ چاپ اسے تھپک رہا تھا اور وہ کسی ننھے بچے کی طرح روئے گیا۔ "میں چاہتا ہوں وہ ہمیشہ میرے ساتھ رہے میں۔ میں اسے خوش رکھنا چاہتا ہوں لیکن میں ڈر گیا ہوں۔ پنار میری وجہ سے مر گئی آراہ مر رہی ہے اور میں اس فہرست میں "اسے "شامل نہیں کرنا چاہتا۔ نہ میں اسے چھوڑ سکتا ہوں نہ میں اسے ساتھ رکھ سکتا ہوں میں اتنا مجبور کیوں ہو گیا ہوں؟" اس کا پورا وجود ہچکولے کھا رہا تھا، اور دل میں جلن تھی جو کسی شے سے بجھ نہیں رہی تھی۔ "شاہ ویر کیوں مجھے جینے نہیں دیتا ہے آخر میرا قصور ہے کیا؟" عالم خاموش رہا۔ "وہ آراہ کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے وہ مر بھی سکتی تھی۔"

اس نے عالم کا بازو مزید سختی سے جکڑ لیا۔ "دنیا کے سارے مرد پرفیکٹ ہیں، ان کو گھر چلانا آتا ہے، وہ جاب کرتے ہیں، شادی کرتے ہیں، بہن، ماں باپ کا خیال رکھتے ہیں اور میں ....میں صرف ایک فیلئیر ہوں کوئی مرد مجھ جیسا نہیں ہوتا کوئی اتنا ناکام نہیں ہوتا میں...... کبھی کچھ نہیں کر سکتا۔ نہ دوست بنا سکتا ہوں، نہ مجھے کوئی نوکری ملے گی نہ میں اپنے گھر والوں کے معیار پر پورا اتروں گا، نہ کبھی محبت حاصل کر پاؤں گا میں کسی کام کا نہیں میں صرف ایک فیلیئر ہوں۔"

عالم نے اسے رونے دیا۔ وہ یہی کرتا تھا سن لیتا تھا، رونے دیتا تھا، ٹوکتا نہیں تھا جب وہ تھک گیا تب اس نے اسلان کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "کچھ سال پہلے میرے پاس سب تھا۔ ایک شاندار کیریئر، سادات کا نام، لعل یمن جیسا گھر، تاجور جیسی خوبصورت عورت اور بہت سارا پیسہ۔ مجھے پھر ساری دنیا نے بتایا کہ میں ابھی آدھا کامیاب ہوا ہوں اب مجھے شادی کرنی چاہیے تاج نے مجھے چھوڑ دیا اور میں نے ثمن سے شادی کر لی۔ اب تو میں مکمل کامیاب تھا نا؟ لیکن نہیں مجھے سب نے کہا کہ اب مجھے ایک بچہ پیدا کرنا چاہیے ایک عدد سائیڈ بزنس بھی۔ میں نے

جمع پونجی لگا کر ایک فلیٹ لے لیا، عبیر ہو گئی اور پھر مجھے کہا گیا کہ نہیں اب مجھے ایک بیٹا پیدا کرنا چاہیے پھر میں ایک کامیاب اور مکمل مرد بنوں گا تب پہلی دفعہ میں نے بیٹھ کر سوچا۔۔۔۔۔"

اس نے اسلان کو دیکھا جو غور سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔"یہ جو سب کچھ تم بتا رہے ہو نا یہ معاشرے کے طے کردہ معیار ہیں۔ قدامت پسندی نے صرف عورت کا نقصان نہیں کیا یہ نقصان مرد کا بھی ہوا ہے پھر میں نے اس سے مخالفت کی میں نے وہ کیا جو میرا دل کیا میں معاشرے کا کامیاب مرد نہیں بننا چاہتا تھا مجھے ضمیر کا کامیاب مرد بننا تھا۔ غور سے دنیا کو پرکھنا سیکھو کئی مرد ہیں جو باہر کی دنیا میں اونچے عہدوں پر فائز ہیں نرم گفتار ہیں مگر جب وہ گھر جاتے ہیں ان کے بھائی ان کی شکل دیکھنا نہیں چاہتے، ان کی بیٹیاں ان سے ڈرتی ہیں، ان کی بیویاں سہم جاتی ہیں یہ ہوتا ہے ناکام مرد۔ تم اب بھی خود کو ناکام سمجھتے ہو؟"

"یعنی میں فیلیئر نہیں؟"

"یہ میں نہیں بتاؤں گا تم خود سوچو کیا تمہاری بہن تم سے کوئی بات کرنے سے ڈرتی ہے، کیا کوئی عورت تمہاری وجہ سے راستہ تبدیل کرتی ہے، کیا کسی کے گھر کی بچی تم سے غیر محفوظ ہے، کیا تم اپنے بڑوں کی عزت نہیں کرتے، کیا تم انسانوں اور جانوروں کی تکلیف محسوس نہیں کرتے؟" عالم رکا۔" you haven't failed as a man تم ایک انسان ہو انسانوں کی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں جس طرح میری "معاشرتی کامیابی" میرا پیسہ، میری بیویاں، میرا اسادات ختم ہو گیا اسی طرح اس وقت تم بھی اسٹرگل کر رہے ہو ہر انسان کرتا ہے لیکن یہ سب اس بات کو "ڈیفائن" نہیں کرتے کہ تم ایک کامیاب مرد نہیں ہو۔"

وہ چپ ہو گیا۔ عالم سے زیادہ قیافہ شناس آدمی اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔"اسکار بھی کامیاب مرد ہے؟" ایک بار پھر اسی خوف سے پوچھا، بچوں جیسا سوال۔ عالم نے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"اسکار افسر آدمی ہے دماغ سے سوچتا ہے گولیوں سے عمل کرتا ہے اس کے کیا ہی کہنے؟"

اسلان کچھ مطمئن ہو کر اس کے ساتھ لیٹ گیا۔ دونوں کی نگاہیں چھت پر جم گئیں۔ عالم اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ "آراہ ٹھیک ہو جائے گی نا؟"

"سروائیور ہے وہ تم دیکھنا اسے کچھ نہیں ہو گا۔" اگلے کئی منٹ دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر جو بھی کہہ گیا تھا وہ دونوں فی الحال اس گفتگو سے پرہیز کر رہے تھے۔

بہت دیر بعد اسلان نے اسے مخاطب کیا۔ "اب کیا کروں؟" دونوں جانتے تھے اس کا اشارہ کس جانب ہے۔

"فی الحال کچھ مت کرنا گالیاں یا تھپڑ کھا کر آجاؤ گے۔" عالم نے تنبیہہ کی۔ "اب لفاظی چھوڑ دو عمل کر کے دکھاؤ۔ یمن بنو۔"

"یہی سوچ رہا ہوں۔" اس نے مبہم جواب دیا۔ اسے پتا تھا یمن مرد اپنی محبت کے لیے کیا کرتے ہیں۔ دھیان ایک بار پھر آراہ کی طرف چلا گیا مشینوں کی بپ بپ کے درمیان زندگی بھی کوئی آواز کر رہی تھی۔

★★★★★★★★★

("میں امریکا میں ایک آزاد زندگی گزار رہا تھا مگر تمہاری وجہ سے۔۔۔۔۔" اس نے منہ سے کف نکالتے سہراب کی طرف اشارہ کیا۔ "تمہارے اس ایک انکاؤنٹر کی وجہ سے مجھے واپس آنا پڑا اور اس کے بعد میرے اندر اتنی آگ تھی کہ میں تمہیں جلا دینا چاہتا تھا۔")

امریکا سے آئے ہوئے اسے ایک ماہ بیت چکا تھا اس کے سامنے تمام یمن خاندان کی تصاویر اور پیشے کی تفصیل بکھری ہوئی تھی۔ اس کا حلیہ یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ اب اس "معاشرے" کا مرد دکھتا تھا۔ تھوڑی دیر تک کمرے کو لبوں سے چھوٹتے دھوئیں سے بھرتے رہنے کے بعد اس نے سامنے دیکھا وہ نزاکت سے کھانستی دھوئیں کے درمیان سے نکلتی اس کے سامنے میز پر آکر بیٹھی۔ اسفند کے ہاتھ سے سگار لے کر بجھا دیا، اور ذرا سی

ڈھیلی ہو کر ہتھیلیوں کے بل پیچھے کو ہوئی۔ "میں نے تمھیں سکھایا تھا، اسفی تمھیں دنیا حقوق نہیں دے گی اگر تم "رہنا" چاہتے ہو تو تمھیں لڑنا ہو گا۔"

"میں کس کس سے لڑوں؟" اس نے تھک کر اپنا سر اپسرا کی گود میں رکھ لیا۔ یہ آغوش اس کے لیے بے حد مقدس تھی۔ "تم بتاؤ میں کیا کروں.....ایک مدت بعد مجھے میری شناخت واپس مل گئی تھی میں خوش تھا اور۔"

"تمھاری خوشی اس افسر نے برباد کی ہے تم اس کی خوشی تباہ کرو۔"

"اس کی خوشی کیا ہے؟"

"اس کا خاندان۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے تکا وہ نرم نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

اگلے چند پلوں میں اسفند یار انصاری نے چند کالز ملائی تھیں۔ سہراب کا تبادلہ (اسے اپنے جس کام سے بے انتہا محبت تھی اب وہی کام وہ مری کے جنگلوں میں کرے) یافث طارون کا کاروبار راتوں رات تباہ اور عالمگیر کے لیے اس نے کچھ سوچ رکھا تھا۔ اپسرا اس کے تمام فیصلوں سے خوش تھی۔

"اور اس کا بھتیجا؟"

"وہ پہلے ہی اپنی زندگی کا سیاہ ترین باب جی رہا ہے۔"

("تم جانتے تھے اسلان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" سہراب بے یقین تھا۔

اسفند عجیب سی کھوکھلی ہنسا۔ "روز اول سے۔۔۔۔۔میں سب جانتا تھا۔"

"اور آپ نے تب شاہ ویر کو کچھ نہیں کہا؟" عقب میں بیٹھے اسلان نے آزردگی سے پوچھا۔

"نہیں کیونکہ میں تمہارا خاندان برباد کرنا چاہتا تھا اور مجھے لگتا تھا تم بھی انہی کے جیسے کاذب ہو لیکن بعد میں سڑک پر تم سے ملاقات کے بعد میں بدل گیا تھا۔"

"اور تم اب بھی سمجھتے ہو تم قدرت کے سالار ہو، اس کے بندوں پر رحم کرتے ہو اور انہیں ظلم سے نجات دلاتے ہو؟" اس نے ریوالور کی مدد سے اسفند کا چہرہ اونچا کیا۔ " it's all about YOU" ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر ادا کیا۔ "تم جو کرتے تھے اپنے لیے کرتے تھے، تم نے جتنے لوگوں کی جان لی اپنے لیے لی۔ اگر تمہیں اپنی کمیونٹی کی اتنی فکر تھی تو تمہیں چاہیے تھا انہیں تعلیم دو۔ اگر ان کے پاس تعلیم ہوتی تو وہ کسی کے گھر جا کر ناچتے نہیں، تم انہیں جاب دیتے تو یہ لوگ جسم فروشی نہ کرتے یہ تمہارے اپنے الفاظ ہیں کبھی اس نہج پر سوچا کیوں نہیں؟"

اسفند کی نظروں میں سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے لب سیدھی لکیر میں بند تھے۔ "میں نے جو کیا وہ احکام تھے۔"

"یہ تمہارا ذہنی عارضہ تھا۔"

"تمکنت تو تمہاری دوست تھی؟" عالم ان دونوں سے بے نیاز کسی خواب کی سی کیفیت میں بولا۔ "تم جوہر فور زیرو کھلوا کر اسے کیوں تباہ کرنا چاہتے تھے؟"

"تمکنت میری دوست نہیں ہے۔" وہ پھنکارا۔ "جس روز وہ میرا اصل جان جائے گی وہ مجھ پر تھوکے گی خدا نے مجھے صرف دو دوست دیے تھے۔ لیلیٰ اور رابعہ میں نے ان دونوں کو بنگشوں کی وجہ سے کھو دیا اب میرا فرض تھا کہ میں انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دوں۔"

پاکستان واپس آکر ایک نئی زندگی شروع کرنا مشکل تھا مگر اتنا بھی نہیں۔ اس نے کافی دوست بنا لیے تھے، زندگی آگے بڑھ آئی تھی۔ اس وقت وہ تمکنت کے ساتھ تھا۔ ”سنا ہے آپ کوئی نئی فلم بنا رہی ہیں۔“ گاڑی کی عقبی نشست پر بیٹھے وہ دونوں ٹریفک کُھلنے کے انتظار میں تھے جب اسفند نے یہ ذکر چھیڑا۔

”ارادہ تھا لیکن اب نہیں۔ مجھے اس کی اسکرپٹ سے مسئلہ ہے۔ گھوم پھر کر ساری کہانی مشرق کے خواجہ سراؤں کی حمایت میں جاتی ہے۔“

”تو؟“ اس کی تمام حسیات جاگ چکی تھی۔

”میں اس سب میں نہیں پڑنا چاہتی اور ویسے بھی ان کو حقوق ملنے لگے تو ہمارے ہی منہ کو آئیں گے۔“

”یعنی یہ لوگ جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں اس پر آپ اختیار رکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں کریں گی؟“ وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو روک نہ سکا۔

”کم آن، اسفند ان سے مجھے کیا؟ اس ملک میں حقوق دلانے کو مرد عورت بھی ہیں پہلے ہم انہیں تو دیکھ لیں۔ بائی دا وے کل تم نے جو عوام سے خطاب کیا وہ کمال تھا اب مجھے سمجھ آیا تمہارے بابا کیوں چاہتے تھے کہ تم واپس آؤ اور میں خوش ہوں کہ میں نے روبینہ کو تمہیں واپس لانے کا مشورہ دیا۔“

اسفند دم سادھ گیا۔ ”آپ۔۔۔۔ آپ نے مجھے واپس بلوانے کا کہا تھا؟“

”ہاں تمہارے بابا چاہتے تھے۔ سچ بتاؤں تو انہوں نے مجھے پیشکش دی تھی کہ اگر تم واپس آجاؤ تو وہ اسلحے کے کاروبار میں میرا حصہ بڑھا دیں گے۔“ وہ عام سے انداز میں بتا رہی تھی۔ اسفند پلک تک نہ جھپک سکا۔ ”میں تمہارے آنے سے بہت خوش ہوں، اسفی۔“

”وہاں میری ایک زندگی تھی میں وہاں خوش تھا۔ اور آپ یہ بات جانتی تھیں۔“

”جانتی ہوں مجھے بتایا تھا رابعہ نے، اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہاری ماں سے بات نہ کروں لیکن مجھے یقین تھا تم یہاں آ کر بھی خوش رہو گے۔“ وہ اس سے بے نیاز تھی اس کی ساری بات گھوم پھر کر اس کی اپنی ذات تک آتی تھی۔ اس کے بعد اسفند نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموش ہو گیا تھا مگر اس کے اندر کا خلفشار نہ خاموش ہوا نہ ختم۔ جس تعلق کی بنیاد ہی مادیت پرستی تھی وہ اس تعلق سے کیا ہی امید رکھتا؟ وہ اس کی دوست نہیں تھی وہ جان گیا تھا۔

”اور تمہارا باپ اس کا کیا اس نے تو کبھی تم سے نفرت نہیں کی تم اسے کیوں قبول نہیں کر سکے؟“ اب کے اسفند کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ چند لمحے وہ چہرہ جھکائے بیٹھا رہا اور پھر عالم نے آنسوؤں کے چند قطرے اس کی گود میں گرتے ہو دیکھے۔ بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں وہ رنج نظر آیا جو عالم نے آج تک کہیں نہیں دیکھا تھا یا شاید یہ وہی ملال تھا جو میرال کی آنکھوں میں تھا۔

”میری ماں نے مجھے قبول نہیں کیا مجھ سے نفرت کی مگر وہ آخر کار میری ماں تھی بعض دفعہ اس کا لہجہ میرے لیے نرم پڑ ہی جاتا تھا لیکن میرا باپ۔۔۔۔۔۔۔ میرے باپ نے مجھے اس جسم سے محروم کیا جو مجھے خدا نے دیا تھا، اس نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا میں اس سے صرف نفرت نہیں کرتا میرے بس میں ہو تو میں اسے زندہ گاڑھ دوں۔“

”یعنی تم نے اس کی قبر بھی شروع سے تیار کی؟“ اسفند نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

”شروع سے نہیں کیونکہ مجھے اس سے ڈر لگتا تھا۔“ دونوں یمن ہل نہیں سکے، وہ خوف زدہ تھا وہ واقعی خوف زدہ تھا۔ ”پھر میں نے ایک دو روز قبل ہر ڈر ختم کر دیا۔ کرسی کی طرف بڑھتا میرا ہر قدم مجھے بے خوف کر رہا ہے۔“

اسے امریکا سے آئے ہوئے چند ماہ ہوئے تھے اور آج اس کی سجاد کے ساتھ ایک تفصیلی ملاقات ہو رہی تھی۔ وہ معتقد مرید کی طرح ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ اسے سجاد کبھی باپ نہیں لگا تھا وہ ایک dictator تھا جس نے اسفند کی زندگی کو رسیوں سے الجھا رکھا تھا۔ وہ بتاتا تھا کیا کرنا ہے، وہ جتاتا تھا اسفند جو ہے اس کی وجہ سے ہے۔

"جانتے ہو ابراہیم بھاگ سکتا تھا۔" شراب کی بوتل سے گلاس بھرتے اس نے اسفند سے پوچھا۔ "مجھے نہ اس کی عورت بازی سے مسئلہ تھا، نہ ہی شراب اور نہ ہی اقتال۔ اس سے میرا واحد مسئلہ یہ تھا کہ وہ میرا بیٹا نہیں تھا۔" یہ بات اسفند کے لیے نئی نہیں تھی ابراہیم روبینہ اور اس کے تایا کا بیٹا تھا جن کی وفات کے بعد روبینہ کی شادی سجاد سے ہوئی۔

"مجھے سیاست میں میرا اپنا بیٹا چاہیے تھا تمہاری پیدائش پر میں مایوس ہوا تھا لیکن پندرہ سال کی عمر میں جو تم نے کیا اس سے مجھے خوشی ہوئی۔ تم نے پہلی بار ثابت کیا تم میرے بیٹے ہو، ہاں مگر ایک ذرا سی خامی کے ساتھ۔"

"وہ خامی نہیں میرا اصل تھی۔" اس نے کہا نہیں بس سوچ سکا۔ وہ اب کہتا نہیں تھا۔ لبوں پر جھوٹی مسکان سجائے وہ انہیں سن رہا تھا۔

"اب تم میں وہ خامی نہیں اب تم سیاست کے لیے تیار ہو۔" اس نے ایک گلاس اسفند کی طرف بڑھایا، اور آگے بڑھ کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "میرا بیٹا، میرا شیر۔"

اسفند ہولے سے مسکرایا۔ "آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے، بابا؟"

"تمہیں سیاست کی اس گدی پر دیکھنا جہاں میں آنا چاہتا تھا مگر میری معذوری آڑے آگئی۔" اسفند نے سمجھ کر سر ہلایا۔

ہفتے پر لگا کر اڑے، ماہ سال میں تبدیل ہوئے اور آج انتخابات سے دو ماہ قبل وہ اپنے باپ کے سامنے کھڑا تھا۔ تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ اسفند یار انصاری اپنے باپ کے کمرے میں اس کے پلنگ کے سامنے کھڑا تھا۔ پورے قد کے ساتھ طاقتور اور صاحب استطاعت۔ ”آپ کی سب سے بڑی خواہش ایک خواہش ہی رہے گی، بابا۔“

”اسفند؟“ انہوں نے تحیر سے پکارا۔ مگر تحیر بڑھ گیا جب محافظین نے اس معذور مرد کو اٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ وہ متحیر سا اسفند کو دیکھ رہا تھا۔ ”اس۔۔۔ اس. اسفند؟“

اسفند مسکراتا ہوا آگے آیا۔ اس کے پیچھے تین سے چار ڈاکٹر اندر داخل ہوئے۔ سجاد سانس روکے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ”بہت سال لگ گئے بابا۔۔۔۔۔۔ بہت سال۔۔۔۔ میرے استحصال کو آج کئی سال مکمل ہوئے۔ اور آج یہ روز انتقام ہے۔ آپ چند گھنٹوں بعد اپنے ہاتھوں سے بھی معذور ہو جائیں گے آپ بول نہیں سکیں گے بابا۔ آپ کھا نہیں سکیں گے کسی سہارے کے بغیر خوشی، غم، تکلیف، راحت آپ کے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہو گا۔ آج آپ کے جسم پر میرا اختیار ہے اور آج میرا اختراع آپ کو بتائے گا نارمل صرف میرا دماغ نہیں تھا آپ نے میرے جسم کے ساتھ غلط کھیل کھیلا۔“ وہ بول نہیں رہا تھا سجاد انصاری کے جسم میں قطرہ قطرہ زہر انڈیل رہا تھا۔

”اس۔۔۔۔ اسفند۔۔۔۔۔“ سجاد پیچھے سے چلایا۔ متوحش، بے چین۔ ”اسفی واپس آؤ! مجھے صرف دو ماہ کا وقت دو اسفی۔۔۔۔۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ میں تمہیں گدی نشین ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔“ وہ نہیں سن رہا تھا راہداری میں چلتے ہوئے اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا وہ جنون کی ہر حد پار کر آیا تھا۔ اسے اب انسان، انسان لگنا بند ہو چکے تھے۔ جو کبھی اس کی جان کو آیا تھا آج ان میں سے ہر ایک کی جان وہ خود لے گا، یہ اس کا عہد تھا۔

★★★★★★★★★★

”چوبیس گھنٹے بعد!“

بند آنکھوں اور زخمی چہرے والی لڑکی شاید جینا چاہتی تھی اس کی مزاحمت ہسپتال کے بستر پر بھی جاری تھی۔ سہراب اور اسلان راہداری میں موجود تھے جب ڈاکٹر رشنا اور ڈاکٹر عتیق ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ کی بچی سروائیو ہے مبارک ہو وہ خطرے سے باہر ہے۔ آرگنز سلامت ہیں کوئی میجر ڈیمجز نہیں ہیں۔ ریڑھ کی ہڈی اگلے چند ماہ تک متاثر رہے گی، جس بازو میں گولی لگی ہے وہ اسے مکمل طور پر اٹھا نہیں پائیں گی لیکن کچھ وقت بعد تک یہ مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" رشنا ایک پل کو رکیں۔ "یہ ہم نے اس جسم کا علاج کیا ہے جو نظر آتا ہے، مگر یہ مت بھولیے گا کہ اس حادثے کا سب سے بڑا نقصان ان کے دماغ کو ہوا ہے۔"

سہراب نے سر ہلایا۔ "وہ چل سکتی ہے نا؟"

"بالکل چند ہفتے تکلیف رہے گی اور اس کے کچھ ماہ کمر میں درد مگر وہ چل سکتی ہیں۔"

اسلان نے بے اختیار چہرے پر ہاتھ پھیرا، سہراب ڈاکٹر کے ساتھ ہلکا سا مسکرایا۔ "ابھی وہ دو ہفتے تک یہیں رہیں گی کچھ مزید ٹیسٹس کرنے ہوں گے اور سائیکالوجسٹ کے ساتھ ایک سیشن ہو گا اور۔" مہنگے ہسپتال کی وہ ڈاکٹر مزید بتاتی جا رہی تھیں سہراب سن رہا تھا۔ اسلان جانتا تھا کسی کا بچ جانا اصل معرکہ نہیں ہوتا بقا کا اصل سفر اس کے بعد ہے جہاں سے ریکوری کا دور شروع ہوتا ہے۔

اس نے سامنے سے دل آراہ کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ تھکی تھکی عورت اس کے پاس آکر رکی۔ مستفسر نگاہوں سے اسلان کو دیکھا۔ "کیا ہوا ہے؟"

"آراہ ٹھیک ہو جائے گی۔ میری بہن ٹھیک جائے گی ممی۔" اس کی آنکھوں میں چمک تھی دل آراہ رو پڑی اور اگلے ہی لمحے وہ اسلان سے لپٹ گئی۔ ایک لمحے کو وہ ٹھٹکا۔ اس کی ماں نے آخری بار اسے گلے کب لگایا تھا اسے یاد بھی

نہیں تھا وہ بہت دیر تک برف کے مجسمے کی مانند کھڑا رہا، ہاتھ پہلوؤں میں گرے ہوئے اور پھر اس نے بہت نرمی اور آہستگی سے اس کے بالوں کو تھپتھپایا، اور تھوڑی دیر بعد خود سے الگ کیا۔ اسے اس وقت اپنے کپڑوں کا احساس ہوا تھا جو اب تک خون کے خشک داغوں سے بھرے تھے اسے بدلنے تھے، کچھ کام کرنے تھے آراہ ٹھیک تھی اور اب سے اسلان کے ٹھیک نہ ہونے کا وقت شروع ہونے والا تھا۔

سہراب پارکنگ لاٹ تک آیا جہاں عالمگیر اپنی گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا، سہراب کو دیکھ اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔ تھوڑی دیر دونوں کے درمیان خاموشی برقرار رہی پھر سہراب نے کسی خبرنامے کے انداز میں اسے بتایا۔ "مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔" اندر بیٹھتے ہوئے سہراب نے کہا۔ "کوئی اضافی ردعمل نہیں چاہیے۔" اس نے یافث اور عالم کو تنبیہہ کی پھر گلا کھنکھارا۔ "پریویلج کلر مل چکا ہے۔"

اعلان تھا کہ کیا عالم نے تیزی سے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں کے تحیر پر اس وقت کئی کتابیں لکھی جا سکتی تھیں، اس کے چہرے کی اذیت ایک الگ قصہ۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر چپ چاپ اسے تک رہا تھا۔ سہراب نے تمام واقعہ اسے کہہ سنایا، ایک لفظ بھی صیغہ راز نہیں۔ اس کی تمام تر جذباتیت کو نظر انداز کرتے ہوئے سہراب اسے سب بتانا چاہتا تھا وہ سب جس پر اس کا حق تھا۔ یہ خاندان پہلے ہی ایک دوسرے سے بہت کچھ چھپا چکا تھا اب بس۔

"ہم کیا کریں گے؟" یافث نے پوچھا۔

"کیا کر سکتے ہیں تم بتاؤ؟ اسفندیار پر ہاتھ ڈالنا ممکنات میں نہیں۔ وہ اس وقت راج کر رہا ہے سارا ملک اس کے ساتھ ہے وہ اگلا لیڈر ہے ایسے میں تم اور میں کیا ہی کر سکتے ہیں؟ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے جسے میں آج گولی مار کر ختم کر دوں گا اور کوئی کچھ نہیں کہے گا اسے انگلی بھی چُبھی تو خون ہمارا بہے گا۔ اور اسفندیہ سب جانتا ہے سب سے بڑھ کر

پوری خواجہ سرا کمیونٹی اس کی ساتھی ہے ہم ان کے خلاف بھی نہیں جا سکتے۔" اس نے حالات کا مکمل خلاصہ بیان کیا۔

"اور اس نے ہم دونوں کو اپنے اپنے مقصد کے لیے بس استعمال کر لیا؟" وہ تحیر کی سی کیفیت میں بولا۔ "اس نے تمہارا فائدہ اٹھایا جوہر فور زیرو کے لیے، پھر میرا اور اب اسے یقین ہے اس کی ماں اور تمکنت جیل جائیں گی دو ماہ بعد وہ الیکشن لڑے گا اور میں اپنی بیوی کے قاتل کو ایک عوامی رہنما بنتے ہوئے دیکھوں گا؟"

"میرے پاس پلان ہے۔" سارے میں یافث نے پہلی بار مداخلت کی۔ سہراب نے اسے کوئی جواب نہیں دیا البتہ عالم اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اس کے ساتھ وہی کھیل کھیلتے ہیں جو اس نے ہمارے ساتھ کھیلا۔ اسے یہ دکھاؤ کہ ہر مہرہ اسی کی مرضی سے چال چل رہا ہے (جیسے اس نے سہراب کو یہ یقین دلایا کہ وہ مری سے لاہور اپنی وجہ سے آ رہا ہے) اگلا وار اس کی کمزوری پر (جیسے اس نے عالم کو یقین دلایا کہ اگر وہ بقا اور "بیٹی" چاہتا" ہے تو اس کا کام کرے)۔"

"تم سیاست کب سیکھے، طارون؟" عرصے بعد سہراب نے اسے اس نام سے پکارا تھا۔ یافث جیسے سکتے میں آ گیا ہو وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا۔ یہاں تک کہ عالم نے گاڑی کا موڑ کاٹا، یہاں تک کہ سہراب دوبارہ اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا بس ایک وہ تھا جسے ماضی کے در و بام سے آتی ہوا مہکا گئی تھی۔

"یافث نے شادی کر لی ہے۔" عالم نے باآواز بلند اطلاع دی۔ سہراب چونکا۔ موبائل پر چلتی اس کی انگلیاں تھمیں۔ "روشن رحمان کی بیٹی بن کر رہنے والی عورت رابعہ پرویز ہے جو ہر فور زیرو کی سروائیور۔۔۔۔۔" وہ پے در پے اسے جھٹکے دے رہا تھا سہراب بے یقینی سے سن رہا تھا۔

”رابعہ پرویز زندہ ہے یعنی اسفند کی دوست۔۔۔۔۔جوہر فورزیرو کی چشم دید گواہ؟عالم ہمارے پاس آئی وٹنس ہے؟“اس کی آواز جوش سے تبدیل ہو گئی تھی۔ آس پاس ہواؤں میں کچھ بھر گیا۔ اب کے عالم بھی چونکا اس سارے معاملے میں وہ یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ رابعہ چشم دید گواہ ہے اس کے پاس ثبوت اب بھی تھے اور اس کی ایک گواہی تختہ دار الٹ سکتی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ دونوں اسی معاملے پر گفت وشنید کرتے رہے پھر عالم نے کچھ جتانے والے انداز میں اس سے کہا۔“وہ مفرورہ اب اس کی بیوی ہے۔“

”مبارک۔“اس نے پلٹ کر ایک لفظ کہا۔یافث کچھ کھوجنے والے انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

”کچھ اور نہیں کہو گے؟“

”اور کیا کہنا ہے؟“

”تم ناراض نہیں ہو میں نے تمہیں بتایا نہیں۔“

”سینتیس سال کے ہو تم،مجھے بتا کر شادی کیوں کرو گے میں تمہارا لگتا ہی کیا ہوں؟“گاڑی کے اندر بہار پلٹ گئی خزاں لوٹ آئی تھی۔

”اگر کچھ نہیں لگتے تو شادی کی مبارک کیوں دے رہے ہو؟“

تم”کہہ دو نہیں دیتا۔“اس کا انداز اسی طرح روکھا رہا۔

”کیا اب تم بس نہیں کر سکتے؟اتنے سال ہو گئے ہیں میں نے معافی مانگ لی ہم دونوں کی زندگیاں تبدیل ہو گئیں اور تم مجھے ایک غلطی کے لیے معاف نہیں کر رہے۔“یافث کا لہجہ بھاری تھا عالم خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا وہ ان

دونوں کے اس معاملے میں نہیں آتا تھا جبکہ سہراب کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ”میں تمہارا دوست ہوں سہراب۔ بس کر دو، اب پلیز بس کر دو میں تمہیں یاد کرتا ہوں۔“

”انسان کو اپنے خسارے یاد رہنے چاہئیں۔“ اس نے تبصرہ کیا۔ ”مجھ سے معافی مت مانگو کیونکہ معاف میں کر چکا ہوں واپسی بھی مت مانگو کیونکہ واپس میں آ نہیں سکتا۔ تم میرے دوست تھے ہو نہیں۔ کچھ دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور پھر کبھی نہیں جڑتیں ہماری دوستی بھی نہیں جڑے گی۔ کوششیں ترک کر دو۔“

”مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔“

”مجھے بھی ہوئی تھی، پھر میں ٹھیک ہو گیا۔“ یافث کے دل پر کوئی بھاری شے آ کر لگی تھی۔ سہراب پتھر تھا وہ جتنا بولتا اتنا اس کی سختی میں اضافہ ہوتا جاتا۔ یہ سچ تھا کہ وہ اسے یاد کرتا تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ سہراب کو اب وہ نہیں چاہیے تھا۔ یہ سچ تھا راستہ بدلنا مشکل تھا مگر یہ بھی سچ کہ افسر کی انا اب ٹوٹنے کی نہیں۔ اور ٹوٹے بھی کیوں کردار کوئی معمولی شے تو نہیں۔

”رابعہ کے گھر چلو مجھے اپنا کام آج سے شروع کرنا ہے۔“ سہراب نے اسے حکم دیا۔ عالم نے گاڑی اس کے گھر کی طرف موڑ دی۔ ونڈ سکرین میں اس کو دیکھا۔

”ابھی بھی وقت ہے میرے دوست اگر اس نے کوئی زور زبردستی کی ہے تو مجھے بتاؤ۔“

”شٹ اپ عالم۔“ وہ بگڑا۔

”ہاں تم خفیہ شادیاں کرتے پھرو عالم ذکر چھیڑ دے تو عالم شٹ اپ۔“ یافث کو چھیڑنے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔ اور اگلے کئی سالوں تک رکنا نہیں تھا۔ اس کی یہ جرات کہ بیسٹ فرینڈ کو بتائے بنا کوئی کام کرے؟

★★★★★★★★★

ایک ہفتہ بعد!

آراہ کی طبیعت قدرے سنبھل چکی تھی۔۔ وہ ہوش میں آگئی تھی البتہ بات اب تک نہیں کی تھی۔ اسلان ساری رات اس کے پاس رہتا تھا اور دن میں عالمگیر۔ سہراب کو واپس ڈیوٹی پر جانا پڑ گیا تھا۔ سب کے دل میں ایک عجیب سے سکوت نے گھر کر لیا تھا اسلان کے ایک دفعہ منع کرنے کے بعد سہراب فی الحال خاموش تھا وہ اس کا لائحہ عمل دیکھنا چاہتا تھا۔

ان سب کے درمیان بنفشہ احسان اپنا سارا سامان باندھ چکی تھی۔ آج عالمگیر اسے اپنے ساتھ ہسپتال لے آیا تھا۔ جہاں وہ اوپر آراہ کے پاس تھا وہیں بنفشہ کیفے ٹیریا سے کافی لے رہی تھی جب اس نے اپنے ساتھ دل آراہ کو کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ پیسے دے کر جب وہ میز کے گرد آکر بیٹھی تو دل آراہ بھی اس کے ساتھ ہی آکر بیٹھی۔ اب کے بنفشہ ٹھٹکی۔ کیا یہ عورت اس سے بات کرنا چاہتی تھی؟

"کوئی بات کرنی ہے آپ کو؟" بلاخر اس نے خود پوچھ لیا۔

"عمر کیا ہے تمہاری؟" اس کے لہجے میں عجیب سی کاٹ تھی۔

"تئیس سال۔"

"اسلان ستائیس کا ہے۔" وہ جتاتے ہوئے بولی۔ "تم سے کافی چھوٹا ہے۔"

"میں جانتی ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ شجاع صاحب آپ سے تین ماہ چھوٹے تھے اور آپ کے موجودہ شوہر چھ سال۔" وہ مسکرا کر بولی اور کافی کا اسٹر البوں میں دبا لیا۔ "آپ یقیناً مجھ سے میری عمر پوچھنے نہیں آئی ہوں گی مقصد کی بات پر آئیں۔"

"میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو لڑکی۔ وہ تمہارے دام میں نہیں آئے گا۔"

"آپ کو غلط لگتا ہے ممی۔" آواز تھی کہ کوئی صور بنفشہ کا جواب اس کے لبوں پر ہی اٹک گیا جبکہ دل آراہ کی رنگت سفید ہوئی۔ وہ مڑ کر اسے دیکھ بھی نہ سکی مگر بنفشہ نے دیکھ لیا، وہ عین اس کے سامنے تھا۔ لینن شرٹ کے ساتھ سفید پینٹ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح اسے سوبر لگا۔ "میں ان کے دام میں آگیا ہوں اور ایسا آیا ہوں کہ کم از کم اس زندگی میں نکلنا نہیں چاہتا۔"

"اسلان میں۔۔۔۔۔" کچھ کہنے کی کوشش کرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی جب اسلان نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"آپ میری ماں ہیں میں آپ کو کوئی تلخ بات نہیں کہنا چاہتا لیکن آپ میرے معاملات میں نہ آیا کریں۔ ایک عرصہ پہلے آپ مجھے چھوڑ کر گئی تھیں میں آپ کو بلیم نہیں کرتا اب میں چھوڑ رہا ہوں تو مجھے تنگ نہ کریں۔"

"میں تو بس۔۔۔۔۔۔"

"آپ کی بیٹی کو آپ کی زیادہ ضرورت ہے اس کے پاس جائیں۔" وہ اسی نرمی سے بولا اس سارے میں اس کی نگاہ ایک پل کے لیے بھی بنفشہ سے نہیں ہٹی تھی۔ وہ سامنے سے گزر کر چلی گئی تو بنفشہ بھی جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے تمہاری وکالت کی ضرورت نہیں تھی۔"

"جانتا ہوں۔" وہ کہہ کر رکا، گہری سانس لی اور اسے دیکھا۔ "ہم تھوڑی دیر بات کر سکتے ہیں؟"

"ہم بات کر چکے ہیں، اسلان۔ جو حد تم نے درمیان میں کھینچ دی ہے میں اسے پار نہیں کروں گی۔ تمہیں اسپیس چاہیے تھی تمہیں مل رہی ہے مجھ سے زیادہ کی توقع مت رکھو۔"

"میں اس روز کچھ اور سوچ رہا تھا اور۔۔۔۔۔۔"

”تم ساری زندگی یہ سوچتے رہو گے اور میں ساری زندگی اپنا بر طرف کیا جانا برداشت نہیں کر پاؤں گی۔“ اس کی آواز نرم اور دوٹوک تھی پہلی بار اسلان کو لگا ہاتھ سے ریت نہیں زندگی پھسل رہی ہے۔ ”اتنے دنوں میں ایک بار بھی تم نے مجھ سے معذرت نہیں کی، ایک کال اور ٹیکسٹ نہیں کیا میں بہت اچھی طرح سمجھ گئی ہوں تمہاری زندگی میں میری جگہ کیا ہے۔ تم صرف اپنے چچا کے کہنے پر میرے ساتھ کام کرتے رہے اور میں تمہاری کرایہ دار رہی درمیان میں جو تھا جذبات کا بہاؤ تھا اور بس۔ تمہاری ممی درست ہیں ہمارے درمیان کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور میں اب کچھ چاہتی بھی نہیں۔“

وہ بمشکل خود پر ضبط رکھے ہوئے تھی اسلان یہ بات سمجھ گیا۔ البتہ بولا کچھ نہیں بس گردن جھکائے جوتے سے فرش مسلتا رہا۔ بنفشہ اپنا پرس سنبھالتے اس کے سامنے سے نکل کر چلی گئی۔ کیفے ٹیریا کا شور جوں کا توں تھا لوگ آس پاس سے گزر رہے تھے مگر اسلان کو یوں لگا جیسے ہر آواز تھم گئی ہو۔ وہ اس سے کہنا چاہتا تھا۔ "ممی کے بیٹے کو لگتا ہے اب ہر تعلق تم" مگر وہ جا چکی تھی۔ اسلان یمن دل کی بات کہنے میں ہمیشہ دیر کر دیتا تھا۔

★★★★★★★★★★

کھڑکیوں سے آتی روشنی خانوں کی صورت اسفند کی پشت پر پڑ رہی تھی۔ اپنے پلنگ پر تکیوں کے سہارے بیٹھا شاہ ویر چپ تھا۔ اب اس کے چہرے کے پرکشش نقوش محض پرکشش نہیں رہے تھے اب ان میں ہیبت بھی تھی۔ اس کی کنچئی آنکھیں اب خوف میں مبتلا کر دیتی تھیں اور اس کے سیدھی لکیر میں بند لب اس کے اندر پلتے کسی خلفشار کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کچھ تھا اس کے اندر کوئی آگ جو سینے میں جل کر اس کے سارے وجود کو خاکستر کر رہی تھی۔ کیا تھا وہ اور کیا بن چکا تھا؟

”آگے کا کیا ارادہ ہے؟“ دھوئیں کے مرغولے فضا میں اڑاتے اسفند نے اس سے پوچھا۔ اس کے سامنے رکھی میز پر شراب کے گلاس اور بوتلیں رکھی تھیں جو اس بات کی غمازی تھے کہ وہ کافی وقت سے یہیں تھا۔ ”جب مل

ہی گئی تھی تو حاصل بھی کر لیتے۔" شاہ ویر نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ اسفند ہنس پڑا۔ "کیا یار کیسے مرد ہو؟ تم ایک لڑکی کو ٹھکانے نہ لگا سکے؟"

"میں نے ہار نہیں مانی۔" الفاظ غراہٹ کی صورت اس کے منہ سے باہر نکلے۔ "شاہ ویر بنگش کچھ بھی ادھورا نہیں چھوڑتا اس کے زخم بھر لینے دیں اگلے زخم دوبارہ میں ہی دوں گا۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے اس بار یمن تمہیں اپنے قریب پھٹکنے بھی دیں گے؟"

"دعوت نامہ تو پچھلی دفعہ بھی نہیں دیا تھا۔" وہ اسی کے انداز میں بولا۔ ماتھے پر سلوٹوں کا جال تھا اور حلق کو کسی شے کی طلب سی ہونے لگی۔ اس نے اسفند کے پیچھے کھڑے اس کے ملازم کو اشارہ کیا وہ آگے آیا اور اس کے لیے ایک گلاس بنانے لگا۔

"نہ کرو یار۔۔۔۔ میڈیکل کنڈیشن کا کچھ تو خیال رکھو۔" اس نے ملازم کو باز رکھنا چاہا مگر شاہ ویر اس وقت اس کی سننے کے مزاج نہیں رکھتا تھا۔

"برف میں مت ڈالو، گلاس پورا بھرو۔" اسفند گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ گلاس شاہ ویر تک گیا جسے وہ ایک ہی سانس میں غٹاغٹ پی گیا۔ سینہ اندر تک جل گیا۔ "آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"پیسہ۔۔۔۔!" شاہ ویر الجھا۔ اپنا خالی گلاس سنبھالتے اسفند کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھنے تک وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔ "تم نے راج بیر کے باپ کے لیے ایک کام کیا تھا یاد ہے؟" گفتگو کس سمت جا رہی تھی وہ جانتا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت متغیر ہوتی جا رہی تھی۔ "تم نے اس کا پیسہ آن لائن سرمایہ کاری میں لگایا تھا اور۔۔۔۔۔۔۔"

"یہ بہت پہلے کی بات ہے۔" اس نے اسفند کی بات کاٹی۔"اب میں یہ سب نہیں کرتا۔"گلاس کی بجائے اب اس نے پوری بوتل منہ پر چڑھالی تھی۔ اسے کسی طور چین نہیں آرہا تھا۔

"میری پوری بات سنو شاہ ویر۔ ایک دبئی کا انویسٹر ہے طہور ملک اس کے پاس کچھ پیسہ ہے میں بہت عرصے تک اس سفید میں تبدیل کرتا رہا ہوں لیکن اب میرے لیے یہ کام کرنا مشکل ہے مگر............ تم یہ کرسکتے ہو اس وقت تمہیں پیسہ چاہیے ہو گا۔"

"کتنا ہی دے سکتا ہے وہ؟ اس کا اربوں کھربوں کا سیاہ میں سفید کروں اور وہ بدلے میں مجھے چند ٹکے دے کر فارغ کر دے گا۔" اس نے بے زاری اور کوفت سے کہا۔

"ستر تیس۔" اسفند کے عام سے الفاظ پر شراب شاہ ویر کے حلق میں اٹکی۔"یہ اس کی پہلی پیشکش ہے ستر چالیس بھی ہو سکتا ہے اگر تم چاہو۔"

وہ بغیر سانس لیے بنا پلکیں جھپکے اسے تک رہا تھا۔"چالیس فیصد؟" یہ بہت بڑا تھا۔ شاہ ویر کے تمام عمر کمائے ہوئے پیسے سے بھی بڑا مگر اس کے حکم کا اکا اب اس کے پاس نہیں تھا اور اس کے بغیر شاہ ویر کی ہر بازی بغیر کھیلے مات تھی۔ کاش وہ اسلان یمن کی گردن کچھ عرصہ مزید بوٹ تلے رکھ پاتا۔

"اگر تم یہ کام کر دو تو میں اگلے دو مہینوں میں ایسے دو اور لا سکتا ہوں۔"

"یہ کام آپ بھی تو کر سکتے ہیں کسی کو پانچ فیصد دے کر باقی کا پینتیس فیصد خود رکھ لیں میں کیوں؟"

اسفند نے اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھا۔"دنیا چاہے تمہیں جو کہتی ہو یمن خاندان کے لیے تم چاہے جو سہی مگر ایک بات طے ہے تم evil genius ہو۔ کم از کم سیاہی میں کوئی تم سے زیادہ سیاہ نہیں ہو سکتا۔"

”شکریہ نہیں کہوں گا کیونکہ اپنے بارے میں، میں سب جانتا ہوں۔ میرا سوال اب بھی وہیں ہے میں کیوں، آپ کیوں نہیں؟“ وہ اسفند کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بیٹھا تھا۔

”میں ان کے ساتھ برابر ہونا چاہتا ہوں شاہ ویر۔ چند ٹکوں کے آگے اگر خود کو جھکا دیا تو میرے حکومت میں آنے کے بعد مجھ سے ہونے والی ہر ملاقات میں انہیں میں اپنا ملازم لگوں گا خود کو اونچا رکھنا پڑتا ہے تاکہ لوگ تمہیں گردن اٹھا کر دیکھیں۔“

”اگر آپ خود سے یہ کام کر کے نچلے درجے پر آجائیں گے تو انہیں انکار کریں حامی کیوں بھری؟“

”یہ میری ٹیسٹ ڈرائیو ہے۔ میں آزما یا جارہا ہوں کہ مستقبل میں اسفند یار کس قسم کی ڈرٹی پالیٹکس کر سکتا ہے، اس کے ہاتھ کتنے کس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث ہوں گے۔ مرد کو عورت تب ملتی ہے جب اس میں خوبیاں زیادہ ہوں اسے حکومت تب ملتی ہے جب اس میں سیاہ کاریاں زیادہ ہوں۔ میں اپنا ٹیسٹ بھی پاس کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ گردن اونچی بھی رہے۔ اب تم اپنا جواب بتاؤ۔“

”میرا ایک سوال اب بھی وہیں ہے میں ہی کیوں؟“ اس کی نگاہ ایک پل کے لیے بھی اسفند سے ہٹی نہیں۔

”کیونکہ مجھے تمہاری ذہانت پر اعتبار ہے مجھے لگتا ہے تم ہر حد پار کر سکتے ہو۔۔۔ اور۔۔۔“ وہ گلاس میں مزید برف ڈالتے آگے کو جھکا۔ ”میں چاہتا ہوں تم میرا بایاں بازو بنو۔ میرے ساتھ کام کرو شاہ ویر۔ میں اس دنیا میں پیسہ کماؤں گا تم ڈارک ویب کی دنیا سے سفید کر کے دو گے تم اور میں ہم دونوں اپنی اپنی ماؤں کا کاروبار رہے ہیں ہمیں ہماری ماؤں نے اس نہج پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ واپسی کی کوئی راہ ہمیں سمجھ نہیں آرہی۔ تم مجھے سمجھ سکتے ہو اور میں تمہیں میں چاہتا ہوں پیچھے پلٹنے کی بجائے دونوں ایک ساتھ آگے بڑھیں۔“

شاہ ویر کے ابرو پر سوچ انداز میں اکٹھا ہوئے۔ شراب کا سارا نشہ ہرن ہو گیا اس کا لالچ اسے سبز باغ دکھا رہا تھا کے پاس اب ہالی وڈ کا کام نہیں تھا، لکھائی نہیں تھی، اس کے پاس اب کوئی اینجیو نہیں تھا ہاں اس وقت اس کے پاس ایسا کچھ نہیں تھا جو اس کے مستقبل کا مستقل زریعہ آمدن ہوتا۔ اسے کام چاہیے تھا، ایک مکمل جاب اور اس سے بہتر کیا ہو سکتی تھی؟

۔ مگر اسلان یمن کے بغیر؟ وہ اس کے ساتھ دو دنیاؤں کا کندن یہاں سے وہاں کر سکتا تھا، اور اس کے بنا؟ ہاہ اس کے بنا کوڑی کا بھاؤ بھی سو تولہ۔

"سوچ کر بتاؤں گا۔" اگر اسفند سیاست دان تھا تو سامنے بھی داؤ پیچ کا ماہر شخص موجود تھا۔ وہ ابھی سے اثبات میں جواب دے کر اپنی قدر و قیمت نہیں گنوانا چاہتا تھا۔

یہاں سے دور اس ملاقات کی آواز سنتا اسلان یمن اب موبائل بند کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا اس کا کام ہو جائے گا۔

★★★★★★★★

وہ آراہ کے کمرے میں آیا تو وہ دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ عالم وہیں ایک طرف صوفے پر بیٹھا اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ دن کا زیادہ وقت یہیں گزارتا تھا۔ اس نے اسلان کو آتے اور چپ چاپ آراہ کے قریب بستر پر بیٹھتے ہوئے دیکھا تو لیپ ٹاپ اٹھائے خود نکل گیا۔ اسے یکسوئی سے کام کرنا تھا ارادہ اب گھر جانے کا تھا۔

"کیسی ہو تم؟" اس کا فربہہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ہلکی آواز میں پوچھا، انگوٹھے سے اس کی ہتھیلی سہلائی۔ "تمہارے بغیر لعل یمن بہت خالی ہو گیا ہے ایسا لگتا ہے جیسے وہاں بولنے والی صرف تم تھیں۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا بنفشہ کے الفاظ کی اذیت ہنوز چہرے پر رقم تھی۔

"جب میں کوئی کہانی لکھتا ہوں نا تو پیپر پر اس کی آوٹ لائن بناتا ہوں پھر پہلا ڈرافٹ، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور پھر فائنل ورژن۔ ایک ہی کہانی کو میں کئی سانچوں میں ڈھالتا ہوں کئی کرداروں کے بولے گئے غلط الفاظ مٹا دیتا ہوں اور کئی کرداروں کو کچھ بولنے پر مجبور کرتا ہوں کچھ ایسا جس سے کہانی سنبھل جائے مجھے کہانیاں سنبھالنی آتی ہیں میں زندگی نہیں سنبھال پا رہا، آراہ۔" مشینوں کی بپ بپ کے درمیان آراہ اس کی آواز سن پا رہی تھی۔ وہ بس آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ انہیں کھولتے ہوئے شرم آتی تھی۔ اسلان اس کے چہرے کے نیل ذہن نشین کرتا رہتا، دن آتے اور گزر جاتے۔

"بنفشہ بہت پیاری ہے، آراہ۔ میں آج تک اس جیسی عورت سے نہیں ملا۔ میں اس سے کچھ بھی کہہ سکتا ہوں، بعض دفعہ مجھے کہنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ میں مستقبل میں اسے اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں لیکن میں اسے بچانا بھی چاہتا ہوں۔ میں اسے اپنے نام کرنا چاہتا ہوں اور میں اس وقت اس پوزیشن میں بھی نہیں ہوں۔" اس نے آراہ کا ہاتھ بلند کر کے چہرہ اس پر جھکا دیا۔ وہ اس قدر تھک چکا تھا کہ اب گردن اٹھانا بھی محال تھا۔ اسے بس کوئی پڑاؤ درکار تھا اور اس کی بہن سہارا تھی۔

"سمجھ نہیں آرہا اس وقت کوئی جاب ڈھونڈوں اور پھر ایک رتبے کے ساتھ اس کے گھر جاؤں یا پھر اس آگ کو ٹھنڈا کروں جو اس وقت میرے سینے میں جل رہی ہے۔ تمہیں پتا ہے اسکار چاہتا ہے کہ وہ شاہ ویر کو مار دے، اتنی آسان موت کیوں؟ اس نے جتنی تکلیف تمہیں دی ہے میں حساب رکھ رہا ہوں، میں نے حساب رکھا ہے اب جب تک میں اس سے دگنی تکلیف اسے واپس نہیں کروں گا میں خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔" اس نے اس واقعے کے بعد ایک مرتبہ بھی شاہ ویر کی شکل نہیں دیکھی تھی اسے یقین تھا وہ صبر کھو دے گا، وہ طیش جمع کر رہا تھا آگ ۔۔۔۔ اتنی آگ جو اسے جلا دے۔

"میں جانتا ہوں اگر اس وقت میں اسے روکوں گا تو وہ میرے لیے رک جائے گی مگر ہر قربانی وہ کیوں دے میں کیوں اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکا اور اگر نہیں رکھ سکا تو میری ذات کے جھمیلے وہ کیوں جھیلے۔ میں اگر اسے خاص بھی محسوس نہ کرواسکوں پھر میں کیسا مرد ہوا؟"

آراہ نے ہلکی سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اسلان چونکا یعنی وہ جاگ رہی تھی؟ "کچھ چاہیے؟" اس نے بہ دقت نفی میں سر ہلایا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما۔ اسلان اس کے قریب جھکا۔ وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا گلا بیٹھا ہوا تھا اسلان نے اس کی آواز سننے کے لیے سانس تک روک لی۔

"میں۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ ہوں۔" وہ مسکرایا، عجیب سی تکان زدہ مسکراہٹ۔ "تم۔۔۔ اسے۔۔۔ روکو۔" اس نے یہ تین الفاظ بہت واضح کہے۔ اسلان سیدھا ہوا اس کی رنگت بدل گئی تھی آراہ ہنوز انہی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ مزید بولنے کی کوشش میں تھی مگر درد اور اس کا بیٹھا ہوا گلا اجازت نہیں دے رہا تھا۔

"تم۔۔۔ اسے۔۔۔ روکو۔۔۔" اسلان یہیں ٹھہر گیا تھا۔ اس کی زندگی پر مانو سحر جمود ہو گیا ہو۔

وہ مسائل کے درمیان اس عورت کو اپنی زندگی میں نہیں لانا چاہتا تھا مگر کیا اس مسئلے کے بعد کوئی اور مسئلہ نہیں ہو گا، کیا اس کے بعد زندگی شفاف سڑک ہو گی؟ جواب اگر نہ تھا تو پھر اب کیوں نہیں، ابھی کیوں نہیں؟ انتظار کس بات کا، کون سا استحکام، اگر ساتھ سفر ہی کرنا ہے تو مشکلات سے نبرد آزمائی کیوں؟ وہ مصائب کے ساتھی تھے انہیں مصائب کے درمیان ہی ملنا تھا۔

★★★★★★★★

رابعہ پرویز کے اس گھر کو آج کل لوگ مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پہلے یہاں ایک ہی مرد آتا تھا وہ جس کے نکاح کا علم تمام لوگوں کو تھا آج کل ایک اور مرد بھی آنے لگا تھا اور آج تو ایک دوسرا بھی۔ محلے والوں کی تیز نظروں سے دور چھوٹے سے برامدے میں یافث، سہراب اور عالمگیر بیٹھے تھے۔ رابعہ ان کے سامنے والے صوفے

پر بیٹھی تھی۔ اس کی پر امید نظریں اپنے شوہر پر جمی تھیں جو آج ان دونوں کی طرف تھا۔ کمبخت نظریں چرائے بیٹھا تھا۔

"میں آپ کو دو راستے دے رہا ہوں، رابعہ۔ پہلا آپ میرے ساتھ کام کریں یہ مفروری اور گمنامی ختم کرنے کا ذمہ دار میں۔۔۔ دوئم آپ خود سے منظر عام پر آجائیں اور ایسی صورت میں آپ کو میری یا عالم کی طرف سے کوئی سپورٹ حاصل نہیں ہو گی۔ یافث ایک مددگار شوہر ہے لیکن آپ جانتی ہیں اس دلدل میں وہ آپ کے ساتھ دھنس سکتا ہے آپ کو نکال نہیں سکتا۔" گو کہ وہ دو سالوں سے اس گھر میں بند تھی مگر اس وقت بھی وہ کافی پر اعتماد تھی۔ اس نے بڑی بڑی مجلسوں میں مردوں کو جواب دیے تھے، انٹرویوز میں بیٹھ کر پدرانہ نظام کے پرخچے اڑائے تھے، ملکی اور غیر ملکی سطح پر اپنی اور اپنے جیسی لاکھوں عورتوں کی نمائندگی کی تھی۔ اس وقت بھی اس کے پاس جواب تھے۔

"یہ دونوں طریقے کار آپ کے لیے سود مند ثابت ہوں گے پہلے میں آپ مجھے کیش کریں گے اور دوسرے میں میرے لیے بھڑوں کا چھتہ ہے میں آپ کے دونوں راستے کیوں چنوں جب میرے پاس ایک محفوظ راستہ ہے۔"

"اور وہ راستہ کون سا ہے؟" اس نے ابرو اٹھایا۔

"گمنامی!"

"اپنا نہیں تو اس بیچارے کا ہی سوچ لیں کب تک یہ معصوم بیوی کے ہوتے ہوئے ہواؤں سے باتیں کرے گا اس کا بھی حق ہے نارمل زندگی پر۔" عالم نے مداخلت کی۔

"ان کی فکر کے لیے میں موجود ہوں آپ کیوں گھلے جا رہے ہیں؟" وہ بھی تنک کر بولی۔ "خود تو آپ نے تین تین عورتوں کی زندگی کا نہیں سوچا۔ اور اب آپ کو میرے شوہر کی فکر ستا رہی ہے؟"

”کیوں نہ ہو فکر؟ میں نے اسے پالا ہے، یہ میرے ساتھ کھیلا ہے تمہیں تو اس کی زندگی میں دو سال ہوئے ہیں تم۔“

”عالم اب تمہاری آواز نہ آئے ورنہ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔“ سہراب نے سختی سے اسے ٹوکا۔ عالم تلملا کر رہ گیا۔ یافث عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا ایک طرف بیوی دوسری طرف جگری دوست۔ وہ دونوں سے نظریں چرائے گود میں پڑے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔

”آپ کا تیسرا راستہ کوئی ہے ہی نہیں رابعہ صاحبہ کیونکہ اگر آپ خود سے سامنے نہیں آئیں تو میں آپ کو اپنے طریقے سے سامنے لاؤں گا اور میں آپ کو ایک "ولن" ثابت کروں گا جس نے اپنی چار ساتھی عورتیں مروائیں، خود زندہ رہی اور ان کے لیے نہ لڑ سکی۔ آپ چاہتی ہیں میں ایسا کروں؟“ اس کی آنکھیں کہتی تھیں وہ ایسا کر سکتا ہے۔

”آپ ایسا نہیں کریں گے۔“ اس کی آواز لرزی۔

”اور مجھے کون روکے گا؟“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”میں آپ کو بچا سکتا ہوں عزت اور وقار کے ساتھ۔ میرے تعاون کے علاوہ آپ کوئی بھی راستہ چُنیں گی میں اس راستے کو آپ کے لیے خاردار کر دوں گا اتنا کہ میرے پاس آپ کی واپسی لہولہان پیروں سے ہو۔ میں اس وقت آپ کے پاس انتخاب نہیں حکم لایا ہوں۔“ رابعہ بے یقینی سے اسے دیکھتی اور کبھی باقی دو کو۔ وہ تو ان دونوں سے بہت مختلف تھا اس نے مفاہمت کی کوئی راہ ہی نہیں چھوڑی تھی۔

”یافث تم کچھ کہو گے نہیں؟“

”میں کیا کہوں رابی؟ سہراب درست کہہ رہا ہے۔ اول تو تم ایک ابنارمل زندگی گزار رہی ہو اور دوئم کیا تم واقعی وہی عورت ہو جو لوگوں کی آواز تھی۔ تمہاری اُس زندگی کی واحد وجہ "حق" تھا۔ تم ان عورتوں کے لیے لڑ رہی تھیں جنہیں فیمنزم کے نام پر لوٹا جارہا تھا اور اب اٹھارہ بے قصور ماؤں کا کوئی حق نہیں، ان اٹھارہ وکٹمز کی شادی ہو چکی تھی یا پھر منگنی ان کی پارٹنرز کا کوئی حق نہیں یا تو حق کی بات نہ کرو یا پھر اسے یوں بے توقیر نہ کرو۔“

وہ گنگ رہ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے یافث بھرے بازار میں کہیں کھو گیا ہو۔ ”اسفند میرا دوست ہے۔“

”اسفند صرف اور صرف ایک قاتل ہے جس طرح روبینہ اور تمکنت تمہاری دوستوں کی قاتل ہیں۔“ عالم نے کہا۔ ”اگر تم اسفند کے خلاف نہیں جانا چاہتی تو ٹھیک ہے۔ پھر روبینہ اور تمکنت کے خلاف بھی نہ جاؤ وہ بھی کسی کی دوست ہوں گی، ان کی بھی فیملی ہو گی کیوں برباد کریں؟ تمہیں پتا ہے اس وقت تم یہاں بیٹھ کر ایک قاتل کے ساتھ ہمدردی کیوں جتا رہی ہو کیونکہ تم قتل نہیں ہوئیں تم اس روز جلنے سے بچ گئیں تھیں۔ اگر اللہ ان باقی چار کو چند گھڑیوں کی مہلت دے اور اس وقت ہم ان سے ان کی رائے جاننا چاہ رہے ہوں تو جانتی ہو وہ کیا کہیں گی؟“

وہ کچھ نہیں بولی بس چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ وہ آہیں، وہ کراہیں، روشن کا وہ سر پر آتا ہوا ہاتھ، سب یک بہ یک یادداشت کا حصہ بننے لگا۔ ”وہاں تمہاری کوئی سگی بہن نہیں تھی، تمہارا اور کوئی خونی رشتہ بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنی بیوی کو کھویا ہے وہ سات ماہ کی حاملہ تھی۔ میں اپنے بچے کی دھڑکن سن چکا تھا اس سب کے بعد انسان نارمل نہیں رہتا لیکن میں نے کوشش کی، میں لڑا اس لیے کہ ایک دن تم بیٹھ کر میری بیوی کے قاتل کو دوست کہہ کر جسٹیفائی کر دو؟“ اس کی نظروں اور لہجے میں بلا کی کاٹ تھی۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ”تمہارے پاس دو دن کا وقت ہے اگر تمہارا جواب ہماری مرضی کے مطابق نہ ہوا تو ہماری مرضی ہو گی پھر بھیجنا اپنے شوہر کو، وہ کوشش کرے ہمیں روکنے کی اور جب واپسی پر اس کی لاش ملے تو مجھے معاف کر دینا کیونکہ میں بھی اس کا دوست ہوں۔“ وہ اندر تک لرز گئی۔ عالم جن قدموں سے آیا تھا انہی سے چلتا ہوا باہر نکل

گیا۔ تھوڑی دیر بعد سہراب بھی اٹھ گیا یافث اس کے ساتھ اٹھنے لگا مگر رابعہ نے نامحسوس انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یافث نے بیوی کے کانپتے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ تھام لیا۔

"وہ میرا دوست ہے ڈونٹ وری۔"

"اسفند کے بارے میں مجھے بھی یہی لگتا تھا۔" ایک بات تھی بس ایک بات اور اس کا دل چھلنی ہو کر رہ گیا۔ اسے رابعہ پر ترس آرہا تھا بے تحاشا ترس۔ وہ اپنی بیوی کی مشکلات جتنی کم کرنا چاہتا اتنی بڑھتی چلی جاتی تھی۔

★★★★★★★

"مجھے یہاں آئے ہوئے کتنے گھنٹے ہوئے ہیں؟" اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ تھک چکا تھا۔

"سات گھنٹے۔" جواب سہراب کی طرف سے آیا جو کہ اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا، وہ اپنے سامان میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔

"چند گھنٹوں کے اندر اندر میری ماں کے سارے ملازم مجھے تلاش کریں گے، میرے لوگ پاگل ہونے لگیں گے تم مجھے زیادہ وقت یہاں نہیں رکھ سکتے، سہراب کچھ مزید پوچھنا ہے تو پوچھ لو میں جواب دینے کو تیار ہوں۔ چند گھنٹوں بعد تمہارے پاس صرف پچھتاوا رہے گا۔" وہ گردن ڈھلکائے ہوئے ہنسا۔ پھر مڑ کر سامنے دیکھا ایسے جیسے کوئی اس کے سامنے کھڑا ہو۔ اپسرا۔

"تم ان سے خوف زدہ نہ ہونا، اپسرا۔ میں اپنی ماں کا سب سے ضروری ہتھیار ہوں وہ مجھے ملک الموت سے بچانے کے لیے بھی وظائف کرے گی یہ تو پھر انسان ہیں۔" سہراب اور عالم دونوں نے اس کی نگاہوں کی تقلید میں دیکھا، خوف ان دونوں کو نہیں تھا۔ مگر ان کے سامنے محض دیوار تھی اسفند جس سے بات کر رہا تھا وہ چہرہ بس اسے ہی دکھتا تھا۔

"تمہارے مطابق اس وقت تمہاری قدرت کیا کہتی ہے تمہارے پاس کتنا وقت ہے؟" وہ چل کر اس تک آیا۔

"میرے پاس طویل عمر ہے۔ قدرت نے میرے ذمے انتہائی اہم کام لگا رکھے ہیں۔" بولتے بولتے وہ رکا۔ لہجے میں یاسیت گھل گئی۔ "بعض مرتبہ میں بہت تھک جاتا ہوں خون، آہیں، چیخیں اور مقتول کے پیچھے رہ جانے والا اس کا خاندان یہ سب مجھے سونے بھی نہیں دیتا۔ تب میں قدرت سے معافی مانگ لیتا ہوں میں اس سے کہہ دیتا ہوں اب بس۔۔۔۔۔" اس کی آواز ہلکی ہو گئی، کچھ کچھ خوف زدہ بھی۔ "لیکن یہ! یہ مجھے نہیں چھوڑتی۔ یہ چاہتی ہے میں یہ سب کروں اور اگر میں نہ کروں تو یہ میرے سامنے نہیں آتی۔" اس نے بازو لمبا کر کر ایک پر شکوہ اشارہ کیا۔ اپسرا اسے خفگی سے دیکھ رہی تھی۔ بھنویں اکھٹی کیے بے حد ناراضگی سے۔ "عالم تم اس سے کہو مجھے چھوڑ دے، یہ چلی جائے گی تو میں سارے غلط کام چھوڑ دوں گا۔"

سہراب اس کی سائیکی سمجھ رہا تھا یہ اسفند انصاری کا شر کم اس کی تنہائی زیادہ تھی۔ اس کے تخیل نے ایک ایسا انسان جنم دیا تھا جو اس کا اصل تھا، اسے قبول کرتا تھا اور اس سے الفت رکھتا تھا وہ اسے چھوڑ دے تو اس کی حیات صفر، جذبات خالی۔ دونوں بھائیوں سے فیصلہ نہ ہوا کہ اس انسان پر ترس کھائیں یا یا طیش۔

سہراب یمن نے گہرا سانس آزاد کیا۔ "میں نہیں مانتا کہ قدرت نے تمہیں زیادہ وقت دیا ہے مجھے لگتا ہے تم آج یہاں میرے ہاتھوں سے قتل ہو گے۔" وہ اس سے کھیل رہا تھا جیتنے کی امید نہیں یقین کے ساتھ۔

★★★★★★★★★★★★★

وہ شام میں دیر سے گھر آیا تو اس نے باہر سامان لادنے والا ٹرک دیکھا جو فی الحال خالی تھا۔ اس نے اندازہ لگایا سامنے والے شاید نقل مکانی کر رہے تھے۔ وہ اندر کمرے میں آ کر اپنے جوتے تارنے لگ گیا جب اسے دیوار کے اس پار سے ٹھوک پیٹ کی آوازیں سنائی دیں۔ چند لمحے وہ اس آواز کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کرتا رہا پھر یکلخت اس کے ذہن میں کوئی جھماکا سا ہوا۔

وہ اٹھا، بغیر جوتے پیروں میں ڈالے وہ تیزی سے سہراب کے کمرے کی طرف بھاگا، بغیر دستک دیے وہ اندر داخل ہوا جب گھڑی اتار کر دراز پر رکھتے سہراب نے چہرہ پھیرا۔ اسے اندازہ تھا اسلان کے چہرے کی اس رنگت کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ "ضروری بات کرنی ہے۔"

سہراب نے شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولے اور پلنگ پر جا کر بیٹھا۔ "یہاں آؤ کیا بات ہے؟"

اسلان نے ڈھیر سارا تھوک نگلا اور اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ آمنہ شاید باورچی خانے میں تھی اس وقت وہ دونوں آرام سے بات کر سکتے تھے۔ "بنفشہ جا رہی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ "میں چاہتا ہوں آپ ان سے بات کرو۔"

"موضوعِ گفتگو؟" وہ سنجیدگی سے پوچھتے ہوئے میز پر دھرا اپنا موبائل اٹھا چکا تھا۔

"میں دراصل شادی کرنا چاہ رہا ہوں۔" اسلان نے گلا کھنکھار کر کہا۔ سہراب نے موبائل سے نگاہ اٹھا کر اسے تکا۔ یہاں اس پلنگ پر اس نے اپنے بازو پر کئی دفعہ اسے سلایا تھا، کئی دفعہ اس کے چھوٹے موٹے مسئلے سنے تھے اور آج۔۔۔۔۔ آج وہ یہیں اپنی شادی کی بات کر رہا تھا وہ کتنا بڑا ہو گیا تھا؟

"جہاں تک میری اطلاع ہے مس مخدوم کا کوئی میرج بیورو نہیں ہے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں مس مخدوم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اب کے وہ کچھ زور دے کر واضح لفظوں میں بولا تھا۔

"یہ بات تمہیں اس سے کہنی چاہیے میں کس زاویے سے وکیل صاحب لگ رہا ہوں۔"

"اسکار پلیز۔۔۔" وہ جھلایا۔ "میں نے اس کے سامنے بہت بکواس کر دی ہے مجھے نہیں کرنی چاہیے تھی اور اب میں نہیں چاہتا وہ یہاں سے جائے۔"

"کیوں؟"

"شاہ ویر اسے استعمال کرے گا، میرے خلاف۔ مجھے توڑنے کے لیے۔ میں اسے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"بس یہی وجہ ہے؟" اسلان سے کہتے ہوئے اس نے موبائل پر بنفشہ کو پیغام بھیجا۔ "آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"نہیں صرف یہ وجہ نہیں میں واقعی ان سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" دوسری طرف سے بنفشہ نے مصروف سے انداز میں جواب لکھا۔ "کہیں۔"

"نہ تمہارے پاس جاب ہے نہ کاروبار، نہ ڈگری اور وہ برسرروزگار عورت تم سے کیوں شادی کرے گی؟" اس کا چہرہ ہنوز موبائل پر جھکا تھا۔ اسلان کے تاثرات پڑھنے کے لیے اسے چہرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"فی الحال نہ کرے، کچھ سال بعد کرلے۔" سہراب اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ "ابھی صرف منگنی کرلے۔"

"اسلان چاہتا ہے میں آپ کی طرف آؤں اس کے سرپرست کی حیثیت سے۔"

"وہ تیس سال کی ہے، یہ اس کے سیٹل ہونے کی عمر ہے تمہارے لیے انتظار کیوں کرے؟" صحن میں بیٹھی وہ عورت موبائل ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی۔ دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ سہراب یمن کے اس ایک پیغام نے اس کے اندر نئی روح پھونک دی تھی ہاں مگر چچا کے اس بھتیجے سے وہ اب تک خفا ہی تھی۔ "بتائیں جناب وہ ایک بے روزگار کا انتظار کیوں کرے گی؟"

اسلان نے کلس کر اسے دیکھا۔ "وہ ہم دیکھ لیں گے آپ ابھی جاؤ ان سے جا کر بات کرو۔"

"یعنی میں اس وقت ان کے گھر تمہارا رشتہ لے کر جاؤں؟" سینے پر انگلی رکھ کر پوچھا۔ "دونوں جوتے کھا کر آئیں گے۔"

"آپ میرے لیے اتنا نہیں کر سکتے؟"

"نہیں اسلان میں تمہارے لیے جوتے نہیں کھا سکتا۔" ٹکا سا جواب دے کر وہ دوبارہ موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں اپنی زوجہ کے ساتھ آپ کے گھر آ سکتا ہوں؟" اسلان معاملات کی نزاکت کو نہیں سمجھتا تھا، سہراب سمجھ رہا تھا کسی کے گھر یونہی اٹھ کر رشتہ مانگنے چلے جانا حماقت ہوتی، یہ خاندانی لوگوں کا شیوہ نہیں تھا۔

"آپ سے اچھا تھا میں عالم کو کہہ دیتا۔" وہ اٹھ کر خفگی سے باہر جا رہا تھا۔

دوسری طرف سے بنفشہ کا جواب آ گیا تھا۔ "میری بڑی عظمیٰ بی ہیں ان سے بات کر لیجیے۔" اس نے بڑی مشکل سے لکھا گال دہک رہے تھے۔ اُف اف اف! وہ تو اس سے ناراض نہیں تھی، اسلان سے ناراض ہونا مشکل کام تھا اس پر غصہ آ سکتا تھا بے تحاشہ غصہ مگر وہ کمبخت اگلے لمحے جب مسکرا دیتا تھا، چپ چاپ پشیمانی سے سر جھکا دیتا تھا تو غصہ بڑھ ضرور جاتا تھا مگر ناراضگی ختم ہو جاتی تھی۔ پچھلے رویے کے لیے وہ اسے معاف کر سکتی تھی اسلان یمن کے لیے اس کے دل میں بہت گنجائش تھی۔

"اتنے سخت حالات میں اس کے گھر رشتہ بھیجنے کا مقصد جان سکتا ہوں؟"

اسلان نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی ہلکورے لے رہی تھی۔ "آپ نے کہا تھا مرد جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اسے اس گھر میں رہنے کی وجہ دوں گا حالات کی یہ سختی اگر میرے وعدے کے درمیان آ رہی ہے تو مجھے مردوں کی طرح سختی کے ساتھ بھی وعدہ نبھانا آنا چاہیے۔"

"اور اگر اس نے حالات اچھے ہونے کا وقت مانگ لیا؟"

"تو میں اسے وقت دوں گا۔"

"تم بھی وقت مانگ سکتے ہو۔"

"اس نے دیا تھا اب میری باری۔"

"کتنا وقت دو گے اسے؟"

"جتنا وہ مانگے گی۔"

"ستر اسی سال مانگ لیے تو؟"

"ستر اسی سال یعنی بس ایک زندگی؟" وہ مسکرایا۔ "میں اسے اس سے زیادہ دے سکتا ہوں۔"

"شرم نہیں آرہی چچا کے سامنے ایسی بات کرتے ہوئے؟"

"اگر آپ پندرہ منٹ میں گئے نہیں تو میں باقی کی ساری شرم چھوڑ کر خود چلا جاؤں گا پھر آپ سنتے رہنا دنیا سے کہ سہراب کا لڑکا ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔"

"میں جوتے ماروں گا، اسلان۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"اس کے علاوہ آپ کو آتا کیا ہے؟" وہ ہاتھ جھلاتا باہر نکل گیا۔ اس سے زیادہ وہ دونوں ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

گھر کے اس پار کوارٹر میں بنفشہ اپنے بالوں اور میک اپ کے لیے جلدی جلدی ہاتھ چلارہی تھی۔ اسے ابھی تیار بھی ہونا تھا، اس کے پاس کپڑے بھی نہیں تھے۔ وہ تیس سالہ وکیل اپنی الماری کھولے سارے اچھے جوڑے نکال نکال کر رکھتی جارہی تھی اسے یہ تک بھول گیا تھا کہ وہ یہ گھر چھوڑ کر جارہی ہے اسلان یمن نے اس کے سارے شکوے دور کر دیے تھے۔ ہاں اس نے ابھی معافی نہیں مانگی تھی مگر وہ مانگ لے گا اسے یقین تھا۔ وہ حالات کا مارا تھا، اور وہ اسے مواقع دینے کو تیار۔

★★★★★★★★★★★

"اب تم میرے مقصد کی بات پر آؤ۔" قصہ گو مکمل اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "سہراب رابعہ کے گھر سے نکل کر کہاں گیا تھا، اور جہاں گیا تھا کیا اس کا وہ کام پورا ہوا؟ اور سب سے اہم بات، کیا رابعہ نے اسفند کو دھوکہ دیا؟"

"دیا۔" اس ایک لفظ نے بنفشہ کو ٹھہرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اپنی بات پر قائم تھا۔

★★★★★★★

اپارٹمنٹ کے دروازے پر گھنٹی متواتر بج رہی تھی جسے وہ بدستور نظر انداز کر رہا تھا۔ اسے ہسپتال سے گھر آئے ہوئے ایک پورا گھنٹہ ہو گیا تھا اور وہ اس ایک گھنٹے میں نہ جانے کتنی کالز مسترد کر چکا تھا۔ مسلسل ہوتی دستک جب کسی صورت نہ تھمی تو اسے اٹھ کر جانا پڑا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ دوسری طرف سہراب یمن کھڑا تھا۔ شاہ ویر کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"اگر تم مجھے مارنے آئے ہو تو اپارٹمنٹ میں اور عمارت کے داخلی راستے پر کیمرہ لگا ہے۔"

"میں تمہیں کیوں ماروں گا، شاہ ویر؟" سہراب نے شانے اچکاتے لاعلمی سے پوچھا۔ "بلکہ ہاں میں تمہیں جیل بھیج سکتا ہوں، لیکن میں بھیجنا نہیں چاہتا اور اسی سلسلے میں تم سے کچھ بات چیت کرنے آیا ہوں۔"

"I don't believe you" وہ غرایا۔

"don't care" ۔ "سہراب ترکی بہ ترکی بولا۔ "لیکن اگر تم نے مجھے اندر نہ آنے دیا تو پچھتاؤ گے۔"

وہ چند لمحے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر جیسے فیصلہ کر لیا۔ "مجھے تمہاری تلاشی لینی ہو گی۔" سہراب نے بغیر کچھ کہے ہاتھ اوپر کر لیے۔ شاہ ویر نے چند منٹوں کے اندر اس کی جیب سے ریوالور، بٹوہ اور گاڑی کی چابی نکال لی تھی۔ اب اس کے ہاتھ میں بس اس کا موبائل تھا۔ اس نے دروازہ کھلا رہنے دیا، موبائل پر گارڈز کو پیغام بھیجا۔ وہ چند منٹوں میں دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ سہراب محظوظ انداز میں اس کی ساری تیاری دیکھ رہا تھا۔ وہ اس سے خوف زدہ تھا، اسے اب ہر یمن سے خوف زدہ ہونا چاہیے تھا۔ اس پر یہ بنتا بھی تھا۔

"واللہ اگر میں تمہیں مارنے آیا ہوتا تو تمہاری یہ تلاشی اور یہ دو گارڈز مجھے روک نہیں سکتے تھے۔ تمہیں میں تب بھی مار سکتا تھا جب مجھے آراہ مل گئی تھی۔"

"پھر انتظار کیوں کر رہے ہو؟" وہ اسے نہتا کیے اطمینان سے صوفے پر آ کر بیٹھا۔

"میں نے آراہ سے کہا تھا تم ٹھیک آدمی نہیں ہو اس نے میرا یقین نہیں کیا۔ اب میں چاہتا ہوں ٹھیک ہو کر تمہاری سزا وہ طے کرے۔"

صوفے پر ایک بازو پھیلاتے ہوئے وہ مسکرایا۔ "میرے سامنے اب اس کا نام لو گے تو کانپے گی۔"

"کبھی سامنے آنا اس کے، وعدہ کرتا ہوں تم پر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھوکے گی۔"

شاہ ویر کے جبڑوں میں تناؤ در آیا۔ "وقت کی قلت ہو گئی ورنہ اس وقت آدھی دنیا اس پر تھوک رہی ہوتی۔"

"میں محض وقتی طور پر خاموش ہوں تمہیں تمہارے خاندان سمیت غرق کرنا میرے لیے مشکل نہیں۔"

”پھر تمہارے ہاتھ کیوں بندھے ہیں؟“ سارے میں پہلی بار اسے اسلان سے گلا ہوا، کاش وہ اس کے ہاتھ کھول دے۔ گو کہ شاہ ویر کو اس کھیل میں مزہ آرہا تھا مگر وہ سہراب کے سامنے اسے طول نہیں دینا چاہتا تھا اعتراف کٹھن مرحلہ تھا مگر وہ اس سے ڈرتا تھا۔ ”کس لیے آئے ہو؟“

”ایک کھیل کھیلنا تھا تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔۔“ اس نے موبائل کھول کر اس کے سامنے رکھا۔ ”do or die کھیلنا چاہو گے؟“ شاہ ویر ساکت نگاہوں سے موبائل کی سکرین کو دیکھ رہا تھا جہاں رابعہ پرویز کی تصویر کھلی تھی، اور وہ یافث کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور یہ تصویر حالیہ تھی۔ ”اسے جانتے تو ہو گے؟ تمہارے نزدیک جوہر فور زیرو کی وکٹم مگر درحقیقت سروائیور اور میرے دوست کی بیوی۔ رابعہ پرویز۔“

”کیا۔۔۔ بکواس۔۔۔ ہے یہ۔۔۔؟“ وہ بولا نہیں غرایا تھا۔ ”یہ AI ہے میں مان ہی نہیں سکتا یہ سچ ہے، یہ عورت مر چکی تھی۔“

”ابھی کنفرم کر لیتے ہیں۔“ سہراب نے موبائل اٹھا کر ایک کال ملائی۔ موبائل واپس شاہ ویر کی طرف بڑھایا جسے وہ لرزتے ہاتھوں سے تھام گیا تھا۔ کال اٹینڈ ہو چکی تھی دوسری جانب ویڈیو کال پر رابعہ مسکرا رہی تھی۔

”ہیلو ویر۔۔۔۔۔ لانگ ٹائم۔“

”واٹ دا۔۔۔۔“ شاہ ویر کے لبوں سے کوئی غیر مہذب انگریزی لفظ نکلا۔ اس کی رنگت فق ہو گئی تھی۔

”کیسے ہو ویر؟ یہی سوچ رہے ہو گے کہ جب تم نے خود میرے گھر میں گھس کر کمروں کے دروازے بند کیے، ہر طرف آگ لگائی ایک ماس مرڈر پلان کیا اور اس پر عمل بھی کیا پھر میں کیسے بچ گئی؟“ وہ مزے سے کہتی موبائل لیے صوفے پر آکر بیٹھی۔ شاہ ویر سانس لیے بنا سکرین کو دیکھ رہا تھا۔ یہ کوئی اے آئی نہیں تھا یہ اصل تھا اس کی آنکھیں کیمرے کا اصل اور بھرم پہچانتی تھیں۔ ”میں بچ گئی کیونکہ میں نے تمہیں لے کر ڈوبنا تھا تم تیار ہو؟“

"تم۔۔۔" شاہ ویر نے اسے کوئی گالی دینی چاہی مگر سہراب اسے ٹوک گیا۔

"کوئی غلط لفظ، کوئی گالی نہیں وہ بھابی ہے میری۔" یہ دوسرا شاک تھا۔ شاہ ویر کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا اس نے موبائل ایک طرف پھینک دیا اور سہراب کے سامنے کانچ کی میز پر آ کر بیٹھا۔

"میرے ساتھ کیا کھیل کھیل کر رہے ہو؟" اس کا چہرہ شدت غیض سے سرخ پڑ رہا تھا۔

" do or die" اس نے شاہ ویر کی آنکھوں میں دیکھتے بے حد سکون سے جواب دیا۔ "تمہاری تباہی اور بقا دونوں میرے ہاتھوں میں ہے۔ رابعہ تمہارے خلاف پرائم وٹنس بننے کو تیار ہے۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں جوہر فور زیرو سے تمہارا نام نکال دوں گا۔"

"مجھے تم پر یقین نہیں۔" اس نے اپنی بات دہرائی۔ آواز پھٹی ہوئی تھی۔ "تم یقیناً اپنی بھتیجی کا بدلہ لے رہے ہو یہ سچ نہیں ہے رابعہ زندہ نہیں ہو سکتی میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے مارا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے چار ڈیڈ باڈیز دیکھی تھیں یہ سچ نہیں ہو سکتا۔"

"وہ چوتھی لاش روشن کی دوسری بیٹی کی تھی۔ ہاں مگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں تو یونہی سہی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "اور جہاں تک میری بھتیجی کا انتقام ہے تو صبر رکھو وہ میں ضرور لوں گا۔"

"گیٹ لاسٹ!" شاہ ویر حلق کے بل غرایا۔

"تمہارے پاس چھ گھنٹے کا وقت ہے اگر تمہیں میری بات کا یقین آ جائے تو ٹھیک ورنہ اگلے دن ایک ایف آئی آر ہو گی جس میں تمہارا نام آئے گا۔ کچھ ثبوت ہیں جو جوہر فور زیرو میں تمہاری انوالومنٹ کو ظاہر کرتے ہیں ای میل کر رہا ہوں دیکھ لینا۔" شاہ ویر چاہے لاکھ معتدل مزاج نظر آتا، چاہے وہ ہزار دفعہ یہ ظاہر کرتا کہ اس پر کسی چیز کا

کوئی اثر نہیں ہو رہا مگر سہراب یمن کی دھمکی کو بے پر کی اڑانے کے لیے اسے ٹھوس جگر چاہیے تھا جو فلوقت اس کے پاس نہیں تھا۔

وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔شاہ ویر متوحش انداز میں وہ تمام ثبوت دیکھ رہا تھا جو ظاہر کرتے تھے کہ نو نومبر کے اس واقعے میں شاہ ویر طلال بنگش کا پورا پورا ہاتھ تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے لگا وہ کسی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے پیر ہٹائے یا بڑھائے وہ جھلسے گا.......چہرہ، زندگی، دل، سب سب، سب۔

★★★★★★★★★★

حال!

بکھرے ہوئے گھر میں جہاں ایک طرف کاٹن پڑے تھے، دوسری طرف برتن وہیں اسی گھر میں میز پر مٹھائی کے دوڈبے بھی رکھے تھے۔ سہراب مدعا بیان کر چکا تھا دوسری طرف عظمٰی بی نے محض ایک نگاہ بنفشہ کو دیکھا تھا جو سارے وقت میں ان کے قریب خاموش بیٹھی رہی۔ یہ سہراب ہی کی خواہش تھی کہ وہ یہاں بیٹھے اور ساری بات سنے یہ اس کی زندگی تھی اسے سات پردوں میں چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

”آپ چاہے تو وقت لے لیں مس بنفشہ۔ میں خود اس وقت یہاں آنا نہیں چاہتا تھا جب میرا بیٹا برسر روزگار نہیں۔ لیکن ماشاءاللہ سے اس کی زبان نے ایسے جوہر دکھائے تھے کہ ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا۔“ اسلان نے گھور کر اسے دیکھا، جبکہ بنفشہ گردن جھکا کر مسکرائی تھی۔ عالم البتہ پھیل کر بنفشہ ہی کی طرف بیٹھا تھا۔ وہ پارٹی بدل کر لڑکی والوں کی طرف سے ہو گیا۔

”کیا آپ ابھی کوئی جواب دینا چاہیں گی؟“ یافث نے اسلان کے ٹہوکے پر پوچھا۔

اس نے اعتماد سے نگاہیں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھے مہمانوں کو دیکھا۔ سوائے اسلان کے۔ ”آپ کے بیٹے کے پاس جاب نہیں ہے وہ کر لے گا مجھے یقین ہے، اس کے پاس کوئی جائیداد نہیں کوئی بات نہیں، کوئی مکمل ڈگری نہیں مگر چلتا ہے لیکن۔۔۔۔۔“

”لیکن آپ کے لڑکے کو کامیاب زندگی کا گُر ہی نہیں معلوم۔“ عالمگیر نے بات درمیان میں اچک لی۔ اسلان کو وہ آج سے پہلے کبھی اتنا بُرا نہیں لگا تھا۔

سارے میں ایک ڈرامائی وقفہ آیا سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ ”اسے غلطی کے بعد "سوری" کہنا نہیں آتا۔“ عالم نے اضافہ کیا۔ آمنہ، یافث، سہراب تینوں نے ملامت، بے یقینی، اور تحیر سے اسے دیکھا۔ عالمگیر ان سب کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔۔۔ ”آپ تینوں ماشاءاللہ شادی شدہ ہیں آپ خود بتائیں جب اسے سوری بولنا نہیں آتا تو یہ ایک لڑکی کو خوش کیسے رکھے گا؟“

”میں مانتا ہوں میری غلطی۔“

”میری، تیری۔۔۔۔ اوہ خدایا یہ تو گنتا بھی ہے کہ غلطی کس کی ہے۔“ عالم کو ایک اور جھٹکا لگا۔ یہاں بیٹھے باقی دو مرد عالم سے مکمل طور پر متفق تھے وہ واقعی مرد ہو کر حساب رکھتا تھا؟

سہراب نے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "یہ تربیت کی تھی میں نے؟"

"تف ہو تم پر" یہ یافث کی نگاہیں تھیں۔

آمنہ کی نگاہوں میں واضح طور پر "میں نے تم سے اس سے بہتر کی امید کی تھی" درج تھا۔

اسلان سٹپٹایا۔ ”I can explain“ وہ بہت ہلکی آواز میں بولا۔

"تو جاؤ جا کر کرو۔" عالم نے اسے جھڑکا۔ اسلان الجھن سے اسے تکتا رہا۔ "جاؤ بیٹا یہ تمہیں اپنا لان دکھائے گا۔" جب ان کے گھر کوئی لڑکی دیکھنے آتا تھا تب وہ ایسی سہولیات نہیں دیتا تھا۔ مگر یہاں معاملات مختلف تھے اس کی ایک ٹانگ لڑکے والوں کی بگھی میں تھی اور دوسری وہ لڑکی والوں کی ڈولی پر دھرے تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس چڑیا گھر کے پار لعل یمن کے لان میں موجود تھے جہاں چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو تھی اور وہ دونوں ساتھ کھڑے انہیں کو دیکھ رہے تھے۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" پشت پر بازو کیے وہ اکتاہٹ سے بولی۔

"جانتا ہوں لیکن مجھے آپ سے بات کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا بیٹھ جائیں۔۔۔۔۔" وہ کھڑی رہی۔ اسلان نے گہری سانس لی بازو سینے پر باندھے اور ایک لفظ کا اضافہ کیا۔ "بنفشہ پلیز۔" وہ جو تعلقات اور لوگوں کو جوتی کی نوک پر رکھتا تھا وہ ہر بار اس کے سامنے نرم پڑ جایا کرتا تھا۔

بنفشہ بیٹھ گئی۔ وہ اس سے ناراض نہیں تھی ہاں اسے تھوڑا برا لگا تھا مگر اُس وقت حالات کے پیش نظر اس نے بات کو سنجیدہ نہیں لیا۔ صرف انتظار کیا کہ اسلان اسے کوئی میسج کرے گا، معذرت کرے گا یا چپ چاپ کافی کا کپ لا کر دے دے گا اور وہ دونوں ٹھیک ہو جائیں گے لیکن کئی دن گزر جانے کے بعد بھی اس نے کسی قسم کی کوئی پیش رفت نہیں کی تھی۔ کیا وہ ہر دفعہ اسے یوں پس پشت لگا دے گا؟ کیا وہ ہر مرتبہ اپنا دل توڑا جانا سنبھال لے گی؟

"آپ سے کچھ باتیں واضح کرنا چاہتا ہوں۔" یعنی معافی اب بھی نہیں مانگ رہا؟ اس نے کلس کر سوچا البتہ کہا نہیں وہ کیا سوچے گا میں اس کی معافی کے لیے مری جا رہی ہوں؟"

کہو۔"

"جو کچھ ایڈن برگ میں میرے ساتھ ہوا تم اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہو؟" وہ چند لمحوں کے لیے کچھ کہہ نہ سکی یہ ان دونوں کی اس معاملے میں پہلی باضابطہ گفتگو تھی۔ وہ بہت دیر تک چپ رہی، اسلان مستفسر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں، اسلان۔ مجھے تم پر ترس نہیں آتا کیونکہ مجھے تم سروائیور لگتے ہو، لیکن اگر میرے پاس اختیار ہوتا تو میں وقت کو تمہارے لیے تبدیل کر دیتی۔"

"تم مجھے۔۔۔۔۔۔"

"میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو مت کہنا، کیونکہ مجھے بُرا لگے گا۔ تم میرے لیے پہلے بھی معتبر تھے اور اب بھی۔"

"لیکن۔۔۔۔ معاشرے کو میں غلط لگوں گا۔"

"اس حادثے کے بعد کیا تم آراہ کو غلط سمجھتے ہو؟"

"ہر گز نہیں اس میں اس کا کیا قصور؟" وہ تیزی سے بولا۔

"یہی میرا جواب ہے۔ تم میرے لیے قابل عزت ہو، قابلِ رشک اور قابلِ تعریف بھی۔"

اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "یعنی یہ قصہ ہمارے مستقبل کے درمیان نہیں آئے گا؟"

"ہمارے مستقبل کے درمیان محض تمہارے خدشات اور بے روزگاری ہے۔" وہ کچھ غیر سنجیدہ انداز میں بولی تو اسلان ہنس پڑا۔ اسے احساس ہوا وہ اس سے زیادہ دیر خفا نہیں رہ سکتی یہاں وہ گردن جھکا کر مسکرا دے گا اور یہاں وہ پگھلی ہوئی موم کا ڈھیر بن جائے گی، یہاں وہ "بنفشہ پلیز" کہہ دے گا اور اور وہ تھم جائے گی اس کے اندر

کی ساری تباہی رک جائے گی۔ اور پھر جو وہ کہے گا اس عورت پر ہر وہ لفظ حکم بن کر وارد ہو گا۔ کیا تھا اس آدمی میں؟ ایسا کیا دیا تھا اس نے، کیوں وہ ہر قسم کی آسائشات کے خیال اور امید کو ٹھوکر مار کر اس کے ساتھ کوششوں کا سفر کرنے کو تیار تھی؟

"میں نے دلیپ کو اغوا کیا تھا، زید پر حملہ بھی کیا کئی غیر قانونی طریقوں سے اپنے دشمنوں سے لڑا بھی ہوں مختصر یہ کہ سیدھی سوچ سے پہلے مجھے ٹیڑھی سوچ آتی ہے اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں تمہارے غلط کو غلط ہی کہوں گی۔ دلیپ کا اغوا غلط تھا اور وہ حملہ درست کیونکہ اپنے تئیں تمہارے سامنے شاہ ویر تھا اور جہاں تک بات ہے غیر قانونی طریقہ کار کی تو وہ تمہیں چھوڑنے ہوں گے۔ ماضی میں شاید ضروری رہے ہوں مستقبل میں برداشت نہیں کروں گی۔"

"میں کم بولتا ہوں۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے میں نے تمہیں میرے سامنے بہت بولتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"میں نائن ٹو فائیو نہیں کر پاؤں گا ساری زندگی شاید چھوٹے بڑے کاروبار کروں، کسی ایک میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن کوئی مجھ پر حکم چلائے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔"

"شاید؟"

"نہیں یقیناً میں ضرور کوئی کاروبار کروں گا اور۔۔۔۔"

"لکھو گے؟"

"لکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔

”تم لکھنا۔۔۔۔ میں تمہیں پڑھنا چاہتی ہوں۔“ یہ اس ساری گفتگو میں پہلی فرمائش تھی۔

”پتا نہیں اب ویسی کامیابی ہو گی بھی کہ نہیں مگر۔۔۔۔ میں اپنے لیے واقعی لکھنا چاہتا ہوں۔“

وہ نرم نگاہوں سے اسے تکے گئی۔ ”تم جو لکھو گے میں اسے پڑھنا چاہوں گی۔“

اسلان نے سمجھ کر سر ہلایا۔ ”کوئی اور تحفظات، فرمائش؟“

”میں جاب کرتی رہوں گی۔“

”اوکے۔“

”شادی کے بعد میں ہر طرح کی قربانیاں نہیں دوں گی اور تمہیں میرے ساتھ گھر کے کام کروانے ہوں گے۔“

”اوکے!“ وہ رکا۔ ”کچھ اور؟“

”تم مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گے، تمہارے تحفظات اور خدشات؟“

”مجھ سے جھوٹ مت بولنا، بنفشہ۔ مجھ سے مسائل ہوں تو براہ راست کہنا اور مجھے کبھی مجبور مت کرنا کہ میں بنگشوں سے کوئی تعلق رکھوں۔“ وہ کچھ نہ بولی۔ ”میں تمہیں یہ نہیں دے سکوں گا۔ تم ملنا چاہو تو میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہو گی، لیکن مجھے انوالو مت کرنا۔“

”کچھ اور؟“ بنفشہ نے پوچھا۔

”بس یہ کافی ہے۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”اور میری ماں کی باتوں کو زیادہ سیریس مت لینا۔“

بنفشہ نے محض پلکیں جھپکائیں۔ اسے اٹھتے ہوئے دیکھ وہ کچھ حیران ضرور ہوئی تھی۔ کیا مطلب اب وہ معذرت نہیں کرے گا؟ ”تمھیں کچھ اور نہیں کہنا؟“

اسلان نے سادگی سے اسے دیکھا۔ ”مجھے اور کیا کہنا تھا؟“

”تمہیں واقعی نہیں پتا تمہیں کیا کہنا ہے؟“ وہ کچھ زور دے کر بولی۔

”نہیں میں مشرقی اقداروں کا پاسدار ہوں جو کہوں گا شادی کے بعد کہوں گا۔“

”میں اس کی بات نہیں کر رہی۔“ بنفشہ کی رنگت پل بھر میں سرخ ہوئی اسلان نے جس انداز سے کہا تھا اس کے لیے نگاہ ملانا دوبھر ہو گیا۔

”پھر کیا کہہ رہی ہو؟“

”اسلان۔۔۔۔۔۔“ اس نے کچھ جتانے والے انداز میں اس کا نام لیا۔ ابھی اسلان کچھ کہتا کہ اس کا موبائل بجنے لگا وہ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا اور اس کے عقب میں بیٹھی بنفشہ سلگتی رہ گئی۔ تین لفظ کہنا اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔

★★★★★★★★★★

سہراب یمن کی چُبھتی ہوئی نظریں ہنوز اس پر جمی تھیں۔ کوئی وقت تھا جب یہ آدمی، اس کی مخفی شخصیت اس کے لیے سب سے بڑا راز رہی تھی۔ اب یہی شخص تھا، فاش ہوئے راز بھی وہی مگر اب جا کر اسے علم ہوا تھا کہ اسفندیار انصاری اور اس کے کیے اقتال کے علاوہ بھی کہانی تھی۔ وہ جو بھرم اور بقا کے درمیان کہیں تھیں۔ یہ شخص تو بس ایک مہرہ تھا آج کہانی بدل چکی تھی اور آج جا کر اسے علم ہوا یہ قتل کے قصے، یہ صعوبتیں اور یہ اندازے آج سب بھرم، بقا، اور باطل کے درمیان کہیں گم ہو گئے تھے۔

"جو جو سوال میں کروں تمہیں ان کا صاف صاف جواب دینا ہے۔" کرسی پر آگے ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے چبا چبا کر کہا۔ اسفند عجیب سی محظوظ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ یہاں جواب دینے کے لیے ہی تو تھا۔

"پاکستان چھوڑنے کے کتنے عرصے بعد تم نے قتل کرنا شروع کیا؟"

اسفند نے ٹھوڑی پر انگلی رکھے سوچنے کی اداکاری کی۔ "پندرہ سال کی عمر کے بعد میں نے ہر سال لوگ قتل کیے ہیں پولیس کے پاس میرا اناکافی ریکارڈ ہے میں اس سے زیادہ قتل کر چکا ہوں ہاں البتہ وہ اس پلاننگ کے ساتھ نہیں تھے۔" آخر میں اس نے حظ اٹھایا۔ "پلان نگ میں نے بہت بعد میں شروع کی تھی۔"

"اور پلاننگ کیوں؟ کسی کو ذہنی مریض بنا کر اسے قتل کیوں کرنا چاہتے تھے تم؟"

اسفند نے بھاری سانس خارج کی۔ "مزہ آتا تھا ہر وکٹم مجھے میری بے بسی کی یاد دلاتا تھا کس طرح میں اپنے باپ کے سامنے گڑگڑایا، رویا مگر میری نہیں سنی گئی میں بھی چاہتا تھا کہ لوگ ہر طرف سے مایوس ہوں، دھتکارے جائیں موت مانگیں اور تب میں انہیں موت دوں یہ میرا واحد مقصد تھا۔" وہ کچھ فخر سے بولا۔

اسلان، سہراب، عالمگیر اور یافث سپاٹ تاثرات کے ساتھ اس کا اعتراف کرتا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ دیوانگی اور جنون کی یہ کون سی حد تھی؟

"ہر وکٹم کے جسم پر وہ کراس کا نشان، اس کا کیا مقصد تھا؟" اسلان یمن اسے دیکھتے ہوئے مستفسر تھا۔

"کراس یعنی خاتمہ ۔۔۔۔۔۔۔ ایک عرصہ لگا مجھے ایک ٹیم بنانے میں اپنے اصول اور ترتیب ایجاد کرنے میں۔۔۔۔۔۔۔"

"اپسرا کون ہے؟" سہراب نے اس کی بات کاٹی۔ اسے اپنے سوالوں کے جواب چاہیے تھے.

اسفند کے لبوں پر بے اختیار کوئی مسکراہٹ در آئی۔ اس نے کمرے کے وسط میں کھڑے اپنے تخیل کو دیکھا۔ ہو بہو اسفندیار انصاری بس لباس، گہنے اور ظاہری شخصیت وہ جو کبھی اسفند خود نہ اپنا سکا۔

"راز، دوست، تعلق، میں۔۔۔۔۔۔۔اپسرا کیا نہیں ہے؟" وہ ایک جذب کے عالم میں بولا۔

"تم اس سے کہیں بھی، کسی بھی جگہ بات کر سکتے تھے پھر اندرون کی وہ کوٹھی ہی کیوں؟ اس سے ملنے تم وہاں کیوں جاتے تھے؟" اب کے سوال عالمگیر کی طرف سے آیا تھا۔

"کیونکہ وہاں میں اصل ہوتا تھا." اسفند نے بے حد سکون سے جواب دیا۔ "وہاں کوئی روک ٹوک اور بندش نہیں تھی۔ میں جتنی دیر چاہتا اس سے بات کر سکتا تھا کوٹھی کے لوگ بھی اس دوستی سے واقف تھے انہیں یقین تھا اوپری منزل پر اپسرا ہے۔ تمہیں اب بھی یقین نہیں؟" اس نے حیرت سے سہراب کو دیکھا جس کے تاثرات میں کوئی دراڑ نہیں آئی۔ اسفند نے سر جھٹکا، اسے برا لگا تھا۔ کیا وہ اسے جھوٹا سمجھتا تھا؟ "وہ صرف کوٹھی میں ہی آتی تھی، وہ وہاں میرے سامنے آسکتی تھی اسے کوئی ڈر نہیں تھا کیونکہ وہاں سب ہم جیسے تھے۔" اب کے اس نے کچھ زور دے کر کہا۔ "وہ میری ماں کی حویلی سے بے زار تھی۔"

"تم اپنا ٹارگٹ کس طرح منتخب کرتے تھے؟" یافث طارون کے سنجیدہ سوال پر اس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

"پاکستان میں ہر دوسرے تیسرے دن کوئی نہ کوئی مشہور ہو رہا ہوتا ہے، کسی کو بہت اچھی پوسٹ مل جاتی ہے اور کوئی بہت بڑے کاروبار کا مالک بن جاتا ہے میں صرف ایک کام کرتا تھا "بیک گراؤنڈ چیک" اور سب کے سیاہ اعمال میرے سامنے آجاتے تھے۔ پاکستان اور پاکستان سے باہر میرے لوگ تھے جو وکٹمز کے سامنے جاتے تھے، انہیں ڈراتے تھے، خوفناک چیزیں بھیجتے تھے میرے پاس ایک پوری ٹیم تھی اور رہے گی۔ فلاح کا یہ کام ساری زندگی چلے گا۔"

"وہ لوگ کون تھے؟"

اسفند نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں مر کر بھی نہیں بتاؤں گا۔"

چند لمحوں کے لیے آس پاس سکوت چھا گیا اور تب عالمگیر کو ایک جھٹکے سے کچھ یاد آیا۔ "میرال تمھیں کیسے جانتی تھی، اس نے سہراب سے کہا تھا وہ دونوں تمہیں جانتے ہیں، کیسے؟"

اس سوال کا جواب اسفندیار انصاری کے پاس بھی نہیں تھا اس نے اچھنبے سے سہراب کو دیکھا جس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ بہت دیر تک چپ رہا اور جب بولا تو اس کی آواز بے حد ہلکی تھی۔

"میرال اور میں اسفند کے سیمنار کے کلپ دیکھتے تھے اسے اسفند کی ideology پسند تھی۔" بھوری آنکھوں والے افسر نے زخمی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ جبکہ اس کے عقب میں عالمگیر تھم گیا تھا۔ "وہ فین تھی تمہاری اور تم نے اسے مار دیا۔" الفاظ پرت در پرت پُر ملال تھے۔

اسفند کے حلق میں کچھ اٹکا اسے یاد تھا وہ یہ قتل نہیں کرنا چاہتا تھا اسے یہ بھی یاد تھا کہ وہ آخر تک میرال کو باز رکھنا چاہتا تھا اور وہ آخر تک باطل کے خلاف رہی تھی۔ اس نے عالمگیر کو دیکھا اب کے اس کی آنکھوں میں غم تھا۔

"وہ تمہارے گھر آنے سے پہلے نہیں مرنا چاہتی تھی۔" عالم ساکت رہ گیا۔ ٹھنڈا یخ۔ اس کی آنکھیں کسی ایک نقطے پر ساکت ہوئیں۔ "وہ تمہیں اولاد دینا چاہتی تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے کچھ وقت بعد قتل کروں ۔میں اسے وقت دوں کیونکہ وہ عالمگیر اور میرال کا بیٹا پیدا کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اس سے کہا وہ میری شناخت بھول جائے اور وہ زندہ رہے گی مگر وہ نہ مانی۔ اس نے کہا وہ اپنے مورلز پر سمجھوتہ نہیں کر سکتی۔" وہ لمحے بھر کو رکا، اور عالم کا دھواں دھواں چہرہ دیکھا۔ وہ یہاں ہو کر بھی یہاں نہیں تھا۔ کئی سال تک وہ اس کے آخری الفاظ

سننا چاہتا تھا اور آج جب سن رہا تھا تو اتنی تکلیف کیوں؟" اس نے کہا تھا عالم سے کہنا یہ جہان نہ سہی ۔۔۔۔۔۔۔۔" اضافہ کرتے کرتے وہ رک گیا تھا، تھم گیا۔

"یہ جہان نہ سہی آگے کیا۔۔۔۔۔؟" عالم نے دہرایا اس کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ اسفند نے شیطانی نظروں سے اسے دیکھا۔ ہیزل آنکھوں کا وہ دکھ، چہرے کی وہ بے بسی اسے سکون دے گئی۔

"اس کے بعد وہ کچھ کہہ نہیں سکی میں نے اسے موقع نہیں دیا۔" وہ قہقہہ مارتے ہوئے ہنسا۔ "میں نے تمہاری بیوی کو مار دیا عالم۔"

عالم ہل نہیں سکا۔ رنج، کسک، ملال کیا کیا تھا جو وجود پر زنجیروں کی طرح لپٹ گیا۔ خون، وہ نیلے گلاب، میرال شیراز کیا کیا تھا جو یاد نہیں آیا۔ اس نے آہستگی سے چہرہ جھکا دیا۔ اور کئی آنسو ٹوٹ کر اس کے دامن میں گرے۔ اس کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ وہ اٹھ کر اسفند کو مار سکتا تھا، اسے بھی وہی تکلیف دے سکتا تھا جو اسے ملی تھی مگر وہ بس سر جھکائے اپنے خساروں کا ماتم کیا گیا۔

اب وہ ان کہے لفظوں کو تمام عمر روگ کی طرح پالے گا۔ حق ہاہ قسمت۔

★★★★★

"کیا شاہ ویر واقعی مانا؟"

وہ سارا وقت اس اپارٹمنٹ میں جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹتا رہا۔ سہر اب کا دیا ہوا وقت آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح معلوم کرنا تھا وہ پھنسایا جا رہا ہے یا پھر رابعہ واقعی زندہ تھی؟ اس کا بازو زخمی تھا وہ گاڑی نہیں چلا سکتا تھا، وہ یہاں اس اپارٹمنٹ سے باہر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

واپس صوفے پر آکر بیٹھتے وہ سارے کاغذات ایک بار پھر دیکھنے لگا جو سہراب نے اسے بھیجے تھے۔ چوکیدار کا حلفیہ بیان جس میں وہ شاہ ویر بنگش کے آنے کا ذکر کر رہا تھا وہ اس بیان کو شاہ زید کی موجودگی سے بدلنے کا سوچ رہا تھا مگر اگلے ہی لمحے اسے شاہ زید کی وہ لائیو موصول ہوئی جس کی تاریخ نو نومبر تھی۔ ڈرگز کی سپلائی سے آنے والا پیسہ اس کے اکاؤنٹس میں آیا تھا اور کاری وار رابعہ کی گواہی تھی۔ وہ ہر اور سے زلزلے کی زد میں تھا۔ اس کی واحد امید رابعہ کی غیر موجودگی تھی جو کہ۔۔۔۔۔

"یافث، عالم اور سہراب کا آنا جانا کافی ہے۔ یافث دو سال سے آتا ہے یہاں اس کی بیوی رہتی ہے اور۔" یاسر نے اسے رابعہ کے گھر آنے جانے والوں کی تفصیل بھیجی تھی، اس نے آگے نہیں پڑھا وہ آگے کیا پڑھتا جب اسے آنکھوں کے آگے دھندلاہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کی ماں کی خاطر جو "ایک" کام اس نے کیا وہ آج سو پھندوں کی مانند اس کے گلے میں پڑ رہا تھا۔

"میں رابعہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے سہراب کو لکھ کر بھیجا۔

"کہاں آنا چاہتے ہو؟"

"میں آؤں تاکہ تم مجھے مارو؟"

"ٹھیک ہے پھر اپنی عمارت کے پارکنگ ایریا میں آجاؤ۔" سہراب اور اس کے پارکنگ ایریاز کی ملاقاتیں آہ۔ شاہ ویر اپنی جگہ سے اٹھا اور شیشے کے سامنے جا کر کھڑا ہوا اپنا چہرہ دیکھنے پر اسے گمان ہوا یہ اس کا چہرہ نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے، ہونٹ خشک اور ماتھے پر بے انتہا شکنیں۔ یہ وہ شاہ ویر نہیں تھا جو ایک سال قبل نیویارک کی گلیوں میں جاگنگ کرتا تھا تاکہ اس کا چہرہ تروتازہ رہے، یہ وہ بھی نہیں تھا جسے ایک ایوارڈ شو میں دیکھ کر بڑی سے بڑی اداکارائیں خود کو اس پر نچھاور کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں، کامیابی جس کے قدم چومتی تھی۔

گہری سانس لیتے اس نے بالوں میں ہاتھ چلایا، چہرے پر کچھ لگایا اور خود کو پور پور خوشبو میں بھگویا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چہرہ جھکائے چل رہا تھا۔ پارکنگ میں آکر اس نے محض ایک پل کو نگاہ اٹھائی سہراب کی گاڑی عین سامنے تھی وہ اسی طرف چلا آیا اس کا ایک ایک قدم بھاری تھا۔ اگلی نشست پر سہراب تھا اور پچھلی نشست پر کچھ لہرایا۔ سہراب نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا، ساتھ لائٹ جلائی۔ شاہ ویر نے جونہی مڑ کر دیکھا وہ پتھر کا مجسمہ بن گیا سانسیں سینے میں کہیں اٹک گئیں وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

زرد سی روشنی میں اس کا چہرہ بے حد واضح تھا۔ گوری گلابی سی رنگت، بڑی بڑی آنکھیں اور اس کی کھڑی ناک۔ وہ رابعہ ہی تھی۔ رابعہ پرویز۔ جوہر فور زیرو کی وکٹم نہیں سروائیور۔ یافث اس کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ دونوں اسی کو دیکھ رہے تھے۔ "تمہارا سامنا کرنے میں دو سال لگ گئے، شاہ ویر۔" وہ گہری یاسیت سے بولی۔ ماضی کا ہر منظر اسے آج بھی پوری طرح ازبر تھا۔ وہ آگ، وہ دھواں، وہ آہیں۔۔۔ اسے سب یاد تھا۔

"تم۔۔۔ یہ۔۔۔ جھوٹ۔۔۔ ہے تم زندہ کیسے ہو سکتی ہو؟" وہ بے یقین تھا۔

"میں بھی دو سال تک یہی سوچ سوچ کر خود کو اذیت دیتی رہی کہ مجھے مر جانا چاہیے تھا میں کسی اور کے حصے کی زندگی کیسے جی سکتی ہوں کیا میں اتنی بری ہوں؟" وہ بول رہی تھی اور شاہ ویر چپ چاپ اسے تک رہا تھا۔ ہنوز بے یقین، بے سانس۔ "مجھے اب سمجھ آرہا ہے جسے شرمندہ ہونا چاہیے تھا وہ تم ہو، جسے ذلت اور گمنامی ملنی چاہیے تھی وہ بھی تم ہو۔ میں تمہارے اعمال کا بوجھ سہہ سہہ کر تھک گئی ہوں اب تم سے اگلی ملاقات عدالت میں ہو گی۔"

شاہ ویر نے مردہ ہوتی آنکھوں سے سہراب کو دیکھا جو متفق نظر آرہا تھا۔ اس نے بغیر کچھ کہے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس کا انداز میکانکی تھا قدم غیر متزلزل۔ آگے جانے سے پہلے وہ ایک پل کو رکا۔ انہی مردہ نگاہوں سے سہراب کو دیکھا۔ "میرے بچاؤ کا کوئی راستہ؟"

"دو۔۔۔۔ یا تو اپنی ماں اور روبینہ کو اکیلے مرنے دو یا پھر تم ان کے ساتھ مرو۔"

"میری ماں؟" دل میں جیسے کچھ کھب گیا تھا۔ چند لمحے وہ مزید وہیں کھڑا رہا پھر اس نے قدم موڑ لیے اسے یہاں سے جانا تھا، وہ جس چہرے، اور جن قدموں سے آیا تھا اس کی واپسی یکسر مختلف ہوئی تھی۔ اس کی زندگی اس طرح تبدیل ہو گی یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، عرصہ بعد اسے انارا کی یاد آئی کاش ان تمام مشکلات کے درمیان وہ اس کے ساتھ ہوتی۔

★★★★★★★★★

کوارٹر کا صحن اب قدرے سمٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔ عظمیٰ بی تھوڑی دیر پہلے دوا لے کر سوئی تھیں۔ بنفشہ باورچی خانے سے کافی کے دو جہازی سائز مگ اٹھائے اسی طرف آ رہی تھی جہاں اسلان جھک کر ایک ساتھ دو کارٹن اٹھا رہا تھا۔

"دھیان سے اٹھاؤ۔۔۔" وہ اٹھاتے اٹھاتے رکا مسکرا کر اسے دیکھا جبکہ وہ اپنی رو میں کہتی آگے آئی۔ "اس میں میری کتابیں ہیں دو ڈبے ساتھ اٹھاؤ گے تو گر جائیں گے کتابیں خراب ہوں گی۔" اسلان نے تاسف سے اسے دیکھا۔ کوئی تازہ تازہ منگیتر بنے شخص کو یوں کہتا ہے کیا؟ "کیا دیکھ رہے ہو دھیان سے بھئی۔"

"دیکھ رہا ہوں تم کتنی ظالم ہو۔" اٹھائے اس نے دو ہی ڈبے، بات اب اس کی مردانگی پر تھی۔

"سیکھ کس سے رہی ہوں؟"

"مجھے کیا پتا میں تو محلے میں نرم گفتار مشہور ہوں۔" اس نے کاٹن کمرے میں رکھا اور اس کے ساتھ چلتا ہوا واپس آیا۔ وہ دونوں برامدے کی چوکھٹ میں بیٹھ گئے اسلان نے ایک طرف سے ٹیک لگا لی اس کے سامنے بنفشہ تھی۔ پیلے بلب کی روشنی میں وہ دونوں تھکے تھکے اور پرسکون ایک ساتھ تھے۔

"کوئی خود کو معصوم اور نرم گفتار کہہ رہا تھا۔"

"اور کسی کو اپنے منگیتر سے زیادہ کتابوں کی فکر تھی۔" لفظ "منگیتر" پر وہ پوری طرف سرخ ہوئی، اسلان کی طرف دیکھتی نظریں پھیر لیں وہ جی بھر کر محظوظ ہوا۔

"جن کی نئی نئی منگنی ہو وہ ڈنرز پر جاتے ہیں، ایک دوسرے کو پھول دیتے ہیں، رات رات بھر فون پر بات کرتے ہیں اور تم مجھ سے مزدوری کروا رہی ہو؟" خود کو اس سے جوڑنا، یہ احساس اس قدر خوبصورت تھا کہ آج اسلان یمن ساری رات اس نئے احساس کو سراہنا بنائے جاگ کر رات بتا سکتا تھا، پرسکون خوشگوار رات۔

"مجھے بار بار منگیتر کہنا بند کرو۔"

اسلان نے گھونٹ بھرا اور سنجیدگی سے اسے تکا۔ "تاریخ رکھوا لیتے ہیں پھر بیوی کہا کروں گا۔"

"اسلان پلیز!" اس نے اسی کے انداز میں پکارا۔ اسلان زور سے ہنسا۔ کافی کا کپ ہلکی سی "ٹک" کی آواز کے ساتھ نیچے رکھا۔

"تمہاری ابھی سے یہ حالت ہے ابھی تو مجھے وہ تین لفظ کہنے ہیں جو تم کافی وقت سے سننا چاہتی تھی۔" بنفشہ نے چہرے سے ہاتھ ہٹایا اور بے چارگی سے اسے دیکھا۔

"اب تم چپ رہو گے ورنہ میں اٹھ کر اندر چلی جاؤں گی۔"

"تمہیں لگتا ہے کوئی مجھے اندر آنے سے روک سکتا ہے؟" اس کی آنکھوں اور انداز میں واضح چیلنج تھا پھر اس نے ہاتھ جھلایا۔ "اچھا چھوڑو یہ باتیں مجھے یہ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو کس بارے میں بات کریں؟ کچھ پوچھنا ہو؟ آج ہمارے پاس وقت ہی وقت ہے۔"

اس نے ٹھوڑی پر انگلی رکھے سوچنے کی اداکاری کی۔ "تم اب اپنی ہیوی بائیک نہیں چلاتے؟" اس نے اسلان کی مسکراہٹ بے اختیار معدوم ہوتے دیکھی۔ "یعنی۔۔۔۔ میں اور آمنہ کچھ دن پہلے فیملی البم دیکھ رہے تھے تمہاری کچھ ہی تصویریں تھی وہ بھی تمہاری بائیک کے ساتھ، اتنی پسند تھی تو چلاتے کیوں نہیں۔"

"ضرورت کے تحت چلاتا تو ہوں۔"

"اور تصویریں کیوں نہیں بنواتے؟"

"مجھے تصویریں بنوانا نہیں پسند۔"

"لیکن شادی، سالگرہ، کسی تقریب وغیرہ پر تو بنوانی چاہیے۔"

"مجھے عادت نہیں۔"

"مجھے تو ہے۔" وہ فوراً بولی۔ "تم کسی سالگرہ اور شادی پر بھی تصویریں نہیں بنواتے اور میں ہر روز دس تصویریں نہ لوں تو میرا دن نہیں گزرتا۔ مجھے میرے چہرے سے بہت محبت ہے۔"

"بجا ہے!" اسے دیکھتے ہوئے وہ بس سوچ سکا۔

"تم واقعی تصویریں نہیں لیتے؟" اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "ویڈیوز؟" اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔ بنفشہ متعجب سی اسے دیکھے گئی۔ "تم ہماری شادی پر بھی تصویریں نہیں کھنچواؤ گے؟"

اب کے سٹپٹانے کی باری اسلان کی تھی۔ "تم کیا چاہتی ہو؟"

"میری شادی تو براڈکاسٹ ہو گی بھئی۔ ایک ایک ایونٹ کی مجھے ڈیڑھ دو سو تصویریں چاہیے جن میں سو تمہارے ساتھ اور ویڈیوز کی تعداد جتنی ہو اتنی ہی اچھی۔"

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا، پھر دھیرے سے سر ہلا دیا۔ ”او کے۔“

”ایک تو تمہارا یہ او کے تم مجھے ٹال رہے ہو؟“ وہ خفا ہوئی۔

”نہیں تو۔۔۔ میں نے کہا مجھے تصویریں لینا نہیں پسند یہ تو نہیں کہا کہ تمہارے ساتھ نہیں پسند۔ تم کہو گی تو بنوا لوں گا. جتنی تم چاہو۔“

”واقعی؟“ اس کی آنکھیں چمکیں۔

اسلان نے نگاہیں اٹھا کر اسے تکا، اور پلکیں جھپکائیں۔ ”واقعی۔“ اس نے بنفشہ کے لبوں کی مسکراہٹ کو گہرا ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس ایک مسکراہٹ کے لیے وہ بہت کچھ کر سکتا تھا۔ ”ویسے مجھے یقین نہیں آتا کوئی انسان ایک دن میں اتنی ساری تصویریں کیسے بنا سکتا ہے؟“

”میں بناتی ہوں۔“

”تمہیں وکیل نہیں انفلوئنسر ہونا چاہیے تھا۔“

”اور تمہیں تھوڑا سا سوشل ہونا چاہیے۔“

”میں ہوں سوشل۔“ اس نے اپنی بات پر زور دیا۔

”اچھا اور کہاں ہے آپ کا سوشل سرکل؟“

”میرے عین سامنے!“ اسلان نرمی سے بولا۔ بنفشہ کو چند لمحے لگے اس کی بات سمجھنے میں پہلے مسکرائی، پھر سرشار ہوئی اور پھر اس کے اندر گہرا اطمینان اترا۔

"تم سے باتوں میں نہیں جیتا جا سکتا۔" اسلان نے بغیر کچھ کہے اپنا کپ ہاتھ میں لے کر بازو لمبا کیا، بنفشہ نے اچھنبے سے اس کی تقلید میں اپنا کپ والا بازو لمبا کیا، نیچے اسلان کی کوئی کتاب رکھی تھی اور اب وہ اسی طرح ایک تصویر لے رہا تھا۔ سابقہ cinematographer تھا، فن اب باہر آ رہا تھا۔

"پرفیکٹ!" تصویر لے کر وہ پیچھے ہوا۔ بنفشہ آگے کو آئی۔ اب وہ اس کے موبائل پر کھلی وہ تصویر دیکھ رہی تھی جہاں ان دونوں کے ہاتھوں میں مگ تھے اسلان کے ہاتھ کی ابھری رگیں واضح تھیں، دوسری طرف اس کی پتلی سی کلائی اور لمبے ناخنوں والی انگلیاں تھیں۔ "اسے اپلوڈ نہیں کرنا؟"

"نہ۔۔۔۔" اس نے اسلان کے موبائل کی سکرین پر یہ تصویر لگائی۔ اس نے روکا نہیں۔ "اپنے معاملے میں انفلوئنسر ہوں تمہارے معاملے میں پرائیویٹ پرسن۔" اسلان ہنس پڑا۔ وہ جو ہفتوں بغیر مسکرائے گزار دیتا تھا وہ اس عورت کی موجودگی میں کتنی بار مسکرایا تھا اسے گنتی بھول چکی تھی۔ محبت اگر کوئی طلسم کار تھی تو طلسم ہو چکا تھا، جہان آباد ہوئے تھے، آسمان پر قوس قزح کے تمام رنگ بکھر چکے تھے۔ ٹوٹے صحن سے دو بالشت اونچے برامدے کے کناروں پر بیٹھے وہ دونوں اپنی اپنی زندگی کا پرائم ٹائم جی رہے تھے۔

"تم بھی ایک بات یاد رکھنا تمہارا سوشل سرکل میں ہوں، میں تھی اور میں ہی رہوں گی۔"

اسلان نے سر کو خم دے کر ہاتھ سینے پر رکھا۔ "اوکے۔" ابھی بنفشہ کچھ کہتی کہ اسلان کا موبائل بجا عالم کی کال تھی۔ اس کا سارا مزاج بگڑ گیا یقیناً یہ لوگ اسے واپس بلا رہے ہوں گے۔ اس نے کال اٹینڈ کر لی۔ عالم کے پیچھے سہراب اور آمنہ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ وہ دونوں کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔

"سرکار آپ نے گھر آنا ہے واپس یا محلے والے باتیں شروع کریں؟"

"آپ کو کیا کام ہے؟" وہ اکتایا۔

”کام تو بہت ہیں، آپ جناب کو سامان ٹھکانے لگانے بھیجا تھا آپ دل ٹھکانے لگانے بیٹھ گئے۔“ وہ سلگ کر کہہ رہا تھا۔

”خود تین شادیاں کرلیں، میری ایک عدد منگنی برداشت نہیں ہو رہی؟“

”میں نے تین شادیوں میں یہ کارنامے نہیں کیے جو تم ایک عدد منگنی کے بعد کر رہے ہو، گھر پہنچو جلدی۔“

اسلان اٹھ کھڑا ہوا۔ سامان واقعی ٹھکانے لگ چکا تھا اب یہاں اس کا ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ ”آرہا ہوں آپ کے جلتے دل کو قرار دینے۔“

”آؤ آؤ میں بھی نگاہیں دروازے سے لگائے بیٹھا ہوں۔“ وہ چمک کر بولا۔ اسلان نے کال بند کر کے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی، اسلان بھی ہولے سے مسکرایا، عادتاً انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی سہلائی۔

”فی امان اللہ!“ وہ اطمینان سے بولی۔

اسلان نے سر کو خم دیا۔ ”فی امان اللہ۔“ بنفشہ بیلوں سے ڈھکے دروازے سے اس بلند قامت شخص کو جھک کر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اتنے سالوں میں پہلی بار اسے لگا تھا وہ درست شخص کے ساتھ ہے، درست وقت پر، درست مستقبل کے لیے!

★★★★★★★★★★★

”میں نہیں مانتا کہ قدرت نے تمہیں زیادہ وقت دیا ہے مجھے لگتا ہے تم آج یہاں میرے ہاتھوں سے قتل ہو گے۔“ سہراب یمن بے حد یقین کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ اسفند کے چہرے پر کوئی غیر آرامدہ تاثر تھا۔

”میرے پاس کرنے والے کاموں کی طویل فہرست ہے تمہیں لگتا ہے وہ فہرست جھوٹی ہے؟“

”بالکل جھوٹ۔“

”تمام اقتال کے بعد بھی میں زندہ ہوں، آزاد ہوں کیونکہ ایک نظام ہے اور اس کا مالک چاہتا ہے میں اس کے بندوں میں عدل قائم کروں اور آج بھی وہ میری نگہبانی کرے گا جیسے ہمیشہ کی۔ تم بری طرح ہارو گے یمن۔“

”یعنی تمہاری زندگی طے ہے؟“

”کیا مجھے لکھ کر دینا پڑے گا؟“ وہ اسی ناپسندیدگی سے بولا۔

سہراب نے نفی میں سر ہلایا۔ ”ایک کھیل کھیلو گے میرے ساتھ؟“ اسفند کچھ چوکنا ہوا۔ سہراب نے ایک ریوالور اور ایک واحد بلٹ نکال کر میز پر رکھی۔ بھوری سطح پر سلور رنگ کا ریوالر اور بلٹ بے حد واضح تھے۔ سہراب کی آنکھوں کا بھید بس وہی جانے۔

” Russian roulette کھیلیں؟“

★★★★★★★★★★

”شاہ ویر کو دیا جانے والا کام کیا تھا؟“

مسلسل دو گھنٹوں سے پارٹی دفتر کے کمرہ انتظار میں بیٹھے بیٹھے اس کی کمر تقریباً اکڑ چکی تھی جب وہاں روبینہ انصاری کی آمد ہوئی۔ نفیس سے شلوار قمیص کے ساتھ دوپٹہ سر پر اوڑھے اس نے شاہ ویر کے سامنے والی نشست سنبھالی۔

”تم میرے آفس میں آنے سے انکار کیوں رہے ہو لڑکے؟“

”کیونکہ آپ کے آفس کے کیمروں پر آپ کے بیٹے کو دسترس ہے اور میں اس ملاقات کو صیغہ راز رکھنا چاہتا ہوں۔“

”ایسا کیا ہوا ہے، شاہ ویر؟“ وہ تمکنت اور اپنے بیٹے کے توسط اس کے راز سے واقف ہوگئی تھی، زید کی موت ویسے بھی اس کے لیے کسی اہمیت کی حامل نہیں تھی ہاں البتہ شاہ ویر کام کا انسان تھا۔ اس کی زندگی کی خبر سے وہ خوش تھی۔

شاہ ویر کی نگاہوں کی سنجیدگی کم نہ ہوئی۔ ”پہلے آپ ایک فیصلہ کریں سیاست یا اولاد؟“

”میں اولاد کھو چکی ہوں شاید تم جانتے نہیں۔“

”یعنی وہ دوسرا محض کٹھ پتلی ہے آپ نے اسے اولاد مانا ہی نہیں؟“ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ اس کے چہرے کی رنگت تاریک پڑ چکی تھی۔

”مجھے کبھی اس کے وجود سے مسئلہ نہیں رہا میرے لئے اسے دیکھنا وہ اذیت ہے جو مجھے ماضی میں لے جاتی ہے جہاں اس کا وجود سجاد کی بے رحمی تھی میری مرضی نہیں۔“ اب کے ساکن ہونے کی باری شاہ ویر کی تھی۔ کیا ایسے اونچے اونچے خاندانوں کی عورتیں بھی کبھی بے بس ہوتی ہوں گی، کیا انہیں بھی ان کے مردوں نے کسی طرح زیر کیا ہوگا؟ اسے برا نہیں لگا ہاں وہ حیران ضرور ہوا تھا۔

”میرے پاس آپ کے لیے ایک اطلاع ہے۔“ دونوں ہاتھ باہم جوڑے وہ وہی تمام الفاظ دہرانے لگا جو سہراب نے اس سے کہا تھا۔ جس کے بدلے وہ جوہر فور زیرو سے بلاخر آزاد ہوگا۔ طویل قصہ سننے کے بعد وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکی۔

”اسفند۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیس کھلوانا چاہتا تھا؟“ وہ بے یقین نہیں تھی یوں لگتا تھا اس کے خدشات درست ثابت ہوئے ہوں۔ ”اور وہ خادم بٹ؟“

”اسفند کے لیے کام کرتا ہے۔“

"میرے بیٹے کا قاتل سہراب؟"

"وہ اپنے لیے کام کرتا ہے، مگر اس وقت اگر آپ چاہیں تو آپ، میں اور مام بچ سکتے ہیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"آراہ سے۔" اس نے بے حد سکون سے جھوٹ بولا۔

"بدلے میں اس کی مانگ کیا ہے؟"

"آپ کا بیٹا۔" ایک لمحے کو اسے یوں لگا جیسے کسی نے کلیجے میں ہاتھ ڈالا ہو، درد بھی ہوا اور غیض کی ایک لہر نے بھی سر اٹھایا۔ اس کا پورا چہرہ لمحے بھر میں سرخ پڑ گیا۔

"کیا میرے بیٹے اس لیے پیدا ہوئے تھے کہ سہراب یمن جب چاہے ان پر ہاتھ ڈالے؟"

"وہ نہیں تو آپ۔" شاہ ویر نے اسی سنجیدگی سے کہا اور ساتھ لائے چند کاغذات اس کے سامنے رکھے۔ وہ جوں جوں کاغذ پلٹ رہی تھی اس کی رنگت نچڑتی جا رہی تھی۔ کئی منٹ بعد اس نے سر اٹھا کر شاہ ویر کو دیکھا تو اس کی رنگت میں زردی گھلی ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ "انتخابات ہونے والے ہیں میں اس وقت اس سب کی حقدار نہیں ہوں۔"

"پہلی بار دیکھنے پر میں بھی اسی طرح حیران ہوا تھا مسز انصاری۔ میں چاہتا تو یہ سب اٹھا کر اپنی ماں کے پاس لے کر جا سکتا تھا لیکن میں آپ کو اور خود کو بچانا چاہتا ہوں اسفند آپ کا وہی بیٹا ہے جس نے آپ کی پشت میں خنجر مارا ہے، جسے اگر آپ نے تباہ نہ کیا تو وہ آپ کو تباہ کرے گا سوچ بچار کے معاملے اب اپنی حد کو آن پہنچے ہیں اب آپ

کے اور میرے پاس واحد راستہ ہے یا تو ہم مریں، یا پھر اپنے متبادل پیش کریں۔ آقا نہیں مرتے مہرے پیش کیے جاتے ہیں آپ کا بیٹا اور میری ماں مہرے ہیں، مسز انصاری۔"

"اس نے جو بھی کیا ہو، چاہے دس لوگ قتل کیے ہوں یا دس ہزار زندہ دفنا دیے ہوں... وہ آخر کار ہے تو میرا بیٹا۔ میں اپنے ایک اور بیٹے کو سہراب یمن کے ہاتھوں قتل ہونے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی اور تم جا کر اس سے کہہ دینا مجھ سے سیاست نہ کرے کیونکہ یہ میرا میدان ہے۔ ایسے ہزار جوہر فور زیرو کھلوا لو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا میں یہاں کھڑی تھی، کھڑی ہوں اور رہوں گی۔" وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہتی اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی جب شاہ ویر بنگش کی پکار نے اس کے پیروں میں زنجیر باندھی۔

"رابعہ پرویز زندہ ہے، مسز انصاری۔" اس نے پلٹ کر شاہ ویر کو دیکھا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ "میں اس سے مل کر آیا ہوں اپنی آنکھوں کے آگے میں نے اسے اور اس کے عزم کو سنا ہے وہ تمام ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئی ہے، یمن اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں ہم سب ایک سونامی کی زد میں ہیں جسے آپ دیکھنا نہیں چاہتیں۔"

"وہ مر چکی ہے ہم نے اس کی لاش دیکھی تھی۔"

"ہم نے محض ایک جلا ہوا جسم دیکھا تھا جو ڈی این اے کے قابل بھی نہیں تھا ہمیں اس وقت بھی اپنی اپنی صلاحیتوں پر ناز تھا اور اسی ناز نے آج ہمیں چاروں اور سے گھیر لیا ہے۔ آپ اگر اپنے عیار بیٹے کے ساتھ کھڑی ہونا چاہتی ہیں تو مجھے بالکل کوئی اعتراض نہیں لیکن میں اپنی بقا کے لیے آخری حد تک لڑوں گا اور اس کے لیے اگر مجھے آپ کو ڈبونا پڑا تو عذر پر لعنت، ترس سے دل یکسر خالی۔"

وہ کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب آ کر رکا، اپنے دونوں ہاتھ ان کے لرزتے کندھوں پر رکھے۔ "آپ ایک بیٹے کی وجہ سے اپنے باپ کا خواب پورا نہیں کر سکیں اب دوسرے بیٹے کے لیے اسے دوبارہ تباہ کریں گی؟" روبینہ نے

بھیگی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”اگر وہ واقعی بیٹا ہوتا تو میں آپ کے ساتھ ہوتا اور اس وقت جھک کر یمن خاندان کے تلوے نہ چاٹتا مگر۔۔۔۔۔“ وہ رکا، نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ راز بیان ہوئے اور وہ دھک سے رہ گئی۔

”ان جیسوں کے لیے لڑا نہیں جاتا مسز انصاری یہ معاشرے کا کولیٹرول ڈیمیج ہوتے ہیں آپ انہیں وہی سمجھیں۔اب ان آدھے انسانوں کے لیے بھی ہم لڑیں؟“

”وہ میری اولاد ہے، ویر۔“ اس نے تڑپ کر کہا۔ ”وہ چاہے جس نہج تک چلا جائے وہ میری اولاد ہے اور رہے گا۔ میں اسے ہزار دفعہ معاف کر کے گلے لگا سکتی ہوں میں کسی کو اس کا گلا کاٹنے کی اجازت کیسے دے دوں؟“

”اور وہ سبکی سہہ لیں گی جو اس کی شناخت باہر آنے پر ہو گی؟ یہ نام، گدی، یہ وراثت اس میں انصاریوں کا کچھ نہیں یہ سب آپ کے والد کا تھا جسے پہلے آپ کے شوہر نے کھایا پھر سجاد نے پھر ابراہیم اور اب یہ؟ اس گھر کے مردوں نے آپ کو محض نوچا ہے محبت کے نام پر بھی، سہارے کے نام پر بھی اور ماں تا کے نام پر بھی لیکن اگر آپ یہی چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے جو آپ چاہیں۔“

اس نے روبینہ کے کندھوں سے ہاتھ ہٹائے تو وہ کسی بھربھری دیوار کی مانند ڈھے گئی۔ اگلے ہی پل وہ بلک بلک کر رو رہی تھی، اسے لگتا تھا اسے اسفند سے محبت نہیں مگر یہ دل باغی ہو گیا تھا اسفند چاہے مہرے اس کے خلاف کیے بیٹھا تھا، چاہے وہ سارے کھیل میں منحرف رہا ہو مگر وہ اولاد تھا۔مائیں اولاد پر بہت مشکل سے دستبرداری دیا کرتی ہیں۔

★★★★★★★★★★★★★

”ایک ہفتہ بعد!“

اگلے دو دن میں اسے ہسپتال سے فارغ کیا جانا تھا اور وہ اب تک ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔ سہر اب بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھتا، عالم اپنی طرف کی باتیں کرتا، عبیر کو لاتا مگر وہ چپ چاپ دیوار کو گھورتی جاتی۔ اس کے لب اس طرح بند تھے جیسے کبھی لفظوں نے اسے چھوا تک نہ ہو۔ اسلان رات میں یہیں سوتا تھا۔ اس وقت کروٹ بدلتے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے آراہ کو جاگتے ہوئے پایا۔

بمشکل اپنی آنکھیں مکمل کھولتے اس سے پوچھ بیٹھا۔ "کچھ چاہیے؟"

"پانی۔" آراہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ اس کا گلا اب ٹھیک تھا اسلان سمجھ گیا وہ بات نہیں کرنا چاہتی اسے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ وہ صوفے سے اٹھ کر آیا اور پانی کی چھوٹی بوتل اٹھا کر اسے دی۔ اس نے جان کر ڈھکن نہیں کھولا تھا تاکہ وہ دوبارہ بولے۔ چند لمحے وہ بوتل کے ڈھکن کے ساتھ الجھتی رہی پھر چپ چاپ بوتل اس کی طرف بڑھا دی۔

"اس کا کیا کروں؟"

"کھولو۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"خود کھول لو۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔

آراہ نے اسے نہیں دیکھا وہ نظریں جھکائے بیٹھی رہی، اور بہت مدھم آواز میں کہا۔ "مجھ سے نہیں کُھل رہا۔" اس کے لفظ بے حد صاف اور واضح تھے اتنے دنوں بعد اسے بولتے ہوئے سن کر اسلان کو عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا۔ اس نے بوتل کھول کر آراہ کی طرف بڑھائی۔ جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا اور آہستہ آہستہ سارا پانی پی گئی۔

کچھ دیر بعد اسلان اس کے سامنے بیٹھا کسی کتاب سے کچھ پڑھ کر سنا رہا تھا بالکل ویسے جیسے وہ اسلان کو سنایا کرتی تھی۔ چپ چاپ سنتے ہوئے اس نے کروٹ بدل لی۔ اسلان بغیر کچھ کہے دوسری طرف آکر بیٹھا یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے کروٹ بدلنے پر بھی وہ نہ خاموش ہوا، نہ مزاحمت ترک کی۔

آراہ نے ایک بار پھر کروٹ بدل کر ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیا۔ اسلان بغیر کچھ کہے اس کی دوسری طرف آکر بیٹھا۔ وہ اس عمل کو چھ سے سات بار دہرا کر تھک چکی مگر وہ نہیں تھکا۔ ”کیا چاہتے ہو؟“ بلاخر وہ جھنجھلائی۔ ”مجھے سونا ہے جاؤ یہاں سے۔“ وہ حد درجہ بے زاری سے بولی تھی۔

”مجھے بات کرنی ہے نہیں جاسکتا۔“ اسلان کا جواب دوٹوک۔

”کیا بات کرنی ہے؟“

”شاہ ویر نے تم سے کیا کیا کہا؟“ یہ غیر متوقع تھا۔ آراہ کی نگاہ جہاں تھیں وہیں جم گئیں، جسم میں دوڑتے خون کی جلد پر چبھن ہوئی۔

”میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔“ اسلان نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا اور آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ دیں۔

”مجھ سے نہیں کہو گی تو کس سے کہو گی؟“

”مجھے کچھ نہیں کہنا۔“ اس کی آواز بلند ہوئی۔

”کسی اور نہ سہی مجھ سے کہو۔ میں صرف تمہارا بھائی نہیں ہوں، میں تو دوست بھی ہوں۔“

”جاؤ بھائی۔“

”آراہ پلیز۔“ یکدم اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے رخ پھیر لیا، آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اتنے دنوں کا آتش فشاں پھٹ رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں تمہارا دل بھاری ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں تم بہت کچھ کہنا چاہتی ہو میں نے زندگی کے ستائیس سال تمہاری ہر بات سنی ہے، آراہ۔ تم یہ کب، کس جگہ مجھ سے راز رکھ رہی ہو؟“

”ہر بات بھائیوں سے نہیں کی جاتی۔“ اس نے لب بھینچ لیے۔ ناخن چادر میں گڑھنے لگے۔

”پنار نے میرے ساتھ جو کیا میں نے تو اپنی بہن کو بتا دیا تھا۔“

”تم لڑکے ہو۔“ اس کی آواز گیلی تھی وہ بہت مشکل سے خود پر ضبط رکھے ہوئے تھی۔ اسلان نے اس کا چہرہ اپنی جانب کیا۔ اس کے ہاتھ چادر سے ہٹائے۔

”کیا میں نے کبھی یہ احساس دلایا کہ تم لڑکی ہو اور میں لڑکا، میں صرف تمہارا بھائی ہوں آراہ۔ تمہارا خون، اس وقت میری جنس بھول جاؤ اور وہ مجھ سے وہ کہو جو تمہیں اندر سے ختم کر رہا ہے۔ اللّٰہ نے آراہ کو بہن نہیں دی کیونکہ وہ آراہ کو اسلان دے رہا تھا تم کیوں بھول رہی ہو؟“

آراہ چند پل اسے دیکھتی رہی اور پھر رنج اور طیش کی ملی جلی کیفیت سے اس کے سینے پر دھکا دیا۔ وہ تیار تھا، ہلا تک نہیں۔ ”کیا کر لو گے تم اب تک تم نے کیا ہی کیا ہے؟“ وہ بول رہی تھی، الفاظ عجیب سی غراہٹ کی مانند حلق سے آزاد ہو رہے تھے۔ ”وہ مجھے میرے گھر سے اٹھا کر لے گیا اس نے مجھے باندھ کر رکھا میرے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں باندھیں، اس نے مجھے میری مرضی کے خلاف ہاتھ لگایا۔۔۔۔۔۔ تم نے کیا کیا؟“ اسلان اسے دیکھتے ہوئے سُن ہوا۔

”اس نے مجھے جان بوجھ کر رکٹ سے مارا، اس نے مجھے بے بس کیا تم نے کیا کیا؟ تم کیوں کچھ نہیں کرتے، اسلان۔ تم ہمیشہ چپ رہتے ہو اور اس بار تمہاری چپ کا خمیازہ میں نے بھگتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا اس شکل پر کوئی مرد تھوکتا بھی نہیں اور اس نے محبت کر لی وہ مجھ سے ایسے کیسے کہہ سکتا ہے۔ وہ تو مجھ سے محبت کرتا تھا اس نے تو۔“ وہ ہذیانی انداز میں رونے لگی۔ اسلان کا دل جیسے پھٹ جانے کے قریب ہوا۔ آراہ نہیں، اسے اس لڑکی تک نہیں آنا چاہیے تھا۔

”اور کیا کہا اس نے؟“

”اس نے مجھ سے کہا کہ مجھ جیسیاں ٹکے ٹکے پر بکتی ہیں اور میں خود کو کیا سمجھ رہی ہوں میں ۔۔۔۔۔ میں تو تمہارے لیے لڑ رہی تھی اور تم بزدلوں کی طرح یہاں بیٹھے ہو تم میرے لیے کیوں نہیں لڑے؟“ وہ بلند آواز میں چیخی، روئی۔

”اور کیا کہا اس نے؟“

”اس نے مجھ سے کہا وہ مجھے عبرت کا نشان بنا دے گا، بغیر کسی تعلق کے اپنے ساتھ بھی رکھے گے اس نے۔“ روتے، چیختے الفاظ اس کے حلق میں اٹک رہے تھے وہ پاگل سی ہونے لگی۔ ”اس نے مجھے مارا، میرے ساتھ زبردستی کی، اس نے مجھے ٹارچر کیا اور تم نے کیا کیا؟ تم سب خاموش بیٹھے ہو تم، اسکار، عالم، ماموں سب۔ تم سب اس سے ڈرتے ہو اور وہ دوبارہ ایسا کرے گا میری اب کوئی زندگی نہیں ہو گی۔ تم سب مجھ سے جھوٹ بولتے ہو اس نے بولنا تھا میں خون کے ضائع ہونے سے مروں گی اب اگر میں بچ گئی ہوں تو کچھ ضرور برا ہو گا مجھے یقین ہے کچھ ہو گا۔“ اس نے اسی وحشت میں اسلان کے ہاتھ پکڑے۔

”مجھے سچ سچ بتاؤ کیا میرے آرگنز ضائع ہو گئے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ یا پھر یہ ہاتھ یہ بازو کبھی کام نہیں کرے گا یہاں پٹی کیوں ہے تم لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو تم سب مجھ سے کیوں جھوٹ بولتے ہو۔“

”اس نے اور کیا کیا کہا آراہ؟“ وہ آج اس کے اندر کا سارا غبار نکال دینا چاہتا تھا۔ اگلے کئی لمحے وہ کہتی رہی۔ اس کے الفاظ بے ربط تھے اسلان اس کی آنکھیں پڑھتا رہا، اس کے لفظوں میں شکوہ تھا وہ کرب اس کے چہرے پر حرف با حرف نمایاں تھا۔ یہ اس کی وہ بہن نہیں تھی جو گھنٹوں کرکٹ اور کتابوں پر گفتگو کرتی تھی شاہ ویر بنگش نے اسے مسخ کر دیا تھا۔ بعض مرتبہ جب گھر کا مرد محبت کے خلاف ہو تو یہ انا اور غیرت نہیں اپنے ہم جنس سے شناسائی ہوتی ہے اسلان یمن اگر آراہ اور شاہ ویر کی محبت کے خلاف تھا تو اس کی واحد وجہ شاہ ویر کا مکروہ چہرہ تھا۔

”اب تم بہت غور سے میری بات سنو۔“ اس نے ایک ہاتھ آراہ کے چہرے پر رکھا دوسرا اپنے ہاتھ میں لیا۔ ”میں شاہ ویر سے نہیں اپنے رد عمل سے خوف زدہ ہوں۔ میں نے واقعی اسے نہیں مارا مگر میں نے پل پل اس کی موت کی تیاری کی ہے اس نے سچ کہا اسے عورتوں کی کمی نہیں مگر اسے وہ میسر ہیں جو اس جیسی ہیں اور تم........ تم میری حفاظت میں ہو، تھی اور رہو گی مگر میرے حصار سے بالاتر ایک اور حصار اور طاقت ہے خدا کی طاقت اس نے تمہارے بخت میں یہ لکھا تھا اس لیے میں اسے روک نہیں پایا لیکن تم اس کا الزام اپنے سر نہیں لو گی، نہ مجھے دو گی۔“

”کیا میں کبھی نارمل ہو سکتی ہوں؟“ اس کے لہجے میں اب خوف تھا۔

”تم اب بھی نارمل ہو تمہارے کسی اعضا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔“

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ اس کا منظر دھندلا گیا۔ ”سوائے ایک کے۔۔۔۔۔۔“ وہ پیچھے ہوئی۔ سہمے ہوئے انداز میں بازو اپنے گرد باندھ لیے اسلان لب بھینچ گیا تھا وہ جانتا تھا یہ ایک عضو اس کا دل تھا۔ وہ آراہ کو نارمل زندگی کی طرف لے آئے گا، وہ اسے پچھلی باتیں بھلا دے گا مگر وہ اس کے چھلنی دل کی پیوند کاری کیسے کرے گا؟

”اور کچھ ؟“ وہ دوبارہ دل مضبوط کیے اس کے سامنے آکر بیٹھا۔ وہ اس سوال پر ٹھٹکی۔ اسلان اس کی نگاہوں کا سوال پڑھ چکا تھا۔ ”میں جانتا ہوں تم کچھ کہنا چاہتی ہو اور کہہ نہیں پا رہی تم کہو میں سنو گا۔“ یکا یک پانی کا ریلہ دوبارہ بہنے لگا وہ جو گئے وقتوں کا بہترین دوست تھا وہ آج ایک بار پھر بھائی سے دوست بن گیا تھا۔

”مجھے اس سے نفرت ہے مگر نہیں بھی ہے۔ میں اس کے ان لفظوں پر کچھ محسوس نہیں کرنا چاہتی لیکن میرا دل جل رہا ہے وہ تمہارا گنہگار تھا اب میرا بھی مگر میں اس دل کا کیا کروں جس کا ایک حصہ اس سے متاثر ہے جسے اس سب کے بعد بھی امید تھی کہ وہ مجھے شوٹ نہیں کرے گا۔ میں اس تکلیف کا کیا کروں جو میرا دل کاٹ رہی ہے ؟“ ایک لمحے کے لیے اسلان بھی نہیں سمجھ سکا وہ اس تکلیف کا کیا کرے ؟ ایک لمحے کے لیے اس نے خواہش کی کہ کاش اس کے پاس کوئی تریاق ہوتا۔

”میں نے جو کتابیں پڑھیں اس میں برا آدمی دنیا کے لیے برا تھا محبت میں تو مرد بدل جاتے ہیں۔ وہ کیوں نہیں بدلا ؟ میں تو اچھی لڑکی تھی نمازیں پڑھتی تھی، روزے رکھتی تھی، لوگوں کے حق ادا کرتی تھی پھر اللہ نے مجھے اس آزمائش میں کیوں ڈالا کیوں اس نے مجھے شاہ ویر نامی روگ دیا۔ میں اس کی باتوں پر محض غصہ محسوس کرنا چاہتی ہوں، مگر میرا دل جل رہا ہے وہ اب تک میرے دل پر اثر کیوں رکھتا ہے وہ یہاں سے نکلتا کیوں نہیں ہے۔ میں اسے انکار کر کے آئی ہوں میں اس کے دلائے خوف پر تھوک کر آئی ہوں لیکن میں اس کے لفظ نہیں بھول پا رہی میں کیوں۔۔۔۔۔ میں کیوں، اسلان میں کیوں ؟“

اس کے پاس جواب تھے مگر وہ سننا نہیں چاہتی تھی اس وقت اس کا دل اس قدر ٹوٹا ہوا تھا کہ اسلان کو لگا اگر وہ سمیٹے گا، جوڑے گا تو اس دل کی شکل بے حد بھدی نکل کر آئے گی۔ شاید اسی لیے دل جوڑنا انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ ”وہ قاتل ہے، assaulter ہے، میں اس کی شکل اور عمل دونوں سے نفرت کرتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ اس کا ہر غلط عمل میرے دل کو چبھتا ہے کھیل تو اس نے کھیلے تھے میں نے تو محبت کی تھی۔ غلط تھی جانتی ہوں لیکن غلط تو اور لوگ بھی کرتے ہیں سزا صرف میرے حصے میں کیوں آئی ہے ؟“

”مجھے بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کروں تم بس کہہ دو آراہ ایک بار کہو۔“

وہ نفی میں سر ہلاتے چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی۔ ”مجھے بس میرا قصور بتاؤ میں کیوں؟“ اسلان یاسیت سے ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ عمریں گزر جاتیں مگر وہ جو لفظوں پر عبور رکھتا تھا وہ ایسے چند الفاظ نہیں کہہ سکتا تھا جو اس کے دل کو تقویت دے سکیں۔ اپنے عزیزوں کی تکلیفوں کے لیے ہم اتنے بے بس کیوں ہوتے ہیں؟

★★★★★★★★★★

”میرے پاس اب بھی بہت سوال ہیں۔“ وہ دونوں اب ہوٹل سے باہر نکل آئے تھے۔ یہاں ہر طرف رش تھا۔ لوگ ٹولیاں بنائے کیفیز کے باہر چھجے تلے بیٹھے تھے۔ آتش دان روشن تھے اور کافی کے مگ سامنے رکھے ہوئے اسکردو میں سیاحت کا موسم تھا۔ وہ ایک جگہ رک گیا جہاں کوئی ٹھیلے والا پاپ کارن بنا رہا تھا۔

”پوچھو!“ اس نے بنفشہ سے کہتے ہوئے جیب سے پیسے نکالے اور ٹھیلے والے سے کچھ کہا۔

”اسفند پر دستبرداری کیسے دی گئی، کیا شاہ ویر اس ستر تیس کے معاہدے کے لیے مانا، سہراب کا وہ کھیل کیا تھا جس میں اس نے رابعہ کا استعمال کیا اور۔۔۔۔“

”اور؟“ پاپ کارن کا ڈبہ اسے تھماتے سابقہ سکون سے پوچھا۔

”رشین رولٹ کا قصہ!“ اسلان نے اسے ہاتھ سے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ طویل سڑک پر وہ دونوں چھوٹے چھوٹے قدم لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور تب اسلان نے کہنا شروع کیا۔ سکرین دو حصوں میں بٹ چکی تھی۔

★★★★★★★★

”انسان ایک بار ضمیر مار لے تو وہ بار بار مار سکتا ہے۔سیاہی کی سیاست کرتے کرتے اس کا دل شفاف رہے گا ایسا سوچنا بھی غلط ہے۔“سڑک پر چلتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

اس صبح سہراب یمن پوری سیکورٹی ٹیم کو ہدایات دیتا ہوا نظر آرہا تھا میز پر پڑے لیپ ٹاپ پر اس کے کام کی کچھ ویڈیوز کھلی تھیں، جن پر وہ گاہے بگاہے نگاہ ڈال لیتا۔ وہ اس قدر پرسکون اور بے نیاز تھا جیسے اسے اسفند کے متعلق کوئی آگاہی تھی ہی نہیں۔

اسفندیار آج صبح صبح پارٹی دفتر کے لیے نکل گیا تھا مگر روبینہ آج گھر پر تھیں۔وہ لان میں بیٹھی کافی دیر سے سہراب کو مختلف کام کرتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔سہراب کے قریب وہ پل بھر کو رکی۔”میں عقبی لان میں جارہی ہوں میرے پیچھے آؤ۔“اس نے کچھ اس طرح سے کہا کہ آس پاس کام کرتے ہوئے ملازم بھی نہ سن سکیں۔سہراب نے بھی کمال بے نیازی کا مظاہرہ کیا کہ گردن ہی نہ اٹھائی۔کچھ دیر بعد وہ روبینہ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

”اب تک تم جوہر فور زیرو کے وکٹمز اور ولنز سے واقفیت پاچکے ہوگے۔“عقبی لان میں داخل ہوتے ہی اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”بالکل۔۔۔مگر وہ میرا زاویہ ہے۔آپ کے مطابق کون وکٹم ہے اور کون ولن میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔“اس کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے نگاہیں چوکس۔روبینہ نے اثبات میں سر ہلا۔

”درست کہا۔اگر میں چند عورتوں کے قتل کے احکام جاری کروں تو ماس مرڈرر اور اگر وہی کام تم کرو.... تم اپنے ہاتھوں سے چار لوگ قتل بھی کردو تو بقا کی جنگ۔“وہ کہہ کر ہنسی۔یوں جیسے محظوظ ہوئی ہو۔

"میں وہ کرتا ہوں جو مجھے درست لگتا ہے لاء اینڈ آرڈر میں مانتا نہیں اور اصول میں کھڑے کھڑے ایجاد کرتا ہوں رہی بات الزام کی تو میں نے خود کو کبھی بری الذمہ قرار دیا ہی نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ان چار اقتال کے لیے معاف کر دی جائیں اور میں قصوروار ٹھہرایا جاؤں۔"

"ڈر نہیں لگتا؟"

"انسانوں سے ۔۔۔۔؟ بہت پہلے چھوڑ دیا مجھے لگتا ہے آپ انسانوں سے نہیں ڈرتے موت سے ڈرتے ہیں۔ موت سے ڈرنا چھوڑ دیا جائے تو ہر ڈر ختم۔"

"اور اپنے خدا سے؟"

اب کے سہراب تھم گیا۔ نگاہوں میں بہت کچھ در آیا۔ خوف صف اول تھا۔ "اس سے لگتا ہے۔"

"پھر اس ڈر کا کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں بس چند راتیں جاگ لیتا ہوں، معافیاں مانگتا ہوں اور پھر سکون آجاتا ہے۔ میرا ماننا ہے اللہ سکون دے دے تو اس کا مطلب ہوتا ہے وہ راضی ہے۔"

"ابراہیم کو قتل کر کے سکون آیا تھا؟" وہ اس کی طرف مڑی تھی۔ سہراب کو اس کی آنکھوں میں بے پناہ رنج دکھائی دیا۔

اس نے گہری سانس لی۔ "وہ آپ کا بیٹا تھا، مگر میرا مجرم۔ میں ایک ماں کے جذبات کی قدر کرتا ہوں، مگر مجھے اس رات اسے مار کر بہت سکون کی نیند آئی تھی۔"

"اگر تمہارا بیٹا اس کی جگہ ہوتا تو تم کیا کرتے؟"

”وہی جو اس کے ساتھ کیا۔“ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ تیقن سے بولا۔ ”پھر رات کو خود سے کہتا دن میں جو کیا وہ قاتل کا انجام تھا اب تم بیٹے کو رو لو۔“ وہ یقین کر پائی یا نہیں البتہ خاموش ہو گئی۔

”اور رونے کے بعد کیا آگے بڑھ جاتے؟“

”بیٹا بہت عزیز ہے۔ رو جاتا تو بھی صبر نہ آتا میں شاید اس کے غم میں عمر تیاگ دیتا۔“

”اگر میں میرا بیٹا نہ دینا چاہوں تو تم کیا کرو گے؟“ وہ دونوں ایک بار پھر ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے، روبینہ اس کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی، مڑنے پر ہونے والی تکلیف وہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

اس نے سوچنے کو لمحہ بھر لیا۔ ”پھر پہلے آپ کو زیر کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں جوہر فور زیرو کو سامنے لانا پڑے گا آپ ختم تو پیچھے کیا بچتا ہے؟“

”تم اتنی بڑی چیز نہیں ہو، سہراب۔ میں چاہوں تو ابھی تم یہاں سے واپس نہیں جا سکتے۔“

”جانتا ہوں مسز انصاری۔ اسی لیے میں اس شہر کی سب سے بڑی لاء فرم کے مالک سادات صاحب کے پاس ایک ویڈیو چھوڑ کر آیا ہوں اور کچھ دستاویزات بھی۔ ویڈیو کے مطابق اگر میں مارا جاؤں تو ذمہ دار آپ اور وجہ جوہر فور زیرو۔“ وہ جانتی تھی اگر سہراب ایسا کہہ رہا ہے تو وہ ایسا کر بھی چکا ہے اسے اس شخص کے کہے پر کوئی شبہ نہیں تھا۔

”باندھ کر مار رہے ہو، افسر۔“

”مجبوری ہے بی بی، حلال کھانے کی عادت ہے۔“

”اور اگر میں اسفند دے دوں تو؟“

”تو آسان ہے جوہر فور زیرو سے آپ کا نام خارج تمکنت اور شاہ ویر کا اندر۔ وہ آپ کا نام نہ لیں اس امر کو یقینی بنانا بھی میرا کام ہے۔“

”تمہارا اعتبار کیسے کروں تم نے تو شاہ ویر کو بھی بقا کے خواب دکھا رکھے ہو۔“

”وہ میرے بیٹے کا مجرم ہے اس کے خواب توڑنا میری ذاتیات میں آتا ہے آپ سے میری کوئی ذاتی پرخاش نہیں۔“

”ٹھیک ہے پھر۔۔۔۔۔۔“ اس نے کوٹ میں اٹکا پین اسے دکھایا۔ ”یہ ملاقات اس کیمرے میں ریکارڈ ہو چکی ہے اگر تم اپنی بات سے پھرے اور مجھے بے نقاب کرنا چاہا تو شہ سرخیوں میں نام تمہارا بھی ہو گا۔“

”اوکے۔“ وہ بے خوف تھا۔ کچھ دیر بعد روبینہ دل پر پتھر رکھتے گویا ہوئی۔

”اسفند۔“ اس کا نام لیتے ہوئے بھی گلے میں کچھ اٹکا۔ ”کیا کرو گے اس کے ساتھ؟“

”آپ سیکورٹی کو سمجھا دیں وہ اسے محفوظ کرنا چھوڑ دے۔ آپ کو اپنے ولی عہد سے ہاتھ ہٹانا پڑے گا۔“ اسفند پر ہاتھ ڈالنا کتنا مشکل تھا سہراب یہ جانتا تھا اگر روبینہ اس کی مدد نہ کرے تو وہ اگلے دس سال میں بھی اس پر نہ کچھ ثابت کر پائے۔ ”آپ کا بیٹا اب میرے حوالے۔“

وہ کچھ نہ بولی بس پلٹ گئی۔ یہ اس کی سمت نہیں تھی اسے دوسری جانب جانا تھا مگر بیٹے کے دغا نے اسے بری طرح ڈھا دیا تھا۔ اب سمت غیر تعین شدہ، قدم متزلزل۔ اس کی بنیادیں ہی کھوکھلی تھیں وہ ستونوں کو کیا روتی؟

★★★★★★★★

”بیچارہ یافث ہے تو عام آدمی مگر دو خرافاتی ذہنوں کے ساتھ رہ رہ کر اس کا اپنا ذہن بھی خرافاتی ہو گیا ہے۔“ اسلان تاسف سے کہہ رہا تھا۔ بنفشہ نے ٹھہر کر اسے دیکھا پھر ذرا سا اونچا ہو کر اس کی کنپٹی پر دستک دی۔

”تین خرافاتی دماغ، مسٹر یمن۔“ وہ چہرہ جھکا کر مسکرا دیا کہا کچھ نہیں۔ ”خود کو معصوم سمجھتا ہے ہو نہہ۔“

اس صبح کی ہیڈ لائنز نے سارے لاہور کو ایک نیا تجسس دان کر دیا تھا۔ جواہر سادات کے سب سے چھوٹے بیٹے "عامر سادات" کو سیریل کلر کے ہی انداز میں خون سے بھرے خط اور لکڑی کے کچھ ڈبے موصول ہوئے تھے۔ وہ ڈبے جن میں مختلف قسم کے زہریلے کیڑے تھے۔ کچھ خالی، کچھ ایسے جن میں کوئی یونانی عبارت لکھی تھی۔

”کیا اس ملک کے ادارے اور قانون اس بار بھی ایک انسان کو مرنے دیں گے یا پھر اس بار کوئی نئی تاریخ رقم کی جائے گی؟“ رپورٹرز کا سوال۔

”اب تک تو اس کا شکار صرف اور صرف امیر لوگ ہیں اگر کبھی وہ کم مایہ لوگوں کی طرف بڑھا تو؟“ عوام کا ہراس۔

”آخر کب تک اس ایک قاتل کی وجہ سے افسروں کی تبادلے ہوتے رہیں گے، اور کب تلک یہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی پیشانی کا دھبہ ہو گا؟“ افسروں کا غیض۔

”کاش وہ میرے ہاتھ آجاتا۔“ افسران کے ماتحتوں کا الم۔

ان سب سے دور، ایک مکان میں لکڑی کے کئی ٹکڑے آس پاس بکھرے ہوئے تھے، اور ان ٹکڑوں کے نزدیک ایک آدمی بیٹھا تھا جس کے ہاتھ انتہائی صفائی سے اپنا کام کر رہے تھے۔

"یہ دیکھو یہ کیسا بنا ہے؟" لکڑی کا ایک ڈبہ سہراب کو دکھاتے ہوئے عالمگیر اشتیاق سے مستفسر تھا۔ سہراب نے تنقیدی نگاہوں سے اسے جانچا اور ڈبے کو میز پر رکھ کر گاڑی کی چابی سے کچھ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ ڈالیں۔ عالم اس کے دائیں کندھے سے، یافث بائیں اور رابعہ اس کے سامنے سے کھڑی تھی۔ تینوں اب اس ڈبے کو یکساں نگاہوں سے تک رہے تھے۔ چاروں کسی کو تختہ دار پر لٹکانے کو منتظر تھے۔

"پہلے ٹھیک تھا، اب ۔۔۔۔ پرفیکٹ!" رابعہ نے ستائش سے کہا۔ افسر، آرگنائزر، وکیل اور رضا کار یک جٹ ہو چکے تھے کوئی فاسقین سے کہو ان کے دن گنے جا چکے۔ رپورٹرز کے سوال، افسروں کے غیض، عوام کے ہراس اور ماتحتوں کے الم کے پیچھے دو چہرے تھے، دو خرافاتی دماغ، دو یمن یعنی دو طرفہ تباہی۔ لاہور سارے کا سارا سازشوں کی آڑ میں تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے بنفشہ دنیا کا سب سے موذی مرض کون سا ہے؟"

وہ سوچ میں پڑی۔ "سرطان؟" اندازہ لگایا۔

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "تجسس۔۔۔۔۔"

سرمئی شلوار قمیص کے ساتھ سفید ویسٹ کوٹ پہنے وہ سرمایہ کاروں کے ساتھ بیٹھک میں تھا جب اس کے موبائل پر پیغام کی نوید گونجی۔ اسفند نے یونہی ذرا کی ذرا نظر موبائل پر ڈالی اور اگلے ہی لمحے اس کے ماتھے پر بلوں کا جال در آیا۔ بہت ساری اطلاعات کے ساتھ ساتھ اسے یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ اس کی مخالف جماعت کا چیئر پرسن صمد مزاری عوام کو چند یقین دہانیاں کروا رہا تھا۔

"دواؤں کی قیمت میں کمی .... عورتوں کی ضرورت کے سامان پر آگاہی اور ...." وہ ساکت رہ گیا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں گویا جم گیا ہو۔ "کسی کا ذہنی عارضہ اس بار اس ملک کے ایک اور نوجوان کو نگل نہیں سکتا اور ہم

.....ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اس بار قاتل سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔" اسفند آگے نہیں پڑھ سکا۔اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ اٹھی۔وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ موبائل پر انگوٹھا چلاتے ہوئے خبر نیچے کر رہاتھا۔پھر انگلیوں میں تیزی آئی اب وہ لکڑی کے ان ڈبوں کی تصاویر کھول رہاتھا۔

"منافعے کی رقم کا۔۔۔۔۔" سرمایہ کار نے کچھ کہنا چاہا جب اسفند نے ہاتھ اٹھا کر درشتی سے اسے روکا۔

"آپ جاسکتے ہیں یہ محفل برخاست ہوئی۔" وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھااور باہر نکل آیا۔موبائل پر تصویر اب بھی تھی۔خبریں،لوگ،دنیا،ٹی وی،میڈیا،پولیس سب پریولیج کلر کے اس عزم کو بڑھا چڑھا کر بتا رہے تھے اور اسے ختم کرنے کو کوشاں۔یہ وہ نہیں تھا،وہ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔پریولیج کلر وہ تھااور اس نے کسی کو کوئی دھمکی نہیں دی تھی۔منبع شر، تخریب کاریوں کا مرکز اس وقت خود طوفانوں کی زد میں تھا۔شہرت چاہے بدنامی کی ہی کیوں نہ ہو بانٹتے ہوئے بندے کی جان لبوں تک آتی ہے۔ہوا کے تھپیڑے اس کے بالوں کو اڑا رہے تھے وہ ٹھنڈی یخ پڑتی انگلیوں سے ایک نمبر ملا رہاتھا۔دوسری طرف رابطہ مل گیا۔

"یہ سب جو خبروں میں آرہاہے اس میں کس حد تک سچائی ہے عاصم؟" اس نے انتہائی سرسری لہجے میں پوچھا البتہ انگلیاں قمیص کا اگلا بٹن کھول رہی تھیں انتخابات سے عین قبل یہ سیاست اسے کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔"یہ سیریل کلر کی واپسی کیا یہ سچ ہے؟"

"سو فیصد درست ہے جناب۔معائنہ بھی کر لیاہے اور معائنے کے بعد پتہ چلاہے یہ ڈبے،لکھائی سب وہی ہے۔" دوسری جانب استاد شراب کے نشے میں دھت فخریہ نگاہوں سے اپنی لکھی ہوئی یونانی تحریر دیکھ رہے تھے۔بلاخر وہ افسر سے آرٹسٹ بن چکے تھا۔سورج کی نارنجی کرنیں کاغذات سے ہو کر پلٹ رہی تھی اور یہی کرنیں اپنی تمام ترنرمی کے باوجود اسفند کو جھلسا رہی تھیں۔

"میری بات کان کھول کر سنو عاصم۔۔۔۔" اس کے لہجے میں برہمی کب آئی اس کا اندازہ ان دونوں کو نہیں ہوا۔ "ہر خبر سب سے پہلے مجھ تک آنی چاہیے اگر ہوائیں بھی مجھ سے زیادہ علم رکھتی ہوئی ملیں تو میں انہی ہواؤں کو تم پر بند کر دوں گا۔" عاصم علی حکم بجالایا۔ موبائل بند کرتے ہوئے اس کے سینے کے اندر کا خلفشار اسے ختم کرنے تک آگیا تھا۔ ہر شے، ہر جذبے پر اگر کچھ بھاری تھا تو وہ تجسس تھا۔ یہ شخص کون تھا؟

"ذہنی عارضے بہت اذیت ناک ہوتے ہیں۔" وہ افسوس سے بولی۔

"درست کہا۔۔۔۔۔ بعض دفعہ خطرناک بھی۔ اسفند کا عارضہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ اس سے اپنا ہی نقل برداشت نہ ہوا۔ اگر یہ کھیل مزید لمبا چلتا تو وہ خود سامنے آتا اور چلا چلا کر اپنے انیس اقتال کی کہانی سناتا۔"

"انیس نہیں ستائیس۔۔۔۔ وہ ڈرائیور اور اسمگلرز یاد نہیں؟" اسے یاد تھے، وہ رات، وہ آگ اسے کب کہاں کیا ہی بھولا تھا؟

لاہور کے نوجوانوں کو ایک نیا موضوع مل گیا تھا، میڈیا کو نیا چہرہ، سوشل میڈیا کو نئی بحث اور پولیس کو نیا کام ان سب سب میں بس ایک اسفندیار انصاری تھا جس کے دل میں بوسیدہ آگ جل اور جلا رہی تھی۔ وہ پارٹی دفتر میں تھا، سہراب اس کی دائیں طرف مودب کھڑا تھا وہ یہیں ہوتا تھا ہر وقت، ہر گھڑی۔ اسفند سوتے ہوئے اسے اپنے کمرے کے باہر کھڑا کرتا تھا، جاگتے ہوئے اسے ہلنے نہیں دیتا تھا، اس کے نزدیک اگر یہ شخص اس فتنے کی بنیاد تھا تو جلد ظاہر ہو جانا چاہیے مگر وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ فتنہ جب جنم لیتا ہے تو پھیلتا ہے۔۔۔۔۔۔ ساتھی بناتا ہے۔۔۔۔ محکوم کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ ایک نئی فوج بناتا ہے سہراب یمن کے پاس بھی ایک فوج تھی۔ وہ اپنے پیچھے اسلان یمن کو بطور جانشین چھوڑ کر آیا تھا۔

"میری کھلی آنکھیں تمہیں ہتھیاروں سے خالی دیکھ رہی ہیں، یمن مگر میری بند آنکھوں کے پار تمہارے ہاتھوں میں خنجر ہیں۔" اسفند عجیب سی دلگرفتگی سے بولا۔ "میں کس پر اعتبار کروں؟"

اس کی فوج کا سپہ سالار عالمگیر یمن آسودگی سے ٹی وی پر چلتی وہ تمام خبریں سن رہا تھا جو ایک دور میں اس کے متعلق ہوتی تھیں۔ ذہنی مریض، قاتل، کم ظرف، منصوبہ کار، ہتھکڑی اور سزاوں کا مستحق۔ بڑے عرصے بعد احتساب ہو رہا تھا، طویل مدت بعد اصل مجرم کٹہرے میں کھڑے کیے گئے تھے اور سزا جزا کے فیصلے سابقہ مظلوموں کے ہاتھ۔ انصاف اب اگر خرید اجائے تو بیچنے والے تمام انکاری۔

"آپ کی دونوں آنکھیں جھوٹی ہیں سر، میں ہتھیاروں سے نہیں دماغ سے لڑتا ہوں۔"

اسفند ہولے سے، بے بسی سے ہنسا۔ "میرے لیے کون سی موت منتخب کی ہے، میرے بھائی کی طرح مجھے سڑکوں پر دوڑا کر عبرت کا نشان بناؤ گے، یا پھر مجھے تختہ دار پر لٹکاؤ گے، یا پھر خنجر میرے سینے تک آئیں گے؟" سہراب یونہی کھڑا رہا، ایسے جیسے محافظ ٹھہرتے ہوں، محافظ۔۔۔ ہاہ۔۔۔ موت یقینی طور پر۔

اس کی فوج کا دوسرا سپاہی، اس کا جانشین سکرین کے پیچھے تھا۔ اس کے ہاتھ کی بورڈ پر چل رہے تھے، بھوری زیرک نگاہیں سکرین پر جمی تھیں۔ اس کا منصوبہ تکمیل کی جانب گامزن تھا۔

"بات ہوگئی ہے کیمرے ناکارہ ہو جائیں گے۔" اسلان یمن نے نگاہ اٹھا کر اطلاع دی۔

سہراب نے اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا، اسلان یمن کو یہ تھپکی باقاعدہ ٹیک لگی۔ "ویل ڈن!" بلاخر چاچو اسکار اسے سراہنا سیکھ چکے تھے۔

"آپ بے حد اونچے ہیں سر میں نگاہ اٹھا کر دیکھوں بھی تو گردن تھک جائے وار کرنا پھر خواب ٹھہرا۔" وہ اسفند سے کہہ رہا تھا جو کسی سوچ میں غرق، کسی بھنور میں غوطہ زن کافی دیر تک خاموش رہا۔

"میرا طریقہ غلط تھا شہرت بٹتے ہوئے دیکھ رہا ہوں تو اندازہ ہو رہا ہے گمنامی خوامخواہ جھیلی۔ اگلی مرتبہ ایسا نہیں ہو گا۔ اگلی دفعہ ایک ایک مقتول براہ راست نشر ہو گا۔"

"اور یہ حکم بھی قدرت نے دیا ہے؟" سہراب کے لہجے میں استہزا تھا۔ اسفند دلفریبی اور کمینگی سے ہنسا۔

"کچھ چیزیں میں اپنی تسکین کے لیے کرتا ہوں، سہراب۔ یہ ان میں سے ایک ہے۔" اس پر آتا ہر ترس، ہر ترحم کراہیت میں بدل گیا۔ وہ یہ سب اپنے لیے کرتا تھا اسے اندازہ تھا آج مہر لگ گئی۔

"اس معاشرے کی بدحالی کے اسباب جانتی ہو؟" سڑک پر چلتی لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔

"کریکٹر سرٹیفکیٹ۔۔۔۔۔ فلاں عورت باہر آتی جاتی ہے ضرور چکر ہو گا، یہ مرد فون پر زیادہ بات کرتا ہے ضرور باہر کی عورتوں کے ساتھ ملوث ہو گا۔ لڑکا ذرا دیر سے گھر آنے لگا ہے نشے کرتا ہو گا، لڑکی خوش رہنے لگی ہے ضرور کسی نے سہانے خواب دکھائے ہوں گے ہم چلتے چلتے کسی بھی ایرے غیرے کو کردار سرٹیفکٹ دے دیتے ہیں۔"

بنفشہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "یعنی؟"

"جس طرح تم نے مجھے قاتل کا سرٹیفکیٹ دیا تھا اسی طرح آدھی دنیا نے یافث طارون کو "معصوم" ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔"

"میرا ذکر لائے بغیر تو تمہاری بات ادھوری ہے۔" وہ سلگی۔

اسلان محض مسکرایا کہا کچھ نہیں۔ وہ اس عورت کو کیا بتاتا اس کے بغیر اس کی دنیا بھی ادھوری تھی۔

"یہ سب۔۔۔۔ یہ میں دے کر آیا کروں گا میں ایسے کام کیسے کر سکتا ہوں؟" یافث روہانسا ہوا تھا۔ میز پر پڑے لکڑی کے ڈبے، شیشے کے ڈبوں میں بند عجیب و غریب کیڑے دیکھ کر ہی اسے جھر جھری آئی۔

"خیر کام تو آپ نے اس سے بڑے بڑے کر لیے ماموں۔" اسلان کا اشارہ کس طرف تھا وہ جانتا تھا۔

”تم ابھی بچے ہو ایسے معاملات سے دور رہو۔“

”بچے پیدا کرنے والی عمر ہے میری، اب ایسے معاملات میرے فیورٹ ہیں۔ اور بتائیں بیوی کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے؟“ وہ عالم کے ساتھ مل کر یافث کے لیے عذاب بن گیا تھا۔

یافث نے انگلی اٹھا کر اسے اور عالم کو تنبیہہ کی۔ ”تم دونوں اپنے کام سے کام رکھا کرو میں تم میں سے کسی کے بیچ میں آیا؟“

”میری جان کو بُرا لگا؟“ عالم نے اسے پچکارا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر باقاعدہ اسے لعنت دی۔ ”بے غیرت ولیمہ ہی کر لیتے۔ یہ سکھایا تھا تمہیں؟“

”میں نے کیا ہے ولیمہ مسلمان ہوں، اپنی پسند کی عورت سے نکاح کیا تم جیسوں کو نہ بلا کر بہت خوش ہوں۔“

”مسلمان، پسند کی عورت، نکاح ماشاءاللہ! ماں واری جائے! آج یوٹیوب کے کس عالم کو سن کر آئے ہو؟“

”وہی جس کے کہنے پر انہوں نے ولیمہ نہیں کیا، یار میں تو آپ کا بچہ ہوں مجھے ہی بلا لیتے۔“ اسلان نے مزے سے لقمہ دیا۔ یافث نے شرم دلانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

”کم از کم تم تو اپنی زبان بند رکھو تمہیں تو باپ کی طرح پالا ہے۔“

”یااللہ۔۔۔۔۔۔ یہ معجزہ کب ہوا؟ مجھے جو پالا جتنا پالا اسکار نے پالا آپ اور عالم تو کسی کھاتے میں نہیں آتے۔“

”ہاں اور قتل کر کے جب تم آئے تھے تو یقیناً دل آراہ بیگم نے تمہیں مشورے دیے تھے ہے نا؟“ عالم سلگا۔

”اور سہراب کی ہر پھٹکار کے بعد تمہیں منایا کس نے؟“

"یعنی یہ دو کام کر کے تم لوگ اس کے باپ بن گئے ؟" کمرے سے نکلتے ہوئے شخص کی سنجیدہ اور مدبر آواز سارے میں گونجی۔ اس کی سپاٹ نظریں ان دونوں پر جمی تھیں، کف وہ موڑ رہا تھا اب ایک یمن اور دوسرے طارون کی مجال تھی کہ کچھ کہتے ؟

"تم یہ کر رہے ہو یا میں کروں ؟" سنجیدگی سے یافث کو دیکھتے اس کی آنکھوں میں انکار سننے کی رعیات نہیں تھی۔

یافث نے ایک سرسری نگاہ دوست اور بھانجے پر ڈالی پھر قدم بڑھا کر آگے آیا اور سامان اٹھا لیے۔ "کر لوں گا۔"

دونوں کے مابین اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ یکدم فضا بوجھل سی ہو گئی تھی۔ اسلان چپ چاپ دوبارہ اپنا کام کرنے لگا۔ البتہ اس کے دل میں آج بھی خواہش تھی کہ کاش وہ دونوں پہلے جیسے ہو جاتے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے اپنا دستانے سے خالی ہاتھ اسلان کی کوٹ کی جیب میں ڈال رکھا تھا، اسلان کا خالی ہاتھ بھی اسی جیب میں تھا وہ دونوں دستانے اور شال بانٹے ایک بار پھر ساتھ چل رہے تھے۔ طویل سڑک، اطراف میں لگے بلند قامت درخت، اور ان کے درمیان چلتے دو لوگ کسی کہانی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔

"اسفندیار کو اس کے دل نے مروایا، وہ دل جس میں اس نے چند مخلص لوگوں کو رکھا تھا۔ جن سے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔"

"سر ایک عورت ہے جس نے تمام قتل قبول کر لیے ہیں۔" وہ سفید حویلی کے چاروں اطراف میں پھیلی روش پر جاگنگ کر رہا تھا جب کان میں لگے آلے میں یہ آواز پڑی۔ وقت کی گردشوں نے اپنے مدار بدل لیے وہ ساکت ہی تو رہ گیا تھا۔ "اس نے آلہ قتل بھی جمع کروا دیا ہے اور اس کے پاس۔۔۔۔۔۔" وہ کچھ کہہ رہا تھا جو اسفند کو سنائی نہ دیا۔ آواز زوں زوں میں تبدیل ہو گئی۔ غیر شناسا، ناقابل رسائی۔

"سر میرے لیے کیا حکم ہے وہ تھانے نہیں آئی یہ سب میری رہائش گاہ پر ہوا ہے کیا میں کسی اور کو بتاؤں اسے تھانے لے جاؤں یا پھر۔۔۔۔۔۔" عاصم مستفسر تھا۔

"میں تمہارے گھر آرہا ہوں تمہارے منہ سے بھاپ بھی نہیں نکلنی چاہیے۔" اسفند کے حلق سے پھٹی ہوئی آواز برامد ہوئی۔ "میرے آنے تک میڈیا کو کوئی خبر نہیں ملنی چاہیے۔" دوسری طرف اس نے بغیر کسی تردد کے احکام پر سر تسلیم خم کیا۔ اگلی حکومت اسفندیار انصاری کی تھی وہ اس وقت اس کے جوتے تک زبان سے چاٹنے کو تیار تھا۔ وہ تیز تیز گام بھرتا گاڑی کی جانب بھاگا۔۔۔۔ اس کے چہرے پر متوحش تاثر تھا۔

ابھی وہ گاڑی کا دروازہ کھولتا کہ اس کی ماں اس کے قریب آکر رکی۔ آج روبینہ انصاری کی آنکھوں میں ملال پرت در پرت تھا، آج وہ آنکھیں حزن و رنج کی علمبر دار تھیں۔ آج ان میں کوئی تنبیہہ بھی تھی۔ "مت جاؤ۔"

اسفند کی آنکھیں الجھن سے چھوٹی ہوئیں۔ اس نے غیر یقینی سے اپنی کلائی پر اس بوڑھی عورت کا لرزتا لمس محسوس کیا۔ سیاہ رنگ کے سادہ سے لباس میں وہ پر مثردہ دکھائی دے رہی تھی۔ "لوگ تمہارے خلاف ہیں، اسفی۔ سازشیں ہو رہی ہیں آج مت جاؤ۔"

"کوئی دھمکی ہے؟" وہ ٹھٹکا، الجھا۔

"التجا ہے۔۔۔۔۔" اسفند چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر کرب زدہ سا ہنسا۔

"آپ نے مجھ سے کبھی التجائیں نہیں کیں اماں مجھے علم ہی نہیں التجاؤں پر کیسا رد عمل دیا جاتا ہے۔"

"کیا میں نے تمہارے ساتھ بہت ناانصافیاں کی ہیں؟"

اسفند نے محض نگاہیں اٹھائیں اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ "یاد مت دلائیں اماں اب بھی تکلیف اٹھتی ہے۔"

"کوئی انتقام کیوں نہیں لیا؟"

"لوں گا، ایک دن آپ کو زیر کروں گا پھر ہر انتقام لوں گا۔" وہ ایک لمحے کو بھی نہ گھبرایا۔ روبینہ آزردگی سے اسے تکتی رہ گئی۔ وہ سیاسی خون تھا غیر اعتبار، کاذب اور دغاباز۔۔۔۔۔ مگر وہ خون بھی تو تھا کیوں اس کی بے اعتباری کھب رہی تھی، کیوں اس کی دغابازی توڑ رہی تھی، کیوں اس بے اعتباری پر بھی اعتبار کرنے کو جی چاہ رہا تھا؟

"میں ماں ہوں تمہاری۔"

"میں بھی ثابت کروں گا کہ میں آپ ہی کا بیٹا ہوں۔" اس نے کلائی سے وہ لمس ہٹایا انداز میں سرد مہری تھی۔ "اب بھی روکنا چاہتی ہیں؟"

"اگر تمہیں مفادات اور بقا کے درمیان کسی کو چننا پڑے تو کسے چنو گے؟"

"جب اس روز بابا نے میرا استحصال کیا تھا تب آپ نے مفاد چنا یا مجھے؟" وہ زبان سے نہ کہہ سکی۔ جواب البتہ اس کے چہرے پر آکر ٹھہر گیا۔ "آپ مجھے نہ چنیں، میں آپ کو دغا دینے لگوں یا پھر ابا اپنے مفادات کے لیے آپ کو اور مجھے استعمال کریں اس تمام دورائے میں مجھے آپ کو حیران ہونے کا اختیار نہیں، کیونکہ ہمارے خون میں سرخ رنگ کے ساتھ سیاست بھی ہے۔ یہ خون ہے اس کے اثرات کائنات کی کوئی سائنس نہیں بدل سکتی۔ ہم اسی طرح پیدا ہوئے ہیں اسی طرح مریں گے۔"

وہ پھیکا سا مسکرائی، پھر آگے بڑھ کر زندگی میں پہلی بار اپنے بیٹے کا کندھا بے حد محبت اور شدت سے تھپتھپایا۔ "تم درست کہتے ہو جعل سازی ہمارے خون میں ہے مگر میری ایک بات یاد رکھنا اسفند میں نے تمہارے لیے کوششیں کی تھیں۔" اسفند نے کچھ کہنے کو لب کھولے جب اس کا موبائل تھرتھرایا۔ افسر کی جانب سے پیغام تھا۔

"سر خبر وائرل ہو گئی ہے پتا نہیں کیسے آپ کب تک آئیں گے؟" اس کے آس پاس بے تحاشا شور تھا، لوگ تھے، آوازیں تھیں۔ "اس لڑکی نے اپنا نام رابعہ پرویز بتایا ہے کوئی جوہر فور زیرو کی سروائیور۔"

اسفند کی ساری دنیا گول گول گھومنے لگی۔ رابعہ پرویز۔۔۔۔ جوہر فور زیرو۔۔۔۔۔ سروائیور۔۔۔۔؟ اس کا سانس پل بھر کو رک گیا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔۔۔۔ رابعہ۔۔۔۔ رابعہ پرویز؟" اسے اس کی اپنی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا، اس نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا اسٹیئرنگ وہیل پر اس کی گرفت سخت ہو رہی تھی یا پھسل رہی تھی اسے سمجھ نہ آیا اس کا دماغ زلزلوں کی زد میں تھا۔ وہ جس روش سے گاڑی گزار کر لے گیا تھا اس کی ماں اب تک وہیں کھڑی تھی۔ آنکھیں ایک نقطے پر ساکت لب ہلکے سے وا۔ کوئی محافظ اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

"میڈم کیا ہم اسفند صاحب کے پیچھے جائیں؟" اس نے خالی خالی نظروں سے محافظ کو دیکھا اس کا جی چاہ رہا تھا وہ بھاگے، جائے بیٹا بچائے سیاست پھر سہی مگر۔۔۔۔۔۔۔ جمے ہوئے لوتھڑے کا پگھلنا بے حد مشکل تھا۔

"اس نے منع کیا ہے کوئی اس کے پیچھے نہیں جائے گا۔" عوام سے جھوٹ بولتی زبان اس قدر فرواں تھی کہ اسے اب دقت ہی نہ ہوئی۔ "اسے کچھ وقت اکیلے میں چاہیے، کوئی نہیں جائے گا۔" سب سن چکے تھے سب کو بھلا کیا؟ "وہ آج رات تک واپس آئے گا۔ اسے اکیلے میں کچھ وقت چاہیے۔" ملازمت کے کچھ گھنٹے سکون سے گزریں تو کسے ارزاں گزرتا ہے؟ روش کے پار تکتی عورت کا وجود ہنوز آندھیوں کی زد میں تھا۔ دل میں کوئی وقفے وقفے سے برچھی گھسیٹ رہا تھا اور وہ ساکت تھی۔ خاموش، بے حد خالی۔

"دل کے مسئلوں اور ذہنی عارضوں کو شے دینے والی چیز جانتی ہو کیا ہے؟"

"کیا؟"

"ذہانت، مزاحمت۔" اس کی آنکھوں میں کوئی چمک ابھری۔ "اس معاشرے میں جب مرد پر الزام لگتا ہے تو اول گواہی نہیں فیصلہ آتا ہے۔ ہر فرد، ہر آنکھ اسے مجرم ٹھہرا چکی ہوتی ہے۔ عالمگیر یمن اور سہراب نے ایک عمر لگادی تھی اب یہ ان کا وقت تھا انہیں کرمنل کہا گیا تو اب وہ بن کر دکھا رہے تھے، انہیں قانون توڑنے والا کہا گیا تو اب وہ واقعی توڑ رہے تھے ۔ لعل یمن کے مردوں نے اس معاشرے میں بقا کے لیے بھاری قیمتیں ادا کی تھیں، یہ وصولی کا وقت تھا۔"

"پیچھے تو اسلان یمن بھی نہ رہا۔" بنفشہ نے طنز کیا۔

"anything for blood "

وہ اسے پورے دو برس بعد دیکھ رہا تھا۔ رابعہ پرویز اس کے عین سامنے کھڑی تھی۔ سانس لیتی ہوئی حیات عورت ــــــ اسفند اور اس کے درمیان کھڑکی سے آتی دھوپ تھی، کیا محض دھوپ ہی تھی؟ وہ آگے بڑھا ــــــ ایک قدم ــــ دو قدم ــــ تین قدم ــــــ اب وہ دونوں روبرو تھے۔ اسفند بے یقین تھا، وہ سانس لیے بنا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی زندگی کی سب سے مخلص عورت، بہترین ساتھی، بہن، بھائی سب ۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ رابعہ کے کندھوں پر رکھے۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

"کیا یہ میرا وہم ہے؟" اسے اپنی آواز بمشکل سنائی دی۔ "تم زندہ ہو رابی ــــ کیا تم واقعی زندہ ہو؟" وہ اسے کندھوں سے تھام کر یقین کر لینا چاہتا تھا اس کی آنکھیں ہنوز بے یقین تھیں رابعہ کی آنکھوں کا حال بھی کچھ مختلف نہیں تھا۔ وہ عرصے بعد اسے دیکھ کر رو رہی تھی۔ عرصے بعد دل چاہا تھا سب کہہ دے، سب کچھ۔

"تم اتنا وقت کہاں تھیں، رابی ــــــ میں نے تمہیں کتنا یاد کیا میں نے اور لیلیٰ نے تمہاری یاد میں کتنی راتیں ــــــ" وہ کہتے کہتے رکا لیلیٰ کے ذکر پر دل کٹ گیا۔ رابعہ گردن جھکائے روئے جا رہی تھی۔ "لیلیٰ مر گئی ہے

رابی۔۔۔۔۔۔“ اس کی ہچکیوں میں اضافہ ہوا اب خاموش کمرے میں وہ بلند آواز سے رو رہی تھی۔ اسفند کے آنسو خاموش تھے۔ اس نے اس لمحے کو نہیں سوچا تھا۔ وہ تینوں تو خوش تھے، ٹھیک تھے اب یہ سب کیوں؟

”میں نے اپنے دونوں دوستوں کو کھو دیا۔ یہ ماہ، یہ ہفتے، یہ ایام یہ کٹھن تھے کیا تمہیں ایک بار بھی میری یاد نہیں آئی تم کیوں واپس نہیں آئیں۔ تم نے ایک بار بھی ہمارا نہیں سوچا؟“ اس نے رابعہ کے کندھے کچھ سختی سے جھنجھوڑے۔ آواز بلند ہوئی۔ ”میں دنیا یہاں سے وہاں کر سکتا تھا، میں تمہارے لیے ہر کسی سے لڑ سکتا تھا پھر تم نے مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کیا کیا میں تمہارے لیے اتنا بے اعتبار ہو گیا تھا؟“

”میں ڈر گئی تھی، اسفی۔“ وہ انہی ہچکیوں کے درمیان بولی۔

”اور یہ۔۔۔۔ یہ سب کیا ہے کسی اور کے گناہ اپنے سر کیوں لے رہی ہو؟“

رابعہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”میں اس قید سے تھک چکی ہوں۔ مجھے اب آزادی چاہیے تھی میری موت کا معمہ اس قدر شدید تھا کہ لوگ میری زندگی کو قبول کر نہیں پاتے مگر اب کریں گے۔ چاہے میں اس دنیا میں ایک ولن کی حیثیت سے جانی جاؤں گی مگر میری ایک حیثیت تو ہو گی نا؟“

”یمن تمہیں استعمال کر رہے ہیں؟“ وہ بھونچکا رہ گئی، اسفند اسے پڑھ رہا تھا یا باطل کو وہ اندازہ نہیں کر سکی۔

”میں جانتا تھا وہ لوگ کچھ نہ کچھ کریں گے لیکن جو انہوں نے کیا ہے میں اس پر غصے میں نہیں ہوں بلکہ میں ان کا شکر گزار ہوں۔ تمہاری واپسی میرے لیے ہر شے پر بھاری ہے۔“ اس نے رابعہ کا ہاتھ تھاما۔ ”تمہارا دوست تمہارے ساتھ ہے اب تمہیں کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں سب کو دیکھ لوں گا یہ یمن، بنگش تم دیکھنا میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔“

ابھی وہ ایک قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ پردوں کے درمیان سرسراہٹ ہوئی اور کوئی دبے قدموں باہر نکل کر تیزی سے اس کی طرف آیا اور ابھی اسفند مڑتا کہ اس کے سر کی پشت پر وار کیا گیا۔۔۔۔۔۔ اسفند کراہا، رابعہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹا ابھی وہ پلٹ کر وار کرتا کہ اس کے عقب میں کھڑے شخص نے اس کے داہنے رخ پر وار کیا۔ وہ تیورا کر گرا۔ دماغ سنسنا اٹھا۔

"درست کہا ڈرنے کی نہیں آپ کو محتاط ہونے کی ضرورت تھی۔" اسلان شجاع یمن اپنے تمام تر اندازوں کی درستگی پر محظوظ اور اپنے دونوں چچاؤں کے غلط ہونے پر خوش تھا۔ ہر جذبے سے بڑھ کر ایک جذبہ غالب تھا ۔۔۔۔۔۔۔"اس کی یہ جرات کہ یہ میرے خاندان کے دو دو مردوں کو استعمال کرے؟"

اسفند کی رفتہ رفتہ بند ہوتی آنکھیں ان دونوں پر جمی تھیں۔ وہ ان دونوں سے وفادار رہا تھا، ہمیشہ۔ پھر یہ بیچ راہ میں یہ فریب کیوں؟ اس کی بند ہوتی آنکھوں نے آخری بار اگر کسی کو امید سے دیکھا تو وہ رابعہ تھی۔

★★★★★★★★★★

(اسے ہسپتال سے واپس گھر آئے دو دن ہو گئے تھے اور اب دل کچھ ہلکا تھا۔ محلے والوں کا آنا جانا کچھ زیادہ ہو گیا تھا ہر کسی کی مشکوک نگاہیں بس اس راز کو پانا چاہتی تھیں کہ وہ اتنے روز کہاں تھی؟ اور وہ سارا وقت کمرے میں کھڑکی سے ٹیک لگائے، کبھی پردوں کے پار دھندلاتی دنیا دیکھتے ہوئے گزار دیتی۔ شاہ ویر بنگش کا دیا فریب ایسا بلند آواز تھا کہ اس کی سماعتیں اب ہمہ وقت سن رہنے لگی تھیں۔

"مجھے نہیں کھانا۔" وہ کھانے کی پلیٹ اٹھا کر پھینک دیتی تھی۔

"میرے سامنے مت آیا کریں۔" عالم اور سہراب کے سامنے وہ تلخ ہو جاتی۔

"میرے سامنے اس کی بات مت کریں۔" شاہ ویر کے کسی ذکر پر وہ آپے سے باہر ہونے لگتی۔ اس کی باتیں، طعنے، تلخی، طیش اگر کسی نے چپ چاپ سہا تھا تو وہ اسلان یمن تھا۔ وہ آتا۔۔۔۔ سنتا۔۔۔۔۔ بس سنتا اور چپ چاپ اس کے پاس بیٹھا رہتا وہ روتی، اسلان یمن دیکھتا۔ وہ چیختی اسلان چیخنے دیتا۔ وہ کوستی تو بس کرب زدہ نگاہیں اٹھا کر اسے تکتا۔ وہ اس لڑکی کے لیے وہ سب کرنا چاہتا تھا جو اس کی تکالیف کے ادوار میں کسی نے نہیں کیا۔ وہ اس گھر اور معاشرے کو ایک اور اسلان یمن نہیں دے سکتا تھا، اس نے نہیں دیا۔)

وہ ابھی بھی اسی لباس میں تھا، البتہ حالت بدل چکی تھی۔ چہرہ کچھ کچھ مٹی مٹی تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور وہ بندھا ہوا تھا۔ اس نے پورے دو دن سے اپنی دوائیاں نہیں لی تھیں اور اس وقت اس کا دماغ کہیں اور تھا۔ درمیان میں وہی پستول رکھی تھی، جو سہراب نے کچھ دیر قبل اسے دکھائی تھی۔

"میرے ساتھ کھیل ترتیب دے رہے ہو؟" اس کی مشکوک نگاہیں سہراب پر جم گئیں۔ "میری ماں کو بھی استعمال کیا ہے نا؟"

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" سہراب نے ابرو اٹھا کر اس کی ذہانت جانچنی چاہی۔

"مجھے لگتا ہے وہ بے وقوف عورت تم جیسے شخص کی باتوں میں آگئی ہو گی۔ میری ماں کو لگتا ہے اسے آج تک اقتدار اس لیے نہیں مل سکا کیونکہ اس کے خاندان کے مرد درمیان میں آجاتے تھے اسے غلط لگتا تھا۔" اس کی آنکھیں کچھ سرخ ہوئیں۔ "روبینہ انصاری ایک ناکام سیاست دان ہے۔ کوئی ذلت سے ڈرائے تو ڈر جاتی ہے۔"

"میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ اپنا بیٹا مجھ پر قربان کر دے تو بدلے میں اسے اور اس کی سیاست کو بقا ملے گی۔"

"اور وہ مان گئی؟" اسفند کچھ تحیر سے بولا۔ "کیا اسے اندازہ نہیں اس کی سیاست میری وجہ سے چلتی ہے یا پھر وہ یہ بھول گئی ہے کہ تمہارے لیے وعدہ، حلف فرض کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا؟"

"تم نے درست کہا وہ بے حد بُری سیاست دان ہے۔" اسفند کو لگا وہ مسکرایا ہے۔ "میں تمہیں یہاں اس لیے لایا تھا تاکہ میرے سوالوں کے جواب مل سکیں مل گئے، لہٰذا اب تم میری طرف سے آزاد ہو۔"

(وہ ایک ملگجے اندھیرے والی صبح تھی جب وہ اپنے کمرے کے سب سے محبوب آئینے کے سامنے آئی۔ پیروں پر نہیں، وہیل چیئر پر۔ اس کا standing mirror جہاں وہ ہر روز خود کو دیکھتی تھی، جو اس نے ضد کر کے لیا تھا، جس کے گرد اس نے بیلیں لگائی تھیں۔ وہ آج بھی اسی آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔ وہی فربہ نقوش، بھرا بھرا سراپا، پھولے ہاتھ پیر اور رخسار۔۔۔۔۔۔ اس نے اپنے لیے بہت سارے جملے سنے تھے۔

"لڑکی ذات ہے اسے وزن کم کرنے کی تلقین کرو، یافث۔"

"ارے بیٹا ٹھیک سے اٹھ بیٹھ لیتی ہو؟ بازو جو تمہارا معذور تھا؟"

"ہائے بیچاری۔۔۔۔۔ پتا نہیں کس پر چلی گئی گھر کے باقی لوگ دیکھو کیسے ہٹے کٹے اور یہ سست سی۔"

"ایک نا آپریشن ہوتا ہے وہ چربی کاٹ دیتے ہیں اور۔" سب آوازیں معدوم ہو گئیں اور ان سب پر بھاری تھی وہ ایک آواز جو اس کے فاقوں کا رزق ہوا کرتی تھی، وہ چہرہ جو اس کی دعاؤں کا حاصل وصول ہوا کرتا تھا۔

"مرد تھوکتے ہیں ایسے چہروں پر اور میں نے محبت کر لی۔" یوں نہ تھا کہ کوئی بات کبھی اسے چبھی نہیں تھی مگر یہ سب وقتی تھا وہ چند روز سوچتی، ڈائٹ کرتی، دوائیں لیتی اور پھر بھول جاتی۔ یہ الفاظ وہ نہیں بھول پا رہی تھی، یہ اسے کاٹ رہے تھے یہ اس کی زندگی کا المیہ تھے۔

آنسو بھل بھل اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے اور وہ بند تک نہ باندھ سکی۔ یہ تکلیف "لوگوں" کی باتوں کی تکلیف سے زیادہ تھی۔ شاہ ویر سب تھا بس لوگ نہیں۔

تم مجھے قتل نہیں کرو گے ؟" اسفند انصاری کے لیے اپنا ارتکاز جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کا کمزور اور بیمار ذہن اس وقت چار مختلف چیزیں اور واقعات hallucinate کر رہا تھا۔ کمرے کے چار کونوں میں اسے چار مختلف منظر دکھائی دے رہے تھے۔ کہیں اس کا باپ تھا، کہیں اپسرا، کہیں وہ سہراب کو مار چکا تھا اور کہیں رابعہ اس کی مدد کو آ گئی تھی۔ وہ پاگل ہو رہا تھا اسے دوائیاں چاہیے تھیں۔

"کیا میں تمہیں قتل کر سکتا ہوں؟" ابرو اچکاتے بے حد مدبر انداز میں پوچھا۔ "تم لوگوں کے محبوب ہو، تمہارے پیچھے ایک دنیا ہے اور سب سے بڑھ کر تمہاری اپنی کمیونٹی جنہیں تم نے "حقوق" کے نام پر شیشے میں اتارا ہوا ہے۔"

"تم سمجھتے ہو ہمارے حقوق سلب نہیں ہو رہے؟"

"ہو رہے ہیں، بالکل ہو رہے ہیں۔ جس طرح عورت پر تعلیم، شادی اور کئی چیزیں بوجھ بنا کر اس کے حق سلب کیے گئے، جہاں مرد کو کمانے والی مشین اور جذبات سے عاری انسان بنا کر اس کے حق سلب ہوئے وہاں تمہیں برابر حقوق نہ دے کر، تمہیں پیٹ کر، تمہیں سڑکوں پر نچوا کر تمہارے حق بھی غصب کیے گئے میں معاشرے کی طرف سے شرمندہ ہوں اور میرا ذہن اس جبر کی روک تھام کو بھی سوچ رہا ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ کوئی ظلم، کوئی تباہی، کوئی پامالی تمہیں ستائیس اقتال کی اجازت نہیں دیتی۔"

"تو کیا کریں جب سے یہ ملک بنا ہے تب سے تو ہم پس رہے ہیں آگے بھی یہی کریں؟"

”جب سے دنیا بنی ہے تب سے ستر فیصد عورت گھر میں ماریں کھا رہی ہیں کیا وہ بھی اٹھ کر قتل کرنا شروع کر دیں؟ ظلم کو ظلم سے ختم کیا جانے لگا تو دنیا میں انسان نہیں محض لاشیں بچیں گی۔“ یافث نے تلخی سے کہا۔

”تمہاری لاشوں کی عزت ہوتی ہو گی ہماری لاشیں بھی برہنہ ہیں۔“ اسفند کی آنکھوں میں پانی چمکا۔

”میری نظر میں نہیں۔“ عالم کی آواز ہلکی تھی، نگاہیں جوتوں پر جمی تھیں۔ ”میں تمہیں، تمہاری ساری کمیونٹی کو تمہارے زندہ وجود کو اور تمہاری لاشوں کو اتنا ہی عزت دار مانتا ہوں جتنا خود کو۔“

اسفند بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا، کئی ثانیے بعد اس کے حلق سے پھٹی ہوئی آواز برامد ہوئی۔ ”کیوں؟“

”کیونکہ میرے پاس "علم" ہے۔“ اس کے لہجے سے واضح نہیں تھا کہ وہ سوال پوچھ رہا ہے، یا کوئی جواب دے رہا ہے۔ ”شاید اس ملک کے ہر مظلوم کو علم کی ضرورت ہے جو اسے بتائے کہ سہہ جانا صبر نہیں ظلم کی قسم ہے۔“ عالم نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ان میں ملامت تھی۔ ”اپنے اندر کے طیش اور خلفشار کو معصوم لوگوں پر اتارنے سے تم مسیحا نہیں بنے، اپنے لوگوں کو بچانے کے لیے میرے لوگوں کو مار کر تم اعلیٰ نہیں بنے۔“ وہ اٹھ کر اسفند کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ ”تم میں اور سجاد انصاری میں کوئی فرق نہیں تم دونوں ایک ہو۔ تم دونوں باطل ہو۔“ اسفند کا چہرہ یوں تھا گویا کسی نے دُرے مارے ہوں، بغیر رکے، بنا گنے۔ لاتعداد۔

اس کے چہرے پر نیل تھے۔ اسے یاد تھا شاہ ویر نے اس کے چہرے پر کچھ مارا تھا۔ اس کی گردن پر زخم اب بھی تھے، کمر اب بھی جلتی تھی نہ جانے نشان کب تک رہتے؟ بہت دھیرے سے لرزتی انگلیوں سے اس نے اپنی شرٹ کا کونہ پسلیوں کے اوپر سے اٹھایا، اور وہ دھک سے رہ گئی۔ ساکن، صامت۔

ٹانکوں کے گرد ہلکی سی سوزش تھی اور سرخی بھی۔ وہ سانس لیے بنا اس زخم کو دیکھے گئی۔ کئی نشان تھے۔ شاہ ویر بنگش نے اس کا دل توڑا تھا........ وہ آگے بڑھ گئی، اس نے اس لڑکی کے بھائی کے ساتھ غلط کیا تھا........ اس

نے حل نکالے، اس نے اس کے وجود پر غلاظت اچھالی.........وہ سہہ گئی مگر یہ وہ اسے کیسے سہہ سکتی تھی۔ یہ اس کا جسم تھا جہاں اب یہ داغ عمر بھر کو رہنے والے تھے، اس کا بازو اب تک پٹیوں میں جکڑا تھا۔ اس کا خون کیا وہ بھی ارزاں تھا؟ کیا غلط انسان سے محبت کی سزا اتنی بڑی ہوتی ہے؟

”لیکن میں کر بھی کیا سکتی ہوں؟“ آئینے کے سامنے وہیل چیئر پر بیٹھتے ہوئے وہ بے بس تھی۔ عدالت، تھانے، پیشیاں اس معاشرے کی عورت کے لیے یہ در تو بند تھے۔ وہ یونہی رہے گی تمام عمر ان زخموں کو دیکھ کر جلے گی، سہے گی، سسکے گی اور انہی داغوں کے ساتھ مر جائے گی۔ اور دوسری طرف وہ......وہ شادی کرے گا، ایک اور عورت لائے گا، دوستوں کے درمیان فخر سے اٹھے بیٹھے گا، ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گا معاشرہ اسے سراہے گا کیونکہ اس کے لیے تو ہر در کھلا تھا اس پر تو کبھی کوئی بندش تھی ہی نہیں۔

ہیزل آنکھوں والی لڑکی کی ساری کائنات بے نور تھی۔ جھوٹ کہتی ہے دنیا کہ داغ تو دل کے ہوتے ہیں کبھی جسم پر وقت آئے تو پوچھا جائے۔

”تم میں سے کوئی بھی میری حالت نہیں سمجھ سکتا کوئی میرا جسمانی استحصال نہیں سمجھ سکتا۔“ اسفند ان پر غرایا۔

”تم کم عمر تھے تو وہ غلط تھا اور میرا بیٹا محض سات ماہ کا تھا کیا تم نے اس کا استحصال نہیں کیا؟“ عالمگیر کی سرخ آنکھیں، وہ آزردہ لہجہ، نظروں کا شکوہ اسفند کو نگاہ چرانی پڑی۔ ”میری بیوی، میرا بیٹا ان کے جسم ان کی مرضی کے بغیر کاٹنا کیا یہ درست عمل تھا، کس کائنات کا کونسا آئین تمہیں اجازت دیتا ہے کہ اپنے ساتھ ہوئی زیادتیوں کا انتقام تم یوں لو۔“ اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ سہراب نے خاموشی سے پستول اس کی طرف بڑھایا جسے عالم نے تھام لیا۔ یہ شخص سہراب کے بھائی کا گنہگار تھا اگر اسفند انصاری کو مار کر اس کا دل ٹھنڈا ہو سکتا تھا تو وہ دنیا کو خود دیکھ لے گا، عدالت اور میڈیا بھگتا لے گا وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا، نہ ڈرے گا۔

”تمہیں یہ حق کس نے دیا تھا کہ مجھے تین سال مسلسل جیل بھیجو غور سے دیکھو مجھے میں عالمگیر یمن ہوں میں نے اپنی اوقات سے بڑے خواب دیکھے تھے، میں نے خود کو بنایا تھا اس لیے کہ ایک دن تمہارے عارضے مجھے تباہ کریں؟“ اس کی آواز میں لرزش تھی۔ ”میرے باپ نے ساری سختیاں خود پر لے کر مجھے پالا تھا، میرے بھائیوں کی جرات نہیں تھی کہ وہ کسی بات، کسی خواہش کے لیے عالم کو پیچھے کریں اور تم نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ میں تباہ ہو گیا ہوں، اسفندیار۔ میری بیٹی نے مجھے گرفتار ہوتے ہوئے دیکھا ہے میرا اور اس کا کوئی بانڈ نہیں بچا۔ میں چار سالوں سے ایک ناکام مرد بن کر زندگی گھسیٹ رہا ہوں اور تم کہتے ہو تم میں اور سجاد انصاری میں کوئی فرق ہے؟“ وہ چپ رہا تھا، کبھی کسی تکلیف، کسی غم کا واویلا نہیں کیا تھا اور آج جب کر رہا تھا تو دل چیر رہا تھا۔

”ہاں ہوں میں اپنے باپ جیسا۔۔۔۔۔“ وہ رسیوں میں جکڑا ہوا سیاست دان چلایا۔ ”میں ہر اس شخص کو ختم کر دوں گا جو میرے راستے میں آئے گا ہر وہ رکاوٹ ہٹاؤں گا جو مجھے ضروری لگے گی۔“ آنکھیں، لہجہ، انداز کمبخت نے لمحے بھر میں کیا کیا بدل لیا۔ ”اب تم غیرت کرو اور مجھ سے بدلہ لو۔ مارو مجھے! آؤ! مارو!“

عالم کی گرفت پستول پر سخت ہوئی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظروں سے شعلے نکل رہے تھے۔ ”اپنی بکواس بند رکھو۔“

”ماردو، عالم۔ باقی سب میں دیکھ لوں گا۔“ سہراب نے اسے سہولت دی۔ ”میں سب دیکھ لوں گا۔“

”تم میں ذرا بھی غیرت نہیں، عالمگیر۔ اگر ہوتی تو اس وقت تم بھی وہی کرتے جو میں نے کیا۔“

”جو تمہارا دل چاہے کرو، عالم۔“ سہراب نے کہا۔

"آپ قاتل نہیں ہو، عالم۔" اسلان یمن کی آواز ہلکی تھی۔ اس کے پاس دو راستے تھے اسفند کی اکساتی نگاہیں اور سہراب کا دلایا بھروسہ وہ بچ سکتا تھا اسے پتا تھا وہ بچ سکتا ہے۔ اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا اور اگلے ہی لمحے عالم نے پستول نیچے پھینک دی۔ اس کا تنفس تیز تھا، جلد سرخ۔

"میں تمہیں نہیں ماروں گا، میں کارپوریٹ ہوں کرمنل نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تمہیں یا کسی اور کو نہیں ماروں گا میرا انصاف مختلف ہو گا۔" وہ واپس کرسی پر آ کر بیٹھا، جسم میں لرزاہٹ تھی رنگت پھیکی اور سر نفی میں ہل رہا تھا۔ وہ کسی کی اولاد کو نہیں مار سکتا تھا، معاشرے نے اس کے ساتھ ظلم کیا تھا مگر وہ ایک مختلف مرد تھا، مختلف رہے گا۔ وہ اسفند اور سجاد نہیں بنے گا۔

اسفند کی رنگت ہر گزرتے لمحے سفید پڑ رہی تھی کیا وہ واقعی منبع شر تھا، عالم رک سکتا تھا تو وہ کیوں نہیں رکا؟

اسلان نے اس کا پیر اپنی گود میں رکھا ہوا تھا اور روئی میں پائیوڈن ملاتے وہ اس کے زخم پر لگا رہا تھا جو آج گرنے کے بعد لگا تھا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا مگر وہ بہت روئی تھی۔

"تم نے اس رات مجھ سے کہا تھا کہ شاہ ویر نے تم سے کہا تم جیسیوں سے کوئی محبت نہیں کرتا۔" آراہ نے بے یقینی سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔ کیا وہ اس بارے میں بات کرے گا، یوں اس طرح اتنی آسانی سے؟

"ان لفظوں سے پہلے بھی تو اس نے تم سے کچھ کہا ہو گا۔ وہ تمہیں کس طرح بیان کرتا رہا ہو گا۔" آراہ نے ذہن میں اس کی وارفتگی دہرائی، ہر وہ لفظ دہرایا جو طلال بنگش کا بیٹا شجاع یمن کی بیٹی سے کہا کرتا تھا۔ "یقیناً وہ لفظ خوبصورت ہوں گے۔" وہ چپ رہی۔ "اگر وہ لفظ خوبصورت تھے اور اب اس کی زبان غلاظت اگل رہی ہے تو یہ اس کا گند ہے جو ابل ابل کر باہر آ رہا ہے تم اس گند کے ڈھیر کو دیکھ کر کڑھنا چھوڑ دو اور اپنی ناک پر رومال لپیٹ کر گزر جاؤ۔ لاہور بہت بڑا ہے یہاں گند کے ڈھیر بھی بہت۔۔۔۔۔ تم کس کس ڈھیر کا تعفن برداشت کرو گی؟"

وہ کتنی ہی دیر بت بنی بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ اسلان اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی تک گیا۔ پردے ہٹائے، گھٹن کم ہوئی۔ اور وہ واپس اس تک آیا۔ اس کی آنکھیں اب بھی نرم تھیں۔ "کچھ اور کہنا ہے؟"

"میں۔۔۔۔۔۔" وہ کہنے لگی مگر الفاظ اٹک گئے۔

"میں سن رہا ہوں۔" وہ ایک بار پھر اس کے سامنے بیٹھا تھا، ایک بار پھر حوصلے بلند، سماعتیں باضمیر۔

"مجھے غصہ آتا ہے بہت بہت زیادہ غصہ۔۔۔۔" اس نے بند مٹھی سینے پر ماری۔ "میری ساری زندگی تباہ ہو گئی ہے کیا کوئی اب مجھ سے شادی کرے گا؟"

"شادی تمہاری زندگی کا واحد مقصد نہیں۔"

"یہ میری زندگی ہے میرے مقاصد کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟" وہ رکی، آنسو اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔ "میں اگر کسی انسان کی زندگی میں شامل ہوں گی تو پوری صداقت کے ساتھ ہونا چاہوں گی میں کسی کو کیا بتاؤں گی کہ میرے جسم پر یہ نشان کیسے ہیں۔ لوگ مجھ پر انگلیاں کیوں اٹھا رہے ہیں مجھے اغوا کرنے والا کون تھا؟ اور وہ۔۔۔۔۔ وہ تو ٹھیک ہے اس کی زندگی آباد ہے وہ اب بھی ٹھیک ہے، اسلان۔ میں ختم، میرا کیریئر تباہ، میری زندگی میں سوائے پچھتاؤں کے اور کچھ نہیں۔ میں خدا کی گنہگار تھی پھر سزائیں دینے والا وہ مشرک کون؟"

"تم کیا چاہتی ہو، آراہ؟" وہ بار بار اس سے یہی پوچھتا تھا، وہ پانچ سال قبل اسلان یمن سے کسی نے نہیں پوچھا تھا وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ آراہ کے لیے قسمت تبدیل کرنا چاہتا تھا، وہ بخت پر قانع ہو گیا تھا آراہ کے لیے وہ بغاوت چاہتا تھا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں؟" وہ بے بسی سے سر جھکا گئی۔ "میری زندگی میں اب کچھ بھی نہیں رہا۔" وہ لیٹ گئی۔ آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

"سوچو۔۔۔۔۔۔ تم جو بھی چاہتی ہو اسے سوچو پھر مجھے بتاؤ۔ تم جو کہو گی میں اس میں تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ اسی طرح چپ چاپ اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ پانچ برس قبل اسے تنہائیاں ملی تھیں، وہ آراہ کو تنہائی نہیں دے سکتا تھا۔ اور وہ اسے نہیں پتا تھا اسے کیا چاہیے یا شاید وہ زبان پر لانے سے کتراتی تھی؟

"مارو مجھے۔" اسفند نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہیں نہیں ماروں گا، اسفند۔" سہراب اس سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ "میں بے وقوف نہیں ہوں کہ گدھوں پر ہاتھ ڈالوں۔ تمہیں یہاں تک لاتے ہوئے بھی میری تمام عمر کی ذہانت خرچ ہوئی ہے میں تمہاری موت کو ورا پ نہیں کر سکتا۔ ہاں عالم اگر اپنا بدلہ لیتا تو مجھے خوشی ہوتی لیکن یہ بس ابّا کا لاڈلا رہا۔" وہ ایسے بولا جیسے اسے تاسف ہوا ہو۔ "میرا بھائی نہیں بن سکا۔"

"پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ظاہر ہے میں تمہیں مارنا چاہتا ہوں۔" وہ عجب فریبی سے مسکرایا۔ "مجھے قدرت پر یقین ہے لیکن "تمہاری" قدرت فریب ہے۔ وہ تمہارے اندر کا باطل ہے جسے تم نے بھرم کی طرح اپنی بقا بنایا ہوا ہے۔"

اسفند ہنسا۔ تمسخر سے اسے دیکھا۔ "تو اب تم میرے ساتھ کھیل کھیلو گے؟" میز پر ریوالور رکھا تھا جس کے ہتھے پر "ی" یعنی یمن کنندہ تھا۔ عالم، اسفند، یافث اور سہراب سب کی نظریں اس ایک ریوالور پر جمی تھیں۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد اسفند کی مستحکم آواز سارے میں گونجی۔

"او کے! میں تیار ہوں۔"

★★★★★★

چند دن قبل!"

وہ کافی دیر سے کمرے میں رکھی میز کے گرد بیٹھا تھا۔ کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتے، دو تین موبائل اور سمز میز پر رکھے وہ کسی سوچ میں غرق تھا جب دروازے پر مدھم سی دستک ہوئی۔ سہراب جانتا تھا دوسری جانب کون ہے اس نے اجازت دے دی۔ اسلان طشت میں چائے کے دو بڑے بڑے مگ لیے آگے آیا اور اس کے سامنے کرسی پر آکر بیٹھا۔ سہراب نے ایک کپ اٹھا لیا نگاہیں کاغذوں پر جمی رہیں۔

”آپ نے بنفشہ کے بارے میں کچھ کہا نہیں۔“ چائے کا کپ لبوں سے لگاتے اسلان نے خود گفتگو شروع کی۔ درمیان کی دیوار وہ دونوں وقتاً فوقتاً گرانے کی تگ و دو کرتے رہتے تھے۔

سہراب نے اس کا کندھا تھپکا۔ ”گڈ چوائس!“ اسے تقویت ہوئی۔ کم از کم سہراب خوش تھا۔

”اس پر ہاتھ مت ڈالنا چاچو اس بار کیریئر جائے گا۔“ کافی دیر تک اس کے کاغذات دیکھتے رہنے کے بعد اسلان نے مشورہ دیا، تنبیہہ کی۔ سہراب نے چائے چھوڑ اسے دیکھا۔ ”یہ جو آپ کر رہے ہیں یہ پلان کام کرے گا لیکن آپ کے لیے مسائل بہت کھڑے ہوں گے اب ایکشن ہیرو مت بنیں اس بار ہدایت سازی کریں۔“

”میں کسی ایکشن سے ڈرتا نہیں۔“ اس نے ناگواری سے ٹوکا۔ ”اب تم مجھے سکھاؤ گے؟“

”ہر بار ڈر درمیان نہیں آتا بعض دفعہ مصلحت سے کام لینا چاہیے ابراہیم کو ختم کر کے آپ کو ایکشن کے لیے داد ضرور ملی لیکن آپ کی اپنی زندگی کے کئی سال تباہ ہوئے۔ باپ بن رہے ہو اب کچھ سبھاؤ سے کام کرو۔“

”تو اب تم میرے فیصلوں کو جج کرو گے؟“ اس نے کپ ٹک سے واپس رکھتے ہوئے کہا۔

”میری ججمنٹ غلط ثابت کریں تو آپ کو مان جاؤں۔“ وہ دوبدو بولا۔ ”اب آپ اپنی فیملی سٹارٹ کر رہے ہو بہت وقت بعد ہمارا خاندان ٹھیک ہو رہا ہے آپ کو نہیں لگتا کسی بھی مسئلے میں اس وقت پڑنا عقلمندی نہیں ہو گی؟“

”میں اسے آزاد نہیں چھوڑ سکتا، اسلان۔“ سہراب نے زور دیا۔

”میں یہ چاہتا بھی نہیں آپ اسے آزاد چھوڑو۔“

وہ رکا، آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ ”یعنی!“

”اس بار پلان مجھے بنانے دیں۔“ سہراب ایک لمحے کے لیے بالکل تھم سا گیا۔ ”میں آپ کو صاف راستہ دوں گا جس سے آپ اور آپ کی ساکھ باقی رہیں گے اور باطل ختم۔“ سہراب بس اسے تکے گیا۔ اسے اسلان کی ذہانت پر شبہ نہیں تھا وہ یہ دیکھ رہا تھا یہ اتنا بڑا کب ہوا؟ اتنا بڑا کہ سہراب کو فرار کے راستے دے سکے؟ اتنا بڑا کہ بوجھ اس کے کندھوں سے اتار کر خود پر لاد سکے۔ ذہن میں کوئی آواز ابھری وہ آواز جس نے سہراب کو ایک نئی سمت دی تھی۔

”اسے میرے پاس بھیجو، سہراب۔ میں دیکھ لوں گا، تم جانتے ہو مجھ سے بہتر کوئی نہیں۔“

”تمہیں لگتا ہے میں اسے راہ راست پر نہیں لا سکتا؟“ سہراب نے کچھ سخت لہجے میں اسے کہا تھا۔ فون کے اس پار وہ ایک لمحے کے تردد کے بغیر بولا۔

”نہیں۔“ اس کا لہجہ صاف اور دوٹوک تھا۔ ”میں خود بھی کسی دور میں اس جیسا تھا اسے باہر نکلنے دو اپنے پروں سے نکالو واپسی پر تمہیں جو ملے گا تم اس کے لیے ساری زندگی میرا شکریہ ادا کرو گے۔“

”تم اس کے ساتھ سختی کرو گے؟“

”اس نے مجبور کیا تو ہاں!“ جواب کچھ ایسا تھا کہ سہراب چپ رہا۔ اس وقت اسلان کو دیکھتے ہوئے وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ اسے یہ فیصلہ معقول لگا تھا۔ اسے یہاں سے جانا چاہیے۔

”میں اگلے ہفتے تمہارے نکاح کی تاریخ رکھنے جارہا ہوں اس کے بعد تمہیں کچھ وقت کے لیے لاہور جانا ہوگا اپنا کام وائنڈ اپ کرو تمہارے پاس دو ماہ ہیں شاہ ویر کا کچھ کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ میں اپنی پستول کی تین گولیاں ضائع کرنے کو تیار ہوں۔“

اسلان ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گیا۔”شادی میری ہے، میری مرضی ضروری ہے۔“

سہراب نے سخت نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔”میں خود کو دہراتا نہیں، اسلان۔ جہاں میں تمہیں بھیج رہا ہوں وہاں تمہیں سال لگ سکتا ہے دو بھی اور شاید تین بھی اس لیے میں چاہتا ہوں تم جانے سے پہلے وکیل صاحبہ کو شیورٹی دے کر جاؤ۔“ اسلان نے نیم رضامندی سے سر ہلا دیا۔ سہراب نے کاغذ اور پین اس کی طرف بڑھایا، کہنی میز پر ٹکائے اب وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔”میں تمہارا پلان سننا چاہتا ہوں۔“

اسلان مسکرایا۔ دونوں کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی مگر وہ اسے پلان سنانے کو تیار تھا۔

★★★★★★★

حال!

”میں تیار ہوں۔“ اسفند نے سب سے پہلے حامی بھری، عالم البتہ غیر آرامدہ تھا۔ وہ پہلو بدلتے ہوئے اسلان کو دیکھ رہا تھا جو بڑی دیدہ دلیری سے نگاہیں پھیر گیا۔

”سہراب ہمیں اس سب کی کوئی ضرورت نہیں یہ رسک ہے پاگل مت بنو۔“ یافث نے کہا۔ انداز صلح جو تھا۔

سہراب نے بغیر کچھ کہے ریوالور اٹھایا اور ساری گولیاں نکال کر میز پر رکھیں۔ پھر ایک بلٹ اٹھا کر واپس ریوالور میں ڈالی اور چکر گھمایا۔”ایک بلٹ اور ہم چار لوگ۔“

عالم طیش زدہ سا اٹھا اور سہراب کے ہاتھ سے ریوالور چھین کر اپنے عقب میں کیا۔ ”میں تمہیں اس پاگل پن کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ ان میں سے کسی نے نہیں دیکھا مگر عالمگیر نے پشت پر موجود ریوالور سے بلٹ نکال لی تھی۔ عقب میں بیٹھا اسلان گردن جھکا کر مسکرایا، اس کا منصوبہ کام کر رہا تھا۔

”اگر تم ڈر رہے ہو تو تم یہ کھیل چھوڑ سکتے ہو، ابھی اور اسی وقت۔“ سہراب نے سختی سے پستول واپس لیتے ہوئے کہا اور اسے میز پر رکھ کر گھمایا۔ نال یافث تک گئی۔ یعنی پہلی باری اس کی۔ یافث کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی، مگر وہ لرزتے ہاتھوں سے پستول اٹھا چکا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور پستول ماتھے پر رکھی۔ اسفند محظوظ سا اسے تک رہا تھا، سہراب کی نگاہیں بھید رکھے ہوئے تھیں اور عالم سراسیمہ تھا حالانکہ پستول خالی تھی۔ یہ دھوکہ اسفندیار انصاری کے دماغ کے ساتھ ہو رہا تھا۔

کلک ہوا اور پل بھر کو ساری دنیا تھم گئی .... بہت دیر دیر بعد یافث نے آنکھیں کھولیں۔ گولی نہیں چلی تھی، وہ زندہ تھا اس کھیل کا پہلا کھلاڑی بچ گیا تھا۔ اس نے پستول کسی ناپسندیدہ شے کی طرح میز پر ڈال دیا۔ سہراب نے ریوالور صاف کی اور اب اس سے سب نشان مٹ گئے۔ اب اگلے کھلاڑی کی باری۔

”تمہیں میرا آنا برا لگا ہے؟“ مائی سوہائی اس کے قریب پلنگ پر بیٹھی تھی۔ آراہ کا ایک بازو اب تک پلستر میں تھا اور مائی اس کے بال لپیٹ رہی تھی۔ وہ اسی شفقت کے تحت خاموش رہی۔

”نہیں۔“

”پھر خاموش کیوں ہو۔۔۔۔۔۔ تم تو مجھے خاصہ ٹف ٹائم دیتی رہی ہو۔“ وہ اب اس کے بالوں میں کنگھی پھیر رہی تھی۔ شاید وہ لمبے عرصے سے سوچوں کے گرداب میں پھنسی تھی اس کے بال جھڑ رہے تھے۔

”مجھے اب لگتا ہے وکٹمز پر بات کر لینا آسان ہے، وکٹم "بن" کر بات کرنا مشکل۔ میں عورتوں کے لیے بات کر سکتی تھی، کرتی تھی مگر اب۔“ اس نے آنسوؤں کا گولہ حلق میں انڈیلا۔ ”مجھے شرم آتی ہے، میں تو اتنی مضبوط تھی میری دوستیں کہتی تھیں اگر تمہیں تمہارے شوہر نے مارا تو کیا کرو گی اور میں ہمیشہ کہتی تھی کسی کی اتنی جرات؟ اب مجھے لگتا ہے میں جھوٹ کہتی تھی کیونکہ میں تو بہت کمزور ہوں۔ اب مجھے لگتا ہے شاہ ویر بلند ہے اور میں حقیر۔“

”عورتیں جسامت میں کم طاقت ور ہیں یہ سچ ہے اس میں تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے آراہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ”یہ جو دماغ ہے نا یہ مرد اور عورت کو ایک جیسا ہی ملا ہے اس میں خناس نہ بھرنا، اسے کمزور مت کرنا، اس میں خود کو کسی مرد سے کمتر نہ گردانا جو لوگ دل سے ہار جاتے ہیں ان کا دماغ نہیں ہارنا چاہیے تمہارا دماغ کیا چاہتا ہے؟“ چٹیا کے بل ڈالتی عورت بے حد سادگی سے پوچھ رہی تھی اور سلجھتے بالوں والی لڑکی چپ چاپ دیواروں کو گھورے گئی۔

”جو تمہارا نقصان ہے اس کے ازالے کے دو طریقے ہیں یا تو خاموش ہو جاؤ اور دل میں بھانبھڑ جلنے دو، یا پھر لڑو تاکہ تم دونوں ایک مقام تک آجاؤ۔“ وہ کیا چننے والی تھی اسے علم تھا۔

لکڑی کی میز پر پستول کو دوبارہ گھمایا گیا اور اس بار وہ عالمگیر پر آکر رکی۔ وہ بدکا۔ مگر اس پر جمی نگاہیں اسے قید کیے ہوئے تھیں۔ اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلتے ہوئے پستول اٹھایا اور اپنی کنپٹی پر رکھا۔ آنکھیں بند کرلیں۔

”مرد ہو کر ڈر رہے ہو، عالمگیر؟“ سیاست دان کا لہجہ طنز میں ڈوبا تھا۔ عالم نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ موجودہ لمحے سے نہیں ڈر رہا تھا اس کا واحد خوف اس وقت آنے والا ایک لمحہ تھا۔

تین سیکنڈز کے وقفے کے بعد ٹرگر چلایا گیا۔ کلک کی آواز کے بعد کوئی گولی نہ نکلی۔ پستول واپس کنپٹی سے ہٹاتے ہوئے اس نے اسفند سے نگاہ چرائی اور مڑ کر اسلان پر ایک ملامت زدہ نگاہ ڈالی بھی۔ ریوالور سے عالمگیر کی انگلیوں کے نشان صاف کرتے سہراب نے اسے واپس میز پر رکھا۔

"تم اس کھیل سے نکلنا چاہتے ہو تو اب بھی وقت ہے۔" بغیر اس کی طرف دیکھے اسے پیشکش کی۔ اسفند نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

"میں تمہارے بھائی جیسا بزدل نہیں ہوں۔ میں تم پر ثابت کروں گا کہ قدرت سچ ہے اور میں اس کے لیے مزید کام کرنے کے لیے زندہ رہوں گا۔" وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ سہراب نے سمجھ کر سر ہلایا اور اب کے پستول اپنی کنپٹی پر رکھی۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔" اسلان یمن کی آواز ہلکی تھی، کچھ کچھ نادم بھی۔ مدیحہ اس کے سامنے خاموش بیٹھی تھی۔ بھورے لباس میں اس کی روئی روئی آنکھیں سوگوار تھیں۔ اس کے سامنے بیٹھا مرد زیتونی سبز رنگ کی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

"لیکن تم نے نہیں بتایا۔" اس نے گلا نہیں کیا بس کہا۔ "مجھے شاہ ویر سے شکوہ نہیں ہے میرے گنہگار تم ہو، اسلان۔" مدیحہ نے وہ لفظ کہے جن سے اسلان یمن خوف زدہ تھا جو وہ کسی سے نہیں سننا چاہتا تھا مگر اسے سننا پڑ گیا تھا۔ اس کی رنگت پھیکی پڑی، آنکھوں میں کچھ در آیا۔

"تم نے اسے زخمی کیا تم نے اس حیوان کو ایک اور شکار کا موقع دیا۔ تم زید کو موت تک لائے۔"

"میں اس کی شناخت سے لاعلم تھا۔"

”تمہاری لاعلمی میرے نقصان کی بھرپائی نہیں کر سکتی۔“ اس نے رخ پھیر لیا وہ اب شیشے کی دیوار کے پار دیکھ رہی تھی۔ وہ اسلان کو نہیں دیکھ رہی تھی مگر اسلان اس کی آنکھوں سے گرتے رنج کے قطرے دیکھ رہا تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کہانی میں اگر کسی کا نقصان ہوا ہے تو وہ طلال بنگش کا بے ریا بیٹا شاہ زید بنگش تھا۔ بھائی کی محبت نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔

”میرے پاس تمہارے لیے اب بھی پیشکش ہے میں استعمال ہوا تھا مدیحہ اور یہ پچھتاوا میں عمر بھر اپنے ساتھ رکھوں گا اس کی کوئی معافی نہیں، نہ میں مانگوں گا لیکن جسے تم بری الذمہ کہہ کر ہٹ رہی ہو میں اس پر زمین تنگ کرنے والا ہوں اور میں چاہتا ہوں تم اس آگ میں اپنے حصے کا ایندھن ڈالو تاکہ تمہارے دل کو سکون حاصل ہو۔“ اب کے مدیحہ نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں کا ملال، سوز زدہ سا چہرہ اور بھیگی پلکیں۔ اسلان اسے دیکھ رہا تھا اور وہ دیکھ نہیں سکا۔ اسے ایک بار پھر ندامت نے آن گھیرا۔

”میرے دل کو سکون دینے والا شخص اب نہیں ہے کوئی انتقام، کوئی آگ اسے واپس نہیں لا سکتی اور اگر وہ نہیں تو میں دنیا کا کیا کروں؟“ وہ دوہری اذیت کا حامل بن گیا تھا ایک طرف انارا طارون تھی جس کے سینے میں طیش تھا، تکلیف تھی اور ایک طرف مدیحہ امام تھی جس کے سینے میں محبت تھی، ملال تھا۔ دو عورتیں، درد یکساں ملال مختلف۔ اور ان دونوں کے درمیان "پستا" واحد مرد۔

اس نے ٹرگر دبایا اور۔۔۔۔۔۔ کلک۔۔۔۔۔۔ گولی نہیں چلی۔ یافث اور عالم نے ٹھنڈی، مطمئن سانس لی۔ جبکہ پستول سہراب کے ہاتھ میں ہی تھی۔ نظریں اسفند پر۔ وہ دونوں ٹھنڈی، اندر تک اتر جانے والی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

”اب تمہاری باری۔“ سہراب نے پستول اس کی طرف بڑھائی۔ عالم نے اس کا ایک ہاتھ کھولا۔

"سہراب بس ۔۔۔۔اب یہ کھیل بند کرو آخری گولی ہے یہ مر جائے گا اور ہمیں اس کا قتل بھاری پڑے گا۔" یافث نے پستول کھینچ لی۔ "میں تمہیں اس سب کی اجازت نہیں دوں گا۔ اسے واپس چھوڑ کر آو یہ اپنا منہ بند رکھے گا ہم اپنی زندگی میں مگن ہو جائیں گے۔"

"میں یافث کے ساتھ ہوں۔" عالمگیر نے ہلکی آواز میں کہا اور اس کی سنجیدہ نظریں سہراب پر ہی جمی تھیں۔ وہ چند پل ان دونوں کو دیکھتا رہا اور اگلے ہی پل اس نے یافث کے ہاتھ سے جھپٹ کر پستول لینا چاہا جو کہ گر گیا۔ سہراب نے جھک کر پستول واپس اٹھائی، وہ نہیں جو خالی تھی، وہ نہیں جس پر "ی" کندہ تھا۔

اس نے میز کے نیچے پڑی ایک اور پستول اٹھائی جس میں گولیاں تھیں۔

اس نے سرد نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔ "یہ میرے اور اسفند کے درمیان ہے اگر وہ اپنی قسمت پر قانع ہے تو میں تم دونوں کو مداخلت کا کوئی اختیار نہیں دیتا۔" اس نے پستول اسفند کی طرف بڑھائی نگاہوں میں کاٹ تھی۔ "تین خانے اب بھی باقی ہیں اگر گولی تم پر نہیں چلی تو اگلی باری پھر میری!" اسفند نے ایک ہاتھ سے پستول تھام لی۔ باقی دو کے برعکس اس کے ہاتھوں میں کوئی کپکپاہٹ نہیں تھی، اس کی نگاہیں سیدھ میں جمی تھیں اور لب بند۔

اس کی آنکھوں کے آگے کئی منظر ابھر اور غائب ہو رہے تھے۔ پس منظر میں عالم سہراب سے جھگڑ رہا تھا۔ "یہ ایک ذہنی مریض ہے کم از کم تم تو عقل سے کام لو یہ مر جائے گا۔ اور اس کا قتل ہمارے ذمے ہو گا۔"

وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا بجلی زور زور سے کڑک رہی تھی مینہ برس رہا تھا قدرت اسے پیغام دے رہی تھی ایک اور قتل۔۔۔۔۔ایک اور مزاحمت۔ وہ منتخب کردہ تھا، اسے کوئی موت نہیں آنی تھی۔

"یہ تمہاری بیوی اور بیٹے کا قاتل ہے تم اب بھی اس کی حمایت کر رہے ہو؟" سہراب غرا رہا تھا۔ دوسری طرف اسفندیار خود پر پستول تانے مسحور تھا۔ اپنی ضد اور خود کو درست ثابت کرنے کی تگ ودو میں اس ذہنی مریض کو یہ خیال ہی نہیں آیا کہ ہاتھ میں موجود گولی سے وہ اپنے سامنے کھڑے مردوں میں سے ایک کو ختم کر سکتا ہے۔

ہر قتل کے بعد وہ خون، وہ طاقت، وہ نشہ۔۔۔۔۔۔ اسے وہ سب بے انتہا پسند تھا۔ لوگوں کے لیے وہ صرف ایک قتل تھا۔ ایک انسان کی جان مگر اسفندیار انصاری کے لیے ہر قتل شطرنج کی ایک بساط تھی جہاں وہ مُہرے ترتیب دیتا تھا، تعاقب کار چُنتا تھا، چھوٹے چھوٹے زخموں کے لیے جگہ متعین کرتا تھا اور پھر ہر دفعہ کھڑکیاں کھول کر آسمان کی طرف دیکھتا تھا۔۔۔۔۔۔ قدرت کا اشارہ اور حکم۔ قدرت اس سے خوش تھی۔

"یہ چاہے ساری کائنات کا قاتل ہو لیکن تم کیوں قاتل بن رہے ہو؟"

"پستول میرے ہاتھ میں نہیں میں اسے نہیں مار رہا۔"

اس کی انگلی اب ٹرگر پر تھی۔ آنکھیں بند اور بند آنکھوں کے پار وہ آسمان پر کڑکتی بجلی دیکھ سکتا تھا، وہ خون کا ایک دریا دیکھ سکتا تھا، وہ اپنا پندرہ سالہ وجود دیکھ سکتا تھا اس کے لبوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ تھی۔ قدرت اس کے ساتھ تھی، کوئی مرض نہیں۔ وہ جیے گا کیونکہ اس کے پاس مقاصد تھے، قدرت نے اسے زندہ رکھتا تھا کیونکہ وہ اہم مہرہ تھا۔

"میں نے اسے مجبور نہیں کیا یہ چاہے تو ابھی اور اسی وقت اس کھیل کو چھوڑ سکتا ہے میں چاہتا ہوں یہ ترک کر دے تاکہ اسے علم ہو کہ اسے حکم دینے والا اس کا مرض ہے، جنہیں یہ مارتا ہے ان کے اندر اسے اپنا باپ دکھتا ہے اور۔"

"میں جیوں گا۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ "میں قدرت کا اہم ترین کارندہ ہوں۔" ٹرگر پر گرفت مضبوط کی۔ "میرے جسم اور عزم کو زوال نہیں۔" اس نے پوری شدت سے ٹرگر دبایا۔ اس بار کلک کے ساتھ ٹھاہ کی آواز بھی آئی۔ اسی آواز کے ساتھ اسفند کا دماغ پھٹ کر دیوار پر لگا اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انہی کھلی، متحیر آنکھوں کے ساتھ وہ لڑھک کر کرسی سمیت نیچے گر گیا۔ سر سے خون بہہ رہا تھا چند پل اس کا جسم ہلتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا، اسے کراہنے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔

ساری کائنات پر گویا سحر جمود ہو گیا ہو۔ عالم، سہراب، یافث اور اسلان جانتے تھے یہ ہو گا۔ یہ منصوبے کا حصہ تھا مگر پھر بھی عالم پیچھے ہو رہا تھا اس کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں، یافث متاسف تھا اسلان اپنی کیفیات نہیں سمجھ پا رہا تھا بس ایک شخص تھا جو بے حد مطمئن تھا۔ وہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا۔ بہت دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا۔ اسے کوئی افسوس نہیں تھا ناخن کے ذرے جتنا بھی نہیں، اگر معاملات پلٹ کر اس تک نہ آتے تو سہراب یمن اسے اسی طرح مارتا جیسے اس کے بڑے بھائی کو۔ اگر معاملات اس تک نہ آتے تو وہ اس کی موت میں دو لمحے نہ لیتا۔

"تم میرا تیر ہوا اں انکاؤنٹر نہ سہی، قتل تمہارا اب بھی مجھ پر آیا۔" وہ بے نیازی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ فرش پر پڑے خون بہاتے مُردے کی زندگی بس یہی تھی۔ وہ جس نے کئی گھروں کے چراغ گُل کیے تھے، بربریت کی داستانیں رقم کی تھیں اس کے اپنوں نے اسے موت کے منہ میں دھکیلا اور وہ گرتا چلا گیا۔ عارضی زندگی میں اس نے خدا کے لوگوں اور اس کے احکامات کا استحصال کیا تھا، اب اس کا اپنا معاملہ اسی خدا کے حوالے۔

پھٹی ہوئی آنکھوں اور چیتھڑے ہو چکے دماغ کے ساتھ وہ ساکت پڑا تھا۔ ختم، خالی۔

★★★★★★★★★★

"مجھے لگتا ہے تمہاری بہن تم سے ناراض ہے تمہیں اس کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔" وہ کھلی سکرین پر مختلف بٹن دبا رہا تھا سارا دھیان اعداد و شمار کی طرف تھا جب اس کی دائیں طرف سے کنعان کی آواز ابھری۔

"وہ مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتی، اور میں اس کے لیے بہت کچھ کر رہا ہوں۔" اس کا جواب سنجیدہ تھا۔

"اچھا یعنی کیا؟" بائیں طرف سے کسی اور کی طنزیہ آواز۔

"جس کے اپنے منصوبے آخری قسط کے آخری سین میں فیل ہوئے ہوں میں ان سے کچھ شیئر نہیں کرتا۔" مغرور لکھاری اپنے کرداروں کے ساتھ کافی سخت تھا۔

"ہم تباہ ہو سکتے ہیں، ویر۔" اس کی ماں اس کا بازو پکڑے سراسیمہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ "روبینہ صرف اس لیے سامنے نہیں آ رہی کیونکہ ثبوت ہمارے خلاف ہیں۔ ہم مرکزی مجرم ہیں۔"

"تھے۔۔۔۔اب نہیں۔" شاہ ویر اکتا کر بولا۔ "اب ہم آزاد ہیں۔ (ہم یعنی میں اور میری بقا) یمن ہم تک نہیں آئیں گے (کیونکہ میں جانتا ہوں وہ اتنی آسانی سے مجھے چھوڑ نہیں سکتے) آپ فکر کرنا بند کریں (کیونکہ بہت جلد آپ کا کیا آپ کے آگے آنے والا ہے) میرے فیصلوں پر یقین کریں (میرے فیصلے یعنی محض میری بقا) آپ کو لگتا ہے آپ کا بیٹا اپنا نقصان کروا سکتا ہے؟ (میرے فائدے میں اگر آپ کا خسارہ ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں)"

"تم اب کیا کرو گے؟" کچھ دیر بعد اس نے سنبھل کر پوچھا۔ شاہ ویر نے نگاہیں سکرین پر جمائے رکھیں۔ بس ایک بار وہ اس رقم کو درست جگہ سرمایہ کاری میں لگا دے اس کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس کا زوال نہیں لا سکتی تھی۔ اس کام کے لیے اسے اپنا پرانا سنگی چاہیے تھا۔ ایلکس۔۔۔۔۔ وہ تیز تیز بٹن دباتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا

اسے ایلکس سے رابطہ کرنا تھا یہ کام اس کے بس کی بات نہیں تھی مگر ایلکس اور اسلان اسے چٹکیوں میں کر سکتے تھے اور سارا پیسہ اس کا۔

"اور وہ لڑکی؟" تمکنت کا سوال تھا کہ کیا شاہ ویر کی انگلیاں پل بھر کو ساکت ہوئیں۔ گلے میں کچھ ابھر کر ڈوبا، اور آنکھوں کی رنگت تبدیل ہو گئی۔

"کیا بابا نے آپ کو کبھی چھوڑا تھا؟"

"طلال مجھ سے محبت کرتا تھا۔" کہتے ہوئے بھی اس کی آواز لرزی۔ طلال کی موت اس کی زندگی کا واحد ٹھہراؤ تھی۔

"میں خود سے محبت کرتا ہوں اور اس محبت میں کچھ حصہ اسے بھی دیا تھا اس نے ناقدری کی ہے وہ قیمت چکائے گی۔"

"ویر۔۔۔۔" تمکنت نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "چھوڑ دو یہ جنون، جانے دو اسے۔"

شاہ ویر بنگش نے سکرین سے نگاہ اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا۔ ان نگاہوں میں سب تھا ملامت، تذلیل، غیض۔ "دیر ہو چکی مام، اب یہ قدم پلٹنے کے نہیں۔" وہ ایک دفعہ پھر اپنی سکرین کی طرف متوجہ ہو چکا تھا اور تمکنت چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔

(پی کیپ پہنے ہوئے لڑکے کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز گام بھرتے ہوئے چل رہا تھا جب کوئی اس کا ہمقدم ہوا۔ "میری کتاب میں تو تم مورلز سکھاتے رہے اب وہ مورلز کہاں گئے؟" وہ تنک کر اپنے لکھاری سے پوچھ رہی تھی۔ اسلان دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ ماسک درست کیا اور ایک کاٹ دار نگاہ اس پر ڈالی، جو ہر مصیبت میں دوہری مصیبت کی طرح آن وارد ہوتی تھی۔

"اگر تم چپ نہ ہوئیں تو تمہاری کتاب کے سیکوئیل میں تمہیں دوبارہ جیل بھجواؤں گا۔" اس نے فلیٹ کا دروازہ کھلتے اور شاہ ویر کو باہر جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ سفید شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس تھا انداز میں عجلت تھی اور موبائل کان اور کندھے کے درمیان دبا تھا۔

"ہونہہ جو کام تم کر رہے ہو اس کی بنا پر تمہیں پیش امام تو رکھا نہیں جائے گا۔۔" وہ اسی طرح چہرہ جھکائے آگے آیا اور دروازے کے آگے آ کر رکا۔ جالی دار دروازے کے بعد لکڑی کا دروازہ تھا اس نے بستہ نیچے رکھ کر اس کے اندر سے کچھ نکالا۔ کوئی اوزار تھا جس کی مدد سے اس نے پہلے سلاخدار دروازہ کھولا، اس کے بعد لکڑی کا دروازہ اور اب وہ شاہ ویر بنگش کے گھر کے اندر تھا۔

"تم کسی کے گھر میں چھپ کر داخل ہو رہے ہو اسلان، تم ایسے تو نہیں تھے۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے نزاکت سے جھرجھری لے رہی تھی۔

"جو چپ کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لے اسلان اب وہ بھی نہیں۔" وہ محتاط قدم لیتا آگے بڑھا، عقاب جیسی نگاہیں آس پاس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ قدم بے آواز۔

"تم اس جیسے بنو گے؟"

"نہیں!" لہجہ مستحکم تھا۔ "میرے کچھ حساب نکلتے ہیں، ان کی وصولی اپنے طریقے سے کروں گا۔" اس نے گھاؤ دیے تھے وہ جان لیوا وار کرنے والا تھا۔ اس نے ہدف استعمال کیا تھا وہ ہدف کو کسی استعمال کے قابل نہیں چھوڑے گا۔

"اب۔۔۔۔۔۔۔اب کیا؟" یافث کے الفاظ ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے اسفند کی لاپڑی تھی جس سے نکلتا خون سفید رگ کو بھگو گیا تھا جس کے دماغ کے چیتھڑے دیوار پر لٹکتی مصوری پر لگے تھے۔ اور اس کمرے میں موجود وہ چاروں مرد انجام سوچ رہے تھے۔

"پولیس بیان جاری کرے گی کہ جو شخص ان کے پاس اعتراف کرنے آیا تھا وہ اسفند خود تھا۔" اسلان خبرنامے کے انداز میں بتا رہا تھا۔ "پریولیج کلر ہونے کے تمام ثبوت اسکار کے پاس موجود ہیں جو میڈیا کو مل جائیں گے کل تک تمام نیوز چینلز پر خبر چلے گی کہ اسفندیار انصاری نے اپنے تمام تر گناہ قبول کر لینے کے بعد خودکشی کر لی۔ اوپن اینڈ شٹ کیس۔" کہہ کر ہاتھ جھاڑے، ایسے جیسے واقعی اوپن اینڈ شٹ۔

"اس نے گولی یہاں ماری ہے اس جگہ۔۔۔۔۔۔یہ خون۔۔۔۔۔۔یہ دماغ کے چیتھڑے تم اس کے کمرے میں پلانٹ کیسے کرو گے؟" عالم نے براہ راست اسی سے سوال کیا۔

"یہ دونوں چیزیں اسفندیار کے کمرے کی ہیں، انہیں واپس اسی حالت میں اسی جگہ لگایا جائے گا۔" جواب سہراب یمن کی طرف سے آیا تھا۔ "عاصم ہمارے ساتھ ہے اسفند کی طرف اس کے حساب نکلتے تھے وہ منہ نہیں کھولے گا۔"

"اور مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ محض عاصم اور روبینہ نہیں کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے؟" یافث کا انداز چبھتا ہوا تھا۔ "یہ سب تم نے کب پلان کیا؟" سہراب نے جواب دیے بغیر اسلان کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں اسلان کے لیے ستائش تھی یہ اسی کا منصوبہ تھا اور لوگ کہتے تھے یہ اس کا بیٹا نہیں بھتیجا ہے۔ لوگ کہتے تھے وہ اسے اپنے جیسا نہیں بنا سکتا سہراب کا دل کیا وہ لوگوں کا مجمع اکٹھا کرے اور انہیں بتائے اسلان کی ذہانت اس جیسی تھی، اس کا انداز بھی اسی جیسا، اور اس کے منصوبے؟ یہاں وہ اس سے کہیں بہتر تھا۔ بہت بہتر۔ اور مستقبل میں شاید بہترین ہو جاتا۔

"میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔"

اسلان کی اس بات پر راج بیر نے متحیر ہو کر اسے دیکھا۔"کیا واقعی؟"

"بالکل۔۔۔۔جو ہونا تھا ہو گیا لیکن میں واقعی تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔" اگر وہ پانچ سال قبل کا راج بیر ہوتا تو اس وقت پرجوش ہو جاتا مگر ان پانچ سالوں میں اس نے جفا، اور سودے بازی کی کئی قسمیں دیکھی تھیں۔ اس راج بیر کا سوال اور چہرہ بے حد مختلف تھا۔

"مجھے اس معافی کے لیے کیا کرنا ہو گا؟" اسلان کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے بلاآخر پانچ سال بعد وہ بھی اخلاقیات چھوڑ سودے بازی کے زمرے میں آ گیا تھا۔ اب یہ ہے تو یہی سہی۔

سفید حویلی ماتم کدہ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اسفندیار انصاری کے کمرے سے ملنے والی اس کی لاش نے کہرام مچا دیا تھا۔ وہ سفید رگ اور مصوری پر لگے بقیہ جات اس بات کا حلفیہ ثبوت تھے کہ "پریویلیج کلر" نے اپنے کمرے میں خودکشی کی تھی۔ روبینہ کسی لاش کی مانند اپنی کرسی پر بیٹھی تھی یہ کرسی جو اس کی اولاد کے خون سے سینچ کر بنی تھی، وہ اس کرسی کو بچا چکی تھی ایسا اسے لگتا تھا۔

سہراب یمن وہ جو خود صفیں کاٹ کر آیا تھا اب وہی جماعت کا سالار بن کر کھو کھلے گھر اور مکینوں کی حفاظت کر رہا تھا۔"کیا اسفند انصاری نے اپنی موت سے قبل آپ سے کچھ کہا؟" میڈیا کے سوال بے جا نہیں تھے۔ "آپ کی اس گھر میں آمد کے چند ہی ماہ بعد ایسا واقعہ کیوں؟"..........."اپنے بھائی کا انکاؤنٹر کرنے والے شخص کو گھر میں رکھنے کی وجہ؟"

اس نے کسی ایک سوال کا جواب نہیں دیا، اس کا کام محض سیکورٹی دینا تھا اور وہ دے رہا تھا۔ شام کے وقت اسلان کی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اس کا انداز بوجھل تھا۔ کوئی ایک شبہ بھی اس پر نہیں، کوئی ایک ثبوت بھی اس کے خلاف نہیں، کیوں, کیسے؟ قتل اس کے ہاتھوں پر ہوتے ہوئے بھی کیوں ہاتھ خون سے خالی؟

"چائے پینے چلیں؟" گاڑی چلاتے اسلان نے اسے پیشکش کی۔ سہراب نے نفی میں سر ہلایا۔ ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان مسلی اور اسے دیکھا۔

"گھر چل کر تم بناؤ گے۔"

"مجھ سے مزدوری لازمی کروانی ہے؟" وہ بغور اس کا ستاہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سہراب کسی سوچ میں گم تھا۔ "کچھ ہوا ہے کیا؟"

"تم نے یہ کیسے پلان کیا، اسلان؟" اس کا لہجہ ستائشی نہیں تھا وہ متفکر تھا۔

اسلان ٹھٹکا۔ "میں تھرلر لکھتا ہوں میرا دماغ اسی طرح سوچتا ہے۔"

"کہانی اور زندگی الگ معاملات ہوتے ہیں۔"

"دماغ ایک ہی ہے میں اصل زندگی میں کوئی اور دماغ استعمال نہیں کر سکتا۔ میس کری ایٹ کرنا اور اسے سمیٹنا ہر لکھاری کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔"

سہراب کے گلے میں کچھ اٹکا، جسے وہ نہ اگل سکا اور نہ نگل سکا۔ "میس اور مرڈر میں فرق ہوتا ہے۔"

بہت دیر تک اسلان کچھ کہہ نہیں سکا۔ اور جب بولا تو آواز ہلکی تھی۔ "آپ کیا چاہتے ہو؟"

”میں۔“ اس نے سوچنے کو بہت وقت لیا۔ ”تم سے کیا چاہوں گا میں تمہیں جانتا ہی نہیں ہوں اسلان۔ تم قتل کر کے آجاتے ہو اور مجھے پتا بھی نہیں چلتا۔ تم ایک آدمی کو قید کر کے رکھتے ہو اور میں لاعلم ہوتا ہوں، تم کسی عورت کو رکنے کا کہہ کر آتے ہو اور میں ایک بار پھر لاعلم کیا میں بوڑھا ہو رہا ہوں یا پھر تم بہت بڑے ہو گئے ہو؟“ وہ اسے دیکھ رہا تھا، جواب کا منتظر۔

اسلان خاموش رہا البتہ اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گزر گیا تھا۔ بہت دیر بعد وہ بولا تو اس کی آواز ہلکی تھی۔ ”میں آپ جیسا بن رہا ہوں۔“ وہ رکا، کچھ توقف کیا۔ ”بارہ سال کا تھا جب آپ مجھے پہلی بار تھانے لے گئے تھے اس کے بعد آدھی زندگی تو وہیں گزری۔ اسکول کے بعد میں وہیں آتا تھا، کالج کے بعد بھی وہیں آپ نے میرے والد کی جگہ سنبھالی اور تھانہ میرا گھر رہا کیونکہ لعل یمن میری بہن، ماں اور باپ کی موجودگی سے خالی تھا میرے لیے نارمل زندگی کبھی تھی ہی نہیں۔ آپ کے ساتھ رہ کر میں اور کیا بنتا، میں کیا سیکھتا؟“ گلہ نہیں تھا وہ بس کہہ رہا تھا۔

”میں یہ نہیں چاہتا تھا۔“

”اور میرا حالات پر اختیار نہیں۔“ اپنی اپنی کہہ کر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ اسلان چاہتا تھا وہ مزید بات کرے مگر سہراب جانتا تھا اب بات "باتوں" سے بڑھ گئی ہے۔ اسے جلد از جلد اسلان کو یہاں سے بھیجنا تھا کہیں دور جہاں وہ ٹھیک ہو سکے۔

★★★★★★★★★★★★★

چار روز بعد!

"دھڑ۔۔۔۔دھڑ۔۔۔۔دھڑ۔۔۔" اس کا ایک ہاتھ بستر سے نیچے لٹک رہا تھا اور دوسرا سینے کے نیچے دبا تھا۔ وہ گہری نیند میں غرق تھا جب آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اسے لگا یہ کوئی خواب ہے یہ خواب ہی ہو سکتا تھا۔ کوئی اس کا دروازہ اس طرح کیوں بجائے گا؟ وہ تکیہ سر پر برابر کرتے دوبارہ سو گیا۔

"دروازہ کھولتا ہے کہ توڑ دیں؟" کوئی چلایا۔ شاہ ویر کے کانوں میں آواز پڑی مگر وہ کسمسا کر کمفرٹر میں گُھس گیا۔ وہ رات بہت دیر سے سویا تھا۔

"کھولے گا کہ توڑیں دروازہ؟" اس بار آواز مزید بلند تھی۔ دھڑ دھڑ بھی بڑھ گئی۔ شاہ ویر نے مندی مندی آنکھیں کھول کر دیوار پر لگی گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔ پردے کھڑکی سے ہٹے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔

"توڑو دروازہ۔" اس نے آواز سنی۔

"باس نے کہا تھا اسے نقصان نہ پہنچانا۔" اس کے ساتھ کھڑے شخص نے تنبیہہ کی۔

"دروازہ توڑنے سے وہ مرے گا نہیں۔ توڑو۔" باہر سے کسی کی آواز آئی۔ شاہ ویر اٹھ بیٹھا۔ بہت دیر تک غائب دماغی سے دیواروں کو تکتے رہنے کے بعد وہ کلسمندی سے اٹھا اور پیر ٹھنڈے فرش پر رکھے، اس کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسناہٹ اتری۔ سامنے والے شیشے میں سلک کے نائٹ سوٹ میں ملبوس مرد کا عکس ابھرا۔

"آ رہا ہے تمہارا باپ صبر۔" شاہ ویر کمرے سے نکلتے ہوئے چلایا اور باہر آ کر دروازہ کھولا۔ ابھی وہ کچھ کہتا کہ چار ہٹے کٹے سیاہ فام اندر داخل ہوئے شاہ ویر حق دق سا انہیں اندر آتے ہوئے دیکھے گیا۔

"کون ہو تم؟" وہ چاروں دائرے کی صورت اس کے آس پاس پھیل گئے، اتنے بلند قامت مردوں کے سامنے وہ کوئی بونا سا لگا۔

"تجھے لوگوں کا باپ بننے کا شوق ہے نا۔" ان میں سے ایک نے پکڑ کر اسے دیوار کے ساتھ لگایا اور پستول عین اس کے جبڑے کے نیچے رکھا۔ شاہ ویر جم گیا۔ اعضاء ساکت۔ "اب یہ بتا تیرے اصل باپ کا پیسہ کہاں ہے؟"

"کس کا پیسہ؟" وہ ہنوز متحیر تھا۔

"طہور ملک کا پیسہ کہاں ہے؟" اس کی آنکھیں الجھن سے پھیلیں۔

"میں بھیج چکا ہوں، کل شام میں نے خود بھیجے تھے کنفرمیشن میسج بھی آ گیا تھا۔"

آدمی نے پستول کا دستہ سیدھا کیا اور اس کے جبڑے پر مارا اس شدت سے کہ شاہ ویر کی بلند چیخ سارے میں گونجی۔ اس نے درد کی شدت سے جھکنے کی کوشش کی مگر اس کے گلے پر گرفت سخت تھی۔ "بے وقوف بنائے گا ہاں؟ اگر ایک ہفتے کے اندر سارا پیسہ واپس نہ آیا تو تیری لاش ٹکڑوں میں ملے گی اور یہ سوچنا بھی مت کہ تو کہیں بھاگ سکتا ہے تمہارے ہر عمل ہر چال پر ہماری نظر ہے۔"

اس نے شاہ ویر کو بالوں سے دبوچ کر نیچے گرایا اور اپنا جنتی گھٹنہ اس کے منہ پر مارا وہ بلبلا کر گرا درد ایسا تھا کہ وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ آدمی نے اس پر بس نہیں کی وہ پے در پے اسے لاتیں مارتا گیا اور شاہ ویر نڈھال سا اپنے بچاؤ کی کوشش کرتا رہا، اسے اب تک یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔

"ایک ہفتہ...... صرف اور صرف ایک ہفتہ۔" اس نے نیچے گرے شخص کی پسلیوں میں ٹھوکر ماری۔ "ایک ہفتے میں ہمارا پیسہ نہ آیا تو تیری لاش آئے گی۔" وہ زیر لب کچھ بکتا باہر نکل گیا اس کے ساتھیوں نے اس کی تقلید کی۔

شاہ ویر بہت دیر تک اپنی سانسیں بحال کرتا رہا۔ اس کے سر اور منہ سے خون نکل رہا تھا اور پھر وہ اٹھا، گرتے پڑتے وہ لیپ ٹاپ تک آیا اسی زخمی انداز میں لیپ ٹاپ اٹھا کر گود میں رکھا اور کچھ بٹن دبانے لگا، اس کے ہونٹ پھٹ چکے تھے اور اب ان سے خون رس رہا تھا سکرین پر مختلف چیزیں ابھرنے لگیں جنہیں بس وہی سمجھ سکتا تھا اور

اگلے ہی لمحے اس نے رقم کی ترسیل کی تفصیل دیکھی۔ بٹ کوائن کا وہی اکاؤنٹ جہاں اسے پیسے بھیجنے تھے یہ وہی تو تھا۔

مگر............وہ اس نام پر رک گیا۔ سکرین پر کچھ ایسا ابھرا کہ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ جسم منجمند ہو گیا اور وہ بے حس و حرکت سکرین کو دیکھے گیا۔ پیسے اسی اکاؤنٹ میں گئے تھے جو اسے اسفند نے دیا تھا لیکن اب یہ اکاؤنٹ ٹریک نہیں ہو رہا تھا۔ شاہ ویر کا سانس گھٹ کر رہ گیا۔

معاہدے کے مطابق اسے تمام رقم ایک تھرڈ پارٹی اکاؤنٹ میں بھیجنی تھی، یہ تھرڈ پارٹی اسفندیار انصاری تھا جس نے اسے ایک جعلی رسید بھیجی تھی اس کے تحت پیسہ طہور تک پہنچ چکا تھا مگر پیسہ نہیں پہنچا تھا رسید اب اس کے سامنے تھی۔ جعلی۔ معاہدے میں یہ بھی لکھا تھا کہ کسی بھی ناچاکی، پیسہ غائب ہونے کی صورت تھرڈ پارٹی نقصان بھرنے کی پابند ہو گی اور تھرڈ پارٹی اسفند تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اربوں روپے تھرڈ پارٹی اکاؤنٹ سے ہائی جیک ہو چکے تھے اور یہ کرنے والا کون تھا یہ شاہ ویر جانتا تھا۔

”امپاسبل۔۔۔۔۔۔“ اس کے حلق سے پھٹی ہوئی آواز برامد ہوئی۔ اس کا ہاتھ سینے تک گیا اور اگلے ہی لمحے وہ گھٹنوں کے بل جھکا ہوا اپنا سینہ مسل رہا تھا، اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے اور دل اپنی جگہ سے سرک کر ایک طرف ہو گیا۔ ساری دنیا آگ کا گولہ بن گئی۔ ”امپاسبل۔۔۔۔۔یہ نہیں ہو سکتا۔“

کھلے دروازے پر دو انگلیوں سے دستک ہوئی اور پھر بھوری شرٹ والا اسلان یمن اندر داخل ہوا۔ گردن ترچھی کر کے شاہ ویر کی موجودگی چیک کرنی چاہی اور اسے اپنا سابقہ دوست فرش پر بیٹھا سفید چہرے اور اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ سینہ مسلتے ہوئے ملا۔ وہ مسکرایا۔ ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالے اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اس تک آیا۔ دروازے کے فریم میں کھڑے ہو کر اس نے متاسف نگاہوں سے شاہ ویر کو دیکھا۔

”چچ چچ چچ...... کیا ہوا دوست؟“

شاہ ویر نے زخمی شیر کی مانند سر اٹھایا اور کچھ اٹھا کر اسے مارا جسے وہ تیزی سے ہاتھ میں پکڑ گیا۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا اسلان۔۔۔۔۔ میں تمہارے سارے خاندان کو قبر میں اتار دوں گا۔ تم۔۔۔۔ ابھی مجھے جانتے نہیں تم پچھتاؤ گے۔"

"تم باتیں کرلو میں تو عمل کر چکا۔" وہی چیز اٹھا کر تاک کر اس کا نشانہ لے کر زور سے ضرب ماری۔ شاہ ویر کراہا، رویا، گرا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی وہ مر رہا تھا۔ "تکلیف ہو رہی ہے نا؟ مجھے بھی ہوئی تھی پانچ سال قبل بھی اور اس رات بھی تمہیں کیا لگا تھا تم ہر دفعہ بچ جاؤ گے؟" وہ چبا چبا کر کہتا اس کے نزدیک آ رہا تھا۔ "تم ہر دفعہ مجھے تکلیف دو گے اور میں جانے دوں گا؟" وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھا شاہ ویر نے ہاتھ پیر ہلانے چاہے مگر اسلان نے اس تیزی سے اس جکڑ کر صوفے کے ساتھ لگایا کہ وہ بس رو سکا، چیخ سکا۔

"پانچ سال قبل تم نے اپنا ہر اندھیرا میرے حصے میں ڈالا تھا، تمہاری ہر ناکامی میری اور تمہارا ہر خسارہ میرا۔ میں تمہارا fall guy تھا آج پانچ سال بعد میں نے کردار بدل دیے ہیں۔ اب اندھیرے تمہارے تمہارے روشنیاں میری، ناکامی تمہاری اور نیک نامی میری، خسارے تمہارے اور فائدے میرے۔" اس نے سختی سے اس کا جبڑا دبوچ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ "میں نے کھیل بدل دیا ہے شاہ ویر اب تم بھاگے تو تعاقب کار آگ۔ جم جاؤ تو میں کاٹنے والی دھات۔ پانچ سال بعد آج میں اپنے ساتھ خدا لایا ہوں۔" وہ اس کا جبڑا ایک جھٹکے سے چھوڑ کر اٹھا اور ایک حقارت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"میرا ہنر استعمال کرتے کرتے تم یہ کیوں بھول گئے کہ تم کبھی اسلان یمن نہیں بن سکتے؟" شاہ ویر شاکی انداز میں مٹھیاں زمین پر مارتے ہوئے چیخ رہا تھا اس کے اربوں روپے غائب تھے وہ موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ سکتا تھا۔ طہور ملک اسے زندہ دفنا دے گا۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"میں ہی تو کر سکتا ہوں۔ تم کردار تھے شاہ ویر ابتدا اور درمیان تم نے طے کیا ٹھیک، مگر لکھاری میں ہوں کلائمکس میں طے کروں گا۔"

"نہیں پلیز یہ مت کرو تم اچھے آدمی ہو۔" وہ گڑگڑایا۔ اسلان کی نگاہوں میں زخمی پن اترا۔

"مجھ پر ایک قتل پلانٹ کرتے ہوئے،، مجھ سے جو اکھلواتے ہوئے، میرا ہنر اپنے لیے استعمال کرتے ہوئے تمہیں یاد نہیں تھا میں اچھا آدمی ہوں؟ میں صرف بائیس سال کا تھا تم نے مجھے بائیس دہائیوں کے لیے مسخ کر دیا۔"

"غلطی ہو گئی۔" وہ چہرے پر ہاتھ مار رہا تھا، اسے اپنے نقصان کا اندازہ بہت اچھی طرح ہوا تھا۔

"اب میری باری، کچھ غلطیاں مجھے بھی کرنے دو بڑھاپے میں پچھتانے کو کچھ تو ہونا چاہیے۔"

"یہ ظلم مت کرو میں۔۔۔۔۔"

"یہ ظلم نہیں یہ تمہارا کارما ہے شاہ ویر۔ میرے fall guy بننے کے لیے تیار رہو۔" وہ کہہ کر ایک بھی نگاہ غلط اس شخص پر ڈالے بغیر باہر نکل آیا۔ زینے اتر کر جب وہ کھلے آسمان تلے آیا۔ اس نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا پانچ سالوں میں جب جب اس کا صبر ٹوٹتا تھا وہ یونہی سر اٹھا کر بس ایک آیت دہرا دیا کرتا تھا۔

"ان اللہ مع الصابرین۔" اللہ نے اسے بھر بھر کر صبر دیا تھا مگر اسی خدا نے اسے عقل و شعور بھی دیا تھا ظلم کے خلاف بغاوت بھی دی تھی جسے اب وہ زیر استعمال لایا تھا اور کیا کمال لایا تھا۔ اس بار آسمان کو تکتے ہوئے وہ بس ہلکا سا مسکرایا۔ اس کے تمام شکوے ختم ہو چکے تھے۔ اس نے کہا تھا کلائمکس وہ طے کرے گا وہ کر رہا تھا۔

★★★★★★★★★★

سکرین سیاہ تھی اور اس پر لگتے مناظر رنگین ٹکڑوں میں تقسیم شدہ۔

”میں اسے تمہارے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اپنے ایک ساتھی افسر اور دوست سے کہا۔ پیشانی شکن آلود تھی اور انداز متفکر۔ ”میری سختی اسے مجھ سے دور کر دے گی۔ میں عمر کے اس حصے میں یہ تکلیف نہیں جھیل سکتا۔“

”مجھ سے کسی قسم کی نرمی کی امید مت رکھنا، سہراب۔“ دوسری طرف وہ جو بھی تھا اس کی آواز بے حد خوبصورت اور لہجہ دھیما تھا۔ سہراب جانتا تھا وہ سختی کرے گا مگر وہ اسلان یمن کو سیاہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا اس نے بھاری دل کے ساتھ حامی بھر لی۔ سکرین پر لگی اس کی تصویر میں بے بسی تھی۔

چائے کی خوشبو اور پراٹھوں کی خستگی والے باورچی خانے میں وہ دروازے کے فریم میں ایستادہ تھی۔ آنکھیں سوجی ہوئی مگر نرم اور فیصلہ کن۔ ”مجھے آپ سب کو کچھ بتانا تھا۔“ اناراطارون تمام یمن کو اپنی جانب متوجہ کر چکی تھی۔ ”میں شاہ ویر بنگش پر اغوا، اقدام قتل اور حبس بے جا کا مقدمہ عائد کر رہی ہوں۔ بھائی میرے ساتھ جائے گا آپ میں سے کوئی آئے گا؟“

”شاہ ویر نے مجھے کال کی تھی۔“ بنفشہ کا لہجہ گھبرایا ہوا تھا، کافی کا مگ تھامے لان میں کھڑا اسلان اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ”اس نے کہا ہے وہ تمہیں مار دے گا اگر تم۔۔۔۔۔“

”آج رات ڈنر پر چلیں؟“ اس نے لاپرواہی سے بنفشہ کی بات کاٹی۔ ”کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“

”تم میری بات کو سنجیدہ نہیں لے رہے۔“

"میں تمہارے نصف برادر کی گیدڑ بھبکیوں کو سنجیدہ نہیں لے رہا اگلی بار اگر وہ کچھ کہے تو اس سے کہنا مردوں کی طرح مردوں سے بات کرے۔ تم کیا بتا رہی تھی آج تم نے کیا ٹرائے کیا؟" وہ بڑی سہولت سے اس کا دھیان بٹا گیا تھا سکرین پر لگی اس کی تصویر میں اس کے چہرے پر ایک پر سرار مسکراہٹ دیکھی جا سکتی تھی۔

"تھوڑی دیر بات ہو سکتی ہے؟" عبیر کا ہاتھ تھام کر آگے آگے چلتا عالمگیر تھم گیا۔ حسین کا ہاتھ تھامے اس سے ذرا فاصلے پر تاجور کھڑی تھی۔ انداز میں منت تھی، چہرہ آزردہ۔ عالم کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ کئی برس قبل اس تعلق کو کوئی کلوژر نہیں مل سکا تھا آج مل جائے گا۔ ایسا اسے لگا۔

"میں وومن کی اونر اور جوہر فور زیرو کی سروائیر ہوں میرا نام رابعہ پرویز ہے۔" یہ اس ویڈیو کا تھمب نیل تھا جو وقت کے فرعونوں کا تختہ پلٹنے والی تھی۔

سروائیور، کرمنل، افسر، وکیل اور لکھاری اب ایک صف میں تھے دوسری صف میں کون تھا یہ دیکھے بغیر ان کا خاتمہ لکھا جا چکا۔ کلائمکس کی شروعات ہو چکی تھی۔

★★★★★

"سارا کلائمکس ایک طرف اور وہ ایک واقعہ ایک طرف۔" اسلان یمن بنفشہ احسان کو کیا کہہ رہا تھا وہ جانتی تھی۔ کچھ بھی کہنے کی بجائے وہ محض مسکرائی تھی۔ کھانا، پھول، وہ گلابی جوڑا، اسے یک بہ یک سب یاد آتا گیا۔ اسلان یمن مسکراہٹ دبائے اسے دیکھے گیا۔

★★★★★

باب دہم

کلائمکس

”تم کچھ اداس لگ رہی ہو۔“ وہ دونوں دوبارہ اسی کمرے میں تھے۔ وہی انگیٹھی، وہی دبیز پردے، وہی گرماگرمی اور وہی دونوں۔ چندماہ کے اندر اندر گویا صدیوں کی مسافت طے کر آئے ہوئے مسافر۔

”شاید کیونکہ اس کے آگے جو ہوا وہ میں جانتی ہوں۔“

”اسی لیے میں اسپائلرز کے سخت خلاف ہوں۔“ وہ ناگواری سے بولا تھا۔

”میرے اب بھی کچھ سوال ہیں۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ اسلان مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھا۔ ”باطل کو پہلی نکیل کس طرح ڈالی گئی، کون سے تعلقات نے کہاں ساتھ چھوڑا، کون سا وزیر کہاں استعمال ہوا، اور کس مہرے نے کہاں شکست کھائی؟“

”تمہیں جواب سارے ملیں گے لیکن میری منشاء سے، میری مرضی کے وقت پر۔“ وہ خاموش رہی انت تک آتے آتے اس کا دل واقعی بوجھل ہو چکا تھا۔

★★★★★★★★★

(باطل کو پہلی نکیل کس نے ڈالی؟)

اس کے ہاتھ اب بھی خون میں لتھڑے تھے۔ خشک ہو چکا خون۔ نگاہیں خالی اور دل کی رفتار بے حد تیز۔ اسلان یمن ہسپتال کے عقبی حصے میں رکھی کسی بنچ پر بیٹھا تھا۔ اس کی بہن اندر تھی اور یہاں آس پاس اس کے کئی کردار

تھے چند متاسف، چند اس کی حالت سے رنجیدہ، اور چند کمینی سی خوشی جیتے ہوئے۔ بس ایک تھا جو اس کا ہمدرد تھا۔ اسلان یمن نے خود پر سختیاں جھیل کر اس کردار کو یادگار بنایا تھا اور اب وہی اس کا ساتھی تھا۔

"تمہیں سہراب کو منع نہیں کرنا چاہیے تھا اب شاہ ویر پر رحم کھانا غلط ہے۔ اسے مر جانا چاہیے، اسلان۔" اسے کنعان کی آواز سنائی دی۔ اسلان نے سرد مہری سے اسے دیکھا اس کی آنکھیں...... یہ اسلان یمن کی آنکھیں نہیں تھیں۔ ان میں سفاکی، انتقام، حد اور غیض تھا۔

"سہراب اس کے ساتھ رحم ہی کر رہا تھا." اس نے چبا چبا کر کہا۔ "میں نہیں کروں گا۔")

ابتسام عباس جیل سے نکل آیا تھا سارا الزام، تمام ثبوت اس کے ملازم کی طرف جاتے تھے اس جیسوں کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس سمے وہ ہاتھوں میں کاغذ کا ایک ٹکڑا لیے بیٹھا تھا اسلان یمن اس کی آگے رکھے سنگل سیٹر صوفے پر براجمان تھا۔ کاغذ کے اس ٹکڑے پر "خلع" بڑے بڑے لفظوں میں لکھا تھا۔ وہ ٹکر ٹکر اپنی زندگی کو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"تاج میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔" اس کی آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر کاغذ پر گرا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ کسی نے اسے ورغلایا ہو گا۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا یہ ہو گا، بنگش اپنے وعدوں کے سچے نہیں۔" ابتسام کی آنکھوں سے چند مزید آنسو ٹوٹ کر اس کی جھولی میں گرتے گئے اسلان یمن خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ابتسام کو یاد آ رہا تھا کس طرح یہ کاغذات دیکھنے کے بعد اس نے شاہ ویر کو لگاتار کالز ملائی تھیں، کیسے وہ رویا تھا گڑگڑایا تھا کس طرح اس نے تمکنت کے پیر پکڑے تھے لیکن وہ اس کے کام نہیں آ سکے۔ بنگشوں نے اسے بے سہارا چھوڑا۔ اسے یہ بھی یاد تھا انہی لوگوں کی خاطر کس طرح اس نے اپنے تعلقات کے زریعے اسلان کو جیل بھیجا، اسے ذلیل کیا، اس پر قتل کے الزام لگنے دیے آج ہر نقصان یک بہ یک واپس مل رہا تھا۔

"میں آپ کو وہ عورت واپس نہیں دے سکتا جس طرح آپ مجھے پنار واپس نہیں کر سکے۔ مگر میں آپ کے انتقام میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"تم پنار سے محبت نہیں کرتے تھے۔" وہ غرایا۔ "تاج میری زندگی ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے پھر منجمند ہو گیا۔ "تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" تین لفظوں پر ابتسام نے الجھ کر اسے دیکھا۔ "میں اپنے لیے کروں گا اور اس کے درمیان آپ کا فائدہ ہو گا یہ میرا وعدہ ہے لیکن مجھے آپ کی مدد چاہیے ہو گی۔"

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟" کاغذ کو بُری طرح مٹھی میں مروڑتے ہوئے وہ تیار تھا، اسلان یمن اسے اپنے لیے استعمال کرنے کو تیار۔

"مجھے شاہ ویر کا راز چاہیے۔"

(کون سے تعلقات نے کہاں ساتھ چھوڑا؟)

ریسٹورانٹ کی چھت پر یخ بستہ ہواؤں کا محاصرہ تھا۔ تمکنت بنگش سادہ سفید جوڑے کے ساتھ خاکی شال اوڑھے ہوئے تھی۔ اس کے سامنے بنفشہ مخدوم براجمان تھی۔ آس پاس کی میز خالی تھیں ان سے کافی فاصلے پر ایک جوڑا بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ جو ان کی طرف بالکل متوجہ نہیں تھا۔

تمکنت چند پل اسے دیکھتی رہی پھر کہنا شروع کیا۔ "اپنے حقوق مانگنے آئی ہو تو دیر ہو چکی ہے ملامت کرنے آئی ہو تو میں اب بے اثر ہوں اور ---------" وہ رکی، اس کی آنکھیں جھلملائیں۔ برسوں پرانی غلطیاں یاد آئیں۔ "معاف کرنے آئی ہو تو مت کرنا کیونکہ میں اس لائق نہیں۔"

”میں آپ کو اطلاع دینے آئی ہوں، امو جان۔“ اس نے ایک سادہ سا جواب دیا۔ لہجے میں کوئی گہرائی تھی ہی نہیں۔ اٹھی گردن میں اکڑ نام کو نہیں۔ ”میں شادی کر رہی ہوں۔ آپ اور ابا دونوں نے مجھے جس "گھر" سے محروم کیا تھا اسلان یمن مجھے وہی گھر دے رہا ہے۔ مجھے لگا مجھے آپ کو بتانا چاہیے۔“

تمکنت مسکرائی۔ ”خوش رکھے گا تمہیں۔“

”مطمئن رکھے گا، اس بات کا بھروسہ ہے۔“

”کچھ جلدی نہیں کر رہی۔۔۔۔؟ اس کے پاس جاب نہیں، جائیداد نہیں، گھر نہیں۔“

”احسان مخدوم کے پاس یہ سب تھا پھر طلاق کیوں لی؟“

تمکنت نے لب بھینچ لیے، نگاہوں میں کوئی زخمی سا تاثر دوڑ گیا۔ ”ابیوزر تھا تمہارا باپ اور۔۔۔۔۔۔“

”اسلان نہیں ہے۔“ اس نے تمکنت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے دوٹوک جواب دیا۔ ”آپ نے طلاق لے کر درست کیا میں شادی کر کے درست کر رہی ہوں۔ وہ کمائے گا ہم دونوں کے لیے، ہم گھر بھی بنائیں گے ...... جائیداد شاید نہ بن سکے لیکن میرے پاس ایک اچھا مرد ہو گا۔ وہ جسے ماضی میں آپ کے بیٹے نے مسخ کیا تھا۔ اس کے پاس ایک اچھی بیوی ہو گی جسے آپ نے اور احسان مخدوم نے تباہ کرنا چاہا۔“ تمکنت کے چہرے سے جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا۔ وہ ٹکر ٹکر بنفشہ کا چہرہ دیکھے گئی۔

”کیا ہوا آپ کو لگا تھا مجھے کبھی پتا نہیں چل سکے گا۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں لگتا تھا تب بھی یہ سن کر میرا دل پھٹ گیا کہ آپ کے بیٹے نے یہ سب کیا اور آپ نے اسے روکا تک نہیں؟“ الفاظ اس کے لبوں سے کف اور ملامت کی صورت نکل رہے تھے۔

تمکنت نے آنکھیں بند کر لیں چند موٹے موٹے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ گئے۔ ”میں مجبور تھی۔“

”یقیناً آپ کے محبوب شوہر کا قتل کرتے وقت شاہ ویر بھی مجبور ہو گا۔“ کوئی لوہے کی راڈ تھی جو اس بوڑھی اداکارہ کے سر پر آکر لگی۔ بنفشہ کہتی گئی۔

”طلال بنگش آپ کے شوہر طبعی موت نہیں مرے تھے آپ کے بیٹے نے انہیں مارا اموجان، جو آپ نے اسلان کے لیے چنا اس سے بدتر شاہ ویر نے آپ کی قسمت میں لکھا۔ ابلیس کی پشت پناہی کی سزائیں ہوتی ہیں آپ کو اپنی سزا کیسی لگی؟“ تمکنت سفید پڑتے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہی تھی اس کی آنکھیں ابلنے کو تیار تھیں وہ قطرہ قطرہ مر رہی تھی۔ وہ نہیں مان سکتی تھی، یہ سچ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

”میں آخری بار آپ سے مل کر تمام تعلقات ختم کرنے آئی تھی میں ایسا کر رہی ہوں کیونکہ آپ جیسی ماں خدا کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ وہ آدمی اس سب کے باوجود آپ کی بیٹی سے شادی کر رہا ہے کیونکہ میں نے اپنے لیے ایک اچھا آدمی چنا ہے آپ کے بیٹے جیسا کم نسل نہیں۔“ وہ اٹھی اور ایک ملامت زدہ نگاہ اس پر ڈالتی ہوئی پلٹ گئی تمکنت اپنی جگہ پتھر کا بت بن چکی تھی۔ کیا ابلیس کی پشت پناہی کی واقعی سزائیں ہوتی ہیں، اور کیا وہ اس طرح ملتی ہیں؟ زہر آلود کوڑوں کی صورت؟

(”کون سا وزیر، کہاں استعمال ہوا؟“)

”تم واقعی مجھے معاف کر سکتے ہو؟“ راج بیر بے یقینی سے اسلان یمن کا چہرہ دیکھ رہا تھا جہاں چار سال اپنے لیے نفرت دیکھی تھی آج وہاں گنجائش نظر آئی، جو چار سال سے کسی مفاہمت پر بھی راضی نہیں تھا آج باقاعدہ معاف کر دینا چاہتا تھا۔ ”اسلان سچ کہو کیا تم واقعی مجھے معاف کر سکتے ہو؟“

”بالکل لیکن میری ایک شرط ہے۔“

”میں سب کرنے کو تیار ہوں۔“

”طہور ملک تمہارے باپ کا دوست ہے رائٹ؟“

راج بیر اگلا سانس نہیں لے سکا۔ وہ سمجھ رہا تھا، واللہ وہ سمجھ چلا تھا گفتگو کس سمت جا رہی ہے۔ ”وہ اپنے پیسوں میں سے چار سو کروڑ آن لائن سرمایہ کاری میں لگائے گا آدھا پیسہ تمہارے باپ کا اور آدھا طہور ملک کا۔ تمہارا باپ اس بات پر کیسے راضی ہو گا میں نہیں جانتا۔ طہور یہ کام اسفندیار انصاری کو کیسے دے گا یہ بھی میں نہیں جانتا۔ یہ تمہاری معافی کی قیمت ہے میں صرف اتنا جانتا ہوں۔ اگر کر سکتے ہو تو میں نے تمہیں معاف کیا اور اگر نہیں کر سکتے تو گرو کی معافی لے جانا، میری قیامت تک نہیں ملے گی۔“

راج کے لب ہلکے سے وا تھے، آنکھیں پھیلی ہوئی۔ وہ بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا۔ ”یہ۔۔۔۔۔ رقم۔۔۔ یہ بہت بڑی ہے، اسلان۔ میرا باپ اس انویسٹ پر راضی نہیں ہو گا۔ اور طہور دبئی کا بہت بڑا مافیا ہے اس کا پیسہ اگر غائب ہوا تو وہ تمہیں اور مجھے زندہ دفنائے گا۔ ہم دونوں مر جائیں گے اور کسی کو کچھ خبر نہیں ہو گی۔ تم وہاں کھیل رہے ہو جہاں ہر بازی مات۔“

”میرے اس کھیل میں اس کا پیسہ غائب ہو گا، بالکل ہو گا لیکن وہ تمہاری اور میری نہیں شاہ ویر بنگش کی قبر کھودے گا۔“

راج کے حلق میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ”کیسے؟“

”اسفند یہ کام شاہ ویر کو دے گا اور شاہ ویر سے پیسہ کس طرح غائب کرنا ہے یہ میرا کام ہے۔“ راج بیر کے چہرے پر ایک رنگ آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ اس نے اسلان کی نگاہوں میں یہ تاثر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا یہ نیا تھا، یہ سفاک تھا۔ بہت دیر بعد راج کے لب ہلے تھے۔

”شاہ ویر تباہ ہو جائے گا، اسلان۔“

اسلان زیر لب مسکرایا، اور عجیب سی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”اب اسے ہونا بھی چاہیے۔“

(”کس مہرے نے کہاں کامیابی پائی؟“)

وہ دونوں لیلیٰ کی کوٹھی پر موجود تھے۔

اسلان آس پاس کئی بچے اور بچیوں کو دیکھ رہا تھا کسی کے ہاتھ میں کتاب تھی تو کوئی کھیلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ دوسری منزل سے بچوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں آ رہی تھیں چوکور صحن میں رکھے موڑھوں پر وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اسفندیار انصاری کے چہرے پر دھوپ پڑ رہی تھی جبکہ اسلان کی پشت پر، وہ کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا آنکھیں چھوٹی کر رکھی تھیں بہت دیر بعد اس نے گردن اٹھا کر مقابل کو دیکھا۔

"دماغ ہے یا خرافات؟" وہ واقعی جاننا چاہتا تھا اس کے سامنے بیٹھے لڑکے نے بس سادگی سے شانے اچکائے۔

"آج تک میں خود بھی یہ فیصلہ نہیں کر پایا۔"

"میں کر چکا ہوں، تم غیر معمولی ہو یہ دماغ عام لوگوں کا نہیں ہوتا۔"

"مجھے شاہ ویر کا جواب بتائیں۔" وہ اکتایا۔

"وہ مان جائے گا!" اسفند نے عام سے لہجے میں کہا۔ "لالچی ہے پیسوں پر رال ہی ٹپکائے گا۔" اسفند رکا لمحے بھر کا توقف کیا۔ "تم باقی سب کر لو گے؟" اسلان نے جواب نہیں دیا بس اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مزید اس جگہ اسفند کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے ان لوگوں کے لیے بُرا لگ رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا اسفند کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

"(باطل وقت کو کہاں مات ہوئی؟")

سکرین اس کے سامنے کھلی پڑی تھی اسفندیار کے محافظ اس کے عقب میں کھڑے تھے شاہ ویر پُر سوچ نظروں سے سکرین کو دیکھ رہا تھا جہاں معاہدہ کھلا پڑا تھا۔ کئی شقیں تھیں جنہیں وہ بغور پڑھ چکا تھا بس ایک جگہ وہ اٹکا تھا۔

"payment will first be held in escrow account for verification"

"یہ تھرڈ پارٹی کون ہے اور میں اس پر یقین کیسے کر سکتا ہوں؟" اس نے پہلا سوال کیا۔ "یہ اکاؤنٹ کس کا ہوگا؟"

"اس ڈیل میں تھرڈ پارٹی کون ہے شاہ ویر؟" اسفند نے ٹھنڈے لہجے میں سوال کیا۔

"آپ سمجھ نہیں رہے، اسفند بھائی میں۔۔۔۔۔"

"رہنے دو، شاہ ویر۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم بخوبی جانتے ہو اس معاہدے میں تھرڈ پارٹی کون ہے اور اگر تمہیں اسی پر شبہ ہے تو مجھے نہیں لگتا یہ معاہدہ چل سکتا ہے۔ تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟"

شاہ ویر تیزی سے اس کے ساتھ کھڑا ہوا اس کا بازو پکڑ کر اسے واپس بٹھایا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا کہ یقین نہیں ہے میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر تھرڈ پارٹی کے اکاؤنٹ میں پیسے جانے کے بعد کوئی مسئلہ ہوا تو میرے لیے کیا حل ہے؟ میں اتنا بڑا معاہدہ اس طرح نہیں کر سکتا جیسے آپ چاہتے ہیں۔ مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے لیکن یہ شق کیوں؟"

اسفند اسے دیکھ رہا تھا ذہن کے نہاں خانوں میں اسلان یمن کی آواز گونج رہی تھی۔ "وہ بے اعتبار آدمی ہے اس طرح کی کسی شرط پر ایمان نہیں لائے گا۔"

"پھر تم ایسی کوئی شرط لا کیوں رہے ہو؟" اسفند انصاری کا سوال بھی بجا تھا۔

"وجہ ہے۔" وہ مسکرایا۔ "باطل کی ایک خامی ہوتی ہے وہ شر کو خود سے ناراض نہیں کر سکتا اگر وہ دس گنہگار دیکھے گا تو گیارہواں خود بنے گا کیونکہ اس کے دل میں خدا کا نہیں لوگوں کا خوف ہے اس معاہدے کے دو شقیں شاہ ویر کا ڈاؤن فال ہیں وہ ایک کو انکار کر سکتا ہے دوسری کو نہیں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس نگاہیں معاہدے پر جما دیں۔ دوسری شرط میں شاہ ویر کو اس کے دس فیصد حصے سے دست بردار ہونا پڑ رہا تھا اور وہ نہیں ہو سکتا تھا۔ موجودہ لمحے میں شاہ ویر اسی شق کو منظور کر رہا تھا وہی جو تباہی کا دوسرا راستہ تھا شداد اپنی جنت تک جانے کو دوسرا راستہ چُن لینے سے بچ نہیں جاتے۔ موت انہیں اسی دروازے پر آنی ہوتی ہے۔

"(شداد کا وہ دوسرا راستہ کیا تھا؟")

"یہی اکاؤنٹ ہے؟" سکرین کے سامنے بیٹھا ایلکس شاہ ویر سے مستفسر تھا۔ وہ پچھلے دو برس سے پاکستان میں تھا کسی سیاست دان کے لیے اس کا "کام" سنبھالتا ہوا۔ دنیا کی نظروں سے مخفی مگر شاہ ویر بنگش اس کی موجودگی سے واقف تھا۔ وہ کراچی سے لاہور صرف اور صرف شاہ ویر بنگش کے لیے آیا تھا۔ "تم شیور ہو یہی اکاؤنٹ ہے؟"

"ہاں میری طہور کے مینیجر کے ساتھ میٹنگ ہوئی ہے یہی ہے۔" وہ مضطرب سا ایلکس کے عقب میں بیٹھا انگلیاں باہم ملائے ہوئے تھا۔ کام تقریباً ہو چکا تھا اب محض رقم کی منتقلی باقی تھی۔ "تم یہ کر لو گے نا؟"

ایلکس نے مڑ کر سرد نظروں سے اسے دیکھا۔ "آج تک کوئی ایسا کام جو میں نہ کر سکا ہوں؟"

(وہ سکرین پر کھٹا کھٹ کچھ کیز دبا رہا تھا میز پر کافی کے تین سے چار خالی مگ رکھے تھے اسلان شجاع یمن کی نگاہیں سکرین سے جڑی ہوئی تھیں۔ اس وقت وہ اضافی سانس لینے کا روادار بھی نہیں تھا۔ پیسہ منتقل ہو رہا تھا، اس کے اکاؤنٹ میں، وہ جہاں جس جگہ کھیل رہا تھا شاہ ویر بنگش کے ابلیسوں کو اس گوشے تک رسائی تھی ہی نہیں۔ اسلان یمن اس کی دنیا کا تیا پانچہ کر رہا تھا۔)

شاہ ویر اسی اضطراب سے اس کے عقب میں آ کر کھڑا ہوا سکرین پر بڑے بڑے لفظوں میں "Transfer in process" لکھا آ رہا تھا۔ تمام نفع، تمام رقم ٹھکانے لگ رہی تھی طہور ملک کا پیسہ واپس کر لینے کے بعد بھی اس کے پاس کروڑوں روپے تھے اتنے کہ وہ کئی سال بغیر کام کیے گزار سکتا تھا۔ اسے کسی اسلان یمن کی ضرورت نہیں تھی، اسے کسی اور انسان کی ضرورت بھی نہیں تھی قسمت، بخت، تقدیر، تاج شاہ ویر کے معتقد مرید تھے اس نے کہا قدموں میں بیٹھ جاؤ تو بیٹھ گئے۔ وہ آج کے بعد بیٹھنے والے تھے۔

"کیا میں ایک بار اور طہور سے اکاؤنٹ کی کنفرمیشن لے لوں؟" عین سمے پر قسمت اس کی طرف آن کھڑی ہوئی۔ ایلکس نے مڑ کر تحیر سے اسے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آیا یہ الفاظ وہ اس وقت کہہ رہا ہے۔

(98% یہاں آکر پراسیس سست ہو گیا تھا۔۔۔۔۔۔بے حد سست۔۔۔۔۔اسلان کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی وہ بنا پلکیں جھپکے سکرین کو تک رہا تھا۔ساکن، بے سانس۔اس کی آنکھیں نیند کے جھونکوں سے بند ہو رہی تھیں، بدن ٹوٹ رہا تھا مگر وہ سکرین پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا شاہ ویر کو یہ ترسیل پوری کرنی تھی، اسے کرنی چاہیے تھی۔)

"پہلی بار اتنا زیادہ پیسہ دیکھ کر بوکھلا رہے ہو کیا؟" ایلکس ہنس کر بولا۔اسفندیار انصاری اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے مسکرایا۔اس مُہرے کو خرید لینا بے کار نہیں گیا۔وہ اس کے لیے کام کر رہا تھا۔زبردست۔

"تم شیور ہو ایلکس؟" وہ اس کاذب پر اعتبار کرتا تھا، غلط کرتا تھا۔

"سو فیصد!" اس نے کوئی بٹن نہیں دبایا بس پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔

(Transfer history complete

الفاظ سکرین پر جگمگائے۔۔۔۔۔۔وہ بدقسمتی کے حلق سے روشن بختی کھینچ لایا تھا۔اس لمحے چار سو کروڑ کی رقم اسلان یمن کے بٹ کوائن اکاؤنٹس میں تھی۔وہ اعداد جنہیں شاہ ویر بنگش کسی اور سے منسلک کیے بیٹھا تھا وہ اپنے اصل کو لوٹ آئے تھے،وہ خود کو مرکزیت گردانے بیٹھا تھا یہاں مصنف نے داستان ہی پلٹ ڈالی تھی۔

نیم روشنی ادھ اجالے میں بیٹھے اس کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ تھی، آنکھیں نم اور بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔وہ کیا تھا، کیا بن گیا تھا، کیا بننے جا رہا تھا اب کوئی حد نہیں تھی۔وہ اس وقت مگرمچھوں کے حلق سے نوالہ چھین کر آیا تھا، دور کہیں اسلان یمن کا دل جانتا تھا وہ کسی دلدل میں دھنس چکا ہے کبھی نہ نکل پانے کے لیے۔مگر اب وہ پلٹ نہیں سکتا تھا۔)

دوسری جانب شاہ ویر بنگش مارے مسرت کے چیخ رہا تھا، کمرے میں یہاں سے وہاں چلتے ہوئے ہنستے اور سر زور زور سے دھنتے ہوئے اسے یہ علم تھا ہی نہیں یہ رقص جشن نہیں، مرگ موت ہے۔

اگلے لمحات ٹوٹے بکھرے تھے وہ ایک رات کامیابی کا جشن منا کر سویا تھا اور اگلی رات اس کے پاس رونے کو ہزار غم تھے۔

★★★★★★★★★★

موجودہ دن!

لعل یمن کے تمام مسائل میں وہ اتنا الجھ گیا تھا کہ اپنے لیے وقت نکالنا بھی دوبھر ہو گیا تھا۔ آج بہت دنوں بعد وہ عبیر کے اسکول میں پیرنٹس ٹیچر میٹنگ میں گیا تھا۔ میٹنگ زیادہ لمبی نہیں چلی ہمیشہ کی طرح ٹیچرز کو اس بچی سے کوئی شکایت نہیں تھی، ہاں البتہ وہ زیادہ دوست نہیں بناتی تھی۔ عالم گردن فخر سے اونچی کیے سنتا گیا۔ عبیر کا ہاتھ تھامے چھٹی کے وقت وہ گاڑی کی طرف جا رہا تھا ساتھ ساتھ اس کی کوئی بات بھی سن رہا تھا جب سامنے سے آتی تاجور بنگش کو دیکھ کر اس کے قدموں کی رفتار سست ہوئی۔ (چند روز قبل جھوٹی گواہی کی بنا پر اس کے ٹرائل کی پہلی پیشی تھی جس میں عالمگیر یمن نے اپنی طرف سے سب معاف کر دیا اور چار روز قبل وہ بھاری جرمانہ ادا کر کے آزاد ہو گئی تھی)۔

راہداری میں ایک دوسرے کو دیکھ وہ دونوں ہی ٹھٹھکے تھے۔ عالم کی مسکراہٹ غائب ہوئی البتہ وہ رکا نہیں آگے بڑھ گیا۔ حسین بنگش کا ہاتھ تھامے کھڑی وہ اداکارہ اپنی جگہ منجمند ہو گئی تھی۔

''لفٹ دے سکتے ہو؟'' اسکول کے باہر وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب اس نے اپنی دائیں طرف تاجور بنگش کی آواز سنی۔ عالم اس کی طرف مڑا نگاہیں خالی تھیں۔

''میں ایک ٹرائل بڑی مشکل سے جھیل کر آیا ہوں اب مزید کی ہمت نہیں رکھتا بی بی۔''

تاج کے دل کو کچھ ہوا۔ ''میں اپنے اس عمل کے لیے شرمندہ ہوں۔''

''تمہاری شرمندگی میرے زخم، اور کیریئر کا داغ نہیں دھو سکتی۔''

"میں بھی ایک ٹرائل دیکھ کر آئی ہوں تم مرد ہو ایک بات کو اتنا کیا دل سے لگا لینا۔"

وہ گردن جھکا کر ہنسا، پھر طیش سے اسے دیکھا۔ "مرد ہو تو رو نہیں سکتے، مرد ہو تو سخت ہونا پڑے گا، مرد ہو تو کمانا پڑے گا، مرد ہو تو کردار پر ہوئے حملے کو برداشت کر کے بھول جانا پڑے گا ایسا کرو تم اس معاشرے کے ساتھ مل جاؤ اور پھر ایک کتاب بنا کر مجھے دے دو جس میں ایک مکمل ہدایت نامہ ہو کہ بحیثیت مرد کون کون سے کام ہم نہیں کر سکتے میں ساری کاپیز اپنے ہم ذاتوں میں بانٹ آؤں گا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" عالم نے گاڑی کا دروازہ بند کر کے اسے دیکھا۔ "میں تمہارے کسی مطلب میں دلچسپی نہیں رکھتا، مسز عبّاس۔" وہ کہہ کر دوبارہ گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔۔۔۔

"میں ابتسام سے طلاق لے رہی ہوں۔" عالم تھم گیا۔ "اس وقت جس سے یہ بات کہتی ہوں وہ مجھے بے وقوف کہتا ہے لوگ کہتے ہیں مجھے اس کے پیر دھو کر پینے چاہیے کیونکہ وہ مجھے اولاد کے بغیر بھی ساتھ رکھنا چاہتا ہے، مجھے کھلاتا ہے، آدھی سے زیادہ جائیداد میرے نام کر رکھی ہے میں لوگوں کو کیسے سمجھاؤں کہ نو سالہ شادی میں وہ مجھے دیمک کی طرح کھا گیا ہے اب میں اسے کچھ نہیں دے سکتی نہ ساتھ، نہ وعدہ، نہ اپنا آپ۔" عالم اسے دیکھ رہا تھا وہ مغموم لگتی تھی۔ "مجھے تم سے بات کرنی ہے عالم میرا کوئی دوست نہیں رہا، اب میرے پاس کوئی فیملی بھی نہیں، پلیز کیا ہم پہلے کی طرح ہو سکتے ہیں؟"

"مجھے تمہاری طلاق کا افسوس نہیں کیونکہ تم اس کے بعد خوش رہو گی لیکن میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا نہ آج، نہ کل اور نہ آئندہ کبھی۔" اس نے اسی دوٹوک لہجے میں کہا جو اس کا خاصہ تھا۔ "میں ایک بیٹی کا باپ ہوں میری زندگی میں پہلے ہی بہت مسائل رہ چکے ہیں میں مزید نہیں چاہتا۔"

"ایک وقت تھا جب ہم دونوں ایک دوسرے کو گھر چھوڑا کرتے تھے۔" وہ سابقہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

”وہ وقت اور وہ عالم کھا گئیں تم، اب میں وہ آدمی رہا ہی نہیں۔“ عالم نے ایک آخری ہمدردانہ نظر سے اسے دیکھا۔ ”تم معافی مانگ چکی ہو اپنے لیے اچھا کیا لیکن میں تمہیں معاف کر کے تمہارے ساتھ گھوم کر مردوں کو یہ مثال نہیں دے سکتا کہ جو عورت بھری کچہری میں تم پر الزام لگائے تم اس کے ساتھ نارمل ہو سکتے ہو۔ کچھ انائیں ہمارے لیے بھی ہونی چاہیے۔“

”تم پتھر ہو، عالم۔“ وہ تکلیف سے بولی۔

”تم ایک غیر عورت ہو تمہارے لیے مجھے یہی ہونا چاہیے۔“

”ہم دوبارہ ساتھ ہو سکتے ہیں دوستوں کی طرح سب بھلا کر ایک بار پھر۔۔۔۔۔“

عالم نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میرے پاس دوست بھی ہیں خاندان بھی۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی اور دوبارہ مجھے کہیں دیکھ لو تو مخاطب نہ کرنا میں بڑا بد لحاظ آدمی ہوں زبان قابو میں نہیں رکھ پاؤں گا۔“ تاج پر ایک آخری نگاہ ڈالتے وہ گاڑی میں آکر بیٹھا، مسکرا کر عبیر کو دیکھا اور گاڑی زن سے آگے بڑھا دی۔

تاجور بنگش گاڑی سے اٹھتے دھوئیں میں وہیں کہیں رہ گئی عالمگیر کے جانے کی کسک آج بھی دل میں ہوک کی طرح اٹھتی تھی۔ آج کے بعد تو واپسی کی امید بھی نہیں تھی کسک رفتہ رفتہ ناسور بننے لگی۔ اور وہ سڑک کے کنارے کھڑی رہ گئی ان کی زندگی مختلف ہو سکتی تھی اگر اس نے اپنے لیے کچھ مختلف چنا ہوتا۔

★★★★★★★★

(اس کے پاس فی الحال کوئی چیمبر نہیں تھا عدالتوں میں چیمبرز حاصل کرنے کے لیے سفارش یا پھر پیسہ چاہیے ہوتا ہے۔ اس کے پاس دونوں نہیں تھے۔ کیمپس آفس کے دائیں طرف احاطے میں کئی وکلاء چھجوں تلے میز، کرسی اور پرنٹر رکھے اپنی دکان سجائے بیٹھے تھے بارشیں اور تیز ہوا ان کے لیے بڑی مشکلیں پیدا کرتی تھیں اور کچہری کے اندر کسی سینئیر کے ساتھ کام کرنا اس سے بڑی مشکل لہذا زیادہ تر وکلاء کیمپس آفس پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں۔

اب بنفشہ احسان بھی ان میں سے ایک تھی کیونکہ اس کے پاس بھی کوئی مقدمہ نہیں تھا۔ وہ اپنی ایک ساتھی وکیل سے بات کرتی ہوئی اپنے سامان میز پر رکھتی جارہی تھی۔ آس پاس ڈھیر سارا غل تھا۔

"میں تو کہتی ہوں فلمیں اچھی ہوتی ہیں وکیل کا ایک کامیاب کیس اسے ہر جگہ مشہور کر دیتا ہے۔" وہ نازیہ سے کہہ رہی تھی۔ لمبی چٹیا کندھے پر آکر گری۔ گال پر جھولتی لٹ اس نے کان کے پیچھے اڑسی۔ "یہاں میں نے اتنا بڑا کیس جیت لیا اور دیکھیں اب ایک بار پھر خالی ہاتھ!"

نازیہ نے ہاتھ جھلایا۔ "ان فلموں نے ہی لوگوں کا دماغ خراب کر دیا ہے عدالتیں اب لوگوں کو فیسینیٹ کرتی ہیں، جیل جانے والے لوگ ان کو پہنچی ہوئی چیزیں معلوم ہوتے ہیں۔ حقیقت میں کتنی خواری ہے کسی کو کیا پتا۔" بنفشہ اس کی بات سے سو فیصد متفق تھی ابھی وہ کوئی جواب دیتی کہ اس نے سامنے سے عالمگیر اور اسلان کو ایک ساتھ آتے ہوئے دیکھا۔ عالم بے زار سا اس سے کچھ کہتا ہوا نظر آرہا تھا جبکہ وہ کولڈ کافی اٹھائے دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کیے گردن ادھر ادھر گھمارہا تھا۔ اس کی نگاہوں نے بنفشہ کو تلاش لیا تو اب ان میں طمانیت آگئی۔ نازیہ نے معنی خیزی سے بنفشہ کو دیکھا، جس کے ہاتھوں کی رفتار سست ہات بھول چکی تھی اور نگاہیں بلا ارادہ اسی طرف لگ گئیں جہاں سفید شلوار قمیص میں کف موڑے وہ اسی طرف آرہا تھا۔

"تمہیں وزٹ کرنے آیا ہے؟" نازیہ کے مسکرا کر پوچھنے پر وہ چونکی، پھر نفی میں سر ہلایا۔

"تاج کو جھوٹی گواہی کے جرم میں سزا لگی ہے اس نے عدالت سے معافی کی اپیل کی ہے اور عالمگیر اپنی طرف سے معاف کرنے کو تیار ہیں کیونکہ وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں بس اسی سلسلے میں آئے ہیں۔" اتنے میں وہ دونوں نزدیک آگئے تھے۔ عالم نے ناپسندیدگی سے بنفشہ کا "دفتر" دیکھا۔ جبکہ اسلان یمن نے ہاتھ میں پکڑی کافی کا کپ بغیر کچھ کہے اس کے سامنے رکھ دیا۔ اور پھر یہ آدمی کہتا تھا وہ اس کی عادتیں خراب نہیں کر رہا۔

”تمہارے اس دفتر کا کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔“ وہ کرسی کھینچ کر میز کے گرد بیٹھ گیا۔ اسلان وہیں کھڑا رہا۔ تنقیدی نگاہیں آس پاس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ”سادات میں کوشش کرو۔“

”سادات آپ کی طرح مجھے گود نہیں لے گا، کوشش کیا کرنی۔“ وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولی تھی۔ ”چائے منگواؤں؟“ عالم نے انکار کیا۔

”اگلے ہفتے عطاء اللہ سہگل سے ملنے چلیں گے مجھے یقین ہے تم انہیں متاثر کرلو گی۔“

”وہ اچھا آدمی نہیں تمہیں ان کا کیس نہیں لڑنا چاہیے۔“ اسلان نے پہلی بار مداخلت کی۔ اس نے جب سے اس آدمی کا نام سنا تھا وہ ہر طرح سے بنفشہ کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اور وہ یہ کیس کیوں نہ لے؟“

”کیونکہ ماضی میں اس خاندان کا ریکارڈ خراب رہا ہے یہ بنگشوں کے دوست بھی رہے ہیں۔“

عالم نے استہزا اسے ہاتھ جھلایا۔ ”اس طرح تو آدھا لاہور بنگشوں کا شناسا ہے سب سے کنارہ کشی کرلیں؟“

”سب سے نہ سہی ان سے کرسکتے ہیں۔“

”پھر تم ایسا کرو کہ اسے کیس لادو کیونکہ وکیل مٹی تو کھا نہیں سکتا۔“

”میں۔۔۔۔۔“ وہ کہہ رہا تھا جب عالم نے اس کی بات کاٹی۔

”جب کوئی خود بے روزگار ہو، تو کام کس طرح کیا جائے کے مشورے نہیں دیتا۔“ اسلان اسے گھور کر رہ گیا، لب بھینچ لیے۔ یہ بے روزگاری اسے اور کتنا ذلیل کروائے گی؟

بنفشہ نے کافی کا کپ اٹھا لیا، البتہ اسلان کی طرف دیکھا نہیں۔ وہ ہر معاملے میں اسلان یمن کی سن سکتی تھی مگر یوں اس طرح اس کی گٹ فیلنگز کی سنگینی کے چلتے وہ کوئی کیس ٹھکرانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے ٹھکرانا چاہیے تھا۔)

★★★★★★★

شاہ ویر بنگش اپنے اپارٹمنٹ سے جس سمے آشیانہ بنگش پہنچا اس وقت آدھی رات ہو چکی تھی۔ ہوائیں تیز تھیں درخت ایک جانب کو ڈھلکے جا رہے تھے، آندھیوں کا شور بلند تھا۔ ایسا ہی ایک طوفان اس کے اندر بھی تھا۔ وہ دو دنوں سے پاگلوں کی طرح ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ چکا تھا کوئی طریقہ کارگر ثابت نہیں ہوا تھا کچھ بھی اس کے حق میں نہیں جا رہا تھا۔

وہ سیدھا تمکنت بنگش کے کمرے میں آیا بوڑھی اداکارہ پلنگ سے ٹیک لگائے فرش پر بیٹھی تھی۔ وہ اب تک بنفشہ کے کیے ہوئے انکشاف سے سنبھل نہیں سکی تھی۔ طلال بنگش سے اس کی محبت کوئی فریب اداکاری نہیں تھی۔ متوحش چہرے والا شاہ ویر بغیر اس کی طرف دیکھے الماری کے اندر بنے لاکر تک گیا، پاس کوڈ ڈالا اور چند کاغذات نکالے چند پل بعد وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی ماں سے اس کی اس حالت کی وجہ نہیں پوچھی، اس نے ایک مرتبہ بھی اس کی تکلیف کا سرا نہیں جاننا چاہا۔

”یہ سائن کریں مام۔“ اس کی آواز بے لچک اور سرد تھی۔ تمکنت نے خالی خالی نگاہیں اٹھا کر اسے تکا۔ ان میں کرب تھا، تکان تھی، شکوے تھے، ملال تھا۔ شاہ ویر ٹھٹھکا۔ ”کیا ہوا ہے آپ کو؟“ وہ رکا۔۔ ”یہ فارم ہاؤس کے کاغذات ہیں پلیز انہیں سائن کر دیں ابھی مجھے ضرورت ہے میں اسے گروی رکھ رہا ہوں۔ ایک بار وہ سارا پیسہ ٹریک ہو جائے میں آپ کو سب واپس کر دوں گا۔“

وہ اسے دیکھتی رہی، دو آنسو ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بہہ گئے۔ ”کیا کیا واپس کرو گے؟“

”سب۔۔۔۔ فارم ہاؤس بھی، کارخانہ بھی، بحریہ والے دونوں بنگلے سب۔۔۔۔۔۔“

”طلال بھی؟“ ملال و آزردگی سے پوچھا۔ شاہ ویر جہاں تھا وہیں جم گیا۔ برف کا کوئی بت ہو جیسے۔

"کہو ویر۔۔۔۔۔۔ کیا تم مجھے میرا طلال بھی واپس کر دو گے، کیا تم اسے زندہ کر سکتے ہو؟" اس کی رنگت سفید پڑ گئی۔ تمکنت روتی گئی۔ پہلے ہلکی آواز میں پھر بلند اور پھر چیخوں کے ساتھ۔ شاہ ویر نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ ناسور چھیڑا گیا تھا تکلیف سارے جسم میں سرایت کر گئی۔

شاہ ویر سنبھلتے ماں کے سامنے دوزانو ہوا۔ روتی ہوئی عورت نے اس پر دھیان نہ دیا۔ "مام یہ سب اسلان کی وجہ سے ہوا ہے میں نے کچھ نہیں کیا اس نے بابا کو میرے خلاف کیا تھا اس نے۔۔۔۔۔۔۔" تمکنت نے پہلی بار ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔

"اپنی سیاہ کاریاں اسلان پر تھوپنا چھوڑ دو خنزیر۔"

شاہ ویر گال پر ہاتھ رکھے بے یقینی سے اسے دیکھے گیا۔ ساکت صامت۔ "مام....." اس کے حلق سے بس ایک لفظ برامد ہوا۔ متحیر، بے یقین۔ "میں.... آپ..... کا بیٹا ہوں۔"

"تم انسان نہیں جانور ہو اور یہ جانور میں نے تمہیں بننے دیا کاش.... کاش میں نے طلال کی بات مانی ہوتی کاش میں نے تمہیں روکا ہوتا، کاش تم واقعی مر گئے ہوتے اور طلال کا اچھا بیٹا زندہ رہ جاتا کاش زید بچ جاتا۔" وہ روتے چیختے ہوئے ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔ شاہ ویر بے دھم تھا۔ وہ کچھ کہہ ہی نہیں پایا۔

"تم نے اپنے باپ کو مار دیا، شاہ ویر! کوئی اپنے باپ کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے کوئی اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے میں محبت کرتی تھی طلال سے، میں آج تک اس تکلیف سے باہر نہیں آ سکی تم........ تم نے میری محبت تباہ کر دی وہ میرا شوہر تھا میری زندگی کا سب سے بہترین انسان۔" وہ متوحش سی اٹھی اور کوئی بھاری شے اٹھا کر اسے مارنی چاہی جب شاہ ویر نے حملہ اپنے بائیں ہاتھ سے روک لیا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی کوئی خالی پن سا تھا۔ وہی خالی پن جس سے طلال خوف کھاتا تھا۔

"میں بھی دادا سے پیار کرتا تھا لیکن جب مار دیا تب تو آپ نے ہی کہا کہ بقا ضروری ہے۔ اسلان دوست تھا میرا لیکن آپ نے کہا کامیابی ضروری ہے۔ پنار ایک بے ضرر لڑکی تھی لیکن آپ نے پھر کہا اٹس اوکے اور اب جب آپ کی دو ٹکے کی محبت درمیان آئی تو شاہ ویر بنگش ظالم ہو گیا؟" وہ آخر میں بولا نہیں غرایا تھا۔ "میرے دادا، میرا دوست، ایک انسان وہ قتل ٹھیک تھے اور آپ کے شوہر کا مر جانا غلط؟"

"تم ہمیشہ سے ایسے تھے bloody psychopath" اس نے شاہ ویر بنگش کے منہ پر تھوکا۔ وہ لمحے بھر کے لیے بالکل جم گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کے اندر غیض و غضب کا کوئی طوفان سا اٹھا اس نے تمکنت کو گردن سے دبوچ کر اس کا سر دیوار میں مارا۔ بالکل ویسے جیسے انار اطارون، بالکل ویسے جیسے پنار سکندر۔ جس شیطان کو سیاہ عملی سکھائی تھی وہ اب وہی سیاہی اسے لوٹا رہا تھا کوئی گلہ بنتا تھا کیا؟

"آپ کی کوئی اوقات نہیں تھی کہ ڈیڈ آپ کو اس گھر میں لاتے۔ ایک بنگش کی بیوی بنا کر انہوں نے احسان کیا تھا اور اب آپ اسی آدمی کے بیٹے پر ہاتھ اٹھائیں گی، آپ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گی؟" اس کے منہ سے کف نکل رہا تھا۔ تمکنت کی گردن پر اس کی گرفت آہنی تھی یہ انجام تھا اس عورت کا، اس انسان کا جس نے شر کو روکنے کی بجائے اس میں ساتھ دیا تھا۔ "دو ٹکے کی اوقات نہیں ہے آپ کی اور آپ میرے منہ پر تھوکیں گی؟"

"میں تمہاری ماں ہوں، شاہ ویر۔"

"آپ میرا خدا ہوتیں تب بھی مجھے کوئی فرق نہ پڑتا تمام۔ میں اس کے خلاف ہوں پھر آپ کیا شے ہیں؟" اس نے اسی طرح گردن سے پکڑ کر اسے واپس پلنگ پر بٹھایا چند کاغذات اس کے سامنے رکھے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دھڑا دھڑ سائن کروائے۔ جب تک اس کا پیسہ ٹریک نہیں ہو جاتا وہ ان سب چیزوں کو گروی رکھنے والا تھا۔ بھاڑ میں جائیں تعلقات، جہنم میں جائے یہ ماں۔

تمام دستخط لے کر اس نے کاغذات دیکھے طلال بنگش کی تمام تر جائیداد تمکنت بنگش کے نام تھی اپنے نام کچھ بھی کرواتے ہوئے اسے کئی ماہ لگ جاتے لہٰذا وہ اسی کے دستخط لے کر جا رہا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے ایک نظر تمکنت کو دیکھا۔ جو پتھر کا بت بنی بیٹھی تھی۔ شاہ ویر نے اس پر ہاتھ اٹھایا؟

”آج ہم دونوں ایک مقام پر آ گئے مام۔ آج ہم دونوں محبت سے خالی ہیں۔ امید ہے اب آپ میری تکلیف محسوس کر پائیں گی۔ آج آپ کو اندازہ ہو گا کہ آراہ کو کھو کر میری زندگی کیا ہے۔“ وہ کہہ کر چلا گیا اس کے عقب میں بیٹھی عورت بے حس و حرکت تھی۔ اس کی زندگی پر مکمل جمود طاری تھا۔ یہ وہ بیٹا نہیں تھا جسے خون جگر پلایا تھا......یہ وہ تھا جسے سیاہ اعمال سکھائے تھے۔

★★★★★★★★

(”لاش سفید حویلی کس طرح منتقل کرنی ہے؟“ اسفند کی لاش سے قدرے فاصلے پر کھڑا یافث ہلکی آواز میں مستفسر تھا۔ خون کا تالاب سفید رگ پر پھیل رہا تھا۔ ”مجھے ڈر لگ رہا ہے کہیں کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔“

”زیادہ سے زیادہ کیا مسئلہ ہو گا یہ کہ خودکشی نہیں قتل ثابت ہو گا؟ میں قتل قبول کرنے کو تیار ہوں۔ اور تم ابھی سے حواس مت کھو ابھی ایک پوری منزل باقی ہے۔“ سہراب نے اسے جھڑکا۔ وہ خاموش ہو گیا مگر اس کا اضطراب کسی صورت کم نہیں ہوا۔ اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھا اسلان اب تک اپنے جذبات نہیں سمجھ پا رہا تھا وہ اس کا محسن تھا، غنیم بھی............کون سا احساس تھا جو اسے محسوس کرنا چاہیے تھا؟)

رابعہ پرویز کی وہ ایک ویڈیو پورے سوشل میڈیا پر آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ اس نے اپنی ویڈیو میں تمام نام لیے تھے، ہر چہرہ، ہر نام، مکمل کہانی کے ساتھ سکرین پر موجود تھا۔ سوائے شاہ ویر بنگش کے، اس کے نام کی جگہ "تمکنت" کے لوگ نامی لفظ استعمال کیا گیا تھا۔

انتخابات میں محض دو ہفتے باقی تھے صرف اور صرف دو ہفتے روبینہ انصاری، اور اس کی سیاست پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔ وہ اڑی اڑی رنگت لیے پارٹی دفتر سے اٹھی، تمام ورکرز، عہدے دار سب اسے دیکھ رہے تھے۔ تمام چہ میگوئیاں اس کے متعلق تھیں، تمام باتیں اس کی۔ وہ پارکنگ ایریا کی جانب جانے لگی۔ گاڑی میں اس کا سانس گھٹ رہا تھا، کامیابی کے اتنے نزدیک آ کر کوئی اس سے اس کی متاع حیات نہیں چھین سکتا تھا اس کے پاس سہراب کی ویڈیو تھی، اس کا بیان تھا وہ اس وقت اسے تباہ کر سکتی تھی اور وہ کرے گی۔

وہ گھر پہنچ کر اندر کی جانب بھاگی۔ اسے لاکر سے وہ ثبوت لانے تھے۔ اسے وہ ویڈیو چاہیے تھی اگر وہ ڈوبی تھی تو اکیلے نہیں ڈوبے گی۔

اسفند کے کمرے میں دو لوگ موجود تھے اسکرب، دستانے اور سرجیکل ماسک پہنے ہوئے اسلان یمن اور سہراب، یافث اور عالم یہاں تک نہیں آئے تھے۔ سہراب کو کوئی حیرت نہیں ہوئی جب اسلان گاڑی میں لاش رکھوانے، اور کمرے میں پلانٹ کرنے تک اس کے ساتھ رہا۔ سہراب نے ایک مرتبہ بھی اس کے ماتھے پر کوئی شکن نہیں دیکھی، ایک لمحہ ایسا نہیں تھا جس میں وہ گھبرایا ہو۔

اسفند کے کمرے کو عقبی حصے سے بھی داخلہ حاصل تھا وہ دونوں رات کے اندھیرے میں اسی حصے سے داخل ہوئے، دروازے پر روبینہ کے وعدے کے مطابق کوئی بھی نہیں تھا۔ ان دونوں نے اسٹریچر سے اٹھا کر اس کا وجود پلنگ پر منتقل کیا، سفید رگ جس پر تازہ تازہ خون جمع تھا اسے واپس اسی طرف نیچے بچھایا، پینٹنگ اپنی سابقہ جگہ پر منتقل کی اور اب............ اب باری تھی اپنے مُہرے استعمال کرنے کی۔

سہراب موبائل کان سے لگائے کھڑا تھا۔ "کیس تمہیں ملے گا، عاصم یہ موقع ہے تم اس خاندان سے اپنے بھائی کی موت کا انتقام لے سکتے ہو۔" یہ وہی افسر تھا جس نے کال کر کے اسفند کو گھر بلایا، وہی جو قتل میں برابر کا شریک تھا، وہی جو سہراب کا بیچ میٹ تھا اور وہی جس کے بھائی کو اسفندیار انصاری نے اپنی فیکٹری میں گولیاں ماری تھیں۔ ٹرک ڈرائیور، دلاور خان۔

وکٹمز مر کھپ جاتے ہیں، ان کا خاندان نہیں۔ اسفندیار انصاری اس بات کو بھول گیا تھا۔

وہ کئی گھنٹوں سے اس کمرے کے فرش پر پڑی تھی۔ رئیس اور نایاب گھر پر نہیں تھے اس کا خیال رکھنے والا نرم بیٹا شاہ زید اب نہیں تھا، تاج اس کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی اور وہ جسے نوچنا سکھایا تھا اسے ماس کی ضرورت پڑی تو اب تمکنت کا لحاظ بھی چھوڑ دیا۔ اس کی گردن پر شاہ ویر کی انگلیوں کے نشان اب بھی تھے ماتھے سے بہتا خون خشک ہو چکا تھا اور اب یہاں بیٹھے ہوئے اسے طلال یاد آرہا تھا۔ بے حد، بے تحاشہ۔

”تم بچے کو جو سکھاؤ گی وہ وہی لوٹائے گا، تمکنت اسے نیکی سکھاؤ۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

”مجھے اس کی آنکھوں سے خوف آتا ہے۔“

”اس کے ذہن میں لالچ مت ڈالو، کیونکہ لالچ بڑھنے والا پودا ہے یہ اس کے دل میں جڑیں ڈال دے گا۔“

”وہ اسپیشل نہیں ہے، اسے الگ مت بناؤ۔“

”اپنی اولاد کو رحم سکھاؤ۔“

اس نے کبھی طلال کی کوئی ایک بات بھی نہیں مانی تھی آج اس کی باتیں حقیقت کے تھپڑ کی طرح پے درپے اس کے چہرے پر لگ رہی تھیں۔ بھیڑیا اپنا ماس نوچنے لگا تب جا کر اس کی سفاکی کا خیال آیا مگر اب روک تھام کہاں، اب ہر طرف بس خون تھا، لوتھڑے تھے اور بس۔

کئی افراد کے دھڑا دھڑ زینے طے کرنے کی آوازیں آئیں، شور سا شور ہر طرف پھیل گیا اس کا دل سکڑ کر پھیلا۔ وہ بھاگ جانا چاہتی تھی، چلانا چاہتی تھی۔ مگر اس کے اندر خاموشی تھی گہری مہیب خاموشی۔ وہ اسی طرح بے حس، بے جان سی فرش پر پڑی رہی۔ آج وہ اسے مار گیا تھا اب سے تمکنت بنگش سانسیں لے سکتی تھی جینا اب کہاں، اس کے پاس طلال نہیں تھا اب کیسی زندگی؟

”کوئی تمہیں میری نظر سے دیکھے تمکنت۔“

”بچے؟ میں تمہیں جھریوں کے ساتھ بھی قبول کر سکتا ہوں، معذوری کے ساتھ بھی، اور مسائل کے ساتھ بھی۔“

اس کی آواز، وہ آواز اب بھی یہیں کہیں تھی۔ اس کی خوشبو اس کا نرم گرم سا حصار وہ اب بھی اس کے گال، گردن، ماتھے پر موجود تھا آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے پچھتاوے گہرے، مزید گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ مر گیا تھا یہ اذیت تھی وہ قتل ہوا تھا یہ ناسور۔

بوٹوں کی آواز اب راہداری سے کمرے کے قریب آنے لگی اور پھر سب کچھ سست رفتار ہوا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے گرفتاری دی افسر اس سے کچھ کہہ بھی تو رہا تھا کیا؟

”آپ کو جوہر فور زیرو........ قتل.......... گرفتار......؟“ کیا کہہ رہا تھا وہ اسے طلال کے علاوہ تو کوئی آواز سنائی ہی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پر کچھ سخت اور کھردرا تھا مگر اسے تو اب بھی شاہ ویر بنگش کا وہ سخت لمس محسوس ہو رہا تھا۔ وہ گرفتار ہو چکی تھی، زندہ سلامت مگر وہ اندر سے مر گئی تھی، ختم خالی۔

کروڑوں روپوں کے اس محل سے جب اسے گرفتار کر کے لے کر جایا جا رہا تھا تب اس کا کوئی سیاہ عمل کام نہ آیا، بنک میں ڈھکا پیسہ بے کار، اس کی اولاد؟ تمکنت نے گردن پھیر کر دیکھا۔ کوئی نہیں، کوئی بھی تو نہیں تھا۔ وہ جو رہی سہی امیدیں تھیں وہ بھی خاک ہوئیں۔

(”کوئی کچھ کر کیوں نہیں رہا؟“ یہ سوال عالمگیر کا تھا وہ چند گھنٹوں سے ٹی وی دیکھ رہا تھا اسفند کی حقیقت جان لینے کے بعد اس کی اپنی عوام ہی اس کے خلاف ہو گئی تھی، وہ جو اس پر جان نثار کرتے تھے وہ آج اس پر تھوک رہے تھے، پورے ملک میں آگ سی آگ پھیل گئی تھی اس کا قتل اب قتل نہیں "کارما" کے طور پر پیش ہو رہا تھا۔

”کوئی کچھ نہیں کرے گا شیطان کی موت پر واویلا نہیں ہوتا۔“

”اسفند کے سیاسی حریف کیا کریں گے؟“ اگلا سوال یافث کا تھا۔

اسلان یمن نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ ”سیاست کریں گے۔ ہمیں صرف لاش دینی تھی اب اس پر سیاست کرنے والے بہت، اس پر تنقید کرنے والے بھی بہت، اسے کوسنے والے تو لاتعداد اور اس پر سیاست کرنے کو صمد مزاری باقی ہے۔ یقیناً وہ اگلے انتخابات جیتنا چاہے گا۔“

دوسری طرف اس کا بیانیہ سچ ہو رہا تھا۔ دوسری جماعت بڑھ چڑھ کر الزام لگا رہی تھی سوشل میڈیا پر کئی صارفین اس کے خلاف ویڈیوز پوسٹ کرتے نظر آ رہے تھے۔ ”خودکشی ہی لگنی چاہیے، عاصم۔“ اسفندیار انصاری کی لاش ایمبولنس میں ڈال کر وہ جس وقت ہسپتال کو نکلا اس وقت اسے فون موصول ہوا۔ اسفند کے سیاسی حریف صمد مزاری کا فون۔

”کیا وہ یہ سب ڈیزرو کرتا تھا؟“ عالم کسی سوچ کے تحت بولا، وہ اب تک اس ایک لمحے سے نہیں نکل سکا تھا۔

”جن لوگوں کا قتل اس نے کیا کیا وہ لوگ یہ سب ڈیزرو کرتے تھے؟“ اسلان نے ترکی با ترکی سوال کیا۔ ”اسفند نے جو بویا اسے وہی کاٹنے کو ملا ظالم کے لیے دل میں رحم مت لاؤ۔ یہ مظلوم کے ساتھ ناانصافی ہے۔“ عالم کئی لمحے شل رہ گیا۔

”ثبوت کہاں ہیں ساری تصویریں لاؤ لاش پلانٹ کرتے وقت کی۔ وہ آڈیو لاؤ، ویڈیو لاؤ، سب لاؤ۔“ وہ چیخ رہی تھی ہذیانی انداز میں بک رہی تھی اس کے سامنے کھڑی اس کی ملازمہ جیسے بے اثر تھی۔ اس کی ٹھنڈی آنکھوں میں کوئی سفاک سا تاثر تھا۔ زنانہ تھری پیس میں ملبوس بال کستی سے باندھے وہ خاموش کھڑی تھی۔

”میں تباہ کر دوں گی اسے میں ختم کر دوں گی میرے بیٹے کو مارا ہے اس نے ثبوت لاؤ۔“

”وہ محض پندرہ سال کا تھا، مسز انصاری۔“ اس کی آواز میں زمانوں کا رنج تھا۔ ”میرا بیٹا صرف اور صرف پندرہ سال کا تھا جسے آپ کے بیٹے نے قتل کیا اس روز مال روڈ سے چھ نہیں سات لاشیں ملتیں اگر میرے بیٹے کو آپ کے پالتو جانوروں کا نوالہ نہ بنایا جاتا۔“ ابراہیم کے قتل سامنے کھڑی ملازمہ کا خسارہ تھے۔

روبینہ تھم گئی، وہ ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔ عورت کی نگاہوں کا سرد پن ویسا کا ویسا رہا۔ ”کوئی تصویر اب باقی نہیں، کوئی ریکارڈنگ نہیں بچی یہ وقت زوال ہے اس سے بچاؤ نہیں ہے میڈم۔ جس طرح آپ میری اولاد نہیں بچاسکیں اس طرح آج آپ کی بھی نہیں بچی۔ ہم دونوں اب ایک ہوئے۔“

اس نے آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچا، تھپڑ مارے، گالیاں دیں وہ پاگل ہو رہی تھی اس پر ہذیان کی کیفیت طاری تھی۔ اسے کیوں لگا تھا اس کا کیا کبھی پلٹ کر نہیں آئے گا، اسے یہ کیوں لگا تھا کہ ظلم کبھی نہیں مٹتا۔ وہ ہواؤں میں رہ جاتا ہے اور اس کا بدلہ کبھی نہ کبھی برستا ضرور ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہی ملازمہ سحر اب یمن کے نمبر پر پیغام بھیج رہی تھی۔ ”مجھے موقع دینے کے لیے شکریہ۔“

سکرین کے دراز شدہ حصے میں قصہ گو اور اس کی قاری کی شبیہہ ابھر رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک عجیب طرح سے خاموش رہی، بہت دیر بعد اس نے پوچھا۔

”ابلیس کا زوال کیسا ہو گا، اسلان؟“ سوال ایسا تھا کہ وہ بہت دیر تک ہل نہیں سکا۔

”اسے اللہ آگ میں جلائے گا، یا پھر اس کے ذرے ذرے ہوں گے یا پھر اللہ اسے کوئی سزا نہیں دے گا اور ....اور اس کی سزا یہ ہو گی کہ خدا اس سے بے نیاز ہو جائے گا؟“ اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ”وقت کے ابلیسوں کا زوال دیکھ مجھے "اس" ابلیس کا خیال آتا ہے۔ جو ان سب سے بڑا شر پسند ہے، جس نے خدا سے دشمنی پالی ہے۔“

”ابلیس اکیلا نہیں ہوتا اس کے کئی چھوٹے اور بڑے روپ ہوتے ہیں۔ جب ایک کا زوال آتا ہے تو باقی بڑے اور چھوٹے متحرک ہو جاتے ہیں، شر کے گٹھ جوڑ کو بقا نہیں یہ آگ کا بنا ہوتا ہے اور کوئی بھی ہاتھ زیادہ وقت تک اس حدت کو برداشت نہیں کر پاتے۔ روبینہ انصاری کے متحرک مہرے اس کے ملازم تھے اور تمکنت بنگش اپنے جنم دیے ابلیس کے ہاتھوں ماری گئی۔“

خاتون اہلکاروں نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا وہ بے یقینی سے چیختی چلاتی گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی۔ اسے لگا تھا شیطان کے پیروکار اولاد کی قربانی دینے کے بعد بقا پا لیتے ہیں مگر اس کے تمام بھرم ضائع ہو گئے۔ باطل کو زوال تھا، ہے اور رہے گا بقائیں ان کے بخت سے حذف شدہ۔

یکساں کوٹھڑیوں میں بیٹھی دونوں عورتیں اپنے اپنے کیے کو جھیل رہی تھیں۔ باطل کو ہر دور میں مٹنا ہی ہوتا ہے وہ یہ کیوں بھول گئی تھیں؟

★★★★★★★★★

گھر واپس آنے کے بعد یہ اس کا ڈاکٹر کے ساتھ چوتھا اپائنٹمنٹ تھا۔ اب وہ کچھ چل پھر سکتی تھی۔ بازو کی پٹی اتر چکی تھی، البتہ پسلیوں کے گرد اب بھی بندھی ہوئی تھی۔ چہرے کے زخم کافی حد تک مندمل ہو کر سانولی رنگت کو مزید گہرا کر گئے تھے۔ اس کے لب سیدھی لکیر کی مانند بند تھے اور وہ سامنے خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ عالم گاڑی چلاتے ہوئے گاہے بگاہے اس پر ایک نظر ڈال لیتا تھا۔

”میرے جاننے والوں میں ایک اچھے سائیکا۔۔۔۔۔“

”میں پاگل نہیں ہوں۔“ اس نے عالم کی بات کاٹتے غرا کر کہا۔

”ثمن کی ڈیتھ کے بعد میں نے تھیراپی لی تھی کیا میں پاگل تھا؟“ آراہ نے بس تنفر سے اسے دیکھا کہا کچھ نہیں۔ ”جس طرح تمہارا جسم زخمی ہو سکتا ہے اسی طرح دماغ بھی زخمی ہو سکتا ہے اور اسے تمہارے بھائی کی ٹیبل ٹاک ٹھیک نہیں کر سکتی۔“ وہ قدرے تلخی سے بولا۔

”آپ مرد ہیں۔“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہتے ہوئے شال خود کے گرد اچھی طرح اوڑھی۔ بھنویں بھینچ لیں۔ ”میں عورت ہوں میں تھیراپی نہیں لے سکتی میری ساری زندگی تباہ ہو جائے گی۔“

عالم نے ایک کونے میں گاڑی روک دی۔ چہرہ اس کی طرف موڑا۔ وہ اس سب سے تنگ آگیا تھا۔ ”کس طرح؟ تمہاری زندگی تھیراپی لینے سے کیسے تباہ ہو گی؟“

آراہ نے جھلملاتی آنکھوں سے اسے دیکھا اس کے لب کپکپا رہے تھے۔ ”لوگ مجھے جج کریں گے میری کبھی شادی نہیں ہو سکے گی میرا کیریئر ختم ہو گیا ہے اور ۔۔۔۔۔۔۔“ اس نے اپنا ایک ہاتھ عالم کے آگے کیا۔ ”میرا اعتماد، میرے اسکلز، میرا لہجہ اور میری ساری زندگی اس ایک حادثے نے سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔“

”دوبارہ تعمیر کر لیں گے۔ تم ماں کے پیٹ سے سب سیکھ کر نہیں آئی تھیں تم نے یہ سب حاصل کیا ہے دوبارہ کر لو گی۔ یہ جو تمہارے اندر ہے نا یہ rage اور agony ہے اسے دو طرح سے ختم کیا جا سکتا ہے پہلا معاف کر دو، دوسرا۔“ اس کی آنکھیں پل بھر میں بدل گئیں۔ ”تباہ کر دو۔“

”آپ ہوتے تو کیا کرتے؟“

”ہر انسان کی تعمیر مختلف ہوتی ہے۔ میں نے تاج کو معاف نہیں کیا مگر اپنی زندگی دوبارہ تعمیر کر لی تھی اس نے مجھے اندرونی زخم دیے تھے میری تعمیر بھی وہی رہی۔ تمہارے زخم مختلف ہیں تم بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟“

وہ ٹھہر گئی۔ بہت دیر تک کچھ نہیں بولی۔ ”میں چاہتی ہوں چاہے اس کی زندگی میں میری زندگی جتنی مشکلات نہ آئیں مگر کم از کم اس "جمود" کا مطلب سمجھ آئے۔ زندگی کا رک جانا وہ بھی دیکھے، جو آگ میرے اندر ہے وہ اسے بھی لگے۔ انتقام میرا حق ہے میں کیوں معاف کروں؟“

”میں سمجھ رہا ہوں تم کیا چاہتی ہو اور یہ ہو گا کیسے؟“

”میں اس پر ایف آئی آر درج کروانا چاہتی ہوں۔“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”میں چاہتی ہوں ساری دنیا کو پتا چلے اس نے کیا کیا ہے۔“

"کس پر شاہ زید بنگش، یا پھر شاہ ویر بنگش؟ کبھی یہ سوچا ہے اس سرکاری کاغذ پر کیا نام آئے گا اور اگر تم اصل نام دو گی تو قابل اعتبار کیسے کہلاؤ گی اگر جھوٹا نام دو گی تب تم ایک مظلوم کا نام کس طرح صاف کرو گی؟"

"جس نام سے وہ جی رہا ہے میں وہی نام خراب کروں گی۔ میں سوشل ورکر ہوں ہم وہ کہتے ہیں جو دیکھتے ہیں وہ کہانی کار تھا اپنے بھائی کا نام اگر وہ خراب کرنا چاہتا تھا تو یہ اس کی مرضی تھی۔" وہ اس وقت اپنے علاوہ کچھ اور نہیں سوچ رہی تھی۔

"او کے اس کے علاوہ کوئی اور مسئلہ؟"

"سہراب چاچو۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "وہ کہتے ہیں عورتیں تھانے نہیں جاتیں۔"

"عورتیں پھر حق لینے کہاں جائیں یہ نہیں پوچھا تم نے؟" عالم بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ "نبی کریم ﷺ سے لے کر خلفاء راشدین تک کے زمانے میں اوپن کورٹس لگتے تھے اور عورتیں وہاں آ کر اپنے مسائل بتاتی تھیں۔ یہ مردوں کی عورت کو حق لینے سے باز رکھنے کی ایک نئی تخریب ہے کہ عورتیں کورٹ نہیں جاتیں، عورتیں تھانے نہیں جاتیں، عزت دار عورتیں گھر رہتی ہیں کچہریوں کے دھکے نہیں کھاتیں۔ عزت جنس سے مشروط نہیں جو کام ایک جنس کے لیے غلط ہے وہ دوسری کے لیے بھی غلط ہے۔ اگر عزت دار عورتیں کچہری نہیں جاتیں تو کچہری اچھی جگہ نہیں ہوئی۔ اور اگر ایسا ہے تو کیا کچہری میں کھڑے سارے مرد بے عزت ہیں؟" وہ چپ رہی کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

"میں چاچو سے ایسے بات نہیں کر سکتی۔"

"میں کر سکتا ہوں عالم کسی کے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ اور تم ...... تم بچہ ہو میرا۔ شاہ ویر اب دیکھے گا اس کے ساتھ ہوتا کیا ہے ہم ابھی تھانے جا رہے ہیں۔" اس نے گاڑی دوبارہ سٹارٹ کی اور سڑک پر ڈال دی۔ وہ سہراب سے بے خوف تھا۔

”وہ ناراض ہو جائیں گے، عالم چاچو۔“

عالم نے ہاتھ جھلایا۔”جب ہم چھوٹے تھے اور میں پھڈا کرتا تھا تب یہ مجھے منع کرتا تھا میں اس کی منتیں کرتا تھا کہ فلاں کو مارنے میرے ساتھ چلو یہ نہیں جاتا تھا مگر جب میں جا کر دو ہاتھ لگا کر آتا تھا تب یہ میرے پیچھے کھڑا ہوتا تھا۔ یہ ٹیڑھا آدمی ہے مجھے اس کو ہینڈل کرنا آتا ہے۔ ہم پھڈا ڈالیں گے یہ پیچھے ٹھہرے گا۔“

”آپ چاہے اپنے بھائی کو شامل نہ کرو میں اپنا بھائی بلاؤں گی۔“ اس نے کچھ سوچ کر کہتے ہوئے اسلان یمن کو پیغام لکھا۔ اسے یقین تھا وہ آئے گا، اسے آنا تھا وہ آراہ کے لیے آجاتا تھا۔ ان دونوں کو اپنے بھائیوں پر اعتبار تھا، بس ذرا طریقے مختلف تھے۔

★★★★★★★★★

(اس نے سیاہ گول گلے والی شرٹ کے اوپر فراری جیکٹ پہن رکھا تھا۔ بال سلیقے سے جمے تھے اور شیو بڑھی ہوئی تھی۔ نقد کے چند بستے گاڑی کی پچھلی نشست پر رکھے وہ آج اپنی نصف جائیداد گروی رکھ کر آیا تھا۔ اسے پیسہ دینا تھا اسے مرنا نہیں تھا ایک بار اسے وقت مل جائے گا، وہ اسلان یمن کو دیکھ لے گا۔

نائٹ کلب کے داخلی راستے سے اندر کو جاتے ہوئے آج اس کے چہرے پر وہی بے زاری تھی جو کبھی اسلان یمن کے چہرے پر ہوا کرتی تھی، وہی بے بسی اور وہی طیش محض مرکزیت بدلنے کی دیر تھی شاہ کسی گداگر سے بدتر ہو چکا تھا۔ اسے چند لوگ ایک کمرے میں لے آئے وہاں جہاں وہی چار سے چھ لوگ موجود تھے جو چند روز قبل اس کے گھر آئے تھے، اسے مارا پیٹا دھمکیاں دیں۔ وہی جنہوں نے ہر دن اسے زچ کیا، ذلیل کیا آج وہ انہیں "ان" کا پیسہ لوٹانے آیا تھا۔

آج وہ یہاں سے آزاد ہو کر نکلنے والا تھا۔)

وہ اندھا دھند گاڑی چلا کر تھانے پہنچا تھا جہاں عالم کی گاڑی رکی تھی۔ اسلان باہر نکلا گاڑی کا دروازہ اسی طرح ادھ کھلا تھا دوسری طرف اس کے ساتھ مدیحہ نکل کر باہر آئی وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر اندر کی طرف بھاگا۔ احاطے میں آراہ عین اس کے سامنے تھی۔ عالم اس کی دائیں طرف بیٹھا تھا اسلان اس تک آیا، اس کی آنکھوں میں تفکر تھا اس نے آراہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا کیا اور ایک کینہ توز نگاہ عالم پر ڈالی وہ تو جیسے اب کانپنے والا تھا نا؟ ہاہ۔

مدیحہ ذرا سے فاصلے پر رک گئی۔ آگے جانے کے لیے ہمت درکار تھی جو فی الحال وہ خود میں نہیں پاتی تھی۔ انارا کو ذرا فاصلے پر لا کر اسلان نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے۔ "اس دنیا میں تمہارا مجھ سے بڑا حامی کوئی نہیں ہے تمہیں لگتا ہے میں تمہیں کبھی پیچھے کروں گا صرف اس لیے کیونکہ تم ایک لڑکی ہو؟"

آراہ نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ "اللہ نے آراہ کو بہن نہیں دی کیونکہ آراہ کو اسلان دے رہا تھا۔ لیٹ می فکس دس تم ہٹ جاؤ میں سب دیکھ لوں گا۔"

"اس بار مجھے کرنے دو میں سکون سے نہیں رہ سکوں گی، اسلان۔ جو ذلت، جو تکلیف جو آگ میرے اندر ہے جب تک وہ آگ اسے نہیں جلا دیتی میں آزاد نہیں ہو سکتی۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہی تھی۔

"خود پر ہوا ظلم ظالم کو سزا ملنے کے بعد بھی نہیں بھولتا یہ تمہاری آزادی نہیں ہے تم اس دلدل میں مزید دھنس جاؤ گی۔ تم محض جلد بازی سے کام لے رہی ہو۔"

"میں نے عالم سے کہا تھا میں اپنے بھائی کو بلاؤں گی اور وہ میرے ساتھ کھڑا ہو گا تم ان کے سامنے مجھے جھوٹا کرو گے؟"

"میں صرف اور صرف شاہ زید کا نام بچا رہا ہوں وہ بہت جھیل چکا ہے۔ مدیحہ اور وہ اس کہانی کے پرائم وکٹمز ہیں میں اس کا نام مزید خراب نہیں کر سکتا۔ کیا تم مجھے صرف اور صرف چند دن دے سکتی ہو؟" اس کی آنکھوں میں

قلق تھا آج آراہ کو علم ہوا اس کا بھائی شاہ زید کی موت کے گرداب میں اب تک پھنسا ہوا تھا اور اسے لگا تھا اس کے علاوہ باقی سب بہترین زندگی گزار رہے ہیں۔

(”مجھے چار بندے چاہیے۔“ سہراب چائے پی رہا تھا جب خاکی شلوار قمیض کے ساتھ چمڑے کی بھوری جیکٹ والا اسلان یمن دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور بڑی تابعداری سے اپنا مطالبہ پیش کیا۔ شلوار قمیص اور بڑھی ہوئی داڑھی میں وہ اچھا لگ رہا تھا۔

”کس لیے، وکیل صاحبہ کے گھر کا سامان تو سیٹ ہو گیا تھا نا؟“

”جی وکیل صاحبہ اور ان کے سامان کے لیے میں اکیلا کافی تھا۔“

”پھر؟“ اس نے اسی مصروف انداز میں پوچھا۔

”کسی کے گھر بندے بھجوا کر اسے پٹوانا اور دھمکانا ہے میں خود بھی یہ کام کر سکتا ہوں لیکن اسے شک ہو سکتا ہے۔ اور آپ کے منہ سے ایک ہی لفظ نکلے گا۔“

سہراب نے اسے باقاعدہ گھور کر دیکھا۔ ”کس زاویے سے میں تمہیں غنڈہ موالی یا ان کا کوئی شناسا لگتا ہوں۔“

”ہر زاویے سے!“

”میں جوتے ماروں گا، اسلان۔“ وہ بگڑا۔

”میں اسی لفظ کی بات کر رہا تھا۔ اور جوتے میں کھا لوں گا لیکن کل تک اگر بندے نہ ملے تو میں خود لے آؤں گا پھر آپ کو بُرا لگے گا کہ میں آپ سے مشورہ نہیں کرتا۔“ وہ کہہ کر چلا گیا پیچھے سہراب بل کھا کر رہ گیا گیا۔ اب وہ لوگوں کو ڈرانے اور ہراساں کرنے کے مشورے اور بندے دینے کو رہ گیا تھا؟)

آراہ نے اسلان کو کوئی جواب نہیں دیا وہ بس خاموش رہی۔ "میں اس کا انجام لکھ آیا ہوں، آراہ بس تھوڑا سا وقت اور پھر تم دیکھو گی دنیا اس پر کس طرح تھوکتی ہے، کس طرح اس کا نام لینے سے پہلے لوگوں کے منہ سے کڑواہٹ نکلے گی۔ میں اپنے انتقام میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ شاہ ویر اور شاہ زید کا فرق نہیں کر سکا میں پچھتا رہا ہوں چار ہفتے چار ماہ، چار سال بعد تم بھی پچھتاؤ یہ میں نہیں دیکھ سکتا۔"

"تم چند دن میں کیا ہی کر لو گے؟ اس کی ماں جیل میں ہے وہ اپنی ساری پراپرٹی اٹھا کر اس طہور ملک کو دے دے گا اور آزاد ہو جائے گا۔ اسے تباہ کرنے کے لیے تمہیں سفاکی کی ہر حد ختم کرنی ہو گی اور یہ تم نہیں کر سکتے اس بات کو مان لو۔"

"صرف چند دن، آراہ۔" اس کی ساری باتوں کے جواب میں وہ بس یہی بولا۔

"اس کے بہت سارے تعلقات ہیں بھائی۔"

"میں نے اس کی جڑیں کاٹ دی ہیں آراہ، اب کوئی تعلق نہیں۔ تمام تعلقات پیسے سے ہوتے ہیں میں اس کے پاس وہ رہنے ہی نہیں دوں گا۔" وہ متذبذب تھی۔ اس نے پلٹ کر عالم کو دیکھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا وہ پلکیں جھپک رہا تھا یہ اشارہ تھا کہ وہ اس کے "ہر" فیصلے میں اس کے ساتھ ہے۔ ہمیشہ۔

("یہ رہا تمہارا آدھا پیسہ میں باقی کا آدھا بھی دے دوں گا مجھے بس کچھ وقت چاہیے۔" اس نے دو چیک اور تین پیسوں کے بھرے ہوئے بستے ان کے سامنے رکھے۔ اس کے پاس فلوقت یہی تھا اس کے باپ کی جائیداد میں اب جو بچا تھا وہ تاج اور رئیس کا حصہ تھا۔

"پورے ہیں؟"

اس نے ہاتھ پیسوں کی طرف بڑھایا جب شاہ ویر نے بستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔ "طہور کے مینیجر سے بات کرواؤ۔"

چند پل بعد کیمرے پر طہور کا مینیجر موجود تھا۔ اس نے شاہ ویر سے بات کی اول تو وہ آدھی رقم پر کسی طرح راضی ہو کر ہی نہیں دے رہا تھا مگر جب شاہ ویر نے اگلے ایک ماہ کے اندر اندر مکمل ادائیگی کا وعدہ کیا تب اس کی آدھی رقم قبول کی گئی۔ بہت دنوں بعد اس کے اوپر سے کوئی بوجھ ہٹا۔ وہ بہت دن بعد پر سکون ہوا پورے چھ دن بعد وہ سو سکتا تھا، اب کوئی اس کے دروازے کے باہر کھڑا ہونے والا نہیں تھا، اب کوئی اسے مارنے والا نہیں تھا اب وہ آزاد تھا..... صرف اپنے خیالوں میں۔ اب وہ اسلان سے اپنا انتقام اور پیسہ لے سکتا تھا...... خوابوں میں۔)

"کیا تم مجھے صرف چند دن دے سکتی ہو؟" آواز پر وہ ٹھٹھکی، اسلان کے عقب سے اسے پہلے وہ چہرہ نظر آیا پھر گردن، اور پھر مکمل مدیحہ رضا۔ اس کی آنکھیں سوگوار تھیں البتہ گردن اٹھی ہوئی۔ "الزام اگر "اس" پر لگے گا تو وہی بدنام ہو گا میں درست انسان کو تمہارے حدف پر لانے میں صرف تھوڑا سا وقت چاہتی ہوں پلیز آراہ۔"

انارا طارون نے گہری سانس لی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "I am sorry for your loss"

مدیحہ نے سر کو خم دیا۔ "میں نے چند دن دیے۔ اس کے بعد تم اور میرا بھائی کیا لاؤ گے میں نہیں جانتی لیکن وہ تمہارا انتقام ہو گا میرا انتقام یہاں کاغذ پر لکھا جائے گا اور تب میں کوئی اور عذر نہیں سنوں گی۔"

"کوئی عذر نہیں آئے گا، صرف اور صرف چار دن۔" وہ سر ہلاتے ہوئے عالم کی جانب جا رہی تھی جب مدیحہ نے اسلان کی جانب دیکھا۔

"ہم اتنے کم دنوں میں ایسا کیا کریں گے کہ شاہ زید کا نام نہیں آئے گا؟"

اسلان سامنے دیکھتا رہا، جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے چہرے پر پر اسرار سا تاثر تھا۔ "لکھاری اپنی کہانی کے پلاٹ ٹوئسٹ ظاہر کرتے ہیں "بتاتے" نہیں۔"

(وہ اپارٹمنٹ آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے یہ کئی سالوں کی کمائی اس کے باپ کی جمع پونجی تھی، یہ اس کا اپنا سرمایہ تھا جو آج اس سے چھن گیا تھا آج شاید اسے

اندازہ ہو جاتا کہ پانچ سال قبل اسلان یمن پر کیا گزری ہو گی جب اس کا کام، اس کی محنت، اس کا سرمایہ بغیر کسی محنت کے کسی اور نے ہتھیا لیا تھا۔ اس پر کیا بیتی ہو گی جب اس نے ہر مارکیٹ، ہر جگہ اپنا کام اور نام کسی اور کے ساتھ بٹتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ وہ بس روئے گیا۔۔۔۔۔۔ احساس اسے اب بھی کوئی نہیں تھا ہاں البتہ ایک آگ تھی اور وہ اس آگ میں جب تک اسلان کو اپنے ساتھ نہ جھلسا دیتا اسے کسی طور چین نہیں آنے والا تھا۔

آج اس کے پاس اس کی ماں نہیں تھی، وہ واحد شخص جو اسے گناہوں پر داد دیتی تھی۔ شاہ ویر کو یہ غیر موجودگی کھائی جا رہی تھی۔)

کچھ دیر بعد وہ آراہ اور عالم کو گاڑی تک چھوڑ کر آنے کے بعد دوبارہ مدیحہ کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھا اس کا رخ اب کسی اور طرف تھا۔ سہراب کو اگر اس کی فکر تھی تو درست تھی۔ وہ غلط راستے پر نہ سہی درست پر بھی نہیں تھا۔

(اس کا فون کب سے بج رہا تھا۔ شاہ ویر نے بے دلی سے موبائل اٹھا کر کان سے لگایا۔

"کیسے ہو دوست؟" دوسری جانب اس کی ہشاش بشاش سی آواز سنائی دی۔ وہ کہیں شور میں تھا، کہیں بے حد مصروف سا۔ "جانتا ہوں تم اپنے خساروں کو رونے میں مصروف ہو گے زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا بس یہ پوچھنا چاہتا ہوں کیا کبھی تمہیں پانچ سال قبل والا اسلان یمن یاد آتا ہے؟"

"ہاں یاد آتا ہے۔ وہی اسلان جو ایلکس کے گھر۔" آگے سے اس نے کوئی گھٹیا بات کہی۔ اسلان نے برا نہیں منایا۔

"مجھے برا نہیں لگا۔ یہ حقیقت میں ہوا تھا اور اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ مگر میں اس اسلان کی بات کر رہا ہوں جس کا ہنر تم پانچ سال کھاتے گئے، جو اعداد کے ساتھ اچھا تھا، جو سرمایہ کاری کے بڑھتے گھٹتے نمبرز میں ملکہ رکھتا تھا تمہیں وہ اسلان یاد ہے؟"

"پوائنٹ پر آؤ۔" وہ اکتایا۔

"پائنٹ یہ ہے کہ تمہیں اسے یاد رکھنا چاہیے تھا، خیر اب وہ تمہیں پل پل یاد آئے گا۔" شاہ ویر نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر وہ کال کاٹ چکا تھا۔ اس نے موبائل پھینک دیا اور کروٹ بدل لی۔ اسے بہت سارا سوچنا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ اسلان اسے سوچنے کے کئی مواقع دینے والا تھا۔)

★★★★★★★★

لعل یمن کے لاؤنج میں آج تمام یمن بیٹھے ہوئے نظر آرہے تھے صوفوں پر جب جگہ نہ رہی تو اسلان موڑھے اٹھا کر لے آیا۔ یافث اور رابعہ بیٹھے نہیں ایک طرف کھڑے تھے عالم نے انہیں کال کر کے بلا تو لیا تھا اب وہ دونوں سمجھنے سے قاصر تھے کیوں؟ ان سب کے سامنے بس سہراب کھڑا تھا چہرہ سرخ، آنکھوں میں لہو اور لب بھینچے ہوئے۔ آج وہ عالمگیر پر گرج رہا تھا۔

"کس کی اجازت سے تم آراہ کو تھانے لے کر گئے؟" تفتیش کی شروعات ہوئی۔

عالم نے شانے اچکائے۔ "اپنی اجازت سے!"

"تمہاری اجازت کی اس گھر میں اتنی اہمیت کب سے ہونے لگی؟"

"جب سے میں اہمیت سمجھنے لگا۔" ٹکا سا جواب۔

"تمہیں لگ رہا ہے اس طرح جواب دے کر تم بہت اچھے لگ رہے ہو؟"

"میں جواب نہ دے کر بھی اچھا ہی لگوں گا پیدا ہی خوبصورت ہوا ہوں۔ اماں پر جو گیا ہوں۔"

سہراب خاموش ہو گیا، نگاہوں کی کاٹ اور چہرے کی سرخی میں اضافہ ہوا۔ عالم نے جب بات بگڑتے ہوئے دیکھی تو ہاتھ اٹھا لیے۔ "میں آراہ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "تم ایک ہی طریقہ کار پر ارادے کرتے ہو جبکہ مجھے جو اُس وقت درست لگتا میں وہ کرتا ہوں۔ اس گھر اور اس کے بچوں کے لیے جو مجھے مناسب لگے گا میں وہ کروں گا۔ اس لیے اب تمہیں جو کرنا ہے وہ تم کر لو۔"

"تم آراہ کی زندگی خراب کر دو گے۔" سہراب نے تنبیہہ کی۔

"میری زندگی کوئی خراب نہیں کر سکتا چاچو۔" انارا طارون نے بے حد مدھم لہجے میں اسے ٹوکا۔ اس کے ہاتھ اس کی گود میں دھرے تھے اور وہ سہراب کو دیکھ رہی تھی۔ "عالم چاچو کو میں لے گئی تھی اگر وہ نہ جاتے تو میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں یہ میرا فیصلہ ہے آپ مجھ سے بات کریں۔"

سہراب چند پل اسے دیکھتا رہا پھر چل کر اس کے پاس آیا اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے آراہ کو فکر سے دیکھا۔ اسلان بس دیکھ کر رہ گیا کبھی ایسی نرمی اس کے لیے تو نہ ظاہر کی گئی۔ "جو تم کر رہی ہو وہ تمہیں مزید اذیت دے گا۔"

"یہ میری چُنی ہوئی اذیت ہو گی میں کم از کم اپنے لیے لڑوں گی۔ میں آپ سب پر منحصر نہیں ہونا چاہتی۔"

"ہم تمہارے اپنے ہیں۔"

"میں اس حقیقت سے انکاری تو نہیں۔ آپ سب میرے اپنے ہیں لیکن وہاں اس تہہ خانے میں جو کچھ دیکھا وہ میں نے اکیلے دیکھا اس اذیت کی مقدار محض میں جانتی ہوں اس لیے آپ انتقام بھی مجھے لینے دیں۔" آراہ نے کہتے ہوئے سہراب کو دیکھا۔ "کیا میں نے کبھی آپ کو لیٹ ڈاؤن کیا ہے؟"

"میں۔"

"ہاں یا نہ؟"

سہراب نے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیے۔ "نہیں لیکن میرا بیٹا میں۔۔۔"

"میں اب بھی نہیں کروں گی اور میں بیٹا نہیں ہوں مجھ سے پیار جتانے کے لیے، مجھے بہادر سمجھنے کے لیے یا پھر میری تعریف کرنے کے لیے مجھے بیٹا مت کہا کریں۔" اس نے سہراب کے دونوں ہاتھ بے حد مضبوطی سے

تھامے اور انہیں باری باری آنکھوں سے لگایا۔ وہ اس کے باپ کی جگہ تھا، اسے یہ مرد عزیز تھا۔ ”میں آپ کی بیٹی ہوں میں ماموں کی بھی بیٹی ہوں۔“ اس نے یافث کی طرف دیکھا وہ تیزی سے اس کی طرف آیا اور صوفے پر اس کے ساتھ بیٹھا۔ ”میرے لیے میرے ماں باپ آپ دونوں ہیں اور میں چاہتی ہوں آپ مجھے سپورٹ کریں، روکیں نہیں۔“

”میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم رپورٹ کرنا چاہتی ہو تو میں چل رہا ہوں ساتھ۔“ یافث نے مستحکم لہجے میں کہا۔ آراہ نے نرمی سے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے آپ سے کچھ مختلف چاہیے۔“

یافث ٹھہر کر اسے دیکھے گیا۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ”کیا؟“

”میں لعل یمن میں رہنا چاہتی ہوں میں ساری زندگی یہیں رہنا چاہتی تھی۔ آپ کا اپارٹمنٹ میرے لیے چھت رہا ہے گھر لعل یمن ہے۔ مجھ پر دباؤ مت ڈالیں مجھے وہاں جانے کے لیے مجبور مت کریں۔“ یافث کے دل کو دھکا لگا۔ ایک عمر تھی جو ان بچوں کے نام کر دی تھی اپنے تئیں ان کی ہر ضرورت پوری کی اب پرندے پرواز کی خواہشیں کر رہے تھے۔۔۔۔۔۔۔ پرواز یعنی دُوری۔۔۔۔۔۔ یعنی اپنا سفر۔

”میں بہت عرصے سے یہاں آنا چاہتی تھی لیکن آپ اکیلے تھے میں آپ کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اب آپ کی بیوی ہے اب۔۔۔۔ اب مجھ سے میرا گھر مت چھینیں۔“

یافث نے گردن جھکا دی، اس کے دل کو کچھ ہو رہا تھا کچھ دیر بعد اس نے سہراب کی طرف دیکھا۔ ”اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟“ سہراب نے جواب نہیں دیا، یہ جواب تھا کہ وہ یافث جتنی فراخ دلی کا مظاہرہ کبھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے دوبارہ آراہ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں آتی نمی اپنے دونوں ہاتھوں سے صاف کی۔ ”جو تم چاہو۔“

"ہمارے یہاں ہونے کا مقصد بھی سمجھا یا جائے۔" آمنہ نے طنز کیا۔

"مجھے لگتا ہے ہم یہاں میلو ڈرامہ دیکھنے آئے ہیں۔" رابعہ بھی اس کے ساتھ آ گئی تھی۔

"آراہ کے لیے دونوں بچھے جا رہے ہیں۔ ابھی یہاں میں ہوتا، اور میں نے کوئی فرمائش کی ہوتی تو ماموں کی طرف سے گالیاں آتیں اور اسکار صاحب اس وقت تک اپنی گن لوڈ کر چکے ہوتے۔" اسلان نے منہ بنایا۔ اس کی نئی نویلی منگیتر نے مسکراہٹ چھپائی۔

"دنیا کا قانون ہے جو جس لائق ہو اسے وہی ملتا ہے۔" وہ اسلان کو اور تپا گئی۔

"درست کہا جبھی مجھے تمہارے لیے افسوس ہے، یہ اس لائق نہیں تھا کہ اسے تم ملتیں۔" عالم نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

"اور آپ اس لائق تھے کہ آپ کو تین حسین اور ذہین عورتیں ملتیں؟" اسلان سلگا۔

"الحمد اللہ!" عالم نے گردن کڑا کر جواب دیا۔ "میں تو اس لائق بھی ہوں کہ مستقبل میں مزید تین کا سوچوں۔"

"استغفر اللہ!" تمام لوگ اکھٹے بولے۔ عالم سٹپٹایا۔

"مثال تھی بھئی۔۔۔۔۔ تم لوگ تو سنجیدہ ہی ہو جاتے ہو۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔ "خیر میں نے چار دن بعد یافث اور اس کی بیوی کی دعوت کی ہے گھر سے ذرا کثافت ہٹنی چاہیے۔ اس کے علاوہ جوہر فورزیرو ختم ہونے پر میں خود کو ٹریٹ دے رہا ہوں سب شکلیں ٹھیک کر لو، نئے کپڑے بنا لو۔ عالم اب شاہ خرچی کرے گا۔" عالم اور اس کی دعوتیں۔ تمام لوگوں کے چہرے پر ایک پر مثردہ مسکراہٹ در آئی۔ میرال کی موت سے قبل وہ یونہی دعوتیں کرتا تھا، پیسہ اڑاتا تھا۔ یافث، سہراب، اسلان، آراہ اور چند اور قریبی لوگوں کے ساتھ گھر میں کھانا اور میل جول کرتا۔ بہت عرصہ بعد وہ اپنی جون میں واپس آ رہا تھا۔ سب کو اچھا ہی لگا۔

"ان چونچلوں کے لیے کام خود کرنا میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" سہراب نے ٹکا سا جواب تھمایا آمنہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ مگر اس نے اثر نہیں لیا۔

"تمہاری ملکہ برطانیہ سے ہم کوئی کام کروا بھی نہیں رہے کھانا باہر سے آئے گا۔"

"اتنے خرچے کی کیا ضرورت ہے؟" یافث نے مداخلت کی۔ عالم مکمل طور پر اس کی طرف پلٹا۔

"ابھی کے ابھی تمہارا گلا دبا کر قصہ ختم کر دیتا ہوں پھر یہ دعوت تمہارے سوئم کی ہوگی موقع بھی اور محل بھی کیا خیال ہے؟"

"آپ کبھی منہ سے کچھ اچھا نہیں بول سکتے؟" رابعہ کو اپنے میاں کی شان میں یہ گستاخی کچھ خاص پسند نہ آئی۔

"آئندہ پورے دن کی اسپیچ تم سے لکھواؤں گا اور پھر وہی بولا کروں گا، خوش؟" وہ دونوں الجھ پڑے تھے سہراب درمیان میں کوئی لقمہ دے رہا تھا آراہ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ بنفشہ بے حد اشتیاق سے سن رہی تھی اس کے لیے سب نیا نہیں تھا ہاں البتہ اب "اپنا" تھا۔ گھر بھی، خاندان بھی اور.........اس نے سامنے سے اٹھ کر پہلو میں آکر بیٹھتے شخص کو دیکھا۔ اب وہ بھی۔

لعل یمن کی کثافتیں دھل چکی تھیں، مکینوں کے دل آباد ہونے میں دیر نہیں تھی۔

★★★★★★★★★

(وہ دونوں گھر سے اکٹھے جاگنگ کے لیے نکلے تھے۔ اسلان تیز تیز بھاگ رہا تھا جبکہ بنفشہ بمشکل اس کے قدموں کے ساتھ قدم ملا رہی تھی۔ وہ ہر دفعہ غیر محسوس انداز میں رفتار سست کر لیتا تھا، بنفشہ آگے نکل جاتی اور اسے لگتا تھا وہ جیت گئی ہے۔ اس سارے عرصے میں اسلان اسے آگے نکلنے پر مسکراتے ہوئے دیکھتا تھا، وہ گردن جھکا کر ہنستا اور اگلی دفعہ پھر ہارنے کو تیار۔)

رات کا کوئی پہر تھا ایلکس اور شاہ ویر سکرینز کے آگے بیٹھے رقم ٹریک کرنے کی کوشش کر رہے تھے جب دروازہ بجا۔ اس نے دو بار نظر انداز کیا مگر جب دروازہ تواتر سے بجتا رہا تو شاہ ویر کو اٹھ کر دروازہ کھولنا پڑا۔ سامنے کوئی چار سوٹڈ بوٹڈ افراد کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں سوٹ کیس تھے۔ وہ کم از کم پاکستانی نہیں لگتے تھے۔ شاید افریکین؟ ان کے آگے سرمئی سوٹ میں ایک لڑکا کھڑا تھا دبلا پتلا، رنگت سفید اور نقوش کورین مگر پرکشش۔

"آپ کون؟"

"یہ میرے ملازم ہیں، میں باس۔" تینوں کو ہٹاتے ہوئے وہ آگے آیا۔ شاہ ویر کا ہم عمر لاابالی سا نوجوان۔ "میرا نام نور ہے۔" اپنا نام بتاتے ہوئے اس نے جتایا کہ وہ "نُور" نہیں Noar ہے۔

"میں تمہارا نام سننے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔" بازو سینے پر باندھے شاہ ویر نے اسے غیر دلچسپی سے کہا۔

نور مسکرایا۔ "لیکن میں اپنے باس کی رقم کے بابت سوال کرنے میں بہت دلچسپی رکھتا ہوں۔"

شاہ ویر الجھا، نور نے اضافہ کیا۔ "طہور ملک! وہ باس ہیں میرے اور میں ان کا مینیجر۔ میں میٹنگ میں تھا یاد ہے تمہیں؟" شاہ ویر طلال بنگش کے کان سائیں سائیں کرنے لگے وہ سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔ نور اب ایک بریف کیس سے چند کاغذات نکال رہا تھا، پھر وہی کاغذات اس نے شاہ ویر کے سامنے رکھے۔ "یہ رہے ہمارے معاہدے پر آپ کے دستخط اور یہ۔۔۔۔۔" اس نے اپنے عقب سے ایک بندے کو آگے کیا۔ "یہ ہمارے ڈیلر جن کے ساتھ آپ نے معاہدہ کیا۔" شاہ ویر نور کے عقب میں کھڑے آدمی کو جانتا تھا۔ یہ شخص اسفند کے ساتھ موجود تھا اسے لگا یہ اسفند کا کوئی آدمی ہوگا اسے یاد تھا اس نے شاہ ویر سے کچھ پوچھا تھا۔

"آپ اس معاہدے پر راضی ہیں؟"

"بالکل!" کاغذات یکجا کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"آپ اس بات پر راضی ہیں کہ نقصان تمام آپ کا اور فائدے میں طہور ملک اور آپ ستر تیس کے مالک؟"

”میں یہ تمام چیزیں سائن کر چکا ہوں۔“ اس نے گردن اٹھا کر سرد مہری سے کہا تھا۔ ساتھ اسفند کو دیکھا۔ ”یہ مجھ سے سوال کیوں کر رہا ہے؟“

”طہور کے لوگوں میں سے ہے ڈونٹ وری۔“ اس نے بات ہوا میں اڑائی تھی اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ شخص عام آدمی نہیں۔ یہ طہور کے "لوگوں" میں سے نہیں تھا یہ ڈیل لا کر تھا۔

”ہمارا پیسہ کہاں ہے، بنگش؟“ نور لبوں پر مدھم مسکراہٹ لیے مستفسر تھا۔ شاہ ویر کے قدموں سے زمین نکل چکی تھی۔ اسے اب وہ سکرین کے پیچھے بیٹھ کر کیز دبانے والا لڑکا یاد آ رہا تھا، بے حد بے تحاشہ۔

اسے یاد آنا بھی چاہیے تھا۔

(”تم نے شاہ ویر کے ساتھ کیا کیا ہے؟“ وہ دونوں پنجوں کے بل انہی کتوں کے آگے بیٹھے تھے جب بنفشہ نے مخاطب کیا۔ اسلان جو مسکراتے ہوئے ہسکی کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا اس کے سوال پر یکدم تھم گیا۔

”تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں نے کچھ کیا ہو گا؟“ بنفشہ کی رنگت پھیکی پڑی۔

”مجھے نایاب نے بتایا کہ شاہ ویر فنانشل کرائسز میں ہے میں اس سے ہمیشہ بات نہیں کرتی میں بس۔۔۔۔“

”تم جس سے چاہو بات کر سکتی ہو۔“ اسلان نے اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ”میری وجہ سے اپنے رشتے دار اور خاندان سے دور نہ رہو میں اس کا حساب نہیں دے سکوں گا۔“

”تمہیں برا نہیں لگے گا؟“

”نہیں تم سوشل میڈیا پر دن میں دس تصاویر پوسٹ کرتی ہو مجھے یہ نہیں پسند لیکن تمہیں پسند ہے تو ہے۔ میں نہیں چاہتا اس تعلق میں اسلان یمن تمہاری انفرادی حیثیت کھا جائے۔“

بنفشہ نے متشکر نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم بڑی صفائی سے مجھے جذباتی کر کے میرا سوال بدل گئے ہو لیکن میں اب بھی وہیں ہوں تم نے شاہ ویر کے ساتھ کیا کیا ہے؟" اسلان گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسے بتایا کہ جب بات گھر کی عورتوں تک آجائے تو کچھ مرد معاف نہیں کرتے۔ اور میں انہی میں سے ہوں۔")

"تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہی میں۔... میں اپنی ساری جائیداد پہلے ہی گروی رکھ چکا ہوں اور اب میرے پاس ایک دھیلا بھی نہیں ہے۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ اپنے بال نوچ رہا تھا اس کے سینے میں کہیں درد اٹھ رہا تھا شاہ ویر بنگش پر ہیجان کی کیفیت طاری تھی۔ نور پر کوئی اثر نہیں ہوا وہ انہی بے تاثر نگاہوں سے اسے تکتا رہا۔

"میں تمہارا تھیراپسٹ ہوتا تو تمہارے فنانشل مسائل سن کر تم سے بے حد ہمدردی محسوس کرتا لیکن میں نہیں ہوں اس لیے مجھے میری بات کا جواب دو ہمارا پیسہ کہاں ہے؟"

شاہ ویر مڑا غیض وغضب سے اسے دیکھا۔ "میرے پاس اب ایک روپیہ بھی نہیں ہے تم نے جو کرنا ہے وہ کرلو۔"

"تم شیور ہو؟" وہ قدرے نرمی اور تفکر سے بولا۔ "کیونکہ پھر تمہیں تکلیف ہوگی اور سارا معاملہ مجھ پر آئے گا۔"

"میں کہہ رہا ہوں جہنم میں جاؤ۔" وہ حلق کے بل غرایا۔ نور نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا وہ لمحے بھر میں اٹھے دھان پان سے اس لڑکے کو اٹھا کر صوفے پر پٹخا اس کے ہاتھ پیر اب قابو میں تھے، بال پکڑ کر چہرہ اونچا کیا گیا یوں کہ اب وہ نور کو اپنے سامنے شیشے کی میز پر بیٹھے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ وہ مکمل طور پر جکڑا ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا اس وقت اس کے ساتھ کوئی اسکام ہو چکا ہے، اپنی ساری جائیداد گروی رکھ لینے کے بعد بھی اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا وہ بری طرح پھڑپھڑانے لگا۔ نور نے گود میں رکھے بریف کیس کو کھولا اور کئی مختلف قسم کے اوزار اسے دکھائے۔

"میک می چوز۔" شاہ ویر کو دیکھتے وہ گہرا مسکرایا۔ "ان میں سے کس سے مرنا پسند کرو گے؟" نور نے کچھ آگے کو ہو کر ایک تیز دھارا سکیلپل اس کی گردن پر رکھا۔ "صرف ایک کٹ نہیں ہوگا بنگش۔ میں تمہیں قطرہ قطرہ موت

دوں گا۔ میں نہیں جانتا کس نے تمہارے ساتھ کیا کیا، کس کے لیے تم نے جائیدادیں بیچ دیں۔ میرے باس کے پاس میرا ایک کلیئر امیج ہے اور جو اسے خراب کرتا ہے میں اسے زندہ نہیں رہنے دے سکتا۔ مجھے میرا پیسہ چاہیے۔" اس نے اسکیلپیل اس کی گردن کے ساتھ جوڑا۔

"تم دے رہے ہو ہاں یا نہ؟"

"مجھے۔۔۔۔کچھ۔۔۔۔کچھ۔۔۔۔وقت دو۔۔۔۔پلیز!" وہ گڑگڑایا، بلکا اور رویا۔

نور نے اسکیلپل کا دباؤ بڑھایا، آنکھوں کی سفاکی میں اضافہ ہوا۔ "کتنا وقت؟" کئی موٹے موٹے آنسو اس کے عارضوں پر بہتے چلے جا رہے تھے وہ پور پور پسینے میں ڈوبا تھا۔ اپنے ہی گھر میں وہ اسیر تھا۔ رہ رہ کر بار بار سکرین کے پیچھے بیٹھا وہ لڑکا یاد آتا رہا۔ کاش وہ اس کی ذہانت کا معترف ہوا ہوتا حاسد نہیں۔

"ایک ماہ۔۔۔۔۔پلیز ایک ماہ میں کچھ کرتا ہوں۔۔۔۔۔میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا پلیز۔"

نور نے سر ہلا دیا۔ "تمہارے پاس پندرہ دن ہیں۔" شاہ ویر تیزی سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر نور کی ایک سخت نگاہ نے اسے خاموش کروا دیا۔ "پندرہ دن بعد یا تو تمہاری لاش تمہارے گھر جائے گی یا میرا پیسہ میرے پاس آئے گا۔" نور نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا۔ "میں باتیں نہیں دہراتا۔"

"میری موت تمہیں پیسے نہیں دے گی مجھے مار کر کیا فائدہ؟" وہ کھانستے ہوئے نم آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

نور مڑا، عجیب سی کمینگی سے اسے دیکھا۔ "تمہارا قتل براہ راست براڈکاسٹ ہوگا بالکل ویسے جیسے تم لوگوں کو براہ راست ذلیل کرتے ہو۔ تمہارا ایک ایک پرزہ مجھے کما کر دے گا ابھی تم نور احمد کی کریٹیوٹی سے واقف نہیں ہو۔"

شاہ ویر جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ ساکن، صامت۔ "میں تمہارا ماضی جانتا ہوں، بنگش" اس نے بس یہی کہا۔

(باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں لعل یمن کے دروازے پر ٹھہر گئے تھے۔"مجھے ایک کلائنٹ ملا ہے کل پرسوں تک ملنے جاؤں گی۔"

"وہی جس کے بارے میں عالم نے بات کی تھی؟"بنفشہ نے سر ہلا دیا۔اسلان ابھی کچھ کہتا کہ بنفشہ کا موبائل بجنے لگا۔وہ بغیر کچھ کہے اندر چلی گئی البتہ اسلان کا دل نہ جانے کیوں یہ چاہا تھا کہ وہ اسے روکے۔سر جھٹکتے گہری سانس لیتے وہ بھی اندر چلا گیا۔بات ادھوری رہ گئی۔)

وہ اسی چاک لباس کے ساتھ کلب کی راہداریوں میں بھاگ رہا تھا ایک ایک کو ان چار لوگوں کی تصویر دکھاتا،ان کے پتے پوچھتا،کوئی ہنس دیتا،کوئی جھڑک دیتا۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں سینے میں کوئی بندش سی تھی ان کے نمبر بند تھے،ان کی شکلیں انجان تھیں۔جنہیں جان کے خوف سے اس نے جائید اد تھما دی وہ ساہ گیر تھے ہی نہیں۔اوہ خدایا وہ پاگل ہونے لگا۔

وہ بارٹینڈر کے سامنے آکر رکا،تصویر اس کے سامنے کی۔"اسے جانتے ہو کچھ دن پہلے یہ لوگ یہیں تھے میں آیا تھا اور۔"

"یہ آپ کے لیے ہے۔"بارٹینڈر نے سنجیدگی سے ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا جس پر کوئی نمبر درج تھا۔"کوئی صاحب آئے تھے انہوں نے کہا تھا آپ ان لوگوں کا پوچھتے ہوئے آؤ گے اور آپ کو یہ نمبر دے دوں۔"شاہ ویر شا کی چہرہ لیے دھیرے دھیرے پیچھے ہونے لگا۔یہ اسلان یمن کا نمبر تھا وہ اسے پہچانتا تھا۔اس کی آنکھیں ایک بار پھر نم تھیں،کرب،تکلیف،درد اس کے اندر جھکڑ سے چلنے لگے۔معاً اس کا موبائل بجا اس نے بغیر دیکھے کال اٹینڈ کرلی۔اسے یقین تھا سامنے کون ہو گا۔اسے ہی تو پتا تھا۔

"سرپرائز کیسا لگا دوست؟"شاہ ویر خاموش رہا کہا کچھ نہیں۔

"وہ چاروں لوگ طہور کے لوگ نہیں تھے وہ میرے لوگ تھے، اور اس وقت وہ چاروں دبئی فلائے کر چکے ہیں اگر تم چاہو تو ان کے پیچھے دبئی جا سکتے ہو۔ جانا چاہو گے؟" وہ دھیرے دھیرے کلب کے فرش پر بیٹھتا چلا گیا۔ لوگ آ جا رہے تھے اسے ٹھوکر لگ رہی تھی، موسیقی کا شور اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا اور وہ جلتی بجھتی روشنیوں کے درمیان خاموشی سے بیٹھا تھا۔

"پانچ سال پورے پانچ سال میں کوئی کام نہیں کر سکا کوئی جاب نہیں کر سکا کیونکہ میں رات رات بھر جاگ کر تمہارا کام کرتا تھا، دن میں مجھے دوبارہ تمہارے لیے کام کرنا ہوتا تھا۔ لوگوں کو لگا اسلان نکما ہے کام نہیں کر سکتا مرد کی انا جانتے ہو کتنی بڑی ہوتی ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا اور شاہ ویر سُن تھا۔ "بہت بڑی ہوتی ہے، شاہ ویر بہت بڑی۔ میں پورے چار سال اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا رہا اور وہ ختم نہیں ہوئی۔ ساری زندگی لگا کر کچھ تعمیر کرنا اور اس کا چھین لیا جانا کیسا ہوتا ہے کیا اب تمہیں سمجھ آیا؟"

اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ گیا، اس کا ہاتھ دل تک آیا اور پھر وہ فرش پر گر گیا۔ کوئی تکلیف سی تھی جو حد سے زیادہ تھی جو بہت زیادہ بڑھ گئی، یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھ پایا اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

★★★★★★★★

"یہ کوئی حرکت تھی کرنے والی؟" سہراب لاؤنج سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا جب اس کے کانوں میں بنفشہ کی آواز پڑی۔ وہ آمنہ کے ساتھ برتن رکھوا رہی تھی اسلان سلیب کے ساتھ کمر جوڑے کھڑا تھا گردن جھکی تھی اور وہ جوتے سے فرش مسل رہا تھا۔ برتن رکھتی عورت اسے ڈپٹ رہی تھی۔ "یہ کورٹ آیا تھا مجھے پک کرنے اور دمیر سامنے سے گزرا تو اس کو آنکھیں دکھا کر آیا ہے۔ حد ہوتی ہے یار۔" اس نے آمنہ کو بھی بتایا۔ اسلان نے سابقہ شرافت سے سر جھکائے رکھا۔

"پہلے اس نے مجھے دیکھ کر بُری شکل بنائی اب میں اس کو سلامی تو دے نہیں سکتا۔"

”پھر بھی اسلان اب اگر تم دوبارہ مجھے ماضی کے عناد کی وجہ سے کسی سے لڑتے جھگڑتے نظر آئے تو اچھا نہیں ہو گا۔“ اس نے شکوہ کناہ نگاہوں سے تنبیہہ کی۔

”اوکے!“ وہ بے حد اطمینان سے بول کر ہٹ گیا۔ بنفشہ اب بھی آمنہ سے کچھ کہہ رہی تھی البتہ سہراب اپنی جگہ متحیر تھا۔ اس کا بھتیجا شرافت کی اعلیٰ حدود کو کب سے چھونے لگا اسے سمجھ ہی نہ آیا۔

وہ اپنے کمرے تک گیا دراز الٹ پلٹ کر کوئی شے برامد کی اسے سینے والی جیب میں رکھتا وہ اسلان کے کمرے میں آیا۔ ناک کرنے کی زحمت اس نے نہیں کی وہ جو شرٹ بدل رہا تھا اس نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”ناک تو کرنا تھا یار۔“ اس نے آگے آکر دروازہ بند کیا۔

سہراب نے بھنویں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”نیا کیا ہے تمہیں تو نہلایا بھی میں نے ہے۔“

”استغفراللہ!“ وہ بڑبڑاتے ہوئے جلدی جلدی شرٹ پہننے لگا۔ سہراب اس کے پلنگ کے کونے پر ٹک گیا۔

”آراہ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ سہراب نے آغاز کیا ان دونوں کے درمیان اب گھر کے مسائل، خرچہ، سوداسلف دن کی مصروفیات کی باتیں اپنے آپ جگہ بنانے لگی تھیں۔ بہت وقت بعد ان کے درمیان کا خلاءُ پر ہو رہا تھا۔ ”ایک مہینہ بعد اس کے پیپر ہیں۔ نہیں دے گی تو سیمسٹر دوہرانا پڑے گا۔“

”دینے والی حالت ہی نہیں۔“ اسلان کہتے ہوئے اس کے سامنے آکر بیٹھا۔ ”میں آج پہلے ہی اسے ایک چیز کے لیے منا کر آیا ہوں اب دوبارہ کیا کہوں؟“

”عالم سے کہوں؟“

”خدا کے لیے آپ عالم کو کچھ مت کہیں وہ اسے ایسی پٹیاں پڑھائے گا کہ آراہ اگلے چار سال کوئی پیپر دینے کو راضی نہیں ہو گی۔“

”پھر؟“

وہ دونوں سوچ میں پڑے جب اسلان بولا۔ ”ایک عورت ہی دوسری عورت کو سمجھ سکتی ہے۔“

”اب میں جنس بدلنے سے تو رہا۔“

”کافی وقت سے یہ اپنی فیورٹ جگہ بھی تو نہیں گئی مانجھی پور بھیج دیں۔“ یہ مشورہ سہراب کو معقول لگا،مائی سوہائی سے وہ یوں بھی مل چکا تھا اچھی نرم مزاج خاتون تھیں سہراب کو لگا وہ ان پر بھروسہ کر سکتا ہے۔کسی سوچ کے تحت اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسلان کوئی کتاب نکال رہا تھا سہراب باقاعدہ ٹھٹھک گیا۔کچھ بے اختیار یاد آیا،اور اسی یاد کے تحت اس نے مٹھی بھینچ لی۔کاش وہ شاہ ویر بنگش کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر سکتا۔

”میں نے اپنے دوست سے بات کر لی ہے وہ تمہیں جاب دینے کو تیار ہے۔“

اسلان اس کے قریب آکر بیٹھا۔ ”واقعی؟جاب کیا ہے؟“

”یہ وہی بتائے گا لیکن ایک بات یاد رکھنا اس جیسا استاد کسی کسی کو ملتا ہے وہ جس کا شاگرد ہے ناوہ آدمی فرشتہ صفت تھا کیا کیا گُر سکھا گیا۔۔“

”اور جس کے پاس مجھے جاب مل رہی ہے وہ بھی ایسا ہی ہے؟“

سہراب مسکرایا۔ ”کم از کم میں اسے فرشتہ صفت نہیں کہہ سکتا۔“

”شیطان ہے؟“

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”درمیان میں کچھ،انسانوں کے اگر رنگ ہوتے تو وہ سرمئی ہوتا۔“

”میں ملا ہوں اس سے؟“

"نہیں۔۔۔۔۔ملے ہوتے تو نہ بھولتے جو اس سے ملتا ہے وہ اسے نہیں بھولتا۔" سہراب نے کچھ سوچ کر کہا۔ "خیر اب کل تم کچھ دنوں میں اس سے ملو گے وہ اسی شہر میں ہے۔ وہ تمہیں جوائننگ لیٹر دے گا تم وہی لیٹر لے کر جاؤ گے اور بنفشہ سے شادی کا پوچھو گے۔" اسلان نے گہری سانس لی، اور نفی میں سر ہلایا۔

"جب تک آپ کہو گے میں ایسا نہیں کروں گا میں اسے تب پروپوز کروں گا جب میرا دل چاہے گا۔"

"کیا تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟" سہراب نے غور سے اسے دیکھا۔

"چاہتا ہوں لیکن آپ کے کہنے پر اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ مجھے آپ سے ایک اور بات بھی کرنی تھی۔" وہ رکا، ہاتھ باہم جوڑے اور سہراب کو دیکھا۔ "مجھے میرا حصہ چاہیے۔"

"کیہڑا حصہ بھائی جان؟" عالمگیر یمن دروازے سے آتا دکھائی دیا۔ ہاتھ میں کافی کا بھرا ہوا مگ تھا۔ "تمہارے ابّا حضور اپنا حصہ لے کر فرار ہو گئے تھے۔"

"کوارٹر کا حصہ!" اسلان نے تین لفظوں میں بات سمیٹی۔ "میں نہ مانگتا خود بناتا لیکن وہ اگر مجھ پر اتنا بھروسہ کر کے بغیر نوکری کے مجھ سے شادی پر راضی ہے تو میں اسے کوئی تحفظ دینا چاہتا ہوں۔ حرام کا پیسہ بہت ہے لیکن میں اس میں سے خرچ نہیں کرتا۔"

"کوارٹر میں میرا اور عالم کا حصہ بھی ہے۔" سہراب نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا کیا؟"

"مجھ پر بیچ دیں۔"

"تمہارے انار کے باغات لگے ہیں پیسے کہاں سے دو گے؟" عالم اسی سلگے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"جیسا کہ میں نے کہا کہ حرام کا پیسہ بہت ہے میرے پاس لیکن وہ دے کر نہیں خریدوں گا کیونکہ میں گھر نیک نیتی پر بنانا چاہتا ہوں۔ حلال کما کر دوں گا تب تک آپ دونوں کا قرض دار رہوں گا۔"

عالم اس کے ساتھ آکر بیٹھا، ایک نظر سہراب کو دیکھا پھر اسلان کو۔ ”ہم دونوں کو ارٹر تمہیں شادی کا تحفہ دے رہے تھے۔“ اس آدمی کے پیٹ میں راز رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ ”لیکن مجھے اچھا لگا کہ تم پیسے دینا چاہتے ہو اس سے بڑھ کر مجھے یہ اچھا لگا کہ تم بنفشہ کے لیے ایفرٹس کر رہے ہو۔“

”وہ گھر تمہارا ہے ابّا اسے شجاع کی بڑی اولاد کے نام کر گئے ہیں۔“ سہراب نے سنجیدگی سے بتایا۔ ”کاغذات مل جائیں گے تمہیں۔“

”سارے راز بتانے ضروری تھے؟ کیا تھا جو میں اپنی طرف سے تحفہ بتا کر دیتا۔“ عالم چڑ گیا تھا۔

”نکاح کا خرچہ کر کے تحفہ دے دینا۔“

”تمہاری طرح کنجوس نہیں ہوں، ولیمہ میری طرف سے۔۔“ سہراب نے اس پر لعنت بھیجتے ہوئے جیب سے ایک ڈبیا نکال کر اسلان کی طرف بڑھائی۔ لکڑی کے نقش و نگار والی خوبصورت سی ڈبیا۔ اسلان نے آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے ڈبیا لی اور کھولی۔ اندر سونے کی انگوٹھی تھی، وہ دھک سے رہ گیا۔ کئی پل وہ گردن بھی نہ اٹھا سکا۔

اس کے ساتھ بیٹھے عالم کے تاثرات بھی کچھ مختلف نہیں تھے۔ گفتگو کے سارے عرصے میں پہلی بار سہراب اور عالمگیر کے چہرے پر یکساں تاثر تھا۔ وہ دونوں اس انگوٹھی کو عقیدت سے دیکھ رہے تھے، ان دونوں کے جذبے اسے دیکھ کر عود کر آئے تھے۔ وہ بہت دیر تک چپ رہے۔

”یہ اماں کی انگوٹھی ہے۔“ وہ دونوں ایک ساتھ بولے، پھر ساتھ مسکرائے۔ عالم نے بے اختیار آنکھیں رگڑیں اور دوبارہ انگوٹھی کو دیکھنے لگا۔ حسرت سے، محبت سے۔

”اماں نے اپنی وفات سے قبل سارا سونا اس گھر میں لگوا دیا تھا سوائے اس کے، بس یہ میرے ہاتھ میں رکھی اور کہا۔“ سہراب بولتے بولتے رک گیا۔

"یہ اس عورت کو دینا جو گھر کی تعمیر جانتی ہو۔" عالم نے اس کا جملہ مکمل کیا وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس انگوٹھی سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا۔

تھوڑی دیر تک ان تینوں مردوں کے درمیان خاموشی رہی۔ بہت دیر بعد اسلان گہری سانس لیتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ آپ دونوں کی ملکیت ہے۔ میں نہیں رکھ سکتا۔"

"نہیں یہ ہماری نہیں ہے۔" عالم نے اس کی بات کاٹی۔ "ہم دونوں کو بہترین عورتیں نصیب ہوئیں لیکن جو تمہیں ملی وہ واقعی تعمیر کے ہنر کو جانتی ہے۔ یہ تمہاری ہے اسے دو جس کا حق ہے۔"

اسلان نے متذبذب ہو کر انہیں دیکھا، اس کی آنکھیں بھی ان دونوں کی طرح نم تھیں۔ عالم نے اضافہ کیا۔ "جب میں نے شادیاں کیں میرے پاس سب تھا گھر، دولت، عزت، مقام میرے پاس سب جُڑا ہوا تھا جو میرے ساتھ رہیں ان سب نے میرا ساتھ دیا لیکن جوڑا سب میں نے اکیلے۔۔۔"

"اور جس سے میں نے محبت اور شادی کی اس کے اور میرے درمیان حالات حائل رہے جُڑنے کے لیے بس تعلق رہا گھر نہیں۔"

وہ گردن جھکا گیا، حلق میں کچھ اٹکا۔ "جس سے میں شادی کر رہا ہوں اس نے مجھے جج نہیں کیا، اس نے مجھے میرے گھر کے لوگوں کے خلاف نہیں کیا، وہ عالم کے لیے لڑی، میری بہن کے لیے اپنے خونی تعلقات سے لڑی، مجھے بغیر پیسوں اور بنا چھت کے قبول کیا۔ اسے یقین ہے ہم مل کر گھر بھی بنا لیں گے۔"

"وہ وہی ہے۔" عالم نے وثوق سے کہا۔

"وہ جو تعمیر جانتی ہے۔" اسلان ہلکی آواز میں بولا۔ وہ درست تھا بنفشہ احسان مخدوم گھر بنانے آئی تھی، وہ وہی عورت تھی جسے عالم اور سہراب کی ماں لعل یمن لانا چاہتی تھی، جسے ان کے تینوں بیٹے نہ لا سکے اور وہ دوسری پیڑھی کے ذریعے آ رہی تھی۔

”یہ تمہاری ملکیت ہے۔“ سہراب نے انگوٹھی اس کی مٹھی میں رکھ کر اس کی مٹھی بند کر دی۔ اس کی سب سے قیمتی شے اب اس کے بیٹے کے پاس تھی۔

”اللہ نے تمہارا بخت اونچا لکھا ہے۔“ عالم نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ تینوں بے حد جذباتی تھے ان تینوں کی آنکھوں میں کوئی پانی سا چمک رہا تھا اور وہ تینوں اس وقت شکر گزار تھے۔ تینوں کندھے جھکائے، ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ اب ہر الزام سے پاک، اب خوش۔

بلاخر زندگی لعل یمن کے مردوں پر مہربان ہو چکی تھی۔

★★★★★★★★★★

اس کے ہاتھ پر کنولہ اب بھی لگا تھا۔ انگزائٹی اٹیک سے سنبھلے اسے چار گھنٹے بیت چکے تھے اور وہ اس وقت لعل یمن کے باہر کھڑا تھا۔ یہ قبول کر لینا کہ اس کا تمام تر روپیہ ڈوب چکا ہے ممکن نہیں تھا۔ وہ دھڑ ادھڑ دروازہ بجا رہا تھا، پاگل پن کی حد تک ہذیانی انداز میں۔ دفعتاً اندر سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی اس طرف آ رہا تھا۔ شاہ ویر سانس روکے اس آواز کو سنے گیا وہ مر سکتا تھا، اس گھر کے مکین اسے زندہ دفنا سکتے تھے مگر وہ اب بھی تو مر رہا تھا، زندگی اب بھی تو پاس نہیں تھی۔

دروازہ کھلا اور عالمگیر یمن کا چہرہ دروازے کے فریم میں نظر آیا۔ کوئی سال بھر قبل یہاں اس دروازے پر اسے شاہ زید بنگش کا چہرہ بھی دکھا تھا۔ اس روز وہ تنفر سے اسے جھڑک گیا تھا، آج طیش سے اس شخص کو یہیں زندہ جلا دینے کا دل کیا۔

”اسلان۔۔۔۔ مجھے اسلان سے بات کرنی ہے پلیز۔“ وہ تیزی سے بولا اور گھر کے اندر داخل ہوا۔

”اتنا سب کچھ کر لینے کے بعد بھی تم میں گٹس ہیں کہ تم اس کا سامنا کرو؟ یہاں آؤ اور ہم سے کسی بھی قسم کی درخواست کرو؟“

"پلیز عالمگیر! پلیز دو منٹ کے لیے میں تباہ ہو جاؤں گا مجھے صرف دو منٹ چاہیے۔ مجھے بات کرنے دو۔"

"آج تو تمہیں میرا اصل نام بھی یاد ہے، شاہ ویر۔" وہ اس کے عقب سے نمودار ہوا دواؤں کی تھیلی تھامے اب وہ اس کے روبرو تھا۔ چند ماہ قبل کا ڈرا ہوا، سہما ہوا اسلان یہ وہ نہیں تھا۔ یہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

"اسلان۔۔۔۔۔" وہ آگے آیا۔ "پلیز میرے پیسے مجھے واپس دے دو تم نہیں جانتے وہ کون لوگ ہیں وہ مجھے مار دیں گے مجھے ختم کر دیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو تم مجھ جیسے نہیں، تم اچھے ہو تم تو اللہ اور اس کے رسول کو ماننے والوں میں ہو پلیز یہ مت کرو۔" اسلان بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھے گیا یہ آنسو، یہ تکلیف، یہ منت یہ نئی تو نہیں تھی وہ بھی گڑگڑایا تھا، وہ بھی رویا تھا، اس کی تو کبھی سنی نہیں گئی۔

"ایک گولی اور چھ چاقو کے زخم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہ ماننے والے بھی ایسا نہیں کرتے، شاہ ویر۔" وہ اس کی تمام باتوں کے جواب میں بولا تو بس اتنا۔ شاہ ویر نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "وہ میری بہن تھی وہ صرف بائیس سال کی تھی شاہ ویر۔" لعل یمن کے صحن میں وہ دونوں روبرو تھے۔ عالم چپ چاپ ایک جانب کھڑا رہا۔

"غلطی ہو گئی، اسلان۔ آئی ایم سو سوری تم کہو گے تو میں آراہ سے بھی معافی مانگ لوں گا اور اگر کوئی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو وہ بھی میں کر لوں گا میں سب کرنے کو تیار ہوں۔" اسلان نے تاسف سے اسے دیکھا جسے لگتا تھا کچھ بھی غلط کر کے صحیح کیا جا سکتا ہے۔

"میرے مسائل تم سے تھے لیکن میں نے کبھی تمہاری بہن کے ساتھ کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ میں نے کبھی اسے برے ناموں سے نہیں پکارا، کبھی اس کی عزت پر بات آنے نہیں دی، میں نے مردوں کی دشمنی مردوں تک رکھی

تم گھر کی عورتیں درمیان میں کیوں لائے؟" شاہ ویر اپنا سینہ مسل رہا تھا۔ عجیب سی ہذیانی کیفیت طاری تھی۔ یہ وہ شاہ ویر نہیں تھا جسے اسلان جانتا تھا۔ یہ وہ بھی نہیں تھا جس نے چار سال اسلان پر حکومت کی۔

"تم جو کرنا چاہتے ہو بنفشہ کے ساتھ کرو تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے نہ کرو تم اسے۔۔۔۔۔۔۔"

اسلان مارے طیش کے اسے گردن سے دبوچ گیا۔ "اس کا نام نہیں، اس پر کوئی بات نہیں۔" شاہ ویر تڑپ رہا تھا، اسلان کے مضبوط بازوؤں پر زور زور سے ہاتھ مار رہا تھا مگر وہ کسی غیر مرئی قوت کے تحت اس پر دباؤ بڑھائے ہوئے تھا، آنکھیں شعلے اُگل رہی تھیں۔ عالم نے بھتیجے کو روکنے کی کوشش نہ کی۔

اسلان نے ایک جھٹکے سے شاہ ویر کی گردن آزاد کی وہ کھانستے ہوئے وہیں کہیں گر گیا۔ اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں وہ قابل ترس تھا پھر بھی اس پر ترس نہیں آتا تھا۔ "میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا تمہیں مجھ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جو کوششیں تم کر رہے ہو انہیں ترک کر دو اور اب تمہاری طرف میرے دو حساب نکلتے ہیں۔" رہ رہ کر اس کا دماغ کھول رہا تھا اس کی جرات کیسے ہوئی بنفشہ کا نام لینے کی؟

"اسے لے جاؤ ورنہ بنگش ایک اور بیٹے کو روئیں گے۔" اس نے شاہ ویر کے ڈرائیور سے کہا اور خود اندر بڑھ گیا۔ دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے اسے سامنے سے آراہ آتی دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر تفکر تھا۔

"تم کسی سے جھگڑ رہے تھے مجھے آواز آئی ہے۔"

اسلان نے لاعلمی سے اسے دیکھا۔ "بھلا میں کسی سے کیوں لڑوں گا؟"

"اور وہ آوازیں؟"

"ہم دونوں بات کر رہے تھے۔" عقب سے نمودار ہوتے عالم نے جواب دیا۔ اسے بازو کے حلقے میں لیے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ چہرہ یکلخت سپاٹ ہو چکا تھا۔ شاہ ویر کے الفاظ اب بھی ذہن میں گونج رہے تھے اور اس کا خون کھول رہا تھا۔

★★★★★★★

میز پر رکھے کاغذات کے پلندوں پر سر جھکائے وہ قلم سے انہیں سیاہ کرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ کنعان آفریدی اس کی دائیں طرف بیٹھا تھا۔ آج لمبے عرصے بعد وہ اسلان یمن کے لیے فکر مند نہیں تھا۔ کوئی طمانیت اور ٹھہراؤ تھا جو ان کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔

"اتنے سالوں کے صبر کے بعد یہ سب کیوں؟" کنعان جاننا چاہتا تھا۔ "تم اپنے لیے نہیں لڑے پھر اب کیوں؟" اسلان کے لبوں پر کوئی مدھم، زخمی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنے لیے بھی لڑا مزاحمت اس کے خون میں تھی۔ وہ نقب زنی اور پامالی کے بعد بھی لڑا، اس نے مار، ذلت، پچھتاوؤں کے بعد بھی ہار نہیں مانی۔ اپنے لیے وہ ہاتھوں سے لڑا، پھر دماغ سے۔۔۔۔۔۔ لیکن آراہ کے لیے وہ دل سے لڑ رہا تھا کیونکہ وہ دل ہی ہے۔

"کچھ مردوں کو لگتا ہے وہ گھر کی عورت پر ہاتھ ڈالیں گے تو ہم عورتوں کو ڈھانپ لیں گے۔ میں اصول بدل رہا ہوں اب اگر کوئی گھر کی عورت پر ہاتھ ڈالے گا تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔"

(وہ "شاہ ویر بنگش" نہیں تھا۔ اس لیے وہ شاہ ویر بنگش کے دوستوں کو کال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تمکنت کے پاس البتہ گیا تھا، اس کے قدموں میں بیٹھ کر التجا بھی کی۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں مام کیا آپ مجھے ایک قتل نہیں معاف کر سکتیں؟" تمکنت نے اسے نہیں دیکھا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی آنکھیں ایک نقطے پر ساکت وہ اب بھی شوہر کے قتل اور بیٹے کے دھوکے سے باہر نہیں آسکی تھی۔ "آپ اپنا پیسہ، اپنی پراپرٹی میرے نام کر دیں۔ آپ کا پیسہ کہاں ہے مام پلیز مجھے کچھ بتائیں میں سب واپس کر دوں گا ایک بار مجھے اس میس سے باہر آنے دیں۔"

وہ رویا، گڑگڑایا منتیں کیں مگر اس کی ایک بھی نہیں سنی گئی، اس کی ماں کے لبوں سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہوا وہ جیسے لائی گئی تھی ملاقات کا وقت ختم ہونے پر ویسے ہی واپس لے جائی گئی۔ شاہ ویر بنگش اس ایک دیوار کو ختم نہیں کر سکا۔

وہ تاج کے پاس بھی گیا تھا جہاں دروازہ اس کے منہ پر بند کیا گیا، اس نے اپنے پاس رکھا کیش بھی گنا وہ کم تھا۔ بے حد کم۔۔۔۔ جسے اس نے لالچ کے تحت جوئے میں لگایا مگر ایک آنے کا فائدہ بھی نہ ملا وہ پاگل ہو رہا تھا اس پر ہذیان کی کیفیت طاری ہوتی تھی، وہ رات رات بھر سو نہیں پا رہا تھا۔ اسلان یمن نے اسے وہاں مارا تھا جہاں پانی بھی میسر نہیں تھا۔ اس پر تضاد نور کا ہر صبح اس کے گھر آنا، اسے اذیت دینا، اب اس کے جسم پر بھی ویسے ہی زخم تھے جیسے اسلان کے، اب اس کی پیٹھ اور سینہ بھی ویسا چھلنی جیسا شجاع یمن کے بیٹے کا۔

وہ قطرہ قطرہ مر رہا تھا بالکل ویسے جیسے کبھی اسلان مرا تھا۔)

"وہ تمہیں معاف نہیں کرے گا۔"

"جانتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں وہ دوبارہ میرے قریب آئے گا۔" اسلان یمن نے مصروف سا جواب دیا۔

"تمہارے قریب؟"

"یعنی میرے گھر کی عورتوں کے قریب عورتیں اس کا آسان حدف رہی ہیں۔" وہ کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہوئے یہ نہیں جانتا تھا کہ شاہ ویر بنگش اس کی نہیں اپنی بہن کے قریب آئے گا۔

(وہ پورا ایک دن دوائیوں کی بُو اور کڑواہٹ کے درمیان ہسپتال میں گزار کر آیا تھا۔ ہوڈی کے ساتھ پی کیپ پہنے وہ گردن جھکائے یونی ورسٹی کے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ آس پاس طلباء کا ہجوم تھا۔ اسے آراہ کو کہاں ڈھونڈنا تھا یہ اسے پتا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ موبائل پر کچھ دیکھتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ کچھ فائلز سینے سے لگائے کمزور سی چال چلتی نچلی منزل کی طرف جا رہی تھی، اس کا ٹوٹ بیگ اس کے کندھے پر تھا جب شاہ ویر بنگش نے برق رفتاری سے اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف کیا اور اگلے ہی لمحے وہ اسے اپنے ساتھ ایک خالی کلاس روم میں بند کر چکا تھا۔ یہ سب اتنا آناً فاناً ہوا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔

خالی کمرہ جماعت میں وہ کتنے ہی لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے رہے۔ وہ جس نے زندگی کی طرف محض ایک قدم اٹھایا تھا۔ وہ اس ایک قدم میں بھی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آراہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ ٹائم اسکوائر، لاہور کے سپورٹس کلب، کیفے، بک سٹورز وہ کہاں کہاں نہیں ملے تھے۔ کب کب روبرو ہوئے تھے آج یہاں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے وہ دونوں جیسے ماضی میں اجنبی رہے ہوں۔

شاہ ویر نے سر سے پیر تک عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ "اتنی جلدی مجھ سے موو آن کر لیا، ڈارلنگ؟" اس نے کمر سے پکڑ کر آراہ کو خود کے قریب کیا، وہ چیخ بھی نہ سکی آوازیں حلق میں دم توڑ گئی تھیں۔ بدن کپکپا رہا تھا۔ "آئی نو میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے لیکن کیا اب تم مجھ پر پرچے کٹواؤ گی؟" وہ اس کے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے اڑس رہا تھا۔ آراہ بنا سانس لیے چپ چاپ اسے تک رہی تھی۔

"میرے لوگ ہر جگہ ہیں کیا لگا تھا خبر مجھ تک نہیں آئے گی؟" اس کا ہاتھ رینگتا ہوا آراہ کے بازو پر اس جگہ آیا جہاں وہ زخم تھا۔ گولی کا زخم۔ شاہ ویر نے زور سے اس کا بازو دبایا۔ آراہ سسکی۔

"کتنی اچھی لگ رہی ہو ایسے، ڈری ہوئی، سہمی ہوئی، اپنی اوقات میں۔" وہ رکا...... اس کے بالوں کی لٹ انگلی پر لپیٹی۔ "عورت ہو تم تمہارا کام ہے ہے مرد کے سامنے گردن جھکا کر رکھنا، وہ جو کہے اس پر جی کہنا کیا۔ اپنے حق جان لو گی، دین سمجھ لو گی اور اپنے لیے بولنے لگو گی تو تمہاری اوقات بدل جائے گی؟" اس نے آراہ کے چہرے پر پھونک ماری۔ وہ جواب نہیں دے رہی تھی وہ محض سن رہی تھی۔

"تم مردوں کے لیے پیدا ہوئی ہو، ان کے لیے جیو گی اور ان کے لیے مرو گی بچ گئی ہو تو۔" اس کے اگلے الفاظ اس کے حلق میں ہی رہ گئے جب شاہ ویر کو اپنی ٹانگ پر کچھ سخت سا محسوس ہوا۔ اس نے شاکی انداز میں آراہ کو دیکھا۔ یہاں آنکھوں اور تاثرات میں بازی ہی بدل چکی تھی۔

وہ خوف نہیں بے خوفی سے اسے دیکھ رہی تھی۔)

"تم اس کی حفاظت کرو گے؟"

"میں اسے اس کی حفاظت کرنا سکھاؤں گا۔" اس نے جواب دیا۔ "یہ وہ زمانہ نہیں جہاں گھر کا مرد چاروں پہر عورت کے ساتھ رہے اس لیے میں اسے سکھاؤں گا اپنی حفاظت کیسے کی جائے۔"

"اور شاہ ویر.......اس کا کیا؟"

"وہ بھگتے گا، ابھی تو بس شروعات ہے۔"

"وہ اپنی جائیداد، دوست، ماں اور محبت کھو چکا ہے اب کیا؟"

اسلان نے ٹھنڈی نظریں اس بورڈ پر جما دیں جہاں اس کا منصوبہ تھا۔ کامیابی کا سو فیصد ضامن وہ خود تھا۔ "اس کا نام، اس کی کامیابی، اس کی نیک نامی، اس کا مستقبل اس کی زندگی برباد کرنے کو ابھی میرے پاس فہرست باقی ہے۔"

"تم بہت ظالم ہو۔"

"میں محض ایک لکھاری ہوں۔" اس نے شانے اچکاتے خود کو ہر الزام سے بری الذمہ قرار دیا۔

(”میری اوقات، میری مرضی، میرے فیصلے میں طے کروں گی تم نہیں۔“اس کی ٹانگ پر لیڈل پسٹل کا دباؤ بڑھاتے وہ سپاٹ انداز سے کہہ رہی تھی۔اس کے بدن پر کوئی کپکپاہٹ نہیں تھی، آنکھوں میں کوئی خوف نہیں۔وہ شاہ ویر سے نہیں ڈرتی تھی۔

”پستول ہٹاؤ۔“ وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ غرایا۔ آراہ نے پستول ہٹائی......ایک لمحہ، دو لمحہ.....اور پھر اس نے شاہ ویر کے پیروں کے قریب گولی چلائی۔سائلنسر لگی پستول سے آواز نہیں آئی خوف آیا۔شاہ ویر بدک کر دور ہٹا آراہ نے دونوں بازو سیدھ میں رکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں وہ لیڈی پسٹل تھام لی۔گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کسی دن ان دونوں کے درمیان یہ لمحہ بھی آئے گا۔

”دوبارہ تم مجھے میرے آس پاس بھی نظر آئے تو اگلی گولی نشانہ مار کر لوں گی اور تم میرے نشانے کی مہارت جانتے ہو۔“وہ غرا رہی تھی۔

”put the gun down“شاہ ویر نے تحمل سے کہتے قدم اس کی طرف بڑھائے جب آراہ نے ایک اور بار ٹرگر دبایا۔گولی پیچھے ڈیسک میں جا کر لگی۔”تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟“ وہ چلایا۔

”یہاں سے دفع ہو جاؤ، ہاتھ اوپر چال سیدھی اور اگلے ایک منٹ میں تم یہاں سے غائب ہوتے ہوئے نظر آؤ گے۔“اس نے نازک سی پستول اپنے سابقہ انداز میں اس پر تانے رکھی۔

”out now“ وہ دھاڑی۔شاہ ویر لب بھینچے الٹے قدم پیچھے ہونے لگا۔چٹخنی کھولی اور اس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالتے وہ باہر جا چکا تھا۔اس کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک ساکن کھڑی رہی اور پھر انارا طارون دھیرے دھیرے فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔وقت حالات زندگی اسے سب یکجا ہو کر کہاں لے آئے تھے؟)

”اگر آپ کو واقعی انتقام چاہیے تو آپ کو مجھے وہ دینا ہو گا مجھے چاہیے۔“اسلان یمن نے کہتے ہوئے اپنی مانگ بتائی۔

"فلم سٹی! تمہیں وہ چیز فلم سٹی میں ملے گی ڈھونڈ سکتے ہو تو ڈھونڈ لو۔ زمین کی کسی تہہ میں، یا شاید کسی دیوار میں یا پھر چھتیں، یا پھر ستون؟ تم اس ایک چیز کو کہاں کہاں تلاش کرو گے؟" ابتسام عبّاس نے اسے پتا بتا دیا تھا۔ اسلان کے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں ٹھنڈک ایک ساتھ آئی۔ وہ ڈھونڈ لے گا اسے یقین تھا۔ خود پر بے تحاشہ یقین۔

(کمرے کے بستر پر پڑے ہوئے اس کی آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔ ہاتھ میں کنولا تھا اور وہ چپ چاپ سیلنگ کو تک رہا تھا۔ وہ بارہ گھنٹوں سے ہسپتال میں تھا۔ اس سے ملنے کوئی دوست نہیں آیا تھا کیونکہ دوست تو سب شاہ ویر کے تھے نا؟ زید کے لیے کس نے آنا تھا؟ اپنے مفاد کی خاطر یہ زندگی، یہ نام اس نے خود چنا تھا اپنی لالچ کے تحت وہ یہاں تک خود آیا تھا کئی آنسو اس کی آنکھوں سے نکلتے کنپٹی میں جذب ہوتے گئے۔

بہت دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو ان میں کوئی تاثر لوٹ آیا تھا۔ "میں ہار نہیں مانوں گا۔" وہ زیر لب خود سے بڑبڑایا۔ آنکھیں موند لیں۔ "تم اپنے انتقام کو پچھتاؤ گے، اسلان یمن۔" وہ ڈرپ کی سوئی نوچ کر نکالتا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹھنڈے فرش پر قدم جماتے ہوئے وہ ہسپتال کی دیوار گیر کھڑکی میں آکر کھڑا ہوا۔ لاہور کی روشنیاں دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں سپاٹ تھیں۔

"میں امر ہوں...... چند ٹکے، ذرا سی جائیداد اور جان کا خوف یہ مجھے نہیں ہرا سکتا میرے پاس کھیلنے کو ابھی اور داؤ ہیں، پھینکنے کو اور پتے بھی، مجھے موت نہیں، مجھے کوئی زوال نہیں۔" تمام تر تباہی کے بعد بھی وہ پورے قد کے ساتھ کھڑا تھا۔ گردن اونچی، لب سیدھی لکیر میں بند وہ کھڑا تھا، وہ کھڑا رہے گا۔ ایسا اسے لگتا تھا۔)

★★★★★★★★★★

ان دونوں کا سامنا عدالت میں ہوا تھا اور اس وقت عالمگیر اس کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتا نظر آرہا تھا۔ دونوں سیاہ سفید لباس میں ملبوس تھے کچہری کا جہنمی شور روز اول جیسا تھا۔ عالمگیر مصروف سا فون استعمال کر رہا تھا۔ "چار دن

بعد سہگل کی پیشی ہے تم نے اپنا جواب اب تک نہیں دیا۔" کورٹ بازو پر ڈالے تیز تیز چلتے ہوئے عالمگیر نے اس سے کہا تھا۔ "اوپر سے وہ مجھے کالز پر کالز کر رہا ہے۔"

بنفشہ نے گہری سانس لی اسے اپنا اور اسلان کا ایک ایک اختلاف یاد آیا، وہ اس مقدمے کے خلاف تھا اور بنفشہ خود بھی کافی وقت تک اس سارے قصے کو ٹالتی رہی تھی مگر اب اسے کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی۔

"سہگل سے کہیں مجھ سے ملے میں ایک بار ان کی کہانی سننا چاہتی ہوں۔ پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔" عالم چلتے چلتے ٹھہر گیا تھا۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا اس کے اور اسلان کے اختلاف کا کیا، مگر اس نے نہیں پوچھا اس کے نزدیک یہ ان دونوں کا ذاتی معاملہ تھا۔

"ٹھیک ہے مل لو لیکن میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ جگہ اور وقت طے کر کے مجھے بتاؤ۔" اگر اس کے بھتیجے کی گٹ فیلنگ کچھ کہتی تھی تو وہ کچھ دیر کے لیے بنفشہ کے ساتھ رہنا چاہتا تھا اسے یہی موزوں لگا۔ البتہ کوئی خطرہ اسے اب بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

★★★★★★★

چند گھنٹے بعد!

یہ کسی عمارت کے روف ٹاپ کا منظر تھا۔ آس پاس برتنوں کے ٹکرانے کی ہلکی آواز تھی، فیری لائٹس کی روشنیاں تھیں اور مدھم موسیقی بج رہی تھی۔ سیاہ ہائی نیک کے ساتھ گہرے بھورے رنگ کا اوور کوٹ پہنے شاہ ویر طلال بنگش کافی کا ایک مگ تھامے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کی صحت گر رہی تھی، آنکھوں تلے حلقے تھے مگر گردن اٹھی ہوئی۔ وہ کچھ سوچ کر یہاں آیا تھا، اسے کچھ کرنا تھا وہ باطل تھا تو کیا ہوا کیا بقا پر اس کا کوئی حق نہیں؟

"اس روز تم نے مجھے مارا، گالیاں دیں، ٹارچر کیا مگر مجھے یہ نہیں بتایا کہ اگر میں مر جاؤں تو تم پیسہ کیسے ریکور کرو گے؟" کافی کے کپ پر، انگلی پھیرتے وہ پر اعتماد نظر آ رہا تھا۔

"بتایا تھا تمھیں لائیو اسٹریم کر کے!" نور نے بلاتردد جواب دیا۔ اس کے نین نقش بے حد معصومانہ تھے، جسامت ویسی جیسی عموماً ایشیائی لڑکوں کی ہوتی ہے پتلی پتلی انگلیوں والے ہاتھ اٹھا کر جب وہ بات کرتا تھا تو بس ایک عام سا لڑکا لگتا تھا اور پھر آتی تھی اس کی آنکھیں۔ .... بلا کی سفاک، بے حس اور ٹھنڈی آنکھیں۔ وہ چاہے لبوں سے مسکراتا رہتا مگر اس کی آنکھیں سانس ساکن کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

"اور اگر میں اپنی زندگی میں تمہیں پیسے واپس کر دوں بغیر تمہارے ہاتھ خراب کیے تو؟" شاہ ویر نے پوچھا۔

"میرے ہاتھوں کی فکر مت کرو بنگش، میں ان سے اتنی جانیں لے چکا ہوں کہ تعداد بھول گیا ہوں۔ ویسے بھی آج کل وارم اپ کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔" اس کے لبوں پر وہی مسکراہٹ تھی، میز کے نیچے وہ پستول ہاتھ میں تھامے بیٹھا تھا یقین تو اس نے اپنے باپ پر بھی نہیں کیا تھا۔

شاہ ویر دونوں ہاتھ باہم جوڑتے آگے کو ہوا۔ "میرے پاس تمہارے لیے ایک پروپوزل ہے۔"

"غلط! تمہارے پاس ایک درخواست ہے۔" اس نے تصحیح کی۔ "اور میں چاہوں گا تم یہاں میرے پیروں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہو جو کہنا ہے۔"

"میں کاروبار۔"

"اپنی ماں کے ساتھ کرنا کاروبار میرے قرض دار ہو تم، میرے سامنے گھٹنے ٹیکو، بنگش۔" لہجہ ہنوز نرم رہا، مگر کھیل تو سارا آنکھوں کا تھا نا؟ شاہ ویر نے گہری سانس لی، ارد گرد لوگوں کو دیکھا۔ وہ نسبتاً چھت کے ایک اندھیر کونے میں تھے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔ نور پرتپش سا مسکرایا۔ "پرفیکٹ۔"

"کیا اب ہم۔۔۔۔"

"ہم نہیں تم! تم اب درخواست کر سکتے ہو۔" کوئی بھی اس کے ظاہری خدوخال دیکھ کر اندازہ نہ لگا پاتا کہ اس کی اردو اتنی رواں ہو گی۔

شاہ ویر نے بہ دقت طیش نگلا۔ "مجھے دوماہ کا وقت چاہیے، نور۔"

"اور مجھے ان دوماہ میں وقت گزاری کے لیے کیا ملے گا تمہاری بیوی یا بہن؟" شاہ ویر کی مٹھی بھینچ گئی، چہرہ سرخ پڑا آج اسے اندازہ ہوا تھا جب جب وہ اسلان یمن کی بہن کی بات کرتا تھا اسے کیسا محسوس ہوتا ہوگا، اس نے ضبط کیا اپنی جان کے لیے وہ سب سہہ جانے کو تیار تھا۔

"میں ایک انٹرنیشنل این جی او کے لیے کام کرتا تھا شاہ ویر بنگش ایک نام نہیں برانڈ ہے۔"

"اس وقت تم زید ہو۔" اس نے ٹوکا۔

"میرا سابقہ نام اب بھی باقی ہے لوگ میرے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں چاہے نام اور مداح بنانے کے لیے ہی صحیح مگر میں نے لوگوں کی بھلائی کے کام کیے ہیں۔ میں نے انٹرنیشنل سیمینار اٹینڈ کیے ہیں، میں تھرڈ ورلڈ کنٹریز کے لیے لڑا ہوں، عورتوں کے حقوق کے پرچم اٹھائے ہیں لوگ میرے نام پر پیسہ وار سکتے ہیں۔"

"ہاتھ آگے کیجیے گا مرشد بیعت کرنی ہے۔" اس کی تمام باتوں کے جواب میں وہ طنز اور استہزاء سے بولا۔ شاہ ویر نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ ڈھیر سارا غصہ ضبط کیا۔

"میں ایک میٹنگ بلاؤں گا اور اس میں ایک پروپوزل پیش کروں گا میرے پاس کہانی ہے میں اسے بیچوں گا اور اس کے بدلے مجھے پیسہ ملے گا۔"

"تمہارے چند ٹکے چار سو کروڑ کا قرضہ اتاریں گے؟ اور آڈٹ رپورٹ کا کیا اس میں کیا لکھو گے پیسہ کہاں گیا؟"

"آڈٹ رپورٹ چھ ماہ بعد بنے گی میں چھ ماہ میں چھ ہزار کروڑ واپس لا سکتا ہوں اور اگر نہ بھی لا سکا تو یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہو گا۔ شاہ ویر اپنے مسائل سے نکلنا جانتا ہے۔"

"تم کیا کہانی پیش کرو گے، بنگش؟" وہ کچھ دلچسپی سے بولا۔ جو بھی تھا شاہ ویر بنگش کا معاملہ اسے لطف دے رہا تھا، جب ہی وہ اسے طول دے رہا تھا۔

"میں اپنے پتے تم پر کیوں واضح کروں؟"

"اور میں تمہیں دو ماہ کیوں دوں؟"

"کیونکہ تمہاری آڈٹ رپورٹ بھی تین ماہ بعد بنے گی اور میں تمہارے پرسنل اکاؤنٹ میں دس کروڑ اضافی بھیجنے کو تیار ہوں۔" وہ ٹھوڑی پر انگلی رکھے اسے دیکھے گیا۔ محظوظ سا، دلچسپی سے۔

"ایسا کیا ہے تمہاری زندگی میں جس پر تم ہار ماننے کو تیار ہی نہیں؟" شاہ ویر نے پلکیں جھپکیں۔

"میں اپنے حصے کے ساٹھ ستر سال لیے بغیر یہاں سے کہیں نہیں جا رہا۔" ڈھٹائی تھی، ضد تھی یا پھر کچھ اور جو بھی تھا اسے پسند آیا۔ نور نے گہری سانس لی، پستول میز کے نیچے سے سامنے کی اور اسے شاہ ویر کی کنپٹی پر رکھا۔

"میں نے تم جیسا شرباز آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

شاہ ویر نے سر کو خم دیا۔ "میں اسے اپنی تعریف سمجھوں گا۔"

"میں اگلے ڈیڑھ ماہ تک یہیں ہوں پاکستان میں، یہ میری چھٹیاں ہیں اور میں ان میں تمہیں اداکاری کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو کرنا ہے کرو بس مجھے بور نہ کرنا ورنہ میری تفریح تمہاری موت ہو گی۔" وہ کرسی چھوڑ کر اٹھا۔ "میرے لوگ تم پر نظر رکھیں گے تم ایک لمحے کے لیے بھی اکیلے نہیں ہو گے خودکشی یا بھاگ جانے کا خیال بھی دل سے نکال دو۔" شاہ ویر نے سر ہلا دیا۔

وہ چند مزید تاکیدیں کر رہا تھا وہ سنے گیا۔ کئی روز بعد اس کا دل ہلکا ہوا تھا اب وہ سو سکتا تھا اور اب وہ اسلان یمن کی نیندیں بھی خراب کر سکتا تھا۔ کلائمکس اگر وہ لکھ رہا تھا تو کچھ پلاٹ ٹوئسٹ شاہ ویر بنگش کی جانب سے شامل کیے جائیں۔

★★★★★★★★★★★

(”ہم ڈھونڈ کیا رہے ہیں؟“ فلم سٹی کے عقبی حصے سے اندر داخل ہو کر آس پاس تکتے ہوئے مدیحہ نے سرگوشی میں استفسار کیا۔

”میں اپنے راز نہیں بتاتا۔“ وہ آس پاس دیکھ رہا تھا جہاں دور دور تک کوئی ذی نفس نظر نہیں آیا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں اسلان کو لگ رہا تھا کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

”میں تمہاری پارٹنر ہوں، فار گاڈ سیک۔“

”ایسا مت کہو میری منگیتر بُرا مانے گی۔“

”تم پاگل ہو؟“

”یہ حقیقت تم پر اب آشکار ہوئی ہے؟“ مدیحہ رضا کی بس ہو گئی تھی۔ یہ آدمی اکھڑ، بدتمیز، سرپھرا اور عجیب تھا۔ سو القابات سے نوازتی وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ضبط کٹھن مرحلہ تھا۔)

یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب اسلان یمن نے شاہ ویر کے معمولات بدلتے دیکھے۔ وہ اب ایڈنبرگ کی گلیوں اور عمارتوں کو نئی نظروں سے دیکھنے لگا تھا، آرٹ، فن تعمیر، دروازے، کھڑکیاں اسلان یمن نے آج کل اسے ہر شے پر غور کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ نہ جانے کیوں؟

(وہ آگے آگے بڑھ رہی تھی جب اسلان نے تیزی سے اسے ایک طرف کیا۔ مدیحہ نے سانس روک لیا۔ اسلان نے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔

شاہ ویر بنگش رات کے ڈیڑھ بجے فلم سٹی میں تھا وہ کسی معمول کی طرح سے چبوترے پر آکر کھڑا ہوا سامان ترتیب دیا اور اگلے چند منٹ بعد جو ہوا وہ مدیحہ کو ساکن کر گیا۔ وہ جانتی تھی شاہ ویر بنگش ایک سائیکو پیتھ ہے مگر اس وقت وہ ذہنی بیماری کا عروج دیکھ رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بے اعتبار لمحہ تھا اب اسے اسلان یمن سے پوچھنے کی حجت نہ رہی تھی وہ جان گئی تھی وہ دونوں کیا ڈھونڈ رہے ہیں، البتہ اس کی سانسوں کا اتار چڑھاؤ اگلے کئی لمحے معتدل نہ ہو سکا تھا۔)

"یہ اسکیچ دیکھو اور بتاؤ اس میں کمی کیا ہے؟" اس نے ایک عمارت کا اسکیچ اسلان کے سامنے رکھا کتاب سے نگاہ ہٹا کر اسلان نے خاکہ دیکھا۔ کچھ تھا ان لکیروں میں، اس وجود میں آنے والی عمارت میں کہ وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ کئی لمحے وہ کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں اسے دیکھے گیا۔ "مجھے سمجھ نہیں آرہی اس میں مزید کیا شامل کروں؟"

"یہ مکمل ہے۔" فلم سٹی کے اس خاکے کو کئی منٹ دیکھتے رہنے کے بعد اسلان نے کہا۔ ساتھ دو انگلیوں کے درمیان اس خاکے کو اٹھایا۔ "تمہیں اس میں کیا کمی لگتی ہے کیونکہ مجھے یہ آرٹ لگتا ہے۔"

"راز...... اس میں راز نہیں ہیں۔ یہ عمارت میرے بچپن کا خواب ہے ایک ایسی جگہ جو سینما کے لیے مختص ہو سینما میرا گھر ہے اور گھروں میں راز ہونے چاہیے۔" وہ ہنوز مضطرب تھا ایڈن برگ کی ہوائیں ٹھہر کر اس کی بے چینی کا احوال معلوم کرتی رہیں۔

حال میں گول دائرے میں بنی گرلز سے نیچے جھانک کر دیکھو تو سفید فرش پر سیاہ سفید پٹی بنی تھی۔ جس کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔ اسٹیج تک جانے کا دروازہ۔ سینما کی شروعات، رازوں کا مسکن۔ اسٹیج۔

(وہ دونوں تقریباً پون گھنٹہ وہیں گرل کے عقب میں بیٹھے رہے۔ درمیان میں جو ہو رہا تھا وہ اسلان کی آنکھوں کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس کے لیے کچھ بھی نیا نہیں تھا شاہ ویر بنگش اس کا دوست رہا تھا وہ رازوں تک چاہے رسائی

حاصل نہ کر سکا ہو مگر وہ بات ذہن میں رہی تھی۔ اسے یہ یقین تھا کہ اگر شاہ ویر راز رکھے گا تو اسی عمارت میں رکھے گا۔)

"پاس ورڈ کیا ہو سکتا ہے؟" اسلان یمن اس چوڑے دروازے کے آگے کھڑے ہوئے بڑبڑایا۔ مدیحہ اور وہ دونوں مضطرب تھے، دونوں راز سے بے خبر بھی۔

"شاہ ویر کی ڈیٹ آف برتھ؟" مدیحہ نے تجویز پیش کی۔

"too simple" رد۔

"اس کے فادر کی ڈیٹ آف برتھ یا پھر...... آراہ کی ڈیٹ آف برتھ؟"

اسلان نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔ "وہ آراہ اور طلال بنگش سے اپنے لیے محبت کرتا تھا ان کے لیے نہیں۔" وہ دونوں وہیں کہیں بیٹھ گئے۔ تین پاسورڈز کے بعد الرٹ جاری ہو جانا تھا، شاہ ویر جہاں بھی ہوتا اسے علم ہو جاتا، ہر غلط ٹرائے کے بعد دروازہ اگلے چوبیس گھنٹوں کے لیے لاک ہونا تھا۔ وہ تین غلطیاں نہیں کر سکتے تھے ذہن پر بہت زیادہ زور دینے کے بعد بھی وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

بہت دیر بعد اسلان اٹھا اور گہری سانس بھرتے فرش پر پنجوں کے بل آ بیٹھا جہاں تین دائرے بنے تھے۔ شاہ ویر کے کاپی شدہ فنگر پرنٹس چیک کیے گئے تب وہاں پاس ورڈ مانگا جانے لگا۔ اسلان نے مدیحہ کو دیکھا وہ اسی کے جتنی متذبذب تھی۔ وہ دونوں ایک ہی طرح کی مشکل میں تھے۔

اسلان نے انگلی اعداد پر رکھی، مدیحہ کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ "تم کیا ٹائپ کرو گے؟"

اسلان نے اسے نہیں دیکھا وہ تمام جوڑ توڑ کر کے کچھ لکھ رہا تھا اگر پاسورڈ غلط ہوتا تو اگلے چوبیس گھنٹے کوئی اور پاسورڈ نہیں لگ سکتا تھا۔ اس نے گہری سانس لیتے وہ تاریخ لکھی جس تاریخ کو اس کا پہلا کام فلم فیسٹیول میں نشر ہوا تھا۔ زوں، زوں، زوں کی آواز تین مرتبہ ابھری اور سرخ نشان نظر آیا۔ پاس ورڈ غلط تھا ایک دن

ضائع۔ پورے چوبیس گھنٹوں کے لیے دروازہ لاک۔ وہ دونوں پہلی ہی کڑی میں جکڑے جانے کے بعد فرش بوس ہو چکے تھے۔ آراہ کے دیے گئے الٹی میٹم کا ایک دن ضائع ہو چکا تھا۔

(تھیٹر کی اگلی رو میں وہ دونوں بیٹھے تھے۔ شاہ ویر کسی سحر زدہ ناظر کی مانند سکرین پر پرفارم کرتی اداکارہ کو دیکھ رہا تھا۔ یہ ایڈنبرگ میں ہونے والا تیسرا ایشیائی شو تھا جس میں شاہ ویر اس کے پیسے بھر کر اسے ساتھ لایا تھا۔ وہ آرٹ، شو، رقص، کلاسک کسی بھی محفل سے چُوکتا نہیں تھا۔ سینیما اس کا عشق تھا اور یہ عشق اس کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا۔

"اگر اتنا ہی پسند ہے تو اس کی جگہ تم خود کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے؟" اسلان پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ شاہ ویر جو کافی دیر سے سکرین پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا اس کی نگاہ ان سے نہ ہٹی، وہ اسلان کو بھی نہیں سن رہا تھا کہ۔ ئی پل ان کو تکتے رہنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسلان اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ مکمل محو تھا، یوں گویا کوئی عالم طلسم میں ہو۔

"تمہیں نظر نہیں آ رہا، اسلان۔ میری نگاہ سے دیکھو وہاں میں ہی ہوں۔ وہ میری ہی جگہ ہے، میرا شوق، میرا جنون۔" اس روز پہلی مرتبہ اسلان یمن کو اس سے خوف آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں مکمل بند تھیں اور اسلان شجاع یمن نے اسے وہ ڈائیلاگ کہتے سنا جو مرد اداکار کے تھے۔ وہ واقعی اس کی جگہ تھا تصور اور تخیل میں۔)

"ہم دو مواقعے ضائع کر چکے ہیں، اسلان۔" اگلے دن دروازے کے آگے کھڑے وہ دونوں مضطرب تھے، دونوں کے دل بے حد زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ اور انہیں علم تھا یہ موقع آخری موقع ہے۔

"یہ آخری بار ہے۔" اسلان زیر لب بولا۔ "میں اس موقع کو ضائع نہیں کروں گا۔"

"ہم اسے ضائع کرنے کے متحمل ہو بھی نہیں سکتے۔" مدیحہ نے تنبیہ کی۔ "تم شیور ہو نا؟"

اسلان یمن کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ پر یقین تھا، اور نہیں بھی۔

(”تم سینما فریک ہو۔“ واپس ہاسٹل جاتے ہوئے اسلان نے تبصرہ کیا تھا۔ ”یا شاید اس سے بھی آگے کی کوئی چیز۔“ ”کہا جاسکتا ہے۔“ اس نے پہلی بار نہ بات بدلی، نہ نگاہ چرائی بس مان گیا۔ وہ گویا اب تک سحر میں ہو۔)

اس وقت اسلان یمن کی آنکھیں مختلف تھیں ان میں یاسیت نہیں انتقام تھا، ٹھہراؤ نہیں تپش تھی وہ سراپا قہر تھا۔ اس نے انگلی اٹھا کر لکھنا شروع کیا۔

”مجھے صرف چار دن دو، صرف چار دن۔“ اس نے ایک عدد لکھا۔ ۱

”تم بزدل ہو تم کچھ نہیں کر سکتے۔“ دوسرا عدد۔ ۸

”کیا تم اپنا خدا لے آئے؟“ اس نے تیسرا عدد لکھا۔ ۹

”آراہ میری ریڈ لائن تھی، شاہ ویر۔“ آخری عدد۔ ۵۔۔۔۔۔۔۔۔

سکرین پر سبز لکھائی میں "processing" لکھا ہوا آیا اور اسلان بے اختیار پیچھے ہوا، مدیحہ دھک سے رہ گئی۔۔۔۔۔۔۔۔ چند پل لگے تھے اور دروازہ کھل گیا تھا۔ ہر آواز بند ہو گئی، ہر شے ساکت ہو گئی وہ اس وقت شاہ ویر بنگش کے اعمال، کردار، گناہ، اور ریاکاریوں کی بیخ کنی کو تیار کھڑا تھا اسلان یمن اس کی تباہی کا راز پا چکا تھا۔

مدیحہ متحیر سی آگے آئی۔ ”1895۔۔۔۔۔۔۔ یہ کیا تاریخ ہے؟“

اسلان بہت دیر تک خاموش رہا اور جب وہ بولا تو اس کی آواز بے حد ہلکی تھی۔ سرگوشی جتنی ہلکی۔

”اس سن میں دنیا سینما سے متعارف ہوئی تھی۔“

★★★★★★★★★★

روم نمبر ۳۴۳ کے سامنے آکر اس نے دروازہ ہلکا سا بجایا، چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور اس کے سامنے کوئی مرد کھڑا نظر آیا۔ سہراب چند پل اسے دیکھتا رہا، وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا دونوں نے بس ہاتھ ملایا اور سنجیدگی سے اندر آگئے۔ کوئی جذباتی مکالمہ نہیں، کوئی اظہار جذبات نہیں۔

”سب سیٹ؟“ مہمان نے پوچھا۔

”سب سیٹ۔“ میزبان نے جواب دیتے ہوئے سگریٹ سلگایا۔ اور پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔

”اب "اسے" کال کرسکتے ہیں؟“ وہ کس کے بارے میں مستفسر تھا؟ ”ایک تو ہر کیس کے بعد اس پر انکوائری بیٹھ جاتی ہے سمجھ نہیں آتی یہ کیس لیتا ہے، یا اس "پر" کیس ہوتا ہے؟“

علی نامی میزبان نے شانے اچکائے۔ ”اس آدمی کے مسائل سمجھنا میرے لیے ناممکن ہے۔“ اس نے سہراب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”اس نے کہا ہے وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔“

”پیغام تو مجھ تک بھی یہی آیا ہے اب اس کی کالز ٹیپ نہیں ہو رہیں؟“

”نہیں لیکن اسے فی الحال اس بات کا یقین نہیں اس آدمی کو ہواؤں پر بھی شک ہے۔ اس لیے تمہیں یہاں بلوایا ہے۔“ وہ کریڈل پر پڑے فون پر کوئی نمبر ملانے کی کوشش کر رہا تھا سہراب چپ چاپ کونے پر ٹک گیا اس کا سارا دھیان اسلان کی جانب لگا تھا۔ ”تمہاری جوائننگ کب ہے؟“ بن باس ختم ہوا وہ فیلڈ میں اس کی واپسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ افسروں کے درمیان ہوتے غیر جذباتی مکالمے۔ ہاہ۔

”خادم صاحب نے کل بلایا ہے کوئی نیا کیس دیں گے۔“ وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بتا رہا تھا، جب کال مل گئی۔ بہت دنوں بعد وہ ایک بار پھر لائن پر آیا تھا اس پر انکوائری بیٹھی تھی، اس کی کالز ٹیپ ہو رہی تھیں، مگر وہ راستے نکال لیتا تھا منظر پر آجاتا تھا کردار البتہ ہر دفعہ اس کی مرضی کا ہوتا تھا۔

”دو دن حکومت چھٹی دے دیتی ہے تو تم لوگ عذاب کی طرح آ جاتے ہو۔ کیا ہے میرے پرسنل نمبر پر کیوں کال کر رہے تھے؟“ سکرین کے چوکھٹے میں "وہ" نظر آیا۔ سہراب ذرا سا آگے کو ہو کر بیٹھا، مسکرا کر اسے دیکھا۔ بہت عرصے بعد دیکھا تھا، جانے کیوں اچھا سا لگا۔

”کوئی پچھلے دنوں میرے ورک ایتھکس پر ہنس رہا تھا۔“

”اب بھی ہنسوں گا کیا اکھاڑ لو گے؟“ وہ تپا ہوا تھا۔

”اب تمہاری اپنی زندگی ایک مذاق ہے تمہیں یقیناً ہنسی آتی ہو گی۔“

سکرین پر نظر آتے آدمی کی آنکھیں ہلکی سرخ تھیں، بال ماتھے پر بکھرے ہوئے وہ کچی نیند سے جاگا تھا۔ ”تمہارا بھتیجا کب آ رہا ہے؟“

”اسی کے سلسلے میں کال کی ہے۔“ سہراب نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”تم اسے رکھ سکتے ہو، اور اگر واقعی رکھ سکتے ہو تو کیوں؟“

”میں نے حامی بھری ہے تو ہاں...... میں اسے رکھ سکتا ہوں اور کیوں رکھنا چاہتا ہوں یہ میرا ذاتی معاملہ ہے میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”یعنی میں یہ سمجھوں کہ تم نے ہماری دوستی کے لیے اسے ساتھ رکھنے کی قربانی دی ہے؟“

”اگر تم ایسا سوچو گے تو تمہاری سوچ پر لعنت۔“ وہ اکتایا۔

”میری سوچیں ایک طرف مجھے تمہاری سوچوں پر شک ہو رہا ہے، تم اتنے نیک نہیں ہو جتنے دکھ، اور بن رہے ہو۔“

”میں تمہارا آخری آپشن ہوں، سہراب۔ میرے علاوہ تم کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرسکتے۔ میں جانتا ہوں اسلان کو درست سمت دکھانے کے لیے تمہیں بہت لوگ مل جائیں گے لیکن وہ اپنے غلط کو غلط مان لے یہ صرف میں کروا سکتا ہوں۔ میں اس کی حفاظت کروں گا تمہیں تحفظات کیوں ہیں؟“ وہ اٹھ کر کافی مشین تک جاتا دکھائی دیا۔ انداز ڈھیلا تھا وہ واقعی چھٹیاں منا رہا تھا یا اس وقت شاید فارغ تھا۔

سہراب نے سوچنے کو ایک لمحہ لیا، ابھی وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ اس کی بات کاٹی گئی۔ ”تمہارا مسلہ پتا ہے کیا ہے؟ تم ان بچوں سے سے اٹیچڈ ہو میں اسے غلط نہیں سمجھتا۔ لیکن میرا خیال ہے تمہیں ایک بار بیٹھ کر سوچنا چاہیے کہ وہ تمہارا بیٹا ہے یا اسیر؟“

”اب تم کچھ زیادہ بول رہے ہو۔“ سہراب بگڑ گیا۔

”سچ یونہی چُبھتا ہے۔“ کافی کی پتلی دھار کپ میں گرنے لگی اب یہ آواز بھی منظر میں شامل ہوگئی تھی۔

”کچھ سچ میں بھی بتاؤں، کیا میں علی کو یہ بتاؤں کہ انکاؤنٹر نہ کرنے کا آرڈر ہوتے ہوئے تم نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا؟ یا پھر میں اسے یہ بتاؤں کہ اس وقت تم میرے شہر میں ہو یا پھر یہ کہ۔“

”میں تمہیں بتاتا ہوں کیا بتاؤ۔“ اس نے کافی کا کپ دھپ سے میز پر رکھا آنکھوں میں شیطانی چمک لیے وہ اپنی سابقہ جگہ پر آکر بیٹھا۔ اور موبائل پر ایک ویڈیو چلا کر سکرین کے سامنے کر دی۔ وہ ویڈیو جس میں اسلان یمن چوروں کی طرح فلم سٹی میں داخل ہو رہا تھا، اس کے ہاتھ میں پستول تھی اور .... سہراب آگے نہیں دیکھ سکا۔ سکرین کے پار بیٹھے مرد نے موبائل ایک طرف اچھال دیا تھا۔ ”وہ میرے ریڈار میں ہے، سہراب اور میری خطرہ سونگھ لینے والی حس کہتی ہے کہ اس کے جال میں اس کے وزن اور طاقت سے زیادہ بڑے مگرمچھ آگئے ہیں۔ تم نے مجھ سے درخواست کی میں نے مان لی اب تم مجھ پر شک کرو یا اعتبار مجھے فرق نہیں پڑتا۔ ایک ماہ کے اندر اندر مجھے

میرا جواب چاہیے۔ یا تو وہ میرے ساتھ جا رہا ہے یا پھر میں اسے کبھی قبول نہیں کروں گا۔" اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ سہراب چند پل کے لیے تھم گیا۔

"اور یہ پورا ایک ہفتہ تم لاہور کیا کرو گے؟"

"میں کیا کر سکتا ہوں؟" اس نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔ "معطل اور انڈر گراؤنڈ ہوں ایام سوگواری کاٹوں گا، اور کیا؟" سہراب نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا اس کی بات پر اعتبار وہ کرے جو اُلو کا پٹھا ہو اور وہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا یہ آدمی شہر لاہور میں کسی خاص مقصد کے تحت آیا تھا۔ مگر کیا؟

★★★★★★★★★★

"میں نے اسے ہزار دفعہ کہا ہے وہ فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا تو میں کیا کروں؟" سہراب یمن آمنہ سے کہہ رہا تھا اور بنفشہ نے سن لیا تھا۔ وہ وہیں رک گئی۔ "میں تمہاری فکر سمجھتا ہوں لیکن یہ اس کی ذاتی زندگی ہے، وہ جو چاہے کرے۔ میں اسے بنفشہ کو پرپوز کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

"عظمیٰ بی پوچھ رہی تھیں کہ ہمارا شادی کا کیا ارادہ ہے میں نے تو بس اس لیے پوچھ لیا۔" جواباً آمنہ اپنی صفائی دے رہی تھی مگر بنفشہ احسان کو لگا وہ کوئی بے ضرر یا بوجھ نما شے ہے۔ "اتنی جلدی میں منگنی کروالی اب شادی کا نام نہیں لے رہا پتا نہیں یہ لڑکا کیا چاہتا ہے۔"

حال میں وہی شخص اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے پر عام سا تاثر تھا، وہ بے نیازی سے اپنی پلیٹ میں چمچ سے بوٹیوں کے ریس ریشے توڑتا، اس کی پلیٹ میں رکھتا جا رہا تھا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" بھورے ٹرٹل نیک والا لڑکا سیاہ لباس والی لڑکی سے مستفسر تھا۔ آس پاس لعل یمن کی رونقیں تھیں۔ یہ یافث اور اس کی بیوی کو دی جانے والی شادی کی دعوت تھی جس میں خاندان کے کچھ لوگوں نے بھی شرکت کی تھی۔ رابعہ کے کچھ دوست بھی۔ ایک طرف گرما گرم کباب تیار ہو رہے تھے، دوسری طرف میز سج

رہی تھی اور ان سب سے ذرا فاصلے پر عقبی برامدے کے زینے پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہی زینے جہاں بیٹھ کر ایک مرتبہ انہوں نے مٹی کے برتن بنائے تھے، اب وہ دونوں مل کر تعلق بنا رہے تھے۔ زندگی کہاں سے کہاں آجاتی ہے نا؟

بنفشہ اس سے ذرا فاصلے پر پلیٹ میں رکھے کباب چمچ سے کھا رہی تھی۔ اسے بھوک لگی تھی مگر کسی سے کہنے میں جھجک محسوس ہوئی تو اسلان سے کہہ دیا وہ "اوکے" کہہ کر ایک طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بنفشہ نے اسے پلیٹ میں چاول، کباب اور ہری چٹنی لاتے ہوئے دیکھا۔ دوبارہ جا کر دو ڈائٹ ڈرنک لاتے ہوئے وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا تھا اور اب اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سوال کیا جو وہ کافی روز سے کرنا چاہتا تھا۔ بنفشہ نے گردن نفی میں ہلائی، البتہ اسلان اس کی گردن میں ابھرتی ہوئی گلٹی دیکھ سکتا تھا۔

"کچھ ہوا تو تمہیں بتادوں گی۔"

"میں یہی امید رکھوں گا میں چاہوں گا تم مجھے بتاؤ کیونکہ تم جانتی ہو میں سنبھال لوں گا۔" وہ بس گردن جھکائے پلیٹ میں بے مقصد چمچ چلانے لگی تھی۔ اسلان اس کا اضطراب دیکھ سکتا تھا بعض دفعہ وہ اس کا اضطراب اپنے طریقے سے ختم کر دینا چاہتا تھا مگر فی الحال اس کے اختیارات محدود تھے، اور تب وہ سہراب کا مشورہ سنجیدہ لینے کی سوچا کرتا تھا۔

"تم نے اس روز ہسپتال میں وہ سب کیوں کہا تھا، اسلان؟" آخری ریشے اس کی پلیٹ میں رکھنے کے بعد اسلان یمن نے ٹھنڈی سانس لی۔ اپنی پلیٹ میں رکھی ہوئی روٹی سے نوالہ بنا کر کھایا اور گردن جھکائے رکھی بہت دیر بعد بنفشہ کو اس کی آواز سنائی دی۔

"میں ڈرتا ہوں کہ ایک دن شاہ ویر بنگش مجھے گرانے کے لیے تم تک آئے گا اور میں آراہ کی طرح تمہیں نہیں بچا سکوں گا۔" بنفشہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر اسلان ہاتھ اٹھا کر روک چکا تھا۔ "یہ میرے ڈر ہیں بنفشہ میں پانچ

سالوں سے اپنے تعلقات کے "لیے"، اور تعلقات "سے" ڈرتا رہا ہوں تم یہ خوف نکال نہیں سکتیں۔ میں بھی نہیں نکال سکتا۔"

"تمہیں زندگی کے کئیں موڑ پر میرے لیے لڑنے کی ضرورت پیش آئے گی اور میں چاہوں گی تم میرے لیے لڑو۔ مگر میں نہیں چاہتی کہ تم میری پہرے داری کرو۔" کانٹے پر لگا کباب جوں کا توں رہا۔

"تم ذمہ داری ہو میری۔" اسلان نے اب کے کچھ زور دے کر کہا۔

"میں میری ذمہ داری ہوں...... مجھے اپنا پارٹنر سمجھو گے تو زندگی آسان ہو گی ذمہ داریوں سے انسان تھک جاتے ہیں۔" وہ کہہ رہی تھی مگر دور کہیں کسک سی اٹھی کیا وہ ذمہ داری سمجھ کر اس سے بھاگ رہا تھا؟ کیا وہ بوجھ بن رہی تھی؟

"میں تم سے کبھی تھک سکتا ہوں کیا؟" وہ کچھ نہ بولی بس خاموش رہی۔ گردن جھکائے وہ تیز تیز کباب کے ٹکڑے کرنے لگی۔ وہ اب کھا رہی تھی نوالے تیز تیز تھے اسلان لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

"میں تم سے جواب مانگ رہا ہوں۔"

"تم سارے کام کر سکتے ہو تو خود کو خود جواب دینا بھی شروع کر دو۔" اس نے طیش سے زیادہ چٹنی کباب پر ڈالی اور کباب منہ میں رکھ لیا۔ اسلان متحیر سا اسے دیکھ رہا تھا منگنی کے بعد یہ ان کا باقاعدہ پہلا اختلاف تھا۔

"سارے کام کر سکتا ہوں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں تمہارے دل میں جو بات ہے وہ بھی سمجھ جاؤں۔" اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں، اسے مرچ لگ رہے تھے۔ اسلان نے سادہ روٹی توڑ کر ایک نوالہ اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں چاہیے۔ یہ بھی خود کھالو۔" اسلان نے چپ چاپ ٹکڑا اس کی پلیٹ میں رکھ دیا، وہ چند پل جلتی زبان کا درد برداشت کرتی رہی پھر روٹی اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ اسلان نے اب سادہ چاول اس کی پلیٹ میں ڈالے اور چٹنی اس

کی پلیٹ سے لے لی۔ وہ چپ چاپ سادہ چاول اور روٹی کے نوالے منہ میں رکھتی چلی گئی۔ جلن قدرے کم ہو گئی تھی، ختم اب بھی نہ ہوئی۔ آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔

"زیادہ پرواہ دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"دوبارہ میری وجہ سے خود کو ہرٹ مت کرنا بنفشہ, it's a request ۔" گفتگو کے دوران پہلی مرتبہ اس کے لہجے میں التجا آئی تھی۔ "اگر یہ سب تمہیں غلط لگ رہا ہے تو اب جو ہے یہی ہے، میں اپنی اس عادت کو بدل نہیں سکتا تمہارے لیے میں سوتے ہوئے بھی محتاط رہوں گا۔"

"مت رہو تم باڈی گارڈ نہیں ہو میرے۔"

"پھر تم بھی میری فکر مت کیا کرو۔"

"کیوں کیا تمہیں کوئی اور مل گئی ہے؟"

"ہیں؟" وہ بوکھلایا۔ "تم پاگل ہو گئی ہو کیا میں ۔۔۔۔۔" وہ کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔ "تم کس طرح کی باتیں کر رہی ہو، ہوا کیا ہے؟"

"بات یہ ہے کہ تم اپنی کرنے لگے ہو۔ مجھ سے باتیں چھپاتے ہو، میرا مشورہ نہیں مانتے اور بس اپنی کرتے ہو اور خود کو مجھ سے زیادہ سمجھدار سمجھتے ہو۔ اور تمہیں میری کوئی ضرورت نہیں۔"

اسلان نے ابرو اٹھایا۔ "اچھا؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کر رکا، بازو سینے پر باندھ لیے۔ بنفشہ ہنوز تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ "اور کچھ؟"

"اور یہ کہ۔" وہ بولتے بولتے رک گئی، گنوانے کو کچھ رہا ہی نہیں۔ "یہ بڑی بڑی آنکھیں دکھا کر مجھے ڈراؤ مت۔"

اسلان نے کچھ نہیں کہا، وہ انہی سابقہ نگاہوں سے اسے تکے گیا۔ "میں ۔۔۔۔۔۔" اس نے شہادت کی انگلی اٹھا

کر کچھ کہنا چاہا جب اسلان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ نرمی سے، ملائمت سے۔ وہ کیا کہہ رہی تھی، کیا کہنے لگی تھی سب بھول گیا۔ سارے اختلاف ختم۔

”مجھے نہیں پتا تم کس بات پر ناراض ہو، لیکن میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ۔“ وہ رکا ایک پل کو رکا، یاد آیا کہ اس کا کوئی قصور نہیں تھا مگر پھر اس کی نگاہ بنفشہ کی آنکھوں پر پڑی، وہ اداسی، وہ نمی .... اسلان یمن نے ہر انا پر لعنت بھیجی۔ ”آئی ایم سوری۔“

وہ غصہ بھول گئی، طیش بہہ گیا۔ اسلان چند لمحے اسے تکتا رہا پھر پلٹ گیا۔ اس کی اور اپنی پلیٹ اٹھائے اور اب وہ اس کی نظروں سے دور جا رہا تھا۔ ذرا فاصلے پر سہراب کی میز پر بنفشہ کی پلیٹ رکھتے ہوئے وہ خود بھی وہیں بیٹھ گیا اور اس کا بچا ہوا کھانا بڑے آرام سے، بنا کسی حجت کے انگلیوں سے چننے لگا، وہ جسے بنفشہ کنٹرولنگ کہہ رہی تھی کیا وہ یہی تھا جو اس کی بچی ہوئی پلیٹ بھی سمیٹ لیتا تھا؟

★★★★★★★

لاہور میں واقع "شاہ ویر بنگش" کے دفتر میں آج لمبی سربراہی میز بچھی تھی۔ میز کے گرد رکھی کرسیوں پر دائیں بائیں لوگ بیٹھے تھے، سوٹڈ بوٹڈ افراد جن کے کام پر شاہ ویر کی موت اثرانداز ہوئی تھی۔ شاہ زید کی واپسی پر نئی نئی خبریں اٹھی تھیں ہر طرف اسے کوریج مل رہی تھی، ہر جانب اس کی بات ہو رہی تھی وہ کیا نیا لایا تھا اس کے آس پاس کیمرا زتھے وہ شاہ ویر کی لیگسی آگے بڑھانے والا تھا لوگ اس پر قربان ہونے کو تیار کھڑے تھے۔ اور وہ محض ایک نام پر سیاست کرنے کو تیار۔

(”جانا کہاں ہے؟“ آئینے کے آگے کھڑی آراہ نے اکتاہٹ سے پوچھا۔ اسلان اس کی الماری میں منہ دیے کھڑا تھا ایک ایک جوڑا الٹ پلٹ کر تا وہ آراہ کے لیے کوئی بہترین لباس منتخب کرنا چاہتا تھا، تھک ہار کر وہ پیچھے ہوا نگاہ آراہ سے ملی۔

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم آج اپنی آنکھوں سے شاہ ویر کے نام اور عزت کا جنازہ نکلتے ہوئے دیکھو گی تو تم کیا پہننا چاہو گی؟"

آراہ کی چہرے کی رنگت اڑی، اس نے غیر یقینی سے اسلان کو دیکھا۔ "تم کیا کر رہے ہو؟"

"وہی جو مجھے آتا ہے۔" لمحے بھر کا توقف۔ "کہانی بُننا۔"

آراہ آگے آئی اس کا بازو پکڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "مجھے سچ بتاؤ کیا کر رہے ہو؟"

"میں اسپائلرز نہیں دیتا۔" آراہ کا مانو دماغ کھول گیا۔ "تیار ہو کر نیچے آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ اس کے آگے سے گزر کر چلا گیا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا وہ اسلان یمن کے چہرے پر اتنا اطمینان دیکھنے کی عادی نہیں تھی، لکھاری کا اطمینان ہمیشہ کہانی کا ٹرننگ پائنٹ ثابت ہوتا ہے۔ اتنا تو وہ جانتی تھی۔)

کافی بینز کی بھینی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ تھم گئی جب میز کے گرد بیٹھے اس شہر کے تمام رؤسا نے شاہ زید بنگش کو آتے ہوئے دیکھا۔ سفید شرٹ کے اوپر سیاہ ویسٹ پہنے خوشبوؤں میں رچا بسا شخص سربراہی کرسی پر آ کر بیٹھا۔ بال سلیقے سے جمے تھے، تازہ تازہ شیو کے بعد اس کے جبڑے کا نشان واضح تھا (تازہ شیو کے بعد وہ آج بھی یہ نشان بنالیتا تھا) جناب اداکار اب بھی کردار میں تھے۔

کیمرے اس کی جانب تھے، لوگ اس کے بولنے کے منتظر تھے اور ان تمام لوگوں کے درمیان بیٹھا وہ کہنے کو تیار تھا۔ سینے پر وہی تاج والا بروچ تھا۔ لہجہ مدھم۔

"نیکی دو چیزیں مانگتی ہے۔" اس نے انگریزی میں بات کا آغاز کیا۔ "نیت اور رقم!"

("یہ کیسی جگہ ہے فیملی آؤٹنگ کے لیے؟" یمن اور یافث خاندان کی گاڑیاں چوراہے پر ایک طرف کھڑی تھیں۔ بڑی بڑی سکرینز پر براہ راست پاکستان اور افغانستان کا میچ چل رہا تھا۔ کئی گھرانے گاڑیاں ایک طرف لگائے میچ دیکھ رہی تھیں۔ آس پاس کئی دکانیں تھے جن کی روشنی نے سارے میں رونق کر دی تھی۔

”کیوں یہاں کیا مسئلہ ہے کتنا خوبصورت نظارہ ہے۔“ عالمگیر ڈھٹائی سے بولا۔ سہر اب کچھ کہنے لگا تھا کہ میچ سنسنی خیز موڑ پر آگیا اس کی نگاہیں سکرین پر جم گئیں، البتہ دماغ اب تک وہیں اٹکا تھا وہاں جہاں موبائل کی سکرین پر اس کے بھتیجے کی لوکیشن نظر آرہی تھی۔

اسلان یمن وہیں تھا......... وہاں جہاں آج شہر لاہور کی سب سے بڑی پریس کانفرنس ہو رہی تھی۔ وہ اگر وہاں تھا تو شہر کے اطراف میں لگے خطرے کے ہر گھنٹے کو چاہیے تھا کہ بجیں۔)

”جی رقم۔۔۔۔“ وہ اسی اعتماد کے ساتھ گویا ہوا۔ ”میں شاہ ویر بنگش ہوتا تو میرے پاس اپنی بات پیش کرنے کے لیے بہتر الفاظ ہوتے، بہتر کہانی ہوتی لیکن میں ایک عام آدمی ہوں۔ میرے پاس وژن ہے۔ میں اور شاہ ویر ہم نے اپنے بچپن کے چند سال کسمپرسی دیکھی ان برسوں میں ہم نے زندگی کی حقیقت کو بہت قریب سے دیکھا۔ ہم پر فاقوں کی نوبت آگئی تھی مگر میری ماں نے ہم دونوں کو کام کرنے نہیں دیا۔ میری ماں نے کچھ غلط کام کیے ہیں اور ان کے لیے میں ان کے خلاف ہوں، وہ جیل میں اپنی سزا کاٹ رہی ہیں۔ لیکن میری ماں نے اپنی زندگی میں ایک اچھا کام کیا تھا۔“ وہ رکا......... اپنے سامنے بیٹھے سرمایہ کاروں کو دیکھا، سکرین پر نظر آتے غیر ملکی ہمدرد انسانی لوگوں کو دیکھا۔

”میری ماں نے چائلڈ لیبر نہیں کروایا۔“ ہر طرف خاموشی چھا گئی، لوگوں کی سوچ کے گھوڑے مختلف سمت دوڑنے لگے۔ ”اگر اس بچپن میں ہم دونوں بھائیوں نے مزدوری کی ہوتی یا پھر لوگوں کے سامنے جوتے پالش کیے ہوتے تو ہم حقیر ہرگز نہ بنتے مگر شاید ہماری پڑھائی رہ جاتی، ہمارے ذہنوں پر تلخ سا تاثر رہ جاتا اور سب سے بڑھ کر ہمارے خواب پورے نہ ہو پاتے۔“ وہ بولتے بولتے رکا، ایک نظر لوگوں کو دیکھا۔ ”میرے پاس وژن ہے سرمایہ نہیں۔ میں زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا مگر آپ میرا وژن دیکھ کر فیصلہ کریں۔ کیا پاکستان کے لاکھوں بچے اس کے حقدار ہیں کہ ان سے قلم کتاب چھین کر مزدوری کروائی جائے؟“

(حال میں میڈیا کے لوگوں کے عقب میں وہ دونوں بھی آ کر کھڑے ہوئے ان کے ساتھ کچھ انفلوئنسرز بھی کھڑے تھے۔ اب تمام لوگ شاہ ویر بنگش کا وژن دیکھنے کو تیار تھے وہ وژن جو اس کے لیے اس کی بقا تھا، وہ جو یمن خاندان کے تمام دکھوں کا مداوا بننے والا تھا، وہ جو اسلان یمن کا انتقام تھا اور وہ جو انارا طارون کے جلتے زخموں پر کسی مرہم کی طرح آ کر لگنے والا تھا۔ حق آ چکا تھا، باطل نے مٹنا تھا بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔)

میڈیا، انفلوئنسر، کیمرہ مین، اور سرمایہ کاروں کے موبائل یکبارگی بجنے لگے۔ سکرینز کے مناظر بدل گئے۔ ہر طرف موت جیسا سکوت تھا۔ سکرین کے چوکھٹے میں شاہ ویر طلال بنگش کا چہرہ تھا وہ چہرہ جس میں اس کی سفید ہوڈی پر خون جما تھا اور وہ انارا طارون کو پیر سے گھسیٹتے ہوئے لے جا رہا تھا۔ آراہ کا چہرہ واضح نہیں تھا مگر شاہ ویر بنگش کو ساری دنیا دیکھ سکتی تھی۔ سکرین جل کر بجھی اور ایک اور منظر واضح ہوا۔

وہ زید کی قبر پر بیٹھا تھا، کیمرہ سامنے سیٹ کیے اس نے کہنا شروع کیا تھا۔ ”اٹھائیس فروری، وقت نو بجے ۰۔“ وہ کہہ رہا تھا نوٹ کروا رہا تھا۔ ”دنیا کے لیے یہ قبر شاہ ویر بنگش کی ہے، حقیقت مختلف ہے۔“

ٹی وی، سوشل میڈیا، براہ راست چلتے شو، شہر کے بل بورڈ کی بڑی بڑی سکرینز پر اس کا چہرہ تھا، اسے سکرین پسند تھی اسلان یمن اسے دے رہا تھا۔ اسے نام پسند تھا وہ نام بھی دے رہا تھا، اسے سلطنت چاہیے تھی وہ دے رہا تھا ذلت کی، بدنامی کی، کفاروں کی۔

”یہ میرا بھائی ہے شاہ زید طلال بنگش، میں کسی قاتل کو نہیں جانتا مجھے نہیں پتا یہ کس نے کیا ہے لیکن جس نے بھی کیا ہے اس کا نشانہ چوک چکا ہے۔ میں شاہ ویر طلال بنگش زندہ ہوں۔“ اس نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا، مڑ کر لوگوں کو دیکھا جو متحیر اور شاکی تھے۔ شاہ ویر بنگش کی نیک نامی کو زوال آ چکا تھا۔ مجمعے میں کھڑے یمن اس زوال کے لانے میں پیش پیش۔

(سہراب منجمند تھا۔ سکرین پر چلتی ویڈیو میں وہ اعتراف کر رہا تھا۔ ”میں نے کئی لوگوں کا قتل کیا ہے پہلا میرے دادا کا۔ تیرہ سال کا تھا میں، نیند کی گولیاں دے کر مارا۔“ وہ فلم سٹی میں اسٹیج پر اپنی پسندیدہ جگہ پر تھا۔ ”دوسرا قتل پنار سکندر کا تھا ہاں وہی انٹرنیٹ سینسیشن، وہی جس کا الزام اسلان یمن میرے سابقہ دوست پر آیا۔ یہاں کہتے ہوئے بہت اچھا محسوس کر رہا ہوں ساری گھٹن جو سینے میں لیے گھومتا ہوں وہ یہاں آج ختم ہو رہی ہے تھک گیا ہوں یار ہیرو بن بن کر، ہیرو تو پیدا بھی نہیں ہوا میں یہ میرا اصل ہے یہ اسٹیج، یہ میری حقیقت، یہ قتل، خون، سیاہی یہ میں ہوں شاہ ویر طلال بنگش۔ میں اپنی زندگی کا پرائم ٹائم جی رہا ہوں۔“ وہ کہہ رہا تھا، وہ خوش تھا اسے اچھا لگتا تھا اپنی زندگی کا ہر لمحہ ریکارڈ کر کے اور اگر وہ ریکارڈ نہ کر پاتا تب وہ ہر لمحہ کیمرے کو سناتا تھا، عکس بند کرواتا تھا اسٹیج پر کھڑے ہونے کے بعد وہ اپنا ہر گناہ، ہر کامیابی ہر گھٹن ہر تکلیف کہہ دیتا تھا اسے یہ علم نہیں تھا ثبوت محفوظ نہیں تباہ کرتے ہیں۔)

”بند کرو اسے یہ سب بکواس ہے اے آئی ہے۔ جھوٹ ہے یہ، میں ....یہ میں نہیں ہوں۔“ شاہ ویر پھٹی ہوئی آواز میں چلا رہا تھا یہ تمام ویڈیوز اس کی ٹرافی تھیں. انہیں تو اس نے اپنی زندگی کے سب سے محفوظ مقام پر مخفی کر رکھا تھا یہ سچ نہیں ہو سکتا تھا، کوئی اس راز تک کیسے آ سکتا تھا وہ پاگل ہو رہا تھا دیوانہ اور جنونی۔

اس نے کھینچ کر تاریں نکالیں، ٹی وی گرا دیا لوگوں سے ان کے موبائل فونز چھیننے لگا اس کے سرمایہ کار ایک ایک کر کے اٹھ رہے تھے کیمرہ مین چیخ رہے تھے وہ مر رہا تھا آج یہاں وہ واقعی مر رہا تھا. اسلان یمن نے اپنی دی ہوئی سکرین اس مقام پر آ کر چھینی تھی کہ شاہ ویر بنگش دو دنیاؤں میں ذلیل ہی ذلیل رہا۔

”آپ بیٹھیں! پلیز آپ بیٹھیں! یہ جھوٹ ہے۔ یہ سچ نہیں ہے۔ آپ ایسے نہیں جا سکتے۔“ وہ کرسیاں چھوڑ کر اٹھتے سرمایہ کاروں پر چیخ رہا تھا، گڑگڑا رہا تھا۔ اس نے کہانی یوں لکھی، یوں موڑی کہ مرکزیت خود بخود تبدیل ہوئی وہ اپنے فن میں ملکہ رکھتا تھا آج شاہ ویر بنگش کو یہ اندازہ ہوا۔

("میرا تیسرا قتل میرا اپنا باپ تھا۔" یہاں وہ رک گیا تھا، پھر دھیرے دھیرے کرسی پر بیٹھتا چلا گیا۔ "میں اس بارے میں زیادہ بات نہیں کرنا چاہتا یہ میری زندگی کا سب سے بڑا غم ہے جسے میں ہر رات یاد کرتا ہوں۔" گہری سانس لیتے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سر جھٹکا۔ "پنار کو مار کر مزہ آیا فحاشاؤں کی تعداد جتنی کم ہو اتنا سکون ہے۔ اس کے بعد اب تک کے لیے کوئی غلط کام نہیں کیا سوائے اسلان کے ساتھ ہوئی کچھ زیادتیوں کے، اور ہاں ایک اہم بات اسلان یمن میرا گھوسٹ رائیٹر ہے۔ اس کا نام اور کام میں نے دونوں استعمال کیا ہے۔" درمیان میں اسے کوئی کال آگئی تھی وہ موبائل دیکھنے لگا تھا۔)

"بچے کہاں ہیں، یافث؟" سہراب متوحش انداز میں اس کی طرف مڑا۔ اگر یہ سب ٹی وی پر تھا تو اس کے پیچھے اسلان یمن تھا اور اگر واقعی ایسا تھا تو اس وقت وہ خطرے میں ہو سکتا تھا۔ "میرے بچے کہاں ہیں؟"

یافث نے پرسکون ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔ "پروازوں میں........" یافث نے اس کا بازو پکڑ لیا، نرمی سے اس کے چہرے کے دونوں اطراف اپنے ہاتھ رکھے۔ بہت عرصہ بعد پہلے کی طرح۔ "پرندے پرواز سیکھ گئے ہیں، سہراب۔ اب انہیں آزاد کر دو۔"

"وہ میرے بچے ہیں میں. ......" یافث نے نفی میں سر ہلایا۔ سہراب تھم گیا۔ اس کی آنکھوں میں وہی تاثر تھا جو اس روز انارا کی لعل یمن میں رہنے کی اجازت لینے پر سہراب کی آنکھوں میں تھا۔ "وہ اکیلے ہوں گے۔"

"وہ اکیلے نہیں ہیں آراہ اور اسلان جب ساتھ ہوں تو اکیلے نہیں ہو سکتے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو کافی ہیں۔ آسمان اب ان کا ہے ہم نے ان پر بہت محنت کی ہے، یہ پرواز دیکھنے کا وقت ہے وہ دونوں شداد وقت کا زوال لائے ہیں اب بس تماشہ دیکھو۔ تعاقب چھوڑ دو۔" سہراب نے دھیرے سے گردن سکرین کی طرف موڑی وہ اب زید کے قتل کا اعتراف کر رہا تھا، وہ سکرین پر پورے فخر کے ساتھ اپنے ایک ایک گناہ کو مان رہا تھا، دنیا دیکھ رہی تھی، لوگ دیکھ رہے تھے۔ ہر کوئی سن رہا تھا وہ جو شفاف پن اوڑھے گھومتا تھا آج غلاظت اس کا مقدر ہوئی۔ وہ محض سفید پہنتا تھا آج دنیا کی ہر سیاہی اس کی ہوئی۔

(”میں نے اسلان یمن کو بہت ٹارچر کیا۔ ذہنی، جسمانی اسے ذلیل کیا کیونکہ وہ مجھے تنگ کرتا ہے اسے لگتا ہے وہ میرے سامنے انکار کرے گا اور میں اسے جانے دوں گا ایسا تو ہو نہیں سکتا نا؟“ وہ لمحے بھر کو رکا۔ دوسری ویڈیو چل گئی۔ اعتراف کا دوسرا مرحلہ۔

”میں نے اسلان سے بہت مدد لی پھر کچھ وقت بعد مجھے اس کی بہن پسند آگئی۔ اب آپ سوچتے ہوں گے میں اسے بھی استعمال کرنا چاہتا تھا؟ سچ یہ ہے کہ ہاں..... مگر مختلف طریقے سے۔ مجھے اس کی سفیدی چاہیے تھی تاکہ میری سیاہی بیلنس ہو سکے۔“)

آس پاس سے مختلف تبصرے ابھر رہے تھے۔ اس نے عالم کو دیکھا اسے اب سمجھ آیا وہ یہاں کیوں تھے بلاخر کئی سال بعد ہر تہمت ان سے ہٹ گئی تھی۔ سرعام۔

بلاخر یمن ہر الزام سے آزاد ہوئے۔ اعلی اعلان۔

آخر کار ساری ذلتیں، سارے فتوے، ساری ناکامیاں اس کے حصے میں آگئی تھیں جو حقدار تھا اور جو بے گناہ تھے آج گردن اٹھائے سکرین دیکھ رہے تھے۔ کچھ نے انہیں پہچان لیا تھا وہ ان کی ویڈیو بنا رہے تھے مگر یافث، سہراب، عالم، آمنہ وہ کچھ نہیں دیکھ رہے تھے وہ بس آج اپنے خاندان کے نام کو شفاف ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

ان تمام کی نگاہ بس سکرین پر جمی تھیں، کندھے جڑے ہوئے، دل میں کہیں طمانیت اتر رہی تھی آج زخموں کے دھل جانے کا دن تھا۔ آج ان کے بچے بلاخر انصاف پانے والے تھے۔

(”آج میں ایک اہم کام کرنے جا رہا ہوں۔“ وہ مائیک پر کہہ رہا تھا۔ ”میں نے آراہ کو اغوا کیا ہے اسے ایک گولی ماری اور چاقوؤں کے وار کیے۔ آبو یسلی میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا مگر میں مجبور ہو گیا تھا اور یہ........“ اس نے اپنی سفید ہوڈی کی جانب اشارہ کیا۔ ”it's her blood او وہ نہ سہی اس کا خون صحیح۔“

ویڈیو ہٹ گئی اور ایک دوسری ویڈیو چلنے لگی۔ وہ زینوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ "دلیپ اور ضارم کو بھی میں نے مارا ہی یہ کہانی میں الگ سے ریکارڈ کروں گا کیونکہ یہ کافی فیورٹ ہے خاص طور پر ضارم والی۔ اس سے ہزار بار کہا تھا میری عورت سے دور رہے لیکن سمجھتا ہی نہیں تھا اب سمجھ گیا ہو گا۔ خیر میری عورت بھی میری محبت کی حقدار نہیں تھی اور اس کا انجام میں آ کر بتاؤں گا۔" اس نے آگے آ کر کیمرہ بند کر دیا۔ شاید اسے کہیں پہنچنا تھا۔ شاید وہ جلدی میں تھا۔)

وہ بغیر کسی کی طرف دیکھے کانفرنس روم سے بھاگ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔ ذلت بھر بھر کر اس کے نصیب میں ڈال گئی تھی اور وہ اسی کا حقدار تھا۔ داخلی راستے پر لوگوں کا جم غفیر کھڑا تھا شاکی، ملامتی، کراہیت بھری نظریں لیے اسے دیکھتے ہوئے لوگ۔ وہ ہل نہیں سکا۔ اس نے ہمیشہ لوگوں کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھی تھی، احترام اور تکریم دیکھی تھی یہ نہیں دیکھا تھا۔ کئی ایک نے جوتے اس کی طرف پھینکے، کئی اسے گالیاں بک رہے تھے، کئی چپ چاپ کھڑے اسے تک رہے تھے یہ شخص........ یہ آئیڈیل، یہ ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔ شاہ ویر کا جی چاہا تھا وہ ایک ایک کی یادداشت سے یہ واقعہ حذف کر دے۔

"یہ جھوٹ ہے میں...... میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں یہ میں نہیں ہوں۔" اسے لگا وہ کہہ رہا ہے۔ لوگوں نے رخ پھیر لیے کوئی اسے نہیں سننا چاہتا تھا۔ ان تمام کے درمیان دو لوگ تھے جو آگے بڑھے، دو بہن بھائی جن کی زندگی میں اس نے کئی سیاہ باب لکھے تھے، وہ اس کے سامنے آ کر رک گئے۔ مائیک، کیمرے، فلیش سب ان کے عقب میں تھے۔ اسلان نے سیاہی سے بھرے دونوں ہاتھ اس کے چہرے پر ملے، پھر سینے پر، اور ایک آخری ماتھے پر۔ اس کی نظروں کی کاٹ، وہ ملامت اور جیت کا نشہ آج وہ سرخرو ہو چکا تھا۔ مصنف نے کہانی یوں پلٹ دی تھی کہ کردار بس دم سادھے ساکت اور شل رہ گئے۔ شاہ ویر بنگش بنا سانس لیے ٹکر ٹکر اسلان کو دیکھ رہا تھا۔

وہ ذرا سا آگے ہوا، شاہ ویر کے کان کے قریب ہو کر بس ایک سطر کہی۔ وہ جو آگ تھی، اور شاید خاک بھی۔

"تخت شاہی کا زوال مبارک!"

★★★★★★★★

وہ محض ایک رات نہیں تھی وہ ایک سست رفتار فلم تھی جس نے شہر میں عجیب سی مُردنی طاری کر دی تھی۔

اس رات جیل کے کمرے میں سیلن زدہ دیوار سے ٹیک لگائے تمکنت بنگش ہنس رہی تھی۔ اس کے قہقہے اونچے اور لازوال تھے، اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں درد اور مسرت کا عجب سا امتزاج تھا۔ اس کا بیٹا آج بھرے بازار میں اگر برہنہ ہوا تھا تو اس کے محبوب شوہر کا قاتل ذلیل ہوا تھا۔ آج اسے علم ہوا اسے بیٹے سے زیادہ طلال عزیز تھا۔

لعل یمن کے تمام کمرے آج خاموش تھے یہ کوئی آزردہ خاموشی نہیں تھی، اس خاموشی میں سکون تھا اجاداری تھی اور سکوت تھا۔ ایک عرصہ بعد سہراب افتخار یمن سکون سے سویا تھا۔ عالمگیر نے اس رات عبیر کو اپنے سینے پر سلاتے ہوئے تمام فکریں چھوڑ دی تھیں، بلاخر وہ آزاد تھا۔ اب وہ سر اٹھا کر چل سکتا تھا۔ انارا طارون نے اس رات پہلی بار اپنے پہلو میں لگے ٹانکوں کو دیکھ دل میں یاسیت گھر کرتے محسوس نہیں کی، پہلی بار اسے لگا تھا زندگی سہل ہو سکتی ہے، انصاف مل سکتا ہے۔ وہ لڑ بھی سکتی ہے۔

شاہ ویر طلال بنگش کے نام اس رات دو سرکاری پرچے نکلے تھے۔ انارا طارون بنام شاہ ویر بنگش، دوسرا سرکار بنام شاہ ویر بنگش۔

وہ تھانے گئی تھی اس کا بھائی اس کے ساتھ تھانے گیا وہ اسی عزت کے ساتھ گئی، واپسی پر وہی عزت ساتھ لائی وہ جو کہتے ہیں عزت دار عورتیں تھانے کچہری نہیں جاتی وہ دراصل خود بے عزت ہوتے ہیں، شاید وہ اپنی ہی نظر سے ڈرتے ہیں آج وہ ثابت کر آئی تھی۔

اپنے انسٹاگرام پر ایف آئی آر کی کاپی لگواتے وقت اس نے دو دفعات کو ہائی لائٹ کیا تھا۔ "اغوا، اور اقدام قتل"۔

وہ اپنی سم توڑ کر کہیں پھینک رہا تھا۔ اس نے موبائل آف کر کے پرے ڈال دیا، یاسر نے اسے ایک بستہ تھمایا جسے اس نے جلدی جلدی چیک کیا سب سامان اپنی جگہ پر تھا وہ کچھ دنوں کے لیے روپوش ہو رہا تھا اسے ہونا پڑ رہا تھا۔ اسلان یمن کی گمنامی اب اس کی زندگی میں آگئی تھی۔ وہ جو سرکاری پرچے کبھی شجاع یمن کے بیٹے پر ہوتے تھے اب طلال بنگش کا بیٹا ویسے کئی دیکھے گا۔ پانچ برس قبل اسلان یمن نے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتی تھی آج شاہ ویر بنگش اپنے اعمالوں کے چلتے رسوا ہو گا۔ عرصہ پہلے جس طرح لوگ اسلان یمن کی تصویریں لگا کر اسے قاتل کہا کرتے تھے اب یہی شاہ ویر بنگش کے ساتھ ہو گا۔ لوگ، میڈیا، وقت مقام سب بدل چکا تھا۔

دنیا سے دور فلم سٹی کے خفیہ پردوں کے پار لیپ ٹاپ کی سکرین پر وہ اپنی تباہی دیکھ رہا تھا پیروں سے زمین اور سر سے آسمان یکلخت غائب ہونا کیا ہوتا ہے یہ اسے بہت اچھی طرح سمجھ آیا تھا۔ بلاخر پانچ برس بعد اسلان یمن کا خدا باطل کی رسی کھینچ چکا تھا۔

★★★★★★★★★

"ایک ہفتے بعد!"

گاڑی مناسب رفتار سے سڑک پر دوڑ رہی تھی اور کھڑکی کے ساتھ جڑ کر بیٹھا ہوا مرد باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اسے لاہور آکر اچھا لگ رہا تھا مگر اب نہ جانے کیوں اپنا شہر بہت یاد آرہا تھا۔ وہاں کی رونق، رش، ہوا، لوگ ہر شے اس کی رگ رگ میں رچ بس گئی تھی اس حد تک کہ اب کسی اور شہر جا کر بلاوجہ اپنا شہر یاد آنے لگا تھا جہاں اس کی واپسی شاید بہت جلد ہونی تھی۔ تب تک وہ اپنی بیوی کو کال ملا بیٹھا، بوریت دور کرنے کا بہترین طریقہ۔

کیفے کے باہر سیاہ رنگ کی بڑی سی گاڑی آکر رکی۔ چمچماتے شیشوں میں گاڑی کا عکس بن رہا تھا۔ گاڑی روکنے والا کال پر بات کر رہا تھا، اس کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر جما تھا جس میں رولیکس کی گھڑی تھی۔ وہ سرمئی رنگ کی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ سلیکس پہنے ہوئے تھا کال پر بات کرتے ہوئے وہ گاڑی سے باہر نکلا۔ کسی نے کال پر کچھ کہا وہ ہلکا سا مسکرایا، گال کا گڑھا واضح ہوا۔

”بیگم میں اس ساری محبت اور تعریف کے بدلے بھی آپ کی ونٹر شاپنگ کا بجٹ نہیں بڑھاؤں گا۔“

”تم اتنے کنجوس کیوں ہو یار؟“ وہ بگڑ رہی تھی۔ سرمئی لباس والے شخص نے شانے اچکائے۔

”ابھی تو میں کنجوس ہوں اس لیے تم میری آدھی تنخواہ کپڑوں پر اڑاتی ہو میں شاہ خرچ ہوتا تو باقاعدہ تین تلوار پر بھیک مانگتا۔“

”تمہیں بھیک مانگنے کو ایک یہی جگہ کیوں یاد آتی ہے؟“

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی جانب جا رہا تھا، نگاہیں آس پاس کا مکمل جائزہ لے رہی تھیں۔ ”اس جگہ کا اسکوپ زیادہ ہے۔“ وہ اپنی سابقہ ڈھٹائی سے بولا۔ ”رونق بنی رہتی ہے۔“

”یعنی تم پیسے نہیں دے رہے؟“ وہ وہیں اٹکی تھی۔ پیچھے بچوں کا شور تھا۔

”مانتا ہوں میں چھ زبانوں پر عبور رکھتا ہوں لیکن تمہیں اردو سمجھ نہیں آتی کیا؟ میں ہرگز، ہرگز اور بالکل نہیں دے رہا۔“

”تم صرف میرے معاملات میں کنجوسی دکھاتے ہو۔“ اس نے جذباتی ہو کر کہا۔

”یہ الزام ہے میں ہر معاملے میں ایسا ہی ہوں تم کہو تو دس معاملے گنوا دوں؟“

”اوکے ٹھیک ہے۔“ وہ جو بھی تھی تڑخ کر بولی۔ مرد نے موبائل پر لگی اپنی بیوی کی ڈی پی دیکھی۔ ”اب جو چاہے کرو۔“

”بھاڑ میں جاؤ کہنے کا یہ کوئی نیا طریقہ ہے کیا؟“ دوسری طرف سے کال کٹ چکی تھی وہ بدمزہ ہوا آج کل اس کی بیوی غصہ کر جاتی تھی اس نے تو ابھی شروع کیا تھا۔ ہونہہ۔

سہراب اور اسلان زینے طے کرتے ہوئے اوپر آرہے تھے۔ اسلان موبائل کان سے لگائے چل رہا تھا، اس کا پیر ابھی اٹکتا کہ سہراب نے اسے بازو سے تھام لیا۔ کہاں وہ اپنے قد سے بڑے دشمن پیدا کرنے والا مرد اور کہاں سہراب کا معصوم بیٹا؟ کتنی غیر مماثلت تھی نا؟

"شکل پر بارہ کیوں بجے ہیں؟" اسے دیکھتے ہوئے سہراب نے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے جس کمپنی میں انٹرویو دیا تھا وہاں سے کوئی کال نہیں آئی، کام نہیں ملے گا۔ جہاں جاتا ہوں وہاں ناکامی۔"

"اتنا تو اندازہ تھا مجھے، حقیقت پسند بنو اسلان تمہارے پاس کون سی ڈگری ہے جس کی بنا پر تمہیں نوکری ملے گی؟ فلم اسٹڈی کے بعد کم از کم نوکریوں کا نہ سوچو۔"

"مجھے کوئی اچھی سی ڈگری لے لینی چاہیے تھی اتنے سال ضائع کر دیے پڑھ لینا تھا اب کیا کروں گا؟" وہ دونوں عمارت کی چھت پر آگئے تھے جب سہراب اس کی طرف مڑا۔

"اس ملک میں بنا روزگار کے لاکھوں نوجوان ہیں۔ تم تو پھر بھی بغیر ڈگری کے ہو لوگ پلندے لیے گھوم رہے ہیں اور کوئی جاب نہیں مل رہی یہ سوال ہر دوسرے نوجوان کا ہے اور افسوس کے ساتھ اس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں۔"

دوسری طرف وہ لاہور ایک پاڈکاسٹ کے لیے آیا تھا تازہ ترین مقدمے میں بڑی کامیابی حاصل کرنے کے بعد جہاں اسے پزیرائی ملی وہیں کچھ مفروضات نے جنم لیا تھا جنہیں ختم کرنے کی خاطر وہ اپنی زندگی میں پہلی بار کسی پوڈکاسٹ کا حصہ بننے کو تیار ہوا تھا، وہ معطل تھا فراغت کے دنوں میں یہ تجربہ بھی کر لیا جاتا تو خیر تھی۔

"اپنے کیریئر کے شروعات میں دو گولیاں لگنے کے بعد کیا آپ نے یہ نہیں سوچا کہ اب واپس جانا چاہیے، شاید یہ شہر آپ کے لیے نہیں؟"

”اول تو مجھے دو نہیں تین گولیاں لگی تھیں اور دوئم، وہاں اس سڑک پر مجھے میری زندگی کا مقصد مل گیا تھا۔ اس کے بعد وہ شہر چھوڑنا مشکل تھا۔“

میزبان نے سر ہلایا۔”آپ اچھا کما رہے ہیں، آپ کے بیوی بچے ہیں، زندگی کامیاب ہے آج کل کے نوجوانوں کو آپ کیا کہنا چاہیں گے؟“

اس نے سر نفی میں ہلایا۔”کچھ نہیں، میں مفت کے مشورے نہیں دیتا۔“میزبان سٹپٹایا، اور وقفے کا اعلان کرنے لگا دوسری طرف مہمان مرد اب اپنے اکاؤنٹ سے اپنی بیوی کے اکاؤنٹ میں کچھ رقم کی ترسیل کرتا ہوا نظر آرہا تھا ساتھ ہلکی آواز میں کوئی وائس میسج بھی۔ اسے یقین تھا اس کی بیوی اس کو آواز سننے کے بعد غصہ برقرار نہیں رکھ پائے گی۔ اپنی آواز کی خوبصورتی کا بہت بھرم تھا اسے۔

اسلان کو ایک کال آگئی تھی وہ اسی پر بات کرتا ہوا سہراب کے ساتھ چل رہا تھا جبکہ دوسری طرف وہ پاڈکاسٹ اپنے تئیں ختم کر کے اٹھ چکا تھا اور اب گردن سے چہرے تک آتا مائک اتار رہا تھا، نگاہیں اب بھی عقاب کی طرح جائزے میں مصروف تھیں۔

”خوبصورتی اور قابلیت میں تم یوں بھی کسی کو اپنا ثانی نہیں مانتے تھے اب اس پاڈکاسٹ کے بعد تم شہرت میں بھی خود کو اول نمبر پر دیکھو گے۔“تاروں کے ساتھ الجھتا اس کا ہاتھ تھم گیا، وہ پلٹا سہراب اور وہ روبرو تھے اس کے بس پلٹنے کی دیر تھی اسلان کال پر کیا کہہ رہا تھا بھول گیا، تار ہاتھ میں لیے کھڑا مرد کیا کہنے لگا تھا نہیں کہہ سکا وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ایک نگاہ محظوظ تھی، دوسری طیش، ایک سمندر، دوسری آگ۔

سہراب ٹھٹھکا، دونوں پر ایک محتاط نگاہ ڈالی۔”تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟“

تاریں اتار کر میز رکھتے وہ دلکشی سے مسکرایا تو گال کا گڑھا واضح ہوا، اس کی نظریں اسلان کو چیلنج دیتی تھیں گویا وہ کہنا چاہتا ہو "بتاؤ، بتا دو نا؟"۔ اسلان نے ڈھیر سارا طیش نگلا، وہ کم از کم اس زندگی میں سہراب کو نہیں بتا سکتا تھا،

بتانے لائق کہانی اور کارنامے اس کے تھے ہی نہیں۔اس مغرور آدمی نے اسے باندھ کر مارا تھا۔اُف اُف اُف۔اسے طیش آنے لگا۔

★★★★★★★★★★★★★

"ایسا کیا تھا ان کے درمیان؟"بنفشہ مخدوم مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

اسلان نے جھنجھلاتے ہوئے ہاتھ جھلایا۔"اس آدمی نے میرا فائدہ اٹھایا، پھر مجھے استعمال کیا، پھر میرا امتحان لیا اور پھر مجھے یہ محسوس کروایا کہ میں بے وقوف ہوں۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے ایسا کیا کیوں؟"وہ متجسس ہوئی۔لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اس کے نزدیک اس نے یہ نہیں کیا اس کی اپنی ایک اصطلاح ہے جس کے مطابق۔"وہ سلگتے ہوئے کہنا شروع کر چکا تھا۔

★★★★★★★★★★★★

("اس کے نزدیک میں، اسلان یمن بذات خود اس کے پاس مدد لینے آیا تھا۔")

ان دونوں کے درمیان ایک لوہے کا بکسہ رکھا تھا جس پر ڈیجیٹل اعداد میں کی بورڈ نظر آرہا تھا۔مدیحہ نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا، پھر اسلان کو جو سپاٹ نگاہیں اس باکس پر جمائے بیٹھا تھا۔وہ دو گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی وہ اس خرافات کو نہیں سمجھ سکا۔اسے لگا تھا دروازہ کھل جانے کے بعد فلموں کی طرح آسانی ہی آسانی ہو گی۔

"یہ ڈیجیٹل لائبریری ہے، اسلان۔شاہ ویر کے سیکرٹ روم کی طرح ہم اس پر تین چار دفعہ زور آزمائی نہیں کر سکتے اور نہ ہی تم اندازے لگا سکتے ہو یا تو یہ پہلے شاہ ویر کے فیس کارڈ سے کھلے گا، یا پھر اس پر لگنے والا پاسورڈ درست ہونا چاہیے۔اگر تم نے غلط پاس ورڈ لگانے کی کوشش کی تو یہ تباہ ہو جائے گا اور تمہاری لوکیشن شاہ ویر کو مل جائے گی وہ اس کی بنا پر تمہیں لیگل طور پر جیل بھی بھجوا سکتا ہے۔قوی امکان یہ بھی ہے کہ یہ باکس تباہ ہو جائے گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، کمرے میں چکر کاٹتے ہوئے وہ رکا اور دوبارہ ڈبے کے سامنے آ کر بیٹھا۔ ابھی وہ کوئی بٹن دباتا کہ مدیحہ نے کھینچ کر ڈبہ اپنی طرف کر لیا۔ ”تم پاگل ہو گئے ہو؟ ہم کوئی رسک نہیں لے سکتے، اسلان۔“ وہ بلند اور دو ٹوک لہجے میں بولی تھی۔ ”تم اسے تباہ کر دو گے۔“

”پھر تم کوشش کیوں نہیں کرتی؟“

”میں ہیکر نہیں ہوں۔ میرے پاس چیزیں آتی ہیں میں معلومات نکال لیتی ہوں جس کے لیے میں لوگ استعمال کرتی ہوں۔ یہ ڈیجیٹل لائبریری ہے پورے شہر میں، بلکہ میرے جاننے والوں کے پورے سرکل میں اسے صرف تین لوگ کھول سکتے ہیں۔“

”کون؟“ وہ تیزی سے بولا۔

”وہ تینوں شناخت نہیں "ہنر" بتاتے ہیں۔“ وہ سوچ سوچ کر کہہ رہی تھی۔ ”وہ ایک گروپ ہے ایک کراچی سے، ایک لاہور اور ایک سبی سے۔ پورے پاکستان میں کوئی بھی الیلگل ہیکنگ ہو، کوئی بھی غیر قانونی معلومات نکالنی ہوں وہ تینوں یہ کام باآسانی کر سکتے ہیں۔“

”کتنے پیسے؟“

”یہ جنگل ہے یمن صاحب، طاقت اور شہرت کا جنگل یہاں صرف پیسہ نہیں چلتا یہاں ہنر بیچے جاتے ہیں۔ جب امراء کسی اسکام میں پھنس جاتے ہیں تب ان سے پیسہ لے کر ان کا کام کیا جاتا ہے، جب مجھ جیسا جاسوس ان کے دام میں آتا ہے تب وہ مجھ جیسوں سے اپنی مرضی کا کام لیتے ہیں اور جب تم جیسے ٹریڈرز ان کے دام میں آتے ہیں تب وہ کیا کام لیتے ہیں یہ تم سمجھ سکتے ہو۔“

وہ بے حد آہستگی سے نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ گلے میں کوئی گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ ”میں یہ کام چھوڑ چکا ہوں۔“

"تمہارے پاس صرف کچھ دن ہیں اگر اسے زیادہ دن اپنے پاس رکھو گے بغیر کھولے تو یہ تباہ جائے گا، یا پھر شاہ ویر اسے چیک کرنے آسکتا ہے۔" وہ اسے ایک اور ٹک ٹک کرتا بم ہاتھ میں تھما گئی۔ بہت دیر تک اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی مگر جب وہ بولا تو اس کی آواز مستحکم تھی۔ مضبوط اور کبھی نہ ٹوٹ پانے والا۔

"میں کرلوں گا جو وہ چاہیں میں کروں گا ایک آخری بار......کچھ بھی کروں گا۔"

کچھ دیر بعد عمارت سے نکلتے ہوئے مدیحہ کی انگلیاں موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہی تھیں۔"وہ آپ ہی کے پاس آئے گا سر، لیکن اس کام میں کسی قسم کا فریب برداشت نہیں کیا جائے گا۔"

"میں تمہیں فراڈ لگتا ہوں؟"

"اس میں لگنے والی کوئی بات بھی تھی؟" دوسری طرف وہ سلگ کر رہ گیا۔ نیم اندھیرے میں جلتے لیپ ٹاپ پر وہ اسلان یمن کی لوکیشن دیکھ سکتا تھا۔ کیا اسے چُن کر وہ درست فیصلہ کر رہا تھا، یا پھر یہ شخص اس کے خساروں میں اضافہ کرنے والا تھا؟ اسے اپنی گٹ فیلنگ پر اعتبار تھا اور وہ کہتی تھی اسلان اس کے ساتھ مل کر کئی بلاؤں کا زوال لانے والا تھا۔

("اس کے نزدیک وہ محض میرا، اسلان کا امتحان لے رہا تھا۔")

وہ دھند لگے شیشے کے پار تھا، اسلان اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ بہت کوشش کے بعد بھی وہ اس کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ پایا، پچھلے دو گھنٹوں سے اسلان یہیں تھا اس کے انتظار میں اور اب جب وہ آگیا تھا تو سامنے آجانے میں کیا دقت تھی؟

"تم نے معاہدہ پڑھ لیا ہو گا؟" شیشے کے اس پار سے بھاری مردانہ آواز سنائی دی، اسلان نے فون پر گرفت مضبوط کرلی۔ یہ آواز شاید اس نے کہیں سنی تھی۔

"وہ صرف پڑھنے کے لیے ہی تھا میں نے کوئی دستخط نہیں کیے، کل اگر آپ یا میں مُکر گئے تو؟"

"جن معاہدوں سے مجھے مکرنا ہوا تم مجھے روک نہیں پاؤ گے۔"

"اسے میں دھمکی سمجھوں؟"

"بالکل نہیں میں شریف آدمی ہوں ٹیبل ٹاک پسند کرتا ہوں۔"

"مجھے شک ہے کہ آپ آدمی ہیں۔" اس کا اشارہ درمیان میں موجود اس شیشے کی طرف تھا، زیرک نگاہیں آس پاس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دوسری طرف وہ جو بھی تھا محظوظ ہوا۔

"اس بات کا کیا مطلب تھا؟"

"یہی کہ مرد اس طرح پردوں میں نہیں چھپتے۔"

"میری مردانگی پر اچھا وار ہے لیکن یہ اوچھے ہتھکنڈے مجھ پر بے اثر ہیں۔" اسلان کو اس لمحے اندازہ ہوا یہ شخص کافی ڈھیٹ ہے یا شاید اس کا ضبط اعلیٰ حدود پر ہے۔

"میرا کام کب تک ہو گا؟" اس نے بات بدلی۔

"جب تک تم میرا کام کرو گے۔"

"اور تمہارا کام کیا ہے؟"

"آپ کا۔" اس نے تیزی اور ناگواری سے ٹوکا۔ "تم مجھ سے دس سال چھوٹے ہو مجھے آپ کہو۔"

"میں "آپ" پر بھروسہ کیسے کر سکتا ہوں لاکر کُھل جانے کے بعد اگر آپ نے میرا سامان مجھے واپس نہ کیا تو؟"

"میں لوگوں کی ذاتی ویڈیوز میں دلچسپی نہیں رکھتا چاہے ان کی نوعیت کچھ بھی ہو۔"

ایک لمحے کو اسلان کچھ کہہ نہیں سکا۔ "آپ سے یہ کس نے کہا کہ اس میں ذاتی ویڈیوز ہیں؟"

”اندازہ ہے، تم کہہ دو نہیں ہیں میں مان لوں گا۔“

”آپ برائے مہربانی اپنے کام سے کام رکھا کریں۔“ اس نے کچھ ترشی سے کہا۔

”ممکن نہیں۔“ جواب فوراً آیا۔ ”میرا کام ہی دوسروں کے کاموں میں گھسنا ہے۔ لیکن تم یہاں جس کام کے لیے لائے گئے ہو وہ کرو۔ اصغر تمہیں سب سمجھا دے گا۔“ سلسلہ کلام منقطع ہو گیا، اسلان اس رات اسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے اپنے تمام تعلقات استعمال کر کے دیکھ لیے تھے کوئی بھی اس رسک پر کام کرنے کو تیار نہیں تھا، کوئی کیسے ہوتا؟ وہ آدمی کون تھا، اس کی شناخت مخفی کیوں تھی؟ اسلان پوری رات اسے سوچنا نہیں چھوڑ سکا۔

(سہراب کے سامنے کھڑے وہ دونوں ایک دوسرے کو سابقہ نگاہوں سے ہی دیکھ رہے تھے دونوں کے درمیان کوئی آگ سا لمحہ تھا، اور پھر وہ سہراب کی طرف مڑا۔ ”میں نے تمہارے بھتیجے کے کچھ ٹیسٹس لیے تھے۔“

سہراب چونکا۔ ”کیسے ٹیسٹس؟“

”میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ ورک ہالک ہے یا محض ایک سست سا نوجوان؟“)

وہ لگاتار چودہ گھنٹوں سے کام کر رہا تھا اب تک جس شے کے تعاقب میں وہ تھا اسے مل نہیں سکی تھی مگر وہ پرامید تھی۔ کافی کے چار مگ ختم کر لینے کے بعد اب اس کا معدہ مزید کیفین جذب نہیں کر پا رہا تھا۔ اور اسے لگ رہا تھا اندر کہیں آگ سی جل رہی ہے۔

”کب تک ہو گا؟“ وہ کی بورڈ کے بٹن دبا رہا تھا جب وہ ورزشی سی جسامت والا آدمی اس کی دائیں طرف آ کر کھڑا ہوا۔ اسلان نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ گردن جھکائے ٹائپ کرتا رہا۔

”کچھ کہا نہیں جا سکتا، وقت لگے گا۔“ اس نے بال ماتھے سے ہٹائے۔ اور پانی کا گلاس چڑھایا۔

”تمہارا کام ہے تمہیں یہ نہیں پتا کب تک ہو گا؟“

اسلان نے پلٹ کر ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی اور ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔ "اگر مجھے پتا ہوتا تو کیا میں یہاں اس سڑے ہوئے آفس میں گھٹیا کافی پی کر تمہاری شکل دیکھنا پسند کرتا؟"

"اگر تم سے خود کام نہیں ہو رہا تو تم چھوٹے بابا کو کیا سکھاؤ گے؟"

"اتنا ہی خیال ہے تو اپنے باپ کو خود سکھا دو۔" بد تمیزی سے کہتے وہ دوبارہ سکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کانوں پر ہینڈ فری لگائے اس کی تلخ گفتگو سنتا پس پردہ وہ شخص کھل کر مسکرایا۔ یہی بحث، یہی سڑے ہوئے کڑوے کسیلے جواب ایک دور میں اس کا خاصہ ہوا کرتے تھے۔ آہ کیا دور تھا۔

بہت دیر بعد کریڈل پر پڑا فون بجا۔ اسلان نے بے زاری سے کال اٹھائی، موبائل کان سے لگایا۔ "تم اوور ورک کر رہے ہو چاہو تو گھر جا سکتے ہو۔"

"مشورے کا بہت بہت شکریہ لیکن میں عادی ہوں۔"

"تم تازہ دماغ کے ساتھ بہتر کام کر سکو گے۔"

"میں پریشر میں زیادہ اچھا کام کر سکتا ہوں آپ مجھے نہیں جانتے۔" دوسری طرف بہت دیر تک خاموشی رہی۔ اسلان فون میز پر ڈالے کیز دباتا گیا۔ ساتھ پیچھے کو ہو کر گردن کے کس بل نکالے۔ وہ اچھا خاصا تھک گیا تھا۔

"جب تم زوہان کو سکھا دو گے تو کیا وہ بھی تمہاری طرح کام کر سکے گا؟" اسے یہاں صرف ایک ٹریڈ نہیں کرنی تھی یہاں بیٹھ کر وہ کسی لڑکے کو کچھ سکھانے والا بھی تھا۔ وہ سست موٹا آلو۔

"اچھا کام دو صورتوں میں ہوتا ہے ایک وہ کام آپ کی محبت ہو دوسرا انتقام، اگر زوہان کسی اور کے لیے کرے گا تو نہیں ہو گا۔ ٹریڈنگ کوئی کھیل نہیں ہے بیٹھے بیٹھے پیسہ ڈبل نہیں ہوتا it's all about tricks and lucky moments" اس نے توقف کیا۔ "ایک بُرا لمحہ، ایک ذرا سی غفلت اور آپ کے کروڑوں روپے بھی ضائع ہو

سکتے ہیں یہ سر دھڑ کی بازی ہے نارمل لوگ یہاں اپنا ذہنی سکون برباد نہیں کرتے۔ آپ کو واقعی لگا تھا ایزی منی (easy money) اتنی آسان ہو گی؟"

کھٹ کھٹ کی آواز جاری تھی اور وہ کام کرتا جا رہا تھا۔ سکرین پر ہندسے ابھرتے غائب ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے ہاتھ مشین کی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ "اگر ایسا ہے تو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میرے پاس دونوں نہیں ہیں سر، جس دن مل گئے آپ کو میں یہاں نظر نہیں آؤں گا۔"

تھوڑی دیر تک دوسری طرف خاموشی رہی، پھر اسلان کو اس کی آواز آئی۔ ایسی آواز جس میں شر کی ترغیب تھی۔ "میرے لیے کام کرو گے؟"

"میرے چچا میرے لیے ایک جاب تلاش کر چکے ہیں میں وہ کروں گا یہ میری آخری ٹریڈنگ ہے۔"

"یہ آخری نہیں ہو گی۔" وہ کچھ عجیب سے لہجے میں بولا، ایسے جیسے مستقبل کی پیش گوئی کی ہو۔

"آپ کاہن ہیں؟" دوسری طرف سے جواب نہیں آیا۔ کال تھوڑی دیر تک چلتی رہی اور پھر کٹ گئی۔ اسلان کا دھیان سکرین پر رہا دوسری طرف گلاس ڈور کے پار اس کے عقب میں کھڑا مرد وہ دیکھ رہا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ آسان اور صاف لفظوں میں۔ .... قوت ارادی۔

("میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ وفادار ہے یا نہیں؟")

وہ ہر دن سات سے آٹھ گھنٹے یہاں گزارتا تھا۔ زوہان ایک کند ذہن لڑکا تھا اسے ٹریڈنگ، آن لائن سرمایہ کاری یا پھر کچھ بھی سکھانا اسلان یمن کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ بات کرنے میں کبھی اچھا رہا ہی نہیں تھا اور یہاں اس آدمی سے بات کرتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے خود پر ضبط رکھتا تھا۔ یا پھر اپنے ہاتھوں پر؟

وہ محض کافی لینے گیا تھا اور واپسی پر زوہان سر میز پر رکھے پر سکون نیند سو رہا تھا اسلان کا مانو دماغ گھوم گیا۔ وہ دھپ سے میز پر آکر بیٹھا جی تو چاہ رہا تھا کہ بالوں سے پکڑ کر اسے اٹھا کر بٹھائے مگر اسے باس کے احکامات یاد تھے۔ مار نہیں، غصہ نہیں۔ بس پیار اور محبت۔ لعنت ہو۔ معاً اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے کان سے لگایا۔

"تم اس سست لڑکے سے بے زار نہیں ہوتے؟" آج اسلان کو پہلی دفعہ اس کا لہجہ اکتایا ہوا لگا۔ "میرے پاس ایک منصوبہ ہے جس سے ہم دونوں اس سے جان چھڑوا سکتے ہیں اور پھر تم میرے لیے کام کرنے کے لیے آزاد رہو گے۔"

"آپ کو انکار سننے کی کوئی لت ہے؟ میں آپ سے کہہ چکا ہوں میں آپ کے لیے کام نہیں کروں گا۔ اور اس ڈھیٹ سے جان کس طرح چھڑوائی جا سکتی ہے؟" اس نے دوسرا سوال اس سوئے ہوئے غنڈے کی اولاد کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ کاش وہ اسے اپنا کلاسک مکا مار سکتا، یا اس کا سر دیوار میں مارنا مفید رہتا؟

"تمہارے معاہدے میں لکھا تھا تمہارے سکھانے کے بعد اگر اس نے دو سے تین ٹریڈز میں کامیابی حاصل کر لی تو تم آزاد ہو۔" اسلان کی آنکھیں چھوٹی ہو گئیں وہ مڑ کر اپنے آس پاس کچھ ڈھونڈنے لگا نگاہوں کا وہ ارتکاز لوٹ آیا تھا۔ وہ کون تھا، کہاں کھڑے ہو کر اس کی کس چال پر نظر رکھ رہا تھا یہ سمجھنا دن بدن ایک معمہ بنتا جا رہا تھا۔ "یہ سو رہا ہے تم نہیں...... اس ٹریڈ کو کامیاب بناؤ، اپنا ہنر دکھاؤ اور آزاد ہو جاؤ۔"

"آسان لفظوں میں اس انسان کو دھوکہ دوں جس کے ساتھ میرا معاہدہ ہے؟"

"صرف لفظی!"

"مرد کے لفظ ہی اس کی عزت ہوتے ہیں اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے میں چاہے اچھا انسان نہیں ہوں لیکن اچھا مرد ہوں غلط کام میں بھی میرے کچھ مورلز ہیں۔ جو لوگ تین دن سے میرے ایک کام کو درست کرنے کی کوششوں میں لگے ہیں میں ان کے ساتھ دھوکہ نہیں کر سکتا۔"

"پھر وہی جذباتیت؟" وہ جیسے متاسف ہوا ہو۔

"آپ کے لیے جذباتیت ہوگی میرے لیے کام ہے اور میں اپنے کام کے ساتھ بے وفائی نہیں کرتا۔" اس نے کھٹاک سے موبائل واپس رکھ دیا اور اٹھ کر ایک زوردار لات زوہان کی کرسی پر ماری وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اسلان نے پانی کا گلاس اٹھا کر سارا پانی اس کے منہ پر پھینکا اور اگلے ہی لمحے وہ اسے گدی سے پکڑ کر اس کا چہرہ اونچا کر چکا تھا۔ آنکھوں میں ضبط تھا۔

"نیند اڑی کی نہیں اڑی؟" سراسیمہ سے لڑکے نے بہ دقت اثبات میں سر ہلایا۔ اسلان یمن کی سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے خوف آیا تھا۔ بے حد خوف۔ اسے اس کے بالوں سے پکڑے وہ اس کا چہرہ سکرین کی طرف کر رہا تھا۔ "تمہارا باپ نہیں ہوں جو نخرے برداشت کروں جاگو اور کام کرو۔" برداشت کا اتنا مادہ اس کے اندر تھا ہی نہیں جتنا آزمایا جا چکا تھا۔ اب طیش آئے ہی آئے۔

("اسے عورتیں بہکا سکتی ہیں یا وہ خود پر کنٹرول جانتا ہے؟")

اس کے ساتھ ذرا سے فاصلے پر بیٹھی لڑکی نے اس کی میز سے کچھ اٹھانا چاہا اور اس کا ہاتھ اسلان کے بازو سے مس ہوا۔ اسلان نے بازو ہٹایا، اب کے وہ لڑکی اٹھی اور سوئچ لگانا چاہا جب اس نے جان بوجھ کر اسلان کی گردن کو چھوا۔ اسلان نے بجلی کی سی تیزی سے فاصلہ قائم کیا مگر وہ دوبارہ اسے چُھو چکی تھی۔

یہ تیسری بار تھا اور اب کے اسلان اس کی طرف مڑا۔ "تم مجھے ٹچ کر رہی ہو؟" وہ اپنے ساتھ کرسی پر بیٹھی لڑکی کو دیکھتے دبے ہوئے لہجے میں غرا کر پوچھ رہا تھا۔ وہ مسکرائی اور ایک ادا سے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"تم نظر انداز کر رہے ہو؟" اسلان نے اس کا ہاتھ جھٹکا، اور کرسی ذرا فاصلے پر کر لی۔

"میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو ہاتھ اور نظریں قابو میں رکھو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

”ہم یہاں اتنے گھنٹے کام کرتے ہیں اسٹریس ریلیز میں آخر مسئلہ کیا ہے؟“ اس کا لہجہ، ادا کی نرمی جوں کی توں رہی۔ اسلان نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

”اگر تم عورت نہ ہوتیں تو اس وقت میرے ہاتھ جواب دے رہے ہوتے کہ مسئلہ کیا ہے تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ مجھ سے فاصلہ رکھو۔“

”ورنہ کیا سارے لوگوں کو بتاؤ گے؟“ اب کے اسلان نے کچھ کہے بغیر اپنا سامان اٹھایا کمپیوٹر کی تاریں نکال کر بورڈ اٹھایا اور قدرے کونے والی جگہ پر جا کر بیٹھا۔ سامان سیٹ کیا اور چند منٹ بعد وہ اپنے دائیں بائیں رکھی کرسیوں پر اپنا سامان رکھے کام کرنے میں مصروف تھا کرسیوں پر رکھا سامان اس بات کی غمازی تھا کہ اس کے قریب جگہ خالی نہیں۔

اپنے دفتر میں بیٹھے سفید صفحے پر لکھی کچھ قابلیتوں کے خانے میں وہ سبز ٹک لگا رہا تھا بس چند اور امتحان اور وہ اسے پاس کر سکتا تھا یہ اتنا مشکل نہیں تھا۔ اس نے صحیح آدمی چنا تھا، یہ کام آ سکتا تھا۔

ایک عرصہ بعد اسے اپنے مزاج کا آدمی ملا تھا۔

(”مجھے یہ دیکھنا تھا کہ وہ دباؤ میں بھی خود پر توازن رکھتا ہے یا پھر ضبط کھو دیتا ہے؟“)

وہ شاکی نظروں سے اپنے سامنے کھڑے تین لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک وہ جو چھوٹے کٹے بالوں والی تھی، ایک وہ جو لاابالی سا تھا اور ایک وہ جس کا وزن زیادہ تھا یہ تین لوگ، جن کے لیے اس نے پورے چھ دن کام کیا اور اب وہ یہ کہہ رہے تھے؟ اسے لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔

”ہم نے کوشش کی لیکن نہیں ہو پایا اور اب اگر نہیں ہو پایا تو ہم کیا ہی کر سکتے ہیں؟“ وہ شانے اچکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”جتنے دن تم نے یہاں کام کیا اس کی رقم بتاؤ ہم دے دیتے ہیں، تمہارا کام مشکل تھا نہیں ہو سکا۔“ اسلان

نے ان تینوں کو دیکھا انہیں لگا تھا وہ چیخے گا، چلائے گا مدد کے لیے کہے گا مگر وہ بغیر کچھ کہے کرسی پر بیٹھ گیا۔ بازو سینے پر باندھ لیے اور بنا اثر لیے انہیں دیکھا۔

"غلط پاس کوڈ کی وجہ سے ساری فائلز کرپٹ ہو گئی ہیں۔" لڑکی نے اضافہ کیا۔ "ہم نے واقعی کوشش کی تھی۔"

"اور کچھ؟" اس نے بے حد سکون سے پوچھا۔ تینوں خاموش رہے۔ "نہیں اگر مزید ڈرامہ کرنا ہے تو کر لو اس کے بعد میں بولنا شروع کروں گا۔" وہ تینوں کچھ نہیں بولے تب اسلان نے کہنا شروع کیا۔

"جس طرح تم تینوں مل کر میرا لاکر خراب کر چکے ہو بالکل اسی طرح میں اس بائنانس اکاؤنٹ کا پاس ورڈ بھول چکا ہوں جس میں تازہ ترین ٹریڈ کے سارے پیسے تھے۔ اب ایک کام کرو میری فائلز پاتال سے لاؤ یا پھر نئی پیدا کرو یہ میرا کام نہیں جب تک میری فائلز مجھے نہیں مل جاتیں اپنے باس سے کہنا اپنا پیسہ بھول جائے۔"

"اگر ہم چاہیں تو یہاں تمہیں مار سکتے ہیں تمہیں موت تک ٹارچر کر کے اپنا پیسہ نکلوا سکتے ہیں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے اپنی اوقات میں رہو۔"

"اپنے جس باپ سے یہ اسکرپٹ لکھوا کر لائے ہو اس سے جا کر کہہ دو کہانیاں گڑھنے میں اسلان یمن خود ماہر ہے، مجھے میری فائلز چاہیے ابھی اور اسی وقت۔"

اپنے آفس میں کھڑا شخص لبوں پر مٹھی رکھے نوے فیصد متاثر ہو چکا تھا مگر وہ یہاں ایک جگہ پر اس سے بد دل ہوا تھا، کیا اسلان یمن واقعی اسے پہچان نہیں سکا؟ پہچاننا چھوڑو کیا وہ اسے جاننے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا؟

★★★★★★★★

(اس نے ملاقات کا وقت اور جگہ عالمگیر کو میسج کر دیا تھا۔ دوسری طرف اس نے آنے کی یقین دہانی بھی کروائی تھی، مگر وہ ڈیڑھ گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی کہیں نظر نہ آیا۔ "وکیل صاحبہ آپ مسئلہ سن لیتیں تو اچھا ہوتا، عالمگیر جب تک آ جائے گا میں بھی یہیں بیٹھا ہوں۔"

بنفشہ نے گہری سانس لی۔ اسے آنے میں کافی دیر ہو گئی تھی لہٰذا اس نے مزید انتظار کروانا مناسب نہیں سمجھا۔ عطاء اللہ سہگل تیس پینتیس برس کا خوش شکل آدمی تھا، جس کے مقدمے کی بات چل رہی تھی وہ اس کا چھوٹا بھائی زکا اللہ سہگل تھا۔ بنفشہ عطاء کی بات سنتے ہوئے ڈائری کھول رہی تھی۔

"آپ درست کہہ رہے ہیں عالم سر کو آنے میں دیر ہو جائے گی آپ بات شروع کریں میں نے تھوڑی بہت ریسرچ کی تھی مگر وہ کافی نہیں آپ جو بھی جانتے ہیں مجھے بتائیں اور اس کے بعد میں فیصلہ کروں گی مجھے یہ کیس لینا ہے یا نہیں۔" اس کا انداز بے لچک اور دوٹوک تھا۔

عطاء اللہ دونوں ہاتھ باہم باندھے آگے کو ہوا، بنفشہ منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسی لمحے اس نے کوئی غیر معمولی سی کاروائی دیکھی۔ عطاء اللہ نے آنکھ سے کوئی اشارہ کیا تھا اور آہستہ آہستہ تمام لوگ میزوں سے اٹھنے لگے۔

"یہ سب کیوں اٹھ رہے ہیں، یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ لمحے بھر کے اندر اندر اٹھ کھڑی ہوئی، انداز چوکنا تھا۔ "کیا کر رہے ہیں آپ؟" اس نے بنا جواب دیے اپنا موبائل نکال کر اس پر کچھ چلایا اور اسے بنفشہ کے آگے رکھ دیا، وہ جو بے دھیانی میں سکرین دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں کسی نے نشتر چبھو دیے۔ وہ بے سانس سی پیچھے کو ہوئی۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے موبائل اٹھا کر کسی ناپسندیدہ شے کی طرح نیچے فرش پر دے مارا۔

"مس بنفشہ اگر آپ بنا کسی مزاحمت کے یہاں سے چلنے پر راضی ہو گئیں تو ٹھیک ورنہ یہ ویڈیو صرف ایک ٹریلر ہے۔" وہ بھاری، سخت لہجے میں اسے باور کروا رہا تھا۔ "آپ آرام سے بیٹھ جائیں آپ کو کوئی نقصان نہیں ہو گا، بس کچھ وقت کی بات ہے ہمارا کام ہو جائے گا تو آپ جا سکتی ہیں۔"

بنفشہ احسان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ "تم کیا کر رہے ہو کس کے لیے کام کرتے ہو؟" وہ اسے دیکھتے آہستہ آہستہ پیچھے ہو رہی تھی، چہرے کی سفیدی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ ویڈیو، یہ انداز یہ سب کیا تھا؟

"میرے لیے!" آواز تھی کہ اعلان جنگ بنفشہ متحیر سی اس طرف مڑی جہاں وہ دیوار کے ساتھ جڑا بازو سینے پر باندھے محظوظ سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آس پاس کھڑے مردوں نے بندوق اس پر سیدھی کرلی تھیں، وہ مکمل قید تھی۔ سانس لیتی تو شاید جان سے جاتی۔ اس لمحے اس کا واحد پچھتاوا اسلان کی بات نہ ماننا تھا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے، شاہ ویر۔" اس کی آواز پھٹی ہوئی تھی، دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"میں اس سے زیادہ بھی کر سکتا ہوں اور میں کیا کیا کر سکتا ہوں تم ابھی اس سے واقف نہیں ہو۔" وہ قدم قدم چلتا اس تک آیا، بنفشہ کے عین سامنے۔ "تمہیں بس تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ چلنا ہے اس کے بعد جہاں تم جاؤ میں خود چھوڑ کر آؤں گا۔ دیکھو زیادہ وقت مت لو کیونکہ میں زیادہ وقت یہاں رہ نہیں سکتا۔ ایام مفروری یو نو! be my guest for a while" بنفشہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔

وہ نفی میں سر ہلاتی شاہ ویر کو دھکا دے کر تیزی سے اپنا موبائل نکالنے لگی تھی مگر شاہ ویر طلال بنگش نے بھاری ہاتھ کا ایک تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیا اور اس کے بال اپنی مٹھی میں قید کیے۔ دوسرے ہاتھ سے وہ اس کا موبائل اپنے ہاتھ میں لے رہا تھا۔ انداز میں ایسی سختی تھی کہ وہ ہل بھی نہ سکی۔

"پیار کی بات نہ تمہارے منگیتر کو سمجھ آتی ہے نہ تمہیں۔ تم دونوں ہمیشہ مجھے سختی پر مجبور کرتے ہو۔" چبا چبا کر کہتا وہ اگلے ہی لمحے اسے گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا۔ کیفے میں کام کرتے لوگ بے نیاز تھے یقیناً بکے ہوئے بھی۔ اسے گاڑی میں پٹختے ہوئے شاہ ویر نے اس کے بال مٹھی میں دبوچے، چہرہ اس کے قریب کیے وہ اس کے منہ پر غرا رہا تھا۔

"اگر تم نے چیخنے چلانے کی کوشش کی تو میں وہ ویڈیو زوائرل کر دوں گا جن سے تمہارا ہونے والا شوہر ساری زندگی کے لیے تباہ ہو جائے گا اس لیے چپ چاپ میرے ساتھ چلو اور تعاون کرو۔" اس کے اعصاب ڈگمگا رہے تھے اور

ہاتھوں پاؤں میں پسینہ جمع ہوتا محسوس ہوا۔ اگلے لمحے اس کے دونوں اطراف دو لوگ آکر بیٹھے تھے، دونوں کے ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔ وہ ڈر رہی تھی، اسے مرنا نہیں تھا اسے آراہ جیسا انجام بھی نہیں چاہیے تھا۔

شاہ ویر بنگش اب گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھ رہا تھا یہ سفر زوال کی اور تھا.........ان دونوں میں سے کس کا؟)

★★★★★★★★

(وہ دونوں لکڑی کے زینوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔اسلان کی آنکھوں میں ہلکی سی نیند تھی۔"کیا تم واقعی اسے پہچان نہیں سکے تھے؟" اس کے سامنے بیٹھی بنفشہ احسان آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے مستفسر تھی۔اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں غلط شے تلاش کر رہا تھا اس کا چہرہ اس کی شناخت۔" وہ رکا، چمکتی آنکھوں سے بنفشہ کو دیکھا۔"مجھے اس کا نام نہیں موجودگی پہچاننی تھی اور اس روز میں پہچان گیا تھا۔"

"کس روز، اور کیسے؟")

★★★★★★★

("اس روز جب مجھے میرا سامان بغیر کسی زور آزمائی کے واپس دیا گیا۔")

وہ بہت دیر تک یک ٹک فرش کو گھور رہا تھا۔اس کے قریب بیٹھی مدیحہ کانوں پر ہینڈ فری چڑھائے متوحش نظروں سے وہ تمام سی ڈیز سن رہی تھی جو انہیں ملی تھیں۔جس کا پہلا اعتراف یہ تھا کہ زید کا قاتل شاہ ویر بنگش تھا۔اسلان درست تھا پاس ورڈ مل چکا تھا لیکن وہ غلط بھی تھا، اس سے کیا غلط ہوا تھا؟ وہ جگہ چھوڑنے کے بارہ گھنٹے بعد بھی اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی اتنا سب کچھ اتنی جلدی کیسے ہوا؟

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شاہ ویر ایسا کر سکتا ہے۔" اس نے ہینڈ فری نوچ کر اتاری اور اسلان کو دیکھا۔ وہ اسے نہیں سن رہا تھا اس کی نگاہیں کہیں دور جمی تھیں۔ "میں کب سے بول رہی ہوں تم میری بات سن بھی رہے ہو؟"

"اصل زندگی ایسی نہیں ہوتی، مدیحہ۔" وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں بولا تھا۔ "کام کے پہلے دن ایک پر اسرار آدمی کا ملنا اس کے بعد وہ کال........ پھر میرے اکاؤنٹ میں اضافی رقم آنا، اس شخص کا بار بار مجھے یہ کہنا کہ میں اس کے ساتھ کام کروں گا یہ اصل نہیں تھا۔ کچھ ہے جو مجھ سے چھپایا گیا ہے۔" وہ پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ سو وہ جان گیا تھا، اسے جاننا ہی تھا۔

"وہ کون ہو سکتا ہے؟" اس نے مدیحہ کی طرف دیکھا جس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ "جس طرح سے اس نے میرے سامنے چیزیں پیش کی ہیں یا تو وہ کوئی جاسوس ہے یا پھر کوئی ڈرگ پیڈلر، یا پھر کوئی قاتل لیکن قاتل میرے مورلز کیوں جج کرے گا؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کے چکر کاٹنے لگا۔ "وہ قانون سے واقف ہے اور اس کے جوڑ توڑ سے بھی، کیا وہ کوئی وکیل تھا؟"

"تم زیادہ سوچ رہے ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔" مدیحہ نے خود کو کہتے سنا۔

"تم کم سوچ رہی ہو یہ ہو چکا ہے۔ تم ایک رائیٹر کو یہ مت بتاؤ کہ اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیلا گیا ہے اصل زندگی میں اتنی happenings نہیں ہوتیں۔ یہ کوئی کھیل تھا۔" اس نے رک کر مدیحہ کو دیکھا اور پنجوں کے بل اس کے سامنے آ کر بیٹھا اس کی آنکھیں عجیب سی سرخ ہو رہی تھیں۔

"تم ان کے ساتھ ہو؟" سوال تھا کہ کیا مدیحہ کا دل جکڑا گیا۔ "مجھے سچ سچ بتاؤ تم ان کے ساتھ ہو؟"

"میں ان کے ساتھ کیسے ہو سکتی ہوں؟" اسلان نے سپاٹ تاثرات کے ساتھ موبائل اس کے سامنے کیا جہاں سی سی ٹی وی فوٹیج کھلی تھی۔ وقت سات بج کر دس منٹ۔

”میرا کام یہاں اس عمارت میں چھ بجے ختم ہوا تم نے مجھے گھر چھوڑا پھر تم دوبارہ یہاں کیوں ہو؟“

وہ سانس لیے بنا اسے دیکھے گئی۔ ساکت خالی۔ ”تم میرے علاوہ کس سے ملنے گئی تھی؟“

(جب ایک قاری لکھاری بن جاتا ہے اس کے لیے کہانیاں کم پسندیدہ ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ "بوجھ" لیتا ہے۔)

”میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا، نہ کوئی غلط بیانی کی میں اس لاکر کو واقعی نہیں کھول سکتی تھی۔“ وہ اسلان یمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اب سچ کہہ رہی تھی۔ ”یہ بھی سچ تھا کہ وہ ہیکرز ہر دفعہ پیسے نہیں لیتے لیکن تمہیں "ان" کے پاس بھیجنا بھی سچ تھا کیونکہ میں صرف انہیں ہی جانتی تھی۔“

”اس سب کے درمیان "وہ" کب آیا؟“

”اس کے پاس ہماری ویڈیو تھی جب ہم فلم سٹی میں گھسے تھے۔“ اسلان نے آنکھیں بند کر کے کھولیں وہاں کوئی تھا اس نے کسی کو دیکھا تھا اس کی آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھیں۔ ”اس نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہیں قریب سے جاننا چاہتا ہے اور یہ کہ تم مستقبل میں اس کے ساتھ کام کرو گے۔“ اسلان سر ہلا رہا تھا، اسے سمجھ آ رہی تھی اسے اب سب سمجھ آ رہی تھی۔ وہ بے وقوف بنایا گیا تھا، اس کے ساتھ کھیل کھیلا گیا تھا۔ اسے خود پر ہنسی آ رہی تھی اور اُس پر غصہ۔

”اور کیا؟ سب بتاؤ۔“

”میں اسے جانتی ہوں زید اور میں ایک بار اس کے شہر گئے تھے اس نے ہماری مدد کی ہے وہ بُرا آدمی نہیں ہے۔“

اسلان تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔ ”وہ برا آدمی نہیں ہے لیکن میرا صبر آزمانے کے لیے دن رات کام کروایا، وہ برا نہیں لیکن اس نے مجھے استعمال کیا، وہ برا نہیں ہے لیکن اس نے میرے مورلز جانچنے چاہے، وہ برا نہیں لیکن اس نے میری ورک پارٹنر اور میرے درمیان راز رکھوائے۔ وہ اب برا یا اچھا کچھ بھی نہیں اب وہ میرا دشمن ہے مجھے اس کا تعارف چاہیے وہ ہوتا کون ہے میری ذاتی زندگی میں دخل اندازی کرنے والا؟“

اسلان یمن اٹھا اور سیدھا گاڑی تک گیا مدیحہ اس کے پیچھے بھاگی اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اندھا دھند گاڑی چلاتے ہوئے اس عمارت تک آیا، بغیر کسی کی طرف دیکھے اندر گھسا اور کئی لوگوں کو ہٹاتے، اپنے طریقے سے راستہ بناتے اس دفتر تک آیا جہاں وہ اس سے پہلی بار ملا تھا۔

دھند لگے شیشوں کے پار، غیر شناسا شخص۔

("اس نے کہا تھا ہم ساتھ کام کریں گے مجھے لگا یہ پیشکش تھی، مگر یہ پیشگوئی تھی۔")

"وہ یہاں نہیں ہے، اسلان سین مت کری ایٹ کرو گھر جاؤ۔" وہ تیز تیز قدم لیتا عمارت کے روف ٹاپ تک جا رہا تھا ایک لڑکا جو شاید کثرت سے جم جاتا تھا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اسلان گویا اسے سن ہی نہ رہا ہو۔

"اسلان تم۔۔۔۔ تم ایسے نہیں جا سکتے میں۔۔۔۔۔" اسلان نے رک کر محض ٹھنڈی، بے رعایت نگاہوں سے اسے دیکھا کہا کچھ نہیں۔ لڑکے نے ہاتھ اٹھا لیے، گویا جانے دیا ہو، بھلا اس بد دماغ کے ساتھ کون مغض کھپائے۔ اسلان نے اسے سراہا اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اوپر چلا گیا۔ ہاتھ لگا کر جیب میں پستول کی موجودگی یقینی بنائی۔

وہ اس کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا، فون پر بات کرتے ہوئے وہ کسی کو گالیاں بک رہا تھا، اس کی آواز بلند تھی شاید وہ کسی پر غصہ تھا۔ ابھی وہ پیچھے مڑنے لگا تھا جب اسلان نے پوری قوت سے اسے دھکا دیا، وہ لڑکھڑایا مگر گرا نہیں۔ شاید وہ تیار تھا۔ مکمل مڑتے موبائل ہنوز کان سے لگا تھا، آنکھوں میں سکون اور ٹھنڈک ایک ساتھ تھی۔

"میں بات کر رہا ہوں نظر نہیں آتا؟"

اسلان نے اس کا موبائل لے کر فرش پر دے مارا۔ اس کی آنکھیں لہو چھلکاتی تھیں۔ "کون ہو تم؟" مقابل چند پل اسے دیکھتا رہا اور پھر ہاتھ گھما کر ایک زناٹے دار تھپڑ اسلان یمن کے منہ پر دے مارا، اس کا دماغ ہل گیا یہ ویسا ہی

تھپڑ تھا جیسا کسی دور میں اسے سہراب یمن نے مارا تھا، یہ کسی وکیل کا ہاتھ نہیں تھا، کسی ڈرگ پیڈلر کا بھی نہیں، یہ ایک پولیس والے کا ہاتھ تھا اسلان یمن کو کوئی شک نہیں رہا۔

"تم سے کہا تھا نا مجھے آپ کہو۔" اسلان نے آگے بڑھ کر اس کے سینے پر دھکا دیا ابھی وہ سنبھلتا کہ اس نے مارے طیش کے اس کی کہنی میں لات رسید کی۔ مقابل نے سیدھے ہونے کی کوشش کی جب اسلان نے ایک گھٹنہ اس کے گھٹنے پر دے مارا وہ گرا، جان کر قصداً۔

اسے فرش پر گرائے اسلان اس کے قریب بیٹھا، پستول نکال کر اس کی گردن پر رکھی مگر مجال ہے جو اس کی آنکھوں کا محظوظ کن تاثر ذرا دیر کو بھی معدوم ہوا ہو، وہ اسے دیکھتا گیا۔ "کون ہو تم؟" چبا چبا کر پوچھا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ اسلان نے زوردار مکا اس کے جبڑے میں مارا، دوسرا ہاتھ اب اس کے گلے پر تھا۔ نیچے گرے شخص کی نگاہیں اب بھی ویسی کی ویسی نڈر رہیں۔

"مجھے استعمال کرنے کا مقصد؟" پھولے ہوئے تنفس والے شخص نے کف سے چہرہ رگڑا، اسلان یمن کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر لمحے بھر کی پُھرتی میں وہ اپنی پستول نکال کر اسے گھما کر اس کے اوپر آ چکا تھا۔ بالکل ویسے جیسے کچھ دیر قبل اسلان یمن، البتہ اس کی گرفت زیادہ سخت تھی۔ اس نے جمے ہوئے ہاتھ کا ایک بھرپور مکا اسلان کے منہ پر مارا۔

"کہا تھا نا تم سے دس سال بڑا ہوں تمیز سے بات نہیں کر سکتے؟" ستاروں بھرے آسمان تلے ٹوٹی بکھری چیزوں کے درمیان ایک دوسرے کو مار کر، زیر کیے وہ یکساں نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"کون۔ ہو۔ تم؟" اب کے توڑ توڑ کر پوچھا۔ اس نے پستول اس کی ٹھوڑی سے لگایا یوں کہ اسلان کا چہرہ اونچا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے اس نے تعارف توڑ توڑ کر سنایا۔

"عمر......... عمر حیات۔"

اسلان شجاع یمن سناٹوں میں رہ گیا، اسے یہ چہرہ یاد آیا تھا، ایک جھماکے سے اس کے ساتھ جڑی کہانیاں بھی یاد آتی چلی گئیں۔ اسے یہ شخص یاد تھا۔

عمر حیات نے ایک جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑ دیا اور ایک ناپسندیدہ نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ چند پل وہ سخت نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ کھڑا کیا۔ تنفس ہنوز پھولا ہوا تھا۔ "اب جبکہ تم لڑ کر، پیٹ اور پٹ کر اپنے تمام جانوروں والے شوق پورے کر چکے ہو تو کیا ہم مردوں کی طرح بات کر سکتے ہیں؟" اسلان یمن بہت دیر تک کوئی جواب نہیں دے سکا۔ کیا عمر حیات واقعی اس کے سامنے تھا؟

★★★★★★★★

موجودہ دن سے چند روز قبل!

اس کے بازو کا پلستر اب اتر گیا تھا۔ وہ کافی حد تک ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی ان چند دنوں میں وہ ایک انٹرنیٹ سنسنی بن گئی تھی۔ چینلز اسے انٹرویو کے لیے کالز کرتے تھے، انفلوئنسرز اس سے ملنے کی کوششیں کرتے تھے، پولیس ان کے ساتھ تعاون کی مکمل یقین دہانی کرواتی تھی۔ وہ سب دیکھ رہی تھی مگر کچھ تھا جو اس کے اندر بدل گیا تھا.........شاید رفتار؟

اس رات بھی وہ لعل یمن کے عقبی حصے میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جب اسلان دو سائیکلز اگلے ہینڈل سے پکڑے گھسیٹتے ہوئے اس تک آتا دکھائی دیا۔ آراہ نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ یہ ان دونوں کی پرانی سائیکلز تھیں۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

وہ اس کے سامنے آ کر رکا، مسکرا کر اسے دیکھا۔ "گیڑی مارنے چلیں؟"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔ "اس وقت؟ رات کے نو بج رہے ہیں۔"

"انارا طارون ڈر رہی ہے؟" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کر رکی۔ بازو سینے پر باندھے اور جانچتے ہوئے اسے دیکھا۔

”اپنی منگیتر کے ساتھ کیوں نہیں جاتے؟“ اسلان نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”شریف آدمی ہوں بیوی بنا کر گھماؤں گا۔“ اس نے ایک سائیکل آراہ کے قدموں میں ڈال دی۔ ”ابھی چلیں؟“ اس نے اپنا بازو اسلان کے آگے کیا وہ چاہ کر بھی اسے اٹھا نہیں پارہی تھی، گولی عین وہیں تھی جہاں اس کی بچپن کی معذوری۔ آنکھوں میں کوئی ترس یا ہمدردی کی چاہ نہیں تھی بس اطلاع تھی۔ اسلان کے دل کو کچھ ہوا اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما، اور آنکھوں سے لگایا، ایسے جیسے کسی ننھے بچے کا ہاتھ ہو۔

بہت دیر بعد اس کے لبوں سے یاسیت زدہ الفاظ ادا ہوئے۔ ”آئی ایم سوری!“

”اٹس اوکے تمہارا قصور نہیں۔“ وہ سہولت سے بولی۔ ”چلتے ہیں مگر کہیں آئس کریم کھانے۔ پیٹرول تم ڈلوانا آئس کریم میری طرف سے، اوکے؟“

اسلان نے اسے گھورا۔ ”پیسے ہیں میرے پاس!“

کچھ دیر بعد وہ دونوں کسی آئس کریم پارلر کے باہر گاڑی کے اندر بیٹھے تھے۔ آراہ کے ہاتھ میں ایک کون تھا اسلان دو آئس کریم نپٹا چکا تھا تیسری کے ساتھ انصاف جاری تھا۔ کھانے پینے میں وہ خاصہ شوقین آدمی تھا۔

”اور بتاؤ شادی کب کرو گے؟“

”منگنی نارمل تھی جو شادی نارمل ہو گی؟ تم مجھے یہ بتاؤ انٹرویوز کے لیے انکار کیوں کر رہی ہو؟“

”کیا فائدہ؟ وہ تو غائب ہے پولیس دس دن سے اسے ڈھونڈ نہیں پائی۔ جس اسکام میں وہ پھنسا تھا وہ لوگ اب تک صبر کے گھونٹ پی چکے ہوں گے کچھ عرصہ بعد سب اس بات کو بھول جائیں گے تب وہ باہر آئے گا اور جا کر کہیں اسائلم کے لیے اپلائی کر دے گا یا کسی تیسری دنیا کے ملک میں رہائش اختیار کر لے گا۔“

اسلان نے جھک کر اس کی آئس کریم کا ایک بڑا سا حصہ اپنے منہ میں منتقل کیا آراہ نے اس کے بازو پر چپت رسید کی۔ اس نے سیدھے ہوتے ہوئے اسلان کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”تمہیں لگتا ہے اگر میں نشست پیچھے کر کے شو دیکھ رہا ہوں تو کہانی سے بالکل غیر واقف ہوں؟ اس کہانی کا لکھاری میں ہوں کون مرے گا، کون جیے گا، کس کے حصے میں خسارے آئیں گے اور کون سرخرو ہو گا یہ میں طے کروں گا۔“

”اور میرے لیے کیا طے کیا ہے؟“

”کچھ کردار ڈھیٹ اور لاڈلے ہوتے ہیں رائیٹرز ان کے ساتھ ٹیبل ٹاک کرنا پسند کرتے ہیں ٹیل می تم کیا چاہتی ہو؟“

”پتا نہیں۔“ اس نے شانے اچکائے۔ ”میں ایف آئی آر چاہتی تھی، میں چاہتی تھی دنیا کو پتا لگے اس نے کیا کیا ہے اور جب یہ ہو گیا تو یہ کافی نہیں لگ رہا میرے اندر جو جلن اور آگ تھی وہ ختم نہیں ہو رہی۔“

”کیونکہ تم خود کو معاف نہیں کر رہیں۔ تمہیں اب بھی لگتا ہے اگر تم اس کے ساتھ نہ ہوتیں تو یہ نہ ہوتا، اگر اس روز تم ممی کے ساتھ اس گھر میں نہ ہوتیں تو یہ نہ ہوتا۔“

آراہ کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی، اس نے رخ پھیر لیا۔ ”شاید میں صحیح سوچ رہی ہوں؟“

”انسان کے بس میں محض حفاظتی بند ہوتے ہیں اور جب وہ ٹوٹ جائیں تو ان کا ٹوٹنا قسمت ہوتی ہے، اس نقصان پر رویا جا سکتا ہے، دُکھی ہوا جا سکتا ہے مگر اس پر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ کچھ واقعات، حادثات ہونے ہوتے ہیں اور ہو جاتے ہیں آپ کے حفاظتی بند انہیں روکنے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔“

”کچھ لوگ اب بھی میرے خلاف ہیں اور میرا دل کرتا ہے میں ان سے جا کر لڑوں ان کو یہ بتاؤں کہ یہ آسان نہیں اس ملک میں عورت کا وکٹم ہونا کتنا بڑا جرم ہے نا؟“

”ہے تو سہی، لیکن اگر وکٹم سروائیور بن جائے تو زندگی بدل سکتی ہے تم تو رابن ہڈ تھیں۔ اب کیا ہوا؟“

آراہ نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ نگاہوں میں کچھ عجیب سا تھا۔ ”میں خود کے لیے نہیں لڑ پا رہی کسی اور کے لیے کیا کر لوں گی؟“

”تم لڑائی کا مطلب جیت سمجھے بیٹھی ہو، آراہ۔ اٹھ کر اس آدمی کے خلاف رپورٹ لکھوانا اپنے اندر ایک بڑی جرات تھی۔ جب اس نے میرے ساتھ وہ سب کیا میں تو ڈر گیا تھا میں دوبارہ اپنی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور تم ہر روز آئینے میں اپنا زخم دیکھتی ہو، میں اس کے خلاف کھڑے ہونے کی ہمت چار سال نہیں کر سکا اور تم چار ماہ کے اندر اندر اس کے خلاف ہو، لڑنے کو تیار ہو اس دنیا میں تم جیسی عورتیں بہت کم ہیں۔“

وہ مارے اضطراب کے ناخن چبانے لگی تھی۔ الجھن سی الجھن تھی۔ ”یہ سارا اضطراب بھی ایک دن ختم ہو جاتا ہے انصاف کے پیچھے بھاگنے سے محض اپنے قدم مستحکم ہوتے ہیں دل کو سکون نہیں آتا، انسان اندر سے تندرست نہیں ہو جاتا۔ تمہیں کیا لگتا ہے اگر کل شاہ ویر میرے ہاتھوں مر بھی گیا تو میں اپنی زندگی کے وہ پانچ سال بھول جاؤں گا؟“

اس کے لہجے اور آنکھوں میں کچھ تھا کہ آراہ جواب نہیں دے سکی۔ ”تم نہیں بھول سکتے؟“

”کوئی نہیں بھول سکتا یار۔ زیادتیوں پر صبر آجاتا ہے، زندگی آگے بڑھ جاتی ہے مگر یادداشت سے کچھ نہیں نکل سکتا۔“ اس نے سر ہلایا، وہ سمجھ چکی تھی۔

”میں دوبارہ یونیورسٹی جاؤں گی اس کا جوگ لے کر زندگی نہیں خراب کروں گی۔“

”گڈ میں نہیں چاہتا تم میری طرح جابز کے لیے ماری ماری پھرو، تعلیم کے باوجود جاب نہ ملے تو الزام دینے کے لیے حکومت ہوتی ہے اور اگر تعلیم ہی نہ ہو تو زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔“ اس نے سر ہلا دیا اور خاموش ہو گئی۔ اسلان اٹھ کر گیا اور دو مزید آئس کریم لے کر آیا ایک آراہ کو تھماتے ہوئے وہ سڑک کے پار بہتا ٹریفک دیکھنے گیا۔

”شاہ ویر کہاں ہے، اسلان؟“

سوال تھا کہ کیا وہ بہت دیر تک جانچتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ ”مجھے نہیں پتا۔“

”تم مجھ سے جھوٹ بولو گے؟“

”میرے پاس تین سو روپے اور ہیں چاٹ کھائیں؟“ وہ بات پلٹ گیا تھا اسلان یمن اچھا تھا لیکن وہ اپنا ہر راز ہر کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔ انسانوں کی کوئی پرائیویسی بھی ہوتی ہے۔

”چاٹ نہیں گول گپے کھاتے ہیں۔“ اس نے گاڑی ایک طرف موڑی۔ سوال وہیں ہواؤں میں معلق رہ گیا آخر وہ اس بارے میں بات کیوں نہیں کرتا تھا؟

★★★★★★★

(وہ جس وقت گاڑی کیفے کے پارکنگ لاٹ کی طرف لے کر جا رہا تھا اسی وقت اس نے گاڑی کے اندر شاہ ویر بنگش کی جھلک دیکھی۔ عالمگیر کا دماغ بھک سے اڑا، لمحے بھر کے اندر اندر اسے سب سمجھ آگیا تھا۔ ابھی وہ ایک جھٹکے سے سنبھل پاتا کہ اس نے گاڑی کی پچھلی نشست پر بنفشہ احسان کو دیکھا۔ عالمگیر نے گاڑی تیزی سے گھمائی اور موبائل اٹھا کر سہراب کو کال ملائی۔ شاہ ویر کی گاڑی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی مگر اسے یقین تھا وہ اسے ڈھونڈ لے گا۔

وہ ابھی سہراب سے کچھ کہہ ہی رہا تھا کہ اس کا موبائل ٹھپ سے بند ہو گیا۔ عالمگیر اپنی گاڑی میں بیٹھا ساکت رہ گیا۔ اسے حدف دوبارہ مل چکا تھا مگر وہ "رابطہ" کھو چکا تھا۔)

★★★★★★★

”وہ کہاں تھا کیا کوئی واقعی جانتا تھا؟“

وہ پچھلے تین دنوں سے اس تہہ خانے میں خود کو قید کیے ہوئے تھا۔ آوازیں، لوگ، اپنے، دوست کچھ بھی تو نہیں تھا اس کے پاس۔ وہ لوہے کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا آنسو بھل بھل اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے وہ زمین پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہوئے حلق کے بل چیخ رہا تھا، رو رہا تھا اس کے برسوں کی محنت ضائع ہو گئی تھی اس کی ساری زندگی راکھ ہو گئی تھی اور وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا کچھ بھی تو نہیں۔ ہر گزرتا لمحہ اسے موت کے قریب کر رہا تھا اب وہ سوچتا تھا، خیال سا آ کر گزرتا تھا کیا اسلان یمن پر بھی اسی طرح کی کیفیت رہی ہو گی، کیا اس نے بھی زندگی سے زندگی کو ختم ہوتے ہوئے دیکھا ہو گا؟

اس کے گھر والوں کے موبائل فونز ٹیپ کیے جا رہے تھے۔ ریاست کی پولیس اسے ڈھونڈ رہی تھی، اس کے دوست، فینز، سرمایہ کار ہر کوئی اس کے خلاف نفرت آمیز بیانات لکھ رہا تھا وہ ساری دنیا میں جس بلندی کے ساتھ آگے آیا تھا اس کا زوال اتنا ہی ہولناک تھا۔ شاہ ویر طلال بنگش کے لیے زندگی اب محض ایک تاریک غار تھی۔ وہ زوال کی کرچیاں اس قدر قریب سے اڑتے دیکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھیں پل بھر کو اندھی ہو گئیں، جسم زخمی اور دل خالی۔ برسوں بعد اسلان یمن کے خدا نے انصاف کر دیا تھا۔ شاہ ویر بنگش کے بخت میں وہی آیا جو اس نے دیا تھا.................ذلت، نقب زنی، خاک۔

دیوار سے جڑ کر گھٹنے سینے سے لگائے وہ خلاؤں میں گھورے گیا۔ خاموش، خالی۔

(”کیا اس کے اپنوں نے بھی اسے چھوڑ دیا تھا؟“)

وہ چار روز کے بعد پہلی بار اس تہہ خانے سے نکل کر آشیانہ بنگش آیا تھا۔ ہر طرف پہرے دار تھے، پولیس کی بھاری نفری دروازے کے عین سامنے کھڑی تھی۔ جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑے وہ اس وقت کو یاد کیے گیا جب وہ یہاں شہنشاہوں کی طرح آتا تھا، جب ایسے کچھ وردی والے لوگ اس کی حفاظت پر معمور ہوتے تھے، جب اس کے خلاف نفرت آمیز پیغام لکھتے لوگ اس کے دلدادہ ہوتے تھے۔ وقت.....وقت اسے کہاں لے آیا تھا یہ کیسا زوال تھا جو اس پر آن وارد ہوا تھا؟ اس وقت چوروں کی طرح یہاں آتے ہوئے اس کا دل ہزار دفعہ چھلنی ہوا تھا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا، اسلان۔" آشیانہ بنگش کی اداسیوں کو تکتے وہ خود سے بڑبڑایا۔ پولیس کو چکما دیتے گھر تک آنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ تیز تیز ڈگ بھرتا رئیس کے کمرے میں داخل ہوا، سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر بتیاں روشن کیں تو وہ جو ٹیبلیٹ پر کچھ دیکھ رہا تھا اٹھ بیٹھا۔ کئی پل پھٹی پھٹی نظروں سے وہ شاہ ویر کو دیکھے گیا۔

"تم؟" بہت دیر بعد وہ غرا کر کہتا اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے جھپٹ کر الماری سے لگایا۔ "پورے خاندان کی عزت اور نام تباہ کر کے اپنے سگے بھائی کا قتل کر کے اب بھی تم میں گٹس ہیں کہ تم میرے سامنے آؤ؟"

"آئی ایم سوری بھائی آئی ایم سو سوری، پلیز مجھے معاف کر دیں۔" اس نے رئیس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔ "میں مر جاؤں گا بھائی۔ میں...... مجھے کچھ پیسے چاہیے۔ میرے پیچھے لوگ ہیں میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور۔" رئیس نے پوری قوت سے ایک تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑا۔

"تم میں ذرا بھی غیرت نہیں؟ تم میں ذرا بھی احساس نہیں؟ تم مر کیوں نہیں گئے تمہیں مر جانا چاہیے تھا۔ میں ..... میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں میں پولیس کو کال کروں گا۔ تم اپنا کیا بھگتو گے۔" وہ اٹھ کر فون کی طرف لپکا جب شاہ ویر دروازے کے فریم میں جم کر کھڑی تاج تک آیا۔ وہ رو رہی تھی شاہ ویر کو دیکھ دو قدم پیچھے ہوئی۔ نفرت سے، تنفر سے۔ شاہ ویر نے اس کی آنکھوں میں یہ تاثر پہلی بار دیکھا تھا، یہ تعلق وہ واحد تعلق تھا جسے وہ تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکا۔

"تاج! آپا پلیز ان کو سمجھاؤ پلیز تم سمجھو میں مشکل وقت میں ہوں اور..... میں نے بھی تو تم سب کی مدد کی تھی۔"

"گھن آتی ہے مجھے تم سے۔" اس نے کراہیت سے کہا شاہ ویر لمحے بھر کو سانس نہیں لے سکا۔ تاج۔۔۔۔ تاج اسے یہ کیسے کہہ سکتی تھی۔ اس کی ماؤں جیسی بہن؟ "ڈر لگتا ہے تم سے کہ کہیں تم پیسوں اور فیم کی خاطر اپنی بہن کا سودا نہ کر دو۔"

”تاج۔۔۔۔“ وہ پھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

”اللہ کرے تم مر جاؤ میں تمہارے لیے ایک آنسو بھی نہیں بہاؤں گی۔ اللہ کرے تم بہت بُری موت مرو تم نے بابا کو مار دیا، تم نے زیدو کو مار دیا دلیپ سلطان اور کون کون؟“ وہ رو رہی تھی رئیس پولیس کو کال کر رہا تھا اور شاہ ویر میکانکی انداز میں دروازہ کھول کر باہر جا رہا تھا۔ کئی سال قبل اس نے اسلان یمن کے لیے تعلقات کو زہر آلود کر دیا تھا آج وہی زہر قطرہ قطرہ اس کی اپنی رگوں میں اتر گیا تھا۔ آج اس کا ہر خونی رشتہ اس سے اسی طرح متنفر تھا جیسے اسلان کے تمام تعلقات۔

واپس جاتے ہوئے اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے کسی نے چونا پھیر دیا ہو۔ سفید، کورا سفید۔

(”کیا ایک باطل دوسرے باطل کا تعاقب چھوڑ سکتا تھا؟“)

دھاتی دروازے پر دستک ہوئی تو وہ ٹھٹھکا، ابھی وہ کوئی مزاحمت کرتا کہ کلک کی آواز سنائی دی۔ دروازہ چر کی آواز کے ساتھ کھلا اور وہ جو ایک کونے میں دبک کر بیٹھا تھا وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا۔ آس پاس لوہے کی دیواریں تھیں، انہیں دیکھتے ہوئے قدم قدم چل کر آتے نور احمد کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ اس کے پیچھے کئی اور مرد اندر داخل ہوئے۔ لمحے بھر کے اندر وہ تنہا زندان لوگوں کی موجودگی سے بھر گیا۔

”نائیس پلیس۔“ شاہ ویر ہنوز بے سانس تھا یہ جگہ بنانے میں اسے دو سال لگے تھے اور کوئی شخص دو گھنٹوں میں اسے کھوج گیا؟ دیوار اور چھت سے نگاہ ہٹا کر اس نے تحیر زدہ شاہ ویر کو دیکھا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو تمہیں لگا تھا میں تمہیں تلاش نہیں کر سکتا؟“ وہ پنجوں کے بل شاہ ویر کے قریب آ کر بیٹھا اس کے لوگ آس پاس پھیل گئے۔ ”میں جہنم کی تہہ تک تمہارے پیچھے آؤں گا، بنگش تم مجھ سے پیچھا نہیں چھڑوا سکتے۔“ اس نے چاقو نکال کر شاہ ویر کی گردن پر رکھا۔ نگاہوں میں سختی تھی۔ ”کیا لگا تھا مجھ سے بچ سکتے ہو؟“ وہ کچھ نہ بولا بس اپنی گردن پر چاقو کی ٹھنڈک محسوس کر گیا۔

"میں صرف اس لیے خاموش ہوں کیونکہ تم نے مجھ سے وقت مانگا تھا اور اس وقت میں تم مجھے محظوظ کروانے والے تھے۔ but it's getting boring" نور کچھ ناپسندیدگی سے گویا ہوا۔ "اس لیے تمہارا ٹائم اب کم کیا جاتا ہے ایک ہفتہ اور اگر ایک ہفتے میں تم کچھ نہیں کر سکے تو مجھ سے کوئی شکایت مت کرنا اوکے؟"

"میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، نور۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں۔ یار تم کیسے مرد ہو بلکہ اب مجھے شک ہونے لگا ہے کہ تم مرد ہو بھی یا نہیں تم سے کوئی کام نہیں ہو پا رہا۔ اپنی گرل فرینڈ کو تم سبق نہیں سکھا سکے اور آج وہ تمہارا نام پوری طرح سے تباہ کر چکی ہے، اس کے بھائی کو تم پوری طرح ختم نہیں کر سکے اور مجھ سے کیے وعدے کو تم نبھا نہیں سکے۔" وہ رازدارانہ انداز میں اس کے قریب بیٹھا۔ "اگر تم نہیں ہو تو تم مجھے بتا سکتے ہو میں تمہیں سپورٹ کروں گا اور اگر تم بھائیوں والی بات کرو تو تمہاری گرل فرینڈ سے بھی نپٹ لیں گے لڑکیاں میری ایک جھلک پر دل وار دیتی ہیں۔"

"پلیز میری جان چھوڑ دو میرے پاس کچھ نہیں رہا۔" وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ گیا۔ نور نے کنپٹی سہلائی اور اگلے ہی لمحے اپنے لوگوں کو اشارہ کیا وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ لاتیں، مکے، گھونسے جس سے جو بن پڑا وہ اسے مارتے چلے گئے۔ اس وقت ان سے پٹتے ہوئے اسے اسلان یمن کی ہر تکلیف یاد آ رہی تھی ہر وہ تشدد جو وہ اس پر کروایا کرتا تھا، وقت کا پاسا پلٹنا اتنا بُرا تھا کہ اسے اپنی شکل آئینے میں دیکھنے سے کراہیت آئی۔

جب وہ اسے مارتے مارتے تھک گئے تب اسے ٹھوکر مار کر ایک طرف کیا۔ منہ سے خون تھوکتے وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ نور نے سابقہ ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"ایک ہفتہ بنگش اور تمہارا وقت اب شروع ہو چکا ہے۔"

("کیا اس نے "اب" ہار مان لی؟")

وہ کتنے ہی گھنٹے ہوش اور بے ہوشی کے درمیان کی حالت میں رہا، کتنے ہی گھنٹے اسے لگا کہ وہ مر جائے گا اور یہ اختتام ہے۔ اسے بس یہ یاد تھا کہ اس نے کسی طرح اپنے زخم صاف کیے تھے، کوئی دوا بھی لی تھی، اور شاید کچھ کھایا بھی تھا اسے یاد تھا وہ رویا تھا، کراہا تھا مگر ہار نہیں مانی تھی۔ اس کے پاس چاقو تھا، پستول تھی وہ خود کو ختم کر سکتا تھا مگر نہیں کیا۔

اگلے دو دن اس کی حالت میں کچھ سدھار آیا جب اس نے لوہے کی دیوار کے درمیان خود کو کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ پیلی پھٹک رنگت کے ساتھ خود کو تکا کئی لمحے وہ تکتا گیا اور پھر.....وہ ہنسا، بالکل اسی طرح جس طرح پریولج کلر کے دیے زخموں پر ہنسا تھا وہی نفسیاتی، بے ہنگم قہقہے ایسے قہقہے جن سے خوف آتا ہو، جن سے ڈر جانے کا جی چاہتا ہو۔ اس نے چاروں اور دیکھا ہر طرف وہ تھا، ہر دیوار میں اس کا اپنا عکس بن رہا تھا۔ وہ اس سمے پاگل ہو رہا تھا، یا شاید ہو چکا تھا یا شاید پیدا ہی وہی ہوا تھا۔

”یہ زوال صرف میرا نہیں ہوگا، میں تم سب کو اپنے ساتھ مسمار کروں گا۔“ وہ چیخ چیخ کر ایک ایک کو باور کروا رہا تھا۔ بدن کانپ رہا تھا اور آنکھوں میں جنونیت اتری تھی۔

★★★★★★★★

(دروازے پر کوئی سیکورٹی نہیں تھی۔ وہ اسے اندر لایا، باقی لوگ دروازے سے ہی پلٹ گئے تھے۔ بنفشہ گھسٹتی ہوئی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ اسٹیج کے قریب لا کر اس نے بنفشہ کا ہاتھ چھوڑا، اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر زینوں پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے آ کر بیٹھا۔

”صرف ایک، تمھیں صرف ایک کام کرنا ہے کہ تم اسلان کو کال کرو گی اس سے کہو گی کہ وہ مجھے میرا پیسہ لوٹائے، صرف اتنا سا کام اور وہ۔“ اس نے محبت سے اپنی بڑی بہن کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ”وہ تمہاری ہر بات مانے گا میں جانتا ہوں جس نظر سے وہ تمہیں دیکھتا ہے، تم اس نگاہ کی اہمیت نہیں سمجھتی۔“

وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہا تھا وہ سانس روکے بیٹھی تھی۔ ”تم اسے کال کرو گی ہے نا؟“ بنفشہ احسان چند پل اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، تنفر، طیش، آگ کیا کیا تھا اس کی آنکھوں میں۔

”میں کوئی کال نہیں کروں گی، میں اس سے کچھ نہیں کہوں گی ہاں لیکن میں تم سے ضرور کچھ کہنا چاہوں گی۔“ وہ اس کے کان کے قریب جھکی، آواز سرگوشی جتنی ہلکی تھی۔ ”لعنت ہو تم پر!“)

★★★★★★★

تیز ہوا ان دونوں کے بال اور لباس اڑا رہی تھی۔ عمر حیات اور اسلان یمن کے درمیان خاموشی کا لمبا وقفہ در آیا۔ وہ دونوں روف ٹاپ کی چھت سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ عمر کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا، جبکہ اسلان یمن اپنے جبڑے پر کچھ رکھ رہا تھا۔ آخری مکا کافی زوردار تھا، اس کا جبڑا ہی ہل کر رہ گیا تھا۔

”تمہارے بزرگوں نے تمہیں یہ نہیں سکھایا کہ بڑوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے؟“ عمر ناپسندیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”آپ کے بزرگوں نے یہ نہیں سکھایا کہ دوست کے بھتیجے کو اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کرتے۔“

عمر نے تسلی سے گھونٹ بھرا اور نفی میں سر ہلایا۔ ”نہیں، اور اگر سکھایا بھی ہوتا تو میں بھول جانا پسند کرتا۔“ وہ اب قدم قدم چلتا پلاسٹک کی کرسی تک گیا۔ ”تمہارے چچا کو لگتا ہے تم بگڑ چکے ہو اور یہ کہ اب تم انتقامی ہو گئے ہو وہ چاہتے ہیں تم کچھ عرصہ میرے ساتھ رہو۔“

”اسکار آپ کی ہسٹری بھول گیا ہے کیا؟ اپنے ساتھ غلط کرنے والوں کے ساتھ آپ نے کیا کیا تھا میں یاد دلاؤں؟“ وہ ایک وقت میں انٹرنیٹ پر چھایا رہا تھا، اس نے اپنے ماموں، اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا تھا اسے کس نے بھولنا تھا؟ ”آپ نے ہیون کس طرح واپس لیا، اپنے ہی ماموں کو کس طرح کے انسان کے حوالے کیا سب جانتے ہیں۔“

”مجھے جو درست لگا میں نے کیا اور آج تک الحمد اللہ ان فیصلوں پر پچھتاوا نہیں ہوا۔“ اس نے اسلان کو قریب رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”مجھے نہیں لگتا تم کچھ غلط کر رہے ہو تمہارے چچا کو لگتا ہے۔“

”تو آپ انہیں سمجھائیں۔“ وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

”کیوں تمہارے باپ کا ملازم ہوں؟“

”آپ میرے باپ تک مت جائیں ورنہ۔۔“

”ورنہ؟“ اس کی آنکھوں میں بھی وہی سختی تھی جو اسلان یمن کی آنکھوں میں۔ ”میں نہ تمہارا تھیراپسٹ ہوں نہ تمہارے چچا کا پرسنل ایڈوائزر۔ تم دونوں مجھ سے درخواست کر سکتے ہو میں کیا کروں گا یہ میں خود طے کرتا ہوں۔“ انگشت شہادت سینے پر رکھے وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

”اور آپ نے طے کیا کہ آپ یہاں آ کر میری زندگی میں مسائل کھڑے کریں؟“ وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔

”میری وجہ سے تمہارے کام سہل ہوئے ہیں اور اگر تمہیں لگتا ہے کوئی مسئلہ ہوا ہے تو حل کر دیتے ہیں بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟“ وہ سینے پر ہاتھ باندھے بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسلان چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر جیسے فیصلہ کر لیا۔

”مجھ جھوٹ اور دھوکے سے سخت نفرت ہے آپ نے شروعات ہی وہیں سے کی ہے لہٰذا میں آپ کے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا آپ جا سکتے ہیں۔“

اس نے عمر کو کندھے ڈھیلے چھوڑتے ہوئے دیکھا۔ ”میں صرف تمہیں چیک کر رہا تھا، اسلان۔ ایک جوان لڑکے کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے اور فی الحال میں مسیحائی کی اس حد تک نہیں پہنچا کہ بلا ضرورت لوگوں کے کام آنے لگوں۔ میں اپنے ساتھ کسے لے کر جا رہا ہوں مجھے یہ کنفرم کرنا پڑا۔ میں دشمن نہیں ہوں تمہارا۔“

اسلان نے بازو سینے پر باندھے اور اسے دیکھا۔ ”اوکے۔“

عمر تلملا کر رہ گیا۔ ”میری طرف سے تمہیں کوئی ذہنی اور جسمانی نقصان نہیں ہوا اور۔“

”اوکے۔“

”اسلان میری بات سنو کیا تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟“

”اوکے۔“

عمر نے ایک آخری نظر اس پر ڈالی۔ ”اس وقت تمہارا دماغ بہت گرم ہے ہم آرام سے بات کریں گے میں سہراب سے اس ملاقات کا کوئی ذکر نہیں کروں گا تم گھر جاؤ آرام کرو۔“

”میں ذکر کروں گا سر، کیونکہ میں آپ کی طرح جھوٹا اور مکار نہیں آپ افسر ہیں آگے پیچھے سب کو خوش رکھیں میں نہیں ہوں۔ میری طرف سے آپ جہنم میں جائیں اور آپ کا کام بھاڑ میں۔“ عمر نے کچھ کہا نہیں بس چُبھتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اسلان تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے سامنے سے گزر کر نیچے چلا گیا۔ اس نے ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان دبائی اور واپس کرسی پر آ کر بیٹھا چائے کا گھونٹ بھرا اور بدمزہ ہو کر کپ واپس رکھ دیا۔ لاہور کے لوگ اور چائے اسے دونوں پسند نہیں آیا تھا......... آہ وہ واپس کراچی کب جائے گا؟

★★★★★★★★★★

(شاہ ویر نے بالوں سے پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھڑا کیا۔ وہ سسکی اور خود کو چھڑوانا چاہا۔ ”تم مجھے انکار کر رہی ہو؟“ اس نے پستول بنفشہ کی پسلیوں کے درمیان رکھی۔ ساکت سی کتھئی آنکھیں سفاک کتھئی آنکھوں میں گڑھی تھیں۔

”شاہ ویر............“ اس کے لبوں سے پکار نہیں تحیر برامد ہوا تھا۔ چہرے پر تھپڑ کی چھاپ اب بھی سرخ تھی۔ ”میں بہن ہوں تمہاری۔“

"میں تعلقات نبھاتے نبھاتے تھک گیا ہوں بینا۔ اب خود کی تعمیر کا وقت ہے۔" اس نے بنفشہ کے بالوں کو مزید سختی سے پکڑ کر کھینچا اور اب کی بار گردن پر پستول رکھی۔ "اسے کال کرو اور یہاں بلاؤ۔ وہ مجھے میرا پیسہ دے گا اور تم اس کے ساتھ جاؤ گی اس کے بعد تم دونوں اپنی زندگی میں کیا کرتے ہو مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔"

"اور اگر میں اسے نہ بلاؤں تو؟" وہ پھنکاری۔

"اپنی موت کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" شاہ ویر نے اس کی پنڈلی پر لات مار کر اسے گھٹنوں کے بل بٹھایا، پستول اب اس کے ماتھے پر تھی، آنکھوں میں وحشت تھی۔ اور ہاتھ اوپر۔

"تم مجھے مارو گے، ویر؟"

"مجھے ایموشنل مت کرو یہ کھیل مجھ پر کام نہیں کرے گا۔" وہ غرایا۔

"تم مجھے مار نہیں سکتے، ویر اسلان تمہیں تباہ کر دے گا۔"

"بچانے کے لیے اب میرے پاس رہا ہی کیا ہے، ہاں البتہ۔" ٹھہر کر ماتھے پر پستول کا دباؤ بڑھایا۔ "اسلان کے پاس کافی کچھ باقی ہے۔" زمین پر بیٹھی بنفشہ کراہت سے اپنے ماں جائے کو دیکھتی رہی۔ "اس وقت تم اپنی زندگی کی فکر کرو، میرے پاس اسلحہ ہے۔"

"اور میرے پاس بھی۔" ستون کی اوٹ سے پستول سیدھا اس پر تانے وہ باہر نکل کر آیا، وہی جس کی آنکھیں ہیزل تھیں عالمگیر افتخار یمن۔ شاہ ویر ساکن سا انہیں دیکھ رہا تھا کیا یہ اختتام تھا کیا وہ آج یہاں ختم ہو جائے گا؟ وہ یہاں کیا کر رہا تھا؟

"ویڈیوز میرے حوالے کر دو، ویر اور میں بھول جاؤں گی کہ میں کبھی تم سے ملی بھی تھی۔ یہ تمہارے پاس آخری موقع ہے، اگر تم نے میرے ساتھ کسی قسم کا فریب کرنے کی کوشش کی تو اسلان تمہیں زندہ جلا دے گا، اپنے

ماں کے جلتے اصلحہ سے تو تم واقف ہی ہو۔" وہ تنی پستول سے بے نیاز بولی، ہاں دل اندر ہی اندر کانپ رہا تھا وہ الگ بات تھی۔

"پستول نیچے پھینکو ورنہ میں فائر کر دوں گا۔" عالمگیر نے اسے تنبیہہ کی۔ تنی بندوق شاہ ویر کے کندھے پر رکھی اور آگے بڑھنے کا ٹھوکا دیا۔

شاہ ویر نے اپنی پستول گرا دی۔ "گڈ، اب آگے چلو اور جو ویڈیوز بنفشہ چاہتی ہے وہ اسے دو۔" شاہ ویر بنگش نے اپنے دونوں ہاتھ سرینڈر کے انداز میں اوپر کیے اور آگے آگے چلنے لگا۔ اس کا دماغ کچھ سوچ رہا تھا۔

عالم اس کی دائیں طرف تھا اور بنفشہ اس کے عقب میں قدم اٹھا رہی تھی۔ وہ چند قدم آگے چلے تھے شاہ ویر اب دروازے کا پاسورڈ لگا رہا تھا جب اس کی انگلیاں ایک پل کو تھم گئیں۔

"شاہ ویر کوئی۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کر پاتی شاہ ویر ایک جھٹکے سے مڑتے ہوئے عالم کی پستول چھین گیا، اور کہنی زور دار انداز میں اس کے منہ پر دے ماری۔ بنفشہ سر کے بل نیچے گر گئی۔ اس کی ناک سے خون بہہ نکلا۔ اب کے شاہ ویر کی پستول کا رخ عین عالمگیر کی آنکھوں کے درمیان تھا۔

"تم لوگ اسے ڈرانے کے لیے استعمال کرتے ہو۔" وہ کہتے ہوئے بنفشہ کی دائیں طرف آ کر رکا اور بھاری بوٹ کی ایک لات اس کی پسلیوں میں دے ماری۔ وہ کراہی، پیٹ کے بل جھک گئی۔ وہ اب پستول عالم پر تانے کھڑا تھا۔ "تم دونوں نے اپنے عتاب کو خود دعوت دی ہے۔"

شاہ ویر چند پل سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور اگلے ہی لمحے اندھا دھند تین سے چار فائر کیے۔ چھت سے لٹکتے غبارے نما چیزیں پھٹیں۔ چند پل عجیب سے گزرے اور اگلے ہی لمحے دھواں ہر سو پھیل گیا۔ شاہ ویر انہیں دیکھتے ہوئے مسکرایا اور جیب سے ایک ماسک نکال کر چہرے پر لگایا۔

”میں اسے کھیل ختم کرنے کے لیے استعمال کرتا ہوں show stopper یو نو۔ اسلان یمن سے زندہ نہیں ملو گی تم مگر مل جاؤ تو اسے کہنا محبت اگر میری نہیں تو اس کی بھی نہیں۔ محبت کی لازوال داستان کی تباہی مبارک۔“ جب تک عالمگیر اور بنفشہ کچھ سمجھ پاتے وہ کسی چھلاوا کی طرح کہیں غائب ہو گیا تھا۔ دروازے کھڑکیاں خود بخود بند ہونے لگیں۔ فرش پر گری ہوئی عورت کو دنیا اپنے سر پر گھومتی محسوس ہوئی۔ اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔

★★★★★★★★

”حال!“

”کیا تم دونوں مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے؟“ سہراب سخت چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عمر نے شانے اچکائے۔

”تمہارا بھتیجا چاہتا تھا ہم مردوں کی طرح بات کریں اور جب میں نے "اپنے" مردانہ طریقے سے بات کی تو یہ عورتوں کی طرح ناراض ہو گیا ہے اب کیا کروں اسے خط لکھ کر بھیجوں یا ماتھا چوم کر معذرت کروں؟“

”مجھے آپ سے دونوں چیزیں نہیں چاہیے۔“ اسلان نے چبا چبا کر کہا۔ ”مجھے خود کو دھوکہ دینے والے لوگ نہیں پسند۔“

”پھر تو تم تنہا رہ جاؤ گے کیونکہ اس دنیا میں ہر کوئی حسب استطاعت دھوکہ دے رہا ہے اپنے لیے الگ سیارا ڈھونڈ لو۔“ اس نے شانے اچکائے۔

”یعنی آپ ذرا بھی شرمندہ نہیں ہیں؟“ اس کی آواز بلند ہوئی۔

”کون میں؟“ عمر نے تحیر سے سینے پر انگلی رکھی۔ ”یہ شرمندگی کیا ہوتی ہے تم نے دیکھی ہے کیا کبھی؟“ پہلی بات اسلان سے دوسری سہراب سے پوچھی۔ ”میں تم پر اپنا وقت اور پیسہ لگانے والا ہوں۔ کیا تمہیں بغیر چیک کیے اپنے ساتھ لے کر جا سکتا ہوں، عمر کا پیسہ کیا حرام کا ہے؟“ سہراب کے موبائل پر عالمگیر کا وائس نوٹ آیا

تھا، وہ اسے سننے کے لیے موبائل کان سے لگا گیا، ان دونوں کو بحث کرنے دی۔ اسلان کا غصہ تھم رہا تھا وہ آہستہ آہستہ چیزیں سمجھ رہا تھا۔ اسے عمر پر اب غصہ نہیں تھا مگر وہ کراچی نہیں جانا چاہتا تھا۔

"آج کل اور دس سال بعد اگر تم کبھی بھی مجھ سے پوچھو گے تو میں یہی کہوں گا کہ میں. شرمندہ. نہیں. ہوں۔" عمر نے اضافہ کیا۔ اس سارے وقت میں ان دونوں نے سہراب کے چہرے کی اڑتی رنگت نہیں دیکھی تھی، اس کی نگاہیں موبائل پر جمتی ہوئی نہیں دیکھی تھیں، ان دونوں نے اسے رفتہ رفتہ ٹھنڈا پڑتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ "اور اگر تمہیں یہ سب استعمال ہونا لگ رہا ہے تو ٹھیک ہے میں نے کیا استعمال، آگے بھی کروں گا کیونکہ مجھے کرنا پڑتا ہے یہ میری جاب ہے تم جاب سمجھتے ہو بے روزگار؟"

"میں ڈھٹائی سمجھتا ہوں جو اس وقت آپ دکھا رہے ہیں۔"

"یہ تو اس کا ایک فیصد بھی نہیں جو میرے اندر ہے، مزید دکھاؤں؟"

"آپ اس ضد کے ایک فیصد سے بھی ناواقف ہیں جو میرے اندر ہے۔ اور یہ میری ضد ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں کام کروں گا۔" اس کی آواز کچھ بلند ہوئی۔ عمر نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے، میں اگر کسی کے ساتھ کام کروں تو یہ اس کی خوش قسمتی ہوتی ہے میری نہیں اور اگر تمہیں لگتا تھا کہ میں بغیر تمہیں ٹیسٹ کیے تم جیسے بگڑے، بدتمیز اور اڑیل لڑکے کو ملازمت کی پیشکش دوں گا تو تم غلط ہو۔ میں نے چرس بیچ کر پیسہ نہیں کمایا جو تم جیسوں پر لٹاؤں۔" اس نے بٹوہ اور گاڑی کی چابی اٹھائی۔ "اب تم آؤ گے میرے پاس، میرے پیچھے..... کیونکہ تمہیں میری ضرورت ہو گی، اسلان یمن۔"

"اسلان......" وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ سہراب کی سراسیمہ آواز پر تھم گیا۔ اسلان اس کی طرف مڑا، عمر کے قدم بے اختیار تھمے۔ سہراب ٹکر ٹکر اپنے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" عمر نے ٹھہر کر پوچھا۔

"عالمگیر نے مجھے میسج بھیجا ہے۔۔۔۔۔اس نے بنفشہ کو شاہ ویر کے ساتھ جاتے دیکھا ہے اور بنفشہ کی لوکیشن پانچ منٹ پہلے فلم سٹی کی آ رہی تھی۔" اس نے مردہ ہوتی نگاہیں اٹھا کر اسلان کو دیکھا۔

"بنفشہ اور عالم اس وقت شاہ ویر بنگش کے ساتھ ہیں اور میرے پاس ان کی لوکیشن نہیں ہے۔" آواز نہیں صور تھی۔ "عالم کا موبائل بند ہو گیا ہے، اور اب بنفشہ کا بھی۔" اسلان بے دھم سا ہو گیا۔ بنفشہ اور عالم؟ وہ دونوں وہاں کیوں تھے اور اگر وہ تھے تو اسلان لاعلم کیوں اور اور جو باعلم تھا وہ انہیں کھو کیسے سکتا ہے؟

سہراب چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھا، اسلان ہنوز ساکت سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا اس نے کچھ غلط سن لیا ہے۔ "آخری لوکیشن کیا تھی ہم ٹریک کر سکتے ہیں گاڑی میں ٹریکر تھا؟" عمر پوچھ رہا تھا وہ دونوں افسر تھے وہ دونوں جذب کر چکے تھے اسلان اس وقت کیا تھا یہ وہ خود بھی نہیں سمجھ سکا۔ عالم کا بھتیجا، یا پھر بنفشہ کا منگیتر؟

"تم لوگوں نے اب تک اس سے جان کیوں نہیں چھڑوائی؟" عمر اکتایا۔ "اور وہ تمہاری منگیتر وہاں کیا کر رہی ہے؟"

"آپ اسے کیفے چھوڑنے گئے تھے وہ فلم سٹی کیا کر رہی ہے؟" اسلان کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔ وہ نگاہوں میں ٹھیس لیے سہراب کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ سہلگل سے ملنے گئی تھی، عالم کے ساتھ۔"

"اور آپ نے مجھ سے چھپایا؟" اسے یاد تھا ان دونوں کے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اسلان نے سہراب سے پوچھا تھا، اور اس نے جھوٹ بولا۔

"اگر وہ اس کیس پر کام کرنا چاہتی تھی تو یہ اس کا کام تھا میں درمیان میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا وہ بعد میں تمہیں بتا دے گی اور عالم اس کے ساتھ تھا۔" سہراب نے قطعی لہجے میں کہا۔ اسلان نے باقی ہر شے پر لعنت بھیجی، اس وقت اس کے لیے جو واحد شے ضروری تھی وہ اسے کھو چکے تھے۔

"لاسٹ لوکیشن؟"

"فلم سٹی!" وہ سر ہلاتے ہوئے مڑا پھر رکا، اپنے ساتھ چلتے سہراب کو دیکھا۔ "آپ میرے ساتھ نہیں آرہے۔"

"اسلان میں۔۔۔۔۔۔"

"یا تو آپ جاؤ گے یا پھر میں۔" سہراب نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر عمر نے پلکیں جھپک کر اسے تسلی دی وہ لب بھینچ کر پیچھے ہٹ گیا۔ ابلتے طیش پر قابو پایا۔

"فائن۔" اسلان مڑ گیا عمر اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ کہیں نہ کہیں وہ دونوں ایک جیسے تھے، کہیں نہ کہیں ان میں مماثلت تھی ہاں مگر اسلان یمن کوئی آگ تھی، عمر حیات اس آگ کو بجھا کر پانی بن آیا تھا پتھر بھی پھینکو تو جذب کر لیتا تھا۔

پارکنگ لاٹ میں اس نے اسلان کا بازو پکڑ کر اسے روکا اور اپنے سامنے کھڑا کیا۔ اس کی آنکھیں نرم تھیں، یہ وہ عمر نہیں تھا جو اس سے بحث کرتا تھا، طنز کرتا تھا۔ اس کے اس انداز میں ملائمت تھی۔ "کوئی بھی جنگ ہو وہ سب سے پہلے یہاں سے لڑی جاتی ہے۔" اس نے اسلان کی کنپٹی پر دستک دی۔ "اسے جتنا ٹھنڈا رکھو گے باہر اتنی ہی آگ لگا سکو گے۔ ایک وقت پہلے میں بھی تمہارے جیسا تھا کسی نے مجھ سے میرا قریبی انسان چھین لیا تھا میں بھی اسی طرح غصے سے اسے قتل کر دینا چاہتا تھا، لیکن میں قاتل نہیں تھا اور نہ میں قاتل بنا۔"

"وہ ہر بار آجاتا ہے اور میری ہر خوشی جل جاتی ہے میں ایک ہی بار اس آگ کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ پہلے اس نے میری ریڈ لائن کراس کی اور اب۔" اس نے بے بسی سے کہا اور گردن جھکا دی۔ طیش کسی صورت قابو نہیں ہو رہا تھا۔ "اب کی بار اُس نے میرے دل پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

”تم اس کا انتظام کر چکے ہو اسلان؟ بس آج اس قصہ کو ختم کرو۔ سمجھو کہ کلائمکس اب سے شروع۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا وہ سمجھ گیا تھا۔ عمر نے کوٹ کی جیب سے پستول نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ ”اسے ساتھ رکھو کام آئے گی، لوڈڈ ہے۔“ اسلان نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا وہاں اگر کچھ تھا تو خالص پن۔

”تم اسے نہیں مارو گے، یاد رکھنا۔ تم قاتل نہیں ہو۔“ وہ اسے مارے گا اسے بس یہ یاد تھا گولی سے نہیں، اپنے طریقے سے۔ وہ قاتل نہیں تھا لکھاری تھا۔ لکھاریوں کو اپنے بدلے لینے آتے ہیں۔

★★★★★★★★

(سبز دیواروں والے سٹوڈیو میں اس وقت وہ اپنے میزبان کے سامنے بیٹھی تھی۔ دیوار کے اس طرف یافث طارون کھڑا تھا آراہ نے ایک نظر اس کو دیکھا وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا، آراہ کو تقویت ہوئی۔ یہاں تک آنے کے لیے اسے قدم نہیں حوصلے درکار رہے تھے اور یافث طارون سے بہتر حوصلہ کون ہو سکتا تھا؟

اینکر اپنا سوال پوچھ رہا تھا۔ ”آپ نے شاہ ویر بنگش پر اقدام قتل، تشدد اور اغوا کا پرچہ دائر کیا ہے لیکن اگر ہم ماضی کھنگالیں تو آپ اور کا اور شاہ ویر بنگش کا تعلق دو سے ڈھائی سال تک رہا ہے دوران تعلق کیا آپ کو کبھی ایسا نہیں لگا کہ آپ کسی غلط انسان کے ساتھ ہیں؟“

”کچھ عورتیں شادی کے دس سال بعد طلاق لے لیتی ہیں سر آپ کو کیا لگتا ہے انہیں یہاں تک آنے میں اتنا وقت کیوں لگتا ہے؟“

”شاید انہیں علم دیر سے ہوتا ہو؟“ اس نے قیاس پیش کیا۔

”ان میں ہمت دیر سے آتی ہے۔“ اس نے لمحے بھر کا توقف کیا۔ ”میں نے اس کے ریڈ فلیگز دیکھے تھے لیکن مجھ میں بہت دیر تک ہمت نہیں تھی کیونکہ مجھے ڈر تھا وہ نہیں تو کون؟ ہم برے مرد کے ساتھ اس لیے نہیں جڑی رہتیں کہ ہمیں اس سے محبت ہوتی ہے ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے اچھے مرد محض کتابوں میں دیکھے ہیں، یا خیالوں

میں۔مجھے لگتا تھا اگر وہ نہیں تو کیا کوئی اچھا مرد مجھے مل جائے گا اگر میں اسے چھوڑ دوں گی تو کیا اگلا اس سے بدتر نہیں ہو گا؟؟")

سہراب نے گاڑی کا دروازہ دھپ سے بند کیا اور اس کے ساتھ اندر آ کر بیٹھا۔ پستول ڈیش بورڈ پر رکھی اور اسلان کو دیکھا جو اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ جمائے سخت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا آپ میرے ساتھ نہیں جاؤ گے۔"

"اور میں رُک گیا تھا پھر مجھے یاد آیا کہ یہاں باپ میں ہوں تم نہیں بھاڑ میں گئی جینٹل پیرنٹنگ گاڑی چلاؤ، یمن۔"

اسلان نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا اور انگیشن میں چابی گھمائی۔ اسے کم از کم اس شخص سے نرمی کی امید نہیں رکھنی چاہیے تھی۔ سہراب فون پر کسی سے کچھ کہہ رہا تھا اسلان تیز رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا منظر دھندلا رہے تھے اس کی ہتھیلی تلے بے تحاشہ پسینہ جمع ہو رہا تھا......مگر وہ اسے نہیں کھو سکتا تھا جس کے ہونے سے اسلان یمن زندگی کو پر امید نظروں سے دیکھتا تھا، اس کے کھونے پر اس بار صبر نہیں آئے گا۔

"آئل کین مل سکتے ہیں؟" گاڑی چلاتے ہوئے اسلان نے سوال کیا۔ "ابھی دس منٹ کے اندر؟"

"کیا کرنا ہے؟" سہراب چونکا۔

"لوکیشن مستقل یہی ہے۔ وہ فلم سٹی میں ہیں عالم کی گاڑی وہیں پارکڈ ہے اور بنفشہ کے ہینڈ بیگ میں میرا ٹریکر ہے ان دونوں کا اتنی دیر تک اس ایک جگہ پر ہونے کا ایک ہی مطلب ہے کہ وہ پھنس چکے ہیں۔" اس نے ایک نظر سہراب کو دیکھا۔ نگاہوں کے ہر ڈورے میں فکر تھی۔ "شاہ ویر کی فلم سٹی میں جیمرز ہیں دروازے، راستے اور ہر فرار بند ہو جانے والے جیمرز اس نے ضرور وہ استعمال کیے ہوں گے لیکن وہ دو صورتوں میں کُھل سکتے ہیں۔"

"اور وہ دو صورتیں کیا ہیں؟"

"پہلا فائر الارم اور دوسرا شاہ ویر بنگش کے فنگر پرنٹس!" اس نے ڈھیر سارا تھوک نگلا۔ "مجھے آئل کینز چاہیے۔ آگ لگانی ہے۔"

"کتنی آگ چاہیے؟"

"اتنی جتنی اس نے میرے چار سالوں کو لگائی۔" کہتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے موڑ کاٹا یہ سڑک فلم سٹی کی عمارت پر جا کر ختم ہوتی تھی۔ فاصلہ طویل تھا نہیں لیکن لگ رہا تھا۔

("آپ اتنے دن خاموش رہیں، کیوں؟" دوسرا سوال آیا۔ اس نے میزبان کو دیکھا، پھر گود میں پڑے اپنے ہاتھوں کو اور ایک بار پھر میزبان کو۔ اس کے سامنے اس کی نیم پلیٹ رکھی تھی۔ فرقان اشرف۔

"مجھے یہ ڈر تھا کہ کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔ عورت کے ساتھ ہوئی ہر زیادتی کا سرا اس بات سے جوڑا جاتا ہے کہ وہ جائے وقوعہ پر کیوں تھی، وہ مجرم کو کتنا اچھا جانتی تھی اور اگر نہیں جانتی تھی تو نا محرم سے پردہ کیوں نہیں کیا؟ یہ میرا مسئلہ تھا، یہ میری نافرمانی اور میری غلطی تھی۔ جو اس نے میرے ساتھ کیا یہ اس کا حق نہیں تھا اور جو میں نے سہا میں اس کی حقدار نہیں تھی۔ میں آج ایک سوال کرنا چاہتی ہوں کیا اللہ نے قرآن اور حدیث میں کہیں یہ لکھوایا ہے کہ بے پردہ عورت کا حساب مرد کرے، کیا اس نے کہیں یہ بتایا ہے کہ فاحشہ کا قتل قتل نہیں، یا پھر یہ کہ اگر کوئی عورت میری نافرمانی کر کے گئی تھی تو تمہیں حق ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، یا پھر یہ کہا کہ اگر کوئی میرا نافرمان ہے تو تم اس کے ساتھ ہوئی ہر زیادتی کو جسٹیفائی کرو؟"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں، وہ جواب چاہتی تھی مگر جواب کہاں؟)

آس پاس ہر طرف دھواں سا دھواں تھا۔ چھت سے پانی بہہ رہا تھا اور سرخ الارم بج رہے تھے ان سب کے درمیان عالم نے بنفشہ کو تلاش کیا۔ وہ وہیں کہیں فرش پر گری تھی۔ "بنفشہ۔۔۔؟" عالم اس تک آیا اسے سیدھا

کر کے بٹھایا۔ ”تم ٹھیک ہو؟“ وہ دونوں بری طرح کھانس رہے تھے۔ فرش پر پانی جمع ہو رہا تھا، سانس گھونٹنے اور آنکھوں جلانے والا دھواں چاروں طرف تھا۔ شاہ ویر فرار ہو چکا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں، عالم سر۔“ وہ اسی طرح کھانستے ہوئے ہتھیلی پر زور دیتے ہوئے اٹھی۔ ”مجھے وہ ویڈیوز چاہیے میں اسے چھوڑ کر نہیں جا رہی۔ شاہ ویر کو ڈھونڈنا ہو گا۔“

”بنفشہ یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا ابھی کے ابھی۔“ عالم چلایا۔ پانی اور الارمز کے شور میں اس کی آواز دب رہی تھی۔

”تم دونوں یہاں سے کہیں نہیں نکل سکتے۔“ شاہ ویر کی آواز گونجی مگر وہ آس پاس کہیں نہیں تھا۔ ”تم دونوں یہیں مرنے والے ہو اور میں یہ شو براہ راست دیکھوں گا۔“ ہر طرف سے اس کی گونجتی آواز پلٹ پلٹ کر سنائی دے رہی تھی وہ آواز جو محظوظ تھی، جس میں جیت کا خمار تھا۔ ”تمام دروازے لاکڈ ہیں، یہاں جیمرز لگے ہیں جنہیں محض میں کھول سکتا ہوں اور میں تمہیں کیوں آزاد کرنا چاہوں گا؟“ گرتے پڑتے، کھانستے اور اسے ڈھونڈتے وہ دونوں سمت گم کر چکے تھے۔ دونوں جانتے تھے اگر وہ ایسا کہہ رہا ہے تو وہ ایسا کر بھی سکتا ہے۔ سرخ جلتی بجھتی بتیوں میں وہ اسے تلاش کر رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں موت قبول نہیں تھی اور زندگی کے لیے وہ آخری سانس تک لڑیں گے۔

”یہ زہریلی گیسز ہیں ڈیئر سسٹر تھوڑی دیر تک یہ تمہارا سانس بند کر دیں گی، پھر میں ان کی مقدار بڑھا دوں گا اور تم یہاں میرے سامنے مر جاؤ گی کیونکہ یہ دروازے تو نہیں کھلنے والے۔ تم نے اس وکیل کو اپنے ساتھ لا کر غلط کیا۔ چچ چچ چچ مجھے بچے یتیم کرنا بالکل پسند نہیں۔“ وہ ناپسندیدگی سے کہہ رہا تھا ایسے جیسے یہ کام اسے واقعی پسند نہ آیا ہو۔ ”تمہاری بیٹی کا کیا کیا جائے، عالمگیر؟“

”ویڈیوز کہاں ہیں شاہ ویر؟“ وہ حلق کے بل چیخی۔ ”تمہیں ان کو ختم کرنا ہو گا تم مزید اس کی زندگی تباہ نہیں کر سکتے۔“ وہ قدم قدم زینے چڑھ رہی تھی۔ اسلان یمن کے لیے وہ ایسی ہزار جنگیں لڑ سکتی تھی۔ وہ لڑ رہی تھی۔

”دروازے کھولو، ہمیں ویڈیوز دو اس کے بعد تم جہاں جانا چاہتے ہو چلے جانا۔“

”معاہدوں کی مدت گزر چکی پیاری بہن۔“

(”یہ سب کچھ جو آپ نے کیا آواز اٹھانا، ایف آئی آر، اپنی میڈیکل رپورٹس پیش کرنا اس سب کے زریعے آپ کیا حاصل کرنا چاہتی تھیں دنیا کو یہ سب دکھانے کا آپ کا مقصد کیا تھا؟“ فرقان نے کچھ تلخ سوال کیا۔ آراہ کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے گلاس وال سے نظر آتے یافث کو دیکھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا نگاہ کیا تھی سراسر حوصلہ تھی۔ اب جب آراہ نے میزبان کو دیکھا تو اس کی آنکھوں کی روشنی واپس آ چکی تھی۔

”میرا مقصد صرف ایک تھا جو ذلت، جو نقصان میرا ہوا ہے وہ اس کا بھی ہو۔“

ایک لمحے کے لیے فرقان بھی تھم گیا وہ اس قدر واضح جواب کی امید نہیں رکھتا تھا۔ ”کیا یہ انتقامی کاروائی ہے؟“

”اگر ہے بھی تو کیوں نہ ہو آپ کیا چاہتے ہیں میں متعدد چاقو کے زخم کھا کر، گولی کھا کر چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھ جاؤں؟ عورتوں سے ہمیشہ قربانی کی امید کیوں رکھتے ہیں آپ؟“

”کیونکہ ہم نے ایسی ہی عورتیں دیکھی ہیں عزتیں بچانے کے لیے قربان ہو جانے والی خود کو بھوکا رکھ کر بچوں کا پیٹ پالنے والی، مشکل سے مشکل حالات میں صبر کرنے والی اور ہر ظلم خاموشی سے سہہ جانے والیں۔ گھر اسی طرح کی عورتیں بناتی ہیں۔“

”یہ عورتیں صدیوں سے مکان بناتی رہی ہیں گھر نہیں۔ یہ معصوم نہیں تھیں manipulate ہوئی تھیں فکر نہ کریں اب ایسا نہیں ہو گا اب عورتیں حلق سے کھینچ کر حق نکالیں گی، اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اللہ کے وہ احکام بتائیں گی جو حضرت مرد پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ میں ویسی عورت ہوں۔“)

اس وقت سہراب اور اسلان کے ہاتھوں میں پیٹرول کے بڑے بڑے کنستر تھے وہ تینوں سپاٹ نظروں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ فلم سٹی کے عقبی حصے میں آکر انہوں نے پیٹرول چھڑکنا شروع کیا۔ اگلے حصے سے آگ اندر جا سکتی تھی اور اندر......... اندر وہ دونوں تھے۔ وہ آگے سوچ بھی نہیں سکا اسے یہ سوچ بھی قبول نہیں تھی۔ وہ محتاط تھا اسے محض اتنی آگ لگانی تھی جس سے آگ کے الارم بج سکیں۔

تہہ خانے میں سکرینز کے آگے بیٹھا شاہ ویر طلال بنگش ان پر چلتی اپنی کامیابی سے مسرور تھا۔ بنفشہ دیوار سے لگی کھانس رہی تھی، عالم گر گیا تھا۔ وہ دونوں یہیں مرنے والے تھے اسلان یمن کے دو عزیز لوگ۔ ایک جس نے اسے جیل سے بچایا، اور دوسری جس نے اسے دوبارہ تعمیر ہونے میں مدد دی۔

موبائل اٹھا کر اس نے اسلان کو کال ملائی دوسری طرف وہ جب مائع چھڑک کر سیدھا ہوا اس تھرتھراہٹ کو سن کر موبائل باہر نکالا، اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی وہ یہی چاہتا تھا۔ وہ شاہ ویر بنگش کو اس کی بربادی براہ راست دکھانا چاہتا تھا۔ کندھے پر رکھے پیٹرول کے کین سے مائع گراتے وہ فلم سٹی کی عمارت سے ذرا فاصلے پر جا رہا تھا پیٹرول سے ایک لکیر بنتی چلی گئی۔ کافی فاصلے پر رک کر اس نے کال اٹینڈ کی موبائل ایک بڑے سے پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر رکھا اور شاہ ویر کو دیکھا۔

”تمھیں یاد ہے اسلان ہم ایڈن برگ میں کیسے تھے؟“ وہ ٹھوڑی تلے ہتھیلی ٹکائے دلچسپی سے مستفسر تھا۔ بنفشہ دھڑ ادھڑ وہ دروازہ بجا رہی تھی جہاں شاہ ویر غائب ہوا تھا، عالمگیر وہیں کھڑے پانی میں خود کا بچاؤ کرتے کھانس رہا تھا۔ اسے دھوئیں سے الرجی تھی، آنکھوں کے آگے سب گول گول گھوم رہا تھا۔ ”ہم ایک کہانی کے دو کردار تھے ایک کمرے کے باسی، اور ایک جیسے دوست جو میرا تھا وہ تمہارا تھا اور جو تمہارا تھا وہ میرا۔ اب جب زوال کی بات آئی ہے تو زوال مجھ اکیلے کا کیوں؟“ اسلان چپ چاپ سن رہا تھا، آنکھیں سپاٹ اور خالی تھی۔

”آراہ بہت اچھی تھی جو میں اسے کہتا تھا وہ کرتی تھی، جہاں میں کہتا تھا وہ جاتی تھی میں اسے کنٹرول کرتا تھا اور وہ ہو جاتی تھی وہ پرفیکٹ تھی، اسلان۔“ اس کے لہجے میں زمانوں کا رنج تھا، ملال اور قلق کی کرچیاں تھیں۔ ”پھر تم

درمیان میں آ گئے اور............ اس نے مجھے پیچھے چھوڑ دیا دھوکے دیے، تکلیف دی، جھوٹ کہے تم اسلان، تم نے میری تمام عمر کی ریاضتوں کو مٹی مٹی کر دیا۔ میں اس سب کا حقدار تو نہیں تھا؟"

اسلان گہری سانس لیتے پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا سکرین میں اس کا سارا وجود واضح تھا۔"بنفشہ احسان جب میری زندگی میں آئی تب میرے پاس اندیشے تھے،زوال تھا، بے یقینی تھی، زخم تھے۔ وہ میرا مرہم ہے جو رفتہ رفتہ میرے دل پر لگتا گیا اور ہر زخم دھل گیا۔ وہ میری دائمی طب تھی جس نے مجھے اندر سے ٹھیک کر دیا۔ میں سب بھول گیا تھا شاہ ویر تمہارے دیے زخم، اپنا غیر اعتماد ٹھہرایا جانا، اپنا نام کسی اور کے نام سے ملنا سب۔ میں پانچ سال بعد درست سمت آیا تھا اور تم پھر سامنے آ گئے تم نے ایک بار پھر میری ترتیب بگاڑنی چاہی؟"

"تم نے میری بات پوری نہیں ہونے دی، ناساہیڈ۔"شاہ ویر نے تنفر سے اس کی بات کاٹی۔"تمہیں لگا تھا اگر میں محبت اور کامیابیوں سے خالی ہوں گا تو تم کبھی خوش رہ سکو گے؟ اب ہم دونوں کی قسمت ایک ہونے لگی ہے اب ہم دونوں ایک بار پھر خالی ہاتھ پھر شروع کریں گے اسکوائرون سے۔"

نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسلان اٹھ کھڑا ہوا۔"اس بار وہ نہیں ہو گا جو تم کہو گے۔"اس کی آنکھوں میں کوئی اٹل فیصلہ تھا۔"میں نے اب تک تمہارے گرد محض دائرے تنگ کیے اب تک تم نے کچھ بے حد پیارا کھویا ہی نہیں۔"اس نے لائیٹر جلایا اور موبائل کا رخ پھیر دیا۔ شاہ ویر طلال بنگش اب فلم سٹی کا عقبی حصہ دیکھ سکتا تھا اس کی محبوب عمارت، اس کی ٹرافی، اس کی محبت۔

وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ساکت متحیر۔"اسلان۔"اس کے لبوں سے بس یہی پھسلا۔ اسے الہام ہوا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

"میں تنگ آ گیا ہوں، شاہ ویر۔ تم میری بہن کو ٹراماٹائز کر دو، تم میری منگیتر کو بلا کر اسے قتل کرنے کی پلاننگ کرو، تم میرے چچاؤں کے ساتھ زیادتی کرو اور میں سہتا چلا جاؤں یہ نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا انجام لکھ چکا ہوں اب

بھگتو۔ اب چاہے مجھے ہیرو سمجھا جائے چاہے ولن میں تمہیں بخش نہیں سکتا تم منہ کو آنے لگے ہو، اب تم اپنا زوال دیکھو۔" اس نے جلتا ہوا لائٹر پیٹرول کی پتلی لکیر کی طرف اچھالا لمحے بھر میں آگ بھڑکی اور پھیلتی چلی گئی۔ آگ اس عمارت کو جھلسانے کو تیار تھی، بمع شاہ ویر طلال بنگش کے خواب۔

("اس سب کے بعد آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ کو کیا حاصل ہوا؟ کیونکہ ملزم مفرور ہے، انصاف رُک چکا ہے، لوگ خاموش ہو گئے ہیں چند لوگ قاضی وقت بن کر اپنے اپنے فیصلے سنا چکے ہیں اگر دیکھا جائے تو اس وقت آپ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔" آراہ نے نفی میں سر ہلاتے اپنی پشمینہ شال کندھوں پر درست کی۔

"میرے پاس "آواز" ہے جو اس ملک کے متعدد لوگوں کی دبا دی گئی۔ میرے پاس حوصلہ ہے جو کورٹ کچہری کی ذلالت کے نام پر کئی لوگوں سے غصب کیا گیا ملزم کو سزا ملنا نہ ملنا ریاست اور عدلیہ کی نااہلی میں شمار ہوتا ہے آواز نہ اٹھانا میری نااہلی ہوتی اور میرے چاچو کہتے ہیں آراہ بے حد قابل ہے۔" وہ اعتماد سے مسکرائی، اس کے ساتھ میزبان بھی مسکرایا۔ بہت عرصے بعد وہ کسی اصل مضبوط عورت سے ملا تھا صرف کھوکھلی لفاظی سے نہیں۔ اسے اچھا لگا۔)

بنفشہ جو دھڑا دھڑ دروازہ بجا رہی تھی وہ یکلخت رک گئی تھی۔ اس نے اس دھوئیں اور سیلاب میں کہیں عالم کو تلاش کرنا چاہا مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ الارم کا شور، سرمئی دھواں، دیواروں سے نکلتی بارش اور جل بجھ کرتی بتیوں کے درمیان اس نے دروازے کھلتے ہوئے دیکھے۔ کیا یہ کوئی معجزہ تھا، اسے لگا تھا یہ دروازے اب نہیں کھل سکتے۔ بھیگے چہرے کے ساتھ اس کی نگاہیں اسی سمت اٹک گئیں۔

لوہے کے پٹ آپس میں جدا ہوئے اور سفید پڑتی رنگت کے ساتھ شاہ ویر بنگش باہر نکلا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اس کی روح قبض ہو رہی تھی، اس وقت وہ آدمی پاگل ہونے کے درپے تھا۔ بنفشہ زینوں کے وسط میں کھڑی تھی شاہ ویر مکمل طور پر بھیگ گیا تھا بھیگی تو وہ بھی تھی، جو کچھ سُونگھ چکی تھی کوئی موجودگی سی، کوئی خوشبو جو

ان زہریلی گیسوں کے درمیان کہیں سے برامد ہونے والی تھی اس کی نگاہ بلا ارادہ دروازے کی طرف اٹھی اور وہ تھم گئی۔

کھڑکیاں، دروازے، روشن دان سب یکبارگی کھل گئے تھے تیز روشنی اندر داخل ہوئی۔ شور، سانسوں کا کھنچاؤ، زندگی اور موت کے درمیان اسے وہ نظر آیا۔ وہ جو اس کے عزیزوں سے دشمنی نبھاتے ہوئے بھی اسے اف نہیں کہہ پاتا تھا۔ وہ جو کہتا تھا میں کرلوں گا تو وہ کرلیتا تھا، اس وقت جب وہ اپنی موت اپنی آنکھوں کے آگے دیکھ رہی تھی تب۔......اس نے دروازے کھول دیے تھے، اس نے "کر" لیا تھا۔

اس کی پُر شکوہ نگاہیں بنفشہ پر جمی تھیں، جب اس کے عقب سے شاہ ویر آتا دکھائی دیا لمحوں کا ارتکاز ٹوٹ گیا اسلان حلق کے بل چیخا، شاہ ویر ہاتھ میں پکڑی بھاری شے اس کے سر پر مارنے والا تھا کہ کوئی گولی چلی۔ آواز ہر طرف گونجی۔ ہاتھ میں پکڑا ہتھیار گر گیا۔ دھوئیں اور گھٹنوں تک آتے پانی کے درمیان ان کی نگاہ فرش پر پڑی۔ عالمگیر کا پستول والا ہاتھ بلند تھا۔ شاہ ویر اپنی ہتھیلی دوسرے ہاتھ میں لیے درد سے چیخ رہا تھا جب کف سے چہرہ رگڑتے عالمگیر بڑبڑایا۔

"ہم بھی اسے صرف ڈرانے کے لیے استعمال نہیں کرتے خبیث!"

("آپ اس حادثے کے بعد اپنے سننے والوں سے کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

وہ بہت دیر تک چپ رہی اور پھر آنکھیں اٹھا کر میزبان کو دیکھا۔ "میں صرف اور صرف یہ کہنا چاہوں گی کہ آوازوں کی عزت کریں ان پر لیبل نہ لگائیں۔ اس معاشرے میں جہاں گھر سے تھانے تک جاتے ہوئے ہر دوسرا بندہ آپ سے کہتا ہو کہ آپ کو انصاف نہیں ملے گا، یہ چکر خسارے کے ہیں اور اس ملک میں حق نہیں......ایسے میں اگر کوئی عدالت تک آجاتا ہے تو اس کی عزت کریں اس کی آواز کو ججمنٹس کی قید میں مت دبائیں اسے بولنے دیں کیونکہ شاید اس ایک کے بولنے سے دس اور کو بولنے کا حوصلہ ملے۔")

اسلان لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس تک آیا، شاہ ویر کو گریبان سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا کیا اور یونہی کھڑے کھڑے اسے زینوں سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے فرش پر آ کر گرا۔ آگ پھیل رہی تھی، لال بتیاں جل بجھ رہی تھیں، الارم کا شور تھا، پھوار ٹھہر رہی تھی، دھواں زائل ہو رہا تھا اور وسط میں وہ دونوں ایک دوسرے کو یہیں قتل کر دینا چاہتا تھے۔ اسلان اس کے اوپر بیٹھا اسے پے در پے مکے مار رہا تھا، سہراب، عالم اپنی جگہ کھڑے رہ گئے تھے۔ دور فاصلے پر کھڑی بنفشہ ٹھہر گئی تھی اسلان نے اس سے بات تک نہیں کی تھی، اسے خوف سا آیا۔

بہت دیر تک اسے اسی طرح مارنے کے بعد اس نے بنفشہ کو دیکھا۔ قدم قدم چلتا وہ اس تک آیا۔ اسے لگا وہ اب چیخے گا، یا شاید اسے کچھ کہے گا مگر جو اس نے پوچھا وہ بہت مختلف سوال تھا۔

"یہ اس نے کیا ہے؟" اس کا اشارہ بنفشہ کے چہرے کی طرف تھا جہاں زخم تھا۔ وہی پھٹا ہونٹ جو شاہ ویر کے پستول کا دستہ مارنے کی وجہ سے آیا تھا۔ وہی سرخ گال جو تھپڑ پڑنے پر ہوا تھا۔ وہی خشک ہوئی نکسیر جو کہنی مارنے کے بعد نکلی تھی۔

"اسلان سمجھنے کی کوشش۔۔۔۔۔۔"

"اس نے کیا ہے ہاں یا نہ؟" اس کی آواز بلند نہیں دوٹوک ضرور تھی۔

بنفشہ نے نم آنکھوں سے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ واپس شاہ ویر تک آیا۔ اس نے شاہ ویر کو گردن سے پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا کیا اور اسی طرح گھسیٹتا ہوا اپنے ساتھ لے کر باہر جانے لگا، سہراب عالم کو چلنے میں مدد بھی دے رہا تھا اور کال پر کسی سے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ بتیوں کی جل بجھ جوں کی توں تھی مگر ٹھہراؤ آ چکا تھا۔

("تمام قصور مرد کا کیوں ہے مس آراہ؟ کہیں نہ کہیں تو عورت نے بھی لچک دکھائی ہو گی نا؟" فرقان کے سوال چبھتے تھے۔ مگر آراہ ایسے کئی انگلیوں کو نظر انداز کر کے یہاں تک آئی تھی۔

”آپ لوگ مرد کو گھٹی ہی غلط دے رہے ہیں اسے عجیب فیورٹزم ملا ہوا ہے۔ بہن بھائیوں میں کوئی جھگڑا ہو تو بہن کو چپ کروایا جاتا ہے کیونکہ وہ بھائی ہے انصاف کیوں نہیں کیا جاتا؟ میاں بیوی کا جھگڑا اگر باہر نکلے تو سب بیوی کو سمجھا بجھا کر بھیج دیتے ہیں کہ میاں ہے اگر حضرت شوہر کبھی کبھار جھک جائیں گے تو کیا ہو جائے گا؟ کیا بانس کے بنے ہیں، کمر ٹوٹ جائے گی؟“ فرقان مدھم سا ہنسا۔ ”اللہ نے انسانوں کو انسان بنا کر بھیجا کوئی اعلیٰ و افضل نہیں کوئی ادنیٰ و حقیر نہیں لہٰذا جب کوئی جرم ہو تو موازنہ مرد اور عورت کا نہ کیا جائے غلط اور صحیح کا کیا جائے میرا خیال ہے معاشرہ قدرے بہتر ضرور ہو جائے گا۔“)

عقبی حصے میں آگ بھڑک اٹھی تھی شعلے آسمانوں تک بلند ہو رہے تھے، بو نتھوں کو جھلسا رہی تھی۔ جب اسلان یمن اسے ذرا فاصلے پر لگے درختوں تک لایا اور ایک ٹوٹی لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کر تین سے چار ضربیں اس کے چہرے پر ماریں، عین اسی جگہ جہاں بنفشہ کے چہرے پر داغ تھے، شاہ ویر نقاہت زدہ سا بغیر کسی مزاحمت کے بس کراہ رہا تھا۔ اسلان کا تنفس پھولا ہوا تھا۔ وہ دونوں لمبے گہرے سانس لے رہے تھے۔ دونوں ہار ماننے کو تیار نہیں۔

وہ بہت دیر تک اسے مارتا رہا اور جب غصہ کچھ کم نہ ہوا تو وہ گاڑی تک گیا۔ پیٹرول کے کچھ اور ڈبے باہر نکال کر لایا ساتھ ایک رسی بھی تھی۔ شاہ ویر نے ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھا، اس کے چہرے پر ابھی سے نیل پڑ گئے تھے منہ سے خون تھوک رہا تھا، ایک آنکھ کھولنا محال تھا اور باقی جسم کا حال بھی یہی تھا۔ اسلان نے اسے کستی سے درخت کے ساتھ باندھا، اور آگے کے بالوں سے پکڑتے اس کا چہرہ اونچا کیا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ آگ، تیز ہوائیں، روشنیاں اور ان سب کے درمیان بدل چکے وہ دو لوگ۔ دونوں کی آنکھوں میں ایک سا طیش اور آگ۔

”تمھیں اس تک نہیں آنا چاہیے تھا، آراہ تک نہیں آنا چاہیے تھا، اس کے چہرے تک نہیں آنا چاہیے تھا۔“

شاہ ویر ہنس رہا تھا۔ اس کے قہقہے عجیب پھٹی ہوئی آواز میں نکل رہے تھے مگر وہ ہنس رہا تھا۔ ”میں نہیں ہارا ناسا ہیڈ تم میں وہ گٹس نہیں ہیں کہ تم میری دکھتی رگ تک آؤ۔ تم کمزوریوں کے ساتھ پیدا ہوئے ہو میں نہیں۔ تم

مجھے ابھی کھولو اور میں دوبارہ اس کے چہرے کا وہی حشر کر کے دکھاؤں گا۔ تم مجھے آراہ کے پاس جانے دو میں اس کے ساتھ بھی وہی کروں گا، باز آنے کے لیے خدا نے کوئی اور لوگ بنائے ہوں گے۔"

اسلان سخت نظروں سے اسے دیکھتے پیچھے ہوا، سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔"میری کمزوری میرے لوگ ہیں اور تمہاری کمزوری میں جانتا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر شاہ ویر کی گردن اونچی کی تا کہ وہ دیکھ سکے، اسے دیکھنا تھا۔ وہ اب قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا پیٹرول کے کین اٹھا کر ڈھکن کھولتے انہیں گھاس پر ڈالتے ہوئے اس کی آنکھیں سپاٹ تھیں۔ شاہ ویر یکلخت چونکا۔ اسے سمجھ آ گیا تھا اب کیا ہونے والا ہے اور وہ تیار ہر گز نہیں تھا۔

وہ مکمل تباہی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نہیں، نہیں، نہیں۔۔۔۔۔

★★★★★★★

وہ پیٹرول کا کین اٹھائے مائع ہر طرف چھڑک رہا تھا۔ عقبی آگ محض فائر الارمز کے لیے تھی یہ اس کی عمارت جلا دیتی۔ شاہ ویر بنگش کا سرمایہ۔

"اسلان نہیں۔۔۔۔۔۔ پلیز نو۔۔۔۔ میری بات سنو۔" وہ خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا، چیخ رہا تھا سفید پڑ رہا تھا مگر وہ اسلان رک جائے تو منکر۔ اس نے عمارت کے چاروں اور ایک بار پیٹرول چھڑکا، اس کی بی ایم ڈبلیو، گھاس، اور سیٹ سب مائع سے تر تھے اسلان اب کندھے پر وہی کین رکھے شاہ ویر تک واپس آ رہا تھا۔ پتلی سی لکیر ایک بار پھر بنتی جا رہی تھی۔ اس کا یہ ارادہ نہیں تھا وہ صرف تھوڑی سی آگ لگا کر فائر الارم بجانا چاہتا تھا مگر یہ نہیں۔ شاہ ویر بنگش کے دل پر جیسے کوئی بھاری بوٹ رکھ رہا ہو۔

اسلان کی آنکھوں کے آگے منظر ٹوٹ کر ابھرے۔

اس کی بہن گاڑی کی ڈگی میں تھی خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ جہاں تھا وہیں ساکت ہو گیا تھا۔

لیٹ ہم ڈائے۔ اس نے راج بیر سے اسلان کے متعلق کہا۔ لیٹ ہم ڈائے۔ وہ اسے مار چکا تھا، اپنے تئیں ختم۔

ایلکس نے اسے دوبارہ چھوا تھا، اور اسے لانے والا شاہ ویر تھا۔ وہ یہ سب دوبارہ برداشت کر گیا تھا۔

پنار سکندر کی لاش اس کی آنکھوں کے آگے تھی، عین سامنے۔

اسلان نے کین پھینک دیا۔ شاہ ویر حلق کے بل چیخ رہا تھا واسطے دے رہا تھا مگر اس کی کوئی بات سنی نہیں گئی۔ "اسلان تم جو کہو گے جیسا کہو گے میں سب کروں گا پلیز یہ مت کرو یہ میرے ڈیڈ کی آخری نشانی ہے۔ یہ میرا اثاثہ ہے اسلان وہ گاڑی نہیں پلیز نہیں وہ زیدو کی ہے پلیز نو نو نو۔"

وہ لائٹر کا شعلہ دیکھ رہا تھا اس ایک شعلے کے پار کتنی یادیں تھیں، کتنی تکلیف تھی، کرب کی کون کون سی منازل تھیں محض وہی جانتا تھا۔ وہ ایڈن برگ کے ہاسٹل میں تھا اپنے پلنگ پر رسیوں میں جکڑا ہوا، وہ شاہ ویر کو مدد کے لیے پکار رہا تھا، اس سے ان گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا جو اس نے کبھی کیے ہی نہیں تھے مگر وہ نہیں آیا، نہ معاف کیا، اور نہ آزاد۔

"یہ میری عمر بھر کی محنت ہے، اسلان یہ مت کرو پلیز یہ مت کرو! اس پر میرے کروڑوں روپے خرچ ہوئے ہیں پلیز ڈونٹ پلیز۔" اسلان نے مڑ کر ایک نظر بنفشہ کو دیکھا۔ وہ جاڑے کی سردی میں بھیگی ہوئی شل تھی۔ ہاتھ پاؤں نیلے پڑ رہے تھے۔ اس کا سرخ گال، ناک کا خون، ہونٹ کا زخم.......اس کا چہرہ۔ اس نے ہاتھ کیسے لگایا؟

نگاہ پھیر لی اور جھک کر لائٹر مائع کی لکیر سے جوڑ دیا۔ آگ بھڑکتی، پھیلتی ہوئی چلی گئی۔ چند پل خاموشی رہی اور پھر...........دھماکہ سا ہوا شاہ زید کی سیاہ بی ایم ڈبلیو نے آگ پکڑ لی تھی۔ تیز آگ۔ اسی کے ساتھ ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ وہ عمارت کے اندر بھی مائع چھڑک کر آیا تھا، اندر اسٹیج، پردے، جعلی سیٹ سب خاکستر ہونے لگا۔ شاہ ویر حلق کے بل چیخا۔ زور زور سے، پورے بدن پر زور دیتے ہوئے۔ اس کی آہیں آسمان تک جا رہی تھیں۔ لمحے بھر کے اندر ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔

اسلان اس کی طرف مڑا، سامنے شاہ ویر تھا اور اس کے عقب میں جلتی عمارت۔ وہ قدم قدم آگے آیا، شاہ ویر کے سامنے رکا، چند پل اسے دیکھتے رہا اور پھر اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سخت مسکراہٹ ابھری۔ اس نے جھک کر ہلکی آواز میں سرگوشی کی۔

"تخت شاہی کے زوال کے بعد خوابوں کی عمارت کی راکھ مبارک!"

آہستہ آہستہ پولیس کی گاڑیوں اور ایمبولنس کی آواز آتی گئی، آگ پھیلی اور پھیلتی چلی گئی اگلے کئی لمحوں میں یمن خاندان نے خوابوں کی اس عمارت کو جلتے ہوئے دیکھا۔ بنفشہ احسان بے حد آہستگی سے اس کے قریب آکر ٹھہر گئی تھی۔ اس کے کندھے سے کندھا جوڑے اسے یہ بتاتی ہوئی کہ اسلان یمن کو اس کے لیے لڑنے کی ضرورت نہیں تھی وہ سپاہی اور سلطنت نہیں تھی وہ دونوں ہم رزم تھے۔ جنگوں کے ساتھی۔

اگلے لمحات سست رفتار تھے۔ پولیس کی گاڑیوں سے نکلنے والے افسران شاہ ویر کو گرفتار کر رہے تھے۔ آس پاس میڈیا کی کئی گاڑیاں جمع ہونے لگیں۔ عالم اور بنفشہ کو ایمبولنس کی طرف لے جایا جانے لگا، سہراب اب پولیس سے کوئی بات کر رہا تھا اس نے اسلان کا کندھا تھپکا اور اسلان نے ایک آخری دفعہ شاہ ویر کو دیکھا۔ ہتھکڑیوں میں جکڑا وہ بھیگا ہوا، زخمی مرد بھی اسی طرف مڑا تھا دائیں طرف جلتی آگ اور بائیں طرف کی روشنیوں کے درمیان وہ دونوں بہت کچھ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

ایڈن برگ کی وہ بائیک ریسز، فلم سٹی کا وہ نقشہ، اسکل کی وہ کلاسز، خستہ کروسنٹ کا ذائقہ، کولڈ کافی، لائبریری کے فرشی کشن، شاہ ویر کے کرشز کے قصے، لوکیشن کی تلاش، مکالموں کا بدلاؤ۔ شاہ ویر کے رونے، اس کی اداسی، اسلان کی کتابیں۔ بارش، گیلی سڑکیں، دوستی۔۔۔۔سب ختم، سب خاک۔

درمیان میں کیا آیا تھا طلال بنگش کے بیٹے کی لالچ، حرص اور نفسیاتی پن۔

سہراب یمن کے بھتیجے نے کیا کیا کھویا تھا؟

چار سال، تعلقات، ذہنی سکون، نام، بہن، زندگی.......... فہرست لمبی تھی کیونکہ اس کا نقصان زیادہ تھا۔ شاہ ویر کو پولیس کی گاڑی میں بٹھایا گیا جلتی بجھتی بتیوں کے درمیان اسے دیکھتے ہوئے اسلان یمن جانتا تھا دنیا اسے آخری بار دیکھ رہی ہے، وہ دنیا کو آخری بار دیکھ رہا ہے۔ آخری بار وہ آنکھوں میں طیش لیے جا رہا تھا کیونکہ ------- اب یہ آنکھیں کہاں؟ انت اب قریب تھا، بے حد قریب۔

اسلان شجاع یمن اب وقت زوال کی ٹک ٹک اپنے کانوں میں سن سکتا تھا بے حد واضح، پر شور۔ وہ آج کے بعد سے خود بھی بدلنے والا تھا، اسے پتا تھا۔

★★★★★★★★

یافث طارون کو سارے واقعے کی اطلاع سٹوڈیو میں ملی تھی۔

پروگرام ختم ہوا تو گاڑی میں وہ اسے مکمل تفصیل سے آگاہ کر چکا تھا۔ تمام بات سن کر آراہ چپ رہی۔ اس کے نزدیک یہ ہر اس باطل کا انجام تھا جو خدا کے خلاف جا کر اپنی جنت تعمیر کر لیتا ہے اور اسے لگتا ہے وہ اس میں رہنے لگے گا مگر حقیقت مختلف ہوتی ہے رسی دراز ضرور ہوتی ہے مگر جب کھینچی جاتی ہے تو تکلیف حلق تک آتی ہے آراہ کے چہرے سے کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"جب تم چھوٹی تھیں تب تم ہمیشہ مجھ سے پوچھتی تھیں کہ میں تمہیں معاف کرنا کیوں سکھاتا ہوں، کیوں سہر اب کی طرح تم دونوں کو لڑنے نہیں دیتا، مارنے نہیں دیتا جانتی ہو کیوں؟" آراہ نے محض گردن اس کی طرف پھیری لی کہا کچھ بھی نہیں۔ وہ اس کی سن رہی تھی۔ "معافی کے بڑے اعلیٰ درجے ہوتے ہیں، آراہ اور یہ دل کو سکون دے دیتی ہے لڑائی جھگڑا، انتقام یہ انسان کے دل کو سخت کر دیتے ہیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا دل کبھی سخت ہو کبھی تم انتقام کے لیے جنونی ہو جاؤ۔"

”میں نہیں ہوئی ماموں آپ کی تربیت اثر کر گئی ہے اس پر ایف آئی آر کروانے کے بعد سے میں اب انتقام کا نہیں سوچتی اب جو ہو گا وہ اس کے اور قانون کے درمیان ہو گا۔ میرا جتنا نقصان ہونا تھا وہ ہو گیا اب زندگی میں آگے بڑھنے کا وقت ہے۔“

”تم سب بھول رہی ہو؟“ اس نے یافث کو تکا اس کی آنکھوں میں کچھ تھا کہ یافث کچھ کہہ نہیں سکا۔

”انسان حادثے بھول سکتا ہے ظلم نہیں.........میں بھی یاد رکھوں گی، ہمیشہ۔“

”آراہ میں۔“

”کسی اور بارے میں بات کریں؟“ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے بات بدل دی۔ ”کہیں چلتے ہیں آپ اور میں کسی کیفے چل کر کوئی میچ دیکھتے ہیں۔ آئس کریم بھی کھائیں گے، بہت دن ہو گئے مجھے ابھی گھر نہیں جانا۔“ یافث نے اثبات میں سر ہلا دیا اور گاڑی کی سمت بدل دی۔ کھڑکی سے باہر دیکھتی لڑکی کا ہاتھ نامحسوس انداز میں پسلیوں کے قریب تھا، ٹانکوں کے اوپر ابھرا ہوا گوشت۔ کیا وہ کبھی یہ زخم بھول پائے گی؟ کیا وہ کبھی پہلے والی آراہ ہو پائے گی؟ ابھرتی گلٹی کو نگلتے اسے یقین تھا کبھی نہیں۔ شاہ ویر بنگش اسے تمام عمر کے لیے مسخ کر چکا تھا۔

★★★★★★★★★

فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آگ بجھانے کی کوششوں میں لگی تھیں۔ بنفشہ احسان کے گیلے بال چہرے کے اطراف میں چپکے ہوئے تھے۔ کندھوں پر اسلان کی چوڑی جیکٹ پہنے وہ ایمبولنس کے دروازے سے پلٹ آئی تھی۔ عالم، سہراب جا چکے تھے مگر وہ درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے وہیں کھڑا تھا۔ بنفشہ اس کے ساتھ آکر کھڑی ہوئی۔ خاموشی سے، نرمی سے۔

”ناراض ہو؟“ بنفشہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔

اسلان بہت دیر تک چپ رہا اور پھر اس نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا، بہت دھیرے سے شکوہ کیا۔ ”میرا کیا ہوتا، بنفشہ؟“ بنفشہ کی آنکھیں بھیگ گئیں، اس نے یونہی کھڑے کھڑے چہرہ اس کی طرف موڑا۔

”میں نے تم سے کہا تھا تمہیں میرے لیے لڑنے کی ضرورت نہیں اس تعلق میں ہم برابر ہیں تم نے میری نہیں سنی۔“

”میں نے تم سے کہا تھا سہگل ٹھیک آدمی نہیں۔ کہا تھا نا؟“ اسے ٹھیس لگی۔ آگ کی حدت یہاں تک آرہی تھی شور اور رش میں ایک ساتھ کھڑے وہ دونوں بمشکل ایک دوسرے کو سن پا رہے تھے۔ اسلان گلا کر رہا تھا وہ صفائی دے رہی تھی یہ ضروری تھا کسی بھی تعلق کے لیے بے حد ضروری۔

”اگر تم یہ کیس لے بھی رہی تھیں تو تم مجھے بتا سکتی تھی۔ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”مجھے بولنا پڑ رہا تھا، اسلان کیونکہ تم مجھے کچھ نہیں بتا رہے تھے۔ تم کہاں آتے ہو؟ کہاں جاتے ہو؟ کیا روٹین ہے؟ کس سے ملتے ہو؟ مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔ تم چھ سے سات گھنٹے کسی کے لیے کام کر رہے تھے کم از کم میں اتنے اعتبار کے قابل تو تھی کہ تم مجھے بتاتے۔“

”اور اس لیے تم نے اس آدمی پر یقین کیا جو سراپا دھوکہ ہے؟ کیا تم مجھے صرف یہ بتانا پسند کرو گی کہ تم نے اس پر کیوں اعتبار کیا اس کے اندر تمہیں ایسی کون سی خوبی نظر آئی؟“

وہ چند ثانیے اسے تکتی گئی اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔ ”اس کے پاس تمہاری ویڈیوز تھیں۔ سہگل نے مجھے وہ ویڈیو دکھائی تھی، وہ تمہاری ویڈیو تھی۔“ انکشاف تھا کہ کیا اسلان چند پل کے لیے سانس نہیں لے سکا۔ وہ محض بنفشہ کا چہرہ دیکھے گیا۔ ”میں تمہیں چار سال کی ریاضتوں کے بعد لوگوں کی ججمنٹس کی نظر نہیں ہونے دے سکتی تھی۔ اگر میں اس کے ساتھ نہ جاتی تو شاہ ویر انہیں لیک کر دیتا۔ میں تمہیں بچانا چاہتی تھی، اسلان۔“

اس کے الفاظ کہیں حلق میں اٹک کر رہ گئے اور نگاہ اسی عورت کی ہو کر رہ گئی۔ اسے لگا تھا وہ اپنی وجہ سے یہاں تک آگئی ہے مگر وہ اسلان یمن کی وجہ سے یہاں تھی۔ وہ اس عورت کا قرض دار ہو گیا، دل، دنیا، دماغ اس عورت نے لمحے بھر میں اپنی حاکمیت ہر طرف قائم کر دی۔

”میں نے تم سے کہا تھا ہم جنگوں کے ساتھی ہیں نہ تم میرے سالار ہو اور نہ میں تمہاری سپاہی ہم جنگجو ہیں اکھٹے لڑے تھے اور اکھٹے لڑیں گے، لیکن اگر اس کے لیے تم مجھے معاف نہیں کرنا چاہتے تو جو چاہے کرو.........وہ ویڈیو دیکھنے کے بعد میں نے مزاحمت نہیں کی۔ مجھے لگا میں انہیں ڈیلیٹ کروا سکتی۔“

”تم اس سے میرے لیے لڑی؟“ وہ اس کی بات کاٹ کر بے یقینی سے سراپا سوال تھا۔

”میں اور کس کے لیے لڑوں گی؟“

”تمہیں کچھ ہو سکتا تھا، بنفشہ وہ تمہیں قتل تک کر سکتا تھا۔“

”تو کر دیتا میں اس سے خوف زدہ نہیں تھی، میرا واحد خوف وہ تاریک غار تھی جس میں وہ تمہیں دھکیلنا چاہتا تھا اور میں ایسا نہیں ہونے دے سکتی تھی۔ زندگی تمہارے لیے بہت مشکل رہی ہے مجھے جہاں سے جتنی آسانیاں ملیں گی میں تمہارے لیے لاؤں گی۔“ اس کا لہجہ اٹل تھا، بہادر تھا۔ ”تم اگر اس معاملے میں مجھ سے لڑنا چاہتے ہو تو۔“

بنفشہ مخدوم کے اگلے الفاظ موتیوں کی لڑی کی طرح ٹوٹ گئے۔ اسلان یمن گھٹنوں کے بل اس کے آگے گھاس پر بیٹھ چکا تھا۔ جلتی عمارت اور اس سے اٹھتے نارنجی شعلوں کے درمیان وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تھے۔ مرد گھٹنوں کے بل اس کے سامنے سر اٹھائے بیٹھا تھا جبکہ وہ مکمل قد سے کھڑے گردن جھکائے ہوئے تھی۔ عقب میں کوئی وائلن نہیں بلکہ پولیس کی گاڑیوں کا سائرن تھا ان کے لباس پیٹرول، مٹی، خون اور نہ جانے کس کس شے سے اٹے تھے آنکھیں نم اور.........اسلان نے بے حد دھیرے سے اس کا نازک

ہاتھ اپنے کھردرے ہاتھ میں لیا، جس سے اب تک تیل کی مہک آرہی تھی۔ ہاتھ کی ہڈیاں چھل چکی تھیں، لباس پر کہیں کہیں مٹی اور خون بھی لگا تھا۔ بنفشہ کا ہاتھ سرد تھا، کچھ کچھ لرزتا ہوا بھی۔

وہ چند پل اسے تکتا رہا اور چند ثانیے بعد انتہائی نرمی، اور درخواست کے ساتھ کہا۔ ”شادی کریں؟“

وہ نم آنکھیں رگڑتے ہوئے ہولے سے ہنسی، روئی، اسے دیکھا اور پھر اور رونا آیا۔ آنسو اس کے عارضوں پر بہتے چلے گئے۔ یہ جگہ نہیں تھی، یہ موقع نہیں تھا مگر یہ انسان وہی تھا وہی جس کے نام وہ اپنی بقیہ تمام زندگی کر سکتی تھی۔

”چینلز، میڈیا، سکرین ہر جگہ پرائم ٹائم کا ایک خاص مقام ہوتا ہے ایسا وقت جو بے حد خاص ہو، جسے چھوڑا یا نظر انداز نہ کیا جا سکتا ہو، جس کے لیے مصروفیات ترک کر دی جاتی ہوں تم وہی ہو بنفشہ، میرا پرائم ٹائم۔ اور میں چاہتا ہوں یہ محض چند گھنٹوں کے ساتھ پر محیط نہ ہو اس لیے میں پوچھ رہا ہوں.... مجھ سے شادی کریں گی وکیل صاحبہ؟“ اس کا ہاتھ قدرے کھینچ کر درخت سے اس کی ٹیک چھڑواتے اسلان کی آنکھیں مسکرائیں۔

”نہ کہوں تو؟“

”تو میں کہوں گا، بنفشہ پلیز.......“ اس نے ہر دفعہ والا حربہ آزمایا۔

وہ ہنس پڑی۔ ”میں دوبارہ انکار کروں تو؟“

”میں اپنے گھر والے بھیج دوں گا۔“

”اور اگر پھر بھی نہ مانوں تو؟“ اب کے اسلان نم آنکھوں کے ساتھ ہنسا تھا، اسے تکا اور بس دو لفظ کہے۔

”بنفشہ.........“ پل بھر کا توقف۔ ”پلیز۔“ وہ کیا کہتی اس کے کہنے کو کیا رہ گیا تھا وہ اس آدمی کے لیے کیا کیا کر سکتی تھی یہ اسے آج پتا چلا تھا، یہ آدمی اس کے لیے دنیا جلا سکتا تھا اس کا ثبوت وہ جلتی عمارت تھی۔

”اپنے گھر والوں کو بھیجو لڑکے۔“

”پہلے تم مجھے ہاں کہو۔“ اس نے بنفشہ کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی، لرزش اب غائب تھی۔ ”شادی کریں؟“

”کب؟“

”اسی ہفتے۔“

وہ چند پل اسے دیکھتی رہی اور پھر سر کو اثبات میں ہلایا۔ ”اوکے۔“

اسلان نے آنکھیں موند لیں، اس کو ہاتھ کی مدد سے کھینچتے قریب کیا اور پھر تھک کر پیشانی اس کے ہاتھ پر جھکا دی۔ جیسے برسوں کے مسافر کر ٹھکانا مل گیا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں، زندگی متزلزل مگر وہ اس عورت کے ساتھ بقیہ عمر کاٹ سکتا تھا کیونکہ یہ واقعی تعمیر کے ہر ہنر سے آشنا تھی۔ چند پل بعد وہ جیب سے وہی بھورا رومال نکال کر اس کی کلائی کے گرد باندھ رہا تھا۔ بنفشہ ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے یہ رومال اب تک اپنے پاس رکھا تھا؟

”تم اب وہ تین لفظ کہو گے؟“ اسلان مکمل قد سے کھڑا ہوا، بنفشہ کو نظریں ملانے کے لیے گردن کافی اٹھانی پڑی۔

”ہمیشہ کہوں گا۔“ اس کی کلائی پر بندھا وہ رومال دیکھتے، اس نے وثوق سے کہا۔ اسلان یمن کی زندگی کا پرائم ٹائم اس عورت کی موجودگی سے تھا اور اب ہمیشہ رہنے والا تھا۔

★★★★★★★★★

وہ کسی سیلن زدہ کوٹھڑی میں بند تھا اسے کھانا دے دیا گیا تھا جسے اس نے اب تک چھوا بھی نہیں تھا۔ سیاہ سفید لباس مٹی، کیچڑ، غلاظت، اور نہ جانے کس کس شے سے آلودہ تھا۔ اس کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں، لب مقفل اور دل خالی۔ فلم سٹی محض ایک عمارت ہوتی تو وہ بھول جاتا یہ اس کی زندگی تھی، اس کا اصل اسٹیج کوئی اس قدر ظالم بھی ہو سکتا ہے کیا؟

"میں تھک گیا ہوں شاہ ویر لیٹ می گو۔" اسلان نے اس سے کہا تھا وہ واقعی تھک گیا تھا اس کے لیے لکھ لکھ کر بھی، اس کی سُن سن کر بھی اور شاید اس کے ہر روز کے دلائے خوف سے بھی مگر کیا اس نے کبھی سنی تھی؟

آنسو اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے دیوار سے ٹیک لگائے اسے اپنا ہر ظلم یاد آیا، ہر گناہ ہر تکلیف جو اس نے لوگوں کو دی۔ اس نے جو آراہ کے ساتھ کیا، جو دلیپ کے ساتھ کیا اور جو ضارم کے ساتھ۔ ہر قتل، ہر ظلم، ہر بے حسی آج دُروں کی طرح منہ پر آ کر لگ رہی تھی۔

اس نے کھانا کھانے کی بجائے پانی کا گلاس سارے کا سارا حلق میں انڈیل لیا اور چپ چاپ ٹھنڈے فرش پر لیٹ گیا۔ کوئی دور تھا جب وہ طلال بنگش کے سینے پر سر رکھتا تھا، پھر شاہ زید کے بازو کا تکیہ بناتا تھا، پھر لندن، نیویارک کے ہوٹلز کے بستر، تعاشی، عشرت، کامیابیاں، شہرت اور آج۔۔۔۔۔۔ آج وہ تنہا تھا۔ اس بھری دنیا میں شاہ ویر بنگش بالکل اکیلا اور قید تھا۔ کافی دیر تک چھت کو گھورتے رہنے کے بعد اس نے زیر لب کچھ کہنا شروع کیا۔ کوئی ورد سا جو اسے نہیں بھولنا تھا۔

"اگر لوگوں کو لگتا ہے میں ہار گیا ہوں تو وہ غلط ہیں۔" اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ "میں تباہ ہو گیا ہوں میرے پاس تعلقات، لوگ، اثاثے، مقام کچھ نہیں رہا مگر میرے پاس میں تو ہوں۔" وہ خود کو باور کروا رہا تھا، اپنے اعصاب اور حوصلوں کو تھپکی دے رہا تھا۔ "اسلان، بابا، زیدو، مام اور بہت سارے لوگ جب میں ان کے بغیر رہ سکتا ہوں تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" اس کی آنکھیں عجیب سی غنودگی میں ڈوب رہی تھیں، سر چکرا رہا تھا اور قے کرنے کا جی چاہ رہا تھا۔ اسے لگا یہ اس کا خواب ہے مگر یہ حقیقت تھی۔

پھر کچھ سلو موشن میں ہوا اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا، پیٹ سے سفر کرتا درد سینے تک آیا، سینے سے حلق تک اور وہ اٹھ بیٹھا اس نے خود کو جھک کر قے کرتے ہوئے دیکھا، اس کے حلق سے خون نکل رہا تھا۔ وہ دم سادھ گیا۔

اس نے افراتفری مچتے ہوئے دیکھی، ہر طرف شور تھا بہت زیادہ شور اس نے اپنے آس پاس بہت سارا خون جمع ہوتے ہوئے دیکھا مگر یہ خون کہاں سے آیا وہ سمجھ نہ سکا، اس کا حلق جل رہا تھا سینے میں آگ لگ رہی تھی کیوں؟ اس نے تو صرف سادہ پانی پیا تھا صرف سادہ پانی۔

کسی نے اس کے کندھوں میں ہاتھ ڈال کر اسا ٹھایا، پھر نہ جانے کیا ہوا اس نے خود کو اسٹریچر پر پایا، اس کے بعد اسے کچھ یاد ہی نہ آیا۔ کتنے سیکنڈ، کتنے منٹ کتنے گھنٹے اور کتنا وقت گزرا اسے کچھ یاد نہیں تھا جس وقت اس کی آنکھ کھلی وہ ایک ایمبولنس میں تھا، اس نے ہاتھ اٹھانا چاہا مگر اٹھا نہیں سکا شاید نقاہت؟ کم از کم اس وقت اسے یہی لگا۔

آنکھیں کھولے گہرے پر سکون سانس لیتے ہوئے وہ کچھ دیر تک چھت کو دیکھتا رہا اس کے بعد اس کی نگاہ بلا ارادہ اپنے ساتھ بیٹھے شخص کی طرف اٹھی۔ وہ تھری پیس میں ملبوس تھا۔ سرمئی ٹائی اور ہم رنگ کوٹ، شاہ ویر اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا مگر وہ کوئی نرس ہرگز نہیں تھا۔ اس نے جیل میں بھی کسی اور قیدی اور افسر کو نہیں دیکھا تھا یہ اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا اس کا دماغ کچھ بھی سمجھ نہیں پایا۔

”پانی۔“ لبوں سے ایک لفظ برامد ہوا۔ ”تھوڑا سا پانی چاہیے۔“ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا حلق جل رہا ہو، سوٹ والے شخص نے بغیر اس کی طرف دیکھے فون پر بات کرنا جاری رکھا۔ شاہ ویر چند لمحے خاموش رہا گر جب اسے پانی نہ ملا تو اس نے ایک دفعہ پھر مانگا۔ ”میں۔ پانی مانگ۔۔۔ رہا۔۔ ہوں۔“

جواب اب بھی ندارد۔ سامنے والا بس فون پر بات کرتا رہا۔ ”کیا مجھے پانی دینا الاوڈ نہیں؟“ شاہ ویر نے ایک بار پھر سوال کیا مگر جواب نہیں آیا۔ وہ کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھنے لگا مگر اٹھ نہیں سکا، گر گیا۔ ”مجھے کیا ہوا تھا کیا میں ٹھیک ہوں؟ میں اس وقت کہاں ہوں؟“ کہنیوں پر زور دیتے اس نے ایک بار اٹھنے کی کوشش کی جب اس نے اپنے بازوؤں پر زور دیا تو کوئی آہٹ سی ہوئی۔ شاہ ویر ٹھٹکا۔

اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ اپنے بازوؤں پر پڑی اس کے بازو اسٹریچر کے ساتھ بندھے تھے، لوہے کی زنجیروں سے۔ اس کا سانس جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ شل ہی تو رہ گیا تھا۔

"کون ہو تم؟" اس کے لبوں سے سرسراتی آواز نکلی۔ آدمی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کو کہا جب شاہ ویر چلایا۔ "کون ہو تم یہ کیا طریقہ ہے کسی انسان کے ساتھ پیش آنے کا؟ کھولو مجھے میرے وکیل کو بلاؤ یہ کیا جہالت ہے میں۔۔۔۔۔۔" آدمی مڑا اور اپنی پستول پوری قوت کے ساتھ اس کے جبڑے پر دے ماری شاہ ویر اپنے بستر پر گر گیا، دماغ میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔ وہ بلند آواز میں کراہنے لگا۔

"بات کر رہا تھا میں تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟" یہ آواز، یہ لہجہ، وہ اسے بھولا ہی کب تھا، یہ ٹھنڈک، یہ تنبیہہ تو اسے ازبر تھی۔ شاہ ویر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تک رہا تھا بے دھم، شل۔ اس کے بدن کا رواں رواں کانپ رہا تھا، اور وہ بستر پر ساکت پڑا تھا۔۔ وہ بہت دیر بعد اٹک اٹک کر بولا تھا۔

"نو۔۔۔۔۔ نور۔۔۔۔ نور؟" نور احمد نے فون کال بند کی اور اس کی طرف دیکھا یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جنھیں شاہ ویر پہچانتا تھا۔ یہ وہ آنکھیں بھی نہیں تھی جن سے اس نے معاہدے کیے تھے یہ کسی انسان کی آنکھیں تھیں ہی نہیں جسے وہ شاید جانتا تھا۔

"میں نے تمہیں وقت دیا، مہلت دی اور بدلے میں تم نے مجھے کیا دیا یہ بے کار سا شو؟" اس نے ہنکارا بھرا۔ سر مایوسی سے نفی میں ہلایا۔ "کم آن بنگش میں اس سے زیادہ کا حقدار تھا اور تم گرفتار بھی ہونے والے تھے؟"

"میں پولیس کسٹڈی میں ہوں نور تم...... تم ایسا نہیں کر سکتے مجھے جانے دو پلیز پلیز ورنہ..... میں سرکاری۔"

نور مسکرایا۔ "تم کبھی پولیس کسٹڈی میں نہیں تھے بنگش۔ تم ہمیشہ سے میرے پاس تھے۔" (اسلان یمن گاڑی میں بیٹھے ہوئے کچھ نمبر ڈائل کر رہا تھا جو کہ پاکستانی ہرگز نہیں تھے وہ ایک بھارتی نمبر تھا راج بیر سنگھ کا نمبر) "وہ میرے لوگ تھے، شاہ ویر پولیس نہیں پاکستان میں پولیس کب سے وقت پر آنے لگی؟" (چند لمحے اسلان اور راج

کے درمیان خاموشی رہی، پھر اسلان کی مدھم آواز گونجی۔ "وہ میرے گھر تک آ گیا ہے اور اب مجھے وہ ختم چاہیے۔ ("مجھے کیا کرنا ہو گا؟") اس نے بے حد سادگی سے سوال کیا تھا۔

"مجھے یہ شو دیکھنے میں بہت مزہ آرہا تھا بنگش لیکن احکام تو پھر احکام ہوتے ہیں نا؟" (یہاں سے کئی سو میل دور امرتسر کے وزیر اعلیٰ ہاؤس میں کھڑے راج کا باپ موبائل پر برس رہا تھا۔) "آج کے آج اس لڑکے کو اٹھواؤ طہور مجھے پیسہ واپس چاہیے نور کر کیا رہا ہے اس سے کہو کام پر لگے کس بات کا پیسہ لیتا ہے وہ؟" انہوں نے بولتے ہوئے ایک نظر صوفے پر بیٹھے راج بیر کو دیکھا جس نے سر کو خم دیا، اور اپنے باپ کو مزید کہتے رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی معافی کی قیمت۔

"اب جو ہے سو ہے مجھے یقین ہے تم میری کمپنی انجوائے کرو گے اور اگر نہیں بھی کی، تو کوئی بات نہیں یہ خواہشوں اور امیدوں سے تمہارا آخری واسطہ ہو گا۔ تم کبھی پنجاب پولیس کی تحویل میں آئے ہی نہیں، وہ تمہیں اب بھی تلاش کر رہے ہیں، تم اب تک مفرور ہو، اور اب تمام عمر کے لیے رہو گے، اور مجھ سے تو کسی قسم کی بھلائی کی امید رکھنا ایسا ہے جیسے منکر کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا۔" وہ بند لبوں سے گہرا مسکرایا۔ "happy suffering bangash"

کہتے ہوئے شاہ ویر کے منہ پر ٹیپ لگا دیا اور ایک تصویر کھینچی۔ یہ تصویر اس نے راج بیر سنگھ کو بھیجی اور اس کے واٹس ایپ سے سفر کرتی یہ اسلان یمن کے موبائل تک آئی۔ وہ جو کسی مال میں اپنی شادی کی شاپنگ کر رہا تھا اس نے ایک نگاہ اس تصویر پر ڈالی، اس کی آنکھوں کے سپاٹ تاثرات میں کوئی دراڑ نہیں آئی۔ وہ اس سے زیادہ برے کا حقدار تھا۔

"لازوال حیات کا زوال مبارک!" وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوا اور سامنے دیکھا جہاں اس کی بہن، چچی اور منگیتر کپڑے خرید رہی تھیں۔ ابھی اسے جا کر ان کی مدد بھی کرنی تھی، آج وہ اپنے لیے ہر قسم کے رنگ خریدنے والا تھا۔ اب سے وہ آزاد تھا۔ گومگو کی کیفیت میں مبتلا دل اب بلاخر پر سکون تھا۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا جس دلدل میں وہ گھسا ہے اس کے چھینٹے اب اس تک آچکے تھے۔

★★★★★★★★

ایک ہفتہ بعد!

میز پر کاجل، لپسٹک، بلش آن، فاؤنڈیشن اور میک اپ کی متعدد چیزیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کمرے کے فرش پر کاٹن فیس پیڈز، دو تین ٹوٹی ہوئی چوڑیاں اور کچھ گجرے سے ٹوٹ کر گرے ہوئے پھول پڑے تھے۔ الماری سے کچھ عام سے کپڑے باہر گر رہے تھے اور وہ اس وقت کھلے ہوئے بالوں کے ساتھ باتھروم سے باہر آرہی تھی۔ دلہن کے کمرے کی حالت وہی تھی جو اس وقت ہونی چاہیے تھی۔ آس پاس اس کی دوستیں تھیں اور بنفشہ شادی کا جوڑا ہاتھ میں لیے مدد طلب نظروں سے اپنی فوٹو گرافر دوست کو دیکھ رہی تھی۔ جس نے اسے دیکھ کر گہرا سانس لیا کیونکہ نکاح میں محض دو گھنٹے باقی تھے اور اب تک وہ گیلے بالوں کے ساتھ کھڑی تھی کیونکہ اسے کچھ ریل آئیڈیاز آئے تھے جنہیں وہ اس وقت پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی تھی۔ اس نے اپنا جوڑا دیوار کے ساتھ ٹانگا اور دعا کو دیکھا۔

"جوڑا بلر (دھندلا) آنا چاہیے میرے بال اور میں فوکس میں رہنے چاہیے میں جوڑے کو دیکھوں گی اور یہاں تم تین تصاویر بناؤ گی اوکے؟"

"اوکے!" وہ راضی تھی بنفشہ نے پوز دینا چاہا جب اس کی ایک اور دوست اندر داخل ہوئی وہ کچھ کہنے لگی تھی مگر جوڑے کو دیکھ کر ٹھہر گئی۔ "اوہ مائی گاڈ۔۔۔۔" بنفشہ نے زیر لب "اللّٰھم بارک" کہا وہ آج کے دن کسی قسم کی نظر نہیں لگوانا چاہتی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"یہ کس نے پسند کیا ہے؟" یہ راز تو دعا بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ دونوں اب مستفسر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور بنفشہ کو یاد کرنا پڑا یہ جوڑا کس نے پسند کیا تھا، اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ پلنگ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی جب اسے اسلان کا پیغام موصول ہوا۔ ”تم نے جوڑا پسند نہیں کیا چچی بتا رہی تھیں تمہیں کچھ اچھا ہی نہیں لگا؟“

”مجھے ایک اچھا لگا تھا۔“ اس نے سچ لکھا۔

”تو؟ مہنگا تھا کیا تم لے لو میرے پاس پیسے ہیں۔“

”نہیں مہنگا نہیں تھا وہ دراصل اس پر کام بہت زیادہ تھا نکاح کے حساب سے وہ ٹُو مچ تھا چاچی بھی کہہ رہی تھیں اور وہ بوتیک کا مالک بھی۔“

کچھ پل بعد اسلان یمن کا پیغام سکرین پر ابھرا۔ ”تمہیں پسند تھا؟“

”بہت!“

”اچھا کوئی تصویر ہے میں دیکھوں ذرا۔“ بنفشہ نے اسے تصویر بھیجی۔ وہ ہلکے گلابی کی بھاری کامدار انارکلی فراک تھی جس کے گلے اور دامن پر بھاری کام ہوا تھا۔ دوپٹہ بیج کلر کا تھا جس کے بارڈر پر گلابی رنگ تھا اور دوپٹے کے وسط میں چھوٹے چھوٹے پھول۔ اسلان بہت دیر تک اس جوڑے کو دیکھتا رہا، پھر اس نے وقت دیکھا رات کے دس بج رہے تھے۔ ”تمہیں یہ واقعی پسند آیا؟“

”بہت تمہیں نہیں آیا؟“

”یہ بوتیک کہاں ہے؟“ بنفشہ نے جگہ بتادی۔ اسلان نے محض اوکے لکھ کر فون بند کر دیا بنفشہ کو لگا تھا وہ اسے یہ جوڑا دلوانے کی بات کرے گا مگر اس نے نہیں کی۔ اگلے دن جب وہ سو کر اٹھی تو اس کے کمرے کے باہر ایک بڑا سا ڈبہ رکھا تھا بنفشہ جو کہ انگڑائی لیتی اپنی اسکن کیئر کرنے جا رہی تھی اس کی ساری سستی بھک سے اڑی، وہ بستر سے اتری اس نے فوراً سے ڈبہ اٹھایا اور کمرے میں لا کر تیزی سے اسے کھولا۔ اندر وہی گلابی جوڑا تھا، وہی جوتے جو

اس نے پسند کیے تھے اور اوپر ایک نوٹ رکھا تھا وہ ہنسی اسلان اور نوٹ؟ وہ آہستہ آہستہ کیا کیا سیکھ رہا تھا۔ اوہ خدایا۔

"اچھی پسند ہے۔" وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ یہ جوڑا اتنا مہنگا نہیں تھا، شاید آج کل فیشن میں ان بھی نہیں تھا مگر وہ اس نے پسند کیا تھا اور اسلان یمن اسے خرید کر لایا تھا آج کے بعد سے یہ انمول ہو چکا تھا بے حد قیمتی۔ وہ بہت دیر تک اس جوڑے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محسوس کرتی رہی تھی۔ اور اس نوٹ کو بار بار پڑھتی گئی، کچھ خاص نہیں لکھا تھا مگر اس نے لکھا تھا، اور وہ جو بھی لکھے گا بنفشہ احسان ہزار دفعہ پڑھے گی۔

حال میں اس نے سر جھٹکا۔ "میری پسند ہے۔" سادگی سے کہا زیادہ تفصیل نہیں بتائی، اسے بتانی بھی نہیں تھی۔ اس تعلق کو لوگوں کی باتیں یا سوالات دھندلا دیں اب وہ اس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد اس کی تصاویر آچکی تھیں اور اب وہ سنگھار میز کے گرد آ کر بیٹھی۔ بہنیں، چچازاد کوئی بھی نہیں تھا مگر وہ آج ان محرومیوں کو نہیں سوچے گی آج اس کا دن تھا اور وہ خوش رہے گی۔

دوسری طرف دیوار کے پار اسلان یمن کے کمرے کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ پلنگ پر اس کا صبح والا ٹریکنگ سوٹ پڑا تھا، ایک طرف اس کے اسنیکرز اور دوسری طرف ڈبے میں سے اس کے نئے بھورے پشاوری جوتے جھانک رہے تھے۔ کھڑکی کی پردے ہٹے ہوئے تھے جن سے آتی روشنی میں ہلکے کریم کلر کی شلوار قمیض بھی دکھ رہی تھی۔

وہ نہا کر باہر نکلا تو عالم اس کے کمرے میں موجود تھا سرمئی شلوار قمیض میں سفید ویسٹ کوٹ پہنے وہ اچھے سے تیار تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کوٹ تھا جسے اس نے اسلان کی طرف بڑھایا۔ وہ بالوں میں تولیہ رگڑتے آگے آیا۔

"یہ پہن لینا، اچھا لگے گا۔" اسلان نے وہ کوٹ اس سے لے لیا اور سر کے خم سے عالم کا شکریہ ادا کیا۔

"تھینکیو لیکن میں آج یہ نہیں پہنوں گا۔"

دروازے کی طرف جاتا عالم ٹھٹھک کر رکا۔ اور تندہی سے اسے دیکھا۔ "پندرہ ہزار لگے ہیں میرے، تم نہ پہننا اور پھر دیکھنا میں تمہارا حشر کیا کرتا ہوں۔"

"وہ دعوے کرتے کیوں ہو جنہیں آپ خود بھی پورا نہیں کر سکتے؟" وہ لاپرواہی سے کہتے ہوئے بال تولیے سے رگڑتا رہا۔

"میں اس سے زیادہ کر سکتا ہوں، اسلان۔" اسے دیکھتے ہوئے اسلان کو کل رات کا منظر یاد آیا۔

وہ دونوں ڈی ایچ اے کے کسی کیفے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پر ان کی پیے آدھے کافی کے کپ رکھے ہوئے تھے وہی عام سی شرٹس اور جوتے، اور اپنے اوپر پڑتی وہی نگاہیں۔ "تم شیور ہو نا؟" کرسی پر پیچھے کو ٹیک لگائے وہ اسلان کو کھوج رہا تھا۔ "شادی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے تم واقعی تیار ہو؟"

اسلان نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ذمہ داری سمجھ کر آج تک نہیں کر رہا تھا ایک مکمل انسان مجھ پر منحصر ہو اس کی خوشی، غمی، مسائل سب میرا مسئلہ ہوتے اور مجھے ڈر لگتا تھا کہ شاید میں اسے وہ سب نہ دے سکوں۔"

"اور تمہارا ارادہ کیسے بدلا؟" اس نے گہری سانس لی۔

"آراہ کہتی ہے عورتیں شادی سے ڈر گئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں انسان شادی سے ڈر گئے ہیں کیونکہ کانسیپٹ ہی خراب کر دیا گیا ہے شادی ہمیشہ دونوں جانب سے پچاس پچاس نہیں ہوتی کبھی مرد ستر فیصد اور عورت تیس اور کبھی عورت تیس تو مرد ستر ...... پارٹنر پر بوجھ بن جانا شادی کو مشکل بنا دیتا ہے اور بنفشہ احسان میرا بوجھ نہیں طاقت ہے۔"

عالم نے ستائشی انداز میں ابرو اٹھائے۔ "کافی سمجھدار ہو گئے ہو۔"

اسلان گردن جھکا کر مسکرایا۔ "میری منگیتر کی صحبت ہے۔"

عالم نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ "میں تمہاری خاطر جیل چلا گیا، اسکار نے تم پر زندگی لٹا دی، یافث نے قربانیاں دیں اور یہ دو دن کی آئی عورت سارے کریڈٹ لے گئی؟"

اس کی بات پر وہ چپ ہو گیا تھا اسلان یمن بہت دیر تک چپ چاپ اسے دیکھتا رہا، اس کی نگاہوں میں کچھ تھا کہ عالم کچھ طنزیہ کہتے کہتے رک گیا۔ اسلان نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا، عجیب سے احساسات تھے جن میں عالم گھر گیا یہ ہاتھ بے حد ننھے تھے جنہیں تھام کر وہ اسے لعل یمن کی گھاس پر چلنا سکھاتا تھا، وہ کھانے کا شوقین تھا اور جب اسے خود سے کھانے کا شوق ہوا تب عالم روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس کی پلیٹ میں رکھ دیتا تھا اور وہ آہستہ آہستہ کھاتا رہتا وقت لگ جاتا تھا مگر عالم کبھی بے زار نہیں ہوا وہ اس کی مٹھی میں تھوڑے سے چاول رکھ دیتا تھا جنہیں وہ کچھ گرا دیتا کچھ کھالیتا سہراب اس حرکت پر بگڑتا تھا مگر عالم کو پسند تھا، اسے اچھا لگتا تھا جب اس کے بڑے بھائی کی دونوں اولادوں کی آنکھیں چمکتی تھیں، جب ان کے لب کسی مسکراہٹ میں ڈھلتے تھے سہراب اور یافث نے اگر ان کی زندگی ترتیب دی تھی تو عالم نے اس ترتیب میں چمک کا کردار ادا کیا تھا۔ وہ ہیرا تھا لعل یمن کے ہر انسان کی زندگی کا چمکتا روشن ہیرا۔

"کیا میں آپ کا شکریہ ادا کروں؟"

عالم نے ہاتھ جھلایا۔ "یہ عورتوں والے چونچلے نہ کرنا۔"

"میں آپ کے احسان نہیں اتار سکتا، چاچو۔ میں آپ سے ہر وہ بات کہہ سکتا ہوں جو کبھی اسکار سے نہیں کہی، جو ماموں سے کہتے ڈر لگتا ہے جانتے ہو مجھے آپ کی سب سے اچھی بات کون سی لگتی ہے؟"

عالم نے نفی میں سر ہلایا، نگاہیں نرم رہیں۔ "آپ غلطی کرنے دیتے ہو اور پھر اس غلطی کے بعد کچھ غلط ہو جائے تو ساتھ دیتے ہو سب ایسا نہیں کر سکتے میں آپ کے جیسا باپ بنوں گا۔" عالم نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ قلموں سے

سفید پڑتے بالوں والا مرد اس جوان مرد کو دیکھتے خوش تھا، وہ آج اسلان یمن کی آنکھوں کی وہی چمک واپس دیکھ رہا تھا اور جو اس نے محسوس کیا وہ بس ڈھیر سارا سکون تھا۔

”اللہ تمہیں روشن بخت لگائے۔“

حال میں وہ لباس تبدیل کیے اپنے بٹن سے الجھتا سہراب کے کمرے کی طرف جارہا تھا۔ باہر رک کر اس نے انگلیوں کی پشت سے ہلکی سی دستک دی اندر سے آجاؤ کی آواز آئی تو وہ اندر داخل ہوا۔ آمنہ بالوں میں کرلز ڈالنے کی کوششوں میں لگی تھی اور سہراب جھک کر اپنے جوتے نکال رہا تھا، اسلان اندر آیا تو آمنہ اپنا سامان سمیٹ کر باہر نکل گئی وہ آراہ سے کہے گی اس کے بالوں میں لچھے دار کرل ڈال دے۔ کیونکہ یہاں تو چچا بھتیجا کی ذاتی باتیں ہی ہونی تھیں۔

”مجھے آپ سے کچھ چاہیے تھا۔“ اس نے ہلکی سی آواز میں کہا، انگوٹھے کی پشت سے کنپٹی سہلائی۔ سہراب سے کوئی بات کرتے ہوئے اب اسے قدرے کم ہچکچاہٹ ہوتی تھی۔ مگر ہوتی اب بھی تھی۔

”بولو۔“ سہراب اٹھ کر اس تک آیا اور ہمیشہ کی طرح اس کے کف کیے بٹن باری باری بند کیے۔ ”بال بھی نہیں بنائے، یہ کیا حالت ہے مہمان آنے والے ہوں گے۔“ وہ میز تک گیا اور کنگھا لے کر واپس اس تک آیا اسلان نے اس کے سامنے گردن نہیں جھکائی اب وہ اس سے ایک انچ لمبا تھا مگر اسلان اسے یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔ سہراب نے اس کے بال بنائے، ٹشو سے اس کا ماتھا صاف کیا۔ اب وہ واپس میز کی طرف جارہا تھا دو سے تین شیشیوں کے درمیان اس نے ایک پرفیوم منتخب کیا اور اس تک آیا۔ اسی اثناء میں عالم وہی کوٹ لیے دوبارہ چوکھٹ پر آکر جم گیا تھا۔ یافث بھی اسے دیکھ کر یہیں آگیا۔ اسلان کے جوتوں کا ڈبہ اس کے آگے رکھا۔

”میں یہاں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ میرا شاہکار رد کرنے کے بعد تم کیا پہن رہے ہو؟“ عالم جل کر بولا۔

”اور میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تم کس دیدہ دلیری سے ماموں کو پیچھے چھوڑ کر چچا کے کمرے میں بھاگے ہو۔“

سہراب نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ اسلان بغیر کچھ کہے الماری تک گیا اور قطار میں ٹنگے تین کوٹ دیکھے چند لمحے لگے تھے اسے اور پھر اس نے ایک کوٹ نکالا............ سہراب یمن کا کوٹ۔ بھورے رنگ کا وہ سادہ کوٹ، اس سے سہراب کی خوشبو آتی تھی وہ آج اپنے سینے سے کچھ بے حد قریبی رکھنا چاہتا تھا اس سے بہتر کیا ہو سکتا تھا۔ ساری دنیا کہتی تھی وہ اس کا باپ نہیں وہ ساری دنیا سے کہنا چاہتا تھا اسے فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ اسلان کو بیٹا مانتا تھا اور اختلاف یہاں ختم تھے۔

سہراب نے اسے دیکھا اور پھر عالم کو، ان آنکھوں میں عجیب سا تفاخر تھا وہ عالم کو بتانا چاہتا تھا اسلان یمن کو پالنا اس کی زندگی کے اثاثوں میں تھا خساروں میں نہیں۔

وہ واپس ان تک آیا کوٹ نوار دیافث کے ہاتھ میں تھمایا، وہ اب اسے کوٹ پہنا رہا تھا۔ یہ اس احساس جیسا نہیں تھا جو اسے اسکول کے وقت تیار کر کے ہوتا تھا مگر یہ اس جیسا تھا اس سے ملتا جلتا۔ کوئی پرانی یاد سی تھی جو دل کے کواڑوں پر دستک دے رہی تھی۔ ان کے گھر کا بچہ بہت بڑا ہو گیا تھا۔

”گھڑی؟“ اس نے عالم کو میز پر رکھی گھڑی کی طرف اشارہ کیا وہ گھڑی اٹھا کر لایا اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے اسے اندازہ تھا یہ اسلان یمن کی نہیں، اس پر دوسری نگاہ یافث طارون کی پڑی اور وہ جانتا تھا یہ اس کی گھڑی ہے۔ اس نے اسلان کو دے دی تھی مگر یہ اس کی تھی۔

کرل بنوا کر واپس آتی آمنہ نے اس کا بھورا کوٹ بھی دیکھا، وہ پرانی گھڑی بھی اور........ اس کے سینے کی جیب میں اٹکا رومال بھی وہ اس رومال کو جانتی تھی۔ یہ رومال اس نے متعدد مرتبہ بنفشہ احسان کے بالوں میں دیکھا تھا اور صفائی کے دوران کئی بار اسلان یمن کے سائیڈ دراز میں بھی۔ اب وہ اسے جیب میں بھی رکھتا تھا اور اس نے ایک رات یہ رومال بنفشہ کی کلائی میں بھی دیکھا تھا۔ صرف اسلان یمن جانتا تھا یہ واپس اس تک کیسے آیا۔

تینوں مردوں کی آوازوں کے درمیان ایک اور آواز بھی تھی جو اسے یاد تھی۔ بے حد اچھی طرح۔ کاش وہ پانچواں بھی یہاں ہوتا کم از کم اسلان کی خاطر؟

★★★★★★★★★

("اسلان یمن کو کیا یاد تھا؟")

لاؤنج کے نیم اندھیرے میں وہ ٹیلی فون کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ ہڈی میں ملبوس اس کی گردن جھکی ہوئی تھی، گھنٹیاں پلٹ پلٹ کر واپس آرہی تھیں وہ اضطرابی انداز میں اپنی ٹانگ جھلاتے دوسری طرف رابطہ مل جانے کا منتظر تھا، جب آمنہ پانی کا جگ بھرتی اپنے کمرے کی طرف جاتی دکھائی دی ہیلو کی آواز پر وہ تھم گئی تھی اسے لگا اس وقت شاید اسلان بنفشہ سے بات کر رہا ہو گا، اور وہ صبح اسے چڑائے گی مگر وہ غلط تھی۔ یہ لہجہ، یہ انداز وہ تھا ہی نہیں۔

"کیسے ہیں ڈیڈ؟" اس کی آواز مدھم تھی۔ شجاع نے بے حد روکھے انداز میں جواب دیا اس جواب کے بعد وہ فون بند کر سکتا تھا مگر اس نے نہیں کیا۔ گرفت مضبوط کی، اور کوشش کی۔ "میں نکاح کر رہا ہوں ڈیڈ اور میں چاہتا ہوں آپ آئیں۔"

"میں اپنا جواب سہراب کو دے چکا ہوں تمہیں ملا نہیں؟"

"مل گیا تھا لیکن وہ آپ کا بھائی ہے میں آپ کا بیٹا میں چاہتا ہوں آپ آئیں، اس کے اور میرے بات کرنے میں فرق ہے۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"فرق دکھتا ہے تمہیں؟" وہ حد درجہ تلخی سے گویا ہوا۔ "اگر فرق دکھتا تو تم لیانا کی بیٹی کو رد کر کے اس دو ٹکے کی لڑکی کو نہ چنتے۔"

"آئی ایم سوری ڈیڈ مگر شاید آپ اپنی پسند کی بات کر رہے ہیں۔"

”حد میں رہو، اسلان۔“ شجاع غرایا۔ اسلان کے سپاٹ تاثرات میں کوئی دراڑ نہ پڑی۔

”ڈیڈ پلیز یہ چیخنا چلانا اور گالیاں دینا بند کریں اگر آپ آ نہیں سکتے تو کوئی بات نہیں اسکار ہے یہاں، یافث اور عالم بھی ہیں ممی بھی آجائیں گی میں بس آپ سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ پچھلی بار جب یہاں آئے تو حالات درست نہیں تھے اگر میں نے کچھ غلط کیا ہے تو آئی ایم سوری۔ کوئی بد تمیزی کی ہے تو مجھے معاف کر دیں اسکار نے مجھے یہ سب نہیں سکھایا۔ وہ بہت اچھا ہے۔“

”تم نے جو غلط کیا اپنی قسمت کے ساتھ کیا ہے اور اب تم اس بات پر پچھتاؤ گے ساری زندگی۔“ وہ ایک بار پھر پھنکارا۔ ”تمھیں لگتا ہے۔۔۔۔۔۔“

”ڈیڈ۔“ اسلان نے بے حد نرمی سے اس کی بات کاٹی۔ ”یہاں سب ہوں گے آپ نہیں، آپ مجھے کوئی دعا دیں۔“

”تم دعاؤں کے قابل ہی نہیں۔“ وہ زخمی ہنسی ہنسا۔

”میں تو بہت ساری چیزوں کے قابل نہیں تھا لیکن پھر بھی ملیں مجھے کوئی دعا دیں میں فون بند کر دوں گا۔“

”دو سال! میں لکھ کر دیتا ہوں دو سال بھی نہیں چلے گی یہ شادی اور تم گڑگڑاتے ہوئے میرے پاس آؤ گے۔“

”یعنی آپ دعا نہیں دے رہے؟“

”تم۔۔۔۔۔۔ اور تمہاری وہ بیوی کتوں جیسی زندگی۔۔۔۔۔“ اسلان نے بغیر اس کی اگلی بات سنے فون کریڈل پر ڈال دیا۔ آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گرے جنہیں وہ ہتھیلی کی پشت سے بے حد سختی سے رگڑتے سر صوفے کی پشت سے جوڑ گیا۔ اس کی ماں ملک میں نہیں تھی، باپ آنا نہیں چاہتا تھا اس نے ان دونوں کے بغیر آدھی زندگی کاٹ دی تھی آدھی مزید کٹ جانی تھی۔ زندگی سب کی کٹ جاتی ہے خلا کا کوئی کیا کرے؟ کم از کم دعا تو وہ دے سکتا تھا، یہ اتنا زیادہ تو نہیں تھا۔

کوئی اس تکلیف کا کیا کرے جو ختم نہیں ہو رہی تھی؟ نہ چودہ برس قبل نہ آج، خلاجوں کا توں تھا۔

حال میں اسے اپنے ماموں اور چچاؤں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھ آمنہ بھی مسکرائی۔شاید مستقبل میں یہ تکلیف کم ہو جائے، شاید اپنی اولاد کے بعد وہ بدل جائے، ممکنات تو بہت سے تھے۔

★★★★★★★★★

(وہ رومال اس تک کیسے آیا؟)

"اب کہیں درد ہے؟" ہسپتال کے بستر پر پڑے اسلان یمن کو تکیوں کے سہارے بٹھاتے ہوئے یافث نے پوچھا۔اس نے نفی میں سر ہلایا۔حالانکہ اسے ہلکا سا درد اور بے آرامی تھی۔۔ کندھوں کے زخم کی وجہ سے اس کی ہسپتال کی شرٹ پیچھے سے کھلی تھی جہاں سے پٹیاں نظر آ رہی تھیں۔چہرے کے زخم اب نیلے پڑ گئے تھے۔اور ہونٹ کے قریب ایک کٹ اب بھی تازہ تھا۔

"کچھ کھانے کو لاؤں؟" یافث نے دوبارہ سوال کیا اسلان نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔وہ اب کچھ سامان اس کی گود میں ڈال رہا تھا۔اس کا موبائل، لائٹر (جو وہ یونہی جیب میں رکھتا تھا)، اس کا بٹوہ اور بائیک کی چابیاں ایک اور شے بھی تھی جس پر اسلان کی نظر ٹکی اور پھر ہٹ نہیں سکی۔ تکیوں سے ٹیک لگائے وہ بہت دیر تک اسے تکے گیا۔

بنفشہ احسان کا بھورا رومال۔۔۔۔۔وہ نہ چاہتے ہوئے زیر لب مسکرایا۔اور انگلیوں کے پوروں سے اسے چھوا، کئی یادیں یک بہ یک آن وارد ہوئی تھیں۔

"یہ تمہارا سامان ہے عملے نے واپس کیا ہے، دیکھ لو کچھ غائب تو نہیں۔" سب اپنی جگہ پر تھا، سوائے اس ایک تعلق کے، جو سرک کر کہیں کھو گیا تھا۔اسے بے اختیار کچھ یاد آیا۔

ان دنوں بنفشہ احسان اس سے خفا رہا کرتی تھی، وہ کہیں نظر آتا تو نظر انداز کر دیا جاتا، بولتا تو وہ رخ پھیر لیتی انہی دنوں کا ذکر ہے جب وہ گاڑی میں سہراب اور اسلان کے ساتھ کہیں جا رہی تھی۔ سہراب راستے میں ایک جگہ اتر

گیا تھا جبکہ اسلان چپ چاپ گھر کی طرف ڈرائیو کر رہا تھا جب اس نے بٹوے سے کچھ نکالنے کی کوشش کی اور وہ اس کے ہاتھ سے پھسل کر بنفشہ کے قدموں کے قریب گرا۔

وہ نظر انداز کرنا چاہتی تھی مگر رک گئی۔ کھلے بٹوے میں اسے اپنا بھورا رومال نظر آیا۔ جو کہ پتلا سا ہونے کے باعث تہہ کر کے آسانی سے اس بٹوے میں فٹ آ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسلان بٹوہ اٹھاتا بنفشہ نے تیزی سے جھپٹ کر اسے باہر نکالا اور مٹھی میں دبوچ لیا۔ اسلان یمن کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی البتہ وہ کچھ بولا نہیں، خاموش رہا۔ وقت پر واپس نہ کرنے پر عجیب سی پشیمانی ہوئی۔ بہت دیر تک وہ چپ رہا، پھر گلہ کھنکھار کر صفائی دی۔ ”میں واپس کرنے والا تھا۔“

”مل گیا مجھے، شکریہ۔“ وہ سابقہ رکھائی سے بولی۔ اسلان خاموش رہا، اس کی نگاہیں اس رومال پر جمی رہیں جو بنفشہ کی مٹھی میں قید تھا۔ اس کے سیاہ بٹوے کو اس بھورے رنگ کی عادت ہو گئی تھی۔

وقت بدلا، ساعتوں نے کروٹ لی اور وہ کچھ دن قبل کے منظر میں جا پہنچا جہاں وہ زخمی تھا، اس کے کندھے پر چاقو سے وار ہوا تھا، اس کی کنپٹی پر کوئی زخم سا تھا وہ اسے واپس گاڑی میں بٹھاتے ہوئے اس کی سیٹ بیلٹ لگا رہی تھی۔ اس کے پاس اسلان یمن کا بہتا خون روکنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا وہ پرس سے وہی رومال نکالے اس کا چہرہ صاف کر رہی تھی۔ پھر کچھ ہوا تھا رومال اس سے چھوٹ گیا، آخری بار اسے یہ رومال اپنی کلائی کے زخم پر بندھا ہوا یاد آیا تھا۔ کب کیسے وہ لا علم تھا۔ کھلتی بند ہوتی آنکھوں، اور دھندلاتی بصارت کے درمیان اسلان یمن کو یہ رومال، اس کی مالکن اور اس کا وہ پر تفکر انداز ازبر ہو چکا تھا۔

موجودہ لمحے میں اس نے رومال تہہ کیا اور اپنا بٹوہ کھول کر اس میں آرام سے، بے حد احتیاط سے رکھ دیا۔ یہ اس کی اصل جگہ تھی۔ آج سے، ابھی سے اگلے کئی سالوں تک۔

★★★★★★★

اس کے تیار ہونے کے بعد اب یہ کمرہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ آئی شیڈ و پیلٹ پلنگ پر پڑی تھی، ہائی لائٹر کٹ کھڑکی کے پاس اور اسپنج نیچے گر گیا تھا جسے اٹھانے کی زحمت دوبارہ نہیں کی گئی تھی۔ دروازہ ہلکی سی دستک کے بعد کھلا اور فریم میں آراہ نظر آئی۔ مہندی رنگ کے مخملی جوڑے میں رف کرلز کو پورا کرل کیے اس نے چھوٹا سائیڈ کالگالیا تھا۔ کچھ بال کندھوں پر لہرا رہے تھے اور کچھ پشت پر تھے۔ بنفشہ کو دیکھ انارا طارون ہلکا سا مسکرائی۔

"میں آپ کو دیکھنے آئی تھی تیار ہیں؟" وہ رکی اور مسکراتے ہوئے یک لفظی اضافہ کیا۔ "بھابی؟"

بنفشہ نے مضمحل پن سے ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں۔ "میرا ڈریس اوور تو نہیں لگ رہا؟ دن کا فنکشن ہے میرا آئی شیڈو ٹھیک ہے اور لپسٹک؟" وہ با قاعدہ ہونٹ آگے کر کے اسے دکھا رہی تھی۔ انارا آگے آئی دونوں کندھوں سے تھام کر اسے پلنگ پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے آ کر بیٹھی۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تھپکے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے آپ کیسی لگ رہی ہیں؟" وہ آہستہ آہستہ اس کے دونوں ہاتھ سہلا رہی تھی۔ بنفشہ نے ایک نظر آئینے میں دیکھا۔ کہنی تک آتے بازوؤں میں بھر بھر کر ڈالی گئی گلابی چوڑیاں، ہلکا میک اپ اور شفاف لب گلوس، اس کی اگلی نگاہ بالوں تک گئی بیچ والی مانگ کے ساتھ بل دے کر بنائی گئی چٹیا میں تازہ ننھے ننھے پھول لگے تھے، کانوں اور گردن میں وہی سونا جو یمن خاندان کی طرف سے ملا تھا وہ خوبصورت لگ رہی تھی، بے حد خوبصورت۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے بھائی کو میں اچھی لگوں گی؟"

"صرف اچھی؟" آراہ نے تحیر سے ابرو اٹھایا۔ "آپ نے دیکھا نہیں وہ آپ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"کس نظر سے؟"

"جیسے سحر کا عادی اپنے من پسند منظر کو دیکھتا ہو۔" وہ جھینپ گئی، پھر ہلکا سا ہنسی۔ ساری کلفت دور ہو گئی تھی وہ اچھی لگ رہی تھی اسے یقین آنے لگا۔ آراہ نے بات بدلی۔ "میں چاچو کو بلاؤں؟ وہ قاضی صاحب کو لائیں گے۔"

بنفشہ نے وقت دیکھا، وہ کچھ کہنے لگی تھی کہ ان دونوں کی سماعتوں میں کسی کی آواز پڑی۔ "اپنے چاچو سے کہو ہم سے بات کریں۔" رئیس اور نایاب حسین کا ہاتھ تھامے چوکھٹ پر کھڑے نظر آئے۔ بنفشہ کو انہی کا انتظار تھا وہ آگے آیا بنفشہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"میں نے دیر تو نہیں کر دی؟" اس نے نفی میں سر ہلایا، کہا کچھ نہیں۔ پتا نہیں کیوں آج وہ ذرا ذرا سی بات پر جذباتی ہو رہی تھی۔ نایاب اس سے مل کر اب اس کا کمرہ کچھ سمیٹ رہی تھی۔ آراہ تھوڑی دیر مزید وہیں بیٹھی رہی اور پھر اٹھ آئی۔ کوارٹر اور لعل یمن کا درمیان والا دروازہ پار کرتے ہوئے اسے بے اختیار اپنی اور اسلان کی گفتگو یاد آنے لگی............ بلاوجہ، بلاارادہ۔

کتاب اٹھائے وہ کافی بنانے کمرے سے باہر آئی تھی جب اسلان کو صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے چھت کو تکتے ہوئے پایا، قدم قدم چلتی وہ اس کے عقب میں آ کر رکی اور دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے۔ مضبوط، چوڑے کندھے۔ "کیا ہوا ہے ابھی تک کیوں جاگ رہے ہو؟"

"ڈیڈ کو کال کی تھی۔" اس نے معتدل لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "گالیاں دے رہے تھے۔" آراہ بغیر کچھ کہے اس کے کندھے دباتی گئی۔ اسلان کو آرام آیا۔ وہ آنکھیں موند گیا۔

"اور؟"

"ممی بھی نہیں آئیں گی ملک سے باہر ہیں۔"

"اور؟" اسلان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور گھما کر اپنے سامنے بٹھایا۔ وہ کافی حد تک ٹھیک دکھائی دیتی تھی۔ آراہ نے کتاب ایک طرف رکھی۔ چہرے پر فیس ماسک لگا تھا۔ ہاتھوں پر مہندی بھی تھی وہ اپنے بھائی کے نکاح کی تیاریاں کر رہی تھی۔

"کوئی پڑھتے ہوئے اپنے بھائی کے نکاح کے لیے تیار ہو رہا ہے؟"

"بالکل کیونکہ کل کسی کا آخری پیپر بھی ہے۔"

اسلان فوراً سیدھا ہوا۔ "نہ کرو واقعی یعنی کوئی کیریئر کو سنجیدہ لے رہا ہے؟"

"اب ہر کسی کے نصیب آپ کی طرح تھوڑی ہوتے ہیں جناب؟ کیا عورت مل گئی آپ کو۔" اسلان کچھ کہنے لگا تھا مگر ٹھہر گیا وہ جو مسکراتے ہوئے اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی اس کی مسکراہٹ بھی پھیکی پڑی۔ گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ بہت دیر تک وہ دونوں کچھ نہیں بولے پھر آراہ نے اسی کے انداز میں صوفے سے ٹیک لگا لی۔ پیر میز پر دھر دیے۔ وہاں جہاں اسلان کے پیر بھی تھے۔ دونوں بہن بھائی ایک ساتھ خاموش رہے۔

"شاہ ویر کہاں ہے بھائی؟" بہت دیر بعد آراہ نے سوال کیا تھا۔

اسلان کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "مجھے نہیں پتا۔"

"اس کے ساتھ کیا کیا؟" خاموشی۔۔۔۔۔ خاموشی۔۔۔۔۔۔ خاموشی۔۔۔۔۔۔

"مجھے جاننے کا حق ہے، اسلان تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟"

"وہی جس کا وہ حقدار تھا۔" لمحے بھر کا توقف۔ "قطرہ قطرہ موت۔"

آراہ سانس نہیں لے سکی۔ اس نے تحیر سے مڑ کر اسلان کو تکا۔ "تم نے۔۔۔۔ خود۔۔۔ اسے مارا؟"

"فلحال وہ زندہ ہے میرے پاس نہیں ہے جہاں ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتا اور یہ آخری بار ہے جب ہم اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔" آراہ نے لب دانتوں تلے دبا لیے، ایک سرد آہ اس کے لبوں سے خارج ہوئی۔

"وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے نا؟ کبھی ہم چھوٹے سے تھے کل کی ہی بات ہو جیسے اسکول اور ٹفن کی ٹینشن اور آج۔۔۔۔۔" اس نے نم آنکھوں سے اسلان کو دیکھا۔ "تم بہت بڑے ہو گئے ہو بھائی۔" اس نے اسلان کے پھولے بازو پر تھپکی دی۔ "بگ بوائے۔"

"اور تم سمجھدار۔" اس کا اشارہ آراہ کے ہاتھ میں پکڑی کتاب کی طرف تھا۔ "میں بہت خوش ہوں کہ تم نے خود کو چنا۔"

آراہ نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ "تم اب مجھے اپنی کتابوں کے بارے میں نہیں بتاتی۔"

آراہ نے گہری سانس لی۔ "بتاؤں گی جب کوئی نئی کتاب پڑھوں گی تو بتاؤں گی۔" اسلان نے خاموشی سے سر کو خم دیا، وہ بوجھل تھی یہ وہ آراہ نہیں تھی مگر بعض دفعہ ہم قسمت اور حالات کے سامنے بے بس ہوتے ہیں فرمائشیں پوری نہیں ہوتیں اور جو ملتا ہے اسے رکھ لینا پڑتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ کافی بنا کر کمرے میں چلی گئی۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا آئندہ اس کے بارے میں بات نہیں ہو گی اسے کرنی بھی نہیں تھی اسے بس اپنے دل کے متاثر شدہ حصے کی تندرستی کا انتظار تھا۔ بس طویل نہ ہو یہ دعا وہ ہر روز کرتی تھی۔

★★★★★★★★★

موجودہ لمحہ!

لان میں چار سے پانچ طویل میز لگی تھیں، جہاں یہ ختم ہوتی تھیں وہیں اسٹیج تھا جس پر ہلکی پھلکی سجاوٹ کی گئی تھی ایک طرف بورڈ رکھا تھا جہاں سفید اور گلابی سجاوٹ کے درمیان "اسلان اور بنفشہ کا نکاح" لکھا تھا۔ یہ تمام سجاوٹ

آراہ اور رابعہ نے کل رات ہی کی تھی۔ آمنہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی وہ محض چائے کا کپ تھامے، کرسی پر بیٹھی حکم چلاتی رہی تھی۔۔ میز سج چکی تھیں، مہمان آچکے تھے جن میں سہراب اور عالم کی دونوں پھپھو اور ان کے بچے تھے، آمنہ کے والد اور ایک عدد چچازاد، جواہر صاحب اور ان کے دونوں بیٹے اور آراہ کی دوست ہانیہ بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ کم لوگ تھے، چھوٹی سی تقریب تھی۔ کھانا لوگوں کے حساب سے اور موسیقی کا کوئی انتظام نہیں۔

اسلان یمن اسٹیج پر رکھے صوفے پر بیٹھا نظر آ رہا تھا جب سہراب اس کے ساتھ آ کر براجمان ہوا۔ بھورے رنگ کی قمیص شلوار میں ملبوس، سفید کوٹ پہنے وہ سنجیدہ سا تھا۔

"جو بھی ملنے آئے اس سے تمیز سے بات کرنا۔" چھوٹتے ہی تاکید کی۔

"حد کرتے ہو آپ میں یہاں بیٹھ کر بدتمیزی تو کرنے سے رہا۔"

"تمہارا کوئی بھروسہ بھی نہیں۔" اسلان نے کچھ کہنے کو منہ کھولا جب اس نے سامنے سے کسی کو داخل ہوتے دیکھا۔ سفید شلوار قمیض کے ساتھ سیاہ کوٹ پہنے وہ سیاہ سن گلاسز سینے والی جیب میں اٹکاتا ہوا نظر آ رہا تھا ہمیشہ کی طرح اس کے جوتے بے حد چمکدار تھے اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جو اسلان کو دیکھ کر آئی تھی۔ وہ نک سک سا تیار بے حد وجیہہ لگ رہا تھا۔ عمر حیات اب قدم قدم چلتا اسٹیج کی طرف آ رہا تھا۔

"ہم نے کل رات اس بارے میں بات کی تھی، چاچو۔" وہ تادیبی انداز میں کہہ رہا تھا۔ سہراب نے شانے اچکائے۔

"میں نے سن اور مان لی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنے دوست کو دعوت دینا چھوڑ دوں۔" اس نے ایک نظر اسلان کو دیکھا۔ "کیا ہے یار اتنا معصوم تو ہے۔"

"میرے نکاح کی دعوت دینا ضروری تھا؟" عمر اب تک اسٹیج پر آ اور اس کی بات سن چکا تھا، اسلان مارے باندھے اس کے لیے اٹھا۔ ماتھے کے بل برقرار رہے۔

”تو کیا اب اس عمر میں سہراب اپنے دوسرے نکاح کی دعوت دیتا۔ کیا اس پر آتا میں اچھا لگتا؟“

”اچھے لگنے کی بات کر بھی کون رہا ہے؟“ وہ اسی طرح جل کر بولا۔

”وہی جس پر سوٹ کرتا ہے۔“ عمر نے جھک کر اسلان کا ہاتھ تھام کر خود ہی ملایا، خود ہی چھوڑا۔ پل بھر میں اس کے کلون کی خوشبو ہر طرف پھیل گئی تھی۔ سہراب نے گلا کھنکھارنے کے بہانے اپنی مسکراہٹ چھپائی عمر اور اس کی سیلف آبسیسڈ فطرت۔ اسلان کا شانہ تھپکتے وہ دائیں طرف رکھے سنگل سیٹر پر آ کر بیٹھا۔ ”یہ بیل ابھی تک منڈھے نہیں چڑھا؟“ اس کا اشارہ نکاح کی رسم کی جانب تھا۔

”قاضی صاحب لڑکی کی رضامندی لینے گئے ہیں۔“

”جانا تو مجھے بھی چاہیے تھا ذرا دیکھوں تو چرس پی کر اس کے لیے ہاں کہی ہے کیا؟“

”چاچو آپ ان کو چپ کروالیں ورنہ میں آپ کی ساری تاکیدیں بھول جاؤں گا۔“ اسلان سلگ کر بولا تھا۔

”عمر بچہ ہے مت تنگ کرو۔“

عمر نے گھور کر اسے دیکھا۔ ”اس کی عمر میں میرے دو بچے تھے اور تم اب تک اس کو بچہ بنا کر پھر رہے ہو؟“

”عمر۔“ سہراب نے اب کے تنبیہہ کی۔ ”آج نہیں یار۔“ عمر نے سر ہلایا اور آس پاس دیکھنے لگا۔ آنکھیں چھوٹی کیے وہ ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسی پل عالم اسٹیج پر آیا۔ دونوں کے درمیان مصافحہ ہوا، پھر قصے شروع ہوئے پیسے کے۔ گاڑیاں، موبائل اور فلیٹس کی قیمتیں زیر بحث آئیں۔ کافی دیر تک ان دونوں نے مل کر خوب یہاں کی وہاں لگائی، سہراب کے کان جب جلنے لگے اور جب عالم کی بیٹی اسے ہاتھ سے گھسیٹ کر لے گئی تب وہ دونوں بھائی اسٹیج سے اتر گئے۔ بالآخر عمر نے پہلی بار اسلان یمن کو غور سے دیکھا۔ چھوٹی آنکھیں مزید چھوٹی کیے وہ اسے گھور رہا تھا۔

"تو یعنی تم واقعی میرے ساتھ نہیں آ رہے؟" وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھا۔ اسلان کی بھوری آنکھیں دھوپ کی وجہ سے چھوٹی ہو رہی تھیں۔

"جتنی دفعہ آپ یہ سوال کر چکے ہیں مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ سب آپ سہراب کے لیے نہیں کر رہے۔"

"میں غیر ضروری فیورز صرف اپنی بیوی کو دیتا ہوں سہراب وہ ہے نہیں۔"

"یعنی آپ کا کوئی ایجنڈا ہے؟" عمر نے گردن اثبات میں ہلائی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑے رکھیں۔ ان آنکھوں میں ٹھہراؤ اور سنجیدگی تھی۔ مگر اسلان یمن ان کے پیچھے راز بھی پڑھ سکتا تھا۔

"تم محض دن کے چار گھنٹے میرے لیے کام کرو گے اس کے علاوہ تمہارا وقت تمہاری پڑھائی اور مختلف چیزوں میں صرف ہو گا۔ ستر ہزار ماہانہ، رہائش اور کھانا میرے ذمے شادی شدہ ہونے والے ہو میرے خیال سے یہ بہتر آپشن ہے۔"

"مجھے تھوڑا وقت چاہیے۔" اسلان نے سبھاؤ سے کہا، تنفر مفقود تھا۔

"جب تک وہ لوگ شاہ ویر کو مار نہ دیں اور تم اس کی لاش نہ دیکھ لو اتنا وقت؟" عمر اسے کھلی کتاب کی طرح پڑھ رہا تھا۔ اسے یہ ہنر آتا تھا۔

اسلان کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ "کون لوگ؟"

"میں وہیں تھا، اسلان۔ میں نے وہ جعلی پولیس کی گاڑیاں اور لوگ دیکھے تھے میں اس ڈیپارٹمنٹ کی جڑوں کو جانتا ہوں اصل اور نقل کا فرق بھی جانتا ہوں۔ تم مجھے، ایک پولیس افسر کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ شاہ ویر پولیس کسٹڈی میں نہیں ہے میں جانتا ہوں۔"

"اگر آپ جانتے ہیں تو۔" اس نے ایک نظر آمنہ کے ساتھ کھڑے سہراب کو دیکھا جو مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات سن رہا تھا۔ "اسکار بھی جانتا ہو گا؟" یہ سوال نہیں تھا مگر جواب وہ دونوں جانتے تھے۔

عمر نے شانے اچکائے۔ "اس رات مجھے اس کی کال آئی تھی وہ پریشان تھا اور چاہتا تھا کہ میں تم سے بات کروں وہ تم سے ڈرنے لگا ہے اسلان۔" اسٹیج پر بیٹھے لڑکے کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "آٹھ ماہ بعد پولیس میں نئی اسامیاں آجائیں گی میں ان آٹھ ماہ میں تمہیں تیار کر دوں گا۔ تم جاب کے لیے اپلائی کر دینا اور واپس لاہور آجانا سب کچھ دوبارہ نارمل ہو جائے گا۔ سہراب تمہاری فکر چھوڑ دے گا، تم رخصتی کروالینا اور یہیں لاہور میں تقرری لے لینا۔"

"مجھے پولیس میں نہیں جانا میں لکھنا چاہتا ہوں۔" اب کے اس نے کچھ زور دے کر کہا۔ "اسکار شاید اس بات کو نہیں سمجھے گا لیکن میں شروع کر چکا ہوں مجھے یہ کتاب ختم کرنی ہے، میرے اپنے لیے۔"

عمر چندپل پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "اور اگر میں تمہیں لکھنے کا وقت بھی دیا کروں تو؟"

اسلان چندپل کچھ کہہ ہی نہیں سکا۔ "کیا وہ کام اتنا ضروری ہے؟" وہ ضرورت کی انتہا پر پہنچے اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔ سہراب نے کہا تھا اس آدمی کی ناک بہت اونچی ہے نخرہ اس میں حد سے زیادہ ہے، اور کسی انسان کو خاطر میں وہ لاتا نہیں مگر اس وقت وہ کافی مختلف لگ رہا تھا وہ اسلان یمن کو ساتھ لے کر جانے کے لیے ہر جتن کرنے کو تیار تھا اں مگر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

"تم نے کہا تھا ہمیں مردوں کی طرح بات کرنی چاہیے میں نے فلم سٹی میں تمہارے الیگل داخلے کو مخفی رکھا، میں نے اس لاکر کی حفاظت کی اور تمہارا کام کروایا، میں نے تمہارا راز رکھا تم نے ایک زندہ بندہ غائب کروا دیا لیکن میں نے کچھ نہیں کہا۔ تمہارے مسائل تھے اور انہیں ختم کرنے میں مردوں کی طرح تمہیں دیکھا، کہا کچھ نہیں۔ اس شہر کا ڈی ایس پی میرا دوست ہے، شاہ ویر جیسے کرمنل کو نہ پکڑ پانے کی وجہ سے اس کی قابلیت پر سوال اٹھ رہے

ہیں۔ میں پھر بھی اسے اصلیت نہیں بتا رہا کیونکہ میں چاہتا ہوں تم اپنا انتقام لو۔ اب اگر تم بھی اسی طرح مردوں کی طرح بات اور کام کرنا چاہتے ہو تو کراچی آجانا ورنہ یہ سمجھنا کہ ہم کبھی ملے ہی نہیں تھے۔"

عمر اٹھ کھڑا ہوا، جب اسلان کے حلق سے آواز برامد ہوئی۔ "میں محفوظ رہوں گا؟"

"تمہیں لگتا ہے میں سہراب کے بھتیجے کو غیر محفوظ کر سکتا ہوں؟"

"میں انسانوں پر اعتبار چھوڑ چکا ہوں۔"

"گٹ فیلنگ پر اعتبار ہے؟ وہ میرے بارے میں کیا کہتی ہے؟"

"بلینک ہے آپ پہلے انسان ہیں جس کے متعلق میں حتمی رائے نہیں دے پا رہا۔" وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا مگر قاضی صاحب اسی طرف آتے دکھائی دیے۔

"یہ کام تو آج تک میں بھی نہیں کر سکا۔ خیر تم سوچ لو۔ میں ایک حقیقت آج تمہیں بتا کر جا رہا ہوں نارمل زندگی تمہارا خواب ہے جو کبھی پورا نہیں ہو گا، تم میرے الفاظ کہیں لکھ لو جس دلدل میں تم دھنسے ہو اس سے نکلنا ناممکنات میں سے ہے لیکن اگر تم چاہو تو تم دھنس کر مرنے سے بچ سکتے ہو میں تمہیں بچنے کے گُر سکھاؤں گا فیصلہ تمہارا ہو گا۔" اسلان نے سمجھ کر سر ہلایا۔ عمر اب اسٹیج سے اترنے لگا۔ جب اسلان نے اسے روکا۔

"آپ نکاح تک نہیں رک رہے؟"

عمر نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے نارمل شادیاں نہیں پسند۔" اسے اپنا نکاح یاد آیا۔

"آپ کی اپنی شادی کیسی تھی؟"

ایک لمحے کو وہ سوچ میں پڑا۔ بارش، انتقام، ہسپتال اور نہ جانے کیا کیا اس نے جھرجھری لی اور زیر لب بڑبڑایا۔ "کم از کم نارمل نہیں تھی۔" باہر نکلتے ہوئے اس کی انگلیاں اپنی بیوی کو پیغام لکھ رہی تھیں۔

"ہماری شادی جلدی میں ہوگئی ورنہ میں تمہارے جوڑے پر سونے کی تاریں لگواتا اور دس فنکشن کرواتا۔" دو بچے ہو جانے کے بعد بھی جب وہ نارمل شادی دیکھتا تھا اپنی بیوی سے اس طرح کی کوئی بات لازمی کرتا تھا۔ جواباً وہ کچھ طنزیہ لکھ رہی تھی جسے پڑھ کر عمر حیات کی مسکراہٹ واپس آگئی تھی۔ کراچی واپس جانے کا ایک اور بہانہ اس کی بیوی تھی۔

★★★★★★★

قاضی صاحب اس کے کمرے میں موجود تھے۔ سرخ چادر سے اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ رئیس اس کے ساتھ بیٹھا تھا، عظمیٰ بیگم دائیں طرف وہ سختی سے رئیس کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی اس وقت اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اسلان یمن کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے آگے گھوم رہا تھا۔ وقت پر لگا کر اڑا تھا۔ اور آج اس کی منزل جو بھی تھی وہ خوبصورت تھی۔

وہ اسے پہلی بار کورٹ میں نظر آیا تھا، اس کے استاد کے ساتھ آیا اس کا اکھڑ اور غیر شائستہ بھتیجا۔ عمر میں وہ اس سے چھوٹا تھا اس روز اس کے ذہن میں یہ خیال تک نہیں آیا تھا کہ ایک روز وہ اس کے گھر کے برابر والے گھر میں بیٹھی اس کے اور اپنے نکاح کے کلمات سن رہی ہوگی، اور اس کے دل میں قبول ہے کہنے کی خواہش بھی ہوگی، اور اس ساتھ کی خوشی بھی۔

"بنفشہ مخدوم ولد احسان مخدوم کیا آپ اسلان یمن ولد شجاع یمن کو باعوض ڈیڑھ لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کرتی ہیں؟"

وہ ہسپتال میں اس کا پرس اٹھا کر چل رہا تھا، اس کی دوائیوں کے شاپر ہاتھوں میں تھام رکھے تھے، اس کا زخم دیکھ کر وہ متفکر ہوا تھا، تمام تر کڑواہٹ کے باوجود وہ اس روز اس سے نرمی اختیار کر گیا تھا، وہ اپنے تمام غم کسی اور پر تھوپنے والوں میں سے نہیں تھا اور بنفشہ کو شاید یہی چاہیے تھا۔ وہ اس کے کندھوں پر چادر ڈال رہا تھا، وہ اپنا جیکٹ اسے پہنا رہا تھا اس نے بنفشہ کی جلی ہوئی ہتھیلیوں پر مرہم رکھا تھا وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ "اس نے ہاتھ کیسے لگایا؟"

”قبول ہے!“ اس نے تمام تر دلی آمادگی کے ساتھ کہا، سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا اور اسے اپنا آپ ہوا سے زیادہ ہلکا لگا۔

”کیا آپ کو قبول ہے؟“

”قبول ہے۔“

”بنفشہ مخدوم ولد احسان مخدوم کیا آپ اسلان یمن ولد شجاع یمن کو اپنا شوہر قبول کرتی ہیں؟“

اس نے مہندی لگے ہاتھوں کو باہم ملایا، اور مکمل تیقن کے ساتھ کہا۔ ”قبول ہے۔“

اسلان کا سر ہلکا سا جھکا ہوا تھا، سہراب اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے اس کے ساتھ بیٹھا تھا، اس کی دوسری جانب یافث تھا۔ عصر کا سورج قضا ہوتے ہوئے اپنی غروب کی کرنیں چار سو پھیلائے تھا جب قاضی صاحب نے اسلان یمن سے پوچھا۔ ”اسلان یمن، ولد شجاع یمن کیا آپ بنفشہ مخدوم ولد احسان مخدوم کو باعوض ڈیڑھ لاکھ روپے حق مہر، سکہ رائج الوقت اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں؟“

اس کے ذہن کے پردوں پر مختلف منظر ابھرے۔ وہ اس پر شبہات رکھتی تھی، اس کے کمرے میں تلاشی لے رہی تھی، کہیں کسی منظر میں اس نے اسلان کے زخمی ہاتھ پر اپنا رومال باندھا تھا، کہیں وہ اس کے چچا کو اس کے ساتھ نرمی کی تلقین کر رہی تھی اور کہیں وہ اس کے لیے اپنے بھائی سے لڑ جانے کو تیار تھی۔ وہ اسے ہر حال میں قبول کرنے کو تیار تھا آج یہاں اس محفل میں اسلان یمن نے اسے قبول کیا۔

”قبول ہے۔“

دو مرتبہ مزید وہی سوال کیا گیا اس نے دونوں دفعہ بلاتردد کے وہی جواب دیا۔ نکاح مکمل ہوا تھا اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے جارہے تھے، اسلان نے ہاتھ اٹھائے ایک لمبا عرصہ بعد اسے دعا مانگنی تھی۔ اس کے باپ نے اسے دعاؤں کی درخواست پر دھتکارا تھا، اس کی ماں یہاں نہیں تھی مگر وہ اپنے لیے خود مانگے گا، بنفشہ احسان کا ساتھ تا

عمر کے لیے مانگے گا اس نے مانگا۔ دعا ختم ہونے کے بعد۔ قاضی صاحب نے اس کا کندھا تھپک کر اسے مبارک دی۔ اس نے ہلکی مسکراہٹ اور سر کے خم کے ساتھ قبول کی۔ یہ مسکراہٹ اصل تھی، وہ واقعی خوش تھا۔

ہر طرف مبارک بعد کا شور اٹھا، سلامتی اور دعا بھیجی گئی۔ سہراب یمن اسے گلے لگا رہا تھا، اس کے بعد یافث اور پھر عالم۔ اسلان مسکراتے ہوئے ایک ایک سے مل رہا تھا اس نے آراہ کو اپنے ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوما وہ خوش تھا یہ اس کی آنکھوں سے ظاہر تھا، وہ مطمئن تھا یہ اس کا دل کہہ رہا تھا۔ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرے خوشی سے کچھ کہہ رہی تھی اسلان ہنس رہا تھا۔ آراہ نے ایڑھیوں کے بل اونچی ہو کر اس کے بال ہلکے سے بگاڑے، اسلان نے ایک بار پھر اسے گلے لگایا آمنہ اور رابعہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، وہ مسکراتا رہا۔ دل سے، بے فکری سے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے لعل یمن اور کوارٹر سے ملحقہ دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا وہ دروازہ جس پر دونوں گھروں کے درختوں کی بیلیں گر رہی تھیں۔ اس کی نگاہ وہیں ٹک گئی، وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے، بنا پلکیں جھپکے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ عالم اور رئیس کے درمیان تھی۔ رئیس نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور عالم اس کا لباس اٹھائے چل رہا تھا۔ تمام لوگ کھڑے ہو گئے تھے فروری کے ڈھلتے سورج کی روشنی اور خوشبوؤں کے درمیان وہ دونوں ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر تھے۔ کوئی موسیقی نہیں، کوئی پیسے نہیں وارے گئے، بس محبت، تقدس اور دلی آمادگی ساتھی رہی۔ بس وہ دونوں ایک دوسرے کو کافی رہے۔

اسلان یمن اور زوجہ اسلان یمن۔

وہ بس اسے دیکھے گیا اس عورت نے اس کی زندگی تعمیر کی تھی، خوشی، غم، رنج الم کیا کیا تھا جو انہوں نے ساتھ نہیں دیکھا تھا اور کیا کیا تھا جو وہ ساتھ دیکھنے والے تھے؟ اسلان یمن کو یوں لگا جیسے اس کے دل پر لگے تمام زخموں پر ایک دیرپا مرہم رکھ دیا گیا ہو۔ وہ سب مل گیا جس کی کمی تھی وہ بے رنگ تھا تو وہ قوس قزح، وہ میل جول نہ بڑھانے والا اور وہ دنیا ساتھ لے کر چلنے والی، وہ اکھڑ اور سرد اور یہ عورت نرم، خوش گفتار۔ پتھر تھا وہ مگر اس کے سامنے موم بن جایا کرتا تھا۔

اسٹیج کے زینوں پر آکر رئیس نے اس کا ہاتھ اسلان کے ہاتھ میں دیا، اس نے تھام لیا، تھام کر ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرائے بنفشہ کے گال کا گڑھا واضح ہوا اور اسلان یمن کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی، اس کی آنکھیں ہلکی سی نم تھیں مگر وہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ مسکرا رہی تھی۔

اسلان اسے اسٹیج تک لایا اور صوفے پر بٹھایا۔ گردن پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے وہ دلکشی سے گہرا مسکرایا۔ اس کا لباس، اس کا زیور، اس کے ناک کی بالی وہ لمحے بھر میں اسے حفظ کر گیا۔

"تمہیں وہ تین لفظ سننے ہیں؟"

بنفشہ جھیپ گئی، اسلان اس کے کان کے پاس جھکا۔ "ہیلو مسز یمن!"

بنفشہ نے آنکھیں اٹھا کر تحیر سے اسے دیکھا، سانس کہیں اندر تک بند تھا۔ "یہ تھے تمہارے تین لفظ؟"

"میں تم سے ساری زندگی ہر روز تین الفاظ کہوں گا وہ نہیں جو تم سننا چاہتی ہو وہ جو تمہیں سننے چاہیے۔"

"اور اگر تمہارے وہ تین لفظ مجھے پسند نہ آئے تو؟" اس نے ابرو اٹھا کر سوال کیا۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا میں جانتا ہوں تم میرے لفظوں کی کتنی بڑی فین ہو۔"

بنفشہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس کی جیب میں اٹکا بھورا رومال دیکھے گئی، پھر اس کی آنکھیں۔ ساتھ بہت دھیرے سے کہا۔ "تم میری زندگی کا پرائم ٹائم ہو، اسلان۔" وہ گہرا مسکرایا ابھی کوئی جواب دیتا کہ آمنہ اور رابعہ اسٹیج کی طرف آتی دکھائی دیں۔ تصاویر کا دور اب شروع ہوا چاہتا تھا اسلان یمن گہری سانس بھر کر رہ گیا بیوی سے تفصیلی گفتگو اب وہ بعد میں کرے گا۔

★★★★★★★★★

(ہاتھ اٹھانے سے کمرے میں اس کی چوڑیوں کا ارتعاش پیدا ہوتا تھا، جھک کر بیگ میں کپڑے رکھتے ہوئے اس کے بال کندھوں پر آکر گرتے تھے، اسلان یمن ایک طرف بیٹھا اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔

”تمھیں انت کیوں نہیں پسند؟“ وہ دونوں اب دوبارہ ہوٹل روم میں موجود تھے یہ عالم کی طرف سے دیا گیا ایک فیملی ٹرپ تھا جو نکاح کے دسویں روز انہیں یہاں لانے کی وجہ بنا تھا۔ باقی لوگ ابھی ایک ہفتہ مزید یہیں رہنے والے تھے مگر اسلان اپنا سامان باندھتا ہوا نظر آرہا تھا اسے تین دن میں کراچی جانا تھا، بنفشہ اپنا اور آراہ کا مشترکہ کمرہ چھوڑے اس وقت اپنے شوہر کا سامان پیک کرتی ہوئی نظر آرہی تھی جب اسلان نے اس سے سوال کیا۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا مجھے انت نہیں پسند بس یہ کہا کہ انت مجھے افسردہ کرتے ہیں، لیکن اچھا ہے ایک کہانی کو ایک عرصے تک ہی چلنا چاہیے اسے درست وقت پر ختم ہو جانا چاہیے۔“

اس نے آسمانی رنگ کی شرٹ تہہ لگاتے ہوئے بیگ میں رکھی پھر اسلان کو دیکھا۔ ”تم نے اب تک مجھ پر کچھ اینڈنگز واضح نہیں کیں۔“

”لیٹ می گیس.........عالم اور جواہر صاحب، سہراب اور اس کی بیوی، یافث اور رابعہ اور کیا؟“

اس نے جتاتی نگاہوں سے اسلان کو دیکھا۔ ”شاہ ویر.........وہ کہاں ہے، اسلان؟“

اسلان نے پلک تک نہ جھپکی۔ ”تم سے کس نے کہا کہ وہ "ہے"؟ اب کے پلک نہ جھپک پانے کی باری بنفشہ احسان کی تھی۔ دل میں کہیں ایک لمحے کو کچھ درد سا ہوا، بس ایک لمحے کو یاد آیا وہ بھائی تھا اس کا۔

”وہ اچھا آدمی نہیں تھا، ہم آئندہ اس کی بات نہیں کریں گے۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میری وائٹ شرٹ کہاں ہے؟“ وہ مصروفیت سے پوچھ رہا تھا جبکہ بنفشہ بہت دیر تک ہل بھی نہ سکی۔)

★★★★★★★★★

(”عالم خوش تھا اپنی بیٹی اور اپنے کاروبار کے ساتھ۔“)

دولہا دلہن کا شوٹ جاری تھا جس میں اسلان گھن چکر بنا ہوا تھا دوسری طرف کھانا کھول دیا گیا تھا۔ جواہر صاحب اب زیادہ چل نہیں سکتے تھے عالم نے جب انہیں میز کے گرد بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کے لیے خود کھانا نکال کر ان کی پلیٹ میں لا کر رکھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ عبیر یہیں کہیں کھیل رہی تھی۔

"تمہاری تمیز واپس آتی جا رہی ہے؟" انہوں نے پلیٹ اپنی طرف کھسکاتے ہوئے طنز کیا۔ چاولوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ عالم نے ڈش کھسکا دی۔ ذیابطیس کے مارے تھے اور چاول اس شوق سے کھاتے تھے جیسے دوا یہی ہو۔

"کسی اور کو تو پرانی رفاقتوں کا خیال نہ رہا اب عالم بھی بھول جائے کیا؟"

جواہر صاحب نے مسکراہٹ دبائی اور محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔ "اب بس کرو یار میں بوڑھا ہو گیا ہوں اتنی پریشانیاں نہ دو واپس آؤ میرے پاس۔"

"اپنی اس چہیتی سے کہیں نا مجھ سے زیادہ تو اس کی فکر تھی۔" ڈائٹ سوفٹ ڈرنک کا کین کھولتے طنز کیا۔

"تمہاری خاطر اب سادات اس کے کیسز نہیں لیتا۔" عالم نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ "تمہیں لگتا ہے کوئی تمہارے ساتھ ناانصافی کرے گا اور جواہر اسے عزیز رکھے گا؟"

"نہ کریں واقعی؟" وہ خرافاتی آدمی آگے کو ہوا۔ "وہ اب سادات کی کلائنٹ نہیں؟"

"مقدس صحیفے پر ہاتھ رکھوا لو۔" وہ مکمل سنجیدگی سے بولے پھر عالم کو دیکھا۔ "کام شروع کرو عالم لمبے عرصے کی گمنامی کامیاب مرد کے لیے اچھی نہیں ہوتی۔" عالم نے سوچتی نگاہیں ذرا فاصلے پر سہراب کے ساتھ بیٹھی عبیر پر ٹکا لیں۔ وہ دوبارہ اس کے نزدیک آ گئی تھی، اسی زندگی میں خوش رہنے لگی تھی جس میں اس کے باپ نے اس کے لیے کچھ اصول متعین کیے تھے۔ سب ٹھیک ہو گیا تھا، بدنامی کچھ دھلی کچھ رہ گئی مگر یہ واقعی آگے بڑھنے کا وقت تھا۔ اور وہ آگے بڑھنا بھی چاہتا تھا۔

"میں کل سادات آ جاؤں گا۔"

جواہر صاحب نے بیٹھے بیٹھے اس کے سر کی پشت پر ہاتھ رکھتے اسے تپانے کو اس کا ماتھا چوما۔ عالم نے بُرا سا منہ بنایا۔ "نہ کریں یار۔" وہ ہنسے، پھر اسٹیج کی طرف دیکھا جہاں اب تصاویر بن چکی تھیں۔

"ہمیں کچھ لوگوں کی ضرورت ہے یہ کیسی رہے گی؟"

عالم نے اسٹیج کی طرف دیکھا پھر انہیں دیکھا۔ "بہترین۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آؤں گا۔" وہ دونوں اب کسی اور موضوع پر بات کر رہے تھے بہت عرصہ بعد عالم کو اپنی زندگی سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ جواہر صاحب کی صحت گری گری جس کے متعلق وہ انہیں ڈپٹ رہا تھا اور وہ سر جھکائے کھاتے ہوئے سنتے جا رہے تھے۔ عبیر واپس اپنے باپ کے ساتھ آکر بیٹھ گئی تھی عالم اس کے لیے نوالے بنا رہا تھا۔

ذہن میں کہیں ابھر ابھر کر میرال شیرازی کا خیال آ رہا تھا، وہ ہوتی تو .... گہری سانس لیتے اس نے خیال جھٹکا۔ دل کی ٹھیس وہیں کی وہیں رہی۔ کاش وہ ہوتی۔

("سہراب اور آمنہ اب بلاخر ایک نئی زندگی شروع کرنے کو تیار تھے۔")

آمنہ باورچی خانے میں کھڑی میٹھے کے برتن اٹھوا رہی تھی جب سہراب کسی کام سے اندر داخل ہوا۔ سارے برتن جا چکے تھے ایک آخری پیالی آمنہ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اس کے نزدیک آکر کھڑا ہوا آمنہ نے ایک چمچ اسے کھلایا۔ اس نے چپ چاپ کھا لیا ورنہ میٹھے کو دیکھ کر اس کا پر کوفت طاری ہوتی تھی۔

کچھ پل بعد وہ دونوں کچن کاؤنٹر کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ آمنہ میٹھے کا پیالا ختم کر رہی تھی اور وہ کولڈ ڈرنک کے گھونٹ بھر رہا تھا جب سہراب کے موبائل کی بپ بجی۔ اس کو اچنبھا ہوا کیونکہ پیغام آمنہ کی طرف سے تھا۔ موبائل پر چلتا ہاتھ روک کر آمنہ کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے سہراب نے پیغام کھولا پہلے ایموجیز تھیں۔ وہ نیچے کرتا گیا...... نیچے نیچے اور نیچے ...... اور پھر آخر میں انگریزی میں ایک سطر لکھی تھی۔

"it's a boy"

وہ جھکے ہوئے چہرے کے ساتھ گہرا مسکرایا اور گردن اٹھا کر آمنہ کی طرف دیکھا جو اسے انہی مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سہراب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ہلکا سا لبوں سے لگایا۔

”تھینکیو!“

آمنہ نے سر کو خم دیا۔ ”نام میں رکھوں گی۔“

”اس وقت میں اتنا خوش ہوں کہ تم میرا نام تبدیل کر کے کچھ اور رکھ بھی سکتی ہو۔“ اس نے آمنہ کا ہاتھ دبایا۔ ”تھینکیو۔“ ایک بار پھر کہا۔ شادی کے شروعاتی وقت میں ان دونوں کے ہاں اولاد نہیں تھی رپورٹس ٹھیک تھیں، سب ٹھیک تھا مگر ایک خلا تھا جو آمنہ کو محسوس ہوا کرتا تھا اب وہ پورا ہو چکا تھا۔

”فی الحال کسی کو نہیں بتائیں گے نظر لگ جاتی ہے۔“ اس نے بیوی کے ہاتھ سے گندا برتن لیتے سنک میں رکھا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ متفق تھا۔ ”یہاں سے فارغ ہو کر میرا یونیفارم لینے چلیں گے کل صبح جوائننگ ہے اور تمہارا لائنر بھی تم نے پھر نہیں لگایا نا؟“ وہ اس کی آنکھیں دیکھتے شکوہ کر گیا۔

”آپ لگا دیں۔“ وہ دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے آگے کو ہوئی، آنکھیں بند کر لیں۔ سہراب نے ہنستے ہوئے اپنی چھوٹی انگلی سے پہلے اس کی دائیں اور پھر بائیں آنکھ کے گرد خط کھینچا۔ اور پیچھے کو ہوا، چند پل تنقیدی نظروں سے اسے تکتا رہا پھر صرف ایک لفظ کا اضافہ کیا۔

”پرفیکٹ!“ آمنہ ہنس پڑی تھی۔ سہراب بھی ہلکا سا مسکرایا۔ ”بازار کے لیے تیار رہنا، ساتھ چلیں گے۔“

آمنہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ نکاح کی تھکاوٹ کے بعد اب بازار کا چکر؟ وہ جانتی تھی سہراب اسے کیوں شامل کر رہا ہے جب جب وہ خوش ہوتا تھا وہ اس کے ساتھ گزارے جانے والے وقت کی معیاد طویل کر دیتا تھا اور آمنہ شیرازی نے اس دن کا انتظار ہجر کے ان سالوں میں بہت کیا تھا۔ زندگی تمام قرضے نفعے سمیت لوٹا رہی تھی۔

"بابا آپ کو بلا رہے ہیں بڑے ابا اور چاچی۔" دروازے پر کھڑی عبیر نے آکر اطلاع دی تو سہراب اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ تینوں باہر کی طرف جا رہے تھے۔

("یافث طارون کو وہ عورت ملی تھی جس کی وہ قدر کرتا تھا۔")

تصاویر لی جا چکی تھیں۔ دولہا اور دلہن اب کھانا کھا رہے تھے۔ نیچے ایک میز کے گرد رابعہ اور یافث بیٹھے ہوئے تھے یافث کھانا کھا رہا تھا جبکہ رابعہ محض فون پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ اس کا سارا دھیان کسی اور مسئلے کی طرف تھا۔ واپس آنے کے بعد سے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا وہ "وومن" کو دوبارہ شروع کر رہی تھی اس دفعہ چند قابل بھروسہ لوگوں کے ساتھ۔

"بیگم میں بھی اسی میز پر موجود ہوں۔" اس کی پلیٹ میں چمچ چلاتے یافث نے اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔ رابعہ نے ایک معذرتی نظر سے اسے دیکھا۔

"تم لوگوں نے فنکشن اتنا جلدی کر لیا کہ مجھے ڈیٹس مینج کرنے کا وقت بھی نہیں ملا۔" وہ ایک آخری پیغام لکھ کر موبائل واپس میز پر رکھ چکی تھی۔ اب وہ مکمل طور پر اپنے شوہر کی طرف متوجہ تھی۔ "ٹیل می آج میں کیسی لگ رہی ہوں؟"

"یعنی تم نے اپنی تعریفیں سننے کے لیے موبائل رکھا ہے؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

رابعہ اپنے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے اڑستی آگے کو ہوئی۔ "تمہارے پاس اس سے زیادہ بہتر کوئی کام ہے؟"

یافث طارون نے نفی میں سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے پھر شروع کرتے ہیں۔" وہ کہنے لگا تھا اور رابعہ اس کی تابعداری پر ہنسنے لگی تھی۔

اپنی میز کے گرد بیٹھی انارا طارون بے حد آسودگی سے اپنے مکمل خاندان کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک آنے کے لیے بڑی قیمتیں چکائی گئی تھی مگر یہ لمحات اس قابل تھے کہ ان کی قیمت ادا کی

جاتی۔ اسلان، سہراب، عالم، عبیر، یافث سب ساتھ تھے اور وہ ان کے ساتھ خوش تھی۔ غم زندگی کا چرچا پھر سہی۔ یا شاید کبھی نہیں؟

★★★★★★★★★

چند گھنٹے بعد!

یہ شام کا پچھلا پہر تھا۔ وہ سنگھار میز کے آگے بیٹھی دوپٹہ کرسی پر ڈالے ہوئے تھی، زیور وہ اتار چکی تھی اور میک اپ اب وہ ہٹاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جب اس کا موبائل بجا۔ اسلان کی طرف سے پیغام تھا۔ ”چینج مت کرنا۔“ اس کے سر پر لگی تلووں میں بجھی۔ اس آدمی سے تعریف تو ہوئی نہیں، سارا وقت کھانے اور فوٹو شوٹ میں گزر گیا اور اب حکم دیکھو ذرا۔

”میں تمہارا ہر حکم کیوں مانوں کوئی ملازمہ ہوں؟“

”حکم تو نہیں درخواست ہے اور تم سے کر سکتا ہوں بیوی ہو میری!“ جواباً بنفشہ نے کچھ نہیں لکھا۔ بس چپ چاپ آئینے میں دیکھتی اپنا میک اپ اتارتی گئی۔ پھر اٹھ کر عظمیٰ بی کو ان کی دوائیاں دیں اور کمرہ بند کرتی باہر نکل آئی جب اسلان کا پیغام ایک بار پھر آیا۔

”باہر آئیں بیگم۔“

”باہر کہاں؟“ اس نے لکھا۔

”صحن میں۔“ کیا مطلب وہ گھر میں تھا؟ بنفشہ کو لگا وہ کوئی مذاق کر رہا ہے وہ دوپٹہ لیے بغیر باہر نکل آئی اور وہ واقعی وہیں تھا۔ نکاح والے لباس میں، کف موڑے، کندھوں پر شال ڈالے وہ اس کے صحن میں کھڑا تھا بلب کی روشنی سے کچھ دور۔ اپنی بائیک وہیں کھڑی کرتا وہ قدم قدم چلتا اس تک آیا، برامدے کے ستون تک آکر وہ رکا، بقیہ

فاصلہ بنفشہ احسان کی طرف سے طے ہوا۔ اب وہ دونوں صحن میں ایک دوسرے کے روبرو کھڑے تھے۔ چاند اور بلب کی روشنی امتزاج کے ساتھ ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔

ایک لباس ہر طرح سے دمک رہا تھا اور دوسرا، خاموش سا، مدھم اور پر سکون رنگ۔

"تقریب اچھی تھی، کم، قریبی لوگ اور بس ہے نا؟" اسلان نے اسے دیکھتے ہوئے کہا، نامحسوس انداز میں وہ اس کے ہاتھ کی دو انگلیاں اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا۔

"تم اتنی سردی میں مجھ سے یہ کہنے آئے ہو؟"

"تم کیا سننا چاہتی ہو؟" وہ بغیر کچھ کہے جانے کو مڑی جب اسلان نے اسی پکڑے ہوئے ہاتھ سے تھام کر اپنی جانب کھینچا، بنفشہ کا ایک ہاتھ اس کے سینے تک آیا۔ دوسرا اسلان نے خود وہیں رکھا، عین دل کے مقام پر۔ نگاہ ایک پل کو بھی اس سے ہٹی نہیں۔ "تم نے بتایا نہیں تم کیا سننا چاہتی ہو؟"

"کچھ نہیں مجھے اندر جانا ہے، یہاں سردی ہے۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ ہٹا لیے، پلکیں جھکیں۔ اسلان چند پل اسے تکتا رہا پھر اپنی شال کا بکل کھولا، ایک ہاتھ سے اسے تھام کر اپنے قریب کرتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنی شال اس کے گرد لپیٹ لی، یوں کہ اس کی آدھی شال اسلان کی پشت پر اور باقی میں وہ اسے ڈھانپ رہا تھا پھر بے حد نرمی، کمال ملائمت، اور پہلی بار حق سے وہ اب اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے دونوں بازو اس کے گرد حمائل کر رہا تھا۔ بنفشہ سانس روک گئی تھی۔

وہ اس کی بٹی ہوئی شال میں، اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔ تنگ اور محفوظ سا حصار۔ وہ آنکھیں بند کر گئی۔ اسلان کی ٹھوڑی اس کے بالوں سے مس ہو رہی تھی کوئی سکون سا تھا جو ہر طرف پھیل گیا۔

"اب ٹھیک ہے؟" اس نے نرمی سے سوال کیا، بنفشہ نے جواب نہیں دیا بس ہاتھ سے اس کا بازو ہولے سے سہلایا۔ یہ اقرار ہی تو تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا رہا، آنکھیں بند ٹھوڑی اس کے بالوں کو چھوتی ہوئی جب کافی وقت

بعد بنفشہ دھیرے سے اس سے الگ ہوئی، اسلان نے گرفت ڈھیلی چھوڑ دی البتہ چادر تلے ایک بازو کا حصار نہ ہٹایا۔ بنفشہ نے اس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھتے گردن اٹھائی۔ وہ مبہوت سا اسے تکے گیا۔ آراہ درست کہتی تھی یہ نظرِ عام نظر تھی ہی نہیں۔

"تم نے ایک دفعہ بھی میری تعریف نہیں کی۔"

اسلان نے اپنے بازو پر رکھا اس کا ہاتھ تھماتے پہلے عقیدت سے انگلیوں پر اپنے لب رکھے، پھر اس کی ہتھیلی کو چوما اور آخر میں اسے دیکھا۔ "کیا کر رہی ہو تم میرے ساتھ؟"

وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی مسکراہٹ روک نہ پائی۔ پہلی بار تھا جب اس آدمی سے نظر نہیں مل رہی تھی۔ پہلی بار تھا جب وہ تمام تر حق کے ساتھ اسے دیکھ سکتی تھی یہ آدمی اب سارے کا سارا اس کا تھا ہر اندیشہ اب ختم۔

"میرا نام ہے اس میں؟" وہ اس کا مہندی والا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے پوچھ رہا تھا بنفشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ستون سے لگ کر کھڑے وہ دونوں وجود ایک ہی چادر سے ڈھکے تھے جب اسلان نے اس کی کلائی اونچی کر کے روشنی میں دیکھنا چاہا۔ رنگ فنگر پر اس کا نام لکھا تھا.... اسلان نہیں "لینڈ لارڈ"۔ وہ یکلخت زور سے ہنسا، اس کے اونچے قہقہے کے ساتھ بنفشہ کی مدھم ہنسی بھی شامل ہو گئی۔

"تمھیں یہی نام ملا تھا؟"

"اس سے بہتر نکاح کا کوئی تحفہ ہو سکتا تھا؟"

اسلان نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم میرا تحفہ دیکھ کر فیصلہ کرنا۔" اسے تجسس تھا اسلان اسے نکاح کے تحفے میں کیا دے گا اور اسلان نے اس کے کندھے پر بازو پھیلائے اس کا رخ صحن کے ایک کونے کی طرف کیا جہاں اس کی سیاہ ہیوی بائیک کھڑی تھی۔ بنفشہ نے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا، ساتھ مڑ کر تحیر سے اسے تکا۔

"یہ-----؟"

"اپنی ڈائری لے کر آؤ میں آج تمہارے سارے سوالوں کے جواب سوچ کر آیا ہوں۔"

"ہم جا کہاں رہے ہیں؟ رکو میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ اندر کی طرف جانے لگی مگر اسلان اسے روک گیا تھا۔

"ایسے ہی جائیں گے۔" اس نے اپنی شال اتار کر مکمل اس کے کندھوں پر پھیلا دی۔ اس کے بالوں میں اٹکے سارے پھول ایک ایک کر کے اتارے، اپنی جیب میں رکھے، بائیک پر پڑا ہیلمٹ اٹھا کر اسے پہنایا اور اب وہ اسے اپنے ساتھ لیے اپنی ہیوی بائیک سٹارٹ کر رہا تھا۔ وہ گلابی کامدار جوڑے میں اس کی شال لپیٹے کستی سے اسے تھامے پیچھے بیٹھی اسلان یمن بائیک سٹارٹ کر چکا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کی بائیک لاہور کی سڑکوں پر فراٹے مارتی ہوئی دوڑ رہی تھی کامدار جوڑے والی بنفشہ احسان کا ایک سالہ خواب پورا ہو رہا تھا۔ ہوائیں اس سے ٹکرا نہیں رہی تھیں وہ دراصل خود ہواؤں میں تھی۔ وہ تیز نہیں چلا رہا تھا، پھر بھی رفتار سی رفتار تھی۔

ہوا کے باعث تیز لہجے میں ایک دوسرے سے کچھ کہتے وہ دو لوگ ایک دوسرے سے خوش تھے۔

★★★★★★★★★★

لال قلعہ کے اندر آج کوئی شو منعقد تھا۔ تھیٹر شو جاری تھا جبکہ اسلان اور بنفشہ ذرا فاصلے پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ شو دیکھ آئے تھے اب یونہی یہاں آ کر کھڑے ہو گئے تھے قدیم طرز کی دیواروں والے قلعے میں جلتی زرد روشنیوں نے ان کے اردگرد احاطہ کیا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس وقت کسی قدیم طرز کی کہانی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔

"تم نے اچھے سے تصویریں بھی نہیں بنوائیں، اسلان۔" شال میں ڈھکے اسے ایک اور شکوہ یاد آیا۔ "تم نے وعدہ کیا تھا۔" وہ جو سامنے دیکھنے میں محو تھا چونک کر اس کی طرف پلٹا۔

”تم نے اپنی فوٹو گرافر دیکھی تھی؟ کیسے حکم چلا رہی تھی اسلان سر اب آپ یوں کریں، اب آپ ایسے ہاتھ رکھیں ایسے دیکھیں مجھے اس سب سے کوفت ہوتی ہے۔“

”ظاہر ہے اب آپ کو کوفت ہی ہو گی بیوی کے ساتھ تصویریں بنوانے میں۔“ وہ تنک کر بولی۔

اسلان گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ ”ہمارے نکاح کو محض چند گھنٹے ہوئے ہیں اور اب تم اس بات پر مجھ سے خفا ہو گی؟“ بنفشہ نے جواب نہیں دیا وہ بس سامنے دیکھتی گئی۔ اسلان نے کچھ سوچ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ ”آؤ تصویریں لیتے ہیں۔“

”یہاں؟ اندھیرا دیکھو ٹھیک طرح سے روشنی بھی نہیں آ رہی اور جگہ دیکھو۔ کیا خاک بیک گراؤنڈ آئے گا میرا میک اپ بھی اتر گیا ہے۔“

”تم ایک cinematographer کی بیوی ہو تم جانتی ہو اپنی کلاس میں میرے سارے کلاس میٹس مجھ سے مشورے لیتے تھے تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے میرا ہنر کیا ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے ساتھ لیے ایک جگہ آ کر رکا۔ یہاں ابھری ہوئی اینٹوں والی دیواریں تھیں، اور ان دیواروں میں شمعیں نصب تھیں۔ ایک الگ ہی طرح کی زرد روشنی نظر آ رہی تھی۔

اسلان نے اپنا موبائل ذرا اونچی جگہ پر رکھا ٹائمر سیٹ کیا اور اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا۔ ”پہلا پوز کیا تھا؟“ وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

بنفشہ مسکرائی۔ وہ نکاح کے جوڑے میں ہی تھی میک اپ البتہ مٹا ہوا اور گردن زیور سے پاک۔ ”جب ہم اسٹیج پر آ رہے تھے تب میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے ایک تصویر آنی تھی۔“ وہ اس سے دو زینے اوپر کھڑا ہوا، اس کا ہاتھ تھاما اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ بیس سیکنڈ کا ٹائمر ختم ہوا اور تصویر آ گئی۔

بنفشہ اب واقعی پر جوش ہو گئی تھی۔ اب کی بار اس نے خود آگے بڑھ کر ٹائمر لگایا، اسلان کی شال واپس اس کے کندھوں پر ڈالی اور اس کے روبری ٹھہری۔ وہ اب اس کی کنپٹی چوم رہا تھا، بنفشہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں اور ایک بار پھر تصویر موبائل کا حصہ بن گئی۔

اگلی دفعہ اس نے ویڈیو کا ٹائمر لگایا اور اسلان کے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ ”تم نے سامنے دیکھ کر پیچھے ہونا ہے اور اس طرح۔“ وہ ابھی کہہ رہی تھی ٹائمر سٹارٹ ہوا اسلان یمن نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچا، وہ ٹھٹکی، اور اس کے ہاتھ اسلان کے شانوں پر ٹھہرے۔ ویڈیو بن چکی تھی اسلان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ ایسے جیسے کہہ رہا ہو۔۔۔ ”میرے ہنر کو ہلکے میں مت لو!“

اگلی تصویر میں اسلان اس کا ایک ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا رہا تھا، عقیدت تھی، عاجزی تھی ...... کلک۔

وہ اس کے ساتھ اس کے پہلو میں کھڑی تھی، اسلان کا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر تھا اور وہ دونوں مسکرا رہے تھے...... کلک۔

اس نے اپنا رومال اسلان کی کلائی میں باندھا تھا، اور وہ وہی کلائی کیمرے میں دکھا رہا تھا۔ یہ اشارہ تھا کہ وہ اس عورت کو اپنی زوجیت میں لے چکا، اب اس پر تمام جملہ حقوق اسی کے ...... کلک۔

کافی ساری تصویریں لینے کے بعد وہ بلاآخر خوش تھی۔ مسکراہٹ گہری تھی اور وہ بار بار تصاویر آگے پیچھے کرتی جا رہی تھی۔ اسلان نے اس کی اکیلی تصاویر بھی لی تھیں ہر اینگل بہترین، ہر شاٹ اعلیٰ۔ شادی کے چھ گھنٹوں میں بنفشہ نے اس کے لیے کئی جذبات محسوس کیے تھے مگر وہ کیمرے کے ساتھ اچھا تھا یہ معلوم ہونے کے بعد اسے اپنے میاں پر فخر ہونے لگا۔ جی چاہا اس کی بلائیں لے لے مگر وہ ابھی سے یہ غلطی نہیں کر سکتی تھی۔

”اب خوش ہو؟“ وہ اسے تصویریں دیکھتے ہوئے تک رہا تھا اور یہ اس کے تین الفاظ تھے بنفشہ نے نئی نظروں سے اسے دیکھا چند پل دیکھے گئی۔

"تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو، اسلان۔"

"اچھے لوگ دھوکا دیں تو برا لگتا ہے۔"

"میں آپ کو اچھا لگتا ہوں؟" وہ اس کے ماضی کے سوال کا جواب اب دے رہی تھی۔ اسلان یمن ایک بار پھر گردن جھکا کر مسکرایا تھا۔

★★★★★★★

تقریب ہونے کے بعد وہ دونوں چھت پر بیٹھے تھے۔ چائے کے کپ ہاتھوں میں لیے عالمگیر اور سہراب عرصہ بعد اکھٹے تھے۔ دونوں کے کوٹ پاس رکھی چارپائی پر دھرے تھے اور پیر درمیان میں رکھی میز پر۔ عالمگیر بار بار سہراب کے پیروں کو گرانے کی کوشش کرتا، اس کی طرف سے ایک گھوری آتی اور پھر چپ چاپ بیٹھ جاتا۔

"تم ناراض ہو کیا؟" کپ لبوں سے لگاتے سہراب نے سرسری انداز میں کہا۔ عالمگیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "مجھے لگا تم ناراض ہو۔ ہسپتال میں جو کچھ میں نے کہا۔۔۔۔"

"جو کچھ؟" عالم نے تندہی سے اس کی بات کاٹی۔ "تم نے کہا کہ میں نے ابا کو تم سے چھینا، میں تمہاری ہر خوشی چھین لیتا ہوں اور یہ کہ اسلان میری وجہ سے دربدر ہو رہا ہے۔ اماں تم سے زیادہ پیار کرتی تھیں میں نے تو کبھی نہیں کہا کہ تم نے اماں کو مجھ سے چھین لیا۔"

سہراب نے متبسم انداز میں اسے دیکھا۔ بلاوجہ اس پر پیار آیا۔ "تمہیں بُرا لگا؟"

"تم نہ کہا کرو یار تم کہتے ہو تو برا لگتا ہے۔" وہ کسی نروٹھے بچے کی طرح کہہ رہا تھا۔ "بندہ اتنا تو خیال کرتا ہے کہ سامنے چھوٹا بھائی ہے۔"

"کچھ خیال تم بھی کیا کرو، میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔"

"صرف ایک سال، اتنا عرصہ کچھ نہیں ہوتا۔" اس نے ہاتھ جھلایا۔ سہراب خاموشی سے اپنی چائے کا کپ اٹھا کر پینے لگا تھا۔ بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ سہراب کو یہ خاموشی بھی غنیمت معلوم ہوئی۔ یہ آدمی چاہے جتنا کڑوا اور بدتمیز تھا، اس کا بھائی تھا، اور سہراب کے لیے اس کی موجودگی کافی تھی۔

"میں جیل میں تمہیں دیکھنے نہیں آتا تھا کیونکہ تمہیں سلاخوں کے پار دیکھنا بڑی اذیت تھی۔ تم صرف ابا کے نہیں میرے بھی لاڈلے رہے ہو۔"

اب کے عالمگیر کھل کر مسکرایا تھا۔ "سچ سچ بتاؤ میں تمہیں اسلان سے زیادہ پیارا ہوں نا؟"

سہراب ہنسا تھا، اس نے عالم کو دیکھا اور وہ ہنستا ہی چلا گیا۔ "تمہارے ساتھ کوئی بور نہیں ہو سکتا یار۔" ہنستے ہنستے اس نے اعتراف کیا۔ "شکل دیکھو اپنی۔۔۔۔۔ اسلان سے زیادہ پیارا؟" وہ بڑبڑایا۔

"بات مت بدلو یہ بتاؤ میں یا اسلان؟"

"اسلان میرا بیٹا ہے اور تم بھائی۔۔۔۔۔ فرق ہے بہت فرق۔"

عالمگیر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ اس آدمی نے اعتراف نہیں کرنا تھا، سو نہیں کیا۔ البتہ وہ بات پلٹ گیا تھا۔

"اسلان تم سے بات کر لیتا ہے، عالم۔" وہ کہہ رہا تھا، جتا رہا تھا یا پھر کیا؟ "تم یہ کیسے کرتے ہو اسے راضی کرنا کس طرح کا کام ہے؟"

"مارجن دینا سیکھو دس غلطیاں اس کی نکالو تو گیارہویں اس کی ہوتے ہوئے بھی اسے معاف کرو میں نے بچپن سے یہی کیا ہے اور اب وہ سو میں سے ستر بتا دیتا ہے۔ تیس فیصد وہ اب بھی چھپاتا ہے۔"

"کیا مجھے کبھی دس فیصد بھی بتائے گا؟"

عالم بہت دیر تک کچھ کہہ نہیں سکا۔ پھر دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ”وہ ستائیس سال کا ہے اسے بدلنا مشکل ہے لیکن اپنی اگلی اولاد کے لیے دھیان رکھنا، دھیان رکھنا کہ وہ تمہیں نوے فیصد بتائے۔“

اس نے بھاری دل سے سر ہلایا کہا کچھ نہیں۔ ”نیا ٹرپ کب کا ہے؟“ عالم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا اول تو وہ سمجھا نہیں اور جب سمجھا تو تلملایا۔ ”کب کمرہ خالی کر رہے ہو؟“

”تمہاری ہی نظر لگتی ہے مجھے۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا جب سہراب نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے اپنے ساتھ بٹھایا۔ انداز میں کوئی درخواست سی تھی۔

”بہہ جا یار، کدھر جانا ہے؟“ اشارہ تھا کہ فی الحال وہ اس کے ساتھ بیٹھ جائے، ابھی کہیں نہ جائے۔

عالمگیر واقعی بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عبیر بھی اس کو ڈھونڈتے ہوئے وہیں آ گئی تھی۔ ہاتھ میں سٹوری بک تھی۔

”میں آپ کو نیچے ڈھونڈ رہی تھی بابا۔“ وہ شکوہ کرتی آگے آئی۔ عالمگیر کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

”میری بیٹی کو نیند نہیں آ رہی؟“ وہ اس کے قریب آ کر رکی، لاڈ سے اپنا سر اس کے بازو پر رکھا۔ عالم نے دوسرا بازو اس کے گرد حمائل کر لیا۔ سہراب اسے دیکھے گیا۔ بے اختیار اپنا عالم کا بچپن، اماں ابا یاد آئے تھے۔

”مجھے یہاں بیٹھنا ہے آپ کے پاس تھوڑی جگہ دو۔“

”سردی ہے یہاں۔“ سہراب نے کہا۔ جبکہ عالمگیر ہاتھ بڑھا کر اپنا کوٹ اٹھا چکا تھا۔ اب اسے اپنا کوٹ پہناتے ہوئے کرسی پر بٹھا رہا تھا ساتھ ساتھ سہراب سے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ جس کا وہ سنجیدگی سے جواب دے رہا تھا۔ آسمان کے ٹمٹماتے ستاروں نے لعل یمن پر اترتی خوش بختی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔

★★★★★★★★★

(وہ دونوں زینوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"تم خوش ہو؟" اسلان نے اس کے بال انگلی پر لپیٹتے ہوئے استفسار کیا۔ وہ موبائل پر کوئی ای میل لکھ رہی تھی، چونکی گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ اسلان نے اسے مسکراتے اور اس کا گول ڈمپل ابھرتے ہوئے بہت غور سے دیکھا۔

"جب تک تم ہر مختلف طریقے سے مجھے وہ تین لفظ کہتے رہو گے تب تک ہاں۔")

وہ دس بجے کے قریب لعل قلعہ سے گھر آئے تھے اور اب چائے کے کپ ہاتھوں میں لیے کرسیوں پر ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ بنفشہ اسے کچھ بتا رہی تھی اور وہ مکمل توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا جب اس کی نظر بنفشہ کی انگلی تک گئی، اسے یاد تھا مگر وہ درست موقعے کے انتظار میں تھا۔ اس سے تھوڑی دیر انتظار کرنے کا کہہ کر وہ گھر گیا اس کی واپسی ایک چیز کے ساتھ ہوئی وہ مخملی کیس والی ڈبیا تھی جسے لیے وہ اپنی کرسی پر واپس آکر بیٹھا اور ایک ہاتھ سے کرسی کا ہتہ کھینچ کر اسے اپنے قریب کیا۔ وہ اشتیاق سے اسے کیس کو کھولتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"دادی نے کہا تھا یہ انگوٹھی اس عورت کو دی جائے جو گھر بنانا جانتی ہو۔" اس نے بنفشہ کا دبلا پتلا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، کچھ دیر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور اجازت مانگی۔ "مے آئی؟" اس نے سر کے خم سے اجازت دی اور اسلان نے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔

بنفشہ سحر زدہ سی انگوٹھی کو تکنے گئی۔ قدیم طرز کے ڈیزائن پر بنی اس انگوٹھے کے درمیان سرخ یاقوت جڑا تھا اور اس کے اطراف میں سنہری سونے کی بیلیں۔ اس نے اپنا ہاتھ اونچا کر کے دیکھا، دائیں، بائیں، اور گود میں رکھ کر بھی دیکھا، آگ کے قریب لے جا کر دیکھا پھر اسلان یمن کو دیکھا۔ "یہ کتنی پیاری ہے نا؟"

"بہت!" وہ اتفاق کر گیا۔ بنفشہ نے اسے دیکھتے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم یہ بھی کہہ سکتے تھے میرے ہاتھ میں زیادہ پیاری لگ رہی ہے، یا پھر یہ کہ یہ بنی ہی میرے لیے تھی۔"

"اس کے لیے مجھے تمہاری انگلیاں قریب سے دیکھنی پڑیں گی۔" وہ انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوا۔ بنفشہ نے اپنا ہاتھ بلاتردد اس کے ہاتھ میں دیا۔ اسلان چند ثانیے انگوٹھی کو تکتا رہا، پھر اس کا ہاتھ پلٹا اس کے بازو کی ابھری رگیں دیکھتا رہا اور چند پل بعد وہ اس کی کلائی لبوں سے چھو رہا تھا۔ وہ جھینپ گئی۔ بنفشہ احسان نے اس لمحے کو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا جو حقیقت بن کر روبرو تھا۔ اس کا ہاتھ یونہی ہاتھ میں لیے وہ اب اسے دیکھ رہا تھا۔

"کوئی اور شکایت؟" اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اب بھی تھی۔

("میں جانتا ہوں تم میرے جانے سے خوش نہیں ہو۔" اس کی چٹیا میں ڈھیلے بل ڈالتے اس نے آہستگی سے کہا وہ جو کچھ لکھ رہی تھی اس کی رفتار یکدم سست پڑ گئی تھی۔ یہ سچ تھا، وہ واقعی خوش نہیں تھی۔)

انگوٹھی اسے دینے کے چند پل بعد وہ اس کے بیگ سے اس کی ڈائری نکال رہا تھا۔

"کچھ دن بعد سب ٹرپ پر جا رہے ہیں اور فی الحال اس چڑیا گھر میں خاموشی ہے۔ تمہارا کوئی بھی سوال ہے تو آج کرو کیونکہ ٹرپ سے واپسی پر میں کراچی جا رہا ہوں پھر ایسی ملاقاتیں ممکن نہیں۔"

"تم یہاں بھی جاب کر سکتے ہو۔" وہ یاسیت سے بولی۔ نکاح کے چند گھنٹے بعد ہی خیالی دنیا ختم اور انہیں حقیقت میں قدم رکھنا پڑا اسلان اسے نہیں دیکھ رہا تھا وہ اس کی ڈائری میں لکھے سوال پڑھ رہا تھا۔

"تم نے لکھا ہے کہ میں تمہارے لیے ہر دفعہ اپنا بنایا جوس کیوں رکھتا تھا؟"

"کیوں رکھتے تھے؟" اسلان نے کنپٹی مسلی، اور اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھا۔

"کیونکہ مجھے لگتا تھا تمہیں پیاس زیادہ لگتی ہو گی اور تمہاری فیملی نہیں ہے تم ہمارا کیس لڑ رہی ہو تو مجھے تمہارا خیال رکھنا چاہیے۔" اس نے جواب دے کر سنجیدگی سے بنفشہ کو دیکھا۔

"اسلان یمن۔" بنفشہ نے جتانے والے انداز میں اسے پکارا۔ اسلان نے گہری سانس لی۔ ناک کی ہڈی دو انگلیوں کے درمیان دبائی اور اعتراف کیا۔

"میرا دل کرتا تھا۔" وہ محظوظ ہوئی یہ ہوا جواب۔ "میرا دل یہ بھی کرتا تھا کہ جب بھی کچھ اچھا بنے تو میں تمہارے گھر دے کر آؤں تم فوڈی ہو اور مجھے اچھا لگتا ہے لوگوں کو کھانا کھلانا۔"

"لوگوں کو؟" اس نے استہفامیہ انداز میں ابرو اچکائے۔

"اپنے عزیز لوگوں کو!"

"تم نے دمیر کا بازو کیوں توڑا؟"

"اس نے ہاتھ کیسے لگایا؟" ترکی بات رکی سوال ہوا۔ جواب وہی جو آج سے چند ماہ پہلے۔

"کوئی ہاتھ لگائے گا تو تم اس کے ہاتھ توڑو گے۔"

"اب تم میری بیوی ہو اب صرف ہاتھ نہیں توڑوں گا۔"

اس نے ستائشی انداز میں ابرو اٹھائے۔ "پھر آپ کیا کریں گے جناب؟"

"you'll see"

بنفشہ یاسیت سے مسکرائی۔ پھر دھیرے سے سر اس کے کندھے پر رکھا۔ "کچھ سوال بعد کے لیے رکھیں؟"

"کیوں جواب پسند نہیں آئے؟" وہ سامنے دیکھتے بولا۔

"مجھے یقین ہے تم مستقبل میں ایسی تین سے چار ڈائریز بنانے کا موقع ضرور دو گے، لیکن میں ابھی یہ ختم نہیں کرنا چاہتی کم از کم ان سوالوں کے لیے تمہیں جلدی آنا پڑے گا۔"

"میں صرف چند ماہ کے لیے جا رہا ہوں یار۔" بنفشہ نے چہرہ اٹھایا، سر شانے پر ہی ٹکائے رکھا۔

”تمہارے لیے صرف چند ماہ ہوں گے میں یہاں کس طرح رہوں گی یہ کہنا بھی مشکل ہے میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں لیکن یہ لانگ ڈسٹنس نہیں۔ مجھے میری شادی ایسی نہیں چاہیے کہ میں کہیں اور ہوں اور میرا شوہر کہیں اور رہے۔“ وہ قطعیت سے کہہ رہی تھی۔ ”تم کبھی یہ کراچی درمیان نہیں لائے تھے تو اب کیوں؟“

”کچھ ماہ مل سکتے ہیں پلیز؟“ اس نے جواب نہیں دیا، بس سر اٹھالیا۔ بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی اسلان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے ہلکا سا دبایا، بنفشہ نے ہاتھ جھٹکا۔ اس نے اپنی بیوی کے بال چہرے سے ہٹانے کی کوشش کی مگر وہ فاصلے پر ہوئی۔ تکان زدہ سانس بھرتے اسلان نے آہستگی سے جھک کر اس کا کندھا چوما دو آنسو اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر گرے مگر وہ بولی اب بھی نہیں۔ بس لب بھینچ لیے۔

”بنفشہ پلیز۔“ اس نے آنکھیں رگڑ کر سسکی دبائی۔ اسلان نے اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلایا۔

”پلیز بنفشہ؟“ وہ اب بھی چپ تھی، کوئی جواب نہیں۔ خاموشی بس خاموشی۔

”(تم نے میری عادتیں خراب دی ہیں، اسلان۔“ زینوں پر بیٹھے وہ اس آدمی سے شکوہ کر گئی تھی۔ ”میں دوبارہ وہی بات کہوں گی تم یہاں بھی رہ سکتے ہو۔“)

یہ ان کے نکاح کا چوتھا روز تھا۔

بنفشہ احسان اس وقت اپنی دوست کی شادی میں جا رہی تھی۔ گاڑی میں اسلان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس نے ہاتھوں میں پکڑی چوڑیاں ڈیش بورڈ پر رکھ دی تھیں آلتی پالتی مارے وہ کال پر بات کرنے میں مصروف تھی۔ کوئی نیا کیس تھا جس نے اسے دردسر دیا ہوا تھا۔ ”میں آجاؤں گی آپ اسے مت بھیجیں میں خود پہنچ جاؤں گی۔“ وہ کال پر کسی سے کہہ رہی تھی۔

ٹریفک جام ہونے کے باعث ان کی گاڑی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔ وکیل صاحبہ کی کال کافی لمبی ہو گئی تھی اسلان نے چپ چاپ اس کی سفید اور سیاہ چوڑیاں اٹھالیں۔ بہت دیر تک وہ انہیں ہر زاویے سے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر بنفشہ کو اشارہ کیا۔

اس نے مصروف سے انداز میں اسلان کو دیکھا، ساتھ ابرو اٹھائے ایسے جیسے پوچھ رہی ہو کیا؟ اسلان یمن نے اس کے دوسرے ہاتھ کی کلائی کی طرف اشارہ کیا جہاں اس نے پتلے کنگن پہن رکھے تھے۔ وہ اسے یہ کنگن اتار کر دینے کو کہہ رہا تھا۔ انداز ایسا تھا کہ وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔ موبائل کان اور کندھے کے درمیان دبائے اس نے کنگن اتار کر اسلان کو تھمائے۔ ابرو ہنوز مستفسر انداز میں اٹھے تھے۔

وہ بغیر کچھ کہے سر جھکا گیا۔ ایک سفید کے ساتھ ایک سیاہ چوڑی ملاتے ہوئے اس نے آٹھ کا مجموعہ بنایا اور اس کے دونوں طرف وہی سفید کنگن جن میں سفید ہی موتی جڑے تھے۔

"میں آپ کو بعد میں کال کرتی ہوں ابھی میں کام سے باہر ہوں۔" اس نے کال کاٹ دی۔ اپنے کارنامے کو اس نے فخریہ نظروں سے دیکھا اور ایک دوسرا مجموعہ بنا کر ڈیش بورڈ پر رکھا۔ گاڑی میں ہلکی سی چوڑیوں کی کھنک ابھری اور بنفشہ احسان نے اسے دونوں سیٹ رکھتے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اس کے کال پر بات کرتے وقت وہ اس سے غافل رہا ہو، اسے یا اس کی تیاریوں کو دیکھا ہی نہ ہو۔

وہ زیر لب گہرا مسکرائی تھی۔ چوڑیاں اٹھاتے اس نے اسلان کو تکا۔ "تھینکیو مسٹر یمن!" گاڑی چلاتے، بغیر اسے دیکھے وہ ہلکا سا مسکرایا اور سر کو خم دیا۔ بنفشہ نے اسے زیر لب مسکراتے اور بڑبڑاتے ہوئے بھی سنا تھا۔

"ویلکم مسز یمن!"

("تم اس روز مان گئی تھی، اب پھر وہی؟" اس نے اپنی بنائی چٹیا اس کے کندھے پر ڈال دی اور اس کا رخ اپنی جانب کیا۔

بنفشہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ "اپنے وعدوں پر قائم رہنا۔"

"بنفشہ پلیز!" وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنے انگوٹھوں سے سہلا رہا تھا۔

"فائن!" اس نے اسلان کا ہاتھ تھامتے اپنی انگلیوں ملائیں۔ "صرف چند ماہ۔ مجھ سے وعدہ کرو صرف اور صرف چند ماہ۔ مجھے یہ لانگ ڈسٹنس نہیں پسند۔" اسلان یمن نے پلکیں جھپکیں، اسے تسلی دی، وعدہ دیا۔

کچھ دیر بعد اس کے بازو پر سر رکھے بنفشہ اس سے باتیں کر رہی تھی جبکہ ہیٹر پر ہاتھ سینکتے وہ فرصت سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پرکھ رہا تھا۔ اسلان کو یقین تھا وہ چند ماہ بعد واپس آجائے گا۔ اس طرح کی کئی اور راتیں ہوں گی، گفتگو ہوگی، چائے ہوگی اور وہ جلدی آجائے گا۔

اسے غلط لگتا تھا۔

★★★★★★★

اس وقت اسلان یمن سامان باندھ کر اس ہوٹل سے نکل آیا تھا جہاں وہ رہائش پذیر تھے جب سہراب اسے گاڑی سے ٹیک لگائے اپنا انتظار کرتا ہوا ملا۔ اسلان اور اس کے درمیان دو تین دنوں سے زیادہ بات نہیں ہوئی تھی وہ اسی طرف چلا آیا۔ دونوں نے گرم جیکٹ پہن رکھی تھیں، ہاتھوں میں دستانے، سردی بے حد تھی۔

"چلو تھوڑی دیر واک کرتے ہیں۔" وہ اس کے قریب آکر رکا تو سہراب نے اس سے کہا۔ ہوٹل کے باہر زیادہ لوگ نہیں تھے۔ اسلان نے سر ہلا دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں طرف سے برف سے اٹی سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے نظر آرہے تھے جس کے اطراف میں دونوں طرف درخت تھے، جو کہ شادابی کھو چکے تھے۔ اور اب سفید چادر اوڑھے نظر آتے تھے۔

"عمر اچھا آدمی ہے تمہارا خیال کرے گا۔" اس نے چلتے چلتے کہا۔ اسلان نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ بس سر کو خم دیا۔ "تمہیں اگر لگتا ہے میں تمہیں سر سے اتارنا چاہتا ہوں تو تم نہ جاؤ، یہیں رہو میرے ساتھ۔"

"ایسا نہیں ہے میں بس جلدی واپس آنا چاہتا ہوں۔" اسلان نے کھل کر کہا۔ جانے آج کیا تھا سہراب میں کہ وہ اس سے کوئی بھی بات کرتے ہوئے جھجھکنا چھوڑ چکا تھا۔ "میں یہاں رہنا چاہتا ہوں لاہور میں.......لاہور میرا گھر ہے میں کہیں اور آرام دہ نہیں ہو سکوں گا۔ یہاں میری بیوی ہے اس کا کام، یہاں آپ سب ہو۔ میری فیملی۔" سہراب مسکرایا تھا۔ اس کے منہ سے "میری بیوی، میرا گھر" اس طرح کے الفاظ آج بھی نئے نئے لگ رہے تھے۔

"تمہارے پاس اب اپنا گھر ہے مگر لعل یمن میں تمہارا کمرہ ہمیشہ تمہارا رہے گا۔"

"اور میں ہمیشہ آپ کا بیٹا رہوں گا۔" اس نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔ "بنفشہ میری بیوی ہے وہ ہم دونوں کا رشتہ ہے لیکن آپ اس کی وجہ سے یہ مت سمجھیں کہ میں آپ سے دور ہو گیا ہوں۔ آپ اب مجھے کام نہیں کہتے، ڈانٹتے نہیں، آپ بہت بدل گئے ہو۔" سہراب گردن جھکائے چلتا رہا کہا کچھ بھی نہیں۔ اسلان نے رک کر اس کا بازو پکڑا اور اس کا رخ اپنی طرف کیا، اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اسلان کے دل تک اتر گیا۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا کرب تھا۔ "آپ مجھے ایسے کیوں دیکھتے ہو، کیا ہوا ہے؟"

سہراب اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ وہ جب جب اسلان کو دیکھتا تھا اسے راج بیر سنگھ کا کہا ایک ایک لفظ یاد آتا تھا، وہ اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ یہ تکلیف ساری زندگی اس کے سینے میں کچوکے لگاتی رہے گی، اور یہ بھی کہ وہ خود کو اسلان کا گنہگار مانتا تھا۔ اور یہ کہ اب اسے راتوں کو دیر سے نیند آیا کرتی تھی۔ اور یہ کہ اسے وہ الفاظ یاد کر کے درد ہوتا تھا، بہت زیادہ درد۔

"آپ مجھ سے ڈر گئے ہو؟"

"شاہ ویر کہاں ہے، اسلان؟" پورے پندرہ دن بعد بلاآخر اس نے وہ پوچھا جو وہ پوچھنا چاہتا تھا۔ "میں اسے ایک گولی مار کر اسے ختم کر سکتا تھا لیکن تم درمیان میں آئے اس لیے نہیں کہ تم اسے عبرت کا نشان بنانا چاہتے تھے اس لیے کیونکہ تم.........یہ آگ بجھانا چاہتے تھے۔" اس نے انگلی اسلان کے دل پر رکھی۔ "تم کہتے ہو تم مجھ جیسے ہو

میں تمہیں ایسا بنانا چاہتا تھا لیکن مجھ سے پوچھو تو میں یہ نہیں چاہتا تھا۔ تم وہ بن گئے ہو جہاں میرا تصور بھی نہیں جاتا۔" وہ رک گیا، درختوں کے ساتھ رکھی کسی بنچ پر تکان سے بیٹھ گیا۔ "میں دنیا سے گند ختم کرتا ہوں اور اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہوتا، جو تم کر رہے ہو وہ سراسر ذاتی ہے۔"

"یعنی کوئی میرے گھر کی عورتوں پر ہاتھ ڈالے اور میں خاموش رہوں؟"

"ہاتھ ڈالا تھا تو ہاتھ توڑتے، گولی ماری تھی تو گولی مارتے جعلی پولیس کے زریعے اسے کسی مافیا کے حوالے کرنا جو اس کے ساتھ غیر انسانی سلوک کریں گے یہ ذاتی تھا۔"

"کیا میں نے غلط کیا؟"

"نہیں، بالکل نہیں لیکن یہ "تم" نے کیا میں قبول نہیں کر پا رہا تم تو ایسے نہیں تھے۔ تم تو معاف کر دیتے تھے، آگے بڑھ جاتے تھے۔"

"میں اب وہ چھوٹا بچہ نہیں رہا۔" اسلان اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ "میں نے کسی مظلوم کے ساتھ غلط نہیں کیا میں کبھی اپنی حدیں پار نہیں کروں گا، چاچو میں کبھی آپ کو لیٹ ڈاؤن نہیں کروں گا مجھ سے نگاہیں چرانا چھوڑ دو پلیز۔ میرا باپ میرے لیے دعائیں نہیں کرتا آپ کرتے ہو، میری ماں کو میرا خیال نہیں آپ کو ہے میں آپ کو کھونا افورڈ نہیں کر سکتا۔"

سہراب نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا، اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرتے شدت سے اسے خود میں بھینچا۔ "you're all I have میں خود غرض ہو رہا ہوں لیکن..... مجھ سے وعدہ کرو تم واپس میرے پاس آؤ گے تم میرے بیٹے رہو گے اور.... میرا جنازہ تم پڑھاؤ گے، مجھے کندھا دینے والوں میں سب سے آگے تم ہو گے وعدہ کرو۔" اسلان اس کے سینے کے ساتھ لگ کر رو ئے گیا۔ وہ ہر ایک کے سامنے مضبوط رہ لیتا تھا ایک سہراب

تھا جس کے سامنے وہ بچوں کی طرح رو دیتا تھا، پہلے بھی، آج بھی اور شاید ہمیشہ۔ وہ سہراب یمن کے سامنے بڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

”ایسے مت کہو میں جلدی واپس آؤں گا آپ کا دوسرا بیٹا بھی ہو گا، وہ میرا بھائی ہو گا ہم ساتھ رہیں گے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

سہراب نے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا اور اس کی پیٹھ تھپکی۔ ”میں تمہیں روز فون کروں گا۔“

اسلان نے اس کے سینے سے چہرہ نکال کر اسے دیکھا۔ ”میں روز انتظار کروں گا۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں یونہی چہل قدمی کرتے رہے اور پھر ہوٹل کی طرف پلٹے۔ ”آپ میرے ساتھ لاہور کیوں نہیں چلتے میں کراچی چلا جاؤں گا آپ ایئرپورٹ تک ساتھ چلنا۔“

”تمہاری بیوی جا رہی ہے نا اسے لے جاؤ۔“ وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ یہ الوداع اس کے لیے مشکل ہو گا۔ یہاں وہاں کی باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں ہوٹل کے باہر آ چکے تھے جہاں بنفشہ اپنا سامان لے آئی تھی اور باقی لوگ انہیں الوداع کہنے کو کھڑے تھے۔ سہراب نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ ”تم کبھی بھی کسی بھی مسئلے میں ہو تم مجھے کال کر سکتے ہو کچھ بھی خود پر لے لینے کی کوشش مت کرنا تم سے کچھ غلط ہو جائے تم مجھے بتاؤ گے اوکے؟“

”اوکے۔“ وہ رکا۔۔۔۔۔ کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہیں سکا۔

”آئی ایم سوری، اسلان۔“ اس کی نظریں، آواز کا وہ رنج، نگاہوں کا ملال اسلان اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ وہ جانتا تھا یہ گفتگو کس کے متعلق ہے۔ ”آئی ایم سو سوری تم چاہے جو کہو مجھ پر کچھ اثر نہیں کرے گا کاش خدا نے انسانوں کو وقت میں پیچھے جانے کی اجازت دی ہوتی۔“ اس نے آنکھیں رگڑیں مگر دل کا قلق آنکھیں صاف کر لینے سے کم ہو جاتا ہے کیا؟ ”کاش میں وہ سب بدل سکتا، کاش میں تمہارے لیے کچھ کر سکتا۔“ اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ ”آئی ایم سو سوری۔“

وہ کہہ کر رکا نہیں اپنی جگہ پر نمک کا مجسمہ بنا اسلان یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ اس سے معافی کیوں مانگ رہا تھا معاف تو اسے "خود" کو کرنا تھا۔ وہ دھند میں کہیں چلا گیا تھا فلموں اور ڈراموں کی آخری ملاقات الگ تھیں اصل الوداع، بھاری، بوجھل اور نامکمل ہوتے ہیں۔ اسکردو کے اس ہوٹل کے باہر بھی ایک الوداع اسلان کی روح پر بار کی طرح رہ گیا۔ کبھی نہ ہٹنے کے لیے۔

★★★★★★★★★★

چند دن قبل!

پارک کے وسیع وعریض قطعے پر اس وقت کئی عورتیں اور مرد جمع تھے۔ رابعہ چبوترے پر ڈائس کے پیچھے کھڑی تھی اگلی نشستوں پر آراہ، مائی سوہائی، یافث، سہراب اور کچھ مزید لوگ بیٹھے تھے۔ لڑکیاں اٹھ اٹھ کر سوال کر رہی تھیں، جن کا رابعہ جواب دے رہی تھی۔ عالم ابھی ابھی آیا تھا وہ بھی وہیں کہیں جگہ بنا کر بیٹھ گیا، آراہ نے اس کے کان میں کچھ کہا اس نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ لعل یمن کے مرد آج تک ایسی کسی جگہ نہیں آئے تھے مگر آج رابعہ کسی طرح انہیں راضی کر کے لے آئی تھی۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ جو چیزیں، جو حقوق آپ بیان کر رہی ہیں فیمنزم بھی انہی کی بات کرتا ہے تعلیم، شادی، میراث اور "مرضی" پھر آپ کا یہ کہنا کہ میں فیمنسٹ نہیں ہوں کیا یہ صرف اور صرف ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانا نہیں ہوا؟" سوال کرنے والی کی آواز میں طنز تھا۔

"پچھلے کئی برسوں سے فیمنزم کے حق میں اتنی باتیں کر چکی ہوں کہ اس سوال کا جواب خود میرے پاس بھی نہیں لیکن میں کسی کو جانتی ہوں جو یہ جواب دے سکتی ہے۔ میں چاہتی ہوں وہ یہ جواب دے۔" وہ اسٹیج سے اتر کر نیچے آنے لگی۔ آراہ کو لگا وہ مائی سوہائی کی طرف آ رہی ہے مگر وہ اس کی طرف آئی، اس کے سامنے رک کر مائیک اس کی طرف بڑھایا۔ "میری طرف سے آراہ بات کرے گی۔"

ہیزل آنکھوں والی لڑکی کو گویا سانپ سونگھ گیا ہو وہ ٹکر ٹکر رابعہ کا چہرہ دیکھے گئی۔ "مامی؟" وہ متحیر تھی۔ "میں کیا بول سکتی ہوں؟"

"تم بول سکتی ہو مجھ سے بہت بہتر آج میں تمہیں سننا چاہتی ہوں۔ یہ سب لوگ تمہیں سننا چاہتے ہیں۔"

"لوگ دیکھیں......... کتنے سارے لوگ ہیں میں ان کے سامنے نہیں بول سکتی۔" سہراب، عالم، یافث سب اسی کو دیکھ رہے تھے۔

"ان سب کو بھی یہی لگتا ہے کہ شاہ ویر بنگش کا غم تمہاری آواز سلب کر چکا ہے لیکن میں جانتی ہوں تم بول سکتی ہو۔" اس نے مائیک آراہ کے ہاتھ میں دیا، جو باقاعدہ بھونچکا تھی۔ اس نے ایک نظر مجمعے کو دیکھا اور پھر رابعہ کو جو اس کے لیے تالیاں بجا رہی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی کئی اور لوگ بھی اس کے لیے تالیاں بجانے لگے اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے سہراب اور یافث کو دیکھا دونوں بڑی صفائی سے چہرہ پھیر گئے۔ وہ دونوں جیسے یہاں تھے ہی نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ اسٹیج پر کھڑی تھی۔ لوگوں کے مجمعے کو دیکھتے وہ گھبرا رہی تھی، ہتھیلیوں میں پسینہ بھر رہا تھا۔ مگر اسے اپنی آواز سنائی دی۔ "قبل از اسلام عورت کی کوئی انفرادی حیثیت نہیں تھی۔" لرزتی آواز پر قابو پاتے اس نے کہنا شروع کیا۔ "طلاق کے حق، شادی کا حق، تعلیم۔ اور میراث میں حق تو دور کی باتیں تھیں عورت اپنے گھر کے مرد کی مرضی سے سانس لیتی تھی اور اگر وہ چاہتا کہ عورت سانس نہیں لے گی تو اسے زندہ دفنا دیا جاتا تھا۔ جب اسلام آیا تو ماڈرنزم نے جنم لیا مردوں پر کچھ اصول لاگو کیے گئے، عورت کو ایک انسان کی طرح رکھا جانے لگا بلکہ میری ذاتی رائے کے مطابق عورت کے لیے زیادہ آسانیاں پیدا کی گئیں۔ وہ پڑھ سکتی ہے، کاروبار کر سکتی ہے، اپنی مرضی سے شادی کر سکتی ہے، طلاق لے سکتی ہے، اس کا شوہر اسے الگ گھر مہیا کر کے دینے کا ذمہ دار ہے، اس کا خرچہ اٹھانے کا پابند ہے یہاں تک کہ جس عورت کو بچے پیدا کرنے کی مشین سمجھا گیا اسے دردزہ کے بدلے نیکیاں دی جانے لگیں بنیادی طور پر اسلام عورت کا مسیحا تھا۔ اور ہے۔"

”اسلام اور فینیزم کا کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں، ہم مسلمان آج تک ترقی اس لیے نہیں کر سکے کیونکہ ہم ہر شے کو ویسٹ کا ایجنڈا گردانتے ہیں۔“کسی نے مجمعے سے کہا آواز طنزیہ تھی۔”اسلام نے واقعی عورت کو حق دلوائے لیکن موجودہ وقت میں تمام حقوق سلب بھی تو ہو رہے ہیں نا، انہیں واپس پانے کے لیے کیا کیا جائے؟ ویسٹ کا ایجنڈا موبائل فون بھی ہے کیا استعمال چھوڑ دیں؟“

آراہ مسکرائی تھی رفتہ رفتہ اس کا اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔ اسٹیج اس سے تھا وہ اسٹیج سے کوئی اسے یہاں سے ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔”آپ کے پاس موبائل ہے؟“اس نے لڑکی کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”بلکل ہے۔“

”اس میں ایپس کون کون سی ہیں؟“

”انسٹا، فیسبک، واٹس ایپ، نیٹ فلکس، ٹویٹر اور بھی بہت سارے۔“

”میرے پاس صرف انسٹا گرام اور فیسبک ہیں۔“

لڑکی نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔”سو؟“

”تو یہ کہ موبائل فون اور اس جیسے باقی گیجٹس شخصی ضرورت کے متعلق چلتے ہیں موبائل فون ایک تحریک نہیں گیجٹ ہے بالکل اسی طرح جس طرح جوسر، اوون، فرج۔ فیمنزم ایک تحریک ہے۔ جس طرح مسلم لیگ ایک تحریک تھی، کانگریس ایک تحریک تھی، ان کے چارٹ بورڈ کو یا تو آپ قبول کرتے ہیں یا پھر نہیں کرتے یوں نہیں ہوتا کہ میں اٹھ کر کہہ دوں نکتہ نمبر پانچ اور چھ کے علاوہ میں باقی سب کو نہیں مانتی۔“

”اگر ہم اسے پورے کا پورا قبول کر بھی لیں تو پرابلم کہاں ہے ویسٹ ہماری ترقی ہی چاہتا ہے وہ ہماری عورتوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہے مرد یک جٹ ہو سکتے ہیں تو عورتیں کیوں نہیں؟“

”کئی سال قبل یہی گورے آئے تھے ہماری ترقی کے خواب دکھا کر "ایسٹ انڈیا" کمپنی بنائی ہمیں لگا ہم ترقی کر رہے ہیں، یہ ہمیں ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں لیکن دراصل ہم غلام ہو رہے تھے پہلے ذہنی اور پھر رسن دار میں............اس وقت ہم بھی ذہنی غلام ہیں اس وقت سے ڈریں جب آپ کے ہاتھوں میں رسیاں ہوں گی۔ فیمنزم ایک وائٹ وومن تھنگ ہے وہ کبھی بھی ایک مسلمان عورت کی مسیحا نہیں ہو سکتی۔اور مسلمان عورت پہلے ہی اپنے حقوق سے آشنا ہے پھر اسے اس لفظ کی کیا ضرورت ہے؟“

”آپ غلط کہہ رہی ہیں فیمنزم ساری دنیا کی عورتوں کے لیے کام کرتا ہے۔“

”ویسٹ جو کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے اس کی عورت ذلیل ہوتی تھی، وہ شوہر کے لیے ایک آبجیکٹ تھی اور باپ کے لیے بوجھ، ویسٹ ماڈرن نہیں تھا ان کی ماڈرنزم کا نام فیمنزم ہے۔ آپ کی ماڈرنزم پہلے ہی آپ کے پاس موجود ہے مگر دھندلائی ہوئی۔ قرآن نے جب بھی کوئی حکم لاگو کیا خدا کے بندوں پر کیا کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ عورتیں کمزور ہیں تو دو وقت نماز پڑھ لیں، دس روزے رکھ لیں، قرآن نہ پڑھیں زکوٹ نہ دیں قرآن نے مرد عورت کو ایک بتایا تعلیم اور سماجی حقوق برابر دیے لیکن ان کے حق manipulate کیے گئے،اس وقت واقعی وہ حقوق لاگو نہیں جو اسلام دیتا ہے اور وقت واقعی مرد وہ مرد نہیں جن کے لیے عورت قربانی دے یا جن کا ذکر قرآن حدیث کرتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ دین اسلام کے مخالف ہو جائیں۔ایک مرد، اس کا ظلم، اس کی ڈھیلی چھوٹ، اس کا گناہ آپ کو اپنے دین سے مخالف کیوں کر رہا ہے؟“

”اور ہم مخالف کیسے ہوئے؟“ سوال مائی سوہائی کا تھا۔ ”فیمنزم نے جو حق سالوں پہلے دیے فیمنزم اب دے رہا ہے دونوں کو مان لیتے ہیں الگ کیا ہے؟“

”فیمنزم صرف عورتوں کے حق کی بات نہیں کرتا۔ فیمنزم کی تیسری لہر کے مطابق ٹرانس جینڈر یعنی جو لوگ مرد یا عورت پیدا ہوا وہ خود کو آپریٹ کروا کر اپنی جنس بدل لیں تو یہ ان کا حق ہے، ان کے مطابق ابارشن حق ہے چاہے وہ ون نائٹ اسٹینڈ کا نتیجہ ہے چاہے آپ کی شادی کا، ان کے مطابق مرد کا مرد اور عورت کا عورت کے

ساتھ رومانوی تعلق درست ہے۔ یہ دوہزار پچیس ہے اور فیمنزم یہاں تک آگیا ہے دوہزار پچاس میں یہ کہاں ہوگا کیا مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہے؟"

"ہم یہ بھی تو کر سکتے ہیں کہ اپنے چند اصول بنالیں، چند کو مانیں اور چند کو نہ مانیں۔"

"کیوں؟ آخر ہر دفعہ ہم کیوں؟ کیا کوئی انگریز عید پر تیار ہو کر سویاں بانٹتا ہے، یا پھر بڑی عید پر قربانی کرتا ہے؟ لیکن یہاں آپ کرسمس بھی منا رہے ہیں، ہیلووین بھی۔ ان کے درمیان فٹ ہونے کے لیے آپ مرے جا رہے ہیں مگر آپ فٹ ہو نہیں پا رہے۔ ہمارے پاس فیمنزم والا ہی چارٹ بورڈ موجود ہے، تمام حقوق واضح لفظوں میں لکھے ہوئے ہوں اس چارٹ بورڈ کو اٹھا کر بھی لڑ سکتے ہیں بجائے اس کے کہ ہم فیمنسٹ بن کر لڑیں۔"

"میرا سوال اب بھی وہیں ہے۔" مائی سوہائی کہہ رہی تھیں۔ "چند اصول مان لینے، اور چند رد کر دینے میں کیا حرج ہے؟"

"کیا آپ اپنے بچے کو اس اسکول بھیجیں گی جہاں پہلے فلور پر سائنس پڑھائی جاتی ہو اور دوسرے فلور پر ہم جنسی کا سبق؟" کئی لوگوں کے چہرے سرخ ہوئے۔ اس کے عزیز مرد اب بھی اسے بولتے ہوئے سن رہے تھے۔ "میں نہیں بھیجوں گی اس لیے نہیں کیونکہ یہ لوگ نفرت کے قابل ہیں، یہ نہیں ہیں۔ لیکن صحبت کی ایک بہت بُری عادت ہوتی ہے یہ آہستہ آہستہ غلط کو غلط بتانا چھوڑ دیتی ہے اور آپ فرق بھول جاتے ہیں۔ میں نہیں چاہوں گی کہ میری اولاد بھی یہ بھول جائے اگر آج میں چند اصول فالو کر کے چند چھوڑ دوں گی تو کل میرے بچے جو میری دیکھا دیکھی فیمنسٹ یا اسی طرح کا کچھ بنے ہوں گے وہ چھوڑے ہوئے اصول بھی اپنائیں گے کیونکہ آگے زمانہ اور ماڈرن ہے۔ آج میں لکیر نہیں کھینچوں گی تو کل میرے بچے حد بھول جائیں گے۔ میں ایک بے راہ روی والی نسل اس دنیا میں نہیں لا سکتی۔ میں ورثے میں نیم ہدایت نہیں چھوڑ کر جا سکتی۔"

”یعنی آپ چاہتی ہیں ہمیں مرد جس طرح ہانکے ہم اسی طرح چلتے بنیں، عورت مارچ کے زریعے جو ذرا سی آگاہی مل رہی ہے اسے بھی چھوڑ دیں؟“

”بالکل نہیں لیکن عورت مارچ میں جس طرح کے نعرے لگتے ہیں میں ان کے خلاف ہوں اس سال میں دوبارہ آؤں گی اور دوبارہ نعرے لگاؤں گی لیکن ایک فیمنسٹ بن کر نہیں میں ایک عورت کی حیثیت سے آؤں گی۔ جس طرح مرد اپنے حق مانگنے آتا ہے بغیر کسی بینر کے، بغیر کسی ایجنڈا کا شکار بنے کیونکہ میں مسیحا کے خلاف نہیں جا سکتی برسوں قبل جس نے مجھے عزت دلائی میں آج اس دین کو پیٹھ نہیں دکھا سکتی۔ آپ میں اور یہ سارا مجمع ہم "وومن" کے لیے، اور وومن بن کر کام کر سکتے ہیں ان حقوق کے لیے جو سلب کیے جا رہے ہیں، ہم اسے روک سکتے ہیں لیکن کسی بینر کے نیچے آئے بغیر۔ صرف عورت ہی نہیں میں ہر اس انٹر سیکس کی بات بھی کروں گی جسے پیدائش کے بعد اس کے بنیادی حق نہیں ملے، جس کی لاش کی قدر و قیمت کسی کتے سے بھی کم ہے، جسے سڑکوں پر نچایا جاتا ہے اور راتوں میں نوچا جاتا ہے آج کے بعد سے انارا طارون ان کے ساتھ کھڑی ہے کیونکہ وہ ہمارا حصہ ہیں ہمارے لوگ ہیں۔ میں فیمنسٹ نہیں ہوں مگر میں ہیومنسٹ ہوں۔ اسلام سب سے زیادہ زور انسانیت پر دیتا ہے اور اسی انسانیت کے لیے میں ہر پلیٹ فارم پر لڑوں گی۔“

وہ سانس لینے کو رکی۔ ”آپ سب میں سے کتنے لوگ ہیں جو خود کو فیمنسٹ کہلوائے بغیر وومن کا حصہ بننا چاہتے ہیں؟“ بہت دیر تک سکوت رہا اس کے بعد ایک ہاتھ بلند ہوا، وہ سہراب یمن کا ہاتھ تھا۔ دوسرا ہاتھ یافث کا تھا، تیسرا مائی سوہائی کا اور پھر ہاتھ بلند ہوتے گئے، لوگ شامل ہوتے گئے۔ انارا طارون کو پہلی بار لگا کہ جیسے سارے غم ڈھل گئے ہوں۔

”آج کے بعد کسی بھی خواجہ سرا اور خنثی پر ہونے والے ظلم کے خلاف میں کھڑی نظر آؤں گی، ان کی عزت کرنے والوں میں آراہ اول نمبر پر ہو گی میرے پیچھے کون کون ہو گا؟“ مجمعے میں کئی چہرے تھے مگر سب سے بلند تالیاں ان کی تھیں جنہیں معاشرے نے مختلف نام دیے تھے .... ہیجڑا، خواجہ سرا، بیچ والا۔ لیکن ان کی شناخت

صرف اور صرف ایک تھی...... انسان۔ وہی جو مرد بھی ہے اور عورت بھی۔ وہ خوش تھے پہلی بار نہ سہی مگر ان کے لیے بھی آواز اٹھائی گئی تھی۔

★★★★★★★★

”واپسی پر گاڑی دھیان سے چلانا زیادہ تیز چلانے کی ضرورت نہیں ہے اور رات کو ساری کھڑکیاں دروازے صحیح سے بند کر لینا کل تک عالم چاچو بھی آجائیں گے ٹھیک ہے؟“

وہ خود اس کے ساتھ لاہور آئی تھی کیونکہ اپنے شوہر کو اکیلا بھیجنے کا دل اس کے پاس نہیں تھا، یا شاید وہ ہوٹل اس کی غیر موجودگی میں کاٹ کھاتا۔ سارا راستہ وہ گاڑی چلاتے ہوئے مختلف ہدایات دیتا رہا تھا جنہیں وہ سنتی رہی، اور بھاری دل سے سر ہلاتی گئی۔ یکدم جی ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ کوئی بات نہیں کر رہی تھی، اسلان کو لگا وہ ناراض ہے جبکہ وہ بمشکل خود کو رونے سے روکے ہوئے تھی۔ نہ جانے یہ الوداع اسے اتنی بری طرح کیوں متاثر کر رہا تھا۔ اس وقت وہ دونوں لاہور میں واقع ایئرپورٹ کے باہر گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”یار میں جلدی آجاؤں گا، بنفشہ۔“ اس نے تسلی دینے کی کوشش کی، اس کا سر تھپکا مگر وہ نہیں سن رہی تھی بلاخر اسلان نے تھک کر اسے خود سے لگایا، دونوں بازو اس کے گرد باندھے وہ اسے نرمی سے تھپکنے لگا۔ وہ بار بار اس کے سر کے بالوں کو چومتا تسلی دے رہا تھا، وہ اس کی شرٹ کا کف انگلیوں میں دبوچے نم آنکھوں سے اس کے قریب رہی۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ دراصل اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہے؟

بہت دیر بعد وہ اس سے الگ ہوئی، اسلان نے بغیر کچھ کہے اس کی آنکھیں صاف کیں اور جیب سے چند ٹشو نکال کر اسے تھمائے، اس سارے وقت میں وہ گردن جھکائے ہوئے تھی۔ اس نے ایک بار بھی اسلان کو نہیں دیکھا تھا۔ گاڑی میں رنج سا رنج تھا۔

"تم نے میری عادتیں خراب کر دی ہیں۔" چہرہ اٹھاتے اس نے شکوہ کیا۔ "مجھے کورٹ سے لینے آنا، میرے گھر کے بجلی پانی کے مسئلے دیکھنا، میری باتیں سننا اور صبح کی جاگنگ میں ساتھ چلنا، میں تمہارے جانے کا سوچتی ہوں تو مجھے میری ساری زندگی الٹ پلٹ ہوتی دکھائی دیتی ہے میں تمہارے بغیر کیا کروں گی، اسلان؟" اس کا سوال جائز تھا، اس کی متورم آنکھوں سے نگاہ چراتے اسلان کو بُرا لگا۔

"تم اپنا گھر سجانا۔" وہ تحمل سے گویا ہوا۔ ساتھ اپنے بیگ سے ایک فائل نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔ اسے اس تحفے کے لیے یہی وقت بہتر لگا۔ "جب تک میں واپس آؤں اس گھر کی ہر کھڑکی کو رنگ کرنا، ڈھیر سارے پودے لگانا، اور میرا انتظار کرنا۔ میں جلدی آجاؤں گا۔" بنفشہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے کر اس کے ورق پلٹائے اور ٹھٹھک کر رکی۔ وہ مکان منتقلی کے کاغذات تھے اسلان یمن نے وہ چھوٹا سا مکان اس کے نام کیا تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے ششدر سی ان کاغذات کو دیکھے گئی۔

"یہ کیا ہے، اسلان؟" بہت دیر بعد اس کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔

"شادی کا تحفہ۔" اس نے رسان سے کہا۔ "ایک بار پھر وہی تین لفظ۔" وہ اسے لاجواب کر گیا تھا تشکر، تحیر، طمانیت درمیان میں کیا کیا آ گیا وہ سمجھ نہیں پائی۔ جو تین لفظ وہ اس سے سننا چاہتی تھی اسلان کہہ رہا تھا مگر اپنے طریقے سے، عمل کی زبان میں وہ واقعی اس کی عادتیں خراب کر رہا تھا، یا شاید کر چکا تھا۔ اس وقت وہ ہر دوسری چیز بھول گئی تھی۔ گھر........ اس کے پاس اب گھر تھا؟

"میں یہ نہیں لے سکتی یہ تمہارا گھر ہے تمہارے نام رہنا چاہیے۔" اس نے فائل واپس کرنی چاہی مگر اسلان نے اس کے ایک ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط رکھی۔ بنفشہ نے اسے دیکھا۔ "تمہیں ڈر نہیں لگ رہا میں تمہاری جائیداد لے کر چلی گئی تو کیا کرو گے؟"

"تم جا سکتی ہو کیا؟" وہ ایک بار پھر لاجواب ہوئی۔

کئی لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد بے حد تکان اور بے بسی سے پوچھا۔"کیا کر رہے ہو تم میرے ساتھ؟"

"تمہارا قرض دار ہوں قطرہ قطرہ سب چکا رہا ہوں۔" اس نے شانے اچکائے۔ چہرے پر ہاتھ رکھے وہ نشست پر پیچھے کو ہوئی۔ فائل ان دونوں کے درمیان رکھی تھی جبکہ وہ دبی دبی سسکیاں لیتے چہرہ صاف کر رہی تھی۔ دونوں خاموشی سے آتے جاتے مسافروں کو دیکھ رہے تھے، اسی طرح زندگی کی بھیڑ میں وہ دونوں بھی ٹکرائے تھے اور پھر ہمسفر بن گئے درمیان کی مسافت کہیں بہت پیچھے رہ گئی تھی جو ہاتھ آیا وہ یہ اجر تھا، یہ ساتھ اجر ہی تو تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گاڑی سے نکل کر ایئرپورٹ کے اندر آ گئے تھے۔ شور، لوگ، پروازوں کا اعلان۔ ایئرپورٹ بہت کچھ بدل دیتا ہے، جو انسان ایک بار یہاں آجاتا ہے وہ واپسی پر پہلے جیسا نہیں رہتا۔

"میں نے اپنی زندگی کے پانچ سال لوگوں سے ڈرتے، اعتبار نہ کرتے اور انہیں خود سے دور کرتے ہوئے گزارے ہیں۔ تم میرے دشمنوں کی بیٹی ہو لیکن تم میری معمار ہو، تم نے میرے اندر بھروسہ تعمیر کیا، تم نے میرے اندر نرمی تعمیر کی، تم نے میری ساری تلخیوں کو دور ہٹا کر مجھ پر اپنا یقین تعمیر کیا میں چاہتا ہوں اب تم ہمارا گھر تعمیر کرو۔" اس نے پر امید نظروں سے بنفشہ کو دیکھا۔"ہم دونوں ہم رزم ہیں میرے حوصلے نہ پست کرو۔ مجھے دیکھو اور فی امان اللہ کہو۔" اس نے چہرہ اٹھا کر اسلان کو دیکھا۔ وہ مضبوط عورت تھی اسے اپنے شوہر کو الوداع کہنا تھا، وہ اس کے اچھے سفر کی حامی ہو گی۔

"میں تمہیں مس کروں گی۔"

"میں جانتا ہوں۔" پرواز کا اعلان ہونے لگا تھا مسافروں کو کسی ایک سمت آنے کا کہا جانے لگا جب اسلان نے الوداعیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ بنفشہ کے دل کو کچھ ہوا، لب البتہ مسکراہٹ میں ڈھلے تھے فائل اب بھی وہیں تھی۔ اس کے سینے سے لگی ہوئی۔

"میں جب سارا گھر مکمل کرلوں گی نئے پردے، نیا پینٹ، نئے پودے، اور رنگین کھڑکیاں تب تم آجاؤ گے نا؟" وہ اس کے دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں اپنے ہاتھ میں تھام کر وعدہ لے رہی تھی۔ اسلان اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ محسوس کر سکتا تھا۔

"آجاؤں گا۔" ایک بار پھر وہی تین لفظی اقرار۔

"میں تمہیں ہر روز ایک گھنٹے کی کال کروں گی تم اٹھاؤ گے؟"

"میں اٹھاؤں گا۔"

"تم لکھنا نہیں چھوڑو گے، ہر رات تھوڑا تھوڑا ضرور لکھو گے۔"

"ضرور لکھوں گا۔"

"تمہارا سوشل سرکل صرف میں رہوں گی۔" ہاتھ پر گرفت تنگ کی، یہ تنبیہہ تھی۔ اسلان ہنس پڑا۔

"جو آپ کہیں۔"

"اگر میں کہوں نہ جاؤ تو؟" اب کے اسلان نے اپنی انگلیوں پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی محسوس کی۔

"نہیں جاؤں گا۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا، بنا پلکیں جھپکے، بغیر نگاہ ہٹائے۔ اعلان ایک آخری بار ہونے لگا اب اسلان نے اس کے سر سے ڈھلکتا دوپٹہ درست کیا، اور بکھرے بال کانوں کے پیچھے اڑسے۔ اور اسے دیکھا۔ نرمی اور توجہ سے۔

"میں نہ جاؤں؟" بنفشہ نے اس کا ہاتھ بلند کیا، چند پل وہ اسے دیکھتی رہی پھر ہولے سے، تشکر اور عقیدت سے اسے لبوں سے چھوا اسلان شجاع یمن اندر تک سرشار ہوا۔

"تم میرا پرائم ٹائم ہو، اسلان اور یاد رکھنا تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔" وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ یہ اشارہ تھا، اجازت تھی۔ اسلان نے اس کے سر کے پیچھے ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی پیشانی چومی۔

"فی امان اللہ!"

وہ محض سر ہلا گئی، دل بھاری سا ہوا مگر لبوں سے کچھ ادا ہوا۔ "فی امان اللہ!"

وہ چند پل اسے دیکھتا رہا اور پھر پلٹ گیا اسے پلٹنا پڑا، کچھ دیر مزید کھڑا رہتا تو یہ امر مشکل ہو جاتا۔ کپڑوں کے ایک بیگ کے ساتھ وہ جیب میں اس کا بھورا رومال بھی لیے جا رہا تھا، اس کے بالوں میں اٹکے خشک ہو چکے پھول اسلان یمن کی پسندیدہ کتاب میں تھے، اور اس نے اپنا ہاتھ آنکھوں کے آگے کیا... وہ اس کا لمس ساتھ لیے جا رہا تھا۔

اس کے عقب میں کھڑی، دھندلائی آنکھوں سے اسے تکتی عورت کے ہاتھوں میں اس کی چھوٹی سی دنیا تھی، کافی دیر تک اس کے حصار میں رہنے کے بعد اس کی خوشبو بھی اور ماتھے پر اس کا لمس بھی۔ وہ گھر جائے گی تو وہ ہر طرف ہو گا، ہر کہیں۔ وہ اسے ڈھیر سارا یاد کرے گی، اس کے لیے دعائیں کرے گی۔

دونوں کے دل بھاری تھے، مگر پر امید بھی قسمت نے ایک بار پہلے بھی انہیں ملایا تھا وہ آگے بھی ملانے والی تھی۔ تیقن ان دونوں کو جتوائے گا یہ انہیں یقین تھا۔

مگر دونوں کے درمیان بہت کچھ آئے گا وہ اس سے ناواقف تھے۔

★★★★★★★★★★

(وہ کوئی تاریک سا کمرہ تھا۔ طویل احاطے پر مشتمل اس کمرے میں ہر طرف جالے لٹک رہے تھے۔ سرخ بتیاں روشن تھیں اور آس پاس گلی سڑی ہڈیوں کی باس تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا۔۔۔۔۔کرسی پر رسیوں میں بندھے نقاہت زدہ شاہ ویر بنگش نے نگاہ اٹھا کر اس طرف دیکھا فریم کے درمیان ایستادہ وہ وہی تھا۔نور احمد۔۔۔۔۔اس کے ہاتھ پر لوہے کی زنجیر لپٹی تھی۔وہ چل کر شاہ ویر کی طرف آرہا تھا اور زنجیر کی آواز ساری خاموشی۔میں واحد ارتعاش تھی۔

اس کے پیچھے کئی اور لوگ بھی اندر داخل ہوئے ایک سکرین تک گیا، دوسرے نے کیمرے دیکھے، تیسرا کسی غیر شناسا زبان میں کچھ کہہ رہا تھا اور شاہ ویر بنگش بے دھم سا انہیں دیکھ رہا تھا۔اس کے جسم میں اب مزاحمت کی کوئی سکت نہیں تھی، اس کی زبان گویا بولنے کے ہنر سے ناآشنا۔

یہاں اس کمرے میں اس کی زندگی کا انت یقینی تھا۔اسے علم تھا۔)

یہ نکاح کی رات تھی۔"خوش ہو؟" پلنگ پر بیٹھی انارا طارون اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مستفسر تھی۔اسلان جو تھوڑی دیر قبل ہی بنفشہ کے گھر سے واپس آیا تھا اس کی طرف مڑا۔

"اس شادی سے؟" وہ الماری سے سادہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر نکال کر اس تک آیا۔

"کراچی جانے سے۔" وہ اسی موضوع پر آئی جس سے وہ شاید بچنا چاہ رہا تھا۔کندھے ڈھیلے چھوڑتے وہ اس کے سامنے آکر بیٹھا۔

"پہلے تحفظات تھے اب نہیں ہیں پہلے ناخوش تھا اب وہ بھی نہیں ہوں۔باقی خوشی اور غم کا نہیں پتا تمہیں کیا لگ رہا ہے؟"

"اچھی فیلنگ نہیں آرہیں، تمھیں یاد بھی کروں گی باقی دعائیں کروں گی۔" وہ جواباً اسے کچھ ہلکا پھلکا کہہ رہا تھا آرام سر ہلاتے ہوئے سن رہی تھی مگر اس کی تشفی نہ ہوئی، شاید ہو بھی نہیں سکتی تھی۔وہ چاہتی تھی اسلان یمن یہیں رہے، ایک عرصہ بعد وہ اکھٹے ہوئے تھے اب ایک بار پھر الگ ہونا تھا؟

(نور کی ایک ایک ضرب ایک ایک وار کے بعد اسے سب یاد آ رہا تھا۔ ہر وہ گناہ جو اس نے کیا تھا اور اسے نہیں کرنا چاہیے تھا، ہر وہ ظلم جو اس نے ڈھایا۔ ہر کراہ کے ساتھ اس کے دماغ میں وہ آوازیں گونجتی تھیں جو اس سے رحم کی درخواست کرتے کرتے تھم گئیں۔

وہ اسے چمڑے کے درے رسید کر رہا تھا، ویوز بڑھ رہے تھے..... اسے اسلان یمن کا استحصال شدہ جسم یاد آیا۔

کئی لوگوں نے مل کر اس کی گردن میں لوہے کی زنجیر کس کے کھینچی.... اسے پنار سکندر کا گلا دبانا یاد آیا۔

اب کی بار نور نے اسی زنجیر کو گرم کیا اور پھر اس کے جسم کے گرد باندھنے لگا۔ شاہ ویر رویا، چیخا، بلند آواز میں بھیک مانگی، اسے اپنا ماس جھلستا ہوا محسوس ہوا۔ تپش اس قدر کہ وہ زنجیر نوچ کر خود سے علیحدہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنا باپ یاد آیا، دلیپ، سلطان، ضارم یاد آئے۔ وہ اس پر ایک لمحے کے لیے بھی رحم نہیں کھا رہے تھے اور اسے رہ رہ کر شاہ زید بنگش یاد آیا۔

وہ جس نے ان گناہوں کی سزا پائی جو کبھی اس کے تھے ہی نہیں۔)

یہ سکردو کی ٹرپ تھی۔ "میں کراچی تک ساتھ چلتا ہوں تمہیں چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا۔" کاٹیج کے باورچی خانے میں سلیب سے ٹیک لگائے کھڑا عالمگیر اسلان سے کہہ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے فکر مند تھا۔

"اور آپ کیوں ساتھ آؤ گے؟؟" چمچ سے کافی پھینٹتے اس کے ہاتھوں میں تیزی آ گئی۔

"ماحول دیکھ کر آ جاؤں گا، سمجھ آیا تو ٹھیک ورنہ تمہیں اپنے ساتھ واپس لے آؤں گا۔"

اسلان نے چمچ اور کافی کا کپ وہیں رکھا اور اس کے سامنے آ کر رکا۔ "آپ نے میرے لیے پہلے ہی بہت کیا ہے اور جہاں میں جا رہا ہوں وہاں مجھے نوکری مل رہی ہے کوئی سزا نہیں میری فکریں چھوڑ دیں آپ۔"

عالم نے گہری سانس لی، اور اسلان کو دیکھا۔ "اب تم ایک آزاد زندگی گزارو گے کسی قسم کے فساد میں مت پڑنا، اور۔" وہ اسے تاکیدیں کرتا جارہا تھا اسلان سر ہلاتے ہوئے سب سن رہا تھا۔ عمل کس پر کرنا ہے یہ وہ خود طے کرے گا۔ وہ فساد میں پڑے گا یا نہیں یہ الگ بات تھی، وہ فساد اپنے ذہن میں اٹھا کر لے جارہا تھا یہ الگ بات ہے۔

(براہ راست اسٹریمنگ جاری تھی۔ لوگ پیسہ برسا رہے تھے، نور کو وہ مل رہا تھا جو اسے چاہیے تھا۔ سیاہ لباس میں ملبوس، چہرے پر مکھوٹا پہنے وہ سکرین کی طرف مڑا جہاں کامنٹس جاری تھے۔ وہ غیر دلچسپی سے ایک ایک کمنٹ پڑھے گیا۔

"اس کی انگلیاں کاٹو۔۔۔۔ اس کی آنکھوں نکال دو، گلے کی رگ کاٹ کر گرم سوئی سے سیو، اس کو ٹھنڈے پانی میں غوطہ لگواؤں۔" یہ سب پرانا ہو چکا تھا، یہ سب وہ کر چکا تھا نور احمد غیر دلچسپی سے تمام تبصرات پڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا جب وہ ایک پر آکر رکا، آنکھوں میں شیطانی چمک ابھری۔ وہ اب یہی تجربہ کرے گا۔ سکرین پر اگلی نگاہ شاہ ویر بنگش کی پڑی تھی اور وہ اندر تک سن رہ گیا۔

"اٹھو بنگش ابھی تمہاری سزا ختم ہونے میں وقت ہے۔" فرش پر گرا شاہ ویر بنگش ماضی کا ستارہ، خود کو امر گردانے والا، خدا کی موجودگی کو چیلنج کرتا ہوا شخص ایک ایک لمحے کو گن رہا تھا۔ کاش یہ اذیت جلد ختم ہو جائے، کاش وہ مر جائے اور سب ختم ہو جائے، کاش اگلا وار اتنا کاری ہو کہ اس کی سانسیں بند ہو جائیں۔

اس کے پاس کئی کاش تھے، کئی صدائیں مگر اس نے کسی کی سنی تھی جو آج اس کی صداؤں پر سنوائی ہوتی؟)

★★★★★★★★★★

("عمر حیات نام بتایا نا تم نے؟" بنفشہ کے سوال پر اسلان نے سر ہلا دیا۔ "سہراب کے دوست ہیں پھر تو تمہارے ساتھ یقیناً اچھا رویہ رکھیں گے جب وہ ایئر پورٹ پر تمہیں لینے آئیں تو مجھے کال کر کے بتا دینا میری تسلی ہو جائے گی۔")

وہ یہاں اس سڑک پر پچھلے آدھے گھنٹے سے کھڑا تھا، اس نے عمر کو فون ملایا تو بند آ رہا تھا تھک ہار اور کافی دیر انتظار کے بعد اس نے ایک آخری بار کال ملائی اب کہ کال مل گئی تھی۔ دوسری طرف سے ایک مصروف سا ہیلو آیا۔ اس کے آس پاس شور تھا۔ وہ شاید کسی بھیڑ والی جگہ پر تھا۔

"میں کراچی آ گیا ہوں۔" شور کے باعث وہ کچھ بلند آواز میں بولا۔ "اس وقت ایئر پورٹ پر ہوں۔"

"تو؟ سر پر بٹھاؤں تمہیں؟ آ گئے ہو تو وہاں کیا کر رہے ہو میرے دفتر پہنچو۔"

"چاچو نے کہا تھا آپ گاڑی بھیجیں گے؟"

"ساتھ میں شہنائی اور بگھی بھی بھیج دوں؟" وہ تلملا کر بولا۔ "پہنچو جلدی۔" کہہ کر وہ کال کاٹ گیا تھا اسلان نے حیرت سے سکرین کو تکا، پھر آس پاس دیکھا۔ لوگ ویسے ہی تھے، ماحول بھی وہی مگر لاہور کے مقابلے یہاں زندگی بھاگتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ بیگ کندھے پر درست کرتے آگے نکل آیا۔ اس کا میزبان اسے لینے نہیں آیا تو کیا ہوا اسلان یمن کو بھلا سہاروں کی کوئی ضرورت تھی کیا؟

چاچو کا دوست نہ ہوتا تو وہ دیکھ لیتا اسے۔

("مجھے یقین ہے وہ تمہیں زیادہ مشکل کام نہیں دیں گے انہوں نے کہا تھا نا وہ تمہیں لکھنے کا وقت بھی دیں گے؟"

"کہا تو تھا مگر پولیس والے بڑے ہی عہد خلاف ہوتے ہیں۔"

"ایویں، اتنے اچھے ہوتے ہیں میرے تو فیورٹ ہیں۔"

اسلان نے موبائل سے نگاہ اٹھا کر اسے گھورا۔ "اچھا؟"

"میرا مطلب ہے کہ وردی میں اچھے لگتے ہیں۔"

"اچھا؟" اس کی ابرو اٹھی۔

"یار مجھے سندھ پولیس کے افسروں کی وردی پسند ہے ایک انفلونسر بھی پولیس میں۔۔۔۔۔۔"

"اچھا؟" اس اچھا میں تنبیہہ تھی، کاٹ تھی۔

بنفشہ نے سرینڈر کرنے کے انداز میں ہاتھ اٹھا لیے۔ "فائن مجھے بس ایک بے روزگار، فکر معاش میں بھٹکتا چچا کا لڑکا اور میرا لینڈلارڈ پسند ہے۔ اب ٹھیک ہے؟"

اس نے نگاہیں سڑک پر جماتے مطمئن انداز میں نشست سے ٹیک لگالی۔ "ویری گڈ!")

وہ دونوں اس وقت جہاں موجود تھے وہ جگہ جنت تھی وہ جنت ہی ہو سکتی تھی۔ اسلان یمن مسکراتے ہوئے آس پاس کھیلتے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک سال کی عمر سے لے کر سات آٹھ سال کے بچے اور ان سے بڑے بچے سب یہیں تھے۔ وہ دونوں ہیون میں موجود تھے، بچوں سے اس کی محبت کا یہ عالم تھا کہ یہاں آکر وہ پل بھر کے لیے سب بھول گیا تھا۔ تا حد نگاہ پھیلی ہوئی گھاس پر بچے کھیلتے، اچھلتے کودتے نظر آرہے تھے۔ اس کا جی چاہا وہ سب کو اکھٹا گود میں اٹھا لے۔

"مجھے نہیں پتا تھا آپ مجھے یہاں رکھنا چاہتے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا ساتھ جھک کر ایک چھوٹے سے بچے کو اٹھا لیا جو کھکھلا رہا تھا۔ اسلان نے اس کی ناک پر پیار کیا۔ "یہاں کام کرنے کے لیے تو میں بنا تنخواہ کے رہنے کو تیار ہوں۔" وہ چھوٹے بچے کو کندھے سے لگا کر پیار کر رہا تھا۔

وردی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے عمر نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ بچوں سے اس کی کوفت خاصی پرانی تھی۔

”لوگ میری جانب سے خوش رہیں یہ میں خوابوں میں بھی ہونے نہیں دیتا حقیقت میں کیسے ہونے دوں؟ میرے ساتھ آؤ۔“

وہ اسے اشارہ کر کے آگے چلنے لگا اسلان نے گھاس پر رینگتی ایک اور بچی اٹھالی تھی۔ اب وہ دو بچوں کو اکھٹا اٹھائے چل رہا تھا کتنے پیارے پیارے بچے تھے۔ اس وقت اسے عمر کی زہر اگلتی زبان بھی بری نہیں لگ رہی تھی۔ دوسری منزل کی طرف جاتے زینوں پر عمر نے رک کر اس سے دونوں بچے لے کر آیا کے حوالے کیے اور تندہی سے اسے دیکھا۔

”بچے اتنے پسند ہیں تو تین چار پیدا کر لو، یہ میرے ہیں ان کو ہاتھ نہ لگاؤ۔“ صاف ظاہر تھا وہ جل رہا تھا۔

”آپ جل رہے ہیں کیونکہ دونوں بچے آسانی سے میرے پاس آگئے تھے۔“

”جلن وہ بھی تم سے؟ تم جیسے چار تو ہر روز اپنے سر کا صدقہ کر دیتا ہوں۔“

”خیال کیجئے کسی دن کوئی آپ کو صدقہ نہ کر جائے۔“

”حاسدوں کے منہ میں نیلا تھوتھا۔“ وہ شان بے نیازی سے بولا تھا۔ اسلان گڑبڑا گیا۔ یہ آدمی کس قدر اپنی محبت میں ڈوبا تھا؟

(”اگر تمہیں کوئی کام پسند نہ آئے تو سیدھا سیدھا انکار کر دینا۔“ وہ اسے نصیحت کر رہی تھی۔ ”آخر کو دوست ہیں اتنا تو سمجھ سکتے ہیں۔“)

اسلان بے یقینی سے اپنے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ پچاس سے لے کر ستر اسی کی عمر تک یہاں ہر قسم کے بوڑھے بزرگ موجود تھے جو لان میں بیٹھے دھوپ سینک رہے تھے۔ اس کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی اس

نے ترحم سے عمر کو دیکھا جو نگاہوں میں شیطانی چمک لیے اسی کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ ”اب کرو گے مفت میں کام؟"

”یہ میں نہیں کر سکتا میری اسکار کے ساتھ اس لیے نہیں بنتی تھی کیونکہ ہمارا ایج گیپ ہے پینتیس کے بعد انسان کے پرزے کام کرنا بند کر دیتے ہیں اور ان کو کچھ بھی سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں یہاں مر کر بھی کام نہیں کر سکتا۔“ وہ زور زور سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ عمر نے شانے اچکائے۔

”انتخاب تمہارے پاس تب تھا جب میں تمہارے شہر میں تھا اس وقت تمہارے پاس حکم ہے تم یہ کر رہے ہو اسلان کیونکہ تمہیں اپنے اندر صبر کا مادہ پیدا کرنا پڑے گا۔“

”آپ یہ سب جان بوجھ کر کر رہے ہیں نا؟“ وہ گویا روہانسا ہوا۔

”آبو یسلی میں تمہیں پوری طرح زچ کرنا چاہتا ہوں۔“

”مجھے بچوں کے ساتھ رکھ لیں پلیز۔“

”جیسا کہ میں نے کہا اگر بچے پسند ہیں تو تین چار اپنے پیدا کر لو میرے والے مفت کے نہیں۔“ اسلان بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا، کراچی آنے کے پہلے دو گھنٹوں کے اندر اندر اسے اندازہ ہو گیا تھا یہ اس کی زندگی کا سب سے صبر آزما فیصلہ ثابت ہونے والا ہے۔ عمر حیات اس امر کو یقینی بنانے والا تھا۔ وہ اس آدمی اور اس کی ڈھٹائی کا کیا کرے؟

(”اگر تمہیں کام زیادہ لگے تب بھی منع کر دینا کوئی ضرورت نہیں کسی کی زیادہ ماننے کی۔“

”اوکے بیگم۔“)

"تین گھنٹے ہیون اولڈ ایج ہوم میں، تین گھنٹے میری اپنی پڑھائی، چار گھنٹے آپ کا کام جس کی نوعیت میں فی الحال نہیں جانتا اور اب رات کے دو گھنٹے چوکیداری غور سے دیکھیں مجھے میں آپ کو مشین لگتا ہوں؟"

عمر نے محظوظ نظروں سے اسے دیکھا۔ "مجھے تو تم مرد لگتے ہو اور مرد اتنے سے کام سے تھکتے نہیں۔"

"آپ غیر فطری بات کر رہے ہیں یہ نہیں ہو سکتا میں آپ کا غلام نہیں ہوں۔" اسلان نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر تم واپس جا سکتے ہو۔ کل کی ٹکٹ کروا دیتا ہوں کیسا رہے گا؟"

"آپ نے اتنی دور سے مجھے اس لیے بلایا تھا تاکہ اس طرح واپس بھیج سکیں؟"

"جب میں تمہیں بلا رہا تھا تب تمہاری گردن میں سریا تھا اب لہجے میں سجا ہے میں اگر کل پیدا ہوا ہوتا تو یقین کر لیتا کہ تم میرے لیے آئے ہو لیکن۔۔۔۔۔" وہ اسلان کے قریب آ کر رکا اس کا کندھا تھپکا اور سرد نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم میرے لیے نہیں آئے، اسلان یمن۔ مقاصد لائے ہو تو پورے کرنے کے لیے جان مارنی پڑے گی۔ مفاد لائے ہو تو کچھ میرے بھی سننے پڑیں گے۔" اسلان نے لب بھینچ لیے کہا کچھ بھی نہیں۔

"آرام کرو رات میں ملتے ہیں دو مفاد پرستوں کی جوڑی ہے آرام سے مل بیٹھ کر بات سنیں گے۔" وہ اسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا اسلان شجاع یمن تیز ہواؤں کے بیچ تنہا رہ گیا گیا۔ اس نے سحر اب سے جھوٹ بول کر ٹھیک کیا؟ ایک یہی سوچ تھی جو اس کے اعضاء جامد کیے دیتی تھی۔

★★★★★★★★★★

لاہور کے کسی سنسان گوشے میں سیاہ رنگ کی لمبی گاڑی پوری رفتار کے ساتھ سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ ڈرائیور کی نگاہیں سڑک پر جمی تھیں اور اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا نوجوان ہر شے سے بے نیاز تھا۔ اس کی گود میں

تازہ خون لگا چاقو پڑا تھا۔ سفید رومال سے اپنی انگلیاں صاف کرتے ہوئے اس نے موبائل کندھے اور کان کے درمیان اٹکا رکھا تھا۔ ماتھے پر بل تھے۔ چہرے پر اب بھی خون کے قطرے باقی تھے۔

"کام ہو گیا ہے باس۔" اس نے اطلاع دی۔ "تقریباً آدھی رقم ہمیں مل گئی ہے بنگش کے کچھ آفشور اکاؤنٹس تھے جن میں کچھ رقم تھی اس کے علاوہ اس نے کچھ اور جگہیں بتائیں جہاں سے بہت کم لیکن پیسہ ملا ہے۔" خون آلود انگلیاں صاف کرتے اس نے ٹشو گاڑی کے پائیدان پر ڈال دیے جہاں پہلے ہی ایسے ٹشوز کا ڈھیر تھا۔ اب وہ گال اور ماتھے کا خون صاف کر رہا تھا۔ "لائیو اسٹریمنگ کا بہت فائدہ ہوا ہے سر کافی لوگ تھے جو اس کے خلاف تھے انہوں نے بھر بھر کر پیسہ دیا ہے۔ ابلیس کا زوال تھا آدھی دنیا نے دیکھا ہے۔"

"اس وقت کہاں ہے وہ؟" دوسری جانب سے کوئی کرخت آواز سنائی دی۔ وہ گویا اس انجام سے بے پرواہ تھا۔

نور نے مڑ کر اسے دیکھا پچھلی نشست پر انسانی ڈھانچے میں اسے محض خون نظر آیا۔ "یہیں میرے ساتھ ٹھکانے لگانے جا رہا ہوں۔" اس نے کہتے ساتھ آئینہ دیکھا جہاں اس کی ابرو کے عین اوپر خون کے تین دھبے تھے اف وہ کہاں کہاں سے خون صاف کرے؟۔ "اور کچھ، سر؟"

دوسری طرف کچھ دیر تک خاموشی رہی، چند پل بعد بے حد بھاری اور سنجیدہ آواز ابھری۔ "مجھے وہ لڑکا چاہیے، نور!" نور احمد کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔ رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں فق ہوئی۔ "وہ لڑکا جس نے بنگش کے ساتھ کھیل کھیلا مجھے وہ چاہیے۔"

"میں اسے کیسے لا سکتا ہوں سر وہ۔۔۔۔۔۔"

"وہ اس وقت کراچی میں ہے جو میرے اربوں غائب کر سکتا ہے وہ مجھے اربوں کما کر بھی دے سکتا ہے مجھے وہ چاہیے ہر صورت، تمہارے پاس آٹھ ماہ ہیں اور تمہارا وقت شروع ہوتا ہے آج، ابھی۔ اسے نہ لا سکو تو دوبارہ دبئی نہ آنا اور اپنے سارے بینک اکاؤنٹس کا پیسہ بھول جانا۔ وہ نہیں تو تمہارا کوئی کیریئر کوئی عیش و عشرت نہیں۔"

"سر ایک منٹ میری بات۔۔۔۔۔۔ سر۔۔۔ ہیلو۔۔۔ ہیلو۔" ٹوں ٹوں کی آواز کے ساتھ فون بند ہو گیا تھا نور نے غصے سے جمے ہوئے ہاتھ کا مکا گاڑی کے شیشے میں دے مارا۔ اسے یہاں اس زندگی سے نفرت تھی وہ واپس دبئی جانا چاہتا تھا اور اب یہ؟ اس کا دماغ بری طرح کھول کر رہ گیا۔

لعنت ہو، لعنت ہو، لعنت ہو۔

اس نے گاڑی رکوائی اور وہ طیش سے باہر نکلا دوسری طرف سے دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر پڑے کسی شخص کو باہر نکال کر کچرے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ اس کا چہرہ مسخ شدہ تھا، سر کے بال غائب، ہاتھوں کی پانچ انگلیاں غائب اور پیر پوری طرح سے مسلے ہوئے۔ اس کے جسم میں جگہ جگہ سے گوشت نوچا گیا تھا یا شاید ان حصوں کو بری طرح چیرا گیا تھا؟ کوئی اسے اس حالت میں دیکھ لیتا تو قے کر دیتا۔

اسے ڈھیر پر پھینکے نور زور زور سے بوٹ اس کے منہ پر مارتے گالیاں بک رہا تھا۔ وجود کے لبوں سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی وہ ختم تھا۔ محض سانس جاری تھی، جو بہت جلد رک جاتی۔

"سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے تمہارا لالچ اور تمہاری وجہ سے آج میں یہاں ہوں۔ تمہاری وجہ سے مجھے اب ایک اور سر پھرے کے پیچھے بھاگنا ہو گا، تم لعنتی انسان تم میری زندگی میں آئے کیوں؟" وہ چیخ رہا تھا، طیش سے بہت بری طرح اسے ٹھوکریں مار رہا تھا۔ اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی کچرے کے ڈھیر پر پڑا آخری سانسیں گنتا ہوا شاہ ویر طلال بنگش جو خود کو امر مانتا تھا اس وقت اگر اسے کچھ چاہیے تھا تو وہ موت تھی، صرف موت۔ آسمان پر ٹکی اس کی مسخ شدہ آنکھوں کی پلکیں جل کر غائب ہو چکی تھیں۔ بصیرت کا منظر دھندلا تھا، آج پہلی بار اسے کوئی کھیل نہیں کھیلنا تھا وہ سب ہار کر اس تکلیف سے نجات چاہتا تھا جو اسے اس وقت ہو رہی تھی۔

دنیا، پیسہ، لوگ، رشتے کوئی تھا جو اس کا زوال موڑ سکے؟ شاہ ویر طلال بنگش اپنی جنت سے بے دخل کیا گیا تھا۔

★★★★★★★

(اس نے موبائل میز کے کونے پر ٹکایا اور خود آگے آکر بیٹھی۔ اس کے چہرے پر طمانیت تھی ہیزل آنکھوں والا چہرہ بے داغ تھا۔ اس نے ویڈیو ریکارڈنگ چالو کی۔

"لمبے عرصے بعد میں ایک بار پھر کیمرہ دیکھ رہی ہوں یا شاید کیمرے "میں" دیکھ رہی ہوں۔ زیادہ لمبی بات نہیں کرنا چاہوں گی لیکن بس یہ کہنا تھا کہ کوئی اور ہاتھ آپ کو گرا نہیں سکتا گرنے والا آپ کا دماغ ہوتا ہے۔ میرا دماغ منفی سوچوں سے لڑا اور آج میں یہاں ہوں۔ کسی اعلیٰ مقام پر نہیں ہوں مگر راستے میں ہوں کسی ماں کا بے تربیت بیٹا میری زندگی نہیں بگاڑ پایا کیونکہ میں نے بگاڑنے نہیں دی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ انارا طارون خوش تھی۔)

اس کے کمرے کے ایک کونے میں پلنگ رکھا تھا میز پر پانی کا کولر اور دائیں طرف ایک الماری، مختصر سے اس سامان والے کمرے میں وہ اس وقت پلنگ کے کونے پر ٹکا ہوا آراہ سے میسجز پر بات کر رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اسلان نے اثبات میں جواب دیا۔ دروازہ کھلا اور ہلکی سی درز سے وہ نظر آیا۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی، اس وقت وہ سادہ شرٹ اور ٹراوزر میں ملبوس تھا۔ سیاہ آنکھوں میں کوئی تاثر تھا کہ اسلان موبائل پر لکھنا چھوڑ چکا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ، اسلان۔" عمر نے بھاری لہجے میں کہا۔ کوئی رعب سا تھا اس کے لہجے میں۔ اپنا فون جیب میں ڈالتے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور عمر کی تقلید میں چلنے لگا۔ کمرے کے باہر راہداریوں کے اونچے ستون پر سراری کا عندیہ دیے کھڑے تھے، اسلان اس سے قد کاٹھ میں ایک انچ لمبا اور خاصا چوڑا تھا۔ وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ چاند کی نقرئی روشنی ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد عمر نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا وہ دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا گیا تو بتیاں روشن ہوئیں اور ان کی روشنی میں اسلان نے دیکھا کہ دیوار گیر بورڈ پر کچھ تصاویر چسپاں تھیں۔ ایک نہیں دو نہیں، تین نہیں۔۔۔۔۔۔اور زندہ بھی نہیں۔ پوری پچاس لاشیں۔ خالی کمرے میں عمر حیات کی آواز گونجی۔

”ڈیڑھ سال قبل ایک رات مجھے خبر ملی کی نگار پرنٹنگ میں پچاس ملازمین نے بیک وقت خودکشی کرلی ہے۔ پچاس لاشیں، اسلان! تم پچاس لاشیں اپنے سامنے دیکھنے کا تصور کرسکتے ہو؟“ عمر حیات کی آواز کہیں دور سے آتی تھی۔

اسلان جواب دیے بنا چپ چاپ اس بورڈ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ پچاس لاشیں، جن کی گنجل کہانیاں نہ جانے کس سرے سے جا کر ملتی تھیں۔ پچاس انسان، مگر ان سے اس کا کیا تعلق؟ پر سرار اموات، ایک نیا کھیل، سفاکی کے نئے قصے۔ وہ دم سادھے بورڈ کو دیکھ رہا تھا۔

کہانی پھر سے شروع ہو رہی تھی کیا؟

(وہ تمام کتابیں سمیٹے کلاس کی طرف جا رہی تھی جب کوئی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ آراہ نے رک کر اسے دیکھا وہ بھی رک گیا تھا۔ اس کی آنکھیں اچھنبے سے اکٹھی ہوئیں، تو سامنے والی کی آنکھوں میں بھی یکساں تاثر ابھرا۔

”جی؟“ وہ الجھی۔

”میرا نام نور احمد ہے۔“

”تو؟“

”دراصل میں نے آپ کو انسٹاگرام پر دیکھا تھا۔“ کورین نظر آنے والا لڑکا شفاف اردو میں بولا۔ ”آپ نے کچھ طلباء کا ذکر کیا تھا جو فیس نہ ہونے کی وجہ سے اپنی پڑھائی جاری نہیں رکھ پا رہے مجھے ان کی تفصیلات چاہیے تھیں۔“

”میں نے سٹوڈنٹس کے ذاتی اکاؤنٹس مینشن کر دیے تھے آپ رابطہ کرسکتے ہیں۔“ اس کا لہجہ ہنوز لاتعلق اور دوٹوک تھا۔

”میں ان پر اعتبار نہیں کرتا۔“ وہ بے حد سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ”آپ پر کرتا ہوں۔“

"ایکسکیوز می؟" وہ چلتے چلتے رک گئی ابرو ناپسندیدگی سے اکٹھے ہوئے۔

"آپ اسی انسان کی وکٹم ہیں جو میری بہن کا قاتل ہے۔لیزہ شاہ ویر کی ایکس میری بہن تھی۔" جھوٹ۔ "آپ میرے لیے قابل اعتبار ہیں اگر مجھ پر یقین آجائے اور آپ کو لگے کہ وہ سٹوڈنٹس واقعی مدد کے حقدار ہیں تو مجھے میسج کر دیجئے گا۔ میں آپ کی مدد کے لیے موجود رہوں گا۔" نور احمد کہہ کر رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔انارا طارون اس کی پشت کو تکتی اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔کچھ تھا اس آدمی میں جو دف بجا بجا کر خطرے کی پیشگوئی کرتا تھا۔)

"جب میں وہاں پہنچا تو میں نے پچاس لاشیں دیکھی تھیں جن میں دس لوگ میرے جاننے والے تھے۔ پولیس پر دباؤ تھا، احتجاج ہو رہے تھے، ہمارا نام خراب ہو رہا تھا میں نے دن رات جاگ کر کام کیا اپنے تمام تر وسائل اور ذرائع لگا دیے مجھے اس انسان تک جانا تھا جو ان تمام اموات کے پیچھے تھا۔ مجھے لگا یہ کم تنخواہ کا قصہ ہو گا جس میں احتجاجاً اجتماعی خودکشیاں عمل میں آئیں لیکن۔۔۔۔۔۔"

"یہ ماس مرڈر تھا۔" اسلان نے ہلکی آواز میں اس کی بات کاٹی۔

عمر نے ڈھیر سارا تھوک نگلا، اور دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ ماس مرڈر تھا۔"

"میں تین ماہ کی محنت کے بعد ان کے اکاؤنٹس تک پہنچا تھا جہاں کروڑوں روپوں کی ترسیل ہوئی تھی۔ وہ پچاس لوگ جن لوگوں نے زندگی میں لاکھ روپیہ پورا نہیں دیکھا ان کے پاس کروڑوں کہاں سے آئے؟" اسلان شل سا اسے دیکھ رہا تھا جب عمر نے کچھ کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔ نام، رقم، ٹرانزیکشن ......ہر تفصیل موجود تھی، تمام نامہ اعمال کاغذات پر درج تھے۔ اسلان ساکت و صامت ان کاغذات کو دیکھ رہا تھا، عمر کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔

”جب میں یہ رپورٹس لے کر اپنے افسران تک پہنچا تب انہوں نے مجھے پیچھے ہٹ جانے کو کہا۔ میں نہیں مانا میرے تین ماہ کی محنت تھی کیسے جانے دیتا؟ مجھے معطل کیا گیا میں نے پھر بھی ہار نہیں مانی اور تب۔“ کہتے ہوئے اس کی آواز عجیب سی ہوگئی۔ ”انہوں نے میرے بیٹے پر حملہ کیا۔ اس کی سکول ٹرپ کی بس میں گھس کر اسے اٹھایا، چودہ گھنٹے اسے قید رکھا اور واپسی پر اسے ایک زخم دیا۔“ عمر نے ایک تصویر اسلان کی طرف بڑھائی جس میں ایک چھوٹے سے بچے کے پیٹ کے قریب چاقو کا زخم تھا۔ اسلان کے دل کو کچھ ہوا۔ کم از کم بچوں کو ایسے معاملات سے دور رکھنا چاہیے۔

”میری بیوی اور میری بیٹی کے متعلق نازیبا باتیں کی گئیں اور میں پیچھے ہٹ گیا۔“ اسلان نے خالی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کیا وہ واقعی پیچھے ہٹا تھا؟

”یہ پورا نیٹ ورک ہے، اسلان پورا ڈیجیٹل نیٹ ورک تم مجھے پیسہ ٹریک کر کے دو گے کیونکہ تم کر سکتے ہو۔ میں مالکین تک پہنچنا چاہتا ہوں۔“

”یہ آپ کا کیس نہیں رہا، پھر کیوں؟ یہ ڈیجیٹل منی اسکیم ہے یہ سب آپ کی جاب ڈسکرپشن کا حصہ نہیں۔“

”اپنی جاب میں خود طے کرتا ہوں۔ اپنے کیریئر میں میں نے کوئی کیس ادھورا نہیں چھوڑا میں اسے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ جن لوگوں کو لگتا ہے وہ عمر حیات کو ہٹا سکتے ہیں میں انہیں بتانا چاہتا ہوں انہیں غلط لگتا ہے۔“

”وجہ یہ نہیں ہے عمر آپ مجھے اصل وجہ بتائیں۔“

عمر اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی تک گیا۔ بہت دیر بعد اسلان نے اسے کہتے سنا۔ ”میری بیوی کو ہراساں کیا جانا میری بیٹی کے متعلق نازیبا دھمکیاں بھیجنا اور میرے۔“ اس نے انگشت شہادت سے سینے پر دستک دی، کوئی سختی کوئی کروفر تھا اس کی آنکھوں میں۔ ”عمر حیات کے بیٹے پر ہاتھ ڈالنا میں بخش نہیں سکتا۔ وہ جو کوئی بھی ہے میں اس سے

اپنے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لوں گا۔" یہ اس کا مقصد تھا، اس کا اصل مقصد۔ اس کا بیٹا، اس کا خون۔ کوئی عمر حیات کی اولاد پر ہاتھ ڈال کر آزاد نہیں گھوم سکتا تھا وہ انہیں بتائے گا۔

"اس کام میں خطرہ ہے آپ جانتے ہیں میرے پیچھے میری بہن ہے، بیوی ہے ایک پورا خاندان ہے میں آپ کی مدد کیوں کروں گا؟"

"کیونکہ جو کام تم مجھ سے کہنے آئے ہو خطرہ اس میں بھی ہو گا لیکن تم جانتے ہو میں تمہیں انکار نہیں کروں گا۔" اب کے عمر اس کی طرف مڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مفاد ہلکورے لے رہا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا کہ میں یہاں کچھ کہنے آیا ہوں؟"

اس کے لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے، گال کا دونوں گڑھے ابھر کر واضح ہوئے۔ "عمر کو سب پتا ہوتا ہے۔"

(وہ کسی سیمینار کا حصہ تھی جہاں آس پاس کئی عورتیں اور مرد موجود تھے گھسی پٹی تقریر سن کر وہ باہر آ گئی تھی۔ جوس کا گلاس ہاتھوں میں لیے وہ کوئی کال ملا رہی تھی جب کوئی اس کے عقب میں آ کر رکا۔ وہی مدھم سی خوشبو، بنا شور کی چاپ۔

"وہ سٹوڈنٹس اب کیسے ہیں؟" اس آواز پر وہ کرنٹ کھا کر مڑی۔ وہی دبلا پتلا نوجوان نگاہوں میں سابقہ سنجیدگی لیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ سرمئی سوٹ میں دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں عام سی تھیں، مگر وہ عام نہیں تھیں۔

"مجھے اچھا لگا جب آپ نے مجھے میسج کیا، میں نے مدد کی اور میرا دل ہلکا ہوا۔" اس نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر آراہ کی طرف بڑھایا۔ "دوبارہ کبھی پیسوں کی یا کسی قسم کی مدد چاہیے ہو تو آپ کی این جی او میرے مینیجر کو میسج کر سکتی ہے۔"

"اگر آپ کے پاس بہت زیادہ پیسہ ہے تو مجھے یقین ہے اڑانے کے لیے جگہیں بھی بہت ہوں گی دوبارہ آپ میرے قریب نظر آئے تو پولیس میں رپورٹ کرواؤں گی اور میرے انسٹا نے آپ کو یہ بھی بتایا ہو گا کہ میں اس معاملے میں کتنی اچھی ہوں۔" وہ اسے آن لائن بلاک اور رپورٹ کر چکی تھی۔

"لیکن میں تو صرف مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"اپنی مدد مسکینوں کے لیے سنبھال کر رکھیں دوبارہ میرے سامنے مت آیئے گا۔" وہ بغیر جواب دیے تن فن کرتی وہاں سے ہٹ گئی۔ مگر نور جانتا تھا وہ اس کے پاس واپس آئے گی اور وہ اسے زینے کی طرح استعمال کرے گا وہ وقت اب دور بالکل بھی نہیں تھا۔ مسکراتے ہوئے اسے دور جاتے دیکھ اس کے دل میں نجانے کیوں تیسری ملاقات کی خواہش جاگی تھی۔وہ دیکھنا چاہتا تھا ایسا بھی کیا ہے اس معمولی چہرے میں جس نے شاہ ویر بنگش کو زیر کر دیا۔)

سمندر کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ سورج قضا ہو رہا تھا۔وہ دونوں پلاسٹک کی کرسیاں ڈالے ساتھ بیٹھے تھے۔ پانی ان کے پیروں کو چھو کر پلٹ رہا تھا نارنجی کرنیں وداع کہہ رہی تھیں۔ عمر وہ تصویر دیکھ رہا تھا جو اسلان نے اسے موبائل پر دکھائی تھی۔

"ایلکس جانسن ؟" اس نے زیر لب وہ نام پڑھا۔ "یہ تمہیں کیوں چاہیے جہاں تک میری اطلاعات ہیں یہ ہر قسم کا غیر قانونی کام کرتا ہے اور پاکستان کا ہر دوسرا امیر اپنے الیگل پیسوں کے لیے اسے چاہتا ہے۔ تم نہ تو غیر قانونی ہو، نا تمہارے پاس اندھا پیسہ ہے پھر یہ کیوں ؟" اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"اٹس پرسنل!"

"اور لوگوں کے ذاتیات میں گھسنا میرا پسندیدہ مشغلہ۔" وہ اپنی بات سے ہلا تک نہیں تھا۔

”میرے ماضی کے کچھ حساب باقی ہیں میں اس سے انتقام چاہتا ہوں۔“اس نے مبہم انداز میں کہا۔وہ عمر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔”مجھے یہ آدمی چاہیے اور میں اس کے ساتھ جو بھی کروں گا آپ اسے کور کریں گے۔“

عمر نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔”انتقام تمہیں کھوکھلا کر دے گا۔اس کے پیچھے مت جاؤ۔تم نے شادی کر لی ہے موو آن کرو اور اپنی زندگی بناؤ۔“

”جب آپ نے ہیون بچانے کی جنگ لڑی تھی تب کئی لوگوں نے آپ سے یہی کہا ہو گا کیا آپ نے کسی کی سنی؟“

”اسلان میں۔“

”اگر آپ کو منظور نہیں تو مجھے بھی آپ کی شرط نہیں منظور۔“وہ دوٹوک انداز میں کہتے اٹھ کھڑا ہوا،ابھی وہ آگے بڑھتا کہ عمر نے اسے پکارا۔لہروں کے شور میں بھی اس کی آواز واضح تھی۔

”میرا کام صرف تنبیہہ تھا، تباہی تمہارا چناؤ ہے تو وہی سہی۔مجھے منظور ہے۔“ وہ اٹھا اور مصافحے کا ہاتھ بڑھایا۔اسلان یمن نے چند پل کے تذبذب کے بعد اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔اس وقت وہ دونوں ایک دوسرے کی تباہی تھے......کاہن کو چاہیے تھا ان کے پٹارے ان پر کھول کر واضح کرے۔

★★★★★★★

کرائم بورڈ بدل چکا تھا مگر زندگی نہیں اور زندگی صرف موت کی صورت بدلتی ہے اس کے "چلتے" رہنے تک کوئی ٹھہراؤ نہیں آتا، کوئی خاموشی نہیں ہوتی۔کوئی کہانی ختم نہیں ہوتی۔

سہراب یمن اپنے آفس میں بیٹھا ایک نیا کیس پڑھ رہا تھا۔اس کی مصروفیات بدل گئی تھیں، زندگی بدل گئی تھی اور یہ کیس شاید اسے بھی بدل دیتا۔یہ تین افسروں سے رد ہو کر آیا کیس تھا ساتھ اس کے موبائل پر کوئی پیغام چمکا۔”اسفند کے قتل میں میں نے تمہاری معاونت کی،اب تمہاری باری۔“سہراب یمن بہت دیر تک کوئی جواب نہیں لکھ سکا۔

عالمگیر یمن سادات فرم میں موجود تھا جب اس کے لیے ایک نیا موکل لایا گیا۔جواہر صاحب متذبذب تھے۔انہیں لگا تھا عالم یہ مقدمہ نہیں لے گا۔

”دیکھو عالم اگر تمہیں کوئی مسئلہ ہے تو بس انکار کر دینا مجھے بُرا نہیں لگے گا۔“جب موکل کو اس کے سامنے لایا گیا تو کانفرنس روم کے کئی چہروں پر ناگواری ابھری، کئی نگاہیں پھیر گئے۔ان سب میں سے ایک عالمگیر تھا جو اٹھا،اس سے ہاتھ ملایا اور اسے کرسی پیش کی۔وہی عزت جو یہاں آنے والے ہر کلائنٹ کو ملتی تھی۔

”ناں کہہ دو عالم اب ہم ان لوگوں کو۔۔۔۔۔۔“

”انسانوں کے مقدمے لڑتا ہوں اور میری آخری اطلاعات تک یہ انسان ہیں۔“اس نے نوادر کے ہاتھ سے بڑھی ہوئی فائل لی وہ ایک خنثی کا کیس لڑنے کو تیار تھا اور اس میں حرج ہی کیا تھا؟

کچرے کے ڈھیر پر پڑے اس وجود سے تعفن اٹھ رہا تھا۔اس کا خون بہہ بہہ کر وہیں جم گیا تھا، مکھیاں کھلے زخموں پر بھنبھنا رہی تھیں اور سانس آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔اندازہ تھا کہ اس کے مرنے میں اب بھی دو سے ڈھائی گھنٹے باقی ہیں۔آسمان کو تکتے شاہ ویر بنگش جو موت مر رہا تھا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔

”بات ہو سکتی ہے؟“کورٹ کی راہداریوں میں چلتے ہوئے اس نے اسلان کو پیغام لکھا۔

کراچی میں بیٹھے مرد نے گہری سانس لی اسے عمر کے دیے ہوئے کاغذات پڑھنے تھے،اسے سراچاہیے تھا اس کا وقت شروع ہو چکا تھا مگر وہ اس سے تین لفظ کہنے کا پابند تھا تین مثبت لفظ۔”ہو سکتی ہے۔“

اس کے آس پاس شراب کی ڈھیروں بوتلیں جمع تھیں، جس میز کے گرد کرسی رکھے ہوئے وہ بیٹھا تھا وہاں سفید پاؤڈر پھیلا تھا۔اس کی سرخ پڑتی آنکھیں بتا رہی تھیں وہ اس میں سے کتنا استعمال کر چکا ہے۔اس کا حلق جل رہا تھا مگر وہ مزید پینا چاہتا تھا۔

”ایک لڑکا ہی ہے نور ڈھونڈ کر دے دیتے ہیں۔“اس کے دوست نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”وہ لڑکا دس کے برابر ہے۔ اس کے آنے کے بعد تمہاری میری کوئی جگہ نہیں رہے گی اور ہمیں نکال کر مروا دیا جائے گا۔ وہ باس کے پاس نہیں جا سکتا میں اسے جانے ہی نہیں دے سکتا۔“

”کیا تم اسے نہیں لے کر جاؤ گے؟“

”وہ جائے گا لیکن لاش کی صورت میں اسے مار دوں گا۔“ اس کی انگلیاں کسی شخص کو پیغام لکھ رہی تھیں وہ جس کی تلاش عمر حیات کو تھی، وہ جس کے لیے اسلان یمن کی نیندیں حرام تھیں اور وہ جس کے اسلان کی طرف بھی کئی حساب نکلتے تھے۔

عمر حیات جس انسان کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر آیا تھا وہ اپنے عقب میں کوہ کاف کی تمام بلائیں لایا تھا۔ جو یک بہ یک ہر طرف پھیل گئیں۔ کہانی اب نئے شر کے نام، ہر مہرہ اپنی جگہ پر ترتیب شدہ، اب محض نئی چال کا انتظار اور اسے شروع کرنے والا کون ہو گا؟

★★★★★★★★

اب نہیں ہے کوئی بات خطرے کی کی

اب سبھی کو سبھی سے خطرہ ہے

تمت بالخیر

حرفِ آخر!

اب تک آپ اس کہانی میں کئی ہارٹ بریکس سے گزر آئے ہوں گے۔ اختتام تک آتے آتے شاید آپ کا دل بھاری ہو، شاید آپ اس کتاب کو دوبارہ نہ پڑھنا چاہیں میں یقین سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی سوائے اس کے کہ آپ کی سوچ تبدیل نہ سہی نئی سمت مڑی ضرور ہو گی۔ اور اگر ایسا نہیں ہوا تو آپ کو بیٹھ کر سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا معاشرے کا قدغن آپ کو بھی کھا رہا ہے؟

جنسی زیادتی ۔۔۔۔۔۔۔ ایک ایسا موضوع جس پر ہزاروں لکھاریوں نے قلم اٹھایا ہے بشمول میرے ۔۔۔۔ لیکن یہ موضوع ختم نہیں ہو رہا، یہ گند بڑھتا ہی جا رہا ہے کیونکہ ہم اس پر بات کر کے بیٹھ جاتے ہیں ہم نے کبھی اس کی روک تھام کے لیے کچھ نہیں کیا۔ ہمارے نزدیک ہی وکٹم بلیمرز ہوتے ہیں اور ہم ان کی سوچ کو difference of opinion کا نام دیتے ہیں بھرم، بقا، باطل پڑھنے کے بعد آپ کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو کال آؤٹ کریں۔ اپنے ارد گرد کسی شاہ ویر بنگش کو پروان نہ چڑھنے دیں اور کسی اسلان یمن کی حق تلفی نہ ہونے دیں۔ زیادتی کی خبر پڑھ کر چپ رہنا اپنے سوشل میڈیا یا کسی اور پلیٹ فارم پر اس کے متعلق بات نہ کرنا اب بند کرنا ہو گا، اس موضوع پر بات کرنے کو شرم اور غیرت سے جوڑنے کی بجائے جرم سمجھتے ہوئے اس پر چرچا کرنا لازمی ہے ورنہ ہر گلی میں ایک اسلان یمن گھٹ کر مرے گا اور ہمیں خبر ہی نہیں ہو گی یا شاید ہم اس کی موت کے ذمہ دار ہوں گے؟

کچھ کردار ایسے ہوتے ہیں جنہیں آپ نے مختلف سوچوں کے ساتھ لکھا ہوتا ہے مگر آخر تک وہ آپ پر ایک بہت ہی مختلف تاثر چھوڑ جاتے ہیں۔ اسلان یمن میرے لیے وہی کردار تھا، میرا پسندیدہ کردار۔

وہ صابر بھی تھا اور مزاحمت بھی کرتا تھا۔ مجھے معاشرے کے سٹینڈرڈ کے مطابق ہیروز لکھنے نہیں آتے، شاید اس لیے میں اسلان جیسے کرداروں کو ہیرو کہتی ہوں۔ میرے ذاتی اندازے کے مطابق پاکستان میں ہر دس میں سے آٹھ بچے اپنی مرضی کے بغیر چھوئے جاتے ہیں، ان کی کوئی جنس نہیں ہوتی ہاں مگر ان کی زبان ہوتی ہے جو ہم کاٹ دیتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ کہہ کر کہ لوگ کیا کہیں گے اور بعض دفعہ یہ کہہ کر کہ ایسا نہیں ہے تمہیں غلط لگا ہو گا۔ چپ رہو۔

رش، بازار اور بعض دفعہ اپنے گھر۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاں اپنے گھر اپنے سگے تعلقات کے ساتھ آپ کے بچے محفوظ نہیں ہوتے اور آپ دیکھ ہی نہیں پائے ہوتے۔ اپنی مرضی کے بغیر چھوئے جانا اور جنسی زیادتی وہ تکلیف ہے جو ساری زندگی انسان کے خون کی روانی کی طرح اس کے جسم میں دوڑتی رہتی ہے اور وہ چپ رہتا ہے اس کہانی کو پڑھنے کے بعد مجھے یقین ہے اگر آپ کو کوئی اپنی تکلیف سنائے گا تو آپ شرم اور حیا کے تقاضے کے تحت اس کا منہ بند نہیں کریں گے اور اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ بالکل ویسا ہو گا جیسے ایڈنبرگ کے اس سانحے کے بعد آپ نے اسلان یمن کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی آوازوں کا گلا گھونٹ دیا ہو مجھے امید ہے کوئی ایسا نہیں کرے گا۔

اس کہانی کو پڑھنے کے بعد ہر وہ انسان جس کے ساتھ اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آیا میں چاہوں گی آپ اپنے خوابوں کو بے آسرا نہ کریں، آپ بے حد قیمتی ہیں، آپ کے خواب، آپ کا جسم، آپ کی سوچ اور آپ کا کردار اب بھی خوبصورت ہے اپنی زندگی کے ہیرو بنیں اور پائنٹ زیرو سے شروع کریں ویسے جیسے اسلان یمن نے کیا تھا۔ کیا یہ مانگنا کچھ زیادہ ہے؟

خواجہ سرا، انٹر سیکس، بیچ والے، ہیجڑے اور نہ جانے کیا کیا ہم نے انہیں نام کئی دیے مگر شناخت مسخ کر دی۔ کوئی انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی جانوروں سے بدتر زندگی کیوں اور کیسے گزار سکتا ہے؟ اس لیے کیونکہ انسان اندھے ہوگئے ہیں نفسانفسی کے اس دور میں ہم نے آنکھیں بند کر لی ہیں لیکن اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مجھے امید ہے آپ کا نظریہ بدلے گا اور اگلی بار جب یہ لوگ آپ کو سڑک پر نظر آئیں گے تب آپ انہیں مختلف نظر سے دیکھیں گے۔ آپ انہیں عزت دیں گے اور انہیں خود سے الگ نہیں سمجھیں گے۔ میں ان کی زندگی اور اس میں آنے والی مشکلات پر ایک مکمل کتاب لکھ سکتی ہوں لیکن یہ بہت تکلیف دہ تھا" dilemma "میں نے بہت مشکل سے لکھا ہے میری آنکھیں نم رہیں اور دل میں عجیب سی گھٹن ہوتی رہی۔ میں محض یہ سوچتی رہی کہ اگر آپ اور میں ان کی طرح پیدا ہوتے تو کیا یہی زندگی ہمارا مقدر بھی ہوتی؟ والدین کی قطع تعلقی، معاشرے کی تضحیک، دباؤ اور ذلت سے بھری ایک زندگی؟

مجھے امید ہے اگلی بار جب آپ ان سے ملیں، انہیں دیکھیں یا ان پر ہوتے ظلم کی داستان سنیں تو آپ اسی طرح آواز بلند کریں جیسے آپ کسی اور مرد یا عورت کے لیے کرتے کیا یہ مانگنا کچھ زیادہ ہے؟

فیمنزم۔۔۔۔۔۔ اس وقت جب آپ بھرم، بقا، باطل؟ مکمل کر چکے ہیں تو آپ کو سمجھ آچکی ہو گی کہ نہ میں عورتوں کے حقوق کے خلاف ہوں نہ مجھے فیمنزم سے کوئی چڑ ہے ہاں مگر مجھے اس تحریک سے اختلاف ہے ہر صحت مند ذہن کی طرح میرا ذہن بھی یہ ماننے پر راضی نہیں کہ وہ تحریک جس کے چند نکات میرے دین کے اصولوں کے خلاف ہیں میں اسے اپنا سکتی ہوں۔ آج کی سوچ کل کا رواج اور پرسوں کی روایت بنتی ہے۔ اگر آج آپ اس تحریک کے سپورٹر ہیں مگر کچھ نکات سے انکاری تو کل

کے بچے یہ تکلف بھی نہیں کریں گے آپ کی اولاد اسے نارمل مانے گی اور میرے نزدیک یہ آپ کی دی ہوئی بے راہ روی ہوگی۔ نیز یہ کہ فیمنزم جن حقوق کی پرچار کرتا ہے وہی حقوق چودہ سو سال قبل سے ہمارے پاس ہیں اور اگر آپ کو لگتا ہے یہ حقوق مل نہیں ہو رہے تو یہ کام فیمنزم بھی نہیں کر سکتا۔

لہٰذا دین کی رسی تھامیں، اپنے حق جانیں اور اس قدامت پسند معاشرے سے اپنے حق چھینیں ہاں مگر فیمینسٹ بن کر نہیں ایک مسلمان عورت بن کر، کیا یہ مانگنا زیادہ ہے؟

مجھے اس ناول میں سب سے زیادہ تکلیف اسلان یمن کے لیے ہوئی ہے اس کے کچھ سینز لکھتے وقت میں باقاعدہ numb رہی ہوں۔ سہراب اور اسلان کے ہر سین نے مجھے رلایا ہے کیونکہ میں ان کے دلوں کی محبت سے واقف تھی یہ میرے کردار تھے اور میں جانتی تھی ایک دوسرے کے لیے یہ دونوں کیا معنی رکھتے ہیں۔ جو کچھ اسلان کے ساتھ ہوا اس کے بعد بھی اپنے لیے کھڑے ہونا، لڑنا اور لڑ کر جیت جانا ہمت کے فیصلے ہیں اس کردار کے زریعے میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ زندگی بعض دفعہ تلخ ہو جاتی ہے آپ نے لڑنا ہے جیت اہم نہیں لڑائی ہے۔

شاہ زید بنگش۔۔۔۔۔۔اس کہانی کا کولیٹرول ڈیمج۔ شاہ ویر کی جگہ شاہ زید کا قتل ہونا وہ دھکا تھا جس نے مجھ سے یہ کہانی لکھوائی ورنہ شاید مجھے اس کہانی کو لکھنے کے لیے مزید چند برس لگ جاتے۔ اس نے اپنے بچپن میں شاہ ویر کو معاف کیا، جوانی میں اس کا ساتھ دیا مگر یہ کوئی جسٹیفکیشن نہیں ہے جو کچھ شاہ ویر نے اس کے ساتھ کیا وہ ناقابلِ معافی ظلم تھا۔ شاہ زید ایک خوش حال زندگی کا حقدار تھا۔۔۔۔۔ایسا مجھے لگتا ہے۔

جوہر فور زیرو۔۔۔۔حالیہ وقتوں میں کچھ اکیلی عورتوں کی اموات کو ان کی بے حیائی اور لباس کی سزا قرار دیا گیا جسے دیکھ اور سن کر میں حیران تھی۔آپ کو ایک سین یاد ہو گا جس میں عالم کا سیل میٹ راہب جوہر فور زیرو کی وکٹمز کو گالیاں دیتا ہے میرا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ اس ملک کے مرد جیل میں بیٹھ کر نشے کرتے ہوئے بھی سادھ مانے جاتے ہیں اور عورت چاہے مسجد میں مر گئی ہو سوال اس کے لباس اور حیا کا ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کی سوچ کو خود پر حاوی ہونے مت دیں چاہے ایک عورت جتنی گنہگار ہو اس کے ساتھ ہوئی زیادتی کو اس کے حلیے یا اس کی چوائسز کے ساتھ نہ جوڑا جائے کیا یہ مانگنا کچھ زیادہ ہے؟

میں جانتی ہوں یہ کہانی سادہ اور وقت گزاری کے لیے نہیں تھی اس میں تلخ حقیقت تھی معاشرے کے وہ پہلو تھے جن پر بات کرنے سے ہم کتراتے ہیں اور یہی میں لکھنا چاہتی تھی۔جو بھی کام آپ کرتے ہیں اس کے زریعے آپ کو مزاحمت کرتے رہنی چاہیے میری لکھائی معاشرے کے بوسیدہ اقداروں کے خلاف میری بغاوت ہے اور جب تک میں لکھوں گی، ایسا ہی لکھوں گی۔

بھرم، بقا، باطل؟ کا سفر آج تمام ہوا شاید یہ کتاب آپ کو پسند آئے شاید نہ آئے مگر جو اسباق میں نے لکھے ہیں میں چاہوں گی آپ انہیں رٹ لیں۔ ظلم کے خلاف بولیں اور patriarchy کو محض عورت کے کندھے سے ہٹانے کی بجائے اس کی جڑ ہی ختم کر دیں جو کسی مرد پر بلاوجہ کا بوجھ ڈالتی ہے، جو انارا طارون جیسی لڑکیوں کو ان کی غلطی کی سزا دینے کے لیے اس کے گھر کے باہر جمع ہوتی ہے۔اس پر ہوئے ظلم کو اس کے ماضی کے تعلق کے ساتھ جوڑتی ہے۔وہ جو اسفندیار انصاری کی اصل جسامت اور

ذہنیت قبول نہیں کرتی۔ اور وہ جو عالمگیر یمن پر محض مرد ہونے کی بنیاد پر الزام دھرتی ہے۔ ان سب کے خلاف بولنا، محض آواز اٹھانا اگر میں آپ سے اتنا مانگ رہی ہوں تو کیا زیادہ مانگ رہی ہوں؟

اپنے چار سالہ رائٹنگ کیریئر میں، میں نے ہمیشہ اوپن اینڈ نگز لکھی ہیں اور کبھی بھول کر بھی حصہ دوئم لکھنے کا نہیں سوچا لیکن آپ سب کے لیے ایک اطلاع ہے کہ بھرم، بقا، باطل کا حصہ دوئم مستقبل قریب میں لکھا جائے گا۔ جس کے مرکزی کردار اسلان یمن، عمر حیات، سہراب یمن اور نور احمد ہوں گے۔ لعل یمن کے باقی افراد سے شاید آپ کی ملاقات نہ ہو سکے (شاید)۔ حصہ دوئم کب آئے گا یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ کوئی حتمی تاریخ نہیں، اور نہ کوئی وعدہ ہاں امید آپ رکھ سکتے ہیں۔ آخر میں آپ سب سے دعاؤں کی گزارش۔

مہرالنساء شاہ میر

بلوچستان پاکستان